محمود الفتاویٰ

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

سابق صدر مفتی و حال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

ترتیب

مفتی عبد القیوم راجکوٹی

مکتبۂ محمودیہ

محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

محمود الفتاویٰ (مبوب)

بقیۃ کتاب الحظر والاباحۃ، کتاب السیاسۃ
متفرقات، کتاب الفرائض

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم
(سابق صدر مفتی، حال شیخ الحدیث: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل)

مرتب: مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی

ناشر
مکتبہ محمودیہ، محمود نگر، ڈابھیل، گجرات

فہرستِ مقدمہ

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۱	گرامی نامہ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم	۲۵
۲	تقریظ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم	۲۶
۳	تقریظ حضرت مولانا سید مصلح الدین احمد صاحب بڑودوی دامت برکاتہم	۲۸
۴	تقریظ حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم	۳۵
۵	گرامی نامہ حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب بھڑکودرویؒ	۳۶
۶	جدید طباعت کے متعلق	۳۹
۷	مقدمہ از مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی مدظلہ	۴۱
	صاحبِ فتاویٰ کے حالات زندگی	
۸	باب اول: حالات وکوائف	۴۹
۹	ولادت	۴۹
۱۰	حضرت مفتی صاحب کا خاندان	۴۹
۱۱	والدین گرامی قدر	۵۰
۱۲	والد ماجد کا انداز تربیت	۵۰
۱۳	ناجائز چپل، جوتے پہننے میں احتیاط	۵۱
۱۴	رات بھر گھر کے چوکھٹ میں	۵۲
۱۵	والد کا سفر حج اور اولاد کے حق میں دعا	۵۲

۱۶	والد صاحب کا انتقال	۵۴
۱۷	والدہ صاحبہؒ کا انتقال	۵۴
۱۸	ابتدائی دینی تعلیم	۵۵
۱۹	ابتدائی عصری تعلیم	۵۵
۲۰	والد صاحب کا فیصلہ	۵۶
۲۱	دارالعلوم اشرفیہ کا انتخاب	۵۷
۲۲	دارالعلوم اشرفیہ میں	۵۹
۲۳	مختلف درجات میں حاصل کردہ نمبرات	۶۰
۲۴	درجۂ فارسی اول کے نمبرات	۶۰
۲۵	درجۂ فارسی دوم کے نمبرات	۶۲
۲۶	درجۂ عربی اول کے نمبرات	۶۳
۲۷	درجۂ عربی دوم کے نمبرات	۶۴
۲۸	درجۂ عربی سوم کے نمبرات	۶۵
۲۹	درجۂ عربی چہارم کے نمبرات	۶۶
۳۰	درجۂ عربی پنجم کے نمبرات	۶۶
۳۱	درجۂ عربی ششم کے نمبرات	۶۷
۳۲	امتحان سالانہ درجۂ عربی ہفتم کے نمبرات	۶۸
۳۳	زمانۂ طالب علمی کے اوصاف	۶۹

۳۴	حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب بہ زمانۂ طالبِ علمی اپنے اساتذہ کی نظر میں	۷۰
۳۵	استاذ محترم مولانا مصلح الدین صاحب مدظلہ کی تحریر	۷۰
۳۶	مولانا یوسف صاحب بوڈھانیہ (کینیڈا)	۷۶
۳۷	دارالعلوم اشرفیہ کے اساتذہ	۷۸
۳۸	دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ	۷۸
۳۹	مولانا سید محی الدین قاضی	۸۰
۴۰	حضرت مولانا سید مصلح الدین صاحب دامت برکاتہم	۸۱
۴۱	مولانا حکیم ابوالشفاء حبیب الرحمن صدیقی بلیاویؒ	۸۲
۴۲	حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب پالن پوریؒ	۸۵
۴۳	حضرت مولانا آدم صاحب پالن پوریؒ	۸۶
۴۴	مفتی عبدالغنی صاحب کاوی	۸۸
۴۵	حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم	۹۱
۴۶	برکتِ گجرات حضرت مولانا محمد رضاء اجمیری ثم راندیریؒ	۹۶
۴۷	رضا بر قضا سے متعلق ایک واقعہ	۹۸
۴۸	قیامِ راندیر پر ایک نظر	۱۰۲
۴۹	حضرت لاجپوریؒ سے خادمانہ تعلق	۱۰۳
۵۰	حضرت شیخ الحدیث سے نیازمندانہ تعلق	۱۰۴

۵۱	شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کی خدمت میں عریضہ	۱۰۵
۵۲	جواب عریضہ از شیخ الحدیث	۱۰۶
۵۳	ایک خواب	۱۰۷
۵۴	خواب کی تعبیر (مغفرت کی بشارت)	۱۰۸
۵۵	ایک اَور خواب	۱۰۸
۵۶	خواب کی تعبیر	۱۰۹
۵۷	آپ کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں والد گرامی کی فکر	۱۱۱
۵۸	تربیت کے تین واقعے	۱۱۲
۵۹	فراغت کے بعد	۱۱۴
۶۰	مکتوبِ گرامی حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہ	۱۱۷
۶۱	نامہ ہائے گرامی حضرت مفتی مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ	۱۱۸
۶۲	مکتوب حضرت مفتی صاحب	۱۲۱
۶۳	جواب از مولانا محمد رضا اجمیری	۱۲۳
۶۴	مضمونِ تصدیق	۱۲۳
۶۵	ندوۃ العلماء لکھنؤ میں عربی ادب پڑھنے کے لئے درخواست	۱۲۴
۶۶	درخواست کا جواب از لکھنؤ	۱۲۵
۶۷	ارادۂ دیوبند	۱۲۵
۶۸	گرامی نامہ حضرت مفتی سعید احمد صاحب مدظلہ	۱۲۶

۶۹	دیوبند کا رختِ سفر	۱۲۷
۷۰	دارالعلوم دیوبند میں	۱۲۸
۷۱	امتحانِ داخلہ	۱۲۹
۷۲	سالِ اول فنون	۱۳۰
۷۳	مولانا نصیر احمد خان صاحبؒ	۱۳۰
۷۴	مولانا محمد حسین بہاریؒ	۱۳۱
۷۵	مولانا اسلام الحق صاحب کو پا گنجی اعظمیؒ	۱۳۱
۷۶	مولانا شریف حسن صاحب دیوبندیؒ	۱۳۱
۷۷	مولانا وحید الزماں کیرانویؒ	۱۳۱
۷۸	حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ	۱۳۲
۷۹	بزرگوں کی مجالس میں حاضری	۱۳۴
۸۰	مکتوب منشی عیسیٰ بھائی صاحب کاوی بنام مفتی صاحب	۱۳۵
۸۱	اساتذۂ راندیر سے ربط	۱۳۷
۸۲	مکتوبات حضرت مولانا مفتی عبدالغنی صاحب کاویؒ	۱۳۷
۸۳	مکتوبات حضرت مولانا محمد رضا اجمیری صاحبؒ	۱۳۹
۸۴	مکتوبات حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ	۱۴۴
۸۵	مکتوب حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری مدظلہ	۱۴۸
۸۶	سالِ دوم افتاء	۱۴۹

۸۷	افتاء کے لیے درخواست	۱۵۰
۸۸	حضرت فقیہ الامتؒ کا قرب خاص	۱۵۱
۸۹	افتاء کے اساتذہ	۱۵۱
۹۰	فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی	۱۵۱
۹۱	حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحب	۱۵۲
۹۲	شیخین سے تعلقِ بیعت وتربیت	۱۵۳
۹۳	حضرت فقیہ الامتؒ سے مثالی تعلق	۱۵۵
۹۴	نکاح اور حضرت فقیہ الامتؒ کو دعوت	۱۵۶
۹۵	مژدۂ تولید پر پانچ عینیہ دعا	۱۵۶
۹۶	انتہائی قابل رشک واقعہ	۱۵۷
۹۷	ایام تعطیل میں معیت	۱۵۸
۹۸	ہاوڑہ کے پُل کے بہانہ پُل بھر میں تصرف	۱۵۹
۹۹	جھینگا کھانے پر لطیفہ	۱۵۹
۱۰۰	اصلاحِ نفس کا من جانب اللہ انتظام	۱۶۰
۱۰۱	باب دوم: تدریسی زندگی	۱۶۱
۱۰۲	تدریس کے لیے قابل آدمی کی ضرورت	۱۶۱
۱۰۳	مکتوب گرامی حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی بنام مولانا محمد سعید بزرگؒ	۱۶۱

۱۰۴	مدرسین کے لیے چودہ زریں نصائح	۱۶۲
۱۰۵	تدریسی زندگی اور جامعہ ڈابھیل	۱۶۴
۱۰۶	جامعہ میں تقرر پر بڑوں کی طرف سے اظہارِ مسرت اور دعا و نصیحت	۱۶۵
۱۰۷	جامعہ میں قیام	۱۶۶
۱۰۸	جامعہ میں تقرری کے وقت آپ کی عمر	۱۶۶
۱۰۹	سال بہ سال زیر درس کتابیں	۱۶۶
۱۱۰	پڑھائی ہوئی کتبِ درسیہ سال بہ سال کی ترتیب	۱۶۷
۱۱۱	تدریسی اصول و مذاق	۱۷۴
۱۱۲	ہدایہ کے ایک مقام کی تحقیق میں سرگرداں	۱۷۶
۱۱۳	درسِ ترمذی میں ایثار	۱۷۹
۱۱۴	بخاری شریف کا درس	۱۸۱
۱۱۵	مثالی خُردنوازی	۱۸۲
۱۱۶	جامعہ کا کتب خانہ اور اس کے ناظمین	۱۸۳
۱۱۷	مفتی صاحب اور نظامتِ کتب خانہ	۱۸۴
۱۱۸	ذوق مطالعہ	۱۸۵
۱۱۹	اجلاسِ جامعہ میں خدمات اور دفتری خطوط نویسی	۱۸۶
۱۲۰	تنہا امتحانات کی تیاری	۱۸۶
۱۲۱	مستقل نظامت کتب خانہ کا خدشہ	۱۸۷

۱۲۲	جامعہ سے علیحدگی اور واپسی	۱۸۷
۱۲۳	ناظمِ تعلیمات	۱۹۱
۱۲۴	انداز نظامت	۱۹۲
۱۲۵	سال کے آغاز واختتام اور مختلف مواقع پر نصائح	۱۹۳
۱۲۶	نماز باجماعت کا اہتمام	۱۹۴
۱۲۷	دارالاقامہ کا عجیب منظر	۱۹۴
۱۲۸	نظامت تعلیم سے سبک دوشی کی دعا	۱۹۵
۱۲۹	نظامتِ تعلیم سے استعفاء	۱۹۶
۱۳۰	آپ کا استعفا	۱۹۷
۱۳۱	استعفاء کی منظوری	۱۹۹
۱۳۲	رابطے کا تعلق پھر بھی رہا	۲۰۰
۱۳۳	دارالعلوم بولٹن میں تقرر کی سعی	۲۰۰
۱۳۴	باب سوم: مفتی صاحب بہ حیثیت صدر مفتی	۲۰۲
۱۳۵	ہندوستان میں نظام افتا	۲۰۲
۱۳۶	دارالعلوم دیوبند میں افتا کی خشتِ اول	۲۰۳
۱۳۷	کاروان علم وعمل کی آمد	۲۰۳
۱۳۸	جامعہ کا دارالافتاء اور اس کے فقہائے سبعہ	۲۰۴
۱۳۹	مفتیٔ اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمن عثمانی	۲۰۴

۱۴۰	حضرت مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانیؒ	۲۰۵
۱۴۱	حضرت مولانا احمد بزرگ سملکیؒ	۲۰۶
۱۴۲	مفتیٔ گجرات حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ	۲۰۶
۱۴۳	زمانۂ فترت	۲۰۸
۱۴۴	حضرت مفتی اسماعیل محمد گوراراندیریؒ	۲۰۸
۱۴۵	حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہ	۲۰۹
۱۴۶	مفتی صاحب مسندِ افتا پر	۲۰۹
۱۴۷	حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم	۲۰۹
۱۴۸	حضرت فقیہ الامتؒ کا مشورہ	۲۱۲
۱۴۹	مولانا سلیمان صاحب چوکسی مدظلہ کا خواب	۲۱۳
۱۵۰	شرائطِ مفتی کا تحقق	۲۱۵
۱۵۱	اکابر مفتیانِ کرام کی صحبت	۲۱۶
۱۵۲	آپ کی سند افتا کا واقعہ	۲۱۷
۱۵۳	حضرت فقیہ الامتؒ کی سند	۲۱۷
۱۵۴	صاحب ہدایہ اور آپ کا درس ہدایہ	۲۱۸
۱۵۵	حضرت مفتی صاحب کا ورع وتقویٰ	۲۱۹
۱۵۶	آپ مفتی بھی ہیں اور صوفی بھی	۲۲۰
۱۵۷	دارالعلوم کنتھاریہ میں اعتکاف کی دعوت	۲۲۰

۱۵۸	حضرت فقیہ الامتؒ کے ارشاد فرمودہ القاب	۲۲۱
۱۵۹	شگفتہ وسلیس زبان	۲۲۲
۱۶۰	مسلم پرسنل لاء بورڈ کا خطبۂ استقبالیہ	۲۲۳
۱۶۱	باب چہارم: ذوقِ فتویٰ نویسی اور ہدایات	۲۲۶
۱۶۲	حوالجات کا اہتمام	۲۲۶
۱۶۳	جس سے استفادہ کرے اسی کا حوالہ دے	۲۲۷
۱۶۴	اہم جوابات پہلے رف تیار کرنا	۲۲۸
۱۶۵	محض شخصیت سے مرعوب نہیں ہوتے	۲۲۸
۱۶۶	سوال وجواب میں التباس نہ ہونے دینا	۲۲۹
۱۶۷	اپنی ذاتی تحقیق پر اصرار نہ کرنا	۲۲۹
۱۶۸	بلاشرح صدر تصدیق نہ کرنا	۲۳۰
۱۶۹	بلاتحقیق جواب نہ دینا	۲۳۰
۱۷۰	طویل فتاویٰ میں خاص طریق	۲۳۰
۱۷۱	ترغیب وترہیب کا اہتمام	۲۳۱
۱۷۲	اہل علم کو دلائل سے مطمئن کرنا	۲۳۱
۱۷۳	علاقائی علما سے رجوع کا مشورہ دینا	۲۳۱
۱۷۴	مسائل معاملات میں احتیاط کا طریقہ	۲۳۲
۱۷۵	دیگر مسالک میں لب کشائی سے احتراز	۲۳۲

۱۷۶	اکابر دیوبند کے مسلک کی اتباع	۲۳۳
۱۷۷	ہر جائی سائل کا تنبیہ	۲۳۴
۱۷۸	سائل اگر بلاوجہ اپنی شناخت چھپائے	۲۳۶
۱۷۹	اگر کسی جواب سے فتنے کا اندیشہ ہو	۲۳۷
۱۸۰	مستفتی کے شر سے بچنے کی دعا	۲۳۷
۱۸۱	آپ کا کمال احتیاط	۲۳۷
۱۸۲	فتاوی اور فقہی بصیرت پر اکابر علماء کا اعتماد	۲۳۸
۱۸۳	فقیہ النفس کا مطلب	۲۳۹
۱۸۴	ایک دل چسپ واقعہ	۲۳۹
۱۸۵	آپ کی مسلمہ فقہی بصیرت	۲۴۰
۱۸۶	حضرت مفتی صاحب کی صلاحیت واستعداد	۲۴۲
۱۸۷	فتاویٰ رحیمیہ کی تنقیح	۲۴۴
۱۸۸	حضرت لاجپوریؒ کے کلمات عالیہ	۲۴۵
۱۸۹	آپ کے فتاویٰ کی تائید وتوثیق	۲۴۶
۱۹۰	حضرت فقیہ الامتؒ کی تائید وتحسین	۲۴۶
۱۹۱	حضرت لاجپوریؒ کی تصدیق	۲۴۷
۱۹۲	دارالعلوم دیوبند میں تقرر کی کوشش	۲۴۷
۱۹۳	آپ کی فقہی بصیرت کی شہرت	۲۴۸

۱۹۴	آپ کی اصابت رائے پر حضرت لاجپوریؒ کا اعتماد	۲۴۹
۱۹۵	اپنے فتوی پر خود عمل	۲۵۰
۱۹۶	دو مثالیں	۲۵۰
۱۹۷	فتوے سے رجوع	۲۵۲
۱۹۸	M.WAY کمپنی کے متعلق فتوی سے رجوع	۲۵۳
۱۹۹	کمال احتیاط	۲۵۴
۲۰۰	پندرہویں رمضان کو چنگھاڑ سے متعلق روایت	۲۵۵
۲۰۱	تفرد سے نفرت اور بڑوں سے استصواب	۲۵۷
۲۰۲	وصیت کا ایک مسئلہ	۲۵۸
۲۰۳	حضرت پالن پوری مدظلہ کا جواب	۲۶۴
۲۰۴	دارالافتا میں طرزِ تدریس	۲۶۵
۲۰۵	طلبۂ افتا کی تربیت واصلاح	۲۶۶
۲۰۶	امتحان وسند	۲۶۷
۲۰۷	کیفیت یا کمیت	۲۶۷
۲۰۸	طلبہ کی مشق فتویٰ نویسی اور تمرین پر کڑی نظر	۲۶۸
۲۰۹	تنبیہات اور ہدایات	۲۶۸
۲۱۰	شاگردوں کی حوصلہ افزائی اور اس کے چند واقعات	۲۷۴
۲۱۱	حضرت مفتی صاحب کے تلامذہ	۲۷۷

۲۱۲	تعدادِ فتاویٰ	۲۸۰
۲۱۳	تعدادِ فتاویٰ ایک نظر میں	۲۸۲
۲۱۴	محکمۂ شرعیہ کا قیام	۲۸۴
۲۱۵	ایک مثالی مقدمہ	۲۸۶
۲۱۶	مقدمات میں فیصلوں کی تعداد	۲۸۶
۲۱۷	دارالقضا کے لیے مستقل آدمی کی تربیت اور اس کی فکر	۲۸۷
۲۱۸	حضرت مفتی صاحب کا گرامی نامہ بنام حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب	۲۸۸
۲۱۹	باب پنجم علمی شہ پارے	۲۹۰
۲۲۰	ماہنامہ انسان میں کالم	۲۹۰
۲۲۱	تربیۃ الاولاد فی الاسلام کا ترجمہ	۲۹۱
۲۲۲	مشاہدات	۲۹۱
۲۲۳	مبادیات حدیث علی نہج مقدمۃ مشکوٰۃ المصابیح	۲۹۲
۲۲۴	فتاویٰ رحیمیہ کا ترجمہ	۲۹۲
۲۲۵	تسہیل السراجی	۲۹۳
۲۲۶	حدیث کے اصلاحی مضامین	۲۹۳
۲۲۷	فتح اللہ الاحد بتوضیح الادب المفرد	۲۹۷
۲۲۸	مکتوبات فقیہ الامت بنامِ حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری	۲۹۷

۲۲۹	خطبۂ استقبالیہ	۲۹۸
۲۳۰	مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب کی مقبولیت کا راز	۲۹۸
۲۳۱	رمضان المبارک کی تیاری	۲۹۹
۲۳۲	نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت	۲۹۹
۲۳۳	بیعت ہونے والوں کو ہدایات	۲۹۹
۲۳۴	سوانح مفتی بسم اللہ صاحبؒ (گجراتی)	۲۹۹
۲۳۵	مسلم پرسنل لاء (گجراتی)	۳۰۰
۲۳۶	کاروباری مسائل اور ان کا شرعی حل (قسط اول، متعلقہ ہوٹل)	۳۰۰
۲۳۷	دیگر رسائل	۳۰۰
۲۳۸	محمود الرسائل	۳۰۱
۲۳۹	محمود المواعظ	۳۰۱
۲۴۰	خدمات کی ایک اور نوع	۳۰۳
۲۴۱	گرامی نامہ مولانا محمد سعد صاحب بنام مفتی صاحب	۳۰۴
۲۴۲	سوانح حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری کا مقدمہ	۳۰۵
۲۴۳	اعتذار	۳۱۲

فہرستِ فتاویٰ

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
	کتاب الإیمان والعقائد	
❁	**باب عقائد أهل السنة والجماعة**	❁
۱	اہل سنت والجماعت کس کو کہتے ہیں؟	۳۱۷
۲	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لانے والا مسلمان نہیں	۳۱۹
۳	جنت ودوزخ حقیقی وبرزخی	۳۲۰
۴	عذابِ قبر برحق ہے	۳۲۰
۵	''شمعِ حقیقت'' کا مضمون ''عذابِ قبر''	۳۲۱
۶	ہر انسان کے ساتھ جن پیدا ہونے کی حقیقت، ہمزاد، نفس امارہ، نفسِ مطمئنہ	۳۳۰
۷	عقائد شیعہ اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشیں	۳۳۳
۸	تقدیر پر ایمان لانے کی حقیقت	۳۴۳
۹	چندہ کا اعلان ''ایاك نستعین'' کے منافی نہیں	۳۴۷
۱۰	'نبی کی ہڈی کے ذریعہ بارش کا واقعہ' اور 'حیاتِ انبیاء' کے عقیدہ میں تضاد	۳۴۷
۱۱	بی بی اماں مرشدہ کا دجل وفریب، علم غیب کا دعوی، بھیس بدلنے کا اختیار، زیارت قبور کے لیے جانا، اجنبی کے جھوٹے کا حکم شرعی	۳۴۹

۱۲	کیا دعاء سے موت ٹل جاتی ہے	۳۵۸
۱۳	جنبی ایمان سے نہیں نکلتا	۳۵۹
۱۴	عقیدۂ حیات النبی ﷺ کے متعلق علماء دیوبند کا مسلک	۳۵۹
۱۵	حضرات صحابہ معیارِ حق ہیں	۳۶۴
۱۶	اللہ کو حاضر ناظر کہنے کے دلائل	۳۶۵
۱۷	کیا جانوروں کی روح عزرائیل علیہ السلام نکالتے ہیں؟	۳۶۶
۱۸	کافر و مشرک کی توبہ	۳۶۷
۱۹	''کالی چودس'' کی منحوسیت کا عقیدہ رکھنا	۳۶۷
۲۰	نکاح کے لیے کسی دن کو منحوس سمجھنا	۳۶۹
۲۱	سنگِ بنیاد کے موقعہ پر جانور ذبح کرنا ہندوانہ رسم ہے	۳۷۰
۲۲	فال کھولنا کیسا ہے؟	۳۷۰
۲۳	نبی کریم ﷺ کا سایہ تھا	۳۷۱
۲۴	کیا حضور ﷺ کا سایہ نہیں پڑتا تھا؟	۳۷۲
۲۵	علم غیب عطائی	۳۷۲
❁	**باب مایتعلق بالإیمان والکفر والکفار**	❁
۲۶	گونگے بہرے کا اسلام	۳۷۳
۲۷	غلطی سے کلمۂ کفر کہنا	۳۷۴
۲۸	معصوم ہونے کے ارادے سے اولا مرتد ہونا پھر مسلمان بن کر مرنا	۳۷۵

۲۹	غیر اسلامی نظام حیات کو افضل قرار دینے والے کے متعلق شرعی حکم	۳۷۶
۳۰	''مجھے ہندو سمجھو مسلمان نہ سمجھنا'' کہنا	۳۷۹
۳۱	دین کی بات سنانے پر ''کیا اللہ کے یہاں سے کوئی آیا ہے'' کہنا	۳۸۰
۳۲	''میں اللہ کی تقدیر پر راضی نہیں'' اور ''وحی کا انتظار ہے'' کہنا	۳۸۰
۳۳	مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کی شان میں کفریہ کلمات بکنا اور تجدیدِ نکاح	۳۸۲
۳۴	مورتی کے گلے میں ہار ڈالنے کا حکم	۳۸۳
۳۵	جہالت میں کلمۂ کفر بولنا	۳۸۴
۳۶	یا علی مشکل کشا کہنے کا حکم	۳۸۷
۳۷	مصلحتاً کفار کو غیر ایمان والا کہنا اور کتابوں میں سے غزوات، جہاد اور مجاہدین کا تذکرہ حذف کرنا کیسا ہے؟	۳۸۷
۳۸	ایک آدمی کے فعل سے دوسرا کافر نہیں ہوتا	۳۹۶
۳۹	ایک فلمی گانے کا حکم شرعی	۳۹۷
۴۰	ہرے رام، ہرے کرشن، جے شیو شنکر گانے کا حکم	۳۹۷
۴۱	''نمسکار، باپا سیتا رام'' کہنے کا حکم	۳۹۸
۴۲	''نماز میں رام رام کرنا'' کہنے کا حکم	۴۰۱
۴۳	''منافقانہ حرکتیں'' کہنے سے منافق کہنا لازم نہیں آتا	۴۰۲
۴۴	قبر پر سجدہ و بوسہ	۴۰۵

۴۵	دوسرے سے مدد لینا شرک نہیں	۴۰۶
۴۶	''اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے زنا کروایا'' کہنا کفر ہے؟	۴۰۷
۴۷	''خدا گواہ'' گانا گانے میں کفر کا شبہ	۴۰۹
۴۸	خطیب کا مندر و چرچ کی حفاظت کی دعا کرنا	۴۱۱
۴۹	کیا چھ کونے والا اسٹار یہود کا شعار ہے	۴۱۵
۵۰	عبادت، تجارت، معاشرت اور رہن سہن میں غیروں کی مذہبی علامات	۴۲۱
۵۱	تشبہ اور مشابہت میں فرق	۴۲۴
❁	**باب البدعات والرسوم**	❁
۵۲	سنت و بدعت کے مابین فرق کا جامع ضابطہ	۴۲۵
۵۳	محرم کی بدعات کے لیے ورگنی (چندہ) دینا	۴۳۶
۵۴	مروجہ مجالس میلاد	۴۳۹
۵۵	مروجہ مجالس میلاد اور نیاز میں چندہ دینے کا حکم	۴۴۰
۵۶	میلاد النبی کا جلوس	۴۴۳
۵۷	بدعت سے بچنے پر مالی جرمانہ	۴۴۴
۵۸	شادی میں سہرا باندھنا	۴۴۶
۵۹	مرد کے لیے مہندی لگانا	۴۴۷
۶۰	دولہا کو اونٹ پر بٹھانے کی رسم	۴۴۷

۶۱	پیٹھی لگانا	۴۴۸
۶۲	شادی میں روپیہ لینے دینے کی رسم (نیوتہ)	۴۴۸
۶۳	بارات میں دولہے کے ہاتھ میں کنگنا اور کٹیا ردینا	۴۴۹
۶۴	لڑکی کے عوض پیسہ لینا	۴۴۹
۶۵	شادی سے اگلے دن دولہا کے گھر دعوت	۴۴۹
۶۶	''مانجھے بٹھانے'' کی رسم	۴۵۰
۶۷	شادی کی رسوم، دعوت میں تحائف کا لین دین وغیرہ کا شرعی حکم	۴۵۰
۶۸	شادی کے بعد مصافحہ ومعانقہ کرنا	۴۶۱
۶۹	نمازوں کے بعد مصافحہ	۴۶۲
۷۰	نماز کے بعد مصافحہ اور درود شریف	۴۶۲
۷۱	عید کی نماز کے بعد مصافحہ بدعت ہے	۴۶۴
۷۲	اجتماعی ایصالِ ثواب	۴۶۴
۷۳	ایصال ثواب اور قرآن خوانی کا جواز وعدم جواز	۴۶۵
۷۴	اجتماعی ایصالِ ثواب سے بچنے کا طریقہ	۴۶۷
۷۵	رسمی قرآن خوانی	۴۷۱
۷۶	رقم لے کر قرآن خوانی کرنا	۴۷۲
۷۷	قرآن خوانی میں ہدیہ لینا	۴۷۲
۷۸	مروجہ فاتحہ، قرآنی آیات دم کر کے اجرت لینا	۴۷۳

۷۹	اشیاء سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنے کا ثبوت نہیں	۴۷۴
۸۰	اہل میت کی دعوت کھانا ناجائز ہے	۴۷۶
۸۱	گیارہویں، بائیسویں، رجب، محرم اور شب برأت کے ساتھ چندنا جائز کام ورسومات	۴۷۷
۸۲	تعزیت کے اجتماع میں علماء اور عورتوں کی شرکت	۴۷۹
۸۳	تیجہ کے روز رشتہ داروں کا دعوت پر جمع ہونا	۴۸۴
۸۴	چالیسواں کرنا	۴۸۶
۸۵	تیجہ چالیسویں کا کھانا کھانا	۴۸۷
۸۶	انتقال کے بعد کھانا کھلانے کی شرعی حیثیت	۴۸۷
۸۷	اجتماعی ختمات کو ضروری سمجھنا	۴۸۸
۸۸	ختم خواجگاں بدعت نہیں	۴۸۹
۸۹	عرس کی شرعی حیثیت	۴۹۱
۹۰	بعد نماز روضۂ مبارکہ کی تصویر کی طرف رخ کرنا	۴۹۱
۹۱	اذان کے وقت انگوٹھے چومنا	۴۹۵
۹۲	اذان واقامت میں کلمۂ شہادت پر انگلی اٹھانا	۴۹۶
۹۳	قبر پر اذان دینا	۴۹۷
۹۴	حی علی الصلاۃ پر کھڑا ہونا	۴۹۷
۹۵	ستائیسویں رمضان کو ستائیس اذانیں دینا	۴۹۸

۹۶	ستائیسویں رمضان میں سات اذانیں بدعت ہے	۴۹۸
۹۷	میت کے سینے پر کلمۂ شہادت لکھنا	۴۹۹
۹۸	دودھ بخشوانا، بچوں کو ایصال ثواب کرنا	۵۰۰
۹۹	متبرک راتوں میں نفلی عبادت کے لیے اجتماع اور کھانے وغیرہ کا اہتمام	۵۰۱
۱۰۰	کیا عاشورہ کا روزہ بدعت ہے؟	۵۰۱
۱۰۱	روح قبض ہونے کے بعد اگربتی جلانا	۵۰۲
❁	**صلوۃ وسلام کے مسائل**	❁
۱۰۲	کھڑے ہوکر سلام پڑھنے کا شرعی حکم	۵۰۲
۱۰۳	درود شریف پڑھنے سے شرکت فی البدعت کا شائبہ ہو تو درود نہ پڑھے	۵۳۲
۱۰۴	اذان سے قبل درود شریف پڑھنا	۵۳۴
۱۰۵	اقامت سے پہلے درود شریف پڑھنا	۵۳۴
۱۰۶	نماز پنج گانہ کے بعد بہ آواز بلند درود شریف پڑھنا	۵۳۵
۱۰۷	بعد نمازِ جمعہ اجتماعی صلاۃ وسلام	۵۳۶
۱۰۸	درود شریف کی تختی پر پھولوں کا ہار چڑھانا	۵۳۷
۱۰۹	کھڑے ہوکر صلوۃ وسلام نہ پڑھنے پر بریلوی عالم کا اہل حق کو کافر کہنا	۵۳۷

فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
❁	**باب مایتعلق بالفرق الباطلة**	❁
۱	مولانا وحید الزماں (غیر مقلد) ہمارے اکابر کی نظر میں	۲۹
۲	فرقۂ مہدویہ سے تعلق رکھنے والا کلمہ گو شخص کا حکم	۲۹
۳	ائمہ اربعہ ہی کی تقلید کیوں؟	۳۱
۴	جماعت اسلامی کا رکن شریعت کی نظر میں	۳۲
۵	تقلید کیوں ضروری ہے؟	۳۳
۶	دینی ضرورت کے خاطر مسلک بدلنا	۳۵
❁	**باب مایتعلق بالقرآن**	❁
۷	کتبِ سماویہ کس زبان میں نازل ہوئیں؟	۳۷
۸	نابینا کے قرآن پڑھنے کے لیے مخصوص تحریر کا حکم	۳۸
۹	قرآن کریم کی آیات ورکوعات کی تعداد ورسم عثمانی کی رعایت	۳۹
۱۰	آیت کریمہ "الخبیثٰت للخبیثین" الخ کا مطلب	۵۱
۱۱	"سلام هي حتى مطلع الفجر" میں فجر سے مراد	۵۲
۱۲	"الکتاب" سے کیا تورات مراد ہے؟	۵۴
۱۳	حج سے متعلق ایک آیتِ کریمہ اور حدیث نبوی میں تطبیق	۵۵

۱۴	"یھدی بہ کثیرا ومایضل" میں ادغام	۵۶
۱۵	آیتِ درود اور درود میں وصل	۵۷
۱۶	مسابقۃ القرآن کا اجلاس منعقد کرنا	۵۷
۱۷	مروجہ مسابقۂ قرآن کی اصل	۵۸
۱۸	قرآنی مسابقہ کا حکم	۶۳
۱۹	امراض کے دفعیہ کے لیے چالیس دفعہ یٰس شریف کا ختم کرنا	۶۷
۲۰	ختم قرآن کا طریقہ۔ ایصال ثواب کے لیے لیلۃ الجائزہ کا انتظار	۶۸
۲۱	قرآن کس وقت ختم کرے	۶۹
۲۲	تلاوت کے وقت کسی دوسرے کا کرسی پلنگ وغیرہ پر بیٹھنا ادب کے خلاف ہے	۷۰
۲۳	غیر مسلم کو آیت کریمہ لکھ کر دینا	۷۱
۲۴	بدبودار دھواں کتبِ دینیہ کو مس کرے تو بے ادبی ہے	۷۲
۲۵	عورت کے لیے تلاوتِ قرآن کے وقت کن اعضاء کا چھپانا ضروری ہے؟	۷۲
۲۶	بے وضو قرآن مجید پڑھنے کا حکم	۷۴
۲۷	پانی پر قدرت کے باوجود تیمم سے قرآن مجید چھونا	۷۴
۲۸	کیا منبر پر قرآنِ کریم رکھنا بے ادبی ہے؟	۷۵
۲۹	پیکٹ میں بند یٰس لے کر استنجاء خانہ میں جانا	۷۵

۳۰	کلام مجید تعویذ وغیرہ جیب میں رکھ کر بیت الخلاء جانا	۷۶
۳۱	ٹی۔وی والے گھر میں تلاوتِ قرآن شریف	۷۶
۳۲	سرکاری تقریب کے موقع پر قرآن پڑھنا	۷۷
۳۳	سیاسی جلسہ میں تلاوت قرآن کا حکم	۷۷
۳۴	ہونٹ ہلائے بغیر تلاوت واذکار	۷۸
۳۵	قرآن مجید کی تلاوت ترنم سے کرنا	۷۹
۳۶	منبر پر قرآن شریف رکھنا	۸۰
۳۷	قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق اور ناخن وبال کہاں ڈالیں؟	۸۰
۳۸	قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو کیا کریں؟	۸۱
❁	**باب مایتعلق بالفقہ والحدیث**	❁
۳۹	فتویٰ دینے کا حق کس کو ہے؟	۸۲
۴۰	مجتہد فیہ امر کے متعلق فتویٰ کے منکر کا حکم	۸۴
۴۱	فتویٰ کون لکھ سکتا ہے؟	۸۵
۴۲	مسئلہ اور فتویٰ میں فرق	۸۸
۴۳	فتویٰ کو نہ ماننا	۸۸
۴۴	مسئلہ بتلانے کے لیے مفتی ہونا ضروری نہیں	۸۸
۴۵	کسی خاص شخصیت یا ادارہ کے متعلق فتویٰ معلوم کرنا	۹۱
۴۶	ہدایہ کی ایک عبارت کا مفہوم	۹۱

۴۷	”ان الكتابة اقيمت مقام العبارة“ قاعدہ کا محلِ استعمال	۹۲
۴۸	اسقاطِ حمل کے متعلق ”جواهر الاخلاطی“ کی ایک عبارت	۹۳
۴۹	حنفی کا شوافع کی حدیثوں پر عمل کی خواہش کرنا	۹۵
۵۰	”المؤمن في المسجد كالسمك في الماء“ اور ”الفاسق في السوق كالطير في القفص“ حدیث کی تحقیق	۹۵
۵۱	۱۵ر رمضان کی جمعہ میں بھیانک آواز کے متعلق روایت	۹۶
۵۲	جمعہ یا رمضان میں مرنے والے سے قبر میں سوال وجواب ہوں گے؟	۹۷
۵۳	کیا شب جمعہ میں مرنے والے سے قبر میں سوال جواب نہیں ہوں گے	۱۰۴
۵۴	درود پاک میں لفظ ”سیدنا“ کا اضافہ	۱۰۴
۵۵	ایک درود شریف کی تحقیق	۱۰۸
۵۶	”أنا وكافل اليتيم“ إلخ کا مطلب	۱۰۹
۵۷	إنه ليغان علىٰ قلبي کا مطلب کیا ہے؟	۱۱۰
۵۸	طعام الميت يميت القلب کا مطلب	۱۱۱
۵۹	ایک حدیث شریف اور موجودہ مشاہرہ	۱۱۲
۶۰	حدیث ”من بنىٰ مسجدا“ الخ	۱۱۳
۶۱	کتاب ”انوار العارفین“ میں وحی کی کیفیت کے متعلق ایک لفظ کا ترجمہ محلِ نظر	۱۱۴
۶۲	کھانے میں مکھی گر جائے تو ڈبونے سے کونسی بیماری دور ہوتی ہے؟	۱۱۶

۶۳	"جزی اللہ عنا محمدا" الخ ضعیف حدیث ہے	۱۱۷
۶۴	کیا دعا مانگنے کے لیے امر بالمعروف شرط ہے؟	۱۱۸
۶۵	سفر کی ایک دعا کی فضیلت	۱۲۰
۶۶	ایک مسنون دعا کا ثبوت	۱۲۱
۶۷	"تقویۃ الایمان" کی ایک عبارت	۱۲۲
۶۸	نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفاتی نام کتنے ہیں؟	۱۲۳
۶۹	محمد نام رکھنے کی فضیلت	۱۲۴
۷۰	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات پاک ہیں	۱۲۵
۷۱	نعلین شریفین جیسے چپل بنا کر پہننا	۱۲۶
۷۲	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ	۱۲۷

کتاب التاریخ والسیر

۷۳	واقعۂ کربلا کی حقیقت	۱۳۱
۷۴	یزید کی شخصیت کی تحقیق میں پڑنا	۱۳۴
۷۵	یزید کے متعلق ایک واقعہ کی تحقیق	۱۳۶
۷۶	حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تابعی ہونے کا ثبوت	۱۳۷
۷۷	حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں وہ خود موجود تھے یا نہیں؟	۱۳۸
۷۸	حضرت سلیمان علیہ السلام کی سونے کی مسجد	۱۳۹
۷۹	مصر میں کون سے فرعون کی لاش محفوظ ہے؟	۱۴۰

۸۰	دروس التاریخ کی دو عبارت کا حل	۱۴۱
۸۱	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی صاحبزادی کی تکفین وتدفین میں شرکت	۱۴۲
۸۲	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک پر غلاف	۱۴۲

کتاب التصوف والعملیات

۸۳	بیعت کا فائدہ	۱۴۷
۸۴	ایک پیر صاحب کی پیری مریدی کا شرعی جائزہ	۱۴۷
۸۵	مرشد کے پانچ شرائط، مرشد کا مریدہ کے گلے ملنا	۱۵۷
۸۶	لفظ عشق ومحبت کا استعمال	۱۵۸
۸۷	کسی عمل کے ثواب پر خوشی حظ نفس نہیں	۱۶۳
۸۸	مصلح سے اصلاحی تعلق اور حضوری	۱۶۴
۸۹	سلب خلافت کے بعد بیعت کرنا	۱۶۶
۹۰	دین ودنیا کا فرق	۱۶۸
۹۱	حال طاری ہونا حق کی دلیل نہیں	۱۷۱
۹۲	مریدین کا شیخ کے پیچھے چلنا	۱۷۳
۹۳	اپنے پیر کے ہوتے ہوئے دوسرے پیر سے بیعت ہونا	۱۷۳
۹۴	غنائے قلبی حاصل کرنے کا مجرب عمل	۱۷۶
۹۵	”صلی اللہ علیک یا محمد“ کا وظیفہ پڑھنا	۱۷۶
۹۶	عاملہ کے جسم میں جن کا حلول کرنا اور دوسروں کا علاج کرنا	۱۸۲

۹۷	ایک عاملہ کے جسم میں جن کا آنا اور اس کے ذریعہ علاج کرنا	۱۸۷
۹۸	عملیات کی بنیاد پر چوری کا الزام حرام ہے	۱۹۳
۹۹	بلا دلیل کسی پر جادو کرانے کا الزام لگانا	۱۹۴
۱۰۰	ہندو سادھو کے ذریعہ سفلی عمل کرانے کا حکم	۱۹۶
۱۰۱	کسی کو کہنا کہ تم پر جادو کا اثر ہے	۱۹۷
۱۰۲	تعویذ باندھنا	۱۹۸
۱۰۳	جھاڑ پھونک کا حکم	۱۹۸
۱۰۴	عملیات میں خاص اشیاء کا اہتمام	۱۹۹
۱۰۵	۴۰ دن کے عمل میں دو روز ناغہ کرنا	۲۰۰
۱۰۶	دو عمل ایک ساتھ کرنا	۲۰۰
۱۰۷	وساوس کا علاج	۲۰۱
۱۰۸	وظائف میں بھی ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا	۲۰۱
❁	**باب مایتعلق بالتبلیغ**	❁
۱۰۹	عورتوں کی تبلیغی جماعت کی شرعی حیثیت	۲۰۲
۱۱۰	عورتوں کا جماعت میں نکلنا	۲۰۷
۱۱۱	عورتوں کا ہفتہ واری اجتماع میں بیان اور تعلیم کرنا	۲۰۸
۱۱۲	ایضاً	۲۰۸
۱۱۳	یہ بھی احکام شرع کی تبلیغ ہے	۲۰۹

۱۱۴	مروجہ تبلیغ شریعت کی نظر میں	۲۰۹
۱۱۵	دین کی تبلیغ فرض کفایہ ہے	۲۱۱
۱۱۶	ایک سال کے لیے تبلیغی جماعت میں جانا	۲۱۱
۱۱۷	ایک تبلیغی مقرر کا واقعۂ ہر قل سے غلو آمیز استدلال کا جواب	۲۱۳
❁	**متفرقات کتاب العلم**	❁
۱۱۸	غریب گھرانے کے بچوں کو پڑھانے کی ذمہ داری	۲۱۶
۱۱۹	عالم کسے کہتے ہیں؟	۲۱۷
۱۲۰	''فال نامہ'' جیسی کتابوں کا پڑھنا	۲۱۸
۱۲۱	''دنیا کے کتوں سے بچا'' یہ دعا مانگنا اسلاف سے ثابت ہے؟	۲۱۸
۱۲۲	حامداً ومصلیاً ومسلماً کا ترجمہ	۲۱۹
۱۲۳	عرفی عالم واصطلاحی عالم	۲۱۹
۱۲۴	لفظ مولانا اور مولوی کا مطلب واستعمال	۲۲۲
	کتاب الطھارۃ	
❁	**باب احکام المیاہ**	❁
۱۲۵	اندرونی گولائی بیالیس فٹ ہو وہ شرعی حوض نہیں	۲۲۷
۱۲۶	درمیانِ حوض واقع ستون حوض کی مساحت پر اثر انداز نہیں	۲۲۷
۱۲۷	جس کنویں میں مینڈک گر کر پھول پھٹ گیا ہو اس پانی سے پڑھی ہوئی نمازوں کا کیا حکم ہے؟	۲۲۸

۱۲۸	ناپاک کنویں کا پانی نکالنے میں نیت ضروری نہیں	۲۲۹
۱۲۹	کنواں ناپاک ہوجائے تو پاک کرنے کا طریقہ	۲۳۰
۱۳۰	کنویں کا ناپاک پانی حوض میں بھر گیا تو کیا حکم ہے؟	۲۳۱
۱۳۱	ناپاک پانی جاری کرنے سے پاک ہوجاتا ہے	۲۳۲
۱۳۲	مَنْفَذْ سے ناپاک پانی کنویں میں جائے تو کیا حکم ہے؟	۲۳۳
۱۳۳	دہ دردہ حوض کی شکلیں	۲۳۴
۱۳۴	نجاست کا محض احتمال ہو تو کیا حکم ہے؟	۲۳۵
۱۳۵	ٹپ میں ناپاک و پاک کپڑے ایک ساتھ دھونے کا حکم	۲۳۶
۱۳۶	تالاب میں پاک ناپاک تمام کے غسل کرنے سے پانی کا حکم	۲۳۷
۱۳۷	ٹرین کے پانی سے غسل کرنا	۲۳۹
❁	**باب نواقض الوضوء**	❁
۱۳۸	سر میں تیل غسل جنابت کے لیے مانع نہیں	۲۳۹
۱۳۹	عورت کا بچہ کو دودھ پلانا ناقضِ وضو نہیں ہے	۲۴۰
۱۴۰	ستر کھل جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا	۲۴۰
۱۴۱	بلاوجہ غسل جنابت میں تاخیر کرنا	۲۴۱
۱۴۲	دوائی کے ذریعہ بالوں کو بھورا بنانا، وضو اور غسل کا حکم	۲۴۱
۱۴۳	غسل خانہ میں وضو	۲۴۲
۱۴۴	مرد اور عورت پر کن چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے؟	۲۴۳

۱۴۵	زوجین کا باہم عضو مخصوص اور پستان کو چومنا چاٹنا، دبانا، اس سے غسل واجب ہے؟	۲۴۳
۱۴۶	متعدد بار خروجِ ریح کا عارضہ	۲۴۴
۱۴۷	پیشاب کے بعد قطرہ نکلتا رہتا ہو تو طہارت کیسے حاصل کرے؟	۲۴۵
۱۴۸	بیدار ہونے کے بعد گاڑھا پانی نکلے تو کیا کرے؟	۲۴۶
۱۴۹	پیشاب کی مصنوعی تھیلی والے معذور کے متعلق چند احکام	۲۴۷
۱۵۰	ریح کے ساتھ نکلنے والی تری ناپاک ہوگی؟	۲۵۰
۱۵۱	مرد و عورت کے غسل جنابت میں فرق کیوں؟	۲۵۰
۱۵۲	ناپاک تہبند میں غسل کرنا	۲۵۱
۱۵۳	جنبی کا ناپاک پانی سے غسل کرنا	۲۵۲
۱۵۴	وضو میں ڈاڑھی کے اندر پانی پہنچانا	۲۵۲
۱۵۵	سنن وضوء کا پورا کرنا ضروری ہے چاہے جماعت ختم ہو جائے	۲۵۳
۱۵۶	ریخوں میں سونا چاندی بھروانا حصول طہارت سے مانع ہے؟	۲۵۶
۱۵۷	انگلی پر ووٹ ڈالنے کا نشان مانع طہارت نہیں	۲۵۸
۱۵۸	ہاتھ پیر میں مچھلی کے چھلکے لگے ہوں تو مانع وضو ہیں	۲۵۹
۱۵۹	صحبت کے بعد کب غسل کرے؟	۲۶۰
۱۶۰	شافعی مسلک میں منی پاک ہے	۲۶۱
۱۶۱	ماءِ مستعمل پونچھے ہوئے رومال پر سجدہ کرنا	۲۶۱

۱۶۲	قرآن کریم بھرے ہوئے آلات کو بلا وضو چھونا	۲۶۲
۱۶۳	سوتی موزوں پر مسح کا حکم	۲۶۲
❁	**باب الحیض والنفاس**	❁
۱۶۴	حائضہ عورت قرآن کے علاوہ ذکر وغیرہ کرسکتی ہے	۲۶۳
۱۶۵	حائضہ کے لیے آیات قرآنیہ پر مشتمل دعائیں پڑھنا	۲۶۴
۱۶۶	کئی ماہ حیض نہ آئے تو کیا حکم ہے؟	۲۶۵
۱۶۷	اگر کوئی حالتِ حیض میں جماع کرے تو اس کا کیا کفارہ ہے؟	۲۶۵
❁	**متفرقات طہارت**	❁
۱۶۸	بیت الخلاء کا انحراف سمتِ قبلہ سے کتنا ہو؟	۲۶۶
۱۶۹	استنجاء کرتے اور کھاتے، پیتے وقت سر پر ٹوپی پہننا	۲۶۷
۱۷۰	کیا کوے کا جھوٹا دودھ ناپاک ہے؟	۲۶۷
۱۷۱	بندر کا جھوٹا پاک ہے؟	۲۶۸
۱۷۲	بھینس کے تھن گوبر آلود ہوتے ہوئے دودھ دوہنا	۲۶۹
۱۷۳	بھینسوں کو نہلانے کے حوض سے دودھ کے برتنوں کو دھونا	۲۷۰
۱۷۴	ناپاک پانی سے دھوئے دھکن کے قطرات دودھ میں گرے تو کیا حکم ہے؟	۲۷۰
۱۷۵	دھلائی مشین میں کپڑوں کی پاکی ناپاکی کا حکم	۲۷۱
۱۷۶	ڈرائے کلین میں کپڑے دھلوانا	۲۷۲

۱۷۷	ڈرائی کلین کرانے سے کپڑے پاک ہوجائیں گے	۲۷۲
۱۷۸	سولر ہیٹرس کے ذریعہ پانی گرم کرنا	۲۷۶
۱۷۹	کتا یا سوّر کپڑوں سے چھوجائے تو کیا حکم ہے؟	۲۷۶
۱۸۰	کتا اگر کپڑے یا بدن کو چھوجائے تو کیا حکم ہے؟	۲۷۷
۱۸۱	کتے کے ناک کی ریزش پاک ہے یا ناپاک؟	۲۷۸
۱۸۲	گیلی زمین پر کپڑا لگ کر گیلا ہوجانے کا حکم؟	۲۸۰
۱۸۳	ٹائلس والے ناپاک فرش کی پاکی	۲۸۰
۱۸۴	پانی لگنے سے معفوعنہ نجاست کا زیادہ ہوجانا	۲۸۱
۱۸۵	کھانے کی چیز میں چیونٹی مرگئی تو کیا حکم ہے؟	۲۸۱
۱۸۶	ناپاک گُڑ کو پاک کرنے کا طریقہ	۲۸۲
۱۸۷	استنجاء کے بعد بھی پیشاب کے قطروں کا شک رہے تو؟	۲۸۳
۱۸۸	عورت کا وضو کے لیے نامحرم کے سامنے چہرہ کھولنا	۲۸۳
۱۸۹	نوزائیدہ بچے کے کان میں اذان بعد الغسل کہی جائے	۲۸۴
	باب المواقیت	
۱۹۰	دو تقویموں میں تقابل سے صبح صادق، طلوع وغروب اور شفق میں فرق کی بنیاد	۲۸۷
۱۹۱	دائمی احمدی تقویم اور شمسی تقویم میں کونسی قابل عمل ہے؟	۳۰۲
۱۹۲	نماز کا ٹائم ٹیبل بنانے میں احتیاط والے قول کی رعایت	۳۰۵

۱۹۳	برطانیہ میں اوقاتِ نماز میں اختلاف کا صحیح حل	۳۰۶
۱۹۴	برطانیہ میں غروبِ شفق اور عشا کا وقت	۳۰۸
۱۹۵	غروب آفتاب سے طلوع تک کا ساتواں حصہ وقت نماز فجر والا قاعدہ تخمینی ہے	۳۱۱
۱۹۶	کیا صبح صادق کی پہچان آسان ہے؟	۳۱۳
۱۹۷	جماعت کا وقت ہونے کے بعد پانچ منٹ کی تاخیر	۳۱۴
۱۹۸	صبح صادق، طلوع، غروب، غیبوبت شفق کا دورانیہ اور نمازِ عشاء	۳۱۴
۱۹۹	اوقات نماز	۳۱۷
۲۰۰	نماز اشراق و چاشت کا وقت	۳۱۸
۲۰۱	فجر و عصر کے بعد قصداً نفل پڑھنا مکروہ ہے	۳۱۹
۲۰۲	اوقات مکروہہ میں کون کونسی عبادت جائز ہے؟	۳۲۰
۲۰۳	اوقات مکروہہ میں نماز کی حد	۳۲۰
۲۰۴	طلوع شمس اور احمرار شمس سے پہلے نفل نماز کی وجہ کراہت	۳۲۱
۲۰۵	بہ وقتِ زوال ممانعتِ نماز کی وجہ	۳۲۲
۲۰۶	زوال کا وقت	۳۲۲
۲۰۷	ظہر کا آخری اور عصر کا ابتدائی وقت کب سے ہے؟	۳۲۴
۲۰۸	حنفی کا مثل ثانی میں شافعی امام کی اقتدا میں نماز عصر پڑھنا	۳۲۵
۲۰۹	جہاں چھ مہینے رات اور چھ مہینہ دن ہو وہاں نماز کیسے پڑھیں؟	۳۲۵

	مسائل لباس ومکان	
۲۱۰	وضو کے پانی کو پونچھ کر رومال کو بوقتِ نماز آگے رکھنا کیسا ہے؟	۳۲۶
۲۱۱	ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھنا	۳۲۷
۲۱۲	ناپاک رومال جیب میں رکھ کر نماز پڑھادی	۳۲۷
۲۱۳	چڈی پہن کر نماز پڑھنا	۳۲۸
۲۱۴	نیکر اور انگیہ پہن کر نماز پڑھنا	۳۲۹
۲۱۵	چمڑے کا بیلٹ لگا کر نماز پڑھنا	۳۲۹
۲۱۶	ناجائز کمائی سے خریدے ہوئے کپڑوں میں نماز پڑھنا	۳۲۹
۲۱۷	دعا کے لیے دوپٹہ کے اندر ہاتھ اٹھانا	۳۳۰
۲۱۸	پرانی قبر کو مسمار کر کے اس پر نماز پڑھنا	۳۳۱
۲۱۹	قبرستان میں نماز پڑھنا	۳۳۱
۲۲۰	ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا درست ہے؟	۳۳۲
۲۲۱	ہوائی جہاز میں نماز کیسے پڑھیں؟	۳۳۲
	باب استقبال القبلة	
۲۲۲	کمپاس کے ذریعہ مسجد قدیم کے قبلہ میں تغیر وتبدل کرنا	۳۳۳
۲۲۳	استقبال قبلہ سے کتنا انحراف مفسدِ صلوۃ ہے؟ اور مسجد بنانے والوں کو ہدایت	۳۳۴
۲۲۴	سمت قبلہ معلوم کرنے کا شرعی معیار	۳۳۷

۲۲۵	قبلہ سے ۲۷ درجہ انحراف کی وجہ سے جماعتِ ثانیہ کا حکم	۳۴۸
۲۲۶	مسجد کی ظاہری خوب صورتی برقرار رکھنے کے لیے ۴۵ ڈگری منحرف کردینا	۳۵۰
۲۲۷	ریل گاڑی میں انحراف قبلہ کی حالت میں نماز	۳۵۴
❁	**باب الاذان**	❁
۲۲۸	اذان واقامت سے پہلے تعوذ وتسمیہ پڑھنا	۳۵۵
۲۲۹	اذان میں کوئی کلمہ چھوٹ گیا تو کیا کرے؟	۳۵۶
۲۳۰	سفر میں اذان دینا مستحب ہے	۳۵۶
۲۳۱	مسجد میں اذان دینا	۳۵۷
۲۳۲	اذان کے بعد کی دعا میں "والدرجة الرفيعة" کے الفاظ ثابت ہیں؟	۳۵۸
۲۳۳	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان دی ہے یا نہیں؟	۳۵۹
۲۳۴	حالت جنابت میں اقامت کی صورتیں	۳۶۰
۲۳۵	نومولود کے کان میں عورت کا اذان کہنا	۳۶۱
۲۳۶	اذان میں "اللہ اکبر" متعدد بار کیوں؟	۳۶۱
۲۳۷	اذان، اقامت، ادعیۂ ماثورہ میں قوانینِ تجوید کی رعایت	۳۶۲
۲۳۸	اذانِ اوّل کے بعد تلاوتِ قرآن	۳۶۲
۲۳۹	غیر مؤذن کا اقامت کہنا	۳۶۳

۲۴۰	ٹیپ کی اذان ناکافی ہے	۳۶۳
۲۴۱	ڈاڑھی منڈے شخص کا اذان دینا	۳۶۴
❁	**باب مسائل الصفوف**	❁
۲۴۲	افضل صف کونسی؟	۳۶۵
۲۴۳	نماز میں قدم سے قدم ملانا	۳۶۶
۲۴۴	نمازی کے سامنے سے گزرنے کی حد	۳۶۹
۲۴۵	نمازی کے آگے سے گزرنے اور ہٹنے میں فرق	۳۷۰
۲۴۶	صف اول کا مطلب اور امام کے جانبین بچوں کو کھڑا رکھنا	۳۷۱
۲۴۷	محراب حائل ہو تو پہلی صف کونسی شمار ہوگی؟	۳۷۳
۲۴۸	صفوں کی درستگی کے دو طریقے	۳۷۳
۲۴۹	جگہ کی تنگی کی وجہ سے ترچھی صفوں کی گنجائش کی حد	۳۷۸
۲۵۰	امام اور منبر کے درمیان ایک مصلی کی جگہ خالی رکھنا	۳۸۰
۲۵۱	لوگوں کو پھلانگ کر پہلی صف پُر کرنا	۳۸۱
۲۵۲	دوسری صف میں نماز پڑھنے والے کو صف اول کا ثواب نہیں ملے گا	۳۸۱
۲۵۳	جلدی آنے پر پہلی صف کا ثواب	۳۸۲
۲۵۴	منبر کو توڑے بغیر صف اول	۳۸۳
۲۵۵	پہلی صف کون سی ہے؟	۳۸۳
۲۵۶	قلت جگہ کی وجہ سے امام کے پیچھے ایک آدمی کھڑا رہ سکتا ہے	۳۸۴

۲۵۷	بچوں سے متعلق صفوف کے چند مسائل	۳۸۴
۲۵۸	بچوں کو صف میں کہاں کھڑے کرے؟	۳۸۸
۲۵۹	بچوں کی صف کے آگے سے گزرنا	۳۸۸
۲۶۰	کیا امام کے لیے صفوں کی درستگی کا اعلان کرنا ضروری ہے؟	۳۸۹
❁	**باب الامامة**	❁
۲۶۱	امام اور مؤذن سے متعلق چند سوالات	۳۹۱
۲۶۲	امام کیسا ہونا چاہیے؟	۳۹۶
۲۶۳	امامت کو کورٹ کے ذریعہ رجسٹریشن کرالینا درست نہیں	۳۹۷
۲۶۴	عالم کا عامی کی اقتدا میں نماز پڑھنا	۴۰۰
۲۶۵	امام کی وجہ سے جماعت کو مؤخر کرنا	۴۰۱
۲۶۶	کبھی کبھار مثل اول پر عصر پڑھانا	۴۰۱
۲۶۷	بے ریش غیر مقلد کی اقتداء میں نماز پڑھنا	۴۰۲
۲۶۸	کپڑے کے موزوں پر مسح کرنے والے کے پیچھے نماز	۴۰۳
۲۶۹	غیر مقلد خطیب کی اقتداء میں جمعہ	۴۰۴
۲۷۰	مہدوی فرقہ سے تعلق رکھنے والے حافظ کی اقتداء میں نماز	۴۰۴
۲۷۱	مرضِ برص میں مبتلا آدمی کی امامت کیا مکروہ ہے؟	۴۰۵
۲۷۲	ٹی۔وی دیکھنے والے کی امامت مکروہ تحریمی ہے	۴۰۶
۲۷۳	ٹی وی پروگرام میں کردار ادا کرنے والے کی امامت	۴۰۷

۲۷۴	پتا کھیلنے اور ٹی وی دیکھنے والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے	۴۰۷
۲۷۵	مؤذن کی اجازت سے دوسرا شخص تکبیر کہہ سکتا ہے	۴۰۷
۲۷۶	تنخواہ دار امام بہتر ہے یا غیر تنخواہ دار؟	۴۰۹
۲۷۷	حرام کمائی سے دعوت کھانے والے امام کی امامت	۴۱۰
۲۷۸	غیر منتشر آلہ والے کی امامت	۴۱۱
۲۷۹	حرام خور اور کاذب کی امامت	۴۱۱
۲۸۰	ناپسند امام کی امامت	۴۱۲
۲۸۱	فاسق کی امامت	۴۱۳
۲۸۲	فاسق کی امامت	۴۱۴
۲۸۳	فاسق کی امامت	۴۱۵
۲۸۴	مودودی امام کی امامت	۴۱۶
۲۸۵	غیر مقلد کی اقتداء میں نماز پڑھنا	۴۱۶
۲۸۶	طامع دنیا بناوٹی شافعی کی اقتداء میں نماز کا حکم	۴۱۷
۲۸۷	شافعی المسلک کی جماعت ثانیہ میں حنفی کی شرکت	۴۱۸
۲۸۸	نماز عید، شافعی امام کی اقتداء میں	۴۲۳
۲۸۹	شافعی حافظ کی امامت کا حکم	۴۲۴
۲۹۰	شافعی امام کی اقتداء میں فجر کی نماز	۴۲۵
۲۹۱	حنفی کا شافعی امام کے پیچھے قنوت نازلہ میں ہاتھ اٹھانا	۴۲۶

۲۹۲	کیا حنفی امام نماز میں شوافع مقتدیوں کی رعایت کرے گا؟	۴۲۶
۲۹۳	حنفی امام کا مقتدیوں کے فقہی مسالک کی رعایت کرنا	۴۲۷
۲۹۴	سات ماہ میں پیدا ہونے والے کی امامت	۴۲۸
۲۹۵	نصف آستین کا کرتہ پہن کر نماز پڑھانا	۴۲۹
۲۹۶	کفریہ عقیدہ رکھنے والے بریلوی کے پیچھے نماز	۴۲۹
۲۹۷	بریلوی عقائد والے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا	۴۳۱
۲۹۸	اہل حدیث کی امامت	۴۳۲
۲۹۹	فرقۂ مہدوی سے متعلق شخص کی امامت	۴۳۴
۳۰۰	تارک فجر کی امامت	۴۳۵
۳۰۱	دواعیٔ زنا کے مرتکب کو امام و مدرس رکھنا	۴۳۵
۳۰۲	ٹرسٹی نامزدگی کے لیے غلط عریضہ دینے والے امام کی امامت	۴۴۰
۳۰۳	تولیت کا مستحق کون ہے؟	۴۴۱
۳۰۴	دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے والے کی امامت	۴۴۲
۳۰۵	ناحق قتل کرنے والے اور منکر قرآن کی امامت	۴۴۲
۳۰۶	پتلون پہن کر امامت کرنا	۴۴۳
۳۰۷	لنگی پہن کر امامت کرنا	۴۴۴
۳۰۸	شیعہ کی امامت	۴۴۴
۳۰۹	بدعتی کی اقتداء میں نماز پڑھنا	۴۴۴

۳۱۰	بدعتی کی اقتداء میں نماز پڑھنا	۴۴۶
۳۱۱	بدعتی امام کی اقتداء میں نماز	۴۴۶
۳۱۲	بدعتی کی امامت	۴۴۷
۳۱۳	بدعتی امام کی اقتداء	۴۴۸
۳۱۴	ڈاڑھی منڈانے والے کی امامت	۴۵۰
۳۱۵	ڈاڑھی تراشنے والے امام کی امامت	۴۵۱
۳۱۶	ڈاڑھی کاٹنے والے کی امامت واذان	۴۵۱
۳۱۷	داڑھی کٹوانے والے کوامام بنانا مکروہِ تحریمی ہے	۴۵۲
۳۱۸	قرآن مجید غلط پڑھنے والے کی امامت	۴۵۲
۳۱۹	قرآن شریف غلط پڑھنے والے کی امامت	۴۵۳
۳۲۰	غلط خواں امام کی امامت	۴۵۴
۳۲۱	قواعد تجوید سے ناواقف اور ڈاڑھی کٹانے والے کی امامت	۴۵۵
۳۲۲	نس بندی کرانے والے کی امامت	۴۵۷
۳۲۳	امامِ مسجد کا سفرِ تبلیغ کرنا	۴۵۷
۳۲۴	اونچی تنخواہ کے خاطر حنفی مسلک چھوڑ دینا	۴۵۸
۳۲۵	ایک امام کے قابل اصلاح افعال	۴۶۲
۳۲۶	ایک امام صاحب کا قابلِ اصلاح طریقۂ نماز	۴۶۵
۳۲۷	نماز میں سوجانے والے شخص کی امامت	۴۶۶

۳۲۸	مقتدیوں میں سے کس کو امام بنایا جائے؟	۴۶۷
۳۲۹	بینک کے ملازم کی اقتداء میں نماز پڑھنا	۴۶۷
۳۳۰	سفید داغ والے امام کی امامت	۴۶۸
۳۳۱	کچی پیاز کھا کر امامت کرانا	۴۶۹
۳۳۲	سود خور امام کی امامت	۴۷۰
۳۳۳	سود خور کی امامت	۴۷۱
۳۳۴	بجلی چوری کرنے والے امام کی امامت	۴۷۲
۳۳۵	قبلیہ سنت پڑھے بغیر امامت کرنا	۴۷۲
۳۳۶	امامت کی تنخواہ اور ثواب	۴۷۳
۳۳۷	حروف میں "ؤ ئ" بولنے والے کی امامت	۴۷۳
۳۳۸	کم ڈاڑھی والے کی امامت	۴۷۵
۳۳۹	ایک ہاتھ والے کی امامت	۴۷۵
۳۴۰	بے شادی شدہ کی امامت	۴۷۶
۳۴۱	کان کی لَو سے نیچے بال والے کی امامت	۴۷۶
۳۴۲	ٹخنہ سے نیچے پائجامہ والے کی امامت	۴۷۶
۳۴۳	زکوۃ کھانے والے صاحبِ نصاب امام کی امامت کا حکم	۴۷۷
۳۴۴	دو اماموں میں سے کونسا امام امامت کا حق دار ہے	۴۷۷
۳۴۵	نکاحِ حلالہ میں خطبۂ نکاح پڑھانے والے کی امامت	۴۷۸

۳۴۶	چار بیوی رکھنے والے کی امامت	۴۷۹
۳۴۷	مسجد کی جگہ پر امام کا قابض ہونا	۴۷۹
۳۴۸	امام صاحب کا سنن ونوافل مصلے پر ہی ادا کرنا	۴۸۱
۳۴۹	امام کا کسی امتیازی جگہ کھڑا رہنا اور اس کی اقتدا	۴۸۱
۳۵۰	مقتدیوں کی ناراضگی کے باوجود امامت کرنا	۴۸۳
	باب الجماعة	
۳۵۱	تعمیرِ مسجد کے دوران کسی اور مکان میں جماعت کرنا	۴۸۳
۳۵۲	تنہا عورتوں کی جماعت مکروہ ہے	۴۸۴
۳۵۳	میاں بیوی کا باجماعت نماز پڑھنا	۴۸۶
۳۵۴	مسجد شرعی میں تکرار جماعت مکروہِ تحریمی ہے	۴۸۷
۳۵۵	طلبہ کی راحت کی خاطر مسجد میں جماعتِ ثانیہ کرنا	۴۸۸
۳۵۶	کالج میں مخصوص جگہ میں تکرارِ جماعت	۴۸۹
۳۵۷	بغرض تعلیم مسجد کے بجائے مدرسہ میں جماعت سے نماز پڑھنا، ایک مسجد میں اوپر اور نیچے الگ الگ جماعت کرنے کا حکم	۴۹۰
۳۵۸	تہ خانے میں اور بالائی منزل پر اقتدا	۴۹۲
۳۵۹	جماعت خانہ کے باہر اقتداء	۴۹۲
۳۶۰	مسبوق کو نائب بنانا	۴۹۳
۳۶۱	حرم شریف میں تہجد کی جماعت میں شریک ہونا	۴۹۶

۳۶۲	امام کی اقتداء کی نیت ضروری ہے	۴۹۷
۳۶۳	گھر پر رہ کر امام کی اقتداء کرنا	۴۹۷
۳۶۴	امام سے پہلے رکوع، سجدے میں چلے جانا	۴۹۸
۳۶۵	واجب الاعادہ نماز میں شرکت	۵۰۰
۳۶۶	مائک کی خرابی کی وجہ سے امام کی آواز نہ پہنچے تو مقتدی کیا کریں؟	۵۰۱
۳۶۷	جماعت چھوڑ کر تنہا نماز پڑھنا	۵۰۱
❁	**باب القراءۃ وزلۃ القاری**	❁
۳۶۸	فجر میں قرأت کے طول وقصر کا مدار	۵۰۲
۳۶۹	نماز میں مفصلات پڑھنے کا حکم	۵۰۴
۳۷۰	فجر میں اسفار، فجر کی سنت جماعت کھڑی ہونے کے بعد ادا کرنا، سنتِ فجر کی قضاء اور فجر کی قرأت کی تفصیل	۵۰۷
۳۷۱	بروز جمعہ فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر کا اہتمام کرنا کیسا ہے؟	۵۱۴
۳۷۲	جمعہ کے روز فجر میں مسنون قراءت پر کراہت کے شبہ کا ازالہ	۵۱۵
۳۷۳	سورتیں ترتیب سے پڑھنے کا حکم فرائض کے ساتھ خاص ہے	۵۱۹
۳۷۴	نماز میں دو سورتوں کے درمیان ایک سورت ترک کرنا	۵۲۰
۳۷۵	نماز میں خلاف ترتیب قرآن پڑھنا	۵۲۱
۳۷۶	نماز میں قرأت سبعہ پڑھنا	۵۲۱
۳۷۷	ظہر وعصر میں قرأت سراً اور مابقیہ نمازوں میں جہراً کیوں؟	۵۲۲

۳۷۸	منفرد اپنی قرأت آہستہ کرے یا زور سے؟	۵۲۲
۳۷۹	رکوع میں یاد آیا کہ سورت نہیں پڑھی تو کیا کرے؟	۵۲۳
۳۸۰	آیت چھوڑنے سے نماز میں نقص نہیں آتا	۵۲۴
۳۸۱	نماز میں سورۂ توبہ سے قبل أعوذ باللہ من النار پڑھنے کا حکم	۵۲۵
۳۸۲	درمیان قراءت میں چند آیات چھوڑ کر آگے پڑھنا	۵۲۵
۳۸۳	دو سورتوں کے بیچ میں بسم اللہ پڑھنا	۵۲۶
۳۸۴	نوافل کی جماعت میں جہراً قرأت کرنا	۵۲۷
۳۸۵	سورۂ ماعون سے سورۂ نصر تک چار رکعت میں پڑھنا	۵۲۸
۳۸۶	زلۃ القاری کا ایک مسئلہ	۵۲۸
۳۸۷	ان اللہ لا یحب المتقین پڑھنا	۵۲۹
۳۸۸	”یدافع عن الذین کفروا“ پڑھ دیا	۵۳۰
۳۸۹	”هم عن صلوتهم“ کی جگہ ”هم صلوٰتهم“ پڑھنا	۵۳۰
۳۹۰	”فاقرة“ کی جگہ ”فراق“ پڑھنا	۵۳۱
۳۹۱	”وتواصوا بالصبر“ پھر ”وتواصوا بالحق“ پڑھنا	۵۳۱
۳۹۲	نماز میں إنك بالمرصاد پڑھ دیا	۵۳۲
۳۹۳	قرآن میں وسبحہ کی جگہ سبہ پڑھا تو نماز فاسد ہوگی؟	۵۳۳
۳۹۴	قرأت میں فاحش غلطی کر کے صحیح پڑھا تو کیا نماز ہو جائیگی؟	۵۳۳
۳۹۵	نماز میں ”یعلمون“ کی جگہ ”لا یعلمون“ پڑھنا	۵۳۴

۳۹۶	فرض قرأت کے بعد فاحش غلطی سے نماز کا فساد	۵۳۴
۳۹۷	نماز میں قراءت کی چند غلطیاں	۵۳۵
۳۹۸	اعراب کی تبدیلی مفسد صلاۃ نہیں	۵۳۷
۳۹۹	اللہ کے ہمزہ اور أکبر کے با کو کھینچ کر پڑھنے سے نماز کا حکم	۵۳۹
۴۰۰	التجارہ کے بہ جائے التجارۃ پڑھنے سے نماز کا حکم	۵۴۰
۴۰۱	زلۃ القاری کے اصول کے مراجع	۵۴۰

فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
❁	**باب صلاۃ القضاء والمسبوق**	❁
۱	قضائے عمری کی نماز پڑھنے کا طریقہ کیا ہے؟	۳۱
۲	فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بجائے تین بار سبحان اللہ کہنا	۳۲
۳	قضاء نمازوں کو بیت اللہ شریف جا کر پڑھے تو کیا ایک لاکھ کے برابر ثواب ملے گا؟	۳۳
۴	بیت اللہ شریف میں ایک قضاء نماز پڑھنے سے ایک ہی نماز ذمہ سے ساقط ہوگی نہ کہ ایک لاکھ	۳۴
۵	قضاء نمازوں کا علم نہ ہو تو کیسے قضا کریں؟	۳۴
۶	فوت شدہ نمازوں کی تعداد معلوم کرنے کا طریقہ	۳۵
۷	قضاء عمری کا آسان طریقہ	۳۶
۸	فاسد شدہ نماز کی قضاء کہاں کرے؟	۳۶
۹	صاحب ترتیب پہلے عصر پھر مغرب پڑھے	۳۸
۱۰	ظہر اور عصر چھوٹ جائے تو پہلے کس کو پڑھے؟	۳۸
۱۱	بناء کا حکم	۳۹
۱۲	مسبوق کے لیے ثناء	۴۰

۱۳	مسبوق تشہد ترک کردے تو سجدۂ سہو واجب ہے	۴۱
۱۴	چھوٹی ہوئی تین رکعت پڑھنے کی ترکیب	۴۲
۱۵	مسبوق امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو؟	۴۲
۱۶	مسبوق التحیات کے بعد کیا پڑھے؟	۴۳
۱۷	ترک واجب کی وجہ سے اعادۂ نماز میں مسبوق کیا کرے؟	۴۳
۱۸	نماز کا فدیہ	۴۵
❁	**باب السنن والنوافل**	❁
۱۹	اذان سے پہلے سنت پڑھ لینا	۴۶
۲۰	دو رکعت میں تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کی نیت کرنا	۴۶
۲۱	کیا دوسروں کے لیے استخارہ کرسکتے ہیں؟	۴۷
۲۲	شوافع کے یہاں نماز مغرب سے پہلے دو رکعت	۴۸
۲۳	دو رکعت میں صلوۃ الحاجہ وصلوۃ التوبہ کی ایک ساتھ نیت کرنا	۴۹
۲۴	طلبِ باراں کی نماز	۵۰
۲۵	سنن قبلیہ اور بعدیہ کو مسجد میں پڑھنا بہتر ہے یا گھر میں؟	۵۱
۲۶	تہجد کی نماز باجماعت منقول نہیں	۵۷
۲۷	صلاۃ التسبیح اور تہجد باجماعت	۵۹
۲۸	تہجد کا طریقہ، اہمیت اور فضائل	۵۹
۲۹	تہجد کے متعلق کچھ سوال	۶۰

۳۰	صلاۃ الکسوف مکروہ اوقات میں پڑھنا	۶۱
۳۱	کسوف شمس کی رکعتیں اور قراءت کی کیفیت	۶۱
❁	**باب سجود السھو**	❁
۳۲	تیسری رکعت میں بھول کر بیٹھنے سے سجدۂ سہو	۶۳
۳۳	قعدۂ اولی میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھ لیا	۶۳
۳۴	وتر کے بعد قعدۂ اولیٰ میں سورۂ فاتحہ پڑھ لینا	۶۴
۳۵	قعدۂ اولیٰ چھوڑ کر تیسری رکعت میں قعدہ کرنے پر سجدۂ سہو	۶۵
۳۶	نفل نماز میں بھی سجدۂ سہو واجب ہے	۶۵
۳۷	ایک سورت کی ابتدا کے بعد دوسری سورت پڑھنے کا حکم	۶۶
۳۸	ایک آیت چھوڑنے پر سجدۂ سہو کرنا	۶۷
۳۹	دوسری رکعت کے بعد کھڑا ہونے سے سجدۂ سہو	۶۷
۴۰	قعدۂ اولیٰ بھول کر کھڑے ہونا	۶۷
۴۱	عصر میں سہو کی وجہ سے پڑھی گئی مزید دو رکعت مکروہ نہیں	۶۸
۴۲	التحیات سے پہلے سجدہ کی تسبیح دو مرتبہ پڑھی تو سجدۂ سہو نہیں	۶۹
۴۳	نماز میں سجدۂ تلاوت کے بعد دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھنا	۷۰
۴۴	رباعی نماز میں کمی بیشی کا حکم	۷۰
۴۵	قعدہ کے سلسلے میں امام ومقتدی کا اختلاف ہوجائے تو؟	۷۲

	باب سجدۃ التلاوۃ	
۴۶	آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد انتقال ہوگیا	۷۳
۴۷	سجدۂ تلاوت کی ادائیگی واجب ہے	۷۴
۴۸	سجدۂ تلاوت کے فدیہ کی وصیت	۷۵
۴۹	سجدۂ تلاوت کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی تو کیا حکم ہے؟	۷۵
۵۰	آیتِ سجدہ کا لقمہ دینے پر کتنے سجدہ واجب ہوں گے؟	۷۶
۵۱	مکروہ وقت میں سجدۂ تلاوت	۷۶
۵۲	ٹیپ کی قرأت پر سجدۂ تلاوت	۷۷
۵۳	کیسٹ، ٹی-وی یا ریڈیو پر آیت سجدہ سننے سے سجدہ کا وجوب	۷۷
۵۴	ریڈیو کی تلاوت پر سجدۂ تلاوت	۷۸
۵۵	نماز میں سجدۂ تلاوت بھول گیا تو کیا کرے؟	۷۹
	باب التراویح	
۵۶	تراویح میں بسم اللہ بالجہر کا مسئلہ	۷۹
۵۷	تراویح میں جہراً بسم اللہ پڑھنے نہ پڑھنے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام عاصم کا اتباع	۸۲
۵۸	تراویح میں ہر سورۃ کے شروع میں جہراً بسم اللہ پڑھنا	۸۳
۵۹	ہر سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا چاہیے	۸۴
۶۰	نابالغ بچہ (مراہق) تراویح میں لقمہ دے سکتا ہے؟	۸۴

۶۱	تراویح میں سورۂ ناس کے بعد دعائے ماثورہ پڑھی تو نماز فاسد نہ ہوگی	۸۵
۶۲	امام نے تراویح کی تین رکعت پڑھادی تو کیا حکم ہے؟	۸۶
۶۳	تراویح میں اگر ایک ہی رکعت پڑھی تو اس میں پڑھا ہوا قرآن دہرایا جائے	۸۶
۶۴	رمضان میں عشاء انفراداً پڑھنے والا وتر کی نماز جماعت سے پڑھ سکتا ہے	۸۷
۶۵	تراویح میں ختمِ قرآن کے بعد کیا پڑھنا افضل ہے	۸۷
۶۶	تراویح علاحدہ پڑھنے کی صورت میں عشاء کی نماز مسجد میں باجماعت پڑھنا ضروری ہے	۸۸
۶۷	امام کو لقمہ دینے میں جلدی کرنا کسے کہتے ہیں؟	۹۰
۶۸	تراویح پڑھانے کے معاوضہ کا مصرف	۹۱
۶۹	تراویح پڑھانے والے کا ہدیہ لینا	۹۱
۷۰	تراویح کی اجرت لوٹانے کا طریقہ	۹۲
۷۱	تراویح کا ہدیہ جبراً	۹۳
۷۲	تراویح پر ہدیہ لینا	۹۴
۷۳	تراویح پر معاوضہ اور حیلہ	۹۵
۷۴	تراویح پر اجرت کا حیلہ	۹۶

۷۵	تراویح پر اجرت	۹۷
۷۶	تراویح پر اجرت اور حیلہ	۹۹
۷۷	تراویح پڑھانے والے کے لیے چندہ	۱۰۱
۷۸	تراویح میں سامع ضروری نہیں	۱۰۲
۷۹	تراویح کی تین رکعت پڑھادی	۱۰۲
۸۰	تراویح میں نابالغ کی امامت	۱۰۳
۸۱	چودہ سالہ حافظ کی اقتداء میں تراویح	۱۰۳
۸۲	تراویح میں امام حنفی ہو یا شافعی؟	۱۰۴
۸۳	تراویح مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ پڑھنا	۱۰۴
۸۴	شبینہ ممنوع ہے	۱۰۵
۸۵	تراویح کی جماعت کا ثبوت	۱۰۵
۸۶	ایک ہی مسجد میں متعدد تراویح کا حکم	۱۰۶
۸۷	عشاء میں تراویح کا مخصوص الفاظ میں اعلان کرنا بعد تراویح بعض سورۃ پڑھ کر پانی پر دم کر کے تبرک حاصل کرنا	۱۰۶
۸۸	تراویح میں قرأت کے بعد دعا کرنا	۱۰۸
۸۹	تراویح میں بہ اعتبارِ سُوَر قرآن پڑھنا	۱۰۹
۹۰	تراویح میں تسبیحات اور تشہد چھوڑنا	۱۰۹

۹۱	تراویح میں قرآن شریف دیکھ کر پڑھنے والے کی اقتدا	۱۱۰
۹۲	تراویح میں قرآن شریف دیکھ کر لقمہ دیا تو کیا حکم ہے؟	۱۱۰
۹۳	اٹھائیس اور انتیسویں کی تراویح میں کونسی سورتیں پڑھے؟	۱۱۱
۹۴	تراویح اور وتر کے درمیان دعا کرنا	۱۱۲
۹۵	تراویح میں قرآن سنانے سے پہلے اجرت	۱۱۲
۹۶	ترویحہ کی دعائیں	۱۱۴
۹۷	مروّجہ دعائے ترویحہ کی حیثیت اور اس کا دیوارِ قبلہ پر لٹکانا	۱۱۹
۹۸	ہاؤس کی تراویح میں عورتوں کی شرکت	۱۲۰
۹۹	عید، تراویح اور شوہر کی نماز میں عورت کی شرکت	۱۲۲
۱۰۰	مستورات کا باجماعت تراویح پڑھنا	۱۲۲
۱۰۱	عورتوں کے لیے تراویح و جماعت	۱۲۳
۱۰۲	عورتوں پر بھی تراویح ہے	۱۲۴
۱۰۳	تراویح میں ختم قرآن کی شرعی حیثیت	۱۲۵
۱۰۴	ختم قرآن پر شیرینی اور ہدیہ	۱۲۵
۱۰۵	رمضان کی ستائیسویں میں ختم قرآن	۱۲۶
۱۰۶	ستائیسویں شب میں ختم کرنا	۱۲۷
۱۰۷	تراویح کی بیس رکعات کے ثبوت پر رسائل علماء	۱۲۷

۱۰۸	تراویح میں بیس رکعات کا ثبوت	۱۲۹
❁	**باب صلاۃ المسافر**	❁
۱۰۹	شہر کی آبادی کے بعد مسافر شمار ہوگا	۱۳۱
۱۱۰	سفر کی ابتدا وانتہا کی حد	۱۳۱
۱۱۱	شروع سفر سے قصر کرے	۱۳۲
۱۱۲	شرعی مسافت	۱۳۳
۱۱۳	دوسرے شہر میں بغرضِ ملازمت قیام ہو تو قصر نماز پڑھیں	۱۳۳
۱۱۴	جائے ملازمت مقام قصر میں ہو تو وہاں قصر ہوگی	۱۳۴
۱۱۵	سرکاری ڈرائیور قصر کرے گا؟	۱۳۴
۱۱۶	دوران سفر اگر اپنے ہی گاؤں آپہنچے تو نماز پوری پڑھے	۱۳۵
۱۱۷	مستورات بحالت سفر نماز ادا پڑھیں یا قضاء کریں؟	۱۳۵
۱۱۸	سفر میں نماز قضاء ہونے کا خوف ہو تو ٹرین چھوڑ دے	۱۳۶
۱۱۹	شرعی مسافر کا ۴۸/میل سے قبل دو چار دن کے لیے ٹھہرنا	۱۳۶
۱۲۰	سو کلومیٹر سفر کرنے سے قصر	۱۳۷
۱۲۱	سفر میں قبلہ کی تحری اور منفرد کے لیے اذان واقامت کا حکم	۱۳۷
۱۲۲	بس کے سفر میں نماز	۱۳۸
۱۲۳	وطن اقامت بنانے کی ایک تدبیر	۱۳۸
۱۲۴	جیل میں نماز قصر پڑھیں یا نہیں؟	۱۳۹

۱۲۵	مدتِ اقامت	۱۴۰
۱۲۶	ایک شہر کے مختلف محلوں میں قیام کی نیت کرنے والا اتمام کرے	۱۴۱
۱۲۷	مسافر امام نے چار رکعت والی نمازیں پڑھادیں	۱۴۱
۱۲۸	مسافر اتمام کرے تو کیا حکم ہے؟	۱۴۲
۱۲۹	ایک ہفتہ کا قیام معلوم ہونے کے باوجود اقامت کی نیت کرنا	۱۴۳
۱۳۰	نیت اقامت کے شرائط	۱۴۵
۱۳۱	نیت اقامت کے شرائط کی تفصیل	۱۴۵
۱۳۲	وطن اقامت کب باطل ہوتا ہے؟	۱۵۱
۱۳۳	وطنِ اقامت سفر شرعی سے باطل ہوجاتا ہے	۱۵۲
۱۳۴	مسافر شخص اقتدا کی صورت میں نماز کس طرح پڑھے؟	۱۵۳
۱۳۵	تبلیغی جماعت کے لیے قصر واتمام کے چند احکام	۱۵۴
	باب صلاۃ الجمعۃ	
۱۳۶	قصبہ کے مثل بستی میں جمعہ	۱۵۶
۱۳۷	گاؤں میں جمعہ	۱۵۸
۱۳۸	چھوٹی بستی میں جمعہ	۱۶۰
۱۳۹	بڑا گاؤں کسے کہتے ہیں؟	۱۶۱
۱۴۰	ایک گاؤں میں نماز جمعہ کے وجوب کی تفصیل وتحقیق	۱۶۳
۱۴۱	شرائط جمعہ نہ پائے جانے کے باوجود جمعہ پڑھنا	۱۶۵

۱۴۲	چھوٹے دیہات میں جمعہ کا حکم	۱۶۶
۱۴۳	جیل خانہ میں نماز جمعہ	۱۶۶
۱۴۴	زوال سے پہلے اذان جمعہ	۱۷۰
۱۴۵	شہر میں جمعہ کی اذانِ اول پر کاروبار بند کرنے کا مسئلہ	۱۷۱
۱۴۶	جمعہ کے وقت ہوٹل بند رکھنا ضروری ہے	۱۷۲
۱۴۷	اردو میں خطبہ	۱۷۳
۱۴۸	خطبۂ جمعہ میں عربی کے علاوہ دوسری زبان کی ملاوٹ	۱۷۳
۱۴۹	غیر عربی میں خطبہ دینا	۱۷۵
۱۵۰	اردو میں خطبہ دینا اور مقتدیوں کا اسے نہ سننا	۱۷۷
۱۵۱	دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا	۱۷۷
۱۵۲	خطبہ ختم ہونے سے پہلے کھڑے ہونے والوں کو بٹھا دینا	۱۷۸
۱۵۳	خطبۂ جمعہ میں بنات مکرمات رضی اللہ عنہن کا ذکر مبارک	۱۷۹
۱۵۴	خطبہ کے وقت عصا لینا مستحب ہے	۱۸۰
۱۵۵	خطبۂ جمعہ عربی میں ضروری ہے	۱۸۰
۱۵۶	خطبہ کے وقت پنکھا جھلوانا	۱۸۱
۱۵۷	خطبہ میں آیت درود کو درود شریف کے ساتھ ملانا	۱۸۲
۱۵۸	خطیب کا ''تعال'' پڑھنا لحن فاحش ہے	۱۸۲
۱۵۹	خطیب کی شکل دیکھنے کے لیے ٹی وی اسکرین مسجد میں لگانا	۱۸۳

۱۶۰	محلہ کی مسجد اور دیگر جگہ میں تکرار جمعہ	۱۸۵
۱۶۱	ایک بستی میں دو جگہ جمعہ قائم کرنا	۱۸۷
۱۶۲	ایک ہی مسجد میں نمازِ جمعہ کی دو جماعت کرنا	۱۸۹
۱۶۳	جمعہ کے روز باجماعت ظہر پڑھنا	۱۹۰
۱۶۴	بڑی بستی میں جمعہ کے روز احتیاط الظہر پڑھنا	۱۹۱
۱۶۵	بعد جمعہ احتیاط الظہر پڑھنا	۱۹۲
۱۶۶	ملازمت ترک جمعہ کے لیے عذر نہیں بن سکتی	۱۹۴
۱۶۷	امتحان کی وجہ سے نمازِ جمعہ ترک کرنا	۱۹۵
۱۶۸	نماز جمعہ کی درستگی بعد یہ سنن پر موقوف نہیں	۱۹۵
۱۶۹	اذان کے بعد فوراً خطبہ شروع کر دیا تو سنت کب پڑھیں؟	۱۹۶
۱۷۰	بعد نمازِ جمعہ وعیدین دعا سرّاً یا جہراً؟	۱۹۶
۱۷۱	جہاں جمعہ درست نہ ہو وہاں ظہر کے لیے اذان دینا	۱۹۷
۱۷۲	جمعہ میں اول وقت سے کیا مراد ہے؟	۱۹۸
۱۷۳	ذہاب الی الجمعۃ کی روایات میں وارد مختلف الفاظ میں تطبیق	۱۹۹
۱۷۴	جمعہ کے دن صبح سویرے غسل کرنے سے سنت کی ادائیگی	۲۰۰
۱۷۵	دیہاتوں کا مشترکہ قبرستان فنائے شہر میں شمار نہیں ہوسکتا	۲۰۱
۱۷۶	جمعہ کے دن دورانِ بیان سنتیں پڑھنا	۲۰۳
۱۷۷	اذانِ خطبہ کے درمیان چندہ جمع کرنا	۲۰۵

۱۷۸	اذانِ خطبۂ جمعہ سے متعلق چند سوالات	۲۰۵
۱۷۹	جمعہ کی اذان ثانی کا طریقہ	۲۰۷
❁	**باب صلاۃ العیدین**	❁
۱۸۰	جس بستی میں جمعہ ہوسکتی ہو وہاں نماز عیدین بھی درست ہے	۲۰۸
۱۸۱	عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے	۲۰۹
۱۸۲	آبادی میں مسجد کے باہر نماز عید ادا کرنا	۲۱۵
۱۸۳	نماز عید عیدگاہ میں پڑھے یا میدان میں؟	۲۱۷
۱۸۴	نماز عید کے بعد طویل دعا مانگنا	۲۱۷
۱۸۵	عیدین میں دعا نماز کے بعد کرے یا خطبہ کے بعد؟ حضرات اکابر کا معمول	۲۱۸
۱۸۶	دعا نماز عید کے بعد یا خطبہ کے بعد؟	۲۲۴
۱۸۷	عیدین کے خطبے کے بعد طویل دعا کرنا عیدین میں مصافحہ ومعانقہ کرنا	۲۲۵
۱۸۸	نماز عید کے بعد مصافحہ ومعانقہ کرنا	۲۲۵
۱۸۹	مصافحہ بعد العیدین کا حکم	۲۲۶
۱۹۰	تکبیر تشریق ایک بار کہنا سنت ہے	۲۲۷
۱۹۱	عیدین میں جماعتِ ثانیہ کا جواز	۲۲۷
۱۹۲	عیدین میں جماعت ثانیہ کا حکم	۲۳۷

۱۹۳	دس افراد کا عید کی نماز الگ پڑھنا مکروہ ہے	۲۳۸
۱۹۴	عید کی نماز تنہا پڑھنا	۲۳۹
۱۹۵	عیدین میں زائد تکبیر کہہ دی	۲۳۹
۱۹۶	نماز عیدین میں پانچ تکبیرات زوائد کہنا	۲۴۰
۱۹۷	عیدین کی شرائط مفقود ہوں وہاں نماز عید جاری رکھنا	۲۴۱
۱۹۸	مسبوق عید کی نماز کس طرح پڑھے؟	۲۴۳
۱۹۹	نماز عید کے بعد قبرستان جانا	۲۴۳
۲۰۰	عید کے دن پورے سال انتقال ہونے والوں کے گھر جا کر ان کی تعزیت کرنا	۲۴۴
۲۰۱	عید کے دن تعزیت کرنا	۲۴۵
۲۰۲	عید کی نماز سے پہلے وعظ بیان کرنا	۲۴۵
۲۰۳	غیر مجوّز مقرر و واعظ کا عید کی نماز پڑھانا	۲۴۶
۲۰۴	واعظین کا عیدگاہ میں وقت کی پابندی نہ کرنا	۲۴۷
	باب الجنائز	
۲۰۵	نماز جنازہ کی تعجیل یا تاخیر کے متعلق چند سوالات	۲۴۸
۲۰۶	جماعت خانے میں جنازے کی نماز پڑھنا	۲۵۴
۲۰۷	نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا	۲۵۵
۲۰۸	جنازہ کی نماز میں ثناء کا ثبوت	۲۵۵

۲۰۹	امام جنازہ کی نماز میں کہاں کھڑا رہے؟	۲۵۶
۲۱۰	جنازہ کی صفوں کا فاصلہ	۲۵۷
۲۱۱	صفوفِ نمازِ جنازہ کی درستگی کے درمیان کلمۂ شہادت پڑھنا	۲۵۷
۲۱۲	نماز جنازہ اور تراویح وغیرہ کی نیت	۲۵۷
۲۱۳	ائمۂ حرم کی اقتدا میں نمازِ جنازہ دوسلام سے پڑھنے پر اشکال کا جواب	۲۵۸
۲۱۴	نماز جنازہ مکرر پڑھنا	۲۶۰
۲۱۵	شافعی امام کے پیچھے غائبانہ میت کی نماز جنازہ پڑھنا	۲۶۱
۲۱۶	عورت اگر نماز جنازہ پڑھے تو کیا حکم ہے؟	۲۶۱
۲۱۷	کیا جلی ہوئی میت کو غسل دیا جائے گا؟	۲۶۲
۲۱۸	پوسٹ مارٹم کئے ہوئے شخص کی تجہیز وتکفین اور نمازِ جنازہ	۲۶۲
۲۱۹	میت پلاسٹک میں سِل پیک کردہ ہو تو غسل کیسے دیا جائے؟	۲۶۴
۲۲۰	بعد وفات زوجین کا ایک دوسرے کو دیکھنا اور غسل دینا	۲۶۴
۲۲۱	مرنے کے بعد بیوی کا چہرہ دیکھنا	۲۶۵
۲۲۲	بہت چھوٹے بچے کو عورت غسل دے سکتی ہے	۲۶۶
۲۲۳	بے نمازی کی نمازِ جنازہ نہ پڑھنے کی تجویز درست نہیں	۲۶۶
۲۲۴	فاسق وگنہ گار مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟	۲۶۷
۲۲۵	خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ	۲۶۸

۲۲۶	قبر پر نماز جنازہ کب تک پڑھ سکتے ہیں؟	۲۶۹
۲۲۷	رضا خانی سے مقابلہ میں مر گیا وہ شہید ہے	۲۶۹
۲۲۸	پیٹ کے کینسر سے مرنے والا شہید ہے	۲۷۰
۲۲۹	فسادات میں مقتول شہید ہے	۲۷۰
۲۳۰	لاوارث میت کا حکم	۲۷۱
۲۳۱	دفن کے بعد مستحب اعمال	۲۷۲
۲۳۲	بعد تدفین مستحب عمل	۲۷۳
۲۳۳	جنازہ کے ساتھ میلاد پڑھنا، بعد دفن اذان دینا	۲۷۳
۲۳۴	قبر پر اذان دینا	۲۷۵
۲۳۵	زیارت قبور کا مسنون طریقہ	۲۷۶
۲۳۶	زیارت قبور اور میت کی روح کے متعلق	۲۷۷
۲۳۷	انتقال کے بعد سونے کا دانت نکالنا	۲۷۸
۲۳۸	ایصالِ ثواب میں امام ومؤذن کی شرکت	۲۷۸
۲۳۹	قومی ایکتا کے لیے کافر کی میت کا اعزاز واکرام کرنا	۲۷۹
۲۴۰	دیوانہ لڑکے کی نمازِ جنازہ وغیرہ	۲۸۰
۲۴۱	بیٹھ کر قبر میں مٹی رکھنا	۲۸۱
۲۴۲	میت کا منہ دکھانے کی رسم	۲۸۲

۲۴۳	جنازہ میں غیر مسلم کی شرکت	۲۸۲
۲۴۴	میت کے ساتھ کافر کا شریک ہونا	۲۸۳
۲۴۵	بعد دفن ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا	۲۸۳
۲۴۶	دفن کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، اکابر دیوبند کا معمول	۲۸۴
۲۴۷	دفن کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا	۲۸۷
۲۴۸	میت کو خوشبو لگانے کا طریقہ	۲۸۸
۲۴۹	میت کے سرہانے ٹہنی رکھنا	۲۸۹
۲۵۰	تدفین سے پہلے ایصال ثواب کا حکم	۲۹۰
۲۵۱	قبل از غسلِ میت قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کرنا	۲۹۱
۲۵۲	جنازے میں عدمِ شرکت کی وصیت معتبر نہیں	۲۹۱
۲۵۳	جنازے کی ایک رسم	۲۹۲
۲۵۴	قبر کے پاس تلاوت قرآن کا حکم	۲۹۳
۲۵۵	قبر پر قرآن شریف میں دیکھ کر تلاوت	۲۹۳
۲۵۶	میت کو قبر میں کس طرح اتارے؟	۲۹۴
۲۵۷	میت کو قبر میں لٹانے کا طریقہ	۲۹۴
۲۵۸	قبر کتنی اونچی کر سکتے ہیں؟	۲۹۵
۲۵۹	جنازہ کے ساتھ بہ آواز بلند کلمہ پڑھنا	۲۹۵
۲۶۰	شب برأت اور عیدین میں زیارت قبور کا حکم	۲۹۶

۲۶۱	شوہر کے مرض الموت میں مہر معاف کروانا	۲۹۷
۲۶۲	انتقال اور غسل کے وقت میت کو کس طرح سلائے؟	۲۹۷
۲۶۳	غیر مسلم میت کو کندھا دینا اور اگنی سنسکار کرنا	۲۹۸
❁	**باب المکروھات والمفسدات**	❁
۲۶۴	کل صلاۃ ادیت إلخ کا محمل۔ (ہر وہ نماز جو مکروہ کے ارتکاب کے ساتھ پڑھی گئی اس کا لوٹانا مستحب ہے یا واجب؟)	۲۹۹
۲۶۵	نماز میں فساد آئے تو اسی وقت ختم کردے	۳۰۰
۲۶۶	رکوع سجدے میں قراءت کرنا	۳۰۱
۲۶۷	نماز قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنا	۳۰۱
۲۶۸	نماز میں دیکھ کر قرآن شریف پڑھنے والے کی اقتداء کرنا	۳۰۲
۲۶۹	عورت کے محاذات میں نماز پڑھنے کا حکم	۳۰۲
۲۷۰	امام کا محراب میں کھڑے ہوکر نماز پڑھانے کی وجہِ کراہت	۳۰۳
۲۷۱	محراب کے مقابل قرآن رکھنا	۳۰۴
۲۷۲	لنگی یا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی	۳۰۵
۲۷۳	جیب میں تصویر رکھ کر نماز پڑھنا	۳۰۶
۲۷۴	تصویر والی گھڑی پہن کر کیا نماز ہوگی؟	۳۰۶
۲۷۵	چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا	۳۰۷
۲۷۶	نماز میں گھڑی دیکھنا	۳۰۷

۲۷۷	نماز میں ستر کا حصہ کھلنے پر ناظر و منظور کی نماز کا حکم	۳۰۸
۲۷۸	ایک رکن میں بار بار کھجلانا	۳۰۸
۲۷۹	نماز میں بہ وقت ختمِ قرآن دعائے ماثورہ پڑھنے کا حکم	۳۰۹
۲۸۰	خانۂ کعبہ وغیرہ کی تصویر والے مصلے پر نماز پڑھنا	۳۱۰
۲۸۱	گرم ٹوپی میں پیشانی چھپا کر نماز پڑھنا	۳۱۱
۲۸۲	کسی آنے والے کی خاطر رکوع یا سجدہ کو طویل کرنا	۲۱۱
۲۸۳	دوسرے سلام کے بغیر نماز ختم کرنا	۳۱۲
۲۸۴	قطرہ روکنے کی غرض سے عضو مخصوص کو باندھ کر نماز پڑھنا	۳۱۳
۲۸۵	مذی کو روک کر نماز پڑھنا	۳۱۳
۲۸۶	امام نے صرف ایک سجدہ کیا تو نماز کا اعادہ ہے	۳۱۴
۲۸۷	حالت سجدہ میں بوجہِ عذر انگلیوں کا بطن زمین پر نہ رکھنا	۳۱۵
۲۸۸	بعد نماز منی کا دھبہ دیکھنا	۳۱۷
	باب الوتر	
۲۸۹	ائمۂ حرم کی اقتداء میں وتر پڑھنا	۳۱۷
۲۹۰	ائمۂ حرم کی اقتدا میں وتر پڑھنا	۳۲۵
۲۹۱	اول شب میں قبل الوتر تہجد	۳۲۶
۲۹۲	دیر سے رمضان کا ثبوت ہوا تو وتر کا اعادہ نہیں	۳۲۶
۲۹۳	حنفی کا وتر کی نماز میں شافعی امام کی اقتداء کرنا	۳۲۷

۲۹۴	دعائے قنوت پڑھے بغیر رکوع کرنا اور لقمہ دینے پر پھر کھڑا ہونا	۳۲۷
❁	**باب صلاۃ المعذور**	❁
۲۹۵	صاحبِ عذر کی تعریف اور اس کا حکم	۳۲۸
۲۹۶	سلس البول یا خروج ریح والے مریض کی نماز	۳۲۸
۲۹۷	قیام، رکوع سے عاجز کس طرح نماز پڑھے؟	۳۲۹
۲۹۸	کرسی پر نماز پڑھنے کا حکم مساجد میں کرسیوں کے رواج کی قباحتیں	۳۳۱
۲۹۹	معذور شخص کے لیے ٹیبل وغیرہ پر سجدہ کرنے کا حکم	۳۳۵
۳۰۰	قوت حافظہ میں بوجہِ مرض نماز و روزہ یاد نہ آنا عذر ہے	۳۴۹
❁	**باب صلاۃ النساء**	❁
۳۰۱	مرد و عورت کی نماز میں فرق	۳۵۱
۳۰۲	عورتوں کا نماز باجماعت پڑھنا	۳۵۳
۳۰۳	عورتوں کا نماز کی جماعت میں حاضر ہونا کیسا ہے؟	۳۵۳
۳۰۴	حرمین شریفین میں عورتوں کا جماعت کی نماز میں شریک ہونا	۳۵۷
۳۰۵	عورت کے لیے عقص (انبوڑے) کے ساتھ نماز پڑھنا	۳۵۸
۳۰۶	بجنے والے زیور اور چمک دار کپڑے پہن کر نماز پڑھنا	۳۵۹
۳۰۷	مرد اور عورت کا ساتھ میں نماز پڑھنا	۳۶۰
۳۰۸	مزدور عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا	۳۶۱

۳۰۹	عورتوں کا مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا	۳۶۲
❁	**باب الدعاء**	❁
۳۱۰	فرض نماز کے بعد دعا کا ثبوت	۳۶۲
۳۱۱	فرض نماز کے بعد دعا کرنا	۳۶۶
۳۱۲	پنج وقتہ نماز کے بعد دعا کا ثبوت	۳۶۶
۳۱۳	فجر وعصر کے بعد دعا کا ثبوت	۳۶۹
۳۱۴	مغرب کی نماز سے پہلے دعا کا ثبوت	۳۷۰
۳۱۵	فجر اور عصر کی نماز کے بعد مقتدیوں کی طرف منھ کر کے دعا کرنا	۳۷۱
۳۱۶	فرض نماز کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا	۳۷۱
۳۱۷	نماز کے بعد امام کا رخ کس طرف ہو؟	۳۷۵
۳۱۸	نماز کے بعد دعا سراً یا جہراً؟	۳۷۵
۳۱۹	فرض نماز کے بعد دعا کی مقدار	۳۷۶
❁	**آلہ مکبر الصوت سے متعلق مسائل**	❁
۳۲۰	بلاضرورت نماز میں مائک کا استعمال	۳۷۸
۳۲۱	بلاضرورت مائک کا استعمال	۳۷۹
۳۲۲	نماز میں آلۂ مکبر الصوت کا استعمال اور اس کی حفاظت کرنا	۳۸۰
۳۲۳	آلۂ مکبر الصوت کا بقدر ضرورت استعمال	۳۸۱

❁	متفرقاتِ صلوۃ	❁
۳۲۴	بے نمازی کے متعلق شیخ العثیمین کا فتویٰ شریعت کی نظر میں	۳۸۲
۳۲۵	نماز پڑھ لینے کے بعد دوسری جگہ اسی وقت کو پایا تو کیا دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہے؟	۳۸۸
۳۲۶	حرام لقمہ کھانے سے چالیس روز کی نماز نہیں ہوتی کا مطلب	۳۹۴
۳۲۷	کیا گنہگار کی نماز مقبول ہے؟	۳۹۵
۳۲۸	قومہ اور سجدہ کے اذکارِ مسنونہ	۳۹۵
۳۲۹	پلنگ پر بیٹھے ہوئے کے سامنے نماز پڑھنا	۳۹۶
۳۳۰	سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ	۳۹۷
۳۳۱	نماز میں نیت میں ''آج'' کی قید	۳۹۸
۳۳۲	کپڑے کا پردہ سُترہ ہے	۳۹۹
۳۳۳	فجر کے علاوہ دیگر نمازوں میں قنوت نازلہ ''فتاوی رحیمیہ'' سے ایک عالم کی غلط رَوِش کی اصلاح	۳۹۹
۳۳۴	کویت پر حملہ میں قنوت نازلہ پڑھنا	۴۰۲
۳۳۵	قنوت نازلہ میں ممالک کا نام لینا	۴۰۲
۳۳۶	قنوت نازلہ کے آخر میں درود شریف	۴۰۳
۳۳۷	دورانِ نماز زلزلہ آجائے تو کیا کرے؟	۴۰۴
۳۳۸	مکبر کا درمیانِ نماز میں ''تسمیع'' کہنا	۴۰۵

۳۳۹	مغرب سے پہلے اور قبرستان میں دعا	۴۰۵
۳۴۰	نمازی کے نیچے سے چندہ کا ڈبہ گزارنا	۴۰۶
۳۴۱	فجر کے بعد سونا	۴۰۷
۳۴۲	التحیات الخ کا شانِ نزول	۴۰۷
۳۴۳	نماز وروزہ کے فدیہ کا حیلہ	۴۰۸
۳۴۴	تشہد میں انگلی اشارہ کے بعد کس طرح رکھیں؟	۴۱۱
۳۴۵	نماز میں دھیان کا طریقہ	۴۱۱
۳۴۶	نماز میں وساوس کا علاج	۴۱۲
۳۴۷	تکبیر اولیٰ کا وقت کب تک رہتا ہے؟	۴۱۳
۳۴۸	دو وقتوں کی نماز ساتھ پڑھنا	۴۱۳
۳۴۹	نسبندی کرانے والے کی نماز وروزہ کا حکم	۴۱۴

کتاب الزکوۃ

	باب وجوب الزکوۃ	
۳۵۰	زکوۃ کے چند مسائل: حوائجِ اصلیہ کی تحدید نہیں	۴۱۷
۳۵۱	کتنی رقم پر زکوۃ واجب ہے؟	۴۱۸
۳۵۲	زکوٰۃ میں حوائج اصلیہ کی تشریح	۴۱۸
۳۵۳	کیا ٹی وی اور کمپیوٹر کا شمار حوائجِ اصلیہ میں ہے؟	۴۲۳

۳۵۴	ضرورت کے لیے جو رقم ہے کیا اس پر زکوٰۃ ہوگی؟	۴۲۴
۳۵۵	حج کے لیے جمع کرائی ہوئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم	۴۲۴
۳۵۶	گھر کے لیے جمع شدہ رقم پر زکوۃ اور حج کا حکم	۴۲۵
۳۵۷	ٹریکٹر، سلائی مشین اور حج کے لیے جمع رقم پر زکوۃ کا وجوب	۴۲۷
۳۵۸	شادی پر دینے کے لیے رکھے ہوئے زیورات پر زکوۃ	۴۲۸
۳۵۹	روزانہ پس انداز رقم کی زکوۃ کب ادا کرے؟	۴۲۸
۳۶۰	حکومت کی طرف سے بچوں کو دی جانے والی امداد پر زکوۃ	۴۲۹
۳۶۱	بچوں کے نام بینک میں جمع رقم کی زکوۃ کس پر ہے؟	۴۳۱
۳۶۲	پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ	۴۳۱
۳۶۳	پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ کے مختلف مسائل	۴۳۳
۳۶۴	کیا دلالی سے جمع کی ہوئی رقم پر زکوۃ ہے؟	۴۳۷
۳۶۵	امانت کی رقم پر زکوۃ کا حکم	۴۳۷
۳۶۶	فکس ڈپوزٹ والی رقم پر زکوۃ	۴۳۸
۳۶۷	جمع رقم پر زکوۃ	۴۳۸
۳۶۸	موتی، لال برتن، ہیرہ اور تانبے پر زکوۃ	۴۳۹
۳۶۹	سونے کے دانت پر زکوۃ	۴۴۰
۳۷۰	ثمنین کو نقد رقم کے ساتھ ملا کر نصاب مکمل کیا جائے گا	۴۴۰
۳۷۱	کیا ہر رقم پر سال گزرنا ضروری ہے؟	۴۴۱

۳۷۲	بیس ہزار روپئے اور ڈھائی تولہ سونے میں زکوۃ	۴۴۲
۳۷۳	سونے، کپڑے اور نقد روپیوں میں زکوۃ	۴۴۳
۳۷۴	نقد رقم اور زیورات پر زکوۃ	۴۴۴
۳۷۵	کچھ سونا اور کچھ نقد و چاندی ہو تو زکوۃ واجب ہے؟	۴۴۴
۳۷۶	سونے کے ساتھ روپیہ بھی ہو تو؟	۴۴۵
۳۷۷	رانگ ملے ہوئے سونے کی زکوۃ کا حکم	۴۴۶
۳۷۸	زیورات میں کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟	۴۴۶
۳۷۹	صرف روپیوں پر زکوۃ	۴۴۷
۳۸۰	مالِ مستفاد پر زکوۃ کا ایک مسئلہ	۴۴۷
۳۸۱	یکے بعد دیگرے فیکٹری خریدی تو زکوۃ کا کیا حکم ہے؟	۴۴۸
۳۸۲	فیکٹری کی جگہ اور مشینری پر زکوۃ واجب نہیں	۴۴۹
۳۸۳	جس زمین کی مٹی سے اینٹیں بنائی جائیں اس میں زکوۃ نہیں	۴۴۹
۳۸۴	نصاب کے برابر مقروض پر زکوۃ واجب نہیں	۴۵۰
۳۸۵	سونے چاندی کے ناقص نصاب میں وجوبِ زکوۃ	۴۵۰
۳۸۶	بینک میں جمع رقم سے زکوۃ کیسے ادا کرے؟	۴۵۱
۳۸۷	زکوۃ کا وجوب اصلی رقم پر ہے نہ کہ سود پر	۴۵۳
۳۸۸	زیور کی زکوۃ کون اور کس طرح نکالے؟	۴۵۳

۳۸۹	لڑکی کے لیے زیور بنوا کر رکھا تو اس کی زکوۃ کس پر ہے؟	۴۵۶
۳۹۰	بیوی کی زکوٰۃ بیوی ہی ادا کرے	۴۵۷
۳۹۱	عورت کے پاس نقد موجود نہ ہو تو زکوۃ کیسے نکالے؟	۴۵۸
۳۹۲	شوہر مقروض ہو تو بھی بیوی کی ملکیت کے زیور پر زکوۃ آئے گی	۴۵۹
۳۹۳	شوہر مقروض اور بیوی صاحب نصاب ہو تو؟	۴۵۹
۳۹۴	سونا چاندی کے نصاب میں فرق کی وجہ	۴۶۰
۳۹۵	سونے چاندی کا نصاب جدید حساب سے	۴۶۰
۳۹۶	آرڈر پر کام لینے والا زکوٰۃ کیسے ادا کرے؟	۴۶۱
۳۹۷	بھینسوں پر زکوٰۃ کا حکم	۴۶۲
۳۹۸	نصاب صدقۃ الفطر میں زمین کا شمار ہوگا؟	۴۶۳
۳۹۹	بیوی کا صدقۃ الفطر کس کے ذمہ ہے؟	۴۶۳
۴۰۰	تعمیر مکان کے لیے خریدی گئی اشیاء پر صدقۃ الفطر	۴۶۴
❁	**قرض اور زکوۃ کے مسائل**	❁
۴۰۱	مانعِ زکوۃ قرض	۴۶۵
۴۰۲	فیکٹری مالکان تجار کا دینِ محیط اور وجوبِ زکوۃ	۴۶۵
۴۰۳	دینِ مہر مانع وجوب زکوۃ ہے یا نہیں؟	۴۷۵
۴۰۴	دینِ متوسط پر وجوبِ زکوۃ کی ایک صورت	۴۷۹
۴۰۵	دینِ مؤجل بھی وجوب زکوۃ کے لیے مانع ہے	۴۸۰

۴۰۶	قرض کی زکوۃ قرض دینے والے پر ہے	۴۸۷
۴۰۷	قرض لی ہوئی رقم کی زکوٰۃ کون ادا کرے گا؟	۴۸۸
۴۰۸	سونا ادھار خریدنے پر زکوٰۃ	۴۸۸
۴۰۹	ادائے زکوٰۃ میں قرض لیے ہوئے سرسوں کا دام کس دن کا وضع کرے؟	۴۸۹
۴۱۰	مبیع کی قسط وار وصولی کی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی	۴۹۰
۴۱۱	قرض حسنہ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟	۴۹۱
۴۱۲	ڈپازٹ پر زکوٰۃ نہیں	۴۹۲
۴۱۳	مقروض شخص کا صدقہ کرنا	۴۹۳
۴۱۴	قرض خواہ کے انتقال کے بعد نامعلوم قرض وصول ہو تو زکوۃ فرض ہوگی؟	۴۹۳
❁	**باب زکاۃ أموال التجارۃ**	❁
۴۱۵	تجارتی زمین پر زکوۃ ہے	۴۹۴
۴۱۶	ہوٹل کے خام مال (آٹا، تیل، مصالحہ) پر کیا زکوٰۃ آئے گی؟	۴۹۴
۴۱۷	مال تجارت کی زکوۃ میں کونسی قیمت کا اعتبار ہے	۴۹۵
۴۱۸	زکوٰۃ میں بیچنے کی قیمت کا اعتبار ہے	۴۹۵
۴۱۹	زیرا، سونف، اور رائی پر زکوۃ	۴۹۶
۴۲۰	تجارتی غلہ کی زکوۃ کے چند مسائل	۴۹۷

۴۲۱	شرکت والے کاروبار کی زکوۃ کس طرح نکالی جائے؟	۴۹۸
۴۲۲	مرغیوں پر زکوٰۃ	۴۹۹
۴۲۳	انڈے پر زکوۃ	۵۰۰
۴۲۴	زکوٰۃ دکان پر یا مال پر؟	۵۰۱
۴۲۵	مضاربت کی رقم میں زکوۃ واجب ہے	۵۰۱
۴۲۶	بیچنے کی نیت سے خریدی ہوئی زمین پر زکوۃ	۵۰۲
۴۲۷	مشترکہ منافع میں تصرف اور زکوۃ کا حکم	۵۰۲
	باب المصارف	
۴۲۸	مصرف اور غیر مصرف کی چند صورتیں	۵۰۴
۴۲۹	جس کے پاس ٹی وی وغیرہ ہو اس کو زکوٰۃ دینا	۵۰۶
۴۳۰	مقروض کے لیے زکوۃ لینے کا حکم	۵۰۶
۴۳۱	فیکٹری کا مقروض مالک مستحقِ زکوۃ ہے	۵۰۸
۴۳۲	مقروض مستحق زکوۃ ہے	۵۰۹
۴۳۳	رہائش کے مکانات زکوۃ کا حق دار ہونے میں مانع نہیں	۵۱۰
۴۳۴	مقدمہ کے لیے زکوۃ دینا	۵۱۱
۴۳۵	زکوٰۃ کی رقم کاروبار میں لگا کر غربا پر منافع کی تقسیم	۵۱۱
	مدارس میں زکوۃ کے استعمال کے متعلق کچھ سوالات	
۴۳۶	غیر مسلم مہاجن سے قرض لے کر ادائے قرض میں زکوۃ دینا	۵۱۶

۴۳۷	مہتمم طلبہ کا وکیل	۵۱۶
۴۳۸	زکوۃ کی رقم طلبہ کو بطور وظیفہ دینا	۵۱۶
۴۳۹	حیلوں کی شرعی حیثیت واقسام	۵۱۷

فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
❁	**بقیۃ باب المصارف**	❁
۱	مکاتب قرآنیہ میں زکوۃ صرف کرنے کے فضائل ومسائل ①مصرف کی تلاش ②فضائل انفاق مال ③مال میں زکوۃ کے علاوہ حقوق ④ہر سال حج وعمرہ کرنے والوں کے لیے لمحۂ فکریہ ⑤زکوۃ وخیرات کا بہترین مصرف ⑥زکوۃ کی ادائیگی رمضان ہی میں کیوں؟ ⑦زکوۃ تھوڑی تھوڑی نکالنے کی تین مصلحتیں	۲۱
۲	کیا سفرائے مدارس عاملین یا ابن السبیل میں داخل ہیں؟	۳۸
۳	حیلۂ زکوۃ میں مصرف پر دباؤ ڈالنا صحیح نہیں	۴۰
۴	مدارس میں رائج حیلۂ زکوۃ کا حکم	۴۱
۵	داخلہ فارم میں توکیل بالصرف کا کالم پُر کروا کر حیلۂ تملیک سے نجات درست نہیں	۴۲
۶	زکوۃ سے تنخواہ دینا	۴۵
۷	تنخواہ میں زکوۃ کی رقم بلا تملیک صرف کرنا	۴۶
۸	مدرسہ کے طلباء کو زکوۃ دی جائے	۴۶
۹	اسکول کے غیر مستطیع طلبہ کے لیے زکوۃ صدقات لینا	۴۷
۱۰	چندہ کی رقم ملکیت کی صورت میں مہتمم استعمال کرسکتا ہے؟	۴۸

۱۱	سفرائے مدارس کو زکوٰۃ دینے کی مقدار	۴۹
۱۲	کس مدرسہ میں زکوۃ دی جائے؟	۵۰
۱۳	معلموں کو زکوۃ دینا	۵۱
۱۴	زکوۃ کا استعمال کس نوع کے طالب علم کے لیے درست ہے؟	۵۱
۱۵	مقسّم زکوۃ ادارہ کے مصارف میں زکوۃ استعمال کرنا	۵۳
۱۶	نابالغ بچوں کے ذریعہ تملیک زکوۃ	۵۴
۱۷	محصّل چندہ نے خود ہی تملیک کر کے تنخواہ وصول کر لی	۵۴
۱۸	مکتب کے منتظمین دینی تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کے والدین کو زکوۃ کی رقوم دے کر فیس وصول کر سکتے ہیں؟	۵۵
۱۹	مکتب میں زکوۃ وغیرہ دینے کے بعد تلافی بہ ذریعۂ معافی	۵۷
۲۰	سادات کے لیے زکوۃ لینا جائز نہیں	۶۱
۲۱	سادات کو زکوٰۃ وصدقات دینا	۶۲
۲۲	زکوۃ کی رقم سے بیوہ عورت کی لڑکیوں کا نکاح کرنا	۶۳
۲۳	صاحب نصاب بیوہ کی زکوۃ کی ادائیگی کا طریقہ	۶۴
۲۴	زکوۃ کی رقم کو تعمیری کام میں براہِ راست استعمال کرنا جائز نہیں	۶۵
۲۵	زکوۃ کی رقم سے تعمیراتی کام درست ہے یا نہیں؟	۶۶
۲۶	زکوۃ کی رقم تعمیراتی کام میں لگائی گئی تو اس کا ذمہ دار کون؟	۶۶
۲۷	زکوۃ کی رقم سے اشیائے ضروریہ خرید کر فقیر کو دینا درست ہے	۶۷

۲۸	زکوۃ کی رقم سے برتن خرید کر کرائے پر دینا	۶۸
۲۹	زکوۃ کی رقم سے اشیائے خوردونوش خرید کر تقسیم کرنا	۶۹
۳۰	فلاحی ادارے میں زکوۃ دینا کیسا ہے؟	۷۰
۳۱	مکان بنانے کے لیے زکوۃ کی رقم دینا کیسا ہے؟	۷۱
۳۲	مکان بنانے کے لیے زکوۃ لینے کی صورت	۷۲
۳۳	زکوۃ کے مال سے مستحق کے مکان کا کرایہ ادا کرنا	۷۲
۳۴	مستحق کو زکوٰۃ میں پنکھا دے کر وقف کروانا	۷۳
۳۵	زکوۃ کی رقم پر مالکانہ قبضہ شرط ہے، جمہور فقہاء کا اتفاق، اسکول کی فیس میں زکوۃ کی رقم صرف کرنا	۷۴
۳۶	قیدی پر زکوۃ کی رقم صرف کرنا	۷۷
۳۷	زکوۃ کو غیر مصرف میں استعمال کیا تو تلافی کیا صورت ہے؟	۷۸
۳۸	مستحق کو رقم دینے کے بعد زکوۃ کی نیت کب تک معتبر ہے؟	۸۱
۳۹	مستحقِ زکوۃ، رقم زکاۃ کا مالک بن جانے کے بعد تصرف میں آزاد ہے	۸۲
۴۰	ناجائز امور کے مرتکب مستحقین کو زکوۃ دینے کا طریقہ	۸۵
۴۱	خوش حال باعزت شخص کو زکوۃ دینا	۸۵
۴۲	مستحق کو زکوۃ کتنی دے؟	۸۶
۴۳	مستحق کو نصاب سے زائد رقم دینا	۸۶

۴۴	کمیٹی جب تک زکوۃ کی رقم مستحق کو نہ دے، ذمہ بری نہ ہوگا	۸۷
۴۵	مستحقِ زکوۃ کی کوئی چیز استعمال کرنا	۸۸
۴۶	غیر مستحق کا زکوۃ لینا اور اس کو دینا	۸۹
۴۷	مصارف زکوۃ میں فی سبیل اللہ کا مصداق کون؟	۹۰
	باب العشر والخراج	
۴۸	عشری وخراجی زمین کسے کہتے ہیں؟	۹۱
۴۹	ہندوستانی زمین عشری ہے یا خراجی؟	۹۱
۵۰	بناس کانٹھا کی زمین عشری ہے یا خراجی؟	۹۲
۵۱	عشر وخراج کی مقدار	۹۳
۵۲	کیا ہندوستان کی زمین میں عشر واجب ہے؟	۹۴
۵۳	عشر کن چیزوں میں واجب ہوگا؟	۹۵
۵۴	عشر وخراج کے مصارف	۹۶
۵۵	عشر میں غلہ یا قیمت؟	۹۶
۵۶	زمین کا محصول ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوگا	۹۷
۵۷	پالنپور کے اطراف کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟	۹۷
۵۸	عشر وخراج دانے میں واجب ہے یا گھاس میں؟	۹۸
۵۹	بار بار بڑھنے والی گھاس پر عشر وخراج	۹۸
۶۰	اولاد کی تعلیم پر خراج صرف کرنا	۹۸

۶۱	سرکار سے خریدی ہوئی زمین کا حکم	۱۰۱
۶۲	ٹریکٹر اور غلہ پر زکوۃ	۱۰۲
۶۳	عشر کی رقم تنخواہ میں دینا	۱۰۲
۶۴	عشر، مصارف وضع کیے بغیر ادا کرے	۱۰۳
❁	**متفرقات کتاب الزکوۃ**	❁
۶۵	زکوۃ اور بیت المال الگ الگ نہیں	۱۰۴
۶۶	زکوۃ ادا کرنے میں کتنی تاخیر کر سکتے ہیں؟	۱۰۵
۶۷	زمین میں سے خزانہ نکل آئے تو کیا اس کا استعمال جائز ہے؟	۱۰۶
۶۸	سونے چاندی کی زکوۃ میں یومِ ادا کی قیمت معتبر ہے	۱۰۷
۶۹	سونے اور چاندی کی زکوۃ کس ریٹ پر دی جائے	۱۰۷
۷۰	ادائیگیٔ زکوۃ کے لیے رپورٹ میں نام آنا ضروری نہیں	۱۰۸
۷۱	مستحقِ زکوۃ کامزکی کو زکوۃ کی رقم لوٹانے کا حکم	۱۰۸
۷۲	شیئرز (حصص) پر زکوۃ کونسی قیمت پر ہے؟	۱۰۹
۷۳	صدقۂ فطر اور زکوۃ کی ادائیگی عید کے بعد	۱۰۹
۷۴	صدقات واجبہ قبل از تقسیم ہلاک ہوجائے تو ضمان آئے گا؟	۱۱۱
۷۵	زکوۃ کی رقم ضائع ہونے پر ضمان نہیں	۱۱۴
۷۶	زکوۃ کی رقم چوری ہوگئی تو زکوۃ ادا نہ ہوگی	۱۱۵
۷۷	اپنا قرض وصول کرنے کی شرط کے ساتھ زکوۃ دینا	۱۱۵

۷۸	وکیل کا صدقہ کی رقم کو اپنے استعمال میں لے آنا	۱۱۶
۷۹	زکوٰۃ وغیرہ کے وکیل کا رقم زکوٰۃ کو اپنے استعمال میں لانا	۱۱۷
۸۰	حاجت مند کے لیے دی ہوئی رقم خود رکھنا	۱۱۷
۸۱	سو روپے پر کتنی زکوۃ ہوگی؟	۱۱۸
۸۲	بیوی کا شوہر کے مال میں سے زکوۃ یا قربانی دینا	۱۱۸
۸۳	صدقہ کو ہدیہ کے نام سے دیا جاسکتا ہے	۱۱۹
۸۴	فروخت نہ ہونے والی چیز زکوۃ میں دینا کیسا ہے؟	۱۱۹
۸۵	شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی نے اپنی بہن کو کچھ رقم دی تو زکوٰۃ کس پر واجب ہے؟	۱۲۰
۸۶	قرض دی ہوئی رقم میں زکوۃ کی نیت کرنا کیسا ہے؟	۱۲۱
۸۷	مقروض نے زکوۃ کی رقم واپس کردی تو کیا کرے؟	۱۲۱
۸۸	کل رقم کے چالیسویں حصہ کی زکوۃ	۱۲۲
۸۹	شرائط کے ساتھ زکوۃ دینا	۱۲۳
۹۰	زکوۃ کی رقم سے تعلیمی مشکل کا حل	۱۲۴
۹۱	زکوۃ کی رقم بہ طور قرض للہ مد میں دینا	۱۲۴
۹۲	مستحق کے اکاؤنٹ میں جمع کرنے سے زکوۃ کی ادائیگی	۱۲۵
۹۳	نظام زکوۃ کے لیے بیت المال قائم کرنا	۱۲۶
۹۴	ہدیہ کے نام سے صدقہ دینا	۱۲۷

کتاب الصوم

	باب رؤیۃ الھلال	
۹۵	ثبوت ہلال میں گذشتہ ماہ کا اعتبار	۱۳۱
۹۶	ثبوت ہلال میں شہادت کا محل ہونا ضروری ہے	۱۳۱
۹۷	قبولِ شہادت کے لیے محلّ شہادت ہونا ضروری ہے	۱۳۳
۹۸	چاند کے ثبوت کے بارے میں چند سوالات کے جوابات	۱۳۹
۹۹	اہلِ برطانیہ کے لیے دربابت رویت ہلال مشعل راہ	۱۷۰
۱۰۰	برطانیہ میں دیگر ممالک سے آنے والی چاند کی خبر پر عمل کرنے کی وجہ سے اٹھنے والے چند سوالات کے جوابات	۱۷۲
۱۰۱	مکتوبِ گرامی حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ	۱۹۶
۱۰۲	مذکورہ فتوی پر مولانا یعقوب قاسمی مدظلہ کے چند اشکالات	۱۹۷
۱۰۳	اشکالات کے جوابات	۲۰۳
۱۰۴	ضمیمہ	۲۱۳
۱۰۵	رویتِ ہلال میں سعودیہ کا فیصلہ مسلکِ حنفی کی نظر میں	۲۱۶
۱۰۶	ٹنکاریہ میں چاند دکھائی دینے پر راندیر چاند کمیٹی کا فیصلہ	۲۲۰
۱۰۷	مذکورہ فیصلہ پر مولانا منت اللہ رحمانی کے چند شبہات	۲۲۲
۱۰۸	معروضاتِ فقیر بر گرامی نامۂ امیر	۲۲۳
۱۰۹	مفتیٔ گجرات حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تائید	۲۲۸

۱۱۰	تحدیثِ نعمت	۲۲۸
۱۱۱	بذریعۂ خط چاند کی خبر کی شرعی حیثیت	۲۲۹
۱۱۲	انگلینڈ والے رویت ہلال میں مراکش کی خبر کا اعتبار کریں یا سعودیہ عربیہ کی خبر کا؟	۲۳۹
۱۱۳	دوربین سے رویتِ ہلال	۲۴۵
۱۱۴	غائبانہ خبروں سے اور ہوائی جہاز میں اڑ کر رویتِ ہلال کا شرعی حکم	۲۴۸
۱۱۵	ثبوتِ رؤیتِ ہلال میں آلات رصدیہ اور فلکی حساب معتبر نہیں	۲۴۹
۱۱۶	چاند کی شہادت فلکی حسابات کی بنیاد پر رد کرنا اور روزہ کی قضا نہ کرنا	۲۸۱
۱۱۷	چاند کے فیصلہ میں اختلاف کی صورت میں نماز عید میں تعدد اور اعتکاف کا حکم	۲۸۶
۱۱۸	ثبوتِ ہلال کی بابت مرکز اسلام پر اتحاد کا جھنڈا گھاڑنے کی ناکام کوشش۔ فلکیاتی حساب کی بنیاد پر ''جمِ غفیر'' کی شرط میں کمی بیشی۔ انگلینڈ میں غیر سعودیہ کی رؤیت کے قائلین کا طریقۂ کار، کیا نبوی طریقہ کے خلاف ہے؟	۲۹۱
۱۱۹	رؤیتِ ہلال میں اختلاف ہو تو عید و قربانی کیسے ادا کریں؟	۳۱۰
❁	**باب السحور والافطار**	❁
۱۲۰	اذان سن کر سحری ختم کرنا	۳۱۱
۱۲۱	روزہ افطار کرنے کا وقت	۳۱۲

۱۲۲	سحری وافطاری کا وقت	۳۳۸
۱۲۳	انجکشن سے فساد روزہ کا شبہ	۳۳۹
۱۲۴	انجکشن سے عدم نقضِ صوم پر اشکال	۳۴۱
۱۲۵	کاروبار میں تکلیف سے روزہ نہ رکھنا	۳۴۱
۱۲۶	کفارۂ صوم کے تسلسل میں حیض مانع نہیں	۳۴۲
۱۲۷	روزہ کے کفارہ میں گھر کے ملازم کو آزاد کرنا	۳۴۳
۱۲۸	کفارے کے روزے قضاء کی طرف سے کافی نہیں	۳۴۴
۱۲۹	طہرِ متخلل والی عورت پر روزہ نہیں	۳۴۴
۱۳۰	کسی کو خون دینے کے لیے روزہ توڑنا	۳۴۵
۱۳۱	صومِ داؤدی کی نذر پوری نہ کرنے کا حکم	۳۴۵
۱۳۲	۲۹/ویں تاریخ کو چاند دیکھ کر عید منائی جبکہ ۳۰ر شوال کو چاند نظر نہ آیا تو کیا ایک روزہ کی قضا ہے؟	۳۴۷
۱۳۳	مشکل ڈیوٹی والے حضرات روزہ رکھیں یا افطار کریں؟ انگلینڈ میں غیر معتدل ایام میں روزے کا دورانیہ کم کرنے کے لیے سبع اللیل کے قول پر عمل کی گنجائش	۳۴۹
	باب مفسدات الصوم	
۱۳۴	روزے کی حالت میں عود بتی کا دھواں سونگھنا	۳۶۴
۱۳۵	روزے کی حالت میں خون دینا	۳۶۵

۱۳۶	ہاتھ سے منی خارج کرنا مفسد صوم ہے	۳۶۵
۱۳۷	استھما پمپ لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے	۳۶۶
۱۳۸	مشت زنی سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے	۳۶۷
۱۳۹	اخراج منی سے روزہ کا فساد	۳۶۷
۱۴۰	کان میں پانی جانے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟	۳۶۸
۱۴۱	روزے کی حالت میں بیوی کے ساتھ لپٹنے سے منی کا خروج	۳۶۹
۱۴۲	بیوی سے لپٹنے کے تین گھنٹے کے بعد لیس دار مادہ خارج ہوا تو کیا حکم ہے؟	۳۶۹
۱۴۳	نسیاناً کھانے کے بعد عمداً کھانا یا جماع کرنا	۳۷۰
۱۴۴	روزہ کی حالت میں میاں بیوی کے پیار کی چند صورتیں	۳۷۲
۱۴۵	روزے نہ رکھنے سے کفارہ لازم نہیں آتا، صرف قضا کرے	۳۷۳
	متفرقاتِ صوم	
۱۴۶	لیلۃ القدر کا اعلان	۳۷۴
۱۴۷	مختلف مقامات پر شبِ قدر کے شمار کا طریقہ	۳۷۵
۱۴۸	صرف دسویں محرم کا روزہ رکھنا	۳۷۶
۱۴۹	روزے کے باب میں حیض ونفاس اور احتلام کا فرق	۳۷۷
۱۵۰	مسجد میں روزہ افطار رمضان کے مہینے میں	۳۷۸
۱۵۱	افطاری اور جماعت میں کتنا فصل ہو	۳۷۹

۱۵۲	مفاسد پر مشتمل افطاری پروگرام میں شرکت	۳۸۰
۱۵۳	شوال کے روزوں میں قضا کی نیت کرنا	۳۸۱
❁	**باب الاعتکاف**	❁
۱۵۴	بقعۂ مدخولہ میں اعتکاف	۳۸۲
۱۵۵	ہال میں اعتکاف کرنا	۳۸۲
۱۵۶	مکتب میں اعتکاف	۳۸۳
۱۵۷	مسجد میں ٹھہرنے کی نیت سے اعتکاف کا ثواب نہ ملے گا	۳۸۴
۱۵۸	اعتکاف کے چند مسائل	۳۸۴
۱۵۹	معتکف کا غسل کے لیے نکلنا	۳۸۵
۱۶۰	معتکف کا نماز جنازہ کے لیے نکلنا	۳۸۵
۱۶۱	معتکف کا بیڑی پینے کے لیے نکلنا	۳۸۶
۱۶۲	معتکف کا تراویح کے لیے مسجد سے باہر جانا	۳۸۷
۱۶۳	ایضاً	۳۸۷
۱۶۴	اعتکاف میں مریضوں کو دیکھنا، ووٹ دینے یا افسر کی طلب پر جانا	۳۸۸
۱۶۵	اعتکاف کے دوران حائضہ ہوگئی	۳۸۹
۱۶۶	ایک امام صاحب کے اعتکاف کا حالِ زار	۳۸۹
۱۶۷	معتکف کے لیے مسجد میں ریڈیو لانا	۳۹۰
۱۶۸	معتکف کے لیے وضو کے دوران صابن کا استعمال	۳۹۱

۱۶۹	معتکف کا مسجد میں حجامت بنوانا	۳۹۱
۱۷۰	سنتِ مؤکدہ اعتکاف کی نیت وقضاء	۳۹۲
۱۷۱	بیڑی پینے سے روکنے پر اعتکاف چھوڑ دیا، گنہگار کون ہوگا؟	۳۹۲
۱۷۲	اعتکاف میں بیٹھ کر اسکول کے امتحان کی تیاری کرنا	۳۹۴
	کتاب الحج	
۱۷۳	دولاکھ مالیت والے پلاٹ کے مالک پر حج فرض ہے	۳۹۷
۱۷۴	مقروض شخص پہلے قرض ادا کرے یا حج؟	۳۹۷
۱۷۵	مقروض شخص حج کرسکتا ہے	۳۹۸
۱۷۶	حج کے لیے وقت معیار ہے یا ظرف؟	۳۹۹
۱۷۷	باپ کا قرض ادا نہ کرنے والے کا حج صحیح ہے	۴۰۰
۱۷۸	نفلی حج کرنا افضل ہے یا ذاتی مکان بنانا؟	۴۰۱
۱۷۹	کیا عمرہ کرنے سے حج فرض ہوجاتا ہے؟	۴۰۲
۱۸۰	کیا عمرہ کرنے سے حج فرض ہوجاتا ہے؟	۴۰۳
۱۸۱	عمرہ کے لیے جانے والے پر حج فرض ہوجاتا ہے؟	۴۰۳
۱۸۲	جماعتِ تبلیغ کے سفر سے فریضۂ حج ادا کرنا	۴۰۴
۱۸۳	سرکار یا کسی اور کے خرچہ سے فریضۂ حج کی ادائیگی	۴۰۵
۱۸۴	بیٹے کے عمرہ سے والدین پر حج فرض نہیں ہوتا	۴۰۵
۱۸۵	والدین نے حج نہ کیا ہو تو بیٹا مع اہلیہ حج کو جاسکتا ہے؟	۴۰۶

۱۸۶	بیٹے کا والدہ کے ہوتے ہوئے والد کے ساتھ حج کرنا	۴۰۹
۱۸۷	مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ بغیر احرام جانے سے دم لازم ہوگا یا کوئی اور صورت ہے؟	۴۱۰
۱۸۸	واپسی میں جدہ سے مکہ برائے طواف جانے پر احرام کا حکم	۴۱۱
۱۸۹	حج کی سعی سے پہلے عمرہ	۴۱۲
۱۹۰	حج کی سعی سے پہلے صحبت کرنا کیسا ہے؟	۴۱۳
۱۹۱	سواری چلانے والے کے لیے مستقل سعی کی ضرورت نہیں	۴۱۳
۱۹۲	محرم کے لیے سِلی ہوئی لنگی پہننے کا جواز	۴۱۴
۱۹۳	حالت احرام میں نیکر یا لنگوٹ پہننا	۴۱۸
۱۹۴	کیا محرم کے لیے سلی ہوئی لنگی کا پہننا بلا کراہت جائز ہے؟	۴۱۸
۱۹۵	حجاج کرام کے لیے مرکنٹائل بینک کی اشیاء کا استعمال	۴۲۲
۱۹۶	احرام کی حالت میں کیسا جوتا پہننا جائز ہے؟	۴۲۳
۱۹۷	عورتوں کا حرمین میں نماز پڑھنا	۴۲۸
۱۹۸	عورتیں اقتداء کی نیت نہیں کرتیں	۴۲۹
۱۹۹	ایام حج میں نماز میں قصر یا اتمام؟	۴۲۹
۲۰۰	عرفات میں ظہر وعصر میں جمع	۴۳۰
۲۰۱	حجر اسود کے بوسہ میں چاندی کے دائرہ سے بچے	۴۳۱
۲۰۲	سابق دم کی ادائیگی	۴۳۱

۲۰۳	حج ہیلپ کمیٹی کے اخراجات، اور نقلی کعبہ بنانا	۴۳۲
۲۰۴	کیا عرفہ کا روزہ حاجی کے لیے بھی مستحب ہے؟	۴۳۴
۲۰۵	آخری چکر کے بعد مروہ پر دعا کا ثبوت	۴۳۴
۲۰۶	دورانِ طواف بیت اللہ شریف کو دیکھنے کی کراہیت پر شبہ	۴۳۶
۲۰۷	متمتع کا عمرہ کرکے حج سے پہلے مدینہ جانا	۴۴۰
۲۰۸	پیسہ جمع کرکے قرعہ اندازی سے حج کرنا	۴۴۱
۲۰۹	تجارت کی نیت سے حج کرنے کا حکم	۴۴۱
۲۱۰	قرض لے کر عمرہ کرنا	۴۴۴
۲۱۱	شوہر کی ناراضگی کی حالت میں حج کی ادائیگی	۴۴۵
❁	**باب طواف الزیارۃ**	❁
۲۱۲	طواف زیارت کی تکمیل نفلی طواف سے	۴۴۶
۲۱۳	طواف زیارت کیے بغیر نئی شادی والی بیوی بھی حلال نہیں	۴۴۷
۲۱۴	طواف زیارت کیے بغیر وطن لوٹنے والا جرم کا تدارک نیا احرام باندھ کر کرے یا سابق احرام سے؟ صاحب فتاویٰ رحیمیہ کا تسامح	۴۴۷
۲۱۵	طوافِ زیارت کی سعی سے پہلے صحبت کرنا	۴۵۰
❁	**حج ٹورس کے مسائل**	❁
۲۱۶	ٹورس والوں کا بزرگ اشخاص کو مفت حج کرانا یا رعایت دینا اور ایجنٹ کے کمیشن کا حکم	۴۵۱

۲۱۷	حج ٹور کے ایجنٹ کی اجرت کا حکم	۴۶۲
۲۱۸	ٹورس والے کو ملنے والی تصریح دوسرے کو بیچنے کے مسائل	۴۶۳
❁	**حج سبسڈی کے مسائل**	❁
۲۱۹	جھوٹا حلف نامہ داخل کر کے سبسڈی حاصل کرنا جائز نہیں	۴۶۸
۲۲۰	حجاج کرام کا حکومت کی سبسڈی سے فائدہ اٹھا کر حج کرنا	۴۷۰
۲۲۱	حج سبسڈی سے استطاعت کا تحقق، سبسڈی پر شبہ اور مشورہ	۴۷۳
❁	**عورت اور محرم کے مسائل**	❁
۲۲۲	اکیلی عورت کا سفر حج اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تفرد	۴۸۴
۲۲۳	عورت کا بلا محرم اپنی سہلیوں کے ساتھ حج میں جانا	۴۸۵
۲۲۴	جس عورت کا شوہر یا محرم نہ ہو وہ حج کس طرح کرے؟	۴۸۵
۲۲۵	بیوہ عورت اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حج میں جاسکتی ہے؟	۴۸۶
۲۲۶	عدت میں حج ادا کرنا اور وطن سے محرم بلانا	۴۸۷
۲۲۷	بیمار محرم والی عورت کا حج بدل	۴۸۸
۲۲۸	معمر عورت کا محرم کے بغیر سفرِ حج کرنا	۴۸۹
۲۲۹	منہ بولے بیٹے کے ساتھ سفرِ حج کرنا	۴۹۰
۲۳۰	عورت کا اپنے خسر کے ساتھ حج کے لیے جانا	۴۹۰
۲۳۱	داماد کے ساتھ حج	۴۹۰

	رمی کے مسائل	
۲۳۲	تیرھویں کی رمی مغرب کے بعد کرنا	۴۹۱
۲۳۳	چوتھے دن تک رمی کی تاخیر اور وجوبِ دم میں مفتیٰ بہ قول	۴۹۲
۲۳۴	خوف زحام کی بناء پر ترک رمی	۴۹۴
۲۳۵	رمی جمار ترک کرنے سے دم واجب ہوگا	۴۹۸
۲۳۶	ہجوم کی وجہ سے مرد کا عورت کی طرف سے رمی میں وکیل بننا	۴۹۹
۲۳۷	تیسرے دن کی رمی چھوڑ دی تو کیا حکم ہے؟	۵۰۰
۲۳۸	رمی جمار، ذبح اور حلق میں ترتیب	۵۰۰
۲۳۹	رمی اور قربانی کی ترتیب میں راجح قول	۵۰۳
۲۴۰	تمام دن کی رمی ترک کرنے سے کتنے دم واجب ہیں؟	۵۰۴
	حج اور حیض سے متعلقہ مسائل	
۲۴۱	قران کا احرام باندھنے کے بعد حیض آ گیا	۵۰۵
۲۴۲	عمرہ کا احرام باندھتے ہی حیض آ گیا	۵۰۶
۲۴۳	حالت حیض میں طواف وسعی کرنا	۵۰۷
۲۴۴	حج کرنے والی حائضہ ہوگئی	۵۰۸
۲۴۵	حیض کی حالت میں طواف زیارت	۵۰۸
۲۴۶	حائضہ سے طواف وداع ساقط ہے	۵۰۸
۲۴۷	عمرہ کرنے والی حائضہ ہوگئی	۵۰۹

۲۴۸	متمتع حائضہ ہوگئی	۵۰۹
۲۴۹	حج تمتع کرنے والی عورت حائضہ ہوگئی تو کیا حکم ہے؟	۵۱۰
۲۵۰	قران کا احرام باندھنے والی حائضہ ہوگئی	۵۱۴
❁	**باب حج البدل**	❁
۲۵۱	بغیر وصیت حج بدل کرے تو فرض ساقط ہوجائے گا	۵۱۶
۲۵۲	جھوٹے حلفیہ بیان کے ذریعہ حج بدل میں جانا	۵۱۸
۲۵۳	حج بدل	۵۱۹
۲۵۴	مرحوم کی طرف سے حج بدل	۵۲۰
۲۵۵	مرحومہ کی حج بدل کرانا	۵۲۰
۲۵۶	غیر حاج کو حجِ بدل کے لیے لے جانا	۵۲۱
۲۵۷	زندوں کی طرف سے عمرہ	۵۲۲
۲۵۸	کسی کی طرف سے طواف	۵۲۲
۲۵۹	فرض حج کے ذریعہ ایصال ثواب	۵۲۳
❁	**مسائلِ منیٰ ومزدلفہ**	❁
۲۶۰	مزدلفہ میں صبح صادق کے بعد مغرب وعشاء بہ نیت ادا پڑھنا	۵۲۴
۲۶۱	مزدلفہ میں دیر سے پہنچنے پر مغرب وعشاء پڑھنے سے دم نہیں	۵۲۴
۲۶۲	حکومت کا قیامِ منیٰ ومزدلفہ کے لیے حدود کے باہر خیمے گاڑنا	۵۲۵
۲۶۳	منیٰ کے مکہ مکرمہ میں شامل ہونے پر دو مسئلوں کا حل	۵۳۰

۲۶۴	حج کے ارکان ومناسک کے بارے میں بعض نئے فتاویٰ	۵۳۰
۲۶۵	۱۔منیٰ کا مکہ معظّمہ میں شامل ہونا	۵۳۰
۲۶۶	۲۔اقامت وقصر حاجی، منیٰ کی تحدید وآبادی، مسافر کی قربانی	۵۳۱
۲۶۷	۳۔منیٰ میں نماز جمعہ کا قیام	۵۳۳
۲۶۸	۴۔قربانی کی مشکلات	۵۳۳
۲۶۹	۵۔حج بدل میں تمتع	۵۳۵
۲۷۰	۶۔حالت حیض میں طواف زیارت	۵۳۶
۲۷۱	۷۔ایام منیٰ میں مزدلفہ میں قیام	۵۳۷
❁	**متفرقات حج**	❁
۲۷۲	ماءزمزم کافر کو دینا	۵۴۲
۲۷۳	کافر کو زمزم کا پانی دے سکتے ہیں	۵۴۳
۲۷۴	احرام کی چادر کو کیا کرے؟	۵۴۳
۲۷۵	طواف کے ذریعہ ایصال ثواب	۵۴۳
۲۷۶	ٹی وی پر حج دیکھنا اور سیکھنا	۵۴۴
۲۷۷	خدمتِ حجاج کے لیے جانے والوں پر بھی احرام لازم ہے	۵۴۵
۲۷۸	حج کے لیے چندہ کرنا	۵۴۶

فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
	کتاب النکاح	
۱	اولاد کی رضامندی کے بغیر رشتہ طے کرنا شرعاً کیسا ہے؟	۳۱
۲	رشتۂ نکاح میں اولاد کی رضامندی کا خیال رکھنا	۳۳
۳	لڑکی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرنا	۳۵
۴	جس لڑکی سے شادی کا ارادہ ہو اس کو دیکھنا	۳۶
۵	جس لڑکی سے شادی کا ارادہ ہو اس کو کون کون دیکھ سکتا ہے؟	۳۷
۶	کم سے کم مہر	۳۸
۷	مہر کی مقدار کتنی ہے؟	۳۸
۸	کم از کم مہر اور مہر فاطمی کی مقدار	۴۰
۹	مہر فاطمی کی مقدار	۴۰
۱۰	مہر کے ساتھ دینار شرعی دینا	۴۱
۱۱	بوقت نکاح کمیٹی کا مقدار مہر مقرر کرنا	۴۲
۱۲	مہر کی معافی کے بعد بیوی پاگل ہوگئی	۴۸
۱۳	مہر کی جائداد کا استعمال	۴۹
۱۴	جہیز کی اشیا کا استعمال	۵۰

۱۵	بڑا مہر مقرر کرنا	۵۰
۱۶	مہر معاف کرنے پر جبر کرنا	۵۱
۱۷	نکاح کی اجازت لیتے وقت گواہ ہونا ضروری نہیں	۵۲
۱۸	عقد نکاح میں عاقد کے علاوہ دو گواہ ہونا شرط ہے	۵۲
۱۹	خدا کو گواہ بنا کر نکاح کرنا	۵۳
۲۰	منکوحہ سے نکاح حرام ہے	۵۴
۲۱	بوری شیعہ سے نکاح کرنا	۵۴
۲۲	بوہرہ قوم کی لڑکی سے نکاح	۵۵
۲۳	غیر مسلمہ سے مسلمان کا نکاح	۵۶
۲۴	سابق شوہر کی اولاد سے مطلقہ کی اولاد کا نکاح	۵۶
۲۵	ایک دوسرے کی بہن سے آپسی نکاح	۵۷
۲۶	زوجۂ مفقود سے نکاح	۵۷
۲۷	زوجۂ مفقود کا بغیر فسخ کے نکاح ثانی کر لینا	۵۸
۲۸	منکوحہ کا قبل از طلاق دوسرے سے نکاح درست نہیں	۵۹
۲۹	نَومسلمہ سے نکاح	۶۰
۳۰	سوتیلی خالہ کے ساتھ نکاح	۶۱
۳۱	چھوٹے بھائی کی بیوہ سے نکاح	۶۱
۳۲	ایک بیوی کے لڑکے کا دوسری بیوی کی بہن سے نکاح کا حکم	۶۲

۳۳	چچازاد بھائی کی لڑکی سے نکاح	۶۲
۳۴	رضاخانی سے رشتۂ نکاح	۶۳
۳۵	مزنیہ لڑکی سے کنوارے لڑکے کا نکاح کرنا	۶۴
۳۶	غیر کفو میں نکاح	۶۴
۳۷	عجم میں کفو کی حیثیت اور حسب نسب پر بے جا فخر وتفاخر	۶۵
۳۸	الزام لگانے والی بدچلن عورت سے نکاح پر مجبور کرنا	۶۷
۳۹	عدت میں شوہر اول سے نکاح کرنا	۶۹
۴۰	طلاقِ رجعی میں عدت کے بعد دوبارہ نکاح	۷۰
۴۱	تین طلاق کے بعد عدت میں نکاح	۷۱
۴۲	حاملہ عورت سے نکاح کا حکم	۷۲
۴۳	تفویض طلاق کی شرط پر نکاح	۷۳
۴۴	ہندو آشرم میں مسلمان کا نکاح	۷۳
۴۵	فون پر نکاح وطلاق	۷۴
۴۶	فون اور انٹرنیٹ پر نکاح کی صورتیں	۷۶
۴۷	ٹیلی فون، ای میل اور انٹرنیٹ سے نکاح	۸۲
۴۸	عرفی نام سے بھی نکاح ہوجاتا ہے	۸۸
۴۹	بوقتِ نکاح سوتیلے باپ کی طرف نسبت کرنا	۸۸
۵۰	مجلس نکاح میں تحریر سے نکاح	۹۰

۵۱	موعود نکاح کی شرعی حیثیت	۹۲
۵۲	نکاح پر تعلیقِ طلاق کی تھی اس سے نکلنے کا حیلہ	۹۲
۵۳	نکاح فضولی	۹۲
۵۴	باپ کے کرائے ہوئے نکاح میں فسخ کا اختیار نہیں	۹۴
۵۵	نومسلم میاں بیوی کے لیے تجدید نکاح	۹۶
۵۶	منکوحہ کے نام کے ساتھ کس کا نام لکھا جائے؟	۹۶
۵۷	خفیہ طور پر نکاح کرنے کے بعد دوبارہ مجمع میں نکاح کرنے سے متعلق چند احکام	۹۸
۵۸	خفیہ نکاح کے بعد علی الاعلان دوسرا نکاح	۱۰۱
۵۹	خفیہ نکاح	۱۰۲
❁	**نکاح ثانی**	❁
۶۰	دوسرے نکاح کے لیے پہلی بیوی سے اجازت	۱۰۵
۶۱	دوسرا نکاح کرنے کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا	۱۰۵
۶۲	ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی	۱۰۶
۶۳	دوسری شادی پندرہ سالہ لڑکی سے	۱۰۷
۶۴	نکاح باطل وفاسد کے احکام	۱۰۸
❁	**باب النکاح والسفاح**	❁
۶۵	محرم مرد کا عورت کے ساتھ میاں بیوی کی طرح رہنا	۱۱۳

٦٦	اجنبیہ کے ساتھ میاں بیوی کی طرح رہنا	۱۱۴
٦٧	اجنبیہ کے ساتھ زندگی گزارنا	۱۱۵
٦٨	تین ماہ میں بچی پیدا ہونے سے کیا نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟	۱۱٦
٦٩	شوہر کی عدم موجودگی میں اجنبی مرد کے ساتھ رات گذارنا	۱۱۹
۷۰	عورت کے ارتکاب زنا میں شوہر پر گناہ ہے؟	۱۲۳
۷۱	زنا، نکاح، ثبوتِ نسب اور نافرمان عورت کو طلاق دینا	۱۲۴
۷۲	بدون طلاق چلی جانے والی دو عورتوں کے بعد چوتھا نکاح اور نافرمان بیوی کی اولاد کا حکم	۱۳۰
	متفرقات نکاح	
۷۳	بیوی کا پستان منہ میں لینے سے نکاح فاسد نہیں ہوتا	۱۳۲
۷۴	شرعاً حلال رشتہ داروں سے نکاح کرنے کو عیب سمجھنا	۱۳۲
۷۵	''ہنی مون'' منانا بے اصل ہے	۱۳۷
۷٦	ولیمہ کی شرعی حیثیت اور وقت	۱۳۸
۷۷	خلوتِ صحیحہ کے بعد ولیمہ	۱۳۹
۷۸	شادی سے پہلے دعوت کا حکم	۱۳۹
۷۹	خلوتِ صحیحہ اور عورت کی اجازت کے بغیر ولیمہ کرنا	۱۴۰
۸۰	کیا ولیمہ کے لیے بڑی دعوت کرنا ضروری ہے؟	۱۴۰
۸۱	ولیمہ کتنے دنوں تک ہوسکتا ہے؟	۱۴۲

۸۲	شب زفاف سے قبل ولیمہ ہوسکتا ہے؟	۱۴۲
۸۳	وظیفۂ زوجیت ادا نہ کرنے کے قابل عورت سے نکاح پر مالی مطالبہ	۱۴۲
۸۴	رسومات سے بچنے کے لیے اجتماعی نکاح	۱۴۵
۸۵	''یہ لڑکی قیامت تک میری لڑکی کے برابر رہے گی'' کہنے کے بعد اس سے نکاح	۱۴۷
۸۶	چغل خور بیوی کو میکے جانے سے روکنا	۱۴۸
۸۷	دولہا سے رقم لینا ناجائز ہے	۱۵۰
۸۸	شادی کے دعوت نامے کی ایک شکل	۱۵۱
۸۹	نکاح خوانی کی اجرت کے حق دار کون؟	۱۵۲
۹۰	نکاح خوانی کی اجرت کس کا حق؟	۱۵۳
۹۱	شادی میں ہدیہ کا لینا دینا	۱۵۴
۹۲	بارہ بچوں کے بعد تجدید نکاح	۱۵۵
۹۳	ویزا فیس اپنے ذمہ لینے کیے بعد اس سے فرار چاہنا	۱۵۵
۹۴	کیا کثرتِ اولاد عورت پر ظلم ہے؟	۱۵۷
۹۵	شوہر، اپنی بیوی کو میکے جانے سے کب روک سکتا ہے؟	۱۵۷
۹۶	جس شادی میں رسومات ہو اس میں علما کی شرکت	۱۵۸
۹۷	نکاح سے قبل شوہر کی طرف سے ہدیہ بھیج سکتے ہیں؟	۱۵۹
۹۸	خطبۂ نکاح اور چند رسومات	۱۶۱

❁	**باب حرمة المصاهرة**	❁
۹۹	خسر کی ناپاک نظر سے بچاؤ کی خاطر الگ مکان میں رہنا	۱۶۲
۱۰۰	بہو کو چھونے سے حرمت مصاہرت	۱۶۳
۱۰۱	بہو کی پشت پر ہاتھ رکھنے سے حرمتِ مصاہرت	۱۶۵
۱۰۲	اپنی بیٹی سے زنا	۱۶۷
۱۰۳	ممسوسہ کی بیٹی سے نکاح	۱۶۹
۱۰۴	اغلام باز کی اولاد کا آپس میں نکاح جائز ہے	۱۷۲
۱۰۵	سالی کے ساتھ زنا سے نکاح، اولاد، نسب اور میراث کا حکم	۱۷۳
۱۰۶	سالی کے ساتھ زنا کرنے سے بیوی حرام نہیں ہوتی	۱۷۴
۱۰۷	بوسہ سے حرمت مصاہرت کا ثبوت	۱۷۵
۱۰۸	بھابھی کے مخصوص اعضاء کو چھونے سے حرمت مصاہرت	۱۷۵
۱۰۹	خسر کے زنا کرنے سے حرمتِ مصاہرت	۱۷۶
۱۱۰	بہو سے زنا سے حرمت مصاہرت	۱۷۷
❁	**باب احکام النسب والمولود**	❁
۱۱۱	ایک بچے کی ماں ہونے کا نرالا ثبوت	۱۷۸
۱۱۲	مسلم عورت کے کافر سے دو بچوں کا حکم	۱۷۹
۱۱۳	ثبوتِ نسب کے لیے ڈی، این، اے رپورٹ کا اعتبار نہیں	۱۸۰

۱۱۴	کچھ کھلا کر نکاح کے لیے راضی کرنا اور اس نکاح سے پیدا شدہ اولاد کا حکم	۱۸۱
۱۱۵	لے پالک لینا جائز ہے	۱۸۱
۱۱۶	متبنی بنانا درست ہے	۱۸۲
۱۱۷	لے پالک بیٹے کی نسبت	۱۸۲
۱۱۸	نومسلم کے ساتھ سیٹھ کا نام لگانا	۱۸۳
۱۱۹	خسر کو باپ کہنا	۱۸۴
۱۲۰	عبدالرسول، عبدالنبی وغیرہ نام رکھنا	۱۸۷
۱۲۱	نومولود کے کان میں نہلا کر اذان کہے	۱۸۸
۱۲۲	کسی بچہ کا نام عفان رکھنا	۱۸۸
۱۲۳	مناف نام رکھنا	۱۸۹
	باب الرضاعت	
۱۲۴	ثبوت رضاعت میں دودھ کی مقدار	۱۸۹
۱۲۵	خشک پستان والی عورت سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی	۱۹۰
۱۲۶	خارج سے دودھ پلانے سے رضاعت	۱۹۲
۱۲۷	ثبوت رضاعت کے بعد تفریق	۱۹۳
۱۲۸	رضاعی بہن کی اولاد ثابت النسب ہے	۱۹۴
۱۲۹	ایضاً	۱۹۴

۱۳۰	ایک عورت کے قول سے ثبوت رضاعت	۱۹۵
۱۳۱	حقیقی بھائی کی رضاعی بہن کے ساتھ نکاح	۱۹۵
۱۳۲	رضاعی بھائی کی حقیقی بہن سے نکاح	۱۹۶
۱۳۳	رضاعی بھتیجی سے نکاح	۱۹۷
۱۳۴	رضاعی خالہ سے نکاح	۱۹۸
۱۳۵	رضاعی خالہ سے نکاح	۱۹۹
❁	**باب الحضانة والولاية**	❁
۱۳۶	تین طلاق کے بعد بچے کس کے پاس رہیں؟	۲۰۰
۱۳۷	ماں حق پرورش سے انکار کرسکتی ہے؟	۲۰۱
۱۳۸	شوہر کے انتقال کے بعد لڑکے کی پرورش کا حقدار کون؟	۲۰۲
۱۳۹	پرورش کا حق کس کو ہے؟	۲۰۳
❁	**باب النفقة**	❁
۱۴۰	ولادت کے مصارف کا ذمہ دار کون ہے؟	۲۰۵
۱۴۱	ظالم شوہر کے جیب سے رقم نکالنا	۲۰۶
۱۴۲	بالغ لڑکے کا باپ سے بذریعۂ کورٹ نفقہ کا مطالبہ کرنا	۲۰۷
۱۴۳	دو بچوں کو دودھ پلانے کی مدت	۲۰۷
۱۴۴	بچوں کی پرورش کا حق	۲۰۸
۱۴۵	لڑکی کی پرورش کا حق کس کو ہے؟	۲۱۰

۱۴۶	مطلقہ اور اولاد کا نفقہ اور شوہر کے سامان کا حکم	۲۱۰
۱۴۷	شوہر کے ظلم سے میکے جانے والی بیوی کا نفقہ	۲۱۲
۱۴۸	قبل از رخصتی بیوی کا نفقہ کس کے ذمہ ہے؟	۲۱۳
۱۴۹	باپ اور دادا کی موجودگی میں ولایت کس کو حاصل ہے؟	۲۱۴
۱۵۰	نابالغ کے مال میں غیر ولی کے تصرف کا حکم	۲۱۴
	کتاب الطلاق	
۱۵۱	طلاق، ظہار اور خلع کے بارے میں عورت کا اختیار	۲۱۹
۱۵۲	طلاق سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے	۲۱۹
۱۵۳	وقوع طلاق میں اضافتِ معنویہ کافی ہے	۲۲۰
۱۵۴	بدکردار بیوی کو طلاق دینا	۲۲۱
۱۵۵	فاحشہ عورت کو طلاق دینے کا حکم	۲۲۴
۱۵۶	نافرمان بیوی کو طلاق دینا	۲۲۵
۱۵۷	ناشزہ عورت کو طلاق دینا	۲۲۵
۱۵۸	بیوی کے ناجائز تعلقات اور ایسی عورت کو طلاق دینے کا حکم	۲۲۷
۱۵۹	حمل ساقط کرانے والی بیوی کو طلاق دینا	۲۲۸
۱۶۰	طلاق دینے کے بعد اس کی متعدد بار خبر دی	۲۳۰
۱۶۱	صریح تین طلاق	۲۳۲
۱۶۲	غیر مدخول بہا کو تین طلاق کا حکم	۲۳۴

۱۶۳	غیر مدخول بہا کو تین طلاق دینا	۲۳۵
۱۶۴	غصہ کی حالت میں طلاق ثلاثہ	۲۳۶
۱۶۵	حالتِ حیض میں تحریری تین طلاق دینا	۲۳۸
۱۶۶	تین طلاق میں اختلاف	۲۳۹
۱۶۷	طلاق میں میاں بیوی کا اختلاف ہو تو کیا کرے؟	۲۴۱
۱۶۸	عورت کے مطالبے پر تین طلاق دینا	۲۴۲
۱۶۹	حاملہ کو طلاق دینے کا عمدہ طریقہ	۲۴۳
۱۷۰	حالت حمل میں تین طلاق دینا	۲۴۵
۱۷۱	حالت حمل میں طلاق ثلاثہ	۲۴۵
۱۷۲	نشہ کی حالت میں تین طلاق	۲۴۶
۱۷۳	مذاق میں بلا گواہ طلاق اور حمل کا حکم	۲۴۸
۱۷۴	تحریری طلاق	۲۴۹
۱۷۵	روبرو طلاق بالکتابت واقع نہیں ہوتی	۲۵۰
۱۷۶	طلاق بذریعۂ تحریر	۲۵۵
۱۷۷	سامنے موجود بیوی کو تحریر سے طلاق دینا	۲۵۶
۱۷۸	طلاق کی دھمکی اور لفظ 'طلاقیں' کا اطلاق	۲۵۷
۱۷۹	''طلاق دیدوں گا'' دھمکی ہے	۲۵۸
۱۸۰	زوجین کا وقوع طلاق میں اختلاف ہو تو کس کی بات معتبر ہے؟	۲۵۹

۱۸۱	طلاق دینے کے بعد شوہر انکار کرے تو کیا حکم ہے؟	۲۶۱
۱۸۲	عورت طلاق کا اقرار کرے اور مرد منکر ہو تو کیا کرے؟	۲۶۲
۱۸۳	لواطت کے ایک واقعہ میں طلاق کی قسم	۲۶۴
۱۸۴	لواطت کے ارتکاب سے بیوی نکاح سے نہیں نکلتی	۲۶۶
۱۸۵	''تجھے طلاق کی قسم'' کہنے سے طلاق	۲۶۷
۱۸۶	حصول وثیقہ کے لیے طلاق کی قسم	۲۶۸
۱۸۷	عنین کے نکاح، طلاق اور مہر کا حکم	۲۷۰
۱۸۸	نکاح سے پہلے طلاق کا حلف نامہ لکھوانا	۲۷۱
۱۸۹	غیر مسلم قاضی کے فیصلۂ طلاق کا حکم	۲۷۲
۱۹۰	غیر مسلم جج کا فیصلۂ طلاق	۲۷۴
۱۹۱	طلاق طلاق، تو آزاد کہنے کا حکم	۲۷۵
۱۹۲	طلاق کی جگہ خالی چھوڑ کر تحریر لکھنے کا حکم	۲۷۵
۱۹۳	غلط فہمی میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے	۲۷۸
۱۹۴	لفظ ''دوسری طلاق'' پہلی طلاق کے اقرار کو متضمن ہے	۲۸۰
۱۹۵	محض تصور کرنے سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟	۲۸۲
۱۹۶	زبان سے بے اختیار طلاق کے الفاظ نکل جائے تو؟	۲۸۳
۱۹۷	صرف دل میں طلاق دینا	۲۸۴
۱۹۸	اتنی آہستہ سے طلاق دینا کہ خود بھی نہ سن سکے	۲۸۴

	باب الطلاق البائن	
۱۹۹	''فارختی'' سے طلاق بائن واقع ہوگی	۲۸۵
۲۰۰	''تو چلی جا مجھے نہیں چاہیے'' کہنا	۲۸۶
۲۰۱	''تو دوسرا شوہر تلاش کر لینا'' لکھنا	۲۸۶
۲۰۲	بیوی کو ''اپنے ماں باپ کے گھر چلی جا'' کہنا	۲۸۷
۲۰۳	طلاق بائن اور ''تو چلی جا'' کہنا	۲۸۸
۲۰۴	طلاق بائن کے الفاظ	۲۸۹
۲۰۵	طلاق کے متعدد الفاظ کنائی کا حکم	۲۸۹
۲۰۶	''یہاں نہیں رہے گی تو میرے نکاح میں نہیں'' کہنا	۲۹۱
۲۰۷	تم کو جہاں جانا ہو چلی جا سے طلاق	۲۹۴
۲۰۸	تمھاری بیٹی تمھارے منہ پر ماردوں گا سے طلاق نہیں ہوتی	۲۹۵
۲۰۹	کنائی تین طلاق میں نیت کی تبدیلی	۲۹۶
	باب الاکراہ في الطلاق	
۲۱۰	جبراً طلاق کی قسم کا حکم	۲۹۷
۲۱۱	جبراً تحریری طلاق	۲۹۸
۲۱۲	کورے اسٹامپ پیپر پر دستخط سے طلاق	۳۰۰
۲۱۳	ڈرانے کے لیے طلاق نامہ لکھوانے سے طلاق	۳۰۰
۲۱۴	زبردستی طلاق کا حکم	۳۰۲

۲۱۵	مُکرَہ کی طلاق کا حکم	۳۰۳
۲۱۶	طلاقِ مکرہ	۳۰۴
❁	**حلالہ کے مسائل**	❁
۲۱۷	تین طلاق کے بعد نکاح کی صورت	۳۰۵
۲۱۸	طلاق کی شرط پر حلالہ	۳۰۷
۲۱۹	طلاق کی شرط پر حلالہ	۳۰۸
۲۲۰	کوڑھ والی مطلقہ کا حلالہ	۳۰۹
۲۲۱	نادرست حلالہ میں وطی کے بعد شرعی حلالہ کرنا	۳۱۰
۲۲۲	حلالہ کی مشروع صورت	۳۱۳
۲۲۳	مطلقۂ مغلظہ کے نفقہ، حلالہ اور اولاد کے ساتھ رہنے کا حکم	۳۱۵
۲۲۴	حلالہ کر کے نکاح میں آنے والی عورت کو طلاق دینا	۳۱۶
❁	**باب الخلع**	❁
۲۲۵	حق خلع اور بدل خلع	۳۲۰
۲۲۶	بیوی کو تنگ کرنے والے سے خلاصی کی صورت	۳۲۱
۲۲۷	شرابی شوہر سے خلاصی کی صورت	۳۲۲
۲۲۸	خلع	۳۲۳
۲۲۹	زوج متعنت سے چھٹکارہ کی صورت	۳۲۴
۲۳۰	شوہر کا طلاق کے عوض پیسہ لینا	۳۲۵

	متفرقات طلاق	
۲۳۱	میاں بیوی میں تعلقات نہ ہونے کا اثر رشتۂ نکاح پر	۳۳۱
۲۳۲	شوہر کی اجازت کے بغیر لڑکی میکے آ گئی، فریقین کیا کریں؟	۳۳۱
۲۳۳	انسداد طلاق کے لیے کمیٹی بنانا	۳۳۲
۲۳۴	کثرت طلاق کی روک تھام کے لیے بائیکاٹ، مالی جرمانہ لینا	۳۴۴
۲۳۵	بلا وجہ شرعی طلاق دینے والے کو کوڑے مارنا	۳۵۳
۲۳۶	ظلماً طلاق پر بہ طور تعزیر بائیکاٹ کرنا	۳۵۴
۲۳۷	مطلقہ کی مالی مدد کرنا	۳۵۷
۲۳۸	انتقاماً طلاق نہ دینا	۳۵۸
۲۳۹	والدین کا اپنے بیٹے کو طلاق دینے پر دباؤ کیوں؟	۳۶۰
۲۴۰	بیوی کو بہن کہنے کا حکم	۳۶۳
۲۴۱	شوہر کے ظلم کی وجہ سے طلاق کا مطالبہ کرنا	۳۶۳
۲۴۲	بیوی کو خط نہ پہنچے تو بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے	۳۶۶
۲۴۳	جھگڑے کی وجہ سے عورت کو معلّق چھوڑ دینا کیسا ہے؟	۳۶۶
	باب التفویض والتعلیق	
۲۴۴	تفویض طلاق کے بعد بھی ایقاع طلاق کا حق ہے	۳۶۸
۲۴۵	ایقاع طلاق کو مشروط کرنا	۳۶۹
۲۴۶	سرکاری کارروائی نہ کرنے یا نکاح ثانی کی شرط پر طلاق دینا	۳۷۰

۲۴۷	''رمضان سے پہلے شادی نہ ہوئی تو وہ عورت میرے لیے حرام ہے'' کے الفاظ سے قسم کھانا	۳۷۱
۲۴۸	ماں کے گھر جانے پر شرطی طلاق	۳۷۲
۲۴۹	''جب بھی شادی کروں تو طلاق'' کہنا	۳۷۳
۲۵۰	جب بھی شادی کروں تو طلاق	۳۷۵
۲۵۱	وقوع شرط کے بعد منسوبہ پر طلاق واقع نہیں ہوتی	۳۷۶
۲۵۲	''تیرے علاوہ سے نکاح کروں تو طلاق'' کہنے کا حکم	۳۷۸
۲۵۳	تعلیق طلاق کے بعد اس کام کی اجازت دینے سے وقوع طلاق	۳۷۸
۲۵۴	''اگر تم اپنے میکہ جاؤ گی تو سمجھ لینا'' کہنے سے طلاق	۳۸۰
۲۵۵	طالب علم کا امتحان میں ناکامی پر طلاقِ مخطوبہ کو معلق کرنا	۳۸۱
۲۵۶	تین طلاق معلق سے بچنے کی صورت	۳۸۲
۲۵۷	شادی پر طلاق کی تعلیق کا حل	۳۸۳
۲۵۸	نکاح سے پہلے تعلیقِ طلاق	۳۸۵
۲۵۹	نکاح سے پہلے تعلیقِ طلاق کا حکم	۳۸۷
۲۶۰	جماع پر تین طلاق کو معلق کرنا	۳۸۸
۲۶۱	''اگر اس سال رخصتی نہ کرے تو طلاق'' کہنا	۳۸۹
۲۶۲	تعلیق وطلاق میں خیالات کا اعتبار نہیں	۳۹۰
۲۶۳	تعلیقِ طلاق کی ایک صورت	۳۹۲

۲۶۴	طلاق ثلاثہ کی تعلیق	۳۹۶
۲۶۵	اجمالی تعلیق میں طلاق کا حکم	۳۹۶
۲۶۶	یمین اور طلاق وسوسے سے واقع نہیں ہوتے	۳۹۸
❁	**باب العدۃ**	❁
۲۶۷	عدت کی مصلحت اور اس کے احکام	۴۰۰
۲۶۸	حاملہ کی عدت	۴۱۳
۲۶۹	شوہر کا انتقال سابق وطن میں ہو تو عدت کہاں گزارے؟	۴۱۴
۲۷۰	عدت میں نکاح وتداخلِ عدت	۴۱۴
۲۷۱	عدت میں نکاح صحیح نہیں	۴۱۵
۲۷۲	عدت کب شروع ہوگی؟ جہیز کے سامان کا حکم	۴۱۷
۲۷۳	بیوہ عدت کہاں گزارے؟	۴۱۸
۲۷۴	ایام عدت میں عورت کہاں رہے؟	۴۱۹
۲۷۵	علاج کے ذریعہ خون جاری کر کے عدت پوری کروانا	۴۱۹
۲۷۶	بعد طلاق عدت کی رقم واپس کردے تو شوہر کیا کرے؟	۴۲۰
۲۷۷	بذریعہ عدالت تاحیات نفقہ کا مطالبہ	۴۲۱
۲۷۸	عدت کے خرچ سے زیادہ لینے کا قانون اور زنا پر جرمانہ طے کرنا تعزیر بالمال ہے؟	۴۲۳
۲۷۹	مطلقۂ ثلاثہ کا نفقۂ عدت اور سامان کا حکم	۴۲۶

۲۸۰	معتدۂ وفات کے لیے بیرون ملک کا سفر	۴۲۷
۲۸۱	معتدہ کے لیے شوہر کے بھتیجے بھانجے سے پردہ کا حکم	۴۲۸
۲۸۲	معتدہ کا سونے کے کنگن پہننا	۴۲۹
	کتاب البیوع	
۲۸۳	نقد اور ادھار خریداری کے بھاؤ میں فرق رکھنا	۴۳۳
۲۸۴	نقد ثمن کی صورت میں کمیشن	۴۳۳
۲۸۵	نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق	۴۳۴
۲۸۶	نقد اور ادھار میں قیمت کا تفاوت	۴۳۴
۲۸۷	وقت پر قیمت ادا نہ کرنے پر فسخ بیع یا زیادتی وصول کرنا	۴۳۵
۲۸۸	ادھار میں زیادہ قیمت لینا اور کسی مجبوری کا غلط فائدہ اٹھانا	۴۳۶
۲۸۹	کم قیمت میں ذخیرہ کر کے زیادہ قیمت پر ادھار بیچنا	۴۳۷
۲۹۰	مبیع پر ملکیت سے پہلے بیع باطل ہے	۴۳۷
۲۹۱	وزن کیے بغیر مبیع کا استعمال	۴۳۸
۲۹۲	مال پر قبضہ کیے بغیر کسی دوسرے کو بیچنا درست نہیں	۴۳۹
۲۹۳	ثمن پر قبضہ کیے بغیر وہی چیز کم قیمت میں مشتری سے خریدنا	۴۴۰
۲۹۴	ایک ممبر کا مکان کی تعمیر مکمل ہونے سے پہلے مکان بیچ دینا	۴۴۱
۲۹۵	شرعی قبضہ اور تکمیل سے پہلے نفع لے کر مکان بیچنا	۴۴۲
۲۹۶	عقار کی بیع میں اندیشہ ہلاک اور قبضہ کا حکم	۴۴۲

۲۹۷	بیع کے بعد مبیع پر قبضہ جمائے رکھنا	۴۴۶
۲۹۸	ایجاب وقبول کے بعد قانونی رجسٹری سے پہلے زمین بیچنا	۴۴۷
۲۹۹	نام رجسٹری کرالینے سے ملکیت نہیں آتی	۴۴۸
۳۰۰	خرید وفروخت میں نفع کا حکم	۴۵۰
۳۰۱	تجارت میں نفع کی کوئی حد ہے؟	۴۵۰
۳۰۲	کیا گاہک سے مقدمہ کے مصارف وصول کرسکتے ہیں؟	۴۵۱
۳۰۳	ثمن کی وصولیابی کے مصارف خریدار سے وصول کرسکتے ہیں؟	۴۵۲
۳۰۴	قیمت کے تعین میں سیل ٹیکس شمار ہوگا؟	۴۵۲
۳۰۵	رعایتی دام سے خریدی ہوئی چیز زیادہ نفع لے کر بیچنا	۴۵۳
۳۰۶	ایضاً	۴۵۵
۳۰۷	خیارعیب بہرحال خریدنے والے کو حاصل ہے	۴۵۶
۳۰۸	خیارعیب کب ساقط ہوجاتا ہے؟	۴۵۷
۳۰۹	گڑ سے چائے خراب ہوجائے تو واپس کرسکتے ہیں؟	۴۵۸
۳۱۰	خریدار کی ملکیت میں دودھ خراب ہوا تو بائع ذمہ دار نہیں	۴۵۸
۳۱۱	کپڑے کا رنگ کچا ہونا عیب ہے یا نہیں؟	۴۵۹
۳۱۲	عیب سے سلامتی کی شرط پر گابھن بھینس خریدنا	۴۶۰
۳۱۳	بیع مرابحہ، مساومہ، اور تولیہ کے طور پر ہوٹل کے حصوں کی بیع	۴۶۲
۳۱۴	مختلف اشیاء مجموعی قیمت سے خریدنا	۴۶۵

۳۱۵	خرید وفروخت کی ایک جائز صورت	۴۶۵
۳۱۶	ڈِیلر اور بینک سے گاڑی خریدنے کی چند صورتیں	۴۶۶
۳۱۷	مشترکہ ملکیت میں بیع اور وصیت	۴۶۹
۳۱۸	فسخ بیع کا معاوضہ لینا	۴۷۴
۳۱۹	مقررہ وقت گزر جانے پر ثمن مع سود دینے کی شرط لگانا	۴۷۵
۳۲۰	بلڈر کو دی ہوئی رقم سے زائد وصول کرنا حرام ہے	۴۷۵
۳۲۱	حرام ثمن والے مشتری کے ساتھ خرید وفروخت	۴۷۷
۳۲۲	ناجائز کمائی والے سے تعمیر کا اگریمنٹ ہو چکا اب کیا کرے؟	۴۷۹
۳۲۳	غلہ کی تجارت کا ایک طریقہ	۴۸۰
۳۲۴	بیع فسخ ہونے کی صورت میں مبیع کے بیچنے کی شرط لگانا	۴۸۲
۳۲۵	بیع فاسد کے ثمن کو قرض میں شمار نہیں کر سکتے	۴۸۵
۳۲۶	علاقہ میں مال سپلائی کا حق فروخت کرنا	۴۸۶
۳۲۷	اینٹ کی بیع استصناع	۴۸۸
۳۲۸	بلڈر سے معہود مکان خریدنا	۴۸۸
۳۲۹	دال کی بوری کے ساتھ بیع کرنا	۴۸۹
۳۳۰	بیع مجازفۃً کی ایک صورت	۴۹۱
۳۳۱	ایضاً	۴۹۱
۳۳۲	تھیلی اور کاغذ مبیع میں شامل ہے	۴۹۲

۳۳۳	''زائد بھاؤ'' کا عرف	۴۹۳
۳۳۴	مزدور کو قرض نہ دینا اور اجرت طے کرنا	۴۹۳
۳۳۵	بیع وفا کی ایک صورت	۴۹۴
۳۳۶	مبیع کم قیمت پر بائع ہی کو بیچنا	۴۹۴
۳۳۷	نقد رقم حاصل کرنے کے لیے بیع	۴۹۶
۳۳۸	دودھ کی کمی بیشی پر دائر ثمن والی بیع فاسد ہے	۴۹۶
۳۳۹	گابھن بنانے کی شرط پر بیع	۴۹۸
۳۴۰	ثمن کی ادائیگی کا وقت مقرر کیے بغیر بیع	۵۰۰
۳۴۱	کپڑے کے تھان پر درج مقدار میں کمی بیشی کا امکان اور بیع کا حکم	۵۰۰
۳۴۲	مال تجارت میں نفع کمیشن پر لینا۔ کمیشن پر چندہ کرنا	۵۰۱
۳۴۳	حکومت کی طرف سے طے شدہ نرخ سے زیادہ لینا	۵۰۲
۳۴۴	ڈاکخانہ وغیرہ کی اشیاء کو زیادہ قیمت سے خرید وفروخت کرنا	۵۰۲
۳۴۵	کسی چیز کا حکومتی قیمت سے زیادہ پر فروخت کرنا	۵۰۳
۳۴۶	ریلوے ٹکٹ، منافع لے کر بیچنا	۵۰۳
۳۴۷	اقالہ کی فضیلت وحکم	۵۰۴
۳۴۸	فروخت شدہ مکان کو غصب کر کے پرانی قیمت واپس کرنا	۵۰۵
❁	**بیع میں جھوٹ وغیرہ کے مسائل**	❁
۳۴۹	ملازم کا متعین نرخ سے زائد قیمت پر چیز بیچنا	۵۰۶

۳۵۰	بغیر سامان کے صرف بل (رسید) بیچنا کیسا ہے؟	۵۰۷
۳۵۱	بی۔پی ایل کارڈ اور راشن کارڈ سے ناجائز فائدہ اٹھانا	۵۰۸
۳۵۲	تمباکو کے اصلی ڈبہ میں نقلی مال فروخت کرنا	۵۰۹
۳۵۳	ٹیکس سے بچنے کے لیے مبیع کی قیمت کم بتلانا	۵۱۰
۳۵۴	ٹیکس سے بچنے کے لیے تدبیر اختیار کرنا کیسا ہے؟	۵۱۱
۳۵۵	اپنی مصنوعات پر جاپانی مارک لگانا	۵۱۱
۳۵۶	بغیر لائسنس کے منجن فروخت کا کاروبار کرنے میں رشوت دینا	۵۱۳
۳۵۷	رجسٹرڈ شدہ کمپنی کے لیبل سے اپنی مصنوعات فروخت کرنا	۵۱۴
۳۵۸	بگڑنے سے بچانے کے لیے دودھ میں برف ڈالنا کیسا ہے؟	۵۱۸
۳۵۹	مٹی کا تیل زیادہ دام سے بیچنا	۵۱۹
۳۶۰	مکان فروخت کرنے کے بعد دستخط نہ کرنا	۵۲۰
۳۶۱	سرکاری امداد کے لیے جعلی بل دینا	۵۲۱
۳۶۲	جعلی بل پیش کر کے حکومت سے روپے وصول کرنا	۵۲۲
۳۶۳	زیادہ رقم کا بل بنا کر زائد رقم واپس لینا	۵۲۲
❁	**ممنوع اور مباح اشیاء کی بیع کے مسائل**	❁
۳۶۴	انسان کے پاخانہ کی بیع	۵۲۳
۳۶۵	ذی روح کھلونے کی تجارت	۵۲۴
۳۶۶	''اے ٹو زیڈ مارکیٹنگ'' نامی کمپنی کا گاہک بننے کا حکم	۵۲۶

۳۶۷	گانے بھرے ہوئے کیسٹ کی تجارت جائز نہیں	۵۲۸
۳۶۸	گانے کی کیسٹ فروخت کرنا	۵۲۸
۳۶۹	ایضاً	۵۲۹
۳۷۰	شراب کی خالی بوتلوں کی تجارت درست ہے	۵۲۹
۳۷۱	شراب کی بوتلوں کا کاروبار	۵۳۰
۳۷۲	مورتی کی تجارت جائز نہیں	۵۳۰
۳۷۳	گمراہ کن عقائد پر مشتمل کتابوں کی تجارت درست نہیں	۵۳۱
۳۷۴	الکحل کی خرید وفروخت	۵۳۲
۳۷۵	الکحل اور کیمرہ کی خرید وفروخت	۵۳۲
۳۷۶	الکحل والے سینٹ اور عطریات فروخت کرنا	۵۳۳
۳۷۷	الکحل والے پرفیوم فروخت کرنا	۵۳۳
۳۷۸	زندہ جانور وزن کرکے بیچنا	۵۳۵
۳۷۹	مختلف مردہ جانوروں کی بیع کا حکم	۵۳۵
۳۸۰	مچھلی کے علاوہ بحری جانوروں کی خرید وفروخت کا حکم	۵۳۶
۳۸۱	ٹی وی اور ریڈیو کی بیع کے حکم میں فرق	۵۳۷
۳۸۲	چرس، حشیش وغیرہ کا استعمال اور خرید وفروخت کا حکم	۵۳۸
۳۸۳	مردار کے چمڑے کی بیع	۵۴۰
۳۸۴	گڑ، پھٹکری اور سیاہ مرچ شراب بنانے والے کے ہاتھ بیچنا	۵۴۱

۳۸۵	پوجا پاٹ کا سامان خریدنا	۵۴۲
۳۸۶	گوچن کو بیچنا	۵۴۲
۳۸۷	گوچن کی خرید وفروخت	۵۴۳
۳۸۸	دھات کی انگوٹھی کا استعمال اور خرید وفروخت	۵۴۴
۳۸۹	بینک کی ضبط کردہ گاڑی خریدنا	۵۴۵
۳۹۰	جَو کے باغات شراب بنانے والے کے ہاتھ بیچنا	۵۴۵
۳۹۱	گورنمنٹ کی دی ہوئی زمین خریدنا	۵۴۶
۳۹۲	آتش بازی کی خرید وفروخت اور استعمال	۵۴۷
۳۹۳	کان میں جمے ہوئے پتھروں کی خرید وفروخت	۵۴۷
۳۹۴	البم اور فوٹو فریم بیچنا	۵۵۳
۳۹۵	پان کا ٹھیلہ کھولنا	۵۵۳
۳۹۶	لپسٹک اور پاوڈر وغیرہ میک اپ کی تجارت کرنا	۵۵۴
۳۹۷	لکس صابن بیچنا	۵۵۵
۳۹۸	ویڈیو گیم کی تجارت کرنا	۵۵۵
۳۹۹	آلات لہو ولعب کی بیع	۵۵۶
۴۰۰	چور بازار کی اشیاء کا حکم	۵۵۶
۴۰۱	ضبط کردہ مشین خریدنا	۵۵۷
۴۰۲	اخبار کی کوپن خریدنا ناجائز ہے	۵۵۷

۴۰۳	اخبارات میں امور معاصی کا اشتہار اور اس کی آمدنی کا حکم	۵۵۹
❁	**باب بیع الصرف والسلم**	❁
۴۰۴	سونے چاندی کو ادھار بیچنے کی مختلف صورتوں کا حکم	۵۶۱
۴۰۵	ہنڈی کا کاروبار کرنا کیسا ہے؟	۵۶۵
۴۰۶	حوالے کا کاروبار جائز ہے؟	۵۶۵
۴۰۷	ہنڈی کا حکم	۵۶۶
۴۰۸	ریال کے عوض نو سکّے لینا	۵۶۹
۴۰۹	بیرونی کرنسی زیادہ دام میں فروخت کرنا	۵۶۹
۴۱۰	کاغذی نوٹ کی شرعی حیثیت	۵۷۰
۴۱۱	ڈالر کے ذریعہ نفع بخش تجارت	۵۷۱
۴۱۲	ریزگاری بیچنے کی ناجائز صورت اور اس کے جواز کی شکلیں	۵۷۲
۴۱۳	پھٹے ہوئے روپئے کم قیمت سے بیچنا	۵۷۳
۴۱۴	بیع سلم میں مبیع پر قبضہ کے بعد بیع	۵۷۳
۴۱۵	اینٹ میں بیع سلم اور استصناع کا حکم	۵۷۴
۴۱۶	گیہوں میں بیع سلم	۵۷۵
❁	**متفرقات بیوع**	❁
۴۱۷	جمعہ وعیدین کے خطبہ کے وقت خرید وفروخت	۵۷۶
۴۱۸	جمعہ کی اذان کے بعد بیع کا حکم	۵۷۶

۴۱۹	چٹھی کے ذریعہ رقم جمع کرنا	۵۷۶
۴۲۰	باہمی تعاون کے لیے مساوی رقم جمع کر کے قرعہ اندازی کرنا	۵۷۶
۴۲۱	ماہِ رمضان میں دن کے وقت ہندو محلہ میں ہوٹل کھلا رکھنا	۵۸۰
۴۲۲	بیع میں چھ ماہ میں رقم ادا کرنے کی شرط	۵۸۱
❁	**پولٹری فارم کے مسائل**	❁
۴۲۳	چوزے دینے کی شرط پر انڈے دوسرے کی مرغی سے سینا	۵۸۲
۴۲۴	صنعت کے لیے حکومت سے سبسڈی لینا	۵۸۲
۴۲۵	نرخ متعین کیے بغیر انڈا فروخت کرنا	۵۸۳
۴۲۶	انڈوں کی مقدار طے کیے بغیر بیع کرنا	۵۸۴
۴۲۷	انڈوں میں بیع سلم	۵۸۴
۴۲۸	مرغیوں کی بیع وزناً وعدداً میں تطبیق	۵۸۵
۴۲۹	مرغیوں کی کھاد کی بیع	۵۸۶
۴۳۰	فارمی مرغیوں کے لیے بنائی جانے والی غذاؤں کا حکم	۵۸۷
۴۳۱	مرغیوں کو لڑائی سے بچانے کے لیے چونچ کا حصہ کاٹنا	۵۹۰
۴۳۲	ضرورت کی وجہ سے مرغیوں کی چونچ کاٹنا	۵۹۰

فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
❁	**باب الربا**	❁
۱	سود سے متعلق چند سوالات	۲۹
۲	سود کی حرمت	۳۱
۳	سودی قرض کس حالت میں لے سکتے ہیں؟	۳۲
۴	سبسڈی حاصل کرنے کے لیے سودی قرض لینا	۳۳
۵	سبسڈی لینا	۳۳
۶	سبسڈی والی لون لینا	۳۴
۷	سبسڈی والی لون کا حکم	۳۵
۸	مکان وغیرہ کے لیے سبسڈی والی لون	۳۵
۹	کاشت کاری کے لیے سرکار سے قرض لینا	۳۶
۱۰	اپاہجوں کے لیے سبسڈی والی لون کی ایک اسکیم	۳۷
۱۱	بینک کے توسط سے رکشہ خریدنا	۳۸
۱۲	سودی قرض لے کر تجارت کرنا	۳۹
۱۳	سودی لین دین کرنا	۴۰
۱۴	سودی قرض لے کر گاڑی خریدنا	۴۲
۱۵	سود پر گاڑی خریدنا	۴۵

۱۶	کمپنی اور بینک سے گاڑی خریدنا	۴۶
۱۷	اسٹیمر خریدنے کے لیے لون لینا	۴۷
۱۸	تجارت کے لیے سودی قرض	۴۹
۱۹	قانون سے بچنے کے لیے لون لینا	۵۰
۲۰	سرکاری ٹیکس سے بچنے کے لیے سودی قرض لینا	۵۰
۲۱	قسطوں پر گاڑی خریدنا	۵۲
۲۲	سودی آمدنی سے دی ہوئی تنخواہ حلال نہیں	۵۳
۲۳	بینک کے سود کو 'نفع' کہہ دینے سے حقیقت بدل نہیں جاتی	۵۳
۲۴	گروی رکھی ہوئی زمین سے انتفاع درست نہیں	۵۴
۲۵	مکان مرہون سے انتفاع	۵۵
۲۶	یونٹ ٹرسٹ میں رقم جمع کرنا	۵۵
۲۷	حکومتی ادارہ انسٹی ٹیوٹ سے سودی قرض لینا	۵۶
۲۸	بیٹی کے بینک قرض کے سود میں باپ کو ملنے والا سود دینا	۶۰
۲۹	بینک میں کونسے اکاؤنٹ میں رقم جمع کرواسکتے ہیں؟	۶۱
۳۰	بینک میں پیسہ جمع کرنا اور اس پر ملنے والے سود کے مصارف	۶۲
۳۱	حفاظت کے خاطر بینک میں رقم جمع کرنا	۶۵
۳۲	بینک میں رقم جمع کرنا اور سود نہ لینا	۶۶
۳۳	بینک میں سود وصول کرنے کے لیے رقم جمع کرنا	۶۷

۳۴	بینک میں رقم رکھنے کے جواز سے سود لینے کے جواز کا شبہ	۶۹
۳۵	جہیز کے لیے فکس ڈپوزٹ رکھنا	۷۰
۳۶	حکومت نے زبردستی قبضہ کی ہوئی زمین کی قیمت مع سود کا حکم	۷۱
۳۷	ہندوستان، حربی اور سود کا حکم	۷۱
۳۸	قرض کی ادائیگی میں زیادتی سود ہے	۷۲
۳۹	قرض پر نفع سود ہے اور جائز صورت	۷۳
۴۰	مہلت ختم ہونے کے بعد زیادتی کا مطالبہ سود اور ظلم ہے	۷۴
۴۱	قرض ادا کرتے وقت برضاء ورغبت زائد رقم دینا	۷۵
۴۲	سودی لون لے کر کاروبار کرنے والے کی کمائی کا حکم	۷۶
۴۳	سودی کاروبار والوں کا پانی پینا	۷۷
۴۴	سودی رقم جس غریب کو دی اس کا ہدیہ لینا	۷۸
۴۵	سودی رقم خرافات پر مشتمل شادی میں دینا	۷۹
۴۶	بونڈز پر ملنے والی رقم اور سود کا حکم	۷۹
۴۷	ایک کمپنی کا سیل ٹیکس مع سود ادا کرنے کے بعد دوسری کمپنی سے وصول کرنا	۸۱
۴۸	ستیہ نارائن کے نام رقم دینا	۸۱
۴۹	تجارت کی رقم دے کر مقررہ نفع لینا	۸۳
۵۰	سودی رقم سے تجارت کر کے منافع وقف کرنا	۸۳
۵۱	خریدار کو لون دلوانے اور سودی معاملے میں بلڈر کا تعاون	۸۴

۵۲	سودی لون لینے والے شرکاء کے ساتھ تجارت کرنا	۸۶
❁	**سود کا مصرف**	❁
۵۳	بینک سود کا مصرَف اور اس کے استعمال کی مختلف شکلیں	۸۷
۵۴	بینک یا پوسٹ سے ملنے والا سود اور ٹیکس میں اس کا استعمال	۹۵
۵۵	سودی رقم کا مصرف	۹۷
۵۶	سودی رقم کا مصرف	۹۸
۵۷	شوگر فیکٹری کے سود کا حکم	۹۹
۵۸	سودی پیسہ گٹر یوجنا میں	۱۰۰
۵۹	بینک کے سود سے نالی کا ڈھکن بنوانا	۱۰۰
۶۰	بینک میں رقم جمع کرنا اور ملنے والا سود مدارس پر خرچ کرنا	۱۰۱
۶۱	سودی رقم کا مصرف اور کسی ادارے کا اس کو لینا	۱۰۴
۶۲	رفاہ عام میں سود کی رقم دینے کا حکم	۱۰۵
۶۳	سود کی رقم رفاہ عام اور حکومتی ٹیکس میں دینا	۱۰۶
۶۴	رفاہی کاموں میں سود کی رقم دینا جائز نہیں	۱۰۶
۶۵	سودی رقم انکم ٹیکس، رشوت وغیرہ میں صرف کرنا	۱۰۷
۶۶	پرائیوٹ بینک کی سودی رقم سے انکم ٹیکس ادا کرنا	۱۰۹
۶۷	حکومتی ٹیکسوں میں سودی رقم دینا	۱۱۰
۶۸	اوقاف کی آمدنی کا سود اوقاف کی املاک کے ہاؤس ٹیکس میں	۱۱۱

۶۹	کیا ہاؤس ٹیکس میں سود کی رقم دے سکتے ہیں؟	۱۱۲
۷۰	پروفیشنل ٹیکس میں سودی رقم استعمال کرنا	۱۱۲
۷۱	رشوت اور این۔اے کی کاروائی میں سود کی رقم دینا	۱۱۳
۷۲	سودی رقم سے انکم ٹیکس ادا کرنا	۱۱۳
۷۳	سود کی رقم مسجد کے طہارت خانہ میں استعمال کرنا جائز نہیں	۱۱۵
۷۴	سود کی رقم سے بیت الخلاء بنوانا درست نہیں	۱۱۵
۷۵	بینک سے حاصل شدہ سود سے بیت الخلاء بنانا کیسا ہے؟	۱۱۶
۷۶	سود کی رقم سے مسجد کا بیت الخلاء بنانا درست نہیں	۱۱۷
۷۷	سودی رقم سے بیت الخلاء بنانا	۱۱۷
۷۸	ایضاً	۱۱۸
۷۹	مسجد کی رقم پر ملنے والے سود کا مصرف کیا ہے؟	۱۱۹
۸۰	مقروض آدمی کو سود کی رقم دے سکتے ہیں	۱۱۹
۸۱	سودی رقم دے کر قرض وصول کرنا	۱۲۰
۸۲	مقروض کا سودی رقم لینا	۱۲۰
۸۳	سود کا پیسہ سود میں دینا	۱۲۱
۸۴	سود کی رقم سے سودی قرض کی ادائیگی کرنا	۱۲۲
۸۵	سودی رقم سے کتاب خرید کر غیر مسلم کو دینا	۱۲۲
۸۶	مکان خالی کرانے کے لیے سودی رقم کرایہ دار کو دینا	۱۲۳

۸۷	سودی رقم سے بیٹی کی شادی کرنا	۱۲۴
۸۸	سودی رقم سے کسی کا مکان بنانا	۱۲۵
۸۹	سودی رقم سے کسی کا مکان بنانا	۱۲۵
۹۰	سودی رقم سے کھیل کا سامان خریدنا	۱۲۷
۹۱	سودی رقم خاندان کے مفلس لوگوں کو دے سکتے ہیں	۱۲۷
۹۲	سودی رقم مستحق بیوہ کو دینا	۱۲۷
۹۳	سودی رقم مدرسہ میں صرف کرنا	۱۲۸
۹۴	قرض کی رقم مسجد میں دینا اور پھر سود سے قرض کی ادائیگی	۱۲۹
۹۵	سودی رقم غریب طالب علم کو دینا	۱۲۹
۹۶	مدرسہ کی تعمیرات کی تصویر اور اس میں سودی رقم صرف کرنا	۱۳۰
۹۷	فکس ڈپازٹ کے سود سے امدادِ غرباء کے ادارے کو چندہ	۱۳۰
۹۸	فکس ڈپازٹ کے سود سے بنی عمارت میں نماز و مکتب کا حکم	۱۳۱
۹۹	سودی رقم سے رشوت دینا	۱۳۴
۱۰۰	سود کی رقم رشوت میں دینا درست نہیں ہے	۱۳۵
۱۰۱	سود کی رقم رشوت میں دینا	۱۳۵
۱۰۲	جوئے کی رقم طالب علم یا غریب کو دینا	۱۳۶
۱۰۳	ظالمانہ ٹیکس ادا کرنے کی نیت سے پیسہ بینک میں رکھنا	۱۳۷
۱۰۴	نواسوں کو سود کی رقم دینا	۱۳۷

۱۰۵	لانچ درست کرنے کا حل	۱۳۸
۱۰۶	گورنمنٹ کا طے کردہ نفقہ بہ ذریعۂ سود	۱۳۹
۱۰۷	سودی رقم کو مقدمہ سے خلاصی میں استعمال کرنا	۱۳۹
۱۰۸	ناجائز مطالبۂ نفقہ میں سود دینا	۱۴۰
۱۰۹	بینک کی سودی رقم سے زمین کا کمپاؤنڈ بنوانا	۱۴۱
۱۱۰	سودی رقم بہ قدر ضرورت مصرف میں صرف کی جائے	۱۴۱
۱۱۱	بینک کے سود کی رقم کب نکالیں	۱۴۲
۱۱۲	سودی رقم کے بہ جائے مال حلال صدقہ کرنا	۱۴۳
۱۱۳	سود کی رقم بہ طور قرض لینا	۱۴۴
❁	**بیمہ کے مسائل**	❁
۱۱۴	جان و مال کا بیمہ کروانا	۱۴۵
۱۱۵	جان و مال کا بیمہ کرانا	۱۴۶
۱۱۶	جیون بیمہ میں ملی ہوئی رقم کا صدقہ کرنا ضروری ہے	۱۴۷
۱۱۷	جانور کا بیمہ نکلوانا ناجائز ہے	۱۴۸
۱۱۸	بیمہ درحقیقت قمار اور ربا پر مشتمل ہے	۱۴۹
۱۱۹	جیون بیمہ میں ملی ہوئی رقم کا صدقہ کرنا ضروری ہے	۱۵۰
۱۲۰	ایل، آئی، سی (L.I.C.) کی رکنیت لینا درست نہیں	۱۵۰
۱۲۱	بیمہ کی رقم کا حکم	۱۵۱

۱۲۲	دکان کا بیمہ کرانا	۱۵۲
۱۲۳	بیمہ کمپنی سے کمیشن لینا	۱۵۳
۱۲۴	جیون بیمہ ناجائز ہے	۱۵۴
۱۲۵	جان ومال کا بیمہ کرانا	۱۵۴
۱۲۶	بیمہ کے بارے میں ایک مشورہ	۱۵۵
۱۲۷	ہوٹل کے بیمہ کرانے کی گنجائش	۱۵۷
۱۲۸	انشورنش میں ملنے والی رقم کا حکم	۱۵۸
۱۲۹	بیمہ کروانا	۱۵۹
۱۳۰	زندگی کا بیمہ کرانا	۱۵۹
۱۳۱	افریقہ کے مخصوص حالات میں انشورنس کروانا	۱۶۱
۱۳۲	جانی یا مالی خطرہ کے وقت بیمہ کروانا	۱۶۴
❁	**انکم ٹیکس اور رشوت کے متعلقہ مسائل**	❁
۱۳۳	چنگی اور ٹیکس شریعت کی نظر میں	۱۶۶
۱۳۴	بلیک (سیاہ) رقم کو سفید بنانے کی صورتوں کا حکم	۱۶۸
۱۳۵	حکومتی ٹیکس سے بچنے کے لیے کمائی چھپانا	۱۶۹
۱۳۶	سرکاری ٹیکسوں سے بچنے کی تدبیر کا حکم	۱۷۰
۱۳۷	ایضاً	۱۷۱
۱۳۸	انکم ٹیکس سے بچنے کی چند تدابیر کا حکم	۱۷۱

۱۳۹	اپنا حق حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا	۱۷۶
۱۴۰	دوکان کا مال جانچنے والے کو رشوت دینا	۱۷۷
۱۴۱	حق وراثت یا حق جائز وصول کرنے کے لیے رشوت دینا	۱۷۷
۱۴۲	دستاویز نکالنے میں رشوت دینا	۱۷۸
۱۴۳	انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے سودی قرض لینا	۱۷۹
۱۴۴	انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے حکومتی اسکیم میں شریک ہونا	۱۷۹
۱۴۵	ظالمانہ ٹیکس سے بچنے کی کوئی تدبیر اختیار کرنا	۱۸۱
۱۴۶	مجبوری میں رشوت دینا	۱۸۲
❁	**مختلف جائز اور ناجائز اسکیمیں**	❁
۱۴۷	منی گروٹرس اسکیم یعنی سوال کا مہذب طریقہ	۱۸۳
۱۴۸	آپسی تعاون کی سوسائٹی (اسکیم)	۱۸۹
۱۴۹	ساگوان کی کاشت پر مشتمل ایک اسکیم	۱۹۳
۱۵۰	''بیسی'' اسکیم کا ناجائز طریقہ	۱۹۴
۱۵۱	ایک ناجائز اسکیم	۱۹۵
۱۵۲	قرض کی ایک اسکیم	۱۹۸
۱۵۳	ایک سودی اسکیم	۱۹۸
۱۵۴	سود اور جوا پر مشتمل ایک اسکیم	۱۹۹
۱۵۵	ڈیٹا سرکیولیشن کلب کا طریقۂ کار اور اسکیم کا حکم	۲۰۰

۱۵۶	تجارت کو فروغ دینے کی ایک ناجائز اسکیم	۲۰۲
۱۵۷	چند سودی سرکاری اسکیمیں	۲۰۳
۱۵۸	ایف آئی سی پر یوار کا ممبر بننے کا حکم	۲۱۰
۱۵۹	غرباء کی امداد کے لیے جوئے کی ناجائز اسکیمیں	۲۱۳

کتاب الاجارۃ

۱۶۰	طویل المدت اجارہ میں کم کرایہ طے کرنا	۲۱۷
۱۶۱	اجرت مثل پر اضافی کرایہ ادا کرنا	۲۱۷
۱۶۲	پٹۂ دوامی میں اضافی کرایہ ادا کرنا	۲۱۹
۱۶۳	مسجد کی موقوفہ زمین کی بیع اور لمبی مدت تک کرایہ پر دینا	۲۲۰
۱۶۴	سرکاری قانون کا سہارا لے کر مسجد کی دکان خالی نہ کرنا	۲۲۲
۱۶۵	مزدور کے لیے کھیتی کی پیداوار میں سے اجرت طے کرنا	۲۲۴
۱۶۶	باپ اپنے بیٹے کو کاروبار میں اجرت پر رکھے تو جائز ہے	۲۲۵
۱۶۷	قرض کی بنیاد پر اجرت کم مقرر کرنا درست نہیں	۲۲۵
۱۶۸	مضاربت اور اجارہ کو خلط کرنا درست نہیں ہے	۲۲۶
۱۶۹	عقد کے اصطبل چلانے والا بھائی اجرت کا حقدار نہیں	۲۲۶
۱۷۰	اجرت متعین کیے بغیر فلیٹ میں رہنا	۲۲۹
۱۷۱	عقد اجارہ کے بغیر پیشگی اجرت کے جواز کا حیلہ	۲۳۰
۱۷۲	پڑوسی کو تکلیف دینے والے کو مکان کرایہ پر دینا گناہ ہے	۲۳۴

۱۷۳	پٹے پر لی گئی زمین بحکم اجارہ ہے	۲۳۷
۱۷۴	زمین کو کرایہ پر لینا	۲۳۸
۱۷۵	غیر حاضری کے باوجود پوری فیس بھرنے کا قانون	۲۳۸
۱۷۶	قرض وصولی کا عقد اجارہ اور وصول کردہ دین سے اجرت	۲۳۹
۱۷۷	کرایہ داری کے ایک معاملہ میں مدعی اور مدعی علیہ کی تعیین	۲۴۱
۱۷۸	بس کا کرایہ کم دینا اور جائز کہنا	۲۴۳
۱۷۹	چشمہ سازی کے دوران ہونے والے نقصان کا تاوان کس پر؟	۲۴۴
۱۸۰	بھینس چرانے کا اجارہ اور دبلی ہوجائے تو اجرت میں کمی کرنا	۲۴۵
۱۸۱	بھینس مرنے کی وجہ سے اجرت پر اثر	۲۴۶
۱۸۲	بھینس کے گابھن ہونے نہ ہونے میں اجرت کا فرق	۲۴۷
۱۸۳	جفتی کرانے کی اجرت	۲۴۸
۱۸۴	ایضاً	۲۴۸
۱۸۵	اجیر کا تنخواہ دے کر دوسرے سے کام کرانا	۲۴۹
۱۸۶	اجرت کا کچھ حصہ بچا کر رکھنا اور دوسروں سے کام لینا	۲۵۰
۱۸۷	مبیع تولوانے کی اجرت بائع کے ذمہ ہے	۲۵۲
۱۸۸	درزی کا کپڑے کے ذریعہ بل وصول کرنا	۲۵۳
۱۸۹	ٹیلی فون آپریٹر سے ساز باز کر کے کال ریٹ کا پیسہ کم دینا	۲۵۴
۱۹۰	بس اور ریلوے کے ٹکٹ فروخت کرنا	۲۵۵

۱۹۱	ورکروں کو تنخواہ دے کر قرض سے وصول کرنا	۲۵۷
۱۹۲	بٹائی پر جانور لینا اور اس کی قربانی	۲۵۷
❁	**مکانات کی کرایہ داری، ڈپازٹ اور ہاؤسنگ سوسائٹی کے مسائل**	❁
۱۹۳	ڈپازٹ کی حیثیت اور اس کے متعلق مختلف سوالات	۲۵۹
۱۹۴	کرایہ دار کا ڈپازٹ لے کر دوسرے کو مکان کرایہ پر دینا	۲۶۸
۱۹۵	پگڑی لے کر دوکان کرایہ پر دینا	۲۶۹
۱۹۶	کیا کرایہ دار مکان کی پگڑی لے کر دوسرے کو کرایہ پر دے سکتا ہے؟	۲۷۰
۱۹۷	ایضاً	۲۷۱
۱۹۸	کرایہ دار مکان دوسرے کو کرایہ پر دے سکتا ہے	۲۷۲
۱۹۹	قدیم کرایہ دار کا زیادہ کرایہ سے دوکان دینا	۲۷۳
۲۰۰	کرایے کا مکان دوسرے شخص کو کرایہ دینے کے مسائل	۲۷۴
۲۰۱	ڈپازٹ کی شرعی حیثیت	۲۷۶
۲۰۲	ڈپازٹ کی رقم کی زکوٰۃ کس پر ہے؟	۲۷۷
۲۰۳	ایضاً	۲۷۷
۲۰۴	ہوٹل کنٹراکٹ پر دیتے وقت لی گئی ڈپازٹ کی شرعی حیثیت؟	۲۷۸
۲۰۵	ہوٹل کا کنٹراکٹ	۲۷۹
۲۰۶	بلا کرایہ ڈپازٹ لے کر فلیٹ دینا	۲۸۰

۲۰۷	قرض کے عوض بلا کرایہ مکان کی رہائش	۲۸۱
۲۰۸	مکان کا ناجائز قبضہ چھوڑنے پر عوض لینا	۲۸۲
۲۰۹	وقتِ مقررہ پر کرایہ کے مکان کو خالی نہ کرنا غصب ہے	۲۸۳
۲۱۰	کرایہ کے مکان کی اجازتِ مرمت کے عوض مالک کا کرایہ دار سے رقم کا مطالبہ کرنا	۲۸۴
۲۱۱	کسی ایک ممبر سے ہاؤسنگ کے مصارف ڈبل وصول کرنا	۲۸۴
۲۱۲	ہاؤسنگ سوسائٹی میں مالک مکان سے نون اوکیوپیشن چارج لینا جائز ہے	۲۸۶
۲۱۳	ممبران بلڈنگ سے لیٹ فیس لینا جائز نہیں	۲۹۳
۲۱۴	مینٹننس کی رقم کی مقدار اور تاخیر پر جرمانہ	۲۹۵
❁	**گیسٹ ہاؤس وغیرہ کے مسائل**	❁
۲۱۵	گیسٹ ہاؤس کے مالک کا گاہک کے ناجائز کام پر تعاون	۲۹۶
۲۱۶	ایضاً	۲۹۷
۲۱۷	گیسٹ ہاؤس میں آنے والے جوڑے کے متعلق میاں بیوی یا اجنبی ہونے کا علم نہ ہو تو؟	۲۹۸
۲۱۸	ٹی-وی پر مشتمل گیسٹ ہاؤس کی کمائی کا حکم	۲۹۸
۲۱۹	شراب بیچنے والے کو ہوٹل کرایہ پر دینا	۲۹۹
۲۲۰	شراب پینے والے غیر مسلم کو ہوٹل میں ملازم رکھنا	۳۰۰

	دلالی کے مسائل	
۲۲۱	دلال کی اجرت	۳۰۱
۲۲۲	دلال کی اجرت	۳۰۲
۲۲۳	بائع اور مشتری سے دلالی کی اجرت لینا	۳۰۳
۲۲۴	دلالی کے دو مسئلے	۳۰۴
۲۲۵	مریض کو حکیم تک پہنچانے کی دلالی لینا	۳۰۵
۲۲۶	مخصوص کمپنی کی دوا لکھنے یا دوسرے ڈاکٹر کے پاس بھیجنے کا کمیشن	۳۰۶
۲۲۷	مریض کو متعینہ دکان سے دوا لینے کا پابند کر کے دکاندار سے کمیشن لینا	۳۰۸
۲۲۸	کمیشن پر چندہ کرنا	۳۰۹
۲۲۹	معاملۂ اجارہ میں تنخواہ اور فیصد کو جمع کرنا	۳۰۹
۲۳۰	دلال کا باہم معاملہ کرا دینا اور بغیر دیکھے مال روانہ کرنا	۳۱۲
	مسائلِ ملازمت	
۲۳۱	عربی پڑھانے کی ملازمت	۳۱۴
۲۳۲	بینک میں ملازمت کرنا	۳۱۵
۲۳۳	بینک کی کمائی کا حکم	۳۱۵
۲۳۴	بیمہ کمپنی میں ملازمت کرنا اور وہاں کے ملازم کی دعوت کھانا	۳۱۶
۲۳۵	سودی کاروبار پر مشتمل تنظیم میں ملازمت کرنا	۳۱۶
۲۳۶	پولیس کی ملازمت اختیار کرنا	۳۱۷

۲۳۷	عذر کی وجہ سے غیر حاضری کی تنخواہ کاٹنا درست ہے	۳۱۸
۲۳۸	معلم کی اجرت میں عشر دینا	۳۱۹
۲۳۹	تعلیم پر تنخواہ اور ثواب	۳۱۹
۲۴۰	کام نہ کر کے تنخواہ لینا حرام ہے	۳۲۰
۲۴۱	تعلیم قرآن پر اجرت	۳۲۱
۲۴۲	نقل فتاوی کی ذمہ داری کس پر ہے اور رجسٹر کا مالک کون؟	۳۲۱
۲۴۳	مخلوط مال سے تنخواہ لینا	۳۲۲
❁	**مختلف پیشے**	❁
۲۴۴	پنڈال لگانے کا کاروبار اور اس کی کمائی	۳۲۴
۲۴۵	عملیات کی فیس لینا	۳۲۵
۲۴۶	تعویذ لکھنا اور اس پر معاوضہ لینا	۳۲۵
۲۴۷	جھاڑ پھونک کا معاوضہ لینا	۳۲۶
۲۴۸	بیت الخلاء اور حمام کی اجرت اور کمائی	۳۲۷
۲۴۹	ٹی وی ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ کی مرمت کرنا	۳۲۷
۲۵۰	بال بنانے کی دکان کھولنا	۳۲۸
۲۵۱	تصاویر بنانے کا کام کرنا	۳۲۸
۲۵۲	فوٹو گرافی کا کاروبار	۳۲۹
۲۵۳	غیر مسلموں کے غیر شرعی لباس سینے کی اجرت کا کیا حکم ہے؟	۳۲۹

۲۵۴	S.M.S میڈیا کمپنی اور بذریعۂ موبائل اشتہار کا معاوضہ	۳۳۰
۲۵۵	سائبر کافے اور گیم پارلر کھولنے کا شرعی حکم	۳۳۲
۲۵۶	ہوٹل کرائے پر لینا	۳۳۵
۲۵۷	ممنوع سفر کی ویزا کی کاروائی اور اس کی اجرت	۳۳۶
❁	**ہیرے کے کاروبار کے مسائل**	❁
۲۵۸	ہیرے گھسنے والے کاریگر کا تہائی سے زائد مال اپنے پاس رکھ لینا خیانت ہے	۳۳۷
۲۵۹	کاریگر کا بڑی سائز کا ہیرا رکھ کر چھوٹی سائز کا ہیرا ملانا	۳۳۸
۲۶۰	ہیرے کا برادہ کس کی ملک ہے؟	۳۳۸
۲۶۱	دلال کا قیمت کم بتلانا	۳۳۹
❁	**ٹیکسی کے مسائل**	❁
۲۶۲	مالک ٹیکسی کا مخصوص مسافت ورقم پر ٹیکسی چلانے دینا	۳۳۹
۲۶۳	بائع کے ذمہ سودی قرض کی ادائیگی مشتری کرسکتا ہے	۳۴۰
۲۶۴	ٹیکسی کی مرمت کی ذمہ داری مستاجر پر صحیح نہیں	۳۴۱
۲۶۵	ٹیکس سے بچنے کے لیے سودی قرض	۳۴۱
۲۶۶	ٹیکسی پرمٹ (لائسنس) کا عوض لینا	۳۴۲
	کتاب الشرکۃ	
۲۶۷	شریکِ عامل عمل نہ کرے تو نفع میں زیادتی کا حق دار نہ ہوگا	۳۴۷

۲۶۸	چچا بھتیجا میں مشترکہ کاروبار کی تقسیم	۳۴۸
۲۶۹	مشترکہ زمین بیچ دی، شریک کیا کرے؟	۳۵۲
۲۷۰	تجارت کے لیے رقم دے کر متعین نفع لینا	۳۵۴
۲۷۱	معین نفع کی شرط لگانا درست نہیں	۳۵۵
۲۷۲	باپ کے کارخانہ میں کام کرنے والے لڑکے کا دعویٰ شرکت	۳۵۶
۲۷۳	ایضاً	۳۵۷
۲۷۴	باپ کے کارخانہ سے دوسرا کارخانہ لگایا، مالک کون؟	۳۵۸
۲۷۵	باپ کی ماتحتی میں اولاد کی کمائی ہوئی ملکیت باپ کی شمار ہوگی	۳۵۹
۲۷۶	مشترک مکان میں دروازہ نکالنے کا حق نہیں	۳۶۰
۲۷۷	ایک شریک کا تنخواہ لینا	۳۶۱
۲۷۸	شریک یا اس کے بیٹے کا اجیر بننا	۳۶۱
۲۷۹	اصطبل کے ایک شریک کا اپنے بیٹے کو اجیر رکھنا	۳۶۲
۲۸۰	میں جو دوں وہ لینا ہوگا، کہہ کر شرکت ختم کرنا	۳۶۳
۲۸۱	شرکاء میں سے کسی ایک کو شرکت سے الگ کرنا	۳۶۷
۲۸۲	نوکر نے اپنے ذاتی مال سے تجارت کی، نفع کا حق دار کون؟	۳۶۹
۲۸۳	ملازم کی منافع میں شرکت کی حیثیت	۳۷۱
۲۸۴	حساب میں چوک کی تلافی اور شرکاء کے نفع میں کمی بیشی	۳۷۲
۲۸۵	شیئرز کے منافع کا حکم	۳۷۴

۲۸۶	میاں بیوی کی کمائی میں ملکیت کس کی کس قدر؟	۳۷۴
۲۸۷	چند بھائیوں نے باہم مل کر کمپنی کا سرمایہ بڑھایا مالک کون؟	۳۸۱
۲۸۸	مشترکہ دکان سے گھریلو خرچہ	۳۹۱
۲۸۹	تین برادر کی علیحدگی اور کاروبار کے منافع میں شرکت کا مسئلہ	۳۹۲
۲۹۰	تعمیری کام میں لگائی گئی رقم کو منافع کے ساتھ وصول کرنا	۳۹۳
۲۹۱	مرحوم والد کے قرض کی ادائیگی پر مکان کی ملکیت کا دعوی	۳۹۴
۲۹۲	دواخانوں میں شرکتِ اعمال کی انوکھی ایک صورت	۳۹۷
۲۹۳	شرکت فاسدہ کی ایک صورت	۴۰۳
۲۹۴	شرکتِ فاسدہ کی ایک صورت	۴۰۴
۲۹۵	شرکت فاسدہ کی ایک صورت	۴۰۶
۲۹۶	ہوٹل چلانے کی شرائط میں شرکت، مضاربت اور اجارہ کے امکانات	۴۱۱
۲۹۷	ہوٹل کے چلانے میں دوسرا کام نہ کرنے کی شرط	۴۲۴
۲۹۸	مشترکہ تجارت سے ہبہ کرنا، کارخانہ، پلاٹس اور زیورات بنانا	۴۲۷
۲۹۹	شرکاء کا منافع سے دوسری دوکان خریدنا	۴۲۸
۳۰۰	منافع سے خریدی گئی دوکان کے منافع میں کمی وبیشی	۴۲۹
۳۰۱	پالنے کے لیے دی گئی بکری میں شرکت کا حیلہ	۴۳۰
۳۰۲	شرکاء کی اجازت کے بغیر منافع میں تصرف درست نہیں	۴۳۱
۳۰۳	شرکاء میں سے کسی کا انتقال ہو تو بقیہ شرکاء کیا کریں؟	۴۳۲

۳۰۴	مرحوم شریک کے حصے میں تصرف کرنا	۴۳۳
۳۰۵	ہوٹل چلانے والے کا چندہ دینا یا مہمانوں کو مفت کھلانا	۴۳۴
۳۰۶	مشترک رقم سے چندہ دینا درست نہیں ہے	۴۳۴
۳۰۷	سودی قرض لینے والے کے ساتھ عقدِ شرکت	۴۳۵
۳۰۸	ایضاً	۴۳۶
۳۰۹	ایک بڑے خاندان کی مشترکہ جائداد کی تقسیم	۴۳۶
❁	**سہکاری منڈلی اور دودھ کی بیع وغیرہ کے مسائل**	❁
۳۱۰	سودی کاروبار کرنے والی سہکاری منڈلی میں شرکت	۴۴۲
۳۱۱	دودھ سہکاری منڈلی میں شرکت	۴۴۳
۳۱۲	دودھ کے فیٹ پر قیمت کا دارومدار	۴۴۵
۳۱۳	کوآپریٹیو سوسائٹیاں کسانوں کی وکیل ہیں	۴۴۶
۳۱۴	سہکاری منڈلی میں شرکت اور سہکاری ڈیری کا حکم	۴۴۷
۳۱۵	سہکاری منڈلی سے سودی قرض لینا حرام ہے	۴۴۸
۳۱۶	سہکاری منڈلی سے غیر سودی قرض لینا	۴۴۹
❁	**شیئرز کے مسائل**	❁
۳۱۷	کمپنی کے شیئرز خریدنا	۴۴۹
۳۱۸	بینک اور کارخانہ کے شیئرز لینا	۴۶۲
۳۱۹	سودی کاروبار کرنے والی کمپنی کے شیئرز خریدنا	۴۶۳

۳۲۰	شیئرز کی خرید وفروخت کرنا	۴۶۴
۳۲۱	لمیٹیڈ کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت	۴۶۵
۳۲۲	سودی لین میں ملوث جائز اشیاء بنانے والی کمپنی کے شیئر	۴۶۵
۳۲۳	سودی قرض لینے والی کمپنی کے شیئرز خریدنا	۴۶۶
۳۲۴	کمپنی کے شیئرز خریدنا	۴۶۶
۳۲۵	کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت	۴۶۷

کتاب المضاربة

۳۲۶	معاملۂ مضاربت اور اجارہ میں خلط ملط	۴۷۵
۳۲۷	سونے میں عقد مضاربت	۴۷۵
۳۲۸	عقد مضاربت میں رب المال کے لیے سیل پر نفع کا دارومدار	۴۷۷
۳۲۹	مضاربت کی ایک صورت	۴۷۹
۳۳۰	کاروبار میں سے تنخواہ کی رقم وضع کرنا	۴۸۰
۳۳۱	ہوٹل کے مشترک منافع سے بخشش دینا	۴۸۲
۳۳۲	ایک مضارب کو زائد رقم دے کر معزول کرنا اور دوسرے کو ملازم بنادینا	۴۸۴
۳۳۳	مضارب کو معاملۂ مضاربت سے معزول کرکے ملازم بنانا	۴۸۶
۳۳۴	مضارب کے پاس رب المال کی رقم امانت ہے	۴۸۹
۳۳۵	غیر مسلم کے ساتھ عقدِ مضاربت کرنا	۴۹۰

کتاب الوکالۃ

۳۳۶	وکیل بالشراء کا مؤکل مدیون پر ظلم در ظلم کرنا	۴۹۵
۳۳۷	وکیل مؤکل کے خلاف تصرف کا خود ذمہ دار ہے	۵۰۲
۳۳۸	کارڈ رائیور کا تاجر سے پارٹس خریدنا اور مالک کا قیمت ادا کرنا	۵۰۳

کتاب المزارعۃ

۳۳۹	ایک کی زمین دوسرے کا بیج، کھاد	۵۰۷
۳۴۰	صاحب زمین کا بیج، کھاد اور عامل کی محنت	۵۰۷
۳۴۱	صاحبِ زمین اور عامل کی شرکت بیج وغیرہ میں	۵۰۸
۳۴۲	ایک کی زمین، دوسرے کا پانی، تیسرے کی محنت	۵۰۹
۳۴۳	صاحبِ زمین کا سب کچھ، دوسرے کا پانی کے عوض پیداوار لینا	۵۰۹
۳۴۴	صاحبِ زمین کا سب کچھ، دوسرے کا پانی کے عوض قیمت لینا	۵۱۰
۳۴۵	مزارع کو گھاس میں حصہ نہ دینا	۵۱۰
۳۴۶	مزدوروں کو اجرت کے بجائے غلہ یا گھاس دینا	۵۱۱
۳۴۷	مزدور کو اسی کے کام سے اجرت دینا	۵۱۲
۳۴۸	ایضاً	۵۱۲
۳۴۹	کھیت کے محافظ کو اجرت میں غلہ دینا	۵۱۳
۳۵۰	حصہ کی تعیین کے بغیر مزارعت کا معاملہ	۵۱۳
۳۵۱	رشوت دے کر نہر کا پانی کھیت کو پلانا	۵۱۴

۳۵۲	سرکاری نہر سے گاؤں کا تالاب بھرنا	۵۱۴
۳۵۳	عقد مزارعت میں یوریا کھاد کی شرط لگانا	۵۱۵
۳۵۴	مرتہن کا خود مرہون زمین کم اجرت پر کرایہ سے لینا	۵۲۶
۳۵۵	مرھون زمین سے انتفاع	۵۲۷
۳۵۶	مزارعتِ فاسدہ کی ایک صورت	۵۲۷
۳۵۷	مقروض کی زمین معمولی حصہ پر لینا	۵۲۸
۳۵۸	قرض دے کر نفع لینا	۵۲۸
۳۵۹	آلو کا ایک پودا اکھیڑ کر پورے کھیت کے آلو کی بیع	۵۲۹
۳۶۰	ایضاً	۵۳۱
۳۶۱	جوار کی فصل کاٹنے کا وقت مقرر کیے بغیر فصل کی بیع	۵۳۱
۳۶۲	گنا کاٹنے کی تاریخ طے کیے بغیر بیع	۵۳۱
۳۶۳	پھل آنے سے پہلے ان کی بیع	۵۳۲
۳۶۴	خودرو گھاس بیچنا جائز نہیں	۵۳۳
۳۶۵	چراگاہ کا اجارہ درست نہیں ہے	۵۳۳
۳۶۶	لچکا گھاس اگنے سے پہلے اس کی بیع	۵۳۴
۳۶۷	ایضاً	۵۳۴
۳۶۸	کھیت بٹائی پر دینا	۵۳۵
۳۶۹	خودرو جڑی بوٹی اور درخت دوسرے کی زمین سے لینا	۵۳۵

۳۷۰	قانونِ مزارعت کے سہارے کرایہ کی زمین اپنے نام کرلینا	۵۳۶
	کتاب الوقف	
۳۷۱	اوقاف کا حکم	۵۴۱
۳۷۲	فاسق کی تولیت	۵۴۱
۳۷۳	موقوفہ زمین میں تصرف	۵۴۲
۳۷۴	موقوفہ زمین کی بیع کرنا	۵۴۲
۳۷۵	وقف کی بنجر زمین بیچنا	۵۴۴
۳۷۶	چندہ کرکے خریدی ہوئی زمین فروخت کرنا	۵۴۵
۳۷۷	درگاہ کے ڈبہ کی رقم کا مصرف	۵۴۷
۳۷۸	جنازہ کے چندے کی باقی رقم کو کیا کرے؟	۵۴۹
۳۷۹	چندہ میں دینے کے لیے دی گئی رقم کا اپنی ذات پر استعمال	۵۵۰
۳۸۰	بلڈنگ کا صرف تیسرا منزلہ وقف کرنا	۵۵۱
۳۸۱	وقف بورڈ کی آمدنی کا مصرف	۵۵۲
۳۸۲	کمیٹی کا وقف کے مال کو معاف کرنا جائز نہیں	۵۵۲
۳۸۳	وقف دوکان کا دائمی کرایہ داری کا ایگریمنٹ	۵۵۳
۳۸۴	عیدگاہ کی اینٹ گھر میں لگانے کی تلافی، چھوٹے گاؤں میں عیدگاہ بنادی تو کیا کرے؟	۵۵۴
۳۸۵	مدرسہ کی وقف عمارت میں بالغ لڑکیوں کو اسکولی تعلیم	۵۵۵

۳۸۶	اراضی وقف کو رفاہِ عام کے لیے دینا	۵۵۷
۳۸۷	موقوفہ زمین فروخت کر کے اس سے کوئی دوسری چیز خریدنا	۵۶۰
۳۸۸	موقوفہ زمین کو فروخت کرنا	۵۶۱
۳۸۹	مسجد کے لیے موقوفہ زمین کی بیع کا حکم	۵۶۲
۳۹۰	دوسرے ٹرسٹ کا موقوفہ مکان کو بغیر کرایہ کے استعمال کرنا	۵۶۵
۳۹۱	تبدیلیٔ وقف میں واقف کی اجازت کب معتبر ہے؟	۵۶۶
۳۹۲	ایک بلڈنگ تین جگہوں میں وقف	۵۶۷
۳۹۳	مشترکہ جائداد کیسے وقف کی جائے؟	۵۶۸
۳۹۴	موقوفہ زمین میں مسجد بنانا	۵۶۹
❁	**باب أحكام المساجد**	❁
۳۹۵	مسجد کا تیسرا منزلہ مسجد ہی ہے	۵۷۱
۳۹۶	درمیانِ عمارت میں نماز کے لیے مخصوص حصہ مسجد ہے یا نہ؟	۵۷۲
۳۹۷	بالائی حصہ میں مسجد، نیچے مکان، دکان وغیرہ	۵۷۳
۳۹۸	مسجد کی جدید تعمیر میں نچلے حصے میں دوکان بنانا	۵۷۸
۳۹۹	مسجدِ قدیم وجدید کے ذریعہ توسیع مسجد کی ایک صورت	۵۷۹
۴۰۰	فوقانی حصہ کو چھوڑ کر تحتانی مسجد میں اضافہ	۵۸۲
۴۰۱	پڑوس کی زمین مالک کی اجازت کے بغیر مسجد میں شامل کرنا	۵۸۴
۴۰۲	جانب غرب میں واقع دکانوں پر توسیع مسجد	۵۸۶

۴۰۳	مسجد کی توسیع اور چند سوالات	۵۹۱
۴۰۴	احاطۂ مسجد میں طہارت خانہ	۵۹۴
۴۰۵	مسجد کی توسیع کے لیے دوکان منہدم کرنا	۵۹۴
۴۰۶	مسجد کی جگہ کو کسی اور کام میں استعمال کرنا جائز نہیں	۵۹۵
۴۰۷	مسجد کے تہہ خانہ میں کمرے بنا کر کرایہ پر دینا	۵۹۷
۴۰۸	مسجد کا تہہ خانہ کرایہ پر دینا	۵۹۸
۴۰۹	مسجد کے تہ خانے میں حفظ کلاس جاری کرنا	۵۹۸
۴۱۰	مسجد کا حصہ اسکول میں دینا	۵۹۹
۴۱۱	مسجد کی جگہ میں دیگر تعمیرات جائز نہیں	۶۰۱
۴۱۲	مسجد میں چوری سے بجلی چلانے اور نماز پڑھنے کا حکم	۶۰۲
۴۱۳	مسجد کی بجلی کا استعمال کب تک کرے؟	۶۰۳
۴۱۴	مسجد میں زائد از ضرورت روشنی استعمال کرنا	۶۰۴
۴۱۵	مسجد کے لیے دی گئی زمین فروخت کرنا	۶۰۴
۴۱۶	مسجد کی ضرورت کے لیے وقف زمین کی بیع کرنا	۶۰۶
۴۱۷	مسجد کا وقف مکان فروخت کرنا	۶۰۷
۴۱۸	کیا صحن مسجد کا حصہ ہے؟	۶۰۹
۴۱۹	صحنِ مسجد میں گھومنا	۶۱۰
۴۲۰	مسجد کی حفاظت میں لڑنا مرنا	۶۱۰

۴۲۱	ایک مسجد کی رقم دوسری مسجد میں استعمال کرنا	۶۱۱
۴۲۲	ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں منتقل کر سکتے ہیں؟	۶۱۱
۴۲۳	مسجد کی رقم کا استعمال	۶۱۲
۴۲۴	مسجد کے پترے بیچ کر اس کی قیمت مسجد میں لگانا	۶۱۳
۴۲۵	قدیم مسجد کے پترے فروخت کرنا	۶۱۳
۴۲۶	قدیم مصلّوں کا نیلام کرنا	۶۱۴
۴۲۷	مسجد کی زمین پر مدرسہ تعمیر کرنا	۶۱۵
۴۲۸	مسجد کی زمین میں مدرسہ اور مختلف مدات کی رقوم کا مصرف	۶۱۶
۴۲۹	مسجد کے مکانات کے کرایہ کا مصرف	۶۱۸
۴۳۰	للہ مد کے علاوہ مسجد کو ہونے والی دیگر آمدنی کا مصرف	۶۱۹
۴۳۱	مسجد کے پارک میں جلنے والی بجلی مسجد سے لینا	۶۲۰
۴۳۲	مسجد کی دکان میں جلنے والی بجلی کے مصارف کس مد سے؟	۶۲۰
۴۳۳	ورزش کے لیے مسجد کی بجلی کا استعمال	۶۲۱
۴۳۴	مکتب کا خرچ لینا	۶۲۳
۴۳۵	احاطۂ مسجد کے مختلف حصوں کے نام اور حدود ممتاز کرنے کا حق	۶۲۴
۴۳۶	مسجد میں لڑکیوں کو تعلیم دینا	۶۳۱

فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
❁	**بقیۃ باب المساجد**	❁
۱	میوزک والی گھڑی کا مسجد میں استعمال	۲۷
۲	سودی ادارہ کو مسجد کی ملکیت کرایہ پر دینا	۲۷
۳	سودی رقم کا استعمال مسجد میں	۲۸
۴	سودی رقم مسجد کے بیت الخلاء میں لگانا	۲۸
۵	بینک میں مکان گروی رکھ کر حاصل کردہ رقم سے مسجد کی تعمیر	۲۸
۶	درخت کے نادرست اجارہ کی آمدنی مسجد میں استعمال کرنا	۳۰
۷	حلال وحرام مخلوط رقم مسجد میں لگانے کا حیلہ	۳۱
۸	مسجد میں حرام مال لگانا	۳۱
۹	مسجد کی چیزیں مسجد کے باہر لے جانا	۳۲
۱۰	مسجد کو رہائش گاہ بنانا اور اس کی اشیاء استعمال کرنا	۳۳
۱۱	وضوخانہ میں کپڑے دھونا اور غسل کرنا	۳۴
۱۲	مسجد کے کمرہ میں ٹی، وی رکھنا	۳۵
۱۳	مسجد کی دوکان میں ٹی وی رکھنا	۳۶
۱۴	مسجد کی دیوار پر بیٹھ کر سیاسی گفتگو کرنا	۳۶

۱۵	مسجد کے تابع برآمدے میں کھانا پکانا اور کھانا	۳۷
۱۶	مسجد میں غیر مسلم کا قیام کرنا	۳۸
۱۷	مسجد کے مکان میں ہم بستری کرنا	۳۸
۱۸	مسجد کے بیت الخلاء کو مخصوص لوگوں کا ہی استعمال کرنا	۳۹
۱۹	مسجد کے بیت الخلاء کے استعمال پر رقم مقرر کرنا	۴۰
۲۰	استنجاء خانہ کو تالا لگانا	۴۱
۲۱	مسجد میں لالٹین کا استعمال	۴۲
۲۲	مسجد کو رنگین بلب سے سجانا	۴۲
۲۳	مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے چند اعلانات	۴۳
۲۴	مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے دینی و دنیوی امور کا اعلان کرنا	۴۳
۲۵	مسجد میں دنیوی امور کا اعلان	۴۵
۲۶	غیر موقوفہ مسجد میں نماز درست ہے	۴۵
۲۷	مسجد کی بجلی مدرسہ میں اور مدرسہ کی بجلی مسجد میں استعمال کرنا	۴۶
۲۸	مدرسہ کے لیے مسجد کی دیوار میں تصرف کرنا	۴۶
۲۹	امورِ مسجد میں کسی کا روپیہ نہ لینا	۴۷
۳۰	ایک مسجد میں دو محراب بنانا	۴۸
۳۱	چھڑی اور وہیل چیئر لے کر مسجد میں آنا	۴۹
۳۲	کمیٹی کا دوسرے کے پلاٹ پر گندا پانی بہانا	۵۳

۳۳	مسجد کا متولی معاوضہ لے سکتا ہے؟	۵۵
۳۴	مسجد کے ممبران کا امام صاحب کو علیحدہ کرنا	۵۶
۳۵	مسجد کی ضرورت کے لیے دیئے ہوئے قرض کا مطالبہ مسجد کی کمیٹی سے کرے یا اس سے جس کو قرض دیا تھا؟	۵۷
۳۶	دینی امور کے لیے مسجد میں چندہ کرنا اور چندہ کنندگان کے ساتھ سلوک	۶۰
۳۷	انتظامیہ کی جانب سے مسجد میں وعظ اور چندہ کرنے سے روکنا	۶۴
۳۸	مسجد میں چندہ کرنا	۶۸
۳۹	امام کی تنخواہ کے لیے مسجد میں چندہ کرنا	۶۹
۴۰	مسجد جدید کی تعمیر قدیم بنیاد پر	۶۹
۴۱	مسجد کی توسیع میں قبرستان کی جگہ شامل کرنا	۷۱
۴۲	مساجد میں آیاتِ قرآنیہ کے کتبات لکھنا	۷۱
۴۳	شیعہ کے عقائد کی ترویج والا طغرا مسجد میں لگانا	۷۳
۴۴	قرآنی آیات مسجد میں لگانے میں آپسی نزاع	۷۵
۴۵	مسجد کا سامان ذاتی کام میں استعمال کرنا	۷۸
۴۶	مسجد کا پانی امام اپنی ضروریات میں استعمال کرسکتا ہے؟	۷۹
۴۷	ذاتی ضرورت کے لیے مسجد کی بجلی کا استعمال	۷۹
۴۸	سوسائٹی کی زمین پر مسجد کا بور بنانا اور اس کا پانی مسجد اور سوسائٹی میں استعمال کرنا	۸۰

۴۹	مدرسہ کا پانی مسجد میں استعمال کرنا	۸۲
۵۰	مسجد کے پانی کا بے جا استعمال	۸۳
۵۱	مسجد کے پانی کی بیع	۸۴
۵۲	مسجد کے کنویں سے محلہ والوں کا پانی لینا	۸۴
۵۳	غیر مسلم کی رقم مسجد میں لینا	۸۵
۵۴	مسجد و مدرسہ میں غیر مسلم کی مشکوک رقم استعمال کرنا	۸۵
۵۵	افطاری اور مسجد کی تعمیر میں کافر کی رقم قبول کرنا	۸۶
۵۶	میونسپلٹی اور غیر مسلم کی زمین پر مسجد	۸۷
۵۷	ارض مغصوبہ پر مسجد مدرسہ بنانے کا حکم	۸۸
۵۸	مسجد کی مرمت کے نام رقم منظور کروا کر عیدگاہ میں لگانا	۸۹
۵۹	کھانا کھلانے اور مسجد کی توسیع میں تقابل کے وقت ترجیح	۹۰
۶۰	مسجد اور مدرسے کے چندے سے تنخواہ دینا	۹۱
۶۱	قیامِ مدرسہ کی نیت سے خریدی ہوئی زمین بیچ کر مسجد بنانا	۹۲
۶۲	قدیم عیدگاہ میں ملکیت کا دعویٰ	۹۴
۶۳	عیدگاہ کی زمین میں اسپتال وغیرہ بنانا	۹۵
۶۴	مسجد کی رقم مدرسہ کے کاروبار یا دیگر امور میں استعمال کرنا	۹۶
۶۵	مسجد کی کتابیں دینی ادارے میں دینا	۹۷
۶۶	ایک مد کی رقم دوسرے مد میں استعمال کرنا	۹۷

۶۷	تنخواہ دار مدرس کا مسجد میں درس دینا	۹۸
۶۸	ضرورت پوری ہونے کے بعد بھی جبراً چندہ وصول کرنا	۹۹
۶۹	مسجد کی دکانیں کرایہ پر مع ڈپازٹ دینا	۱۰۱
۷۰	غیر مسلم کا مسجد میں سیاسی امور کے خاطر آنا	۱۰۲
۷۱	تبلیغ کے لیے کافر کو مسجد میں بلانا	۱۰۴
۷۲	مظالم کے خلاف احتجاج میں مسجد کو مقفل کرنا	۱۰۵
۷۳	آدابِ مسجد	۱۰۸
۷۴	نمازیوں کے ہوتے ہوئے مسجد میں تقریر وتفسیر کرنا	۱۰۸
۷۵	مسجد کے سنگ مرمر کے ٹکڑے گھر میں استعمال کرنا	۱۱۰
۷۶	قدیم مسجد کی تعمیر نو کے دوران نماز واذان جاری نہ رکھنا	۱۱۰
۷۷	مسجد کے خراب نلوں کو درست نہ کرنے کا ذمہ دار کون؟	۱۱۱
۷۸	مسجد میں مجلس ذکر اور اس میں عورتوں کی شرکت	۱۱۲
۷۹	مسجد میں بلند آواز سے تلاوت وغیرہ	۱۱۴
۸۰	دو مسجدوں کا چندہ مخلوط ہوجائے تو کیا کریں؟	۱۱۴
❁	**باب أحكام المدارس**	❁
۸۱	صحتِ قرآن کے لیے نورانی قاعدہ اور نورانی استاذ	۱۱۵
۸۲	مہتمم کے اوصافِ مطلوبہ	۱۲۰
۸۳	تارک صلوٰۃ مہتمم ومتولی کو برطرف کرنا	۱۲۵

۸۴	متولی کیسا ہو؟	۱۲۵
۸۵	دینی اداروں میں ہونے والی کوتاہیوں کا ذمہ دار کون؟	۱۲۷
۸۶	دستور کے خلاف ممبر مدرسہ کا انتخاب کرنا	۱۳۸
۸۷	بانیٔ مدرسہ کا ممبران کو رکنیت سے معزول کرنا	۱۳۸
۸۸	مدرسہ کی جائداد بیچ کر سودی کاروبار میں لگا کر سود سے اسکول چلانا	۱۴۰
۸۹	مدرسہ کے کمپاؤنڈ میں کمپیوٹر کلاس اور شفاخانہ بنانا	۱۴۳
۹۰	مدرسے کے لیے خریدی ہوئی زمین بیچ کر دوسری زمین خریدنا	۱۴۵
۹۱	مدرسہ کو قیمتاً زمین بیچ کر بعد میں تبادلہ میں زمین پر دعوی کرنا	۱۴۶
۹۲	ذاتی زمین میں مدرسہ تعمیر کیا، مالک کون؟	۱۵۰
۹۳	مدرسہ کی زمین بیچنا	۱۵۵
۹۴	مدرسہ کی جگہ فروخت کرنا	۱۵۶
۹۵	مکتب اور مدرسے کی زمین کا تبادلہ کرنا یا اجارہ پر دینا	۱۵۷
۹۶	اسکول کی بلڈنگ دار العلوم کو فروخت کر کے دوبارہ قبضہ کر لینا	۱۵۸
۹۷	ایک مدرسہ کے صدر کی طالبات کے ساتھ ناجائز حرکتیں	۱۶۱
۹۸	صدقہ کا جانور ہلاک ہو تو ذمہ دار کون؟ اور ارباب مدارس کی حیثیت	۱۸۱
۹۹	ذیلی اداروں اور مساجد کے عطیات میں بڑے ادارے والوں کا حد تجاوزی کرنا	۱۸۲
۱۰۰	مال مدرسہ میں خرد برد کرنے والے پر ضمان اور اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا حق	۱۸۹

۱۰۱	مدرسہ کی زمین میں دفن کرنا	۱۹۵
۱۰۲	بداطوار لڑکوں کے باپ کی جائداد مدرسہ کے لیے قبول کرنا	۱۹۷
۱۰۳	مدارس میں نعتیہ مسابقہ کا انعقاد اور اس میں امرد لڑکوں کا نعت وغیرہ پڑھنا	۱۹۹
۱۰۴	مدرسہ بورڈ کے پہلو سے ابھرتے ہوئے چند سوالات کے جوابات نبض شناس علماء کی تحریر کی روشنی میں	۲۰۴
۱۰۵	قوانینِ مدرسہ کی خلاف ورزی پر ترکِ کلام کرنا	۲۲۷
۱۰۶	حاضری کے لیے کارڈ سسٹم پر بعض اساتذہ کی ناراضگی	۲۲۹
۱۰۷	خدّامِ دین کے لیے مشعلِ راہ	۲۳۲
۱۰۸	مدرسین کو مدرسہ سے کھانا دینے کی صورت	۲۳۴
۱۰۹	مدرس کی عدمِ موجودگی میں مکان پر کھانا لے جانا	۲۳۶
۱۱۰	مدارس کی تشہیر کا حکم	۲۳۶
۱۱۱	مدارس کے سفراء کا لوگوں سے ہدایا وصول کرنا	۲۳۸
۱۱۲	طلبہ کے والدین کی طرف سے استاد صاحب کو ہدیہ	۲۴۱
۱۱۳	طلباء کی تعزیر کی حد	۲۴۲
۱۱۴	طلباء سے مالی جرمانہ لینا	۲۴۳
۱۱۵	جرمانہ کی رقم کا مدرسہ میں استعمال	۲۴۴
۱۱۶	طلبہ کے ناجائز لباس کو پھاڑنا ناجائز اور موجبِ ضمان ہے	۲۴۴

	تنخواہ سے متعلق مسائل	
۱۱۷	امام ومدرس کی ماہانہ تنخواہ کی مقدار	۲۴۹
۱۱۸	آغاز سال میں مستعفی مدرس تعطیل کی تنخواہ کا حق دار ہے؟	۲۵۰
۱۱۹	علیحدگی اختیار کرنے والے مدرس کے لیے تعطیل کی تنخواہ لینا	۲۵۰
۱۲۰	معزول مدرس تعطیلات کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟	۲۵۱
۱۲۱	مستعفی مدرس تعطیلِ کلاں کی تنخواہ کا استحقاق نہیں رکھتا	۲۵۲
۱۲۲	علیحدگی کے وقت ایک ماہ کی مزید تنخواہ اور عارضی تقرر کا دورانیہ	۲۵۳
۱۲۳	ریلیف کے کاموں میں حصہ لینے والے مہتمم کا تنخواہ لینا اور فون استعمال کرنا کیسا ہے؟	۲۵۵
۱۲۴	صاحب فراش استاذ کے لیے تنخواہ لینا	۲۵۷
۱۲۵	صدقہ کی رقم سے تنخواہ دینا	۲۵۸
۱۲۶	جن دنوں میں ملازمت نہ کی اس کی اجرت لینا کیسا ہے؟	۲۵۸
۱۲۷	ایامِ تعطیل کی تنخواہ لینا	۲۵۹
۱۲۸	ایامِ تعطیل کی تنخواہ وضع کرنا	۲۶۰
۱۲۹	کیا تعطیلات کی تنخواہ ضروری ہے؟	۲۶۲
۱۳۰	تعطیلات کی تنخواہ چندہ کی رقم سے بغیر اجازت منتظمین کے حاصل کرنا	۲۶۲
	متفرقات وقف	
۱۳۱	نابالغ کے چندہ کا حکم	۲۶۴

۱۳۲	صاحب مال سے چندہ میں اضافے کی ترغیب	۲۶۴
۱۳۳	زبردستی چندہ لینا	۲۶۵
۱۳۴	غریبوں کی امداد کی غرض سے چندہ کر کے کسی ادارہ میں لگانا	۲۶۵
۱۳۵	اسکول اور مدرسہ کے نام سے چندہ ہوا اس پر کس کا حق ہے؟	۲۶۷
۱۳۶	کمیشن پر چندہ کرنا	۲۶۹
۱۳۷	ظہرانہ عشائیہ وغیرہ طریقوں سے اسلامی اداروں کا چندہ	۲۷۰
۱۳۸	سنیچر کی تعطیل میں یہود سے تشبہ ہے	۲۸۷
۱۳۹	عاریتاً دی ہوئی کتابوں کی فیس وصول کرنا	۲۸۸
۱۴۰	چھوٹی بات پر عہدے سے نکال دینا	۲۸۹
۱۴۱	مدرسہ کے وقت میں استاذ کا تلاوت یا مطالعہ کرنا	۲۹۰
۱۴۲	مدرسہ کے استاذ کو خنزیر کہنا	۲۹۰
۱۴۳	مدارس میں قرآن خوانی	۲۹۱
۱۴۴	مدرسہ کی چرائی ہوئی چیز کی تلافی	۲۹۲
۱۴۵	مدرسے کا وقف بورڈ سے امداد لینا	۲۹۳
۱۴۶	مدرسے میں غیر مسلم کی رقم لینا	۲۹۳
۱۴۷	مدرسہ میں غیر مسلم کے چندہ کا مصرف	۲۹۴
۱۴۸	طالب علم کو حافظ بنانے کے لیے دی گئی رقم کے استعمال کا طریقہ	۲۹۴
۱۴۹	مکاتب کے اساتذہ کا جماعت میں جانا	۲۹۵

	باب مایتعلق بالمقابر	
۱۵۰	قدیم قبرستان میں سائیکل کی دکان کھولنا	۲۹۹
۱۵۱	قبرستان کو اسکوٹر رکھنے کی جگہ بنانا	۳۰۰
۱۵۲	قبرستان میں مسجد بنانا	۳۰۰
۱۵۳	قبرستان خریدنے میں مرزائی کو شریک کرنا	۳۰۳
۱۵۴	موقوفہ قبرستان میں تدفین کے لیے ڈونیشن لینا جائز نہیں	۳۰۴
۱۵۵	پرانی قبروں کی بوسیدہ ہڈیوں کے لیے علیحدہ گڑھا نہ کھودا جائے	۳۰۶
۱۵۶	قبرستان کی زمین کا تبادلہ	۳۰۸
۱۵۷	قبرستان کی موقوفہ زمین کو فروخت کرنا	۳۰۹
۱۵۸	موقوفہ قبرستان کے پھلوں کا مفت میں استعمال	۳۱۰
۱۵۹	قبرستان کی گھاس کاٹنا	۳۱۱
۱۶۰	قبرستان کی گھاس کاٹنا	۳۱۲
۱۶۱	قبرستان کے درخت اور گھاس وغیرہ کاٹنا	۳۱۴
۱۶۲	قبرستان کی زمین میں تعمیر، کھیتی وغیرہ جائز نہیں	۳۱۴
۱۶۳	فسادات کی خبر نہ دینے اور مندر کی تعمیر میں مدد کرنے والے کی قبرستان میں تدفین	۳۱۶
۱۶۴	مسلمانوں کے قبرستان میں شیعہ کی تدفین	۳۱۷
۱۶۵	مسلم قبرستان میں داودی بوہروں کی تدفین، قبرستان ہال میں نماز پڑھنا۔ غیر مسلم کی نعش کی تغسیل وتکفین	۳۱۸

۱۶۶	قبر کی حد بندی کرنا	۳۲۱
۱۶۷	قبرستان میں نماز جنازہ کے لیے ایک جگہ متعین کر لینا	۳۲۱
۱۶۸	قدیم قبر پر راستہ بنانا اور دفن کردہ قبر میں دوسری میت کو دفن کرنا	۳۲۲
	کتاب الھبۃ	
۱۶۹	مرض الموت کی تعریف اور ہبہ	۳۲۷
۱۷۰	اپنی حیات میں لڑکوں کو مکان ہبہ کرنا	۳۳۰
۱۷۱	زندگی میں جائیداد اپنی اولاد میں کمی بیشی کے ساتھ تقسیم کرنا	۳۳۰
۱۷۲	اگر زندگی میں ہی مال تقسیم کرنا ہو تو تمام کو یکساں دے	۳۳۱
۱۷۳	اولاد کے ہبہ میں برابری ضروری ہے	۳۳۲
۱۷۴	اولاد کو مال ہبہ کرنے میں کمی بیشی کرنا	۳۳۳
۱۷۵	اپنی ساری جائداد اولاد میں تقسیم کرنا	۳۳۴
۱۷۶	لڑکوں کو جائیداد دینے کے بعد واپس لینا	۳۳۵
۱۷۷	مشترک چیز کا ہبہ کیا یا قانونی مجبوری سے بخشش پتر لکھا یا رقم کو سونے میں تبدیل کر دیا تو کیا حکم ہے؟	۳۳۸
۱۷۸	ہبہ میں قبضہ کا حکم اور حدیث ''لا تصح الھبۃ الا مقبوضۃ'' کی تحقیق	۳۴۱
۱۷۹	سودی آمدنی والے کا ہدیہ لینا	۳۵۳
۱۸۰	مشترک دکان کے منافع کا ہبہ درست نہیں	۳۵۳

۱۸۱	ہبہ میں بیوی کو محروم کرنا	۳۵۶
۱۸۲	بیوی کو مکان ہبہ کرنا	۳۵۷
۱۸۳	مدرس کو حسن سلوک کا ہدیہ اور مسجد میں تعلیم کی اجرت	۳۵۸
۱۸۴	ہبۂ مشاع میں موہوب لہم کو تقسیم کا وکیل بنا دینا	۳۵۹
۱۸۵	ثبوتِ ہبہ کے لیے غیر مسلم کی شہادت	۳۶۰
۱۸۶	قبضہ سے پہلے بچھڑیوں کا ہبہ	۳۶۱
۱۸۷	ادائے قرض میں ہدیۃً زائد رقم دینا	۳۶۲
۱۸۸	تعلیم قرآن پر ہدیہ لینا	۳۶۲
۱۸۹	ناظرہ قرآن ختم پر ہدیہ کا لین دین	۳۶۳
۱۹۰	کیا ممتحن اور سفیرِ مدرسہ ہدیہ لے سکتا ہے؟	۳۶۴
۱۹۱	اولاد میں بخشش کی صورت میں شادی کا خرچ وضع کرنا	۳۶۵
۱۹۲	ایک زمین کی بخشش کا مسئلہ	۳۶۶
۱۹۳	امام، مؤذن اور مدرسین کو ہدیہ دینے کے لیے چندہ کرنا	۳۶۹
۱۹۴	شادی کے موقع پر ہدیہ دینا	۳۶۹
	کتاب الغصب الضمان	
۱۹۵	کسی کی زمین غصب کر لینا	۳۷۳
۱۹۶	مستعمل چپل کا ضمان	۳۷۴
۱۹۷	کرایہ کے برتن ٹوٹنے پر ضمان	۳۷۴

۱۹۸	مودَع کے ترکہ سے ودیعت کا ضمان	۳۷۵
۱۹۹	نشہ کرنے والے کا مال رضامندی کے بغیر اس کی اولاد کو دینا	۳۷۹
۲۰۰	پارسل اگر ضائع ہوگیا تو نقصان کا ذمہ دار کون؟	۳۸۱
۲۰۱	قاصد سے رقم ضائع ہوئی تو ذمہ دار کون؟	۳۸۲
۲۰۲	دوسرے کے لیے دی گئی رقم اپنی ضروریات میں خرچ کرنا	۳۸۴
۲۰۳	گراج کے باہر گاڑی چوری ہوگئی تو ضامن کون؟	۳۸۵
۲۰۴	زکوۃ وصدقات کی رقم چوری ہوگئی تو ذمہ داروں پر ضمان کا حکم	۳۸۶
۲۰۵	کیشیئر کی رکھی ہوئی رقم نہ پائی تو کیا اس پر ضمان ہے؟	۳۹۱
۲۰۶	چرائی ہوئی رقم کا حق واپس کرنے کی صورت	۳۹۲
۲۰۷	بلڈنگ گرنے سے پڑوس کے مکان کو نقصان پہنچنے کا مطالبہ	۳۹۲
۲۰۸	دوٹورس والے کی مشترکہ رقم ضائع ہوگئی تو ضمان کس پر ہے؟	۳۹۴
۲۰۹	ایکسیڈنٹ کی رقم کا مصرف	۳۹۶
۲۱۰	بیرون سے بھیجی گئی رقم میں بھائیوں کا تصرف	۳۹۷
	کتاب الأیمان والنذور	
۲۱۱	حلال چیز کو حرام کرنے سے یمین منعقد ہوجاتی ہے	۴۰۱
۲۱۲	منت کی نماز میں دو کی بجائے چار رکعت پڑھنا	۴۰۱
۲۱۳	لڑکے کی منت میں لڑکی پیدا ہوئی تو کیا حکم ہے؟	۴۰۲
۲۱۴	نذر کا مصرف مسلمان فقیر ہے	۴۰۲

۲۱۵	نذر کی چیز میں تبدیلی کی چند صورتیں	۴۰۳
۲۱۶	قسم سے نکلنے کی صورت اور اس کا کفارہ	۴۰۴
۲۱۷	قسم کا کفارہ	۴۰۵
۲۱۸	بچہ کی پیدائش پر بھیک مانگ کر کپڑا پہنانے کی منت	۴۰۶
۲۱۹	روزے کی منت کو حالت سفر کے ساتھ مقید کرنا	۴۰۶
۲۲۰	قرآن ہاتھ میں لے کر کوئی بات کہنے سے قسم منعقد نہیں ہوتی	۴۰۷
۲۲۱	کاروبار سے نفع کی رقم میں نذر ماننا	۴۰۸

کتاب اللقطة

۲۲۲	لقطہ کی تشہیر کا طریقہ	۴۱۱
۲۲۳	مدفون خزانہ کا استعمال	۴۱۳
۲۲۴	ٹرانسپورٹ کا لاپتہ مال بحکم لقطہ ہے	۴۱۴
۲۲۵	رقم وزیور کا لقطہ	۴۱۴
۲۲۶	دودھ کی خالی بوتل مالک کو نہ دے سکے تو کیا کرے؟	۴۱۵
۲۲۷	سونے کا لقطہ ملا کیا کرے؟	۴۱۶
۲۲۸	قرض خواہ کے نہ ملنے کی صورت میں قرض کی ادائیگی	۴۱۷
۲۲۹	سفر میں غلطی سے دوسرے کا سامان ساتھ آجائے تو کیا حکم؟	۴۱۸
۲۳۰	لقطہ کا حکم اور سرکاری نیلامی میں اس کو خریدنے کا حکم	۴۱۸

کتاب الاضحیۃ والصید والذبائح

۲۳۱	قربانی اور زکوٰۃ کا نصاب	۴۲۳
۲۳۲	قربانی کس پر واجب ہے؟	۴۲۳
۲۳۳	قربانی کس پر واجب ہے؟	۴۲۴
۲۳۴	قربانی کس پر واجب ہے؟	۴۲۴
۲۳۵	مقروض پر قربانی	۴۲۵
۲۳۶	مرحوم کے لیے قربانی کی چند صورتیں	۴۲۶
۲۳۷	نفقہ کے بقدر زمین کے مالک پر قربانی نہیں	۴۲۷
۲۳۸	سونا چاندی اور زمین کے مالک پر قربانی	۴۲۸
۲۳۹	مشترکہ کاروبار میں قربانی کس پر واجب ہے؟	۴۲۹
۲۴۰	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قربانی اور گوشت کا حکم	۴۲۹
۲۴۱	متعدد احباب کا متعدد اصحاب کے لیے قربانی کرنا	۴۳۰
۲۴۲	مرحوم کی طرف سے قربانی انفراداً	۴۳۱
۲۴۳	بڑے جانور کی قربانی پورے گھر کی طرف سے	۴۳۲
۲۴۴	پورے خاندان کی طرف سے ایک بکرے کی قربانی	۴۳۲
۲۴۵	بکرے کی قربانی میں شرکت پر مشتمل ایک مباحثہ کا جواب	۴۳۵
۲۴۶	قربانی کے لیے سینگ دار دنبہ بہتر ہے یا بے سینگ کا دنبہ؟	۴۳۹
۲۴۷	سینگ ٹوٹے جانور کی قربانی	۴۴۰

۲۴۸	خنثیٰ جانور کی قربانی اور اس کا کھانا	۴۴۱
۲۴۹	خنزیر کے دودھ سے پلے ہوئے جانور کی قربانی	۴۴۱
۲۵۰	فاسد بیع کے ذریعہ خریدی گئی گائے کی قربانی	۴۴۲
۲۵۱	بیع فاسد والے جانور کی قربانی کا حکم	۴۴۳
۲۵۲	بٹائی پر دیے گئے جانور کی قربانی	۴۴۳
۲۵۳	چوری کیا ہوا جانور خرید کر قربانی کرنا	۴۴۴
۲۵۴	ایک سال سے کم بالغ بکرے کی قربانی	۴۴۴
۲۵۵	جانور کی عمر میں قمری تاریخ معتبر ہوگی یا شمسی؟	۴۴۵
۲۵۶	جانور کی عمر کے سلسلے میں کس کی بات معتبر ہوگی؟	۴۴۵
۲۵۷	کتے نے کاٹ لیا ہوا یسی گائے کی قربانی	۴۴۵
۲۵۸	مینڈھا، بھیڑ اور دنبہ کی جنس ایک ہے یا الگ الگ؟	۴۴۶
۲۵۹	دنبہ اور بھیڑ میں فرق	۴۵۱
۲۶۰	غیر مملوک گھومنے پھرنے والے جانور کی قربانی	۴۵۲
۲۶۱	قربانی کا جانور بدلنا	۴۵۳
۲۶۲	قربانی کے بکرے کو بڑے جانور سے بدلنا	۴۵۳
۲۶۳	قربانی کے جانور کے بال کاٹنا	۴۵۴
۲۶۴	قربانی کے شرکاء گوشت کس طرح تقسیم کریں؟	۴۵۵
۲۶۵	مشترک قربانی کا گوشت کس طرح تقسیم کرے؟	۴۵۶

۲۶۶	خود کی قربانی میں گوشت تولنے کی ضرورت نہیں	۴۵۶
۲۶۷	کافروں کو قربانی کا گوشت دینا	۴۵۷
۲۶۸	قربانی کے جانور کے کسی عضو کو فروخت کرنا	۴۵۷
۲۶۹	ذبح سے پہلے قربانی کی کھال فروخت کرنا	۴۵۸
۲۷۰	چرمِ قربانی کو مکاتب یا مدارس کی تعمیر میں خرچ کرنا	۴۵۹
۲۷۱	چرم قربانی کی قیمت مسجد میں استعمال کرنا	۴۶۱
۲۷۲	چرم قربانی کا مصرف	۴۶۱
۲۷۳	چرم قربانی کا مصرف	۴۶۲
۲۷۴	چرم قربانی کا مصرف	۴۶۳
۲۷۵	چرم قربانی کا مصرف	۴۶۴
۲۷۶	چرم قربانی وغیرہ کی قیمت تعمیر مسجد وغیرہ میں صرف کرنا	۴۶۵
۲۷۷	چرم قربانی سے تعمیر مسجد و مدرسہ	۴۶۵
۲۷۸	طلبہ پر چرم قربانی کی رقم صرف کرنا	۴۶۷
۲۷۹	چرمِ قربانی کی نقد و ادھار قیمت میں کمی بیشی	۴۶۸
۲۸۰	چرمِ قربانی میں شرط لگانا	۴۶۹
۲۸۱	چرمِ قربانی کی رقم خود وکیل نے استعمال کرلی	۴۶۹
۲۸۲	چرم قربانی فروخت کرکے قیمت تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا	۴۷۰
۲۸۳	عالمِ دین کا قربانی کی کھالیں مانگنا	۴۷۰

۲۸۴	قربانی کی کھال پڑی پڑی بگڑ گئی	۴۷۱
۲۸۵	قربانی میں بیوی کے نام کے ساتھ باپ کا نام لگے گا یا شوہر کا؟	۴۷۲
۲۸۶	اپنی قربانی نہ کی ہو ایسے شافعی کا مرحوم والدین کی جانب سے قربانی کرنا	۴۷۲
۲۸۷	سابق سالوں کی قربانی کس طرح کریں؟	۴۷۵
۲۸۸	گائے کی قیمت میں وقتِ ادا کا اعتبار ہے	۴۷۶
۲۸۹	قربانی سے باقی رقم کا مصرف	۴۷۶
۲۹۰	غائب شخص کی طرف سے بدون اجازت قربانی کرنا	۴۷۷
۲۹۱	کیا حاجی کے ذمہ عیدالاضحیٰ کی بھی قربانی واجب ہے؟	۴۷۸
۲۹۲	حاجی پر قربانی ہے یا نہیں؟	۴۷۸
۲۹۳	عورت کا شوہر سے چھپ کر زکوٰۃ، قربانی کرنا	۴۷۹
❁	**باب الصید والذبائح**	❁
۲۹۴	جنگل کے جانوروں کا شکار کرنا	۴۸۰
۲۹۵	شرعی ذبیحہ کسے کہتے ہیں؟	۴۸۱
۲۹۶	شیعہ، بوہری اور عیسائی کے ذبیحہ کا حکم	۴۸۲
۲۹۷	نومسلم کا ختنہ اور اس کا ذبیحہ	۴۸۳
۲۹۸	اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم	۴۸۴
۲۹۹	شوافع کے نزدیک ذبح کے شرائط	۴۸۵

۳۰۰	مشینی ذبیحہ کا حکم	۴۸۶
۳۰۱	مرغی کو مشین سے ذبح کرنے پر ایک سوال	۴۸۸
۳۰۲	مشین پر مرغیوں کو ذبح کرنے کا طریقہ	۴۹۲
۳۰۳	حلال جانور کی سات چیزیں کھانا منع ہے	۴۹۳
۳۰۴	حلال جانوروں کی کونسی سات چیزیں حرام ہیں؟	۴۹۴
۳۰۵	ذبح کے بعد مرغی کے پَر جھلسنے سے مرغی ناپاک نہیں ہوگی	۵۰۰
۳۰۶	ذبح کے بعد گرم پانی میں ڈالے ہوئے مرغ کا کیا حکم ہے؟	۵۰۱
۳۰۷	کتے کی کاٹی ہوئی مرغی حلال ہے؟	۵۰۲
❁	**باب العقیقة**	❁
۳۰۸	عقیقہ میں ولیمہ کا حصہ	۵۰۲
۳۰۹	بڑے جانور میں دو کا عقیقہ	۵۰۳
۳۱۰	قربانی میں عقیقہ کا حصہ	۵۰۳
۳۱۱	ایک ہی جانور میں قربانی اور عقیقہ کرنا	۵۰۴
۳۱۲	انتقال کئے ہوئے بچہ کا عقیقہ	۵۰۵
۳۱۳	ایضاً	۵۰۶
۳۱۴	بذریعۂ گوشت عقیقہ کرنا	۵۰۶
۳۱۵	عقیقہ میں نام لینا ضروری نہیں	۵۰۸
۳۱۶	عقیقہ کے گوشت کے مستحقین	۵۰۹

۳۱۷	عقیقہ اور اس کے گوشت کا حکم	۵۱۰
۳۱۸	مرحوم اولاد اور بالغ اولاد کا عقیقہ کرنا	۵۱۱
۳۱۹	تبلیغی اجتماعات میں عقیقہ کا گوشت دے کر ٹکٹ کم قیمت میں دینا	۵۱۱
۳۲۰	کیا عقیقہ کی نیت سے عقیقہ واجب ہوجاتا ہے؟	۵۱۲
۳۲۱	قربانی کی نیت سے پالے ہوئے جانور کا عقیقہ کرنا	۵۱۳
۳۲۲	ولیمہ میں قربانی یا عقیقہ کا گوشت کھلانا	۵۱۳
	کتاب القضاء والقصاص	
۳۲۳	ایک فریق کی عدمِ موجودگی میں دوسرے فریق کی بات سننا	۵۱۷
۳۲۴	ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ کرنا	۵۱۹
۳۲۵	ایک پلاٹ کے تنازع میں کس کی بات معتبر ہے؟	۵۲۰
۳۲۶	گاہک سے مقدمہ کا خرچہ وصول کرنا ۴۰۸	۵۲۱
۳۲۷	ایک ملک کا دوسرے پر حملہ اور مختلف قسم کے نقصانات کے معاوضے	۵۲۳
۳۲۸	قتل کا موجب	۵۳۲
۳۲۹	خلاف قانون تیز رفتاری سے کسی کی موت اور دیت کا حکم	۵۳۲
۳۳۰	کسی پر چوری کا الزام لگانا	۵۲۴
۳۳۱	مرحوم والد کے قرض کی معافی کا دعوی	۵۳۵
۳۳۲	چوری کا ایک مسئلہ	۵۳۷
۳۳۳	زنا کا ثبوت اور تعزیری کارروائی۔فوٹو حجت شرعیہ نہیں	۵۳۸

۳۳۴	اجیر کی گواہی مستأجر کے حق میں درست نہیں	۵۴۱
	کتاب الحظر والاباحۃ	
❁	**لباس اور زینت کے مسائل**	❁
۳۳۵	علما کی ٹوپی کی انگریز کی ٹوپی سے مشابہت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ؟	۵۴۵
۳۳۶	عورت کا شرعی لباس	۵۴۷
۳۳۷	عورتوں کے لیے کلی والا کرتہ پہننا کیسا ہے؟	۵۴۷
۳۳۸	عورتوں کے لیے ساڑی پہننا کیسا ہے؟	۵۴۹
۳۳۹	ساڑی پہننا	۵۴۹
۳۴۰	لبس السواد جائز	۵۵۰
۳۴۱	راجستھان میں رائج چند زیورات کا حکم	۵۵۲
۳۴۲	عورت کے لیے مانگ نکالنا کیسا ہے؟	۵۵۸
۳۴۳	مہندی لگانا	۵۵۹
۳۴۴	باہر جانے کے لیے کالا خضاب کرنا	۵۵۹
۳۴۵	سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے	۵۶۰
۳۴۶	کالی مہندی لگانا	۵۷۰
۳۴۷	مردوں عورتوں کے لیے مہندی کا استعمال	۵۷۱
۳۴۸	جانگیہ پہننا	۵۷۲
۳۴۹	چڈی پہننا کیسا ہے؟	۵۷۳

۳۵۰	سونے کا دانت لگانا	۵۷۴
۳۵۱	مرد کے لیے چاندی اور لوہے وغیرہ کی انگوٹھی کا استعمال	۵۷۴
۳۵۲	انگوٹھی کا استعمال	۵۷۵
۳۵۳	سونے کی ملمّع شدہ گھڑی استعمال کرنا اور سونے کا دانت لگوانا	۵۷۶
۳۵۴	چاندی یا دوسرے دھات کی انگوٹھی پہننا	۵۷۷
۳۵۵	گھڑی اور چشمہ پر گولڈ پلیٹنگ کا استعمال	۵۷۸
۳۵۶	میوزک والی گھڑی پہننا	۵۷۸
۳۵۷	خالص سونا یا سونے کی ملمع کردہ گھڑی اور چشمہ کی فریم استعمال کرنا	۵۷۹
۳۵۸	کرتے میں سونے کے بٹن لگانا	۵۸۰
۳۵۹	عورتوں کا پیروں پر مہندی لگانا	۵۸۰
۳۶۰	لالی لگانا	۵۸۱
۳۶۱	عورت کا کلائی پنڈلی کے بال صاف کرنا	۵۸۱
۳۶۲	نیل پالش لگانا	۵۸۲
۳۶۳	آئی برو بنوانا اور چہرے کے بارک بال صاف کرنا	۵۸۲
۳۶۴	مختلف دھاتوں کے زیور اور انگوٹھی پہننا	۵۸۵
۳۶۵	بھنویں بنوانا	۵۸۶
۳۶۶	مرد عورت کے لباس اور ادارے کے یونیفارم کے بارے میں چند سوالات	۵۸۷

❁	مسائلِ حجاب	❁
۳۶۷	پردہ کا طریقہ	۵۸۹
۳۶۹	کیا موجودہ برقعہ شرعی پردہ نہیں ہے؟	۵۹۰
۳۷۰	عورت کا چہرہ پردہ کا حکم رکھتا ہے	۵۹۱
۳۷۱	دینی مجالس وغیرہ میں عورتوں کی شرکت کا حکم	۵۹۲
۳۷۲	نماز پنج گانہ اور مجلسِ وعظ وغیرہ میں عورتوں کی شرکت کا حکم	۶۰۹
۳۷۳	عورتوں کا اصلاحی وانعامی اجلاس منعقد کرنا	۶۱۴
۳۷۴	نوکر سے پردہ	۶۱۷
۳۷۵	ایک گھر میں رہنے والے نامحرم رشتے داروں سے پردہ	۶۱۷
۳۷۶	گھر کے ملازم سے بھی پردہ ہے!	۶۱۸
۳۷۷	عورتوں کی آواز ٹیپ میں سننا	۶۲۱
۳۷۸	منسوبہ لڑکی سے خط وکتابت	۶۲۲

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
❁	**بقیۃ باب الحجاب**	❁
۱	بے پردہ عورتیں کیا زانیہ کے مانند ہیں؟	۲۳
۲	عورتوں کا کمانے کے لیے فیکٹری میں جانا	۲۴
۳	ولادت کے بعد ستر والے حصہ کی مالش کرانا	۲۶
۴	عورت کے لیے ڈاکٹر کے ذریعہ دانت کی صفائی کرانا	۲۶
۵	عورتوں کا آپس میں مصافحہ کرنا	۲۷
۶	عورتوں کا بغیر محرم کے سفر کرنا	۲۷
۷	خسر کے بھائی اور شوہر کے ماموں سے پردہ ہے	۲۸
۸	مسلم اسکول کا قیام اور اس میں عورتوں کے تقرر کا مسئلہ	۲۸
۹	عورت ٹیچرنگ کرسکتی ہے؟	۳۲
۱۰	موجودہ دور میں لڑکیوں کے مدارس کا حکم	۳۲
۱۱	عورتوں کو کمیٹی کا ممبر بنانا	۳۴
۱۲	عورتوں کی خلافت وقیادت	۳۵
۱۳	کسبِ معاش کے لیے عورت کا نکلنا	۳۷
۱۴	عورت کا پردہ کے ساتھ اسکوٹر چلانا	۳۸
۱۵	دینی پروگرام میں شرکت سے بے پردہ عورتوں کو روکنا	۳۸

۱۶	بڑی عمر میں بھی ماموں زاد بہن سے پردہ ہے	۳۹
۱۷	بہو سے پردہ ضروری نہیں	۴۰
۱۸	شوہر کے لڑکے سوتیلی ماں کے حق میں محرم ہیں	۴۰
❁	**تصویر کشی اور متعلقہ مسائل**	❁
۱۹	تصویر کشی کا حکم	۴۱
۲۰	ذی روح کی تصویر	۴۲
۲۱	کشیدہ کاری میں جاندار کی تصویر بنانا	۴۳
۲۲	کعبہ کے فوٹو میں انسانوں کی تصویر ہو تو رکھنا کیسا ہے؟	۴۴
۲۳	قبر کی تصویر لینا	۴۴
۲۴	کعبۃ اللہ کی تصاویر والی چٹائیوں پر قدم پڑنے سے بے حرمتی کا وہم	۴۵
۲۵	ڈیجیٹل فوٹو گرافی تصویر سازی کے حکم میں ہے	۴۷
۲۶	ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ تعلیم دینا کیسا ہے؟	۴۹
۲۷	یہود و نصاریٰ کا مذہبی نشان	۵۰
۲۸	گھر میں تصویر اور کلمۂ طیبہ کو جاندار کی صورت میں بنانا	۵۰
۲۹	اخبار میں تصویر شائع کرنا	۵۱
۳۰	فلم بندی والے دینی پروگرام میں شرکت کرنا	۵۳
۳۱	ویڈیو کیسٹ بنانے کا حکم	۵۳
۳۲	تصویر، ٹی وی اور موسیقی کا حکم	۵۵

❁	ضبط تولید اور متعلقہ مسائل	❁
۳۳	نسبندی حرام ہے	۵۶
۳۴	بچہ کی برابر پرورش نہ کرنے کے خوف سے عزل کرنا	۵۷
۳۵	ضبطِ تولید شریعت کی نظر میں	۵۸
۳۶	ضبطِ تولید کا حکم	۵۹
۳۷	بذریعۂ آپریشن بچہ دانی نکال دینا	۶۰
۳۸	کمزوری کی وجہ سے مانع حمل طریقہ کا استعمال	۶۲
۳۹	حصولِ اولاد کے لیے رحم میں کیپسول رکھنا	۶۲
۴۰	حصولِ ولد کے لیے مادۂ منویہ شرمگاہ میں رکھوانا	۶۳
۴۱	عزل کی شرعی حیثیت	۶۴
۴۲	طالب علم کے لیے عزل کرنا	۶۶
۴۳	ضبطِ تولید	۶۶
۴۴	غلط نظریہ سے ضبط تولید کا آپریشن کرانا	۶۷
۴۵	ضبط تولید کا آپریشن کرانے پر رقم لینا	۶۷
۴۶	بچہ کی پیدائش کی تکلیف کے ڈر سے بچہ دانی نکلوانا	۶۸
۴۷	حمل ٹھہرنے پر طعنہ دینے کی وجہ سے اسقاط کرنا	۶۹
۴۸	دو بچوں میں فاصلہ رکھنے کے لیے مانع حمل تدبیر اختیار کرنا	۷۰
۴۹	مانعِ حمل آپریشن کرانا	۷۱

۵۰	مانعِ حمل تدابیر اختیار کرنا	۷۲
۵۱	منعِ حمل کے لیے تدبیر اختیار کرنا	۷۲
۵۲	بچوں میں فاصلہ کے لیے کوپر ٹی کا استعمال	۷۳
۵۳	وقتی طور پر منع حمل کی کوئی ترکیب اختیار کرنا	۷۴
۵۴	ایام حمل میں عوارض پیش آتے ہی ہیں	۷۵
۵۵	عزل کے تعویذ کا استعمال	۷۶
۵۶	اسقاط حمل سے متعلق اخلاطی کے قول سے دھوکہ نہ کھائیں	۷۶
۵۷	اسقاط حمل کرنا کس صورت میں جائز ہے؟	۷۸
۵۸	اولاد کے خوف یا لذت اندوزی کے لیے اسقاط حمل	۷۹
۵۹	منع حمل کی تدابیر میں نسبندی کا حکم	۷۹
۶۰	مجبوری میں مانع حمل دوائی استعمال کرنا	۸۱
۶۱	عذر کی وجہ سے مانع حمل دوائی استعمال کرنا	۸۱
۶۲	بیوی کو حمل گرانے کی دھمکی	۸۲
❁	**ڈاڑھی اور خصائل فطرت کے مسائل**	❁
۶۳	داڑھی کی شرعی حیثیت	۸۳
۶۴	بالوں کی تراش وخراش کی حدود اور قزع کی تشریح	۹۱
۶۵	ریش بچہ کا حکم	۹۷
۶۶	ڈاڑھی کتروانا	۹۷

۶۷	مختون کی ختنہ	۹۸
۶۸	نومسلم کے ختنہ کی اہمیت	۹۸
۶۹	نومسلم کی ختنہ کی اہمیت	۱۰۰
۷۰	ختنہ کے متعلق چند سوالات	۱۰۱
۷۱	موئے زیرِ ناف، بغل اور ناخن کتنے دن میں کاٹنا چاہیے؟	۱۰۲
۷۲	بال رکھنا سنت ہے یا منڈوانا؟	۱۰۴
۷۳	زیرِ ناف بال صاف کرنے کی حد	۱۰۴
۷۴	موئے زیر ناف کی حد	۱۰۵
۷۵	موئے زیر ناف کا ازالہ بذریعۂ صابن وغیرہ	۱۰۵
۷۶	لڑکی زیر ناف بال کس چیز سے صاف کرے؟	۱۰۶
۷۷	عورتیں موئے زیر ناف کس سے صاف کریں؟	۱۰۶
۷۸	گلے اور گالوں کے بال مونڈنا	۱۰۷
۷۹	ختنہ کا جدید طریقہ جائز ہے	۱۰۷
۸۰	غیر عاقل بالغ کے موئے زیر ناف کیسے کاٹے جائے؟	۱۱۱
❁	**موبائل کے متعلق مسائل**	❁
۸۱	موبائل کی رنگ میں ''اللہ اکبر'' فٹ کرنا	۱۱۲
۸۲	موبائل کھلا (آن) رکھ کر مسجد میں آنا	۱۱۲
۸۳	موبائل سے متعلق چند اہم مسائل	۱۲۰

	باب العلاج والتداوی	
۸۴	بیماری کی وجہ سے پلاسٹک سرجری کروانا	۱۲۳
۸۵	ایک انسان کا گردہ دوسرے کو لگانا	۱۲۴
۸۶	انسانی اعضاء کا ہبہ	۱۲۷
۸۷	اعضائے انسانی کا ہبہ اور اس کی وصیت	۱۲۸
۸۸	حیض بند ہونے کی عمر، حصول اولاد کے لیے معالجہ ہونہ کہ مبالغہ	۱۲۹
۸۹	دوا کے ذریعہ حیض رکوانا	۱۳۳
۹۰	بلڈ بینک میں خون لینا دینا از روئے فقہ حنفی وشافعی	۱۳۴
۹۱	انجکشن کے ذریعہ جانور سے دودھ اور بچہ حاصل کرنا	۱۳۹
۹۲	انجکشن لگا کر دودھ دوہنا	۱۴۰
۹۳	افیون کے ذریعہ بھینس کا علاج کرنا	۱۴۰
۹۴	انجکشن لگا کر گابھن کرنا	۱۴۱
۹۵	مریض کو خون دینا	۱۴۲
۹۶	کھیت کو نقصان پہنچانے والی گائے کو انجکشن دے کر مارنا	۱۴۳
۹۷	موذی جانور کو زہریلا انجکشن دینا	۱۴۶
۹۸	کھیتی کی حفاظت کے لیے مرغیاں مارنے کی دوا کا استعمال	۱۴۷
۹۹	دمہ کے علاج (دمہ کیمپ) میں غیر شرعی امور کا ارتکاب	۱۴۷
۱۰۰	خنزیر کی ہڈی کا بطورِ دوا استعمال کرنا	۱۴۸
۱۰۱	پولیو ڈروپ پلانے کا حکم	۱۴۹

۱۰۲	اوہام وشکوک کے دفعیہ کے لیے حکیم کی حکمتِ عملی	۱۵۰
۱۰۳	پستانوں کو ابھارنے کے لیے علاج کرنا	۱۵۱
۱۰۴	حرام چیز سے علاج کرنا	۱۵۲
❁	**باب الأكل والشرب**	❁
۱۰۵	کھانے کی ابتداء اور انتہاء نمکین سے	۱۵۲
۱۰۶	کھانے سے پہلے اور بعد میں نمکین یا میٹھی چیز کھانا	۱۵۳
۱۰۷	پھاڑ کھانے والی مچھلی حلال ہے	۱۵۴
۱۰۸	جھینگا کھانا	۱۵۴
۱۰۹	جھینگا کھانا اور مکروہ کی تعریف وحکم	۱۵۵
۱۱۰	جائفل استعمال کرنا	۱۵۶
۱۱۱	بانگڑا مچھلی اور جھینگے کا حکم	۱۵۷
۱۱۲	مچھلی کے علاوہ اور کون کونسے بحری جانور حلال ہیں؟	۱۵۸
۱۱۳	پرساد کا حکم	۱۵۸
۱۱۴	سگریٹ نوشی کا حکم	۱۵۹
۱۱۵	مزار پر چڑھائی ہوئی چیزیں کھانا	۱۶۱
۱۱۶	بن بلائے دعوت میں شرکت	۱۶۱
۱۱۷	حرام کمائی والے کی دعوت قبول کرنا	۱۶۳
۱۱۸	حلت وحرمت میں اغلب کا اعتبار ہے	۱۶۴

۱۱۹	فاسق اور حرام کمائی والے کی دعوت کھانا	۱۶۶
۱۲۰	حرام پیشہ ترک کرنے والے کی چیز لینا	۱۶۶
۱۲۱	ایضاً	۱۶۸
۱۲۲	دعوت میں دوست کو شریک کر دیا تو کیا حکم ہے؟	۱۶۹
۱۲۳	لوٹ کھسوٹ کا مال جائز نہیں	۱۶۹
۱۲۴	ہوائی جہاز کا گوشت اور سبزی وغیرہ کھانا	۱۷۰
۱۲۵	کھانا کھانے کے درجات کی شرعی حیثیت	۱۷۱
۱۲۶	بیوی کا دودھ پی لیا	۱۷۳
۱۲۷	قرعہ اندازی کی دعوت	۱۷۴
۱۲۸	فٹ پاتھ پر کھانا	۱۷۵
۱۲۹	زبردستی کی دعوت اور طلبہ میں دعوت کے رائج طریقہ کا حکم	۱۷۵
۱۳۰	بغیر ہڈی کا گوشت کھانا	۱۷۶
۱۳۱	حرام کمائی والے کے یہاں کھانا	۱۷۶
۱۳۲	نکاح میں لڑکی والوں نے روپیہ لیا ہو ایسی دعوت میں شرکت	۱۷۶
۱۳۳	غدود (حرام مغز) کھانا	۱۷۷
۱۳۴	سینما گھر کے قریب خورد ونوش کی کینٹن	۱۷۷
۱۳۵	جس دعوت میں ناچ گانا ہو اس میں شرکت	۱۷۸
۱۳۶	بینک کے ملازم کی دعوت قبول کرنا	۱۷۹

❁	**کھیل کود اور آلات لھو ولعب**	❁
۱۳۷	عصر حاضر میں رائج کھیلوں اور لہو ولعب کا حکم	۱۸۰
۱۳۸	ویڈیو گیم کے کلب قائم کرنا جائز نہیں	۲۰۰
۱۳۹	فٹ بال کھیلنا	۲۰۱
۱۴۰	کرکٹ، کبڈی کھیل کا شرعی حکم	۲۰۲
۱۴۱	پتنگ کی رسم	۲۰۳
۱۴۲	لکھوٹی، پتہ اور کرکٹ کھیلنا	۲۰۴
۱۴۳	کرکٹ اور فٹ بال کھیلنا	۲۰۴
۱۴۴	کیرم بورڈ کھیلنے کا حکم	۲۱۰
۱۴۵	شرط کے ساتھ ہولی بال کھیلنا	۲۱۰
❁	**انتفاع بالحرام اور انقلاب ماہیت**	❁
۱۴۶	سینٹ کا استعمال	۲۱۱
۱۴۷	جلیٹین پاک ہے یا ناپاک؟ (انقلاب ماہیت کی تفصیل)	۲۱۳
۱۴۸	پرفیوم (الکحل) کا استعمال	۲۲۴
۱۴۹	اسپرٹ کا استعمال	۲۲۵
۱۵۰	الکحل کا استعمال	۲۲۶
۱۵۱	گوبر گیس کا استعمال	۲۲۶
۱۵۲	سینٹ کا استعمال	۲۲۷

۱۵۳	کولگیٹ وغیرہ میں حرام چربی کی آمیزش	۲۲۸
۱۵۴	کولگیٹ میں خنزیر کی چربی کی آمیزش	۲۲۹
۱۵۵	مردار جانور کے بال، ہڈی وغیرہ پاک اور حلال ہیں یا نہیں؟	۲۲۹
۱۵۶	کولگیٹ کا استعمال جائز ہے؟	۲۳۴
۱۵۷	لکس صابون کا استعمال کرنا	۲۳۴
۱۵۸	پرفیوم کا حکم	۲۳۵
۱۵۹	اجزائے خنزیر سے تیار شدہ انجکشن کا حکم	۲۳۵
۱۶۰	حرام اشیاء سے بنے ہوئے صابون کا حکم	۲۳۶
❁	**سرکاری چوری یا عوامی خیانت سے متعلق مسائل**	❁
۱۶۱	بجلی چوری کرنے کے مختلف حیلے اور ان کا حکم شرعی	۲۳۷
۱۶۲	پڑوسی کی لائٹ بجلی استعمال کرنا	۲۴۷
۱۶۳	بجلی کا میٹر بند کروانا	۲۴۸
۱۶۴	بند میٹر والے کا بجلی چولہا جلانا	۲۴۹
۱۶۵	بجلی کی چوری کرنا	۲۴۹
۱۶۶	چوری کی بجلی سے فائدہ اٹھانا	۲۵۲
۱۶۷	بجلی کا بل کم آنے کی تدبیر درست نہیں	۲۵۳
۱۶۸	انکم ٹیکس کے انتقام میں بجلی کی چوری کرنا	۲۵۴
۱۶۹	حکومت سے بجلی لینے میں دروغ بیانی	۲۵۴

۱۷۰	زیادہ بل آنے پر میٹر کی مقدار کم کرنا	۲۵۵
۱۷۱	بغیر ٹکٹ کے سفر کرنا	۲۵۶
۱۷۲	بلا کرایہ کیے گئے سفر کی تلافی	۲۵۶
۱۷۳	حکومت سے سرٹیفکٹ حاصل کرنے کے خاطر اسکول کے طلباء کی حاضری میں تاویل	۲۵۷
۱۷۴	بی پی ایل کارڈ سے فائدہ اٹھانا	۲۵۹
۱۷۵	دھوکہ بازی سے سرکاری راحت حاصل کرنا حرام ہے	۲۵۹
۱۷۶	غلط طریقے سے فون کر کے سرکاری ظلم کا معاوضہ وصول کرنا	۲۶۰
۱۷۷	سرکاری ملازم کا خرچ سے زائد رقم وصول کرنا	۲۶۱
❁	**آداب معاشرت**	❁
۱۷۸	خاندانی معاشرت، باہمی حقوق اور مشترکہ رہائش میں پیش آنے والے مسائل	۲۶۲
۱۷۹	بیوہ عورت شادی کرلے تو جنت میں کس کو ملے گی؟	۲۷۸
۱۸۰	دنیا کی عورت جنت میں ساتھ ہوگی	۲۷۹
۱۸۱	بیوی کو راضی رکھے یا ماں کو؟	۲۷۹
۱۸۲	ماں کے کہنے پر بیوی کو طلاق دینا	۲۸۰
۱۸۳	شوہر کا پسندیدہ لباس پہننا	۲۸۱
۱۸۴	مظلومہ بیوی کو ماں کے ساتھ رکھنا	۲۸۲
۱۸۵	بیوی سے دو سال دور رہنا	۲۸۳

۱۸۶	تنگ مکان میں صحبت کی باریاں	۲۸۴
۱۸۷	والدین کی فرماں برداری اور گھر والوں سے حسن سلوک	۲۸۵
۱۸۸	والدین کی تیمارداری میں کوتاہیوں سے متعلق چند سوالات	۲۸۸
۱۸۹	ہمشیرہ سے صلہ رحمی پر والدین کا قطع رحمی پر اصرار	۲۹۲
❁	**ذکر، دعا، سلام وغیرہ کے مسائل**	❁
۱۹۰	کسی کے نام محمد پر درود شریف کی علامت لگانا	۲۹۷
۱۹۱	لفظ ''علیہ السلام'' کا استعمال غیر نبی کے لیے	۲۹۷
۱۹۲	کلمۂ ترضی کا استعمال ائمۂ اربعہ پر	۲۹۸
۱۹۳	کلمۂ ترضی وترحم کا استعمال	۲۹۸
۱۹۴	درود تاج اور درود لکھی کا ورد	۲۹۹
۱۹۵	ذاکرین کے مجمع میں زور سے تلاوت کرنا	۳۰۰
۱۹۶	سوئے ہوئے شخص کے پاس زور سے تلاوت کرنا	۳۰۰
۱۹۷	بوری شیعہ کو سلام کرنا	۳۰۱
۱۹۸	ہر سلام کے ساتھ مصافحہ کرنا	۳۰۱
۱۹۹	ذکر وتلاوت میں مشغول شخص کو سلام ومصافحہ کرنا	۳۰۳
۲۰۰	شر پسند اور جن سے جواب کی توقع نہ ہو ایسوں کو سلام نہ کرنا	۳۰۴
۲۰۱	بیک وقت دو آدمی ایک دوسرے کو سلام کرے تو جواب کون دے؟	۳۰۶
۲۰۲	ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا	۳۰۶

۲۰۳	دورانِ تلاوت یا دورانِ طہارت ان شاء اللہ کہنا کیسا ہے؟	۳۱۱
۲۰۴	”یرحمك الله“ کے جواب میں ”یهدیکم الله“ کہنا	۳۱۱
۲۰۵	شادی کے کارڈ پر ۷۸۶ لکھنا	۳۱۲
۲۰۶	تسبیحات سے گناہ کا معاف ہونا	۳۱۲
۲۰۷	خودکشی کرنے والے کے لیے دعائے مغفرت	۳۱۳
	کتاب السیاسة	
۲۰۸	کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟	۳۱۷
۲۰۹	ہندوستان میں نظامِ قضاء کے اجراء کا شرعی حکم	۳۱۸
۲۱۰	ہندوستان کے حالاتِ حاضرہ میں مساجد کی حفاظت، فرقہ وارانہ فسادات میں تحمل یا مقابلہ، ووٹ اور بیمہ کے شرعی احکام	۳۴۰
۲۱۱	ظلم کے وقت متحد ہوکر آئینی چارہ جوئی ہی حل ہے	۳۴۸
۲۱۲	یکجا ہوکر رہنمائی کرنے کا مطلب	۳۴۹
۲۱۳	بابری مسجد کے متنازعہ مسئلہ میں مسلمانوں کا ردعمل	۳۵۰
۲۱۴	حکومت کے ہمنوا عہدے داروں سے بائیکاٹ کا حکم	۳۵۰
۲۱۵	نصرتِ خداوندی کب حاصل ہوتی ہے	۳۵۱
۲۱۶	کفار سے جنگ کرنے کے لیے ولی کامل ہونا شرط نہیں	۳۵۲
۲۱۷	اسباب اختیار کرنا ضروری ہے، ”قدم جمانے“ کا مطلب	۳۵۲
۲۱۸	کیا ان حالات میں بھی جہاد فرض نہیں ہوا؟	۳۵۴

۲۱۹	جان و مال کی حفاظت کی تدابیر	۳۵۴
۲۲۰	اہل وعیال و مسجد کی حفاظت میں مارا گیا شہید ہے	۳۵۴
۲۲۱	دفاعی تنظیم کا قیام اور اس کی مخالفت کرنے والے کی سزا	۳۵۶
۲۲۲	شہید کے اقسام	۳۵۷
۲۲۳	جہاد کے اقسام	۳۵۷
۲۲۴	احیائے خلافت کی سعی	۳۷۳
۲۲۵	کمیونزم پارٹی کے ساتھ راہ ورسم رکھنا	۳۷۶
۲۲۶	حکومت کے قوانین کی خلاف ورزی کا حکم	۳۷۹
۲۲۷	قومی دھارے میں شامل ہونا	۳۸۰
۲۲۸	فسادات میں عصمت بچانے کے خاطر لڑکیوں کا خودکشی کرنا	۳۸۱
۲۲۹	قومی وملی راز کی حفاظت کے لیے مسلمان بھائی کو مار ڈالنا	۳۸۲
۲۳۰	عیدگاہ میں تفصیلاتِ حساب کی آڑ میں سیاسی مقاصد کی برآری	۳۸۳
	متفرقات	
۲۳۱	انگریزی تعلیم، تشبہ بالکفار، تربیتِ اولاد وغیرہ دورِ جدید کے مسائل	۳۸۵
۲۳۲	عصری تعلیمی ادارے، تصاویر وغیرہ کا شرعی حکم	۳۹۲
۲۳۳	اسلامی اسکول پر اعتراض اور اس کا جواب	۴۱۴
۲۳۴	مسلم رفاہی وتعلیمی اداروں کی بعض کوتاہیوں کی بنا پر ان کو چندہ نہ دینا	۴۱۸
۲۳۵	مروّجہ بالواڈی کی شرعی حیثیت	۴۲۰

۲۳۶	بگڑے حالات میں حلال وحرام کی تمیز سے ہی ترقی ہوگی	۴۲۳
۲۳۷	نوکرانیاں باندی نہیں	۴۲۸
۲۳۸	اس زمانہ میں کسی کو غلام باندی بنانا	۴۲۸
۲۳۹	باندیوں کا رواج کب ختم ہوا؟	۴۲۹
۲۴۰	کیا غوث پاک پیدائشی حافظ تھے؟	۴۲۹
۲۴۱	آپسی تنازع کو دور کرنے میں مصالحت	۴۳۰
۲۴۲	ٹال مٹول کرنے والے مدیون کے مال سے چوری کرنا	۴۳۵
۲۴۳	خوش عیش زندگی بسر کرنا جب کہ غرباء کا بمشکل گزارہ ہوتا ہو	۴۳۶
۲۴۴	ڈاڑھی مونڈنے والے حجام کو دودھ بیچنا	۴۳۷
۲۴۵	سرکاری بے کار عمارت میں دینی تعلیم	۴۳۸
۲۴۶	معتوہ کے تصرفات کا شرعی حکم	۴۳۹
۲۴۷	بس اور ریلوے کے ٹکٹ فروخت کرنا	۴۴۶
۲۴۸	سالگرہ منانا	۴۴۹
۲۴۹	ٹی، وی پر دینی مضامین بیان کرنا	۴۵۰
۲۵۰	نیک مقاصد کے خاطر ٹی۔وی گھر میں رکھنا	۴۵۱
۲۵۱	ٹیپ ریکارڈ رکھنا	۴۵۱
۲۵۲	بے نمازی کا بچہ مرجائے وہ بھی جنت میں داخل کرائے گا	۴۵۲
۲۵۳	ووٹ کس کو دیں؟ عورتوں کا ووٹر بننا	۴۵۲
۲۵۴	الیکشن میں عورت ووٹ دے سکتی ہے؟	۴۵۳

۲۵۵	رقم لے کر ووٹ ڈالنا	۴۵۴
۲۵۶	اللہ تعالیٰ سے محبت وعشق غلام وباندی کی خصوصیت نہیں	۴۵۵
۲۵۷	کیا عورتوں میں حیض کی تکلیف کا سبب حضرت حواء کی لغزش ہے؟	۴۵۵
۲۵۸	کسی کے والد کا نام بدلنا	۴۵۶
۲۵۹	حق شفعہ	۴۵۷
۲۶۰	مقروض کا قرض لوجہ اللہ ادا کرنے کے بعد مطالبہ	۴۵۸
۲۶۱	مملوکہ تالاب میں قدرتی مچھلی کا مالک کون؟	۴۵۹
۲۶۲	مودودی صاحب سید ہیں پھر بھی ان پر تنقید کر سکتے ہیں	۴۶۰
۲۶۳	بیت المال کی رقم سے کاروبار کرنا	۴۶۲
۲۶۴	شرعی آداب کا اہتمام کرنا کیا غلو ہے؟	۴۶۲
۲۶۵	کسی کے متعلق ''میں اس کو پہچانتا ہوں'' کہنا کفالت نہیں	۴۶۵
۲۶۶	شادی کے موقع پر بینڈ باجا بجانے پر مالی جرمانہ لینا	۴۶۷
۲۶۷	مالی جرمانہ کی شرعی حیثیت	۴۶۸
۲۶۸	دینی اجلاس میں پنڈتوں کی شرکت	۴۶۹
۲۶۹	کسی کتاب کا بعض حصہ حذف کر کے یا نام بدل کر شائع کرنا	۴۷۹
۲۷۰	نظر اور شرمگاہ کی حفاظت کے متعلق اسلامی تعلیم	۴۸۲
۲۷۱	بھینس کے بچہ کو دودھ سے روکا اور مر گیا تو گنہ گار ہوگا	۴۸۸
۲۷۲	رات کو جھاڑو دینا	۴۸۹

۲۷۳	ماں باپ کے گناہ کا وبال اولاد پر	۴۸۹
۲۷۴	''اشارہ بالید'' کے ذریعہ غیبت	۴۹۰
۲۷۵	بدھ کے دن کام شروع کرنے کی اصل	۴۹۲
۲۷۶	بکرے کا چمڑا احلال ہے	۴۹۳
۲۷۷	فلمی اداکاروں کے ذریعہ چندہ وصول کرنا	۴۹۳
۲۷۸	مومن کو گالی دینا	۴۹۷
۲۷۹	نائی کو خلیفہ کہنا	۴۹۸
۲۸۰	قصاب کو قریشی کہنا	۴۹۹
۲۸۱	زلزلہ کے وقت کونسا عمل کرے	۴۹۹
۲۸۲	زلزلہ کے رحمت ہونے کا مطلب	۵۰۰
۲۸۳	مسلم کمیونٹی ہال کے لیے گورنمنٹ کی امداد	۵۰۰
۲۸۴	مچھر کے لیے الیکٹرک جالی کا استعمال اور اس کی تجارت	۵۰۲
۲۸۵	گھر میں ٹی وی لانے پر قطع تعلق	۵۰۲
۲۸۶	کمانے کے لیے بیرون ملک جانا	۵۰۳
۲۸۷	درخت کے نیچے سونا	۵۰۴
	کتاب الفرائض	
۲۸۸	ترکہ میں میراث جاری ہوتی ہے	۵۰۷
۲۸۹	لڑکی اپنا حصہ معاف کردے تو بھی معاف نہیں ہوتا	۵۰۷

۲۹۰	اپنے حصۂ میراث سے دستبردار ہوجانا	۵۰۸
۲۹۱	اپنا حصہ وارثوں کو ھبہ کرنا	۵۰۹
۲۹۲	بہنوں کو ان کا حقِ وراثت نہ دینا ظلم ہے	۵۱۰
۲۹۳	میراث سے جہیز کا سامان وضع کرنا	۵۱۵
۲۹۴	دینِ مہر ترکہ کو محیط ہو تو میراث تقسیم نہ ہوگی	۵۱۶
۲۹۵	والد کے ساتھ رہنے سے ترکہ کا استحقاق	۵۱۷
۲۹۶	آباء واجداد سے تقسیمِ میراث کے بغیر ملی ہوئی جائیداد کا حکم	۵۱۸
۲۹۷	کوئی وارث نابالغ ہو تو ترکہ کی کونسی اشیاء استعمال کرسکتے ہیں؟	۵۱۹
۲۹۸	خدمت کرنے والوں کے لیے رکھے ہوئے حصہ میں میراث	۵۲۰
۲۹۹	مرحوم کے حقیقی بھائی کی موجودگی میں بھانجا میراث نہیں پاتا	۵۲۰
۳۰۰	حرمتِ مصاہرت سے محرّمہ کی عدتِ وفات ومیراث کا حکم	۵۲۲
۳۰۱	دورانِ عدت شوہر کا انتقال ہو تو عورت کی میراث کا حکم	۵۲۴
۳۰۲	مرحوم کے بیمہ کا روپیہ کہاں خرچ کرے؟	۵۲۴
۳۰۳	ترکہ میں بوقت وفات زمین کی جو حیثیت ہو اس کا اعتبار ہے	۵۲۵
۳۰۴	اولاد کو عاق کرنے کی شرعی حیثیت	۵۲۶
۳۰۵	بہن کے لیے وصیت یا حق رہائش	۵۲۶
۳۰۶	اسٹامپ پر لکھنا ثبوت شرعی نہیں	۵۲۷
۳۰۷	مطالبہ نہ کرنے کا عہد لینے سے حق وراثت ختم نہیں ہوتا	۵۲۷

۳۰۸	جائداد میں ایک وارث کا تصرف	۵۲۷
۳۰۹	تحریری وصیت کا حکم	۵۲۹
۳۱۰	رضاعی بہن سے پیدا ہونے والا بچہ وارث ہے	۵۳۰
۳۱۱	مرحوم شوہر کے ترکہ سے مہر لینا	۵۳۱
۳۱۲	شرکاء میں سے ایک کا انتقال ہوا تو اس کی اولاد کو کتنا ترکہ ملے گا؟	۵۳۱
۳۱۳	مورث کے انتقال کے بعد اضافہ شدہ کاروبار میں حق میراث	۵۳۲
۳۱۴	باپ کے پیسوں سے کیے ہوئے کاروبار میں میراث کا حکم	۵۳۴
۳۱۵	شوہر کے کاروبار میں بیوی کا تعاون اور میراث کا حکم	۵۳۸
۳۱۶	بیٹیوں، نواسوں اور بیوی کے لیے وصیت وھبہ	۵۴۱
۳۱۷	مرحومہ بیوی کے زیورات میں شوہر کا حصہ	۵۴۳
۳۱۸	موروثی کرایہ کے فلیٹ میں میراث	۵۴۳
۳۱۹	ایک کنویں میں ورثاء کا تنازع	۵۴۵
۳۲۰	والد کے انتقال کے بعد بہنوں کے حصص میں تصرف تبرع ہے	۵۴۷
۳۲۱	غیر مسلم کی میراث عطیہ کی صورت میں	۵۴۸
۳۲۲	باپ نے بیٹوں کی کمائی سے جائداد خریدی تو مالک کون ہے؟	۵۴۹
۳۲۳	بیٹے کی کمائی میں والد کا حقِ مطالبہ	۵۵۲
۳۲۴	مورث کی حیاتی میں حصۂ میراث مانگنا اور گرام پنچایت میں نام ہونے سے ملکیت سمجھنا	۵۵۵

۳۲۵	وراثت اور جائیداد میں تنازع پر مختلف سوالات	۵۵۶
۳۲۶	بہنوں کے میراث چھوڑنے سے حقِ میراث ختم نہیں ہوتا ہے	۵۶۶
۳۲۷	والدین کی تیمارداری پر خرچ رقم ترکہ سے وصول کرنے کا حکم	۵۶۹
۳۲۸	''منہ دکھائی'' میں دیے جانے والے زیورات کا مالک کون؟	۵۷۱
۳۲۹	میت کا قرضہ ترکہ میں سے وصول کرنا	۵۷۲
۳۳۰	ترکہ کا مال دین سے بھی کم ہونے کی صورت میں وارث نے بڑھائی ہوئی تجارت کا حق دار	۵۷۶
۳۳۱	بلیک میل کرکے ورثاء کے حصے ختم کرنا اور خود زیادہ لینا	۵۷۹
۳۳۲	وارث کا کرایہ دینے سے انکار، ترکہ کی زمین کا مشاعاً وقف، میراث لینے سے انکار	۵۸۴
۳۳۳	اولاد کی بخشش میں جہیز کا سامان شمار کرسکتے ہیں	۵۸۹
۳۳۴	ترکہ کا قبل از تقسیم استعمال کرنا اور یتیموں کا نفقہ	۵۹۱
۳۳۵	شوہر کی موت پر حکومت سے ملنے والی رقم کا مالک کون؟	۵۹۲
۳۳۶	حکومت سے ملنے والا جانی ومالی معاوضہ کا کیا حکم ہے؟	۵۹۴
۳۳۷	ناقابل تقسیم اشیاء میں تقسیم میراث	۵۹۶
۳۳۸	مختلف اشیاء کی تقسیم کی کیا شکل ہے؟	۵۹۸

گرامی نامہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

(نائب رئیس جامعہ دارالعلوم کراچی)

بنام مرتب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گرامی قدر مکرم جناب مولانا عبدالقیوم راجکوٹی صاحب حفظکم اللہ تعالیٰ ورعاکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ اور ''محمود الفتاویٰ'' کی تین جلدیں موصول ہوکر باعث ممنونیت ہوئیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیراً۔ آپ نے یہ جلدیں مرتب کرکے بہت مفید خدمت انجام دی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آمین۔ حسب ارشاد چند سطور لکھ کر ارسال کررہا ہوں۔

آپ نے حضرت والد صاحبؒ کے گرامی ناموں کا ذکر فرمایا کہ وہ آپ نے مفتی اسماعیل بسم اللہ کی سوانح حیات میں شامل کئے، اگر یہ سوانح چھپ گئی ہو تو براہِ کرم وہ بھی ارسال فرمادیں اور بندہ کا جو خط اس سلسلے میں آنجناب کے پاس محفوظ ہے تو اس کی ایک نقل بھی، آج کل میں اپنے پچھلے کاغذات کو ترتیب دے رہا ہوں ان میں یہ خط مجھے نہیں ملا۔

دعاؤں کا سخت محتاج ہوں۔ حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہم اللہ کی خدمت میں اس ناکارہ کا سلام اور دعا کی درخواست پیش فرمادیں۔

والسلام

بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ، ۴/ ۱۴۳۱ھ

تقریظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

(نائب رئیس جامعہ دارالعلوم کراچی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم سید نا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین امابعد!

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری (امد اللہ تعالیٰ عمرہ في عافية سابغة) ہمارے دور کے علماء واہل فتویٰ میں ممتاز مقام کے حامل ہیں، ان کا وجود ملت کا گرانقدر اثاثہ ہے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری قدس سرہ کی روحانی اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی قدس سرہ کی علمی تربیت سے انہیں علم اور روحانیت دونوں کے کمالات سے حصۂ وافر ملا ہے، وہ عرصۂ دراز سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں فتوی کی خدمت انجام دیتے رہے ہیں، ان کے فتاوی پر مشتمل تین جلدیں ''محمود الفتاویٰ'' کے نام سے شائع ہوئی ہیں، جس میں تمام فقہی ابواب سے متعلق ان کے اہم اردو فتاوی کو یکجا کر دیا گیا ہے، گجراتی فتاوی اس کے علاوہ ہیں، بندہ کے پاس یہ جلدیں مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی نے ارسال فرمائیں تو سرسری نظر سے دیکھنے پر ہی اندازہ ہوا کہ ان میں علم اور فقہ کا بیش بہا سرمایہ موجود ہے، اندازِ فکر واستنباط اپنے اکابر کا ہم رنگ ہے، تفصیلی مطالعہ تو وقت چاہتا ہے؛ لیکن بندہ نے اسے ان کتابوں میں شامل کر لیا ہے جس سے حسب ضرورت وقتاً فوقتاً استفادہ کیا کرتا ہوں۔ امید ہے کہ انشاء اللہ

یہ مجموعہ علماء اور عوام دونوں کے لیے نافع ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اسے شرفِ قبولیت عطا فرما کر حضرت مولانا مدظلہ کے لیے صدقۂ جاریہ بنائیں۔ آمین۔

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۴/ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ

تقریظ

حضرت مولانا سید مصلح الدین احمد صاحب بڑودوی دامت برکاتہم

(شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الاسلام ڈیوز بری مرکز-یوکے-انگلینڈ)

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذي اصطفىٰ.

یوں تو آئے دن اتنے علمی وعملی فتنے ظاہر ہورہے ہیں کہ جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کس کس کا جواب دیا جائے اور کس کس کی طرف توجہ کی جائے؟

ع تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

فتنوں کا ایک سیلاب ہے کہ امنڈتا چلا آرہا ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں جا کر رکے گا، کہیں تعمیر نو کے نام پر تخریب دین ہے، کہیں عقائد اسلامیہ پر گلے ہیں، کہیں احکام شرعیہ سے انکار ہے، کہیں انکار سنت پر زور ہے، کہیں تحریف قرآن کا فتنہ ہے، کہیں جواز سود وتحلیل خمر کے فتوے ہیں، کہیں رقص وسرور کو جائز کرنے کے لیے تحقیقات ہورہی ہیں، کہیں سلف صالحین سے بدظن کرنے کی مذموم کوششیں ہورہی ہیں، کہیں اسلامی نظام کی ناکامی کے دلائل پیش کئے جارہے ہیں:

مصائب شتى جمعت في مصيبة		ولم يكفها حتى قفتها مصائب

کتنے منتشر مصائب ایک مصیبت میں آکر جمع ہوگئے اور اس پر یہی بس نہیں بلکہ روز نئی نئی مصیبتیں رونما ہورہی ہیں۔

ان فتنوں اور حملوں کی وجہ یہ ہے کہ دین اسلام ایک ایسا جامع وکامل دین ہے جو انسانی زندگی کے تمام شعبوں اور گوشوں کو حاوی اور شامل ہے، دین اسلام ان تمام خصوصیات

وکمالات کا حامل ہے، جو سابقہ سماوی ادیان میں موجود تھیں، اسی طرح ان تمام کوتاہیوں اور کمزوریوں سے مبرّا ومنزہ ہے، جو دوسرے مذاہب اور خوساختہ ادیان میں تھیں اور ہیں؛ اس لیے ہر مذہب وملت اور دین نے بجا طور پر دین اسلام کو اپنا مقابل وحریف سمجھ کر اس کی راہ روکنے کی کوشش کی۔

اسلامی دعوت کے آغاز سے ہی دین اسلام پر باطل کی طرف سے ہر قسم کی یورش ہوتی رہی اور ہر دور میں ہر طرف سے اس پر طرح طرح کے وار کئے گئے؛ مگر چوں کہ دین اسلام تا قیامت بہ حیثیت دین باقی رہنے اور تمام ادیان پر غالب ہونے کے لیے آیا ہے، اس لیے مخالف کی مخالفت اس کی راہ روک نہ سکی؛ چناں چہ اہل اسلام نے منشائے خداوندی کی تکمیل میں اس کی حفاظت، دفاع اور نشر واشاعت کے لیے ہر محاذ پر ہر طرح کی قربانیاں دے کر اسلام کی حفاظت، دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیا، اس کے لیے مسلمانوں نے کبھی جان ومال کا نقصان اٹھایا، تو کبھی دین وایمان پر وار سہے، دشمنوں نے کبھی سیف وسنان کی بارش کی، تو کبھی قلم وزبان سے زہر افشانی کی، بہر کیف مسلمانوں پر اس عنوان سے سخت سے سخت مشکلات اور کٹھن گھڑیاں آئیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مسلمانوں کی قربانیوں کی بہ دولت دین الٰہی کی شمع بہ دستور تاباں وفروزاں رہی۔

علماء امت کے ذمہ جہاں اور فرائض عائد ہوتے ہیں، وہاں عصر حاضر کے اس اہم فریضہ کی ادائیگی بھی انہی کے ذمہ ہے کہ موجودہ دور کے تمدن وتہذیب نے جو نت نئے مسائل پیدا کر دیے ہیں ان پر غور کر کے ان کا حل تلاش کیا جائے، آج کل کا نیا طبقہ اپنی ناواقفیت کی بناء پر اس خیال خام میں مبتلا ہے کہ اسلام کا قدیم نظام یا قدیم اسلامی فقہ موجودہ معاشرہ کی مشکلات کے حل کرنے کے لیے ناکافی ہے؛ لیکن اگر ذرا غور کیا جاوے

تو بات بالکل واضح ہے کہ ہمارے نظام کے دو حصے ہیں: ایک حصہ وہ ہے جو قرآن وسنت کی صریح نصوص سے ثابت ہے، یہ تمام تر اس علیم وقدیر اور حکیم وخبیر رب العالمین کا ابدی اور دائمی قانون ہے جس کا علم بھی ہر شیء کو محیط ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ قیامت تک جو آنے والی نسلیں ہیں ان میں کیا کیا خرابیاں پیدا ہوں گی، اور اس کی قدرت بھی کامل ہے؛ چنانچہ اس نے اپنے علم محیط اور قدرت کاملہ سے قیامت تک پیدا ہونے والے تمام روحانی امراض کے لیے ایسا نسخۂ شفا اتارا ہے کہ جس میں نہ کسی ترمیم واصلاح کی گنجائش ہے، نہ کسی ادنیٰ سی تبدیلی کی۔

دوسرا حصہ وہ ہے جو علماء امت اور مجتہدین عظام نے قرآن کریم وسنت نبویہ سے استخراج واستنباط کر کے مرتب فرمایا ہے، اس کے مختلف مراتب اور مختلف ادوار ہیں۔ معاملات اور معاشرت میں بہت سے احکام ایسے بھی ہیں کہ جن کا تعلق اس عہد سے تھا مجتہدین امت کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے کہ وہ پہلے ہی سے ایسے اصول وقواعد مرتب فرما گئے ہیں کہ، تا قیام قیامت آنے والے اہل علم کو ان سے استفادہ کا موقعہ ملتا رہے گا، اور ان ہی اصول وقواعد کی روشنی میں آئندہ ہر قسم کی مشکلات حل ہو سکیں گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس وقت علماء امت کے ذمہ یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ جس طرح ہمارے اسلاف نے اپنے اپنے زمانہ میں ''اجناس'' ''واقعات'' اور ''نوازل'' کے عنوان سے روزمرہ کے نت نئے پیش آنے والے مسائل کو یکجا کیا اور پھر قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں ان کو حل کیا، ٹھیک اسی طرح موجودہ فقہاء بھی جدید نوازل وواقعات کا حل قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں تلاش کریں اور اس قسم کے مسائل کے مفصل جوابات امت کے سامنے پیش کر کے امت مسلمہ کے دین دار طبقہ کو مطمئن فرمائیں اور جدید نسل کو

باور کرائیں کہ دین اسلام میں ہر وقت کے صحیح تقاضے کو پورا کرنے کی کامل صلاحیت موجود ہے اور شریعت اسلامیہ زمان ومکان کی قیود سے بالاتر ہے۔

اہم فقہی مسائل بالخصوص جدید فقہی مسائل کا حل امت مسلمہ کی ہر وقت اور ہر لمحہ بنیادی ضرورت رہی ہے؛ کیونکہ ''فقہ'' عملی زندگی کے احکام وآداب کا عنوان ہے اور ہر لمحہ مسلمانوں کے ساتھ یہ ضرورت لاحق ہے، اس اہم ضرورت کی تکمیل بھی توجہ طلب امر ہے۔

ارشاد خداوندی ہے: ﴿فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون﴾ ''پس پوچھ لو یاد رکھنے والوں سے اگر تم نہیں جانتے''۔ اسی طرح ارشاد نبوی ہے: ''انما شفاء العي السوال'' لاعلم کی شفاء سوال کرنے اور پوچھنے میں ہے۔ بلاشبہ اہل علم کا منصب اگر متلاشیان علم کی علمی ضرورت کو پورا کرنا اور پیاس بجھانا ہے، تو لاعلموں کا فرض ہے کہ وہ بھی اپنی علمی تشنگی حضرات اہل علم کے پاس جا کر دور کریں۔

دیکھا جائے تو سوال وجواب اور استفتاء وفتویٰ مذکورہ بالا اسی اہم بنیادی دینی ضرورت کی تکمیل اور قرآن وسنت کے اسی حکم کی تعمیل ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ہدایات اور ان کے جاں نثاروں کی اپنے ہادی ورہبر کی تعلیمات کو دل وجان سے عزیز رکھنا اور جی جان سے ان پر عمل کرنا اسی کا نتیجہ ہے، قرآن کریم کی تفسیر وتشریح اور ذخیرۂ احادیث کی شکل میں تعلیمات نبوت کا مجموعہ بھی اسی کی عملی شکل ہے، اسلامی فقہ کا ذخیرہ بھی اسی سوال وجواب اور استفتاء وفتویٰ کی مدون شکل ہے۔

یہی وجہ ہے کہ چودہ صدیوں سے مسلمانوں نے اپنی روزمرہ زندگی کے مسائل اپنے دور کے اکابر اہل علم اور ارباب فتویٰ کے سامنے رکھے اور انہوں نے قرآن وسنت، اجماع امت، قیاس واجتہاد سے انہیں حل فرمایا، زمانۂ قدیم کے ضخیم فتاویٰ ہوں یا دور

حاضر کے ارباب فتاویٰ کی علمی کاوشیں، سب اسی ضرورت کی تکمیل ہیں۔

دار العلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور سے لے کر آج تک کی تاریخ اس کی شاہد عدل ہے کہ، جب کبھی بھی کسی عالم دین نے کوئی دینی درسگاہ قائم کی، تو عامۃ المسلمین کی اس بنیادی ضرورت کے تحت اس نے ایک دار الافتاء بھی قائم کیا جو مسلمانوں کے روزمرہ مسائل کا شرعی اور فقہی حل بتلائے، پھر ان علماء امت میں سے تقویٰ وتدین کے اعتبار سے جو جتنا قد آور تھا مسلم عوام کا اسی قدر اس کی طرف رجوع ہوا، یہی وجہ ہے کہ بعض اکابر علماء کے فتاویٰ کا مجموعہ پینتیس سے چالیس جلدوں تک جا پہنچا۔

چنانچہ اسی گراں قدر زریں سلسلہ کی ایک کڑی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، نوساری، گجرات، انڈیا کا ''دار الافتاء'' ہے جو بحمد اللہ اپنے آغاز سے تا حال ہندو بیرون ہند مسلمانوں کے اعتقادی، معاشرتی اور معاشی مسائل میں ان کی دینی رہنمائی کا فریضہ بہ حسن وخوبی انجام دے رہا ہے۔

حضرت مولانا احمد خانپوری صاحب بہ حیثیت صدر مفتی:

حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ، حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ، حضرت مولانا احمد بزرگ سملکیؒ، حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ ڈابھیلیؒ، حضرت مفتی اسماعیل گورار اندیریؒ، حضرت مفتی اسماعیل کچھولوی صاحب زید مجدہ؛ یکے بعد دیگرے ان علمی شخصیات نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے دار الافتاء کی مسند صدارت کو زینت بخشی ہے، اور ابھی پچھلے پچیس چھبیس سال سے مولانا احمد خانپوری حفظہ اللہ تعالیٰ صدر مفتی کی حیثیت سے اس شعبۂ افتاء کی خدمات انجام دے رہے ہیں، مفتی احمد صاحب کے قلم سے اس طویل عرصہ میں ہزار ہا فتاویٰ صادر ہوئے، ان میں سے بعض فتاویٰ ہفتہ واری اخبار ''امید''

سورت، ماہنامہ بیان مصطفےٰ وغیرہ مختلف اخبارات ورسائل میں شائع ہوتے رہے، اب یہ فتاویٰ مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی معین مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سملک کی تقدیم وترتیب سے "محمود الفتاویٰ" کے نام سے اردو اور گجراتی زبان میں منظر عام پر آگئے ہیں، اردو میں چار جلدیں اور گجراتی میں دو جلدیں طبع ہو چکی ہیں، ان فتاویٰ کے مستند ومعتبر ہونے کے لیے صاحب فتاویٰ کا نام نامی کافی ہے۔

حضرت مولانا احمد خانپوری صاحب: خانپور، ضلع بھروچ، گجرات، انڈیا کے باشندے ہیں اور ایک تجربہ کار، سنجیدہ، کہنہ مشق، بالغ نظر مفتی ہیں، قرآن کریم، حدیث وفقہ پر عمیق نظر رکھنے والے بڑے صاحب قلم عالم دین ہیں، اسلامک فقہ اکیڈمی "ادار المباحث الفقهية" کے متعدد فقہی اجتماعات وسمیناروں میں مختلف موضوعات پر ان کے تحریر کردہ مقالے پڑھے جاتے رہے ہیں اور طبع بھی ہو چکے ہیں، علاوہ ازیں سالہا سال سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں آپ کا حدیث وفقہ کا تدریسی سلسلہ بھی جاری ہے، بخاری شریف بھی فی الحال زیر تدریس ہے، آپ فقیہ الزمن حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ قدس سرہ کے اجل خلفاء میں سے ہیں، عوام وخواص کی ایک کثیر تعداد کا اصلاحی تعلق آپ سے ہے۔

شوال ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۶۰ء میں دار العلوم اشرفیہ راندیر، سورت میں بہ طور مدرس احقر کا تقرر ہوا، یہ مولانا احمد خانپوری صاحب کی طالب علمی کا ابتدائی دور تھا، انہوں نے درجۂ عربی دوم کی سب کتابیں مجھ سے پڑھی ہیں، ذہانت، ذکاوت، قوت حافظہ کے ساتھ ساتھ صلاح وتقویٰ، مطالعہ وتکرار، نماز باجماعت کی پابندی، اسباق میں بلا ناغہ وقت کی پابندی کے ساتھ شرکت اور استاذ کی تقریر کو بہ غور سننا، اساتذہ کا ادب

واحترام، ان کی خدمات، تواضع انکساری، ملنساری وغیرہ اوصاف - جو حصول علم کے لیے نہایت ضروری، اور کسی بھی علمی وعملی کمال کے حصول کے لیے اساس وبنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں - مولانا احمد خانپوری صاحب کی ذات گرامی بچپن اور طالب علمی کے زمانہ ہی سے ان کی حامل تھیں۔

بہر حال دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ موصوف کے فتاویٰ اور دیگر جملہ دینی وعلمی خدمات کو قبولیت سے نوازے اور ان کے ظاہری وباطنی فیض کو عام وتام فرمائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

والسلام

سید مصلح الدین احمد بڑودوی القاسمی

خادم حدیث نبوی جامعہ تعلیم الاسلام ڈیوز بری مرکز - یوکے -

۱۵/ رجب المرجب ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۴/ جون ۲۰۱۰ء پنجشنبہ

تقریظ

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم

(جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم ہندوستان کے جلیل القدر علماء اور صاحب نظر فقہاء میں ہیں، علم وتحقیق کے ساتھ ساتھ دعوت واصلاح اور تعلیم وتدریس سے آپ کا شبانہ روز کا تعلق ہے، استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی کے تربیت یافتہ اور حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ کے معتمد، نیز حلقۂ علماء کی محبوب شخصیت ہیں۔ راقم الحروف نے ان کے فتاویٰ کے مجموعہ ''محمود الفتاویٰ'' کا مطالعہ کیا ہے، بہت خوب فتاویٰ ہیں: تحقیق کے اعتبار سے بھی، زبان وبیان کے لحاظ سے بھی، اور اعتدال کے پہلو سے بھی، خاص کر نئے مسائل اچھی خاصی تعداد میں آگئے ہیں۔ دعا ہے کہ اس کی مزید جلدیں آجائیں، مفتی صاحب کا سایہ عاطفت تادیر امت پر قائم رہے، اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ان سے نفع پہنچے۔

(مولانا) خالد سیف اللہ

(خادم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

۱۹/ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۳/ فروری ۲۰۱۱ء

گرامی نامہ

حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب بھڑکودرویؒ

(خادمِ حدیث جامعہ جمبوسر، خادم دارالافتاء دارالعلوم کنتھاریہ)

۱۴۳۰ھ میں محمود الفتاویٰ کی تین جلد طبع ہوکر منظر عام پر آئی اس وقت متعدد قدردانوں نے حوصلہ افزائی پر مشتمل تبصرے ازراہ شفقت وذرہ نوازی تحریر فرمائے ان ہی بزرگوں میں حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب بھڑکودرویؒ (۱۳۶۸ - ۱۴۳۴ھ) سابق شیخ الحدیث جامعہ علوم القرآن جمبوسر وصدر مفتی دارالعلوم کنتھاریہ کی ذات گرامی بھی ہے موصوف نے حسب ذیل گرامی نامہ تحریر فرمایا جو یہاں درج ہے۔ اس کی سطر سطر سے ان کی طبیعت کی شرافت اور عالی ظرفی نمایاں ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً:

محترم مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی زید مجدہ العالی و فضلہ الغالی

(مرتب محمود الفتاویٰ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ناکارہ خیریت طرفین کا طالب ہے، امید ہے آپ بخیریت وعافیت ہوں گے۔ دیگر عرض ایں کہ مؤرخہ ۴/ اگست بروز سہ شنبہ ۱۲/ شعبان ۱۴۳۰ھ بمقام جامعہ جمبوسر، پیر طریقت حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے محمود الفتاویٰ کی تین جلدیں بطور ھدیہ سنیہ عنایت فرمائیں، جس کو آپ محترم نے حسن وخوبی کے ساتھ مرتب فرمایا ہے۔ تقبل اللہ منکما و شکر سعیکما الجمیل.

فتاویٰ کے اس قابل قدر قیمتی مجموعہ کو حاصل کر کے اور اس کو دیکھ کر بندہ کو غیر معمولی مسرت حاصل ہوئی، باوجود اس کے کہ بندہ کئی روز سے علیل چل رہا تھا، مگر مارے خوشی اور شوق کے اسی وقت پہلی جلد کے مقدمہ کا ادھر اُدھر سے طائرانہ مطالعہ کیا اور بعدہ الحمدللہ تعالیٰ پورا مقدمہ اطمینان سے پڑھا اور کچھ فتاویٰ کا بھی مطالعہ کیا۔

آپ محترم نے مبسوط مقدمہ تحریر فرما کر بغیر کسی غلو و مبالغہ کے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم اور ان کے فتاویٰ کا حقائق پر مبنی تعارف اور حضرت والا کا قابلِ تقلید ماضی وحال پیش فرمایا ہے، اور فتاویٰ کے مجموعہ کی ترتیب پر اس مقدمہ نے چار چاند لگا دیے ہیں۔

احقر نے اپنی طالب علمی کے دور سے حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کو- جبکہ آں محترم دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں عربی چہارم و پنجم پڑھتے تھے- دوام و استقامت کے ساتھ علمی، عملی، اخلاقی اعتبار سے صاف ستھری روش کا رہرو دیکھا، جو آج گجرات و بیرون گجرات بلکہ بیرون ہند انہی پہلوؤں سے امتِ مسلمہ کے معروف رہبر و مقتدا ہیں، فن فقہ، حدیث شریف و افتاء کے استاذ ماہر ہونے کے ساتھ وسعتِ ظرفی، متعلقین حضرات کی تربیت اور رجال سازی کی مخلصانہ فکر و سعی یہ حضرت والا کا خاص امتیازی وصف رہا ہے جس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، اگر یوں کہا جائے کہ حضرت والا نے بہت سے افراد کو دھکّے دے دے کر ہندوستان کے حضرات اکابر رحمۃ اللہ علیہم اور بڑے بڑے اداروں سے جوڑا ہے اور نا اہلیت کے اعتراف کے باوجود بڑی بڑی اہم ذمہ داریوں کے لیے آگے بڑھایا ہے تو بلا مبالغہ یہ ایک حقیقتِ واقعہ ہے اور ان کے عالی ظرف کی خورد نوازیاں ہیں۔

حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی کے فتاوی کے متعلق بندہ جیسے ہیچ مداں کا کچھ کہنا یا لکھنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے؛ البتہ اس کو پڑھنے والا اس بات کا

اعتراف کرے گا کہ اس میں حضراتِ سلف صالحینؒ کے فتاوی کی طرح قدامت کا استناد اور حوادث ونوازل کا اجتہاد جھلکتا ہے۔

آپ محترم نے مقدمہ میں حضرت مفتی صاحب کے طریقۂ افتاء اور تدریبِ افتاء کے منہج کو اور اس کے اصول زریں کو تحریر فرما کر طبقۂ اہل علم کے لیے عموماً اور شعبۂ افتاء سے متعلق حضرات کے لیے خصوصاً بہت ہی مفید، قابل مطالعہ ولائق عمل مواد جمع فرمادیا ہے، جس سے اہل علم ہمیشہ مستفید ومستفیض ہوتے رہیں گے۔ اخیراً بندہ دعاء کرتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ خواص وعوام کو محمود الفتاویٰ سے دینی رہبری حاصل کرنے کی توفیق عنایت فرمائیں اور حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے سایۂ عاطفت کو عافیت کے ساتھ امت پر تادیر قائم وباقی رکھ کر آپ کے علمی واصلاحی فیوض کو جاری وساری رکھیں اور آپ محترم کی اس سعی ثمین کو شرف قبولیت سے نوازیں اور اس قیمتی مجموعہ کی قدردانی کرتے ہوئے اور اپنی سعادت سمجھتے ہوئے اس کی طباعت اور اشاعت میں مالی وغیرہ تعاون پیش کرنے والے حضرات کو دارین میں بہترین بدلہ عنایت فرمائیں۔ آمین یارب العالمین و صلی اللہ علی النبی الکریم.

العبد اسماعیل عفی عنہ بھڑکودروی

خادم حدیث جامعہ جمبوسر خادم افتاء دارالعلوم کنتھاریہ

۱۸/شعبان ۱۴۳۰ھ۔ ۱۰/اگست ۲۰۰۹ء

ترتیب جدید کے متعلق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً ومسلماً!

سیدی وسندی مرشد العلما حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم العالیہ کے عقیدت مندوں اور اہلِ علم کی طرف سے مدت سے مطالبہ تھا کہ: حضرت والا دامت برکاتہم کے فتاویٰ موسوم بہ ''محمود الفتاویٰ'' اِکّا دُکّا منتشر جلدوں کے بہ جائے ایک ساتھ مرتب شائع کیے جائیں؛ مگر مجبوری یہ تھی کہ قدیم مجموعے کی ترتیب کے وقت حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کا اشہبِ قلم میدانِ فتاویٰ میں جانب منزل رواں دواں تھا؛ اس لیے اس تقاضے کو پورا کرنا ناممکن تھا؛ مگر اب جب کہ حضرت مفتی صاحب فتویٰ نویسی کا سلسلہ موقوف فرما چکے ہیں، اس کی سبیل نکل آئی، اور حضرت ہی کی اجازت سے مفتی عبدالقیوم صاحب دامت برکاتہم (مدرسِ حدیث وفقہ ومعین مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل) کے ترتیب دیے ہوئے مجموعے میں باقی ماندہ فتاویٰ کو شامل کر کے حضرت دامت برکاتہم کے چند شاگردوں نے اس کام کو آگے بڑھایا، جو مبوّب ومرتب شکل میں

آپ کے ہاتھوں میں موجود ہیں۔ فجزاهم الله أحسن الجزاء.

یہ مجموعہ اب تک کے اردو زبان میں لکھے گئے تمام فتاویٰ کو پیش نظر رکھ کر ضروری اور اہم فتاویٰ کا انتخاب کر کے مرتب کیا گیا ہے؛ نیز سابقہ طباعت میں جو فتاویٰ لفظاً یا معناً مکرّر تھے ان کو حذف کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ جملہ معاونین کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے، مزید خدمات علمیہ و دینیہ کے لیے موفق فرمائے، حضرت مفتی صاحب کے سایۂ عاطفت کو بہ صحت و عافیت امت کے سر پر قائم رکھے، اور اس جدید مجموعۂ فتاویٰ کو بھی خاص و عام کے لیے سرمۂ بصیرت بنائے۔

آمین یارب العالمین۔

کتبہ: العبد ابوبکر بن مصطفیٰ پٹنی

۲۹ ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ، چہار شنبہ

مقدمہ

از: مفتی عبدالقیوم صاحب راجکوٹی مدظلہ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

حمد وستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانۂ عالم کو وجود بخشا۔

اور درود وسلام اس آخری پیغمبر ﷺ پر جنھوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

زیر نظر کتاب ''محمود الفتاویٰ'' حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم (صدر مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) کے فتاوی کا مجموعہ ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم وفضل اور تقویٰ وطہارت کے بلند مقام پر فائز فرمایا ہے، آپ تصوف وارشاد میں شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ (م ۱۴۰۲ھ) کے ترجمان ومرید، علوم فقہ میں اپنے شیخ ثانی فقیہ الامت حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (م ۱۴۱۷ھ) کے جانشین ومجاز، مفتیٔ گجرات، فقیہ عصر حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ (م ۱۴۲۲ھ) کے معتمد، علم حدیث میں محدث دارالعلوم دیوبند حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کے شاگرد رشید ہیں، پچھلے ۲۳ رسال سے آپ کے فتاوی وتفقہ سے ایک عالم مستفید ہو رہا ہے، اہل علم میں آپ کے فتاوی کا خصوصی وزن محسوس کیا جاتا ہے، آپ کے فتاوی کئی سال سے مختلف ماہناموں اور رسائل وجرائد میں چھپتے رہے ہیں۔

گجراتی فتاوی سب سے پہلے ۱۹۹۳ء میں ماہنامہ بیان مصطفی (اکل کوا، مہاراشٹر) میں چھپنے شروع ہوئے، اور یہ سلسلہ ۲۰۰۹ء تک جاری رہا پھر بند کر دیا گیا۔

ماہنامہ الاصلاح (مجلس خدام الدین سملک) میں ۲۰۰۰ء میں جاری ہوئے،

جو ہنوز جاری ہیں۔

ماہنامہ بیان مصطفی میں بند ہونے کے فوراً بعد ہفتہ واری اخبار امید (سورت) میں شروع ہوئے جو تادم تحریر جاری ہیں۔

۱۴۲۴ھ اردو فتاوی ماہنامہ اذان بلال (آگرہ یوپی) اور بمبئی کے مشہور اخبار ''اردو ٹائمز'' میں شروع ہوئے جواب تک جاری ہیں۔

اخباری فتاوی کا یہ سلسلہ مقبول ہوا اور یہ کہنا کوئی مبالغہ نہیں کہ اس کے ذریعہ قارئین کو بے شمار دینی معلومات حاصل ہوئیں۔ اخبار اور رسائل کی زندگی محدود ہوتی ہے، اس کا ریکارڈ رکھنا اور اسے محفوظ کرنا مشکل ہوتا ہے، بعض متعلقین اور خود راقم الحروف کی دلی خواہش تھی کہ اس علمی ذخیرہ کو کتابی شکل میں محفوظ کر دیا جائے تاکہ مستقبل کی نسلیں اس علمی ذخیرہ سے استفادہ کر سکیں، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس وقت سر دست صرف ''محمود الفتاویٰ'' کی تین جلدیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، اس مجموعہ میں بعض وہ فتاوی جو فائلوں میں محفوظ تھے، موقع کی مناسبت سے ان کو بھی ترتیب میں شامل کر لیا ہے۔

حضرت کے شاگردوں اور متعلقین کا حلقہ دن بدن وسیع ہوتا جا رہا ہے، آپ جہاں ''مفتی گر'' ہیں، وہیں علماء کی ایک بڑی جماعت کے لیے راہ سلوک طے کرانے میں ''شیخ'' بھی ہیں، آپ کے فیوض وبرکات کا باطنی سلسلہ ملک وبیرون ملک دور دور تک پھیلا ہوا ہے، عرصۂ دراز سے متعلقین کی خواہش تھی کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے احوالِ زندگی منظر عام پر آنے چاہئے تاکہ اصحاب توفیق انہیں پڑھ کر اپنی راہیں درست کریں، جہد وعمل کا حوصلہ پاویں، صبر واستقامت کی عزیمت سے سرفراز ہوں۔ نیز فتاوی کا وزن

صاحب فتاوی کی علمی قابلیت ومہارت کے تناظر وتقابل میں محسوس کیا جاتا ہے، انہیں وجوہات کی بناپر راقم الحروف نے حضرت مفتی صاحب کی تعلیم وتعلم یعنی طالب علمی اور تدریسی زندگی کے متعلق احوال پیش کرنے کی کوشش کی ہے، ویسے بھی اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کی سیرت وسوانح کئی لحاظ سے اہمیت رکھتی ہے، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ (م ۱۴۲۱ھ) نے اس اہمیت کی چار وجوہات تحریر فرمائی ہیں:

اولاً: ان کے احوال وسوانح ان کی صحبت کا بدل ہیں اور جو لمحات ان کے مذاکرہ میں گذریں وہ گویا ان کی صحبت وہم نشینی میں گذرتے ہیں، جس طرح کسی مصنف کی کتاب کا مطالعہ اس کی صحبت کے قائم مقام ہے، اور اس سے مصنف کے قلبی جذبات واحساسات قاری کی طرف شعوری وغیر شعوری طور پر منتقل ہوتے ہیں، اسی طرح کسی کی سیرت وسوانح کے مطالعہ سے صاحب سیرت کی قلبی کیفیات قاری کی طرف منتقل ہوتی ہیں۔

ثانیاً: حق تعالیٰ شانہ کی عنایت خاصہ ان اکابر کے شامل حال ہوتی ہے، اس لیے ان کا ذکر خیر رحمت خداوندی کے نزول کا سبب ہے، چنانچہ بزرگوں کا ارشاد ہے: عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة صالحین کے ذکر خیر کے وقت رحمت کا نزول ہوتا ہے، راز اس کا یہ ہے کہ محبوب کا ذکر بھی محبوب ہوتا ہے، اس لیے عنایت خداوندی ان لوگوں کی طرف بھی متوجہ ہوجاتی ہے، جو تعلق ومحبت سے کسی مقبول ومحبوب بندہ کا ذکر بالخیر کرتے ہیں۔ هم القوم لایشقی بهم جلیسهم

ثالثاً: ان کے صبر واستقامت، اخلاص وللّٰہیت، ریاضت ومجاہدہ، عزیمت وتوکل کے حالات وواقعات شاہراہ انسانیت کی روشن قندیلیں ہیں، جن کی روشنی سے انسانیت کے گم گشتہ قافلے راہ پاتے ہیں، ان کا نقش پا آئندہ نسلوں کے لیے جادۂ منزل بن جاتا ہے،

اور قافلۂ انسانیت ان کی پامال راہ پر چل کر فلاح وکامرانی کی منزل پالیتا ہے۔

رابعاً: ان مقبولان بارگاہ کا وجود ہر زمانے میں حقانیت اسلام کی دلیل وبرہان رہا ہے، اوران کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر قائم ہوتی رہی ہے، اس لیے ان اکابر کا تذکرہ گویا اسلام کی سدا بہاری کی داستان ہے، اوراس کے اس اعجازی پہلو کو اجاگر کرنا ہے۔

(حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی ان کے خلفاء کرام ۱/ ۲۳، ۲۴)

صاحب فتاوی کا تعلق ضلع بھروچ سے ہے، ضلع بھروچ گجرات کا قدیم ترین اور مشہور ترین ساحلی علاقہ ہے، اس کے ساتھ ماضی کی عظیم اسلامی یادگاریں وابستہ ہیں، ماضی میں سرزمین بھروچ سے متعدد تاریخ ساز شخصیتیں اٹھیں اوروہ آسمانِ علم وعمل پر نیر اعظم بن کر چمکیں، اسی زرین سلسلہ کی ایک کڑی صاحب فتاوی ہیں۔

مقدمہ شروع کرتے وقت خیال بھی نہیں تھا کہ اتنا طول پکڑے گا مگر خوش گوار یادوں اورلذیذ ترین احوال کے ذکر نے ایسا محو کیا کہ ضخامت کا اندازہ بھی نہ ہو پایا، چوں کہ موضوع دوسرا ہے اس لیے بادل ناخواستہ قلم روکنا پڑا۔

قلم بشکن، سیاہی ریز، کاغذ سوز، دم درکش
حسن ایں قصۂ عشقت در دفتر نمی گنجد

اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت سے امید ہے کہ حضرت مفتی صاحب کے حالات وتجربات علوم دینیہ اور مدارس عربیہ کے اساتذہ وطلبا کے لیے سرمۂ بصیرت ثابت ہوں گے۔

وما ذلك على الله بعزيز.

اس مجموعہ کا نام ''محمود الفتاویٰ'' حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے منتخب فرمایا ہے، جس میں حضرت کے محبوب شیخ فقیہ الامت حضرت مولانا اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی

نوراللہ مرقدہ کی ذات بابرکت کی طرف مبارک انتساب ہے۔

جن لوگوں کو اپنے مرشد سے والہانہ تعلق ہوتا ہے، ان کو اپنے تمام کاموں میں ان ہی کا جلوہ نظر آتا ہے، ہمارے اکابر میں حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ (م ۱۳۶۳ھ) کو اپنے شیخ سید الطائفہ حضرت اقدس حاجی امداداللہ صاحب نوراللہ مرقدہ (م ۱۳۱۷ھ) سے جو تعلق وشغف تھا اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ''عیاں راچہ بیاں''، اسی بنا پر حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ نے اپنے سارے ہی کاموں کو شیخ کے نام سے موسوم فرمایا، خانقاہ کا نام ''خانقاہ امدادیہ'' اور مدرسہ کا نام ''امداد العلوم'' رکھا، اپنے فتاوی کا نام ''امداد الفتاوی'' رکھا، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ (م ۱۳۹۴ھ) نے وہاں فتاوی کا کام شروع کیا تو اس کا نام ''امداد الاحکام'' رکھا، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نوراللہ مرقدہ (م ۱۳۹۶ھ) کے فتاوی کا نام ''امداد المفتین'' رکھا۔

ہمارے حضرت مفتی صاحب کو اپنے شیخ کے ساتھ کچھ ایسا ہی شغف ہے، اسی سبب سے اپنے کاموں کو شیخ کی طرف منسوب فرماتے ہیں، چنانچہ جامعہ کی خانقاہ کا نام ''خانقاہ محمودیہ'' زباں زد ہے، اپنا جدید رہائشی مکان جس قطعۂ زمین پر تعمیر کروایا اس کا نام ''محمود نگر'' رکھا، اپنے فتاوی کا نام ''محمود الفتاویٰ'' رکھا، سورت میں جس مکتبہ سے حضرت کی کتابیں نشر ہوتی ہیں، اس کا نام ''شعبۂ فیض محمود'' رکھا، اس کے علاوہ کئی اداروں کا نام ''جامعہ محمودیہ'' رکھا، اپنے متعلقین کے کئی نومولود کا نام ''محمود'' رکھا، مسترشد اور مرشد کے نام کا مادۂ اشتقاق بھی ایک ہی ہے، خود اس کا تقاضہ بھی یہی تھا۔

تا کس نہ گوید بعد ازیں		من دیگرم تو دیگری

اخیر میں راقم الحروف ان تمام حضرات کا تہہ دل سے شکر گزار ہے جنہوں نے اس

مجموعہ کی تیاری میں نقل کتابت سے لے کر طباعت تک کے کسی بھی مرحلے میں حصہ لیا، باری تعالیٰ ان تمام کی خدمت کو شرف قبولیت عطا فرما کر مزید خدمات علمیہ و دینیہ کے لیے موفق فرمائے آمین۔

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ اور ہزار ہا ہزار احسان ہے کہ اس نے محض اپنے لطف و کرم سے اس مجموعہ کو مرتب کرنے کی مجھے توفیق بخشی، اور اس بہانہ حضرت مدظلہ کی خدمت کا ایک موقع میسر آیا۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہتِ گل		نسیم سحر یہ سب تیری مہربانی

گرچہ از نیکاں نیم لیکن بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض آفرینش رشتۂ گلدستہ ام

اللہ تعالیٰ فتاوی کے اس مجموعہ سے تمام مسلمانوں کو نفع پہنچائے اور اپنی بارگاہ عالیہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم ؛ آمين بحرمة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وآله وصحبه وسلم تسليماً كثيراً كثيراً .

صاحب فتاویٰ
کے
حالاتِ زندگی

باب اول

حالات وکوائف

ولادت

آپ کی پیدائش ۲۷/ذی القعدۃ ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۴/ستمبر ۱۹۴۶ء بروزِ منگل رات کو دس بجے ہوئی۔ جائے پیدائش ''خانپور'' ہے جو ''جمبوسر'' سے آٹھ کلومیٹر پر ضلع بھروچ میں واقع ہے، خانپور کو خانپوردہ بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کا خاندان

آپ کے دادا صاحب اصلاً ''سارود'' (ضلع بھروچ) کے باشندے تھے، خانپور میں انھوں نے شادی کی تھی، مفتی صاحب کے والد صاحب مدتِ رضاعت میں تھے اسی دوران ان کے والد یعنی مفتی صاحب کے دادا صاحب کا انتقال ہوگیا تھا، بعض مصالح کی بناپر مفتی صاحب کی دادی صاحبہ اپنے بچوں سمیت اپنے میکہ خانپور میں اپنے بھائیوں کے پاس آگئیں اور باقی زندگی خانپور ہی میں گزارنا طے کرلیا، مفتی صاحب کے والد صاحب جب کچھ بڑے ہوئے اور تعلیم وتربیت قبول کرنے کی عمر کو پہنچے تو دادی صاحبہ نے اپنے لڑکے (مفتی صاحب کے والد صاحب) کو تعلیم وتربیت کے خاطر احمد آباد کے مشہور ''سلطان احمد'' نامی یتیم خانہ میں بھیج دیا۔

والدین گرامی قدر

والد صاحب کا نام محمد تھا، اگرچہ عالم تو نہیں تھے؛ مگر صوم وصلاۃ اور تہجد کے پابند ایک دیندار انسان تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے بیعت کا شرف بھی حاصل تھا۔

۱۹۵۶ء میں جمعیت علمائے ہند کا انیسواں اجلاسِ عام سورت گجرات میں منعقد ہوا جس کی مسندِ صدارت کو حضرت مدنیؒ نے رونق بخشی تھی۔ اس وقت حضرت مدنیؒ نے ضلع بھروچ کے گاؤں گاؤں کا دورہ فرمایا تھا، اسی موقع سے مفتی صاحب کے والدین حضرت مدنیؒ کے دستِ بابرکت پر بیعت سے مشرف ہوئے۔ بچپن میں خود مفتی صاحب کو بھی حضرت مدنیؒ کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔

والد ماجد کا انداز تربیت

آپ کے والد بزرگوار کو فنِ حساب اور گجراتی زبان میں مہارت حاصل تھی، متعدد جگہوں پر اسکول میں ٹیچر کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے رہے، اخیر میں خانپور میں لڑکیوں کے اسکول (کنیا شالہ) میں ماسٹر رہے، مدتِ خدمت پوری ہونے کے بعد ریٹائرڈ ہو گئے۔ تربیت کے معاملے میں نہایت سخت اور چوکنّا تھے، اپنے بچوں کی تربیت کا یہ حال تھا کہ شام کے کھانے کے وقت سب بچوں کو دسترخوان پر بٹھلاتے، کھانا نکالنے سے پہلے مسنون دعائیں اور نماز کا طریقہ سنتے، پھر کھانا نکالنے کا حکم فرماتے، ان کی اسی تربیت کی وجہ سے مفتی صاحب بچپن ہی سے تہجد کے عادی ہو گئے۔

مفتی صاحب کی تربیت اور ان کا دینی ذہن بنانے کے لیے ان کی تادیب وتنبیہ کے عجیب قصے ہیں:

ناجائز چپل- جوتے پہننے میں احتیاط

چوں کہ بچپن ہی سے والد صاحب نے نماز کا پابند بنا رکھا تھا، ایک روز یہ واقعہ پیش آیا کہ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد مسجد سے باہر نکلے تو دیکھا کہ چپل ندارد، آپ تھوڑی دیر ٹھہر گئے کہ شاید کوئی بھول سے چپل پہن گیا ہوگا، احساس ہوگا تو واپس آکر رکھ دے گا؛ البتہ ایک جوڑی چپل رکھے ہوئے تھے جو آپ کے چپل کے مشابہ تھے، جس سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید اسی کا مالک پہن گیا ہوگا، پھر بھی آپ نے مزید احتیاط یہ کی کہ جب تمام مصلی مسجد سے باہر نکل جائیں پھر کوئی قدم اٹھایا جائے، چناں چہ تمام مصلی کے نکلنے تک انتظار میں بیٹھے رہے، جب پوری مسجد خالی ہوگئی، ایک بھی مصلی باقی نہ رہا، تو سابق شبہ میں پختگی پیدا ہوگئی، اور یقین کرلیا کہ جو چپل رکھے ہوئے ہیں اسی کا مالک میرا چپل پہن گیا ہے، اسی بنیاد پر آپ نے وہ چپل پہن لیے۔ جب گھر پہنچے اور والد صاحب کو پیش آمدہ واقعہ کا علم ہوا تو فرمایا کہ: جب اس کا مالک آئے گا اپنے چپل تلاش کرے گا تو نہ پاکر پریشان ہوگا، اس کی کیا گارنٹی کہ تمہارے چپل وہی شخص پہن گیا ہے۔ بہر حال! پہنے ہوئے چپل واپس کرنے اور مسجد جاکر چپل چھوڑ آنے کا حکم صادر فرمایا۔

تجربہ ہے کہ بچپن کی تعلیم وتربیت کا اثر زندگی بھر رہتا ہے، بچپن کی اس تعلیم وتربیت کا اثر کہنا چاہیے کہ ایک مرتبہ ڈابھیل سے دیوبند جاتے ہوئے مفتی صاحب دہلی میں حاجی منصور صاحب کے مکان میں قیام پذیر تھے، حاجی منصور صاحب فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے خصوصی میزبان ہیں، حضرت فقیہ الامت کی خدمت میں آنے جانے والے مہمانوں کے لیے ان کا مکان آرام دہ ثابت ہوتا، اور وہ خوب خدمت کرتے۔

چندروز کے بعد راقم الحروف کو دیوبند کے سفر میں ان کے مکان پر قیام کی نوبت آئی، اس وقت حاجی منصور صاحب نے سنایا کہ ”مفتی صاحب کے جوتے سُوّر کے چمڑے سے بنائے گئے تھے، ان کو پتہ نہیں تھا، بتایا کہ یہ تو سور کے چمڑے سے بنے ہیں تو فوراً نکال دیے اور دوسرے جوتے یا چپل پہن لیے۔ حالاں کہ وہ جوتے بہت قیمتی اور باہر کے کسی ملک کے بنے ہوئے تھے، لیکن جب علم ہوا تو ایک گھڑی بھی ایسے ناجائز جوتے پہنے رکھنا گوارا نہیں کیا“۔

رات بھر گھر کی چوکھٹ میں

آپ کے والد صاحب کی سخت تربیت کا ایک اور واقعہ ملاحظہ کر لیجئے، بچوں کو آوارہ گردی سے بچانے کے لیے والد صاحب نے سب کو اس کا پابند بنا دیا تھا کہ عشا کے بعد جلد گھر آنا ہر چھوٹے بڑے کے لیے لازم ہوگا، چناں چہ مقررہ وقت پر گھر کا دروازہ بند کر دیتے۔ بچپن میں اتفاق سے ایک روز رات کو مفتی صاحب دیر سے پہنچے، دیکھا کہ دروازہ بند ہو چکا ہے، دروازہ پر دستک دی، کسی نے نہیں کھولا، آپ کی والدہ اور دیگر بھائی بہنوں میں سے کسی کی ہمت نہیں تھی کہ والد صاحب کے اشارے کے بغیر کھولے، بار بار دستک دی؛ مگر کسی نے نہیں کھولا؛ چناں چہ پوری رات گھر کی چوکھٹ پر بادلِ ناخواستہ گزارنی پڑی، صبح کی نماز کے بعد گھر میں داخل ہونے کی اجازت ملی۔

والد کا سفر حج اور اولاد کے حق میں دعا

آپ کے والد صاحب کی معاشی حالت متوسط درجہ کی تھی، اسکول ٹیچر جب تک

رہے اسکول کی تنخواہ اور بعد میں پینشن پر گزارہ تھا، پھر بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسے حالات میں حجِ بیت اللہ کی سعادت نصیب فرمائی۔

۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء میں بذریعہ آبی جہاز حج کا سفر کیا، اس سفر میں انہوں نے اپنی اولاد کے لیے دعاؤں کا خوب اہتمام کیا، جس کا اظہار وہاں کے قیام کے دوران بذریعۂ خطوط کرتے رہتے تھے۔ ان دعاؤں میں سے ایک دعا جو بیت اللہ کے روبرو یا بیت اللہ شریف کے سایہ میں کی، یہ تھی کہ: ''یا اللہ میری تمام اولاد کو حج کی سعادت نصیب فرما'' ان کی دعا الحمدللہ قبول ہوئی اور تمام اولاد کو حج کی توفیق وسعادت میسر آئی، حالاں کہ جس وقت دعا کی گئی تھی اس وقت ان کی مالی حالت کے اعتبار سے دور دور تک اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اولاد میں سے کوئی حج کا سفر کر سکے، لیکن یہ سفر بندے کے دست وبازو اور اس کی تدبیروں کا نہیں بلکہ توفیقِ خداوندی کا رہینِ منت ہوتا ہے، جس کی التجا سن لی گئی اس کو بے بضاعتی کے باوجود توفیق بخشی جاتی ہے، جبکہ حویلیوں اور محلوں میں رہنے والوں کو وسائل اور ذرائعِ آمد ورفت کے باوجود ربِ کریم کے دربار میں حاضری نصیب نہیں ہوتی۔

مفتی صاحب کے حق میں والد گرامی کی دعا تو ایسی قبول ہوئی کہ سب بھائی بہنوں سے زیادہ انہیں حج کی سعادت حاصل ہوئی۔

بلکہ ۱۴۲۷ھ میں اعزاز واکرام کے ساتھ بیت اللہ شریف میں سنت طریقہ کے مطابق جن ستونوں کے مابین حضور ﷺ نے فتحِ مکہ کے موقع پر نماز پڑھی تھی اسی جگہ بیت اللہ شریف کے اندر نماز کی توفیق وسعادت عطا ہوئی۔

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

والد صاحب کا انتقال

والد صاحب کا انتقال ۱۹۶۸ء میں خانپور میں ہوا۔ انتقال جمعہ کے روز ہوا جس کی وہ مدتوں سے تمنا اور اوروں سے دعا کی گذارش کیا کرتے تھے، ان کے انتقال کے بعد تعزیت کے طور پر مولوی اسماعیل احمد بھائی جی صاحب نے ایک خط مفتی صاحب کے نام لکھا تھا جس کا ابتدائی حصہ یہ ہے:

''والد صاحب کی موت یقیناً ایک ایسی موت ہے کہ رشک کیا جائے، کیوں کہ ایک تو جمعہ کا دن کہ جس دن کے انتقال پر مغفرت کا وعدہ، ثانیاً صبح کا سنہرا وقت، اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ موت تک ایک بھی نماز قضا نہیں ہوئی، عشا کی نماز پڑھ کر سو گئے اور فجر کی اذان سنتے سنتے اس فانی دنیا سے تشریف لے گئے نہ گھر والوں کو کوئی تکلیف، نہ پرایوں کو، بلکہ صبح میں نیند سے اٹھ کر سب نے جانا کہ انتقال ہو گیا ہے۔ الخ

احقر اسماعیل احمد بھائی جی

والدہ صاحبہؒ کا انتقال

حضرت والد صاحبؒ کے انتقال کے تقریباً گیارہ سال بعد والدہ صاحبہؒ کا انتقال بھی یومِ جمعہ کو بہ وقتِ عصر، ۱۴ رشوال ۱۳۹۹ھ، مطابق ۷ ستمبر ۱۹۷۹ء کو ہوا، جس پر حضرت فقیہ الامتؒ نے تعزیتِ مسنونہ پیش کرتے ہوئے تحریر فرمایا تھا کہ پہلا گرامی نامہ ملا، جس میں محترمہ والدہ صاحبہ کی علالت کا تذکرہ تھا، پھر ان کے انتقال کی خبر پہنچی، خدا تعالیٰ ان کو آغوشِ رحمت میں جگہ دے، لطف وکرم کا معاملہ فرماوے، کوتاہیوں سے درگذر کرے، آپ سب کو صبرِ جمیل دے، تمام اہلِ خانہ کو عافیت سے رکھے۔ یہاں بھی

ایصال ثواب کر دیا ہے، وہاں تو آپ کرتے ہی ہوں گے، اب تو یہی مرحومہ کے ساتھ حقیقی خیر خواہی ہے، للہ ما اعطیٰ ولہ ما اخذ ولکل شئی عندہ اجل مسمیٰ فصبر جمیل . (دیکھیے مکتوبات فقیہ الامت: ۲۲۸/۴)

ابتدائی دینی تعلیم

حضرت مفتی صاحب نے ابتدائی دینی و دنیوی تعلیم وطنِ مالوف خانپور کے مکتب میں مذکورۂ ذیل اساتذہ سے حاصل کی:

تختی، قاعدہ - حافظ ابراہیم قاضی صاحب

پارۂ عم اور کچھ ناظرۂ قرآن - حافظ حسن شاہ خانپوری

قرآن شریف ناظرہ اور اردو کی ابتدائی کتابیں - مولانا محمد امین اسماعیل قاضی ٹنکاروی (جو دار العلوم اشرفیہ راندیر سورت کے فارغ التحصیل تھے۔)

چوں کہ آپ کے والد صاحب کا شروع ہی سے دینی تعلیم دلانے کا فیصلہ تھا، اس لیے جس دن ناظرہ قرآن شریف ختم ہوا، اس روز گھر میں بہارِ مسرت چھا گئی اور باقاعدہ کھیر و حلوا پکانے کا حکم دیا، جس سے آپ کی حوصلہ افزائی مقصود تھی۔

ابتدائی عصری تعلیم

اسکول کی پوری تعلیم ابتدا سے ساتویں جماعت تک خانپور میں حاصل کی، آپ کے والد صاحب خود ایک ماہر ماسٹر تھے، کئی سال تک اسکول میں پڑھانے کا تجربہ تھا، اسکول کا ہوم ورک خود اپنی نگرانی میں مکمل کراتے، پہاڑے زبانی سنتے، بعض مرتبہ اسی مشغولی کی وجہ سے اسکول جانے میں دیر ہو جاتی تو اس زمانے کے قدرداں ماسٹر صاحبان آپ کو

بلانے کے لیے دیگر طلبۂ اسکول کو آپ کے گھر بھیجتے، وہ طلبہ جب آکر دیکھتے کہ آپ اپنے والد صاحب کے پاس سیکھ رہے ہیں، تو وہ بھی والد صاحب کے نرالے انداز وشگفتہ بیانی سے متأثر ہوتے اور نتیجہ یہ ہوتا کہ آپ کو لے کر جانے کے بجائے آنے والے طلبہ خود سبق میں شریک ہوجاتے۔

اسکول میں جن ماسٹر صاحبان سے پڑھنے کا موقع ملا ان میں سے چند یہ ہیں:

① ماسٹر حسن صاحب جو رشتے میں آپ کے خالو بھی ہیں۔

② ماسٹر محمد موسیٰ خانپوری ثم آچھودی۔

③ ماسٹر اسماعیل احمد پٹیل معروف بہ ''جناب''۔

آپ تمام جماعتوں میں معیاری نمبرات سے کامیاب ہوئے، ساتویں کلاس کا امتحان جمبوسر اسکول میں دیا، اس دور میں ساتویں کا امتحان فائنل کا درجہ رکھتا تھا جس کے بعد سرکاری ملازمت بھی مل سکتی تھی۔

والد صاحب کا فیصلہ

خانپور میں قاعدہ، قرآن شریف اور اردو کی ابتدائی تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے بعد جب عصری تعلیم کی تکمیل کا مرحلہ آیا تو مفتی صاحب کے بڑے بھائی جناب ابراہیم صاحب نے آپ کو مزید حصولِ تعلیم کے لیے احمد آباد لے جانا چاہا، بڑے بھائی دنیوی تعلیم یافتہ تھے، وہ احمد آباد میں مقیم تھے اور ایک ٹھیکیدار ہونے کی حیثیت سے مکانات بنوانے کا کام کرتے تھے۔ بڑے بھائی کا ارادہ دنیوی تعلیم میں آگے بڑھانے کا تھا چناں چہ بھائی نے والد صاحب سے بہ اصرار کہا کہ: احمد کو احمد آباد بھیج دیجیے، میں وہاں اس کو انگریزی پڑھانا چاہتا ہوں۔

ایک متشرع اور دینی ذہن رکھنے والے والد کا وہی جواب تھا جو حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب کے والد ماجد نے ایک انگریزی کلکٹر کو دیا تھا، اس کلکٹر نے اصرار سے کہا تھا کہ اس بچہ (مولانا نعمانی) کو مقامی ہائی اسکول میں بھیج دیا جائے اور ساتھ ہی میں تحصیل دار اور پھر ڈپٹی کلکٹر بننے کے خواب دکھلائے تھے۔ مولانا نعمانی کے والد صاحب کا آخری جواب یہ تھا کہ ''میں اس کو دینی تعلیم دلانے کی کوشش کروں گا جس سے مجھے قبر میں اور اس کے بعد کچھ ملتا رہے گا''۔

چناں چہ مفتی صاحب کے والد ماجد نے آپ کے بڑے بھائی کو جواب دیا ''میں نے احمد کو اپنی آخرت کے لیے رکھ چھوڑا ہے، اس لیے اس کو نہیں بھیج سکتا''۔

والد صاحب کا یہ فیصلہ ممکن ہے کہ بڑے بھائی کے لیے ناگواری کا باعث ہوا ہو؛ مگر آج اس کی قدر بیان کرنے کے لیے کوئی لفظ کافی نہیں ہے۔ ان کا یہ فیصلہ ان کی اپنی ذات کے لیے تو اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام اور موجبِ ثمراتِ اخروی ثابت ہو ہی چکا، اور بعد والوں کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی عظیم نعمت ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مفتی صاحب کو خلقِ عظیم کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنایا ؎

روح پدرم شاد کہ باستاد مرا گفت	❁	کہ فرزندِ مرا عشق بیاموز دگر ہیچ

(اللہ تعالیٰ میرے والد کی روح پر رحمت کرے کہ انہوں نے میرے استاد سے فرمایا تھا کہ میرے بیٹے کو بس عشق سکھا دیجئے باقی کچھ نہیں چاہیے)۔

دار العلوم اشرفیہ کا انتخاب

خانپور میں ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد آپ نے دار العلوم اشرفیہ راندیر کا

رخ کیا۔ گجرات میں اس وقت چار مشہور درس گاہیں تھیں: ① دار العلوم اشرفیہ راندیر ② جامعہ حسینیہ ③ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ④ مدرسہ تعلیم الاسلام آنند۔

مکتب میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد عموماً مزید تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ ان ہی اداروں میں آکر طلبِ علم کی پیاس بجھاتے، اپنی زندگی کے سنہرے ایام وہاں کی روح پرور اور ایمان افروز فضاء میں گزارتے، اور وہاں کے علمی سوتوں سے بقدرِ توفیقِ الٰہی اپنی روح کو سیراب کرتے، جذبۂ شوق نے مفتی صاحب کو بھی کھینچا۔ راندیر کا ہی انتخاب اس لیے کیا گیا کہ وہاں آپ کی بڑی بہن کی شادی ''منشی بیکار'' صاحب کے بڑے صاحب زادے سے ہوئی تھی۔ ''منشی بے کار'' صاحب اصلاً خانپور کے تھے، بعد میں راندیر کو وطن بنالیا تھا، مفتی صاحب کے والد کے جگری دوست تھے۔

آپ کے بہنوئی کے والد- جن کا نام منشی ابراہیم دادا بھائی، تخلص ''بیکار'' ہے- گجراتی زبان کے صاحبِ طرز ادیب وانشا پرداز ہونے کے ساتھ شاعر بھی تھے، مزاحیہ ادیب تھے، وہ صاف وسادہ، رواں دواں اور شگفتہ نثر لکھتے تھے، انہوں نے گجراتی زبان میں مختلف موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں، مولانا عبدالرحیم غلام محمد صادق کے مشہور ترجمۂ قرآن کی نوک و پلک اور اس میں ادیبانہ چاشنی پیدا کرنے کی خدمت ''منشی بیکار'' صاحب نے انجام دی ہے۔

اُس دور میں گجراتی زبان میں نکلنے والے مشہور اخبار ''پٹیل متر'' کے ایڈیٹر تھے، نیز ایک دوسرے اخبار ''صادق'' کے نائب ایڈیٹر رہے، ایک خاص طرز کی انشائیہ نگاری میں بڑی شہرت حاصل کی، واقعہ یہ ہے کہ ''بے کار'' صاحب بڑے کام ونام والے شخص تھے، اصلاً ان کا سرنیم ''پٹیل'' ہے؛ مگر انہوں نے شاعر ہونے کی حیثیت سے اپنا تخلص

''بے کار'' رکھا تھا اور اسی تخلص سے مشہور تھے۔ ''بے کار'' صاحب کے دار العلوم اشرفیہ کے مہتمم مولانا احمد اشرف سے اچھے روابط تھے۔ اسی بنیاد پر مفتی صاحب کے والد صاحب نے آپ کو دار العلوم اشرفیہ راندیر بھیجنے کا فیصلہ فرمایا۔

دار العلوم اشرفیہ میں

دستور کے مطابق آپ کے والد صاحب نے مہتمم صاحب کی خدمت میں درخواست کے طور پر خانپور سے راندیر خط روانہ کیا جس کا مضمون یہ تھا:

''مہربان مہتمم صاحب دار العلوم اشرفیہ!

آپ کی خدمت میں عرض ہے کہ میرا لڑکا احمد محمد اکو جی نامی۔ عمر تقریباً بارہ سال ہے۔ اس سال گجراتی میں سات کلاس تک تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ فائنل کا امتحان دے چکا ہے، اردو اچھی طرح پڑھنے پر قدرت حاصل ہے، تعلیم الاسلام ''دینی تعلیم'' کے دو حصے اور قرآن شریف ناظرہ مکمل کیا ہے، عالم کورس میں داخل کرنے کے لیے آپ کے مدرسہ میں داخلہ کی درخواست ہے۔ لڑکا محنتی ہے، توجہ ولگن کے ساتھ پڑھنے کا کام کرے گا۔

لہٰذا اس سال آپ کے ہاں داخلہ فرما کر ممنون کریں۔ راندیر میں ''منشی بیکار صاحب'' ہمارے احوال سے بخوبی واقف ہیں۔ ان کا مشورہ (عندیہ) معلوم فرمالیں۔ جواب دے کر احسان فرماویں۔ بفضلہٖ تعالیٰ اس علاقہ میں علم کا شوق وذوق بڑھ رہا ہے، اس کی ترقی ہونی چاہیے، آپ جیسے بڑے عالم کی زیر تربیت لڑکا اچھی تعلیم وتربیت پائے گا ایسی توقع ہے۔ ''بیکار صاحب'' کی فرمائش پر ہم نے یہ درخواست تحریر کی ہے، اسے منظور فرمالیجئے۔ ۲۶/ اپریل ۱۹۵۸ء

درخواست منظور ہوگئی، آپ رختِ سفر باندھ کر والد صاحب کی معیت میں راندیر پہنچے اور ۸ /مئی ۱۹۵۸ء میں دار العلوم اشرفیہ میں داخلہ لیا۔ فارسی اول سے دورۂ حدیث تک مکمل درسِ نظامی کی تعلیم دار العلوم اشرفیہ میں حاصل کی، خوب محنت سے پڑھا، امتحانات میں اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے، امتحان کے بعد نتیجۂ امتحان والد صاحب کو بتلانا ضروری ہوتا، تاخیر ہونے پر وہ یاد دہانی پر مشتمل خط تحریر فرماتے۔

آیئے آپ کے نتیجۂ امتحانات پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں جس سے آپ کی محنت ذہانت اور استعداد کا اندازہ ہو سکے گا۔

مختلف درجات میں حاصل کردہ نمبرات

درجۂ فارسی اول کے نمبرات

سہ ماہی امتحان (سہ شنبہ، چہار شنبہ ۱۳۷۸ھ)

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	چہل سبق	۴۸
۲	صفوۃ المصادر	۵۰
۳	رہبر فارسی	۴۷
۴	تحریر	۵۰

ششماہی ۵۔۶۔۷ جمادی الاول ۱۳۷۸ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	گلزارِ دبستاں	۴۷

۲	کریما	۵۰
۳	پندنامہ	۵۰
۴	مصدرِ فیوض	۴۹
۵	تحریر	۴۹

درجۂ فارسی اول کی تکمیل پر آپ کے والد صاحب کے خط کے جواب میں اہل مدرسہ نے سالانہ امتحان کے حاصل کردہ نمبرات کی اطلاع دیتے ہوئے لکھا:

''خط ملا، پڑھ کر حقیقتِ حال سے واقفیت ہوئی۔ آپ کے لڑکے نے عمدہ نمبرات سے کامیابی حاصل کی ہے، فکر نہ کریں، اپنی جماعت کے اٹھارہ طلبہ میں چوتھے نمبر پر کامیاب ہوا۔ نمبرات حسبِ ذیل ہیں:

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	چہل سبق	۵۰
۲	آمدنامہ	۴۸
۳	رہبرِ فارسی	۴۹
۴	کریما	۵۰
۵	پندنامہ	۵۰
۶	نامِ حق	۵۰
۷	گلزار دبستاں	۵۰
۸	مصدر فیوض	۵۰

۹	لغاتِ فارسی	۴۸
۱۰	تحریر	۵۰

اخلاق اچھے ہیں، پڑھنے میں بہت محنت کرتا ہے، اور محنت سے پڑھتا رہتا ہے، فکر نہ کریں، آئندہ سال درخواست دینے کی ضرورت نہیں۔ خانپور میں ملاقات کے وقت مزید حقیقتِ حال سے واقف کروں گا، فکر نہ کریں۔ بعد جلسہ دو ماہ کی تعطیل رہے گی۔ سب کو سلام

از قلم: محمد رجب ترکیسری، جمعرات ۱۲/ فروری ۱۹۵۹ء

درجۂ فارسی دوم کے نمبرات

امتحان سہ ماہی میں حاصل کردہ نمبرات

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	بوستاں	۴۸
۲	گلستاں	۵۰
۳	چہار باب	۴۸
۴	تحریر	۵۰

کل نمبر ۲۰۰ (میں سے) ۱۹۶

امتحان ششماہی میں حاصل کردہ نمبرات

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	مالابدمنہ	۵۰
۲	بوستاں	۵۰

۳	گلستاں	۵۰
۴	اخلاقِ محسنی	۵۰
۵	تحریر	۵۰

امتحانِ سالانہ میں حاصل کردہ نمبرات

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	مالابدمنہ	۵۰
۲	گلستاں	۴۹
۳	چہار باب	۵۰
۴	اخلاقِ محسنی	۵۰
۵	بوستاں	۵۰
۶	مصدرِ فیوض	۵۰
۷	تحریر	۵۰

۳۵۰ میں سے حاصل کردہ کل نمبرات ۳۴۹

نوٹ: احمد کا نصابِ فارسی مکمل ہوا۔

کتبہ: احقر سید احمد بخاری (بمبوی) تاریخ ۱۷/۲/ سنہ ۱۹۶۰ء

درجۂ عربی اول کے نمبرات

(امتحان سالانہ) پہلے نمبر پر کامیابی حاصل کی

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	معلم الانشاء	۴۹

۲	تحریر	۴۹
۳	صرف میر	۵۰
۴	میزان منشعب	۵۰
۵	عربی زبان کا قاعدہ	۵۰
۶	مفید الطالبین	۴۵
۷	علم النحو	۴۵
۸	روضۃ الادب	۵۰
۹	عربی کا معلم	۵۰

۴۵۰ میں سے حاصل کردہ نمبرات ۴۳۸

درجۂ عربی دوم کے نمبرات

مفتی صاحب نے اپنے والد گرامی کو بعد امتحان سہ ماہی نمبرات کی اطلاع دیتے ہوئے تحریر فرمایا:

بعد سلام اطلاعاً عرض ہے کہ ہمارا سہ ماہی امتحان ہو چکا ہے اس میں میں نے نمبر اول پر کامیابی حاصل کی۔ نمبرات حسبِ ذیل ہیں:

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	قلیوبی	۵۰ میں سے ۴۶
۲	نور الایضاح	// ۴۹
۳	علم الصیغہ	// ۵۰

۴	شرح مأۃ عامل	//	۵۰
۵	معلم الانشاء	//	۵۰
۶	تیسیر المنطق	//	۴۶
۷	صغریٰ	//	۴۵
۸	تحریر	//	۴۴

کل ۴۰۰ میں سے حاصل کردہ نمبرات ۳۸۰

فقط تحریر کنندہ: احمد

اسماعیل ماموں اور اہلِ خانہ کو سلام۔ ماہِ صفر ۱۳۸۱ھ

درجۂ عربی سوم کے نمبرات

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبراتِ مقررہ	امتحانِ سہ ماہی	ششماہی	سالانہ
۱	کنز الدقائق	۵۰	۵۱	۴۸	۵۰
۲	شرح جامی	۵۰	۵۰	۴۵	۴۹
۳	اصول الشاشی	۵۰	۵۰	۴۸	۵۰
۴	نفحۃ العرب	۵۰	–	۵۰	۵۰
۵	دروس التاریخ	۵۰	–	–	۴۶
۶	شرح تہذیب	۵۰	–	–	۵۱
۷	مرقاۃ	۵۰	–	–	۵۰
۸	تحریر	۵۰	۵۰	۴۸	۴۸
کل نمبرات: ۴۰۰۔ حاصل کردہ نمبرات			۲۰۱	۲۳۹	۳۹۴

درجۂ عربی چہارم کے نمبرات

نمبر شمار	اسمائے کتب	امتحان سہ ہی	ششماہی	سالانہ
۱	نور الأنوار	۵۰	۵۱	۵۰
۲	شرح وقایہ	۵۰	۵۰	۵۰
۳	مقاماتِ حریری	۴۸	۴۸	۴۵
۴	قطبی	۵۱	۴۳	۴۹
۵	ترجمۂ قرآن مجید	-	۵۰	۴۹
۶	املاء	۵۰	۵۰	۴۳
۷	میزان الطب	-	-	۴۳

تمام امتحانات میں اول نمبر حاصل کیا۔ احمد محمد منشی

درجۂ عربی پنجم کے نمبرات

آپ کے والد صاحب نے مہتمم صاحب کے نام کارڈ لکھا ہوگا، اس کا جواب ان الفاظ میں دیا گیا:

ازراندیر، محترم جناب منشی محمد صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد از سلام مسنونہ!

آپ کا کارڈ موصول ہوا، آپ کا لڑکا ذہین وہوشیار ہے، محنتی ہے، اس کو ہم بھی یہاں آفس میں کام کے لیے بلاتے ہیں۔۔۔۔ باقی سالانہ امتحان کے نمبرات حسبِ ذیل ہیں۔

ہمارے یہاں پچاس نمبرات میں سے نمبرات دیے جاتے ہیں۔ احمد کی جماعت میں کل نو طالبِ علم ہیں جس میں احمد اول نمبر کامیاب ہوا ہے۔

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	ترجمۂ قرآن مجید	۵۰
۲	متنبی	۵۱
۳	ہدیہ سعیدیہ	۴۶
۴	فلسفہ	۴۹
۵	تحریر	۴۹
۶	ہدایہ اولین	۴۸
۷	مختصر المعانی	۴۸
۸	شرح عقائد	۵۰
۹	حسامی	۵۰
۱۰	کتاب تجوید (فنِ قراءت)	۵۰
۱۱	مشق قراءت	۴۸

فقط والسلام

احقر احمد عارف اشرف راندیری، غفرلہ مدیر دار العلوم اشرفیہ راندیر ضلع سورت

درجۂ عربی ششم کے نمبرات

نمبر شمار	اسمائے کتب	سہ ماہی	شش ماہی	سالانہ
۱	جلالین شریف	۵۱	۴۵	۴۸

۲	مشکوٰۃ شریف	۵۱	۵۱	۴۸
۳	ہدایہ اخیرین	۵۰	۴۵	۵۱
۴	سراجی	۴۵	۵۱	۴۹
۵	الفوز الکبیر	۴۹	–	۵۰
۶	نخبۃ الفکر	۴۷	–	۵۰
۷	املاء	–	–	۴۹

درجۂ قراءت میں سالانہ امتحان کے نمبرات:

تجوید----------۵۰

قراءت----------۴۷

متعلق:- احمد محمد خانپوری

۷/شعبان المعظم ۱۳۸۵ھ-----یکم دسمبر ۱۹۶۵ء

امتحان سالانہ درجۂ عربی ہفتم کے نمبرات

دار العلوم اشرفیہ راندیر (سورت)

۲۸/رجب سے لے کر ۳/شعبان ۱۳۸۶ھ مطابق ۱۳ سے لے کر ۱۸/نومبر ۱۹۶۶ء تک۔

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	بخاری شریف	۵۱
۲	ترمذی شریف	۵۱

۳	مسلم شریف	۴۷
۴	نسائی شریف	۵۰
۵	ابوداؤد شریف	۵۱
۶	طحاوی شریف	۵۰
۷	مؤطا شریف	۴۵
۸	مؤطا امام محمد	۵۰
۹	ابن ماجہ شریف	۵۰
۱۰	بیضاوی شریف	۵۰

(کل نمبرات ۵۰۰ میں سے ۴۹۵ حاصل ہوئے)

احمد خانپوری درجۂ عربی ہفتم۔

زمانۂ طالب علمی کے اوصاف

دارالعلوم اشرفیہ کے دورِ طالبِ علمی میں کس لگن اور محنت سے پڑھا اس کا اندازہ امتحان کے حاصل کردہ نمبرات سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ذہانت وفطانت کی نعمت سے نوازا تھا، دوسرے اوصاف کی طرح اس وصف میں بھی اپنے ساتھیوں سے ممتاز خیال کئے جاتے تھے، قوتِ حافظہ بھی زبردست تھی، ایک بار کوئی چیز پڑھ لی یا کسی سے سن لی تو سالہا سال تک یاد رہتی۔ صلاح اور تقوی زمانۂ طالبِ علمی سے طبیعت میں رچا بسا تھا، نماز باجماعت کی پابندی، درس کی حاضری اور درس کی تقریر بغور سن کر تکرار میں بعینہٖ نقل کرنا، وغیرہ وغیرہ؛ غرض یہ کہ آپ ایک شریف وذہین طالبِ علم کے

اوصاف کے حامل تھے۔آپ کی ان خوبیوں کی شہادت ہم عصروں ہی نے نہیں؛ آپ کے اساتذہ نے بھی دی ہے، اور تعریف کی ہے۔ یہ آپ کی خوش نصیبی ہے کہ آپ کو اپنے وقت کی گراں مایہ علمی شخصیتوں اور اصحابِ فضل وکمال سے اکتسابِ علم کا شرف حاصل ہوا۔

راقم الحروف نے آج سے پانچ سال پہلے آپ کے ایک استاذ حضرت مولانا مصلح الدین احمد بڑودوی قاسمی (شیخ الحدیث جامعہ تعلیم الاسلام ڈیوز بری یو-کے) سے بذریعۂ خط معلوم کیا تھا کہ زمانۂ طالبِ علمی میں مفتی صاحب اپنے اساتذہ کی نظر میں کیسے تھے؟ انہوں نے راقم الحروف کے نام از راہِ کرم ایک تحریر ارسال فرمائی جو انہی کے الفاظ میں حسبِ ذیل ہے:

حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب بہ زمانۂ طالبِ علمی اپنے اساتذہ کی نظر میں

استاذِ محترم مولانا مصلح الدین صاحب کی تحریر

بے شک حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب اپنے دور کے گجرات (ہند) کے علمائے حق میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں، حق تعالیٰ شانہ نے ان کو ظاہری و باطنی علوم، علمی وعملی کمالات وصفات سے مزین وآراستہ کیا ہے، گجرات و بیرونِ گجرات بلکہ بیرونِ ہند مفتی صاحب کے ظاہری و باطنی علوم کا مختلف النوع فیضان جاری وساری ہے۔ اللہ تعالیٰ مزید ترقیات سے نواز کر تادیر ان کے اس سلسلۂ فیض کو قائم ودائم رکھے، آمین۔

مفتی احمد خانپوری صاحب زید مجدہ نے فارسی وعربی کی تعلیم از اول تا آخر دورۂ حدیث تک دار العلوم مدرسہ اشرفیہ راندیر-سورت، گجرات میں حاصل کی ہے (یہاں سے فراغت کے بعد دیوبند یا سہارنپور مزید اکتسابِ فیض کے لیے جانا ہوا ہے۔) دار العلوم مدرسہ اشرفیہ راندیر تحصیلِ علم کے زمانہ میں حضرت مولانا احمد اشرف راندیری صاحب، حضرت مولانا محمد رضا اجمیری صاحب، حضرت مولانا مفتی عبد الغنی کاوی صاحب، حکیم ابو الشفاء حبیب الرحمن صاحب، مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری صاحب (دار العلوم دیوبند میں تقرر سے پہلے وہ مدرسہ اشرفیہ راندیر میں تدریسی خدمت انجام دیتے تھے۔) وغیرہ حضرات سے تعلیم حاصل کی ہے۔ یہ سب حضرات علمی، عملی واخلاقی کمالات وصفات کے حامل تھے۔ اور جب کسی شاگرد میں حق تعالیٰ نے اہلیت وصلاحیت رکھی ہو تو وہ بڑی قوت وتیزی کے ساتھ اپنے اساتذہ کی خوبیوں کو اخذ کرتا چلا جاتا ہے، حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب کا یہی حال تھا؛ لہٰذا ان میں اپنے اساتذہ کی خصوصیات وصفات کی ایک نمایاں جھلک آج بھی محسوس ہوتی ہے۔

ہندی کی ایک مثل مشہور ہے ''پوت کے پیر پالنے سے نظر آتے ہیں''، یعنی گہوارہ ہی میں سے بچہ کی حرکات وسکنات اس کے تابناک وروشن مستقبل کی غمازی کیا کرتی ہیں:

بالائے سرش ز ہوش مندی	❁	می تافت ستارۂ سر بلندی

ذہانت، ذکاوت، قوتِ حافظہ کے ساتھ ساتھ صلاح وتقوی، مطالعہ وتکرار، نماز باجماعت کی پابندی، اسباق میں بلا ناغہ شرکت اور استاذ کی تقریر کو بغور سننا، اساتذہ کا ادب واحترام، ان کی خدمت، تواضع وانکساری وغیرہ امور واوصاف جو حصولِ علم کے لیے نہایت ضروری، اور کسی بھی علمی وعملی کمال کے حصول کی اساس وبنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں،

مفتی احمد خانپوری صاحب کی ذاتِ گرامی بچپن اور طالبِ علمی کے زمانہ ہی سے اس کی حامل تھی، جس کی بنا پر حضرات اساتذۂ کرام کی خصوصی نظر ان پر رہی۔ اور طالبِ علمی کے زمانہ میں نیز فراغت کے بعد بھی تمام اساتذہ کی نگاہ میں ان کو وقعت وعظمت اور محبت حاصل رہی۔

ایں سعادت بہ زورِ بازو نیست	❁	تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

۱۳۷۸ھ میں احقر نے دار العلوم دیوبند میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد والے سال میں سبعہ وعشرہ کی تکمیل کے ساتھ شعبۂ تدریب الافتا میں داخل ہو کر حضرت مفتی سید مہدی حسن شاہ جہاں پوریؒ سے افتا سے متعلق کتابیں پڑھیں، نیز فتوی نویسی کی مشق کی۔ آخرِ سال ہی میں دار العلوم مدرسہ اشرفیہ راندیر میں عربی مدرس کی حیثیت سے احقر کا تقرر ہو چکا تھا۔ شعبان ورمضان کی تعطیل بڑودہ گزار کر ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۶۰ء ماہِ شوال میں احقر مدرسہ اشرفیہ راندیر حاضر ہو گیا۔ حضرت مولانا احمد اشرف راندیریؒ نے ہدایہ اخیرین وغیرہ اوپر کی کتابیں تجویز کیں۔ احقر نے عرض کیا کہ اگر آپ کا حکم واصرار ہو تو پڑھا دوں گا؛ ورنہ یہ میرے مزاج وطبیعت کے بالکل برخلاف ہے۔ میں تو تمام علوم وفنون کی ابتدائی کتابیں پڑھاتے ہوئے آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔ درجۂ عربی اول تو حضرت مولانا سید محی الدین راندیری مرحوم کے پاس تھا اور تا آخرِ حیات انہی کے پاس رہا۔ لہذا حضرت مہتمم صاحب نے درجۂ عربی دوم مکمل اور اس کے علاوہ شرح وقایہ، نفحۃ العرب، مرقاۃ وشرح تہذیب یہ کتابیں میرے لیے تجویز کیں۔ دو سال تک یہی کتابیں زیرِ تدریس رہیں۔

حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب نے درجۂ عربی دوم کی سب کتابیں مجھ سے

پڑھی ہیں، ان کے علاوہ اور کسی کتاب کا مجھ سے پڑھنا تو مجھے یاد نہیں۔

(۱۹۶۲ء میں حضرت مولانا محمد سعید بزرگ سملکیؒ نے بہ اصرار مجھے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تدریس کے لیے بلالیا اور میں ڈابھیل منتقل ہوگیا۔)

حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب بچپن ہی سے سلیم الفطرت، فہیم، ذکی وذہین اور قوی الحافظہ تھے، علاوہ ازیں صلاح وتقوی اور طبیعت میں سلامت روی وغیرہ خوبیوں کی بنا پر مجھے ان سے بڑا خاطر تعلق تھا۔ (میں نے کچھ کتابیں اپنے والد صاحبؒ سے پڑھی تھیں، ان کا طرزِ تعلیم وتدریس یہ تھا کہ کتاب کا مطالعہ کرکے اگلے دن کا سبق حل کرنے کے ہم ہی مکلف تھے۔ عبارت صحیح طریقہ سے پڑھ کر عبارت کا مطلب ومفہوم بیان کرنا ہمارے ہی ذمہ تھا، اگر مزید توضیح وتشریح ضروری سمجھتے تو والد صاحبؒ کچھ بولتے تھے؛ ورنہ فرمادیتے کہ ٹھیک ہے آگے چلو۔ اور اگر کسی دن مفہوم ومطلب بیان کرنے میں کمی وکوتاہی ہوتی تو بڑی سخت پٹائی ہوتی تھی کہ تم نے آج صحیح طور پر مطالعہ نہیں کیا اور کماحقہ عبارت حل کرنے کی کوشش نہیں کی۔)

ظاہر ہے کہ اس تعلیم وتربیت کا اثر بھی طبیعت پر لازم تھا، نیز اس زمانہ میں احقر نو فارغ شدہ بالکل نوجوان تھا، اس لیے میں روزانہ طلبہ سے بالالتزام سبق سنتا تھا اور یاد نہ ہونے پر سخت بازپرس کے ساتھ پٹائی بھی کردیتا تھا۔ حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب روزانہ بالالتزام وقت کی پابندی کے ساتھ اسباق میں حاضری دیتے تھے، اور سبق یاد کرکے بہت اچھی طرح سنا بھی دیتے تھے، جس سے مجھے بڑی مسرت ہوتی تھی، اور فطری طور پر میری طبیعت کا میلان ورجحان ان کی طرف ہوگیا تھا۔ ایک مرتبہ اتفاق سے ایک دن مفتی صاحب کو سبق یاد نہ تھا، مجھے خیال ہوا کہ یہ تو بحمد اللہ بڑے ذہین وفہیم

اور قوی الحافظہ ہیں، یہ چاہتے تو بآسانی یاد کر سکتے تھے، چناں چہ میں نے ان کے سبق یاد نہ ہونے کو تغافل اور تساہل پر محمول کیا، جس کی وجہ سے مجھے غصہ آ گیا، اور میرے ہاتھ میں بید کی چھڑی تھی، اس دن اس چھڑی سے میں نے ان کی سخت پٹائی کر دی۔ غصہ فرو ہونے کے بعد مجھے خیال آیا کہ ممکن ہے تیرا اس یاد نہ ہونے کو تغافل وتساہل قرار دینا غلط اور خلافِ نفس الامر ہو، اور اس صورت میں تو یہ زیادتی ہے۔ بہر حال اب تک مجھے جب کبھی یہ واقعہ یاد آتا ہے تو مجھے اپنے دل میں بڑی ندامت وشرمندگی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دے اور مفتی صاحب کے درجات بلند فرمائے، لیکن اس واقعہ کے بعد مفتی صاحب نے میرے ساتھ برتاؤ میں کوئی فرق نہیں کیا۔

اس زمانہ میں دار العلوم مدرسہ اشرفیہ کی حالیہ عمارت تعمیر نہ ہوئی تھی، مختلف بلڈنگیں مدرسہ نے کرایہ پر لے رکھی تھیں، اور طلبہ کو حسبِ درجات ان میں ٹھہرایا جاتا تھا، طلبہ کی رہائش کا یک جا انتظام نہ ہونے کی بنا پر وہ کسی ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے پابند نہ تھے؛ بلکہ ہر ایک اپنی رہائش گاہ کے قریب واقع مسجد میں نمازِ پنج گانہ باجماعت پڑھنے کا مکلف تھا۔ احقر اس زمانہ میں ''طائی واڑہ'' میں قیام پذیر تھا، اور پنج وقتہ نماز اسی ''طائی واڑہ'' کی جامع مسجد میں پڑھا کرتا تھا، مفتی احمد خانپوری صاحب اس زمانہ میں پندرہ سولہ سال کی عمر کے طالبِ علم تھے، یہ اکثر عشا کی نماز اسی مسجد میں پڑھتے تھے، نماز با جماعت کا اہتمام کرتے تھے، اور عشا کی جماعت کے بعد جامع مسجد کے بائیں گوشہ میں جس کھڑکی کے پاس یہ سنت ونفل پڑھتے تھے وہ گوشہ اب تک میرے حاشیۂ خیال میں محفوظ ہے، میں بغور ان کو دیکھتا رہتا تھا، یہ سنت ونفل اطمینان سے پڑھنے کے بعد دعا میں اہتمام کے ساتھ مشغول ہو جاتے اور اچھی طرح دعا کرتے تھے۔ مجھے اسی وقت سے

ان کی یہ ادا اور روش بڑی پسند تھی۔

مفتی صاحب کے ساتھ مختلف اسفار میں رفاقت ومعیت رہی، رفقائے سفر کی راحت رسانی کا بڑا خیال فرماتے، بسا اوقات ساتھیوں کا سامان بلا تکلف خود اٹھا لیتے تھے، اور ان کی ایذا رسانی سے بچنے کا اہتمام کرتے۔ تواضع، عاجزی، انکساری، بے نفسی، خوش اخلاقی وملنساری، دوسروں کے کام آنے کا جذبہ، وغیرہ بہت سی خوبیوں اور صفاتِ حمیدہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا ہے۔ ہر وارد وصادر سے مفتی صاحب کی خیریت مزاج وحالات معلوم کرتا رہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ موجودہ حالات کو دور فرمائے اور صحت وعافیت کے ساتھ تادیر ان کو صحیح وسالم قائم ودائم رکھے آمین۔

یہ مختصر طور پر چند پرانی یادیں اور معلومات جو ذہن میں آئیں حوالۂ قلم کر کے ارسال ہیں۔ والسلام خیر ختام۔

سید مصلح الدین احمد بڑودوی القاسمی

خادمِ حدیث: جامعہ تعلیم الاسلام ڈیوز بری، مرکز یو کے، انگلینڈ

۲۰ / ربیع الاول ۱۴۲۵ھ مطابق ۱۰ / ۵ / ۲۰۰۴ء بروزِ دوشنبہ

لکھنے والوں نے اپنے بڑوں کے متعلق بہت کچھ لکھا، اور پڑھنے والوں نے بھی خوب پڑھا ہوگا؛ لیکن اپنے شاگرد کے متعلق علو مرتبت، فہم وفراست اور ذہانت، صلاح وتقوی اور خداداد صلاحیت کی ایسی شہادت اس پُر عصبیت اور ناقدری کے دور میں خال خال ہی نظر آئے گی۔

حضرت مولانا سید مصلح الدین صاحب دامت برکاتہم نے اپنی مذکورہ تحریر کے ذریعہ اسلاف اور اکابر دیوبند کی اپنے شاگردوں پر مہربانی وشفقت اور حوصلہ افزائی پر

مشتمل واقعات کی مثال پیش فرمادی۔ حضرت مولانا کے دل میں اپنے اس شاگرد کے علم وفتوی پر اعتماد اور حقیقت پسندی کا اعتراف اس سے کیجیے کہ:

۱۴۲۱ھ میں جب ان کی جامع مستند کتاب ''انمول حج'' طبع ہوئی، طباعت سے پہلے مسودہ چند اہلِ علم کی خدمت میں تقریظ اور اظہارِ رائے کے لیے بھیجا گیا۔ کتاب پر جن علما نے تقاریظ لکھیں ان میں سرفہرست اپنے اس محبوب شاگرد کی تقریظ رکھی۔

چناں چہ مفتی صاحب اپنی تقریظ میں تحریر فرماتے ہیں: ''استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی سید مصلح الدین احمد صاحب دامت برکاتہم نے بھی ان نئے حالات وضرورتوں کے پیشِ نظر (انمول حج نامی کتاب لکھ کر) اس موضوع کا حق ادا کردیا ہے''۔ (انمول حج ۴)

کتابوں پر بڑے بڑے اصحابِ فضل وکمال کی تقاریظ تحریر کروانے کے اِس پر آشوب دور میں استاذ کی کتاب پر شاگرد کی تقریظ کی یہ نادر مثال ہے۔

اس سلسلہ کو یہیں چھوڑتے ہوئے عنانِ قلم کو راقم مفتی صاحب کے اساتذہ کے تعارف کی طرف موڑتا ہے۔ آپ نے دارالعلوم اشرفیہ میں جن اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور جن سے آپ کو باقاعدہ تلمذ حاصل رہا ہے، ان کا مختصر تعارف حسبِ ذیل ہے:

① مولانا یوسف صاحب بودھانیہ (کینیڈا)

مفتی صاحب کے درجۂ فارسی کے استاذ مولانا یوسف صاحب بودھانیہ مدظلہم - جو اس وقت کینیڈا (ٹورنٹو) میں بقید حیات ہیں - سے راقم الحروف نے ان کے احوال کے متعلق ان کے نام عریضہ لکھا تھا جس کا جواب موصوف نے تحریر فرمایا۔ جو ان کے شکریہ کے ساتھ بجنسہ ان کے الفاظ میں بطور تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ (ع۔ر)

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محترمی مفتی صاحب زید مجدہ!

بعد از سلام وخیریت! آپ نے میرے اور عزیزم مفتی احمد خانپوری صاحب کے متعلق معلومات طلب کی ہیں، احقر کے ذہن میں چند باتیں ہیں وہ سپرد قلم ہیں معاف فرمائیں۔

احقر کا نام: یوسف اسماعیل بودھانیا۔ گاؤں: عمرواڈا، تعلقہ: انکلیشور، ضلع: بھروچ (گجرات)۔ تاریخِ پیدائش: ۱/مئی ۱۹۳۴ء، ابتدائی تعلیم گاؤں کے مکتب ''نور العلوم'' میں ہوئی۔

اساتذہ: ① حافظ اسماعیل چاند شاہ آلونجوی

② حافظ اسماعیل پانچ بھایا لوہاروی

③ مولانا موسیٰ کرودیا عمرواڈی صاحب

گاؤں میں گجراتی اسکول میں گجراتی پانچویں کلاس تک تعلیم حاصل کی، دس سال کی عمر میں ۱۹۴۴ء میں دار العلوم اشرفیہ راندیر میں داخل ہوا۔ ۱۹۴۴ء کا زمانہ دوسری جنگ عظیم کا زمانہ تھا، اناج وغیرہ راشننگ (راشن کارڈ) میں ملتا تھا، مکئی لال جواری کی روٹی کھاتے تھے، تمام اشیا بہت کم ملتی تھیں، ہفتہ میں ایک دن چاول آتے تھے، آج طلبہ کو جو راحت ہے، وہ ہمارے وقت میں نہ تھی؛ مگر بحمد للہ طلبہ بڑی محنت سے پڑھتے تھے، طلبہ کی تعداد فقط اسی یا نوے تھی، ایسا کھانا کھا کر بغیر شکایت کے تعلیم حاصل کی۔ اپریل/ ۱۹۵۳ء میں دار العلوم اشرفیہ سے فراغت ہوئی۔ جون ۱۹۵۳ء میں دار العلوم

دیوبند میں داخلہ ہوا، دورۂ حدیث مکمل کر کے وطن مالوف عمرواڈا رمضان میں پہونچا۔

دارالعلوم اشرفیہ کے اساتذہ

(۱) مولانا اشرف احمد صاحب راندیری نوراللہ مرقدہ
(۲) شیخ الحدیث مولانا محمد رضا صاحب اجمیری نوراللہ مرقدہ
(۳) مفتی عبدالغنی صاحب کاوی نوراللہ مرقدہ
(۴) مولانا عبدالصمد صاحب کالاکاچھوی نوراللہ مرقدہ
(۵) مولانا شیر محمد صاحب خراسانی نوراللہ مرقدہ (ایران)
(۶) قاری عبدالرحمن صاحب رنگونی نوراللہ مرقدہ
(۷) مولانا یوسف صاحب پٹیل تراجوی نوراللہ مرقدہ

دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ

(۱) شیخ الحدیث مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ
(۲) شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب نوراللہ مرقدہ
(۳) علامہ ابراہیم بلیاوی صاحب نوراللہ مرقدہ
(۴) قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہ
(۵) مولانا فخر الحسن صاحب نوراللہ مرقدہ
(۶) مولانا ظہور الحسن صاحب نوراللہ مرقدہ

۱۳۷۴ھ ۱۹۵۳ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد وطن پہنچا۔
مکاتب ۱۹۵۴ء میں مہتمم مولانا احمد اشرف صاحب کے ماتحت دیہاتوں میں

چلتے تھے، ویژٹ (نگرانی) کے لیے بھیجا، احقر کے کام سے نیز اردو گجراتی خوش خطی پسند آنے سے فارسی اول ودوم پڑھانے کے لیے مدرس رکھا، بعدازاں عربی اول ودوم وسوم کی کتب درسیہ سونپی، مہتمم صاحب مرحوم نے اپنی بیماری کے دنوں میں امتحانات اور تعلیمات کی ذمہ داری سونپی، سالانہ جلسہ کی تیاری وغیرہ بحمداللہ بخوبی انجام دی۔ ۱۹۵۴ء سے ۱۹۸۷ء تک ایک ہی مدرسہ میں رہا، کوئی مدرسہ نہیں بدلا، اسی طرح پڑھنے کے زمانہ میں فارسی اول تا دورۂ حدیث اشرفیہ ہی میں رہا، یک در گیر محکم گیر۔

۱۹۸۷ء میں کینیڈا پہنچا، یہاں مکتب میں دوسال پڑھایا، مگر سخت سردی وبرف باری کے سبب مدرسہ چھوڑ دیا، بعدازاں فراغت کی زندگی گزار رہا ہوں۔ تمام فیملی یہاں ہے، لہٰذا کینیڈا کو ہی وطن بنالیا۔

مولانا احمد صاحب خانپوری: موصوف نے احقر سے فارسی اول ودوم پڑھا۔ بڑے محنتی وذہین تھے۔ جہاں تک یاد ہے: فارسی اول سے تا دورۂ حدیث بہت اچھے اعلیٰ نمبرات کے ساتھ اول نمبر ہی سے کامیاب ہوتے رہے۔ اخلاق شریفانہ تھے، لڑائی جھگڑا بدکلامی وغیرہ آپ کی نوسالہ زندگی میں نہیں دیکھی، اساتذہ آپ سے بہت خوش تھے، اساتذہ کی عزت وتکریم برابر کرتے تھے، مدرسہ کے قوانین کی پابندی برابر کرتے، غیر حاضری بہت کم رہی، فی الحال علم وعزت وعمل کے جس درجہ پر فائز ہیں بندہ اپنے لیے کافی مسرت وخوشی محسوس کرتا ہے۔

کینیڈا کے سفر میں موصوف نے نہ دنیا کی چاہت اور نہ مال کی چاہت کی، بلکہ صاف انکار کردیا کہ مجھے کچھ ضرورت نہیں۔ یہی اخلاق حضرت شیخ الحدیث مولانا اجمیریؒ کے تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعزت میں خوب خوب برکت دیوے، اور خلقِ خدا کو مزید

فیض پہونچا کر قبول فرمائے، مزید تزکیۂ قلب، تصفیۂ قلب، تخلیۂ قلب نصیب فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ فقط والسلام

یوسف بودھانیا غفرلہ کینیڈا

۲۵/ذی القعدہ ۱۴۲۹ھ ۲۴/نومبر ۲۰۰۸ء

② مولانا سید محی الدین قاضی

آپ راندیر کے مشہور عالم، اور کئی کتابوں کے مصنف، قاضی رحمت اللہ صاحبؒ کے پوتے اور مفتیٔ گجرات حضرت سید مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ کے داماد ہیں۔

۱۹۲۴ء میں راندیر میں پیدا ہوئے، ناظرہ انجمن اسلام راندیر میں حضرت اقدس مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ سے پڑھا، بعدہ مکمل درس نظامی دارالعلوم اشرفیہ میں پڑھا۔ ۱۹۴۹ء میں فراغت حاصل کی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بیعت تھے۔

اوصاف: نہایت ہی منکسر المزاج اور متواضع تھے، طلبہ کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کی وجہ سے ہر دل عزیز تھے، مزاحی طبیعت کے حامل تھے۔ اپنے اساتذہ ہی کا نہیں؛ بلکہ اپنے شاگردوں کا احترام کرتے تھے، شاگردوں کے سامنے اپنے آپ کو چھوٹا سمجھتے تھے۔ حضرت مفتی صاحب سے محبت اور اپنے اس باصلاحیت شاگرد پر ناز کرتے تھے، فرمایا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: محی الدین کیا لایا تو جواباً کہوں گا: ''دو محدث اور تین داعی چھوڑ کر آیا ہوں''۔

دو محدث سے مراد ① حضرت مفتی خانپوری صاحب جو عرصۂ دراز سے کتبِ حدیث اور بخاری شریف پڑھاتے ہیں۔ ② حضرت مولانا یعقوب صاحب سارودی

دامت برکاتہم۔ شیخ الحدیث دار العلوم کنتھاریہ بھروچ۔

اور تین داعی سے مراد: ① مبلغِ کبیر حضرت مولانا احمد لاٹ صاحب دامت برکاتہم ② حضرت مولانا ابراہیم دیولوی صاحب دامت برکاتہم ③ مولانا محمد بن سلیمان جھانجیؒ؛ یہ پانچوں حضرات قاضی صاحب کے شاگرد ہیں۔

وفات: ۱۴/ستمبر بروزِ منگل ۱۹۹۹ء فجر کی اذان کے وقت راندیر میں انتقال ہوا، مشہور قبرستان ''گورِ غریباں'' راندیر میں اپنے ہم زلف حضرت مولانا سید ابرار احمد دھولیویؒ کے پہلو میں محوِ خواب ہیں۔

③ حضرت مولانا سید مصلح الدین صاحب دامت برکاتہم

موصوف حضرت مولانا مفتی سید شمس الدین بڑودویؒ (متوفی ۱۳۷۸ھ) کے دوسرے نمبر کے صاحب زادے ہیں، ۱۴/اپریل ۱۹۳۷ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والد صاحب سے حاصل کی، حفظ کی تکمیل جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں کی، ۱۳۷۰ھ میں دار العلوم اشرفیہ میں داخلہ لیا، فارسی اول تا عربی دوم تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۳۷۲ھ میں دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے، ۱۳۷۸ھ میں فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب مراد آبادی سے دورہ پڑھا۔ موصوف ہمیشہ تمام کتابوں میں اعلیٰ نمبرات سے کامیابی حاصل کرتے رہے، دورۂ حدیث میں ۱۷۵/طلبہ کی تعداد تھی، اس میں دوسرے نمبر پر کامیاب ہوئے، طلبِ علمی کے زمانہ میں اساتذہ کی خصوصی توجہ، اعتماد، محبت وشفقت حاصل تھی، فراغت کے بعد افتا اور فنون کی کتابیں دار العلوم میں پڑھیں۔

تدریسی خدمات: (دار العلوم اشرفیہ اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی تدریس کا ذکر

خود موصوف کے قلم سے پہلے گذر چکا ہے)۔ آپ سبعہ وعشرہ کے بہترین قاری ہیں، دورِ شباب میں آواز بھی جوان تھی، تلاوت بڑی شیریں، صاف ستھری اور دل کش ہوا کرتی تھی، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی مسجد میں تدریس کے زمانہ میں وقتاً فوقتاً فجر کی نماز پڑھایا کرتے تھے، قراءت مطابق سنت طوال مفصل میں سے ہوتی تھی، عجیب کشش تھی، آپ کی عمدہ اور دلکش تلاوت سن کر طلبۂ عزیز باہم تذکرہ کرتے تھے۔ یکم جنوری ۱۹۶۵ھ سے دارالعلوم بڑودہ تاندلجہ میں تدریسی خدمات انجام دیں، یہاں آپ صدر مدرس رہے، اخیر میں تقریباً بارہ تیرہ سال شیخ الحدیث بھی رہے۔

۱۴۱۸ھ سے تادم تحریر جامعہ تعلیم الاسلام ڈیوزبری تبلیغی مرکز انگلینڈ یو۔کے میں "شیخ الحدیث" کی حیثیت سے خدمت انجام دے رہے ہیں، آپ نے مختلف موضوعات پر فقہی مقالات بھی تحریر فرمائے ہیں، جو طبع ہو چکے ہیں، مختلف رسائل بھی آپ کے قلم سے صادر ہو کر مقبول ہو چکے ہیں۔ الغرض علمائے گجرات کے اونچے طبقہ میں آپ کا شمار ہے، اور اہل علم کے نزدیک قدر ومنزلت اور پسندیدہ نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

راندیر اور ڈابھیل کے زمانۂ تدریس میں موجودہ وقت کے معتمد وممتاز نامور علماء کو آپ سے شرفِ تلمذ حاصل رہا ہے، ان میں سرِ فہرست حضرت اقدس مفتی احمد خانپوری صاحب کا نام گرامی ہے، مولانا سید مصلح الدین صاحب مدظلہ سے مفتی صاحب نے درجۂ عربی دوم پڑھا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے: سوانح مولانا مفتی سید شمس الدین بڑودوی)

③ مولانا حکیم ابوالشفاء حبیب الرحمن صدیقی بلیاویؒ

ولادت وتعلیم: حضرت مولانا حکیم ابوالشفاء حبیب الرحمن صدیقی صاحب،

۱۹۱۹ء میں محلہ عمر گنج شہر بلیا (یوپی) میں پیدا ہوئے۔ تین سال کی عمر میں ان کے دادا مولانا شیخ فضل الرحمن صدیقی اور بڑے دادا شیخ عزیز الرحمن صدیقی کے ہمراہ کلکتہ تشریف لے گئے۔ وہاں دادا جان (نور اللہ مرقدہ) نے والد ماجد کی ابتدائی تعلیم کا انتظام فرمایا، اور وہاں قیام پذیر ہو کر دس سال کی عمر میں قرآن پاک ناظرہ اور حفظ کی سعادت سے ہم کنار ہوئے اور گیارہ سال کی عمر میں مزید دینی تعلیم کی غرض سے دار العلوم دیوبند (یوپی) تشریف لے گئے، دار العلوم میں آٹھ سال قیام پذیر ہو کر سندِ فراغت حاصل کی، اور بعد ازاں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل (گجرات) میں بھی ایک سال رہ کر سندِ فراغت حاصل کی۔ انیس (۱۹) سال کی عمر میں دینی تعلیم کا سلسلہ ختم کیا۔

اساتذہ: آپ کے اساتذہ میں علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب دیوبندی، علامہ بدرِ عالم صاحب میرٹھی، علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی، شیخ الادب علامہ اعزاز علی صاحب، اور حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب وغیرہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) سرِ فہرست رہے ہیں۔

درس وتدریس: انیس سال کی عمر میں صوبہ گجرات کے ایک قدیم ادارہ دار العلوم اشرفیہ عربیہ اسلامیہ بمقام راندیر ضلع سورت میں بحیثیت مدرس تقرر ہوا۔ یہاں ابتدا میں فارسی وعربی کی مختلف کتابیں پڑھانے کا موقع ملا، اور پھر کتبِ فقہ واحادیث میں ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، طحاوی شریف، مشکوٰۃ شریف، ہدایہ، شرحِ وقایہ، کنز الدقائق کا درس بحسن وخوبی بڑے استقلال سے دیتے ہوئے ۴۵۔۴۶ سال کا طویل عرصہ گزار دیا۔

حکیم ابو الشفاءؒ بڑے خلیق تھے، توکل علی اللہ کی صفت سے متصف تھے، کثیر العیال ہونے کے باوجود کسی قسم کی شکایت یا کسی سے کوئی حرص نہ تھی، سخاوت بھی مولانا کی

مشہور تھی، کوئی بھی مہمان گھر جاتا عالم ہو یا غیر عالم یا طالبِ علم ہو ہر ایک کے لیے چائے ناشتہ کا انتظام فرماتے، حسبِ موقع کھانا بھی کھلاتے، بعض مرتبہ طلبا کا کھانا بند ہوتا تو ان کو گھر پر کھلاتے یا گھر سے کھانا بھیج دیتے، طبیعت میں بہت سادگی تھی، سادہ لباس زیبِ تن فرماتے، مزاج میں تحمل بھی بہت تھا، طلبا کی شرارتوں پر بھی بہت صبر وتحمل فرماتے۔

آپ ایک عالمِ دین ہی نہیں؛ بلکہ طبِ یونانی کے ایک ماہر اور تجربہ کار حکیم بھی تھے، دار العلوم اشرفیہ راندیر (گجرات) میں طبی علوم کا درس بھی دیا۔

حکیم ابو الشفاء صاحب کی مشکوٰۃ کی سند انہوں نے خود حضرت مفتی صاحب کے نام ایک خط میں لکھی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں ''عرض یہ ہے کہ احقر نے مشکوٰۃ شریف از اول تا آخر آپ کے اسی جامعہ میں مولانا محمد بدرِ عالمؒ سے پڑھی، اور انہوں نے مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے سہارن پور میں۔ آگے کی سند اس موضوع کی کتب میں مشہور ہے۔

ثانیاً جب احقر دار العلوم دیوبند دوبارہ آیا تو التعلیق الصبیح کے مصنف اور میری دیگر کتابوں کے استاذ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی جن کو اب چند ماہ سے ''رحمہ اللہ'' لکھا جا رہا ہے، ان سے اجازت لے کر شریکِ درس ہوا۔ خاصا حصہ ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ میں دوبارہ سماعت کر رہا ہوں، فرمایا کہ: وقت ضائع نہ کریں اور میرے ہی پاس تفسیر کی کتابوں میں شریک ہو جائیں۔ بہر حال آپ کی فرمائش سے ظاہر کر دیا۔ پہلے اس کی بڑی وقعت ہوتی تھی اور جب سے جہالت عام ہے مخفی رکھا جاتا ہے۔ اللہ اس بیماری سے نجات عطا کریں۔ ویسے تمام کتب اور خاص کر کتبِ احادیث کی اجازت مخدومنا مولانا علامہ ابراہیم بلیاویؒ اور علامہ حضرت مولانا شیخ شبیر احمد عثمانیؒ، شیخ مدنیؒ اور مولانا محمد بدرِ عالم میرٹھیؒ سے اجازت حاصل ہے۔ ولا فخر فیہ اور اگر فخر کیا بھی جائے تو

محمود ہے۔ اللہ عجب وغرور سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم وعمل میں ترقی نصیب فرمائیں۔ دعاؤں میں یاد رکھیں والسلام

احقر ابوالشفاء

دورانِ طالب علمی آپ حکیم صاحب کے بعض گھریلو کام مثلاً دودھ لانا، ماہ کے اختتام پر رقم ادا کرنا، کسی کو خط لکھنا وغیرہ بھی انجام دیا کرتے تھے، حکیم صاحب آپ سے بڑی محبت وشفقت فرماتے، وقتاً فوقتاً اپنے ذاتی امور میں مشورہ بھی کرتے۔

حکیم ابوالشفاء صاحب سے مرقاۃ، شرح تہذیب، مقاماتِ حریری، میزان الطب، قلیوبی، مشکوٰۃ پڑھی۔

تاریخِ وفات: ۱۱/محرم الحرام ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۹۸۵ء بروزِ بدھ آپ کی وفات ہوئی۔ انتقال کے وقت چہرہ شگفتہ تھا، اور عجیب سی مسکراہٹ تھی، اس کو دیکھ کر حضرت ہی کے شاگرد جو علیا کے استاذ تھے انہوں نے یہ اشعار پڑھے تھے:

یاد داری کہ وقتِ زادنِ تو	❁	ہمہ خنداں بودند و تو گریاں
آں چناں زی کہ وقتِ مردنِ تو	❁	ہمہ گریاں بودند تو خنداں

④ حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب پالن پوریؒ

عربی سوم میں اصول الشاشی اصولِ فقہ کی کتاب مولانا حبیب اللہ صاحبؒ پالنپوری (ہردیواسنی) سے پڑھی۔ راقم کو مولانا حبیب اللہ صاحب کے حالات نہیں ملے۔ علمائے پالن پور سے درخواست ہے کہ ان کی علمی خدمات واوصافِ عالیہ کی تحقیق فرما کر ارسال فرماویں بہت بہت شکریہ کے مستحق ہوں گے۔

⑤ حضرت مولانا آدم صاحب پالنپوریؒ

ابوالفضل مولانا محمد آدم پالنپوری (طالعپوری) نے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے ۱۳۶۱ھ میں فراغت حاصل کی، بعد فراغت لاہور جا کر علمِ تفسیر پڑھا۔ موصوف نے دار العلوم اشرفیہ راندیر اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں تدریسی خدمات انجام دیں، علوم حدیث وفنون کے ماہر، گجرات کے علمی حلقوں کو ان پر فخر تھا، ان کا ''درسِ مسلم'' بہت مشہور تھا، علامہ شبیر احمد عثمانی کے درسِ مسلم کی یاد تازہ کر دیتا، طلبہ ان سے مانوس رہتے، درس کا طریقہ بڑا پیارا اور نرالہ تھا۔

ان کے ایک قریبی شاگرد نے بتلایا کہ: ان کا درس اس طرح ہوتا کہ ''اول طالبِ علم عبارت پڑھتا، پھر حضرت الاستاذ سبق کی عام فہم تقریر فرماتے، یہ تقریر اتنی دلنشین اور سہل ہوتی کہ غبی سے غبی طالبِ علم بحث کا ماحصل سمجھ جاتا۔ سبق میں جب کوئی معرکۃ الآراء اور مشکل مقام آتا تو سبق سے پہلے کوئی لطیفہ سنا کر طلبہ کے دل ودماغ کو فریش کرتے، بعدہ درس کی سلجھی ہوئی تقریر فرماتے، بعد تقریر طلبا سے استفسار فرماتے ''کہ سمجھ میں آیا؟'' کبھی کسی طالبِ علم سے تقریر سن بھی لیتے، جب اطمینان ہو جاتا تب فرماتے یہ وہ مقام یا بحث ہے جس کو لوگ مشکل کہتے ہیں، مگر کبھی بھی کسی مشکل مقام کے متعلق پہلے نہیں بتلایا کہ یہ مشکل ہے۔

''درسِ مسلم'' میں بارہا مولانا نے فرمایا کہ: ''کسی حدیث کی تاویل کروں تو میرا ہاتھ پکڑ لینا'' مولانا کی نظر احادیث پر ایسی وسیع تھی کہ ان کے یہاں تعارض کا خانہ تھا ہی نہیں، تطبیق کی راہ عیاں تھی۔

تاریخِ جامعہ ڈابھیل میں ہے: مولانا اپنی علمی قابلیت سے بڑے بڑے مسئلوں کو بآسانی حل فرمادیتے تھے۔ نرم مزاج، بہترین اخلاق سے آراستہ، ملنسار اور خندہ جبیں واقع ہوئے تھے۔ (تاریخِ جامعہ ۱۶۸)

ان کی شخصیت دل نواز، باغ و بہار تھی، ان کے عالمانہ لطائف وظرائف عجیب ہوتے نمونہ کے طور پر دو لطیفے پیش کرتا ہوں:

① جس زمانہ میں علم التفسیر پڑھنے کے لیے لاہور تشریف لے گئے تھے وہاں کا ایک لطیفہ سنایا کرتے کہ میں نے لاہور میں ایک بدو (دیہاتی) سے پوچھا کہ: آپ لوگ ناشتہ میں کیا کھاتے ہیں؟ اس نے کہا ہم غریبوں کا کیا ناشتہ، صبح بیدار ہوکر قضائے حاجت کے لیے جنگل جاتے ہیں، وہاں سے بادام، چلغوزہ، اخروٹ لاکر گھی اور شہد کے ساتھ ملاکر کھالیتے ہیں، معاً ایک آدھ مرغی کا چوزہ بھی ہوتا ہے، یہ ہمارا ناشتہ ہے۔

② طلباء کی ایک جماعت کو کسی وجہ سے ایک استاذ صاحب نے کہا کہ: تم لوگ بڑے نالائق ہو اس جماعت کے ایک فرد نے مولانا آدم صاحب سے شکایت کی کہ فلاں استاذ صاحب نے ہمیں نالائق کہا۔ ان کی بات سن کر مولانا آدم صاحب نے سر پکڑلیا، انا للہ الخ پڑھا، پھر فرمایا مجھے تم لوگوں کو لائق کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ (فضلائے جامعہ ۲۲۸)

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے سالانہ اجلاس کی روئداد ہمیشہ موصوف ترتیب دیتے تھے، ۱۳۸۳ھ میں حضرت مفتی صاحب کا تقرر جامعہ میں ہوا، اس سال سے روئداد کی ترتیب کی ذمہ داری مفتی صاحب کے حوالہ کردی، مفتی صاحب نے معذرت فرمائی کہ میں اس کی لیاقت واہلیت نہیں رکھتا تو فرمایا کہ: ہم جانتے ہیں آپ میں لیاقت ہے کہ نہیں۔ معذرت قبول نہیں فرمائی، اس کے بعد سالہا سال سالانہ روئداد مرتب کرنے کی خدمت حضرت

مفتی صاحب انجام دیتے رہے۔

زندگی کے اخیری ایک دوسال بیمار رہے مگر جب کوئی بھی طبیعت کا حال پوچھتا یہی کہتے کہ: اچھا ہوں ''رضا بر قضا''۔ آپ کا شیوہ تھا، جامعہ کی تدریس کے دوران اپنے وطن طالعپور میں کچھ ہفتہ بیمار رہ کر ۱۳۹۱ھ میں انتقال فرمایا۔ انتقال کے بعد ایک شاگرد نے خواب میں مسندِ درس پر تشریف فرما دیکھا، شاگرد نے پوچھا: آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ مولانا کے قریب احادیث کی کتابوں کا ذخیرہ رکھا ہوا تھا، اس کی خدمات کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''اس کے طفیل بخشش ہوگئی''۔ (حسنِ خاتمہ کے پانچ سو واقعات ۴۹۰)

مولانا آدم صاحب سے شرحِ وقایہ ترجمۂ قرآن شریف، ہدیہ سعیدیہ، دیوانِ متنبی پڑھی۔

⑥ مفتی عبدالغنی کاوی صاحب

مسلم شریف، موطا محمد، ہدایہ اولین، اخیرین، مختصر المعانی، شرح عقائد، سراجی، نورالانوار پڑھی۔

مفتی عبدالغنی صاحب ضلع بھروچ کے ایک تاریخی گاؤں ''کاوی'' میں ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۹۱۹ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم ''کاوی'' میں حاصل کرنے کے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں داخلہ لیا، وہ دور جامعہ کا سنہرا اور انتہائی آب وتاب کا دور تھا، علوم وفنون کے ماہر اساتذہ موجود تھے۔

آپ کے اساتذہ میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، بابا عبدالرحمن امروہی، علامہ ابراہیم بلیاوی، مہاجر مدنی حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی،، حضرت علامہ یوسف بنوری، حضرت مولانا احمد بزرگ، مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ، مولانا عبدالعزیز کیمل پوری، اور مولانا

نور محمد صاحب جیسی عظیم ہستیوں کا شمار ہوتا ہے۔

آپ کی خدمات: ڈابھیل سے (۱۳۶۱ھ میں) فارغ ہونے کے بعد ۱۹۴۴ء میں آں موصوف نے راندیر دار العلوم اشرفیہ کو اپنی خدمات دینیہ کا پلیٹ فارم بنایا، اور تاحیات وہیں خدمت انجام دیتے رہے۔ یہ عرصہ کل چوالیس سال کا ہوتا ہے، اور اس پلیٹ فارم سے آں موصوف نے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ آپ کے زیرِ تدریس ابوداؤد شریف، مشکوٰۃ شریف، نور الانوار، سراجی، ہدایہ، مسلم شریف، جیسی اہم کتابیں رہیں۔ آپ نے ابتدائی کتابیں بھی پڑھائی ہیں اور انتہائی بھی، اس لیے آں موصوف ہر فن میں کامل مہارت رکھتے تھے۔

درس وتدریس کے ساتھ ساتھ موصوف فتاوٰی نویسی کی ذمہ داری بھی ادا کرتے رہے۔ تقریباً تیس سال تک دار العلوم اشرفیہ میں رہ کر فتاوٰی نویسی کی خدمت بھی انجام دی۔ آپ کے یہ فتاوٰی اس وقت کے ایک ماہنامہ ''وہو راویلفیر'' میں شائع ہو کر مقبول خاص وعام ہو چکے تھے۔ آج آپ کے فتاوٰی کی ایک جلد ''فتاوٰی عبد الغنی'' کے نام سے مطبوع ہے۔

نیز مدرسہ میں ناظمِ تعلیمات، اور ناظمِ امتحانات کی خدمت بھی انجام دی، دار العلوم میں مفتی اور شیخ الحدیث کے بعد دوسرے نمبر کے استاذِ حدیث کے عالی منصب پر فائز رہے۔ ساتھ ہی آپ کئی دینی وملی تنظیموں سے وابستہ تھے، مجلسِ تحفظ اسلام، رؤیت ہلال کمیٹی، شرعی پنچایت اور امارت شرعیہ جیسی تنظیموں سے منسلک تھے، اور اس طرح دینی وقومی خدمات انجام دیں۔

آپ کے خصائل: موصوف کا شمار گجرات کے نامور علمائے دین میں ہوتا ہے، ہر فن میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ فقہ کے ساتھ خاص مناسبت تھی، اسی وجہ سے

موصوف کے فتاوٰی کافی مختصر؛ لیکن جامع ومانع اور سائل کے لیے تسکینِ صدر کا باعث تھے اور ماقل ودل کے صحیح مصداق تھے۔ اتنی خدمات کے ساتھ ساتھ وقت کی پابندی آپ کی ایک خصوصی شان تھی۔ مدرسہ کا وقت شروع ہونے سے ۵ رمنٹ قبل ہی درسگاہ میں حاضر ہوجاتے تھے، اور سبق شروع فرمادیتے تھے۔ اپنی طرح طلبہ کو بھی اوقات کی پابندی کی تاکید فرماتے۔ آپ کا درس ''کوزے میں دریا بند کرنے'' کی مثال تھا۔

کافی کم گو، خاموش مزاج اور ہمیشہ اپنے کام میں مگن رہتے۔ تہجد کے پابند اور اپنے اشغال پابندی سے ادا کرتے رہتے۔ یکسوئی کے طالب اور لوگوں کے زیادہ اختلاط سے دور رہتے، فرائض وسنن کے پابند، نماز ہمیشہ صفِ اول میں ادا کرتے اور کبھی تکبیر تحریمہ بھی فوت نہ ہوتی۔ تقریر کافی مختصر لیکن درس کو سمجھنے کے لیے بالکل کافی وشافی ہوتی تھی۔

درس کو کبھی ناغہ نہ کرتے تھے، حتی کہ ایک مرتبہ زینہ سے پیر پھسل جانے کی وجہ سے کمر کی ہڈی میں تکلیف ہوگئی جس کی وجہ سے آپ کپڑے بھی نہ پہن سکتے تھے۔ ایسی حالت میں بھی درس کو ناغہ کرنا گوارا نہ کیا، اور شال اوڑھے ہوئے درس گاہ تشریف لائے اور سبق پڑھایا۔ درس میں ہمیشہ غیر ضروری باتوں سے پرہیز کرتے تھے۔ کبھی طلبہ کے ذہنوں کو متوجہ کرنے کے لیے ایک آدھ چٹکلا سنادیتے تھے۔

عبارت کی غلطی کو کبھی برداشت نہ فرماتے، اگر کوئی طالب علم سبق میں توجہ نہ دیتا ہو تو اسے کہتے: کیوں بورڈ پر چڑھتا ہے؟ ع

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

حضرت مولانا شیخ الحدیث رضا اجمیریؒ ان کی ایک خوبی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ہمارے ساتھ ۴۴ سال سے زیادہ عرصہ ہوا مرحوم کا تعلق تھا؛ لیکن کبھی ایک دوسرے

کے دل میں رنجش نہیں آئی، ورنہ بھائی بھائی میں جھگڑا ہوتا ہے، یہ مرحوم کا کمال تھا۔

سانحۂ ارتحال: ۶/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ بمطابق ۲۹/ ۱۰/ ۸۷ء کی جمعہ کی وہ رات پورے عالم اسلام کے لیے اور خاص کر اہل گجرات کے لیے ماتم کی رات بن گئی، موصوف نے عشا کی نماز سے فارغ ہو کر سنتیں اور وتر کی نماز بھی ادا کر لی۔ ویسے آپ کا روزانہ کا معمول سنت کے مطابق وتر کی نماز کو تہجد کے ساتھ پڑھنے کا تھا، لیکن اس رات گویا کہ موصوف کو پہلے سے ہی اطلاع ہو چکی تھی، آپ نے اس رات وتر کی نماز عشا کے بعد ہی پڑھ لی اور روزانہ کے معمول کے مطابق چھت پر تھوڑی چہل قدمی کی۔ آخری وقت میں بھی اپنی ذمہ داری کا احساس اور علم سے شغف اتنا تھا کہ شبِ وفات میں بھی مسلم شریف کے ۲۸ رطلبہ میں سے چار طلبہ کے جوابی پرچہ جانچ کر سو گئے تھے۔ تقریباً چار بجے استنجا کے لیے اٹھے، اور پھر سو گئے، بس ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں، اور اس دارِ فانی کو الوداع کہتے ہوئے اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے:

چھپ گیا آفتاب شام ہوئی	❁	ایک مسافر کی رہ تمام ہوئی
مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو تیرا	❁	نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو تیرا
الٰہی! ان کی تربت خلد زار نور ہو جائے	❁	نسیمِ سحرِ خموشاں شمیمِ حور ہو جائے

مفتی عبد الغنی صاحب سے ہدایہ اولین و اخیرین، مختصر المعانی، شرح عقائد، سراجی، نور الانوار، مسلم شریف، مؤطا امام محمد پڑھی۔

⑦ محدثِ کبیر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم

موصوف کی نسبت کچھ عرض کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا، مگر چوں کہ

صاحبِ سوانح کی سوانح اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک ان تمام کا تذکرہ نہ ہو جن کے فیوضِ تعلیم وتربیت صاحبِ سوانح کے کردار وشخصیت کی تکمیل میں ممد ومعاون رہے ہیں؛ اس لیے ذیل میں مختصراً حضرت مفتی سعید صاحب کا ذکرِ خیر کیا جاتا ہے:

آپ ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹۴۱ء میں موضع ''کالیڑا''، ضلع بناس کانٹھا (شمالی گجرات) میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کالیڑہ کے مکتب میں حاصل کی، فارسی کی تعلیم دار العلوم چھاپی اور اپنے ماموں مولانا عبدالرحمن شیرا سے حاصل کی، بعدہ پالنپور شہر میں حضرت مولانا محمد نذیر میاں صاحب کے مدرسہ میں داخلہ لیا، وہاں چار سال میں عربی کی ابتدائی اور متوسط کتابیں پڑھیں۔ پالن پور میں شرح جامی تک حصولِ تعلیم کے بعد ۱۳۷۷ھ میں مظاہر علوم سہارن پور میں داخلہ لیا، وہاں امام النحو والمنطق حضرت مولانا صدیق احمد صاحب جمویؒ سے نحو ومنطق اور فلسفہ کی اکثر کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۸۰ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لے کر فقہ، حدیث، تفسیر اور فنون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ ۱۳۸۲ھ میں دورۂ حدیث پڑھ کر فارغ ہوئے، دورہ میں اول نمبر سے کامیاب ہوئے۔ ۱۳۸۲ھ یکم ذی قعدہ کو دار الافتا دار العلوم دیوبند میں داخلہ ہوا اور حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوری کی نگرانی میں کتبِ فتاوی کا مطالعہ اور فتوی نویسی کی مشق کا آغاز فرمایا۔ ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ سے شعبان ۱۳۹۳ھ نو سال تک دار العلوم اشرفیہ راندیر (سورت) درسِ نظامی کی بہت سی کتابیں پڑھائیں، قیامِ راندیر میں تصنیف وتالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

شوال ۱۳۹۳ھ میں دار العلوم دیوبند میں تقرر ہوا، دار العلوم کے ۳۷ سالہ قیام میں تدریسی، شعبۂ افتا کی نگرانی وفتوی نویسی، مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت کی نظامت اور تحریری وتصنیفی خدمات انجام دیں اور دے رہے ہیں۔ ان کے مفصل تذکرہ کی اس مختصر تعارف میں

گنجائش نہیں، ۱۴۲۹ھ سے بخاری شریف کا کامیاب درس دے رہے ہیں۔

حضرت مفتی احمد صاحب مدظلہ دار العلوم اشرفیہ میں جس سال مشکوٰۃ میں تھے اسی سال حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب کا مدرس کی حیثیت سے تقرر ہوا، آپ کے مقبول درس کا شہرہ سن کر آپ نے اور دیگر رفقائے درس نے کوشش کی تھی کہ کسی طرح مشکوٰۃ شریف مولانا پالن پوری صاحب کے پاس آجائے؛ مگر کامیابی نہیں ہوئی اس لیے خارج میں مختصر المعانی پڑھ کر علمی پیاس بجھائی، مفتی صاحب کو دورِ طالبِ علمی سے حضرت مولانا پالن پوری سے قلبی تعلق ہے، خارج اوقات میں آپ کی خدمت میں حاضری دیتے اور استفادہ فرماتے رہتے، فراغت کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے متعلق آپ ہی نے مشورہ دیا تھا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

مولانا پالن پوری مدظلہ کے خود نوشتہ خطوط کا ایک ذخیرہ مفتی صاحب کے مرقع خطوط کی زینت ہے، شاید ان کا کوئی مختصر سے مختصر اور سرسری طور پر لکھا ہوا خط بھی ضائع نہیں ہوا، ان میں علمی استفسارات کے جواب بھی ہیں، کسی نئی کتاب یا مضمون کے شائع ہونے کی اطلاع بھی ہے، تمام خطوط سے استاذانہ شفقت، علمی و دینی ترقی کی خواہش اور اس بارے میں رہنمائی سطر سطر سے جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ان میں سے چند خطوط تبرکاً موقع بموقع آگے درج کیے جائیں گے۔

رزقِ حلال کی برکت: حضرت پالن پوری مدظلہ کے والد ماجد جناب ''یوسف صاحب'' جامعہ ڈابھیل کے خوشہ چیں رہے ہیں؛ مگر اپنے گھریلو حالات کی وجہ سے تعلیم مکمل نہیں کر سکے تھے، ان کی اولاد میں علما و فضلا پیدا ہوئے اس کی باطنی وجہ حرام مال سے اجتناب ہے، ان کا یہ واقعہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے دور کا ہے، راقم الحروف نے

یہ واقعہ ان کے صاحب زادے مولانا حبیب الرحمن بن یوسف پالن پوری حال استاذ حدیث دار العلوم اشرفیہ سے سنا جو انہی کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں:

''جس زمانہ میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اور محدثِ کبیر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اور مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ ڈابھیل میں پڑھاتے تھے اس وقت والد صاحب ڈابھیل کے طالبِ علم تھے اور حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہ کے خادمِ خاص تھے، والد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کنز الدقائق حضرت مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھی سے پڑھی ہے، میں ہمیشہ سبق میں پہلی تپائی پر استاذ محترم کے سامنے بیٹھا کرتا تھا۔

ایک روز استاذِ محترم مولانا بدرِ عالم صاحب سبق پڑھانے کے لیے تشریف لائے، کتاب کھولی، پھر بند کردی اور ارشاد فرمایا کہ: آج تم لوگوں کو کچھ نصیحت کرنی ہے، استاذِ محترم نے اس وقت تعلیم وتربیت سے متعلق بہت سی باتیں ارشاد فرمائیں، ایک اہم بات جو اس وقت ارشاد فرمائی وہ یہ تھی: آج چودھویں صدی میں اگر کسی کو صحابہ کی زندگیوں کا کچھ نمونہ دیکھنا ہو، صحابہ کی زندگی کیسی سادہ تھی اگر اس کی ہلکی سی جھلک دیکھنی ہو تو پالن پور میں ریل کی پٹری سے مشرق میں جو لوگ رہتے ہیں ان کی زندگیوں کو دیکھو، ان کو دیکھ کر صحابہ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

والد صاحب فرماتے: استاذِ محترم مولانا بدرِ عالم صاحب نے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان میں کوئی اچھا عالم پیدا نہیں ہوتا۔ والد صاحب سامنے ہی پہلی تپائی پر بیٹھے تھے، والد صاحب نے استاذِ محترم سے سوال کیا کہ: حضرت! آپ ایک طرف تو اس قوم کی اتنی تعریف کرتے ہیں کہ ان کی زندگیاں صحابہ کی زندگیوں کے مشابہ ہے، دوسری

طرف آپ یہ فرمارہے ہیں کہ: ان میں کوئی اچھا عالم پیدا نہیں ہوتا آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

تو استاذِ محترم نے فرمایا کہ: ان کی کمائیاں حلال وطیب نہیں ہیں۔ اس وقت پوری قوم بنیوں کے سود میں پھنسی ہوئی تھی، اسی کی جانب مولانا بدرِ عالم صاحب نے اشارہ فرمایا، اور پھر والد صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا: یوسف! اگر تم اپنے لڑکوں کو اچھا عالم بنانا چاہتے ہو تو حرام اور ناجائز مال سے پرہیز کرنا اور بچوں کو بھی ناجائز اور حرام مال سے بچانا، کیوں کہ علم ایک نور ہے، ناجائز اور حرام مال سے جو بدن پروان چڑھتا ہے اس میں یہ نور داخل نہیں ہوتا۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ: استاذِ محترم کی نصیحت کو سن کر دل پر ایک چوٹ لگی، اور اسی وقت یہ تہیہ کر لیا کہ چاہے اس راہ میں چاہے جتنی بھی قربانی دینی پڑے، باپ سے الگ ہونا پڑے، بھوکا رہنا پڑے، کیسے ہی حالات کیوں نہ آئے، مگر حرام اور مشتبہ مال کو ہاتھ نہیں لگاؤں گا۔

والد صاحب کی طالب علمی کے زمانہ میں ہمارے دادا نے بنیے سے سودی قرض لے کر ایک زمین کرایہ پر لی، والد صاحب اس وقت ڈابھیل میں پڑھتے تھے، والد صاحب کو جب علم ہوا تو دادا سے اختلاف کیا تو دادا نے ناراض ہو کر والد صاحب کو شادی سے پہلے طالبِ علمی کے زمانہ میں ہی گھر بار سے الگ کر دیا، ان گھریلو حالات کی وجہ سے والد صاحب اپنی تعلیم مکمل نہ کر پائے اور حرام سے بچنے کا جو تہیہ کر لیا تھا اس کی وجہ سے مجبوراً والد صاحب نے تعلیم کو یہ سوچ کر چھوڑ دیا کہ اپنی زندگی تو جیسی بھی گزری گزری؛ لیکن انشاء اللہ اپنی اولاد کو حرام اور مشتبہ مال سے بچاؤں گا تاکہ حلال اور طیب مال سے پرورش پا کر بچے اچھے عالم اور نیک اور صالح بنیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھی اور مولانا یوسف بنوری صاحب

جیسے عالم بنانے کا عظیم جذبہ دل میں لے کر انھوں نے بچوں کو ناجائز اور حرام مال سے بچایا، آج اللہ تعالیٰ نے ان کے خواب کو شرمندۂ تعبیر فرمایا، اللہ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس کا مکین بنائے اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین یارب العالمین.

احقر حبیب الرحمن یوسف پالن پوری عفی عنہ

خادم دار العلوم اشرفیہ راندیر سورت

۲۹/ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ۔ ۲/ اگست ۲۰۰۸ء

حضرت مولانا سعید احمد صاحب مدظلہ سے مختصر المعانی، ابوداؤد شریف، نسائی شریف پڑھی۔ اللہ تعالیٰ استاذ وشاگرد کی عمر میں برکت نصیب فرمائے اور ان کے فیوض سے تادیر ہمیں مستفیض فرمائے آمین۔

⑧ برکتِ گجرات حضرت مولانا محمد رضا اجمیری ثم راندیریؒ

سرحدی علاقہ افغانستان میں ایک ایسی جگہ جہاں کوئی علمی ماحول نہیں تھا ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے، وطن میں تعلیم کا نظم نہیں تھا، علمی سفر کے لیے بے چین تھے، والد صاحب کا خُرد سالی میں انتقال ہو گیا تھا، خفیہ طور پر بچپن ہی میں علمی سفر طے کر کے لاہور پہنچے، کچھ عرصہ لاہور میں ملازمت کی، پھر ۱۶ سال کی عمر میں اجمیر شریف پہنچے، وہاں مدرسہ معینیہ عثمانیہ نامی دار العلوم میں داخلہ لیا، جہاں ہر فن کے ماہر اساتذہ موجود تھے، آٹھ دس سالہ نصاب چار پانچ برس میں مکمل کر کے ۱۹۴۲ء میں سندِ فراغت حاصل کی، پھر تین سال ''ناگور'' میں تدریس اور امامت کی، ۱۹۴۵ء میں دار العلوم اشرفیہ راندیر کے لیے مدعو کیا گیا، اور فارسی اور عربی کی کتابیں دی گئیں، فارسی میں یدِ طولی رکھتے تھے، اخیر عمر تک آپ کو

گلستاں، بوستاں اور مثنوی سے بڑا شغف تھا، یہ کتابیں ہمیشہ زیرِ مطالعہ رہتیں، گلستاں وبوستاں کے پورے پورے اقتباسات اور بیش تر حکایات ازبر تھیں، کچھ مدت کے بعد آپ کو درجاتِ علیا کی کتابیں دی گئیں۔

ہندوستان کے آزاد ہونے اور پاکستان بننے کے بعد دارالعلوم اشرفیہ کے استاذ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب پشاوری جب اشرفیہ چھوڑ کر پاکستان تشریف لے گئے اس وقت آپ کو بخاری شریف پڑھانے کے لیے دی گئی، اس وقت سے لے کر آخری سانس تک اسی منصب پر فائز رہے، ایک ہی ادارہ میں آپ نے چون سال تدریس میں گزار دئے، جس میں پچاس سال بخاری شریف پڑھائی۔

آپ کا درس نہایت جامع مختصر ہوتا، مدرسہ کے اوقات کی پابندی کا بہت لحاظ رکھتے تھے، سفر وحضر میں ہمیشہ باوضو رہتے، اور طلبہ کو بھی باوضو رہنے کی تاکید فرماتے، فرمایا کرتے کہ: ”بے وضو مسلمان کا رتبہ اتنا گر جاتا ہے کہ وہ قرآن پاک کو چھونے کے قابل نہیں رہتا، اس لیے ہمیشہ باوضو رہا کرو“۔ آپ اپنا کام خود کرتے، زندگی بھر کسی طالبِ علم کو خادم نہیں بنایا، طلبا خود خدمت کی سعادت حاصل کرنا چاہتے تو بحسن خوبی ٹال دیتے۔

مفتی صاحب دامت برکاتہم کی خصوصیت کہنا چاہیے کہ دورہ کے سال جب آپ کو آنکھ کے آپریشن کے لیے اسپتال میں داخل کیا گیا تو مفتی صاحب کو خدمت کی سعادت میسر ہوئی، جی چاہتا ہے کہ اس واقعہ کو مفتی صاحب کے ہی الفاظ میں نقل کردوں جس سے آپ کی رضا بر قضا والی صفت کا بھی پتہ چلتا ہے، آپ کے انتقال کے بعد راندیر کے تعزیتی بیان میں مفتی صاحب نے فرمایا:

رضا بر قضا سے متعلق ایک واقعہ

اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ سعادت عطا فرمائی کہ پڑھنے کے زمانہ میں میرے دورہ کا سال تھا اس وقت حضرت والا کی آنکھ کے موتیا کا آپریشن طے ہوا، حضرت والا نے اس آپریشن کو منظور فرمالیا، ایک ڈاکٹر کے یہاں ایڈمیٹ کیا گیا، حق تعالیٰ نے مجھے حضرتؒ کی خدمت کا موقع بھی عنایت فرمایا، میں حضرت کی خدمت تو کیا کرتا، میں آپ کو بتلاؤں کھانا وغیرہ آتا تھا تو میں کھلاؤں اس سے زیادہ حضرتؒ میرا خیال رکھتے تھے اور میری ضرورتوں کو زیادہ مدِنظر رکھتے تھے، حالاں کہ میں حضرت کی خدمت کے لیے دواخانہ میں تھا۔

خیر! جب حضرتؒ کا آپریشن ہوا تو ایک مدت تک مجھے بھی یہ خیال نہ رہا کہ اس آپریشن کا نتیجہ کیا نکلا؟ بعد میں کچھ ذرائع سے مجھے معلوم ہوا کہ حضرتؒ کی وہ آنکھ جس میں آپریشن کیا گیا تھا اس میں بینائی نہیں ہے، حضرتؒ پہلے ہی سے یہ خدشہ ظاہر فرمارہے تھے۔

دراصل بات یہ ہے کہ حضرتؒ کے قریب اور ایک مریضہ تھی جس کی آنکھ سے موتیا کو نکالا گیا تھا، پھر جب اس مریضہ کی آنکھ کا پٹہ کھولا گیا تو اس وقت وہ چلا رہی تھی کہ مجھے نظر نہیں آتا ہے، خیر! اس کو یہ کہہ کر تسلی دی گئی تھی کہ کچھ دنوں کے بعد آہستہ آہستہ تجھے نظر آئے گا۔ بہر حال اس عورت کی بینائی جاتی رہی تو حضرتؒ بھی ختمِ بینائی کا ہی خدشہ ظاہر فرمارہے تھے۔

بعد میں مجھے بہت مدت کے بعد معلوم ہوا کہ حضرتؒ کی اس آنکھ میں بینائی باقی نہیں رہی ہے۔ آپ حضرات کو بھی شاید معلوم ہو بہت سے حضرتؒ سے ملنے والے ایسے لوگ ہوں گے بلکہ میں نے خود ہی آپریشن کے کئی سال بعد دریافت کیا کہ حضرت

آپ کی آنکھ میں شاید بینائی نہیں ہے، تو حضرت نے بات ٹال دی اور اپنی عادت کے مطابق جواب دے دیا، جواب سے میں نے یہ سمجھا کہ حضرتؒ کی آنکھ میں ضرور بینائی موجود ہے۔ تو آپ اندازہ لگائیے کہ رضا بر قضا کا کوئی ایسا نمونہ کہیں موجود ہے کہ پیش کیا جا سکے؟۔ (تذکرۃ الرضا ۱۲۴، ۱۲۵)

آپ کا اصلاحی تعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے تھا، گجرات کے ایک سفر میں حضرت مدنیؒ راندیر تشریف لائے تھے، اس وقت راندیر میں ''قوۃ الاسلام'' مسجد میں بعد نمازِ مغرب حضرت اقدس سید مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ اور حضرت مولانا محمد رضا اجمیریؒ کو بیعت فرمایا تھا۔

۲۴ / نومبر ۱۹۹۴ء جمعہ کی رات سورت کے ''حیات'' نامی اسپتال میں حیاتِ مستعار پوری کی۔ مسکراتے ہوئے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف بلند کی اور کلمۂ توحید کا ورد کرتے کرتے جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کا سفر اختیار فرمایا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضرت اجمیریؒ جیسے خود سادہ تھے ان کے خطوط بھی ان کی طرح سادہ، عام فہم، پر مغز، بزرگانہ وشفقت آمیز ہوتے۔ مفتی صاحب کے نام سترہ مرقعہ خطوط محفوظ ہیں۔ یہاں تبرکاً دو نقل کئے جاتے ہیں، خوش قسمتی سے دونوں خط سندِ حدیث کے سلسلہ میں ہیں، پہلا خط جس پر ۹ / ۱۰ / ۱۹۶۸ء کی تاریخ درج ہے، مفتی صاحب نے دار العلوم دیوبند کے قیامِ تعلیم کے دوران سندِ حدیث تحریر فرمانے کی درخواست کی ہوگی جس پر تحریر فرمایا:

''سند حاصل کرنا رسمی طور سے ایک عمل حسن ہے جو امتِ مسلمہ میں چلا آتا ہے اور

ایک تبرک ہے، اس سے زیادہ اہمیت کی چیز نہیں ہے۔ اصل چیز تو بزرگانِ دین کی صحبت اور فیض ہے، جس کو یہ دولت نصیب ہوجائے اور اللہ تعالیٰ قبولیت سے بھی نوازے تو سمجھیے کہ یہ بڑی نعمت اور دولت ہے۔ خصوصی سندات بھی اسی مقصد کے ماتحت حاصل کئے جاتے ہیں، خصوصی سندات بڑی بزرگ ہستیوں کا کام ہے۔ یہ چیز بفضلہٖ تعالیٰ آپ کو اچھے اچھے بزرگ علمائے کرام سے دست یاب ہوسکے گی، جن کے پاس ہر قسم کے کمالات بھی ہیں، شہرت بھی اور قبولیت بھی۔ حضرت شیخ زکریا مدت فیوضہم اور حضرت شیخ فخر الدین اور آپ کے دیگر اساتذۂ کرام جو وہاں پر مصروفِ افادہ ہیں ان سے سماعت اور استفادہ فرماتے ہوئے سند حاصل فرمائیں اور وہاں کا معمول بھی ہے۔ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں، آپ لوگ مجھے اچھی طرح سے جانتے ہیں، ''اندھوں میں کانا راجا'' والی بات ہے۔ یہاں بیٹھے بیٹھے چند دانوں کے ساتھ سرزوری کرتا رہتا ہوں، جن میں صلاحیت ہوتی ہے ان کو اصلی مراکز کی طرف توجہ دلاتا رہتا ہوں اور کچھ مناسبت پیدا کرنے کی کوشش رہتی ہے۔ جو سعادت مند ہوتے ہیں وہ سمجھ جاتے ہیں اور شوق سے پھر اصلی مقام پر پہونچ کر جوہر استحقاق کا مظاہرہ کرلیتے ہیں۔ بس! یہاں کے سب احباب سلام عرض کرتے ہیں اور والد مرحوم کے انتقالِ پرملال پر اظہارِ غم وصدمہ کرتے ہیں۔

فقط دعا گو ودعا: جو محمد رضا

دوسرا خط جس پر ۴/ ۷/ ۱۹۷۴ء کی تاریخ ہے، قیام جامعہ ڈابھیل میں جس سال مؤطا کی تدریس سپرد کی گئی اس سال اس کتاب کی سند معلوم کی تھی۔ مفتی صاحب نے مؤطا امام مالک حضرت اجمیریؒ سے پڑھی ہے اس کتاب کی سند کے متعلق جو خط تحریر فرمایا ہے اس کے ہر ہر لفظ سے کسرِ نفسی وتواضع عیاں ہے، ملاحظہ کیجئے:

عزیزم مولوی احمد خانپوری صاحب دمتم بالخیر والعافیۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا، گرامی نامہ ملا، حال معلوم ہوگیا۔ مؤطا بڑی اچھی کتاب ہے، تواتر اً ثابت ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نواس کو بڑی اہمیت دیتے ہیں، سند کا سلسلہ میں نے رکھا ہی نہیں ہے، بڑے بڑے حضرات موجود ہیں جو یہ سلسلہ جاری رکھتے ہیں، میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔ نوشتہ سند میرے پاس نہیں ہے، میں نے کبھی اس کا اہتمام بھی نہیں کیا ہے۔ میں نے مولانا محمد یونس صاحب میرٹھیؒ سے یہ کتاب دارالعلوم عثمانیہ اجمیر شریف میں قریباً ۱۹۴۲ء میں پڑھی تھی، جو بڑے صالح اور نیک بزرگ تھے، مولانا احمد حسن امروہی کے فیض یابوں میں سے تھے، اور وہ مولانا نانوتویؒ کے شاگردِ خاص تھے۔ دیگر اساتذہ کا سلسلہ شاہ ولی اللہؒ تک پہنچتا ہے۔ اوران کے اوپر کا سلسلہ معروف ہے۔

آپ پڑھایئے، یہ بڑا مبارک سلسلہ ہے، ''اوجز'' سے استفادہ کرتے رہئے، حضرت شیخ پاکستان پہونچ گئے ہیں، معلوم ہوگیا ہوگا۔ دعا فرماتے رہیں۔ خدا حافظ

محمد رضا

اخیر میں حضرت اجمیریؒ کی مبارک تحریر پر اس مضمون کو پورا کرتا ہوں، یہ تحریر درحقیقت ایک سند ہے، مفتی صاحب کی درخواست پر حضرت اجمیریؒ نے سند کا مضمون بذاتِ خود تحریر فرمادیا، میرے نزدیک ''بزرگ استاذ'' کی ''بزرگ شاگرد'' سے وابستہ دعائیں اور امیدیں لفظ بلفظ پوری ہوئیں۔ اس لیے مضمونِ سند کو ''الہامی'' کہنا چاہیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی حبیبہ و خلیلہ الکریم

الأمین وعلی اٰله وأصحابه وعلی من تبعهم الی یوم الدین اما بعد:

برادرِ محترم مولانا الحاج احمد بن الحاج محمد خانپوری نے احقر کے پاس دورۂ حدیث کی اکثر کتابیں پڑھی ہیں اور اچھی محنت اور شوق وذوق سے کام لیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اچھی قابلیت سے نوازا ہے، ہمیشہ رفقا اور شرکائے درس میں ممتاز رہے ہیں، اساتذہ اور رفقا ہمیشہ آپ کے اعلیٰ اخلاق سے متأثر رہے ہیں۔

آپ کی ذات سے پوری امید ہے کہ قوم اور ملت کو خوب فیض یاب رکھیں گے، اور اسلافِ صالحین کے نقشِ قدم پر قائم اور دائم رہ کر علومِ نبوت کی ضیا پاشیوں میں اپنی قیمتی زندگی کو معمور اور مصروف رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ حضورِ پاک ﷺ کے نقشِ قدم پر رہتے ہوئے اس فانی زندگی کو پوری کریں، اور رب العالمین راضی رہے۔

احقر کے اساتذۂ حدیث تو کئی حضرات ہیں؛ مگر احقر نے ان تین بزرگوں سے زیادہ فیض حاصل کیا ہے: حضرت الحاج مولانا محمد شریفؒ الٰہ آبادی اور مولانا الحاج محمد یونس میرٹھیؒ، مولانا مفتی امتیاز احمد بہاریؒ۔

احقر العباد: محمد رضا اجمیری عفی عنہ

حضرت مولانا اجمیری صاحب نور اللہ مرقدہ سے مفتی صاحب نے درجۂ عربی ششم میں جلالین، دورہ میں بخاری شریف مکمل، ترمذی شریف، مؤطا مالک اور ابنِ ماجہ شریف پڑھی۔

قیامِ راندیر پر ایک نظر

مفتی صاحب نے بارہ سال کی عمر میں ۱۸/ مئی ۱۹۵۸ء دار العلوم اشرفیہ میں داخلہ لیا اور ۱۸/ نومبر ۱۹۶۶ء تک یعنی نو سال تین ماہ میں درسِ نظامی مکمل کر لیا۔ مفتی صاحب

زمانۂ طالبِ علمی میں نہایت ہی انہماک اور جاں فشانی سے اسباق کی طرف متوجہ رہے، جس کی شہادت آپ کے اساتذہ کے قلم سے گذر چکی ہے، اسباق سے فارغ اوقات میں اساتذہ کی خدمت میں حاضری اور ان کے گھریلو کام کاج میں ہاتھ بٹانے کا بھی معمول تھا، ان ہی اوصافِ عالیہ کے باعث آپ کے اساتذہ کی مشفقانہ توجہ آپ پر مرکوز رہی، جن حضراتِ اساتذہ سے علم سیکھا وہ حضرات خود بزرگ تھے، اس لیے بزرگوں سے عقیدت ومحبت ہوجانا فطری امر ہے۔

حضرت لاجپوریؒ سے خادمانہ تعلق

قیامِ راندیر کے دوران مفتیٔ اعظم گجرات حضرت سید مفتی عبدالرحیم لاجپوری نوراللہ مرقدہ سے تعلق پیدا ہوا، اور یہ تعلق وربط روز افزوں ہوتا گیا، جس کی تفصیل آگے آئے گی یہاں صرف اتنا ذکر کردینا کافی ہے کہ آپ نے مشاغلِ علمیہ کے ساتھ ساتھ دوپہر میں کھانے کے بعد کا وقت- جو طلبہ کے لیے آرام کا وقت ہوتا ہے- حضرت لاجپوریؒ کی خدمت کے لیے فارغ کررکھا تھا، حضرت کے دولت کدہ پر حاضر ہوتے، اور رجسٹر میں فتاوی نقل فرماتے، حضرت کے پاس ملک وبیرونِ ملک سے استفتا آتے رہتے، وہاں کسی ناقل کا مستقل انتظام نہیں تھا، طلبہ ہی یہ خدمت اپنی سعادت سمجھ کر انجام دے دیا کرتے تھے، مفتی صاحب کو یہ سعادت میسر ہوئی، چناں چہ خود تحریر فرماتے ہیں:

''احقر کو اپنے دورِ طفولیت (جبکہ میں دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں پڑھ رہا تھا اسی وقت) سے حضرت مفتی صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل رہی، اس زمانہ میں حضرت کے فتاوی نقل کرنے کے لیے حضرت کے دولت کدہ پر روزانہ حاضر

ہوتا تھا، اور فراغت تک یہ سلسلہ برابر جاری رہا، حضرت بھی احقر کے ساتھ پدرانہ شفقت ومحبت فرماتے تھے۔ (مقدمۂ حیات عبدالرحیم صاحب ۳۰)

ایک مرتبہ تو زمانۂ تعطیل بھی حضرت لاجپوریؒ کے دولت کدہ پر گزار دیا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا چوبیس گھنٹے حضرت کی معیت اور نیک صحبت میں گزارے، اور نقلِ فتاوی کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔

حضرت شیخ الحدیث سے نیاز مندانہ تعلق

مفتی صاحب کی زندگی میں وہ بڑا مبارک دن تھا جب انھیں شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ سے نیاز حاصل ہوا، اور خدا طلبی کا ذوق اور اہل اللہ کی خدمت میں حاضری کا شوق پیدا ہوا، یہ بہت ہی بڑی دولت ونعمت ہے؛ بلکہ بعض حقیقت شناسوں کے نزدیک یہی اصل دولت ہے۔

نشانِ منزلِ جاناں ملے نہ ملے	❁	مزے کی چیز ہے یہ ذوقِ جستجو میرا

کہتے ہیں کہ جس کا رزق جہاں مقدر ہوتا ہے وہیں ملتا ہے، اس کے لیے دیس، پردیس کی قید وشرط نہیں، یہ کلیہ مادی وروحانی دونوں قسم کے رزق کے لیے عام ہے، کہاں خانپور کا ایک ادنی طالبِ علم اور کہاں سہارن پور کا قطبِ عالم! کہاں کنز الدقائق کا طالبِ علم اور کہاں معدن الحقائق کا کوہِ گراں! کہاں شرح جامی کا طالبِ علم اور کہاں جامعِ شریعت وطریقت کا درِ علم! کہاں شرحِ تہذیب پڑھنے والا اور کہاں مہذب بنانے والا! بظاہر کوئی جوڑ ہی نہیں؛ لیکن جس کا مقدر کھل چکا ہو، سعادت جس کی قسمت میں لکھی جا چکی ہو، خلاف توقع غیبی اسباب مہیا ہو ہی جاتے ہیں۔

چناں چہ علمائے دیوبند کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مفتی صاحب نے بھی صرف ظاہری علوم کے حصول پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ طالبِ علمی ہی میں اہل اللہ سے اپنا رشتہ جوڑا، جس کی ابتدائی تقریب یہ ہوئی کہ قیامِ راندیر میں جب آپ عربی سوم کے طالبِ علم تھے کچھ پریشانیاں لاحق ہوئیں، جن کے ازالہ اور دعا وتوجہ کے لیے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کی خدمت میں ایک عریضہ تحریر فرمایا:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی خدمت میں عریضہ

از راندیر　　احمد محمد خانپوری

السلام علیکم

ذوالمجد والکرم ومصلحِ قلب حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتکم!

امید قوی ہے کہ مزاجِ گرامی بہ خیر ہوگا۔

احقر مدرسہ اشرفیہ راندیر کا ایک طالبِ علم ہے جو کنز الدقائق، اصول الشاشی، شرحِ جامی، شرحِ تہذیب وغیرہ پڑھتا ہے۔ احقر آج آپ کے دربار میں بذریعۂ خط پہنچا، اسے باعثِ سعادت مندی سمجھتا ہے۔ امید ہے کہ میرے احوال پر غور فرمائیں گے۔ وہ یہ کہ درسی کتب بینی میں نیز اسباق میں دل نہیں لگتا، بحمد اللہ اسباق یاد ہو جاتے ہیں؛ لیکن فی الحال دل نہیں لگتا، بلکہ نماز وغیرہ میں بھی نہیں لگتا، عجیب عجیب خیالات آتے ہیں اور احباب کے لعن وطعن سے مایوس ہو گیا ہوں، یہاں تک کہ خودکشی کرلوں ایسے خیالات آتے ہیں، احباب کی جانب سے جھوٹی جھوٹی تہمتیں ڈھائی جاتی ہیں۔ دل لگتا ہے تو صرف قرآن شریف میں لگتا ہے؛ باقی کسی میں نہیں؛ نیز یہ باطنی امراض ہوئے۔

اور ایک جسمانی مرض ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پناہ مانگی ہے، وہ یہ ہے کہ برص کی بیماری ہے، اولِ وہلہ میں دعا کریں یا کوئی وِرد بتائیں جس سے وہ تجاوز نہ کرے۔ اور مذکورہ باطنی امراض کے لیے جو مناسب سمجھیں تحریر فرمائیں۔ دعائے خیر کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی مرضیات پر چلائے اور نامرضیات سے اجتناب اور علم کا قدرداں بنائے۔

محتاجِ دعا: احمد خانپوری، بقلم خود

۲۶/ ربیع الثانی ۸۲ھ

جواب کے لیے لفافہ پیشِ خدمت ہے۔

جوابِ عریضہ از شیخ الحدیث

برص اور اسباق میں دل نہ لگنے اور احباب کے لعن وطعن کا علاج

عنایت فرمایم سلمہ!

بعد سلام مسنون! عنایت نامہ پہنچا، بیماری کی خبر سے قلق ہوا، یہ ناکارہ دعا کرتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل وکرم سے صحتِ کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے۔ ہر نماز کے بعد سات مرتبہ اَللّٰھُمَّ إِنِّی أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبَرْصِ وَالْجُذَامِ وَالْجُنُوْنِ وَسَیِّءِ الْأَسْقَامِ① اول آخر درود شریف تین تین مرتبہ پڑھا کریں۔ یہ ناکارہ بھی دعا کرتا ہے، حق تعالیٰ شانہٗ آپ کو جملہ امراض سے شفا عطا فرماوے۔ اسباق، مطالعہ میں دل نہ لگنے کا علاج یہ ہے کہ اسباق، مطالعہ میں شریک ہو جاویں، اِن شاء اللہ دل لگنا شروع ہوگا۔ احباب کے لعن طعن سے جی برا کرنے کی بالکل ضرورت نہیں، وہ تو آپ پر احسان کرتے ہیں کہ

---

① یہ دعائے ماثورہ ہے: ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ لینا چاہتا ہوں جسم پر سفید داغ پڑنے سے اور کوڑھ اور دیوانگی اور بقیہ جتنی خراب بیماریاں ہیں سب سے (الحزب الأعظم منزل یوم الاثنین)

اپنی نیکیاں آپ کو دیتے ہیں اور اگر ان کے پاس نیکیاں نہیں تو آپ کے گناہ اپنے سر لیتے ہیں؛ البتہ ان کے لعن طعن سے یہ غور ضرور کرلیا کریں کہ اگر وہ عیب آپ میں موجود ہے جس پر وہ لعن طعن کرتے ہیں تو اس کو چھوڑنے کی کوشش کریں، اس کے لیے اس ناکارہ کا رسالہ ''الاعتدال''[۲] مطالعہ میں رکھنا مفید ہے۔

حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل وکرم سے آپ کو اپنی رضا ومحبت عطا فرماوے، مرضیات پر عمل کی زیادہ توفیق عطا فرماوے، نامرضیات سے حفاظت فرماوے۔ فقط والسلام۔

زکریا بقلم حامد حسین، ۱۶/ جمادی الاولی ۸۲ھ

بکری کے دماغ سے جو کیڑے مثل کملے نکلتے ہیں ان کو استخوان زانوئے خوک کے ہمراہ مل کر کے برص کے داغ پر لگانے سے چند روز میں برص کا نشان تک نہ رہے گا۔ بارہا تجربہ کیا ہے، اس سے بہتر کوئی اور نسخہ برص یعنی سفید داغ کا میسر نہیں ہوسکتا، جب تک یہ استعمال کیا جائے لیموں زیادہ کھایا جاوے، اور دودھ اور مچھلی سے پرہیز۔

ایک خواب

مفتی صاحب نے قیامِ راندیر میں ایک خواب دیکھا اس کی تعبیر معلوم کرنے کے لیے شیخ الحدیث صاحب کی خدمت میں لکھا:

میدانِ حشر قائم ہے لوگ حیران اور پریشانی کے عالم میں ہیں، خواب ہی میں مجھ سے مولانا محمد سعید صاحب راندیری (مرحوم) نے فرمایا: گھبراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ اپنے

---

[۲] ''الإعتدال فی مراتب الرجال'' معروف بہ ''اسلامی سیاست'' یہ رسالہ درحقیقت ایک طویل وعریض خط ہے جس کو حضرت شیخ نے اپنے ایک مخلص خادم وشاگرد کو مسائلِ حاضرہ کے متعلق سات سوالوں کا جواب دیتے ہوئے کتاب وسنت کی روشنی میں انتہائی سنجیدگی ومتانت سے شعبان ۱۳۵۷ھ میں تحریر فرمایا تھا۔

بندوں کے ساتھ رحم وکرم ہی کا معاملہ کرے گا، اس کے بعد فرشتے باری تعالیٰ کا عرش لے کر اترے اور اللہ تعالیٰ کی تجلی ظاہر ہوئی۔

خواب کی تعبیر (مغفرت کی بشارت)

عنایت فرمایم سلمہ!

بعد سلام مسنون! عنایت نامہ پہنچا۔ تمھارا خواب بہت مبارک ہے۔

اس میں ایک جانب تو تنبیہ ہے اس بات کے اوپر کہ آدمی کو موت کو اور حساب کتاب کو ہر وقت یاد رکھنا چاہیے کہ یہ چیز بہر حال پیش آنی ہے۔ اور دوسری جانب اِن شاء اللہ تمھاری مغفرت کی بشارت ہے، نیز مولانا محمد سعید صاحب راندیری کے علوِ شان کی طرف بھی اشارہ ہے، ان کی خدمت میں کبھی کبھی جاتے رہا کرو، بندہ کی طرف سے بھی سلام مسنون کہہ دیں۔ فقط والسلام۔

محمد زکریا بقلم شمیم ۱۷/ ربیع الثانی ۸۳ھ

ایک اَور خواب

اسی زمانۂ طالبِ علمی میں دوسرا خواب دیکھا خواب اور اس کی تعبیر غور سے پڑھیے:

ہمارا دارالاقامہ ہے، وہاں سے میں نکل رہا تھا، جب احاطہ کے صدر دروازہ سے باہر آیا تو دیکھا کہ ایک طالبِ علم گھوڑے پر سوار ہو رہا تھا، وہ گھوڑا سرکش اور متمرد معلوم ہوتا تھا، اور اس کے قبضہ میں نہ آتا تھا، تو اس نے ارادہ بدل دیا، اور اتر جانا چاہتا تھا، تو میں نے کہا کہ چڑھ جاؤ، کیوں گھبراتے ہو؟ گھوڑے تو ایسے ہی ہوا کرتے ہیں تو پھر وہ دوبارہ چڑھ گیا، اور میں بھی اس کے ہمراہ پیدل چلنے لگا۔

وہ گھوڑا سیدھے راستے سے گذر کر ایک گلی میں گھسا، وہاں سے پھر ایک میدان میں گیا، جہاں پر گھانس قدِ آدم جتنی اگی ہوئی تھی، وہاں پر دیکھا کہ گھوڑا ایک بڑے اژدہے کو دیکھ کر بدکنے لگا، تو میں نے اس اژدہے کو قتل کرنے کے لیے پیچھا کیا، مگر میرے پاس کچھ ہتھیار نہ تھا، جس کی وجہ سے میں اس کو پتھر مارنے لگا، وہ اژدہا گھانس میں چھپنے لگا، ایک دوسرا شخص بھی اس کو پتھر مارنے لگا، پھر میں نے ڈھیلے مارنا ترک کر دیا اور بندوق تلاش کرنے گیا تاکہ اسے قتل کردوں، اتنے میں اس آدمی نے یہ جانا کہ اژدہا اس کو کاٹے گا جو اس کو چھیڑے، تو اس شخص نے پتھر مارنا ترک کر دیا، اور کہا کہ میں تو اسے نہیں چھیڑوں گا، میرا اس نے کیا بگاڑا ہے، جب میں بندوق تلاش کرنے گیا تو میرے ساتھ ایک اور شخص تھا جسے میں پہچانتا نہیں ہوں، اس نے کسی سانپ کی سرسراہٹ سنی تو وہ اس کے پاس گیا، تو معلوم ہوا کہ وہ اژدہے کا بچہ تھا، جب وہ پاس گیا تو وہ بچہ اس سے کہنے لگا کہ کب سے کیوں تم لڑتے رہتے ہو، چلو صلح کرلیں۔

میں نے جب سنا تو میں بھی اس کے پاس گیا اور کہا کہ اچھا چلو، جب میں اور وہ اور کوئی تیسرا شخص بھی ساتھ تھا تینوں اس کے پاس صلح کے لیے بیٹھے تو ذرا ادھر اُدھر کی بات ہونے کے بعد اس بچہ نے میرے ہاتھ پر ڈنک مارا اور کہا کہ ایک کی تو تم کو قربانی کرنی ہوگی اس کے بعد گویا مجھ پر بے ہوشی سی طاری ہوگئی اور میں مرنے لگا پھر خواب ختم ہوگیا۔

خواب کی تعبیر

(آپ کی وجہ سے دشمنانِ اسلام کو نقصان)

عنایت فرمایم سلمہ!

بعد سلام مسنون! عنایت نامہ پہنچا۔ خواب اِن شاء اللہ مبارک ہے، اس کی تعبیر

یہ ہے کہ ان مولوی صاحب کو تمھارے سے دینی فائدہ پہنچے گا، اور تمھاری وجہ سے اِن شاء اللہ دشمنانِ اسلام کو نقصان پہنچے؛ البتہ اژدہے کے بچے نے جو پشت پر ڈنک مارا ہے وہ خود انہیں بھی نقصان ہے، اللہ جل شانہ تمھیں شرور سے محفوظ رکھے۔ فقط والسلام

زکریا عفی عنہ بہ قلم محمد شفیق ۱۶ / رجب

حضرت شیخ الحدیثؒ سے غائبانہ رشتہ بذریعۂ خطوط قائم ہو چکا تھا، اور قیامِ راندیر کے زمانہ میں سورت اسٹیشن پر حضرت شیخ کی زیارت بھی کی تھی۔ زیارت کا مختصر قصہ یہ ہے کہ حضرت شیخؒ اور حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ امیر جماعت تبلیغ حج کے سفر پر تشریف لے جارہے تھے، اور دہلی سے بمبئی فرنٹیر میل سے آنے والے تھے، قرب وجوار کے اہلِ تعلق کو حضرت شیخ کی آمد کی اطلاع ہو چکی تھی، عشا کے بعد ہی زائرین ہزاروں کی تعداد میں سورت ریلوے اسٹیشن پر جمع ہونے شروع ہو گئے تھے، جن میں جامعہ حسینیہ راندیر، دارالعلوم اشرفیہ راندیر اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے طلبہ واساتذہ کے علاوہ ہزاروں عوام سراپا اشتیاق بن کر شروع رات ہی سے وہاں پہنچ گئے تھے، حالاں کہ ریل کے ٹھہرنے کا وقت صرف تین منٹ تھا۔

صبح چار بج کر کچھ منٹ پر فرنٹیر پہنچا، اور مجمع دیکھ کر افسران نے تین منٹ کے بجائے پندرہ منٹ ٹھہرایا، اور تشنگانِ زیارت کے لیے سامانِ سیرابی فراہم کیا، مجمع کو بٹھا دیا گیا؛ تاکہ سب ہی زیارت سے مستفید ہو سکیں۔ اس وقت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی نے ریل کے دروازہ پر کھڑے ہو کر بیان کرنا شروع کیا، جو ریل کی روانگی تک جاری رہا۔ جب ریل چلنے لگی تو دل ہلنے لگے، اور آنسو بہنے لگے، بعضوں کی چیخیں بلند ہو گئیں، اور بعض تو غش کھا کر گر پڑے۔ (ماخوذ از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا اور ان کے خلفائے کرام ۱ / ۲۶۷)

بھلا ایسا روحانی منظر دیکھنے کے بعد سہارن پور جانے اور حضرت شیخ کے قدموں میں گرنے کا شوق موجزن کیوں نہ ہوتا؛ چناں چہ ان تمام دواعی کے نتیجہ میں مفتی صاحب نے عربی چہارم کے بعد مظاہر علوم جانے کا فیصلہ کرلیا، لیکن والد صاحب کے منشا کے بغیر مدرسہ بدلنا مشکل تھا، ان کو سہارن پور جانے کا ارادہ معلوم ہوا تو اشرفیہ کے اساتذہ کے پاس کہلا بھیجا کہ اسے سہارن پور جانے نہ دیجئے؛ چناں چہ آپ نے دورہ تک کی تعلیم اشرفیہ ہی میں مکمل فرمائی۔

آپ کے والد صاحب کا منشا یہ تھا کہ ایک ہی جگہ تعلیم مکمل ہو، مدرسہ بدلنے میں تعلیم کے نقصان اور جی نہ لگنے کا امکان رہتا ہے، اس لیے ان کے فیصلے کے مطابق مفتی صاحب نے پوری تعلیم دار العلوم اشرفیہ میں مکمل فرمائی۔

آپ کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں والد گرامی کی فکر

قیامِ راندیر میں بھی مفتی صاحب کی تعلیم وتربیت پر والد صاحب کی کڑی نظر ونگرانی برابر رہی، خانپور سے بذاتِ خود راندیر آتے، اور اپنے لائق بیٹے کے اساتذہ وذمہ دارانِ مدرسہ سے ملتے، اخلاق وعادات اور امتحان کے نتائج معلوم کرتے، کبھی اپنے دوست اور رفیق ''بے کار صاحب'' (جن کا ذکر گزر چکا) اور اپنی بیٹی (مفتی صاحب کی بڑی بہن صاحبہ) کے نام خط لکھتے کہ: احمد کا خیال رکھیں۔

جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں کہ تربیت کے معاملہ میں وہ بڑے سخت تھے، مفتی صاحب کا دینی ذہن بنانے میں ان کی تربیت کا خاص دخل رہا ہے۔

جن لوگوں سے مستقبل میں اللہ تعالیٰ کو دین کا کام لینا منظور ہوتا ہے بچپن میں ان کی

تربیت کا انتظام اسی طرح ہونا قدرتی امر ہے۔ جن لوگوں نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی ''آپ بیتی نمبر ایک'' چند تربیتی واقعات ص ۴۳ تا ۵۵ والا حصہ پڑھا ہے وہ جانتے ہیں بچپن میں ان کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے کیسی سخت تربیت فرمائی تھی تب جا کے شیخ ''شیخِ وقت'' بنے ہیں، مفتی صاحب کے والد ماجد عالم نہیں تھے؛ مگر دین دار ضرور تھے، وہ بچپن ہی سے اپنی اولاد میں دینی رسوخ پیدا کرنے اور ان کو سادہ طبیعت میں ڈھالنا چاہتے تھے۔

مفتی صاحب کی تربیت کے تعلق سے والد صاحب کی تربیت کے دو تین واقعات ملاحظہ کیجئے:

تربیت کے تین واقعے

① یہ واقعہ قیامِ راندیر کے دور کا ہے، مفتی صاحب کے والد صاحب کی حالت دنیوی معیشت کے لحاظ سے متوسط درجہ کی تھی، ان کے مزاج میں کفایت شعاری رچی بسی تھی، ایک مرتبہ انہوں نے خانپور سے راندیر دو جوڑی کپڑے سلا کر بھیجے، جس کپڑے سے یہ جوڑے بنائے گئے تھے اس کا شمار گھٹیا کپڑوں میں ہوتا ہے جس کو گجراتی میں ''مادر پاٹ'' کہتے ہیں، عموماً ''مادر پاٹ'' کا استعمال اس وقت دیہاتی اور غربا قسم کے لوگ کرتے تھے، یہ کپڑا میلا ہونے کے بعد دھونے سے سکڑ جاتا ہے، آج کل کی طرح ناز ونعمت میں پلنے والے طلبا کی طرح اس زمانہ میں پریس شدہ کپڑوں کے پہننے کا دستور بھی نہیں تھا اور نہ ممکن، مفتی صاحب کے پاس جب یہ کپڑے پہنچے تو پہنتے ہوئے عار وشرم محسوس کی، رفقا میں سے بعض نے کہا بھی کہ تو ایسے گھٹیا کپڑا پہنے گا؟

ان کے عار دلانے اور اکسانے سے استعمال نہ کرنے کی رائے میں اور پختگی پیدا ہوئی؛ چناں چہ آپ نے راندیر سے والد صاحب کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ ''آپ نے جو لباس تیار کر کے بھیجا ہے مجھے وہ پسند نہیں ہے''۔ اس کے جواب میں خانپور سے والد صاحب کا گرامی نامہ بجلی بن کر گرا، جس میں انہوں نے سخت الفاظ میں لکھا: ''میں نے اپنی حیثیت کے مطابق کپڑے سلا کر بھیجے، اگر تم کو پسند نہیں تو وہاں سورت اور راندیر کے درمیان ''تاپی'' ندی ہے، اس میں پھینک دو''۔

چناں چہ بادلِ ناخواستہ ہی سہی پدر کی ڈانٹ پر ''مادر پاٹ'' پہننا ہی پڑا۔

مفتی صاحب نے زمانۂ طالبِ علمی میں کبھی بھی غیر حاضری نہیں کی؛ البتہ نو سال میں دو مرتبہ ایسا اتفاق ہوا جس میں آپ کو مجبوراً وطن جانا پڑا۔

(۲) ایک مرتبہ بیمار ہوئے، راندیر علاج کیا، مگر خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا تو مہتمم صاحب (حضرت مولانا احمد اشرف راندیری) سے اجازت لے کر خانپور آ گئے، گھر پہنچتے ہی والد صاحب نے تعلیم کے وقت میں آنے پر باز پرس و گرفت کی، بیماری کا عذر بتلایا، انہوں نے فرمایا: خانپور کے بالمقابل راندیر میں علاج و معالجہ کے وسائل زیادہ ہیں، وہیں علاج کرانا چاہیے؛ چناں چہ بہت کچھ کہنے کے باوجود ایک نہ سنی، خفا ہو گئے، حتی کہ ساتھ میں کھانے بھی نہیں بٹھایا۔ چناں چہ اسی دن مدرسہ واپس کر دیا، ایک دن بھی خانپور ٹھہرنے نہیں دیا۔

(۳) دوسری غیر حاضری ایک شادی کے موقع پر ہوئی، ماموں زاد بہن کی شادی تھی، آپ شادی میں شرکت کی خاطر مدرسہ سے اجازت لے کر خانپور پہنچے، والد صاحب سے ملاقات ہوئی، آمد کی وجہ پوچھی، بتلایا گیا؛ مگر وہ آپ کی اس آمد و شرکتِ شادی سے خوش

نہیں تھے، واپس بھیجنا چاہا، رشتہ داروں نے منایا، منت سماجت کی، رشتہ داروں نے کہا: ایک دن تو رکنے دیجئے، کل چلا جائے گا، مگر کسی کی نہیں سنی اور اسی دن مدرسہ بھیج دیا۔

مفتی صاحب زمانۂ تعطیل میں راندیر سے خانپور آتے تو والد صاحب تعطیل کے اوقات کو وصول کرتے، اس زمانہ میں مفتی صاحب کے والد کے نام ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ سے ہر ماہ آتا رہتا، تعطیل میں صبح کے ناشتہ کے بعد تقریباً گیارہ بجے تک مفتی صاحب کے لیے پابندی تھی کہ مذکورہ رسالہ یا حسبِ منشا کوئی اَور دینی کتاب پڑھ کر سناوے، اس کے بعد ہی چھٹی ملتی،

ع　اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

یہاں تو سبق بھی یاد، اعلیٰ نمبرات؛ بلکہ اول نمبر سے پاس پھر بھی زمانۂ تعطیل میں چھٹی نہ ملتی،

ع　ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا

فراغت کے بعد

اس وقت مدارسِ دینیہ سے فراغت کے بعد دینی مدارس کے طلبہ مظاہر علوم سہارنپور یا پھر دار العلوم دیوبند جا کر مزید تعلیم حاصل کرتے، مگر مفتی صاحب کو عربی ادب پڑھنے کا شوق دامن گیر تھا، عربی ادب کی طرف رجحان ہونے کی وجہ ظاہر تھی کہ آپ نے جن اساتذہ سے علوم عربیہ حاصل کئے تھے وہ خود علم وفن کے ماہر تھے۔

آپ کے اساتذہ میں مولانا سید مصلح الدین صاحب مدّظلہ (کی خودنوشتہ تحریر میں گزر چکا ہے کہ انہوں نے خود اپنے والد ماجد سے کیسے پڑھا اور اپنے شاگردوں کو

پڑھانے کا کون سا طرز اختیار کر رکھا تھا، مولانا سید مصلح الدین صاحب) کے حالات میں لکھا ہے:

''۱۳۷۲ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا، ان کا امتحانِ داخلہ شیخ الادب حضرت مولانا محمد اعزاز اعلی صاحب نے لیا اور ۴۸ نمبر دے کر کامیاب کیا، پھر فرمایا: ابھی تمھاری عمر ہی کیا ہے؟ انہی کتابوں کو دوبارہ پڑھ لو تو بہتر ہے، چناں چہ شیخ الادب صاحبؒ کے مشورہ کے مطابق ہدایۃ النحو وغیرہ کتب دوبارہ پڑھی، آپ مفتی صاحب کے عربی دوم کے استاذ ہیں''۔

فخرِ گجرات حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری مدظلہ کے ذکرِ خیر میں گزر چکا ہے کہ انہوں نے امام النحو والمنطق حضرت مولانا صدیق احمد صاحب جمویؒ سے نحو اور منطق کی اکثر کتابیں تین سال تک پڑھیں، مفتی صاحب نے آپ سے اور کتابوں کے ساتھ مختصر المعانی پڑھی۔

حضرت مولانا آدم پالن پوریؒ سے مفتی صاحب نے دیوانِ متنبی پڑھی۔ ''مولانا آدم صاحبؒ کے متعلق ان کے بعض شاگردوں سے سنا کہ: عربی لغت وادب میں ان کی نظر وسیع تھی، متنبی کے درس میں شواہد کے طور پر عربی واردو کے محفوظ اشعار سنایا کرتے تھے؛ بلکہ متنبی کے درس میں طرزِ بیان اور اندازِ ادا سے محسوس ہوتا کہ مولانا خود متنبی ہیں''۔ مولانا آدم صاحب خود ظریف الطبع طبیعت کے حامل تھے۔ مذکورہ اساتذہ سے عربی زبان کی عملی مشق اور ان کی ظرافتِ طبعی نے عربی زبان کی وحشت اور درسی کتاب کی ثقالت کو دور کر دیا تھا، شاید یہی وجہ ہے کہ مفتی صاحب کے حافظہ میں متنبی کے کئی اشعار محفوظ ہیں، جو گاہے گاہے بیانوں اور گفتگو کے دوران نوکِ زبان پر آجاتے ہیں۔

مثل: ''الشجرة تعرف بثمارها'' یعنی درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے مشہور ہے۔

الحاصل درسِ نظامی میں عربی زبان سے تعلق رکھنے والی کتابیں ماہر فن اساتذہ سے پڑھنے سے عربی ذوق پیدا ہو چکا تھا، اپنے محبوب استاذ حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری مدظلہ سے عربی ادب پڑھنے کے متعلق مشورہ کیا، مولانا نے فرمایا: حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب سے رابطہ کرنے کے بعد یعنی ان کی وساطت سے ندوۃ العلماء لکھنؤ درخواست بھیجو۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب اُس وقت فلاحِ دارین ترکیسر کے فعال مہتمم تھے، عربی ادب میں ان کا ذوق بلند ہے، عربی ہی نہیں؛ بلکہ گجراتی اور اردو زبان پر اچھی گرفت ہے، ان کا اندازِ تحریر بھی شستہ، پاکیزہ اور دل کش ہے، تینوں زبانوں میں ان کی تصانیف موجود ہیں، جو جامعیت اور ادبی دل کشی کی وجہ سے اہلِ علم کے مابین قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔

مولانا نور عالم امینی صاحب زید مجدہ نے ان کی مترجم کتاب ''دیوان الامام الشافعی'' کی تقریظ میں ان کے متعلق لکھا ہے ''ہم عصر گجراتی علماء میں علمی ذوق، تصنیف وتالیف کے مذاق، تاریخ وسیر کے گہرے مطالعہ اور بالخصوص عربی زبان وادب سے بے پایاں شغف کے حوالہ سے نمایاں مقام رکھتے ہیں''۔ (ص:۲۱)

ان ہی اوصافِ عالیہ وعلمی خصوصیات کی بناء پر ایک باذوق علمی دوست نے مولانا کے متعلق راقم الحروف سے کہا کہ: ''مولانا گجرات کے علی میاں ہیں''۔

ایک ملاقات میں ان کا یہ جملہ راقم نے مولانا سے نقل کیا تو مولانا حسبِ عادت مسکرانے لگے۔

ندوۃ العلماء سے ان کے روابط رہے ہیں، اس وجہ سے حضرت مفتی سعید پالن پوری مدظلہ نے حضرت مولانا عبداللہ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا۔

شوال کی تعطیل میں ترکیسر حاضر ہوکر ندوہ جانے کا مشورہ کرنے اور وہاں کے امتحان کی تیاری کرنے کے سلسلہ میں مولانا عبداللہ کے نام مفتی صاحب نے خط لکھا تھا، مولانا عبداللہ کی طرف سے جواب آیا۔

مکتوبِ گرامی حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہ

عزیزم مولوی احمد صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام میں کل شام ترکیسر پہنچا تو آپ کا مکتوب بھی ملا، سورت کے عالمی اجتماع کے بعد آپ تشریف لائیں گے تو ان شاء اللہ رسائل ومجلّات بتلاؤں گا، حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری مدظلہ کا گرامی نامہ میرے پاس نہیں آیا، مگر آپ بلا تکلف رسائل حاصل کرلیں، اور حتی الامکان فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔

مجھے آپ کے اس شغف اور ذوق سے خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کو علم وعمل میں ترقی نصیب فرماوے اور دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائے، میرے لیے بھی دعا فرماتے رہنا۔ والسلام

اخوکم فی الدین عبداللہ غفرلہ

۱۹/شعبان ۱۳۸۶ھ ۳/دسمبر ۱۹۶۶ء

اسی تعطیل میں حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری سے برابر ربط رہا، بذریعۂ خطوط ندوہ کی تیاری کے متعلق رہنمائی حاصل کرتے رہے، حضرت مولانا پالن پوری

مفتی صاحب کے خطوط کا برابر جواب دیتے رہے، ان کے مرقع گرامی ناموں میں سے موقع کی مناسبت سے یہاں صرف چار نقل کئے جاتے ہیں، مولانا کے گرامی ناموں کی سطر سطر سے عیاں پدرانہ شفقت اور مربیانہ عنایت کو دیکھ کر اپنے چھوٹوں پر اسلاف واکابر کی شفقتوں کے واقعات کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

نامہ ہائے گرامی حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ

مکتوب نمبر ①

برادر عزیز سلمہ!

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

تمہارا مرسلہ کارڈ ملا، تم کو جوابی خط لکھنے کی حاجت نہیں ہے، نفس خط ہی لکھ دیا کرو، تمھارا بخار وغیرہ خدا کرے ختم ہوگئے ہوں، سردی سے احتراز کرنا چاہیے، میں فی الحال گھر پر ہی ہوں اور غالباً رمضان بھی یہیں گزرے۔ یہاں پہنچ کر عجیب کسلان کا دور دورہ رہا، دو چار کے علاوہ کسی کو خط نہیں لکھ سکا، آج ہی مولانا عبداللہ صاحب کو لکھتا ہوں۔ سورت کے اجتماع میں لوگ کثرت سے شرکت کے لیے روانہ ہوئے ہیں، ہم ہی ایک کور باطن اس روح پرور اجتماع سے محروم رہے۔ تاہم زیادہ افسوس بھی نہیں؛ کیوں کہ وہاں صرف نام لکھانے کی تقاریر ہوں گی، غالباً تم نے شرکت کی ہوگی، اگر تفصیلی رپورٹ لکھ سکو تو اچھا رہے، والد صاحب بھی شرکت کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔ جمبوسر کے احوال کیا ہیں اگر ہو سکے تو لکھو۔ تم کو بنام ناظم ندوۃ العلماء دار العلوم لکھنؤ ایک خط لکھنا چاہیے جس میں اپنی تعلیم کا مختصر حال لکھ کر معلومات حاصل کرنا چاہیے کہ درجۂ تخصص

میں میرا داخلہ ہو سکے گا؟ اور کب تک آنا چاہیے؟ اگر اصول وضوابط چھپے ہوئے ہوں تو منگوانا چاہیے، مولوی عبداللہ صاحب سے بھی اس سلسلہ میں معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ بہر حال تم کو یہ کام جلد کرنا چاہیے۔

میں بخیر ہوں، والد صاحب سے سلام کہو، بھائی سے بھی، اور کوئی شناسا پرسانِ حال ہو تو اس سے بھی۔ والسلام۔ مولوی ابراہیم صاحب آچھودی کہاں ہیں؟ معلوم ہو سکے تو لکھو۔

سعید احمد عفا اللہ عنہ ۴/۱۲/۶۶

مکتوب نمبر ②

برادر عزیز سلمہ! سلام مسنون

تمہارا ارسال کردہ لفافہ ملا، کاشف احوال ہوا۔ مولوی عبداللہ صاحب پر میں نے یہی لکھا تھا؛ لیکن اب تو مدتِ خواندگی بھی ختم ہو چکی ہے، اس کے رسل ورسائل کتب وغیرہ نہ لائے ہوں تو اس مشورہ کو سرے سے نکال دو، قرآن وغیرہ کتبِ موجودہ میں گزر اوقات کرو۔

① ندوۃ میں اولاً تو سند پیش کرنا نہیں ہوگا؛ بلکہ حسبِ دستور مدارسِ عربیہ داخلۂ امتحان ہوگا، تاہم اگر اس کی نوبت بھی آئی تو اس وقت اس مسئلہ سے نمٹا جائے گا، تم لکھنؤ سے میرے نام تار دے دینا میں فراغت کا سارا سرٹیفکٹ لے کر ارسال کر دوں گا، اور موجودہ سند وہاں پیش کرنا ہوگا تو کافی ہو جائے گا، بہر حال اس الجھن میں فی الحال نہ الجھو۔ اہلِ دفتر کی ذہنیت کی غمازی اس سے خوب ہوگی، خدا ان کو سمجھے۔

② ایک شریکِ جلسہ نے ڈیڑھ لاکھ کا اندازہ لگایا تھا، اس طور پر کہ کل ۸۵ صفیں تھیں، اور فی صف پندرہ سو آدمی تھے، پھر بھی کافی لوگ باہر تھے۔

③ میں فی الحال بخیر ہوں، قرآن عزیز وغیرہ مشاغل میں گزر اوقات کرتا ہوں۔

④ تم کو لکھنؤ جلد پہنچنے کی سعی کرنا چاہیے، والد صاحب کے حج کے سفر سے پہلے بھی جانا ہو تو تاخیر نہ کرنا چاہیے، والد صاحب کب تشریف لے جائیں گے؟ تاریخ متعین ہوئی یا نہیں؟ بھائی وغیرہ سے والد صاحب سے سلام اور احباب پرسانِ احوال سے بھی۔ والسلام

سعید احمد پالن پوری ۲۱/۱۲/۶۶ء

مکتوب نمبر ③

برادر عزیز سلمکم اللہ! سلام مسنون

۲۱/ رمضان کا مکتوب کارڈ پہنچا، اگر تخصص عربی درجہ اول کی وہ نوعیت ہے جو آپ نے لکھی ہے تو پھر تھوڑی سی سعی سے درجۂ ثانی مل جائے گا، اور وہی آپ کے لیے مناسب رہے گا۔

وہاں پہنچ کر رابع صاحب اور علی میاں صاحب سے اولاً ملاقات کی جائے اور تمام تفصیلی حالات راندیر کے پتہ پر ارقام کیجئے، میں غالباً ۱۰/ شوال تک راندیر پہنچ جاؤں گا۔ والدین اور بھائی صاحبان سے سلام مسنون۔

سعید احمد عفا اللہ عنہ ۲۸/ رمضان

مکتوب نمبر ④

برادر عزیز سلمہ! سلام مسنون

تمہارا ۱۴/ رمضان کا مرسلہ کارڈ و نصابِ تعلیم آج ۱۴/ رمضان کو دس یوم کے بعد پہنچا۔ خیر غنیمت کہ پہنچ گیا۔ میرے نزدیک مناسب تمہارے لیے "الاختصاص فی

الأدب العربی" کی تجویز ہے؛ لیکن کاش ایسا ہوتا کہ تم سنۂ اولی کے نصاب کا مطالعہ از خود کر لیتے اور بقیہ دو سال کے لیے داخل ہوتے؛ مگر مطالعہ کی صورت کیا ہوگی، وطن میں تمھیں کتابیں دست یاب نہ ہوں گی، نہ کوئی آدمی ملے گا جو بتلا سکے۔ البتہ یہ صورت ہے کہ عید کے فوراً بعد وہاں لکھنؤ جا کر پہلے سال کے نصاب کا مطالعہ اچٹتا ہی سہی کر لو اور اس کا داخلۂ امتحان دے کر دوسرے سال میں داخلہ لے لو۔ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر تین سال ہی رہ کر تخصص فی الادب مکمل کر لو۔ غالباً صحیح (۳۰) ہے؛ کیوں کہ ۱۹۸۵ء کا دستور مطبوعہ ہے، روپئے کی قیمت گھٹنے پر یہاں یہی (۱۵) اضافہ ہو کر (۳۰) ہو گیا ہے، اس لیے ان کو تصحیح کرنا پڑی ہے۔ جمبوسر والوں کا ایک کارڈ ملا تھا، جواب نہ لکھا ہے نہ فرصت ہے، ملاقات ہو تو سلام و دعا کہو۔ دستور ارسال ہے: والد صاحب یا بھائی صاحب کو سرپرست لکھانا چاہیے۔ ۷/شوال تک جدید طلباء کو حاضر ہو جانا چاہیے؛ اس لیے تم کو ۵/شوال سے چلے جانا چاہیے، اور غالباً رمضان بعد ملاقات نہ ہو، ہاں وہ لنگڑی سند ضرور لے جانا چاہیے، دستور میں جو سامان لکھا ہے وہ ضرور ہونا چاہیے۔ والسلام

سعید احمد

مفتی صاحب ندوۃ العلماء لکھنؤ عربی ادب پڑھنے کے لیے درخواست بھیجی تھی، انہوں نے جواب دیا تھا کہ فراغت کی تصدیق ضروری ہے لہذا برائے تصدیق نامہ اپنے استاذ شیخ محمد رضا اجمیری کی خدمت میں عریضہ لکھا۔

مکتوب حضرت مفتی صاحب

ذو المجد والکرم جامع الکمالات والشیم حضرت مولانا صاحب　من اللہ علینا

بطول بقاء کم .

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون! عرض ایں کہ میں بخیر ہوں اور آپ کی خیر وعافیت کا بہ بارگاہِ الٰہی ہر دم خواہاں!

دیگر میں نے ندوہ (لکھنؤ) اپنے داخلہ کے لیے ایک خط لکھا تھا، تو وہاں سے جواب آیا کہ تم ایک درخواست لکھ کر بھیج دو، جس میں مدرسہ اشرفیہ کے صدر مدرس یا مہتمم کی جانب سے میری فراغت کی تصدیق ہو، اس لیے ساتھ کی درخواست لکھ کر آپ کی خدمت میں ارسال کی ہے کہ آپ اس پر تصدیق کر دیں۔ اس میں یہ بھی لکھا کہ اگر میری طرح اور چار پانچ درخواستیں آ گئیں تو ہی وہ لوگ درجۂ مذکورہ (درجۂ تخصص) کھو لیں گے؛ تاکہ اگر ابھی سے پانچ چھ ہوں تو درجہ ختم ہونے تک کم از کم چار طلبہ باقی رہیں، ورنہ ایک دو پر درجہ ممکن نہیں، اور اس صورت میں وہ لوگ مجھے نفی میں جواب لکھ دیں گے۔

تو آپ سے عرض ہے کہ آپ بتلائیں کہ اس صورت میں کونسی راہ اختیار کروں، مجھے بہر صورت اپنی تعلیم آگے بڑھانا ہے، امید ہے کہ آپ میری رہنمائی فرما کر مجھے ممنون فرمائیں گے۔ تصدیق بھی ذرا پُرزور الفاظ میں کریں؛ تاکہ ان لوگوں کی توجہ مبذول ہو، آپ کی بڑی کرم فرمائی ہوگی۔

والد صاحب اور بھائی صاحب کی طرف سے سلام قبول کریں، اپنی دعاؤں میں ضرور بالضرور یاد رکھیں۔ فقط والسلام

آپ کا کفش بردار: احمد خانپوری

جواب از مولانا محمد رضا اجمیریؒ

من جانب محمد رضا اجمیری

از راندیر، کنارہ مسجد۔ ۲۵ / رمضان المبارک۔ ۷ / جنوری ۱۹۶۷ء

عزیزم مولوی احمد صاحب دمتم بالخیر والسرور!

السلام علیکم

بفضلہٖ تعالیٰ یہاں پر خیر وعافیت شاملِ حال ہے، اللہ تعالیٰ سے آپ حضرات کی خیر وعافیت مطلوب ہے۔

مبارک ایام ختم ہو رہے ہیں، دعا فرماتے رہیں، دولتِ ایمان؛ نیز سکون واطمینان حاصل رہے۔ حسبِ ارشاد چند جملہ لکھ دیئے ہیں جو کافی ہیں، آپ کے حسبِ شان اگر کچھ زیادہ تفصیل لکھوں تو وہ لوگ اس کو مبالغہ پر محمول کریں گے۔ لہٰذا قصداً اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

اگر درجۂ مطلوبہ میں کامیابی نہ ہو سکے تو کوئی اور درجۂ تخصص جو مناسبِ ذوق ہو اختیار فرمائیں، اس کا تعلق تو آپ کے ذوق سے ہے۔ میرا ذوق تو تخصص فی التفسیر یا پھر حدیث ورنہ فقہ کی طرف ہے۔

آپ کے والدِ محترم نیز برادرانِ عزیز کو سلام عرض کریں، آپ کے ماموں صاحب کو بھی سلام عرض کریں۔ فقط

العاصی: محمد رضا اجمیری

مضمونِ تصدیق

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

امابعد: عزیزم مولوی احمد خانپوری امسال بفضلہٖ تعالیٰ دار العلوم اشرفیہ کے درجۂ دورۂ حدیث سے فارغ ہو گئے ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ اپنے تمام رفقاء پر کافی فائق رہے، درجۂ اول میں پاس ہو گئے ہیں۔ ذوق اور شوق کے اعتبار سے بھی ماشاء اللہ بہت اچھے ہیں۔ ان کی قابلیت سے بھی مجھے اچھی امیدیں وابستہ ہیں۔

حررہ: محمد رضا اجمیری، معلم: دار العلوم اشرفیہ

۷/ جنوری ۱۹۶۷ء

ندوۃ العلماء لکھنؤ میں عربی ادب پڑھنے کے لیے درخواست

از احمد محمد منشی

مقام پوسٹ: خانپوردہ۔ تعلقہ: جمبوسر۔ ضلع: بھروچ (گجرات)

بہ خدمتِ شریف حضرت مہتمم صاحب دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد تحیۂ مسنونہ! عرض معروض ایں کہ میں نے اس سال دار العلوم اشرفیہ راندیر کا فضیلت کا مروجہ نصاب ختم کیا ہے، اور اس کی باقاعدہ سند بھی حاصل کی ہے، اب میرا ارادہ اپنے تعلیمی سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے آپ کے دار العلوم میں درجۂ تخصص فی الادب میں داخلہ لینے کا ہے۔

امید ہے کہ آپ میری اس درخواست کو شرفِ قبولیت بخش کر مجھے اس کا موقع عنایت فرمائیں گے۔ والسلام

منتظرِ جواب: احمد خانپوری

درخواست کا جواب از لکھنؤ

عزیز مولوی احمد خانپور!

وعلیکم السلام

طلبہ کی مناسب تعداد نہ ہونے کی وجہ سے تخصصِ ادب کا درجہ نہیں کھل سکا ہے، کسی دوسرے مدرسہ کے فارغ التحصیل طلبہ کو یہاں فضیلتِ دینیات سالِ اول میں داخل کیا گیا ہے۔

اور اس درجہ کے بعض دینیاتی مضامین سے ان کو مستثنیٰ کر کے ان کی جگہ پر ادبِ عربی کے مضامین پڑھائے جاتے ہیں، ضابطہ کے طور پر ان کا داخلہ فضیلت میں ہے۔ اور سند بھی اسی کی ملے گی، اگر آپ آنا چاہیں اور اس طرح داخلہ پسند کریں تو آجائیں، ان شاء اللہ آپ کا داخلہ ہوجائے گا اطمینان رکھیں۔ جواب میں تاخیر کی وجہ بھی یہ انتظار تھا کہ شاید کچھ اور طلبہ آجائیں تو پھر ان سب کے لیے تخصص ادب کا سال اول کا درجہ باقاعدہ کھول دیا جائے۔ والسلام۔

ابوالعرفان ندوی، مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۶/۲/۶۷ء

ارادۂ دیوبند

ندوۃ العلماء سے داخلہ کے انتظار میں دن گذرتے رہے، رمضان المبارک قریب الختم تھا، آئندہ سال کا پروگرام طے کرنے میں فکرمند تھے کہ کیا کروں؟ استاذ محترم مفتی سعید احمد صاحب سے پھر مشورہ کیا، ان کی رائے دیوبند جانے کی ہوئی، انہوں نے

ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا جوان کی محبت وشرافت اور شفقت کا آئینہ دار ہے، خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ سفرِ دیوبند کے لیے کرایہ وغیرہ کا مکمل انتظام نہیں تھا، مولانا نے ہمت افزائی فرمائی۔ علمائے سلف کے بہت سے واقعات پڑھے اور سنے کہ وہ حضرات اپنی اولاد پر خرچ کرنے کی طرح اپنے شاگردوں پر بلا دریغ خرچ کیا کرتے، اسی نوع کی ایک مثال مفتی پالن پوری نے قائم فرمادی، واضح ہو کہ قیامِ راندیر میں مفتی پالن پوری مدظلہ کا گزارہ مدرسہ سے ملنے والی تنخواہ پر تھا، اسی سے گھر چلاتے، ان کے دیگر بھائی دارالعلوم اشرفیہ میں ان کی ماتحتی ونگرانی میں تعلیم حاصل کرتے، ان کی کفالت بھی مولانا کے ذمہ تھی، اس عسرت کے دور کا یہ واقعہ ہے، فتوحات اور ثروت کے دور میں کسی پر خرچ کرنا آسان ہے، لیکن پہلی تاریخ اور تنخواہ کے انتظار کے دور میں کسی پر خرچ کرنا مردانہ ہمت کا کام ہے۔

گرامی نامہ حضرت مفتی سعید احمد صاحب مدظلہ

ایک لفافہ روانہ کیا تھا؛ مگر نا تمام، یہ اس کا تکملہ ہے۔ اب میرا ذہن افکار سے قدرے سبک دوش ہوسکا ہے۔

① مفتی صاحب سے ملاقات ہوئی تھی تو معلوم ہوا تھا کہ انہوں نے آپ کو راندیر تشریف آوری کے لیے لکھا ہے۔ اگر ارادہ ہو تو بہت اچھا ہے تاکہ ملاقات بھی ہوجائے؛ لیکن رمضان میں سفر میں پسند نہیں کرتا اس لیے تم کو اس قسم کا مشورہ بھی نہیں دیتا۔

② تم کو ضرور دیوبند جانا چاہیے، والد صاحب ۳۰/ دیں گے تو بہتر۔ بقیہ ۲۰ کی سعادت میں حاصل کروں گا، لیکن رقم کی پریشانی سے تعلیم پر کسی قسم کا اثر نہ پڑنا چاہیے۔ بھائی صاحب، والد صاحب سے مشورہ کے بعد مجھے مطلع کرو۔

③ ''اتحاف'' کی نقل کے لیے بہت ہی مشکور ہوں، رمضان کے بعد ان شاء اللہ اس کی تجلید کرا کر مطالعہ کرلوں گا اور صحیح شکریہ تو اس وقت ادا کروں گا۔

④ اس ماہ کے دسمبر کے شمارہ میں ''معارف'' میں میرا مضمون صفحات میں شائع ہوا ہے، مگر ۲۰/ دسمبر کو مولوی ابراہیم ودانوی حال مدرس ڈابھیل بمبئی سے تشریف لائے تھے، دو دن رہ کر رات ہی وہ گھر گئے، اور وہ شمارہ پہلے بخاری صاحب کے پاس، پھر مولانا شمس الدین صاحب کے پاس، اور مولوی ابراہیم کو اس وقت ملا جبکہ وہ گھر کے لیے سفر کرنے والے تھے، انہوں نے باصرار وہ رسالہ لے لیا اور گھر لے گئے ہیں، اس لیے وہاں سے آنے تک بھیجنا متعذر ہے۔ باقی والدین، بھائیوں سے سلام کہو۔ والسلام

سعید احمد پالن پوری

حضرت مفتی صاحب کے متعلقین احباب ودوستوں سے کہوں گا کہ فتوحات کے اس دور میں مکتوب بالا میں ذکر کردہ عسر کے دور پر بھی نظر رکھیں۔

دیوبند کا رخت سفر

دار العلوم دیوبند جا کر فنون میں داخلہ کا شوق تھا، دیوبند میں دورہ پڑھنا مقدر میں نہیں تھا اور نہ ارادہ، اس لیے فنون میں داخلہ کے لیے سفارش درکار تھی۔ اس زمانہ میں حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب (مہتمم دار العلوم دیوبند) کے دورے ضلع بھروچ میں کثرت سے ہوتے تھے، کاوی (ضلع بھروچ) کے منشی عیسیٰ صاحب (متوفی ۱۹۸۲ء) کے حکیم الاسلام سے گہرے روابط تھے، منشی صاحب اگرچہ عالم نہ تھے؛ مگر خداداد صلاحیت واستعداد، اکابرین سے روابط اور ان کی توجہ اور دینی کتابوں کے بھرپور

مطالعہ کی بنیاد پر خالص دینی مزاج اور اسلامی بصیرت رکھتے تھے، متعدد اکابرِ دیوبند کو ضلع بھروچ میں مدعو کر کے اس علاقے کو بزرگوں کی برکات سے مستفیض کرنے میں ان کا بڑا حصہ ہے، ان کے ماہنامہ ''پیغام'' نامی گجراتی رسالہ کی متنوع اور ہمہ جہت خدمات ہیں۔

خود منشی صاحب کے حضرت سید مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ سے دیرینہ ومخلصانہ تعلقات تھے، مفتی صاحب کے گجراتی فتاوی ''پیغام'' میں شائع ہوتے تھے، ''پیغام'' میں فتاوی طبع ہونے سے پہلے حضرت لاجپوریؒ ''راندیر کی بڑی مسجد کے خطیب'' سے معروف ومشہور تھے، حضرت لاجپوریؒ کو ''مفتی'' کے نام سے کوئی نہیں جانتا تھا، ''پیغام'' شائع ہونا شروع ہوا تو حضرت مفتی صاحبؒ عالمِ افتا میں بحیثیت ''پیغام کے مفتی'' پیغام کے صفحات پر ظاہر ہوئے، فتاوی رحیمیہ کی جلد اول ''پیغام'' میں ہی شائع شدہ فتاوی پر مشتمل ہے، چناچہ مفتی لاجپوری صاحبؒ کے ایماء پر منشی عیسی صاحب نے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کے لیے ایک سفارشی تحریر حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے نام لکھی، مفتی صاحب وہ تحریر لے کر خانپور سے رختِ سفر باندھے دارالعلوم کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

دارالعلوم دیوبند میں

۸/شوال ۱۳۶۶ھ کے اوائل میں دیوبند پہنچے، وہاں داخلہ کی کارروائی میں آٹھ دس روز صرف ہوتے ہیں، اس عرصہ میں پھر ایک مرتبہ ندوۃ العلماء سے رابطہ کیا؛ مگر ان کا جواب وہی کہ ''ہنوز ''تخصص ادب'' کے لیے کسی اور کی درخواست نہیں آئی؛ لہذا یہ درجہ نہیں کھل سکے گا'' لہذا وہاں سے ناامید ہو کر دیوبند میں داخلہ لینا طے کر لیا۔ راقم لکھ چکا ہے کہ جس کا رزق جہاں مقدر ہوتا ہے وہیں ملتا ہے، مفتی صاحب نے عربی ادب پڑھ کر

ادیب بننے کا قصد کر رکھا تھا اور اسی کے لیے بہت کچھ تگ ودو کی، مگر ازل سے آپ کے لیے کسی اور میدان میں ''ادیب'' بننے کا فیصلہ ہو چکا تھا، آپ نے زبان وقلم کو شستہ ومہذب کرنا چاہا مگر قسامِ ازل کے ہاں آپ کے لیے دل کا شستہ اور مہذب ہونا اور اس سلسلہ سے مربوط ہونا لکھا جا چکا تھا۔

بہر حال ندوہ کے بجائے دیوبند کی نسبت مقدر تھی:

''تجری الریاح بما لاتشتهی السفن''

امتحانِ داخلہ

فنون میں داخلہ کے لیے حضرت مولانا فخر الحسن مرادآبادیؒ نے امتحان لیا، حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گجراتیوں سے مانوس تھے، دار العلوم چھاپی کے امتحان واجلاس کے لیے آنا جانا ہوتا، مولانا نے پوچھا: فنِ منطق میں کون کونسی کتابیں پڑھی ہیں؟ بتلایا: مرقاۃ وغیرہ، مولانا نے سلم العلوم اور میبذی کا امتحان لینا چاہا، مفتی صاحب نے یہ کتابیں کبھی دیکھی بھی نہیں، پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

سلّم اور میبذی دونوں کا شمار نہایت مغلق اور اَدق کتابوں میں ہوتا ہے، مولانا نے پہلے ''سلّم العلوم'' کھولی اور عبارت پڑھ کر مطالب سمجھانے کا حکم فرمایا، مفتی صاحب نے

''سلّم العلوم'' قاضی محب اللہ بہاریؒ (متوفی ۱۱۱۹ھ) کی تصنیف ہے، یہ شخص جملہ علوم کے بحرِ ذخار اور فنِ منطق ومعقول کے امام تھے، ان کی اس کتاب نے علمِ منطق کو خاصہ جاندار بنا کر زندہ جاوید کر دیا ہے، درحقیقت اس میں علامہ بہاریؒ کا علمی اعجاز کارفرما ہے، سلّم تمام مدارسِ عربیہ نظامیہ میں نہایت اہتمام کے ساتھ پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔ ''میبذی'' قاضی کمال الدین میبذی (متوفی ۱۰۶۰ھ) کی تصنیف ہے، شرح الحکمت عرف میبذی بھی درسِ نظامیہ کے نصاب میں شامل ہے۔

فرفر عبارت پڑھ دی، اس درمیان مولانا کے پاس کوئی شخص آیا اور مولانا سے باتیں کرنے لگا، مفتی صاحب نے موقع غنیمت سمجھ کر سلّم کا حاشیہ سرسری نظر سے دیکھ لیا پھر عبارت کا مطلب سمجھایا، مولانا نے فرمایا: ''اچھا ہے''

سلّم کے بعد میبذی کا امتحان اسی طرح ہوا، دونوں کتابوں میں اعلیٰ نمبرات سے کامیابی کا پروانہ مل گیا اور فنون میں باقاعدہ داخلہ ہوگیا۔

راقم پہلے بھی لکھ چکا ہے کہ مفتی صاحب دورِ طالبِ علمی ہی سے دوسرے اوصاف کی طرح ذہانت وذکاوت میں اپنے رفقائے درس میں ممتاز خیال کئے جاتے تھے، اس خوبی کی شہادت میں ''سلّم العلوم'' اور ''میبذی'' کا امتحان پیش کر دینا کافی ہے کہ منطق اور فلسفہ جیسے خشک اور مشکل فن کی کتابوں کا جس کو آپ نے پڑھا بھی نہیں تھا فرفر امتحان دے دیا۔

مفتی صاحب نے دارالعلوم میں دو سال پڑھا: پہلے سال فنون، دوسرے سال افتا۔

سالِ اول فنون

① مولانا نصیر احمد خاں صاحب دامت برکاتہم کو فنِ ہیئت میں بڑا درک حاصل ہے، آپ نے ہیئت کے رسالہ ''فتحیہ'' پر حاشیہ لکھا ہے جو دارالعلوم دیوبند کے نصابِ تعلیم میں شامل ہے، مفتی صاحب نے مولانا سے درجِ ذیل کتابیں پڑھیں: ① تصریح ② شرح چغمینی ③ رسالہ ماردینیہ ④ بست باب۔ ایک ہی گھنٹہ میں مذکورہ کتابیں یکے بعد دیگر درساً پڑھیں۔

مفتی صاحب خود فرماتے ہیں: ''حضرت الاستاذ اس فن میں ماہر تھے، درس ایسے پُرلطف انداز سے سمجھاتے کہ مزہ آجاتا، فنِ ہیئت سے کافی دل چسپی پیدا ہوئی، پوری

جماعت کو سبق کا تکرار میں ہی کراتا تھا، دار التفسیر پر ''کرّہ'' (گولا) لے جا کر وہاں ''کرّہ'' کی مدد سے تکرار کراتا تھا، نتیجۃً یہ سب کتابیں اس وقت زبانی یاد ہوگئی تھیں، ایسی یاد کہ کوئی نیند سے اٹھا کر پوچھے تو بھی بتلادوں، ان کتابوں کے امتحان میں اول نمبر سے کامیابی حاصل کی''۔

② مولانا محمد حسین بہاری (متوفی ۱۴۱۲ھ) اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر حلقۂ دیوبند میں نہایت عظمت کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے، بڑے چھوٹوں سے یکساں مشفقانہ انداز، بے تکلفی، خوش مزاجی اور کبھی کبھی محبت آمیز غصہ کا اظہار جیسی منفرد خوبیوں کے حامل تھے، شب بیداری اور سحر خیزی کے علاوہ باجماعت نماز اور اسباق کے انتہائی پابند تھے، مفتی صاحب نے موصوف سے یہ کتابیں پڑھیں: ① شمسِ بازغہ ② صدرا ③ مسامرہ (علمِ کلام میں) ④ مسلم الثبوت (اصولِ فقہ میں)۔

③ مولانا اسلام الحق کوپا گنجی اعظمی (متوفی ۱۳۹۲ھ) سابق مدرس جامعہ اسلامیہ ڈابھیل جو بڑے ذی استعداد، یکسو مزاج اور خالص علمی رنگ کے عالم تھے، دیوبند کے زمانۂ قیام میں ملا حسن، میبذی، اور مقدمۂ مسلم کی شرحیں بھی لکھیں، مفتی صاحب نے ان سے اصولِ فقہ میں ''توضیح تلویح'' کا درس لیا۔

④ مولانا شریف حسن صاحب دیوبندی (متوفی ۱۳۹۷ھ) (سابق شیخ الحدیث جامعہ ڈابھیل) جن کو جملہ علوم وفنون میں کامل دست گاہ حاصل تھی، طلبہ ان کے درس سے مطمئن ہوکر اٹھتے تھے۔ مفتی صاحب نے مولانا موصوف سے ایک گھنٹے میں ① سبعہ معلقہ ② دیوانِ حماسہ؛ دونوں کتابیں پڑھیں۔

⑤ مولانا وحید الزماں کیرانویؒ (متوفی ۱۹۹۵ء) عربی ادب میں سند کی حیثیت کے

حامل ہیں، دار العلوم میں عربی ادب کا احیاء اور جدید عربی زبان کی بزم آرائیاں مولانا کی انتھک محنت ہی کی رہینِ منت ہیں، دار العلوم کے واسطہ سے عربی ادب کا جو بھی فیض موجودہ زمانہ میں پہنچا ہے وہ مولانا اور ان کے لائق وفائق شاگردوں ہی کی جدوجہد کا ثمرہ ہے۔ مولانا اعلیٰ درجہ کے ذہین اور نہایت پرجوش تقریر وتحریر کی صلاحیت کے مالک تھے۔ سابق اوراق میں گذرا کہ مفتی صاحب کو عربی ادب سے بہت دلچسپی تھی اور اس سلسلہ میں دار العلوم اشرفیہ سے فراغت کے بعد ''ندوۃ العلماء لکھنؤ'' عربی ادب پڑھنے کے لیے خوب کوشش بھی کی تھی؛ لیکن عربی ادب تمام نہ سہی تو کچھ نہ کچھ دیوبند میں پڑھنے کا موقع مل ہی گیا، مشہور ہے ''جوئندہ یابندہ'' طلبِ صادق ہو تو کبھی نہ کبھی منزلِ مقصود تک رسائی ہو ہی جاتی ہے۔ فنون کے سال میں باقاعدہ گھنٹوں میں عربی ادب پڑھنا مشکل تھا؛ اس لیے بعد المغرب خارج وقت میں مولانا کیرانوی صاحب کی خدمت میں اور طلبہ کے ساتھ حاضری دیتے، مولانا اپنے مخصوص طرز کے مطابق کاپی میں زبانی عربی جملوں کی مشق کرواتے تھے، مولانا کی پرلطف مشق سے عربی ادب سے بہت کچھ مناسبت ہوگئی۔ ما لا یدرك کله لا یترك کله. شاید اسی کا اثر ہے کہ مفتی صاحب نے بعض عربی استفتاء کے جوابات عربی میں تحریر فرمائے۔

⑥ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (متوفی ۱۴۰۳ھ) (مہتمم دار العلوم دیوبند) کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) کے علوم پر کمالِ قدرت حاصل تھی، دار العلوم میں حکیم الاسلامؒ شاہ صاحب کی شہرۂ آفاق کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کے چند ابواب کا درس دیا کرتے، حکیم الاسلام نے یہ کتاب امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی (متوفی ۱۳۶۳ھ) سے پڑھی ہے۔ دار العلوم کے

طلبہ میں سے جن کو اس درس میں شرکت کرنی ہو ان کے لیے ضروری تھا کہ درخواست دیں، جن کی درخواست منظور کی جاتی ان کو درس میں شرکت کی اجازت ہوتی، فنون پڑھنے کے سال میں مفتی صاحب نے حکیم الاسلام کی شاگردیت کا شرف حاصل کرنے کے لیے حجۃ اللہ پڑھنے کی درخواست دی جو قبول کی گئی، حکیم الاسلام کے اسفار پے در پے ہوتے رہتے، جب تشریف فرما ہوتے دن میں ساڑھے گیارہ بارہ کے درمیان ''حجۃ اللہ'' کا درس دیتے جب سفر میں ہوتے تو چھٹی، اس طرح ''حجۃ اللہ'' کے چند صفحات پڑھنے کی سعادت ملی۔

⑦ ایک گھنٹہ ''خوش خطی'' میں تھا، مفتی صاحب تحریر کی نوک پلک درست کرنے کا کام قیامِ دارالعلوم اشرفیہ راندیر ہی میں سیکھ چکے تھے، آپ کے فارسی کے استاذ مولانا یوسف بودھانیہ خود ایک خوش خط استاذ تھے، اس کا اثر شاگرد پر پڑنا ظاہر ہے، اشرفیہ کے مہتمم صاحب بھی تحریر کی درستگی پر بہت زور دیتے اور گرفت فرماتے تھے، یہاں تک کہ وہ بہ ذاتِ خود طلباء کی سلیٹ اور کاپیاں منگا کر چیک کرتے، اور غلط املا کی اصلاح کرتے، بالخصوص نام کی درستگی پر بہت ٹوکتے اور خود صحیح نام کے کئی نمونے تحریر فرمادیتے۔

دارالعلوم کے کاتب صاحب نے حروفِ تہجی تحریر کروانے میں کئی دن نکال دیے، کاتب صاحب نرم مزاج تھے، حرفِ ''جیم'' تک کاتب صاحب کے پاس سیکھا پھر چھوڑ دیا۔

مفتی صاحب کے قیامِ دارالعلوم کے پہلے سال کے اساتذہ پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے وقت کی بلند پایہ اور گراں مایہ علمی شخصیتوں کے خرمنِ علم سے خوشہ چینی کی سعادت حاصل ہوئی، ان میں بعض نابغۂ روزگار شخصیتیں اپنے فن میں امام تھیں، جن کی بعض تصانیف دارالعلوم کے نصاب میں داخل ہیں۔

ندوہ العلماء میں داخلہ مقدر نہ ہونے کی مصلحت بھی سمجھ میں آ گئی کہ اگر وہاں داخلہ ہوتا تو صرف ایک فن ''عربی ادب'' سے حصہ پاتے، لیکن دار العلوم میں ایک ہی سال میں متعدد فن کے ماہرین کے متعدد چشموں سے فیض یاب ہوئے، یعنی علمِ ہیئت، علمِ کلام، اصولِ فقہ، احکامِ شرعیہ کے مصالح وحکمتیں وغیرہ علوم حاصل کئے، مستقبل میں فتاوی نویسی کے دور میں ان ہی علوم کی ضرورت پڑنے والی تھی، فنون کے سال یعنی ۱۳۸۶ھ کے سالانہ امتحان میں اول نمبر سے کامیابی حاصل کی۔ کتابوں کے نام اور حاصل کردہ نمبرات حسبِ ذیل ہیں۔

نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات	نمبر شمار	اسمائے کتب	نمبرات
۱	صدرا	۴۸	۸	شرح چغمینی	۴۴
۲	تصریح	۴۵	۹	مسلم الثبوت	۴۷
۳	مسامرہ	۴۸	۱۰	بست باب	۴۵
۴	توضیح تلویح	۴۵	۱۱	شمس بازغہ	۴۷
۵	حماسہ	۴۰	۱۲	سبعہ معلقہ	۴۰
۶	تمرین تقریری	۴۵	۱۳	تمرین تحریری	۴۴
۷	حجۃ اللہ	۴۰	۱۴	خوش خطی	۳۵

بزرگوں کی مجالس میں حاضری

اسلام کے قرنِ اول سے آج تک ہر زمانہ میں اللہ کی مخلوق کی تعلیم وتربیت اور اصلاحِ اعمال واخلاق کے لیے علما، صلحا اور اہل اللہ کی مجلسیں نسخۂ اکسیر ثابت ہوئی ہیں،

علمائے دیوبند میں بھی مجالس کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب (مجاز حکیم الامت حضرت تھانویؒ) کی مجالس بڑی عالمانہ، پروقار اور مفید ہوتیں، دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبا اس میں متعدد سوالات کرتے اور حضرت بے تکلف سبھوں کا تسلی بخش جواب دیتے، یہ مجلس شام کے وقت بعد العصر منعقد ہوتی، مفتی صاحب اس میں اہتمام سے شرکت فرماتے، حکیم الاسلام کے ایک گرامی نامہ میں جو جناب منشی عیسی کاوی والے صاحب کے نام تحریر فرمایا، اس میں خود حکیم الاسلام نے اس کا ذکر فرمایا ہے، منشی صاحب نے اس کا تذکرہ مفتی صاحب کے نام ایک خط میں کیا تھا، وہ یہ ہے:

مکتوب منشی عیسی بھائی صاحب کاوی بنام مفتی صاحب

۷۸۶ از کاوی مؤرخہ ۱۷/ مارچ۔ ۵/ ذی الحجہ

مکرمی جناب مولانا احمد صاحب خانپوری زید مجدکم۔!

بعد سلام مسنون! طالبِ خیر بہ خیر ہے، محبت نامہ موصول ہوا، آپ کے امدادی داخلہ سے مسرت ہوئی، حضرت مہتمم صاحب کا گرامی نامہ بھی آپ کے عنایت نامے کے ساتھ ہی ملا تھا، آج ان کی خدمت میں بھی شکریہ کا خط لکھ دیا ہے، ہاں! حضرت مہتمم صاحب کے پہلے خط میں ارشاد تھا کہ ''شام کی مجلس میں مولوی احمد شرکت کرتے ہیں، جو بالکل خالص دینی مذاکرہ پر مشتمل ہوتی ہے'' آپ اس پر عمل فرمائیں، آپ کی علمی ترقی کے لیے مفید ہوگی، امید کہ مزاج سامی بہ خیر ہوں گے، ہاں! محترم جناب مولانا مہتمم صاحب کی خدمت میں بھی سلام پہنچائیں۔ فقط

نیاز مند عیسی بھائی

مفتی صاحب کے فنون والے سال حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری (متوفی ۱۳۹۶ھ) کے قیامِ دار العلوم کا آخری دور چل رہا تھا، گجراتی طلبا حضرت مفتی مہدی حسن صاحب سے زیادہ مانوس تھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ مفتی مہدی حسن صاحب کو ان کے استاذ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ (متوفی ۱۳۷۲ھ) نے فراغت کے بعد گجرات کی موقّر درس گاہ دار العلوم اشرفیہ راندیر۔ سورت بھیج دیا تھا، گجرات میں مدتِ مدیدہ تک افتا اور تدریس کی خدمت انجام دے کر اہلِ گجرات کو اپنے علم وعمل سے گرویدہ کر چکے تھے، حسنِ اتفاق کہ مفتی صاحب بھی اسی ادارہ کے فارغ التحصیل تھے جس میں مفتی مہدی حسن صاحب خدمت انجام دے چکے تھے، اس لیے آپ سے انسیت اور زیادہ ہوگئی تھی، گجراتی طلبا کے ساتھ مفتی صاحب کو بھی ان کی خدمت اور مجالس میں حاضری کی سعادت میسر ہوئی۔

مفتی صاحب کے دار العلوم میں داخلہ لینے کے سترہ ماہ پہلے ماہِ جمادی الاولی ۱۳۸۵ھ میں فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی صاحبؒ (متوفی ۱۴۱۷ھ) کا کانپور سے دار العلوم دیوبند میں ورودِ مسعود ہو چکا تھا، مفتی صاحب نے فنون میں داخلہ لیا تھا، حضرت فقیہ الامت صاحب سے اس سال کوئی کتاب پڑھنے کا موقع نہیں ملا اس لیے کوئی خاص شناسائی نہیں ہوئی، ہم وطن گجراتی رفقا کے ساتھ کبھی کبھی حضرت فقیہ الامت کی قیام گاہ (مسجدِ دار العلوم سے متصل کمرہ ۱۴ جسے عرصہ تک شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ جیسے بزرگ کے قیام کا اعزاز حاصل رہا) میں حاضری کی سعادت ہوتی رہی، اسی حاضری کی برکت کہئے کہ بعد کے سالوں میں فقیہ الامت سے ایسا تعلق ہوا کہ شاید وباید۔

اساتذۂ راندیر سے ربط

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

حضرت مفتی صاحب کی علمی ترقی میں اساتذہ کی توجہ ودعا کا خصوصی دخل ہے، اس کی شہادت، مفتیٔ گجرات حضرت سید مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ نے بایں الفاظ دی ہے:

''اپنے اساتذہ بالخصوص مولانا اجمیری صاحبؒ کے منظورِ نظر اور چہیتے شاگردوں میں سے رہے ہیں، حضرت مولاناؒ کی خاص نظر تھی ان پر''۔ (حدیث کے اصلاحی مضامین ۱/ ۲۳)

قیامِ دیوبند کے زمانہ میں راندیر کے اساتذہ وبزرگوں سے خط وکتابت کا تعلق مسلسل قائم رہا، ان حضرات کو بھی مفتی صاحب کے حالات اور علمی مشاغل سے بزرگانہ وپدرانہ دلچسپی تھی، ان حضرات کے مکتوبات پڑھنے سے ان کی پدرانہ شفقت اور مربیانہ عنایت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اکابرین کے واقعات میں بارہا پڑھا اور سنا تھا کہ اس زمانہ میں شاگردوں کا تعلق اپنے اساتذہ سے محدود ومشروط اور صرف حلقۂ درس تک مقید نہیں ہوتا تھا، ان کا تعلق سعادت مند اولاد کا، جانثار خادموں کا سا بھی تھا، خطوط سے اس تعلق کا بھی اندازہ ہوگا۔ اساتذہ کے خطوط میں بطورِ نمونہ چند پیش کئے جاتے ہیں:

مکتوبات حضرت مولانا مفتی عبدالغنی کاوی صاحبؒ

مکتوب نمبر (۱)

حامداً ومصلیاً ومسلماً　　از عبدالغنی کاوی مدرس اشرفیہ راندیر

مکرم مولوی احمد صاحب زید مجدکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بحمد اللہ بندہ بالخیر اور آپ کی خیریت مطلوب، گزشتہ کل بمؤرخہ: ۸/ مارچ ۱۹۶۷ء چہارشنبہ آپ کا کوائف نامہ موصول ہوا، مہتمم صاحب (قاری طیب صاحب) کی بے التفاتی سے قلق ہوا، منشی صاحب کے سفارشی خط کے باوجود بے توجہی! یاللعجب!

فنونات میں اور صفِ عربی میں داخلہ سے مسرت ہوئی، خداوند قدوس آپ کو کامیابی سے نوازے، دولتِ علم سے مالا مال کرے آمین۔ اگر افتا کی مشق کا موقع ملے تو بہتر، اس بہانہ سے کتبِ فقہ نظر سے گذر جائے گی۔ وقت کی قدر کیجئے، سیاح، آوارہ لڑکوں کی رفاقت سے اجتناب کیجئے، آپ سمجھ دار ہیں، عاقل را اشارہ بس است۔ باقی بدستور ہے۔ مولانا اجمیری صاحب ہدیۂ سلام پیش کرتے ہیں۔ فقط

عبدالغنی احمد کاوی مدرسہ اشرفیہ راندیر سورت

مکتوب نمبر (۲)

از عبدالغنی کاوی مدرسہ اشرفیہ راندیر بمؤرخہ: ۲۳/ محرم الحرام ۱۳۸۷ھ

مکرم مولوی احمد صاحب زید مجدکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد دعائے ترقی علم وعمل بندہ بحمد اللہ بالخیر ہے، اور آپ کی عافیت مطلوب ہے۔

بمؤرخہ: ۲۷/ اپریل ۶۷ء آپ کا کوائف نامہ صادر ہوا، سہ ماہی کے لیے خوب تیاری کیجئے؛ تاکہ اعلیٰ نمبر حاصل ہوں، اساتذہ کی قابل ضبط باتوں کو تحریر کر لیجئے، تاکہ ہمیشہ کارآمد ہوں۔ مقصد پیشِ نظر ہو، الحاصل آپ کا وقت بے حد قیمتی ہے۔ عاقل را اشارہ بس است۔ حضرت مہتمم صاحب سنا ہے کہ: آج وہاں سے سوار ہوں گے، ہفتہ عشرہ میں

اِن شاء اللہ العزیز پہنچ جائیں گے، بعدہٗ ایک خط آپ ان کے نام خیریت دریافت کرنے کا ارسال کیجئے، ان کے آنے کے بعد ہی امتحان اِن شاء اللہ ہوگا۔ فقط والسلام۔
جملہ اساتذہ کی جانب سے سلام۔

بندہ عبدالغنی کاوی مدرسہ اشرفیہ راندیر

مکتوبات حضرت مولانا محمد رضا اجمیری صاحبؒ

مکتوب نمبر (۱)

عزیزم مولوی احمد حفظکم اللہ تعالیٰ الاحد الصمد .

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

گرامی نامہ ملا، یاد فرمائی کا شکریہ، مجھے آپ کا حال معلوم ہو گیا تھا، خیر بہت اچھا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مقدس سرزمین میں پہنچا دیا، امید ہے کہ آپ کی نیک طبیعت وہاں کی تاریخی عظمت کو ضرور ملحوظ رکھے گی۔

عموماً محیط ماحول سے کبھی کبھی طبیعت میں کچھ کدورت پیدا ہو جایا کرتی ہے، مگر سمجھ دار شخصیتیں ایسی چیزوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی ہیں، آپ اپنے اصلی مقصد کو ملحوظ رکھئے۔

آپ کے برادر کل تشریف لائے تھے، والدین کو پہونچانے کے لیے آئے تھے، اچھا کیا کہ آپ نے فنون میں شمولیت کی، وہاں کی زندگی تو کچھ مجاہدانہ ضرور ہوگی؛ مگر دراصل زندگی کا یہی رخ نہایت مفید ہوتا ہے۔

سب احباب بخیریت ہیں، سلام عرض کرتے ہیں، دعا فرماتے رہیں۔ حضرت شیخ

رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اگر ممکن ہو تو سلام عرض کریں، اور حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں بھی سلام عرض کریں بشرطِ امکان، دیگر احباب نہ معلوم آپ کے ساتھ کون ہیں۔ فقط

منجانب: رضا اجمیری از راندیر مدرسہ اشرفیہ ۷/۹/۶۷ء

مکتوب نمبر (۲)

عزیزم مولوی احمد دمتم بالخیر والسرور.

سلام مسنون!

الحمد للہ کہ آپ بخیر وعافیت ہیں، یہاں پر بھی بفضلہٖ تعالیٰ خیر وعافیت شامل حال ہے۔ آپ کی یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ، سب احباب یاد کرتے ہیں اور دعا کے لیے کہتے ہیں۔ آپ کی خیر خیریت معلوم ہوتی رہتی ہے، بلاضرورت خط تحریر کرنا فضول ہے، آپ کے مخلصانہ جذبات مجھے معلوم ہیں، آپ نے تو مجھ پر بڑا احسان فرمایا ہے، اکثر اوقات آپ کے لیے دل سے دعائیں نکلتی ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آپ بھی کبھی کبھی دعا میں یاد فرماتے رہیں۔

مولانا آزاد مرحوم کے تحریر کردہ اشعار یاد آتے ہیں①:

می بینمت عیاں ودعامی فرستمت الخ

آپ کی طبیعت کی حالت آپ نے تحریر نہیں فرمائی، نہ معلوم اب وہ عارضہ ہے یا نہیں؟

---

① امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ اور صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کے خطوط کا مجموعہ ''کاروانِ خیال'' کے نام سے چھپا ہے، اس میں ایک دوسرے کی یاد پر محبت بھرے اشعار مرقوم ہیں ان میں مولانا آزادؒ کا ایک شعر ہے:

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشین دل	❁	می بینمت عیاں ودعامی فرستمت

ترجمہ: اے نظر سے غائب جو دل کا ہم نشین ہو چکا ہے۔ میں تجھے بالمشافہہ دیکھتا ہوں اور تجھے دعا دیتا ہوں۔

(کاروان خیال ص: ۱۲۳)

اللہ تعالیٰ اس کو دفع فرمائے۔ رشید احمد کے لیے دعا فرماتے رہیں وہ بھی سلام عرض کر رہے ہیں، ۱۵/ اپریل ۱۹۶۷ء آپریشن آنکھ کا ایک سال پورا ہو گیا۔ نہ معلوم آپ کو نسے درجے میں شامل ہو گئے ہیں، استفادہ کا اچھا موقع ہے، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، یہاں کے متعلق کوئی کام ہو تو ضرور تحریر کریں۔

منجانب: محمد رضا اجمیری ۲۰/ اپریل ۶۷ء ۹/ محرم ۸۷ھ جمعرات

مکتوب نمبر (۳)

عزیزم مولوی احمد دمتم بالخیر والبرکة والسرور.

سلام مسنون! مؤمن کا بہترین تحفہ ہے۔

التفات نامہ موصول ہوا، یاد فرمائی کا شکریہ، میں بھی جویانِ احوال تھا اور سوچتا تھا کہ طبیعت کا کیا حال ہوگا، والا نامہ سے اطمینان وسکون حاصل ہوا، الحمد للہ! یہاں پر بھی سب احباب بخیر وعافیت ہیں، سلام عرض کرتے ہیں اور دعا کے لیے خواہشمند ہیں، طلبا نے دورہ بھی یاد کرتے ہیں۔ مولانا عبد الغنی صاحب، حکیم صاحب، مولانا سعید وغیرہ حضرات بخیر ہیں، سلام عرض کرتے ہیں، یہاں پر بھی بارش کا سلسلہ بفضلہٖ تعالیٰ چالو ہے، لوگ خوشحال ہیں، گزشتہ سال جہاں جہاں پانی کی وجہ سے پریشانیاں تھیں وہاں پر بھی بفضلہٖ تعالیٰ خوب خوب بارش ہوئی۔ فلہ الشکر والحمد۔ اے غائب از نظر① الخ کا مطالعہ فرمالیجئے، دعاء فرماتے رہیں، کہ اللہ تعالیٰ آلائشاتِ دنیا سے محفوظ رکھے۔ احباب کو سلام عرض کریں فقط۔ عجیب! آپ کو خط لکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ آپ کا کارڈ جوابی تھا۔

---

① صفحہ ۱۴۰ پر جو شعر گزرا اس کی طرف اشارہ ہے۔

مکتوب نمبر (۴)

عزیزم مولوی احمد دمتم بالخیر والسرور.

سلام مسنون کے بعد!

امید کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا، آج آپ کا یہ کارڈ سامنے آ گیا جس نے آپ کی یاد تازہ کردی، بفضلہٖ تعالیٰ یہاں پر سب خیر وعافیت ہے، اللہ تعالیٰ آں جناب کو بھی مع الاحباب بخیر وعافیت رکھے، امسال خلافِ عادت نہایت شدید بخار کا حملہ ہوا تھا طبیعت نہایت کمزور ہوگئی تھی، ابھی کچھ اثر ہے، الحمدللہ اب ٹھیک ہوں، نہ معلوم آپ کی کیا حالت ہے، ہو سکے تو معلومات سے نوازیں، بیماری میں آپ یاد آجاتے ہیں کیوں کہ آپ بیماری کے رفیقِ شفیق ہیں، سب احباب بخیریت ہیں، سلام عرض کرتے ہیں، مولوی حمید صاحب افریقہ تشریف لے جارہے ہیں، اسی ہفتہ میں چلے جائیں گے، احباب کو سلام عرض کریں۔ فقط

منجانب: محمد رضا اجمیری از مدرسہ راندیر ۸ / اکتوبر ۶۷ء

مکتوب نمبر (۵)

عزیزم مولوی احمد صاحب دمتم بالخیر والکرامۃ!

سلام مسنون کے بعد!

نوازش نامہ موصول ہو کر مسرت افزائے خاطر فاتر ہوا، یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ، یہاں پر چھٹی ہوگئی ہے، جلسے بھی ہو گئے ہیں، حضرت قاری صاحب تشریف لائے تھے، معلوم ہوا ہوگا، اللہ تعالیٰ حقیقی اور مجازی دونوں امتحانوں میں کامیاب رکھے اور خوب کامیاب رکھے، قیام فرمانے کا ارادہ بھی بہت ہی مبارک ہے، حضرت شیخ زکریا کی خدمت میں رہئے، ایسا موقع پھر بار بار کہاں میسر ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ موقع دیا ہے،

اس کا جتنا بھی شکریہ ادا کیا جائے کم ہے، مجھے بھی دعاؤں میں شامل فرماتے رہیں۔

مولوی ابراہیم آچھودی صاحب کو سلام عرض کریں، نہ معلوم ان کا کیا ارادہ ہے، وہ تو "المنهومان لا یشبعان" میں سے ہیں، دعا کرتا ہوں، حکیم دیولوی صاحب کو بھی سلام پہونچادیں۔ اب بفضلہٖ تعالیٰ طبیعت اچھی ہے، نہ معلوم آپ کا کیا حال ہے، یہاں پر کچھ معمولی سی سردی محسوس ہورہی ہے۔ رشید احمد سلام عرض کرتے ہیں اور یاد کرتے ہیں، دیگر احباب کو بھی سلام عرض کریں۔ فقط

منجانب: محمد رضا اجمیری از راندیر اشرفیہ ۱۷/ نومبر ۶۷ء ۱۴/ شعبان ۸۷ھ

مکتوب نمبر (۶)

عزیزم مولوی احمد دمتم بالخیر والبرکۃ

سلام مسنون کے بعد!

آج عنایت نامہ عنبر شامہ موصول ہوا، یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ، آنے جانے والوں سے احوال معلوم ہوتے رہتے ہیں، مکتوب بھیج کر مزید وقت لینا مناسب نہیں سمجھتا ہوں، کیوں کہ جس مقصد کے لیے آپ نے سب کچھ چھوڑ دیا ہے، اس میں اتنی خلل اندازی بھی ایک جرمِ عظیم ہے، جس کا ارتکاب ناگوار سمجھتا ہوں۔

بڑی خوشی ہوئی کہ حضرت شیخ زکریا دامت برکاتہم سے تعلق جوڑ دیا اور حضور اکرم ﷺ تک لائن سے اتصال ہوگیا، اللہ تعالیٰ اس نورانی خزانہ کے انوار سے قلب وروح کو روشن فرمائے، اور ظلماتِ نفسانی سے؛ نیز کدوراتِ شیطانی سے اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، اس مستغرق فی الغفلت کو بھی کبھی کبھی دعا میں یاد فرماتے رہیں۔

آپ کے برادر منشی ابراہیم صاحب کا بھی کبھی کبھی خط مل جاتا ہے، ان ہی کے خط سے

معلوم ہوگیا تھا کہ آپ سہارنپور تشریف لے گئے تھے۔ اور سب خیر وعافیت شاملِ حال ہے، سب احباب سلام عرض کرتے ہیں، سیلاب کے احوال سے تو آپ کو واقفیت ہوگئی ہوگی۔

مولانا عبدالرحیم صادق صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، ان کے لیے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی خصوصی رحمتوں سے نوازے۔ رشید احمد بخیریت ہے، سلام عرض کرتا ہے۔

مکتوبات حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ

مکتوب نمبر (۱)

از راندیر ضلع سورت

عزیزم مولوی احمد خانپوری وحکیم صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ!

بعد سلام مسنون! خط مشترک موصول ہوا، خیریت معلوم ہو کے خوشی ہوئی اور داخلہ کی اطلاع نے مزید مسرت پیدا کردی، حق تعالیٰ مبارک کرے اور دینی اور دنیوی مقاصد پورے فرمائے آمین۔

طبیعت ٹھیک ہورہی ہے، انجکشن چار لگے، دس کا کورس ہے، کچھ ہمت وطاقت آتی نظر آرہی ہے، فالحمدللہ.

سامرودی نے ''مجاہد'' کا فتوی غیر مقلد کے عقائد کے بارے میں دیکھا تو غضبناک ہوکر اشتہار نکالا ہے، خوب بکواس کیا ہے، جواب کا سلسلہ شروع کرنا ہے، حق تعالیٰ ہمت عطا فرمائے، آمین۔ ایک بات کی تحقیق مطلوب ہے، کتاب دیکھنے کی ہمت نہیں ہے، ہوسکے تو خود مفتی محمود حسن صاحب سے معلوم کرلینا۔

زید کی وفات ہوئی، وارثوں میں صرف بیوی ہے، اور دادی کا بھتیجا ہے تو یہ بھتیجا

رشتے میں زید کا کیا ہوگا، میرا خیال ہے کہ نہ تو عصبات میں سے ہے، نہ ذوی الارحام میں سے۔ کیا یہ صحیح خیال ہے؟ مکمل تحقیق کر کے لکھئے گا، اپنا پتہ بھی لکھئے گا، حکیم صاحب راندیر تشریف لائے اور ملاقات نہ ہوسکی، اس کا افسوس مجھ کو بھی ہے۔ فقط والسلام

مولوی ولی سلام عرض کرتے ہیں، دونوں وقت آتے ہیں، مولوی دیوان لاجپوری جامعہ سے فارغ ہوئے ہیں، حافظ ہونے کے لیے راندیر وہ بھی آتے ہیں۔

سید عبدالرحیم

مکتوب نمبر (۲)

از راندیر، ضلع: سورت

بعد سلام مسنون! عافیت طرفین مطلوب۔

محبت نامے نے شاد کیا، مؤرخہ: ۳ کو بچوں کے ساتھ بمبئی پہونچا تھا، خسر صاحب مظفری میں تشریف لائے، مظفری بجائے ۴ / اپریل چھ کو آیا، اس لیے شنبہ کو ہم نوساری آئے، اور اتوار ٹھہر کر شبِ دوشنبہ کو راندیر پہنچا، بچے نوساری میں ہیں، ان کے نانا بمبئی میں بیمار ہوگئے، اتوار تک آئیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

آپ کی یاد ہمیشہ رہتی ہے؛ اس لیے خواب کا قصہ تعجب خیز نہیں، مولوی ولی سلمہ چند روز سے نزلہ حرارت میں مبتلا ہیں، ''مجاہد'' دیکھتے ہوں گے؟ سامرودی کا اشتہار نکلا تھا، اس کا جواب شروع کیا ہے چوتھی قسط چھپنے گئی ہے، تمام اعتراضات کا جواب دینے کا عزم کرلیا ہے، حق تعالیٰ ہمت، صلاحیت، توفیق، صحت عطا فرمائیں اور مدد شاملِ حال رہے دعا کیجئے گا۔

سنا کہ مولوی ابراہیم آچھودی صاحب، حضرت شاہ صاحبؒ کا فارسی رسالہ لائے ہیں، اگر مل جائے تو بھیج دیجئے گا، ''انوار الباری'' کا سلسلہ کیوں رکا ہوا ہے، چھپ گیا ہو تو ضرور بھیجئے گا، گرمی شدت کی ہے، دہلی سے کل ہی خط ملا ہے، دو ہفتہ کے بعد کتابت کا

کام شروع ہوگا مسلسل جاری رہے گا، طباعت لیتھو پر ہونا طے پایا ہے، دہلی جانا ہو تو حضرت مولانا سے ضرور ملیں الخ۔

مکتوب نمبر (۳)

عزیزانِ من سلمکم اللہ وعافاکم

بعد سلام مسنون! بندہ خیریت سے ہے، حضرت والد صاحب بھی خیریت سے ہیں، ناقلینِ فتاوی آتے ہیں اور بڑی دلچسپی سے کام کرتے ہیں جتنا بھی ان کا شکریہ ادا کیا جائے کم ہوگا۔

آپ لوگوں کی عنایات کی وجہ سے کام میں قوت پیدا ہو جاتی ہے، ورنہ بندہ کا حال تو سب کو معلوم ہی ہے، مولوی احمد آچھودی اور مولوی عمر جی صاحبان کی دعوت پر کل بمعیت مولانا اجمیری صاحب ومولوی سعید راندیری صاحب بہ ذریعۂ ٹیکسی آچھود اور آمود ہوآیا، صبح ۹ بجے گئے تھے، رات ۸/ بجے واپس آئے، کھانا آچھود میں کھایا، پھر آمود زکریا مسجد میں جمعہ ادا کیا، خطبہ اور نماز میرے ذمہ تھی، بعد میں دونوں حضرات کی تقریر ہوئی اور بندہ نے طلبا کو قرآن پڑھا کر مدرسہ کی ابتدا کر دی، منشی عیسیٰ بھائی وغیرہ دور دور کے حضرات سے ملاقاتیں ہوئیں، دہلی سے لکھا ہے کہ: تمام کاپیاں پریس میں جا چکی ہیں، مگر پروف نہیں ملتے۔ فقط والسلام

سید عبد الرحیم غفرلہ

مکتوب نمبر (۴)

عزیزی سلمہ!

بعد سلام مسنون! آج آپ کا خط ملا، دو روز قبل کتاب ملی۔ جزاکم اللہ. آج

بھائی ابراہیم کا خط ملا اور کل مولوی سید سجاد نے خبر سنائی کہ خانپور میں آپ کے والدِ بزرگ وار دار فانی سے دار بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، ماشاء اللہ کان وما لایشاء لایکون. حق تعالیٰ مرحوم کو غریقِ رحمت کرے اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور قبر کو نور سے مملوء فرمائے، اور قبر پر بارانِ رحمت کا نزول ہوتا رہے، آمین بجاہ سید المرسلین اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرماوے۔

فردوس اعلیٰ بود جائے او	❁	بہشت بریں باد ماوائے او

عزیزم:

ہر آنچہ زاد بناچار باید نوشید	❁	از جام دہر مئی کل من علیھافان
اصبر لکل مصیبة وتجلد	❁	واعلم بان ا لمرأ غیر مخلد
اذا ذکرت مصیبةً تسلو بھا	❁	فاذکر مصابك بالنبی محمد

عزیزی! یہ دار فانی ہے، کسی کو بقا نہیں، کسی نے کیا خوب فرمایا ہے:

رأیت الدھر مختلفا یدور	❁	فلاحزن یدوم ولاسرور
وقد بنت الملوك ولھا قصور	❁	فلم یبق الملوك ولاقصور

عزیزی! یہ مقام بڑا نازک ہے، بجز صبر کے کوئی چارہ نہیں ہے۔

عرفی! اگر بگریہ میسر شدے وصال	❁	صد سالہ می تواں بتمنا گریستن

بہر حال! والد صاحب کو دنیا چھوڑنی تھی، ہم سے ان کو جدا ہونا تھا اور ہم کو ان سے جدا ہونا لکھا تھا۔

لو کانت الدنیا تدوم لواحد	❁	لکان رسول اللہ فیھا مخلدا

خدا نے ایمان کی دولت سے نوازا، حج نصیب کیا، اولاد میں آپ کو عالم بنا کر

صدقۂ جاریہ کی صورت کرلی، وفات کے لیے یومِ جمعہ نصیب کیا، ان امور کو سامنے رکھئے توحق تعالیٰ سے امید ہے کہ صبرِ جمیل کی دولت سے نوازے جاؤ گے۔

لا تقل فیما جری کیف جری	❁	کل شیء بقضاء وقدر

مرحوم نے اچھا مقام حاصل کرلیا۔"الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب"۔اس لیے فرمایا گیا:"تحفة المؤمن الموت" خدا آپ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور جمیع متعلقین کو بھی۔ادعو اللہ تعالیٰ ان یفرغ علی قلوبکم صبراً جمیلاً وعلی من فقدتم اجراً جزیلاً بلطفه ورحمته آمین فقط والسلام

دعا گو ودعا جو شریک غم بندہ! سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ

عزیزم مولوی ولی سلمہ کو سلام کہئے، کل میں نے ان کو خط لکھا ہے۔

مکتوب حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

برادر عزیز! اعظم اللہ اجرك

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

والد صاحب کے انتقال پر ملال پر خیال تھا کہ آپ مکان آئیں گے؛ اس لیے تعزیت نامہ مکان کے پتہ پر لکھنے کا ارادہ تھا، اس خیال میں رہا کہ آپ کی آمد کی اطلاع ملے تو لکھوں، مگر کل گزشتہ حکیم احمد دیولوی جامعہ کے ختمِ بخاری میں تشریف لائے تھے، جن سے معلوم ہوا کہ آپ نہ آئیں گے، اس لیے اب دیوبند ہی کے پتہ پر لکھ رہا ہوں۔

برادرم! یہ دنیا دار الارتحال ہے، ہر شخص دار القرار کی طرف رواں، دواں ہے، نہ کوئی کسی کو روک سکتا ہے، نہ جانے کے بعد واپس لاسکتا ہے۔

عرفی! اگر بگریہ میسر شدے وصال	❁	صد سال می تواں بتمنا گریستن

اللہ پاک حی وقیوم لایزال کے لیے ہی بقا ہے، باقی بندوں کے لیے فنا امرِ تقدیری ہے، تاہم حزن ضرور ہوتا ہے، اور اسی پر اللہ پاک نے صلات وانعامات کا وعدہ فرمایا ہے، امید کہ آپ نے ضرور صبر واصطبار سے اس موقع پر خوب خوب ثواب حاصل کیا ہوگا۔ اور مجھے طبعی طور پر اس لیے زیادہ صدمہ ہوا کہ اس کی زد زیادہ آپ پر آئی؛ کیوں کہ دوسرے بھائی بڑے ہو گئے، صرف آپ ہی بے بال وپر ہیں، لیکن یہ خیال کریں کہ والدہ محترمہ بقید حیات ہیں تو یہ سب سے بڑی نعمت ہے اور کسی درجہ میں والد ماجدؒ کی عدم موجودگی کی تلافی فرمادیں گی۔

میں نے ایصال ثواب کیا بھی اور آئندہ بھی کروں گا، آپ کو بھی اس طرف خاص توجہ رکھنی چاہیے، کیوں کہ اموات کو احیا سے اسی کی آس رہتی ہے۔ اللھم اغفرله وارحمه وسكنه فی الجنة.

میں یکم نومبر کو گھر کے لیے روانہ ہوجاؤں گا۔ مدرسہ کا جلسہ ۳۱/۱۰/۶۸ کو ہے، رمضان میں گھر ہی رہوں گا، بعد رمضان ممکن ہوا تو اس طرف آؤں گا۔

میرے گھر کا پتہ یہ ہے: سعید احمد پالن پوری بنگلہ والے، مقام: ڈبھاڈ، پوسٹ: جونی سیندھنی، وایا: کھیرالو، ضلع: مہسانہ (شمالی گجرات)۔ والسلام

سعید احمد عفا عنہ پالن پوری ۲۱/۰۱/۶۸ء

سالِ دوم افتا

گذشتہ سال فنون میں داخلہ لے لیا تھا جس کی تفصیل گزر چکی، فنون کی کتابوں میں معیاری نمبرات حاصل کرنے کی وجہ سے حوصلہ بڑھا، دوسرے سال یعنی شوال ۱۳۸۷ھ کا آغاز ہوا تو شوقِ افتا پیدا ہوا، بڑی امیدوں کے ساتھ افتا کے لیے درخواست لکھی جس

کا مضمون پڑھ کر افتا میں داخلہ کے شوق وولولہ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

افتا کے لیے درخواست

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام واجب الاحترام استاذنا المکرم زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد تحیۂ مسنونہ!

عرض معروض ایں کہ احقر نے دارالافتاء کے لیے درخواست دی تھی؛ مگر وہ مسترد کردی گئی ہے، میں گھر سے اسی امید پر روانہ ہوا تھا کہ میرا داخلہ ضرور ہوگا؛ اس لیے میں نے پار سال یہاں پر تکمیلِ فنون کی ہے، اور تمام کتابوں میں سالانہ امتحان میں اچھے نمبرات سے کامیابی بھی حاصل کی ہے، اور داخلۂ امتحان دورۂ حدیث کا دیا ہے، اور اس میں بھی کامیاب ہوا ہوں۔ چناں چہ ان وجوہ کی بنا پر اور اسی امید پر اپنے وطن گجرات سے دارالعلوم آیا، حالاں کہ وہاں ایک عربی مؤقر درس گاہ میں بحیثیت مدرس تقرر ہو چکا تھا؛ مگر میں نے اسی وجہ سے انکار بھی کر دیا؛ لیکن یہاں پر کل جب انتخاب ہوا تو معلوم ہوا کہ چوں کہ میں نے دورۂ حدیث یہاں نہیں پڑھا ہے اس لیے میری درخواست مسترد کر دی گئی۔

تو اب میری حضرت والا سے اتنی گذارش ہے کہ میں جب اتنی ساری امیدیں لے کر آیا ہوں تو مجھے محروم نہ کیا جائے، اور اس میں داخلہ کا موقع دیا جائے، میں اپنا بوجھ مدرسہ پر ڈالنا نہیں چاہتا، بلکہ میں خود اپنا کفیل ہوں گا۔

امید ہے کہ آپ اپنے دورِ صدارت میں ایک طالبِ حقیقی کو محروم نہ فرمائیں گے۔

رہا وہ قانون کہ دورۂ حدیث دار العلوم میں پڑھنا ضروری ہے تو اس کو امدادی داخلہ والوں کے لیے محدود رکھا جاسکتا ہے۔ اتنی گزارش کر کے مجھے امید قوی ہے کہ یہاں سے تشنہ نہ لوٹوں گا۔ ع　گر قبول افتد زہے عز وشرف۔　فقط والسلام

سراپا امید: احمد گجراتی

حضرت فقیہ الامتؒ کا قربِ خاص

بالآخر باقاعدہ افتا میں داخلہ نہ ہوا، مگر حضرت فقیہ الامت کی توجہ کام کر گئی کہ حضرت کی زیرِ نگرانی افتا مکمل کرنے اور فتاوی کی مشق کا موقع مل گیا؛ بلکہ حضرت نے خصوصی عنایت فرماتے ہوئے اپنی خدمت (مطبخ سے حضرت کی قیام گاہ پر کھانا لانا، حضرت کی خدمت میں آنے والے مہمانوں کی خدمت اور ان کی دیکھ بھال، کمرہ کی صفائی وغیرہ وغیرہ) کے لیے بھی قبول فرمالیا۔ باجود باضابطہ داخلہ نہ ہونے کے دار الافتا کھولنے اور درس گاہ کی صفائی وغیرہ کرنے میں پیش پیش رہتے۔ اس طرح قیامِ دار العلوم کے دوسرے سال حضرتؒ کا قرب اور مسلسل حاضر باشی کی سعادت میسر آئی۔

افتا کے اساتذہ

① فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہیؒ (متوفی ۱۴۱۷ھ)

اپنے دور میں اکابر واسلاف اور علمائے متقدمین کی جیتی جاگتی تصویر تھے، علمی تبحر، قوّتِ حافظہ، کثرتِ عبادت، اصابتِ رائے اور مکارمِ اخلاق میں خود ہی اپنی نظیر تھے۔

۱۳۸۵ھ جمادی الاولی میں مفتیٔ دار العلوم کی حیثیت سے آپ نے دار العلوم دیوبند میں مستقل قیام فرمایا، ۳۲ رسال دار العلوم سے وابستہ رہے، آپ کے شاگردانِ رشید

ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے ہیں، حضرت کے انتقال کے موقع پر تعزیتی اجلاس میں مفتی صاحب نے فرمایا تھا: ''آج اکثر مدارس میں فقہ وفتاوی سے منسلک افراد حضرت کے بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں''۔

افتا کے سال مفتی صاحب نے حضرت فقیہ الامت سے درساً دو کتابیں پڑھیں:

(۱) شرح عقود رسم المفتی مکمل (۲) الأشباہ والنظائر (الفن الأول)

حضرتؒ کا معمول درس میں لمبی تقریر کا نہ تھا بلکہ صرف حل کتاب کی حد تک گفتگو فرماتے تھے؛ البتہ مشق فتاوی میں خوب رگڑائی کرتے، کبھی آئے ہوئے استفتا سے سوالات لکھوادیتے، اور کبھی خود ہی زبانی سوال لکھوادیتے، مفتی صاحب جواب تحریر کرکے حضرت کو سنادیتے۔ تحقیق طلب مسائل میں حضرتؒ کا معمول یہ تھا کہ جواب پر کچھ اشکالات کرکے مسئلہ کے خفیہ گوشوں اور متعدد احتمالات کی طرف متوجہ فرماتے اور خود کوئی حتمی جواب نہ دیتے تھے، تاکہ اپنے اعتماد پر پورے مطالعہ کے بعد طالبِ علم کوئی رائے قائم کرسکے۔ کسی مسئلہ میں براہِ راست قرآن وحدیث سے استدلال کو پسند نہ فرماتے، اگر ایسا کوئی کرتا تو نصیحت فرماتے کہ: ''ہمیشہ جزئیہ فقہی کتابوں سے تلاش کرنا چاہیے'' اس لیے کہ قرآن وحدیث کے معانی ومطالب تک ہم اپنی سطحی نظر سے نہیں پہنچ سکتے۔ فقہی مہارت کے لیے حضرتؒ شامی اور بدائع الصنائع کے مطالعہ کا مشورہ دیتے تھے۔

(۲) حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین صاحبؒ (متوفی ۱۴۲۰ھ)

۳۵/ سال دارالعلوم دیوبند کے دارالافتا کی مسندِ صدارت پر فائز رہے۔ ان کے فتاوی گراں قدر علمی، تحقیقی اور قیمتی ہیں۔ مفتی صاحب نے افتا کے سال آپ سے

فنِ فرائض کی مشہور کتاب ''سراجی'' درساً پڑھی۔ اس سے پہلے دار العلوم اشرفیہ راندیر کے قیام میں مفتی صاحب سراجی پڑھ چکے تھے، اس وقت فنِ فرائض میں مہارتِ تامہ حاصل کر چکے تھے، فنِ فرائض پڑھنے کے لیے حساب سے واقفیت نہایت ہی ضروری ہے، مفتی صاحب حساب میں بھی خوب پختہ ہیں، ایک مرتبہ فرمایا ''پڑھنے کے زمانہ میں استاذ سراجی کی مثال پوری کرے اس سے پہلے اس کا جواب لکھ لیتا تھا''۔ آپ فنِ فرائض میں مہارت کی بناء پر حضرت مفتی نظام الدین کے دل میں جگہ کر چکے تھے، وہ استفتا کے لمبے لمبے مناسخے مشق کرنے کے لیے آپ کے حوالہ کر دیتے، تمام بطون بالترتیب کاپی میں مشق کرنے کے بعد مفتی نظام الدین کو بتلا دیتے، پھر اصل استفتاء میں نقل کر دیے جاتے۔ مفتی صاحب کے فر فر مناسخے تیار کر دینے کی وجہ سے حضرت مفتی نظام الدین صاحب کی خصوصی توجہ وشفقت منعطف ہونے لگی، اور ان کو احساس ہوا کہ ان کا داخلہ دار الافتاء میں ہونا چاہیے تھا، مگر داخلہ کا دار و مدار حضرت مولانا معراج الحق صاحب دیوبندیؒ (متوفی ۱۴۱۲ھ) پر تھا جو اصول پسند نائب مہتمم تھے۔ حضرت مفتی نظام الدین صاحب اور حضرت مولانا معراج الحق صاحب بعد عصر مزارِ قاسمی کی طرف ٹہلنے تشریف لے جاتے تھے، ایک روز مفتی نظام الدین صاحب نے داخلہ کے سلسلہ میں از خود پیش رفت فرمائی؛ مگر وہ بات آئی گئی ہوگئی۔

شیخین سے تعلقِ بیعت وتربیت

افتا کے سال فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب سے مفتی صاحب کا جو رشتہ قائم ہوا در حقیقت مفتی صاحب کی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز تھا، اس سال فقیہ الامتؒ

کی معیت میں اسفار کی بھی سعادت حاصل ہوتی رہی، ہر ہفتہ جب فقیہ الامت سہارنپور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں تشریف لے جاتے تو ایک جمعہ کے ناغہ سے مفتی صاحب کو بھی ساتھ لے جاتے، اور حضرت ہی نے مفتی صاحب کو ایک دن حضرت شیخ الحدیثؒ سے عرض کر کے بیعت کرا دیا، اور چند ہی دن بعد ذکر بھی شروع کروایا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے خود فقیہ الامتؒ سے مفتی صاحب کے متعلق فرمایا کہ ''یہ تو آپ کا ہی ہے، آپ اس پر توجہ فرمائیں''۔ درمیان میں جب ذکر جہری شروع کروایا تھا تو مفتی صاحب کو آٹھ روز کے لیے سہارن پور حضرت شیخ الحدیثؒ کی بابرکت صحبت وتوجہ حاصل کرنے کے لیے قیام کا حکم فرمایا، اس سال رمضان المبارک حضرت شیخ کے ہاں دارِ جدید کی مسجد میں گزارا، اس سال کے بعد حضرت مفتی صاحب کو شیخ کے قیام ہندوستان کے اکثر رمضان ۱۳۹۰ھ تا ۱۳۹۹ھ حضرت شیخ کی خدمت میں گزارنے کی سعادت حاصل رہی۔

مفتی صاحب نے دار العلوم اشرفیہ کے زمانۂ طالبِ علمی میں جب آپ عربی سوم کے طالبِ علم تھے حضرت شیخ سے مراسلت شروع کی تھی جو ۱۴۰۲ھ یعنی حضرت شیخ کی وفات تک قائم رہی۔ حضرت شیخ کے چوبیس گرامی نامے مفتی صاحب کے نام مطبوعہ ہیں جو ''مکتوباتِ فقیہ الامت قسطِ رابع'' کے مقدمہ میں (ص ۸۰ تا ۱۰۹) درج کئے گئے ہیں۔

تفصیلِ بالا سے معلوم ہوا کہ مفتی صاحب کی اصلاح وتربیت کا آغاز اپنے وقت کے شیخین (مراد شیخ الحدیث صاحب اور حضرت فقیہ الامت صاحب نوّر اللہ مرقدہما) کے زیرِ سایہ ہوا۔

حضرت فقیہ الامتؒ سے مثالی تعلق

حضرت شیخ الحدیث صاحب نے مفتی صاحب کو فقیہ الامت کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا تھا ''یہ تو آپ کا ہی ہے آپ اس پر توجہ فرمائیں'' بعد کے دور میں مفتی صاحب پر فقیہ الامتؒ کی کیسی توجہ ہوئی اس کو بیان کرنے سے قاصر ہوں، فقیہ الامتؒ سے اصلاح وتربیت کا تعلق افتا کے سال قائم ہوا تھا یہ بہت گہرا، ولولہ انگیز اور مستحکم تھا، جاننے والے جانتے ہیں کہ اس کے بعد مفتی صاحب کی باقی زندگی درحقیقت اسی تعلق کی تفسیر اور ربطِ مسلسل کی داستان ہے۔ حضرت فقیہ الامت کی صحبت وتربیت وہ کیمیا تھی جس نے اس جوہر خاص کو نکھار عطا فرمایا اور سونے کو کندن بنا دیا، حضرت شیخ الحدیث کے وصال کے بعد کوئی رمضان ایسا نہ تھا جس میں مفتی صاحب کی حاضری نہ ہو، زندگی کا کوئی ورق ایسا نہ تھا جس میں خانقاہِ محمودیہ کی چھاپ موجود نہ ہو، کوئی دل چسپی ایسی نہ تھی جس میں مرشد کا مشورہ شامل نہ ہو، کوئی مصروفیت ایسی نہ تھی جو شیخ کے مذاق ومزاج میں ڈھلی ہوئی نہ ہو، شادی کی مسرت ہو یا ولادت کا مژدہ ہو، ہر حال میں مرشد سے گہرا رابطہ قائم تھا، تدریس کے سلسلہ کی الجھنیں ہوں یا فقہ وفتاوی کی گتھیاں، خانگی الجھنیں ہوں یا جامعہ ڈابھیل سے متعلق پیچیدگیاں، عزیز واقارب کی مہربانیاں ہوں یا حاسدوں کی ریشہ دوانیاں، غم کا موقع ہو یا خوشی کا، باطنی احوال ہوں یا ظاہر کی عبادتیں، آخر شب کی خلوتیں ہوں یا دن کی جلوتیں غرض ہر چیز میں فقیہ الامت کا منشاء ملحوظ رکھا جاتا۔ چناں چہ جب تدریسی زمانے میں آپ کی شادی خانہ آبادی کا موقع آیا تب بھی آپ نے حضرت فقیہ الامتؒ کو یاد فرمایا اور ان کی بھرپور شفقتیں حاصل کیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

نکاح اور حضرت فقیہ الامتؒ کو دعوت

اول حضرت مفتی صاحب کے نکاح کی تاریخ ۲۰ سے ۲۲/اکتوبر ۱۹۷۰ء بہ مطابق ۱۸ سے ۲۰/شعبان ۱۳۹۰ھ طے پائی تھی، جس میں آپ نے حضرت فقیہ الامتؒ کو شرکت کی دعوت بھی دی اور اس مقصد کے لیے دو ماہ قبل ہی خط بھی ارسال فرمادیا۔ جس پر حضرت فقیہ الامتؒ نے حاضری کا ارادہ بھی کرلیا، لیکن کسی وجہ سے نکاح ملتوی ہوگیا۔ اس کے بعد جب مکرر دعوتِ شرکتِ نکاح دی تو ارشاد ہوا کہ 'شادی مبارک ہو! خدائے پاک اس سنت کو مطابقِ سنت ادا کرائے، اور خوش گوار زندگی دے، سالِ گزشتہ مدرسے کی جلسے کی شرکت کے لیے جانا ہوا تھا اور شادی کی شرکت کا تذکرہ آیا تھا، تو شادی ملتوی ہوگئی تھی، المومن لا یلدغ من جحر واحد مرتین [مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا]۔ آئندہ شرکت کا نام بھی نہ لیں''۔

اسے پڑھ کر آپ کا دل بیٹھ گیا اور آپ نے یہ کیفیت حضرت فقیہ الامتؒ کو لکھی تو ارشاد ہوا کہ 'گذشتہ سال مجھے شریک کرنے کا نتیجہ دیکھ لیا کہ بات سال بھر پیچھے ہٹ گئی، اس لیے میں نے لکھا تھا، آپ کو تجربے سے فائدہ اٹھانا چاہیے''۔ (مکتوبات فقیہ الامت ۴/۱۵۸)

مژدۂ تولد پر پانچ عینیہ دعا

حضرت مفتی صاحب ہر خوشی غمی کا تذکرہ حضرت فقیہ الامتؒ سے کیا کرتے تھے، پھر کیسے ممکن تھا کہ اولاد کی نعمت میسر آنے پر محبوب شیخ سے دعاؤں کی درخواست نہ کرتے، چناں چہ جب شبِ یوم چہار شنبہ مورخہ ۱۲/ربیع الآخر ۱۳۹۳ھ، مطابق ۱۶/مئی ۱۹۷۳ء کو برادرم مفتی اسعد صاحب زید مجدہ تولد ہوئے اور یہ خبر حضرت فقیہ الامتؒ کو دیتے ہوئے

نام تجویز کرنے کی درخواست کی تو والا نامہ صادر ہو، ''مژدہ تولد ولد موجب صد مسرت وابتہاج ہوا، خدائے پاک عمر دے، علم دے، عمل دے، عافیت، عزت دے۔ مشورہ کرلیں اسعد وارشد میں جو پسند ہو نام تجویز کردیں''۔ (دیکھیے مکتوبات فقیہ الامت ۴/۱۷۸)

حضرت مفتی صاحب اپنے شیخ کی ہر ہر قول وفعل کے شیدائی تھے، آپ نے نہ صرف ان میں سے ایک نام پسند کیا، بلکہ پہلے صاحب زادے کا ''اسعد'' اور دوسرے کا ''ارشد'' رکھ دیا۔

انتہائی قابلِ رشک واقعہ

پھر مرشد ومسترشد کے اس تعلق نے کیسے کیسے عجیب منظر دکھائے، اسے سوچ کر بھی حیرت ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ کرنے کے لیے محض ایک واقعہ ملاحظہ ہو کہ ایک دفعہ حضرت مفتی صاحب کی بیماری (ایکسڈنٹ کی وجہ سے پیر میں چوٹ آئی تھی) کے دوران حضرت فقیہ الامتؒ بذات خود عیادت کے لیے تشریف لائے، حالاں کہ اس وقت آپؒ متعدد امراض سے دوچار تھے اور انتہائی ضعف وبڑھاپے کی منزلوں سے گذر رہے تھے۔ حضرت مفتی صاحب کا دولت کدہ جامعہ کے نزدیک واقع بلڈنگ کی پہلی منزل پر واقع تھا، جس کے لیے ۲۷ زینے چڑھنے پڑتے تھے۔ اس لیے حضرت مفتی صاحب کی دلی خواہش یہی تھی کہ میری خاطر حضرتؒ اتنی تکلیف گوارہ نہ کریں، مگر حضرت کے دل میں اپنے مخلص ومحب کی جو قدر تھی اس کے پیش نظر بالمشافہہ عیادت کے بغیر چارہ نہ تھا، بالآخر آسماں نے وہ نظارہ بھی دیکھا کہ حضرتؒ کے ضعیف جسم کو متعدد حضرات پکڑے ہوئے آہستہ آہستہ لیے جاتے تھے اور آپؒ یوں ہانپتے کانپتے حضرت مفتی صاحب کے مکان پر پہنچے۔ (دیکھیے مکتوبات فقیہ الامت ۴/۳۶۱)

جب کہ اپنے استاذ مرشد کی سہولت وآرام کا خود حضرت مفتی صاحب کو اتنا خیال تھا کہ ایک دفعہ فرمایا کہ 'جس طرح آج لوگ اپنے بڑوں کے آرام وسہولت کا خیال کیے بغیر انھیں اپنے مقام ومکان تک لے جانے کے لیے اصرار کرتے ہیں، میں نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ حضرت بارہا جامعہ میں تشریف لاتے، میرا مکان پاس میں ہی تھا، میں نے کبھی نہیں کہا کہ: میرے گھر چلیے''۔

ایامِ تعطیل میں معیت

جامعہ ڈابھیل میں تقرر کے بعد جب بھی اس علاقہ میں فقیہ الامت کا ورودِ مسعود ہوتا معیت کا شرف حاصل کرتے، بلکہ نظامِ سفر مفتی صاحب کے مشورہ سے طے ہوتا، ایامِ تعطیل میں مرشد جدھر ہوتے ادھر کا رخ کرتے، کبھی دیوبند تو کبھی باندہ اس طرح کئی عیدیں دیوبند وباندہ میں ہوئیں۔

ایامِ تعطیل میں مدرسین اپنے اپنے وطن لوٹتے اور عیدین کی خوشیاں اہلِ خانہ کے ساتھ مناتے۔ مگر مفتی صاحب یہ ایام مرشد کی روح پرور فضا اور بابرکت صحبت میں گزارتے:

انبساطِ عید دیدنِ روئے تو	❁	عیدگاہِ ما غریبانِ کوئے تو

از ۱۳۷۸ھ تا ۱۴۱۷ھ انتالیس سال تعلق کی یہ داستان اتنی طویل، مسلسل اور پہلودار ہے کہ زیرِ تحریر مقالے میں نہیں سمیٹا جاسکتا۔ مزید تفصیل کے لیے راقم الحروف کی ترتیب دی ہوئی کتاب جلدِ رابع ''مکتوباتِ فقیہ الامت بنام حضرت مفتی احمد خانپوری مع مقدمہ'' کا مطالعہ کیجئے۔

افتا کے سال حضرت فقیہ الامت کی معیت میں خادم کی حیثیت سے کلکتہ کے سفر کا

موقع نصیب ہوا، اس سفر کے چند واقعات مفتی صاحب کی زبانی ان ہی کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں:

ہاوڑہ کے پُل کے بہانہ پُل بھر میں تصرف

زمانۂ طالبِ علمی میں حضرت کے ساتھ کلکتہ کا سفر ہوا، ایک دن وہاں کے حضرات نے مجھ سے اصرار کیا کہ آج آپ کو ہاوڑہ کا پل دکھلانے لے چلتے ہیں، میں نے کہا: حضرت سے اجازت لیے بغیر نہ جاؤں گا۔ چناں چہ جب حضرت سے اس کا تذکرہ کیا اور اجازت کا خواہاں ہوا تو حضرت نے خاص ظرافت کے ساتھ فرمایا: ''ہاں! دیکھ لو! کل قیامت کے دن سوال ہوگا کہ ہاوڑہ کا پل دیکھا تھا؟ تو کیا جواب دو گے؟

اگر چہ یہ بات حضرت نے بطورِ ظرافت فرمائی تھی، اور اجازت بھی دے دی، لیکن مجھ پر عجیب سناٹا چھا گیا اور میں پل دیکھنے نہ گیا۔ اور اس کے بعد تو ایسا معلوم ہوا کہ کہیں کا بھی سفر ہو کسی بھی جگہ یا چیز کے دیکھنے کی دل میں طلب یا خواہش نہیں ہوتی، گویا یہ حضرت کا ایک تصرف تھا۔

جھینگا کھانے پر لطیفہ

اسی سفر میں ایک روز حاجی جمیل صاحب زید مجدہ کے دولت کدہ پر کھاتے وقت دسترخوان پر ایک سالن جھینگا بھی تھا، کسی نے حضرتؒ سے پوچھ لیا کہ: حضرت! آپ یہ نہیں کھاتے؟ تو حضرت نے فرمایا: ''نہ ایں کار می کنم نہ انکار می کنم'' (یعنی میں نہیں کھاتا اور کھانے والے کو روکتا بھی نہیں ہوں)۔ اور اس پر یہ لطیفہ بھی سنایا کہ: ایک مرتبہ ڈابھیل میں مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب ان کے گھر کھانے کے لیے بیٹھے

ہوئے تھے، دسترخوان پر جھینگے بھی تھے، مفتی بسم اللہ صاحب نے فرمایا کہ: حضرت تھانویؒ نے اس کو جائز بتلایا ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ: میں نے عرض کیا کہ: حضرت تھانویؒ نے کانگریس کی شرکت کو ناجائز بتلایا ہے۔ یہ اس لیے کہا تھا کہ مفتی بسم اللہ صاحب جمعیتی اور کانگریسی تھے۔

اصلاحِ نفس کا من جانب اللہ انتظام

اسی سفرِ کلکتہ کا واقعہ ہے ابتداءً حضرت کے سفر کا پروگرام ایک یا دو روز کا تھا؛ مگر اتفاق سے کلکتہ میں مزید چار روز رکنا پڑا، پروگرام کے مطابق میں نے کپڑے ساتھ نہیں لیے تھے، پہنے ہوئے کپڑوں میں گیا تھا، اس کو دھونے کی نوبت نہیں آئی، لہٰذا میلے ہو گئے، کلکتہ سے دیوبند واپسی بذریعۂ ہوائی جہاز ہوئی، میری زندگی میں ہوائی جہاز میں سفر کا یہ پہلا موقع تھا، نفس میں عجب اور پندار ہونے کا احتمال تھا، اسی سفر میں حضرت کے بیگ کا پٹہ ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے بیگ سر پر اٹھانا ضروری ہو گیا، ہوائی جہاز میں سفر کی وجہ سے نفس میں شان وآن پیدا ہونے کے احتمال کا میلے کپڑے اور سر پر ٹوٹے ہوئے بیگ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انتظام فرما دیا۔

باب دوم

تدریسی زندگی

تدریس کے لیے قابل آدمی کی ضرورت

افتا کے سال رمضان المبارک میں حضرت فقیہ الامت کے پاس تین جگہوں سے مدرس کا مطالبہ آیا کہ تدریس کے لیے قابل آدمی کی ضرورت ہے: گنگوہ، کانپور، ڈابھیل۔ حضرت نے مفتی صاحب کا عندیہ معلوم فرمایا کہ ان میں سے جہاں چاہو بھیج دوں، مفتی صاحب نے ڈابھیل جامعہ کو پسند فرمایا، حضرت فقیہ الامتؒ نے ۵ / رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ جامعہ ڈابھیل کے مہتمم حضرت مولانا محمد سعید بزرگؒ کے نام گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:

مکتوب گرامی حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ

بنام مولانا محمد سعید بزرگؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم محترم مدت فیوضکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نامۂ گرامی کے جواب میں مولوی اسماعیل کچھولوی سلمہ کے خط میں تحریر کر دیا تھا کہ ایک آدمی آپ کی فرمائش کے مطابق درجۂ عربی اول کے لیے موجود ہے، ان کا نام

مولوی احمد ہے، خانپور (بھروچ) کے رہنے والے ہیں، میرے پاس رہتے ہیں، فتاوی کی مشق کرتے ہیں، صالح ہیں، ذہین ہیں، متقی ہیں، ذی استعداد ہیں، ذاکر ہیں، خدا کرے اخلاص کے ساتھ بہترین خدمت انجام دیں۔ وہ مقلب القلوب اور مثبت القلوب ہے، بغیر اس کی توفیق واعانت کے کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔

خوش الحان قاری ابھی نہیں مل سکے، تاہم تلاش جاری ہے، اوقاتِ مبارکہ میں دعا کی درخواست ہے، یہاں ۳۰/شعبان جمعہ کو چاند ہوکر شنبہ کو پہلا روزہ ہوا، دوسری جگہ سے بذریعۂ خطوط جمعہ کا پہلا روزہ ہونا بھی معلوم ہوا۔ فقط والسلام علیکم وعلی من لدیکم۔

احقر محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، سہارن پور، یوپی ۵/۹/۸۸ھ

مدرسین کے لیے چودہ زریں نصائح

۱۳۸۸ھ کے رمضان کے بعد تدریسی دور کا آغاز کرنا تھا، زندگی نئے موڑ پر تھی، حضرت فقیہ الامت سے جدائی گوارہ نہ تھی، دل آمادہ نہ تھا، عجیب کیفیت تھی، روتے روتے گجرات رخصت ہوئے، حضرت نے خوب دعائیں دیں، نصائح فرمائیں، تدریس کے سلسلہ میں ۱۴ر نصائح کی تھیں، جن کو یہاں نقل کیا جاتا ہے:

① عہدہ اور منصب مت طلب کرنا کہ مجھے فلاں کتاب پڑھانے دی جائے یا فلاں منصب حوالہ کیا جائے۔

② پیسے مت مانگنا کہ میری تنخواہ اتنی کردو، یا اس میں اتنا اضافہ کردیا جائے۔

③ اگر کوئی کہے کہ یہ لائق نہیں تو دل سے اس کا اقرار کرنا اور کہنا کہ: ہاں بھئی! میں تو بالکل لائق نہیں؛ مگر مدرسہ والوں نے بٹھادیا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اس کی لیاقت دے

اور کتابوں کا حق مجھ سے کسی طرح ادا کرائے۔

④ کوئی طالبِ علم اگر سوال کرے تو شفقت سے اس کا جواب دینا اگرچہ براہِ طعن سوال کرتا ہو۔

⑤ کسی جگہ کتاب سمجھ میں نہ آئے تو دو رکعت صلوٰۃ الحاجۃ پڑھ کر دعا مانگنا، اور مصنفِ کتاب کو ایصالِ ثواب کرنا، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

⑥ دوسرے کی کتاب میں کسی طالبِ علم کو بتانے میں احتیاط کرنا۔

⑦ طلبا سے خدمت نہ لینا، حضرت حکیم الامت تھانویؒ فرماتے تھے کہ: میں اپنے کسی مرید، شاگرد سے خدمت لینا حرام سمجھتا ہوں۔

⑧ طلبا سے اختلاط نہیں چاہیے، اس لیے کہ اس میں مختلف اغراض سے آنے والے ہوتے ہیں۔

⑨ طلبا کا احسان مانو کہ انہوں نے اپنے قلوب کی زمین آپ کے علم کی تخم ریزی کے لیے ہموار کی، ورنہ آپ کا علم یوں ہی رہتا، اپنا ان پر کوئی احسان نہ سمجھیں۔

⑩ طلبہ مختلف اغراض سے اشکالات کرتے ہیں، کوئی اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لیے، کوئی استاذ کو پریشان کرنے کے لیے، وغیرہ وغیرہ مگر سب کا جواب علیٰ اسلوب الحکیم دینا، مناظرانہ انداز میں نہیں۔

⑪ روزانہ متعلقہ درسی کتاب کے مصنف کو تین مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھ کر ایصالِ ثواب کرتے رہنا، بشرطیکہ وہ مسلمان ہو۔

⑫ اگر کوئی بات سبق میں غلط کہہ دی جائے تو اس سے رجوع کرنے میں تامل نہ کرنا۔

⑬ مطالعہ کے بغیر کبھی کوئی کتاب نہ پڑھانا۔

⑭ اسباق کی مشغولیت کی وجہ سے ذکر و تلاوت و تسبیحات وغیرہ معمولات کو ترک نہ کرنا۔

ان نصائح پر مفتی صاحب نے عمل کا کس قدر اہتمام کیا یہ بات آپ کے متعلقین و شاگردوں سے مخفی نہیں، آپ کی زندگی ہی عمل کا نمونہ ہے۔ ان نصائح کے بعض نمبروں کی تفصیل جامعہ ڈابھیل میں خدمات والے باب میں ان شاء اللہ آئے گی۔

حضرتؒ کی ۱۴ رنکات پر مشتمل قیمتی نصائح پر سرسری نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت نے مدارس میں رونما ہونے والے فتنہ و فساد کی جڑ کاٹ دی ہے، مدرسہ کا عملہ جس سے مدرسین کو سابقہ پڑتا ہے تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے: انتظامیہ، مدرسین، طلبا؛ نصیحت نمبر ۱۔ ۲۔ ۱۴۔ پر عمل کرنے سے انتظامیہ خوش رہے گا۔ نمبر ۳۔ ۶۔ پر عمل پیرا ہونے سے مدرسین میں آپسی رقابت سے حفاظت ہوگی۔ باقی نمبرات کو معمول بہا بنانے میں طلبا کے حقوق ادا ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے فتنوں سے بچا جا سکتا ہے۔

تدریسی زندگی اور جامعہ ڈابھیل

مفتی صاحب کی تدریسی زندگی کا باقاعدہ آغاز شوال ۱۳۸۸ھ سے ہوتا ہے، ۱۳۸۸ھ سے تادمِ تحریر جامعہ کے متعدد شعبہ جات سے خدمات کا تعلق رہا ہے، ان تمام خدمات کی تفصیل کے لیے ایک دفتر درکار ہے، مقدمہ محمود الفتاوی شروع کرتے وقت اندازہ نہیں تھا کہ یہ مقدمہ اتنا طول پکڑے گا، قلم چل پڑا، بات پر بات یاد آتی گئی، ارادہ تو یہ تھا کہ شکستہ تسبیح کے دانوں کو ایک لڑی میں پرو کر مرقع پیش کردوں گا، مگر مرقع نے سوانح کی صورت اختیار کرلی؛ لہٰذا قارئین سے معذرت کرتے ہوئے اس پُرلطف

داستان اور حسین یادوں کو سمیٹنے کی اجازت چاہوں گا۔

جامعہ میں تقرر پر بڑوں کی طرف سے اظہارِ مسرت اور دعا و نصیحت

مفتی صاحب کی ترقیات میں ہمیشہ بڑوں کی دعائیں شاملِ حال رہی ہیں، ملاحظہ کیجئے:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے ایک گرامی نامہ میں تحریر فرمایا:

''اس سے بہت زیادہ مسرت ہوئی کہ مفتی صاحبؒ (مراد فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ) کی برکت سے تم ڈابھیل میں تدریسی سلسلہ میں مشغول ہو گئے، اللہ تعالیٰ مبارک فرماوے، تمھارے علوم سے طلبہ کو متمتع فرماوے اور ترقیات سے نوازے''۔

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے گرامی نامہ میں ہے:

''خدائے پاک نے آپ کو خدمتِ دین کا موقع عنایت فرمایا اس کا بہت بڑا احسان ہے؛ ورنہ آپ سے زیادہ قابلیت والے بڑی تعداد میں بے کار پڑے ہیں، اس احسان کا شکریہ اس طرح ادا کریں کہ اپنے آپ کو ناقابل تصور کر کے ہر خدمت کو استحقاق سے بالا سمجھیں اور خوب محنت و مطالعہ کر کے کام کو انجام دیں، اوقاتِ مدرسہ ہی کا ملازم سمجھ کر بقیہ اوقات میں اپنے کو آزاد نہ سمجھیں''۔

فخر گجرات حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رقم طراز ہیں:

''سالِ جدید کے لیے آپ نے جو ڈابھیل کا پروگرام لکھا ہے وہ بہت مبارک ہے، اللہ اس میں برکت عطا فرمائے اور استقامت نصیب فرمائے۔''

جامعہ میں قیام

آپ مؤرخہ ۱۶ / شوال ۱۳۸۸ھ مطابق ۶ / جنوری ۱۹۶۹ء میں حسبِ معمول جامعہ کھلتے ہی حاضر ہو گئے، یہ دور حضرت مولانا محمد سعید بزرگ سملکیؒ (متوفی ۱۴۱۱ھ) کا عہدِ زریں تھا، مولانا بزرگ کی جوہر شناس طبیعت گجرات و بیرونِ گجرات سے لعل و گوہر تلاش کر کے لاتی اور جامعہ کا نظامِ تعلیم و تربیت بلند سے بلند تر ہوتا جاتا۔ مولانا ابرار احمد دھولیوی اسی سال جامعہ میں آئے، وہ بڑے ظریف الطبع آدمی تھے، مفتی صاحب اور مولانا ابرار احمد کا قیام بنگلہ میں دو متصل کمروں میں تھا۔ بنگلہ جامعہ کی قدیم و متبرک قیام گاہ ہے، علامہ کشمیریؒ، علامہ عثمانیؒ، وغیرہ اکابر کا قیام اسی بنگلہ میں رہا ہے، بلکہ ان ہی حضرات اکابر کی آمد کے بعد ان کی رہائش کے لیے بنگلہ تعمیر کیا گیا تھا۔

جامعہ میں تقرری کے وقت آپ کی عمر

آپ جس سال جامعہ میں آئے اس وقت عمر ۲۲ سال تھی، شادی نہیں ہوئی تھی، داڑھی کا ایک بال بھی ظاہر نہیں ہوا تھا، چھریرا دبلا پتلا بدن تھا، کوئی نو وارد ظاہری حلیہ اور قامت و جسامت کو دیکھ کر بجا طور پر محسوس کرے کہ کوئی طالبِ علم ہے، کسے معلوم تھا کہ اسی چھریرے اور نحیف جسم کی جاں نثاری کے ساتھ جامعہ اسلامیہ کی ایک نئی قابلِ رشک تاریخ وابستہ ہوگی۔

سال بہ سال زیرِ درس کتابیں

آپ نے عربی اول سے دورۂ حدیث تک متعدد فنون کی کتابیں بار بار پڑھائیں،

اس عرصہ میں بڑے بڑے علما کو آپ کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا، بعض کے نام آگے ذکر کروں گا۔

تدریس کے ساتھ نظامتِ کتب خانہ اور نظامتِ تعلیم کے میدان میں بھی زور آزمائی کی اور اپنے جوہر دکھائے۔

کس سال کونسی کتاب کس گھنٹے میں پڑھائی، باقی اوقات میں کیا ذمہ داری رہی اس کا پورا چارٹ آپ نے یادداشت کے طور پر لکھ رکھا ہے اس کو یہاں نقل کیا جاتا ہے:

پڑھائی ہوئی کتبِ درسیہ سال بہ سال کی ترتیب

جامعہ میں حاضری مؤرخہ ۱۶ / شوال ۱۳۸۸ھ مطابق ۶ / جنوری ۱۹۶۹ء یوم دوشنبہ۔

سال اول ۱۶ / شوال ۱۳۸۸ھ مطابق ۶ / جنوری ۱۹۶۹ء دوشنبہ تا ختمِ سال

ساعتِ اولیٰ	بقیہ ساعات
نور الایضاح بعدہ قدوری از بیوع تا ختم	درجۂ عربی اول کامل

سال دوم ۱۱ / شوال ۱۳۸۹ھ مطابق ۲۱ / دسمبر ۱۹۶۹ء تا ختمِ سال

ساعتِ اولی	ساعتِ سادسہ	خارج	بقیہ ساعات
نور الایضاح معہ قدوری	اصول الشاشی معہ دروس التاریخ	سراجی	نظامتِ کتب خانہ

مولانا ابراہیم پٹنی صاحب کی بیماری میں ترجمہ نصفِ ثانی کا اضافہ ہوا، از ۸ / محرم ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۷ / مارچ ۱۹۷۰ء تقریباً پندرہ یوم۔

سال سوم ۱۵ / شوال ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۵ / دسمبر ۱۹۷۰ء سہ شنبہ تا ختم سال

ساعتِ اولی	ساعتِ سادسہ	خارج	بقیہ ساعات
نور الایضاح، قدوری	اصول الشاشی معہ دروس التاریخ	سراجی	نظامتِ کتب خانہ

مولانا آدم صاحب کی وفات پر اضافہ ۲۱ / ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۸ / فروری ۱۹۷۱ء تا ختمِ سال: شرحِ وقایہ:- ساعتِ ثانیہ۔ مقاماتِ حریری معہ مختارات:- ساعتِ ثالثہ۔

سالِ چہارم ۱۱ / شوال ۱۳۹۱ھ مطابق ۳۰ / نومبر ۱۹۷۱ء سہ شنبہ تا ختمِ سال

ساعتِ اولی	ساعتِ ثانیہ	خامسہ	خارج	بقیہ اوقات
نور الایضاح، قدوری	شرحِ وقایہ	مقامات معہ مختارات	سراجی	نظامتِ کتب خانہ

۱۷ / شوال ۱۳۹۱ھ دوشنبہ مطابق ۶ / دسمبر ۱۹۷۱ء تا ۱۹ / ذی الحجہ ۱۳۹۱ھ مطابق ۵ / فروری ۱۹۷۲ء مولانا ابراہیم پٹنی صاحب کی دو ماہ کی بیماری میں:- جلالین شریف: ساعتِ ثالثہ و رابعہ میں

سالِ پنجم ۱۴ / شوال ۱۳۹۲ھ۔ ۲۱ / نومبر ۱۹۷۲ء سہ شنبہ

ساعتِ اُولی	ساعتِ ثانیہ	خامسہ	خارج	بقیہ اوقات
نور الایضاح، قدوری	شرحِ وقایہ	مقامات، مختارات	سراجی	نظامتِ کتب خانہ

۳/ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ۔۱۰/دسمبر ۱۹۷۲ء یک شنبہ تا ختمِ سال مولانا حسین بنارسی صاحب کے نہ آنے پر مستقل تبدیلی، نظامتِ کتب خانہ ختم۔

اولی	ثانیہ	ثالثہ	خامسہ	سادسہ
نورالایضاح، قدوری	شرح وقایہ	دیوانِ متنبی	مقاماتِ حریری، مختارات	شرح عقائد، سراجی

مؤرخہ ۵/ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ۔۱۲/دسمبر سہ شنبہ: ساعتِ اولی میں نورالایضاح، قدوری کی جگہ پر نورالانوار۔

سال ششم ۱۸/شوال ۱۳۹۳ھ۔۱۴/نومبر ۱۹۷۳ء چہار شنبہ

اُولی	ثانیہ	خامسہ	سادسہ	بقیہ اوقات
شرح وقایہ	نورالانوار	دیوانِ متنبی، سراجی	شرح عقائد	نظامتِ کتب خانہ

مفتی اسماعیل صاحب کی دو ماہ کی رخصت کی وجہ سے ترمیم۔۱۹/ربیع الاول ۱۳۹۴ھ۔۱۳/اپریل ۱۹۷۴ء یوم شنبہ: ہدایہ اولین: اولی وثانیہ۔نورالانوار: ثالثہ۔ شرحِ وقایہ ہٹ گئی۔

۲۹/رجب ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹/اگست ۱۹۷۴ء کو سالانہ اجلاس، اور یکم/شعبان ۱۳۹۴ھ۔۲۰/اگست ۱۹۷۴ء سے تعطیلات۔

سالِ ہفتم ۱۳/شوال ۱۳۹۴ھ۔۳۰/اکتوبر ۱۹۷۴ء چہار شنبہ

ساعتِ اولی	ثانیہ	ثالثہ	خامسہ	سادسہ	خارج

مشکوٰۃ شریف اول	ہدایہ ثانی، حسامی	دیوان متنبی	شرح وقایہ	نور الانوار	مؤطا مالک

۲۳ / ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ - ۶ / جنوری ۱۹۷۵ء مولانا فضل الرحمن کی آمد پر تبدیلی تاختمِ سال۔

اولی	ثانیہ	ثالثہ	سادسہ	خارج
مشکوٰۃ اول	ہدایہ ثانی معہ حسامی	دیوان متنبی	نور الانوار	مؤطا مالک

۱۷ / جمادی الاولی ۱۳۹۵ھ - ۲۹ / مئی ۱۹۷۵ء۔ نظامتِ تعلیم حسبِ تجویزِ مجلسِ شوریٰ منعقدہ ۳ / جمادی الاولی ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۵ / مئی ۱۹۷۵ء۔

سالِ ہشتم ۱۳ / شوال ۱۳۹۵ھ مطابق ۱۹ / اکتوبر ۱۹۷۵ء یک شنبہ تاختمِ سال

اولی وثانیہ	خامسہ وسادسہ	خارج	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین، حسامی	مشکوٰۃ المصابیح کامل، شرح نخبۃ الفکر	مؤطا مالک	نظامتِ تعلیم

سالِ نہم ۱۴ / شوال ۱۳۹۶ھ مطابق ۹ / اکتوبر ۱۹۷۶ء شنبہ تاختمِ سال

اولی وثانیہ	خامسہ وسادسہ	خارج	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین، حسامی	مشکوٰۃ المصابیح کامل، شرح نخبۃ الفکر	مؤطا مالک	نظامتِ تعلیم

سالِ دہم ۱۲ / شوال ۱۳۹۷ھ - ۲۶ / ستمبر ۱۹۷۷ء یوم شنبہ تاختمِ سال

اولی وثانیہ	خامسہ	خارج	بقیہ اوقات

ہدایہ اولین کامل معہ سراجی	مشکوٰۃ اول	مؤطا مالک	نظامتِ تعلیم

سالِ یازدہم ۱۳ / شوال ۱۳۹۸ھ۔ ۱۷ / دسمبر ۱۹۷۸ء یک شنبہ

اولی وثانیہ	خامسہ	سادسہ	خارج	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین، سراجی	مشکوٰۃ اول	نور الانوار	ابن ماجہ طہارت ختم	نظامتِ تعلیم

یکم ربیع الاول ۱۳۹۹ھ۔ ۳۰ / فروری ۱۹۷۹ء یوم سہ شنبہ تا ختمِ سال (مولانا احمد اللہ صاحب کی وفات کے بعد ترمیم) تا ختمِ سال

اولی ورابعہ	پانچواں گھنٹہ	خارج	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین معہ سراجی	ابوداؤد شریف	ابن ماجہ	نظامتِ تعلیم

سالِ دوازدہم ۱۱ / شوال ۱۳۹۹ھ۔ ۴ / ستمبر ۱۹۷۹ء یوم سہ شنبہ

اولی وثانیہ	خامسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین کامل معہ سراجی	ابوداؤد شریف	نظامتِ تعلیم

والدہ کا انتقال ۱۴ / شوال ۱۳۹۹ھ۔ ۷ / ستمبر ۱۹۷۹ء یوم جمعہ۔ اجلاس صد سالہ دارالعلوم اسی سال ہوا۔

سالِ سیزدہم ۱۲ / شوال ۱۴۰۰ھ۔ ۲۴ / اگست ۱۹۸۰ء یک شنبہ

اولی وثانیہ	خامسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین معہ سراجی	ابوداؤد	نظامتِ تعلیم

۲۱/شوال ۱۴۰۰ھ۔ ۲/ستمبر ۱۹۸۰ء یوم سہ شنبہ تا ختم سال (حضرت مولانا محمد ایوب صاحب کی معذرت پر ترمیم)

اولی وثانیہ	سادسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ اولین معہ سراجی	ترمذی شریف	نظامتِ تعلیم

محرم ۱۴۰۱ھ میں حج کے بعد کی حاضری

سال چہاردہم ۷/شوال ۱۴۰۱ھ۔ ۱۸/اگست ۱۹۸۱ء یوم سہ شنبہ تا ختم سال

اولی	ثانیہ	سادسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ اول معہ سراجی	ہدایہ ثالث	ترمذی معہ شمائل	نظامتِ تعلیم

سالِ پانزدہم ۱۳/شوال ۱۴۰۲ھ۔ ۴/اگست ۱۹۸۲ء یوم چہارشنبہ:

اولی	ثانیہ	سادسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ ثالث	ہدایہ اول معہ سراجی	ترمذی وشمائل	نظامتِ تعلیم

۱۷/ذی الحجہ ۱۴۰۲ھ۔ ۵/اکتوبر ۱۹۸۲ء سہ شنبہ تا ختم سال (مولانا ابوبکر صاحب کی علیحدگی پر ترمیم)

اولی	ثانیہ	رابعہ	سادسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ ثالث	ہدایہ اول معہ سراجی	مشکوٰۃ اول معہ شرحِ نخبہ	ترمذی معہ شمائل	نظامتِ تعلیم

سالِ شانزدہم ۱۲/شوال ۱۴۰۳ھ۔ ۲۳/ جولائی ۱۹۸۳ء یوم شنبہ

اولی	ثانیہ	رابعہ	سادسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ رابع	ہدایہ اول معہ سراجی	مشکوٰۃ اول، شرح نخبہ	ترمذی معہ شمائل	نظامتِ تعلیم

مؤرخہ ۱۲ ذی قعدہ ۱۴۰۳ھ۔ ۲۲ اگست ۱۹۸۳ء دوشنبہ تا ختمِ سال: مشکوٰۃ جلد اول معہ نخبہ ہٹا دی گئی۔

سالِ ہفدہم ۱۷/شوال ۱۴۰۴ھ۔ ۱۷/ جولائی ۱۹۸۴ء سہ شنبہ:

اولی	ثانیہ	سادسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ اول معہ سراجی	ہدایہ رابع	ترمذی شریف معہ شمائل	نظامتِ تعلیم

نئے شیخ الحدیث صاحب کی آمد پر ۲۷/ ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ۔ ۲۴/ ستمبر ۱۹۸۴ء دوشنبہ

اولی	ثانیہ	سادسہ	بقیہ اوقات
ہدایہ رابع	ہدایہ اول معہ سراجی	بخاری شریف ثانی	نظامتِ تعلیم

مولانا یوسف صاحب کی بیماری میں صرف پندرہ یوم کے لیے یہ اضافہ ہوا:

۶/محرم ۱۴۰۵ھ۔ ۲/ اکتوبر ۱۹۸۴ء سہ شنبہ: مشکوٰۃ معہ نخبہ: ثالثہ۔ شرح وقایہ: رابعہ۔

۱۴۰۵ھ ۱۲/شوال یوم دوشنبہ:

ساعتِ اولی	ساعتِ ثالثہ	ساعتِ سادسہ

ہدایہ اول معہ حسامی	مشکوٰۃ اول	بخاری ثانی

۶/محرم ۱۴۰۶ھ۔ ۲۲/ستمبر ۱۹۸۵ء یوم یک شنبہ مولانا غلام محمد صاحب کی بیماری کی وجہ سے ساعتِ رابعہ میں نورالانوار تا ۱۶/ربیع الاول ۱۴۰۶ھ۔ ۳۰/نومبر ۱۹۸۵ء۔

۱۳/شوال ۱۴۰۶ھ۔ ۲۱/جون ۱۹۸۶ء یوم شنبہ:

ساعت اولی	ساعتِ ثالثہ	ساعتِ رابعہ	ساعتِ سادسہ
ہدایہ اول معہ سراجی	مشکوٰۃ اول	مقامات معہ ریاض الصالحین اول	بخاری ثانی

۲۳/ذی قعدہ۔ ۳۱/جولائی یوم پنجشنبہ ابراہیم بھائی کی وفات پر ختمِ قرآن۔

کتبِ درسیہ کا چارٹ یہاں تک مفتی صاحب نے لکھا ہے۔ ۱۴۰۶ھ عید الاضحیٰ کی تعطیلات کے بعد جامعہ کے دارالافتا میں صدر مفتی بنائے گئے اس وقت سے ۱۴۳۰ھ تک (یعنی ۲۳ سال) صرف ایک گھنٹہ بخاری شریف ثانی کا درس دیتے تھے۔ اب ۱۴۳۲ھ تادمِ تحریر بخاری شریف اول کا درس دیتے ہیں۔ ۱۴۱۹ھ میں صرف ایک مرتبہ ''سراجی'' کا درس دیا۔ ۱۴۲۰ھ سے تادمِ تحریر شمائلِ ترمذی عموماً رات کو پڑھاتے ہیں۔

تدریسی اصول و مذاق

ہر استاذ کا طریقۂ درس قدرے مختلف اور اپنی نوعیت سے ممتاز ہوتا ہے اور ہر ایک کا اپنا کوئی خاص مذاق ہوتا ہے، یہی امور درسی خصوصیات میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔

راقم الحروف مفتی صاحب کا ایک ادنی شاگرد ہے، بعض کتبِ درسیہ میں ذائقہ کے طور پر اور بخاری شریف جلد ثانی مکمل اور افتا کا مکمل کورس پڑھنے کی سعادت حاصل ہے، اپنی معلومات اور اخذ کے مطابق مفتی صاحب کے درس کی بعض خصوصیات عرض کرتا ہوں:

① مفتی صاحب کا طریقۂ درس یہ رہا ہے کہ پہلے ہی دن فرمادیتے کہ: ہر ایک کو روزانہ سبق کے بقدر عبارت پڑھنا ہوگا۔ اسی کے مطابق روزانہ باری باری طلبا عبارت پڑھتے، عبارت کی اصلاح پر خوب زور دیتے، کسی کی مجال نہیں تھی کہ غلط عبارت پڑھ کر گذر جائے، بعضے کمزور استعداد والے اپنی باری کے روز رات ہی سے ہوشیار طالبِ علم کے پاس آئندہ کل کے سبق کو پڑھ کر تیاری کر لیتے جب جا کر ان کو سکون واطمینان ہوتا۔

راقم نے ہدایہ اول شروع کا حصہ مفتی صاحب کے پاس پڑھا ہے، اس میں یہ طرز تھا کہ طالبِ علم بقدرِ ضرورت عبارت پڑھتا پھر نفسِ مسئلہ، اس کے نقلی وعقلی دلائل، خصم کا اختلاف، ان کے دلائل، پھر خصم کے دلائل کا جواب اور اپنے مسلک کے وجوہِ ترجیح جیسا کہ صاحبِ ہدایہ بیان فرماتے ہیں یہ تمام چیزیں مفتی صاحب از بر طلبا کی طرف توجہ کرتے ہوئے اس طرح بیان فرماتے کہ معلوم ہوتا ہے کہ بالکل حافظِ کتاب ہیں، اس میں کبھی ترتیب کا فرق بھی ہوجاتا؛ مگر کوئی بات عبارت کے تعلق سے نہیں چھوٹتی تھی، مسئلہ کی تشریح کے بعد عبارت خواں ترجمہ کر دیتا، کبھی کوئی غلط ترجمہ کرتا تو خود بامحاورہ سلیس ترجمہ کر دیتے۔

② زبانی درس کبھی عملی درس کی صورت اختیار کر لیتا، ہدایہ اول میں ''سنن الطهارة'' کے ذیل میں ''والسواك'' آیا جس میں بتلایا گیا ہے کہ وضو میں مسواک کرنا سنت ہے اس موقع پر باری باری ہر ایک کو حکم فرمایا ''مسواک بتلایئے''، چناں چہ جن کی جیب میں مسواک موجود تھی انہوں نے جیب سے مسواک نکال کر بتلائی۔ اسی طرح ہم سے پہلے

ہدایہ پڑھنے والوں نے بتایا کہ: ہدایہ میں ''باب صفة الصلاة'' کے موقع پر طلبا سے نماز کی باقاعدہ عملی مشق بھی کراتے تھے اور تقریباً ہر سال اس کا اہتمام فرماتے۔

③ اندازِ درس خوب نرالا، حلِ عبارت اور افہام میں اعلیٰ درجہ کا کمال حاصل ہے، غبی سے غبی طالبِ علم تھوڑی توجہ سے درس سن لے تو کم از کم درس کا خلاصہ ضرور ذہن نشین کر لے۔

④ ''ہدایہ اولین'' کا درس سالہا سال دیا اور خوب تحقیق سے دیا۔ جس وقت ہدایہ اول کا درس راقم الحروف کے ذمہ سپرد کیا گیا اس وقت میں نے آپ ہدایہ کے جس نسخے سے پڑھاتے تھے اس کو دیکھا کہ خود نوشتہ بہترین جچے تلے الفاظ میں حواشی سے مزین ہے، بعض حواشی میں ''معارف السنن شرح ترمذی'' کا حوالہ ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطالعہ کے دوران شروحِ ہدایہ کے ساتھ ساتھ شروحِ احادیث کا مطالعہ بھی کرتے ہوں گے۔

⑤ فرائض آپ کا خصوصی فن ہے، طالبِ علمی کے زمانہ سے اس فن سے مناسبت تھی، ایک مرتبہ فرمایا: ''پڑھنے کے زمانہ میں عصر کے بعد تفریح کرتے ہوئے اس کی مثالیں مشق کرتا تھا''۔ اس فن کے اصول وفروع اس قدر مستحضر ہیں کہ گویا پورا فن بیک نظر سامنے ہے، جامعہ میں ہدایہ کے ساتھ سراجی بھی پڑھائی جاتی ہے اس میں ورثا کے اقسام واحوال کو اتنا ازبر کرواتے جیسا کہ ''سورۂ فاتحہ'' کہ ادھر استاذ نے سوال کیا اُدھر طالبِ علم نے بلا تاخیر صحیح جواب پیش کر دیا۔

ہدایہ کے ایک مقام کی تحقیق میں سرگرداں

⑥ ایک مرتبہ فرمایا: ہدایہ پڑھانے کے زمانہ میں میں نے کبھی اس کی اردو شرح کو نہیں دیکھا۔ اس وقت ''عین الہدایہ'' تھی اس کو بھی نہیں دیکھتا تھا، صرف ایک مرتبہ

کتاب الزکوٰۃ میں ''قصب الذریرہ'' آیا اس وقت ''قصب الذریرہ'' کو شروحات اور مختلف کتابوں میں بہت تلاش کیا کسی کتاب میں نہیں ملا کہ: یہ کیا چیز ہے؟ سب شراح نے یہی لکھ دیا کہ: وہ معروف ہے، صاحب عین الہدایہ نے بھی یہی لکھا ہے، اس جملہ سے پہلے ''قصب السکر'' ہے، تمام حضرات نے اس کی تشریح کی ہے؛ مگر ''قصب الذریرہ'' کیا ہے کسی نے اس کی تشریح نہیں کی، ان ایام میں دیگر علما سے بھی پوچھا، جب کبھی دیوبند جانا ہوتا وہاں بھی پوچھتا رہا، مگر کسی نے صحیح نہیں بتلایا۔ (اس سلسلہ میں ایک لطیفہ سنایا) کہ مولانا خیر الرحمن احمد آبادیؒ (والد محترم مولوی طاہر صاحب) جو جامعہ میں ہدایہ کے سابق استاذ رہ چکے ہیں انہوں نے ''عین الہدایہ'' کے حاشیہ میں لکھا ہے: ''ہاں! قصب السکر سب کو معلوم تھا اس کی تشریح کی؛ لیکن ''قصب الذریرہ'' جو معلوم نہیں تھا اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا''۔

میں یہ حاشیہ پڑھ کر بہت ہنسا کہ ان کو بھی میری طرح اشکال پیش آیا ہے سبق میں جب اس جگہ پہنچتا تو طلبا سے کہہ دیتا معلوم نہ ہوسکا کہ قصب الذریرۃ کیا ہے بالآخر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کی کتاب ''جزء حجة الوداع'' کا ترجمہ پاکستان سے شائع ہوا تھا اس میں ملا اور حاشیۂ ہدایہ پر لکھ دیا۔ حضرت مفتی صاحب نے وہ پڑھ کر سنایا، وہ یہ ہے: ''حافظ ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں: ذریرہ بروزنِ عظیمہ ذالِ معجمہ، اور دوراؤں کے ساتھ، خوشبو کی ایک قسم ہے جو اہلِ حجاز کے یہاں معروف ہے، امام نوویؒ اور ان کے علاوہ بہت سے حضرات نے فرمایا ہے کہ: یہ ایک خوشبودار جڑی بوٹی کا برادہ ہے جو ہندوستان سے آتی ہے۔ ''صاحبِ محیطِ اعظم'' نے قصب الذریرہ کے اقسام کو تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ: ہندی میں اسے ''چرائتہ'' کہتے ہیں اور اس کا برادہ خوشبودار ہوتا ہے،

اور زیرِ بغل لگانا پسینہ کی خوشبو کے لیے مفید ہے۔ (حجۃ الوداع وعمرات النبی ﷺ تالیف برکۃ العصر حضرت الحافظ الحاج مولانا محمد زکریا کاندھلوی ثم المدنی مدظلہم، ترجمہ مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کراچی: ۲۲)

راقم کہتا ہے: یہ واقعہ آج سے تقریباً ۳۵ سال پہلے کا ہے، اس عرصہ میں ہدایہ کی متعدد اردو شروحات منصۂ شہود میں آئیں؛ مگر اس جگہ سے تمام مترجمین دامن بچا کر خاموشی کے ساتھ گذر گئے۔ ملاحظہ کیجئے اشرف الہدایہ شرح ہدایہ ۳/ ۱۳۰۔ بلکہ اس میں تو قصب الذریرہ کو ''چرائتہ کا درخت'' کہا ہے، یہ تعبیر بھی درست نہیں۔ ''قصب'' کا معنی درخت کے نہیں؛ بلکہ قصب ہر اس نبات کو کہتے ہیں جس کا تنہ پتلا، کھوکھلا اور گانٹھ دار ہو اس میں پوری اور گرہ ہو۔ یا ''قصب'' کا ترجمہ ''بانس'' ہوسکتا ہے۔

''احسن الہدایہ شرح ہدایہ'' نے ''قصب الذریرہ'' کا مطلب بیان کرنے میں کیا گل افشانی کردی اس کو بھی دیکھ لیجئے! وہ تحریر کرتے ہیں: ''چرائتہ (چری والی لکڑی)''۔ (احسن الہدایہ ۱/ ۳۶) صرف چرائتہ کہہ کر گزر جاتے تو محلِ تعجب نہیں تھا؛ مگر بین القوسین کی تشریح نے چرائتہ کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ ''چری'' ہندی لفظ ہے جس کے معنی ہیں باجرا، جوار، مکئی کے ہرے پودے۔ اس غلط تشریح سے پڑھنے والا یہی سمجھے گا کہ باجرا، جوار، مکئی میں عشر نہیں ہے جو مسئلہ کی رو سے صحیح نہیں۔

⑦ دورانِ درس کسی مناسبت سے بزرگوں کے واقعات ولطائف سنانے کی عادتِ شریفہ رہی ہے، بالخصوص جمعرات کے روز یا کسی طالبِ علم کی تنبیہ پر اس کا خاص اہتمام ہوتا، گاہے گاہے نصائح اور واقعاتِ کثیرہ بیان فرمانے کے بعد جس طالبِ علم کی وجہ سے واقعات کا سلسلہ شروع ہوا اس کے متعلق فرماتے: ''یہ شانِ ورود ہے''۔

⑧ سبق شروع کرنے سے ختم تک پورے گھنٹہ میں کسی خاص ہیئت پر مستقل

بیٹھنے کا معمول نہیں، البتہ پورے درس میں چہرہ وتوجہ کا التفات ہر جانب طلبہ کی طرف برابر رکھتے، جس کی وجہ سے طلبہ ہمہ تن گوش اور بچشمِ سر آپ کی طرف متوجہ رہتے، گاہے گاہے ظرافت ولطافت کے جملے بھی گوش گزار کرتے جس سے درس کا ماحول زعفران زار ہوجاتا۔ طالبِ علم کی درس سے غفلت وبے پروائی یا درس میں سونا کسی حال میں برداشت نہ کیا جاتا اس پر خوب تنبیہ فرماتے۔

درسِ ترمذی میں ایثار

اخلاص اور للّٰہیت دینی مدارس کی سب سے بڑی دولت ہے، اگر دل صاف ہو اور دل میں ایثار وقربانی کا جذبہ موجود ہو تو کوئی بھی مدرس کم مدت میں بلندی کے مدارج طے کرسکتا ہے۔

مفتی صاحب کے شیخ ومربی نے دیوبند سے ڈابھیل کی تدریس کے لیے رخصت کرتے وقت جو نصائح فرمائی تھیں ان میں یہ تھی: ''عہدہ اور منصب مت طلب کرنا کہ مجھے فلاں کتاب پڑھانے کو دی جائے''۔ حضرتؒ کے الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرس کی طرف سے کتاب کی طلب اور بڑی بڑی کتابیں پڑھانے کے لیے مدارس کے مروجہ نام نہاد ترقی کے پروپیگنڈے، کوششیں بھی عہدہ کی طلب اور حبِ جاہ میں داخل ہیں۔

مفتی صاحب نے مذکورہ نصیحت پر کتنا عمل کیا؟ کسی کتاب کی طلب تو کجا، جامعہ کی ترقی ونظام میں نسق باقی رکھنے کی خاطر کس ایثار وقربانی سے کام لیا اس کی ایک مثال ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں:

جامعہ کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ایوب صاحب اعظمی (متوفی ۱۴۰۴ھ) کا تدریسی فیض جامعہ میں سالہا سال رواں دواں رہا، بخاری شریف مکمل اور ترمذی شریف مکمل کا درس ان سے متعلق رہا، اخیر کے چند برسوں میں طبیعت کے ضعف کی وجہ سے ترمذی شریف پڑھانے سے معذرت کردی تھی، صرف بخاری شریف کا درس دیتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ ترمذی شریف جامعہ کے ایک مؤقر استاذ کو دی جائے؛ مگر جامعہ کے رجال شناس وقدرداں مہتمم مولانا محمد سعید بزرگؒ کی رائے گرامی مفتی صاحب کو سپرد کرنے کی تھی، انہوں نے اپنی اس رائے کا اظہار بھی کردیا تھا۔

اس سال ترمذی کے سبق کی تقسیم سے پہلے مفتی صاحب سفر حج میں تشریف لے گئے، بعد میں اربابِ حل وعقد کے مشورہ کے بعد مہتمم صاحب کے منشا کے مطابق ترمذی کا درس مفتی صاحب کے نام کردیا گیا، اس وقت مفتی صاحب مکۂ مکرمہ میں تھے، اس کی خوش خبری مولانا محمد شفیع صاحبؒ نے بہ ذریعۂ خط دی، وہ تحریر فرماتے ہیں: ”مدرسہ میں اسباق برابر ہو رہے ہیں، مولانا ایوب صاحبؒ نے ترمذی شریف پڑھانے سے عذر کیا ہے، مشورہ کے بعد آپ موصوف کو نامزد کیا ہے، اس کے لیے مبارک باد دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ سے اس خدمت کو قبول فرمائے“۔

محمد شفیع میاں عفی عنہ، ۲/ ذی قعدہ ۱۴۰۰ھ

اس کے بعد دیگر کتبِ درسیہ کے ساتھ چار سال مکمل ترمذی مع شمائل کا درس مفتی صاحب کے پاس رہا، ترمذی شریف میں دیگر ائمہ وفقہا کے فقہی اقوال بھی مذکور ہیں، برسوں سے ہدایہ پڑھانے کی وجہ سے فقہی بصیرت سے آراستہ تھے ہی اب حدیث کے ساتھ فقہ سے مناسبت نے چار چاند لگادیے، فقیہانہ بصیرت اور شگفتہ طرزِ تفہیم سے طلبہ

بھی بہت خوش تھے، یہ سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ایوب صاحب کا ۶/شوال ۱۴۰۴ھ میں انتقال ہوگیا۔ رحمة الله عليه رحمة واسعة.

جامعہ کے لیے جدید شیخ الحدیث کی تلاش ہوئی، حضرت مولانا محمد اکرام علی بھاگلپوری صاحب نور اللہ مرقدہ (م ۱۴۲۹ھ) سے شیخ الحدیث کے منصب کے لیے درخواست کی گئی، انہوں نے جامعہ کے تقرر کو چند کڑی شرائط پر موقوف رکھا ان شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی:

''میرے زیرِ درس بخاری شریف مکمل اور ترمذی شریف جلد اول ہوگی، یا بخاری شریف جلد اول، ترمذی شریف جلد اول اور اس کے علاوہ موقوف علیہ کی کوئی ایک کتاب''۔۔۔انتہی بلفظہ

جو حضرات جدید شیخ الحدیث صاحب کے یہاں تقرر کے سلسلہ میں گفتگو کرنے گئے تھے مہتمم صاحب کو پوچھے بغیر انہوں نے تمام شرائط منظور کرلیں، تقرر عمل میں آگیا، اور ان کی شرط کے مطابق بلاچوں وچرا مفتی صاحب نے ایثار کرتے ہوئے ''ترمذی'' کا درس جدید شیخ الحدیث صاحب کی خاطر چھوڑ دیا۔

بخاری شریف کا درس

حضرت مہتمم صاحب نے مفتی صاحب کے اس ایثار کی قدر فرماتے ہوئے بخاری شریف جلد ثانی مفتی صاحب کے نام لکھ دی اس وقت سے ۱۴۳۰ھ تک مکمل بخاری شریف جلد ثانی پڑھانے کی خدمت انجام دی۔ ۲۳/۱۰/۱۴۲۸ھ سے اسفار کی کثرت کی بنا پر جلد ثانی از کتاب المغازی تا کتاب فضائل القرآن پڑھایا کرتے تھے۔

جس سال (۱۴۰۵ھ) بخاری شریف جلد ثانی کا درس سپرد کیا گیا اس سال کے

مکتوبِ گرامی میں حضرت فقیہ الامتؒ نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

جو بھی کتابیں آپ کے پاس یا ان (جامعہ کے شیخ الحدیث صاحب) کے پاس ہیں، سب خدمتِ دین ہی ہے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ (م ۱۳۰۲ھ) فرمایا کرتے تھے کہ: جو ثواب بخاری پڑھانے میں ہے وہی ثواب علومِ آلیہ منطق وغیرہ پڑھانے میں ہے بشرطیکہ نیت صحیح ہو۔ (مکتوباتِ فقیہ الامت ۴/۲۷۸)

مفتی صاحب کا پورا تدریسی دور اس طرح گذرا کہ نہ کبھی کوئی کتاب طلب فرمائی اور نہ کسی کتاب کے پڑھانے سے عار محسوس فرمائی۔

مثالی خُردنوازی

۱۴۱۹ھ میں جب راقم الحروف کو ہدایہ اول سپرد کی گئی جس کے ساتھ سراجی کا درس بھی رہا کرتا ہے، جامعہ میں ہمیشہ ہدایہ اول کے گھنٹہ میں ہی سراجی پڑھائی جاتی ہے؛ مگر میرے لیے ہدایہ کا پڑھانا آسان تھا کہ اس سے قبل ایک آدھ مرتبہ چند اسباق پڑھا چکا تھا؛ لیکن سراجی پڑھانے کی ہمت نہیں تھی، حضرت مفتی صاحب نے میرے خاطر سراجی پڑھائی اور میں نے بھی اس درس میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔

مجھے اس واقعہ سے صرف یہ بتلانا ہے کہ مفتی صاحب کا ایک گھنٹہ (بخاری شریف پڑھانے کے لیے) دورہ میں تھا، عربی ششم یا پنجم میں کوئی گھنٹہ نہیں تھا، اس کے باوجود نزول کرتے ہوئے سراجی کا درس دینے میں آپ نے عار محسوس نہیں فرمائی۔ اپنے متعلقین اور شاگردوں کو ہمیشہ یہی تاکید فرماتے ہیں کہ اہلِ مدرسہ کی طرف سے جو بھی کتاب دی جائے اسی میں خیر و برکت ہے۔

حضرت مفتی عباس صاحب بسم اللہ زید مجدہم نے سنایا کہ: ان کی تدریس کے ابتدائی دور میں جامعہ کے مؤقر استاذ محترم حضرت مولانا یوسف صاحب کاوی مدظلہ کے بیمار ہونے کی وجہ سے ''شرح ابنِ عقیل'' کا سبق حضرت مفتی صاحب - جو اس وقت ناظمِ تعلیمات تھے - نے مفتی عباس صاحب کے نام کرنا چاہا تو وہ پس وپیش ہوئے مفتی صاحب نے نصیحت فرماتے ہوئے فرمایا:

''دیکھو بلا طلب جو کتاب پڑھانے ملے اس کے پڑھانے میں اللہ کی طرف سے اعانت کی جاتی ہے، اور بعد طلب جو ملے اس میں یہ بات نہیں ہوتی''

مفتی صاحب کے فرمانے کے بعد انہوں نے منظور فرمالیا، مفتی عباس صاحب فرماتے ہیں: ایسا ہی ہوا، بعد تہجد دعا کی اور مطالعہ کے لیے کتاب کھولی، الحمدللہ! سب حل ہوتا گیا، کسی جگہ کوئی پریشانی پیش نہیں آئی۔

جامعہ کا کتب خانہ اور اس کے ناظمین

جامعہ میں عظیم الشان کتب خانہ ہے، ہر علم وفن کی امہاتِ کتب اس میں موجود ہیں، جامعہ کے طلبا واساتذہ کے علاوہ دوسرے اہل علم، اہل تحقیق اور اہل ذوق اپنے علمی کاموں میں اس کتب خانہ سے استفادہ کرتے ہیں، ڈابھیل کے مشہور خاندان ''گارڈی'' نے اس کتب خانہ میں کئی اہم کتابیں وقف کی ہیں۔ مؤرخِ ہند قاضی اطہر مبارک پوریؒ نے اپنے تدریسی دور میں اس کتب خانہ سے خوب فائدہ اٹھایا ان کی مشہور کتاب ''رجال الهند والسند'' کا افتتاح اسی کتب خانہ سے ہوا، انہوں نے اس کتب خانہ کی تعریف کی ہے، گارڈی خاندان کی خدمات کو سراہتے ہوئے قاضی صاحب رقم طراز ہیں:

اس وقت جامعہ اسلامیہ میں ایک شعر مشہور تھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ: ''گارڈی نے علم کی میخ گاڑ دی''۔ (کاروانِ حیات ۱۱۲)

کتب خانہ کا نظم ونسق باقی رکھنے کے لیے مستقل ''ناظمِ کتب خانہ'' کا انتظام کیا جاتا ہے، اس سے پہلے ناظم حافظ عبدالحق بسم اللہ صاحب (م ۱۳۸۳ھ) تھے، انہوں نے تقریباً چالیس سال تک جامعہ کے مختلف شعبوں میں کام کیا، زندگی میں سادگی اور امانت داری کا وصف نمایاں تھا۔

دوسرے مولانا عبدالغفور نقش بندی بھروچی (م ۱۴۲۲ھ) تھے جو زبردست حافظہ کے مالک تھے، کتب خانہ میں موجودہ کتب میں سے کسی کتاب کے بارے میں پوچھا جاتا تو کتاب کا صحیح نام، مصنف کا نام، اس کتاب کی کتنی شرحیں ہیں، الماری میں کس جگہ کتاب رکھی ہوئی ہے سب بلا تامل بتلا دیتے۔

تیسرے مولانا مفتی عبدالعزیز سورتی (م ۱۴۲۰ھ) تھے، جو سورت کے باشندے تھے، بچپن میں پڑھنے کے لیے دیوبند چلے گئے، ایک مدت تک دیوبند میں رہے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے خصوصی تعلق تھا، ۱۳۸۸ھ میں جامعہ ڈابھیل میں ناظمِ کتب خانہ کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا تھا۔

مفتی صاحب اور نظامتِ کتب خانہ

۱۹۶۹ء میں احمد آباد اور اس کے اطراف میں ہولناک مسلم کش فسادات ہوئے اور سیکڑوں مسلمانوں کو شہید کر دیا گیا، اس وقت مولانا عبدالعزیز صاحب کے بعض رشتہ دار جو احمد آباد میں رہتے تھے شہید ہوئے، رفاہی امور میں جمعیت علمائے ہند کے

پلیٹ فارم سے مدد کرنے کی خاطر احمد آباد چلے گئے، ان کی جگہ حضرت مہتمم صاحبؒ نے مفتی صاحب کو ناظمِ کتب خانہ بنادیا۔

چناں چہ آپ نے ۱۳۸۹ھ تا ۱۳۹۳ھ تدریس کے ساتھ باحسن وجوہ نظامتِ کتب خانہ کے فرائض انجام دیے۔

ذوقِ مطالعہ

تین گھنٹے کتبِ درسیہ پڑھاتے اور تین گھنٹے کتب خانہ میں مقرر تھے، ان تین گھنٹوں کو آپ نے خوب وصول کیا، مختلف علوم وفنون کی کتب کے مطالعہ میں مشغول رہتے، مفتی صاحب کا مطالعہ کتبِ درسیہ تک محدود نہیں ہے، مطالعہ اور کتب بینی کا غیر معمولی شوق ہے، مطالعہ کی یہ غیر معمولی قوت وصلاحیت زندگی کے ہر دور میں آپ کی شخصیت کا لازمی جز رہی، اس سے آپ کی روح کو غذا اور دل کو سکون اور قلب کو آسودگی حاصل ہوتی تھی۔

ایک مرتبہ فرمایا ''فارسی اول پڑھنے کے سال مولانا ابوالکلام آزاد کی تمام کتابیں، تقاریر مطالعہ کر چکا تھا، ان کی کتابوں کی عبارات زبانی یاد کرتا تھا۔ نیز ایک زمانہ میں علامہ اقبال کی تمام کتابوں کا دو مرتبہ مطالعہ کرلیا تھا''۔

راقم الحروف نے کتب خانہ کی بعض کتابوں پر آپ کے نوشتہ حواشی دیکھے ہیں۔ مفتی صاحب کے غیر معمولی ذوقِ مطالعہ کی گواہی آپ کی ذاتی کتابوں کا بیش بہا ذخیرہ دے گا، کوئی اہم کتاب کہیں چھپی اور منصۂ شہود پر آئی تو اس کی فراہمی کے لیے بقدرِ امکان کوشش کرتے، شروع میں اتنی گنجائش نہیں تھی مگر اس کے باوجود گنجائش نکال کر حتی المقدور حصولِ کتب کے لیے کوشاں رہتے۔

ایک مرتبہ فرمایا: ''اگر میں کہیں چلا جاؤں تو فتاوی نویسی کے لیے ذاتی کتابیں کافی ہیں''۔ نظامتِ کتب خانہ کے دور میں مطالعہ کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ فتاوی نویسی میں مراجعت وحوالہ جات کے لیے کسی کتاب کی ضرورت پیش آتی اور وہ کتاب دارالافتا میں نہ ہوتی تو کتب خانہ سے منگواتے۔ یعنی ۳۵۔۴۰ سال کے بعد بھی قوتِ حافظہ میں اس کتاب کا کتب خانہ میں ہونا موجود ہے۔

اجلاسِ جامعہ میں خدمات اور دفتری خطوط نویسی

اسی دور کی ایک خدمت یہ ہے: جامعہ کے مہتمم صاحب کے بڑے بڑے علما و مشاہیر سے روابط تھے، ان سے خط وکتابت کی نوبت آتی تو مہتمم صاحب اپنے اس کام کے لیے مفتی صاحب کے نظامتِ کتب خانہ والے وقت سے فائدہ اٹھاتے، اجلاسِ جامعہ کے لیے مدعو کرنے میں، معزز مہمانوں کی آمد پر شکریہ ادا کرنے میں، جامعہ کے کسی امر میں درخواست تحریر کرنے میں وغیرہ وغیرہ مواقع پر مفتی صاحب ہی بحکمِ مہتمم صاحب خطوط نویسی کی خدمت انجام دیتے۔

تنہا امتحانات کی تیاری

نظامتِ کتب خانہ کے دور میں ایک سال رات دن ایک کر کے سالانہ امتحان کی تیاری کی، تمام کتابوں کے امتحان کے پرچے تیار کرنا، لکھنا، ٹائپ کرنا وغیرہ یہ سب امور تن تنہا انجام دیے، طلبا و مدرسین کا خیال تھا کہ یہ پرچے باہر سے تیار ہو کر آئے ہیں؛ حالاں کہ تیار کرنے والی شخصیت انہی میں موجود تھی، مگر یہ کام اس قدر یکسوئی اور للّٰہیت سے انجام دیا گیا کہ کسی کو پتہ تک نہ چلا۔

مستقل نظامت کتب خانہ کا خدشہ

مفتی صاحب کا تقرر اصلاً تدریس کے لیے ہوا تھا، مدرسہ کی ضرورت کی وجہ سے نظامتِ کتب خانہ قبول فرمالی تھی، یہاں کی روایت کے پیشِ نظر مستقل ناظمِ کتب خانہ بنائے جانے کا خطرہ درپیش تھا۔

اس سلسلہ میں حضرت فقیہ الامتؒ سے مشورہ کیا تو حضرت نے فرمایا: کتب خانہ کے لیے مناسب آدمی تلاش کر کے مدرسہ کو دے دیجئے اور پھر آہستہ آہستہ اس ذمہ داری سے سبک دوشی اختیار کرلیں۔ چناں چہ مفتی صاحب نے حضرت کے مشورہ کے مطابق اپنے دورِ طالبِ علمی کے دوست اور ہم وطن مولانا موسیٰ صاحب بھڑکودروی زید مجدہم کو پیش کیا۔ چناں چہ ۱۳۹۰ھ سے تادمِ تحریر وہ اس منصب پر فائز ہیں ان کی بلا کی استقامت دیکھئے کہ تقریباً چالیس سال ہوئے، اس طویل عرصہ میں صرف ایک مرتبہ اختتامِ سال اور افتتاح سال میں بیماری کی وجہ سے غیر حاضر رہے۔

جامعہ سے علاحدگی اور واپسی

۱۳۹۴ھ، م ۱۹۷۴ء میں ایک انتشار ہوا جس کی وجہ سے چند روز تعلیم بند رہی، ہنگامی طور پر چند روز کی تعطیل کردی گئی، انتشار والے سال کے اختتام پر چند اساتذہ جامعہ سے مستعفی ہو گئے تھے، ان میں مفتی صاحب بھی تھے، حالاں کہ جامعہ کے مہتمم صاحب نے بعد استعفا تنہائی میں بلا کر مفتی صاحب سے بہ اصرار کہا تھا کہ آپ استعفاء واپس لے لیجئے، لیکن مفتی صاحب نے اس وقت کے سنگین حالات کے پیشِ نظر صاف کہہ دیا تھا: مجھے جامعہ میں نہیں رہنا ہے، حتی کہ گھر والوں کو اور گھریلو سامان ڈابھیل سے

خانپور منتقل کر چکے تھے، سالانہ تعطیل میں حسبِ معمول ماہِ شعبان میں سہارن پور حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں رمضان المبارک گزارنے کی نیت سے حاضر ہوئے، اس دوران جامعہ کے مہتمم صاحب نے ڈابھیل میں دوبارہ رکھنے اور کسی اور جگہ جانے نہ دینے کی اپنی سعی جاری رکھتے ہوئے فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ پر بھی خط لکھا تھا کہ: مفتی صاحب کو ڈابھیل ہی لوٹنے کے لیے فرمائیں۔ مہتمم صاحب کو پتہ تھا کہ مفتی صاحب ان کے شیخ و مربی کے مشورہ کے بغیر مستقبل کا فیصلہ کر ہی نہیں سکتے؛ اس لیے خط لکھا تھا۔ مہتمم صاحب نے مفتی صاحب کو جامعہ میں دوبارہ لانے کے لیے دوسری کوشش یہ کی کہ مولانا محمد شفیع میاں (جامعہ کے سابق استاذ حفظ و رکن شوریٰ م ۱۴۱۷ھ) جو حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے ان کے ذریعہ بھی مفتی صاحب کو جامعہ میں دوبارہ بھیجنے کے لیے حضرت فقیہ الامتؒ کی خدمت میں یہ بات بار بار پہنچائی تھی۔ شروع رمضان میں تو فقیہ الامت نے مفتی صاحب کو کچھ نہ چھیڑا، جب ماہِ مبارک ختم ہونے کے قریب ہوا تو مفتی صاحب نے حضرت کا عندیہ معلوم فرمایا کہ آئندہ کے لیے کہاں جاؤں؟ حضرت نے فرمایا: کہیں سے بلاوا آیا ہے؟ تو مفتی صاحب نے نفی میں جواب دیا، اس پر حضرت نے فرمایا کہ: ڈابھیل سے حضرت مہتمم صاحب نے تاکید کی ہے کہ ڈابھیل واپس بھیج دیجئے؛ اس لیے میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ڈابھیل ہی چلے جایئے۔ حضرت کا یہ فیصلہ مفتی صاحب کے نفس پر بڑا شاق گذرا، مفتی صاحب نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ: ڈابھیل سے از خود استعفا دے کر چھوڑ چکا ہوں اب کیا پھر جاؤں؟ حضرت نے فرمایا: میری رائے اور منشاء پوچھتے ہو تو یہی ہے کہ ڈابھیل جاؤ! باقی آپ کو اختیار ہے۔ مفتی صاحب نے حضرت ہی کے منشا پر عمل کرتے ہوئے ڈابھیل واپسی کا فیصلہ کر لیا۔

حضرت مہتمم صاحبؒ نے مفتی صاحب کو باوجود استعفا دینے کے دوبارہ کیوں طلب کیا؟ میرے نزدیک اس کی واحد وجہ یہی ہے کہ چھ سال کے دوران کام کی لگن اور طرزِ تدریس اور صلاحیتوں کی وجہ سے مہتمم صاحب کے معتمد بن چکے تھے، شاید کوئی راقم کے خیال کو حسنِ اعتقاد پر محمول کرے اس لیے بہتر ہے کہ خود حضرت مہتمم صاحبؒ اور حضرت فقیہ الامتؒ کے مابین اس حادثہ کے خطوط کے دو اقتباس پیش کردوں، مفتی صاحب کو دوبارہ رکھنے کے لیے مہتمم صاحب نے جو خط حضرت فقیہ الامت کی خدمت میں لکھا تھا حضرت کی طرف سے اس کا جواب ان الفاظ میں دیا گیا: ''جس مدرس پر آپ کو سب سے زیادہ اعتماد تھا اور کبھی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی اگر مناسب سمجھیں تو ان کو تنہائی میں بلا کر دریافت کرلیں؛ تاکہ غلط فہمی دور ہوجائے۔۔۔۔۔۔

احقر محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند ۱۸/ ۷/ ۹۴ھ

حضرت فقیہ الامت کے منشا کے مطابق ڈابھیل دوبارہ واپسی کا فیصلہ کرلیا، حضرت نے مولانا محمد شفیع میاں صاحب کی زبانی حضرت مہتمم صاحب پر کہلوا دیا اور خط بھی لکھ دیا تھا، اس خط کا ایک اقتباس یہ ہے:

''پہلے خط میں آپ نے مولوی احمد خانپوری کے متعلق لکھا تھا کہ وہ ہمیشہ میرے بہت ہی معتمد رہے ہیں۔ میں نے جواب میں لکھا تھا کہ: جو شخص آپ کا معتمد رہا ہو اور کبھی آپ نے اس کو شکایت کا موقع نہ دیا ہو، بہتر یہ ہے کہ اس کو تنہائی میں بلا کر گفتگو کرلیں، غلط روایتوں سے بدگمانیاں طرفین میں پیدا ہوجاتی ہیں، کوتاہیاں بھی کچھ نہ کچھ سب میں ہوتی ہیں، تاہم صلح صفائی کرلینے کے بعد تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوتاہیاں اتنی نہیں کہ بات یہاں تک پہنچے، بدگمانیاں اور غلط روایتوں کو زیادہ دخل ہے،

مگر آپ نے ان سے گفتگو نہیں کی، میں نے یہاں ان سے گفتگو کر کے آمادہ کر لیا ہے، میرے کہنے پر وہ دوسری جگہ بات کرنے سے رک گئے ہیں، میں نے مولانا شفیع میاں کو اس کی بھی خبر کر دی اور انہوں نے آپ کو لکھ بھیجا۔

اب میری رائے یہ ہے کہ مولوی احمد صاحب خانپوری کو میں بعد عید متصلاً بھیج رہا ہوں (حالاں کہ وہ اخیر ذی قعدہ تک یہاں حضرت شیخؒ کی خدمت میں ٹھہرنا چاہتے ہیں) آپ ان کو تنہائی میں بلا کر اپنے سابق تعلق اعتماد کو یاد دلائیں اور فرمائیں کہ میں اسی قدیم اعتماد کی بنا پر آپ سے کہتا ہوں کہ اپنا استعفا واپس لیں۔ وہ واپس لے لیں گے، کسی مزید مدرس کی آپ کو ضرورت نہیں ہوگی''۔

حضرت فقیہ الامت کا مفتی صاحب کو دوبارہ جامعہ بھیجنے کا فیصلہ مفتی صاحب پر بہت گراں اور نفس پر انتہائی شاق گزرا تھا اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ فرمایا: ''میرا سلوک تو اسی میں طے ہو گیا کہ حضرت نے کان پکڑ کر مجھے دوبارہ ڈابھیل بھیج دیا''۔

جو لوگ جامعہ کے سابق مہتمم صاحب کے مزاج شناس اور ان کے طرزِ اہتمام سے واقف ہیں ان کو بتلانے کی ضرورت نہیں، جو لوگ ناواقف ہیں ان سے کہنا ہے کہ جامعہ ڈابھیل کی تاریخ میں بالخصوص حضرت مولانا محمد سعید بزرگؒ جیسے رجال شناس وقدرداں کے دورِ اہتمام میں کسی مدرس کے مستعفی ہونے کے بعد دوبارہ جامعہ میں لانے کے لیے اس قدر تگ ودو کی گئی ہو جتنی مفتی صاحب کے بارے میں حضرت مہتمم صاحب نے کی کم از کم میرے علم میں نہیں۔

اس واقعہ سے حضرت مہتمم صاحب کا گروہی و جماعتی تعصّبات سے اوپر اٹھ کر جامعہ کے مفادات وترقیات کو ہر دم ملحوظ رکھنے کا مزاج ظاہر ہوتا ہے، اور یہی راز ہے کہ

ان کے دورِ اہتمام میں جامعہ ہر نوع کی ترقیات سے مالا مال ہوا۔

ناظمِ تعلیمات

۱۳۹۴ھ کے خلفشار کی وجہ سے طلبہ میں ذہنی آزادی آ گئی، تعلیمی نظم ونسق درہم برہم ہو چکا، انتظامیہ اور طلبہ کے مابین ربط ڈھیلا ہو گیا، جامعہ کی حالت مریض کی سی ہو چکی تھی، اور اسے کسی مسیحا نفس کا انتظار تھا جو اپنے نفس کی روحانی گرمی سے اس میں دوبارہ جان ڈالتا، حضرت مہتمم صاحب کو جامعہ کے نظام تعلیم اور طلبہ کے اصلاحِ حال کے لیے ''ناظمِ تعلیمات'' کی سخت ضرورت تھی، مہتمم صاحب جوہر شناس تھے، وہ مفتی صاحب کی علمی، درسی وتدریسی اور نظم ونسق کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھے، سابق چھ سالوں میں اس کا مشاہدہ کر چکے تھے۔

قدرِ جوہر شاہ داند یا بداند جوہری

چناں چہ حضرت مہتمم صاحب نے مفتی صاحب کے متعلق ''ناظم تعلیمات'' کی رائے جامعہ کی مجلسِ شوریٰ کے سامنے رکھی جس پر جمیع ارکانِ شوریٰ کے اتفاق سے مفتی صاحب کو ۳/ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ مطابق ۵/ مئی ۱۹۷۵ء کو جامعہ کا ''ناظمِ تعلیمات'' طے کیا گیا۔ مفتی صاحب نے اس باب میں قدم کیا رکھا، جامعہ کے دن پھر گئے، نظامِ تعلیم وتربیت روبہ ترقی ہوتا گیا، جامعہ کی ترقی کے لیے کس طرح مصروف رہے اور کس طرح آگے چلتے اور بڑھتے رہے اور اس کو بامِ عروج تک پہنچانے میں ان کو کیسی تند وتیز ہواؤں اور حوصلہ شکن وصبر آزما حالات کا مقابلہ کرنا پڑا اس کے لیے آپ ہی کا ایک ارشادِ گرامی ملاحظہ فرمائیے: فرمایا: میں نے جامعہ کے لیے بڑی سے بڑی قربانی دی

اور بالآخر اس کا تعلیمی نظام بلند سے بلند تر کر کے چھوڑا۔

اندازِ نظامت

راقم کا خیال ہے کہ نظامتِ تعلیم میں غیبی نصرت آپ کے شاملِ حال تھی، اپنے شیخ ومربی حضرت فقیہ الامتؒ کے مشورہ کے بعد اس ذمہ داری کو قبول فرمایا تھا، ان کی توجہ ودعا پشت پناہی کر رہی تھی، وقتاً فوقتاً اس راہ کی مشکلات میں حل کے لیے فقیہ الامتؒ سے راہ نمائی حاصل کرتے، یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں جس کو تفصیل مطلوب ہو ''مکتوباتِ فقیہ الامت قسطِ رابع'' کا مطالعہ کرلیں۔

اس دور میں طلبا کی اصلاح کے لیے حضراتِ اساتذہ کے نام سرکلر بک میں جتنے مضامین ہیں وہ مفتی صاحب ہی کے مکتوبہ اور افکارِ ذہن ہیں، اس پر دستخط حضرت مہتمم صاحب کے ہیں؛ مگر مہتمم صاحب کے سامنے طلبا کے اصلاحِ حال کے لیے تجویز آپ ہی رکھتے تھے، وہ مضامین دل کش اور دل فریب ہیں۔

آپ کا نظامتِ تعلیم کا دور جامعہ کا زرین اور سنہری دور ہے، جب جامعہ کی تعلیمی نظم کی ذمہ داری آپ پر ڈالی گئی اس وقت متعدد اساتذہ آپ کے ہم سن اور تعلیمی درجہ میں گویا آپ کے برابر تھے، بعض اساتذہ اکابر کے درجہ میں تھے، اور چند حضرات آپ کے چھوٹوں کی حیثیت رکھتے تھے، لیکن آپ نے ایسی خوش اسلوبی سے نظامت کو چلایا اور سب سے حسنِ معاملہ کا ایسا نقشہ باندھا کہ اکابر اساتذہ آپ کی محنت کے پیشِ نظر آپ کو عظمت ومحبت کی نظر سے دیکھنے لگے۔

جن حضرات کو انتظام سے سابقہ پڑتا ہے وہ جانتے ہیں کہ بسا اوقات اس راہ میں

نرم وگرم حالات بھی پیش آتے ہیں، آپ کو بھی پیش آئے؛ مگر چوں کہ آپ کا برتاؤ عزیز طلبا سے ایک شفیق مربی کا اور مخلصانہ تھا اس لیے اس کے اچھے ہی نتائج مرتب ہوئے، اگر کبھی کسی طالبِ علم کی تادیب کی نوبت آتی تو اس میں کبھی بھی جذبۂ انتقام اور شفائے غیظ کا رنگ نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ شفقت ومحبت کا رنگ جھلکتا تھا، بعض اوقات ایسی بات فرماتے کہ طلبہ اس کو آپ کے کشف والہام پر محمول کرتے تھے، ایسے متعدد واقعات ہیں۔

سال کے آغاز واختتام اور مختلف مواقع پر نصائح

کسی طالبِ علم کی شرارت یا زیادتی کی وجہ سے کوئی بات پیش آتی یا تعلیم یا نماز میں غفلت محسوس ہوتی تو عصر کی نماز کے بعد مسجد میں جامع نصائح سے نوازتے۔ ویسے تو یہ معمول شروع میں ہر ہفتہ میں پابندی سے کئی سال رہا، بعد میں حسبِ ضرورت وقتاً فوقتاً اس پر عمل ہوتا رہا، نیز سال کے اوائل واواخر میں دل سوزی کے ساتھ جم کر نصیحت فرماتے تھے، چناں چہ تعلیمی سال کے شروع میں مدرسہ میں آمد کی غرض، طلبِ علم کے فضائل، تصحیح نیت، تعلیم میں انہماک، غیر ضروری امور اور بری صحبت سے پرہیز، علم اور متعلقاتِ علم کے آداب، تضییعِ اوقات، بن سنور کر رہنے اور فضول خرچی سے اجتناب وغیرہ وغیرہ امور پر بہت ہی اہتمام سے روشنی ڈالتے اور اس سلسلہ میں اکابر کے واقعات بھی بیان فرماتے۔

اسی طرح سالانہ تعطیل سے قبیل آدابِ سفر اور سفر وحضر میں نماز کی پابندی، اہلِ بستی کی خدمات، گھر والوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے رہنے اور ان کے لیے بوجھ نہ بننے اور بری صحبت سے بچنے وغیرہ وغیرہ امور کی تاکید فرماتے۔

نماز باجماعت کا اہتمام

مدرسہ میں مقیم طلبہ کو پنج گانہ نماز میں جماعت کے اہتمام پر خوب زور دیتے، اس سلسلہ میں کوتاہی برداشت نہ کرتے، طالبِ علم کے مسبوق ہونے پر باز پرس فرماتے، اس وقت جامعہ میں دیگر مدارس کے بالمقابل جو نماز کا اہتمام دیکھا جاتا ہے میں تو سمجھتا ہوں یہ آپ کی سابقہ جاں فشانی کا ثمرہ ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ خود آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے نماز کا خاص ذوق نصیب فرمایا ہے، تمام دیگر مصروفیتوں کے باوجود نماز باجماعت اور صفِ اول کا ایسا اہتمام ہے کہ جس کی مثالیں اہلِ علم میں بہت کم یاب ہیں، آپ کو مہینوں نہیں بلکہ برسوں تک کبھی مسبوق دیکھنا احقر کو یاد نہیں۔

دارالاقامہ کا عجیب منظر

آپ اپنے دورِ نظامت میں صبح سویرے اذان سے پہلے دارالاقامہ میں پہنچ جاتے، اس وقت دارالاقامہ میں سپروائزر طلباء کو بیدار کر چکا ہوتا؛ مگر پھر بھی بعض طلبا بستر پر پڑے رہتے، آپ کی آمد کی اطلاع بلکہ آہٹ محسوس ہوتے ہی (آپ کو اللہ جل شانہ نے جو رعب وجلال عطا فرمایا اس کے پیشِ نظر) ان کی نیند ایسی غائب ہوجاتی کہ گویا وہ سوئے ہی نہیں، اس وقت عجیب منظر ہوتا، کوئی پائجامہ پہن رہا ہے، تو کوئی کرتہ لے کر مسجد کی طرف بھاگتا، کوئی غسل کے لیے بالٹی ٹٹول رہا ہے، تو کوئی استنجا خانہ کا رخ کرتا ہے، کوئی بغیر ٹوپی اور بغیر چپل ہی مسجد کی راہ اختیار کرتا، آپ کی تشریف آوری سے دارالاقامہ آناً فاناً خالی ہوجاتا اور یوں صبح صادق، صبحِ قیامت کا منظر پیش کرتی، گویا شیخ سعدی شیرازیؒ کی ''کریما'' کا عملی درس نہار منہ شروع ہوجاتا:

یکے پاسبان و یکے پادشاہ	❁	یکے داد خواہ و یکے باج خواہ
یکے بر حصیر و یکے بر سریر	❁	یکے در پلاس و یکے در حریر
یکے در تنعم یکے در عذاب	❁	یکے در مشقت یکے کامیاب

الغرض! طلبۂ عزیز کی اصلاح و تربیت میں آپ ہر لحہ کوشاں رہتے، یہی وجہ ہے کہ ابتدائی درجات سے لے کر آخری درجات تک کے تمام طلبا آپ کی باوقار شخصیت کو ایک مربی کی حیثیت سے جانتے پہچانتے، اتنے بڑے جامعہ میں جس میں ملک و بیرونِ ملک کے کئی سو طلبا زیرِ تعلیم ہوں ان کے افعال و کردار کی اخلاقی تربیت اور وہ بھی حسن وخوبی کے ساتھ بہ جائے خود اتنا بڑا کارنامہ ہے جو قوتِ قدسیہ کو چاہتا ہے۔

نظامتِ تعلیم سے سبک دوشی کی دعا

در بابِ نظامت حضرت اقدسؒ کی آپ پر خصوصی نظر و عنایت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعد میں آپ جب ۱۴۰۵ھ میں نظامتِ تعلیم سے سبک دوش ہوئے اور جامعہ کے ایک اَور استاذ صاحب (جو خود بھی بڑے بارعب و باوقار ہیں) کو نظامتِ تعلیم کے لیے تیار کرنا چاہا تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے کہ ''آپ کے سر پر تو بزرگوں کا ہاتھ ہے'' معذرت ظاہر کردی۔

بیس سال نظامتِ تعلیم کے ہو چکنے کے بعد چند مشکلات کے پیشِ نظر تدریس کے ساتھ نظامت کا کام بوجھ محسوس ہونے لگا، چناں چہ ایک خط میں حضرت فقیہ الامت کو لکھا:

''نظامت کا کام بھی بڑا مشکل ہے، اس کے لیے بھی دعا فرمائیں، حضرت اقدس کی غائبانہ توجہات و عنایات کا خواہش مند ہوں''۔ (مکتوبات فقیہ الامت ۴/۲۰۹)

ایک اور خط میں تحریر فرمایا:

''دن بہ دن نظامت کی ذمہ داری کا بار زیادہ محسوس کرتا جارہا ہوں اور اکثر و بیشتر یہ جذبہ اور خواہش شدت سے دل میں ہوتی ہے؛ بلکہ دعا بھی کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عافیت کے ساتھ اس ذمہ داری سے سبک دوش فرمائے، اور تدریسی مشغولیت کے لیے خاص فرمائے، خصوصاً اس لیے بھی کہ حضرت مہتمم صاحب دن بہ دن اپنی ذمہ داری میرے سر ڈالنے لگے ہیں اور طلبا اور مدرسین کے معاملات خاصے پریشان کن رہتے ہیں۔ حضرت والا توجہات و دعاؤں سے مدد فرمائیں۔ (ایضاً: ۲۴۸)

نظامت تعلیم سے استعفاء

بار بار اس راہ کی پیچیدگیوں کو حضرت مہتمم صاحب کے سامنے پیش کر کے اس ذمہ داری سے سبک دوشی کی درخواست کرتے؛ لیکن شنوائی نہ ہوتی، بالآخر ۱۴۰۴ھ میں نظامتِ تعلیم سے مستعفی ہونے پر مجبور ہو گئے، تحریراً استعفا پیش کر دیا جو مجلسِ شوریٰ نے باتفاقِ رائے مسترد کر دیا، نامنظوری کی خبر ان الفاظ میں دی گئی:

۵/۷/۱۹۸۴ء

محترم جناب مولانا احمد خانپوری صاحب

بعد از سلام مسنون!

عرض ہے کہ مہتمم صاحب نے آپ کی جانب سے موصول استعفا نامہ در سلسلۂ ناظمِ تعلیمات ۸/شوال ۱۴۰۴ھ کو مجلسِ شوریٰ میں پیش کیا تھا، جس پر تبادلۂ خیال کے بعد مجلسِ شوریٰ باتفاقِ ارکان آپ کے استعفا نامہ کو نامنظور کرتی ہے، جس سے آپ مطلع رہیں۔

خادم: محمد سعید بزرگ (مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل)

جب اس طرح سے کام نہ چلا تو مفتی صاحب نے ایک نہایت اہم فیصلہ کیا، وہ یہ تھا کہ اگر نظامت کی ذمہ داری سے سبک دوش نہ کیا تو پھر جامعہ سے رختِ سفر باندھنے کا فیصلہ کرلیا گیا۔

حضرت مہتمم صاحب ۱۳۹۴ھ کے انتشار میں مفتی صاحب کے فیصلۂ استعفا کو آزما چکے تھے؛ اس لیے ان کو یقین ہوگیا کہ اب کی بار نظامت والا استعفا نامنظور کرنا گویا ایک مؤقر باصلاحیت مدرس سے ہاتھ دھونا ہے۔ استعفاء کی اصل کاپی موجود ہے، راقم اس کو بعینہٖ قارئین کے سامنے پیش کردینا چاہتا ہے، استعفانامہ پر تاریخ نہیں لکھی ہے؛ لیکن اس کے جواب میں ۲۰ / جمادی الاولی ۱۴۰۵ھ نوشتہ ہے۔

آپ کا استعفا

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام حضرت قبلہ مہتمم صاحب دامت برکاتہم

سلام مسنون!

اس سے قبل بھی اپنی بات پیش کرچکا ہوں، اب آخری عرض ہے کہ نظامت کی وجہ سے جو زدوکوب کی نوبت آتی ہے اس سے طبیعت پر بے حد اثر پڑتا ہے، دوروز سے ذہنی انتشار میں مبتلا ہوں، اسی زدوکوب کی نحوست ہے کہ درس حدیث کے نتیجہ میں جو قلبی سکون ہونا چاہیے اس سے بھی محروم ہوں۔ اس اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں جو آپ کے ہاتھوں یہ نظام چلا رہا ہے مجھے اس مخمصہ سے نجات دلائیں، اب میں تمام ذہنی ودماغی تاثرات سے عاجز آچکا ہوں، نہ رات میں نیند ہے اور نہ دن میں آرام، اگر اسی طرح

بزرگوں کے ذریعہ میرے اوپر دباؤ ڈلواڈلوا کر مجبور کرتے رہے اور اس ذہنی انتشار سے نجات نہ دی تو اندیشہ ہے کہ کبھی میں کوئی غلط اقدام نہ کرلوں۔

آپ اپنے صاحب زادے مولانا احمد صاحب سلمہٗ کو باوجود شوری کی منظوری کے اس کام میں نہیں لگا رہے ہیں اور مجھ پر دباؤ ڈلواڈلوا کر کام کروا رہے ہیں، یہ دو پیمانے کیوں؟ کیا میں کبھی اپنے اس ذہنی مخمصہ سے نہ نکلوں؟ کیا اس کی صورت صرف یہی ہے کہ میں جامعہ چھوڑ دوں؟ کیا میرے لیے صرف تدریس کی یہاں کوئی گنجائش نہیں ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ مولانا احمد صاحب سلمہٗ کو نیابتِ اہتمام پر لگائیں اور وہ دھیرے دھیرے یہ ذمہ داریاں سنبھال لیں؟

کیا کوئی ایسی صورت نہیں ہے کہ طلبہ کے ساتھ میری طرف سے ہونے والی مار پیٹ تشدد وغیرہ سے بچ سکوں؟ کیا کوئی ایسی صورت نہیں کہ میں خاموشی اور سکون کے ساتھ یہاں تدریسی خدمات انجام دے سکوں اس طرح کہ سب میرے شر سے محفوظ رہیں اور میں سب کے شرور سے محفوظ رہوں؟ اگر آپ مولانا احمد صاحب سلمہٗ کو اس ذمہ داری سے علیحدہ رکھنے کا عزم کئے ہوئے ہیں تو پھر کیا یہ ممکن نہیں کہ مولانا یوسف صاحب کو نائب ناظمِ تعلیمات کا چارج (باقاعدہ تنخواہ کے ساتھ) دیں اور ان کے دو تین گھنٹے اس طرح خالی کردیں جس طرح میرے ہیں اور طلبا کے سب معاملات انہی کے سپرد فرمادیں اور مجھے طلبا کے تمام معاملات سے الگ فرمادیں؟

میں اب اتنا کمزور ہو چکا ہوں کہ مجھ میں اس بار برداری کی قوت نہیں ہے۔ بار بار درخواست دینے پر بھی آپ توجہ نہیں فرماتے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ شریفانہ طریقہ سے کوئی بات پیش کرنا جرم ہے جس کی سزا یہ کہ وہ بات مانی نہیں جائے گی۔ اگر یہ سچ ہے اور یقیناً

سچ ہے تو اب مجھے نہایت خاموشی کے ساتھ یہاں سے رختِ سفر باندھنا چاہیے۔ والسلام

مذکورہ بالا تحریر کا طرزِ نگارش صاف بتا رہا ہے ہے کہ آپ نظامت سے نہایت ہی عاجز آ چکے تھے، جس کی وجہ سے بہت ہی دل برداشتہ تھے اور استعفا کی نامنظوری کی صورت میں رختِ سفر کا تہیہ کر لیا تھا۔

چناں چہ حضرت مہتمم صاحب کے لیے استعفا منظور کئے بغیر چارۂ کار نہ تھا، منظور کر لیا، جس کی اطلاع حسبِ ذیل الفاظ میں دی گئی۔ منظور نامہ سے حضرت مہتمم صاحب کے عالی ظرف، شریفانہ برتاؤ اور حسنِ معاملہ کا جہاں اندازہ ہوتا ہے اسی طرح ان کی بزرگانہ شفقت، خُرد نوازی سطر سطر سے جھلکتی ہے۔

استعفا کی منظوری

۲۰ / جمادی الاول ۱۴۰۵ھ مخدومی حضرت ناظم صاحب زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ نے مشرف فرمایا، مجھ ناکارہ کی معذوری کی وجہ سے آپ کو بہت زیادہ تکلیف پہنچی اور پہنچ رہی ہے جس سے بہت زیادہ شرمندگی ہے، آپ کے مخلصانہ تعاون نے مجھے ایک حد تک بے فکر بنا رکھا ہے۔ جزاکم اللہ فی الدارین احسن الجزاء. میں دل سے اس تعاون کی قدر کرتا ہوں۔

الحمد للہ! تعلیمی سال بہ خیر اطمینان سے ختم ہو رہا ہے، ان شاء اللہ آئندہ تعلیمی سال کے شروع سے مولوی یوسف صاحب کو نائب ناظم بنا کر آپ کے مشورہ سے تقسیم کار پر عمل کیا جائے گا، تقسیمِ اسباق کے وقت ان کے اسباق کم کر دیے جائیں گے، اور خادم

زادہ احمد سلمہ کو بھی اس تقسیمِ کار میں شامل کریں گے، بے فکر رہیں اور اپنا مخلصانہ تعاون جاری رکھیں۔ فقط

احقر خادم محمد سعید عفی اللہ عنہ، ۱۱/ فروری ۸۵ء

رابطے کا تعلق پھر بھی رہا

۱۴۰۵ھ کے بعد نظامت سے دست بردار ہو کر صرف درس وتدریس کی خدمت سرانجام دیتے رہے، لیکن بایں ہمہ نظامت سے ضابطہ کا تعلق ختم ہونے کے بعد بھی رابطہ کا تعلق باقی رہا، چناں چہ بعد کے دور میں آنے والے ناظمِ تعلیمات کے دورِ نظامت میں طلبہ کے اہم اور پیچیدہ مسائل میں اور اس راہ کے دیگر امور میں پیش پیش رہے اور حتی الوسع اس خدمت میں ذرہ برابر کمزوری اور کوتاہی نہیں آنے دی؛ لیکن یہ ہاتھ بٹانا از راہِ تبرع تھا، آپ کی ذمہ داری میں داخل نہیں تھا، اس لیے کہ جب آپ کو ۱۴۰۶ھ میں جامعہ میں صدر مفتی کے منصب پر فائز کیا تھا تو آپ نے شرط کی تھی کہ اِفتاء کا کام یکسوئی چاہتا ہے نظامت کے ساتھ اِفتاء کا کام مشکل ہے، چناں چہ آپ کی یہ شرط منظور کی گئی تھی۔

دار العلوم بولٹن میں تقرر کی سعی

حضرت مفتی صاحب کو ڈابھیل ترک کر کے بارہا دیگر مقامات پر بھی درس وتدریس کی نہ صرف دعوت دی گئی، بلکہ حضرت مولانا یوسف صاحب متالا نے تو اس کی پیہم سعی وکوشش کی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مولانا موصوف بولٹن میں ایک دار العلوم قائم فرما رہے تھے اور غالباً قائم فرما چکے تھے، وہاں تدریس وافتا کے لیے ان کی نظرِ انتخاب حضرت مفتی صاحب پر پڑی اور اس مقصد کے لیے انھوں نے خود ڈابھیل تشریف لا کر

آپ سے ملاقات فرمائی۔ آپ نے معذرت کرنی چاہی تو انھوں نے ہی آپ کو یہ مشورہ دیا کہ حضرت شیخؒ سے مشورہ فرمالیں، چناں آپ نے حضرت شیخؒ کو خط لکھا اور اس کی اطلاع حضرت فقیہ الامتؒ کو بھی دے دی، تو حضرت فقیہ الامتؒ نے آپ کو مکتوب لکھا کہ:

''عزت، دولت، ترقی کے لالچ میں ایسی جگہ چھوڑ کر جانا جہاں عافیت کے ساتھ خدمتِ دین کا موقع مل گیا ہو، ماحول سازگار ہو، اعزہ کی پرورش اور خدمت میں سہولت ہو، فتنوں سے امن ہو، ہرگز نہیں چاہیے، اکابر کی تجویز ہو تو انشاء اللہ تعالیٰ خطرہ نہیں''، اور بالآخر آپ نے اسی پر عمل فرمایا۔ واضح رہے کہ مولانا موصوف بھی اپنے مزاج کے خلاف آپ پر اعتماد کرتے ہوئے بولٹن میں تقرر کے خواہاں تھے۔ (دیکھیے مکتوبات فقیہ الامت ۴/۱۶۱)

اسی کا اثر ہے کہ باجود مناصب کی پیش کش کے آپ کبھی کسی اور جگہ منتقل ہونے کے بارے میں خیال تک نہیں لاتے۔ ایک دفع ماہِ صفر ۱۴۱۸ھ میں آپ نے عارف باللہ حضرت قاری صدیق صاحب باندویؒ کی معیت میں دورۂ برطانیہ فرمایا، جس کے لیے بمبئی ایمبیسی میں ویزا حاصل کرنے گئے تو ویزا دینے والوں نے اندیشہ ظاہر کیا کہ اگر آپ وہاں ٹھہر گئے تو؟ حضرت مفتی صاحب نے برملا جواب دیا کہ ''آپ صرف آٹھ دن کا ویزا دیجیے اور ہم نے تو طے کرلیا ہے کہ ہمارا جنازہ ڈابھیل سے نکلے گا، وہاں ٹھہر کر کیا کریں گے''۔ (مکتوبات فقیہ الامت ۴/۶۱)

باب سوم

مفتی صاحب بہ حیثیت صدر مفتی

ہندوستان میں نظام افتا

ہندوستان میں جب تک اسلامی حکومت رہی اس وقت تک عموماً اسلامی قانون رائج رہا، لیکن جب مسلم دورِ حکومت ہماری شامتِ اعمال سے ختم ہوا، اسلامی نظام بھی رخصت ہوا، انگریز کے ناپاک قدم جب سے اس ملک میں پڑے انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں اسلامی نظام کے ساتھ اسلامی تعلیم کو بھی ختم کرنے کا بیڑا اٹھایا، لارڈ میکالے کے ''کالے'' نظامِ تعلیم نے مسلمانوں کو کتاب وسنت اور احکامِ شریعت کے علم سے دور کرنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ لوگ اسلامی اور دینی اصطلاحات سے بھی جاہل و ناواقف رہنے لگے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ان علمائے کرام کو جنہوں نے بطورِ خود اسلامی نظام کی یادگار کو کسی نہ کسی شکل میں باقی رکھنے کے لیے تن، من اور دھن کی بازی لگادی۔

۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں دار العلوم دیوبند قائم ہوا، جب اس کی شہرت بامِ عروج پر پہنچی تو عام مسلمان مسائلِ شریعت کے سلسلہ میں دار العلوم کے علما سے رجوع کرنے لگے اور چند ہی سال کے بعد دار العلوم کے اربابِ حل وعقد نے دار الافتا کی ضرورت محسوس فرمائی۔

دار العلوم دیوبند میں افتا کی خشتِ اول

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

۱۳۱۰ھ میں حضرت قطبِ عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ سرپرست دار العلوم کی تجویز سے دار الافتا کے لیے باضابطہ عہدۂ افتا تجویز ہوا، اور حضرت اقدس نے اپنی فراستِ باطنی سے وہ تمام جوہر جو ایک ذمہ دار مفتی میں درکار ہیں حضرت مفتیٔ اعظم (مراد عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانیؒ (م ۱۳۴۷ھ) مفتیٔ اول دار العلوم دیوبند) میں دیکھ کر آپ کو عہدۂ افتا کے لیے نامزد فرمایا۔

اس لیے حضرت مفتیٔ اعظم دار العلوم کے مفتی ہی نہیں؛ بلکہ یہاں کے عہدۂ افتا کا نقطۂ اولی بھی ہیں جس کا آغاز ہی حضرت ممدوح کی ذاتِ گرامی سے کیا، اور آپ یہاں کے قصر افتا کے لیے خشتِ اول ثابت ہوئے جس پر آگے کی تعمیر کھڑی ہوئی۔ (مقدمۂ فتاوی دار العلوم)

کاروانِ علم وعمل کی آمد

۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں دار العلوم دیوبند میں زبردست اسٹرائک ہوئی جس کی وجہ سے برگزیدہ علمائے ربانی کی ایک جماعت ڈابھیل کے چھوٹے سے مدرسہ میں منتقل ہوگئی، جن کی آمد سے ۱۳۴۶ھ میں ''مدرسہ تعلیم الدین'' جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین کے قالب میں تبدیل ہوگیا، اس مقدس جماعت کی تشریف آوری کے بعد سملک وڈابھیل کے زمین وآسمان ہی بدل گئے، اس جماعت میں فقہ، حدیث اور تفسیر کے ائمہ بھی موجود تھے، فقہ کے امام سے مراد دار العلوم دیوبند کے مفتیٔ اعظم حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ کی شخصیت ہیں (جو ضعف کی وجہ سے کچھ عرصہ کے بعد تشریف لائے تھے) جن کے تفقہ

وتدین کے چرچوں سے ہندوستان گونج رہا تھا۔

جامعہ کا دارالافتا اور اس کے فقہائے سبعہ

جامعہ ڈابھیل میں جب سے فتاوی نویسی کا سلسلہ شروع ہوا منصبِ افتا پر جن ماہر مفتیانِ کرام کا تقرر عمل میں آتا رہا ان کا مختصر تعارف حسبِ ذیل ہے:

(۱) مفتیٔ اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمن عثمانیؒ: (م ۱۳۴۷ھ)

آپ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی اور حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی کے بڑے بھائی تھے، ۳۵ رسال مسلسل دارالعلوم دیوبند میں فتوی کی اہم خدمت آپ ہی کے سپرد رہی، اس عرصہ میں ہزارہا فتاوی تحریر فرمائے جو ''عزیز الفتاوی'' اور ''فتاوی دارالعلوم'' کے نام سے منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔

محرم الحرام ۱۳۴۷ھ کی آخری تاریخوں میں امام العصر محدثِ دوراں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ شیخ الحدیث اول جامعہ ڈابھیل یکا یک علیل ہوکر تبدیل آب وہوا اور علاج کی غرض سے دیوبند تشریف لے گئے تو حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ سے درخواست کی گئی کہ آپ تشریف لاکر بخاری شریف ختم کرادیں۔

حضرتؒ نے درخوست قبول فرمالی اور ۱۷ / ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ کو جامعہ میں تشریف لے آئے اور بخاری شریف کے درس میں مشغول ہوگئے، ابھی تشریف آوری کے دو ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ جمادی الأخری کے اوائل میں ایک اہم اور ضروری کام کی وجہ سے آپ کو دیوبند تشریف لے جانا پڑا، دیوبند پہنچتے ہی بیمار پڑ گئے، اور ۱۲ / جمادی الاخری ۱۳۴۷ھ یوم جمعہ کو جہانِ فانی سے عالمِ جاودانی کا سفر اختیار کیا۔

حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب جامعہ کے پہلے مفتی ہیں، جامعہ میں قلیل عرصہ (دو ماہ تقریباً) قیام رہا، حضرت قاری محمد طیب صاحب کی تحریر کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے: دار العلوم دیوبند کی طرح یہاں کے عہدۂ افتا کا نقطۂ اولی اور خشتِ اول بھی آپ ہی ہیں جس پر آگے کی تعمیر کھڑی ہوئی۔

(۲) حضرت مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانیؒ (متوفی ۱۴۰۴ھ)

آپ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانیؒ کے صاحب زادے ہیں، ۱۳۴۶ھ میں جو قافلہ دار العلوم دیوبند سے سرزمینِ ڈابھیل میں وارد ہوا اس میں آپ بھی شامل تھے، جامعہ کے مفتیٔ اول حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب کے وصال کے بعد حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ کو دار الافتا کی صدارت کے لیے منتخب کیا گیا۔

جامعہ کی اردو روئداد میں عنوان قائم کیا گیا ہے ''حضرت مفتی صاحب کے بعد منصبِ افتا'' اس کے ذیل میں لکھا ہے: حضرت مرحوم (مراد حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ) کی وفات کے بعد سے شعبۂ افتا کے اہم فرائض آپ کے خلف الصدق مولانا حافظ قاری مفتی عتیق الرحمن صاحب سلمہ سے کلیتاً متعلق ہیں، مولانائے موصوف اپنے والد مرحوم کی نگرانی میں سالہا سال تک فتوی نویسی کی ذمہ دارانہ خدمات انجام دیتے رہیں۔

مرحوم کی حیات ہی میں آپ کی مہارتِ افتا مسلم تھی، اور حضرت مرحوم کو آپ کے فتاوی پر پورا اعتماد و اطمینان تھا، اسی کا نتیجہ ہے کہ تدریس کی مشغولیت کے ساتھ ساتھ آپ اس عہدہ کے فرائض بھی خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں، اور جامعہ میں ہند و بیرونِ ہند سے جو استفتا آتے ہیں ان کے جوابات کی خدمت مستقل طور پر آپ ہی کے سپرد ہے۔ (روئداد ۱۳۴۷ھ)

۱۳۴۶ھ تا ۱۳۵۱ھ جامعہ میں تدریسی اور فتاوی نویسی کی خدمات انجام دیں، ۱۳۵۱ھ میں ظالم انگریز کے خلاف جرأت مندانہ اقدام کرتے ہوئے ایک تاریخی فتویٰ تحریر فرمایا جو جامعہ سے علیحدگی کا سبب بنا۔ فتوی اور اس سلسلہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجئے راقم کا مرتبہ ''اجلاس صد سالہ'' ص ۱۸۲ تا ۱۸۵۔ فتاویٰ جامعہ از ص: ۹۳ تا ۱۰۲

(۳) حضرت مولانا احمد بزرگ سملکیؒ (متوفی ۱۳۷۱ھ)

حضرت مفتی عتیق الرحمن صاحبؒ کی تشریف بری کے بعد جامعہ کے اہتمام کے ساتھ فتاوی نویسی کی خدمات تقریباً تین سال تک حضرت مولانا احمد بزرگؒ نے انجام دیں۔ حضرت مولانا احمد بزرگؒ امام ربانی، فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے آخری مرید، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کے شاگرد و خادم، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے صحبت یافتہ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے خلیفہ اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے سابق مہتمم ہیں۔ جامعہ کے مہتمم بنائے جانے سے پہلے سورتی جامع مسجد رنگون (برما) کے دارالافتا میں ''مفتیٔ اعظم برما'' کی حیثیت سے ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۱ء تک وقیع خدمات انجام دے چکے تھے، مولانا احمد بزرگؒ کی دینی وملّی خدمات کے موضوع پر راقم کی کتاب ''نقوش بزرگاں'' جلد اول کا مطالعہ کیجئے۔

(۴) مفتیٔ گجرات حضرت مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ (متوفی ۱۳۷۷ھ)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے خصوصی شاگرد تھے، ۱۳۵۴ھ میں جامعہ کے منصبِ افتا پر تقرر ہوا، اس سے پہلے سورتی جامع مسجد رنگون برما میں ''مفتیٔ اعظم'' کی حیثیت سے وقیع خدمات انجام دیں، وہاں ۱۹۲۶ء تا ۱۹۳۵ء یعنی دس سال قیام رہا۔

گجرات میں آپ کی ذات مرجع خلائق تھی، گجرات کے نہ صرف عوام بلکہ علما میں بھی آپ کے فتاوی کو قدر و منزلت حاصل تھی۔

آپ کے فتاوی گجرات کے ہفتہ وار اخبار ''مسلم گجرات'' اور ''ماہنامہ الاصلاح'' میں شائع ہوتے تھے، ان فتاوی کی پانچ ضخیم جلدیں آپ کے پوتے، جامعہ کے نائب مفتی حضرت مولانا مفتی عباس بسم اللہ صاحب دامت برکاتہم نے بڑی عرق ریزی کے بعد ازسرِ نو جدید ترتیب دے کر شائع فرمائے ہیں، شائع شدہ حصہ کم ہے، ابھی اور ہزاروں گجراتی وار دو فتاوی منظرِ عام پر لانے کی کاوش جاری ہے جو کم از کم دس جلدوں پر مشتمل ہوں گے۔

مفتی بسم اللہ کے فتاوی پر ہندوستان کے بڑے بڑے علما نے اطمینان ظاہر فرمایا ہے۔

آپ کے انتقال کے بعد ''مجلسِ خدام الدین'' سے ''الاصلاح'' کا خصوصی شمارہ شائع کیا گیا جو مختلف حضرات کے مضامین و خراجِ عقیدت پر مشتمل ہے، اس میں ایک مضمون حضرت مولانا مفتی احمد بیماتؒ سابق شیخ الحدیث فلاح دارین ترکیسر کا ہے اس میں ہے:

''کسی مسئلہ میں چند مفتیانِ کرام کے فتاوی حضرت حکیم الامت تھانویؒ کی خدمت میں پہنچے، حضرت نے جب مفتی اسماعیل صاحبؒ کا فتوی ملاحظہ فرمایا تو ارشاد فرمایا کہ ''اس شخص کے فتوی میں تفقہ کی خوشبو آتی ہے''۔

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنے ایک شاگرد مولانا مفتی عبدالباقی صاحب مدظلہ (مقیم برطانیہ) سے فرمایا تھا کہ: ''ہمارے ساتھی مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب بڑے اونچے فقیہ ہیں، ان کے فتاوی دیکھتے رہنا''۔

مفتی بسم اللہ صاحب دارالافتا کے چوتھے صدر مفتی ہیں، فتاوی کی تعداد اور مدتِ خدمت دونوں حیثیت سے سابق مفتیانِ کرام پر فوقیت کے حامل ہیں، ۲۳/ سال

جامعہ کے دارالافتا کے منصب پر فائز رہے، فتاوی کی تعداد ۳۵/ ہزار بتائی جاتی ہے۔

نوٹ: مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب کی سوانح کا جامع مرقع حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم نے تحریر فرمایا ہے، جو ''فتاوی سنگرہ'' جلد اول کے شروع میں ہے۔ راقم الحروف نے اسی مرقع کی روشنی میں چند اضافوں کے ساتھ ''نقوش بسم اللہ'' مرتب کی ہے جو الحمدللہ منظر عام پر آچکی ہے، اس میں مفتی بسم اللہ صاحب کی دینی وملی خدمات کی تفصیلات موجود ہیں۔

زمانۂ فترت

حضرت مفتی بسم اللہ صاحبؒ کے انتقال کے بعد ۱۳۸۴ھ تک (شوال ۱۳۷۸ھ تا ۱۳۸۴ھ) چھ سال تک مسندِ افتا خالی رہا، باقاعدہ کسی مفتی کا تقرر بہ حیثیت مفتی عمل میں نہیں آیا، استفتاء کی آمد اور اس کے جوابات کا سلسلہ پھر بھی کچھ نہ کچھ جاری تھا، مہتمم جامعہ مولانا محمد سعید بزرگؒ فتاوی نویسی کا کام حسبِ ضرورت وقتاً فوقتاً حضراتِ اساتذہ سے لیتے تھے، اس دور کے نقولِ فتاوی کے رجسٹر میں مجیب کی جگہ مولانا احمد بیات صاحب اور مولانا قمرالدین صاحب بڑودویؒ وغیرہ کے نام لکھے ہیں۔

(۵) حضرت مفتی اسماعیل محمد گورار اندیریؒ (متوفی ۱۳۸۹ھ)

اس سے پہلے سورتی جامع مسجد رنگون برما میں مفتی کی حیثیت سے دس سال تک (۱۹۵۲ء تا ۱۹۶۲ء) اہم خدمت انجام دے چکے تھے، آپ کے فتاوی بھی ہفت واری اخبار ''مسلم گجرات'' میں شائع ہوتے تھے، مفتی گورا صاحب اپنی خندہ پیشانی اور ملنساری کی وجہ سے ہر دل عزیز اور اپنی خداداد قابلیت کی وجہ سے ہندو بیرونِ ہند میں مشہور تھے،

آپ کے جوابات ''قلّ ودلّ'' کے مصداق ہوتے تھے۔

(۶) حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی دامت برکاتہم

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے شاگرد ومجاز ہیں، دیوبند میں حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوریؒ اور فقیہ الامت حضرت مفتی محمود صاحب سے فتاوی نویسی کی مشق کی، شیخ الحدیث صاحب اور فقیہ الامت کے ایما پر جامعہ میں افتا کی ذمہ داری قبول فرمائی تھی، ۶/ ذی الحجہ ۱۳۸۶ھ میں جامعہ ڈابھیل میں تقرر ہوا، تدریس کے ساتھ جامعہ کے سابق مفتی حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب گورا کی زیرِ نگرانی فتاوی تحریر کرتے رہے، ان کے معتمد تھے، ۱۳۸۹ھ میں مفتی گورا صاحب کے وصال کے بعد جامعہ کے صدر مفتی منتخب کئے گئے۔

آپ کے فتاوی گجراتی اخبار ماہنامہ ''تبلیغ'' میں شائع ہوتے تھے، آپ کے دورِ صدارت میں مفتی بنانے کا کورس جاری ہوا، آپ کے دورِ صدارت میں ۲۰/ طلبا نے تکمیل افتا کی سعادت حاصل کی۔ فقہ وفتاوی سے خاص مناسبت تھی، فن فقہ میں مہارت کے بعض واقعات راقم نے ''مکتوباتِ فقیہ الزمن'' کے مقدمہ میں تحریر کئے ہیں۔ ۱۴۰۶ھ میں جامعہ ڈابھیل سے مستعفی ہوئے۔

مفتی صاحب مسندِ افتا پر

(۷) حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم

آپ جامعہ کے ساتویں مفتی ہیں، افتائی خدمات کے سلسلہ میں سابق تمام مفتیانِ

کرام سے فوقیت لے گئے، آپ کی خدمات کے مختلف پہلو ہیں ان ہی کو یہاں اجاگر کرنا ہے، سب سے پہلے افتا کی مدتِ خدمت پر نظر کرنا ہوگا اس کو جاننے کے لیے سابق مفتیانِ کرام کی مدتِ خدمت جاننا ضروری ہے:

نمبر شمار	مفتیانِ کرام	ابتداء	انتہاء
۱	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانیؒ (مدتِ خدمت تقریباً دو ماہ)	۷/ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ	اوائلِ جمادی الاخری ۱۳۴۷ھ
۲	حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی (مدتِ خدمت ساڑھے چار سال)	۱۲/ جمادی الاخری ۱۳۴۷ھ	ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ
۳	حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب سملکیؒ (مدت خدمت تقریباً ۳/ سال)	ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ	یکم ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ
۴	حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب ڈابھیلیؒ۔ (مدتِ خدمت تقریباً ۲۳/ سال)	یکم ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ	۱۶/ شوال ۱۳۷۸ھ
	منصبِ افتا خالی	۱۶/ شوال ۱۳۷۸ھ	۱۳۸۴ھ
۵	حضرت مولانا مفتی اسماعیل گوراصاحب راندیریؒ (مدتِ خدمت ۶/ سال)	۱۳۸۴ھ	ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ

۶	حضرت مولانا مفتی اسماعیل کچھولوی صاحب دامت برکاتہم۔(مدتِ خدمت تقریباً ۱۷/سال)	ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ	۳۰/ذی قعدہ ۱۴۰۶ھ
۷	حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم (تادمِ تحریر مدتِ خدمت ۲۳/سال ۴/ماہ)	۳۰/ذی قعدہ ۱۴۰۶ھ	تاحال

۱۳۹۶ھ کے خلفشار کے زمانہ میں (جس کا ذکر سابق میں گذر چکا) حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے ایما پر "بذل المجهود" کی طباعت میں تعاون کی غرض سے "بیروت" تشریف لے گئے تھے، اس وقت تین، چار ماہ فتاوی نویسی کا کام حضرت مفتی احمد صاحب مدظلہ نے انجام دیا تھا، مفتی اسماعیل صاحب کی تشریف آوری کے بعد فتوی کا کام اصل کی طرف منتقل ہو گیا تھا، چونکہ وہ کام صدر مفتی کی حیثیت سے نہیں کیا تھا اس لیے مذکورہ مدتِ خدمت میں راقم نے اسے شمار نہیں کیا۔

بہر حال جامعہ میں فتوی کی عظیم ذمہ داریاں جو ۲۳/سال سے زائد عرصہ پر محیط ہیں جزوِ زندگی بنی ہوئی ہیں، اس آخری دور میں اور زیادہ ہمہ گیر ہو گئیں، دنیا بھر کے ممالک سے فقہی سوالات کا تانتا بندھا رہتا ہے، جن مسائل میں مفتیانِ کرام کے مختلف فتاوی ہوں وہ بھی محاکمہ کے لیے آپ ہی کے پاس بھیجتے ہیں، روزانہ کی ڈاک میں فتاوی کے علاوہ آپ کے مریدین و متعلقین کے خطوط بھی بہ کثرت آتے ہیں، آپ کی مقبولیت کی بنا پر بعض تشنگانِ علم افتا کا کورس کسی اور جگہ سے مکمل کر چکنے کے باوجود فیض یاب ہونے

کے لیے آتے ہیں۔

آپ کے تلامذہ جنہیں آپ سے بلاواسطہ فیض یاب ہونے کا موقع ملا اور تکمیل افتا کی سعادت حاصل کی اور اپنے اپنے علاقوں میں فتاوی نویسی اور دیگر خدماتِ دینیہ میں مشغول ہیں ان کی بڑی تعداد ہے، ان سب امور کی تفاصیل کے لیے ایک مستقل کتاب درکار ہے، راقم اختصاراً صرف چند پہلوؤں کا ذکر کرتا ہے:

حضرت فقیہ الامتؒ کا مشورہ

۱۴۰۶ھ میں عید الاضحیٰ سے پہلے جامعہ کے صدر مفتی حضرت مولانا اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہ (خلیفہ ومجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ حال مقیم بریڈ فورڈ، برطانیہ) جامعہ سے مستعفی ہو گئے، جامعہ کے دور اندیش اور مردم شناس مہتمم حضرت مولانا محمد سعید بزرگؒ نے فتاوی نویسی کے لیے مفتی صاحب مدظلہ کو نامزد کرنا چاہا؛ مگر مفتی صاحب کے تمام امور حضرت اقدسؒ کے مشورہ کے تابع تھے، اس لیے اثبات یا نفی میں جواب دئے بغیر حضرت اقدسؒ سے مشورہ طلب فرمایا، مفتی صاحب نے حضرتؒ کے یہاں ایک سال افتا کا کورس مکمل کیا تھا اور فتاوی نویسی کی مشق بھی کی تھی، حضرتؒ آپ کی خداداد صلاحیت سے خوب واقف تھے، اس لیے دار الافتا کے لیے کوئی جدید انتظام کا مشورہ دینے کے بجائے حضرت مہتمم صاحب کے خیال کی تائید وتوثیق فرمائی۔ چناں چہ حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہ کے مستعفی ہونے کی خبر اور افتا کے لیے حضرت مہتمم صاحب کی طرف سے کی گئی پیش کش کی خبر دیتے ہوئے حضرت مفتی صاحب بنام فقیہ الامت ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت مہتمم صاحب نے ایک دن مجھے بلا کر فرمایا کہ تجھے دارالافتا میں وقت دینا ہے، اس لیے کہ مفتی اسماعیل صاحب الگ ہو رہے ہیں، اور مفتی عباس صاحب کا بھی دیوبند جانے کا نظام بن رہا ہے، اس لیے تو ہی اس میں تین چار گھنٹے وقت دے، میں نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔۔۔ حضرت والا جو ارشاد فرمائیں اس پر ان شاء اللہ تعالیٰ عمل ہوگا۔

حضرت فقیہ الامتؒ نے جواب تحریر فرمایا:

میری رائے تو یہ ہے کہ افتا کے لیے کسی دوسرے انتظام کی ضرورت نہیں، اب مولوی عباس صاحب کو بھی یہاں بھیجنے کی ضرورت نہیں، آپ کا کچھ وقت فارغ کیا جائے، آپ فتوی لکھیں اور ان سے کام لیا جائے، اللہ تعالیٰ نصرت فرمائے۔۔۔۔

اُملاہ: العبد محمود غفرلہ، ۱۲/۱۱/۱۴۶۰

یہی جواب حضرت مہتمم صاحب کے نام لکھا اس کے الفاظ ہیں:

''میرے خیال میں مولانا احمد صاحب خانپوری مدظلہ کا کچھ وقت افتا کے لیے تجویز ہو جائے اور وہ اپنی نگرانی میں مولوی عباس صاحب سے کام لیں، تو ان شاء اللہ تعالیٰ جامعہ کا یہ شعبہ بھی ٹھیک چلتا رہے گا اور کسی جدید مفتی کے تقرر کی ضرورت نہیں پیش آئے گی''۔

منصبِ افتا پر آنے کے چند روز بعد ایک فاضلِ جامعہ جو اُس وقت جامعہ کے مدرس تھے اور اِس وقت دارالعلوم زکریا لینیشیا ساؤتھ افریقہ میں استاذِ حدیث ہیں (مراد استاذِ محترم حضرت مولانا سلیمان چوکسی صاحب مدظلہ) انہوں نے ایک خواب دیکھا جو انہی کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں:

مولانا سلیمان صاحب چوکسی مدظلہ کا خواب

میں نے خواب دیکھا کہ ایک جگہ مدرسہ جامعہ کی مملوکہ ہے، جہاں بڑے بڑے

درخت تھے، انہی درختوں کے بیچ میں جگہ جگہ لوگوں کی کٹی ہوئی کھیتیاں پڑی تھیں جس کی حفاظت کے لیے ایک گھر بنا ہوا تھا، یہ گھر بہت پرانا تھا، البتہ مضبوط تھا، اسی جگہ کے کنارے پر ایک ٹھنڈے پانی کا چشمہ تھا، جس کی یہ کیفیت تھی کہ ٹھنڈک کی کثرت کی وجہ سے برف بن جاتا تھا، میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت استاذی مولانا احمد صاحب خانپوری دام مجدہ مدرسہ کا ان کا موجودہ رہائشی مکان چھوڑ کر اسی مکان میں رہنے کے لیے منتقل ہو گئے، اس کے بعد موصوف کے گھر (خواب ہی میں) نظام الدین مرکز سے مولانا ابراہیم دیولوی زید مجدہ مہمان بن کر تشریف لائے، مہمان کی خدمت کے لیے استاذ المکرم نے مجھ ناچیز (سلیمان کاوی) کو مامور فرمایا، اور فرمایا کہ مہمان کے لیے کسی درخت کے نیچے سونے کا انتظام کرو، میں نے حسب الحکم اسی پانی کے چشمہ کے قریب نظم کیا۔ اسی درمیان میں مہمان نے میزبان سے پوچھا کہ مکان کیوں تبدیل کر لیا؟ میزبان نے فرمایا کہ یہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کا مکان ہے، چونکہ یہاں سکون زیادہ ہے، پانی وغیرہ کا بھی نظم ہے اس لیے یہاں منتقل ہو گیا ہوں۔ فقط

بندہ: سلیمان چوکسی

یہ خواب آج سے تقریباً ۲۳ / سال پہلے دیکھا گیا تھا اس کی تعبیر روزِ روشن کی طرح عمل میں آچکی ہے یعنی خواب شرمندۂ تعبیر ہوا، خود حضرت مفتی صاحب نے راقم سے خواب کی تعبیر ان الفاظ میں بیان فرمائی:

''حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کو خواب میں دیکھنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فتاوی کے باب میں اللہ تعالیٰ کی کفایت و اعانت شامل ہوگی۔ (کفایت اللہ میں

ترکیبِ اضافی کا تقاضہ بھی یہی ہے۔ راقم) پانی کا چشمہ ٹھنڈک کی کثرت کی وجہ سے برف بن جاتا تھا، اس سے میں سمجھا کہ فتاوی نویسی میں رفتہ رفتہ جماؤ پیدا ہوگا''۔ انتہی بلفظہ

راقم کہتا ہے: خواب کے ایک جزء کی تعبیر رہ گئی وہ ہے ''مدرسہ کا ان کا موجودہ رہائشی مکان چھوڑ کر اسی مکان میں رہنے کے لیے منتقل ہو گئے'' کیا ایسے واضح جزء کی تعبیر کی ضرورت باقی رہتی ہے؟ نہیں اور بالکل نہیں، عیاں راچہ بیاں، مکیں کو جماؤ نصیب ہوگا تو کیا مکان کے بغیر؟ جی ہاں مکان کو بھی جماؤ ہوگا اور ہوا:

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم	❁	چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

شرائطِ مفتی کا تحقق

فتاوی نویسی کا کام نہایت ہی نزاکت بھرا کام ہے، مفتی کے لیے مستقل شرائط واوصاف بیان کئے گئے ہیں جب تک وہ شرائط واوصاف فتوی دینے والے میں نہ پائے جائیں وہ فتوی دینے کا اہل نہیں، یہاں ان شرائط واوصاف کا بیان کرنا مقصود نہیں، صرف یہ بتانا ہے کہ مفتی صاحب میں وہ اوصاف تدریجاً قدرتی طور پر کیسے پیدا ہوئے۔

اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے کام لینا چاہتا ہے تو خود ہی اسباب پیدا فرما دیتا ہے، اور جب کسی سے توفیق سلب کرنا چاہتا ہے تو باوجود اسباب ووسائل مہیا ہونے کے قدرتی طور پر موانع پیش آجاتے ہیں۔ قدرت کا یہ نظام دینی ودنیوی تمام امور میں جاری ہے، اللہ تعالیٰ کو مفتی صاحب سے فتاوی نویسی کا کام لینا تھا تو زمانۂ طالبِ علمی ہی سے مفتیانِ کرام کی صحبتوں سے حظِ وافر عطا فرما دیا تھا۔

اکابر مفتیانِ کرام کی صحبت

① دار العلوم اشرفیہ راندیر کے اساتذہ میں گجرات کے مشہور مفتیانِ کرام مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری اور مفتی عبد الغنی کاوی صاحب اور مفتی سید مصلح الدین صاحب کا ذکر تفصیل سے سابق اوراق میں گذر چکا ہے نیز اسی زمانہ سے مفتیٔ گجرات حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ کی خدمت میں ان کے فتاوی نقل کرنے کے لیے دولت کدہ پر روزانہ حاضری ہوتی تھی، جب تدریس کے لیے ڈابھیل تشریف لائے اس وقت بھی ایک مدت تک ہر جمعہ کو برابر حضرت کے پاس حاضری دیتے رہے، اور یہ نیازمندانہ تعلق حضرتؒ کے آخری لمحۂ حیات تک باقی رہا۔

۱۳۷۸ھ میں فقیہ الامتؒ سے فتاوی نویسی سیکھی، اس وقت سے جو تعلق قائم ہوا وہ مسلسل گہرا ہوتا رہا تھا جو طویل عرصہ یعنی تیس سال پر محیط ہے، ہندوستان کے دو مایۂ ناز ومشہور مفتی صاحبان (مراد مفتی لاجپوری صاحبؒ اور حضرت فقیہ الامتؒ) کی عنایات وتوجہات اور پاکیزہ صحبت ولمحات جس شخصیت کو نصیب ہوئے ہوں اس کے بابصیرت و ماہر ہونے میں کیا تردد ہوسکتا ہے؟

فتاوی کے باب میں ماہر مفتی سے تلمُّذ وصحبت کو بنیادی شرط قرار دیا گیا ہے، اس لیے کہ فتوی کا کام صرف جزئیات یاد کرنے یا کتابوں کی مراجعت کا نام نہیں ہے؛ بلکہ اس میں اور بھی بہت سے اصول مدِنظر رکھنے پڑتے ہیں اور ان میں سے بہت سی باتیں ایسی ہیں جو لگے بندھے قواعد کے علاوہ مفتی کے لیے اپنے خداداد ملکۂ فقہیہ اور اس کے مزاج ومذاق سے تعلق رکھتی ہیں جو صرف کتابوں کے پڑھ لینے سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس

کے حصول کے لیے کسی ماہر مفتی کی طویل صحبت کی بھی ضرورت ہے۔

لو أن الرجل حفظ جميع كتب اصحابنا لا بد أن يتلمذ للفتوى حتى يهتدى اليه (شرح عقود رسم المفتی ۱۷۹)

آپ کی سند افتا کا واقعہ

بایں ہمہ جب مسندِ افتا آپ کو سپرد کی گئی تو بعض کرم فرما حضرات نے اعتراض کیا کہ جب تک سند نہ ہو اس وقت تک فتوی پر دستخط صحیح نہیں، اس کی اطلاع حضرت فقیہ الامتؒ کو کی گئی حضرت نے اس کا جواب تحریر فرمایا:

''سند کا مضمون آپ کاتب سے لکھوالیں، میں وہاں حاضر ہوں گا تب دستخط کرالیں، آپ کی اطلاع کے لیے یہ بھی لکھتا ہوں کہ میرے پاس سند نہیں، کسی چیز کی بھی سند نہیں، ساری عمر اسی طرح گزر گئی ہے بے سند کے، اور کسی نے بھی نہیں پوچھا کہ تیری سند دکھا۔

(مکتوباتِ فقیہ الامت ۴/۳۰۱)

حضرت فقیہ الامتؒ کی سند

یعنی حضرت فقیہ الامتؒ کے پاس بھی فاضل ومفتی کسی چیز کی سند نہیں تھی، جب کہ دار العلوم دیوبند ومظاہر العلوم سہارنپور دونوں میں حضرتؒ نے دورۂ حدیث پڑھا؛ لیکن وہاں کا حال یہ تھا کہ جو فارغ سند طلب کرتا، اس کو سند دے دی جاتی۔ حضرت فقیہ الامتؒ نے عمر بھر کبھی طلب ہی نہ فرمائی۔ نیز اس زمانے میں باقاعدہ دار الافتا میں طلبہ کا داخلہ بھی نہ ہوتا تھا، بلکہ اساتذہ کے پاس فتاویٰ نویسی کی مشق کر لیتے تھے، اس لیے مفتی کی سند بھی نہ تھی۔

ایک موقع پر حضرت فقیہ الامتؒ نے ارشاد فرمایا:

''جہاں تک اجازت وسند کا تعلق ہے، اس ناکارہ کے پاس ایک پرزہ بھی سند واجازت کا نہیں، عمر بغیر سند واجازت کے ہی بیت گئی، سند کا علوِشان دیکھنا چاہیں تو ''فتاویٰ رضویہ'' کی پہلی جلد کے شروع میں دیکھ لیں کہ اعلیٰ حضرت نے اللہ تعالیٰ تک اپنی سند پہنچائی ہے۔ احقر کا حال یہ ہے کہ اکابر نے اس خدمت پر مامور کیا، ۲۰، ۲۱ سال تک معین مفتی رہا اور فتاویٰ لکھ کر بڑوں کو دکھلا لیتا تھا، ان کی تائید وتوثیق کے بعد روانہ کرتا تھا۔ جگہ جگہ اصلاح بھی فرماتے تھے اور مظان ومواقع کی رہنمائی بھی''۔

(تربیت الطالبین، ص: ۸۷۲) (دیکھیے مکتوبات فقیہ الامت ۴/ ۳۰۲، ۳۰۳)

صاحبِ ہدایہ اور آپ کا درسِ ہدایہ

② کوئی بڑا آدمی یونہی آسانی سے بڑا نہیں بن جاتا بلکہ کسی بھی علم وفن میں کوئی مقام حاصل کرنے کے لیے بڑے مراحل سے گذرنا پڑتا ہے، مفتی صاحب کو عربی اول سے بخاری شریف تک تدریجاً درس وتدریس کا موقع ملا جس کے سبب درسِ نظامی کے تمام علوم اور بالخصوص فقہ وفرائض سے خاص مناسبت پیدا ہو چکی تھی۔ فتاوی نویسی میں خاص فقہ وفرائض سے زیادہ تر واسطہ پڑتا ہے، فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ کو سالہا سال پڑھا چکے تھے اس کے مسائل وضوابط پر گہری نظر تھی۔ جس طرح ہدایہ اپنی بعض منفرد خصوصیات کی بنا پر فقہ حنفی کی کتابوں میں ممتاز حیثیت کی حامل ہے اسی طرح تدریس کے دور میں مفتی صاحب کا درس ہدایہ ممتاز ومقبول درس شمار کیا جاتا تھا، بلکہ بعض طلبا درسِ ہدایہ کی مقبولیت سن کر محض ہدایہ پڑھنے کی خاطر جامعہ میں داخلہ لیتے تھے۔ اور یہ

بھی حسنِ اتفاق ہے کہ صاحبِ ہدایہ نے ہدایہ کی تصنیف ۱۳ رسال میں مکمل فرمائی۔

وهل هذا القبول الا بماروى أن صاحب الهداية بقى فى تصنيفها ثلث عشر سنة .(مقدمة الهدايه للعلامة اللكنوي)

مفتی صاحب نے بھی تقریباً ۱۳ / سال ہدایہ کا درس دیا تو مصنف کے ساتھ سنین میں حسنِ اتفاق سے قبولیت کی وجہ ظاہر ہے۔

علم الفرائض سے مناسبت کے سلسلہ میں بعض باتیں سابق اوراق میں گذر چکی ہیں وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

حضرت مفتی صاحب کا ورع وتقویٰ

③ مفتی کے لیے ورع وتقوی، دیانت وامانت سے متصف ہونا بہت ہی ضروری ہے۔

وينبغى أن يكون المفتى ظاهر الورع مشهوراً بالديانة الظاهرة والصيانة الباهرة. (شرح عقود رسم المفتى ٧)

اور یہ اوصاف عموماً اہل اللہ کی صحبت کے بغیر عادتاً حاصل ہونا مشکل ہے، مفتی صاحب کو اہل اللہ کی صحبت سے بھی وافر حصہ نصیب ہوا، چناں چہ کئی رمضان شیخ المشائخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی بابرکت صحبت میں گزارے، ان کی حیات میں اور انتقال کے بعد فقیہ الامت کے باطنی فیوض سے مستفید ہوتے رہے، اس کی شہادت خود حضرت فقیہ الامتؒ کے گرامی ناموں میں موجود ہے، دو تین اقتباس پیش کرتا ہوں:

۵ / ۹ / ۸۸ کے گرامی نامہ میں جامعہ میں تقرر کی بابت حضرت مہتمم صاحب کے نام آپ کی بابت تحریر فرمایا: وہ صالح ہیں، ذہین ہیں، متقی ہیں، ذی استعداد ہیں، ذاکر ہیں"۔

حضرت فقیہ الامتؒ کی خدمت میں صرف ایک سال گزارا تھا اس پر اوصافِ خمسہ

سے متصف بتلادیا، حالاں کہ حضرتؒ کسی کا تزکیہ وتعریف فرمانے میں بہت محتاط تھے۔

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں: ''جامع الکمالات مولانا احمد صاحب۔۔۔۔ حق تعالیٰ نے آپ کو بہت کچھ عطا فرمایا ہے اگرچہ وہ ان ظاہری آنکھوں سے نظر نہ آتا ہو، اب آپ کے ذریعہ دوسروں کو وہ سب کچھ پہنچ رہا ہے اور ان شاء اللہ پہنچتا رہے گا۔ (مکتوبات ۴/ ۳۴۴)

ایک گرامی نامہ میں رقم طراز ہیں: ''میں اگرچہ دیوبند میں ہوں لیکن دل آپ کے ساتھ لگا ہوا ہے اور آپ کے کارناموں سے مسرور ہوں''۔ (ایضاً ۳۲۳)

آپ مفتی بھی ہیں اور صوفی بھی

معلوم ہوا کہ آپ مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ صوفی بھی ہیں، اور نواب قطب الدین صاحب مصنف 'مظاہرِ حق' نے غالباً امام مالکؒ کے حوالے سے لکھا ہے: من تفقه ولم يتصوف فقد تفسق، ومن تصوف ولم يتفقه فقد تزندق، ومن جمع بينهما فقد تحقق یعنی جو شخص فقیہ ہوجائے، مگر صوفی نہ ہو وہ خشک بے کیف و بے نور رہتا ہے، اور جو صوفی ہوگیا فقیہ نہ ہو، اوہ زندیق اور ملحد ہوگیا، اور جس نے دونوں کو جمع کرلیا وہ محقق ہوگیا۔ (مجالسِ حکیم الامت، ص: ۲۹۲)

دار العلوم کنتھاریہ میں اعتکاف کی دعوت

یہی سبب ہے کہ دار العلوم کنتھاریہ میں جہاں حضرت مولانا عبد الجبار صاحب اعظمیؒ (مجاز حضرت شیخ الحدیثؒ) سے شروع ہوکر ماہِ رمضان میں مشائخ کے زیرِ نگرانی اعتکاف کا سلسلہ عرصہ سے جاری ہے، جسے بعد میں حضرت مولانا معین الدین صاحب مرادآبادی

مدظلہ (مجاز حضرت شیخ الحدیثؒ) نے آگے بڑھایا، لیکن ۱۴۰۸ھ میں موصوف کو افریقہ کا سفر پیش آیا، اس سلسلے میں دشواری پیش آئی اور کسی شیخِ کامل کی تلاش ہوئی تو مہتمم مدرسہ مولانا اسمعیل منوبری مدظلہ کی نظرِ انتخاب حضرت مفتی صاحب پر پڑی۔ چناں چہ انھوں نے ایک اس درخواست کے ساتھ بھیجا کہ حضرت مفتی صاحب ماہِ مبارک میں ان کے یہاں قیام منظور فرمالیں، مگر مفتی صاحب کو حضرت فقیہ الامتؒ نے جامعہ ڈابھیل میں ماہِ مبارک گزارنے کا حکم دے رکھا تھا، اس لیے آپ نے عذر فرمادیا اور اہلِ کنتھاریہ کے پیہم اصرار پر فرمایا کہ حضرت فقیہ الامتؒ اجازت فرمت فرمادیں، تو میں تیار ہوں۔ بالآخر اہلِ کنتھاریہ نے حضرت فقیہ الامتؒ سے رابطہ کیا، لیکن حضرت نے بھی معذرت فرمادی، لیکن یہ واقعی ایک دینی ضرورت تھی، حضرت مفتی صاحب نے ان حضرات کو مشورہ دیا کہ حضرت مولانا قمر الزماں صاحب مدظلہ (مجاز حضرت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی) کی خدمت میں دعوت پیش کی جائے، ان حضرات نے اسے منظور فرمایا اور حضرت مفتی صاحب بذات خود وفد کی معیت میں اس مقصد کے تحت تشریف لے گئے، چناں چہ حضرت مولانا قمر الزماں صاحب مدظلہ نے دعوت قبول فرمالی اس وقت سے تادم تحریر یہ مبارک سلسلہ جاری ہے۔ (مکتوبات فقیہ الامت: ۳۱۷/۴)

حضرت فقیہ الامتؒ کے ارشاد فرمودہ القاب

اصاغر تو عموماً اپنے اکابرین کے ساتھ عمدہ القابات کا استعمال کرتے ہی ہیں، جس میں بعض دفعہ مبالغہ آرائی بھی ہوتی ہے، لیکن اکابرین اپنے چھوٹوں کے لیے اول تو القابات کم استعمال کرتے ہیں، دوسرے مبالغے سے بھی احتیاط برتتے ہیں۔ پھر جب معاملہ

فقیہ الامتؒ کا ہو تو، کیا کہنے؛ اس لیے یہ بہت ہی مہتم بالشان امر ہے کہ حضرت فقیہ الامتؒ نے حضرت مفتی صاحب کے لیے گراں قدر القابات کا استعمال کیا ہے۔

ایک گرامی نامے میں آپ کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''مکرم ومحترم مجمع الحسنات مولانا احمد صاحب زیدت محامدکم''۔ (مکتوبات فقیہ الامت ۴/ ۳۵۳)

نیز حضرت مولانا مفتی فاروق میرٹھی صاحبؒ کا بیان ہے کہ حضرت فقیہ الامتؒ نے اپنے متعلقین کے مکتوبات میں ''مجمع الحسنات'' والا لقب صرف اور صرف دو شخصوں کے لیے املا کرایا ہے؛ ایک حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب، دوسرے حضرت مفتی ابوالقاسم صاحب بنارسی مدظلہما۔ اور بندے کے خیال میں مجمع الحسنات کے ساتھ والبرکات، جامع الکمالات، جامع الاخلاق والاعمال، مجمع الحسنات الظاہرہ والباطنہ کے القاب حضرت مفتی صاحب ہی کی خصوصیت ہے۔ (ایضاً، ص: ۳۵۳)

شگفتہ وسلیس زبان

④ علم کا فیض دوسروں تک پہنچانے کے لیے تحریر کا واضح، شگفتہ، دل کش اور عام فہم ہونا بہت ضروری ہے، جس زبان میں تحریر لکھی جائے اس زبان سے پورے طور پر واقفیت بھی لازمی امر ہے، بحمد اللہ! مفتی صاحب کی گجراتی تحریر ہو یا اردو، صاف خط میں عام فہم اور جامع ہوتی ہے، گجراتی تو خیر آپ کی مادری زبان ہے، آپ کے والد صاحب گجراتی زبان کے ماہر اور اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے، خاندانی وموروثی اثرات بڑے طاقت ور ہوتے ہیں وہ نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں اور بچوں میں اس کے اثرات کم وبیش پائے ہی جاتے ہیں، کچھ یہ آبائی اثر مفتی صاحب میں بھی منتقل ہوئے کہ

گجراتی زبان اور حساب پختہ ہے؛ لیکن اردو تحریر میں گجراتی کی بو تک نہیں آتی جس کا ثبوت یہ فتاوی کا مجموعہ ہے۔

''فتاوی رحیمیہ'' جلد اول و دوم: حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم لاجپوریؒ کے فتاوی گجراتی زبان میں ماہنامہ ''پیغام'' میں شائع ہوتے رہتے تھے، اصل زبان میں ان کا مجموعہ شائع ہونے کے بعد اسے اردو میں منتقل کر دیا گیا ہے، گجراتی سے اردو میں منتقل کرنے کی اہم خدمت جن حضرات نے انجام دی ان میں مفتی صاحب کا بھی بڑا حصہ ہے، اردو ایڈیشن پر تبصرہ نگار نے لکھا:

''گجراتی سے اردو ترجمہ خود مفتی صاحب (مراد مفتی لاجپوری صاحبؒ) کا نہیں ہے، بعض دوسرے حضرات نے کیا ہے اور وہ خود بھی بے حد قابلِ تحسین ہے، کہیں سے ترجمہ پن ظاہر نہیں ہوتا''۔ (ماہنامہ الفرقان ماہ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ)

مسلم پرسنل لاء بورڈ کا خطبۂ استقبالیہ

۱۹۹۵ء میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کا احمد آباد میں تاریخی اجلاس منعقد ہوا تھا، اس میں مجلسِ استقبالیہ کا صدر حضرت مفتی صاحب کو بنایا گیا تھا، اس اجلاس کا خطبۂ استقبالیہ آپ نے تحریر فرما کر سنایا، وہ خطبہ اجلاس کا لبِ لباب اور نچوڑ تھا، خطبہ کا عنوان تھا ''اسلام کا مستقبل یقیناً روشن ہے مگر ہمارا مستقبل؟'' اور اس وقت خطبۂ استقبالیہ مستقلاً چھپا اور اجلاس میں تقسیم ہوا تھا۔

بعد میں ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ دسمبر ۱۹۹۵ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا، اس کے سرورق پر ''الفرقان'' کے مدیر حضرت مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

گجرات کے تاریخی شہر احمد آباد میں ۷ / ۸ / اکتوبر ۹۵ء کو مسلم پرسنل لاء بورڈ کا بارہواں اجلاس منعقد ہوا تھا، اجلاس کی مجلس استقبالیہ کے صدر حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہ (صدر مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) تھے جو نہ صرف صوبہ گجرات بلکہ ملک کے بالغ نظر اور فقیہ النفس، اہل علم میں ممتاز مقام رکھتے ہیں، انہوں نے جو خطبۂ استقبالیہ پیش کیا تھا وہ اکثر حاضرین کے خیال میں پورے اجلاس کا حاصل تھا اور اسے ''ملتِ اسلامیہ کے نام مسلم پرسنل لاء بورڈ کے پیغام'' کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔ ذیل میں ہم اپنے قارئین کے لیے وہ خطبۂ استقبالیہ بعینہٖ پیش کر رہے ہیں، اس خطبہ کے لیے نیز اجلاس کے شاندار انتظامات کے لیے ہم مولانا محترم کو اور ان کے توسط سے تمام ارکانِ استقبالیہ کو مبارک باد بھی پیش کرتے ہیں۔ (ماہنامہ الفرقان دسمبر ۱۹۹۵ء)

''خطبۂ استقبالیہ'' کی جامعیت ومقبولیت کی وجہ میرے خیال میں یہ ہے کہ ان دنوں مفتیٔ گجرات حضرت سید مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ کی دلی دعا وخصوصی توجہ مفتی صاحب کی طرف منعطف تھی، جن دنوں خطبہ تیار ہو رہا تھا ان دنوں ایک رقعہ مفتی صاحب کے نام تحریر فرمایا:

باسمہ تعالیٰ

محترم المقام حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون! مزاجِ گرامی بہ خیر ہوگا، عرض ایں کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اجلاس کے لیے ایک پیغام ارسال کیا ہے، اس کی فوٹو کاپی آپ کی خدمت میں ارسال ہے، آپ نے خطبۂ استقبالیہ تیار فرمالیا ہوگا، اللہ تعالیٰ غیب سے باتیں القا فرمائیں اور مدد

فرمائیں، دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کی خوب لاج رکھے اور خوب خوب مدد فرمائے، اجلاس کو ہر اعتبار سے کامیاب فرمائیں، دعاؤں میں فراموش نہ فرمائیں۔ فقط والسلام۔

چناں چہ حضرت لاجپوریؒ کی دعا کی لاج رکھی گئی اور خوب خوب کامیابی سے ہم کنار ہوئے۔

نوٹ: یہ خطبۂ استقبالیہ محمود الرسائل میں زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔

مفتی کو ریاضی کے علوم سے کچھ نہ کچھ مناسبت ضروری ہے، سمتِ قبلہ اور اوقاتِ صلاۃ کو بتلانے میں ان علوم سے استمداد بھی ناگزیر ہے۔ بحمد اللہ! دار العلوم دیوبند میں فنون والے سال میں مفتی صاحب محنتِ شاقہ سے ان علوم کو حاصل کر چکے تھے جس کی تفصیل حاصل کردہ نمبرات والے اوراق میں گذر چکی ہے، یہی وجہ ہے کہ سمتِ قبلہ اور رؤیتِ ہلال والے مسائل پر مفتی صاحب نے سیر حاصل بحث کی ہے اور حضرت فقیہ الامتؒ نے ایسے ہی ایک فتوی پر دادِ تحسین دی ہے۔ جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

ينبغي للمفتي أن يتزين بالعلوم الرياضية، وقد كان عني بها من سلفنا وأئمتنا للحاجة الماسة اليها في القضاء والافتا في النوازل، ومن اهمها تحرير سمت القبلة فإنه يتوقف على معرفة أصول فن الميقات، وكذا تحرير اوقات الصلوات في البلاد على معرفة عروضها وأطولها المقدرة في علمها. (تكملة المصباح في رسم المفتي ومناهج الإفتاء ۲/۲۱)

باب چہارم

ذوقِ فتویٰ نویسی اور ہدایات

آگے چند ان امور کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے فتویٰ نویسی کے باب میں حضرت مفتی صاحب کے خصوصی مذاق کا اندازہ ہوتا ہے، جو کہ اس دشت کی سیاحی کرنے والوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

حوالجات کا اہتمام

① آپ انتہائی وسیع المطالعہ ہونے کے باوجود اس قدر محتاط ہیں کہ اپنی ذمہ داری پر مسئلہ نہیں لکھتے، اگر وہ مسئلہ کسی کتاب سے لکھا ہو چاہے وہ کتاب ''اردو'' زبان میں ہی کیوں نہ ہو اس کا حوالہ ضرور تحریر فرماتے ہیں، اسی لیے آپ کے فتاوی میں عربی کی طرح اردو کتابوں کے حوالجات بہ کثرت نظر آویں گے۔ دراصل یہ احساسِ ذمہ داری کی بات ہے، حوالہ دے کر مفتی بریٔ الذمہ ہو جاتا ہے جیسا کہ علامہ شامی کا اندازِ نگارش ہے ''وہ گفتہ آید در حدیثِ دیگراں'' کے قائل ہیں، اپنے الفاظ میں بات کم کرتے ہیں زیادہ تر دوسروں کی عبارتیں نقل کر دیتے ہیں، اکثر حوالہ کے اہتمام کے سلسلہ میں فرمایا کرتے ہیں:

''حضرت مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوریؒ کا قول حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم تاکیداً بیان فرماتے تھے کہ حوالہ اسی کتاب کا دینا ضروری ہے جس کتاب سے مسئلہ لکھا ہے، اس کتاب میں جو حوالہ لکھا ہے اس کا کبھی حوالہ نہیں دینا چاہیے، ایسی حماقت کبھی مت کرنا ایسا کرنے میں آدمی مار کھا جاتا ہے، یہ بہت

قیمتی اصول ہے کیوں کہ نسخوں وغیرہ کے فرق کی وجہ سے فرق پڑ سکتا ہے، ہاں اس کے حوالہ کے ساتھ اس کتاب کا نام لکھ سکتے ہیں مثلاً ''فتاوی رحیمیہ'' میں ابن قیم کی زاد المعاد کے حوالہ سے کوئی مسئلہ لکھا ہے تو یوں لکھا جائے:

''زاد المعاد منقول از فتاوی رحیمیہ'' یا یوں لکھا جائے ''فتاوی رحیمیہ میں زاد المعاد کے حوالہ سے لکھا ہے'' لیکن واسطہ حذف کر کے لکھنا غلط ہے۔

جس سے استفادہ کرے اسی کا حوالہ دے

فتاوی نویسی کی مشق کرنے والے طلبا کو بار بار یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ جو عبارت جس کتاب سے لی ہے اس کتاب کا نام ضرور لکھو چاہے تم نے چھوٹے رسالہ ہی سے عبارت کیوں نہ لی ہو، ایسا ہرگز نہ کرو کہ تم چھوٹے رسالہ سے عبارت لو اور اس رسالہ کا حوالہ نہ لکھو؛ بلکہ اپنی بات بڑی کتاب کی طرف منسوب کرنے کے لیے اس چھوٹے رسالہ میں موجود بڑی کتاب کا حوالہ لکھ دو اس سے علم میں بے برکتی ہوتی ہے۔ بہت سی مرتبہ یہ مضمون سمجھاتے ہوئے ان اکابر کی کتب کا حوالہ بھی دیتے ہیں جنھوں نے اپنی کتب میں اصاغر کے حوالے دیے ہیں چناں چہ ایک طالب کا علم بیان ہے کہ: پھر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کی کتاب ''ڈاڑھی کا وجوب'' منگوائی اور صفحہ ۲۱ رکی یہ عبارت ''مولانا سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم مدرس دار العلوم دیوبند نے اپنے رسالہ ''ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں'' میں لکھا ہے کہ ڈاڑھی منڈانے کی حرمت پر ساری امت کا اجماع ہے'' پڑھ کر سنائی۔ پھر فرمایا: مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم حضرت شیخؒ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں اور تم نے دیکھ لیا کہ حضرت شیخ نے ان کی کتاب سے جو عبارت لی ہے اس کا حوالہ لکھ دیا ہے، تو کیا اس سے حضرت شیخ

کی شان گھٹ گئی؟ ہرگز نہیں۔

اگر تم اپنے علم میں برکت پیدا کرنا چاہتے ہو تو میری اس بات پر عمل کرو کہ جس کتاب سے جو عبارت لو وہاں اس کتاب کا حوالہ لکھ دو، چاہے وہ چار صفحے کا کتابچہ ہی کیوں نہ ہو اس سے علم میں برکت ہوگی۔

اہم جوابات پہلے رف تیار کرنا

(۲) خاص خاص اہم فتاوی کے جوابات اصل استفتا پر تحریر کرنے سے پہلے دوسرے کاغذ پر رف جواب تیار کرنے کا معمول ہے، پھر دارالافتا میں کام کرنے والے دیگر حضرات کو بتلاتے ہیں، اس سلسلہ میں کوئی معقول بات کہی جائے تو اسے فوراً قبول فرمالیتے ہیں، اپنی رائے پر بلا وجہ جزم کی عادت نہیں، بارہا ایسا ہوا کہ ہم خدام نے کوئی بات کہی تو جواب میں فوراً ترمیم فرمادی۔

یہی معمول حضرت فقیہ الامتؒ کا تھا کہ حضرت اہم فتاوی کے جوابات دیگر مفتیانِ کرام سے استصوابِ رائے کے بعد تحریر فرماتے تھے، اکابر کا یہ معمول آدابِ فتویٰ کے قبیل سے ہے۔

يستحب أن يقرأها على حاضريه ممن هو اهل لذلك ويشاورهم ويباحثهم برفق وانصاف وإن كانوا دونه وتلامذته للاقتداء بالسلف.

(فصل آداب الفتوى شرح عقود رسم المفتي ۲۰)

محض شخصیت سے مرعوب نہیں ہوتے

(۳) حق بات لکھنے میں کسی عظیم شخصیت سے محض شخصیت کی بنا پر مرعوب نہیں ہوتے۔

بیرونِ ملک سے وہاں کے ایک مشہور عالم نے شوہر کو ویزا نہ ملنے پر ''عدمِ ادائیگیٔ حقوق'' کو بنیاد بنا کر میاں بیوی کے مابین فسخِ نکاح کا حکم نافذ کر دیا، ان عالم صاحب کا خط مفتی صاحب پر بھی آیا جس میں اس کی اطلاع دی گئی تھی، ان کو تفصیلی خط لکھا جس میں فقہی اعتبار سے جو اشکالات تھے اس کی طرف توجہ دلائی، اور اخیر میں صاف لکھ دیا: ''آپ نے جس عجلت سے فسخ کا فیصلہ کیا ہم تو اس کی جرأت نہیں کر سکتے، مندرجہ بالا نکات کے پیشِ نظر۔۔۔۔۔۔۔ فیصلۂ فسخ سے مجھے اتفاق نہیں ہے''

سوال و جواب میں التباس نہ ہونے دینا

④ مستفتی بعض مرتبہ سوالات میں گڈمڈ کر کے مختلف امور کے متعلق حکمِ شرعی معلوم کرنا چاہتا ہے، استفتاء میں نمبرات قائم نہیں کرتا، ایسے استفتاء کے جواب کا یہ طریقہ ہے کہ پہلے استفتاء میں نمبر ڈال دیتے ہیں پھر ان میں سے ہر سوال کا نمبر وار جواب تحریر فرماتے ہیں؛ تاکہ جواب سمجھنے میں کوئی پیچیدگی باقی نہ رہے، نمبرات دیکھتے ہی معلوم ہو جائے یہ فلاں سوال کا جواب ہے۔

اور اگر متعدد سوالات کا حکمِ شرعی ایک ہو تو اس میں یہ طریقہ اختیار فرماتے ہیں کہ ابتدائی سوال کا حکمِ شرعی مفصل تحریر فرمانے کے بعد اسی نوع کے دیگر سوالات کے جوابات میں یوں تحریر فرماتے ہیں ''اس کا حکم فلاں نمبر میں'' یا ''اس کا حکم گذر چکا ملاحظہ فرمالیں''۔

اپنی ذاتی تحقیق پر اصرار نہ کرنا

⑤ جب تک جواب پر مکمل شرحِ صدر نہ ہو اصل استفتا والے کاغذ پر نقل نہیں کرتے، بارہا ایسا ہوا کہ استفتا کا جواب کتبِ فقہیہ کی روشنی میں مفصل لکھ لیا، بعد میں کوئی اور

فقہی عبارت یا کسی مفتی صاحب کے فتوی کی وجہ سے رجحان بدل گیا تو سابقہ جواب کو ختم کر کے بدلے ہوئے رجحان کے مطابق جواب لکھ کر روانہ کر دیا۔

بلا شرح صدر تصدیق نہ کرنا

⑥ ڈابھیل کے دار الافتا کو گجرات میں مرکزیت کا مقام حاصل ہے، یہاں دیگر مفتیانِ کرام کے فتاوی برائے تصدیق آیا کرتے ہیں، ایسے فتاوی کی تصدیق میں یہ معمول ہے کہ جب تک اس پر شرحِ صدر نہ ہو دستخط نہیں فرماتے ہیں، اطمینان ہونے پر دستخط سے اعراض بھی نہیں فرماتے، اور اگر نفسِ جواب پر شرحِ صدر ہو؛ لیکن کوئی ضروری وضاحت رہ گئی ہو تو نوٹ قائم کر کے وضاحت تحریر کر دیتے ہیں پھر تصدیق فرماتے ہیں۔

بلا تحقیق جواب نہ دینا

⑦ جس مسئلہ کی پوری تحقیق مستحضر نہیں ہوتی اس کے متعلق برملا مجمع میں کہہ دیتے ہیں ''کتاب میں دیکھنے کے بعد بتلایا جائے گا'' کبھی فرماتے ہیں ''مجھے معلوم نہیں''۔ اسی طرح ایسی زبان میں سوال ہو جس کو آپ نہیں جانتے مثلاً انگریزی زبان، یا انگریزی زبان میں کوئی تحریر سائل نے بھیجی جس کے سمجھنے پر جواب کا دار و مدار ہے مثلاً طلاق نامہ، وصیت نامہ وغیرہ اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں ''میں انگریزی نہیں جانتا، آپ اس کا ترجمہ کرنے کے بعد بھیجیں تب جواب دیا جائے گا''۔

طویل فتاویٰ میں خاص طریق

⑧ آپ کے فتاوی میں مختصر و طویل دونوں طرح کے فتاوی ہیں، کئی فتاوی تو

مستقل رسالہ کی شکل میں ہے، طویل فتاوی کا شرعی حکم تحریر کرنے سے پہلے جواب کی تفہیم کی خاطر تمہیدی امور تحریر کرتے ہیں، مثلاً یوں تحریر فرماتے ہیں: ''اصل جواب سے پہلے بطورِ تمہید چند امور پیش کئے جاتے ہیں'' یا اسی کے قریب قریب مفہوم والے الفاظ تحریر فرماتے ہیں۔

ترغیب وترہیب کا اہتمام

⑨ شرعی حکم جاننے سے اصل مقصود اس پر عمل کرنا ہے، عمل پر ابھارنے کے لیے یا منکرات سے روکنے کے لیے اس سلسلہ میں وارد احادیثِ نبویہ وآثارِ صحابہ بہترین ذریعہ ہیں، اس لیے طویل فتاوی میں ترغیبی وترھیبی احادیث ذکر کرنے کا معمول ہے۔

اہل علم کو دلائل سے مطمئن کرنا

⑩ اہلِ علم کی طرف سے استفتاء کے جواب میں بطورِ دلیل نصوص شرعیہ یا کم از کم کتبِ فقہیہ سے عبارت یا اس موضوع پر لکھی گئی کتاب کا نام تحریر کرنے کا معمول ہے۔

علاقائی علما سے رجوع کا مشورہ دینا

⑪ کسی ایسے علاقہ سے استفتا آیا کہ وہاں اہل علم موجود ہیں، دارالافتا قائم ہے ایسے استفتاء کے جواب میں بہت چوکنا رہتے ہیں، اگر ایسا استفتا جمعہ وعیدین کی نماز سے متعلق ہو مثلاً سائل نے پوچھا ہے کہ ہماری بستی میں جمعہ وعیدین جائز ہیں یا نہیں؟ تو شرعی حکم لکھنے کے بجائے یوں تحریر فرماتے ہیں کہ: آپ اپنے یہاں کے علما کو اپنی بستی کا حال بتلا کر حکمِ شرعی معلوم کرلیں۔

مسائلِ معاملات میں احتیاط کا طریقہ

⑫ وراثت، شرکت وغیرہ کے متنازع فیہ مسائل میں فریقین کی جانب سے استفتا آئے تو عموماً شرعی حکم تحریر نہیں فرماتے؛ بلکہ ان کو مشورۃً آپس میں صلح کی ترغیب دیتے ہیں، اگر فریقین استفتا کے شرعی حکم تحریر کرنے پر مصر ہوں تو ان سے کہا جاتا ہے: ''دونوں فریق واقعی صورتِ حال آپس میں مل کر تحریر کریں اور اس استفتا پر فریقین کے دستخط ہوں، اس کے بعد جواب دیا جائے گا''۔ ایسی صورت اختیار کرنے سے ناحق فریق کی قلعی کھل جاتی ہے، کبھی تو ایسا فریق استفتا پر دستخط تحریر کرنے کے لیے آمادہ ہی نہیں ہوتا۔

دیگر مسالک میں لب کشائی سے احتراز

⑬ اہلِ علم کے درمیان یہ بات مسلم ہے کہ ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ اجمعین کے فقہی مسالک میں سے کسی مسلک پر فتوی دینے کے لیے اس مسلک کے راجح ومفتی بہ قول سے پورے طور پر واقفیت ضروری ہے، بدون واقفیت کے دوسرے مسلک کی محض کتبِ فقہیہ کا مطالعہ کر کے فتوی دینے میں زبردست غلطی کا احتمال ہے، یہی وجہ ہے کہ دوسرے مسلک کے متبعین کی طرف سے جب کوئی استفتاء آتا ہے اس میں حضرت مفتی صاحب کا مذاق یہ ہے کہ ان کے استفتا کا جواب ہی تحریر نہیں فرماتے، اور سائل کو اس کے مسلک کے اہلِ علم اور اربابِ فتاوی کی طرف رجوع کا مشورہ و پتہ تحریر فرما دیتے ہیں، مثلاً علاقۂ کوکن سے کوئی سوال آتا ہے تو وہاں کے شوافع علما سے رجوع کا مشورہ دیا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ فرمایا ''ہم سے اپنے فقہ (حنفی فقہ) کا مطالعہ ہو نہیں پاتا دوسرے کو کیا بتلاویں''

ایک مرتبہ انگلینڈ کے شہر باٹلی کے علما کی طرف سے رؤیتِ ہلال کے نظام کو شرعی اصول وضوابط کے مطابق قائم کرنے کے لیے تحریری شکل میں ایک دستور العمل برائے تصدیق وتائید آیا تھا، اس میں ائمۂ ثلاثہ (حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ) کے مسالک کی کتبِ فقہیہ سے ''رؤیتِ ہلال'' کے سلسلہ میں عربی عبارتیں نقل کی گئی تھیں، اس دستور العمل کی تصدیق کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

''اس تحریر میں ائمۂ ثلاثہ کے مسلک پر جو گفتگو کی گئی ہے اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ان کے یہاں راجح قول کیا ہے اس کا حتمی فیصلہ کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں، اس لیے تحریر کے اس حصہ پر اپنی منفی یا مثبت رائے پیش کرنے سے (ہم) قاصر ہیں''۔

سنہ ۱۴۱۳ھ میں ایک شافعی المسلک طالبِ علم نے دارالافتا سے فراغت حاصل کی اس کو اسی وجہ سے سند نہیں دی۔

اکابر دیوبند کے مسلک کی اتباع

(۱۴) میری نظر میں مفتی صاحب اکابرِ دیوبند کی روایات کے حامل ہیں، اکابرِ دیوبند سے عقیدت ووارفتگی اور ان کی اتباع کا جیتا جاگتا مرقع ہیں، بیانوں میں، مجالس میں علمائے دیوبند کے ملفوظات وواقعات بے ساختہ نوکِ زبان پر آہی جاتے ہیں، تو کیا آپ کی تحریر اکابرِ دیوبند کے معمولات اور ان کے نظریات سے خالی ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں، کئی فتاوی میں شرعی حکم تحریر فرمانے کے بعد اس مسئلہ میں اکابر کا مسلک ومعمول تحریر فرمایا ہے۔

مشتے از خروارے کے طور پر چند یہ ہیں:

① جمعہ کے روز فجر کی نماز میں مسنون قرأت پر کراہت کے شبہ کا ازالہ

② تراویح میں بسم اللہ بالجہر کا مسئلہ

③ عیدین میں دعاء نماز کے بعد کرے یا خطبہ کے بعد؟ حضرات اکابر کا معمول

④ نکاح کے بعد منقول الفاظِ دعاء کے علاوہ دیگر الفاظ سے دعاء کرنا

⑤ دینی امور کے لیے مسجد میں چندہ

مذکورہ عنوان کے ذیل میں اکابر دیوبند کا عمل دیکھ لیا جائے۔

ہر جائی سائل کو تنبیہ

⑮ متعدد دار الافتا سے فتوی حاصل کرنے والے مستفتی کا طریقہ آپ کو پسند نہیں، اس لیے کہ سوال کرنے کا مقصد حکمِ شرعی پر عمل کرنا ہے، مذکورہ طریقہ اختیار کرنے میں بعض مرتبہ مکائدِ نفس کی آمیزش ہوتی ہے کہ جو فتوی اپنی نفسانیت اور مقصد کے مطابق ہو اس پر عمل کیا جائے گا، ایسا طریقہ اختیار کرنے والا مستفتی خود تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے۔

بعض مرتبہ زیر اکس شدہ استفتا یا خود مستفتی کی تحریر سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس شخص نے متعدد جگہ پوچھا ہے۔

ایسے ہی ایک مستفتی نے متعدد و معتبر دار الافتا کے جوابات پیش آمدہ مسئلہ کے سلسلہ میں حاصل کر کے مفتی صاحب کے نام روانہ کئے اور مفتی صاحب سے بھی فتوی لینا چاہا، اس کے سوال کا جواب تو نہ دیا؛ مگر تنبیہ کرتے ہوئے ایک اصولی بات تحریر فرمائی جو مفتیانِ کرام کے لیے نہایت ہی مفید اصول ہے۔ مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

باسمہٖ تعالیٰ

ملک میں مختلف دارالافتا میں خدمت دینے والے متعدد حضرات مفتیانِ کرام، ان کی خدمت میں پیش کئے گئے سوالات کے جوابات شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں تحریر فرماتے ہیں، ان سے پوچھے گئے مسائل میں ایک قسم تو وہ ہے جس کے متعلق قرآن وحدیث میں کوئی نص صریح غیر متعارض موجود ہو اس کا حکم تو واضح ہے اور اس کے جواب کے سلسلہ میں حضرات مفتیان کے درمیان کسی قسم کا اختلاف بھی نہیں ہوتا۔

البتہ بعض مسائل وہ ہیں جن کے سلسلہ میں مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق کوئی صریح حکم نہ ہو، وہاں صورتِ مسئلہ کا تجزیہ کر کے اس کا جواب اصولِ شرع کی روشنی میں حضرات مفتیان تحریر فرماتے ہیں، اور اس میں اندازِ تجزیہ کی وجہ سے جوابات میں اختلاف بھی ہوتا ہے، اس لیے مستفتی کو چاہیے کہ جس مفتی پر اعتماد ہو اس سے دریافت کر کے اس کے جواب کے مطابق عمل کرے، اور اگر ایک سے زیادہ مفتیان پر اعتماد ہو تو جس پر زیادہ اعتماد ہے ان سے پوچھ کر عمل کرے۔

آپ نے اس اصول پر عمل نہ کرتے ہوئے متعدد دارالافتا میں اپنا استفتا بھیج کر جواب حاصل کیا، اس کا نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا جن سے آپ دوچار ہیں، اس کے بعد بھی آپ ابھی اسی روش پر چلتے ہوئے مزید ایک دارالافتا میں اپنا معاملہ پیش کر رہے ہیں، ظاہر ہے کہ آپ نے جتنے جوابات ارسال فرمائے ہیں ان میں سے کسی ایک کے مطابق ہی جواب ہوگا تو اس صورت میں آپ کا تذبذب کیسے دور ہوگا؟ اس لیے واقعہ تو یہ ہے کہ اپنا تذبذب دور کرنے کا جو طریقہ آپ نے اختیار کیا ہے وہ درست نہیں، آپ یہ سوچ کر کہ مجھے اپنے اس معاملہ میں کل اللہ کے سامنے پیش ہو کر جواب دینا ہے اس لیے کوئی

ایسی شکل جس میں ادنیٰ سا شائبہ مؤاخذہ کا آپ کے دل میں آتا ہو اس کو اختیار کرنے کے بجائے وہ شکل اختیار کریں جس کے متعلق آپ کا دل یہ گواہی دیتا ہو کہ یہ صورت مکمل مبنی بر احتیاط ہے، امید ہے کہ آپ کے لیے غور وفکر اور عمل کی راہ واضح ہو جائے گی۔ فقط۔

اُملاہ: احمد خانپوری

سائل اگر بلا وجہ اپنی شناخت چھپائے

⑯ ایک مرتبہ ایک استفتا آیا جس میں اصل مستفتی نے اپنا نام و پتہ ظاہر نہ کیا، کسی اور کے نام سے پوچھا۔ بندہ کو سوال پڑھتے ہی شبہ ہوا کہ یہ سوال فلاں جگہ سے متعلق ہے، اصل مستفتی اور ہے، چناں چہ تحقیق کی گئی تو شبہ صحیح نکلا، بندہ نے حقیقتِ حال سے حضرت کو مطلع کیا تو فرمایا: اس کا جواب نہ لکھا جائے۔ بندہ نے اس خیال سے کہ اصل مستفتی بڑے آدمی ہیں اگر انہوں نے جواب طلب کیا تو کیا بتلاؤں گا؟ حضرت سے عرض کیا کہ: وہ جواب طلب کرے تو کیا کیا جائے؟ حضرت نے جواباً فرمایا: وہ ہم سے طلب نہیں کر سکتے، پھر گجراتی میں ایک مَثَل سنائی جس کی اردو تعبیر ہے: ''چور کی ماں کوٹھی میں سر دے کر روتی ہے'' یعنی چور کی ماں اپنے بیٹے کے کرتوت پر رنجیدہ ہو کر چھپ کر روتی ہے اور بھڑاس نکال لیتی ہے، کسی کے سامنے نہیں کہہ سکتی۔

مطلب یہ تھا کہ اصل مستفتی نے جب اپنے آپ کو پردۂ خفاء میں رکھا ہے تو وہ ہمیں کس منہ سے پوچھ سکتا ہے اور ہم سے کیوں جواب طلب کر سکتا ہے؟ چناں چہ ایسا ہی ہوا، وہ سوال اس دن سے آج تک جوں کا توں رکھا ہوا ہے کسی نے جواب طلب نہیں کیا۔

اگر کسی جواب سے فتنے کا اندیشہ ہو

⑰ کسی استفتا کا جواب دینے میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس کا جواب فتنہ فرو ہونے کے بعد تحریر فرماتے ہیں، ایک مرتبہ فرمایا: حضرت مفتی لاجپوریؒ کا یہی طریقہ ہے کہ ایسے استفتا کا جواب جلد نہ دیا جائے۔

مستفتی کے شر سے بچنے کی دعا

⑱ آپ اپنی دعاؤں میں مستفتی کے شر سے بچنے کی دعا کا خاص اہتمام فرماتے ہیں "المصباح" کی ایک عبارت سے آپ کے اس معمول کی تائید ہوتی ہے:

وحقيق بالمفتي أن يكثر الدعاء بالحديث الصحيح: اللّٰهُمَّ رب جبرئيل وميكائيل وإسرافيل فاطر السمٰوات والأرض عالم الغيب والشهاد أنت تحكم بين عبادك فيما كانوا فيه يختلفون، إهدني لما اختلف فيه من الحق بإذنك، إنك تهدى من تشاء إلى صراط مستقيم، ويقول إذا أشكل عليه شيء: يا معلِّم إبراهيم علِّمني.(تكلمة المصباح فى رسم المفتى ومناهج الإفتاء ۲ /۲۷)

آپ کا کمال احتیاط

⑲ کسی استفتا کا صریح حکم تلاش کے باوجود کتبِ فقہ میں نہیں ملتا ہے تو اپنے فقہی ذوق سے اس مسئلہ کے لیے استیناس کیا جائے ایسی کوئی عبارت تحریر کر کے جواب تحریر فرماتے ہیں، اخیر میں لکھ دیتے ہیں "دیگر مفتیانِ کرام سے پوچھ کر پھر عمل کریں" یہ آپ کا احتیاط ہے؛ ورنہ اصل جواب وہی ہوتا جو لکھا گیا۔

یوں تو فتاوی نویسی میں مفتی صاحب کے مزاج و مذاق کی اور بھی باتیں ہیں جس کا

احاطہ نہ مقصود ہے اور نہ مجھ جیسے بے بضاعت کے لیے ممکن ہے، چند موٹی موٹی باتیں جو اس وقت یاد آ گئیں انہیں نمبر وار تحریر میں پیش کر دیا ہے:

قیاس کن گلستانِ من از بہارِ من

فتاوی اور فقہی بصیرت پر اکابر علماء کا اعتماد

جامعہ کا دار الافتا فتاوی کا مرجع ہے اس کے فتاوی کا کام معمولی کام نہیں، مگر بزرگوں کی توجہ اور مفتی صاحب کی خداداد صلاحیت نے افتا میں بہت جلد انتہائی درجہ کی مقبولیت حاصل کر لی، اللہ تعالیٰ نے آپ کو درباب فتاوی وہ مقام عطا فرمایا جو اس دور میں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔

چھوٹوں کی تحریر اپنے بڑوں کے متعلق عام طور پر اعتقاد یا غلو پر محمول کی جاتی ہے، اس لیے مجھ جیسے بے بضاعت کا مفتی صاحب کے متعلق یہ فیصلہ کرنا کہ آپ کو نسے درجہ کے فقیہ ہیں فقیہِ نفس، فقیہِ وقت، فقیہِ عصر، فقیہِ زمن، فقیہِ دوراں مشکل ہے؛ کیوں کہ فقیہ النفس جیسے اشخاص کی پہچان بھی ان ہی لوگوں کا حصہ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے تبحرِ علمی کی دولت سے نوازا ہو۔

البتہ حضرت مولانا سجاد صاحب نعمانی دامت برکاتہم نے اپنی تحریر (جو پہلے گزر چکی) میں مفتی صاحب کے متعلق ''فقیہ النفس'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اس لیے حضرت نعمانی دامت برکاتہم کی تحریر کی روشنی میں کہا جائے کہ آپ فقیہ النفس ہیں تو اس کی گنجائش ہے۔ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے مخصوص تلمیذ، فقیہ النفس مفتیٔ اعظم گجرات حضرت مفتی سید عبد الرحیم لاجپوریؒ کے درباب فقہ وفتاوی کے معتمد، فخرِ گجرات حضرت

مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کے منظورِ نظر ہونے سے کس کو انکار ہے، ان حضرات کی بابرکت صحبتوں سے اگر فقیہ النفس کا وصف پیدا ہو جائے تو بجا ہے۔

فقیہ النفس کا مطلب

''فقیہ النفس'' فقہاء کی ایک اصطلاح ہے اور اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فقہ میں کثرتِ ممارست کے بعد ایک ایسا ذوقِ سلیم عطا فرمایا ہو جس کی روشنی میں وہ کتابوں کی مراجعت کے بغیر بھی صحیح نتیجہ تک پہنچ سکتا ہو۔

حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ محنت، للّٰہیت اور بزرگوں کی صحبت وتربیت کے نتیجہ میں اپنے خاص بندوں کے قلوب کو وہ کسوٹی عطا فرما دیتا ہے جو صحیح وغلط کو پرکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے''۔

(البلاغ اشاعتِ خاص ۴۱۷)

ایک دل چسپ واقعہ

راقم کے خیال میں کسی درجہ میں یہ کسوٹی والی نعمت بزرگوں کی صحبت کی برکت سے مفتی صاحب کو حاصل ہے، دیکھا گیا کہ پیش آمدہ کسی مسئلہ میں کتبِ فقہیہ کی طرف مراجعت کے بغیر آپ نے کوئی موقف اختیار فرمایا، یا اس مسئلہ پر کوئی رائے قائم فرمائی بعد میں دیگر مفتیانِ کرام نے غور وفکر کیا یا بعد میں مسئلہ کی مؤید کوئی عبارت ملی جس سے مفتی صاحب کے موقف یا رائے کی تائید ہوتی۔

اسی طرح کتبِ فقہ کی عبارتوں سے مسائل کی تخریج میں بھی اللہ تعالیٰ نے خاص ملکہ عطا فرمایا ہے، اہلِ علم جانتے ہیں ہر مسئلہ کے لیے صریح جزئیہ کا موجود ہونا ضروری نہیں،

بعض مرتبہ کوئی جامع عبارت اپنے اندر بے شمار جزئیات کو سموئے ہوئے ہوتی ہے؛ لیکن یہ جاننا کہ کونسی عبارت ایسی جامع ہے ایسا مشکل کام ہے جو ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتا، جن کو فقہ کا ذوق سلیم حاصل ہو، طویل عرصہ تک فقہ سے مزاولت رہی ہو، جن پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات ہوں ان کا کام ہے۔

میرے افتا کے سال ایک سوال آیا کہ مدتِ رضاعت میں بہن کے لیے بھائی کو دودھ پلانا جائز ہے یا نہیں؟ احقر نے اپنی بساط کے مطابق تمام مظان دیکھ لیے؛ مگر کسی جگہ صریح جزئیہ نہیں ملا، حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ ''جزئیہ نہیں ملتا'' فرمایا: رضاعت کی تعریف کیا ہے؟ دیکھا تو ان الفاظ میں رضاعت کی تعریف کی گئی ہے ''هو مص الرضيع من ثدى الآدمية'' اس پر فرمایا: بہن ''آدمیۃ'' میں داخل ہے۔ رضاعت کی تعریف جو بار بار احقر کی نظر سے گزری تھی اسی سے مسئلہ کا حل فرمالیا۔

آپ کی مسلمہ فقہی بصیرت

علاقۂ پالن پور کے علماء ومفتیانِ کرام میں آپ کی فقہی بصیرت مسلم ہے، وہ حضرات اہم مسائل میں مفتی صاحب کی طرف رجوع فرماتے ہیں، ایک وقت تو ایسا گذرا ہے کہ وہاں کے مشہور دار العلوم چھاپی کے دار الافتا سے جدید مسائل جس میں ہوٹل، شرکت، سہکاری منڈڑی وغیرہ کے بارے میں لمبے لمبے استفتاء آئے اور کئی ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا، ان تمام سوالات کے جوابات مختصر ومفصل دیے گئے، بعض کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں جو محمود الفتاویٰ میں شامل ہیں۔

۱۴۱۷ھ میں وہاں کے ایک مشہور مفتی صاحب نے دو پرچے ارسال فرمائے،

ایک پرچہ میں عشر کے وجوب کے قول کی عبارتیں تھیں، دوسرے میں عشر کے وجوب میں احوط والا قول اختیار کیا گیا تھا، ان مفتی صاحب کا منشا یہ تھا کہ عشر کے وجوب والے پرچہ پر دستخط ثبت ہو، تاکہ اسی کو شائع کر کے اہلِ زمین پر عشر واجب کر دیا جائے۔

ہندوستانی زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟ اگر عشری ہے تو عشر واجب ہے یا احوط، یہ مسئلہ ہمارے اکابر میں مختلف فیہ رہا ہے، اس پر مستقل تصانیف وفتاوی موجود ہیں۔

ان مفتی صاحب کے ارسال فرمودہ پرچوں میں عشر کے احوط والے پرچہ پر بایں الفاظ دستخط فرمائی ''عشر کی ادائیگی ہی احوط ہے؛ اس لیے مضمونِ بالا کی تائید کرتا ہوں''۔

العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

پھر ۱۴۲۰ھ میں دوبارہ یہ مسئلہ زور وشور کے ساتھ اٹھا، وجہ یہ تھی کہ اُن مفتی صاحب کا رجحان عشر کے وجوب والے قول کی طرف تھا، انہوں نے عشر وخراج کے وجوب پر اپنی تحقیق کے مطابق فقہ حنفی کے ماخذ سے استدلال کر کے فتوی مرتب کیا تھا کہ اس فتوی کی اشاعت کر کے عوام الناس کو ترغیب دی جائے اور اسی پر پورے علاقہ میں عمل ہو؛ لیکن وہاں کے مؤقر وبارسوخ علمائے کرام نے سوچا کہ عوام میں انتشار نہ ہو؛ اس لیے فتوی کی اشاعت سے پہلے دیگر مفتیانِ کرام کی تائید حاصل کر لی جائے۔ اسی سلسلہ میں ایک وفد حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں ڈابھیل پہنچا اور وہاں کے مفتی صاحب والا فتوی پیش کیا، مفتی صاحب نے فتوی ملاحظہ فرمانے کے بعد فرمایا: ''عشر کے وجوب پر مبسوط کی جس عبارت سے استدلال کیا ہے اس کے سمجھنے میں تسامح ہوا ہے''۔

یہی وفد پھر دار العلوم دیوبند حضرت مفتی محمد سعید صاحب پالن پوری مدظلہ کی خدمت میں پہنچا، انہوں نے بھی مفتی صاحب کی تائید فرمائی، اور فرمایا: عبارت سمجھنے میں خطا ہے،

اس پر طے ہوا کہ دار العلوم چھاپی میں ایک مجلس منعقد کی جائے جس میں گجرات کے مؤقر مفتیانِ کرام جمع ہوں اور اس مسئلہ پر تبادلۂ خیال کریں؛ چناں چہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری، حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری، حضرت مفتی اسماعیل صاحب بھڑکودروی، اور علاقۂ پالن پور کے مفتیانِ کرام کو مدعو کیا گیا، جن میں صاحبِ فتوی مفتی صاحب بھی تھے۔

حضرت مفتی صاحب کی صلاحیت واستعداد

۲۸ ربیع الآخر بہ وقت صبح تین گھنٹہ تک مجلس جاری رہی جس کا خلاصہ یہ ہے:

پہلے طے ہوا کہ عشر کے وجوب پر صاحبِ فتوی مفتی صاحب نے جو دلائل جمع کئے ہیں وہ سنائے جائیں؛ چناں چہ انہوں نے شروع سے اخیر تک تمام دلائل پڑھ کر سنا دیے، مبسوط کی عبارت آئی تو اسی پر خوب بحث ہوئی جس میں عبارت ''لأنهم أسلموا عليها'' کا مطلب صاحبِ فتوی مفتی صاحب نے سمجھا تھا کہ وہ لوگ خود مسلمان ہو گئے، اس پر حضرت مفتی صاحب نے جرح فرمائی کہ یہ مراد نہیں اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کسی جگہ کا پورا علاقہ مسلمان ہو جائے اور وہ حصہ دار الاسلام بنے وہاں کے لیے یہ حکم بیان کیا گیا ہے، رہی یہ بات کہ عشر وصول کیا جائے یا نہیں؟ اس کے لیے دار الاسلام ہونا ضروری ہے، دار الاسلام ہی میں متعینہ مقدار وصول کی جاسکتی ہے، ہندوستان میں جبکہ لوگ مسلمان تو ہوئے ہیں؛ لیکن یہ علاقہ دار الاسلام نہیں بنا، لہذا وجوبی طور پر عشر وصول نہیں کیا جاسکتا۔

مفتی صاحب کے استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ اپنے شاگرد کی پوری تقریر غور سے سن رہے تھے، انہوں نے بھی آپ کی تائید فرمائی۔

حضرت مفتی صاحب نے عبارت کے ٹھیٹھ منطقی نتیجہ پر زور دینے کے بجائے سیاق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جو مطلب سمجھا یا دیگر مفتیانِ کرام نے بھی اس کی تائید کی۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس مجلس میں صاحبِ فتویٰ مفتی صاحب اپنی تائید میں کوئی بات پیش فرماتے تو مفتی صاحب برجستہ مدلل تردید فرماتے، دیگر کوئی مفتی صاحب نے ایک اشکال کیا تو ان کو بھی تسلی بخش جواب دیا، گویا اس مجلس میں آپ کا تفقہ روئیں روئیں سے ٹپک رہا تھا اور فقہی بصیرت موجزن تھی۔

دیکھنے والوں کا بیان ہے: بالآخر صاحبِ فتویٰ مفتی صاحب کو بدلالتِ حال اور دیگر مفتیانِ کرام کو بدلالتِ قال اقرار کرنا پڑا کہ عشر میں احوط والاقول ہی اختیار کیا جائے۔

مجلس کے اخیر میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا:

''میں یہ نہیں کہتا کہ ہماری زمینوں میں کچھ واجب نہیں ہے؛ بلکہ واجب ضرور ہے اور وہ چیز واجب ہے جو مکی دور میں مسلمانوں پر واجب تھی؛ اس لیے کہ زکوٰۃ کی فرضیت مکی دور میں ہوئی ہے، وہاں بھی مسلمان کچھ نہ کچھ بلا تفصیل کے ادا کرتے ہوں گے، مدینہ چونکہ دار الاسلام تھا؛ اس لیے تفصیلات آئیں اور ان تفصیلات کے مطابق عشر وخراج وصول کیا جانے لگا، ہمارے اوپر وہی واجب ہے جو مکی دور میں واجب تھا یعنی اپنی زمین کی پیداوار میں سے کچھ نہ کچھ نکالنا چاہیے، میری رائے بہت پہلے سے یہ ہے کہ ہندوستان کی تمام زمین میں عشر یا نصف عشر دیانتاً واجب ہے یعنی فیما بینہ وبین اللہ، نہ دینے پر عند اللہ گرفت ہوسکتی ہے''۔

دار العلوم چھاپی میں منعقدہ مجلس کی تفصیلِ بالا میرے رفیقِ درس، حضرت مفتی صاحب کے تلمیذ مولانا محمد فاروق قاضی صاحب زید مجدہم (استاذِ حدیث دار العلوم چھاپی)

نے تحریر کی تھی جو خود اس مجلس میں شریک تھے، انہوں نے خط کے اخیر میں لکھا:

''میں اپنے ساتھیوں کے سامنے حضرت الاستاذ کا تقوی، استعداد وصلاحیت اکثر وبیشتر بیان کرتا رہتا تھا؛ لیکن ظاہر ہے پھل جب تک چکھا نہ جاوے ذائقہ کا لطف ومزہ نہیں آسکتا، میرے یہاں کے ساتھیوں نے ڈیڑھ دن میں حضرت والا کا تقوی اور آپ کی استعداد وصلاحیت اور علم میں رسوخ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا''۔

فتاویٰ رحیمیہ کی تنقیح

مفتی صاحب نے جن اکابر کے زیرِ سایہ تربیت پائی تھی ان میں سرِ فہرست آپ کے محبوب شیخ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ہیں، مفتیٔ گجرات حضرت سید مفتی عبد الرحیم لاجپوریؒ کو بھی آپ کے فتاوی پر بڑا اعتماد تھا، زندگی کے اخیری دورِ نقاہت اور ضعفِ بینائی کے زمانہ میں جب بھی کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو راندیر سے آدمی بھیجتے یا بذریعۂ رقعہ مفتی صاحب کو یاد فرماتے، بعد مشورہ پیش آمدہ مسئلہ میں آپ کی رائے معلوم فرماتے۔ فتاوی رحیمیہ کی اخیری جلدوں کے فتاوی آپ کی نظر سے گزارنے کے بعد ہی شائع کئے گئے، ان جلدوں میں بعض فتاوی کا گجراتی سے اردو ترجمہ کرنے کی سعادت مفتی صاحب کی وساطت سے راقم الحروف کے حصہ میں آئی، مترجَم تمام فتاوی مفتی صاحب کی تنقیح وترمیم کے بعد شامل کئے گئے۔

چناں چہ حضرت مفتی سید عبد الرحیم لاجپوریؒ رقم طراز ہیں:

میرے عزیز مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم (مفتی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) کا بہت ہی ممنون ومشکور ہوں، اس جلد کی تیاری میں ان کا بڑا حصہ ہے، مولوی

رشید احمد ابن جناب اسماعیل (عرف بھائی میاں) لاجپوری دام مجدہ وحبہ (متعلم دارالافتا جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) جو فتاوی رحیمیہ کے بڑے قدرداں ہیں، درمیانِ مطالعہ انہوں نے احساس کیا کہ فتاوی رحیمیہ گجراتی میں ایسے بہت سے فتاوی ہیں جو اردو میں شائع نہیں ہوئے ہیں، ایسے فتاوی کی انہوں نے فہرست مرتب کی، ان فتاوی کے اردو میں ترجمہ کی خدمت مفتی عبدالقیوم صاحب دام مجدہ رفیق دارالافتا جامعہ اسلامیہ ڈابھیل نے مفتی احمد خانپوری صاحب کی زیرِ نگرانی انجام دی وہ فتاوی شاملِ اشاعت ہیں، مفتی احمد صاحب نے تمام فتاوی کا ترجمہ، اسی طرح پوری جلد کا مسودہ بنظرِ غائر ملاحظہ فرمایا۔

(تشکر وامتنان فتاوی رحیمیہ ۸/ ۱۸)

یہی بات جلد نہم کے ''تشکر وامتنان'' میں حضرت لاجپوریؒ نے پھر دوہرائی ہے۔ (ملاحظہ کیجئے فتاوی رحیمیہ ۹/ ۱۶)

حضرت لاجپوریؒ کے کلمات عالیہ

فتاوی رحیمیہ کی اخیری جلد میں حضرت لاجپوریؒ نے مفتی صاحب کی توثیق وتعریف ان الفاظ میں بیان فرمائی:

عزیزم مفتی احمد خانپوری دام مجدہ ماشاء اللہ نوجوان صالح اور جید عالم وفاضل ہیں، احقر کی انہوں نے بہت خدمت کی ہے، ان کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے، ماشاء اللہ اس وقت عظیم دینی درس گاہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بخاری شریف جلد ثانی کا کامیاب درس دے رہے ہیں، اور صدر مفتی بھی ہیں، فقیہ العصر حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے معتمد خاص اور خلیفہ بھی ہیں۔ احقر سے زمانۂ طالبِ علمی سے تعلق رہا ہے،

روزانہ میرے پاس تشریف لاتے تھے، آج ماشاء اللہ ٹھوس دینی خدمت کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مقبولیت عطا فرمائی ہے، بہت مصروف رہتے ہیں، مگر بڑے ذوق وشوق سے اس جلد کا مسودہ بنظرِ غائر ملاحظہ فرمایا، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔ آمین (تشکر وامتنان فتاوی رحیمیہ ۱۰/۱۹)

آپ کے فتاویٰ کی تائید وتوثیق

مفتی صاحب فطرتاً ذہین تھے، اس پر حضرت فقیہ الامت اور حضرت لاجپوریؒ اعلی اللہ مقامھما جیسے نادرِ روزگار اور فقید المثال فقہا اور صاحبِ فتوی استاذوں وبزرگوں کی صحبت وتربیت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا، اس وجہ سے دیگر علومِ متداولہ پر عبور اور تبحر رکھنے کے ساتھ ساتھ آپ کے اصل جواہر وکمالات فقہ وفتاوی کے دورِ صدارت میں کھلے، مفتی صاحب کے بعض فتاوی پر ان حضرات کے تائیدی دستخط اس کا واضح ثبوت ہے:

حضرت فقیہ الامتؒ کی تائید وتحسین

① جناب شبیر ٹیلر صاحب (ڈیوز بری برطانیہ) نے وہاں کے مشہور ومتنازع فیہ مسئلہ: رمضان وعیدین میں رؤیتِ ہلال کے موضوع پر ایک استفتا بھیجا تھا، مفتی صاحب نے اس کا مدلل ومفصل جواب تحریر فرمایا، جب یہ جواب فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی نظر سے گذرا تو اس پر حضرت نے ان الفاظ میں دادِ تحسین دی اور اظہارِ مسرت فرمایا:

''آپ کا فتوی ماشاء اللہ بہت جامع اور مفید معلومات پر مشتمل ہے، اور آپ کا

طرزِ استدلال نہایت پختہ ہے، کیا اچھا ہو کہ یہ چھپ جائے، دوسروں کو بھی زیادہ سے زیادہ نفع پہنچے''۔ (مکتوباتِ فقیہ الامت ۴/ ۳۱۳)

یہ فتوی اس مجموعہ میں شامل ہے، ملاحظہ کیجئے: کتاب الصوم

حضرت لاجپوریؒ کی تصدیق

(۲) ۱۴۱۶ھ میں دورِ حاضر کے کھیلوں میں معروف کھیل (کرکٹ، فٹ بال، ٹینس) کے بارے میں آپ نے مفصل ومدلل فتوی تحریر فرمایا تھا، جو اس وقت ماہنامہ ''النور'' جون ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا تھا، جو اس مجموعہ میں شامل ہے، اس کو حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ نے بہت پسند فرمایا اور ان الفاظ میں تصدیق فرمائی:

الجواب صحیح: ماشاءاللہ بہت عمدہ اور قابلِ عمل جواب ہے، اس کی خوب اشاعت کی جائے، احقر کا بھی اس کے متعلق ایک جواب فتاوی رحیمیہ جلد ہفتم ۲۷۵ تا ۲۸۰ پر موجود ہے، مناسب معلوم ہو تو اسے بھی شامل فرمالیں۔ واللہ أعلم بالصواب۔

احقر الانام سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ ۲۳/ ذی قعدہ ۱۴۱۷ھ

دارالعلوم دیوبند میں تقرر کی کوشش

(۳) فخرِ گجرات حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم سے مفتی صاحب کو خصوصی تعلق ہے، زمانۂ طالبِ علمی سے مفتی صاحب کو بے پایاں شفقتیں ملیں، ایک مرتبہ فرمایا کہ ''میرے دو استاذ حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری اور حضرت مولانا آدم صاحب طالع پوریؒ مجھے بہت چاہتے تھے''۔

اول الذکر نے آپ کی خداداد صلاحیت کی بنا پر دارالعلوم دیوبند کی تدریس کے لیے

بھی کوشش کی، اور اس سلسلہ میں وہاں کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمن صاحب مدظلہ کو بھی آمادہ کیا؛ مگر مفتی صاحب کو ان کے شیخ واستاذ نے جامعہ بھیجا تھا، اس لیے ڈابھیل کو دارالعلوم پر ترجیح دی اور یہیں جمے رہنا پسند فرمایا۔

آپ کی فقہی بصیرت کی شہرت

حضرت پالن پوری مدظلہ جامعہ ڈابھیل کی شوریٰ کے رکنِ رکین ہیں، اسی سلسلہ میں ۲۲/ ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ کو جامعہ میں تشریف آوری ہوئی، موقع کی مناسبت سے بعد نمازِ ظہر جامعہ کے کتب خانہ میں اساتذہ کے لیے خصوصی مجلس منعقد کی گئی، جس میں حضرت مولانا نے اساتذۂ جامعہ کو قیمتی نصائح فرمائیں، جس میں شدہ شدہ بات یہاں تک پہنچی کہ اساتذہ کو کسی ایک فن میں مہارت وبصیرت پیدا کرنا ضروری ہے مثلاً ''نور الایضاح'' پڑھانے والا اس فن سے متعلق تمام کتابیں دیکھ لیں (جیسے مالابد منہ، قدوری، کنز الدقائق، شرحِ وقایہ، ہدایہ) تو فنِ فقہ سے مناسبت پیدا ہوگی، طلبا کو فن پڑھانا چاہیے، کتاب نہیں، سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے حضرت مفتی صاحب - جو قریب ہی دوزانوں باادب تشریف فرما تھے- کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا'' جیسے مولوی احمد کی فقہی بصیرت ہمارے یوپی میں مشہور ہے''۔

④ امریکہ کی معروف ایم وے نامی کمپنی میں شرکت کے جواز وعدمِ جواز کے بارے میں سوالات اٹھے، اربابِ افتا کی طرف سے دونوں طرح کے رجحان سامنے آئے، کوئی جائز کہتا تھا تو کوئی ناجائز۔

ان دِنوں کی بات ہے کہ یوپی کے مشہور عالم، فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ

کے خصوصی فیض یافتہ، جامعہ اسلامیہ ریوڑی تالاب وارانسی کے شیخ الحدیث صاحب کا مفتی صاحب پر فون آیا کہ ”ہمارے یہاں تو آپ کے فتوی کا انتظار ہے، آپ کا جو فتوی ہوگا اسی پر یوپی میں عمل ہوگا“۔

یہ چار مثالیں تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی فقہی بصیرت اور اصابتِ رائے صرف گجرات میں نہیں؛ بلکہ اس کی صدائے بازگشت یوپی میں بھی سنی گئی۔

آپ کی اصابت رائے پر حضرت لاجپوریؒ کا اعتماد

حضرت لاجپوریؒ زندگی کے اخیری سالوں میں متعدد امراض کی وجہ سے بہت ہی ضعیف ہوچکے تھے، آنکھوں میں بصارت ختم ہوچکی تھی، بالکل صاحبِ فراش تھے، حالت بالکل نازک ہوگئی، اٹھنا بیٹھنا مشکل ہوگیا تو خدام نے تیمم کرکے نماز پڑھنے کو کہا مگر تیار نہ ہوئے اور فرمایا: کسی طرح وضو کرا کر ہی نماز پڑھاؤ۔

ایک روز مفتی صاحب کی تشریف آوری ہوئی، خدام نے مفتی صاحب کے ذریعہ کہلوایا کہ آپ تیمم کرکے نماز پڑھنے کو کہئے؛ چنانچہ مفتی صاحب نے کہا تو بات قبول کرلی اور تیمم کرکے نماز پڑھنا شروع فرمادیا، دوسرے روز پھر مفتی صاحب حاضر ہوئے تو فرمایا: کل سے آپ کے کہنے سے تیمم کرکے نماز پڑھتا ہوں۔ اس کے چند روز بعد حضرتؒ کا وصال ہوگیا۔

جیسے حضرت نانوتویؒ بیماری میں تکلیف اٹھا کر وضو کرتے تھے اس پر ایک روز مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے فرمایا کہ: ”ایسی حالت میں رخصت پر عمل کرنے میں احتیاط برتنا میرے نزدیک اچھا نہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بہادری جتانے کے مرادف ہے اس وقت آپ کو تیمم کرنے ہی میں ثواب زیادہ ملے گا“۔ اس کے بعد

حضرت نانوتویؒ نے ان کے فرمانے کو قبول کرتے ہوئے تیمم کرنا شروع فرمادیا۔

مذکورہ واقعہ سے یہ بتلانا ہے کہ حضرت لاجپوریؒ کو مفتی صاحب کی فقہی بصیرت پر مکمل اعتماد تھا، جیسے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے نزدیک حضرت فقیہ الامتؒ کی فقہی بصیرت مسلّم تھی، حضرت شیخ کو ذاتی طور پر کسی مسئلہ میں تحقیق کی ضرورت پیش آتی تو حضرت فقیہ الامتؒ کی طرف رجوع فرماتے تھے۔

اپنے فتویٰ پر خود عمل

مفتی صاحب کے مزاج و مذاق کا ایک حصہ فتوی پر عملی زندگی سے ہے، یہ حصہ نازک ہے کسی مسئلہ کا حکم لکھنا اور فتوی تیار کرنا آسان کام ہے، لیکن اس فتوی پر پابندی سے خود عمل کرنا مشکل ہے، ہمارے اکابر کے بارے میں پڑھا اور سنا کہ وہ حضرات اپنے نفس کے معاملہ میں متشدد تھے کہ کسی خلافِ اَولیٰ فعل کو اپنے لیے گوارا نہ کرتے تھے، مگر عام لوگوں کے لیے بڑے نرم تھے ہم نے مفتی صاحب کو بھی ایسا ہی پایا۔

دو مثالیں

① جھینگا کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ اکابر علما میں یہ مسئلہ مختلف فیہ رہا ہے، دونوں طرف سے رسائل و فتاوی منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔

اس مسئلہ میں مفتی صاحب کا رجحان حضرت فقیہ الامتؒ کے رجحان کی طرح عدمِ جواز کا ہے، اور یہی حکم فتاوی میں تحریر فرماتے ہیں، اسی کے مطابق آپ کبھی بھی جھینگا نہیں کھاتے، اگر کوئی کھاتا ہے تو اس پر نکیر بھی نہیں فرماتے، اس لیے کہ بعض علما اس کے جواز کے قائل ہیں؛ گویا اس مسئلہ میں آپ کا عمل اپنے شیخ کے عمل کے مطابق ہے وہ یہ ہے

کہ ایک موقع پر کھاتے وقت دسترخوان پر ایک سالن جھینگا بھی تھا، کسی نے حضرت فقیہ الامتؒ سے پوچھ لیا کہ حضرت! آپ یہ نہیں کھاتے؟ تو حضرت نے نہایت ہی جامع ارشاد فرمایا: ''نہ ایں کارمی کنم نہ انکارمی کنم''، یعنی میں نہیں کھاتا اور کھانے والے کو روکتا بھی نہیں ہوں۔

حضرت فقیہ الامتؒ کے اس جامع جواب کی تائید حضرت نبیٔ کریم ﷺ کے پاک ارشاد سے ہوتی ہے جو آپ نے گوہ تناول نہ فرمانے کے موقع پر فرمایا تھا: عن عبد الله بن عمر أنه قال نادىٰ رجل رسول الله كيف ترىٰ في أكل الضب؟ قال: لست بآكله ولا محرمه (الموطأ لمحمد باب أكل الضب،ص:۲۸۵)

② امریکہ اور اس کے اسلام دشمن حلیفوں نے عالمِ اسلام کو جارحیت اور بربریت کا نشانہ بنا رکھا ہے، اس سلسلہ میں ۱۴۲۲ھ میں جمعیۃ علمائے ہند کی طرف سے ایک استفتا کا جواب دارالعلوم دیوبند سے صادر ہوا، جس میں اسلام دشمن طاقتوں کی مصنوعات کا بائیکاٹ لازم قرار دیا، کیوں کہ یہ ظلم وعدوان میں تعاون ہے جو شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے۔

یہ فتویٰ پورے ہندوستان میں مستند مفتیانِ کرام کی خدمت میں تصدیق کے لیے بھیجا گیا، ان تصدیق کنندگان میں حضرت مفتی صاحب بھی ہیں۔

امریکی مصنوعات میں مشہور مشروب پیپسی (PEPSI) اور سیون اپ (7UP) ہے، دستخط کے وقت سے لے کر آج تک کبھی بھی اس مشروب کو نہیں پیا، کسی دعوت میں کوئی پیش کرتا ہے تو صاف انکار فرماتے ہیں ''کہ میں یہ نہیں پیتا'' مگر اسی دسترخوان پر دوسرے شوق سے پیتے ہیں ان کو روکتے بھی نہیں، یہ عمل فتویٰ پر دستخط کے پیشِ نظر دیانۃً ہے۔

ایک مرتبہ کسی نے سیون اپ پیش کی، بھولے سے ایک گھونٹ پی کر پوچھا یہ کونسا

مشروب ہے؟ بتلایا گیا سیون اپ، تو فرمایا ''آپ نے ہم کو گناہ میں مبتلا کر دیا، بھائی ہم نے فتوی پر دستخط کر رکھی ہے، اب تو گھر جا کر دو رکعت صلوٰۃ توبہ پڑھنی پڑے گی''۔

فتوے سے رجوع

جدید مسائل کا حل کتبِ فقہیہ میں صراحتاً نہیں پایا جاتا، بلکہ مفتی کتب فقہ سے اخذ واستنباط سے کام لے کر حل پیش کرتا ہے، اس لیے اس میں غلطی کا احتمال بہ نسبت دیگر جوابات کے زیادہ پایا جاتا ہے، علمائے کبار کو بھی ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے؛ لیکن جب بھی ان کے سامنے اپنی غلطی واضح ہوگئی تو انہوں نے اپنی رائے سے رجوع فرمالیا۔

حضرت تھانوی قدس سرہ کے یہاں تو ماہنامہ ''النور'' میں ترجیح الراجح کا ایک مستقل عنوان تھا، اس میں حضرت مرجوع عنہ مسائل کا اعلان فرماتے۔ اسی طرح دور حاضر میں حضرت مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم بھی اپنے فتاویٰ سے بعض مرتبہ رجوع کا اعلان کرتے رہتے ہیں، جو رسالہ البلاغ میں مستقل عنوان کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ ہمارے حضرات کے تدین وتقوی کی دلیل ہے۔

حضرت مفتی صاحب کو ایک دو مرتبہ ایسا موقع پیش آیا ہے:

① امریکہ کی مشہور ایم وے (M.WAY) نامی کمپنی جو عرصۂ دراز سے دنیا کے مختلف ممالک میں اپنی مصنوعات فروخت کر رہی ہے، اس سلسلہ میں کسی جگہ سے استفتا آیا، اس میں کمپنی کے طریقۂ کار کی جو نوعیت لکھی تھی اس کے پیش نظر آپ نے ایم۔ وے کمپنی میں شرکت کے جواز کا فتوی تحریر فرمایا؛ لیکن بعد میں تحقیقات اور دیگر علمائے عرب وہند کے فتاوی سے ایم۔ وے کمپنی کی دھوکہ بازی اور مال کے استحصال کا پہلو سامنے آیا

توعلی الاعلان سابقہ فتوی سے رجوع فرمالیا اور ایم۔وے کمپنی میں شرکت کے عدمِ جواز کا فتوی صادر فرمایا۔

M.WAY کمپنی کے متعلق فتوی سے رجوع

عدمِ جواز کا اعلان ماہنامہ ''بیانِ مصطفیٰ'' اکل کوا کے ذریعہ کیا، رجوع کی تحریر حسبِ ذیل ہے:

گذشتہ کچھ عرصہ سے M.WAY کمپنی کے ساتھ تجارت میں شریک ہونے اس کی اسکیم میں شامل ہونے اور دوسروں کو اس میں شرکت پر آمادہ کرنے کے متعلق حکمِ شرعی معلوم کرنے کے لیے، بہت سے حضرات نے زبانی اور کچھ نے تحریری سوالات پیش کئے۔

مذکورہ کمپنی کے طریقۂ کار کی جدت اور دقت و پیچیدگی کی وجہ سے کئی دنوں تک کوئی بھی اس کا طریقۂ کار صحیح طور پر پیش نہ کرسکا، پھر ایک دن جناب انعام الحق بنارسی (رانی تالاب سورت) کمپنی کے ایجنٹ کو لے کر دارالافتا میں پہنچے، جس نے اپنے طور پر کمپنی کے طریقۂ کار کو ہمارے سامنے پیش کیا، یہ ایجنٹ بھی گجراتی زبان میں شائع شدہ کمپنی کا کوئی لٹریچر اور مواد لے کر نہیں آئے تھے۔

اس کے بعد جناب انعام الحق صاحب نے ایک سوال نامہ مرتب کر کے پیش کیا، ان کے مذکورہ سوال نامہ کے بعد بھی کمپنی کے طریقۂ کار پر غور وفکر اور باہمی مشورے ہوتے رہے، حضرت مولانا مفتی اسماعیل بھڑکودروی صاحب سے بھی اس سلسلہ میں گفتگو کی، اور پھر اس کو دلالی کا مسئلہ بتاتے ہوئے جائز قرار دیا، تاہم بہ طورِ احتیاط ابھی تک استفتا کا جواب روانہ نہیں کیا، مگر سائل کی جانب سے جواب کا مطالبہ زور پکڑتا رہا،

اور دوسری طرف دیگر علمائے کرام سے بھی اس سلسلہ میں گفتگو کی تب بھی اس کے ناجائز ہونے کی کوئی واضح دلیل سامنے نہیں آئی، چناں چہ کچھ مدت کے بعد وہ جواب روانہ کر دیا گیا، اس کے بعد مظاہر علوم سہارن پور کے دار الافتا کے ایک جواب میں جواز کا حکم دیکھنے میں آیا۔

مگر ابھی کچھ ہی دنوں پہلے حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب (دار العلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کشمیر) کی جانب سے ایک تحریر موصول ہوئی، جس میں کمپنی کے طریقۂ کار کا تجزیہ کرتے ہوئے وہاں کے مفتی حضرت مولانا مفتی نذیر احمد قاسمی صاحب کا تحریر کردہ جواب پڑھا، جس میں انہوں نے اس کمپنی کی تجارت اور طریقۂ کار میں شامل ہونے کو مدلل طور پر ناجائز قرار دیا ہے، ان کی تحریر کے آخر میں استاذ محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم کی جانب سے بھی عدمِ جواز کے فتوی کی بات کہی گئی ہے۔

ان کے اس جواب سے ہمیں بھی عدمِ جواز پر مکمل اطمینان ہو گیا ہے، اور اب ہم اگلے جواب سے رجوع کرتے ہوئے مذکورہ کمپنی کے ساتھ تجارت کرنے اور شریک ہونے کو ناجائز سمجھتے ہیں، دیانتاً اس کا اعلان ضروری ہونے کی وجہ سے یہ تحریر بہ طورِ طباعت روانہ کی جارہی ہے۔ جو حضرات مذکورہ فتوی کی نقل چاہتے ہوں وہ دار الافتا جامعہ ڈابھیل سے حاصل کر سکتے ہیں۔ (ماہنامہ بیانِ مصطفی، اکتوبر ۲۰۰۱ء)

کمال احتیاط

تحریر پڑھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جواز کا فتوی دینے سے پہلے کس قدر احتیاط و تحقیق سے کام لیا، اور جب رجحان بدل گیا اور مسئلہ کا دوسرا رخ واشگاف ہوا تو اس کی

اشاعت واعلان میں اس سے زیادہ احتیاط کیا، جواز کا فتوی شخصی طور پر دیا گیا تھا، کسی رسالہ میں نہیں چھپا تھا، جبکہ عدمِ جواز کا اعلان ''بیانِ مصطفیٰ'' کے ذریعہ کر کے ہزاروں لوگوں کو باخبر کیا گیا، اس لیے کہ مذکورہ رسالہ ہزاروں کی تعداد میں چھپتا ہے، ملک و بیرونِ ملک میں پہنچتا ہے، صرف اسی پر بس نہ کیا؛ بلکہ ایم۔وے کمپنی کی چال بازی اور امت کے اموال کو استحصال سے بچانے کی خاطر اس موضوع پر علمائے عرب کے عربی فتاوی کو اپنے شاگردوں کے ذریعہ اردو جامہ پہنا کر برِصغیر کے چنیدہ مفتیانِ کرام کے فتاوی کے ساتھ ''ملٹی لیول مارکیٹنگ کا شرعی حکم'' نام سے ایک رسالہ شائع کروایا۔

ظاہر سی بات ہے فقہی مسائل میں اس قدر احتیاط جس شخص کا مذاقِ زندگی بن چکا ہو وہ کسی مسئلہ میں خودرائی اور تفرد اختیار کرنے سے کس درجہ دور ہوگا اس کو بیان کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

پندرہویں رمضان کو چنگھاڑ سے متعلق روایت

(۲) ۱۴۲۰ھ کے رمضان میں ''فتاوی رضویہ'' کی ایک روایت کے متعلق ہر طرف سے شور اٹھا، روایت یہ ہے ''پندرہ رمضان جمعہ کے دن چاشت کے وقت آسمان سے ایک ہولناک آواز سنائی دے گی جس کے سننے سے ہزاروں انسان دم توڑ دیں گے'' اسی حدیث میں اس بلا سے نجات پانے کے لیے سات تدبیریں بتلائی گئی ہیں، اتفاق سے ۱۴۲۰ھ میں رمضان کی پندرھویں تاریخ جمعہ کے روز پڑ رہی تھی، لوگ خوف زدہ تھے، مفتی صاحب سے اس سلسلہ میں سوال کیا گیا، آپ نے روایت کی تحقیق کروائی کہ حدیث کی کس کتاب میں ہے؟ بسیار تلاش کے بعد علامہ سیوطی کی کتاب ''اللآلئ المصنوعة'' (۲/۳۲۲) میں

مل گئی؛ چناچہ ایک پمفلٹ کی شکل میں اس کو شائع کر دیا، اس پر مفتیٔ گجرات حضرت سید مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ کے دستخط بایں الفاظ ثبت ہے: ''میں بھی اس مضمون سے متفق ہوں''۔

۱۴۲۸ھ میں اتفاق سے رمضان کی پندرھویں تاریخ اور جمعہ جمع ہو گئے تو لوگوں میں دہشت پھیل گئی، آپ نے دوسرا فتوی ۱۴۲۰ھ کے مضمون کے خلاف صادر فرمایا، اور فتوی کے اخیر میں تحریر فرمایا:

نوٹ: اس سے پہلے ۱۴۲۰ھ میں مذکورہ روایت سے متعلق ایک تحریر دی گئی تھی، اب جبکہ اس روایت (کے ضعیف وموضوع ہونے) کی پوری حقیقت سامنے آچکی ہے تو سابقہ تحریر خود بہ خود ختم ہو جاتی ہے، لہذا اگر کوئی شخص سابقہ تحریر پیش کرے تو اس کی طرف دھیان نہ دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: احمد خانپوری، ۱۱/ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

دراصل غلط فہمی اس لیے ہوئی تھی کہ علامہ سیوطیؒ نے ''اللآلیء المصنوعة'' میں اس حدیث پر موضوع ہونے کا حکم نہیں لگایا ہے، بعد میں دیگر اہلِ علم نے توجہ دلائی کہ اس حدیث کے رواۃ مجہول اور جھوٹے ہیں؛ نیز علمائے حدیث نے اس حدیث کو قابلِ رد اور بے بنیاد قرار دیا ہے، جیسا کہ مستدرک حاکم ۸۵۸۰، الموضوعات ۳/ ۱۹۰، تلخیص الموضوعات ۸۷۴، الضعفاء الکبیر ۳/ ۵۲، کشف الخفاء ۳/ ۴۲۳، نقد المنقول ۱/ ۱۰، میں اس کی تصریح موجود ہے۔

مولانا طلحہ بلال منیار صاحب نے مذکورہ حوالجات ایک تحریر میں شائع کئے ہیں، جب حدیث کی حقیقت ظاہر ہو چکی تو مفتی صاحب نے بلا تردد سابق تحریر سے رجوع فرمالیا۔

تفرد سے نفرت اور بڑوں سے استصواب

مفتی صاحب کو کسی مسئلہ میں ''تفرد'' اختیار کرنے سے نفرت ہے، اہم مسائل میں اپنے بڑوں کی طرف رجوع فرماتے رہے ہیں۔ جب تک حضرت فقیہ الامت بقیدِ حیات تھے ان کی تشریف آوری پر اہم استفتاء ان سے استصواب کئے بغیر تحریر نہ کرتے، ان دنوں اگر دیوبند جانے کا اتفاق ہوتا تو اہم استفتاء اپنے ساتھ لے جاتے، وہاں جاکر اس مسئلہ میں حضرت کا عندیہ معلوم کرتے، حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ کی خدمت میں حاضری کے وقت بھی اسی طرح کا معمول رہا۔

۱۴۱۹ھ میں ''اکابرینِ گجرات'' نامی گجراتی کتاب کی تکمیل پر اس کے مؤلف مولانا حکیم عبدالحی کفلیتویؒ کو مبارک بادی پیش کرنے کے لیے ''ویسما'' میں ایک اہم اجلاس منعقد کیا گیا، جس میں مہمانِ خصوصی کے طور پر فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ (متوفی ۲۰۰۲ء) کو مدعو کیا گیا تھا، اس وقت تین روز تک قاضی صاحب کا قیام جامعہ میں رہا، دیکھا گیا کہ مفتی صاحب بعض مسائل میں ان کے ساتھ تبادلۂ خیال فرمارہے ہیں۔

جامعہ ڈابھیل میں فقہ وفتاوی سے تعلق رکھنے والے اہلِ علم تشریف لاتے تو ان کو دارالافتا ضرور لاتے، ہم خدام بھی حاضر ہوتے، ایسے مواقع میں دیکھا گیا کہ کوئی نہ کوئی مسئلہ زیرِ بحث ہوتا، آنے والے عالم کی بات پوری سنجیدگی اور اہمیت کے ساتھ بہ غور سنتے۔

چند سال پہلے قریب کی ایک بستی سے سوال آیا جس کا خلاصہ یہ تھا: مسجد کی وقف زمینیں خطرہ میں ہیں، غیر مسلم کے قابض ہونے کا امکان ہے، کیا ان حالات میں اوقاف کی

زمینیں بیچ کر اس کی قیمت سے بیرونی ممالک میں کوئی بلڈنگ خریدی جاسکتی ہے؟ اس بلڈنگ کا کرایہ مسجد ہی کے کاموں میں صرف کیا جائے گا۔

مفتی صاحب نے از خود استفتا کا جواب تحریر نہیں فرمایا بلکہ ان کو مشورہ دیا کہ گجرات کے مؤقر مفتیانِ کرام کو اپنی بستی میں مدعو کریں وہ حضرات جو فیصلہ کریں اس پر عمل کریں۔

ایک مرتبہ استفتا کا حکمِ شرعی تحریر کرنے میں وصیت کے ایک مسئلہ میں ''مفید الوارثین'' کے ایک مسئلہ پر اشکال پیدا ہوا۔ یہ واقعہ ۱۴۲۵ھ کا ہے حضرت فقیہ الامت کا ۱۴۱۷ھ اور حضرت لاجپوریؒ کا ۱۴۲۲ھ میں وصال ہو چکا تھا، تو اپنے محبوب استاذ حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم کی خدمت میں مدلل طور پر اشکال تحریر فرما کر بھیجا اور دفعِ اشکال کی درخواست کی۔ افادہ کی غرض سے اشکال اور اس کا جواب پیش کیا جاتا ہے:

وصیت کا ایک مسئلہ

گرامی نامہ حضرت مفتی صاحب: بنام حضرت اقدس مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہما

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

مخدومِ محترم و معظم حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں یہاں پر بہ خیر و عافیت رہتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں آپ کی خیر و عافیت کے لیے دعا گو ہوں، یہاں دار الافتا میں پیش شدہ ایک معاملہ کی شرعی تحقیق کے دوران حضرت اقدس مولانا سید اصغر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ کی تصنیف مفید الوارثین کے

ایک مسئلہ پر اشکال پیدا ہو گیا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت میاں صاحبؒ سے تسامح ہوا ہے، مفید الوارثین میں حسبِ ذیل مسئلہ ہے: ''جس کے لیے وصیت کرتا ہے وہ بوقتِ وصیت زندہ ہو، میت کی وفات کے بعد اس کا زندہ ہونا شرط نہیں۔ پس اگر کسی مردہ شخص کے لیے وصیت کی تو معتبر نہ ہوگی، اور اگر زندہ شخص کے لیے وصیت کی لیکن وہ وصیت کرنے والے کے سامنے ہی مر گیا تو یہ وصیت جائز ہوگی، اور جس کے لیے وصیت کی تھی اس کی جگہ اس کے وارث اس وصیت کے مستحق ہو جائیں گے۔ (مفید الوارثین ۷۷)

آگے صفحہ ۷۸ پر تحریر فرماتے ہیں: ''چھٹی شرط یہ ہے کہ جس شخص کے لیے وصیت کی ہے وہ میت کا وارث نہ ہو، اگر وارث کے لیے وصیت ہوگی تو باطل اور غیر معتبر ہوگی؛ البتہ اگر باقی وارث اس کو جائز رکھیں اور منظور کر لیں تو معتبر ہو جائے گی۔

شرح: یہ جو بیان ہوا کہ وارث کے لیے وصیت جائز نہیں یہاں وہ وارث مراد ہے جو بوقتِ وفات میت شرعاً وارث ہو اور اس کے مال سے حصہ پاوے، پس اگر کوئی شخص بوقتِ وصیت تو وارث تھا مگر مورث کی وفات کے وقت وارث نہیں رہا تو اس کے لیے جو وصیت ہوئی ہے وہ جائز ہوگی۔

مثالِ اول: جب زید نے بھائی کے لیے وصیت کی تو چار وارث موجود تھے ایک والدہ، ایک زوجہ، ایک ہمشیرہ، ایک بھائی، سب سمجھتے تھے کہ یہ وصیت باطل ہوگی؛ مگر زید کے انتقال کے دو روز پہلے اس کے ایک بیٹا پیدا ہو گیا، اب یہ بھائی صاحب حصہ دار وارث تو نہ رہے (کیوں کہ بیٹے کی موجودگی میں میت کا بھائی محروم رہتا ہے) مگر زید نے جو ان کے لیے وصیت کی تھی وہ صحیح و معتبر ہوگی، کیوں کہ بوقتِ وفاتِ زید وہ وارث نہیں تھے۔

مثالِ دوم: زید نے اپنے بھائی کے لیے وصیت کی، بظاہر سب اس کو ناجائز سمجھ رہے تھے

مگر اتفاق سے زید کی حیات ہی میں اس کے بھائی کا انتقال ہو گیا تو یہ وصیت جائز اور معتبر سمجھی جائے گی، اور اس وصیت میں جس قدر مال وغیرہ زید نے اپنے بھائی کے لیے مقرر کیا تھا وہ زید کے بھائی کی اولاد وغیرہ کو مل جائے گا، اگر بھائی نہ مرتا تو یہ وصیت باطل رہتی؛ البتہ میراث سے حصہ ملتا، اب جبکہ بھائی مر گیا تو وہ وارث ہی نہ رہا؛ اس لیے وصیت اس کے لیے جائز ہوگی اور اس کے پس ماندوں کو دی جائے گی''۔ (مفید الوارثین ۷۸، ۷۹)

وصیت کے سلسلہ میں کتبِ فقہ میں جو تفصیلات ہیں ان سے جو چیز میری سمجھ میں آئی وہ پیش کرتا ہوں:

① وصیت کا رکن ایجاب وقبول ہے، موصی کی طرف سے ایجاب اور موصی لہ کی طرف سے قبول ہونا ضروری ہے، جب تک کہ دونوں نہیں پائے جائیں گے رکن مکمل نہیں ہوگا۔

بدائع الصنائع میں ہے: وأما ركن الوصية: فقد اختلف فيه، قال أصحابنا الثلاثة رحمهم الله هو الإيجاب والقبول، الإيجاب من الموصى والقبول من الموصى له، فما لم يوجدا لا يتم الركن، وإن شئت قلت: ركن الوصية الإيجاب من الموصى وعدم الرد من الموصى له، وهو أن يقع اليأس عن رده، وهذا أسهل لتخريج المسائل على ما نذكر، وقال زفر رحمہ اللہ الخ. (۷/ ۳۳۱)

② موصی لہ کا قبول جو وصیت کا ایک رکن ہے وہ موصی کی موت کے بعد ہونا چاہیے، موصی کی زندگی میں موصی لہ کی طرف سے وصیت کو قبول یا رد کرنا معتبر نہیں، اگر اس نے موصی کی زندگی میں رد کر دیا لیکن موصی کی وفات کے بعد قبول کیا تو وہ معتبر ہے، اور اگر موصی کی زندگی میں قبول کر لیا اور موصی کی وفات کے بعد رد کر دیا تو وہ رد ہی سمجھا جائے گا۔

''مجمع الأنهر'' میں ہے: (ولا بد في الوصية من القبول) (ويعتبر)

القبول (بعد موت الموصى)لأن أوان ثبوت حكمها بعد موت الموصى (ولا اعتبار بالرد والقبول فى حياته)اى حيات الموصى كما إذا قال لإمرأته أنتِ طالق غداً على درهم، فإن ردها وقبولها باطل قبل الغد (وبه) اى بالقبول (تملك) الوصية ولا تملك قبله؛ لأن الوصية إثبات ملك جديد ولا يملك أحد إثبات الملك لغيره بلا إختيار (مجمع الأنهر ٢/ ٦٩٤،٦٩٣)

"درر المنتقى على هامش المجمع الانهر" میں ہے: (و)اعلم أنه لا بد فى الوصية من القبول صريحاً أو دلالةً بأن يموت الموصى له بعد موت الموصى كما فى الخلاصه، وقال زفر: الركن الإيجاب،وفى القهستانى وغيره القبول شرط للملك لا لصحة الوصية، ولا يشترط للملك القبض قبل القبول عملاً بشبهى الهبة والارث (ويعتبر)القبول (بعد موت الموصى)لا قبله (و)حينئذ (لا اعتبار بالرد والقبول فى حياته)لأن أوان ثبوت حكمها بعد الموت (وبه) أى بالقبول المذكور (تملك) لما مر (إلا أن يموت الموصى له بعد موت الموصى قبل القبول) والرد فهو من قبيل الإكتفاء (فإنه يملكها) بلا قبول (وتصير لورثته) استحساناً.(درر المنتقى على هامش المجمع الانهر٢/ ٦٩٣)

فتاوی ہندیہ میں ہے:قبول الوصية إنما يكون بعد الموت فان قبلها فى حال حياة الموصى أو ردها فذلك باطل، وله القبول برد الموت كذا فى السراجية . (هنديه٦ /٩٠)

تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے: ويعتبر قبولها أى قبول الوصية وردها بعد الموت لأن الوصية تمليك مضاف الى ما بعد الموت فيعتبر قبولها بعده، شرح المجمع لابن ملك . (تنقيح الفتاوى الحامديه٢ /٣١٣)

③ موصی لہ کا قبول جو رکن وصیت ہے کبھی صراحۃً ہوتا ہے اور کبھی حکماً و دلالۃً؛

چناں چہ اگر موصی کی موت کے وقت موصی لہ موجود تھا اس کے بعد صراحتاً قبول یا رد کرنے سے پہلے اس کا انتقال ہو گیا تو اس صورت میں یہ اس کی طرف سے دلالۃً قبول شمار ہوگا اور مال موصی بہ اس موصی لہ کے ورثا کو بطورِ وراثت دیا جائے گا۔

چناں چہ فتاوی ہندیہ میں ہے: ویشترط فی الوصیة القبول صریحاً بأن یموت الموصی له قبل الرد والقبول فیکون موته قبولاً فترثها ورثته، کذا فی الوجیز الکردری (هندیه ٦ /٩٠)

مجمع الانہر میں ہے: (إلا أن یموت الموصی له بعد موت الموصی قبل القبول فإنه) أی الموصی له (یملکها) أی الوصیة (وتصیر لورثته) أی ورثة الموصی له ولا حاجة إلی القبول وهذا استحسان . (مجمع الانهر ٢/ ٦٩٣،٦٩٤)

درر المنتقی میں ہے: (إلا أن یموت الموصی له بعد موت الموصی قبل القبول) والرد فهو من قبیل الإکتفاء (فإنه یملکها) بلا قبول (وتصیر لورثته) استحساناً . (درر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر ٢ /٦٩٣)

درِ مختار میں ہے: (وإنما یصح قبولها بعد موته) لأن أوان ثبوت حکمها بعد الموت (فبطل قبولها وردها قبله) وإنما تملك بالقبول (إلا إذا مات موصیه ثم هو بلا قبول فهو) أی المال الموصی به (لورثته) بلا قبول استحساناً کما مر . (درِ مختار علی هامش الشامی ٥ /٤٦٥)

نوٹ: غالباً حضرت میاں صاحبؒ کو اسی مسئلہ سے تسامح ہوا ہے۔

④ موصی کی زندگی میں موصی لہ کے انتقال کر جانے سے وصیت باطل ہو جاتی ہے؛ چناں چہ بدائع الصنائع "بیان ماتبطل به الوصیة" میں ہے:

وتبطل بموت الموصى له قبل موت الموصى لأن العقد وقع له لا لغيره فلا يمكن إبقاؤه على غيره. (بدائع الصنائع ٧ /٣٩٤)

⑤ وصیت کی تعریف درِمختار میں کی گئی ہے: (هى تمليك مضاف الى ما بعد الموت) عيناً كان أو ديناً، قلت: يعنى بطريق التبرع . (درِ مختار على هامش الشامى ٥ /٤٥٨)

تبیین الحقائق میں ہے: وفى الشرع ما ذكره فى المختصر فقال الوصية تمليك مضاف إلى مابعد الموت يعنى بطريق التبرع سواءٌ كان عيناً أو منفعةً . (٦ /١٨٢)

جب یہ تملیک مضاف الی مابعد الموت ہے تو موصی کی موت کے وقت موصی لہ اگر زندہ ہے تب ہی اس میں تملیک یعنی مالک بننے کی اہلیت ہے اور اگر موصی لہ کا انتقال موصی سے پہلے ہو چکا ہے تو اس میں مالک بننے کی صلاحیت اور اہلیت ہی نہیں رہی پھر یہ وصیت کیسے درست قرار دی جائے۔

عالمگیری میں ہے: وشرطها كون الموصى اهلاً للتمليك والموصى له اهلاً للتملك والموصى به بعد الموصى مالاً قابلا للتمليك، وحكمها: أن يملكه الموصى له ملكاً جديداً كما يملك بالهبة كذا فى الكفاية . (هنديه٦ /٩٠)

حضرت والا سے درخواست ہے کہ ان معروضات پر غور فرما کر جواب عنایت فرمائیں، اور اگر مفید الوارثین کے مسئلہ میں واقعتاً تسامح ہوا ہے تو اس کو واضح فرما کر ممنون فرمائیں۔ فقط والسلام۔

أملاه: العبد احمد خانپوری، ٢ /محرم الحرام ١٤٢٥ھ

حضرت پالن پوری مدظلہ کا جواب

الجواب: دونوں جگہ حضرت میاں صاحب قدس سرہ سے تسامح ہوا ہے۔ ہدایہ میں صاف ہے: ولو مات الموصی له فی حیاة الموصی بطلت (٤/٦٦٨)

پہلی جگہ خط کشیدہ عبارت اور دوسری جگہ مثالِ دوم صحیح نہیں، میاں صاحب قدس سرہ نے یہ مضمون درِمختار سے لکھا ہے، اور شامی سے مثالیں لی ہیں، مگر معلوم نہیں ایسا صریح تسامح کیسے ہوگیا، یہ تو طے شدہ امر ہے کہ موصی کے انتقال کے بعد موصی لہ کا وصیت کو قبول کرنا ضروری ہے، خواہ دلالۃً ہو، پس اگر وہ موصی کی حیات میں وفات پا گیا تو رکن یا شرط کہاں پائی گئی؟ واللہ اعلم۔

حررہ: سعید احمد عفا اللہ عنہ، ۱۰/محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

ایک بکرے یا بڑے جانور کے ایک حصہ میں چند آدمی مل کر نبی کریم ﷺ یا کسی دوسری میت کی طرف سے قربانی کریں تو یہ قربانی جائز ہوگی یا نہیں؟ یہ مسئلہ قدیم زمانہ سے ہمارے اکابر کے درمیان موضوعِ بحث بنا رہا ہے، اسی سلسلہ میں ایک فتوی برائے تصدیق دارالافتاء ڈابھیل پہنچا، مشورہ کے بعد اس کا جائزہ لینے کے لیے رفیق دارالافتا مولانا مفتی محمد حفظ الرحمن صاحب سملکی سلمہ کو سپرد کیا گیا، موصوف نے بڑی تفصیل وتحقیق سے اس پر سیر حاصل کلام کیا جو تقریباً دوسو، ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہے، مسئلہ مکمل ہونے کے بعد ملک کے بعض معروف اور مستند اہلِ فتوی کی خدمت میں برائے ملاحظہ پیش کرنے کا حکم دیا؛ تاکہ مسئلہ کا ہر پہلو مدلل طریقہ سے اہلِ علم کی نگاہوں کے سامنے آجائے۔

سالِ گذشتہ مولانا ایوب بھٹکلی صاحب نے عورتوں کی نماز کے سلسلہ میں تفرد پر مشتمل ایک تحریر بھیجی، جس میں کتبِ فقہ میں لکھے ہوئے طریقۂ نماز اور بہشتی زیور کو

نا قابلِ اعتبار قرار دینے کی کوشش کی گئی تھی، راقم الحروف نے فقہ حنفی کی روشنی میں اس کا مفصل و تحقیقی جواب تیار کیا، بعض اہلِ علم نے اس فتوی کو شائع کرنے کی طرف توجہ دلائی، مگر مفتی صاحب نے فرمایا: شائع کرنے سے پہلے معروف و مستند مفتیانِ کرام کی خدمت میں فتوی برائے ملاحظہ و تصدیق بھیجا جائے؛ تاکہ انتشار نہ ہو، چناں چہ حضرت مفتی صاحب کے منشا کے مطابق اس پر عمل کیا گیا۔

دارالافتا میں طرز تدریس

آپ ۱۴۰۶ھ میں منصبِ افتا پر تشریف لائے، اس وقت شعبۂ افتا میں داخل ہونے والے طلبا کے لیے مدتِ تعلیم صرف ایک سال مقرر تھی، ایک ہی سال میں کتبِ درسیہ و مشقِ فتاوی سے فارغ کر دیا جاتا، اس کی ترتیب یہ تھی کہ حضرت مفتی صاحب خود ہی شرح عقود رسم المفتی، الأشباہ والنظائر، نشر العرف فی بناء بعض الأحکام علی العرف اور کبھی سراجی کا درس دیتے، درس میں معنی خیز تقریر فرماتے، مسئلہ کو مثالوں سے سمجھاتے، مسئلہ کو ذہن نشین کرانے کے لیے گجراتی طلبا کے پیشِ نظر گاہے گاہے نوکِ زبان پر گجراتی زبان کی مَثَل بھی آجاتی۔

۱۴۰۷ھ کے شعبۂ افتا کے ایک طالبِ علم مفتی رشید احمد فریدی زید مجدہ کا بیان ہے ”درجۂ افتا میں تمام نصابی کتابیں حضرت الاستاذ نے بہ ذاتِ خود پڑھائیں اور باوجودیکہ بہ حیثیت مفتی حضرت کا پہلا سال تھا یعنی ۱۴۰۷ھ، مگر آپ نے اس طرح کتابوں کو حل فرمایا کہ بقولِ مفتی عباس صاحب بسم اللہ- جو دو تین سال قبل سے معین مفتی کے طور پر کام کر رہے تھے، اور ہمارے ساتھ شریکِ درس ہوتے تھے-“ جیسے کوئی کہنہ مشق

مفتی درس دیا کرتا ہے''۔ان کتابوں میں اہتمام سے عبارت کا ترجمہ بھی کرتے تھے اور مطلب واضح فرماتے تھے''۔

کبھی اکابرِ دیوبند بالخصوص فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ، حضرت سید مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ وغیرہ کے واقعات سناتے۔''الاشباہ والنظائر'' میں ''القاعدة التاسعة إعمال الكلام أولى من إهماله'' کے ذیل میں وقف علی الاولاد کا طویل معرکۃ الآرا مسئلہ بیان کیا ہے جو کئی صفحات پر محیط ہے، درس میں جب یہ مسئلہ آتا تو باقاعدہ سراجی کے مناسخہ کی طرح بطن در بطن نقشہ بنا کر بلیک بورڈ پر سمجھاتے اور اس میں کافی وقت صرف ہوتا؛ مگر مسئلہ اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے بعد ہی اطمینان کا سانس لیتے۔

طلبۂ افتا کی تربیت واصلاح

افتا کے طلبا کی تربیت اور اصلاح کی بھی فکر فرماتے، کسی صاحبِ نسبت بزرگ سے بیعت ہونے کی طرف متوجہ فرماتے، دارالافتا کے سرپرست حضرت فقیہ الامتؒ نے اس شعبہ میں داخلہ لینے والے طلبا کے لیے ''قواعد وضوابط'' منتخب فرمائے تھے اس میں ہے ''نیز ان طالبِ علموں کو صفائی باطن کے لیے ذکر واشغال بھی کرنا ہوگا'' اس لیے اس شعبہ میں داخلہ لینے والے طالبِ علم کے لیے جس بزرگ سے مناسبت ہو ان سے اصلاحی تعلق قائم کرنا ضروری ہے۔پچھلے چند سالوں سے افتا کی تکمیل کرنے والے طلبا کے لیے رمضان المبارک جامعہ میں جاری خانقاہِ محمودیہ میں گزارنا لازم کر دیا ہے، کبھی تو سند اسی اہتمام کے خاطر ۲۷/ رمضان کو دی جاتی ہے۔

امتحان وسند

جب تک حضرت فقیہ الامتؒ بقیدِ حیات رہے اس وقت تک شعبۂ افتا سے فارغ ہونے والے طلباء کا تحریری وتقریری امتحان بہ ذاتِ خود حضرت لیتے رہے، اس کے بعد ہی سند دی جاتی، اس سند پر حضرتؒ کے دستخط ثبت ہوتے، حضرت کے وصال کے بعد یہ مبارک سلسلہ ختم ہوگیا۔ بعدہ افتا کے طلبا کے سالانہ امتحان کا پرچہ گجرات کے دیگر کوئی مفتی صاحب تیار کر کے امتحان لیتے رہے، چند سالوں کے بعد یہ سلسلہ بھی ختم ہوگیا۔

اب جامعہ کے دیگر درجاتِ عربی وقرأت کی طرح افتا کے طلبا کا جامعہ ہی میں امتحان لینے دینے کا کام ہوتا ہے پھر سند دی جاتی ہے۔

کیفیت یا کمیت

مفتی صاحب بھیڑ بھاڑ اور غوغا اور طلبا کی بے شوقی وبدذوقی کو پسند نہیں فرماتے، آپ افراد سازی ومردم سازی کو پسند فرماتے ہیں، شعبۂ افتا کے طلبا کی تعلیم وتربیت کے لیے جب ایک سال ناکافی ہونے لگا، اور ہر سال شعبۂ افتا میں داخلہ کے لیے درخواستیں بڑھنے لگیں تو آپ نے حضرت فقیہ الامتؒ کی خدمت میں تحریر فرمایا:

اب تک زیادہ سے زیادہ پانچ طلباء کا داخلہ مشقِ افتا کے لیے کرتے رہے، لیکن درخواستیں زیادہ آتی ہیں اس لیے اب تعداد دگنی کرنے کا ارادہ ہے، اس سلسلہ میں مشورہ عنایت فرمائیں۔

حضرتؒ نے اس کا جواب تحریر فرمایا ''افتا میں طلبہ کے اضافہ کا ارادہ ہے اور ان کو شوق بھی ہے تو بہتر ہے''۔

چناں چہ ۱۴۱۵ھ سے تعدادِ طلبہ کے ساتھ ساتھ مدتِ تعلیم دو سال کر دی گئی۔

طلبہ کی مشقِ فتویٰ نویسی اور تمرین پر کڑی نظر

ہمارے یہاں دوسرے سال والے طلبا سے باہر سے آنے والے سوالات کے جوابات تیار کروائے جاتے ہیں، اولاً وہ طلبا پورا استفتا اپنی کاپی میں نقل کرتے ہیں، پھر کتابوں سے تلاش کر کے جواب تیار کرتے ہیں۔ یہ طلبہ صبح پہلے گھنٹہ میں اپنی اپنی کاپیاں لے کر مشقِ فتاوی سنانے کے لیے حضرت مفتی صاحب کے پاس پہنچ جاتے، آپ طلبہ کے جوابات بغور سنتے اور اس سلسلہ کی ہدایات سے نوازتے، طلبہ کی مشق پر کڑی نظر رکھتے، املائی اغلاط اور فتوی نویسی کی اغلاط پر خاص طور پر ٹوکتے، جن میں سے چند یہ ہیں:

تنبیہات وہدایات

① ایک طالبِ علم نے مشقِ افتا میں آپ ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ صرف لکھا تھا، اس پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ: فضائلِ اعمال جلد اول لے آؤ، پھر اس میں سے یہ عبارت پڑھ کر سنائی ''اگر تحریر میں بار بار نبی کریم ﷺ کا پاک نام آئے تو بار بار درود شریف لکھے اور پورا درود لکھے، اور کاہلوں اور جاہلوں کی طرح سے ''صلعم'' وغیرہ الفاظ کے ساتھ اشارہ پر قناعت نہ کرے۔ (فضائلِ اعمال جلد اول فضائلِ درود شریف ۷۴۱)

پھر فرمایا کہ تم اپنے استاذ یا کسی بڑے کے نام کے ساتھ لکھتے ہو دامت برکاتہم یا مدظلہ العالی، نیز اگر کوئی آپ کے استاذ یا پیر کے نام کے ساتھ مدظلہ العالی یا اور دعائیہ جملہ نہ لکھے تو آپ کو ایک قسم کا رنج ہوتا ہے، پھر آپ اس پر کہتے ہو کہ فلاں نے صرف نام لکھا، بے ادب معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ آپ کو ان باتوں پر تو رنج ہو اور تم خود نبی ﷺ کے نام کے ساتھ درود شریف نہ لکھو اس پر رنج نہیں؟

② ایک مرتبہ ایک طالبِ علم نے بغیر القاب کے محض ایسے ہی لکھا کہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں، اس پر حضرت کو سخت صدمہ ہوا، اور چہرہ متغیر ہو گیا، اسی متغیر چہرہ کے ساتھ فرمایا کہ یہ تم نے کیا کیا؟ جب میرا نام لکھتے ہو تو اس میں حضرت اقدس اور نہ جانے کیا کیا لکھتے ہو، جہاں لکھنا چاہیے وہاں تو لکھتے نہیں (پھر اپنے دونوں ہاتھوں کو سر کی طرف لے گئے اور اشارہ کرتے ہوئے فرمایا) یہ تو اس راہ میں ہم سب کے سر کے تاج ہیں، جہاں ان کی بات آ گئی بس اس کے آگے کچھ نہیں، فتاوی میں ان کا قول مقدم ہوتا ہے۔

پھر فرمایا اپنے بڑوں کا ادب کرو، جب ان کا نام لکھو تو پورے احترام کے ساتھ لکھو، ان کو جو ہمارے بڑوں نے القاب دیے ہیں پہلے اس کو لکھو پھر اخیر میں دعائیہ جملہ لکھو۔

اخیر میں فرمایا کہ تم میرے نام کے ساتھ جو کچھ لکھتے ہو مجھے پسند نہیں، ہاں حضرت ٹھیک ہے، اس لیے کہ آج ہر ایک کو حضرت کہا جانے لگا۔

③ ایک طالبِ علم نے حضرت تھانویؒ کے متعلق لکھا ''تحریر کرتے ہیں'' تو فرمایا ''تحریر فرماتے ہیں'' یوں ہونا چاہیے۔

④ ایک مرتبہ ایک طالبِ علم نے جوابی پرچہ پر لکھنے میں جلد بازی کی، کچھ تحریر کا بگاڑ تھا اور کچھ غلطیاں رہ گئی تھیں، اس پر حضرت نے فرمایا کہ جب تم جوابی پرچہ پر جواب لکھ لو تو اس کو اچھی طرح دھیان سے پڑھ لو، اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اس کو درست کر لو، جب پورا اطمینان ہو جائے تب میرے پاس لے آنا، پھر فرمایا کہ فتوی کے سلسلہ میں کبھی عجلت سے کام نہ لو۔

اس کے بعد فرمانے لگے کہ جو شخص اپنے اصل مقصد میں عجلت کرے وہ صحیح آدمی

نہیں ہے، جیسے نماز میں عجلت کرنا، اسی طرح ہم لوگوں کو فتوی لکھنے میں عجلت کرنا۔

⑤ ایک مرتبہ ایک طالبِ علم نے جوابی پرچہ پر اس انداز سے لکھا کہ حاشیہ بالکل نہیں چھوڑا، بلکہ جہاں دوسرا صفحہ شروع ہوتا ہے وہاں لگے صفحہ کے ساتھ لکھنا شروع کیا، ذرہ برابر جگہ نہیں چھوڑی تھی، تو اس پر حضرت نے اس طالبِ علم سے مزاح کے انداز میں مخاطب ہوکر فرمایا ''آپ نے سوچا ہوگا کہ اگر میں حاشیہ چھوڑ کر لکھوں گا تو فضول خرچی ہوگی''۔

پھر فرمایا کہ لکھنے کا بھی ایک ادب ہے، اس کو سیکھو، پھر حضرت نے ہم طلباء سے پوچھا کہ ادب کہتے کس کو ہیں؟ پھر آپ نے خود ہی جواب میں فرمایا کہ ہر چیز کو ادا کرنے کا جو عمدہ سے عمدہ طریقہ کہ اس کے مطابق اس کو انجام دینا اور پورا کرنا یہ اس چیز کا ادب ہے۔

فرمایا کہ لکھنے کا ایک ادب ہے، پڑھنے کا ایک ادب ہے، بولنے کا ایک ادب ہے، چلنے اور بیٹھنے کا ایک ادب ہے۔ پھر فرمایا کہ اردو اِملاء پر مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب دامت برکاتہم کا ایک مستقل رسالہ (حرفِ شیریں) جس میں یہ چیزیں تک لکھی ہیں کہ کونسا نشان کہاں لگانا چاہیے، تم لوگ مولانا کی کتابیں دیکھو تو معلوم ہوگا کہ وہ اپنی کتابوں میں اس کا کتنا اہتمام کرتے ہیں، نیز فرمایا کہ جناب عبدالقادر فاتی والا صاحب کی کتابیں دیکھو کہ (گجراتی زبان میں) ان کے لکھنے کا انداز کتنا عمدہ ہے، ان چیزوں کو دیکھو اور لکھنے کا ادب سیکھو۔

⑥ ایک مرتبہ دورانِ مشقِ فتاوی طلبہ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ یہ بینک کے سود کے سلسلہ میں ہم جو جواب دیتے ہیں کہ سرکاری غیر واجبی ٹیکس میں بینک کا سود ادا کرنے کی اجازت ہے وہ اس وقت ہے جبکہ بینک بھی سرکاری ہو، لیکن اب تو سرکاری بینک کے علاوہ پرائیویٹ بینک بھی بہت سارے ایجاد ہوئے ہیں، اب پرائیویٹ بینک کے سود

کا حکم وہی نہ ہوگا جو سرکاری بینک کا ہے؛ بلکہ پرائیویٹ بینک کے سود کی رقم کا تو فقراء پر بلا نیتِ ثواب تصدق ہی ضروری ہوگا۔

پھر فرمایا کہ آپ لوگ مفتی بن رہے ہو، ایک مفتی ہونے کی حیثیت سے ان باتوں کو اپنے ذہن نشین کرلو، اور ہمیشہ چوکنا رہا کرو۔

⑦ ایک مرتبہ ایک طالبِ علم نے کسی سوال کے جواب میں بخاری شریف یا ترمذی وغیرہ حدیث کی کتاب سے حدیث لکھ کر براہِ راست اسی سے جواب لکھا، نہ فقہ کی کسی کتاب کا کوئی حوالہ لکھا اور نہ کسی قسم کی کوئی عبارت لکھی، اور اسی طرح کا معاملہ اس سے پہلے بھی اس سے سرزد ہوا تھا، اس کا جواب سن کر حضرت نے فرمایا کہ آپ بہت اچھا اجتہاد کرتے رہتے ہیں، پھر فرمایا کہ فقہ کی کسی کتاب سے جواب لکھا کرو۔

تربیت کا یہی انداز حضرت فقیہ الامتؒ کا تھا، حضرت مولانا مفتی سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ اپنے افتا کے سال کی مشق فتاویٰ کی بابت تحریر فرماتے ہیں: بعض مرتبہ احقر نے اگر کسی مسئلے میں براہ راست قرآن وحدیث سے استدلال کیا تو آپ نے تنبیہ فرمائی کہ اچھا آپ مجتہد کب سے ہوگئے؟ اور نصیحت کی کہ: ہمیشہ جزئیہ فقہی کتابوں سے تلاش کرنا چاہیے؛ اس لیے کہ نصوص کے معانی ومطالب تک ہم اپنی سطحی نظر سے نہیں پہنچ سکتے۔ (ذکر رفتگاں، ص: ۱۲۹، ۱۳۰)

⑧ حضرت یہ نصیحت بار بار فرماتے ہیں کہ فتاوی کے سلسلہ میں ہمارے اکابر سب کچھ کر گئے ہیں، ہم کو جہاں تک ہو سکے انہیں کی عبارتوں کو نقل کرنا ہے، اس لیے کہ اس میں ہماری تربیت بھی ہے۔

⑨ ایک موقع پر فرمایا کہ ایک کتاب دیکھ کر مطمئن ہو کر بیٹھا نہ کرو، ایک مسئلہ پر

ہر ہر کتاب اٹھا کر دیکھو، کم از کم اردو فتاوی ایک طرف سے سب دیکھ لو۔

⑩ بقیہ (بچا ہوا) اس لفظ سے پہلے اگر ''ما'' آئے تو اس وقت ہاء ساقط ہوگی (مابقی ہوگا) ورنہ (یعنی بغیر ''ما'') کے ہو تو ہاء باقی رہے گی ''بقیہ''

⑪ حوالہ ہمیشہ بین القوسین لکھو۔

⑫ آدمی اگر اپنے فرضِ منصبی کی فکروں میں لگا رہے تو دوسری فکروں سے مامون رہتا ہے، اگر فرضِ منصبی کی فکروں میں نہ لگے تو فضول فکروں میں لگ جاتا ہے، حالاں کہ اول (فرضِ منصبی) کی فکروں میں لگا رہنا نعمت ہے اور دوسری فکروں کا مسلط ہونا عذاب ہے۔

⑬ ایک طالبِ علم نے مسجد میں تمبا کو کھانے کے مسئلہ میں لکھا کہ: ''اعتکاف کی نیت کر لیوے پھر کھا سکتا ہے''، تو اس پر فرمایا کہ یوں لکھو کہ: ''اگر اعتکاف کی نیت کی تھی تب تو کھانے کی گنجائش ہے، ورنہ مسجد سے باہر جا کر کھا لیوے، پھر منہ صاف کر کے مسجد میں آوے''۔ پھر تنبیہاً فرمایا کہ ہماری کوئی بات منشاءِ شریعت کے خلاف نہ ہو، آپ تو اس کو کھانے کے لیے اعتکاف کی نیت سکھلا رہے ہیں۔

⑭ فتوی جب ایسی زبان میں لکھا جائے جو بائیں جانب سے شروع ہوتی ہے جیسے گجراتی، ہندی، انگریزی زبان تو درمیان میں آنے والی عربی عبارت کو علیحدہ سطر میں لکھیں، تاکہ امتیاز ہو سکے۔

⑮ لفظ ''فقط'' مضمون ختم ہوتے ہی فوراً لکھ دیا جائے۔

⑯ ایک طالبِ علم نے زکوۃ کے مسئلہ میں غلطی کی تو ٹوکا اور دریافت فرمایا کہ کن چیزوں پر زکوۃ واجب ہوتی ہے؟ وہ طالبِ علم جواب نہ دے سکا، پھر دوسرے طالبِ علم سے دریافت فرمایا، اس نے جواب بیان کیا، پھر اس پہلے طالبِ علم سے فرمایا کہ کچھ

باتیں ایسی ہیں جو مفتی کو ہر وقت مستحضر ہونی چاہیے، یہ نہیں کہ اس کے لیے کتاب دیکھنے کی ضرورت پڑے، مثال میں دنیوی عہدیداروں کو بیان کیا کہ ان کو بھی چند گرامر اور قوانین حفظ کرائے جاتے ہیں کہ نیند سے اٹھنے پر بھی فوراً بیان کر دیں۔

⑰ ایک طالبِ علم نے دستخط کے لیے جواب حضرت کے ہاتھوں میں دیا، آپ نے دیکھا کہ جواب علیحدہ صفحہ پر ہے اور دستخط علیحدہ صفحہ پر ہوگی، تو حضرت نے فرمایا کہ جواب اس طرح ختم کرو کہ دستخط اسی صفحہ پر ہو، تاکہ کوئی دستخط کا صفحہ علیحدہ نہ کر دے۔

⑱ ایک طالبِ علم نے لفظ ''چنداں'' (بمعنی اس قدر، اتنی، ایسی) کو ''چندہ'' لکھا تو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا مولوی کے ذہن میں ہمیشہ چندہ ہی ہوتا ہے۔

⑲ بین القوسین والی عبارت ایسی ہو کہ ماقبل اور مابعد سے جملہ کا ربط باقی رہے۔

⑳ لفظِ شبہ کا معنی اعتراض کے ہے، اور لفظِ شبہہ کے معنی مشابہت کے ہے۔

㉑ ''اجینا موٹو'' اور اس جیسی چیزوں کے متعلق کوئی استفتاء آوے تو تنقیح کے طور پر یوں لکھ دیا جائے کہ اس کے سلسلہ میں مستند معلومات ہمارے پاس بھیجو پھر اس کا جواب دیا جائے گا۔

㉒ ایک طالبِ علم جواب کاغذ کے متعدد پرزوں پر لکھ کر لے گیا اور سنانے کے درمیان اٹک گیا، تو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا: اس طرح کچا نہ لاؤ بلکہ اصل مکمل تیار کر کے لاؤ؛ تاکہ یہاں وہاں تلاش نہ کرنا پڑے، یہ ادب کے بھی خلاف ہے (اور ادب سے علم آتا ہے) اور مشقِ افتا کے بھی خلاف ہے۔

㉓ فرمایا: سائل نے جس چیز کا سوال نہیں کیا اس کا خواہ مخواہ جواب دینا ایسا ہے کہ ''آ بیل مجھے مار''۔

(۲۴) ہمارے اکابرین میں سے کسی کا کسی مسئلہ میں اختلاف ہو، اور ان کی رائے علیحدہ ہو تو اس کا بھی ذہن میں ہونا ضروری ہے۔

(۲۵) مفتی کو وقتی حالات کے مسائل مستحضر ہونے چاہیے، مثلاً قربانی کے موقع پر مسائلِ اضحیہ، رمضان کے موقع پر مسائلِ روزہ، عیدین کے موقع پر مسائلِ عیدین، ان اوقات کی آمد سے قبل اس موضوع پر پیش آنے والے مسائل کے جوابات کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنا چاہیے۔

(۲۶) ایک طالبِ علم نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ (سابق مفتیٔ اعظم پاکستان) کا نام ''مفتی شفیع صاحب'' لکھا، اس پر فرمایا کہ جس کا جو نام ہو وہ مکمل لکھا کرو، حضرت مفتی صاحب کا نام ''محمد شفیع'' ہے نہ کہ صرف ''شفیع''۔

(۲۷) طلباء میں ذوقِ جستجو و مطالعہ پیدا کرنے کے لیے ایک موقع پر فرمایا: بڑے حضرت (حضرت فقیہ الامتؒ) فرمایا کرتے تھے کہ فقہ ایک جنگل ہے، ہمیں اس میں ہمارے لائق قربانی کا جانور تلاش کرنا ہے۔

(۲۸) میت کے لیے قرآن خوانی کے ایک سوال پر فرمایا: ایصالِ ثواب کے مقابلہ میں میت کے لیے دعائے مغفرت کرنا اہم ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی جیل خانہ میں ہے اس قیدی کو رہا کرنے کی کوشش کرنا اہم ہے، بہ نسبت کفن پہنچانے کے۔

شاگردوں کی حوصلہ افزائی اور اس کے چند واقعات

حضرت نبی کریم ﷺ اپنے صحابہؓ کی اچھی باتوں اور عمدہ جوابوں پر ان کی تعریف فرماتے، اور ان کی ہمت افزائی فرماتے، استاذ کا ایسا طرزِ عمل شاگردوں کے علم و عمل میں

رسوخ پیدا کرنے اور ان میں اضافہ کے لیے سر توڑ جدوجہد کرنے کا سبب ہے۔

مفتی صاحب کے پاس جن طلبا نے پڑھا ہے، مشقِ فتاوی کی ہے وہ اس سے بخوبی واقف ہیں کہ آپ محنتی طلبا سے بہت خوش ہوتے ہیں، گاہے گاہے ہدایا وتحائف سے ان کو نوازتے ہیں، کبھی افتا سے فارغ ہونے والے طلبا کو سال کے اخیر میں گھر بلا کر عمدہ کھانوں پر مشتمل دعوت کھلاتے، کبھی نئی کتاب آتی تو خرید کر تقسیم کرتے، کبھی کوئی ہدیہ لاتا مٹھائی وغیرہ تو دار الافتا کے طلبہ پر تقسیم کر دیتے، کبھی آم کے موسم میں آم کی دعوت کرتے۔ اگر کوئی طالبِ علم استفتا کا دل لگتا عمدہ جواب تحریر کرتا تو نہایت ہی مسرت کا اظہار فرماتے، کبھی تو کسی ماہواری رسالہ میں طبع کرنے کی ترغیب دیتے، اور اپنی وساطت سے چھپوا بھی دیتے؛ چناں چہ بعض طلبا کے ایسے عمدہ جوابات وفتاوی ان کے فارغ ہونے سے پہلے ہی منظرِ عام پر آ گئے۔

راقم نے افتا کے دوسرے یا تیسرے سال ایک سوال کا جواب تحریر کیا تو اس پر جھوم گئے اور فرمایا افتا کے تمام طلبا کو پڑھاؤ، حالاں کہ جواب میں بظاہر ایسی کوئی خاص بات نہیں تھی، لیکن جواب سوال کے عین مطابقِ حال تھا اور نگینہ کی طرح جڑتا اور فٹ ہوتا تھا، اس پر مسرت کا اظہار فرمایا۔

استاذِ محترم مفتی عباس صاحب مدظلہ آپ کو صدر مفتی بنائے جانے کے وقت محررِ فتاوی کی حیثیت سے دار الافتا میں خدمت انجام دے رہے تھے، آپ نے صدر مفتی بننے کے بعد حکم دے کر زیادہ سے زیادہ جوابات تحریر کرنے کی ترغیب دی، اس سے ان کو حوصلہ ملا۔

چناں چہ انہوں نے استاذِ محترم کے حکم کی تعمیل میں زیادہ سے زیادہ چھوٹے بڑے استفتا کے جوابات تحریر فرمائے، ان کو کمپنیوں کے شیئرز کے مسائل میں دسترس حاصل ہے،

اس موضوع پر کوئی استفتا آتا ہے تو ان ہی کے حوالہ کر دیتے ہیں، اتنا ہی نہیں بلکہ مسندِ افتا پر آنے کے چند ماہ بعد مفتی عباس صاحب کو اپنے فتاوی کی تصدیق کا (الجواب صحیح لکھنے کا) حکم دیا، ابھی اخیر میں ایک آدھ سال پہلے احقر کو بھی یہی حکم دیا۔ مفتی صاحب کے تحریر فرمودہ فتاوی پر ہم جیسے شاگردوں کا ''الجواب صحیح'' لکھنا بڑا مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ آپ کا حکم ہے جس کی تعمیل کی جاتی ہے، دراصل یہ حضرت فقیہ الامتؒ کی تعلیم وتربیت کا اثر اور ان کا اتباع ہے کہ حضرتؒ کے فتاوی پر ایسے حضرات کے دستخط ثبت ہیں جو حضرت کے ضابطے کے بڑے نہیں، یا ان اکابر کی اتباع ہے جن کے فتاوی پر ان کے شاگردوں کے دستخط موجود ہیں۔

آپ کے ایک شاگرد مفتی عبدالرشید صاحب جو بمبئی میں ایک دارالافتا کے ذمہ دار مفتی ہیں، انہوں نے ایک مصنوعی معتوہ و پاگل کے متعلق تحقیقات ارسال کیں، درحقیقت یہ صاحب بیوی کو طلاق دے چکے تھے اور اب اس کے فراق میں اپنے آپ کو پاگل ثابت کر کے طلاق کے عدمِ وقوع کا فتوی حاصل کرنا چاہتے تھے، مفتی عبدالرشید صاحب نے فریقین کی زبانی وتحریری باتوں سے غیر معتوہ ثابت کر کے وقوعِ طلاق کا فتوی دینا چاہا، جواب کا خاکہ تیار کر کے برائے ملاحظہ مفتی صاحب کی خدمت میں روانہ کیا، ان کی تحقیقات پر خوش ہو کر تحریر فرمایا:

باسمہ تعالیٰ

عزیزم سلمہ اللہ تعالیٰ وعافاہ!

آپ کا خط ملا آپ کے مستفتی ۔۔۔۔۔۔ سے متعلق آپ کی تحقیقات اور پھر ان کے سوال کے جواب کا جو خاکہ تیار کیا ہے اس سے جی خوش ہوا، بالکل مناسب جواب ہے الخ۔

۱۴۱۴ھ میں دارالافتا سے تکمیل کرنے والے طالبِ علم مفتی عبداللطیف صاحب امرپوری، پالن پوری کو- جو دس سال درجۂ علیا کی کتابیں پڑھانے کے بعد افتا پڑھنے کے لیے تشریف لائے تھے، اور اِس وقت جامعہ نذیریہ کاکوسی میں تدریس وفتاوی نویسی کی بہترین خدمات انجام دے رہے ہیں- حضرت مفتی صاحب نے سالانہ اجلاس میں سندِ افتا اپنے دستِ بابرکت سے عنایت کرتے ہوئے علی الاعلان فرمایا: ''انہوں نے ہمارے اکابر کی یاد تازہ کردی کہ طویل عرصہ تک تدریس کے بعد افتا کا شوق پیدا ہوا''۔

راقم کہتا ہے ایسے واقعات اسی جامعہ میں اس سے پہلے پیش آچکے ہیں:

۱۳۴۶ھ میں امام العصر علامہ کشمیریؒ اور ان کے رفقا کی تشریف آوری کے بعد جو طلبہ اکابرِ علم وعمل سے اکتسابِ فیض کے لیے آئے ان میں بعض شیوخِ حدیث بھی تھے۔

راقم سے مولانا احمد موسی اسحاق پٹیل اکلیروی (متوفی ۱۴۲۹ھ) نے بیان کیا کہ ''شاہ صاحب کے پاس دورہ کے طلبا میں بعض شیوخ ہوتے، بعض دس برس بخاری شریف پڑھا کر آئے ہوئے، بعض پانچ مرتبہ، بعض تین مرتبہ پڑھا کر آئے ہوئے ہوتے''۔

مولانا اکلیرویؒ نے شاہ صاحب کا دور دیکھا ہے اس وقت وہ جامعہ میں زیرِ تعلیم تھے۔

حضرت مفتی صاحب کے تلامذہ

دارالافتا کا قیام اور فتاوی نویسی کی تاریخ سابق اوراق میں گذر چکی ہے، شعبۂ تخصص فی الفقہ کا افتتاح ۸/شوال المکرم ۱۳۶۹ھ مطابق ۳/اکتوبر ۱۹۷۶ء بروزِ اتوار مفتیٔ اعظم ہند فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی زیرِ سرپرستی ہوا، اتوار کے روز بعد نمازِ ظہر شرح عقود رسم المفتی کا ایک سبق پڑھایا، اس کے

بعد ایک نہایت مؤثر اور اہم تقریر فرمائی جس میں اس کام کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی، اس وقت یہاں کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی دامت برکاتہم تھے، ان کے دور میں ۲۰/طلباء نے افتا کی تکمیل کر کے سندِ فراغت حاصل کی۔

۱۴۰۶ھ میں ان کی تشریف بری کے بعد حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کو صدر مفتی مقرر کیا گیا، پہلے مدتِ تعلیم ایک سال تھی، بعد میں یہ مدت ناکافی معلوم ہوئی تو حضرت فقیہ الامتؒ سے مشورہ کے بعد دو سال لازم کر دی گئی، نصابِ تعلیم وہی ہے جس کی تفصیل گذر چکی۔

یہ خدامِ شریعت ہیں جو مانند پیمبر ہیں	❁	وہ دریا کیسا ہوگا جس کے یہ قطرے ہیں

۱۳۸۸ھ سے مفتی صاحب نے باقاعدہ تدریسی زندگی کا آغاز فرمایا، آپ کے درس کی مقبولیت کی بنا پر بے شمار تشنگانِ علم آپ کے علوم سے بہرہ ور اور فیض یاب ہوئے۔

آپ کے صرف ان تلامذہ کی تعداد جنہیں آپ سے بلاواسطہ مستفیض ہونے کا موقع ملا ہزاروں سے کم نہ ہوگی اس وقت ہندو بیرونِ ہند، سعودیہ، ساؤتھ افریقہ، بوٹس وانا، ملاوی، بحرین، خلیجی ممالک، موریشیش، ٹرینیداد، زامبیا، پاکستان، مالدیپ، کینیڈا، چیلی، سُری نام، پنامہ، امریکہ، ٹرٹولہ (وسط امریکہ میں واقع ہے) باربادوس، ری یونین، نیوزلینڈ، برطانیہ وغیرہ ممالک میں آپ کے شاگرد علما و مفتیانِ کرام کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے، جن میں سے بہت سے اپنے اپنے مقام پر دینی، ملی اور سماجی خدمات کا اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں، آپ کے تلامذہ کی کثرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت گجرات کے بڑے بڑے مدارس کے اساتذہ بلاواسطہ یا بالواسطہ آپ کے شاگرد ہیں جن میں بعض مہتمم بھی ہیں۔

مثلاً ①: جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے مہتمم صاحب حضرت مولانا احمد بزرگ دامت برکاتہم مجاز حضرت فقیہ الامتؒ۔

② جامعہ مظہرِ سعادت کے بانی حضرت مولانا عبداللہ صاحب رویدروی دامت برکاتہم۔

ہندوستان کے بعد سب سے زیادہ تلامذہ کی تعداد ساؤتھ افریقہ میں ہے جو اپنے وقت کے ممتاز اور جید علماء کے درمیان ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔

مفتی صاحب کے تدریسی دور کے تلامذہ کے نام لکھنے اور ان حضرات کی خدمات ذکر کرنے سے قصداً تعرض نہیں کیا گیا، اس لیے کہ عین ممکن ہے بہت سے حضرات کے نام نہ آویں، اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ بعض حضرات کا ذکر مختصراً آوے، حالاں کہ ان کی خدمات وسیع ہیں جس سے قارئین یا وہ حضرات امتیاز محسوس کریں؛ حالاں کہ اس میں کسی امتیاز کو دخل نہیں؛ بلکہ راقم الحروف کی ناواقفیت کو دخل ہوگا، اس لیے تدریسی دور کے تلامذہ کو چھوڑ کر صرف ملکوں کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا۔

شعبۂ تخصص فی الفقہ سے تکمیل کرنے والے مفتیانِ کرام کی تعداد بانوے (۹۲) ہے جو طلبا بعض اعذار کی بنا پر تکمیل سے پہلے چلے گئے یا جن کو سماعت میں داخلہ دیا گیا تھا یا وہ جو کچھ مدت کے لیے غیر رسمی طور پر تمرین کے لیے آئے تھے ان کو شمار نہیں کیا گیا، دارالافتا کے اکثر فارغین الحمدللہ خدمتِ دین میں مصروفِ عمل ہیں بعض تدریس میں، بعض تدریس کے ساتھ فتاوی نویسی میں لگے ہوئے ہیں، بعض نے مستقل دارالافتا کھول رکھا ہے اور ان کے فتاوی اُس علاقہ میں اعتماد کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، اور بعض تلامذہ کے انگریزی فتاوی جدید ذرائع ابلاغ پر نشر بھی کئے جاتے ہیں۔

شعبۂ تخصص فی الفقہ کا افتتاح حضرت فقیہ الامتؒ کی سرپرستی میں ہوا تھا، حضرتؒ کی اس شعبہ پر خصوصی توجہ تھی، حضرت مفتی صاحب نے ایک عریضہ میں حضرتؒ کے نام تحریر فرمایا تھا:

''دارالافتا کا کام بھی بحمداللہ تعالیٰ اچھی طرح چل رہا ہے، سات نئے طلبا داخل ہوئے ہیں، دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ سب کو علومِ نافعہ سے مالا مال فرمائے۔ آمین''۔

اس کے جواب میں حضرتؒ نے جو دعائیہ کلمات تحریر فرمائے اس کو غور سے پڑھئے، فارغین پر دعا کو منطبق کیجئے، قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید، کا ظہور ہوا ہے یا نہیں، فیصلہ کیجئے۔

حضرتؒ جواباً رقمطراز ہیں:

''آپ دارالافتا میں کام کر رہے ہیں، مبارک ہو اللہ تعالیٰ آپ کے دارالافتا کو آباد فرمائے، اچھے قابل مدرس، مفتی وہاں سے تیار ہوں۔ (مکتوباتِ فقیہ الامت ۴/۳۶۹)

تعدادِ فتاوی

دارالافتا کے پہلے مفتی حضرت مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ کے فتاوی محفوظ نہیں، ان کے قیام کی مدت بھی قلیل ہے۔

مفتی عتیق الرحمن عثمانی صاحب اور مولانا احمد بزرگؒ کے فتاوی ایک نہایت ہی طویل عریض بوسیدہ رجسٹر میں محفوظ ہیں، اس رجسٹر کا حال ایسا تھا کہ ورق گردانی کے بعد وہ ورق صحیح سالم نہیں رہ سکتا، اس میں درج شدہ فتاوی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے بعض فتاوی پر اکابر علما امام العصر علامہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی وغیرہ کے دستخط ثبت ہیں۔

راقم نے اس رجسٹر سے فرائض کا حصہ چھوڑ کر تمام فتاوی نقل کر کے محفوظ کر لیے ہیں،

اس رجسٹر کے کئی صفحات کناروں سے پھٹے ہوئے تھے، بچا کھچا جو مواد زمانہ کی دست برد سے محفوظ رہا وہ انتہائی بوسیدہ ہو چکا تھا، ایسے خستہ رجسٹر میں استفتا درج کرنے کے کالم میں بڑا عدد ۸۸۸ دستیاب ہوا، استفتا نمبر ۵۹۲ تک مفتی عتیق الرحمن صاحب کے، اور اس کے بعد تا ۸۸۸ مولانا مفتی احمد بزرگ صاحبؒ کے فتاوی ہیں، بعض استفتا کے اندر کئی سوالات ہیں، رجسٹر کی بوسیدگی اور پھٹے ہونے کی وجہ سے فتاوی کی صحیح تعداد بتانا مشکل ہے، کم از کم ہزار ضرور ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

حضرت مفتی اسماعیل صاحب بسم اللہ کے فتاوی کی تعداد کے متعلق تاریخ جامعہ میں لکھا ہے ''وفات تک تینتیس سال کی مدت میں کل فتاوی کی تعداد ۳۵ ہزار ہوتی ہے''۔

(تاریخ جامعہ ۲۸۳)

واضح رہے مذکورہ تعداد میں قیامِ رنگون کے فتاوی کو بھی شامل کر لیا گیا ہے، اس لیے کہ مفتی صاحب نے ۱۰/ سال وہاں اور ۲۳/ سال یہاں فتاوی تحریر فرمائے ہیں۔

زمانۂ فترت یعنی جن سالوں میں مستقل منصبِ افتا پر کسی مفتی کا تقرر نہیں ہوا تھا، یہ منصب خالی تھا، اساتذۂ جامعہ میں سے کوئی حسبِ ضرورت جواب تحریر کر دیتا ان فتاوی کی تعداد ۲۹۰ ہے۔

حضرت مفتی اسماعیل گوراصاحب راندیریؒ کے فتاوی ماہنامہ ''مسلم گجرات'' میں طبع ہوتے تھے، مطبوعہ فتاوی میں سے سب کی نقول رجسٹر میں موجود نہیں، اس لیے ۱۳۸۴ھ (جو ان کی آمد کا سال ہے) سے ۱۳۸۶ھ کی تعداد ''مسلم گجرات'' کے مطابق ۴۰۱ ہوتی ہے، ۱۳۸۷ھ سے ۱۳۸۹ھ تک ۲۳۴۲ دار الافتا کے ریکارڈ میں موجود ہے، خلاصہ یہ ہے کہ مفتی گوراصاحب کے فتاوی کی محتاط تعداد ۱۳۸۴ھ تا ۱۳۸۹ھ

۲۷۴۳ (دو ہزار سات سو تینتالیس) ہے۔

حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہ کے دورِ صدارت ۱۳۸۹ھ تا ۱۴۰۶ھ کے کل فتاوی ۱۵۲۱۹ ہیں۔

حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کے دورِ صدارت کے کل ۷۲ر رجسٹر ہیں جن میں سے ۷ رجسٹر خاص مفتی صاحب کے فتاوی پر مشتمل ہیں جبکہ دیگر ۲۰ رجسٹر میں دیگر مفتیانِ کرام اور طلباء کے فتاوی ہیں، آپ نے پہلا فتوی ۲۱/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۰۶ھ میں تحریر فرمایا ہے، آپ کے دورِ صدارت کے کل فتاوی تادمِ تحریر ۳۵۰۲۸ جن میں ۱۴۹۷۱ آپ کے خود نوشتہ یا املا کردہ ہیں، جبکہ دیگر حضرات: حضرت مفتی عباس صاحب دامت برکاتہم، راقم الحروف، مفتی محمد حفظ الرحمن صاحب سلمہ اور طلبائے دارالافتا کے ۲۰۰۵۷ ہیں، جس میں مفتی عباس صاحب مدظلہ کے ۹۶۳۲ ہیں۔

۱۳۹۶ھ میں جامعہ کے دورِ خلفشار میں حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی مدظلہ بیروت تشریف لے گئے تھے، اس وقت ہنگامی طور پر حضرت مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم نے جو فتاوی تحریر فرمائے تھے مذکورہ تعداد میں ان کو بھی شمار کرلیا گیا ہے۔

تعدادِ فتاوی ایک نظر میں

نمبر شمار	دورِ صدارت	استفتا
۱	حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانیؒ	۵۹۲
۲	حضرت مولانا مفتی احمد بزرگ صاحب سملکیؒ	۱۹۶
۳	حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب ڈابھیلیؒ	۲۴۳۹۳

۴	اساتذۂ جامعہ	۲۹۰
۵	حضرت مولانا مفتی اسماعیل گوراصاحب راندیریؒ	۲۷۴۳
۶	حضرت مولانا مفتی اسماعیل کچھولوی صاحب مدظلہ	۱۵۲۱۹
۷	حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم (دیگر مفتیانِ کرام کے فتاویٰ کے ساتھ)	۳۵۰۲۸

مجموعی تعداد: ۷۸۴۶۱

مفتی بسم اللہ صاحبؒ کے ۳۵ ہزار فتاوی ۳۳ / سال پر تقسیم کر کے ۲۳ / سال (قیامِ جامعہ) کے فتاوی کی تعداد لکھی گئی ہے۔

مذکورہ تعداد تحریری فتاوی کی ہے، فون پر یا بالمشافہہ پوچھے گئے سوالات کو شمار کرنا ناممکن ہے۔

۱۳ / جمادی الاخری ۱۳۴۷ھ سے تادمِ تحریر ۱۵ / ربیع الثانی ۱۴۳۰ھ تراسی (۸۳) سال کے کل فتاوی ۷۸۴۶۱ (اٹھتر ہزار چار سو اکسٹھ) ہیں۔

اتنی بڑی تعداد سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ دینی امور میں پیش آمدہ مسائل میں عوام الناس کا ان اداروں پر کس قدر اعتماد و اعتبار ہے جبکہ ازہر مصر جو دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی شمار ہوتی ہے وہاں صدیوں میں بھی فتاوی کی اس قدر بڑی مقدار نہیں پائی جاتی۔

''ازہر مصر کے مفتی صاحب کی رپورٹ کے مطابق کئی صدیوں کے فتووں کی مجموعی تعداد ۶۰ ہزار سے زیادہ نہیں بڑھ سکی''۔ (ہفتہ وار نقیب پٹنہ ۳ / مارچ ۲۰۰۹ء)

محکمۂ شرعیہ کا قیام

جن ممالک میں اسلامی نظام نافذ ہے یا جہاں مسلمانوں کا بااختیار قاضی موجود ہیں وہاں تو مسئلہ آسان ہے کہ ہر طرح کے تنازعات مسلم قاضی کے سامنے پیش کر کے ان کو حل کرلیا جائے؛ لیکن وہ ممالک جہاں مسلمانوں کو اقتدارِ اعلیٰ حاصل نہیں ہے اور نہ وہاں کی حکومت کی طرف سے الگ بااختیار مسلم قاضی مقرر ہیں جیسے ہندوستان کے اکثر علاقوں کا حال ہے تو ایسی جگہ پر رہنے والے مسلمانوں کے لیے اپنے معاملات وتنازعات کو حل کرنے میں کسی نظامِ شرعی کی ضرورت تھی۔ حضراتِ اکابر جمعیۃ علمائے ہند نے جمعیت کے پلیٹ فارم سے اربابِ حل وعقد کو دعوتِ غور وفکر دی، ۷/ستمبر ۱۹۸۶ء کو ایک مخصوص نمائندہ اجتماع ہوا جس میں کافی غور وخوض کے بعد نظامِ امارتِ شرعیہ کے قیام کو ضروری قرار دیا گیا، اس کے بعد ۲/نومبر ۱۹۸۶ء کو ایک نمائندہ اجتماع بلا کر اس فریضہ کی تکمیل کی گئی، محدثِ جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ امیر الہند منتخب ہوئے، اور فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ نائب امیر الہند، ہندوستان کے مختلف شہروں میں بڑے بڑے اجتماعات ہوئے اور مختلف علاقوں میں خاص خاص جگہوں کو مرکز بنایا گیا، ڈابھیل کے قرب وجوار کے لیے ڈابھیل کو مرکز بنایا گیا۔

مفتی صاحب کے دورِ صدارت میں دارالافتا کے ماتحت ''محکمۂ شرعیہ'' قائم ہوا، آپ نے محکمۂ شرعیہ کے پلیٹ فارم سے بھی گراں قدر خدمت انجام دی، اگرچہ سابق مفتیانِ کرام ہر دور میں محکمہ کے بغیر ہر طرح کے مابین تنازعات کا فیصلہ کرتے آئے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی احمد بزرگ صاحب، حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحبؒ

نے قرب وجوار میں واقع تنازعات میں جائے وقوع پر جاجا کر فیصلے کئے ہیں۔

حضرت مفتی بسم اللہ صاحب کے متعلق ''تاریخِ جامعہ'' میں ہے ''دینی واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ اصلاح ذات البین کی شریعتِ اسلام میں کتنی اہمیت ہے، مفتی صاحب اپنے اثر ورسوخ سے یہ کارِ خیر بھی انجام دیتے تھے، اطراف کے گاؤں میں کہیں جھگڑا ہوتا خواہ دو شخصوں کا انفرادی ہو یا دو جماعتوں کا تو مفتی صاحب بیچ میں پڑ کر صلح کرانے اور اتحاد واتفاق پیدا کرنے کی پوری کوشش کرتے، بہت سے واقعات میں کامیاب بھی ہو گئے، اور دو متصادم جماعتوں کو تباہی سے بچالیا''۔ (تاریخ جامعہ ص ۲۸۴)

حضرت مفتی بسم اللہ صاحب کے وصال کے بعد ماہنامہ ''الاصلاح'' کا گجراتی شمارہ ان کی خدمات اجاگر کرنے کے لیے منظرِ عام پر لایا گیا، اس میں بھی مفتی صاحب کی ''اصلاحِ ذات البین'' کی مساعیٔ جمیلہ کو دور دراز دیہات کے نام بہ نام تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

ایسے ہی حضرت مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی دامت برکاتہم نے بھی مسلمانوں کے آپسی تنازعات کے حل کے لیے بہترین فیصلے صادر فرمائے ہیں، سابق مفتیانِ کرام اپنے اپنے طور پر دینی فرضِ منصبی کے طور پر یہ فیصلے کرتے تھے، باقاعدہ اس کا کوئی پلیٹ فارم یا شعبہ قائم نہیں تھا۔

محکمۂ شرعیہ کے پلیٹ فارم سے حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم نے تنازعات کے فیصلے کئے، جو دارالافتا کے ریکارڈ میں موجود ہیں، اس سلسلہ میں کبھی کبھار قرب وجوار کی بستیوں میں جانے کی نوبت بھی آتی، وہاں جاکر فریقین کے بیانات سنتے، صلح پر آمادہ کرتے۔

ایک مثالی مقدمہ

ایک مرتبہ اہلِ ثروت کے مابین پیش آمدہ وراثت کے جھگڑے میں فیصلہ کرنے کے لیے حضرت مفتی صاحب اور حضرت مفتی عباس صاحب مدظلہما نے بمبئی کا سفر کیا، وہاں جاکر زبانی بیانات لیے، کئی ماہ تک یہ مقدمہ چلا، اس مقدمہ کا ایک جز حل نہیں ہو رہا تھا، اپنے استاذ محترم حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ کی طرف رجوع فرمایا، انہوں نے ایک ایسا جملہ ارشاد فرمایا جس سے مقدمہ کی ساری گتھیاں سلجھ گئیں۔ فیصلہ کے دن فریقین کو جمع کیا اور باقاعدہ خطبہ پڑھ کر تحریری شکل میں فیصلہ سنایا، بندہ اس مجلس میں موجود تھا، اس میں آیتِ کریمہ ﴿فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم﴾ الآیۃ تلاوت فرما کر مطلب سمجھایا، اور حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ کا ایک قیمتی ملفوظ سنایا کہ شرعی فیصلہ پر راضی ہونے پر فریقین کامیاب ہیں، فیصلہ جس کے موافق پڑا اس فریق کو اپنا مقصود حاصل ہوا، اور فیصلہ جس کے خلاف پڑا وہ اس لیے کامیاب ہوا کہ اس نے حکمِ شرعی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا، پھر تحریری فیصلہ ان کے حوالہ کیا۔

مقدمات میں فیصلوں کی تعداد

مفتی صاحب نے چھوٹے بڑے جن مقدمات کے فیصلے صادر فرمائے ان کی تعداد ۴۸ ہے، وہ مقدمات جن میں فریقین میں سے کسی کی عدمِ حاضری سے کارروائی رک گئی، یا انہوں نے کارروائی کے درمیان اپنے طور پر صلح کر لی، یا کسی اور وجہ سے ان کا مقدمہ خارج کر دیا گیا ایسے ناقص مقدمات کی تعداد تو بہت ہے، جن کو اس تعداد میں شامل نہیں کیا گیا۔

دارالافتا کے نائب مفتی حضرت مفتی عباس بسم اللہ صاحب دامت برکاتہم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ دہلی سے جمعیت علمائے ہند دہلی کے دفتر امارتِ شرعیہ کی طرف سے جہاں جہاں محکمۂ شرعیہ قائم ہے وہاں جانچ وتفتیش کے لیے ایک وفد بھیجا گیا تا کہ کارروائی کی نوعیت اور اس سلسلہ کی معلومات حاصل کریں۔

انہوں نے پورے گجرات میں جہاں جہاں محکموں کا قیام ہے ان تمام جگہوں کا دورہ کرلیا، اخیر میں یہاں ڈابھیل تشریف لائے، حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے مجھے اطلاع دی، ہم نے یہاں کی کارروائی سنائی اور جو مقدمات فیصل ہو چکے تھے ان کی تعداد بتلائی تو اس پر اس وفد کا کہنا تھا کہ: ''پورے گجرات میں جہاں جہاں جمعیت علمائے ہند کی طرف سے محکمۂ شرعیہ قائم کیا گیا ہے ان تمام میں سب سے زیادہ تعداد ڈابھیل کے فیصلوں کی ہے''۔

دارالقضا کے لیے مستقل آدمی کی تربیت اور اس کی فکر

بعد میں فتاوی کے ساتھ ساتھ آئے دن مقدمات کی تعداد بڑھنے لگی، دوسری طرف مفتی صاحب کی مشغولیت اور دینی اسفار نے زور پکڑا تو آپ نے قضا کے لیے ایک مستقل آدمی کی ضرورت محسوس فرمائی، حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی توجہ اس کی طرف مبذول فرمائی، حضرت مہتمم صاحب نے شوری میں بات رکھی جو منظور کی گئی۔

مشورہ کے بعد اسی دارالافتا سے افتا کی تکمیل کرنے والے مفتی محمد حفظ الرحمن صاحب سملکی سلمہ کو قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ کے قائم کردہ ''المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتا پٹنہ، بہار'' میں تربیت کے لیے بھیجا، خود حضرت مفتی صاحب نے وہاں کے ذمہ داروں سے بذریعۂ فون رابطہ قائم فرمایا، اور خط بھی لکھا، جامعہ کے شیخ الحدیث

حضرت مولانا اکرام علی صاحبؒ نے بھی ذمہ داروں کے نام خط تحریر فرمایا، جس کی وجہ سے وہاں داخلہ آسان ہوگیا اور ان حضرات نے ان بزرگوں کے لحاظ میں بڑے اکرام وشفقت کا معاملہ فرمایا۔ فجزاهم الله خيراً.

حضرت مفتی صاحب کا گرامی نامہ

بنام حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

مخدوم مکرم ومحترم حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب دامت برکاتہم (امیرِ شریعت بہار واڑیسہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ بخیر وعافیت ہوں۔

ہمارے یہاں دارالافتا کے ماتحت دارالقضا (محکمۂ شرعیہ) کا سلسلہ بھی مدت سے جاری ہے، دارالقضا کا کام دن بہ دن پھیلتا جارہا ہے، اور اس میں فیصلہ کے لیے آنے والے مقدمات ومعاملات کی تعداد بڑھتی دیکھ کر جامعہ کی شوریٰ نے اس کام کے لیے مستقل آدمی کی تقرری منظور فرمائی (اب تک یہ کام دارالافتا کے ذمہ دار حضرات ہی ضمناً انجام دیتے رہے) چناں چہ دارالافتا سے نو فارغ التحصیل مولوی مفتی حفظ الرحمن سلمہ کی تقرری عمل میں آئی، ان کو قضا کی عملی تربیت حاصل ہو اس غرض سے مناسب معلوم ہوا کہ آپ کے یہاں امارتِ شرعیہ کے صدر مقام پر بھیجا جائے۔

چناں چہ اس سلسلہ میں مؤرخہ ۵/محرم الحرام ۱۴۲۲ھ مطابق ۳۱/مارچ ۲۰۰۱ء

کو بذریعۂ فون حضرت والا سے رابطہ قائم کر کے ان کو وہاں بھیجنے کی اجازت طلب کی گئی جو حضرت والا نے عنایت فرمائی اور ۱۵/محرم کو بھیجنے کے لیے ارشاد فرمادیا، اور وہاں پر تین ماہ قیام کے لیے اجازت مرحمت فرمائی، اسی گفتگو کی بنیاد پر مولوی مفتی حفظ الرحمن سلمہ اس عریضہ کے ساتھ حاضرِ خدمت ہو رہے ہیں، امید ہے کہ خصوصی توجہ ان کی عملی تربیت کی طرف مبذول فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جنابِ عالی کے سایۂ عاطفت کو تادیر صحت وقوت وعافیت کے ساتھ قائم رکھے۔ فقط والسلام۔

العبد: احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/محرم الحرام ۱۴۲۲ھ

''المعھد العالی'' نظامِ قضاء کو عملی طور پر سیکھنے کے لیے بہترین تربیتی ادارہ ہے، پورے ملک سے طلبہ آتے ہیں اور فیض یاب ہو کر واپس جاتے ہیں، حالاں کہ عام طور پر بہار کی طرف دوسرے علاقہ کے طلبا کا رخ کم ہوتا ہے، مفتی محمد حفظ الرحمن صاحب نے مقدمات کی کارروائیوں کو وہاں سیکھا، اس کے بعد دارالافتا میں اسی کام کے لیے ان کا تقرر کیا گیا۔

یہ واقعہ ۱۴۲۲ھ کا ہے، اس کے بعد سے مفتی محمد حفظ الرحمن صاحب اور استاذِ محترم حضرت مفتی عباس بسم اللہ صاحب از اول تا آخر مقدمات کی تمام کارروائی انجام دیتے ہیں، اشدّ ضرورت اور سنگین حالات میں مفتی صاحب بھی ہاتھ بٹاتے ہیں۔

باب پنجم

علمی شہ پارے

مفتی صاحب کو جہاں اللہ تعالیٰ نے تفقہ فی الدین کی دولت سے مالا مال فرمایا وہاں سیال قلم اور تحریری صلاحیت سے بھی نوازا ہے، اگر چہ آپ خود ہمیشہ یہی کہتے اور لکھتے رہے کہ ''مجھے مضمون نگاری نہیں آتی''۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ کی تحریر خالص عالمانہ ومحققانہ اور لب ولباب کی حیثیت کی حامل ہوتی ہے جیسا کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے بارہویں اجلاس کے سلسلہ میں ''خطبۂ استقبالیہ'' کے متعلق حضرت مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی دامت برکاتہم کی تحریر میں گزر چکا۔

① ماہنامہ ''انسان'' میں کالم

آپ کے مضامین میں سب سے پہلے ماہنامہ ''انسان'' گجراتی میں آپ کے مضامین طبع ہوئے، راندیر سے منشی ابراہیم بیکار صاحب ''انسان'' نامی رسالہ نکالتے تھے، اس میں متعدد مضامین ہوتے، ایک کالم قرآنی تعلیم کے نام سے ہوتا تھا، پہلے یہ کالم مولانا عبدالرحیم صادق صاحب راندیری تحریر فرماتے تھے، ان کے انتقال کے بعد منشی بیکار صاحب کی فرمائش پر مفتی صاحب نے یہ کالم سنبھالا، چناں چہ ''انسان'' کے کئی شماروں میں یہ مضمون طبع ہوا ہے، قرآنی تعلیم عنوان کے ذیل میں قرآن شریف کی کوئی آیتِ کریمہ منتخب کرکے گجراتی میں ترجمہ اور خلاصہ لکھا جاتا۔

②''تربیة الاولاد فی الاسلام'' کا ترجمہ

سورت سے ماہنامہ ''حیات'' گجراتی زبان میں شائع ہوتا تھا اس میں ایک کالم ''اسلامی تعلیم'' ہوتا، یہ کالم مولانا علی احمد خانپوریؒ (م ۱۹۸۹ء) لکھا کرتے تھے، ان کے انتقال کے بعد مئی ۱۹۸۹ء مطابق ماہ رمضان المبارک ۱۴۰۹ھ سے حضرت مفتی صاحب نے یہ کالم لکھنا شروع فرمایا، شروع کے چند ماہ مفتی صاحب نے متفرق مضامین تحریر فرمائے، بعد میں اکتوبر ۱۹۸۹ء مطابق ربیع الاول ۱۴۱۰ھ سے شیخ عبداللہ ناصح علوان کی کتاب ''تربیۃ الاولاد فی الاسلام'' کا ترجمہ گجراتی زبان میں قسط وار شروع فرمایا، غالباً ایک زمانہ تک براہِ راست اصل عربی کتاب سے ترجمہ کرتے رہے بعد میں مذکورہ کتاب کا اردو ترجمہ ''اسلام اور تربیتِ اولاد'' (از ڈاکٹر حبیب اللہ مختار جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی) ہاتھ لگا تو اسی سے ترجمہ کرتے تھے، یہ سلسلہ قریب تین سال تک جاری رہا، اسلام اور تربیتِ اولاد جلد اول/ ۴۵۶ ''مذاق کے آداب'' تک ترجمہ شائع ہوا، بعد میں ماہنامہ ''حیات'' نے دم توڑ دیا تو یہ سلسلہ ختم ہوا۔

یہ سلسلہ دوبارہ ماہنامہ ''البلاغ'' گجراتی جامعہ علوم القرآن جمبوسر میں جنوری ۲۰۰۳ء سے مفتی فرید احمد صاحب کاوی زید مجدہم نے شروع کر رکھا ہے، مفتی صاحب کے ترجمہ کا پہلا حصہ کتابی شکل میں کے نام سے منظرِ عام پر آچکا ہے۔

③مشاہدات

۱۹۸۶ء میں مشہور خطیب مولانا سید عبدالمجید ندیم صاحب مدظلہم (ناظمِ اعلیٰ مجلسِ تحفظ حقوق اہلِ سنت والجماعت پاکستان) کو جامعہ ڈابھیل نے مدعو کیا تھا، کئی روز جامعہ میں قیام رہا، قرب وجوار میں بیانات بھی خوب رہے، ان کے اس دورے کی تفصیل

''مشاہدات'' کے نام سے اردو میں حضرت مفتی صاحب نے تحریر فرمائی ہے۔

④ مبادیات حدیث علی نہج مقدمہ مشکوٰۃ المصابیح

۱۳۹۴ھ میں پہلی مرتبہ مشکوٰۃ شریف کا درس دیا، اس وقت فنِ حدیث اور کتاب مشکوٰۃ سے متعلق ضروری اور اہم امور اپنی سہولت اور طلبہ کے افادہ کے خاطر نوٹ کئے تھے، یہ تحریر طلبہ میں بہت مقبول ہوئی، بہت سوں نے اس کو نقل کیا۔

۱۹۹۵ء میں محترم مولانا مفتی محمود بارڈولی صاحب زید مجدہم (استاذِ عربی جامعہ ڈابھیل) نے مفتی صاحب کی اجازت سے کچھ اضافہ اور ترتیب دے کر ''مبادیاتِ حدیث'' کے نام سے شائع کر دیا۔

چوں کہ اس میں مختلف حیثیتوں سے نقص وسقم تھا؛ اس لیے ۱۴۲۴ھ میں رفیقِ محترم مولانا مرغوب احمد لاجپوری زید مجدہم (مقیم ڈیوزبری، برطانیہ) نے ترتیب جدید اور تحقیق وحواشی کے ساتھ ''مبادیات حدیث علی نہج مقدمہ مشکوٰۃ المصابیح'' کے نام سے مہذب فرمایا، جو جامعۃ القراءات کفلیتہ سورت سے ۱۴۲۷ھ میں شائع ہوا۔

⑤ فتاوی رحیمیہ کا ترجمہ

حضرت اقدس مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ کے فتاوی جو گجراتی ماہنامہ ''پیغام'' میں شائع ہوتے تھے ان فتاوی کی جلد اول ودوم کو گجراتی سے اردو زبان میں جن حضرات نے منتقل کیا ان کے نام یہ ہیں: مولانا نور محمد پٹیل صاحب ہتھورنی، حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری، مولانا ولی احمد سیتپونی، مذکورہ ترجمہ پر مبصر نے ان الفاظ میں تبصرہ کیا ہے:

''گجراتی سے اردو ترجمہ خود مفتی صاحب کا نہیں ہے بعض دوسرے حضرات نے

کیا ہے اور وہ خود بھی بے حد قابلِ تحسین ہے، کہیں سے ترجمہ پن ظاہر نہیں ہوتا''۔

(ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ماہ مارچ ۱۹۷۰ء)

⑥ تسہیل السراجی

جامعہ ڈابھیل میں فنِ فرائض کی مشہور کتاب ''سراجی'' کا سبق ہدایہ اول کے گھنٹہ میں رکھنے کا دستور رہا ہے، سراجی کے لیے مستقل گھنٹہ نہیں ہے۔

۱۴۱۹ھ میں ہدایہ اول کی تدریس کی ذمہ داری راقم الحروف کے سر ڈالی گئی، اس سے پہلے کنز الدقائق اور شرح وقایہ پڑھا چکا تھا اس لیے ہدایہ کی تدریس تو قبول کر لی لیکن سراجی پڑھانے کی ہمت نہیں ہوئی، میری خواہش تھی کہ کم از کم ایک مرتبہ حضرت مفتی صاحب سے پڑھ لوں؛ چناں چہ ۱۴۱۹ھ میں حضرت نے سراجی کا درس دیا، اس سال سراجی پڑھنے والے طلبہ میں مفتی طیب بھڑکودروی سلمہ (صاحب زادہ مولانا موسیٰ بھڑکودروی مدظلہ ناظم کتب خانہ جامعہ) بھی تھے، انہوں نے مفتی صاحب مدظلہ کے درس کو کیسٹ میں نہایت ہی اہتمام سے ضبط کر لیا تھا، بعد میں انہی کیسٹوں کو تحریری شکل دے کر جامعہ کے فعال استاذ مولانا مفتی ابوبکر صاحب پٹنی زید مجدہ نے مرتب فرما کر کتابی شکل میں ''تسہیل السراجی'' کے نام سے شائع فرمایا۔ فجزاهما الله احسن الجزاء.

''تسہیل السراجی'' کو حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے پسند فرمایا ہے۔

⑦ حدیث کے اصلاحی مضامین (جلد اول تا پانزدہم)

سیدی ومولائی فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی ۱۴۱۷ھ میں وفات ہوئی، ان کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت فقیہ الامت کے

سورت میں مقیم معتقدین و منتسبین بالخصوص مولانا محمد علی منیار صاحب دامت برکاتہم (خلیفۂ مجاز حضرت فقیہ الامتؒ) کا تقاضا اور اصرار ہوا کہ ہفتہ میں کسی ایک دن مفتی صاحب کی مجلس قائم کی جائے، کچھ عرصہ تک مفتی صاحب اپنی افتادِ طبع کی بنا پر اس کو عملی جامہ پہنانے میں متردد رہے، اسی دوران حضرت اقدس قاری سید صدیق احمد باندوی نور اللہ مرقدہ (م ۱۹۹۷ھ) کی تشریف آوری ہوئی، حضرت مفتی صاحب حضرت باندویؒ کو اپنے شیخ کے قائم مقام سمجھتے تھے، اسی بنا پر احباب کی مذکورہ خواہش اور اصرار کا تذکرہ بغرضِ استصواب حضرت باندویؒ سے کیا، حضرت باندویؒ نے تاکید فرمائی کہ یہ سلسلہ ضرور شروع کیا جائے۔

چناچہ شبِ یکشنبہ کو اس کے لیے تجویز کرتے ہوئے مسجدِ ابرار (شالیمار سوسائٹی سورت) میں مجلس منعقد ہونا طے پایا، جس کی ترتیب یہ رکھی گئی کہ مغرب کی نماز وہاں ادا ہو اور بعد نمازِ مغرب تا عشا مجلسِ ذکر اور عشا کی نماز کے بعد حدیث کا درس ہو اور اس درس کے لیے حدیث کی مشہور کتاب "ریاض الصالحین" کا انتخاب عمل میں آیا، چناں چہ سب سے پہلی مجلس ۱۴/ستمبر ۱۹۹۶ء کو ہوئی، رفتہ رفتہ یہ سلسلہ اتنا مقبول ہوا کہ شرکت کرنے والوں کے لیے مسجدِ ابرار کا دامن تنگ پڑنے لگا، بالآخر اس مجلس کو مسجد انوار (نشاط سوسائٹی سورت) میں منتقل کرنا پڑا۔

اس ہفتہ واری مجلس میں عوام و خواص میں سے باذوق شائقین حصہ لیتے ہیں، احسان و سلوک کے شیدائیوں کے لیے بھی خوشہ چینی کا اچھا موقع ہوتا ہے، ذکر کی مجلس میں بیعت کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے، سلوک طے کرنے والے احوال پیش کر کے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، مجلس کے اختتام پر پیش آمدہ فقہی سوالات کے جوابات سے سامعین محظوظ

ہوتے ہیں، گویا حدیثِ پاک کے درس کے عنوان سے سالکین، شائقین کو اپنے حوصلہ کے مطابق دامن بھرنے کا موقع میسر آتا ہے۔

سورت کی اس مجلس کی برکت سے لوگوں میں اہل اللہ کی طرف رجوع ہونے کا شوق پیدا ہوا، بیعت اور اپنی اصلاح کی اہمیت پیدا ہوئی، کئی لوگ اہل اللہ سے اپنا تعلق قائم کر کے باطنی تلقین وتربیت سے فیضیاب ہوئے اور مراد کو پہنچے، لوگوں کے عقائد، معاملات، اور معاشرتی مسائل کی اصلاح ہوئی، مجلس کی تقریر مستورات اپنے اپنے گھروں میں سن سکیں اس کا بھی انتظام کیا گیا ہے، اس لیے عورتوں میں بھی اتباع سنت کا شوق پیدا ہوا، امور خانہ داری میں مسائل شرعیہ کا لحاظ، بچوں کی تربیت کا طریقہ وغیرہ وغیرہ امور میں اصلاح کی فکر پیدا ہوئی۔

اس مجلس میں وہ حضرات بھی شریک ہوتے ہیں جن کا مفتی صاحب سے بیعت واصلاح کا تعلق ہے، عام لوگ بھی شریک ہوتے ہیں، راندیر اور دیگر مدارس دینیہ کے علما وطلبا بھی حاضری دیا کرتے ہیں، غرض دور دراز سے محض مجلس میں شرکت کی خاطر لوگ آتے ہیں، مسجد انوار میں بعد المغرب ذکر بالجہر کی مجلس ہوتی ہے، اس میں بھی لوگ شرکت کرتے ہیں اس مجلس کا عجیب سماں ہوتا ہے، اس وقت کسی نو وارد کا وہاں سے گذر ہو تو یہی محسوس کرے گا یہ کوئی خانقاہ ہے، بالفاظ دیگر اس وقت مسجد انوار صحیح معنی میں اپنے انوار منتشر کرنے اور بکھیرنے میں مینائۂ نور معلوم ہوتی ہے۔

اہلِ سورت کے لیے یہ مجلس بڑی بابرکت اور پرکشش ہے، جن دنوں میں مفتی صاحب سفر حج یا کسی دور دراز سفر میں ہوتے ہیں، اس وقت اہل سورت کا شوقِ انتظار قابل دید بلکہ قابل رحم ہوتا ہے، مفتی صاحب مدظلہ کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ مجلس ناغہ نہ ہو، سفر کے

نظام میں اس کا خاص اہتمام فرماتے ہیں۔

سنیچر کے دن اور اتوار کی رات کا انتخاب اہلِ شہر کی سہولت کے پیش نظر کیا گیا ہے، کہ عموماً اتوار کو کام کاج کی ذمہ داری ان پر کم ہوتی ہے، سرکاری ملازمین کی چھٹی ہوتی ہے، اس لیے لوگ پرسکون اور حاضر دماغی سے دین کی بات سن سکتے ہیں۔

اس مجلس میں ہونے والے درسِ حدیث کو کیسٹ میں ضبط کرنے کا اہتمام دوسری مجلس ہی سے مولانا عبدالمنان بن شیخ محمد منیار صاحب سلمہٗ وعافاہ نے کیا تھا، وہ نہایت ہی اہتمام سے ہر مجلس کو محفوظ کرتے رہے، بعد میں ان مجالس کو کیسٹ سے کاغذ پر بذریعۂ قلم اتار کر شائع کیا گیا، یہ مجموعہ حدیث کے اصلاحی مضامین کے نام سے پندرہ جلدوں میں منصۂ شہود پر آچکا ہے۔

''حدیث کے اصلاحی مضامین'' پر بڑے بڑے علماء کی تقاریظ ہیں، ان میں صرف سید الفتاوی حضرت اقدس سید مفتی عبدالرحیم لاجپوریؒ کی تقریظ کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں:

''دو آتشہ شراب اور سونے پر سہاگہ والی مثل مشہور ہے، اس درس پر جو آپ کے ہاتھوں میں ہے دونوں مثالیں پورے طور پر صادق آتی ہیں، درس حدیث کا ہو اور صاحبِ درس ایک صالح خدا ترس، پرہیز گار، وفا شعار، اور عالم باعمل انسان ہو، جس کی طبیعت میں سادگی ہو، فکرِ آخرت ہو، دنیا سے دوری ہو اور امت وملت کا درد ہو یعنی عزیزِ مکرم مولانا مفتی احمد خانپوری (سلمہ اللہ وزادہ علماً وعملاً) تو اس درس میں جتنی خوبیاں جمع ہوں قرینِ قیاس ہے۔

سورت میں ہونے والے اس درس کا افادہ کھلے طور پر محسوس کیا جارہا ہے، مفتی صاحب کا طرزِ تفہیم بھی نرالا ہے کہ سامعین کی توجہ مکمل طور پر بیان ہونے والے مضمون پر

مرکوز ہوجاتی ہے سامعین تھوڑی دیر کے لیے ماحول سے بے خبر ہوجاتے ہیں۔ احادیثِ طیبہ کے مضامین کو الہامی مثالوں اور اسلافِ عظام اور بزرگانِ ملت کے واقعات کی مدد سے خوب کھول کر مخاطبین کے سامنے پیش کرنا مفتی صاحب کی خصوصیت ہے، اندازِ بیان ایسا ہے کہ سننے والا اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا ہے، بہت قوی امید ہے کہ اس کی اشاعت سے ان لوگوں کو بھی فائدہ ہوگا جن تک یہ کتاب پہنچے گی۔ (حدیث کے اصلاحی مضامین ۱/ ۲۲)

⑧ فتح اللہ الاحد بتوضیح الادب المفرد

سورت کی اس مجلس میں 'ریاض الصالحین' کی تکمیل کے بعد 'الادب المفرد' اور 'شمائلِ ترمذی' زیرِ درس رہی ہیں، جن میں سے اول الذکر کی تقریروں پر مشتمل دو جلدیں "فتح اللہ الاحد بتوضیح الادب المفرد" کے نام سے مولانا ابراہیم بن یوسف اٹالوی صاحب (برطانیہ) نے مرتب کرکے شائع کی ہے، اور بقیہ کام جاری ہے۔

⑨ مکتوبات فقیہ الامت بنام حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری (قسطِ رابع)

حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہیؒ میں حق تعالیٰ نے جہاں اور بہت سے کمالات واوصاف ودیعت فرمائے تھے وہیں یہ شان خصوصیت کے ساتھ نمایاں طور پر آشکارا ہے کہ اپنے متوسلین ومتعلقین سے بے انتہا قلبی ربط اور تعلق رکھتے تھے، سالکین کے خطوط پر پوری توجہ رکھتے اور سفر وحضر میں نہایت ہی اہتمام کے ساتھ خط کے ہر ہر جز کا جواب تحریر فرماتے یا املا کرواتے۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک پاکیزہ کڑی اور سلسلۂ سلوک کی سنہری لڑی مکتوبات فقیہ الامت قسطِ رابع ہے جس میں ۱۴۲ گرامی نامے ہیں۔

۱۳۸۸ھ سے ۱۴۱۶ھ تک ۲۸/ برس کے طویل زمانہ پر محیط مرشد اور مسترشد

کے مابین تعلقات کی عجیب ودل کش باتیں ہیں، اس مجموعہ کی مکتوب الیہ واحد شخصیت ہے، روحانی وسلوک کے مسائل کی عقدہ کشائی اور باطنی ترقیات میں گرامی ناموں کی مثال زینہ کی سی ہے، کہیں ادھر سے دیدار کا اشتیاق ہے تو کہیں اُدھر سے انتظار ہے، کہیں شکوہ ہے تو کہیں جوابِ شکوہ، کہیں دبے الفاظ میں تنبیہ ہے تو کہیں حوصلہ افزائی، ایک حیثیت سے مکتوبات کا یہ مجموعہ:

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم	❁	گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

کا مصداق ہے، مکتوبات پر تشریحی نوٹ حضرت مفتی صاحب کے قلم سے ہے، اخیر کے چند مکتوبات پر راقم کی خامہ فرسائی، اس مجموعہ کی ترتیب کی سعادت بھی راقم کے حصہ میں آئی۔

(۹) خطبۂ استقبالیہ

یہ گجرات کے تاریخی شہر احمد آباد میں ۷ / ۸ / اکتوبر ۱۹۹۵ء کو مسلم پرسنل لاء بورڈ کے بارہویں اجلاس کے لیے تحریر کیا گیا خطبہ ہے، اس پر تبصرہ عنوان ''شرائط مفتی کا تحقق'' کے ذیل میں نمبر ۴ پر گذر چکا۔

(۱۰) مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحبؒ کی مقبولیت کا راز

۱۹۹۹ء میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے وصال کے بعد ڈیوز بری برطانیہ میں مولانا مرحوم کی یاد میں ایک عالمی سمپوزیم منعقد کیا گیا تھا، جس میں برطانیہ کے سربرآوردہ اہلِ علم کے علاوہ دیگر ممالک کے بہت سے اصحابِ فضل وکمال مندوبین بھی شریک ہوئے، حضرت مفتی صاحب بھی مدعو تھے، اس سمپوزیم میں آپ نے شرکت فرمائی اور مولانا علی میاں صاحب کے بعض احوال پر مقالہ تحریر فرمایا، اربابِ دین ودانش کے لیے یقیناً چشم کشا مقالہ ہے، فرید بک ڈپو دہلی نے اس مقالہ کو طبع کیا ہے۔

(۱۱) رمضان المبارک کی تیاری

رمضان المبارک ظاہری و باطنی نعمتوں کے حصول کا سیزن ہے، مفتی صاحب خود بھی نہایت ہی اہتمام سے ماہِ مبارک کو وصول فرماتے ہیں، اپنے متعلقین کو بھی اہتمام سے گزارنے کی تاکید فرماتے ہیں، یہ رسالہ ایک مجلس کی تحریری شکل ہے، گجراتی اور اردو دونوں زبان میں دستیاب ہے۔

(۱۲) نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت

ریاض الصالحین کے اسباق کے سلسلہ کی ایک مجلس ہے، اسی موضوع پر دیگر بیانات کے ذریعہ سے دو چند اضافہ کر کے ۷۲ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے، اردو اور گجراتی زبان میں بارہا طبع ہو چکا ہے، لوگوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت کے موضوع پر بڑی مفصل اور زریں ہدایات اور عبرت انگیز واقعات بیان کئے گئے ہیں، عوام اور سالکین کے لیے گراں قدر تحفہ ہے۔

(۱۳) بیعت ہونے والوں کو ہدایات

احمد آباد میں بیعت کے موضوع پر بیان فرمایا تھا، اسی کو ضبط کر کے اضافہ و ترمیم کے بعد شائع کر دیا، اس میں بیعت کی حقیقت، حقوق اللہ، حقوق العباد اور معمولات کی پابندی کا اہتمام وغیرہ امور کو عام فہم انداز میں سمجھایا گیا ہے، بوقتِ بیعت یہ رسالہ دیا جاتا ہے، اردو، گجراتی دونوں زبانوں میں دستیاب ہے۔

(۱۴) سوانح مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب (گجراتی)

مفتیٔ اعظم گجرات، مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ

صاحب (متوفی ۱۴۲۹ھ) قابلِ رشک حالات وخدماتِ دینیہ پر مشتمل مرقع ہے، ان کے وصال کے بعد ماہنامہ ''الاصلاح'' کا خصوصی نمبر شائع ہوا تھا، اس میں مفتی بسم اللہ صاحب کی خدمات وحالات پر مختلف اہلِ علم اور دانشورانِ قوم نے مضامین تحریر فرمائے تھے، ضرورت اس بات کی تھی کہ ان مضامین کو سوانحی جامہ پہنا کر مرتب کیا جائے، مفتی بسم اللہ صاحب کے فتاوی ''فتاوی سنگرہ'' کی ترتیبِ جدید کے موقع پر مفتی صاحب نے یہ فرمایا کہ ''مفتی بسم اللہ صاحب کا ہم پر حق ہے'' اسی حق کی ادائیگی میں ''الاصلاح'' کے مضامین سے منتخب مرقع تحریر فرمایا، جو ''فتاوی سنگرہ'' جلد اول کے شروع میں طبع ہوا ہے۔

(۱۵) مسلم پرسنل لاء (گجراتی)

احمد آباد میں ۷/۸/اکتوبر ۱۹۹۵ء کو مسلم پرسنل لاء بورڈ کا بارہواں اجلاس منعقد ہونے سے پہلے اہلِ گجرات کو مسلم پرسنل لاء کی اہمیت سے باخبر کرنے کے لیے بطورِ تعارف یہ رسالہ تحریر فرمایا تھا، جامعہ فیضان القرآن احمد آباد سے طبع ہوا ہے۔

(۱۶) کاروباری مسائل اور ان کا شرعی حل (قسط اول، متعلقہ ہوٹل)

یہ مجموعہ معاملات کے مسائل جو دارالافتا چھاپی کی طرف سے پوچھے گئے تھے اس کی پہلی قسط ہے، اس میں ۹۰ رمسائل شامل کئے گئے ہیں، حضرت مفتی صاحب کے تحریر فرمودہ ۲۴، اور باقی مسائل دیگر مفتیانِ کرام نے لکھے ہیں، تمام ہی مسئلوں کو کتبِ فتاوی وفقہ کی عبارتوں سے مدلل ومزین کیا گیا ہے، جس سے اس مجموعہ کی افادیت دوبالا ہوگئی ہے، دارالعلوم چھاپی نے چھاپا ہے۔

(۱۷) دیگر رسائل

حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ اور فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے

انتقال کے بعد ان کی سوانحِ حیات پر گجراتی زبان میں طویل مضمون تحریر فرمایا ہے جو کتابچہ کی شکل میں شائع ہوا۔ ایسے ہی بعض سوالات کے طویل جوابات تحریر فرمائے جو اردو گجراتی زبان میں مستقل شائع ہوئے جیسے کھڑے ہوکر صلاۃ وسلام، منگنی اور نکاح کے رسوم، شبِ زفاف منانے کا طریقہ، ایمان ختم کرنے والے گیت وغیرہ وغیرہ، یہ رسائل اردو و گجراتی فتاوی میں اپنے اپنے باب کے ذیل میں شامل کر لیے گئے ہیں۔

⑱ محمود الرسائل

حضرت مفتی صاحب کے مفید و جامع رسالوں کی حفاظت کے پیشِ نظر راقم الحروف نے آپ کے دس رسالوں کو علاحدہ مجلد بھی شائع کر دیا ہے، جس میں حسبِ ذیل رسائل یکجا ہیں: ① نگاہ وشرم گاہ کی حفاظت ② رمضان المبارک کی تیاری ③ جامعہ کے دو اہم خطاب ④ فضلاء سے اہم خطاب ⑤ حدیث کی حجیت اور اس کی حفاظت واشاعت ⑥ منگنی اور شادی کے مسائل کا حل ⑦ مولانا علی میاںؒ کی مقبولیت کا راز ⑧ خطبۂ استقبالیہ ⑨ بیعت ہونے والوں کو ہدایت ⑩ سفرائے مدارس کے ساتھ ہمارا سلوک۔

⑲ محمود المواعظ

مختلف تقریبات کے حوالے سے خلقِ خدا کی فرمائش بلکہ اصرارِ شدید پر طویل عرصے سے حضرت مفتی صاحب وعظ وخطاب کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں، کبھی جمعہ کے مجمع کی مناسبت سے تو کہیں اصلاحی پروگرام کی تقریب سے، کبھی اختتام قرآن کی مبارک نسبت اور ختم بخاری کی مقدس موقع سے تو کبھی سالانہ جلسوں کی تقاریب میں، کبھی اندرونِ ملک تو کبھی بیرونِ ملک، جس میں موقع ومحل کی مناسبت سے مختلف موضوعات زیرِ گفتگو آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بڑا فضل واحسان ہے کہ آپ کے مخلص خدام ان تمام چیزوں کو افادۂ

عام کی غرض سے مرتبہ صورت میں منظرِ عام پر لا رہے ہیں، جس کی تا حال چار جلدیں 'محمود المواعظ' کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔ جس کے موضوعات حسبِ ذیل ہیں:

جلد اول: ① اہلِ علم کے لیے قیام اللیل اور ذکر اللہ کی اہمیت ② آداب المعلمین ③ علماء وائمہ کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں ④ صلہ رحمی کی اہمیت ⑤ والدین کی نافرمانی ⑥ تواصی بالحق والصبر اور تبلیغ کی محنت ⑦ خصوصیاتِ نبوی اور مخلوق کے ساتھ حسنِ سلوک ⑧ مصارف میں اخلاصِ نیت اور احتساب ⑨ زمانے کو اسلام کے عملی نمونے کی تلاش ہے۔

جلد دوم: ① انسانی زندگی اللہ تعالیٰ کی امانت ہے ② تربیتِ اولاد: اول، دوم ③ اصلاحِ معاشرہ کی ہماری کوششیں ناکام کیوں رہتی ہیں؟ ④ رمضان المبارک: فضائل اور تقاضے ⑤ صحبتِ صالحین ⑥ اعمال میں اخلاص اور احتساب کا استحضار ⑦ جنت میں داخلے کا آسان ترین راستہ حدیث شریف کی روشنی میں: اول، دوم ⑧ اسلامی معاشرت: حقوق و آداب ⑨ تقویٰ کیا ہے؟ ⑩ مدنی زندگی کی ابتدا اور حضور کی تین نصیحتیں ⑪ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے احوال۔

جلد سوم: ① لجنۃ القرّاء کے سالانہ اجلاس کے موقع پر طلبہ سے اہم خطاب ② حجیتِ حدیث، درسِ حدیث، درسِ مسلسلات ③ اختلافی مسائل میں اعتدال اور شرعی حدود کی رعایت کی ضرورت ④ علماء کرام اور مکاتب و مدارس کے مدرسین کی ذمہ داریاں: اول، دوم ⑤ رہنمائے معلمین ⑥ اہلِ علم اپنا مقام و مرتبہ پہچانیں ⑦ رہنمائے طلبہ: چھے قسطیں ⑧ طالبانِ علومِ نبوت سے کچھ باتیں، کچھ نصیحتیں۔

جلد چہارم: ① ہماری بدحالی کے اسباب اور اس کا حل ② پندرہ کاموں پر عذاب کی وعید حدیث کی روشنی میں ③ حج کا مسنون طریقہ ④ بندگانِ الٰہی کے ساتھ خیر خواہی

دینِ اسلام کی نظر میں ⑤ مسجد اور اس کی تعمیر کے فضائل: اول، دوم ⑥ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش اور ان نعمتوں کے بارے میں بندوں کا حال ⑦ دنیوی مال ومتاع اور اس کے حقوق ⑧ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت سمجھو ⑨ ذکر کے فضائل وفوائد۔

خدمات کی ایک اور نوع

اب تک جو گذرا یہ وہ علمی کاوشیں ہیں جن پر باقاعدہ حضرت مفتی صاحب کا نام درج ہے اور آپ ہی کی طرف وہ منسوب ہیں، کچھ علمی خدمات ایسی ہیں جو کسی اور کی طرف منسوب ہیں مگر اس میں آپ کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہے، اہلِ علم تصنیف وتالیف کا مسودہ آپ کی خدمت میں نظرِ ثانی اور اطمینان حاصل کرنے کے لیے بھیجتے ہیں، آپ از اول تا آخر گہری نظر سے مطالعہ فرما کر حسبِ ضرورت ترمیم وتنسیخ کے بعد واپس کر دیتے ہیں، اس نوع کے بیسوں علمی مسودوں میں آپ کی خدمات منتشر ہیں، ایسے ہی ''فتاوی محمودیہ کی کئی جلدیں''، ''فتاوی رحیمیہ کی تمام جلدیں''، ''فتاوی عبدالغنی'' (کاوی) حضرت مفتی اسماعیل واڈی والا صاحب کے فتاوی، مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب کے فتاوی ''فتاوی سنگرہ'' مولانا مفتی مرغوب احمد لاجپوری کے فتاوی ''مرغوب الفتاوی'' (زیرِ ترتیب) اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

راقم الحروف کی مرتب کردہ فہارس: فہرستِ فتاوی رحیمیہ، فہرستِ فتاوی محمودیہ، فہرستِ کفایت المفتی، فہرستِ افادات فقیہ الامت آپ ہی کی زیرِ سرپرستی اور ہدایت سے تیار کی گئی ہیں۔

۲۰۰۵ء میں آپ کی سرپرستی میں بہت ہی اہم کام انجام پایا، دعوت وتبلیغ کی چھ صفات سے متعلق حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کی عربی کتاب ''منتخب احادیث'' (صفحات ۸۰۳) ترتیب وترجمہ از مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی مدظلہ کو گجراتی زبان میں منتقل کرنے کا کام جامعہ ڈابھیل کے فارغ مولانا خلیل صاحب بلساڑی نے انجام دیا، یہ ترجمہ حضرت مفتی صاحب کی زیرنگرانی ہوا، جس کی وجہ سے گجراتی تبلیغی احباب کے ہاتھ احادیثِ مبارکہ کا بڑا قیمتی ذخیرہ آگیا، گجراتی ترجمہ ۱۰۱۶ صفحات پر مشتمل ہے، نصیر بک ڈپو دہلی سے یہ ترجمہ شائع ہوا، اس پر نظام الدین دہلی سے اصل مترجم مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی مدظلہ کا گرامی نامہ بطورِ شکریہ حسبِ ذیل الفاظ میں آیا:

گرامی نامہ مولانا محمد سعد صاحب بنام مفتی صاحب

از مسجد بنگلہ والی بستی حضرت نظام الدینؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۸/ اپریل ۲۰۰۵ء

مکرمی محترمی حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کی ذات عالی سے امید رکھتا ہے بندہ کہ مزاجِ گرامی بعافیت ہوں گے، حضرت والا کی اس ضعف وعلالت کے باوجود ''منتخب'' کے گجراتی ترجمہ کی سرپرستی اور نگرانی فرمانے پر بندہ انتہائی ممنون ومشکور؛ بلکہ بہت ہی مطمئن ہے کہ ترجمہ آپ جیسی شخصیتوں کی نگرانی سے معتبر اور عندالجمیع معتمد ہوگیا، بڑوں کی چیز تھی اس لیے بڑے ہی

اس کے ترجمہ کے اہل تھے۔

اللہ رب العزت آپ کو اس امانت کے حق کی ادائیگی کا بہترین بدلہ عطا فرمائے، بندہ ہر دم اپنی دعاؤں میں انفرادی اجتماعی حضرت والا کی صحت اور قوت اور تادیر سایۂ عاطفت بقا کے لیے یاد کرتا رہتا ہے۔ والسلام

بندۂ ناچیز محمد سعد عفی عنہ

سوانح حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ کا مقدمہ

سنہ ۱۴۱۸ھ میں حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ کی وفات کے بعد مفتی صاحب حضرت مولانا مرحوم کے صاحب زادۂ محترم مولانا محمد یونس صاحب کی خدمت میں بغرض تعزیت مرکزِ تبلیغ نظام الدین حاضر ہوئے، اس وقت درمیان گفتگو یہ بات بھی آئی کہ حضرت مولانا مرحوم کی سوانح وحالات ترتیب دے کر لوگوں کے سامنے پیش کرنا چاہیے، چناں چہ مفتی صاحب نے اس کام کے لیے اپنے آپ کو پیش فرمایا، سوانح کا تھوڑا بہت مواد مولانا محمد یونس صاحب نے دیا، باقی مواد اپنے مقام (ڈابھیل) آکر حاصل کرنے کے لیے کوشاں رہے، چونکہ تصنیفی کام یکسوئی اور مناسب ماحول چاہتا ہے، ڈابھیل میں رہتے ہوئے واردین کی کثرت کے سبب مشکل تھا؛ اس لیے محض اس کام کے لیے سورت جناب حافظ ایوب صاحب منیار اور جناب الحاج اقبال صاحب کے گھر بذریعۂ کار صبح تشریف لے جاتے اور شام ڈابھیل واپس آجاتے، کئی روز تک یہ سلسلہ رہا، سوانح کے دو باب مکمل ہو چکے تھے، تیسرا باب چل رہا تھا اس دوران صاحب زادہ مولانا محمد یونس صاحب کی رائے بدلی اور ان کی خواہش ہوئی کہ سوانح کا کام مفتی صاحب کے بجائے

مولانا مفتی محمد صاحب ڈینڈرولوی (مؤلف مومن قوم اپنی تاریخ کے آئینہ میں) انجام دیں تو زیادہ مناسب رہے گا، چناں چہ مولانا محمد یونس صاحب کی خواہش کے مطابق مرتب اور غیر مرتب تمام معلوماتی مواد مولانا مفتی محمد صاحب کے فرستادہ حضرات کے حوالہ کر دیا اور ذرہ برابر ناراضگی ظاہر نہیں فرمائی، یہ بڑے حوصلہ کی بات ہے ورنہ ایک شخص کئی روز کام میں وقت کا قیمتی سرمایہ صرف کر چکا ہو اور اس کام کو بہتر سے بہتر انجام دینے کے لیے سرگرداں ہو اچانک اس سے وہ کام لے لینا اور اس پر اس کو ذرہ برابر گرانی کا نہ ہونا کم از کم عام اشخاص کی افتادِ طبع کے بس کی بات نہیں، زیرِ نظر سطور میں اس سوانح کا مقدمہ مفتی صاحب ہی کے الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے: (مرتب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین سیدنا ومولانا محمد وعلی اٰلہ واصحابہ وأتباعہ إلی یوم الدین .

پچھلے دو ڈھائی برسوں میں ہندوستان کی ملتِ اسلامیہ جن علمائے ربانیین، اولیائے کاملین، خادمانِ دینِ متین کی وفات اور اس دارِ فانی سے دار البقاء کی طرف رحلت کے حوادث و واقعاتِ فاجعات سے گذری ان کا سلسلہ بڑا طویل اور غم واندوہ کی داستان ہے، ابھی ایک حادثہ کی خبر سن کر دل میں پیدا بے قراری کو قرار نہیں آتا، آنکھوں سے بہنے والا سیلِ رواں تھمنے نہیں پاتا، طبیعت کی بے کلی اور بے چینی دور نہیں ہوتی کہ اچانک کسی اور ہستی کی رحلت کی خبر آجاتی ہے، کسی ایک صدمہ سے ابھی سنبھل نہیں پاتے کہ دوسرا صدمہ آجاتا ہے، ہر جانے والا اپنے خداداد اوصاف وکمالات میں ایسا کامل ویگانہ ہوتا ہے کہ اس کی جگہ لینے والا کوئی دوسرا نظر نہیں آتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے ملتِ

اسلامیۂ ہند یہ کو اس کی نا قدری و ناشکری کی سزا دینے کا ارادہ کر لیا ہو۔

محترم مولانا نور الحسن راشد صاحب زید مجدہم نے ہمارے غمزدہ دلوں اور پرنم آنکھوں کی خوب ترجمانی کی ہے: ''قحط الرجال قحط الرجال امت ہمیشہ سے کہتی چلی آئی ہے مگر یوں محسوس ہوتا ہے کہ قحط الرجال کا اصل دور تو ہم محروموں کو دیکھنا تھا، دیکھتے ہی دیکھتے پچاسوں کاملین اٹھ گئے، درجنوں مشائخِ کبار، اولیاء اللہ اور جلیل القدر علماء نے آخرت کے لیے پرواز کی، نہ جانے کتنے مدرسے بے بہار، اور کتنی خانقاہیں سونی ہو گئیں۔

لیکن حوادث کا سیلاب ہے کہ بہا چلا آ رہا ہے، محرومی کی داستان ہے کہ دراز سے دراز تر ہوتی جاتی ہے، چراغ ہیں کہ بجھتے جا رہے ہیں، محفلیں ہیں کہ ماند پڑ رہی ہیں، تاریکی ہے کہ بڑھتی جا رہی ہے مگر جانے والے جا رہے ہیں، خدایا رحم فرما! اور ہم محروم مجبور اور بے کس لوگوں کو ہماری نالائقی، کم استعدادی، کاہلی، اور کوتاہی کے باوجود ان بزرگوں کے سایہ و فیضان سے محروم نہ فرما۔

عارفین و کاملین یوں ہی رخصت ہوتے رہے تو (خدانخواستہ) ہندوستان میں ایمان و عرفان کا چمنستان نذرِ خزاں ہو جائے گا اور ان کی برکت سے رشد و ہدایت کی جو پھوار برس رہی ہے اور اس سے جگہ جگہ خدمتِ دین کے جو گل بوٹے اگ رہے ہیں ان کی فصل پژمردہ و ناتمام رہ جائے گی۔

لیکن نظامِ قدرت ہمارے ان خیالات و خواہشات کا پابند نہیں، وہاں سے جو فیصلے ہوتے ہیں وہی برحق ہیں، امت کا جو بھی جس قدر نقصان (ظاہری طور پر) ہو لیکن راضی برضا رہنا ہی اصل ایمان ہے، اس لیے ان حوادث پر ان سب بزرگوں کی ارواحِ پاک کے لیے صد ہزار دعائے مغفرت و رحمت۔ یغفر اللہ لنا ولکم ویرحمنا

اللہ وایاکم. کے بعد بارگاہِ الٰہی میں یہی التجا ہے کہ وہ اپنے کرم سے اس نقصانِ عظیم کی غیب سے تلافی فرمائے اور امتِ مرحومہ کو ان اکابرین اور خادمانِ دین وملت کا بہترین بدل عطا ہو، آمین یارب العالمین۔ (سہ ماہی احوال وآثار، اشاعتِ خاص ۲۲، ۲۳)

امتِ مسلمہ کو داغِ مفارقت دینے والے ان ممتاز ترین اور مایۂ ناز افراد میں سے داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بھی ہے مؤرخہ ۱۳/محرم الحرام ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۱/مئی ۱۹۹۷ء یومِ چہار شنبہ کو آپ نے وفات پائی، صاحب زادگان خصوصاً مولانا محمد یونس صاحب زید مجدہ اور اکابرینِ مرکز تبلیغ کی خدمت میں تعزیت پیش کرنے کی غرض سے حاضری کی نیت اسی وقت کرلی البتہ مہلت کا انتظار تھا۔

چناں چہ ہمارے یہاں درمیانِ ربیع الاول ششماہی امتحان ہوتا ہے اور اس کے بعد اواخر ماہ میں آٹھ یوم کی تعطیل ہوتی ہے اب کی مرتبہ اس تعطیل کے ایام میں ہتورا اور دہلی کے سفر کا نظام بنالیا، امتحانِ ششماہی سے فراغت پر جب تعطیل ہوئی تو براہِ بمبئی پہلے ہتورا (ضلع باندہ) عارف باللہ جنیدِ وقت حضرت مولانا قاری سید صدیق صاحبؒ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کی (افسوس کہ آپ کی خدمتِ اقدس میں وہی آخری حاضری ثابت ہوئی) وہاں تین یوم قیام کیا، حضرت قاری صاحب نے خوب شفقت وعنایت کا معاملہ فرمایا اس وقت وہم وگمان اور حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا کہ محبت وشفقت کے دریا سے دوبارہ پیاس بجھانے اور سیرابی حاصل کرنے کا موقع نہیں ملے گا اور اس ابرِ نیساں کے ہمارے حصہ میں آنے والے یہ آخری قطرات ہیں۔ (اللّٰھُمَّ اغفرله وارحمه وأكرم نزله وبر د مضجعه)

ہتورا سے واپسی طے شدہ پروگرام کے مطابق براہِ دہلی ہوئی، اب کی بار دہلی کی اس حاضری میں پہلے سے نیت حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ کے متعلقین کی تعزیت کی تھی، اس لیے حضرت نظام الدین اسٹیشن اتر کر سیدھے بنگلہ والی مسجد پہنچے، وہاں کے دوروزہ قیام میں حضرات اکابر سے ملاقات ہوئی۔

صاحب زادۂ محترم مولانا محمد یونس صاحب زید مجدہ کی خدمت میں بھی بغرضِ تعزیت وملاقات حاضر ہوا، اس موقع پر ان سے یہ عرض کیا کہ حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ کے حالاتِ زندگی اور آپ کے بیانات وغیرہ مرتب ومطبوع ہوکر آجائیں تو لوگوں کو اِن شاء اللہ تعالیٰ نفع ہوگا آپ یہ کام انجام دے دیں، انہوں نے اس کام سے اپنی معذوری ظاہر فرما کر یہ تمنا ظاہر فرمائی کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ تیار ہوجائے تو ہم معلومات وغیرہ کی فراہمی میں تعاون کریں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ یہ خدمت اس ناکارہ کے ہاتھوں انجام پذیر ہو اس لیے میری زبان سے یہ نکلا کہ اِن شاء اللہ تعالیٰ یہ کام میں کروں گا، حالاں کہ اس گفتگو سے پہلے ایسا کوئی خیال بھی دل میں نہیں تھا، اس اظہارِ آمادگی کے وقت یہ خیال آیا کہ حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ جیسی معروف شخصیت کے حالاتِ زندگی کی ترتیب کے لیے مواد تو اِنشاء اللہ تعالیٰ بہ سہولت فراہم ہوجاوے گا۔

چناں چہ محترم مولانا محمد یونس صاحب نے اس پر اپنی مسرت کا اظہار فرمانے کے ساتھ اپنے بھائیوں کو بلا کر ان سے بھی استصواب کرلیا، اسی مجلس میں انہوں نے حضرت مولاناؒ کی ایک ڈائری جس میں حضرت مرحوم نے اپنے اسفارِ غیر ملکی کی تاریخوں کے ساتھ اپنی زندگی کے بعض حالات کی تاریخیں نوٹ فرمائی ہیں مجھے تھمادی، ساتھ ہی

حضرت مولاناؒ کے بعض بیانات جو کتابچوں کی صورت میں اب تک شائع ہو چکے ہیں عنایت فرمائے۔

چونکہ اس وقت میں یہ بھی کہہ چکا تھا کہ ابھی جا کر تو فوری طور پر یہ کام شروع نہ کر سکوں گا کہ مدرسہ میں خاص تعلیم و تدریس کے دن یہی ہوتے ہیں، البتہ امتحانِ سالانہ سے فارغ ہو کر تعطیلات میں اِنشاء اللہ یہ کام کروں گا۔

خیال تھا کہ وہاں تک معتد بہ مواد بھی فراہم ہو جاوے گا اور کام میں آسانی ہوگی، اسی درمیان میرے مشفق و مہربان، مخدوم معظم حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم (صاحب زادہ و جانشین حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ العزیز) نے تو بذریعۂ گرامی نامہ احقر کو خصوصی تاکید فرمائی کہ ابھی سے کام شروع کر دے مگر میں سبق کا بہانہ پیش کرتا رہا۔

اب جبکہ امتحانِ سالانہ ختم ہو کر تعطیلات شروع ہو چکیں اور میں حسبِ وعدہ اس کام کے لیے اپنے عزم کی تجدید و تصمیم کرنے لگا، اور اپنے پاس موجود مواد کو دیکھا تو اس میں حضرت مولاناؒ کے خادمِ خاص مولانا عبد السلام پونوی صاحب کے ترتیب دادہ کتابچہ کے علاوہ مزید کوئی اضافہ نہیں ہوا تھا، محترم مولانا محمد یونس صاحب نے بھی جدید و مزید معلومات پر مشتمل کوئی چیز نہیں بھیجی۔

اب میں حیران ہوں کہ یا اللہ! یہ کام کیسے ہو سکے گا؟ معاً دل میں خیال آیا کہ حضرت شیخ الحدیثؒ کی آپ بیتی اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی سوانح میں بھی کچھ مل سکتا ہے، جس روز کام لے کر بیٹھا اس روز محترم مولانا نور الحسن راشد صاحب زید مجدہم کی ترتیب دادہ سہ ماہی احوال و آثار کاندھلہ کی اشاعتِ خاص بھی محترم الحاج شیخ محمود

صاحب کے پاس سے مل گئی، مولانا مرحوم کے خاندان ووطن سے متعلق معلومات کا بڑا حصہ سوانح نذیری سے اور کچھ عزیز مکرم مولانا مرغوب احمد لاجپوری صاحب بارك الله فی علومه کے ایک مضمون شائع شدہ اذان بلال سے حاصل ہوا اور اس طرح کام شروع کر ہی دیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بعافیت وسہولت اور بخیر وخوبی پایۂ تکمیل تک پہچانے کی سعادت وتوفیق وہمت عطا فرمائے، اور صاحبِ تذکرہ حضرت مولانا محمد عمر صاحبؒ کے اخلاص وخدمات کی برکت سے اس میں قبولیت وبرکت ڈال دے۔ (آمین یارب العالمین)

یہ اعتراف بہت ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھے تصنیف وتالیف اور سیرت وسوانح نگاری کا نہ تجربہ ہے نہ سلیقہ، آج تک چھوٹا بڑا ایک رسالہ بھی نہیں لکھا ہے، یہ پہلا موقع ہے کہ اس وادیٔ سنگلاخ میں قدم رکھا ہے، اس لیے اس تذکرہ میں جتنی بھی اغلاط اور فروگذاشتیں نظر آئیں وہ کم ہیں، جہالت وناتجربہ کاری کے پیشِ نظر متوقع بلکہ یقینی ہیں، ناظرین کرام سے درخواست ہے کہ توجہ والتفات اور محبت وشفقت سے اس کی نشاندہی واصلاح واطلاع فرما کر اپنی عالی حوصلگی اور خوردنوازی کا ثبوت دیں۔

اس کام کے لیے مجھے سب سے زیادہ حوصلہ جو ملا ہے وہ مخدوم معظم حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم کے گرامی ناموں اور زبانی تاکید وترغیب سے کہ آں مخدوم برابر یاددہانی فرماتے رہے، یہ آپ کی توجہِ خصوصی کا اثر ہے کہ میں نے یہ کام شروع کر دیا، اللہ تعالیٰ آں مخدوم کو اس کی بہترین جزائے خیر دارین میں عطا فرما کر آپ کے فیوض وبرکات کو عام وتام فرما کر مراتبِ عالیہ پر فائز فرمائے۔ (آمین)

چند مخلص احباب کی عنایت وتعاون کا تذکرہ ضروری ہے، مولانا اسماعیل ادا صاحب سارودی، مولوی محمد طاہر صاحب سورتی، مولوی سعید اکبر صاحب کریم نگری نے مضامین

کی نقل وتصحیح میں اور جناب حافظ ایوب صاحب وجناب الحاج اقبال صاحب نے یکسوئی کا ماحول فراہم کرنے میں مدد فرمائی۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء فی الدارین.

العبد احمد خانپوری عفی عنہ

مؤرخہ: ۲۳/شعبان المعظم یوم چہارشنبہ ۱۴۱۸ھ

اعتذار

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کے فتاوی پیش کرنے سے بطور تمہید صاحبِ فتاوی کا تعارف کرنے کے ارادہ سے مقدمہ لکھنا شروع کیا تھا جو کافی طویل ہو چکا، مستقل سوانح نگاری مقصود نہیں اور نہ مجھ میں اس کی اہلیت ہے، کہاں حضرت مفتی صاحب کے اوصافِ عالیہ اور کمالات اور کہاں یہ لکیر کا فقیر۔

مفتی صاحب کو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے خود حضرت فقیہ الامتؒ کے ''اخص الخواص'' میں شمار کیا ہے، نیز حضرت فقیہ الامتؒ نے اپنے متعلقین کے مکتوبات میں مجمع الحسنات والبرکات، جامع الکمالات، جامع الاخلاق والاعمال، مجمع الحسنات الظاہرہ والباطنہ کے القاب صرف اور صرف مفتی صاحب کے نام والے مکتوبات میں تحریر فرمائے ہیں، ایسے کمالات کی حامل شخصیت کی سوانح نگاری کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہے یہ عاجز ان سب سے تہی دست ہے:

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید	❁	لیک حیرانم کہ نازش را چساں خواہد کشید

بایں ہمہ مفتی صاحب کی تعلیم وتعلم اور مدرسہ کی زندگی کی خدمات قارئین کی خدمت میں پیش کردی گئیں جس کو سوانح کا ایک حصہ ہی کہا جاسکتا ہے بقول کسے:

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے واسطے

زندگی باقی رہی تو سوانح کے باقی حصوں کو کسی اور جگہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائے اور حضرت مفتی صاحب سے زیادہ سے زیادہ مستفید و مستفیض ہونے کی توفیق عطا فرمائے، ان کی عمر میں صحت میں برکت عطا فرمائے۔ آمین یا رب العالمین .

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم آمين بحرمة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وآله وصحبه وسلم تسليماً كثيراً كثيراً .

احقر العبد عبد القیوم راجکوٹی

معین مفتی دار الافتا جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک گجرات

كتاب الإيمان والعقائد

باب عقائد أهل السنة والجماعة

اہل سنت والجماعت کس کو کہتے ہیں؟

سوال: ① کیا فرماتے ہیں علماء کرام مفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ اہل سنت والجماعۃ کس کو کہتے ہیں؟ اس کی کیا تشریح علماء دین متقدمین نے فرمائی ہے، میرے ناقص علم اور مطالعہ کے مطابق اہل تشیع کے وجود کی وجہ سے ہی اہل سنت والجماعت کا بھی وجود عمل میں آیا، اور اہل سنت حضور ﷺ کا طریقہ وتعظیم اور والجماعت صحابہ کرام کا طریقہ اور تعظیم ہی ہوسکتا ہے، اہل تشیع خصوصاً صحابہ کرام پر تبرا کرتے ہیں، اس کے برخلاف اہل سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعظیم اور طریقہ کو بھی درست تسلیم کرتے ہیں۔

② غیر مقلد حضرات بھی کیا اہل سنت میں شمار ہو سکتے ہیں یا نہیں، تفصیل سے قرآن وحدیث کی روشنی میں برائے کرم تشریح کیجئے؛ تاکہ مطمئن ہوسکوں، ایک عالم صاحب یہ فرماتے ہیں کہ صرف مقلد ہی اہل سنت ہیں، غیر مقلد اہل سنت کی فہرست میں نہیں آسکتے، کیا عالم صاحب کا ایسا فرمانا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

① حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت والجماعۃ کی تعریف وتشریح میں فرماتے ہیں: اہل سنت وہ مسلمان ہیں جو عقائد واحکام میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مسلک پر ہوں، اور قرآن کے ساتھ سنت نبویہ کو بھی حجت مانتے اور اس پر عمل کرتے ہوں۔

قال في شرح العقائد النسفية فبهت الجبائي وترك الأشعري مذهبه

واشتغل هو ومن تبعه بإبطال رأي المعتزلة وإثبات ما ورد به السنة ومضى عليه الجماعة. (ص۱۲)

یہ تو اس لقب کے معنی ہیں، اور اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جو عقائد میں امام ابوالحسن اشعری یا امام ابومنصور ماتریدی کے متبع ہوں۔ (کمافی حاشیہ الخیالی علی شرح العقائد ص۱۹) اور فروع میں ائمہ اربعہ مشہورہ میں سے کسی ایک امام کے مقلد ہوں۔ (امداد الاحکام ۱/۷۷)

تکملۂ بحر الرائق میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے حدیث کا خلاصہ منقول ہے کہ جس میں دس علامتیں ہوں وہ اہل سنت والجماعۃ ہیں، وہ دس علامتیں یہ ہیں :

① پنجگانہ نماز باجماعت پڑھتا ہو۔

② صحابہ میں سے کسی کا ذکر برائی کے ساتھ نہ کرے نہ کسی میں عیب نکالے۔

③ مسلمان بادشاہ کے خلاف تلوار نہ اٹھائے یعنی بغاوت نہ کرے۔

④ اپنے ایمان میں شک نہ کرے، اپنے کو پورے وثوق سے مومن اور مسلم کہے۔

⑤ تقدیر (بھلی یا بری) پر ایمان رکھتا ہو کہ جو کچھ ہے خدائے پاک کی طرف سے ہے۔

⑥ خدا کے دین میں کج بحثی نہ کرے۔

⑦ کسی گناہ کی بنا پر اہل توحید میں کسی کی تکفیر نہ کرے۔

⑧ اہل قبلہ میں سے جو مرے اس کی نماز جنازہ نہ چھوڑتا ہو۔

⑨ سفر وحضر میں موزوں پر مسح کرنے کا قائل ہو۔

⑩ ہر نیک وگناہ گار کے پیچھے نماز کو جائز سمجھتا ہو۔ (منقول از فتاوی رحیمیہ ۱/۷۰ مختصرا)

② غیر مقلدین حضرات میں جو لوگ مذاہب اربعہ کی تقلید کو شرک اور مقلدین کو مشرک یا ائمہ کو برا کہتے ہوں وہ اہل سنت والجماعت میں داخل نہیں، اور جو ایسے

نہیں ہیں صرف تارک تقلید ہیں اور محدثین کے مذہب پر ظاہر حدیث کے اتباع کو افضل سمجھتے ہیں، اور اس میں اتباع ہوئی سے کام نہیں لیتے وہ اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں؛ مگر یہ قسم ہندوستان میں بہت کم پائی جاتی ہے۔ (ماخوذ امداد الاحکام ۱/ ۷۶)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ ربیع الآخر ۱۳۹۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہ لانے والا مسلمان نہیں

سوال: موحد کتابی شخص ہے، جس کا اپنے نبی پر ایمان ہے؛ حتیٰ کہ تمام انبیاء کرامؑ پر بھی ہے؛ لیکن کلمہ لا اله إلا الله محمد رسول الله ﷺ نہیں پڑھتا ہے، ایسے شخص کے لیے ہمارا اسلام کیا حکم نافذ کرتا ہے؟ وہ مرے گا تو کیا یوں کہا جاسکتا ہے کہ وہ بحالت ایمان مرا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد صرف دین اسلام کہلانے کا مستحق وہ ہے جو قرآن اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ہو اور وہی اللہ کے نزدیک مقبول ہے، اس کے علاوہ کوئی دین مقبول اور ذریعۂ نجات نہیں۔ (معارف القرآن: ۲/ ۳۸)

قال رسول الله ﷺ والذي نفس محمد بيده لو بدا لكم موسى فاتبعتموه وتركتموني لضللتم عن سواء السبيل، ولو كان حيا وأدرك نبوتي لاتبعني. (مشكوٰة: ۳۲)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت نے تمام ادیانِ سابقہ کو منسوخ کر دیا؛ اس لیے اب

آپ ﷺ پر ایمان لائے بغیر نجات ممکن نہیں ہے، اور اس کا ایمان معتبر نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ رذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

جنت ودوزخ حقیقی وبرزخی

سوال: قیامت کے دن اگر حساب کتاب ہوگا تو پھر بعض روایتوں میں جو آیا ہے کہ کچھ لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نرمی کا معاملہ کیا، اور بعض کے ساتھ سختی کا تو دونوں کے درمیان کیا تطبیق ہوسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اسی نوع کے ایک اشکال کے جواب میں حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جنت ودوزخ ایک حقیقی ہیں، جس میں قیامت کے روز بعد حساب کتاب کے داخل ہوں گے، اور ایک برزخی ہیں جو دنیا کے بعد اور آخرت سے پہلے ہے، اس میں بعد مرنے کے داخل ہوتے ہیں۔ (امداد الفتاوی ۸/۱۰۹)

دیگر علماء وشراح حدیث کے کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے امور کو عالم برزخ پر محمول کریں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عذابِ قبر برحق ہے

بخدمتِ عالی جناب مفتی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض خدمت میں یہ ہے کہ ایک کتاب ''شمع حقیقت'' چھپی ہے جس میں عقائد کے

متعلق مختلف مضامین ہیں، ان مضامین میں سے ایک مضمون ''عذاب قبر'' پر ہے، جس کی ایک زیراکس کاپی ارسالِ خدمت ہے۔

بعض باتیں عام روایات کے خلاف معلوم ہوتی ہیں، نیز ترمذی شریف میں ان روایات کے تعلق سے حسن یا غریب کہا گیا ہے؛ لہٰذا ازراہِ کرم کتاب پر صحیح رہنمائی فرمائیں۔ تاریخ ۴/ ۱۲/ ۱۹۹۰ھ

شمعِ حقیقت کا مضمون ''عذاب قبر''

سوال: قیامت سے پہلے اور قبر کے اندر جزا وسزا کا تصور غیر اسلامی ہے، مرنے کے بعد انسان مردہ ہے اور قیامت تک مردہ رہے گا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مردوں کو اٹھائے گا میدانِ حشر میں جمع کرے گا، اور حساب لے گا، پھر فیصلہ ہوگا کہ جنتی ہے یا دوزخی۔

کافر اس پر ایمان نہ لاتے تھے کہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندگی نصیب ہوگی، وہ دریافت کرتے تھے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''جس نے پہلے پیدا کیا تھا وہی دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے''۔

اس جواب سے واضح ہوگیا کہ انسان کو دو زندگیاں عطا کی گئی ہیں، اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قبر میں کوئی مردہ زندہ نہیں ہوتا، اگر قبر میں مردہ زندہ ہو اس پر عذابِ قبر ہوتا رہے یا قبر میں ثواب وراحت کا یقین کرلیا جائے تو قیامت کے دن زندہ کرنے کا وعدہ غلط ہوجائے گا، پھر حساب وکتاب کس بات کا ہوگا، یہ اللہ تعالیٰ کے انصاف سے بعید ہے کہ قبر میں بغیر حساب کتاب کے عذاب دے۔

آیاتِ حج ۲۲، ۷۰ اور مومنون ۲۳، ۱۵، ۱۶ سے واضح ہے کہ انسان کو دو زندگیاں

دی گئی ہیں: دنیا کی زندگی، اور آخرت کی زندگی؛ پھر قبر کی زندگی کے کیا معنی؟

ہمارے بزرگ اس بات کو جزوِ ایمان بنائے ہوئے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قبر میں سوال و جواب ہوگا یعنی منکر نکیر سوال کریں گے کہ تیرا رب کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ وغیرہ۔

یہ عذابِ قبر کے قائل ہیں، عذابِ قبر میں تخفیف کرنے کے لیے زیارت، دسواں، چالیسواں کیا جاتا ہے اور ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اور فاتحہ پڑھا جاتا ہے، قبر پر پھول چڑھائے جاتے ہیں۔

''قرآن مجید'' میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اسی مٹی سے ہم نے تمھیں پیدا کیا، اسی میں ملا دیں گے اور پھر اسی سے تمھیں اٹھائیں گے''۔ (طٰہٰ ۲۰، ۵۵)

اس سے واضح ہوا کہ مردے کا مٹی میں مل کر مٹی ہو جانا درست ہے تاکہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اپنی قدرت سے پھر اٹھائے، اگر مردہ قبر میں زندہ رہے (جیسا کہ عقیدہ ہے) تو وہ اس دوسری زندگی سے محروم ہو جائے گا جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔

''صحیح بخاری'' میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا قبرستان میں سے گزر ہوا، آپ ﷺ دو قبروں پر رک گئے فرمایا: ان پر عذاب ہو رہا ہے، ایک چغلی کھانے کا عادی تھا، دوسرا پیشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا، رسول اکرم ﷺ نے ایک سبز ٹہنی دونوں قبروں پر ڈال دی اور کہا: ''جب تک یہ سبز ہیں، عذاب میں تخفیف رہے گی''

یہاں چند سوالات ذہن میں پیدا ہوتے ہیں:

① صرف دو قبروں پر عذاب ہو رہا تھا، باقی کیوں محفوظ تھیں؟

② یہ دو قبریں کافروں کی تھیں یا مسلمانوں کی؟ پھر رسول اکرم ﷺ کو عذاب میں

تخفیف کرانے کا حق کس نے دیا؟ یعنی اللہ تعالیٰ تو ان پر عذاب کرتا ہے اور رسول ﷺ (معاذ اللہ) اسے روکتے ہیں۔

③ رسول اکرم ﷺ کو کیسے معلوم کہ قبر میں عذاب ہو رہا ہے؟ وحی آئی تھی تو قرآن کریم میں کیوں اس اہم بات کا ذکر نہیں؟ بغیر وحی کے معلوم ہوا تو علمِ غیب ثابت ہوگا؛ مگر قرآن کہتا ہے کہ ہم نے تمھیں علمِ غیب نہیں دیا۔

④ رسول اکرم ﷺ کے اس فعل پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیوں عمل نہیں کیا؟ اور کیوں نہ قبروں پر سبز ٹہنیاں ڈالیں؟

صحیح بخاری کی ایک اور روایت ہے کہ: قبر میں فرشتہ صرف رسول کے بارے میں پوچھتا ہے "من رسولك" دوسری کتابوں میں ہے کہ چار سوال پوچھتا ہے، ابن ماجہ میں ہے کہ تین سوال پوچھتا ہے۔ من ربك، مادينك، ماعلمك...، اور جب جواب خاطر خواہ نہیں ملتے تو منکر نکیر اسے مارتے ہیں، مردہ چلاتا ہے، اس کی آواز کو مشرق و مغرب والے سنتے ہیں مگر انسان اور جن نہیں سنتے، سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں۔

پھر روایت ہے کہ مغرب کے وقت رسول اکرم ﷺ نے آواز سنی تو فرمایا: یہودی پر عذاب کیا جا رہا ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ معاذ اللہ رسول اکرم ﷺ انسان تھے یا نہیں؟ اگر انسان تھے تو مردہ کی آواز کیسے سن لی، جب کہ فرمایا ہے کہ انسان اور جن کے علاوہ ہر چیز مردے کی آواز سنتی ہے یا تو حدیث غلط ہے یا معاذ اللہ رسول اکرم ﷺ انسان نہ تھے۔

پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ مردے کی آواز انسان سن لے تو بے ہوش ہو جائے مگر دوسرے جانور سنتے ہیں نہ بے ہوش ہوتے ہیں نہ بھاگتے ہیں، اکثر قبرستانوں میں

چوپائے چرتے ہیں اور پرندے بھی رہتے ہیں مگر وہ مردوں کے چلانے سے نہیں ڈرتے۔

یہ بھی ایک سوال ہے کہ ڈاکٹری تعلیم کے لیے جو مردے ہسپتال میں رکھے جاتے ہیں ان کو منکر نکیر کیوں نہیں اٹھاتے؟ اور وہ زندہ ہو کر جوابات کیوں نہیں دیتے؟

''بخاری'' کی روایت کے بموجب مردوں کو صبح وشام، جنت ودوزخ (جو بھی صورت ہو) دکھائی جاتی ہے کہ یہ تمھارا ٹھکانہ ہے، تو ہسپتال کے مردے کس وقت دیکھتے ہیں؟ پھر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب حساب کتاب قیامت کے دن ہوتا ہے تو پہلے سے جنت ودوزخ دکھانے کا کیا مطلب ہوا؟

معلوم ہوا کہ یہ غیر اسلامی عقائد کسی خاص مصلحت سے اسلامی بتائے گئے ہیں، یہ سب دراصل مجوس اور ہندو عقائد ہیں، جنھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دیا گیا ہے، حالاں کہ قرآن اس عقیدے کی نفی کرتا ہے۔

یہ عقائد کہ مرنے کے بعد قبر میں بعض لوگ زندہ رہتے ہیں یا بعض لوگوں پر قبر میں عذاب ہوتا ہے اور وہ باہر سے سلام وکلام کرنے والوں کی باتیں سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں، محض ہندو عقائد ہیں جنھیں عجمی مفسرین ومحدثین نے اسلام میں داخل کر دیا اور قرآن مجید کی تکذیب کی، اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا کہ: ﴿وما انت بمسمع من فی القبور﴾ (فاطر ۲۲،۳۵) ''جو قبروں میں ہیں تم ان کو اپنی باتیں نہیں سنا سکتے''۔

﴿ومن أضل ممن يدعوا من دون الله من لا يستجيب له الى يوم القيامة وهم عن دعائهم غفلون﴾ (الاحقاف: ٥) ''اس سے زیادہ گمراہ کن کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر (مردوں کو) پکارتا، ان سے دعا کرتا یا مانگتا ہے، حالاں کہ وہ اسے قیامت تک جواب نہ دے سکیں گے، اور نہیں جانتے کہ یہ کیا مانگ رہے ہیں''۔

ظاہر ہے کہ جب قبر میں مردہ سن نہیں سکتا تو اس پر عذابِ قبر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الآخرۃ﴾ (ابراھیم:۲۷)

اس کی تفسیر میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''اس کلمۂ طیبہ پر ایمان رکھنے والے کی دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وہ مرتے دم تک اس کلمہ پر قائم رہتا ہے، خواہ اس کے خلاف کتنے ہی حوادث سے مقابلہ کرنا پڑے اور آخرت میں اس کلمہ کو قائم و برقرار رکھ کر اس کی مدد کی جاتی ہے۔ ''صحیح بخاری و مسلم'' کی ایک حدیث میں ہے کہ آخرت سے مراد اس آیت میں برزخ یعنی قبر کا عالم ہے، حدیث یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب قبر میں مؤمن سے سوال کیا جائے گا تو ایسے ہولناک مقام اور سخت حال میں بھی وہ بتائیدِ ربانی اس کلمہ پر قائم رہے گا اور ''لا إلٰہ إلا اللہ محمد رسول اللہ'' کی شہادت دے گا اور پھر فرمایا کہ ارشاد قرآنی: ﴿یثبت الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الآخرۃ﴾ کا یہی مطلب ہے۔ (یہ روایت حدیث حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے نقل فرمائی ہے۔ دیکھیے: بخاری شریف: کتاب الجنائز، باب ماجاء فی عذاب القبر، کتاب التفسیر، سورۂ ابراھیم، اس کے علاوہ مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف اور دیگر کتبِ حدیث میں بھی یہ موجود ہے۔

اسی طرح تقریباً چالیس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے معتبر اسانید کے ساتھ اسی مضمون کی

حدیثیں منقول ہیں، جن کو امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ اپنی تفسیر میں جمع کیا ہے اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے منظوم رسالہ ''التثبیت عند التبییت'' میں اور ''شرح الصدور'' میں ستر احادیث کا حوالہ نقل کر کے ان روایات کو متواتر فرمایا ہے، ان سب حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آیتِ مذکورہ میں آخرت سے مراد قبر اور اس آیت کو قبر کے عذاب وثواب سے متعلق قرار دیا ہے، مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے سوالات کا جواب دینا، پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر احادیثِ متواترہ میں بڑی صراحت ووضاحت کے ساتھ مذکور ہے، جس میں مسلمان کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں، رہے وہ عامیانہ شبہات کہ دنیا میں دیکھنے والوں کو یہ ثواب وعذاب نظر نہیں آتے، سو اس کے تفصیلی جوابات کی تو یہاں گنجائش نہیں، اجمالاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس کے موجود نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوتی، جنات اور فرشتے بھی کسی کو نظر نہیں آتے مگر موجود ہیں، ہوا نظر نہیں آتی مگر موجود ہے، جس کائناتی فضا کا اس زمانہ میں راکٹوں کے ذریعہ مشاہدہ ہو رہا ہے وہ اب سے پہلے کسی کو نظر نہ آتی تھی مگر موجود تھی، خواب دیکھنے والا خواب میں کسی مصیبت میں گرفتار ہو کر سخت عذاب میں بے چین ہوتا ہے، مگر پاس بیٹھنے والوں کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔ اصول کی بات یہ ہے کہ ایک عالم کو دوسرے عالم کے حالات پر قیاس کرنا خود غلط ہے، جب خالقِ کائنات نے اپنے رسول کے ذریعہ دوسرے عالم میں پہونچنے کے بعد اس عذاب وثواب کی خبر دے دی تو اس پر ایمان واعتقاد رکھنا لازم ہے''۔ (معارف القرآن ۵/۲۳۶، ۲۳۷)

''قرآن پاک'' کی جن آیات میں منکر نکیر کے سوال وجواب اور قبر کے عذاب کی

طرف اشارہ موجود ہے ان میں سے چار آیتوں کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ''صحیح بخاری'' میں ذکر فرمایا ہے، اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی شرح ''فتح الباری'' میں ان آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال وآثار کو نقل فرمایا ہے، دیکھیے: فتح الباري، كتاب الجنائز، باب ماجاء في عذاب القبر ۳/ ۱۸۱، ۱۸۰ اسی طرح علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الروح ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲ میں اور اس سلسلہ میں جو احادیث وارد ہیں ان کے متعلق فرماتے ہیں: فأما أحاديث عذاب القبر ومسألة منكر ونكير فكثيرة متواترة عن النبي ﷺ (عذابِ قبر اور سوال منکر ونکیر کے سلسلہ میں کئی حدیثیں وارد ہیں جو متواتر ہیں) (کتاب الروح ۸۲) حافظ ابنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی ابنِ تیمیہ (۴/ ۲۸۵) پر یہی بات ارشاد فرمائی ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مشہور رسالہ العقیدۃ الطحاویۃ میں فرماتے ہیں: ونؤمن بملك الموت الموكل بقبض أرواح العالمين، وبعذاب القبر لمن كان له أهلا، وسؤال منكر ونكير في قبره عن ربه ودينه ونبيه على ماجاء ت به الأخبار عن رسول الله ﷺ وعن الصحابة رضوان الله عليهم (ہمارا ایمان ہے موت کے فرشتہ پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا والوں کی روحوں کے قبض کرنے پر مقرر ہے، اور ہمارا ایمان ہے عذابِ قبر پر اس آدمی کے لیے جو اس کا مستحق ہو، اور ہمارا ایمان ہے منکر ونکیر کے سوال پر، کہ بندہ سے اس کے رب اور اس کے دین اور اس کے نبی کے متعلق سوال ہوگا، جیسا کہ اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار میں وارد ہے) امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی شرح کے ضمن میں اس کے شارح فرماتے ہیں: وقد تواترت الأخبار عن رسول الله ﷺ في ثبوت عذاب

القبر ونعیمه لمن کان أهلا وسوال الملکین فیجب اعتقاد ثبوت ذلك والإیمان به (قبر میں عذاب اور ثواب کا ہونا (جو جس کا اہل ہو اس کے لیے) اور فرشتوں کی طرف سے سوال ہونا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بطرقِ تواتر ثابت ہے اس لیے اس کا عقیدہ رکھنا اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے)۔ (شرح العقیدۃ الطحاویۃ ۴۵۰)

عقائد کی معروف کتاب ''الفقہ الاکبر'' میں ہے: وسؤال منکر ونکیر فی القبر حق (یعنی قبر میں منکر نکیر کا سوال حق ہے) وعذابه حق (اور قبر کا عذاب حق ہے)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: عذاب القبر حق لا ینکره إلا ضال مضل یعنی قبر کا عذاب حق ہے اس کا انکار وہی شخص کرتا ہے جو خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔ (کتاب الروح ۹۰)

حافظ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فیه إثبات عذاب القبر، وهو مذهب أهل السنة والجماعة (۸/۱۴۵) (یعنی اس حدیث میں عذابِ قبر کا ثبوت ہے اور یہی مذہب ہے اہل سنت والجماعت کا)۔

آگے انھوں نے اس سلسلہ کی آیات واحادیث کا تفصیلی تذکرہ فرمایا ہے اور اس سلسلہ میں وارد ہونے والے اشکالات واعتراضات کا جائزہ لے کر ان کے جوابات ذکر فرمائے ہیں۔

قرآن وسنت اور اجماعِ امت کے صریح دلائل کے پیشِ نظر یہ عقیدہ اتنا مضبوط ہے کہ حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ علیہم کا ذمہ دار گروہ عذابِ قبر کے منکر کو کافر کہتا ہے، حالاں کہ وہ تکفیر کے مسئلہ میں بڑا ہی محتاط ہے، علامہ طاہر بن احمد الحنفی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۴۲)

لکھتے ہیں کہ: ولا یجوز الصلاۃ خلف من ینکر شفاعۃ النبي علیہ الصلاۃ والسلام وینکر الکرام الکاتبین وعذاب القبر، کذا من ینکر الرؤیۃ لأنہ کافر. (جو شخص آں حضرت ﷺ کی شفاعت اور کراماً کاتبین اور عذابِ قبر اور رویتِ باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے، کیوں کہ وہ کافر ہے)۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ۱/ ۱۴۹)

شارحِ ہدایہ، محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۸۲ھ) فرماتے ہیں: ولا تجوز الصلاۃ خلف منکر الشفاعۃ والرؤیۃ وعذاب القبر والکرام الکاتبین لأنہ کافر لتوارث ھذہ الأمور عن الشارع ﷺ. (فتح القدیر ۱/ ۳۵۰) (یعنی شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور عذابِ قبر اور کراماً کاتبین کے انکار کرنے والے کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہے، کیوں کہ وہ کافر ہے، اس لیے کہ یہ امور شارع علیہ السلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں)۔

فقیہِ دوران علامہ زین الدین ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یکفر بإنکارہ رؤیۃ اللہ عزوجل بعد دخول الجنۃ وبإنکارہ عذاب القبر. (بحر الرائق ۵/ ۱۳۲) (جنت میں داخل ہونے کے بعد باری تعالیٰ کا دیدار ہوگا اس کا انکار کرنے سے اور عذابِ قبر کا انکار کرنے سے آدمی کافر ہو جاتا ہے)۔

فتاوی عالمگیری میں بھی تقریباً یہ عبارت موجود ہے: یکفر بإنکارہ رؤیۃ اللہ عزوجل بعد دخول الجنۃ و بإنکار عذاب القبر. (عالمگیری ۲/ ۲۷۴)

علامہ بحر العلوم مولانا عبد العلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لا یجوز الصلاۃ خلف منکر الشفاعۃ لأھل الکبائر ومنکر الرؤیۃ وعذاب القبر ومنکر الکرام الکاتبین لأنہ کافر لتوارث ھذہ الأمور من الشارع. (رسائل الارکان ۹۹) (اہلِ

کبائر کے لیے شفاعت، رویتِ باری تعالیٰ، عذابِ قبر اور کراماً کاتبین کے انکار کرنے والے کے پیچھے نماز درست نہیں ہے، کیوں کہ وہ کافر ہے، اس لیے کہ یہ امور شارع علیہ السلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں)۔

علماءِ امت نے اس موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، اردو میں اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب کی کتاب "تسکین الصدور فی تحقیق أحوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور" مفصل ومدلل ہے اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ہر انسان کے ساتھ جن پیدا ہونے کی حقیقت، ہمزاد، نفسِ امارہ، نفسِ مطمئنہ

سوال: ایک کتاب جس کے مصنف علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اس کا نام "تاریخِ جنات وشیاطین" ہے۔ اس میں انھوں نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ہر آدمی پیدا ہوتا ہے اس کے ساتھ ایک جن پیدا ہوتا ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ آپ کے ساتھ بھی وہ جن پیدا ہوا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، مگر وہ میرا فرماں بردار ہوگیا، تو اس حدیث میں جو جن ہے اس سے کون مراد ہے؟ بہت سارے لوگ اس کو ہمزاد کہتے ہیں، اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نفس امارہ ہے اس معاملہ میں صحیح بات کچھ سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔

اور اگر یہ ہمزاد ہے تو آدمی کے انتقال کے ساتھ اس کا بھی انتقال ہوجاتا ہے یا یہ

باقی رہتا ہے؟ اور نفس امارہ، نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ کی بھی تشریح فرمادیجیے، برائے کرم تشفی بخش مکمل ومدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مامنكم من احد إلا وقد وكل به قرينه من الجن، قالوا: وإياك يارسول الله؟ قال: وإياي، إلا ان الله أعانني عليه فاسلم، فلا يأمرني الا بخير (مسلم شريف ۲/ ۳۷٦) مشکوٰۃ میں یہ روایت مسلم شریف ہی کے حوالہ سے دی گئی ہے لیکن اس میں "وقرينه من الملائكة" کا اضافہ بھی ہے۔

حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ تم میں سے کوئی نہیں مگر اس کے ساتھ مسلط کیا گیا ہے اس کا ایک ساتھی جنات میں سے، اور ایک ساتھی ملائکہ میں سے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا اور آپ کے ساتھ بھی یارسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے ساتھ بھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلہ میں میری مدد فرمائی ہے پس میں محفوظ رہتا ہوں پس وہ مجھے بھلائی ہی کا حکم دیتا ہے۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ شیطان کے وساوس کی تاثیرات کا حال آفتاب کی شعاعوں کی تاثیرات جیسا ہے، لوہے اور دیگر دھاتوں پر اس کا اثر سب سے زیادہ پڑتا ہے، پھر صیقل شدہ یعنی مانجے ہوئے اجسام پر جو زنگ اور میل سے صاف ہوتے ہیں اول سے کم اثر پڑتا ہے پھر درجہ بدرجہ اجسام ان شعاعوں کے اثرات قبول کرتے ہیں؛ حتی کہ سنگ سفید کی ایک قسم ایسی بھی ہے

جو مطلق ان شعاعوں کے اثر کو قبول نہیں کرتی، وہ چلچلاتی ہوئی دھوپ میں بھی ٹھنڈا محسوس ہوتا ہے یہ نفوس قدسیہ کی مثال ہے۔ (کامل برہان الٰہی ۲/۴۰۷)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں "وقرینہ من الجن" کی تشریح میں لکھا ہے کہ اس کا نام وسواس ہے اور وہ ابلیس کی اولاد میں پیدا ہوتا ہے، جب انسانوں میں کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ (مرقات ۱/۱۳۷)

رہا اس کو ہمزاد کے نام سے تعبیر کرنا یہ عوام کی اصطلاح ہے جیسا کہ فتاویٰ محمودیہ میں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ مطبوعہ کراچی) جب کہ امداد الفتاویٰ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھے گئے اس سوال کے جواب میں کہ ہمزاد کیا چیز ہے وہ قبضہ میں آسکتا ہے؟ جواب دیا گیا ہے کہ یہ لفظ تراشا ہوا ہے؛ البتہ جنات کا کسی عمل سے مسخر ہونا صحیح ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۴/۵۵۹)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تفسیر معارف القرآن (۸/۶۲۳) میں تحریر فرماتے ہیں: صوفیائے کرام نے اس میں یہ تفصیل کی ہے کہ نفس اپنی جبلت اور فطرت کے اعتبار سے امارۃ بالسوء ہوتا ہے، انسانوں کو برے کاموں کی طرف بلانے اور اس میں مبتلا کرنے کا داعی ہوتا ہے، مگر ایمان اور عمل صالح اور ریاضت مجاہدہ سے یہ نفس لوامہ بن جاتا ہے کہ برائی اور کوتاہی پر نادم ہونے لگتا ہے، مگر برائی سے بالکلیہ انقطاع ہو کر آگے عمل صالح میں ترقی اور قرب حق تعالیٰ کے حصول میں کوشش کرتے کرتے جب اس کا یہ حال ہو جائے کہ شریعت اس کی طبیعت بن جائے اور خلاف شرع کام سے طبعی نفرت بھی ہونے لگے تو اس نفس کا لقب مطمئنہ ہو جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عقائد شیعہ اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشیں

سوال: امسال ماہِ محرم کے موقعہ پر شیعہ فرقہ کے رہنما، جسے وہ لوگ (وڈا مُلّا) کہتے ہیں، سورت آئے، اور دس دن تک ان کے پروگرام ہوئے، اس موقعہ پر ہمارے بعض اداروں نے اپنے مکان کرایہ پر ان کو دیے، اور بعض مسجدوں کے برتن بھی ان لوگوں کو کرایہ پر دیے گئے، بعض مسلم اخباروں نے ان کی تعریف کی اور مسلمانوں کے کچھ لیڈر استقبال کے لیے ایئرپورٹ گئے، اور ان کے وڈا ملا کا استقبال کیا، شیعوں کے عقائد صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق نہایت گندے اور خراب ہیں، اور ان لوگوں کے پروگراموں میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخیاں اور صحابہ رضی اللہ عنہم پر سب وشتم ہوتا ہے؛ چناں چہ سالِ گذشتہ اسی محرم الحرام کے موقعہ پر بمبئی میں ان کے اسی وڈا ملا نے خلیفۂ اول، افضل امت، سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں سخت گستاخی کی تھی، ایسے لوگوں کو ان کے اپنے مذہبی پروگراموں کے موقعہ پر اپنے مکان اور مسجد کے برتن کرایہ پر دینا، ان کا تعاون شمار ہوگا یا نہیں؟ اور ان کو کرایہ پر دینے میں شرعی قباحت ہے یا نہیں؟ امید ہے کہ تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

روافض کے جو فرقے اس وقت دنیا میں موجود ہیں، ان میں فرقۂ اثنا عشریہ کو تعداد اور بعض دوسری حیثیتوں سے امتیاز اور اہمیت حاصل ہے، اسی کی ایک شاخ داؤدی بھی ہیں، جن کے مذہبی رہنما ''وڈا ملا'' ہیں، اسلام کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں اور فتنوں میں بعض فتنے انتہائی شدید اور خطرناک تھے؛ مگر ان میں بھی روافض کا فتنہ سب سے زیادہ

خطرناک ثابت ہوا، اس فرقہ کو جب بھی موقعہ ملا اس نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، اس فرقہ کو بعض اوقات اقتدار بھی ملا تو اس نے اس موقعہ پر بھی بھرپور فائدہ اٹھایا، بیت اللہ پر حملہ کیا، حجر اسود کو اٹھا کر لے گئے، مسلمانوں کا قتل عام کیا، علماء کو شہید کیا، اسلام کے ساتھ شیعوں کا رویہ کیا رہا؟ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں اس کا خلاصہ یہ ہے:

الرافضة يوالون أعداء الدين: الذين يعرف كل أحد معاداتهم من اليهود والنصارى والمشركين: مشركي الترك، ويعادون أولياء الله الذين هم خيار أهل الدين، وسادات المتقين، وهم الذين أقاموه، وبلغوه، ونصروه. ولهذا كان الرافضة من أعظم الأسباب في دخول الترك الكفار إلى بلاد الاسلام. وأما قصة الوزير ابن العلقمي وغيره كالنصير الطوسى مع الكفار ومما لأتهم على المسلمين، فقد عرفها الخاصة والعامة، وكذلك من كان فيهم بالشام ظاهروا المشركين على المسلمين، وعاونوهم معاونة عرفها الناس. وكذلك لما انكسر عسكر المسلمين لما قدم غازان ظاهروا الكفار النصارى وغيرهم من أعداء المسلمين، وباعوهم اولاد المسلمين بيع العبيد، واموالهم، وحاربوا المسلمين محاربة ظاهرة، وحمل بعضهم راية الصليب، وهم كانوا من أعظم الأسباب في استيلاء النصارىٰ قديما على بيت المقدس الخ (منهاج السنة ٤/١٠١)

یعنی روافض ہمیشہ یہود، نصاریٰ، تاتاری، مشرکین وغیرہ؛ دشمنان اسلام کا ساتھ دیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ان مخلص بندوں سے بغض وعداوت رکھتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کے دین دار اور متقیوں کے سردار تھے، اور دین کی تبلیغ اور نصرت اور اسے قائم کرنے والے

تھے، تاتاری کفار کے اسلامی ملکوں میں راہ پانے میں سب سے زیادہ دخل ان روافض ہی کا تھا، ابن العلقمی اور نصیر طوسی وغیرہ کی دشمن نوازی اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشیں اب ہر خاص وعام کو معلوم ہو چکی ہیں، شام میں جو روافض تھے انھوں نے بھی کھلم کھلا کافروں کا ساتھ دیا تھا، اور غازان کی آمد پر جب لشکرِ اسلام کو شکست ہوئی اس وقت عیسائیوں اور دیگر اسلام دشمن طاقتوں کی انھوں نے پوری مدد کی تھی، یہاں تک کہ مسلمانوں کی املاک اور ان کے بچوں کو ان کے ہاتھوں غلاموں کی طرح فروخت کیا تھا، اور مسلمانوں سے علانیۃً جنگ کی تھی؛ بلکہ ان میں سے بعض نے تو صلیبی جھنڈا بھی بلند کیا تھا، اور گذشتہ دور میں عیسائیوں کے بیت المقدس پر قبضہ میں ان کا بڑا حصہ تھا۔

اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اس طرزِ عمل کے علاوہ شیعوں اور روافض کے عقائد کا ان ہی کی کتابوں سے مطالعہ کیا جائے، تو روز روشن کی طرح بات عیاں اور واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں، ان کا دین ومذہب ایک الگ اور خود ساختہ ہے، جو اسلام کے بالکل متوازی اور اسلام سے متصادم ہے؛ مگر آج تک عوام مسلمان اس فرقہ کو اسلام ہی کا ایک فرقہ سمجھتے ہیں، اور حنفی مالکی شافعی حنبلی کی طرح اسے بھی ایک مسلک سمجھتے ہیں؛ حالاں کہ اس فرقہ کے عقائد ومسلمات کو پڑھ کر اس خیال کی تردید ہوتی ہے، بات یہ ہے کہ اس فرقہ نے ہر دور میں تقیہ کا سہارا لیا اور ہمیشہ اس کے فتنے ان کا الحاد وزندقہ اور اس کے کفریات تقیہ کی سیاہ چادر میں چھپے رہے۔

تنبیہ: تقیہ ان کے دین کا جزء ہے، تقیہ کا معنی ہے جھوٹ بولنا، نفاق سے کام لینا، کسی کو دھوکہ دینا وغیرہ ان کے مذہب میں تقیہ جائز ہی نہیں؛ بلکہ بہت بڑا ثواب ہے، جو آدمی نفاق سے کام نہیں لیتا وہ بے دین ہے، اصولِ کافی کی روایت ہے: ”لا دین لمن

لا تقية له" اور ایک روایت میں ہے: "لا إيمان لمن لا تقية له" یعنی جو شخص لوگوں کو دھوکہ نہیں دیتا، وہ بے دین اور بے ایمان ہے۔ (از احسن الفتاویٰ ۱/ ۹۵، ۹۶) ان کے عقائد کی تفصیل کا اس وقت موقعہ نہیں؛ البتہ ان کے چند اصول حسب ذیل ہیں:

① نظریۂ امامت: شیعہ مذہب کی اصل الاصول بنیاد عقیدۂ امامت ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ کی جانب سے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث کیا جاتا تھا، اسی طرح آں حضرت ﷺ کے بعد اماموں کو بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث کیا جائے گا، وہ شیعہ عقیدہ میں نبی کی طرح ہر غلطی سے پاک اور معصوم ہوتے ہیں، ان پر وحی نازل ہوتی ہے، ان کی اطاعت ہر بات میں نبی کی طرح فرض ہے، وہ نبی کی طرح احکامِ شریعت نافذ کرتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ قرآن کریم کے جس حکم کو چاہیں منسوخ یا معطل بھی کر سکتے ہیں، گویا اسلامی عقیدہ میں جو مفہوم، جو حیثیت اور جو مرتبہ ایک مستقل ایک صاحبِ شریعت نبی کا ہے، ٹھیک وہی مفہوم، وہی حیثیت اور وہی مرتبہ شیعوں کے نزدیک "امام معصوم" کا ہے۔

شیعوں کا یہ "نظریۂ امامت" آں حضرت ﷺ کی ختم نبوت کے خلاف ایک بغاوت اور اسلام کی ابدیت کے خلاف ایک کھلی سازش ہے، یہی وجہ ہے کہ دورِ قدیم سے لے کر مرزا غلام احمد قادیانی تک، جن جن لوگوں نے نبوت و رسالت کے جھوٹے دعوی کئے، انھوں نے اپنے دعووں کا مصالحہ شیعوں کے "نظریۂ امامت" ہی سے مستعار لیا ہے، شیعہ مذہب کا "نظریۂ امامت" فطری طور پر غلط تھا، یہی وجہ ہے کہ شیعہ مذہب بھی اس کا بوجھ زیادہ دیر تک نہ اٹھا سکا؛ بلکہ اس نے "اماموں" کا سلسلہ بارھویں امام پر ختم کر کے اسے (۲۶۰ھ) میں کسی نامعلوم غار (سرّ مَن رأیٰ) میں ہمیشہ کے لیے غائب کر دیا،

آج ان کو ساڑھے گیارہ صدیاں گزرتی ہیں، مگر کسی کو کچھ خبر نہیں کہ بارھویں امام کہاں ہیں اور کس حالت میں ہیں؟..... یہ عقیدہ یہودیوں نے آں حضرت ﷺ کی ختم نبوت پر ضرب لگانے اور امت میں جھوٹے مدعیانِ نبوت اور امامت کا چور دروازہ کھولنے کے لیے گھڑا ہے، غور فرمایئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر آں حضرت ﷺ تک چھ صدیوں کا کامل عرصہ گزرتا ہے؛ مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہادی مبعوث نہیں کیا جاتا، ادھر جب ختم نبوت کا آفتاب (ﷺ) قیامت تک کی ساری دنیا کو منور کرنے کے بعد رخصت ہوتا ہے، تو شیعہ عقیدہ کے مطابق خدا ایک دن کا ایک لمحہ کا وقفہ بھی نہیں کرتا؛ بلکہ فوراً ایک ''امام معصوم'' کو کھڑا کر کے اسے شریعت محمدیہ کے حلال وحرام کو بدلنے اور قرآن کو مسنوخ کرنے کے اختیارات دے دیتا ہے، اور پھر ایک نہیں لگاتار بارہ امام اسی شان کے بھیجتا رہتا ہے، اور جب اسلام پر اڑھائی صدیوں کا مایۂ ناز دور گزر جاتا ہے تو خدا تعالیٰ یکا یک اماموں کا سلسلہ بند کر دیتا ہے؛ بلکہ بارھواں امام جو بھیجا جا چکا تھا، اسے بھی دو سال ہی کی عمر میں ہمیشہ کے لیے غائب کر دیتا ہے، کیا ایک ایسا شخص جو محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت ونبوت پر ایمان رکھتا ہو، جس کے نزدیک اسلام مٹنے، بدلنے اور مسخ ہونے کے لیے نہیں؛ بلکہ قیامت تک اپنی اصلی حالت میں باقی رہنے اور چمکنے کے لیے آیا ہو، وہ شیعوں کے ''نظریۂ امامت'' کو ایک لمحہ کے لیے بھی برداشت کر سکتا ہے؟

(۲) شیعوں کا دوسرا سب سے بڑا اصول صحابہ رضی اللہ عنہم سے بغض وعداوت ہے: شیعوں کے نزدیک آں حضرت ﷺ کے بعد تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جنھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، وہ نعوذ باللہ اس فعل کی وجہ سے سب کے سب کافر اور مرتد ہو گئے تھے؛ کیوں کہ انھوں نے امام معصوم یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، ان میں بھی

حضرات شیخین (سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کے بارے میں تو ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ (معاذ اللہ) نہ صرف یہ کہ کافر ومنافق تھے؛ بلکہ اگلی امتوں اور اس امت کے خبیث ترین کافروں فرعون، ہامان، نمرود، ابولہب، ابوجہل؛ سے بھی حتی کہ شیطان مردود سے بھی بدتر درجہ کے کافر تھے، اور جہنم میں سب سے زیادہ عذاب ان ہی دونوں پر ہے، اور یہ کہ ان دونوں کی بیٹیاں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک بیویاں: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا) بھی العیاذ باللہ منافقہ وکافرہ تھیں، اور اپنے باپ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وحضرت عمر رضی اللہ عنہ) کے کہنے سے ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہر دے کر شہید کردیا، استغفر اللہ، ثم استغفر اللہ، والعیاذ باللہ شیعوں کا یہ عقیدہ جس قدر باطل اور غلط ہے، اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں، اس عقیدہ کا مطلب یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دنیا میں تشریف لانا نعوذ باللہ بالکل لغو بیکار اور بے سود ثابت ہوا، اسلام کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ قیامت تک انسانیت کی رہنمائی کے لیے آیا ہے، مگر شیعہ عقیدہ یہ کہتا ہے کہ بالکل غلط، اسلام تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ایک دن بھی آگے نہیں چلا؛ بلکہ وہ پوری کی پوری جماعت جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیئیس سال کی مسلسل محنت کے بعد تیار کی تھی، اور جن کو اپنے درمیان اور آنے والی امت کے درمیان واسطہ بنایا تھا، وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے دن ہی نعوذ باللہ مرتد ہوگئی تھی، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شیعہ مذہبِ اسلام کی نفی کا نام ہے، یعنی اگر شیعہ عقیدہ صحیح ہے، تو اسلام معاذ اللہ غلط ہے، اور اگر اسلام حق ہے، تو شیعہ مذہب کے غلط اور باطل ہونے میں کسی عاقل کو شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

شیعہ مذہب نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفقاء اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانشینوں پر حملہ

کر کے خود اسلام اور آں حضرت ﷺ کی ذاتِ اقدس پر ایک ایسا حملہ کیا ہے، جس کی مثال انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے، تفسیر مظہری میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر یہودیوں سے پوچھو کہ تمھاری امت میں سب سے افضل لوگ کون ہوئے؟ تو وہ فوراً کہیں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفقاء اور ان کے صحابی، اور اگر عیسائیوں سے پوچھو کہ تمھاری جماعت میں بزرگ تر کون لوگ ہیں؟ وہ فوراً بول اٹھیں گے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے حواری؛ لیکن اگر شیعوں سے پوچھو کہ امت محمدیہ (ﷺ) میں سب سے بدترین مخلوق کون ہے؟ تو ان کا جواب ہوگا محمد کے صحابہ۔ نعوذ باللہ، استغفر اللہ؛ بہر حال شیعوں کا نظریۂ امامت اگر آں حضرت ﷺ کی نبوت کے خلاف ایک بغاوت تھا، تو ان کا نظریہ تبرّا خود آں حضرت ﷺ کی نبوت کے خلاف ایک کھلی بغاوت ہے، اور کوئی شخص جو آں حضرت ﷺ پر ایمان رکھتا ہو یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ آپ ﷺ کی تیار کی ہوئی پوری جماعت، آپ ﷺ کے آنکھیں بند کرتے ہی نعوذ باللہ گمراہ اور مرتد ہوگئی تھی۔

③ شیعوں کا تیسرا عقیدہ اول الذکر دونوں عقیدوں سے بدتر؛ مگر دو اور دو چار کی طرح اول الذکر عقیدوں کا لازمی نتیجہ ہے، اور وہ ہے تحریفِ قرآن، مسلمان تو مسلمان آج تک کسی بد سے بدتر کافر کو بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ مسلمانوں کے پاس قرآن مجید کے نام سے جو مقدس کتاب محفوظ چلی آتی ہے، اور جس کے ہر زمانہ میں ہزاروں نہیں، لاکھوں حافظ موجود رہے ہیں، وہ ٹھیک وہی کتاب نہیں جو مسلمانوں کو رسول اللہ نے دی تھی، لیکن آفریں ہے شیعہ مذہب کے موجدوں کو، انھوں نے یہ عقیدہ بھی شیعوں سے منوالیا، شیعہ مذہب کہتا ہے کہ قرآن کریم جو موجودہ شکل میں مسلمانوں

کے پاس ہے، یہ وہ اصل قرآن نہیں جو محمد ﷺ کو دیا گیا تھا، بلکہ صحیفۂ عثمانی ہے، ''اصلی تے وڈا قرآن'' (اصلی وہ بڑا قرآن ہے جو) بارہویں امام کے ساتھ کسی نامعلوم غار میں دفن ہے۔ (اختلاف امت اور صراط مستقیم از ۱۸ تا ۲۳ بتغیر یسیر)

شیعوں کے ان عقائد کی وجہ سے تمام علمائے اسلام نے ان کو کافر و مرتد قرار دیا ہے، ماضی قریب میں اس سلسلہ میں ایک تفصیلی فتوی ہندو پاک و بنگلہ دیش کے علماء کے دستخط سے شائع بھی ہو چکا ہے، خود آپ کے استفتاء میں ''وڈا املا'' کا سالِ گزشتہ محرم الحرام کا عمل بھی تحریر ہے، اور یہ ایسی معروف و مشہور بات ہے جس سے تمام اخبار بین حضرات بخوبی واقف ہیں، اب ایسی شخصیت کی آمد پر ان کا استقبال اور اظہار مسرت؛ نیز ان کے مذہبی پروگراموں کے لیے جو ظاہر ہے کہ ان کے انہی باطل عقائد و نظریات کی ترویج و اشاعت کے لیے ہوتے ہیں؛ بلکہ امسال ان پروگراموں کا سلسلہ بمبئی سے سورت اسی لیے منتقل کیا گیا ہے کہ گزشتہ سال کے واقعہ سے بمبئی کے مسلمان چونک گئے ہیں، اور امسال کے پروگراموں پر ان کے تعاقب کا قوی خدشہ تھا، اس لیے اس سے بچنے کے لیے بڑی ہوشیاری سے یہ لوگ اس سلسلہ کو سورت میں لے آئے؛ تاکہ ان کی شرارتوں پر پردہ پڑا رہے، ایسے موقعہ پر اسلامی غیرت و حمیت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ سورت کے مسلمان اس سلسلہ کی سورت میں منتقلی پر ہی اپنے غم و غصہ اور ناراضگی کا اظہار کرتے، چہ جائے کہ اپنے اداروں کی عمارتوں کو کرایہ کے لالچ میں ان کے حوالہ کر رہے ہیں، اور لیڈر حضرات ووٹ کے لالچ میں اور اپنی لیڈری چمکانے کے لیے استقبال کر رہے ہیں، فإلى الله المشتكى۔

یہ یاد رہے کہ ''وڈا املا'' کی سورت میں آمد کسی سیاسی پروگرام کے ماتحت نہیں تھی؛

بلکہ خالص مذہبی پروگرام کی غرض سے تھی، اس لیے شرعی طور پر ان کے استقبال یا اس پروگرام میں کسی بھی نوع کا تعاون جائز نہیں ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلا تعاونوا على الاثم والعدوان﴾(المائدہ:۲) یعنی گناہ اور زیادتی (کی باتوں) میں ایک دوسرے کی اعانت نہ کرو۔ ''تفسیر روح المعانی'' میں آیت کریمہ: ﴿فلن أكون ظهيرا للمجرمين﴾ کے تحت یہ حدیث نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ قیامت کے روز آواز دی جائے گی کہ کہاں ہیں ظالم لوگ اور ان کے مددگار؟ یہاں تک کہ وہ لوگ جنھوں نے ظالموں کے دوات، قلم کو درست کیا ہے، وہ بھی سب ایک لوہے کے تابوت میں جمع کر کے جہنم میں پھینک دیے جائیں گے۔ (معارف القرآن ۳/۲۵)

یہ یاد رہے کہ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں ظلم کا اطلاق تمام گناہوں پر ہوتا ہے، حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من وقر صاحب بدعة، فقد أعان على هدم الاسلام. (مشکوٰۃ، ص:۳۱) یعنی جس نے کسی صاحبِ بدعت کی توقیر وتعظیم کی، اس نے (گویا تمام اہل) اسلام کے نیست ونابود کرنے پر تعاون کیا، آج کل استقبال تعظیم وتوقیر کی غرض سے ہی کیا جاتا ہے۔

دورِ حاضر میں ایران کی شیعی حکومت کے باطل پروپیگنڈہ نے مسلمان نوجوانوں کے دل ودماغ کو متأثر کیا ہے، ایسے وقت ان لوگوں کے ساتھ اس طرح کا تعاون اور رابطہ عوام مسلمین کے دین وایمان کے لیے مہلک ہے، شیعوں کے یہاں محرم الحرام کی مجالس ان کا مذہبی شعار سمجھی جاتی ہیں، جن میں وہ گوناگوں خرافات کے مرتکب ہوتے ہیں، ان کے اس مذہبی شعار کی ادائیگی کے لیے مکان مہیا کرنا، کس قدر خطرناک ہے؟ اس کا اندازہ ہر باحمیت وباغیرت مسلمان بہ آسانی لگا سکتا ہے، خصوصاً اگر ادارہ کا یہ مکان اگر

مخصوص کام کے لیے وقف ہو تو وقف کرنے والے کے مقرر کردہ شرائط کے خلاف اس کو استعمال کرنا، یعنی کرایہ پر دینا تو عام حالات میں بھی درست اور جائز نہیں ہے۔

آیتِ کریمہ: ﴿وَلاَ تَرْكَنُوْا إِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُوْنِ اللهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لاَ تُنْصَرُونَ﴾ (ھود:۱۱۳) کی تفسیر میں ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ظالموں کی طرف کسی طرح کا بھی میلان نہ رکھو۔ ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان کے اعمال وافعال کو پسند نہ کرو۔ جابر بن زید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ 'رُکون' (جو آیت میں مذکور ہے) کا مطلب ہے مداہنت برتنا، یعنی ان کے کفریات پر انکار نہ کرنا۔ (تفسیر قرطبی ۹/۱۰۸)

آگے تفسیر فرماتے ہوئے علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: وإنها دالة على هجران أهل الكفر والمعاصي من أهل البدع وغيرهم یعنی اس آیت سے معلوم ہوا کہ اہل کفر اور اہل معصیت اور اہل بدعت کی صحبت سے اجتناب اور پرہیز واجب ہے۔ (بجز اس کے کہ کسی مجبوری سے ان سے ملنا پڑے)۔ (معارف القرآن ۶۷۳)

مدینہ منورہ میں یہود کے جو قبائل آباد تھے، ان میں ایک بنو قینقاع تھا، ان کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معاہدہ تھا کہ ہم آپس میں جنگ نہیں کریں گے، اور ایک دوسرے کے دشمنوں کی مدد بھی نہیں کریں گے، ان لوگوں نے بعد میں اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی، اور اس کو توڑ دیا، اس وقت حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے (جن کے ان کے ساتھ تعلقات تھے) ان کی اس شرارت اور غدر کو دیکھ کر ان کے ساتھ جو تعلقات تھے تمام یکسر ختم فرما کر ان سے بیزاری کا اعلان فرمایا۔ (فتح الباری ۷/۲۶۵) اس وقت قرآن پاک کی آیت ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لاَ تَتَّخِذُوْا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ نازل ہوئی۔ (روح المعانی ۶/۱۵۷)

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعہ سے استنباط فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں: کہ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ ایمان کے لیے جیسے اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور عباد مومنین کی محبت ضروری ہے، اسی طرح اللہ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں سے عداوت ونفرت، بیزاری اور برأت کا اعلان بھی ضروری ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۲/ ۱۷۰)

شیعوں کی مسلمانوں کے ساتھ دشمنی اور عداوت ڈھکی چھپی نہیں ہے، یہ لوگ مسلمانوں کے حقیقی خیر خواہ نہیں ہو سکتے؛ بلکہ ہمیشہ اس کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ مسلمانوں کو بیوقوف بنا کر نقصان پہنچائیں، اور دینی ودنیوی خرابیوں میں مبتلا کریں، ان کی آرزو یہ ہے کہ مسلمان تکلیف میں رہیں، اور کسی نہ کسی تدبیر سے انہیں دینی یا دنیوی نقصان پہنچے، جو دشمنی یا ضرر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت زیادہ ہے؛ لیکن بسا اوقات عداوت وغیظ وغضب سے مغلوب ہو کر کھلم کھلا بھی ایسی باتیں کر گزرتے ہیں جو ان کی گہری دشمنی کا پتہ دیتی ہے۔ ارشاد ربانی: ﴿لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ﴾ الخ کے مصداق ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ صفر ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تقدیر پر ایمان لانے کی حقیقت

سوال: ایک مسئلہ میں میری ذہنی پریشانی کو دور کیجئے اور وہ یہ ہے: ویسے بحمد للہ پچیس سال سے دعوت وتبلیغ ہی میں لگا ہوا ہوں؛ عرض یہ ہے کہ قرآن پاک کو حق تعالیٰ نے دنیا بنانے سے ہزاروں سال قبل لکھا تو جو واقعات قرآن میں لکھے ہیں، وہ اسی طرح

ہونے طے تھے۔ جس کے بارے میں کفر طے کر دیا تو قرآن کے لکھے ہوئے کے مطابق اس کو دنیا میں ایسا ہی بنایا، تو پھر انسان اللہ کی ناراضگی میں کیوں؟ بہت سی حدیثوں میں سنا ہے کہ بچہ کی پیدائش کے وقت یا جب وہ پیٹ میں ہوتا ہے لکھ دیا جاتا ہے کہ سعید ہوگا یا بدبخت؛ ایسی باتوں میں دماغ الجھا رہتا ہے۔

اس ضمن میں بہت کچھ کہنا ہے، بس صرف اشارہ کیا ہے، اس لیے آپ میرے بوجھ ذہن کو دور فرمائیں؛ کیوں کہ دین کی محنت کرنا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①: شرعی نظر میں مسئلہ تقدیر کی اہمیت کا اندازہ کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس نے ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کی طرح ایمان بالتقدیر کو بھی اسلام کا ایک رکن لازم قرار دیا ہے، گویا جو شخص تقدیر پر ایمان نہیں رکھتا وہ اللہ اور اس کے رسول پر بھی ایمان نہیں رکھتا؛ چوں کہ اس مسئلہ کی کوئی نظیر نہیں ملتی، اور حسیات میں جہاں نظائر نہیں ملتے، عقل اپنا ہی حکم مقدم رکھتی ہے، اسی لیے شریعت نے یہ تعلیم فرمائی ہے کہ جو مجھ کو تسلیم کر چکا ہے اس کو میرا حکم ماننا ہوگا، اور یہی ایمان بالتقدیر ہے، آخر جنت و دوزخ کو کس نے دیکھا؛ بلکہ خدا تعالیٰ کی ذات کو کس نے دیکھا، یہ تمام حقائق غیب ہیں، یہاں جو شخص محض انبیاء علیہم السلام کے بیان پر اعتماد کر کے ان کو تسلیم کر چکا ہے بس وہی مومن ہے، اور جس نے راہِ انحراف اختیار کی وہ دوسری طرف شمار ہوتا ہے۔ (ترجمان السنۃ)

قضاء وقدر میں گفتگو کرنا بھی خطرے سے خالی نہیں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ: جس شخص نے تقدیر کے مسئلہ میں ذرا بھی زبان ہلائی، قیامت میں اس کی اس سے باز پرس ہوگی، اور

جس نے کوئی گفتگو نہیں کی اس سے کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ (ابن ماجہ شریف)

قضاء وقدر میں بحث ومباحثہ کرنے سے گریز کرنا چاہیے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس باہر تشریف لائے، اس وقت ہم تقدیر کے مسئلہ میں بحث کررہے تھے، اس پر آپ کو اتنا غصہ آیا کہ آپ کا چہرۂ مبارک مارے غصہ کے سرخ ہوگیا، یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا آپ کے رخساروں میں انار کا عرق نچوڑ دیا گیا ہے، فرمایا کیا تم کو اسی بات کا حکم دیا گیا ہے، یا میں اسی کے لیے تمھارے پاس رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں؟ خوب یاد رکھو! تم سے پہلی امتوں نے جب اس بارے میں جھگڑے نکالے تو وہ برباد کردی گئیں، اس لیے میں تم کو تاکید کرتا ہوں کہ تم ہرگز اس بارے میں بحث وتمحیص نہ کرنا۔ (ترمذی شریف)

قضاء وقدر کے فیصلے پر رضامندی ضروری ہے اور یہ انسان کی بڑی سعادت کی علامت ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تقدیر کے فیصلے پر راضی ہوجانا آدمی کی سعادت کی دلیل ہے، اور اس کی بدبختی کی نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ نیکی کی توفیق مانگنا چھوڑ دے، اور تقدیر کے فیصلہ پر ناراض ہونا تو اس کی انتہائی بدبختی کا ثبوت ہے۔ (ترمذی شریف)

اس لیے آپ اللہ تعالیٰ سے نیکی کی توفیق مانگنے کے ساتھ ساتھ جو وساوس آپ کے دل ودماغ میں ابھرتے رہتے ہیں، ان سے حفاظت کی اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے رہیں، اس مسئلہ میں آپ جتنا غور وفکر کریں گے، اسی قدر الجھاؤ بڑھے گا، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں بحث وتمحیص سے منع فرمایا ہے، بقول حضرت مولانا بدرِ عالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ ”یہاں ممانعت اس لیے نہیں کہ درحقیقت یہاں کچھ پانی مرتا ہے؛ بلکہ دریا میں جہاں پانی

زیادہ گہرا اور خطرناک ہوتا ہے، وہاں ہر شفیق نا آموزوں کو تیراکی سے روکا ہی کرتا ہے۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن		کہ جاہا سپر باید انداختن

(ترجمان السنۃ)

مرقات شرحِ مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حقیقتِ تقدیر کے متعلق سوال کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اندھیرا راستہ ہے، اس پر قدم نہ رکھو، اس شخص نے پھر پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گہرا سمندر ہے اس میں داخل نہ ہونا، اس نے پھر سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک بھید ہے، جو تجھ پر پوشیدہ ہے اس کی تفتیش میں نہ پڑنا۔ آخر میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فوائد قرآن کریم میں آیت کریمہ ﴿ولا یظلم ربك احدا﴾ (الکھف) کی تفسیر فرماتے ہوئے مسئلۂ تقدیر کا جو حل تحریر فرمایا ہے، وہ پیش کرتا ہوں ممکن ہے آپ کا بوجھ ہلکا ہو جائے، فرماتے ہیں: ”رب جو کرے وہ ظلم نہیں، سب اسی کا مال ہے، پر ظاہر میں جو ظلم نظر آئے وہ بھی نہیں کرتا، بے گناہ کو دوزخ میں نہیں ڈالتا اور نیکی ضائع نہیں کرتا، اور جو کہے (یعنی اعتراض کرے) گناہ میں ہمارا کیا اختیار ہے؟ سو (یہ) بات نہیں (ہے) اپنے دل سے پوچھ لے، جب گناہ پر دوڑتا ہے اپنے قصد سے دوڑتا ہے، اور جو کہے قصد بھی اسی نے دیا، تو قصد دونوں طرف لگتا ہے، اور جو کوئی کہے اسی نے ایک طرف لگا دیا، سو بندہ کی دریافت سے باہر ہے، بندہ سے معاملہ ہوتا ہے اس کی سمجھ پر، بندہ بھی پکڑے گا اسی کو جو اس سے بدی کرے یہ، نہ کہے گا کہ اس کا کیا قصور؟ اللہ نے کرا دیا“۔

(ماخوذ از ترجمان السنۃ ۲/۱۱۔ ایم ایچ سعید، کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

چندہ کا اعلان ''ایاك نستعین'' کے منافی نہیں

سوال: آج کل جو مساجد میں چندہ کے لیے باقاعدہ اعلان کیا جاتا ہے، تو اس سے ''إیاك نستعین'' کی تو مخالفت لازم نہیں آتی یا آتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چندہ کا اعلان (مدرسہ یا دینی کام یا کسی مصیبت زدہ کی امداد کے لیے) ''إیاك نستعین'' کے منافی نہیں؛ بلکہ احادیث سے ثابت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نبی کی ہڈی کے ذریعہ بارش برسنے والے واقعہ اور تمام انبیاء قبر میں زندہ ہونے کے عقیدہ میں تضاد

سوال: ''البصائر في تذکیر العشائر'' مع اردو ترجمہ میں مناقب اہل بیت کا جہاں بیان ہے، اس میں ۵۹۷ میں حیاۃ الحیوان کے حوالہ سے لکھا ہے کہ: قحط پڑا ہوا تھا تو خلیفہ معتصم باللہ نے تین دن تک حکم دیا کہ باہر جا کر دعائے باراں کریں؛ مگر بارش نہ ہوئی، اسی واقعہ میں ہے کہ نصاریٰ میں ایک نصرانی راہب تھا تو وہ ہاتھ اٹھاتا تھا تو فوراً بارش ہوتی تھی، بعد میں حضرت ابو محمد حسن خالص رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلہ میں پوچھا گیا تو انھوں نے دیکھا اور کہا کہ اس کا ہاتھ پکڑلو، دیکھا تو آدمی کی ہڈی تھی، بعد میں بارش نہ ہوئی، حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ وہ کسی نبی کی ہڈی ہے جو اس راہب کو کسی قبر سے ہاتھ لگ گئی ہے، اور نبی کی ہڈی آسمان کے نیچے کھولی جاتی ہے تو بارش ہوتی ہے الخ۔

تو اب پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ کلام میں نبی کی ہڈی کیسے ہاتھ لگی؟ کیوں کہ یہ تو بدن کے بوسیدہ ہونے پر دلالت کرتا ہے؛ حالاں کہ آقائے مدنی ﷺ کی حدیث ہے کہ:

"حرم الله على الارض أن تأكل أجساد الانبياء، أو كما قال عليه السلام"

تو اب دونوں میں تطبیق کیسے ہوسکتی ہے؟ امید ہے کہ خلاصہ فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حدیث نبوی ﷺ إن الله عزوجل حرم على الأرض أجساد الأنبياء (أبوداود ۱/۱۵۰، دارمی ۱۹۵، نسائی ۱/۱۵۴، ابن ماجه ۷۷، سنن کبریٰ ۳/۲۴۹) نیز حاکم نے بھی مستدرک (۱/۵۶۰) میں اس حدیث کو روایت کیا ہے، اور وہاں امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے اس کو بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس حدیث کو امام ابن خزیمہ، ابن حبان، دار قطنی اور نووی نے صحیح کہا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ۳/۵۱۴) (حیات الانبیاء ۱۳۰، ۱۳۱)

کتاب مذکور میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ بھی مذکور ہے، جس کا اقتباس پیش خدمت ہے: جمہورِ امت کا عقیدہ اس مسئلہ میں یہی ہے کہ آں حضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ زندہ ہیں، ان کی حیات برزخی صرف روحانی نہیں؛ بلکہ جسمانی حیات ہے الخ۔ (۵۹)

اس لیے سوال میں مذکورہ واقعہ کی صداقت ہی مخدوش ہوجاتی ہے، تطبیق کی کوئی صورت اس وقت ذہن میں نہیں آرہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بی بی امّاں مرشدہ کا دجل وفریب، علم غیب کا دعویٰ، بھیس بدلنے کا اختیار، زیارت قبور کے لیے جانا، اجنبی کے جھوٹے کا حکم شرعی

سوال: ایک عورت جو اپنے کو مصلحۂ امت اور مربیہ ومرشدہ کہلواتی ہے، لوگوں کی اصلاح کا طریقہ یہ اپنائے ہوئے ہے کہ ایک ہال میں سبھی لوگ جمع رہتے ہیں، کھانے کو صرف ساگ کھائیں، گوشت نہیں کہ اس سے نفس موٹا ہوتا ہے، مہینہ میں ایک مرتبہ کسی درگاہ میں حاضری دینی ہوگی، جانے والے لوگوں کا انتخاب وہ خود کرتی ہے، کہ کوئی اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہے کہ حضرت مرشدہ نے اس مرتبہ درگاہ جانے کے لیے فلاں فلاں کا انتخاب کیا ہے، کسی برتن میں دودھ آتا ہے جو ان کا پیا ہوا ہوتا ہے، یعنی ان کا جھوٹا، اس سے مقصد یہ ہے کہ اپنا جھوٹا لوگوں کو پلا کر ان کے قلوب کو عبادت وریاضت اور معرفت الٰہی کے لیے کھولا جائے، اور کہتے ہیں کہ وہ خود لوگوں کے سامنے نہیں آتی، نہ عورتوں کے نہ مردوں کے، دعوی ہے کہ کسی کے بھیس میں وہ محفل میں شریک ہوکر چلی جاتی ہے، اور لوگوں کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی، اگر ان کے بارے میں کہیں مدح وذم ہو تو اس کا علم ان کو ہوجاتا ہے۔ یہی چند سوالات بذریعۂ کیسیٹ ان سے کیے گئے، کیسیٹ کے سننے سے قبل ہی کسی معتقد نے بتایا کہ ان سوالات کے جوابات املاء کرانے لگ گئی، جس کا فوٹو اسٹیٹ آپ حضرات کو بھی بھیجا جارہا ہے، قلّت وقت اور عدیم الفرصتی کی بنا پر شاید وقت اجازت نہ دے کہ آپ حضرات ان کے

جوابات پڑھیں؛ لیکن چوں کہ امّت کا ایک بہت بڑا طبقہ اعتقاد میں غلو کر گیا ہے، مزید لوگ بڑی تیزی سے مبتلا ہوتے چلے جارہے ہیں، اور بغیر پڑھے ان کی شخصیت کا صحیح اندازہ شاید نہ لگ سکے، مجھے امید ہے کہ بعد مطالعہ کے صحیح نتیجہ میں آپ حضرات بہت جلد پہونچیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے روحانی طاقت بھی علمائے امّت کو بہت دی ہے، ویسے آپ حضرات کی فراست ایمانی اس کی محتاج نہیں، تاہم زیادہ مناسب ہے، اور جواب بہت تفصیل سے لکھیں جو مدلل، مکمل ہو؛ یہاں کے لوگ اس کو شائع کر کے امّت کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں؛ کیوں کہ بڑی تیزی سے یہ ہوا پھیل رہی ہے، جوابات مثبت ہوں یا منفی؛ بہر صورت شائع کریں گے انشاء اللہ۔

ہم لوگوں نے سوالات کیسیٹ میں اس طرح کئے تھے۔

محترمہ بی بی ماں (ان کو لوگ بی بی ماں کہتے ہیں) السلام علیکم! آپ سے بہت ہی مہذب انداز میں چند سولات کے جوابات چاہئے۔

① آپ کے غائبانہ میں اگر کوئی آپ کی برائی یا بھلائی بیان کرے تو اس کا علم آپ کو ہو جاتا ہے، جب کہ یہ علم غیب ہے، جو سوائے خدا کے کسی نبی یا ولی، پیر، پیغمبر کسی کو نہیں؛ کیوں کہ عالم الغیب والشھادۃ کی صفت خدا کے سوا کسی اور کی نہیں، پھر آپ کس طرح دعوی کرتی ہیں کہ اس کا علم آپ کو ہو جاتا ہے؟

② بھیس کے بدلنے کا اختیار جنّات کو ہے، پھر آپ کس طرح جب چاہیں کسی کی شکل اختیار کر لیتی ہیں؟

③ درگاہوں پر عورتوں کا جانا حرام ہے، جب کوئی عورت درگاہ جانے کی نیت کرتی ہے تو اس پر اللہ اور اس کے فرشتوں کی لعنت ہوتی ہے؛ جب تک اپنے ارادہ کو

نہ بدلے، پھر آپ کیوں کر درگاہوں پر جاتی ہیں؟ (اس کا جواب انھوں نے بہت ہی مضحکانہ انداز میں دیا ہے)۔

④ کسی غیر محرم عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی غیر محرم مرد کا جھوٹا بلا کسی ضرورت کھائے یا پیئے، اور اس کے برعکس کسی مرد کے لیے صحیح نہیں کہ بلا ضرورت کسی عورت کا جھوٹا پیئے، جھوٹا پینے سے اصلاح نفس ہوتی ہے، اس کی کوئی اصل؟

بہر حال اس قسم کے سوالات کے جوابات دیتے ہوئے انھوں نے علماء کو نام نہاد، ضدی، اور ناسمجھ جیسے قبیح الفاظ سے خطاب کیا ہے؛ لہٰذا اس چیلنج کا نوٹس علمائے کرام لیتے ہوئے قوم وملت کو حقیقت حال سے آگاہ کریں، یہ ہم سب کی درخواست ہے۔

آخر میں پھر گذارش ہے کہ ان کے جواب پڑھ کر ہی اپنی بات پیش کریں تو زیادہ مناسب ہوگا، اور بہت ہی تفصیل سے لکھیں؛ کیوں کہ ہم لوگ ضرور کتابچہ کی شکل میں اس کو آپ حضرات کے حوالہ کیساتھ شائع کریں گے۔

ماضی کی تاریخ میں ایسا کوئی ثبوت ملتا ہے کہ کوئی عورت خانقاہ چلاتی ہو، اور لاؤڈ اسپیکر پر ذکر کرا رہی ہو، اور کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

علم غیب جو باری تعالیٰ کا خاصہ ہے، اس کا معنی ومطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو اشکالات اور غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں، اس لیے اس کا مفہوم ومطلب سمجھ لینا ضروری ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ "مفردات القرآن" میں اس کی تعریف فرماتے ہیں: ما لا تدرکه الحواس ولا یقتضیه بداهة العقل (ص:۳٦۷) (یعنی جو چیز حواس اور

بداہت عقلی سے معلوم نہ ہو سکے)۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر ''روح المعانی'' میں ''لم ینصب علیه دلیل'' (یعنی اس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو) کی قید کا اضافہ فرمایا ہے۔ (روح المعانی ۱/ ۱۱۴)

یعنی نظر وفکر اور دلیل عقلی سے بھی معلوم نہ ہو، وگرنہ پھر غیب نہیں رہے گا۔ (فضل الباری ۱/ ۵۴۱)

آپ نے سوال میں اس عورت کو سوال لکھا ہے کہ ''آپ کے غائبانہ میں اگر کوئی آپ کی برائی یا بھلائی بیان کرے تو اس کا علم آپ کو ہو جاتا ہے، جب کہ یہ علم غیب ہے، جو سوائے خدا کے کسی نبی یا پیغمبر، ولی یا پیر کسی کو نہیں''۔

سائل کا ان باتوں کو 'علم غیب' سے تعبیر کرنا درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ علم غیب جو خدا کا خاصہ ہے، اس کی شان تو یہ ہے کہ وہ خدا کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں ہے؛ حالاں کہ اس عورت کی برائی یا بھلائی کی یہ باتیں جہاں بیان ہو رہی ہیں، وہاں جو حضرات موجود ہیں، وہ تو اس کو سن رہے ہیں، جان رہے ہیں، وہ جس کو اطلاع دیں گے وہ بھی اس کو جان لیں گے تو پھر یہ خدا کا خاصہ کہاں رہا؟ حالاں کہ علم غیب تو وہ تھا جو خدا کے سوا کسی کو معلوم نہ ہو، دراصل آپ نے اس کو علم غیب سمجھ لیا، وہ آپ کی غلط فہمی ہے۔

اب آپ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ جب وہ عورت وہاں موجود نہیں ہوتی پھر بھی اس کے متعلق کی جانے والی باتوں کا اس کو کیسے پتہ چلتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ کسی جن (شیطان) سے اس کی دوستی ہو، اور وہ ایسے مواقع میں، جہاں اس عورت کے متعلق باتیں کی جاتی ہیں، موجود رہتا ہو، اور بعد میں اس کو ان باتوں سے باخبر کرتا ہو۔ ماضی میں بھی ایسا ہوا ہے، اسود عنسی جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری زمانہ میں نبوت کا

جھوٹا دعویٰ کیا تھا، اس کے متعلق شروح حدیث میں موجود ہے کہ اس کے پاس دو شیطان تھے، جو لوگوں میں پیش آنے والے واقعات کی اس کو اطلاع دے دیا کرتے تھے۔

وكان معه شيطانان يقال لاحدهما سحيق ...والآخر شقيق... و كانا يخبرانه بكل شيء يحدث من أمور الناس. (فتح الباری شرح صحیح البخاری ۸/۷۶) اور ان ہی باتوں سے متأثر ہو کر لوگ اس کے اوپر ایمان لے آئے۔

وہ عورت جو یہ دعویٰ کر رہی ہے کہ میں وہاں بھیس بدل کر موجود رہتی ہوں، اس احتمال سے اس کے اس دعویٰ کی حقیقت بھی کھل جاتی ہے، یعنی وہاں موجود رہنے والی وہ نہ ہو؛ بلکہ اس کا دوست جن ہو۔

آپ نے اس کے جوابات جو کیسیٹ سے اتار کر بھیجے ہیں وہ صاف پڑھے نہیں جاتے ہیں، اکثر کلمات مٹے مٹے سے ہیں؛ البتہ وہ الہام کا دعویٰ کرتی ہے، ان کا یہ دعویٰ کتنا مبنی بر صداقت ہے وہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے؛ لیکن اگر اس کو درست مان بھی لیا جائے تب بھی اہل سنّت والجماعت کے نزدیک یہ کسی چیز کی درستگی اور سچائی معلوم کرنے کے اسباب میں سے نہیں ہے، نہ ہی وہ حجت شرعیہ ہے۔

شرح عقائد نسفی میں ہے: "والإلهام المفسر بإلقاء المعنى فى القلب بطريق الفيض ليس من أسباب المعرفة بصحة الشيء عند أهل الحق" (۲۲) (ترجمہ: اور الہام جس کی تفسیر دل میں فیض کے طور پر کسی بات کے ڈالنے سے کی جاتی ہے، اہل حق کے نزدیک شئی کی صحت کے اسباب علم میں سے نہیں ہے)۔

حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: الہام انبیاء کو بھی ہوتا ہے؛ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے ہیں: اللّٰهم الهمنى رشدى۔ اور غیر نبی کو بھی ہوتا ہے: فألهمها فجورها

وتقواھا۔ ہاں! اتنا فرق ہے کہ انبیاء کا الہام قطعی اور معصوم ہے، اور اولیاء کا الہام قطعی نہیں؛ کیوں کہ ان کے الہام میں شیطانی ہونے کا احتمال ہے۔ (فضل الباری ۱/۱۳۱)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو ولی تسلیم کرلیا جائے اس کے بعد بھی ضروری نہیں کہ اس پر ہونے والا الہام قطعی ہو؛ بلکہ اس میں بھی شیطانی ہونے کا احتمال ہر حالت میں موجود ہے۔

اس جگہ ولی کی حقیقت اور اس کی تعریف بھی معلوم ہونی ضروری ہے کہ شریعت کی اصطلاح میں ولی کس کو کہتے ہیں؟ عقائد وکلام کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے:

"الولي: هو العارف بالله تعالىٰ وصفاته بحسب ما يمكن، المواظب على الطاعات، المجتنب عن المعاصي، المعرض عن الانهماك في اللذات والشهوات" (۱۰۵) ترجمہ: ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات سے بقدر امکان واقف ہو، اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کے تمام کاموں پر پابندی اور ہمیشگی کرنے والا، نافرمانی اور گناہوں سے دور رہنے والا، یہاں تک کہ مباح لذتوں میں بھی انہماک سے رو گردانی کرنے والا ہو۔

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی مدظلہم سے کیا گیا ایک سوال اور اس کا جواب نقل کرتا ہوں:

سوال: اگر کوئی شخص یہ دعوی کرے کہ مجھے کشف کے ذریعہ خدا نے حکم دیا ہے کہ فلاں شخص کے پاس جاؤ، اور فلاں بات کہو، ایسے شخص کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

جواب: غیر نبی کو کشف یا الہام ہوسکتا ہے؛ مگر وہ حجت نہیں، نہ اس کے ذریعہ کوئی حکم ثابت ہوسکتا ہے؛ بلکہ اس کو شریعت کی کسوٹی پر جانچ کر دیکھا جائے گا، اگر وہ صحیح ہو تو قبول کیا جائے گا، ورنہ رد کردیا جائے گا، یہ اس صورت میں ہے کہ وہ سنت نبوی کا متبع

اور شریعت کا پابند ہو، اگر کوئی شخص سنت نبوی ﷺ کے خلاف چلتا ہو تو اس کا کشف والہام کا دعوی شیطانی مکر ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱/ ۳۴، ۳۵)

عارف باللہ شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر تم کسی کو دیکھو کہ اس کو عجیب وغریب باتیں ملی ہیں، ہوا میں اڑتا ہے، فضا میں چار زانو ہو کر بیٹھتا ہے، پانی پر چلتا ہے تو جب تک وہ شریعت اور طریقہ سنت کا پابند نہ ہو، اسے خیال میں نہ لاؤ۔ شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کہ از مشائخ ملقب سلطان العارفین ست؛ نیز فرمودہ: لو نظرتم إلى رجل أعطي أنواعا من الكرامات؛ حتى يتربع فى الهواء، أويمشى على الماء، فلا تعتبروا به؛ حتى تنظروا كيف تجدونه عند الأمر والنهي، وحفظ الحدود وأداء احكام الشريعة (البلاغ المبین فارسی ص: ۴۶۔ رسالہ قشیریہ ص: ۱۵) (منقول از فتاوی رحیمیہ ۴/ ۶)

حضرت شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ کی شہرت سن کر زیارت کے لیے گئے وہ بزرگ اتفاق سے گھر سے مسجد آرہے تھے، ان کو قبلہ کی جانب تھوکتے ہوئے دیکھا، تو حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ملاقات کئے بغیر ہی واپس چلے آئے، اور فرمایا کہ جس کو رسول خدا ﷺ کے آداب (قبلہ کی حرمت) کا پاس نہیں ہے، تو اس کی بزرگی کا کیا اعتبار۔ (بحوالہ قشیریہ ص: ۱۵) (منقول از فتاوی رحیمیہ ۴/ ۷)

جو کوئی پابند شرع اور متبع سنت نہ ہو وہ کبھی خدا کا دوست اور ولی نہیں بن سکتا، اور اس سے کوئی عجیب بات ظاہر ہو تو وہ کرامت نہیں ہو سکتی؛ بلکہ یہ سحر اور استدراج ہے، ریاضت اور مجاہدہ کے ذریعہ بھی عجیب اور حیرت انگیز باتیں ظاہر ہو سکتی ہیں، اس میں اسلام کی بھی قید نہیں ہے۔ چناں چہ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قال ابن حجر: أنه ناظر صوفى برهمنا فطار البرهمي في الجو فارتفعت إليه نعل الشيخ،

والناس ينظرون یعنی ایک صوفی کا ایک جوگی کے ساتھ مناظرہ ہوا، تو جوگی ہوا میں اڑنے لگا، اس کے پیچھے صوفی نے اپنی کھڑاؤں پھینکی، اور عوام اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ (البصائر ص ۴۱۲، بصیرت ۴۷)

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ فلاں آدمی ایک ہی شب میں مکہ مکرمہ پہنچ جاتا ہے، آپ نے فرمایا: شیطان پل بھر میں مشرق سے مغرب پہنچتا ہے تو یہ کوئی کمال اور حق ہونے کی دلیل نہیں؛ حالاں کہ وہ خدا کی لعنت میں گرفتار رہتا ہے۔ وقيل له: فلان يمر في ليلة إلى مكة، فقال: الشيطان يمرّ في لحظة من المشرق الى المغرب، وهو في لعنة الله (البصائر ص/ ۴۱۲، بصیرت/ ۴۷، از فتاوی رحیمیہ ۴/ ۸)

(۲) انسان کو یہ قدرت نہیں دی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو مختلف شکل وصورت میں مشکل کر سکے؛ البتہ جنات کو یہ قدرت عطا کی گئی ہے۔ قاضی بدر الدین شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے "آكام المرجان في احكام الجان" میں ایک مستقل عنوان اس کا قائم فرمایا ہے، اس میں تحریر فرماتے ہیں: لاشك أن الجن يتطورونَ ويتشكلون في صور الإنس والبهائم، فيتصورون في صور الحيات والعقارب، وفي صور الإبل والبقر والغنم والخيل والبغال والحمير وفي صور الطير، وفي صور بني آدم الخ (ص:۱۸)

(۳) زمانۂ جاہلیت کی قبر پرستی سے نفرت دلانے کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدا میں امت کو قبروں پر جانے سے منع فرما دیا تھا، اور جب اس رسم کی بخوبی اصلاح ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیارت قبور کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا: كنت نهيتكم عن زيارة القبور، فزوروها؛ فإنها تزهد في الدنيا وتذكر الآخرة (مشکوہ ص:۱۵۴) میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا، اب ممانعت منسوخ کی جاتی ہے، پس

ان کی زیارت کیا کرو؛ کیوں کہ وہ دنیا سے بے رغبت کرتی ہیں، اور آخرت کو یاد دلاتی ہیں۔

اس لیے قبرستان جانے کی اجازت ہے، البتہ دو مسئلوں میں اختلاف ہے، ایک یہ کہ یہ اجازت مردوں اور عورتوں سب کو ہے یا صرف مردوں کو؟ بعض اکابر کی رائے یہ ہے کہ عورتوں کو اجازت نہیں؛ کیوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے بارے میں خصوصیت سے فرمایا ہے: ''لعن الله زوارات القبور'' (مشکوٰۃ، ص:۱۰۴) (یعنی اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ان عورتوں پر جو قبروں کی زیارت کو جاتی ہیں) اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد اجازت سے پہلے کا ہے، اور اب مردوں کی طرح عورتوں کو بھی اجازت ہے، صحیح یہ ہے کہ عورتوں کو ممانعت اس بنا پر کی گئی ہے کہ یہ کم صبری اور کم علمی کی بناء پر وہاں جا کر جزع فزع؛ نیز بدعات اور غیر شرعی حرکات کا ارتکاب کرنے سے باز نہیں رہ سکتیں، چوں کہ ان کے جانے میں فتنے کا احتمال غالب تھا، اس لیے ان کو خصوصیت سے منع کر دیا گیا، تاہم اگر کوئی عورت وہاں جا کر کسی بدعت اور کسی غیر شرعی حرکت کی مرتکبہ نہ ہو، اس کو اجازت ہے؛ مگر بوڑھی عورتیں جا سکتی ہیں، جوان عورتوں کو نہیں جانا چاہیے۔

(فتاوی شامی ۲/ ۲۴۲ طبع جدید مصر) (منقول از اختلاف امت اور صراط مستقیم ۱/ ۵۱، ۵۲)

کسی مرد کے لیے اجنبی عورت کا جھوٹا اور کسی عورت کے لیے اجنبی مرد کا جھوٹا مکروہ ہے؛ اس لیے کہ اس صورت میں خطرہ ہے کہ لذت حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔

(کما فی الدر المختار علی هامش الشامی ۱/۱۶۳)

جس چیز کو مکروہ و ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہو، اس کو معرفت الٰہی کے لیے قلوب کو کھولنے کا ذریعہ قرار دینا، دجل و فریب ہے، عورتوں کو گھر میں جمے رہنے کی شریعت میں تاکید ہے۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وقرن فی بیوتکن﴾ (تم اپنے گھروں میں جمی

رہو)۔آں حضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ: لیس للنساء نصیب فی الخروج إلا مضطرة (رواہ الطبرانی) (یعنی عورتوں کو اپنے گھروں سے باہر نکلنے کا حق نہیں؛ لیکن ایسے وقت کہ وہ مجبور و مضطر ہو جائیں)۔آپ ﷺ کا دوسرا ارشاد ہے: "المرأة عورة، فاذا خرجت استشرفها الشيطان" (یعنی عورت چھپانے کی چیز ہے؛ کیوں کہ جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کو تانک جھانک کرتا ہے)۔

مجالس الابرار میں ہے۔فالمرأة كلما كانت مخفية من الرجال كان دينها أسلم (یعنی عورت جس قدر مردوں سے پوشیدہ ہوگی اس کا دین زیادہ سالم اور محفوظ رہے گا)۔

"فتاویٰ محمودیہ" میں ہے: حضور اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کے ہاتھ پر کسی نے بیعت نہیں کی، خلفائے راشدین اور بعد کے اکابرین اہل اللہ کے یہاں بھی یہ دستور نہیں ملتا، اس لیے عورت کو پیر بنا کر اس کے ہاتھ پر بیعت نہ کی جائے۔(۱۵/۹۷)

ایک دوسرے جواب میں ہے: "اصلاح نفس کی ضرورت مردوں کو بھی ہے، اور عورتوں کو بھی، اس مقصد کے لیے مرید ہونے کی ضرورت ہوتی ہے؛ مگر دوسروں کی اصلاح کرنا اور مرید کر کے ذکر و شغل کی تلقین کرنا یہ کام مردوں کے لیے مخصوص ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۵/۹۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کیا دعاء سے موت ٹل جاتی ہے؟

سوال: دعاؤں سے موت ٹل جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر تقدیر میں یوں لکھا ہے کہ فلاں اگر دعا کرے گا تو اس کی موت اتنے وقت کے لیے ٹل جائے گی، تو دعا سے موت بھی ٹل سکتی ہے؛ ورنہ نہیں۔ (حاشیہ مشکوۃ ۱۹۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ

جنبی ایمان سے نہیں نکلتا

سوال: ایک میاں بیوی نے صحبت کی، دونوں ناپاک ہو گئے، ناپاکی میں ایمان نکل جاتا ہے، اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہوتا جب تک کہ دونوں غسل جنابت نہ ادا کرلیں، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جنابت کی وجہ سے آدمی ایمان سے نہیں نکلتا، سوال میں لکھا ہوا خیال غلط ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

عقیدۂ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق علماء دیوبند کا مسلک

سوال: جناب محترم گذارش یہ ہے کہ ایک سلسلہ میں جناب سے حق کی جانب راہنمائی کا خواستگار ہوں، ہمارے یہاں پاکستان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات بعد الموت سے متعلق دو آراء پائی جاتی ہیں، اور ہر دو نظریہ کے حامل افراد خود کو حقیقی دیوبندی کہتے ہیں، ایک عقیدہ: حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روضۂ اطہر میں جسد عنصری کے ساتھ

زندہ ہیں، یہ حیات برزخی ہے؛ مگر حیات دنیوی سے قوی تر ہے۔ دوسرا عقیدہ: 'مماتی عقیدہ' کے نام سے معروف ہے کہ جسد اطہر روضۂ اطہر میں محفوظ ہے؛ مگر روح مبارک اعلیٰ علیین میں ہے، اور جسد اطہر محفوظ؛ مگر بمثل میت کے روضۂ اطہر میں ہے؛ نیز روح مبارک کے لیے جسم مثالی کی بات کرتے ہیں۔

محترم! میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اکابر علماء دیوبند کا حقیقی عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے کیا ہے؟ حیاتی یا مماتی؟ اور جو اکابر علمائے دیوبند کے خلاف عقیدہ رکھیں ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ آیا وہ بدعتی ہیں یا انہیں دیوبندی کہلانے کا حق حاصل ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

۱۳۲۵ھ میں حرمین شریفین کے علمائے کرام نے ۲۶/ سوالات قلم بند کر کے علمائے دیوبند کو جواب کے لیے ارسال کئے، اس وقت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہو چکا تھا، مذکورہ سوالات کے جوابات فخر المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے فصیح عربی زبان میں مرتب فرمائے، جس پر اس وقت کے تمام مشاہیر دیوبند مثلاً: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، اسوۃ الصلحاء حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ، بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دار العلوم ابن حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی، عارف کامل حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی اعظم دار العلوم اور مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصدیقات تحریر فرمائیں، مشاہیر ہند کے علاوہ حجاز، مصر اور شام وغیرہ اسلامی ممالک

کے مقتدر علماء اور مشائخ نے بھی اپنی تصدیقات سے اس کو مزین فرمایا، چناں چہ یہ رسالہ ۱۳۲۵ھ میں تحریر ہوا اور "المهند على المفند" کے نام سے ملک میں شائع کیا گیا، اسی رسالہ کے صفحہ ۴۳ / ۴۴ سے ایک سوال جواب جو اصل عربی میں ہے، اس کے اردو ترجمہ کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے:

السؤال الخامس: ما قولكم في حياة النبي عليه الصلوة و السلام في قبره الشريف؟ هل ذلك أمر مخصوص به أم مثل سائر المؤمنين رحمة الله عليهم حيٰوته برزخية؟

الجواب: عندنا وعند مشايخنا حضرة الرسالة ﷺ حي في قبره الشريف، وحياتُه دنيوية من غير تكليف، وهي مختصة به، وبجميع الأنبياء صلوات الله عليهم والشهداء، لا برزخية كما هي حاصلة لسائر المؤمنين؛ بل لجميع الناس، كما نص عليه العلامة السيوطي في رسالته "أنباء الأذكياء بحيوة الأنبياء" حيث قال: قال الشيخ تقي الدين السبكي: حيٰوة الأنبياء والشهداء في القبر كحيوتهم في الدنيا، ويشهد له صلوة موسى عليه السلام في قبره، فإن الصلوة تستدعى جسدا حيا إلى آخر ما قال: فثبت بهذا أن حيٰوته دنيوية، برزخية لكونها في عالم البرزخ، ولشيخنا شمس الإسلام والدين محمد قاسم العلوم على المستفيدين قدس الله سره العزيز في هذا المبحث رسالة مستقلة دقيقة المأخذ بديعة المسلك لم ير مثلها، قد طبعت وشاعت فى الناس واسمها "آب حيات" أي ماء الحيٰوة. (المهند على المفند ٤٣،٤٤ مكتبة الاتحاد)

ترجمہ: پانچواں سوال: کیا فرماتے ہیں جناب رسول اللہ ﷺ کی قبر میں حیات کے

متعلق کہ کوئی خاص حیات آپ ﷺ کو حاصل ہے یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی حیات ہے؟

جواب: ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ ﷺ کی حیات دنیا کی سی ہے بلا مکلف ہونے کے، اور یہ حیات مخصوص ہے آں حضرت ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ، برزخی نہیں ہے، جو حاصل ہے تمام مسلمانوں؛ بلکہ سب آدمیوں کو، چناں چہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "أنباء الاذكياء بحيوة الأنبياء" میں بتصریح لکھا ہے، چناں چہ فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ انبیاء وشہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی، اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے؛ کیوں کہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے الخ۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ کی حیات دنیوی ہے، اور اس معنی کر برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے، اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کا اس مبحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے، نہایت دقیق اور انوکھے طرز کا بے مثل، جو طبع ہو کر لوگوں میں شائع ہو چکا ہے، اس کا نام "آب حیات" ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ "المهند على المفند" میں درج شدہ عقائد کے متعلق کئے گئے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

اکابر دیوبند کے کئی دور ہوئے ہیں:

پہلا دور: حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم عصر اکابر کا تھا۔

دوسرا دور: ان اکابر کے شاگردوں کا: جن میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا خلیل

احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اکابر شامل ہیں۔

تیسرا دور: ان کے شاگردوں کا: جن میں حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شامل ہیں۔

چوتھا دور: ان کے شاگردوں کا: جن میں مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم عصر اکابر شامل ہیں۔

اور اب پانچواں دور ان کے شاگردوں کا چل رہا ہے۔

"المهند على المفند" پر دور ثانی کے تمام اکابر کے دستخط ہیں، یہی عقائد دور اول کے اکابر کے تھے، اور ان ہی پر دور ثالث اور دور رابع کے اکابر متفق چلے آئے ہیں۔

اس لیے "المہند" میں درج شدہ عقائد پر تمام اکابر دیوبند کا اجماع ہے، کسی دیوبندی کو ان سے انحراف کی گنجائش نہیں، اور جو ان سے انحراف کرے وہ دیوبندی کہلانے کا مستحق نہیں۔ (فتاویٰ بینات: ۱/۵۲۶، ۵۲۷)

اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی لکھی گئی ہیں جن میں حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر کی کتاب "تسكين الصدور في تحقيق أحوال الموتى في البرزخ والقبور" اور علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب زید مجدہم کی کتاب "مقام حیات" اور "المهند على المفند" کا تازہ ایڈیشن قابل مطالعہ ہے، اور آخر الذکر دونوں کتابوں میں دیوبندی مکتب فکر کے بعد کے اکابر کی تصریحات بھی منقول ہیں، ان کا مطالعہ فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: مفتی عبد القیوم راجکوٹی

حضرات صحابہ معیارِ حق ہیں

سوال: ایک جید عالم دین نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ معیارِ حق صرف اور صرف اللہ اور رسول ﷺ ہیں، رسول اللہ ﷺ ہی معصوم عن الخطاء ہیں، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم معیار حق نہیں ہیں، لہذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضرات صحابہ معیار حق ہیں، تو کیا یہ عقیدہ درست ہے، یا مجھے بھی اللہ اور اس کے رسول کو ہی معیار حق سمجھنا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معیار حق ہونے کا مطلب بیان فرماتے ہوئے حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم معیار حق ہیں'' اس کا معنی ومطلب یہ ہے کہ ان کے اقوال وافعال حق وباطل کی کسوٹی ہیں، ان حضرات نے جو فرمایا، یا جو دینی کام کیا، وہ ہمارے لیے مشعل راہ، حجت اور ذریعۂ فلاح ہے، اور ان کے معیار حق ہونے کے دلائل بے شمار ہیں۔

قرآن میں ہے: ﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْراً﴾

ترجمہ: اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ امر حق ظاہر ہو چکا اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستہ ہولیا، تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے، اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: معلوم شد کہ ہر کہ خلافِ

راہِ مومناں اختیار نمود مستحق دوزخ شد، ومومنین در وقت نزول ایں آیت نبودند مگر صحابہ رضی اللہ عنہم۔ (تحفۂ اثنا عشریہ:۶۰۰)

یعنی معلوم ہوا کہ جس نے مومنین کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ مستحق دوزخ ہوا اور اس آیت کے نزول کے وقت مومنین، صحابہ رضی اللہ عنہم ہی تھے، اس سے واضح ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ حق اور ہدایت کا طریقہ ہے، اور وہ ہمارے لیے نمونہ ہے؛ لہٰذا جو ان کے طریقے کے خلاف چلے گا وہ گمراہ ہوجائے گا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴/۷۹، ۸۰)

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آگے بہت تفصیل سے دلائل پیش کئے ہیں۔ (فتاوی رحیمیہ ۴/۸۰ تا ۹۳ میں اس کا مطالعہ فرمالیں) آپ کا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو معیار حق ماننا درست ہے، اور اہل سنت والجماعت کا یہی مسلک ہے، ان کے معیار حق ہونے کا انکار گمراہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اللہ کو حاضر ناظر کہنے کے دلائل

سوال: اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر کہنے میں کیا قباحت ہے؟ کیا عقائد میں اللہ تعالیٰ کے لیے ''شاہد وبصیر'' اور حاضر وناظر'' میں کوئی فرق ہے؟ مدلل جواب کی درخواست ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اللہ تعالیٰ کے لیے حاضر وناظر کا اطلاق درست ہے، حدیث پاک میں ''الشہید'' آیا ہے، جس کا ترجمہ مشکوۃ شریف (جلد اول ۱۹۹) کے بین السطور میں ''الحاضر'' کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وما کنا غائبین﴾ اور حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''إنکم لا تدعون أصم ولا غائبا'' (بخاری ومسلم)

جب قرآن کریم کی آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ غائب نہیں ہے اور حضور پاک ﷺ کے صریح ارشاد مبارک کے مطابق غائب نہیں، اب اگر ہم حاضر نہ کہیں تو کیا کہیں؟

حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کے لیے ناظر کا اطلاق موجود ہے: ''إن الله مستخلفكم فيها فناظر كيف تعملون'' (مشکوۃ ۴۳۷، ترمذی شریف) یہ روایت ابن ماجہ اور مستدرک حاکم میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ أَن يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ﴾۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حق سبحانہ وتعالیٰ بر احوال جزئی وکلی او مطلع است وحاضر وناظر، شرم باید کرد۔ (مکتوب ص ۷۸ دفتر اول حصہ دوم)

اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: وبدانکہ خدا تعالیٰ حاضر است غائب نہ۔ (مکتوبات قدوسیہ ۱۲۹ بحوالہ تبرید النواظر ۳۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

کیا جانوروں کی روح عزرائیل علیہ السلام نکالتے ہیں؟

سوال: کیا جانوروں کی روح بھی عزرائیل علیہ السلام نکالتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ چیز نظر سے نہیں گذری، ویسے آپ کا یہ سوال بھی عمل یا عقیدہ سے متعلق نہیں ہے، جس کے لیے تلاش کی زحمت اٹھائی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کافر ومشرک کی توبہ

سوال: شرک یا کفر توبہ کرنے سے معاف ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آدمی شرک وکفر سے توبہ کرکے اس کو چھوڑ کر ایمان اختیار کرے، تو شرک وکفر کا گناہ معاف ہوجاتا ہے۔ ''الإسلام يهدم ماكان قبله'' (الحديث) (صحيح مسلم ١/٧٦)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

''کالی چودس'' کی منحوسیت کا عقیدہ رکھنا

سوال: ہندوؤں کے مشہور تہوار دیوالی کے ایک روز قبل کی رات جس کو ''کالی چودس'' کہتے ہیں، جس کے بارے میں ہنود کا عقیدہ ہے کہ اس رات میں دیوی دیوتاؤں کو خوش رکھنا ضروری ہے، نیز وہ اس رات میں سحر وغیرہ بھی کرتے ہیں یا اس سے بچنے کا اہتمام کرتے ہیں، جس کے لیے وہ اپنے اپنے قبرستانوں میں جاکر رات کو کچھ عملیات وغیرہ کرتے ہیں؛ نیز سنا ہے کہ وہ لوگ اس رات کو خطرناک سمجھتے ہیں، ادھر ہمارے مسلمان بھائیوں میں بھی یہ بات مشہور ہونے لگی ہے کہ واقعتاً یہ رات بڑی خطرناک ہے، جس میں بلائیں اور مصائب نازل ہوتے ہیں یا خبیث روحیں بھٹکتی ہیں؛ اس لیے وہ اپنے بچوں کو باہر نکلنے سے اس رات میں منع کرتے ہیں؛ نیز عورتیں نکلنے سے پرہیز کرتی ہیں، بعضے لوگ بہ زعمِ خود نازل ہونے والی بلاؤں سے بچنے کے لیے سورۂ بقرہ کا ختم کرکے پانی پر دم کرتے ہیں، خود پیتے ہیں اور مکانوں پر چھڑکتے ہیں، بعضے عورتیں اس رات کی صبح روزہ رکھتی ہے؛ تاکہ مصیبت سے حفاظت ہو اور بعضے پڑھے لکھے لوگ بھی یہ اہتمام

کرتے ہیں، یہ لوگ اس سلسلہ میں حدیث شریف کا حوالہ دیتے ہیں جب کہ حدیث پاک میں بلاتعیین کے صرف ایک رات میں ان بلاؤں کا نزول بیان کیا گیا ہے، مسلم شریف ۲/۱۷۱ پر یہ دو روایتیں ہیں:

(۱)عن جابر بن عبدالله قال: سمعت رسول اللهﷺ يقول: غطوا الإناء وأوكوا السقاء؛ فإن في السنة ليلة ينزل فيها وباء، لا يمر بإناء ليس عليه غطاء، أو سقاء ليس عليه وكاء، إلا نزل فيه من ذلك الوباء.

(۲)وحدثنا نصر بن علي الجهضي قال: حدثني أبي قال: نا ليث بن سعد بهذا الإسناد مثله، غير أنه قال: فإن في السنة يوما ينزل فيه وباء، وزاد في آخر الحديث: قال الليث: فالأعاجم عندنا يتقون ذلك في كانون الأول.

تو عرض خدمت یہ ہے کہ سال کی اس ایک رات کو جس کا حدیث میں ذکر کر کے ہمیشہ اپنے برتنوں کو ڈھانکنے کا حکم دیا ہے، ہنود کے گمان کے مطابق کالی چودس کو سمجھ لینا، اس کو اپنے لیے خطرناک سمجھنا اور سال کی دیگر راتوں میں اس کا امکان کالعدم سمجھنا شرعاً صحیح ہے؟ کیا یہ عقیدے میں ہنود کے ساتھ موافقت نہیں ہے؟ اس سلسلے میں مفصل جواب عنایت فرمائیں؛ تاکہ اگر یہ گمان غلط ہو تو عوام وخواص کو غلطی سے بچایا جاسکے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حدیث پاک میں سال بھر میں کسی ایک دن یا کسی ایک رات کے متعلق بلاتعیین کے اطلاع دی گئی ہے، اور اسی بنیاد پر علی الاطلاق ہمیشہ برتنوں کو ڈھانپنے اور مشکیزوں کا منہ بند کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نیز اس دن یا رات میں نازل ہونے والی بلا کا اثر بھی متعین فرما کر اس کے دفعیہ کی تدبیر بھی بتلادی گئی ہے؛ اس لیے اپنی طرف سے کسی متعین اور

مخصوص رات کے متعلق ایسا سمجھنا، نیز اس کی تاثیر اور بلا کو دیگر امور میں متعدّی سمجھنا اور اس کے دفعیہ کے لیے اپنی طرف سے تدابیر تجویز کرنا، یہ سب باتیں ارشادِ نبوی ﷺ سے ہٹ کر ہونے کے علاوہ ایک غیر مدرَک بالقیاس چیز میں قیاس سے حکم ثابت کرنا ہے، یہ تمام امور حدودِ شرع سے تجاوز ہونے کی بنا پر درست نہیں؛ اس لیے اس مخصوص رات میں سوال میں مذکورہ جن امور کا اہتمام کیا جاتا ہے درست نہیں، خصوصاً جب کہ اس کی وجہ سے ہندوانہ نظریات اور ان کی توہم پرستی کی تائید ہوتی ہے۔ اہلِ علم حضرات کو چاہیے کہ اس توہم پرستی سے عوام کو باز رکھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴ر رجب ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

نکاح کے لیے کسی دن کو منحوس سمجھنا

سوال: نکاح کے دن و تاریخ طے کرنے کے لیے یا مہینوں کے بارے میں منحوس اور سعید سمجھنا کیسا ہے یا تمام دن شرعاً برابر ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ ہندوانہ نظریہ ہے، اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، شرعاً تمام ایام برابر ہیں؛ البتہ جمعہ کے دن اعلانِ نکاح کا مقصد اچھی طرح حاصل ہوتا ہے؛ اس لیے مندوب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲ر ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سنگِ بنیاد کے موقعہ پر جانور ذبح کرنا ہندوانہ رسم ہے

سوال: جب ہمارے کشمیر میں کوئی آدمی کوئی نئی عمارت کی سنگ بنیاد رکھتا ہے تو اس جگہ پر کسی حلال جاندار کو ذبح کرتا ہے، اس نیت سے کہ اس عمارت میں برائی کے بدلہ بھلائی قائم ہو؛ لیکن یہاں کے رہنے والوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ذبح کرنے والے جاندار کا خون اس جگہ پر پڑے جہاں وہ عمارت قائم ہونے جارہی ہے، کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ طریقہ بالکل ناجائز اور ہندوانہ طریقہ ہے، اس میں شرک کی بو ہے، اس سے مکمل احتراز کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ

فال کھولنا کیسا ہے؟

سوال: کسی آدمی سے فال کھلوا کر پوچھنا کہ پریشانیاں کیوں ہورہی ہیں؟ یہ شرعاً کیسا ہے؟ یہ پوچھنے جانے والے کے لیے کیسا ہے؟ اور جو بتانے والے ہیں ان کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ برائے کرم اس کا پورا خلاصہ تفصیل کے ساتھ نوٹ فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن وغیرہ سے فال نکالنا جائز نہیں۔ لا یأخذ الفال من المصحف شرح فقہ اکبر ص:۱۸۳ (فتاویٰ محمودیہ: ۶/ ۳۵) سب اپنے اپنے درجہ کے مطابق گنہگار ہیں،

چاہیے کہ توبہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳ ذوالحجہ ۱۴۱۴ھ

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ تھا

سوال: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ تھا یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں نہیں تھا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی تصریح شفائے قاضی عیاض، خصائص کبریٰ، فقہ العزیز، مدارج النبوۃ وغیرہ بہت سی کتابوں میں ہے۔ ان حضرات نے وہی استدلال کیا ہے جو کہ سائل نے لکھا ہے۔ (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نور تھے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا) مگر کوئی روایت مرفوع پیش نہیں کر سکے۔ جیسا کہ دیگر معجزات کے متعلق مرفوع روایات موجود ہیں۔ البتہ امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں ام المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ایک واقعہ نقل کیا ہے اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوپہر کے وقت تشریف لانا اور آپ کا سایۂ مبارک ہونا صاف صاف مذکور ہے، "قالت: فبینما أنا یوما بنصف النهار اذا بظل رسول الله ﷺ" (مسند احمد ۵/۴۳۱) نیز حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ کی ایک روایت حادی الارواح إلیٰ بلاد الافراح (۱/۴۲) میں ہے جس میں حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایۂ مبارک کو خود ملاحظہ فرمانا منقول ہے۔ "لقد رأیت ظلی" یہ دونوں روایتیں مرفوع ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/۱۰۹، ۱۱۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/صفر ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہیں پڑتا تھا؟

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب چلتے تھے تو ان کا سایہ نہیں پڑتا تھا اس کی وجہ کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صحیح روایت واحادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ مبارک تھا۔ (خیر الفتاویٰ ۱/ ۳۳۳) (گلدستۂ سلام ۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

علم غیب عطائی

سوال: بندہ نے بریلوی مکتبۂ فکر کے ایک عالم کی تقریر میں سنا ہے کہ وہ فرمارہے تھے علم غیب ذاتی یہ صرف خدا ہی کو ہے۔ اور ایک ہے علم غیب عطائی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تھا تو یہ بات کہاں تک صحیح ہے وضاحت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

علم غیب کی یہ تقسیم فریب ہے جو عطائی ہو وہ علم غیب نہیں؛ نیز یہ حضرات اپنے دعوی پر یعنی علم غیب کی اس تقسیم پر اور ذاتی اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اور عطائی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملا ہے کیا دلیل پیش کرتے ہیں؟ قل هاتوا برهانكم إن كنتم صادقين. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب ما یتعلق بالکفر والکفار

گونگے بہرے کا اسلام

سوال: ایک آدمی غیر مسلم چمار (ہریجن) ۷ر پشتوں سے مسلمان کے گھر رہتا تھا اور تھا وہ بہرہ اور گونگا، نہ سنتا تھا نہ بولتا تھا؛ مگر کبھی کبھی وہ مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں آکر پیچھے کھڑا رہ کر نقل بھی کرتا تھا اور ایک عالم صاحب نے جو پہلے اس جگہ پڑھا رہے تھے انھوں نے اللہ کا اقرار کروایا تھا تو لوگ کہتے ہیں کہ کبھی انگلی آسمان کی طرف اٹھاتا تھا اور کبھی ہاتھ سے انکار بھی کرتا تھا اور وہ اب مر گیا ہے اور اس کی مسلمانی بھی نہیں کروائی تھی وہ جب مر گیا تو اس کے وارث داروں کو خبر پہنچائی تو انھوں نے کہا کہ تمھارے یہاں جس طرح کرتے ہو اس طرح کرو، پھر ہم نے اس کو نہلایا کفن دیا اور جنازہ کی نماز پڑھ کر اس کو قبرستان کے قریب میں باہر دفن بھی کر دیا تو کیا یہ صورت حال صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس نے اپنے اس اشارہ کے ذریعے جس کو لوگ سمجھتے ہیں اسلام اور ایمان کا اظہار کیا تھا تو وہ مسلمان ہے اب اگر موت تک اس کے خلاف کوئی بات نہیں پائی گئی تو مرنے کے بعد اس کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کیا جائے گا یعنی غسل کفن دے کر نماز جنازہ پڑھ کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا چاہے اس کی ختنہ (مسلمانی) نہ ہوئی ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۷ر رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

غلطی سے کلمۂ کفر کہنا

سوال: مالابدمنہ ص:۱۱۹ پر 'بسم اللہ برحرام کار' کے مسئلے کو تحریر کیا ہے، تو کیا بے علم وانجان شخص جس کو مسئلہ معلوم نہیں وہ مسلمان چوری کے وقت یا جو مذکور مسئلہ کتاب میں ہے اس پر بسم اللہ پڑھتا ہے، تو کافر ہو جائے گا؟ مسئلہ معلوم ہونے کی صورت میں تو استخفاف دین ہے؛ لیکن علم نہ ہونے کے وقت تو استخفاف نہیں پایا گیا، اس بارے میں کیا حکم ہے؟ اس لیے کہ یہاں بعض لوگ جہل کا اعتبار نہیں کرتے، علی الاطلاق حکم کے قائل ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مالابدمنہ میں ہے: مسئلہ: اگر جاہلے کلمۂ کفر گفت ونمی داند کہ ایں کلمۂ کفر است بعضے علما گفتہ اند: کہ کافر نہ شود وجہل عذر است، وبعضے گفتہ: کافر شد وجہل عذر نیست۔ (ص:۱۳۸)

ثم قال في البحر: والحاصل أن من تكلم بكلمة الكفر هازلا أو لاعبا كفر عند الكل، ولااعتبار باعتقاده كما صرح به فى الخانية، ومن تكلم بها مخطئا أو مكرها لايكفر عند الكل، ومن تكلم بها عامدا عالما كفر عند الكل، ومن تكلم بها اختيارا جاهلا بأنها كفر ففيه اختلاف. اهـ(شامي ٣/ ٣١٢)

أن مايكون كفرا اتفاقا يبطل العمل والنكاح، ومافيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح. اهـ (شامي٣/٣١٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ر رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

معصوم ہونے کے ارادے سے اولاً مرتد ہونا پھر مسلمان بن کر مرنا

سوال: ایک مسلمان مرد فاسق و فاجر کو معلوم ہوا کہ کفر کے بعد ایمان لانے سے گناہ ختم ہوجاتے ہیں، تو کیا وہ مرتد ہوکر پھر مسلمان ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تاکہ اس کے تمام گناہ معاف ہوجاوے، اور اگر نہیں ہوسکتا ہے، اس کے باوجود اس نے یہ فعل انجام دیا (یعنی مرتد ہوکر پھر مسلمان ہوگیا) اس کے بعد فوراً موت واقع ہوگئی، تو اس کو معصوم کہہ سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

﴿ومن یرتدد منکم عن دینه فیمت وهو کافر فاولٰئك حبطت أعمالهم فی الدنیا والآخرة﴾ (البقرة) ایسے لوگوں کے اعمال دنیا وآخرت میں سب غارت ہوجائیں گے، دنیا میں اعمال کا ضائع ہونا یہ ہے کہ اس کی بیوی نکاح سے نکل جاتی ہے، اگر اس کا کوئی مورث مسلمان مرے، اس شخص کو میراث کا حصہ نہیں ملتا، حالتِ اسلام میں نماز روزہ جو کچھ کیا تھا سب کالعدم ہوجاتا ہے وغیرہ؛ اگر یہ شخص پھر مسلمان ہوجائے تو آخرت میں دوزخ سے بچنے اور دنیا میں آئندہ کے لیے احکام اسلام کا جاری ہونا یقینی ہے؛ لیکن دنیا میں اگر حج کرچکا تو بشرطِ وسعت دوبارہ اس کا فرض ہونا اور آخرت میں پچھلے نماز روزہ پر ثواب ملنے کے قائل نہیں، مرتد کی حالت کافرِ اصلی سے بدتر ہے، اسی واسطے کافرِ اصلی سے جزیہ قبول ہوسکتا ہے، اور مرتد اگر اسلام نہ لاوے اگر مرد ہے تو قتل کردیا جاتا ہے، اور اگر عورت ہے تو دوامِ حبس کی سزا دی جاتی ہے۔ (از معارف القرآن ملخصا)

اسلام کے بعد ارتداد کی کسی صورت میں اجازت نہیں، بڑے سے بڑے گناہ کے لیے توبہ علاج ہے، شریعت کے بتلائے ہوئے طریقۂ علاج کو چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس کے باوجود اگر اس نے ایسا کیا اور دوبارہ مسلمان ہوا تب بھی اس کو معصوم نہیں کہہ سکتے، اس لیے کہ معصوم تو وہ ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے گناہوں کی حفاظت کا نظم کیا گیا ہو۔ المعصوم من له العصمة من الذنوب. (قواعد الفقه ٤٩٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

غیر اسلامی نظام حیات کو افضل قرار دینے والے کے متعلق شرعی حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مطلقہ عورت کے مسئلہ میں ایک مطلقہ عورت کو شریعت مطہرہ اور جماعت کے قوانین کے مطابق مہر، جہیز کا سامان، زیورات، عدت کا خرچ وغیرہ ادا کر دئے، کچھ عرصہ کے بعد اسی عورت نے نان ونفقہ کی مستقل ادائیگی کے لیے اس کے سابق شوہر پر دفعہ ۱۲۵ کے مطابق عدالت میں مقدمہ دائر کیا ہے۔ مذکورہ معاملہ میں وضاحت طلب بات یہ ہے کہ جو مسلمان کلمۂ شہادت پڑھے اسلام کا دعوی کرے مگر شریعت اسلامیہ کو بہ طور نظام حیات رد کر دے اور اس کی جگہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کو لاگو کرنے کا مطالبہ کرے اس کے لیے شریعت اسلامیہ میں کیا حکم ہے؟ یہ بھی فرمائیں اللہ پاک نے جن چیزوں کو حرام فرمایا ہے اس کو حلال کرنے والا اور اس کام میں تعاون دینے والوں کے لیے شریعت اسلامیہ کا کیا حکم ہے؟ اللہ کے دین کے مقابلہ میں کسی دوسرے نظام حیات کو افضل یا بہتر قرار دے اور

اس طرح شریعت اسلامیہ کی مخالفت کرنے والوں کے لیے قرآن اور حدیث وفقہ کی روشنی میں کیا حکم ہے؟ مسلمان عوام کی دینی ضرورت اور مذہبی رہنمائی مدنظر رکھ کر اس اہم مسئلہ کا تفصیلی جواب جلد از جلد تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فلا وربّك لا یؤمنون حتّی یحکّموك فیما شجر بینهم ثمّ لا یجدوا فی انفسهم حرجا ممّا قضیت ویسلّموا تسلیما﴾ (النساء:٦٥)

ترجمہ: پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ (جو صرف زبانی ایمان ظاہر کرتے پھرتے ہیں عند اللہ) ایمان دار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو اس میں یہ لوگ آپ ﷺ سے (اور آپ ﷺ نہ ہوں تو آپ ﷺ کی شریعت سے) فیصلہ کرادیں۔ پھر (جب آپ ﷺ تصفیہ کردیں تو) اس آپ ﷺ کے تصفیہ سے اپنے دلوں میں (انکار کی) تنگی نہ پائیں اور (اس فیصلہ کو) پورا پورا (ظاہر وباطن سے) تسلیم کریں۔ اس آیت میں حق تعالیٰ شانہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ کوئی آدمی اس وقت تک مومن یا مسلمان نہیں جب تک وہ آپ ﷺ کے فیصلہ کو ٹھنڈے دل سے پوری طرح تسلیم نہ کرے۔ اس کے دل میں بھی اس فیصلہ سے کوئی تنگی نہ پائی جائے۔ حضرات مفسرین نے فرمایا کہ ارشاد قرآنی پر عمل آں حضرت ﷺ کے عہد مبارک کے ساتھ مخصوص نہیں۔ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی شریعت مطہرہ کا فیصلہ خود آپ ﷺ ہی کا فیصلہ ہے۔ اس لیے یہ حکم قیامت تک جاری ہے کہ آپ ﷺ کے زمانۂ مبارکہ میں خود بلا واسطہ آپ ﷺ سے رجوع کیا جائے اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی شریعت کی طرف رجوع کیا جائے جو درحقیقت آپ ﷺ ہی کی طرف رجوع ہے۔ (معارف القرآن ۲/ ۴۶۰، ۴۶۱ ملخصا)

اس لیے ایک مومن اور مسلمان کا فریضہ ہے کہ جب اس کو شریعت مطہرہ کے فیصلہ کی طرف دعوت دی جائے تو فوراً سر تسلیم خم کردے، ایک طرف ایمان کا دعوی اور دوسری طرف اللہ اور اس کے رسول سے گریز کی قرآن نے سخت مذمت کی ہے۔﴿الم تر الی الّذین یزعمون انّھم اٰمنوا بما انزل الیك وما انزل من قبلك یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت و قد امروا ان یکفروا به ویرید الشیطان ان یضلّھم ضلالا بعیدا﴾ (النساء ٦٠) ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کی گئی اور اس کتاب پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئی اپنا مقدمہ شیطان کے سامنے لے جانا چاہتے ہیں حالاں کہ ان کو یہ حکم ہوا ہے کہ اس کو (شیطان کو) نہ مانیں اور شیطان ان کو بھٹکا کر بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك ھم الکافرون (المائدۃ:٤٤) ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك ھم الظالمون (المائدۃ: ٤٥) ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئك ھم الفاسقون(المائدۃ: ٤٧)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے احکام کے خلاف حکم دینا بعض سورتوں میں کفر ہے جب کہ اعتقاد میں بھی اس کو حق نہ جانتا ہو۔ اور بعض سورتوں میں ظلم اور فسق ہے جب کہ عقیدہ کے رو سے تو ان احکام کو مانتا ہے مگر عملاً اس کے خلاف کرتا ہے۔ (معارف القرآن ٣/ ١٦٥)

صورت مسؤلہ میں اگر مقدمہ دائر کرنے والے کا مقصد عملاً شریعت محمدیہ کی خلاف ورزی ہے تو وہ یقیناً فاسق ہے اور کفر کا اندیشہ ہے۔ اور عقیدہ کی رو سے احکام شریعت کی

حقانیت کا انکار ہے تو یہ کفر ہے۔ تحلیل حرام سے آپ کی کیا مراد ہے اس کو واضح فرمائیں۔
کوئی آدمی اپنی زبان سے صراحتاً یوں کہہ دے کہ میں اللہ کے دین کے مقابلہ میں دوسرے نظام حیات کو بہتر سمجھتا ہوں تو اس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ لیکن اگر زبان سے ایسا نہیں کہا ہے تو صرف اس کے سوال میں مذکور عمل کی بنیاد پر اس کی تکفیر نہ کی جائے گی۔

السابعة ما فی البحر من باب المرتد نقلا عن الفتاوی الصغریٰ: الکفر شیء عظیم فلا اجعل المؤمن کافرا متی وجدت روایة أنه لا یکفر انتهی . (شرح عقود رسم المفتی ص۸۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

''مجھے ہندو سمجھو مسلمان نہ سمجھنا'' کہنا

سوال: ایک آدمی اپنے مسلمان بھائی پر یشان کرتا ہے، اس کو دوسرے مسلمان بھائی سمجھاتے ہیں تو وہ آدمی لوگوں کے سامنے قبول کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اب لفڑا نہیں کروں گا، اس کے بعد غیر مسلم لوگوں کو ساتھ میں لے کر پھر لفڑا کرتا ہے تو مسلمان بھائی بولے کہ تم ہندو لوگوں کا ساتھ پکڑتے ہو تو اس نے جواب دیا کہ ''تم مجھے ہندو سمجھو مجھے مسلمان نہ سمجھنا'' کیا ایسا آدمی دین میں شامل ہے یا دین سے خارج ہو جاتا ہے، اس بارے میں ایک مولانا بولے کہ وہ آدمی دین سے خارج ہوا ہے، ایسا ہم کو جواب ملا؛ اس لیے آپ جواب دینا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ کلمہ کفر ہے، اس آدمی پر تجدید ایمان اور تجدید نکاح ضروری ہے۔ ''مالا بد منہ''

میں ہے ''اگر کسے دیگرے را گفت تو کافر شدی او جواب داد کہ کافر شدہ گیر کافر شد''۔ (ص ۱۳۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳ر محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

دین کی بات سنانے پر
''کیا اللہ کے یہاں سے کوئی آیا ہے'' کہنا

سوال: ایک مسلم شخص کے سامنے دین کی بات ہو رہی تھی تو اس نے کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ کے یہاں سے کوئی آیا ہے جس سے یہ بات معلوم ہوئی؟ کیا ایسے شخص کے لیے تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح کرنا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دین کی جس بات کا تذکرہ ہو رہا تھا وہ بات اگر ضروریاتِ دین میں سے تھی تو اس آدمی پر ضروری ہے کہ تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ شوال ۱۴۱۷ھ

''میں اللہ کی تقدیر پر راضی نہیں'' اور ''وحی کا انتظار ہے'' کہنا

سوال: (۱) زید اور ہندہ میاں بیوی ہیں؛ چوں کہ ہندہ زید کے گھرانے میں تکالیف کی وجہ سے دل برداشتہ رہتی ہے، اس لیے زید اس کو سمجھاتا رہتا ہے، ایک دفع زید نے سمجھاتے ہوئے اس کو کہا کہ جو تکلیفیں آرہی ہیں اس کو بشاشت سے برداشت کر لینا چاہیے، اس پر عورت نے جواب دیا کہ: ''میں اللہ کی تقدیر پر راضی نہیں ہوں''

اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ اس کلمہ سے فسخِ نکاح کا حکم ہوگا، جبکہ عورت کا کہنا ہے کہ میرا مقصد یہ تھا کہ اس گھرانہ میں جو تکلیفیں ہورہی ہیں اس پر میں راضی نہیں ہوں، اب اگر تجدیدِ نکاح کا احتیاطاً حکم دیتے ہیں تو عورت تیار نہیں ہے؛ بلکہ ان الفاظ کے کہنے ہی کا انکار کرتی ہے اور تجدیدِ نکاح کے لیے کسی حال میں تیار نہیں ہے، اور ازدواجی تعلقات باقی نہ رکھنے پر خودکشی کرنے کا کہہ رہی ہے اور اس کے قوی امکانات ہیں؛ جبکہ شوہر ان کلمات کا سننے والا ہے اور کہتا ہے کہ ۹۹ / فیصد مجھے یاد ہے، اور شوہر کی بہن بھی سننے والی ہے اور وہ کہتی ہے کہ میں نے یہ کلمات سنے ہیں، ان حالات میں کیا حکم ہوگا؟

نوٹ: عورت ضدی مزاج ہے، اس کو خوب سمجھایا بھی گیا؛ لیکن تجدید کے لیے تیار نہیں ہے۔

(۲) خالد اور فاطمہ دونوں میاں بیوی ہیں، خالد نے فاطمہ سے کہا کہ ''چلو تو فاطمہ'' اس نے کوئی جواب نہ دیا، اس پر مرد نے عورت کو کہا کہ کیا وحی کا انتظار ہے تو عورت نے مذاق میں جواب دیا کہ ہاں وحی کا انتظار ہے، اس صورت میں کیا حکم ہوگا؟ کیا تجدیدِ نکاح لازم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) عورت کے اس جملہ ''میں اللہ کی تقدیر پر راضی نہیں ہوں'' کا مطلب عورت نے خود یہ بتلایا کہ ''میں اس گھرانہ میں جو تکلیفیں ہورہی ہیں اس پر راضی نہیں ہوں'' تو اس سے کفر لازم نہیں آیا۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: ''رضا بالقضاء کی دو تفسیریں ہیں، ہر تفسیر پر جدا جواب ہے، ایک تفسیر عرفی یہ کہ رضا بالقضاء سے مراد اس واقعہ پر راضی رہنا ہے جس کے ساتھ قضاء متعلق ہوتی ہے، مثلاً: قرض پر راضی رہنا، فقر پر

راضی رہنا، علی ھذا۔ دوسری تفسیر اصطلاحی یہ ہے کہ جس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے واقع کیا ہے اس کے فعل یعنی ایقاع پر راضی رہنا، پس تفسیرِ اول پر تو ہر واقعہ پر رضا کا حکم ہی نہیں، مثلاً: جن امور کو حق تعالیٰ خود ناپسند فرماتے ہیں جیسے کفر و معاصی ان میں بندہ کو بھی یہی حکم ہے کہ ان پر راضی نہ ہو یعنی یہ حکم ہے کہ کفر کو پسند نہ کرے؛ بلکہ ان کے زائل ہونے کی کوشش بھی کرے، دعاء بھی کرے اپنے لیے بھی دوسروں کے لیے بھی الخ۔ (امداد الفتاویٰ ۴/ ۳۶۷)

البتہ ایسے الفاظ بولنے سے منع کیا جائے گا جن سے کفر کا شبہ بھی ہوتا ہو؛ لہٰذا توبہ واستغفار کرے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۶/ ۶۶)

(۲) اس سے بھی کفر لازم نہیں آتا؛ البتہ اس میں دین وشریعت کی پاکیزہ ومحترم اصطلاح کا بے جا استعمال ہے؛ اس لیے استغفار وتوبہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کی شان میں کفریہ کلمات بکنا اور تجدیدِ نکاح

سوال: (۱) ایک مسلم شخص بیماری اور پریشانی میں اللہ کے بارے میں کچھ ایسے جملے کہتا ہے مثلاً: ”بیماری اور پریشانی میں خدا کو میں ہی ملا تھا، میرے ہی ساتھ میں یہ ہو رہا ہے“ یا ایسے الفاظ استعمال کرے جو شرک سے ملتے ہیں تو کیا ایسا شخص اسلام سے خارج ہو جائے گا؟ اگر اتنا کہنے کے بعد وہ کلمہ پڑھے تو کیا اس کی بیوی اس کے نکاح میں رہے گی یا پھر اس کو دوبارہ نکاح کرنا پڑے گا؟

مورتی کے گلے میں ہار ڈالنے کا حکم

سوال :(۲) ایک مسلم شخص کسی مورتی کے گلے میں ہار ڈالتا ہے یا غیر اس مسلم شخص کے گلے میں ہار ڈالے تو کیا اس عمل سے وہ اسلام سے خارج ہو جائے گا؟ اگر نہیں تو پھر اس کی بیوی اس کے نکاح میں رہے گی؟

الجواب : حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) محیط برہانی میں ہے:

وكذا الرجل إذا ابتلي بمصيبات متنوعة، فقال: أخذت مالي وأخذت ولدي وأخذت كذا وكذا فماذا تفعل أيضاً وماذا بقي لم تفعله، أو ما أشبه هذا من الألفاظ فقد كفر، هكذا حكى عبد الكريم بن محمد، فقيل له: أرأيت أن المريض لو قال ذلك المقاله من غير قصد؛ لكن جرى على لسانه لشدة المرض، قال: الحرف الواحد ونحو ذلك فقد يجرى على اللسان من غير قصد، أما مثل هذا الكلام فقل ما يجري على اللسان من غير قصد، إشارة إلى انه يحكم عليه بالكفر ولا يصدق. (المحيط البرهانی ۷ /۴۲۳،۴۲۲)

وكذا الرجل إذا ابتلى بمصيبات متنوعة فقال اخذت مالى واخذت ولدى وأخذت كذا وكذا فماذا تفعل ايضا وماذا بقى لم تفعله أو ما اشبهه هذا من الالفاظ فقد كفركذا فى المحيط . (فتاوی عالمگیری ۲/ ۲۷۵)

آپ نے سوال میں جو الفاظ نقل کئے ہیں عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ ایسے الفاظ کا کہنا کفر ہے؛ لہٰذا کہنے والے کو تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح فرض ہے، جب تک وہ ایمان اور نکاح کی تجدید نہ کرے اس وقت تک اس کی عورت کو اس سے علاحدہ رہنا ضروری ہے،

اپنے اوپر جماع وغیرہ کے لیے قابو دینا جائز نہیں، تجدیدِ ایمان کا مطلب یہ ہے کہ کلمۂ شہادت زبان سے ادا کرے اور دل سے اس کی تصدیق کرے، جس چیز سے انکار کی وجہ سے ایمان سے خارج ہوا ہے اس کا اقرار کرے۔ (فتاویٰ محمودیہ جدید ۲/ ۳۲۲)

نکاح کا طریقہ سب کو معلوم ہے۔

(۲) بت کی پوجا کرنے والے جب مورتی کے پاس جاتے ہیں تو اس کے گلے میں ہار ڈالتے ہیں یا پھول چڑھاتے ہیں، پھر اس کو ڈنڈوٹ کرتے ہیں گویا مورتی کو ہار پہنانا مشرکانہ افعال میں سے ہے، اس لیے جس آدمی نے یہ حرکت کی ہو اس کو چاہیے کہ اپنے ایمان اور نکاح کی تجدید کرے؛ البتہ کسی غیر مسلم کے کسی مسلمان کے گلے میں ہار ڈالنے سے کفر لازم نہیں آتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ذی القعدہ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

جہالت میں کلمۂ کفر بولنا

سوال: بعض جاہل مسلمان کلمۂ کفر بک دیتے ہیں اور انہیں معلوم نہیں رہتا کہ یہ کلمۂ کفر ہے، ایسی حالت میں کیا انہیں تجدیدِ ایمان کے ساتھ تجدیدِ نکاح کی بھی تلقین کرنی چاہیے اور یہ کہ تجدیدِ نکاح ان کو بھی لازم ہوگا، رسم المفتی میں پڑھا تھا کہ جس مسئلہ میں علمائے دین میں سے کسی ایک عالم کا تکفیر کے متعلق اختلاف ہو تو کفر کا فتویٰ نہیں دینا چاہیے۔ فقط، انتھی کلامہ

مالابدمنہ میں لکھا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک جہالت عذر ہے۔ فقط، انتھی کلامہ

کیا اس اصول کے پیش نظر جو مسلم لوگ جہالت کی وجہ سے کلمۂ کفر نکال دیتے ہیں ان کی تکفیر نہیں کی جائے گی، اور ان کی تجدید ایمان کا لازمی حکم نہیں ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس آدمی نے مزاح اور ٹھٹھا کی غرض سے کلمۂ کفر اپنی زبان سے نکالا تو وہ بالاتفاق سب کے نزدیک کافر ہے، اور جس آدمی نے خطاءً (بولنا کچھ اور چاہتا تھا اور کلمۂ کفر زبان سے نکل گیا) اور اکراہ (کسی کی دھمکی اور جبر کی وجہ) سے کلمۂ کفر کہا تو بالاتفاق کافر نہیں ہوگا۔ اور جس آدمی نے اس کو کلمۂ کفر جانتے ہوئے عمداً کہا تو سب کے نزدیک کافر ہو جائے گا، اور جس آدمی نے کلمۂ کفر اپنے ارادہ واختیار سے کہا؛ لیکن اس کو یہ معلوم نہیں کہ یہ کفریہ کلمہ ہے تو اس کے کافر ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، شامی میں ہے:

ثم قال في البحر: والحاصل أن من تكلم بكلمة الكفر هازلا أو لاعبا كفر عند الكل، ولا اعتبار باعتقاده كما صرح به في الخانية، ومن تكلم بها مخطئا أو مكرها لا يكفر عند الكل، ومن تكلم بها عامدا عالما كفر عند الكل، ومن تكلم بها اختيارا جاهلا بأنها كفر ففيه اختلاف. اهـ (شامي ٣/ ٣١٢)

مالابد میں ہے: اگر جاہلے کلمۂ کفر گفت ونمی داند کہ ایں کلمۂ کفر است، بعضے علماء گفتہ اند کہ کافر نہ شود وجہل عذر است۔ وبعضے گفتہ اند کہ کافر شود، جہل عذر نیست۔ (ص ۱۳۸)

شامی میں علامہ حصکفی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جو (قول یا فعل) بالاتفاق موجبِ کفر ہو اس سے اس کے تمام اعمال اور نکاح باطل ہو جاتا ہے، اور جس (قول یا فعل) کے کفر ہونے میں علماء کا اختلاف ہو وہاں پر اس کے مرتکب کو توبہ واستغفار اور تجدیدِ نکاح کا

حکم دیا جائے گا، اس پر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم احتیاطی ہے۔

(قوله: لا يفتى بكفر مسلم أمكن حمل كلامه على محمل حسن) ظاهره: أنه لا يفتى به من حيث استحقاقه للقتل ولا من حيث الحكم ببينونة زوجته، وقد يقال: المراد الأول فقط؛ لأن تأويل كلامه للتباعد عن قتل المسلم بأن يكون قصد ذلك التأويل، وهذا لا ينافي معاملته بظاهر كلامه في ماهو حق العبد، وهو طلاق الزوجة وملكها لنفسها، بدليل ماصرحوا به من أنه إذا أراد أن يتكلم بكلمة مباحة فجرى على لسانه كلمة الكفر خطأ بلا قصد لا يصدقه القاضي؛ وإن كان لا يكفر فيما بينه وبين ربه تعالى، فتأمل ذلك وحرره نقلا، فإني لم أر التصريح به، نعم! سيذكر الشارح أن ما يكون كفرا اتفاقا يبطل العمل والنكاح، وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح اه وظاهره: أنه أمر احتياط، ثم إن مقتضى كلامهم أيضا أنه لا يكفر بشتم دين مسلم، أي لا يحكم بكفره لإمكان التأويل، ثم رأيته في جامع الفصولين حيث قال بعد كلام: أقول: وعلى هذا ينبغي أن يكفر من شتم دين مسلم؛ ولكن يمكن التأويل بأن مراده أخلاقه الرديئة ومعاملته القبيحة، لا حقيقة دين الإسلام، فينبغي أن لا يكفر حينئذ، والله تعالى اعلم.

وأقره في نور العين، ومفهومه: أنه لا يحكم بفسخ النكاح، وفيه البحث الذي قلناه: وأما أمره بتجديد النكاح فهو لا شك فيه احتياطا، خصوصا في حق الهمج الأرذال الذين يشتمون بهذه الكلمة، فإنهم لا يخطر على بالهم هذا المعنى أصلا. (شامی ۳/۳۱۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/محرم الحرام ۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

یا علی مشکل کشا کہنے کا حکم

سوال: مشکل کشا جب اللہ پاک ہی ہیں، تو کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشکل کشا کہنا روا رہے گا؟ گرچہ عقیدہ مشکل کشا صرف اللہ پاک کے ہونے کا ہو۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت مشکل مقدمات اور معاملات کو آسانی سے حل فرمایا کرتے تھے، اس لیے ان کو "حلّال المعضلات" کہتے تھے، اس کا فارسی میں ترجمہ مشکل کشا ہے؛ لیکن ان کی محبت وعقیدت میں غلو کرنے والوں نے یہ سمجھ لیا کہ ہر مشکل کو خواہ کسی زمانے میں پیش آئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ حل کرتے ہیں، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ پریشانی اور مصیبت کے وقت "یا علی" پکارتے ہیں، حتی کہ اللہ پاک سے بھی وہ بے نیاز ہو گئے، اور جملہ امور میں کارسازِ حقیقی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہی قرار دے لیے، یہ عقیدہ اور طریقہ، اسلام کے خلاف اور شرک ہے، اس سے بچنا لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۰/ ۱۱۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

مصلحتاً کفار کو غیر ایمان والا کہنا اور کتابوں میں سے غزوات، جہاد اور مجاہدین کا تذکرہ حذف کرنا کیسا ہے؟

سوال: بعد آداب وتسلیم بصد تعظیم وتکریم معروضِ ایں کہ بحمد اللہ احقر ایک ایسے دینی ادارے میں برسرِ عمل ہے جو قیام وتنظیمِ مکاتب کے حوالے سے ایک تحریک ہے، اور جسے ملک کے طول وعرض میں ایک مرکزیت حاصل ہے۔

ادارے کی زیرِ نگرانی کئی شعبہ جات قائم ہیں، جن میں ایک شعبۂ تحقیق وترقی بھی ہے، بحمد اللہ اس شعبہ کو ملک کے مشہور ومعروف مدارس کے فضلاء کی خدمات حاصل ہیں، جن کی کاوشوں سے مکاتب کے سولہ سالہ نصاب کے علاوہ عوام کی افادیت کے لیے دینی کی بنیادی باتوں پر مشتمل عام فہم اور سہل کتابیں تیار کی جاتی ہیں۔

ادارے کے سرپرست ایک صاحبِ ثروت اور علم دوست آدمی ہیں، جو مکاتب کی تعمیر وترقی اور بنیادی دینی تعلیم کے تعلق سے ہمہ وقت فکر مند رہتے ہیں، اور اس کے لیے ہر ممکن جتن بھی کرتے ہیں، لیکن روزِ اوّل سے وہ اس بات پر مصر ہیں کہ ادارے سے شائع ہونے والی کسی بھی کتاب میں جہاد، مجاہدین اور اسلامی غزوات کا تذکرہ نہیں ہونا چاہیے؛ کیوں کہ خدشہ ہے کہ ان چیزوں کے تذکرے کا علم حکومتِ ہند کو ہو جائے اور پھر اربابِ حکومت کی طرف سے کوئی دقت وپریشانی آپڑے۔

اس کے علاوہ حالیہ دنوں میں ان کی طرف سے بڑے ہی شَدّ ومَدْ کے ساتھ یہ بات اُٹھائی جارہی ہے کہ ادارہ کی تمام مطبوعات سے کفر وشرک، کافر ومشرک وغیر مسلم اور یہود ونصاریٰ لفظ خارج کردیا جائے، اور متبادل کے طور پر ''غیر ایمان والا'' تعبیر اختیار کی جائے، نیز صدر محترم کی جانب سے یہ بات بھی کہی جارہی ہے کہ اگر نہیں بدل سکتے تو وہ مضمون ہی کاٹ دیا جائے۔

سرپرست محترم اپنے اس نظریہ اور فیصلہ کی بنیاد اس امر کو بناتے ہیں کہ ایک صاحبِ ثروت اور بڑی کمپنی کے مالک ہیں، ان کے روابط بڑے وسیع ہیں، اگر یہود ونصاریٰ کا لفظ یا ان سے متعلق باتیں ہماری مطبوعات میں شامل ہوں گی تو بہت ممکن ہے کہ اسلام مخالف دشمن سے ادارے کو کوئی زِک پہنچے، اور خدانخواستہ صد بار خدانخواستہ ادارہ یا ان کی

کمپنی تعطل کا شکار ہو جائے۔ الامان والحفیظ

ایک دوسری وجہ وہ یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ انسانیت کی پیغام رسانی اور دعوتِ دین میں لفظِ کافر و مشرک اور غیر مسلم کہیں رخنہ انداز نہ ہو جائے، اور بجائے اصلاح کے فساد کی صورت نہ پیدا ہو جائے۔

واضح ہو کہ ادارہ اور شعبے سے منسلک علمائے کرام موصوف محترم کے ذہن سے مذکورہ بالا خدشات کو دفع کرنے کی کوشش کرتے رہے، اور ان کی بات سے صرف نظر کر کے نصابی کُتُب اور غیر نصابی کُتُب میں سیرت کے عنوان کے تحت غزوات و سرایا کو شامل کیا، اور اسی طرح کافر و مشرک اور یہود و نصاریٰ کے لفظ سے اعراض نہیں کیا، اور قرآن و حدیث کی اصطلاحات کو بعینہٖ برقرار رکھا، لیکن اب صورتِ حال بدل رہی ہے، موصوف محترم کی طرف سے افراد پر دباؤ بڑھ رہا ہے، قدیم علما یا تو ذمہ دار سے دور ہو گئے یا مستعفی ہو گئے یا ان کی ذمہ داری موصوف کی بات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے تبدیل کی جا چکی ہے، اب یہ ذمہ دار جدید افراد سے اپنی پُرانی سوچ کے مطابق مذکورۃ الصّدر اُمور کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں، اور تبدیلی کروانا شروع کر دیا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اوّل الذکر صورتِ مسئولہ میں سرپرست محترم کی رائے شرعی نقطۂ نظر سے کہاں تک درست ہے؟ کیا اسلامی غزوات اور جہاد کا تذکرہ بطور تاریخِ اسلامی بیان نہیں کئے جا سکتے جس میں برانگیختہ کرنے والے الفاظ سے گریز کیا گیا ہو؟

اور مؤخر الذکر صورتِ مسئولہ میں قرآن و حدیث میں جہاں جہاں کافر و مشرک اور یہود و نصاریٰ کا لفظ ہے وہاں ''غیر ایمان والا'' کی تعبیر اختیار کی جا سکتی ہے؟ جب کہ یہود و نصاریٰ کا لفظ ایک خاص مفہوم رکھتا ہے، اور ان کے بعض احکام بھی خاص ہیں،

جو دیگر غیر ایمان والے کافر و مشرک کے حوالے سے نہیں ہیں، مبادا یہ اصطلاحِ شرع میں تبدیلی تو نہیں؟

ایک طرف تو دعوتِ دین اور بنیادی دینی تعلیم کو امّت میں عام کرنے کا جذبہ اور دوسری طرف اس طرح کی سوچ وفکر رکھنا کیسا ہے؟ از راہِ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مع دلائل مرحمت فرمائیں۔ صدنوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اصل جواب سے پہلے چند امور بطور تمہید ذکر کئے جاتے ہیں، تاکہ جواب کا سمجھنا آسان ہو۔

① دینی کام کرنے والے اور مصلحین کی جماعتوں میں جو فتنے آج کل رونما ہورہے ہیں ان میں سے ایک عظیم فتنہ ہر دل عزیزی کا فتنہ ہے، یہ فتنہ آج کل خوب برگ وبار لارہا ہے، کوئی دینی یا علمی خدمت کی جائے اس میں پیشِ نظر یہ خیال رہتا ہے کہ ہم سے کوئی بھی ناراض نہ ہو، سب خوش رہیں، اس فتنہ کی اساس وبنیاد حبِّ جاہ ہے۔ (بصائر وعبر: ۱/ ۱۱۴)

اور جب ہر دل عزیزی اور صلح کل میں حبِّ جاہ کے ساتھ حبِّ مال بھی شامل ہوجائے تو پھر اس کی قباحت ''کریلا اور نیم چڑھا'' کا مصداق ہے۔

② دین کی نشر واشاعت میں ایسا طریقہ اختیار کرنا کہ اسلام دشمن طاقت خوش رہے اور احکامِ اسلام کی تبلیغ بھی ہوتی رہے یہ ممکن نہیں، دشمنانِ اسلام کی ہر دور میں یہ کوشش رہی ہے کہ جس قدر جس حربہ سے بھی ممکن ہو اسلام اور اہلِ اسلام کو زِک پہنچائے، وہ تو اُسی صورت میں راضی ہوں گے جب اُن کے معتقدات ومذاہب کی پیروی کی جائے اور یہ ناممکن ہے، لہذا اُن کو راضی رکھنا بھی ناممکن ہے۔

قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک اُصول مقرر کردیا ہے: ﴿وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ الخ (البقرۃ:۱۲۰) ترجمہ: اور یہود ونصاریٰ تم سے اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک تم ان کے مذہب کی پیروی نہیں کروگے۔ (آسان ترجمۂ قرآن ۱/ ۹۲)

ان کے مذہب کی پیروی کرنا محال ہے، پس ان کا راضی ہونا بھی تعلیق بالمحال کے قبیل سے ہے یعنی محال ہے۔ (معارف القرآن ۱/ ۳۰۶)

③ جو شخص دینِ حق کی حق بات یا امر بالمعروف (جس میں دینی امور کی نشر واشاعت بھی شامل ہے) یا نہی عن المنکر کی آواز بلند کرتا ہے تو اس کے خلاف پروپیگنڈہ کیا ہی جائے گا، اس کو جان ومال میں طرح طرح سے آزمایا جائے گا، اس کا علاج دینی نشر واشاعت سے باز آجانا اور احکامِ الٰہی میں مداہنت سے کام لینا نہیں؛ بلکہ اس کا واقعی علاج صبر واستقامت پر گامزن رہنا، باری تعالیٰ سے مدد چاہنا اور اللہ ہی کی طرف رجوع کرنا ہے۔

قال الله تعالىٰ: وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذًى كَثِيْرًا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (اٰل عمران:۱۸۶) ترجمہ: اور البتہ سنو گے تم اگلی کتابوں والوں سے اور مشرکوں سے بدگوئی بہت، اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو یہ ہمت کے کام ہیں۔ (ترجمۂ شیخ الہند)

فكان من قام بحق، أو أمر بمعروف، أو نهىٰ عن المنكر، فلا بد أن يؤذىٰ، فما له دواء الا الصبر فى الله، والا ستعانة بالله، وا لرجوع الى الله عزوجل. (تفسير ابن كثير:۲/۱۸۰ مط:دار الطيبة المملكة السعودية)

④ دین کی تبلیغ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہیں ڈرنا چاہیے، چاہے

وہ تبلیغ مکاتبِ دینیہ کے ذریعہ سے ہو یا اسلامی لٹریچر سے ہو یا کسی بھی طرح ہو، بالخصوص ایسے جمہوری ملک میں جہاں کے باشندوں کو اپنے اپنے مذہب کی نشر واشاعت کے مستقل حقوق حاصل ہوں اور آزادی ہو!

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿الذین یُبَلِّغُون رِسٰلٰتِ اللہ وَیَخْشَوْنَہ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَداً اِلَّا اللہ﴾ (الأحزاب:۳۹) ترجمہ: پیغمبر وہ لوگ ہیں جو اللہ کے بھیجے ہوئے احکام کو لوگوں تک پہنچاتے ہیں، اور اُسی سے ڈرتے ہیں، اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ (آسان ترجمۂ قرآن ۳/۱۲۹۹)

تشریح: دوسری صفت انبیاء علیہم السلام کی یہ بیان کی گئی کہ "وَیَخْشَوْنَہ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَداً اِلَّا اللہ" یعنی یہ حضرات اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں، اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے، اُس میں یہ بھی داخل ہے کہ بمصالح دینیہ اگر ان کو کسی کام کی عملی تبلیغ پر مأمور کیا جاتا ہے وہ اس میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے، اگر کچھ لوگ اس پر طعنہ کریں تو اس سے نہیں ڈرتے۔ (معارف القرآن ۷/۱۵۷)

اس تمہید کے بعد سوال کا جواب ملاحظہ کیجئے!!!

صورتِ مسئولہ میں قرآن وحدیث میں جہاں جہاں کافر ومشرک اور یہود ونصاریٰ کا لفظ آیا ہے وہاں ان کو "غیر ایمان والا" تعبیر کرنا درست نہیں، اسی طرح سرپرست صاحب کا یہ اصرار کہ کسی بھی کتاب میں جہاد، مجاہدین اور اسلامی غزوات کا تذکرہ نہیں ہونا چاہیے یہ بھی اسلامی سوچ نہیں، اس ملک میں مسلمان کو قرآن وحدیث اور اس کی تعلیمات کی نشر واشاعت کی کھلی اجازت ہے۔ ان کا یہ طریقہ اسلامی تشخص مٹانے کے مترادف ہے، ملکی دستور سے تھوڑی بہت واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ دستورِ ہند

میں مسلمانوں کو جو حقوق دیے گئے ہیں ان میں ایک مذہب کی تبلیغ کی آزادی ہے۔

چناں چہ ''وزارتِ قانون اور انصاف'' حکومت بھارت نے اس موضوع پر ایک کتاب ''بھارت کا آئین'' طبع کی ہے، اس میں عنوان ''مذہب کی آزادی کا حق'' کے ذیل میں دفعہ ۲۵ میں لکھا ہے:

''امنِ عامہ، اخلاقِ عامہ، صحتِ عامہ اور اس حصہ کی دیگر توضیعات کے تابع اشخاص کو آزادیٔ ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی اور اس کی تبلیغ کرنے کا مساوی حق ہے''۔ (بھارت کا آئین: ۵۲، یکم جولائی ۲۰۱۳ تک ترمیم شدہ، مط: قومی کونسل نئی دہلی)

سوال میں ذکر کردہ سوچ کے حامل نے تمام کفار کے لیے غیر ایمان والے کی تعبیر اختیار کر رکھی ہے، اس میں تمام کفار کو ایک لفظ سے تعبیر کرنے میں تحریفِ لفظی کے ساتھ ساتھ تحریفِ معنوی کی خرابی کا احتمال ہے جو کسی حال میں جائز نہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ نصوص کے الفاظ میں جو جامعیت ہے انسان کے خود ساختہ الفاظ میں وہ بات نہیں، نصوص میں متعدد فرقوں کے لیے ''کافر'' کے لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے:

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ مقاصد کے خاتمہ نمبر ۴ میں ۲/ ۲۶۸ پر گمراہ فرقوں کی اقسام، تعریفات اور نام بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کوئی کافر اگر زبان سے اسلام کا اظہار کرے اور ہو کافر تو اس کا نام منافق ہے، اور اگر مسلمان ہونے کے بعد کفر اختیار کرے تو اس کا نام مرتد ہے اور اگر چند معبودوں کا قائل ہو تو اس کا نام مشرک ہے اور اگر کسی اور آسمانی مذہب کا پیرو ہو تو اس کا نام کتابی ہے اور حوادثِ عالم کو زمانہ کی جانب منسوب کرے اور اس کو قدیم مانتا ہو (یعنی زمانہ کو ہی خالقِ عالَم اور ازلی ابدی مانتا ہو) تو اس کا نام دہریہ ہے اور اگر خالقِ عالَم کا سرے سے

منکر ہو تو اس کا نام معطل (خدا منکر) ہے اور اگر مسلمان کہلانے کے باوجود ایسے عقیدے رکھتا ہو جو متفقہ طور پر کفر ہیں تو اس کا نام زندیق ہے (بالفاظِ دیگر سات قسم کے کافر ہیں: ۱: منافق، ۲: مرتد، ۳: کتابی، ۴: مشرک، ۵: دہریہ، ۶: معطّل، ۷: زندیق اسی کو باطنی اور ملحد بھی کہتے ہیں)۔

شرحِ مقاصد میں اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں:

یہ واضح ہو چکا کہ کافر ہر اس شخص کا نام ہے جو مومن نہ ہو، اب اگر وہ زبان سے اسلام کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا خاص نام ''منافق'' ہے اور اگر پہلے مسلمان تھا اور پھر کافر ہو گیا تو اس کا خاص نام ''مرتد'' ہے، اس لیے کہ وہ اسلام سے پھر گیا (ارتداد کے معنی ہیں لوٹ جانا، پھر جانا)، اور اگر ایک سے زیادہ معبود مانتا ہے تو اس کا خاص نام ہے ''مشرک''، اس لیے کہ وہ خدا کا شریک مانتا ہے (یعنی غیر اللہ کو اللہ کا شریک کہتا ہے)، اور اگر کسی منسوخ آسمانی مذہب اور کتاب کا پیرو ہے تو اس کا خاص نام ''کتابی'' ہے، جیسے یہودی، نصرانی، اور اگر زمانہ کو قدیم (ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا) مانتا ہے اور دنیا کے تمام واقعات و موجودات کو اُسی کی جانب منسوب کرتا ہے (گویا زمانہ کو ہی خالقِ کائنات مانتا ہے) تو اس کا خاص نام ''دہریہ'' ہے (دہر کے معنی ہیں لامحدود زمانہ)، اور اگر خالقِ عالَم کا وجود ہی نہیں مانتا (اور عالم کو باقتضاء مادّہ آپ سے آپ پیدا ہونے والا سمجھتا ہے) تو اس کا خاص نام ''معطل'' ہے، اور اگر نبی کریم ﷺ کی نبوت کا اقرار اور اسلامی شعائر کا اظہار کرنے کے باوجود ایسے عقیدے رکھتا ہے جو متفقہ طور پر کفر ہیں اس کا خاص نام ''زندیق'' ہے، (زند اصل میں اس کتاب کا نام ہے جسے ''قباد بادشاہِ ایران'' کے عہد میں ''مزدک'' نے پیش کیا تھا، اس کا دعویٰ تھا کہ مجوسیوں کی اُسی کتاب کی

تفسیر ہے جس کو ''زردشت لے'' کر آیا تھا) مجوسیوں کا عقیدہ ہے کہ ''زردشت'' نبی تھا، اسی زند کی جانب یہ زندیق منسوب ہے، (یعنی زندیق زندیک کا معرّب ہے جس کے معنی ہیں زند کو ماننے والا، اہلِ اسلام نے ہر اس بے دین آدمی کے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے جو کفریہ عقائد رکھتا ہے اور اسلام کا دعویٰ کرتا ہے اسی کو عربی میں ''ملحد'' اور ''باطنی'' کہتے ہیں، ''باطنیہ'' انہی زندیقوں اور ملحدوں کے ایک خاص فرقہ کا نام ہے)۔

(اکفار الملحدین: ص/۲۶، ۲۷ مط: ادارۂ مجلسِ علمی، کراچی)

یوں سمجھئے کہ لفظِ ''کافر''، ''مشرک''، ''یہود'' اور ''نصاریٰ'' قرآن وحدیث کی خاص اصطلاح ہے، خودساختہ لفظ ''غیر ایمان والا'' سے اس اصطلاح کو بدلنا گویا اسلامی اصطلاح میں مداخلت کرنا ہے جو جائز نہیں۔

اعلام الموقعین میں ہے:

ولو أوجب تبديل الأسماء والصور تبدل الأحكام والحقائق لفسدت الديانات وبدلت الشرائع واضمحل الإسلام.

(اعلام الموقعين، المقصد الرابع، اثرالقصدوالنية فى العقود والعبادات،الفصل الثالث:۲/ ۲۱٤)

قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ ان سرپرست صاحب نے سولہ سالہ مکاتب کا نصاب تیار کروایا ہے، مکاتب میں زیرِ تعلیم قوم کے نونہالان کے قلوب میں عقائدِ حقہ اور توحید ورسالت یعنی اسلام کی بنیادی تعلیم ٹھوس اور مضبوط بٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے؛ تاکہ مستقبل میں ان کا ایمان خارجی اثرات وماحولیات سے متأثر نہ ہو، نیز آڑے وقت میں اسلام پر ہونے والے حملہ کے لیے اُنہیں ہر نوع کی قربانی دینے کے لیے تیار کیا جائے، اور اکابر واسلاف کے کارنامے اُنہیں پڑھا کر اسلامی سانچہ میں اُن کی ذہن سازی

وآبیاری کی جائے، جب ان نونہالوں نے اکابر، مجاہدین اور اسلامی غزوات کا تذکرہ اور نام ہی پڑھا نہ ہوگا تو کیوں کر اُن میں دِفاع کا جذبہ پیدا ہوگا اور مستقبل میں اُن سے کیا توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں؟ اس کا فیصلہ خود آپ ہی کر سکتے ہیں۔

امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ''اکفار المُلحدین'' میں اسلام کے علاوہ کسی بھی مذہب کے ماننے والے کو کافر نہ کہنے پر سخت حکم لگایا ہے، وہاں حاشیہ میں لکھا ہے: اس زمانہ میں جو لوگ کسی بھی غیر مسلم کو کافر کہنے سے اجتناب کرتے ہیں اور اس کو خلافِ تہذیب سمجھتے ہیں وہ اپنے ایمان کی فکر کریں، کہیں ان کا ایمان اس ''کافرانہ'' وسعتِ نظر، تہذیب پرستی اور احساسِ کمتری پر قربان نہ ہوجائے۔ (حاشیۂ اکفار الملحدین: ۱۲۹)

ادارہ اور شعبے سے منسلک علمائے کرام کو چاہیے کہ اپنے سرپرست صاحب کی اسلامی سوچ وفکر کی تشکیل کریں، نہ یہ کہ چند کوڑیوں کے خاطر ان کی ہاں میں ہاں ملا کر آیتِ کریمہ ﴿ولا تشتروا بآیاتی ثمناً قلیلاً﴾ کے مصداق بنیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبد القیوم راجکوٹی، ۲۷/ جمادیٰ الاولیٰ ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: العبد احمد عنہ خانپوری　　الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ایک آدمی کے فعل سے دوسرا کافر نہیں ہوتا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع دین مندرجۂ ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمرو سے کہا کہ تو یہ کام جو کر رہا ہے مشرکوں جیسا ہے، یا یوں کہا کہ تو مشرک کی طرح کھلی ہوئی باتوں پر ہٹ دھرمی دیے ہوئے ہے، اور تو مجھ سے بلا وجہ جھگڑا کر رہا ہے تو کیا ان دونوں صورتوں میں زید کے کہنے کی وجہ سے عمرو کافر ہوگیا؟

جب کہ زید کی نیت محض تشبیہ تھی۔

نوٹ: اسی مسئلہ پر دو قبیلہ میں زبردست جھگڑا ہو گیا ہے، اور یہ فتویٰ ہم نے ہر جگہ سے طلب کیا ہے، آپ سے جہاں تک ہو سکے جلد جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید کے ان کلمات کی وجہ سے عمرو کافر نہیں ہوا، یہ بات ذہن نشین رہے کہ کسی ایک آدمی کے قول یا فعل کی وجہ سے کوئی دوسرا کافر نہیں ٹھہرتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک فلمی گانے کا حکم شرعی

سوال: (۱) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ ابھی ایک گیت چلا ہے ''تجھ میں رب دکھتا ہے یارا میں کیا کروں، سجدے سر جھکتا ہے یارا میں کیا کروں'' اس کو گانا اور سننا کیسا ہے؟ کیا اس سے کفر لازم آئے گا؟ اس میں غیر شادی شدہ کا اور شادی شدہ کا کیا حکم ہوگا؟ یا اس کے علاوہ بہت سے گانے جس میں اللہ، خدا اور رب کا نام آتا ہے تو اس کا گانا اور سننا کیسا ہے؟

''ہرے رام، ہرے کرشن، جے شیو شنکر'' گانے کا حکم

(۲) اس کے علاوہ غیر اللہ کے نام کے گانے بھی آتے ہیں، جس میں کفریہ جملے ہوتے ہیں، جیسے ہرے رام، ہرے کرشن، جے شیو شنکر جو عام طور پر سبھی گاتے ہیں، اس

کا کیا حکم ہے؟

''نمسکار، پاپا سیتا رام'' کہنے کا حکم

③ آج کل کاروبار میں نمسکار پاپا سیتا رام یا اس کے علاوہ بھی دوسرے کفریہ جملے بولتے ہیں، اس کا کیا مسئلہ ہے؟ کیا ان سب کلمات کے بولنے سے نکاح ٹوٹے گا؟ اور ایمان جاتا رہے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① لفظ ''رب'' کے معنی عربی لغت کے اعتبار سے تربیت و پرورش کرنے والے کے ہیں، اور تربیت اس کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کو اس کے تمام مصالح کی رعایت کرتے ہوئے درجہ بدرجہ آگے بڑھایا جائے؛ یہاں تک کہ وہ حد کمال کو پہنچ جائے، یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے لیے مخصوص ہے، کسی مخلوق کو بدون اضافت کے رب کہنا جائز نہیں۔

(معارف القرآن ۱/۸۰)

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے جو اسماءِ حسنیٰ منقول ہیں، ان میں ایک ''رب'' بھی ہے۔ (سنن ابن ماجہ ۲۷۵)

مطلب کہ ''رب'' اللہ کا پاکیزہ نام ہے، آپ کے سوال میں جو دریافت کیا گیا ہے، اس کے مطابق فلمی گانے میں اللہ تعالیٰ کے پاک نام کو اس طرح استعمال کیا گیا کہ فلم میں کام کرنے والا ہیرو عاشق کی حیثیت سے اس میں کام کرنے والی ہیروئن کو معشوقہ کی حیثیت سے مخاطب کر کے یہ اشعار بول رہا ہے ''تجھ میں رب دکھتا ہے یارا میں کیا کروں، سجدے سر جھکتا ہے یارا میں کیا کروں''۔

یوں بھی فلم میں گانے کے ضمن میں اللہ کے پاک نام کو استعمال کرنا اور وہ بھی ایسے منظر میں جو عشقیہ تعلقات کو اجاگر کرنے والا اور شہوات سے پُر ہو یہ اللہ کے پاک نام کی اہانت اور استخفاف ہے، جو شرعی اعتبار سے ایمان سوز ہے۔

''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے:

یکفر إذا وصف الله تعالیٰ بما لا یلیق به، أو سخر بإسم من أسماءه أو بأمر من أوامره . (عالمگیری ۲ /۲۵۸)

إذا قرأ القرآن علی ضرب الدف والقصب فقد کفر . (عالمگیری ۲/ ۲۶۷)

من قال لغیره: قل هو الله أحد راپوست باز کردی، أو قال ألم نشرح را کریبان کرفته، أو قال لمن یقرأ یٰس عند المریض یس دردهان مرده منه، أو قال لغیره ای کوتاه تر از إنا اعطیناك الکوثر، أو قال لمن یقرأ القرآن ولا یتذکر کلمة والتفت الساق بالساق، أو ملأ قدحا و جاء به وقال کأسا دهاقا، أو قال فکانت سرابا بطریق المزاح، أو قال عند الکیل والوزن وإذا کالوهم أو وزنوهم یخسرون بطریق المزاح، أو قال لغیره دستار ألم نشرح بستهٔ یعنی أبدیت العلم، أو جمع أهل موضع وقال فجمعنا هم جمعا أو قال وحشرناهم فلم نغادر منهم أحداً، أو قال لغیره کیف تقرأ والنازعات نزعا بنصب العین أو برفعها وأراد به الطنز، أو قال لرجل أقرع أشتمك فإن الله تعالیٰ قال کلا بل ران، أودعی إلی الصلاة بالجماعة فقال أنا أصلی وحدی إن الله تعالیٰ قال إن الصلاة تنهی، أو قال لغیره تفشیله یجوز، فإن التفشیل یذهب بالریح قال الله تعالیٰ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ریحکم کفر في هذه الصور کلها. (عالمگیری؟ /۲۶۷)

اب سوال یہ ہے کہ اس طرح گانا گانے سے وہ گانے والا ایمان سے نکل جائے گا

یا نہیں؟ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر گانے والا یہ جانتا ہے کہ یہ کفریہ عمل ہے، اس کے باوجود اسے گا رہا ہے چاہے لہو ولعب یا مزاح کے طور پر گا رہا ہو یا واقعی طور پر گا رہا ہو دونوں صورتوں میں وہ ایمان سے نکل جاتا ہے، اور اگر جبر واکراہ کی وجہ سے یا بطور خطاء گا رہا ہے تو ایمان سے نہیں نکلے گا، اور اگر اپنی جہالت کی وجہ سے اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ کفریہ عمل ہے اور اختیاری طور پر گا رہا ہے تو اس کے کافر ہونے میں اختلاف ہے۔

ثم قال في البحر: والحاصل أن من تكلم بكلمة الكفر هازلا أو لاعبا كفر عند الكل، ولا اعتبار باعتقاده كما صرح به في الخانية و من تكلم بها مخطئا أو مكرها لا يكفر عند الكل، ومن تكلم بها عامدا عالما كفر عند الكل، ومن تكلم بها اختياراً جاهلاً بأنها كفر ففيه اختلاف. اهـ (شامی ۳/۳۱۲)

''مالابدمنہ'' میں ہے: اگر جاہلے کلمۂ کفر گفت ونمی داند کہ ایں کلمۂ کفر است بعضے علماء گفتہ اند کہ کافر نہ شود، وجہل عذر است، وبعضے گفتہ کافر شود وجہل عذر نیست۔

(مالابدمنہ ۱۵۳، ۱۵۴)

یعنی اگر کوئی جاہل کلمۂ کفر بولے اور وہ نہیں جانتا کہ یہ کلمۂ کفر ہے تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہوگا، اور جہالت عذر ہے، اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ کافر ہوجائے گا جہالت عذر نہیں۔

اس لیے جن صورتوں میں سب کے کہنے کے مطابق کافر ہوجاتا ہے اور اس کے کفر میں اختلاف نہیں ان تمام صورتوں میں اس کے سارے اعمال باطل ہوجاتے ہیں، نکاح بھی ٹوٹ جاتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ توبہ کرے، دوبارہ کلمہ پڑھ کر ایمان میں داخل ہو اور نکاح بھی از سر نو پڑھے، اور جن صورتوں میں اس کے کفر میں اختلاف ہے

ان صورتوں میں اس کو چاہیے کہ توبہ واستغفار کر کے تجدید نکاح کر لے۔

أن ما يكون كفر اتفاقا يبطل العمل والنكاح، ومافيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح. (شامی ۳ /۳۱۶)

(۲) سوال میں مذکور معبودان باطل کا نام لینا گناہ ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔

(۳) یہ غیروں کے یہاں بوقت ملاقات کہے جانے والے کلمات ہیں، ان سے بچنا ضروری ہے۔ ''مسلم را تشبہ بہ کفار وفساق حرام است''۔ (مالابدمنہ: ۱۱۴) لیکن اس کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: ایمان سوز گانوں کے سلسلہ میں ایک تفصیلی جواب کتابچہ کی شکل میں شائع ہو چکا ہے، اس کا مطالعہ کریں۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

''نماز میں رام رام کرنا'' کہنے کا حکم

سوال: ایک مرد نے اپنی عورت کے ساتھ جھگڑا کیا اور کچھ دیر کے بعد اس نے اپنے لڑکے کو مارا اور مارنے کے بعد کہا کہ نماز کے لیے جا، اب لڑکے کی والدہ کو والد پر غصہ آیا اور غصہ میں آکر کہا کہ ''جا نماز میں رام رام کرنا'' تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس کہنے والے کا مطلب ''رام رام کرنا'' سے یہ ہو کہ یادِ خدا میں مشغول ہونا تو اس سے کفر لازم نہیں آیا لیکن اس قسم کا توہم والا جملہ استعمال کرنے سے احتیاط

لازم ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ذوی القعدہ ۱۴۰۷ھ

''منافقانہ حرکتیں'' کہنے سے منافق کہنا لازم نہیں آتا

سوال: ایک اجتماع میں کچھ جماعتیں روانہ ہوئیں، ترتیب دے کر روانہ کرنے والے جو اصل دو ذمہ دار تھے، انھوں نے زید کو (جو اصل میں ذمہ دار نہیں ہے) ساتھ لیا اور ان سے (زید سے) جماعتوں کی ترتیب کا پورا کام کروایا، ۱۰، ۱۱ جماعتیں بنائی تمام جماعتوں کی ترتیب زید نے دی، اصل ذمہ دار متفق، ان تمام جماعت کے ساتھیوں کے علاوہ ایک اور ساتھی کو چلہ (۴۰/ چالیس دن) کے لیے ان جماعتوں کے رخ کے علاوہ رخ پر یعنی دہلی روانہ کیا، روانہ کرنے سے قبل اس ساتھی کے سلسلہ میں اصل ذمہ دار اور ایک دو کام کرنے والے ساتھیوں سے زید نے رائے لی، متفرق رائے آئی، ایک رائے دہلی کے لیے بھی تھی، زید نے اس کے بعد بغیر اور کوئی مذاکرہ کسی سے کئے اخیر دو ساتھی کو دہلی روانہ کردئے، گویا جیسے تمام جماعتوں کی ترتیب زید نے دی، اس ساتھی کو بھی ترتیب دے دی اور دہلی روانہ کردیا، اس کے بعد چوں کہ بظاہر کچھ ساتھیوں کو اس ساتھی کا دہلی جانا درست معلوم نہ ہوا ہو؛ چناں چہ انھوں نے اس کے چرچے اور مذاکرے شروع کئے کہ اس ساتھی کا دہلی کے لیے روانہ ہونا مشورہ سے نہیں ہوا ہے، اور جس نے (زید نے) روانہ کیا ہے وہ (زید) اصل ذمہ دار نہیں ہے؛ چناں چہ اس کو حق نہیں تھا، بہر حال ان باتوں اور مذاکروں سے بظاہر ماحول میں غلط اثرات اور غلط فہمی وانتشار؛ نیز ایک دوسرے کی دل شکنی کا باعث ہونے کا خطرہ تھا؛ چناں چہ زید نے ان کی ان حرکتوں پر انہیں متنبہ کرنے ہی کے خیال سے کہا کہ آپ لوگوں کی یہ حرکتیں ہمارے ہی لیے نقصان دہ ہیں،

ہماری اس میں ترقی نہیں، یہ حرکتیں منافقانہ حرکتیں ہیں، یہ جملہ منافقانہ حرکتیں ان کو گراں گزرا، اور زید کو کہا کہ آپ جو چاہو کہو، ہمیں منافق کہہ لو، زید نے اسی وقت کہا کہ میرا منشاء ومقصد آپ کو منافق کہنا قطعی نہیں ہے، اور حقیقتاً خیال تک میں یہ نہیں ہے کہ آپ کو منافق کہوں یا کہا ہو۔

اب جواب طلب بات یہ ہے کہ کیا یہ جملہ ''منافقانہ حرکتیں ہیں یا منافقانہ چال ہے'' یہ جملہ کتنا بھاری ہے، غلط ہے؟ ان جملہ سے سامنے والے کو منافق کہا، یہ معنیٰ اور مطلب ہوسکتا ہے؟ اور یہی معنیٰ اور مطلب ہر حال میں نکلتا ہے تو زید کو کیا سزا ہوسکتی ہے؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں گے، عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں زید کا ان لوگوں کو تنبیہ کے طور پر یہ کہنا کہ تم لوگوں کی یہ حرکتیں (جن کے نتیجہ میں ماحول میں بدگمانیاں پھیلنے اور تبلیغی کار کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ تھا) منافقانہ حرکتیں ہیں، اس سے ہرگز ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ زید نے ان کو منافق کہا، اس کا یہ مطلب نکالنا کہ ہمیں منافق کہا گیا اردو زبان ومحاورہ سے ناواقفیت پر مبنی ہونے کے ساتھ شرعی طور پر بھی درست نہیں ہے۔ حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، واذا وعد أخلف، واذا اؤتمن خان (بخاری شریف) یعنی منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب گفتگو کرے جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے پورا نہ کرے، اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے خیانت کرے۔ اس کی شرح کرتے ہوئے حضرت مولانا فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''حدیث شریف میں ان چیزوں کو صرف علامت قرار دیا گیا ہے، علت نہیں فرمایا گیا جس سے معلول کا

تخلف نہیں ہوتا، اس بنا پر بعض حضرات کا یہ اشکال کہ ایسے انسان کو منافق کہا جائے درست نہیں ہے؛ کیوں کہ یہاں صرف علامت فرمایا ہے، اور ضروری نہیں کہ جہاں علامت موجود ہو وہاں اصل شئ بھی پائی جائے؛ بلکہ علامتیں مشترک بھی ہوتی ہیں، نبض کی سرعت بخار کی علامت ہے؛ مگر کبھی قوتِ نفس کی بناء پر بھی ایسا ہوجاتا ہے.....

اسی طرح یہاں ان چیزوں کو نفاق کی علامت بتلایا گیا ہے، یعنی ان سے نفاق کا اشتباہ ہوتا ہے، ایک مسلمان کو ان چیزوں سے احتراز لازم ہے الخ۔ (ایضاح البخاری ۴/ ۳۳۲)

حدیث پاک میں اور بھی نمونے موجود ہیں جس کی اس مختصر جواب میں گنجائش نہیں ہے۔ زید کے یہ جملے جو اس نے اپنے رفقاءِ کار سے کہے، مقامِ تنبیہ اور مقامِ محاسبہ پر کہے ہیں، ایک کامل مومن اپنے نفس کا محاسبہ شدت سے شروع کرتا ہے، تو اس کو اپنی ہر حرکت وسکون پر یہ شبہ گزرنے لگتا ہے کہ کہیں اس میں سرّ وعلانیہ کا کوئی ادنیٰ سا اختلاف تو نہیں ہے، اس لیے وہ اپنی ظاہری وباطنی صلاح وفلاح پر کبھی مغرور نہیں ہوتا، وہ ہر ہر عمل میں اپنے نفس کو ہمیشہ متہم کرتا رہتا ہے، آخر اس سعی میں اس کی عمر تمام ہوجاتی ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا: ما مضی مؤمن قط ولا یبقی الا وھو من النفاق غیر آمن، وما مضی منافق قط ولا یبقی الا وھو من النفاق آمن: کوئی مومن جو پہلے گزر گیا یا اب موجود ہے ایسا نہیں جس کے دل میں اپنے نفس کے متعلق نفاق کا خطرہ نہ گزرتا ہو، اور کوئی منافق جو گزر گیا یا اب موجود ہے ایسا نہیں جو نفاق سے بے خطر نہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کو اپنے نفس کے متعلق ہمیشہ نفاق کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کو یہ خطرہ نفاقِ اصغر سے تھا۔ صحیح بخاری میں

ابن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ تیس صحابہ سے میری ملاقات ہوئی، سب کو اپنے نفس پر نفاق کا خطرہ لگا رہتا تھا، ان میں کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ ہمارا ایمان حضرت جبرئیل علیہ السلام ومکائیل علیہ السلام کے ایمانوں کی طرح خطرۂ نفاق سے مامون ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا جس شخص کو اپنے متعلق نفاق کا خطرہ بھی نہ گزرتا ہو اس کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے؟ انھوں نے تعجب سے فرمایا ایسا کون مومن ہوسکتا ہے جس کو اپنے متعلق یہ خطرہ بھی نہ آتا ہو۔ (ترجمان السنۃ ۲/ ۴۶۲ بحذف واختصار ۲/ ۴۱۵، دار الاشاعت کراچی)

اس لیے تمام رفقائے کار بشمولیتِ زید کو چاہیے کہ ہر شخص اپنے اپنے افعال کا محاسبہ کرے، اور ایسی تمام باتیں جو اس کام کو اور اپنی آخرت کو نقصان پہونچانے والی ہوں، ان سے توبہ کرتے ہوئے آئندہ کے لیے مکمل احتراز کریں، اور اس قسم کی شیطانی ریشہ دوانیوں سے اپنے کو بچائیں، اور محبت والفت، عفو ودرگزر سے کام لیتے ہوئے متحد ہوکر کام کو آگے بڑھائیں، بہتر یہ ہے کہ فریقین ایک دوسرے سے حقوق معاف کرا کر نئے عزم وہمت سے کام میں لگ جائیں، اور اپنے قلوب کو اس قسم کی کدورتوں سے پاک صاف فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قبر پر سجدہ وبوسہ

سوال: مزاروں پر سجدہ کرنا یا بوسہ لینا کیسا ہے؟ جبکہ مزاروں پر ناک، پیشانی ٹیک لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سجدہ نہیں ہوا، ہم نے سجدہ کے ارکان کو مکمل نہ کیا ہے، اس لیے

سجدہ نہیں ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قبر پر سجدہ اور اس کا بوسہ بنیتِ عبادت وتعظیم کفر ہے، اور بلانیتِ عبادت گناہِ کبیرہ ہے۔ شامی میں ہے:

(قوله إن على وجه العبادة أو التعظيم كفر الخ) تلفيق لقولين، قال الزيلعي: وذكر الصدر الشهيد أنه لا يكفر بهذا السجود؛ لأنه يريد به التحية، وقال شمس الائمة السرخسي: إن كان لغير الله تعالىٰ على وجه التعظيم كفر اه قال القهستاني: وفي الظهيرية يكفر بالسجدة مطلقاً وفي الزاهدي: الايماء في السلام إلى قريب الركوع كالسجود الخ (۵/۲۷۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دوسرے سے مدد لینا شرک نہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: کہ اللہ کے ماسوا سے مدد لینا جیسا کہ عراق کے حملہ کا خدشہ سعودی کو، وہ امریکہ سے اپنے دفاع کے لیے مدد لیتا ہے، اور کسی سے خیرات اور بھیک مانگنا وغیرہ وغیرہ: غیر اللہ سے مانگنا ہوا، کیا یہ شرک نہیں ہے؟ کیا اس کے بارے میں پرسش ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مادی اسباب کے ماتحت ہر انسان دوسرے انسان سے جو مدد لیتا ہے، یہ شرک نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے دنیا کا نظام ہی ایسا بنایا ہے کہ اسبابِ مادیہ میں ہر آدمی دوسرے سے

مدد مانگنے پر مجبور ہے، درزی کی مدد کے بغیر آپ اپنا ستر نہیں چھپا سکتے، معمار کی مدد کے بغیر اپنا مکان تیار نہیں کر سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

''اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے زنا کروایا'' کہنا کفر ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

ایک شخص (زید) نے یہ کہا کہ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں جن صحابہ رضی اللہ عنہم سے زنا اور جن صحابی رضی اللہ عنہ سے چوری کا فعل سرزد ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زنا کرنے والے کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، اور چوری کرنے والے کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، یہ کام صحابی رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ نے سرزد کروایا، زید کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے زنا اور چوری کا گناہ سرزد کروایا، اس کلمہ کو سن کر بکر نے کہا کہ یہ الفاظ کفر کے ہیں آپ کلمہ پڑھئے اور استغفار کیجئے، زید نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور فوراً کلمۂ طیبہ پڑھا اور استغفار کیا۔

(۱) کیا ان الفاظ کو کہنے سے زید کافر ہو گیا؟

(۲) کیا زید کے کلمہ طیبہ پڑھ کر استغفار کرنے سے کفر زائل ہو گیا؟

(۳) اگر زید کے مندرجۂ بالا الفاظ پر کفر ہوتا ہے تو کیا نکاح بھی ٹوٹ گیا؟

(۴) اگر نکاح ٹوٹ گیا تو یہ طلاق بائن ہے یا طلاق مغلظ؟

(۵) اگر طلاق بائن ہو تو باہم رضامندی زوجین سے تجدید نکاح کرنا ہوگا یا نہیں؟

(۶) اگر طلاق مغلظ واقع ہوئی تو کیا حلالہ کرنا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید ان الفاظ کے کہنے سے کافر نہیں ہوا، اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ جو

کچھ ہوتا ہے من جانب اللہ ہوتا ہے؛ بلکہ اگر بکر کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے تو اس کو اپنے ایمان کی خبر لینی چاہیے، عباراتِ ذیل پر غور کیجئے:

﴿قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِيْ لأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِيْ الأَرْض﴾ (الحجر ٣٩) وفي نسبة الإغواء إليه تعالىٰ بلا انكارٍ منه سبحانه قول بأن الشر كالخير من الله عز وجل (تفسير روح المعاني) واسناد الإضلال إليه تعالىٰ حقيقي وقد تقدم وجهه فلا التفات إلى ما في الكشاف لأنه نزغة اعتزالية.(روح المعاني، البقرة: يضل به كثيراً ويهدى به كثيراً ١/ ٢١٠) وهي أي افعال العباد كلها أي جميعها من خيرها وشرها وإن كانت مكاسبهم بمشيئته أي بإرادته وعلمه أي بتعلق علمه وقضائه وقدره أي على وفق حكمه وطبق قدر تقديره فهو مريد لما يسميه شرا من كفر ومعصية كما هو مريد للخير من إيمان وطاعة والطاعات كلها أي جنسها بجميع افرادها الشامل لواجبها وندبها ماكانت أي قليلة أو كثيرة واجبة، أي ثابتة بأمر الله تعالىٰ أي بإقامتها في الجملة، حيث قال الله تعالىٰ ﴿واطيعوا الله واطيعوا الرسول﴾ وبمحبته أي لقوله تعالىٰ في حق المؤمنين: ﴿رضى الله عنهم ورضوا عنه﴾ وعلمه أي لتعلق علمه سابقا في عالم الشهود وتحققه لاحقاً في عالم الوجود، ومشيئته أي بإرادته وقضائه أي حكمه وتقديره أي بمقدار قدره أولاً، وكتبه في اللوح المحفوظ وحرره ثانياً، وأظهره في عالم الكون وقرره ثالثاً، ثم يجزيه جزاءاً وافياً في عالم العقبىٰ رابعاً، والمعاصي كلها أي صغيرها وكبيرها بعلمه وقضائه وتقديره ومشيئته إذ لو لم يردها لما وقعت، لا بمحبته أي لقوله تعالىٰ ﴿فان الله لا يحب الكافرين﴾ ﴿والله لا يحب الظالمين﴾ ولا برضائه أي لقوله تعالىٰ ولا يرضى لعباده الكفر، ولأن الكفر يوجب

المقت الذي هو اشد الغضب وهويناني رضى الرب المتعلق بالإيمان وحسن الأدب، ولا بأمره أي لقوله تعالىٰ ﴿ان الله لا يأمر بالفحشاء﴾ وقوله تعالىٰ ﴿إن الله يأمر بالعدل والاحسان وايتاء ذى القربىٰ وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغى﴾ والنهي ضد الأمر، فلا يتصور أن يكون الكفر بالأمر. وهذا القول هو المعروف عن السلف وقد اتفقوا على جواز اسناد الكل إليه سبحانه جملة، فيقال جميع الكائنات مرادة لله تعالىٰ، ومنهم من منع التفصيل فقال: لا يقال إنه يريد الكفر والظلم والفسق لإيهامه الكفر ولرعاية الأدب معه سبحانه كما يقال خلق الاشياء، ولا يقال خالق القاذورات. (شرح فقه اکبر ملا علی قاری ۱۵۱ مطبوعه مصر)

اگر یکے بجائے کسے بدی کند واو گوید من این بدی از تو دانم نہ از حکم خدائے، کافر گردد۔ (فتاوی عالمگیری ۲/ ۲۸۲)

نوٹ: یہ مسئلہ بھی مسئلۂ تقدیر کے مباحث کا ایک حصہ ہے اور اس میں بحث ونزاع سے حدیث پاک میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔ "إنما هلك من كان قبلكم حين تنازعوا في هذا الأمر عزمت عليكم عزمت عليكم أن لا تنازعوا فيه" رواه الترمذي (مشكوة ۲۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ جمادی الاخری ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

"خدا گواہ" گانا گانے میں کفر کا شبہ

سوال: ابھی ابھی عام طور پر لوگوں کی زبان پر ایک گانا جاری ہے، جس کا عنوان ہے "خدا گواہ" اس گانے کی شروع کی کڑی اس طرح ہے:

''میں تجھے قبول تو مجھے قبول، اس بات کا خدا گواہ، خدا گواہ،
میں تیرے نام کا کلمہ پڑھوں''

غرض کہ اس گانے میں شاعر نے معشوقہ کے ساتھ اپنے عشق کو والہانہ انداز میں بیان کیا ہے، اور مختلف طریقہ سے اس کا اظہار کیا اور اپنی ہر بات پر خدا کو گواہ بنایا ہے، تو کیا اس طرح ایک گناہ کے کام کو فخریہ انداز میں بیان کرنا اور مزید ظلم یہ کہ اس پر خدا کو گواہ بنانا کیا کفر نہیں ہے؟ اور اگر کفر ہے تو جو لوگ اس گانے کو ارادۃً وشوقاً ورغبۃً سنتے ہیں، اور اتنا ہی نہیں؛ بلکہ بڑے شوق سے اور مزے لے لے کر اسے پڑھتے بھی ہیں تو ان کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیا ''رضا بالکفر کفر'' کے تحت ان پر بھی کفر کا حکم لگایا جائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی معاملہ کے وقوع پذیر ہوتے وقت یا دو فریق کے درمیان پیش آنے والے حالات کے وقت جو وہاں موجود ہو، اور اس معاملہ یا حالات کا مشاہدہ کرے اس کو شاہد یا گواہ کہا جاتا ہے، دنیا میں جو کچھ پیش آرہا ہے چاہے وہ اچھا ہو یا برا سب اللہ تعالیٰ کے علم اور مشاہدہ میں ہے۔

لقوله تعالیٰ ﴿ويعلم مافي البر والبحر وما تسقط من ورقة إلا يعلمها ولاحبة في ظلمٰت الأرض ولا رطب ولا يابس إلا في كتاب مبين﴾ (الانعام:٥٩)
﴿الم تر أن الله يعلم ما في السمٰوٰت ومافى الارض ما يكون من نجوى ثلثة إلا هو رابعهم ولا خمسة إلا هو ساد سهم ولا ادنى من ذلك ولا اكثر إلا هو معهم اين ماكانوا ثم ينبئهم بما عملوا يوم القيامة ان الله

بکل شیء علیم﴾ (المجادلة:۷)

دوسری بات یہ یاد رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ معشوقہ کوئی اجنبیہ عورت ہی ہو، آدمی کو اپنی بیوی سے عشقیہ تعلق ہوتا ہے، اس اعتبار سے بیوی بھی اس کی معشوقہ کہی جاسکتی ہے، اسی تناظر میں شاعر کی بات دیکھیں گے تو کفر لازم نہیں آتا، اور جب یہ کفر نہیں ہوا تو رضا بالکفر کی وجہ سے کفر لازم ہونے کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا؛ البتہ فلمی گانوں میں ان جملوں کا استعمال سوء ادب اور موجب اثم ہے جس سے احتراز ہر مومن کے لیے لازم اور ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/محرم الحرام ۱۴۱۳ھ

خطیب کا مندر و چرچ کی حفاظت کی دعا کرنا

سوال: ایک عیدگاہ کے خطیب اور امام نے عید الفطر کے موقع پر نماز سے قبل حالاتِ حاضرہ اور ملک میں درپیش دہشت گردانہ کارروائیوں کے پس منظر میں تفصیلی گفتگو کی، اور اس بات کو واضح کیا کہ بم بلاسٹ کسی بھی مذہبی مقام پر ہوتا ہے تو گرفتاریاں مسلمانوں کی ہی ہوتی ہیں، اور تمام تر الزامات مسلم قوم کے سر تھوپے جاتے ہیں وغیرہ؛ فی الحال خواجہ اجمیری کی درگاہ پر بم بلاسٹ ہوا ہے اس میں بھی گرفتاریاں مسلمانوں کی ہی ہوگی، ان باتوں کا اظہار کیا، بیان کے بعد نماز ہوئی، پھر مسلمانوں کی ابتری اور ملک میں امن وامان قائم ہو اس کے لیے دعا کی گئی، دورانِ دعا امام صاحب کی زبان سے یہ جملے نکلے ''اے اللہ اس ملک کی اور ملک میں رہنے والوں کی مسجدوں کی، مندروں کی، چرچوں کی اور خانقاہوں کی حفاظت فرما''۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا جملہ دوران دعا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس پر کیا حکم عائد ہوتا ہے؟ کیا یہ حکم آمین کہنے والوں پر بھی عائد ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دعا ایک مستقل عبادت ہے، ارشاد نبوی ہے: ''الدعاء هو العبادة'' (مشکوۃ:۱۹٤)

بلکہ عبادت کا مغز ہے، ارشاد نبوی ہے: ''الدعاء مُخُّ العبادة'' (مشکوۃ۱۹٤)

قرآن وحدیث میں اس کی بڑی تاکید آئی ہے، اور دعا مانگنے کا طریقہ اس کے آداب اور اس کے حدود وقیود؛ نیز مقامات اجابت اور اوقات اجابت وغیرہ کی طرف بھی قرآن اور حدیث میں رہنمائی کی گئی ہے۔ قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة انه لا یحب المعتدین﴾ (الاعراف:۵۵) حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی توضیح وتشریح فرماتے ہوئے بیان القرآن میں رقم طراز ہیں: ''تم لوگ (ہر حالت اور ہر حاجت میں) اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو، تذلل ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی (البتہ یہ بات) واقعی (ہے کہ) اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو حد (ادب) سے نکل جاوے (مثلاً محالات عقلیہ یا محالات شرعیہ یا مستبعدات عادیہ یا معاصی یا بے کار چیزیں مانگنے لگیں الخ)''۔ (بیان القرآن ۴/۱۹)

اس لیے ہر دعا مانگنے والے کے لیے ضروری ہے کہ دعا کے لیے شریعت مطہرہ نے جن آداب کا لحاظ کرنے کی تاکید کی ہے یا جن حدود وقیود کی رعایت ضروری قرار دی ہے ان کا لحاظ اور پاس کرے، ورنہ یہ بھی قرآن کی رو سے اعتداء یعنی دعا کے لیے مقرر کی گئی حد سے تجاوز شمار ہوگا۔

توحید اسلام کے بنیادی عقائد اور بنیادی تعلیمات میں سے ہے، اور شرک وبت پرستی

قرآن وحدیث کی رو سے ایسا شدید گناہ ہے جس کی مغفرت نہیں، ﴿ان اللہ لا یغفر ان یشرك به ویغفر مادون ذلك لمن یشاء﴾ مندر (بت خانہ) یہ بت پرستی کے لیے بنائی گئی مخصوص جگہ ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکۂ مکرمہ فتح کرنے کے بعد خانۂ کعبہ میں جو بت تھے ان کو اپنے دستِ مبارک سے دور اور ختم کیا، اور یہ منادی کرائی کہ من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یدع فی بیته صنما (جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے گھر میں کوئی بت باقی نہ چھوڑے) جب مکۂ مکرمہ بتوں سے پاک ہوگیا، تو اس کے اطراف واکناف میں بتوں کو منہدم کرنے کے لیے چھوٹی چھوٹی جماعتیں روانہ فرمائی؛ چناں چہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عزّیٰ کے منہدم کرنے کے لیے مقامِ نخلہ کی طرف اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو صواع کے منہدم کرنے کے لیے اور حضرت سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ کو منات کے منہدم کرنے کے لیے روانہ کیا۔ (ماخوذ از سیرۃ المصطفیٰ)

بخاری شریف میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "کتاب المغازی" میں "باب غزوة ذی الخلصة" کے تحت حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی روایت تین طریقوں سے پیش فرمائی اور تینوں طرق میں یہ صراحت موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: "ألا تریحنی من ذی الخصلة" اے جریر! کیا آپ مجھے ذی الخلصہ نامی بت خانہ (کو منہدم کرکے اس) سے راحت نہیں پہنچائیں گے؟ (بخاری ۲/ ۶۲۴) اس جملہ کی شرح میں قسطلانی کے حوالہ سے حاشیہ میں نقل کیا ہے کہ: اللہ کے ساتھ شرک اور غیر اللہ کی عبادت کے وجود سے زیادہ تکلیف دہ چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لیے اور کوئی نہیں تھی، اور اس بت خانہ کے انہدام سے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قلبی سکون حاصل ہوگا۔ (حاشیۂ بخاری)

ظاہر ہے اس کی حفاظت کے لیے دعا کرنا شرعاً کیسے پسندیدہ اور گوارا ہوگا؟ اس لیے یقیناً دعاء میں کہے گئے الفاظ (جو سوال میں مذکور ہیں) شریعت کی طرف سے دعا کے واسطے مقرر کئے گئے آداب وحدود سے تجاوز کی وجہ سے ﴿انه لا یحب المعتدین﴾ میں داخل ہیں، امام صاحب کو اپنی اس غلطی کا اعتراف کر کے اظہار ندامت کرنا چاہیے، اور آئندہ اس طرح کے موہم الفاظ وکلمات کے استعمال سے احتراز ضروری ہے۔

دعا کے ان الفاظ کی وجہ سے خطیب صاحب نعوذ باللہ کافر نہیں ہوئے، اور آمین کہنے والوں پر بھی کفر کا حکم جاری نہیں ہوگا، علامہ ابن تیمیہ اپنی کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم فی مخالفة أصحاب الجحیم" میں تحریر فرماتے ہیں:

وتارة بأن یسأل علی الوجه الذی لا یحبه الله کما قال سبحانه: ﴿ادعوا ربکم تضرعا وخفیة إنه لا یحب المعتدین﴾(الاعراف:۵۵) فهو سبحانه انه لا یحب المعتدین فی صفة الدعاء، ولا فی المسئول وإن کانت حاجتهم قد تقضی کأقوام ناجوا الله فی دعواتهم بمناجاة فیها جرأة علی الله واعتداء لحدوده واعطوا طلبتهم فتنة ولما یشاء الله سبحانه بل أشد من ذلك کذلك أنواع من الداعین والسائلین قد یدعون دعاء محرما یحمل لهم معه ذلك الغرض ویورثهم ضررا اعظم منه، وقد یکون الدعاء مکروها ویستجاب له ایضا، ثم هذا التحریم والکراهة قد یعلمه الداعی وقد لا یعلمه علی وجه لا یعذر فیه لتقصیره فی طلب العلم أو ترکه للحق، وقد لا یعلمه علی وجه یعذر فیه بأن یکون فیه مجتهدا أو مقلدا کالمقلد أو المجتهد اللذان یعذران فی سائر الاعمال وغیر المعذور قد یتجاوز الله عنه فی ذلك الدعاء لکثرة حسناته من صدق قصده أو لمحض رحمة الله

به أو نحو ذلك من الأسباب .

فالحاصل: أن مايقع من الدعاء المشتمل على كراهة شرعية بمنزلة سائر انواع العبادات، وقد علم أن العبادة المشتملة على وصف مكروه قد تغفر تلك الكراهة لصاحبها لاجتهاده أو تقليده أو حسناته أو غير ذلك(۳۱۹،۳۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم ذی القعدہ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

کیا چھ کونے والا اسٹار یہود کا شعار ہے؟

سوال: آج کل مساجد میں عام طور پر چھ کونے والے اسٹار (☆) والی ٹوپیاں نمازیوں کے لیے رکھی رہتی ہیں، اون اور دھاگے سے بنی ہوئی، بعض ٹوپیوں میں بھی ایسا اسٹار ہوتا ہے، کہنے کی ضرورت نہیں کہ چھ کونے والا اسٹار یہود کا شعار ہے، کیا ایسی ٹوپیاں پہن کر نماز پڑھنے میں یا عام اوقات میں ایسی ٹوپیاں پہننے میں شرعی نقطۂ نظر سے کوئی حرج یا قباحت ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس قسم کے مسائل کی بنیاد حدیث تشبہ (من تشبه بقوم فهو منه) ہے، آپ کے سوال کا جواب دینے سے پہلے حدیث تشبہ کی تشریح ووضاحت سے متعلق اکابر کا کلام پیش کیا جاتا ہے تاکہ اس کی روشنی میں آپ کے سوال کا حل پیش کیا جاسکے، محدث کبیر صاحب اعلاء السنن حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حدیث تشبہ کی تشریح فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں: تشبہ بالکفار کی چند صورتیں ہیں۔

① فطری امور میں مشابہت: مثلاً کھانا، پینا، چلنا، پھرنا، سونا، لیٹنا، صفائی رکھنا وغیرہ یہ مشابہت حرام نہیں۔

قال فی الدر: فان التشبه بهم لا یکره فی کل شیء بل فی المذموم وفیمایقصد به التشبه کما فی البحراه قال الشامی تحت قوله لا یکره فی کل شیء فاناناًکل ونشرب کمایفعلون.اه (۱/۶۰۲)

② عادات میں مشابہت: مثلاً جس ہیئت سے وہ کھانا کھاتے ہیں اسی ہیئت سے کھانا یا لباس ان کی وضع پر پہننا، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ہماری کوئی خاص وضع پہلے سے ہو اور کفار نے بھی اس کو اختیار کرلیا ہو خواہ ہمارا اتباع کرکے یا ویسے ہی، اس صورت میں یہ مشابہت اتفاقیہ ہے اور اگر ہماری وضع پہلے سے جدا ہو اور اس کو چھوڑ کر ہم کفار کی وضع اختیار کریں یہ ناجائز ہے، اگر ان کی مشابہت کا قصد بھی ہے تب تو کراہت تحریمی ہے، اور اگر مشابہت کا قصد نہیں ہے بلکہ اس لباس اور وضع کو کسی اور مصلحت سے اختیار کیا گیا ہے، تو اس صورت میں تشبہ کا گناہ نہ ہوگا مگر چوں کہ تشبہ کی صورت ہے؛ اس لیے کراہت تنزیہی سے خالی نہیں۔

قال هشام: رأيت على ابى يوسف نعلين مخسوفين بمسامير، فقلت أترى بهذا الحديد بأسا؟ قال: لا، قلت: فسفيان وثور بن يزيد كرها ذلك لان فيه تشبها بالرهبان، فقال: إن رسول الله ﷺ كان يلبس النعال التى لها شعر وأنها من لباس الرهبان فقد أشار إلى أن صورة المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لا يضر، فان الارض مما لا يمكن قطع المسافة البعيدة فيها الا بهذا النوع اه قلت وفعله عليه السلام محمول على بيان الجواز اذا كان بدون القصد.

مگر چوں کہ آج کل عوام جواز کے لیے بہانے ڈھونڈتے ہیں ان کا قصد تشبہ ہی کا ہوتا ہے؛ اس لیے اکثر احتیاط کے لیے عادات میں بھی تشبہ سے منع کیا جاتا ہے خواہ تشبہ کا قصد ہو یا نہ ہو۔

③ ان امور میں تشبہ جو کفار کا مذہبی شعار یا دینی رسم اور قومی رواج ہے۔ جیسے زنّار وغیرہ پہننا، یا مجوس کی خاص ٹوپی جوان کے مذہب کا شعار ہے اس میں تشبہ حرام ہے بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے، عالمگیری وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ (امداد الاحکام ۱/ ۱۹۴)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم لباس سے متعلق اصول بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں ''چھٹا اصول یہ ہے کہ اس کے ذریعہ تشبہ بالکفار نہ ہو۔ تشبہ بالکفار کا مطلب یہ ہے کہ قصد اور ارادہ کر کے ایسا لباس پہننا تاکہ میں ان جیسا نظر آؤں یہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔ (تقریر ترمذی ۲/ ۳۳۱)

آگے فرماتے ہیں: جہاں تک کوٹ پتلون پہننے کا تعلق ہے تو چوں کہ اب دنیا بھر میں اس کا رواج اور شیوع اتنا زیادہ ہو گیا ہے کہ اب اس میں تشبہ کی شان مغلوب ہو گئی ہے؛ اس لیے تشبہ کی وجہ سے کوٹ پتلون کو حرام کہنا ممکن نظر نہیں آتا؛ البتہ شریعت نے لباس کے جو اصول بیان فرمائے ہیں ان کا پایا جانا ضروری ہے۔ الخ۔

آگے فرماتے ہیں: ''جہاں تک ٹائی کا تعلق ہے اس کے بارے میں ہمارے طبقے میں یہ بات مشہور ہے کہ یہ ٹائی درحقیقت صلیب تھی، عیسائی لوگ صلیب لٹکایا کرتے تھے، اب ٹائی کو صلیب کا متبادل بنالیا گیا ہے لیکن مجھے کافی تلاش کے بعد اب تک اس بات کی دلیل اور اس کا کوئی ماخذ نہیں ملا۔ لباس کے بارے میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں ہر لباس کی تاریخ لکھی ہوئی ہے کہ اس لباس کی ابتداء کہاں سے ہوئی، اس میں بھی

ٹائی کے بارے میں کوئی مضمون اب تک نظر نہیں آیا؛ اس لیے جب تک اس کی حقیقت معلوم نہ ہو اس وقت تک اس کو نصاری کا شعار قرار دیکر حرام قرار دینے سے میں توقف لسانی کرتا ہوں''۔ (تقریر ترمذی ۲/ ۳۳۲)

شمائل ترمذی میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے انگوٹھی پہننے کی کیفیت بیان کرنے کے لیے ایک مستقل باب قائم کیا ہے، اس کی تشریح کرتے ہوئے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں'' یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ انگوٹھی کون سے ہاتھ میں پہننا افضل ہے، خود علمائے حنفیہ میں بھی اختلاف ہے بعض نے بائیں ہاتھ میں پہننے کو افضل بتایا ہے، اور بعض نے دونوں کو مساوی بتایا ہے، شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی دو قول لکھے ہیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حنفیہ کا ایک قول دائیں ہاتھ کا افضل ہونے کا لکھا ہے لیکن مذہب کے لحاظ سے راجح وہی قول ہے جو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں میں بلا کراہت جائز ہونے پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔ مالکیہ نے بائیں ہاتھ میں پہننے کو افضل بتایا ہے؛ الغرض احادیث سے بھی دونوں فعل ثابت ہے۔ اور علماء بھی ترجیح کے اعتبار سے دونوں طرف گئے ہیں، درمختار میں قہستانی سے نقل کیا ہے کہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی کا پہننا روافض کا شعار ہو گیا ہے؛ اس لیے اس سے احتراز واجب ہے، صاحب درمختار لکھتے ہیں کہ ممکن ہے اس زمانہ میں روافض کا شعار ہو، اب نہیں ہے۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے ''الکوکب الدری'' میں نقل کیا گیا ہے کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی چوں کہ روافض کا شعار ہے؛ اس لیے مکروہ ہے، حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بذل المجہود میں یہی تحریر فرمایا ہے، اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ روافض کے کفر میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن ان کے فاسق ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور

فساق کے ساتھ تشبہ سے بھی احتراز ضروری ہے۔ (خصائل نبوی: ۵۸، ۵۹)

فتاوی محمودیہ سے بھی چند سوال وجواب اس غرض سے نقل کیے جارہے ہیں کہ تشبہ کی حقیقت واضح اور صاف ہوجائے:

سوال: کسی ملازمت میں ترقی کا انحصار ٹائی باندھنے پر ہو تو ایسی صورت میں ٹائی باندھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: ٹائی ایک وقت میں نصاری کا شعار تھا اس وقت اس کا حکم بھی سخت تھا، اب غیر نصاری بھی بکثرت اسے استعمال کرتے ہیں، بہت سے صوم وصلوۃ کے پابند مسلمان بھی استعمال کرتے ہیں، اب اس کے حکم میں تخفیف ہے اس کو شرک یا حرام نہیں کہا جائے گا، کراہیت سے اب بھی خالی نہیں، کہیں کراہیت شدید ہوگی کہیں ہلکی۔ جہاں اس کا استعمال عام ہوجائے وہاں اس کے منع پر زور نہیں دیا جائے گا۔ (فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۴۰۷، ۴۰۸)

سوال: تشبہ لباس وغیرہ کے بارے میں مندرجہ ذیل استفسارات ہیں:

① عورتوں کے لیے پائچادار پائجامہ اور ساڑی جائز ہے یا نہیں؟ اور موٹی ساڑی پہن کر نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

③ کوٹ اور پتلون پہننے والوں اور سر پر انگریزی بال رکھنے والوں کے حق میں اب اس حدیث کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں؟ جس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کریگا اس کا حشر اسی قوم کے ساتھ ہوگا۔

الجواب: ① جہاں یہ کفار یا فساق کا شعار ہے وہاں ناجائز ہے، جہاں عام ہے ان کا شعار نہیں وہاں جائز ہے، پھر اگر پردہ پورا ہو تو اس سے نماز بھی درست ہے۔

③ اب اس میں اتنا تشدد نہیں، اتنا ضرور ہے کہ ان اطراف میں یہ صلحاء کا لباس

نہیں ہے اس سے بچنا چاہیے کراہت کا درجہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۳۴۸، ۳۴۹)

سوال: قمیص، پینٹ، کوٹ ان تینوں چیزوں کا پہننا جائز ہے کہ نہیں؟ اگر ان کو پہن کر نماز ادا کریں تو نماز مکروہ ہوگی یا نہیں؟ ان تینوں کا پہننا مطلقا مکروہ ہے یا نہیں؟ اگر اس میں کراہت ہے تو کس درجہ کی؟ مشابہت قوم سے کیا مراد ہے؟ اگر عام طور پر مسلم ہندو قمیص کو پہنتے ہیں، کسی قوم کا شعار باقی نہ رہا، پھر ان سے تو مشابہت باقی نہیں رہتی ہے، جیسے ساڑی صوبۂ بہار میں ہندو اور مسلم عورتیں عام طور پر پہنتی ہیں، تو ایسی صورت میں ساڑی کا استعمال درست ہے یا نہیں؟

الجواب: جہاں جو لباس کفار اور فساق کا شعار نہ ہو؛ بلکہ عام طور پر صلحاء اور فساق سبھی استعمال کرتے ہوں وہاں اس کو ممنوع نہیں کیا جائیگا، ہاں! لباس مسنون کو اس کے مقابلے میں افضل اور احسن کہا جائیگا، اور جہاں جس قدر شعاریت ہوگی اسی قدر کراہت ہوگی، اس کلیہ کے تحت اشیائے مسئولہ اور ان کے علاوہ بہت سی اشیاء کا حکم معلوم ہوسکتا ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ۱۹/ ۴۳۸۔۴۳۹)

اکابر کی مندرجہ ذیل تحریرات کی روشنی میں عرض ہے کہ چھ کونے والا اسٹار یہود کا شعار ہے تو پہلا سوال یہ ہے کہ ان کا مذہبی شعار ہے یا قومی شعار ہے یا سیاسی شعار ہے؟ یہود کے ساتھ اسلام کا پالا پہلے روز سے ہے، اور ان کی بہت سی چیزوں کا تذکرہ احادیث اور بعد کے اکابر کی کتابوں میں ہے، لیکن جس طرح صلیب کے متعلق احادیث اور کتابوں میں تصریح ملتی ہے ایسی کوئی تصریح مذکورہ اسٹار کے متعلق میری نظر سے نہیں گذری، غالباً یہ دور حاضر کے یہود نے اپنی نشاۃ جدیدہ کے بعد اپنے لیے سیاسی نشان کے طور پر مقرر کیا ہے؛ نیز اس کا یہودی شعار ہونا ہماری مسلم بلکہ طبقۂ علماء کی اکثریت کو بھی معلوم نہیں۔

نیز اس کو وہ حضرات اپنے لباسوں میں اس انداز سے جو سوال میں مذکور ہے استعمال نہیں کرتے نیز ہمارے ہندوستان میں یہودیوں کی آبادی بھی کالعدم ہے؛ اس لیے اس طرح کا اسٹار بنی ہوئی ٹوپیاں پہننا زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی کہا جاسکتا ہے، اس سے زیادہ سخت حکم لگانے کے لیے کم از کم میری طبیعت آمادہ نہیں دیگر علماء سے بھی آپ تحقیق فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ

عبادت، تجارت، معاشرت اور رہن سہن میں غیروں کی مذہبی علامات

سوال: غیر مسلم قوموں نے اپنے مذہب کی علامات مقرر کرلی ہیں، مثلاً: صلیب اور اس کے ساتھ اور چیزیں، اسی طرح یہودیوں نے چھ کونے والا ستارہ اور اس کے ساتھ چیزیں، اسی طرح ہندوؤں نے بھی کیا ہے، مثلاً ساٹھیہ یا اس کے علاوہ اور وغیرہ وغیرہ، اب حال یہ ہے کہ ان علامات کو دنیا بھر میں ہر ایک چیز میں پھیلا دیا گیا ہے، مثلاً: مکانات کی تعمیرات، دروازے، کھڑکیوں، فرش، چھت، زیب وزینت، پھول بوٹے وغیرہ میں، اسی طرح چھپائی کے کام میں، مثلاً: کتابوں کے اندر کی بارڈر، پھول بوٹے، پیپر، کاغذ وغیرہ میں، اسی طرح پہننے کی ہر چیز میں مثلاً: ٹوپیاں، سوئیٹر، گلا بندھ (ٹائی) اور کپڑوں کو کاٹ کر کپڑے کے ان ٹکڑوں سے ایسی ڈیزائین بناتے ہیں، ایسے ہی چمڑے کی چیزوں میں بھی، اسی طرح مصلّٰی، جائے نماز، چٹائیاں، کارپیٹ وغیرہ میں، چیزوں کی کانٹ چھانٹ اور ڈیزائن میں لوہے اور سیمینٹ، لکڑے وغیرہ کی جالیوں میں؛ حتی کہ

کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی ہے جس میں نہ ہوں، اور افسوس اس بات کا ہے کہ علمائے کرام کی طرف سے اس طرف وعظ ونصیحت میں سستی، کاہلی برتی جارہی ہے، ایسی ڈیزائن کے بغیر کی چیزیں بازار میں دستیاب ہیں، مگر کبھی کبھی وہ مقابلۃً مہنگی ہوتی ہیں، جیسے کہ مذاہب کی پبلسٹی کرنے والے خسارہ برداشت کرکے بھی انہیں سستا بیچتے ہیں، پھر تاجر حضرات گاہکوں کی طرف سے دباؤ مانگ کے پیش نظر اوپر سے مال کا آرڈر منگواتے ہیں یا اسے بنواتے ہیں تو واعظین کی خاموشی پر یہاں بھی خاموشی رہتی ہے اور مسئلہ بڑھتا جاتا ہے۔

① مذکورہ حالات کے پیش نظر سوال یہ ہے کہ ایسی چیزوں کا استعمال کرنا، اس کے ساتھ اور ایسی چیزوں پر نماز پڑھنا اوڑھنا بچھانا، زیب وزینت کرنا کیسا ہے؟

② دوسرا سوال یہ کہ گھروں میں داخلہ کے لیے جو گھنٹی بجانی ہوتی ہے، یا دیوار کی گھڑیاں جس میں گھنٹی بجتی ہے، اسی طرح فون میں جب آپریٹر ایک جگہ سے دوسری جگہ خبر نکالنے یا انتظار کرانے کے لیے گھنٹی بجاتا رہتا ہے جسے فون کرنے والا سنتا ہے، یہ گھنٹیاں میوزک کی آواز کی طرح ہوتی ہیں جسے نہ صرف عوام؛ بلکہ علمائے کرام حتی کہ ہمارے دینی قلعہ بھی استعمال کرتے ہیں، اور ان کی اس طرف توجہ نہیں، اور بے خیالی میں عوام میں بھی یہ چیزیں عام ہوتی جارہی ہیں، کیا ایسی گھنٹی والی چیز کا استعمال جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے اپنے سوال میں جو نکتہ اٹھایا ہے وہ یقیناً قابل توجہ اور اہم ہے؛ لیکن مشکل یہ ہے کہ ان غیر مسلم قوموں کی مقرر کی ہوئی علامتوں میں بعض تو وہ ہیں جن سے عموماً لوگ واقف نہیں، مثلاً: عیسائیوں کی علامت صلیب، اس میں بھی بہت سے لوگ خصوصاً ہندوستان میں دیہاتی علاقوں میں ایسے موجود ہیں جو اس سے واقف نہیں، یہی حال

ہندوستان میں رہتے ہوئے ہندوؤں کی مقرر کردہ علامت (ساتھیا) کا ہے، یہودیوں کی علامت چھ کونوں والا ستارہ اور اس کے ساتھ دیگر اشیاء کا معاملہ تو اس سے بھی زیادہ سنگین ہے، ممکن ہے آپ کے یورپ اور امریکہ کے علاقہ میں واقفیت ہو، باقی یہاں ہندوستان میں عوام تو عوام علماء اور طلبہ کی اکثریت بھی اس سے واقف نہیں، تو پھر وعظ ونصیحت اور دیگر طریقوں سے اس سے باز رکھنے کی مساعی کیسے وجود میں آسکتی ہیں!!! بہر حال آپ نے سوال اٹھایا ہے اس کا جواب پیش خدمت ہے۔

① بظاہر اس کا حکم بھی تصویر کی طرح ہے، اگر ان کو محلِ اہانت وذلت میں استعمال کیا جائے تو اس کی اجازت ہوگی، اسی طرح اگر وہ اتنی چھوٹی ہیں کہ نیچے رکھے ہوئے ہونے کی حالت میں کھڑے ہوئے آدمی کو صاف نظر نہیں آتیں، تب بھی اجازت ہونی چاہیے، جن چیزوں پر یہ نشانات بنے ہوئے ہیں ان کی بیع وشراء کا بھی وہی حکم ہونا چاہیے جو تصویر والی چیز کا ہوا کرتا ہے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''بیع وشراء میں اگر تصاویر خود مقصودہ نہ ہوں؛ بلکہ دوسری چیزوں کے تابع ہو کر آجائیں، جیسے اکثر کپڑوں میں مورتیں لگی ہوتی ہیں یا برتنوں اور دوسری مصنوعات جدیدہ میں اس کا رواج عام ہے تو اس میں خرید وفروخت تبعاً جائز ہے۔ (جواہر الفقہ ۳/۲۳۸)

② فقہاء جہاں گانے بجانے کے مسئلہ پر بحث کرتے ہیں وہاں تحریر فرماتے ہیں: کہ ملاہی (کھیل تماشے) دو قسم کے ہیں:

(۱) حرام: اور وہ ہے گائے بغیر صرف ہیجان ومستی پیدا کرنے والے آلات کی آواز، جیسے بانسری خواہ لکڑی کی ہو یا نرکل کی جیسے شبابہ، یا بانسری کے سوا کوئی اور آلہ ہو، جیسے عود وطنبور، حرمت کی وجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ ''اللہ نے مجھے جہانوں کے

لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور مجھے باجے تاشے اور بانسریاں مٹانے کا حکم فرمایا ہے"۔
حرمت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ مستی آور اور ذکر الٰہی سے مانع ہیں۔

وفی المعراج: الملاهی نوعان: محرم، وهو آلات المطربة من غير الغناء كالمزمار سواء كان من عود أو قصب كالشبابة، أو غيره كالعود والطنبور؛ لما روى أبو أمامة أنه عليه الصلوة والسلام قال: "إن الله بعثنی رحمة للعالمين، وأمرنی بمحق المعازف والمزامير" ولأنه مطرب يسده عن ذكر الله تعالى. (بحر الرائق ۷/ ۸۸)

میوزک کی جو آوازفون وغیرہ میں بھری ہوتی ہے ظاہر ہے وہ انہیں آلات مطربہ سے تیار کی جاتی ہے جس کا حکم اوپر گذر چکا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

تشبہ اور مشابہت میں فرق

سوال: ایک استفتا مع جواب آپ کی خدمت میں ارسال کر رہے ہیں، جس میں یہ بات پیش کی گئی ہے کہ: غیر مسلم قوموں کی اپنی مذہبی علامات، جن کا ایک مسلمان کو غیر شعوری طور پر احساس تک نہیں ہوتا، کہ یہ غیر مذہبی علامات ہیں، اور تمام علامات کے متعلق یہ بات یاد رکھنا کہ یہ غیر مذہبی علامت ہے بہ ظاہر دشوار اور مشکل بات ہے، تو کیا عمومِ بلویٰ اور الأمر إذا ضاق اتسع، الأمور بمقاصدها، الضرر يزال، الضرورة تبيح المحظورات، لاعبرة بالتوهم وغیرہ؛ ان ضوابط کے پیشِ نظر اگر کوئی مسلمان غیر شعوری طور پر ان علامات میں سے کسی علامت کا استعمال کرے، تو کیا عند الشرع

تشبّہ بالغیر کا مرتکب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تشبّہ عربی زبان کا لفظ ہے، باب تفعّل کا مصدر ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ قصد اور ارادہ کے ساتھ کسی کے جیسی ہیئت اور شکل وصورت یا وضع قطع یا طور وطریق اختیار کرنا، اگر قصد اور ارادہ نہیں ہے تو اس کو تشبّہ نہیں کہتے؛ بلکہ وہ مشابہت کہلاتی ہے، اور اس صورت میں اس کے لیے حدیث میں مذکور وعید نہیں ہے۔ آپ نے جو استفتاء اور جواب ارسال فرمایا ہے اس استفتاء میں جو علامتیں اور نشانیاں غیر قوم کی بتلائی گئی ہیں، ان میں سے اکثر وہ ہیں جن کے غیر مسلموں کی علامات اور شعار ہونے کا علم بہت سے اہلِ علم تک کو نہیں، تا بہ عوام چہ رسد! اور جب یہ علم ہی نہیں تو تشبہ کا تحقق کیسے ہوگا؟ اسی استفتا کا جو جواب ہمارے یہاں سے دیا گیا تھا اس کی ایک نقل ارسالِ خدمت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴ر رجب ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

باب البدعات والرسوم

سنت وبدعت کے مابین فرق کا جامع ضابطہ

سوال: نکاح کے بعد عام طور پر علماء ومشائخ اردو میں دعا کرواتے ہیں، ایک آدمی یہ کہہ رہا ہے کہ نکاح کے بعد "بارك الله لك وبارك الله عليك وجمع بينكما في خير" یہی دعا مانگ سکتے ہیں اس کے علاوہ بعد میں جو اردو میں دعا کرواتے ہیں وہ سنت سے ثابت نہیں ہے، اور جو چیز سنت سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے اور یہ دعا کروانا

گو یا بدعت، گمراہی اور منکر ہے اور یہ علی الاعلان منکر ہو رہا ہے؛ لہٰذا اس منکر کو علی الاعلان روکنا چاہیے۔ رہا علما و مشائخ کا دعا کروانا یہ جواز کے لیے حجت نہیں ہے جبکہ ان کا عمل قرآن وسنت کے خلاف ہو تو ان کا یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے اور یہ دعا کروانا بدعت، گمراہی اور منکر ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بوقتِ نکاح دعا اور مبارک بادی کا سلسلہ ہر زمانہ میں اور ہر قوم میں چلا آ رہا ہے؛ البتہ اس کے لیے مختلف کلمات استعمال کیے جاتے تھے، زمانۂ جاہلیت میں عام طور پر نکاح کے وقت دی جانے والی دعاء میں یہ الفاظ "بالرفاء والبنین" استعمال ہوتے تھے جس کا ترجمہ ہوتا ہے کہ اس نکاح میں دونوں میں جوڑ اور محبت ہو اور لڑکے پیدا ہوں، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمانۂ جاہلیت میں دعاء کے لیے عام طور پر جو الفاظ استعمال ہوتے تھے ان سے ممانعت فرما کر ان کے بجائے "بارك الله لك (كما في البخاري) يا بارك الله لك وبارك عليك وجمع بينكما في خير". (كما في السنن) کے الفاظ استعمال فرمائے۔

دعا کے الفاظ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو تبدیلی فرمائی اس کی حکمت اور علت پر کلام کرتے ہوئے شراح بخاری نے لکھا ہے کہ چوں کہ زمانۂ جاہلیت میں استعمال کیے جانے والے الفاظ میں نہ تو اللہ تعالی کی حمد وثناء تھی، اور نہ اللہ تعالی کا تذکرہ تھا؛ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے ممانعت فرمائی۔ اور ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ زمانۂ جاہلیت کی دعا میں صرف لڑکوں کا تذکرہ ہے، جس سے لڑکیوں سے نفرت اور ان کی ناپسندیدگی ظاہر ہوتی ہے، اور اس طرح زمانۂ جاہلیت کے ایک غلط نظریہ کی تائید ہو رہی تھی؛ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان الفاظ سے ممانعت فرما کر دعاء کے طور پر یہ کلمات مشروع فرمائے۔

بخاری شریف میں کتاب النکاح میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قائم فرمایا ہے "باب كيف يدعى للمتزوج" اس کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح بخاری میں شارح بخاری علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرمایا ہے:

إنما أراد بهذا الباب -والله أعلم- رد قول العامة عند العرس: "بالرفاء والبنين" فكأنه اشار إلى تضعيفه .

آگے تحریر فرماتے ہیں:

وأقوى من ذلك ما أخرجه أصحاب السنن وصححه الترمذي وابن حبان والحاكم من طريق سهيل ابن أبي صالح عن أبيه عن أبي هريرة قال: كان رسول الله ﷺ إذا رفأ إنساناً قال: بارك الله لك وبارك عليك وجمع بينكما فى خير. وقوله (رفأ) بفتح الراء وتشديد الفاء مهموز، معناه: دعا له فى موضع قولهم بالرفاء والبنين، وكانت كلمة تقولها أهل الجاهلية، فورد النهي عنها، كما روى بقى بن مخلد من طريق غالب عن الحسن عن رجل من بني تميم، قال: كنا نقول فى الجاهلية "بالرفاء والبنين" فلما جاء الإسلام علمنا نبينا: قال: قولوا: بارك الله لكم وبارك فيكم وبارك عليكم. وأخرج النسائي والطبراني من طريق أخرى عن الحسن عن عقيل بن أبي طالب أنه قدم البصرة فتزوج امرأة فقالوا له: بالرفاء والبنين، فقال: لاتقولوا هكذا، وقولوا كما قال رسول الله ﷺ: اللهم بارك لهم وبارك عليهم، ورجاله ثقات إلا ان ألحسن لم يسمع من عقيل فيمايقال. ودل حديث أبي هريرة على أن اللفظ كان مشهوراً عندهم غالباً حتى سمى كل دعاء للمتزوج ترفئة، واختلف فى علة النهى عن ذلك، فقيل: لأنه لا حمد فيه ولا ثناء ولا ذكر لله، وقيل: لما فيه من الإشارة إلى بغض البنات،

لتخصيص البنين با لذكر.(فتح الباری ۹/۲۲۲،۲۲۱)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

وهذه اللفظة ترد القول بالرفاء والبنين، لانه من أقوال الجاهلية، والنبی ﷺ كان يكره ذلك لموافقتهم فيه وهذا هو الحكمة فی النهی، وقيل لأنه لا حمد فيه ولا ثناء ولا ذكر لله عز وجل، وقيل لما فيه من الإشارة الى بغض البنات لتخصيص البنين بالذكر.(عمدة القاری شرح بخاری ۲۰ /۱٤٦)

مجمع بحار الانوار میں ہے:

(رفأ) نه: نهی أن يقال "بالرفاء والبنين" كراهية لعادتهم ولذا سن غيره، الرفاء الإلتيام والاتفاق والبركة والنماء، من رفأت الثوب رفاءً ورفوتُه رفواً و منه: كان اذا "رقّأ" قال: بارك الله لك وعليك وجمع بينكما على خيرٍ، ويهمز الفعل ولا يهمز ط:الترفية قوله بالرفاء والبنين وبدله الشارع بما ذكره لأنه لا يفيد ولما فيه من التنفير عن البنات (مجمع بحار الانوار ۲/ ۳٤۸)

منقولہ بالا تمام عبارتوں سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے زمانۂ جاہلیت میں بوقتِ نکاح دی جانے والی دعاء کے مخصوص کلمات سے ممانعت فرما کر اس کی جگہ پر دوسرے کلمات بطورِ دعا استعمال فرما کر ان کلمات سے دعاء دینے کی ترغیب ارشاد فرمائی، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے بوقتِ نکاح دی جانے والی دعاء میں جو کلمات تلقین فرمائے، کیا انہی کلمات سے دعا کرنا ضروری ہے؟ یا ان کے علاوہ دیگر کلمات بھی دعاء کے لیے استعمال کیے جاسکتے ہیں؟ تو حضرات شراح حدیث نے زمانۂ جاہلیت میں استعمال ہونے والے کلماتِ دعاء کی ممانعت کی جو وجہ تحریر فرمائی ہے اس سے یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ حدیث پاک میں وارد کلمات دعا پر ہی اکتفاء کرنا

ضروری نہیں بلکہ ان کے ساتھ دیگر ایسے کلمات دعاء کا اضافہ جو موقع اور محل کے مناسب ہوں جائز اور درست ہے۔ چناں چہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ بالرفاء والبنین والے کلمات کی وجہ ممانعت پر کلام (جو آگے نقل کیا جاچکا) کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ قلت فعلی هذااذا قيل بالرفاء والأولاد ينبغي أن لا يكره (عینی شرح بخاری ۲۰/ ۱۴۶) یعنی اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ اگر کوئی دعاء دینے والا بالرفاء والاولاد کے الفاظ سے دعا دے تو ممنوع نہیں ہونا چاہیے؛ اس لیے کہ ان الفاظ سے دعا دینے میں زمانۂ جاہلیت کے نظریہ کی تائید نہیں ہوتی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ابن المنیّر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں۔ یہ بات صاف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ (بالرفاء والبنین) کو ناپسند فرمایا؛ اس لیے کہ اس میں زمانۂ جاہلیت کی موافقت ہے؛ اس لیے کہ وہ لوگ ان کلمات کو بطور تفاؤل کہتے تھے بطور دعاء نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ کلمات بطور دعاء کہے جائیں تو ممنوع نہیں بایں طور کہ مثلاً یوں کہے: ''اللّٰهم ألف بينهما وارزقهما بنين صالحين'' یا ''ألف الله بينكما ورزقكما ولداً ذكراً'' یا اس جیسے الفاظ۔

فتح الباری کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

وقال ابن المنيّر: الذى يظهر أنه اكره اللفظ لما فيه من موافقة الجاهلية لأنهم كانوا يقولونه تفاؤلاً لا دعاءً، فيظهر أنه لو قيل للمتزوج بصورة الدعاء لم يكره، كأن يقول: اللّٰهم الف بينهما وارزقهما بنين صالحين مثلاً، او الّف الله بينكما ورزقكما ولداً ذكراً ونحو ذلك (فتح الباری ۹ /۲۲۲)

لیجئے علامہ ابن المنیّر رحمۃ اللہ علیہ تو صرف لڑکوں کی دعاء کو بھی جائز بتلا رہے ہیں، بلکہ

بعض ضعیف روایتوں میں خود نبی کریم ﷺ سے بھی بارك الله الخ والے کلمات کے علاوہ دیگر کلمات سے دعاء دینا منقول ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں: كحديث معاذ بن جبل أنه شهد املاك رجل من الأنصار فخطب رسول الله ﷺ وأنكح الأنصاری و قال على الألفة وا لخير والبركة وا لطير الميمون والسعة فى الرزق الحديث أخرجه الطبرانى فى الكبير بسند ضعيف (فتح البارى ٩ /٢٢٢)

یعنی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک انصاری صحابی کے نکاح میں شریک ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے خطبہ پڑھا اور انصاری کا نکاح پڑھایا اور یہ دعاء پڑھی على الألفة والخير والبركة والطير الميمون والسعة فى الرزق یعنی اللہ تعالیٰ دونوں کے درمیان محبت پیدا فرمائے خیر و برکت عطا فرمائے اور عمدہ نصیبہ سے نوازے اور روزی میں برکت دے۔ اور جمہور علماء (محدثین وفقہاء) کا فضائلِ اعمال میں حدیث ضعیف پر عمل کرنے پر اتفاق ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الاربعین میں فرماتے ہیں: قد اتفق العلماء على جواز العمل بالحديث الضعيف فى فضائل الاعمال . (الأربعين: ٣٢منقول ازال تحفة المطلوبه:٦١)

اور علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ ہی اپنی مشہور کتاب الاذکار میں جواز ہی نہیں بلکہ استحباب کی تصریح فرماتے ہیں: قال العلماء من المحدثين والفقهاء وغيرهم يجوز ويستحب العمل فى الفضائل والترغيب والترهيب بالحديث الضعيف ما لم يكن موضوعاً (كتاب الأذكار: ٧)

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ حدیث ضعیف پر عمل کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے قول مختار ان الفاظ کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں: ثالثها هو الذى عليه الجمهور يعمل به فى الفضائل دون الأحكام الخ (القول البديع فى الصلاة على الحبيب الشفيع:٢٤٦)

ان ساری تفصیلات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بوقت نکاح حدیث پاک میں وارد دعاء کے علاوہ دوسری ایسی دعائیں جو موقع اور محل کے مناسب ہوں بڑھانے میں کوئی حرج نہیں؛ چناں چہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لاڈلی صاحبزادی ہیں ان کے نکاح کے موقع پر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کلمات دعاء کے استعمال فرمائے وہ ان مشہور کلمات کے علاوہ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عام طور پر نقل کیے جاتے ہیں۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا واقعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے تفصیل سے نقل فرمایا ہے اور اخیر میں نکاح ہو چکنے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسبِ ذیل دعائیہ کلمات نقل فرمائے ہیں: جمع الله شملكما وأسعد جدكما وبارك عليكما وأخرج منكما كثيراً طيباً (مرقاة شرح مشكوٰة ١١ /٣٥٠) حضرت نواب قطب الدین صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مظاہرِ حق شرح مشکوٰۃ میں یہ روایت نقل فرمائی ہے ملاحظہ ہو: تتمۂ مظاہر حق: ۴/ ۱۲۸۔

چناں چہ ہمارے اکابر رحمہم اللہ جن کی ساری زندگیاں سنتِ مطہرہ کی ترویج واشاعت اور بدعات اور رسم ورواج کے قلع قمع میں گزریں، ان کا عمل بھی اسی بات کی تائید کرتا ہے، میں نے خود حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ اور سابق مفتیٔ گجرات

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات اکابر کو حدیث پاک میں وارد الفاظِ دعاء کے ساتھ دیگر دعائیہ کلمات کا اضافہ کرتے ہوئے سنا اور دیکھا ہے؛ حالاں کہ ان میں سے بعض حضرات وہ ہیں جو بدعات اور رسم ورواج کے معاملہ میں بڑے متشدد رہے ہیں ان کا عمل بطورِ نمونہ اس لیے نہیں پیش کیا جارہا ہے کہ اس کو حجتِ شرعیہ قرار دیا جارہا ہے؛ اس لیے کہ اہلِ اصول کی تصریح کے مطابق حجج شرعیہ تو چار ہی ہیں البتہ ان حضرات اکابر کا عمل سنت کی تشریح اور توضیح بن سکتا ہے۔

تنبیہ: ① کسی موقع پر کوئی حکمِ شرعی عام انداز میں موجود ہو اور کوئی شخص اصولی طور پر اس کو بنیاد بنا کر اس پر عمل کرے بلکہ اس کی سنیت کا قائل ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے، نماز عید یا خطبہ کے بعد دعاء کے سلسلہ میں پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ''واقعی بعد نماز عید یا خطبہ دعا مانگنا بالخصوص منقول تو نہیں دیکھا گیا اور دعوتھم سے استدلال ناتمام ہے۔۔۔۔۔۔۔۔لیکن بالخصوص منقول نہ ہونے سے حکم ابتداع کا بھی مشکل ہے کیوں کہ عموماتِ نصوص سے فضیلتِ دعاء بعد الصلاۃ کی ثابت ہے پس اس عموم میں اس کے داخل ہونے کی گنجائش ہے اور اگر کوئی شخص بالخصوص منقول نہ ہونے کے سبب اس کو ترک کرے اس پر بھی ملامت نہیں۔

(امداد الفتاوی ۱ / ۶۰۳، ۶۰۴)

اس کے بعد ایک اور سوال جواب امداد الفتاوی میں حسبِ ذیل ہے اس کو بھی ملاحظہ فرمالیں:

سوال: بعد نمازِ عیدین کے یا بعد خطبہ کے دعا مانگنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تبعِ تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں، اور اگر ان حضرات نے کبھی دعاء مانگی ہوتی تو ضرور

نقل کی جاتی لہٰذا بغرض اتباع دعا نہ مانگنا دعا مانگنے سے بہتر ہے۔ انتہی۔ ھکذا فی بہشتی گوہر۔
اور الرشید جمادی الأولی: ۳۱۔ ۱۳۳۴ھ تحت فتاوی دار العلوم دیوبند میں لکھا ہے۔ اور دعا مانگنا بعد نماز عیدین کے مثل تمام نمازوں کے مستحب ہے، لعموم الأدلة انتهى، ما التوفيق فيما بينهما؟

الجواب: اول میں نفی نقل جزئی کی ہے، ثانی میں اثبات کلی سے ہے، فلا تعارض۔ لیکن راجح میرے خیال میں ثانی معلوم ہوتا ہے: وهو المعمول لی وإن كنت نقلت الاول من علم الفقه والامر واسع و لعل موافقة الجمهور اولى (ترجيح رابع: ۸۱) (امداد الفتاوی ۱/ ۶۰۴)

دیکھئے نماز عید کے بعد کی دعاء کے سلسلہ میں کوئی صریح نقل نبی کریم ﷺ اور صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم سے نہ ہونے کے باوجود ہمارے اکابر اس دعاء کو سنت تحریر فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: (کفایت المفتی ۳/ ۳۰۶، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۳۔ امداد الاحکام ۱/ ۶۵۱، ۶۵۴۔ فتاوی دار العلوم ۵/ ۲۰۲، ۲۱۳، ۲۲۵، ۲۳۱۔ فتاوی محمودیہ قدیم ۷/ ۲۱۸، ۲/ ۲۶۱، ۲۹۵، ۳۰۷، ۳۱۱، ۱۶/ ۵۴۰۔ خیر الفتاوی ۳/ ۱۲۷، ۱۲۸۔ آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲/ ۴۱۷۔ امداد الفتاوی ۱/ ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۷۔ احسن الفتاوی ۴/ ۱۱۵۔ فتاوی سنگرہ (گجراتی) ۳/ ۱۰۳، ۱۰۴۔ امداد المفتیین ۴۰۸۔ عزیز الفتاوی ۳۰۱، ۳۰۷۔ فتاوی رحیمیہ ۳/ ۷۵۔ ۸/ ۱۰۵)

نیز فرض نمازوں کے بعد مطلقاً دعاء ثابت ہے؛ اس لیے اس کو تمام ہی حضرات سنت یا مستحب قرار دیتے ہیں، اور اس وقت جن کلمات سے دعاء مانگی جاتی ہے ان میں صرف انہی کلمات کو جو بالخصوص نبی کریم ﷺ سے اس موقع پر منقول ہیں ضروری قرار نہیں دیا جاتا

بلکہ ان کے علاوہ دیگر ماٴثور دعاؤں کے مانگنے کو بھی سنت ہی سمجھا جاتا ہے، جو صاحب نکاح کے بعد دوسری دعا مانگنے کو بدعت اور گمراہی قرار دے رہے ہیں ان کو چاہیے کہ سنت اور بدعت کے موضوع پر جو کلام ہمارے اکابر نے کیا ہے اس کو بغور پڑھ لیں۔

تنبیہ: (۲) سنت و بدعت کی حقیقت اور اس کی تعریف وغیرہ کے سلسلہ میں جو تفصیلی کلام علمائے کرام نے کیا ہے اس کو بھی اس موقع پر پیشِ نظر رکھنے کی ضرورت ہے اس سلسلہ میں فتاوی محمودیہ کی ایک عبارت اور اس کے بعد براہینِ قاطعہ سے ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

فتاوی محمودیہ میں ہے ''اس باب (بدعت) میں طریقۂ محمدیہ اور اس کی شروح ''الحديقة الندية والدرر البريقة'' اور ''المدخل'' اور ''الإعتصام'' مبسوط کتابیں ہیں جن میں بدعات پر تفصیلی بحث کی ہے اور بدعات پر کافی رد کیا ہے، اور محققانہ دلائل پیش کیے ہیں؛ نیز اردو میں براہینِ قاطعہ لاجواب ہے جس میں بدعات کا قلع قمع کیا ہے اور ایسے زریں اصول وضوابط بیان کیے ہیں کہ جن پر امورِ محدثہ کو بسہولت منطبق کیا جاسکتا ہے کہ یہ بدعات محرمہ ضالہ کی حدود میں داخل ہیں یا نہیں؟ اور اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے کو بدعتِ حسنہ وسیئہ کے امتیاز میں بڑی بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ (فتاوی محمودیہ کراچی ۳/۳۱)

براہینِ قاطعہ میں ہے ''اقول مؤلف اپنی خوبیٔ فہم سے بلکہ اپنے اسلام ہم مشرب کی تقلید سے معنی موجود ہونے کے قرونِ ثلاثہ میں اور نہ موجود ہونے کے یہ سمجھ رہا ہے کہ اگر قرونِ ثلاثہ میں یہ جزئی خاص حادث ہو کر وجودِ خارجی میں آجاوے، خواہ دلیل اس کے جواز کی ان قرون میں موجود ہو یا نہ ہو، اور خواہ اس پر کسی نے ان قرون میں انکار کیا ہو یا نہ کیا ہو، اور خواہ وہ امر ان قرون میں شائع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو تو وہ سنت ہے،

اور اگر اس جزئی خاص نے ان قرون میں وجودِ خارجی نہیں پایا اگرچہ جنس اس کی ان قرون میں موجود غیر منکر ہو یا دلیل جواز کی موجود ہو وہ بدعتِ سیئہ ہے فقط، مگر یہ فہم بالکل غلط فاحش اور محض کورِ علمی ہے، اور مؤلف کی فقط اس ہی کج فہمی پر تمام اس رسالہ کی بنا ہے اور اس ہی کوتاہ فہمی سے تمام مغالطات وقبائح کا مرتکب ہوا ہے مگر ہرگز ہرگز یہ معنی نہیں بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو شئی بوجودِ شرعی قرونِ ثلاثہ میں موجود ہو وہ سنت ہے، اور جو بوجودِ شرعی نہ موجود ہو وہ بدعت ہے۔ اب سنو کہ وجودِ شرعی اصطلاحِ اصولِ فقہ میں اس کو کہتے ہیں کہ بدونِ شارع کے بتلانے کے اور فرمانے کے معلوم نہ ہو سکے اور حس اور عقل کو اس میں دخل نہ ہو، پس اس شئی کا وجود شارع کے ارشاد پر موقوف ہوا خواہ صراحۃً ارشاد ہو یا اشارۃً ودلالۃً، پس جب کسی نوعِ ارشاد سے حکم جواز کا ہو گیا تو وہ شئی وجودِ شرعی میں آ گئی اگرچہ اس کی جنس بھی خارج میں نہ آئی ہو۔

اور معلوم رہے کہ سب احکامِ شرعیہ موجود بوجودِ شرعیہ ہی ہیں کیوں کہ حکم حلت اور حرمت کا بدونِ شارع کے ارشاد کے معلوم نہیں ہو سکتا پس جس کے جواز کا حکم کلیۃً ہو گیا وہ بجمیع جزئیات شرع میں موجود ہو گیا اور جس کے عدمِ جواز کا حکم ہو گیا تو شرع میں اس کا عدم ثابت ہو گیا اور وجود اس کا مرتفع ہو گیا، پس یہ حاصل ہوا کہ جس کے جواز کی دلیل قرونِ ثلاثہ میں ہو خواہ وہ جزئیہ بوجودِ خارجی ان قرون میں ہوا یا نہ ہوا اور خواہ اس کی جنس کا وجود خارج میں ہوا یا نہ ہوا ہو وہ سب سنت ہے، اور وہ بوجودِ شرعی ان قرون میں موجود ہے۔ اور جس کے جواز کی دلیل نہیں تو خواہ ان قرون میں بوجودِ خارجی ہوا یا نہ ہوا وہ سب بدعتِ ضلالہ ہے۔

اور یہ بھی سنو کہ اس زمانہ کا شیوع بلا نکیر دلیل جواز کی ہے، اور نکیر ہونا اس پر دلیل

عدمِ جواز کی ہے، علی ہذا اس کی جنس پر نکیر ہونا دلیل اس کے عدمِ جواز کی، اور قبول کرنا جنس کا دلیل اس کے جواز کی ہوتی ہے اور یہ بھی یاد رہے کہ حکم کا اثبات قرآن وحدیث سے ہی ہوتا ہے اور قیاس مظہر حکم کا ہے مثبت حکم کا نہیں ہوتا، پس جو قیاس سے ثابت ہوتا ہے وہ بھی کتاب وسنت ہی سے ثابت ہوتا ہے اس قاعدہ کو خوب غور کرنا اور سمجھ لینا ضرور ہے۔ (براہینِ قاطعہ ۲۸، ۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ

محرم کی بدعات کے لیے ورگنی (چندہ) دینا

سوال: ہر گاؤں میں مذہب کی ایک جماعت رہتی ہے اور رہنا ضروری ہے، اور ہر کسی کو جماعت کے ساتھ رہنا چاہیے، بات یہ ہے کہ جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے گاؤں میں محرم نکالنے کے واسطے ہر گھر سے ورگنی یعنی پیسے نکال کر تعزیہ نکالا جاتا ہے اور محرم کھیلا بھی جاتا ہے، اس لیے یہ ورگنی دینا اچھا ہے یا نہیں؟ اور اگر اچھا نہیں ہے تو کیوں؟ دراصل ہم پندرہ سال سے محرم میں شامل نہیں ہے؟ صرف جماعت کو برابر ورگنی دیتے ہیں اور محرم کی مجالس پڑھنے جاتے ہیں، صرف جماعت کے برابر رہنے کے لیے ورگنی دینا پڑ رہا ہے، اس میں کچھ گناہ تو نہیں؟ وہ معلوم کرنا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تعزیہ سازی کا ناجائز ہونا، اور اس کا خلافِ دین وایمان ہونا اظہر من الشمس ہے، ادنیٰ درجہ کے مسلمان کے لیے بھی دلیل پیش کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ﴾ کیا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہو جس کو خود ہی

نے تراشا اور بنایا ہے؟ ظاہر ہے کہ تعزیہ انسان اپنے ہاتھ سے بانس کو تراش کر بناتا ہے اور پھر منت مانی جاتی ہے اور اس سے مرادیں مانگی جاتی ہیں، اس کے سامنے اولاد و صحت کی دعائیں کی جاتی ہیں، سجدہ کیا جاتا ہے، اس کی زیارت کو زیارت امام حسین رضی اللہ عنہ سمجھا جاتا ہے، کیا یہ سب باتیں روحِ ایمان اور تعلیمِ اسلام کے خلاف نہیں ہیں؟

علامہ حیات سندھی ثم المدنی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۱۶۳ھ) فرماتے ہیں کہ: رافضیوں کی برائی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگ امام حسین رضی اللہ عنہ کی قبر کی تصویر بناتے ہیں، اور اس کو مزین کر کے گلی کوچوں میں لے کر گشت کرتے ہیں اور یا حسین! یا حسین! پکارتے ہیں اور فضول خرچ کرتے ہیں، یہ تمام باتیں بدعت اور ناجائز ہیں۔ (الرقضه في ظهر الرفضة)

حضرت شاہ سید احمد صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (از جملہ بدعاتِ رفضہ کہ در دیارِ ہندوستان اشتہار تمام یافتہ، ماتم داری، وتعزیہ سازی ست در ماہِ محرم بزعم محبت حسین رضی اللہ عنہ ..... این بدعات چند چیز ست: اول ساختن نقل قبور، ومقبرہ وعلم وسدہ وغیرہا وایں معنی بالبداہت از قبیل بت سازی وبت پرستی ست۔ (صراط مستقیم ۵۹) (فتاویٰ رحیمیہ ۲/۲۷۵)

یعنی ماہ محرم میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی محبت کے گمان میں ماتم اور تعزیہ سازی بھی روافض کی ان بدعات میں سے ہے، جو ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہیں، ان بدعتوں کی چند قسمیں ہیں: سب سے پہلے قبر ومقبرہ کی نقل، علم وسدہ وغیرہ کہ یہ کھلے طور پر بت سازی اور بت پرستی کی قسم میں سے ہیں۔

حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وإياه! ثم إياه! أن يشتغل ببدع الرافضة ونحوهم: من الندب، والنياحة، والحزن، إذ ليس ذلك من أخلاق المومنين؛ وإلا لكان يوم وفاتها أولى بذلك وأحرىٰ (صواعق محرقه ۱۱۲) یعنی خبردار! خبردار!

یومِ عاشوراء کو روافض کی بدعات میں ہرگز مشغول نہ ہونا، جیسا کہ مرثیہ خوانی، رونا چلانا اور ماتم کرنا یہ سب امور مسلمانوں کے نہیں، اور اگر ان کا کچھ بھی تعلق اسلام سے ہوتا، تو آں حضرت ﷺ کی وفات کا دن اس ماتم سرائی کے لیے زیادہ مستحق تھا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/۳۴۲)

جناب مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ اس سلسلہ میں ملاحظہ فرمائیے: علم تعزیہ، بیرک مہندی جس طرح رائج ہے، بدعت ہے اور بدعت سے شوکتِ اسلام نہیں ہوتی، تعزیہ کو حاجت روا یعنی ذریعۂ حاجت روائی سمجھنا جہالت ہے، اور اس سے منت ماننا اور حماقت! اور نہ کرنے والے کو باعث نقصان خیال کرنا زنانہ وہم، مسلمانوں کو ایسی حرکت سے باز آنا چاہیے۔ (رسالہ محرم وتعزیہ داری ۵۹) (فتاویٰ رحیمیہ ۲/۳۴۳)

مولوی حکیم محمد حشمت صاحب بریلوی کا فتویٰ: تعزیہ داری جس طرح رائج ہے، متعدد معاصی (نافرمانی) ومنکرات یعنی خلاف شرع باتوں کا مجموعہ اور گناہ وناجائز وبدعتِ شنیعہ وباعثِ عذابِ الٰہی طریقۂ روافض ہے، اسے جائز نہیں کہے گا مگر بے علم، احکام شرع سے ناواقف۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: كل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار۔ دوسری حدیث میں ہے: شر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة كذا في المشكوٰة پس تعزیہ کا بنانے والا، رکھنے والا، اس میں دامے درمے قدمے مدد کرنے والا، اس پر شیرینی چڑھانے والا، فاتحہ دینے والا، سب گنہ گار، مستحقِ عذابِ نار کے، یہ سب باتیں بدعت واعانت علی المعصیت ہیں اور وہ حرام، سخت عذاب کا باعث اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ مسلمانوں کو چاہیے کہ اس بدعتِ شنیعہ سے بموجبِ حدیث "إياكم ومحدثات الأمور" بچیں اور دور رہیں، اور کسی بھی طرح اس میں شرکت نہ کریں۔ (مجمع المسائل ۱/۱۹۹)

(منقول از فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۳۴۴، ۳۴۵)

اس لیے آپ کا محرم کی بدعات کے لیے ورگنی یعنی چندہ دینا ناجائز اور حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مروجہ مجالس میلاد

سوال: نبی کریم ﷺ کی ولادتِ باسعادت کے روز محفلِ میلاد منانا، اور اسے عید میلاد النبی ﷺ کا نام دے کر ایسے اجتماعات پر لوگوں سے چندہ لینا اور لوگوں کو ایسے اجتماعات پر پیسے خرچ کرنے کی ترغیب دینا اسلام میں کیا حکم رکھتا ہے؟

کیا اصحابِ خیر القرون نے کوئی ایسا اجتماع کیا، یا نبی ﷺ نے اس پر کوئی فضیلت بیان فرمائی، یا آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہ اللہ علیہم وتبعِ تابعین رحمہ اللہ علیہم میں کسی عالم یا بزرگ کا کوئی قول اس کا شاہد ہے؟ اور کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا تھا کہ: جو کوئی عید میلاد النبی ﷺ کے خاطر ایک درہم بھی خرچ کرے گا وہ میرے قریب ہوگا، اس طرح کا کوئی فرمان آپ رضی اللہ عنہ سے وارد ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ مروجہ مجلس میلاد نہ قرآن کریم سے ثابت ہے، نہ حدیث شریف سے ثابت ہے، نہ خلفائے راشدین ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے، نہ تابعین رحمہ اللہ علیہم، نہ محدثین (امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ وغیرہم رحمہ اللہ علیہم) سے ثابت ہے، نہ ائمۂ مجتہدین (امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرھم رحمہ اللہ علیہم) سے ثابت ہے، نہ اولیائے کاملین (حضرت عبدالقادر جیلانی، خواجہ معین الدین

چشتی اجمیری، خواجہ بہاؤالدین نقشبندی، شیخ عارف شہاب الدین سہروردی وغیرھم رحمۃ اللہ علیہم) سے ثابت ہے۔ چھ صدی اس امت پر اس طرح بیت گئیں کہ اس مجلس کا کہیں وجود نہیں تھا، سب سے پہلے بادشاہ اربل نے شاہانہ انتظام سے اس کو منعقد کیا، اور اس پر بہت روپیہ خرچ کیا، پھر اس کی حرص اور اتباع میں وزراء، امراء نے اپنے اپنے انتظام سے مجالس منعقد کیں، تفصیل تاریخ ابن خلکان میں ہے، اسی وقت سے علمائے حق نے اس کی تردید بھی لکھی ہے؛ چناں چہ "المدخل" میں علامہ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ نے بتیس صفحات میں اس کے قبائح ومفاسد دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں لکھے ہیں۔ ۷۳۰ھ میں اس کی تصنیف سے فراغت ہوئی، پھر جہاں جہاں یہ مجلس پہنچتی گئی، وہاں کے علماء تردید فرماتے گئے؛ چناں چہ عربی، فارسی، اردو؛ ہر زبان میں اس کی تردید موجود ہے، اور آج تک تردید کی جارہی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/۱۷۹)

ایسی مجلس کے لیے رقم خرچ کرنے کے واسطے لوگوں کو ترغیب دینا ناجائز ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مروجہ مجالسِ میلاد اور نیاز میں چندہ دینے کا حکم

سوال: اسی طرح دونوں عید کے دن نیاز کے لیے پیسے نکالے جاتے ہیں، اور رات میں مولود، یا گیارھویں پڑھی جاتی ہے، اس لیے یہ بھی نیاز کے پیسے دینا گناہ ہے یا نہیں؟ کیوں کہ قرآن شریف کے دوسرے پارے کے اندر ۱۷۳ نمبر کی آیت کی وجہ سے یہ

سب کچھ پوچھنا پڑ رہا ہے، جماعت کے ساتھ گیارھویں اور مولود اور مجالس پڑھنے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ یہ برابر تفصیل سے معلوم کرنا ہے، جس طرح آپ نے عورتوں کی جماعت کے بارے میں تفصیل وار معلومات دیے تھے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مروجہ مجالس میلاد نہ قرآن کریم سے ثابت ہے، نہ حدیث شریف سے ثابت ہے، نہ خلفائے راشدین ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے، نہ تابعین رحمۃ اللہ علیہم، نہ محدثین (امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ وغیرہ رحمہم اللہ) سے ثابت ہے، نہ ائمۂ مجتہدین (امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرہ رحمہم اللہ) سے ثابت ہے، نہ اولیائے کاملین (حضرت عبدالقادر جیلانی، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، خواجہ بہاؤالدین نقشبندی، شیخ عارف شہاب الدین سہروردی وغیرہ رحمہم اللہ) سے ثابت ہے۔ چھ صدی اس امت پر اس طرح بیت گئی کہ اس مجلس کا کہیں وجود نہیں تھا، سب سے پہلے بادشاہ اربل نے شاہانہ انتظام سے اس کو منعقد کیا اور اس پر بہت روپیہ خرچ کیا، پھر اس کی حرص اور اتباع میں وزراء، امراء نے اپنے اپنے انتظام سے مجالس منعقد کیں، تفصیل تاریخ ابن خلکان میں ہے، اسی وقت سے علمائے حق نے اس کی تردید بھی لکھی ہے؛ چناں چہ کتاب "المدخل" میں علامہ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ نے بتیس صفحات میں اس کے قبائح ومفاسد دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں لکھے ہیں۔ ۷۳۷ھ میں اس کی تصنیف سے فراغت ہوئی، پھر جہاں جہاں یہ مجلس پہنچتی گئی، وہاں کے علماء تردید فرماتے گئے؛ چناں چہ عربی، فارسی، اردو؛ ہر زبان میں اس کی تردید موجود ہے، اور آج تک تردید کی جارہی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/۱۷۹)

''بخاری شریف'' میں حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ صحابیٔ رسول حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، تو انھوں نے فرمایا کہ میں تم کو ایک ہدیہ پیش نہ کروں، جو میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، تو میں نے عرض کیا، کیوں نہیں؟ ضرور ہدیہ پیش کیجئے، تو انھوں نے فرمایا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرتے ہوئے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول! آپ اہلِ بیت پر صلوٰۃ (درود) کا کیا طریقہ ہے؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو ہمیں بتلادیا ہے، یعنی تشہد میں، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس طرح کہو: اللّٰھم صل علی محمد کما صلیت علی إبراھیم وعلی آل إبراھیم إنك حمید مجید۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو سلام علی الرسول کا طریقہ معلوم تھا، یعنی التحیات الخ مگر درود کا طریقہ معلوم نہیں تھا، سو انھوں نے دریافت کیا اور ''قولوا'' (کہو) سے بیان کیا گیا ہے۔

یہ مقام ہے تعلیم کا، پس جس طرح تعلیم دیا گیا اس میں اور مروجہ سلام پڑھنے میں کوئی تعلق نہیں، اگر یہی مروجہ طریقہ سلام وصلوٰۃ کا ہوتا، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح پر تعلیم دیتے۔ معلوم ہوا کہ مروجہ طریقہ من گھڑت ہے اور من گھڑت چیزوں کو دین سمجھنا اور ثواب کی امید رکھنا بدعت ہے، اس مروجہ طریقہ کا ثبوت نہ تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہ اور نہ تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہ اور نہ بزرگانِ سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہ سے پایا جاتا ہے:

مپندار سعدی کہ راہ صفا		تواں یافت جز در پئے مصطفی

مسجد میں جمع ہوکر صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بدعتی قرار دیا ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۶۳)

غیر اللہ کے نام کی نذر ونیاز حرام وناجائز ہے، اس لیے کہ اس میں مخلوق کے لیے

نذر ماننا ہے؛ حالاں کہ نذر عبادت ہے جو خالق کے ساتھ مخصوص ہے۔

اعلم أن النذر الذي يقع للاموات من أكثر العوام، ومايؤخذ من الدراهم والشمع والزيت ونحوها إلى ضرائح الأولياء الكرام تقربًا إليهم فهوبالا جماع باطل وحرام اھ(درمختار) قوله باطل وحرام لوجوه: منها أنه نذر لمخلوق ولا يجوز، لأنه عبادة، والعبادة لاتكون لمخلوق.(طحطاوي على الدر) (از فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۲۱۴)

نیاز کے نام سے آپ سے جو رقم طلب کی جاتی ہے، وہ آپ نہ دیں اور ان کی بدعات ورسوم میں ہرگز ہرگز کسی بھی طرح کی شرکت نہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ ذوالقعدہ ۱۴۰۹ھ

میلاد النبی کا جلوس

سوال: بارہ ربیع الاول کو سیرت النبی کے سلسلے میں جلوس نکالنا جس میں ہاتھی گھوڑے گاڑیاں اور دوسرے لوازمات ہوتے ہیں نیز نعرۂ تکبیر اور نعت رسول کہتے ہوئے چلنا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ مروجہ جلوس نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث شریف سے نہ خلفائے راشدین اور دیگر صحابۂ کرام سے ثابت ہے نہ تابعین وائمہ مجتہدین (امام اعظم ابوحنیفہ امام شافعی امام مالک امام احمد وغیرہم) سے ثابت ہے نہ محدثین (امام بخاری امام مسلم امام ترمذی امام ابوداود وغیرہم) سے ثابت ہے نہ اولیائے کاملین (حضرت عبدالقادر جیلانی خواجہ

معین الدین چشتی خواجہ بہاؤ الدین شیخ عارف شہاب الدین سہروردی وغیرہم) سے ثابت ہے پونے چودہ سوصدیاں امت پر اس طرح بیت گئیں کہ اس جلوس کا کہیں وجود نہیں تھا پچھلے چند سالوں سے کچھ سیاسی اور نیم سیاسی لوگوں نے یہ سلسلہ شروع کیا اہل حق علماء اس وقت سے اس کو منع فرمارہے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اُملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بدعت سے بچنے پر مالی جرمانہ

سوال: آپ نے جو محرم کے متعلق فتویٰ دیا تھا، اس کے مطابق ہم چند لوگوں نے یعنی چار گھر کے لوگوں نے قدم اٹھائے ہیں؛ مگر ہمارے گاؤں کی جماعت نے ہمارے چاروں گھر کا بائیکاٹ کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ جماعت کے برابر سب کچھ دینا ہوگا، ہم نے کہا کہ محرم کے لیے چندہ اور نیاز کے پیسے نہیں دیں گے، اور گیارھویں، مولود وغیرہ کو نہیں آئیں گے، صرف جماعت کا کچھ فیصلہ ہوگا اس میں آئیں گے، تو وہ لوگ قبول نہیں کرتے ہیں، ہم نے کہا کہ یہ قرآن شریف بتاتا ہے کہ نذر و نیاز اللہ کے سوا غیر اللہ پر حرام ہے، تو کہنے لگے کہ کونسا قرآن؟ کہاں کا قرآن؟ کدھر سے لایا قرآن؟ تو ہم نے جواب دیا کہ مسجد سے کوئی بھی قرآن اٹھالاؤ، اس میں بتاتا ہوں، اور اب وہ لوگ منہ دیکھتے بیٹھ گئے؛ کیوں کہ وہ سب لوگ ایک ہیں، پھر آخر کار یہ معاملہ پولس اسٹیشن پر گیا، وہاں پر یہ ہوا کہ جس کو نذر و نیاز نہیں دینا ہے وہ خوشی سے مسجد کو پندرہ روپئے ہر مہینہ دے دو۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سال میں محرم کا چندہ اور نیاز کے پیسے سب مل کر دس بارہ روپئے ہوں گے؛ مگر یہ مسجد کو ہر مہینہ کے حساب سے ۱۸۰/ روپیہ ہوں گے،

مگر یہ ایک طرح کا سلسلہ ہو گیا، اور جو کوئی غریب شرک و بدعت کے بارے میں قدم اٹھانے والا ہوگا وہ قدم نہیں اٹھائے گا؛ کیوں کہ اس کو ہر مہینہ پندرہ روپئے مسجد کے نام سے دینا ہوگا، یہ ایک اس طرح کا قانون بن جائے گا، کہ جس کو نذر و نیاز نہیں دینا ہے اس کو ہر مہینہ پندرہ روپئے دینا ہے، یہ ایک میرے خیال سے زبردستی کی بات ہوگئی، اس لیے یہ اس طرح سے مسجد کو پیسے دینے سے ثواب ملے گا یا نہیں؟ وہ معلوم کرنا ہے۔

دوسری بات اپنے لیے جو کوئی قدم اٹھانے والا ہے وہ قدم نہیں اٹھائے گا، اس کا گناہ شاید مجھے لگتا ہے کہ اپنے سر ہوگا، اس لیے اس کا خلاصہ دیں گے ایسی مجھے امید ہے۔

اس طرح سے پیسے دینے سے ثواب ملے گا یا نہیں؟ وہ معلوم کرنا۔

قرآن کو ٹھکرانے والا، اور اس کے الفاظ کو سننے والے کے لیے کیا تنبیہ ہے وہ لکھنا۔

یہاں پر نوکری کے لیے آئے ہیں، اور موقع ملا ہے تو حج کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیوں کہ سر پر دوسرے کا قرض ہے؛ مگر وہ دینے کی امید رکھتے ہیں، اس لیے حج کے لیے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعت مطہرہ میں کسی جرم پر مالی تاوان یا مالی سزا مقرر کرنا درست نہیں ہے۔

قوله لا بأخذ مال في المذهب، قال في الفتح: وعن ابي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقي الائمة لا يجوز، ومثله في المعراج (شامی ۳ /۱۹۵)

یہ حکم تو اس وقت ہے جبکہ کسی نے واقعۃً جرم کیا ہو، اور اگر اس آدمی نے کوئی جرم نہیں کیا؛ بلکہ اپنے آپ کو شرک و بدعت سے بچایا تو اس کا یہ کام تو قابل تعریف ہے،

ضروری ہے کہ آدمی شرک وبدعت سے بچے، بھلا اس پر بھی کوئی سزا یا مالی تاوان مقرر کیا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں، جو لوگ ایسا کرتے ہیں صریح ظلم ہے۔

حدیث پاک میں نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ألا لا تظلموا! ألا لا يحل مال امرئٍ إلا بطيب نفس منه (مشکوٰۃ: ۲۵۵) خبردار! ظلم مت کرو، سنو کسی آدمی کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر درست نہیں ہے، جائز اور حلال نہیں ہے۔

اس لیے جو لوگ محرم کی نذر ونیاز میں حصہ نہیں لیتے ان پر ہر مہینہ مسجد میں پندرہ روپیہ دینا ضروری ٹھہرانا وہ جائز نہیں ہے، مسجد میں اپنی رضامندی اور خوشی سے دے گا تو اس کو ثواب ملے گا، اس میں زبردستی کرنا درست اور جائز نہیں ہے۔ جہالت اور نادانی کی وجہ سے بدعات کرتے ہیں، اور جو لوگ ان بدعات کے خلاف قرآن وحدیث سے دلیل پیش کرتے ہیں، ان کو یہ کہتے ہیں کہ کہاں کا قرآن؟ وغیرہ یہ بڑی جرأت اور دیدہ دلیری کی بات ہے، اور ایمان کے لیے مہلک اور خطرناک ثابت ہوسکتی ہے، ضروری ہے کہ اپنی ان حرکتوں سے توبہ اور استغفار کریں۔

اگر آپ کو اپنے قرض کے ادا ہونے کا یقین ہے تو اس کی ادائیگی سے پہلے حج کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شادی میں سہرا باندھنا

سوال: شادی کے وقت ایک رسم ہے کہ دولھا کو سہرا باندھا جاتا ہے، یہ سفید کوڑیاں کی الگ الگ تاریں ہوتی ہیں، وہ دولھا اپنے سر پر باندھتا ہے، اور تاریں منہ پر آجاتی ہیں،

ایک طرح کی زینت ہے پھول وغیرہ کی طرح؛ مگر رسماً کیا جاتا ہے، کوئی کرنے اور نہ کرنے سے ثواب یا گناہ نہیں جانتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سہراچوں کہ کافروں کی رسم ہے، اس لیے خلاف شرع ہے۔ (بہشتی زیور ۶/۲۵) "من تشبه بقوم فهو منهم" حدیث میں وارد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مرد کے لیے مہندی لگانا

سوال: شادی کے وقت ہاتھ پاؤں میں مہندی لگائی جاتی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مرد کے لیے ہاتھ پاؤں پر مہندی لگانا جائز نہیں ہے، عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے، اور ایسے مردوں پر جو عورتوں سے مشابہت اختیار کریں حدیث میں لعنت آئی ہے۔ (مشکوۃ ص: ۳۸۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

دولہا کو اونٹ پر بٹھانے کی رسم

سوال: شادی کے وقت اونٹ دوڑائے جاتے ہیں دولھا کو بیٹھا کر، تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ بھی ایک رسم ہے، جس کی کوئی اصل نہیں۔ (کفایت المفتی ۹/۶۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

پیٹھی لگانا

سوال: اور دولھا کو دوست احباب پیٹھی کرتے ہیں، وہ ہمارے راجستھان میں چند چیزیں: تیل اور سفید مٹی اور ہلدی وغیرہ ملا کر دولھا کو بدن پر ملتے ہیں، جس سے میل دور ہو جاتا ہے، اور بعد میں صابن لگا کر نہلاتے ہیں، یہ رسماً کیا جاتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ بھی رسم ہے۔ (اصلاح الرسوم ص: ۵۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

شادی میں روپیہ لینے دینے کی رسم (نیوتہ)

سوال: شادی میں کھانے کے بعد جو لوگ جو شادی میں آتے ہیں وہ لوگ دولھا کو روپے دیتے ہیں، اسے باقاعدہ لکھتے ہیں، اور بعد میں جب کبھی روپے دینے والوں کے یہاں شادی ہوتی ہے تو وہ اپنی چوپڑی میں دیکھ کر جاتا ہے، اور روپے دے کر آتا ہے، اتنے یا کم وبیش دیتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر یہ بطریقِ اعانت کے ہو اور ریاکاری نام وغیرہ کچھ نہ ہو تو شرعاً درست؛ بلکہ مستحسن ہے، مگر طریقۂ مروجہ کی حیثیت بجز رسم ورواج کے کچھ نہیں، اور بسا اوقات برادری کے زور اور رسوائی کے خوف سے دیا جاتا ہے؛ بلکہ اگر پاس نہ ہو تو سودی قرض لے کر دیا جاتا ہے، اس لیے ناجائز ہے، اور بطورِ قرض دیا جاتا ہے جیسا کہ بعض جگہ رواج ہے، تو اس میں اور بھی مفاسد ہیں: لا یحل مال إمرأ مسلم إلا بطیب نفس منه رواه

البیهقي اھ مشکوۃ ۲۵۵ (فتاویٰ محمودیہ ۵ / ۹۲، ۹۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

بارات میں دولہے کے ہاتھ میں کنگنا اور کٹیار دینا

سوال: شادی کی بارات میں دولہے کے ہاتھ میں کنگنا، اور ہاتھ میں کٹیار دینا (یعنی دعوت طعام کے بعد کچھ رقمیں دعوتی شخص کو دینا لازم ہوتی ہیں) کیا یہ تمام جائز ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ سب ہندوانہ رسوم ہیں "من تشبه بقوم فهو منهم" (الحدیث) کی بنا پر ان کا ترک لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

لڑکی کے عوض پیسہ لینا

سوال: اپنی لڑکی کو دوسرے کے وہاں پیسے سے دینا، باقاعدہ باپ اپنی بیٹی کو دس ہزار یا بیس ہزار، مطلب کے قیمت کر کے دیتا ہے ایک طرح کا سودا ہوا کہ اپنی بیٹی کو بیچ کر کھاتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ جائز نہیں ہے۔ (شامی ۷ / ۱۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

شادی سے اگلے دن دولہا کے گھر دعوت

سوال: (۱) شادی سے اگلے دن دولہے کے گھر پر بڑی دعوت ہوتی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

''مانجھے بٹھانے'' کی رسم

سوال :(۲) شادی سے آٹھ دس دن پہلے دولہا دولہن کو گھر میں بٹھائے رکھتے ہیں، جس کو ''مانجھے بٹھانا'' کہتے ہیں، اور اس درمیان دولہا دولہن کے رشتہ داران کی دعوتیں کرتے ہیں، ان دعوتوں کا کیا حکم ہے؟ اور ان میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) شادی سے اگلے دن دولہا کے گھر پر دعوت کا مسنون نہ ہونا ظاہر ہے، اب اگر مسئولہ دعوت رسم ورواج کے طور پر ہوتی ہے تو اس کا ناجائز اور بدعت ہونا بھی ظاہر ہے، اور اس میں شرکت کی بھی اجازت نہیں، اور اگر باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کو کھلانے کے لیے نظم کیا گیا ہے، کوئی رسم پیشِ نظر نہیں تو اس کی اجازت ہے۔

(۲) یہ بھی رسم ورواج کے قبیل سے ہے اور ناجائز ہے، حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اصلاح الرسوم'' کی چھٹی فصل نمبر دو میں اس کی برائیاں تفصیل سے لکھی گئی ہیں، ملاحظہ فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

شادی کی رسوم، دعوت میں تحائف کا لین دین، ولیمہ، بارات وغیرہ کا شرعی حکم

سوال :(۱) ہمارے شہر میں مسلمانوں کی اکثر برادریوں میں آج کل یہ رسم عام ہوگئی ہے کہ نکاح کے اگلے روز لڑکے والوں کی طرف سے کم سے کم پانچ سو، سات سو آدمیوں کی دعوت کی جاتی ہے، پھر دوسرے یا تیسرے روز نکاح ہوتا ہے، نکاح کے بعد

بعض دیندار گھروں میں پچاس، سو اشخاص پر مشتمل ولیمہ کا کھانا کھلایا جاتا ہے، ورنہ اکثر جگہوں پر ولیمہ کا کھانا ہوتا ہی نہیں، نکاح کے اگلے روز رکھی گئی اس دعوت میں نقد تحائف بھی بہت وصول ہوتے ہیں، جس کو یہاں کی زبان میں چاندلا اور سوڈا وغیرہ کہتے ہیں۔ مدعو رشتہ دار اور دوست احباب کھانا کھانے کے بعد اپنے اپنے نام سے اپنی مرضی اور دیکھ دکھاؤ کے مطابق بیٹھے ہوئے ایک ذمہ دار کو رقم لکھواتے جاتے ہیں۔ عورتیں اپنی بعض عزیزوں کو ملبوسات کی قسم کے تحائف اور ہدیہ پیش کرتی ہیں، ایسی دعوتوں میں مساجد کے ائمہ حضرات کا اور علمائے شہر کا شریک ہونا کیسا ہے؟ جبکہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر ایسی دعوتوں میں قباحت ہوتی تو علماء حضرات کیوں شرکت فرماتے ہیں؟

(۲) دعوتِ ولیمہ کی شرعی حیثیت، نوعیت ضرورت کی وضاحت فرمادیں، نیز اس دعوت میں کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ کتنے آدمیوں کو مدعو کیا جائے؛ جبکہ صاحب خانہ امیر ہو یا غریب و نادار؟ اگر داعی امیر ہو اور دعوتِ ولیمہ میں امراء و رؤساء کے ساتھ ساتھ چند فی صد غرباء کو بھی مدعو کرلیا کریں تو کیا شرعاً کافی و معتبر سمجھا جائے گا؟

(۳) ہمارے شہر میں ایک یہ بھی رواج عام ہوگیا ہے کہ بیرونِ شہر و اندرونِ شہر سے پچاس، ساٹھ سو سے لے کر دو سو، ڈھائی سو آدمیوں کی (عورتوں اور مردوں کو شامل کرتے ہوئے) باراتیں آتی جاتی رہتی ہیں، اس کے لیے لگژری بس اور چھوٹی بڑی سواریوں کا انتظام کیا جاتا ہے، کبھی تو ایک ساتھ اور کبھی الگ الگ مردوں و عورتوں کی نشست ہوتی ہے، عورتیں پست آواز میں گیت بھی گایا کرتی ہیں، یہ رواج دیندار طبقہ میں بھی پھیل چکا ہے، جناب والا سے گزارش ہے کہ بارات کی شرعی حیثیت و نوعیت پر روشنی ڈالیں، کم سے کم کتنے باراتیوں کو لے جانے کی شرعاً گنجائش ہوگی؟ دوسری جگہ نکاح پڑھانے کے لیے

شہر میں سے بعض ائمہ حضرات کو یا علمائے کرام کو اگر ان باراتوں میں مدعو کیا جائے تو ان کے لیے کیا حکم ہے؟ اگر علمائے کرام کے جانے سے محض رسومات وخرافات میں کمی واقع ہوجاتی ہو تو کیا ان کے لیے شرعاً وسعت ہے؟

④ شہر میں ایک رسم یہ بھی رواج پذیر ہوگئی ہے کہ باراتیوں کے ساتھ مقامی وبیرونی رشتہ دار واعزہ کو لڑکی والے کھانا کھلاتے ہیں، پھر وہی نقد رقم یا مختلف قسم کے برتن لڑکی والوں کو بطور ہدیہ پیش کئے جاتے ہیں اب تحائف کو اس طور پر دینے میں لوگوں کا لڑکی کو دینا مقصود ہوتا ہے یا لڑکی کے والیوں کو بخشنا مقصود ہوتا ہے؟ اس بات کی صفائی نہ دینے والوں کی طرف سے ہوتی ہے نہ لینے والے کوئی ضابطہ کا اعلان کرتے ہیں، بس کھانا کھاتے ہیں اور ہدیہ پیش کر کے رخصت ہوجاتے ہیں، گویا کھلانے والے نے اپنا حق ادا کر دیا اور کھانے والے نے اپنے حق کی ادائیگی کر دی، اس طرح کی صورتوں میں شریعت نے جو احکام بتلائے ہیں ان کی نشان دہی فرمادیں؛ نیز اس امر کو بھی واضح فرمادیں کہ ائمہ مساجد وعلمائے کرام کا ایسی دعوتوں میں شریک ہونا شرعاً کیسا ہے؟ اگر کوئی رسم فی نفسہ قبیح نہ ہو تو کیا اس کو انجام دینے میں شرعاً توسع ہے؟

⑤ مذکورہ تمام قسموں کی دعوتوں میں کھلانے کا نظام ذیل میں درج مختلف ٹھکانوں پر کیا جاتا ہے، جناب والا ان کے جواز وعدم جواز کی طرف رہبری فرما کر ہم لوگوں پر احسان فرمادیں:

(۱) شادی بیاہ کے لیے کرایہ پر ملنے والے ہال میں۔ (۲) بڑی بڑی (فائیو اسٹار اور تھری اسٹار) ہوٹلوں کے گراؤنڈ اور گارڈن میں۔ (۳) اپنی اپنی رہائش گاہوں کے قریب کی سرکاری وغیر سرکاری خالی جگہوں اور میدانوں میں۔ (۴) مکاتب ومدارس کی

بعض مخصوص جگہوں میں جو اس کے لیے بنائی جاتی ہیں اور اس کے کرایہ کی آمدنی سے مصارف کا انتظام کیا جاتا ہے۔ (۵) دو دو وقت چلنے والے مکاتب و مدارس کے طلباء، طالبات کو اس روز تعطیل کروا کر یا ان کو مسجد کے صحن میں بٹھا کر مکتب و مدرسوں کی جگہوں میں۔ (۶) مسجد کے بعض خالی پلاٹوں میں بلا کرایہ یا کرایہ (ہدیوں اور بخشش کی صورت میں) وصول کر کے، خصوصاً اجتماعی شادیوں کے موقعوں پر۔ (۷) اپنے پڑوس والوں کو مروتاً مجبور کر کے ان کے مکانوں میں۔

⑥ ہمارے شہر میں کل بارہ مسجدیں ہیں، الحمدللہ دس مسجدوں میں تبلیغ کا کام ہوتا ہے؛ لیکن کام اکثر چوں کہ بے اصولی و بے تربیتی سے ہو رہا ہے اس لیے اس کی خاطر خواہ برکتیں نمایاں نہیں ہوتیں، اور نہ گناہوں کے نقصانات وظلمات کا استحضار رہتا ہے، ایسی صورت حال میں جناب والا اپنی صواب دید سے ایسے طریقۂ کار کی طرف شہر کے بعض فعال ساتھیوں کی رہنمائی فرمادیں، جس میں انتشار بھی نہ ہو اور مداہنت سے بھی بچا جاسکے، اللہ تعالیٰ جناب والا کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائیں۔

⑦ شہر میں رسومات وخرافات والی جگہوں پر بعض اہلِ علم حضرات کو نکاح پڑھانے کے لیے بلایا جاتا ہے، اگر یہ لوگ وہاں نہ جائیں تو شہر یا بیرون شہر کے بعض بریلوی ورضاخانی علماء تیار ہو جاتے ہیں، ایسی صورت میں کیا صرف نکاح پڑھا دیا کریں، تو شرعاً گنجائش ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① جو کام فخر ومباہات یا شہرت، دکھلاوے یا رسم ورواج کی بنیاد پر کیا جاوے وہ شرعاً جائز نہیں، چاہے صورت کے اعتبار سے عبادت ہی کیوں نہ ہو، جو دعوتیں ان بنیادوں

پر کی جاتی ہیں وہ شرعاً درست نہیں، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یٰأیها الذین آمنوا لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والأذی کالذی ینفق ماله رئاء الناس﴾ (البقرة) یعنی اے ایمان والو! اپنی خیرات کو احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر برباد نہ کرو، جس طرح وہ شخص برباد کرتا ہے جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے خرچ کرتا ہے۔ (بیان القرآن)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک وعظ میں ہے۔ فرماتے ہیں: فخر و دکھلاوے کے متعلق ایک حدیث یاد آئی: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دو شخصوں کی دعوت قبول کرنے سے ممانعت فرمائی ہے جو ایک دوسرے سے بڑھنا چاہیں، اور بحثا بحثی میں کھانا کھلاویں (یعنی موازنہ اور مقابلہ کرکے) یہ مصیبت ہم نے قصبوں میں بہت دیکھی ہے، اور شہروں میں دوسری طرح کی مصیبتیں ہیں، قصبوں میں تو یہ حالت ہے کہ اگر کسی نے شادی میں دو قسم کا کھانا دیا ہے تو دوسرا شخص اپنے یہاں تین قسم کا کھانا دے گا، تیسرا چار قسم کا، اس کا اتنا اہتمام ہوتا ہے کہ کھانے کے فہرستیں نکال کر دیکھی جاتی ہیں کہ فلاں شخص کی شادی میں کتنے کھانے تھے، اگر چار تھے اور چار ہی ہماری شادی میں ہو تو نام ہی کیا ہوگا، اور اس کا تذکرہ ہی کیا ہوگا، کیوں کہ کوئی نئی بات تو نہیں ہوئی، چار کی جگہ چھ ہونے چاہیے، ورنہ پانچ تو ضرور ہو، اب بھلا یہ تفاخر نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ اس سے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور وہ اِس سے بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ (نقد اللبیب فی عقد الحبیب: ۵۷۷، اسلامی شادی ۱۵۸)

نیز فرماتے ہیں: بیاہ شادی میں کھلانا، پلانا، دینا، دلانا مجمع کرنا (جیسا کہ آج کل دستور ہے یہ سب چھوڑنے کے قابل) واہیات ہیں، سب ہی میں خرابی ہے، کسی میں تھوڑی، کسی میں بہت، اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو اکثر تو یہی ہے کہ کھانا کھلانا، پلانا، مجمع کرنا، دور دراز سے لوگوں کو بلانا، جوڑے لینا، دینا یہ سب صرف نام و نمود، شہرت

کے لیے ہوتا ہے، نہ کسی کے ساتھ ہمدردی مقصود ہے، نہ کچھ، ہر شخص اپنے دل کو ٹٹول کر دیکھ لے۔ (نقد اللبیب فی عقد الحبیب ۵۸۴، اسلامی شادی، ص: ۱۶۰)

نیز فرماتے ہیں: دوسری خرابی جو (بیاہ شادی کے موقع پر) لازم ہے وہ اسراف ہے (جو کہ حرام ہے)۔ اسراف کہتے ہیں معصیت (یعنی گناہ کے کام) میں خرچ کرنے کو، آپ کا خیال ہوگا کہ ہم کونسی معصیت میں خرچ کرتے ہیں؟ ہمارے یہاں ناچ نہیں، گانا نہیں، باجہ نہیں، اے صاحبو! تفاخر یا نام ونمود دکھلاوا بھی تو معصیت ہے، پس فخر کے لیے خرچ کرنا معصیت ہی میں خرچ کرنا ہے؛ اس لیے اسراف میں یقیناً داخل ہے، اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ معصیت ناچ گانے میں منحصر نہیں؛ بلکہ بہت سے گناہ دل سے متعلق بھی ہیں، چناں چہ تفاخر اور ریا ان ہی دل کے گناہوں میں سے ہیں؛ لہٰذا اس میں خرچ کرنا بھی گناہ ہی میں خرچ کرنا ہے۔ (اسلامی شادی: ص ۱۶۰، ۱۶۱)

شادی میں دیئے جانے والے مروجہ ہدیہ کے متعلق فتاویٰ محمودیہ میں ہے: اگر یہ بطریق اعانت کے ہو اور ریا کاری، نام ونمود وغیرہ کچھ نہ ہو تو شرعاً درست؛ بلکہ مستحسن ہے مگر طریق مروجہ کی حیثیت سے بجز رسم ورواج کے کچھ نہیں ہے، اور بسا اوقات برادری کے زور یا رسوائی کے خوف سے دیا جاتا ہے؛ بلکہ اگر پاس نہ ہو تو بطورِ قرض سود لے کر دیا جاتا ہے اس لیے ناجائز، اور اگر بطورِ قرض دیا جاتا ہے تو اس میں بھی مفاسد ہیں: لا یحل مال إمرء مسلم إلا بطیب نفس منه رواه البیهقی (مشکوة: ۲۵۵) (فتاویٰ محمودیہ ۸/۲۸۱)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: جب کہ پہلے سے معلوم ہو کہ فلاں شادی میں ممنوعات موجود ہیں تو اس شرکت سے انکار کر دیا جائے خاص کر مقتداء (عالم، امام وغیرہ) کو شریک نہیں ہونا چاہیے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۷/۷۶۰)

ولیمہ کی دعوت اجتماع زوجین کے بعد کھلائی جاتی ہے، دولہا، دولہن ملیں اس روز صبح کو یا دوسرے دن شادی کی خوشی میں پڑوسی خویش واقارب، دوست واحباب کو جمع کر کے جن میں فقراء وعلماء بھی ہوں، خلوص نیت کے ساتھ حسبِ حیثیت جانور ذبح کر کے یا کچھ کھانا پکا کر کھلائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۳/۱۲۵،۱۲۶)

ولیمہ کے فوائد وحدود کو بیان کرتے ہوئے حضرت حکیم الامت تحریر فرماتے ہیں: ایک جدید نعمت کا حاصل ہونا اظہار شکر وسرور وخوشی کا سبب ہے، اور آدمی کو مال خرچ کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور اس خواہش کی پیروی کرنے سے سخاوت کی عادت وخصلت پیدا ہوتی ہے اور بخل کی عادت جاتی رہتی ہے، اس کے علاوہ بہت سے فوائد ہیں، اس سے بیوی اور اس کے کنبہ کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک پایا جاتا ہے؛ کیوں کہ اس کے لیے مال کا خرچ کرنا اور لوگوں کو اس کے لیے جمع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ خاوند کے نزدیک بیوی کی وقعت ہے، اسی وجہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف رغبت اور حرص دلائی اور خود بھی اس کو عمل میں لائے، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ولیمہ کی بھی حد مقرر نہیں کی؛ مگر اوسط درجہ کی حد ''بکری'' ہے، اور آپ نے حضرت صفیہ کے ولیمہ میں لوگوں کو ''مالیدہ'' کھلایا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بعض بیویوں کا ولیمہ دو مد ''جو'' سے بھی کیا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کو ولیمہ مسنونہ میں بلایا جائے تو چلا جائے۔ (اسلامی شادی: ۲۵۶)

نیز ولیمہ کا مسنون طریقہ تحریر فرماتے ہیں: ولیمہ کا طریقۂ مسنون یہ ہے کہ بلا تکلف وبلا تفاخر (بغیر فخر کے) اختصار کے ساتھ جس قدر میسر ہو جائے اپنے خاص لوگوں کو کھلا دے، مسنون ولیمہ کے حدود وشرائط بیان فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں: ولیمہ اسی حد تک مسنون ہے جس کو اسلام نے متعین کیا ہے: (۱) جس میں غرباء بھی ہوں

(۲) اور حسب طاقت اپنی حیثیت کے مطابق ہو (۳) سودی قرض سے نہ کیا گیا ہو۔ (۴) ریا اور سمعہ (ناموری) کا دخل نہ ہو (۵) تکلفات نہ ہوں (۶) خالص لوجہ اللہ ہو، وہ ولیمہ مسنون ہے۔ (اسلامی شادی: ۲۵۶، ۲۵۷)

دعوتِ ولیمہ کے لیے مدعو کئے جانے والے حضرات کی تعداد کے سلسلہ میں کوئی تصریح نہیں، اوپر بیان کردہ شروط وحدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے کم وزیادہ جتنے آدمیوں کو چاہے دعوت دی جاسکتی ہے۔

دعوت ولیمہ میں مدعو کئے جانے والے غرباء وفقراء کی تعداد فیصد کے اعتبار سے کتنی ہو اس کی بھی تعیین شریعت نے نہیں کی، اصل یہ ہے کہ کسی غریب یا فقیر کو اس کے غریب اور فقیر ہونے کی وجہ سے دعوت سے محروم نہ کیا جائے مثلاً: عام طور پر آدمی دعوت میں رشتہ داروں کو مدعو کرتا ہے گویا رشتہ داری مدعو کرنے کی وجہ ہوئی، اب ایک آدمی مالدار رشتہ داروں کو تو دعوت دیتا ہے؛ لیکن غریب رشتہ داروں کو باوجود رشتہ داری کے محض اس لیے کہ وہ غریب ہیں مدعو نہیں کرتا تو یہ طریقہ شریعت کی نگاہوں میں بہت برا ہے۔

(۳) بارات سے متعلق پوچھے گئے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: نکاح ایک عبادت ہے اس کو سنت طریقہ پر ادا کرنا چاہیے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ چند متعارف ومخصوص لوگوں کو بلا کر ان کے مجمع میں ایجاب وقبول کرا دیا جائے، مسجد میں ہو تو اور اچھا ہے، پھر لڑکی کو دولہا کے مکان پر پہنچا دیا جائے، اگر دوسری بستی میں پہنچانا ہو تو حفاظت کے خاطر حسبِ موقع دولہا اور دولہن کی طرف سے لوگ بھی ہمراہ ہوں تو مناسب ہے۔

پہلے عامۃً بیل گاڑی کا سفر ہوتا تھا اور سامان جہیز کے متعلق چور، ڈاکوؤں کا خطرہ

ہوتا تھا، اس لیے اس وقت کے مدبرین نے تجویز کیا تھا کہ ہر گھر سے ایک آدمی ساتھ جائے؛ تاکہ کسی کے گھریلو مصالح فوت نہ ہوں اور سامان وغیرہ کی حفاظت بھی ہو جائے اور سہولت سے سفر پورا ہو جائے، اس مجمع کا نام ''بارات'' تھا، جب وہ لڑکی کے مکان پر آتے تھے اور شادی کے مصالح کے لیے آتے تھے تو ان کو کھانا بھی کھلایا جاتا تھا، مستقلاً لڑکی والے کے مکان پر کھانا لازم کرنا جیسا کہ آج کل عام دستور ہو گیا ہے یہ ثابت نہیں کہ جس شان سے لڑکے والے کھانا کھلاتے ہیں اس شان سے لڑکی والوں کے یہاں کھانا کھایا جائے، اس طریقہ کو ترک کرنا چاہیے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/ ۱۹۹)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: یہ ممکن ہے کہ کسی عمل کو ایک زمانہ میں جائز کیا جائے؛ کیوں کہ اس وقت اس میں کراہت وممانعت کے وجوہ نہیں تھے، اور دوسرے زمانہ میں ناجائز کہہ دیا جائے؛ اس لیے کہ اس وقت کراہت وممانعت کی علت پیدا ہو گئی، یا ایک مقام پر اجازت دی جائے اور دوسرے ملک میں منع کر دیا جائے۔

یا اسی فرق کی وجہ سے ایک مفتی صاحب جائز کہے (کیوں کہ) اس کو اطلاع نہیں کہ عوام نے اس میں اعتقادی یا عملی کیا کیا خرابی پیدا کر دی ہے اور دوسرا مفتی اس کو ناجائز کہے کیوں کہ اس کو اپنے تجربہ اور مشاہدہ سے عوام کے مبتلا ہونے کا علم ہو گیا ہے، تو حقیقت میں یہ اختلاف ظاہری ہے حقیقی نہیں، اور دونوں کے حکم وفتویٰ میں صورتاً تعارض ہے، معناً نہیں، حدیث وفقہ میں اس کے بے شمار نظائر ہیں، دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجدوں میں آکر نماز پڑھنے کی اجازت دی تھی (کیوں کہ) اس وقت فتنہ کا احتمال نہ تھا اور صحابہ نے بدلی ہوئی حالت دیکھ کر ممانعت فرما دی۔ (اصلاح الرسوم: ۱۱۶، اسلامی شادی: ۱۴۸، ۱۴۹)

حضرت فقیہ الامت نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک

وقت میں شادی کی یہ شان نہیں تھی جو آج کل رائج ہے، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے شادی کی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدعو نہیں کیا؛ بلکہ خبر تک بھی نہیں کی، اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ کا واقعہ کتب حدیث میں مذکور ہے، بارات کا یہ طریقہ بڑے بوڑھوں نے اس لیے رائج کیا تھا کہ لڑکی کو جہیز کثیر مقدار میں دیا جاتا تھا اور ایک ایک چیز کی پوری نمائش کی جاتی تھی، سفر عام طور پر بیل گاڑی کا ہوتا تھا، ڈاکہ کے حادثات پیش آتے تھے؛ اس لیے بڑی بارات جایا کرتی تھی کہ جہیز وغیرہ کی پوری حفاظت ہو سکے۔

اب بارات کی کثرت مستقل فخر شمار ہوتی ہے، شادی والا دوسروں سے بڑھ کر اپنے فخر کے لیے بارات کو کھانا کھلاتا ہے، جگہ جگہ اس کا چرچا کیا جاتا ہے، یہ طریقہ شرعاً درست نہیں، نہ حیثیت سے زیادہ جہیز کی ضرورت ہے، نہ اس کی حفاظت کے لیے بڑی بارات کی ضرورت ہے، جو کھانا فخر کے لیے کھلایا جائے اس کھانے کی احادیث میں ممانعت آئی ہے۔

اب سواریوں کا انتظام بھی ہو گیا، ریل اور بس وغیرہ کا بہت عام رواج ہو گیا جو کہ پہلے عام نہ تھیں، اس لیے جو بھی لوگ اس رسم کو بند کرنا چاہتے ہیں ان کی رائے بہت قابل قدر ہے، دولہا کے ساتھ اگر ان کے خاص آدمی: باپ، بھائی وغیرہ کچھ آجائیں تو مہمان کی حیثیت سے ان کو کھانا کھلانا احترام کا تقاضہ ہے، بڑی بارات بلا کر قرض لے کر کھلانا جو شاید سودی بھی ہو ہرگز شرعاً پسندیدہ نہیں، سودی قرض لینا شرعاً جائز بھی نہیں، سود کے معاملہ پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے، جو لوگ شادی کے غلط طریقہ کی اصلاح کر کے اس کو سنت طریقہ پر جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ یقیناً اجر عظیم کے مستحق ہیں، حق تعالیٰ ان کی نصرت فرمائے، اصلاح الرسوم اور بہشتی زیور میں تفصیل مذکور ہے اس کو پیش نظر رکھا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۴۲۰، ۴۲۱)

نوٹ: آپ سے بھی گزارش ہے کہ اس سلسلہ میں بہشتی زیور اور اصلاح الرسوم کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

آج کل عموماً باراتوں میں مردوں اور عورتوں کا اختلاط، نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کو ناجائز تعلقات قائم کرنے کے لیے موقع کی فراہمی اور دیگر کئی منکرات کی وجہ سے بارات کے متعلق عدم جواز ہی راجح ہے، ایسے منکرات سے خالی بارات شاذ و نادر ہی ہوتی ہے، اس لیے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ تو اسے منع ہی فرماتے ہیں، پھر بھی ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ سلسلہ جاری ہے، اگر ان منکرات سے رکتے ہوئے کوئی عالم اس میں شرکت کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے جواب دہی کے استحضار کے ساتھ خود ہی فیصلہ کرلیں۔

④ شادی میں دیئے جانے والے ہدایا کا حکم پہلے سوال کے جواب میں آچکا ہے، رہی یہ بات یہ کہ یہ ہدایا لڑکی کے شمار ہوں گے یا لڑکی کے والیوں کے؟ تو اس سلسلہ میں اگر دینے والے کی طرف سے کوئی صراحت زبانی یا تحریری (جیسا کہ عام طور پر دیئے جانے والے ہدایا پر لکھا ہوا ہوتا ہے) کی گئی ہے تو اس کے مطابق عمل ہوگا، اور اگر ایسی کوئی صراحت نہیں ہے تو عرف کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کیا جائے گا۔

جو کام رسم کے طور پر انجام دیا جائے چاہے اس میں فی نفسہ کوئی خرابی نہ ہو پھر بھی اس کا رسم ہونا ہی اس کے درست نہ ہونے کے لیے کافی ہے، جیسا کہ شروع جواب میں تصریح کردی گئی ہے، منکرات والی دعوت میں علماء کی شرکت کے متعلق اوپر بتلایا جاچکا ہے۔

⑤ (۱) دعوت کھلانے کے لیے بوقت ضرورت ہال کرایہ پر لیا جاسکتا ہے بشرطیکہ آگے جواب میں کی گئی تصریح کے مطابق حدود و قیود کی رعایت کی جائے۔ (۲) اس کا بھی یہی حکم ہے؛ لیکن یہ اسراف سے خالی نہیں، اور اسراف شرعاً ممنوع ہے۔ (۳) ایضاً؛

البتہ پردہ کی رعایت کرنا ضروری۔(۴) ایضاً۔(۵) اس مقصد کے لیے مکاتب ومدارس کے تعلیمی نظام کو معطل کرنا جائز نہیں۔(۶) اس کی بھی شرائط وقیود کے ساتھ گنجائش ہے۔(۷) کسی قسم کا بھی جبر ڈال کر کسی کی چیز سے انتفاع درست نہیں۔ لا یحل مال إمرء مسلم إلا بطیب نفس منه، او کما قال علیه السلام

⑥ اس سلسلہ میں تفصیلی ہدایات اور طریقۂ کار کی رہنمائی حضرات اکابر نظام الدین کی طرف سے بار بار دی ہی جاتی ہیں، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ''تبلیغی جماعت پر اعتراضات اور ان کے جوابات'' کا مطالعہ فرمائیں، انشاء اللہ چشم کشا ثابت ہوگا۔

⑦ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: ''الأمور بمقاصدها'' اگر کوئی عالم آپ کے سوال میں تحریر فرمودہ وجہ کے پیش نظر ان منکرات پر حسبِ توفیق نکیر کرتے ہوئے نکاح پڑھاتا ہے تو گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

شادی کے بعد مصافحہ ومعانقہ کرنا

سوال: شادی کے بعد مصافحہ ومعانقہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عبادت اور سنت سمجھ کر کرنا بدعت ہے جیسا کہ اکابر کے فتاویٰ میں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۵/ ۲۶۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ ذوقعدہ ۱۴۱۰ھ

نمازوں کے بعد مصافحہ

سوال: ہر فرض نماز کے بعد سنت ونوافل کے بعد پانچوں اوقات میں دعا وغیرہ ہوجانے کے بعد بہت سارے نمازی امام سے مصافحہ کرکے بازو میں قطار سے کھڑے ہوجاتے ہیں، اور ہر شخص اس طرح باری باری بعد از امام صاحب ہر کھڑے ہونے والے سے مصافحہ کرتا ہے، یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعت میں مصافحہ کا موقع صرف اول ملاقات ہے، نمازوں کے بعد مصافحہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم سے ثابت نہیں؛ بلکہ یہ روافض کی ایجاد اور بدعت ہے؛ اس لیے اس سے احتراز واجب ہے؛ بلکہ حضرات فقہاء رحمۃ اللہ علیہم نے صراحۃً لکھا ہے کہ: اس بدعت کے مرتکب کو بذریعہ زجر وتوبیخ روکنے کی کوشش کی جائے، اگر پھر بھی باز نہ آئے تو بشرط قدرت اسے سزا دی جائے؛ البتہ جہاں روکنے کی قدرت نہ ہو وہاں روکنا ضروری نہیں۔ تفصیل شامی جلد خامس میں موجود ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۵۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ رجب ۱۴۱۵ھ

نماز کے بعد مصافحہ اور درود شریف

سوال: نماز کے بعد مصافحہ کرتے وقت درود شریف پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ملاقات کے شروع میں یعنی جیسے ہی ملاقات اور سلام وجواب ہو، اس وقت کے علاوہ

دوسرے وقت جو مصافحے کئے جاتے ہیں، مثلاً: نماز فجر و نماز عصر و نماز جمعہ یا نماز عیدین (یا ہر نماز) وغیرہ کے بعد جو مصافحہ کیا جاتا ہے اور اس کو سنت سمجھا جاتا ہے، یہ غلط ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت نہیں ہے۔

شامی میں ہے:

ونقل في تبيين المحارم: عن الملتقط أنه تكره المصافحة بعد أداء الصلوٰة لكل حال؛ لأن الصحابة ما صافحوا بعد أداء الصلوٰة، ولأنها من سنن الروافض اھ ثم نقل عن ابن حجر من الشافعية: أنها بدعة مكروهة، لا اصل لها في الشرع، وأنه ينبه فاعله أولا، ويعزر ثانيا، ثم قال: وقال ابن الحاج من المالكية في المدخل: أنها من البدع، وموضع المصافحة في الشرع أنما هو عند لقاء المسلم لأخيه، لا في ادبار الصلوات، فحيث وضعها الشرع يضعها، فينهى عن ذلك ويزجر فاعله لما اتى به من خلاف السنة اھ

(ترجمہ) نماز کے بعد مصافحہ کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بعد نماز مصافحہ نہیں کیا کرتے تھے، اور اس لیے بھی مکروہ ہے کہ یہ روافض کا طریقہ ہے، اور علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہ قابل کراہیت بدعت ہے، شریعت محمدی میں اس کی کوئی اصلیت نہیں، اس کے کرنے والے کو پہلی دفعہ میں تنبیہ کر دی جائے، (نہ مانے تو) دوسری دفعہ میں اس کو سزا دی جائے، اور ابن الحاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ ''مدخل'' میں تحریر فرماتے ہیں: یہ بھی ایک بدعت ہے، شریعت میں مصافحہ کرنے کا وقت وہ بتلایا گیا ہے، جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے ملاقات کرے، نمازوں کے بعد نہیں، پس جہاں شریعت نے مصافحہ رکھا ہے، وہیں مصافحہ کرے، اس کے علاوہ دوسرے اوقات میں (مثلاً: نمازوں کے بعد)

مصافحہ کرنے سے منع کیا جائے اور کرنے والے کو جو سنت کے خلاف عمل کر رہا ہے، سختی سے منع کیا جائے۔ (شامی ۵/ ۳۳۶، از فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۳۲۱، ۳۲۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ، ۲۱/ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

عید کی نماز کے بعد مصافحہ بدعت ہے

سوال: شوافع کے یہاں عید کی نماز کے بعد مصافحہ کا اہتمام مسنون ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شوافع میں کسی نے عید کی نماز کے بعد مصافحہ کو مسنون بتلایا ہو، یہ میرے علم میں نہیں؛ البتہ شامی میں نماز کے بعد مصافحہ کو ابن حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے بدعتِ مکروہہ بتلایا ہے۔ ثم نقل عن ابن حجر عن الشافعية أنها بدعة مكروهة، لا أصل لها فی الشرع وانه ينبه فاعلها اولاً ويعزر ثانياً (شامی ۵/ ۲۷۰) یعنی ابن حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ (نمازوں کے بعد کا مصافحہ) ناپسندیدہ بدعت ہے، جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، ایسا کرنے والے کو اولاً تنبیہ کی جائے، اور (پھر بھی کرتا ہے تو) ثانیاً اس کو تعزیر کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اجتماعی ایصالِ ثواب

سوال: مسجد میں ربیع الاول کے مہینے میں شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر ختم

قرآن رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی بھی میت کو اپنے طور پر صدقاتِ نافلہ یا تلاوت وغیرہ کا ثواب پہنچانا ثابت ہے؛ البتہ ایصال ثواب کے لیے اجتماع کا اہتمام اور اس میں قیود ورسوم بدعت اور ناجائز ہے۔ (کفایت المفتی ۹/ ۱۰۵۔۹/ ۸۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایصال ثواب اور قرآن خوانی کا جواز وعدم جواز

سوال: اسلام میں اور جمہور علمائے امت کے نزدیک کوئی بھی شخص کہیں سے بھی کسی کے لیے خواہ زندہ ہو یا مردہ ایصال ثواب کر کے بخش سکتا ہے، لیکن علمائے دیوبند اجتماعی قرآن خوانی عرس وغیرہ کو بدعت اور خلاف شرع کہتے ہیں، یہاں گذشتہ دنوں اخبارات میں سالانہ فاتحہ خوانی کے نام سے ایک مراسلہ کے ذریعے خانقاہ رحمانیہ مونگیر میں سالانہ فاتحہ خوانی مولانا محمد علی مونگیری مولانا منت اللہ رحمانی دیگر حضرات کے مریدین متوسلین ومعتقدین کو تاریخ متعین کر کے خانقاہ رحمانی میں آنے کی دعوت دی جاتی ہے تو کیا اس طرح سالانہ فاتحہ خوانی کرنا درست اور صحیح ہے جب کہ علمائے دیوبند کے کسی بھی ادارے میں اس طرح کا معمول اور طریقہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

رسم ورواج کی پابندی اور برادری کی مروت اور دباؤ کے بغیر اور مخصوص تاریخ اور دن معین کیے بغیر اور دعوتی اہتمام اور اجتماعی انتظام کے بغیر میت کے متعلقین خیر خواہ اور عزیز واقارب ایصال ثواب کی غرض سے جمع ہو کر قرآن خوانی کریں تو یہ جائز ہے ممنوع

نہیں۔ (عینی شرح ہدایہ ۱) (فتاویٰ رحیمیہ ۱/۳۸۹) یہ تو نفس قرآن خوانی کا حکم ہے جس کے ساتھ خلاف سنت اہتمام اور دعوتی التزام برادری رسم ورواج کی پابندی اور بدنامی کا ڈر وغیرہ خرابیاں شامل نہ ہوں ورنہ یہ رسمی قرآن خوانی ثواب کے بدلے عذاب کا سبب بن سکتی ہے جب لوجہ اللہ نہ ہونے کی وجہ سے خود بھی مستحق ثواب نہیں بنتا تو میت کو کیا بخش دے گا۔ مجالس ابرار میں ہے کہ دنیاداروں کی اتباع یا مطلب پورا کرنے یا لعن طعن کے ڈر سے یا رسم ورواج کی پابندی کی خاطر کوئی کام کیا جائے تو ریا ہے اور عبادت میں ریا حرام ہے شامی میں رواجی قرآن خوانی اور رسمی تقریبات کے متعلق معراج الدرایۃ کے مصنف فقیہ علامہ قیام الدین (المتوفی ۷۴۹ھ) کا قول نقل کیا گیا ہے: هذه الأفعال كلها للسمعة والريا فيحترز منها لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالىٰ (یعنی) یہ سارے افعال محض دکھاوے اور نام ونمود کے لیے ہوتے ہیں لہٰذا ان سے بچنا چاہیے کیوں کہ ایسے رواجی کاموں میں للّٰہیت نہیں ہوتی۔ (شامی ۱/۸۴۲) حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن خوانی اور ایصال ثواب کا ایسا طریقہ بتایا ہے جو آسان ہے اخلاص سے بھرا ہوا شک وشبہ سے محفوظ، فرماتے ہیں جس طریقہ سے آج کل قرآن شریف پڑھ کر ایصال ثواب کیا جاتا ہے یہ صورت مروجہ تو ٹھیک نہیں، ہاں! احباب خاص سے کہہ دیا جائے کہ اپنے اپنے مقام پر حسب توفیق پڑھ کر ثواب پہنچا دیں باقی اجتماعی صورت اس میں بھی مناسب نہیں چاہے تین بار قل ہو اللہ ہی پڑھ کر بخش دیں جس سے ایک قرآن کا ثواب مل جائے گا یہ اس سے بھی اچھا ہے کہ اجتماعی صورت میں دس قرآن ختم کیے جائیں اس میں اکثر اہل میت کو جتلانا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں تھوڑے بہت کو نہیں دیکھا جاتا خلوص اور نیت دیکھی

جاتی ہے چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرا ایک صحابی ایک مد کھجور خیرات کرے اور غیر صحابی احد پہاڑ کے برابر سونا دے تو وہ اس درجے کو نہیں پہنچتا یہ فرق خلوص اور عدم خلوص ہی کا ہے کیوں کہ جو خلوص ایک صحابی کا ہوگا وہ غیر صحابی کا نہیں ہوسکتا۔ (انفاس عیسیٰ ۱/۲۱۵)۔(فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۱/۳۹۱-۳۹۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد خانپوری، ۱۸ رشوال ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

اجتماعی ایصالِ ثواب سے بچنے کا طریقہ

سوال: ہم گجراتی، جن کے باپ دادا یہ کام کرتے آتے ہیں کہ ہمارے گھروں میں جب کسی آدمی کا انتقال ہوجاتا ہے، تو تیسرے، چوتھے روز لوگوں کو جمع کرکے قرآن پاک کی تلاوت فرماکر مرحوم کے لیے ایصال ثواب اور مغفرت کی دعا کرتے ہیں، اگرچہ اس عمل کو معین دن اور وقت اور اہتمام کی بناء پر علمائے دیوبند منع فرماتے ہیں؛ لیکن یہی گجراتی حضرات ہندوستان چھوڑ کر یہاں انگلینڈ پہنچے اور ساتھ ساتھ وہ طور وطریق جو وطن میں کرتے تھے، وہ ساتھ لائے؛ لیکن یہاں اس میں تھوڑی سی اصلاح ہوئی، اور وہ یہ ہے کہ جب کبھی کسی کے یہاں پر انتقال ہوتا ہے، یا ہندوستان میں اپنے کسی عزیز اور رشتہ داروں کی انتقال کی خبر آتی ہے، تو خاص کر جمعہ کے دن اور گاہے گاہے کسی دوسرے دن مسجد کے امام صاحب اعلان فرماتے ہیں کہ مرحوموں کے ایصالِ ثواب کے لیے یٰسین شریف کا ختم ہوگا، اس اعلان کے بعد جن صاحبان کے پاس فرصت اور وقت ہو، وہ مسجد میں نماز کے بعد بیٹھ جاتے ہیں اور وہ بھی سو میں سے

پانچ فی صد بیٹھتے ہیں اور پانچ دس منٹ بیٹھ کر یٰسین پاک پڑھتے ہیں اور دعا فرما کر مجلس برخواست ہوجاتی ہے اور اس کے بعد کوئی شیرینی وغیرہ کی تقسیم نہیں ہوتی، اور مرحوموں کے گھر جا کر کھانا وغیرہ کا اہتمام نہیں ہوتا، اور تیسرے چوتھے روز گھر پر جمع ہو کر جو اہتمام وطن میں کرتے تھے، وہ ختم ہو گیا اور لوگ اطمینان کر لیتے ہیں کہ ہم نے ہمارے مرحوموں کے لیے ایصال ثواب کر لیا، مزید اہتمام کی ضرورت نہیں ہے۔

نوٹ: یہ اعلان بعض مرتبہ مسلسل کئی جمعہ تک چلتا ہے؛ کیوں کہ یہاں پر علاقہ میں بہت سارے دیہاتوں کے لوگ رہتے ہیں اور کسی نہ کسی کے انتقال کی خبر آتی رہتی ہے، اس لیے مسلسل چلتا ہے، اس کے باوجود کوئی جمعہ خالی بھی ہوجاتا ہے، اور جمعہ ہی کو یہ اعلان ہو، یہ ضروری نہیں ہے، دوسرے دنوں میں بھی چل سکتا ہے؛ لیکن جمعہ کو زیادہ تر اعلان اس لیے ہوتا ہے کہ جمعہ کے دن لوگ زیادہ جمع ہوتے ہیں، ورنہ دوسرے دنوں میں بھی اعلان ہوسکتا ہے، اور کبھی کبھی ایسا ہوتا بھی ہے، اب اس معاملہ میں ہمارے یہاں ایک نوجوان عالم دین جو جلال آباد سے فارغ ہو کر تشریف لائے ہیں، اور ہمارے یہاں دین کی خدمت ادا کرتے ہیں، انھوں نے اعلان کیا کہ ہمارے یہاں یہ طریقہ جو اعلان کر کے جمع ہو کر یٰسین شریف پڑھتے ہیں، یہ بدعت ہے، اس کو بند کرو، تو اس طرح اعلان کر کے جمع ہو کر پڑھنا بند کر دیا۔ لیکن لوگوں کو ان کے اس اعلان پر اطمینان نہیں؛ کیوں کہ جب دوسرے علمائے کرام جو یہاں پر ہیں، اور وہ علمائے کرام جو ہند و پاک سے تشریف لاتے ہیں، ان میں سے بعض اور وہ بھی جید اور سالہا سال سے بڑی بڑی درسگاہوں میں خدمت پر مامور ہیں، ان سے اس بارے میں سوال کرتے ہیں، تو وہ جواب دیتے ہیں کہ پڑھ سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور ساتھ ساتھ لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر یٰسین شریف اس طرح پڑھنا بدعت ہے، تو یٰسین شریف پڑھنے کا اہتمام دار العلوموں اور خانقاہوں اور مرکزوں میں ہوتا ہے اور پڑھتے ہیں تو اگر یہ بدعت ہو تو پھر یہ دار العلوموں میں اور خانقاہوں میں اور مرکزوں میں کیوں پڑھتے ہیں؟ ان وجہوں کی بناء پر لوگوں کو اطمینان نہیں ہے! ہاں بعض ایسے بھی ہیں، جو ہمارے اسی عالم دین کے ہم خیال ہیں، ساتھ جن لوگوں کو اطمینان نہیں ہے وہ، اور وہ لوگ جو اپنے مرحوم کے ایصال ثواب خود نہیں کر سکتے، انھوں نے وہی اہتمام جو وطن میں کرتے تھے، اس کو پھر اپنے گھروں میں شروع کر دیا، یعنی تیسرے چوتھے روز لوگوں کو گھروں میں جمع کرتے ہیں اور قرآن خوانی کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ دودھ اور کھانا پینا شروع ہو گیا ہے اور بعض بعض جگہ پر بدعتی مسجد کے امام اور بچوں نے ہمارے صحیح العقائد کے گھروں میں آ کر ختم پڑھنا اور دعا کرنا شروع کر دیا ہے، کیوں کہ وہ تو کام اور اہتمام کے عادی ہیں اور ہمارے بچے اور علماء کسی کے گھر پر جاتے نہیں ہیں، یٰسین شریف اسی طرح پڑھنا بدعت ہے، تو اس سے بڑی بڑی بدعتیں جو ہمارے یہاں ہمارے گھروں میں یہاں پر پہلے نہیں تھی، وہ شروع ہو گئی، تو دو بڑی مصیبتیں ہو، تو چھوٹی اور آسان کو اختیار کر لو، تو اگر یہ دونوں بدعتوں میں ہو تو چھوٹی اور آسان بدعت کر لینے سے بڑی بڑی بدعتوں سے بچ جانا اچھا ہے، حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی زید مجدھم کے فتاویٰ محمودیہ ۶ / ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷ کے سوال و جواب سے جواز معلوم ہوتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

رسم و رواج کی پابندی اور برادری مروت اور دباؤ کے بغیر اور کوئی مخصوص تاریخ

اور دن معین کئے بغیر اور دعوتی اہتمام اور اجتماعی التزام کے بغیر، میت کے متعلقین، خیر خواہ اور عزیز واقرباء ایصالِ ثواب کی غرض سے جمع ہو کر قرآن خوانی کریں، تو یہ جائز ہے، ممنوع نہیں۔ (عینی شرح ہدایہ اول منقول از فتاویٰ رحیمیہ ۱/۳۸۹)

یہ تو نفس قرآن خوانی کا حکم ہے، جس کے ساتھ خلاف سنت اہتمام اور دعوتی التزام، برادری رسم ورواج کی پابندی اور بدنامی کا ڈر وغیرہ خرابیاں شامل نہ ہوں، ورنہ یہ رسمی قرآن خوانی ثواب کے بدلہ عذاب کا سبب بن سکتی ہے۔ (ایضاً ۱/۳۹۱)

آپ کے ہاں جو قرآن خوانی ہوتی ہے وہ رسمی ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ وہاں کے مقامی متدین، ماہرِ شریعت اور عوامی نفسیات سے واقف اہلِ حق علماء کر سکتے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن خوانی اور ایصالِ ثواب کا ایسا طریقہ بتایا ہے جو آسان ہے، اخلاص سے بھرا ہوا، شک وشبہ سے محفوظ۔ فرماتے ہیں: جس طریقہ سے آج کل قرآن شریف پڑھ کر ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے، یہ صورت مروجہ تو ٹھیک نہیں، ہاں! احباب خاص سے کہہ دیا جائے کہ اپنے اپنے مقام پر حسب توفیق پڑھ کر ثواب پہنچا دیں، باقی اجتماعی صورت اس میں بھی مناسب نہیں، چاہے تین بار قل ھو اللہ ہی پڑھ کر بخش دیں، جس سے ایک قرآن کا ثواب مل جائے گا، یہ اس سے بھی اچھا ہے کہ اجتماعی صورت میں دس قرآن ختم کئے جائیں، اس میں اکثر اہلِ میت کو جتلانا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں تھوڑے بہت کو نہیں دیکھا جاتا، خلوص اور نیت دیکھی جاتی ہے؛ چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: میرا ایک صحابی ایک مد کھجور خیرات کرے اور غیر صحابی احد پہاڑ کے برابر سونا تو وہ اس درجہ کو نہیں پہنچ پاتا، یہ فرق خلوص وعدمِ خلوص ہی کا تو ہے، کیوں کہ جو خلوص ایک صحابی کا ہوگا، وہ غیر صحابی کا نہیں ہوسکتا۔

(انفاسِ عیسیٰ ۱/ ۲۱۵، منقول از فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۱/ ۳۹۱، ۳۹۲)

کسی بدعت سے بچنے کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ دوسری بدعت کی اجازت دے دی جائے؛ بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ حضراتِ علماء، جو وہاں مقامی دینی کام کے ذمہ دار ہیں، وہ جدوجہد کر کے لوگوں کے دلوں میں بدعت کی قباحت ونحوست جمائیں اور اتباعِ سنت کی ترغیب وترویج کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

رسمی قرآن خوانی

سوال: جب کسی کا انتقال ہوتا ہے، اس کے بعد مسجدوں اور گھروں میں مجموعی طور پر مرحومین کے ایصالِ ثواب کے لیے یٰسین شریف کے ختم کے لیے اور قرآن خوانی کے لیے باضابطہ اعلان کیا جاتا ہے اور لوگ اس کو سن کر پابندی کے ساتھ تلاوت کرتے ہوئے ایصالِ ثواب کرتے ہیں اور اس کے معاوضہ میں کھانے پینے کی کوئی چیز تقسیم بھی نہیں کرتے، جس کو بعض لوگ بدعتوں میں شمار کرتے ہیں، لہٰذا اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

رسم ورواج کی پابندی اور برادری مروت اور دباؤ کے بغیر اور کوئی مخصوص تاریخ اور دن معین کئے بغیر، اور دعوتی اہتمام اور اجتماعی التزام کئے بغیر، میت کے متعلقین، خیرخواہ اور عزیز واقرباء ایصالِ ثواب کی غرض سے جمع ہو کر قرآن خوانی کریں، تو یہ جائز ہے، ممنوع نہیں۔ (عینی شرح ہدایہ منقول فتاویٰ رحیمیہ قدیم ۱/ ۳۸۹)

یہ تو نفس قرآن خوانی کا حکم ہے، جس کے ساتھ خلاف سنت اہتمام اور دعوتی التزام، برادری رسم ورواج کی پابندی اور بدنامی کا ڈر وغیرہ خرابیاں شامل نہ ہوں، ورنہ یہ رسمی قرآن خوانی ثواب کے بدلے عذاب کا سبب بن سکتی ہے۔ (ایضاً ۱/۳۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

رقم لے کر قرآن خوانی کرنا

سوال: رقم روپیہ پیسہ لے کر قرآن خوانی کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن خوانی پر پیسہ لینا حرام ہے، اس طرح پڑھنے پر کوئی ثواب خود پڑھنے والے کو نہیں ملتا تو میت تک کیا پہنچے گا؟ کما فصله العلامة الشامی فی حاشیته علی الدر المختار المسماة برد المحتاره/ ۳۸،۳۹۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ رجب ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قرآن خوانی میں ہدیہ لینا

سوال: قرآن خوانی میں مروجہ رسم کے مطابق کھانا، ہدیہ وغیرہ لینا کیسا ہے جب کہ وہ ہدیہ دوسروں کو دے دیا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر خالصاً لوجہ اللہ قرآن شریف پڑھا اور اس کا ثواب پہنچایا، پڑھنے والے کے

ذہن میں اس کا خیال نہیں تھا کہ یہاں سے کچھ ملے گا، نہ پڑھانے والے کے ذہن میں یہ تصور تھا کہ اس پڑھنے والے کو کچھ دینا ہوگا، نہ اس کا رواج ہے کہ پڑھنے والے کو کچھ دیا جاتا ہو؛ بلکہ بعد میں کچھ احسان پڑھنے والے کے ساتھ کر دیا، اگر یہ پیسہ نہ دیا جاتا تو پڑھنے والے کو کسی قسم کی گرانی نہ ہوتی، تو وہ پیسہ لینا جائز ہے؛ ورنہ ناجائز ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ۶/ ۱۳۷)

آج کل عموماً یہ تمام شرائط پائے نہیں جاتے اس لیے جائز نہیں ہے، کسی کو دینے کی نیت سے لینے سے ناجائز کام، جائز نہیں ہوجاتا، کیا کسی کو دینے کی نیت سے چوری اور ڈکیٹی جائز ہوجاتی ہے؟۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ شوال ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مروجہ فاتحہ، قرآنی آیات دم کرکے اجرت لینا

سوال: مروجہ فاتحہ خوانی جائز ہے یا ناجائز؟ نیز فاتحہ خواں جو رقم یا اشیاء لیتے ہیں جس کو چراغاں اور تبرک سے موسوم کرتے ہیں نیز میلاد النبی ﷺ کے نام سے تقریر کرنا قیام کرنا اور فیس مقرر کرنا کیسا ہے؟ نیز پانی پر قرآنی آیتیں دم کرنا یا جسم پر، پھر اس کا نذرانہ لینا کیسا ہے؟ قرآن مجید پڑھ کر یا پڑھوا کر دعوت کرنا یا کھانا یا کھلانا کیسا ہے؟ کیا ان چیزوں میں جواز کی صورت ہے یا نکل سکتی ہے یا نکالی جاسکتی ہے؟ مدلل جواب سے انکشاف فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنا اور یہ سمجھنا کہ بغیر اس کے ثواب نہیں پہنچتا یہ غلط ہے۔ کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ اس سے پرہیز ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/۲۲۹)

فاتحہ خواں کا چراغاں کے نام سے رقم یا اشیاء لینا درست نہیں ہے۔ مروجہ مجلس میلاد نہ قرآن کریم سے ثابت ہے، نہ حدیث شریف سے ثابت ہے، نہ خلفائے راشدین و دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے، نہ تابعین و ائمۂ مجتہدین (امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرھم رحمہم اللہ) سے ثابت ہے، نہ محدثین (امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ وغیرھم رحمہم اللہ) سے ثابت ہے نہ اولیاء کاملین (حضرت عبدالقادر جیلانی، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، خواجہ بہاء الدین نقشبندی، شیخ عارف شہاب الدین سہروردی وغیرھم رحمہم اللہ) سے ثابت ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/۱۷۹)

قرآنی آیات پڑھ کر جسم پر دم کرنا اور اس کی اجرت لینا جائز ہے؛ لیکن پہلے سے اجرت متعین کر لینا ہوگا تاکہ جہالت اجرت کی بناء پر اجارہ فاسد نہ ہو۔ اور اگر کچھ متعین نہیں کیا اور مانگا بھی نہیں لیکن مریض نے خود پیش کیا تو اس کو قبول کرنے کی اجازت ہے۔ آخری سوال میں قرآن مجید کس نیت سے پڑھا یا پڑھوایا جاتا ہے اس کی تصریح فرمائی جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اشیاء سامنے رکھ کر فاتحہ پڑھنے کا ثبوت نہیں

سوال: ہمارے اس گاؤں میں اور اکثر بڑے بڑے شہروں میں بھی یہ طریقہ رائج ہے کہ جب فاتحہ دی جاتی ہے، تو اس وقت اشیاء کو سامنے رکھنا ضروری سمجھا جاتا ہے،

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ بھائی! اشیاء سامنے نہیں رکھنا چاہیے، تو وہ ایک حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ فاتحہ کے وقت اشیاء کو سامنے رکھنا مستحب ہے، حدیث یوں ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ کا انتقال ہوا، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کہا کہ میری ماں کا انتقال ہو چکا ہے، کیا میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کر سکتا ہوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! ضرور، آپ ایک کنواں کھودو، تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کنواں کھودا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آکر کہا کہ کنواں کھود دیا گیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کنویں کے پاس گئے اور کنویں کے پاس کھڑے ہو کر دعاء کی، اس حدیث کی روشنی میں ہم لوگ تو فاتحہ کے وقت اشیاء کو سامنے رکھنا مستحب سمجھتے ہیں، تو میں نے ان سے کہا کہ ہم ابھی فتویٰ منگا رہے ہیں، میں یہاں پر یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آیا یہ مستحب ہے یا بدعت ہے؟ یعنی فاتحہ کے وقت اشیاء کو سامنے رکھنا بدعت ہے یا مستحب ہے؟ مذکورہ حدیث کا کیا مطلب ہے؟ مزید یہ بھی بتایئے کہ فاتحہ کا کھانا، امیر لوگ کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ شرعی حکم سے مطلع فرمایئے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بلا التزامِ تاریخ ومہینہ وغیرہ کے نفسِ ثواب پہنچانا: قرآن کریم پڑھ کر، نماز پڑھ کر، روزہ رکھ کر، غرباء ومساکین کو کھانا کھلا کر، کپڑا وغیرہ دے کر بلاشبہ بہتر ومستحسن ہے؛ لیکن فاتحہ مروجہ یعنی کھانا سامنے رکھ کر قرآن شریف کی کچھ آیتیں یا سورتیں پڑھ کر، اس کھانے اور قرآن کا ثواب میت کو پہنچانا بے اصل ہے، اور بدعت وممنوع ہے، نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ طریقہ تھا، نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا، نہ تابعین عظام رحمہ اللہ علیہم کا، نہ تبعِ تابعین رحمہ اللہ علیہم کا، نہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا، نہ ان کی کسی کتاب میں منقول ہے، جو شخص مدعی ہے، اس سے پوچھنا

چاہیے کہ کس کتاب میں لکھا ہے؟ (فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۱۸۷)

آپ کو جس روایت کا حوالہ دیا گیا ہے، اس میں صرف اتنا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میری والدہ کا انتقال ہوگیا ہے، (ان کے ایصالِ ثواب کے لیے) کونسا صدقہ زیادہ افضل ہے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پانی سب سے افضل ہے، اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اپنی والدہ کے ثواب کے لیے ایک کنواں کھدوایا۔ (مشکوٰۃ شریف ۱۶۹ بحوالہ ابوداؤد ونسائی)

اس روایت میں یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کنویں کے پاس جاکر دعا مانگی، یہ زیادتی من گھڑت ہے، جس نے یہ بات کہی اس سے آپ کتاب کا حوالہ طلب کیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اہلِ میت کی دعوت کھانا ناجائز ہے

سوال: فاتحہ کا کھانا، یا ایصال ثواب کا کھانا، مالداروں کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ جب ان حضرات سے کہا جاتا ہے کہ فاتحہ یا ایصالِ ثواب کا کھانا مالداروں کے لیے جائز نہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جب کنواں کھودا، تو اس کنویں سے نہ صرف غریب؛ بلکہ امیر لوگ بھی پانی پیا کرتے تھے، لہٰذا اس سے یہی ثبوت ملتا ہے کہ فاتحہ کا کھانا یا ایصالِ ثواب کا کھانا، امیر لوگ بھی کھا سکتے ہیں، میں مفتی صاحب سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ فاتحہ کا کھانا یا ایصالِ ثواب کا کھانا امیر کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ اور جو حضرات کنویں کی

مثال دیتے ہیں، یہ بات کہاں تک درست ہے؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اہلِ میت کی طرف سے کی جانے والی یہ دعوت مروجہ ناجائز ہے۔ بچند وجوہ: (۱) یہ حقیقت میں ہنود کی رسم ہے، پس اس میں تشبہ بالہنود ہے۔ (۲) شریعت میں غمی کے موقعہ پر دعوت مشروع نہیں۔ (۳) اس دعوت کو لازم سمجھا جاتا ہے، اور التزام مالا یلزم ناجائز ہے۔ (۴) دعوت میں جو رقم صَرف ہوتی ہے، اس میں عموماً نابالغ یتامی کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ (۵) اس دعوت سے مطلوب ریا ونمود ہوتی ہے، یا لوگوں کے طعن وتشنیع کے ڈر سے دعوت کی جاتی ہے۔

اگر ایصالِ ثواب کی نیت ہوتی تو فقراء ومساکین کو مقدم سمجھا جاتا؛ حالاں کہ ہوتا یہ ہے کہ اقرباء واحباب کا اجتماع ہوتا ہے، یا پھر صاحبِ اقتدار سرمایہ دار لوگوں کی دعوت ہوتی ہے، فقراء تو صرف برائے نام ہوتے ہیں۔ (از احسن الفتاوی ملخصاً ۱/۳۵۶)

کنواں صدقۂ جاریہ ہے جیسا کہ مسجد ومدرسہ بنانا، اس پر دعوت کا قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ

گیارہویں، بائیسویں، رجب، محرم
اور شبِ برأت کے ساتھ چند ناجائز کام ورسومات

سوال: گیارہویں، بائیسویں، رجبہ، محرم کا کھچڑا، عرفے، عیدین، امام جعفر صادق کے کونڈے، شبِ براءت کا حلوہ اور آخری بدھ ان کی اصل حقیقت کیا ہے؟

کیا یہ سب رسوم جائز ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

گیارہویں منانا بدعت ہے۔(فتاویٰ رحیمیہ ۲/۲۸۷) تفصیل کے لیے اس کا مطالعہ فرمالیں۔

بائیسویں رجب کو کونڈا کرنے کا جو رواج ہے یہ رسم مذہبِ اہل سنت میں محض بے اصل خلافِ شرع اور بدعت ممنوعہ ہے؛ کیوں کہ بائیسویں نہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی تاریخِ پیدائش ہے، اور نہ تاریخ وفات الخ۔ فتاویٰ محمودیہ (۱/۲۲۰، ۲۲۱) اور احسن الفتاویٰ (۱/۳۶۷) تفصیل دونوں جگہ موجود ہے۔

رجبہ سے مراد اگر یہی ہے تو اس کا حکم ظاہر ہے، اور کچھ ہے تو اس کی تفصیل لکھ کر حکم معلوم کرلیں، بعد میں فتاویٰ رشیدیہ میں اس کے متعلق نادرست اور بدعت کا حکم دیکھا۔

(فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۱۴۹)

محرم میں کھچڑا کی رسم کرنا ممنوع وناجائز ہے۔(فتاویٰ دارالعلوم (عزیز الفتاویٰ) مطبوعہ کراچی ۱/۱۲۷)

شبِ براءت میں حلوہ پکانے کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں؛ لہٰذا ناجائز اور بدعت ہے۔(احسن الفتاویٰ ۱/۳۸۵) اصلاح الرسوم ۱۳۲ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

ماہِ صفر کے آخری بدھ کے متعلق احسن الفتاویٰ میں ہے کہ یہ غلط اور من گھڑت عقیدہ ہے، اس لیے ناجائز اور گناہ ہے۔(احسن الفتاویٰ ۱/۳۶۰)

عرفہ کے نام سے ۸/ ذوالحجہ کو عمدہ کھانے پکانے کو ضروری سمجھنا اور کرنا، اور عیدوں کے نام سے ۹/ ذوالحجہ کو یہی عمل کرنا، اس کی کوئی اصل نہیں، یہ رسم محض اور ناجائز ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تعزیت کے اجتماع میں علماء اور عورتوں کی شرکت

سوال: ہمارے ضلع کھیڑا میں چند سالوں سے یہ رسم چلی آرہی ہے کہ آدمی کے انتقال کے بعد دو سے چار بجے کے درمیان ایک دن مقرر کر کے عزیزوں اور رشتہ داروں کو خط لکھ کر بلایا جاتا ہے، جس میں عورتیں شرکت کرتی ہیں، کچھ مرد بھی ساتھ میں۔

یہ بات یاد رہے کہ جس کو خط پہنچتا ہے اس کو سماج کی رسم کے مطابق جانا ضروری ہوتا ہے، اور نہ آنے پر داعی برا مانتا ہے، پھر اس میں ہر قسم کے رسم ورواج کئے جاتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ:

(الف) اس قسم کی دعوت تعزیت پر میت کے گھر جا کر مقرر دن میں اکٹھا ہونا جائز ہے یا نہیں؟

(ب) چوں کہ ایسے وقت پر دینی بات سنانا کبھی مؤثر بھی ہوتا ہے، اس لیے ایسے موقعہ پر اکثر جلسۂ وعظ مقرر کیا جاتا ہے، اور مردوں اور عورتوں کو دینی وعظ سنانے کے لیے علماء یا دینی آدمی کو بلایا جاتا ہے، اب ایسی مجلس کا انعقاد شرعی ہے یا غیر شرعی ہے؟

(ت) جس مجلس کا انعقاد غیر شرعی ہے ایسی مجلس میں وعظ کہنے کے لیے جانا جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں ایک عالم ایسی مجلسوں میں وعظ کہنے سے انکار کرتے ہیں اور دوسروں کو جانے سے منع کرتے ہیں، آیا ان کا یہ فعل محمود ہے یا مذموم ہے؟

(ث) جو شخص اس میں شرکت کرتا ہے اور رواج دینے میں مدد کرتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اور وہ آدمی کیسا ہے؟

(ج) ایسی چیزوں کو بند کرنے میں کون سا طریقہ موجب اجر وثواب ہوگا؟۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(الف) اہل میت کی تعزیت یعنی ان کی تسلی اور دل جوئی کرنا، صبر کی تلقین وترغیب دینا، اس کے اور میت کے حق میں دعا کے الفاظ کہنا مسنون ہے، اور اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حدیث میں ہے "من عزی مصابا فله مثل أجره" یعنی جو کوئی مصیبت زدہ کی تعزیت کرے، خدائے پاک اس کو اس قدر ثواب دے گا جس طرح مصیبت زدہ کو (اس کے صبر پر)۔ (ترمذی شریف ۱/ ۱۲۷)

دوسری حدیث میں ہے کہ جو کوئی اپنے دینی بھائی کی مصیبت میں تعزیت کرے، تو قیامت کے روز خدائے پاک اس کو بزرگی اور کرامت کا لباس پہنائیں گے۔ (ابن ماجہ شریف ۱۱۶)

تعزیت تین دن تک کرنی چاہیے، اس کے بعد مکروہ ہے، ہاں جس کو اطلاع نہ ہو یا تعزیت کرنے والا یا اہل میت حاضر نہ ہوں تو تین دن کے بعد بھی کر سکتے ہیں۔ (فتاوی عالمگیری ۱/ ۱۶۷)

مجبوری یا دوری کی بناء پر حاضر نہ ہو سکے تو بذریعۂ خط تعزیت کی جا سکتی ہے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی تعزیت بذریعۂ خط فرمائی جب کہ ان کے لڑکے کی وفات ہوئی۔ (حصن حصین ۱۸۰)

الفاظِ تعزیت اور مضمون متعین نہیں، جدا جدا ہیں، صبر وتسلی کے لیے جو الفاظ زیادہ مؤثر ہوں ان کو استعمال کرے، بہتر یہ ہے کہ یہ الفاظ کہے جائیں: "إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَه مَا أَعْطٰى وَكُلٌّ عِنْدَه بِأَجَلٍ مُّسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ" یعنی جو لیا وہ بھی خدا کا ہے، اور جو کچھ دیا وہ بھی اسی کی ملکیت ہے، ہر چیز کا اس کے پاس ایک وقت مقرر ہے، (یعنی میت کی زندگی اتنی مقدر تھی) پس صبر اختیار کرو، اور ثواب کی امید رکھو۔ (مشکوۃ شریف ۱۵۰)

رسولِ خدا علیہ الصلاۃ والسلام کی احادیث اور فقہاء کے فرامین کی روشنی میں واضح ہوگیا کہ تعزیت محض رواج دنیوی نہیں ہے کہ مرضی کے مطابق کمی بیشی کرتے رہو؛ بلکہ خاص اسلامی تعلیم اور فضیلت وثواب کا امر ہے، اس کو خصوصی ثواب اور عبادات کے امور کی طرح اسلامی تعلیم اور آں حضرت ﷺ کی سنت کے مطابق عمل میں لانا ضروری ہے، ورنہ بجائے مقبولیت کے مردودیت، اور بجائے ثواب کے عتاب وگمراہی کا کام ہوجائے گا۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: تم کوئی کام بدونِ حکمِ شارع علیہ السلام کے کرو اگرچہ وہ بشکل عبادت ہی ہو، وہ عبادت نہیں؛ بلکہ گناہ ہے۔ (مکتوب ۷)

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ ہے: کوئی قول عمل کے بغیر قبول نہیں، اور کوئی عمل قبول نہیں جب تک اس میں اخلاص نہ ہو اور سنتِ رسول ﷺ کی اتباع نہ ہو۔ (الفتح الربانی ۱۴)

تعزیت کا سنت طریقہ یہ ہے کہ میت کے گھر والوں کے ہاں دعوت اجتماع اور دیگر پابندی رسوم کے بغیر تنہا جائے، آں حضرت ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہ کا یہی طریقہ تھا، لہذا جو صورت سوال میں ذکر کی گئی ہے کہ خاص وقت مقرر کر کے اجتماع کیا جائے، اور اس کے لیے بلایا جائے یہ بدعت ہے اور مکروہ ہے۔

زادالمعاد میں ہے: ولم یکن من هدیه أن یجتمع للعزاء، ویقرأ له القرآن لا عند قبره ولا غیره، وکل هذه بدعة حادثة مکروهة۔ یعنی آں حضرت ﷺ کا یہ طریقہ نہیں تھا کہ تعزیت کے لیے جمع ہوں اور قرآن خوانی ہو، نہ قبر کے پاس، نہ کسی اور جگہ، یہ سب باتیں بدعت ہیں، ایجاد کردہ ہیں، مکروہ ہیں۔ (زادالمعاد ۱/۱۵۰)

"فتاوی جامع الرموز" میں ہے: ویکره اجتماعهم عنده للتعزیة۔

یعنی تعزیت کے لیے اہل میت کے ہاں اجتماع کرنا مکروہ ہے۔(۱/ ۱۲۸، مراقي الفلاح ۱۲۰، طحطاوی علی الدر۱ /۶۱۲، شامی ۱ /۹۴۲)

''شرح سفر السعادۃ'' میں ہے: وعادت نبود کہ برائے میت در غیر وقت نماز جمع شوند، وقرآن خوانند وختمات خوانند، نہ بر سر گور، ونہ غیر آں، وایں مجموع بدعت است ومکروہ۔ (شرح سفر السعادۃ ۲۷۳) یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ وغیرہ سلف صالحین رحمہم اللہ کی یہ عادت نہ تھی کہ میت کے لیے سوائے صلوۃ جنازہ دوسرے کسی موقعہ پر جمع ہوتے ہوں اور قرآن پڑھتے ہوں، نہ قبر پر، اور نہ دیگر کسی مقام پر، یہ تمام رواج ورسوم بدعت اور مکروہ ہیں۔

بہت سے مقامات پر گھر کے سامنے شارعِ عام پر فرش یا کرسیاں بچھا کر تعزیت کرنے والوں کے لیے نشست کا انتظام کیا جاتا ہے، اس رسم کی فقہاء نے سخت الفاظ میں تردید فرمائی ہے۔ (فتاوی عالمگیری وغیرہ)

اجتماع کی قید کے بغیر اتفاقاً لوگ کسی وقت جمع ہو گئے، اس میں کسی بزرگ نے حاضرین کے ساتھ مل کر دعا کر لی، یہ مذکورہ رواجوں میں شامل نہیں ہے۔ ریاکاری سے ثواب برباد ہو جاتا ہے۔

مجالس الابرار میں ہے: أما موافقة أهل الدنيا لحاجته عندهم، أو خوف اللوم، أو اتباع العادة، أو نحو ذلك وفساد الكل ظاهر، لأن كل ذلك رياء، والرياء بالعبادة حرام یعنی دنیاداروں کی اتباع اور پیروی، اور رسم ورواج کے خاطر یا لوگوں کی ملامت سے بچنے کے لیے کوئی کام کیا جائے تو وہ ریاء ہے، اور ریاء عبادت میں حرام ہے۔ (ص ۱۹۔۱۴۱)

شامی میں ''معراج الدراية شرح هداية'' کے مصنف علامہ قیام الدین رحمۃ اللہ علیہ

(المتوفی ۷۴۹ھ) کا قول منقول ہے: وأطال ذلك في المعراج وقال: وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها، لأنهم لا يريدون بها وجه الله یہ سب ناموری اور دکھاوے کے کام ہیں، ان میں للّٰہیت نہیں ہوتی، ان سے احتراز کیا جائے۔

(۱/ ۸۴۲، از فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۳۳۰ تا ۳۳۴ مختصراً)

نیز عورتوں کو فقہائے حنفیہ نے نماز کی جماعتوں اور عیدین اور مجالسِ وعظ میں جانے سے منع کیا ہے، اور کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ عورتوں کے لیے مجالسِ وعظ اور جماعت نماز اور عیدین میں جانا مکروہ تحریمی ہے، جو حرام کے قریب ہے، تو مجالس تعزیت میں سفر کر کے جانے کی اجازت کیوں کر ہوگی؟ باوجودیکہ نمازِ پنج گانہ اور عیدین اور جمعہ کی جماعتوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں جاتی اور شریک ہوتی تھیں، اور یہ جماعتیں فرائض کی جماعتیں ہیں، اور شعائرِ اسلام میں سے ہیں؛ مگر اختلاف زمانہ اور تغیر حالات کی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمۂ عظام رحمہم اللہ نے عورتوں کو ان جماعتوں سے روک دیا، اور ائمۂ حنفیہ نے بالاتفاق عورتوں کے جماعت میں جانے کو مکروہ فرمادیا۔ (کفایت المفتی ۵/ ۳۹۴) تو ہر سمجھ دار شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ جب فرائض کی جماعتوں کا یہ حکم ہے تو تعزیت کی مجلسوں میں جانا عورتوں کو کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا۔

(ب) جب یہ اجتماع جائز و درست نہیں تو اس کو بنیاد بنا کر وعظ کی مجلس قائم کرنے کی اجازت بھی نہیں؛ بلکہ جلسۂ وعظ کے نام سے ان اجتماعات کی ترویج لازم آتی ہے جس کی قباحت ظاہر ہے۔

(ت) اس اجتماع کو منعقد کرنے والوں کی طرف سے قائم کی جانے والی مجلسِ وعظ میں ان کی دعوت پر وعظ کہنے کے لیے نہ جائے؛ البتہ اگر کوئی عالم اپنے طور پر امر بالمعروف

ونہی عن المنکر کے ارادے سے وہاں پہنچ کر اس اجتماع کی خرابیوں کو بیان کردے تو محمود ہے؛ لیکن اجتماع بلانے والوں کی دعوت پر جانا یا اس اجتماع کی خرابیوں کو بیان کرنے کے بجائے دیگر امور کو بیان کرنا تو ان کے تعاون کے مترادف ہے۔

(ث) جو اس میں شرکت کرتا ہے وہ گناہ میں بھی شریک ہے۔ من تشبه بقوم فهو منهم، ﴿لا تركنوا إلى الذين ظلموا﴾ ﴿فلا تقعد بعد الذكرىٰ مع القوم الظلمين﴾

(ج) لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے احکام وفرامین سے واقف کیا جائے، اتباع سنت کی اہمیت وضرورت پر زور دے کر رسم ورواج اور بدعت کی قباحت وبرائی سے ان کو آگاہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تیجہ کے روز رشتہ داروں کا دعوت پر جمع ہونا

سوال: ہمارے یہاں کاٹھیاواڑ میں میت کے انتقال کے تیسرے یا پانچویں دن ایک تاریخ مقرر کر کے میت کے ورثاء باہر کے رشتہ داروں کو خط کے ذریعہ بلاتے ہیں، اور یہ تاریخ اس لیے طے کی جاتی ہے کہ آج کل مصروفیت کے دور میں ایک وقت میں اکثر رشتہ دار جمع ہو کر تعزیت کرتے ہیں، اس کے بعد میت والے کے گھر کھانا کھاتے ہیں تو باہر سے آنے والے مہمان اس طرح کا کھانا کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز میت کے ورثاء ان مہمانوں کی میزبانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

تعزیت کرنے کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

عن النبی ﷺ أنه قال: "ما من مؤمن یعزی أخاه بمصیبة إلا کساه الله سبحانه من حلل الکرامة یوم القیامة"۔ یعنی جو شخص مصیبت و پریشانی کے وقت اپنے بھائی کو تسلی دے اور اس کی تعزیت کرے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو بزرگی اور کرامت کا لباس پہنائیں گے۔ (ابن ماجہ شریف ۱۱۶)

نیز حدیث میں ہے: "من عزی مصابا فله مثل أجره" یعنی جو شخص مصیبت زدہ کی تعزیت کرے، خدا تعالیٰ اس کو اتنا ثواب دے گا جتنا مصیبت زدہ کو (اس کے صبر کرنے پر)۔ (ترمذی شریف ۲/۱۲۷)

نیز حدیث میں ہے: قال رسول الله ﷺ: "من عزّیٰ ثکلی کُسِیَ بُرْدا فی الجنة"۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ایسی عورت کی تعزیت کرے جس کا بچہ مر گیا ہو تو اس کو جنت میں چادر اڑھائی جائے گی۔ (ترمذی شریف ۲/۱۲۷)

مجبوری یا دوری کی بناء پر بذاتِ خود حاضر نہ ہو سکے تو بذریعۂ خط بھی تعزیت کرے کہ یہ بھی سنت ہے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ کی وفات پر تعزیتی خط لکھا تھا، آپ ﷺ کا وہ خط حصن حصین میں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۶/۳۴۲)

لیکن تعزیت کے لیے شریعت مطہرہ نے کوئی دن متعین نہیں فرمایا ہے، اس لیے اس کے لیے دن کی تعیین اور اس موقعہ پر دعوت کا انتظام حکم شریعت میں زیادتی ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔

میت کے گھر والوں کی طرف سے کی جانے والی اس دعوت کو فقہاء نے بدعت و ممنوع لکھا ہے، صحابیٔ رسول ﷺ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ - یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم - میت کے اہل خانہ کے پاس جمع ہونے اور ان کی طرف سے کھانے وغیرہ

کے انتظام کو نیاحت (یعنی نوحہ خوانی جس کی صاف ممانعت حدیث میں آئی ہے وہ) سمجھتے تھے۔

شامی میں ہے: ویکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من أهل المیت؛ لأنه شرع فی السرور لا فی الشرور، وهی بدعة مستقبحة، روی الإمام أحمد وابن ماجه بإسناد صحیح عن جریر بن عبدالله قال: کنا نعدّ الاجتماع إلی أهل المیت وصنعهم الطعام من النیاحة، وفی البزازیة: ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الأول والثالث وبعد الأسبوع الخ (شامی ۱/ ۶۰۳)

مصروفیت کا عذر لچر اور بودہ ہے، آپ کے بقول اس طرح کرنے سے میت کے اہل خانہ کو سہولت ہوتی ہے تو دوسری طرف جب اطلاع دی جاتی ہے تو رشتہ دار اور متعلقین وہاں جانا ضروری سمجھتے ہیں کہ نہ جانے کی صورت میں میت کے اہل خانہ کی ناراضگی کا ڈر لگا رہتا ہے، اور ان کو اپنے ضروری کام اور بنے بنائے پروگرام کو ترک کر کے وہاں جانا پڑتا ہے اور وہ زحمت ومشقت میں پڑتے ہیں۔ وغیر ذلك من الخرافات۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

چالیسواں کرنا

سوال: ہمارے علاقے میں کسی کے انتقال کے بعد چالیس دن بعد چالیسواں کے نام سے کھانا کھلایا جاتا ہے، پوچھنے پر کہتے ہیں کہ مرحوم صاحب کے ثواب کے لیے ہے، اس میں شریک ہونا اور اسی طرح چالیس دن بعد ہی کرنا کہاں تک درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ ادلۂ شرعیہ سے ثابت نہیں، فقہا نے اس کے بدعت ہونے کی تصریح کی ہے، اس لیے اس کو ترک کیا جائے، اپنی طرف سے تخصیصات وتقییدات نہ کی جائیں۔

(فتاویٰ محمودیہ: ۱/۲۲۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ذوالقعدہ ۱۳۴۱ھ

تیجہ اور چالیسویں کا کھانا کھانا

سوال: اگر کسی کا ختم پڑھا جائے ایک ہفتہ کے بعد یا چالیسویں دن، اگر ختم کے بعد کچھ تقسیم کرے اس کا کھانا کیسا ہے اور پینا کیسا ہے؟ یا جس دن انتقال ہو گیا ہو اس دن ختم کے بعد کھانا پینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایصال ثواب کے لیے کسی تاریخ یا دن کی تعیین بدعت ہے، اسی طرح ایصال ثواب کے لیے قرآن پاک ختم کرا کے بطور معاوضہ کھانا کھلانا درست نہیں، اس سے ثواب نہیں ہوتا؛ بلکہ گناہ ہوتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۰/۳۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

انتقال کے بعد کھانا کھلانے کی شرعی حیثیت

سوال: میت کے انتقال کے کچھ ایام بعد محلہ یا بستی کے معصوم بچوں کو عام طور پر کھانا کھلایا جاتا ہے تو کیا اس طرح کھانا کھلانے میں کوئی شرعی قباحت ہے، یہ یاد رہے کہ اس کھلانے کو لازم نہیں سمجھا جاتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کھانا کھلانا اگر خلوص کے ساتھ ہو تو اجر وثواب کا کام ہے چاہے بچوں کو کھلایا جائے

یا بڑوں کو۔ اس لیے اس کو لازم سمجھے بغیر یا کسی دن یا تاریخ کی تخصیص کے بغیر کھانا کھلانا درست ہے اور اس کا ثواب بھی میت کو پہنچایا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اجتماعی ختمات کو ضروری سمجھنا

سوال: ہمارے مدرسہ میں گورکھپور سے ایک عالم دین آئے، انہوں نے کہا کہ ان کے زیرِ اہتمام مدرسہ میں اس کا اہتمام کیا جاتا ہے کہ بعد مغرب سورۂ واقعہ اور بعد فجر سورۂ یٰسٓ خصوصاً طلباء و مدرسین اجتماعی طور پر پڑھ کر اجتماعی دعاء مانگتے ہیں؛ تاکہ مدرسہ کی ضروریات پوری ہوسکیں، اور مدرسہ ترقی کرے، پھر ان کے اس تذکرہ پر ہمارے مدرسہ میں بھی یہ اہتمام شروع ہوا کہ بعد فجر طلباء و مدرسین اور بعض مصلیان اجتماعی طور پر بیٹھ کر ایک بار سورۂ یٰسٓ پڑھ کر اجتماعی دعا مانگنے لگے، جس میں شروع میں تو مدرسین بھی شریک ہوتے تھے؛ لیکن اب مدرسین شریک نہیں ہوتے تو خصوصاً مدرسین پر شریک ہونے کے لیے وہ مصلیان جو شریک ہوتے ہیں اصرار کرتے ہیں، اور نہ شریک ہونے پر ناگواری کا اظہار کرتے ہیں۔ لہٰذا مندرجۂ بالا عمل کی شرعی حیثیت مدلل واضح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوال میں مذکور عمل میں شرکت کے لیے حضراتِ مدرسین پر بعض مصلیان کی طرف سے اصرار اور عدم شرکت کی وجہ سے ناگواری کا اظہار اس بات کی دلیل ہے کہ وہ حضرات

اس عمل کو ضروری سمجھ رہے ہیں؛ حالاں کہ اس اجتماعی شکل میں نہ وہ ضروری ہے، نہ ہی سنت یا مستحب؛ بلکہ ایک مباح کا درجہ رکھتا ہے؛ لیکن ان مصلیان کے اس طرزِ عمل کی وجہ سے اس کی اباحت کی حیثیت بھی ختم ہوکر بدعت کے درجہ میں داخل ہوگیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ

ختم خواجگاں بدعت نہیں

سوال: فتاویٰ رحیمیہ ۱۰/ ۳۵۶ پر لکھا ہے: مجالس الابرار میں ہے کہ ایک جماعت مغرب کے بعد بیٹھا کرتی تھی اور ان میں سے ایک شخص کہتا کہ اتنی بار اللہ اکبر کہو اور اتنی بار سبحان اللہ کہو اور اتنی بار الحمد للہ کہو اور لوگ اس کے موافق پڑھتے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ان کے پاس تشریف لے گئے، اور وہ جس انداز میں پڑھتے تھے آپ رضی اللہ عنہ نے سن لیا تو آپ کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ میں عبداللہ بن مسعود ہوں۔ ”قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! بے شک یا تو تم نہایت تاریک بدعت میں مبتلا ہوگئے یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے بھی علم میں بڑھ گئے یعنی جو تم کرتے ہو یا تو تاریک بدعت ہے یا تم نے وہ بات پائی جو صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی ہاتھ نہ آئی تھی خواہ بے خبری سے یا سستی سے، پس تم طریق عبادت کے علم میں ان سے بھی غالب نکلے، دوسری صورت ناممکن ہے، پس پہلی صورت یعنی اس کا بدعتِ سیئہ ہونا ہی متعین ہے۔

(مجالس الابرار ۱۲۵ مجلس ۱۸/ فی احکام البدعۃ)

غور کیجئے: تسبیحات پڑھنے میں کس کو اعتراض ہوسکتا ہے؛ مگر چوں کہ پڑھنے کا طریقہ اور اس کا التزام موافقِ سنت نہیں تھا، اس وجہ سے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا۔ (فتاوی رحیمیہ کی عبارت پوری ہوئی)۔

اسی طرح کی ایک مثال ہمارے مدرسہ میں ہے کہ فجر کی نماز کے بعد ایک کلاس میں بچوں کو جمع ہونے کو کہا گیا اور ایک آدمی کہتا ہے کہ دس مرتبہ درود شریف پڑھو، پھر سب اس کے موافق پڑھتے ہیں اور کہتا ہے کہ سورۂ الم نشرح دس مرتبہ پڑھو یا ہاتھ میں جتنے کنکر ہیں اتنی مرتبہ پڑھو، اسی طرح اور آگے الفاظ ہیں، یہ ختمِ خواجگان ہے جو کہ آپ سے پوشیدہ نہیں، اور اس سے بڑی پریشانیاں دور ہوتی ہیں اور مالی حالت ٹھیک ہوتی ہے، اور علمائے صوفیاء اس پر مداومت کرتے ہیں، بندہ اس کو مانتا ہے؛ لیکن یہ صورت تو بدعت ہی کی ہوگی جیسے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول سے ثابت ہے، اور دوسرا یہ کہ ختمِ خواجگان میں لزوم اور اصرار نہ ہونا چاہیے، اور اس مدرسے میں لزوم اور اصرار پایا جاتا ہے؛ اس لیے کہ بچوں کو بیٹھنے اور نہ بیٹھنے کا اختیار نہیں، اگر اختیار ہو بیٹھنے اور نہ بیٹھنے کا تو لزوم اور اصرار نہ پایا جائے گا جیسے کہ گنگوہ کے مدرسہ میں ہے، اور اس مدرسے والوں کا لزوم اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ اگر کوئی بچہ نہ بیٹھا تو ان کی پکڑ کی گئی کہ آپ کیوں نہ بیٹھے؟ یہ سوال کرنا کہ (کیوں نہ بیٹھے) لزوم واصرار کو ثابت کرتا ہے، براہِ کرام جواب عنایت فرمائیں بندہ شکر گذار ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی امر کے بدعت اور ممنوع بننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کا شرعاً ثبوت بھی نہ ہو اور اسے دینی حکم بنالیا جاوے، ختمِ خواجگان اور ادو وظائف کے قبیل سے ہے، یہ کوئی خلافِ شریعت کلمات پر مشتمل نہیں ہے، پس اس کے پڑھنے سے کوئی نقصان وحرج نہیں؛ البتہ اسے شرعی حکم کی حیثیت نہ دی جاوے۔ (خیر الفتاوی ۱/۳۳۹)

بعض مدارسِ عربیہ میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے، مناسب تو یہی ہے کہ اس کے لیے جبر نہ کیا جائے؛ لیکن اگر بغرضِ تربیت پکڑ کی جاتی ہے تو یہ دلیلِ لزوم نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ معاملہ صرف طلبہ کے ساتھ ہوتا ہے، اگر اس وقت وہاں دوسرے لوگ موجود ہوتے ہیں تو نہ ان کی پکڑ کی جاتی ہے، نہ ان پر نکیر کی جاتی ہے، اور نہ ہی ان کے وہاں سے چلے جانے کو برا سمجھا جاتا ہے، معلوم ہوا کہ طلبہ کی پکڑ لزوم واصرار کی وجہ سے نہیں ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ زیرِ تربیت افراد کو مستحبات (ادعیہ وآداب) کی ادائیگی کا بھی پابند کیا جاتا ہے؛ حالاں کہ یہ مسلم اصول فقہی ہے کہ مستحبات کے ساتھ واجب کا سا معاملہ کرنا اس کو بدعت بنالینا ہے؛ لیکن چوں کہ ان کی تربیت مقصود ہے؛ اس لیے ان پر پابندی لگائی گئی ہے، چناں چہ جو لوگ زیرِ تربیت نہیں ہوتے ان سے بالکل تعرض نہیں کیا جاتا۔ فافہم وتدبر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/صفر ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عرس کی شرعی حیثیت

سوال: (۱) صندل وعرس کی ابتدا کب، کیسے ہوئی؟ شرعی جواز وحکم؟ اگر ہے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام یا حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا یا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صندل وعرس کیوں نہ کیا؟

بعد نماز روضۂ مبارکہ کی تصویر کی طرف رخ کرنا

سوال: (۲) بعض مساجد میں روضۂ مبارکہ کی تصویر لگا کر پابندی سے تصویر کی طرف رخ کرکے درود پڑھا جاتا ہے، کیا خلفائے راشدین سے یہ عمل ثابت ہے؟ اگر

نہیں تو کیا بدعت نہیں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① زیارتِ قبور مسنون ہے، مزارات پر عبرت حاصل کرنے، دعائے مغفرت کرنے، فاتحہ خوانی، تلاوتِ قرآن وغیرہ کے لیے جانا اور بخشنا اور خیرات کرنا یہ سب جائز ہے منع نہیں ہے؛ لیکن رسمی عرس جو یومِ وفات متعین کرکے اور اس کو شرعی حکم اور ضروری سمجھ کر ہر سال اجتماعی صورت میں کیا جاتا ہے یہ ناجائز ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک دور میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، یہ اہل کتاب کا رواج ہے، اگر اسلامی رواج ہوتا تو سب سے پہلے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس مناتے پھر دیگر انبیاء اور خلفاءِ راشدین کا ہوتا، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”لا تجعلوا قبری عیدا“ میری قبر کو عید (تہوار) نہ بنائیں۔ (مشکوۃ ۸۶)

یعنی جس طرح تہوار میں لوگ ایک ہی تاریخ کو جمع ہوتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں، اس طرح میری قبر پر جمع مت ہونا، عید (تہوار) میں یہ تین چیزیں خاص کر ہوتی ہیں: (۱) تاریخ کو متعین کرنا۔ (۲) اجتماع۔ (۳) خوشیاں منانا؛ لہٰذا از روئے حدیث مزاروں پر ایک متعین تاریخ کو اجتماع کرنے کی اور رواجی خوشیاں منانے کی ممانعت ثابت ہوئی، اس لیے حدیث مذکور کی تشریح میں علامہ محمد طاہر فرماتے ہیں: لا تجتمعوا لزیارته اجتماعکم للعید؛ فإنه یوم لهو وسرور، وحال الزیارة بخلافه، وکان دأب أهل الکتاب فأورثهم القسوة (مجمع البحار ۲/ ٤٤٥)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قبر کی زیارت کے لیے مثل عید کے جمع نہ ہونا چاہیے؛ کیوں کہ یومِ عید تو کھیل اور خوشی کا ہے، اور زیارتِ قبر کی شان تو اس سے علیحدہ ہے، قبر پر

عرس منانے کا رواج اہلِ کتاب کا ہے، جس کی وجہ سے ان کے قلوب بھی سخت ہو گئے (زیارتِ قبور کا مقصد عبرت حاصل کرنا تھا وہ فوت ہو گیا)۔

اس لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کی زیارت کا دن اور تاریخ متعین نہیں ہے، سال کے درمیان کتنے ہی مشتاق کسی بھی تاریخ کو آتے رہتے ہیں، جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر عرس واجتماع نہیں ہوتا تو دیگر بزرگانِ دین کے مزاروں پر کیوں کر جائز ہوسکتا ہے؟

اسی لیے بزرگانِ دین، محدثین، فقہاء کرام نے صریح الفاظ میں ''رواجی عرس'' کو ناجائز بتلایا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ کے شاگرد رشید اور حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں کے خاص خلیفہ بیہقیٔ وقت حضرت قاضی ثناء اللہ نقشبندی پانی پتی تفسیرِ مظہری میں فرماتے ہیں:

لا يجوز ما يفعله الجهال بقبور الأولياء والشهداء من السجود والطواف حولها واتخاذ السروج إليها ومن اجتماع بعد الحول كالأعياد ويسمونها عرساً۔ یعنی جاہل لوگ اولیاء اور شہداء کی قبروں سے جو برتاؤ کرتے ہیں یعنی قبروں کو سجدہ کرنا اور اس کا طواف کرنا، اس پر چراغاں کرنا اور ہر سال عید کی طرح وہاں پر جمع ہوجانا جسے عرس کا نام دیتے ہیں یہ سب امور ناجائز ہیں۔

اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''مقرر ساختنِ روزِ عرس جائز نیست''۔ عرس کا دن مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔ (مسائل اربعین ۴۲)

اور مجالس الابرار میں ہے: اور قبروں کو عید بنانے سے منع فرمایا، اور حال یہ ہے کہ وہ مخالفت کرتے اور میلے مناتے ہیں اور اس پر ایسے جمع ہوتے ہیں جیسے عید کے لیے؛ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ (۱۷، ۱۸)

ان تمام کتابوں کو بریلوی علماء قابلِ اعتماد اور ان کے مصنفین کو مذہبی پیشوا مانتے ہیں، اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ اعتقادی خرابی کے علاوہ رواجی عرس کی عملی خرابی بھی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ بریلوی علماء بھی عرس میں نہ جانے کا فتویٰ دینے کے لیے مجبور ہو گئے ہیں، دیکھئے: مولوی حکیم محمد حشمت علی صاحب عرس کی بابت ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''مگر بہتر یہ ہے کہ زیارتِ پیرانِ کلیر واجمیر وغیرہ کو بعد میلوں کے جانا چاہیے کہ میلوں میں بدعات وامورِ نامشروعہ اکثر ہوتے ہیں، اور عام لوگ اپنے نفس پر ان سے بچنے کا قابو نہیں رکھتے، اور اولیائے کرام کے دربار میں گناہ کا ارتکاب اور زیادہ سخت۔ (مجمع المسائل ۱/۱۱۰) (فتاویٰ رحیمیہ ۲/۳۱۹۔۳۱۸)

② کسی نماز کے بعد (روضۂ مبارک کی تصویر لگا کر پابندی سے تصویر کی طرف رخ کر کے) اجتماع والتزام کے ساتھ بلند آواز سے درود وسلام پڑھنا نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، نہ صحابہ وتابعین سے، اور نہ ائمۂ مجتہدین اور علماء سلف میں کسی سے، اگر یہ عمل اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے نزدیک محمود ومستحسن ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین اور ائمۂ دین اس کو پوری پابندی کے ساتھ کرتے، حالاں کہ ان کی پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا، اس سے معلوم ہوا کہ درود وسلام کے لیے اجتماع اور التزام کو یہ حضرات بدعت وناجائز سمجھتے تھے جس کے متعلق رسولِ کریم ﷺ کا ارشاد صحیح بخاری ومسلم میں بروایتِ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا منقول ہے: ''من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد''۔ یعنی جس شخص نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز نکالی جو اس میں داخل نہ تھی تو وہ مردود ہے۔ اور صحیح مسلم میں بروایتِ حضرت جابر رضی اللہ عنہ وارد ہے: ''وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة'' یعنی بدترین عمل وہ نئی چیزیں ہیں جو خود

ایجاد کی جائیں، اور ہر نو ایجاد عبادت گمراہی ہے۔ عبادت کے نام پر دین میں کسی نئی چیز کا اضافہ تعلیماتِ رسول ﷺ کو ناقص قرار دینے کا مرادف ہے، اور بقول شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: تحریفِ دین کا راستہ ہے؛ اسی لیے حضراتِ صحابہ وتابعین نے اس معاملہ میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''کل عباد لم یتعبدها أصحاب رسول الله ﷺ فلا تعبدوها (إلی) وخذوا بطریق من کان قبلکم''۔ یعنی جس طرح کی عبادت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نہیں کی تم بھی اس کو عبادت نہ سمجھو؛ بلکہ اپنے اسلاف صحابہ کا طریق اختیار کرو۔ (کتاب الاعتصام للشاطبی ۷/۳۱۱)

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد کفتیم''۔ یعنی تم لوگ ہمارے (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے) آثار کا اتباع کرو اور نئی نئی عبادتیں نہ گھڑو؛ کیوں کہ تم سے پہلے عبادت کا تعین ہو چکا ہے۔ (جواہر الفقہ ۱/۲۱۳)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

اذان کے وقت انگوٹھے چومنا

سوال: ''أشهد أن محمدا رسول الله'' کے وقت شہادت کی انگلی کو آنکھوں سے چومنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اذان واقامت میں ''أشهد أن محمدا رسول الله'' کہے جانے پر سنت اور عبادت

سمجھ کر انگوٹھے چومنا بدعت ہے، نہ سرورِ کائنات ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے، نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم سے انگوٹھا چومنا ثابت ہے، اور اس سلسلہ میں جتنی روایتیں سرکارِ دوعالم ﷺ کی طرف منسوب کی جاتیں ہیں، وہ سب بے اصل اور بے بنیاد ہیں۔

شامی میں ہے۔ وذكر ذلك الجراحي، وأطال، ثم قال: ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء (١/ ٢٦٧) یعنی علامہ جراحی رحمۃ اللہ علیہ نے اس (انگوٹھے چومنے کی) روایت کو ذکر کیا ہے، اور اس پر طویل گفتگو کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی روایت حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

شیخ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس سلسلہ کی تمام روایتوں کو نقل کرنے کے بعد آخر میں فرمایا ہے کہ: ولم يصح في المرفوع من كل هذا شيء . (كشف الخفاء ٢/ ٢٧١)

''امداد الفتاویٰ'' میں ہے: ''اول تو اذان ہی میں انگوٹھے چومنا کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں، اور جو کچھ بعضے لوگوں نے اس بارے میں روایت کیا ہے، وہ محققین کے نزدیک ثابت نہیں؛ مگر اقامت میں کوئی ٹوٹی پھوٹی روایت بھی موجود نہیں، پس اقامت میں انگوٹھے چومنا اذان کے وقت چومنے سے بھی زیادہ بدعت اور بے اصل ہے''۔ (١/ ٢٥٩) (از آداب اذان واقامت ١٤٠، ١٤١) اس سلسلہ میں ایک تفصیلی فتویٰ ''فتاویٰ رحیمیہ جلد دوم از ٣٠٣ تا ٣٠٧'' موجود ہے، اس کا مطالعہ انشاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔

اذان واقامت میں کلمۂ شہادت پر انگلی اٹھانا

سوال: ہمارے یہاں مسجد میں بعض لوگ اذان واقامت کے الفاظ أشهد أن لا اله الا الله پر کلمۂ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ ویسے

میں نے کتابوں میں تو صرف التحیات میں لا إلٰہ إلا اللہ پر انگلی سے اشارہ کرنا پڑھا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کا ثبوت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قبر پر اذان دینا

سوال: قبروں پر اذان دینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مردے کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا بدعت ہے، اس سے بچنا نہایت ضروری ہے۔ شامی میں ہے: لا یسن الأذان عند ادخال المیت في قبرہ، کما ھو المعتاد الآن، وقد صرح ابن حجر في فتاویٰہ بأنہ بدعۃ (۱/ ۶۶۰) یعنی میت کو قبر میں اتارنے کے وقت اذان دینا مسنون نہیں ہے، جیسا کہ اس کا رواج ہے، علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں واضح طور پر فرمایا ہے کہ قبر پر اذان دینا بدعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حی علی الصلاۃ پر کھڑا ہونا

سوال: جمعہ کے روز امام صاحب منبر سے خطبہ دے کر اتر کر سیدھے مصلے پر بیٹھ جاتے ہیں، اور اقامت کے وقت حی علی الصلوۃ پر کھڑے ہوتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ ثابت نہیں ہے، بدعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/رجب ۱۴۱۵ھ

ستائیسویں رمضان کو ستائیس اذانیں دینا

سوال: رمضان شریف کی ۲۷/تاریخ کو یہاں کی جامعہ مسجد میں عشاء کے وقت ۲۷/اذانیں دی جاتی ہے، اور یہ کہتے ہیں کہ ایسا کر سکتے ہیں اور باعثِ برکت وثواب سمجھتے ہیں، کیا یہ عمل درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کا بھی ثبوت نہیں ہے، بدعت شنیعہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/رجب ۱۴۱۵ھ

ستائیسویں رمضان میں سات اذانیں بدعت ہے

سوال: ہمارے گاؤں میں سالہا سال سے یہ دستور چلا آرہا ہے کہ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب (لیلۃ القدر) کو عشاء کی نماز سے پہلے سات اذانیں دی جاتی ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟ درست ہے؟ جب کہ پنج وقتی ہر نماز سے پہلے صرف ایک ہی اذان ہوتی ہے۔ پھر یہ سات اذانیں کیسی ہیں؟ جب اس بارے میں کہا جاتا ہے تو جواب دیتے ہیں کہ کیا ہمارے باپ دادا پاگل تھے اب تم آئے ہو شرع بتلانے اور اب تک یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔

میں عالم یا مفتی نہیں جو ہمارے بھائیوں کو سمجھا سکوں اس لیے پوری تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں۔ اور خلاصہ کریں تا کہ ہمارے بھائیوں کی سمجھ میں آسکے۔ سات اذانیں دینے کا یہ دستور کہیں بھی دکھائی نہیں دیتا۔ سوائے دو ایک گاؤں کے پانچ وقت کی فرض نماز کے علاوہ اور نمازوں کے لیے اذانیں نہیں ہوتیں۔ آپ کے جواب کا شدید انتظار ہے۔ کیوں کہ اب ستائیسویں شب رمضان آرہی ہے اور ہمیں آپ کا صحیح جواب لیلۃ القدر سے پہلے ہی مل جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

رمضان المبارک کی ستائیسویں شب میں نماز عشاء کے لیے سات اذانیں دینا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور ائمۂ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی سے ثابت نہیں ہے۔ اس لیے یہ طریقہ بدعت ہونے کی وجہ سے واجب الترک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ ۱۵/ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

میت کے سینے پر کلمۂ شہادت لکھنا

سوال: میت کو کفناتے وقت کفن پر کلمہ طیبہ لکھا جاتا ہے، یعنی کفنی پر سینے کے حصہ پر چاک یا پین سے یا مٹی کے کھڈو سے لکھا جاتا ہے، یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جائز نہیں؛ اس لیے کہ میت کے پھٹنے کی وجہ سے بے حرمتی ہوگی۔ (احسن الفتاویٰ ۱/۳۵۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/رجب ۱۴۱۵ھ

دودھ بخشوانا، بچوں کو ایصال ثواب کرنا

سوال: ① حالتِ شیر خوارگی میں جو بچہ مرجاتا ہے دیہاتی عورتیں قریب جاکر دودھ بخشتی ہیں، ایسا کرنا کیسا ہے؟

② نیز نابالغین کے لیے ایصال ثواب کرنا کیسا ہے؟ جبکہ وہ غیر مکلف اور معصوم ہوتے ہیں۔

③ شیر خوارگی ہی کے زعم میں برائے ایصالِ ثواب فقراء ومساکین کے لیے دودھ کو ہی اختیار کرتی ہیں، از روئے شرع ان کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① دودھ بخشنا یا بخشوانا لغو حرکت ہے۔ (ماخوذ از اصلاح انقلاب امت حصہ دوم ۱۵۸)

② بچے معصوم ہیں، گناہوں کے بخشوانے کے لیے ان کے حق میں ایصال ثواب کی ضرورت نہیں۔ ہاں! تحصیلِ انعامات کے لیے دعا کی جائے تو ٹھیک ہے جیسے صلوۃِ جنازہ میں کی جاتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۳۳)

③ بچوں کے ایصال ثواب کے لیے دودھ کو ہی اختیار کرنا التزام مالا یلزم اور تخصیص ہے، جو جائز نہیں ہے، بدعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/رجب ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

متبرک راتوں میں نفلی عبادت کے لیے اجتماع اور کھانے وغیرہ کا اہتمام

سوال: ایک مسجد میں ۲۷ رمضان کو وعظ ہوا، جس میں وعظ کے بعد حسب استطاعت لوگوں نے نفلی عبادت بھی کی، کہ کچھ نوجوانوں نے کھانا پکا کر عبادت کرنے والوں کی دعوت بھی کی، جس میں محلہ کے کچھ دوسرے مسلمان بھی جنہوں نے شب بیداری نہیں کی تھی شریک ہوئے، اب یہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بدعت تھا، تو اس بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

متبرک راتوں میں نفلی عبادت اپنے اپنے مکان پر انفرادی طور پر کی جائے، اس کے لیے مساجد میں اجتماع اور پھر ان کے لیے کھانے کا انتظام واہتمام درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۹ رذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کیا عاشورہ کا روزہ بدعت ہے؟

سوال: (۱) ایک صاحب عاشورہ کے روزہ کو بدعت قرار دیتے ہیں، اس لیے اس کی مشروعیت پر مدلل جواب تحریر فرمائیں، ایسے ہی ان صاحب کا کہنا ہے کہ جو کوئی

شخص اس کے بدعت ہونے کا قائل نہ ہو وہ ضلالت وگمراہی میں پڑا ہوا ہے۔

روح قبض ہونے کے بعد اگربتی جلانا

(۲) حالتِ نزع میں روح کے قبض ہونے سے پہلے اور بعد اگربتی اور لوبان کا جلانا کیسا ہے؟ مشروع یا بدعت، مستحب یا مستحسن؟ مدلل جواب دیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) یوم عاشوراء کا روزہ نویں کے ساتھ مسنون ہے۔

وأما القسم الثالث وهو المسنون فهو صوم عاشوراء فانه يكفر السنة الماضية مع صوم التاسع لصومه ﷺ العاشر وقال لئن بقيت إلى قابل لأصومن التاسع. (مراقی الفلاح علی هامش الطحطاوی: ۳۵۰)

(۲) روح قبض ہونے کے بعد اس کے پاس خوشبو جلا کر رکھنا مستحب ہے: ويحضر عنده من الطيب. (فتاوی عالمگیری: ۱۵۷/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۳۰ محرم الحرام
الجواب صحیح: عباس بسم اللہ عفی عنہ

صلوۃ وسلام کے مسائل

کھڑے ہوکر سلام پڑھنے کا شرعی حکم

نوٹ: حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا یہ جواب ایک رسالہ کے جواب کے طور پر تحریر کیا گیا ہے، اصل رسالہ کی عبارات چوں کہ جواب کے ضمن میں درج ہیں، اس لیے یہاں محولہ رسالہ شامل نہیں کیا گیا؛ نیز جواب کا سمجھنا اس پر موقوف بھی نہیں۔ (از مرتب)

محترم! سلام مسنون

آپ کا مرسلہ کتابچہ (تالیف جناب ضیاء مجاہد صاحب) موصول ہوا، دارالافتاء کی مصروفیت اور تدریسی و دیگر مصروفیات سے وقت نکال کر جواب لکھ دیا تا کہ آپ حضرات کے لیے کارآمد ثابت ہو، ویسے یہاں کی مصروفیات میں اس قسم کے تفصیلی جواب کی گنجائش کم رہتی ہے؛ بہرحال آپ حضرات کی طلبِ صادق پر اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی، اس کو طبع فرمائیں تو چند نسخے یہاں ضرور بھیجیں، دعاؤں میں یاد فرمائیں۔ والسلام

آپ کے مرسلہ دونوں رسائل ہم نے رکھ لیے ہیں تا کہ فائل رہے۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کا رسالہ ''کھڑے ہو کر سلام باعثِ رحمت، خیر و برکت اور اجر و ثواب'' (از ضیاء مجاہد ایم، اے) موصول ہوا۔ رسالہ کا اتنا طویل نام پڑھ کر ہم سمجھے کہ مؤلف کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کا رحمت اور موجبِ اجر و ثواب ہونا ثابت فرمائیں گے، مگر جب رسالہ کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ صرف ڈھول کی آواز ہے جو اندر سے خالی ہے۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا	❁	جو چیرا تو اک قطرۂ خون نہ نکلا

رسالہ پڑھنے سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ مؤلف تو دعویٰ اور دلیل کی مطابقت سمجھنے سے عاری ہیں اور نہ ان کو قرآن و حدیث کی اصل زبان یعنی عربی سے ہی واقفیت ہے اور نہ اصطلاحاتِ علمیہ و فقہیہ اور طرق و وجوہ استدلال سے، بالکل غیر متعلق روایات اور اقوال پر اپنے دعویٰ کی بنیاد رکھی ہے، ہم اس رسالے کے ہر ہر لفظ اور سطر پر

کلام کریں تو بڑی مہلت وفرصت درکار ہے، چند موٹی موٹی باتوں کی طرف اشارہ کر دیتا ہوں۔

مؤلف نے اس رسالہ کے شروع ہی میں اپنا دعویٰ بایں عبارت پیش کیا ہے:

"محفلِ میلاد میں، نماز جمعہ کے بعد، یا سیرت النبی ﷺ کے جلسوں میں جس طرح ان دنوں میں مروجہ طریقہ پر کھڑے ہو کر حضور اقدس ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں ہدیۂ صلوۃ وسلام پیش کیا جاتا ہے، وہ نہ صرف جائز ومستحب بلکہ باعثِ رحمت، خیر و برکت، اجر وثواب بھی ہے، اس کے بعد شرک وبدعت کہنا صریح گمراہی، بے دینی وجہالت ہے، درود وسلام کا کھڑے ہو کر پڑھنا قرآن وحدیث وائمۂ اربعہ، اکابرین علماء، فقہاء، محدثین ومتکلمین سے ثابت ہے"۔

لیکن بڑی حیرت ہوئی اس وقت جب کہ پورے رسالہ میں قرآن وحدیث اور ائمۂ اربعہ وغیرہ سے ایک دلیل بھی ایسی نہ ملی جس سے ان کا دعویٰ ثابت ہوتا ہو۔

سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ اصل متنازع فیہ مسئلہ کیا ہے اس کی تنقیح کر لیں، اور ساتھ ہی اوپر کی عبارت میں مؤلف نے کیا ہوا دعویٰ کیا ہے اس کے اجزاء کو منضبط کر لیں تاکہ یہ بات سمجھنے میں سہولت ہو کہ مؤلف نے اپنے دعویٰ کو کس حد تک مدلل ومبرہن کیا ہے؟

اصل بحث: ① یہ یاد رہے کہ انفرادی درود وسلام کے بارے میں کوئی نزاع اور بحث نہیں ہے، کیوں کہ انفرادی طور پر درود کی کثرت کے فضائل حدیث وقرآن میں مذکور ہیں، اور صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم کا معمول ہے، نہ اس کے لیے کوئی وقت مقرر ہے نہ تعداد، جتنا کسی سے ہو سکے اختیار کرے اور سعادتِ دارین حاصل کرے، نزاع اور بحث تو صرف اس کی مروجہ اجتماعی صورت میں ہے۔

(۲) نیز جس طرح ذکر اللہ، تلاوتِ قرآن کھڑے ہوکر، بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر بھی ہر طرح جائز ہے اسی طرح درود شریف بھی ہر طرح جائز ہے، ہاں اگر کوئی کھڑے ہوکر پڑھنے کو ضروری اور اس کے خلاف کو بے ادبی سمجھے تو یہ ایک غیر واجب کو اپنی طرف سے واجب قرار دینے کی وجہ سے ناجائز ہے، خصوصاً جب کہ نماز میں رسول اللہ ﷺ نے درود شریف کو بیٹھ کر پڑھنے کی سنت جاری فرمائی ہے تو بیٹھ کر درود وسلام پڑھنے کو خلافِ ادب کہنا اس حکمِ ربانی اور تعلیمِ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت ہوگی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہماری بحث میں صرف دو باتیں متنازع فیہ ہیں، ایک درود وسلام کا مروجہ طریقہ اور دوسری اس میں قیام کو ضروری سمجھ کر اس کے خلاف کو بے ادبی قرار دینا۔

اب آپ جناب ضیاء مجاہد صاحب کا یہ پورا رسالہ بغور پڑھ کر بتلائیں کہ انھوں نے اس میں ایک بھی دلیل ایسی پیش فرمائی ہے جس سے اوپر والی دونوں متنازع فیہ باتیں ثابت ہوتی ہوں؟

مؤلف کا دعویٰ: اوپر ہم مؤلف کا دعویٰ ان ہی کے الفاظ میں نقل کر آئے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) مروجہ طریقہ پر کھڑے ہوکر جو درود وسلام پڑھا جاتا ہے وہ نہ صرف جائز ومستحب بلکہ باعثِ رحمت، خیر وبرکت، اجر وثواب بھی ہے۔

(۲) درود وسلام کا کھڑے ہوکر پڑھنا قرآن وحدیث وائمۂ اربعہ، اکابرین علماء فقہاء، محدثین اور متکلمین سے ثابت ہے۔

مؤلف کے ان دونوں دعووں کو پیشِ نظر رکھیے اور پورے رسالہ کا مطالعہ کیجیے، کیا کوئی ایک دلیل بھی ایسی پیش فرمائی ہے جس سے مروجہ طریقہ اور درود وسلام کا کھڑے ہوکر

پڑھنا ثابت ہوتا ہو؟

ہم مؤلف کے بیان فرمودہ دلائل کا جائزہ تو بعد میں لیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ، اس سے پہلے مروجہ طریقہ کے بارے میں اصولی کلام کرتے ہیں۔

عبادات کے اندر اپنی طرف سے کیفیات کا تعین کرنا:

یہ ضروری نہیں کہ کوئی چیز اصل ہی میں بری ہو تو وہ بدعت ہوگی بلکہ وہ اہم طاعات اور عبادات بھی جن کو شریعت نے مطلق چھوڑا ہے (یعنی اس کے لیے کوئی وقت یا کیفیت وہیئت مقرر نہیں فرمائی ہے) ان میں اپنی طرف سے قیود لگا دینا یا ان کی کیفیت بدل دینا یا اپنی طرف سے اوقات کے ساتھ متعین کر دینا، یہ بھی شریعت کی اصطلاح میں بدعت ہوگی، اور شریعتِ اسلامی اس کو پسند نہیں کرے گی، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ:

عن النبي ﷺ قال: لاتختصوا ليلة الجمعة بقيام من بين الليالي، ولاتختصوا يوم الجمعة بصيام من بين الا يام إلاأن يكون في صوم يصوم احدكم. (مسلم ١/ ٣٦١)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ جمعہ کی رات کو دوسری راتوں سے نماز اور قیام کے لیے خاص نہ کرو، اور جمعہ کے دن کو دوسرے دنوں سے روزہ کے لیے خاص نہ کرو، مگر ہاں اگر کوئی شخص روزے رکھتا ہے اور جمعہ کا دن بھی اس میں آجائے تو الگ بات ہے۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی فضیلت نمازِ جمعہ کی وجہ سے ہے، محض اس فضیلت کے سبب جمعہ کی رات کو نماز وغیرہ کے لیے اور دن کو روزہ کے لیے خاص کرنا صحیح نہیں ہے۔

علامہ ابو اسحاق شاطبی رحمۃ اللہ علیہ بدعات کی تعیین اور تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ومنها: التزام الكيفيات والهيئات المعينة كالذكر بهيئة الاجتماع على صوت واحد، (إلى أن قال) ومنها: التزام العبادات المعينة في أوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعيين في الشريعة. (الاعتصام ١/ ٣٤)

اوران ہی بدعات میں سے کیفیاتِ مخصوصہ اور ہیئاتِ معینہ کا التزام ہے جیسے کہ ہیئاتِ اجتماع کے ساتھ ایک آواز پر ذکر کرنا (پھر آگے فرمایا) اوران ہی بدعات میں سے خاص اوقات کے اندر ایسی عباداتِ معینہ کا التزام کر لینا بھی ہے جن کے لیے شریعتِ مطہرہ نے وہ اوقات مقرر نہیں کیے ہیں۔

اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

فاذا ندب الشرع مثلاً إلى ذكر الله فالتزم قوم الاجتماع على لسان واحد وبصوت واحد او في وقت معلوم مخصوص عن سائر الاوقات، لم يكن في ندب الشرع مايدل على هذا التخصيص الملتزم بل فيه مايدل على خلافه (الاعتصام ١ /٣٣٥)

جب شریعت نے کسی چیز کی ترغیب دی ہو، مثلاً: ذکر اللہ، سو اگر ایک قوم اس کا التزام کر لے کہ ایک زبان ہو کر ایک آواز سے وہ ذکر کرتی ہے یا دیگر اوقات کے علاوہ کسی معلوم اور مخصوص وقت کے اندر وہ ذکر کرتی ہے تو شریعت کی ترغیب اس معین تخصیص اور التزام پر ہرگز دلالت نہیں کرتی بل کہ وہ اس کے خلاف دلالت کرتی ہے۔

حافظ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ان هذه الخصوصيات بالوقت او بالحال والهيأة والفعل المخصوص

يحتاج الى دليل خاص يقتضي استحبابه بخصوصه وهذا أقرب: یہ خصوصیات وقت یا حال اور ہیئت اور فعلِ مخصوص کے ساتھ کسی خاص دلیل کی محتاج ہیں جو علی الخصوص ان کے استحباب پر دلالت کرے اور یہی چیز اقرب الی الصواب ہے۔

پھر آگے لکھتے ہیں: لأن الحكم باستحبابه على تلك الهيأة الخاصة يحتاج دليلاً شرعيا عليه ولا بد. کیوں کہ کسی چیز کے کسی خاص ہیئت کے ساتھ مستحب ہونے پر لازم اور لابدی ہے کہ دلیل شرعی موجود ہو۔

آگے مزید لکھتے ہیں:

وقريب من ذلك أن تكون العبادة من جهة الشرع مرتبة على وجه مخصوص فيريد بعض الناس أن يحدث فيها أمراً آخر لم يرد به الشرع زاعماً أنه يدرجه تحت عموم، فهذا لايستقيم لان الغالب على العبادات التعبد ومأخذها التوقف. (احكام الاحكام ۱/ ۵۱)

کوئی عبادت شریعت میں کسی خاص طریقہ پر ثابت ہو اور بعض لوگ اس کے اندر کچھ تغیر کر دیں اور خیال یہ کریں کہ یہ بھی عموم کے نیچے داخل ہے تو ان کا ایسا خیال درست اور صحیح نہ ہوگا، کیوں کہ عبادات کے اندر تعبدی طریقہ غالب ہے اور اس کا ماخذ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) سے اطلاع پائے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ (محصلا)

صاحبِ مجالس الابرار ایک خاص ہیئت اور کیفیت کے ساتھ مسجد میں اجتماعی طور پر ذکر کرنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کا حوالہ دیتے ہوئے (آگے ہم اس روایت کا ذکر ان شاء اللہ کریں گے) فرماتے ہیں:

هكذا يقال بكل من اتى في العبادات البدنية المحضة بصفة لم تكن

في زمن الصحابة (مجالس الابرار ۱۳۳) ''ہر اس شخص کے متعلق ایسا ہی کہنا چاہیے (کہ وہ بدعت کا مرتکب ہے) جو خالص بدنی عبادت میں کوئی ایسی صفت اور ہیئت پیدا کرے جو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں نہ تھی''۔

کیوں کہ اس تغیرِ ہیئت کی وجہ سے دین بدل جائے گا اور اسی کا نام تحریف دین ہے؛ چناں چہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریف دین کے اسباب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ومنها التشدد وحقيقته اختيار عبادات شاقة لم يأمر بها الشارع كدوام الصيام والقيام والتبتل وترك التزوج وان يلتزم السنن والآداب كالتزام الواجبات. (حجة الله ۱/۱۴۰)

''اور ان اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ تشدد اختیار کرلیا جائے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایسی مشکل عبادات کو اختیار کرلیا جائے جن کے متعلق شریعت نے حکم نہیں دیا، مثلاً: کوئی دوامی طور پر روزہ رکھے اور قیام کرے اور عزلت نشینی اختیار کرے اور نکاح کرنا چھوڑ دے، اور مثلاً یہ کہ سنتوں اور مستحبات کا ایسا التزام کرلے جیسا کہ واجبات کا کیا جاتا ہے''۔

یہی وجہ ہے کہ قانونِ الٰہی نے انسانوں کو اپنی مرضی پر نہیں چھوڑا، عبادات ومعاملات حتی کہ حکومت اور سلطنت کے احکام میں بھی ان کو پابند کردیا ہے تاکہ وہ اپنی اہواء وخواہشات کے تحت اللہ تعالیٰ کے دین کا حُلیہ نہ بگاڑ دیں۔

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں: فجاء ت الشرائع تحملهم على ذلك فى جميع أحوالهم من عبادة أو معاملة حتى فى الملك الذى هو طبيعى للاجتماع الانسان فاجرَتْه على منهاج الدين ليكون الكل محوطا بنظر الشارع. (مقدمه ابن خلدون ۱۹۰)

''شرائع اسلامیہ اسی لیے تو آئی ہیں کہ لوگوں کو تمام حالات میں (خواہ وہ)

عبادات ہوں یا معاملات حتی کہ ملکی انتظام جو لوگوں کے اجتماع کا ایک طبعی امر ہے، دین پر قائم رہنے کی تلقین کریں اور ان کو دین کے طریقہ پر محض اس لیے قائم رہنے کی تلقین کی ہے کہ ان کے تمام معاملات شارع کی نگرانی میں ہوں''۔

مشہور فقیہ ابوحنیفہ ثانی علامہ ابن نجیم المصری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: لان ذکر اللہ تعالیٰ لو قصد به التخصيص بوقت دون وقت او بشیء دون شیء لم یکن مشروعا حیث لم یرد به الشرع لانه خلاف الشرع . (بحرالرائق ۱/ ۱۵۹)

''اس لیے کہ ذکر اللہ کی جب کسی ایک ہی وقت کے ساتھ تخصیص کا قصد کرلیا گیا اور دوسرے وقت میں وہ نہ ہوا یا کسی شئ کے ساتھ ذکر اللہ کو مخصوص کرلیا گیا، دوسری چیز کے ساتھ وہ خاص نہ کیا گیا تو وہ مشروع نہ ہوگا، کیوں کہ اس کے متعلق شریعت میں کوئی تخصیص نہیں آئی، لہٰذا وہ خلافِ شرع ہوگا''۔

علامہ موصوف بھی یہی بتلانا چاہتے ہیں کہ گو اللہ تعالیٰ کا ذکر ایک بڑی عبادت ہے لیکن جب شریعت نے اس کو کسی خاص وقت کے ساتھ یا جہر اور اخفاء یا اجتماع وانفراد وغیرہ کسی خاص کیفیت اور ہیئت کے ساتھ مخصوص نہیں کیا تو اس کو اپنی طرف سے کسی خاص وقت یا کسی خاص کیفیت کے ساتھ متعین کردینا غیر مشروع ہوگا؛ بلکہ تحریفِ دین ہے، اس لیے کہ شریعت نے ایسا کرنے کا حکم نہیں دیا۔

ان اقتباسات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہوجاتی ہے کہ جب شریعت نے کسی رات یا دن کو کسی عبادت کے لیے مخصوص نہ کیا ہو اور جب ذکر اللہ وغیرہ عبادات کو کسی خاص ہیئت اور کیفیت کے ساتھ متعین نہ کیا ہو، تو اپنی طرف سے وقت اور کیفیت کا متعین کرنا، اور اس تعیین کا التزام کرنا بدعت بھی ہے، اور غیر مشروع بھی۔

حضرات صحابہ کا ایسی کیفیات اور ہیئات کی تعیین سے متعلق کیا فیصلہ ہے؟:

خوش کن سے خوش کن فلسفہ، دلچسپ سے دل چسپ نظریہ، خوش آئند سے خوش آئند اقوال، اور بہتر سے بہتر اشعار، ہر شخص ہر وقت پیش کرسکتا ہے لیکن جو چیز ہر شخص ہر وقت پیش نہیں کرسکتا وہ کامل اتباعِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور عمل ہے، انسانی سیرت کے بہتر اور کامل ہونے کی دلیل، اس کے نیک اور معصوم اقوال اور خیالات نہیں بلکہ اس کے اعمال اور کارنامے ہیں، ایک لمحہ کے لیے نشۂ دینی سے سرمست ہوکر اپنی جان دے دینا آسان ہے مگر پوری عمر ہر چیز میں، ہر حالت میں اور ہر کیفیت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے پل صراط کو اس طرح طے کرنا کہ کسی بات میں سنت محمدی سے قدم اِدھر اُدھر نہ ہو سب سے زیادہ مشکل امتحان ہے، اس اتباع کے امتحان میں تمام حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پورے اترے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آئینہ میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگیاں سجائیں، اور یہ بولتی چالتی، جیتی جاگتی تصویریں ہر مسلمان کی زندگی کی حالت اور ہر کیفیت کا آئینہ بن جاتی ہیں اور اسی اتباع کے صحیح جذبہ نے حضرات تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور تبعِ تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور بعد کو آنے والوں کا یہ اہم فرض قرار دیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک بات، ایک ایک ادا، اور ایک ایک جنبش کو معلوم کریں اور پچھلوں کو بتائیں؛ تاکہ اپنے اپنے امکان بھر ہر مسلمان اس پر چلنے کی کوشش کرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کا گذر مسجد میں ذاکرین کی ایک جماعت پر ہوا، جس میں ایک شخص کہتا تھا، سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھو، تو حلقہ نشین لوگ کنکریوں پر سو مرتبہ تکبیر کہتے، پھر وہ کہتا سو بار لا الہ الا اللہ پڑھو، تو سو بار

تہلیل پڑھتے، پھر وہ کہتا سو دفعہ سبحان اللہ کہو تو وہ سنگ ریزوں پر سو دفعہ تسبیح پڑھتے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم ان سنگ ریزوں اور کنکریوں پر کیا پڑھتے تھے وہ کہنے لگے ہم تکبیر و تہلیل و تسبیح پڑھتے رہے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فعدّوا من سيئاتكم فانا ضامن أن لا يضيع من حسناتكم شيء، ويحكم يا امة محمد ! ما أسرع هلكتكم، هؤلاء الصحابة بينكم متوافرون وهذا ثيابه لم تبل وآنيته لم تكسر (الى أن قال) او مفتحي باب ضلالة . (مسند دارمی ص۳۸ قلت: بسند صحيح)

"تم ان کنکریوں پر گناہ شمار کرو، میں اس کا ضامن ہوں کہ تمھاری نیکیوں میں سے کچھ بھی ضائع نہ ہوگا، تعجب ہے تم پر اے امتِ محمد! کیا ہی جلدی تم ہلاکت میں پڑ گئے ہو، ابھی تک حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم تم میں بکثرت موجود ہیں اور ابھی تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے اور ابھی تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برتن نہیں ٹوٹے۔ (آگے فرمایا) اندریں حالات تم بدعت اور گمراہی کا دروازہ کھولتے ہو"۔

علامہ قاضی ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کو ان الفاظ سے نقل کرتے ہیں: أناعبدالله بن مسعود فوالذى لا إله غيره لقد جئتم ببدعة ظلماء او لقد فقتم على أصحاب محمد ا(مجالس الابرار ص۱۳۳)

"میں عبداللہ بن مسعود ہوں، خدائے وحدہ لاشریک لہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم نے یہ نہایت تاریک اور سیاہ بدعت ایجاد کی ہے، یا کیا تم علم میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ سے بڑھ گئے ہو"

اور شیخ الاسلام ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ ان کی ایک روایت کو ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں:

فقال: اذا رأيتموه فاخبروني، قال: فاخبروه، فاتاه ابن مسعود متقنعاً، فقال: من عرفني فقد عرفني، ومن لم يعرفني فانا عبدالله بن مسعود، تعلمون أنكم لأهديٰ من محمدﷺ واصحابه (الى ان قال) لقد جئتم ببدعة عظميٰ او لقد فضلتم اصحاب محمدا علماً فهذا ابن مسعود انكر هذا الفعل مع امكان ادراجه تحت عموم فضيلة الذكر.(احكام الاحكام ۱/۵۲)

''فرمایا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جب تم اس کو دیکھو تو مجھے اطلاع دو، راوی کہتا ہے کہ ان کو اطلاع دی گئی وہ موقع پر پہنچے اور وہ سر پر کپڑا اوڑھے ہوئے تھے، فرمایا مجھ کو جو جانتا ہے سو جانتا ہے، اور جو نہیں جانتا تو میں بتلا دیتا ہوں کہ میں عبداللہ بن مسعود ہوں، تم سمجھتے ہو کہ تم آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے زیادہ ہدایت پر ہو (العیاذ باللہ تعالیٰ) پھر فرمایا تم نے ایک بہت ہی بڑی بدعت ایجاد کی ہے یا تم آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر علم میں فضیلت حاصل کر چکے ہو؟ (دیکھیے) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مخصوص ہیئت اور کیفیت کے ساتھ اس فعل کا انکار کیا ہے، حالاں کہ فضیلتِ ذکر کے عام دلائل کے تحت اس کا ادراج ممکن تھا''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مطلب اس سے صرف یہ تھا کہ اگرچہ تکبیر وتہلیل اور تسبیح وتحمید کی بہت کچھ فضیلتیں وارد ہوئی ہیں اور وہ محبوب ترین ذکر ہے، لیکن اس کا یہ خاص طرز وطریقہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بتایا ہوا نہیں ہے بلکہ یہ خود تمھارا ایجاد کردہ ہے لہذا یہ بدعتِ ضلالت بھی ہے اور گمراہی بھی، بدعتِ عظمیٰ بھی ہے اور بدعتِ ظلماء بھی، اور بقولِ امام ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ اس مخصوص کیفیت کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فضیلت ذکر کی عام دلیلوں کے نیچے داخل نہیں کیا۔

اور اس روایت کو فریقِ مخالف بھی تسلیم کرتا ہے، چناں چہ (ان کے مسلّم عالم) مولوی عبدالسمیع صاحب رامپوری (صاحبِ انوارِ ساطعہ) لکھتے ہیں: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جہر سے ایک جماعت ذکر اللہ کرنے والوں کو دھمکایا اور ان کے فعل کو بدعت قرار دیا، کتبِ فقہ اور حدیث میں یہ روایت مذکور ہے"۔ (انوار ساطعہ ص ۲۴)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور بآواز بلند مسجد میں مل کر درود شریف پڑھنا:

درود شریف کا پڑھنا ایک بہت بڑی عبادت ہے مگر انفرادی طور اور آہستہ، چناں چہ مشہور علامہ محمد بن محمد خوارزمی المشہور بالبزازی حنفی رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ فتاوی بزازیہ جہر بالذکر کا مسئلہ نقل کرتے ہیں:

عن فتاوی القاضی انه حرام، لما صح عن ابن مسعود انه اخرج جماعة من المسجد یهللون ویصلون علی النبی ﷺ جهرا وقال لهم: ما أراکم الا مبتدعین . (فتاوی بزازیه علی هامش الهندیه ۳ /۳۷۵، شامی ۲/ ۳۵۰)

"قاضی صاحب کے فتاوی سے نقل کیا ہے کہ جہر سے ذکر کرنا حرام ہے کیوں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت کے ساتھ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انھوں نے ایک جماعت کو مسجد سے محض اس لیے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لا الہ الا اللہ اور بلند آواز سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف پڑھتی تھی اور فرمایا کہ میں تمھیں بدعتی ہی خیال کرتا ہوں"۔

انقلابِ زمانہ دیکھیے: کہ آج جو شخص بلند آواز سے جماعت کے ساتھ مل کر درود شریف نہیں پڑھتا اہلِ بدعت اس کو مسجد سے نکال دیتے ہیں؛ مگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بلند آواز کے ساتھ مسجد میں جہر کے ساتھ درود شریف پڑھنے والوں کو مسجد سے نکال دیا اور فرمایا: میرے نزدیک تم بدعتی ہو، فریقِ مخالف کو اس روایت سے عبرت حاصل

کرنا چاہیے، وہ اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر اور گریبان میں منہ ڈال کر خوفِ خدا کو دل میں رکھتے ہوئے اور قبر و آخرت کا نقشہ سامنے رکھ کر یہ فیصلہ خود صادر فرمائیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس فیصلہ کے بموجب وہ سنی ہیں یا بدعتی؟ اور بلند آواز سے اجتماعی طور پر درود شریف پڑھنے کو صرف دیوبندی وغیرہ ہی بدعت کہتے ہیں یا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی بدعت کہا ہے؟ ہوش میں آکر جواب دیجیے، باقی خود کو زبانی طور پر سنی کہہ دینے سے کوئی سنی نہیں بن جاتا، سچ ہے: ع

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

علامہ قاضی، امام بزازی، علامہ شامی اور علامہ حموی رحمۃ اللہ علیہم (۲/ ۲۳۳) وغیرہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو "وقد صح" سے تعبیر کرتے ہیں، اور صحیح بتلاتے ہیں، اور جب صحیح روایت سے یہ معلوم ہو گیا کہ اجتماعی صورت میں اور وہ بھی مسجد میں جہر سے درود شریف پڑھنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک بدعت ہے اور اس پر عمل کرنے والوں کو وہ بدعتی کہتے ہیں، اور ان کا وجود تک مسجد میں گوارا نہیں کرتے اور فوراً ان کو مسجد سے باہر نکال دیتے ہیں تو اب از راہِ دیانت یہ فرمایئے کہ مسجدوں میں اجتماعی رنگ میں جہر سے درود شریف پڑھنے والوں کو منع کرنے سے ہم ہی وہابی ہوتے ہیں یا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھی اس مبارک فتوی سے کچھ حصہ نصیب ہو سکتا ہے؟ جواب غور سے دینا ہوگا۔

من نگویم کہ ایں مکن آں کن	❁	مصلحت بیں و کارِ آساں کن

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقام بارگاہِ نبوت میں:

یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ آفتابِ نبوت سے اکتسابِ نور کرنے کے بعد

تمام حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نجوم ہدایت تھے، مگر بعض کو ایسے ایسے جزوی فضائل ومناقب حاصل تھے کہ دوسرا کوئی ان میں ان کا ہم پلہ نہیں ہوسکتا تھا، ان میں ایک شخصیت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تھی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر اس درجہ اعتماد تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس چیز کو تمھارے لیے ابن مسعود رضی اللہ عنہ پسند کریں میں بھی تمھارے لیے اس چیز کو پسند کرتا ہوں اور اس پر راضی ہوں''۔ (صحیح مستدرک ۳/۳۱۹)

اور نیز ارشاد فرمایا کہ ''جس چیز کو تمھارے لیے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پسند نہ کریں میں بھی اس چیز کو تمھارے لیے پسند نہیں کرتا''۔ (الاستیعاب ۱/۳۵۹)

نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرات خلفاءِ راشدین سے بھی کتاب اللہ کے بڑے عالم ہیں۔ (شرح مسلم ۲/۲۹۳)

آپ نے ملاحظہ کرلیا کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں درجۂ اول کے مفسر جن کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلی اعتماد حاصل ہے، وہ اس اجتماعی صورت میں مل کر بلند آواز کے ساتھ درود شریف پڑھنے والوں کو بدعتی کہتے ہیں، اور اس فعل کو پسند نہیں کرتے، جب ان کو یہ فعل پسند نہیں تو سابق روایت کے پیشِ نظر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہ فعل ہرگز پسند نہیں، اب جس کا جی چاہے ان کی پیروی کرے یا اور کسی کی۔ نبی اپنا اپنا، امام اپنا اپنا۔ (المنہاج الواضح از ۱۱۸ تا ۱۳۰ ملخصاً)

قیام:

دوسری چیز قیام ہے اس سلسلہ میں بھی اصولی طور پر کچھ گفتگو کرتا ہوں:

کسی بزرگ کے لیے جو بنفس نفیس آئے بعض حالات میں بشرطیکہ افراط وتفریط نہ ہو قیام درست ہے، اور اس پر حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ''قوموا الی سیدکم''

کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔(شرح مسلم ۲/ ۹۵)

بعض دوسرے حضرات (علامہ ابوعبداللہ بن الحاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ مدخل اور علامہ تورپشتی شارح المصابیح، فتح الباری ۱۱/ ۴۳) اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زخمی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گدھے (کی سواری) سے اتارنے کے لیے یہ فرمایا تھا، چناں چہ مسند احمد کی روایت میں ہے "قوموا الی سیدکم فانزلوہ من الحمار" یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "قوموا الی سیدکم" فرمایا ہے، لسیدکم نہیں فرمایا۔

مگر دیکھنا یہ ہے کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل اس موقعہ پر کیا تھا؟ اور جناب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر کس عمل کو پسند اور کس کو مکروہ سمجھتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لم یکن شخص أحب إلیهم من رسول الله ﷺ وکانوا إذا رأوه لم یقوموا لما یعلمون من کراهیته لذلك.(رواه الترمذی ۲ /۱۰۰، وقال هذا حدیث حسن صحیح، مشکوٰة ۲ /۴۰۳ ومسند احمد ۳ /۱۵۱، الادب المفرد۱۳۸)

"حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے بڑھ کر اور کوئی محبوب نہ تھا لیکن جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے قیام نہ کرتے تھے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قیام کے عمل کو مکروہ سمجھتے تھے"۔

اس صحیح حدیث سے ثابت ہو گیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لیے قیام کو پسند نہ کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم باوجودیکہ ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت تھی قیام نہ کرتے تھے، عجیب بات ہے کہ جس کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی پسند نہ کرتے ہوں اور کمالِ محبت (وعقیدت وعظمت) کے باوجود بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس پر

عمل نہ کرتے ہوں جب کہ بنفس نفیس آپ ﷺ موجود بھی تھے اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نظر بھی آتے تھے تو پھر آج جب کہ آپ ﷺ کا کسی مجلسِ میلاد میں آنا کسی شرعی دلیل سے ثابت بھی نہیں اور نہ کسی کو نظر آتے ہیں، تو پھر کس طرح قیام کو جائز اور مستحب قرار دیا جاتا ہے بلکہ واجب اور فرض کہا جاتا ہے، اور قیام نہ کرنے والے کی تکفیر کی جاتی ہے۔

(المنہاج الواضح ۱۶۷، ۱۶۸)

جو حضرات قیام کرنے کو ضروری بتلاتے ہیں وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ مجلسِ میلاد میں حضور اقدس ﷺ تشریف لاتے ہیں، جناب ضیاء صاحب نے بھی اپنے رسالہ کے ص: ۵ پر اسی دعویٰ کو دہرایا ہے، لیکن اس پر کوئی دلیل قرآن مجید یا حدیث شریف یا کتبِ اصول یا کتبِ کلام سے پیش نہیں فرمائی، ایسی چیز کا ثبوت آنکھوں سے دیکھ کر ہوسکتا ہے یا دلیل شرعی سے ہوسکتا ہے، حاضرینِ مجلس یہ دیکھ نہیں رہے ہیں اور دلیلِ شرعی قائم نہیں، پھر ثبوت کیسے ہوگیا؟ جب مجلسِ میلاد میں آپ ﷺ کا تشریف لانا ثابت نہیں تو پھر تشریف آوری کے خاطر قیام کرنا غلط ہوا۔ ﴿هاتوا برهانكم إن كنتم صادقين﴾.

نفس مسئلہ پر اصولی کلام کے بعد اب ہم جناب ضیاء مجاہد صاحب نے بزعمِ خویش جو دلائل اپنے رسالہ میں پیش کیے ہیں، ان کی دعویٰ کے ساتھ کتنی مطابقت ہے وہ کہاں تک درست ہیں ان کا اجمالی اور مختصر جائزہ آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

مؤلف نے ''قرآن کے ذریعہ تعظیم'' (ص ۲) کا عنوان قائم فرما کر دو آیتیں پیش فرمائی ہیں۔ پہلی آیتِ کریمہ ﴿إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيْماً﴾ ہے، اس آیتِ کریمہ کے متعلق خود مؤلف فرماتے ہیں: ''اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حضور ﷺ پر درود

پڑھنے اور سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے'' (ص ۲) گویا وہ خود بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ اس آیت میں درود وسلام کے وقت کھڑا رہنا چاہیے ایسا کوئی حکم موجود نہیں ہے بلکہ صرف درود وسلام پڑھنے کا حکم ہے، اور نفسِ درود وسلام پڑھنے کے حکم سے کس کو انکار ہے؟ اس آیت میں کھڑے رہ کر پڑھنے کا حکم ہوتا تو مؤلف کا دعویٰ ثابت ہوتا، اس لیے ان کا اس آیت کو استدلال میں پیش کرنا درست نہیں ہے۔

آیئے! اب ہم اس آیت کا وہ مطلب بھی دیکھ لیں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتلایا ہے۔ صحیح بخاری شریف اور مسلم شریف وغیرہ تمام حدیث کی کتابوں میں یہ حدیث آئی ہے کہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (جب یہ آیت ان اللہ وملٰئکتہ الخ نازل ہوئی تو) ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ (آیت میں ہمیں دو چیزوں کا حکم ہے صلوٰۃ وسلام) سلام کا طریقہ تو ہمیں معلوم ہو چکا ہے، (تشہد یعنی التحیات میں السلام علیك ایها النبی کہتے ہیں) صلوٰۃ کا طریقہ بھی بتلا دیجیے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ الفاظ کہا کرو: اللهم صل على محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انك حميد مجيد اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد كما باركت على ا براهيم وعلى آل ا براهيم ا نك حميد مجيد۔ دوسری روایات میں اس میں کچھ کلمات اور بھی منقول ہیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کو سلام پڑھنے کا طریقہ تو تشہد یعنی التحیات میں پہلے سکھایا جا چکا تھا کہ السلام علیك ایهاالنبی و رحمة الله وبركاته کہا جائے اس لیے لفظ صلوٰۃ میں انھوں نے اپنی طرف سے کوئی طریقہ مقرر کرنا پسند نہیں کیا، خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت فرما کر صلوٰۃ کا طریقہ متعین کرایا۔

اس جگہ یہ بھی ملحوظ رہے کہ شریعتِ مطہرہ کا بتلایا ہوا یہ سلام (جو تشہد میں ہے) اور یہ درود جو نماز میں پڑھا جاتا ہے اس کو حالتِ قیام یعنی کھڑے ہو کر پڑھا جاتا ہے یا حالتِ قعود یعنی بیٹھ کر؟ اس آیت کا اولین مصداق جو سلام و درود ہے اس کو نبی ﷺ نے بیٹھ کر پڑھنے کی سنت جاری فرمائی ہے تو بیٹھ کر درود و سلام پڑھنے کو خلاف ادب کہنا اس حکم ربانی و تعلیم نبوی (ﷺ) کے خلاف ہے یا نہیں؟

دوسری آیتِ کریمہ جو مؤلف نے استدلال میں پیش فرمائی ہے وہ سورہ فتح کی ہے۔

﴿لتؤمنوا بالله ورسوله وتعزروه وتوقروه وتسبحوه بكرة وأصيلا﴾ (الفتح:۹)

ترجمہ: ”تاکہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس (کے دین) کی مدد کرو، اور اس کی تعظیم کرو، اور صبح و شام اس کی تسبیح میں لگے رہو“۔ اس آیت میں ایمان کے ساتھ مزید تین اوصاف کا ذکر فرمایا ہے جو مومنین میں ہونے چاہیے: تعزروہ، توقروہ اور تسبحوہ ان میں پہلا تعزروہ یہ تعزیر سے مشتق ہے جس کے معنی مدد کرنے کے ہیں اور دوسرا توقروہ توقیر سے مشتق ہے جس کے معنی تعظیم، اور تیسرا تسبحوہ تسبیح سے مشتق ہے جس کے معنی پاکی بیان کرنے کے ہیں۔ ان میں آخری لفظ تو متعین ہے کہ اللہ ہی کے لیے ہو سکتا ہے، اس لیے تسبحوہ کی ضمیر میں بجز اس کے کوئی احتمال نہیں کہ حق تعالیٰ کی طرف راجع ہو، اسی لیے اکثر حضراتِ مفسرین نے پہلے دونوں جملوں کی ضمیریں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کر کے معنی یہ قرار دیے ہیں کہ ایمان لاؤ اور اللہ کی یعنی اس کے دین اور رسول کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو اور اس کی تسبیح کرو۔ اور بعض حضرات نے پہلے دو جملوں کی ضمیر رسول کی طرف راجع کر کے مطلب یہ قرار دیا کہ رسول کی مدد کرو اور تعظیم کرو اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو، مگر بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں

انتشارِ ضمائر لازم آتا ہے جو بلاغت کے خلاف ہے۔ (دیکھیے: تفسیرِ مظہری ۹ / ۶۰۵، تفسیر قرطبی ۱۶ / ۲۶۶، ۲۶۷)

اس سے معلوم ہوا کہ مؤلف کا مقصودِ استدلال اسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے جب کہ پہلی دونوں ضمیروں کو رسول کی طرف راجع قرار دیا جائے جو قولِ مرجوح ہے، نیز ان دونوں ضمیروں کو رسول کی طرف راجع قرار دینے کی صورت میں بھی آیت سے تو صرف اتنا معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم کرو، بھلا اس سے کس مومن کو انکار ہوسکتا ہے، لیکن جو بات اصل محلِ نزاع ہے یعنی قیام، یہ کہاں ثابت ہوئی؟

مؤلف جو یہ فرمارہے ہیں کہ ”تعظیم کے آداب میں قیام بھی شامل ہے“۔ (ص ۳) اس کی دلیل تو یہ آیت نہیں ہے، ان کو تو چاہیے تھا کہ ایسی کوئی آیت دلیل میں پیش فرماتے جس سے یہ ثابت ہوتا کہ تعظیم کے آداب میں قیام بھی شامل ہے تب کہیں جا کر یہ دعویٰ کر سکتے تھے کہ قیام کا ثبوت قرآن سے ہے، پھر یہ بات بھی کتنی باعثِ تعجب ہے کہ بقول مؤلف جب آیتِ مذکور میں تعظیم کا حکم دیا گیا ہے اور ”تعظیم کے آداب میں قیام بھی شامل ہے“۔ (ص ۳) اس لیے گویا قیام کا بھی حکم دیا گیا، تو جو حضرات اس آیت کے اولین مخاطب ہیں، یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی پوری زندگی میں درود وسلام ایک بار بھی کیوں کھڑے ہو کر نہیں پڑھا؟ کیا تعظیم کے ان آداب کی رعایت مؤلف اور ان کے رفقاء ہی کے حصے میں آئی ہے؟ اور کیا حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس سے محروم تھے؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ مؤلف ذرا ہوش سنبھال کر جہالت اور بے ادبی کا الزام قائم کریں اور یہ سوچیں کہ یہ الزام کہاں پہنچ رہا ہے؟

اس آیتِ کریمہ میں ”وتوقروہ“ کی ضمیر کا مرجع رسول کو قرار دینے کی صورت میں

تعظیم سے کیا مراد ہے، وہ ایک عظیم مفسر علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سن لیجیے، فرماتے ہیں:

وتوقروه أي تدعوه بالرسالة والنبوة لا بالاسم والكنية (تفسير قرطبي ١٦/ ٢٦٦)

اور ان کی تعظیم کرو یعنی رسول اللہ اور نبی اللہ کہہ کر خطاب کرو، نام اور کنیت سے مت خطاب کرو۔

اس تجزیہ سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ مؤلفِ رسالہ جناب ضیاء مجاہد صاحب کا یہ دعویٰ کہ درود وسلام کھڑے ہوکر پڑھنا قرآن سے ثابت ہے بلا دلیل ہے، انھوں نے جن دو آیتوں کو دلیل میں پیش کیا ہے، ان میں سے ایک سے بھی یہ دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔

آگے مؤلف صاحب ''تعظیم کے لیے کھڑا ہونا'' (ص ۳) کا عنوان قائم فرما کر آبِ زم زم اور وضوء کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہوکر پینے سے استدلال فرماتے ہیں، یہاں بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دونوں پانی کھڑے ہوکر جو پیئے جاتے ہیں تو ان کو کھڑے کھڑے پینا تعظیم کی غرض سے ہے، یہ کون سی حدیث سے ثابت ہے؟ چاہیے تو یہ تھا کہ مؤلف صاحب نے ان دونوں پانیوں کو کھڑے ہوکر پینے کی علت، جو تعظیم تجویز فرمائی ہے اس پر کوئی دلیل کتبِ حدیث وفقہ سے پیش فرماتے، اس لیے کہ کتبِ حدیث وفقہ سے تو صرف اتنا ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دونوں پانی کھڑے کھڑے نوش فرمائے، ان میں یہ بات کہاں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان دونوں پانیوں کو کھڑے ہوکر پینا تعظیم کی غرض سے تھا؟ مؤلف صاحب نے ایک علت اپنی طرف سے گھڑلی، اور استدلال کرلیا، یہ کون سی دیانت ہے؟ ان دونوں پانیوں کو کھڑے ہوکر پینے کی توجیہ اور تعلیل میں حضرات محدثین اور فقہاء نے مختلف باتیں کہی ہیں لیکن کسی ایک نے بھی یہ نہیں لکھا کہ یہ کام بغرضِ تعظیم کیا گیا تھا۔

''مشکوٰۃ شریف'' کے شارح محدثِ عظیم حضرت علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات

شرحِ مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

وجه تخصيصهما أن المطلوب فی ماء زمزم التضلع و وصول بركته إلى جميع الاعضاء وكذا فضل الوضوء، مع افادة الجمع بين طهارة الظاهر والباطن وكلاهما حال القيام اعم وبالنفع اتم . (مرقات ۸/ ۲۱۸)

''ان دونوں پانیوں کو (کھڑے ہوکر پینے کی) وجہِ تخصیص یہ ہے کہ آبِ زم زم میں مطلوب یہ ہے کہ خوب سیر ہوکر پیا جائے اور اس کی برکت تمام اعضاء کو پہنچے، اسی طرح وضو کے بچے ہوئے پانی میں، ساتھ ہی اس میں ظاہر کے ساتھ باطن کی طہارت بھی حاصل ہو اور یہ دونوں باتیں حالتِ قیام میں زیادہ عمدہ طریقے سے حاصل ہوتی ہیں، افادیت بھی تام ہوتی ہے''۔

ان دونوں کے علاوہ دیگر پانیوں کو کھڑے ہوکر پینا جو مکروہ بتلایا گیا، اس کی کراہت کے متعلق علامہ شیخ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ شارح منیہ فرماتے ہیں: واجمع العلماء على ان هذه الكراهة تنزيهية، لانها لامر طبی لا لأمر دينی . (کبیری ۳۶)

''علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کھڑے ہوکر پانی پینے کی یہ کراہت تنزیہی ہے، اس لیے کہ یہ ممانعت ایک طبی وجہ کے پیشِ نظر ہے دینی وجہ کی بنیاد پر نہیں''۔

چناں چہ اس طبی وجہ کی وضاحت فرماتے ہوئے علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب ''زاد المعاد'' میں رقم طراز ہیں:

وللشرب قائما آفات عديدة منها: انه لا يحصل به الرى التام ولا يستقر فی المعدة حتى يقسمه الكبد على الاعضاء وينزل بسرعة وحدة الى المعدة فيخشى منه ان يبرد حرارتها ويشوشها ويسرع النفوذ الى اسافل البدن بغير

تدرج وكل هذا يضر بالشارب . (زادالمعاد ۳ /۲۹۳)

''کھڑے کھڑے پانی پینے میں کئی نقصانات ہیں، جن میں سے ایک تو یہ ہے کہ اس طرح پینے سے مکمل سیرابی حاصل نہیں ہوتی، اور پانی معدہ میں جمنے نہیں پاتا کہ جگر اس کو دیگر اعضاء پر تقسیم کر سکے، اور اچانک تیزی سے معدہ میں اترتا ہے جس کی وجہ سے اس کی اصلی حرارت ختم ہو جانے کا اندیشہ رہتا ہے، اور غیر تدریجی طریقہ پر بدن کے زیریں حصہ میں سرایت کرتا ہے اور یہ تمام امور پینے والے کے حق میں نقصان دہ ہوتے ہیں''۔

یہ ہیں وہ نقصانات جن کی وجہ سے پانی کھڑے ہو کر پینے سے منع کیا گیا لیکن آبِ زم زم اور وضوء کا باقی ماندہ پانی حسبِ تصریحِ علماء شفاء ہے۔ اس لیے ان کو کھڑے ہو کر پینے میں ان نقصانات کا اندیشہ نہیں ہے، اس لیے ان کو کھڑے ہو کر پینے کی اجازت دی گئی ہے، اسی لیے امام ابو جعفر رحمۃ اللہ علیہ جو حنفیہ کے بڑے امام ہیں، انھوں نے اس کو محض اباحت پر محمول کیا ہے، استحباب پر نہیں، صاحب درِ مختار علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ علیہ اور شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ دیکھیے: شامی ۱ / ۹۵، ۹۶۔

اس لیے ضیاء مجاہد صاحب کا یہ دعویٰ کہ زم زم کا پانی اور وضوء کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا تعظیم ہے، درست نہیں ہے۔ تعظیم والی بات ان کی اپنی گھڑی ہوئی ہے۔

اس کے بعد مؤلف نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ذکر کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابو سعید بن المعلی رضی اللہ عنہ کا ہے، بخاری شریف میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کئی جگہ انہی کے حوالے سے بیان فرمایا ہے، پھر اس واقعہ سے مؤلف صاحب اپنے قیام پر کس طرح استدلال فرماتے ہیں؟ اس روایت سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ

نماز کی حالت میں بھی حضور اکرم ﷺ بلائیں تو آجانا چاہیے، تو اس سے کس کو انکار ہے؟ اصل بحث تو چل رہی ہے درود وسلام میں قیام کی، جو حضرت ابوسعید بن المعلی رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے کہاں ثابت ہوا؟ رہی نفسِ تعظیم تو وہ یہاں زیرِ بحث ہی نہیں، اس لیے کہ وہ تو ایک مسلم امر ہے، مؤلف صاحب اپنے اندازِ تحریر سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ فریقِ مخالف گویا رسول اللہ ﷺ کی تعظیم ہی کا قائل نہیں ہے، یہ صریح بہتان ہے۔

آگے عالمگیری میں آدابِ زیارتِ قبر مبارک علی صاحبہ الصلوۃ والسلام کی عبارت ذکر کی ہے، جس میں کھڑے ہونے کا ذکر ہے، تو سوال یہ ہے کہ نبی ﷺ کی قبرِ مبارک کی زیارت کے وقت وہاں کھڑے رہنے سے کس نے انکار کیا؟ لیکن اس عبارت سے آپ کا مروجہ صلوٰۃ وسلام میں کھڑا رہنا کیسے ثابت ہوا؟ استدلال کا یہ انداز تو مؤلف صاحب ہی کا امتیاز ہے۔

اس کے بعد مؤلف صاحب نے عنوان قائم کیا ہے ''صحابۂ کرام کا تعظیماً قیام'' (ص ۴) اس میں سب سے پہلے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ذکر کی ہے، اول تو اس روایت کا کوئی حوالہ ذکر نہیں کیا، حالاں کہ اس کی ضرورت تھی، خیر ہم ہی اس روایت کا حوالہ اور اس سے مؤلف کا مطلوب حاصل ہوتا ہے یا نہیں؟ یہ تفصیل سے عرض کرتے ہیں۔

مشکوٰۃ شریف ۲ / ۳۰۴ پر یہ روایت بیہقی کی شعب الایمان کے حوالہ سے ان الفاظ میں ذکر کی گئی ہے: عن أبی هريرة قال: كان رسول الله ﷺ يجلس معنا فی المسجد، يحدثنا فإذا قام قمنا قياما حتى نراه قد دخل بعض بيوت أزواجه.

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے ساتھ مسجد میں تشریف فرما رہتے تھے اور ہم سے محوِ گفتگو رہتے تھے، پھر جب آپ مجلس سے اٹھتے تو ہم بھی

اٹھ جاتے اور جب تک آپ ﷺ کو اپنی ازواجِ مطہرات میں سے کسی حجرہ میں داخل ہوتا دیکھ لیتے وہاں تک کھڑے رہتے"۔

اس موقعہ پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا کھڑا ہونا بغرض تعظیم تھا؟ مؤلف صاحب تو یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں لیکن آیئے! ہم یہ دیکھیں کہ حضراتِ محدثین اس کی کیا توجیہ وتشریح فرماتے ہیں؟ مشکوٰۃ شریف کے مشہور شارح، محدثِ عظیم حضرت ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح فرماتے ہوئے (ہم کھڑے ہوجاتے تھے) کی وجہ بتلاتے ہوئے رقم طراز ہیں: أی لانفضاض المجلس لا للتعظیم، لأنهم ماکانوا یقومون له مقبلا فکیف یقومون له مدبراً . (مرقات شرح مشکوٰۃ ۹/ ۸۶)

"یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ کھڑا ہوجانا مجلس ختم ہوجانے کی وجہ سے تھا، تعظیم کی غرض سے نہیں تھا، اس لیے کہ جب وہ حضرات آپ ﷺ کی تشریف آوری پر (تعظیماً) کھڑے نہیں ہوتے تھے تو بھلا تشریف بری پر کیسے (تعظیماً) کھڑے ہوتے"؟

دیکھا آپ نے کہ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے صاف صاف الفاظ میں تعظیماً کھڑے ہونے کی نفی فرمادی، اب یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ یہ کھڑا ہونا تعظیماً نہیں تھا بلکہ مجلس ختم ہوجانے کی وجہ سے تھا، تو پھر وہ حضرات آں حضرت ﷺ کے مکان میں داخل ہونے تک کیوں انتظار فرماتے تھے؟ اس کا جواب بھی حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنیے:

ولعلهم کانوا ینتظرون رجاء أن یظهر له حاجة إلی أحد معهم، أو یعرض له رجوع إلی الجلوس معهم، فاذا أیسوا تفرقوا ولم یقعدوا لعدم حلاوة الجلوس بعده صلی الله علیه وسلم(مرقات شرح مشکوٰۃ ۹/ ۸۷)

"اور یہ حضرات اس امید پر کھڑے رہتے ہوں کہ ممکن ہے نبی کریم ﷺ کو ان

میں سے کسی سے کوئی کام پڑے یا آپ دوبارہ ان کے پاس بیٹھنے کو تشریف لے آویں (لیکن جب مکان میں داخل ہوجانے کی صورت میں) وہ حضرات دوبارہ واپسی سے مایوس ہوجاتے تو اب وہاں نہ بیٹھتے کہ آں حضرت ﷺ کی مبارک مجلس ختم ہونے کے بعد تنہا ان حضرات کا بیٹھے رہنا بے لطف رہتا"۔

چناں چہ مشہور محدث حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (شارحِ بخاری شریف) بھی تقریباً یہی توجیہ فرماتے ہیں:

سبب تاخیرهم حتی یدخل لما یحتمل عندهم من امر یحدث له حتی لا یحتاج اذا تفرقوا ان یتکلف استدعاء هم (فتح الباری ۱۱/٤٤) "حضور ﷺ کے مکان میں داخل ہوجانے تک ان حضرات کے کھڑے رہنے کی وجہ یہی ہے کہ ان کو خیال رہتا ہوگا کہ اگر کسی وجہ سے حضور ﷺ کو ان میں سے کسی ایک کی ضرورت پڑے تو آپ ﷺ کو انھیں دوبارہ بلانے کی زحمت نہ اٹھانا پڑے"۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تائید میں اسی روایت کے وہ الفاظ پیش فرمائے ہیں، جو ابو داؤد شریف (۲/ ٦٥٨ باب الحلم واخلاق النبی ﷺ) میں وارد ہوئے ہیں۔ اب ذرا مؤلف صاحب انصاف سے بتلائیں کہ کیا اس روایت سے ان کا استدلال درست ہے؟

اس کے بعد مؤلف نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ والا واقعہ ذکر کیا ہے، ہم شروع میں جو اصولی کلام کر چکے ہیں اس میں اس کی حقیقت بیان ہو چکی ہے؛ البتہ اس جگہ مؤلف نے حقائق کو مسخ کر کے جس طرح پیش کیا ہے اس کی نقاب کشائی ضروری ہے، مؤلف صاحب فرماتے ہیں کہ سرورِ کائنات ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تعظیم کے لیے

بذاتِ خود کھڑے ہو کر اور سب کو کھڑا کروا کر جو تعظیم کا درس دیا ہے وہ رہتی دنیا تک درس رہے گا۔ (ص ۵)

اس عبارت میں جو دعویٰ کیا ہے وہ سراسر غلط ہے، حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی آمد پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس کھڑے نہیں ہوئے اور نہ ہی تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کھڑے ہوئے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف انصار کو اور ان میں بھی صرف وہ حضرات جن کا تعلق حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ سے تھا یعنی قبیلۂ اوس کے حضرات کو فرمایا کہ اٹھو اور اپنے سردار کو گدھے پر سے اتارو، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمانے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ اس وقت بیمار تھے از خود سواری سے اتر نہیں سکتے تھے ان کو سہارا دے کر اتارنے کی ضرورت تھی، خدمت کا کام ہونے کی وجہ سے ان کے قبیلہ والوں (جن کے یہ سردار تھے) کو زیادہ مناسب تھا اس لیے انہی کو کہا گیا۔ دیکھیے: فتح الباری شرح صحیح البخاری ۱۱/ ۴۳

مؤلف کے اس رسالہ کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف صاحب نے قرآن وحدیث اور کتب حدیث وفقہ وغیرہ اصل مراجع کی طرف رجوع کرنے کے بجائے کسی کے اردو رسالہ کو سامنے رکھ کر یہ تحریر تیار فرمائی ہے، عربی زبان سے ناواقفیت بھی صاف مترشح ہوتی ہے اس لیے کہ جتنی روایات بھی پیش فرمائی ہیں ان تمام میں کچھ نہ کچھ تحریف ومسخ سے کام لیا ہے۔

خدارا! قرآن وحدیث اور شریعتِ مطہرہ کو اس طرح تختۂ مشق نہ بنائیے۔

خلق الله للحروب رجالا　　ورجالا لقصعة وثريد

آگے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت والے واقعہ کو قیامِ تعظیمی سے کیا نسبت ہے؟

اس کے بعد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی آمد کا واقعہ ذکر کیا ہے، اس میں تو مؤلف صاحب نے اپنی کم فہمی اور کج فہمی کو آسمان پر پہنچا دیا۔ میں اصل واقعہ پیش کرتا ہوں اس کو سامنے رکھ کر اندازہ فرمائیں:

مشکوٰۃ شریف "باب المعانقة والمصافحة" ص ۴۰۲ پر یہ حدیث ہے:

عن عائشة رضی الله عنها قالت: قدم زيد بن حارثة المدينة، ورسول الله ﷺ فی بيتی، فاتاه، فقرع الباب، فقام إليه رسول الله ﷺ عريانا يجر ثوبه، والله مارأيته عريانا قبله ولا بعده، فاعتنقه وقبله. (رواه الترمذی)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر تشریف فرما تھے، چناں چہ حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کے لیے حاضر ہوئے، دروازہ کھٹکھٹایا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسمِ اطہر کے اوپر کے حصہ کی چادر کھینچتے ہوئے ایسی حالت میں کہ وہ حصہ کھلا تھا اٹھے اور (حضرت زید رضی اللہ عنہ کے لیے دروازہ کھول کر) ان کو گلے لگایا اور بوسہ دیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ بخدا! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (کسی کا استقبال کرتے ہوئے) اس طرح بالائی جسمِ اطہر کھلا ہونے کی حالت میں نہیں دیکھا"۔

اس روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھڑا ہونا مذکور ہے وہ بھی اس لیے تھا کہ دروازہ کھولیں، چناں چہ علامہ ابوعبداللہ ابن الحاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے المدخل ۱/۱۷۸ میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

اب مؤلف صاحب کیا بیان فرما رہے ہیں وہ ملاحظہ ہو: "زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ دروازۂ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر ہوئے، دروازہ کھٹکھٹایا جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو

تعظیماً کھڑے ہو گئے اور آپ کو گلے لگایا اور بوسہ دیا''۔(ص٦)

اصل روایت ہم نے اوپر ذکر کر دی ہے اس میں صراحت ہے کہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے دروازہ کھٹکھٹانے پر کھڑے ہونے والے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں نہ کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ، جب کہ جناب ضیاء مجاہد صاحب فرمارہے ہیں کہ کھڑے ہونے والے حضرت زید رضی اللہ عنہ ہیں، نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کھڑا ہونا تعظیم کے لیے نہیں تھا بلکہ دروازہ کھولنے کی غرض سے تھا، چناں چہ علامہ ابن الحاج مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الا ترى أنه ذكر فى الحديث أنه قرع الباب فقام عليه الصلاة والسلام ليفتح له الباب ففتحه واعتنقه . (المدخل ١/ ١٧٨)

''دیکھتے نہیں کہ حدیث میں موجود ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھٹکھٹایا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دروازہ کھولنے کے لیے اٹھے؛ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دروازہ کھولا اور حضرت زید کو گلے لگایا''۔

اس وضاحت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ گلے لگانے والے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے، اور جن کو گلے لگایا گیا وہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ تھے، جب کہ مؤلف صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گلے لگایا اور بوسہ لیا'' (ص٦) گویا گلے لگانے والے حضرت زید ہیں، جن کو گلے لگایا جارہا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، حالاں کہ یہ بات غلط ہے۔

الحاصل مؤلف کی یہ پوری تحریر اس قسم کی غلط فہمیوں اور غلط بیانوں کا مجموعہ ہے، ہم نے چند نمونے پیش کر دیے ہیں، آگے چل کر مؤلف نے ائمۂ اربعہ کی طرف جو نسبت فرمائی ہے وہ بھی صریح کذب ہے، ائمۂ اربعہ جب بولا جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے وہ چاروں امام جن کی تقلید کی جاتی ہے، یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی،

حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ، ان میں سے کسی امام سے یہ قیام ثابت نہیں ہے۔

اس مروجہ طریقہ سے قیام کے ساتھ درود وسلام پڑھنا زمانۂ خیر القرون یعنی دورِ نبوت ودورِ صحابہ ودورِ تابعین واتباعِ تابعین میں ثابت نہیں، یہ حضرات عشقِ نبی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام میں کامل تھے، محبت ان میں زیادہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احترام اور تعظیم ان حضرات سے بڑھ کر کون کرسکتا ہے؟

اگر مؤلف صاحب ہمت کرکے ان سے ثابت کردیں تو چشمِ ما روشن، دلِ ما شاد، کسی مسلمان کو اس سے سرِ مو اختلاف نہیں ہوسکتا، لیکن فریق مخالف خیر القرون سے اس کا ثبوت نہ پیش کرسکے اور قیامت تک نہیں کرسکے گا، تو سوال یہ ہے کہ باوجود محرک وسبب کے یہ مبارک کام اور کارِ ثواب اس وقت کیوں نہیں ہوا؟ اور آج یہ کیسے کارِ ثواب اور مبارک ہوگیا ہے؟ بس صرف اسی نقطہ پر نگاہ جما کر دوٹوک فیصلہ کرنا چاہیے، وہ تمام فوائد وبرکات اور منافع اس وقت بھی تھے جن کو آج اہل بدعت حضرات بیان کرتے ہیں، مؤلف صاحب اور ان جیسے دیگر حضرات جنھوں نے اس کے اثبات پر جو دور از کار، بے فائدہ، اور لایعنی دلائل پیش کرکے صفحات سیاہ کردیے ہیں، ان کو صرف اور صرف اس مرکزی نقطہ پر نگاہ جمانی چاہیے تھی کہ جو کچھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحابِ خیر القرون نے کہا اور کیا وہی دین ہے اور بس۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست	اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ / ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

درود شریف پڑھنے سے شرکت فی البدعت کا شائبہ ہو تو درود نہ پڑھے

سوال: ہمارے یہاں بدعتی اور دیوبندی دونوں فرقے ہیں، مسجد دونوں کی ایک ہے، امام بدعتی ہے فاتحہ مروجہ پڑھتے ہیں، عصر، فجر کی بعد دعاء کے بعد "الفاتحة" کہہ کر فاتحہ پڑھتے ہیں پھر آیتِ درود پڑھ کر سب لوگ درود شریف بلند آواز کے ساتھ پڑھتے ہیں تو کیا ہمیں بھی درود شریف پڑھنا چاہیے، اگر ہم کسی وجہ سے وہاں بیٹھے ہوئے ہوں تو کیا خاموش رہنا چاہیے؟ کیوں کہ آیت کریمہ کی بناء پر درود واجب ہوجاتا ہے، اور بدعتیوں کا یہ عمل بدعت ہے تو درود شریف پڑھنے کی بناء پر شركة فی البدعة تو لازم نہیں آتا؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آیت کریمہ میں جس درود شریف کا حکم دیا گیا ہے وہ ذکر وسماعِ اسم نبوی ﷺ کے ساتھ مخصوص نہیں؛ بلکہ مطلق ہے اس لیے زندگی میں ایک مرتبہ بھی درود شریف پڑھ لینے سے ذمہ بری ہوجائے گا۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قلت: وظنی أن الاصح فی الاستدلال بالآیة ماذهب الیه الکرخی حیث لاتوقیت فی الآیة، ولا إشارة فیها إلی الذکر و السماع بل الامر مطلق، وهو لا یقتضی التکرار وهو الذی رجحه أبو بکر الجصاص فی الاحکام حیث قال قوله تعالیٰ ﴿یٰایهاالذین آمنو صلوا علیه﴾ قد تضمن الأمر بالصلوٰة علی النبی ﷺ و ظاهره یقتضی الوجوب وهو فرض عندنا

فمتى فعلها الانسان مرة واحدة فى صلوٰة او غيرصلوٰة فقد ادى فرضه وهو مثل كلمة التوحيد و التصديق بالنبى ﷺ متى فعله الانسان مرة واحدة فى عمره فقد ادى فرضه اھ (احكام القرآن ٣ /٤٨٨)

البتہ احادیثِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر شریف کے وقت بھی درود پڑھنا ضروری ہے، امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو لیا ہے، اور صاحب تحفہ نے اس کو مختار قرار دیا ہے:

ومن الواجب عند الاكثرين عنده ذكره او سماع اسمه عليه الصلوٰة والسلام، كما ذهب اليه الطحاوى واختاره فى التحفة للاحاديث المذكورة انفا . (ايضا ٣ /٤٨٩)

فتح القدیر میں ہے: وجعل فى التحفة قول الطحاوى أصح (١ /٣١٨)

لیکن امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ عدم وجوب کے قائل ہیں: وانما وقع الخلاف بين الطحاوى والكرخى فى وجوبها كلما سمع ذكره من غيره (بحرالرائق ١ /٣٤٦)

امام شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے کرخی کے قول کو راجح قرار دیا ہے: (قوله ورجحه شمس الائمه) قال فى النهر قال السرخسى وهو المختار للفتوى وجعله فى المجمع قول عامة العلماء . (منحة الخالق حاشيه بحرالرائق ١ /٣٤٦)

اب جب کہ صورتِ مسئولہ میں درود پڑھنے کی صورت میں شرکت فی البدعۃ یا تشبہ بالبدعۃ کا شائبہ موجود ہے تو شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کے قول مختار پر عمل کرنے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا؛ لیکن اس کی تصریح نہیں دیکھی، اس لیے دیگر علماء سے بھی تحقیق کر لی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ۱۲/ ۱۴۰۶ھ

اذان سے قبل درود شریف پڑھنا

سوال: یہاں ہماری مسجد میں اور تقریباً قرب وجوار کی تمام مساجد میں اذان سے پہلے بآواز بلند درود شریف پڑھا جاتا ہے جو اس طرح سے ہے صلی اللہ علی النبی الامی وآلہ وسلم، صلاۃ وسلاما علیک یا رسول اللہ ﷺ یہ کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درود شریف کا موقع شریعت مطہرہ نے اذان کے بعد بتایا ہے نہ کہ اذان سے پہلے؛ لہٰذا اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا خواہ بلند آواز سے ہو یا آہستہ بہر کیف ناجائز اور بدعت ہے، اور دین میں اپنی طرف سے زیادتی ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی نماز کے آخر کے بجائے نماز شروع کرتے ہی سبحانك اللھم کے بجائے درود پڑھنے لگے، اور روکنے والے کو درود شریف کا منکر بتائے۔ (احسن الفتاویٰ ۱/۳۶۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/رجب ۱۴۱۵ھ

اقامت سے پہلے درود شریف پڑھنا

سوال: اقامت سے پہلے بھی یہی درود شریف بآواز بلند پڑھا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اقامت سے پہلے بھی درود شریف پڑھنا بدعت ہے، مراقی الفلاح کی شرح طحطاوی میں ہے: ومن المکروھات الصلوۃ علی النبی ﷺ فی ابتداء الاقامۃ لانہ

بدعة (۱۱۵) یعنی اقامت کے شروع میں نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ یہ بدعت ہے۔ (آداب اذان واقامت صفحہ ۱۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/رجب ۱۴۱۵ھ

نماز پنج گانہ کے بعد بہ آواز بلند درود شریف پڑھنا

سوال: پانچوں وقت کی فرض نماز باجماعت کے بعد یہاں چند مساجد میں بآواز بلند یہ درود شریف پڑھا جاتا ہے جو تعداد میں ۳/ بار ہوتا ہے: صلی اللہ علیك یا رسول اللہ وسلم علیك یا حبیب اللہ، یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ فعل بلاشبہ منکر اور بدعت ہے؛ بلکہ کئی بدعات کا مجموعہ ہے:

۱) درود شریف کے لیے وقت کی تخصیص۔ ۲) اجتماعی ہیئت کی تخصیص۔ ۳) صورت امامت کی تخصیص۔ ۴) باواز بلند پڑھنے کی تخصیص۔ ۵) ان سب امور کا التزام۔ ان میں سے ہر فعل مستقل ایک بدعت ہے، اس لیے کہ شریعت مطہرہ میں درود شریف کے لیے ان قیود وتخصیصات کا کوئی ثبوت نہیں، جس کام کے لیے حضور اکرم ﷺ نے کوئی خاص کیفیت اور کوئی خاص طریقہ متعین نہ فرمایا ہو اس کے لیے اپنی طرف سے مخصوص طریقے بنالینا دین میں اختراع اور زیادتی ہے، جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کو اس طریقہ کا علم نہ تھا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر اس الزام اور افترا کی وجہ سے بدعت پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔ (از احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۶۴، ۳۶۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/رجب ۱۴۱۵ھ

بعد نمازِ جمعہ اجتماعی صلاۃ وسلام

سوال: بعد نمازِ جمعہ اجتماعی طور پر شمال مغرب سمت رخ کر کے بآواز بلند سلام پڑھی جاتی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ مساجد میں ایک تختی اس سمت اوپر کی جانب شمال مغرب کونے میں آویزاں رہتی ہے، اس تختی پر اوپر مذکور درود شریف لکھا رہتا ہے، احادیث کی کتابوں میں کیا یہ درود شریف وارد ہے؟ اور یہ طریقہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عن عبد الرحمن بن أبی لیلیٰ قال: لقینی کعب ابن عجرة فقال: سالنا رسول الله ﷺ فقلنا: یا رسول الله! کیف الصلوة علیکم اهل البیت؛ فان الله علمنا کیف نسلم علیك؟ قال: قولوا اللهم صل علی محمد کما صلیت علی ابراهیم الخ اس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سلام علی الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ معلوم تھا، یعنی التحیات لله الخ؛ مگر درود کا طریقہ معلوم نہیں تھا، سوانھوں نے دریافت کیا اور قولوا سے بیان کیا گیا ہے، یہ مقام ہے تعلیم کا، پس جس طرح تعلیم دیا گیا اس میں اور مروجہ سلام پڑھنے میں کوئی تعلق نہیں؛ اگر یہی مروجہ طریقہ سلام وصلوۃ کا ہوتا تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح پر تعلیم دیتے، معلوم ہوا کہ یہ مروجہ طریقہ من گھڑت ہے، اور من گھڑت چیزوں کو دین سمجھنا اور ثواب کی امید رکھنا بدعت ہے۔ اس مروجہ طریقہ کا ثبوت نہ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نہ تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور نہ تبع تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور نہ بزرگانِ سلفِ صالحین سے پایا جاتا ہے۔ مسجد میں جمع ہو کر صلوۃ وسلام پڑھنے والوں کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بدعتی قرار دیا ہے، دیکھئے: فتاوی بزازیه

علی هامش العالمگیریه ۳۷۸/٦ اور شامی ۲۸۲/٥ (ماخوذ از احسن الفتاویٰ ۱/ ۳٦۳ ملخصاً)

کتب حدیث صحاح ستہ میں یہ درود بایں کلمات نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ رجب ۱۴۱۵ھ

درود شریف کی تختی پر پھولوں کا ہار چڑھانا

سوال: شمال مغرب کونے میں جو الصلوة والسلام علیك یارسول الله کی تختی آویزاں ہے، اور جس کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھتے ہیں، اس تختی پر ہر جمعہ کو پھولوں کا ہار چڑھاتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ بھی بدعت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ رجب ۱۴۱۵ھ

کھڑے ہو کر صلوۃ وسلام نہ پڑھنے پر بریلوی عالم کا اہل حق کو کافر کہنا

سوال:..... شہر میں دو مولوی اپنے وعظ میں عوام کو گمراہ کرتے ہیں، وعظ میں علمِ غیب حضور ﷺ کو ہے، آپ کو بشر نہ مانے وہ ایمان سے خارج ہے، یارسول اللہ کہنا جائز ہے، اور اپنے وعظ میں یوں کہتا ہے کہ: جو صلوۃ وسلام کھڑے ہو کر نہ پڑھے ان کے ہاتھ پیر کیوں نہیں کٹ جاتے! اور یہ بھی کہتا ہے حضور ﷺ حاضر وناظر ہیں، دیوبندی حضور کے دشمن، تبلیغی جماعت میں جانے والوں کو روکتا ہے۔ مذکورہ باتوں سے بھولے بھالے

مسلمان ان کے کہنے میں آجاتے ہیں عوام کا ذہن خراب ہوتا ہے، ان باتوں کو رد کرنے کے لیے ایک جلسہ منعقد کیا، اور یہ جلسہ ۱۹ راگست بروز سنیچر کو رکھا گیا تھا، جس میں گجرات کے مشہور عالم مولانا محمد رفیق صاحب بڑودوی کو دعوت دی تھی، مولانا تشریف لائے اور عوام کو خطاب کیا، اور بہت ہی اچھے انداز میں بیان کیا؛ لیکن ۲۳ راگست بروز بدھ کو یہ دو مولویوں نے اپنا جلسہ رکھوایا، اور اسی جلسہ میں علماء حق اور علماء دیوبند، تبلیغی حضرات کو علی الاعلان کافر ہونے کا فتوی دیا، اور یہ کہہ کر فتویٰ دیا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں گستاخی کی، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صلاۃ وسلام کی ہنسی مذاق اڑائی، انہوں نے حضور کی توہین کی لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ یہ بھی فتویٰ دیا کہ جو لوگ اسٹیج پر بیٹھے تھے ان تمام کو میں کفر کا فتوی دیتا ہوں۔

جاہل عوام الناس اس فتوے کو شہرت دیتے ہیں، یہ مولوی اس طرح لوگوں کو گمراہ کرتا ہے، جو امام اسٹیج پر بیٹھے تھے ان اماموں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی ایسا کہتا ہے، تو مذکورہ مولوی کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے؟ ایسے مولوی کے پیچھے نماز ہوتی ہے کہ نہیں ہوتی؟ کتابوں کے حوالہ سے جواب دے کر ممنون فرماویں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بعض مساجد میں کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جمعہ کی نماز یا دوسری نمازوں کے بعد التزام کے ساتھ جماعت بنا کر اور کھڑے ہو کر باآواز بلند بایں الفاظ سلام پڑھتے ہیں، یا رسول سلام علیك، یا نبی سلام علیك، ان میں بہت سے لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں یا ہر جگہ حاضر وناظر ہیں، اس لیے یہ سلام خود سنتے اور جواب دیتے ہیں، اس طرح کسی نماز کے بعد اجتماع والتزام کے ساتھ

بلند آواز سے درود وسلام پڑھنا نہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، نہ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہم اللہ علیہم سے اور نہ ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ علیہم اور علمائے سلف میں کسی سے اگر یہ عمل اللہ ورسول ﷺ کے نزدیک محمود ومستحسن ہوتا تو صحابہ وتابعین اور ائمۂ دین اس کو پوری پابندی کے ساتھ کرتے، حالاں کہ ان کی پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا، اس سے معلوم ہوا کہ درود وسلام کے لیے اجتماع اور التزام کو یہ حضرات بدعت وناجائز سمجھتے تھے، جس کے متعلق رسول کریم ﷺ کا ارشاد صحیح بخاری ومسلم میں بروایت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا منقول ہے من أحدث فی امرنا هذا ما ليس منه فهو رد یعنی جس شخص نے ہمارے دین میں کوئی نئی چیز نکالی جو اس میں داخل نہ تھی تو وہ مردود ہے، اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ وارد ہے وشر الامور محدثاتها وكل بدعة ضلالة یعنی بدترین عمل وہ نئی چیزیں ہیں جو خود ایجاد کی جائیں، اور ہر نو ایجاد عبادت گمراہی ہے۔ (جواہر الفقہ)

اسلام میں نماز سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں؛ مگر اس کی بھی نفلوں کی جماعت کو باتفاق فقہاء وائمہ مکروہ کہا گیا ہے، تو کسی دوسری چیز کی جماعت بنا کر دوام والتزام سے کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ صلوۃ وسلام کا مذکورہ مروجہ طریقہ جب بدعت ہے تو اس کی ممانعت وشناعت کو وعظ وتقریر میں بیان کرنے والوں پر یہ تہمت لگانا کہ انہوں نے صلوۃ وسلام کی کی توہین کی، درست نہیں، انھوں نے صلوۃ وسلام کی نہیں؛ بلکہ بدعت کی قباحت وبرائی بیان کی، اور یہ کوئی گناہ نہیں؛ بلکہ ایک عالم دین کا دینی فریضہ ہے کہ وہ عوام الناس کو بدعت کی شناعت وقباحت سے آگاہ کرے، اگر اسی بنیاد پر کسی کو کافر کہلایا جائے تو یہ سلسلہ صحابہ رضی اللہ عنہم تک پہنچے گا، اس لیے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر کوئی بدعت سے نفرت کرنے والا نہیں تھا۔

کسی ایسے آدمی پر کفر کا حکم لگانا جو کافر نہ ہو بڑا خطرناک اقدام ہے، حضور اکرم ﷺ کا مبارک ارشاد ہے: لا یرمی رجل رجلا بالفسوق و لا یرمیه بالکفر إلا ارتدت علیه إن لم یکن صاحبه کذلك (رواه البخاری) اگر کوئی آدمی کسی پر فسق کا حکم لگائے اور کفر کا حکم لگائے؛ مگر جس پر یہ حکم لگایا گیا ہے وہ ایسا نہیں ہے؛ تو یہ حکم اس کے لگانے والے پر لوٹتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب ما یتعلق بالفرق الباطلة

مولانا وحید الزماں (غیر مقلد) ہمارے اکابر کی نظر میں

سوال: مولانا وحید الزماں خان صاحب (دہلوی) کے متعلق اور ان کی تصانیف کے متعلق ہمارے علماء کی کیا رائے ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

میری نظر سے ہمارے اکابر کا کوئی کلام یا تحریر نہیں گذری۔

وہ غیر مقلد ہیں، اس لیے غیر مقلدین کی ساری قباحتیں ان کی تصانیف میں ہونا فطری امر ہے، اس کا مطالعہ یقیناً اہل حق سے بدگمانی کا باعث ہوگا، جمعیت اہل سنت لاہور نے ایک کتاب شائع کی ہے، جس کا نام ہے ''مسائل اہل حدیث'' اس میں ص ۴۲ تا ۴۵ نواب وحید الزماں صاحب کا بھی تذکرہ ہے، ان کی تصانیف سے چند مسائل بھی وہاں منقول ہیں، اسی میں ملاحظہ فرمالیجئے، اندازہ ہوجائے گا، ایک مسئلہ نمونہ کے طور پر پیش کرتا ہوں: ولید، معاویہ، عمرو، مغیرہ، سمرہ فاسق ہیں، العیاذ باللہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

فرقۂ مہدویہ سے تعلق کے ساتھ کلمہ گو کیسا ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں: زید کلمۂ توحید ''لا الہ الا اللہ محمد

رسول اللہ'' پر ایمان رکھتا ہے، اور اس کا یہی کلمہ ہے اس کے سوا اور کوئی کلمہ نہیں ہے، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین مانتا ہے، اور علی الاعلان یہ کہتا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی نبی اور رسول آنے والا نہیں ہے؛ نیز زید حضرت سید محمد جونپوری کو ''مہدی موعود'' ''خلیفۃ اللہ'' ''محمد رسول اللہ ﷺ کا تابع تام'' مانتا ہے، اور تمام فرائض شرعیہ کا اقرار کرنے والا اور اس پر عامل ہے، ان عقائد مذکورہ کے باوجود زید کو خارج عن الاسلام قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی شخص کے مسلمان ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کسی کفریہ عقیدہ کا ماننے والا نہ ہو، سوال میں زید کے عقائد کی جو تفصیل ذکر کی گئی ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ اس کا تعلق فرقۂ مہدویہ سے ہے اور یہ فرقہ مہدی ''جونپوری'' کو صرف مہدیٔ موعود ہی نہیں سمجھتا؛ بلکہ ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ وہ تمام انبیاء سے اور خلفائے راشدین: حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں، اور ان کا مرتبہ حضور اکرم ﷺ کے مرتبہ کے بالکل برابر ہے، سرمو کمی بیشی نہیں ہے، اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام وغیرہ انبیاء کو (معاذ اللہ) کامل الایمان نہیں سمجھتے، اور جو ان عقائد کے مطابق محمد جونپوری کو مہدی موعود نہ مانے وہ کافر ہے، اس کے علاوہ اور بھی تمام عقائد باطلہ ہیں جن کو علامہ ابورجاء محمد نے اپنی کتاب ''ہدیہ مہدویہ'' میں ان ہی کی کتابوں کے حوالوں سے نقل کر کے تفصیل کے ساتھ ان کا رد کیا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۷/۴۱)

حضرت مولانا عبدالحق حقانی (صاحب تفسیر حقانی) اپنی کتاب ''عقائد اسلام'' میں تحریر فرماتے ہیں: اسی طرح اکبر کے عہد میں سید محمد جونپوری نے مہدی ہونے کا دعویٰ

کیا تھا، جن کے مرید اب تک دکن میں موجود ہیں، ان کا مہدی بھی وہ مہدی نہیں کیوں کہ جس قدر علامات امام مہدی کے ہیں، ان میں سے کوئی بھی محمد جونپوری میں نہیں پائی گئی، نہ ان کے عہد میں دجال موجود تھا، نہ نصاری سے مقابلہ ہوا، نہ اشاعت دین ہوئی، نہ اس مہینہ میں دوبار کسوف وخسوف ہوا، نہ مکہ میں لوگوں نے ان سے بیعت لی؛ بلکہ کل علمائے مکہ نے ان کے پیروؤں کے قتل کا فتویٰ دیا، اور امراء پر ان کا قتل واجب ٹھہرایا۔

(عقائد اسلام ۲۸۵ مطبوعہ نعیمیہ دیوبند)

آپ نے سوال میں جس زید کے متعلق دریافت فرمایا ہے کیا وہ ایسے تمام عقائد سے اپنی براءت کا اظہار کرتا ہے جن کا تعلق ''فرقۂ مہدویہ'' سے ہے اور وہ عقائد اہل سنت والجماعت کے خلاف ہیں؟ اس تنقیح کا جواب ملنے پر آپ کے سوال کا جواب دیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ائمہ اربعہ ہی کی تقلید کیوں؟

سوال: ائمۂ اربعہ صرف چار عدد پر کیوں محصور ہیں؟ اس سوال پر شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے شافی جواب دیا ہے، مگر جواب ذہن سے نکل گیا اور اس وقت کتاب بھی موجود نہیں اور جواب طلب کیا جارہا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تقلید کے لیے ان مسائل کا معلوم ہونا ضروری ہے جن میں تقلید کی جاتی ہے، اور آج جس قدر تفصیل کے ساتھ ہر باب اور ہر فصل کے مسائل ائمہ اربعہ کے مذاہب میں مدون اور مجتمع ہیں؛ یہاں تک کہ کتاب الطہارت سے لے کر کتاب الفرائض تک عبادات،

معاملات وغیرہ غرض ہر شعبہ کے ایک ایک مسئلہ کو جمع کر دیا گیا ہے، اس طرح تفصیل کے ساتھ کسی کا مذہب مدون نہیں ملتا، پھر ائمۂ اربعہ کو چھوڑ کر کسی اور کی تقلید کی جائے تو کس طرح کی جائے؟ اس لیے ائمۂ اربعہ ہی کی تقلید کو اختیار کیا گیا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ملخصا ۱/ ۳۸۳، ۳۸۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جماعتِ اسلامی کا رکن شریعت کی نظر میں

سوال: جماعت اسلامی کے رکن پر شریعت کا کیا فتویٰ ہے؟ ہمارے علماء ایسے شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر ممنون فرمائیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کی جماعت کے لیٹریچر میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو اہل سنت والجماعت کے خلاف ہیں، کچھ باتیں معتزلہ کی ہیں، کچھ خوارج کی ہیں، کچھ روافض کی ہیں، کچھ غیر مقلدین کی ہیں، کچھ منکرین حدیث کی ہیں۔ دین اسلام، ایمان، توحید، رسالت، تقویٰ، عبادت، سنت، اسوہ، بدعت، وغیرہ کی تشریح وہ سب سے الگ کرتے ہیں، اور اب تک ان کا جو کچھ مفہوم امت میں شائع ہے اس کو غلط اور دین میں تحریف قرار دیتے ہیں، حاصل یہ ہے کہ ان کا پیش کردہ دین اسلام گویا ایک جدید قسم کا دین اسلام ہے، اور وہ اس پر اپنے اجتہاد کے ذریعہ استدلال بھی کرتے ہیں، استدلال میں بھی کسی مجتہد ومحدث وغیرہ کے پابند نہیں، جس دلیل کو چاہیں رد کر دیں، جس کو چاہیں اختیار کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۲۴۹، ۲۵۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۸ھ

تقلید کیوں ضروری ہے؟

سوال: کیا کسی ایک امام کی اتباع ضروری ہے؟ حالاں کہ قرآن میں ہے: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوْا﴾ تو کیا ہر حدیث پر عمل نہیں کر سکتے؟ ایک ہی امام کی اتباع کیوں ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہر مسلمان پر اطاعت دراصل اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فرض؛ بلکہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی اس لیے کی جاتی ہے کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تشریح فرمائی، ورنہ مطاع بالذات سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کے کوئی نہیں، لیکن ظاہر ہے کہ ایک عام آدمی کے لیے نہ تو یہ ممکن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہم کلام ہو کر اس کی مرضی معلوم کر سکے اور نہ یہ ممکن ہے کہ رسول کریم ﷺ سے براہِ راست رجوع کر کے اللہ کے احکام کا علم حاصل کر سکے؛ لہٰذا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا راستہ اب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کے کلام، یعنی: قرآن کریم اور آں حضرت ﷺ کے اقوال وافعال، یعنی: سنت کی طرف رجوع کیا جائے، اب قرآن وسنت کے بعض احکام تو ایسے ہیں، جو قطعی الثبوت بھی ہیں اور قطعی الدلالۃ بھی، اور ان میں نہ کوئی ابہام واجمال ہے اور نہ کوئی تعارض ادلہ، مثلاً: زنا کی حرمت، صلوات خمسہ کی فرضیت، صوم، زکوٰۃ اور حج کی فرضیت، محرمات سے نکاح کا عدم جواز وغیرہ۔ اس قسم کے احکام کو ہر شخص قرآن وسنت سے سمجھ سکتا ہے، (بشرطیکہ علوم عربیہ پر عبور رکھتا ہو) لہٰذا یہ مسائل نہ تو اجتہاد کا محل ہیں اور نہ تقلید کا؛ البتہ قرآن وسنت کے احکام کی دوسری قسم وہ ہے جس میں کوئی ابہام یا اجمال

یا تعارض ادلہ پایا جاتا ہے، مثلاً قرآن کریم کا ارشاد ہے ﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾ اس میں ''قروء'' لغوی اعتبار سے مشترک ہے، جس کے حیض کے معنی بھی آتے ہیں اور طہر کے بھی، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کے کونسے معنی پر عمل کیا جائے؟ اسی طرح حدیث میں ارشاد ہے: من لم یذر المخابرۃ فلیؤذن بحرب من اللہ ورسولہ۔ اس میں مخابرہ یعنی مزارعت کی ممانعت کی گئی ہے، اب مزارعت کی کئی صورتیں ہوتی ہیں اور حدیث میں اس کا بیان نہیں کہ کونسی صورت جائز اور کونسی ناجائز؟ اس قسم کے مسائل قرآن وسنت کی تشریح میں بکثرت پیدا ہوتے رہتے ہیں، ایسے مواقع پر عقلاً دو ہی صورتیں ممکن ہیں: ایک صورت یہ ہے کہ ان جیسے معاملات میں ہم خود اپنی عقل اور اپنے علم پر اعتماد کر کے کسی ایک جانب کو متعین کر دیں اور اس پر عمل کریں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ ہم اپنی عقل وعلم پر اعتماد کرنے کے بجائے یہ دیکھیں کہ ہمارے جلیل القدر اسلاف نے ان معاملات میں کیا طرز عمل اختیار کیا؟ اور اسلاف میں سے جس عالم مجتہد کے علم پر ہمیں زیادہ اعتماد ہو، ان کے قول پر عمل کریں، یہ دوسرا طریقۂ کار اصطلاحاً تقلید کہلاتا ہے، اور انصاف کے ساتھ دیکھا جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ ان طریقوں میں سے پہلا طریقۂ کار زیادہ خطرناک ہے اور اس میں گمراہی کے زیادہ امکانات ہیں، اس لیے کہ اس حقیقت سے کوئی بدترین جاہل ہی انکار کرسکتا ہے کہ ہمارے علم اور تقویٰ کو اسلاف کے علم اور تقوی سے کوئی نسبت نہیں، ائمۂ مجتہدین اول تو ہمارے مقابلہ میں عہدِ رسالت سے کہیں زیادہ قریب تھے، اس لیے ان کے لیے نزول قرآن کے ماحول اور قرآن وسنت کے ارشادات کے پورے پس منظر سے واقف ہونا ہمارے مقابلہ میں کہیں زیادہ آسان تھا، دوسرے ان حضرات کو

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو قوت حافظہ اور جو علم وفضل عطا فرمایا تھا، ہمارے علم اور حافظہ کو اس سے کوئی نسبت نہیں، جس کا امتحان ہر وقت کیا جاسکتا ہے۔ تیسرے اللہ تعالیٰ اپنے اور اپنے رسول پاک ﷺ کے کلام کے حقائق ومعارف اس شخص پر نہیں کھولتا ہے، جو اس کی نافرمانیوں پر کمر بستہ ہو۔

لہٰذا قرآن وسنت کی صحیح مراد سمجھنے کے لیے علم کے ساتھ ساتھ تقویٰ کی شدید ضرورت ہے، اس لحاظ سے بھی ہم اپنے حالات کا موازنہ ائمۂ مجتہدین سے کرتے ہیں، تو بلاشبہ خاک اور عالم پاک کی نسبت نظر آتی ہے، اس لیے انصاف پسند آدمی مذکورہ دو راستوں میں سے لازماً اسی راستہ کو محتاط قرار دے گا کہ اپنی عقل وعلم پر اعتماد کے بجائے ائمۂ مجتہدین میں سے کسی کی عقل وعلم پر اعتماد کر کے اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ (درس ترمذی ۱/۱۱۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ ذوالقعدہ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دینی ضرورت کے خاطر مسلک بدلنا

سوال: جس جگہ مذہب شوافع کے مقلدین اپنے مذہب کے کوئی ثقہ، فارغ البال عالم ومفتی اپنے مذہب کے ضروری مسائل طہارت وصلوۃ تک بھی سکھانے اور بتانے کے لیے (چہ جائیکہ باریک ودقیق مسائل بیوع ومثلہا میں) نہ پائیں تو ایسی افسوس ناک صورت میں رہبری وہدایت کے واسطے ''مذہب شافعی'' چھوڑ کر حنفی مذہب اختیار کرنا، جس میں ان کے واسطے بوجہِ کثرت فضلاء وعلمائے احناف ان دیار میں دین پر عامل ہونا

اور مسائل سے واقف وعارف ہونا حد درجہ سہولت وآسانی ہوگی، یہ مذہبی انتقال بدواعیٔ مذکورہ ان کے واسطے کیسا ہے؟ مباح، واجب، فرض، مکروہ یا حرام؟

مذکورہ صورت کے پیش نظر اگر کوئی حنفی المسلک عالم ومفتی، شافعی مقلدین کی رفعِ حاجت کے خاطر کتبِ شوافع کا اچھی طرح مطالعہ کرکے ان کو ان کے مذہبی مسائل میں فتویٰ وہدایت دے تو کیا اس کی گنجائش ہوگی؟ الامر اھم فبینوا توجروا

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں مذہبِ شافعی چھوڑ کر مذہبِ حنفی اختیار کرنا واجب اور ضروری ہے؛ اس لیے کہ خود فقہ شافعی سے واقف نہیں ہے، اور وہاں کوئی ایسا عالم جو فقہ شافعی میں ماہر ہو موجود نہیں، جس سے بہ وقتِ ضرورت مسائل معلوم کیے جاسکیں، ان حالات میں نام کا شافعی بنے رہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کی کوئی عبادت درست نہ ہوگی، اور بالکلیہ دین کا ترک لازم آوے گا۔ تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں علامہ جلال الدین سیوطی شافعی کے حوالہ سے اس صورت میں مسلکِ شافعی چھوڑ کر مسلکِ حنفی کے اختیار کرنے کو واجب بتلایا ہے۔

الحال الثانی: أن یکون الانتقال لغرض دینی، وله صورتان: الاولیٰ ان تکون فقیها فی مذهبه، وقد ترجح عنده المذهب الآخر لما رأٰه من وضوح أدلته وقوة مداركه، فهذا مایجب علیه الانتقال أو یجوزکما قاله الرافعی، ولهذا لما قدم الشافعی مصر تحول أکثر أهلها شافعیة بعد أن کانوا مالکیة؛ والثانیة: أن یکون عاریا من الفقه، وقد اشتغل بمذهبه فلم یحصل منه علی شیء و وجد مذهب غیره سهلا علیه سریعا إدراك بحیث یرجوا التفقه فیه، فهذا یجب علیه الانتقال قطعا ویحرم التخلف؛

لان التفقه على مذهب امام من الائمة الاربعة خير من الاستمرار على الجهل، وليس له من المذهب سوى اسم حنفي او شافعي او مالكي؛ فالمذهب على مذهب أي امام كان خير من الجهل بالفقه على كل المذاهب، فان الجهل بالفقه تقصيركبير، وقل أن تصح معه عبادة الخ.

(تنقيح الفتاوى الحامدية ۲ ۳۲۸)

حنفی عالم کو چاہیے کہ مذہب حنفی کے مطابق مسائل بتلائے۔ درمختار میں ہے:

كتب ما قول الشافعي يكتب جواب ابي حنيفة (درمختار) (قوله كتب الخ) مثل الكتابة السوال بالقول ومثل الشافعي غيره من اصحاب المذاهب (شامی ۵/ ۲۹۹) البتہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے گنجائش دی ہے؛ لیکن احتیاط اسی میں ہے کہ احتراز کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب ما یتعلق بالقرآن

کتبِ سماویہ کس زبان میں نازل ہوئیں؟

سوال: آسمانی تین کتب (توریت زبور انجیل) کس زبان میں نازل ہوئی وہ زبانیں کہاں بولی جاتی ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نزول ہر کتاب کا عربی زبان میں ہوا، پھر ہر رسول نے اس کتاب کا اپنی قوم کی

زبان میں ترجمہ کیا اور اس کو سمجھایا، قیامت کو سب کی زبان سریانی ہوگی، پھر لوگ جنت میں داخل ہوں گے ان کی زبان عربی ہوجائے گی، سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے ابن ابی حاتم نے اس کو روایت کیا ہے۔ کذا فی تفسیر ابن کثیر ۳ /۳٤۷۔

شیخ عبدالوہاب شعرانی نے ''الیواقیت والجواہر'' (۱ / ۹۴) میں لکھا ہے کہ قرآن، توراۃ، انجیل سب کلام اللہ ہیں، اول عربی میں، ثانی عبرانی میں، ثالث سریانی میں۔

(فتاویٰ محمودیہ ۱ /۱۸)

عبرانی زبان یہودیوں میں بولی جاتی ہے، سریانی کے بارے میں تحقیق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نابینا کے لیے قرآن پڑھنے کے لیے مخصوص تحریر کا حکم

سوال: اندھوں کے قرآن پڑھنے کے لیے مخصوص تحریر آتی ہے، جس کے حروف عربی نہیں ہوتے، کیا ایسے قرآن کو بغیر وضو پکڑ سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن شریف عربی کے علاوہ دوسری زبان میں لکھنے سے قرآنی رسم الخط جو قرآن کا ایک رکن ہے، چھوٹ جاتا ہے، اور تحریف رسمی لازم آتی ہے، جس سے احتراز ضروری ہے، قرآنی رسم الخط قیاسی نہیں ہے۔ بلکہ توقیفی اور سماعی ہے، لوحِ محفوظ میں تحریر شدہ قرآن کے رسم الخط کے مطابق ہے، منزل من اللہ ہے، تواتر اور اجماع سے ثابت ہے، اعجازی ہے، اس میں قراءتِ سبعہ وغیرہ شامل ہیں، اور ساری قراءتیں جاری کی جاسکتی ہیں، یہ کمال

اور خوبی دوسرے رسم الخط میں نہیں ہوسکتی، لہٰذا اس کا اتباع واجب ہے، اور تبدیلی ناجائز اور حرام ہے، اس لیے دوسرے رسم الخط والے قرآن میں تلاوت نہ کرے، اندھے کے لیے زبانی طور پر جتنا یاد کرنا ممکن ہو اتنا سیکھ لینا چاہئے۔ (ماخوذ فتاویٰ رحیمیہ ۱/۹۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قرآن کریم کی آیات ورکوعات کی تعداد ورسم عثمانی کی رعایت

سوال: ایک صاحب کو آیات ورکوعات قرآنی کی تعداد میں اشکال ہے، اشکال کی نوعیت یوں ہے:

① آیات قرآنی عوام الناس کے درمیان مشہور ۶۶۶۶ ہیں، حالاں کہ تحقیق اس کے خلاف ہے اور وہ یہ کہ کل آیات ۶۲۳۶ ہیں۔

② رکوعات قرآنی مشہور ۵۴۰ ہیں؛ حالاں کہ تحقیق اس کے خلاف ہے اور وہ یہ کہ کل رکوعات ۵۵۷ ہیں۔

③ قرآن کریم کے شروع کے قریب قریب تین پاروں میں ہر جگہ لفظ ''ابرٰھم'' (البقرۃ: ۱۲۴) لکھا ہے، بعد ازاں چوتھے پارے سے لے کر جہاں جہاں مذکورہ لفظ آیا ہے وہاں بشکل ''ابراھیم'' لکھا ہے، یعنی یاء کے ساتھ لکھا ہے، یہ فرق کیوں ہے؟ مذکورہ بالا مسائل کا تشفی بخش کافی وشافی مدلل جواب تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

نوٹ: سائل نے یہ بھی تحریر کیا تھا کہ مذکورہ اشکالات کے جوابات فلاں فلاں

اہل علم سے دریافت کئے تھے؛ مگر تشفی بخش جوابات نہ ملے؛ نیز استفتاء میں غیر مناسب الفاظ بھی مرقوم تھے، استفتاء میں ان تمام کو حذف کر دیا گیا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے ان سوالات کا تعلق فنون قرأت سے ہے، یہ وہ علوم وفنون ہیں جن میں ہمارے اسلاف کی ایک جماعت نے زندگیاں کھپا دیں، ان موضوعات پر تصانیف کا ایک مستقل ذخیرہ چھوڑا ہے؛ لیکن آج وہ ہماری غفلت کا شکار ہے، آپ کے سوالات کے جوابات دینے سے پہلے چند باتیں بطور تمہید پیش کرتا ہوں؛ تاکہ جواب آسانی سے سمجھ میں آجائے۔

(الف) قرآن کریم چوں کہ ایک ہی دفعہ میں پورا نازل نہیں ہوا؛ بلکہ اس کی مختلف آیات ضرورت اور حالات کی مناسبت سے نازل کی جاتی رہی ہیں، اس لیے عہد رسالت میں یہ ممکن نہیں تھا کہ شروع ہی سے اس کو کتابی شکل میں لکھ کر محفوظ کر لیا جائے، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو دوسری آسمانی کتابوں کے مقابلہ میں یہ امتیاز عطا فرمایا تھا کہ اس کی حفاظت قلم اور کاغذ سے زیادہ حفاظ کے سینوں سے کرائی جائے، چناں چہ صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے فرمایا "ومنزل عليك كتابا لا يغسله الماء" (یعنی میں آپ پر ایسی کتاب نازل کرنے والا ہوں جسے پانی نہیں دھو سکے گا) مطلب یہ ہے کہ دنیا کی تمام کتابوں کا تو حال یہ ہے کہ وہ دنیوی آفات کی وجہ سے ضائع ہو جاتی ہیں؛ چناں چہ تورات، انجیل اور دوسرے آسمانی صحیفے اسی طرح نابود ہو گئے؛ لیکن قرآن کریم کو سینوں میں اس طرح محفوظ کر دیا جائے گا کہ اس کے ضائع ہونے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہے۔ چناں چہ ابتداء اسلام میں قرآن کریم کی حفاظت کے لیے سب سے زیادہ زور حافظہ پر

دیا گیا، شروع شروع میں جب وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ اس کے الفاظ کو اسی وقت دہرانے لگتے تھے؛ تاکہ وہ اچھی طرح یاد ہوجائیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿لا تحرك به لسانك لتعجل به، ان علينا جمعه وقرآنه﴾ ان آیات میں یہ بات واضح کردی گئی کہ قرآن کریم یاد رکھنے کے لیے آپ کو عین نزول وحی کے وقت جلدی جلدی الفاظ دہرانے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ خود آپ میں ایسا حافظہ پیدا فرمادے گا کہ ایک مرتبہ نزول وحی کے بعد آپ اسے بھول نہ سکیں گے؛ چناں چہ یہی ہوا کہ ادھر آپ ﷺ پر آیات قرآنی نازل ہوتیں، ادھر آپ ﷺ کو یاد ہوجاتیں، اس طرح سرکار دوعالم ﷺ کا سینۂ مبارک قرآن کریم کا سب سے محفوظ گنجینہ تھا، جس میں کسی ادنی غلطی یا ترمیم وتغیر کا امکان نہیں تھا، پھر آپ ﷺ مزید احتیاط کے طور پر ہر سال رمضان المبارک کے مہینہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو قرآن سنایا کرتے تھے، اور جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی اس سال دومرتبہ آپ ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دور کیا، پھر آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن کریم کے صرف معانی کی تعلیم ہی نہیں دیتے تھے؛ بلکہ انہیں اس کے الفاظ بھی یاد کراتے تھے، اور خود صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن کریم سیکھنے اور اسے یاد رکھنے کا اتنا شوق تھا کہ ہر شخص اس معاملہ میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا تھا، سیکڑوں صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے آپ کو ہر غم ماسوا سے آزاد کرکے اپنی زندگی اسی کام کے لیے وقف کردی تھی؛ غرض ابتدائے اسلام میں قرآن کریم کی حفاظت کے لیے بنیادی طریقہ یہی اختیار کیا گیا کہ وہ زیادہ سے زیادہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو یاد کرایا گیا، اس دور کے حالات کے پیش نظر یہی طریقہ سب سے زیادہ محفوظ اور قابل اعتماد تھا، اس لیے کہ اس زمانہ میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی، کتابوں کو شائع

کرنے کے لیے پریس وغیرہ کے ذرائع موجود نہ تھے، اس لیے اگر صرف لکھنے پر اعتماد کیا جاتا تو نہ قرآن کریم کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہوسکتی تھی، اور نہ اس کی قابل اعتماد حفاظت، اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کو حافظہ کی ایسی قوت عطا فرمادی تھی کہ ایک ایک شخص ہزاروں اشعار کا حافظ ہوتا تھا، اور معمولی معمولی دیہاتیوں کو اپنے اور اپنے خاندان ہی کے نہیں؛ بلکہ اپنے گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد ہوتے تھے، اس لیے قرآن کریم کی حفاظت میں اس قوت حافظہ سے کام لیا گیا، اور اسی کے ذریعہ قرآن کریم کی آیات اور سورتیں عرب کے گوشہ گوشہ میں پہنچ گئیں۔

حفاظت قرآن کا اصل مدار تو اگرچہ حافظہ پر تھا؛ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کریم کی کتابت کا بھی خاص اہتمام فرمایا، اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریق کار کی تفصیل طبرانی کی روایت میں موجود ہے، کتابت وحی کا یہ کام مختلف حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذریعہ لیا جاتا تھا، جن میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سرفہرست ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول تھا کہ جب قرآن کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کاتب وحی کو یہ ہدایت بھی فرمادیتے تھے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں فلاں آیت کے بعد لکھا جائے؛ چناں چہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق لکھ لیا جاتا تھا، اس زمانہ میں چوں کہ عرب میں کاغذ کمیاب تھا، اس لیے یہ قرآنی آیات زیادہ تر پتھر کی سلوں، چمڑے کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی جاتی تھیں؛ البتہ کبھی کبھی کاغذ کے ٹکڑے بھی استعمال کئے گئے ہیں، لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں قرآن کریم کے جتنے نسخے لکھے گئے تھے، ان کی کیفیت یہ تھی کہ یا تو وہ متفرق اشیاء پر لکھے ہوتے تھے، کوئی آیت

چمڑے پر، کوئی ہڈی پر، کوئی پتھر کی سل پر- کسی صحابی کے پاس ایک سورت لکھی ہوئی تھی، کسی کے پاس دس پانچ سورتیں، اور کسی کے پاس صرف چند آیات- اس بناء پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہ ضروری سمجھا کہ قرآن کریم کے ان منتشر حصوں کو یکجا کر کے محفوظ کر دیا جائے، انہوں نے یہ کارنامہ اس وقت انجام دیا جب کہ جنگ یمامہ میں قرآن کریم کے حفاظ کی ایک بڑی جماعت شہید ہوگئی؛ چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے یہ کام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حوالہ کیا، (بخاری شریف میں اس کی تفصیل موجود ہے) حضرت زید رضی اللہ عنہ نے بڑی احتیاط کے ساتھ آیات قرآنی جمع کر کے انہیں کاغذ کے صحیفوں پر مرتب شکل میں تحریر فرمایا؛ لیکن ہر سورت علیحدہ صحیفہ میں لکھی گئی، اس لیے یہ نسخہ بہت سے صحائف پر مشتمل تھا، اصطلاح میں اس نسخہ کو "أم" کہا جاتا ہے، یہ نسخہ تیار ہونے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، ان کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، اور ان کی شہادت کے بعد ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب اسلام عرب سے نکل کر روم اور ایران کے دور دراز علاقوں میں پہنچ گیا، اور اس زمانہ کے دستور کے مطابق ہر نئے علاقہ کے لوگ جب مسلمان ہوتے تو وہ ان مجاہدین اسلام یا ان تاجروں سے قرآن کریم سیکھتے جن کی بدولت انہیں اسلام کی نعمت حاصل ہوئی، اور چوں کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا تھا اور مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف قرأتوں کے مطابق سیکھا تھا، اس لیے ہر صحابی رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگردوں کو اسی قرأت کے مطابق قرآن پڑھایا جس کے مطابق خود انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا، اس طرح قرأتوں کا یہ اختلاف دور

دراز ممالک تک پہنچ گیا، جب تک لوگ اس حقیقت سے واقف تھے کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، اس وقت تک اس اختلاف سے کوئی خرابی نہیں پیدا ہوئی؛ لیکن جب یہ اختلاف دور دراز ممالک میں پہنچا اور یہ بات ان میں پوری طرح مشہور نہ ہوسکی کہ قرآن کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، تو اس وقت لوگوں میں جھگڑے پیش آنے لگے، بعض لوگ اپنی قرأت کو صحیح اور دوسرے کی قرأت کو غلط قرار دینے لگے، ان جھگڑوں سے ایک طرف تو یہ خطرہ تھا کہ لوگ قرآن کریم کی متواتر قرأتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی میں مبتلا ہوں گے، دوسرے سوائے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے لکھے ہوئے ایک نسخہ کے جو مدینہ طیبہ میں موجود تھا، پورے عالم میں ایسا کوئی معیاری نسخہ موجود نہ تھا جو پوری امت کے لیے حجت بن سکے؛ کیوں کہ دوسرے نسخے انفرادی طور پر لکھے ہوئے تھے، اور ان میں ساتوں حروف کو جمع کرنے کا کوئی اہتمام نہ تھا، اس لیے ان جھگڑوں کے تصفیہ کی قابل اعتماد صورت یہی تھی کہ ایسے نسخے پورے عالم اسلام میں پھیلا دئے جائیں، جن میں ساتوں حروف جمع ہوں اور انہیں دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ کونسی قرأت صحیح اور کونسی غلط ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہی عظیم الشان کارنامہ انجام دیا، اس کی تفصیل بڑی طویل ہے، مختصر یہ کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے تیار کرائے ہوئے جو صحائف موجود تھے اور محفوظ تھے، وہ منگوائے اور چار صحابہ کرام کی ایک جماعت بنائی: حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم، ان کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صحائف سے نقل کر

کے کئی ایسے صحائف تیار کریں، جن میں سورتیں بھی مرتب ہوں، دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ان کی مدد کے لیے ساتھ لگا دیا گیا، ان حضرات نے کتابت قرآن کے سلسلہ میں مندرجۂ ذیل امور انجام دیے:

① حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو نسخہ تیار ہوا تھا اس میں سورتیں مرتب نہیں تھیں؛ بلکہ ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی، ان حضرات نے تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا۔

② قرآن کریم کی آیات اس طرح لکھیں کہ ان کے رسم الخط میں تمام متواتر قرأتیں سما جائیں، اسی لیے ان پر نہ نقطے لگائے گئے، اور نہ حرکات (زبر، زیر، پیش) تاکہ اسے تمام متواتر قرأتوں کے مطابق پڑھا جا سکے، مثلاً "ننشزها" لکھا تاکہ اسے نَنْشُزُها اور نُنْشِزُها دونوں طرح پڑھا جا سکے؛ کیوں کہ یہ دونوں درست ہیں۔

③ ان حضرات نے اس نئے مرتب مصحف کی ایک سے زائد نقلیں تیار کیں، ابوحاتم سجستانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ: کل سات نسخے تیار کئے گئے، جن میں سے ایک مکہ مکرمہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا، اور ایک مدینہ طیبہ میں محفوظ رکھا گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مذکورہ کارنامے کے بعد امت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن کریم رسم عثمانی کے خلاف کسی اور طریقہ سے لکھنا جائز نہیں؛ چناں چہ اس کے بعد تمام مصاحف اسی طریقہ کے مطابق لکھے گئے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہم نے مصاحف عثمانی کی نقول تیار کر کے قرآن کریم کی وسیع پیمانہ پر اشاعت کی؛ لیکن ابھی تک قرآن کریم کے نسخے چوں کہ نقطوں اور زیر وزبر اور پیش سے خالی تھے، اس لیے

اہل عجم کو ان کی تلاوت میں دشواری ہوتی تھی، چناں چہ جب اسلام عجمی ممالک میں اور زیادہ پھیلا تو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس میں نقطوں اور حرکات کا اضافہ کیا جائے؛ تاکہ تمام لوگ آسانی سے اس کی تلاوت کر سکیں، اس مقصد کے لیے بعد کے زمانوں میں مختلف اقدامات کئے گئے، اس میں روایتیں مختلف ہیں کہ قرآن کریم کے نسخہ پر سب سے پہلے کس نے نقطے ڈالے؟ بعض روایتیں یہ کہتی ہیں کہ یہ کارنامہ سب سے پہلے ابوالاسود دئلی نے انجام دیا، بعض کا کہنا ہے کہ انہوں نے یہ کام حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلقین سے کیا، نقطوں کی طرح شروع میں قرآن کریم پر حرکات (زبر، زیر، پیش) بھی نہیں تھیں، اور اس میں بھی روایات کا بڑا اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کس نے حرکات لگائیں، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ کام سب سے پہلے ابوالاسود دئلی نے انجام دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین رحمہ اللہ علیہم کا معمول تھا کہ وہ ہر ہفتہ ایک قرآن کریم ختم کر لیا کرتے تھے، اس مقصد کے لیے انہوں نے روزانہ تلاوت کی ایک مقدار مقرر کر رکھی تھی، جسے منزل کہا جاتا ہے، اس طرح قرآن کریم کو سات منزلوں پر تقسیم کیا گیا، آج کل قرآن کریم تیس (۳۰) اجزاء پر منقسم ہے، جنہیں تیس پارے کہا جاتا ہے، یہ پاروں کی تقسیم معنی کے اعتبار سے نہیں؛ بلکہ بچوں کو پڑھانے کے لیے آسانی کے خیال سے تیس (۳۰) مساوی حصوں پر تقسیم کر دیا گیا، یہ تقسیم بھی عہد صحابہ کے بعد تعلیم کی سہولت کے لیے کی گئی ہے۔ ایک اَور علامت جس کا رواج بعد میں ہوا اور آج تک جاری ہے، رکوع کی علامت ہے، اور اس کی تعیین معنیٰ کے لحاظ سے کی گئی ہے، یعنی جہاں ایک سلسلۂ کلام ختم ہو وہاں رکوع کی علامت (حاشیہ پر حرف ''ع'') بنادی گئی، جستجو کے باوجود مستند طور پر یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ رکوع کی ابتداء کس نے کی اور کس دور میں کی؟

(بندہ عرض کرتا ہے کہ یہ رکوع والی علامت عموماً صرف ان مصاحف میں پائی جاتی ہے، جو بلادِ عجم میں طبع ہوتے ہیں، بلادِ عرب میں طبع شدہ مصاحف عموماً اس سے خالی ہوتے ہیں۔)

(ب) تلاوت کی سہولت کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو متعدد قرأتوں میں نازل فرمایا تھا، قرأتوں کے اس اختلاف سے آیات کے مجموعی معنی میں تو کوئی تبدیلی نہیں ہوتی؛ لیکن تلاوت اور اس کی ادائیگی کے طریقوں میں فرق ہو جاتا ہے، اس کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو آسانی پیدا ہوگئی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں تیار کردہ مصاحف کو نقطوں اور حرکات سے اس لیے خالی رکھا گیا تھا؛ تاکہ اس میں تمام مسلّم قرأتیں سما سکیں، چناں چہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ مصاحف عالم اسلام کے مختلف خطوں میں روانہ کئے تو ان کے ساتھ ایسے قراء کو بھی بھیجا، جو ان کی تلاوت سکھا سکیں، چناں چہ یہ قاری حضرات جب مختلف علاقوں میں پہنچے تو انہوں نے اپنی اپنی قرأت کے مطابق لوگوں کو قرآن کریم کی تعلیم دی، اور یہ مختلف قرأتیں لوگوں میں پھیل گئیں، اس موقع پر بعض حضرات نے ان مختلف قرأتوں کو یاد کرنے، اور دوسروں کو سکھانے ہی کے لیے اپنی زندگیاں وقف کردیں، اور اس طرح علم قرأت کی بنیاد پڑگئی، اور ہر خطہ کے لوگ اس علم میں کمال حاصل کرنے کے لیے ائمہ قرأت سے رجوع کرنے لگے۔

(ماخوذ از علوم القرآن باب پنجم تاریخ حفاظت قرآن مؤلفہ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب ملخصاً)

(ج) قرآن کریم کی آیات کی تعداد میں حضرات قراء میں اختلاف ہے، علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "الاتقان فی علوم القرآن" میں مستقل عنوان سے اس پر تفصیلی بحث فرمائی ہے، شیخ عبدالعظیم زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے "مناھل العرفان" میں اس کا خلاصہ تحریر فرمایا ہے، چناں چہ وہ لکھتے ہیں: کہ تعداد آیات کے سلسلہ میں تمام

قراء اتنی بات پر تو متفق ہیں کہ وہ چھ ہزار دوسو سے کچھ اوپر ہیں، آگے اس اوپر والی تعداد میں اختلاف ہے، قرائے کوفہ کے نزدیک وہ تعداد ۳۶ ہے، قرائے بصرہ کے نزدیک ۵ ہے، اہل مکہ کے نزدیک ۲۰ ہے، اہل مدینہ کا پہلا قول ۱۷ کا ہے، اور دوسرا قول ۱۴ کا ہے۔ (مناہل العرفان ۱/۳۳۶)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول چھ ہزار چھ سو سولہ (۶۶۱۶) کا بھی نقل کیا ہے۔ (الاتقان فی علوم القرآن ۱/۸۹)

علامہ شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''علوم القرآن'' میں مولانا عبدالصمد کی ''تاریخ القرآن'' اور ابن جوزی کی ''فنون الافنان'' کے حوالہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (۶۶۶۶) نقل فرمایا ہے۔ (علوم القرآن افغانی ۱۴۳)

تعداد آیات قرآنی کے سلسلہ میں حضرات قراء میں جو اختلاف پیش آیا اس کی وجہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے؛ تاکہ غلط فہمی سے کوئی اشکال پیدا نہ ہو، اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس اختلاف کے باوجود قرآن کریم میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بوقت تلاوت ختم آیات پر وقف فرماتے تھے؛ تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں آیت ختم ہوئی، جب وہ حضرات اس سے واقف ہو جاتے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم معنوی مناسبت کی رعایت فرماتے ہوئے ایک آیت کو بعد والی آیت سے ملا کر تلاوت فرماتے، اس کی وجہ سے بعض حضرات یہ سمجھتے کہ جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ٹھہرے تھے، وہاں آیت مکمل نہیں ہوئی، اور بعد والی کے ساتھ ملا کر ایک آیت شمار کرتے، جب کہ بعض دونوں کو مستقل آیت قرار دیتے، مثلاً قرائے کوفہ نے ''الٓمّٓ'' جس سورت کے بھی شروع میں آیا ہے اس کو مستقل آیت شمار کیا، جب کہ دیگر قراء نے مستقل آیت قرار نہ دیتے ہوئے

بعد والی آیت کے ساتھ ملا کر اس کا جزء قرار دیا، اسی اصول کے پیش نظر سورہ بقرہ کے شروع میں ﴿الٓمّٓ ذلك الكتاب لا ريب فيه، هدى للمتقين﴾ قرائے کوفہ کے نزدیک دو مستقل آیتیں ہیں، جب کہ دیگر قراء کے نزدیک دونوں ملا کر ایک آیت ہے، یا مثلاً ﴿حٰمٓ عٓسٓقٓ﴾ کو قرائے کوفہ نے دو آیت شمار کیا ہے، جب کہ دوسرے حضرات نے اس کو مستقل آیت نہیں مانی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سورۂ شوریٰ کے شروع میں ﴿حٰمٓ عٓسٓقٓ كذلك يوحى اليك والى الذين من قبلك الله العزيز الحكيم﴾ قرائے کوفہ کے نزدیک تین مستقل آیات ہیں، جب کہ دیگر حضرات کے نزدیک یہ تمام ملا کر صرف ایک آیت ہوئی۔ (ماخوذ از الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی)

اب میں آپ کے سوالات کا بالترتیب جواب دیتا ہوں۔

① جیسا کہ تمہید جواب میں واضح کیا جا چکا کہ آیات کی تعداد میں اختلاف ہے، ساتھ ہی عوام کے درمیان جو تعداد ۶۶۶۶ کی مشہور ہے، وہ قرأت متواترہ میں نہیں ہے، ایک ضعیف روایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے، آپ نے ہمارے یہاں (براعظم ہندو پاک میں) رائج قرآن کریم نسخوں سے جو تعداد جمع کی ہے (۶۲۳۶) یہ وہی تعداد ہے جو قرائے کوفہ کے نزدیک ہے؛ چوں کہ ہمارے علاقہ میں حضرت امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کی قرأت رائج ہے، اور ان کا شمار قرائے کوفہ میں ہے، اس لیے یہ تعداد ان کی تعداد کے موافق ہوئی۔

② رکوع کی علامت کے سلسلہ میں تمہید جواب میں عرض کر چکا ہوں کہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ کے بعد اہل عجم کے لیے قرآن کریم کی تلاوت کو آسان کرنے کے لیے جو اقدامات کئے گئے ان میں سے ہے، اور رکوع والی اس علامت کے متعلق تو حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے تصریح فرمائی ہے کہ: باوجود تفتیش کے یہ معلوم نہ ہو سکا

کہ اس کی ابتداء کب ہوئی اور کس نے کی؟ اور جیسا کہ بندہ نے عرض کیا کہ یہ علامت بلاد عجم میں طبع شدہ مصاحف میں عموماً ہوتی ہے، بلاد عرب کے مصاحف میں نہیں، تو اگر اس کی تعداد میں کوئی اختلاف وفرق بھی ہو تو چنداں قابل تعجب نہیں۔

نوٹ: بندہ نے بلاد عجم میں طبع شدہ مصاحف والی جو بات عرض کی ہے اس پر خادم الحرمین ملک فہد کے مطابع میں طبع شدہ حالیہ ان مصاحف سے اعتراض نہ ہو، جو ہندو پاک وبنگلہ دیش والوں ہی کے لیے طبع ہوتے ہیں، اس لیے کہ وہیں سے جو مصاحف اہل عرب کے لیے طبع شدہ ہیں، ان میں یہ علامت نہیں ہے۔

③ تمہید جواب میں یہ بھی واضح کیا جا چکا ہے کہ امت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن کریم کو رسم عثمانی کے خلاف کسی اور طریقہ سے لکھنا جائز نہیں ہے، اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ والے اس رسم الخط میں آیات قرآنی اس طرح لکھی گئی ہیں کہ تمام متواتر قرأتیں اس میں سما جائیں، لفظ ''ابرٰھم'' مصحف عثمانی میں سورۂ بقرہ میں جتنی جگہ آیا ہے اس طرح بغیر یاء کے آیا ہے، اور سورۂ بقرہ کے علاوہ دیگر تمام مواقع میں ''ابراھیم'' یاء کے ساتھ آیا ہے، اس لیے ہمارے لیے بھی اس کی پابندی ضروری ہوئی۔

رہا یہ سوال کہ خود رسم عثمانی میں فرق کیوں کیا گیا تو اس کا جواب بھی وہی ہے کہ سورۂ بقرہ میں واقع ''ابرٰھم'' کی قرأت میں اختلاف ہے، ابن عامر سے ابن ذکوان کی روایت میں ''ابراھام'' پڑھا گیا ہے جب کہ دیگر قرائے کرام ''ابرٰھیم'' پڑھتے ہیں اس لیے اس کو اس طرح لکھا گیا کہ دونوں قرأتیں سما جائیں: ''ابراھام'' ''ابرٰھیم''، سورۂ بقرہ میں ابرٰھم چودہ مواضع پر آیا ہے۔ (آیت نمبر ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۳۰، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۴۰، ۲۵۸، ۲۵۸، ۲۵۸، ۲۶۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک ضروری نوٹ: مفتی کا دائرہ علم فقہ تک محدود ہے، اور سوال میں دریافت طلب امور کا تعلق علم فقہ سے نہیں ہے؛ بلکہ علم قرأت سے ہے، اس لیے اگر کسی مفتی نے ان سوالات کے جوابات نہیں دیے تو وہ قابل ملامت یا قابل اعتراض نہیں ہے۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ مفتی کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر بات کا جواب دے، خصوصاً جب کہ اس کا تعلق عمل سے نہیں ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ بعض سوالات اس وقت تک حل نہیں ہو سکتے جب تک کہ اس فن کی مبادیات اور ضروری باتوں سے سائل واقف نہ ہو اس عدم واقفیت کے ساتھ لِم دریافت کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی بچہ بلوغ کی کیفیت دریافت کرے، اگر کسی ڈاکٹر سے علاج کی کوئی لِم دریافت کی جائے تو آپ کس جواب کی امید رکھتے ہیں؟۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ محرم الحرام ۱۴۱۵ھ

آیت کریمہ ''الخبیثٰت للخبیثین'' الخ کا مطلب

سوال: قرآن مجید میں لکھا ہے، ستھرے مرد ستھری عورتوں کے لیے، گندے مرد گندی عورتوں کے لیے، اس کا کیا مطلب ہے؟ واضح فرمائیے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک عام ضابطہ بتلایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے طبائع میں طبعی طور پر جوڑ رکھا ہے، گندی اور بدکار عورتیں بدکار مردوں کی طرف، اور گندے اور بدکار مرد گندی، بدکار عورتوں کی طرف رغبت کیا کرتے ہیں، اسی طرح پاک صاف عورتوں

کی رغبت پاک صاف مردوں ک طرف ہوتی ہے، اور پاک صاف مردوں کی رغبت پاک صاف عورتوں کی طرف ہوا کرتی ہے، اور ہر ایک اپنی اپنی رغبت کے مطابق جوڑ تلاش کرتا ہے، اور قدرۃً اس کو وہی مل جاتا ہے۔ (معارف القرآن ۶/ ۳۸۳)

آپ نے دیکھا ہوگا کہ نکاح کے لیے جب جوڑ کی تلاش ہوتی ہے، تو ایسی لڑکی جو سینما اور بے پردگی کی دلدادہ ہو، وہ کسی نمازی اور دیندار لڑکے کو پسند نہیں کرتی؛ بلکہ وہ اپنی قماش کے لڑکے ہی کی طرف مائل ہوا کرتی ہے، یہی حال لڑکے کا بھی ہوتا ہے، اسی طرح جو لڑکا نمازی دیندار صالح ہوتا ہے، وہ اپنے نکاح کے لیے ایسی ہی لڑکی پسند کرتا ہے جو نمازی باپردہ نیک اور صالح ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

”سلام هي حتى مطلع الفجر“ میں فجر سے مراد

سوال: سورۃ القدر کی آیت ﴿سلام هي حتى مطلع الفجر﴾ میں مطلع الفجر کی تفسیر کرتے ہوئے ماہنامہ ”ھدیٰ“ ڈائجسٹ کے لیلۃ القدر نمبر میں کسی صاحب نے لکھا ہے کہ اس سے طلوع آفتاب مراد ہے، اور اس رات میں نازل ہونے والی سلامتی کا نزول طلوع آفتاب تک رہتا ہے، اس کو دلیل بنا کر ایک صاحب نے اس کی صحیح تفسیر احقر سے دریافت کی، احقر نے ﴿حتى يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود من الفجر﴾ کی روشنی میں ان کو یہی جواب دیا کہ مطلع الفجر سے مراد صبح صادق ہے، ویسے مزید تفصیل تحقیق کے بعد لکھ کر بھیج دوں گا۔

اکثر کتبِ تفسیر سے صراحتاً تو نہیں؛ لیکن کنایتاً صبح صادق تک ہونا ہی سمجھ میں آتا ہے،

مثلاً فتح القدیر کی عبارت ہے ﴿هی حتی مطلع الفجر﴾ قال وذلك من غروب الشمس إلى أن يطلع الفجر . (فتح القدیره/ ٤٧٣)

اور تفسیر جمل کی عبارت یہ ہے کہ: وعبارة الخطيب ويستمرون أي على التسليم من غروب الشمس حتى مطلع الفجر . (جمل:٥٦٨)

لیکن ''کشف الاسرار'' کی مندرجۂ ذیل عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ نزولِ سلامتی کا یہ سلسلہ طلوعِ آفتاب تک رہتا ہے، ''کشف الاسرار'' کی عبارت مندرجۂ ذیل ہے: بوقتِ صبح جبرئیل آواز داد کہ یا معشر الملائکہ: الرحیل، الرحیل، علَمها بردارید تا برآسمان بمقام معلوم خود باز شویم، فرمان آید از جبار عالم کہ برآوردن شما روی نیست کہ خفتگان امت محمد را سلام نہ کردید تو ی کہ ہنوز درخوابند صبر کنید تا بیدار شوند، بجائے خویش حلقہ حلقہ بنشینند و یکے دیگرے را بتعجب باز می گویند کہ حق جل جلالہ امشب با امت محمد چہ فضل کرد الخ۔ (کشف الاسرار ١٠ / ٥٦٥، مولفہ: ابوالفضل رشید الدین المیدبی)

احقر کی ناقص فہمی کے مطابق ''کشف الاسرار'' کی عبارت دیگر تفاسیر سے معارض ہورہی ہے، کیا اس معارض کا ازالہ اس طرح کیا جاسکتا ہے کہ ''فتح القدیر'' اور ''جمل'' وغیرہ کی عبارت کو نزول سلامتی کے بند ہونے پر محمول کیا جائے کہ صبح صادق کے بعد نزول رحمت کا سلسلہ بند ہوجاتا ہے، اور ''کشف الاسرار'' کی عبارت کو بقاء پر محمول کیا جائے کہ وہ نزول شدہ رحمت طلوع آفتاب تک باقی رہتی ہے، یا ''کشف الاسرار'' کی عبارت کا کوئی اور مطلب ہے؟ حضرت والا سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ تفصیلی وتحقیقی جواب سے مطلع فرما کر مشکور وممنون ہوں، میرے سائل کا مزاج تحقیقی تو ضرور ہے؛ لیکن وہ صرف اردو خواں ہے، اس لیے اگر کتبِ تفاسیر میں سے کسی بھی عربی یا اردو تفسیر میں مطلع الفجر کی

تفسیر میں صراحتاً صبح صادق کا لفظ موجود ہو تو اس کی بھی نشان دہی فرمادیں تو زیادہ بہتر ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عربی زبان میں ''فجر'' کا اطلاق صبح پر ہوتا ہے، آفتاب پر نہیں، اگر طلوع آفتاب مراد ہوتا تو ﴿هی حتی مطلع الشمس﴾ مذکور ہوتا؛ چوں کہ اس کا یہ معنی متعین ہے، اس لیے مفسرین نے اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی، آپ کتب لغت کا حوالہ دیجئے، روح المعانی میں اس جملہ کے استعمال کی جو علت بتلائی ہے اس میں صراحت موجود ہے۔ لغات القرآن میں ہے: ''الفجر'' اسم فعل مصدر، پَو پھٹنا، صبح کی روشنی نمودار ہونا، پھاڑ کر بہانا، وقت فجر، گناہ کرنا، فجر، بخشش، سخاوت، مروت، احسان، مال۔ مال کی کثرت۔ پ ۲ ع ۲، پ ۱۵ ع ۹، پ ۱۸ ع ۱۴، پ ۳۰ ع ۲۲، قرآن مجید میں صرف وقت فجر اور طلوع سحر کے لیے اس کا استعمال ہوا ہے۔ (لغات القرآن ۵/ ۴۲)

تمام اردو تراجم قرآنی میں اس کا ترجمہ طلوع صبح سے کیا گیا ہے، کیا وہ کم حجت ہے؟ ''کشف الاسرار'' کی عبارت سے بھی فجر سے آفتاب مراد ہونا نہیں معلوم ہوتا، اس لیے اس کی تاویل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ شوال ۱۴۱۷ھ

''الکتاب'' سے کیا تورات مراد ہے؟

سوال: اس بات کی کیا دلیل ہے کہ توراۃ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی؛ جبکہ قرآن مجید میں ہر جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ''الکتٰب'' دینے کی بات کہی گئی ہے، تو اس ''الکتٰب'' سے کیا مراد ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: احتج آدم وموسى عند ربهما، فحج آدم وموسى قال آدم: انت موسى الذى اصطفاك الله برسالته وبكلامه، واعطاك الألواح فيها تبيان كل شيء وقربك نجيا فبكم وجدت الله كتب التوراة قبل أن اخلق الخ (مشکوۃ۱۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/شوال ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حج سے متعلق ایک آیتِ کریمہ اور حدیث نبوی میں تطبیق

سوال: اس تعارض کے متعلق کیا حکم ہے جو اس آیت میں واقع ہے: قال الله تعالیٰ: ﴿اذن فی الناس بالحج﴾ جس کے لیے حج مقدر تھا اس کی روح نے لبیک کہا، وہی شوق کی دبی چنگاری ہے کہ ہزاروں آدمی پیادہ تکلیفیں اٹھاتے ہوئے حاضر ہوئے ہیں۔ الخ۔ (فوائد عثمانی علی الترجمۃ الشیخ الہند)

مذکورہ عبارات سے یہ واضح ہے کہ جس نے لبیک کہا وہی حج ادا کرنے جائے گا، وإلا فلا لیکن دوسری طرف روایت میں ہے کہ عن علی قال: قال رسول الله ﷺ: "من ملك زاداً وراحلة تبلغه إلى بيت الله ولم يحج فلاعليه أن يموت يهود يا أو نصرانيا وذلك أن الله تبارك وتعالىٰ يقول: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا﴾". (رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب)

مذکورہ آیت کا مقتضی یہ ہے کہ جس نے لبیک کہا وہ حج ادا کرے گا اور جس نے قدرتی طور پر لبیک نہ کہا چاہے وہ کروڑ پتی ہو حج کی توفیق نہ ہوگی، یہ فیصلۂ الٰہی ہے؛ لیکن پھر

حدیث شریف میں صاحب ثروت ہونے کے بعد حج کی ادائیگی نہ ہونے پر سخت وعید وارد ہے جو ظاہراً تعارض نظر آرہا ہے، اور اگر حدیث کو ضعیف قرار دے کر صرف نظر کیا جائے جیسا کہ امام ترمذی نے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے تو یہ شاید توضیح درست نہ ہو، اس لیے بقول شیخ الحدیث کہ اگرچہ حدیث کی سند میں کلام ہے؛ لیکن کچھ آیات قرآنیہ اور دیگر روایات سے حدیث بالا کی تائید ہوتی ہے، حدیث شریف حسن لغیرہ کے درجہ میں پہنچ گئی ہے جو قابل استدلال ہے۔ (فضائل ج ۲۹)

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فوائد عثمانی میں جو بات لکھی ہے اس کا تعلق تکوین وتقدیر سے ہے، اور ترمذی کی روایت میں جو کچھ لکھا ہے وہ تشریع سے متعلق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

"یھدی بہ کثیرا وما یضل" میں ادغام

سوال: نون ساکن وتنوین کے بعد "یرملون" میں سے کوئی حرف آئے تو ادغام ہوتا ہے، "یومن" میں ادغام مع الغنہ ہوتا ہے، اگر نون ساکن اور تنوین کے بعد ان "یرملون" کے حرف پر تشدید نہ ہو تو بھی ادغام ہوگا؟ جیسے ﴿وَيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْراً وَمَا يُضِلُّ بِهٖ﴾ الخ نون تنوین کے بعد واؤ پر تشدید نہیں تو ادغام ہوگا؟۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

﴿وَيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْراً﴾ پر بات مکمل ہوجاتی ہے، اس لیے اس پر وقف کریں گے اور ﴿وَمَا يُضِلُّ بِهٖ﴾ کو از سر نو شروع کریں گے، جب درمیان میں وقف ہو گیا تو اب

ادغام کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لیے کہ ادغام مسلسل پڑھنے کی صورت میں ہوتا ہے اور اسی لیے واؤ پر تشدید نہیں لگائی ہے، اس کے باوجود اگر کوئی آدمی مسلسل پڑھے گا، تو اس کو چاہیے کہ ادغام کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ / ذوالقعدہ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

آیت درود اور درود میں وصل

سوال: یہاں پر آیتِ درود کے وقت درود (جمعہ کے خطبہ میں) زور سے پڑھتے تھے، تو میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ: تسلیما اللّٰھم صل وسلم الخ پڑھنا شروع کر دیا تو جن کو موقع نہ ملا تو انھوں نے مجھے کہا کہ امام صاحب آپ آیت پر رکتے نہیں ہو، میں نے کہا کہ جمعہ میں انشاء اللہ اس کا مکمل خلاصہ کروں گا، تو الحمد للہ گزشتہ جمعہ میں خلاصہ کر لیا؛ مگر پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ آیت کے ساتھ درود کو ملانے میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس طرح آیت کا وصل درود شریف کے ساتھ جائز اور درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسابقۃ القرآن کا اجلاس منعقد کرنا

سوال: در یکے دیارِ ما چند علماءِ کرام بطورِ مسابقۃ القرآن جلسہ منعقد کردہ اند، دراں محفل طلبہ از روئے تجوید قرآن پکے ہر دیگر مسابقہ می کند، آیا ایں جلسہ مسابقۂ قرآن

جائز است یا نہ؟ ایں طور جلسہ کردن در قرأت قرآن مسابقہ کردن بازی شود یا نہ؟ ہم چنیں عمل در شریعتِ مطہرہ چہ حکم دارد؟ از دلائل احادیث وقرآن وفقہاء تفصیل جواب بنویسید۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مقصدِ انعقادِ مسابقۂ مذکور ایں ست کہ در مسلماناں تحفیظ قرآنِ مجید مع تصحیح حروف وتجوید رواج یابد رواست، در مدارسِ دینیہ طالبانِ علومِ دینیہ را از انعامات نوازیدن از ہمیں قبیل ست۔

در در مختار ست: وكذا الحكم في المتفقهة، فإذا شرط لمن معه الصواب صح (درمختار) قال الشامی (قوله: وكذا الحكم فی المتفقهة) أي على هذا التفصيل، وكذا المصارعة على هذا التفصيل، وإنما جاز لأن فيه حثا على الجهاد وتعلم العلم، فإن قيام الدين بالجهاد والعلم مجاز فيما يرجع اليها لا غير، كذا فی فصول العلائی (شامی ۶ /۲۸۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ /شوال ۱۴۱۷ھ

مروجہ مسابقۂ قرآن کی اصل

سوال: عصر حاضر میں جب کہ ہر چہار جانب سے اسلام اور اہل اسلام کی سرکوبی اور اس کے شعائر وعلامات کو مٹانے کی پیہم کوششیں جارہی ہیں، اور جوں جوں زمانہ شمع رسالت سے دور ہوتا جارہا ہے مسلمانوں کی دینی وشرعی کمزوریاں بھی بڑھتی جارہی ہیں، خصوصاً قرآن پاک جو شریعتِ اسلامیہ کا منبع اور اصل ہے، علمی اعتبار سے تو درکنار قرأت وتلاوت بھی اپنے حقوق حاصل کرنے سے محروم ہے، جبکہ ربِ ذوالجلال کے فرمانِ مبارک ﴿ورتل القرآن ترتيلا﴾ الآیۃ پر عمل کرنے سے عوام وخواص دور ہوتے چلے

جارہے ہیں، ایسے موقع پر صرف قرآنِ پاک کی تعلیم کو عام اور تام کرنے کے لیے حاملینِ قرآنِ مجید کی ایک جماعت مسابقۂ قرآن کے عنوان سے ملکی وصوبائی اور ضلعی سطح پر مجالس منعقد کرکے قرآنِ پاک کو تجوید وصحت کے ساتھ پڑھنے والے شرکاء کو استحقاق کی بنیاد پر انعامات تقسیم کرتی ہے؛ نیز مجالس میں اکابر علماء وصلحاء کی شرکت ہوتی ہے جس میں شرکائے مسابقہ کی حوصلہ افزائی کے ساتھ حاضرین مجلس کے لیے ترغیبی کلمات بھی ہوتے ہیں، اور حقوقِ قرآنِ مجید سے متعلق ضروری احکام بھی بتائے جاتے ہیں، ویڈیو کیسٹ تصویر کشی؛ نیز اس طرح کے دیگر خرافات سے بالکلیہ اجتناب کیا جاتا ہے، تو کیا اربابِ افتاء کے نزدیک اس قسم کی مجلس کے انعقاد کی شرعاً اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لوگوں میں قرآن پاک کے صحت حروف اور تجوید کے ساتھ پڑھنے پڑھانے کا شوق وذوق پیدا ہو اور اس کا رواج عام ہو، اس مقصد سے اگر کوئی ادارہ یا کوئی شخص اپنی طرف سے انعام کا نظم کرکے علومِ دینیہ کے طلبہ میں مسابقہ رکھے تو یہ جائز ہے، یہ چیز قرآن وحدیث اور علومِ دینیہ جو مدارِ دین ہیں ان کی ترویج وتقویت کا باعث ہے، مدارسِ عربیہ میں امتحانات کے موقع پر تمام درجات وعلوم میں اعلیٰ نمبر پانے والے طلبہ کو خصوصی انعامات سے نوازنے کا دستور زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے۔

بعض حضرات کو حدیث بخاری "عن أبي موسى قال: جاء رجل إلى النبي ﷺ، فقال: الرجل يقاتل للمغنم، والرجل للذكر، والرجل يقاتل ليرى مكانه، فمن في سبيل الله؟ قال: من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله (١/٣٩٤) کی وجہ سے اشکال پیدا ہوتا ہے؛ لیکن اس سے عدمِ جواز

ثابت نہیں ہوتا، خود جہاد (جو اس روایت میں منصوص ومنطوق ہے اس) میں خصوصی کارنامہ انجام دینے والے مجاہدین کو نفل (یعنی خصوصی انعام) سے نوازا جاتا ہے یہ کتبِ حدیث وفقہ میں مصرح ہے، کتبِ فقہ وشرحِ حدیث سے چند عبارات پیش ہیں:

(۱) ولا بأس بالمسابقة فی الرمي والفرس والبغل والحمار کذا فی الملتقی والمجمع والابل وعلی الاقدام حل الجعل ان شرط المال من جانب واحد، وحرم لو شرط فیها من الجانبین؛ لأنه یصیر قماراً إلا إذا ادخله ثالثا محللا بینهما، وکذا الحکم فی المتفقهة (تنویر الابصار مع الدر المختار) (قوله وکذا الحکم فی المتفقهة) ای علی هذا التفصیل وإنما جاز لأن فیه حثا علی الجهاد وتعلم العلم، فإن قیام الدین بالجهاد والعلم فجاز فیما یرجع إلیها لا غیر، کذا فی فصول العلائی(شامی ۵ /۲۸۶)

(۲) ولو قال واحد من الناس لجماعة من الفرسان وعلی هذا الفقهاء إذا تنازعوا فی المسائل وشرط للمصیب منهم جعل جاز ذلك إذا لم یکن من الجانبین علی ما ذکرنا فی الخیل؛ لأن المعنی یجمع الکل إذا التعلیم فی البابین یرجع إلی لقویة الدین واعلاء کلمة الله الخ . (زیلعی شرح کنز ۶ /۴۲۸، شامی ۵ /۵۲۱)

(۳) وحکی عن الشیخ الامام الجلیل أبي بکر محمد بن الفضل أنه إذا وقع الاختلاف بین المتفقهین فی مسئلة واراد الرجوع إلی الاستاذ وشرط أحدهما لصاحبه أنه إن کان الجواب کما قلت فلا آخذ منك شیئا، ینبغی أن یجوز علی قیاس الاستباق علی الافراس، وکذلك إذا قال واحد من المتفقهة لمثله: تعال حتی نطارح المسائل فإن اصبت وأخطأتُ اعطیتُك کذا وإن اصبتُ وأخطأتَ فلا آخذ منك شیئا، یجب أن یجوز وبه أخذ الشیخ الإمام الأجل شمس الأئمة الحلوانی، کذا

فی المحیط وما یفعله الأمراء فهو جائز ایضا بأن یقولوا لإثنین أیکما سبق فله کذا . (عالمگیری ٥/ ٣٢٤)

(٤) ان الرجل یقاتل للذکر أی لیذکر بین الناس ولیشتهر بالشجاعة، ویقاتل لیحمد أی لیحمده الناس علی شجاعته، ویقاتل لیغنم أی لیحصل له من مال الغنیمة، ویقاتل لیریٰ مکانه أی مرتبته من الشجاعة فمرجع الذی قبله إلی السمعة ومرجع هذا إلی الریاء وکلاهما مذموم، فقال رسول الله ﷺ: من قاتل حتی تکون کلمة الله هی الاعلیٰ فهو فی سبیل الله عزوجل قال الحافظ: المراد بکلمة الله دعوة الله إلی الاسلام، یحتمل أن یکون المراد أنه لا یکون فی سبیل الله إلا من کان سبب قتله طلب اعلاء کلمة الله فقط، بمعنی أنه لو اضاف إلی ذلك سببا من الاسباب المذکورة أخل ذلك، ویحتمل أن لا یخل إذا حصل ضمنا لا أصلا ومقصوداً وبذلك صرح الطبری فقال: إذا کان أصل الباعث هو الأول لا یضره ما عرض له بعد ذلك وبذلك کان الجمهور والحاصل ان القتال منشاه القوة العقلیة والقوة الغضبیة والقوة الشهوانیة ولا یکرن فی سبیل الله إلا الأول . (بذل المجهود ١١/ ٤٣٥ بیروت)

(٥) (عن أبي هریرة أن رجلا) لم أقف علی تسمیته (قال: یا رسول الله ﷺ! رجل یرید الجهاد فی سبیل الله وهو یبتغی عرضا من عرض الدنیا) بفتح المهملة والراء ای متاعها، وهذا القول یحتمل معنیین: أولهما: معناه یرید الجهاد فی سبیل الله باعتبار الظاهر والحال أن مطلوبه الاصلی ومقصوده الحقیقی عرض الدنیا، وثانیهما: أنه یرید الجهاد فی سبیل الله باعتبار نیته والحال انه یطلب معه عرض الدنیا ویخلط معه نیة حصولها،

(فقال النبی ﷺ: لا أجر له) فعلى الأول لا أجر له مطلقا وهو خائن مفوت، وعلى الثانی لا أجر کاملا (بذل المجهود ٤٣٤،٤٣٣/١١ بیروت)

(٦) وفی السیر الکبیر: ان طلب الدنیا علی نوعین: الاول: أن یکون مقصودا فذاك هوذا، والثانی: تبعا فلا بأس به ﴿ولا جناح علیکم ان تبتغوا فضلا من ربکم﴾ الآیة (حاشیة بذل المجهود ١٣/١٢ بیروت)

(٧) أما المسئلة الثالثة: وهی هل یجوز الوعد بالتنفیل قبل الحرب أم لیس؟ یجوز ذلك، فانهم اختلفوا فیه فکره ذلك مالك واجازه جماعة، وجه قوله: ان الغزو انما یقصد به وجه الله العظیم ولتکون کلمة الله هی العلیا، وإذا وعد الإمام بالنفل قبل الحرب خیف ان یسفك الغزاة دماء فی حق غیر الله ووجه قول الجماعة: ظاهر حدیث حبیب بن مسلمة ان النبی ﷺ کان ینفل فی الغزو فی البدء وفی القفول الثلث (بذل المجهود ١٤/٣٠٣)

(٨) ثم ذکر حدیث أبي هریرة ان رجلا سأل النبی ﷺ فقال: رجل یرید الجهاد فی سبیل الله وهو یرید عرض الدنیا (إلی ان قال) واما إذا کان معظم مقصوده الجهاد و یرغب معه فی الغنیمة فهو داخل فی قوله تعالیٰ ﴿لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم﴾ یعنی التجارة فی طریق الحج فکما أنه لا یحرم ثواب الحج فکذا الجهاد (شامی ٣/ ٢٣٨)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی خانپوری، ١١ / ربیع الاول ١٤١٩ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

قرآنی مسابقہ کا حکم

سوال: قرآن پاک کی تجوید وقراءت وغیرہ خالص دینی امور میں مسابقہ کا رواج دینا صحیح ہے؟ حدیث پاک میں وسائل جہاد، گھوڑ دوڑ اور ترامی میں ثابت ہے؛ لیکن وہ وسائل ہیں، دینی امر جو عبادت ہے اس میں اور وسائل میں زمین وآسمان کا فرق ہے، تلاوت قرآن خوانی اور قراءت وتجوید یہ تو عبادت اور خالص دین ہے اس میں مسابقہ کیسا؟ اگر کسی نص سے یا فقہاء کے کلام سے ثابت ہو تو اس کی نشان دہی صراحت وصفائی کے ساتھ ظاہر فرمائیں، مجھے اس سلسلہ میں صرف خلجان ہی نہیں بلکہ نص صریح سے عدم صحت نظر آتی ہے؛ اس لیے اس کی وضاحت کا طالب ہوں۔ بخاری شریف جلد اول کتاب الجہاد ص: ۳۹۴ پر روایت موجود ہے: عن ابی موسی قال: جاء رجل الی النبی ﷺ فقال: الرجل یقاتل للمغنم والرجل یقاتل للذکر والرجل یقاتل لیری مکانك، فمن فی سبیل الله؟ قال: من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا فهو فی سبیل الله حدیث پاک کے کلمات میں غور کر لیجیے صاف نظر آرہا ہے یہ روایت اور کتب حدیث میں بھی مختلف الفاظ کے ساتھ موجود ہے. بہت سوچ سمجھ کر جواب دیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لوگوں میں قرآن پاک کو صحتِ حروف اور تجوید کے ساتھ پڑھنے پڑھانے کا شوق وذوق پیدا ہو، اور اس کا رواج عام ہو اس مقصد سے اگر کوئی ادارہ یا کوئی شخص اپنی طرف سے انعام کا نظم کر کے علومِ دینیہ کے طلبہ میں مسابقہ رکھے تو یہ جائز ہے، یہ چیز قرآن

وحدیث اور علومِ دینیہ جو مدارِ دین ہیں ان کی ترویج اور تقویت کا باعث ہے، مدارس عربیہ میں امتحانات کے موقع پر تمام درجات وعلوم میں اعلیٰ نمبر پانے والے طلبہ کو خصوصی انعامات سے نوازنے کا دستور زمانۂ قدیم (زمانۂ اکابر) سے چلا آرہا ہے۔

آپ نے جو روایت پیش فرمائی ہے اس سے عدمِ جواز ثابت نہیں ہوتا اس میں تو نیت پر کلام کیا گیا ہے، خود جہاد میں (جو اس روایت میں منصوص ہے) خصوصی کارنامہ انجام دینے والے مجاہدین کو نفل (یعنی خصوصی انعام) سے نوازا جانا کتبِ حدیث وفقہ میں مصرح ہے، کتبِ فقہ اور شروح حدیث سے چند عبارتیں پیش ہیں:

(ولا باس بالمسابقة فی الرمی والفرس) والبغل والحمار کذا فی الملتقی والمجمع (والا بل و) علی (الاقدام) (حل الجعل) (ان شرط المال) (من جانب واحد وحرم لو شرط) فیها (من الجانبین) لانه یصیر قمارا (الا اذا ادخلا ثالثا) محللا (بینهما) (و) کذا الحکم فی (المتفقهة) (تنویر الابصار مع شرحه الدر المختار) (قوله وکذا الحکم فی المتفقهة) ای علی هذا التفصیل، وکذا المصارعة علی هذا التفصیل وانما جاز لان فیه حثا علی الجهاد وتعلم العلم فان قیام الدین بالجهاد والعلم فجاز فیما یرجع الیهما لا غیر کذا فی فصول العلائی (شامی ۵/ ۲۸٤ کوئٹه)

ولوقال واحد من الناس لجماعة من الفرسان اوللا ثنین فمن سبق فله کذا من مال نفسه او قال للرماة من اصاب الهدف فله کذا جاز لانه من باب التنفیل من بیت المال کالسلب ونحوه یجوز فما ظنك بخالص ماله فصار انواع السبق اربعة: ثلاثة منها جائزة وواحد منها لا یجوز وقد ذکرنا الجمیع ویعرف ذلك بالتأمل وعلی هذا الفقهاء اذا تنازعوا فی

المسائل وشرط للمصيب منهم جعل جاز ذلك اذا لم يكن من الجانبين على ماذكرنا فى الخيل لان المعنى يجمع الكل اذ التعديم فى البابين يرجع الى تقوية الدين واعلاء كلمة الله الخ (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق للزيلعى ٦/ ٢٢٨، شامى ٥/ ٥٣١)

وحكى عن الشيخ الامام الجليل ابى بكر محمد بن الفضل انه اذا وقع الاختلاف بين المتفقهين فى مسئلة وارادا الرجوع الى الاستاذ وشرط احدهما لصاحبه انه ان كان الجواب كماقلت اعطيتك كذا، وان كان الجواب كما قلت فلا آخذ منك شيئا ينبغى ان يجوز على قياس الاستباق على الافراس، وكذلك اذا قال واحد من المتفقهة لمثله تعال حتى نطارح المسائل فان اصبت واخطأت اعطيتك كذا وان اصبت واخطأت فلا آخذ منك شيئا يجب ان يجوز وبه اخذ شيخ الامام الاجل شمس الائمة الحلوانى كذا فى المحيط وما يفعله الامراء فهو جائز ايضا بان يقولوا لاثنين ايكما سبق فله كذا (عالمگيرى ٥/ ٣٢٤)

ان اعرابيا جاء الى رسول الله ﷺ فقال ان الرجل يقاتل للذكر ويقاتل ليحمد ويقاتل ليغنم ويقاتل ليرى مكانه، فقال رسول الله ﷺ من قاتل حتىٰ تكون كلمة الله هى الاعلى فهو فى سبيل الله عز وجل (سنن ابو داؤد) ان الرجل يقاتل للذكر اى ليذكر بين الناس ويشتهر بالشجاعة ويقاتل ليحمد اى ليحمده الناس على شجاعته ويقاتل ليغنم اى ليحصل له من مال الغنيمة ويقاتل ليرى مكانه اى مرتبته من الشجاعة، فمرجع الذى قبله الى السمعة ومرجع هذا الى الرياء وكلاهما مذموم، فقال رسول الله ﷺ من قاتل حتى تكون كلمة الله

هی الاعلی فهو فی سبیل الله عز وجل، قال الحافظ المراد بکلمة الله دعوة الله الی الاسلام یحتمل ان یکون المراد انه لا یکون فی سبیل الله الا من کان سبب قتاله طلب اعلاء کلمة الله فقط بمعنی انه لو اضاف الی ذلک سببا من الاسباب المذکورة اخل بذلک ویحتمل ان لا یخل اذا حصل ضمنا لا اصلا ومقصودا وبذلک صرح الطبری فقال اذا کان اصل الباعث هو الاول لا یضره ماعرض له بعد ذلک وبذلک قال الجمهور والحاصل ان القتال منشأة القوة العقلیة والقوة الغضبیة والقوة الشهوانیة ولا یکون فی سبیل الله الا الاول (بذل المجهود ۱۱/ ۴۳۵ بیروت)

(عن ابی هریرة ان رجلا) لم اقف علی تسمیته (قال یارسول الله ﷺ رجل یرید الجهاد فی سبیل الله وهو یبتغی عرضا من عرض الدنیا) بفتح المهملة والراء ای متاعها وهذا القول یحتمل معنیین او لهما معناه یرید الجهاد فی سبیل الله باعتبار الظاهر والحال ان مطلوبه الاصلی ومقصوده الحقیقی عرض الدنیا وثانیهما معناه انه یرید الجهاد فی سبیل الله باعتبار نیته والحال انه یطلب معه عرض الدنیا ویخلط معه نیة حصولها (فقال النبی ﷺ لااجر له) فعلی الاول معناه لاا جر له مطلقا وهو خائب ممقوت وعلی الثانی لااجر له کاملا (بذل المجهود ۱۱/ ۴۳۳،۴۳۴ بیروت)

وفی السیر الکبیر: ان طلب الدنیا علی نوعین، الاول: ان یکون مقصودا فذاک هوذا والثانی تبعا فلا بأس به ﴿ولا جناح علیکم ان تبتغوا فضلا من ربکم﴾ الآیة (حاشیۂ بذل المجهود ۱۳/۱۴)

اماالمسئلة الثالثة: وهی هل یجوز الوعد بالتنفیل قبل الحرب ام لیس یجوز ذلک فانهم اختلفوا فیه فکره ذلک مالک واجازه جماعة وجه

قوله ان الغزو انما یقصد به وجه الله العظیم ولتکون کلمة الله هی العلیا واذا وعد الامام بالنفل قبل الحرب ضیف ان یسفك الغزاة دماءً فی حق غیر الله ووجه قول الجماعة ظاهرحدیث حبیب بن مسلمة ان النبی ﷺ کان ینفل فی الغزو فی البدء وفی القفول الثلث. (بذل المجهود ۱۴/۳۰۳)

ثم ذکر حدیث ابی هریرة ان رجلا سأل النبی ﷺ فقال رجل یرید الجهاد فی سبیل الله وهویرید عرض الدنیا فقال علیه الصلوٰة والسلام لااجر له الحدیث قال ثم تاویله من وجهین احدهما ان یری انه یرید الجهاد و مراده فی الحقیقة المال فهذا کان حال المنافقین ولا اجر له او یکون معظم مقصوده المال وفی مثله قال علیه الصلوٰة والسلام للذی استؤجر علی الجهاد بدینارین انما لك دیناراك فی الدنیا والآخرة واما اذا کان معظم مقصوده الجهاد ویرغب معه فی الغنیمة فهو داخل فی قوله تعالیٰ ﴿لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم﴾ یعنی التجارة فی طریق الحج فکما انه لا یحرم ثواب الحج فکذا الجهاد (شامی ۳/ ۴۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

امراض کے دفعیہ کے لیے چالیس دفعہ یٰس شریف کا ختم کرنا

سوال: آج کل مختلف قسم کے امراض: سرطان، کینسر، فالج، لقوہ، ہارڈ وغیرہ؛ کی وبائیں پھیلی ہوئی ہیں، بہت سے لوگ اس میں مبتلا ہونے کی وجہ سے یٰسین شریف کا ختم ۴۰/ مرتبہ پڑھوا کر مسجد میں بعدِ عشاء صحت یابی کے لیے دعا کرتے ہیں، کیا شرعاً ایسا

کر سکتے ہیں؟ اگر بعد ختم یٰسین کے درود شریف یا کوئی ذکر اللہ یا توبہ واستغفار کی تسبیح کا بھی ذکر کرالیا جائے اور ذکر کرانے والا کسی کا مجاز بیعت ہو تو کرا سکتا ہے یا نہیں؟ یہ بھی ہمیشہ نہیں؛ صرف ماہ میں ایک مرتبہ یا دو مرتبہ۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سورۂ یٰسین شریف کو چالیس دفعہ پڑھ کر دعاء کرنے کا عمل اگر تجربہ سے مفید ثابت ہو اور اس سے مصائب وامراض دور ہو جاتے ہوں تو درست ہے، مصائب دور کرنے کے لیے اصل عمل حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ادا کرنا اور گناہوں سے پرہیز؛ نیز سنت کی اشاعت کرنا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۳۳ تغیر یسیر)

ختم یٰسین کے بعد درود شریف یا ذکر کی بھی اجازت ہے؛ البتہ ان تمام امور کو ضروری نہ سمجھا جائے کہ شرکت نہ کرنے والوں پر دلوں میں اعتراض ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ذوالقعدہ ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ختم قرآن کا طریقہ

ایصال ثواب کے لیے لیلۃ الجائزہ کا انتظار

سوال: قرآن کے ختم کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اور قرآن کے ختم پر دعائے ختم قرآن پڑھنا ضروری ہے؟ خصوصاً رمضان میں قرآن کے ختم کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو ہر ختم پر دعا پڑھنا ضروری ہے یا رمضان کے اخیر میں لیلۃ الجائزہ دعا ختم قرآن پڑھ کر بخش

دیں (ایصال ثواب کردیں)؟ نیز ایصال ثواب کے طریقے سے بھی آگاہ فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جوآدمی نماز میں پورا قرآن ختم کرے وہ جب معوذتین یعنی سورۃ الفلق اور سورۃ الناس ایک رکعت میں پڑھ چکے، تو دوسری رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ بقرہ کا ابتدائی حصہ الم سے ھم المفلحون تک پڑھے؛ اس لیے کہ حدیث شریف میں اس طرح ختم کرنے کی خوبی وارد ہوئی ہے، نماز کے باہر بھی یہی طریقہ ہے۔ دعائے ختم قرآن پڑھنا جائز ہے، (یعنی ضروری اور واجب نہیں)۔ (عمدۃ الفقہ)

ایصال ثواب کے لیے بھی لیلۃ الجائزہ کا انتظار ضروری یا مستحب نہیں ہے، جو کچھ پڑھ کر بخشنا ہے اس کے بعد یہ کہہ دے کہ: اے اللہ! میں نے جو کچھ پڑھا ہے اس کا ثواب فلاں فلاں (یعنی جس کو ثواب پہنچانا مقصود ہے اس کا نام) کو پہنچادے۔ (شامی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۳/ذی القعدہ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

قرآن کس وقت ختم کرے؟

سوال: ختم قرآن کے بارے میں یہ سنا ہے صحیح ہے؟ کہ: موسم سرما میں قرآن شروع رات میں ختم کیا جائے تاکہ رات لمبی ہونے کی وجہ سے ملائکہ کی دعا طویل رات تک ملتی رہے، اور موسم گرما میں دن کے شروع میں ختم کیا جائے تاکہ.... تو میرا معمول ہے کہ اگر دونوں وقتوں کے علاوہ اگر قرآن ختم کے قریب ہوتا ہے تو میں دس سورتیں

چھوڑ کر دوسرا قرآن شروع کر دیتی ہوں، پھر موسم کے اعتبار سے شروع دن یا شروع رات میں ختم کرتی ہوں، یعنی بقیہ ۱۰ رسورتیں پڑھ کر الحمد شریف الم سے مفلحون تک پڑھ لیتی ہوں، کیا میرا یہ فعل درست ہے؟ اور یہ صورت صرف رمضان میں ہی آتی ہے، غیر رمضان میں تو دن میں ایک پارہ ہی پڑھنا مقصود ہوتا ہے تو یہ بات نہیں ہوتی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جی ہاں! جو سنا ہے، صحیح ہے؛ البتہ رمضان میں جو طریقہ آپ نے اپنایا ہے وہ درست نہیں؛ کیوں کہ ایک قرآن ختم کرنے کے وقت الم سے مفلحون تک پڑھنے کا مقصد یہ ہے کہ دوسرا قرآن فوراً شروع ہو جائے، حالاں کہ دوسرا قرآن آپ پہلے ہی شروع کر چکی ہیں، اور یہ جو پڑھ رہی ہیں اس سے دوسرا قرآن شروع کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۳ رذی القعدہ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

تلاوت کے وقت کسی دوسرے کا کرسی پلنگ وغیرہ پر بیٹھنا ادب کے خلاف ہے

سوال: بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ عورتیں تلاوت قرآن پاک کرنے کے لیے جمع ہوتی ہے اس میں بعض کرسی پلنگ وغیرہ پر بیٹھ جاتی ہیں اور دوسری نیچے بیٹھتی ہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر کچھ عورتیں اپنی بیماری اور معذوری کی وجہ سے نیچے بیٹھ نہیں سکتی وہ پلنگ یا کرسی پر بیٹھ جائیں اور دوسری عورتیں نیچے بیٹھ کر تلاوت قرآن پاک کریں تو درست ہے بلا عذر ایسی شکل اختیار کرنا جو بہ ظاہر قرآن پاک کے ادب کے خلاف ہو درست نہیں۔

یہاں ایک بات یہ بھی یاد رہے کہ دن یا وقت کی تعیین کے ساتھ ایصال ثواب کے لیے قرآن پڑھنے کے واسطے جمع ہونا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری ۱۸/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

غیر مسلم کو آیت کریمہ لکھ کر دینا

سوال: کسی ہندو کے لیے قرآن کی آیت لکھ کر تعویذ بنا کر دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر قرآن کی آیت کو شیشے کی فریم کر کے اس کو دکان یا مکان میں لٹکا سکتا ہے؟ اس لیے اس کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ اس کی تعظیم وتکریم کرتا ہے، اور اس کی طرف سے اس کی بے ادبی وتوہین کا اندیشہ نہیں ہے تو درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بد بودار دھواں کتبِ دینیہ کو مس کرے تو بے ادبی ہے

سوال: جس مکان یا گھر میں کلام اللہ شریف اور دیگر کتبِ دینیہ مثلاً حدیث شریف وغیرہ ہوں تو اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ اسی مکان میں اہل خانہ یا مہمان وغیرہ بیڑی، سگریٹ وغیرہ استعمال کرتے ہیں، اور دھواں تقریباً قرآن شریف کو مس کرتا ہے، اور ظاہر ہے کہ دھواں بد بودار ہوتا ہے، اور ہمارے دیار (بہار وغیرہ) میں حقہ نوشی ہوتی ہے اور اس میں اور اضافہ کے ساتھ دھویں کا صدور ہوتا ہے؛ لہٰذا ان صورتوں میں اعمال مذکورہ قرآن شریف کی موجودگی میں کرنا کیسا ہے مکروہ یا حرام؟ اگر مکروہ ہے تو اقسام مکروہ بھی ذکر فرمائیں یا مکروہ نہ ہو تو وہ بھی تحریر فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر یہ بد بودار دھواں قرآن پاک کو مس کرتا ہے اور قرآن پاک جزدان یا ڈبے وغیرہ میں بند نہیں ہے تو اس سے احتراز کرنا چاہئے، خلاف ادب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ذوالقعدہ ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عورت کے لیے تلاوتِ قرآن کے وقت کن اعضاء کا چھپانا ضروری ہے؟

سوال: عورت کے لیے کسی ذی رحم محرم کے سامنے جن اعضاء کے کھلے رکھنے کی اجازت ہے ان اعضاء کا تلاوت قرآن کے وقت ڈھانپنے کا کیا حکم ہے فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عمدۃ الفقہ میں آدابِ تلاوت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: لباس وغیرہ درست رکھے، ممنوع لباس نہ پہنے۔ (۲/۱۷۵)

عورت کے لباس کے لیے شریعتِ مطہرہ کی طرف سے جو اصول وضوابط مقرر کئے گئے ہیں اس پر کلام کرتے ہوئے ''عورت کے لباس اور پردہ کے شرعی احکام'' میں لکھا ہے: لباس کا پہلا بنیادی اصول یہ ہے کہ خواتین کا لباس اتنا چھوٹا، باریک یا چست نہ ہو کہ جس سے ان کے جسم کی بناوٹ اور وہ اعضاء ظاہر ہو جائیں جن کو چھپانا واجب ہے؛ بلکہ لباس ایسا ہونا ضروری ہے کہ جس سے مکمل طور پر ستر پوشی ہو۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں لباس کا پہلا مقصد یہ بیان فرمایا کہ لباس ایسا ہو جو عورت کی پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپا سکے، اس سے واضح ہوا کہ گویا لباس کا بنیادی مقصد سترِ عورت ہے، اور یہ خواتین میں سر سے لے کر پاؤں تک ہے جس کو چھپانا ان کے لیے ہر حال میں ضروری ہے، بلا ضرورتِ شرعیہ اس حصہ کو کھولنا جائز نہیں، اس لیے عورت کو سر سے لے کر پاؤں تک کا حصہ ایسے کپڑے سے چھپانا ضروری ہے جو اتنا موٹا ہو کہ اندر سے جسم کا کوئی حصہ کھلا نہ رہ جائے، عورت کے لباس میں خاص کر یہ تینوں چیزیں ضروری ہیں۔ (۲۲، ۲۳)

اس سے معلوم ہوا کہ سوال میں جن اعضاء سے متعلق پوچھا گیا ہے وہ بھی ستر کا حصہ ہونے کی وجہ سے بوقتِ تلاوت ان کو چھپانا بھی آداب تلاوت میں سے ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

بے وضو قرآن مجید پڑھنے کا حکم

سوال: مجھے زیادہ تر حدث لاحق ہوتا ہے، وضو کرتا ہوں اور آدھا گھنٹہ اور ایک گھنٹہ تو مشکل سے وضو رہتا ہے، تو قرآن کس طرح پڑھا جائے؟ کیا اگر بغیر وضو کے پڑھے تو گناہ ہوگا یا نہیں، اور اگر گناہ ہوتا ہے تو قرآن پڑھنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آدھا یا پورا گھنٹہ تو آپ کا وضو رہتا ہی ہے پھر کیا حرج ہے؟ اتنے وقت میں تو آدمی بہت کچھ پڑھ سکتا ہے، پھر یہ بھی کہ حالتِ حدث میں قرآن چھونا ممنوع ہے، اور کوئی آدمی زبانی قرآن پڑھ رہا ہے اور قرآن کو ہاتھ نہیں لگا رہا ہے تو جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸ر جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

پانی پر قدرت کے باوجود تیمم سے قرآن مجید چھونا

سوال: پانی پر قدرت کے باوجود عجلت بازی کے خیال سے تیمم کے ساتھ قرآن کا مس کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جائز نہیں ہے۔

الضابط انه يجوز لكل مالا تشترط الطهارة له ولو مع وجود الماء، وأما ما تشترط له فيشترط فقد الماء كتيمم لمس مصحف فلا يجوز

لواجد الماء (در مختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ رجب ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کیا منبر پر قرآنِ کریم رکھنا بے ادبی ہے؟

سوال: منبر پر کلام مجید کا رکھنا جب کہ اس پر کپڑا بچھا کر رکھتے ہیں، کیا بے ادبی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ادب اور بے ادبی کا مدار عرف پر ہے، عرف میں جو بات یا جو معاملہ بے ادبی سمجھا جاتا ہو ایسا معاملہ قرآن پاک کے ساتھ کرنا روا نہیں۔ سوال میں دریافت فرمودہ صورت کا حکم بھی اس سے معلوم ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ ۱۳ رذوالحجہ ۱۴۱۴ھ

پیکٹ میں بند یٰس لے کر استنجاء خانہ میں جانا

سوال: مثلاً میرے جیب میں سورۂ یٰس شریف ہے اور پیکٹ میں پیک ہے، تو کیا اس کو نکالے بغیر اس کو ساتھ میں رکھ کر پیشاب، پاخانہ میں جاسکتا ہوں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب وہ پیکٹ میں بند ہے اور پیکٹ جیب میں ہے تو اس کے ساتھ بیت الخلاء میں جاسکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کلام مجید تعویذ وغیرہ جیب میں رکھ کر بیت الخلاء جانا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین مفتیان شرع متین ذیل کے مسئلوں میں۔ وہ تعویذ وغیرہ جس میں قرآن پاک کی مکمل آیت ہو جیسے آیت الکرسی وغیرہ اسی طرح سفر وغیرہ کے دوران چھوٹا کلام پاک جیب میں ہو تو کیا دریں صورت بیت الخلاء جاسکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ جیب میں ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/شوال المکرم ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ٹی۔وی والے گھر میں تلاوتِ قرآن شریف

سوال: ایک گھر میں دس بھائی لوگ رہتے ہیں، ایک بھائی نے (T .V) لے کر رکھا ہے، اس میں ناچ گانا ہوتا ہے اس کو دیکھتا ہے، اور اللہ کی وہاں لعنت اترتی ہے، کیا اسی گھر میں دوسری جگہ بیٹھ کر قرآن شریف کی تلاوت یا تسبیح یا نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ یا گناہ ہے؟ (اسی جگہ یعنی دوسرے کمرہ میں)۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس گھر کے دوسرے کمرہ میں کلام پاک کی تلاوت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ بلکہ کرنی چاہئے؛ تاکہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت وصدقہ میں دوسرے بھائی کو اس

لعنت سے۔جس میں وہ گرفتار ہے۔نجات عطا فرمائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ:العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ

سرکاری تقریب کے موقع پر قرآن پڑھنا

سوال: کسی سرکاری تقریب (گاندھی جنم دن وغیرہ) کے موقع پر قرآن پڑھنا اس مجلس میں درست ہے جب کہ ہر مذہب کے رہنماؤں کو بلایا جاتا ہے؟ جو امام کمیٹی مسجد کی وجہ سے شرکت پر مجبور ہیں وہ کیا کریں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس مقصد سے تلاوت کی جائے کہ اللہ کے کلام سے غیر مسلموں کے دل متأثر ہو کر اسلام سے قریب ہو جائیں تو گنجائش ہے، اگر محض رسمی طور پر ہو یا اس کے اعزاز میں ہو تو اجازت نہیں۔(ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۳۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ:العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ شوال ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سیاسی جلسہ میں تلاوت قرآن کا حکم

سوال: بکر سیاسی جلسہ کی تلاوت قرآن پاک سے ابتدا کرتا ہے؛ لیکن محمد اس کو ناجائز کہتا ہے، اور تلاوت کلام پاک سے منع کرتا ہے، دریافت امر یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں کون حق بجانب ہے؟ آیا قرآن شریف کی تلاوت سیاسی جلسہ میں کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ جلسہ اہل اسلام سے متعلق سیاسی امور کے لیے منعقد کیا گیا ہے تو سیاسی جلسہ ہونے کے باوجود اہل اسلام کا جلسہ ہونے کی وجہ سے اس کی ابتداء تلاوت کلام اللہ شریف سے ہو تو مستحسن اور باعث برکت ہے؛ لیکن یہ فرض واجب بھی نہیں کہ اس کے ترک سے گناہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ رجب ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ہونٹ ہلائے بغیر تلاوت واذکار

سوال: کیا ذکر و تلاوت کرتے وقت آواز نکالنا ہے یا نہیں؟ یا صرف ہونٹ ہلاوے تو چلے گا یا بغیر ہونٹ ہلائے منہ بند کر کے ذکر و تلاوت کر سکتے ہیں؟ اور عصر اور فجر کے بعد کے اذکار کو نماز سے پہلے پڑھ لیا تو کافی ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بغیر ہونٹ ہلائے منہ بند رکھنے سے تلاوت اور تسبیحات وغیرہ ان تمام امور کا تحقق نہ ہوگا، جن کا تعلق زبان کی ادائیگی سے ہے، حروف کو صحیح نکالنا ضروری ہے، اس طور پر کہ اپنے کان کو سنائی دے۔ (شامی ۱/ ۳۹۴، ۳۹۵) حدیث میں جن اذکار کے لیے جو محل متعین کیا گیا ہے اس کی رعایت ضروری ہے، اور مشائخ کے بتلائے ہوئے اذکار کے سلسلہ میں انہیں سے رجوع کر لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ صفر ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قرآن مجید کی تلاوت ترنم سے کرنا

سوال: کیا قرآن مجید کی تلاوت نعت یا نظم پڑھنے کے طرز پر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نعت یا نظم کے طرز پر پڑھنے سے مراد ترنم سے پڑھنا ہے۔ تو اگر اس طرح پڑھنے سے وہ حدود قراءت سے نہیں نکلتا ہے تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں۔

وحکی ابن بطال عن جماعة من الصحابة و التابعین الجواز وهو منصوص للشافعی و نقله الطحاوی عن الحنفیة و قال الفورانی من الشافعیة فی الابانة یجوز بل یستحب و محل هذا اذا لم یختل بشئ من الحروف عن مخرجه فلو تغیر قال النووی فی التبیان اجمعوا علی تحریمه الخ (فتح الباری ۹ /۵۹)

الترجیع بالقرآن و الاذان بالصوت الطیب طیب إن لم یزد فیه ا لحروف و إن زاد کره له ولمستمعه (در مختار) (قوله الترجیع بالقرآن و الاذان الخ) الاولی التلحین ای التغنی وفی الذخیرة و ان کانت الا لحان لا تغیر الکلمة عن وضعها ولا تؤدی الی تطویل ا لحروف الّتی حصل ا لتغنی بها حتی یصیر ا لحرف حرفین بل لتحسین الصوت و تزیین القراء ة لا یوجب فساد الصلوة و ذلك مستحب عندنا فی الصلوة و خارجها الخ (شامی ۵/ ۲۹۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

منبر پر قرآن شریف رکھنا

سوال: منبر پر کپڑا بچھا کر کلام مجید رکھنا بے ادبی تو نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق اور ناخن و بال کہاں ڈالیں؟

سوال: قرآن مجید اور کتابوں کے پتے جو پھٹ جاتے ہیں ان کو دفنانا ہے یا جلانا ہے یا پانی میں ڈالنا ہے؟ اسی طرح پرانی جائے نماز اور ناخن اور سر کے بالوں کو کہاں ڈالے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن کریم کے اوراق کو جو بوسیدہ یا دیمک خوردہ ناقابل انتفاع ہو چکے ہوں، پاک کپڑے میں لپیٹ کر کسی محفوظ جگہ میں جہاں لوگوں کی آمد و رفت بالکل نہ ہو یا کم ہو، دفن کر دیا جائے، جیسا کہ مسلمان میت کو دفنایا جاتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ بوسیدہ قرآن مجید کے ساتھ کوئی وزنی شیء باندھ دی جائے، اور اس طرح اس کو بہتے ہوئے گہرے پانی یا کنویں کی تہہ میں احترام کے ساتھ پہنچا دیا جائے۔ (فتاوی رحیمیہ ۱/ ۸۳، ۸۴)

ناخن اور سر کے بال کے لیے بہتر تو یہ ہے کہ دفن کئے جائیں؛ لیکن یہ ضروری نہیں، پاک جگہ میں ڈالنا بھی درست ہے۔ (بحوالۂ الاختیار، فتاوی رحیمیہ ۳/ ۲۱۴)

پرانی جائے نماز دوسرے جائز کام میں لی جاسکتی ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قرآن کریم کے بوسیدہ اوراق کو کیا کریں؟

سوال: شہر میں قرآن کریم کے اوراق دفن کرنے کی جگہ نہ ہو، اور قبرستان میں لوگ دفن نہ کرنے دیتے ہوں، حال یہ کہ ہمارے پاس دو تین قرآن کی بوریاں ہیں جو قابل استعمال نہیں، تو اس کی حفاظت کی کیا شکل ہے؟ اور دریا میں ڈالنے سے اس کی بے ادبی ہوگی کیوں کہ موجیں ان اوراق کو دریا سے باہر پھینک دیتی ہیں، اور قرآن کے اوراق کو اپنے ہاتھوں جلا کر اس کی راکھ کو پانی کے کنویں میں ڈالیں تو کیسا ہے؟ اور ناقابل استعمال قرآن کے اوراق کو جلانا کیسا ہے؟ حالاں کہ بعض موقع پر مسلمان کے پورے گھر کو کافر جلا دیتے ہیں؛ مگر قرآن باقی رہتا ہے، خدا اس کی حفاظت کرتا ہے، تو کیا انسان اس کو اپنے ہاتھوں سے جلا سکتا ہے؟ اور اگر جلا سکتا ہے تو کیا اس میں قرآن کی توہین نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن کریم (کے اوراق) جو بوسیدہ یا دیمک خوردہ، ناقابل انتفاع ہو چکے ہوں، ایسے پاک کپڑے میں لپیٹ کر کسی محفوظ جگہ میں جہاں لوگوں کی آمد و رفت بالکل نہ ہو یا کم ہو (قبرستان ہونا ضروری نہیں ہے) دفن کر دیا جائے، جیسا کہ مسلمان میت کو دفنایا جاتا ہے، یعنی اس کے لیے لحد (بغلی قبر) بنائی جائے؛ تاکہ قرآن پر مٹی نہ پڑے، اور اگر لحد بنانا ممکن نہ ہو تو شق (صندوقی قبر) بنا کر قرآن رکھ کر تختوں سے چھت بنالی جائے، اس کے بعد اس پر مٹی ڈالی جائے؛ تاکہ سیدھے طور پر قرآن پر مٹی نہ پڑے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بوسیدہ قرآن مجید کے ساتھ کوئی وزنی شیء باندھ دی جائے، اور اس طرح اس کو بہتے ہوئے گہرے پانی میں یا کنویں کی تہہ میں احترام کے ساتھ پہنچا دیا جائے، جہاں مذکورہ بالا صورتوں پر عمل ممکن ہو اور یہ صورتیں اطمینان بخش بھی ہوں تو جلانے کی اجازت نہ ہوگی، خصوصاً جبکہ جلانے کو بے حرمتی سمجھا جاتا ہو تو جلانے کی اجازت ہرگز نہیں ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ۱/ ۸۳ تا ۸۵)

آپ کے لیے مناسب یہ ہے کہ قرآن پاک کے بوسیدہ اور ناقابل انتفاع اوراق کو جمع کرتے رہیں، جب اس کی معتد بہ مقدار ہو جائے تب پورے احترام کے ساتھ ان کو شہر سے باہر غیر آباد مقام پر لے جا کر مندرجۂ بالا طریقہ پر دفن کر دیا جائے، یا پاک کپڑے میں رکھ کر پاک بوریوں میں اچھی طرح بند کر کے اس کے اندر ہی وزنی پتھر (پاک کر کے) رکھ دیئے جائیں، اس کے بعد کشتی کے ذریعہ سمندر کے کچھ اندر کو جا کر احترام کے ساتھ پانی میں اتار دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب ما یتعلق بالفقہ والحدیث

فتویٰ دینے کا حق کس کو ہے؟

سوال: فتویٰ نقل کرنا کس کا کام ہے؟

ایک شخص نے صرف معمولی طور پر مخارج قرآن یاد کر رکھا ہے، نہ وہ حافظ ہے اور نہ وہ صاحبِ سند قاری ہے، نہ وہ عالم؛ البتہ ٹوٹا پھوٹا اردو جان لیتا ہے۔

دوسری شق: ایک شخص صرف حافظ وقاری ہے، عالم اور درس نظامی سے دور کا بھی واسطہ نہیں، کیا ایسے دونوں حضرات اردو فتاویٰ کی کتابوں سے کسی معاملہ میں فتویٰ نقل کر کے فتویٰ جاری یا اس کو اختیار کر سکتے ہیں یا کہ نہیں؟

فتویٰ نقل کرنے کا حق کس کو حاصل ہے؟ ایک شخص ماہرِ علوم شرع ہے، فنِ فقہ، اصولِ فقہ، فنِ حدیث، اصولِ حدیث، فنِ تفسیر، اصولِ تفسیر، فنِ فصاحت و بلاغت، فنِ میراث، فنِ علمِ کلام، علمِ منطق وفلسفہ؛ گویا تمام علومِ نحو، صرف وغیرہ میں بھی مہارت رکھتا ہے اور اس کے نزدیک زمانہ کے علمائے مشاہیر کی جانب سے سند بھی ہے، تو یہ شخص فتاویٰ کی کتب (فتاویٰ دار العلوم قدیم جدید، کفایت المفتی، فتاوی رشیدیہ، فتاوی محمودیہ، امداد الفتاوی، فتاوی رحیمیہ وغیرہ) سے یہ عالم فتاوی نقل کر کے عوام کو بتا سکتا ہے یا کہ نہیں؟ اور فتاویٰ نقل کرنے والا عالم جامع العلوم ہونے کے باوجود ظاہری و باطنی اعمالِ صالحہ کی پابندی بھی کرتا ہے، جلد جواب مع حوالجات کے بیان کر کے لکھ دیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فتویٰ دینے کا حق کس کو ہے اور کس کو نہیں ہے؟ اس سلسلہ میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح عقود رسم المفتي" میں فتاوی ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے اصولی بات نقل فرمائی ہے، اسی کو پیش کرتا ہوں:

وقد رأيت في فتاوىٰ العلامة ابن حجر: سئل في شخص يقرأ و يطالع في الكتب الفقهية بنفسه، ولم يكن له شيخ، ويفتي ويعتمد على مطالعته في الكتب، فهل يجوز له ذلك ام لا؟ فأجاب بقوله لا يجوز له الافتاء بوجه من الوجوه؛ لأنه عامي جاهل، لا يدري مايقول؛ بل الذي يأخذ العلم عن

المشائخ المعتبرين لا يجوز له أن يفتي من كتاب، ولا من كتابين؛ بل قال النووي: ولا من عشرة، فإن العشرة والعشرين قد يعتمدون كلهم على مقالة ضعيفة في المذهب، فلا يجوز تقليدهم فيها، بخلاف الماهر الذي أخذ العلم عن أهله، وصارت له فيه ملكة نفسانية، فإنه يميز الصحيح من غيره، ويعلم المسائل، وما يتعلق بها على الوجه المعتد به، فهذا هو الذي يفتي الناس، ويصلح أن يكون واسطة بينهم وبين الله تعالىٰ، وأما غيره فيلزمه إذا تسور هذا المنصب الشريف التعزير البليغ، والزجر الشديد، الزاجر ذلك لامثاله عن هذا الامر القبيح الذي يؤدي إلى مفاسد لا تحصى، والله أعلم انتهىٰ (شرح عقود رسم المفتي ٤٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ذوقعدہ ۱۴۱۰ھ

مجتہد فیہ امر کے متعلق فتویٰ کے منکر کا حکم

سوال: ایک شخص نے مجھے سوال کیا کہ عورتیں ایک امام کے پیچھے مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتی ہیں کہ نہیں؟ تو میں نے انکار کیا، تو اس شخص نے کہا کتابوں میں آتا ہے کہ پہلی صف آدمیوں کی، پھر بچوں کی پھر خنثوں کی، پھر عورتوں کی، تو عورتوں کو کیوں صف میں شمار کیا؟ تو میں نے اس آدمی سے کہا کہ جو آپ کہہ رہے ہیں وہ بات منسوخ ہوگئی، تو اس نے کہا اِس وقت کے علماؤں نے یہ ابھی نکالا ہے، تو میں نے کہا کہ یہ بات جو آپ کر رہے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عورتوں کو منع کر دیا، تو اس آدمی نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہی نہیں ہے، اور اس کے بارے میں علماؤں نے اپنی طرف سے فتویٰ لگایا ہے، اور اس نے صاف انکار کر دیا کہ میں مانتا نہیں ہوں کہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کیا ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہو، تو کیا اس آدمی پر کافر کا فتویٰ لگا سکتے ہیں؟ خلاصہ لکھیں اور کتاب کے حوالے بھی لکھیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسے آدمی پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا جاسکتا، اگر کوئی آدمی کسی فتویٰ کے ماننے سے انکار کرے، اور وہ فتویٰ کسی قطعی چیز کے متعلق نہیں ہے؛ بلکہ کسی مجتہد فیہ امر سے متعلق ہے تو اس کا انکار کفر نہیں۔ (کفایت المفتی ۱/ ۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فتویٰ کون لکھ سکتا ہے؟

سوال: مسئلہ بتانے اور لکھنے کا حق کیا صرف مفتی ہی کو ہے یعنی اگر کوئی آدمی کسی مسئلہ کو استفتاء کی شکل میں پیش کرے تو اس کا جواب صرف مفتی ہی لکھ سکتا ہے چاہے وہ کیسی ہی ادنیٰ صلاحیت رکھے؟ اور کوئی جید الاستعداد عالم ہو تو بھی وہ صرف بتا سکتا ہے لکھ نہیں سکتا ہے؟ براہِ کرم نہایت وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فتویٰ نویسی کے لیے کچھ شرائط ہیں، جو آدمی ان شرائط کے مطابق ہو، وہ فتویٰ دے سکتا ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مہذب میں اس پر تفصیلی کلام کیا ہے، علامہ ابن عابدین شامی نے اس موضوع پر مستقل رسالہ تصنیف فرمایا ہے، جس میں فتویٰ دینے کے لیے جن چیزوں کا لحاظ کرنا مفتی کے لیے ضروری ہے ان کو خوب وضاحت سے لکھا ہے، ہمارے مدارس عربیہ میں مفتی کے نصاب میں یہ داخل ہے اس کا مطالعہ

مفید ہوگا، مدارس عربیہ میں عالم فاضل کا جو نصاب پڑھایا جاتا ہے وہ اگر فتویٰ دینے کے لیے کافی ہوتا تو ہمارے اکابر فتوی نویسی کے لیے مستقل نصاب تجویز نہ فرماتے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ مفتی کے شرائط بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: شرط المفتی کونه مکلفا، مسلما، ثقة، مامونا، متنزها عن اسباب الفسق، وخوارم المروءة، فقیه النفس، سلیم الذهن، رصین الفکر، صحیح التصرف، والاستنباط متیقظا الخ.

علامہ شامی اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں:

و قد رأیت فی "فتاوىٰ العلامة ابن حجر" سئل فی شخص یقرأ ویطالع فی الکتب الفقهیة بنفسه،ولم یکن له شیخ ویفتی ویعتمد علی مطالعته فی الکتب، فهل یجوز له ذلك ام لا؟ فا جاب بقوله: لا یجوز له الافتاء بوجه من الوجوه، لأنه عامی، جاهل لا یدری مایقول، بل الذی یأخذ العلم عن المشائخ المتعبرین لا یجوز له ان یفتی من کتاب ولا من کتابین، بل قال النووی: ولا من عشرة، فإن العشرة والعشرین قد یعتمدون کلهم علی مقالة ضعیفة فی المذهب، فلا یجوز تقلیدهم فیها، بخلاف الماهر الذی أخذ العلم عن أهله، وصارت له فیه ملکة نفسانیة، فإنه یمیز الصحیح من غیره، ویعلم المسائل، وما یتعلق بها علی الوجه المعتد به، فهذا هو الذی یفتی الناس ویصلح أن یکون واسطة بینهم وبین الله تعالیٰ (شرع عقود رسم المفتی،٤٤)

آگے ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

فللمفتی اتباع عرفه الحادث فی الألفاظ العرفیة، وکذا فی الاحکام

التی بناها المجتهد علی ماکان فی عرف زمانه، وتغیر عرفه إلی عرف اخر اقتداء بهم لکن بعد أن یکون المفتی ممن له رأی، ونظر صحیح، ومعرفة بقواعد الشرع حتی یمیز بین العرف الذی یجوز بناء الاحکام علیه وبین غیره، فإن المتقدمین شرطوا فی المفتی الاجتهاد وهذا مفقود فی زماننا، فلا اقل من ان یشترط فیه معرفة المسائل بشروطها وقیودها التی کثیرا مایسقطونها، ولا یصرحون بها اعتمادا علی فهم المتفقه، وکذا لابد له من معرفة عرف زمانه واحوال اهله، والتخرج فی ذلك علی استاذ ماهر، ولذا قال فی آخر منیة المفتی: لو ان الرجل حفظ جمیع کتب اصحابنا لا بد أن یتلمذ للفتویٰ حتی یهتدی إلیه، لأن کثیرا من المسائل یجاب عنه علی عادات اهل الزمان فیما لا یخالف الشریعة الخ (۹۷)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فتویٰ دینے والے کے لیے لازم ہے کہ وہ عالم، صاحب بصیرت، کثیر المطالعہ، وسیع النظر، احوال زمانہ سے واقف ہو، جس شخص میں یہ اوصاف نہ ہوں وہ افتاء کا اہل نہیں اور اس کے فتویٰ پر بدون تحقیق وتصدیق کے عمل جائز نہیں اور اس کو خود فتوی دینا جائز نہیں۔ (کفایت المفتی ۲/۲۳۶)

یہ تو ہوئی جید الاستعداد عالم کی بات، امید ہے کہ عبارات بالا سے آپ کو تسلی وتشفی ہوگئی ہوگی، اب رہا وہ مفتی جس کے متعلق آپ فرماتے ہیں: چاہے وہ کیسی ہی ادنی صلاحیت رکھے تو اس کا جواب تو یہ ہے کہ کسی نے اگر کسی بھی مدرسہ سے ایک عدد سند مفتی کی حاصل کرلی ہے لیکن اس میں مندرجۂ بالا اوصاف موجود نہیں ہیں تو اس کے لیے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے، اس سند کا حال ایسا ہی ہے جیسا عالم فاضل کی اس سند کا ہوتا ہے جو ایسے شخص کو دے دی جاتی ہے جو مروجہ نصاب تعلیم کسی بھی مدرسہ میں جوں توں پورا

کرلیتا ہے، یہ امر آپ پر مخفی نہیں ہے۔ فإلی اللہ المشتکی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسئلہ اور فتویٰ میں فرق

سوال: ہمارے بعض ساتھی یہ فرماتے ہیں کہ مسئلہ اور فتویٰ میں کوئی فرق نہیں ہے، کیا یہ بات صحیح ہے یا نہیں؟ اور مسئلہ اور فتویٰ میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی عالم دین شریعت کا حکم بیان کرے اس کا نام فتویٰ ہے، اور جس معاملہ کا حکم بیان کرنا مقصود ہو اس کو مسئلہ کہتے ہیں، عام بول چال میں ایک دوسرے پر بھی ہر ایک کا اطلاق ہوتا ہے، اس اعتبار سے یہ کہنا بھی درست ہے کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲ / ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

فتویٰ کو نہ ماننا

سوال: اگر کوئی آدمی فتویٰ کو نہیں مانتا تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

گنہ گار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسئلہ بتلانے کے لیے مفتی ہونا ضروری نہیں

سوال: راقم الحروف سے ایک صاحب نے سوال کیا کہ بالغ لڑکا لڑکی صرف

ایک دوسری بالغ لڑکی کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرلیں تو کیا نکاح ہوجائے گا؟ بندہ نے معارف القرآن (از حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ) جلد اول ﴿الطلاق مرتان﴾ الخ کی ذیل میں تفسیر میں تحریر عبارت ''اگر دو مرد و عورت بغیر گواہوں کے آپس میں نکاح کرلیں اور دونوں فریق میں کوئی کبھی اختلاف وانکار بھی نہ کرے اس وقت بھی شرعاً وہ نکاح باطل کالعدم ہے، جب تک دو گواہوں کے سامنے دونوں کا ایجاب وقبول نہ ہو''۔ اور درس نظامی کی اساسی بنیادی کتاب ''مختصر القدوری'' کی عبارت ''لاینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدين: حرين، بالغين، عاقلين، مسلمين، أو رجل وامرأتين عدولا كانوا أو غير عدول الخ اور بہشتی زیور (از حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ) میں نوشتہ مسئلہ ''نکاح ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ کم سے کم دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی موجودگی میں کیا جائے اور وہ لوگ اپنے کانوں سے نکاح ہونے اور وہ دونوں لفظ کہتے سنیں تب نکاح ہوگا'' کی روشنی میں سائل کے جواب میں کہا کہ آپ نے جو صورت بیان کی ہے اس صورت میں نکاح نہیں ہوگا، کچھ دنوں کے بعد ایک دوسرے صاحب تشریف لائے اور بندہ سے کہا کہ آپ اس طرح سے غلط مسئلہ بتا کر لوگوں کو گمراہ نہ کریں، آپ عالم ہیں، مفتی نہیں ہیں جو آپ لوگوں کو مسئلہ بتاتے ہیں، یہ کام صرف مفتی کا ہے، بندہ نے جواباً عرض کیا کہ اگر مسئلہ معلوم ہو تو بتانے میں کوئی برائی نہیں ہے۔ اس کے بعد آں صاحب نے ایک مفتی صاحب (جو شہر چھوڑ کر دوسری جگہ چلے گئے ہیں) کے حوالہ سے بتایا کہ اگر لڑکا لڑکی بغیر گواہوں کے ایجاب وقبول کرلیں تو نکاح ہوجائے گا؛ بشرطیکہ زنا کی نیت نہ ہو۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان صاحب کا یہ کہنا کہ عالم مسئلہ نہیں بیان کرسکتا ہے،

صرف مفتی صاحب کو ہی مسئلہ بتانے کی اجازت ہے، کیا ان کی یہ بات صحیح ہے؟ اور ان صاحب کا مفتی صاحب کی طرف منسوب کر کے یہ کہنا کہ اگر لڑکا لڑکی بغیر گواہ کے ایجاب وقبول کرلیں تو نکاح ہوجائے گا بشرطیکہ زنا کی نیت نہ ہو، کیا واقعی حضرت مفتی صاحب کی یہ بات صحیح ہے؟ بندہ کا مقصد صرف اور صرف اپنی اصلاح ہے، کسی کو ذلیل کرنا نہیں، اگر حضرت مفتی صاحب کی بات درست اور احقر کا بیان کردہ مسئلہ غلط ہے تو بندہ برسرعام اپنی بات سے رجوع کرنے کے لیے تیار ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ سے دریافت کئے گئے سوال کے جواب میں آپ نے نکاح نہ ہونے کا حکم سائل کو بتلایا وہ درست اور صحیح ہے، کچھ دنوں کے بعد دوسرے صاحب نے آکر آپ کو جو مسئلہ بتلایا وہ صحیح نہیں ہے؛ نیز اگر کسی آدمی کو کسی معتبر کتاب سے پڑھ کر یا کسی معتبر عالم ومفتی سے سن کر کوئی مسئلہ معلوم ہو تو وہ اس کو دوسرے کے سامنے بیان کرسکتا ہے، وہ صاحب -آپ نے معتبر کتاب سے معلوم کر کے جو مسئلہ بتلایا اس پر اعتراض کرتے ہوئے اس کو صرف مفتی کے لیے جائز بتلاتے ہیں تو پھر وہ -خود بھی تو مفتی نہیں، وہ کیوں مسئلہ بتاتے ہیں، چاہے مفتی کے حوالہ سے ہی کیوں نہ ہو، انہوں نے جن مفتی صاحب کے حوالہ سے غلط مسئلہ بتلایا ہے آپ ان مفتی صاحب سے بھی براہ راست تحقیق فرمالیں کہ آپ کی طرف نسبت کر کے یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے، کیا واقعۃً آپ نے ایسا مسئلہ بتلایا ہے؟ اگر ان کا جواب اثبات میں ہو تو ان سے اس مسئلہ کا مأخذ دریافت فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۹/ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

کسی خاص شخصیت یا ادارہ کے متعلق فتویٰ معلوم کرنا

سوال: کسی خاص مدرسہ کی کیفیت کو سامنے رکھ کر فتویٰ معلوم کرنا گناہ میں شمولیت کا درجہ تو نہیں رکھتا جب کہ خلوص سے ہو؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مدار نیت پر ہے اور اللہ تعالیٰ دلوں کے حال سے بخوبی واقف ہے، إن الله عليم بذات الصدور۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ر شوال ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ہدایہ کی ایک عبارت کا مفہوم

سوال: ایک شخص نے کسی سمت میں تیر پھینکا، اور اس کا گمان یہ تھا کہ وہاں کوئی آدمی ہوگا، اور وہ شکار نکلا؛ تو ہدایہ میں ہے کہ اس کا کھانا حلال ہوگا؛ تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، اس لیے کہ جب اس کا گمان یہ ہے کہ وہ آدمی ہوگا؛ تو اس کا ارسال ہی صحیح نہیں ہوا، اور جب ارسال صحیح نہیں ہوا؛ تو پھر شکار کیسے حلال ہوگا؟ برائے مہربانی اشکال رفع کریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ولو أصاب المسموع حسه وقد ظنه آدميا فاذا هو صيد يحل لانه لا معتبر بظنه مع تعينه.(هدايه اخيرين، ص:۹)

تیر کے ذریعہ شکار کردہ جانور کے حلال ہونے کے لیے ضروری ہے کہ فعلِ اصطیاد پایا جائے، اور فعل کا اصطیاد ہونا اس پر موقوف ہے کہ جس نشانہ پر تیر چلایا گیا ہے وہ

صید ہو۔ صورت مسئولہ میں چاہے اس نے جس جاندار کا کھڑکا سنا اس کو آدمی سمجھ کر تیر چلایا؛ لیکن واقعۃً وہ شکار ہے تو اس کے ظن اور ارادہ کا اعتبار نہیں ہوگا، اس لیے کہ محسوسِ معین میں ظن کا اعتبار نہیں کیا جاتا؛ بلکہ حقیقتِ حال کا اعتبار ہوتا ہے؛ لہٰذا اس کا یہ فعل اصطیاد قرار پا کر شکار حلال ہوا۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی آدمی اپنی بیوی کی طرف اشارہ کر کے یہ کہے کہ: ''اس کتیا کو طلاق''، تو بیوی کو طلاق پڑ جائے گی (کما فی البدائع)۔ الحاصل! حلتِ صید کے لیے ''رمی الی الصید'' ہونا شرط ہے جو یہاں موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

''ان الکتابة اقیمت مقام العبارة'' قاعدہ کا محلِ استعمال

سوال: بندہ فتاوی شامی کا مطالعہ کر رہا تھا، بندہ نے ایک عبارت دیکھی:

وفي البحر: أن المراد الإكراه على التلفظ بالطلاق، فلو أكره على أن يكتب طلاق إمرأته، فكتب لا تطلق؛ لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة، ولاحاجة هنا كذا في الخانية (شامی مکتبہ نعمانیہ ۴۲۱/۲)

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ عبارت مذکورہ میں ''أن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة'' یہ ایک قاعدہ ہے، اور اس قاعدے کے ماتحت ایک جزئیہ بھی ہے، اب اس قاعدے کے ماتحت یہ صورت کہ ایک آدمی کی شادی گاؤں میں ہی ہوئی ہے اور اس کی بیوی گھر میں موجود ہو یا اسی گاؤں میں بیوی اپنے باپ کے یہاں ہو، اور شوہر کاغذ میں طلاق لکھ کر مکان کی چوکھٹ پر ڈال کر چلا جائے، تو اس صورت

میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ وجہ دریافت یہ ہے کہ جس طریقہ پر شامی کے جزئیہ میں کتابت کی حاجت وضرورت نہیں ہے، اسی طریقہ پر صورت مذکورہ میں بھی کتابت کی حاجت وضرورت نہیں ہے؛ کیوں کہ عورت گھر میں موجود ہے، اس کو زبان سے ہی طلاق دے دی جائے، تو کیا اسی علت جامعہ کی بناء پر صورت مذکورہ کو شامی کے جزئیہ پر قیاس کر کے عدم وقوع طلاق کا حکم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

گھر میں موجود ہونا عدم حاجت کے لیے کافی نہیں ہے، اس لیے کہ ایک ہی عمارت اور مکان میں مختلف کمروں میں موجود اشخاص میں بھی بذریعہ تحریر پیغام کی لے دے ہوتی ہے۔ کما لا یخفی علی المتأمل۔ اور دوسرے مکان میں ہو تو عدم حاجت کا تحقق اس سے زیادہ مستبعد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اسقاط حمل کے متعلق "جواهر الاخلاطی" کی ایک عبارت

سوال: فقہ کی کتابیں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسقاطِ حمل چار مہینے سے پہلے عذر کی وجہ سے جائز ہے اور چار مہینے کے بعد کسی حال میں بھی جائز نہیں؛ لیکن فتاویٰ ہندیہ میں جواہر الاخلاطی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مطلقاً اسقاطِ حمل جائز ہے اور اس پر "وعلیه الفتویٰ" بھی کہا۔ ہندیہ کی عبارت یہ ہے:

العلاج لاسقاط الولد إذا استبان خلقه كالشعر و الظفر و نحوهما لا يجوز، و إن كان غير مستبين الخلق يجوز، و أما في زماننا يجوز على كل

حال و علیه الفتویٰ، کذا فی جواهر الاخلاطی.

(فتاوی هندیه/ ۳۵٦ باب:۱۸ کتاب الکرهیة)

اور ''ہدایہ'' ۲/ ۲۹۲ کتاب النکاح کے حاشیہ نمبر ۹ پر بھی یہی لکھا ہے؛ حالاں کہ ہمارے بزرگوں میں سے کسی نے اس پر فتویٰ دیا ہو نظر سے نہیں گزرا، تو کیا اس زمانہ میں اس پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی قول کے متعلق کسی کتاب میں ''علیه الفتویٰ'' کہنا یہ اس کی ترجیح وتصحیح ہے، اور ترجیح وتصحیح اسی کی قابل قبول اور معتبر ہوگی جو اس کا اہل ہو یعنی ترجیح دینے والا عالم فقہاء کے اس طبقہ سے تعلق رکھتا ہو جو ترجیح وتصحیح کی اہلیت رکھتے ہیں۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ نویسی کے اس اصول کی صراحت اپنی کتاب ''شرح عقود رسم المفتی'' (ص:۴۴،زکریا) میں فرمائی ہے:

اعلم بأن الواجب اتباع ما		ترجیحه عن أهله قد علما

و قولی عن أهله أی أهل الترجیح إشارة إلی أنه لا یکتفی بترجیح أیّ عالم کان الخ(ص:۴۸،مکتبه زکریا)

صورت مسئولہ میں فتاوی عالمگیری میں جواہر الاخلاطی کے حوالہ سے جو ترجیح نقل کی گئی ہے اس میں تلاش بسیار کے باوجود نہ یہ معلوم ہوسکا کہ ''اخلاطی'' کون ہیں؟ اور نہ ان کی کتاب ''جواہر'' کا پتہ چل سکا؛ اس لیے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے، غالباً اسی لیے علامہ شامی نے باوجود اس کے کہ اس مسئلہ پر اپنے مشہور حاشیہ ''رد المحتار'' المعروف بہ ''شامی'' میں تین مقامات (۲/ ۴۱۲، ۵/ ۲۶۴، ۵/ ۳۰۴) پر بحث کی ہے؛ لیکن

اس قول کی طرف معمولی اشارہ بھی نہیں کیا، بحر الرائق کے حاشیہ ''منحة الخالق'' (۳/ ۲۱۵) میں بھی کوئی ادنیٰ اشارہ اس قول کی طرف نہیں کیا ہے، درمختار کی شرح طحطاوی میں بھی دو مقام (۲/ ۷۶، ۷۷- ۴/ ۲۱۲) پر یہ مسئلہ ہے؛ لیکن یہ قول نقل نہیں کیا ہے، اس لیے عالمگیری کی اس عبارت سے دھوکہ نہ کھائیں اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابر میں سے کسی نے اس پر فتویٰ نہیں دیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حنفی کا شوافع کی حدیثوں پر عمل کی خواہش کرنا

سوال: میں حنفی مسلک کا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ حضور ﷺ کی حدیثوں پر میرا عمل ہو، تو کیا میں شوافع کی حدیثوں پر عمل کر سکتا ہوں؟ جبکہ ان کی حدیثیں بھی ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دو حدیثوں میں تعارض ہونے کی صورت میں ہر حدیث پر آپ کیسے عمل فرمائیں گے؟۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

''المؤمن في المسجد كالسمك في الماء'' اور ''الفاسق في السوق كالطير في القفص'' حدیث کی تحقیق

سوال: باعثِ تحریر یہ ہے کہ ''المؤمن في المسجد كالسمك في الماء'' اور ''الفاسق في السوق كالطير في القفص'' یہ دونوں جملے کیا کسی حدیث سے ثابت

ہیں؟ یا یوں ہی کسی بزرگ کے قول ہیں، یا کہ ضرب المثل میں سے ہیں، مع حوالۂ کتب جلد از جلد روانہ فرمائیں۔ اس سلسلہ میں ہمارے یہاں بہت بڑا تنازع پیدا ہوا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تتبع اور تلاشِ بسیار کے باوجود مسئولہ عبارت کا حدیث ہونا کسی کتاب میں نہیں ملا، کتبِ موضوعات میں بھی اس کا تذکرہ نہیں ہے؛ البتہ اس کا دوسرا جملہ کچھ تغیر کے ساتھ یعنی "المنافق في المسجد كالطير في القفص" حضرت نزال بن سبرہ رضی اللہ عنہ (جن کا صحابی ہونا مختلف فیہ ہے) کی طرف منسوب ملا، جس کی تصریح "تنبيه الغافلين" میں ہے: وقال النزال بن سبرة: "المنافق في المسجد كالطير في القفص". (۱۱۵)

اس میں تنازع کی ضرورت نہیں ہے، اگر کوئی اس کے حدیث ہونے کا مدعی ہے تو اس سے اس کی دلیل طلب کی جائے، اور کوئی اس کے کسی بزرگ کا مقولہ ہونے کا قائل ہے تو اس سے بھی دلیل کا مطالبہ کیا جائے، اس لیے کہ حوالہ مدعی کے ذمہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ: ۸/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

۱۵/ رمضان کی جمعہ میں بھیانک آواز کے متعلق روایت

سوال: اس ۹۹ء کے رمضان شریف میں ایک بات ہمارے علاقے میں پھیل گئی تھی کہ: ۱۵/ رمضان شریف جمعہ کے دن پڑا ہے؛ اس لیے آج کی رات کوئی بھیانک منظر یا خطرناک قسم کی آواز آئے گی، جس نے بھی دروازہ کھلا رکھا یا اس کی آواز کا جواب دیا وہ مرجائے گا۔ اور اس بات کی نسبت مولانا احمد رضا خاں صاحب کی طرف کی گئی تھی

کہ حضرت موصوف نے تحریر فرمائی ہے، اور بدعتی حضرات نے رمضان کے مہینے میں ایک ہفتہ قبل جمعہ میں اس قسم کا بیان دیا تھا، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس روایت کی صحت ثابت نہیں، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے "اللآلی المصنوعہ" میں اس طرح کی روایت ذکر کی ہے؛ لیکن وہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جمعہ یا رمضان میں مرنے والے سے قبر میں سوال وجواب ہوں گے؟

سوال: بچپن سے دیکھتا رہا کہ کسی شخص کا انتقال جمعہ کو یا رمضان المبارک میں ہوتا تو اہلِ علم بھی خوش ہوتے تھے، اور یہ بھی سنتا رہا کہ ان ایام میں مرنے والا حساب کتاب سے بچ جاتا ہے۔ کل ندوہ سے نکلنے والے ۱۵ روزہ "تعمیر حیات" کی اشاعت ۲۵ مارچ ۲۰۰۱ء ص: ۲۲ پر سوال وجواب دیکھا، جس میں تحریر ہے کہ: جمعہ کے دن یا رمضان کے مہینے میں اگر کسی مسلمان کا انتقال ہوجائے تب بھی اس سے حساب کتاب کیا جائے گا، قبر میں سوال جواب ہوگا، یہ غلط بات ہے جو مشہور ہوگئی ہے کہ قبر میں اس سے سوال جواب نہیں ہوگا۔ چوں کہ احقر کے لیے یہ نیا علم تھا؛ لہٰذا اس کی توثیق کے لیے آں محترم کو زحمت دے رہا ہوں، حق کیا ہے؟ واضح فرمائیں؛ تاکہ اس کے مطابق عقیدہ رکھوں۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

ومن لا يسأل ينبغي أن لا يلقن.(درمختار) (قوله:ومن لا يسأل إلخ) أشار إلى أن سؤال القبر لا يكون لكل أحد، ويخالفه ما في السراج: كل ذي روح من بني آدم يسأل في القبر بإجماع أهل السنة؛لكن يلقن الرضيعَ الملكُ، وقيل: لا؛ بل يلهمه الله تعالى كما ألهم عيسى في المهد. اهلكن في حكاية الإجماع نظر، فقد ذكر الحافظ ابن عبد البر أن الآثار دلت على أنه لا يكون إلا لمؤمن أو منافق ممن كان منسوبا إلى أهل القبلة بظاهر الشهادة دون الكافر الجاحد، وتعقبه ابن القيم، لكن رد عليه الحافظ السيوطي، وقال ما قاله ابن عبد البر هو الأرجح، ولا أقول سواه. ونقل العلقمي في شرحه على الجامع الصغير: أن الراجح أيضا اختصاص السؤال بهذه الأمة، خلافا لما استظهره ابن القيم، ونقل أيضا عن الحافظ ابن حجر العسقلاني: أن الذي يظهر اختصاص السؤال بالمكلف، وقال: وتبعه عليه شيخنا يعني الحافظ السيوطي. ثم ذكر أن من لا يسأل ثمانية: الشهيد، والمرابط، والمطعون، والميت زمن الطاعون بغيره إذا كان صابرا محتسبا، والصديق، والأطفال، والميت يوم الجمعة أو ليلتها، والقارئ كل ليلة تبارك الملك؛ وبعضهم ضم إليها السجدة، والقارئ في مرض موته قل هو الله أحد.اه وأشار الشارح إلى أنه يزاد الأنبياء -عليهم الصلاة والسلام-؛لأنهم أولى من الصديقين.(شامی ۱/۶۳۹)

قال في الأشباه في أحكام يوم الجمعة:ويأمن الميت فيه من عذاب القبر، ومن مات فيه أو في ليلته أمن من فتنة القبر وعذابه. (الأشباه والنظائر۲۳۹)

قوله:ويأمن الميت فيه من عذاب القبر. أقول: قال أهل السنة والجماعة: عذاب القبر حق، وسؤال منكر ونكير وضغطة القبر حق، سواء كان مؤمنا أو كافرا، مطيعا أو فاسقا؛ لكن إذا كان كافرا فعذابه يدوم إلى يوم القيامة، ويرفع العذاب عنهم يوم الجمعة وشهر رمضان بحرمة النبي ﷺ لأنهم ما داموا في الأحياءلا يعذبهم الله في الدنيا بحرمة النبي ﷺ فكذلك في القبر يرفع عنهم العذاب يوم الجمعة وكل رمضان بحرمته، فيعذب اللحم متصلا بالروح، والروح متصلا بالجسم، فتتألم الروح مع الجسد وإن خارجا منه؛ ثم المؤمن على وجهين: إن كان مطيعا لا يكون له عذاب ويكون له ضغطة، فيجد هول ذلك وخوفه، وإن كان عاصيا يكون له عذاب القبر وضغطة القبر؛ لكن ينقطع عنه عذاب القبر يوم الجمعة وليلة الجمعة، ثم لا يعود العذاب إلى يوم القيامة.وإن مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة يكون له العذاب ساعة واحدة وضغطة القبر، ثم ينقطع عنه العذاب؛ كذا في المعتقدات للشيخ أبي المعين النسفي الحنفي. قيل: يشكل كلامه في حق الكفار لقوله تعالى:فلا يخفف عنهم العذاب؛ اللّٰهُمَّ إلا أن يراد بالتخفيف رفع العذاب بالكلية.

قوله: ومن مات فيه أو في ليلته إلى اٰخره. في التجنيس والمزيد: من مات يوم الجمعة يرجى له فضل؛ لأن لبعض الأيام فضلا على البعض (انتهى) وفي جامع المضمرات والمشكلات: وسئل أبو نصر عمن مات يوم الجمعة أو بمكة هل يرجى له فضل؟ قال: نعم؛ لأن لبعض المكان والزمان على البعض فضلا، فهذا يدل على إرادة السعادة والفضيلة. وجاء في الأخبار عن ابن عباس رضي الله عنهما عن النبي ﷺ قال: ثلاثة يعصمهم الله

تعالى من عذاب القبر: المؤذن، والشهيد، والمتوفّٰى ليلة الجمعة (انتهى) . وأفاد المصنف بالمسألة الثانية الأمن من الفتنة؛ إذ لا يلزم من عدم العذاب عدم الفتنة.(الاشباه والنظائر مع شرحه للحموى ٢/٢٣٩)

وفي الدر المختار: ويأمن الميت من عذاب القبر، ومن مات فيه أو في ليلته أمن من عذاب القبر؛قال الشامية:(قوله ويأمن الميت من عذاب القبر إلخ) قال أهل السنة والجماعة: عذاب القبر حق، وسؤال منكر ونكير وضغطة القبر حق؛ لكن إن كان كافرا فعذابه يدوم إلى يوم القيامة، ويرفع عنه يوم الجمعة وشهر رمضان،فيعذب اللحم متصلا بالروح، والروح متصلا بالجسم، فيتألم الروح مع الجسد، وإن كان خارجا عنه، والمؤمن المطيع لا يعذب؛ بل له ضغطة يجد هول ذلك وخوفه،والعاصي يعذب ويضغط؛ لكن ينقطع عنه العذاب يوم الجمعة وليلتها ثم لا يعود، وإن مات يومها أو ليلتها يكون العذاب ساعة واحدة وضغطة القبر ثم ينقطع، كذا في المعتقدات للشيخ أبي المعين النسفي الحنفي من حاشية الحموي ملخصا.(شامى١/٦١٠)

وفى المشكاة:وعن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله ﷺ: ما من مسلم يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقاه الله فتنة القبر.

(رواه أحمد والترمذي وقال: هذا حديث غريب وليس إسناده بمتصل)

وقال الملا علي القاري في المرقاة:(وعن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله ﷺ: ما من مسلم): زيادة "من"لإفادة العموم،فيشمل الفاسق إلا أن يقال: إن التنوين للتعظيم (يموت يوم الجمعة أو ليلة الجمعة): الظاهر أن "أو" للتنويع لا للشك (إلا وقاه الله)،أي: حفظه (فتنة

القبر)، أي: عذابه وسؤاله، وهو يحتمل الإطلاق والتقييد، والأول هو الأولى بالنسبة إلى فضل المولىٰ، وهذا يدل على أن شرف الزمان له تأثير عظيم، كما أن فضل المكان له أثر جسيم.

(رواه أحمد، والترمذي، وقال: هذا حديث غريب وليس إسناده بمتصل).

قلت: ذكره السيوطي في باب من لا يسأل في القبر، وقال: أخرجه أحمد والترمذي وحسنه، وابن أبي الدنيا عن ابن عمرو، ثم قال: وأخرجه ابن وهب في جامعه، والبيهقي أيضا من طريق اٰخر عنه بلفظ: "إلا برئ من فتنة القبر"، وأخرجه البيهقي أيضا من طريق ثالثة عنه موقوفا بلفظ: "وقي الفتان"، قال القرطبي: هذه الأحاديث أي التي تدل على نفي سؤال القبر لا تعارض أحاديث السؤال السابقة، أي: لا تعارضها بل تخصها وتبين من لا يسأل في قبره ولا يفتن فيه ممن يجري عليه السؤال ويقاسي تلك الأهوال، وهذا كله ليس فيه مدخل للقياس ولا مجال للنظر فيه، وإنما فيه التسليم والانقياد لقول الصادق المصدوق، قال الحكيم الترمذي: ومن مات يوم الجمعة فقد انكشف له الغطاء عما له عند الله؛ لأن يوم الجمعة لا تسجر فيه جهنم وتغلق أبوابها ولا يعمل سلطان النار فيه ما يعمل في سائر الأيام، فإذا قبض الله عبدا من عبيده، فوافق قبضه يوم الجمعة كان ذلك دليلا لسعادته وحسن مٰابه، وأنه لا يقبض في هذا اليوم إلا من كتب له السعادة عنده، فلذلك يقيه فتنة القبر؛ لأن سببها إنما هو تمييز المنافق من المؤمن.

قلت: ومن تتمة ذلك: أن من مات يوم الجمعة له أجر شهيد، فكان على قاعدة الشهداء في عدم السؤال، كما أخرجه أبو نعيم في الحلية عن

جابر قال: قال رسول الله ﷺ: "من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة أجير من عذاب القبر، وجاء يوم القيامة وعليه طابع الشهداء".وأخرج حميد في ترغيبه عن إياس بن بكير أن رسول الله ﷺ قال: "من مات يوم الجمعة كتب له أجر شهيد، ووقي فتنة القبر". وأخرج من طريق ابن جريج عن عطاء قال: قال رسول الله ﷺ: "ما من مسلم أو مسلمة يموت في يوم الجمعة أو ليلة الجمعة إلا وقي عذاب القبر وفتنة القبر، ولقي الله ولا حساب عليه، وجاء يوم القيامة ومعه شهود يشهدون له أو طابع". وهذا الحديث لطيف صرح فيه بنفي الفتنة والعذاب معا.اھ كلام السيوطي رحمه الله.(مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح۳/۲۴۳)

عبارتِ منقولہ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں سوال وجواب اور عذابِ قبر اور ضغطۂ قبر کے عقیدہ پر اجمالی طور پر اہلِ سنت وجماعت میں اتفاق ہونے کے باوجود اس کی بعض تفصیلات میں علمائے اہل سنت کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، چناں چہ بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ ہر انسان سے قبر میں سوال وجواب ہوگا چاہے وہ مومن ہو یا کافر، امتِ محمدیہ کا فرد ہو یا امم سابقہ سے تعلق رکھتا ہو، جب کہ بعض حضرات اس طرف گئے ہیں کہ قبر کا سوال وجواب امتِ محمدیہ کے ساتھ خاص ہے، نیز کافرِ جاحد یعنی کھلم کھلا کافر سے یہ سوال وجواب نہیں ہوگا؛ بلکہ جو لوگ اہلِ قبلہ کی طرف منسوب ہیں اور کلمہ گو ہیں چاہے وہ مومن ہو یا منافق، ان ہی سے سوال ہوگا۔ حافظ ابن عبد البر کا یہی موقف ہے، اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو راجح اور صحیح قرار دیا ہے، ساتھ ہی بہ قول حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ: یہ سوال وجواب مکلفین کے ساتھ خاص ہے۔ ان سارے

اختلافات کے باوجود یہ تصریح بھی کتابوں میں موجود ہے کہ بعض حضرات قبر کے سوال وجواب سے مستثنیٰ ہیں، روایاتِ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ منقولہ بالا عبارات میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت بہ حوالہ مشکوۃ اور اس کی شرح مرقاۃ کے ساتھ پیش کی گئی، مرقاۃ میں اَور روایات کا بھی تذکرہ موجود ہے جن سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ بہرحال! تعمیرِ حیات کے شائع شدہ جواب میں مجیب کا یہ لکھنا ''یہ بات غلط ہے جو مشہور ہوگئی کہ قبر میں اس سے سوال وجواب نہیں ہوگا'' یہ علی الاطلاق درست نہیں۔ ہاں! بعض حضرات علما اس طرف گئے ہیں جیسا کہ منقولہ بالا عبارات کے نمبر ۱ر میں تفصیل موجود ہے، اس پر ان روایات کی وجہ سے جن میں علی الاطلاق قبر میں سوال وجواب کا ہونا مذکور ہے اشکال نہ کیا جائے؛ بلکہ دوسری روایات کے ذریعہ سے ان روایات میں تخصیص تسلیم کی جائے گی، جیسا کہ میدان حشر میں اعمال کے متعلق حساب ہونا کئی قرآنی آیات اور احادیث میں مصرح ہے، اس کے باوجود یہ بھی تسلیم شدہ بات ہے کہ بہت سے لوگ وہ ہوں گے جو بلاحساب وکتاب جنت میں جائیں گے۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ عذابِ قبر، فتنۂ قبر اور ضغطۂ قبر کے الفاظ حدیث میں وارد ہوئے ہیں، ضغطۂ قبر سے مراد قبر کی ہولناکی ہے یہ ہر ایک کو پیش آئے گی، چاہے بچہ ہی کیوں نہ ہو، عذابِ قبر کفار اور گنہ گار مسلمانوں کو ہوگا، فتنۂ قبر کا لفظ اپنے مفہوم کے اعتبار سے عذاب اور سوال وجواب دونوں کو شامل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰ر رجب ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

کیا شب جمعہ میں مرنے والے سے قبر میں سوال جواب نہیں ہوں گے؟

سوال: سنا ہے کہ جس مسلمان کا جمعہ کی شب یا روز میں انتقال ہو تو اسے قبر میں سوال نہیں کئے جاتے ہیں، تو کیا ایسے شخص کے پاس منکر نکیر آتے ہی نہیں ہیں، اور یہ میت اسی طرح قیامت تک سوتا رہے گا یا اس کی اور کونسی صورت ہے؟ اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوال نہیں کئے جانے کا یہی مطلب ہے کہ اس کے پاس قبر میں منکر نکیر نہیں آئیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴ر ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

درود پاک میں لفظ ''سیدنا'' کا اضافہ

سوال: درود شریف لکھتے وقت دل میں بار بار وارد ہوا کہ درود شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مقدس سے پہلے لفظ ''سیدنا'' کا اضافہ کرتا چلوں؛ مگر پھر خیال آیا کہ اس کے متعلق اپنے حضرات مشائخ اور مفتیان کرام سے رجوع کرنے کے بعد عمل کیا جائے، اپنی تائید میں شواہد کے طور پر پانچ سات حوالے رقم کر رہا ہوں امید کہ اس سلسلہ میں میری رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

① علماء کرام کی ایک بڑی جماعت نے لفظ ''سیدنا'' پڑھنے اور لکھنے کو ظہیریہ، شرح منہاج النووی اور الدر المختار وغیرہ کتب میں مستحب، مناسب اور افضل بتایا ہے۔ (شامی ۵۱۳)

② درمختار میں ہے کہ لفظ ''سیدنا'' کا بڑھا دینا مستحب ہے، علامہ رملی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی لکھا ہے۔

③ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مواہب میں لفظ ''مولیٰ'' (مولانا) بھی شمار کیا ہے، یعنی درود شریف میں اس طرح پڑھنا اولیٰ، افضل اور باعث ادب ہے۔ ''اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وبارك وسلم'' (جامع صغیر ۵۴۲)

④ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے درود شریف میں لفظ ''سیدنا'' اس طرح منقول ہے: اللھم صل علی سید المرسلین ﷺ۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ درود شریف میں لفظ ''سیدنا'' بڑھانا اور پڑھنا مناسب اور مستحب ہے۔

(از فضائل درود شریف ۲۳۴ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

⑤ ایک مرتبہ مولانا ولایت حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امام ربانی حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت فرمایا کہ: حضرت! نماز کے درود شریف میں لفظ ''سیدنا'' پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ تو حضرت محدث گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اگرچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لفظ ''سیدنا'' پڑھنے کے لیے نہ فرمایا ہو؛ مگر ہمارے لیے یہی مناسب ہے کہ ہم ''سیدنا'' پڑھتے رہیں، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال پر مزید فقیہانہ عقلی تشریح فرمائی ہے جو حضرت کی سوانح تذکرۃ الرشید ۲/۲۹۱ پر مرقوم ہے۔

⑥ لفظ ''سیدنا'' پڑھنے کے متعلق مدینہ طیبہ میں وہاں کے قاضی القضاۃ الشیخ امیر

ابن بلیہد کے ساتھ مملکت سعودیہ کے فرماں روا سلطان عبدالعزیز کی موجودگی میں محدث سہارنپوری حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عربی زبان میں علمی مکالمہ ہوا، اس میں محدث سہارنپوری نے حدیث پاک کی روشنی میں لفظ ''سیدنا'' پڑھنا ثابت فرمادیا تھا، یہ پوری بحث تذکرۃ الخلیل ۲۹۸ سوانح مولانا خلیل احمد سہارنپوری میں مرقوم ہے۔

⑦ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زاد السعید میں لکھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک سے پہلے ''سیدنا'' بڑھادینا مستحب اور افضل ہے۔

(از فضائل درود شریف ۱۴۸ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

⑧ شیخ المحدثین مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: درود شریف میں لفظ ''سیدنا'' کا اضافہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، ضرور کردیں۔

(از مولانا محمد زکریا صاحب اور ان کے خلفاء کرام ۱/ ۴۳۲ مرتبہ: مولانا یوسف متالہ صاحب مدظلہ)

مذکورہ بالا شواہد میں حضرت اقدس گنگوہی اور محدث سہارنپوری کی علمی بحث مختصراً لکھی ہے، اصل مضمون قابل مطالعہ ہے، سوال طویل ہوگیا، معاف فرمائیں۔

اصل مقصد یہی ہے کہ مذکورہ بالا اکابرین امت کی آراء اور اقوال کی روشنی میں درود پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مقدس سے پہلے لفظ ''سیدنا'' لکھنے میں کسی قسم کی ممانعت یا حرج تو نہیں؟ جواب تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درمختار میں ہے: وندب السيادة؛لأن الزيادة الاخبار بالواقع عين سلوك الأدب فهوأفضل من تركه، ذكره الرملي الشافعي وغيره وما نقل: لا تسودوني فى الصلوة فكذب. (درمختار)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(قوله ذكره الرملي الشافعي) اى فى شرحه على منهاج النووى، ونصه، والافضل الاتيان بلفظ السيادة كما قاله ابن ظهيرية، وصرح به جمع، وبه افتى الشارح لأن فيه الاتيان بما امرنا به وزيادة الاخبار بالواقع الذى هو ادب، فهو افضل من تركه وإن تردد فى افضليته الاسنوى، وما حديث لاتسيدونى فى الصلوة فباطل لا اصل له، كما قاله بعض متأخرى الحفاظ، وقول الطوسى انها مبطلة غلطاهواعترض بان هذا مخالف لمذهبنا لمامر من قول الإمام من انه لو زاد فى تشهده أو نقص فيه كان مكروها، قلت: فيه نظر، فإن الصلوة زائدة على التشهد ليست منه، نعم ينبغى على هذا عدم ذكرها فى "واشهد ان محمداً عبده ورسوله" وانه يأتى بها مع ابراهيم عليه السلام(درمختارمع الشامی۱ /۳۷۹)

عبارت بالا سے نماز میں بھی درود شریف میں حضور انور علیہ السلام کے نام مبارک کے ساتھ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام مبارک کے ساتھ لفظ "سیدنا" کہنے کا افضل و بہتر ہونا معلوم ہوتا ہے، چناں چہ صاحب احسن الفتاویٰ اسی طرف گئے ہیں۔

(دیکھئے احسن الفتاوی ۳/ ۲۷)

امداد الفتاویٰ (۱ / ۷۹۳) میں عبارت بالا نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ بعض علماء نے اس اضافہ کے افضل ہونے میں تردد کیا اور اکثر نے افضل کہا ہے، اور تشہد میں اضافہ نہ کیا جائے اور ابراہیم علیہ السلام کے نام کے ساتھ اضافہ کا یہی حکم ہے۔ اھ۔

عمدۃ الفقہ میں ہے: نماز میں بھی درود شریف میں حضور انور علیہ السلام کے نام مبارک کے ساتھ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام مبارک کے ساتھ لفظ "سیدنا" کہنا افضل

اور بہتر ہے، اور تشہد میں ''اشهد أن محمدا'' کے ساتھ ''سیدنا'' کا لفظ نہ ملاوے، بعض کے نزدیک نماز کے درود شریف میں لفظ ''سیدنا'' نہ ملانا بہتر ہے۔(۲/۱۱)

بہر حال نماز کے علاوہ درود شریف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک سے پہلے لفظ ''سیدنا'' کا اضافہ مستحب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں؛ البتہ نماز میں اس کا حکم مندرجۂ بالا عبارتوں میں آچکا ہے، اس لیے آپ درود شریف کی نسبت سے جو رسالہ لکھ رہے ہیں اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک سے پہلے لفظ سیدنا کا اضافہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جواب فتاویٰ مظاہر العلوم سے نقل کیا جاتا ہے:

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ سیدنا کا اضافہ صلوۃ میں اولیٰ لکھا ہے تو غیر صلوۃ میں بھی بالاولیٰ اولیٰ ہوگا اور کتابت میں بھی لکھنا اولیٰ ہے۔ (فتاوی مظاہر العلوم ۱/ ۲۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

ایک درود شریف کی تحقیق

سوال: کیا یہ درود حدیث پاک سے ثابت ہے: ''صَلاَةً وَّسَلاَماً عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ'' کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اطہر پر پڑھ سکتے ہیں؟ کیا اس کا ثبوت کسی امام کے نزدیک ہے یا حرف ندا حاضر کے لیے، مگر ہم حضور کہتے ہیں اس کا معنی حاضر کا ہوا؟ تو کیا حضور کہہ سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوال میں مذکور الفاظ کے ساتھ احقر کی نظر سے نہیں گزرا، ترکیبِ نحوی کے اعتبار سے اس کو درست قرار دینے کے لیے بھی مقدر ماننا پڑے گا، کسی امام سے بھی اس کا منقول ہونا میرے علم میں نہیں، قبر اطہر پر پڑھنے کی گنجائش ہے؛ البتہ وہاں بھی ان الفاظ میں پڑھنا مناسب ہے جو علمائے کرام نے آدابِ زیارت کے تحت بیان فرمائے ہیں، اردو زبان میں حضور کا لفظ تعظیم وعزت کا لقب ہے، جیسے: حضرت کا لفظ، اس لیے بول سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

"أنا وكافل اليتيم" إلخ کا مطلب

سوال: عن سهل بن سعد قال: قال رسول اللهﷺ: أنا وكافل اليتيم له ولغيره في الجنة هكذا وأشار بالسبابة والوسطى وفرح بينهما شيئا (البخاری) سوال یہ ہے کہ "يتيم له" سے کیا مراد ہے؟ کیا اس سے مرد کے سوتیلے بچے مراد ہیں جن کا باپ مر چکا ہو، وضاحت فرمائیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس حدیث میں آپ کے نزدیک کسی لفظی صحت کی ضرورت ہے تو صحیح حدیث صاف لکھ کر بھیج دیجئے اس کے معنوں کے ساتھ۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے یہ روایت بخاری شریف میں کہاں دیکھی؟ حوالہ نہیں لکھا ہے، میں نے عجلت میں بخاری شریف کی ورق گردانی کی تو "باب اللعان" میں ۷۹۹ (مطبوعہ اصح

المطابع) اور "باب فضل من يعول يتيما" ۸۸۸ (طبع مذکور) میں یہ روایت حسب ذیل الفاظ میں ملی: سعمت سهل بن سعد عن النبي ﷺ قال: أنا وكافل اليتيم في الجنة هكذا وقال: بإصبعه السبابة والوسطى آپ نے "له ولغيره" کا جو اضافہ نقل فرمایا ہے وہ مجھے نظر نہیں آیا؛ البتہ مشکوۃ شریف ۴۲۲ پر یہ روایت بخاری کے حوالہ سے اس طرح لکھی ہوئی ہے جیسی آپ نے نقل فرمائی ہے۔ مرقات شرح مشکوۃ میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ "رواه البخاري" پر یہ شرح فرماتے ہیں:

وفي الجامع الصغير أنا وكافل اليتيم في الجنة هكذا رواه أحمد والبخاري وأبوداؤد والترمذي عن سهل بن سعد اهـ وظاهره أن قوله في المشكاة له ولغيره من كلام سهل أو من بعده أدرج في الحديث أو هو رواية أخرى وفيها زيادة مقبولة الخ (۹/ ۲۱۴، ۲۱۳)

"لہ" کی وضاحت مرقات میں ان الفاظ سے کی گئی ہے۔ أي كائنا لذا نك الكافل كولد ولده وإن سفل أو ابن أخيه ونحوه (۹/ ۲۱۳) یعنی یہ یتیم اس پرورش وکفالت کرنے والے کا ہو، مثلاً اس کی اولاد کی اولاد اگرچہ نیچے تک ہو۔ (مثلاً اسکا پوتا، پڑپوتا، نواسا پڑنواسا وغیرہ) یا اس کا بھتیجا وغیرہ (بھانجا) ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ

إنه ليغان على قلبي کا مطلب کیا ہے؟

سوال: حدیث میں جو یہ الفاظ آئے ہیں "انه ليغان على قلبي" (مشكوة المصابيح، ص: ۲۰۳) اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کی تفصیل مرقات شرح مشکوۃ جلد پنجم ۱۲۳/ ۱۲۴ پر ملاحظہ فرمالیں۔

سئل الأصمعی عن هذا الحدیث فقال عن قلب من ترروون هذا فقالوا عن قلب النبی ﷺ فقال لو کان عن قلب غیره لکنت افسره لك (مرقات ۱۲۴/۵)

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ نورانی حجاب مراد ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

طعام المیت یمیت القلب کا مطلب

سوال: طعام المیت یمیت القلب اس عبارت کا مفہوم بوضاحت رقم فرمائیں۔ یہ عبارت کہاں کی ہے اور درست کیا ہے؟ بحوالہ لکھیں، اس سے یہ سمجھنا کہ قرآن خوانی مروجہ میں کھانا درست نہیں کہاں تک مطابق ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں "طعام المیت یمیت القلب" حدیث نیست، کلام بعضے از تجربہ کاران ست، گویند: مراد از طعام میت الخ (فتاویٰ عزیزی ۱۰۶/۲) ترجمہ: "طعام المیت یمیت القلب" یہ قول حدیث نہیں؛ بلکہ بعض تجربہ کاروں کا قول ہے، اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ: میت کے کھانے سے وہ کھانا مراد ہے جو چالیس دن تک لوگ کھلاتے ہیں اور وہ کھانا دل کو مردہ

کرتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میت کی موت کے آثار ظاہر ہونے کے وقت سے اور اس کے بعد اس کھانے کے سرانجام اور تقسیم کا خیال رہا کرتا ہے کہ یہ کھانا اقرباء میں یا ان لوگوں میں جو کہ مسجدوں میں رہا کرتے ہیں تقسیم کیا جاوے گا، تو جن لوگوں کو یہ کھانا پہنچتا ہے وہ لوگ متوقع اور منتظر اس کھانے کے رہتے ہیں، اور شرع کا مقصود یہ ہے کہ میت کی موت سے لوگ عبرت پکڑیں، اور نصیحت سے مستفید ہوں، اور آخرت کی فکر میں مشغول ہوویں، اور غفلت سے ہوشیار ہوویں، اور یہ مقصود اس صورت میں بالکل مفقود ہوجاتا ہے۔ (سرور عزیزی ترجمۂ فتاوی عزیزی جلد دوم ۲۲۸)

اس جملہ کی ایک تشریح حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے جو ''تذکرۃ الرشید'' ۱/ ۱۷۱ (شائع شدہ کتب خانہ اشاعت العلوم سہارنپور) پر ملاحظہ فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ رشوال ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک حدیث شریف اور موجودہ مشاہرہ

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیان عظام مسئلہ تحت الذیل میں:

''حامل كتاب الله تعالىٰ له في بيت مال المسلمين في كل سنة مئتا دينار'' (جامع صغیر ۱/ ۱۲۲) اہل علم کے لیے دوسو دینار مذکور ہیں، ایک دینار ساڑھے چار ماشہ کا ہے تو یہ کل رقم کتنی بنتی ہے؟ اسی طرح فقہاء نے ائمہ وغیرہ کے لیے جو مشاہرہ مقرر کیا ہے وہ اس کے حق دار ہیں؟ موجودہ متولیان اگر یہ مقدار نہ دیں تو یہ گناہ ہے یا

نہیں، جبکہ دینے کی گنجائش بھی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عصر حاضر میں بیت المال تو ختم ہو چکا ہے اس لیے جامع صغیر کی منقولہ عبارت کا محل ہی موجود نہیں: نیز حامل قرآن سے وہ عالم مراد ہے جس نے اپنے آپ کو کلی طور پر لوگوں کو فقہ اور قرآن سکھلانے کے لیے فارغ کرلیا ہو، فقہاء نے مشاہرہ کی کوئی مقدار متعین نہیں فرمائی ہے؛ البتہ اس کی صراحت موجود ہے کہ: ان کو اتنا دیا جائے جو ان کی ضروریات کے لیے کفایت کرتا ہو۔

ویجب علی الإمام أن یتقی اللہ تعالیٰ ویصرف إلی کل مستحق قدر حاجته من غیر زیادة، فإن قصر في ذلك کان اللہ تعالیٰ علیه حسیباً (شامی ۳/ ۳۰۸)

اس لیے اگر وقف کی آمدنی میں گنجائش موجود ہے تو نہ دینے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے محاسبہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حدیث "من بنیٰ مسجدا" الخ

سوال: حدیث "من بنی مسجدا بنی اللہ بیتا في الجنة" کے الفاظ مختلفہ مطلوب ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری شرح بخاری (۴/ ۳۱۱، ۳۱۲) میں "باب من بنی مسجداً" کے تحت اس روایت کے مختلف طرق، روات اور الفاظ کی تفصیل فرمائی

ہے، ان میں سے چند نقل کرتا ہوں:

من بنی مسجدا یبتغی به وجه الله، بنی الله له مثله فی الجنة
(حدیث عثمان بروایت بخاري)

من بنی مسجدا لله ولو مثل مفحص قطاة.(حدیث ابی بکر علل ابی حاتم)

من بنی لله مسجداً یذکر فیه اسم الله بنی الله له بیتا في الجنة.
(حدیث علی بروایت ابن حبان)

من بنی لله مسجداً صغیراً کان أو کبیراً، بنی الله له بیتا في الجنة.
(حدیث انس بروایت ترمذی)

من بنی مسجدا یصلی فیه، بنی الله له بیتا فی الجنة افضل منه.
(حدیث واثله بروایت طبرانی کبیر)

من بنی بیتا یعبدالله فیه حلالا، بنی الله له بیتا فی الجنة من الدرر والیاقوت. (حدیث أبي هریرة بروایت طبرانی اوسط)

من بنی مسجدا کمفحص قطاة، أو أصغر، بنی الله له بیتا في الجنة.
(حدیث جابر ابن خزیمة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ جمادی الاخری ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کتاب ''انوار العارفین'' میں
وحی کی کیفیت کے متعلق ایک لفظ کا ترجمہ محل نظر

سوال: حضرت صوفی عابد میاں ڈابھیلی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''انوار العارفین'' میں نزول وحی کی کیفیت میں وحی کی گرانی کے بیان کے تحت ۱۷۹ پر لکھا ہے: ''اور آپ کی مبارک

پیشانی پر پسینہ ہوکر آپ ﷺ بے ہوش ہوجاتے تھے''۔اس تعبیر و بیان کو پڑھ کر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ آں حضور ﷺ الفاظ وحی کو یاد کرنے کی کوشش فرماتے تھے اور اس کے لیے حالت بیداری موزوں؛ بلکہ ضروری معلوم ہوتی ہے، پھر حالت بے ہوش میں یاد کرنا کیسے ہوتا تھا؟ ویسے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے عین ممکن ہے کہ آپ کو کسی بھی حالت میں الفاظ وحی یاد ہوجائیں، سوال کی ضرورت اس لیے زیادہ پیش آئی کہ اس اقتباس کا گجراتی ترجمہ ایک صاحب نے کیا ہے اسے شائع کرنا چاہتے ہیں تو یہ ''بے ہوش'' ہوجاتے تھے یہ تعبیر موزوں اور مناسب ہے یا اس سے بہتر وانسب کوئی تعبیر ہوسکتی ہے؟ یہ دریافت کرنا ہے، ورنہ حضرت صوفی رحمۃ اللہ علیہ کا تبحر علمی اور مقام عالی مسلم ومعروف ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

''انوار العارفین'' اس وقت میرے سامنے نہیں ہے، تعطیلات جاری ہونے کی وجہ سے کتب خانہ بھی بند ہے، اس لیے اصل عبارت اور اگر کوئی حوالہ انہوں نے دیا ہے تو وہ پیش نظر نہ ہونے کی وجہ سے کسی نوع کا تبصرہ نہیں کرسکتا، میں نے بھی بے ہوشی کا لفظ کہیں نہیں دیکھا۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الإتقان في علوم القرآن'' میں کیفیت نزول وحی کے سلسلہ میں ایک روایت بایں الفاظ نقل فرمائی ہے:

اخرج ابن سعد عن عائشة رضی الله عنها قالت: كان رسول الله ﷺ إذا نزل عليه الوحي يغط في رأسه ويتربد وجهه أي يتغير لونه بالجريدة، ويجد برداً في ثناياه، ويعرق حتى يتحدر منه مثل الجمان.

(الاتقان فی علوم القرآن ۱/ ۶۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سانس رکنے لگتا، چہرۂ انور متغیر ہوکر کھجور کی شاخ کی طرح زرد پڑ جاتا، سامنے کے دانت سردی سے کپکپانے لگتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ (علوم القرآن ۳۵)

اتقان کی عبارت کا یہ ترجمہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کا ہے، عموماً ارباب لغت "یغط" کا ترجمہ خراٹوں کی آواز سے کرتے ہیں، اس لیے "یغط في رأسه" کا مطلب "سر مبارک سے خراٹوں کی آواز آتی تھی" کا بھی کر سکتے ہیں؛ لیکن بے ہوشی کا ترجمہ نہیں ہوسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کھانے میں مکھی گر جائے تو ڈبونے سے کونسی بیماری دور ہوتی ہے؟

سوال: مجھے میرے ساتھی نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث: اگر تم میں سے کسی کے کھانے میں مکھی گر جائے تو اسے دوبارہ ڈباؤ؛ کیوں کہ اس کے ایک پر میں بیماری ہے اور دوسرے میں شفاء ہے۔ اس حدیث کے بیان کرنے کے بعد میرے ساتھی نے کہا: بیماری سے مراد بدنی بیماری ہے اور شفاء سے مراد بدنی شفاء ہے، تو میں نے اسے یہ کہا میں نے یہ سنا ہے کہ بیماری سے مراد روحانی بیماری ہے یعنی تکبر اور گھمنڈ ہے اور شفاء سے مراد تواضع اور عاجزی ہے تو آپ والا اس بحث پر محقق بات بیان کریں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جسمانی بیماری بھی مراد ہے جیسا کہ اس روایت کے دوسرے الفاظ دلالت کرتے

ہیں۔ دیکھئے: عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ۲۱ / ۲۹۳ ① ۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ / شوال ۱۴۱۷ھ

”جزی اللہ عنا محمدا الخ“ ضعیف حدیث ہے

سوال: ہمارے یہاں ایک شخص نے یہ درود شریف ”جزی اللہ عنا محمداً ﷺ ما ھو أھلہ“ اس کے بارے میں دیوبند سے فتویٰ منگایا تھا جو ۱۹۹۷ / ۱۰ / ۴ کو لکھا تھا اس کا جواب آیا؛ مگر تسلی نہیں ہوئی، اس لیے اسی درود شریف کے متعلق ایک دوسرا خط لکھا جو ہم نے بتاریخ: ۱۹۹۷ / ۱۰ / ۲۳ کو روانہ کیا اس کا بھی جواب الحمد للہ ملا؛ مگر تسلی نہیں ہوئی؛ کیوں کہ جواب یہ ملا کہ معتبر کتبِ احادیث میں یہ درود شریف ثابت نہیں، تو کیا اس کے متعلق کوئی ضعیف حدیث بھی نہیں؟ اور یہ خط ہے ۱۹۹۷ / ۱۰ / ۲۳ کا اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ اس لیے اس خط کے ساتھ دونوں فتوے بھیج رہا ہوں، برائے کرم تفصیلی جواب عطا فرمائیں، مختصر جواب ہم جاہلوں کی سمجھ میں نہیں آتا، اس لیے تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حافظ عبد العظیم منذری رحمۃ اللہ علیہ نے ”الترغیب والترھیب“ میں معجم طبرانی کے حوالہ سے روایت نقل فرمائی ہے: وروی عن ابن عباس قال: قال رسول اللہ ﷺ: من قال ”جزی اللہ عنا محمداً ما ھو أھلہ“ أتعب سبعین کاتبا

---

① قولہ: داء: المراد بہ السم الذی فیہ ویوضحہ حدیث ابی سعید فان فیہ انہ یقدم السم ویؤخر الشفاء (عمدۃ القاری ۲۱/ ۳۹۳)

ألف صباح (رواہ الطبرانی فی الکبیر والأوسط) (الترغیب والترھیب ۳/ ۱٦٤) (ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ الفاظ کہے "جزی اللہ عنا محمداً ما ھو أھلہ" تو اس کا ثواب ستر فرشتوں کو ایک ہزار دن تک مشقت میں ڈالے گا، یعنی وہ ایک ہزار دن تک اس کا ثواب لکھتے لکھتے تھک جائیں گے۔

علامہ منذری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب کے شروع میں تخریج حدیث کے سلسلہ میں اپنا جو طریق کار واضح کیا ہے، اس میں تحریر فرماتے ہیں: فیکون للإسناد الضعیف دلالتان تصدیرہ بلفظ: روی، واھمال الکلام علیہ فی آخرہ (۱/ ٤) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس حدیث کو اپنی کتاب فضائل درود شریف کی فصل دوم میں نمبر ٦ پر ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے: "وبسط السخاوی فی تخریجہ، ولفظہ: انھب سبعین ملکا ألف صباح" یعنی علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تخریج تفصیل سے فرمائی ہے، ان کے الفاظ بجائے "اتعب" کے "انھب" ہیں۔ بہر حال یہ حدیث ضعیف ہے؛ لیکن فضائل اعمال میں اتنا ضعف قابل تحمل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ

کیا دعا مانگنے کے لیے امر بالمعروف شرط ہے؟

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ صاحب نے اپنی کتاب فضائل اعمال میں یہ حدیث تحریر

کی ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو مبادا وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ ہو الخ۔

تو خاص بات یہ کرنی ہے کہ موجودہ دور میں پوری امت مسلمہ مصیبت زدہ مظلوم اور پریشان حال ہیں ہم مسلمانوں کے لیے عمومی دعا کرتے ہیں نیز یس شریف یا آیت کریمہ کا ورد کر کے اجتماعی دعا بھی کرتے ہیں تو بعض ہمارے مسلمان بھائی کہہ دیتے ہیں کہ ہم امر بالمعروف تو کرتے نہیں اس لیے ہماری دعا قبول نہ ہوگی تو کیا ہم اس طرح دعا کرنا ترک کر دیں؟ اور کیا قبولیت دعا کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر شرط ہے؟ اور مندرجہ بالا حدیث کا صحیح مطلب کیا ہے؟ امید ہے کہ تفصیل سے جواب مرحمت فرمائیں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تمام علمائے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ دعاء مستحب اور افضل ہے بلکہ جو شخص بطور استکبار اپنے آپ کو دعا سے مستغنی سمجھ کر دعا چھوڑ دے یہ علامت کفر ہے، ارشاد ربانی ہے: ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین (المؤمن ۶۰) آیت مذکورہ میں تو بظاہر کوئی شرط نہیں یہاں تک کہ مسلمان ہونا بھی قبولیت دعا کی شرط نہیں ہے کافر کی دعا بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے، یہاں تک کہ ابلیس کی دعا تا قیامت زندہ رہنے کی قبول ہوگئی، نہ دعا کے لیے کوئی وقت شرط ہے نہ طہارت اور باوضو ہونا شرط ہے البتہ احادیث میں بعض چیزوں کو موانع قبولیت فرمایا ہے ان سے بچنا لازم ہے، انہی میں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ دعا چھوڑ دی جائے بلکہ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ امر بالمعروف

اور نہی عن المنکر کا اہتمام کیا جائے بعض مسلمانوں کا وہ قول جہالت پر مبنی ہے، نیز اللہ تعالیٰ کے یہاں مظلوم کی دعا قبول ہوتی ہے چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، احادیث میں اس کی تصریح ہے، ہم مامور ہیں کہ دعا کی قبولیت کے یقین کے ساتھ دعا کریں نیز جس کو دعا کی توفیق مرحمت ہوتی ہے اس کو اجابت سے بھی نوازا جاتا ہے، بقول حافظ شیرازی:

حافظ وظیفہ تو دعا گفتن ست وبس		در بند آں مباش کہ شنید یا نشنید

(یعنی اے حافظ! تیرا کام تو دعا کرنا ہے اس فکر میں نہ پڑ کہ سنی یا نہیں سنی)۔

شان عبدیت یہ ہے کہ دعا مانگنے کے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کئے جائیں اور ساتھ ہی شرائط قبولیت پیدا کرنے کی سعی بھی کرتے رہیں، ان حضرات سے پوچھئے کہ شرائط قبولیت پیدا کرنے کے بعد کیا اللہ تعالیٰ پر دعا قبول کرنا واجب اور ضروری ہوجاتا ہے، ظاہر ہے کہ وہ نفی میں جواب دیں گے تو جس طرح اس وقت بھی قبولیت اللہ تعالیٰ کے فضل پر موقوف ہے اب بھی فضل خداوندی ہی سے امید رکھ کر دعا کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱ رجب ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سفر کی ایک دعا کی فضیلت

سوال: مندرجۂ ذیل دعا کے ثبوت کے بارے میں؛ نیز یہ دعا جن فضائل کے ساتھ بیان کی گئی ہے، کیا مستند کتابوں میں بھی یہی فضائل موجود ہیں؟ دعا برائے حفاظت سفر "اللہ حفیظ، لطیف، قدیم، أزلي، حي، قیوم لا ینام" جو کوئی سفر

پر جانے سے پہلے اس دعا کو سات مرتبہ پڑھے، تو ہر قسم کے حادثے سے محفوظ رہے گا۔ جو کوئی سفر کے وقت اس دعا کی نقل اپنے ساتھ رکھے، تو سواری ہر قسم کے حادثے سے محفوظ رہے گی، اگر اس دعا کی نقل سامان یا گھر میں رکھی جاوے، تو چوری سے محفوظ رہیں گے، اگر کوئی صبح وشام گیارہ مرتبہ اس دعا کو پڑھے، تو امن وامان رہے گا اور اللہ تعالیٰ اس کے مال میں برکت دے گا۔ (انشاء اللہ)

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عام متداول کتبِ حدیث میں، صحاح ستہ میں اس دعا کے یہ فضائل نظر سے نہیں گذرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

ایک مسنون دعا کا ثبوت

سوال: "اللّٰهم إني أسئلك و أتوجه إليك بنبيك محمد نبي الرحمة يارسول الله، إني توجهت بك إلى ربي في حاجتي هذه لتقضى لى حاجتى هذه" بڑی بڑی مشکلات کے لیے دعاء ہے، کیا اس کا ثبوت روایت سے ملتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ دعا سنن ترمذی میں بایں الفاظ ہیں: "اللّٰهم إني أسئلك وأتوجه إليك بنبيك محمد نبي الرحمة، إني توجهت بك إلى ربي في حاجتي هذه لتقضى لي اللّٰهم فشفعه فيّ" (۲/ ۱۹۷) یہ روایت مسند احمد (۴/ ۱۳۸)، مستدرک حاکم، الترغیب والترہیب للمنذری (۱/ ۲۴۱) وغیرہ میں بھی موجود ہے، ایک نابینا آدمی حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا، تو اس نے عرض کیا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے صحت یاب کردے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تو چاہے تو میں دعا کروں، اور اگر تو چاہے تو صبر کر اور صبر تیرے لیے بہتر ہے، اس نے کہا کہ آپ دعا فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ اچھی طرح وضوء کرے اور یہ دعاء پڑھے۔ اس طرح دعا کرنے کی اجازت ہے، اس کی کوئی خصوصی فضیلت حدیث میں نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

''تقویۃ الایمان'' کی ایک عبارت

سوال: شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ''تقویۃ الایمان'' میں اس طرح عبارت ہے: ''کہ اگر نماز میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال آجائے تو نماز فاسد ہے'' تو کیا اس طرح عبارت ہے؟ اگر ہے تو اس کی کیا توجیہ (وجہ) ہوسکتی ہے؟ میں جس علاقہ میں مقیم ہوں وہاں بدعتی حضرات ایسے اللہ والوں کی شان میں گستاخی کرتے ہیں بدعتی آدمی نے یہ سوال مجھے بطور امتحان پوچھا تھا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوال میں مندرجہ عبارت ''تقویۃ الایمان'' میں موجود نہیں ہے، جس بدعتی نے سوال کیا ہے اس سے آپ حوالہ کا مطالبہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صفاتی نام کتنے ہیں؟

سوال: ۹۹/ اسماء حسنی کی طرح ۹۹/ صفات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی منقول ہیں کیا یہ مستند وصحیح روایت سے ثابت ہیں؟ اگر ہے تو صفات نبوی میں "الاول والآخر والظاھر والباطن" میں اور اللہ تعالیٰ کے لیے ﴿ھو الاول والآخر﴾ الخ میں کیا فرق ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض صفاتی نام آئے ہیں، مثلاً بخاری شریف میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: قال رسول اللہ ﷺ: لی خمسة اسماء: أنا محمد، وأحمد، وأنا الماحی الذی یمحو اللہ بی الکفر، وأنا الحاشر الذی یحشر الناس علی قدمي، وأنا العاقب (بخاری ۱/ ۵۰۱)

البتہ کسی حدیث میں ننانوے کی تحدید نہیں آئی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری شریف میں ابن دحیہ کی ایک تصنیف کا تذکرہ کیا ہے جس میں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ شمار کرائے ہیں، اسی میں بعض کا قول نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کی طرح ننانوے ہیں، اسی میں یہ بھی ہے کہ کوئی تلاش وجستجو کرنے والا تلاش کرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ کی تعداد تین سو تک پہنچ سکتی ہے۔ (فتح الباری شرح البخاری ۶/ ۴۳۵)

لیکن حافظ نے بھی اس کی تمام تفصیل نقل نہیں فرمائی، اس وقت احقر کے سامنے جو کتب شروح حدیث وسیرت موجود ہیں ان میں آپ کے بیان فرمودہ نام نہیں ہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

محمد نام رکھنے کی فضیلت

سوال: شمع شبستان رضا حصہ دوم ۵۶ پر حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو میری محبت کی وجہ سے اپنے لڑکے کا نام محمد یا احمد رکھے گا، اللہ تعالیٰ باپ اور بیٹے کو بخشے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ ملائکہ اس کے گھر کی زیارت کو آتے ہیں جس میں کسی کا نام محمد یا احمد ہے۔ ایک روایت میں ہے جس مشوروں میں اس نام کا آدمی شریک ہو اس میں برکت رکھی جاتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ تمھارا کیا نقصان ہے کہ تمھارے گھروں میں دو یا تین محمد ہوں۔

تو اب پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ بالا حدیثیں صحیح ہیں یا نہیں؟ اور کونسی کتاب کی ہیں؟ امید ہے کہ حضرت والا تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

"الفوائد المجموعة في الاحاديث الموضوعة" میں پہلی روایت کے متعلق لکھا ہے: ذكره إبن الجوزي في الموضوعات: وقال في اسناده من تكلم فيه، وقال في اللآلي: هذا أمثل حديث اورده في الباب واسناده حسن (۴۷۱)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی "اللآلي الموضوعة" کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی گئی "الفوائد المجموعة" کے محشی تحریر فرماتے ہیں: هيهات! راح السيوطي ينظر في آخر السند، وغفل عن أوله، وفي "الميزان واللسان" (حامد بن حماد العسكرى عن اسحٰق بن سيار النصيبي خبر موضوع) نذكر هذا وهذا أول سنده (ایضاً)

دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: مامن أهل بيت فيهم إسم نبي إلا بعث الله تعالىٰ إليهم ملكا (يقدسهم) بالغداة والعشي۔

اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے صاحب "الفوائد المجموعة" لکھتے ہیں:

رواه الخطيب عن علي وابن عباس وابن عمر مرفوعاً، وفي اسناده من رمى بالكذب، وقد أورده ابن الجوزي في الموضوعات، ورواه ابن عدى بلفظ: من بركة الطعام أن يكون عليه رجل إسمه اسم نبي، وقال: باطل، ورواه ايضاً بلفظ مااطعم طعام على مائدة ولاأجلس عليها وفيها إسمي الأقدس كل يوم مرتين، وقال هذا الحديث غير محفوظ، انتهى وفي اسناده من لا يجوز الاحتجاج به (٤٦٩،٤٧٠)

تیسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

مااجتمع قوم في مشورة فيهم رجل اسمه محمد لم يدخلوه في مشورتهم إلا لم يبارك لهم فيه۔ اس پر تبصرہ فرماتے ہیں: رواه ابن عدي عن علي مرفوعاً، وقال: حديث غير محفوظ، وقال في الميزان: أنه كذب، وقد اورده ابن الجوزى في الموضوعات (٤٧١)

چوتھی روایت باوجود تلاش کے نہ ملی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات پاک ہیں

سوال: کتاب فضائل اعمال میں اس طرح ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات، پیشاب، پاخانہ پاک ہے۔ ایک صاحب نے اپنے بیان میں اس مذکورہ

عبارت کو سامنے رکھتے ہوئے کہا کہ کھانا بھی جائز ہے۔ عبد ضعیف کے گاؤں میں اس مسئلہ کی وجہ سے نوبت لڑائی تک پہنچی ہے براہ کرم جواب باصواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضلات کی طہارت پر مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے بعض صحابہ و صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خون اور بول کا پینا بھی ثابت ہے۔ اس موضوع کو نزاع بنانا امہات مسائل سے غفلت کی علامت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نعلین شریفین جیسے چپل بنا کر پہننا

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریف کا جو نقش مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں جو مکتوب ہے اسی جیسی چپل بنا کر پہننا کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟ بہ نیت سنت پہننے کا شوق ہے جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فتح الباری (۱۰/ ۲۵۷) سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات شیخین یعنی حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے نعلین بھی اسی طرح کے تھے۔ اس لیے اگر کوئی شخص بغرض اتباع سنت اس طرح کے نعلین پہنے تو اجازت ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمائے مبارکہ

سوال: اللہ جلّ جلالہ کے نام ننانوے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے کتنے اسماء ہیں؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ابن دحیہ نے اسمائے نبویہ کے موضوع پر مستقل تصنیف فرمائی ہے۔ اس کے حوالہ سے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض حضرات کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کی تعداد کے بقدر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسماء بھی ننانوے ہیں۔ (فتح الباری ۶/۴۳۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

كتاب
التاريخ والسير

واقعۂ کربلا کی حقیقت

سوال: حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور یزیدی لشکر کے درمیان کربلا کے میدان میں جو کچھ ہوا، یعنی تلواروں کا چلنا، ایک دوسرے پر بڑھ بڑھ کر حملہ آور ہونا، بچوں کا پیاس کی بناء پر دم توڑنا، آپ کا بچوں کے لیے پانی مانگنا، خیموں کا لوٹا جانا، عورتوں کی پریشانی وغیرہ؛ کیا ایسے واقعات کا کھول کھول کر بیان کرنا جمعہ میں یا عید کے مجمع میں، جس کو سن کر عام طور پر لوگ روتے ہیں، علمائے کرام نے منع فرمایا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے جواب میں ہم کچھ عرض کرنے کے بجائے حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہم کے مطبوعہ مجموعہ فتاویٰ ''احسن الفتاویٰ'' میں مستقل ایک رسالہ منکراتِ محرم کے نام سے شامل ہے، اس کے ضروری اقتباسات پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں:

محرم کی حقیقت اصلاحِ منکرات میں بات یہاں سے چلتی ہے کہ یہ مہینہ معظم و محترم ہے یا منحوس ہے؟ شیعہ لوگ اس کو منحوس سمجھتے ہیں، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کے نزدیک شہادت بہت بری اور منحوس چیز ہے، اور چوں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اس میں ہوئی ہے، اس لیے اس میں وہ کوئی تقریب اور خوشی کا کام شادی نکاح وغیرہ نہیں کرتے، اس کے برعکس مسلمانوں کے ہاں یہ مہینہ محترم، معظم اور فضیلت والا ہے، محرم کے معنیٰ محترم، معظم اور مقدس کے ہیں۔

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس مہینہ کو اس لیے فضیلت ملی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اس میں ہوئی، یہ غلط ہے، اس مہینہ کی فضیلت اسلام سے بھی بہت پہلے سے ہے، بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعون سے اس دن میں نجات ہوئی، اس نعمت پر ادائے شکر کے طور پر اس دن میں روزہ رکھنے کا حکم ہوا، اور بھی بہت سی فضیلت کی چیزیں اس میں ہوئی ہیں؛ البتہ یوں کہیں گے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں زیادہ فضیلت اس لیے ہوئی کہ ایسے فضیلت والے ماہ میں ہوئی، جب یہ ثابت ہوا کہ یہ مہینہ اور دن افضل ہے، تو اس میں نیک کام بہت زیادہ کرنے چاہئے۔ نکاح وغیرہ خوشی کی تقریبات بھی اس میں زیادہ کرنی چاہئے، اس میں شادی کرنے سے برکت ہوگی؛ لیکن یہ بڑی بات اس لیے کہ بہت دنوں سے یہ غلط باتیں کوٹ کوٹ کر دل میں بھری ہوئی ہیں، سو سال کا رام بھرا ہوا جلدی سے نہیں نکلتا، وہ نکلتے ہی نکلتے نکلتا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت: شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کا حادثہ اگرچہ انتہائی المناک ہے، مگر شیعہ ذہنیت نے اسے حد سے زیادہ بڑھا دیا ہے، عام مسلمانوں کے اذہان میں یہ غلط بات جما دی گئی ہے، کہ دنیا میں شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ جیسا اور کوئی سانحہ واقع نہیں ہوا؛ حالاں کہ اس سے بدرجہا زیادہ مظلومیت کے بے شمار اندوہناک واقعات ہیں: مثال کے طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت دیکھئے، مدافعت پر پوری قدرت کے باوجود ظلم عظیم پر کس قدر صبر واستقامت کے ساتھ جان دے دیتے ہیں، کیا اس کی نظیر کہیں دنیا میں ملتی ہے؟ مگر مسلمان اس خلیفۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتنی بڑی مظلومیت سے اس قدر بے خبر ہے کہ گویا یہ فرش وعرش کو لرزا دینے والا سانحہ واقع ہی نہیں ہوا، کیا آپ نے کبھی کسی زبان کو اس مظلومیت کی داستان بیان کرتے ہوئے کسی کا اس طرف التفات،

کسی قلم کو یہ جانفگار حادثہ لکھتے ہوئے، اوراق تاریخ میں اس کی تفصیل دیکھنے کے لیے کسی نگاہ کی توجہ، اس مظلومیت پر کسی دل میں احساس درد اور کسی آنکھ کو کبھی اشکبار دیکھا ہے؟ اس سے بھی بڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقدامِ مبارکہ کا لہولہان ہونا، دانت مبارک کا شہید ہونا، چہرۂ انور کا زخمی ہونا، اور اس سے نہ رکنے والا خون جاری ہونا، انگلی سے خون بہنا اور بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کا شہید ہونا، دنیا بھر کے اولیاء اللہ کا خون نبی کے ایک قطرۂ خون کے برابر نہیں؛ مگر یہاں تو زبان، کان، قلم، نگاہ، دل اور آنکھ سب ایک ہی کرشمہ میں مست ہیں، نہ کسی دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ کی شہادت کسی شمار میں، نہ کسی نبی علیہ السلام کی، غور فرمائیں کہ یہ شیعیت کا زہر نہیں تو اور کیا ہے؟ (۱/۳۸۸، ۳۹۰)

شہادت کے قصے سننا اور سنانا: اس مہینہ میں دیگر خرافات کے ساتھ ایک یہ بھی ہے کہ اس مہینہ میں مجلس اور جلسے کئے جاتے ہیں، جن میں شہادت کے قصے سنے سنائے جاتے ہیں، اس میں ایک گناہ تو یہ ہے کہ اہل باطل کے ساتھ مشابہت ہوتی ہے جو شرعاً منع ہے؛ چناں چہ جب دسویں محرم کے روزے کے بارے میں بارگاہِ رسالت میں یہ عرض کیا گیا کہ اس میں یہود روزہ رکھتے ہیں، تو فرمایا کہ ایک روزہ اور ملالو، نویں یا گیارھویں، عبادت میں مشابہت کی اجازت نہ دی..... نیز یہ رونے رُلانے کے واقعات جو ان مہینوں میں سنائے جاتے ہیں، اکثر غلط ہیں، اس لیے ان کا سننا تو ویسے بھی ناجائز ہے، تاریخ پر اہلِ تشیع کا تسلط، تقیہ باز منافق شیعوں کا مسلمانوں میں گھس کر مَن گھڑت روایات کی اشاعت کرا کر اور مسلمانوں کا آل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیر معمولی محبت وعقیدت کی وجہ سے مظلومیت کی ہر داستان کو صحیح باور کر لینا، یہ ایسے امور ہیں کہ ان کی وجہ سے واقعۂ شہادت کی صحیح حقیقت کا انکشاف ناممکن ہے؛ حتی کہ بظاہر معتبر ومستند کتابوں میں

مندرجہ تفاصیل بھی قابل اعتماد نہیں، اکثر روایات آپس میں متضاد اور عقل واصولِ شرع کے خلاف ہونے کی وجہ سے یقیناً غلط ہیں؛ بلکہ نفسِ شہادت کے سوا اس کی تفصیل کا شاید ہی کوئی جزئیہ ایسا ہو جس کی صحت پر پورا اعتماد کیا جاسکے، جگر گوشۂ رسول ﷺ کو شہید کرنے والوں نے اپنی شقاوت پر پردہ ڈالنے اور حقیقت کو مسخ کرنے کی غرض سے جھوٹی روایات وضع کرنے میں اپنی مخصوص مہارت سے پورا کام لیا ہے۔ (۱/ ۳۹۲، ۳۹۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

یزید کی شخصیت کی تحقیق میں پڑنا

سوال: ① ایک شخص یزید کو حضرت یزید کہتا ہے، اس کے نام کے آگے ؒ۔ ؒ لکھتا ہے اور اسے جنتی کہتا ہے، اور ان سب کے ثبوت میں ''بخاری شریف'' کی ایک حدیث پیش کرتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میری امت کا وہ پہلا لشکر جو قیصرِ روم کے پایۂ تخت (قسطنطنیہ) میں جنگ کرے گا، اس کی مغفرت فرمادی گئی ہے، اس حدیث کی روشنی میں مذکورہ شخص کہتا ہے کہ قسطنطنیہ پر سب سے پہلے اول جہاد یزید ابن معاویہ نے کیا تھا، اس لیے وہ یعنی یزید ابن معاویہ جنتی ہے، اور اس کی مغفرت بھی ہو چکی ہے، اس لیے عرض خدمت یہ ہے کہ مذکورہ شخص کا کہنا کہاں تک صحیح ہے یا غلط؟ اور وہ جس حدیث کو پیش کر رہا ہے کیا اس جہاد میں اول یزید ابن معاویہ شریک تھا؟ مستند ومعتبر حنفی کتابوں سے جواب عنایت فرمائیں۔

(۲) امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یزید کی حیثیت کیا ہے؟ اس پر لعن طعن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) یزید کو امیر المومنین یا خلیفۃ المسلمین کہہ سکتے ہیں؟ کیا یزید متفقہ طور پر تخت سلطنت پر بیٹھا تھا، تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یزید کے فسق و فجور کے جانتے ہوئے کیوں خاموش تھے؟ اول امام حسین نے کیوں آواز حق بلند فرمائی؟

(۴) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات میں یزید تھا یا نہیں؟

(۵) واقعاتِ کربلا کن معتبر و مستند کتابوں سے ثابت ہے؛ نیز ''ابن خلدون، تاریخ طبری اور ناسخ التواریخ'' کی شرعی و تاریخی حیثیت معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے جن امور کے متعلق دریافت فرمایا ہے وہ ﴿لها ما كسبت وعليها ما اكتسبت﴾ میں داخل ہیں، ہمیں اس کا مکلف نہیں کیا گیا کہ گڑے مردے اکھاڑیں، ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہے، وہ جو چاہے کرے، ہمارے عمل وعقیدہ سے جس کا تعلق ہوگا، اسی سے بروز قیامت باز پرس ہوگی۔

محمود احمد عباسی صاحب کی کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' جب شائع ہوئی تھی، تب اس قسم کے سوالات پیدا ہوئے، اور اس زمانہ میں اس موضوع پر تفصیل سے لکھا جاچکا تھا۔ حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند) کا ایک مختصر مگر جامع رسالہ ''حقیقت یزید'' کے نام سے، اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سابق مہتمم دار العلوم دیوبند) کا ایک کتابچہ ''شہید کربلا اور یزید'' کے نام سے اسی زمانہ میں شائع ہوچکا ہے، ان دونوں کتابوں کا مطالعہ انشاء

اللہ آپ کے تمام سوالات کے حل کے لیے کافی ہوگا۔

اتنا یاد رہے کہ اس پُرفتن دور میں جب کہ عوام مسلمین دین اسلام سے برگشتہ ہوتے جارہے ہیں، اور اسلام دشمن طاقتیں اسلام و مسلمین کی بیخ کنی کے لیے متحد ہوکر ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں، اس قسم کی بحثوں کو چھیڑنا دین وملت کی کوئی خدمت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

تنبیہ: کتبِ تواریخ کی شرعی حیثیت کے سلسلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند ومفتیٔ اعظم پاکستان) نے اپنی تصنیف ''مقام صحابہ'' میں تفصیل سے بحث فرمائی ہے، اس کا مطالعہ فرمالیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ صفر ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

یزید کے متعلق ایک واقعہ کی تحقیق

سوال: میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذکر میں بچھو نے ڈنک مارا، اور اسی اثنا میں انھوں نے اپنی بیوی سے صحبت کی، اس سے یزید پیدا ہوا، کیا یہ صحیح ہے؟ حدیث میں اس کا کہیں تذکرہ ہے، یا کسی صحابی کا قول ہے، یا کسی تاریخ میں یہ واقعہ ہے؟ مفصل تحریر فرمائیں، شکر گزار ہوں گا؛ چوں کہ ایک صحابی پر جو کاتب وحی ہو، ایسی گندی باتیں ایمان کے مفقود کا سبب ہے، بینوا توجروا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

میرے علم میں نہیں ہے، کسی کتاب میں دیکھنا بھی یاد نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ

اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ صفر سنہ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تابعی ہونے کا ثبوت

سوال: جیسا کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صحابہ رضی اللہ عنہم سے ملاقات نہیں ہوئی، آپ ذرا بتائیں کتاب کا حوالہ دے کر، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کون کون سے صحابی سے ہوئی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "تبییض الصحیفة بمناقب ابي حنيفة" میں متعدد روایات نقل کی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس، حضرت عبداللہ ابن ابی اوفی، حضرت عبداللہ ابن الحارث ابن الجزء، حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہم وغیرھم سے روایات سنیں۔ امام ابوحنیفہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ (صحابی وخادم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو دیکھا ہے، اس کی تصریح ابن سعد صاحب طبقات نے اور حافظ ذہبی نے "تذکرة الحفاظ" میں حافظ ابن عبدالبر نے "الانتقاء" میں کی ہے، ان کے علاوہ کئی حضرات محدثین رحمہم اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے تابعی ہونے کی صراحت فرمائی ہے، مثلاً: حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابوالحجاج مزی رحمۃ اللہ علیہ، خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ سمعانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ، امام جزری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ بلقینی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ

قسطلانی وغیرہم۔ (قواعد في علوم الحديث ۳۰۶، ۳۰۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ رجب ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں وہ خود موجود تھے یا نہیں؟

سوال: حضرت علی رضی اللہ عنہ عقد نکاح کے وقت مجلس عقد میں موجود تھے کہ نہیں؟ نکاح کس نے پڑھا اور گواہ کون تھے؟ اس سلسلہ میں دو حوالے ہمارے پاس ہیں: السيرة النبوية والآثار المحمدية ۲/ ۱۰، البداية والنهاية لإبن كثير ۱/ ۲۰ اس کی عبارت براہِ کرم نوٹ کر کے ارسال کر دیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

آپ کی تحریر فرمودہ اول الذکر کتاب "السيرة النبوية" ہمارے پاس موجود نہیں ہے۔ "البداية والنهاية" کی پہلی جلد میں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح کا تذکرہ ہی نہیں ہے، اس میں امم سابقہ اور انبیاء سابقین کے حالات ہیں؛ البتہ جلد ثالث میں ۲ھ کے واقعات کے ذیل میں ۳۴۵/ پر "فصل في دخول علي بن ابي طالب علي زوجته فاطمة بنت رسول ﷺ" قائم فرما کر اس سلسلہ میں کچھ حالات تحریر فرمائے ہیں؛ لیکن اس پوری فصل میں مجلس عقد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حاضری یا غیر حاضری کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔ آگے جلد سادس میں ۳۳۲/ پر جہاں ۱۱ھ کے وقائع کا تذکرہ ہے، ان میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا ذکر ہے، وہاں بھی عقد نکاح کا سن، رخصتی اور اس وقت حضرت فاطمہ کی عمر وغیرہ کا تذکرہ فرمایا ہے؛ لیکن وہاں بھی مجلس

عقد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حاضری وغیر حاضری کا کوئی ذکر نہیں ہے، اس جگہ اخیر میں علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: و قد وردت أحاد يث موضوعة في تزويج علي بفاطمة لم نذكرها رغبة عنها (٦/٣٣٢) البتہ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کی "المواهب اللدنية" اور اس کی شرح زرقانی کی جلد ثانی میں شروع ہی میں "ذكر تزويج علي بفاطمة" کے ذیل میں جو حالات تحریر فرمائے ہیں، اس کا کچھ حصہ نقل کرتا ہوں:

قال أنس: ثم دعاني عليه الصلوة والسلام بعد أيام، فقال: أدع لي أبابكر وعمر وعثمان وعبدالرحمن بن عوف وعدة من الأنصار جماعة بينهم له، لا أنه قال: أدع عدة، ففي رواية ابن عساكر عن أنس بينا أنا عند النبي ﷺ إذ غشيه ا لوحي فلما سرى عنه قال: إن ربي أ مرني أن أزوج فاطمة من علي، فانطلق فأدع لي أبابكر وعمر وسمى جماعة من المهاجرين وبعددهم من الأنصار، فلما اجتمعوا وأخذوا مجالسهم أي قعد كل واحد في مجلسه اللائق به وكان علي غائباً عن هذا المجلس.الخ

(زرقاني على المواهب اللدنية ٢/٥)

زرقانی میں اس جگہ تفصیل ہے، اس کی تمام عبارت کا نقل کرنا دشوار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حضرت سلیمان علیہ السلام کی سونے کی مسجد

سوال: حضرت سلیمان علیہ السلام نے کوئی مسجد بنائی جو سونے اور چاندی کی تھی؟ یہ روایت کہاں تک صحیح ہے؟ اور کہاں بنائی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پوری مسجد تو سونے چاندی کی نہیں تھی؛ البتہ مسجد بیت المقدس کو سونے، چاندی اور یاقوت وجواہر سے مزین ومرصع فرمایا ہے، تفسیر مظہری میں بغوی کے حوالہ سے اس کی مکمل تفصیل سورۂ سبا کی آیت ﴿یعملون له مایشاء من محاریب﴾ کے ذیل میں بیان فرمائی ہے۔ تفسیر مظہری (۸ / ۱۳، ۱۴ مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی) کا مطالعہ فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مصر میں کون سے فرعون کی لاش محفوظ ہے؟

سوال: بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مصر میں فرعون کی نعش رکھی ہوئی ہے، اور بعض مولانا یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کو ہم اپنی آنکھ سے دیکھ آئے، تو کیا حقیقت میں فرعون کی نعش ابھی تک موجود ہے؟ اور یہ لوگ قرآن شریف کی آیت ﴿فالیوم ننجیك ببدنك﴾ الخ سے بھی اس کے بقاء پر استدلال کرتے ہیں تو کیا اس آیت میں نجات سے اس نعش کی نجات مراد ہے؟ ضروری رہنمائی کی جائے، ہمارے دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ مصر تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت نے فتح کیا ہے، ان حضرات سے اس بارے میں کوئی قول ہے کہ وہ لوگ اس نعش کو فرعون کی نعش کہتے ہوں یا کسی بزرگ وغیرہ کا اس بارے میں کوئی رد عمل؟ ضرور رہنمائی فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں کہ

”کچھ عرصہ ہوا اخباروں میں یہ خبر چھپی تھی کہ فرعون کی لاش صحیح سالم برآمد ہوئی اور عام لوگوں نے اس کا مشاہدہ کیا اور وہ آج تک قاہرہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے؛ مگر یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ وہی فرعون ہے جس کا مقابلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا تھا یا دوسرا فرعون ہے؛ کیوں کہ لفظ فرعون کسی ایک شخص کا نام نہیں، اس زمانہ میں مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون کا لقب دیا جاتا تھا، مگر کچھ عجب نہیں کہ قدرت نے جس طرح غرق شدہ لاش کو عبرت کے لیے کنارہ پر ڈال دیا تھا، اسی طرح آئندہ نسلوں کی عبرت کے لیے اس کو گلنے سڑنے سے بھی محفوظ رکھا ہو اور اب تک موجود ہو۔ (معارف القرآن ۴/ ۵۶۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

”دروس التاریخ“ کی دو عبارت کا حل

سوال: یہاں ”دروس التاریخ“ کی تدریسی خدمت احقر کے ذمہ ہے، جس میں احقر کو صفحہ ۶۹ پر ذکر کردہ ۲۷ نمبر کی حدیث ”ظلم الأجير أجره من الكبائر“ اور صفحہ ۷۰ پر مذکور ۳۸ نمبر کی حدیث ”في كل ذات كبد حرى أجر“ کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا ہے، حضرت والا اس کا بھی جواب مرحمت فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں گے، عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

”ظُلْمُ الأَجِيْرِ أَجْرَه من الكبائر“ ”مزدور کو اس کی مزدوری کم کرکے (گھٹا کر) دینا کبیرہ گناہ ہے“، ظلم مصدر ہے جس کی اضافت مفعول اول کی طرف ہوئی ہے، اور اجرہ اس کا مفعول ثانی ہے۔ ”في كل ذات كبدٍ حَرّى اجرٌ“ ہر گرم کلیجہ والے

(یعنی ہر جاندار) کے ساتھ بھلائی کرنے میں ثواب ہے، حرّی یہ حرّ کی طرف نسبت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ جمادی الاخری ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی صاحبزادی کی تکفین وتدفین میں شرکت

سوال: یہاں پر ہم نے ایک عرب سے سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک بیٹی کا انتقال ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگوں سے کہ ان کی آپ کفن دفن کرو اور خود کام کی مصروفیت سے شامل نہ ہو سکے کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ درست نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں ان میں سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہوئی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ بدر میں تشریف لے گئے تھے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا وحضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات کے وقت مدینہ منورہ میں موجود تھے۔ اور دونوں کی تدفین میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شریک ہوئے۔ رہا کفن پہنانا تو ظاہر ہے عورت کی تکفین عورتیں ہی کریں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک پر غلاف

آپ کی قبر مبارک پر جو غلاف چڑھا ہے، کیا صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے ہے؟ کیا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا حکم دیا تھا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مجھے یہ معلوم نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک پر غلاف ہے، قبر پر غلاف چڑھانے کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم نہیں دیا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی قبر مبارک پر غلاف ہونا ثابت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

كتاب التصوف والعمليات

بیعت کا فائدہ

سوال: دہلی مرکز کے حضرت جی عوام کو بیعت کرتے ہیں، بیعت کرنے میں اور بیعت ہونے میں فائدہ کیا ہے؟ تفصیل سے واضح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی ولی کامل سے رابطہ قائم کئے بغیر اول تو عامۂ پوری طرح احکام شریعت پر عمل ہوتا ہی نہیں، دوسرے اس میں اخلاص نہیں پیدا ہوتا؛ اسی وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے "وھلم جراً" رابطہ قائم کیا اور بیعت ہوئے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۱۳۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک پیر صاحب کی پیری مریدی کا شرعی جائزہ

سوال: ایک شہر میں ایک صاحب آتے ہیں کچھ لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت ہوتے ہیں، یہ اپنے سلسلہ کو سلسلۂ عالیہ مجددیہ نقشبندیہ کہتے ہیں، وہ اپنے مریدین کو ابتداءً درود وسیلتی "اللھم صل علی سیدنا محمد وسیلتی الیك وآله وسلم" کا ورد بتاتے ہیں، اس کے بعد درود سراجاً منیرا پڑھنے کو بتاتے ہیں۔ "اللھم صل علی سیدنا محمد السراج المنیر وآله وسلم" اس کی پابندی ہونے کے بعد درود سیفی "اللھم صل علی سیدنا محمد سیف اللہ علی الظالمین وآله وسلم" کا ورد بتاتے ہیں۔ ہر درود کے بعد مراقبہ، نیت اور اس کے علاوہ دیگر کچھ اوراد بھی بتاتے ہیں، کچھ

لوگوں کو "صلی اللہ علیك یا محمد" کا وظیفہ بتاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس طرح پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور یہ کہتے ہیں کہ ہماری بیعت بیعتِ رضوان اور بیعتِ رسول اللہ ﷺ ہے جو ٹوٹ نہیں سکتی، توڑنے والا مرتد ہوجاتا ہے۔ (اور اس قول کو امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرتے ہیں) اور ہماری بیعت توڑنے سے بہت نقصان ہوتا ہے جب کہ موجودہ دیگر مشائخ کی بیعت بیعتِ توبہ ہے جس کو توڑنے سے کوئی بڑا نقصان نہیں ہوتا۔

مذکورہ صاحب نے پالن پور کے قریب ایک گاؤں میں رہنے والے شخص کو جو عالم نہیں ہیں مجاز صحبت بنایا ہے، یہ صاحب مسجد کی جماعت کا اہتمام نہیں کرتے، اکیلے گھر پر یا جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، مسجد میں کبھی کبھار آجاتے ہیں، وہ بھی لوگوں کو وظائف بتاتے ہیں، اپنے سلسلہ کو پھیلانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں، کچھ لوگوں نے ان سے بھی یہی وظائف لے کر پڑھنا شروع کیا ہے اور کہتے ہیں کہ ہمیں بہت فائدہ ہو رہا ہے، کسی کا کہنا ہے کہ ان وظائف سے بیماری دور ہوجاتی ہے، اور کوئی اپنی پریشانی دور ہوجانے اور قرض ادا ہوجانے کی بات کرتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ اس سے اچھے اچھے خواب بھی آتے ہیں، کسی کا سحر ختم ہوگیا وغیرہ وغیرہ۔

صاحبِ مذکور شیخ کے متعلق ان کے علاقہ کے اہل حق علماء میں سے جو ان کو اور ان کے سلسلہ کو اچھی طرح جانتے ہیں، تحقیق کی گئی تو تقریباً دس مستند علمائے کرام نے بتایا کہ یہ شخص معتبر نہیں ہیں، نہ ان کا ہمارے مشائخ وعلماء سے کوئی خاص ربط ہے، ان کے سلسلہ کے کئی لوگوں کا مساجد سے انقطاع مشہور ومعروف ہے، ان کے علاقہ کے بعض

علماء نے بتایا کہ یہ اہل بدعت سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔

مذکور تمہید کے بعد اب عرض خدمت یہ ہے کہ کیا ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت ہونا درست ہے؟ کیا ایسے شخص سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کر سکتے ہیں؟ سوال میں مذکورہ اوراد ودرود پڑھنا جائز ہے؟ خصوصاً "صلی اللہ علیك یا رسول اللہ" کا ورد پڑھ سکتے ہیں؟ جو لوگ بیعت ہو چکے ہیں ان کو کیا کرنا چاہیے؟ ان میں سے بعض اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ہم کہیں مرتد نہ ہو جائیں، شریعت کی روشنی میں مفصل ومدلل جواب عنایت فرمائیں۔

مذکور صاحب کے شیخ اپنے مریدین کو صرف اپنی ذات، والدین، بیوی کے لیے دعا کرنے کو کہتے ہیں، ان کے علاوہ کسی کے لیے دعا کرنا منع سمجھتے ہیں، زیادہ سے زیادہ مغفرت اور ہدایت کی دعا کر سکتے ہیں، دوسرے شخص کی کسی مصیبت کو دور کرنے کی دعا کی تو اس کی مصیبت تمھاری طرف منتقل ہو سکتی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے سوال کا جواب دینے سے پہلے کچھ باتیں بطور تمہید پیش کی جاتی ہیں:

تصوف کی حقیقت:

(الف): حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ "دین کی جو تعلیمات تصوف وطریقت کے نام سے معروف ہوئیں وہ درحقیقت شریعتِ اسلام کا ایک اہم حصہ ہیں جن کے بغیر ایمان واسلام کامل ہو ہی نہیں سکتا، اور درحقیقت شریعت پر مکمل عمل کرنے ہی کا دوسرا نام طریقت وتصوف ہے، لیکن ایک عرصۂ دراز سے کچھ لوگوں

کی غفلت اور کم علمی سے اور کچھ غلط کاروں کی مداخلت سے اس کی حقیقت کچھ ایسی مبہم اور مختلط ہوگئی کہ کسی نے محض درویشوں کی چند رسوم وعادات کا نام تصوف رکھ لیا، کسی نے غیر اختیاری طور پر پیش آنے والے وجدی حالات وکیفیات ہی کو تصوف سمجھ لیا، کسی نے کشف وکرامات کا نام تصوف رکھ لیا اور بعض لوگوں نے غلطی سے اس طریق میں کچھ بدعت کے اعمال شامل کر لیے اور انھیں کو تصوف سمجھنے لگے، تصوف کا اصل مقصود اکثر لوگوں کی نظر سے اوجھل ہوگیا اور اس مقصود وغیر مقصود کے اختلاط سے طرح طرح کے نقصان پہنچے۔ (مقدمۂ خلاصہ وتسہیل قصد السبیل)

حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ نے تصوف وطریقت کی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے بہت سی تصانیف فرمائیں، پھر ان سب کا ایک مختصر مجموعہ ''قصد السبیل'' کے نام سے تصنیف فرمایا، جس کی تسہیل حضرت مولانا شاہ لطف رسول صاحب نے ''تسہیل قصد السبیل'' کے نام سے کی، پھر اس کا خلاصہ آسان زبان میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا، اسی میں تحریر فرماتے ہیں ''سلوک وطریقت جس کو عرف میں تصوف کہتے ہیں اس کی حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اپنے ظاہر وباطن کو اعمالِ صالحہ سے آراستہ کرے اور اعمال بد سے بچائے'' آگے اس عبارت کی تفصیل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: کہ اصل مقصود تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے اور اس کا ذریعہ شریعت کے حکموں پر پورے طور پر چلنا ہے، ان حکموں میں بعضے متعلق ظاہر کے ہیں، جیسے نماز، روزہ ..... اور بعضے متعلق باطن کے ہیں، جیسے: خدا تعالیٰ سے محبت رکھنا اور اس سے ڈرنا، خدا کو یاد رکھنا، دنیا سے محبت کم کرنا..... اور جس طرح احکام ظاہرہ نماز، روزہ وغیرہ پر عمل فرض وواجب ہے، اسی طرح ان احکامِ

باطنہ پر عمل بھی از روئے قرآن وسنت فرض وواجب ہے، اور باطنی خرابیوں سے بچنے کا اہتمام اس لیے زیادہ ضروری ہے کہ ان باطنی خرابیوں کا اثر ظاہری اعمال پر بھی پڑتا ہے، جیسے: اللہ کی محبت کم ہونے سے نماز میں سستی ہوگی یا جلدی جلدی رکوع سجدہ کا حق ادا کیے بغیر پڑھ لی.....الخ۔

خلاصہ یہ ہے کہ شریعت وطریقت دو الگ الگ چیزیں نہیں بلکہ شریعت کے تمام احکامِ ظاہرہ وباطنہ پر پورا پورا عمل کرنے کا نام ہی طریقت ہے۔ (۱۰،۱۱)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے فرمایا: ''شریعت بغیر طریقت کے نرا فلسفہ ہے اور طریقت بغیر شریعت کے زندقہ والحاد''۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''جس شخص کا ظاہر پاک نہ ہو اس کا باطن پاک ہو ہی نہیں سکتا''۔

ظاہر کے پاک ہونے سے مراد اعمالِ ظاہرہ کی پابندی جو علم فقہ میں بیان کی جاتی ہے، اور باطن کے پاک ہونے سے مراد اعمالِ باطنہ کی پابندی ہے، جن کا بیان علمِ تصوف وسلوک میں ہوتا ہے۔ (خلاصہ وتسہیل/ ۱۲)

بیعت کا بے جا استعمال:

(ب): بیعت دراصل کسی خاص کام پر عہد لینے کا نام ہے۔ (معارف القرآن ۸/ ۷۲)

بیعت کا شرعی معنی یہ ہے کہ ایسے شخص کے ہاتھ پر جو شریعتِ اسلامی کا متبع ہو، کسی دینی حکم کو سرانجام دینے کا عہد وپیمان کیا جائے۔ (فضل الباری ۱/ ۳۵۲)

تصوف وطریقت میں پہلا قدم پچھلے کئے ہوئے گناہوں سے مکمل توبہ کرنا ہے، اس لیے جو شخص کسی شیخ کے پاس مرید ہونے کے لیے جائے اس کا سب سے پہلا کام

تکمیلِ توبہ ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فان التوبة عن الذنوب بالرجوع إلى ستار العيوب وعلام الغيوب مبدأ طريق السالكين ورأس مال الفائزين وأول أقدام المريدين (احياء العلوم ۴/۲) (یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ جو ستار العیوب اور علام الغیوب ہے کی طرف رجوع کر کے اپنے گناہوں سے توبہ کرنا راہ سلوک میں چلنے والوں کی ابتداء، اور کامیابی حاصل کرنے والوں کی پونجی، اور مریدین کا سب سے پہلا قدم ہے۔) مشائخِ صوفیہ کے ہاتھ پر کی جانے والی بیعت کا خلاصہ آج تک احکامِ خداوندی کی بجا آوری میں ہوئی غفلت کی کوتاہی سے توبہ اور آئندہ اس کی بجا آوری کا عہد و پیمان ہے، اس لیے مشائخِ حقہ کے ہاتھ پر کی جانے والی بیعت کو بیعتِ توبہ کہہ کر اس کی اہمیت گھٹانا، اور اس کے متعلق یہ کہنا کہ اس کو توڑنے سے کوئی بڑا نقصان نہیں ہوتا، احکامِ شریعت سے ناواقفیت اور جہالت کی علامت ہے، اور ایسا کہہ کر لوگوں کو شریعت کی خلاف ورزی کے لیے راہ ہموار کرنا ہے۔

ذوالقعدہ ۶ھ میں مقامِ حدیبیہ میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر جو بیعت کی، اللہ تعالیٰ نے آیتِ کریمہ ﴿لقد رضى الله عن المؤمنين اذ يبايعونك تحت الشجرة﴾ الخ نازل فرما کر اس بیعت میں شریک ہونے والے تمام حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے اپنی رضا اور خوشنودی کا اعلان فرمایا، اسی لیے اس کو بیعتِ رضوان بھی کہا جاتا ہے۔ (معارف القرآن ۸/۸۰)

کسی کا اپنے یا اپنے شیخ کے ہاتھ پر ہونے والی بیعت کو بیعتِ رضوان سے تعبیر کرنا سیرتِ نبوی کے مندرجۂ بالا واقعہ اور سورۂ فتح کی مندرجۂ بالا آیت کے شانِ نزول سے ناواقفیت کی علامت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بڑا دعویٰ ہے، نیز اپنے ہاتھ پر

ہونے والی بیعت کے توڑنے والے کو مرتد سے تعبیر کرنا شریعتِ مطہرہ کی اصطلاحات سے ناواقفیت کے ساتھ ساتھ اس کا بے جا استعمال بھی ہے۔

پیری مریدی سے مقصود:

(ج): حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں، کہ ''پیری مریدی سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، اگر کوئی یہ سمجھتا ہو کہ پیر صاحب کے پاس عملیات بڑے اچھے ہیں: جب ضرورت ہوگی تعویذ گنڈے لے لیا کریں گے، یا پیر صاحب کی دعا قبول ہوتی ہے، مقدموں اور دنیا کی ضرورتوں میں ان سے دعا کرالیا کریں گے، یہ سب دنیا ہی کا چاہنا ہے''۔ (ماخوذ از خلاصہ وتسہیل قصد السبیل)

اس لیے بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ ان وظائف سے ہمیں بہت فائدہ ہو رہا ہے، بیماری دور ہو جاتی ہے یا قرض ادا ہو جاتا ہے، سحر ختم ہو جاتا ہے، اچھے خواب نظر آتے ہیں، یہ ساری باتیں راہِ سلوک وتصوف سے ہٹ کر ہیں، ان میں سے کوئی چیز اس سلسلہ کی فضیلت پر دلیل نہیں بن سکتی۔

اس فن کی کتابوں میں پیر کامل کی جو علامتیں بتلائی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ کامل ہونے کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی دنیا کی ایک شاخ ہے۔ (ایضاً ۱۸) ایک علامت یہ ہے کہ اس زمانے کے منصف مزاج علماء اور درویش اس کو اچھا جانتے ہوں۔ (ایضاً ۱۹) ایک علامت یہ ہے کہ عام لوگوں کی بہ نسبت خاص لوگ یعنی جو سمجھ دار اور دین دار ہیں، وہ لوگ اس کے زیادہ معتقد ہوں۔ (ایضاً ۱۹) نیز اس کے مریدوں میں اکثر مرید شرع کے پابند ہوں۔ (ایضاً ۱۹) نیز اس کے پاس چند روز بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور اللہ کی محبت میں زیادتی معلوم ہوتی ہو۔ (ایضاً ۱۹)

آپ نے سوال میں جو حالات بیان کیے ہیں وہ ان تمام علامتوں کے خلاف ہونے کے ساتھ ان کا اپنے سلسلہ کو پھیلانے کی بھرپور کوشش کرنا اور اپنی بیعت کو بیعتِ رضوان سے تعبیر کرنا یہ بہ الفاظِ دیگر اپنے کامل ہونے کا دعویٰ نہیں تو اور کیا ہے؟

اوروں کے لیے دعا سے منع کرنا:

(د) شخصِ مذکور کا اپنے مریدین کو اپنی ذات، والدین اور بیوی کے علاوہ کسی کے لیے دعا کرنے سے منع کرنا اور یہ کہنا کہ دوسرے شخص کی کسی مصیبت کو دور کرنے کی دعا کی تو اس کی مصیبت تمھاری طرف منتقل ہوسکتی ہے، تعلیماتِ شرع کے خلاف ہے؛ اس لیے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوتِ نازلہ مشروع فرمایا، مصیبت میں گرفتار لوگوں کی مصیبت دور کرنے کے لیے نماز کے اندر دعا کا اہتمام کرایا گیا، اور فقہاء نے بھی اس کو، اس کے مسائل کو مستقل طور سے کتبِ فقہ میں بیان فرمایا ہے۔

مسجد کی جماعت کے تارک پیر کا حکم:

(ھ) مسجد کی جماعت کا اہتمام نہ کرنا بہت خطرناک چیز ہے، فقہاء نے پنج وقتہ فرض نمازوں کو مسجد کے اندر جماعت سے ادا کرنا ایسی سنتِ مؤکدہ جو واجب کے قریب ہے بتلایا ہے، بلا عذر ایک بار بھی چھوڑ دے تو گنہ گار، اور سزا کا مستحق بتلایا ہے، اور کئی بار چھوڑنے والے کو فاسق اور مردود الشہادت اور واجب التعزیر قرار دیا ہے۔

درمختار شرح تنویر الابصار میں ہے:

والجماعة سنة مؤكدة للرجال وقيل واجبة،وعليه عامة اى عامة مشائخنا وبه جزم فى التحفة وغيرها، قال فى البحر وهو الراجح عن اهل المذهب (درمختار على هامش الشامى ١/ ٤٠٨ تا ٤١٠) وفى الشامية: قال فى شرح

المنية والاحكام تدل على الوجوب من ان تاركها بلاعذر يعزر وترد شهادته ويأثم الجيران بالسكوت عنه (شامی ۱/ ۴۰۸) (قوله قال فی البحر الخ) وقال فی النهر هو اعدل الاقوال واقواها ولذا قال فی الاجناس لاتقبل شهادته اذا تركها استخفافا ومجانة، اما سهوا او بتأويل ككون الامام من اهل الاهواء او لا يراعی مذهب المقتدی فتقبل اه ط (۱/ ۴۱۰)

مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے:

قال: لقد رأيتنا ومايختلف عن الصلوٰة الامنافق قد علم نفاقه، او مريض ان كان المرض ليمشی بين رجلين حتی يأتی الصلوٰة وقال: ان رسول الله ﷺ علمنا سنن الهدیٰ وان من سنن الهدیٰ الصلوٰة فی المسجد الذی يؤذن فيه، وفی رواية قال: من سره ان يلقی الله تعالیٰ مسلما فليحافظ علی هؤلاء الصلوات حيث ينادی بهن فان الله شرع لنبيكم سنن الهدیٰ وانهن سنن الهدیٰ ولو انكم صليتم فی بيوتكم كمايصلی هذا المتخلف فی بيته لتركتم سنة نبيكم ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم. الخ

(مسلم شريف مع فتح الملهم ۲/ ۲۲۲)

احسن الفتاویٰ میں مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ”کہ غیر معذور کے لیے جماعتِ مسجد میں حاضری ضروری ہے، محلہ میں مسجد ہوتے ہوئے بلا عذر گھر میں جماعت کرنے سے جماعت کا ثواب نہیں ملے گا، بلکہ یہ فعل بدعت اور مکروہ ہے بالخصوص اس کی عادت بنا لینے میں کراہت شدید ہے“۔ (احسن الفتاویٰ ۳/ ۲۷۲)

آگے تحریر فرماتے ہیں: غیرِ مسجد میں اقامتِ جماعت کی کراہت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مساجد کی ویرانی کا باعث ہے، قرونِ مشہود لہا بالخیر بلکہ اس کے بعد بھی اسلافِ

امت میں غیرِ مساجد میں بدونِ عذر اقامتِ جماعت بالخصوص علی سبیل العادۃ کی کوئی نظیر نہیں ملتی، صرف یقینی منافق اور شدید مریض ہی جماعت سے پیچھے رہتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت مذکورہ میں گزرا، صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ کسی کو امامت کا حکم دے کر خود ایسے لوگوں کی طرف تشریف لے جائیں جو جماعت میں شریک نہیں ہوئے، اور ان کو ان کے گھروں میں بند کر کے گھروں کو جلا ڈالیں، اگر غیرِ مسجد میں اقامتِ جماعت معروف ہوتی تو کیا ان متخلفین کے لیے یہ عذر قبول نہ ہوتا کہ انھوں نے گھر میں جماعت کر لی ہے۔

غرضیکہ احادیثِ صحیحہ اور اسلافِ امت کے تعامل وعباراتِ فقہاء رحمہم اللہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ضروری ہے''۔

(احسن الفتاوی ۳/ ۲۷۲، ۲۷۳)

حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''جماعت کی نماز سنتِ مؤکدہ ہے واجب کے درجہ میں، بلا عذرِ شرعی ترکِ جماعت شرعاً بہت مذموم ہے، اور اس کی عادت ڈالنا قبیح ہے، اور نفاق کی علامت ہے، اس سے آدمی مردود الشہادت ہو جاتا ہے، جو پیر متبعِ سنت نہ ہو وہ خود پیر کا محتاج ہے، وہ اس لائق نہیں کہ کوئی اس سے مرید ہو، کوئی طالبِ حق اپنے آپ کو خراب نہ کرے''۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۹۲)

ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''غرض خدائے پاک کی بارگاہ میں تو وہ چیزیں مقبول ہیں جو اتباعِ سنت کے ساتھ ہوں، ورنہ مقبول نہیں، آگے تحریر فرماتے ہیں: ''یارب یا اللہ کی طرح، یا محمد یا رسول اللہ پکارنا درست نہیں، بالکل منع ہے، غرض ایسے حلقوں اور ایسے پیروں سے جدا رہنا چاہیے''۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/ ۲۰)

شخصِ مذکور کے حالات سے اس علاقہ کے جو اہلِ حق علماء واقف ہیں ان کا اس کے متعلق یہ بتلانا کہ یہ شخص معتبر نہیں بہت اہم ہے، اس کے بعد بھی شخصِ مذکور کے ساتھ اصلاحی تعلق قائم کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مرشد کے پانچ شرائط، مرشد کا مریدہ کے گلے ملنا

سوال: ایک شخص پیرومرشد ہے اور اس کے چہرے سے سنتِ رسول ﷺ غائب ہے، کیا ایسا شخص پیرومرشد ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور پیر صاحب اپنے مریدین کے گھر جاتے ہیں، تو عورت اور مرد ان کے ہاتھ اور پیشانی کو بوسہ دیتے ہیں اور گلے ملتے ہیں، عورتوں کا کسی غیر محرم سے گلے ملنا کیسا ہے؟ اور مرد وعورت دونوں کا پیر چھونا کیسا ہے؟ اور اس سنت رسول ﷺ سے محروم پیرومرشد کے بارے میں مفتیانِ دین کیا فرماتے ہیں؟ آپ سے میری دردمندانہ درخواست ہے کہ آپ کتاب وسنت کی روشنی میں اس مسئلہ کو سمجھائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ عزیزی میں لکھا ہے (جس کا ترجمہ یہ ہے) کہ مرید ہونا اس سے درست ہے جس میں پانچ شرطیں پائی جاتی ہوں: ① کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کا علم رکھتا ہو، خواہ پڑھ کر، خواہ کسی عالم کی صحبت میں رہ کر اس سے سن کر یاد کیا ہو۔ ② عدالت وتقویٰ کے ساتھ موصوف ہو، کبائر اور

صغائر پر اصرار سے باز رہتا ہو۔ ③ دنیا سے بے رغبت اور آخرت میں راغب ہو، طاعاتِ مؤکدہ اور صحیح احادیث میں وارد شدہ اذکار کا پابند ہو۔ ④ اچھائیوں کا حکم کرتا ہو، برائیوں سے روکتا ہو۔ ⑤ مشائخِ سلسلہ کی خدمت میں ایک مدت رہ کر سلوک سیکھا اور اجازت حاصل کی ہو۔ جس میں یہ پانچ شرطیں پائی جاویں، اس سے بیعت ہونا درست ہے۔ (فتاوی عزیزی ۲/ ۱۰۲)

داڑھی منڈانا یا اس طرح کتروانا کہ ایک مشت سے کم رہ جائے حرام ہے اور اس کا مرتکب فاسق ہے۔ غیر محرم عورتوں سے گلے ملنا حرام ہے، ایسا شخص فاسق ہے، اس سے بیعت ہونا ناجائز ہے۔ نبی کریم ﷺ نے کبھی اجنبی عورت کو ہاتھ نہیں لگایا، کسی عورت کے ہاتھ کو ہاتھ میں لے کر بیعت نہیں فرمایا۔ (فتاوی محمودیہ ۱/ ۱۳۲، ۱۳۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

لفظ عشق ومحبت کا استعمال

سوال: لفظ عشق اور محبت میں کیا فرق ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول اللہ ﷺ کے لیے لفظ عشق استعمال کرتے ہوئے یوں کہنا صحیح ہے کہ ہمیں اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ عشق ہے؟ کیا قرآن وحدیث میں لفظ عشق کو اللہ ورسول ﷺ کے لیے استعمال کیا گیا ہے؟ کیا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس لفظ عشق کو اللہ ورسول ﷺ کے لیے استعمال کیا؟ حالاں کہ عشق (س) اور حب (س) دونوں عربی کے الفاظ ہیں، باوجود اس کے

حب کا لفظ قرآن وحدیث میں بکثرت ملتا ہے تو لفظ عشق کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عشق کا لفظ وفورِ محبت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ''المعجم الوسیط'' میں ہے:

عشِقه عِشْقا، وعَشَقاً ومَعْشَقاً، أحبه أشد الحب فهو عاشق. (٦٠٣)

''قاموس'' میں ہے: العشق، المعشق كمقعد عجب المحب المحبوبه أو افراط الحب. (٧/١٣ تاج العروس)

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ (خلیفہ حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں: محبت جب شدت پکڑ لیتی ہے تو اسی کا نام عشق ہے۔ (معرفت الٰہیہ ١٦٥)

قرآن میں تو لفظ عشق آیا ہی نہیں ہے، چاہے اللہ تعالیٰ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہو، یا دوسروں کے لیے، اور حدیث صحیح میں بھی بقول علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ لفظ عشق وارد نہیں ہوا ہے۔

ولا يحفظ عن رسول الله ﷺ لفظ العشق في حديث صحيح البتة.
(زاد المعاد ٣ /٣٢٥)

رہا صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے اس کا خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں استعمال، تو اس کا جواب اثبات ونفی میں دشوار ہے، اثبات میں تو اس لیے کہ میرے علم میں ایسا استعمال نہیں ہے، اور نفی میں اس لیے کہ اس کے لیے استقراءِ تام کی ضرورت ہے، جو احقر کو حاصل نہیں ہے۔

اب یہ سوال کہ اس لفظ کو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں استعمال کرنا کیسا

ہے؟ تو عربی زبان میں اس کا استعمال خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں میری نظر سے نہیں گزرا، باری تعالیٰ کے حق میں اس لفظ کو استعمال کرنے کے سلسلہ میں علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے اختلاف نقل کیا ہے۔

وقد اختلف الناس هل يطلق هذا الاسم في حق الله تعالىٰ؟ فقالت طائفة من الصوفية: لا بأس بإطلاقه، وذكروا فيه اثراً لا يثبت، وفيه فإذا فعل ذلك عشقني وعشقته وقال جمهور الناس: لا يطلق ذلك في حقه سبحانه وتعالىٰ فلا يقال إنه يعشق، ولا يقال عشقه عبده، ثم اختلفوا في سبب المنع على ثلاثة أقوال: أحدها عدم التوقيف بخلاف المحبة الثاني: أن العشق إفراط المحبة ولا يمكن ذلك في حق الرب تعالىٰ الثالث: أنه مأخوذ من التغير كما يقال للشجرة المذكورة عاشقة، ولا يطلق ذلك على الله سبحانه وتعالىٰ (روضة المحبين ۲۹،۲۸ بیروت)

البتہ فارسی اور اردو زبانوں میں بزرگوں کے کلام میں اس لفظ کا استعمال خدا و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں کیا گیا ہے، مثلاً فارسی میں مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے دو شعر مشہور ہیں:

عشق باحی وباقیوم دار		عشق بامردنباشد پائیدار
عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود		گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود

حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں کئی جگہ یہ شعر ملتا ہے:

ہرچہ جز عشق خدائے احسن است		گر شکر خوردن بود جان کندن است

(مکتوبات دفتر اول مکتوب نمبر ۷۳، ومکتوب نمبر ۸۳، ومکتوب نمبر ۱۳۳)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قصیدہ نعتیہ عربی زبان میں ہے اور اس کی

شرح وترجمہ فارسی زبان میں خود حضرت موصوف کا ہے، اس میں فرماتے ہیں: فصل دہم در بیانِ عشق آنجناب ﷺ۔ (أطيب النغم في مدح سيد العرب والعجم ۲۰)

آگے اسی قصیدہ کے ایک شعر "سأذكر حبي للحبيب محمد، إذا وصف العشاق حب الحبائب" کا ترجمہ فرماتے ہیں: یعنی بیان خواہم کرد عشق خود را بہ نسبت آں حضرت ﷺ؛ وقتیکہ بیان کنند عاشقاں دوستیٔ معشوقہا را۔ (۲۱)

اسی قصیدہ کا آخری شعر اور اس کا ترجمہ وتشریح حضرت موصوف کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے: وليس ملوما عيّ صب أصابه، غليل الهوى في الاكرمين الأطائب۔ یعنی نیست ملامت کردہ شد، زبان بند شدن عاشقی، کہ رسیدہ باشد اورا سوزشِ عشق در مدح بزرگاں و پاکاں، و دریں بیت اشارست بختم سخن، و عجز ادائے مدح کہ لائق آنجناب باشد بدو سبب: یکے آنکہ عشق مقتضی سکوت است، دیگر آنکہ مدحِ بزرگاں و پاکاں را پایانی نیست۔ (۳۲)

اسی طرح اردو زبان میں بھی علمائے حقہ کی تصانیف اور ان کے کلام میں اس لفظ کی نسبت خدا اور رسول کی طرف موجود ہے، جو آپ کی نظر سے بھی گذری ہوگی، پھر بھی ایک دو نمونے پیش کرتا ہوں: حضرت اقدس حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قصیدہ نعتیہ جو "قصیدۂ بہاریہ" مشہور ہے، اس میں یہ اشعار بھی ہیں:

وہ تیرِ غم عشق کا مرے دل میں ہزار پارہ ہو
دل خون دل میں ہو سہ شار
لگے وہ آتش عشق اپنی جان میں جس کی
جلادے چرخ ستمگر کو ایک ہی جھونکا

تمھارے عشق میں رو رو کے ہوں نحیف
اتنا کہ آنکھیں چشمۂ آبی سے ہوں دروں غبار

حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر ومرشد حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں: حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا کہ ''اَمَنَّا'' معنیٰ میں ''عشقنا'' کے ہے، اب سوال یہ ہے کہ پھر ''عشقنا'' کیوں نہیں فرمایا؟ تو بات یہ ہے کہ لفظ عشق چوں کہ شعرائے عرب میں نفسانی محبت کے لیے مستعمل ہوتا تھا، اس لیے حق تعالیٰ نے اس کو شدتِ محبت سے تبدیل فرما کر ﴿اشد حبا لله﴾ فرمادیا۔

(معرفت الٰہیہ ۱۶۵)

نیز صوفیاء کے یہاں عشق کی دو قسمیں حقیقی اور مجازی معروف ہیں اور عشق حقیقی میں اس لفظ کی نسبت باری تعالیٰ کی طرف بھی ہوتی ہے، اب اگر فارسی اور اردو میں اس لفظ کا استعمال خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کیا جائے، تو شرعاً کوئی ممانعت نہیں؛ بلکہ جائز ہے، اس لیے کہ یہ ممکن: بلکہ واقع ہے کہ کوئی لفظ اصالۃً جس زبان سے آیا ہے، اس میں اس کا استعمال ایک معنی میں ہو اور دوسری زبان میں منتقل ہونے کے بعد دوسرے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے، یا سابقہ معنی میں تعمیم یا تخصیص ہوگئی ہو، اس لیے کہ اس کا مدار استعمال اور اصطلاح پر ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

والشيء إذا انقطع رواجه في الناس لا تكاد تدري حقيقته، كالليف، فإنه غير مستعمل في الحشو في ديارنا، فتحير في حقيقته بعضهم وحقيقته هذا (درخت کھجور کے ساتھ ایک جالی ہوتی ہے، اسے کاٹ کر تکیہ میں بھرتے ہیں) وكذلك

يشكل الأمر عند تبدل الاصطلاح كالجيب فإنه عند العرب بمعنى (گريبان) وفي أهل الهند بمعنى (كيسه) وكالخف فإنه عند العرب من الجلد، وترجمته فى الفارسية (موزه) مع أنه في اصطلاحنا يكون من الكرباس، ولا يقطع فيه السفر؛ بل يستعمل لحفظ الرجل من القر، والحر، والغبار، والتراب، وغيرها وكالقميص فإنها عند العرب ثوب سابغ يضرب الكعبين، وفي ديارنا قصير جداً يضرب الفخذين، ومن لا يدرى الاصطلاحين يظن أن قميص صحابة النبي ﷺ أيضا كان إلى الفخذين (فيض البارى، ٤/ ٣٧٥)

استعمال واصطلاح بدل جانے سے حکمِ شرعی بدل جانے کی کئی مثالیں کتبِ فقہ میں موجود ہیں، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ''نشر العرف'' میں اس موضوع پر تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کسی عمل کے ثواب پر خوشی حظ نفس نہیں

سوال: بعد سلام عرض یہ ہے کہ قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے خطبات میں کہ عمل کے لوجہ اللہ ہونے کے لیے دو چیزوں کی رعایت ضروری ہے: ایک اخلاص، یعنی: خالص اللہ کے لیے ہو، ریاء یا شہرت کے لیے نہ ہو، اور حظ نفس کے لیے بھی نہ ہو، تو حظ نفس کا معنی لکھیں کہ حظ نفس سے کیا مراد ہے؟ اور اگر کوئی انسان اعمال کرے اور اس کے اوپر جو اجر وثواب آخرت میں ملنے والا ہے اس کے اوپر خوش رہے، تو اس کا یہ اجر وثواب پر خوش رہنا حظ نفس میں داخل ہے یا نہیں؟ یعنی آخرت والے اعمال کے کرنے پر خوش رہے تو یہ حظ نفس میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آخرت کا اجر وثواب شرعاً مطلوب ہے، اور انسان اس کی تحصیل کا مامور ہے، اس لیے اعمالِ آخرت کے اپنے ذریعہ ہونے پر خوش ہونا حظ نفس نہیں؛ بلکہ علامتِ ایمان ہے۔ عن أبي أمامة أن رسول الله ﷺ سئل ما الإيمان؟ فقال من سرته حسنته، وساء ته سيئته فهو مومن (رواه الحاكم في المستدرك) حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا ایمان کی علامت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو اپنی نیکی بھلی لگے، اور برائی بری معلوم ہو، بس یہ اس کی علامت ہے کہ وہ مومن ہے۔ (ترجمان السنۃ ۲/ ۲۲۴)

''حظِ نفس'' کا مطلب اپنے نفس کی خواہش پوری کرنا جس کام میں پیش نظر ہو، اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری مقصود وپیش نظر نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مصلح سے اصلاحی تعلق اور حضوری

سوال: عرض یہ ہے کہ حضرت وہ ذکر جو کسی شیخ نے تجویز کر کے دیا، اور اس سے جو خدا کا دھیان رہنے لگے اس کے اوپر تو ثواب ہو، اور وہ ذکر جو تصوف کی کتابوں میں دیکھ کر کیا ہو اور اس سے جو خدا کا دھیان رہنے لگے اس کے اوپر ثواب ہے یا نہیں؟ (دھیان کے بارے میں ثواب کا پوچھنا مطلوب ہے، نہ کہ ذکر کے بارے میں، یعنی حضوری اور یادداشت کے بارے میں) اور اگر کوئی آدمی شیخ کو تلاش نہ کرے یا شیخ مل

نہ سکے، اور اسی طرح ذکر کرتا رہے اور جو حضوری حاصل رہے اس پر ہمیشہ تک ثواب ملے گا یا نہیں؟ مراد ہر جگہ عبادت میں شیخ کے عدم تجویز کئے ہوئے ذکر پر جو حضوری ہو اس کے اوپر ثواب کا پوچھنا مطلوب ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

احکامِ شریعت کی دو قسمیں ہیں: (۱) ظاہر سے متعلق۔ (۲) باطن سے متعلق۔ اعمالِ باطنہ کا وجود قرآن وحدیث سے ثابت ہے، اور ہر شخص کا وجدان بھی اس کی شہادت دیتا ہے، علاوہ ازیں مسلمات عقلیہ اور متفق علیہ حقائق میں سے ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے: ﴿وذروا ظاهر الاثم وباطنه﴾ اس کے علاوہ حسد، کبر، ریا، حبِ مال، حبِ جاہ وغیرہ رذائل، اور ان کی متقابلات صفات محمود، اخلاقِ رذیلہ سے تخلیہ اور اخلاق حمیدہ سے تحلیہ کا حکم ہے، اول کے علاج اور دوم کی تحصیل کے طرق قرآن وحدیث میں بار بار بکثرت مذکور ہیں، بس ان اعمال باطنہ، یعنی: رذائل کے امالہ، اور اخلاق حمیدہ کی تحصیل سے متعلق علم کا نام تصوف ہے۔

مصلح کا کام یہ ہے کہ وہ کسی شخص میں مرض کی تشخیص کر کے نسخہ تجویز کر دیتا ہے، مرض اور علاج تو منصوص ہے، مرض کی تشخیص اور نسخہ کی تجویز مصلح کرتا ہے۔ اس کے علاوہ مصلح بعض ایسی تدابیر اختیار کرتا ہے جن کا تعلق فراست اور تجربہ سے ہے۔ مصلح نہ ملنے کی شکایت اس کی دلیل ہے کہ علاج کی فکر نہیں، اور مرض کو مرض نہیں سمجھا جا رہا، امراضِ جسمانیہ کے علاج کی تو یہ حالت ہے کہ ذرا سا پیٹ میں درد ہو تو ہر شخص معالج نظر آنے لگتا ہے؛ مگر آخرت کی فکر نہیں، اس لیے معالج نہ ملنے کی شکایت کی جاتی ہے، کیا یہ اللہ

تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت نہ ہوگی کہ امراضِ باطنہ تو پیدا فرمادیے؛ مگر معالج کوئی بھی پیدا نہیں فرمایا۔ اگر یوں کہا جائے کہ جب امراضِ باطنہ کا علاج قرآن وحدیث میں موجود ہے تو علماء اپنا علاج خود ہی کرسکتے ہیں، کسی کے ساتھ اصلاحی تعلق رکھنے کی ضرورت نہیں، یہ خیال اس لیے صحیح نہیں کہ اولاً: قرآن وحدیث میں مذکور نسخوں کو صرف اہل فن ہی جانتے ہیں، دوسرے علماء کی وہاں تک رسائی نہیں۔ ثانیاً: جیسے امراضِ جسمانیہ کا علاج صرف کتب طب کے مطالعہ سے نہیں کیا جاسکتا؛ بلکہ اس کے لیے کسی ماہر فن کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، اسی طرح امراض باطنہ کا علاج بھی بدون صحبت کامل کے نہیں ہوسکتا۔ (احسن الفتاویٰ ۱/ ۵۴۶، ۵۴۷ ملخصاً)

آپ جس کو حضوری سے تعبیر فرمارہے ہیں وہ واقعۃً حضوری ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ بھی شیخ کامل ہی کرسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سلبِ خلافت کے بعد بیعت کرنا

سوال: زید نے بکر کو خلافت مجاز بایں طور پر عطا کی، زید کہتا ہے کہ میں نے بکر کے ساتھ پندرہ سال حج کا زمانہ گزارا، اس دوران اللہ سے دل سے دعا کرتا تھا کہ ہمارے حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سلسلہ چشتیہ کے لیے بکر کو قبول فرمالے، اس لیے قطب عالم حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے بکر کو بہت زیادہ محبت ہے اور بکر بعینہ امورِ تشریعی میں حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر ہے، امور تکوینی میں مجاز کا بھی اثر کبھی حضرت حکیم

الامت رحمۃ اللہ علیہ کا ظاہر ہوتا ہے، اور شریعت کا بھی خوب لحاظ رکھتے ہیں؛ چناں چہ بے ساختہ دل پر مکۃ المکرمہ میں ورود ہوا کہ چل کر بکر کو میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی تلقین وبیعت کی اجازت رکھوں، پھر ایک سال بعد ستائیسویں شب رمضان المبارک مدینہ میں بہت ہی رسخ اور منظور ہو گیا، اس خلافت کو مصلحتاً ظاہر نہ کیا، پھر کامل تسلی ہونے پر ظاہر کیا، اور الحمد للہ بکر نے اس خلافت کو قبول فرمالیا۔

① کیا باعتبار ورود خلافت کسی کے کہنے پر سلب کی جاسکتی ہے، جبکہ سلبِ خلافت کا ورود نہ ہوا ہو؟

② کیا کسی کے کہنے پر خلافت سلب کرنے کے بعد بکر کو بیعت وتلقین کا حق حاصل ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔ کیوں کہ سلب خلافت کا ورود نہیں ہوا، لہٰذا کسی کے کہنے پر خلافت سلب نہیں کی جاسکتی۔ دوسرے یہ کہ کیوں کہ خلافت سلب نہیں ہوئی، لہٰذا بکر کو بیعت وتلقین کا حق حاصل ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① حضرت حکیم الامت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اجازتِ تلقین وبیعت دینے کے بعد اس کے واپس لینے کا بھی مستقل دستور تھا اور یہ واپسی اور سلبِ اجازت مختلف اسباب کی بناء پر ہوتی تھی، اس لیے شیخ محق نے اگر اجازت دینے کے بعد واپس لے لی، تو ظاہر ہے اس کا یہ اقدام مبنی برحق ہے، ورنہ اس کا مبطل ہونا لازم آتا ہے۔ نیز کسی مرید کا اپنے شیخِ طریقت کے متعلق اس قسم کا سوال کرنا یہ اپنے شیخ پر ایک نوع کا اعتراض ہے، جو گستاخی ہے اور ایسی گستاخی کے نتیجہ میں شیخ کے ساتھ جو

نسبت ہوتی ہے، وہ منقطع ہوجاتی ہے، جیسا کہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ نے ''انفاسِ عیسیٰ'' میں تصریح فرمائی ہے۔

(۲) بکر کو بیعت وتلقین کا حق بربنائے اجازت حاصل ہوا تھا، اب جبکہ شیخ نے وہ اجازت کھینچ لی، تو وہ حق ختم ہوگیا، اس لیے سلبِ اجازت کے بعد بکر کے لیے جائز نہیں کہ زید کے سلسلہ میں لوگوں کو بیعت کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ

دین ودنیا کا فرق

(سوال): ایک اشکال ہے یہ ہے کہ دنیا وآخرت میں بالکل تضاد ہے، یا یہ کہ ایسی بات نہیں ہے، تضاد سے مراد یہ ہے کہ اگر ایک آدمی دنیا کے حصول میں مصروف ہو تو نہ ذکر واذکار قابل قبول ہوں، نہ صلوٰۃ وتلاوت، یا یہ کہ ایسا نہیں ہے۔ دیگر یہ کہ صوفیائے کرام کا دنیا کے بارے میں کیا نظریہ ہے؟ یعنی وہ کتنی مقدار دنیا میں مصروف رہتے ہیں آیا ضرورت کی مقدار یا اس سے زیادہ؟ دیگر یہ کہ ایک آدمی ہے جو سلوک الی اللہ میں مصروف ہے اور ضرورت کی مقدار دنیا حاصل کرلیتا ہے: لیکن اس کی عورت ہے جو دنیا کے حصول کی سعی میں مجبور کرتی ہے، دنیا کے حصول سے مراد آخرت کو چھوڑ کے جو ہے وہ سب کچھ، چاہے مال ہو، جاہ ہو یا اور کچھ ہو، اب اگر آدمی اس کی بات نہ مانے تو وہ ناراض ہوتی ہے، اور معاملہ یہاں تک جاتا ہے کہ اس کو چھوڑ کر دوسرے سے شادی کر لے گی، تو کیا وہ آدمی اس بیوی کو چھوڑ دے یا یہ کہ اس کی بات مان لے، یعنی دنیا کمانے میں لگ جائے، اور سلوک الی اللہ کو چھوڑ دے، کونسا پہلو اختیار کرے، ان تینوں شق کا

جواب مرحمت فرمائیں۔

مرد کو تو زائد از ضرورت کمانے کی قطعاً خواہش نہیں لیکن اس کی عورت نہ مانے تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آدمی کو موت سے پہلے پہلے (یعنی زندگی میں) جو کچھ احوال پیش آتے ہیں، اور جو امور اس کو لاحق ہوتے ہیں، وہ سب دنیا کہلاتے ہیں، اور موت کے بعد جو کچھ ہوتا ہے، وہ سب آخرت کہلاتا ہے۔ امور تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ چیزیں جو آدمی کے ساتھ اس عالم میں چلی جاتی ہیں، وہ علم دین اور نیک عمل ہے جو خالص حق تعالیٰ شانہ کے واسطے کیا گیا ہو، یہ دونوں چیزیں خالص آخرت اور دین ہی ہیں، دنیا نہیں ہیں؛ اگرچہ آدمی کو اس میں لذت آتی ہو، اور جن لوگوں کو ان میں لذت آجاتی ہے، وہ ان کی وجہ سے کھانا، پینا، سونا، شادی؛ وغیرہ تک چھوڑ دیتے ہیں: لیکن اس سب کے باوجود یہ دونوں چیزیں آخرت ہی کی چیزیں ہیں۔ دوسری قسم ان کے بالمقابل گناہوں کی لذتیں، اور جائز چیزوں کی وہ مقداریں جو محض فضول اور زائد ہیں، جیسا کہ سونے، چاندی کے ڈھیر اور فاخرہ لباس، خوشنما جانوروں کا شوق، اونچے اونچے محل، لذیذ لذیذ کھانے، یہ سب دنیا ہے۔ تیسری قسم ان دونوں کے درمیان ہے، وہ ضروری چیزیں جو آخرت کے کاموں کے لیے معین ومددگار ہوں، جیسا کہ بقدرِ ضرورت کھانا، سونا اور ضرورت کے موافق معمولی لباس گرمی اور سردی کا، اور ہر وہ چیز جس کی آدمی کو اپنی صحت اور بقاء کے لیے ضرورت ہے، اور اس کی وجہ سے پہلی قسم میں اعانت حاصل ہوتی ہے،

یہ چیزیں بھی دنیا نہیں ہیں، یہ آخرت ہی ہیں، دین ہی ہیں؛ بشرطیکہ واقعی ضرورت کے درجہ میں ہوں، ان سے مقصد دینی امور پر تقویت ہو، اور اگر ان کا مقصد محض حظِ نفس اور دل کی خواہش کا پورا کرنا ہوگا، تو یہی چیزیں دنیا ہو جائیں گی۔

(ماخوذ از احیاء العلوم ۳/ ۱۹۰، فضائل صدقات ۳۸۸)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ: دنیا فی نفسہ ممنوع اور ناجائز نہیں ہے؛ بلکہ اس وجہ سے ممنوع ہے کہ وہ حق تعالیٰ شانہ تک پہنچنے میں مانع بنتی ہے۔ اسی طرح فقر فی نفسہ مطلوب نہیں ہے؛ بلکہ وہ اس لیے مطلوب ہے کہ اس میں حق تعالیٰ شانہ سے ہٹانے والی کوئی چیز نہیں، (بلکہ وہ حق تعالیٰ شانہ تک پہنچانے میں معین ہے) لیکن بہت سے غنی ایسے بھی ہیں کہ غنا ان کو حق تعالیٰ شانہ تک پہنچنے سے مانع نہیں ہوا، جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمن بن عوف وغیرہ حضرات رضی اللہ عنہم۔ اور بعض فقیر ایسے ہوئے ہیں کہ ان کا فقر بھی حق تعالیٰ شانہ تک پہنچنے میں مانع بن جاتا ہے کہ ناداری کے ساتھ مال کی محبت اس کو راستے سے ہٹا دیتی ہے، لہٰذا اصل ممنوع اور ناجائز مال کی محبت ہے، چاہے اس کے وصال سے ہو جیسا غنی، یا فراق سے ہو جیسا کہ دنیادار فقیر، دنیا حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے غافل لوگوں کی معشوقہ ہے، جو اس کا عاشق یعنی دنیادار فقیر اس سے محروم ہے وہ اس کی طلب میں مر رہا ہے، اور جس عاشق کو اس کا وصال حاصل ہے جیسا کہ غنی، وہ اس کی حفاظت اور اس سے لذتیں حاصل کرنے میں اللہ تعالیٰ شانہ سے غافل ہے، لیکن اکثر قاعدہ یہ ہے کہ جو اس سے محروم ہے، وہ اس کے فتنوں سے بہت زیادہ محفوظ ہے، اور جو اس میں پھنسا ہوا ہے وہ فتنوں میں مبتلا ہے۔ (ایضاً ۳۸۹)

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوّاً لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ وَإِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَإِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَّحِيْم﴾ (التغابن) اے ایمان والو! تمہاری بعض بیبیاں، اور اولاد تمہارے (دین کے) دشمن ہیں، (جبکہ وہ اپنے نفع دنیوی کے واسطے تم کو ایسی بات کا حکم کریں جو تمھارے لیے مضرِ آخرت ہو) سو تم ان سے ہوشیار رہو، (اور ان کے ایسے امر پر عمل مت کرو) اور (اگر تم کو ایسی فرمائشوں پر غصہ آوے، اور تم ان پر تشدد کرنے لگو اور وہ اس وقت معذرت اور توبہ کریں اور) تم (اس وقت ان کی وہ خطا) معاف کردو، (یعنی سزا نہ دو) اور درگذر کر جاؤ، (یعنی زیادہ ملامت نہ کرو) اور بخش دو، (یعنی ان کو دل سے اور زبان سے بھلا دو) تو اللہ تعالیٰ (تمھارے گناہوں کا) بخشنے والا (اور تمہارے حال پر) رحم کرنے والا ہے۔

اس لیے بیوی کی یہ باتیں اس کی نادانی اور جہالت کی وجہ سے ہیں، آپ اس کو قرآن وحدیث کی تعلیمات اور بزرگوں کے حالات وواقعات سے روشناس کریں، جب اس کو یہ سب معلوم ہوگا تو وہ بھی آپ کی ہم خیال ہوجاوے گی، ایسی باتیں سمجھانے سے درست ہوتی ہیں، حکم چلانے سے کام نہیں چلتا، اس کی تعلیم وتربیت آپ کا فریضہ ہے، اس میں کوتاہی کرنے سے آپ کی پکڑ ہوگی، اس کا علاج چھوڑنا نہیں ہے۔ ﴿قُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَاراً﴾ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حال طاری ہونا حق کی دلیل نہیں

سوال: آج کل لوگوں کو مزار ودرگاہوں پر جو حاضری وحال آتا ہے، اس کے

متعلق آپ کا کیا کہنا ہے؟ اگر ہم نفی کرتے ہیں کہ کوئی حاضری نہیں آتی یہ دیکھ کر کہ ناپاک رہتے ہیں اور بیت الخلاء سے آتے ہیں اور حال آجاتا ہے، اور خاص جب محرم کے مہینہ میں ایک ساتھ سب کو حاضری آتی ہے (جن سوار ہوتا ہے)، اور نفی بھی نہیں کرسکتے کہ ان میں بخدا اتنی طاقت ہوتی جاتی ہے کہ اس وقت تین آدمی مل کر بھی ایک کو قابو میں نہیں لاسکتے ہیں، اور جن کو حاضری آتی ہے وہ سب کو یہ بھی بتلاتے ہیں کہ: لیمو لاؤ وغیرہ، اور علاج کرتے ہیں۔ اسی طرح کیم اور دیگر مقامات پر ہوتا ہے، اور اگر اثبات کریں تو سمجھ میں نہیں آتا جب کہ کم بخت بے نمازی اور فاسق کو کیسے یہ حال آجاتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اللہ تعالیٰ نے جن کو قدرت دی ہے کہ وہ انسانی جسم میں سرایت کرتا ہے، جس طرح انسانوں میں کچھ افراد ایسے ہیں جو اپنی مختلف حرکتوں اور شرارتوں کے ذریعے لوگوں کے عقائد کو فاسد کرنے کی سعی کرتے ہیں، اِسی طرح جنوں میں بھی ایسے افراد ہوتے ہیں؛ بلکہ ان میں یہ تعداد زیادہ ہے۔ درگاہ پر جانے والے جس حرکت کو ''حال'' سے تعبیر کرتے ہیں، وہ بھی جنوں کی ان شیطانی شرارتوں کا اثر ہوتا ہے؛ اِس لیے جس پر حال طاری ہورہا ہے اس کی قوت کی زیادتی اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ حق ہے، مشکوۃ شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ: انھوں نے اپنے شوہر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ: میری آنکھ میں درد ہوتا رہتا تھا تو میں فلاں یہودی کے پاس جھاڑ پھونک کرانے جاتی تھی، جب وہ جھاڑ دیتا تو آنکھ اچھی ہوجاتی تھی، تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: یہ شیطان کا کام تھا کہ وہ

اپنے ہاتھ سے آنکھ کو تکلیف پہنچاتا تھا، اور جب یہودی جھاڑتا تو شیطان اپنی حرکت سے باز آجاتا؛ (تاکہ اس طرح لوگوں کے اعتقاد فاسد کرے)۔ (مشکوۃ شریف ص:۳۸۹)

اس لیے آپ اِن فُسّاق وفجار کے حال کو بھی اسی پر محمول فرمائیں اور پریشان نہ ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ

مریدین کا شیخ کے پیچھے چلنا

سوال: مریدین ہمیشہ اپنے شیخ کے پیچھے چلتے ہیں اس اعتقاد سے کہ اپنے شیخ کے سامنے چلنا جائز نہیں، ایسا اعتقاد صحیح ہے یا غلط؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آداب میں سے ہے کہ بڑوں کے آگے نہ چلا جائے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آگے چل رہے ہیں تو بطورِ تنبیہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''لا تمش أمام من هو خير منك، إن أبابكر خير من طلعت عليه الشمس أو غربت''. (کنز العمال ۱۱/ ۵۵۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اپنے پیر کے ہوتے ہوئے دوسرے پیر سے بیعت ہونا

سوال: ایک شخص ایک مسئلہ کی الجھن میں ہے، وہ یہ ہے کہ ایک پیر سے بیعت کی

اور کافی عرصہ کے بعد ان کو مجاز بھی بنایا، پھر دوسرے بزرگ کی کتابیں آسان اور سیدھے سادھے الفاظ کی بناپر پڑھنا شروع کیا اور اس کو بہت فائدہ ہوا، کتابیں پڑھنے کی بناپر اس بزرگ سے اور ان کے مریدین سے بہت متأثر ہوا، حالاں کہ اس نے اس بزرگ کو دیکھا بھی نہیں اور وہ بہت دور ہیں، اس کا دل اس کی طرف مائل ہو رہا ہے، اور جس سے وہ بیعت ہے ان کی خدمت بھی برابر ہے اور ان کی کوئی برائی نہیں تو کیا وہ شخص پیر کے ہوتے ہوئے دوسرے سے بیعت ہوسکتا ہے؟ یا اصلاحی تعلق باندھ سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت کے افادات ''البدائع'' سے ایک ''بدیعہ'' نقل کیا جاتا ہے:

استفسار: دوسری بات جس کے لیے بارہا حضرت کی خدمت میں عرض کرنے کا ارادہ کیا؛ لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیونکر عرض کروں، اور عرض کرنا سرے سے مناسب بھی ہے یا نہیں؟ اب یہ سوچتا ہوں کہ اگر نامناسب ہوا تو حضرت خود ہی اس کا بھی فیصلہ فرمادیں گے؛ ورنہ مجھ کو تو اطمینان کی صورت حضرت ہی کے ارشاد میں نظر آتی ہے۔

جہاں تک نفسِ عقیدت کا تعلق ہے، الحمدللہ حضرت مرشد محترم مدظلہم العالی اور حضرت والا دونوں کے ساتھ اپنی اپنی جگہ کمی نہیں پاتا؛ بلکہ یوماً فیوماً اضافہ ہی ہے، اور عقیدت بھی بحمداللہ محبت کے ساتھ؛ لیکن تعلیم واصلاح کے معاملہ میں بالکل فیصلہ نہیں کرسکتا کہ کیا حدود اس طریق کے آداب کی رو سے قائم رکھوں؟ اور اس کے لیے بھی جی چاہتا ہے کہ اگر حضرت کی اجازت ہو تو ایک مرتبہ کھل کر عرض کروں؛ لہٰذا جیسا ارشاد ہو۔

جواب: میں کچھ اجمالی طور پر عرض کردوں، اگر پھر بھی ضرورت رہے کھل کر لکھ دیجئے، اور کافی ہوجائے تو کیوں تکلیف کی جائے! تعلیم واصلاح کا حاصل تدبیر ومعالجہ ہے، اور دو معالجے جمع نہیں ہوسکتے جیسے بیک وقت دو طبیبوں کو حالات کی اطلاع اور دونوں کی رایوں کا اتباع بجز تشویش کے اور کیا ہوگا؛ بلکہ واقع میں ایک کا بھی اتباع نہ ہوگا؛ کیوں کہ اگر رائے کا اختلاف ہوگیا تو مریض کو خود ترجیح دینا پڑے گی تو وہ اپنا اتباع ہوا، جس سے طبیب کی طرف رجوع کرنا ہی بیکار ہوا، پس تدبیر تو ایک ہی معالج کی کام میں لائی جاوے گی، باقی دوسرے طبیب سے کیا معاملہ ہوگا؟ سو اگر وہ دوسرا طبیب محض مادی طبیب ہو تو بے شک وہ معطل سمجھا جاوے گا؛ لیکن اگر وہ روحانی طبیب اور بابرکت ہو تو اس سے توجہ اور دعا کی درخواست اور برکاتِ صحبت کا کام لیا جائے گا؛ اگرچہ صحبت محدود ہی ہو، مگر توجہ ودعا تو محدود نہیں؛ البتہ ایک اشکال احیاناً پیش آنا محتمل ہے، وہ یہ ہے کہ بدونِ رجوع ہی از خود دوسرے طبیب کی کوئی رائے معالج کے خلاف معلوم ہو یا غیر طریق میں کوئی اختلاف معلوم ہو، اس کا حل یہ ہے کہ اس اختلاف کو اجتہادی سمجھا جاوے گا؛ تاکہ کسی سے سوءِ ظن نہ ہو اور عمل معالج ہی کی رائے پر کیا جاوے گا۔ (۲۱،۲۰)

آگے اس سلسلہ میں مزید خط وکتابت بھی ہے جس کا ایک جزء حسبِ ذیل ہے:

حال: البتہ اتنا وسوسہ ابھی باقی ہے کہ مرشد کے ہوتے ہوئے ایسی صورت میں غیرِ مرشد سے معالجہ کی درخواست اس راہ کے آداب کے خلاف تو نہیں؟

تحقیق: بلا عذر خلاف ہے، اور عذر میں صرف اجازت ہی نہیں؛ بلکہ لزوم ہے، کیوں کہ اصل مطلوب مقصود ہے، طرق مقصود نہیں۔ (۲۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/صفر ۱۴۲۷ھ

غنائے قلبی حاصل کرنے کا مجرب عمل

سوال: مکتوبات فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ میں ص ۳۱۰/ پر آپ نے ''یا مغنی'' والا عمل کے بارے میں جو تحریر فرمایا ہے اس کی وضاحت مناسب سمجھے تو فرمادیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

''یا مغنی'' والا عمل پڑھنے کا طریقہ: دو رکعت نفل پڑھ کر گیارہ مرتبہ درود شریف پھر ایک ہزار بار ''یا مغنی'' پھر دو رکعت کے بعد ''یا مغنی'' ہزار بار پھر دو رکعت کے بعد ''یا مغنی'' ہزار بار پھر دو رکعت کے بعد ''یا مغنی'' ہزار بار پھر دو رکعت کے بعد ''یا مغنی'' ہزار بار پھر گیارہ مرتبہ درود شریف، اخیر میں دو رکعت پڑھ کر دعا کرلیں، اس طرح روزانہ پانچ ہزار ''یا مغنی'' بلا ناغہ کسی ایک وقت میں پڑھے، کل ۲۵/ روز کا عمل ہے، اس حساب سے سوا لاکھ ہوجائے گا ''یا مغنی'' پڑھتے وقت تصور جمائے کہ دل سے نور نکل کر اوپر پھیل رہا ہے، انشاء اللہ اس وظیفہ سے غنائے قلبی کی دولت نصیب ہوگی۔ مجرب عمل ہے۔

ویسے اللہ کا نام پڑھنے کے لیے کسی کی اجازت شرط نہیں؛ مگر اجازت لے کر پڑھنے سے خطرات سے حفاظت ہوتی ہے اور روحانی فیض بھی۔ آپ اگر پڑھنا چاہیں تو حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی طرف سے مذکورہ وظیفہ پڑھنے کی اجازت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبد القیوم راجکوٹی، ۲۸/ ذی قعدۃ الحرام ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

''صلی اللہ علیک یا محمد'' کا وظیفہ پڑھنا

سوال: عرضِ خدمت یہ ہے کہ ایک شخص اپنے بعض مریدین کو ''صلی اللہ

علیك یامحمد" کا وظیفہ بتاتے ہیں، کچھ لوگ اس کے جواز کے لیے فضائلِ درود شریف حکایت ۴۲ میں مذکور امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعہ کو دلیل بناتے ہیں، نیز یہ کہتے ہیں کہ "ضیاء القلوب" مؤلفہ حاجی امداد اللہ مہاجرِ مکی رحمۃ اللہ علیہ میں مذکور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے طریقے کو دلیل بناتے ہیں، جس میں شبِ جمعہ کو مدینہ منورہ کی طرف چہرہ کرکے "الصلوٰۃ والسلام علیك یارسول الله" کی ضرب دائیں طرف "الصلوٰۃ والسلام علیك یانبی الله" کی ضرب بائیں طرف اور "الصلوٰۃ والسلام علیك یاحبیب الله" کی ضرب قلب پر لگانا مذکور ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان دونوں دلیلوں سے استدلال درست ہے؟ کیا اس طرح پڑھنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر ناظر سمجھنے والوں کے عقیدے کی مشابہت لازم آئے گی یا نہیں؟ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہ اس سوال کے جواب میں کہ یا رسول اللہ دور سے یا نزدیک قبرِ شریف سے پکارنا جائز ہے یا نہیں؟ تحریر فرماتے ہیں: کہ "جب انبیاءِ کرام علیہم السلام کو علمِ غیب نہیں دیا تو یارسول اللہ کہنا بھی جائز نہیں ہوگا، اگر یہ عقیدہ کرکے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں بسبب علمِ غیب کے تو خود کفر ہے، اور جو یہ عقیدہ نہیں تو کفر نہیں مگر کلمہ مشابہ بکفر ہے، البتہ اگر اس کلمہ کو درود شریف کے ضمن میں کہے اور یہ عقیدہ رکھے کہ ملائکہ اس درود شریف کو آپ کے پیش عرض کرتے ہیں تو درست ہے، کیوں کہ حدیث شریف میں ہے کہ ملائکہ درود بندۂ مومن کا آپ کی خدمت میں

عرض کرتے ہیں اور ایک صنفِ ملائکہ اسی خدمت پر ہیں''۔ (تالیفاتِ رشیدیہ ۷۲)

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ درود شریف کے ضمن میں اس کی اجازت اس وقت ہے کہ پڑھنے والے کا عقیدہ یہ ہو کہ ملائکہ درود شریف کو آپ ﷺ کے پیش عرض کرتے ہیں، ہمارے زمانہ میں مبتدعین کا ایک بڑا طبقہ انہی کلمات کو درود شریف کے ضمن میں حضور ﷺ کے ہر جگہ حاضر ناظر اور عالم الغیب ہونے کے عقیدہ کے ساتھ پڑھتا ہے جو صریح کفر ہے، ان حالات میں کسی آدمی کا اس عقیدہ کے ساتھ پڑھنا کہ ملائکہ اس درود شریف کو آپ کے پیش عرض کرتے ہیں یہ بھی درست نہیں، اس لیے کہ اس میں عوام کے عقیدہ کے فاسد ہونے کے احتمال کے ساتھ ساتھ اپنے اوپر تہمتِ شرک رکھنا ہے جیسا کہ بطور وظیفہ ایسے اشعار جن میں یہ کلمہ ہو پڑھنے کے سلسلہ میں پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: کہ ''وجہ کفر کی غیر کو حاضر و متصرف جاننا ہے اور وجہ فسق کی احتمالِ فسادِ عقیدۂ عوام اور اپنے اوپر تہمتِ شرک رکھنا ہے''۔ (ایضاً ۷۴)

اس سے معلوم ہوا کہ جہاں یہ صورت پیش آتی ہو وہاں پر درود شریف کے ضمن میں بھی یہ کلمات کہنا درست نہیں۔

حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''فی ندائه صلی الله باسمه بعد وفاته جهتان الاول: ندائه من حیث أنه نداء الغائب فهو لا یهامه اعتقاد علم الغیب واعتقاد حضور الغائب ینهی عنه سواء کان باسمه او بشیء من القابه العظیمة''.

(امداد الفتاویٰ ۴/۳۸۹)

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے اس جواب میں بھی اس کلمہ کے ممنوع قرار دیے جانے کی وجہ وہی لکھی ہے جو سابق میں مذکور ہوئی۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: ''درود شریف زور سے پڑھنا، آہستہ پڑھنا سب درست ہے، دور سے پڑھنا، نزدیک سے پڑھنا سب درست ہے، چاہے غائب کے صیغے سے پڑھے، چاہے حاضر کے صیغے سے پڑھے وہ بھی درست ہے، لیکن بعض جگہ لوگوں کے عقائد ایسے خراب ہو گئے کہ حضور ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کو اللہ تعالیٰ کی طرح ہر جگہ حاضر ناظر جاننے لگے، جس طرح اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر ناظر ہے سب کی پکار سنتا ہے بلا واسطہ، بالکل اسی طرح حضور ﷺ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں اور بندے (امتی) جس طریقے پر پکارتے ہیں، حضور اکرم ﷺ براہِ راست ان کے کلام کو سنتے ہیں اور بعضوں نے آگے بڑھ کر کچھ اور کہا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ حاضر ناظر نہیں ہے اور حضور ﷺ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں، جو صفتِ خاصہ تھی حق تعالیٰ کی اس کو خاص کر دیا حضور ﷺ کے لیے اور اللہ تعالیٰ سے اس صفت کو ختم کر دیا۔ استغفر اللہ۔

چناں چہ ایک کتاب ''جاء الحق'' میں اس کی تصریح کی ہے کہ ''حضور اکرم ﷺ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں، حق تعالیٰ ہر جگہ حاضر ناظر نہیں، اور ایک مقام میں دیکھا مسجد کے محراب میں کلمہ اس طرح لکھا ہوا ہے کہ دائیں جانب محمد رسول اللہ اور بائیں جانب لا الہ الا اللہ، پہلے محمد رسول اللہ بعد میں لا الہ الا اللہ، یہاں تک نوبت پہونچ گئی،.....غرض یہ افراط وتفریط ہو رہی ہے دنیا میں، بہت پریشانی کی بات ہے اس واسطے عقائد کی تصحیح کی بہت زیادہ ضرورت ہے، عقیدے پر مدارِ نجات ہے، ایمان کا مدار عقیدہ کی صحت پر ہے، عقیدہ غلط ہوگا، ایمان خراب ہوگا نجات نہیں ہوگی''۔ (خطبات محمود ۳/۱۷۶)

قرآن اور احادیث کے نصوص میں اس بات کے نمونے موجود ہیں کہ ایک لفظ اپنے معنی اور مفہوم کے اعتبار سے صحیح اور درست ہونے اور اس کے بولنے والوں کی نیت بھی درست ہونے کے باوجود دوسرے معنی کا موہوم ہونے اور اس لفظ کو غلط استعمال کرنے والوں کی مشابہت کی وجہ سے اس کو بولنے سے ممانعت کی گئی، قرآن پاک میں ارشادِ خداوندی ہے: ﴿یایها الذین آمنوا لاتقولوا راعنا وقولوا انظرنا﴾ (البقرة:۱۰۴)۔

اسی طرح بخاری شریف میں حضرت زید ابن خالد جہنی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حدیبیہ والے سال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے، اور (مکہ سے پہلے حدیبیہ میں قیام کے دوران) ایک رات بارش ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو فجر کی نماز پڑھائی، اس کے بعد ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تمھیں معلوم ہے کہ تمھارے پروردگار نے کیا کہا؟ ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بندوں میں سے بعض نے مومن ہونے کی حالت میں صبح کی، اور بعض نے کافر ہونے کی حالت میں صبح کی، چناں چہ جس بندہ نے یہ کہا کہ اللہ کی رحمت اور اللہ کے فضل اور اس کے دینے سے بارش ہوئی، وہ میرے اوپر ایمان رکھنے والا ہے، اور نچھتر (ستارہ) کا انکار کرنیوالا ہے، اور جس نے یہ کہا کہ فلانے نچھتر (ستارہ) کی وجہ سے بارش ہوئی وہ اس نچھتر پر ایمان لانے والا ہے، اور میرا انکار کرنے والا۔ (بخاری شریف ۲/۵۹۷)

اس کے حاشیہ میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے اس کے دو مطلب نقل کیے ہیں، ایک تو یہ کہ جو آدمی اس عقیدہ کے ساتھ کہ ستارہ ہی حقیقی معنی میں مؤثر اور بارش برسانے والا ہے، جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا عقیدہ تھا، یہ بات کہے تو اس کے کفر میں

کوئی شک نہیں اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور جمہور کا قول ہے، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی اس عقیدہ کے ساتھ کہ یہ بارش اللہ ہی کے فضل سے اور اس کے حکم سے ہوئی؛ البتہ یہ ستارہ اس کے لیے ایک علامت اور بارش کے برسنے کی ایک نشانی ہے، یہ بات کہے تو ایسے آدمی کی تکفیر تو نہیں کی جائے گی لیکن ایسا کہنا اس لیے مکروہ ہے کہ یہ کلمہ موہوم اور کفر و ایمان کے درمیان متردد ہونے کی وجہ سے اس کے کہنے والے کے ساتھ بدگمانی ہوسکتی ہے، اور اس لیے بھی کہ یہ جاہلیت کا شعار ہے۔ (حاشیۂ بخاری حوالۂ بالا)

دیکھیے اس واقعہ میں فلانے ستارہ کی وجہ سے بارش ہوئی یہ کہنے کی اجازت باوجود عقیدہ درست ہونے کے اس لیے نہیں دی گئی کہ اس صورت میں کہنے والے کے متعلق کسی کو یہ بدگمانی ہوسکتی ہے کہ وہ بھی کفریہ عقیدہ سے یہ کہہ رہا ہو، نیز چوں کہ یہ اہلِ جاہلیت کا طریقہ تھا اس لیے بھی باوجود عقیدہ درست ہونے کے اس کی اجازت نہیں دی گئی کہ اس میں ان کے غلط عقیدہ کی یک گونہ تائید و ترویج ہے۔

اس لیے صورتِ مسئولہ میں درود شریف کے ان کلمات کا وظیفہ اور ورد کرنے سے احتراز کیا جائے، رہا ان حضرات کا بطورِ دلیل فضائلِ درود شریف میں مذکور حکایت نمبر ۴۲ اور ضیاء القلوب میں مذکور طریقِ زیارت کو پیش کرنا، اولاً تو اس لیے بھی صحیح نہیں کہ یہ کوئی دلیل شرعی نہیں، دوسرا یہاں پر لوگوں کے عقائد کے خراب ہونے اور مبتدعین کے کفریہ عقیدہ کی تائید و ترویج کا جو احتمال پایا جاتا ہے، وہاں پر موجود نہیں، اس لیے یہ دونوں چیزیں حجت نہیں بن سکتیں۔

یہاں پر یہ یاد رہے کہ جواب کے شروع میں جن دو اکابر کے فتاویٰ کو پیش کیا گیا وہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اخص الخواص اور اجلِ خلفاء میں سے ہیں، کیا

ان کے سامنے ضیاء القلوب کی سوال میں مذکورہ عبارت موجود نہیں تھی؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ

عاملہ کے جسم میں جن کا حلول کرنا اور دوسروں کا علاج کرنا

سوال: آپ سے یہ عرض ہے کہ ایک بہن جن کا نام ریحانہ آپا ہے، ان کے پاس جن آتے ہیں جو حکیم ہیں، جن کے بارے میں آپ سن چکے ہوں گے، جن کو ''ابو'' کہتے ہیں، اس بہن کا پتہ ہمیں ایک مفتی صاحب نے دیا تھا، اور سب سے پہلے ان کی امی کا ہی علاج ہوا تھا، اور انہوں نے ایک مولانا صاحب کی بہن کو بھیجنے کے لیے کہا تھا اور ان کا علاج بھی وہاں پر ہوا، ہم بھی پہلے نہیں جاتے تھے، اور پھر ایک دوسرے مفتی صاحب سے پوچھوایا تھا، جب ہماری ایک بہن کی طبیعت بہت خراب تھی، اس وقت انھوں نے بھی اجازت دی تھی اور اب میں خود جاتی ہوں، وہاں میں نے کوئی شرک کی بات نہیں دیکھی۔ غریب بہنیں بھی دور دور سے آتی ہیں، ان کو مفت دوائی بھی دی جاتی ہے کسی سے کوئی پیسہ نہیں لیتے اور یہ بات جو لوگوں نے مشہور کی ہے کہ ان کے بدن میں آتے ہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ خود یوں کہتے ہیں کہ میں صرف پیچھے سے اللہ کے حکم سے ان کی مدد کرتا ہوں۔ ریحانہ آپا کو بیٹی بنائی تھی لیکن تین ساڑھے تین سال سے ریحانہ آپا کے شوہر کی اجازت سے دوسروں کا علاج کرتے ہیں، جب ان کے پاس آتے ہیں آواز ریحانہ آپا ہی کی ہوتی ہے، صرف گرامر ہی بدل جاتا ہے اور وہ بالکل ایک عورت کی طرح بات کرتے ہیں اور ایک عقیدت کا پرچہ بھی ساتھ دیتے ہیں جو میں دے رہی ہوں اور کہتے ہیں کہ میرے ہاتھ میں کچھ نہیں کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے، نماز

کے وقت نماز کے لیے چلے جاتے ہیں، خود بھی دین کی دعوت دیتے ہیں اور ہم کو بھی دین کی دعوت دینے کو کہتے ہیں، اور ہم بھی اسی نیت سے جاتے ہیں کہ لوگوں کو جا کر دین کی دعوت دیں تا کہ لوگوں کا عقیدہ اللہ سے ہٹ کر ابو پر نہ آجائے، ان سے اس طرح علاج کروانا جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ لوگ ان کو بہت پریشان بھی کرتے ہیں، ریحانہ اور ابو خود بھی اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ہم سے غلط کام نہ ہو جائے، انھوں نے خود نے اس کا جواب مانگا ہے، برائے کرم ہمارا یہ مسئلہ حل کر دیجیے اور دوسری بات ریحانہ آپا سید خاندان سے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جنات کے انسانوں کے پاس آنے جانے اور اس کے بدن میں سرایت کرنے کے تین اسباب علماء نے تحریر فرمائیں ہیں: ① خواہشِ نفسانی اور عشق ومحبت کی وجہ سے۔ ② بغض وعداوت اور انتقامی جذبہ سے۔ ③ شرارت اور کھلواڑ کے طور پر۔ بعضوں نے دوسرے اور تیسرے کو ایک شمار کر کے دو ہی سبب تحریر فرمائے ہیں۔

پہلی صورت کا حکم صاف لکھا ہے کہ جس طرح ایک انسان کا دوسرے انسان سے اس طرح کا تعلق رکھنا فواحش میں داخل ہو کر حرام وناجائز ہے، اسی طرح جن کا یہ تعلق بھی فواحش ہی میں شمار ہو کر ناجائز اور حرام کہلائے گا، چناں چہ قاضی بدرالدین شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب ''آکام المرجان'' میں تصریح فرماتے ہیں:

صرع الجن للانس قد یکون عن شهوة وهوی وعشق کما یتفق للانس مع الجن، وقد یتناکح الانس و الجن ویولدبینهما ولد، فهذا کثیر

معروف وقد ذکر العلماء ذلك و تکلموا علیه وقد یکون وهو کثیر والاکثر عن بغض ومجازاة مثل ان یؤذیهم بعض الانس او یظن انهم یتعمدوا أذا هم، اما ببول علی بعضهم و اما بصب ماء حار واما بقتل بعضهم وان کان الانس لا تعرف ذلک وفی الجن ظلم وجهل، فیعاقبونه باکثر مما یستحق وقد یکون عن عبث منهم و شر مثل سفهاء الانس، وحینئذ فما کان من الباب الاول فهو من الفواحش التی حرمها الله تعالی کماحرم ذلك علی الانس وان کان برضی الاخر فکیف اذاکان مع کراهتهم فانه فاحشة وظلم یخاطب الجن بذلك ویعرفون ان هذا فاحشة محرمة لتقوم علیهم حجة بذلك ویسبق انهم یحکم فیهم بحکم الله و رسوله الذی ارسله الی جمیع الثقلین الانس والجن وما کان من القسم الثانی فان کان الانس لم یعلم فیخاطبون بان هذا لم یعلم ومن لم یتعمد الاذی لم یستحق العقوبة وان کان قد فعل ذلك فی داره وملکه عرفوا بان الدار ملکه فله ان یتصرف فیها بما یجوز وانتم لیس لکم ان تمکثوا فی ملك الانس بغیر اذنهم بل لکم ما لیس من مساکن الانس کالخراب والفلوات ولهذا یوجدون کثیرا فی الخراب والفلوات ویوجدون فی مواضع النجاسات کالحمامات والحشوش والمرابد والقمامین والمقابر، والمقصود ان الجن اذا اعتدوا علی الانس اخبروا بحکم الله ورسوله واقیمت علیهم الحجة وامروا بالمعروف ونهوا عن المنکر کما یفعل بالانس لان الله تعالی یقول: ﴿وماکنا معذبین حتی نبعث رسولا﴾ وقال تعالی ﴿یٰمعشر الجن والانس الم یأتکم رسل منکم یقصون علیکم ایاتی﴾ صدق الله العظیم.(آکام المرجان فی غرائب واخبار الجان ص ۱۰۶،۱۰۷)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بخاری کی شرح عمدۃ القاری ۲۱ / ۲۱۴ میں علامہ ابو العباس ابن تیمیہ کے حوالہ سے یہی چیز تحریر فرمائی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بخاری کی شرح فتح الباری ۱۰ / ۱۱۴ میں تحریر فرماتے ہیں: وقد یکون الصرع من الجن ولا یقع الا من النفوس الخبیثة منهم اما لاستحسان بعض صور الانسیة واما لایقاع الاذیة به۔ "یعنی جنات کی طرف سے یہ صورت پیش آتی ہے اور ان میں جو شرارت پسند ہے انہی کی طرف سے ایسا ہوتا ہے یا تو اس لیے کہ ان کو کوئی انسانی صورت پسند آ گئی ہے یا وہ انسان کو تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں"۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فیض الباری شرح بخاری میں ارشاد فرماتے ہیں: لان المام الجن لایکون الا من عشق او ایذاء (٤ /٣٢٣) یعنی جنات کا آنا دو میں سے کسی ایک وجہ ہی سے ہوسکتا ہے، یا تو عشق اور محبت کی وجہ سے یا ایذاء رسانی کے خاطر۔

اکابر محدثین اور علماء کی مندرجہ بالا تصریحات کی بنیاد پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ کسی عورت کے پاس جنات کے آنے کی دو ہی وجہیں ہوسکتی ہیں، یا تو عشق و محبت کی وجہ سے یا ایذا رسانی اور انتقامی جذبہ سے، آپ نے سوال میں جو تفصیلات ریحانہ آپا کے پاس آنے والے جنات کی تحریر فرمائی ہیں ان سے یہ بات تو صاف معلوم ہوتی ہے کہ وہ ان کو ایذا اور تکلیف نہیں پہنچاتا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے پاس اس جنات کا آنا انتقامی جذبہ اور ایذاء رسانی کے خاطر نہیں، تو اب ظاہر ہے دوسری ہی صورت باقی رہ جاتی ہے کہ اس کا آنا عشق و محبت کی وجہ سے ہے، کیا اگر کوئی انسان اس طرح آتا جاتا تو اس کو اجازت دی جاتی؟ ظاہر ہے انسان کے اس طرح آنے جانے کو سب ہی نا

جائز قرار دیں گے، چاہے وہ آنے جانے والا انسان اس عورت کو جس کے پاس آجا رہا ہے، اپنی بیٹی ہی کیوں نہ بتلاتا ہو، اس جن کے ان کو اپنی بیٹی قرار دینے سے وہ حقیقت میں بیٹی نہیں بن جاتیں، اور شریعت کے سارے احکام جو ایک اجنبی کے ساتھ ملنے جلنے اور خلط ملط رکھنے کے سلسلہ میں دیے گئے ہیں، وہ سب یہاں پر بھی لاگو پڑتے ہیں۔

آپ سوال میں لکھتی ہیں ''اور یہ بات جو لوگوں نے مشہور کی ہے کہ ان کے بدن میں آتے ہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، وہ خود یوں کہتے ہیں کہ میں صرف پیچھے سے اللہ کے حکم سے ان کی مدد کرتا ہوں، ریحانہ آپا کو بیٹی بنائی تھی لیکن تین ساڑھے تین سال سے ریحانہ آپا کے شوہر کی اجازت سے دوسروں کا علاج کرتے ہیں، جب ان کے پاس آتے ہیں تو آواز ریحانہ آپا ہی کا ہوتا ہے، صرف گرامر بدل جاتا ہے اور وہ بالکل ایک عورت کی طرح بات کرتے ہیں'' آپ کی تحریر فرمودہ اس عبارت ہی کو سامنے رکھ کر آپ غور کریں کہ اگر وہ اس عورت کے جسم میں سرایت نہیں کرتا تو پھر یہ آواز خود اس عورت کی کیوں سنی جارہی ہے؟ نیز اس کا یہ کہنا کہ ''میں صرف پیچھے سے اللہ کے حکم سے ان کی مدد کرتا ہوں'' اللہ تعالیٰ کا وہ کونسا حکم ہے؟ جس کی وجہ سے یہ ان کی مدد کر رہا ہے، قرآن کی کوئی آیت، حدیث کا کوئی مضمون ہو تو پیش کیا جائے، اس کا اپنے اس فعل کو جو دلائل شرع کی بنیاد پر صریح ناجائز ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا بہت بڑی جرأت کی بات ہے، پھر ان کے شوہر کی اجازت سے دوسروں کا علاج کرتے ہیں تو کیا شوہر اپنی بیوی کے جسم میں سرایت کرنے یا بغیر سرایت کیے ہوئے آنے جانے کی اجازت دے دے تو شرعاً یہ کام درست ہو جاتا ہے؟ کیا اگر کوئی شوہر کسی اجنبی مرد کو اپنی بیوی کے پاس آنے جانے کی اجازت دے دے تو اس کے اس اجازت دینے سے کیا اس

اجنبی کے لیے آنا جانا درست ہو جائے گا؟ شریعت کے احکام جس طرح مرد انسانوں کے لیے ہیں، اسی طرح مرد جنوں کے لیے بھی ہیں۔

اس پوری تفصیل سے بخوبی یہ بات آپ کی سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ اس جنات کا اس طرح اس عورت کے پاس آنا جانا ہی درست نہیں، اب اس کے بعد اس چیز کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی کہ وہ لوگوں کا علاج کرتا ہے اور بہت سوں کو فائدہ بھی پہنچا، اسی طرح وہ کوئی شرکیہ بات نہیں کرتا، جب اس کا اس طرح آنا جانا ہی شرعاً درست نہ ہوا تو بھلے اس کے علاج سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہو اور وہ کوئی شرکیہ بات نہ بولتا ہو پھر بھی عورتوں کا اس عورت کے پاس اس طرح آنا جانا شرعاً درست نہیں، اس لیے کہ آنے جانے والی عورتیں اپنے اس عمل سے گویا اس جن کے اس عورت کے پاس آنے کو درست قرار دے رہی ہیں، جس کا ناجائز اور حرام ہونا اوپر معلوم ہو چکا، اس لیے عورتوں کو چاہیے کہ یہ سلسلہ بند کریں خصوصاً وہ عورتیں جو دین کے کام سے جڑی ہوئی ہیں، ان کے آنے جانے سے مزید غلط فہمیاں پھیلتی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: اسی طرح کے ایک واقعہ میں آج سے ساڑھے بارہ سال پہلے لکھا گیا ایک فتویٰ بھی منسلک ہے۔ فقط

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۸/ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ایک عاملہ کے جسم میں جن کا آنا اور اس کے ذریعہ علاج کرنا

سوال: فی الحال ایک عورت جو عملیات کا کام کرتی ہے اس کا کہنا ہے کہ ایک پاک

جن ہیں جو سادات میں سے ہیں جن کی عمر ۸۱۶ سال کی ہے، انھوں نے مجھ کو بیٹی بنایا ہے اور وہ میرے جسم میں آتے ہیں اور عملیات کرتے ہیں، اب وہ عورت جب اپنے کام کو شروع کرتی ہے یا جہاں کہیں سے اس کو کوئی (مسلمان یا غیر مسلم) بلاتا ہے وہاں جاتی ہے، اور جہاں بھی وہ جاتی ہے یا اپنا کام کرتی ہے اس کا شوہر اس کے ساتھ ہی رہتا ہے۔ اب مثال سمجھیے کہ جو بھی مریض آتا ہے اس سے اس عورت کا شوہر پوچھتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ مریض سے دریافت کرنے کے بعد اس کا شوہر خود اپنی بیوی کے جسم میں آنے والے جن کے ساتھ بات کرتا ہے، اس کے بعد وہ عاملہ عورت تعویذ لکھ دیتی ہے کسی کو پینے کے لیے، کسی کو جلانے کے لیے، گلے میں ڈالنے کے لیے؛ مطلب یہ ہے کہ جیسا مریض اسی کے مطابق تعویذ اور اگر مرض ایسا ہے کہ دوائی یا مالش کے تیل کی ضرورت ہے اس کے مطابق دوائی تجویز ہوتی ہے، جب مذکورہ عورت علاج کرتی ہے تب وہ پشت پھیر کر بیٹھتی ہے اور برقعہ پہنتی ہے اور علاج بھی برقعہ پہن کر ہی کرتی ہے۔ (تاکہ حتی الامکان بے پردگی نہ ہو)، اور مذکورہ عورت جو دوائی دیتی ہے اس کے مناسب دام لیتی ہے، باقی تعویذ وغیرہ کسی اور کام کے معاوضہ کا زبانی مطالبہ نہ اس کا شوہر کرتا ہے نہ وہ عورت۔

تو آپ حضرات سے خصوصی گزارش ہے کہ مذکورہ سوال کا مفصل جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ مذکورہ عورت جو کام کرتی ہے وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ کا جواب دینے سے پہلے بطور تمہید چند باتیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ جواب سمجھنے میں آسانی رہے، ساتھ ہی جنات سے متعلق حقائق اور شرعی احکام سامنے

آنے سے ناواقفیت کی بناء پر لوگوں میں جو غلط فہمیاں پھیلتی ہیں وہ بھی دور ہو جائیں۔

① انسان اور فرشتوں کی طرح جنات بھی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ایک مخلوق ہے، ان کا مستقل وجود ہے اور یہ ایک حقیقت ہے، خیالی چیز نہیں۔ انسان کی نگاہ سے اوجھل رہنے کی وجہ سے عربی میں اس کو ''جن'' کہا جاتا ہے۔ جس طرح انسان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے اسی طرح جنات کو آگ سے پیدا کیا ہے۔ (سورہ رحمن، سورہ حجر)

② حضرت نبی کریم ﷺ کو جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے نبی بنا کر بھیجا، اسی طرح آپ ﷺ کو جنات کے لیے بھی نبی بنا کر بھیجا گیا ہے، جنات پر فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان لائیں، آپ ﷺ کی پیروی اور فرماں برداری کریں، اللہ اور رسول ﷺ نے جن چیزوں کو حلال قرار دیا ہے ان کو حلال سمجھیں، اور جن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کو حرام سمجھیں۔ جو احکام دیے ان کو بجالائیں، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو جو چیز پسند ہو اس کو پسند کریں، اور جس چیز سے ان کو نفرت ہو اس سے نفرت کریں۔

(أحكام المرجان ص ٣٧، مجموعه فتاوى ابن تيميه ١٩/ ٩)

شریعت کے احکام وفرامین جس طرح انسان پر عائد ہوتے ہیں اسی طرح جنات پر بھی عائد ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں اہل سنت والجماعت میں کوئی اختلاف نہیں۔ ''الاشباہ والنظائر'' (ص ۳۲۶) میں ہے: ''لاخلاف فی انهم مكلفون'' اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ''جن'' بھی شریعت کے احکام کے مکلف ہیں۔

③ جنات انسان کے جسم میں سرایت کر کے اس سے مختلف حرکتیں کرا سکتا ہے، یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ (فتاوی عزیزی ۱/ ۱۱۰)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حالت میں وہ انسان کی زبان پر سے گفتگو کرتا ہے۔ (آکام المرجان ۱۰۳، عینی شرح بخاری ۲۱ / ۲۱۴) حدیث پاک کی مختلف روایات سے یہ بات ثابت ہے۔ (آکام المرجان ۱۰۷، عینی وغیرہ)

④ جنات کے انسان کے جسم میں سرایت کرنے کی وجوہات پر تفصیل کرتے ہوئے علماء کرام فرماتے ہیں کہ عشق ومحبت کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ ایک انسان دوسرے انسان پر عاشق ہوجاتا ہے۔ (اور اس کی وجہ سے اس کی مصاحبت کا خواہش مند ہوتا ہے) اسی طرح جنات بھی انسان پر فریفتہ ہوکر اس کے جسم میں سرایت کرتا ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ کبھی جنات کو انسان سے تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ (مثلاً گندہ پانی مکان سے باہر ڈال رہا تھا اور وہ کسی جن پر گر گیا یا کسی سوراخ میں پیشاب کیا جہاں جنات رہتے تھے اور ان پر پیشاب گر گیا) تو اس کا بدلہ لینے کے لیے جنات انسان کے بدن میں سرایت کرتے ہیں اور کبھی بغیر کسی وجہ کے محض کھلواڑ کے طور پر ایسا کرتے ہیں جیسا کہ انسان میں بھی بہت سے بدمعاش اور بے وقوف ایسا کرتے ہیں۔

(آکام المرجان ۱۰۶، عینی شرح بخاری ۲۱ / ۲۱۴)

پہلی وجہ کے متعلق شرعی حکم کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ قاضی بدرالدین شبلی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس طرح (عشق ومحبت کی وجہ سے) کسی جنات کا انسان کے جسم پر مسلط ہونا یا اس کے جسم میں سرایت کرنا فواحش میں سے ہے، جنات کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا ہی حرام قرار دیا جیسا کہ انسان کے لیے حرام قرار دیا ہے، چاہے دوسرے کی رضامندی سے ہو، اور اگر اس کی نامرضی سے ہے تو اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس لیے کہ ایسی صورت میں بدکاری کے ساتھ ساتھ ظلم بھی

ہے۔(آکام المرجان ۱۰۶)

⑤ اسلام میں ''لے پالک'' نہیں ہے یعنی اگر کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کی اولاد (لڑکا ہو یا لڑکی) کو لے پالک یعنی منہ بولا بیٹا یا بیٹی بنالے تو ایسا کرنے سے وہ لڑکا یا لڑکی اس کا حقیقی بیٹا یا بیٹی نہیں بن جاتے؛ بلکہ ان کے لیے اجنبی ہی کا حکم ہے، اس لیے کسی اجنبی عورت یا لڑکی کو بیٹی بنالینے سے وہ حقیقی بیٹی کے حکم میں نہیں ہوجاتی بلکہ وہ اجنبیہ ہی رہتی ہے، اور اسلام میں اجنبیہ عورت کے لیے جو احکام ہیں وہ اس پر بھی جاری ہوتے ہیں۔

⑥ جنات انسان کو بہت سی بیماریوں کی دوا بھی بتلاتے ہیں۔(آکام المرجان ۸۰ تا ۸۷)

⑦ ''سید'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کا لفظی ترجمہ ہے ''سردار'' آقا وغیرہ لیکن عام بول چال میں جب کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی سید ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد جن کا سلسلہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے چلا ہے ان میں سے ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس کا نسب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ملتا ہے، ظاہر ہے کہ اوپر ذکر کیے ہوئے مطلب کے پیشِ نظر سید ہونا انسان کی خصوصیت ہے جنات کی نہیں۔

مندرجہ بالا تفصیلات جو بطور تمہید لکھی گئی ہیں سمجھ میں آجانے کے بعد اب آپ کے ذکر کردہ سوال کا جواب بہت ہی آسان ہوگیا کہ سوال میں مذکورہ عورت جو کام کرتی ہے وہ جائز ہے یا نہیں؟

سوال میں مذکور کاموں کو انجام دینے کے لیے مذکورہ عورت کو جنات کی مصاحبت اختیار کرنی پڑتی ہے بلکہ جنات کو اپنے جسم پر قابو دینا پڑتا ہے، ظاہر ہے کہ وہ عورت اس جنات کے لیے اجنبیہ ہی کا حکم رکھتی ہے اور جنات اس عورت کے لیے اجنبی مرد کے حکم

میں ہے، اپنی خواہش اور رضامندی سے اس طرح اس کو بلانا، اپنے جسم میں سرایت کرنے دینا، اپنے اوپر قابو دینا شریعت کی رو سے کہاں جائز ہوسکتا ہے؟ خاص کر کے اس کا اس طرح آنا تمہید ۴ کی تفصیل کے مطابق پہلی وجہ ہی سے ہے۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں جنات کا انسان کے جسم میں آنا دو میں سے کسی ایک وجہ سے ہی ہوسکتا ہے یا تو عشق ومحبت کی وجہ سے یا ایذاء رسانی کے خاطر۔ (فیض الباری ۴/ ۳۶۳)

سوال میں ذکر کردہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ عورت کے پاس اس کا آنا ایذاء رسانی کے خاطر نہیں؛ لہٰذا پہلی وجہ متعین ہوگئی۔ اس آنے والے جن نے مذکورہ عورت کو بیٹی بنایا ہو تب بھی وہ حقیقت میں بیٹی نہیں بن جاتی۔ (ملاحظہ ہو تمہید ۵)

اور حقیقی بیٹی کے احکام جاری نہیں ہوتے، ساتھ ہی اس جنات کا اپنے متعلق سید ہونے کا دعویٰ کرنا کتنا مبنی بر صداقت ہے وہ تمہید ۷ سے معلوم ہوگیا ہوگا۔

علاوہ ازیں عورت کے اس کام کرنے میں عامۃ المسلمین کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ لوگ اپنی نادانی اور جہالت کی وجہ سے بہت سی ایسی باتیں بھی اس سے پوچھتے ہیں جس سے ایسا شبہ ہوتا ہے گویا (نعوذ باللہ) جنات غیب کی باتیں جانتا ہے، زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کا عقیدہ یہی تھا اور ان کے اس عقیدہ کی اسلام اور قرآن نے تردید کی ہے۔ (احکام القرآن للتھانوی ۳/ ۵۱۹) اور جس کام سے لوگوں کے عقائد خراب ہوتے ہوں اس کی شرعی اعتبار سے ہرگز اجازت نہیں۔

مذکورہ عورت کا شوہر کیا یہ گوارہ کرسکتا ہے کہ اجنبی مرد اس کی بیوی کے پاس اس طرح آئے اور اس کے جسم سے کھلواڑ کرے، ظاہر ہے کہ وہ ہرگز یہ برداشت نہیں کرسکتا

کیوں کہ یہ بے غیرتی ہے تو پھر جنات کے اس طرح آنے کو کس طرح گوارہ کرتا ہے؟ کم از کم اپنی طرف سے اس کے دور کرنے کی کوشش تو کرے یا اس کام سے ناپسندیدگی اور براءت کا اظہار تو کرے، چہ جائے کہ خود ہی اس سے پوچھ تاچھ کر کے کام کرتا ہے، اور ان حرکتوں کو تقویت دیتا ہے جو بے غیرتی سے بڑھ کر دیوسی کے دائرہ میں آجاتا ہے، دوسرے رشتہ داروں کو چاہیے کہ یہ سلسلہ بند کرائیں اور اس کو دور کرنے کی تدبیریں اختیار کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ، ۲۴/صفر المظفر ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عملیات کی بنیاد پر چوری کا الزام حرام ہے

سوال: ایک جوتے چپل کی دکان میں شام کے وقت مالکِ دکان نے دکان بند کرنے سے پہلے زید اور بکر (جو اس کی دکان میں ملازم ہیں) کو کچھ رقم گننے کے لیے دی، ان دونوں نے رقم گن کر مالکِ دکان کو واپس کر دی، پھر مالکِ دکان نے یہ رقم بیگ میں رکھ کر مولانا عمر (یہ بھی ملازم ہے) کو دی اور اپنے ساتھ اسکوٹر پر بٹھا کر جماعت کے مشورہ کے لیے مسجد کی طرف چلے گئے، یہ دونوں جب تک مسجد میں رہے ساتھ ہی رہے، اور بیگ مولانا کے پاس رہا، مشورہ ختم ہونے کے بعد دونوں باہر نکلے راستہ میں مالکِ دکان کے دوست مل گئے، آپس کے مشورہ سے مولانا نے بیگ مالکِ دکان کے دوست کو دے دی، اب مالکِ دکان اور ان کے دوست ایک ہی اسکوٹر پر گھر چلے گئے، رات بھر یہ بیگ مالکِ دکان کے گھر پر ہی رہا، صبح معمول کے مطابق مولانا مالکِ دکان

کے گھر گئے، مالکِ دکان نے وہی بیگ مولانا کے ہاتھ میں دیا اور یہ دونوں اسکوٹر پر دکان آ گئے، دکان آ کر مالک نے بیگ کھولا تو اس میں سے ایک لاکھ چالیس ہزار روپے کم نکلے۔

اب مالک دکان زید، بکر اور مولانا پر الزام ڈال رہا ہے کہ تم تینوں میں سے کسی ایک نے لیے ہیں، معاملہ پولیس تک گیا، پولیس نے زید اور بکر کو خوب مارا، مگر یہ انکار ہی کرتے رہے اور مولانا بھی انکار کرتے رہے، بعد میں چند عاملوں کو بلایا گیا، ان لوگوں نے تینوں میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ کیا، جب کہ بیگ رات بھر مالکِ دکان کے گھر پر رہا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا عاملوں کے اشاروں پر کسی پر الزام ڈال سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حجت شرعیہ کے بغیر محض عملیات کی بنیاد پر کسی پر چوری کا الزام لگانا، اور اس کو چور قرار دے کر زبردستی اس سے مالِ مسروقہ وصول کرنا، یا اس کو سزا دینا، گرفتار کرانا یا اس کو ذلیل اور رسوا کرنا جائز نہیں، ہمارے اکابر نے اس کو سختی کے ساتھ منع لکھا ہے۔

(دیکھیے: امداد الفتاوی ۴/ ۸۸، فتاویٰ محمودیہ مطبوعہ کراچی ۲۰/ ۷۶، ۷۷)

حدیث شریف میں مسلمان کی جان، مال اور عزت وآبرو کی حرمت بڑی تاکید سے بیان کی گئی ہے، شرعی حجت کے بغیر اس کی خلاف ورزی کسی حال میں جائز نہیں۔

"کل المسلم علی المسلم حرام دمه وماله وعرضه" (مشکوٰۃ)

اس لیے مالکِ دکان کا اپنے ملازمین زید، بکر اور مولانا پر محض عاملوں کے

اشاروں پر الزام ڈالنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

بلا دلیل کسی پر جادو کرانے کا الزام لگانا

سوال: ہمارے یہاں بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو کہ دوسرے کسی مسلمان پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ اس آدمی نے ہمارے اوپر یا ہمارے خاندان والوں پر جادو کیا ہے، حالاں کہ جس پر یہ الزام لگایا گیا ہے وہ اس چیز سے مبرّا ہے، اور وہ کہتا ہے کہ خدا کی پناہ! ہم نے کوئی ایسا کام نہیں کیا، نہ میں کچھ جانتا ہوں، ایسے الزام لگانے والے پر از روئے شریعت محمدی ﷺ کیا حکم لگ سکتا ہے؟ قرآن شریف اور حدیث شریف کی روشنی میں ہدایت فرمائیے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب اس آدمی نے جادو نہیں کیا ہے تو اس پر یہ الزام لگانا بلا دلیل ہے جو تہمت ہے اور حرام ہے، قرآن مجید میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنٰت بغیر مااکتسبوا فقد احتملوا بھتانا واثما مبینا﴾ (الاحزاب:۵۸)

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بدون اس کے کہ انہوں نے کچھ (ایسا کام) کیا ہو (جس سے وہ مستحق سزا ہو جائیں) ایذاء پہنچاتے ہیں، تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا (اپنے اوپر) بار لیتے ہیں۔ (یعنی اگر وہ ایذاء قولی ہے تو بہتان ہے اور اگر فعلی ہے تو مطلق گناہ ہی ہے) (معارف القرآن ۷/۲۲۶)

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ولا تقف مالیس لك به علم، ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئك کان عنه مسئولا﴾ (بنی اسرائیل:۳۶) ترجمہ: اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل مت کیا کر (کیوں کہ) کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی (قیامت کے دن) پوچھ ہوگی۔ (معارف القرآن ۵/۴۸۱)

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفسیر قرطبی اور تفسیر مظہری کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ ''جس شخص نے بے تحقیق مثلاً کسی شخص پر کوئی الزام لگایا اور بلا تحقیق کسی بات پر عمل کیا، اگر وہ ایسی چیز سے متعلق ہے جو کان سے سنی جاتی ہے تو کان سے سوال ہوگا، اور آنکھ سے دیکھنے کی چیز ہے تو آنکھ سے، اور دل سے سمجھنے کی چیز ہے تو دل سے سوال ہوگا کہ یہ شخص اپنے دل میں جمائے ہوئے خیال میں سچا ہے یا جھوٹا؟ اس پر انسان کے یہ اعضاء خود شہادت دیں گے، جو حشر کے میدان میں بے تحقیق الزام لگانے والے اور بے تحقیق باتوں پر عمل کرنے والے کے لیے بڑی رسوائی کا سبب بنے گا۔ (معارف القرآن ۵/۴۸۲، ۴۸۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ہندو سادھو کے ذریعہ سفلی عمل کرانے کا حکم

سوال: ہمارے یہاں ایک شخص باپ کی ملکیت میں رہتا ہے اس کو مکان سے نکالنے کے لیے اس کا حقیقی بھائی کسی سادھو مہاراج کی مندر میں جا کر یا غیر مسلم ہندو کے پاس جا کر ناپاک سفلی عمل کرائے تو مذکور شخص کا ایمان ختم ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اس کو پھر کلمہ پڑھنا چاہئے یا نہیں؟ اور اس کی عورت اس کے نکاح میں رہتی ہے یا نہیں؟ یا فقط

توبہ کرنے سے معاف ہوجائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

غیر مسلم کے اس سفلی عمل میں اس آدمی نے براہ راست کوئی کام یا کلام منافی ایمان نہیں کیا تو اس کی اس حرکت سے ایمان ختم نہیں ہوگا البتہ یہ ایک بڑا گناہ ہے اس سے توبہ ضروری ہے صدق دل سے اپنی اس حرکت پر نادم ہو جو کچھ کیا ہے وہ ختم کرادے آئندہ کے لیے ایسا نہ کرنے کا عزم مصمم کرلے اور جس کے ساتھ کیا گیا ہے اس سے معاف کرادے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کسی کو کہنا کہ تم پر جادو کا اثر ہے

سوال: یہاں پر ایسے علما موجود ہیں جو کسی مسلمان کو جسمانی تکلیف ہونے پر تعویذ اور گنڈا لینے جانے والے کو یہ کہہ دیتے ہیں کہ تم پر جادو کا اثر ہے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر یہ حضرات دروغ گوئی کے طور پر کہتے ہیں تو اس کی قباحت اور حرمت ظاہر ہے، اور اگر علامات وقرائن کی بنیاد پر بطور ظن غالب اس لیے کہتے ہیں؛ تاکہ اس کے علاج اور دفعیہ کی طرف توجہ کی جائے تو یہ جائز ہے، لیکن اس صورت میں بھی ساتھ یہ کہنا کہ فلاں صاحب نے کیا یا کرایا ہے یا نام لیے بغیر ایسے الفاظ استعمال کرنا جس سے سننے والوں کا ذہن کسی مخصوص آدمی کی طرف منتقل ہو اور وہ اسی کو اس میں ذمہ دار ٹھہرائیں

تو یہ جائز نہیں، شرعاً عملیات وتعویذ کی بنیاد پر کسی آدمی کے خلاف ایسی بات کرنا حرام ہے، یہ چیزیں حجت شرعیہ نہیں ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تعویذ باندھنا

سوال: تعویذ کا باندھنا اپنے جسم کے کسی بھی حصہ پر کیسا ہے؟ منع ہے یا جائز ہے؟ مدلل جواب مطلوب ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تعویذات وگنڈے جو آیات وادعیۂ ماثورہ سے کئے جائیں فی نفسہ جائز ہیں، اگر اس میں کراہت یا حرمت آئے گی تو کسی عارض کی وجہ سے آئے گی، مثلاً عوام کا عقیدہ خراب ہوجاوے کہ وہ تعویذات وگنڈے کو مؤثر بالذات سمجھنے لگیں تو اس سے منع کیا جائے گا، اور ترک بہرحال اولیٰ ہے، مسنون یہ ہے کہ ادعیہ وآیات کو پڑھ کر دم کیا جائے۔ (امداد الاحکام ۱/۲۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جھاڑ پھونک کا حکم

سوال: ہمارے یہاں ایک بزرگ شخص ہیں، وہ صوم وصلوۃ کے بھی پابند ہیں، وہ روزانہ مغرب بعد ایک مکان میں جھاڑ پھونک کرتے ہیں، اور جھاڑنے کے لیے اکثر غیر مسلم عورتیں آتی ہیں، تو کیا یہ جھاڑ پھونک کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ہم کو معلوم کرائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعت کے مقرر فرمودہ حدود کے مطابق جھاڑ پھونک کرنا درست ہے، اور اس سے ہٹ کر جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۱۱ھ

عملیات میں خاص اشیاء کا اہتمام

سوال: تعویذ کا ثبوت تو ہے لیکن سوال یہ ہے کہ مروجہ عاملین کا جو طرز ہے مثلاً کالا دورا اور تانبا کی ڈبیہ میں ڈال کر دیتے ہیں آیا اس کا بھی ثبوت ہے؟ صحابۂ کرام تعویذ کو کس چیز میں ڈال کر دیا کرتے تھے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تعویذ لکھ کر لٹکانے کا تذکرہ کتب فقہ میں ہے، اسی طرح تعویذ باندھنے والا حالت جنابت میں ہو یا عورت حالت حیض میں ہو اس صورت میں وہ تعویذ بند ہونا چاہئے یہ بھی مصرح ہے؛ البتہ کوئی ضروری نہیں کہ لٹکانے کے لیے کالا ڈورا ہی استعمال کیا جائے یا بند کرنے کے لیے تانبے کی ڈبیہ ہی کام میں لائی جائے۔

و فی المجتبی اختلف الاستشفاء بالقرآن بان یقرأ علی المریض او الملدوغ الفاتحة او یکتب فی ورق ویعلق علیه او فی طست و یغسل ویسقی وعن النبی ﷺ انه کان یعوذ نفسه قال و علیٰ الجواز عمل الناس الیوم و به وردت الاٰثار ولا بأس بان یشد الجنب و الحائض التعاویذ علیٰ العضد اذا کانت ملفوفة اھ (شامی ۵/ ۲۵۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ — کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ

۴۰/دن کے عمل میں دو روز ناغہ کرنا

سوال: ہم جب کسی بیماری کے علاج کے لیے کوئی ۴۰ دن والا عمل کرتے ہیں اور اس عمل کے دوران اگر درمیان کے دو، تین روز ناغہ ہو جائے تو کیا عمل کی تاثیر کم ہو جائے گی؟ اور کیا وہ عمل دوبارہ کرنا پڑے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جیسے کسی دوا وغیرہ سے بیماری کا علاج کرتے ہیں اور اس میں اگر چالیس دن کا کورس ہو اور درمیان میں دو- تین دن ناغہ ہو جائے، اسی طرح یہ بھی ایک علاج ہے، اگر چالیس دن کا عمل پورا کرنے پر مطلوبہ اثر ظاہر ہو چکا ہے تو دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں، اور اگر مطلوبہ اثر ظاہر نہیں ہوا تو دوبارہ بھی کیا جا سکتا ہے؛ البتہ اتنا یاد رہے کہ جس مقصد کے لیے یہ عمل کیا جا رہا ہے شرعاً وہ مقصد جائز اور درست ہو، ورنہ ناجائز مقصد کے لیے کسی عمل کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ العبد احمد خانپوری، ۱۵/محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

دو عمل ایک ساتھ کرنا

سوال: کیا دو عمل ایک ساتھ کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دو عمل بھی ایک ساتھ کیے جا سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۱۵/محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

وساوس کا علاج

سوال: حضرت دل میں ایک وسوسہ رہتا ہے کہ عمل میں گناہ کا (حرام کاری، بے حیائی) وسوسہ آتا ہے، اللہ جانے یہ کیوں ہوتا ہے؟ حضرت میں نے بہت کوشش کی؛ مگر وسوسہ آتا ہی رہتا ہے، حالتِ نماز اور تلاوت میں بھی ذہن یہاں وہاں گردش کرتا رہتا ہے، جب کبھی اپنی عصری تعلیم کے لیے بیٹھتا ہوں تب پڑھ ہی نہیں سکتا ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

گناہ کے وساوس وخیالات کا غیر اختیاری طور پر آنا گناہ نہیں؛ اس لیے چاہے آپ کو حرام کاری کے وساوس آتے ہوں تب بھی آپ پریشان نہ ہوں، ویسے بھی شریعت میں انسان غیر اختیاری امور کا پابند نہیں، اس کا علاج یہ ہے کہ ان وساوس کی طرف دھیان نہ دیں؛ بلکہ اپنے کام میں لگے رہیں، اس طرح کرتے رہیں گے تو ان شاء اللہ آہستہ آہستہ ان وساوس سے نجات حاصل ہوجائے گی، بہ طورِ وظیفہ "آمنت باللہ ورسلہ" چلتے پھرتے پڑھا کریں اور فجر ومغرب کے بعد چوتھا کلمہ ۱۰۰ (سو) مرتبہ پڑھنے کی عادت ڈال لیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۷/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

وظائف میں بھی ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا

سوال: سورہ کی تسبیح پڑھتے وقت کیا ہر سورۃ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جی ہاں! ہر مرتبہ سورۃ کے شروع میں بسم اللہ پڑھ لیا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۱۵/محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

باب مایتعلق بالتبلیغ

عورتوں کی تبلیغی جماعت کی شرعی حیثیت

سوال: آج کل مبلغین حضرات (جن کا شمار تبلیغی ذمہ داروں میں ہوتا ہے وہ) مستورات کی جماعت بنا کر بھیجتے ہیں؛ اس طرح کہ ان کے ساتھ ان کے محرم ہوتے ہیں، مگر ٹرین وغیرہ میں سیٹیں آمنے سامنے ہونے کی وجہ سے نزدیکی حاصل ہوتی ہے، اور جس جگہ جماعت کا قیام ہوتا ہے وہاں پردہ کا اہتمام ہوتا ہے، مگر پھر بھی اجنبی و نامانوس جگہ میں ہونے کی وجہ سے بے احتیاطی کا اندیشہ رہتا ہے، عورتیں چوبیس گھنٹے گھروں میں قیام کرتی ہیں، اور ان کے محرموں کو مساجد میں بھیج دیا جاتا ہے جب کہ صاحبِ خانہ (گھر کا مالک) بجائے مسجد میں جانے کے اسی گھر میں (جہاں عورتوں کا قیام ہے) رہتا ہے، شرعی رو سے یہ کیسا ہے؟ اس پُرفتن دور میں عورتوں کا دین کی اشاعت اور تبلیغ کرنا کیسا ہے؟ شریعت میں اس کی کوئی نظیر ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورتوں کو تبلیغی جماعت میں بھیجنے کے سلسلہ میں علماءِ عصر کے دو نظریے اور دو

رائیں ہیں۔ بعض علماء واکابر نے تبلیغی اہمیت وضرورت کے احساس کے باوجود مفاسد کے غالب ہونے کے پہلو کو مدِ نظر رکھ کر اجازت نہیں دی؛ چناں چہ مفتیٔ گجرات حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ اور مفتیٔ پاکستان حضرت مولانا رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی اسی پہلو کے غماز ہیں۔

حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

''عورتوں کو جماعت میں لے جانا مطلوب وپسندیدہ نہیں ہے، اور ﴿وإثمهما أكبر من نفعهما﴾ (ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدے سے) کا مصداق ہے، عورتیں غیر محتاط ہوتی ہیں''۔ (فتاوی رحیمیہ ۱۰/۴۹۸)

اور حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

''عورتوں کا گھروں سے نکلنا بہت بڑا فتنہ ہے؛ اس لیے حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے مسجد کی جماعت، جمعہ، طلبِ علم اور وعظ سننے کے لیے عورتوں کے نکلنے کو ناجائز قرار دیا ہے، جب ایسی اہم عبادات وضروریات دین کی خاطر تھوڑے سے وقت کے لیے قریب تر مقامات تک نکلنے پر بھی اس قدر پابندی ہے تو تبلیغ کے لیے کئی کئی دنوں بلکہ مہینوں اور چلوں کے لیے دور دراز مقامات میں جانا بطریق اولیٰ ناجائز ہونا چاہیے''۔

آگے حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''بصیرتِ فقہیہ'' کا عنوان لگا کر تحریر فرماتے ہیں: ''حضرات فقہاءِ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات مذکورہ سے ثابت ہوا کہ امورِ دینیہ کے لیے خواتین کے خروج کی ممانعت قرآن وحدیث میں منصوص نہیں بلکہ ان حضرات نے اپنے زمانے کے حالات اور شیوع فتن وفسادات کی وجہ سے اصولِ شریعت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اپنی آراء وافکار کا اظہار فرمایا ہے؛ لہٰذا ان حضرات کا

فیصلہ کوئی نصِ قطعی اور حرفِ آخر نہیں بلکہ تغیرِ زمانہ سے اس میں ترمیم کی گنجائش ہے۔

دورِ حاضر میں غلبۂ جہل اور دین سے بے اعتنائی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ خواتین کے لیے ضرورات شرعیہ سے خروج کو مطلقاً حرام وممنوع قرار دینا اور کسی بھی ضرورتِ شرعیہ کے لیے خروج کی اجازت نہ دینا اقامتِ دین کے بجائے ہدمِ دین ہے؛ چناں چہ اسی کے پیشِ نظر مجموع النوازل میں مسائلِ شرعیہ معلوم کرنے کی ضرورت سے خروج کی اجازت دی گئی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۸/ ۵۸)

اس کے بالمقابل بعض دوسرے علماءِ کرام نے عصرِ حاضر کے لوگوں میں دین سے غفلت، اسلامی تہذیب وکلچر سے بعد ودوری، علومِ اسلامیہ کی تحصیل وترویج سے سستی وبے زاری وغیرہ دیگر حقائق؛ نیز تبلیغی جماعت کے فوائدِ کثیرہ من جملہ ان میں سے لوگوں میں اس کے ذریعہ علومِ دینیہ کی تحصیل کا شوق وجذبہ سنتِ نبوی علیہ الصلوۃ والسلام سے والہانہ لگاؤ شریعت اسلامی وتہذیب محمدی ﷺ کی ترویج واشاعت کا شوق وعزم وغیرہ پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر چند اہم وضروری شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دی ہے؛ چناں چہ مفتیٔ اعظم ہند فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ ان ہی حقائق کی طرف مشیر ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

"تبلیغی جماعت کا مقصد دین سیکھنا، اس کو پختہ کرنا دوسروں کو دین سیکھنے، پختہ کرنے کے لیے آمادہ کرنا ہے اور اس جذبہ کو عام کرنے کے لیے طویل سفر کیے جاتے ہیں، جس طرح مرد اپنے دین کو سمجھنے اور پختہ کرنے کے محتاج ہیں عورتیں بھی محتاج ہیں اور گھروں میں عامۃً اس کا انتظام نہیں ہے؛ اس لیے اگر لندن یا کسی بھی دور دراز مقام پر محرم کے ساتھ حدودِ شرع کی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے جائیں اور کسی کے حقوق تلف نہ ہوں تو

شرعاً اس کی اجازت ہے بلکہ دینی اعتبار سے مفید واہم ہے، اگر بچے اتنے چھوٹے نہیں ہیں کہ بغیر والدہ کے تڑپیں گے، اور ان کی پرورش نہیں ہو سکے گی، اور بچوں کی نانی ان کی دیکھ بھال اطمینان بخش طریقے پر کرے گی تو پھر اجازت ہے''۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۱۰۷)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں: ''دین سیکھنا مردوں اور عورتوں سب کے ذمہ ضروری ہے، عورت کے لیے اگر مکان میں ان کے شوہر باپ بھائی وغیرہ دین سیکھنے کا انتظام کر دیں تو کہیں جانے کی ضرورت نہیں؛ لیکن جب اس کا انتظام نہ ہو تو ان کے اجتماع کو منع نہ کیا جائے؛ البتہ اس کا اہتمام کیا جائے کہ پردہ کا پورا انتظام ہو، بلا محرم کے عورتیں سفر نہ کریں، تقریر میں ان کی آواز نامحرموں تک نہ پہنچے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عورتوں کا اجتماع فرمایا اور اس میں خود تشریف لے جا کر دین سکھایا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۱۱۶)

شہیدِ ملت حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ عورتوں کا تبلیغی جماعتوں میں جانا کیسا ہے؟ اس سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ تبلیغ والوں نے مستورات کے تبلیغ میں جانے کے لیے خاص اصول وشرائط رکھے ہیں، ان اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے عورتوں کا جماعت میں جانا بہت ہی ضروری ہے، اس سے دین کی فکر بھی اپنے اندر پیدا ہوگی اور امت میں دین والے اعمال زندہ ہوں گے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل ۷/۲۷۵)

بہر حال یہ مسئلہ دیانت سے تعلق رکھتا ہے اس کی پوری بنیاد ہی دیانت پر ہے؛ لہذا جو حضرات بھیجنے والے ہیں، (یعنی ذمہ دار) اور جو حضرات ساتھ جا رہے ہیں، ان کی بہت بڑی اور بہت اہم ذمہ داری ہے وہ سب سے پہلے اس بات کا مکمل اطمینان حاصل کر لیں کہ جماعتِ تبلیغ میں بھیجی جانے والی یہ خواتین کس نوع کی ہیں آج تک

کے ان کے طرزِ عمل اور رویہ سے اس بات کا اطمینان ہو کہ یہ عورتیں اس سلسلہ میں جو خاص اصول اور شرائط تجویز کیے گئے ہیں ان کی مکمل پابندی کریں گی تو بھیجنے کی اجازت وگنجائش ہے، رہا شب میں بسا اوقات شوہروں یا محرموں کا ان خواتین سے الگ رات گزارنا تو یہ عدمِ جواز کی وجہ نہیں بن سکتا؛ اس لیے کہ اس سلسلہ میں وضع کیے گئے اصول وشرائط کی بنیاد پر ان عورتوں کو ایسی جگہوں پر ہی رکھا جاتا ہے، جہاں ان کی عفت وعصمت کی حفاظت وغیرہ کا مکمل اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

اخیر میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر جو بذات خود مستورات کی تبلیغی جماعت کے ساتھ شرکت فرما کر لکھی ہے، پیش کی جارہی ہے چناں چہ تحریر فرماتے ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مستورات کی تبلیغی جماعت میں مجھے بذاتِ خود اپنی اہلیہ اور بیٹی کے ساتھ شرکت کا موقع ملا، مستورات کے تبلیغی عمل کا میں نے خود مشاہدہ کیا، جس میں شریعت کے تمام احکام کی مکمل پابندی کی جاتی ہے، اور پردے کے تمام احکامات کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، مستورات کی تبلیغ کے سلسلہ میں تبلیغی جماعت کے اکابرین نے جو شرائط رکھی ہیں وہ مکمل شریعت کے مطابق ہیں اور ان شرائط کی پابندی نہ کرنے والی مستورات کو تبلیغی عمل میں شرکت کی اجازت نہیں ہوتی، ان تمام امور کے بعد میری سمجھ سے یہ بات بالاتر ہے کہ مستورات کی تبلیغی جماعت میں شرکت کے عدمِ جواز کا فتویٰ کیوں دیا جاتا ہے، میری رائے میں مستورات کا اس طرح تبلیغ کے لیے جانا درست ہے، مستورات کی جماعتوں کی وجہ سے ہزاروں عورتوں کی اصلاح ہوگئی ہے، اور بہت سی عورتیں جو بے حجاب کھلے

بندوں بے پردہ نکلتی تھیں، اور قرآن کریم نے جس کو تبرج الجاهلية کہا ہے اس کا پورا پورا مظاہرہ کرتی تھیں، الحمدللہ ان مستورات کو دیکھ کر ان کے پاس بیٹھ کر اور ان کی دینی باتیں سن کر ان کی اصلاح ہوگئی ہے اور وہ اب مکمل حجاب کے ساتھ نکلتی ہیں؛ اس لیے اس ناکارہ کے نزدیک تو شرائط مرتبہ کے مطابق نہ صرف مستورات کا تبلیغ میں نکلنا جائز ہے بلکہ ضروری ہے؛ کیوں کہ مثل مشہور ہے کہ ''خربوزہ خربوزہ سے رنگ پکڑتا ہے'' ہمارے یہاں بے پردگی کا جو عام رواج ہوا ہے اور الا ماشاء اللہ کوئی گھرانہ مشکل ہی سے اس طوفان بلاخیز سے محفوظ رہا ہوگا، اس کی ابتداء انگریز نے غیر مسلم استانیوں کے ذریعہ کی اور بالآخر اس تحریک نے طوفان کی شکل اختیار کرلی، اگر بشرائطِ معروفہ تبلیغی جماعت میں مستورات کی نقل وحرکت کو رواج دیا جائے تو انشاء اللہ اس کے بہت مبارک اثرات ظاہر ہوں گے۔ ولله الحمد أولا وآخرا۔ (ماہنامہ بینات ماہ صفر ۱۴۱۹ھ)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ ۵/ ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عورتوں کا جماعت میں نکلنا

سوال: آج کل کے حالات کے اعتبار سے عورتوں کی جماعت ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں لے جانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعت نے عورتوں کے سفر کے لیے جن شرائط وقیود کو ضروری قرار دیا ہے، ان کی

رعایت کرتے ہوئے اجازت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عورتوں کا ہفتہ واری اجتماع میں بیان اور تعلیم کرنا

سوال: عورتوں کے ہفتہ واری اجتماع میں گاؤں کے آدمی سے بات کرانا چاہیے یا عورت سے بات کرانا چاہیے یا صرف تعلیم کرنا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سب کی اجازت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایضاً

سوال: عورتوں کے دینی ہفتہ واری اجتماع میں تعلیم ہوتی ہے، تعلیم کرنے والی عورتیں عورتوں سے تعلیم کرواتی ہیں اور کرتی بھی ہیں، عورتوں کے ہفتہ واری اجتماع میں کون تعلیم کرے؟ یہ مردوں کے مشورے سے طے کرنا چاہیے یا عورتوں کے مشورے میں عورتوں سے طے کرنا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ انتظامی معاملہ ہے، مرکز کی ہدایت کے بموجب عمل کیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

یہ بھی احکام شرع کی تبلیغ ہے

سوال: ہم لوگ محلہ کی مسجد میں تبلیغی جماعت کا کام کرتے ہیں، اب محلہ والے کبھی کسی کے انتقال کی وجہ سے اجتماعی ختمِ قرآن کرتے ہیں اور ختمِ قرآن کی تاریخ اور وقت اور دن متعین ہوتا ہے اور پھر ختم کے بعد سب کے اوپر گلاب کا پانی چھانٹا جاتا ہے، اب اگر ہم لوگ اس میں نہ بیٹھیں، تو توڑ ہونے کا اندیشہ ہے، اس لیے جوڑ باقی رکھنے کے لیے اس کے اندر بیٹھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

محلہ والوں کو ایصالِ ثواب کا صحیح شرعی طریقہ محبت ونرمی کے ساتھ بتلادیا جائے، اور غیر شرعی طریقہ کی قباحت اور اس کے نقصانات سے ان کو واقف کرایا جائے، یہ بھی احکامِ شرع کی تبلیغ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مروجہ تبلیغ شریعت کی نظر میں

سوال: اس دور میں تبلیغی جماعت کا زور سارے عالم میں ہے، یہ اس طرح کی تبلیغ جو مسلمانوں میں ہورہی ہے، کیا سنت ہے یا بدعت ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نفس تبلیغ کا حکم تو کتاب وسنت میں موجود ہے، اور ہر زمانہ میں اس پر عمل بھی ہوتا رہا؛ البتہ ہر زمانہ کے حالات کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کے قلوب

میں مفید طریقے القاء فرماتے رہے ہیں، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، ہفتہ میں ایک یا دو دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس لوگ جمع ہوتے اور وہ احادیث سناتے، مسائل بتلایا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہفتہ میں ایک دفعہ مسجد نبوی میں ممبر کے قریب کھڑے ہو کر احادیث سنایا کرتے تھے۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ ہر جمعہ کو خطبہ شروع ہونے سے پہلے احادیث سنایا کرتے تھے۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بھی مستقلاً تبلیغ کیا کرتے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کوفہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس خط لکھا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو یہاں بھیج دیجئے تبلیغ کے لیے، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھیجا، تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ڈیڑھ ہزار کے قریب اپنے تلامذہ کو لے کر تشریف لے گئے۔ پھر ایک وقت آیا کہ احادیث کو لکھا گیا، اور کتابی شکل دی گئی، جگہ جگہ حدیث سنانے کے حلقے ہوتے تھے، بعض محدثین کے حلقہ میں ایک لاکھ یا اس سے بھی زائد آدمی موجود رہتے تھے، (یہ سب مخاطبین مسلمان ہی تھے)۔ پھر ایک وقت آیا کہ مشائخ نے تصوف اور توجہ باطن کے ذریعہ تبلیغ کی، علماء نے مدارس قائم کئے، واعظین نے وعظ کہے۔ غرض یہ امت مجموعی حیثیت سے کسی بھی وقت نفس تبلیغ سے کلیۃً غافل نہیں رہی، اور ہر ہر طریقۂ تبلیغ نہایت ہی مؤثر مفید ثابت ہوا، ان میں کوئی طریقہ غلط نہیں۔

آج کے دور میں تبلیغی جماعت کا طریقہ اصول کی پابندی کے ساتھ نہایت مؤثر ومفید ہے، جس طرح مدارس کے عمل کو نیا طریقہ کہہ کر غلط نہیں کہا جاسکتا، اسی طرح تبلیغ کے طریقہ کو نیا کہہ کر غلط نہیں کہا جاسکتا، مسلمان کا اپنے اسلام میں پختہ ہونا لازم ہے، پھر اس کی غیر مسلموں میں بھی فی الجملہ تبلیغ ہوتی ہے، ورنہ اندیشہ ہے کہ وہ خود ہی اس

طرف مائل ہوجائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۳۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دین کی تبلیغ فرض کفایہ ہے

سوال: دین کی دعوت دینا (تبلیغ) یہ کام فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فرض کفایہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، رجب ۱۴۱۱ھ

ایک سال کے لیے تبلیغی جماعت میں جانا

سوال: کیا ایک سال کے لیے تبلیغی جماعت میں جانا قرآن وحدیث اور فقہ کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟ کیا جو لوگ ایک سال کے لیے جاتے ہیں وہ شریعت مطہرہ کے خلاف کرتے ہیں، جو علماء کرام اور بزرگان دین ایک سال کے لیے جماعت میں نکلنے کی تشکیل کرتے ہیں وہ شریعت کے خلاف کرتے ہیں؟ اور اگر شریعت کے خلاف کرتے ہیں تو علماء حق کا اتنا بڑا گروہ کیوں خاموش ہے؟ ہمارے یہاں ایک مفتی صاحب نے بڑے شدومد سے مسجد میں ایک اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے قرآن شریف ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ جو لوگ تبلیغی جماعت میں ایک سال کے لیے نکلتے ہیں وہ قرآن وسنت کی روشنی میں کہیں بھی ثابت نہیں ہے، کیا یہ کہنا صحیح ہے؟ اگر مفتی صاحب

کا یہ فرمان صحیح ہے، تو علماء کرام اور بزرگان دین کے ایک بہت بڑے طبقہ پر مداہنت کا الزام آتا ہے، ان کی دینی اقدار مجروح ہوتی ہے، اور ان علماء پر سے لوگوں کا دینی اعتماد مجروح ہوتا ہے، اور اگر ان کا یہ فرمان صحیح نہیں تو ایسے امام کو مسجد میں امامت اور خطابت کے لیے رکھنا شریعت کی روشنی میں کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دین کا سیکھنا، سکھانا اور اس پر عمل کرنا فرض ہے، دین سیکھنے کی ایک صورت یہ ہے کہ آدمی عربی مدارس میں داخلہ لے کر باقاعدہ پورا نصاب پڑھ کر اساتذہ کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کرے، اور جس کے پاس اتنا وقت نہیں یا اتنی مالی وسعت نہیں یا عمر زائد ہو چکی ہے یا دیگر اعذار ہیں، اس کے لیے دین سیکھنے کی ایک صورت تبلیغی جماعت میں نکلنا بھی ہے، جس طرح پہلی صورت میں ایک سال یا نو سال یا کم وبیش وقت کے لیے آدمی کا گھر سے نکلنا جائز ودرست اور اسلاف واکابر کے متواتر عمل سے ثابت ہے، اسی طرح دوسری صورت میں بھی درست وجائز ہے، ان مفتی صاحب کا وہ فرمان جس کا سوال میں ذکر ہے درست نہیں، ایک قسم کا غلو اور تجاوز عن الحدود ہے، اور ان کے اس فرمانے پر ان کو امامت وخطابت سے الگ کرانے کے لیے تحریک چلانا، یہ آپ کی طرف سے غلو اور تجاوز عن الحدود ہے، دونوں فریق کو چاہیے کہ شریعت مطہرہ نے جس اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی ہے اس کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں، اللہ تعالیٰ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک تبلیغی مقرر کا واقعۂ ہرقل سے غلو آمیز استدلال کا جواب

سوال: حیات الصحابہ مؤلفہ حضرت مولانا یوسف صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ کے حوالہ سے ایک صاحب نے شاہِ ہرقل کا ایک واقعہ بیان کیا کہ چند اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ کے پاس بغرض دعوت اسلام حاضر ہوتے ہیں، اور آگے یہ کہ بادشاہ انھیں ایک بکس میں سے چند تصاویر دکھلاتا ہے جو انبیاء کرام کی تھیں، یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بھی دکھلائی اور آپ کی رسالت کا اقرار بھی کیا، اور اخیر میں اسلام لانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ آپ کے یہاں اپنے غلام سے جو سب سے زیادہ بدتر سلوک کرے، میں اس کا بدتر غلام بننے کو تیار ہوں؛ لیکن اسلام لانے کو تیار نہیں، آگے سلسلۂ کلام میں حضرت موصوف (مقرر صاحب) نے فرمایا کہ یعنی اس پر اسلام واضح ہو چکا تھا اور وہ جانتا تھا..... یہی حق ہے اور اس پر علامات واضح ہو چکی تھیں پھر بھی اس نے اسلام لانے سے انکار کر دیا، (چوں کہ وہ موقعہ ہمارے محلہ کی مسجد کی ہفتہ واری گشت کے بعد عمومی بات کا تھا؛ اس لیے موقع کی مناسبت سے تبلیغی کام کی ترغیب دیتے ہوئے) آگے حضرت موصوف نے سلسلۂ کلام میں فرمایا ''معلوم ہوا کہ کسی کام کو صرف حق جاننا اور صحیح سمجھنا کہ یہ کام صحیح ہے یا بہت اچھا ہے یہ نجات کے لیے کافی نہیں ہے، یا یہ ہدایت نہیں، جیسا کہ آج امت کا ایک بہت بڑا طبقہ اور ہم میں سے بہت سے لوگ اس دعوت کے کام کو حق سمجھتے ہیں؛ لیکن جب کہا جاتا ہے کہ نکلو تو..... اب کیا کہا جائے''۔ براہِ کرم بتلاویں کہ حضرت موصوف کا مذکورہ بالا واقعہ کا اس طرح کا استعمال کیا درست ہے؟ اور کیا حضرت موصوف کا استیناس درست ہے؟ اور اگر ہے تو ان اکابرین علماء کے بارے میں کیا حکم

ہوتا ہے جن کا اس خاص طریقۂ کار میں کوئی وقت نہیں لگا جب کہ وہ ساری زندگی اس کام کو درست اور حق جانتے رہے اور دوسروں کو بھی اس کام کی تلقین کرتے رہے، اللہ کے واسطے جواب مفصل ومدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس سوال کا جواب سمجھنے سے پہلے موجودہ تبلیغی جماعت کی شرعی حیثیت سمجھ لینا ضروری ہے:

حضرت مفتیٔ اعظم فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ اس سوال کے جواب میں کہ ''ایک صاحب تبلیغی جماعت میں جانے کو فرض عین فرماتے ہیں'' تحریر فرماتے ہیں: ''اصل یہ ہے کہ دین سیکھنا فرض عین ہے۔ اس کی ایک صورت مدارس میں پڑھنا ہے، اور ایک صورت تبلیغ میں جانا ہے، اور بھی صورتیں ہیں۔ میوات کے لوگوں کو بتایا گیا تھا کہ دین سیکھنا فرض ہے؛ اس لیے یا مدارس قائم کرو یا دوسری صورتیں اختیار کرو، اگر تم کوئی دوسری صورت اختیار نہ کرسکو تو متعین طور پر تبلیغ ہی میں نکلو؛ اس لیے وہاں یہی کہہ کر لوگ نکلتے ہیں کہ دین سیکھنے کے لیے چلو! اتنی بات میں کسی کو اختلاف نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۴۵۳)

ایک اور سوال جواب ملاحظہ فرمائیں:

سوال: قرآن کریم اور حدیث شریف کی روشنی میں موجودہ ''تبلیغی جماعت'' کی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: یہ دیکھنے سیکھنے پختہ کرنے اور اشاعت کا ایک ذریعہ ہے اصول کے ساتھ کیا جائے تو تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ بے حد مفید ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۴۲۳)

آپ نے سوال میں مقرر صاحب کے واقعۂ ہرقل سے استدلال کی جو صورت بیان کی ہے وہاں مسئلہ کفر اور اسلام کا ہے، اور اس کو جس پر منطبق کرنا چاہا ہے وہ دین ہی کے مختلف شعبے ہیں، جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر ضروری اور اہم ہے؛ اس لیے ان کا یہ استدلال یا تو کم فہمی پر مبنی ہے یا کج فہمی پر، دین کے تمام ہی شعبے مطلوب اور مقصود ہیں، جو حضرات کسی ایک شعبے سے متعلق ہو کر اس کی خدمت انجام دے رہے ہیں ان کے متعلق یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے شعبہ کی خدمات انجام دینے کے جو مخصوص فوائد ہیں وہ ان کو حاصل نہیں ہوں گے؛ لیکن نعوذ باللہ وہ ناحق پر ہیں یا گمراہی پر ہیں یا کسی مخصوص شعبہ میں نہ لگنے کی وجہ سے قابلِ مذمت ہیں، یہ نہایت خطرناک خیال ہے جس سے بچنا انتہائی ضروری ہے۔

ایک سوال جواب ملاحظہ ہو:

سوال: جو مسلمان ''تبلیغی جماعت'' میں داخل نہیں ہوتا اور نہ گشت و چلہ کشی کرتا ہے اس کے لیے شرع کا کیا حکم ہے؟

جواب: اس کا جو فائدہ ہے اس کو حاصل نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۴۲۳)

اس لیے ان مقرر صاحب کا یہ طرز استدلال درست نہیں۔

ایک بات یاد رہے کہ دین کے ہر شعبے میں کام کرنے والے افراد میں اس شعبہ کے کام کا غلبہ ہونا ضروری ہے، مراکزِ علومِ دینیہ (مدارس) میں تعلیم و تعلم کا غلبہ، مراکزِ تزکیۂ باطن اور خانقاہوں میں مجالسِ ذکر اور اعمالِ تزکیہ و مجاہدات کا غلبہ، اور مراکزِ دعوت و تبلیغ میں دعوت و تبلیغ کے کام کا غلبہ ہونا چاہیے، تو ان شاء اللہ یہ سارے دینی کام آگے بڑھیں گے اور کسی پر کسی عمل کا غلبہ ان اعمال کی محدودیت کے ساتھ مطلوب بھی

ہے؛ تاکہ کام خوب آگے بڑھے اگر کوئی اپنی کج فہمی سے کسی دینی کام کی تنقیص یا تردید کرتا ہے، یا دوسرے کام کی تحقیر کرتا ہے تو اسے غلبہ نہیں کہا جائے گا بلکہ غلو کہا جائے گا، اور دین میں غلو مذموم اور مردود ہے، اگر مدارس والے ذکر واذکار اور دعوت وتبلیغ کی تنقیص کریں یا خانقاہوں میں دعوت وتبلیغ اور تعلیم وتعلم کی تنقیص ہو یا اربابِ دعوت وتبلیغ تبلیغی کام کو ہی اصل سمجھیں، اور دوسرے کام کی تنقیص وتحقیر کریں تو بالیقین ان کا یہ طرز، فکر وعمل مذموم اور قابلِ مذمت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

متفرقات کتاب العلم

غریب گھرانے کے بچوں کو پڑھانے کی ذمہ داری

سوال: ہمارے گاؤں میں قریباً ۵۰۰/ سے ۶۰۰/ مکان مسلمانوں کے ہیں، اور ہر سال گاؤں کے ایک گھرانے سے ۳۵۰/ روپیے اساتذۂ کرام کی تنخواہ کے لیے بہ طور فنڈ کے ملتے ہیں؛ مگر سوال یہ ہے کہ بعض گھرانے ایسے ہیں جن کے گھر کا گذران صرف مزدوری پر ہی ہے اور ان کے پاس کچھ بھی بچتا نہیں ہے، پھر بھی گاؤں کے لوگ اصرار کرتے ہیں کہ آپ کو ۳۵۰/ سالانہ فنڈ کے دینے ہوں گے، اور اگر نہیں دو گے تو آپ کے بچوں کو مدرسہ میں نہیں بٹھائیں گے، تو کیا ان بچوں کو پڑھانے کے ذمہ دار ماں باپ گنہ گار ہوں گے یا گاؤں کے لوگ ذمہ دار ہوں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

علم دین کی فرض عین مقدار حاصل کرنا ہر مسلمان پر ضروری اور لازم ہے، اپنے بچوں کو علم کی اس مقدار کا سکھلانا ماں باپ پر ضروری ہے، جس طرح محنت مزدوری کرکے وہ اپنے بچوں کی رہائش طعام اور لباس کا انتظام کرتے ہیں، اسی طرح ان کو ضروریات دین سکھلانے کا بھی انتظام کریں۔ اہل ثروت حضرات اس میں ان کا تعاون فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ رمحرم الحرام ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

عالم کسے کہتے ہیں؟

سوال: ایک شخص جو مدرسہ سے فارغ نہیں ہوا نہ سند حاصل کی نہ دوزانوں استاذ کے سامنے بیٹھ کر علم حاصل کیا؛ مگر مطالعہ سے اور بزرگوں کی صحبت میں رہ کر اس نے بہت سا علم حاصل کیا؛ تو کیا اس کو عالم دین کہیں گے، یا عالم دین کے لیے مدرسہ کی سند ضروری ہے، نیز عالم بننے کے لیے کتنے علوم حاصل کرنا ضروری ہے، یا ایسی کوئی اور وجہ ہے جس سے ایک عام آدمی سے عالم کو ترجیح ہے تو ضرور بتائیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حصول علم مدرسہ کے داخلہ پر موقوف نہیں ہے، بزرگوں اور علماء کی صحبت میں رہ کر بھی ممکن ہے، مدارس کے قیام کا مقصد بھی یہ ہے کہ طالب کو علماء کی صحبت بہ سہولت میسر ہو؛ البتہ علم دین میں صرف مطالعہ کافی نہیں، جب تک کہ استاذ کی صحبت ونگرانی نہ

ہو۔عرفی طور پر عالم اس کو کہتے ہیں جس نے مدرسہ میں رہ کر علماء کی صحبت میں علم حاصل کیا ہو، رہا اس کا لغوی مفہوم تو اس میں عموم ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

''فال نامہ'' جیسی کتابوں کا پڑھنا

سوال: چند کتابیں یعنی نقشِ سلیمانی، فال نامہ وغیرہ کا مطالعہ کرنا کہاں تک ٹھیک ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مروجہ فال لینا شرعاً جائز نہیں؛ اس لیے ایسی کتاب کا مطالعہ بھی جائز نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد خانپوری عفی عنہ، ۲۱/ ذوالحجۃ ۱۴۱۴ھ

''دنیا کے کتوں سے بچا'' یہ دعا مانگنا اسلاف سے ثابت ہے؟

سوال: نماز کے بعد کچھ امام صاحب اجتماعی دعا کرتے وقت ایسا کہتے ہیں: ''دنیا کے کتوں سے بچا'' اس طرح دعا کرنا جائز ہے کیا؟ بزرگان دین کے وقت میں ایسی دعا ہوئی ہے کیا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ان الفاظ سے کوئی دعا ماثور ومنقول نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ رجب ۱۴۱۵ھ

حامداً ومصلیاً ومسلماً کا ترجمہ

سوال: حامداً ومصلیاً ومسلماً کے کیا معنیٰ ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

میں اپنی بات یا اپنا جواب اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور نبیٔ کریم ﷺ پر درود وسلام پڑھتے ہوئے شروع کرتا ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۱۵/محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عرفی عالم واصطلاحی عالم

سوال: ''عالِم'' کس کو کہتے ہیں؟ کیا عالم یعنی بزبان العام ''مولٰنا'' ہی کو کہیں گے، جس نے کسی دار العلوم میں چند سال زانوئے تلمذ طے کیا ہو اور نصابِ تعلیم کی تکمیل کی ہو، یا ہر اس کو جسے دین کی بنیادی چیزوں کا صحیح صحیح علم ہو؟ اور احادیث میں کس عالم کی فضیلت وارد ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آیتِ کریمہ: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ کی تفسیر میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ: آیت میں لفظ علماء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات وصفات کا کما حقہ علم رکھتے ہیں اور مخلوقاتِ عالَم میں اس کے تصرفات پر اور اس کے احسانات وانعامات پر نظر رکھتے ہیں، صرف عربی زبان

یا اس کے صرف ونحو وفنون بلاغت جاننے والوں کو قرآن کی اصطلاح میں عالم نہیں کہا جاتا، جب تک اس کو اللہ تعالیٰ کی معرفت مذکورہ طریق پر حاصل نہ ہو۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ: عالم وہ شخص ہے جو خلوت وجلوت میں اللہ سے ڈرے اور جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے ترغیب دی ہے، وہ اس کو مرغوب ہو اور جو چیز اللہ کے نزدیک مبغوض ہے، اس کو اس سے نفرت ہو۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لیس العلم بكثرة الحديث ولكن العلم عن كثرة الخشية'' یعنی بہت سی احادیث یاد کر لینا یا بہت باتیں کرنا کوئی علم نہیں؛ بلکہ علم وہ ہے جس کے ساتھ اللہ کا خوف ہو۔

حاصل یہ ہے کہ جس قدر کسی میں خدائے تعالیٰ کا خوف ہے، وہ اسی درجہ کا عالم ہے اور احمد بن صالح مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ خشیت اللہ کو کثرت روایت اور کثرت معلومات سے نہیں پہچانا جاسکتا؛ بلکہ اس کو کتاب اللہ اور سنت کے اتباع سے پہچانا جاتا ہے۔ (ابن کثیر)

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس آیت میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ جس شخص میں خشیت نہ ہو وہ عالم نہیں۔ (مظہری)

اس کی تصدیق اکابر سلف کے اقوال سے ہوتی ہے: حضرت ربیع بن انس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''من لم يخش فليس بعالم'' یعنی جو اللہ سے نہیں ڈرتا وہ عالم نہیں۔ اور مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''إنما العالم من خشي الله'' یعنی عالم تو صرف وہی ہے جو اللہ سے ڈرے۔ سعد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ مدینہ میں سب سے زیادہ افقہ کون ہے؟ فرمایا: ''اتقاهم لربه'' یعنی جو اپنے رب سے سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو۔

اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے فقیہ کی تعریف اس طرح فرمائی: ''إن الفقيه حق الفقيه من لم يقنط الناس من رحمة الله، ولم يرخص لهم في معاصي الله

تعالیٰ، ولم يومنهم من عذاب الله تعالیٰ، ولم يدع القرآن رغبة عنه إلى غيره، أنه لاخير في عبادة لا علم فيها، ولا علم لا فقه فيه، ولا قراءة لاتدبر فيها" (قرطبي) فقیہ: مکمل فقیہ وہ ہے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس بھی نہ کرے اور ان کو گناہوں کی رخصت بھی نہ دے اور ان کو اللہ کے عذاب سے مطمئن بھی نہ کرے اور قرآن کو چھوڑ کر کسی دوسری چیز کی طرف رغبت نہ کرے، (اور فرمایا) اس عبادت میں کوئی خیر نہیں جو بے علم کے ہو اور اس علم میں کوئی خیر نہیں جو بے فقہ یعنی بے سمجھ بوجھ کے ہو اور اس قرأت میں کوئی خیر نہیں جو بغیر تدبر کے ہو۔

مذکورہ تصریحات سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ بہت سے علماء کو دیکھا جاتا ہے کہ ان میں خدا کا خوف وخشیت نہیں؛ کیوں کہ تصریحاتِ بالا سے معلوم ہوا کہ اللہ کے نزدیک صرف عربی جاننے کا نام علم اور جاننے والے کا نام عالم نہیں، جس میں خشیت نہ ہو وہ قرآن کی اصطلاح میں عالم ہی نہیں؛ البتہ خشیت کبھی اعتقادی اور عقلی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے آدمی بہ تکلف احکام شرعیہ کا پابند ہوتا ہے اور کبھی یہ خشیت حالی اور ملکۂ راسخہ کے درجہ میں ہوجاتی ہے، جس میں اتباع شریعت ایک تقاضائے طبیعت بن جاتا ہے، خشیت کا پہلا درجہ مامور بہ اور عالم کے لیے ضروری ہے، دوسرا درجہ افضل واعلیٰ، ضروری نہیں۔ (از بیان القرآن) (معارف القرآن ۷/ ۳۳۷، ۳۳۸)

تفصیلِ بالا سے معلوم ہوا کہ عرف عام میں جس کو عالم کہا جاتا ہے، اس میں اور قرآن کی اصطلاح میں جس کو عالم کہتے ہیں، اس میں عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

لفظ ''مولانا'' اور ''مولوی'' کا مطلب واستعمال

سوال: کسی عالم دین کے لیے ''مولٰنا'' کا استعمال جائز ہے؟ جب کہ قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے (انت مولٰنا) استعمال ہوا ہے؟ اور کیا قرونِ اولیٰ سابقہ میں دین کے عالم کے لیے ''مولٰنا'' کا لفظ مستعمل ہوا؟ اور ''مولوی'' کا کیا مطلب ہے؟ اور یہ ''مولانا'' اور ''عالم'' کا لفظ کب سے استعمال میں آنے لگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

''مولٰنا'' دو لفظ سے مرکب ہے: ''مولیٰ'' اور ''نا'' ضمیر مجرور متصل جمع متکلم۔ عربی زبان میں مولیٰ متعدد معنوں کے لیے آتا ہے: صاحب ''تاج العروس'' علامہ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ نے مولی کے معانی کی تفصیل لکھ کر تحریر فرمایا ہے کہ: ''فهذه أحد و عشرون معنى للمولى: وأكثرها قد جاءت في الحديث، فيضاف كل واحد إلى مايقتضيه الحديث الوارد فيه'' (تاج العروس ۱۰/ ۳۹۹) یعنی یہ اکیس معانی لفظ مولی کے ہیں، اور ان میں سے اکثر معانی حدیث میں آئے ہیں، اس لیے جس حدیث میں لفظ مولیٰ وارد ہوا ہے، وہ حدیث جس معنی کی مقتضی ہوگی، وہ مراد لیے جائیں گے۔

صاحب ''مجمع البحار'' محمد بن طاہر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: واسم المولى يقع على الرب، والمالك، والسيد، والمنعم، والمعتق، والناصر، والمحب، والتابع، والجار، وابن العم، والحليف، والعقيد، والصهر، والعبد، والمعتق، والمنعم عليه؛ وأكثرها جاء في الحديث (مجمع البحاره/ ۱۱۳)

اس لیے جہاں یہ لفظ استعمال ہو رہا ہے، اس مقام کے مناسب جو معنی ہوگا، وہ مراد

ہوگا۔قرآن کریم میں دعاء کے موقعہ پر باری تعالیٰ کو خطاب کرتے ہوئے ''انت مولٰنا'' آیا ہے وہاں رب اور پروردگار والا معنی متعین ہے، قرآن پاک ہی میں لفظ مولی دوسرے معنی میں بھی آیا ہے:﴿یَوْمَ لَا یُغْنِیْ مَوْلًی عَنْ مَوْلًی شَیْئًا﴾ (الدخان: ٤١) ﴿ولکل جعلنا موالی مما ترك الوالدٰن والاقربون﴾ (النساء:٣٣) ﴿مأوٰکم النار ھی مولٰکم﴾ (الحدید:١٥) ﴿وھو کل علی مولٰہ﴾ (النحل:٧٦) ﴿وانی خفت الموالی من ورآءی﴾ (مریم:٥) ﴿فان لم تعلموآ آبآءھم فاخوانکم فی الدین ومواليكم﴾(الاحزاب:٥)۔''بخاری شریف''(کتاب الصلح) میں حضرت براء رضی اللہ عنہ کی طویل روایت ہے، اس کے آخر میں ہے: وقال لزید أنت أخونا ومولانا (١/٣٧٢) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو مولانا فرمایا۔

اس لیے کسی عالم دین کو''مولانا'' کہنے میں کوئی اشکال نہیں ہے، اس صورت میں لفظ مولی آقا اور سردار کے معنی میں ہوگا، اور مطلب ہوگا''ہمارے سردار'' ظاہر ہے عالم دین کو اپنے علم کی وجہ سے مسلمانوں کی سیادت وسرداری حاصل ہے۔

''مولوی'' یہ''مولی'' کی طرف نسبت ہے، یعنی مولی والا، علامہ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: والنسبة إلى المولىٰ مولوي ومنه استعمال العجم المولوي للعالم الكبير، ولكنهم ينطقون به ''ملا'' وهو قبيح (تاج العروس ١٠/ ٤٠١) یعنی مولی کی طرف نسبت کرنے (یائے نسبتی لگانے) سے مولوی بنا ہے اور اسی معنی میں اہل عجم بڑے عالم کو مولوی کہتے ہیں، لیکن اب اہل عجم مولوی کو''ملا'' بولنے لگے ہیں، جو برا ہے۔

ان دونوں الفاظ کی ابتداء کب سے ہوئی؟ یہ میرے علم میں نہیں ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

كتاب الطهارة

باب أحكام المياه

اندرونی گولائی بیالیس فٹ ہوتو وہ شرعی حوض نہیں

سوال: ہمارے یہاں ایک حوض ہے جس کی اندرونی گولائی بیالیس فٹ ہے، اور گہرائی پانچ فٹ ہے، اس حوض کا مندرجۂ ذیل صورتوں میں کیا حکم ہوگا؟

(۱) اگر کسی نے اس حوض میں غسل جنابت کرلیا تو کیا وہ حوض ناپاک ہوجائے گا؟

(۲) کوئی ناپاک چیز اس میں گرے تو کیا وہ ناپاک ہوجائے گا؟

(۳) اگر چھوٹے بچے اس میں نہاتے ہوں تو کیا وہ ناپاک ہوجائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس حوض کی اندرونی گولائی ۴۲ فٹ ہے وہ شرعی حوض نہیں ہے، اس لیے غسلِ جنابت سے اس کا پانی مستعمل ہوجائے گا بہ شرطیکہ غسل کرنے والے کے جسم پر نجاستِ حقیقیہ نہ ہو ورنہ ناپاک ہوگا، اسی طرح قلیل نجاست گرنے سے بھی وہ ناپاک قرار دیا جائے گا، اس لیے کہ وہ ماءِ قلیل کے حکم میں ہے، نہانے والے چھوٹے بچوں کے جسم پر اگر نجاست لگی ہوئی ہے تو ناپاک ہوجائے گا۔ (شامی ۱/۱۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

درمیانِ حوض واقع ستون حوض کی مساحت پر اثر انداز نہیں

سوال: ایک مسجد کا حوض تعمیر ہو چکا ہے، فقہ حنفی کے اعتبار سے حوض کی مساحت ۲۲۵ دوسو پچیس فٹ ہے، ہماری حوض کے درمیان چار ستون قائم ہیں ان کی وسعت

۱۵×۱۵ انچ ہے، کیا یہ اصلی حوض کی مساحت پر اثر انداز ہوگا؟ کیوں کہ موجودہ حوض کی مساحت ۲۳۰ فٹ ہے اور ستونوں کی مجموعی مساحت قریب دس فٹ ہے، اور ان ستونوں پر چھت تعمیر ہو چکی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درمیان میں ستونوں کا ہونا پانی کے اتصال کو مانع نہیں ہے، اور ان کا وجود حوض کی اصلی مساحت پر اثر انداز نہیں ہوگا۔

ولو توضا فی اجمة القصب او من ارض فیها زرع متصل بعضه ببعض ان کان عشرا فی عشر یجوز واتصال القصب بالقصب لا یمنع اتصال الماء بالماء (فتاوی عالمگیری ۱/ ۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جس کنویں میں مینڈک گر کر پھول پھٹ گیا ہو اس پانی سے پڑھی ہوئی نمازوں کا کیا حکم ہے؟

سوال: ایک کنویں میں سے ایک دن شام کے وقت دو تین مینڈک مرے ہوئے بذریعۂ ڈول نکالے گئے، دیکھنے والوں میں سے بعض کا قول ہے کہ صرف مرے ہوئے تھے، بعض کا قول ہے کہ پھولے بھی تھے، پھر دوسرے دن صبح آٹھ نو بجے پانی میں بدبو آنے لگی اور کنویں میں کوئی چیز پھٹی ہوئی معلوم ہونے لگی، دیکھنے والوں میں اکثر کی رائے بلکہ تمام کا کہنا ہے کہ مینڈک ہی مر گیا ہے، جس کے ریشے پانی میں معلوم

ہورہے ہیں، اب اس کنویں کے پانی کا کیا حکم ہے؟ اس کنویں کے پانی سے کوئی چیز پکائی گئی ہو، جیسے: چاول، روٹی، سالن تو اس کھانے کا کیا حکم ہے اور اس پانی سے غسل اور وضو کر کے نماز پڑھی گئی ہو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں مینڈک کے مرجانے اور پھول پھٹ جانے سے کنویں کا پانی ناپاک نہیں ہوا، اس لیے اس پانی سے وضو اور غسل کر کے جو نمازیں پڑھی گئیں وہ صحیح ہیں؛ البتہ اگر وہ پھول پھٹ کر ریزہ ریزہ ہوگیا تھا اس پانی کو پینا اور اس سے پکایا ہوا کھانا استعمال کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (شامی ۱/ ۱۲۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ناپاک کنویں کا پانی نکالنے میں نیت ضروری نہیں

سوال: اگر کوئی کافر کنویں میں گر جائے اور کافر ناپاک ہو تو اس سے پورا کنواں ناپاک ہوجاتا ہے، لہٰذا تمام پانی کا نکالنا ضروری ہے، لیکن جاننے کے باوجود لوگوں نے اس نیت سے نکالا کہ پانی پاک ہے اور اپنے استعمال میں لائے اور اس حد تک پانی نکالا کہ پورا کنواں خالی ہوگیا تو کیا اپنی استعمال کی نیت سے پانی نکالنے کی وجہ سے پانی نکالا ہوا شمار ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب پورا کنواں خالی کر دیا گیا تو پاک ہوگیا، نیت جو بھی ہو مقصود کنویں کو خالی کرنا

ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کنواں ناپاک ہوجائے تو پاک کرنے کا طریقہ

سوال: ہمارے گاؤں میں ایک لڑکا ہے جس کی عمر چھ سال ہے ذہنی اعتبار سے مخبوط الحواس ہے، کسی طرح کی عقل اور سمجھ اس میں نہیں ہے، اکثر پاگلوں کی سی حرکت کرتا رہتا ہے اس نے ایک ماہ قبل مسجد کے کنویں میں پیشاب کر دیا تھا اسی وقت سے ہم نے اس پانی سے وضو کرنا چھوڑ دیا تھا، اب بارش کی وجہ سے کنواں بھر گیا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا کنویں میں پیشاب کرنے سے کنواں ناپاک ہوجائے گا، اور اگر ناپاک ہوگیا تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں کنواں ناپاک ہوگیا، اس کے پاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ اس کا تمام پانی نکال دیا جائے، جب سارا پانی نکل جائے گا تو کنواں پاک ہوجائے گا، کنویں کے اندر کے کنکر، دیوار وغیرہ دھونے کی ضرورت نہیں وہ سب آپ ہی آپ پاک ہو جاویں گے، اسی طرح رسی، ڈول جس سے پانی نکالا ہے، کنویں کے پاک ہونے سے آپ ہی آپ پاک ہوجائے گا، ان دونوں کے بھی دھونے کی ضرورت نہیں، سب پانی نکالنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنا نکالیں کہ پانی ختم ہوجاوے اور آدھا ڈول بھی نہ بھرے۔ (درمختار مع الشامی ۱/ ۱۵۵، ۱۵۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کنویں کا ناپاک پانی حوض میں بھر گیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: ہمارے یہاں علمی ادارہ ہے، اور اس ادارے میں ایک کنواں ہے اور کنویں کا پانی ناکافی ہونے کی وجہ سے ایک دہ دردہ حوض بنایا گیا ہے، جس میں کنویں کا پانی جمع ہوتا ہے، اس میں سے پورے مدرسہ میں استعمال کیا جاتا ہے، اب اس کنویں میں سے چوہا مرکر پھٹا ہوا نکلا، لہٰذا چوہے کے منتفخ ہونے سے کنواں کا پانی تو بالیقین ناپاک ہوگیا، لہٰذا بندہ سے جب استفتاء کیا گیا تو بندہ نے بایں طور جواب دیا کہ کنویں کا پانی تو ناپاک ہے اور حوض کے پانی کے بارے میں بندہ نے غور وفکر کیا، اور کتابوں کی جستجو کی تو چوں کہ بندہ کے سامنے مدرسہ کے حالات اور ضروریات تھیں، کیوں کہ اگر حوض کے پانی کے ناپاک ہونے کا فتویٰ مطلقاً دیا جائے تو مدرسہ بہت ساری پریشانیوں کا باعث ہے؛ کیوں کہ جب کنواں اور حوض دونوں ناپاک ہوجاویں تو دونوں کا پانی نکالا جائے گا، اور جب کنویں کا پانی بھی نکال دیا تو اب کنویں میں دوسرا پانی آنے میں تقریباً پانچ چھ گھنٹے ہوجاتے ہیں، اور جب پانچ چھ گھنٹے کے بعد کنویں میں پانی جمع ہو اس وقت اگر بجلی نہ ہو؛ کیوں کہ یہاں بجلی بارہ گھنٹہ رہتی ہے اور بارہ گھنٹہ نہیں رہتی ہے، تو اس صورت میں پانی کے نہ ہونے کی صورت میں مدرسہ کے تمام متعلقین کو وضو غسل اور کھانے پینے؛ غرض کہ ہر طرح کی پریشانیاں درپیش ہوں گی، لہٰذا بندہ نے "التسهيل في مواضع الضرورة والبلوى العامة" کے پیش نظر تسہیل کے لیے شامی میں مذکورہ جزئیہ "إن الماء النجس إذا دخل على ماء الحوض الكبير لا ينجسه ولو كان غالبا على ماء الحوض" (شامی، نعمانیہ ۱/ ۱۲۶) نیز اس جزئیہ کی

تائید فتاوی رحیمیہ کے ۱/ ۱۲۷ سوال ۵۳/ جو تالاب کے سلسلے میں ہے اس سے بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا بندہ نے ان تمام وجوہات وعبارت کو پیش نظر رکھ کر جواب دیا کہ چوں کہ حوض میں پہلے سے پاک پانی موجود ہے اور اس میں جو کنویں کا ناپاک پانی مل گیا تو اس سے حوض ناپاک نہ ہوگا، لیکن دوسرے مفتی صاحب سے استفتاء کرنے پر انہوں نے جواب دیا کہ حوض کا پانی بھی ناپاک ہے، اور انہوں نے فرمایا کہ شامی کے جزئیہ پر کسی کا عمل نہیں ہے، تو کیا ان کا یہ فرمانا درست ہے یا نہیں؟ نیز فتاوی رحیمیہ میں جو مسئلہ مذکور ہے اس میں عبارت غدیر اعظم کے بارے میں ہے اور صورت مسئولہ تالاب کے بارے میں ہے تو کیا حوض کبیر کو تالاب پر قیاس کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حوض کا پانی پاک ہے، آپ نے جو جواب دیا ہے وہ درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ناپاک پانی جاری کرنے سے پاک ہوجاتا ہے

سوال: پانی ناپاک ہے، اور اس کو پاک کرنے کا طریقہ کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ اس کو جاری کردیا جائے؛ لیکن پھر جاری کرنے کے بارے میں بھی کتابوں میں دو صورتیں ہیں: اولاً تو یہ ہے کہ جاری کرنے میں اتنا پانی نکالنا ضروری ہے جتنا اندر پہلے سے موجود تھا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ خارج قلیل ہو پھر بھی پاک ہوجائے گا۔

(قوله: بمجرد جريانه) أي بأن يدخل من جانب ويخرج من آخر

حال دخوله وإن قل (بعد سطر) وقيل: لا يطهر حتى يخرج قدر مافيه.
(شامی، نعمانیہ ۱/ ۱۳۰)

لہٰذا ان دونوں قولوں میں سے مفتی بہ کونسا قول ہے؟ اور اگر تھوڑا پانی نکل گیا اور پھر اس کو طاہر سمجھ کر اس سے وضو غسل وغیرہ کیا تو کیا یہ درست ہے یا نہیں؟ یا پھر نمازیں قضا کرنی ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

آگے قول مختار کی صراحت موجود ہے۔

وأما على القول المختار فقد حكم بالطهارة بمجرد الخروج، فيكون طاهراً ثم رأيته في الظهيرية: ونصه والصحيح أنه يطهر وإن لم يخرج مثل مافيه (شامی ۱/ ۱۳۰)

اس سے معلوم ہوا کہ مختار یہ ہے کہ نفس خروج سے حوض پاک شمار ہوگا؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ ایک جانب سے داخل ہو رہا ہو اور دوسری جانب سے نکل رہا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مَنْفَذ سے ناپاک پانی کنویں میں جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: ہمارے گھر میں کنواں ہے، اور کنواں بنیاد سے متصل ہے، اور جب بارش ہوتی ہے تو بنیاد میں سے کچھ پانی نکل کر کنویں میں جمع ہو جاتا ہے، اور کنویں میں پانی میلا جیسا معلوم ہوتا ہے، اور پیچھے کے حصہ میں چوپائے چرتے رہتے ہیں، اور ان

کا گوبر وغیرہ بھی رہتا ہے؛ لہٰذا بارش کا پانی پیچھے کے حصہ سے کنویں میں گرتا ہے؛ لیکن پانی میں نجاست کا اثر معلوم نہیں ہوتا؛ لیکن ہماری والدہ کہتی ہے کہ یہ پانی ناپاک ہے، مفتیان کرام کیا فرماتے ہیں اس بارے میں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ناپاک پانی براہِ راست کنویں میں جاتا ہے، تو اس صورت میں اگر وہ کنواں دہ دردہ نہیں ہے تو ناپاک ہوجاتا ہے، اور پاکی کے لیے تمام پانی نکالنا ضروری ہوجاتا ہے، اور اگر براہِ راست کنویں میں نہیں جاتا؛ بلکہ زمین کے اندرونی منافذ سے کنویں تک پہنچتا ہے تو اس صورت میں ناپاک پانی یا نجاست کا اثر کنویں کے پانی میں ظاہر ہو، یعنی پانی کا رنگ یا بو یا مزہ بدل جائے تو کنویں کا پانی ناپاک سمجھا جائے گا؛ ورنہ نہیں۔

البعد بين البئر والبالوعة بقدر مالا يظهر للنجس أثر (درمختار) و الحاصل أنه يختلف بحسب رخاوة الأرض وصلابتها، وفي قدره اعتبر حال أرضه (شامی ۱/ ۱۶۳،۱۶۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دہ دردہ حوض کی شکلیں

سوال: شرعاً دہ دردہ حوض ہونا ضروری ہے؛ لیکن اگر وہ مثلث یا مدور ہو یا مسدس ہو وغیرہ تو اس کی مقدار کتنی ہونی ضروری ہے؟ نیز فی زماننا اس کی مقدار مروجہ آلات پیمائش کے اعتبار سے کتنے فٹ وگز ہونا چاہیے؟ نیز شرعی گز کی کتنی مقدار ہے؟ انگریزی گز اور شرعی گز میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ میں نے ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ

حوض کسی بھی شکل کا ہو اس کا کل رقبہ 225 مربع فٹ ہونا ضروری ہے، یہ کہاں تک درست ہے، اگر درست ہے تو ایک حوض کی شکل میں اس کے نکالنے کی کیا شکل ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کفایت المفتی میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: جب کہ حوض کا رقبہ دہ در دہ حوض کے رقبہ کے برابر ہو تو اس کا حکم دہ در دہ کے موافق ہوگا خواہ شکل کچھ بھی ہو، مربع حوض جب کہ اس کی ہر جہت پندرہ فٹ ہو تو اس کا رقبہ ۲۲۵/ مربع فٹ ہوتا ہے، اتنا ہی رقبہ جس شکل میں پورا ہو جائے اس کا حکم اس مربع حوض کے حکم کے موافق ہوگا۔ (کفایت المفتی ۲/ ۲۴۵)

نوٹ: آپ نے جتنی بھی شکلیں سوال میں بنا کر دریافت کی ہیں ان میں مربع فٹ نکالنے کا طریقہ علمِ حساب سے تعلق رکھتا ہے، حضرات فقہاء اس سے بحث نہیں کرتے، اس لیے آپ اپنے یہاں جو حساب کے ماہرین ہوں ان سے طریقہ سمجھ کر بچوں کو سمجھا سکتے ہیں یا ان ہی کو مدرسہ میں دعوت دے کر بچوں کو طریقہ بتلا دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نجاست کا محض احتمال ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال: چھوٹے لڑکے پیشاب کرتے ہیں تو ان کے پیشاب کے چھینٹے لوٹوں کے پاس نظر آتے ہیں تو کیا پیشاب کے ان چھینٹوں کا لوٹے میں گرنے کا امکان ہے؟ کیا لوٹے تین مرتبہ دھونا درست ہے یا اسراف میں داخل ہے؟ جب کہ بیت الخلاء میں

بچے بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پیشاب کے چھینٹوں کے لوٹوں کے پاس نظر آنے سے۔جب کہ لوٹوں کے اوپر باہری حصہ میں بھی نہیں ہے۔ان کے لوٹوں میں واقع ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لیے لوٹوں کے اندرونی حصہ کو دھونے کی ضرورت نہیں، ایک بات اصولی طور پر یاد رہے کہ محض امکان اور احتمال کی وجہ سے کسی چیز کے ناپاک ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ٹب میں ناپاک و پاک کپڑے ایک ساتھ دھونے کا حکم

سوال: چھوٹے بچے جو پیشاب کے بعد پانی استعمال نہ کرتے ہوں، ان کے کپڑے بڑوں کے کپڑوں کے ساتھ بھگوئے جائیں تو وہ سب ناپاک ہوجاتے ہیں؛ لہٰذا دھونے والی ہاتھ ٹپ میں ڈبو کر کپڑے دھوتی ہیں، گلاس کا استعمال نہ کرتی ہو، اور ان کپڑوں کے دھونے میں چھینٹے ٹپ میں پڑتے ہوں؛ لیکن نل کا پانی مسلسل چالو رہتا ہو، تو کیا کپڑے پاک ہوجاتے ہیں یا تو تین مرتبہ بچوں کے کپڑے دھو کر بھگوئے جائیں یا پھر یہ بھی اسراف میں شامل ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دھونے والی جس ٹب میں ہاتھ ڈال کر پانی لے کر کپڑے دھو رہی ہے، اس ٹب میں اوپر لگے ہوئے نل سے پانی مسلسل اس طرح چالو رہتا ہے کہ ٹپ کے کناروں سے چھلک

کر باہر گرتا رہتا ہے تو اس صورت میں کپڑے پاک ہو جائیں گے۔ شامی میں ہے:

(تنبيه): هل يلحق نحو القصعة بالحوض فإذاكان فيها ماء نجس ثم دخل فيها ماء جار؛ حتى طف من جوانبها هل تطهر هى والماء الذى فيها كالحوض ام لا، لعدم الضرورة فى غسلها، توقفت فيه مدة ثم رأيت فى خزانة الفتاوى: إذا فسد ماء الحوض فاخذ منه بالقصعة وامسكها تحت الانبوب، فدخل الماء وسال ماء القصعة فتوضأ به لا يجوز الخ وفى الظهيرية: فى مسئلة الحوض لو خرج من جانب آخر لايطهر مالم تخرج مثل ما فيه ثلاث مرات كالقصعة عند بعضهم، والصحيح أنه يطهر وإن لم يخرج مثل ما فيهاهفالظاهر أن ما فى الخزانة مبنى على خلاف الصحيح، يؤيده ما فى البدائع بعد حكايته الاقوال الثلاثة فى جريان الحوض حيث قال: ما نصه وعلى هذا حوض الحمام أو الاوانى إذا انتجس اه ومقتضاه أنه على القول الصحيح تطهر الأوانى بمجرد الجريان. (شامی ۱/ ۱۴۳،۱۴۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تالاب میں پاک ناپاک تمام کے غسل کرنے سے پانی کا حکم

سوال: ① ایک تالاب ہو، جس کی لمبائی ۱۲/ فٹ کے قریب ہو اور اس کی چوڑائی تقریباً ۸/ فٹ کے قریب ہو، اور گہرائی تقریباً ۳/ فٹ ہو،

② ایک تالاب ہو، جس کی لمبائی تقریباً ۶۰/ فٹ ہو، اور چوڑائی تقریباً ۴۵ فٹ ہو، گہرائی تقریباً ایک فٹ سے لے کر ۶/ فٹ تک ہو، ان میں ۹۵/ فیصد کافر غسل کریں، اور کئی تقریباً جنابت کی حالت میں ہوں گے، اور دوسرا یہ شراب زیادہ پیتے

ہیں، جس کی وجہ سے پیشاب زیادہ آتا ہے، اور وہ پیشاب بھی پانی میں کریں، اور پھر عورتیں و مرد ایک ساتھ غسل کرتے ہیں، اور کئی عورتیں بھی ناپاک ہوتی ہیں، یعنی کہ جنابت کی حالت میں اور حیض کی حالت میں ہوتی ہیں، علمائے دین سے درخواست ہے کہ کتاب وسنت کے حوالہ سے حدیث نمبر دے کر فتویٰ تحریر فرمائیں، اور مہر لگا کر دیں کہ ان تالابوں کا پانی پاک ہے یا ناپاک؟ ۵۰ رفیصد مسلمان غسل کرتے ہیں، کیا ان کا جسم پاک ہوگا یا ناپاک ہوگا؟ کتاب وسنت کی روشنی میں فتویٰ تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس تالاب کا رقبہ دوسو پچیس مربع فٹ ہو، وہ ''دہ دردہ'' ہونے کی وجہ سے جاری پانی کے حکم میں ہوگا، اس میں اگر ایسی نجاست پڑ جائے جو پڑ جانے کے بعد دکھلائی نہیں دیتی جیسے پیشاب، شراب وغیرہ، اگر اس نجاست کی مقدار اتنی ہے کہ اس کی وجہ سے پانی کے رنگ یا مزہ یا بو میں کوئی فرق نہیں آیا ہے تو اس تالاب میں جہاں وضو یا غسل کرنا چاہے کر سکتا ہے، اور اگر اس نجاست کی مقدار اتنی ہے کہ اس کی وجہ سے تالاب کے پانی کے رنگ یا مزہ میں فرق آ گیا ہے، یا اس میں سے بدبو آنے لگی ہے تو وہ تالاب ناپاک ہو جاوے گا۔ آپ نے جن دو تالاب کے متعلق دریافت فرمایا ہے اس میں سے پہلا ''دہ دردہ'' نہیں ہے، جب کہ دوسرا ''دہ دردہ'' کے حکم میں ہے۔

الحوض إذا كان عشراً فی عشر أی طوله عشرة أذرع وعرضه كذلك، فيكون وجه الماء مائة ذراع وجوانبه أربعين ذراعاً، إن كان مربعاً وأما العمق فالمختار ما لاتنحسر أی لاتنكشف أرضه بالغرف فهو كبير لايتنجس بوقوع النجاسة مطلقاً لا موضع الوقوع ولاغيره إذا لم يرلها

أثر إذا كانت النجاسة مرئية هكذا وقع فی النسخ والصواب أن لفظة غير مسقطة من قلم الكاتب، وإنما هو إذا كان النجاسة غير مرئية. (كبيری شرح منية المصلی: ۹۷، ۹۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ٹرین کے پانی سے غسل کرنا

سوال: حالت سفر میں ٹرین کا پانی غسل جنابت کے لیے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کر سکتے ہیں، جب استنجاء میں استعمال کر سکتے ہیں جو طہارت ہے تو غسل جنابت میں استعمال کرنے میں کیا مانع ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

باب نواقض الوضوء

سر میں تیل غسل جنابت کے لیے مانع نہیں

سوال: سر میں تیل جلد تک پانی پہنچنے کے لیے مانع تو نہیں کہ غسل جنابت میں چکناہٹ کو زائل کرنے والی چیز (صابون) کا استعمال ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بالوں میں یا ہاتھ، پیروں میں تیل لگا ہوا ہے کہ بدن پر پانی اچھی طرح ٹھہرتا

نہیں بلکہ پڑتے ہی ڈھلک جاتا ہے تو اس کا کچھ حرج نہیں، جب سارے بدن اور سارے سر پر پانی ڈال لیا، غسل ہوگیا۔ (بہشتی زیور ۱/۵۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عورت کا بچہ کو دودھ پلانا ناقضِ وضو نہیں ہے

سوال: ایک عورت نے نماز کے لیے وضو کیا، پھر بچہ رونے لگا تو اس نے بچہ کو دودھ پلا دیا یا یہ کہ عورت نے فجر کی دو رکعت سنت ادا کی پھر بچہ کو دودھ پلایا اور فرض پڑھی، تو کیا نماز درست ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورت کا بچہ کو دودھ پلانا ناقضِ وضوء نہیں ہے، صورت مسئولہ میں محض اس لیے کہ اس عورت نے دودھ پلایا اور نیا وضوء کیے بغیر نماز پڑھی اس کی نماز کے درست ہونے میں کوئی شک وشبہ کرنے کی ضرورت نہیں، کسی پاک چیز کا غیر سبیلین سے نکلنا ناقضِ وضوء نہیں، عورت کا دودھ پلانا بھی اسی میں داخل ہے۔

والشیء الظاهر إذا خرج من سبیلین انتقض الوضوء کالریح بخلاف غیر سبیلین کالدمع والعرق (السعایة ۱/۱۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ستر کھل جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا

سوال: اگر کوئی آدمی نماز میں ہے، اس کا ستر ظاہر ہوگیا تو وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اگر کوئی آدمی نماز کے باہر ہو تو اس کا وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز یا بیرون نماز ستر کھل جانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بلاوجہ غسل جنابت میں تاخیر کرنا

سوال: لوگ کہتے ہیں کہ جنابت کی حالت میں زمین پر چلو تو زمین بددعا دیتی ہے کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ چیز میرے علم میں نہیں ہے، بلاوجہ غسل جنابت میں تاخیر کرنا برکات سے محروم کرنے والا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دوائی کے ذریعہ بالوں کو بھورا بنانا، وضو اور غسل کا حکم

سوال: آج کل ایک انگریزی دوائی نکلی ہے جو عورتیں اپنے بالوں پر استعمال کرتی ہیں، اس کے استعمال کے بعد بالوں کا رنگ بھورا ہو جاتا ہے، اس دوائی کے اندر شراب، الکحل (Alcohal) کے علاوہ مختلف قسم کی اشیاء (chemikal) ڈالے جاتے ہیں، اس دوائی کو سر کے بالوں پر لگانے کے بعد دو تین گھنٹے ویسے چھوڑے رکھتے ہیں اور اس کے بعد صابن، شیمپو وغیرہ سے سر کو دھویا جاتا ہے، جس سے صرف بھورا رنگ باقی رہتا ہے، اور دوائی کا اثر پورا پورا چلا جاتا ہے، لہٰذا کیا یہ دوائی عورتیں استعمال کر سکتی

ہیں؟ اس کے دھونے کے بعد وضو وغسل درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حدیث شریف میں سفید بالوں پر خضاب کے استعمال کی اجازت بلکہ استحباب وارد ہوا ہے؛ البتہ یہ شرط ہے کہ استعمال کیے جانے والے خضاب کا رنگ سیاہ نہ ہو، سیاہ خضاب کا استعمال مکروہ تحریمی ہے، البتہ اگر بالوں کا رنگ اصلی اور فطری موجود ہے اس کے باوجود اس کو دوسرے رنگ سے بدلنا چاہے وہ سیاہ نہ ہو کہیں نظر سے نہیں گزرا، دورِ حاضر میں فیشن کے نام پر جو کام کیے جاتے ہیں انھیں کا ایک حصہ ہے، اور بلا ضرورت ہونے کے ساتھ تغییر خلق اللہ کا مصداق ہونے کی وجہ سے اس کی اجازت نہیں، اس کے باوجود کسی عورت نے اس طرح اپنے بالوں کو بھورا بنالیا اور ایسا کرنے کی وجہ سے صرف رنگ میں تبدیلی آئی ہے بالوں کے اوپر کوئی پرت نہیں چڑھی تو وضو اور غسل درست ہوجائے گا ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

غسل خانہ میں وضو

سوال: غسل خانہ میں پیشاب کرنے کے بعد وہاں پر بیٹھ کر وضو کرنے سے وضو ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وضو ہوجاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ

مرد اور عورت پر کن چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے؟

سوال: عورت اور مرد کو کن چیزوں پر غسل فرض ہوتا ہے؟ واضح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

انزال یعنی دفق وشہوت کے ساتھ منی کا خروج ہونے سے، مرد کے اپنی شرمگاہ کو عورت کی شرمگاہ میں اس طرح داخل کرنے سے کہ حشفہ چھپ جائے، حیض پورا ہونے پر، نفاس ختم ہونے پر وغیرہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

زوجین کا آپس میں عضو مخصوص اور پستان کو چومنا چاٹنا، دبانا، اس سے غسل واجب ہے؟

سوال: اگر عورت مرد کی شرم گاہ (عضو مخصوص) کو ہاتھ میں پکڑ کر منی نکالے تو عورت پر غسل واجب ہوگا یا نہیں؟ اور اگر عورت مرد کی شرمگاہ (عضو مخصوص) کو منہ میں لے کر چومے یا چاٹے یا خود مرد چومائے یا چٹوائے تو غسل واجب ہوگا یا نہیں؟ جب کہ منی نہ نکلے اور غسل واجب ہو تو کس پر ہوگا اور کیوں؟ اور اگر مرد عورت کے اعضاء کو ہاتھ سے دبائے، جیسے پستان وغیرہ جس کی وجہ سے عورت کی دخول کی جگہ گیلی ہو جائے (شہوت کی وجہ سے) یا عورت کے اعضاء کو دبانے کی وجہ سے مرد کو شہوت سے مذی نکلے، منی نہ نکلے، تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورت اگر مرد کی شرم گاہ ہاتھ میں لے کر منی نکالے تو مرد پر غسل واجب ہوجاتا ہے، اور ایسا کرنے سے اگر عورت کو بھی انزال ہوگیا تو عورت پر غسل واجب ہوگا؛ ورنہ نہیں، اور اس طرح مرد کا عورت کے ہاتھ سے منی نکلوانا بلاضرورت شرعیہ درست نہیں۔

عورت کا مرد کی شرمگاہ کو منہ میں لے کر چوسنا یا چاٹنا اور مرد کا عورت کو اس طرح کرنے کے لیے کہنا جائز نہیں، منہ ایک شریف عضو ہے، اس میں زبان بھی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے، اس کو ایسے رذیل کام میں استعمال کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ جب کہ حدیث پاک میں بوقت استنجاء داہنے ہاتھ سے شرمگاہ چھونے سے بھی منع فرمایا گیا ہے؛ لیکن اگر کسی نے ایسا کیا اور مرد یا عورت میں سے کسی کو بھی انزال نہیں ہوا تو کسی پر غسل واجب نہیں، اور اگر انزال ہوا تو جس کو ہوا ہے اس پر غسل واجب ہے۔

مرد کا عورت کے پستان وغیرہ کو دبانا؛ تاکہ عورت وطی کے لیے آمادہ ہوجائز اور درست؛ بلکہ مستحسن ہے، ایسا کرنے کی وجہ سے دونوں میں سے کسی کو انزال ہوگیا تو اس پر غسل واجب ہے، اور اگر انزال نہیں ہوا صرف مذی نکلی چاہے مرد کو یا عورت کو تو اس سے غسل واجب نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/صفر ۱۴۱۷ھ

متعدد بار خروجِ ریح کا عارضہ

سوال: ایک شخص کا وضو بار بار ٹوٹ جاتا ہے، اسے گیس کا عارضہ ہے اور ریح ہر وقت جاری رہتی ہے، نماز میں کئی بار روکنا پڑتا ہے اور روکنے کی صورت میں بے آواز

نکل ہی جاتی ہے، ویسے ہر وقت جو ریح خارج ہوتی ہے نہ وہ بدبودار ہوتی ہے اور نہ بآواز ہوتی ہے، ایسے شخص کے وضو اور نماز کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ریح اس طرح خارج ہوتی ہے کہ اس کو درمیان میں اتنا وقفہ نہیں ملتا جس میں فرض ادا کر سکے، اور اس طرح ایک فرض نماز کا وقت گزر جاتا ہے تو وہ شخص معذور ہے، اور اسی حالت میں اس کی نماز درست ہو جائے گی، نماز کا وقت شروع ہونے پر ایک مرتبہ وضو کر لے اور اس وضو سے فرض وسنت ونفل ادا کر سکتا ہے؛ البتہ جب وہ وقت گزر گیا تو وضو ختم ہو گیا، اب نیا وضو کرنا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

پیشاب کے بعد قطرہ نکلتا رہتا ہو تو طہارت کیسے حاصل کرے؟

سوال: جب میں پیشاب کرتا ہوں تو پیشاب سے فارغ ہونا چاہتا ہوں تو ذرا ذرا پیشاب (یعنی پانی) آدھی بوند یا کم تین، چار منٹ تک آتا رہتا ہے، میں سوچتا ہوں کہ پیشاب نہیں ہوگا؛ لیکن جب دیکھتا ہوں یا ہاتھ سے چیک کرتا ہوں (چلنے کے بعد بھی) تو پیشاب کی جگہ ذرا سا گیلا یعنی تر نظر آتا ہے، میں پریشان رہتا ہوں یہاں تک کہ نماز کا وقت بھی نکل جاتا ہے، ویسے بھی میرے پاس وقت بہت ہی کم ہوتا ہے، فوجی ہوں، نماز بھی قضا ہو جاتی ہے، مجھے بتائیں میں کیا کروں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ پیشاب سے فارغ ہونے کے بعد پیشاب کی جگہ پر ایک کپڑا لپیٹ دیں

اور تھوڑی دیر کچھ چلنے کے بعد جب اس بات کا اطمینان ہوجائے کہ اب کوئی قطرہ باقی نہیں رہا، اس کپڑے کو نکال لیجئے اور پانی سے پیشاب کی جگہ دھو لیجئے، اس کے بعد وضو کر کے نماز ادا کر لیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیدار ہونے کے بعد گاڑھا پانی نکلے تو کیا کرے؟

سوال: رات کو سونے کے بعد جب صبح اٹھتا ہوں تو ادھر ادھر یا پاخانہ کے لیے جب چلنا شروع کرتا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک دم تھوڑا سا گاڑھا پانی نکلتا ہے یا ستر کا کپڑا دیکھتا ہوں اس میں اسی کا ذرا سا داغ نظر آتا ہے؛ مگر ایک دم ذرا تھوڑا، تو مجھے اسلامی شریعت کے مطابق بتائیں کہ میں وضو ہی پر نماز ادا کر سکتا ہوں؟ (یہ داغ مجھے روز نظر آتا ہے)۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اٹھنے کے بعد جب چلنے لگتے ہیں اس وقت وہ پانی نکلتا ہے تو وہ ودی ہوسکتی ہے، اس کو دھو کر وضو کر لیجئے اور کپڑے میں جہاں وہ لگی ہے اس جگہ کو تین مرتبہ اس طرح دھو لیجئے کہ ہر مرتبہ کے بعد پورا نچوڑ لیں، کپڑا پاک ہوگیا، اور اگر نماز کے لیے الگ کپڑا رکھ دیں جو یہ سب ہوجانے کے بعد پہن لیا کریں اور نماز بعد اس کو نکال لیا کریں تو کوئی وسوسہ نہیں رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ ذوالقعدہ ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

پیشاب کی مصنوعی تھیلی والے معذور کے متعلق چند احکام

سوال: میری پیشاب کی تھیلی ایک شدید بیماری لاحق ہونے کی وجہ سے نکال دی گئی ہے، اب اس کے بجائے میرے جسم (پیٹ) میں ایک دوسری تھیلی (بناوٹی تھیلی) بنائی گئی ہے، وہ تھیلی آنتوں کو کاٹ کر بنائی گئی ہے، پیشاب قدرتی راستہ سے نہیں ہوسکتی، اب قدرتی راستہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا ہے اور میرے پیٹ پر ایک وال (سوراخ) بنایا گیا ہے جس میں نلی ڈال کر پیشاب نکالنا پڑتا ہے، پیشاب ہر تین گھنٹہ میں نکالنی پڑتی ہے، اب پیشاب روکنے پر میرا کوئی کنٹرول اور اختیار نہیں اور نہ میں کنٹرول کرسکتا ہوں، تھیلی کبھی جلدی بھر جاتی ہے تو پیشاب کا قطرہ اپنے آپ بھی نکل جاتا ہے، پیشاب نکالنے کے لیے جو وال (سوراخ) پیٹ پر بنایا ہے وہ بھی ہر وقت تر رہتا ہے، پیشاب کی تھیلی میں ہی انزال ہونے والی نلی کو بھی جوڑ دیا گیا ہے، انزال بھی قدرتی راستہ سے نہیں ہوسکتا، کبھی خواب کے ذریعہ یا تو عورت سے ملاقات کے وقت خواہشات کے ساتھ جو انزال ہوتا ہے تو پیشاب کی تھیلی ہی میں گرتا ہے، اور پھر وہ پیشاب کے ذریعہ سے تھوڑا تھوڑا نکل جاتا ہے، اب اس کے متعلق سوالات ہیں:

(۱) نماز کی حالت میں اگر پیشاب خود بخود لِک ہوجاوے، نکل جاوے تو کیا حکم ہے؟

(۲) قرآن شریف پڑھنے کے اعتبار سے کیا حکم ہے؟

(۳) مسجد میں قیام، شب گزاری کرنے کے اعتبار سے کیا حکم ہے؟

(۴) سفر کی حالت میں اگر پیشاب کی حاجت ہوجائے تو اس کو پانی سے بندہ صاف نہیں کرسکتا، اس لیے صاف کرنے (پاکی حاصل کرنے کے) کے لیے پائجامہ نکالنا پڑتا

ہے تب جا کر پیٹ کے اوپر والا پیشاب والا وال (سوراخ) پاک ہوتا ہے، تو اگر اس صورت میں پانی کے علاوہ کپڑے سے صاف کر کے پاکی حاصل کر لے تو پاکی حاصل ہو جائے گی؟ اس صورت میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

⑤ خواہشات کے ساتھ انزال ہوتا ہے اور منی کے سب قطرے پیشاب کی تھیلی ہی میں گرتے ہیں، اور وہ سب پیٹ کے اندر ہی رہتے ہیں اور پیشاب کے ذریعہ ہی اب منی باہر نکلتی ہے، اور اگر اس وقت پیشاب کا تقاضہ نہ ہو تو اب اس صورت میں کس وقت غسل کروں؟ ایسے موقعہ پر غسل کب واجب ہوگا؟

⑥ عورت سے ملاقات کے وقت انزال تو ہوگا؛ لیکن وہ عورت کے رحم میں تو گرتا نہیں تو اس صورت میں عورت پر غسل کب واجب ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ وال اس انداز سے بنایا گیا ہے کہ اس کے تر رہنے کی صورت میں وہ تری جسم سے باہر کی طرف رہتی ہے تب تو وہ پیشاب خارج میں ہونے کی وجہ سے نجاست کا بیرون میں ہونا لازم آتا ہے اور یہ ناقص وضو ہے، اور یہ کیفیت چوں کہ ہر وقت رہتی ہے اس لیے وہ شخص معذور کے حکم میں ہوگا، اور اس صورت میں باہر لِک ہونے اور تھیلی میں نلی ڈال کر نکالنے سے بھی اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا؛ بلکہ ایک نماز کا وقت شروع ہونے پر کیا ہوا وضو آخر وقت تک باقی رہے گا (بہ شرطیکہ دوسرا کوئی ناقض پیش نہ آیا ہو)

اور اگر وہ تری جسم کے باہر نہیں رہتی؛ بلکہ (وال) زخم کے اندرون میں ہی محدود ہے تو وہ آدمی معذور کے حکم میں نہیں ہے، اس صورت میں:

① نماز کی حالت میں پیشاب لِک ہونے سے وضو ٹوٹ جائے گا اور جب وضو ٹوٹا تو نماز بھی۔

② زبانی قرآن شریف پڑھنے کی اجازت ہے، چھونا بے وضو درست نہیں ہے۔

③ مسجد میں شب گذاری بھی کرسکتا ہے؛ بہ شرطے کہ مسجد کے ملوث ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔

④ صاف کرنے کے لیے پائجامہ تو ہر ایک کو نکالنا پڑتا ہے اس میں آپ کی کیا خصوصیت ہے؟ تندرست آدمی کے لیے بھی پیشاب کرنے اور استنجاء و پاکی کے لیے پائجامہ نکالنا ہوتا ہے یہ عذر نہیں ہے، کپڑے سے جسم صاف کرلینے سے پاکی حاصل نہ ہوگی اور نماز بھی درست نہ ہوگی۔

⑤ جب آپ تھیلی میں سے نلی کے ذریعہ پیشاب نکالیں اس وقت غسل واجب ہوگا؛ اس لیے کہ منی جسم کے باہر اسی وقت آتی ہے۔

وفرض الغسل عند خروج منی من العضو (درمختار) (قوله من العضو) هو ذكر الرجل وفرج المرأة الداخل احترازا عن خروجه من مقره ولم يخرج من العضو بأن بقي في قصبة الذكر أو الفرج الداخل، أما لو خرج من جرح في الخصية بعد انفصاله عن مقره بشهوة فالظاهر افتراض الغسل ولیراجع (شامی ۱/ ۱۱۸)

یہ حکم احتلام کے لیے ہے، وطی و جماع کا حکم آئندہ نمبر میں مذکور ہے۔

⑥ جب شوہر کے آلۂ تناسل کی سپاری والا حصہ عورت کی شرم گاہ میں داخل ہوگیا تو دونوں پر غسل واجب ہوگیا۔

وعند ایلاج حشفة آدمی أو قدرها من مقطوعها فی أحد سبیلي آدمی بجامع مثله علیهما لو مکلفین وإن لم ینزل.(تنویر الابصار مع الشامي۱/ ۱۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ / ذوالقعدہ ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ریح کے ساتھ نکلنے والی تری ناپاک ہوگی؟

سوال: ایک آدمی کو ہاضمہ کی کمزوری ہے، جس کی وجہ سے دست زیادہ ہوتے ہیں، مگر کھانے کے بعد ریاح کے ساتھ یا بغیر ریاح کے دبر کی جگہ پر تری پاتا ہے، اس کے بعد دست کبھی ہوتے ہیں اور کبھی نہیں بھی ہوتے، تو کیا وہ تری ناپاک ہوگی؟ یا اس کو پسینہ شمار کرے گا، صرف تری ہوتی ہے، نجاست وغیرہ کے ذرات بالکل نہیں ہوتے، اگر وہ تری نجاست ہے، تو غسل کا کیا طریقہ ہوگا؟ کیا ہر مرتبہ ازار کو بھی دھونا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

غالب گمان یہ ہو کہ وہ دبر سے نکلی ہے، تو اس جگہ کا دھونا ضروری ہے، اور وضو بھی لوٹانا پڑے گا، اور کپڑا بھی دھوئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مرد وعورت کے غسل جنابت میں فرق کیوں؟

سوال: غسل میں مرد کے لیے یہ حکم ہے کہ بال برابر جگہ خشک نہ رہے ورنہ غسل

نہ ہوگا، اور عورت کے لیے کتاب میں لکھا ہے کہ عورت چٹیا نہ کھولے صرف بدن سے نہالے، پورا سر سوکھا ہے تو عورت پاک کیسے ہوئی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چٹیا نہ کھولنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سر سوکھا رہے؛ بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت کے سر کے بال گُندھے ہوئے نہ ہوں تو سب بال بھگونا اور ساری جڑوں میں پانی پہنچانا فرض ہے، ایک بال بھی سوکھا رہ گیا یا ایک بال کی جڑ میں پانی نہیں پہنچا تو غسل نہ ہوگا، اور اگر بال گُندھے ہوئے ہوں تو بالوں کا بھگونا معاف ہے؛ البتہ اس وقت بھی سب جڑوں میں پانی پہنچانا فرض ہے، ایک جڑ بھی سوکھی نہ رہنے پاوے، اور اگر بے کھولے سب جڑوں میں پانی نہ پہنچ سکے تو کھول ڈالے اور بالوں کو بھی بھگودے یہ حکم صرف عورتوں کے لیے ہے، حدیث پاک میں ایسا ہی آیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ناپاک تہبند میں غسل کرنا

سوال: جس تہبند میں احتلام ہوا ہے، اسی کو پہن کر غسل کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے؛ البتہ پہلے اس پر سے نجاست دور کر لی جائے؛ ورنہ وہ نجاست پھیل کر مزید تلویث کا باعث ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جنبی کا ناپاک پانی سے غسل کرنا

سوال: کسی جنبی آدمی نے ناپاک پانی سے غسل کیا تو نفس فرض غسل اس سے ساقط ہوجائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

وضو میں ڈاڑھی کے اندر پانی پہنچانا

سوال: ڈاڑھی کے بال اگر گھنے نہیں؛ ہلکی ڈاڑھی ہے تو کھال تک پانی پہنچانا ہے اور بالوں کا دھونا ہے یا نہیں؟ اور گھنی ڈاڑھی ہو تو کیا پورے بالوں کو دھونا ہے، یا صرف خلال کیا تو کافی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ڈاڑھی اتنی ہلکی ہو کہ اس میں سے چہرے کی کھال نظر آتی ہو تو کھال تک پانی پہنچانا ضروری ہے؛ ورنہ نہیں، بال جو چہرے کی حد کے اندر ہیں ان کا دھونا فرض ہے، اور جو ٹھوڑی کے نیچے لٹک رہے ہیں ان کا دھونا ضروری نہیں؛ اولیٰ ہے۔ (درمختار معہ شامی ۱/ ۷۴، ۷۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سنن وضو کا پورا کرنا ضروری ہے چاہے جماعت ختم ہو جائے

سوال: فتاوی دار العلوم مرتبہ مفتی ظفیر الدین، مفتاحی مدظلہ مطبوعہ زکریا بکڈپو، دیوبند ۱/۱۳۱ پر مرقوم ہے۔ ''سنن وضو کا پورا کرنا ضروری ہے، چاہے جماعت ختم ہو جائے'' اور حاشیہ میں بطور اس کی دلیل کے مذکور ہے: قال رسول الله ﷺ: أسبغوا الوضوء رواه مسلم (مشكوة) باب سنن الوضوء، فصل اول أى أتموه بإتيان جميع فرائضه وسننه أو أكملوا واجبته (مرقاة ۱/۳۱۰)

عرض ہے کہ کیا یہ مسئلہ درست ہے؟ بندہ کے ذہن میں اس کے متعلق چند باتیں ہیں، جو حاضر خدمت ہے:

(الف) خط کشیدہ الفاظ میں سنت کا اصل مفہوم باقی محسوس نہیں ہوتا۔

(ب) اس مسئلہ کو صحیح قرار دینے پر جماعت کی جو اہمیت جمہور کے نزدیک ہے اس پر زد پڑتی ہے، جیسا کہ قاموس الفقہ میں ہے: فقہاء احناف میں سے بعض نے اس کو (جماعت کو) واجب اور بعض نے سنت مؤکدہ قرار دیا ہے، جو واجب کے قریب قریب ہوتا ہے۔ (قاموس الفقہ ۳/۱۱۷ مطبوعہ کتب خانہ نعیمیہ، دیوبند)

(ج) مفتی ظفیر الدین مدظلہ از خود در مختار کے ترجمہ شرح کشف الاسرار ۱/۳۰۰ پر تحریر فرماتے ہیں: فلاصلوة إلا المكتوبة؛ إلا بسنة الفجر إن لم يخف فوت جماعتها ولو بإدراك تشهدها فإن خاف تركها أصلاً. إلخ (مكتبة فيض القرآن، ديوبند)

(د) اور بہشتی زیور میں فجر کی سنت کے متعلق لکھا ہے: من خاف أن تفوته

ركعتا الفجر لو اشتغل بسنتها، تركها وإلا فلا.(حاشیہ بہشتی زیور مدلل،۲/۳۶)

المختصر! فجر کی سنتوں جیسی اہم سنت کے متعلق یہ صراحت ہے، اب حضور واضح فرمائیں کہ وضوء کی سنتوں کا کیا حکم ہے۔ اور پھر ترمذی وغیرہ میں ایک بار اعضاء وضوء دھونے کی روایتیں بھی ہیں۔ كما أظهر عليك مني.

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

فقہ حنفی کی عربی کتب فتاوی، نیز شروح میں یہ جزئیہ کہیں صراحۃً نظر سے نہیں گزرا، اس لیے غالب یہ ہے کہ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کا جواب اپنی فقہی بصیرت اور فقاہت نفس سے ہی لکھا ہوگا، اس جواب کو لکھتے وقت ان کے پیش نظر کیا دلیل یا ماخذ رہا اس کی تصریح انہوں نے اپنے جواب میں تو نہیں فرمائی؛ البتہ محشی مدظلہ نے اس کی دلیل میں ارشاد نبوی ''اسبغوا الوضوء'' اور اسباغ کی تشریح بحوالہ مرقاۃ پیش فرمائی ہے، جس میں فرائض کے ساتھ سنن کی ادائیگی کو بھی اسباغ کا مصداق قرار دیا گیا ہے، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وضو کو کامل طور پر ادا کرنے میں کوتاہی سے نماز میں نقص آتا ہے؛ بلکہ وضوء کے بعض افعال جن کی سنیت اور رکنیت حضرات ائمۂ مجتہدین کے درمیان مختلف فیہ ہے، ان میں تو نماز کی صحت ہی اختلافی ہوجائے گی، مثلاً سر کا مسح کہ احناف کے یہاں چوتھائی سر کا مسح تو فرض ہے، اور پورے سر کا مسح سنت ہے جب کہ مالکیہ کے یہاں پورے سر کا مسح فرض ہے، اب اگر کوئی حنفی پورے سر کے مسح کو سنت ہونے کی وجہ سے چھوڑ دے اور صرف چوتھائی پر اکتفاء کرے تو اس کی نماز مالکیہ کے یہاں درست نہ ہوگی۔ یہی حال نیت، ترتیب، موالات وغیرہ کا ہے؛ بلکہ وضو میں سنتوں کے چھوڑنے کا اثر دوسروں تک متعدی ہوتا ہے، سنن نسائی میں ہے

کہ ایک مرتبہ صبح کی نماز میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورۂ روم پڑھنا شروع کی، اثناء قرأت میں آپ کو کچھ خلجان اور التباس واشتباہ پیش آیا، جب نماز سے فارغ ہوئے تو یہ ارشاد فرمایا: ما بال اقوام يصلون معنا لايحسنون الطهور و إنما يلبس علينا القرآن اولئك ترجمہ: کیا حال ہے لوگوں کا کہ ہمارے ساتھ نماز پڑھنے کھڑے ہوجاتے ہیں اور وضوء ٹھیک طرح نہیں کرتے، جزیں نیست کہ ایسے ہی لوگ ہمارے پڑھنے میں گڑبڑ کردیتے ہیں۔ علامہ طیبی طيب الله ثراه وجعل الجنة مثواه اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ سنن وآداب کے انوار وبرکات دوسروں تک سرایت کرتے ہیں، اوران کے ترک سے فتوحات غیبیہ کا دروازہ بند ہوجاتا ہے، اور بعض اوقات اس کا اثر دوسروں تک متعدی ہوتا ہے کہ اس شخص کی وجہ سے دوسرا شخص خیرات وبرکات اور انوار وتجلیات سے محروم ہوجاتا ہے۔ (سیرۃ مصطفیٰ ۳/۵۷، ۵۸)

قال الطيبي: قد تقدم معنى احسان الوضوء فى الفصل الأول، وفيه اشارة الى ان السنن والآداب مكملات للواجب يرجى بركتها وفى فقدانها سد باب الفتوحات الغيبية، وان بركتها تسرى الى الغيركما ان التقصير فيها يتعدى الى حرمان الغيرالخ (مرقاۃ ۱/۳۳۰)

اس لیے وضو کی سنتوں کو محض اس لیے کہ ان کو سنت کا عنوان دیا گیا ہے، کم نہ سمجھا جائے؛ بلکہ چوں کہ وضو کے افعال میں نماز کی طرح فرائض کے بعد واجبات کا درجہ نہیں رکھا گیا ہے، اس لیے جو افعال واجبات کے درجہ میں آسکتے تھے ان کو بھی سنن کے خانہ میں رکھ دیا گیا ہے، اس لیے اگر حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فقہی بصیرت اور فقاہت نفس کی بنیاد پر مندرجۂ بالا جواب تحریر فرمایا ہے تو وہ قابل اشکال نہیں۔

آپ نے چند باتوں کے نام سے اپنے جو اشکالات لکھے ہیں اس میں نمبر (الف) والا اشکال تو میری سمجھ میں نہیں آیا کہ آپ کی مراد کیا ہے؟ رہا نمبر (ب) اور (ج) والا اشکال تو یہ یاد رہے کہ جماعت کو سنت مؤکدہ یا واجب جو بھی درجہ دیا جائے، بہر حال وہ نماز کے لیے شرط کی حیثیت نہیں رکھتی، اس لیے کوئی آدمی بغیر جماعت کے تنہا نماز پڑھے گا تب بھی اس کا فریضہ ادا ہو کر وہ بریٔ الذمہ ہو جاتا ہے، چاہے اس کی یہ ادا ادائے ناقص کہی جائے؛ لیکن وضوء کی حیثیت نماز میں شرط کی ہے، اگر کوئی آدمی بغیر وضو نماز ادا کرے گا، تو اس کی نماز ہی درست نہ ہوگی، اس سے آپ کو دونوں کے درمیان کے فرق کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

رہا آپ کا یہ اشکال کہ جماعت پانے کے لیے فجر کی سنتوں جیسی اہم سنت کو چھوڑنے کی اجازت دی گئی، تو ظاہر ہے کہ جماعت کے مقابلہ میں فجر کی سنتوں کو ترجیح نہیں دی جا سکتی، اس لیے کہ اگر فجر کی سنتیں ادا کر کے جماعت حاصل ہو سکتی ہے، تو اس صورت کو اختیار کیا جائے گا، ورنہ فجر کی سنتوں کو چھوڑ کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جائے گی، آپ کا وضو اور اس کی سنتوں کو فجر کی سنتوں پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ریخوں میں سونا چاندی بھروانا حصول طہارت سے مانع ہے؟

سوال: دانتوں کی درازوں (دو دانت کے درمیان کی خالی جگہ) میں بغیر کسی عذر کے سونا چاندی وغیرہ بھروانا کیسا ہے؟ درازوں کو ختم کرنے کے لیے نیز دانتوں

کے اوپر خوبصورتی کے لیے بغیر کسی عذر کے محض تحسین کی بنا پر سونے وغیرہ کا غلاف کیا حکم رکھتا ہے؟ غسل ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دانت اگر ہل رہے ہوں اور ان کے گر جانے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دانت کو چاندی کے تار سے باندھنا درست ہے۔

قال محمد فی الجامع الصغیر: ولا یشد الاسنان بالذهب ویشدها بالفضة، یرید به إذا تحرك الاسنان وخیف سقوطها، فأراد صاحبها أن یشدها الخ (الفتاوی العالمگیریة٥/ ٣٣٦)

(وشد السن بالفضة) ای یحل شد السن المتحرك بالفضة، ولا یحل بالذهب وهذا عند أبي حنیفة وأبي یوسف، وقال محمد: یحل بالذهب أیضاً، إلی أن قال: وجه المذکور هنا ان استعمالهما حرام إلا للضرورة، وقد زالت بالادنیٰ وهو الفضة فلا حاجة إلی الاعلیٰ فبقی علی الأصل وهو الحرمة (تبیین الحقائق للزیلعی٦ /١٦)

عبارات منقولہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بلاضرورت وعذر محض زینت وتحسین کے لیے ریخوں میں سونا، چاندی بھروانا اور دانتوں پر سونے کا خول چڑھانا درست نہیں ہے۔ لأن الضرورة تتقدر بقدرها ولا ضرورة هنا کما هو ظاهر. دانتوں کی ریخوں کے درمیان جو سونا چاندی بھروایا گیا ہے، اگر اس کا بسہولت چھڑانا ممکن ہو تو اس کے ریخوں کے درمیان ہوتے ہوئے غسل درست نہ ہوگا اور اگر اس کا بآسانی

چھڑانا ممکن نہ ہو تو غسل صحیح ہو جاوے گا۔ (از امداد الفتاویٰ ۱/۴۸)

اور غلاف جو چڑھایا گیا ہے وہ بوجہ شدت اتصال کے کالجزء ہی ہو جائے گا اور اس کے نیچے اصلی دانت کا غسل واجب نہ ہوگا۔ (کفایت المفتی ۲/۲۶۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

انگلی پر ووٹ ڈالنے کا نشان مانع طہارت نہیں

سوال: آپ خوب جانتے ہیں کہ انڈیا میں چناؤ کے وقت جب ووٹ ڈالنے جاتے ہیں اس وقت انگلی پر دوائی کے ذریعہ سیاہ نشان لگا دیتے ہیں؛ تاکہ دوبارہ ووٹ ڈالنے نہ جاسکے، یہ نشان تقریباً کم وبیش دو ماہ رہتا ہے، تہہ جم جاتی ہے، وضو وغسل کا پانی اندر تک نہیں پہنچ پاتا، سب جانتے ہیں کہ وضوء، غسل میں ایک بال بھی خشک رہا تو وضو، غسل نہیں ہوتا؛ لیکن ووٹ ڈالنے کے بعد انڈیا کے مسلمان انگلی پر نشان لگوا کر بے خوف وخطر باوضو نماز ادا کرتے ہیں، ان کی نماز دہرانا پڑے گی یا پھر جواز کا حکم ہے؟

کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ سارے علمائے گجرات ایک آواز سے اس نقطے کی جگہ کسی چیز کی نشانی کا مطالبہ کریں جس سے وضو، غسل میں رکاوٹ نہ ہو، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو رویتِ ہلال جس طرح شائع کیا جاتا ہے، چناؤ سے پہلے اخباروں میں شائع کر کے مسلمانوں کو مطلع کیا جائے؛ تاکہ عوام کالانعام غفلت سے ہوشیار ہو جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

الیکشن کے موقع پر ووٹ ڈالنے والے کی انگلی پر جو نشان ڈالا جاتا ہے اس کے متعلق آپ کا یہ تحریر فرمانا کہ تہہ جم جاتی ہے سمجھ میں نہیں آیا، وہ محلول تو اتنا پتلا ہوتا ہے

کہ تہہ جمنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؛ البتہ اس میں تیزاب کی کیفیت ہونے کی وجہ سے وہ کھال کے اندر تک پیوست ہوجاتا ہے، اور کھال کو اپنے تیزابی اثر سے ایسا متأثر کردیتا ہے کہ اس کے نتیجہ میں کھال کا اتنا حصہ موٹا اور کھردرا ہوجاتا ہے جیسے کوئی محنت والا کام کرنے کے نتیجہ میں ہاتھ یا انگلیوں کی کھال متأثر ہوکر موٹی ہوجاتی ہے یا جیسے جسم کا کوئی حصہ کسی جگہ پھنس جانے سے خون جم کر موٹا ہوجاتا ہے۔

بہرحال تہہ جمنے والی بات سمجھ میں نہیں آئی، اس لیے وضو اور غسل اس کے باوجود درست ہے، تجربہ کاروں کا کہنا ہے کہ اس نشان کو اگر فوری طور پر دور کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے تو دور ہوجاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ہاتھ پیر میں مچھلی کے چھلکے لگے ہوں تو مانع وضو ہیں

سوال: مچھلی کے چھوٹے چھلکے جو مچھلی کے تاجر ہوتے ہیں ان کے ہاتھوں اور پیروں پر بہت سے لگے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ چھلکے ویسے نظر بھی نہیں آتے گہری نظر دیکھنے سے معلوم پڑتا ہے۔ اور چھلکے اتنے کثیر ہوتے ہیں کہ ان تمام کا نکالنا بھی متعذر ہوتا ہے ایسی صورت میں وہ تاجر ان چھلکوں کے ساتھ وضو کر کے نماز پڑھ لیتے ہیں تو آیا ان کا وضو صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مچھلی کے چھلکے پانی کو کھال تک پہنچنے سے مانع ہیں اس لیے ان کے ہوتے ہوئے

وضو یا غسل درست نہیں ہوگا ان کا بدن سے چھڑانا ضروری ہے۔

والثالث زوال مایمنع وصول الماء الیٰ الجلد لجرمه الحائل کشمع وشحم (مراقی الفلاح) (کشمع و شحم) و عجین وطین و ما ذکره بعضهم من عدم المنع الطین والعجین محمول علیٰ القلیل الرطب و یمنع جلد السمك (طحطاوی ص۳٤)

(بخلاف نحو عجین) أی و شمع وقشر سمك (شامی ۱ /۱۱٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ / جمادی الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

صحبت کے بعد کب غسل کرے؟

سوال: بیوی سے صحبت کرنے کے بعد فوراً نہانا ضروری ہے یا نہیں؟ رات کو بیوی سے صحبت کی تو فوراً نہانا چاہیے یا صبح کی اذان کے وقت نہانا ضروری ہے، کونسا وقت بہتر ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جنبی شخص (یعنی جس پر غسل فرض ہے) اگر نماز کے وقت تک غسل میں تاخیر کرے تو وہ گنہگار نہیں ہوتا؛ لیکن اس کو چاہیے کہ تاخیر نہ کرے کہ خلافِ اولیٰ ہے۔ (عمدۃ الفقہ ۱ / ۱۷۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

شافعی مسلک میں منی پاک ہے

سوال: کیا شافعی مسلک میں منی پاک ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جی ہاں!۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ماءِ مستعمل پونچھے ہوئے رومال پر سجدہ کرنا

سوال: کوئی شخص مصلیٰ، چٹائی یا کسی اور کپڑے کی چیز پر نماز پڑھتا ہے، اور سجدہ کی جگہ ایک رومال جو وضو کے بعد منہ پونچھ کر رکھ دیا ہے اور اس پر سجدہ کرتے وقت پیشانی رکھتا ہے تو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نماز مکروہ ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ مکروہ کیوں ہوگی؟ اس کو علت سے واضح کیجئے اور اگر مکروہ بھی نہ ہو تو علت لکھ دیجئے؛ تاکہ بتانے میں آسانی ہو۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز کی کراہت کی صراحت کسی کتاب میں نہیں دیکھی؛ البتہ اس سے احتراز مناسب ہے، اس لیے کہ اس رومال پر ماءِ مستعمل لگا ہوا ہے، اور ماءِ مستعمل کے سلسلہ میں اگرچہ راجح قول طاہر وغیر مطہر ہونے کا ہے؛ لیکن نجاست والے اقوال بھی ہیں، اسی لیے بوقتِ وضوء اونچی جگہ بیٹھنا مندوب قرار دیا گیا کہ ماءِ مستعمل کپڑوں کو نہ لگے۔

والجلوس فی مکان مرتفع، تحرزاً عن الماء المستعمل (درمختار) (قولہ:

تحرزاً الخ) لوقوع الخلاف فی نجاسته، ولأنه مستقذر ولذا کره شربه والعجن به علی القول الصحیح بطهارته (شامی ۱/ ۹۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قرآن کریم بھرے ہوئے آلات کو بلا وضو چھونا

سوال: قرآن کریم کے آڈیو یا ویڈیو کیسٹ کو بغیر وضوء کے ہاتھ میں لیا جاسکتا ہے کہ نہیں؟ یا اس کا حکم قرآن کریم جیسا ہے کہ جس کے لیے طہارت شرط ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ان کو چھونے کے لیے طہارت شرط نہیں ہے۔ (احسن الفتاوی ۲/ ۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سوتی موزوں پر مسح کا حکم

سوال: بعض عرب یہ کہتے ہیں کہ ہم جو یہ موزہ چمڑے کے علاوہ کا پہنتے ہیں اس پر مسح کرنا درست ہے؛ چناں چہ اسی مسح پر نمازیں بھی ادا کرتے ہیں، اس پر یعنی علاوہ موزہ چمڑہ کے دوسرے موزہ پر مسح درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

احادیث سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خفین پر مسح کرنا ثابت ہے، اور خفین کا اطلاق محدثین اور فقہاء کے یہاں چمڑے کے موزوں پر ہوتا ہے کما لا یخفی علی من ینظر کلام الفقهاء لہذا اگر چمڑے کے موزے ہوں تو ان پر بلا کسی اختلاف کے

مسح کرنا جائز ہے، اور اگر چمڑے کے موزے نہیں ہیں؛ بلکہ سوت یا اون کے ہیں تو فقہاء کرام نے ایسے موزوں پر جواز مسح کے لیے یہ شرطیں تحریر فرمائی ہیں کہ وہ ایسے دبیز، موٹے اور مضبوط ہوں کہ صرف ان کو پہن کر تین میل چلنا ممکن ہو، دوسرے یہ کہ پنڈلی پر بغیر باندھے (کپڑے کے موٹا ہونے کی وجہ سے) قائم رہ سکیں، تیسرے یہ کہ اس میں پانی نہ چھنے اور جذب ہوکر پاؤں تک نہ پہونچے، سوت (کوٹن) یا ان کے ایسے موزے ہوں تو ان پر مسح کرنا جائز ہے اس لیے کہ ایسے موزے چرمی (چمڑے کے) موزوں کے حکم میں آجاتے ہیں۔ (فتاوی رحیمیہ ۴/۲۸۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب الحیض والنفاس

حائضہ عورت قرآن کے علاوہ ذکر وغیرہ کرسکتی ہے

سوال: کیا حائضہ عورت ذکر وغیرہ کرسکتی ہے جب کہ اس کو نماز اور روزہ وغیرہ فرائض سے روکا گیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حالتِ حیض میں قرآن کریم کی تلاوت کے سوا ہر قسم کا ذکر جائز ہے۔ (احسن الفتاوی ۲/۶۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حائضہ کے لیے آیات قرآنیہ پر مشتمل دعائیں پڑھنا

سوال : اگر عورت حیض میں ہو تو ﴿آمن الرسول﴾ آیت الکرسی اور حٰمٓ کی سورت وغیرہ کے جو معمولات ہوں تو پڑھ سکتی ہے؟ اور ''مومن کا ہتھیار'' جو کتاب ہے وہ چھو سکتی ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورت حیض یا نفاس کی حالت میں قرآن مجید کی کوئی بھی آیت تلاوت کی نیت سے نہیں پڑھ سکتی؛ البتہ قرآن مجید کی وہ آیت یا سورت جس میں دعاء یا اللہ کی حمد وثنا ہو، دعاء اور ذکر کی نیت سے پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتی ہے۔ (الی قولہ)

بہشتی زیور میں ہے: مسئلہ جو عورت حیض سے ہو یا نفاس سے ہو اور جس پر نہانا واجب ہو، اس کو مسجد جانا اور کعبہ شریف کا طواف کرنا اور کلام مجید پڑھنا اور کلام مجید کا چھونا درست نہیں الخ۔

نیز بہشتی زیور میں ہے: مسئلہ اگر الحمد کی پوری سورت دعاء کی نیت سے پڑھے یا اور دعائیں جو قرآن میں آئی ہیں ان کو دعاء کی نیت سے پڑھے، تلاوت کے ارادے سے نہ پڑھے، تو درست ہے، اس میں کچھ گناہ نہیں ہے، جیسے یہ دعا: ''ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار'' اور یہ دعا ''ربنا لاتؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا'' آخر تک جو سورۂ بقرہ کے آخر میں ہے یا اور کوئی دعا جو قرآن شریف میں آئی ہو دعاء کی نیت سے سب کا پڑھنا درست ہے۔

(بہشتی زیور، نفاس وحیض وغیرہ کے احکام کا بیان ۲/ ۷۷، ۷۸۔ فتاویٰ رحیمیہ ۹/ ۱۸۸)

''مومن کا ہتھیار'' کتاب میں مختلف دعائیں ہیں، ان کو براہِ راست ہاتھ لگانے کے بجائے کپڑا بیچ میں رکھ کر ہاتھ میں لیں تو زیادہ مناسب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ

کئی ماہ حیض نہ آئے تو کیا حکم ہے؟

سوال: وہ عورتیں جن کو ولادت کے بعد نفاس کی مدت ختم ہوئے بھی کئی کئی مہینے حیض نہیں آتا ہے بعض کو تو سال سال بھر نہیں آتا ہے تو ان ایام میں ان عورتوں کا حیض کس طرح شمار ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب تک خون نہ آئے وہ حائضہ شمار نہ ہوگی۔

لأن الحيض اسم للدم، وركنه بروز الدم من الرحم كما فى الدر المختار، ولا حد لأكثرمدة الطهر وإن استغرق العمر كما فى الدر فى باب الحيض. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اگر کوئی حالتِ حیض میں جماع کرے تو اس کا کیا کفارہ ہے؟

سوال: اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے حالت حیض میں جماع کرے تو شریعت میں اس کا کیا کفارہ ہے؟ اور اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حالت حیض میں بیوی کے ساتھ جماع کرنا حرام ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ

اپنے اس گناہ سے توبہ کرلے، اور ایک دینار یا آدھے دینار کا صدقہ کرنا مستحب ہے۔

فتلزمه التوبة ويندب تصدقه بدينار او نصفه (در مختار)

اگر خونِ حیض کا رنگ سیاہ تھا، اس زمانہ میں وطی کی ہو، تو ایک دینار کا صدقہ کرنا مستحب ہے، اور اس کا رنگ زرد ہو اس زمانہ میں وطی کی ہو تو آدھے دینار کا صدقہ کرنا مستحب ہے۔ (شامی ۱/۲۱۸)

ایک دینار سے مراد: چار ماشہ اور چار رتی کی مقدار سونا ہے یا اس کی قیمت۔ (اوزان شرعیہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

متفرقات طہارت

بیت الخلاء کا انحراف سمتِ قبلہ سے کتنا ہو؟

سوال: ہمارے یہاں ایک مسجد کی تعمیر ہو رہی ہے جس میں بیت الخلاء بنوانے ہیں چوں کہ جائے وقوع ایسا ہے اس لیے بیت الخلاء مغرب وشمال دونوں سمتوں کے بیچ کا جو کونہ پڑتا ہے اس سمت بیت الخلاء بن رہے ہیں، تو اس میں سمتِ قبلہ سے کتنی ڈگری کا فرق ہونا چاہیے کہ شرعی اعتبار سے وہ قبلہ رخ نہ سمجھا جاوے؟ جواب عنایت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز کے معاملہ میں عموماً ہمارے علماء نے پینتالیس ڈگری تک کے انحراف کو

معاف قرار دے کر اس کو استقبالِ قبلہ تسلیم کرتے ہوئے نماز کو درست قرار دیا ہے۔ دیکھئے: فتاوی دار العلوم، امداد المفتیین مطبوعہ کراچی ۲/۴۱۶، امداد الفتاویٰ ۱/۲۱۷، احسن الفتاوی ۲/۳۱۳۔

اس لیے اگر آپ کے یہاں بننے والے بیت الخلاء کا انحراف سمتِ قبلہ سے پینتالیس ڈگری سے زیادہ ہے تو ٹھیک ہے، اور اگر پینتالیس ڈگری یا اس سے کم ہے تو درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/شوال المکرم ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

استنجاء کرتے اور کھاتے، پیتے وقت سر پر ٹوپی پہننا

سوال: بیت الخلاء جاتے وقت یا پانی پیتے وقت یا کھانا کھاتے وقت سر پر ٹوپی ڈالنا سنت ہے یا مستحب؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیت الخلاء میں جانے کے وقت آداب میں سے یہ بھی ہے کہ سر ڈھانپا ہوا ہو۔ (بحر الرائق ۱/۲۵۶) کھلے سر کھانے، پینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (عالمگیری ۵/۳۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کیا کوے کا جھوٹا دودھ ناپاک ہے؟

سوال: دودھ کے برتن میں دودھ رکھنے کے بعد کوے نے جھوٹا کیا تو شرعاً اس

دودھ کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ پاک ہے یا ناپاک؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو کوّا عامۃً ہماری بستیوں میں پایا جاتا ہے وہ دانہ غلہ بھی کھاتا ہے اور یہی اس کی غالب غذا ہے، اور کبھی غلاظت بھی کھالیتا ہے، پس اس کا حکم فقہاء کے نزدیک وہی ہے جو مرغی کا ہے، کہ اس کی غالب غذا غلہ ودانہ ہے اور کبھی غلاظت بھی کھالیتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۱۴۰)

نجاست کھانے والی مرغی میں یہ تفصیل ہے کہ اس کی چونچ کی طہارت کا یقین ہے تو پانی پاک ہے، اور اگر چونچ کی نجاست کا یقین ہے تو پانی ناپاک ہے، اور اگر کسی امر کا یقین نہیں تو مکروہ تنزیہی ہے۔

واما المخلاة فلعابها طاهر فسورها كذلك؛ لكن لما كانت تأكل العذرة كره سورها ولم يحكم بنجاسته للشك حتى لو علمت النجاسة فى فمها تنجس، ولو علمت الطهارة انتفت الكراهة (شامی ۱/ ۱٦٤)

واما سور دجاجة المخلاة فلم أر من ذكر خلافا فى المراد من الكراهة بل ظاهر كلامهم انها كراهة التنزيه بلاخلاف لانها لاتتحامى النجاسة (۱/ ۱٦٥)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بندر کا جھوٹا پاک ہے؟

سوال: بندر کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ناپاک ہے۔

الثانی نجس لا یجوز استعماله و هو ما شرب منه الکلب او الخنزیر او شئ من سباع البهائم کالفهدوالذئب (نور الایضاح) فی مراقی الفلاح: والضبع والنمر والسبع والقرد (مراقی الفلاح علیٰ هامش الطحطاوی ص ۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بھینس کے تھن گوبر آلود ہوتے ہوئے دودھ دوہنا

سوال: بمبئی میں جو بھینسوں کے اصطبل ہیں، اکثر بھینسوں کے اصطبل میں جو دودھ دوہا جاتا ہے، اس کے اندر یہ ہوتا ہے، کہ بھینس کا تھن گوبر آلود ہوتا ہے اور نوکر اسی حالت میں دوہتا ہے جس کی وجہ سے گوبر کے ذرات دودھ میں گرتے ہیں اور وہ دودھ دکانوں میں سپلائی کیا جاتا ہے، تو شرعاً یہ دودھ پاک ہے یا ناپاک؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں دودھ ناپاک ہے، مالکین حضرات کو چاہیے کہ دودھ دوہنے والے ملازمین کو تاکید کردیں کہ تھن کو پاک پانی سے دھوکر دودھ دوہ لیا کریں۔

(وروث وخثی) افاد بهما نجاسة خرء کل حیوان غیر الطیور (درمختار) (قوله افاد بهما نجاسة خرء کل حیوان) أراد بالنجاسة المغلظة، لان الکلام فیها ولانصراف الاطلاق الیها کمایاتی الخ (شامی ۱/ ۲۳٤) ویستدل علیه ایضا بمسالة المنغمس فی البئر لطلب الدلو او للتبرد فان الفقهاء شرطوا فیها ان یکون مستنجیا بالماء ولا نجس علیه (انظر للتفصیل الدر

المختار مع الشامی ۱/ ۱۴۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بھینسوں کو نہلانے کے حوض سے دودھ کے برتنوں کو دھونا

سوال: بھینسوں کے اصطبل میں دودھ کے برتنوں کو اس حوض کے پانی سے دھویا جاتا ہے جس حوض سے بھینسیں نہلائی جاتی ہیں اور اس حوض سے بھینس پانی بھی پیتی ہے، اور اس حوض میں غیر مسلم ملازمین اپنے کپڑے وغیرہ صاف کرتے ہیں اور بھینسوں کو جب حوض پر نہلایا جاتا ہے اس وقت ناپاک قطرات بھی اس میں گرتے ہیں اور وہ حوض نہ دہ دردہ (دس بائی دس) ہے اور نہ اس کا پانی جاری ہے، تو ایسے حوض سے دھوئے ہوئے برتنوں میں دودھ رکھنے سے شرعاً دودھ پاک رہے گا یا ناپاک؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ظاہر ہے مسئولہ حوض کے پانی سے دھویا ہوا ناپاک برتن پاک تو کیا ہوتا بلکہ پاک برتن ہوگا وہ بھی ناپاک ہو جائے گا، اور جو دودھ اس میں ڈالا جائے گا وہ بھی ناپاک ہو جائے گا۔ کما ھو ظاھر. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ناپاک پانی سے دھوئے گئے برتن کے قطرات دودھ میں گرے تو کیا حکم ہے؟

سوال: دودھ کے برتن (کین) میں دودھ بھرنے کے بعد گھاس کا ڈھکن بنا کر

مذکورہ حوض میں دھوکر برتن کے منہ پر رکھا جاتا ہے، اور اس گھاس کے پانی کے قطرات اس دودھ میں گرتے رہتے ہیں، تو شرعاً یہ دودھ پاک ہے یا ناپاک؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ بھی ناپاک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دھلائی مشین میں کپڑوں کی پاکی ناپاکی کا حکم

سوال: آج کل کپڑے کی صفائی کے لیے مشین استعمال کیا جاتا ہے مشین کے ذریعہ کپڑے کی صفائی تو ہو جاتی ہے لیکن نچوڑنے کا مسئلہ رہ جاتا ہے کپڑوں کو دوسرے خانے میں رکھا جاتا ہے تو پانی بالکل سوکھ جاتا ہے اگر کپڑا ناپاک ہو تو تین مرتبہ نچوڑنے کا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دھلائی مشین میں صابن کے پانی میں کپڑوں کو دھویا جاتا ہے اور پھر اس پانی کو نکال کر اوپر سے نیا پانی ڈالا جاتا ہے اور یہ عمل بار بار کیا جاتا ہے یہاں تک کہ کپڑوں سے صابن نکل جاتا ہے اس لیے دھلائی مشین میں دھلے ہوئے کپڑے پاک ہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲/ ۸۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ڈرائے کلین میں کپڑے دھلوانا

سوال: ڈرائے کلین (Dray claen) جو کپڑے کے دھونے کا ایک طریقہ ہوتا ہے، اس سے کپڑے پاک ہوتے ہیں کہ نہیں؟ اس طریقہ سے کپڑے دھونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کا حکم بعینہ وہی ہے جو کہ دھوبی سے دھلانے کا ہے، یعنی اگر پاک کپڑا دھوبی کو دیا تو وہ دھونے کے بعد بھی پاک رہے گا، اور جو کپڑا ناپاک دیا وہ ناپاک رہے گا، اس لیے کہ شریعت کا اصول ہے۔ "الیقین لا یزول إلا بالیقین" جب تک کپڑے کی ناپاکی کا اور ناپاک کپڑے کی پاکی کا یقین نہ ہوگا، وہ اپنی اصلی حالت پر برقرار رہیں گے، البتہ اگر دھوبی جاری پانی میں اتنے بڑے حوض میں دھوئے کہ اس کا رقبہ سوہاتھ یا اس سے زیادہ ہو تو ناپاک کپڑا بھی پاک ہوجائے گا۔ (احسن الفتاوی ۲/ ۸۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ڈرائی کلین کرانے سے کپڑے پاک ہوجائیں گے

سوال: ڈرائی کلین (Dry-clean) کرانے کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر کیا ہے؟ ڈرائی کلین مشین میں کیمیکل ڈال کر کپڑے دھلتے ہیں، ان میں پاک، ناپاک دونوں قسم کے مشترکہ کپڑے ہوتے ہیں، تو کیا اس طرح کے کپڑے پاک سمجھے

جائیں گے یا نہیں؟ امید ہے کہ تفصیلی جواب سے مطمئن فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ڈرائی کلین کے بارے میں مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اس کا حکم بعینہ وہی ہے جو کہ دھوبی سے دھلانے کا ہے، یعنی اگر پاک کپڑا دھوبی کو دیا تو وہ دھلنے کے بعد بھی پاک رہے گا اور جو کپڑا ناپاک دیا گیا ہے وہ ناپاک رہے گا، اس لیے کہ شریعت کا اصول ہے: "الیقین لا یزول إلا بالیقین" لہٰذا جب تک پاک کپڑے کی ناپاکی کا اور ناپاک کپڑے کی پاکی کا یقین نہ ہوگا، وہ اپنی اصلی حالت پر برقرار رہیں گے؛ البتہ اگر دھوبی جاری پانی میں یا اتنے بڑے حوض میں دھوئے کہ اس کا رقبہ سوہاتھ یا اس سے زیادہ ہو تو ناپاک کپڑا بھی پاک ہوجائے گا۔ (احسن الفتاوی ۲/ ۸۳، ۸۴)

حضرت مفتی نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ڈرائی کلین میں دھلے ہوئے کپڑوں کے متعلق پوچھے گئے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی بھی کپڑا (سوتی ہو یا اونی ہو یا ریشمی) ابتداءً جب بُنا جاتا ہے اور تیار کیا جاتا ہے، اس وقت بھی اس کے دھاگے (تانے بانے وغیرہ) میں مسالے (ماڑی وغیرہ) لگایا جاتا ہے، اور وہ بھی اکثر غیر مسلم لگاتے ہیں اور نہایت گندے پیروں سے اور گندی جگہوں میں خوب مسلتے ہیں، جس میں ناپاکی کی آمیزش کبھی دیکھی بھی جاتی ہے اور کبھی مظنون ہوتی ہے، اور تطہیر شرعی کے اصول تو قطعاً ملحوظ نہیں ہوتے، جیسا کہ ان کے کارخانوں اور فیکٹریوں کا مشاہدہ کرنے والوں پر ظاہر ہے، اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ نئے کپڑے بھی، خواہ سوتی یا اونی یا ریشمی، بغیر شرعی ضابطہ سے پاک کئے

ہوئے استعمال کرنا درست نہ ہو؛ لیکن فتویٰ یہ نہیں ہے، کیوں کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے۔ (کما فی الاشباہ) جب تک ناپاکی لگی ہوئی یا لگتے ہوئے نہ دیکھ لیا جائے، یا شرعی ثبوت یا شہادت سے ناپاک ہونا متیقن نہ ہو جائے، ناپاکی کا حکم نہیں لگا سکتے، اسی طرح دیہاتوں میں عام طور پر سوتی کپڑے جو دھوئے جاتے ہیں، وہ گدھوں کے لیدوں میں ملوث کرنے اور خوب ملنے کے بعد دھوئے جاتے ہیں، اور بسا اوقات پانی کی کمیابی کی وجہ سے وہ ایک چھوٹے سے گڑھے میں اور کبھی محض ٹبوں میں دھوئے اور صاف کئے جاتے ہیں، اور خشک بھی بسا اوقات ناپاک زمینوں پر (جیسے تالاب وغیرہ کے گندے حواشی یا گندی جھاڑیوں میں) پھیلا کر کئے جاتے ہیں جس کا مشاہدہ بھی عام ہے، اور جہاں کہیں دھوبی غیر مسلم ہوں اور آبادی بھی عموماً غیر مسلموں کی ہو، وہاں تو اس کا مشاہدہ اور بھی عام ہے؛ مگر اس کے باوجود ان دھلے ہوئے کپڑوں پر ناپاک ہونے کا حکم نہیں لگایا جاتا اور نہ بغیر شرعی ضابطہ کے پاک کئے ہوئے ان کپڑوں میں نماز پڑھنے سے نماز جائز نہ ہونے ہی کا حکم دیا جاتا ہے، یہ صرف اسی قاعدہ مسلمہ کی بنا پر ہے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے، پس جب تک اس کے خلاف دلیلِ شرعی سے نجاست کے تلوث و بقاء کا یقین نہ ہو جائے، حکم بہ نجاست حکم شرعی نہ ہوگا، بالخصوص جب ابتلائے عام بھی اس میں شریک ہو جائے۔ بالکل اسی طرح یہاں پٹرول سے دھلے ہوئے کپڑوں کا بھی حکم ہوگا؛ بلکہ پٹرول کے اندر جذب نہ ہونے اور اڑ جانے کی قوت پانی سے کہیں زیادہ اور قوی ہوتی ہے، اور پھر اونی کپڑوں میں سوتی کپڑوں کے مقابلہ میں جذب کرنے کی صلاحیت بھی تقریباً نفی کے برابر ہوتی ہے، اور اسی بنا پر اونی کپڑوں کو بھگو کر ٹانگ دو تو محض نتھرنے کے ساتھ ہی ساتھ بالکل خشک ہو جاتے ہیں، بخلاف سوتی کپڑوں کے

کہ نتھرنے کے بعد بھی کافی تر رہتے ہیں۔

اس کا تقاضہ بھی یہ ہونا چاہیے کہ اونی کپڑوں میں نجاست کی سرایت بھی بہت کمزور و ناپائیدار ہو اور ان کی تطہیر کا طریقہ بھی سہل و آسان ہو، انہیں وجوہ کی بنا پر پٹرول سے دھلے ہوئے ان کپڑوں پر ناپاک ہونے کا حکم نہیں ہوتا، اور نہ ان کے دوبارہ دھونے کا حکم ہوتا ہے، اور نہ پاک کرنے کا حکم ہوتا ہے، یہیں سے یہ بات بھی نکل آئی کہ جب پٹرول میں کپڑوں کی گردش کرانے اور جھنجھوڑنے سے کپڑوں کے داغ دھبے (خواہ وہ ناپاکی ہی کے داغ دھبے ہوں) زائل ہوجاتے ہیں، اور کپڑا اصاف ستھرا ہوجاتا ہے، تو جب کپڑوں میں پٹرول جذب نہ ہو کر اڑ جاتا ہے اور اس کے اڑ جانے کے بعد بھی اثرِ نجاست (رنگ و بو، مزہ وغیرہ) باقی نہیں رہتا؛ بلکہ زائل ہوجاتا ہے تو کہنا پڑے گا کہ پٹرول ہی سے ازالہ ہوا ہے، اور تطہیر نام ہے اسی ازالۂ نجاست کا، خواہ قلبِ ماہیت کی وجہ سے ہو جیسے شراب کا سرکہ بن جانا اور سرکہ کا پاک شمار کیا جانا، یا محض اڑ جانے سے ہو جیسے ناپاک روئی کے دھننے سے روئی کا پاک ہوجانا، یا غسل بالماء کے ذریعہ سے یا کسی بھی سیال طاہر شیء سے غسل کے ذریعہ سے، اور یہ صورت یہاں بھی حاصل ہے، لہذا اس بنا پر بھی دوبارہ تطہیر کا حکم دینے کی ضرورت نہ ہوگی۔

البتہ جن لوگوں کو اپنے کپڑے کی ناپاکی کا یقین ہو، مثلاً نجاست لگتے ہوئے یا لگی ہوئی خود دیکھی ہے تو ان کو پٹرول میں دھونے کے لیے دینے سے قبل خود پاک کرلینا چاہیے، یا پھر دھل کر آنے کے بعد احتیاطاً خود پاک کرلینا افضل ہوگا، اسی طرح مشین سے نکلنے کے بعد ذی جرم نجاست کا جرم باقی رہے تو اس کا دھونا ضروری رہے گا، اس کے بغیر پاک نہیں کہا جائے گا۔

اسی طرح یہ بات بھی الگ ہوگی کہ از روئے تقوی ایسے دھلے ہوئے کپڑوں کی تطہیر بقاعدہ شرع خود کرلی جائے؛ مگر اس کو فتویٰ نہیں قرار دیا جاسکتا۔ (منتخبات نظام الفتاوی ۱/۳۰۔۳۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سولر ہیٹرس کے ذریعہ پانی گرم کرنا

سوال: آج کل پانی گرم کرنے کے لیے ایک آلہ (solerheatars) ایجاد ہوا ہے، وہ مکان کی چھت پر لگایا جاتا ہے، سورج کی روشنی جب اس پر پڑتی ہے تو اس میں توانائی پیدا ہوکر پانی گرم کیا جاتا ہے، کیا ایسا پانی وضو اور غسل اور پینے کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وضو اور غسل نیز پینے کے لیے اس کا استعمال جائز ہے۔

واعلم أن استعمال الماء المشمس مكروه على الأصح من مذهب الشافعي، والمختار عند متاخرى أصحابه عدم كراهيته وهو مذهب الأئمة الثلاثة (مرقات شرح مشكوة؟ /٦٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کتا یا سوّر کپڑوں سے چھو جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: کسی آدمی کو کتا یا سوّر لگ جائے کپڑوں سے، تو کپڑے ناپاک ہوں گے کہ نہیں؟ چاہے ان کو ناپاکی ہو یا نہ ہو؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کتا اگر کسی آدمی کے جسم یا کپڑوں سے چھو جائے تو محض اس کے لگنے سے آدمی کا جسم یا کپڑے ناپاک نہیں ہوں گے، اسی طرح اگر کتے پر کسی نے پاک پانی ڈال دیا ہے جس کی وجہ سے اس کا جسم گیلا ہے، اور پہلے سے اس کے جسم پر کوئی ناپاکی نہیں تھی تو اس صورت میں بھی اس کا گیلا جسم لگنے سے آدمی کا جسم یا کپڑے ناپاک نہیں ہوں گے؛ البتہ اگر کتے کے جسم پر کوئی نجاست لگی ہوئی ہے، اور اس کے مس کرنے کی وجہ سے اس نجاست کا اثر آدمی کے جسم یا کپڑے پر آیا تو آدمی کا جسم یا کپڑا ناپاک کہلائے گا۔

(درمختار شامی ۱/ ۱۵۲، ۱۵۳)

سُوّر اگر کسی آدمی کے جسم یا کپڑے کو لگ جائے تو اگر سور کا جسم گیلا نہیں ہے؛ بلکہ سوکھا ہے، تو اس کے لگنے سے آدمی کا جسم یا کپڑا ناپاک نہیں ہوگا، اور اگر گیلا ہے تو ناپاک ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کتا اگر کپڑے یا بدن کو چھو جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: ایک کتا اگر سوکھا ہوا ہے اور انسان کے کپڑے کو لگ جاتا ہے، منہ نہیں لگاتا تو ان کپڑوں میں نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عمدۃ الفقہ میں مسئلہ لکھا ہے کہ: کتے کا بدن خود نجس نہیں خواہ سوکھا ہو یا گیلا؛ لیکن اگر اس کے بدن پر نجاست ہو تو اس نجاست کے لگنے سے ناپاک ہوجائیگا، پس اگر کتا

مسجد کے بوریے پر کھڑا ہوجائے اگر وہ خشک ہے تو نجس نہ ہوگا، اور اگر تر ہو اور نجاست کا اثر ظاہر نہ ہو اب بھی یہی حکم ہے یعنی بوریہ پاک ہے۔ (عمدۃ الفقہ ۱/۲۶۶)

فتاوی عالمگیری میں بھی فتاوی قاضی خان کے حوالہ سے یہ مسئلہ لکھا ہے: وإذا نام الكلب على حصير المسجد إن كان يابسا لا يتنجس، وإن كان رطبا ولم يظهر اثر النجاسة فكذلك، كذا فى فتاوى قاضى خان (عالمگیری ۱/۴۸)

اوپر کی عبارتوں سے یہ بات صاف ہوگئی کہ اگر کتے کا جسم سوکھا ہے اور وہ کسی انسان کے کپڑوں کو لگ جاوے یا کوئی چیز اس سے لگ جاوے تو وہ کپڑے یا وہ چیز ناپاک نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کتے کے ناک کی ریزش پاک ہے یا ناپاک؟

سوال: میرے والد صاحب حال میں نیروبی افریقہ میں ہیں، وہاں ان کو ایک آدمی نے سوال کیا، وہ یہ ہے کہ انہوں نے لندن کا سفر کیا، اور لندن کے ایئرپورٹ پر احتیاط کے لیے کتے کے ناک کے ذریعہ چیکنگ کرتے ہیں، تو کیا کتے کی ناک سے نکلی ہوئی رینٹ پاک ہے یا ناپاک؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کتے کی ناک میں سے نکلنے والی ریزش کے سلسلہ میں کوئی صریح جزئیہ تلاش کے باوجود نہیں ملا؛ البتہ جانداروں کے پسینہ اور لعاب کے سلسلہ میں جو حکم دیا جاتا ہے، وہی حکم ناک کی ریزش کے سلسلہ میں سمجھ میں آتا ہے، لعاب اور پسینہ کے سلسلہ میں یہ

تصریح موجود ہے کہ یہ دونوں گوشت سے پیدا ہوتے ہیں، اس لیے اگر گوشت ناپاک ہے، تو ان دونوں پر بھی ناپاکی کا حکم جاری ہوتا ہے، کتے کے لعاب اور پسینہ پر ناپاکی کا حکم اسی لیے جاری کیا گیا، مذکورہ بالا اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ ناک کی ریزش بھی گوشت ہی سے پیدا ہوتی ہے، اس لیے اس کو بھی وہی حکم دیا جائے گا، کتب فقہ کی عبارتیں مندرجۂ ذیل ہیں:

عرق كل شئ معتبر بسؤره طهارة و نجاسة و كراهة؛ لأن السؤر مختلط باللعاب، وهو والعرق متولدان من اللحم إذ كل واحد منهما رطوبة متحللة من اللحم فأخذ حكمه. (البحر الرائق ۱/ ۱۳۲)

عرق كل شئ معتبر بسؤره لأنهما يتولدان من اللحم إذ كل واحد منهما رطوبة متحللة من اللحم من لحمه فأخذ أحدهما حكم صاحبه. (هدايه ۱/ ٤٤)

وسؤر الكلب والخنزير وسائر سباع البهائم نجس باتفاق علمائنا خلافا لمالك فى الكل، وشافعى وأحمد فيما عدا الكلب والخنزير أما نجاسة سؤر الكلب للأحاديث الصحيحة فى الأمر بغسل الإناء بعد إراقه ما فيه لولو غه، أما سؤر الخنزير فلنجاسة عينه على ما تقدم فلعابه متولد من لحم نجس فتنجس ما خالطه، وأما سائر سباع البهائم فلنجاسة لحمها أيضاً على ما هو الصحيح (حلبى كبير:١٦٧)

البتہ اتنا یاد رہے کہ صرف کتے کے سامان کو سونگھنے کی وجہ سے اس جگہ کی ناپاکی کا حکم لگایا نہیں جائے گا، ہاں! اگر اس کے سونگھنے کے بعد اس جگہ پر کوئی تری محسوس کی گئی، تو وہ جگہ ناپاک شمار ہوگی۔

الكلب إذا أخذ عضو إنسان أو ثوبه لا يتنجس ما لم يظهر فيه أثر البلل راضيا كان غضباناً كذا في منية المصلي (هنديه ۱/ ٤٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

گیلی زمین پر کپڑا لگ کر گیلا ہوجانے کا حکم؟

سوال: عورت یا مرد کے کپڑے چلتے ہوئے زمین پر لگ کر گیلے ہوجائیں اور سوکھ جائیں تو اس کپڑے میں نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کپڑے زمین پر لگنے کی وجہ سے گیلے کس چیز سے ہوتے ہیں؟ آپ نے سوال میں اس کی وضاحت نہیں کی ہے، اگر بارش کے پانی سے زمین تر ہے یا کوئی پاک پانی اس پر بہنے کی وجہ سے زمین تر ہے اور کسی مرد یا عورت کے کپڑے اس سے لگنے کی وجہ سے گیلے ہوگئے تو کپڑے ہرگز ناپاک نہیں کہلائیں گے، ہاں! اگر زمین کسی ناپاک پانی کے گرنے کی وجہ سے یا پیشاب یا اس جیسی کسی اور نجاست کے بہنے کی وجہ سے تر ہوئی ہے اور اس میں کسی مرد یا عورت کے کپڑے لگنے سے گیلے ہوگئے ہیں تو وہ ناپاک ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ٹائلس والے ناپاک فرش کی پاکی

سوال: ہمارے گھر میں ٹائلس کا فرش ہے اس پر بچہ نے پیشاب کیا تو کیا خشک

ہونے سے پاک ہوجائے گا یا ہر بار دھونا پڑے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خشک ہونے کے ساتھ اس کا اثر یعنی رنگ بو مزہ دور ہوجانے سے نماز کے واسطے پاک ہوجائے گا تیمم کے واسطے نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

پانی لگنے سے معفو عنہ نجاست کا زیادہ ہوجانا

سوال: نجاست کی جو مقدار عفو ہے اس کے اوپر پانی گر گیا یا ڈالا گیا اور وہ مقدار عفو سے بڑھ گئی، تو اب اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نجاست غلیظہ جس پانی سے لگ جائے وہ پانی بھی نجس غلیظ ہوجاتا ہے، اور نجاست خفیفہ کے پڑنے سے نجس خفیف ہوجاتا ہے؛ اس لیے اگر نجاست کی مقدار معفو عنہ پر پانی گرا وہ پھیل کر زیادہ ہوگئی، تو اگر وہ مقدار معفو عنہ سے زیادہ ہے تو اب اس کے ساتھ نماز درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۸ رجب ۱۴۱۹ھ

کھانے کی چیز میں چیونٹی مرگئی تو کیا حکم ہے؟

سوال: چیونٹی کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کھانے میں آجائے یا غلطی سے

گر جائے تو؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی چیز میں چیونٹیاں مر گئیں تو بغیر نکالے کھانا جائز نہیں، اگر ایک آدھ چیونٹی حلق میں چلی گئی تو مردار کھانے کا گناہ ہوا۔ (بہشتی زیور اختری ۳/ ۶۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ناپاک گُڑ کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال: ایک بچے نے گنے کے رس میں پیشاب کر دیا، اس رس سے گڑ تیار ہو گیا، یہ گڑ پاک ہے یا ناپاک ہے؟ اگر ناپاک ہے تو پھر تو اس گڑ کو کس استعمال میں لایا جائے؟ اور مسلم کے مال کو ضائع ہونے سے بچانے کی کیا شکل ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس گڑ کو پاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ اس کے برابر اس میں پانی ڈالا جائے، اور خوب ہلا کر جوش دے لیا جاوے حتی کہ پانی اور گڑ دونوں ممتاز ہو جائیں، پھر اس پانی کو پھینک کر اتنا ہی پانی ڈالا جائے، غرض اسی طرح تین مرتبہ جوش دینے سے پاک ہو جائے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/ ۴۳)

ویطهر لبن وعسل ودبس ودهن بغلی ثلاثا (درمختار) (قوله ویطهر لبن وعسل الخ) قال في الدرر ولو تنجس العسل فتطهیره أن یصیب فیه ماء بقدره فیغلی حتی یعود إلی مکانه الخ (شامی ۱/ ۲۴۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ رمحرم الحرام ۱۴۱۵ھ

استنجاء کے بعد بھی پیشاب کے قطروں کا شک رہے تو؟

سوال: میں استنجے کے بعد ڈھیلا لیتا ہوں اور پھر پانی سے دھو دیتا ہوں؛ تو کیا یہ میرے لیے کافی ہوگا؟ اس کے بعد پھر سے چل کر یا کھانس کر قطرہ نکالنا ضروری ہے، اور اگر استنجا بالحجر اور ماء کرنے کے بعد بھی قطرہ کا شک ہو اور قطرہ نہ ہو تو کیا کروں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب یہ یقین ہو جائے کہ اب پیشاب کا کوئی قطرہ نہیں نکلے گا؛ تب پانی سے استنجا کیجئے، اس کے بعد اگر شک پیدا ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عورت کا وضو کے لیے نامحرم کے سامنے چہرہ کھولنا

سوال: ہندہ کسی جگہ پر گئی اور وہاں نماز کا وقت ہو گیا، اب نماز کے لیے وضو کرنے کے لیے کوئی پوشیدہ جگہ نہیں ہے، اور وضو کرنے کے لیے اس کو اپنا چہرہ اور ہاتھ کھولنا پڑتا ہے، اور اتنا وقت بھی نہیں ہے کہ گھر آ کر پڑھے، تو ایسی صورت میں ہندہ کیا کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چہرہ تو ستر میں داخل نہیں ہے، ہاتھوں کا اس طرح دھونا کہ غیروں کی نظر نہ پڑ سکے ممکن ہے۔ کتبِ فقہ میں بھی وضو کے سلسلہ میں اس کو عذر نہیں شمار کیا ہے؛ اس لیے تاخیر کی اجازت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ ذوالقعدۃ ۱۴۱۵ھ

نوزائیدہ بچے کے کان میں اذان بعد الغسل کہی جائے

سوال: نوزائیدہ بچے کو کان میں اذان پیدائش کے فوراً بعد کہی جائے یا بعد الغسل؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نہلا کر۔ (اختری بہشتی زیور ۶/ ۱۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

كتاب الصلاة

باب المواقیت

دو تقویموں میں تقابل سے صبح صادق، طلوع وغروب اور شفق میں فرق کی بنیاد

سوال: ہمارے یہاں دو تقویمیں رائج ہیں، ایک تقویم میں مغرب اور عشاء اسی طرح صبح صادق اور طلوع آفتاب میں فاصلہ کم ہے، اور دوسری میں زیادہ۔ کم فاصلہ والی تقویم حاجی عبدالحفیظ منیار صاحب سورت والوں کی ہے، جو دارالعلوم کنتھاریہ سے بھی شائع ہو چکی ہے۔ اور زیادہ فاصلہ والی تقویم کا مدار مفتی کفایت اللہ صاحب کا وہ فتویٰ ہے، جو بحوالہ شامی، فتاویٰ رحیمیہ جلد سوم میں شائع ہوا ہے، جس میں مغرب اور عشاء کے درمیان اسی طرح صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان مساوی فاصلہ بتلایا ہے، جو مفتی صاحب کے فتویٰ کے اعتبار سے ایک گھنٹہ اکیس منٹ سے کم نہیں، اور ایک گھنٹہ اڑتیس منٹ سے زیادہ نہیں۔

اب سوال عام مہینوں سے زیادہ رمضان المبارک میں پیدا ہوتا ہے، کہ اگر رمضان المبارک میں ختم سحر حاجی عبدالحفیظ منیار صاحب کی تقویم کے اعتبار سے کی جاوے، تو مفتی صاحب کے فتویٰ کے اعتبار سے ختم سحر بعد صبح صادق لازم آتی ہے۔ اور اگر مفتی صاحب والے فاصلہ کو صحیح مان کر عمل کیا جائے اور صبح صادق ہونے کے پانچ منٹ بعد اذان دی جائے، تو حاجی عبدالحفیظ صاحب کی تقویم کے اعتبار سے قبل صبح صادق اذان دینا لازم آتا ہے۔

مثلاً: اس سال رمضان المبارک کی ابتداء دسمبر کی اکیس کو منیار صاحب کی تقویم کے اعتبار سے صبح صادق ۵:۵۲ کو تھی اور مفتی صاحب کے فاصلہ کے اعتبار سے صبح صادق ۵:۴۳ کو ہوتی ہے، اب ظاہر بات ہے کہ منیار صاحب کی تقویم کے اعتبار سے اگر روزہ بند کیا جائے تو مفتی صاحب کے نزدیک روزہ صحیح نہ ہوگا، اسی طرح مفتی صاحب کی تقویم کے اعتبار سے فجر کی اذان دی جائے، تو منیار صاحب کی تقویم کے اعتبار سے اذان صبح صادق سے پہلے ہوگی، جو صحیح نہ ہوگی، تو برائے کرم تفصیل کے ساتھ بتلایئے کہ ہم کس پر عمل کریں کیوں کہ یقیناً دو میں سے ایک صحیح ہے اور دوسری غلط۔

از احقر موسیٰ آچھودی　　ابراھیم سلیمان عیسیٰ آچھودی

ولی فلاحی عفی عنہ آچھودی　　علی بھائی ابراہیم عفی عنہ

خالد علی موسیٰ خانپوری

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے استفتاء کا جواب دینے سے پہلے کچھ وضاحت اور صراحت ضروری سمجھتا ہوں۔

① آپ کا استفتاء موصول ہونے کے بعد آپ پر تنقیح کی غرض سے ایک تحریر حسب ذیل مضمون پر مشتمل بھیجی تھی۔ آپ نے جن دو تقویموں کا حوالہ دیا ہے ان میں سے ایک جناب عبد الحفیظ صاحب منیار والی تو ہمارے پاس موجود ہے البتہ دوسری تقویم جس کا مدار مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ پر بتلایا ہے یہاں موجود نہیں ہے، برائے کرم آپ وہ تقویم احقر پر روانہ فرمائیں، اس کے جواب میں آپ نے ''احمدی

تقویم'' ارسال فرمائی، آپ نے سوال میں جس دوسری تقویم کا حوالہ دیا اس سے مراد یہی تھی تو جس طرح پہلی تقویم کے سلسلہ میں مرتب اور شائع کنندہ کی تصریح فرمائی تھی اور حوالہ دے دیا تھا، اس دوسری تقویم کے معاملہ میں بھی شائع کنندہ کی تصریح فرما کر حوالہ دے دینا کافی تھا، لیکن آپ نے ایسا غالباً اس لیے نہیں کیا کہ آپ اس تقویم اصلی پر عمل نہیں کرتے بلکہ اس میں آپ نے ترمیم فرما رکھی ہے۔

(۲) مغرب اور عشاء کے درمیان فاصلہ کے سلسلہ میں ہمارے اکابر کے فتاویٰ مختلف ہیں، صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیانی فاصلہ کا بھی یہی حال ہے، نمونہ کے طور چند فتاویٰ نقل کرتا ہوں۔

امداد الفتاویٰ ۱ / ۱۴۹ پر حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ ہے:

سوال (۱۴۸): کس قدر حصہ رات کا گذرنے سے وقت نماز عشاء شروع ہوتا ہے؟

الجواب: غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد عشاء کا وقت آجاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس پر حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم حاشیہ تحریر فرماتے ہیں: تمام سال کے لیے یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ الخ

امداد الفتاویٰ ۲ / ۹۸ پر ایک اور فتویٰ ہے:

سوال (۱۴۸): ماہ رمضان المبارک کی رات میں کس قدر حصہ رات کا باقی رہتا ہے کہ اس وقت تک سحری کھانا درست ہے؟

الجواب:۔ ہیئت کے قاعدہ سے طلوع آفتاب کے وقت سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تک سحری کھا سکتے ہیں۔ الخ

نوٹ از احقر: ان دونوں جوابات میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ڈیڑھ

گھنٹہ کا جو حساب لکھا ہے، یہ زیادہ سے زیادہ فاصلہ ہے، جو ہوسکتا ہے، یعنی جو آدمی سال بھر یہ اہتمام کرتا ہے کہ عشاء کی نماز ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد پڑھے، اس سے پہلے نہ پڑھے تو اس کی نماز عشاء درست ہو جائیگی، چناں چہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اسی جواب کے متعلق ایک اشکال و جواب ''امداد الاحکام'' میں ہے:

حضرت اقدس نے ''امداد الفتاویٰ'' جلد اول میں وقت عشاء غروب آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد تحریر فرمایا ہے بادی النظر میں شبہ سا ہوتا ہے، خوب سمجھ میں نہیں آیا، اس فرمان واجب الاذعان کے موافق اگر کوئی شخص غروب آفتاب سے گھنٹہ یا سوا گھنٹہ بعد مغرب پڑھے تو درست ہونا چاہیے، مگر مشاہدہ نہیں مانتا۔ براہ کرم ذرا مکرر تفصیل فرمادی جائے۔ غروب آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ کی مدت بہت زیادہ سی معلوم ہوتی ہے۔

الجواب: اس کا مطلب یہ نہیں جو آپ نے سمجھا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ عشاء کی نماز غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ گزرنے پر پڑھنا چاہیے، عشاء اس سے پہلے نہ پڑھے، یہ مطلب نہیں کہ مغرب کی نماز اتنی دیر تک درست ہے چناں چہ عبارت سوال دیکھ کر کہ (سائل نماز عشاء پڑھنے کے لیے وقت عشاء دریافت کر رہا ہے، صفحہ ۶۴) یہ مطلب ظاہر ہے جو ہم نے بیان کیا۔ (امداد الاحکام ۱/۳۱۵)

نوٹ از احقر: لیکن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کے مطابق پھر بھی اشکال باقی رہتا ہے، اس لیے کہ ان کے فتویٰ کے بموجب یکم جون سے یکم اگست تک مغرب و عشاء کا درمیانی فاصلہ ڈیڑھ گھنٹہ سے بھی زیادہ ہے اس لیے غروب سے ڈیڑھ گھنٹہ بعد فوراً پڑھی ہوئی نماز عشاء صحیح نہیں ہوگی۔ (نوٹ کا مضمون ختم ہوا)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جوابات ملاحظہ فرمائیں:

''پس مغرب وعشاء میں ڈیڑھ گھنٹہ سے کم فاصلہ نہ کرنا چاہیے''۔الخ

(فتاوی دار العلوم مدلل مکمل ۲/ ۴۳)

''اس کے بعد واضح ہو کہ شفق ابیض غروب آفتاب سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد غائب ہوتا ہے اور اس میں صیفاً وشتاءً اچند منٹ کا تفاوت ہوتا ہے''۔(ایضا ۲/ ۴۶)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: ''مغرب کا وقت عامۃً ہمارے اطراف میں ڈیڑھ گھنٹہ سے کچھ کم رہتا ہے''۔(فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۳۶۹)

نوٹ از احقر: ان دونوں جوابات پر بھی وہی اشکال باقی رہتا ہے، جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے جوابات پر تھا، جس کی تفصیل اگلے نوٹ میں کر چکا ہوں۔ (نوٹ کا مضمون ختم ہوا)۔

③ حقیقت یہ ہے کہ غروب آفتاب اور غروب شفق ابیض کا درمیانی فاصلہ اور اسی طرح طلوع صبح صادق اور طلوع آفتاب کا درمیانی فاصلہ ہر جگہ اور ہر موسم میں یکساں نہیں رہتا بلکہ موسم اور مقام کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: غروب شفق کا وقت اختلافات زمان ومکان سے مختلف ہوتا رہتا ہے۔(فتاوی محمودیہ ۲/ ۲۰۱)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت شدہ ایک سوال اور ان کی طرف سے دیا گیا جواب ملاحظہ فرمائیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مغرب سے عشاء تک کتنا وقت ہونا چاہیے۔ ہمارے یہاں علماء کرام بعض کہتے ہیں کم سے کم ایک گھنٹہ اٹھارہ منٹ پر عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے، اور زیادہ سے زیادہ

ایک گھنٹہ پینتیس منٹ پر عشاء کا وقت ہوجاتا ہے، بعض کہتے ہیں ایک گھنٹہ بیس منٹ پر عشاء کا وقت ہوتا ہے۔ برائے کرم مفتیٰ بہ قول ذکر فرمائیں۔ بینوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب: مغرب اور عشاء کے درمیان خط استواء کے مقام پر معتدل ایام میں کم از کم ۵۷ منٹ ہے۔ اس وقت سفید شفق غروب ہوتی ہے، شفقِ سرخ اس سے بھی بارہ منٹ پہلے غروب ہو جاتی ہے، اس کے مطابق غروب آفتاب سے ۴۵ منٹ کے بعد وقت عشاء شروع ہوجائے گا، یہ قول ارجح ہے اور قول اول احوط، دوسرے ایام اور دوسرے مقامات میں اس سے زیادہ وقت ہوتا ہے اور زیادتی کی کوئی تحدید نہیں حتیٰ کہ بلغار میں موسم گرما میں عشاء کا وقت آتا ہی نہیں، اس وقت کی مقدار ہر شہر اور ہر موسم میں مختلف ہے۔ الخ (احسن الفتاویٰ ۲/ ۱۴۶)

آگے ایک اور مقام میں تحریر فرماتے ہیں: بعض علماء نے منتہاء سحر وطلوع آفتاب کے درمیان کچھ وقت (مثلاً ڈیڑھ گھنٹہ یا کم وبیش) کی تعیین فرمائی ہے، اس سے ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں، کہ ہر موسم میں ہر مقام پر طلوع اور صبح صادق کے درمیان اتنا ہی وقفہ ہوتا ہے، اس لیے کہ یہ امر تو بداہۃً غلط ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ یہ وقفہ ہر تاریخ میں اور ہر مقام میں مختلف ہوتا ہے، اس کی تصدیق مشاہدات سے بھی کی جاسکتی ہے اور مختلف مقامات کے اوقات نماز کے پرانے نقشوں سے بھی۔ الخ (احسن الفتاویٰ ۲/ ۱۸۳)

④ کسی بھی فن سے استفادہ کے شرائط میں سے یہ ہے، کہ اس فن کے اصول و قیود کی رعایت کی جائے، اوقات نماز کی تعیین کے لیے جو جنتریاں تیار کی جاتی ہیں اس کا تعلق فن ہیئت سے ہے، سو اس سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ جب بھی کوئی ماہر فن جنتری تیار کرنا چاہتا ہے، تو وہ پہلے اس مقام کی تعیین کرتا ہے جس کے لیے جنتری تیار کرنا

مطلوب ہو، پھر اس مقام کا عرض البلد طول البلد معلوم کر کے اس کے مطابق جنتری تیار کرتا ہے، پھر وہ جنتری اس مقام میں بھی کام دے سکتی ہے، جہاں کا طلوع وغروب اس مقام کے طلوع وغروب کے موافق ہو جس کے لیے جنتری تیار کی گئی ہے، اور جن مقامات کا طلوع وغروب مکمل طور پر تو موافق نہ ہو لیکن دو تین منٹ کا فرق ہو ان مقامات میں بھی اتنی احتیاط کرتے ہوئے کام دے سکتی ہے، مثلاً: شہر سورت کا طول البلد ۷۲ درجہ، اور ۵۲ دقیقہ ہے، اور عرض البلد ۲۱ درجہ، اور ۱۲ دقیقہ ہے، اب اگر کوئی جنتری سورت کے لیے تیار کی جائے تو وہ مندرجہ بالا تفصیل کے ساتھ دوسرے مقامات کے لیے بھی کارآمد ہو سکتی ہے، اسی اصول کے پیش نظر ماہرین کی تیار کردہ تمام جنتریوں میں اس بات کی صراحت ہوتی ہے، کہ یہ جنتری فلاں مقام کے لیے تیار کی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ فلاں فلاں مقامات کے لیے کام دے سکتی ہے، اس اصول کے پیش نظر دیکھا جائے تو آپ نے اپنے سوال میں جن دو جنتریوں کے متعلق دریافت کیا ہے، ان میں سے ایک یعنی جناب الحاج عبد الحفیظ منیار صاحب کی تیار کردہ جنتری اصول فن کے مطابق ہے، جب کہ دوسری جنتری جس کا زیروکس zerox آپ نے بھیجا ہے اس میں اس قسم کی کوئی وضاحت اور ہدایت نہیں ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ جنتری پورے گجرات میں جہاں جہاں بھی استعمال ہوتی ہے وہاں اسی طرح استعمال میں لائی جارہی ہے، چاہے وہ گجرات کا مشرقی علاقہ ہو یا مغربی، شمالی ہو یا جنوبی، حالاں کہ یہ بداھۃً غلط ہے آپ نے اصل جنتری کے عشاء وفجر کے اوقات میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کو بنیاد بنا کر تغیر وتبدل کر دیا، اس کی وجہ سے دیگر اوقات نماز کے معاملہ میں آپ کا ذمہ بری نہیں ہو جاتا، آپ کا یہ رویہ تو مزید اعتراض

پیدا کرتا ہے کہ جس جنتری کے اوقات عشاء وفجر قابل اعتماد نہیں، اس کے دیگر اوقات نماز کیوں کر قابل اعتماد قرار پائے؟ ممکن ہے آپ طلوع وغروب کے لیے مشاہدہ کو دلیل میں پیش فرما کر جواب دیں کہ ہم نے مشاہدہ سے اس کی تصدیق کر لی ہے لیکن مثل اور مثلین (یعنی عصر شافعی وحنفی) کے سلسلہ میں تو یہ دلیل بھی کار آمد نہیں ہوگی، بہر حال آپ نے عملی طور پر جو انداز اختیار کیا ہے وہ محض آپ کا (یا آپ کی بستی والوں کا) تفرد ہے، جس میں آپ کا حال ﴿نؤمن ببعض و نکفر ببعض﴾ کے مشابہ ہو جاتا ہے، اور اصول فن کی رو سے بھی یہ جنتری قابل اعتراض ہے۔

⑤ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جس فتویٰ کا آپ نے اپنے سوال میں حوالہ دیا ہے، اس میں غروب آفتاب اور غروب شفق ابیض کے درمیان جو فاصلہ گھنٹہ اور منٹ کی تعیین کے ساتھ دیا گیا ہے، اس کے متعلق یہ یاد رہے کہ یہ تعیین شامی سے نہیں لی گئی ہے بلکہ شامی کے حوالہ سے تو صرف اتنا بتلایا گیا ہے کہ فجرین (یعنی صبح صادق اور صبح کاذب) کا درمیانی فاصلہ تین درجات کے بقدر ہوتا ہے، اسی طرح شفقین (یعنی شفق احمر اور شفق ابیض) کا درمیانی فاصلہ تین درجات کے بقدر ہوتا ہے، یہ یاد رہے کہ اہل ہیئت کے یہاں ایک درجہ کی مقدار عموماً چار منٹ شمار ہوتی ہے، اس حساب سے یہ فاصلہ بارہ منٹ کا ہوتا ہے، کسی بھی فقہی کتاب میں آپ کو مغرب وعشاء کے درمیانی فاصلہ کی تعیین گھنٹہ اور منٹ کے حساب سے نہیں ملے گی، اور یہ ممکن بھی نہیں اس لیے کہ جیسا کہ آگے نمبر ۳/ میں تفصیل سے بتلا چکا ہوں کہ یہ فاصلہ مکان وزمان کے اعتبار سے مختلف ہوتا رہتا ہے، اس لیے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ میں مذکور نقشہ کے متعلق اتنی بات تو یقینی اور حتمی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ یہ نقشہ تمام

انڈیا اور اس کے تمام علاقوں یا شہروں کے لیے نہیں ہے، بلکہ نمبر (۴) کی وضاحت کے مطابق کسی خاص مقام کو سامنے رکھ کر تیار کرایا گیا ہے، اس لیے اس کو اسی مقام اور اس کے قرب و جوار میں واقع مقامات کے لیے (اس فن کے اصول و قیود کے مطابق) استعمال کیا جاسکتا ہے، اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس مقام کے لیے ہے؟ تو خود اس فتویٰ میں تو اس کی صراحت نہیں ہے، البتہ کفایت المفتی ۳/ ۳۲۲ میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔ ''مغرب کا وقت غروب آفتاب سے ایک گھنٹہ بیس منٹ سے ایک گھنٹہ پینتیس منٹ تک مختلف موسموں کے لحاظ سے رہتا ہے، ایک گھنٹہ بیس منٹ سے کم نہیں ہے، اور ایک گھنٹہ پینتیس منٹ سے زیادہ نہیں ہے، یہ مستفتی جس کے سوال کے جواب میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ عبارت تحریر فرمائی ہے، بارک پور کا رہنے والا ہے اور یہ مقام مغربی بنگال میں واقع ہے، حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تھانہ بھون کے اوقات نماز کے لیے ایک نقشہ تیار فرمایا ہے جس کا نام ''الساعات للطاعات'' رکھا ہے اس میں چند تنبیہات تحریر فرمائی ہیں: نمبر ۵ میں ہے صبح صادق اور طلوع شمس میں فرق کم سے کم بماہ فروری و مارچ و دسمبر و اکتوبر ایک گھنٹہ بیس منٹ، اور زیادہ سے زیادہ بماہ جون شروع جولائی ایک گھنٹہ ۳۷ منٹ ہوتا ہے۔ (بوادر النوادر ۲/ ۴۲۹)

اس کے بعد اسی رسالہ میں اضافہ و ترمیم کے نام سے ایک مضمون اخیر میں دیا اس میں ''مقام ثانی ترمیم'' کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں: یہ نقشہ بالا ان مقامات میں تو بلا کسی قید کے کام دے سکتا ہے جہاں کا طلوع و غروب یہاں کے طلوع و غروب کے موافق ہو اور جن مقامات کا طلوع و غروب یہاں سے مقدم و مؤخر ہو وہاں بھی ایک قید

سے کام دے سکتا ہے، وہ قید یہ ہے کہ وہاں کے دن کی مقدار یہاں کے دن کی مقدار کے برابر ہو اور وہاں کی رات کی مقدار یہاں کی رات کی مقدار کے برابر ہو، پھر اگرچہ طلوع وغروب یہاں کے موافق نہ ہو تو اگر۔ الخ (بوادر النوادر ۲/ ۴۳۲)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نقشہ میں ماہ دسمبر میں طلوع صبح صادق اور طلوع آفتاب کا فرق ایک گھنٹہ بیس منٹ بتلایا ہے، اس سے قطع نظر کہ یہ فرق حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس تاریخ میں بتلائے ہوئے فرق سے آٹھ منٹ کم ہے، ہم اگر اکیس دسمبر کا تھانہ بھون کا طلوع وغروب دیکھ کر وہاں کے دن کی مقدار معلوم کرتے ہیں تو وہ دس گھنٹہ سترہ منٹ ہوتی ہے، اور سورت کا اسی دن کا طلوع وغروب (آپ کی مرسلہ تقویم کے مطابق) دیکھ کر سورت کے دن کی مقدار معلوم کرتے ہیں تو دس گھنٹہ چون منٹ ہوتی ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نقشۂ اوقات کے استعمال کے لیے جو اصول ''مقام ثانی ترمیم'' کے عنوان سے تحریر فرمایا ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ نقشہ یہاں کارآمد نہیں جس کا نتیجہ لازمی طور پر یہ نکلا کہ صبح صادق اور طلوع آفتاب کا درمیانی فاصلہ جو وہاں ایک گھنٹہ بیس منٹ ہے، سورت میں فاصلہ کی یہی مقدار نہیں بلکہ الگ ہے۔

⑥ ماہرین فن جو جنتریاں تیار کرتے ہیں، باوجود اس کے کہ اصول وقواعد فن کی رعایت کرتے ہوئے وہ جنتریاں تیار کی جاتی ہیں لیکن ان میں بھی اختلاف وفرق ہوتا ہے۔ حالاں کہ اس کے تیار کرنے والے وہ حضرات ہیں جن کی مہارت وثقاہت مسلم ہوتی ہے، اس کے بعد جو حضرات مفتیان عظام اور علماء کرام ان کی تصدیق وتائید فرماتے ہیں وہ بھی ان تیار کرنے والے حضرات کی فنی مہارت وشہرت پر اعتماد کرتے ہوئے غلبۂ ظن کی بنیاد پر تائید وتصویب کرتے ہیں، نہ وہ جنتریاں قطعی ہیں کہ ان میں

سہو ونسیان کا امکان نہ ہو، اور نہ حضرات علماء کی طرف سے کی گئی تائید وتصویب قطعی ہے کہ اس کو نص قطعی کا درجہ دے کر دوسروں کی تغلیط وتردید کی جائے، جب مذاہب فقہیہ اربعہ کے مسائل اجتہادیہ میں قطعیت کا دعویٰ کرنے کی اجازت نہیں ہے حالاں کہ ان کی بنیاد دلائل اربعہ پر ہے تو پھر جنتریوں کے معاملہ میں یہ غلو کیا معنی رکھتا ہے؟

ایسا ہی ایک سوال سیدی فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کیا گیا، اس کا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جو جواب دیا وہ چشم کشا اور دل ودماغ کے تمام شکوک وشبہات کی جڑ کاٹنے والا ہے، اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عمیق فقہی بصیرت کا غماز، لیجیے اس کو پڑھ لیجیے:

سوال: پاکستان سے ایک تحقیق بہ سلسلہ وُقت فجر وعشاء شائع ہوئی ہے کہ صبح صادق کا وقت جو کہ جنتریوں میں چھپتا ہے وہ صحیح نہیں ہے، رمضان شریف میں اس وقت کے لحاظ سے نماز فجر قبل طلوع صبح صادق ہو جاتی ہے، جب کہ متصل ختم وقت سحر پڑھی جاوے، دریافت طلب یہ ہے کہ یہ تحقیق آپ کے نزدیک صحیح ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص نماز فجر متصل وقت سحر پڑھے تو وہ نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً: مجھے فلکیات میں درک نہیں ہے، ایک دفعہ مدرسہ کی جانب سے افطار وسحر سے متعلق جنتری کا مرتب کرنا میرے سپرد کر دیا گیا تھا اس لیے صبح صادق، طلوع یا زوال، مثلین یا غروبِ شمس، غروب شفق کی تحقیق وتفتیش کے لیے متعدد جنتریوں کو سامنے رکھا، دوربین سے دیکھا، دھوپ گھڑی سے کام لیا، قطب نما اور قبلہ نما سے مدد لی، ایک ہی مقام سے متعلق ایک سے لے کر ۱۸/منٹ تک فرق نکلا۔ تقریباً دو ہفتہ تک کوشش کر کے معذرت کر دی تھی کہ یہ کام میرے بس کا نہیں۔ ایک ضلع

کے ایک قصبہ میں ایک وقت سحری کھائی جارہی ہے، اور اسی وقت دوسرے قصبہ میں نماز فجر ادا کی جارہی ہے۔ اب یا تو ایک قصبہ والوں کے روزے غلط، یا دوسرے قصبہ والوں کی نماز فجر غلط۔ جنتری اور نقشہ دونوں کے پاس موجود۔ گھڑی دونوں تار سے ملاتے ہیں اور بعض نصف النہار سے بھی ملاتے ہیں اور ہر جنتری کو تصدیق علماء کا شرف بھی حاصل ہے۔ اگر سحری صبح کے وقت مشتہر سے قبل ختم کردی جائے اور نماز فجر اسفار میں ادا کی جائے جو کہ اصل مذہب ہے تو کوئی خدشہ نہ رہے یا اسفار میں نہ ہو تو کم از کم اتنا تو لحاظ کرلیا جائے کہ یہ خدشہ دفع ہو کر نماز بالتعیین صحیح وقت پر ادا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۳۹۱)

مذکورہ بالا تمہید کے بعد آپ کے سوال کا جواب دیتا ہوں۔

اسلامی احکامات سے واقف حضرات پر یہ مخفی نہیں کہ اسلام تمام امور میں سادگی و بے تکلفی اور فطری طریقے اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے، اور ہر ہمہ گیر مذہب کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے، کیوں کہ آلات اور فنی حسابات کے جاننے والے لوگوں کا اور اس سے متعلق چیزوں اور آلات کا ہر جگہ مہیا ہونا یقینی نہیں ہوتا، اگر ان فنی اصول و آلات پر احکام شرعیہ کا دارومدار ہوتا تو وہ بہت سے لوگوں بلکہ شاید اکثریت کے لیے ناقابل عمل ہوجاتے یا طویل مدت (آلات کے ایجاد کا زمانہ آنے تک) عمل نہ ہوسکتا۔ اسلام جس کے مخاطب عرب وعجم، دیہاتی اور شہری آبادیوں سے دور اور وسائل زندگی سے مہجور، صحرانورد وبادیہ نشیں اور خلاباز وکوہ پیما؛ غرضیکہ ہر طرح اور سطح کے لوگ ہیں اس کے قوانین میں سب ہی کی رعایت کی گئی ہے، اس وجہ سے ہر عمل کا وہ طریقہ بتلایا گیا ہے جو سب کے لیے آسان ہو اور اس کی تعمیل ''تکلیف مالا یطاق'' کا مصداق نہ ہو، چناں چہ

عبادات میں سب سے اہم عبادت نماز جس کا تعلق وقت سے ہے، اس کے وقت کی تعیین کے سلسلہ میں بھی شریعت نے اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی بنیاد آفتاب کے طلوع وغروب وزوال اور صبح وشفق جیسی آسمانی نشانیوں پر رکھی جن کا پہچاننا اور اس کے مطابق عمل کرنا ہر خواندہ اور ناخواندہ، شہری و دیہاتی کے لیے بہ سہولت ممکن ہے۔ اور شروع اسلام سے لے کر آلات رصدیہ کی ایجاد تک بلکہ اس کے بعد بھی آج تک ان مقامات میں جہاں ان کا حصول دشوار ہے، اسی کے مطابق عمل ہوتا رہا اور ہو رہا ہے۔ البتہ بعض عارضی عوامل وموانع (ابر وبارش وغیرہ) کی وجہ سے ان علامتوں کی تعیین یا پہچان بعض لوگوں کے لیے دشوار ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں شریعت ہی کے ایک دوسرے بنیادی اصول (یعنی جہاں قطعی علم ومعرفت ممکن نہ ہو یا دشوار ہو غلبۂ ظن کو اس کے قائم مقام شمار کیا جائے) پر چلنے کی بھی اجازت دی ہے۔ اسی غلبۂ ظن کے حصول کا ایک طریقہ وہ جنتریاں بھی ہیں جو فن ہیئت کے اصول وقواعد کے مطابق تیار کی جاتی ہیں۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض مرتبہ فن کے جاننے والوں میں ان کی مہارت و ثقاہت وحذاقت کے باوجود اختلافات ہوتے ہیں۔ مثلاً اطباء میں مرض کی تعیین وتشخیص اور علاج کی تجویز اور طریق علاج میں اختلاف ہوتا ہے، اور یہ اختلاف لوگوں کو اس فن سے استفادہ سے مانع اور رکاوٹ نہیں بنتا بلکہ ایسے مواقع میں ہر آدمی اس کو جس پر زیادہ اعتماد ہوتا ہے اس کی بات پر عمل کرتا ہے، اور اپنا کام چلاتا ہے، یہاں بھی اسی اصول کو مدنظر رکھ کر جس کی مہارت وثقاہت وحذاقت پر اعتماد ہو اور اس کی تیار کردہ جنتری سے غلبۂ ظن حاصل ہو جاتا ہے اس پر شرعاً عمل کرنے کی اجازت ہے، یہ حکم خود عمل کرنے والے کے لیے ہے لیکن اس کو یہ حق نہیں کہ دوسرے پر یہ حکم لازم کردے؛ بلکہ اگر

دوسرے آدمی کو دوسرے کی تیار کردہ جنتری پر اعتماد ہو، اور وہ اس پر عمل کر رہا ہے تو اس کو اس پر عمل کرنے سے منع نہیں کرسکتا، اب اگر کوئی احتیاطی پہلو کو مدّنظر رکھتے ہوئے ایسی صورت اختیار کرے کہ دونوں جنتریوں کے مطابق عبادات کی یقینی ہوجائے، اور کوئی شک وشبہ نہ رہے، تو یہ بہتر اور افضل کہلائے گا، اب ایک جواب فقیہ الامّت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نقل کرتا ہوں جس میں یہی بات مختصر اور جامع عبارت میں پیش کی گئی ہے۔

سوال: ہر شہر میں مقامی ریلوے وقت، پوسٹ کا نماز کے لیے مقامی وقت میں آدھا گھنٹہ سے زیادہ فرق پڑ جاتا ہے، اس لیے شریعت کے مسئلہ سے واقف کرائیں تاکہ مقامی لوگوں کو وقت نماز صحیح معلوم ہوجائے، چند لوگوں نے ریڈیو کے وقت پر زور دیا ہے، مشاہدہ ہے کہ بجلی کی کڑک اور چمک سے دو تین سکنڈ اور زیادہ بھی فرق پڑ جاتا ہے، گو ایک ہی میل کے اندر ہی واقع ہوتے ہیں بجلی سے چلائی جانے والی ریڈیو، رصد گاہ مدراس سے ہم تک سو کیلو میٹر سے زائد ہے، چار پانچ منٹ کا فرق ہوجاتا ہے، اکثر مسجدوں میں صحیح وقت بتانے والی گھڑی مستعمل ہے جو بہت ہی قیمتی ہے اس کے پرزے گرمی اور جاڑے میں صحیح وقت بتاتے ہیں، ایسی گھڑی کا استعمال کرنا لازم ہے یا اندازہ سے نماز ادا کرلینی چاہیے، مقامی وقت (جس مسجد میں) دریافت کرلینے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ اوقات الصلوٰۃ کے مطابق غروب آفتاب میں دس منٹ زیادہ کرلیتے ہیں، ایک مقام پر طلوع اور غروب میں کتنے منٹ کا اضافہ کرلینا چاہیے؟ شہر میں کئی مسجدیں ہوں ایک ساتھ اذان دینا ناممکن ہے، اگر آگے پیچھے ہوجائیں تو کیا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً: اوقات نماز کی تعیین اصالۃً علامات سماویہ سے کی جاتی ہے،

جیسا کہ قرآن کریم، حدیث شریف اور کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے انہیں علامات سے جنتریاں بنائی جاتی ہیں، اگر ان علامات سے واقفیت نہ ہو، ابر و باراں وغیرہ کی وجہ سے علامات کا ظہور نہ ہو تو واقفینِ فن کی بنائی جنتریوں پر مجبوراً اعتماد کرنا پڑتا ہے۔ جس جنتری اور جس گھڑی پر صحت کا ظن غالب ہو اور تجربہ سے اس کا صحیح ہونا معلوم ہو چکا ہو اس کے مطابق عمل کر لینا براءۃ ذمہ کے لیے انشاء اللہ کافی ہے۔ طلوع، غروب، زوال، صبح صادق کا وقت ہر علاقہ میں یکساں نہیں۔ اس لیے اوقات نماز میں بھی تفاوت ہو جاتا ہے۔ ایک ہی شہر کے متعدد مساجد میں اگر اذانیں قدرے تفاوت سے ہوں تب بھی درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۶/ ۳۳۵)

خلاصۂ جواب یہ ہے:

عملی طور پر آپ کے لیے دو صورتیں ہیں:

① پہلی صورت جو مستحسن و احتیاط والی ہے وہ یہ ہے، کہ آپ اس طرح عمل کریں کہ دونوں تقویموں کے اعتبار سے آپ کا روزہ اور اذان و نماز درست ہو جائیں، مثلاً: آپ کی سوال میں ذکر کردہ تاریخ اکیس دسمبر کو آپ روزہ تو ۵:۴۳ سے پہلے بند کر دیں، اور اذان ۵:۵۲ کے بعد دیں۔

② دوسری صورت جو جائز ہے، وہ یہ ہے کہ دونوں میں سے جس تقویم پر اعتماد ہو اس عمل کریں، لیکن دوسری تقویم پر عمل کرنے والے کی تغلیط نہ فرمائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: اس جگہ یہ بتلا دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ منیار صاحب کی تیار فرمودہ تقویم کو مفتیان گجرات کی تصدیق کا شرف حاصل ہے، اور جس حسابی فارمولہ کے مطابق یہ تیار کی گئی ہے، اس کے مطابق کراچی میں تیار کیے گئے ''عالمی نقشۂ اوقات نماز'' کو

حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ (صدر مفتی و شیخ الحدیث مدرسہ بنوریہ کراچی) اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم (شیخ الحدیث و مفتی دارالعلوم کراچی) کی تصدیق کا شرف، اور اسی حسابی فارمولہ کے مطابق دہلی میں تیار کردہ کتابچہ ''اوقات الصلوٰۃ'' کو حضرت مولانا نصیر احمد خانصاحب مدظلہم (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند ماہر علم ہیئت) اور مولانا انظر شاہ صاحب مدظلہم (شیخ الحدیث وقف دارالعلوم دیوبند) اور دیگر حضرات علماء کی تصدیق کا شرف حاصل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ صفر ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

دائمی احمدی تقویم اور شمسی تقویم میں کونسی قابل عمل ہے؟

سوال: اکثر مساجد میں لوگ احمدی ٹائم کے حساب سے عمل کر رہے تھے مگر کچھ دنوں سے عبدالحفیظ منیار صاحب نے ایک شمسی تقویم تیار کی ہے لوگوں نے دونوں تقویم کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ دائمی تقویم سے عبدالحفیظ منیار صاحب کی شمسی تقویم میں ٹائم ٹیبل کے اعتبار سے بہت کچھ فرق ہے اب عوام پریشان ہیں کہ ہم کس تقویم پر عمل کریں اس لیے مہربانی فرما کر عبدالحفیظ منیار صاحب کی شمسی تقویم پر روشنی ڈالیں اور یہ بھی وضاحت فرمائیں کہ کسی معتبر مفتی صاحب کی شمسی تقویم پر تصدیق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشین رہے کہ دائمی احمدی تقویم ۱۹۶۹ء کے عرصہ میں شائع ہوئی ہے۔ اور شمسی تقویم ۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی ہے۔ اب آپ کا یہ جملہ کہ کچھ

دنوں سے عبد الحفیظ منیار صاحب نے ایک شمسی تقویم تیار کیا ہے کتنا درست ہے اس کا فیصلہ آپ ہی فرمالیں۔

مؤرخہ ۲۵ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ مطابق مؤرخہ ۷ جنوری ۱۹۸۶ء کو حضرات مفتیان کی ایک مجلس خاص اسی لیے منعقد ہوئی تھی کہ عبد الحفیظ صاحب کی مرتب فرمودہ شمسی تقویم پر غور وخوض کرے۔ اس مجلس میں خود جناب عبد الحفیظ صاحب کو بھی طلب کیا گیا تھا اور ان سے اس کے طریق تخریج اوقات کے سلسلہ میں مکمل بحث وگفتگو کے بعد ان حضرات نے اس تقویم کو صحیح اور قابل عمل قرار دیا اس مجلس میں حسب ذیل حضرات موجود تھے۔ ① حضرت مولانا مفتی عبد الغنی کاوی صاحب (مفتی دار العلوم اشرفیہ راندیر) ② حضرت مولانا مفتی اسماعیل واڈی والا صاحب (مفتی جامعہ حسینیہ راندیر) ③ حضرت مولانا مفتی احمد بیات صاحب (اس وقت مفتی دار العلوم فلاح دارین ترکیسر) ④ حضرت مولانا مفتی مصلح الدین بروڈوی صاحب (مفتی وشیخ الحدیث دار العلوم بروڈہ) ⑤ حضرت مولانا مفتی اسماعیل کچھولوی صاحب (اس وقت مفتی جامعہ ڈابھیل) ⑥ حضرت مولانا شیر علی صاحب (استاذ الحدیث دار العلوم فلاح دارین ترکیسر) احقر بھی اس مجلس میں موجود تھا گذشتہ سال پورے بھارت کے اہم مقامات کے اوقات نماز بتلانے کے لیے ایک کتاب ادارہ اشاعت دینیات نظام الدین دہلی کی طرف سے ''اوقات الصلوۃ'' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ اس کے تمام حسابات اسی طریق حساب اور طریق تخریج سے جناب عبد الحفیظ منیار صاحب نے کئے ہیں اور جناب محمد انس صاحب نے ترتیب دی ہے۔ اس پر جن علمائے کرام کی تقریظات ہیں ان میں دار العلوم دیوبند کے صدر المدرسین حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب مدظلہم العالی بھی

ہیں یہ یاد رہے کہ آپ اس وقت علمائے دیوبند میں علم ہیئات میں خصوصی ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ اور اس فن میں ان کی مہارت کو اپنے اور پرائے تمام تسلیم کرتے ہیں سالہا سال حضرت مولانا مدظلہم نے دارالعلوم دیوبند میں یہ فن پڑھایا ہے۔ خود احقر نے بھی اس فن کی بعض کتابیں مثلاً تصریح، شرح چغمنی، بست باب، رسالہ ماردینیہ ان سے پڑھی ہیں۔ اور ربع مجیب نیز اصطرلاب بنانے کا طریقہ بھی حضرت موصوف سے سیکھا تھا۔ حضرت مولانا موصوف اپنی اس تقریظ میں تحریر فرماتے ہیں، ''کتاب کے مطالعہ سے مصنف موصوف کی اس فن میں بالغ نظری اور دوررسی کا پتہ چلتا ہے'' کیا ان کلمات کے بعد بھی کسی اور کی تصدیق کی ضرورت ہے؟ ع

''قدر گوہر شاہ بداند یا بداند جوہری''

کراچی پاکستان سے ۱۹۸۶ء میں جناب پروفیسر عبداللطیف صاحب (جو اس فن کے ماہر ہیں اور جدید سائنسی طریقہ سے انہوں نے یہ فن حاصل کیا ہے) نے عالمی نقشۂ اوقات نماز شائع کیا ہے جس پر دارالافتاء جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کی تصدیق ہے اور تصدیق کرنے والے وہاں کے مفتی اور شیخ الحدیث اور پاکستان کے مشہور عالم حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی صاحب مدظلہم ہیں۔ نیز شیخ الاسلام پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدت فیوضہم کی تقریظ بھی اس پر ہے۔ اس نقشۂ اوقات میں حساب اور تخریج اوقات کا وہی طریقہ استعمال کیا گیا ہے جو جناب عبدالحفیظ منیار صاحب نے استعمال فرمایا ہے؛ بلکہ اس نقشہ کی تیاری میں جناب عبدالحفیظ صاحب نے تعاون فرمایا ہے جیسا کہ خود پروفیسر صاحب موصوف نے دیباچہ میں اس کی صراحت فرما کر ان کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اب آخر میں یہ بھی بتلادوں کہ ۱۹۸۸ء میں جب یہ شمسی

تقویم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کی طرف سے حضرت مولانا محمد سعید بزرگ صاحب نے شائع فرمائی تو دائمی احمدی تقویم کے ناشر حضرت مولانا غلام محمد نورگت رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے نام ایک خط میں یہ جملہ لکھا ہے:

જામિઅહ એ શમ્સી તકવીમ બાહર પાડીને ગુજરાત ની ખોટ પુરી કરી છે

(جامعہ نے شمسی تقویم شائع کر کے گجرات کی کمی کو پُر کیا ہے)۔ محترم مولانا غلام محمد نورگت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خط یہاں محفوظ ہے۔ اب آپ یہ بتلائیے کہ دائمی احمدی تقویم جس پر آپ کے بہ قول لوگ عمل کر رہے ہیں اس کی تخریج اوقات، علم ہیئات کے کن اصولوں پر کی گئی ہے؟ امید کہ آپ اس کو حل فرما کر ممنون فرمائیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ جمادی الاخری ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نماز کا ٹائم ٹیبل بنانے میں احتیاط والے قول کی رعایت

سوال: جناب مفتی صاحب مدظلہ العالی مندرجۂ ذیل سوالات کے جوابات شریعت محمدی کی روشنی میں فقہ حنفی کے مطابق جوابات دے کر ہماری رہنمائی فرمائیں، ہم کو ممنون و مشکور فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

① ہمارے یہاں عشاء کا وقت علماء یو کے کے فتویٰ کے مطابق مئی، جون، جولائی، ان تین مہینوں میں غروب کے ایک گھنٹہ بعد شروع ہو جاتا ہے۔

② اگست، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر، جنوری، فروری، مارچ، اپریل کے مہینوں میں رات کے ساتویں حصہ کے بعد شروع عشاء کا وقت شمار کریں تو کیا یہ صحیح وقت شمار ہوگا؟

ساتواں حصہ رات کا غروب شمس سے طلوع آفتاب کا جتنا وقت ہے، اس میں سے ساتواں حصہ اور اس کے مطابق پورے سال کا ٹائم ٹیبل بنایا جائے تو صحیح ہوگا؟ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عشاء کا وقت مغرب کے بعد شروع ہوتا ہے، اور مغرب کا وقت غروب شفق تک رہتا ہے۔ شفق کی تفسیر میں دو قول ہیں: اول یہ کہ اس سے مراد سرخی ہے اسی کو نور الایضاح ۵۸ اور شرح وقایہ ۱/۱۳۰ اور درمختار (علی ھامش الشامی) ۱/۲۴۱ میں مفتی بہ قرار دیا گیا ہے، یہی صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ دوم یہ ہے کہ اس سے مراد سفیدی ہے جو سرخی کے بعد ہوتی ہے، اور یہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے اور علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو قوی بتلایا ہے۔ (فتح القدیر ۱/۲۲۲، ۲۲۳)

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے البحر الرائق ۱/۲۵۹ میں بھی اسی کو ترجیح دی ہے، احتیاط اسی میں ہے کہ دونوں کی رعایت کی جائے، جیسا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاویٰ رشیدیہ ۱/۳۸ میں تحریر فرمایا ہے، غروب شفق کا یہ وقت اختلافات زمان ومکان کی وجہ سے بدلتا رہتا ہے، آپ اسی اصول کو پیش نظر رکھ کر ٹائم ٹیبل تیار فرما سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/صفر المظفر ۱۴۰۷ھ

برطانیہ میں اوقاتِ نماز میں اختلاف کا صحیح حل

سوال: آپ موصوف کے علم میں یہ بات ضرور ہوگی کہ برطانیہ میں یہاں کے

موسم اور (Weather) ویدھر کی خرابی کی وجہ سے یہاں کے علماء کرام میں وقت عشاء اور وقتِ نماز فجر کے بارے اختلافات ہیں، نماز عشاء قبل از وقت پڑھی جائے، تو نماز نہیں ہوتی اور اگر تاخیر کی جائے تو مختصر راتوں میں لوگ برداشت نہیں کرتے جو تقلیل جماعت کا باعث ہوتا ہے اور نماز فجر کا مسئلہ بہت زیادہ اہم ہے خصوصاً رمضان المبارک میں روزے کو اس کے وقت صحیح پر بند کرنا اور نماز کو اس کے اول وقت پر پڑھنا ہوتا ہے ہم اس وقت آپ کی خدمت میں ٹائم ٹیبل ارسال کر رہے ہیں، آپ اس کا مطالعہ فرما کر ہماری صحیح رہنمائی فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

علاقۂ برطانیہ میں وقت عشاء اور وقت نماز فجر کا مسئلہ نیا نہیں ہے، ایک مدت سے اہل علم اور ارباب فتاویٰ کے درمیان موضوع بحث بنا ہوا ہے اور یہ حضرات اس کے حل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، قرآنی آیات، حدیثی روایات، فقہی عبارات، مشائخ کے اقوال اور قواعد ہیئت سے استنباط اور استشہاد بھی فرماتے ہیں لیکن کسی ایک بات پر اتفاق نہیں ہو پایا، اور متفق ہونا بظاہر دشوار ہونے کے ساتھ ضروری بھی نہیں ہے، اس لیے کہ اہل علم اور دلائل سے واقف حضرات کے لیے دیانۃً یہ ضروری ہے، کہ جس دلیل کو قوی اور راجح قرار دیں اسی پر عمل کریں، اور عوام اپنے علماء کی اتباع کریں، اور اگر ان میں بھی اختلاف ہو تو جس پر زیادہ اعتماد ہو اس کا اتباع کریں، ایک بات یاد رہے کہ اہل علم اپنے اختیار کردہ قول وعمل کو دوسرے اہل علم پر زبردستی چپکانے کی کوشش نہ کریں، اور ان کے قول کو باطلِ محض قرار دے کر نزاع پیدا نہ کریں، اور عوام پر لازم

ہے کہ اہل علم کے اختلاف میں دخل دے کر اس کو باعث نزاع اور فساد ہرگز نہ بنائیں۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/شوال ۱۴۱۱ھ

برطانیہ میں غروبِ شفق اور عشا کا وقت

سوال: (الف) شفق احمر کے اختتام سے پہلے عشا کی نماز پڑھنا جائز ہے؟
(ب) سال بھر کے لیے ایک معین فاصلہ غروبِ آفتاب سے مقرر کر کے مثلاً غروبِ آفتاب سے ایک گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ بعد عشا پڑھنا جائز ہے، جب کہ احمر وابیض کا غروب ہبوطاً وصعوداً ہر روز کم وبیش ہو رہا ہے؟
(ج) شفقِ احمر یا ابیض کے غروب کا یقین ہے؛ مگر دیر سے غائب ہونے کی بنا پر وقت سے پہلے اپنی مرضی کے مطابق سہولتی فاصلہ معین کر کے ایک گھنٹہ یا اس سے کم فاصلہ پر غروبِ آفتاب کے بعد جان بوجھ کر (اس خوف سے کہ نیند کے غلبہ سے سو جائے گا اور عشا فوت ہو جائے گی، اس مشکل کی وجہ سے) عشا پڑھنا جائز ہے؟ اور عشا ہوئی یا نہیں؟

نوٹ: یہاں برطانیہ میں ایک صاحب بہ ذاتِ خود اور لوگوں کو موسمِ گرما کے ان ایام میں سہولت کے مطابق فاصلہ طے کر کے عشا کو وقت سے پہلے پڑھنے کو کہتے ہیں، اور دلیل میں مذکورہ عذر پیش کر کے ان ایام کے عشا کے وقت کو فاقدِ عشا پر قیاس کرنے اور تقدیر کرنے کو کہتے ہیں۔

(د) برسوں پہلے ۱۳۴۱ھ میں مفتی ظفر احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے برطانیہ سے استفتا

کے جواب میں ایک گھنٹہ کے وقفہ پر عشا پڑھ لینے کا لکھا ہے کہ: شفقِ احمر غروبِ آفتاب کے ایک گھنٹہ بعد غائب ہوجاتی ہے۔ (امداد الاحکام جلد اول)

نیز تقریباً ۲۰ رسال پہلے مفتی یحییٰ صاحب مدظلہ مفتیٔ مظاہر علوم سہارن پور نے بھی ایک گھنٹہ کے وقفہ پر عشا پڑھنے کو لکھا ہے؛ مگر مشاہدات سے اب یہ بات غلط ثابت ہوئی کہ برطانیہ میں ہمیشہ سال بھر کے لیے اسی وقفہ پر غروبِ شفقِ احمر ہوتی ہے؛ بلکہ ہبوطاً وصعوداً اس کا وقفہ کم سے کم ۵ رمنٹ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۲۴ رمنٹ سال بھر میں ہے، مختلف ایام میں مختلف وقت ہے، سوال یہ ہے کہ کیا ان دونوں فتاویٰ پر عمل کرتے ہوئے اب بھی ایک گھنٹہ کے وقفہ سے ہمیشہ عشا پڑھنی جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(الف) اگر شفقِ احمر کا غروب اس علاقے میں ہوتا ہے تب تو اس کے بعد عشا کی نماز ادا کی جائے، اس سے پہلے اگر ادا کی جائے گی تو درست نہ ہوگی۔

(ب) عشا کا وقت شفق کے غروب ہونے پر داخل ہوتا ہے؛ البتہ صاحبین شفق سے مراد ''احمر'' لیتے ہیں جب کہ امام صاحب کے نزدیک ''ابیض'' مراد ہے، چوں کہ شفق کا غروب سال بھر یکساں نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کا فاصلہ موسم اور مقام کے لحاظ سے کم وبیش ہوتا رہتا ہے؛ اس لیے اس کے لیے وقت کی تحدید دشوار ہے، اگر کسی علاقے کے متعلق یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے کہ وہاں غروبِ آفتاب سے لے کر غروبِ شفق تک کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ مثلاً سوا گھنٹہ ہے، تو ایسی جگہ میں کوئی آدمی عشا کی نماز سوا گھنٹہ کے بعد پڑھتا ہو تو اس کی نماز بالیقین درست کہلائے گی۔

(ج) شفق کے غروب ہونے کا یقین ہونے کی صورت میں محض نیند کے غلبہ کے خوف سے عشا فوت ہوجانے کے احتمال پر سہولت کے خاطر غروبِ شفق سے پہلے عشا پڑھ لینا جائز نہیں، اور ایسا کرنے سے عشا کی نماز سے ذمہ بری نہیں ہوگا۔

(د) حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ فتویٰ امداد الاحکام ۱/ ۳۱۴ پر ایک سوال کے جواب میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے: ''عشا کی نماز غروب کے گھنٹہ بعد معاً پڑھ لیا کریں، صاحبین کے مذہب پر شفقِ احمر کے غائب ہوجانے سے عشا کا وقت ہوجاتا ہے، اور شفقِ احمر غروب کے بعد ایک گھنٹہ میں غائب ہوجاتی ہے، اور سہولت کے لیے فتویٰ قولِ صاحبین پر دیا گیا ہے، گو احتیاط بعد شفقِ ابیض کے پڑھنے میں ہے؛ مگر ضرورت کے وقت قولِ صاحبین پر عمل کرلینا بھی جائز ہے''۔ اھ

ظاہر ہے اس فتویٰ میں غروب کے ایک گھنٹہ بعد عشا کی نماز پڑھ لینے کا جو مشورہ دیا گیا ہے اس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ شفقِ احمر غروب کے ایک گھنٹہ میں غائب ہوجاتی ہے، چوں کہ یہ بات تجربہ اور مشاہدہ کی بنیاد پر کہی جاسکتی ہے، اگر برطانیہ کا تجربہ اور مشاہدہ اس کے خلاف ہو تو وہاں کے لیے یہ فتویٰ حجت نہیں ہوگا۔

بہرحال! یہ بات تو مسلّم ہے کہ شفق کا غروب متعین ہو تو اس سے پہلے عشا کی نماز ادا کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ رجب ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

غروب آفتاب سے طلوع تک کا ساتواں حصہ وقت نماز فجر والا قاعدہ تخمینی ہے

سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک جتنا وقت ہے اس کا ساتواں حصہ وقت نماز فجر ہے؟ اس صورت میں موسم گرما میں جب کہ راتیں قصیر ہوتی ہیں، وقت فجر بھی قصیر ہوگا، اور موسم سرما میں جب کہ راتیں طویل ہوتی ہیں، وقت نماز فجر بھی طویل ہوگا؛ حالاں کہ موجودہ مروّجہ نقشہ جات جن میں معمول بہ دارالعلوم دیوبند ومظاہر علوم سہارنپور ومصدقہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ برائے تھانہ بھون وغیرہ شامل ہیں، ان میں موسم گرما میں وقت فجر طویل اور موسم سرما میں وقت فجر قصیر ہے۔ حضرت تھانویؒ کا فتوی امداد الفتاویٰ میں تحریر ہے: ''اور فقہائے کرام نے احتیاط کی ہے کہ غروب سے طلوع تک کا وقت جتنا ہے اس کو سات پر تقسیم کریں۔ چھ حصے میں سحر کھا سکتے ہیں، یہ قاعدہ حتمی، یقینی وقطعی ہے یا انداز وتخمین واحتیاط پر مبنی ہے''۔ فتاوی دارالعلوم دیوبند ۲/ ۶۳ بھی ملاحظہ ہو، نیز یہ کہ: قال فی خزانة الروایات عن جواهر الفتاوی انّ ذلك ای وقت الصبح الصادق سبع اللیل، نیز حاشیہ از مفتی سعد اللہ رامپوری بر مالابد منہ ۲۹۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ قاعدہ بطور احتیاط اور انداز وتخمین پر مبنی ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے بعض حضرات نے ڈیڑھ گھنٹہ یا کم وبیش کی تعیین فرمائی ہے، چناں چہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد

صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ احسن الفتاوی میں تحریر فرماتے ہیں: ''بعض علماء نے منتہائے سحر وطلوع آفتاب کے درمیان کچھ وقت (مثلاً ڈیڑھ گھنٹہ یا کم وبیش) کی تعیین فرمائی ہے، اس سے ان کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ہر موسم میں ہر مقام پر طلوع اور صبح صادق کے درمیان اتنا ہی وقفہ ہوتا ہے، اس لیے یہ امر تو بداہۃً غلط ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ وقفہ ہر تاریخ میں اور ہر مقام میں مختلف ہوتا ہے، اس کی تصدیق مشاہدہ سے بھی کی جاسکتی ہے، اور مختلف مقامات کے اوقات نماز کے پرانے نقشوں سے بھی، لہٰذا ان حضرات کی تحریر سے ان کا مقصد یہ ہے کہ ان کے ملک میں جس مقام اور جس تاریخ میں زیادہ سے زیادہ وقفہ ہوا سے منتہائے سحر قرار دے دیا جائے تو پورے ملک کی حدود کے اندر ہر مقام اور ہر موسم میں روزہ بلاشبہ صحیح ہوجائے گا، اور غروب سے اتنی ہی دیر بعد نماز عشاء بلاشبہ درست ہوگی، مثلاً: متحدہ ہندوستان کے زمانہ میں اگر کسی عالم نے اس وقت کی مقدار متعین کی تو انہوں نے متحدہ ہندوستان (بشمول خیبر، مردان، مالاکنڈ، چترال وغیرہ) کی حدود میں سے جس مقام پر اور جس تاریخ میں زیادہ سے زیادہ وقفہ تھا، اسے انتہائے سحر قرار دے دیا، چناں چہ حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی قدس اللہ سرہ امداد الفتاویٰ ۲/ ۷۵ میں فرماتے ہیں کہ: ہیئت کے قاعدہ سے طلوع آفتاب کے وقت سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تک سحری کھا سکتے ہیں۔ پھر حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں: ''بعض مواسم میں اس سے بھی زیادہ گنجائش ہے یہ احتیاطاً لکھ دیا''۔

غرضیکہ اس سے یہ مقصد ہرگز نہیں کہ ہر مقام پر اور ہر تاریخ میں اس وقت صبح صادق ہوجاتی ہے، اور فوراً اذان دے کر نماز فجر بھی پڑھ لینا جائز ہے، اور نہ ہی یہ مقصد ہے کہ کسی مقام اور کسی موسم میں بھی غروب کے بعد اتنا وقت گزرنے سے پہلے عشاء کا

وقت نہیں ہوتا''۔

آگے تحریر فرماتے ہیں: ''بعض مصنفین نے صبح صادق کے کل وقت کی پوری رات کے وقت سے کوئی خاص نسبت تحریر فرمائی ہے (جیسا کہ بعض حضرات نے رات کا ساتواں حصہ بتلایا ہے، از ناقل) اس کی حقیقت بھی وہی ہے جو اوپر گذری''۔ (احسن الفتاوی ۲/ ۱۸۳، ۱۸۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کیا صبح صادق کی پہچان آسان ہے؟

سوال: بعض علماء نے لکھا ہے کہ صبح صادق کا پہچاننا آسان نہیں ہے، دوسری طرف بعض علماء نے سبع اللیل ھو الفجر کا قاعدہ پیش کیا ہے۔ اب ہم لوگ صبح صادق کو کس طرح معلوم کریں، اس کا پہچاننا ممکن وآسان ہے یا ناممکن ودشوار؟

ومن الناس من لا یعرف الفجر (الجوھرۃ ص۱۷۵) وقت فجر یا وقت ختم سحر کو ہم لوگ کیسے معلوم کریں۔

نیز ملاحظہ ہو: ثم یظھر بیاض معترض لا یسعر ادراکہ بالعین لظھورہ فھذا اول الوقت. (احیاء علوم الدین للغزالی، دارالکتب العلمیۃ، بیروت ۲/ ۲۹۰)

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس کام کا آدمی عادی ہوتا ہے وہ اس کے لیے آسان ہوتا ہے، اور جس کی عادت نہیں ہوتی وہ اس کے لیے دشوار اور مشکل ہو جاتا ہے، چاند ہی کو دیکھ لیجیے، جو لوگ ہر مہینہ چاند دیکھنے کا اہتمام کرتے ہیں ان کے لیے اس کی تلاش آسان ہے، اور جو لوگ

صرف عید کا چاند ڈھونڈنے کے لیے نکلتے ہیں ان کو یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ چاند کو کہاں تلاش کیا جائے، یہی حال ہے صبح صادق کی پہچان کا بھی، صبح صادق کی جو علامتیں احادیث اور کتب فقہ میں بتلائی گئی ہیں ان کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک مدت تک صبح صادق کے کھلی فضاء میں مشاہدہ کرنے کا اہتمام کریں گے تو انشاء اللہ آپ کے لیے بھی صبح صادق کی پہچان آسان ہو جائے گی، ورنہ سال کے کسی دن میں صبح صادق تلاش کرنے کی کوشش کریں گے تو ممکن ہے دشواری کا سامنا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ

جماعت کا وقت ہونے کے بعد پانچ منٹ کی تاخیر

سوال: جماعت کا وقت ہونے کے بعد امام کے لیے پانچ منٹ انتظار کرنے میں کیا حرج ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ امام کو تاخیر کی عادت نہیں بنانی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

صبح صادق، طلوع، غروب، غیبوبتِ شفق کا دورانیہ اور نمازِ عشاء

سوال: (۱) کیا عشاء کے وقت کی ابتداء کے لیے (یعنی غیبوبت شفق ابیض کے لیے) یہی اصول ہے کہ شفق ابیض اس وقت غائب ہو جاتی ہے جب سورج ۱۸/ درجہ افق سے نیچے پہنچ جاتا ہے؟

(۲) اگر اصول یہی ہے تو کیا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ جتنا وقت صبح صادق اور طلوع شمس کے درمیان ہوگا بالکل اتنا ہی وقت غروب شمس اور غیبوبت شفق ابیض کے درمیان ہوگا؟

(۳) موسم گرما میں جب کہ ہمارے یہاں لیسٹر (برطانیہ) میں مغرب کی نماز ۹:۳۰ ساڑھے نو بجے ہوتی ہے، عشاء کا وقت اس اصول پر تقریباً ۱۱:۳۰ ہوگا اور فجر تقریباً ۴:۱۵ (سوا چار بجے) پڑھنی ہوگی، کیوں کہ ۴:۴۵ (پونے پانچ) پر سورج طلوع ہوجاتا ہے، ان ایام میں دفع حرج کے لیے غروب آفتاب کے ایک گھنٹہ بعد نماز عشاء یہاں (برطانیہ کے شہر لیسٹر) پڑھنے کا معمول ہے، اس میں گنجائش ہوگی یا نہیں؟

(۴) اگر موسم سرما میں سورج کے زیر افق ۱۸ / درجہ پہنچنے سے پہلے عشاء کی نماز پڑھ لی جائے جب کہ مجبوری نہیں ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ (موسم سرما میں نماز مغرب چار بجے ہوگی اور عشاء کا اول وقت ۱۸ / درجہ کے حساب سے تقریباً چھ بجے ہوگا)۔

(۵) مذکورہ صورت میں یعنی موسم سرما میں جب کہ مجبوری نہیں، اگر کوئی شخص صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے استدلال کر کے غروب کے سوا گھنٹہ (ایک گھنٹہ پندرہ منٹ) بعد شفق احمر کے غائب ہونے پر عشاء کی نماز پڑھ لے تو کیا حکم ہے؟ مساجد میں باقاعدہ اس وقت پر نماز باجماعت ہو تو کیا حیثیت ہے؟

(۶) اگر گنجائش نہیں تو اب تک جن حضرات نے اس کو حق سمجھتے ہوئے اس پر عمل کیا ہے ان کے ذمہ ان نمازوں کی قضاء ہوگی یا وہ معذور سمجھے جائیں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱)، (۲) آپ نے اپنے سوال میں مقدمہ قائم کر کے جو نتیجہ نکالا ہے اس کے لیے

یہ مقدمہ قائم کرنے کی بھی ضرورت نہیں، حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے ''البوادر النوادر'' حصۂ دوم صفحہ نمبر ۴۳۰ میں اس کی تصریح فرمائی ہے، چناں چہ رقم طراز ہیں:

''نوٹ: اوپر ۶ میں مذکور ہوا ہے کہ جتنا تفاوت صبح صادق اور طلوع شمس میں ہوتا ہے اتنا ہی غروب شمس اور غروب شفق ابیض میں ہوتا ہے۔''

حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے علمائے ہیئت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جانب مشرق میں سورج افق سے ۱۸ / درجہ نیچے پہنچتا ہے تو صبح کاذب نمودار ہوتی ہے اور ۱۵ / درجہ نیچے پہنچتا ہے تو صبح صادق نمودار ہوتی ہے، اور ہیئت کی کتاب ''التصریح'' نیز ''شرح چغمینی'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ بات تجربہ سے معلوم ہو چکی ہے کہ صبح کی ابتداء اور شفق کی انتہاء اس وقت ہوتی ہے جب کہ سورج افق سے اٹھارہ درجہ نیچے ہو۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: ''معارف السنن'' ۲ / ۲۹، ۲۸۔

③④⑤ جن علاقوں میں شفق ابیض غروب نہ ہوتی ہو، لیکن شفق احمر غروب ہوتی ہو تو شفق احمر کے غروب ہونے پر عشاء کی نماز ادا کر لی جائے، صاحبین رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک شفق احمر کے غروب ہونے پر عشاء کا وقت شروع ہو جاتا ہے، ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مسلک ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت ایسی ہی ہے، بلکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا رجوع اس قول کی طرف نقل کیا گیا ہے۔

درمختار میں ہے: ووقت المغرب منه إلى غروب الشفق: وهو الحمرة عندهما و به قالت الثلاثة وإليه رجع الإمام كما فى شروح المجمع وغيرها فكان هو المذهب. (درمختار على هامش الشامية ١ /٢٦٥)

قوله: (وإليه رجع الإمام)أى إلى قولهما الذى هو رواية عنه ايضا، وصرح فى المجمع بأن عليها الفتوىٰ (إلى قوله) تعامل الناس اليوم فى عامة البلاد على قولهما، وقد أيده فى النهرتبعا للنقاية والوقاية والدرر والإصلاح والبحار والإمدادوالمواهب وشرحه البرهان وغيرهم مصرحين بأن عليها الفتوى. (شامی ۱ /۲٦٥،۲٦٦)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ شفق سے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: مسئلہ مختلفہ ہے امام صاحب اور ان کے صاحبین میں۔ احوط یہ ہے کہ دونوں کی رعایت رکھے اور بعض نے فتویٰ صاحبین کے قول پر لکھا ہے جیسا کہ شاہ عبد العزیز نے لکھا ہے۔ فقط، شرح وقایہ میں بھی سرخ پر فتویٰ دیا ہے۔ (فتاوی رشیدیہ ۱/۲۸)

جیسا کہ آپ نے لکھا ہے موسم سرما میں غروب آفتاب کے سوا گھنٹہ بعد شفق احمر غائب ہونے پر عشاء کی نماز اداء کر لی جاتی ہے، اگر واقعۃً غروب کے سوا گھنٹہ کے بعد شفق احمر غائب ہوجاتی ہے تو عشاء کی نماز پڑھ لینا درست ہے، اس لیے کہ صاحبین کا قول بھی بہت سے فقہائے احناف کے نزدیک مفتی بہ ہونے کے وجہ سے مصحح ہے اور جہاں دو قول مصحح ہوں کسی پر بھی عمل کی اجازت ہے۔

⑥ اس کا جواب اوپر آچکا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اوقات نماز

سوال: ہم برطانیہ کے شہر کوونبڑی میں رہتے ہیں، اور یہاں کے طلوع وغروب

آفتاب کا وقت قریب کے شہر کے مساوی ہے، جیسے برمنگھم، نئی ٹن وغیرہ، سوال یہ ہے کہ ہمارے یہاں عصر کے ابتدائی وقت اور ظہر کے آخری وقت ان قریب والے شہروں کے اوقات سے مختلف ہیں، ہمارے یہاں عصر کا وقت تاخیر سے ہوتا ہے جب کہ ان قریب والے شہروں میں جلدی ہوتا ہے، اور ان کا نمازوں کا وقت عالمی نقشہ اوقات صلوۃ جس میں (Computer sed) ٹائم ٹیبل ہے قریب پڑتا ہے، ہمیں بھی کیا ان قریب والے شہروں کے وقت کے موافق کرنا چاہیے، جب کہ دونوں جگہ کے طلوع وغروب شمس میں کوئی فرق نہیں ہے، یا اپنا ذاتی تجربہ کرنا چاہیے یا جو وقت چلا آرہا ہے جو کچھ احباب نے رصدگاہ سے وقت نکالا تھا اس پر چلتے رہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عالمی نقشہ اوقات میں نمازوں کے اوقات کی تخریج کے لیے جو اصول اختیار کیا ہے وہ درست اور صحیح ہے، اس لیے اگر آپ اس کے مطابق اپنے یہاں کے اوقات صلوۃ مرتب کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں؛ البتہ اب تک ایک مخصوص طریق کار پر آپ کے یہاں سے لوگ کاربند رہے، اس لیے جدید نقشہ اپنانے سے پہلے ذمہ دار حضرات کو اعتماد میں لینا مناسب ہوگا؛ تاکہ یہ روش مسلمانوں میں اختلاف وتشتت کا ذریعہ نہ بنے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ، ۴/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ

نماز اشراق وچاشت کا وقت

سوال: کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہی دن میں اشراق اور چاشت کی نماز کسی حدیث

سے ثابت ہے؟ (یعنی دونوں نماز ایک دن میں) احادیث میں ان دونوں کے اوقات الگ الگ تو بیان کئے گئے ہیں؛ البتہ یہ بات نہیں ملی کہ حضور ﷺ نے ایک ہی دن میں یہ دونوں نمازیں پڑھی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شمائل ترمذی میں حضور ﷺ کی عبادت کے باب کی آخری حدیث جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے ("باب صلاة الضحی" سے پہلے) اس میں صراحۃً موجود ہے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ خصائل نبوی ص: ۱۶۹ پر چاشت کی نماز کے ذکر میں تحریر فرماتے ہیں: "فقہاء اور محدثین کے نزدیک صبح میں وقت مکروہ نکل جانے کے بعد سے زوال تک سب نمازیں صلوۃ الضحی کہلاتی ہیں؛ لیکن صوفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں یہ دو نمازیں ہیں، ایک اشراق کی نماز کہلاتی ہے، دوسری چاشت کی نماز کہلاتی ہے، چوتھائی دن تک اشراق کا وقت رہتا ہے اور چوتھائی کے بعد سے نصف النہار تک چاشت کا وقت، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وہ روایت جو گزشتہ باب کے اخیر میں ذکر کی گئی ہے اور ایسے ہی اور دیگر روایات صوفیہ کا ماخذ ہیں"۔ (خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فجر وعصر کے بعد قصداً نفل پڑھنا مکروہ ہے

سوال: عصر کی فرض نماز میں چار رکعت پڑھی اور بھول کر کھڑا ہو گیا، اور چھ پڑھی، تو کیا ہوگا؟ کیوں کہ عصر کے بعد نفل پڑھنا نہیں، اور یہاں دو رکعت نماز پڑھی

نفل تو کیا کرے؟ اسی طرح فجر میں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فجر وعصر کے بعد قصداً نفل پڑھنا مکروہ ہے، صورت مسئولہ اس میں داخل نہیں ہے۔

وضم سادسة ولو في العصر والفجر إن شاء، لاختصاص الكراهة والإتمام بالقصد(درمختار) (قوله: لإختصاص الكراهة الخ) جواب عما قد يقال: إن التنفل بعد العصر والفجر مكروه الخ (شامی زکریا ۲ /۵۵۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اوقات مکروہہ میں کون کونسی عبادت جائز ہے؟

سوال: اوقات مکروہ میں کیا کیا عبادت کرنا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز نہیں پڑھ سکتے چاہے جنازہ کی ہو، بقیہ عبادات درست ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ر ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اوقات مکروہہ میں نماز کی حد

سوال: طلوع آفتاب اور زوال وغروب کے اول اور بعد میں کتنا ایسا وقت ہے جس میں نماز پڑھنا جائز نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

طلوع آفتاب میں تو آفتاب کا پہلا کنارہ نظر آئے اس سے پہلے تک نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اور طلوع کے بعد آفتاب جب سفید ہو جائے کہ اس کی طرف دیکھنے سے نگاہ خیرہ ہوتی ہے تب پڑھ سکتے ہیں۔ زوال میں جب آفتاب کا کنارہ بیچ میں آئے وہاں سے لے کر آخری کنارہ اس حصہ کو پار کر جائے وہاں تک نماز ممنوع ہے۔ غروب کے لیے جب آفتاب قریب ہونے لگے اس وقت اس میں زردی آنا شروع ہوتی ہے اس وقت سے لے کر غروب مکمل ہونے تک نماز کی ممانعت ہے اس کے بعد درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

طلوع شمس اور احمرار شمس سے پہلے نفل نماز کی وجہ کراہت

سوال: بعد صلاۃ الفجر قبل طلوع الشمس و بعد العصر قبل احمرار الشمس کیوں نوافل مکروہ ہے وجہ کراہت کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ترمذی شریف میں روایت ہے: عن ابن عباس قال: سمعت غير واحد من أصحاب النبي ﷺ منهم عمر بن الخطاب، وكان من أحبهم إلي، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن الصلاة بعد الفجر حتى تطلع الشمس، وعن الصلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس.

معارف السنن شرح سنن ترمذی ۲/ ۱۲۱ تا ۱۲۹ کا مطالعہ کرلیا جائے اردو میں اگر چاہیں تو درس ترمذی ۱/ ۴۲۳ تا ۴۲۵ کا مطالعہ فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اُملاہ: العبد احمد خانپوری، ۳/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بہ وقتِ زوال ممانعتِ نماز کی وجہ

سوال: زوال کے وقت نماز کیوں جائز نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس وقت نماز پڑھنے سے نبیٔ کریم ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ

زوال کا وقت

سوال: ① زوال کا وقت ممتد ہے یا کوئی ایک خاص لمحہ ہے جس کی مقدار ایک دو منٹ سے زیادہ نہیں ہوتی؛ جیسا کہ اس وقت بارہ بج کر اکیاون منٹ پر زوال ہوتا ہے، اگر مقدار متعین کے ایک ہی لمحہ کے بعد زوال ہوتا ہے تو بارہ بج کر ترپن منٹ پر نماز پڑھ سکتے ہیں، اسی طرح بارہ بج کر انچاس منٹ پر بھی نماز پڑھ سکتے ہیں، اور جائز ہونا چاہیے، اور اگر زوال کا وقت ممتد ہے جیسا کہ فجر کے وقت بیس منٹ اوقات مکروہہ کی رعایت کر کے سنت ونوافل پڑھتے ہیں تو کیا زوال کے لیے بھی کوئی حد متعین ہے کہ اس مقدار متعینہ کی رعایت کی جائے؟

یہ مسئلہ میں وضاحت کے ساتھ یوں معلوم کر رہا ہوں کہ ہمارے یہاں جمعہ کے

دن جمعہ کی اذان زوال کی مقدار متعینہ کے ختم ہوتے ہی فوراً دو منٹ بعد دی جاتی ہے، اور ایک بج کر دس منٹ پر خطبہ شروع ہوجاتا ہے، ایک بج کر پچیس منٹ تک نماز پوری ہوتی ہے، لوگ اذان سے بھی بہت پہلے آجاتے ہیں، اور سنت وصلوۃ التسبیح میں مشغول ہوجاتے ہیں، اور یہ نماز پڑھنے کا سلسلہ بالکل جاری رہتا ہے یہاں تک کہ بعض لوگ عین زوال سے ایک دو منٹ قبل نماز پڑھنا ترک کرتے ہیں یا پھر کوئی عین زوال ومقدار متعینہ کے وقت بھی نماز پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فتاویٰ اشرفیہ میں لکھا ہے کہ جمعہ کے دن زوال ہوتا ہی نہیں، اس لیے نماز پڑھنا درست اور جائز ہے، اور بعض آدمی جیسے ہی مسجد میں آتے ہیں نماز شروع کر دیتے ہیں اور اوقات کا بالکل خیال نہیں رکھتے، اس لیے آپ سے گذارش ہے کہ کرم فرما کر مسئلۂ ہذا کے متعلق وضاحت کے ساتھ تحریر فرما کر مقدارِ متعینہ کے ماقبل ومابعد کی رعایت کہاں تک کی جائے گی؟ اور اسی طرح تمام وقت زوال کا کتنا ہے؟ اور فتاویٰ اشرفیہ کا حوالہ کیسا ہے؟

(۲) اور ایک شخص کہتا ہے کہ زوال کے وقت دریا وسمندر کا تمام پانی میٹھا ہوجاتا ہے یہاں تک کہ ہر کڑوی چیز میٹھی ہوجاتی ہے۔

(۳) ایک شخص جو خلیفۂ حکیم الامت حضرت اقدس مولانا مسیح اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ کا مرید بھی ہے، کہتا ہے کہ حضرت اقدس نے جلال آباد میں ایک روز مجلس میں نصیحت فرماتے ہوئے یہاں تک فرمایا کہ جو شخص گالی دیتا ہے اس کو اس کی ایک گالی کے بدلے میں جہنم میں تین من یعنی ایک سو بیس کلو سنڈاس کھلایا جائے گا، اور کہا کہ یہ حدیث بخاری شریف میں ہے تو کیا یہ روایت صحیح ہے یا غلط؟ یا بزرگانِ دین پر اتہام ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① جن اوقات میں نماز مکروہ ہے ان میں استوائے شمس یعنی نصف النہار بھی ہے، آفتاب کے ایک کنارہ سے شروع ہوکر دوسرے کنارے کے نقطۂ نصف النہار کے پار کرنے میں تقریباً پونے تین منٹ لگتے ہیں؛ البتہ گھڑیوں کے اوقات میں کم وبیش ہوتا رہتا ہے؛ نیز تقویم میں مذکور وقت بذریعۂ حساب نکالا ہوا ہوتا ہے، اس لیے بطورِ احتیاط آگے پیچھے پانچ پانچ منٹ چھوڑ دیئے جائیں، حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے دن بھی استوائے شمس کے وقت نماز مکروہ ہے، جو آدمی فتاویٰ اشرفیہ کا حوالہ دیتا ہے اس سے پوری عبارت صفحہ اور جلد کی تعیین کے ساتھ لکھوا کر بھیجئے۔

② یہ بات مجھے کسی کتاب میں نہیں ملی، جو شخص کہتا ہے اسی سے کتاب کا نام اور صفحہ معلوم فرما کر ہمیں اطلاع دیجئے۔

③ یہ روایت بخاری شریف میں تو ہے نہیں، اور کسی کتاب میں بھی نظر سے نہیں گذری۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی خانپوری، ۵/شوال ۱۴۱۷ھ

ظہر کا آخری اور عصر کا ابتدائی وقت کب سے ہے؟

سوال: ظہر کا آخری وقت اور عصر کا ابتدا وقت کہاں سے ہے؟ کون سے مسلک پر فتویٰ ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس مسئلہ میں امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایات مختلف ہیں اور دونوں

اقوال کی ترجیح وتصحیح مشائخ سے منقول ہے؛ اس لیے نماز ظہر مثل اول سے مؤخر نہ کی جائے اور عصر مثل ثانی کے بعد پڑھی جائے۔

قال المشائخ: ینبغی ان لا یصلی العصر حتی یبلغ المثلین، ولا یؤخر الظهر الی ان یبلغ المثل، لیخرج من الخلاف فیها (کبیری) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ر ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حنفی کا مثل ثانی میں شافعی امام کی اقتدا میں نماز عصر پڑھنا

سوال: وقت عصر وظہر میں حنفیہ وشافعیہ کے مابین جو فرق ہے اس کے مطابق کوئی حنفی اگر عصر میں شافعی امام کی اقتداء کرلیتا ہے تو کیسا ہے؟ جب کہ غالباً وہ وقت حنفیہ کے ہاں اخیر ظہر کا ہوتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کبھی کبھار ایسا کرلیا تو گنجائش ہے، عادت نہ بنائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ر شوال ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جہاں چھ مہینے رات اور چھ مہینے دن ہو وہاں نماز کیسے پڑھیں؟

سوال: ایک ملک ایسا ہے کہ وہاں چھ مہینہ رات ہوتی ہے اور چھ مہینہ دن ہوتا ہے تو اس وقت میں کونسی نماز پڑھنی پڑے گی؟ نماز کا سبب وقت ہے اور اس حالت میں سبب نہیں پایا جاتا ہے؟ اور ایک ملک ایسا ہے کہ وہاں دو گھنٹے رات ہوتی ہے اور باقی

گھنٹے دن ہوتا ہے تو اس میں کونسی نماز پڑھیں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جن مقامات میں ۶ ماہ دن اور ۶ ماہ رات ہوتی ہے وہاں وقت کا اندازہ کر کے ہر چوبیس گھنٹہ میں پانچ نمازیں الگ فصل کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے، مختار قول یہی ہے۔ (امداد الاحکام ۱/ ۳۱۳)

جہاں رات اور دن دونوں ہوتے ہیں (چاہے ان میں سے ایک کم اور دوسرا زیادہ ہو) وہاں تمام نمازیں اپنے اپنے وقت پر پڑھیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسائلِ لباس ومکان

وضو کا پانی پونچھ کر رومال کو بوقتِ نماز آگے رکھنا کیسا ہے؟

سوال: اگر کوئی آدمی وضوء کرے اور اس کے بعد رومال سے اس کو پونچھ لیا اور اس گیلے رومال کو نماز پڑھنے کی حالت میں سامنے رکھا تو اس طرح نماز کی حالت میں سامنے رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وضو کے بعد جس رومال سے منہ ہاتھ وغیرہ پونچھے جاتے ہیں، اس کو بوقتِ نماز اپنے سامنے اس طرح ڈال دیا کہ اس پر سجدہ نہیں ہوتا ہے یا اس پر کھڑا نہیں ہے، تو کوئی

حرج نہیں ہے البتہ اگر اس کو باقاعدہ مصلیٰ کی طرح بچھا کر اس پر نماز ادا کرتا ہے تو بہتر یہ ہے کہ ایسا نہ کرے۔

الاولی أن لایصلی علی منديل الوضوء الذی يمسح به الخ (الكلام الجليل لمولانا عبد الحی اللكنوی، ص:٣٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ناپاک کپڑوں میں نماز پڑھنا

سوال: بچہ رات میں پیشاب کرکے (بستر میں) ماں کے کپڑے اور جسم ناپاک کردیتا ہے، اگر جسم اور کپڑے پاک کرنے میں فجر کی نماز قضاء ہوجانے کا خوف ہو، تو ایسی صورت میں بغیر پاکی حاصل کئے ماں یا باپ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

نہیں پڑھ سکتا ہے۔

ثم الشرط هي ستة ..... طهارة بدنه..... وثوبه.....لقوله تعالىٰ: ﴿وثيابك فطهر﴾ (درمختار زكريا ٢/٧٥،٧٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ناپاک رومال جیب میں رکھ کر نماز پڑھادی

سوال: مجھے ناک میں پھوڑا ہونے کی بناء پر ناک صاف کرتے وقت خون نکلا، جس کا مجھے علم نہیں ہوا؛ چوں کہ سردی ہوئی تھی، وہ قدرِ درہم خون والے رومال کو بھول سے جیب میں رکھ کر عصر ومغرب دو نماز پڑھادی، اب اعلان کرکے نماز دہرانی ہوگی یا

نہیں؟ یہ مسئلہ میں نے آپ سے پوچھا بھی تھا، دراصل تکلیف دہ بات یہ ہوئی کہ میں نے جب یہ واقعہ پیش آیا تو دو تین معتبر اور ذی علم دوستوں سے معلوم کیا تھا، انھوں نے نماز درست ہونے کے بارے میں بتایا تھا، اس وجہ سے میں نے نماز نہیں دہرائی تھی؛ بہرکیف آپ جو فرمائیں اس پر انشاء اللہ عمل ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس رومال پر لگا ہوا خون اگر قدر درہم سے زائد تھا تو نماز نہیں ہوئی، اس کا اعادہ ضروری ہے، اعلان بھی کردے؛ تاکہ جن لوگوں نے وہ نماز آپ کے پیچھے پڑھی ہے، وہ بھی اعادہ کرلیں، بوقت اعلان تفصیل بتلادیجئے کہ یہ صورت پیش آئی تھی؛ تاکہ لوگوں کو بدگمانی اور تنقید کا موقعہ نہ ملے۔

''بہشتی زیور'' کے گیارھویں حصہ میں نماز کی شرطوں کے بیان میں جہاں طہارت کے مسائل مذکور ہیں، اس کا پہلا مسئلہ دیکھ لیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

چڈی پہن کر نماز پڑھنا

سوال: لنگی یا پینٹ کے اندر چڈی پہن کر نماز پڑھی تو ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہوجائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نیکر اور انگیہ پہن کر نماز پڑھنا

سوال: چڈی پہن کر یا بغیر اس کے، اسی طرح جو مستورات پستان کی حفاظت کے لیے انگیہ پہنتی ہیں، اس کی موجودگی اور عدمِ موجودگی میں نماز کیسی ہوتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سترِ عورت (یعنی بدن کے جس حصہ کو ڈھانپنا نماز میں ضروری ہے اس کو ڈھانپ کر) کے ساتھ نماز درست ہے، چاہے اندر چڈی یا انگیہ ہو یا نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ رجب ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

چمڑے کا بیلٹ لگا کر نماز پڑھنا

سوال: چمڑے کا بیلٹ لگا کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ چوں کہ بیلٹ کس قسم کے چمڑوں سے تیار کیے جاتے ہیں، معلوم نہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پڑھ سکتے ہیں؛ البتہ اگر معلوم ہو کہ خنزیر کے چمڑے کا ہے تو اس کو لگا کر نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

ناجائز کمائی سے خریدے ہوئے کپڑوں میں نماز پڑھنا

سوال: ناجائز طریقے سے آدمی پیسہ کماتا ہے، مثال کے طور پر رشوت، پھر اس

پیسے سے کپڑے بنانا، کھانا یا پینا کرتا ہے، پھر اللہ سے توبہ کرتا ہے اور آئندہ کے لیے چھوڑ دیتا ہے، کیا ایسے شخص کے لیے ان بنائی ہوئی چیزوں سے (کپڑے) نماز پڑھنے سے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

توبہ کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ: جس کا مال ناجائز طریقہ سے حاصل کیا ہے، اس سے معاف کرائے یا اس کا حق ادا کردے، اگر اس طرح توبہ کی ہے، تو امید ہے کہ اس کی نماز ان کپڑوں میں قبول ہو، باقی رہا اس کے ذمہ سے فریضہ کا اترنا تو وہ نماز کے ارکان وشرائط وواجبات وغیرہ کی مکمل ادائیگی پر موقوف ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

دعا کے لیے دوپٹہ کے اندر ہاتھ اٹھانا

سوال: دعا کے لیے جب ہاتھ اٹھائے تو دوپٹہ یا چادر کے اندر اٹھا سکتے ہیں؟ اور ایسی صورتوں میں ہاتھوں کے اوپر کپڑا آجاتا ہے، اور ٹھنڈی کی وجہ سے اس طرح کرتے ہیں۔ نیز ہاتھوں سے منہ ڈھانک لیا جائے دعا میں، تو یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ٹھنڈی کی وجہ سے ایسا کرسکتے ہیں؛ البتہ دعا میں ہاتھوں سے منہ ڈھکا نہ جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۳/ ذی القعدہ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

پرانی قبر کو مسمار کر کے اس پر نماز پڑھنا

سوال: ایک عبادت خانہ ہے، جس میں پانچ وقت کی نماز ہوتی ہے، تنگی کی وجہ سے اس کو بڑھانے کا پلان ہے؛ لیکن اس کے ایک سائڈ میں قبر ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر قبر کو توڑتے اور کھولتے نہیں ہیں تو دیوار بنانا مشکل ہے، اب ایسی صورت میں کیا کریں؟ دوسری بات اگر قبر کو مسمار کر کے اس کو صحن کے برابر کر دیا جائے تو اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قبر اگر اتنی پرانی ہے کہ اس کے اندر کی میت مٹی بن چکی ہے تو اس کو مسمار کر کے صحن کے برابر بنا کر اس پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔

كما جاز زرعه والبناء عليه إذا بلي وصار ترابا (درمختار) (قوله كما جاز زرعه) أي القبر ولو غير مغصوب (شامی ۱/۶۰۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

قبرستان میں نماز پڑھنا

سوال: قبرستان میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جنازہ کی نماز اور فرض نمازیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہاں الگ جگہ بنی ہوئی ہے اور سامنے قبر نہیں ہے یا ہے؛ لیکن درمیان میں دیوار حائل ہے تو پڑھ سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا درست ہے؟

سوال: ہوائی جہاز فضاء میں ہوتو مسافر کے ذمہ نماز ہوگی یا نہیں؟ اور اگر نماز اسی میں پڑھ لی تو ذمہ سے ساقط ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بوقت پرواز ہوائی جہاز میں نماز کا حکم چلتے ہوئے بحری جہاز کی طرح ہے، یعنی اس میں بوجۂ عذر نماز جائز ہے، کالصلاۃ علی الدابۃ (احسن الفتاوی ۴/۹۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ہوائی جہاز میں نماز کیسے پڑھیں؟

سوال: ہوائی جہاز میں اپنی سیٹ پر بیٹھ کر اشارے سے نماز ادا کی تو کیا نماز ہو جائے گی یا دہرانی پڑے گی؟ اور اگر اس نے ہوائی جہاز میں باقاعدہ رکوع اور سجدے کے ساتھ نماز ادا کی تو کیا نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فرض نماز اگر ہوائی جہاز میں سیٹ پر بیٹھ کر اشارہ سے ادا کی اور کوئی معذوری نہیں ہے تو وہ ادا نہیں ہوئی لوٹانا ضروری ہے؛ البتہ نفل نماز اس طرح پڑھنا درست ہے، اور فرض نماز اگر رکوع سجدہ کے ساتھ ادا کی تو درست ہوجائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

باب استقبال القبلة

کمپاس کے ذریعہ مسجد قدیم کے قبلہ میں تغیر وتبدل کرنا

سوال : ایک مسجد جو تقریباً سو، سوا سو سال کی بنی ہوئی جامع مسجد ہے، جس کے امام نے مسجد میں قطب نما یا کمپاس رکھ کر دیکھا تو مسجد ٹیڑھی ہے، معلوم ہوا۔ اندر مسجد جو پرانی بنی ہوئی ہے وہ صرف دو صف کی ہے اور ٹیڑھی صف لگانے سے صرف ایک صف ہوتی ہے اور برآمدہ دو منزلہ ہے مقامی لوگ غریب اور مزدور قسم کے ہیں، اس کی وجہ سے پورے بازار وعلاقہ میں خلفشار مچا ہوا ہے۔

① یہ مسجد جس رخ پر بنی ہوئی ہے اس رخ سے نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ یا اس مسجد کو شہید کر کے قطب نما یا کمپاس کے بتائے ہوئے رخ پر از سر نو تعمیر کی جائے؟ اس صورت میں صفیں ٹیڑھی بچھائی جائے تو ہی نماز درست ہوگی؟

② جس وقت یہ مسجد بنائی گئی تھی اس وقت کے طور وطریقہ سے تحری الی القبلہ کے ذریعہ سے ہی مسجد کا رخ ضرور متعین کیا گیا ہوگا، اس وقت قطب نما یا کمپاس جیسے آلات عام طور پر نہ تھے، اور اگر موجود بھی ہو تو لوگ ان سے اتنے مانوس نہ تھے جتنے اب ہیں۔

③ کیا قطب نما یا کمپاس کا بتایا ہوا رخ صحیح قبلہ ہی کا رخ ہے؟ اور کیا اس پر شرعی اعتماد و بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟

④ نماز کے لیے عین قبلہ شرط ہے یا جہت قبلہ؟ چوں کہ ہم لوگ خانہ کعبہ سے بہت دوری پر بستے ہیں، کیا ہم لوگوں کے لیے عین قبلہ کا رخ کرنا ضروری ہے یا جہت قبلہ کافی ہے؟

⑤ اب اس پرانی مسجد میں نماز کس طرح پڑھی جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قدیم مساجد کے متعلق فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ ان کا جو رخ ہے وہ باقی رکھا جائے۔ قطب نما یا کمپاس کا مدار مقناطیسی شمال پر ہوتا ہے جو حقیقی شمال سے الگ ہوسکتا ہے، اس لیے اس کی بنیاد پر مسجد قدیم کے قبلہ میں کوئی تغیر وتبدیلی نہ کی جائے۔ دور والوں کے لیے عین کعبہ نہیں؛ بلکہ جہت کعبہ کا استقبال کافی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

استقبالِ قبلہ سے کتنا انحراف مفسدِ صلوۃ ہے؟

اور مسجد بنانے والوں کو ہدایات

سوال: ہمارے یہاں برطانیہ میں قبلہ کا مسئلہ کافی معترض علیہا ہے، چند سال قبل ہم نے کارخانہ کی خریداری کی تھی اس نیت کے ساتھ کہ اس کو مسجد میں تبدیل کیا جاوے، جیسا کہ یہاں عامۃً ہوتا ہے، قبلہ کے رخ وسمت کے تعین کے لیے ہم نے ہمارے امام صاحب مولانا اسماعیل واڈی اور دارالعلوم بری کے مہتمم اور استاذ حدیث مولانا یوسف صاحب متالا اور مولانا ہاشم صاحب جوگواڑی کو دعوت دی، جگہ کو دیکھ کر انھوں نے فرمایا کہ قبلہ کا رخ وسمت بالکلیہ طور پر موافق نہیں ہے، بلکہ ۳۵/ فیصد باہر ہے مگر مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کے مطابق اتنی گنجائش ہے تو اسی فتویٰ پر عمل کرتے

ہوئے بغیر کسی ترمیم کے محراب بنا کر نماز شروع کر دی لیکن چند دن سے بعض مصلیان کا عمل یہ رہا ہے کہ جب جماعت سے نماز پڑھتے ہیں تو محراب کی طرف پڑھتے ہیں مگر جب سنن ونوافل کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو تھوڑے مڑ کر کھڑے رہتے ہیں۔ (۳۵ رفیصد) تو کیا ان کا اس طرح سے سنن ونوافل پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ اب چوں کہ مصلیان کا یہ رویہ بڑھتا جارہا ہے لہذا مسجد میں فتنہ کا قوی اندیشہ ہے، لہذا خدمت عالی سے قوی توقع رکھی جاتی ہے کہ مسئلۂ ہذا کو حدِ شافی تک واضح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہاں دو مسئلے الگ الگ ہیں، ان میں خلط ملط کیا جاتا ہے، اور اسی کے نتیجہ میں پیچیدگی پیدا ہوتی ہے۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے جہتِ قبلہ سے منحرف ہو کر نماز ادا کی تو کتنا انحراف معاف ہے؟ اور کتنے انحراف سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟ تو اس سلسلہ میں عموماً ہمارے علماء نے پینتالیس درجہ تک کے انحراف کو معاف قرار دے کر اس سے زائد انحراف کو مفسدِ صلوۃ قرار دیا ہے۔ (دیکھیے: فتاویٰ دار العلوم (امداد المفتیین) مطبوعہ کراچی ۲/ ۴۱۶، امداد الفتاویٰ ۱/ ۲۱۷، احسن الفتاویٰ ۲/ ۳۱۳)

بعض اکابر نے بنا بر احتیاط چوبیس درجہ تک کے انحراف کو معاف قرار دے کر اس سے زائد انحراف کو مفسد صلوۃ قرار دیا ہے، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مدظلہم فرماتے ہیں: ''معمولی انحراف ہو تو نماز ہو جائے گی اور اگر ۲۵/ ڈگری یا اس سے زائد ہو تو نماز نہیں ہوگی''۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲/ ۱۸۹)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو احتیاط بتلایا ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم (امداد المفتیین) مطبوعہ کراچی ۲/ ۴۲۷)

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب نماز کی ادائیگی کے لیے مکان مخصوص (بصورت مسجد یا جماعت خانہ) تیار کیا جائے تو اس کے بنانے والوں کو کیا کرنا چاہیے؟ تو اس کا حکم یہ ہے کہ ''مسجد تعمیر کرنے والوں پر صحیح سمت قبلہ متعین کر کے مسجد کا رخ اس کے مطابق کرنا تا حد امکان ضروری ہے''۔ (کفایت المفتی ۳/۱۴۱)

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لیکن قصداً مسجد منحرف بنانا جس میں مفسدۂ مذکورہ یعنی تخطیہ سے زیادہ مفاسد ہیں جیسے: افتراق بین المسلمین، واطالت لسان معترضین، وجسارت عوام علی الخروج عن الحدود، واستخفاف حدود وامثالھا، خلاف مصلحت ہے۔ نظیرہ مامر من عدم اعتبار النجوم فی المساجد القدیمۃ وفی اعتبارھا فی المفاوز، ان مفاسد کے مقابلہ میں رقبہ کا کم ہوجانا اہون ہے۔

(امداد الفتاویٰ مطبوعہ دیوبند ۱/۲۱۹)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: قصداً باوجود علم کے نو، دس درجہ کے انحراف کو نظر انداز کر دینا، اور غلط سمت پر نماز پڑھنا مسلمانوں کے قلوب میں خطرات اور وساوس پیدا کرنے اور استقبال قبلہ کی وقعت کو گھٹانے کا موجب ہوگا، اس لیے مسجد میں صحیح سمت کے نشان قائم کر کے ہی نماز ادا کرنی چاہیے، ہاں یہ صحیح ہے کہ ادا شدہ نمازوں کا اعادہ لازم نہیں۔ (کفایت المفتی ۳/۱۳۷)

حضرت اقدس فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ایک ایسی مسجد کے متعلق جس کا انحراف اٹھارہ ڈگری ہی تھا اور جو مشکل آپ نے سوال میں لکھی ہے اسی کے حل کے لیے انہوں یہ تفاوت روا رکھا تھا پوچھا گیا۔

اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: آپ کی لکھی ہوئی تین صورتوں میں سے

نقشہ نمبر دو کے موافق نماز ادا کرنا بلاشبہ درست ہے اگر چہ صفیں ٹیڑھیں ہی ہوں گی مگر رخ صحیح ہوگا اس لیے کہ یہ ٹیڑھا پن کمرہ کی تعمیر کے لحاظ سے ہے، قبلہ کے رخ کے لحاظ سے نہیں، سو اس میں مضائقہ نہیں۔ نقشہ نمبر ایک اور نمبر تین کی صورت میں کمرہ کے اعتبار سے تو صفیں سیدھی ہیں، ٹیڑھی نہیں، لیکن قبلہ کا رخ برابر نہیں، اگر چہ اتنا فرق نہیں کہ بالکل سمت قبلہ باقی نہ رہے، اور نماز کو قطعاً فاسد قرار دیا جائے لیکن قصداً اتنا فرق بھی نہ کیا جائے اس سے بھی بچنا چاہیے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۲۵۹)

آپ نے محراب تعمیر کرتے وقت مذکورہ بالا ہدایت واحتیاط کا لحاظ نہیں کیا، اور آج جب کہ اس کے مفاسد سامنے آرہے ہیں تو پریشان ہورہے ہیں، اور جو حضرات اپنی انفرادی نمازوں میں صحیح سمت پر رخ کرنے کا اہتمام کررہے ہیں ان پر فتنہ بھڑکانے کا الزام دے رہے ہیں، آپ کا یہ رویہ کتنا مبنی بر انصاف ہے وہ آپ ہی بتلائیں؟ خصوصاً جب کہ آپ کی مسجد کا انحراف ۳۵/ ڈگری ہے تو حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی مدظلہم کے فتویٰ کے بموجب تو نماز ہی نہیں ہوگی، اس لیے آپ ہی صفوف کا رخ سمت قبلہ کی طرف درست فرما کر لوگوں کی نماز کو متفق علیہ طریقہ پر صحیح بنانے کی فکر کیجیے اور فتنہ کا دروازہ کھول کر مسلمانوں میں افتراق پیدا ہو اس سے پہلے ہی فتنہ کی جڑ کاٹ دیجیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سمت قبلہ معلوم کرنے کا شرعی معیار

سوال: یہاں محلہ ڈانگر اواڑہ شہر بھروچ میں ایک مسجد جو تقریباً ایک سو پچیس

سال پرانی ہے، شہید کی گئی، اور اسی جگہ نئی مسجد تعمیر کرنے کا ارادہ ہے، پرانی مسجد کی سمتِ قبلہ محفوظ رکھنے کی غرض سے اس کا کچھ حصہ باقی رکھا گیا ہے، جن انجینئر صاحب کو مسجد کا کام سپرد کیا گیا ہے، انھوں نے بتایا کہ نئی مسجد کی سمتِ قبلہ کمپاس کے ذریعہ متعین کی جائے، تو انہیں سمجھایا گیا کہ پرانی مسجد کی سمت قبلہ جس جانب ہے اسی جانب نئی مسجد کی سمت قبلہ رکھی جائے، یہاں آلات رصدیہ کمپاس وغیرہ کی ضرورت نہیں، پرانی مسجد کی سمت قبلہ ہی کافی ووافی ہے، الحمد للہ تھوڑا سمجھانے پر بات ان کی سمجھ میں آگئی لیکن ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا کہ قرب وجوار کے محلوں اور سوسائٹیوں میں جو مساجد ازسرِ نو تعمیر کی جاتی ہیں ان میں کمپاس کے ذریعہ سمتِ قبلہ طے کر سکتے ہیں اور عام طور پر ایسا ہی کیا جاتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جن مساجد قدیمہ کو شہید کر کے اس جگہ نئی مساجد تعمیر کی جاتی ہیں اس میں بھی انجینئر صاحبان مسجد قدیم کی سمتِ قبلہ کو چھوڑ کر کمپاس کے ذریعہ سمت قبلہ طے کرتے ہیں، جیسا کہ ان انجینئر صاحب نے یہاں کرنا چاہا، اب دریافت طلب امور یہ ہیں کہ:

① اگر مسجد قدیم کو شہید کر کے اسی جگہ نئی مسجد تعمیر کی جائے تو آیا نئی مسجد کی سمت قبلہ بعینہ وہی رکھی جائے جو مسجد قدیم کی تھی، یا آلات رصدیہ کمپاس وغیرہ کے ذریعہ سمت قبلہ طے کی جائے، خواہ دونوں سمتوں میں اختلاف قلیل ہی ہو، بظاہر پہلی صورت ہی زیادہ صحیح اور اکابرِ امت کے تعامل کے مطابق معلوم ہوتی ہے، جیسا کہ جواہر الفقہ حصہ اول رسالہ ''تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال'' کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

② اگر کسی ایسی جگہ ازسرِ نو مسجد تعمیر کی جائے جہاں قرب وجوار میں دوسری مساجد موجود ہیں تو آیا اس نئی مسجد کی سمتِ قبلہ طے کرنے کے لیے قرب وجوار کی مساجد قدیمہ

کی سمت قبلہ کو معیار بنایا جائے؟ یا آلات رصدیہ کمپاس وغیرہ کی مدد سے سمتِ قبلہ طے کی جائے؟ خواہ دونوں سمتوں میں اختلاف قلیل ہو یا کثیر؟ کون سا طریقہ صحیح وتعاملِ سلف سے زیادہ قریب اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والتسلیم کے لیے زیادہ سہل وآسان ہے؟

③ آلاتِ رصدیہ کمپاس وغیرہ کا استعمال کہاں اور کن صورتوں میں کر سکتے ہیں؟

④ حضرات فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے یہاں آلات رصدیہ کمپاس وغیرہ کا درجہ کیا ہے؟ کمپاس وغیرہ کے ذریعہ طے کی ہوئی سمت قبلہ کا درجہ وہی ہے جو مساجدِ قدیمہ کے ذریعہ طے کی ہوئی سمت قبلہ کا ہے یا کم یا زیادہ؟۔

برائے کرم مندرجۂ بالا مسائل کی تحقیق از روئے فقہ حنفی عباراتِ فقہیہ کے ساتھ تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

"فتاویٰ عالمگیری" میں ہے:

وجهة الكعبة تعرف بالدليل، والدليل فى الامصار والقرى المحاريب التى نصبها الصحابة والتابعون، فعلينا اتباعهم فان لم تكن فالسؤال من اهل ذلك الموضع واما فى البحارو المفاوز فدليل القبلة النجوم هكذا فى فتاوى قاضى خان (عالمگیری ۱/ ٦٣)

اور "فتاوی قاضی خان" میں ہے:

وجهة الكعبة تعرف بالدليل والدليل فى الامصار والقرى المحاريب التى نصبتها الصحابة والتابعون، فحين فتحوا العراق جعلوا قبلة اهلها

مابین المشرق والمغرب لذلك قال ابوحنيفة رحمه الله تعالىٰ ان كان بالعراق جعل المغرب عن يمينه والمشرق عن يساره، وهكذا قال محمد رحمه الله تعالىٰ وانما قال لذلك لقول عمر رضى الله عنه اذا جعلت المغرب عن يمينك والمشرق عن يسارك فما بينهما قبلة لاهل العراق وحين فتح خراسان جعلوا قبلة اهلها ما بين مغرب الصيف ومغرب الشتاء، فعلينا اتباعهم واتباعهم فى استقبال المحاريب المنصوبة فان لم تكن فالسؤال عن الاهل، اما فى البحار والمفاوز فدليل القبلة النجوم لما روى عن عمر انه قال تعلموا من النجوم ماتهتدون به الى القبلة.

(قاضى خان على هامش الهندية ١/ ٦٩،٧٠)

فتاویٰ خیریہ میں ہے:

وقال فى فتاوى قاضى خان: وجهة الكعبة تعرف بالدليل والدليل فى الامصار والقرى المحاريب التى نصبتها الصحابة والتابعون رضى الله تعالىٰ عنهم اجمعين، فعلينا اتباعهم فى استقبال المحاريب المنصوبة فان لم تكن فالسوال من الاهل اه فقد جعل السوال من الاهل مؤخرا عن المحاريب وذكر بعضهم ان اقوى الادلة القطب فيجعله من بالشام وراء ه والرملة ونابلس وبيت المقدس من جملة الشام كدمشق وحلب وجوز للكل الاعتماد على القطب وجعله خلفه ولابد فى ذلك من نوع انحراف لاهل ناحية منها لكنه لايضركما قررناه وهذاعلى قول من اعتبر الجهة وهو المختار كما فى اكثر الكتب، اما من اشترط اصابة العين فجعل الانحراف القليل مفسدا لكن لا يتحقق الخطا بالانحراف يمنة ويسرة مع البعد عن مكة، وانما بظن وبناء على اشتراط الشافعية ذلك جوزوا

الاجتهاد فی المحاریب یمنة ویسرة ما عدا محرابه ومساجده ﷺ، واما الاجتهاد فیها ای فی محاریب المسلمین بالنسبة الی الجهة فلا یجوز حیث سلمت من الطعن لأنها لم تنصب إلا بحضرة جمع من المسلمین أهل معرفة بسمت الکواکب والادلة فجری ذلك مجری الخبر فتقلد تلك المحاریب وفی الخادم لهم کما نقله فی حاشیة ابن قاسم وهذا کله اذا لم یجتهد، و اما لو اجتهد فظهر له الخطأ ظنا او قطعا فلا یسوغ له التقلید قطعا ای تقلید تلك المحاریب اه

والحاصل المفهوم من کلامهم انه یجوز الاجتهاد فی المحاریب یمنة ویسرة ولا یجب وانه یجوز تقلیدها قبل الاجتهاد وبعده لا یجوزله اذا ظهر خطؤها واما الاجتهاد فی الجهة فلا یجوز قبل الطعن امابعده فیجوز.

(فتاوی خیریه علی هامش تنقیح الفتاوی الحامدیة ۱/ ۱۳،۱٤)

''معین الحکام'' میں ہے:

اذا دخل رجل بلدا خرابا لا احد فیها وقد حضر وقت الصلاة فان کان من اهل الاجتهاد ولم تخف علیه دلائل القبلة رجع الی اجتهاده ولم یلتفت الی تلك المحاریب، وان خفیت علیه الدلائل ولم یکن من أهل الاجتهاد وکانت القریة للمسلمین صلی الی تلك المحاریب لان الظاهر من بلاد المسلمین ان مساجدهم واثارهم لا تخفی وان قبلتهم ومحاریبهم علی ما توجبه الشریعة، واما ان کانت محاریب منصوبة فی بلاد المسلمین العامرة فی المساجد التی تکثر فیها الصلوات وتتکرر ویعلم ان اماما للمسلمین بناها فان العالم والعامی یصلون الی تلك القبلة ولا یحتاجون فی ذلك الی اجتهاد لان من المعلوم انها لم تبن الا بعد

الاجتهاد فی ذلك، واما المساجد التی لاتجری هذا المجری، فان العالم اذا كان من اهل الاجتهاد فسبیله ان یستدل علی الجهة فان خفیت علیه الدلائل صلی الی تلك المحاریب اذا كان بلدا للمسلمین عامرا لان هذا اقوی من اجتهاده مع خفاء الدلائل علیه فاما العامی فیصلی فی سائر المساجد اذ لیس من اهل الاجتهاد (معین الحکام ۱۶۸،۱۶۷)

مندرجۂ بالا اور دیگر عباراتِ فقہیہ نقل کرنے کے بعد مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

فتلخص من هذه الدرر المنثورة التی التقطناها من كتب الثقات مسائل:

الاولیٰ: ان دلائل القبلة فی العمرانات محاریب الصحابة و التابعین ثم ذوی العلم الموثوق بهم.

الثانیة: انه یجب الاستخبار عن اهل البلد اذا لم تكن هناك محاریب منصوبة.

الثالثة: انه لا یجوز التحری فی محاریب الصحابة والتابعین مطلقا لا فی الجهة ولا فی الانحراف عنها یمنة او یسرة.

الرابعة: انه لا یعتبر قول الفلكی فی مقابلة محاریب الصحابة والتابعین

الخامسة: انه یجوز عدم التحری فی محاریب عامة المسلمین فی الانحراف عنها ولا یجوز الاجتهاد فی الجهة قبل الطعن.

السادسة: انه یجوز التحری فی محاریب عامة المسلمین والانحراف عنهم یمینا وشمالا بدلیل، ویجوز الاجتهاد فی الجهة بعد الطعن فیها.

السابعة: انه یجوز اعتبار الادلة الهندسیة فی باب القبلة، والاعتماد

بقول الفلكي فى محاريب غير الصحابة والتابعين عندنا، واما عندالشافعية فيجوز الاعتماد بها وان كان فى محاريبهم (بل يجب عندهم).

الثامنة: انه يسوغ العمل بالادلة الهندسية ولا يجب

التاسعة: انه يجوز تحمل الانحراف اليسير فى المحاريب بان لا تتبدل الجهة بالكلية وتبقى مسامتة جهة الكعبة.

العاشرة: ان من كان من اهل الاجتهاد فله ان يجتهد وجوبا فى المحاريب التى لم يعلم ناصبوها.

الحادية عشرة: انه لا يقلد المحراب الخارج عن الجهة بالاجماع.

الثانية عشرة: ان العامى يستوى فى حقه سائر المساجد فيصلى فيها من غير استخبار ولا تحر.

تنبيه: المجتهد فى القبلة هو الذى يعلم ادلة القبلة من الشمس والقمر والنجوم وغيرها كما صرح به العينى فى شرح الهداية.

(بغية الاريب فى مسائل القبلة والمحاريب ۷۷،۷۸)

جن علاقوں میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہ نے مساجد کی بنیادیں ڈالی ہیں اور سمت قبلہ متعین فرمائی ہے، اور پھر انہی کو دیکھ کر دوسری بستیوں میں مسلمانوں نے اپنی اپنی مساجد بنائی ہیں ان علاقوں میں تو سمت قبلہ معلوم کرنے کے لیے انہی کا اتباع کیا جائے بلکہ کتبِ فقہ کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمۃ اللہ علیہ کی متعین کی ہوئی سمت قبلہ میں آلات رصدیہ کا بالکل اعتبار نہیں کیا جائے گا، کتب فقہ میں جہاں پر لفظ ''مساجدِ قدیمہ'' استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد وہی مساجد ہیں جن کا اوپر تذکرہ ہوا، یعنی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہ کی بنائی ہوئیں یا انہی کو دیکھ کر دوسری بستیوں

میں مسلمانوں نے جو مساجد بنائی ہیں، آپ نے اپنے سوال کے شروع میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک مسجد جو تقریباً ایک سو پچیس سال پرانی ہے شہید کی گئی الخ آپ اپنی اس تحریر سے اپنی اس مسئولہ مسجد کو بھی کتب فقہ میں وارد شدہ لفظ ''مساجد قدیمہ'' میں علی الاطلاق شامل کر رہے ہیں لیکن آپ کا یہ دعویٰ علی الاطلاق درست نہیں۔

فتاویٰ محمودیہ (۱۰ / ۱۶۲) میں ایک سوال ہے وہ سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: ایک مسجد جامع ہے جو تقریباً ایک سو تیس برس کی تعمیر شدہ ہے، آج کل اس میں بوجہ تنگی نمازیوں کو سخت تکلیف ہو رہی تھی، مسجد ہذا کو بغرض توسیع و تعمیر جدید منہدم کرایا گیا کہ پہلی بنیاد سے اسے سیدھی کرنے میں اتر کا مغربی گوشہ تین ہاتھ پچھّم جانب بڑھایا گیا اور دکھن کا مشرقی گوشہ تین ہاتھ پورب ہٹایا گیا مگر پھر بھی قطب سے کچھ فرق رہ گیا، کوئی صورت ایسی نہیں ہوسکتی جو قطب سے بالکل سیدھی کی جاسکے، بہت بڑا کنواں مسجد کی بنیاد میں پڑ رہا تھا، ایسی مسجد ھذا میں شرعاً کوئی نقص نماز کی ادائیگی وغیرہ میں وقوع پذیر ہوسکتا ہے کہ نہیں؟ اور قطب کو تعمیر مسجد میں شرعاً کیا حیثیت حاصل ہے؟ قبلہ رخ جو معتبر ہے جس کو فقہاء نے ''بین الفرقدین والجدی'' لکھا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً و مسلماً: اتنے معمولی فرق سے نماز میں نقصان نہیں آتا، تاہم اگر دوبارہ تعمیر سے اصلاح نہ ہوسکی تو صفوف کے نشان صحیح طور پر مسجد میں لگا دیے جائیں اور ان کے موافق رخ صحیح کر لیا جائے پھر مسجد کو گرا کر از سر نو تعمیر کرنے کی ضرورت نہیں۔

سمت معلوم کرنے کی بہت سی علامات فقہاء نے لکھی ہیں: قطب بھی ایک دلیل ہے بلکہ اقوی الادلہ ہے، اہل ہند سے قبلہ کا رخ عامۃً جانب مغرب میں ہے، پس اگر سردی اور گرمی میں جس جگہ آفتاب غروب ہوتا ہے اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جائے تو

نماز صحیح ہو جائے گی، یعنی دونوں موسموں کے جائے غروب کے درمیان کا حصہ جہت کعبہ ہے، یہی مطلب ہے "بین الفرقدین والجدی" کا۔ وتعرف بالدلیل الخ.
(فتاوی محمودیہ ۱۰/ ۱۶۲، ۱۶۳)

اس جواب پر ۹/ ربیع الاول ۱۳۶۷ھ کی تاریخ لکھی ہوئی ہے گویا آج سے ۵۷ سال قبل کا تحریر فرمودہ جواب ہے اور جیسا کہ آپ پڑھ چکے سوال میں تصریح موجود ہے کہ وہ مسجد ایک سو تیس برس کی تعمیر شدہ تھی اس کے باوجود جواب میں اس کا رخ صحیح کرنے کی تاکید کی جارہی ہے، اور ایک سو تیس سال کی تعمیر شدہ ہونے کی بنیاد پر مسجد قدیم کہہ کر اس انحراف کو باقی رکھنے کی اجازت نہیں دی جارہی ہے؛ اسی طرح کا ایک سوال وجواب فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۲۶۲ پر بھی موجود ہے۔

"فتاوی خیریہ" کی جو عبارت شروع جواب میں نقل کی گئی ہے اس میں بھی یہی نوعیت پائی جاتی ہے، جب کہ فتاویٰ خیریہ کی ترتیب وتبویب ۱۰۸۱ھ میں ہوئی ہے، صاحب فتاویٰ خیریہ اسی نوع کے ایک اور سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

اذا لم یکن المحراب من وضع الصحابة والتابعین ولا من وضع ذوی العلم الموثوق بهم فی معرفة القبلة ولا علی سمت وضعهم فلاعبرة به اجماعا. (الفتاوی الخیریة علی هامش الفتاوی الحامدیة ۱/۱۶)

آگے تحریر فرماتے ہیں:

"والمسئلة واضحة وحاصلها اذا تحقق خروجه عن الجهة بالکلیة لایجوز اعتماده اجماعا واذا لم یخرج عنها جاز اعتماده وان کان فیه انحراف قلیل یجوز عند الحنفیة ولا یجوز عند الشافعیة، ومعرفة ذلك من هذا العلم لاینکره احد ونحن علی علم بان الصحابة رضی الله تعالیٰ

عنهم اعلم من غيرهم فاذا علمنا انهم وضعوا محرابا لا يعارضهم من هو دونهم و اذا علمنا ان محرابا وضع من غيرهم بغير علم لا نعتمده واذا لم نعرف شيئا وعلمنا كثرة المارين وتوالى المصلين على مرور السنين عملنا بالظاهر وهو الصحة وعند تحققنا بالخطأ زال الغطا وهو فى اختلاف الجهة بحيث يكون متجاوزا المشارق الى المغارب.

(الفتاوى الخيرية على هامش الفتاوىٰ الحامدية ١ /١٧)

ان ساری عبارتوں کو پیش کرنے کا مقصد یہی ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم کی بنائی ہوئی مساجد کے علاوہ دیگر مساجد میں اگر دلائل سے معلوم ہوجائے کہ اس کی جہت درست نہیں ہے، تو اس کو درست کردیا جائے گا، ہاں معمولی فرق قابل انگیز ہے۔

اب آپ کے سوالات کے جوابات پیشِ خدمت ہیں:

(۱) اگر مسجدِ قدیم کے متعلق معلوم ہے کہ اس کی تعمیر ثقہ اور قابل اعتبار ماہر علماء کی نگرانی میں ہوئی ہے تو اس صورت میں اس کو شہید کرکے نئی تعمیر کی جانے والی مسجد کی سمت قبلہ وہی رکھی جائے جو مسجد قدیم کی تھی۔

(۲) از سرِ نو تعمیر کی جانے والی مسجد کے قرب وجوار میں دوسری مساجد مندرجۂ بالا نمبر ۱ کے مطابق موجود ہیں تو اس نئی مسجد کی سمت قبلہ کے لیے قرب وجوار کی مسجد کو معیار بنایا جائے۔

(۳)، (۴) اگر صحابہ وتابعین کے زمانہ کی مساجد موجود ہیں تو سمت قبلہ کی تعیین کے لیے انہی کو معیار بنانا ضروری ہے، آلات رصدیہ کا کوئی اعتبار اس صورت میں نہیں ہوگا اور صحابہ وتابعین کے زمانہ کی مساجد کے نہ ہونے کی صورت میں اگر جواب (۱) میں

مذکور نوع کی مساجد ہوں ان کو سمت قبلہ کی تعیین کے لیے معیار بنایا جائے، اور اگر اس نوع کی بھی کوئی مسجد موجود نہیں تو آلات رصدیہ کو صحیح استعمال کرنے والا ماہر موجود ہے اور اس نوع کے ماہرین کے اقوال میں آپس میں کوئی تعارض بھی نہیں پایا جاتا ہے تو اس صورت میں اس ماہر کی متعین کردہ سمت قبلہ کا اعتبار کیا جائے گا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری علیہ الرحمۃ ''فتاویٰ خیریہ'' کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

وقال (فی حق قبول قول الفلکی) ومع ذلك یعمل به بلا شبهة اذا خلا عن المعارضة بما هو مثله او هو فوقه. (بغیة الاریب فی مسائل القبلة والمحاریب ۷۶)

اور جیسا کہ آگے ہم اوپر نقل کر آئے، مختلف عبارات فقہیہ سے جو نتائج انھوں نے نکالے ہیں اس میں تو یہاں تک فرمایا ہے: العاشرة: ان من كان من اهل الاجتهاد فله ان یجتهد وجوبا فی المحاریب التی لم یعلم ناصبوها (بغیة الاریب ۷۸)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمہ بھی تحریر فرماتے ہیں: اب صرف ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آلاتِ رصدیہ اور حسابات ریاضیہ سے اگر اس میں کام لے لیا جائے تو جائز بھی ہے یا نہیں؟ اور جو جہت ان حسابات کے ذریعہ متعین کی جائے وہ شرعاً معتبر ہوگی یا نہیں؟ اس کے متعلق فیصلہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ کا یہ ہے کہ جس جگہ مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں وہاں تو باتفاق علماء ان آلات وحسابات سے کام لینا جائز ہے؛ بلکہ جس شخص کو یہ فن آتا ہو اس کے لیے ایسے مواقع میں جہاں مساجد قدیمہ موجود نہ ہوں ضروری ہے کہ بجائے دوسری علامات ونشانات کے ان آلات وحسابات سے کام لے؛

کیوں کہ محض تحری وتخمینہ سے زیادہ مفید ظنِ غالب ہے۔ (رسالہ سمت قبلہ جواہر الفقہ ۱/۲۶۸)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: سمت قبلہ کے موضوع پر ایک عربی تصنیف "بغیة الاریب فی مسائل القبلة والمحاریب" کے نام سے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے اس کا مطالعہ بھی ضرور فرمالیں، جواہر الفقہ کے مطالعہ کے بعد بھی کچھ گوشے تشنہ رہ جاتے ہیں مذکورہ رسالہ کے مطالعہ کے بعد اس کی تلافی ہوجاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

قبلہ سے ۲۷/ درجہ انحراف کی وجہ سے جماعتِ ثانیہ کا حکم

سوال: ہم نے مسجد کے لیے ایک جگہ آج سے ۵/ سال پہلے خریدی تھی، اُس میں سمت قبلہ ذرا بائیں جانب کی طرف مائل تھا، محراب بنانے سے قبل ہم نے کئی بار کمپاس کے ذریعے دیکھا کہ اگر صفوں کو سیدھا کردیا جائے تو تقریباً ۲۷/ درجہ کا فرق آتا ہے، علمائے کرام سے مشورہ لے کر ہم نے اس وقت قبلہ سیدھا کردیا، اور مسلسل ۵/ سال سے پانچ وقتوں کی نماز مع جمعہ وعیدین وغیرہ اِس قبلہ کی طرف ہورہی ہیں، اب ایک صاحب نے یہ مسئلہ کھڑا کیا کہ قبلہ ٹیڑھا کیا گیا ہے؛ اِس لیے وہ اسی مسجد کے تہہ خانے میں دوسری جماعت باقاعدہ ۵/ وقتی نماز کے علاوہ جمعہ وعیدین بھی ادا کریں گے، اور اُنھوں نے علی الاعلان اشتہار وغیرہ دے کر لوگوں کو فتنہ برپا کرنے کی غرض سے ابھارا بھی ہے؛ مگر ابھی تک وہ صاحب اپنی کوشش میں ناکام رہے ہیں؛ مگر

اُن کی اِس فتنہ بازی سے مصلیوں کی تعداد میں باقاعدہ نمازوں میں عموماً اور جماعت وغیرہ میں کافی اثر پڑا۔

اس لیے مندرجۂ ذیل مسائل میں آپ سے جوابات درکار ہیں، امید قوی ہے کہ آپ جوابات سے نوازیں گے:

(۱) مسجد مذکورہ میں محراب سمت قبلہ سے تقریباً ۲۷/ درجہ کا فرق ہے، تو کیا ایسی صورت میں نماز صحیح ہوجاتی ہے کہ نہیں؟

(۲) ایک جماعت کے ہوتے ہوئے اُسی مسجد میں دوبارہ جماعت کی تشہیر اور دعوت دینا کیسا ہے؟

(۳) اس فتنہ بازی کرنے پر اگر ہم مذکورہ صاحب کو مسجد میں آنے سے روک دیں تو شریعت مطہرہ میں کہاں تک گنجائش ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) فقہاء کی تصریح کے بموجب عین کعبہ سے پینتالیس (۴۵) درجے تک بھی انحراف ہوجائے، تو استقبال فوت نہیں ہوتا اور نماز صحیح ہوجاتی ہے۔

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اِس مسئلہ پر مستقل رسالہ ''سمتِ قبلہ'' کے نام سے موجود ہے، جو آپ کی تالیف ''جواہر الفقہ'' حصۂ اول کا ایک جزء ہے، اُس کا مطالعہ ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگا۔

(۲) جس مسجد میں باقاعدہ پابندیٔ وقت کے ساتھ جماعت ہوتی ہو اس میں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے، اور مکروہ کی دعوت اور تشہیر موجبِ گناہ ہے۔

(۳) اس آدمی کو نرمی اور محبت سے سمجھا کر اس سے باز رکھا جائے، اِس پر بھی باز نہ

آئے تو کوئی ایسی تدبیر عمل میں لائی جاسکتی ہے جس کے نتیجہ میں اُس کو باز رکھا جاسکے بہ شرطے کہ خود وہ تدبیر باعثِ فتنہ نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ شعبان ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی ظاہری خوب صورتی برقرار رکھنے کے لیے ۴۵ ڈگری منحرف کردینا

سوال: انگلینڈ میں اکثر مساجد، مکانات یا فیکٹریاں خرید کر بنائی گئی ہیں، جن میں سے اکثر میں قبلہ سے تھوڑا بہت انحراف ہے، اس ملک میں مسلمان نئے آباد ہوئے ہیں اس لیے یہاں پرانی مساجد نہیں ہیں، اب اکثر شہروں میں نئی مساجد بنائی گئی ہیں، جو کہ ۱۳۰ ڈگری جنوب مشرق کے قبلہ رخ پر بنائی گئی ہیں، ہمارے شہر میں دو نئی مسجد اور یہاں سے ۴۵ میل دور یورپ کا تبلیغی مرکز ہے، اس کی مسجد بھی ۱۳۰ ڈگری جنوب مشرق قبلہ رخ پر بنائی گئی ہے، یہاں اس ملک میں تقریباً سب علماءِ کرام کا اس ڈگری قبلہ رخ پر اتفاق ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے محلہ میں پہلے مکانات میں نماز باجماعت ادا کرتے تھے، ان سب میں ۱۳۰ ڈگری پر نماز باجماعت ادا کی جاتی رہی اس ڈگری پر تقریباً پندرہ سال ہم نے نماز ادا کی، اب اسی سڑک اور اسی محلہ میں جہاں گزشتہ کئی برسوں سے مکان میں جماعت ہوتی رہی، ایک بڑی فیکٹری خرید کر مسجد بنائی ہے، جس میں تقریباً ایک ہزار آدمی باجماعت نماز ادا کرسکتے ہیں، جب کہ مکان میں صرف پچاس

ساٹھ آدمیوں کی گنجائش تھی؛ موجودہ جگہ میں مسجد کی خوب صورتی قائم رکھنے کے لیے پہلے قبلہ رخ سے تقریباً ۴۵ ڈگری جنوب کی طرف انحراف کر دیا ہے، اس انحراف قبلہ کی وجہ سے محلہ کے کچھ لوگ متفق نہیں ہیں؛ آپ تفصیل سے تحریر فرمائیں کہ قبلہ سے کتنی ڈگری انحراف کی گنجائش ہے، کیا صرف مسجد کی خوبصورتی کو قائم رکھنے کے لیے ۴۵ ڈگری کے انحراف قبلہ میں نماز ادا ہو جائے گی؟

نیچے دیے گئے نقشہ میں پہلی جگہ اور موجودہ کے قبلہ رخ کو ملاحظہ فرمائیں، پہلے مکان اور موجودہ جگہ میں نمازیوں کی صفوں کی ترتیب اور رخ سرخ پنسل سے دکھایا گیا ہے، پہلا مکان اور موجودہ مسجد ایک ہی سڑک پر ہیں، اس وقت موجودہ مسجد میں تقریبا ایک سو آدمی نماز پڑھتے ہیں جب کہ گنجائش ایک ہزار نمازیوں کی ہے؛ براہِ کرم اس مسئلہ کا جواب اردو اور گجراتی زبان میں آسان الفاظ میں تحریر فرما کر مشکور فرمائیں، ان شاء اللہ آپ کا فتویٰ اس ملک کے لیے آنے والے زمانے کے لیے دلیل ہوگا۔

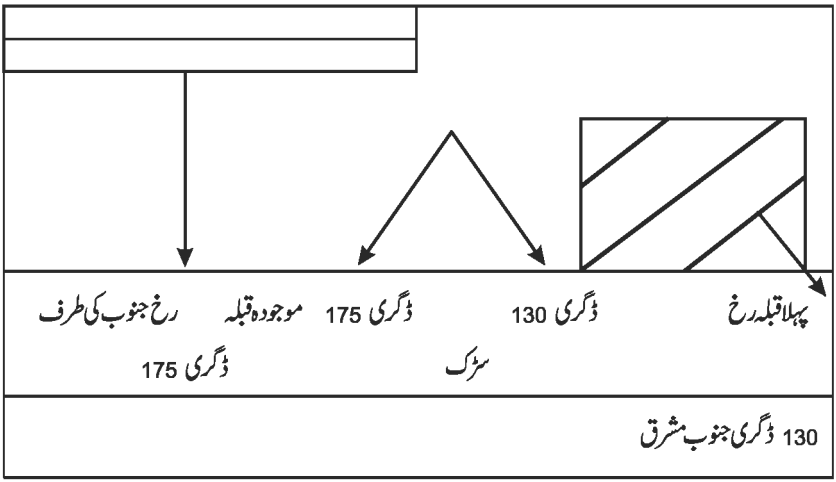

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وہ ممالک اور مقامات جہاں مساجدِ قدیمہ موجود نہ ہوں، وہاں شرعی طریقہ جو سلف سے ثابت ہے، یہ ہے کہ شمس وقمر اور قطب وغیرہ کے مشہور اور معروف ذرائع سے اندازہ قائم کر کے سمتِ قبلہ متعین کی جائے، اگر اس میں معمولی میلان اور انحراف بھی رہے تو اس کو نظر انداز کیا جائے، اس لیے کہ ان بلاد بعیدہ میں تحری اور اندازہ سے قائم کردہ جہت ہی قائم مقام کعبہ ہے، اور اسی پر احکام کا مدار ہے۔

بخلاف ما اذا كان فى المفازة فينبغى وجوب اعتبار النجوم ونحوها فى المفازة بتصريح علماءنا وغيرهم لكونها علامة معتبرة فينبغى الاعتماد فى اوقات الصلوٰة وفى القبلة على ماذكره العلماء الثقات فى كتب المواقيت، وعلى ما وضعوه لها من الآلات كالربع والاصطرلاب فانها ان لم تفد اليقين تفد غلبة الظن للعالم بها، وغلبة الظن كافية فى ذلك.(شامی ۱/ ۳۱۷)

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاں مساجدِ قدیمہ موجود نہ ہوں، وہاں آلاتِ رصدیہ اور حسابات ریاضیہ سے کام لینا جائز بلکہ ماہر وواقف کے لیے ضروری ہے کہ دیگر علامات ونشانات کے بجائے ان آلات سے کام لے، اس لیے کہ محض تحری اور تخمینہ کے مقابلہ میں ان آلات کے ذریعہ زیادہ ظن غالب حاصل ہوگا۔ حسبِ تصریح فقہاء عین کعبہ سے ۴۵ ڈگری کا انحراف مفسدِ صلوٰۃ نہیں۔

فعلم ان الانحراف اليسير لا يضر وهو الذى يبقى معه الوجه او شى ء من جوانبه مسامتا لعين الكعبة او لهوائها بأن يخرج الخط من الوجه او من بعض جوانبه ويمر على الكعبة او هوائها مستقيما ولا يلزم

ان یکون الخط الخارج علی استقامة خارجا من جبهة المصلی بل منها او من جوانبها (شامی ۱/ ۳۱۶)

البتہ ایک قول کے مطابق عین کعبہ کی دونوں جانب ۲۴ / ۲۴ ڈگری انحراف جائز ہے یعنی مفسدِ صلوٰۃ نہیں اس سے زیادہ جائز نہیں؛ لیکن اس کو احتیاط پر محمول کیا گیا ہے۔

وقال ابو منصور: ینظر الی اقصر یوم فی الشتاء والی اطول یوم فی الصیف، فیعرف مغربیهما ثم یترك الثلثین عن یمینه والثلث عن یساره ویصلی فیما بین ذلك وهذا استحباب والاول للجواز اھ (منحة الخالق ۱/ ۳۰۱)

آپ کے یہاں جب سمت قبلہ کے ۱۳۰ درجہ جنوب مشرق ہونے پر علماء متفق ہیں، اسی کے مطابق جدید مساجد بھی تعمیر ہو رہی ہیں اور اب تک کا عمل بھی اسی کے مطابق ہے، اب محض مسجد کی ظاہری خوبصورتی کو قائم رکھنے کے لیے اس کا رخ ۴۵ درجہ تک منحرف کر دینا بالکل نامناسب ہے، اگرچہ ۴۵ درجہ کا انحراف بقول مفتی بہ انحراف معفو عنہ کی آخری حد ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ نماز صحیح ہو جائے گی؛ لیکن جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا دوسرے قول (جس کو احوط قرار دیا گیا ہے) کے مطابق نماز صحیح نہیں ہوتی، اور نماز جیسی اہم اور عظیم عبادت میں احتیاط کا پہلو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اسی لیے مسجد حرام میں صرف حطیم کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی تو فریضہ ادا نہ ہوگا جب کہ طواف میں حطیم کو بھی شامل کر لینا ضروری ہے۔ (ہدایہ ۱/ ۲۲۱)

دیکھئے نجاست غلیظہ کی قدر درہم مقدار معاف ہے یعنی اس کے ہوتے ہوئے نماز صحیح ہو جاتی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ اس کے ازالہ پر قدرت ہونے کے باوجود اس کو باقی رکھتے ہوئے نماز پڑھی جائے؛ بلکہ فقہاء تصریح فرماتے ہیں کہ اس

طرح نماز مکروہ ہوگی۔

بحر الرائق میں ہے: ومراده من العفو صحة الصلوة بدون ازالته لاعدم الكراهة لما فى السراج الوهاج وغيره ان كانت النجاسة قدر الدرهم تكره الصلوٰة معها اجماعا وان كانت اقل وقد دخل فى الصلوٰة نظر ان كان فى الوقت سعة فالافضل ازالتها واستقبال الصلوٰة وان كانت تفوته الجماعة (۱/۱۴۰)

ظاہری خوبصورتی کے مقابلہ میں معنوی و باطنی خوبصورتی کا لحاظ مقدم ہے، سمتِ قبلہ کا مستقیم ہونا محاسنِ باطنیہ میں سے ہے، اس لیے صورت مسئولہ میں سمتِ قبلہ کو درست کر لینا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۰۷ھ

ریل گاڑی میں انحراف قبلہ کی حالت میں نماز

سوال: ریل گاڑی میں پندرہ آدمی سفر کر رہے ہیں، قبلہ نما ساتھ ہے، مغرب کا وقت ہو چکا ہے، قبلہ کا رخ تھوڑا ٹیڑھا ہے، سب کو نماز پڑھنی ہے تو کیا کریں؟ انتظار کرتے ہیں تو وقت ختم ہو جاتا ہے، پڑھتے ہیں تو قبلہ کا رخ صحیح نہیں ہے، قبلہ کتنا ٹیڑھا ہو تو نماز نہیں ہوتی؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

بیت اللہ سے پینتالیس درجہ تک انحراف مفسد نہیں، اس سے زیادہ ہو تو مفسد ہے۔ (احسن الفتاوی ۲/ ۳۱۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

باب الأذان

اذان واقامت سے پہلے تعوذ وتسمیہ پڑھنا

سوال: اذان واقامت سے قبل اعوذ باللہ، بسم اللہ، درود شریف کا بلند آواز سے پڑھنا کیسا ہے؟ اگر پڑھتا ہے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ اگر نہیں پڑھتا ہے تو کیا حکم ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب لکھیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اذان یا اقامت سے پہلے اعوذ باللہ، اور بسم اللہ سراً یا جہراً پڑھنا ثابت نہیں ہے، اس لیے اعوذ باللہ اور بسم اللہ نہ بلند آواز سے پڑھے، نہ پست آواز سے پڑھے۔

(احسن الفتاویٰ ۲/ ۲۸۷)

اذان واقامت سے پہلے بلند آواز سے یا آہستہ سے درود شریف پڑھنا بھی بدعت ہے۔

''طحطاوی علیٰ مراقی الفلاح'' میں ہے: ومن المكروهات الصلوٰة علي النبي ﷺ في ابتداء الاقامة؛ لأنه بدعة (۱۰۸) اقامت کے شروع میں نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ یہ بدعت ہے۔

''احسن الفتاویٰ'' میں ہے: درود شریف کا موقع شریعت نے اذان کے بعد بتایا ہے، نہ کہ اذان سے پہلے؛ لہٰذا اذان سے پہلے درود شریف پڑھنا، خواہ بلند آواز سے ہو یا آہستہ؛ بہر کیف ناجائز اور بدعت ہے، اور دین میں اپنی طرف سے زیادتی ہے، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی نماز کے آخر کے بجائے نماز شروع کرتے ہی سبحانك

اللھم الخ کے بجائے درود شریف پڑھنے لگے، اور روکنے والے کو درود شریف کا منکر بتائے۔ (۱/۳۶۹، از آداب اذان واقامت ۱۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اذان میں کوئی کلمہ چھوٹ گیا تو کیا کرے؟

سوال: اذان دیتے وقت اگر کوئی کلمہ بھول سے چھوٹ جائے تو کیا اذان دوبارہ دینا ہوگا یا جو کلمہ چھوٹ گیا ہے وہاں سے دہرانے سے اذان صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو کلمہ چھوٹ گیا ہے، اس کو کہہ کر اس کے بعد کے کلمات دہرالے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سفر میں اذان دینا مستحب ہے

سوال: پندرہ آدمی کی جماعت ہے، سفر کی حالت میں اذان دے کر نماز پڑھنا چاہیے یا بغیر اذان کے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سفر میں اگر سب رفقاء حاضر ہوں تو اذان مستحب ہے اور اقامت سنت مؤکدہ ہے، اقامت کا ترک مکروہ ہے، اذان کا نہیں، سفر عام ہے خواہ شرعی ہو یا لغوی۔ (بدائع الصنائع ۱/ ۳۷۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد میں اذان دینا

سوال: مسجد کے اندر ہی اذان دینا کیسا ہے؟ اور اگر اذان دے دی تو دوبارہ دینی ہوگی یا نہیں؟ اور بچہ کا اذان، اقامت کہنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اذان چوں کہ لوگوں کو نماز کی اطلاع دینے کے لیے مشروع ہوئی ہے، اس لیے بلند جگہ پر اذان کہنا مسنون ہے۔

ویسن الأذان في موضع عال (شامی ۱/ ۲۸۳)

اگر لاؤڈ اسپیکر ہے تو اونچی جگہ کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے، جہاں لاؤڈ اسپیکر ہے وہاں قبلہ رو کھڑا ہو۔ (آداب اذان واقامت ۳۹)

مسجد میں اذان دینا ممنوع نہیں ہے؛ لیکن اگر مسجد میں اذان دینے کی صورت میں آواز دور تک نہیں جاتی ہے؛ بلکہ اندر ہی دب کر رہ جاتی ہے تو باہر دینا چاہیے، اور اگر ایسا نہیں ہے، مثلاً لاؤڈ اسپیکر مسجد ہی میں رکھا ہوا ہے، تو مسجد میں بھی دے سکتے ہیں۔

قال ابن سعد بالسند إلى أم زيد بن ثابت، كان بيتي أطول بيت حول المسجد، فكان بلال يؤذن فوقه من أول ما أذن إلى أن بنى رسول مسجده، فكان بعد على ظهر المسجد وقد رفع له شيء فوق ظهره (شامی ۱/ ۲۸۵) قلت: وظهر المسجد داخل في المسجد، فثبت أن الأذان فى المسجد ليس بممنوع.

بہتر یہ ہے کہ موذن عاقل، بالغ، آزاد اور مرد ہو، مسائل اذان واقامت سے پوری طرح واقف ہو اور پرہیز گار ہو۔

وينبغي أن يكون المؤذن رجلا عاقلا، صالحا، عالما بالسنة (عالمگیری)

بچہ اگر ناسمجھ ہے تو اس کا اذان واقامت کہنا مکروہ ہے، اگر اس نے اذان کہہ دی تو اس کا لوٹانا بہتر ہے؛ لیکن اگر اقامت کہہ دی تو نہیں لوٹائی جائے گی، اور اگر بچہ سمجھ دار ہے تو اس کا اذان واقامت کہنا درست ہے؛ لیکن بالغ مرد کا اذان دینا افضل ہے۔

أذان الصبي العاقل صحيح من غير كراهة في ظاهر الرواية؛ ولكن أذان البالغ أفضل (عالمگیری)(از آداب اذان واقامت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اذان کی دعا میں والدرجة الرفيعة کے الفاظ ثابت ہیں؟

سوال: اذان کے بعد کی دعاء کے اندر "والدرجة الرفيعة" یہ الفاظ لگایا گیا ہے، اور یہ دعا ایک مسجد کے حوض کے اوپر لکھی گئی ہے، اور اس میں یہ الفاظ یعنی اوپر جو موجود ہیں وہ بھی اس میں موجود ہیں، تو میں نے وہاں کے امام صاحب سے کہا کہ مجھ کو ایسا لگتا ہے کہ یہ الفاظ کسی حدیث میں نہیں ہے، تو انہوں کہا، ہاں، پھر میں نے کہا کہ ایک حدیث اور ہے اس میں کہا گیا ہے کہ اگر میری بات کے اندر کسی نے زیادتی یا کمی کی، تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے، یہ حدیث کا مفہوم ہے، تو اس کے بعد امام صاحب نے کہا کہ یہ بات احکام کے اندر ہے، دعا کے اندر نہیں ہے، دعاء کے اندر کمی اور زیادتی کر سکتے ہیں، اور احکام کے اندر نہیں، اور یہ بات دعا کے اندر پائی گئی ہے، اس لیے کوئی گنہ گار نہیں، تو آپ مفتیان کرام اس مسئلہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ دعائے وسیلہ میں "والدرجة الرفيعة" اور "وارزقنا

شفاعته یوم القیامة" ثابت نہیں ہے؛ مگر صحیح یہ ہے کہ بعینہ یہی الفاظ تو کسی حدیث میں وارد نہیں ہوئے ہیں؛ البتہ اس کے ہم معنی الفاظ احادیث میں موجود ہیں، اس لیے "إنك لا تخلف المیعاد" کی طرح "والدرجة الرفیعة" اور "وارزقنا شفاعته یوم القیامة" کو بھی دعائے وسیلہ میں پڑھنا درست ہے۔ (آداب اذان واقامت ۱۲۰، ۱۲۱)

"میری بات میں کمی زیادتی کی تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے" یہ کس حدیث کا مفہوم ہے؟ اور کس طرح؟ اس کی تفصیل آپ فرمادیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذان دی ہے یا نہیں؟

سوال: ایک اشکال یہ ہے کہ اذان دینے کے فضائل بہت مذکور ہیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اذان دینا ثابت نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اذان نہیں دی، اس کی علت آواز کی پستی بتلائی جاتی ہے مگر یہ وجہ قریب قیاس نہیں ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس میں ہر نوعیت کے کمالات بدرجۂ اتم رکھے گئے تھے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اذان دی یا نہیں؟ یہ مسئلہ حضرات محدثین کے درمیان مختلف فیہ ہے، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے "باب ماجاء فی الصلاة علی الدابة فی الطین والمطر" میں ایک روایت ذکر فرمائی ہے، اس میں ہے: فحضرت الصلوة فمطر السماء من فوقهم والبلة من أسفل منهم فأذن رسول الله ﷺ وهو علی

راحلته الخ اس روایت کی بنا پر علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ راجح قرار دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اذان دی، علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن سعید بن منصور کی ایک روایت کے حوالہ سے فرمایا کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خود اذان دینے کی صراحت موجود ہے، البتہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اذان نہ دینا ہی راجح ہے، اس صورت میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ چوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منصب امامت پر فائز تھے اس لیے یہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مناسب مقام تھا۔ هذا ما سنح لی والله اعلم بحقيقة الحال. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حالت جنابت میں اقامت کی صورتیں

سوال: جنبی شخص اقامت کہے تو اقامت نہیں لوٹائی جائے گی، اس کی صورت کیا ہوسکتی ہے، جب کہ جنبی کو مسجد میں داخل ہونا حرام ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کی مختلف صورتیں ممکن ہیں، مثلاً: گھر میں جماعت سے نماز ادا کی جارہی ہو، یا کسی کو اپنا جنبی ہونا یاد نہ رہا ہو اور مسجد میں داخل ہوکر اقامت کہہ دی، یا کوئی آدمی باوجود اپنا جنبی معلوم ہونے اور مسئلہ جاننے کے مسجد میں آگیا اور اقامت کہہ دی، بہت سے لوگ قصداً بھی تو فعل حرام کا ارتکاب کرتے ہی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/محرم الحرام ۱۴۱۲ھ

نومولود کے کان میں عورت کا اذان کہنا

سوال: کسی گھر یا ہاسپٹل یا کسی غیر آباد جگہ جنگل وغیرہ میں کوئی نومولود بچہ پیدا ہو، اور وہ جگہ ایسی ہے کہ اب وہاں کوئی مرد موجود نہیں ہے اور تلاش کے بعد ملنا بھی مشکل ہے، تو اب مولود کے کان میں عورت اذان دے سکتی ہے یا نہیں؟ اس کی کیا ہیئت رہے گی؟ نیز ولادت کے بعد اذان دینے میں زیادہ سے زیادہ کتنی دیر کی جاسکتی ہے؟ کیا کسی عربی کتاب میں اس کا حوالہ موجود ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی مرد موجود نہ ہو تو عورت کو یہ اذان واقامت کہنا درست ہے، نابالغ سمجھ دار بچہ بھی کہہ سکتا ہے، اگر کوئی نہ ہو تو بچہ کی ماں بھی کہہ سکتی ہے اگر وہ حالت نفاس میں نہ ہو، کسی وجہ سے اگر بعد ولادت بچہ کو غسل دے کر پاک صاف کر کے فوراً اذان نہ دی جاسکی تو بعد میں جب موقعہ میسر آئے دی جاسکتی ہے۔ (ماخوذ از فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۲۱۸، ۲۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

اذان میں ''اللہ اکبر'' متعدد بار کیوں؟

سوال: اذان میں اول چار مرتبہ اللہ اکبر اور بعد میں دو مرتبہ، اس کی وجہ کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کی حکمت نظر سے نہیں گذری، ممکن ہے کہ یہ وجہ ہو کہ شروع میں چار مرتبہ اللہ

اکبر کہلوا کر چاروں جہت میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعتراف واظہار ہو، اور آخر میں چوں کہ مضمون سابق کی تاکید مقصود ہے، اس لیے دو مرتبہ پر اکتفاء کیا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ شوال ۱۴۱۸ھ

اذان، اقامت، ادعیۂ ماثورہ میں قوانینِ تجوید کی رعایت

سوال: قوانین تجوید کی رعایت جیسے تلاوت قرآن پاک میں ضروری ہے تو کیا اذان واقامت، ادعیۂ ماثورہ میں بھی ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جن امور پر صحت ادا موقوف ہے اس کی رعایت تمام میں ضروری ہے، اکثر قواعد کا تعلق لغتِ عرب سے ہے۔ (کما قالہ العلامۃ انور شاہ فی فیض الباری) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اذانِ اوّل کے بعد تلاوتِ قرآن

سوال: ایک آدمی بروزِ جمعہ اذان اول کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے اس طور پر کہ سعی الی الجمعہ پر عمل ترک ہو رہا ہے تو اس طرح تلاوت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہر وہ عمل جو سعی کے منافی ہو اور اس سے سعی چھوٹ رہی ہو وہ چھوڑنا ضروری ہے چاہے وہ تلاوت ہی کیوں نہ ہو۔

وجب السعی إلیها وترك البیع بالأذان الأول (تنویر الابصار) (قوله وترك البیع) أراد به کل عمل ینافی السعی وخصه اتباعا للآیة نهر (شامی۱/ ٦٠٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ محرم ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

غیر مؤذن کا اقامت کہنا

سوال: مؤذن اذان دیتا ہے تو تکبیر دوسرا بول سکتا ہے یا نہیں؟ مؤذن سے اجازت لے کر تکبیر بولنے کا کہ موذن ہی تکبیر بول سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بول سکتا ہے۔

وفي الفتاوی الظهیریة: والأفضل أن یکون المقیم هو المؤذن ولو أقام غیره جاز. (بحر الرائق۱/ ۲۷۰ شامی۲/ ٦٤ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ٹیپ کی اذان ناکافی ہے

سوال: ٹیپ کی اذان کو ہر صلوٰۃ کے وقت لگا دیا جائے، تو درست اور کافی ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ٹیپ میں بند کی ہوئی اذان کو ہر نماز کا وقت آنے پر لگا دینا کافی نہیں ہے؛ اس لیے کہ اذان کا مقصود وقتِ نماز کے داخل ہونے کی خبر دینا ہے، اور یہ وہ خبر ہے جس کا تعلق

دیانت سے ہے، اور ایسی خبر کے معتبر اور مقبول ہونے کے لیے اسلام، عقل، بلوغ، عدالت وغیرہ کی ضرورت ہے، جو ٹیپ میں موجود نہیں ہے۔

أن المقصود الأصلي من الأذان في الشرع الاعلام بدخول أوقات الصلوٰة، ثم صار من شعار الاسلام في كل بلدة، أو ناحية من البلاد الواسعة على مامر، فمن حيث الاعلام بدخول الوقت، وقبول قوله لابد من الاسلام، والعقل، البلوغ، والعدالة الخ (شامی ۱/ ۲۹۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ڈاڑھی منڈے شخص کا اذان دینا

سوال: ① ایک صاحب کی عمر ۶۰/ سال سے زیادہ ہے، بغیر داڑھی اذان دیتے ہیں۔

② یہی صاحب کبھی کبھی نماز پڑھتے ہیں، فلم دیکھنے کا شوق بھی ہے؛ مگر مسجد کے ٹرسٹی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اور ہر جمعہ کو اذان دینے کا شوق ہے، جب کہ مسجد کے آس پاس کئی داڑھی والے رہتے ہیں۔ کیا یہ صاحب اذان دے سکتے ہیں؟ یہ صاحب ٹرسٹی بن سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① داڑھی منڈانے والے یا ایک مشت سے کم کرنے والے کی اذان واقامت مکروہ ہے؛ کیوں کہ داڑھی منڈانا حرام ہے اور اس کا مرتکب فاسق ہے۔

(آدابِ اذان واقامت، ص: ۹۸)

(۲) متولی عالم باعمل ہونا چاہیے، اگر ایسا میسر نہ ہو سکے تو صوم وصلوٰۃ کا پابند، امانت دار، مسائلِ وقف کا جاننے والا ہو، جس میں یہ صفات زیادہ ہوں اُسی کو متولی بنانا چاہیے۔ (فتاوٰی رحیمیہ ۲/۱۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اُملاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۳ر جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

باب مسائل الصفوف

افضل صف کونسی؟

سوال: نماز کی صفوں میں آگے پیچھے دائیں بائیں امام کے مقابل اور امام کے مقابل دائیں یا بائیں کھڑے ہونے میں ثواب کے اعتبار سے کچھ فرق ہے یا برابر ثواب ہے، اور دائیں طرف ہونے کا کون حقدار ہے ایک آدمی اپنے طاقت اور زور کی وجہ سے دائیں ہی طرف کھڑا ہونا چاہتا ہے تو یہ کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز کی صفوں میں پہلی صف سب سے افضل ہے، اور بعد کی صفوں کے مقابلہ میں اس میں زیادہ ثواب ہے، اور پہلی صف میں بھی جو شخص امام سے جتنا قریب ہوگا اس پر رحمت زیادہ اور پہلے متوجہ ہوتی ہے، اسی طرح دائیں کو بائیں پر فوقیت حاصل ہے۔

أفضل الصفوف أولها ثم الاقرب فالاقرب لما روى ان الله تعالى ينزل الرحمة اولا على الامام ثم تتجاوز عنه الى من يحاذيه فى الصف الاول ثم الى الميامن ثم الى المياسر ثم الى الصف الثانى الخ.(مراقى الفلاح ۱۶۸)

مسجد اور مجالس میں جو شخص پہلے آ کر اس جگہ پر بیٹھتا ہے وہی اس کا حقدار ہوتا ہے، اس کو وہاں سے اٹھانا اور اس کی جگہ بیٹھنا جائز نہیں ہے گناہ ہے حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نماز میں قدم سے قدم ملانا

سوال: غیر مقلد کہتے ہیں کہ قدم سے قدم ملانا نماز کے وقت ضروری ہے، اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی ہے، اور دلیل میں بخاری کا حوالہ دیتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے جن مسائل کو دریافت فرمایا ہے وہ معروف ہیں اور اس موضوع پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ - جو جامع ہے - وہ پیشِ خدمت ہے: ''حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی جو روایت ابوداؤد اور صحیح ابن خزیمہ کے حوالہ سے فتح الباری سے نقل کی گئی ہے، وہ صاف طور پر بتلا رہی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز شروع کرنے سے پہلے لوگوں کو صف سیدھی کرنے کا حکم فرمایا، اس وقت ہر شخص اپنے کندھے کو دوسرے کے کندھے سے اور ٹخنے کو دوسرے کے ٹخنے سے ملاتا تھا، اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ نماز شروع ہو جانے کے بعد نماز کے اندر بھی ٹخنوں کو ٹخنوں سے چپکانا چاہیے؟ کیوں کہ حدیث میں یہ نہیں ہے ''فرأیت الرجل

منا یلزق منکبه بمنکب صاحبه وکعبه بکعبه فی الصلوٰة" اگر فی الصلوٰة کا لفظ حدیث میں ہوتا تو اس وقت غیر مقلدین کا استدلال تام ہوسکتا تھا، اور اس کے بغیر استدلال تام نہیں، مطلب یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تسویۂ صف کا امر فرمایا، اس وقت محاذات اور برابری حاصل کرنے کے لیے کندھے کو کندھے اور ٹخنے کو ٹخنے سے ملا کر دیکھ لیا کرتے تھے کہ محاذات ہوگئی یا نہیں، باقی اس کا نماز میں باقی رکھنا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ دوسرے ہمارے نزدیک الزاق سے مجازاً محاذات مراد ہے، امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے "نیل الأوطار" میں حدیث تسویۃ الصفوف کا یہی مطلب بیان کیا ہے: أي إجعلوا بعضها حذاء بعض بحيث يكون منكب كل واحد من المصلين موازيا لمنكب الآخر، ومسامتاً له فتكون المناكب والأعناق والأقدام على سمت واحد اه (۳/٦٥)

امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے ظاہر ہے کہ صف برابر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ گردن اور قدم اور کندھا ہر نمازی کا دوسرے کے محاذی اور مقابل ایک سمت میں ہو، ٹخنوں کا چپکانا اس کے لیے ضروری نہیں، اس لیے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے قول "الزاق المنكب بالمنكب والقدم بالقدم" کو مبالغہ پر محمول فرمایا ہے۔ قال الحافظ: المراد بذلك المبالغة فی تعديل الصف (وتسويته) وسد خلله.اه (فتح الباری ۲/ ۱۷٦) جس سے صاف ظاہر ہے کہ اصل مقصود صف کا برابر کرنا اور درمیانی فرجات کو بند کرنا ہے، جس کو مبالغۃً الزاق القدم بالقدم سے تعبیر کر دیا گیا۔

علاوہ بریں اگر مان لیا جائے کہ الزاق قدم بالقدم شرعاً مطلوب ہے، تو سوال یہ ہے کہ یہ نماز کی ابتداء سے انتہاء تک ہر رکن میں مطلوب ہے یا بعض ارکان میں،

صورتِ اولیٰ میں بتلایا جائے کہ بحالتِ قعود الزاق کی کیا صورت ہوگی؟ اور صورتِ ثانیہ میں بعض ارکان کی تخصیص کس دلیل سے کی جائے گی؟ اگر یہ کہا جائے کہ بحالتِ قعود الزاق متعذر ہے اس لیے یہ حالت مستثنیٰ ہے، تو ہم کہیں گے کہ بحالتِ قیام بھی یہ الزاق آسان نہیں، اس سے نمازیوں کو قیام میں بہت دشواری ہوتی ہے، چناں چہ تجربہ کر کے دیکھ لیا جائے، پس اس الزاق کو ابتداءِ صلوۃ کے ساتھ خاص کرنا چاہیے؛ نیز فتح الباری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ صحابی کا یہ قول نقل کیا ہے: وزاد معمر فی روایته: ولو فعلت ذلك بأحدهم اليوم لنفر كانه بغل شموس. اه (۲/ ۱۷۶) ترجمہ: معمر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی روایت میں اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ اگر میں آج کل کسی کے ساتھ ایسا کروں (یعنی ٹخنے سے ٹخنا ملاؤں) تو وہ ایسا بھاگے گا جیسا سرکش خچر، اھ۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بعد وصالِ نبوی کے الزاق کعب بالکعب نہ کرتے تھے، اور یہ اس کی دلیل ہے کہ الزاق سنتِ مقصودہ نہیں ہے، ورنہ صحابہ کسی کی نفرت کی وجہ سے اس کو ہرگز ترک نہ کر سکتے تھے، اور نیز نفرت اس فعل سے ہوا کرتی ہے جو عام طور پر نماز میں نہ کیا جاتا ہو، اور جو فعل عام طور پر سب کرتے ہیں اس سے نفرت نہیں ہوا کرتی، پس اگر یہ الزاق سنتِ مقصودہ ہوتا تو سب صحابہ عام طور سے اس پر عمل کرتے، اور تابعین ان کے عملِ دائم وعام کو دیکھ کر سمجھ جاتے کہ یہ سنتِ صلوٰۃ ہے، پھر کسی کو کسی کے الزاق کعب سے نفرت ہونے کی کیا وجہ تھی؟ پس حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اس قول سے جیسا یہ معلوم ہوا کہ وہ لوگوں کی نفرت کے خیال سے الزاق نہ کرتے تھے، ایسے ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ فعل صحابہ اور تابعین میں عموماً متروک تھا، اور یہ دلیل ہے اس فعل کے سنتِ مقصودہ نہ ہونے کی، یہی وجہ ہے کہ احادیث قولیہ میں

الزاق کعب کا امر کہیں وارد نہیں۔ (کما أدّی الیه نظری) بلکہ حضور ﷺ کے اقوال میں "حاذوا بالمناکب وسدوا الخلل وتراصوا" وأمثالها وارد ہیں، حضور ﷺ نے محاذات وفرجات بند کرنے اور مل کر کھڑے ہونے کا امر فرمایا، الزاق کعب وغیرہ یہ صرف صحابہ سے فعلاً منقول ہے، جس کا حاصل یہ ہوا کہ صحابہ نے حضور ﷺ کے ارشادات پر مبالغہ کے ساتھ عمل کرنے کے لیے بعض دفعہ الزاق کیا، اور وہ بھی نماز شروع کرنے سے پہلے جیسا کہ ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔" (امداد الاحکام ۱/۱۹۷ تا ۱۹۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

نمازی کے سامنے سے گذرنے کی حد

سوال: مسجدِ صغیر وکبیر کی فقہاء نے کیا تحدید بیان کی ہے، یعنی مرور بین یدی المصلی کے مسئلہ میں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اتنی چھوٹی مسجد یا کمرہ یا صحن میں نماز پڑھ رہا ہو کہ اس کا کل رقبہ چالیس ہاتھ ۳۶ء۸/ مربع میٹر سے کم ہے، تو نمازی کے سامنے سے گزرنا مطلقاً ناجائز ہے، خواہ قریب سے گزرے یا دور سے؛ بہرحال گناہ ہے؛ البتہ اگر کھلی فضاء میں یا ۳۶ء۸/ مربع میٹر یا اس سے بڑی مسجد یا بڑے کمرے میں یا بڑے صحن میں نماز پڑھ رہا ہے، تو سجدہ کی جگہ پر نظر جمانے سے آگے جہاں تک بالتبع نظر پہنچتی ہو وہاں تک گزرنا جائز نہیں، اس سے ہٹ کر گزرنا جائز ہے، بندہ نے اس کا اندازہ لگایا تو سجدہ کی جگہ سے

ایک صف کے قریب ہوا؛ لہٰذا نمازی کے موضع قیام سے دو صف کی مقدار (تقریباً آٹھ فٹ ۴۴ء۲ / میٹر چھوڑ کر گزرنا جائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۳/ ۴۰۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نمازی کے آگے سے گزرنے اور ہٹنے میں فرق

سوال: نمازی کے آگے سے گزرنے کی اجازت کہاں سے ہوسکتی ہے؟ اگر مسجد بڑی ہو تو نمازی کے کتنے فاصلے کے بعد آگے سے گزرنے کی اجازت ہے؟ اور اگر مسجد چھوٹی ہو تو کتنے فاصلے کے بعد گزر جائے؟ نمازی کے آگے سے ہٹنے اور گزرنے کا فرق بھی تفصیل سے بیان کریں۔ گزرنے والا وعید میں کب داخل ہوسکتا ہے اور کب نہیں؟ اس کو بھی بتائیں تو عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اتنی چھوٹی مسجد یا کمرہ یا صحن میں نماز پڑھ رہا ہو کہ اُس کا کُل رقبہ چالیس ہاتھ ۳۶ء۸ / مربع میٹر سے کم ہے، تو نمازی کے سامنے سے گزرنا مطلقاً ناجائز ہے، خواہ قریب سے گزرے یا دور سے گزرے، بہرحال گناہ ہے؛ البتہ اگر کھلی فضاء میں ۳۶ء۸ مربع میٹر یا اس سے بڑی مسجد یا بڑے یا بڑے صحن میں نماز پڑھ رہا ہے، تو سجدہ کی جگہ پر نظر جمانے سے آگے جہاں تک بالتبع نظر پہنچتی ہو وہاں تک گزرنا جائز نہیں، اس سے ہٹ کر گزرنا جائز ہے۔ بندہ نے اس کا اندازہ لگایا تو سجدہ کی جگہ سے ایک صف کے قریب ہوا؛ لہٰذا نمازی کے موضع قیام سے دو صف کی مقدار تقریباً آٹھ فٹ ۴۴ء۲

میٹر چھوڑ کر گزرنا جائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۳/۴۰۹)

اگر کوئی آدمی مصلی کے عین سامنے بیٹھا ہو تو وہ اٹھ کر جا سکتا ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۲/۴۰۸)

اس کو اٹھنا یا ہٹنا کہا جاتا ہے، گزرنا نہیں، گزرنے کا مفہوم یہ ہے کہ نماز کی ایک جانب سے دوسری جانب اس کے سامنے ہو کر جانا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

صف اول کا مطلب اور امام کے جانبین بچوں کو کھڑا رکھنا

سوال : ایک چھوٹی سی مسجد ہے جہاں صرف تین صف کی جگہ ہے، اگر امام صاحب والی صف کو چھوڑ دیا جائے تو صرف دو صف کی جگہ ہے، اور اس صورت میں امام صاحب کے پیچھے والی صف صف اول کہلائے گی، اور اس مسجد میں گاؤں کے بچے بچیوں کی تعلیم و تربیت یعنی درس قرآن بھی ہوتا ہے، تو مسئلہ زیر طلب یہ ہے کہ جس صف میں امام صاحب ٹھہرتے ہیں امام صاحب کے دونوں بازو میں (دونوں جانب) قرآن سیکھنے والے طلبا ٹھہرتے ہیں، اور صف اول میں یعنی امام صاحب سے لگ کر پیچھے صف میں بڑے لوگ ٹھہرتے ہیں، اور پھر آخری صف میں بچے بچیاں ٹھہرتے ہیں؛ کیوں کہ نمازی کی تعداد بہت کم رہتی ہے، چند ہی آیا کرتے ہیں، تو اس صورت میں نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ اور کیا ایسا ٹھہرانا مکروہ ہے جب کہ تربیت کا معاملہ ہے اور جگہ کی تنگی کا سوال بھی ہے؟ اور پھر بڑوں کی صف کے اندر کوئی بچہ بھی نہیں ٹھہرتا ہے؛ لہٰذا بالتفصیل بہ حوالہ جواب تحریر فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

نوٹ: یہ صرف وقت مغرب کا سوال ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے امام والی صف کو صف اول کیوں نہیں سمجھا؟ یہ سمجھ میں نہیں آیا، حقیقت یہ ہے کہ جہاں کتب فقہ میں یہ لکھا ہے کہ: امام کے پیچھے جو ہے وہ صف اول ہے، اس کا مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ وہ صف دیگر مقتدیوں کے پیچھے نہ ہو؛ اس لیے آپ نے جو سمجھا ہے وہ درست نہیں ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے صف اول پر بحث فرماتے ہوئے آخر میں لکھا ہے: ویؤخذ من تعریف الصف الأول بما هو خلف الإمام أي: لاخلف مقتد آخر (شامی ۱/۳۸۳، نعمانیہ دیوبند)

صورت مسئولہ میں امام صاحب کے برابر میں دائیں بائیں صف بنا کر جو بچے کھڑے کیے جاتے ہیں، وہی صف اول ہے، آپ کو چاہیے کہ بچوں کی صف آخر میں بنائیں۔

درمختار میں ہے: ویصف أي یصفهم الإمام بأن یأمرهم بذلك .... الرجال، ثم الصبیان، ظاهره تعددهم فلو واحد دخل الصف .

(درعلیٰ هامش الشامیه ۱/۳۸۱، ۳۸۲)

البتہ اگر بچہ ایک ہی ہو تو اس کو بڑوں کی صف میں کھڑا کیا جائے۔ اگر قرآن سیکھنے والے طلبا بالغ ہیں تو ان کو امام کے دائیں بائیں کھڑا کیا جاسکتا ہے؛ لیکن اس صورت میں یہ صف ان کے لیے خاص نہیں قرار دی جاسکتی، کہ ایسا کرنے سے دوسرے لوگوں کو صف اول سے محروم کرنا لازم آتا ہے، کوئی آکر اس میں پہلے سے شامل ہو گیا تو اس کو وہاں سے ہٹانا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

محراب حائل ہو تو پہلی صف کونسی شمار ہوگی؟

سوال: اکثر مسجدوں میں منبر محراب سے باہر ہوتا ہے، جس کے حائل ہونے کی وجہ سے جمعہ کے روز پہلی صف منقطع ہوجاتی ہے، تو اس صورت میں وہ صف پہلی صف شمار ہوگی؟ اس میں کھڑا رہنے والا صف اول کا ثواب پائے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وہ پہلی صف شمار ہوگی۔

فلاينقطع الصف ببنائها كما لاينقطع بالمنبر الذي هو داخلها فيما يظهر. (شامی ۱/۴۲۱)

جب وہ پہلی صف ہے تو اس میں کھڑے رہنے والے کو صف اول کا ثواب بھی ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

صفوں کی درستگی کے دو طریقے

سوال: عرض یہ ہے کہ تبلیغی اجتماع کے موقعہ پر نماز سے کچھ پہلے صفیں درست کروائی جاتی ہیں، پھر اقامت کہی جاتی ہے تو یہ طریق اقامت کے موضوع لہ کے خلاف ہے، اگر دوسرا طریق اختیار کیا جائے کہ پہلے اقامت کہہ دی جائے، پھر صفیں درست کروائی جائیں، تو تکبیر تحریمہ اور اقامت کے درمیان فصل طویل ہوجاتا ہے، جو محمود نہیں ہے؛ لہٰذا ایسے طریق کی طرف رہنمائی فرمائیں جس میں دونوں پہلو کی رعایت ہوجائے؛ نیز یہ کہ دور نبوی یا دور صحابہ میں مصلی حضرات کی کثرت کے باوجود

اس صورت کی نظیر ملتی ہے یا نہیں جو تبلیغی اجتماع کے موقعہ پر تسویۂ صفوف کے لیے اختیار کی جاتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے صفوں کی درستگی کے سلسلہ میں جن دو طریقوں کا تذکرہ اپنے سوال میں کیا ہے، شرعاً دونوں بلا کراہت درست ہیں۔

پہلے طریقہ کے متعلق ''عمدۃ الفقہ'' میں ہے: صفیں سیدھی کرنے کے لیے تکبیر شروع کرنے سے پہلے سب مقتدیوں کا کھڑا ہونا جائز ہے، اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اس لیے کہ عوام الناس کی سستی اور اہتمام کی کمی کے باعث حی علی الفلاح پر کھڑا ہونے سے امام کی تحریمہ کے وقت تک صفیں سیدھی نہیں ہوتیں؛ بلکہ پہلے کھڑے ہونے پر بھی دیر لگاتے ہیں، اس طرح اقامت اور امام کے تحریمہ (نیت باندھنے) میں فاصلہ ہوجاتا ہے یا پھر امام نیت باندھ لیتا ہے، اور لوگ صفیں سیدھی کرنے کے لیے کہتے رہتے ہیں جس سے لوگوں کو نیت باندھنے میں الجھنیں ہوتی ہے؛ پس اس ضرورت کی وجہ سے افضل وراجح یہ ہے کہ تکبیر (اقامت) شروع ہونے سے پہلے کھڑے ہوکر صفیں سیدھی کرلی جائیں۔ (عمدۃ الفقہ ۲/۳۵)

دوسرے طریقہ کے متعلق فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: صفوں کو درست کرنے کے لیے اگر کسی شخص کو مقرر کرنے کی ضرورت محسوس ہو تو امام کسی کو بھی مقرر کرسکتا ہے اور صفوں کی درستگی تک نماز شروع کرنے میں تاخیر کرسکتا ہے۔

ترمذی شریف میں ہے: روی عن عمر أنه كان يؤكل رجلاً باقامة الصفوف،

ولا یکبر حتی یخبر أن الصفوف قداستوت وروي عن علی و عثمان انهما کانا یتعاهدان ذلك ویقولان استووا. (ترمذی، باب ماجاء فی اقامة الصفوف ۱/ ۳۱) یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صفیں درست کرنے کے لیے ایک شخص کو مقرر کیا تھا اور جب تک آپ کو صفیں درست ہونے کی خبر نہ دی جاتی آپ تکبیر تحریمہ نہ کہتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ کا بھی یہی معمول تھا، اور فرماتے: "استووا" سیدھے کھڑے رہو۔

موطا امام مالک میں روایت ہے: مالك عن ابی النضر مولی عمر بن عبیدالله عن مالك بن ابی عامر أن عثمان بن عفان کان یقول فی خطبته قل مایدع ذلك اذاخطب: إذا قام الامام یخطب یوم الجمعة فاستمعوا وانصتوا، فان للمنصت الذی لایسمع من الحظ مثل ما للمنصت السامع، فاذا قامت الصلاة فاعدلوا الصفوف، وحاذوا بالمناکب، فان اعتدال الصفوف من تمام الصلوة ثم لایکبرحتی یاتیه رجال قد وکلهم بتسویة الصفوف فیخبرونه ان قداستوت، فیکبر

(مؤطا امام مالك، ماجاء فی انصات یوم الجمعة والامام یخطب ص:۳٦)

یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اکثر اپنے خطبہ میں ارشاد فرماتے: جب امام جمعہ کے دن خطبہ دے تو غور سے سنو اور خاموش رہو، جس کو خطبہ سنائی نہ دے اور وہ خاموش رہے تو اسے خطبہ سننے والے کے مثل ثواب ملتا ہے، جب نماز کھڑی ہو جائے تو صفیں درست کرو، اور کندھے برابر رکھو (یعنی کوئی بلند جگہ کھڑا نہ رہے؛ بلکہ برابر جگہ پر کھڑا رہے؛ تاکہ کندھے برابر رہیں) صفوں کی درستگی نماز کی تمامی میں سے ہے۔ ثم یکبر: آپ نے جن لوگوں کو صفیں درست کرنے کے لیے مقرر کر رکھا تھا جب وہ آپ کو صفیں درست ہونے کی اطلاع دیتے اس وقت آپ تکبیر تحریمہ کہتے۔ (فتاوی رحیمیہ ۸/ ۱۰۰، ۱۰۱)

اس دوسری صورت کے متعلق آپ نے فصل طویل ہونے کا جو اشکال لکھا ہے وہ قابل اعتناء نہیں، اولاً تو اس لیے کہ آج کل لاؤڈ سپیکر کی وجہ سے مکبر کی آواز آخری صفوف تک شروع ہی سے پہنچ جاتی ہے، اذان تو پہلے ہی ہو چکی ہے اور لوگ نماز کے لیے تیار بیٹھے ہیں، ایسی حالت میں اقامت شروع ہونے کے بعد صفوف کی درستگی میں چند منٹ لگتے ہیں، جن کو فصل طویل سے تعبیر کرنا درست نہیں۔

ثانیاً مندرجۂ بالا احادیث میں جب اس بات کی صراحت ہے کہ تسویۂ صفوف کے لیے مقرر کیے گئے حضرات جب یہ اطلاع دیتے کہ صفیں درست ہو گئیں ہیں، اس کے بعد نماز شروع کی جاتی تھی، ظاہر ہے مجمع اتنا بڑا ہوگا کہ ان کو صفوں کی درستگی کے لیے متوجہ کرنے اور تاکید کرنے کے واسطے امام کی آواز کافی نہیں ہوتی ہوگی، تب ہی تو پیچھے تک آدمی بھیجے جاتے تھے، ظاہر ہے یہ حضرات جب آکر اطلاع دیں گے تو اس صورت میں جو فصل ہوا ہوگا وہ یقیناً صورت مسؤلہ میں ہونے والے فصل سے زیادہ ہی ہوتا ہوگا۔

ثالثاً اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ صورت مسؤلہ میں ہونے والا فصل احادیث میں وارد شدہ صورتوں میں ہونے والے فصل سے زیادہ ہے، تب بھی تسویۂ صفوف - جو نماز باجماعت کا ایک اہم جزو ہے - اس کے لیے اس کی اجازت ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اقامت اور نماز کو شروع کرنے کے درمیان فصل کے بوقت ضرورت جائز ہونے کو بتلانے کے لیے اپنی کتاب "الجامع الصحیح" میں چند ابواب قائم کئے ہیں؛ چناں چہ ایک باب میں ہے۔ إذا قال الامام مکانکم حتی یرجع انتظروہ۔ اس میں جو روایت پیش کی ہے، اس سے اگلے والے باب میں بھی اسی روایت کو لائے ہیں، روایت ملاحظہ ہو:

عن ابی هریرة أن رسول اللهﷺ خرج، وقد اقیمت الصلاة وعدلت الصفوف؛ حتی اذا قام فی الصلاة انتظرنا ان یکبر انصرف، قال:علی مکانکم، فمکثنا علی هیئتناحتی خرج الیناینطف رأسه ماء وقد اغتسل.

(فتح الباری۲ /۱۲۱)

اس روایت سے مستنبط ہونے والے مسائل کو بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

و(فیه) جواز الفصل بین الاقامة والصلوة (فتح الباری ۲ /۱۲۲)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ اسی روایت کے ماتحت "ومما یستفاد من هذا الحدیث" کا عنوان قائم کرکے تحریر فرماتے ہیں:

وجواز الفصل بین الاقامة والصلوة(عینی شرح بخاری ۵/ ۱۵۶)

دوسرا واقعہ ملاحظہ کیجئے:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ باب قائم کرتے ہیں:"باب الامام تعرض له الحاجة بعد الاقامة" اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت پیش فرماتے ہیں:

أقیمت الصلوة والنبیﷺ یناجی رجلاً فی جانب المسجد فقام الی الصلاة حتی نام القوم.

اس روایت میں صراحت ہے کہ نماز کی اقامت کہی جانے کے بعد نبی کریم ﷺ ایک آدمی کے ساتھ سرگوشی میں مشغول ہوئے؛ یہاں تک کہ لوگ سو گئے، یہ واقعہ چوں کہ عشاء کی نماز میں پیش آیا تھا، اس لیے سوجانے والی صورت بھی پیش آئی۔

"فتح الباری" میں اسی روایت کے ماتحت ہے:وفیه جوا ز الفصل بین

الاقامة والاحرام إذا كان لحاجة، أما اذا كان لغير حاجة، فهو مكروه (۲/ ۱۲٤)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس روایت کے بعد اس سے مستفاد مسائل کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: وفيه جواز الفصل بين الاقامة والاحرام للضرورة (۵/ ۱۵۸)

بہر حال تسویہ صفوف کی ضرورت کے پیش نظر ہونے والے فصل پر کوئی اشکال نہیں، اور نہ ہی اس کو غیر محمود کہا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جگہ کی تنگی کی وجہ سے ترچھی صفوں کی گنجائش کی حد

سوال: شہر بمبئی کے ایک گنجان آبادی والے علاقے میں ہم احباب نے ایک جگہ مسجد کے لیے خریدی ہے، پہلے سے تعمیر شدہ اس جگہ کی دیواریں بالکل قبلہ رخ نہیں ہیں، صفوں کو اگر بالکل قبلہ رخ رکھیں تو آگے پیچھے کافی جگہ چھوٹ جاتی ہے، اور بہت کم جگہ نمازیوں کے لیے نکلتی ہے، اس کے برخلاف اگر صفوں کو تھوڑا ترچھا کر دیں، تو کافی جگہ نکلتی ہے، کیا نمازیوں کی تعداد اور گنجان مسلم آبادی کا لحاظ رکھتے ہوئے اس طرح صفوں کو ترچھا رکھنے کی شرعاً اجازت ہے؟ اگر یہ رعایت ہے تو صفوں کو دائیں یا بائیں جانب کتنی ڈگری تک ترچھا رکھا جا سکتا ہے، اور کیا اہلِ ہند کے لیے عین قبلہ کی جانب رخ کرنے کے بجائے صرف سمتِ قبلہ کی طرف رخ کرنے سے استقبال قبلہ ہو جائے گا؟ دور جدید کے رصدی آلات اور جدید قواعدِ ریاضی سے عین قبلہ رخ کا تعین کرنا کس حد تک صحیح اور درست ہے؟ بصورت دیگر استقبال قبلہ کس طرح کیا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو شخص بیت اللہ شریف کے سامنے ہو، اس کے لیے عین کعبہ کا استقبال فرض ہے، اور جو اس سے غائب ہے، اس کے ذمہ جہت قبلہ کا استقبال ہے، عین کعبہ کا نہیں۔

كما في البدائع وتعتبر الجهة دون العين، وكذا ذكر الكرخي والرازي، وهو قول عامة مشائخنا بماوراء النهر (بدائع ۱/ ۱۱۸) ومثله في الهداية وعامة المتون والشروح. (جواہر الفقہ ۱/ ۲۵۳)

پھر جہت قبلہ کے استقبال کے معنی یہ ہیں کہ ایک خط جو کعبہ پر گذرتا ہوا جنوب وشمال پر منتہی ہوجائے، اور نمازی کے وسطِ جبہہ (درمیانی پیشانی) سے ایک خط مستقیم نکل کر اس پہلے خط سے اس طرح تقاطع کرے کہ اس سے موضع تقاطع پر دو زاویہ قائمہ پیدا ہوجاویں، وہ قبلہ مستقیم ہے، اور اگر نمازی اتنا منحرف ہو کہ وسط جبہہ سے نکلنے والا خط تقاطع کر کے زاویہ قائمہ پیدا نہ کرے؛ بلکہ حادہ یا منفرجہ پیدا کرے؛ لیکن وسط جبہہ کو چھوڑ کر پیشانی کے اطراف میں کسی طرف سے نکلنے والا خط زاویہ قائمہ پیدا کردے، تو وہ انحراف قلیل ہے اس سے نماز صحیح ہوجاوے گی اور اگر پیشانی کی کسی طرف سے بھی ایسا خط نہ نکل سکے جو خطِ مذکور پر زاویہ قائمہ پیدا کردے، تو وہ انحراف کثیر ہے، اس سے نماز نہ ہوگی۔ (ایضاً ۱/ ۲۵۴)

سمتِ قبلہ میں آلاتِ رصدیہ اور حسابات ریاضیہ سے کام لینا سلف کا طریقہ نہیں تھا، اور نہ شریعت نے اس کا امر کیا ہے، اور نہ کسی حال میں اس کی ضرورت ہے؛ بلکہ طریقہ معروفہ سلف کا یہ ہے کہ جن بلاد میں مساجدِ قدیمہ موجود ہوں، ان کا اتباع کیا جائے، جہاں نہ ہوں وہاں مشہور ومعروف ستاروں اور دوسرے آثارِ جلیہ سے کام لے

کر اندازہ قائم کر کے جہت متعین کر لی جاوے۔ بڑی وجہ ان آلات اور حسابات کے استعمال نہ کرنے کی تو یہی ہے کہ یہ چیزیں اتنی عام نہیں ہیں کہ ہر شخص کو ہر جگہ میسر آسکیں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ درجہ ان آلات وحسابات کا بھی تخمینہ وتحری اور اندازہ اور اٹکل سے زائد نہیں، جس طرح تحری واندازہ میں خطا ہوسکتی ہے، ان آلات وحسابات میں بھی خطا ہوجانا ممکن؛ بلکہ واقع ہے..... جب کہ حساباتِ ریاضیہ اور آلاتِ رصدیہ کا انجام وہی غلبۂ ظن بامارات وعلامات ہے، اور احتمالِ خطا وصواب اس میں بھی یکساں، تو سادہ سہل طریقۂ سلف کو کیوں چھوڑا جائے۔ (ایضاً ۱/ ۲۶۷، ۲۶۸)

بلادِ ہندوستان میں سہل اور احوط طریق سمتِ قبلہ معلوم ہونے کا یہ ہے کہ موسم گرما کے سب سے بڑے دن (یعنی ۲۲/ جون) اور اسی طرح سرما کے سب سے چھوٹے دن (یعنی ۲۲/ دسمبر) میں غروب شمس کا موقع دیکھا جائے، قبلہ ان دونوں موقعوں کے درمیان ہوگا، یعنی ان دونوں موقعوں کے درمیان درمیان جس نقطہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاوے گی، صحیح ہوجائے گی۔ (ایضاً ۱/ ۲۶۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

امام اور منبر کے درمیان ایک مصلی کی جگہ خالی رکھنا

سوال: امام اور منبر کے درمیان بقدر ایک مصلی کے کھڑے رہنے کی جگہ خالی رہتی ہے، اب کوئی شخص اس جگہ میں کھڑا ہولے، تو صف میں شمار ہوگا یا نہیں؟ نیز اس کے کھڑے رہنے سے نماز میں کوئی کراہت تو نہیں آئے گی؟ اور اگر وہاں کوئی بھی کھڑا نہ

رہے، تو صف میں جگہ خالی رہنے کی کراہت تو نہیں آئیگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پہلی صف کا آگے بڑھ جانا اس طرح پر کہ مقتدی امام کے پیچھے سجدہ نہ کرسکیں، مکروہ تحریمی ہے؛ البتہ اگر پیچھے جماعت خانہ میں یا برآمدہ اور صحن میں بھی جگہ نہ ہو، یا اگر ہو تو بارش یا شدید دھوپ کی وجہ سے کھڑا رہنا دشوار ہو، تو پھر کراہت نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۳/۴۵)

اور ایسی صورت میں امام اور منبر کے درمیان جو جگہ رہتی ہے، جس میں ایک آدمی کھڑا رہ سکتا ہے، اس کو خالی نہ رکھا جائے؛ بلکہ اگر امام کے ذرہ کھسکنے کی وجہ سے وہاں دو آدمیوں کی گنجائش ہوجاتی ہو، تو ایسا کرلیا جائے، ورنہ ایک آدمی ہی کھڑا رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/شوال ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

لوگوں کو پھلانگ کر پہلی صف پُر کرنا

سوال: (۱) اگلی صف میں جگہ بن سکتی ہے اور پیچھے کی ساری صفوں میں لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، ابھی جماعت میں کچھ دیر ہے، ایک شخص آیا اس نے صفوں کو چیر کر اگلی صف میں جگہ لے لی، تو اب سوال یہ ہے کہ آنے والا صف کو پھلانگنے کی بناء پر گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ نیز اس کو صف اول کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

دوسری صف میں نماز پڑھنے والے کو صف اول کا ثواب نہیں ملے گا

سوال: (۲) ایک شخص مسجد میں آیا پہلی صف میں جگہ تھی؛ مگر دوسری صف میں

بیٹھا ہے، بعد میں آنے والوں نے پہلی صف پُر کردی تو پہلے سے آنے والا جو دوسری صف میں ہے صف اول کا ثواب پائے گا یا نہیں؟

جلدی آنے پر پہلی صف کا ثواب

سوال: ③ ایک آدمی مسجد میں اذان سے ۱۵/منٹ پہلے آیا؛ مگر اتفاق سے مسجد بھری ہوئی تھی پچھلی صف میں جگہ ملی تو اس کو صف اول کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① پہلی صف میں جگہ ہے جس کو پیچھے والوں نے پُر نہیں کیا ہے، تو بعد میں آنے والا صفوف کو چیر کر وہاں جاسکتا ہے، اور وہ ایسا کرنے کی وجہ سے گنہگار نہیں ہوگا، اور پہلی صف کے ثواب کا بھی حق دار ہوگا۔

ولو وجد فرجة في الأول لا الثاني، له خرق الثاني لتقصيرهم (درمختار) (قوله لتقصيرهم) عن ابن عباس رضی الله عنهما عنه ﷺ من نظر إلى فرجة في صف فليسدها بنفسه، فإن لم يفعل فمرّ مارٌ فليتخط على رقبته فإنه لا حرمة له (شامی ۱/۴۲۲)

② پہلے آنے والا جس نے دوسری صف میں نماز پڑھی اس کو پہلی صف کا ثواب نہیں ملے گا؛ بلکہ مندرجۂ بالا عبارت سے تو مترشح ہوتا ہے کہ اس نے کوتاہی کی اس کی وجہ سے ممکن ہے گنہگار ہو۔

③ اس کو بھی پہلی صف کا ثواب نہیں ملے گا، پہلی صف میں نماز پر ملتا ہے جلدی آنے پر نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/۴/۱۴۱۷ھ

منبر کو توڑے بغیر صف اول

سوال: ایک مسجد جس میں سالہا سال سے منبر بن چکا ہے، خطبہ بھی اسی پر ہوتا ہے، اب جمعہ کے روز جم غفیر ہونے کی وجہ سے تنگی پڑتی ہے، اب اس پکے منبر کو منہدم کر کے لکڑی کا منبر بنایا جاسکتا ہے؟ تاکہ خطبہ کے بعد منبر کو ہٹالیا جائے، جس سے ایک صف کا اضافہ ہوجائے، اور بتائیں کہ دریں صورت صف اول کسے شمار کیا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس منبر کو توڑے بغیر بھی تو وہاں صف بن سکتی ہے، اور وہی صف اول کہلائے گی، صرف اتنا ہوگا کہ جس جگہ منبر ہے وہاں آدمی کھڑے نہیں رہ سکیں گے؛ لیکن اس کی وجہ سے وہ صف صف اول سے نکلے گی نہیں۔ شامی ۱/ ۴۲۱ میں اس پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ فتاوی رحیمیہ ۴/ ۳۳۶ کا بھی مطالعہ فرمالیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

پہلی صف کون سی ہے؟

سوال: بعض مسجدوں میں جگہ کی قلت کی وجہ سے امام کے قریب سے صف بنتی ہے کیا یہ پہلی صف ہوگی یا امام کے پیچھے مکمل ایک صف والی صف پہلی صف ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

امام کے قریب سے جو صف بنتی ہے وہ پہلی صف ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، یکم صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

قلت جگہ کی وجہ سے امام کے پیچھے ایک آدمی کھڑا رہ سکتا ہے

سوال: ریل گاڑی میں جگہ کی قلت کی وجہ سے دو سیٹوں کے درمیان میں آگے امام کھڑا رہے، اور برابر اس کے پیچھے ایک مقتدی کھڑا رہے تو درست ہے، یا اکیلے ہی نماز پڑھنا بہتر ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز درست ہوگی، اور اکیلے نہ پڑھیں بلکہ جماعت کر لینا چاہیے، عذر کی وجہ سے اکیلے آدمی کے لیے امام کے پیچھے کھڑے رہنے میں حرج نہیں ہے۔

لان قیام الواحد خلف الامام مکروہ تنزیہاً کما صرح فی الدر ۱ / ٤١٩ علی ھامش الشامی. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بچوں سے متعلق صفوف کے چند مسائل

محترم ومکرم جناب مفتی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام عرض ہے کہ میں بہت ہی مؤدبانہ التماس کے ساتھ مندرجہ ذیل سوالات آپ کی خدمت اقدس میں ارسال کر رہا ہوں، جن کے جوابات کی روشنی میں مسجد کے مصلی حضرات کی عمومی طور پر اور مسجد کے متولی حضرات کی خصوصی طور پر رہنمائی ممکن ہوگی۔ آپ کے جوابات کے لیے میں بلکہ سب کے سب مصلی بہت بہت ممنون اور مشکور

ہوں گے، دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی خصوصی رحمتوں اور برکتوں سے نوازے۔ آمین

سوال: ① عام طور پر کتنی عمر کے بچے (لڑکے) مسجد میں فرض نماز ادا کر سکتے ہیں؟

② فرض نماز کی ادائیگی کے لیے بچوں کی (لڑکوں کی) صف کہاں بنانی چاہیے؟

③ عام طور پر کتنی عمر کے بعد بچے، بڑوں کی صف میں شامل ہو سکتے ہیں؟

④ اگر چھوٹی عمر کے لڑکے بڑوں کے ساتھ صف میں شامل ہو جائیں تو کیا اس طرح بڑوں کی نماز ضائع ہو جائیگی؟ اگر واقعی اس طرح نماز ضائع ہوتی ہے تو کس حد تک؟

⑤ کوئی مصلی دیر سے آیا جماعت کھڑی ہو چکی تھی اس نے دیکھا کہ ایک چھوٹا بچہ بڑوں کی صف میں کھڑا نماز ادا کر رہا ہے۔ تو کیا وہ مصلی چھوٹے بچے کو کھینچ کر پیچھے کی قطار میں لا سکتا ہے؟

⑥ کیا کوئی والد یا نگہبان چھوٹے لڑکے کو پہلی صف میں یا اس کے بعد کی صف میں اپنے ساتھ کھڑا کر سکتا ہے؟ ایک عالم کی رائے کے مطابق ایسے کرنا کوئی مکروہ فعل نہیں۔

⑦ کیا یہ ایک مناسب دلیل ہے کہ بچوں کو بڑوں کے ساتھ صف میں کھڑا کیا جائے کیوں کہ جب ان کو الگ پچھلی صف میں کھڑا کیا جاتا ہے تو وہ شرارتیں کر کے بڑوں کی نماز میں مخل ہوتے ہیں اور ان کی توجہ کو بٹانے کا سبب بنتے ہیں؟

⑧ انتظامیہ کمیٹی یا امام صاحب کے لیے یہ کس حد تک ضروری ہے کہ وہ اس بات پر اصرار کریں کہ جماعت خانہ (مسجد) میں بچوں کی صف سب سے آخر میں بنائی جائے یا بڑوں کی صفوں کے بعد ایک یا دو قطاریں بچوں کے لیے مختص کر دی جائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ایسے بچے جو نماز اور وضو وغیرہ کی تمیز رکھتے ہیں، اور آداب مساجد سے واقف

ہوکر اس کی بجا آوری کی صلاحیت رکھتے ہوں ان کو مسجد میں لایا جاسکتا ہے، اور جو بچے نماز وضو وغیرہ کی تمیز نہیں رکھتے، اور آداب مسجد کی بجا آوری کی صلاحیت نہیں رکھتے ان کو مسجد میں لانا درست نہیں۔ (ماخوذ از احسن الفتاوی ۳/ ۲۸۰)

(۲) صفوں کی ترتیب یہ ہے کہ نابالغوں کی مستقل صف بالغین کی صف سے پیچھے ہو، وہ بالغین کی صف میں نہ کھڑے ہوں؛ البتہ اگر نابالغ تنہا ہو تو وہ بالغین کی صف میں ہی کھڑا ہوگا۔ (فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۲۹۷)

(۳) صفوں کی ترتیب میں شریعت نے بلوغ اور عدم بلوغ کو ملحوظ رکھا ہے، عمر کو ملحوظ نہیں رکھا، اگر لڑکا بالغ ہو تو وہ بڑوں کی صف میں شامل ہوگا۔

(۴) چھوٹی عمر کے لڑکوں کے بڑوں کے ساتھ شامل ہوجانے کی وجہ سے بڑوں کی نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (ماخوذ از فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۲۹۷) ایک بچہ ہونے کی صورت میں اس کو بڑوں کے ساتھ کھڑا کرنے کا حکم کتابوں میں صراحۃً موجود ہے، اگر نابالغ بچہ کے بڑوں کے ساتھ صف میں شامل ہونے سے بڑوں کی نماز خراب ہوجاتی تو یہ حکم نہ دیا جاتا۔

(۵) اگر ایک ہی چھوٹا بچہ بڑوں کی صف میں کھڑا ہوکر نماز ادا کر رہا ہے تو اس کا یہ عمل شرعاً درست ہے اس لیے کہ یہی حکم ہے۔ بعد میں آنے والا مصلی اس کو کھینچ کر پیچھے کیوں لائے گا؟

(۶) اگر چھوٹے بچوں کی صف مستقل بنی ہوئی ہے تو والد یا نگہبان کو ایسا کرنا مناسب نہیں؛ لیکن اس کے باوجود اس نے اپنے چھوٹے بچہ کو اپنے ساتھ پہلی یا اس کے بعد کی صف میں کھڑا کیا تو یہ گناہ نہیں۔

(۷) جی ہاں! ''احسن الفتاوی'' میں ہے: ''اگر صرف ایک ہی نابالغ لڑکا ہو تو اس کو

بالغوں کے ساتھ ہی کھڑا کیا جائے، اگر نابالغ لڑکے زیادہ ہوں تو ان کو پیچھے کھڑا کرنا مستحب ہے، واجب نہیں، مگر اس زمانہ میں لڑکوں کو مردوں کی صفوف ہی میں کھڑا کرنا چاہیے؛ کیوں کہ دو یا زیادہ لڑکے ایک جگہ جمع ہونے سے اپنی نماز خراب کرتے ہیں بلکہ بالغین کی نماز میں بھی خلل پیدا کرتے ہیں''۔

قال العلامة الرافعی رحمه الله تعالیٰ: (قوله ذكره فی البحر بحثاً) قال الرحمتی: ربما يتعين فی زماننا ادخال الصبيان فی صفوف الرجال لان المعهود منهم اذا اجتمع صبيان فاكثر تبطل صلوة بعضهم ببعض و ربما تعدّی ضررهم الی افساد صلوة الرجال انتهیٰ (التحرير المختار ۱/ ۷۳)

(از احسن الفتاوی ۳/ ۲۸۰)

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''جو بچے بالکل کم عمر ہوں ان کو تو مسجد میں لانا ہی جائز نہیں، نابالغ بچوں کے بارے میں اصل حکم تو یہی ہے کہ ان کی الگ صف بالغ مردوں کی صف سے پیچھے ہو لیکن آج کل بچے جمع ہو کر زیادہ اودھم مچاتے ہیں اس لیے مناسب یہی ہے کہ بچوں کو ان کے اعزہ اپنے برابر کھڑا کر لیا کریں، بچوں کو سمجھانا چاہیے اور پیار و محبت و شفقت سے ان کو نماز میں کھڑے ہونے کا طریقہ بتانا چاہیے، بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے سے چنداں فائدہ نہیں ہوتا''۔

مزید ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: ''اگر بچہ ایک ہو تو اس کو بالغ مردوں کی صف میں ہی کھڑا کیا جائے، اور اگر بچے زیادہ ہوں تو ان کی الگ صف بالغ مردوں سے پیچھے ہونی چاہیے، اور یہ حکم بطور وجوب نہیں، بطور استحباب ہے۔ تاہم اگر بچے اکھٹے ہو کر نماز میں گڑبڑ کرتے ہوں یا بڑا مجمع ہونے کی وجہ سے ان کے گم ہو جانے

کا اندیشہ ہو تو ان کو بڑوں کی صف میں کھڑا کرنا چاہیے تاکہ ان کی وجہ سے بڑوں کی نماز میں خلل نہ آئے، اور یہ حکم ان بچوں کا ہے جو نماز اور وضو کی تمیز رکھتے ہوں، ورنہ زیادہ چھوٹی عمر کے بچوں کو مسجد میں لانا جائز نہیں''۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲/ ۲۲۲)

⑧ اوپر کے جوابات میں اس کی تفصیل آچکی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ، ۱۰/ صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بچوں کو صف میں کہاں کھڑے کرے؟

سوال: ① (الف) مسجد میں کبھی کبھی ایک دو بچے مردوں کی صف کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں تو کیا ان کو مردوں کی صف میں دونوں کنارے کھڑا کر سکتے ہیں؟

(ب) ہمارے یہاں دیہات کی عیدگاہ میں نماز کی صف میں ہر آدمی اپنے اپنے بچوں کو (جن کی عمر ۳، ۴، ۵، ۶ تا ۱۳، ۱۴ سال ہوتی ہے) دائیں بائیں صف میں رکھتے ہیں، از ابتداء تا انتہاء تمام صفوں کی یہی حالت ہوتی ہے، بچوں کے لیے الگ سے صف نہیں لگتی اور نہ ہی کوئی شخص اپنے سے جدا صف کے دونوں کنارے کھڑا کرنے پر رضامند ہوتا ہے، شرعاً کیسا ہے؟ اور کیا کرنا چاہیے؟

بچوں کی صف کے آگے سے گزرنا

سوال: ② کیا نابالغ غیر عاقل بچے نماز پڑھ رہے ہوں تو ان کے آگے سے یہ سمجھ کر کہ ان پر نماز فرض نہیں ہے گزر سکتے ہیں، شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① الف: ایک ہی بچہ ہو تو اس کو بالغ مردوں کی صف میں کھڑا کیا جائے، اور اگر دو یا زیادہ ہیں تو بالغین کے پیچھے ان کی مستقل صف بنائی جائے۔

ب: شرعاً یہ درست نہیں، امام صاحب کو چاہیے کہ لوگوں کو مسائل سے واقف کریں اور اس کے مطابق عمل کی ترغیب دیں، ناسمجھ بچوں کو وہاں لانا بھی درست نہیں ہے۔

② جماعت کی اگلی صفوف کو پُر کرنے کی غرض سے اگر بچوں کی صف کے آگے سے گزرنا پڑے تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ ورنہ بلاضرورت ان کے آگے سے بھی نہ گزرے، یہ اس وقت ہے جب کہ وہ بچے نماز کی سمجھ بوجھ رکھتے ہوں، اور اگر وہ اتنے چھوٹے ہیں کہ نماز کی سمجھ بوجھ نہیں رکھتے تو چوں کہ وہاں نماز کا ہی تحقق نہیں اس لیے گزر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کیا امام کے لیے صفوں کی درستگی کا اعلان کرنا ضروری ہے؟

سوال: جب بہت سی صحیح روایات موجود ہیں پھر بھی ائمۂ صلاۃ نماز شروع کرنے سے قبل صفوں کے سیدھا کرنے کا حکم مقتدیوں کی طرف رخ کر کے کیوں نہیں دیتے؟ بعض حضرات مراقی الفلاح میں مکتوبہ مسئلہ ومن الأدب: شروع الإمام إلى إحرامه مذ قيل أي عند قول المقيم "قد قامت الصلاة" عندهما، وقال أبو يوسف: يشرع إذا فرغ من الإقامة وفي الطحطاوي: قوله: إذا فرغ من الإقامة أي بدون فصل سے استدلال کرتے ہیں، کہ تکبیر فوراً کہہ دینا چاہیے؟ کیا

حدیث کے مقابلے میں ان کا قیاس صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وفي الدر المختار:(ويصف) أي يصفهم الإمام بأن يأمرهم بذلك. قال الشمني: وينبغي أن يأمرهم بأن يتراصوا ويسدوا الخلل ويسووا مناكبهم ويقف وسطا.(درمختار علیٰ هامش الشامية ۱/۴۴۰)

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ امام کو چاہیے کہ صفوف کی درستگی کے سلسلے میں مقتدیوں کو ہدایت کرے، اور جب تک صفیں درست نہ ہوجائیں وہاں تک نماز شروع نہ کرے؛ البتہ اگر لوگ صفوں کی درستگی کے عادی بن چکے ہیں تو زبانی ہدایت کی ضرورت نہیں، جیسا کہ بعض روایاتِ حدیث سے مترشح ہوتا ہے؛ اس لیے ایسی مسجد میں جہاں مقتدی حضرات خود ہی صفیں درست کر لیتے ہیں وہاں پر اگر امام زبانی طور پر تسویۂ صفوف کی ہدایت نہیں کرتا، تو یہ کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں۔

وفي حديث النعمان بن بشير يقول كان رسول اللهﷺ يسوينا في الصفوف كما يقوم كالقدح، حتىٰ إذا ظن أنّ قد أخذنا ذاك عنه فقهنا أقبل ذات يوم بوجهه إذا رجل منتبذ بصدره إلخ. (سنن ابو داؤد:۵۶۷)

البتہ نماز شروع کرنے سے پہلے امام کو چاہیے کہ صفوں پر ایک نظر ڈال کر ان کے درست ہونے کا اطمینان حاصل کر لے، جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴ر رجب ۱۴۲۲ھ

باب الإمامة

امام اور مؤذن سے متعلق چند سوالات

سوال: ① کسی مسجد میں امام یا موذن رکھنے کے لیے شرعاً کیا طریقہ ہے؟ یعنی ان کو مقرر کرتے وقت اجرت اور کام کی نوعیت انہیں بتلادی جاوے یا گول مول بات کردی جائے؟ یا عرف میں جو کام کی ذمہ داری سمجھی جاتی ہے اسے ذکر کردیا جائے اور بعد میں بعض کاموں کی مزید ذمہ داری سونپ دی جائے جن کو یہ حضرات نہ کرسکے یا نہ کرنا چاہئے؟

② امام یا موذن اپنے نائب کتنے دنوں کے لیے مقرر کرسکتے ہیں؟ اگر وہ نائب مستقل امام یا موذن کے جیسی صلاحیت نہ رکھتا ہو؛ بلکہ اس کا پاسنگ بھی نہ ہو تو، کیا ایسے نائب مقرر کرکے جانا شرعاً درست ہے؟

③ اگر نئے امام یا موذن زیادہ صلاحیت کے حامل ہو یا مصلیان انہیں زیادہ پسند کرتے ہوں، تو کیا قدیم امام یا موذن کو منع کرکے نئے حضرات کو ہی جاری رکھا جاسکتا ہے؟ اس طرح امام یا موذن رخصت پوری ہونے کے بعد اپنے وعدہ کے مطابق حاضر نہ ہوسکیں تو کیا نئے امام یا موذن مقرر کرلینے میں شرعاً کوئی قباحت ہے؟

④ ایسے نائب امام یا موذن سے مصلیان ناراض ہوں تو کیا متولیان کو اس کا اختیار ہے کہ نائبین کو معطل کرکے نیا امام یا موذن رکھ دے؟ تعطیلات کے بعد مستقل امام یا موذن واپس آجائے تو کیا نئے امام یا موذن کو مستعفی کرکے انہیں دوبارہ اپنے اپنے عہدے پر مقرر کیا جاسکتا ہے؟

⑤ اگر امام یا موذن اپنے نائبین کو تنخواہ نہ دے یا اس میں کمی بیشی کردے تو کیا شرعاً ایسا کرنا جائز ہے؟ کیا اس معاملہ میں متولیان کو کچھ کہنے سننے کا شرعاً حق ہے؟ کہ آپ تو مثلاً ایک ہزار تنخواہ پاتے ہیں اور اپنے نائب کو صرف چھ سو روپے اور چار سو روپے اپنی جیب میں ڈال لیے، یہ کہاں کا انصاف ہے؟

⑥ کسی عذر کے سبب چند وقتوں کے لیے اگر امام یا موذن کسی شخص کو تاکید کردے کہ وہ ذمہ داری سنبھال لے، اور وہ شخص قبول بھی کرلے؛ لیکن بعد میں اپنی بے درکاری کے سبب یا کسی عذر کے سبب ذمہ داری کو نہ نباہ سکے، تو کیا ایسی صورت میں متولیان کو حق ہے کہ وہ امام یا موذن کو تنبیہ کردے؟ یا فوت شدہ وقتوں کی تنخواہ میں سے رقم کاٹ لے؟

⑦ امام یا موذن کی کسی غلطی پر متولیان اگر تنبیہ کرنا چاہیں تو کس طریقہ سے کرے؟ کیا ایک عام آدمی کی طرح ان حضرات سے گفتگو کی جائے گی یا شریعت میں اس کے لیے کوئی فرق مرتبہ ہے؟

⑧ وہ کون کون سی غلطیاں ہیں جن کے سبب متولیان کو امام یا موذن کو معطل کر دینے کا شرعی حق حاصل ہے؟ اگر کمیٹی میں دو متولیوں کی رائے معطل کی ہو اور وہ اپنی رائے میں بند ہوں؛ لیکن پانچ متولیان کی رائے اس کے خلاف ہو تو کن کا اعتبار ہے؟

⑨ وہ کون کون سے اعذار ہیں جن کے سبب متولیان کو امام و موذن پر تنخواہ کاٹنے کا حق حاصل ہے؟ نیز امام و موذن کے لیے جو تعطیلات اور رخصتیں شرعاً معتبر ہوں اور جن میں ان کی تنخواہ نہ کٹتی ہو اگر ان کی طرف نشاندہی فرمادی جائے تو تبرع ہوگا۔

⑩ امام یا موذن اپنی اپنی ملازمت سرکاری طور پر (گورنمنٹ میں) رجسٹرڈ

کروالے کہ انہیں بے جا طور پر کوئی ستا نہ سکے، اور نہ معمولی غلطی پر متولیان معطل کر سکے، تو آیا شرعاً ان کے لیے ایسا کرنے کی گنجائش ہے؟

⑪ فی زمانا اگر عمدہ اوصاف والا اور صحیح قرآن پاک پڑھنے والا امام یا موذن دستیاب نہ ہو سکے تو کیا موجودہ امام یا موذن کو عمدہ اوصاف اختیار کرنے اور صحیح قرآن پاک سیکھنے کے لیے ترغیب دی جائے یا مجبور کیا جائے؟ اگر رغبت دلانے سے اصلاح کی طرف توجہ نہ کرے تو کیا معطل کر دینے کی دھمکی دی جا سکتی ہے؟ اگر امام یا موذن کو کہنے والا کوئی نہ ہو یعنی کوئی نکیر نہ کرے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① کسی بھی آدمی کو کسی کام کے لیے اجرت پر مقرر کرتے وقت اجرت اور کام دونوں کی تعیین ضروری ہے، اس کے بغیر عقد اجارہ درست نہیں؛ البتہ تعیین کی ایک صورت تو یہ ہے کہ صاف صاف زبانی یا تحریری طور پر پوری تفصیل کے ساتھ بتلا دیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ صاف صاف تفصیل سے تو نہیں بتایا گیا؛ بلکہ اجمالی طور پر کہہ دیا گیا کہ فلاں ذمہ داری آپ کو نبھانی ہے، تو اس صورت میں اگر عرف میں اس ذمہ داری کے ماتحت آنے والے امور لوگوں کو معلوم اور متعین ہیں تو یہ بھی کافی ہے، اس صورت میں ایسے کام جو عام طور پر عرف میں اس ذمہ داری کے ماتحت سمجھے نہیں جاتے، وہ اس میں داخل نہیں ہوں گے۔

② عام طور پر نائب کا تقرر اپنی غیر حاضری میں اپنے فرائضِ مفوضہ کی انجام دہی کے لیے کیا جاتا ہے؛ اس لیے جتنے دنوں کے لیے وہ غیر حاضر رہنے والے ہوں اتنے

دنوں کے لیے نائب کا تقرر کیا جائے۔ رہی غیر حاضری تو اس کا مدار ذمہ داروں کی طرف سے امام کو دی جانے والی رخصت کے مطابق ہوگا۔ نائب کا تقرر فرائضِ مفوضہ کی انجام دہی کے لیے ہوتا ہے؛ اس لیے جس کو بھی نائب مقرر کیا جائے اس میں ان فرائض کی انجام دہی کی صلاحیت اور قابلیت ہونا کافی ہے، تمام کمالات اوصات اور خوبیوں میں نائب بنانے والے کا مساوی ہونا ضروری نہیں۔

(۳) مقرر کئے گئے نائب امام یا موذن سے مصلیوں کی ناراضگی کسی سببِ شرعی کی بنیاد پر ہو تو متولی حضرات اس نائب کو معطل کر کے کسی دوسرے لائق ایسے شخص کو جن کو مصلی پسند کرتے ہوں نائب مقرر کرلیں، چوں کہ مستقل امام کو ذمہ دار حضرات کی طرف سے معطل نہیں کیا گیا ہے؛ بلکہ رخصت دی گئی ہے اس لیے یہ تقرری مستقل طور پر نہ ہو؛ تاکہ مستقل امام یا موذن کی واپسی پر ان کو مستعفی کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے، ویسے بھی آج کل جن حضرات کو مستقل طور پر کسی کام کے لیے مقرر کیا جاتا ہے، ان کی بھی تقرری کے چند ماہ تک وقتی اور ہنگامی ہوتی ہے۔

(۴) قدیم امام یا موذن کو برخاست کرنے کے لیے عقدِ اجارہ کے اصول کے مطابق طریقہ اختیار کیا جائے، یعنی اگر یہ عقد مسانہۃً (یعنی سال بھر کے لیے) ہوا ہے تو درمیانِ سال اور اگر مشاھرۃً یعنی ماہ بھر کے لیے ہوا ہے تو درمیانِ ماہ ان کو برخاست نہ کیا جائے۔ امام یا موذن رخصت پوری ہونے کے بعد وعدہ کے مطابق حاضر نہ ہوں تو اس صورت میں عام طور پر عرف میں جتنی رعایت برتی جاتی ہے اتنی رعایت برتنی چاہیے۔ اس کے بعد نیا امام یا موذن مقرر کیا جاسکتا ہے۔ نیز اس کو برخاست کر کے نئے کی تقرری فتنہ کا موجب بن سکتی ہے، تو لوگوں میں فتنہ اور انتشار نہ ہو اس کا بھی خیال

رکھنا ضروری ہے۔

⑤ اگر امام یا موذن نے اپنے نائب کے لیے تنخواہ کا کوئی معیار مقرر کیا ہے تو وہ نائب اس مقررہ مقدار کا مستحق ہوگا، اور اگر کوئی مقدار مقرر نہیں کی تو اجرت مثل کا حقدار رہے گا، امام نے یہ معاملہ اپنے نائب کے ساتھ از خود طے کیا ہے، درمیان میں متولیان کو ڈالا نہیں گیا ہے، تو اس صورت میں مناسب یہی ہے کہ متولیان اس میں دخل اندازی نہ کریں۔

⑥ جی ہاں! متولیان کو تنبیہ کرنے کا نیز اگر امام پانچوں وقت کی نماز کے لیے مقرر کیا گیا تھا تو فوت شدہ وقتوں کی تنخواہ کاٹنے کا حق ہے۔

⑦ شریعتِ مطہرہ نے فرقِ مراتب کا تو حکم دیا ہی ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''أنزلوا الناس منازلهم'' نیز ارشاد نبوی ہے: ''اکرموا کریم کل قوم'' اور مثل مشہور ہے: ''گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی'' اس لیے ان کے مقام منصب اور مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے گفتگو کی جانی چاہیے۔

⑧ جن کوتاہیوں پر عقدِ اجارہ فسخ کیا جاسکتا ہے یا جن غلطیوں کی وجہ سے امام یا موذن کی اہلیتِ امام وتادنین مجروح ہوتی ہے، ان کی بنا پر معطل کیا جاسکتا ہے۔ معطل کے سلسلہ میں متولیان میں اختلاف ہو تو اگر شرعی دلیل سے کسی ایک کی تائید ہوتی ہے، تو اس کی بات کا اعتبار ہوگا؛ ورنہ دستور کے مطابق عمل ہوگا۔

⑨ بلا رخصت غیر حاضری کی صورت میں یا مفروضہ ذمہ داری کی عدمِ ادائیگی کی صورت میں تنخواہ کاٹی جاسکتی ہے۔ تعطیلات اور رخصتوں کا مدار عرف پر ہے۔

⑩ کیا یک طرفہ رجسٹری ممکن بھی ہے؟ نیز چوں کہ اس رجسٹری میں واقعی غلطی

کی صورت میں بھی معطلی دشوار ہوجاتی ہے؛ اس لیے ایسا کرنا درست نہیں ہے۔

(۱۱) موجودہ امام یا موذن اگر صحیح قرآن نہیں پڑھتا تو تصحیح کے لیے ترغیب دے کر آمادہ کیا جائے، اگر اس پر بھی آمادہ نہ ہو تو معطلی کی دھمکی دے کر بھی مجبور کیا جاسکتا ہے۔ فرائضِ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے پر تنبیہ کرنے کا کام متولیان کا ہے، مصلیان اگر یہ کام شروع کریں گے تو بدنظمی پیدا ہوگی؛ البتہ مصلیان ایسی کوتاہی سے متولیان کو آگاہ کریں کہ وہ حضرت تنبیہ ونکیر کا فریضہ انجام دیں؛ ورنہ دونوں گنہگار ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۵/رجب المرجب ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

امام کیسا ہونا چاہیے؟

سوال: نماز کی امامت کے لیے امام رکھنے کا کیا معیار ہے، اور اس کو امامت سے برطرفی کا کیا معیار ہے، ہمارے یہاں بدقسمتی ہے کم از کم تنخواہ والا امام چاہیے، اس کو قرآن پڑھنا صحیح آتا ہو یا نہ آتا ہو، رکھ لیا جاتا ہے، اور جب تک وہ اہل تبلیغ کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے، اس کو برقرار رکھا جاتا ہے، ورنہ اس کو برطرف کردیا جاتا ہے، لہٰذا امام کو رکھنے اور برطرف کرنے کا معیار کیا ہے؟ مطلع فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

امام عاقل، بالغ، صحیح العقیدہ، نماز سے متعلق احکام ومسائل سے واقف، صحیح طریقہ سے پڑھنے والا، دیندار ہونا چاہیے، حدیث شریف میں ہے، کہ اگر تمہیں یہ پسند ہے کہ

تمہاری نماز درجۂ مقبولیت کو پہنچے، تو تم میں جو بہتر اور نیک ہو، وہ تمہاری امامت کرے، کہ وہ تمہارے اور تمہارے پروردگار کے مابین قاصد ہے، فقہ کی مشہور کتاب ''نورالایضاح'' میں ہے، امامت کا زیادہ حقدار وہ ہے جو دین کے امور کا زیادہ جاننے والا (خصوصاً نماز سے متعلق مسائل سے سب سے زیادہ واقف) ہو، پھر وہ جو تجوید سے پڑھنے میں زیادہ ماہر ہو، پھر جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو، پھر وہ جو عمر میں بڑا ہو، پھر وہ جو اخلاق میں اچھا ہو، پھر وہ جو خوبصورت باوجاہت ہو، پھر وہ جو نسباً زیادہ شریف ہو، پھر وہ جس کی آواز اچھی ہو، پھر وہ جو زیادہ پاکیزہ کپڑے پہنتا ہو۔ (۸۲/۸۳)

الغرض جو شخص اس ترتیب کے بموجب ان اوصاف میں بڑھا ہوا ہوگا، وہ دوسرے مقابلہ میں امامت کا زیادہ حقدار ہوگا، اعلیٰ اور مستحق چھوڑ کر ادنیٰ کو امام بنانا غلط ہے، حدیث میں ہے، جب قوم کی امامت ایسا شخص کرے کہ اس کے پیچھے بہتر شخص موجود ہو تو وہ قوم ہمیشہ پستی میں رہے گی، دوسری حدیث میں ہے، کہ جو شخص کسی جماعت میں، کسی کام کی ذمہ داری، کسی شخص کے سپرد کردے، اور اس جماعت میں ایسا شخص موجود ہو، جو اس سے زیادہ اللہ کی رضامندی حاصل کرنے والا ہے، تو اس نے (اس غلط انتخاب سے) اللہ سے خیانت کی، رسول اللہ ﷺ سے خیانت کی، نیز تمام مسلمانوں سے خیانت کی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۱/۱۵۹، ۱۶۰ ملخصاً) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ر صفر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

امامت کو کورٹ کے ذریعہ رجسٹریشن کرالینا درست نہیں

سوال: ہمارے گاؤں کی مسجد میں امام صاحب اور مؤذن صاحب تقریباً بائیس

سال سے خدمت انجام دے رہے ہیں، اور ماشاء اللہ امام صاحب اور مؤذن صاحب کو اچھی تنخواہ بھی دی جارہی ہے، امام صاحب کو تقریباً دس ہزار، اور مؤذن صاحب کو چھ ہزار کے قریب تنخواہ دی جارہی ہے، امام صاحب سے بہت سے گاؤں والے ناراض ہیں، لہٰذا گاؤں والوں نے موجودہ امام کو رخصت کرکے دوسرے امام کو منصب امامت سونپنے کا ارادہ کیا تھا، کہ امام صاحب کو گاؤں والوں کا حال معلوم ہوا لہٰذا امام صاحب اور مؤذن صاحب دونوں نے سرکاری عدالت (کورٹ) کے چکر لگا کر، اور روپے خرچ کرکے اپنی امامت کو فکس اور مستقل کروالیا کہ گاؤں والے انہیں نکال نہ سکیں، اب گاؤں والے ان دونوں کو نکالنے کا ارادہ کرتے ہیں، تو امام صاحب پانچ لاکھ روپے کا مطالبہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چوں کہ میں اب مستقل امام ہوں، لہٰذا اگر تم نے روپے نہیں دیے تو ہمارا ہی خاندان کا کوئی فرد امام بنے گا، تو کیا امام صاحب کا مذکورہ معاملہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعتِ مطہرہ میں منصب امامت کے لیے کچھ اوصاف ضروری قرار دیے گئے ہیں، جس آدمی میں وہ اوصاف موجود ہوں وہ اس کا اہل سمجھا جاتا ہے، سرکاری رجسٹریشن اس کی بنیاد نہیں، چناں چہ فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: ''امام عاقل، بالغ، صحیح العقیدہ، نماز سے متعلق احکام ومسائل سے واقف، صحیح طریقہ سے پڑھنے والا، دیندار ہونا چاہیے، حدیث شریف میں ہے کہ اگر تمھیں یہ پسند ہے کہ تمہاری نماز درجۂ مقبولیت کو پہنچے تو تم میں جو بہتر اور نیک ہو وہ تمہاری امامت کرے، کہ وہ تمھارے اور

تمہارے پروردگار کے مابین قاصد ہے۔(شرح نقایہ ۱/۸۶)

دوسری حدیث میں ہے کہ تم میں سے جو بہتر ہو اس کو اپنا امام بناؤ؛ کیوں کہ وہ تمہارے اور تمہارے پروردگار کے درمیان ایلچی ہے۔(حوالۂ مذکورہ)

فقہ کی مشہور کتاب ''نورالایضاح'' میں ہے ''امامت کا زیادہ حق دار وہ ہے جو دین کے امور کا زیادہ جاننے والا (خصوصاً نماز سے متعلق مسائل سے سب سے زیادہ واقف) ہو، پھر وہ جو تجوید سے پڑھنے میں زیادہ ماہر ہو، پھر جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو، پھر وہ جو عمر میں بڑا ہو، پھر وہ جو اچھے اخلاق والا ہو، پھر وہ جو خوبصورت، باوجاہت ہو، پھر وہ جو نسباً زیادہ شریف ہو، پھر وہ جس کی آواز اچھی ہو، پھر وہ جو زیادہ پاکیزہ کپڑے پہنتا ہو۔(ص ۸۲، ۸۳)

الغرض جو شخص اس ترتیب کے بموجب ان اوصاف میں بڑھا ہوا ہوگا وہ دوسرے کے مقابلہ میں امامت کا زیادہ حق دار ہوگا، اعلیٰ اور مستحق کو چھوڑ کر ادنیٰ کو امام بنانا غلط ہے۔حدیث میں ہے:''اذا أم الرجل القوم و فيهم من هو خير منه لم يزالوا فی سفال''۔(فتاویٰ ابن تیمیہ ۱/۱۰۸)

جب قوم کی امامت ایسا شخص کرے کہ اس کے پیچھے بہتر شخص موجود ہے تو وہ قوم ہمیشہ پستی میں رہے گی۔(کہ قابل قدر کی قدر نہیں کر رہی)۔

دوسری ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی جماعت میں کسی کام کی ذمہ داری کسی شخص کے سپرد کردے، اور اس جماعت میں ایسا شخص موجود ہو جو اس سے زیادہ اللہ کی رضامندی حاصل کرنے والا، اور اللہ کے احکام کی زیادہ تعمیل کرنے والا ہے، تو اس نے (اس غلط انتخاب سے) اللہ سے خیانت کی، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کی؛ نیز تمام

مسلمانوں سے خیانت کی''۔(فتاوی ابن تیمیہ ۱/۱۰۸، فتاویٰ رحیمیہ ۱/۱۶۰،۱۵۹)

اس لیے امام صاحب کا اپنی امامت کو کورٹ کچہری کے ذریعہ رجسٹریشن کرالینا شرعاً درست نہیں؛ نیز امامت میں شرعاً وراثت بھی جاری نہیں ہوتی، اس لیے امام صاحب کا یوں کہنا کہ میرے بعد میرا لڑکا ہی امام بنے گا شرعاً درست نہیں، نیز ان کا منصب امامت سے ہٹنے کے لیے گاؤں والوں سے پانچ لاکھ روپیے کا مطالبہ شرعاً جائز نہیں، یہ ایک قسم کی رشوت ہے، جو ان کے لیے حرام ہے، ان کو امام مقرر کرتے وقت ان کے ساتھ امامت کا کام انجام دینے کے لیے عقدِ اجارہ کیا گیا تھا وہ شرعاً عقد اجارہ پر مرتب ہونے والے احکام کے پابند ہیں۔ رہا گاؤں والوں کا ان کی امامت سے ناراض ہونا تو اگر ان کی اس ناگواری اور ناراضگی کا سبب یہ ہے کہ امام میں کوئی خرابی ہے یا یہ لوگ امامت کے اس سے زیادہ مستحق ہیں وہ ان سے کم درجہ رکھتا ہے، تو اس کو امامت کرنا مکروہِ تحریمی ہے؛ چناں چہ ابوداؤد شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتے جو امامت کرے اور لوگ اس سے کراہیت محسوس کرتے ہوں، اور اگر واقعہ یہ ہے کہ امام ہی سب سے زیادہ امامت کا حق دار ہے (یعنی عالم، فاضل اور متقی ہے) اور لوگ اس سے کراہیت کرتے ہیں تو اس کراہیت کا وبال نمازیوں پر ہوگا۔ (درمختار مع الشامی) (فتاوی رحیمیہ ۱/۱۶۵، ۱۶۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عالم کا عامی کی اقتدا میں نماز پڑھنا

سوال: عالم اگر ایسے جاہل کے پیچھے نماز پڑھے جس کو نہ قرآن صحیح پڑھنا آتا ہو،

اور نہ اسے مسائل سے واقفیت ہو، تو عالم کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ جاہل "قدر ماتجوز به الصلوٰة" قرأت (یعنی قرآن کی اتنی مقدار جس کے پڑھنے سے نماز ہوجاتی ہو پڑھنے) پر قادر ہے، اور اس کی نماز میں کوئی مفسد صلوٰۃ بات پیش نہیں آئی ہے، تو اس کے پیچھے عالم کی نماز بھی درست ہے، اور اگر "قدر ماتجوز به الصلوٰة" قرأت پر قادر نہیں ہے، تو اس کے پیچھے عالم یعنی ایسے آدمی کی نماز جو اتنی مقدار قرأت پر قادر ہو، درست نہیں۔ (شامی ۱/۴۲۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

امام کی وجہ سے جماعت کو مؤخر کرنا

سوال: جماعت کا وقت ہونے کے بعد امام کے لیے پانچ منٹ انتظار کرنے میں کوئی حرج ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ امام کو تاخیر کی عادت نہیں بنانی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کبھی کبھار مثل اول پر عصر پڑھنا

سوال: میں ایک ایسے شہر میں رہتا ہوں، جہاں غیر مقلدین حضرات کی کثرت

ہے اور اس شہر کی تمام مساجد کے ائمہ بھی تقریباً غیر مقلدین ہی ہیں، اور وہ حضرات عصر کی نماز مثل اول پر پڑھاتے ہیں، بسا اوقات مجھے کبھی مسجد میں امامت کے لیے آگے کر دیا جاتا ہے، تو کیا میں مثل اول پر نماز پڑھا سکتا ہوں جب کہ میں حنفی المسلک ہوں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فتاوی محمودیہ میں ہے: ''قول مختار اور مفتی بہ تو یہی ہے کہ وقت عصر مثلین سے شروع ہوتا ہے، مگر دوسرا قول یہ بھی ہے کہ مثل واحد کے بعد ہی شروع ہو جاتا ہے، اور اس وقت کی پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ لازم نہیں ہوتا''۔ (۱۶/۳۱۸)

اس لیے کبھی اتفاقیہ نماز پڑھانے کی نوبت آجائے تو درست ہے، مستقلاً ہمیشہ مثل واحد پر نماز عصر ادا کرنا گویا امام ابوحنیفہ کے مذہب کو ترک کرنا ہے، اس لیے ایسا نہ کیا جائے، اگر ہو سکے تو چند حنفی حضرات دوسری مسجد میں جا کر مثلین پر جماعت کر لیا کریں، یہ بھی نہ ہو سکے کسی کمرہ یا عبادت گاہ میں جماعت کر لیا کریں''۔

(ماخوذ از فتاوی محمودیہ ۱۶/۳۲۹، ۳۳۰)

غیر مقلدین کی اقتداء سے حتی الامکان احتراز لازم ہے مگر بوقت ضرورت ان کے پیچھے نماز پڑھ لے جماعت نہ چھوڑے۔ (احسن الفتاوی ۳/۲۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بے ریش غیر مقلد کی اقتداء میں نماز پڑھنا

سوال: وہاں کی مساجد کے ائمہ بے ریش ہوتے ہیں تو کیا ان کی اقتداء کر کے باجماعت نماز پڑھنا اولیٰ ہے یا منفرداً اپنے گھر میں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ڈاڑھی کٹانے یا منڈانے والا فاسق ہے، اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے، اس لیے ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں، کسی دوسری مسجد میں صالح امام تلاش کریں، اگر نہ ملے تو جماعت نہ چھوڑیں؛ بلکہ فاسق کے پیچھے ہی نماز پڑھ لیں۔ (ماخوذ از مسائل امامت ص ۵۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کپڑے کے موزوں پر مسح کرنے والے کے پیچھے نماز

سوال: وہ کپڑے کے موزے جن کو عام طور پر ہم سردیوں میں استعمال کرتے ہیں، وہاں کے ائمہ ان پر مسح کر کے نماز پڑھاتے ہیں، تو کیا ان کی اقتداء جائز ہے؟ یا کوئی اور صورت اختیار کی جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

غیر مقلد امام اگر رعایت اس امر کی کرتا ہے کہ وہ امر نماز میں نہ کرے جس سے حنفی کی نماز فاسد یا مکروہ ہو، اور متعصب نہ ہو تو اقتداء اس کی درست ہے۔

(مسائل امامت ص ۸۲، ۸۳)

صورت مسئولہ میں اگر امام ایسے موزے پر مسح کرتا ہے جس پر حنفیہ کے یہاں مسح درست نہیں، تو ایسے امام کی اقتداء درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

غیر مقلد خطیب کی اقتداء میں جمعہ

سوال: اس شہر میں بروز جمعہ خطبہ تقریباً ۴۰ یا ۴۵ منٹ کا ہوتا ہے، جس میں پہلا خطبہ تقریباً ۳۰ منٹ کا ہوتا ہے، اور دوسرے خطبہ میں تسبیح، تحمید اور دعاء ہوتی ہے؛ نیز اس دوسرے خطبہ میں امام اور تمام حاضرین بوقت دعاء ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں، اور خطبہ ۶۰ فیصد انگریزی میں ہوتا ہے، اور ۴۰ فیصد عربی میں، اب ایسی صورت میں ان ائمہ کی اقتداء کرنا اولیٰ ہے یا ظہر کی نماز پڑھنا؟ پورے شہر کی تمام مساجد کا یہی حال ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ان ائمہ کی اقتداء ہی کرلیں، ظہر پڑھنے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مہدوی فرقہ سے تعلق رکھنے والے حافظ کی اقتداء میں نماز

سوال: ہمارے یہاں بھروچ میں فرقۂ مہدویہ کے بہت زیادہ لوگ رہتے ہیں، اس فرقے کے بہت سارے بچے اپنے مدرسہ میں (مکاتب میں) پڑھتے ہیں، کچھ بچے اپنے ادارہ میں پڑھ کر حافظ ہوتے ہیں، اب یہ بچے رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن سنانا چاہتے ہیں، تو کیا اہل سنت والجماعت کی مسجد میں یہ قرآن سنا سکتے ہیں؟ اور اگر یہ تراویح اور نماز پڑھاویں، تو ان کی اقتدا میں ہماری نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس فرقہ کے متعلق مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ فرقہ کافر ہے۔ دیکھیے: کفایت المفتی جلد ۱ / ۳۲۱
اس کے متعلق ایک تفصیلی فتویٰ فتاوی رحیمیہ (۷ / ۳۹ تا ۶۱) میں موجود ہے، اس کا مطالعہ فرمالیں۔

ہمارے اطراف میں اس فرقے کے جو افراد موجود ہیں، ایک زمانہ سے ان کا تعلق دکن میں واقع اپنے مرکز سے نہ رہنے کی وجہ سے، اور ہمارے اہل سنت والجماعت سے تعلقات، ان کے ساتھ لین دین اور صحیح العقائد حضرات کی صحبت کی وجہ سے، ان میں سے بہت حضرات کی اصلاح ہو چکی ہے، صرف برائے نام مہدوی ہیں۔ لہٰذا جو لوگ صحیح العقیدہ ہو گئے ہیں، وہ مندرجۂ بالا حکم کے مصداق نہ ہوں گے؛ البتہ پچھلے چند سالوں سے دکن میں واقع مرکز کے ذمہ دار حضرات کا آنا جانا، اور ان حضرات کا ان سے رابطہ بڑھا ہے اس لیے احتیاط اور تحقیق حال ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲ / ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مرضِ برص میں مبتلا آدمی کی امامت کیا مکروہ ہے؟

سوال: بندہ چھ سات سال سے ایک مقام کی جامع مسجد میں امامت کرتا ہے، اور مرضِ برص میں مبتلا ہے، تو کیا میں امامت کر سکتا ہوں یا نہیں؟ چند علماء کرام سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ برص میں مبتلا آدمی کی امامت مکروہ ہے، بہ شرطے کہ مقتدی کراہت محسوس کرتے ہوں، اور اگر مقتدی حضرات کراہت محسوس نہیں کرتے تو امامت بلا کراہت جائز ہے، لہٰذا آپ والا اس مسئلہ کو مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مرض برص اگر تمام جسم میں اس حد تک پھیل چکا ہے، کہ اس کی وجہ سے مقتدی نفرت وکراہت محسوس کرتے ہیں تو اس شخص کی امامت مکروہ تنزیہی ہے۔

''درمختار'' میں ہے: و''أبرص شاع برصه'' یعنی ایسے آدمی کی امامت جس کا مرض برص پھیل چکا ہو مکروہ (تنزیہی) ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اسکی وضاحت فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: والظاهران العلة النفر، ولذا قيد الأبرص بالشيوع. یعنی ظاہر یہی ہے کہ کراہت کی علت نفرت ہے، اور اسی لیے ابرص میں یہ شرط لگائی کہ اس کا مرض پھیل چکا ہو۔ (شامی ۱/۴۱۶)

اگر کسی کے علم وتقوی کی وجہ سے لوگوں کو (اس کی امامت سے) انقباض (نفرت و کراہت) نہ ہو تو کراہت تنزیہی بھی نہیں۔ (احسن الفتاوی ۳/۳۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ٹی۔وی دیکھنے والے کی امامت مکروہ تحریمی ہے

سوال: ہمارے مسجد کے امام صاحب ٹی۔وی، فلم دیکھنے کے بہت عادی ہیں، بار بار ان کو اس پر آگاہ کیا گیا، اور مفتیان کرام کے فتوؤں سے ان سے توبہ بھی کروائی گئی؛ لیکن پھر بھی وہ اپنی عادتِ شنیعہ سے باز نہیں آئے، ان کے گھر کے اندر (جو مسجد کے ٹرسٹیوں نے ان کو رہنے کے لیے دیا ہے) انھوں نے ایک ٹی۔وی لاکر رکھ دی ہے، اور وہ مع اپنے اہل وعیال کے ٹی۔وی دیکھتے ہیں، اور اب تو بعض حضرات نے ان کے پیچھے نماز پڑھنا ہی چھوڑ دیا ہے کہ ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

ایک مرتبہ امام صاحب کے متعلق میٹنگ بھی قائم کی گئی تو امام صاحب نے عوام کو یہ شوشہ چھوڑ کر خاموش کر دیا کہ بتلاؤ تین داڑھی منڈے آدمی ہیں، اور جماعت کا وقت ہو چکا ہو لہٰذا جماعت ان پر واجب ہوگی، اب بتلاؤ کہ ان میں سے نماز کون پڑھائیگا، تو کسی نے جواب دیا کہ جوان میں بہتر ہوگا وہ پڑھائے گا، پھر امام صاحب نے سوال کیا کہ کیا ان کی نماز ہو جائے گی؟ جواب دیا کہ نماز ہو جائیگی، پھر امام صاحب نے جواب دیا کہ جب داڑھی منڈا آدمی جو فاسق ہے امامت کرتا ہے، اور نماز بھی درست ہو جاتی ہے تو مجھ کو بھی انہی میں سے شمار کرو گویا میں بھی امامت کرا سکتا ہوں اور میرے پیچھے بھی نماز ہو جاتی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسا امام امامت کے لائق ہے؟ ایسے امام کو باقی رکھا جائے یا نکال دیا جائے، اور ان کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ٹیلی ویزن دیکھنا ناجائز ہے، اور ایسے امام کی اقتداء مکروہ تحریمی ہے۔

(احسن الفتاوی ۳/۲۸۸)

بار بار کی تنبیہ کے باوجود جب امام صاحب اپنی اس عادت شنیعہ سے باز نہیں آتے تو ان کو علاحدہ کر کے دوسرا متبع شریعت پرہیزگار اور نماز کے مسائل سے واقف، صحیح قرآن پڑھنے والا امام تجویز کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۳/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ٹی وی پروگرام میں کردار ادا کرنے والے کی امامت

سوال: ٹی۔وی دیکھنا اور اس کے پروگراموں میں شرکت کرکے کوئی کردار کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ نیز ان کی امامت اور ان کی اقتداء میں ادا کردہ نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ٹیلی ویژن دیکھنا ناجائز ہے اور ایسے امام کی اقتداء مکروہِ تحریمی ہے؛ مگر نماز ہوجائے گی، لوٹانا ضروری نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ۳/۲۸۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

پتا کھیلنے اور ٹی وی دیکھنے والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے

سوال: ہماری مسجد کے امام صاحب تاش کھیلتے ہیں، اور ٹی۔وی دیکھتے ہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مؤذن کی اجازت سے دوسرا شخص تکبیر کہہ سکتا ہے

سوال: مؤذن صاحب کی اجازت سے دوسرا شخص تکبیر کہنا چاہے تو کہہ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کہہ سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تنخواہ دار امام بہتر ہے یا غیر تنخواہ دار؟

سوال: مسجد میں نماز پڑھانے کے لیے پیش امام تنخواہ لینے والا بہتر اور اچھا ہے یا وہ امام جو تنخواہ نہ لیتا ہو؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

امام اعلم، اقرء اور اورع ہونا چاہیے، یعنی شرعی مسائل کا علم زیادہ رکھتا ہو اور قرآن شریف صحیح پڑھتا ہو اور متبع شریعت و پابندِ سنت ہو، اب اگر دو آدمی مذکورہ اوصاف میں برابر ہیں، اور ان میں سے ایک تنخواہ لیتا جب کہ دوسرا نہیں لیتا، تو اس صورت میں جو تنخواہ نہ لیتا ہو تو اس کو امام بنانا بہتر ہے۔

عن عثمان بن ابی العاص قال: قلت یا رسول اللہ اجعلنی امام قومی، قال: انت امامهم واقتد بأضعفهم واتخذ مؤذناً لا یاخذ علی اذانه اجراً. رواه احمد و ابوداؤد والنسائی(مشکوۃ شریف) ثم یدخل فی کونه خیاراً ان لا یأخذ اجراً (مرقاۃ ۲/ ۱۷۰)

باقی اگر کسی امام میں امامت کے لیے مطلوبہ اوصاف مفقود ہیں یا کمی ہے، تو محض اس بنا پر کہ وہ تنخواہ نہیں لیتا اس کو بہتر نہیں کہہ سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حرام کمائی سے دعوت کھانے والے امام کی امامت

سوال: ہمارے محلہ کی مسجد کے امام صاحب پانچوں وقت کی نماز پڑھاتے ہیں، عام طور پر لوگ دعوت امام صاحب کی کیا کرتے ہیں، جماعت کے ایک آدمی جن کی اکثر کمائی حرام کی آمدنی ہے، جوا، بیٹنگ وغیرہ، وہ بھی امام صاحب کو مدعو کیا کرتے ہیں، ایسے اماموں کے پیچھے نمازیوں کا اقتداء کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی آدمی کی اکثر آمدنی حلال ہے، تو اس کی دعوت کھانا درست ہے؛ البتہ اگر خاص وہ دعوت مال حرام سے ہو تو اس کا کھانا جائز نہیں ہے، اور اگر کسی کی اکثر آمدنی حرام ہے تو اس کی دعوت کھانا درست اور جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر خاص وہ دعوت مالِ حلال سے ہو تو اس کا کھانا جائز اور درست ہے، مثلاً: اس نے کسی سے قرض لے کر دعوت کی ہے، اب اگر امام صاحب ایسے آدمی کے گھر دعوت کھاتے ہیں جس کی اکثر آمدنی حرام ہے، تو وہاں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ اس آدمی نے حلال مال سے دعوت کی ہو، یا کسی سے قرض لے کر دعوت کی ہو، اس لیے محض اتنی بنیاد پر امام صاحب کی امامت پر کوئی حکم کراہت وغیرہ کا نہیں لگایا جاسکتا، مومن کے ساتھ خصوصاً جب کہ وہ امام بھی ہو حسنِ ظن رکھنا چاہیے، پھر بھی امام صاحب کو چاہیے کہ ایسے شخص کی دعوت سے احتیاط کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

غیر منتشر آلہ والے کی امامت

سوال: اگر کوئی شخص کا ذکر منتشر نہ ہوتا ہو تو اس کے لیے امامت کرانا جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ پہلی صف میں کھڑا رہ سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب جلد سے جلد روانہ کریں اور اس کی عمر ۲۵/ سال سے زیادہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس کی عمر ۲۵/ سال ہے؛ لیکن کمزوری کی وجہ سے اس کا ذکر منتشر نہیں ہوتا تو اس کی امامت درست ہے، بہ شرطے کہ اس میں اور کوئی مانع موجود نہ ہو؛ نیز ایسا آدمی پہلی صف میں کھڑا بھی رہ سکتا ہے۔ (ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۲/ ۱۰۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حرام خور اور کاذب کی امامت

سوال: ہمارے محلہ کی مسجد کے پیش امام مٹکے واندے والے کے پاس کھانا کھاتے ہیں، ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور قبرستان والے کی کمائی کھاتے ہیں، اور جھوٹ بہت بولتے ہیں، ان کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس آدمی کی تمام آمدنی یا زیادہ تر آمدنی حرام کی ہو اس کی دعوت کھانا درست نہیں ہے۔ جھوٹ بولنا حرام ہے، ایسا آدمی اگر توبہ نہیں کرتا ہے تو اس کی امامت مکروہ ہوگی۔

ویکرہ إمامۃ عبد واعرابي وفاسق (تنویر الابصار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/صفر ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ناپسند امام کی امامت

سوال: زید تیسری اور چوتھی رکعت میں قیام اتنا طویل کرتا ہے۔ طویل سے مراد، جیسے: الحمد الحمد، اياك نعبد اياك نعبد، واياك نستعين- اتنے عرصہ میں مقتدیان الحمد دس مرتبہ پڑھ سکتے ہیں، گویا سورۂ فاتحہ کے ساتھ کوئی دوسری سورت بھی پڑھ رہا ہے۔

زید کو حالتِ قیام میں وسوسہ آتا ہے، یعنی شک کی بناء پر کسی لفظ کو بار بار دہراتا ہے۔

زید التحیات، درود شریف، دعاء ماثورہ اتنی جلدی پڑھتا ہے کہ دوسرے لوگ صحیح طور سے التحیات بھی نہیں پڑھ سکتے۔

آواز اتنی پست ہے کہ قراءت اور نہ ہی تکبیر وغیرہ صحیح طور سے سننے میں آتی ہے، جس کی وجہ سے کوئی رکوع میں ہے اور کوئی سجدے میں۔

زید رکوع وسجود میں تسبیح اتنی جلد پڑھتا ہے کہ دوسرے لوگ صحیح طور سے ایک مرتبہ بھی نہیں پڑھ سکتے، اگر کسی امام میں مندرجۂ بالا وجوہات پائی جائیں تو کیا اس امام کے پیچھے نماز درست ہوگی؟

تقریباً سبھی مصلیان ان وجوہات کی بنا پر اس امام سے متنفر ہو چکے ہیں، اگر مقتدیان امام سے متنفر ہوں تو ان کی نماز اس امام کے پیچھے ہوگی یا نہیں؟ جواب مرحمت

فرمائیں عین کرم ہوگا۔

نوٹ: اگر شافعی مسلک سے جواب عنایت فرمائیں تو زیادہ بہتر ہوگا؛ چوں کہ امام ومقتدیان سبھی شافعی المسلک ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر کسی امام کی امامت کو مقتدی حضرات ناپسند کرتے ہیں، اور یہ ناپسندیدگی کسی ذاتی رنجش یا عداوت کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ اس لیے ہے کہ امام میں شرعی طور پر ناپسندیدگی کی وجوہات پائی جاتی ہیں۔ (جیسا کہ سوال میں مذکور صورت میں زید کے حق میں ہے) تو ایسے امام کے لیے لوگوں کی امامت کرنا مکروہ ہے۔

ویکرہ أن یصلي الرجل بقوم، وأکثرھم له کارھون (قال الشارح) وإنما تکرہ إمامته إذا کرھوہ لمعنی مذموم شرعاً، کوال ظالم أو یمحق ھیئات الصلوٰ الخ (شرح مھذب ۲۷۶، ۲۷۳)

تنبیہ: ہمارے یہاں سے فقہ حنفی کے مطابق جواب دیے جاتے ہیں، آپ کی طلب پر فقہ شافعی کے مطابق ''شرح مہذب'' سے جواب دیا گیا ہے، کسی شافعی مفتی کی تصدیق کے بعد اس پر عمل فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

فاسق کی امامت

سوال: کوئی امامِ مسجد ہے، جھوٹ بولتا ہے، یا زنا کرتا ہے، کیا اس کے پیچھے نماز

درست نہیں ہے؟ اگر کوئی امام خالص جمعہ پڑھاتا ہے، باقی نماز میں مسجد میں نہیں آتا؛ جب کہ گاؤں میں ایک ہی مسجد ہے، کیا اس کی اقتداء صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

گناہ کبیرہ کا مرتکب فاسق ہے، جب تک وہ توبہ کرکے اپنی حالت درست نہ کرلے، وہاں تک اس کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی ہے۔

جو شخص بلا عذر ترکِ جماعت کا عادی ہو، اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، بحالت مجبوری اس کے پیچھے جو نماز ادا کی جائیگی، اس کا اعادہ لازم نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فاسق کی امامت

سوال: ایسا امام جو ڈاڑھی کترتا ہو اور منبر پر مخلوط خطبہ (عربی اور دیگر زبانوں میں) دیتا ہو اور ایسی تقریبات میں شرکت کرتا ہو جس میں عورتوں اور مردوں کا اختلاط اور ویڈیو کیسٹ تیار کی جاتی ہو تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے یا شرعاً کوئی قباحت ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ڈاڑھی قبضہ سے کم کرنا حرام ہے، اس طرح ڈاڑھی کٹانے اور منڈانے والا فاسق ہے اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے؛ اس لیے ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں۔ اگر کوئی ایسا شخص جبراً امام بن گیا یا مسجد کی منتظمہ نے بنادیا اور ہٹانے پر قادر نہ ہوں، تو کسی دوسری مسجد میں صالح امام تلاش کریں، اگر میسر نہ ہو تو جماعت نہ چھوڑیں؛ بلکہ فاسق کے

پیچھے ہی نماز پڑھ لیں، اس کا وبال وعذاب مسجد کے منتظمین پر ہوگا۔ (احسن الفتاویٰ ۳/ ۲۶۰)

ایسی تقریبات جن میں مردوں کے ساتھ بے پردہ عورتوں کا اختلاط ہو اور اس کی ویڈیو کیسٹ تیار کی جارہی ہو میں شرکت کا عادی شخص فاسق ہے اور اس کے پیچھے بھی نماز مکروہ تحریمی ہے۔ (ماخوذ از احسن الفتاویٰ ۳/ ۳۳۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

فاسق کی امامت

سوال: ایک شخص ریڈیو پر گانا سنتا ہے اور کبھی کبھی فلمی گانوں کو سن کر وجد میں آکر خود گانا شروع کر دیتا ہے، ڈاڑھی بھی کاٹتا ہے اور بسا اوقات سنن مؤکدہ کا بھی خیال نہیں کرتا ہے، وہ شخص مذکور امامت بھی کرتا ہے تو ایسے شخص کی امامت کا کیا حکم ہے؛ جب کہ ان تمام باتوں کو دیکھ کر اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنے پر دل آمادہ نہیں ہوتا اگر منع کریں تو فساد کا اندیشہ ہے مدلل تحریر فرمائیں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شخص مذکور فاسق ہے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، اور اس سے اچھا امام میسر ہو تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھے ورنہ جماعت ترک نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مودودی امام کی امامت

سوال: جماعتِ اسلامی کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مودودی عقائد والے کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۳/۲۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

غیر مقلد کی اقتداء میں نماز پڑھنا

سوال: اہلِ حدیث کے پیچھے جو کہ ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہ کو نہ مانے اور سب وشتم کریں ان پر، اسی طرح تبلیغی جماعت کو نہ مانے، تو آیا اس کے پیچھے نماز پنج وقتہ پڑھ سکتے ہیں کہ نہیں؟ یہاں تک کہ ایک مرتبہ جہاں پر وہ امامت کراتے ہیں، اس مسجد میں جماعت والے آکر چلے گئے، تو ان صاحب نے کہا، مسجد ناپاک ہوگئی؛ لہٰذا دھوڈالو؛ چناں چہ مسجد کو بھی دھوڈالنے کا امر کیا، اسی طرح اپنی طرف سے من گھڑت فتوے بگارتا ہو، مثلاً: یہ کہ قربانی میں سات سے زائد بھی شریک ہوسکتے ہیں، اسی طرح خاندان میں صرف ایک نے قربانی دی تو تمام کی طرف سے کافی ہوجائیگی، چاہے ان پر فرض ہو کہ نہ ہو، اور جس کا بیان مسجد میں ہنسی مذاق سے خالی نہ ہو، جس کی وجہ سے مسجد کے ادب کو بالکل محفوظ نہ رکھتا ہو، اور مسجد میں بغیر گھٹنے ڈھانکے رہ کر اسی حالت میں بیت الخلاء جاکر اسی حالت میں پھر مسجد میں آتا ہو، تو اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ لازم ہے کہ نہیں؟

اوران اوصاف کے ہونے کے باوجود ایسے کوامامت کے لیے مقرر کر سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر یہ یقین ہو کہ امام نماز کے ارکان وشرائط میں دوسرے مذاہب کی رعایت کرتا ہے، تو اس کی اقتداء بلا کراہت جائز ہے۔ اور اگر رعایت نہ کرنے کا یقین ہو تو اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز صحیح نہ ہوگی۔ اور جس کا حال معلوم نہ ہو، اس کی اقتداء مکروہ ہے۔ آج کل کے غیر مقلدین کی اکثریت صرف یہی نہیں کہ رعایت مذاہب کا خیال نہیں رکھتی؛ بلکہ اس کو غلط سمجھتی ہے اور عمداً اس کے خلاف کا اہتمام کرتی ہے اور اس کو ثواب سمجھتی ہے، اس لیے ان کی اقتداء سے حتی الامکان احتراز لازم ہے؛ مگر بوقتِ ضرورت ان کے پیچھے نماز پڑھ لے، جماعت نہ چھوڑے۔

قال في العلائية عن البحر: إن تيقن المراعاة لم يكره، أو عدمها لم يصح، وإن شك كره (رد المحتار ١/٥٩٦)

یہ تفصیل اس وقت ہے کہ یہ امام صحیح العقیدہ ہو، اگر اس کا عقیدہ فاسد ہے، مقلدین کو مشرک جانتا ہے اور سبِّ سلف کرتا ہے، تو اس کی امامت بہر حال مکروہ تحریمی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۳/ ۲۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ

طامعِ دنیا، بناوٹی شافعی کی اقتداء میں نماز کا حکم

سوال: ①اس اطراف میں بعض لوگ امامت کے لیے آتے ہیں، اور روپیہ کے خاطر دوسرا مسلک حنفی ہوتے ہوئے مقتدیوں کے ہم مسلک ہو کر اسی کے مطابق نماز

پڑھاتے ہیں، اور دوسرے احکام بجالاتے ہیں، اور جب اپنے مکان جاتے ہیں تو وہی اپنا اصل مسلک اختیار کرتے ہیں، ایسی صورت میں خود امام کی نماز درست ہوئی یا نہیں؟ اور مقتدیوں کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ عدمِ صحت کی صورت میں قضا کا کیا حکم ہے؟

اس میں کئی شقیں ہیں: ① حنفی کی اقتداء شافعی کے پیچھے۔ ② شافعی کی اقتداء حنفی کے پیچھے۔ ③ شافعی کی اقتداء بناوٹی شافعی کے پیچھے۔ ④ حنفی کی اقتداء ایسے حنفی کے پیچھے جو بناوٹی شافعی ہو، پھر خود امام کا وقتی طور پر مسلک بدلنا (انتقال من مسلک الی مسلک) خواہ حقیقۃً یا طمعاً درست ہے؟ آیا یہ تلفیق تو نہیں؟ اگر یہ حرام ہے تو امام کو نکال دینا چاہیے یا کیا کرنا چاہیے؟ نیز کبھی مقتدی حضرات بھی ہم مسلک امام نہ ملنے کی وجہ سے حنفی آئے ہوئے امام کو اپنے ہم مسلک کرا کے اسی کے پیچھے نماز پڑھنے پر راضی ہو جائیں، ایسی صورت میں خود مقتدیوں کی نماز کا کیا حکم ہے آیا مقتدیوں کے لیے ایسا کرنا، کرانا جائز ہے؟

براہِ کرم ہر مسئلہ کا مفصل مکمل و مدلل جواب دیں؛ بلکہ اگر کوئی اشکال پیدا ہو سکتا ہو تو اس کا جواب بھی عنایت فرمائیں؛ کیوں کہ اس اطراف میں بہت سے ائمہ (حقیقۃً حنفی) بناوٹی شافعی بنے ہوئے لوگوں کو ہانک رہے ہیں؛ تاکہ اس کا انسداد کیا جا سکے، اور مسلمانوں کی نماز کو ضیاع سے بچایا جائے۔

شافعی المسلک کی جماعتِ ثانیہ میں حنفی کی شرکت

سوال: ② یہاں کی مسجدیں عموماً اس وضع کی ہوتی ہیں کہ جماعت خانہ کے سوا باہر کوئی جگہ مستقلاً نہیں رہتی ہے، اور اسی میں شوافع حضرات جماعتِ ثانیہ کر لیتے ہیں، تو

اس جماعتِ ثانیہ میں کوئی حنفی المسلک شخص اقتداء کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① فی الدر المختار: ارتحل إلى مذهب الشافعيّ يعزر سراجية. قال الشامی: (قوله ارتحل الى مذهب الشافعى يعزر) اى إذا كان ارتحاله لا لغرض محمود شرعاً، لما فى التاتارخانية: حكى أن رجلا من اصحاب أبي حنيفة خطب إلى رجل من أصحاب الحديث ابنته في عهد أبي بكر الجوزجاني، فابى إلا أن يترك مذهبه فيقرأ خلف الامام، ويرفع يديه عند الانحطاط، ونحو ذلك، فاجابه، فزوجه، فقال الشيخ: بعد ماسئل عن هذه واطرق راسه،النكاح جائز؛ ولكن أخاف عليه أن يذهب إيمانه وقت النزع؛ لانه استخف بمذهبه الذى هو حق عنده، وتركه لاجل جيفة منتنة، ولو ان رجلا بَرِئَ من مذهبه باجتهاد وضح له كان محمودا ماجورا، اما انتقال غيره من غير دليل؛ بل لما يرغب من غرض الدنيا وشهوتها، فهو المذموم الآثم المستوجب للتاديب والتعزير لارتكابه المنكر فى الدين، واستخفافه بدينه ومذهبهاه ملخصا وقال بعد ثمانية اسطر: قلت: وايضا قالوا العامى لامذهب له؛بل مذهبه مذهب مفتيه، وَعلّلَه فى شرح التحرير: بان المذهب انما يكون لمن له نوع نظر واستدلال وبصر بالمذاهب على حسبه، أو لمن قرء كتابا فى فروع ذلك المذهب، وعرف فتاوى امامه واقواله، واما غيره ممن قال انا حنفى او شافعى لم يصر كذلك بمجرد القول كقوله انا فقيه او نحوىاه وتقدم تمام ذلك فى المقدمة اول هذا الشرح، وانما اطلنا فى ذلك لئلا يغتر بعض الجهلة بما يقع فى الكتب من اطلاق

بعض العبارات الموهمة خلاف المراد فيحملهم على تنقيص الائمة المجتهدين، فان العلماء حاشاهم الله تعالىٰ ان يريدوا ما الازدراء بمذهب الشافعي او غيره؛ بل يطلقون تلك العبارات بالمنع من الانتقال خوفا من التلاعب بمذاهب المجتهدين نفعنا الله تعالى بهم و أماتنا على حبّهم اٰمين. يدل لذلك مافى القنية رامزا لبعض كتب المذهب ليس للعامىّ أن يتحول من مذهب الى مذهب ويستوى فيه الحنفى والشافعي اهـ (شامى ٣ /٢٠٩،٢٠٨)

وقال في الدر المختار فى الشهادات فى باب القبول وعدمه: ولا من انتقل من مذهب أبي حنيفة إلى مذهب الشافعي، قال العلامة الشامى (قوله من مذهب أبى حنيفة) اى استخفافا، قال فى القنية من كتاب الكراهية: ليس للعامي أن يتحول من مذهب الى مذهب، ويستوى فيه الحنفى والشافعي، وقيل لمن انتقل الى مذهب الشافعى ليزوج له: اخاف ان يموت مسلوب الايمان لاهانته للدين لجيفة قذرة، وفى آخر هذا الباب من المنح: وإن انتقل إليه لقلة مبالاته فى الاعتقاد والجراء ة على الانتقال من مذهب الى مذهب كما يتفق له، ويميل طبعه اليه لغرض يحصل له فانه لاتقبل شهادته اهـ فعلم بمجموع ماذكرناه أن ذلك غير خاص بانتقال الحنفى، وانه اذا لم يكن لغرض صحيح فافهم، ولاتكن من المتعصبين فتحرم بركة الأئمة المجتهدين (شامى ٤ /٤٢٤)

قال العلامة الشامى فى تنقيح الفتاوى الحامدية: قال في جواهر الفتاوىٰ: لو ان رجلا من اهل الاجتهاد بَرئ من مذهبه فى مسئلة، او فى اكثر منها باجتهاد لما وضح له من دليل الكتاب او السنة او غيرهما من الحجج، لم يكن ملوما ولا مذموما؛ بل كان ماجورا محمودا وهو فى

سعة منه، وهكذا افعال الائمة المتقدمين فاما الذى لم يكن من اهل الاجتهاد فانتقل من قول الى قول من غير دليل؛ لكن لما يرغب من غرض الدنيا وشهوتها فهو مذموم آثم مستوجب للتاديب والتعزير؛ لارتكابه المنكر فى الدين واستخفافه بدينه ومذهبه اه ونقل السيوطى فى رسالته المسماة: "بجزيل المواهب فى اختلاف المذاهب" من فصل الانتقال من مذهب الى مذهب وهو جائز- الى ان قال- وأقول للمنتقل احوال الاول ان يكون السبب الحامل له على الانتقال امراً دنيويا كحصول وظيفة، او مرتب او قرب من الملوك، وأهل الدنيا فهذا حكمه كمهاجر ام قيس؛ لان الامور بمقاصدها، ثم له حالان: الاول ان يكون عاريا من معرفة الفقه، ليس له فى مذهب امامه سوى اسم شافعى او حنفى كغالب متعممى زماننا ارباب الوظائف فى المدارس؛ حتى ان رجلا سأل شيخنا العلامة الكافيجى مرة يكتب له على قصة تعليقا بولاية اول وظيفة تشغر بالشيخونية، فقال له: ما مذهبك؟ فقال: مذهبي خبز وطعام، يعنى وظيفة اما فى الشافعية أو المالكية أو الحنابلة فإن الحنفية في الشيخونية لاخبز لهم ولا طعام، فهذا امره فى الانتقال أخف لا يصل إلى حد التحريم؛ لانه الى الآن عامى لامذهب له يحققه فهو يستأنف مذهبا جديدا؛ ثانيهما: ان يكون فقيها فى مذهب، ويريد الانتقال لهذا الغرض، فهذا امره اشد وعندى انه يصل الى حد التحريم؛ لانه تلاعب بالاحكام الشرعية لمجرد غرض الدنيا الخ (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية؟ /٣٦١،٣٦٠)

عباراتِ منقولہ بالا سے یہ بات ایک دم واضح طور پر معلوم ہوچکی کہ دنیا کمانے کے خاطر تبدیل مذہب (حنفی سے شافعی بننا یا شافعی سے حنفی بننا) ایک ایسا جرم ہے جو

موجبِ تعزیر ہے، اور ایسے آدمی کی شہادت قابلِ قبول نہیں ہے؛ بلکہ یہ طریقہ دین کے ساتھ ایک قسم کی کھلواڑ ہے، اس قسم کے آدمی کو امامت کے عظیم منصب پر فائز کرنا درست نہیں ہے، اب تک جو نمازیں اس کے پیچھے پڑھی گئیں ان کی قضاء نہیں ہے؛ البتہ آئندہ اس سے احتیاط ضروری ہے۔

② مسجد طریق (وهو مسجد ليس له امام ولا مؤذن، ويصلى الناس فيه فوجا فوجا) (شامی ۱/ ۴۰۸) کے علاوہ مسجد میں تکرارِ جماعت مکروہ تحریمی ہے۔

ويكره تكرار الجماعة باذان واقامة فى مسجد محلة، لا فى مسجد طريق الخ (درمختار) (قوله ويكره) اى تحريما (شامی ۱/ ۴۰۸)

اس لیے حنفی المسلک کو چاہیے کہ ایسی جماعت میں شرکت نہ کرتے ہوئے تنہا پڑھے۔ خود حضرات شوافع کے نزدیک بھی مسجدِ محلہ میں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے۔ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرحِ مہذب (۴/ ۲۲۱ و ۲۲۲) میں اس کی تصریح کی ہے: وان حضر وقد فرغ الامام من الصلوٰة، فان كان المسجد له امام راتب، كره ان يستأنف فيه جماعة. آگے شرح میں فرماتے ہیں: اما حكم المسئلة: فقال اصحابنا ان كان للمسجد امام راتب، وليس هو مطروقا، كره لغيره اقامة الجماعة فيه ابتداء قبل فوات مجيء إمامه، ولو صلى الامام كره ايضا اقامة جماعة اخرىٰ فيه بغير اذنه، هذا هو الصحيح المشهور الخ

البتہ عبارتِ ہذا سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ امام راتب کی اجازت لے لی جائے تو کراہت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

نماز عید شافعی امام کی اقتداء میں

ایک مسئلہ کا حل مطلوب ہے، وہ یہ کہ کوئی حنفی بھائی عید کی نماز میں کسی شافعی امام کی اقتداء کرے تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟ کیوں کہ شافعی امام تو اپنے مسلک کے مطابق پہلی رکعت میں تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ قرأت سے پہلے سات، اور اسی طرح دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہے گا؛ جب کہ حنفی مذہب میں پہلی رکعت میں تکبیرِ تحریمہ کے بعد اور قرأت سے پہلے تین تکبیریں اور دوسری میں قرأت کے بعد اور رکوع سے پہلے تین تکبیریں کہی جاتی ہیں؛ نیز کوئی شافعی کسی حنفی کی اقتداء کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر عید کی نماز میں کسی حنفی مقتدی نے شافعی امام کی اقتدا کر لی تو اس کی نماز درست ہے، اور اس حنفی مقتدی کو چاہیے کہ اپنے شافعی امام کی اقتداء میں تکبیراتِ زوائد بھی امام کے مطابق، یعنی پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ ادا کرے۔

درمختار میں ہے: ولو زاد تابعه الى ستة عشر؛ لانه ماثور (درمختار)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس پر حاشیہ تحریر فرماتے ہیں: (قوله ولوزاد تابعه الخ) لانه تبع لإمامه، فتجب عليه متابعته، وترك رأيه برأى الامام لقوله عليه الصلوٰة والسلام "انما جعل الامام ليؤتم به" فلا تختلفوا عليه، فما لم يظهر خطؤه بيقين كان اتباعه واجبا، ولا يظهر الخطأ فى المجتهدات، فاما اذا خرج عن اقوال الصحابة فقد ظهر خطؤه بيقين، فلا يلزمه اتباعه الخ (شامی ۱/ ٦١٥)

ایک دوسرے موقعہ پر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: مثال ماتجب فيه المتابعة

مما يسوغ فيه الاجتهاد، ما ذكره القهستانی فی شرح الكيدانية عن الجلابی بقوله: كتكبيرات العيد، وسجدتي السهو قبل السلام، والقنوت بعد الركوع فی الوتراه والمراد بتكبيرات العيد مازاد على الثلاث فی كل ركعة مما لم يخرج عن اقوال الصحابة، كما لو اقتدى بمن يراها خمسا مثلا كشافعی (شامی ۱/ ۳٤۸)

بدائع الصنائع (۱/ ۲۷۷) میں اس کی تصریح موجود ہے۔

کوئی شافعی مقتدی عید کی نماز میں حنفی امام کی اقتداء کرے تو شرح مہذب للنووی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ درست ہے؛ البتہ وہ اپنے مسلک کے مطابق پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیرات کہے، یا حنفی امام کی اقتداء میں ہر رکعت میں تین تین پر اکتفا کرے۔ اس سلسلہ میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں قول نقل کئے ہیں؛ چناں چہ تحریر فرماتے ہیں: ولو صلى خلف من يكبر ثلاثا او ستا ففيه قولان: (احدهما) يكبر سبعا فی الاولىٰ وخمسا فی الثانية، كما لو ترك امامه التعوذ ونحوه (واصحهما) لا يزيد عليه لئلا يخالفه (شرح المهذب ٥ /۱۸)

البتہ دوسرے قول یعنی امام حنفی کی اقتداء میں تین پر اکتفا کرنے کو اصح بتلایا ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شافعی حافظ کی امامت کا حکم

سوال: پورے شہر میں حنفی مصلی اور مقتدی، مؤذن (حنفی) حنفی امام اور حافظ

موجود ہیں، ایسی صورت میں شافعی حافظ کو نماز پڑھانے کے لیے آگے بڑھانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مستقل امامت کے طور پر نہیں؛ لیکن ایک آدھ دفعہ آگے بڑھا دیا تو کوئی حرج نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شافعی امام کی اقتداء میں فجر کی نماز

سوال: کسی شہر یا بستی میں ساری مساجد میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے طریقے پر ساری نمازیں ادا کرتے ہیں، یعنی حنفی مصلی ہیں، فجر کی نماز فرض پڑھانے کے لیے شافعی مسلک کے شخص کو امامت کے لیے کھڑا کر دیا گیا اور وہ دوسری رکعت میں رکوع کے بعد قنوت نازلہ اور سجدۂ سہو دونوں کو ترک کر دے تو وہ نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز ہوگئی۔

ظاهر الهداية أن الاعتبار لإعتقاد المقتدي ولا اعتبار لاعتقاد الإمام؛ حتى لو اقتدى بشافعي رآه مس إمرأة ولم يتوضاء فالأكثر على الجواز، وهو الأصح كما في الفتح (شامی ۱/ ۴۹۴)

البتہ آئندہ اس بات کا خیال رہے کہ حنفی امام میسر ہونے کی صورت میں شافعی کو امامت کے لیے آگے نہ بڑھایا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حنفی کا شافعی امام کے پیچھے قنوت نازلہ میں ہاتھ اٹھانا

سوال: شوافع کے یہاں فسادات کی حالت میں پانچوں وقت قنوت نازلہ پڑھی جاتی ہے، اگر حنفی حضرات شوافع کے پیچھے قنوت نازلہ کے وقت اگر ہاتھ اٹھائے جیسے شافعی اٹھاتے ہیں تو حنفیوں کی نماز ہوگی کیا ہاتھ اٹھا کر قنوت نازلہ پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

احناف کے ہاں قنوت پڑھتے وقت ہاتھ نہیں اٹھائے جاتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲ رجب ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کیا حنفی امام نماز میں شوافع مقتدیوں کی رعایت کرے گا؟

سوال: حنفی شافعی کی رعایت کرتا ہو تو شوافع کی رعایت کرتے ہوئے انہی کے موافق (سورۂ فاتحہ کے بعد وقفہ دینا، صلوٰۃ فجر میں قنوت پڑھنا یا وقت دینا وغیرہ) نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حنفی کے لیے ایسا کرنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ، ۲۸ ذوالحجہ ۱۴۱۴ھ

حنفی امام کا نماز میں مقتدیوں کے فقہی مسالک کی رعایت کرنا

سوال : میں سعودی میں امامت کرتا ہوں اور یہاں مالکی مذہب چلتا ہے۔ہم لوگوں کو اسی حساب سے چلنا پڑتا ہے مثلاً امامت کرتے وقت فجر،مغرب،عشاء میں سورۂ فاتحہ کے بعد امام آمین کہہ کر امام سمیت مقتدی سورۂ فاتحہ دل میں پڑھتے ہیں۔ میں حنفی ہوں تو خاموش رہتا ہوں مگر امام ہوں اور تین بار سبحان اللہ کہہ سکے اتنی دیر خاموش رہوں تو نماز ٹوٹ جائے گی تو اس سلسلہ میں علماء کیا فرماتے ہیں؟ اور اگر میں آمین اور بسم اللہ کو قراءت میں پڑھوں اور اتنا طویل کروں کہ ان کی سورۂ فاتحہ ختم ہو جائے تو یہ صحیح ہے کہ نہیں؟ اور دوسرا یہ لوگ رکوع میں جاتے وقت اور اٹھتے وقت اور سجدہ میں جاتے وقت ہاتھ اٹھاتے ہیں میں تو نہیں اٹھاتا تو یہ صحیح ہے کہ نہیں؟ اور یہ لوگ کسی بات پر مجھے زبردستی نہیں کرتے مگر کہتے ہیں کہ ہمارے طریقہ پر سجدۂ سہو کرو ان کا طریقہ یہ ہے کہ التحیات،درود،دعا پڑھ کر دونوں سلام نہیں کرتے بلکہ دو سجدے کرتے ہیں پھر بعد میں سجدہ سے اٹھ کر بغیر کچھ پڑھے سلام پھیرتے ہیں تو یہ صحیح ہے کہ نہیں؟ برائے مہربانی اس کا جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ حنفی ہیں اور اس کی رعایت آپ پر ضروری ہے آپ اپنے مسلک کے مطابق نماز پڑھائیں۔مقتدی حضرات کو یہ منظور ہے تو فبھا ورنہ مقتدیوں کے فقہی مسلک کی رعایت کرتے ہوئے آپ کا اپنے اس مسلک کو جس کو حق سمجھتے ہیں ترک کرنا درست نہیں ہے بلکہ مذموم اور موجبِ اِثم ہے۔

قال فی جواهر الفتاوی لو ان رجلا من اهل الاجتهاد بری من مذهبه فی اسئلة او فی اکثر منها باجتهاد لما وضح له من دلیل الکتاب او السنة او غیرهما من الحجج لم یکن ملوما ولا مذموما بل کان مأجورا محمودا وهو فی سعة منه و هکذا افعال الائمة المتقدمین فاما الذی لم یکن من اهل الاجتهاد فانتقل من قول الی قول من غیر دلیل لما یرغب من غرض الدنیا و شهوتها فهو مذموم اٰثم مستوجب للتادیب و التعزیر لارتکابه المنکر فی الدین و استخفافه بدینه و مذهبه۱ھ (تنقیح الفتاوی الحامدیة۲ /۳۲۷)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سات ماہ میں پیدا ہونے والے کی امامت

سوال: ایک مسلمان کی لڑکی نے ایک مسلمان سے محبت کی اور اسی محبت میں اسے دو مہینہ کا حمل ہو گیا تھا، پھر اس لڑکی نے دوسرے مسلمان آدمی سے نکاح کر لیا، اور نکاح کرنے کے ساتویں مہینہ لڑکا پیدا ہوا، اور وہ لڑکا بروقت حافظ ہو گیا ہے، اور مسجد میں نماز پڑھاتا ہے تو اس کے پیچھے ہمیں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور کہیں مسجد میں نماز پڑھا سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وہ لڑکا شرعاً ثابت النسب ہے، اس لیے اس کی امامت میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

ان الفراش علی اربع مراتب (درمختار) وقوی هو فراش المنکوحة

ومعتدة الرجعي؛ فانه فيه لا ينتفي إلا باللعان (شامی؟ /٦٨٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نصف آستین کا کرتہ پہن کر نماز پڑھانا

سوال: ایک آدمی غیبت کرتا ہے، اور جھوٹ بولتا ہے، ایک دوسرے کی بات دوسرے سے لگاتا ہے، اور ہاف (نصف) آستین کا کرتہ پہن کر نماز پڑھتا ہے تو اس کے پیچھے ہمیں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مکروہ ہے۔

ویکره إمامة عبد وإعرابي وفاسق وأعمیٰ (تنویر الأبصار ١/ ٥٦٠) ولو صلیٰ رافعا کلیه إلی المرفقین کره (خانیه ١ /١٣٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کفریہ عقیدہ رکھنے والے بریلوی کے پیچھے نماز

سوال: ہمارے یہاں ایک امام آیا ہوا ہے پاکستان سے بریلوی خیالات کا، وہ حضور ﷺ کو عالم الغیب اور حاضر وناظر مانتا ہے، اور تمام وہ باطل عقیدے۔ جو بریلویوں کے اندر معروف ہیں۔ ان پر وہ عقیدہ رکھتا ہے، جس کے نتیجہ میں یہاں پر بڑا فتنہ عوام میں برپا ہو رہا ہے، اس وجہ سے ''موزمبیق'' میں مجلس العلماء کی طرف سے بعض سوالات کئے جارہے ہیں، امید ہے کہ ہمیں مدلل ومطمئن جواب دیں گے قرآن اور احادیث کی روشنی میں؛ کیوں کہ اگر قرآن اور احادیث نبویہ کی روشنی میں ایسے عقائد رکھنے والے

حضرات صاف طور پر شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں، جیسا کہ علماء کرام کی کتابوں سے بھی صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے، مثل مولانا سرفراز خان صاحب اور دیگر کتابوں سے؛ لیکن پھر بھی ہمارے علماء دیوبند نے احتیاط پر عمل کرتے ہوئے ان کو کافر یا مشرک قرار نہیں دیا؛ لہٰذا ہم لوگ یعنی ''موزمبیق'' کے تمام علماء آپ حضرات سے مندرجۂ ذیل سوالات کا جواب انتظار کر رہے ہیں۔

① بریلوی عقائد رکھنے والا قرآن واحادیث کی روشنی میں مسلمان ہے یا مشرک؟

② اگر یہ مشرکانہ عقیدہ ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ان کو علمائے دیوبند کافر یا مشرک قرار نہیں دیتے؟

③ بریلوی عقائد رکھنے والے کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں؟ نکاح یا صلوٰۃ الجنازہ پڑھایا ہوا مقبول اور جائز ہے یا نہیں؟ خاص طور پر جب کہ یہ لوگ ہمارے پیچھے نماز کو جائز نہیں سمجھتے ہیں، اور ہمارا پڑھایا ہوا نکاح باطل جانتے ہیں، اور ہمیں کافر قرار دیتے ہیں۔

④ اگر ایک مسجد میں ایسے عقیدے رکھنے والا امام موجود ہے تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے کے بجائے دوسری جماعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ وہ، اور کیا یہ دوسری جماعت پہلی جماعت شمار ہوگی یا نہیں؟

⑤ کن حالات میں دوسری جماعت جائز ہے؟ اور ان حالات میں کیا دوسری جماعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

امید ہے کہ ان مسائل کا جواب کما حقہ ادا کیا جائے؛ تاکہ اس فتنہ کا قلع قمع ہو سکے جو کہ ہمارے ملک میں پہلی دفعہ داخل ہو رہا ہے، اور ہم چاہتے ہیں اس کی برائیاں نہ

جمنے پائیں اور ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں، امید ہے کہ جلد از جلد جواب ملے؛ کیوں کہ یہ اس فتنہ کی ابتداء ہے، اور لوگ اس وقت مذبذب ہیں، امید ہے کہ ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے جلد از جلد جواب دیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بریلوی عقائد کیا ہیں؟ اس کی تحقیق کر کے ان کی تصریح کے ساتھ سوال کیجئے، جس شخص کا عقیدہ کفریہ ہو اس کا امام بنانا اور اس کی اقتداء کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں، اس کے پیچھے نماز درست نہیں۔

ویکرہ إمامة عبد، وأعرابي، وفاسق، وأعمى إلا أن يكون أعلم القوم، ومبتدع لا يكفر بها فلا يصح الاقتداء به اصلاً (تنوير الابصار)

(فتاویٰ محمودیہ ۲/۷۰، ۷۳)

امام کا عقیدہ کفریہ ہونے کی صورت میں جب نماز ہی درست نہیں ہوتی تو الگ نماز پڑھنا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بریلوی عقائد والے امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا

سوال: کیا ہم بریلوی امام کی اقتداء کر سکتے ہیں؛ جب کہ ان کے عقائد میں شرک کا وجود ہے، جیسے: حضور ﷺ کو عالم الغیب کہنا، حضور ﷺ کو حاضر و ناظر سمجھنا، حضور ﷺ کو اللہ کے برابر سمجھنا، ان عقائد کے باوجود کیا ان کے پیچھے نماز ہوگی؟ اگر نہ ہوگی تو پچھلی نمازوں کو دہرانا پڑے گا؟ کیا بریلوی حضرات پر کفر کا اطلاق ہوسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عالم الغیب ہونے کی خود نفی فرمائی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اپنے علم غیب کی نفی کردیں۔ ﴿قل لا أقول لكم عندى خزائن الله ولا أعلم الغيب، قل لا يعلم من فى السمٰوٰت والارض الغيب الا الله﴾ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ذاتی ہے، اسی طرح ہر جگہ حاضر وناظر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے، اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر وبرابر نہیں ﴿ولم يكن له كفوا احد﴾۔

اس لیے سوال میں مذکور عقائد قرآن وحدیث واجماعِ امت کے خلاف ہیں، ایسے عقائد رکھنے والے کے پیچھے نماز درست نہیں۔

وإن أنكر بعض ماعلم من الدين ضرورة كفر بها، كقوله إن الله تعالىٰ جسم كالاجسام، وانكاره صحبة الصديق فلا يصح الاقتداء به اصلا فليحفظ. (درمختار على هامش الشامى ١ /٤١٥)

اگر یہ معلوم ہوجائے کہ امام کے یہ عقائد ہیں تو پچھلی نماز بھی دہرالینی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اہل حدیث کی امامت

سوال: میں اپنے گاؤں میں امامت کرتا ہوں اور وہاں پر ایک عالم ہیں اور وہ اہل حدیث ہیں اور چاروں اماموں کو نہیں مانتے اور میری غیر موجودگی میں وہ نماز پڑھاتے ہیں ان کے پیچھے نماز ہوتی ہے یا نہیں میں نے بہت سے علما سے اس کی تحقیق

کی کوئی کہتا ہے کہ ہوجاتی ہے اور کوئی کہتا ہے کہ نہیں ہوتی کوئی معقول جواب نہیں ملا اور وہ ہمارے تمام جوان ساتھیوں پر محنت کرتے ہیں جس کی وجہ سے ساتھی ان کی ہی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرتے ہیں اور دعوت کا کام کرنے کے لیے بہت سے گاؤں میں پیدا ہوتی ہیں اور ہم ایسے وقت میں کیا کریں اس وقت میں اور ہماری مسجد وار جماعت کے ساتھی پریشان ہو چکے ہیں آپ ہمیں بتائیں کہ ہم ان سے بچ رہیں یا ان کی باتوں پر عمل کریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو اہل حدیث تقلید کو شرک نہیں کہتا اور ائمۂ مجتہدین وسلف صالحین کو سب وشتم نہیں کرتا اور حنفیہ کے مذہب کی رعایت کر کے نماز پڑھاتا ہے اس کے پیچھے حنفیہ کی نماز درست ہے جو حنفیہ کے مذہب کی رعایت نہیں کرتا اس کے پیچھے درست نہیں اور جس کے متعلق رعایت اور عدم رعایت کے متعلق علم نہیں اس کے پیچھے مکروہ ہے مگر نماز درست ہوجائے گی جب تک امام کے متعلق کسی وصف مفسد صلاۃ کا علم نہ ہو اگر علم ہوجائے مثلاً امام کے بدن سے خون نکلا جو اس کے مذہب کے موافق ناقض وضو نہیں اور حنفی مذہب کے موافق ناقض وضو ہے تو نماز نہیں ہوئی حنفی کو اپنی نماز کا اعادہ لازم ہے اور جو اہل حدیث تقلید کو شرک کہتا ہے اور ائمۂ مجتہدین اور سلف صالحین پر سب وشتم کرتا ہے اس کے پیچھے نماز درست نہیں۔ اس کو امام بنانا ہی جائز نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۹/ ۶۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری ۱۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

فرقۂ مہدوی سے متعلق شخص کی امامت

سوال: ہمارے یہاں بھروچ میں فرقۂ مہدویہ کے بہت زیادہ لوگ رہتے ہیں اس فرقے کے بہت سارے بچے اپنے مدرسے میں (مکاتب میں) پڑھتے ہیں کچھ بچے اپنے ادارہ میں پڑھ کر حافظ ہوتے ہیں اب یہ بچے رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن سنانا چاہتے ہیں تو کیا اہل سنت وجماعت کی مسجد میں یہ قرآن سنا سکتے ہیں یا نماز پڑھا سکتے ہیں؟ اور اگر یہ تراویح اور نماز پڑھاویں تو ان کی اقتدا میں ہماری نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس فرقہ کے متعلق مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ یہ فرقہ کافر ہے۔ دیکھیے کفایت المفتی ۱/۳۲۱۔ اس کے متعلق ایک تفصیلی فتویٰ فتاویٰ رحیمیہ ۷/۳۹ تا ۶۲ میں موجود ہے اس کا مطالعہ فرمالیں۔

ہمارے اطراف میں اس فرقہ کے جو افراد آباد ہیں ایک زمانہ سے ان کا تعلق دکن میں واقع اپنے مرکز سے نہ رہنے کی وجہ سے اور ہمارے اہل سنت وجماعت سے تعلقات ان کے ساتھ لین دین اور صحیح العقائد حضرات کی صحبت کی وجہ سے ان میں بہت سے حضرات کی اصلاح ہوچکی ہے صرف برائے نام مہدوی ہے لہٰذا جو لوگ صحیح العقیدہ ہوگئے ہیں وہ مندرجۂ بالا حکم کے مصداق نہ ہوں گے البتہ پچھلے چند سالوں سے دکن میں واقع مرکز کے ذمہ دار حضرات کا آنا جانا اور ان حضرات کا ان سے ربط بڑھا

ہے اس لیے احتیاط اور تحقیق حال بہت ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اُملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

تارکِ فجر کی امامت

سوال: امجد ایک شخص ہے جو غسالی کا پیشہ کرتا ہے، اور مردوں کو نہلانے کا کام کرتا ہے، دوسرے یہ کہ صبح کی نماز برسوں میں ادا نہیں کرتا، صرف چار ٹائم نماز ادا کرتا ہے، اور جانوروں کی ذبحیت کا کام کرتا ہے، اور اناج کی سرکاری دوکان ہے، اور وہ اناج کارڈ والوں کو نہ دیتے ہوئے بلیک مارکیٹ کرتا ہے، اور خود کو بہت بڑا متقی اور پرہیز گار سمجھتا ہے، کیا ایسے آدمی کے پیچھے نماز ادا ہو سکتی ہے جو کہ کبھی کبھی امام کا کام انجام دیتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو شخص فجر کی نماز نہ پڑھتا ہو وہ فاسق ہے، ایسے آدمی کو امام بنانا مکروہ ہے، اور ایسے آدمی کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔

إن إمامة الفاسق مكروهة تحريما (طحطاوی علی مراقی الفلاح ١٦٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ رجب ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دواعیٔ زنا کے مرتکب کو امام و مدرس رکھنا

سوال: زید ایک دینی مدرسے میں مدرس اور مدرسے کی مسجد میں امامت کرتا تھا،

اور فارغ اوقات میں جھاڑ پھونک بھی کیا کرتا تھا، زید کا ایک شخص کے یہاں مدت سے آنا جانا تھا، اور وہاں ایک لڑکی بھی آتی جاتی تھی، زید کو اس لڑکی کے ساتھ دواعیٔ زنا کا ارتکاب کرتے ہوئے محلے کی عورتوں نے دیکھا، اور چرچا ہونے پر مردوں کو بھی اس کا علم ہوا، جس پر زید کے ایک دوست نے ازخود جا کر زید کو دواعیٔ زنا کرتے ہوئے دیکھا، اور پھر اس کی اطلاع اراکین مدرسہ کو دی، اسی دوران کچھ شر پسند لوگوں نے بہ ذریعۂ پمفلٹ زید پر زنا کا الزام لگایا اور اسے خاموشی سے تقسیم کیا، جس پر زید سے تعلق رکھنے والوں نے ایک پنچ کمیٹی بنائی اور اراکینِ مدرسہ کی اجازت سے اخبار میں اعلان دیا، کہ زید کے زنا کے تعلق سے کسی کے پاس ثبوت ہو تو تین دن میں پنچ کمیٹی کے سامنے پیش کرے؛ لیکن کسی نے زنا کے تعلق سے ثبوت پیش نہیں کیا، کیوں کہ چشم دید گواہوں نے زید کو دواعیٔ زنا کرتے ہوئے دیکھا، اور پنچ کمیٹی کا مطالبہ ثبوت زنا کا تھا، نیز زید نے اراکین مدرسہ کے تحقیق کرنے پر اقرار وانکار نہ کرتے ہوئے خاموشی اختیار کی، اور یہ کہا کہ: اب مدرسہ نہیں آؤں گا، آپ لوگ میرے خلاف تحقیق کرنا ختم کردیں، اور تحریر دی کہ: آپ لوگ جب مدرسہ بلاؤ گے آجاؤں گا، اور ازخود امامت ترک کردی اور مدرسہ آنا جانا بند کردیا؛ اس لیے زید کی درخواست اور پمفلٹ کے تدارک کے پیش نظر اراکین نے خاموشی اختیار کی، جس پر پنچ کمیٹی نے زید کی براءت کا فیصلہ کردیا، اور زید کو منصب امامت تفویض کیے جانے اور تدریس پر واپس لینے پر اصرار کرنے لگے، اور بہ شمول زید کچھ لوگ مدرسے کے مفادات کو نقصان پہنچانے اور اراکین کو پریشان کرنے کے درپے ہیں، نیز زید نے چند افراد کے پاس زنا کے انکار کے ساتھ دواعیٔ زنا کے ارتکاب کا اقرار کیا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) زید اپنے اقرار اور دو اعیٔ زنا کے گواہوں کے پیش نظر شرعاً مجرم ہے یا نہیں؟

(۲) اور کیا اس حالت میں اسے امامت کرنا چاہیے؟ جب کہ مصلی حضرات اراکین سے پوچھتے تھے: ہماری نمازوں کا کیا ہوگا؟ آیا مصلیوں کی ناراضگی کے باوجود زبردستی امامت کرنا کیسا ہے؟ شریعت نے کیا فیصلہ دیا ہے؟

(۳) پنچ کمیٹی جو زید سے متعلق الزامات کی تحقیق کے لیے بنی تھی، اس کا صرف زنا سے متعلق ثبوت مانگنا اور دو اعیٔ زنا کو نظر انداز کر کے براءت کا فیصلہ کرنا، اپنی ذمہ داری کو پورا کرنا ہے یا کوتاہی کے مترادف ہے؟

(۴) چشم دید گواہ زید کا دوست اور حافظ قرآن ہے، رمضان المبارک میں تراویح اور دیگر نمازوں میں بسا اوقات امامت کرتا ہے، اس کا اس جرم سے باخبر رہ کر ذمہ داروں کو باخبر کرنا شرعاً گناہ ہے؟ اور اس وجہ سے اس کی امامت مکروہ تحریمی ہوگی؟

(۵) زید نے لوگوں سے ایسا کہا ہے کہ: اگر میں نے زنا کیا ہو تو میری بیوی مجھ پر حرام، اگر زید نے زنا کیا ہو تو اس کی بیوی پر کونسی طلاق واقع ہوگی اور کتنی؟ کیا زید کو بیوی سے دوبارہ نکاح کے لیے حلالہ کی ضرورت ہوگی یا صرف خاموشی سے نکاح کر لینا کافی ہوگا؟

(۶) ثبوت زنا کے لیے چار گواہ ضروری ہیں، کیا دو اعیٔ زنا کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہوگی؟

(۷) دینی ادارے تعلیم گاہ کے ساتھ ساتھ تربیت گاہ بھی ہوتے ہیں، ان حالات میں زید کو تدریسی منصب پر رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے اس استفتا سے پہلے ایک استفتاء اس سلسلے میں دار الافتاء میں آچکا ہے،

جس کا جواب مفتی عبدالقیوم صاحب سلمہ لکھ چکے ہیں، اس میں تحریر فرمودہ نوعیت کچھ مختلف ہے؛ اس لیے جواب بھی اس کے مطابق ہے، آپ کی تحریر فرمودہ نوعیت کے مطابق جواب دیا جارہا ہے، چاہیے تو یہ تھا کہ دونوں فریق ایک متفقہ استفتاء پیش فرماتے تو معاملہ بہ سہولت حل ہوجاتا۔

① دواعیٔ زنا کا زید خود اقرار کرچکا ہے تو مجرم ہے، اسی طرح دواعیٔ زنا پر شرعی گواہ موجود ہیں تو ان کی شہادت سے بھی جرم ثابت ہوچکا؛ البتہ دواعیٔ زنا کا شمار کبائر میں ہے یا صغائر میں؟ تو صاحب بحر علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مستقل رسالہ میں ان کو صغائر بتلایا ہے (دیکھیے مجموعۃ الرسائل ص: ۹۴) لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ اس کا ارتکاب ایک آدھ مرتبہ ہوا ہو؛ لیکن اگر بار بار ان کا ارتکاب کیا گیا ہے تو اصرار علی الصغیرہ ہونے کی وجہ سے یہ بھی کبیرہ ہوجاتا ہے۔

② جب تک یہ معاملہ صغیرہ کی حد تک رہا ان کی امامت پر زد نہیں پڑی؛ البتہ اگر یہ کبیرہ کی حد میں آچکا تھا تو امامت میں کراہت آگئی۔ استفتا میں مذکور صورت میں جس انداز سے اس کا چرچا ہوا اور پنچ کمیٹی نے ثبوت طلبی کے لیے جو انداز اختیار کیا، یہ تمام باتیں زید سے بدگمانی کا سبب بن سکتی ہیں، جس کے نتیجے میں اراکین مدرسہ اور مصلی حضرات زید سے ناراض ہوں تو ان کی ناراضگی درست ہے۔ اگر زید اپنے جرم سے توبہ کرکے اپنی اصلاح نہ کریں تو امامت سے علاحدہ کیے جاسکتے ہیں، زید کو خود چاہیے کہ اپنی امامت کے لیے اصرار نہ کرے۔

③ پنچ کمیٹی کا قیام اگر زید سے متعلق تمام الزامات کی تحقیق کے لیے عمل میں آیا تھا تو اس کی ذمہ داری تھی کہ صرف ایک جزء پر اکتفا نہ کرتی؛ لیکن اگر اس کا قیام پمفلٹ

میں لگائے گئے الزام زنا کے لیے ہی عمل میں آیا تھا، جیسا کہ آپ نے شروع سوال میں لکھا ہے، تو اس کو کوتاہی سے تعبیر کرنا درست نہیں ہے۔

④ چشم دید گواہ نے اگر زنا کی تہمت نہیں لگائی ہے؛ بلکہ صرف دواعیٔ زنا کی بات کہی ہے، تو اس کی امامت میں کراہت نہیں آئے گی، خصوصاً جب کہ زید کو بھی اس کا اقرار ہے اور دوسرے گواہ بھی موجود ہیں۔

⑤ لفظ حرام طلاق صریح بائن ہے، اس سے بدون نیت بھی طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے۔ وسيأتي وقوع البائن بلانية في زماننا (شامي ۲/۵۰۳) اس صورت میں حلالہ کی ضرورت نہیں ہے، عدت میں یا بعد عدت نکاح کرلینا کافی ہے۔

⑥ دواعیٔ زنا کے لیے چار گواہوں کی ضرورت نہیں ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: زنا کی سزا اسلام میں سب جرائم کی سزاؤں سے زیادہ سخت ہے، اس کے ساتھ اسلامی قانون میں اس کے ثبوت کے لیے شرائط بھی بہت سخت رکھی گئی ہیں، جن میں ذرا بھی کمی رہے یا شبہ پیدا ہوجائے تو زنا کی انتہائی سزا جس کو حد کہا جاتا ہے وہ معاف ہوجاتی ہے، صرف تعزیری سزا بہ قدر جرم باقی رہ جاتی ہے، تمام معاملات میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ثبوت کے لیے کافی ہوجاتی ہے الخ۔ (معارف القرآن ۶/۳۳۶)

⑦ یہ انتظامی معاملہ ہے، اگر زید کو تدریسی منصب پر باقی رکھنے میں طلبہ کے اخلاق یا ان کی تربیت مجروح ہوسکتی ہے تو منتظمین علاحدہ کرسکتے ہیں، اس صورت میں پنچ کمیٹی یا دیگر حضرات کا اراکین مدرسہ پر زید کو منصب تدریس پر برقرار رکھنے پر اصرار کرنا، اور کچھ حضرات کا مفادات مدرسہ کو نقصان پہنچانے کے درپے ہونا مذموم حرکت

ہے، اور اگر زید توبہ کر لیتا ہے اور تدریس پر باقی رکھنے میں مندرجۂ بالا خرابی نہیں ہے، تو منتظمین حضرات کو اس کا بھی اختیار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱ر رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ٹرسٹی نامزدگی کے لیے غلط عریضہ دینے والے امام کی امامت

سوال: امام مسجد نے ایک عریضہ چیریٹی کمشنر کے دفتر میں داخل کیا ہے کہ انھیں ٹرسٹی نامزد کیا جائے، کیوں کہ اس ٹرسٹ کے ٹرسٹی حضرات لاپتہ ہیں، یا امام مسجد کو ان کے بارے میں کوئی معلومات نہیں، اور وہی پچھلے کئی سالوں سے مسجد کے انتظام کی نگرانی دیکھ بھال اور انتظامات انجام دے رہے ہیں۔ مذکورہ بالا عریضہ غلط اور گمراہ کن باتوں پر مبنی ہے؛ کیوں کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے، امام مسجد درحقیقت ٹرسٹ کی ملازمت میں ہے، اور باقاعدگی کے ساتھ ماہانہ تنخواہ ٹرسٹ سے وصول کرتا ہے، اور امام کو ٹرسٹی حضرات کی موجودگی کا پورا علم ہے، چوں کہ امام مسجد نے حقیقت سے انحراف کیا ہے اور حقائق وسچ کو در پردہ رکھ کر جھوٹ اور غلط کا سہارا لیا ہے، کیا ایسا شخص امام ہونے کے لائق ہے؟ اور کیا ایسے شخص کی امامت میں نماز درست اور صحیح ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر واقعتاً امام مذکور نے یہ حرکت کی ہے تو وہ اپنی کذب بیانی اور ٹرسٹ کے حقیقی ٹرسٹیوں کو بلاوجہ شرعی اپنے منصب سے ہٹانے کی اپنی اس گھناؤنی سازش کی وجہ سے موجبات فسق کا مرتکب ہوا، اور اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔

مشیٰ في شرح المنية علیٰ أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، لما ذكرنا. (شامي ۱/۳۷۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تولیت کا مستحق کون ہے؟

سوال: مذکورہ امام نے مندرجۂ بالا عریضہ کے ساتھ ایک اسکیم بھی اپنی مرضی اور موافقت کے مطابق چیریٹی کمشنر کے دفتر میں داخل کی، کہ ٹرسٹ میں کم از کم تین ٹرسٹی ہوں گے اور زیادہ سے زیادہ بھی تین ٹرسٹی ہوں گے، اور مذکورہ امام اس ٹرسٹ کا تاحیات چیرمین ہوگا، اور ان کی وفات کے بعد ان کا لڑکا چیرمین ہوگا، اور یہ سلسلہ اسی طرح نسل در نسل چلتا رہے گا، یعنی مسجد اور مذہبی ٹرسٹ میں خاندانی اجارہ داری اور وراثت کی دخل اندازی، آیا مسجد و مذہبی ٹرسٹ کے معاملات میں شریعت کی رو سے خاندانی اجارہ داری اور وراثت کی کوئی گنجائش ہے؟ جب کہ خلفائے راشدین کی زندگی اور ان کے معاملات اس کے بالکل برعکس و برخلاف رہے ہیں۔ ایسی صورت حال میں امام مسجد کی شخصیت مشکوک دکھائی دیتی ہے، آیا ایسا متنازعہ شخصیت والا شخص کیا امام ہوسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس آدمی نے مسجد بنائی ہے یا کوئی وقف کیا ہے، اگر وہ اس کی تولیت (ٹرسٹی شپ) اپنی زندگی میں اپنے لیے اور اپنے بعد اپنی اولاد کے لیے مخصوص کرتا ہے تو شرعاً درست اور جائز ہے؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ اس میں صفت امانت اور دیگر شرائطِ تولیت موجود ہوں۔

جعل الواقف الولاية لنفسه جاز بالإجماع، وكذا لو لم يشترط لأحد

فالولاية له عند الثاني وهو ظاهر المذهب.(درمختار على هامش الشامية ٣٨٤/٣)

وفي أنفع الوسائل عن وقف هلال: لو قال: ولايتها إلى ولدي وفهم الصغير والكبير يدخل القاضي مكان الصغير رجلا، وإن شاء أقام الكبار مقامه إلخ (شامي ٣٨٥/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے والے کی امامت

سوال: ① ایک شخص نے دو سگی بہنوں سے نکاح کرلیا، یہ نکاح ہوا یا نہیں؟ دوسری بات یہ کہ وہ نماز جمعہ یا دوسری نمازیں پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

ناحق قتل کرنے والے اور منکر قرآن کی امامت

سوال: ② جو آدمی کسی مسلمان کا ناحق خون بہائے یا قرآن کا منکر ہو، وہ بھی امامت کرا سکتا ہے یا نہیں؟ اور مسلمانوں کی مجلس میں ایسے شخص کو بیٹھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ جلد از جلد جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

① دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ ﴿وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ﴾ اب اگر کسی آدمی نے ایسا کرلیا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک صورت تو یہ ہے کہ پہلے سے ایک بہن نکاح میں موجود تھی، اور دوسری سے نکاح کیا، اس کا حکم یہ ہے کہ پہلا نکاح باقی ہے، دوسرا باطل ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ بیک وقت ایک ہی عقد سے دونوں سے نکاح کیا تو

اس کے لیے ضروری ہے کہ دونوں سے علیحدگی اختیار کرلے۔

وإن تزوجهما معا أي الاختين أو مَن بمعناهما أو بعقدين ونسى النكاح الأول فرق القاضي بينه وبينهما (درمختار)(قوله نسى الأول) فلو علم فهو الصحيح، والثاني باطل، الخ (شامي ٢ /٣١٠)

اگر وہ شخص دو سگی بہنوں کو اپنے پاس بیوی بنا کر رکھے ہوئے ہے تو مرتکبِ حرام ہے جو فاسق ہے، اس کی امامت جائز نہیں، ایسے آدمی کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔

ويكره فاسق (درمختار) (قوله فاسق) من الفسق وهو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر، كشارب الخمر، والزاني، وآكل الربا، ونحو ذلك الخ (شامی ١ /٤١٤)

(۲) کسی مسلمان کا ناحق خون بہانا بھی کبیرہ گناہ ہے، اس لیے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ جو شخص قرآن کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں، اس نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

وإن أنكر بعض ما علم من الدين ضرورةً كفر بها، فلا يصح الاقتداء به أصلاً (درمختار على هامش الشامي ١ /٤١٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲ / رجب ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

پتلون پہن کر امامت کرنا

سوال: پینٹ (پتلون) پہن کر امامت کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

جائز ہے، بہتر یہ ہے کہ مسنون لباس پہنے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

لنگی پہن کر امامت کرنا

سوال: لنگی پہن کر امامت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس آدمی کا لباس لنگی ہی ہے وہ کرا سکتا ہے؛ لیکن جو آدمی اونچی مجالس میں اس لباس کے ساتھ جانا اپنے لیے پسند نہیں کرتا، اس کے لیے مناسب نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

شیعہ کی امامت

سوال: کیا شیعہ امام کے پیچھے اہل سنت والجماعت کی درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ شیعہ اثنا عشریہ ہے تو ایسے امام کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بدعتی کی اقتداء میں نماز پڑھنا

سوال: ہماری دوکان کے قریب دونوں مسجدوں میں محبین حضرات کا قبضہ ہے، اور ان کا عقیدہ بالخصوص امام کا عقیدہ دیوبندی حضرات کے بارے میں منافق کا ہے،

اور دوسرا ان کا عقیدہ قبر والوں سے حاجات مانگنے کا ہے، یہ دونوں عقیدے ایسے ہیں جس کو براہِ راست بندے نے سنا ہے، اور آگے ان کے کیا کیا عقائد ہیں؟ وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے، کیا ان کے پیچھے ہم نماز پڑھ سکتے ہیں؟ ہماری نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آج کل کے فرقہ مبتدعہ کے عقائد حدّ شرک تک پہنچے ہوئے ہیں، اس لیے ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی؛ البتہ اگر کوئی بدعتی شرکیہ عقائد نہ رکھتا ہو؛ بلکہ موحد ہو، صرف تیجہ، چالیسواں وغیرہ جیسی بدعات میں مبتلا ہو، اس کی امامت مکروہِ تحریمی ہے۔

قال في الشامية: فهو (الفاسق) كالمبتدع، تكره إمامته بكل حال.
(رد المحتار ۱/ ۵۶۳)

وقال العلامة الحلبي: بعد ماحرر من أن كراهة تقديم الفاسق كراهة تحريم، ويكره تقديم المبتدع أيضاً؛ لأنه فاسق من حيث الاعتقاد، وهو أشد من الفسق من حيث العمل؛ لأن الفاسق من حيث العمل يعترف بأنه فاسق، ويخاف ويستغفر، بخلاف المبتدع، والمراد بالمبتدع: من يعتقد شيئا على خلاف مايعتقده أهل السنة، والجماعة وانما يجوز الاقتداء به مع الكراهة إذا لم يكن مايعتقده يؤدى إلى الكفر عند أهل السنة إما لوكان مؤديا إلى الكفر فلا يجوز أصلا. (غنية ۴۸۰)

کوئی صحیح العقیدہ امام مل جائے تو بدعتی کی اقتداء میں نماز نہ پڑھے، ورنہ اسی کے پیچھے پڑھ لے، جماعت نہ چھوڑے، بدعتی کے اقتداء میں پڑھی ہوئی نماز اگرچہ مکروہ تحریمی ہے؛ مگر واجب الاعادہ نہیں۔ یہ ایسے بدعتی کا حکم ہے جو مشرک نہ ہو، شرکیہ عقائد رکھنے والے کا حکم اوپر لکھا جا چکا ہے کہ اس کے پیچھے نماز قطعاً نہیں ہوتی۔ (احسن الفتاویٰ ۳/ ۲۹۰)

امام کا دیوبندی حضرات کو منافق سمجھنا شرکیہ عقیدہ نہیں، اہل قبور سے حاجات، ان کو حاجت روا سمجھ کر مانگی جاتی ہیں تو یہ شرکیہ عقیدہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بدعتی کی اقتداء میں نماز پڑھنا

سوال: محلہ میں ایک ہی مسجد ہو اور اس مسجد میں سخت بدعت ہو، کیا اس مسجد میں جا کر جماعت میں نماز پڑھنا چاہیے یا اپنے مکان میں اکیلا پڑھنا بہتر ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر یہ بدعتی امام ایسی بدعت میں مبتلا ہے جس کی وجہ سے کفر عائد ہو جاتا ہے۔ (مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب مانتا ہے) تو اس کی امامت جائز نہیں، اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہوتی، اگر اس کی بدعت ایسی بدعت نہیں، اور وہ نماز کے فرائض وواجبات کی رعایت کرتے ہوئے نماز پڑھائے تو اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۸۱)

پہلی صورت میں مکان پر نماز پڑھ لیجئے یا دوسری مسجد میں پڑھئے، دوسری صورت میں اگر قریب میں دوسری مسجد ہے تو وہاں؛ ورنہ محلہ کی مسجد میں نماز پڑھئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بدعتی امام کی اقتدا میں نماز

سوال: یہاں ماپوت کی جمعہ مسجد کے امام صاحب بدعتی ہیں، ہم کو کسی موقع پر میت

یا شادی وغیرہ میں ماپوت جانا پڑتا ہے تو ہمیں جمعہ مسجد میں اس بدعتی امام کے پیچھے نماز پڑھنی پڑتی ہے تو کیا ہم اس بدعتی کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں؟ جب کہ وہ آپ ﷺ کو حاضر وناظر کہتے ہوں اور آپ ﷺ کو عالم الغیب بھی مانتے ہوں، اب جو لوگ اس جمعہ مسجد کے پاس رہتے ہیں وہ لوگ اس بدعتی کے پیچھے نماز پڑھ لیں یا کسی دوسری مسجد میں جا کر پڑھیں؛ کیوں کہ وہ لوگ نہ تو اس بدعتی کو نکال سکتے ہیں۔ نہ وہاں الگ دوسری جماعت کر سکتے ہیں، اگر ایسا کرنے جاویں تو بڑا فساد ہو جاوے، ایک مرتبہ ایسا ہوا بھی تھا، آج سے قریب تین سال پہلے رمضان جیسے مبارک مہینہ میں لوگوں کو جیل میں جانا پڑا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوال میں مذکور عقائد حد شرک تک پہنچے ہوئے ہیں، اس لیے اس کے پیچھے نماز نہیں ہوگی؛ البتہ اگر کوئی بدعتی شرکیہ عقائد نہ رکھتا ہو؛ بلکہ موحد ہو صرف تیجہ، چالیسواں وغیرہ جیسی بدعات میں مبتلا ہو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ (احسن الفتاوی ۳/ ۲۹۰)

جو لوگ اس مسجد کے پاس رہتے ہیں، اگر وہ اس امام کو ہٹانے پر قدرت نہ رکھتے ہوں تو ان کو چاہیے کہ کسی مکان میں اپنی الگ جماعت کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بدعتی کی امامت

سوال: زید حافظ قرآن ہے اور نائب امام بھی ہے؛ مگر درگاہ کی صاف صفائی بھی کرتا ہے اور لوبان، اگربتی بھی قبر پر جلاتا ہے اور درگاہ پر پھول بھی چڑھاتا ہے اور بیت

الخلاء پیشاب خانہ وغیرہ بھی صاف کرتا ہے، درگاہ پر ایک حافظ قرآن اور نائب امام کا قبر پر پھول چڑھانا اگربتی، لوبان وغیرہ جلانا کیسا ہے؟ ان کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قبر پر پھول چڑھانا اگربتی اور روشنی کرنا بدعت ہے، ان امور کا مرتکب اگر توبہ نہ کرے تو اس کی امامت مکروہ ہے، بیت الخلاء اور پیشاب خانہ کی صفائی کے ساتھ اگر وہ جسم اور لباس کی طہارت کا خیال رکھتا ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بدعتی امام کی اقتدا

سوال: مسجد میں ایک امام صاحب کا تقرر ہوا ہے، کہتے ہیں کہ وہ بریلی سے فارغ ہوئے ہیں، امام صاحب بعد نماز عصر کتابی تعلیم کرتے ہیں، ''فیضانِ سنت'' یہ کتاب ''مولوی محمد الیاس صاحب قادری'' کی لکھی ہے، ایک دن احقر بھی نماز عصر میں شریک تھا، اس دن فضائل درود شریف کی بہت سی احادیث پڑھی گئ، اس میں ایک حدیث اس طرح ہے، کہ جو شخص جمعرات اور جمعہ کو درود پڑھتا ہے، اس کو میں خود سنتا ہوں۔ نماز کے لیے دو منٹ قبل جماعت سے مصلی پر جا بیٹھتے ہیں، اور مقتدیوں کو کہتے ہیں کہ وہ بھی بیٹھے رہیں، حی علی الصلوۃ کہنے سے پہلے نہ اٹھیں، جہری نماز میں اکثر سورہ بقرہ کی مختصر آیات تلاوت کرتے ہیں، ہر نماز کے فوراً بعد داہنی طرف تھوڑا سا ٹیڑھے ہو کر بیٹھتے ہیں دعا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع کرتے ہیں، دعا میں ہمیشہ صلوۃ

وسلام علیك یا رسول اللہ ﷺ اور خصوصیت سے فجر کی دعا میں، ہمیں قادری رکھ، قادری بنا، اور قادریوں میں اٹھا، حضرت عبدالقادر قدرت نما کے واسطے، اور بعض دفعہ صبح مکمل کردیتے ہیں، ایک دفعہ دیکھا گیا کہ وہ حسب عادت دومنٹ قبل مصلی پر جارہے تھے، اور ایک شخص نماز پڑھ رہا ہے، یہ دیکھتے ہوئے نمازی کے سامنے سے قصداً گزر گئے، سنتے ہیں کہ اکثر جمعہ کے دن کہتے ہیں کہ جنت کا ٹکٹ حضرت علی رضی اللہ عنہ دیں گے، اور ایک دن اس طرح اعلان کئے کہ جو کوئی حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتے ہوں وہ بیٹھیں، اور جو کوئی نہ رکھتے ہوں وہ چلے جائیں وغیرہ، مسجد کے ذمہ دار اور کچھ لوگ بھی امام کی تائید کرتے ہیں، اس سے پہلے کبھی ایسے امام کا تقرر نہیں ہوا تھا، بعض لوگ اس مسجد میں نماز پڑھنا اس امام کے پیچھے ترک کردیئے ہیں، ان لوگوں کا غالب گمان یہ ہے، کہ ایسے اعتقاد رکھنے والے امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، نماز میں کوئی غلطی کی طرف توجہ دلائی جائے، تو اس شخص کو اس طرح کہنے سے سختی سے منع کرتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز سے قبل دومنٹ اس طرح امام کا مصلی پر جاکر بیٹھ جانا، کسی حدیث یا عمل صحابہ یا اقوال ائمہ یا کتاب فقہ سے ثابت نہیں ہے، نماز میں مسنون قرأت، جیسا کہ فقہا نے تصریح فرمائی ہے، فجر وظہر میں طوال مفصل، یعنی سورہ حجرات سے سورہ بروج تک، اور عصر وعشاء میں اوساط مفصل، یعنی بروج سے سورہ لم یکن تک، اور مغرب میں قصار مفصل، یعنی سورہ لم یکن سے آخر تک ہے، اس کی رعایت کرنا چاہیے، امام اگر نماز میں، قرأت میں کوئی غلطی کرے، تو مقتدیوں کو چاہیے کہ مناسب اصلاح دیں، اسی

طرح دیگر مواقع پر امام کی غلطی پر ٹوکنے والے کی بات اگر درست ہے، تو اس کے ساتھ نزاع اور ممانعت مناسب نہیں ہے۔

بدعتی امام کی بدعت حد کفر کو پہنچی ہوئی نہیں ہے، تو اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، اور اگر حد کفر کو پہنچی ہوئی ہے، تو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔ (درمختار شامی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

داڑھی منڈانے والے کی امامت

سوال: جو شخص داڑھی نہیں رکھتا اس کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

داڑھی کتروانا یا منڈانا اور ایک مشت سے کم رکھنا حرام ہے اور اسلام کی کھلی ہوئی توہین اور اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے بغاوت کا اظہار اور شریعت کی مخالفت ہے، یہ گناہِ کبیرہ؛ بلکہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بدتر ہے کہ داڑھی کٹانے کا گناہ سوتے جاگتے ہر وقت ساتھ لگا ہوا ہے، نیز یہ قومِ لوط کی خصلت ہے، ایسا شخص کھلا ہوا فاسق وفاجر ہے، اس کی امامت اور اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز مکروہِ تحریمی ہے، اگر کسی جگہ ایسا امام ہو اور اس کے ہٹانے پر فتنہ کا اندیشہ ہو تو دوسری مسجد میں نیک امام تلاش کرے، ورنہ بدرجۂ مجبوری اسی کے پیچھے پڑھ لینا بہتر ہے، تنہا پڑھنے کے بجائے جماعت کے ساتھ اسی کے پیچھے پڑھ لینا بہتر ہے، اس کا جو کچھ وبال ہوگا امام بنوانے

والے پر ہوگا۔ (مسائلِ امامت مدلّل: ۱۸۳)

العبد احمد خانپوری، ۱۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ

داڑھی تراشنے والے امام کی امامت

سوال: کیا اس امام کے پیچھے نماز ہوجائے گی جس کی داڑھی ایک مشت سے کم ہو؟ مراد یہ ہے کہ وہ ڈاڑھی تراشتا رہتا ہے، ایک مشت سے بھی کم رکھتا ہو، باوجودیکہ بارہا امام صاحب کو اس فعل پر متنبہ بھی کیا گیا ہو؛ مگر وہ اس پر مصر ہی نظر آتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ڈاڑھی قبضہ سے کم کرانا حرام ہے، ایسا آدمی فاسق ہے، اور فاسق کی امامت مکروہ تحریمی ہے، اس لیے ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں، اگر کوئی ایسا شخص جبراً امام بن گیا یا مسجد کی منتظمہ نے بنا دیا اور ہٹانے پر قدرت نہ ہو، تو کسی دوسری مسجد میں صالح امام تلاش کرے، اگر میسر نہ ہو تو جماعت نہ چھوڑے؛ بلکہ فاسق کے پیچھے ہی نماز پڑھ لے۔ (احسن الفتاویٰ ۳/ ۲۶۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ڈاڑھی کاٹنے والے کی امامت واذان

سوال: ڈاڑھی کاٹنے والے کی اذان، اقامت اور امامت کیسی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک مشت سے کم تک کترتا ہے تو اس کی امامت اور اذان دونوں مکروہ ہیں۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

داڑھی کٹوانے والے کو امام بنانا مکروہِ تحریمی ہے

سوال: ایک امام صاحب نے پہلے داڑھی رکھی تھی پھر بعد میں داڑھی بالکل صاف کروادی، اور داڑھی کی توہین کی، کیا ان کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسے شخص کو امام بنانا مکروہِ تحریمی ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/ ۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: داڑھی کی توہین سے آپ کی مراد کٹوانا اور صاف کروانا ہے تو یہی حکم ہے، اور اگر دوسری مراد ہے اس کی تشریح کیجیے۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قرآن مجید غلط پڑھنے والے کی امامت

سوال: اس امام کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے جو قرآن کریم میں لحن جلی اور خفی کی رعایت نہ کرتا ہو؛ جب کہ بارہا انہیں تنبیہ بھی کی جا چکی ہو؛ مگر وہ بدستور اپنے حال پر باقی ہو؛ نیز اس امام کی اقتداء میں دو طرح کے لوگ شریک ہوتے ہوں: ایک تو عالم یا قاری، دوسرا جاہل، تو ان دونوں میں سے ہر ایک کی نماز کا کیا حکم ہے صحت اور عدم صحت کے اعتبار سے؟ جواب مع حوالہ کتب دے کر احسان فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بے احتیاطی اور بے پرواہی سے قرآن مجید غلط پڑھنا سخت گناہ ہے، الثغ کے متعلق فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر صحت ادا کی سعی نہ کرے تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوتی۔

درمختار میں ہے: وحرر الحلبي وابن الشحنة: أنه بعد بذل جهده دائما حتماً كالأمي، فلا يؤم إلا مثله، ولا تصح صلوته إذا أمكنه الاقتداء بمن يحسنه أو ترك جهده أو وجد قدر الفرض ممالا لثغ فيه هذا هو الصحيح المختار في حكم الألثغ، وكذا من لا يقدر على التلفظ بحرف من الحروف الخ

جب ترک جہد کی صورت میں الثغ کی نماز فاسد ہے؛ حالاں کہ وہ معذور بھی ہے، تو غیر معذور اگر صحت ادا کی کوشش نہیں کرتا؛ بلکہ بے پرواہی برتتا ہے تو اس کی نماز بطریق اولی صحیح نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ جمادی الاولی ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قرآن شریف غلط پڑھنے والے کی امامت

سوال: ہمارے محلہ کی مسجد کے امام صاحب ناظرہ خواں ہیں، وہ قراءت لحن جلی کے ساتھ پڑھتے ہیں، جیسے حرف بڑھانا، گھٹانا، جی چاہے وہاں وقف کرنا، مخرج بھی ادا نہیں کرتے؛ گویا پوری قراءت میں لحن جلی واقع ہوتا ہے، تو ان کے پیچھے نماز صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر قرآن شریف ایسا غلط پڑھتا ہے کہ جس سے معنی بگڑ جاتے ہیں، تو اس کے پیچھے بالکل ان پڑھ لوگوں کی جن کو تین آیتیں بھی صحیح یاد نہیں نماز درست ہے، اور جن کو تین آیتیں صحیح یاد ہیں، ان کی نماز درست نہیں، کسی صحیح پڑھنے والے کو امام بنانا چاہیے۔ (فتاوی محمودیہ ۷/ ۳۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ رجب ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

غلط خواں امام کی امامت

سوال: ہماری سوسائٹی کی مسجد میں ۲۰ سے ۲۵ مقتدی نماز کے لیے آتے رہتے ہیں، امام صاحب کسی اسکول سے پڑھے ہوئے نہیں ہیں، نہ ہی کسی دار العلوم سے سند یافتہ ہیں، نماز میں اور وعظ میں غلطیاں کرتے ہیں؛ حتی کہ نماز کے دوران قرآن مجید کی تلاوت میں بھی غلطیاں کرتے ہیں، مقتدیوں میں سے بارہا حافظ اور عالم نے غلطیوں کی نشان دہی کی ہیں؛ مگر امام صاحب اپنی غلطیوں کو درست کرنے کے بجائے مقتدیوں سے بغض لیے بیٹھے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا امام صاحب امامت جاری رکھ سکتے ہیں؟ کیا مقتدیوں کو اپنی نماز دہرانی چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

امام قرآن مجید کی تلاوت میں کس قسم کی غلطی کرتا ہے؟ اس کی تفصیلات آپ نے نہیں لکھی، اس لیے کہ بعض غلطیاں ایسی ہوتی ہیں جن سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، اور اس

کو دہرانا پڑتا ہے، اور بعض غلطیاں ایسی ہوتی ہیں جن سے نماز فاسد نہیں ہوتی، اور دہرانے کی ضرورت نہیں رہتی؛ جب تک غلطی معلوم نہ ہو وہاں تک اس کا حکم نہیں بتلایا جاسکتا۔

اگر امام صاحب واقعۃً غلطی کرتے ہیں تو ان کو چاہیے کہ بتلانے پر اس کی اصلاح کرلیں، اور بتلانے والے کا شکریہ ادا کریں، یہ نہیں کہ ان سے بغض لے کر بیٹھ جائیں، امام صاحب ایسا کرتے ہیں تو ان کی یہ روش غلط ہے، امام کا عاقل، بالغ، صحیح العقیدہ، نماز سے متعلق احکام ومسائل سے واقف، دیندار اور صحیح طریقہ سے قرآن پڑھنے والا ہونا ضروری ہے، مسجد کے متولیان کی ذمہ داری ہے کہ اسی قسم کا امام مقرر فرمائیں، اہل اور اعلیٰ اوصاف کا حامل آدمی میسر ہونے کے باوجود ادنیٰ اور کمتر کو امام بنانا غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ

قواعد تجوید سے ناواقف اور ڈاڑھی کٹانے والے کی امامت

سوال: ایسا امام جو غیر مشروع ڈاڑھی رکھتا ہے، اور کلام پاک مجہول اور بغیر تجوید کے پڑھتا ہے، تجوید کا مطلب، غنہ، اخفاء، اظہار، اقلاب، قلقلہ وغیرہ جو موٹے موٹے قاعدے ہیں، ان تمام قواعد سے امام جاہل ہے اور اپنی من مانی تلاوت کرتا ہے، جس مقام پر مد کرنا ہے وہاں مد نہیں کرتا ہے، اور جس مقام پر مد نہیں کرنا ہے وہاں کرتا ہے، تو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جب کہ دوسرے لوگ اس سے زیادہ امامت کے مستحق ہیں، یعنی دوسرے کی وضع قطع بھی شرعی ہے، تجوید سے کلام پاک بھی پڑھتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ڈاڑھی کٹانے یا منڈانے والا فاسق ہے، اور فاسق کی امامت مکروہِ تحریمی ہے، اسلیے ایسے شخص کو امام بنانا جائز نہیں، اگر کوئی ایسا شخص جبراً امام بن گیا یا مسجد کی منتظمہ نے بنادیا اور ہٹانے پر قدرت نہ ہو تو کسی دوسری مسجد میں صالح امام تلاش کرے، اگر میسر نہ ہو تو جماعت نہ چھوڑے؛ بلکہ فاسق کے پیچھے بھی نماز پڑھ لے، اس کا وبال وعذاب مسجد کے منتظمین پر ہوگا۔ (احسن الفتاوی: ۳/۲۶۰)

کلامِ پاک تجوید سے نہ پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ امام حروف کو صحیح طریقہ سے مخارج سے ادا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا، اور قریب سے سننے والے تمام حروف کو بخوبی صاف اور واضح طور پر نہ سمجھ سکیں تو اس کی امامت درست نہیں ہے۔

جو امام تجوید کے قواعد کے خلاف پڑھتا ہے، یعنی غنہ، اخفاء، اظہار وغیرہ کی رعایت نہیں کرتا، اس کے پیچھے نماز درست ہوجاتی ہے۔

(قوله فلو فی اعراب) ككسر قواماً مكان فتحها، وفتح باء نعبد مكان ضمها، ومثال ما يغير وفی النوازل لاتفسد فی الكل وبه يفتی بزازية وخلاصة (قوله أو تخفيف مشدد) وفی الفتح عامة المشائخ على أن ترك المد والتشديد كالخطاء فی الاعراب الخ. (شامی ۱/۴۶۷)

البتہ مسجد کی منتظمہ کے لیے ضروری ہے کہ ایسے شخص کو جو قواعد تجوید کے خلاف قرآن پڑھتا ہے (جب کہ صحیح طریقہ سے پڑھنے والے موجود ہوں) امام مقرر نہ کرے، اگر اس کے باوجود منتظمہ نے ایسے آدمی کو امام تجویز کیا، اور اس کو ہٹانے میں فتنہ ہے، اور اس پر قدرت نہیں، اور دوسری مسجد میں صحیح پڑھنے والا امام میسر نہیں ہے، تو

اس کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے، سارا وبال منتظمہ پر ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نس بندی کرانے والے کی امامت

سوال: ایک شخص نے رگ کٹوائی ہے جس کو نس بندی کہتے ہیں ایسے شخص کو امامت کروانا اور اس کے پیچھے اقتدا کرنا کیسا ہے اور یہ شخص کچھ عرصہ سے سرکاری نوکری میں تھا جب حکومت کی زبردستی پر یہ رگ کٹوائی تھی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر کسی نے اپنی رضامندی وخوشی سے نس بندی کرائی تو چوں کہ اسلام میں یہ فعل حرام ہے اس لیے ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور اگر جبراً وقہراً یعنی زبردستی اس کی نس بندی کی گئی اس میں اس کی رضا کا کوئی دخل نہ تھا تو اس کی امامت جائز ہے مگر بہتر یہ ہے کہ کسی دوسرے نیک وصالح کو امام مقرر کیا جائے اور اگر کوئی امامت کا اہل موجود نہ ہو تو پھر اس کی امامت میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ (مسائل امامت ص: ۲۰۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

امامِ مسجد کا سفرِ تبلیغ کرنا

سوال: ایک مسجد میں نماز پڑھانے کے لیے امام مقرر ہو تو وہ امام دعوت دین

کے لیے تبلیغی سفر کرسکتا ہے؟ (اور اس مسجد میں امامت کے لیے دوسرا شخص قابل نہیں)۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اپنی جگہ مناسب آدمی کا انتظام کرکے جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اونچی تنخواہ کے خاطر حنفی مسلک چھوڑ دینا

سوال: زید جو کہ دیوبندی اور حنفی تھا، ۵۰۰۰/ ماہانہ تنخواہ پر امام تھا، اب زید کا ۸۰۰۰/ تنخواہ کی لالچ میں آکر دیوبندی اور حنفی مسلک چھوڑ کر بریلویوں اور غیر مقلدین کی مسجد میں امامت کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟ اسی طرح ہمارے ملک کے بہت سارے علماء وقراء جو اونچی تنخواہوں میں قطر وغیرہ جاتے ہیں اور حنفی ہونے کے باوجود آٹھ رکعت تراویح پڑھتے اور اگر امامت کا موقع مل جائے تو حنفی مسلک کے علاوہ دوسرے مسلک کے اعتبار سے نماز پڑھاتے ہیں ان کا یہ فعل کس حد تک درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دیوبندی حضرات کا مسلک عین قرآن وحدیث کے مطابق ہے؛ لہٰذا زید کا دیوبندی مسلک چھوڑ کر بریلوی اور غیر مقلدین کے مسلک کو اختیار کرنا ناجائز وحرام ہے۔

حنفی اس کو کہتے ہیں جو اعتقاداً وعملاً حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اتباع کرے؛ لہٰذا حنفی امام کے لیے تراویح کی بیس رکعت پڑھنا اور پڑھانا ضروری ہے، دنیوی غرض اور مال ومتاع کی حرص کی خاطر اپنا مسلک چھوڑ کر دوسرے مسلک پر عمل کرنے یا وقتی

طور پر اپنا مسلک بدل دینے کا اختیار نہیں، بالخصوص بدبودار دنیا کے خاطر اپنا مسلک بدلنے میں سوئے خاتمہ کا بھی اندیشہ ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں جو ائمہ تنخواہ کے خاطر اپنا مسلک چھوڑ کر دوسرے مسلک پر عمل کرتے ہیں، ان کا یہ طرز عمل ذہنی آوارگی اور دینی بیزاری کے سوا کچھ نہیں، بہت ڈرنے کی ضرورت ہے۔

فتویٰ نویسی کے رہنما اصول میں ہے: فالمقلد إذا عمل بحكم من مذهب لا يرجع إلى آخر من مذهب آخر ترجمہ: مقلد نے جب ایک مذہب کے حکم پر عمل کر لیا تو دوسرا حکم دوسرے مذہب کا اختیار نہیں کرے گا۔

الغرض! جب کسی شخص نے کسی ایک امام کا دامن تھام لیا تو اب بلا عذر یا بلا ضرورت محض اپنی طبیعت چاہنے کی بنیاد پر دوسرے امام کے مذہب کو اختیار نہیں کیا جائے گا۔ الأمان، الحفیظ!

حتیٰ کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی تاتارخانیہ کے حوالہ سے واقعہ لکھا ہے کہ ایک حنفی شخص نے کسی صاحب حدیث کی لڑکی کو نکاح کا پیغام دیا، اس صاحب حدیث نے جواب دیا کہ جب تک تم اپنے حنفی مذہب کو چھوڑ کر ہمارے مذہب کے مطابق فاتحہ خلف الامام اور رفع یدین وغیرہ پر عمل پیرا نہ ہوگے، میں اپنی بچی تمہارے نکاح میں نہ دوں گا، حنفی نے ان شرائط کو مان لیا اور محض نکاح کی خاطر حنفیت چھوڑ کر صاحب حدیث کے زمرہ میں شامل ہوگیا، اس واقعہ کی خبر جب شیخ ابوبکر جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی تو انہوں نے سر جھکایا اور فرمایا کہ نکاح تو خیر درست ہوگیا؛ لیکن مجھے خطرہ ہے کہ آخری وقت میں اس کا ایمان نہ جاتا رہے، اس لیے کہ اس نے اپنے اس مذہب کا استخفاف کیا

ہے جسے وہ حق سمجھے ہوئے تھا، اور اس نے محض ایک بد بودار دنیائے مردار کے حصول کی غرض سے ترک کر دیا ہے۔ (شامی کراچی ۴/۸۰)

اسی بنا پر حضرات فقہاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: ارتحل إلى مذهب الشافعي يعزر (در مختار مع الشامی ٦ /١٣٢) ترجمہ: مذہب شافعی کی طرف خواہ مخواہ جو شخص منتقل ہو جائے اس کو سزا دی جائے گی؛ (اس لیے کہ عموماً ایسا کرنا ہوائے نفس کی بنا پر ہوتا ہے)۔

اسی طرح علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ''منح'' سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

وإن انتقل إليه لقلة مبالاته فی الاعتقاد والجرأة على الانتقال من مذهب إلى مذهب كما يتفق له ويميل طبعه إليه لغرض يحصل له فإنه لاتقبل شهادته (شامی ٥/ ٤٨١، كتاب الشهادت)

ترجمہ: عقیدہ میں لاابالی پن اور دنیوی غرض کے حصول کے لیے کیف ما اتفق اور حسبِ طبیعت ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف ہونے کی جرأت اور جسارت کی وجہ سے جو شخص دوسرا مذہب اختیار کر لے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

حاصل یہ کہ کوئی کھیل تماشہ نہیں کہ جب چاہیں جس کا قول لے کر عمل کر لیں؛ بلکہ مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک متعین مذہب سے وابستہ ہو کر عمل کرنا پڑے گا، اور اس کے خلاف بلا کسی داعیۂ شرعیہ کے عمل کرنا دیانت وثقاہت کے خلاف ہوگا۔

(فتویٰ نویسی کے رہنما اصول ۳۶۸، ۳۶۹)

ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاقِ مغلظہ دے دی پھر غیر مقلد کے فتویٰ پر عمل کر کے بلا حلالہ بیوی کو رکھنا چاہا، ایسے خواہش پرست شخص کے متعلق حضرت مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا:

صورت مسئولہ میں غیر مقلد سامرودی کے نام نہاد فتویٰ کا (جو نصوص قطعیہ شرعیہ قرآن وحدیث اور اجماع صحابہ کے خلاف ہے) سہارا لے کر مطلقہ مغلظہ کو رکھ لینا قطعی حرام کاری وزنا کاری اور گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہے، اور اپنے حق مذہبِ حنفی؛ نیز دیگر مذاہب حقہ شافعی، مالکی اور حنبلی کے متفقہ فیصلہ کی خلاف ورزی ہے، ایسے شخص کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے۔ (شامی ۲/ ۲۶۳، فتاوی رحیمیہ کامل ۴/ ۴۵۷)

ابن الدہان نحوی کے حالات میں لکھا ہے کہ انہوں نے جب آمدنی کے خاطر حنفیت چھوڑ کر شافعیت اختیار کر لی، تو ایک شاعر نے چند اشعار لکھے جن سے سوال میں ذکر کردہ مذہبی بیزاری اختیار کرنے والے ائمہ کو سبق لینے کی ضرورت ہے۔

چناں چہ ابن الدہان کے حالات میں مولانا حبیب الرحمن خان صاحب شیروانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے:

ابن الدہان پہلے حنبلی تھے، پھر حنفی ہو گئے، مدرسہ نظامیہ میں واقف کی جانب سے یہ شرط تھی کہ فن نحو کا مدرس شافعی مذہب ہو، اس منصب کے لیے حنفیت کو چھوڑ کر شافعی بن گئے، ایک شاعر کو ان کی مذہبی آزادی دیکھ کر بہت غصہ آیا اور یہ شعر لکھے:

ومن مبلغ عنی الوجیه رسالة		وإن کان لا تجدی إلیه الرسائل
تمذهبت للنعمان بعد ابن حنبل		وذلك لما أعوزتك المآکل
وما اخترت قول الشافعي تدیناً		ولکنما تهوی الذی منه حاصل
وعما قلیل أنت لا شك صائر		إلیٰ مالك فأفطن لما أنا قائل

ترجمہ: میری طرف سے کوئی یہ پیام وجیہ کو پہونچا دے، گرچہ پیاموں سے اس کو کچھ نفع نہیں کہ امام ابن حنبل کے بعد تو نے ابو حنیفہ کا مذہب اختیار کیا، اور یہ اس وقت

جب کہ کھانے پینے کی تنگی ہوئی، امام شافعی کا مذہب تو نے دیانت داری سے تھوڑا ہی قبول کیا ہے؛ بلکہ جو اس سے آمدنی ہوگی وہ پیش نظر ہے، اس میں شبہ نہیں کہ تو ایک روز خدا کے سامنے جائے گا، پس جو میں کہتا ہوں اس کو غور سے سن لے۔ (علمائے سلف اور نابینا علماء ۱۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبدالقیوم راجکوٹی، ۲۱/ رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک امام کے قابل اصلاح افعال

سوال: (۱) حافظ قرآن امام امامت کا منصب سنبھالے ہوئے قرآن شریف کو بھول جائے، تو کیا وہ امامت کے قابل ہے؟

(۲) مسجد کا سامان رکھنے کے لیے ایک روم لیا گیا تھا، اور اس میں مسجد کا سامان رکھا جاتا تھا؛ لیکن موصوف امام صاحب نے کچھ ٹرسٹیوں سے گٹھ جوڑ کر کے روم کو اپنے نام کروالیا، اور فی الحال اسی روم میں رہتے ہیں، جس سے بھی لیا گیا تھا اس کے مانگنے پر بھی واپس نہیں کیا گیا، کیا ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے؟

(۳) امامت کی جگہ سے ہٹنے کے لیے سروس فنڈ طلب کرتے ہیں، امامت کے علاوہ اور بھی ذریعہ معاش ہے؛ صرف امامت ہی نہیں۔ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز درست ہے؟

(۴) جو حافظ قرآن قرآن بھول گیا ہو۔

(۵) جو قرآن کا حافظ نہیں ہے، اور اپنے آپ کو حافظ بتاتا ہے۔

(۶) جو قرآن صحیح نہیں پڑھتا ہے۔ (۷) جو سنت کے خلاف عمل کرتا ہے۔

⑧ جو سنت کی مخالفت کرتا ہو۔　⑨ جو مسجد کا حساب غلط لکھتا ہو۔

⑩ جو جھوٹی گواہی دیتا ہو۔　⑪ جو جھوٹ بولتا ہو۔

⑫ جو فریقین کے درمیان بجائے صلح کے جھگڑا لگاتا ہو۔

⑬ اپنی امامت کو برقرار رکھنے کے لیے ٹرسٹیوں کی جھوٹی تعریف عوام میں کرتا ہو۔

⑭ چوراہے پر بیٹھ کر غلط آدمیوں کے ساتھ دنیا کا مزا لیتا ہو۔

⑮ جو مسجد میں قتل اور گالی گلوچ اور بدکلامی کرتا ہو۔

⑯ جس امام کے پیچھے نماز ادا نہ ہونے کا شک ہے، کیا ایسی حالت میں نماز دہرانا غلط ہے؟

نمبر چار سے پندرہ تک کی باتیں لکھی گئی ہیں کونسی جائز اور کونسی ناجائز ہے؟ جس امام سے اکثر مقتدی ناراض ہوں اس شخص کی امامت جائز ہے یا نہیں؟ ان سب باتوں کا تفصیل وار جواب مطلوب ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① قرآن مجید بھولنے پر جو وعید ہے، وہ اس وقت ہے کہ دیکھ کر پڑھنے پر بھی قادر نہ ہو۔ (فتاوی محمودیہ ۱/۳۱) اس لیے اگر وہ دیکھ کر پڑھنے پر قادر ہے تو اس کی امامت پر زد نہیں پڑے گی۔

② غلط و نامشروع طریقوں سے کسی کا مکان ہتھیا لینا غصب ہے، جو بڑا گناہ ہے۔ (مجموعۃ الرسائل لابن نجیم ۹۴) اگر امام اس گناہ کا مرتکب ہوا ہے تو اس سے بہتر شخص کی موجودگی میں اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی؛ البتہ اگر وہ تائب ہوجائے تو

کراہت باقی نہ رہے گی۔

(۳) اگر مسجد کے دستور میں امام کو سروس فنڈ دینے کی بات ہے، تو امام کا مطالبہ درست ہوگا؛ ورنہ ان کا یہ مطالبہ لغو ہے۔

(۴) نمبر ایک میں جواب آ گیا۔

(۵) یہ کذب وفریب ہے، جو گناہ ہے۔

(۶) اس کے صحیح نہ پڑھنے کی نوعیت واضح کیجئے، اس کے بعد اس کا حکم بتلایا جاسکتا ہے۔

(۷)، (۸) اس کی بھی تشریح کیجئے کہ وہ مخالفت وخلاف کیا ہے؟

(۹) حساب غلط لکھتا ہے، اس کی بھی وضاحت کیجئے۔

(۱۰) جھوٹی گواہی دینا بڑا گناہ ہے۔

(۱۱) جھوٹ بولنا گناہ ہے۔

(۱۲) مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنا اور نزاع پیدا کرنا بھی گناہ ہے۔

(۱۳) یہ بھی ناجائز ہے۔

(۱۴) اس کی مزید وضاحت فرمائیں۔

(۱۵) قتل کرنا بڑا گناہ ہے اور مسجد میں اس کا ارتکاب اور زیادہ شنیع ہے، مسجد میں گالی گلوچ بھی بڑا گناہ ہے۔

(۱۶) محض شک وشبہ کا اعتبار نہیں ہے۔

اگر امام میں کوئی نقص نہ ہو تو مقتدیوں کی ناراضگی کا اثر نماز میں کچھ نہیں، امام کی نماز بلا کراہت درست ہے، اور گناہ مقتدیوں پر ہے، اور اگر امام میں کچھ شرعی نقص ہو

اور مقتدی اس وجہ سے ناخوش ہوں، تو امام کے اوپر مواخذہ ہے اور اس کا امام بننا مکروہ ہے۔ (مسائل امامت ۸۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک امام صاحب کا قابلِ اصلاح طریقۂ نماز

سوال: مسجد کے امام صاحب کی چند باتیں نماز کے متعلق سرفہرست ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے، مثلاً تکبیرات کے متعلق یہ ہے کہ رکوع سے اٹھتے ہیں اور سجدہ میں جاتے ہیں تو اللہ اکبر کہتے ہیں، اس انداز سے تکبیر کہتے ہیں کہ گویا کہ سجدہ سے جلسہ میں بیٹھتے ہیں، یعنی اتار چڑھاؤ میں کسی قسم کا امتیاز نہیں رکھتے ہیں، اور رکوع سے اٹھ کر سجدہ کے لیے جاتے ہیں تو اس طرح جاتے ہیں کہ ابتداءً ہاتھ زمین پر رکھتے ہیں، اور اسی طرح سجدہ سے قیام کے لیے اٹھتے ہیں تو گھٹنہ پر ہاتھ رکھے بغیر کھڑے ہوجاتے ہیں، اور رکوع وسجدہ کی تسبیحات میں اتنی تعجیل کرتے ہیں جیسا کہ جلدی سے ایک سانس میں تین تسبیح پڑھ لی، اور اسی طرح بعض دفعہ ظہر وعصر کی پہلی رکعت میں اتنا طول اختیار کرتے ہیں گویا کہ کسی حافظ نے تین یا چار رکوع پڑھ لیے، اور بعض دفعہ عشاء وفجر میں ایسی کاہلی برتتے ہیں کہ قراءت مسنونہ کی بالکل رعایت نہیں رکھتے ہیں، مثلاً سورۂ عصر وکوثر وغیرہ، لہٰذا ان ساری وجوہات کے پیش نظر تفصیلاً جواب قلم بند کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تکبیر میں اتار چڑھاؤ ضروری نہیں ہے؛ البتہ جب قومہ سے سجدہ میں جانے لگے

اس وقت شروع کر کے سجدہ میں پہنچنے پر ختم کرنا مناسب ہے، سجدہ میں جاتے وقت پہلے گھٹنے زمین پر رکھنا چاہیے، اس کے بعد ہاتھ؛ لیکن اگر معذوری ہے، تو پہلے ہاتھ رکھ سکتے ہیں، امام کو چاہیے کہ رکوع وسجدہ کی تسبیحات اس طرح جم کر ادا کرے کہ اتنی دیر میں مقتدیوں کو اپنی تسبیحات پوری کرنے کا موقعہ مل جائے، قراءت میں بعض دفعہ قراءت مسنونہ نہ کرنا خلاف اولیٰ ہے؛ بہرحال امام صاحب کو امور مذکورہ کی رعایت کرنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نماز میں سوجانے والے شخص کی امامت

سوال: جو امام اکثر فجر کی نماز میں تشہد کی حالت میں سوجاتا ہو، نماز ہوگی یا دہرانی پڑے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر سونے کی ہیئت وہی ہے جو قعدہ میں مسنون طریقہ پر بیٹھنے کی ہے، تو اس سے نماز تو فاسد نہیں ہوئی؛ البتہ امام کے اندر یہ نقص ہونا بالکل نامناسب ہے، ان کو اس پر تنبیہ کی جائے، اگر وہ اپنی عادت ٹھیک کرلیں تو فبہا؛ ورنہ دوسرے شخص کو امام مقرر کیا جائے جو منصب امامت کے تمام تقاضوں پر پورا اترتا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مقتدیوں میں سے کس کو امام بنایا جائے؟

سوال: امام کی غیر حاضری میں مقتدی میں سے کسی کو امام بنا کر جماعت سے نماز پڑھنا بہتر ہے؟ یا اکیلے طور پر پڑھنا بہتر ہے؟ پوچھنے کا سوال یہ ہے کہ مقتدیوں میں کسی کے پاس سنت کی پابندی ہے، کسی کے پاس پابندی نہیں ہے، کوئی قرآن شریف صحیح پڑھتا ہے، اور کوئی صحیح نہیں پڑھتا، اسی مقتدی میں سے امام بنا کر نماز پڑھنا بہتر ہے یا نہیں؟ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مقتدیوں میں ایسا آدمی موجود ہو، جس کے پیچھے نماز درست ہوجاتی ہے، تو اکیلے نماز پڑھنے کے بجائے اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بینک کے ملازم کی اقتداء میں نماز پڑھنا

سوال: جن بینکوں میں سودی معاملات چلتے ہیں، وہاں پر ملازمت کرنے والے کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟ اور ان کے گھر کا کھانا، پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسے آدمی کو چاہیے کہ دوسری ایسی ملازمت تلاش کرے جہاں یہ صورت نہ ہو، اور دوسری ملازمت یا ذریعۂ معاش میسر آنے تک اس کو گناہ سمجھتے ہوئے استغفار کے ساتھ جاری رکھ سکتا ہے، اس درمیان اگر کوئی اس سے بہتر شخص امامت کے لیے موجود نہیں ہے

تو اس کی اقتداء میں نماز درست ہوجائے گئی، اس کی دعوت کھانے سے احتیاط کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سفید داغ والے امام کی امامت

سوال: ہماری مسجد میں ایک پیش امام صاحب ہیں کہ برسوں سے امامت کررہے ہیں، بڑے خوش اخلاق ہیں؛ لیکن کچھ مہینوں سے ان کے ہونٹوں پر برص (کوڑھ) کے داغ نمایاں ہورہے ہیں، اور نمازیوں کا کہنا ہے کہ ان کے پیچھے نماز درست نہیں، لہٰذا ہمیں حدیث وفقہ کے حوالہ سے آگاہ فرمائیں کہ آیا ایسی بیماری والے کی اقتداء میں نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سفید داغ کا اثر اگر پورے جسم پر پھیلا ہوا نہیں ہے تو ایسے آدمی کی امامت میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر وہ تمام جسم میں پھیل چکے ہیں؛ لیکن ان کے علم واخلاق کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں جذبۂ نفرت نہیں ہے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر جذبۂ نفرت پایا جاتا ہے اور ان سے اچھا آدمی امامت کے لیے موجود ہے، تو ان کی امامت مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہوگی۔

وكذا تكره خلف أمرد وسفيه ومفلوج وأبرص شاع أبرصه (درمختار) (وقوله: كذا تكره خلف أمرد) الظاهر أنها تنزيهية أيضاً والظاهر أن العلة النفرة ولذا قيد الأبرص بالشيوع ليكون ظاهراً (شامی ۱/ ٤١٦) فقط

واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ

کچی پیاز کھا کر امامت کرانا

سوال: ایک شخص مسجد میں کچی پیاز کھا کر آتا ہے اور امامت کے فرائض انجام دیتا ہے، مقتدیوں کو یہ بات پسند نہیں؛ لیکن وہ اس بات پر ہنگامہ برپا کرنے یا قیل وقال کے بھی روادار نہیں ہیں، تو کیا ایسی صورت میں وہ مذکورہ امام کی اقتداء میں نماز پڑھتے رہیں گے، اور کیا ایسی نماز شریعت کے مقتضا کے موافق سمجھی جائے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد میں لہسن اور پیاز اور مولی لانا اور اس کو کھا کر مسجد میں داخل ہونا ناجائز ہے۔

(درمختار، طریقۂ محمدیہ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"من أكل هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربنَّ مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس" (بخاری ومسلم) ترجمہ: جو شخص کہ بدبودار درخت (یعنی پیاز) کھائے، وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، اس لیے کہ فرشتوں کو بھی ان تمام چیزوں سے ایذاء پہنچتی ہے جن سے انسانوں کو ایذاء ہوتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب تک اس کی بدبو منہ سے نہ جائے اس وقت تک مسجد میں داخل نہ ہو، اور یہی حکم ہے ہر بدبودار چیز کا، جیسے حقہ اور سگریٹ اور لہسن وغیرہ کا، جیسا کہ فقہ کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے۔

(منية الساجد في آداب المساجد۱۱، درمختار شامي ۱/ ۴۸۹)

یہ نص حدیث ہے جب پیاز کی بدبو سے فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے اور ایسی حالت

میں مسجد میں داخل ہونا بھی ممنوع اور ناجائز ہے، تو کسی شخص کا اس حالت میں مسجد میں داخل ہوکر امامت کرانا کیوں کر جائز ہوسکتا ہوگا؟ حدیث کی معروف کتاب ''سنن ابی داؤد'' میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص نے کچھ لوگوں کی امامت کی، اسے تھوک آیا تو قبلہ جانب تھوک دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ رہے تھے، جب نماز سے فارغ ہوگیا، تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے والوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ یہ شخص آئندہ تمہاری امامت نہ کرے، اس کے بعد اس شخص نے نماز پڑھانے کا ارادہ کیا، تو لوگوں نے اس کو روک دیا اور بتادیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے، یہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس واقعہ کا تذکرہ کیا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں میں نے کہا تھا، راوی بیان کرتے ہیں کہ میں سمجھتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ تم نے اللہ کو اور اس کے رسول کو اذیت پہنچائی تھی۔ (ابوداؤد شریف ۱/۷۶) اس لیے امام مذکور کو چاہیے کہ اپنی اس روش سے فوراً باز آجائیں اور تائب ہوجائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سود خور امام کی امامت

سوال: زید ایک مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیتا ہے؛ لیکن سود (بیاج) کھانے سے دریغ بھی نہیں کرتا، (ظاہر ہے سود کے شرعی حکم اور شناعت وقباحت سے وہ نابلد بھی نہیں) اس سلسلہ میں اس کے مقتدیوں میں سخت تشویش پائی جاتی ہے، لہذا یہ بتایا جائے کہ مذکورہ بالا مقتدیوں کو اس بارے میں کیا رویہ اپنانا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہے، اس کے پیچھے نماز مکروہ ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۸۲)

مقتدیوں کو چاہیے کہ اس کی فہمائش کریں، اگر وہ اپنی اس حرکت سے باز آکر سچی توبہ کرلیتا ہے تو ٹھیک؛ ورنہ ذمہ دار حضرات سے کہہ کر کسی صالح امام کو تجویز کرائیں، اگر کوئی صالح امام میسر نہ ہو، یا ذمہ دار حضرات اس امام کو معزول نہیں کرتے ہیں، تو بحالت مجبوری اس کے پیچھے جو نماز ادا کی جائے گی اس کا اعادہ لازم نہ ہوگا؛ البتہ دوسری صورت میں ذمہ دار حضرات پر سارا وبال ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سود خور کی امامت

سوال: بینک کا سود ہو یا لاٹری کا پیسہ کھانے والا، کیا اس کی نماز پڑھنا درست ہے؟ کیا اس آدمی کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے (یعنی اس آدمی کی نماز ہوتی ہے)؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر کوئی آدمی سود حاصل کرنے کے لیے ہی رقم بینک میں ڈالتا ہے، تو اس کا یہ فعل حرام ہے، سود لینا اور دینا دونوں شریعت میں حرام ہیں، اسی طرح لاٹری بھی جوا ہونے کی وجہ سے حرام ہے، اگر ایسا آدمی اپنی اس حرکت سے باز آکر توبہ نہیں کرتا، تو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے، وہ خود جو نماز پڑھتا ہے اس کا ذمہ بری ہوجاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بجلی چوری کرنے والے امام کی امامت

سوال: ہماری مسجد کے امام صاحب دوعالم فاضل حافظ وقاری ہیں، وہ بجلی کی چوری کے مرتکب ہیں، بار بار اصرار پر بھی وہ بجلی کی چوری پر مصر ہیں وہ مدرسہ بھی چلاتے ہیں، کیا بجلی کی چوری شرعاً گناہ ہے، اس گناہ کا مرتکب منصب امامت کے لائق ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بجلی کی چوری بھی چوری ہی کی ایک قسم ہے؛ بلکہ قومی املاک کی چوری ہونے کی وجہ سے اس کی قباحت وشناعت میں اور اضافہ ہوجاتا ہے۔ امام صاحب کو چاہیے کہ اس حرکت سے توبہ کرلیں ورنہ ان کی امامت مکروہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۳؍شعبان ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

قبلیہ سنت پڑھے بغیر امامت کرنا

سوال: ظہر کی چار رکعت سنت پڑھے بغیر امام فرض نماز جماعت سے پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسا کبھی کبھار ہوجائے تو حرج نہیں ہے؛ لیکن عادت نہ بنالے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

امامت کی تنخواہ اور ثواب

سوال: امام اگر امامت کا پیسہ لے تو اس کو نماز کا بھی ثواب ملے گا یا نہیں؟ اگر ملے گا تو لے کر امامت کرنا افضل ہوگا یا ناجائز؟ نیز کن لوگوں کے لیے امامت کا پیسہ لینا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

امامت کی تنخواہ لینا جائز ہے، اگر یہ نیت ہے کہ اگر مجھ کو اس سے زیادہ کہیں روپیہ ملا تو میں اس کو چھوڑ کر اس کو اختیار کردوں گا، تب تو ثواب نہ ملے گا، اور اس کو اجرت محضہ کہا جائے گا، اور اگر یہ نیت رہے کہ زیادہ کے لیے بھی اس کو نہ چھوڑوں گا تو ثواب ضائع نہ ہوگا، اور اس کو اجرت نہ کہا جائے گا؛ بلکہ نفقۂ حبس وکفایت، مثل رزق قاضی کہا جائے گا۔ (امداد الفتاوی ۳/ ۳۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۹/ شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حروف میں "اأ" بولنے والے کی امامت

سوال: دو مہینہ سے قدرتی بیماری لاحق ہوئی ہے، جس کی وجہ سے نماز پڑھانے میں دشواری ہوتی ہے، اور وہ یہ ہے کہ اللہ اکبر، الحمد للہ، السلام علیکم کے حروف میں بولنے سے اَ اُ ہو جاتا ہے، اور ڈیڑھ مہینہ پہلے تو بہت زیادہ تکلیف ہوتی تھی، خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے فی الحال کافی اچھا ہے، کبھی کبھی تکلیف ہوتی ہے تو آیا ایسی صورت

میں نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور نماز پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟ اور خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے سب مصلیان حضرات بھی بہت ہی خوش ہیں، اور ابھی میں پونے دو مہینہ سے نماز نہیں پڑھاتا ہوں، ہمارے متولیان حضرات نے آرام کے لیے کہا ہے، اس لیے اب مجھے دوبارہ نماز پڑھانا شروع کرنا ہے تو اس کے لیے یہ سوال میں نے آپ حضرات سے پوچھا ہے؛ کیوں کہ میں جو نماز پڑھاؤں گا تو آیا وہ نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ صحیح ہوگئی تب تو کوئی سوال ہی نہیں؛ لیکن اگر صحیح نہیں ہوئی تو اس کی دو وجہ ایک تو مع الکراہت اور ایک بلا کراہت، اب کراہت میں سے تحریمی یا تنزیہی ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر نماز کی تکبیر تحریمہ کی ادائیگی میں زائد ہمزہ کی آواز پیدا ہوجاتی ہے تو نماز شروع ہی نہیں ہوئی، اور اگر درمیان نماز کسی تکبیر میں یہ صورت پیش آتی ہے تو اس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، اس لیے جب تک یہ مرض ہے آپ امامت نہ کریں۔

تعمد مد الهمزة من لفظ الجلالة أو اكبر كفر لكونه استفهاما يقتضى أن لا يثبت عنده كبرياء الله تعالىٰ وعظمته كذا في الكفاية وعلى هذا فينبغى أن يقال ان تعمد المد لا يكفر إلا إذا قصد به الشك لانتفاء احتمال التقدير، واما الفساد وعدم صحة الشروع فثابتان وإن لم يتعمد المد أو الشك لأنه تلفظ بمحتمل الكفر فصار خطأ شرعا. (شامی ۱/ ۳۰۰)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ ذوالقعدۃ ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

کم ڈاڑھی والے کی امامت

سوال: صلوۃ التراویح کا امام اگر جوان ہے، اور ڈاڑھی کو کاٹتا ہے تو ایسے جوان امام کی امامت صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جوان ہونا تو منافیٔ امامت نہیں؛ البتہ اگر وہ ایک مٹھی سے کم داڑھی کو کتر واتا یا منڈواتا ہے تو وہ فاسق ہے، اور فاسق کی امامت مکروہِ تحریمی ہے۔ (فتاوی دار العلوم "عزیز الفتاویٰ" ۱/ ۲۰۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک ہاتھ والے کی امامت

سوال: جس کا ایک ہاتھ نہ ہو، کیا اس کو امامت کرنا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ایک ہاتھ نہ ہونے کی وجہ سے لوگ اس کی امامت کو ناپسند سمجھتے ہیں تو مکروہ تنزیہی ہے۔ شامی میں ہے: ومن له يد واحدة فتاوى الصوفية عن التحفة، والظاهر أن العلة النفرة الخ (شامی ۱/ ٤١٦)

البتہ اگر اس کے علم وفضل کی وجہ سے ناپسندیدگی باقی نہیں رہی تو کراہت نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بے شادی شدہ کی امامت

سوال: ① غیر شادی شدہ امامِ مسجد کتنی مدت ماہ، سال تک نماز پڑھا سکتا ہے؟

کان کی لَو سے نیچے بال والے کی امامت

سوال: ② سر کے بال کتنے طریقوں سے رکھ سکتے ہیں، اگر کان کی لو سے نیچے تک یعنی پوری گردن تک امام کے بال ہو تو وہ نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

ٹخنہ سے نیچے پائجامہ والے کی امامت

سوال: ③ جامہ، شلوار اور پائجامہ کتنا نیچا لمبا رکھ سکتے ہیں؟ اور امام کا شلوار ٹخنوں کے نیچے ہو تو اس کے پیچھے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① امامت کے صحیح ہونے کے لیے امام کا شادی شدہ ہونا شرط نہیں ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ۶/۳۵۱)

② کان کی لو سے نیچے تک بال رکھنا بھی مطابقِ سنت ہے، اس کی وجہ سے امامت پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

③ پائجامہ یا شلوار ٹخنہ سے اوپر رکھنا ضروری ہے، اگر ٹخنہ چھپ جاتا ہے اس طرح پہنا ہے تو یہ متکبرین اور فساق کا طریقہ ہے، اگر اس نیت سے ہو کہ ان کے ساتھ تشبہ اختیار کیا جائے یا تکبر کی نیت سے ہو تو حرام ہے، ورنہ مکروہ ہے۔

(ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۵/۱۱۴)

اس پر بہت ہی وعیدیں وارد ہوئی ہیں، اس لیے ایسے کو امام بنانا جائز نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ۳/۲۹۶) اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نماز ہوگئی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/شوال ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

زکوۃ کھانے والے صاحبِ نصاب امام کی امامت کا حکم

سوال: صدقہ، زکوۃ کھانے والے کی امامت کا کیا حکم ہے؟ جب کہ وہ صاحب نصاب ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وہ شخص جو غریب ومحتاج نہیں؛ بلکہ بفضلہٖ تعالیٰ خوشحال ہے، صاحب نصاب ہے، گھر کا کھاتا، پیتا باعزت ہے اور وہ بلا وجہ شرعی قصداً محض مال کی ہوس ولالچ میں زکوۃ کی مد کی رقم وصول کرتا اور کھاتا ہے، اور غریبوں کی حق تلفی کرتا ہے، تو زکوۃ کے پیسے جو درحقیقت میل کچیل ہیں غنی کے لیے کھانا شرعاً حرام وناجائز ہے، اگر وہ اس سے باز نہ آئے تو اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ (مسائل امامت ۲۰۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دو اماموں میں سے کونسا امام امامت کا حق دار ہے

سوال: زید کسی مسجد میں تقریباً دو سال سے امامت کر رہا ہے، اور اکثر مقتدی زید کی امامت سے خوش ہیں، اور فی الحال بھی زید کو اکثر مقتدی منصب امامت پر باقی رکھنا چاہتے ہیں؛ لیکن اقلیت یعنی چند افراد زید کو منصب امامت سے سبکدوش کر کے

دوسرے امام کو ان کی جگہ تقرر کرنا چاہتے ہیں، تو ایسی صورت میں اکثریت کی رائے کا احترام ضروری ہے یا اقلیت کی رائے کو تسلیم کیا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر دونوں امام علم وفضل اور ورع وتقویٰ میں برابر ہیں تو قوم میں سے اہلِ صلاح کی اکثریت کا اعتبار کیا جائے۔

فإن استووا يقرع أو الخيار إلى القوم، فإن اختلفوا اعتبر أكثرهم، ولو قدموا غير الأولى أساؤا بلا إثم (درمختار)(احسن الفتاویٰ ۳/ ۲۹۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۵/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

نکاحِ حلالہ میں خطبۂ نکاح پڑھانے والے کی امامت

سوال: (الف) ایک امام صاحب نے حلالہ کے لیے نکاح میں صرف خطبہ پڑھایا تھا، مقتدی کہتے ہیں کہ: اس کے پیچھے نماز نہیں ہوگی۔

(ب) اس لیے کہ اس امام نے راز کو پوشیدہ رکھنے کے لیے جھوٹ بولا تھا؛ لیکن بعد میں اقرار کرلیا تھا، اب کیا اس امام کے پیچھے نماز ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شرعی اصول کے مطابق کیے جانے والے حلالہ کے نکاح کے لیے خطبہ پڑھنا؛ بلکہ نکاح کا ایجاب وقبول کرانا کوئی غلط کام نہیں ہے جس کی بنیاد پر امام صاحب کے پیچھے نماز درست نہ ہونے کا حکم لگایا جاسکے۔

راز کو چھپانے کے لیے جو کلام کیا گیا اس کی پوری تفصیل معلوم ہونے کے بعد ہی اس پر جھوٹ کا حکم لگایا جاسکتا ہے، ممکن ہے لوگ جس کو ''جھوٹ'' سے تعبیر کر رہے ہیں اس میں بولنے والے نے ''توریہ'' سے کام لیا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷ رشوال ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

چار بیوی رکھنے والے کی امامت

سوال: امام صاحب کی ذاتی زندگی بھی نہایت پر کیف ہے، یہ حضرت تین یا چار بیویاں رکھتے اور ان کی کفالت کرتے ہیں، (جب کہ آج کے موجودہ دور میں ایک بیوی کا پالنا محال ہے)، ایسے متنازعہ امام کے پیچھے مصلیان کی نماز درست ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر حدود شرع میں رہ کر ایک سے زیادہ نکاح کرتا ہے اور اپنی تمام بیویوں کے حقوق ادا کرتا ہے، تو وہ قابلِ اعتراض اور قابل ملامت نہیں ہے؛ بلکہ معترضین حضرات اگر نفسِ تعددِ نکاح کو برا سمجھتے ہیں تو وہ اپنے ایمان کی خیر منائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ رذی القعدہ ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مسجد کی جگہ پر امام کا قابض ہونا

سوال: مسجد کے ٹرسٹی حضرات نے امام کی سہولت کے لیے مسجد کے صحن سے لگی ہوئی متصل جگہ امام کے رہنے کے لیے بغیر کسی کرایہ اور معاوضہ کے لیے دی ہے، امام

اب وہاں اپنے اہل وعیال کے ساتھ قیام پذیر ہے، اور اس نے اپنی سہولت وآرائش کے مطابق مذکورہ جگہ میں کافی ردوبدل اور تبدیلی بھی کی ہے، اور مسجد کی دوسری مزید جگہ پر قابض ہوکر اسے بھی اپنی رہائش گاہ میں شامل کرلیا ہے، کیا ذاتی عیش وآرام کے لیے مسجد کی ملکیت کو اپنی سہولت کے مطابق تبدیل کرنا درست ہے، اور مسجد کا صحن اور اس سے لگی ہوئی متصل مسجد کی جگہ پر اہل خاندان کے ساتھ رہنا درست ہے؟ جب کہ امام مسجد کی اپنی ملکیت میں مسجد کے قریب ہی اپنا ذاتی رہائشی مکان ہے، اور امام بہ ذات خود تعویذ گنڈے کے کاروبار کے ذریعے معاشی اعتبار سے آسودہ وخوش حال ہے، اور بہ وقتِ ضرورت مزید اپنا نیا ذاتی مکان خریدنے کی استطاعت وطاقت رکھتا ہے۔

مسجد کے صحن میں کچھ قبریں اور مزارات تھیں، امام ہذا نے ان قبروں کو مسمار کرکے زمین دوز کردیا اور صحن کے ایسے کچھ حصہ پر باورچی خانہ تعمیر کروایا، شرع کے مطابق قبروں کا مسمار کرنا اور زمین دوز کرنا کیسا عمل ہے؟ اور کیا ایسی جگہ کا ستعمال ذاتی مقصد کے لیے جائز ہوسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب ٹرسٹی حضرات نے یہ جگہ امام کو رہائش کے لیے دی، اس وقت اس میں رہائش کے جواز وعدم جواز کا سوال آپ نے کیوں نہیں کیا؟ امام نے جو ردوبدل کیا ہے اس کی وجہ سے اگر مسجد کی ملکیت کی قیمت میں اضافہ ہوا ہے اور مزید درستگی ہوئی ہے تو وہ کیوں قابل اعتراض ہے! البتہ مسجد کی مزید جگہ پر امام کا قابض ہونا درست نہیں ہے۔

جو قبریں اتنی پرانی ہوچکی ہوں کہ ان میں دفن شدہ اموات مٹی ہوچکی ہیں، تو ان کو

مسمار اور زمین دوز کرنا شرعاً جائز ہے، اور اس جگہ تعمیر بھی درست ہے۔

ولو بلي الميت وصار ترابا جاز دفن غيره في قبره وزرعه والبناء عليه.

(تبيين الحقائق شرح كنزالدقائق للزيلعي ٢٤٦/١)

البتہ اس جگہ کو ذاتی مفاد کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

امام صاحب کا سنن ونوافل مصلے پر ہی ادا کرنا

سوال: امام صاحب مصلے پر سنت نمازیں ادا کرتے ہیں، کیا سنت ونوافل نمازیں فرض کے بعد اور فرض سے پہلے مصلے پر کھڑے ہو کر ادا کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

امام فرض نماز کے بعد سنتوں کو ادا کرنے کے لیے مصلی سے آگے یا پیچھے یا دائیں بائیں طرف ہٹ جائے، امام کے اسی ہیئت پر مستقبل قبلہ رہنے میں نو وارد کو بقائے جماعت کا اشتباہ ہوسکتا ہے، خطرہ ہے کہ کوئی اقتداء کرے اور اس کی نماز صحیح نہ ہو؛ اس لیے امام کا ہیئت نہ بدلنا مکروہ ہے۔ بدائع الصنائع ۱/ ۱۶۰ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۳/ ۳۶۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ رجب ۱۴۱۵ھ

امام کا کسی امتیازی جگہ کھڑا رہنا اور اس کی اقتدا

سوال: مسجد اس طرح ہے کہ پہلا حصہ محراب کے ساتھ چھوٹا ہے اس حصہ میں دو صف ہوتے ہیں، اس کے بعد کمان ہے، دوسرا حصہ کشادہ ہے، اس کے بعد لوہے کی جالی

ہے اس کے بعد صحن ہے، اگر امام صاحب مصلی کی کمان کے کسی قدر اندر رہ کر قیام کریں، یا دوسرا حصہ جو لوہے کی جالی کا ہے، اس کے اندر قیام کریں، اور مقتدیاں جو دوسرا کشادہ حصہ ہے، وہاں صف بنائیں، تو اقتداء صحیح ہوگی، اسی طرح اگر امام صاحب لوہے کی جالی کے حصہ میں قیام یعنی امامت کے لیے ٹھریں، اور مقتدی مسجد کے صحن میں صف بنائیں، تو اقتداء درست ہوگی، بعض لوگ کہتے ہیں کہ اقتداء صحیح نہیں ہوگی، تو پھر نماز بھی صحیح نہ ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

امام کا کسی ایسی جگہ میں اکیلا کھڑا رہنا جس سے اس کی امتیازی شان ظاہر ہوتی ہے وہ مکروہ ہے۔

وقیل مایقع به الامتیاز وهو الا وجه ذکر الکمال وغیره (درمختار) (قوله وقیل الخ)هو ظاهر الروایة کما فی البدائع قال فی البحر والحاصل ان التصحیح قد اختلف والاولی العمل لظاهر الروایة واطلاق الحدیث وکذا رجحه فی الحلیة (شامی ۱/۴۷۸)

آپ نے سوال میں جو صورت دریافت فرمائی ہے، اس میں اور امام صاحب اکیلے اندر کھڑے رہیں، اور تمام مقتدیاں باہر ہوں؛ تو یہ مکروہ ہوگا؛ لیکن اقتدا بلا کراہت درست ہے، اور اگر امام صاحب کے ساتھ کچھ لوگ (ایک صف) کھڑے ہو جائیں یا امام صاحب لوگوں کے ساتھ باہر ہی کھڑے رہیں؛ البتہ بوقت ضرورت سجدہ سر اندر رکھیں تو مکرہ نہیں ہے، بہر حال یہ بات یاد رہے، کہ نماز ہر حال میں صحیح ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مقتدیوں کی ناراضگی کے باوجود امامت کرنا

سوال: پیش امام سے اگر دو مقتدی ناراض ہے، اور وہ امام کے پیچھے نماز ادا کرنا مناسب نہیں سمجھتے تب ایسی حالات میں امام کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مقتدیوں کی ناراضگی امام سے اگر دنیوی معاملہ کی وجہ سے ہے تو ان کا امام کے پیچھے نماز نہ پڑھنا امام کے حق میں مضر نہیں ہے؛ بلکہ وہ حضرات قصوروار ہیں اور اگر دینی وجہ سے ہے تو امام کو چاہیے کہ اپنے اس نقص کو دور کرے ورنہ امام گنہگار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب الجماعة

تعمیرِ مسجد کے دوران کسی اور مکان میں جماعت کرنا

سوال: ہمارے محلہ میں ابھی تک کوئی مسجد نہیں؛ مگر سب محلہ والے آہستہ آہستہ مسجد کی تعمیر کے لیے رقم جمع کر رہے ہیں، اس لیے ہم ایک مکان (جس میں ابھی کوئی نہیں رہتا) میں نماز ادا کرتے ہیں؛ لیکن ہم نے مکان کے مالک کی اجازت حاصل کی ہے، اور اس نے دو تین مہینوں کے لیے اجازت دی ہے، آپ مہربانی کر کے یہ واضح کر دیں کہ یہاں نماز پڑھنا کس حد تک جائز ہے؟ ہم اس میں اذان وغیرہ اور ہر طریقہ

جو مسجد میں اپنائے جاتے ہیں قائم کرتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کا نظم ہونے تک کسی کے ذاتی مکان میں اس کی اجازت سے نماز باجماعت کا اہتمام اسی طرح جس طرح مسجد میں ہوتا ہے بہت عمدہ چیز ہے، اس صورت میں آپ حضرات کو جماعت کا ثواب ملے گا، احادیث میں جماعت سے نماز پڑھنے کا ثواب تنہا پڑھنے کے مقابلہ میں پچیس گنا اور بعض میں ستائیس گنا زیادہ آیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ

تنہا عورتوں کی جماعت مکروہ ہے

سوال: ہمارے یہاں کچھ عرصہ سے یہ رواج چلا ہے کہ عورتیں جماعت سے نماز پڑھتی ہیں، جس میں عورتوں کا امام بھی عورتوں ہی میں سے کوئی عورت ہوتی ہے، تو کیا اس طرح عورتوں کا جماعت سے نماز پڑھنا درست ہے؟ بعض ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے امامت کرانا منقول ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تنہا عورتوں کی آپس میں جماعت مکروہ تحریمی ہے؛ لہٰذا عورتوں کو الگ الگ ہی نماز پڑھنا چاہیے۔

کرہ جماعة النساء وهو يدل على انها كراهة تحريم (البحر الرائق ۱/ ۳۷۲)
(کتاب الفتاوی ۲/ ۲۶۸)

درمختار میں ہے: ويكره تحريما جماعة النساء ولو فى التراويح
(درعلى هامش الشامية ۱/ ٤١٨)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ''تنہا عورتوں کی جماعت'' کے سلسلہ میں پوچھے گئے ایک سوال جس میں عورتوں کی جماعت کے جواز سے متعلق روایتیں پیش کی گئی ہیں، اس کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اخرج الهيثمى فى مجمع الزوائد عن عائشة أن رسول الله ﷺ قال: لاخير فى جماعة النساء إلا فى المسجد أو فى جنازة قتيل رواه احمد والطبرانى فى الأوسط الا أنه قال: ''لاخير فى جماعة النساء إلا فى المسجد جماعة'' وفيه ابن لهيعة وفيه كلام الخ. (۱/ ۱۵۵)

قلت: قد حسن له الترمذى واحتج به غير واحد كما فيه ايضاً (۱/ ۱۲۶)

ولا يخفى أن جماعة النساء فى مسجد الجماعة لا تكون إلا مع الرجال، فمعنى الحديث: لا خير فى جماعة النساء إلا مع الرجال فعلم ان جماعة النساء وحدهن مكروهة لنهيهﷺ الخيرية عنها، وقد اجمعت الأمة على كراهة خروج النساء إلى مسجد الجماعة ايضاً، ولو خرجن فلم يجوز أحد من الأئمة ان يجمعن وحدهن؛ بل لا بد لهن من الصلوة خلف الرجال فافهم وكل ما ورد عن عائشةرضى الله عنها وام سلمة رضى الله عنها فى امامتها النساء فلا يخلو عن مثل ليث ابن ابى سليم وابن ابى ليلى وغيرهما ممن فيه مقال، فلم يكن راجحا على اثر ابن لهيعة هذا، ورواية ابراهيم عن عائشةرضى الله عنها منقطعة فلا ترجيح له ايضاً، ولا يخفى ترجيح المرفوع على الموقوف، ولم يتبين مخالفة عمل الراوى لرواية، هل كانت قبل الرواية أو بعدها فلا يعل بفعل عائشة رضى الله عنها اثرها المرفوع فافهم والبسط فى الاعلاء (۲/ ۱۱۵، ۱۱۴)

روایاتِ مذکورۂ سوال کا جواب تو عبارت عربی میں دے دیا گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کی جماعت میں خیر نہیں ہے، اسی پر حنفیہ کا عمل ہے، اور اسی سے ان کے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے، پس عورتوں کو باہم جماعت کرنا مکروہ ہے۔ (امداد الاحکام ۱/۴۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

میاں بیوی کا باجماعت نماز پڑھنا

سوال: کیا میاں بیوی نفل نماز یا فرض نماز جماعت سے پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض آدمی شادی کی پہلی رات میں نفل نماز جماعت سے پڑھتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ اور جماعت سے تو نہیں مگر دونوں میاں بیوی گھر میں نماز کو پاس میں کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں نفل اور فرض ایک ہی صف میں تو یہ صحیح ہے؟ اگر مرد ظہر کی فرض پڑھتا ہے اور عورت ظہر کی سنت پڑھتی ہے تو پاس میں پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

میاں بیوی نفل یا فرض باجماعت پڑھ سکتے ہیں البتہ اس صورت میں عورت پیچھے کھڑی رہے گی۔

أما الواحدة فتتأخر (در مختار) وتأخر الواحدة محله اذا اقتدت برجل لا بامرأة مثلها (شامی ۱/۴۱۹)

شادی کی پہلی رات میں میاں بیوی دو رکعت پڑھیں دونوں اپنے اپنے طور پر پڑھ لیں یہ آداب میں سے لکھا ہے۔ (شرح شرعۃ الاسلام ۴۴۳)

میاں بیوی کا اپنی اپنی نماز پاس میں کھڑے ہوکر اس طرح پڑھنا کہ درمیان میں کوئی فاصلہ نہ ہو مکروہ ہے۔

فمحاذاة المصلية لمصل ليس فى صلاتها مكروبة لا تفسد (در مختار على هامش الشامي ۱/ ٤٠٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ

مسجد شرعی میں تکرار جماعت مکروہِ تحریمی ہے

سوال: ہمارے کالج میں جماعت سے نماز ہوتی ہے جو امام صاحب پڑھاتے ہیں، لیکن جو حضرات جماعت میں شامل نہیں ہو پاتے، وہ بعد میں اپنی الگ جماعت بنا لیتے ہیں اور ایسی چار پانچ مرتبہ جماعت بنائی جاتی ہے، کیا اس طرح بار بار جماعت بنا کر پڑھنا درست ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

آپ کے کالج میں جس جگہ پر جماعت سے نماز ہوتی ہے وہ جگہ اگر مسجد شرعی ہے تو امام صاحب کے جماعت کے ساتھ نماز پڑھا چکنے کے بعد میں آنے والوں کا جماعت کر کے نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے۔

درمختار میں ہے: ویکرہ تکرار الجماعة الخ۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (قوله ويكره) اى تحريماً (شامى ۱/ ٤٠٨)

اور اگر وہ جگہ مسجدِ شرعی نہیں ہے صرف نماز کی ادائیگی کے لیے اسکو مخصوص کرلیا گیا ہے، مسجدِ شرعی کی نیت نہیں کی گئی ہے، تو اس صورت میں بعد میں آنے والوں کے لیے دوسری جماعت کرکے نماز ادا کرنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

طلبہ کی راحت کی خاطر مسجد میں جماعتِ ثانیہ کرنا

سوال: بمبئی میں مدرسہ عربیہ انوار العلوم (ہارون کمپاؤنڈ کرلا میں) ایک مدرسہ ہے، جس میں ۱۵۰/ طلبہ حفظ وناظرہ کے قیام وطعام کے ساتھ تعلیم حاصل کررہے ہیں، یہ مدرسہ ایک مسجد کے پچھلے حصہ میں ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اگلا حصہ مسجد کا ہے اور پچھلا حصہ جس میں صحنِ مسجد اور ضروریاتِ مسجد مثلاً وضوخانہ، استنجاء خانہ، دروازہ، سیڑھی وغیرہ ہیں، اس حصہ کے اوپر والے حصہ میں مدرسہ ہے جس میں چھ سات درسگاہیں ہیں، اب مسجد میں چوں کہ محلے والے آتے ہیں؛ اس لیے نماز کے اوقات ان ہی کی رعایت سے رکھے گئے ہیں، اب مغرب بعد طلبہ کو کم از کم دو گھنٹہ سبق وغیرہ یاد کرنے مل جاوے اس واسطے طلبہ کی عشاء کی نماز مسجد کے پہلے منزلہ پر مسجد کی حدود کے اوپر مسجد کی عشاء کی نماز سے تقریباً ایک گھنٹہ بعد میں ہوتی ہے، اور عشاء بعد طلبہ کھانا کھا کر سوجاتے ہیں، اگر مسجد کے وقت پر طلبہ کو نماز پڑھا کر کھلا کر پھر سے بٹھایا جائے تو سستی آہی جاتی ہے، اسی طرح طلبہ کو فجر سے ایک گھنٹہ قبل جگادیا جاتا ہے؛ تاکہ اس وقت میں بھی یاد کریں جس کی بناء پر دوپہر میں گیارہ بجے کھانے کے بعد آرام کرنے دیا جاتا ہے، اور پونے دو بجے جگایا جاتا ہے اور طلبہ کی جماعتِ ظہر سوا دو بجے مسجد کے اوپر والے حصہ

میں ہوتی ہے، جب کہ مسجد میں ڈیڑھ بجے کی جماعت ہے، طلبہ کو اتنا آرام دینے کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ آرام مل جائے، رات کی پڑھائی میں نیند نہ آوے اور رات چھوٹی ہونے کی صورت میں نیند پوری ہوجائے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مدرسہ میں استنجاء خانے صرف دو ہیں اور وضو خانہ بھی چھوٹا ہے، لہٰذا نمازوں کے اوقات میں بعض مصلی طلبہ سے الجھ جاتے ہیں کہ مسجد کے استنجاء خانہ میں تمہاری وجہ سے بھیڑ ہوجاتی ہے؛ جب کہ فجر میں ایک گھنٹہ پہلے جگایا جاتا ہے تو اذان سے بہت پہلے ہی طلبہ مسجد کے استنجاء خانہ سے فارغ ہوچکے ہوتے ہیں، اور عصر اور مغرب میں یہ دشواریاں نہیں ہوتیں، لہٰذا ان اعذار کی بناء پر ظہر وعشاء میں مسجد کی حدود میں جو جماعت ثانیہ ہوتی ہے کیا اس کی گنجائش ہے؟ اگر نہیں ہے تو کیا صورت اختیار کی جائے؟ امید ہے کہ تسلی بخش جواب سے نواز کر مشکور فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں دوسری جماعت مکروہ تحریمی ہے، اس لیے اس سے احتراز ضروری ہے، سوال میں جو ضرورتیں بیان کی گئی ہیں ان کی وجہ سے کراہت ختم نہیں ہوتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کالج میں مخصوص جگہ میں تکرارِ جماعت

سوال: ہمارے کالج میں جماعت سے نماز ہوتی ہے جو امام صاحب پڑھاتے

ہیں؛ لیکن جو حضرات جماعت میں شامل نہیں ہو پاتے وہ بعد میں اپنی الگ سے جماعت بنا لیتے ہیں اور ایسی چار پانچ مرتبہ جماعت بنائی جاتی ہے، کیا اس طرح بار بار جماعت بنا کر پڑھنا درست ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے کالج میں جس جگہ پر نماز ہوتی ہے وہ جگہ اگر مسجد شرعی ہے تو امام صاحب کے جماعت کے ساتھ نماز پڑھ چکنے کے بعد میں آنے والوں کا جماعت کر کے نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے، درِمختار میں ہے: "ویکرہ تکرار الجماعۃ الخ"، علامہ شامی فرماتے ہیں: "قولہ ویکرہ" أي تحریما. (شامی ۱/ ۴۰۸)

اور اگر وہ جگہ مسجدِ شرعی نہیں ہے، صرف نماز کی ادائیگی کے لیے اس کو مخصوص کر لیا گیا ہے، مسجدِ شرعی کی نیت نہیں کی گئی ہے تو اس صورت میں بعد میں آنے والوں کے لیے دوسری جماعت کر کے نماز ادا کرنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ

بغرض تعلیم مسجد کے بجائے مدرسہ میں جماعت سے نماز پڑھنا ایک مسجد میں اوپر اور نیچے الگ الگ جماعت کرنے کا حکم

سوال: مدرسے سے متصل محلے کی مسجد ہے، اور مسجد دو منزلہ ہے، پہلے منزلے پر محلے کے مسلمان باجماعت نماز ادا کرتے ہیں، اسی جماعت کے ساتھ اسی امام کی اقتدا

کرتے ہوئے طلبہ دوسرے منزلے پر نماز ادا کرتے ہیں؛ البتہ نماز فجر وعشا طلبہ مدرسے میں الگ سے باجماعت ادا کرتے ہیں، نماز فجر وعشاء میں کچھ طویل قیام کو چھوٹے طلبہ برداشت نہیں کر پاتے، فی الحال نماز فجر اذان فجر ہوتے ہی جماعت کے ساتھ مدرسے میں ادا کرتے ہیں؛ تاکہ جلد از جلد تعلیم کے کام میں مصروف ہوں۔ سوال یہ ہے کہ مدرسے میں درسگاہیں چھوٹی چھوٹی ہونے کی وجہ سے تمام طلبہ ایک درسگاہ میں نہیں آپاتے، اذان فجر کے بعد فوراً طلبہ کی جماعت نماز فجر مسجد کے دوسرے منزلہ پر ادا ہوجائے، اور پہلے منزلے پر حسب معمول ۳۰ منٹ بعد نماز فجر کی جماعت قائم ہو تو یہ عمل یعنی فجر کی نماز کی دو جماعتیں کرنا مسجد کے دونوں منزلوں میں الگ الگ، شرعاً کوئی حرج والا ہے یا نہیں؟ طلبہ کی جماعت سے عامۃ المسلمین کی جماعت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے نہ اہمیت میں فرق آتا ہے، نہ قلت وکثرت پر کوئی فرق پڑتا ہے۔ توضیح فرمائیں کہ یہ عمل مکروہ ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو نابالغ طلبہ ہیں ان کے لیے تو مدرسہ میں جماعت کا بندوبست کیا جاسکتا ہے؛ لیکن جو بالغ طلبہ ہیں اور مدرسین اور ملازمین کا نماز فجر وعشاء میں مستقلاً مسجد چھوڑ کر مدرسے میں باجماعت ادا کرنا درست نہیں، یہ فعل بدعت اور مکروہ تحریمی ہے۔

(احسن الفتاویٰ ۳/ ۲۷۴)

مسجد کے دو منزلوں میں الگ الگ جماعت کرنا درست نہیں ہے، مکروہ ہے، آپ کا یہ سمجھنا کہ اس سے عامۃ المسلمین کی جماعت میں کوئی اثر نہیں پڑتا، فقہاء کی

تصریحات کے پیش نظر نا قابل قبول ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

تہ خانہ میں اور بالائی منزل پر اقتداء

سوال: مسجد کے تین حصے ہیں: ① زمین کے برابر یعنی راستہ سے لگا ہوا۔ ② زمین کے اوپر کا۔ (دو منزلہ) ③ زمین کے نیچے کا، یعنی تہ خانہ، اگر امام نے زمین کے برابر کا یعنی راستہ سے لگے ہوئے حصہ پر ٹھہر کر مقتدیوں کے ساتھ فرض نماز جماعت کے ساتھ ادا کی تو اوپر کے اور زمین کے نیچے (تہ خانہ میں) ٹھہرے ہوئے مقتدیوں نے اس امام کی اقتداء کی، یعنی اس امام کے تابع ہو کر نماز پڑھی تو سب کی نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً
سب کی نماز ہوگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جماعت خانہ کے باہر اقتداء

سوال: صلوۃ التراویح میں ایک بڑی تعداد کے مصلی جماعت خانہ سے باہر نماز ادا کرتے ہیں اس امام کے پیچھے جو جماعت خانہ میں ہے، مطلب یہ کہ باہر پڑھنے والے مصلی اور جماعت خانہ کے اخیر صف کے مصلی کے درمیان دو تین صف خالی رہتی ہیں، ایا اس صورت میں باہر پڑھنے والے کی نماز واقتداء صحیح ہے یا باطل؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔

وفناء المسجد في حكم المسجد، يجوز الاقتداء فيه وإن لم تكن الصفوف متصلة (طحطاوی علی مراقي الفلاح،١٦٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسبوق کو نائب بنانا

سوال: دو مسافر نمازِ ظہر باجماعت ادا کر رہے تھے، بعد ایک رکعت کے ایک مقیم آملے، اب امام صاحب آگے بڑھے، بعدہ امام کا وضو فاسد ہوا، اب امام صاحب نے داہنی طرف یعنی مقیم نمازی کو اپنا قائم مقام بنایا:

① اب مسافر نمازی اپنی نماز کس طرح مکمل کرے؟

② اب پرانے امام تیسری رکعت میں باوضو آملے، اب یہ صاحب اپنی نماز کس طرح مکمل کرے؟

③ مقیم امام کے پیچھے ایک مسافر چوتھی رکعت میں آکر ملے، بعد سلام کے یہ مسافر اپنی بقیہ نماز کو کس طرح مکمل ادا کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

امام صاحب کو درمیانِ نماز حدث پیش آنے کی صورت میں اگر استخلاف (کسی کو جانشین ونائب بنانے) کی ضرورت پیش آئے تو اس کو چاہیے کہ ایسے آدمی کو نائب بنائے جو اس امام کی نماز پوری کرانے کی قدرت رکھتا ہو، اور وہ مدرک (یعنی ایسا مقتدی

جو شروع سے امام کے ساتھ شریک ہو) ہے، مسبوق (یعنی جو ایک رکعت کے بعد امام کے ساتھ نماز میں شریک ہوا ہو اس) کو نائب نہ بنائے، اور خود مسبوق کو بھی چاہیے کہ وہ امام کا نائب نہ بنے؛ لیکن اس کے باوجود اگر امام نے مسبوق کو نائب بنا دیا اور مسبوق نائب بن گیا تو جائز ہوگا یعنی نماز فاسد نہیں ہوگی، اب اس مسبوق کو چاہیے کہ امام کی بقیہ نماز پوری کرا کے جب سلام کا وقت آئے تو وہ خود پیچھے آ کر ایسے آدمی (یعنی مدرک) کو آگے کر دے جو سلام پھرا کر امام والی نماز کو ختم کرائے۔

اس لیے صورتِ مسئولہ میں اولاً تو مقیم نمازی کو چاہیے تھا کہ وہ امام کا نائب نہ بنتا؛ اس لیے کہ وہ امام والی نماز کو پوری کرانے کی قدرت دو وجہ سے نہیں رکھتا تھا: ایک تو مسبوق ہونے کی وجہ سے، دوسری مقیم ہونے کی وجہ سے؛ لیکن جب وہ آگے بڑھ ہی گیا تو اب اس کو چاہیے تھا کہ دوسری رکعت پوری کرا کر جب سلام کا وقت آیا تو پہلے سے امام کے ساتھ موجود مسافر مقتدی (جو مدرک ہے اس) کو آگے کر دیتا؛ تاکہ وہ سلام پھرا کر امام والی نماز کو ختم تک پہنچاتا، یوں خود اس کی نماز مکمل ہوتی اور وہ مقیم مسبوق جس کو امام نے اپنا نائب بنایا اور جو امام کی نماز سلام تک پہنچا کر خود پیچھے آ گیا اپنی بقیہ نماز پوری کر لے، اس جواب سے دوسرا اور تیسرا سوال جو آپ نے قائم فرمایا ہے وہ خود ہی ختم ہو جاتا ہے۔

''تبیین الحقائق'' شرح کنز الدقائق کی عبارت پیش خدمت ہے، جس میں مذکورہ بالا تمام مسائل مصرح ہیں:

(وصح استخلاف المسبوق) أي أجاز للإمام أن يستخلف المسبوق بركعة أوأكثر لوجود المشاركة في الصلوة، وإنما يصير منفرداً فيما يقضى

بعد فراغ صلوة الإمام، والأولىٰ أن يستخلف المدرك لما روينا ولكونه أقدر على الإتمام وأعلم بحال الإمام، وينبغي لهذا المسبوق أن لا يقبل وأن لا يتقدم لعجزه عن التسليم، فإن تقدم جاز، ويستخلف مدركا عند إتمام صلوة إمامه ليسلم بهم ويسجد للسهو إن كان على الإمام سهو، وعلى هذا لو كان الإمام مسافراً ينبغي له أن لا يقدم مقيما لعجزه عن اتمام صلوة الإمام؛ لأنهم لم يلتزموا متابعته فيما زاد على ركعتين إذ لا يلزمهم الإتمام باستخلافه كما لا يلزمهم بنية المستخلف بعد الاستخلاف، أو بنية خليفته، ولو قدمه أي قدم المقيم ينبغي له أن لا يتقدم لما قلنا، وإن تقدم جاز لوجود المشاركة فيها، فإذا أتم صلوة الإمام وهي الركعتان قدم مسافراً يسلم بهم، ثم يصلي كل مقيم ركعتين منفردا؛ لأن اقتدائهم انعقد موجبا للمتابعة إلى هذه الحالة، ولو قام فاقتدوا به بطلت صلوتهم، وكذا إذا استخلف مسافراً فقام فاقتدوا به بطلت صلوة المقيمين دون المسافرين المدركين، وهذا ظاهر، ونظيره ما لو كان الخليفة مسبوقا فقام بعد فراغ صلوة الإمام وتابعوه تبطل صلوة المسبوقين واللاحقين دون المدركين (تبيين الحقائق ۱/۱۵۱)

یہ یاد رہے کہ پرانا امام جب تیسری رکعت میں آکر ملا تو اس کی نماز باطل ہوگئی، اور کسی مسافر کا چوتھی رکعت میں آکر اس مقیم کی اقتداء کرنا بھی درست نہیں ہوا، اس لیے اس مسافر کی نماز بھی باطل ہوگی۔ (کماھو مصرح فی العبارۃ المذکورۃ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حرم شریف میں تہجد کی جماعت میں شریک ہونا

(سوال): حرم شریف میں رمضان کے اخیری عشرہ میں تہجد کی جماعت ہوتی ہے، ان میں احناف کے لیے شرکت کا کیا حکم ہے؟ بعض حضرات منع فرماتے ہیں۔ فتاوی قاضی خان اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق کوئی اس میں شرکت کرنا چاہے تو اس کا جواز ہے۔

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

تراویح، استسقاء اور کسوف کے علاوہ دوسری نفلوں کی جماعت اگر بالتداعی ہو تو بہر صورت مکروہِ تحریمی ہے خواہ وہ نفلیں رمضان میں باجماعت تہجد کی شکل میں پڑھی جائیں یا غیرِ رمضان میں، یہی مسلک عام فقہاء ومحدثین کا ہے، اور اسی پر سلفِ صالحین کا فتویٰ اور تعامل ہے، شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کا اس موضوع پر رسالہ ''فقہی مقالات'' (۲/ ۳۳ تا ۵۶) میں ہے، اس کا مطالعہ فرمالیں، اس میں حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے دلائل کے تشفی بخش جوابات دیئے گئے ہیں، رسالہ کے اخیر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح بایں الفاظ موجود ہے: للہ در المجیب حیث أصاب فیما اجاب، واجاد فیما افاد مع ملاحظة ادب الاکابر، وَفّقه الله تعالی لما یحب ویرضی۔

بندہ: محمد شفیع عفا اللہ عنہ، صدر دار العلوم کراچی۔

ہمارے اکثر اکابر نفلوں کی جماعت بالتداعی کو مکروہ کہتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

فتاوی رشیدیہ جو تالیفاتِ رشیدیہ میں ہے ص ۲۹۶، امداد الفتاوی ۱/ ۳۷۷،

فتاوی محمودیہ ۲/۱۶۰، فتاوی رحیمیہ ۱/۱۷۷-۱۷۸، فتاوی حقانیہ ۳/۲۵۹۔

نظام الفتاویٰ میں ہے: جب چار مصلی یا اس سے زیادہ مصلیوں کے ساتھ تہجد کی جماعت کی جائے تو یہ جماعت ونماز بکراہتِ تحریمی مکروہ ہوگی اور یہ مسئلہ جمہور احناف کا ہے، اختلافی کہنا صحیح نہیں۔ کما صرح به فی الشامیة و غیرها من الکتب الفقهیة المعتبرة عند الاحناف (نظام الفتاوی، جدید ترتیب ۶/۳۱، ۳۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

امام کی اقتدا کی نیت ضروری ہے؟

سوال: مقتدیوں کے لیے امام کی نیت کرنا کیسا ہے؟ بغیر امام کی نیت کے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر کوئی شخص کسی امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہے، تو اس کے لیے بوقتِ نیت یہ ضروری ہے کہ امام کی متابعت واقتداء کی نیت کرے۔

وینوي المقتدي المتابعة الخ (درمختار مع الشامي ۱/۳۰۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

گھر پر رہ کر امام کی اقتداء کرنا

سوال: ایک شخص مسجد کے قریب والی بلڈنگ میں رہتا ہے، بہت ہی معذور ہے، مسجد میں آنے کی طاقت نہیں ہے، تنہا گھر میں نماز پڑھتا ہے، مگر وہ چاہتا ہے کہ امام کے ساتھ نماز پڑھوں، امام کی آواز گھر تک پہنچتی ہے، کیا وہ آواز پر نماز پڑھ سکتا ہے؟ امام

کی اتباع کرسکتا ہے؟ مسجد میں اسپیکر ہے کہ اس کی آواز پر اگر کوئی معذور نماز امام کی اتباع میں پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں اگر مسجد سے لے کر آدمی کے گھر تک صفوف کا اتصال ہے، تو اقتداء درست ہوگی۔

ولم یختلف المکان حقیقة کمسجد، وبیت في الأصح قنیة ولاحکماً عند اتصال الصفوف، ولو اقتدی من سطح داره المتصله بالمسجد لم یجز لاختلاف المکان الخ (درعلی هامش الرد۱/ ٤٣٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

امام سے پہلے رکوع سجدے میں چلے جانا

سوال: ہمارے یہاں ایک مسجد میں ایک امام صاحب طبیعت کے اعتبار سے ذرا موٹے ہیں اور ان کو نماز کے اندر انتقال کے اندر بڑی دشواری ہوتی ہے؛ یہاں تک کہ مقتدیان حضرات ان سے پہلے رکوع، سجدے میں چلے جاتے ہیں اور قیام کے لیے بھی ان سے پہلے ہی اٹھ جاتے ہیں، تو کیا ان امام صاحب کے لیے نماز پڑھانا مناسب ہے؟ بالتفصیل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

افعالِ صلاۃ کی ادائیگی میں امام سے قصداً سبقت کرنا مکروہ ہے۔

''مراقی الفلاح'' میں ہے: یکره للمصلي سبعة وسبعون شیئاً تقریباً

لا تحديداً: ترك واجب أو سنة كمسابقة الإمام لما فيها من الوعيد على ما في الصحيحين: اما يخشى أحدكم إذا رفع رأسه قبل الامام الخ.
(مراقي الفلاح على هامش الطحطاوي١٨٩)

اور یہ مسئلہ تمام ائمہ کے درمیان متفق علیہ ہے۔

وبالجملة نفى التقدم كلاً وجزءاًوالتأخركلاً متفق بين الائمة (معارف السنن ٣ /٦٠) حدیث پاک میں اس پر وعید آئی ہے، كما مرفي عبارة المراقي -

اب اگر امام صاحب موٹے ہیں، اس لیے ان کو انتقالات میں دیر ہوتی ہے، تو مقتدیوں کو چاہیے کہ وہ انتظار کریں اور جب امام صاحب رکوع، سجدہ میں پہنچ جائیں، تب مقتدی حضرات رکوع، سجدہ میں جائیں، اسی طرح امام صاحب رکوع، سجدہ سے اٹھ جائیں، تب مقتدی اٹھیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: إني قد بدنت، فإذا ركعت، فاركعوا، وإذا رفعت، فارفعوا، وإذا سجدت، فاسجدوا، ولاألفينّ رجلا يسبقني إلى الركوع ولا إلى السجود (سنن ابن ماجه:٦٨، باب النهي عن أن يسبق الامام بالركوع والسجود) میرا جسم موٹا پا اختیار کر چکا ہے، اس لیے جب میں رکوع میں پہنچ جاؤں، تب تم لوگ رکوع میں جاؤ اور جب میں (رکوع سے) سر اٹھالوں، تب تم لوگ (رکوع سے) سر اٹھاؤ اور جب میں سجدہ میں پہنچ جاؤں، تب تم سجدہ کے لیے جاؤ، خبردار! میں تم میں سے کسی کو اپنے سے پہلے رکوع سجدہ میں جاتے ہوئے نہ پاؤں۔

بلکہ ایک روایت میں صراحۃً امام سے سبقت کرنے سے منع فرماتے ہوئے فرمایا گیا ہے: فإن الإمام يسجد قبلكم، ويرفع قبلكم، فتلك بتلك (نسائی وابوداؤد)

اس روایت پر تفصیل کلام فرماتے ہوئے علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے آخر میں تحریر فرمایا ہے: وإذن لا يكون نصا مسوقا في المعاقبة؛ بل يكون مسوقا لنفي المسابقة (معارف السنن ۳/ ۵۸)

اس لیے مقتدیوں کو چاہیے کہ جلد بازی ترک کردیں اور اپنے عمل کی اصلاح کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ذوالقعدہ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

واجب الاعادہ نماز میں شرکت

سوال: امام کے پیچھے فرض نماز ادا کر رہے ہو اور امام کو سہو کا سجدہ واجب ہو گیا اور امام بھول گیا ہو، پھر نماز دہرائی جارہی ہو، پوچھنے کا سوال یہ ہے کہ اس پہلی جماعت میں مَیں نہیں تھا، پھر دوسری جماعت میں اس امام کے پیچھے میری فرض نماز پوری ہوگی؟ کیا اس دوسری جماعت میں میری نماز ادا ہوگئی یا نہیں؟ یا پھر سے میری نماز دہرانی چاہیے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو لوگ صرف بعد والی نماز میں شریک ہوئے ہیں ان کی نماز صحیح نہ ہوئی، اعادہ کرلیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۱۴۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مائک کی خرابی کی وجہ سے امام کی آواز نہ پہنچے تو مقتدی کیا کریں؟

سوال: جمعہ کی ایک رکعت ہو چکی تھی اچانک لاوڈ سپیکر کی آواز بگڑ گئی اور ایسی بگڑی کہ نہ امام کی آواز سنائی دے رہی ہے اور نہ ہی مکبر کی، کچھ دیر کے بعد لاؤڈ سپیکر کی آواز درست ہوگئی مگر امام صاحب نماز سے فارغ ہو کر دعاء میں مشغول تھے تو اب جن لوگوں کو امام کی آواز نہیں آئی ہے وہ اپنی نماز کس طرح پوری کریں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وہ حضرات لاحق کے حکم میں ہیں اب جب کہ معلوم ہوا کہ امام صاحب نماز سے فارغ ہو چکے ہیں تو وہ اپنی بقیہ رکعت بلاقرأت پوری کر کے قعدہ کر لیں اور سلام پھیر دیں۔ (شامی ۱/۴۳۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جماعت چھوڑ کر تنہا نماز پڑھنا

سوال: ① نمازِ مغرب کی جماعت مسجد کے برآمدہ میں ہو رہی ہے، اور ایک شخص بغیر جماعت کے نماز اندر مسجد میں پڑھ رہا ہے، یہ شخص جماعت کے آگے نماز پڑھتا ہے، تو کیا ایسی صورت میں اس شخص کی نماز ہوگی یا نہیں؟

② جماعت ہو رہی ہے؛ لیکن یہی شخص جماعت والی صف میں بغیر جماعت کے نماز پڑھتا ہے تو کیا ایسی صورت میں اس شخص کی نماز ہوگی یا نہیں؟ ایسی صورت میں امام ومقتدی کی نماز میں کچھ فرق آئے گا یہ نہیں، مفصل جواب سے مستفیض فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) جب وہ اپنی نماز تنہا پڑھ رہا ہے تو نماز تو اس کی ہوجائے گی؛ لیکن جماعت چھوڑ کر تنہا نماز پڑھنا شدید مکروہ ہے۔

(۲) جواب نمبر ۱ کے مطابق۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد خانپوری، ۲۳ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس بسم اللہ عفی عنہ

باب القراءۃ وزلۃ القاری

فجر میں قرأت کے طول وقصر کا مدار

سوال: (۱) ینظر إلی طول اللیالی و قصرها (هدایه ۱/۱۰۰)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سردیوں میں طویل قرأت فجر ہو اور گرمیوں میں قصیر مثل چالیس تا ساٹھ آیات، کیا اس عبارت سے یہ سمجھا جائے کہ چوں کہ موسم سرما میں طویل قرأت ہے اس لیے طویل وقت فجر ہے اور موسم گرما میں چوں کہ قصیر قرأت ہے اس لیے موسم گرما میں وقت فجر بھی قصیر ہے۔

(۲) وأیضاً یقرأ فی الظهر مثل (قراءة الفجر) لاستوائهما فی سعة الوقت (هدایه ۱/۱۰۰) أی لاستواء الظهر و الفجر فی سعة الوقت.

(عینی شرح هدایه ص: ۷۰۲)

کیا اس عبارت سے یہ مطلب سمجھا جائے کہ فجر اور ظہر کا وقت مساوی ہے، جب کہ متعدد مفتیان و علماء کرام بشمول حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بوادر النوادر ۴۳۰، مفتی

کفایت اللہ کفایت المفتی ۳ / ۳۵، مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رحیمیہ ۳ / ۳۴ میں تصریح کر چکے ہیں کہ فجر اور مغرب کا وقت مساوی ہوتا ہے اور موسم گرما میں یہ وقت زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۳۵ منٹ اور کم از کم ایک گھنٹہ ۱۰ / منٹ کا ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو: امداد الفتاوی جدید ۱ / ۱۵۴؛ نیز امداد الاحکام ۱ / ۱۲۳۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① سردیوں میں طویل قرأت فجر، اور گرمیوں میں قصیر قرأت فجر کی کوئی صریح تعلیل وتوجیہ باوجود تتبع اور تلاش کے مجھے نہیں ملی، اس لیے اس سے وقت فجر کے طویل اور قصیر ہونے پر استدلال درست نہ ہونے کے ساتھ ساتھ خلاف مشاہدہ بھی ہے، میرے ذہن میں اس کی توجیہ یہ آرہی ہے کہ قرأت کے طویل اور قصیر ہونے کا مدار مصلیوں کی رغبت اور ملال پر ہے، چناں چہ ہدایہ ہی میں صراحۃً ہے: انه يقرأ بالراغبين مائة و بالكسالى أربعين و بالأوساط مابين خمسين الى ستين۔ اسی بنیاد پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ سردی کی راتیں طویل ہونے کی وجہ سے آرام کا پورا وقت مل جاتا ہے، اور لوگ شروع وقت ہی سے نماز فجر کے لیے آجاتے ہیں، اور رات بھر نیند پوری کر لینے کی وجہ سے طویل قرأت کا رغبت کے ساتھ تحمل کر لیتے ہیں، جب کہ گرمیوں میں یہ بات نہیں۔

② اس عبارت سے فجر اور ظہر کے وقت کے مساوی ہونے پر استدلال خلاف مشاہدہ ہے، غالباً دونوں کے وقت مستحب کی وسعت مراد ہے بایں طور کہ فجر کا تو پورا وقت ہی مستحب ہے اور مشغولی نہیں بلکہ فرصت کا وقت ہے، اگر اسفار میں شروع کر کے اسفار ہی میں ختم کرے تب تو ظاہر ہے، اور اگر غلس میں شروع کر کے اسفار میں ختم

کرے تب تو مزید ظاہر ہے، اور ظہر بھی مشغولیت کا لحاظ کر کے گرمیوں میں ابراد کے ساتھ پڑھی جائے اور مثل اول سے پہلے پوری کر لی جائے۔ اس کی تائید فتح القدیر کی عبارت سے بھی ہوسکتی ہے، چناں چہ متن کی عبارت والعصر والعشاء سواء کی تشریح کرتے ہوئے صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں۔ یعنی فی سعة الوقت علی جهة الاستحباب۔ رہا فجر اور مغرب کے وقت کا مساوی ہونا وہ نفس مقدار وقت کے اعتبار سے ہے ورنہ اشتباک نجوم تک مغرب کی تاخیر مکروہ ہے، اس معنی کر کے وقت مستحب میں دونوں برابر نہیں رہیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نماز میں مفصلات پڑھنے کا حکم

سوال: آج کل اکثر مساجد کے ائمۂ کرام نمازوں کے اندر ''مفصلات'' کی قرأت نہیں کرتے؛ بلکہ اکثر و بیشتر قرآن مجید کے مختلف مقامات سے قرأت کرتے ہیں، خاص کر وہ رکوعات جو تجوید پڑھنے کے درمیان مشق کروائے جاتے ہیں، عام طور پر اس کی قرأت کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ''مفصلات'' کی قرأت نماز کے اندر کس درجہ کی سنت ہے؟ نیز اکثر و بیشتر ان کو ترک کر کے اور جگہ سے تلاوت کرنے میں کیا کوئی قباحت تو نہیں ہے؟ اور مفصلات کی قرأت کو ترک کر کے دوسری جگہ سے نماز میں تلاوت کرنے کی عادت بنا لینا کیسا ہے؟

''مفصلات'' کی ابتدا اور انتہا کی بھی وضاحت فرمائیں، نیز ''مفصلات'' کی کونسی مقدار کونسی نمازوں میں پڑھی جائے گی اس کو بھی وضاحت سے لکھیں تو بڑا کرم ہوگا!

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عمدۃ الفقہ میں ہے: ① حضر میں یعنی جب کہ سفر میں نہ ہو اور اطمینان کی حالت میں ہو کسی قسم کا اضطرار نہ ہو تو سنت یہ ہے کہ فجر کی نماز کی دونوں رکعتوں میں الحمد کے سوا چالیس یا پچاس آیتیں پڑھے اور ایک روایت میں ہے کہ ساٹھ سے سو تک پڑھے، ظہر کی دونوں رکعتوں میں بھی فجر کی مثل یا اس سے کم پڑھے، عصر اور عشا کی دونوں رکعتوں میں الحمد کے سوا پندرہ یا بیس آیت پڑھے، اور مغرب کی ہر رکعت میں پانچ آیتیں یا کوئی چھوٹی سورۃ پڑھے، اور مستحسن ومستحب ہے کہ حضر میں فجر وظہر کی نماز میں ''طوالِ مفصل'' پڑھے اور وہ سورۂ ''حجرات'' سے سورۂ ''بروج'' تک کی سورتیں ہیں (سورۂ بروج اس میں شامل ہے) عصر اور عشا میں ''اوساطِ مفصل'' پڑھے اور وہ سورۂ ''والطارق'' سے ''لم یکن'' تک ہیں اور مغرب میں ''قصارِ مفصل'' یعنی چھوٹی سورتیں پڑھے اور وہ ''اذا زلزلت'' سے آخرِ قرآن یعنی ''والناس'' تک ہیں۔ ''مفصلات'' کا پڑھنا الگ سنت ہے اور مقدارِ معین یعنی آیتوں کی تعداد کے لحاظ سے جو اوپر مذکور ہوئیں پڑھنا الگ سنت ہے، جب جیسا موقع ہو جس پر چاہے عمل کرے؛ لیکن ''مفصلات'' کا اختیار کرنا مستحسن ہے۔ ② اگر حضر میں اضطرار ہو اور وہ یہ ہے کہ وقت تنگ ہو یا اپنی جان ومال کا خوف ہو تو سنت یہ ہے کہ اس قدر پڑھ لے جس سے وقت اور امن فوت نہ ہو جائے۔

(عمدۃ الفقہ ۲/۱۱۶)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ شامی کے حوالے سے مذکورہ بالا مضمون نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: تحقیقِ مذکور سے ثابت ہوا کہ سنت قرأۃ سے متعلق دو روایتیں ہیں: ایک میں آیات کی متعین تعداد کو سنت قرار دیا ہے اور دوسری

میں ''سورِ مفصل'' کو، ان میں صورتِ تطبیق یہ بیان کی ہے کہ ''سورِ مفصل'' میں سے آیات کی متعین تعداد مسنون ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اشکال ظاہر فرمایا ہے اور اس کو ترجیح دی ہے کہ یہ دونوں مستقل روایتیں ہیں اور سورِ مفصل کی روایت عام متون کی ہے، اور یہی راجح ہے۔ پھر اس میں یہ تفصیل ہے کہ پوری سورت پڑھنا افضل ہے، اور اگر جزءِ سورت پڑھنا چاہے تو آخر سے پڑھے، آخرِ سورت کا ترک مکروہِ تنزیہی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۳/ ۷۳)

قرأت کی اس مقدار کا پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ، اور عادۃً اس کو چھوڑنا نہیں ہے؟ اس سلسلہ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ: اس سنت کے مؤکدہ اور غیر مؤکدہ ہونے کی تصریح نہیں دیکھی؛ البتہ امام اور منفرد کا حکم مقدارِ قرأت میں یکساں ہے، کما فی شرح السنۃ، ص: ۲۰۳ والدر المختار علی الشامی: ۱/ ۵۰۴ والبحر الرائق: ۱/ ۲۴۷، ومراقی الفلاح: ۱۴۳ اس تفصیل کو فقہا اہتمام سے ذکر کرتے ہیں اور اس کے دلائل بھی لکھتے ہیں، بعض کتب میں سنن کو جداگانہ بیان کیا ہے اور مستحبات کو جداگانہ اور اس تفصیل کو ''سنن'' میں شمار کیا ہے۔ عادتاً ایسا کرنا خلافِ اولیٰ کو اختیار کرنا ہے، توجہ دلانا چاہیے۔ بأن الأفضل في كل ركعة الفاتحة وسورة تامة. (شامی ۵۵، فتاویٰ محمودیہ ۱۳/ ۶۳-۶۴)

اور اسی سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: غرضیکہ ''مفصل سور'' پڑھنا سنت ہے، اس کے خلاف جو معمول بن چکا ہے وہ صحیح نہیں، خانیہ ومنیہ میں قرأۃِ مفصل کا استحباب مذکور ہے؛ مگر علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: یہاں استحباب سے سنت مراد ہے، اور بغرضِ استحباب بھی اس کے ترک کو مکروہِ تنزیہی قرار دیا ہے،

ترکِ سنت یا استحباب، اور کراہتِ تنزیہیہ کا ارتکاب بالخصوص اس پر دوام واصرار قابلِ اصلاح ہے، 'سورِ مفصل' کے سوا جہاں کہیں کسی سورت کا ثبوت ملتا ہے وہ احیاناً مقتضائے حال پر مبنی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۳/ ۷۳)

(ب) اس کا جواب اوپر آچکا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۲/ صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

فجر میں اسفار، فجر کی سنت جماعت کھڑی ہونے کے بعد ادا کرنا، سنتِ فجر کی قضاء اور فجر کی قرأت کی تفصیل

سوال: (۱) ہمارے یہاں بعض مسجدوں میں خود امام صاحب محترم اور مصلیان کی رعایت کرتے ہوئے طلوع آفتاب سے بیس بائیس منٹ پہلے فجر کی جماعت کا وقت مقرر کیا جاتا ہے، کیا شرعاً اس کی گنجائش ہے؟ اگر مسنون اور حد جواز والے وقت کی نشاندہی فرمادیں تو بہتر ہے۔

(۲) اگر امام کو نماز فجر میں حدث یا کوئی مفسدۂ صلاۃ پیش آجائے اور نماز دوبارہ دہرانی پڑے، تو کیا وہی قراءۃ (طوال مفصل) پڑھیں گے جو پہلی نماز میں پڑھی تھی، یا پھر اوساط مفصل یا قصار مفصل میں سے کوئی سورۃ پڑھی جاسکتی ہے، جب کہ وقت طلوع ہوجانے کا اندیشہ بھی ہو؟

(۳) فجر کی جماعت کھڑی ہوجانے کے قریب یا بعد میں کچھ آدمی صف میں ہی، اور کچھ آدمی صحن میں سنتیں ادا کرتے ہیں، اس طرح امام دوسری رکعت کے قعدہ تک پہنچ

جاتا ہے، اور سلام کے قریب پہنچنے تک بعض مصلی آ آ کر جماعت میں شریک ہوتے رہتے ہیں، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ فجر کی سنتیں جماعت شروع ہوجانے کے بعد کب تک ادا کر کے جماعت میں شامل ہوسکتے ہیں؟

④ مترو کہ فجر کی سنتوں کو اگر کوئی شخص اشراق کے وقت ادا کرے یا اشراق کی نماز میں ہی فجر کی سنتوں کی نیت کرلے تو آیا شرعاً درست ہے؟ اس طرح اگر کوئی شخص ظہر کی سنتوں سے پہلے دو رکعت فجر کی سنت قضا کی نیت سے ادا کرے تو کیا شرعاً صحیح ہے؟

⑤ فجر کی فرض نمازوں میں طوال مفصل کی قراءۃ کے بارے میں تشریح کر دی جائے کہ ایک مکمل سورۃ دو رکعتوں میں قراءت کریں، یا دو پوری پوری سورتیں الگ الگ رکعتوں میں قراءت کریں؟ بعض امام ٹھہر ٹھہر کر یا خوب قراءۃ ولہجہ سے پڑھتے ہیں، اور بعض امام ذرا تیز وسیدھے سادے لہجہ میں مگر تجوید کا لحاظ کرتے ہوئے پڑھتے ہیں، عام طور پر فجر کی نماز دس بارہ منٹ میں پوری ہوتی ہے، لہٰذا امام کو روزانہ یا اکثر دنوں میں فجر کی نماز میں کس طرح اور کتنی دیر قراءت کرنی چاہیے کہ مسنون قراءۃ کی فضیلت حاصل ہوجائے اور مصلیان پر بار بھی نہ پڑے؟

⑥ طوال مفصل، اوساط مفصل اور قصار مفصل والی سورتیں ہی آیا مختلف نمازوں میں پڑھنا مسنون ومطلوب ہے یا یہ محض اصطلاحیں ہیں اور ایک طرح کی پیمائش وضابطہ ہے کہ اتنی اتنی مقدار کی آیتیں کلام پاک میں جہاں سے جی چاہے پڑھ سکتے ہیں، کوئی قید نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① عمدۃ الفقہ میں ہے: ”فجر کی نماز میں تاخیر مستحب ہے لیکن اتنی تاخیر نہ کرے

کہ سورج نکلنے کا شک ہوجائے بلکہ جب اسفار یعنی اجالا ہوجائے اور اتنا وقت ہو کہ سنت کے موافق اچھی طرح نماز ادا کی جائے اور قرأت مستحبہ یعنی چالیس سے ساٹھ تک آیتیں ترتیل کے ساتھ (ٹھہر ٹھہر کے) دونوں رکعتوں میں پڑھے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد اتنا وقت باقی رہے کہ اگر شاید کسی وجہ سے یہ نماز درست نہ ہوئی ہو خواہ طہارت میں خلل واقع ہو یا نماز میں تو طہارت کر کے دوبارہ قرأت مستحبہ مذکورہ کے ساتھ سنت کے موافق سورج نکلنے سے پہلے نماز پڑھی جاسکتی ہو ایسے وقت نماز پڑھنا افضل ہے اور یہ حکم ہر زمانہ میں ہے، لیکن نحر (قربانی) کے روز حج کرنے والوں کے لیے مزدلفہ میں اس کے خلاف ہے اور وہاں اندھیرے میں یعنی نہایت اول وقت فجر کی نماز پڑھنا افضل ہے۔ عورتوں کے لیے ہمیشہ فجر کی نماز اول وقت (اندھیرے) میں مستحب ہے''۔ (عمدۃ الفقہ ۲/۱۸)

امداد الاحکام میں ہے: ''نماز فجر میں اسفار مستحب ہے، یعنی روشنی پھیلنے سے پہلے شروع نہ کی جاوے۔

وهو المختار كما فى الرد المحتار وهو ظاهرالرواية كما فى البحر عن العناية خلافاًللطحاوى فانه قال ان كان من عزمه تطويل القرأة فالأفضل ان يبدأ بالتغليس و يختم بالاسفار وان لم يكن من عزمه تطويل القرأة فالاسفار (اى الابتداء فى الاسفار) افضل من التغليس، وجه المختار أن فيه تكثير الجماعة كما قاله الشمس الائمة فى المبسوط.

اور روشنی پھیلنے کا وقت احقر نے جو تجربہ کیا تو طلوع شمس کے نصف پر ہے، اور طلوعین میں کم از کم فاصلہ ایک گھنٹہ بیس منٹ ہوتا ہے، اور زائد سے زائد ایک گھنٹہ

۳۵ منٹ، پس اسفار کا وقت بعض ایام میں طلوع شمس سے ۴۰ منٹ پیشتر ہوگا، اور بعض ایام میں تقریباً ۵۰ منٹ، جیسا کہ اسلامی جنتری سہارنپور سے واضح ہے۔

یہ تو نماز فجر کے وقت مستحب کی ابتداء ہے، اور انتہاء کے متعلق شامی میں ہے:

وحد الاسفار ان یمکنه اعادة الطهارة ولو من حدث اکبر کما فی النهر و القهستانی و اعادة الصلوة علی الحالة الاولیٰ قبل طلوع الشمس (ای بحیث یرتل اربعین آیة الی ستین) اور اس کا تخمینہ آدھا گھنٹہ کیا گیا ہے پس وقت مستحب کا انتہائی حصہ یہ ہے کہ جب نماز شروع کی جاوے اس وقت کم از کم نصف گھنٹہ طلوع آفتاب میں باقی ہو۔

اس تفصیل سے معلوم ہوگیا، کہ وقت مستحب کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے کوئی ایسا وقت معین نہیں ہے جس میں ذرا سی کمی بیشی سے یہ فضیلت فوت ہو جاوے؛ بلکہ بعض ایام میں طلوع آفتاب سے ۴۰ منٹ پہلے شروع کرنا بھی وقت مستحب کی حد میں داخل ہے، اور بعض میں ۵۰ منٹ قبل طلوع بھی، اور علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وقت فجر کا کوئی حصہ مکروہ نہیں، پس اگر کوئی اسفار سے قبل نماز پڑھے یا زیادہ تاخیر کردے تو اس پر ملامت نہیں''۔ (امداد الاحکام ۱/ ۳۱۸، ۳۱۹)

نوٹ از احقر: مندرجۂ بالا جواب میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے طلوع فجر اور طلوع آفتاب کے درمیان کے فاصلہ کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مقدار جو تحریر فرمائی ہے وہ سہارنپور کی جنتری کے اعتبار سے ہے، گویا سہارنپور اور اطراف کا یہ حکم ہے، ہر جگہ یہ فاصلہ اتنا ہی نہیں ہوتا جو جواب میں مذکور ہے؛ بلکہ اس جگہ کے عرض البلد اور طول البلد کے مختلف ہونے سے اس فاصلہ میں بھی

فرق ہوتا رہتا ہے، آپ اپنے یہاں کی جنتری دیکھ کر اس کی تعیین کر سکتے ہیں۔ فقط

(۲) اس کا جواب اوپر آچکا البتہ اگر طوال مفصل پڑھنے کی صورت میں دوران نماز سورج نکل آنے کا اندیشہ ہو تو پھر اسکے مطابق قرأت کی مقدار رکھی جائے۔

(۳) عمدۃ الفقہ میں ہے: ”جماعت قائم ہونے کے بعد کسی نفل نماز کا شروع کرنا جائز نہیں سوائے سنت فجر کے پس اگر کوئی شخص گھر سے فجر کی سنتیں پڑھ کر نہیں آیا اور مسجد میں جماعت ہو رہی ہو اور یہ شخص جانتا ہے کہ سنتیں پڑھنے کے بعد جماعت مل جائے گی خواہ قعدہ ہی مل جائے تو سنتیں پڑھ لے؛ مگر صف کے برابر کھڑا ہو کر نہ پڑھے، اور ایسے شخص کو مسجد کے دروازے پر سنتیں پڑھنا افضل ہے، اس کے بعد اگر امام اندر کی مسجد میں نماز پڑھتا ہو تو باہر کے حصہ میں سنتیں پڑھنا افضل ہے، اور اگر امام باہر کے حصہ میں نماز پڑھتا ہو تو اندر سنتیں پڑھنا افضل ہے، اور اگر اس مسجد میں اندر باہر دو درجے نہ ہوں تو ستون یا دیوار یا پیڑ کی آڑ میں پڑھے جو کہ اس میں اور صف میں حائل ہو جائے، اور صفوں کے پیچھے بغیر کسی حائل کے سنتیں پڑھنا مکروہ ہے، اور سب سے سخت مکروہ یہ ہے کہ جماعت کی صف میں مل کر سنتیں پڑھے، یہ سب صورتیں اس وقت ہیں جب امام جماعت سے نماز پڑھ رہا ہو۔ امام کے نماز شروع کرنے سے پہلے جہاں چاہے نماز پڑھے اور خواہ وہ کوئی سی سنتیں ہوں۔ لیکن اگر وہ یہ جانتا ہے کہ جماعت جلد قائم ہونے والی ہے اور یہ اس وقت تک سنتوں سے فارغ نہ ہو سکے گا تو ایسی جگہ نہ پڑھے کہ اس کے سبب صف قطع ہوتی ہو۔ امام کو رکوع میں پایا اور یہ معلوم نہیں کہ پہلی رکعت کا رکوع ہے یا دوسری کا تو فجر کی سنتیں بھی ترک کر دے، اور جماعت میں مل جائے“۔ (عمدۃ الفقہ ۲/۳۰۹، ۳۱۰)

(۴) فجر کی سنتیں اگر فرض کے ساتھ فوت ہو جائیں یعنی فجر کی نماز ہی قضا ہو جائے تو

اگر سورج نکلنے کے بعد زوال سے قبل ادا کرے تو فرضوں کے ساتھ سنتوں کو بھی قضا کرے، اور اگر زوال کے بعد قضا کرے تو سنتیں اس سے ساقط ہو جائیں گی صرف فرضوں کی قضا کرے، یہی صحیح ہے۔ اور اگر فجر کی سنتیں بغیر فرض کے قضاء ہوں جیسا کہ جماعت جاتے رہنے کے خوف سے جماعت میں شامل ہو گیا، اور سنتیں رہ گئیں تو شیخین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کو طلوع آفتاب کے بعد قضا نہ کرے، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب سورج نکل آئے اور ایک نیزہ بلند ہو جائے اس کے بعد زوال سے پہلے پہلے تک قضا کر لے، اس کے بعد قضا نہ کرے، اور فرض کے بعد طلوع آفتاب سے قبل بالاتفاق سنت فجر یا کوئی نفل پڑھنا مکروہ تحریمی وممنوع ہے۔ (عمدۃ الفقہ ۲/۲۹۸)

⑤ افضل یہ ہے کہ فرض کی ہر رکعت میں الحمد کے سوا ایک پوری سورت پڑھے، اور اگر عاجز ہو تو ایک سورت دو رکعتوں میں تمام کرے۔ (عمدۃ الفقہ ۲/۱۱۸)

فرضوں میں ٹھہر ٹھہر کر قرأت کرے اور ہر حرف کو جدا جدا پڑھے، اور تراویح میں متوسط انداز پر، اور رات کے نوافل میں (تہجد میں) جلد پڑھنے کی اجازت ہے، اس لیے کہ رات کی نوافل یعنی تہجد پڑھنے والوں کی عادت زیادہ قرآن پڑھنے کی ہوتی ہے تو جلد پڑھنے سے ان کا ورد پورا ہو سکتا ہے مگر جلدی کے یہ معنی ہیں کہ مد زیادہ نہ کھینچے بلکہ مد کا کم سے کم درجہ جو قاریوں نے رکھا ہے اس کو ادا کرے، اور ایسی جلدی نہ کرے کہ سمجھ میں بھی نہ آوے ورنہ ترک ترتیل کی وجہ سے حرام ہے کیوں کہ قرآن کو ترتیل سے پڑھنے کا حکم ہے۔ (عمدۃ الفقہ ۲/۱۲۰)

⑥ عمدۃ الفقہ میں ہے: ''حضر میں یعنی جب کہ سفر میں نہ ہو اور اطمینان کی حالت میں ہو کسی قسم کا اضطرار نہ ہو تو سنت یہ ہے کہ فجر کی نماز کی دونوں رکعتوں میں الحمد کے سوا

چالیس یا پچاس آیتیں پڑھے، اور ایک روایت میں ہے کہ ساٹھ سے سو تک پڑھے۔ ظہر کی دونوں رکعتوں میں بھی فجر کی مثل یا اس سے کم پڑھے۔ عصر اور عشاء کی دونوں رکعتوں میں الحمد کے سوا پندرہ یا بیس آیتیں پڑھے، اور مغرب کی ہر رکعت میں پانچ آیتیں یا کوئی چھوٹی سورۃ پڑھے، اور مستحسن و مستحب ہے کہ حضر میں فجر و ظہر کی نماز میں طوال مفصل پڑھے، اور وہ سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک کی سورتیں ہیں، (سورۂ بروج اس میں شامل ہے) عصر اور عشاء میں اوساط مفصل پڑھے، اور وہ سورۂ والطارق سے لم یکن تک ہے، اور مغرب میں قصار مفصل، یعنی چھوٹی سورتیں پڑھے، اور وہ اذا زلزلت سے آخر قرآن یعنی والناس تک ہے۔ مفصلات کا پڑھنا الگ سنت ہے، اور مقدار معین یعنی آیتوں کی تعداد کے لحاظ سے جو اوپر مذکور ہوئی پڑھنا الگ سنت ہے۔ حسب موقع جس پر چاہے عمل کرے لیکن مفصلات کا اختیار کرنا مستحسن ہے۔ (عمدۃ الفقہ ۲/۱۱۶)

احسن الفتاوی میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں رد المحتار کی طویل عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ: ''تحقیق مذکور سے ثابت ہوا کہ سنیتِ قراءۃ سے متعلق دو روایتیں ہیں، ایک میں آیات کی متعین تعداد کو سنت قرار دیا ہے، اور دوسری میں سور مفصل کو، نہر میں صورت تطبیق یہ بیان کی ہے کہ سور مفصل میں سے آیات کی متعین تعداد مسنون ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر اشکال ظاہر فرمایا ہے، اور اس کو ترجیح دی ہے کہ یہ دونوں مستقل روایتیں ہیں، اور سور مفصل کی روایت عام متون کی ہے اور یہی راجح ہے، پھر اس میں یہ تفصیل ہے کہ پوری سورت پڑھنا افضل ہے، اور اگر جزء سورت پڑھنا چاہے تو آخر سے پڑھے، آخر سورت کا ترک مکروہ تنزیہی ہے؛ غرضیکہ مفصل سور پڑھنا سنت ہے، اس کے خلاف جو معمول بن چکا

ہے وہ صحیح نہیں، خانیہ ومنیہ میں قراءۃ مفصل کا استحباب مذکور ہے، مگر علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں استحباب سے سنت مراد ہے، اور بفرض استحباب بھی اس کے ترک کو مکروہ تنزیہی قرار دیا ہے، ترک سنت یا استحباب اور کراہت تنزیہیہ کا ارتکاب بالخصوص اس پر دوام واصرار قابل اصلاح ہے، سور مفصل کے سوا جہاں کہیں کسی سورت کا ثبوت ملتا ہے وہ احیاناً مقتضائے حال پر مبنی ہے۔ (احسن الفتاوی ۳/ ۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۶/ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بروز جمعہ فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر کا اہتمام کرنا کیسا ہے؟

سوال: ایک مسجد کے امام صاحب ہر جمعہ کے روز صبح کی نماز میں سورۃ سجدہ اور سورہ دہر پڑھتے ہیں، جس کی وجہ سے مقتدی اکتاتے ہیں یہاں تک کہ بعض لوگ تو جمعہ کے دن فجر کی نماز گھر میں ادا کر لیتے ہیں، تو امام صاحب کا اس طرح ہر جمعہ کے دن مذکورہ سورتوں کا پڑھنا کیسا ہے، کیا مقتدی کا امام کو ان سورتوں کے پڑھنے سے روک سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز فجر میں جمعہ کے روز پہلی رکعت میں سورۂ سجدہ اور دوسری میں سورۂ دہر پڑھنا فی نفسہ مستحب ہے؛ لیکن اس پر مداومت مکروہ ہے؛ تاکہ عوام اس کو واجب نہ سمجھنے لگیں۔

ویکرہ التعیین کالسجدۃ وھل أتی لفجر کل جمعۃ بل یندب قراء تھا احیانا (درمختار)

وفی الشامیۃ: وقول حاصل معنی کلام لھذین الشیخین بیان وجہ الکراھۃ فی المداومۃ، وھو انہ ان رأی ذلک حتما یکرہ من حیث تغییر

المشروع؛ والایکرہ من حیث ابہام الجاھل. (شامی ۱/۴۰۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴ر ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جمعہ کے روز فجر میں مسنون قرأت پر کراہت کے شبہ کا ازالہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین حسبِ ذیل مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں ہر جمعہ کو فجر میں ''سورۂ سجدہ'' اور ''سورۂ دہر'' اور جمعہ میں ''سورۃ الاعلیٰ'' اور ''غاشیۃ'' ہمیشہ بلا ناغہ تلاوت کی جاتی ہے، تو اس طریقہ سے ہمیشہ ایک ہی طرح کی سورتیں نماز میں تلاوت کرتے رہنا کیسا ہے؟ حالاں کہ اس طرح کسی نماز کے لیے سورتیں مقرر کرنا مکروہ لکھا ہے، جیسا کہ امداد الفتاویٰ جلد ۱ / ۲۵۶ پر لکھا ہے:

سوال: جس طرح فرائض میں سورتیں متعین کرنا مکروہ ہے، نوافل میں بھی مکروہ ہیں یا نہیں؟

الجواب: فرائض اور نوافل دونوں کا حکم یکساں ہے۔ فی العالمگیریۃ ویکرہ ان یوقت شیئا من القرآن بشیء من الصلوۃ ۱/۴۹۔

اسی طرح احسن الفتاویٰ ۳ / ۸۰ میں ''سنت فجر اور وتر میں متعین سورتیں پڑھنا'' کے جواب میں مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ: اگر سورۂ غیر ماثورہ بغرضِ سہولت یا سورۂ ماثورہ بنیت تبرک اختیار کرتا ہے، تو اس میں کوئی کراہت نہیں؛ مگر اس کو لازم نہ سمجھے، اور کبھی کبھی اس کو ناغہ کر دینا بہتر ہے؛ البتہ وتر کی امامت میں ان سورتوں پر دوام مکروہ ہے، اس لیے کہ اس سے ناواقف کو شبۂ وجوب ہو سکتا ہے، اسی لیے فرائض کی امامت میں بھی کسی مخصوص سورت پر دوام مکروہ ہے۔

آگے صفحہ ۸۱ پر بروزِ جمعہ فجر میں سورۃ سجدہ پڑھنا کے سوال کے جواب میں لکھا ہے: نماز فجر میں جمعہ کے روز پہلی رکعت میں سورۃ سجدہ، اور دوسری رکعت میں سورۃ دہر، پڑھنا فی نفسہ مستحب ہے لیکن اس پر مداومت مکروہ ہے؛ تاکہ عوام اس کو واجب نہ سمجھنے لگیں، آج کل ائمہ مساجد نے اس امر کو بالکل ہی ترک کر رکھا ہے، یہ غفلت ہے، اور اس کی اصلاح لازم ہے: قال فی الدر: ویکرہ التعیین کالسجدۃ وھل اتی بفجر کل جمعۃ بل یندب قراءتھما احیانا الخ

ان وجوہات کی بنا پر ہمارے یہاں اس کی اصلاح ضروری ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں امام ہر وقت بدلتے ہیں، قراءت نہیں بدلتی، اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ نمازوں میں یہی سورتیں پڑھی جائیں گی جو ایک طرح کا متعین کرنا ہی ہوا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز میں کسی سورت کو متعین کر لینا مکروہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں اس سورت کو اس طرح یقینی واجب سمجھ لے کہ اس کے سوا اور سورت کو ناجائز یا مکروہ سمجھے، نیز معین کر لینے سے باقی قرآن کا چھوڑنا اور معینہ سورت کے افضل ہونے کا وہم لازم آتا ہے، لیکن اگر آسانی کے واسطے کوئی سورت مقرر کر لے یا جو سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوئی ہے اس کو تبرکاً پڑھا کرے، مثلاً: جمعہ کے روز کی نماز فجر میں پہلی رکعت میں الم سجدہ، اور دوسری میں سورۃ دہر پڑھا کرے، تو اس میں کراہت نہیں؛ لیکن اس میں بھی شرط ہے کہ اس کے سوا کبھی کبھی اور سورت بھی پڑھا کرے؛ تاکہ کوئی ناواقف یہ نہ سمجھ لے کہ اس کے سوا اور کوئی سورت جائز نہیں۔ (عمدۃ الفقہ ۲/۱۱۸)

علامہ شامیؒ نے ''درمختار'' کی اس عبارت کی شرح میں جو آپ نے احسن الفتاویٰ کے حوالہ سے نقل کی ہے تفصیلی بحث فرما کر یہی ثابت کیا ہے۔

وقيد الطحاوى والاسبيجابى الكراهة بما اذا رأى ذلك حتما لا يجوز غيره، اما لو قرأه للتيسير عليه او تبركا بقراء ته عليه الصلوة والسلام فلا كراهة؛ لكن بشرط ان يقرأ غيرها احيانا لئلا يظن الجاهل ان غيرها لا يجوز الخ (شامی ۱/۴۰۲)

خلاصہ یہ ہوا کہ علت کراہت دو امور میں سے ایک ہے۔ (۱) اس کو یقینی اور واجب سمجھ کر پڑھنا۔ (۲) کسی جاہل وناواقف کا یہ سمجھ لینے کا اندیشہ کہ اس کے علاوہ اور کوئی سورت جائز نہیں۔

(۱) واقول: حاصل معنى كلام هذين الشيخين بيان وجه الكراهة فى المداومة وهو انه ان رأى ذلك حتما يكره من حيث تغيير المشروع والا يكره (۲): من حيث ايهام الجاهل الخ (شامی ۱/۴۰۲)

ہمارے یہاں امام بدلتا ہے، اور ہر امام اس بات سے واقف ہے کہ یہ قراءت مسنون وماثور ہے واجب نہیں ہے، اس لیے کراہت کی پہلی علت مفقود ہے؛ نیز چوں کہ امامت کا فریضہ انجام دینے والے وہ طلبہ ہیں جن کو فرائض امامت کی ادائیگی کے لیے تربیت دی جارہی ہے، اگر ابھی انھوں نے اس کا اہتمام نہ کیا تو آئندہ جہاں فریضہ امامت انجام دیں گے سال میں ایک مرتبہ بھی وہ یہ قراءت نہیں کریں گے جیسا کہ عام طور پر مشاہدہ ہے، جیسا کہ علامہ ابن الہمامؒ (شارح ہدایہ) نے تحریر فرمایا ہے: وفى فتح القدير لان مقتضى الدليل عدم المداومة، لا المداومة على العدم كما يفعله حنفية العصر (شامی ۱/۴۰۲) (یعنی دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیشہ نہ پڑھا

جائے (بلکہ گاہے نہ پڑھے) نہ کہ ہمیشہ نہ پڑھا جائے، جیسا کہ دورِ حاضر کے احناف کر رہے ہیں) کراہت کی دوسری علت ''ایہام جاہل'' بھی یہاں مفقود ہے، اس لیے کہ مقتدیان بحمد اللہ تعالیٰ مسائل سے واقف ہیں۔

ہمارے اکابر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ کے متعلق سنا کہ خود بھی اس سنت کا اہتمام فرماتے تھے، اور اگر کوئی امام نہ پڑھتا تو تنبیہ فرماتے تھے، اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کو احقر نے خود دیکھا کہ اس سنت کا اہتمام کراتے تھے، ویسے ہمارے یہاں بھی گاہے بعض امام دوسری قرأت کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ سے متعلق الجمعیۃ کے شیخ الاسلام نمبر کا اقتباس الگ سے نقل کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

حضرتؒ کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا، فجر میں طوال مفصل، عشاء میں اوساط، مغرب میں قصار، بارہا ایسا ہوا کہ عشاء میں کسی جگہ امام نے اوساط کو ترک کر کے قصار میں سے یا کہیں اور سے قرأت کی نماز ختم ہوتے ہی فوراً تنبیہ فرماتے، اگر کہیں خلاف سنت قراءت ہوتی اس سے منقبض ہوا کرتے، کبھی کبھی اس ترک سنت پر اظہار ناراضگی بھی فرمایا کرتے، حضور ﷺ کی سنت یہی ہے کہ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ الم سجدہ، اور دوسری رکعت میں سورۃ دہر تلاوت فرمایا کرتے تھے، اسی طرح جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ اعلیٰ، اور دوسری رکعت میں سورۃ غاشیہ کا معمول تھا، احقر راقم الحروف کو زمانہ طالب علمی کے آٹھ سال اور رفاقت سفر کے ڈھائی سال، دس سال سے زیادہ کی مدت میں ایک مرتبہ بھی یاد نہیں پڑتا کہ بغیر کسی عذر قوی کے جمعہ کی

فجر میں سورۃ سجدہ تلاوت نہ فرمائی ہو، اسی طرح جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ اعلیٰ، اور دوسری میں غاشیہ ترک فرمائی ہو، سفر میں بھی اگر ممکن ہوتا تو اسی پر عمل فرمایا کرتے تھے۔ (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ۱۵۳)

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سورتیں ترتیب سے پڑھنے کا حکم فرائض کے ساتھ خاص ہے

سوال: ترتیب سور کے اعتبار سے نمازوں میں کراہت وعدم کراہت کا حکم صرف فرائض وسنن سے متعلق ہے یا وتر میں بھی یہی حکم ہے؟ آیا وتر کی پہلی دو رکعت میں بالترتیب سورہ کافرون ونصر پڑھنے کے بعد تیسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھنا کیسا ہے؟ فقہاء نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے یا وتر کو اس شرعی حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پہلی رکعت میں کوئی سورت پڑھی اور دوسری رکعت میں درمیان کی ایک سورت چھوڑ کر بعد کی سورت پڑھی تو اگر درمیان کی سورت چھوٹی ہے تو ایسا کرنا مکروہ ہے، لیکن یہ حکم فرائض کے لیے ہے نوافل میں ایسا کرنا مکروہ نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: ویکرہ الفصل بسورۃ قصیرۃ وان یقرأ منکوسا إلا اذا ختم، فیقرأ من البقرۃ وفی القنیۃ: قرأ فی الاولی الکافرون وفی الثانیۃ الم تر او تبت ثم ذکر یتم وقیل یقطع ویبدأ ولا یکرہ فی النفل شیء من ذلك.

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (قولہ ولا یکرہ فی النفل شیء من ذلك) عزاہ فی الفتح الی الخلاصۃ، ثم قال: وعندی فی ھذہ الکلیۃ نظر فانہ ﷺ نھی بلالا عن الانتقال من سورۃ الی سورۃ، وقال لہ اذا ابتدأت سورۃ

فاتمها على نحوها حين سمعه ينتقل من سورة الى سورة فى التهجد. اھ واعترض ح ايضاً بانهم نصوا بان القرأة على الترتيب من واجبات القرأة فلو عكسه خارج الصلوٰة يكره فكيف لا يكره فى النفل تأمل واجاب ط بان النفل لا تساع بابه نزلت كل ركعة منه فعلا مستقلا فيكون كما لو قرأ انسان سورة ثم سكت ثم قرأ مافوقها فلا كراهة فيه (شامی ۱/ ٤٠٤)

درباب قرأت وتر بھی بحکم نفل ہے۔

فان الوتر من حيث القراء ة ملحق بالنوافل .(كبيرى ٣٥٥)

اس لیے وتر کی پہلی دو رکعت میں سورۂ کافرون اور سورۂ نصر پڑھنے کے بعد تیسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نماز میں دو سورتوں کے درمیان ایک سورت ترک کرنا

سوال : نماز میں قرأت کرتے ہوئے ترتیب وار ایک سورت چھوڑ کر دوسری سورت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ جیسے پہلی رکعت میں سورۂ لہب اور دوسری رکعت میں سورۂ فلق پڑھی اور درمیان میں سورۂ اخلاص ترک کر دی۔

الجواب : حامداً ومصلياً ومسلماً

فرض نماز میں قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے اور غیر اختیاری طور پر یا نفل میں مکروہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نماز میں خلاف ترتیب قرآن پڑھنا

سوال: پہلی رکعت میں ۳۰ پارہ میں سے امام صاحب مدظلہ نے تلاوت فرمائی اور دوسری رکعت میں ۲۹ میں سے تلاوت فرمایا تو کیا اس طرح پڑھنے سے نماز میں کچھ خرابی پیدا ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

امام صاحب نے اس طرح کی قرات قصداً فرمائی ہے تو یہ مکروہ ہے اور سہواً ایسا ہوگیا تو مکروہ بھی نہیں ہے۔

ان التنکیس او الفصل بالقصیرۃ انما یکرہ اذا کان عن قصد فلو سھوا فلا (شامی ۱/۴۰۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نماز میں قراءۃ سبعہ پڑھنا

سوال: نماز میں قرأت سبعہ کا پڑھنا اس شخص کے لیے جو اس کا جاننے والا ہو کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس صورت میں بھی نماز صحیح اور درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، یکم صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ظہر وعصر میں قرأت سراً اور مابقیہ نمازوں میں جہراً کیوں؟

سوال: ظہر وعصر میں قرأت سری اور مغرب، عشاء وفجر میں بلند آواز سے کیوں؟ پھر مغرب وعشاء کی ابتدائی دو رکعت میں جہراً اور آخری رکعت میں سراً کیوں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعتِ مطہرہ کے تمام احکام بے شمار مصالح وحکم پر مبنی ہیں، جن میں سے بہت سی مصالح کو حضرات علمائے کرام نے اپنی کتابوں میں بیان فرمایا ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' اسی موضوع پر ہے۔ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اردو زبان میں ایک کتاب ''المصالح العقلیۃ'' نامی اسی موضوع پر تصنیف فرمائی ہیں۔ آپ کو بھی اگر دلچسپی ہے تو اس کا مطالعہ فرمائیں۔ باقی مومن کا مزاج یہ ہونا چاہیے کہ حکم ومصالح میں پڑے بغیر خدائی حکم سمجھ کر اس کی بجا آوری میں دل وجان سے مصروف ہوجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

منفرد اپنی قرأت آہستہ کرے یا زور سے؟

سوال: مسجد میں اذان ہونے کے بعد اگر کوئی نمازی نہ آئے اور امام تنہا ہو تو تکبیر اور قرأت وغیرہ زور سے کرے یا آہستہ؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جہری نماز اپنے وقت میں کوئی شخص تنہا پڑھے تو اسکو اختیار ہے کہ جہر کے ساتھ

قرأت کرے اور یہ افضل ہے اور سراً قرأت کرے تو بھی درست ہے۔ (درمختار علی حاشیہ الشامی ۱/ ۳۹۴) تکبیرات انتقالی کو جہراً کہنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

رکوع میں یاد آیا کہ سورت نہیں پڑھی تو کیا کرے؟

سوال: ایک شخص چار رکعت فرض پڑھ رہا تھا، دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ ملانا بھول گیا اور سیدھا رکوع میں چلا گیا، پھر رکوع میں جانے کے بعد یاد آیا کہ سورۃ نہیں پڑھی، تو کیا ایسی صورت میں رکوع میں یاد آنے کے بعد سورۃ پڑھنے کی طرف نہ لوٹنے سے نماز فاسد ہو جائیگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس صورت میں جب کہ اس کو رکوع میں یاد آیا کہ میں نے سورۃ نہیں ملائی تو اس کو چاہیے کہ قیام کی طرف لوٹ کر سورت پڑھ کر رکوع کا اعادہ کرلے اور سجدۂ سہو کرلے، لیکن اگر وہ قیام کی طرف نہیں لوٹا بلکہ نماز جاری رکھی تو نماز فاسد نہیں ہوگی البتہ سجدۂ سہو واجب ہے۔

ولو تذكرها فی ركوعه قرأها و أعادالركوع (قوله و لو تذكرها) ای السورة (قوله قرأها) ای بعد عوده الی القيام الخ (درمختار مع الشامی ۱/۵۴۷)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر وہ شخص سورت پڑھنے کے لیے قیام کی طرف لوٹا تو اس صورت میں سورت پڑھنے کے بعد رکوع کا اعادہ ضروری ہے اور اگر اس نے رکوع نہیں لوٹایا تو نماز فاسد ہوگی۔ غالباً آپ کو اسی سے غلط فہمی ہوئی کہ سورت پڑھنے کی

طرف نہ لوٹنے سے نماز فاسد ہوگی حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

آیت چھوڑنے سے نماز میں نقص نہیں آتا

سوال: زید نے فجر کی نماز پڑھائی، دوسری رکعت میں ایک آیت ﴿وقال نوح رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا﴾ اتنا پڑھا تھا اور اگلی آیت بھول گئے ﴿انك ان تذرهم يضلوا عبادك ولا يلدوا إلا فاجرا كفارا﴾ یہ پوری آیت چھوڑ گئے، سلام پھیرنے کے بعد ایک مقتدی نے بطورِ یاد دہانی کے کہا کہ ایک آیت چھوٹ گئی ہے، اس پر امام صاحب سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم نے مجمع عام کے سامنے میری بے عزتی کی، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح قرآن چھوٹ جانے سے نماز ہوئی یا نہیں؟ اور جس ایک آیت کی تلاوت امام نے کی وہ "قدر مایجوز به الصلوٰۃ" کی مقدار ہوجاتی ہے؟ تشویش ہے کہ اس صورتِ مذکورہ میں نماز ہوگئی یا کہ فاسد ہوئی، جس کا اعادہ ضروری ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ امام کے قرأت چھوڑ دینے پر اگر اس کو یاد دلایا جائے، تو کیا واقعی یہ بے عزتی ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں اگر امام نے سورۂ فاتحہ کے بعد صرف یہی ایک آیت ﴿وقال نوح رب﴾ الخ پڑھی ہے، تب بھی نماز درست ہوگئی، نہ تو نماز فاسد ہوئی اور نہ سجدۂ سہو واجب ہوا، آگے والی آیت چھوڑنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ رہا مقتدی کا امام کو یہ بتلانا کہ ایک آیت چھوٹ گئی، اس میں امام کی کوئی بے عزتی نہیں ہے، امام کو چاہیے تھا

کہ مقتدی کو مسئلہ بتلا کر مطمئن کر دیتا، اس سے ناراض یا اس پر غصہ ہونے کی ضرورت نہیں تھی اور اگر مقتدی نے بتلانے کے لیے کوئی ایسا نامناسب طریقہ اختیار کیا ہو جس سے امام کی دل آزاری ہوئی، تو یہ اس کی غلطی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نماز میں سورۂ توبہ سے قبل أعوذ باللہ من النار پڑھنے کا حکم

سوال: ایک حافظ صاحب نماز تراویح میں قرآن سنا رہے تھے، سورۂ انفال ختم کرنے کے بعد انہوں نے تعوذ تسمیہ نہ پڑھی؛ بلکہ اس کی جگہ اعوذ باللہ من النار پڑھ کر سورۂ توبہ شروع کی، کیا درمیان نماز میں سورہ توبہ سے پہلے اعوذ باللہ من النار پڑھ سکتا ہے؟ یہ دو رکعت صحیح ہوگئی یا دہرانی پڑے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ پڑھنے کی اجازت نہیں ہے؛ لیکن اگر پڑھ لیا تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی، دہرانے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ ذو القعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

درمیان قراءت میں چند آیات چھوڑ کر آگے پڑھنا

سوال: نمازِ تراویح میں اگر حافظ بھول جائے، سامع نہ ہو، جس مقام پہ بھولا ہے

وہاں تو نہیں، اس کے بعد کی آیتیں یاد آ رہی ہوں؛ تو کیا بعد کی آیتیں پڑھ کر نماز مکمل کر سکتا ہے؟ جو آیات چھوڑا ہے اس کو کسی اَور رکعت میں یا کسی اَور دن تراویح میں پڑھ دے تو درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بعد کی آیتوں کو اس کے ساتھ ملانے سے فسادِ نماز لازم نہ آتا ہو تو ملا سکتا ہے، یا اگر مقدارِ واجب پڑھ چکا ہے تو رکوع میں جا سکتا ہے۔

بل ينتقل الى اية اخرى لا يلزم من وصلها ما يفسد الصلوة، او الى سورة أخرى، او ركع الخ (شامی ۱/۴۶۰)

جو آیات چھوڑ دی ہیں ان کو بعد والے شفعہ میں پڑھ لے، دوسرے دن بھی پڑھ سکتا ہے، اگر نہیں پڑھا تو ختم قرآن مجید والی سنت ادا نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ رجب ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دو سورتوں کے بیچ میں بسم اللہ پڑھنا

سوال: دو چھوٹی سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھنی ہو تو بیچ میں بسم اللہ پڑھنی ہے کہ نہیں؟ عشاء کی نماز میں پڑھنی ہو تو۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فرض کی ایک رکعت میں دو سورتوں کو جمع کرنا مناسب نہیں ہے، پھر بھی اگر ایسا کیا اور دونوں ساتھ کی ہے تو مکروہ نہیں، اور اگر دونوں کے درمیان ایک یا زیادہ سورتوں کا

فصل ہے تو مکروہ ہے اور جمع کرنے کی صورت میں درمیان میں بسم اللہ نہ پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نوافل کی جماعت میں جہراً قراءت کرنا

سوال: دن میں نوافل جماعت سے پڑھنا اور اس میں جہراً قرأت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نوافل کی جماعت (چاہے دن میں ہو یا رات میں) اگر علی سبیل التداعی ہے تو مکروہ ہے، علی سبیل التداعی کا مطلب یہ ہے کہ امام کے علاوہ چار مقتدی ہوں، اور اگر مقتدی تین ہوں تو کراہت میں اختلاف ہے، ایک یا دو مقتدیوں کے ساتھ جماعت اگرچہ بلا کراہت جائز ہے؛ مگر اس میں بھی جماعت کی فضیلت اور ثواب نہیں۔

يكره ذلك لو على سبيل التداعي؛ بأن يقتدى أربعة بواحد، كما في الدرر (درمختار) قال ابن عابدين الشامي: أما اقتداء واحد بواحد، أو اثنين بواحد فلايكره، وثلاثة بواحد فيه خلاف، بحر عن الكافي وهل يحصل بهذا الاقتداء فضيلة الجماعة؟ ظاهر ما قدمناه من أن الجماعة في التطوع ليست بسنة يفيد عدمه، تأمل (درمختار مع الشامي ١/ ٥٢٤)

دن میں پڑھی جانے والی نفل میں قرأت سراً ہی کی جائے گی، جہراً درست نہیں۔

كمتنفل بالنهار فإنه يسر (درمختار على هامش الشامى ١/ ٣٩٤)

اگر جہراً قرأت کرے گا تو سجدۂ سہو واجب ہے۔

والجهر للإمام، والاسرار للكل فيما يجهر فيه ويسر (درمختار) قال ابن

عابدین: والاسرار یجب علی الامام والمنفرد فیما یسر فیه الخ (شامی ۱/۳۴۶)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سورۂ ماعون سے سورۂ نصر تک چار رکعت میں پڑھنا

سوال: چار رکعات سنت، اول رکعت میں سورۂ ماعون، دوسری میں کوثر، تیسری میں کافرون، چوتھی میں نصر پڑھ سکتے ہیں؟ کیوں کہ درمیان میں سورۂ کوثر کافرون سے چھوٹی ہے کوئی کراہیت تو نہیں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً
پڑھ سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

زلۃ القاری کا ایک مسئلہ

سوال: ① امام نے فجر کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ غاشیہ اس طریقہ سے تلاوت کی ﴿هل اتٰك حديث الغاشية وجوه يومئذ ناعمة لسعيها راضية﴾ إلخ یعنی کہ ﴿وجوه يومئذ خاشعة عاملة ناصبة﴾ إلى ﴿وجوه يومئذ ناعمة﴾ یہ چھ آیتیں تھیں وہ سب کی سب حذف کردیں۔

الحاصل ﴿هل اتٰك حديث الغاشية﴾ کو ملا دیا ﴿وجوه يومئذ ناعمة﴾ کے ساتھ آخر سورت تک، کیا اس طرح پڑھنے سے نماز فاسد تو نہیں ہوئی؟ متکلم جل

شانہ کی مراد کے خلاف تو کوئی بات نہیں؟

(۲) دوسری رکعت میں اسی امام نے سورۂ اعلیٰ پڑھی، کیا یہ خلاف ترتیب ہونے سے مکروہ تحریمی نہیں ہوئی؟

(۳) تین دفعہ لقمہ دیا؛ لیکن امام صاحب نے لقمہ نہیں لیا، اور بتایا کہ ایسی باتوں میں کوئی حرج نہیں ہے، نماز ہوجاتی ہے۔ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) اس طرح پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوئی۔

(۲) خلافِ ترتیب قصداً پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، اور اگر سہواً ایسا ہوا ہے تو مکروہ بھی نہیں ہے۔

(۳) امام صاحب کی بات درست ہے، لقمہ دینے والے کو بھی اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ

ان اللہ لا یحب المتقین پڑھنا

سوال: ایک مسئلہ درپیش ہے، وہ یہ ہے کہ امام صاحب نے فجر کی نماز میں سورۂ الم سجدہ شروع کی ایک صفحہ پورا پڑھنے کے بعد امام صاحب اس آیت پر اٹک گئے ﴿انا نسینٰکم وذوقوا﴾ پھر اس کے بعد پڑھا ﴿لا ریب فیه، ان اللہ لا یحب المتقین﴾ دومرتبہ یہی پڑھا، پھر رکوع کیا تو اب ایسے پڑھنے کی وجہ سے نماز ہوئی یا نہیں؟ ایک عالم صاحب فتاویٰ رحیمیہ ۴/ ۳۰۹ کے حوالہ سے کہہ رہے ہیں کہ نماز نہیں

ہوئی، اور دوسرے عالم صاحب کہہ رہے کہ نماز ہوئی نور الایضاح کے حوالہ سے، تو اب تحقیقی جواب دے کر ہمیں ممنون ومشکور فرمائیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

امام صاحب کے نماز میں ﴿ان اللہ لایحب المتقین﴾ پڑھنے سے نماز فاسد ہوگئی، اس کا لوٹانا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ شعبان ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

"یدافع عن الذین کفروا" پڑھ دیا

سوال: امام صاحب نے فجر کی نماز میں ﴿ان اللہ یدافع عن الذین کفروا﴾ پڑھا اور مقتدی حضرات میں سے کسی نے اصلاح نہیں کی تو کیا نماز دہرانا پڑے گی؟ کیا اس قسم کی غلطی مفسدِ صلوۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں آیت کے معنی میں تغیرِ فاحش پیدا ہو چکنے کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی، اس کا اعادہ ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ۳/ شعبان ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

﴿هم عن صلاتهم﴾ کی جگہ "هم صلاتهم" پڑھنا

سوال: "سورۂ ماعون" کے اندر ﴿هم عن صلاتهم﴾ کی بجائے "هم

صلاتھم" سے نماز ہوگی یا نہیں؟ اور وہ بھی امام کی تین مرتبہ یہ غلطی نکالنے کے باوجود وہ اپنی غلطی کا اقرار نہ کرے اور اسی حالت میں نماز کو پوری کرے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں نماز ہوجائے گی، ایک مرتبہ لقمہ دینے کے بعد بھی امام کسی غلط فہمی کی وجہ سے لقمہ قبول نہ کرے، تو لقمہ دینے والے کو اصرار نہ کرنا چاہیے، نماز کے بعد تنبیہ کردے، حالت نماز میں مقتدی کا لقمہ پر اصرار کرنا مناسب نہیں، اسی طرح امام کا اس کو قبول نہ کرنا بہ شرطے کہ امام کا یہ فعل قصداً ہو، اگر وہ قبول نہیں کررہا ہے کہ اپنی قرأت کو صحیح سمجھ رہا ہے تو وہ معذور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

﴿فاقرۃ﴾ کی جگہ ﴿فراق﴾ پڑھنا

سوال: اگر امام نے نماز میں ﴿تظن ان یفعل بھا فاقرۃ﴾ میں "فاقرۃ" کی جگہ "فراق" پڑھا، تو نماز میں کوئی حرج تو نہیں ہوا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں نماز فاسد نہیں ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ، ۲۱/محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

﴿وتواصوا بالصبر﴾ پھر ﴿وتواصوا بالحق﴾ پڑھنا

سوال: امام نے نماز میں سورۃ العصر میں پہلے ﴿وتواصوا بالصبر﴾ پھر

﴿وتواصوا بالحق﴾ پڑھا، پھر بعد میں صحیح پڑھ لیا، تو نماز صحیح ہوگئی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں نماز درست ہوگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نماز میں إنك بالمرصاد پڑھ دیا

سوال: امام صاحب نے فجر کی نماز میں سورۂ فجر کی آیت ﴿انّ ربّك لبالمرصاد﴾ کے بجائے غلطی سے "انّك بالمرصاد" پڑھ دیا تو کیا نماز ہوگی یا نہیں ہوگی؟ اگر نہیں ہوگی تو اس کی وجہ؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

رصد، یرصد (باب نصر) کا اصلی معنی گھات کرنے کے لیے تیار ہو جانا۔

رصاد: ظرف مکان مفرد، گھات لگانے کی جگہ۔

مفردات امام راغب میں ہے: "المرصد موضع الرصاد قال تعالیٰ واقعدوا لهم كلّ مرصد و المرصاد نحوه لكن قال للمكان الّذی اختص بالمرصد قال تعالیٰ انّ جهنّم كانت مرصادا تنبيها انّ عليها مجاز الناس (ص:۱۹۶،۱۹۵)

انّ ربّك لبالمرصاد ای يرصد عمل كلّ انسان الخ (تفسير قرطبی ۲۰ /۵۰)

انّك بالمرصاد پڑھنے کی صورت میں معنوی طور پر فساد فاحش نہیں آتا اس لیے نماز درست ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳ / جمادی الاول ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قرآن میں ﴿وسبّحه﴾ کی جگہ سبّه پڑھا تو نماز فاسد ہوگی؟

سوال: امام صاحب نے فجر کی نماز میں سورۃ الدھر پڑھنا شروع کیا، پہلی رکعت میں تقریباً تیرہ چودہ آیتیں پڑھی اور رکوع کیا پھر دوسری رکعت میں بقیہ آیتیں پڑھی اور آیت نمبر ۲۶ میں ﴿وسبّحه﴾ کی جگہ "سبّه" پڑھا تو کیا نماز ہو جائیگی؟ اور نماز کا اعادہ کرنا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

امام نے اگر واقعۃً اسی طرح پڑھا ہے تو چوں کہ معنی میں تغیر فاحش پیدا ہو گیا ہے، اس لیے نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

والقاعدة عند المتقدمين أن ماغير تغييراً يكون اعتقاده كفراً يفسد فى جميع ذلك، سواء كان فى القرآن أولم يكن(كبيرى ص٤٧٦)فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قرأت میں فاحش غلطی کر کے صحیح پڑھا تو کیا نماز ہو جائیگی؟

سوال: ایک امام نے نماز میں ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحاً وَقَالَ إِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْن﴾ کے بجائے "من المشرکین" پڑھا اور سلسلۂ قرأت جاری رکھتے ہوئے ﴿الا ذوحظ عظیم﴾ تک پہنچ گئے، پھر لقمہ دیا گیا تو پہلی غلطی کی اصلاح کی اور پھر پوری قرأت کی، اس صورت میں نماز کے فساد و اعادہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہمارے اکابر کے فتاویٰ دونوں قسم کے موجود ہیں، اس لیے لوٹا لینا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نماز میں ﴿یعلمون﴾ کی جگہ "لا یعلمون" پڑھنا

سوال: یہاں مدرسہ میں ایک استاذ نے فجر کی نماز میں سورۃ المعارج پ ۲۹ کی قرأت کی، پوری سورت پڑھی؛ لیکن آگے ﴿أَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ، كَلَّا إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّمَّا لَا يَعْلَمُونَ﴾ پڑھا جب کہ "لا یعلمون" کے بجائے "یعلمون" ہے، کسی نے لقمہ نہیں دیا، نماز پوری ہونے کے بعد مدرسے کے اساتذہ سے تحقیق کر کے نماز کا اعادہ کیا گیا، اب پوچھنا یہ ہے کہ کیا اس صوت میں نماز کا اعادہ صحیح ہے یا نہیں؟ جلد از جلد جواب دے کر شکریہ کا موقع فراہم فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں اعادۂ صلوۃ درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ

فرض قرأت کے بعد فاحش غلطی سے نماز کا فساد

سوال: اگر امام فرض نماز میں مایجوز به الصلوٰۃ قرأت کرنے کے بعد کوئی مفسدِ صلوٰۃ غلطی قرأت میں کرے، تو نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ جیسے سورہ بینہ میں ﴿إِنَّ

الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُوْلَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّة﴾ پڑھ لیا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فاسد ہوگی۔

وإن تغير المعنى بأن قرأ:﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِيْ جَحِيْم﴾ ﴿وإِنَّ الْفُجَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ﴾ أو قرأ: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُوْلَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّة﴾ أو قرأ: ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ، أُوْلَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنونَ حَقّاً﴾ تفسد صلوٰته؛ لأنه أخبر بخلاف ما أخبرالله تعالىٰ به، وقال بعضهم: لا تفسدصلوٰته لعموم البلوى، والأول أصح (فتاوى قاضي خان على هامش الهندية ١/ ١٥٤،١٥٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ ذوالقعدہ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نماز میں قراءت کی چند غلطیاں

سوال: ① امام صاحب نے عشاء کی نماز میں سورۂ "والنّازعات" پڑھی اور ﴿فانّ الجحيم هى المأوى﴾ کی جگہ پر ﴿فانّ الجنّة هى المأوى﴾ پڑھ دیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

② امام صاحب نے فجر کی نماز میں ﴿والله يعلم انّهم لكٰذبون﴾ کی جگہ ﴿الله يحبّ المحسنين﴾ پڑھ دیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

③ امام صاحب نے ﴿فاراه الاية الكبرىٰ﴾ کی جگہ "قبریٰ" بڑا قاف پڑھ دیا تو نماز ہوئی یا نہیں؟

④ امام صاحب نے نماز میں ﴿لو انزلنا هذا القرآن﴾ کی جگہ ﴿هذا القرآن﴾ پڑھ دیا نماز ہوئی یا نہیں؟

⑤ نماز کے تین آیات کے برابر قرآن شریف صحیح پڑھ لینے سے بعد کی آیت میں اگر کوئی ایسی بھول ہوجائے جس سے قرآن شریف کے معنی اور مطالب میں بہت زیادہ فرق ہوجاتا ہے تو نماز فاسد ہوجائے گی یا نہیں؟ ہمارے یہاں ایک آدمی کا کہنا ہے کہ تین آیت کے برابر قرآن شریف صحیح پڑھ لینے کے بعد چاہے جیسی بھی بھول ہو جائے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ تو صحیح کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اگر اگلی آیت کے ساتھ ملاکر پڑھا ہے یعنی﴿ فامّا من طغی واٰثر الحیوۃ الدّنیا فانّ﴾ الخ پڑھا ہے تو نماز فاسد ہوگی۔ اور اگر ﴿الدّنیا﴾ پر وقف کیا تھا اس کے بعد ﴿فانّ الجنّۃ ھی المأوی﴾ پڑھا تو فاسد نہیں ہوگی۔ (شامی ۱/۴۶۶)

② اس سے نماز فاسد نہیں ہوئی۔ (ایضا)

③ نماز فاسد نہیں ہوئی۔ (ایضا ۱/۴۶۸)

④ نماز ہوگئی۔ (ایضا ۱/۴۶۷)

⑤ ان صاحب کی بات کی تصدیق کسی عبارت فقہیہ سے نہیں ہوتی بلکہ طحطاوی شرح مراقی سے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

وفتحه على امامه جائز ولو قرأ المفروض او ينتقل الى آية اخرى على الصحيح لاصلاح صلاتهما (مراق الفلاح) (لاصلاح صلاتهما) لانه لو لم يفتح ربما يجرى على لسانه ما يكون مفسدا ليكون فيه اصلاح

صلوة الامام و باصلاحها تصلح صلوة المقتدی.(طحطاوی علی المراقی:۱۸۳)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ رجب المرجب ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اعراب کی تبدیلی مفسد صلاۃ نہیں

سوال: ہمارے مدرسہ میں امام صاحب نے عشاء کی نماز میں سورۂ والشّمس تلاوت فرمائی اور اس میں آیت ﴿فدمدم علیهم ربهم بذنبهم فسوّاها﴾ لفظ "ربّهم" میں بجائے "ربُّ" کے رفع کے جر یعنی "ربِّهم" پڑھا تو بندہ کو اس کا حکم چوں کہ کتابوں میں صراحتاً نہیں ملا تو بندہ نے مندرجۂ ذیل تحقیق کی۔ تحقیق: صورت مذکورہ "ربُّهم" کو مجرور پڑھا جائے تو اس میں غور کرنا ہوگا کہ ترکیب نحوی کے اعتبار سے کیا بن سکتا ہے؟ تو اس سلسلہ میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ مبتدا، خبر وغیرہ متبوع نہیں بن سکتا لہٰذا لامحالہ تابع بنانا ہوگا اب اس صورت میں دیکھنا ہوگا کہ توابع کی اقسام خمسہ میں کس کی صلاحیت رکھتا ہے؟ تو معلوم ہوا کہ نعت وصفت نہیں بن سکتا ہے؛ کیوں کہ نعت بنانے کی صورت میں ھم ضمیر موصوف ہوگی حالاں کہ " المضمر لا یوصف ولا یوصف به"(کافیه ص ۵۸) لہٰذا صفت تو نہیں بن سکتا اور ایسے ہی عطف بھی نہیں ہوسکتا کیوں کہ درمیان میں حرف عطف نہیں ہے اور ایسے ہی تاکید بھی نہیں بن سکتا کیوں کہ تاکید لفظی میں بعینہ اسی لفظ کی تکرار ہوتی ہے۔ اور معنوی کے الفاظ متعین ہیں۔ اور وہ دونوں یہاں مفقود ہیں۔ لہٰذا اس میں لامحالہ اس کو یعنی ربهم کو علیهم کی ھم ضمیر سے بدل بنانا ہوگا۔ چوں کہ بدل اور مبدل منہ اسم مضمر بھی ہو سکتے ہیں۔ کما

فی الکافیۃ و یکونان ظاھرین و مضمرین ومختلفین. (کافیہ ص٦٣)

خلاصۂ کلام: صورت مذکورہ میں ترکیب نحوی کے اعتبار سے "ربُّھم" بدل بن سکتا ہے۔ اور رہا یہ شبہ وخلجان کہ مبدل منہ یعنی "ھم" ضمیر جمع ہے۔ اور بدل "رب" واحد ہے اس کی تاویل یہ کی جاسکتی ہے کہ "ھم" کی ضمیر جمع تعظیما ہے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات مثلاً "انا ارسلنا نوحا الی قومہ" میں جمع کی ضمیر استعمال فرمائی ہے اور جب "ربُّھم" بدل ہوگا تو معنی میں تغیر فاحش لازم آئے گا یعنی معنی یہ ہوں گے کہ ہلاکت گری ان پر یعنی ان کے رب پر العیاذ باللہ اور جب زلۃ القاری ایسی ہو کہ معنی تغیر فاحش کے ساتھ متغیر ہو جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں نماز فاسد ہوگی واللہ اعلم بالصواب۔ یہ بندہ کی تحقیق ہے حضرت والا سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ بندہ کو جواب باصواب عطا فرمائیں کہ یہ تحقیق درست ہے یا نہیں اور مذکورہ نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اعراب میں ہونے والی غلطی کے متعلق مشائخ متأخرین کا اتفاق ہے کہ وہ مفسد صلوۃ نہیں ہے۔

و اما المتأخرون کابن مقاتل وابن سلام واسماعیل الزاھد وابی بکر البلخی والھندوانی وابن الفضل والحلوانی فاتفقوا علی ان الخطأ فی الاعراب لا یفسد مطلقا ولو اعتقادہ کفرا لان اکثر الناس لایمیزون بین وجوہ الاعراب قال قاضی خان وما قالہ المتأخرون اوسع وما قالہ المتقدمون احوط (شامی ١/٤٦٦)

آگے چل کر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب درمختار کے قول "فلو فی اعراب" کی شرح فرماتے ہوئے فتاویٰ بزازیہ اور خلاصۃ الفتاویٰ کے حوالہ سے عدم فساد والے قول کا مفتی بہ ہونا نقل فرمایا ہے۔ وفی النوازل لا تفسد فی الکل وبه یفتی بزازیة و خلاصة (شامی ۱/ ٦٧/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اللہ کے ہمزہ اور اکبر کے با کو کھینچ کر پڑھنے سے نماز کا حکم

سوال: ① ایک امام صاحب نماز میں تکبیر تحریمہ وانتقالی تکبیرات کو بالمد کھڑے زبر سے کھینچ کر ادا کرتے ہیں تو کیا نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ مثلاً (آللہ)۔

② اکبر کی ہمزہ کو اور اکبر کی باء کو کھینچ کر پڑھنے سے نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ مثلاً: آکبار۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①، ② دونوں صورتوں میں نماز فاسد ہوگی۔

وإذا أراد الشروع في الصلوٰة كبر للإفتتاح بالحذف إذ مد أحد الهمزتين مفسد وتعمده كفر وكذا الباء في الأصح.(در مختار مع الشامی ۱/ ٣٥٤، ٣٥٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ ۱۲/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۴ھ

التجارہ کے بہ جائے التجارۃِ پڑھنے سے نماز کا حکم

سوال : ایک مسجد میں امام صاحب مدظلہ نے فرض نماز میں سورہ جمعہ تلاوت فرمائی تو سورہ جمعہ کے اخیری رکوع ﴿قل ما عند اللہ خیر من اللھو ومن التجارۃ﴾ پر وقف فرمایا تو التجارہ کی بجائے التجارۃ پڑھ دیا تو کیا اس طرح نماز پڑھنے سے نماز فاسد ہوجائے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں حالت وقف میں تاء مدورہ کو ھا سے بدل کر پڑھنے کے بجائے تا ہی پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوئی۔ (شامی ۱/۴۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

زلۃ القاری کے اصول کے مراجع

سوال : نماز میں قرأت میں کن کن غلطیوں سے نماز فاسد ہوجاتی ہے؟ اس کے لیے مفتیٰ بہ اصول کیا کیا ہیں؟ حوالہ کے ساتھ مطلع فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ ایک مستقل موضوع ہے، جو تفصیلات وتمثیلات، اصول وضوابط اور فروع وجزئیات پر مشتمل ہے، ایک فتویٰ میں اس کا احصاء دشوار ہے، اس موضوع پر علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "مراقي الفلاح" کے حاشیہ میں اصولی کلام فرمایا ہے اور حضرت

مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نور الایضاح میں بطور تکمیل "باب زلة القاري" کے عنوان سے اس کا اضافہ مزید فرمایا ہے، اس کو ملاحظہ فرمالیں، انشاء اللہ آپ کے لیے کافی اور شافی ثابت ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب صلاۃ القضاء والمسبوق

قضائے عمری کی نماز پڑھنے کا طریقہ کیا ہے؟

سوال: قضائے عمری کے متعلق ایک جگہ اشتہار دیکھا کہ نفل نماز کے بجائے قضاء ادا کریں، اسی طرح بڑی راتوں میں (مثلاً شب برأت، شب قدر وغیرہ میں بھی) زیادہ سے زیادہ قضائے عمری ادا کرنے کی فکر کریں۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ قضائے عمری کا طریقہ کہیں بھی میری نظر سے نہیں گذرا اس لیے تحقیق چاہتا ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی آدمی کی بہت ساری نمازیں چھوٹ گئی ہیں، اور اس کو معلوم ہے کہ میری اتنی نمازیں فوت ہوئی ہیں تب تو فوت شدہ نمازوں کی تعیین کے ساتھ نیت کر کے قضاء کرے، مثلاً: میری فلاں دن کی فجر کی نماز جو فوت ہوئی ہے میں اس کی قضاء کر رہا ہوں، اسی طرح تمام فوت شدہ نمازوں کی قضاء کر لے، اور اگر اس کو یہ معلوم نہیں کہ اس کی کتنی نمازیں فوت ہوئی ہیں تو فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی کے لیے حسب ذیل طریقہ اختیار کر سکتا ہے، مثلاً: سب سے پہلے فجر کی تمام نمازوں کی قضاء کر لے، اور اس کے لیے بوقت قضاء نیت اس طرح کرے کہ میرے ذمہ جتنی فجر کی نمازیں باقی ہیں ان میں جو پہلی فجر ہے میں اس کی قضاء کر رہا ہوں، اسی طرح ہر فجر کی نماز کے لیے نیت کرتا رہے؛ یہاں تک کہ دل کو اطمینان ہو جائے کہ میرے ذمہ جتنی فجر کی نمازیں باقی تھیں ان کی قضاء پوری ہو چکی، اس کے بعد اسی ترتیب سے ظہر کی نمازوں کی قضاء

کرے، اس کے بعد عصر، مغرب، عشاء اور وتر کی قضاء اسی ترتیب سے کرتا رہے، یہ یاد رہے کہ قضاء صرف فرائض کی ہوتی ہے نوافل اور سنن کی قضاء نہیں، مثلاً: فجر کی نماز میں دو سنن اور دو فرض ہیں، تو قضاء صرف دو فرض رکعات کی کی جائے گی، دو سنت رکعتوں کی قضاء کی ضرورت نہیں۔ ایسا آدمی جس کی زندگی میں بہت ساری نمازیں فوت ہوئی ہیں نوافل کی جگہ بھی قضائے عمری ہی پڑھا کرے کیوں کہ اگر موت آگئی اور فرض نمازیں ذمہ میں باقی رہی تو پکڑ ہوگی، اور اگر نفلیں نہ پڑھیں تو ان پر پکڑ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بجائے تین بار سبحان اللہ کہنا

سوال: قضائے عمری کے اشتہار میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں الحمد شریف کی جگہ تین بار سبحان اللہ کہے، ہاں! وتر کی ہر رکعت میں الحمد اور سورت پڑھنا ہے۔ اسی طرح قعدۂ اخیرہ میں درود اور دعائے ماثورہ کی جگہ فقط "اللّٰھُمَّ صل علی محمد وآلہ" پڑھے، دریافت طلب یہ ہے کہ کیا اس طرح کرنے سے قضائے عمری ساقط ہوجائیگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جی ہاں! فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بجائے تین مرتبہ

سبحان اللہ پڑھ لے تب بھی کافی ہے۔ البتہ وتر کی تیسری رکعت میں الحمد شریف کے ساتھ سورت ملانا ضروری ہے، جس پر بہت ساری قضاء نمازیں باقی ہوں، وہ ان کی ادائیگی میں سہولت کے لیے قعدۂ اخیرہ میں درودِ ابراھیم کی جگہ مختصر درود پر اکتفا کرے جیسا کہ سوال میں ہے، اور اسی طرح قعدۂ اخیرہ میں درود شریف کے بعد پڑھی جانے والی دعائے ماثورہ چھوڑ دے تو اسکی بھی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قضاء نمازوں کو بیت اللہ شریف جا کر پڑھے تو کیا ایک لاکھ کے برابر ثواب ملے گا؟

سوال: بیت اللہ شریف میں ایک نماز ادا کرنے کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ملتا ہے بالفرض اگر کسی آدمی کی چند نمازیں یہاں قضاء ہوئیں اور وہ بیت اللہ شریف جا کر ادا کرے تو اس کو ہر قضاء نماز کے بدلہ ایک لاکھ نمازوں کے برابر ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فقہاء نے اس فضیلت کو فرض نماز کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے، اور قضاء نماز بھی اس کا ایک فرد ہے، اس لیے داخل ہونی چاہیے، اگرچہ باوجود تتبع اور تلاش کے اس کی صراحت کسی کتاب میں نہیں ملی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیت اللہ شریف میں ایک قضاء نماز پڑھنے سے ایک ہی نماز ذمہ سے ساقط ہوگی، نہ کہ ایک لاکھ

سوال: بیت اللہ شریف میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اب اگر کسی آدمی کی دس بیس سال کی نمازیں قضاء ہوئیں اب یہ شخص بیت اللہ شریف جا کر دس روز تک ایک ایک وقت کی قضاء نماز پڑھے تو کیا اس کی بیس سال کی قضاء نمازیں ذمہ سے ساقط ہوجائیں گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جتنی نمازیں قضاء ہوئی ہیں تمام پڑھنی ہوگی، اس کے بغیر ذمہ بری نہیں ہوگا، اگر آپ کی فرض کردہ صورت تسلیم کرلی جائے تو پچپن سال سے زائد کی نمازوں کے لیے حرم کی ایک نماز کافی ہونی چاہیے، دورانِ قیام روزانہ ایک ایک پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قضاء نمازوں کا علم نہ ہو تو کیسے قضا کریں؟

سوال: میری بہت سی نمازیں قضا ہوئی ہیں، اور جب سے قضا ہو رہی ہے تو اس کی یہ صورت ہوئی کہ میں نماز ادا بھی کرتا تھا اور قضا بھی کرتا تھا، اس وجہ سے ابھی میں نماز کی تعیین نہیں کرسکا ہوں، ''فتاوی محمودیہ'' میں لکھا ہے کہ آدمی نماز قضا کو ادا کرتا رہے، جب اس کا دل مطمئن ہوجائے گا تو پوری ہوجائے گی، اب اس میں کوئی مقدار

سامنے ہوتی نہیں، اس لیے میں نے یوں سوچا، جتنے سال سے نماز چھوٹ رہی ہے اس کے بارے میں کہ کتنی نماز چھوٹی، نماز شروع کرنے سے پہلے میں اپنے دل سے فتوی لے لوں، اور ایک مقدار قائم کر کے نماز پڑھنا شروع کروں، مثال کے طور پر ظہر کی نماز کتنی چھوٹی وہ معلوم نہیں؛ مگر دل سے پوچھتا ہوں تو وہ کہتا ہے ۲۰۰، اس عدد کو سامنے رکھ کر نماز پڑھنا شروع کر دوں؛ تو کیا یہ میرے لیے صحیح ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس تخمینہ کے مطابق نمازوں کی قضاء کیجئے یہاں تک کہ قلب کو اطمینان ہو جائے کہ اب میرے ذمہ کوئی قضاء باقی نہیں رہی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ر جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

فوت شدہ نمازوں کی تعداد معلوم کرنے کا طریقہ

سوال: حضرت اس وقت میری عمر کم وبیش ۲۱ (اکیس سال) ہے، جہاں تک مجھے یاد ہے جب میں اٹھارہ سال کا تھا تب سے الحمد للہ نمازوں کی پابندی کر رہا ہوں؛ مگر اس سے پہلے کبھی نماز پڑھتا تھا اور کبھی نہیں، اور فجر اور وتر تو جلدی نہیں پڑھ پاتا تھا، اب ان نمازوں کو کس طرح ادا کروں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب سے آپ بالغ ہوئے اس کے بعد سے لے کر نماز پڑھنا شروع کیا، وہاں تک کے زمانہ کی تمام نمازوں کی قضا کر لیں اور اس سلسلہ میں پوری احتیاط کے ساتھ

جو اندازہ لگایا جاسکتا ہو لگالیں اور اس کے مطابق قضا کرلیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۷/محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

قضاء عمری کا آسان طریقہ

سوال: قضاء عمری میں آسان طریقہ یہ ہے: ہر فرض نماز کے وقت ایک نماز کی قضا کرلیوے، عصر اور عشاء میں سنت غیر مؤکدہ کے بدلے میں فرض کی قضاء کرلیوے؛ مگر ظہر، مغرب اور فجر میں کب قضاء کرے نوافل وسنت سے فارغ ہوکر یا اس سے پہلے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اختیار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فاسد شدہ نماز کی قضاء کہاں کرے؟

سوال: امام مسجد عشاء کی جماعت کرا رہے تھے، چوتھی رکعت کے دو سجدے کرکے قعدہ کئے بغیر پانچویں رکعت کے لیے کھڑے ہوگئے، پانچویں رکعت پوری کرکے بیٹھ گئے اور سجدہ سہو کرکے نماز ختم کی، امام صاحب کو بتایا گیا کہ قعدۂ اخیرہ چوتھی رکعت میں نہیں ہوا تھا، اس لیے نماز فرض ادا نہیں ہوئی اور اعادہ کرنا ہوگا، امام صاحب اور دوسرے کچھ لوگوں نے کہا کہ نماز ادا ہوگئی اور رکعت زائد باطل ہوگئی اور تاخیر کی سجدۂ سہو سے تلافی ہوگئی، اس کے جواب میں مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے بہشتی

زیور باب سجدۂ سہو مسئلہ ۱۸ کا حوالہ دیا کہ نماز کا اعادہ کرنا ہوگا، تو امام صاحب نے بہشتی زیور کے بارے میں کہا کہ یہ تو عورتوں کے لیے ہے، اور اپنی نماز کی صحت کی دلیل حدیث بخاری سے دی، "باب أبواب تفسير الصلوٰة" میں ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے ظہر کی پانچ رکعت پڑھائی۔ (صلى الظهر خمساً) اور سجدۂ سہو کرلیا تھا، اس کے جواب میں کہا گیا کہ وہ حدیث بقیہ ائمۂ ثلاثہ کے مسلک کی ہے، اور احناف اس کو محمول کرتے ہیں کہ آپ ﷺ قعدۂ اخیرہ کرکے پانچویں رکعت کے لیے کھڑے ہوئے ہوں گے جس صورت میں نماز ادا ہو جاتی ہے، تو امام صاحب نے مجبوراً تسلیم کرلیا، اور تقریباً ایک مہینہ پندرہ دن کے بعد نمازِ عشاء میں اعادہ کا اعلان ہوا، سوال یہ ہے کہ اس نماز کی قضا مسجد میں جماعت کے ساتھ کرنی چاہیے یا انفراداً بھی کافی ہے؟ اور اعلان کی سب سے بہتر صورت کیا ہونی چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

نماز ختم ہوتے جب امام صاحب کو آگاہ کردیا گیا کہ قعدۂ اخیرہ کے ترک کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی تو ان کو چاہیے تھا کہ اسی وقت وہیں اس نماز کو جماعت کے ساتھ بلا اذان واقامت لوٹا دیتے؛ لیکن ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کے نتیجہ میں اس نماز کی قضاء کی نوبت آئی، اب اتنی مدت کے بعد جب اس کی قضا کی جارہی ہے تو اگر جماعت کے ساتھ قضا کرنا چاہتے ہیں تو اس مسجد میں نہیں ہوگی؛ بلکہ دوسری جگہ کرسکتے ہیں، اور اگر انفراداً کرنا چاہیں تو جہاں چاہیں اختیار ہے۔

وفي المجتبى: قوم ذكروا فساد صلوة صلوا في المسجد في الوقت قضوها بجماعة فيه، ولا يعيدون الأذان والإقامة، وإن قضوها بعد الوقت

قضوها في غير ذلك المسجد بإذان وإقامة اھ (شامی ۱/ ۴۸۷، عالمگیری ۱ /۵۵)

اعلان کے لیے وہ صورت اختیار کی جائے جس سے ان تمام حضرات کو اطلاع ہوجائے جو اس دن فاسد شدہ نماز میں شریک تھے؛ تاکہ وہ اس کی قضا کرکے بری الذمہ ہوسکیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲ /صفر المظفر ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

صاحب ترتیب پہلے عصر پھر مغرب پڑھے

سوال: ایک شخص مغرب کی اذان کے دوران یا مغرب کی جماعت ہورہی ہو اس وقت آیا تو اذان کا جواب دے پھر جماعت مغرب میں شریک ہو بعد ادا اپنی ایک وقت کی قضا عصر کی نماز پڑھے یا دوران اذان و جماعت پہلے عصر کی قضاء کرلے پھر مغرب کی جماعت میں شریک ہو؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ صاحبِ ترتیب ہے تو اس کو چاہیے کہ پہلے عصر کی نماز کی قضا کرے، اس کے بعد مغرب کی جماعت میں شریک ہوجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ظہر اور عصر چھوٹ جائے تو پہلے کس کو پڑھے؟

سوال: اگر کسی وجہ سے ظہر اور عصر چھوٹ جائے اور مغرب کا وقت قریب ہو تو

ظہر اور عصر میں سے پہلے کس کو پڑھے اور اگر مغرب کا وقت بھی نکل جائے تو قضاء نماز کس ترتیب سے پڑھے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ صاحب ترتیب ہے، یعنی اس پر اس دن کی ظہر اور عصر کے علاوہ اور کوئی نماز باقی نہیں ہے، تب تو جب تک پہلے ظہر پھر عصر نہ پڑھے وہاں تک مغرب کی نماز پڑھنا درست نہیں؛ البتہ اگر مغرب کی نماز ادا کرتے وقت اس کو ظہر اور عصر کی نماز یاد نہ رہی یا مغرب کی نماز کا وقت تنگ ہو چکا ہے کہ ظہر اور عصر ادا کرنے کی صورت میں مغرب کی نماز قضاء ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے، تو مغرب درست ہے۔ اور اگر وہ صاحب ترتیب نہیں ہے تو اس صورت میں اگر وقت میں گنجائش ہے تو بہتر یہ ہے کہ پہلے ظہر وعصر ادا کرے لیکن اس کے باوجود اگر پہلے مغرب کی نماز ادا کر لی تو وہ درست ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بناء کا حکم

سوال: ① آخری رکعت میں التحیات کے بعد ریح خارج ہوگئی تو نماز پوری کس طرح کرے؟

② نماز جماعت کے ساتھ پڑھ رہے تھے کہ وضو ٹوٹا دو رکعت کے بعد، اب نماز کس طرح پڑھے؟ وضو کر کے آکر چوتھی رکعت میں حاضر ہوئے تو تکبیر تحریمہ کہہ کر حاضر ہوں گے یا نہیں اور کبھی ایسا ہوا کہ امام نے سلام کہہ دیا جب وضو بنا کر آئے تو

اب پوری نماز پڑھنی پڑے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① نیا وضو کر کے بقیہ نماز مکمل کر سکتا ہے جس کو فقہی اصطلاح میں بناء کرنا کہتے ہیں؛ لیکن اس کے لیے کئی شرائط ہیں عموماً ان کی رعایت دشوار ہے اس لیے از سر نو پڑھ لینا مناسب ہے۔

② جواب نمبر: ا کی طرح۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسبوق کے لیے ثناء

سوال: اگر عصر کی جماعت میں بندہ حاضر ہوا اس وقت جب کہ امام ایک رکعت پوری کر چکا تھا، تو دوسری رکعت میں جب حاضر ہوا تب ثنا سبحانک اللھم پڑھی جائے گی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عصر کی نماز میں پڑھنا چاہیے۔

إذا انتهى إلى الإمام وقد سبقه الإمام بشيء من صلاته هل يأتي بالثناء؟ فهذا على وجوه: الأول: إذا أدركه القيام فى الركعة الأولى أو فى الثانية، وفى هذا الوجه كان القاضى الإمام أبوعلى النسفى يحكى عن أستاذه لا يأتي بالثناء، وقال غيره من أصحابنا؛ يأتي وذكر شيخ الإسلام المعروف بخواهر زاده: إن كانت الصلاة صلاة يخافت فيها

بالقراء ة يأتي بالثناء لا محالة، وفى النصاب وعليه الفتوى(تاتارخانیہ ۱۹۰/) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔　　کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سوال: وضو بنا رہا تھا اور جماعت شروع ہوگئی، جب گیا جماعت میں شریک ہونے تو الحمد للہ شریف پوری ہوگئی تھی، مجھے تحریمہ کی تکبیر کے بعد ثناء سبحانک پڑھنی ہوگی یا نہیں؟ (مطلب) درمیان قرأت شریک ہونے پر۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

امام کی جہری قرأت کے ساتھ نہ پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسبوق تشہد ترک کردے تو سجدۂ سہو واجب ہے

سوال: جماعت کی نماز ہو رہی تھی چار رکعت والی، زید کو چوتھی رکعت ملی، اب امام کے سلام پھیرنے کے بعد باقی نماز پوری کرنی ہے، اس کے لیے ایک رکعت کے بعد التحیات میں بیٹھنا چاہیے یا دو رکعت کے بعد؟ اگر ایک رکعت کے بعد قعدۂ اولیٰ میں نہیں بلکہ دوسری رکعت میں بیٹھا تو نماز ہوگی یا نہیں یا پھر دوہرانا پڑے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید کو چاہیے کہ بقیہ نماز پوری کرتے وقت ایک رکعت کے بعد تشہد کے لیے بیٹھے، اگر نہیں بیٹھا تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے، اور سجدۂ سہو سے نماز ہو جائے گی، اگر سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز لوٹانا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ رصفر المظفر ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

چھوٹی ہوئی تین رکعت پڑھنے کی ترکیب

سوال: جب چار رکعت والی جماعت کی نماز اگر دو رکعت نکل جائے تو امام کے سلام کے بعد دونوں چھوٹی ہوئی رکعت میں سورت پڑھنی ہوگی؛ لیکن تین رکعت چھوٹی اور ایک رکعت ملی تو امام کے سلام کے بعد ان چھوٹی ہوئی تین رکعتوں کو کس طرح پوری کریں گے؟ مع التفصیل واضح کریں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

امام کے سلام کے بعد کھڑا ہوجائے، ثناء، تعوذ، تسمیہ، فاتحہ اور سورت پڑھ کر رکوع، سجدہ سے رکعت پوری کرکے قعدہ کرے، تشہد کے بعد کھڑا ہوجائے فاتحہ اور سورت پڑھ کر رکوع، سجدہ کے بعد کھڑا ہوجائے صرف فاتحہ پڑھ کر رکوع، سجدہ کے بعد قعدۂ اخیرہ کرے، تشہد و درود و دعا کے بعد سلام پھیر دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسبوق امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو؟

سوال: منفرد ہو یا مسبوق ہو، اگر ایک طرف امام کے ساتھ سلام پھیر دے تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

منفرد جب اکیلا نماز پڑھتا ہے تو وہ امام کے ساتھ کیسے سلام پھیرے گا؟ البتہ مسبوق اگر امام کے ساتھ بھول سے سلام پھیر دے تو اگر اس نے امام کے سلام

کے بعد سلام پھیرا ہے تو اس پر سجدۂ سہو ہے؛ ورنہ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ر شعبان ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسبوق التحیات کے بعد کیا پڑھے؟

سوال: زید اس حال میں جماعت میں شریک ہوا کہ امام نے تین رکعت پڑھ لی ہیں اور چوتھی رکعت ہے، اب جب امام قعدۂ اخیرہ کرے گا تو زید بھی امام کے ساتھ بیٹھے گا، اب سوال یہ ہے کہ زید بھی امام کے ساتھ التحیات درود و دعائے ماثورہ وغیرہ پڑھے گا یا نہیں؟ یا چپ بیٹھا رہے گا؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید قعدہ اخیرہ میں تشہد اس طرح آہستہ آہستہ (دھیمی رفتار سے) پڑھے کہ امام کے سلام کے ساتھ ساتھ اس کا تشہد ختم ہو اور اگر تشہد ختم کر چکا ہے تو "أشهد أن لا إله إلا الله" کا تکرار کرتا رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ر ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ترک واجب کے سبب اعادۂ نماز میں مسبوق کیا کرے؟

سوال: واجب کے ترک کی وجہ سے نماز قابلِ اعادہ ہے، مسبوق امام کے ساتھ سلام پھیرے یا اپنی نماز پوری کرے، یا پھر اعادہ والی نماز میں اقتداء کرے یا اپنی نماز علاحدہ سے پڑھے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس نماز میں واجب ترک ہوگیا ہو وہ واجب الاعادہ ہے، مگر یہ اعادہ وقت باقی رہنے تک ہے، وقت ختم ہونے پر وجوب ساقط ہوجاتا ہے۔

فالحاصل أن من ترك واجبا من واجباتها أو ارتكب مكروها تحريما لزمه وجوبا أن يعيد في الوقت فإن خرج أثم ولا يجب جبر النقصان بعده الخ. (شامی ۱/ ۵۳۵)

فقہاء نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ اس صورت میں فریضہ تو پہلی نماز سے ساقط ہوگیا، اور اعادہ والی نماز جابر ہے۔

ولها واجبات لاتفسد بتركها وتعاد وجوبا في العمد والسهو إن لم يسجد وإن لم يعد يكون فاسقا اٰثما وكذا كل صلوٰة أديت مع كراهة التحريم تجب اعادتها والمختار أنه جابر للأول لأن الفرض لا يتكرر (درمختار) (قوله والمختار أنه) أى الفعل الثاني جابر للأول بمنزلة الجبر بسجود السهو وبالأول يخرج عن العهدة وإن كان على وجه الكراهة على الأصح. (شامی ۱/ ۳۳۷)

جب پہلے والی نماز سے ہی مصلی اپنی ذمہ سے عہدہ برآ ہوتا ہے تو مسبوق کے لیے ضروری ہے کہ وہ امام کے ساتھ سلام نہ پھیرتے ہوئے اپنی نماز مکمل کرے، لیکن چوں کہ امام کی نماز کی طرح اس کی نماز بھی ناقص ہوئی ہے، اس لیے اس کی تلافی کے لیے وہ اعادہ والی نماز میں بھی امام کے ساتھ شریک ہو، اب اگر کسی مسبوق نے پہلے والی نماز مکمل کرنے کے بجائے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا، تو اب اس کے لیے ضروری ہوگا کہ اعادہ والی نماز میں امام کے ساتھ شریک ہونے کے بجائے الگ سے

پڑھ لے۔(کما یستفاد من العبارۃ المنقولۃ)فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ:العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ رمحرم الحرام ۱۴۱۵ھ

نماز کا فدیہ

سوال: صلوات مکتوبہ اور صیام رمضان کے فوت ہوجانے کے بعد اگر قضا کی استطاعت نہ رہے یا یہ کہ انتقال ہوجائے، تو متروکہ نمازوں اور روزوں کو کتنا فدیہ دینا پڑے گا؟ فی زماننا فدیہ کی مقدار کیا ہوگی؟ بعض اہل حدیث یوں کہتے ہیں کہ صلاۃ فائتہ کے فدیہ کا ثبوت نہیں ہے، ادلۂ اربعہ سے مبرہن ومدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک روزے کا فدیہ نصف صاع گیہوں ہے، اسی طرح ایک نماز کے فدیہ کی مقدار بھی اتنی ہی ہے۔نماز کے فدیہ کے سلسلے میں صریح نص موجود نہیں، یہ حکم روزہ والے فدیہ پر قیاس کرتے ہوئے بہ طور احتیاط دیا گیا ہے۔شامی میں ہے:

ثم اعلم أنه إذا أوصىٰ بفدية الصوم يحكم بالجواز قطعا؛ لأنه منصوص عليه، وأما إذا لم يوص فتطوع بها الوارث فقد قال محمد في الزيادات: أنه يجزيه إن شاء الله تعالىٰ، فعلق الإجزاء بالمشيئة لعدم النص، وكذا علقه بالمشيئة فيما إذا أوصىٰ بفدية الصلاة؛ لأنهم ألحقوها بالصوم احتياطا لاحتمال كون النص فيه معلولا بالنجز، فتشمل العلة للصلاة، وإن لم يكن معلولا تكون الفدية برا مبتدأ يصلح ماحيا للسيئات، فكان فيها شبهة، كما إذا لم يوص بفدية الصوم، فلذا جزم محمد بالأول ولم يجزم بالأخيرين، فعلم إذا لم يوص بفدية الصلاة فالشبهة أقوىٰ (شامي ۱/۵۴۰)

نصف صاع کی مقدار ہمارے نکالے ہوئے حساب کے مطابق ایک کلو چھ سو باسٹھ گرام ہوتی ہے، پونے دو کیلو دینے میں احتیاط زیادہ ہے۔

نوٹ: آپ کے جو مسائل ادلۂ اربعہ سے مدلل ومبرہن ہیں ان کو اہل حدیث حضرات کون سے تسلیم کررہے ہیں جو آپ اس مسئلے کو لیے بیٹھے ہیں! اہل حدیث کا کام تو صرف اعتراض کرنا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ رمضان ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

باب السنن والنوافل

اذان سے پہلے سنت پڑھنا

سوال: اذان ہونے سے پہلے سنت نماز پڑھ لی، اذان ہونے کے بعد دوبارہ پڑھنی ہے یا نہیں؟ اور اگر فرض نماز جماعت سے پڑھ لی بغیر اذان کے، پھر پتہ چلا کہ اذان نہیں ہوئی تو اس کو لوٹانا ہے یا نہیں؟ یعنی وقت تو ہو چکا تھا؛ مگر اذان نہ ہوئی تھی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لوٹانے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دو رکعت میں تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کی نیت کرنا

سوال: تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد ایک نیت سے اور دو رکعت پڑھی تو ثواب مل

جائے گا دونوں کا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دونوں کا ثواب مل جائے گا انشاء اللہ۔ (الاشباہ والنظائر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کیا دوسروں کے لیے استخارہ کر سکتے ہیں؟

سوال: اگر کسی کو کوئی کام پڑ جائے اور وہ اس کام کے لیے دوسرے آدمی سے استخارہ کرنے کو کہے تو کیا دوسرا آدمی استخارہ کر سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

استخارہ عربی لفظ ہے جس کا معنی ہے ''ایسی چیز کا سوال کرنا جس میں خیر ہو'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ انسان کی سعادت مندی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خیر کا سوال کرتا رہے، اسی لیے اگر اس کے لیے کسی وجہ سے نماز دشوار ہو تو صرف دعاء سے بھی استخارہ کر سکتا ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کا ارادہ فرماتے تھے تو یہ دعا کرتے تھے ''اللّٰھم خرلی و اخترلی'' (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۲۱۷)

خود اپنے لیے استخارہ کرنے کے بجائے دوسروں سے کروانا صراحت سے کسی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا؛ البتہ استخارہ کی حقیقت کا تقاضا یہ ہے کہ یہ بھی درست ہونا چاہیے؛ اس لیے کہ آدمی جس طرح اپنے لیے ایسی چیز کا سوال کر سکتا ہے جس میں

خیر ہو، اسی طرح دوسرے کے لیے بھی اس قسم کا سوال درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شوافع کے یہاں نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعت

سوال: زید ایک شافعی مذہب کا امام ہے، اور وہ فرماتے ہیں کہ نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعت مسنون ہے؛ لہٰذا عوام کو بتا کر دو رکعت پڑھنا شروع کر دیا بعد اذان، سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح اس کا کہنا از روئے شرع درست ہے؟ کیا شوافع مذہب میں کوئی گنجائش ہے کہ مغرب کی نماز تاخیر کر کے اس دو رکعت کا اہتمام کیا جاوے؟ اور اس طرح تاخیر کرنے سے وقتِ مکروہ تو داخل نہیں ہو جاتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس سلسلہ میں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شرحِ مہذب'' میں جو کچھ فرمایا ہے، وہ پیشِ خدمت ہے:

''باب الاذان'' میں متن کی عبارت: والمستحب ان یقعد بین الاذان والاقامة قعدة ینتظر فیها الجماعة الخ کی شرح فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

أما حکم المسئلة: فاتفق اصحابنا علی استحباب هذه القعدة قدر ما تجتمع الجماعة؛ إلا فی صلوٰة المغرب؛ فانه لا یؤخرها لضیق وقتها، ولان الناس فی العادة یجتمعون لها قبل وقتها، ومن تأخر عن التقدم لایتأخر عن اول الصلاة ولکن یستحب ان یفصل بین اذانها واقامتها فصلا یسیرا بقعدة او سکوت او نحوهما هذا مذهبنا، لاخلاف فیه

عندنا، وبه قال احمد و ابويوسف ومحمد وهو رواية عن ابي حنيفة وقال مالك وابوحنيفة فى المشهور عنه لا يقعد بينها (شرح المهذب ٣ /١٤١)

ایک دوسرے مقام پر "باب صلوٰة التطوع" میں رقمطراز ہیں:

(فرع) فى استحباب ركعتين قبل المغرب وجهان مشهوران فى طريقة الخراسانيين، الصحيح منها الاستحباب.

اس کے بعد بطورِ دلیل چند احادیث نقل فرما کر تحریر فرماتے ہیں:

فهذه الاحاديث صحيحة فى استحبابها، وممن قال به من اصحابنا ابو اسحق الطوسى وابوزكريا السكرىٰ حكاه عنها الرافعى، وهذا الاستحباب انما هو بعد دخول وقت المغرب وقبل شروع المؤذن فى اقامة الصلوٰة، واما اذا شرع المؤذن فى الاقامة، فيكره ان يشرع فى شىء من الصلوات غير المكتوبة الخ (شرح المهذب ٤ /٩)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ شرحِ مسلم میں فرماتے ہیں:

ولاخلاف فى شىء منها عند اصحابنا الا فى الركعتين قبل المغرب ففيها وجهان لأصحابنا اشهرهما لا يستحب، والصحيح عند المحققين استحبابها (نووى شرح مسلم ١/ ٢٥١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دو رکعت میں صلوۃ الحاجہ وصلوۃ التوبہ کی ایک ساتھ نیت کرنا

سوال: کوئی سنت نماز جیسے صلوۃ الحاجہ اور صلوۃ التوبہ کی دو رکعت ایک ساتھ پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جی ہاں! دونوں کی نیت ایک ساتھ کر سکتے ہیں۔ (ماخوذ از عمدۃ الفقہ ۲/ ۷۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ ذی القعدۃ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

طلبِ باراں کی نماز

سوال: صلوٰۃ استسقاء جب تک بادل ہو اس وقت تک نہیں پڑھ سکتے کیا یہ بات صحیح ہے؟ یہ نماز اگر گاؤں میں پڑھنی ہو تو کیا وہاں خطبوں کی ضرورت نہیں ہے؟ نیز چوپایوں کو لے جانا ضروری ہے یا نہیں؟ چادر پلٹنا اور الٹے ہاتھ دعا مانگنا کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب بارش رک جائے اور لوگوں کے پاس اپنے پینے اور مویشیوں نیز کھیتی کو سیراب کرنے کے لیے جتنی مقدار پانی کی ضرورت ہوتی ہے، وہ موجود نہ ہو تو استسقاء کیا جائے گا، چاہے فضاء میں بادل موجود ہوں یا نہ ہوں۔

وشرعاً طلب انزال المطر بكيفية مخصوصة عند شدة الحاجة بان يحبس المطر ولم يكن لهم اودية وآبار وانهار يشربون منها ويسقون مواشيهم وزرعهم او كان ذلك الا انه لا يكفى فاذا كان كافيا لا يستسقى كما فى المحيط. (شامی ۱/ ۶۶۳)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک استسقاء کے لیے نماز ضروری نہیں ہے؛ البتہ مستحب ہے، جب کہ صاحبین کے نزدیک مسنون ہے، ان کے نزدیک خطبہ بھی ہے، اور اس کے لیے شہر کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ (شامی ۱/ ۶۲۴) چوپایوں کو لے جانا مستحب ہے۔ (درمختار) قلب رداء بھی مستحب ہے۔ (شامی) لیکن صرف امام کے لیے، لوگ قلبِ رداء نہ کریں۔

اس دعا میں ہاتھوں کا مبالغہ سے اٹھانا کہ بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ (طحطاوی ۳۰۱) جو دعا رفعِ بلاء کے لیے مانگی جائے اس میں تفاؤلاً ہاتھوں کو الٹا کیا جاسکتا ہے۔ (طحطاوی ۳۰۱) استسقاء میں ایسا کرنے میں تصریح نظر سے نہیں گزری۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سنن قبلیہ اور بعدیہ کو مسجد میں پڑھنا بہتر ہے یا گھر میں؟

سوال: عن ابن عمر قال: قال رسول اللہ ﷺ: (اجعلوا في بيوتكم من صلوٰتكم ولا تتخذوها قبوراً)

(مشكوٰة المصابيح ص/٦٩ نقلاً عن الشيخين: بخاري ومسلم)

مثال کے طور پر کسی گاؤں کے مکتب میں پندرہ بیس اساتذہ پڑھاتے ہیں، یا اسی طرح کوئی بڑا ادارہ ہے جس میں کافی اساتذہ خدمت دین میں مشغول ہیں، اور یہ بات بالکل صاف اور بدیہی ہے کہ علماء عوام کے لیے اور اساتذہ اپنے طلبہ کے لیے مشعل راہ ہوتے ہیں، طلبہ اپنے اپنے اساتذہ کو دیکھ کر اپنی زندگی کو سنوارتے ہیں؛

لہذا اب سوال یہ ہے کہ حدیث مذکور کونسی نماز کے بارے میں ہے؟ (فرائض، سنن یا نوافل کے بارے میں) گاؤں کے اسی طرح دار العلوم کے بعض اساتذہ صرف فرائض مسجد میں ادا کرتے ہیں، اور سنن وغیرہ اپنے اپنے گھروں میں پڑھتے ہیں، اور دلیل میں حدیث مذکور پیش کرتے ہیں، کیا یہ استدلال درست ہے؟ اساتذہ کے لیے سنن وغیرہ کہاں پڑھنا افضل ہے؟ امید ہے کہ بالتفصیل اور حوالہ سے جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے سوال میں بخاری ومسلم کی جس روایت کو پیش فرمایا ہے، اس کے علاوہ ابوداؤد شریف میں یہ روایت بھی ہے: إن النبي ﷺ قال: صلوة المرء في بيته أفضل من صلوته في مسجدي هذا إلا المكتوبة (أبوداؤد شريف ١/ ١٤٩)

اس کی شرح میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

أي غير الصلوات المكتوبات، هذا الحديث يدل على أن صلاة الرجل في بيته غير المكتوبة أفضل من صلاته في المسجد، وإن كان المسجد فيه فضل كثير كمسجد رسول الله ﷺ و مسجد القدس ومسجد الحرام، لبعده من الرياء، وأما المكتوبات فيجب على الرجال أن يصلوها في المساجد بالجماعة. (بذل المجهود ٥/ ٤٣٠)

"مسلم شریف" میں باب ہے "باب استحباب صلوة النافلة في بيته وجوازها في المسجد وسواء في هذا الراتبة وغيرها إلا الشعائر الظاهرة" الخ اس کے ماتحت اولاً وہ روایت مذکور ہے جس کو آپ نے سوال میں

پیش فرمایا ہے، اس کے بعد حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی مذکور ہے: قال رسول الله ﷺ: إذا قضى أحدكم الصلوة في مسجده فليجعل لبيته نصيباً من صلوته، فإن الله جاعل في بيته من صلوٰته خيراً

(مسلم مع شرحه فتح الملهم ٢ /٣٤٠)

مشکوۃ شریف میں بخاری ومسلم کے حوالہ سے "باب قيام شهر رمضان" میں ایک اور روایت بھی موجود ہے، جس کا آخری حصہ یہ ہے:

فصلوا أيها الناس في بيوتكم فإن أفضل صلوة المرء في بيت إلا الصلوة المكتوبة متفق عليه. (ص١١٤)

یہی روایت ابوداؤد شریف میں ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے: فعليكم بالصلوة في بيوتكم فإن خير صلوة المرء في بيته إلا الصلوة المكتوبة.

اس کی شرح کرتے ہوئے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: (فعليكم) وفي رواية الشيخين: فصلوا أيها الناس (بالصلوة) أي بهذه الصلوة (في بيوتكم) و الأمر للاستحباب (فإن خير صلوة المرء) و هذا عام لجميع النوافل والسنة، الا النوافل التي من شعار الإسلام كالعيد و الكسوف والاستسقاء (فى بيته إلا الصلوة المكتوبة).

(بذل المجهود ٧/ ٢٨٠)

"درمختار" میں ہے: والأفضل في النفل غير التراويح المنزل إلا لخوف شغل عنها والأصح أفضلية ما كان أخشع وأخلص (در المختار)

اس کی شرح کرتے ہوئے شامی میں لکھا ہے: (قوله: والأفضل في النفل الخ) شمل ما بعد الفرضية وما قبلها لحديث الصحيحين عليكم

بالصلاة في بيوتكم فإن خير صلاة المرء في بيته إلا المكتوبة وأخرج أبوداؤد صلاة المرء في بيته أفضل من صلاته في مسجد هذا إلا المكتوبة وتمامه في شرح المنية وحيث كان هذا أفضل يراعىٰ مالم يلزم منه خوف شغل عنها لو ذهب لبيته أو كان في بيته ما يشغل باله ويقلل خشوعه فيصليها حينئذ في المسجد لأن اعتبار الخشوع أرجح(قوله: غير التراويح) أي لأنها تقام بالجماعة ومحلها المسجد واستثنىٰ في شرح المنية أيضاً تحية المسجد وهو ظاهر أقول: ويستثنىٰ أيضاً ركعتا الإحرام والطواف فإن الأولى تصلى في مسجد عند الميقات إن كان كما في اللباب والثانية عندا لمقام وكذا ركعتا القدوم من السفر بخلاف إنشائه فإنها تصلىٰ في البيت كما يأتى وكذا نفل المعتكف وكذا مايخاف فوتها بالتأخير وكذا صلاة الكسوف لأنها تصلىٰ بجماعة (شامی ۱/ ۵۰۴)

''عمدۃ الفقہ'' میں ہے: سنتیں خواہ فرضوں سے پہلے کی ہوں یا بعد کی اور نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے، سوائے ان نو نمازوں کے: ① نماز تراویح کیوں کہ یہ جماعت سے پڑھی جاتی ہے اور جماعت کا محل مسجد ہے۔ ② تحیۃ المسجد۔ ③ واپسی سفر کے دو نفل۔ ④ احرام کی دو رکعتیں جب کہ میقات کے نزدیک کوئی مسجد ہو۔ ⑤ طواف کی دو رکعتیں جو مقام ابراہیم کے پاس پڑھی جاتی ہیں۔ (واجب لغیرہ ہیں یعنی دراصل نفل ہیں اور ان کا وجوب عارضی ہے)۔ ⑥ اعتکاف کرنے والے کے نوافل۔ ⑦ سورج گہن کی نماز کیوں کہ یہ بھی جماعت سے پڑھی جاتی ہے اور جماعت کا محل مسجد ہے۔ ⑧ جس کو یہ خیال ہو کہ گھر میں جا کر کاموں میں مشغول ہو جانے کی وجہ سے سنن و نوافل فوت ہو جائیں گے، اسی طرح گھر میں جی نہ لگے گا اور خشوع کم ہو

جائے گا، تو افضل یہ ہے کہ سبھی سنن ونوافل مسجد میں پڑھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جہاں ریا نہ ہو اور خشوع وخضوع واخلاص زیادہ ہو وہاں افضل ہے۔ (۹) نماز جمعہ سے قبل کی سنتیں بھی مسجد میں پڑھنا افضل ہے، اس لیے کہ جمعہ کے وقت سے پہلے جلدی مسجد میں جانا افضل ہے، پس اس کے لیے سنتیں مسجد میں پڑھنا لازمی افضل ہو جائے گا۔ (عمدۃ الفقہ ۲/۳۰)

''فتاوی دار العلوم'' میں ہے۔

سوال: سنتیں مکان پر پڑھنے کی فضیلت ہے، یہ سنن قبلیہ اور بعدیہ دونوں کے لیے ہے کیا؟

جواب: یہ حکم ہر دو سنن کے لیے ہے، لیکن اگر بعد فرض کے مکان پر جانے میں راستہ میں یا مکان میں جا کر کچھ حرج واقع ہونے کا احتمال ہے اور امور دنیاوی میں مشغول ہو جانے کا اندیشہ ہے تو پھر مسجد ہی میں سنتیں پڑھ لیوے کیوں کہ ایسا بھی ثابت ہے۔ (فتاوی دار العلوم ۴/۴۰۶)

''فتاوی محمودیہ'' میں اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں ہے: اعلی بات تو یہی ہے کہ سنن مؤکدہ خاص کر قبلیہ بھی مکان پر پڑھیں، لیکن اگر فوت ہونے کا احتمال ہو تو مسجد میں پڑھیں۔ (فتاوی محمودیہ ۱۲/۲۹۷)

''فتاوی دار العلوم'' میں ''درمختار'' کی مذکورہ عبارت ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس اخیر عبارت سے واضح ہوا کہ جو خشع واخلص ہو وہی افضل ہے۔ اگر مسجد میں پڑھنے میں خشوع زیادہ ہے اور اخلاص زیادہ ہے اور گھر جا کر پڑھنے میں خوف تاخیر وغیرہ ہے تو پھر مسجد میں پڑھنا ہی افضل ہے۔ (فتاوی دار العلوم ۴/۲۱۱)

''خیر الفتاوی'' میں ہے: تراویح کے علاوہ دیگر سنن ونوافل گھر میں پڑھنا زیادہ

افضل ہے۔لیکن اگر گھر میں علاحدہ جگہ نہ ہو یا بچوں کے شور وشغب کی وجہ سے خشوع وخضوع میں نقصان آئے تو پھر مسجد میں پڑھنا بہتر ہوگا۔(خیر الفتاوی ۲/۱۷۴)

''احسن الفتاوی'' میں ہے: نوافل وسنن گھر میں ادا کرنا افضل ہے بہ شرطے کہ راستہ میں کسی مشغولیت کا خطرہ نہ ہو اگر گھر میں کوئی امر خشوع میں مخل ہو تو مسجد افضل ہے۔(احسن الفتاوی ۳/۴۸۷)

عبارات بالا سے بات صاف ہوگئی کہ سوال میں مذکور حدیث اور اسی طرح کی دیگر احادیث جو اوپر جواب کے شروع میں پیش کی گئی ہیں، ان سے مراد سنن ونوافل ہیں فرائض نہیں؛ نیز نوافل میں بھی جو نمازیں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں ان کی تفصیل بھی جواب میں مذکور کتب فقہ کی عبارتوں میں موجود ہے، اس لیے جو حضرات صرف فرائض مسجد میں ادا کرتے ہیں اور سنن ونوافل وغیرہ اپنے گھروں میں ادا کرتے ہیں ان کا یہ عمل عین سنت کے مطابق ہے؛ البتہ بعض عوارض کی صورت میں ان نمازوں کو مسجد میں ادا کرنا بہتر قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ اوپر جواب میں مذکور فقہ وفتاوی کی عبارتوں میں اس کی صراحت موجود ہے، چناں چہ انہی عوارض میں سے ایک یہ ہے کہ گھر پر جا کر ادا کرنے کی صورت میں تاخیر ہوجانے کا اندیشہ ہو یا ادائیگی سے پہلے کسی ایسی رکاوٹ کے پیش آجانے کا قوی امکان ہو کہ اس کی وجہ سے یہ سنتیں فوت ہوجائیں گی یا گھر کے مقابلہ میں مسجد میں ادا کرنے کی صورت میں خشوع اور دل جمعی زیادہ حاصل ہوتی ہو تو ان صورتوں میں سنن قبلیہ وبعدیہ کو مسجد ہی میں ادا کرنا مناسب اور بہتر ہوگا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

تہجد کی نماز باجماعت منقول نہیں

سوال: ہمارے یہاں تراویح کے تقریباً دو گھنٹہ بعد نوافل کی جماعت کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے جسے قیام اللیل سے تعبیر کرتے ہیں، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اخیر عشرہ میں تین حفاظ چھ رکعات میں تین پارے پڑھاتے ہیں، اس طرح ایک قرآن پاک ختم کیا جاتا ہے۔ اس میں شہر کی مختلف مساجد سے لوگ شرکت کرتے ہیں، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ قیام اللیل کے نام سے اس طرح نفل کی جماعت کرنا درست ہے؟ شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تہجد کی نماز رمضان یا غیر رمضان میں باجماعت پڑھنے کا اہتمام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول نہیں ہے، ماہ مبارک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول اعتکاف کا تھا؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام کے ساتھ تہجد باجماعت پڑھی ہو یہ ثابت نہیں، اس لیے فقہائے کرام لکھتے ہیں کہ تہجد وغیرہ نفل نماز باجماعت پڑھنا مکروہ ہے، بلا تداعی ایک دو مقتدیوں کے ساتھ مکروہ نہیں، یہ حدیث سے ثابت ہے اس سے زیادہ کا ثبوت وارد نہیں، لہذا فقہاء لکھتے ہیں کہ امام کے ساتھ تین مقتدی ہونے میں اختلاف ہے اور چار یا اس سے زیادہ مقتدی ہوں تو بالاجماع مکروہ ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ۴/ ۳۲۳) مزید تفصیل کے لیے فتاوی رحیمیہ جلد ۱/ ۱۷۷ سے ۱۷۹ کا مطالعہ کریں۔

فتاوی رشیدیہ سے ایک سوال جواب نقل کیا جارہا ہے:

سوال: نوافل کو باجماعت ادا کرنا اور بالخصوص رمضان میں تہجد اور اوابین کو جماعت سے پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جماعت نوافل کی سوائے ان مواقع کے کہ حدیث سے ثابت ہیں مکروہ تحریمی ہے، فقہ میں لکھا ہے کہ اگر تداعی ہو اور مراد تداعی سے چار آدمی مقتدی کا ہونا ہے، پس جماعتِ صلاۃِ کسوف، تراویح، استسقاء کی درست ہے اور باقی مکروہ ہیں۔ کذا فی کتب الفقه (فتاوی رشیدیہ قدیم ۱/ ۲۷)

اس موضوع پر حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کا ایک مستقل رسالہ ''رمضان میں نفل کی جماعت'' کے نام سے ان کی کتاب ''فقہی مقالات'' جلد دوم از صفحہ ۳۳ تا صفحہ ۵۶ مطالعہ فرمائیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی وفقہی تحریرات کو ان کے نواسہ حضرت مولانا مفتی سلمان منصوری صاحب زید مجدہم نے ''فتاوی شیخ الاسلام'' کے نام سے ترتیب دیا ہے اس میں ''رمضان میں تہجد کی جماعت'' کے عنوان سے حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جواب شامل کیا گیا ہے، اس کے حاشیہ میں مرتب محترم تحریر فرماتے ہیں: یہ مسئلہ (رمضان میں تہجد کی جماعت کا جائز ہونا) حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے تفردات میں سے ہے، جسے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجتہدانہ بصیرت سے کام لیتے ہوئے براہِ راست احادیثِ شریفہ سے مستنبط فرمایا ہے، لیکن احقر کو حضرت کے اس موقف کی تائید فقہ حنفی کے کسی جزئیہ سے نہیں ملی، بلکہ مبسوط سرخسی اور دیگر معتبر کتب احناف میں تین چار سے زیادہ مقتدی ہونے کی صورت میں نوافل کی جماعت کو مطلقاً مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ (مبسوط سرخسی ۲/ ۱۴۴) بریں بناء مسئلۂ زیرِ بحث میں فقہ حنفی کی رو سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا

موقف ہی راجح اور مضبوط ہے۔ (حاشیہ فتاویٰ شیخ الاسلام ۴۳)

لہٰذا آپ کے یہاں ''قیامِ لیل'' کے نام سے باجماعت نوافل کا جو سلسلہ مختلف مساجد میں شروع کیا گیا ہے وہ مکروہ تحریمی ہے، مسلکِ دیوبند سے تعلق رکھنے والے اکابر مفتیانِ کرام اس کو مکروہ تحریمی ہی بتلاتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

صلاۃ التسبیح اور تہجد باجماعت

سوال: عام طور پر شب قدر، شب براءت میں لوگ مجبور کرتے ہیں کہ صلاۃ التسبیح اور تہجد جماعت کے ساتھ پڑھاؤ، ہم کو تنہا پڑھنا نہیں آتا ہے، تو کیا ان نوافل کی جماعت ہوسکتی ہے؟ کیا کراہت ہے یا پھر حرام کا درجہ ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صلاۃ التسبیح جماعت کے ساتھ منقول ومشروع نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/۶۶)

تہجد کی جماعت علی سبیل التداعی مکروہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۱۶۰)

یہ کراہت تحریمی (یعنی قریب بہ حرام) ہے۔ کما ھو مصرح في الطحطاوي.

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۹/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

تہجد کا طریقہ، اہمیت اور فضائل

سوال: نماز تہجد کا طریقہ، اہمیت اور فضائل بیان کریں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تہجد کی نماز رات میں سوکر اٹھنے کے بعد نصف لیل کے بعد پڑھنا افضل ہے، اس کی مقدار کم از کم دو رکعت اور زیادہ سے زیادہ آٹھ رکعتیں ہیں۔ جس طرح دیگر نوافل پڑھے جاتے ہیں اسی طرح تہجد بھی پڑھی جائے گی۔ اس کے فضائل میں بے شمار احادیث وارد ہوئی ہیں، جن کا احاطہ اس مختصر جواب میں دشوار ہے، اس موضوع پر اردو میں مستقل رسائل موجود ہیں، ان کا مطالعہ کیا جائے۔ مسلم شریف میں روایت ہے کہ فرائض کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔ (شامی ۵۰۶/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ

تہجد کے متعلق کچھ سوال

سوال: ① تہجد نماز کی کیا کیفیت ہے؟ کس طرح پڑھنا چاہیے؟ مسنون واحسن طریقہ کیا ہے؟

② کس وقت تک تہجد نماز پڑھ سکتا ہے؟

③ کیا تہجد نماز میں کوئی خاص سورت مسنون ہے؟ اگر ہے تو کونسی سورۃ ہے؟

④ تہجد نماز کے سجدے میں کیا آدمی دعا کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① تہجد کی نماز بھی دیگر نوافل کی طرح ادا ہوتی ہے، اس کی ادائیگی کا الگ سے کوئی طریقہ نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تہجد میں طویل قرات کا تھا۔

(۲) صبح صادق تک اس کا وقت رہتا ہے۔

(۳) تہجد کی نماز میں کوئی خاص سورت مسنون نہیں۔

(۴) تہجد کے سجدہ میں دعا کر سکتے ہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

صلاۃ الکسوف مکروہ اوقات میں پڑھنا

سوال: صلاۃ الکسوف کی نماز اوقات مکروہ میں پڑھ سکتے ہیں مثلاً بعد العصر؟ تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اوقات مکروہہ میں صلاۃ الکسوف نہیں پڑھی جاسکتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

کسوف شمس کی رکعتیں اور قراءت کی کیفیت

سوال: (۱) ۲۴ اکتوبر کو جو سورج گہن ہوا اس میں گاؤں کی ایک مسجد میں نماز ادا کی گئی، جس میں ۴ رکعت نماز پڑھنے کا اہتمام کیا گیا، تقریباً ایک گھنٹے سے زائد وقت لگا قریب قریب ۴ پارہ قرآن پڑھا گیا۔

(۲) ایک اشتہار چھپوایا تھا، جس میں لکھا تھا بخاری کے حوالے سے ۲ سے ۴

رکعت پڑھ سکتے ہیں، صفحۂ بخاری ۱۴۵ سے ۱۴۹ تک کا حوالہ؛ حالاں کہ ہم نے بزرگان دین کو دیکھا ۸۰ء میں سورج گہن ہوا تھا تو دو رکعت نماز کا اہتمام کیا گیا تھا، ساتھ میں انہوں نے سراً و جہراً کا مسئلہ چھیڑا۔ مزید ایک بات بیان کی ہے، اس زمانے میں زور سے پڑھنا زیادہ بہتر ہے اور لمبی دعا کا اہتمام کیا گیا، اس طرح کرنے والے پابندِ صوم وصلوۃ وعالم نہیں، کیا ان باتوں کا اسی طرح ثبوت ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① سورج گہن میں چار رکعت بھی پڑھ سکتے ہیں۔

يصلي بالناس من يملك اقامة الجمعة ركعتين بيان لأقلها وان شاء اربعا او اكثر كل ركعتين بتسليمة او كل اربع مجتبى.

(در مختار على هامش الشامى ۱/۶۶۲) (البحر الرائق ۲/۱۸۰)

② بخاری شریف میں ابواب الکسوف میں حضور اکرم ﷺ کے دو رکعت پڑھنے ہی کا تذکرہ ہے، چار رکعت کا نہیں ہے، وہاں ''اربع رکعات'' کا کلمہ چار مرتبہ استعمال کیا گیا ہے، اس سے مراد چار رکوع ہیں، چار رکعت نہیں، ممکن ہے اشتہار دینے والے صاحب کو اس سے غلط فہمی ہوئی ہو۔

سورج گہن میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک قرأت آہستہ ہے؛ البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے جہر کی روایت ہے، حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مفتی گجرات وسابق مفتی جامعہ ڈابھیل) نے جہراً قرأت کی اجازت اپنے فتوے میں دی ہے؛ اس لیے اس مسئلہ کو موضوعِ نزاع نہ بنایا جائے، اگر نماز طویل ہو تو باقی بچا ہوا مختصر وقت دعا میں صرف ہونا چاہیے، اور اگر نماز مختصر ہو تو باقی بچا ہوا طویل وقت دعا میں صَرف

ہونا چاہیے۔ الحاصل! سورج گہن کا پورا وقت نماز و دعا میں گزارنا چاہیے۔ (عمدۃ الفقہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۶ رجمادی الاخری ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب سجود السھو

تیسری رکعت میں بھول کر بیٹھنے سے سجدۂ سہو

سوال: اگر امام تیسری رکعت میں بھول کر بیٹھ گیا، اور اتنی مقدار نہ بیٹھا کہ تین مرتبہ تسبیح نہ پڑھی ہو، اور کھڑا ہو گیا لقمہ کے بغیر، اور سجدۂ سہو نہ کیا تو نماز ہوگی یا نہیں؟ (نماز عصر کے وقت)۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

راجح یہ ہے کہ تین بار "سبحان ربي الاعلیٰ" کی مقدار بیٹھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا، اس سے کم پر نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۳۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھ لیا

سوال: اگر امام دوسری رکعت میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھ لے، اور اس کے بعد تیسری رکعت میں کھڑا ہو گیا سجدہ سہو کرے یا نہ کرے؟ اگر سجدہ سہو نہ کیا تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فرض، وتر اور سننِ مؤکدہ میں قعدۂ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا، اس لیے کہ تیسری رکعت کا قیام جو رکن ہے، اس کی ادائیگی میں تاخیر ہوئی، اگر سجدہ سہو نہیں کیا تو نماز ناقص ہوئی اس کا اعادہ کرے۔

وتاخير قيام إلى الثالثة بزيادة على التشهد بقصد ركن.

(تنوير الأبصار ٢ /٨١)

لها واجبات لاتفسد بتركها وتعاد وجوبا في العمد والسهو إن لم يسجد (درمختار١/٤٥٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ / ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

وتر کے قعدۂ اولیٰ میں سورۂ فاتحہ پڑھ لینا

سوال: ایک شخص نے وتر کے قعدۂ اولیٰ میں بھول سے سورۂ فاتحہ کو پڑھ لیا، پھر التحیات کو بھی پڑھا تو کیا سجدہ سہو سے نماز درست ہوجائے گی یا نہیں؟ مفصل ومدلل جواب تحریر فرماویں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہوجائے گی۔

وإذا قرأ الفاتحة مكان التشهد، فعليه السهو اذا بدأ في موضع التشهد بالقرأة ثم تشهد فعليه السهو (فتاویٰ عالمگیری١ /١٢٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ / ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ

قعدۂ اولیٰ چھوڑ کر تیسری رکعت میں قعدہ کرنے پر سجدۂ سہو

سوال: زید ایک مسجد کا امام ہے، زید نے عصر کی نماز پڑھائی اور قعدۂ اولیٰ نہیں کیا، مقتدی نے لقمہ دیا، امام نے لقمہ نہیں لیا اور تیسری رکعت میں قعدہ میں بیٹھا، پھر لقمہ دیا گیا، اس لقمہ کو بھی قبول نہیں کیا، تیسری رکعت میں قعدہ پورا کیا اور چوتھی رکعت میں قعدۂ اخیرہ پورا کر کے بغیر سجدۂ سہو سلام پھیر دیا، لہٰذا معلوم کرنا ہے کہ صورتِ مذکورہ میں نماز ہوگئی یا کہ فاسد ہوئی، جس کا دہرانا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں جب کہ امام نے قعدۂ اولیٰ چھوڑ دیا، تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہوا، اسی طرح تیسری رکعت میں اس کو کھڑا ہوجانا چاہیے تھا، اس کے بجائے قعدہ کرلیا، اس سے بھی سجدۂ سہو واجب ہوا، اس لیے امام پر ضروری تھا کہ آخر میں سجدۂ سہو کرتا؛ لیکن اس نے سجدۂ سہو نہیں کیا اور نماز ناقص رہی، اس کا اعادہ واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نفل نماز میں بھی سجدۂ سہو واجب ہے

سوال: نفل نماز میں سجدۂ سہو ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز کے واجبات اصلیہ میں سے کسی واجب کو سہواً چھوڑ دینے کی وجہ سے سجدۂ

سہو واجب ہو جاتا ہے، نماز چاہے فرض ہو یا واجب ہو یا نفل۔ (شامی ۲/ ۵۶۰ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک سورت کی ابتدا کے بعد دوسری سورت پڑھنے کا حکم

سوال: امام صاحب نماز دوگانہ کے لیے عیدگاہ آئے اور نماز شروع کی، نیت اور تکبیر زائد ادا کی، اور پہلی رکعت میں سورۂ الحمد ختم کی اور جب دوسری سورۂ شریف شروع کی اس وقت انہوں نے صرف الف لام پڑھا اور پھر سورۂ مزمل شروع کر دی، اور ایک رکوع پڑھ کر ایک رکعت پوری کی، دوسری رکعت میں بھی دوسرا رکوع سورۂ مزمل کا پڑھ کر تمام نماز ادا کی اور سلام پھیر دیا، تو کیا اس طرح سے نماز دوگانہ مکمل ہوگئی؛ جب کہ امام صاحب نے پہلی رکعت میں الحمد کے بعد الف لام پڑھ کر سورۂ مزمل شروع کی اور سجدۂ سہو بھی ادا نہیں کیا، برائے کرم مذہب حنفیہ میں مسنون طریقہ کیا ہے؟ اور نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہوا تھا، نماز درست اور صحیح ہوگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ شوال المکرم ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک آیت چھوڑنے پر سجدۂ سہو کرنا

سوال: ایک صاحب جماعت کی نماز میں ایک آیت چھوڑ کر آگے سے پڑھ لینے پر سجدۂ سہو کرتے ہیں کیا یہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دوسری رکعت کے بعد کھڑا ہونے سے سجدۂ سہو

سوال: امام نماز تراویح کی دوسری رکعت پوری کرنے کے بعد سیدھا کھڑا ہوگیا اور مقتدیوں نے لقمہ دے کر بٹھادیا تو امام صاحب نے سجدۂ سہو کرکے نماز تمام کردی، جب کہ بالکل سیدھا کھڑا ہوگیا تھا اس کے بعد لوٹ کر بیٹھے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں جب امام نے سجدۂ سہو کرلیا تو نماز درست ہوگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

قعدۂ اولیٰ بھول کر کھڑے ہونا

سوال: ایک امام صاحب عشاء کی چار رکعت پڑھا رہے تھے؛ مگر بھول سے

قعدۂ اولیٰ فوت ہوگیا اور سیدھے کھڑے ہوگئے، بعد میں کچھ مقتدیوں کے لقمہ سے پھر بیٹھ گئے، اور قعدۂ اولیٰ کیا اور چار رکعت پوری کی؛ مگر سجدۂ سہو کرنا بھی بھول گئے، اب کچھ وہ مقتدی جو امام کی ایک رکعت ہوجانے کے بعد نماز میں شامل ہوئے تھے ان لوگوں نے اپنی چھوٹی ہوئی رکعت تو پوری کی؛ مگر یہ سمجھ کر کہ امام صاحب سہو کا سجدہ کرنا بھول گئے ہیں ہم کرلیں، اور کر بھی لیا، تو پوچھنا یہ ہے کہ اس مسئلہ میں کس کی نماز ہوئی اور کس کی نہیں ہوئی؟ یا کسی کی نہیں ہوئی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

امام جب قعدۂ اولیٰ کرنے کے بجائے بھول سے کھڑا ہوگیا تو اب مقتدیوں کو لقمہ نہیں دینا چاہیے تھا، اور اگر دیا بھی تو امام کو بیٹھنا نہیں چاہیے تھا، اور اگر امام بیٹھ بھی گیا تو مقتدیوں کو کھڑے ہی رہنا چاہیے تھا بیٹھنا نہیں چاہیے، اور امام کو بھی چاہیے تھا کہ قعدہ چھوڑ کر کھڑا ہوجائے؛ لیکن جب وہ کھڑا نہیں ہوا اور تشہد پڑھ کر اٹھا تو سجدۂ سہو واجب ہوا، اور اس کے نہ کرنے کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہوئی، جن مسبوق حضرات نے بعد میں سجدۂ سہو کرلیا ان پر اعادہ واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ شوال ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عصر میں سہو کی وجہ سے پڑھی گئی مزید دو رکعت مکروہ نہیں

سوال: اگر کوئی شخص فرض نماز عصر کی ادا کر رہا تھا، سہوا چوتھی رکعت میں سلام نہیں پھیرا؛ بلکہ کھڑا ہوگیا تو چوں کہ بعد العصر نفل مشروع نہیں ہے تو اب دو رکعت نفل

ادا کرے گا یا نہیں یا کھڑا ہونے کے بعد واپس قعدہ میں آئے، اگر دو رکعت کا اضافہ ہو گیا تو نماز درست ہوئی یا نہیں یا اعادۂ صلوۃ واجب ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بقدرِ تشہد بیٹھ کر التحیات پڑھ کر کھڑا ہو گیا تو پانچویں رکعت کا سجدہ کرنے سے پہلے جب یاد آئے بیٹھ جائے اور التحیات نہ پڑھے؛ بلکہ بیٹھ کر اسی وقت سلام پھیر کر سجدۂ سہو کر لے اور پھر قعدہ کر کے التحیات و درود و دعاء پڑھ کر سلام پھیر دے، اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ کر چکا تب یاد آیا تو ایک رکعت اور ملا کر چھ رکعت پوری کر لے اور آخر میں سجدۂ سہو کرے، اس کی چار رکعتیں فرض اور دو رکعت نفل ہو جائیں گی۔

(زبدۃ الفقہ ۲/۱۷۱)

عصر کے بعد نفلوں کا قصداً پڑھنا مکروہ ہے، صورتِ مسئولہ میں جو پڑھی گئی ہیں وہ قصداً نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

التحیات سے پہلے سجدہ کی تسبیح دو مرتبہ پڑھی تو سجدۂ سہو نہیں

سوال: زید نے عشاء کی نماز پڑھائی اور قعدۂ اولیٰ میں التحیات سے پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے ہی التحیات پڑھنے کے بجائے سجدہ کی یا رکوع کی تسبیح دو مرتبہ پڑھی، اور چوکنا ہو گیا کہ میں تو قعدہ میں ہوں، فوراً التحیات پڑھنا شروع کر دیا، اب وہ نماز میں ہی پریشان ہو گیا کہ سجدۂ سہو کروں یا نہیں؟ ایک طرف یہ خیال آتا ہے کہ تین تسبیح کی بقدر تاخیر ہو جائے تو سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، دوسری طرف یہ خیال آتا ہے کہ

التحیات کے بعد اللّٰھم صل علی محمد پڑھ دیا تو سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے، بالآخر وہ نماز میں ہی اس نتیجہ پر پہنچا کہ سجدۂ سہو واجب نہیں ہے، لہٰذا سجدہ نہیں کیا اور نماز ختم کردی؛ مگر بعد میں کچھ لوگوں نے کہا کہ سجدۂ سہو واجب تھا لہٰذا نماز واجب الاعادہ ہوگی، اب آپ والا جواب عنایت فرمائیں کہ نماز ہوئی کہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں امام تشہد سے پہلے صرف دومرتبہ ہی رکوع کی یا سجدہ کی تسبیح پڑھا ہے، تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہیں ہوا، اور سجدۂ سہو نہ ہونے کی صورت میں نماز واجب الاعادہ بھی نہیں تھی، اس لیے پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نماز میں سجدۂ تلاوت کے بعد دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھنا

سوال: زید نے نماز تراویح میں آیت سجدہ پڑھ کر سجدۂ تلاوت کیا اور پھر دوبارہ سورۂ فاتحہ پڑھی تو کیا سجدۂ سہو واجب ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہوا۔ (شامی ۱/ ۴۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

رباعی نماز میں کمی بیشی کا حکم

سوال: (۱) امام نے چار رکعت والی نماز میں اخیری قعدہ نہیں کیا، اور پانچویں

رکعت کے لیے سیدھا کھڑا ہوگیا، پانچویں رکعت ادا کرکے التحیات کے بعد سجدۂ سہو کیا، اب یہ نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ شافعی مسلک سے جواب دیجئے۔

(۲) امام نے چار رکعت والی نماز میں دوسری رکعت پر سلام پھیر دیا، اس کے بعد مقتدیوں اور امام نے کلام کیا، پھر امام نے کھڑا ہوکر باقی دو رکعت ادا کی، اور اخیر میں سجدۂ سہو کیا، اب امام اور مقتدیوں کی نماز صحیح ہوئی یا نہیں؟ شافعی مسلک سے جواب دیجئے۔

(۳) امام چار رکعت والی نماز میں پہلا قعدہ بھول گیا اور سیدھا کھڑا ہوا، پھر نماز پوری کرکے اخیر میں سجدۂ سہو کیا، شافعی مسلک سے جواب دیجئے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) صورتِ مسئولہ میں شافعی مسلک کے اعتبار سے نماز ہوگئی۔

إذا قام إلى الخامسة في صلوٰة رباعية، ثم تذكر قبل أن يسلم، فعليه أن يعود إلى الجلوس ويسجد للسهو، سواء تذكر في قيام الخامسة أو ركوعها أو سجودها، وإن تذكر بعد الجلوس فيها سجد للسهو ويسلم.

(فتح العزيز شرح الوجيز ٤/ ١٦٢)

(۲) اگر کلام کرنے والے کو اپنا نماز میں ہونا یاد نہیں رہا، اور کلام قلیل ہے تو نماز ہوگئی، اور کثیر ہونے کی صورت میں نماز باطل ہوجاوے گی۔

أو تكلم ناسيا كونه في الصلوة، أو جاهلا تحريم الكلام فيها، فإن كان ذلك يسيراً لم تبطل صلوته بلاخلاف عندنا، وإن كان كثيراً فوجهان مشهوران، الصحيح منهما باتفاق الاصحاب تبطل صلوته،

وهو المنصوص في البويطي كما ذكر المصنف، وهو ظاهر نصه ايضاً في غير البويطي الخ (شرح مهذب، ٤/ ٨٠)

الذي يقتضى سجود السهو امران: زيادة ونقصان، فأما الزيادة فضربان: قول وفعل، فالقول أن يسلم في غير موضع السلام ناسيا أو يتكلم ناسياً فيسجد للسهو، والدليل عليه أن النبي ﷺ سلَّم من اثنين وكلم ذا اليدين، وأتم صلوته وسجد سجدتين الخ (المجموع شرح المهذب، ٤/ ١٢٤)

③ نماز ہوگئی۔

إذا قام إلى الثالثة ناسيا فإن انتصب لم يعد إلى التشهد الخ قد سبق أن فوات التشهد الأول يقتضي سجود السهو (شرح الوجيز، ٤/ ١٥٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: ہمارے دارالافتاء میں حنفی مسلک کے مطابق جواب دیے جاتے ہیں؛ لیکن آپ کی طلب پر کتبِ شوافع سے رجوع کر کے فقہ شافعی کے مطابق جواب دیا گیا ہے، اس لیے کسی شافعی مفتی کی تصدیق کے بعد ہی مندرجۂ بالا جوابات کو قابلِ عمل سمجھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ جمادی الاخری ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قعدہ کے سلسلے میں امام ومقتدی کا اختلاف ہوجائے تو؟

سوال: زید امام ہے، ظہر کی نماز میں امامت کی، دو رکعت ختم کر کے تیسری رکعت میں سجدہ کے بعد بجائے قیام کے بھول سے بیٹھ گیا، ابھی پوری طرح بیٹھا بھی

نہیں تھا کہ خود امام کو بھی یاد آ گیا اور مؤذن صاحب نے بھی لقمہ دیا، اور امام فوراً چوتھی رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا، وہ رکعت پوری کر کے سلام پھیر کر نماز ختم کی، دعاء کے بعد ایک مقتدی صاحب جو تیسری صف میں تھے، انھوں نے کہا کہ نماز ہوئی کہ نہیں؟ امام نے جواب دیا نماز ہو گئی، سجدہ سہو کی ضرورت نہیں، یہ کہہ کر امام باہر صحنِ مسجد میں اپنی سنت پڑھنے لگے، اس وقت نماز میں دو عالم بھی تھے، کسی اور مقتدی کی جانب سے کوئی بات نہیں ہوئی، جس مقتدی نے سوال کیا ان کا کہنا ہے کہ قعدہ اولیٰ نہیں کیا، اور لقمہ دیا تو نہیں لیا، اور تیسری رکعت میں قعدہ کیا، جب کہ امام کو یقین ہے کہ دوسری رکعت میں قعدہ کیا ہے، اور تیسری رکعت میں بھول سے بیٹھ گیا؛ لیکن اتنی مقدار نہیں جس سے سجدہ سہو لازم آتا ہو، تو اس میں نماز صحیح ہوئی کہ نہیں؟ اور امام کے قول کا اعتبار ہوگا یا اس ایک مقتدی کا قول معتبر ہوگا جب کہ وہ صاحب ڈاڑھی بھی نہیں رکھتے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں امام کا قول معتبر ہوگا، نماز ہو گئی، نہ سجدۂ سہو ہے، نہ اعادہ کی ضرورت۔ (درمختار مع الشامی ۱/ ۵۵۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

باب سجود التلاوۃ

آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد انتقال ہو گیا

سوال: آیت سجدہ کی تلاوت کے بعد ابھی سجدہ نہ کر سکا تھا اور درمیان تلاوت

ہی انتقال کر گیا، تو اس سے سجدۂ تلاوت ساقط ہو جائے گا یا ذمہ میں باقی رہے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آیت سجدہ کی تلاوت کی وجہ سے اس پر سجدہ واجب ہو چکا، اس کے لیے ضروری ہے کہ موت سے پہلے پہلے اس کو ادا کر لے، صورت مسئولہ میں قبل الموت سجدہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے گنہ گار ہوگا۔

ثم هي واجبة على التراخي إن لم تكن صلاتية؛ لأن دلائل الوجوب مطلقة عن تعيين الوقت، فيجب في جزء من الوقت غير عين، ويتعين ذلك بتعيينه فعلا، وإنما يتضيق عليه الوجوب فی آخر عمره فی سائر الواجبات الموسعة (بحرالرائق؟ /۳۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سجدۂ تلاوت کی ادائیگی واجب ہے

سوال: اگر لاعلمی میں سجدۂ تلاوت ادا نہ کر سکا، تو اس کا کیا حکم ہے؟ آیا بعد میں ادا کرے یا نہ کرے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مرنے سے پہلے پہلے ادائیگی واجب ہے۔

ویکره تاخیرها تنزیهاً ویکفیه أن یسجد عدد ماعلیه بلاتعیین ویکون مؤدیا (درمختار علی هامش الشامی۱/ ۵۶۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سجدۂ تلاوت کے فدیہ کی وصیت

سوال: کسی کے ذمہ سجدۂ تلاوت ہے، اور مرتے دم تک نہ کرسکا، تو اس کی وصیت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کرسکتا ہے، یعنی فدیہ کی۔

(قوله يجب) أي وجوباً موسعاً في غير صلوة كما سيأتي، ولا يجب على المحتضر الايصاء بها، وقيل: يجب قنية والثاني بالقواعد أليق نهر والظاهر أنه يخرج عنها كصلوة فرض أو صوم يوم لأنه المعهود تأمل رحمتي ثم رأيته مصرحاً به في التتارخانية مع تصحيح عدم الوجوب. (شامی ۱/ ٥٦٥،٥٦٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سجدۂ تلاوت کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھی تو کیا حکم ہے؟

سوال: تراویح میں یا نماز فرض میں آیت سجدہ تلاوت کر کے میں نے سجدۂ تلاوت ادا کیا، پھر کھڑے ہو کر بجائے آگے پڑھنے کے بھول سے پوری فاتحہ پڑھ لی تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں سجدۂ سہو واجب نہیں ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ۱/ ۳۴۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ شعبان ۱۴۱۶ھ

آیتِ سجدہ کا لقمہ دینے پر کتنے سجدہ واجب ہوں گے؟

سوال: امام قراءت کرتے کرتے آیتِ سجدہ پر جب پہنچا تو وہ آیت بھول گیا، مقتدی میں سے کسی نے اسی آیت کا لقمہ دیا تو امام نے اس آیتِ سجدہ کو پڑھ لیا، سوال یہ ہے کہ ایک ہی سجدۂ تلاوت کافی ہوگا یا دو کرنے ہوں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں صرف ایک ہی سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔ (شامی ۱/ ۵۱۴، رسائل الارکان ۱۶۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ ذوالحجہ ۱۴۰۶ھ

مکروہ وقت میں سجدۂ تلاوت

سوال: اگر اوقات مکروہ میں سجدۂ تلاوت آ گیا، کیا احناف کے یہاں اس وقت سجدہ کر سکتے ہیں؟ کہ وقت گزرنے کے بعد کیا جائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر آیتِ سجدہ وقتِ کامل میں پڑھی گئی تھی، تو اس سے واجب شدہ سجدۂ تلاوت وقتِ مکروہ میں کرنے سے ادا نہ ہوگا، اور اگر تلاوت وقتِ مکروہ میں کی گئی اور اسی وقت سجدہ بھی کر لیا، تو کراہت تنزیہہ کے ساتھ ادا ہوگا۔ (درمختار مع الشامی ۱/ ۲۶۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ٹیپ کی قرأت پر سجدۂ تلاوت

سوال: ٹیپ میں سجدۂ تلاوت کی قرأت ہوئی، تو سننے والوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہے کہ نہیں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس میں اگر کوئی آیتِ سجدہ پڑھی جائے، تو اس سے سجدہ واجب نہیں ہوتا؛ کیوں کہ فقہاء تحریر فرماتے ہیں: کہ سامع پر وجوبِ سجدہ کے لیے یہ شرط ہے کہ پڑھنے والے میں خود بھی وجوبِ سجدہ کی اہلیت وصلاحیت ہو، گو بالفعل اس کے ذمہ واجب ہو یا نہ ہو، اسی وجہ سے سونے والے آدمی یا مجنون مطبق کی زبان سے اگر آیتِ سجدہ نکل جائے یا کسی جانور طوطے وغیرہ کو آیت سجدہ سکھادی جائے، تو ان سب صورتوں میں اس کے سننے والے پر سجدہ واجب نہیں ہوتا؛ کیوں کہ ان میں اہلیت وجوبِ سجدہ کی نہیں ہے، بخلاف حیض ونفاس والی عورت کے، کہ اگر وہ آیتِ سجدہ پڑھ دیں، تو گو اس وقت ان کے ذمہ سجدہ واجب نہ ہوگا؛ مگر ان میں اہلیتِ وجوب موجود ہونے کی وجہ سے سننے والوں پر سجدہ واجب ہوجائے گا۔ (آلات جدیدہ ۱۳۵، ۱۳۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کیسٹ، ٹی وی یا ریڈیو پر آیت سجدہ سننے سے سجدہ کا وجوب

① کیسٹوں میں جب آیت سجدہ آتی ہے تو اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے کہ نہیں؟

(۲) اگر حرم شریف سے یا کسی بھی مسجد سے براہ راست نماز دکھائی جارہی ہو اور امام آیت سجدہ پڑھ رہا ہو تو جو لوگ ٹی وی پر یا ریڈیو پر امام کی قراءت سن رہے ہوں ان پر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) نہیں۔ (آلات جدیدہ ۲۰۷)

(۲) جی ہاں! احتیاط اسی میں ہے کہ سجدۂ تلاوت کرلیا جائے۔ (آلات جدیدہ ۱۶۶)

نوٹ: ویڈیو کا عام استعمال غیر مشروع امور کے لیے ہوتا ہے، اس پر قرآن پاک کی تلاوت سننا احترام اور عظمتِ قرآن کے خلاف ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ

ریڈیو کی تلاوت پر سجدۂ تلاوت

سوال: ٹی وی یا ریڈیو پر سجدہ کی آیت سن لی تو سننے والے پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟ یا ایک شخص نماز میں جہراً قراءت کرتا ہے دوسرا شخص جو کہ نماز میں نہیں ہے اس نے نماز پڑھنے والے سے سجدہ کی آیت سن لی تو کیا اس پر بھی سجدہ واجب ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ریڈیو یا ٹی وی سے نشر کی جانے والی قراءت بہ ذریعہ کیسیٹ ہے تو اس کو سننے سے سجدۂ تلاوت واجب نہیں ہوتا اور اگر قاری کی زبان سے براہ راست نشر کیا جارہا ہے تو اس کو سننے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔

کسی نمازی کی زبان سے اگر غیر نمازی نے آیت سجدہ سن لی تو اس سننے پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

نماز میں سجدۂ تلاوت بھول گیا تو کیا کرے؟

سوال: ایک آدمی نے نماز کے اندر آیت سجدہ پڑھا؛ مگر سجدہ کرنا بھول گیا، نماز کے اتمام کے بعد خیال آیا تو اب کیا کرے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اب سوائے توبہ واستغفار کے اس کا کوئی بدل نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ رشوال المکرم ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب التراویح

تراویح میں بسم اللہ بالجہر کا مسئلہ

سوال: تراویح کی ہر سورۃ کے شروع میں بسم اللہ بالجہر کے بارے میں فتاویٰ رحیمیہ، محمودیہ، احسن الفتاویٰ، امداد الاحکام، خیر الفتاویٰ دیکھنے سے حنفی مذہب کے رو سے عدمِ جہر اولیٰ معلوم ہوتا ہے، اور یہاں ہر مسجد میں اس پر سالہا سال سے عمل ہو رہا ہے، ایک قاری صاحب فنِ تجوید کے ماہر ہونے کے زعم میں بسم اللہ بالجہر پر عمل کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں، اس پر یہاں سالہا سال سے عمل نہیں ہے، اس سے

لوگوں میں انتشار ہونے کا خطرہ ہے، حضرت والا سے گذارش ہے کہ اس بارے میں جواب ارسال فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ مسئلہ ہمارے اکابر کے فتاویٰ میں جن کا آپ نے ابھی اپنے سوال میں تذکرہ کیا ہے، تفصیل سے موجود ہے، اس لیے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی لیکن جب آپ نے سوال کر ہی لیا ہے تو اکابر ہی کی عبارتوں سے جواب پیشِ خدمت ہے۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: کہ ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ بالجہر پڑھنا حتیٰ کہ اگر ایک رکعت میں متعدد سورتیں بالجہر پڑھے تو ان کے درمیان بالجہر پڑھنا خلافِ سنت ہے، اور ایسی صورت میں آہستہ بھی نہ پڑھے۔

(فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۴۳۸، ۴۳۹)

آپ سے کئے گئے اس سوال کہ ائمہ قرأت سے معتبر کتابوں میں جو کچھ منقول ہے اس پر عمل کرنا کیسا حکم رکھتا ہے؟ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں ''ائمہ قرأت سے جو قواعد فنِ تجوید کی معتبر کتابوں میں منقول ہیں وہ معتبر اور معمول بہا ہیں، اگر نماز میں کوئی مسئلہ قرأت مسئلہ فقہ سے مقابل ہوگا تو اس صورت میں فقہ کی معتبر کتابوں پر عمل کیا جائے گا جیسا کہ بسم اللہ قبل السورۃ میں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۴۴۰)

حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں ''خارجِ نماز قرآن کی تلاوت میں امام قرأت کے مسلک کا اتباع کیا جائے، اور نماز میں امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے مسلک کی پیروی کی جائے، تکبیر تحریمہ سے لے کر سلام پھیرنے تک پوری نماز امام اعظم کے مسلک کے موافق پڑھی جائے، اور بسم

اللہ میں مخالفت کی جائے یہ مناسب نہ ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴/۳۸۰)

دار العلوم دیوبند کے مفتیٔ اول حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ نماز کے اندر حنفیہ کے نزدیک باتفاق بسم اللہ کو سراً پڑھنا چاہیے، اس میں حنفیہ میں سے کسی کا خلاف نہیں ہے، اور اطلاق صلوٰۃ شامل ہے نمازِ فرض اور نفل وتراویح وغیرہ کو، اور یہ بھی اس عبارت سے واضح ہوا کہ اتباعِ امام من القراء خارج صلوٰۃ میں ہے نہ صلوٰۃ میں، اور اس پر ہم نے اپنے اساتذۂ علماء احناف کو پایا ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ۴/۲۶۵)

امداد الفتاویٰ جلد اول از ص ۳۴۳ تا ۳۴۷ میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث موجود ہے، ملاحظہ فرمالیں۔ حضرت اقدس حکیم الامت علیہ الرحمہ فنِ تجوید کے بھی ماہر تھے، امداد الفتاویٰ میں فنِ تجوید کے کئی مسائل پر تحقیقی مباحث موجود ہیں، اور فن تجوید میں آپ کا رسالہ ''جمال القرآن'' ہمارے مدارس میں داخلِ نصاب ہے، اس کے باوجود آپ تراویح میں ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھنے کے قائل نہیں۔ اسی طرح حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ (صاحب فتاویٰ رحیمیہ) بھی جیّد قاری تھے، ان کا فتویٰ بھی اوپر آچکا ہے۔ اور حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ میں تو ہمارے اکابر کا عمل یہی لکھا ہے کہ وہ تراویح میں ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ جہراً پڑھتے نہیں تھے، ان تمام اکابر، فقہاء ومفتیان کے فتاویٰ اور عمل کے بعد بھی کوئی اپنے فن دانی کے زعم میں اس کے خلاف عمل کے لیے کہے تو خود لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ کس پر عمل کریں؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تراویح میں جہراً بسم اللہ پڑھنے نہ پڑھنے میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام عاصم کا اتباع

سوال: تراویح میں بسملہ کا کیا حکم ہے؟ کیا اس کو ہر سورت کے شروع میں پڑھنا ضروری ہے یا کسی ایک سورت کے شروع میں؟ اگر ایک سورت کے شروع میں ہے، تو تراویح میں قرآن کا ختم جو سنت ہے اس پر عمل نہیں ہوگا، اس لیے کہ امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر سورت کے شروع میں بسملہ منقول ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ پورے قرآن کا جز ہے، اور اگر بسملہ پڑھے تو سراً پڑھے یا جہراً، اگر جہراً پڑھتے ہیں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے خلاف ہوگا، اس لیے کہ وہ بالسر کے قائل ہیں، اور اگر سراً پڑھتے ہیں تو مقتدیوں کا قرآن ختم نہیں ہوتا۔

تو کیا نماز میں امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اتباع ضروری ہے یا امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کی؟ کیا ایسا عمل بھی ہے کہ دونوں کے قول پر عمل ہو جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: بسم اللہ کے باب میں ایک مسئلہ قراءت کے متعلق ہے، اور ایک مسئلہ فقہ کے متعلق، امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کا قول پہلے مسئلہ کی تحقیق ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول دوسرے مسئلہ کی تحقیق، حاصل مسئلہ اولی کا یہ ہے کہ گو بسم اللہ ہر سورت کا جز نہ ہو مگر باوجود عدم جزئیت روایۃً اس کا پڑھنا ہر سورت پر منقول ہے، پس اگر کوئی شخص ہر سورت پر نہ پڑھے تو اس کی قراءت اس روایت کے موافق

نہ ہوئی گو کوئی جز متروک نہ ہوا جب کہ کم از کم ایک سورت پر پڑھ لے۔ اور دوسرے مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ گو روایۃً ہر سورت پر بسم اللہ منقول ہے لیکن ہر سورت کا جز نہیں ہے بلکہ جز مطلق قرآن کا ہے، اگر ایک جگہ بھی پڑھ لے تو قرآن پورا ختم ہو جائے گا، گو اس روایت کے موافق اس کی قراءت نہ ہو، پس امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں کوئی تخالف نہیں، کیوں کہ دونوں کی نفی اور اثبات کی حیثیتیں جدا جدا ہیں، اور حیثیات کے بدلنے سے تعارض جاتا رہتا ہے۔

یہ جب ہے کہ ہر سورت پر بسم اللہ نہ پڑھے اور اگر پڑھ لے تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور امام صاحب کے بھی خلاف نہیں کیوں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ تسمیہ کو ہر سورت پر ضروری نہیں کہتے، یہ نہیں کہ جائز نہیں کہتے، درمختار یا ردمحتار میں ہر سورت پر تسمیہ کو حسن کہا ہے، رہا ہر جگہ پکار کر پڑھنا، یہ بلاشبہ احناف کے خلاف ہے اور امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ بھی جہر کو ضروری نہیں کہتے صرف تسمیہ کو ضروری کہتے ہیں۔ (امداد الفتاویٰ ۱/ ۳۴۶، ۳۴۷)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

تراویح میں ہر سورۃ کے شروع میں جہراً بسم اللہ پڑھنا

سوال: دو حافظ ساتھ میں نماز تراویح پڑھاتے ہیں، ایک حافظ بسم اللہ ہر سورۃ کے شروع میں بالجہر پڑھتا ہے (جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ کی عبارت سے اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے) اور یہ مذکور کتاب کا حوالہ بھی دیتا ہے کہ امام حفص رحمۃ اللہ علیہ کی روایت

کی تکمیل کے شوق میں ایسا کر سکتے ہیں، تو کیا وہ دوسروں کو بھی حکم کر سکتا ہے کہ تو بھی بالجہر پڑھ؛ تاکہ روایت ناقص نہ رہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر نماز میں کوئی مسئلہ قرأت، مسئلہ فقہ سے مقابل ہوگا تو اس صورت میں فقہ کی معتبر کتابوں پر عمل کیا جائے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۳۴۸)

اس لیے نہ خود پڑھے اور دوسرے کو بھی حکم نہ دے۔ فتاویٰ رحیمیہ ۴/۳۸ پر تفصیل دیکھئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/شعبان ۱۴۱۶ھ

ہر سورت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا چاہیے

سوال: سورۃ کی تسبیح پڑھتے وقت کیا ہر سورۃ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جی ہاں! ہر مرتبہ سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھ لیا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نابالغ بچہ (مراہق) تراویح میں لقمہ دے سکتا ہے؟

سوال: جو بچہ ابھی نابالغ ہے لیکن حافظ قرآن ہے، یہ بچہ اگر پاکی ناپاکی کا خیال رکھتے ہوئے امام کے ساتھ تراویح میں شریک ہو کر امام کو تراویح میں لقمہ دے تو امام کی نماز میں خلل آئے گا، یعنی نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مراہق تراویح میں سامع کی ذمہ داری ادا کرسکتا ہے؛ بلکہ کوئی اور سامع نہ ہوتو اس کو پہلی صف میں بھی کھڑا کرسکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تراویح میں سورۂ ناس کے بعد دعائے ماثورہ پڑھنے سے نماز فاسد نہ ہوگی

سوال: اگر امام نے تراویح میں ختم قرآن کے وقت اخیری رکعت میں سورۂ ناس کے بعد متصلاً دعائے ماثورہ (دعاءِ ختم قرآن) لکھی ہوئی ہوتی ہے، یعنی اللھم اٰنس وحشتی فی قبری الخ کو پڑھا، پھر اس کے بعد متصلاً آلم ذلك الكتاب سے دوسری مرتبہ قرآن شریف شروع کرکے پہلا رکوع پورا کرکے رکوع میں گیا، تو کیا اس طرح پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ختم قرآن کی جو صورت دریافت فرمائی ہے اس میں نماز فاسد نہ ہوگی، اس لیے کہ اللھم اٰنس وحشتی الخ والی دعاء ماثور ہے؛ البتہ نماز میں حالتِ قیام میں اس کو نہ پڑھنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

امام نے تراویح کی تین رکعت پڑھادی تو کیا حکم ہے؟

سوال: تراویح کی نماز امام نے بھول کر تین رکعت پڑھادی مگر مقتدی حضرات نے مسجد سے نکلنے پر امام کو بتلایا، اب امام کو کیا کرنا چاہیے؟ کیا دوسرے دن دو رکعت دہرانی ضروری ہے یا نہیں؟ اسی طرح جو قرآن تین رکعت میں پڑھا ہے اس کو دہرانا چاہیے یا مکمل بیس رکعت میں پڑھا ہوا دہرانا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دوسری رکعت پر قعدہ نہیں کیا ہے تو تراویح کا یہ دوگانہ معتبر نہ ہوگا، اور جو قرآن پڑھا گیا ہے اس کا لوٹانا بھی ضروری۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴/۴۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، یکم صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

تراویح میں اگر ایک ہی رکعت پڑھی تو اس میں پڑھا ہوا قرآن دہرایا جائے

سوال: تراویح میں غلطی سے دو رکعت کے بجائے ایک ہی رکعت ہوئی، اور اس میں دو تین رکوع پڑھ لیے، پھر نماز نہ ہونے کی وجہ سے دو رکعتیں امام صاحب نے دہرائی؛ مگر ایک رکعت میں پڑھا ہوا قرآن دہرایا نہیں، تو کیا دہرانا لازم ہے اور نہ دہرانے کی صورت میں قرآن ناقص رہے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں قرآن مجید کی وہ مقدار بھی لوٹانی پڑے گی، جو ایک رکعت میں پڑھی تھی، ورنہ قرآن مجید ناقص رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

رمضان میں عشاء انفراداً پڑھنے والا وتر کی نماز جماعت سے پڑھ سکتا ہے

سوال: اگر کوئی شخص رمضان المبارک میں عشاء کی نماز انفراداً پڑھنے کے بعد تراویح میں شامل ہوگیا، تو وہ آدمی وتر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھے یا بغیر جماعت کے، اگر جماعت کے ساتھ پڑھ لی تو آیا اس کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وتر مستقل نماز ہے عشاء کے تابع نہیں ہے، اس لیے فرض انفراداً پڑھنے کی صورت میں بھی وتر کی جماعت میں شریک ہوسکتا ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۴/۱۵۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تراویح میں ختمِ قرآن کے بعد کیا پڑھنا افضل ہے؟

سوال: تراویح میں ختم قرآن کے بعد بقیہ ایام تراویح میں سورۂ رحمن پڑھنا اس طرح کہ چند آیتیں ہر رکعت میں پڑھی جائیں افضل ہے یا مکمل سورت ہر رکعت

میں مثلاً: الم تر کیف سے آخر قرآن تک پڑھنا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہر رکعت میں مکمل سورت پڑھنا افضل ہے، اور اگر ہر رکعت میں چند آیتیں پڑھ لی، تو یہ بھی بلا کراہت جائز ہے۔ (کبیری ص ۴۹۳ و ۴۰۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تراویح علاحدہ پڑھنے کی صورت میں عشاء کی نماز مسجد میں باجماعت پڑھنا ضروری ہے

سوال: رمضان کی تراویح کے سلسلہ میں فتاویٰ کی روشنی میں اتنی تو گنجائش معلوم ہوتی ہے، کہ محلہ کی مسجد چھوڑ کر ایک دوسری جماعت الگ سے بنالی جائے؛ تاکہ زیادہ سے زیادہ حفاظِ کرام کو قرآن سنانے کا موقع مل سکے؛ لیکن اس کے ساتھ مفتیانِ کرام یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ عشاء کی فرض نماز باجماعت مسجد ہی میں سب ادا کریں، اس کے بعد تراویح کی دوسری جماعت کرنے والے چاہیں تو مسجد سے الگ دوسری جگہ اپنی جماعت کرلیں، اس سلسلہ میں آں جناب کی رائے معلوم ہوجاوے کہ واقعی عشاء کی نماز سب کو مسجد ہی میں پڑھنی ہوگی یا اس میں کوئی گنجائش بھی ہے کہ جہاں تراویح سنانا ہو وہاں عشاء پڑھی جاسکے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عن عبداللہ قال: من سرہ ان یلقی اللہ تعالیٰ غدا مسلما فلیحافظ

على هؤلاء الصلوات حيث ينادى بهن، فانّ الله شرع لنبيكم سنن الهدىٰ، وانهن من سنن الهدى، ولو انكم صليتم فى بيوتكم كما يصلى هذا المتخلف فى بيته لتركتم سنة نبيكم، ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم، وما من رجل يتطهر فيحسن الطهور ثم يعمد الى مسجد من هذه المساجد الا كتب الله له بكل خطوة يخطوها حسنة، ويرفعه بها درجة، ويحط عنه بها سيئة ولقد رأيتنا وما يتخلف عنها الا منافق معلوم النفاق، ولقد كان الرجل يؤتى بها يهادى بين الرجلين حتى يقام فى الصف (مسلم شريف مع فتح الملهم ٢ /٢٢٢)

الجماعة سنة مؤكدة للرجال، قال الزاهدى: ارادوا بالتاكيد الوجوب وقيل واجبة، وعليه العامة اى عامة مشائخنا، وبه جزم فى التحفة وغيرها، قال فى البحر: وهو الراجح عند اهل المذهب (در مختار على هامش الشامى)قوله قال فى البحر الخ، وقال فى النهر: هو اعدل الاقوال واقواها. (شامى ١ /٤١٠)

قرون مشہود لھا بالخیر بلکہ اس کے بعد بھی اسلافِ امت میں غیر مساجد میں بدون عذر اقامت جماعت بالخصوص علی سبیل العادۃ کی کوئی نظیر نہیں ملتی، صرف یقینی منافق اور شدید مریض ہی جماعت سے پیچھے رہتے تھے، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں گذرا.....غرضیکہ احادیث صحیحہ اور اسلاف امت کے تعامل اور عبارات فقہاء رحمۃ اللہ علیہم سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا ضروری ہے؛ البتہ معذورین مستثنیٰ ہیں۔ (احسن الفتاویٰ ۳/ ۲۷۲، ۲۷۳)

احقر کے نزدیک بھی گھر میں تراویح کی جماعت کرنے والوں کے لیے ضروری

ہے کہ عشاء کی نماز مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۹ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

امام کو لقمہ دینے میں جلدی کرنا کسے کہتے ہیں؟

سوال: اکثر حفاظ تراویح کی نماز میں لقمہ دینے میں جلد بازی کرتا ہے، کبھی تو امام صاحب پڑھتا ہے لقمہ دیتے ہیں، آیت پوری کرنے نہیں دیتے، مثلاً: تیسرے پارہ کی تلاوت حفاظ کر رہے ہیں ﴿یأیها الذین اٰمنوا أنفقوا مما رزقنکم من قبل أن یأتي یوم لا بیع فیه﴾ پڑھنے کے بجائے ﴿یأیها الذین اٰمنوا انفقوا من طیبٰت ما کسبتم﴾ یہیں تک پڑھا، آیت پوری نہیں کی، فوراً لقمہ دیا، مطلب کہ امام کو سوچنے کا موقع نہیں دیتا؛ لہٰذا صحیح طریقہ لقمہ دینے کا جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب امام نے ﴿یأیها الذین اٰمنوا أنفقوا ممارزقنکم﴾ پڑھنے کے بجائے ﴿من طیبٰت ما کسبتم﴾ پڑھا، تو یہ بات طے ہوگئی کہ امام غلط رخ پر پڑ گیا، اب وہ اپنی اس غلطی میں مزید آگے بڑھے اس سے بچانے کے لیے سامع لقمہ دے تو اس میں کیا حرج ہے!۔

بہر حال مسئولہ صورت میں لقمہ دینے والے نے جلد بازی سے کام لیا یہ کہنا درست نہیں، جہاں بھی امام کا غلط پڑھنا متعین ہوجائے تراویح میں لقمہ دیا جاسکتا ہے؛ البتہ فرائض میں جس دوسری آیت کو پڑھ رہا ہے وہ صحیح ہے، تو عجلت سے کام نہ

لے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸ر جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

تراویح پڑھانے کے معاوضہ کا مصرف

سوال: زید نے ایک گاؤں میں تراویح پڑھائی، اجرت لینے کا ارادہ بالکل نہیں تھا، اس کے باوجود بھی گاؤں والوں نے ایک ایک آدمی کے پاس سے وصول کرکے ۱۲۰۰ر روپیے اجرت دی، زید نے وہ رقم ابھی تک استعمال نہیں کی، آیا وہ کسی غریب کو یا تعمیر مسجد میں دے سکتے ہیں؟ مذکورہ بالا مصرف کے علاوہ اور کون سا مصرف ہوسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چوں کہ تراویح پڑھانے والے کو لوگ ہدیہ کے نام سے بھی تراویح پڑھانے کی وجہ سے دیتے ہیں، جو درحقیقت ہدیہ نہیں؛ بلکہ معاوضہ ہے، اور تراویح میں قرآن پاک سنانے پر اجرت ومعاوضہ لینا جائز نہیں ہے؛ اس لیے زید کو چاہیے کہ یہ رقم اس کے دینے والوں ہی کو واپس کرے، کسی غریب کو دینے یا تعمیر مسجد میں لگانے سے اس کا ذمہ بری نہیں ہوگا؛ بلکہ ایسی رقم تعمیر مسجد میں لگانا حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۰ر شوال ۱۴۱۹ھ

تراویح پڑھانے والے کا ہدیہ لینا

سوال: ایک حافظ صاحب کسی مدرسہ میں مدرس ہیں اور اسی مدرسہ کی مسجد میں

امامت بھی کروارہے ہیں ماہ رمضان کی تراویح میں ختم قرآن پر بہ طور ہدیہ جو روپے دیے جاتے ہیں ان روپیوں کا حافظ صاحب کے لیے لینا کیسا ہے اور جواز کی کوئی شکل ہے یا نہیں اگر ہو تو تحریر کیجیے اور شرعی اعتبار سے اس کا حکم کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تراویح میں قرآن سنانے پر حافظ کو جو رقم ہدیہ کے نام سے ملتی ہے وہ قاعدۂ فقہیہ المعروف کالمشروط کے مطابق ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

تراویح کی اجرت لوٹانے کا طریقہ

سوال: کوئی حافظ قرآن رمضان میں تراویح سنائے اور اس تراویح سنانے پر اجرت لی؛ لیکن بعد میں اس کو اپنی اس حماقت پر افسوس ہوا، اور وہ اس کی تلافی چاہتا ہے۔ کوئی حافظ تراویح سنائے اور ایک بھی نماز اپنے ذمہ نہ لے، اور وہ خود بھی کوئی نماز نہ پڑھائے، اور فرض کرو کہ وہ اس حال میں پہنچا کہ تراویح سنانے کو وہاں پر کوئی امام نہ تھا، اور اس نے مہینہ بھر امامت بھی کی؛ لیکن اس کا دل تراویح کی اجرت میں اٹکا رہا۔ دوسری بات یہ ہے کہ وہاں پر پہنچنے کے بعد متولی نے یا ذمہ دار لوگوں نے اس کو کرایہ بھی دیا تراویح سنانے پر، چاہے وہ حق دار تھا یا نہ تھا؛ لیکن اس نے کرایہ لے لیا، مسئلہ یہ پوچھنا ہے کہ: تراویح یا کرایہ کا پیسہ واپس کرنا چاہتا ہے، تو اس صورت میں یہ پیسہ واپس کرنا بہت مشکل ہے؛ کیوں کہ جو چندہ حافظ صاحب کے لیے جمع کیا جاتا

ہے تو ہر انسان اپنی حیثیت کے مطابق چندہ لکھاتا ہے یا دے دیتا ہے، تو اس صورت میں ہر انسان کو تلاش کرنا یہ روپے واپس کرنا بہت مشکل ہے، اس صورت میں اگر جتنے سال تک تراویح سنایا ہے ان سب لوگوں کا پیسہ واپس کرنا ہے تو اس گاؤں کی مسجد میں ادا کرنا پڑے گا، یا کسی ایک مسجد یا جو اس پیسہ کا مصرف ہو وہاں ادا کرنا پڑے گا؟ یا جتنے سال تک تراویح سنایا ہے ان تمام تراویح کا پیسہ مکمل حساب کر کے کسی ایک جگہ جو اس کا مصرف ہو وہاں ادا کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ اس پیسہ کو واپس کرنے کی کوئی راہ نکل سکتی ہے کہ نہیں؟ اور کس طریقہ سے؟ اور اس پیسہ کو واپس کرتے وقت نیت کیا کرنی ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لوگوں نے آپس میں چندہ کر کے وہ رقم آپ کے حوالے کی تھی، اس کے لیے کسی ایک آدمی کو درمیان میں واسطہ بنایا ہوگا، جیسا کہ دستور ہے کہ عموماً مسجد کا متولی یا اَور کوئی ذمہ دار آدمی لوگوں سے جمع کرتا ہے، اور وہ تراویح پڑھانے والے کو دیتا ہے، اب آپ جب وہ رقم لوٹائیں تو اس کے ہاتھ میں دے دیں، آپ کا ذمہ بری ہو جاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

تراویح کا ہدیہ جبراً

سوال: تراویح پڑھانے پر اجرت لینا صحیح نہیں ہے، اسی طرح سے ہدیہ بھی صحیح نہیں ہے، تراویح پڑھانے والے نے کہہ دیا کہ: میں ہدیہ قبول نہ کروں گا؛ لیکن

جب تراویح ختم ہوگئی اور مسجد والے جبراً ہدیہ دیوے، تو اس کو لے کر اپنی ضروریات میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ کوئی شرعی اکراہ نہیں ہے، اس کو قبول نہ کرے، اپنے ہاتھ میں نہ لے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

تراویح پر ہدیہ لینا

سوال: تراویح پڑھانے والے کو مقتدی حضرات ہدیہ کے نام پر کچھ رقم دیتے ہیں، تو اس کا لینا کیا درست ہے؟ اور اگر تراویح پڑھانے والا باقاعدہ اس مسجد کا امام ہے، اس کو لوگ ہدیہ کے نام سے رقم دیں تو کیا وہ لے سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فقہاء نے "المعروف کالمشروط" والے قاعدہ کے پیش نظر تراویح پڑھانے والے کو ہدیہ کے نام سے دی جانے والی رقم کو بھی لینے کی اجازت نہیں دی، پنج وقتہ نمازوں کا امام اگر تراویح پڑھاتا ہے، اور اس کو بھی تراویح کی وجہ سے ہدیہ میں کچھ پیش کیا جارہا ہے تو نہیں لینا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تراویح پر معاوضہ اور حیلہ

سوال: رمضان المبارک کے مہینہ میں تراویح پڑھانے کے لیے حافظ صاحب کا انتظام کیا جاتا ہے، انتظام کرتے وقت حافظ صاحب سے پورے مہینے کی تراویح پڑھانے کا معاوضہ طے کیا جاتا ہے، پھر پورے مہینہ کی تراویح پڑھانے کے بعد حافظ صاحب کو تراویح پڑھانے کے بدلہ میں روپئے، کپڑے وغیرہ دیے جاتے ہیں، یا پھر پورے مہینہ میں بیانات اور تقاریر کرنے کے بدلہ میں روپئے دیے جاتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بے شک تراویح میں اجرت لینا دینا ناجائز ہے، لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں، اس سے اچھا یہ ہے کہ "الم ترکیف" سے تراویح پڑھی جائے، لوجہ اللہ پڑھنا اور لوجہ اللہ امداد کرنا جائز ہے؛ مگر اس زمانہ میں یہ کہاں ہے؟ ایک مرتبہ پیسے نہ دیئے جائیں تو حافظ صاحب دوسری مرتبہ نہیں آئیں گے، تو اب للہ کہاں رہا؟

اصل مسئلہ یہی ہے، مگر وہ مشکلات بھی نظر انداز نہ ہونی چاہیے، جو ہر سال اور تقریباً ہر ایک مسجد کے نمازیوں کو پیش آتی ہیں، اس بناء پر قابل عمل شکل یہ ہے کہ جہاں لوجہ اللہ تراویح پڑھانے والا حافظ نہ ملے، وہاں تراویح پڑھانے والے کو ماہِ رمضان کے لیے نائب امام بنایا جائے اور اس کے ذمہ ایک یا دو نماز سپرد کردی جائے، تو مذکورہ حیلہ سے تنخواہ لینا دینا جائز ہوجائے گا؛ کیوں کہ امامت کی اجرت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ (از فتاوی رحیمیہ ۱/۳۴۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ

تراویح پر اجرت کا حیلہ

سوال: رمضان المبارک میں معمول سا بن گیا ہے کہ تراویح کی نماز میں قرآن پڑھنے والے حفاظ کو رقم پیش کی جاتی ہے یا حفاظ صاحب خود طے کرتے ہیں، اگر قرآن کے پڑھنے سے رقم کمائی جانے پر پابندی لگائی جائے، تو وسیع پیمانے پہ ایک عظیم کارِ خیر میں حد درجہ کی کمی واقع نہ ہوجائے گی؟ شریعت اس سلسلہ میں کیا فیصلہ سناتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اجرت پر قرآن شریف پڑھنا درست نہیں ہے، اور اس میں ثواب (بھی) نہیں ہے، اور بحکم "المعروف کالمشروط" جس کی نیت لینے دینے کی ہے، وہ بھی اجرت کے حکم میں ہے اور ناجائز ہے، اس حالت میں صرف تراویح پڑھنا اور اجرت کا قرآن شریف نہ سننا بہتر ہے اور صرف تراویح ادا کر لینے سے قیام رمضان کی فضیلت حاصل ہوجائے گی۔ (فتاویٰ دار العلوم ۴/۲۴۶ بحوالہ ردالمحتار ۱/۶۸۷، مسائل تراویح ۲۷)

اصل مسئلہ یہی ہے، مگر وہ مشکلات بھی نظر انداز نہ ہونی چاہیے جو ہر سال اور تقریباً ہر ایک مسجد کے نمازیوں کو پیش آتی ہیں، اس بناء پر قابل عمل شکل یہ ہے کہ جہاں لوجہ اللہ تراویح پڑھانے والا حافظ نہ ملے، وہاں تراویح پڑھانے والے کو ماہِ رمضان کے لیے نائب امام بنایا جائے اور اس کے ذمہ ایک یا دو نماز سپرد کردی جائے، تو مذکورہ حیلہ سے تنخواہ لینا دینا جائز ہوجائے گا؛ کیوں کہ امامت کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے۔ (از فتاوی رحیمیہ ۱/۳۴۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ رجب ۱۴۰۹ھ

تراویح پر اجرت

سوال: ہمارے یہاں (کولہاپور) میں اکثر و بیشتر دوسری جگہوں سے حافظ تراویح پڑھانے کے لیے تشریف لاتے ہیں اور وہ اپنی طرف سے کوئی اجرت وغیرہ مقرر کرتے نہیں؛ البتہ مسجد کے ذمہ داران حضرات کی طرف سے دوسرے عشرہ سے ستائیسویں شب کے چندہ کے نام سے ان کے چندے کا اعلان ہوتا ہے اور یہ اعلان مسلسل ستائیسویں تک جاری رہتا ہے اور یہ جمع شدہ چندہ حافظ صاحب، امام صاحب، مؤذن صاحب تینوں کے درمیان تقسیم کر دیا جاتا ہے، تو اس سلسلہ میں ہمارے وہاں ایک قاری صاحب (عالم ہیں یا نہیں وہ معلوم نہیں) نے یہ اعلان کروایا کہ ان حافظوں کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، تو کیا یہ صحیح ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی؟ اور ان کے لیے چندہ جمع کرنا کیسا ہے؟ اور اگر صحیح نہیں، تو پھر ان کو پیسے دینے کی کیا شکل ہو سکتی ہے؟ بالتفصیل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اصل حکم تو یہی ہے کہ طاعات پر اجرت لینا دینا ناجائز ہے، مگر متأخرین نے بقاءِ دین کی ضرورت کو ملحوظ رکھ کر تعلیمِ قرآن، امامت، اذان وغیرہ چند چیزوں پر اجرت لینے دینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے، جن چیزوں کو مستثنیٰ کیا ہے، جواز کا حکم ان ہی میں منحصر رہے گا، تراویح مستثنیٰ کردہ چیزوں میں نہیں ہے، اس لیے اصل مذہب کی بنیاد پر تراویح پر اجرت لینا دینا ناجائز ہی رہے گا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴/۴۲۲)

بے شک تراویح پر اجرت لینا دینا ناجائز ہے، لینے والا اور دینے والا دونوں

گنہگار ہوتے ہیں، اس سے اچھا یہ ہے کہ الم ترکیف سے تراویح پڑھی جائے، لوجہ اللہ پڑھنا اور لوجہ اللہ امداد کرنا جائز ہے، مگر اس زمانہ میں یہ کہاں ہے؟ ایک مرتبہ پیسے نہ دیئے جائیں تو حافظ صاحب دوسری دفعہ نہیں آئیں گے، تو اب للہ کہاں رہا؟ اصل مسئلہ یہی ہے مگر وہ مشکلات بھی نظر انداز نہ ہونی چاہیے، جو ہر سال اور تقریباً ہر ایک مسجد کے نمازیوں کو پیش آتی ہیں، قابلِ عمل حل یہ ہے کہ جہاں لوجہ اللہ تراویح پڑھانے والا حافظ نہ ملے، وہاں تراویح پڑھانے والے کو ماہِ رمضان کے لیے نائب امام بنایا جائے اور اس کے ذمہ ایک یا دو نماز سپرد کردی جائے، تو مذکورہ حیلہ سے تنخواہ لینا جائز ہوگا، کیوں کہ امامت کی اجرت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ (از فتاوی رحیمیہ ۱/۳۴۹)

البتہ یہ ضروری ہے کہ اس صورت میں تنخواہ کی مقدار متعین کردی جائے؛ تاکہ امامت کی اجرت مجہول نہ رہے، باقی تراویح میں قرآن خوانی پر اجرت طے کردی گئی ہو، تب بھی ناجائز ہے اور اگر بغیر طے کئے دی جاتی ہے تو اس میں دو گناہ ہیں: ایک قرآن پر اجرت کا گناہ۔ اور دوسرا جہالت اجرت کا گناہ۔ (احسن الفتاویٰ ۳/۵۱۴)

اور اس طرح سننے اور سنانے والے سب سخت گنہگار اور فاسق ہیں اور ایسے قاری کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ (احسن الفتاوی ۳/۵۱۵)

فرائض میں فاسق کی امامت کا یہ حکم ہے کہ اگر صالح امام میسر نہ ہو، یا فاسق امام کو ہٹانے کی قدرت نہ ہو، تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھ لی جائے، ترکِ جماعت جائز نہیں؛ مگر تراویح کا حکم یہ ہے کہ کسی حال میں بھی فاسق کی اقتداء میں جائز نہیں، اگر صالح حافظ ملے، تو چھوٹی سورتوں سے تراویح پڑھ لی جائے، اگر محلہ کی مسجد میں ایسا حافظ تراویح پڑھائے، تو فرض مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرکے تراویح الگ

مکان میں پڑھیں۔ (احسن الفتاویٰ ۳/ ۵۱۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تراویح پر اجرت اور حیلہ

سوال: حفاظ کرام کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو دائمی امام ہیں۔ دوسرے وہ جو نہ دائمی امام ہیں، نہ عارضی ہیں؛ بلکہ تنہا تراویح اس کے ذمہ ہے، آیا ان تمام حضرات کے لیے اجرت حرام ہے یا کہ کوئی ایسی شکل ہے جس میں اجرت لینا درست ہے، مثلاً: ہمارے علاقہ مہاراشٹر میں کثرت سے حفاظ یوپی، بہار، گجرات وغیرہ سے خالص رمضان شریف میں تراویح سنانے کے لیے آتے ہیں اور ان کے ذمہ چند فرض نمازیں بھی کردی جائے تو کیا ان کے لیے اجرت ماہ مبارک میں لینا جائز ہے یا کہ نہیں ہے؟

جس صورت میں اجرت لینا ناجائز ہے تو کیا اس طرح اجرت دے کر پڑھی ہوئی تراویح فاسد ہوگی یا نہیں؟ اس کا اعادہ واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر بلا کسی اجرت کے مقرر کردیں، کوئی قرآن سنائے اور بغیر اعلان واظہار کے لوگ اس حافظ کو اپنی ذاتی طور پر ہر شخص بلا تعیین کچھ ہدیہ دے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور بعض جہلاء نے ایسے حافظ کے پیچھے نماز اور تراویح پڑھنے سے انکار، کیا جس کی اجرت مقرر نہ کی گئی ہو، اور ایک ہی مسجد میں علاحدہ علاحدہ ایک اوپر اور ایک نیچے جماعت تراویح شروع کیا، ان حضرات کا یہ فعل کیسا ہے؟۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بے شک تراویح میں اجرت لینا دینا ناجائز ہے، لینے والا اور دینے والا دونوں

گنہگار ہوتے ہیں، اس سے اچھا یہ ہے کہ الم ترکیف سے تراویح پڑھی جائے، لوجہ اللہ پڑھنا اور لوجہ اللہ امداد کرنا جائز ہے؛ مگر اس زمانہ میں یہ کہاں ہے؟ ایک مرتبہ پیسے نہ دیے جائیں تو حافظ صاحب دوسری دفعہ نہیں آئیں گے، تو اب للہ کہاں رہا؟ اصل مسئلہ یہی ہے؛ مگر وہ مشکلات بھی نظر انداز نہ ہونی چاہیے، جو ہر سال اور تقریباً ہر ایک مسجد میں کے نمازیوں کو پیش آتی ہیں، اس بنا پر ایک قابل عمل شکل یہ ہے کہ جہاں لوجہ اللہ تراویح خواں حافظ نہ ملے، وہاں تراویح پڑھانے والے کو ماہ رمضان کے لیے نائب امام بنایا جائے اور اس کے ذمہ ایک یا دو نماز سپرد کی جائے، تو اس مذکور حیلہ سے تنخواہ لینا دینا جائز ہو جائے گا؛ کیوں کہ امامت کی اجرت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی ہے:

اگر رمضان المبارک کے مہینہ کے لیے حافظ کو تنخواہ پر رکھ لیا جائے اور ایک دو نمازوں میں اس کی امامت معین (مقرر) کر دی جائے، تو یہ صورت جواز کی ہے؛ کیوں کہ امامت کی اجرت (تنخواہ) کی فقہاء نے اجازت دی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی ۲۷/ شعبان ۱۳۷۰ھ۔

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مفتی مظاہر علوم فرماتے ہیں:

اصل مذہب تو عدم جواز کا ہی ہے؛ لیکن حالت مذکورہ میں حیلۂ مذکور کی گنجائش ہے۔ محمود گنگوہی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور ۵/ شعبان ۱۳۷۰ھ (از فتاویٰ رحیمیہ ۱/ ۳۴۹، ۳۵۰)

تراویح کے لیے اجرت لینا اور دینا گناہ ہے؛ لیکن اس سے تراویح فاسد نہیں ہوتی؛ البتہ تالی اور سامع ثواب سے محروم رہتے ہیں، اگر ان حافظ صاحب کو معلوم ہے کہ ان کو قرآن شریف سنانے پر کچھ روپیہ ملے گا اور لینا دینا معروف ہے، تو ان حافظ صاحب

کو کچھ لینا قرآن شریف ختم کر کے درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم مکمل مدلل ۴/ ۲۶۴)

جن حضرات نے سوال میں مذکور علت کی بناء پر ایک ہی مسجد میں تراویح کی دوسری جماعت کی، ان کا یہ فعل شرعاً درست نہیں ہے، جہالت کی بات ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تراویح پڑھانے والے کے لیے چندہ

سوال: ایک شکل یہ بھی ہے کہ یہ مسجد میں باقاعدہ نظم وضبط کے ساتھ اعلان بھی کیا جاتا کہ ۲۷/ ستائیس شب کا چندہ باقاعدہ ہر مقتدی سے وصول کیا جاتا ہے، اس چندہ میں سے مسجد کے تمام اخراجات کے ساتھ ساتھ قرآن سنانے والے حافظ کو بھی اجرت اور مؤذن اور دائمی امام کو بھی دیا جاتا ہے، اس کی صورت جائز ہے یا ناجائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کے اخراجات اور امام ومؤذن کی تنخواہ کے لیے چندہ کیا جائے اور مصلی حضرات بخوشی چندہ دیتے ہوں اور چندہ جبراً وصول نہ کیا جاتا ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔

(ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ ۴/ ۴۲۷)

البتہ تراویح میں قرآن سنانے والے حفاظ کو اجرت دینا جائز نہیں ہے، اس لیے اس مقصد سے چندہ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ شوال ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تراویح میں سامع ضروری نہیں

سوال: نماز تراویح میں جو حافظ قرآن پاک سناتا ہے، اس کے پیچھے اگر سامع نہ ہو، تو کیا حکم ہے آیا سامع کا ہونا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر پڑھنے والے کا حفظ پختہ ہے، تو سامع ضروری نہیں۔ (احسن الفتاوی ۳/۵۲۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تراویح کی تین رکعت پڑھادی

سوال: تراویح کی دو کی بجائے امام نے تین رکعت پڑھی، اور سجدہ سہو کیا تو دوبارہ دو رکعت تو پڑھے گا؛ لیکن وہ مقدارِ قرآن جو اس نے ان دو رکعتوں میں پڑھا ہے، کیا اسے دوبارہ پڑھنا پڑھے گا یا اس سے آگے پڑھے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر دوسری رکعت پر قعدہ کئے بغیر تیسری کے لیے کھڑا ہو گیا تھا، اور تیسری پر قعدہ کر کے سلام پھیرا تو تراویح کی وہ دو رکعت معتبر نہ ہوئی، اعادہ ضروری ہے، اور جو قرآن اس میں پڑھا گیا ہے اس کا لوٹانا بھی ضروری ہے۔ (بحوالہ رد المحتار، فتاویٰ رحیمیہ ۴/۴۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تراویح میں نابالغ کی امامت

سوال: ایک بچے کے ۲۲/ پارے ہوگئے ہیں، اور ۱۲/ سال کی عمر ہے، تیرھویں سال میں چل رہا ہے اور قد بہت چھوٹا ہے، یعنی گِدّا ہے، یہ رمضان المبارک میں تراویح پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تیرہ سال کا بچہ اگر اس کو احتلام وانزال نہیں ہوا ہے تو نابالغ ہے، اور نابالغ کے پیچھے بالغ کی نماز درست نہیں ہوتی، اس لیے وہ تراویح میں امامت نہیں کرا سکتا؛ البتہ اگر اس کو انزال ہو چکا ہے، تو وہ بالغ ہے، اس صورت میں وہ تراویح میں بھی امام بن سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

چودہ سالہ حافظ کی اقتداء میں تراویح

سوال: نماز عشاء شافعی مسلک والے شخص نے پڑھائی، تراویح چودہ سالہ حافظ نے پڑھائی، اور وتر کی نماز پندرھواں سال شروع ہے ایسے حافظ نے پڑھائی، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس چودہ سالہ حافظ نے تراویح پڑھائی، اگر وہ نابالغ تھا (یعنی علامت بلوغ اس میں ظاہر نہیں ہوئی تھی) تو وہ تراویح درست نہیں ہوئی، اور اگر اس میں کوئی علامت

بلوغ ظاہر ہو چکی تھی، (مثلاً انزال واحتلام ہوگیا تھا) تو تراویح درست ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تراویح میں امام حنفی ہو یا شافعی؟

سوال: حنفی مسلک کے مسلمان جس بستی میں ہیں، وہاں پر تراویح کے لیے حنفی مسلک کا حافظ یا شافعی مسلک کا حافظ ان دونوں میں کونسا بہتر ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب حافظ حنفی میسر ہے، تو اس کو بڑھایا جائے۔

أن الإقتداء بالمخالف المراعی فی الفرائض أفضل من الإنفراد، إذ لم یجد غیرہ؛ وإلا فالإقتداء بالموافق أفضل (شامی ۱/ ٤١٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تراویح مسجد کے علاوہ کسی اور جگہ پڑھنا

سوال: بہت سے لوگ رمضان المبارک میں عشاء کی نماز اور تراویح دکان پر کمپاؤنڈ میں گیرج میں اور مکان کی چھت پر پڑھتے ہیں مسجدوں کے ہوتے ہوئے، یہ جائز ہے؟ جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی میں آخری سانس تک مسجد میں جا کر جماعت سے نماز ادا کی ہے، اس کو واضح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تراویح کی نماز میدان میں یا مسجد کے علاوہ دوسری جگہ میں بھی باجماعت پڑھی

جاسکتی ہے؛ البتہ عشاء کے فرض مسجد میں ادا کرنے کا اہتمام ہونا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/شوال المکرم ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شبینہ ممنوع ہے

سوال: شبینہ مائک پر پڑھنا جائز ہے؟ پڑھنے والا اور سننے والے دونوں بیٹھے رہتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مروجہ شبینہ میں بہت سی ایسی باتیں شامل ہوچکی ہیں جن کی وجہ سے یہ ممنوع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تراویح کی جماعت کا ثبوت

سوال: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تراویح جماعت سے نہیں پڑھی تو تراویح جماعت سے پڑھنا کیسے مشروع ہوئی؟ واضح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تین رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی جماعت سے پڑھی ہے پھر وجوب کے اندیشہ سے ترک فرمادیا، بعد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک ہی مسجد میں متعدد تراویح کا حکم

سوال: جامع مسجد میں اعلان یہ ہوا کہ نیچے کی منزل میں سوا پارہ تراویح میں پڑھا جائے گا، دوسری منزل میں ساڑھے تین پارہ تراویح میں دوسرے حافظ اسی وقت میں سنائیں گے، آیا ایک ہی وقت میں دو حافظ دو منازل میں علاحدہ علاحدہ قرآن شریف نماز تراویح میں سنا سکتے ہیں یا نہیں؟

کیا ایک حافظ کے پیچھے ایک جماعت مسجد میں ہو رہی ہو تو اسی وقت میں مسجد کے صحن میں دوسرے حافظ کے پیچھے دوسری جماعت ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد میں جماعت کا تعدد مکروہ ہے، اور اس کا عموم جماعت تراویح کو بھی شامل ہے، لہٰذا یہ بھی مکروہ ہے، خواہ ایک ہی وقت میں تراویح کی متعدد جماعتیں ہوں یا مختلف اوقات میں ہوں۔ (احسن الفتاوی ۳/۵۲۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عشاء میں تراویح کا مخصوص الفاظ میں اعلان کرنا

بعد تراویح پانی پر دم کر کے تبرک حاصل کرنا

سوال: ① ہمارے یہاں مسجد میں بہت پہلے سے ماہ رمضان میں عشاء کی اذان سے قبل "الصلاة سنة التراويح رحمكم الله الصلاة" تین دفعہ مؤذن

لاؤڈ اسپیکر میں پکارتا ہے اور عشاء کی اداء فرض کے بعد یہی الفاظ پہلے مؤذن بآواز بلند پکارتا ہے، پھر لوگ تراویح کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اور پھر بعد تراویح کے "الصلاۃ واجب الوتر رحمکم اللہ الصلوٰۃ" مؤذن پکارتا ہے، پھر لوگ وتر کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، کیا ان الفاظ کا ثبوت احادیث نبوی سے ملتا ہے اور کیا یہ مسنون ہے یا بدعت محض ہے؟

② اسی طرح ماہ رمضان میں ۲۳ ر کی شب کو تراویح اور وتر سے فراغت کے بعد امام صاحب عنکبوت اور سورۂ روم کی تلاوت بآواز بلند لاؤڈ اسپیکر پر کرتے ہیں پھر اختتام تلاوت کے بعد پانی پر امام صاحب دم کرتے ہیں اور سبھی لوگ اس کو تبرک سمجھ کر پینے کے لیے ٹوٹ پڑتے ہیں، کیا ان دونوں سورتوں کو ماہ رمضان کی ۲۳ / شب کو پڑھنا درست ہے اور یہ طریقہ جو رائج ہے، مسنون ہے یا محض بدعت ہے؟ برائے کرم دونوں مسئلوں کا جواب دلائل کے ساتھ مفصل عنایت فرمائیں۔

نوٹ: امام صاحب کے انکار پر ذمہ داران مسجد امام صاحب کو زجر و توبیخ کرتے ہیں اور ان کو ان افعال کے کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

① خیر القرون میں عرب و عجم میں کثیر تعداد میں جہلاء اور نو مسلم ہونے کے باوجود سلف صالحین سے ایسا اعلان ثابت نہیں؛ حالاں کہ وہ حضرات اسلامی اعمال کی تبلیغ میں نہایت چست اور عبادت کی درستگی میں بڑے حریص تھے، فقہاء نے بھی اس طرح کے اعلان کی ہدایت نہیں کی ہے، اگر ضرورت ہوتی تو ضرور تاکید فرماتے جیسے مسافر امام کو خصوصی تاکید فرمائی ہے کہ نمازیوں کو اپنے مسافر ہونے کی اطلاع

دے دے چاہے نماز سے پہلے ہو یا بعد میں کہ ''میں مسافر ہوں'' کیوں کہ یہاں ضرورت ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ مباح چیزوں کو ضروری سمجھنے سے دیگر خرابیوں کے سوا اس بات کا بھی احتمال ہے کہ مباح کو مسنون سمجھ لیا جائے اور غیر مسنون کو مسنون سمجھنا تحریف دین ہے۔

(ازالۃ الخفاء۔ ماخوذ از: فتاوی رحیمیہ ۱/ ۲۴۵، ۲۴۶)

② سوال میں مذکور طریقہ پر سورۂ روم اور سورۂ عنکبوت کی جہراً تلاوت اور پانی پر دم کرنا (اور اس کو ضروری سمجھنا کہ امام صاحب کے انکار پر ان کو زجر و توبیخ کا نشانہ بنایا جاتا ہے) بے اصل ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمۂ مجتہدین وسلف صالحین سے ثابت نہیں، اس کو ضروری سمجھ کر اس پر مداومت کرنا بدعت ہے، اس کا ترک کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تراویح میں قرأت کے بعد دعا کرنا

سوال: ایک امام تراویح کی آخری رکعت میں روزانہ قرأت سے فراغت کے بعد نماز میں ہی دعاء کرتا ہے منقول وغیر منقول، تو کیا اس سے نماز میں کوئی نقصان آئے گا اور ایسا کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر غیر منقول کلام ناس کے مشابہ نہیں ہے تو نماز تو فاسد نہیں ہوگی؛ لیکن اس

وقت دعا نہیں کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تراویح میں بہ اعتبار سُوَر قرآن پڑھنا

سوال: ایک امام تراویح میں پارے کے حساب سے نہیں؛ بلکہ سورتوں کے حساب سے تراویح پڑھاتا ہے، تیسری تراویح میں سورۂ آل عمران، چوتھی میں سورۂ نساء، مطلب چھوٹی ہو تو ایک کے ساتھ دوسری تیسری ملاتا ہے، اور بڑی ہو تو ایک، روزانہ اوسط ایک سوا پارہ کے قریب ہی ہوتا ہے، تو اس بارے میں مفتیان کرام کی کیا رائے ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسا کرسکتا ہے؛ بلکہ اقرب الی السنۃ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

تراویح میں تسبیحات اور تشہد چھوڑنا

سوال: ایک شخص تقریباً دو سال سے رمضان المبارک میں تراویح پڑھاتا ہے؛ لیکن پوری تراویح میں رکوع وسجود کی تسبیحات کبھی نہیں پڑھتا، اور نہ ہی قعدہ میں تشہد درود شریف پڑھتا ہے، تھوڑی دیر خاموش بیٹھ کر سلام پھیر دیتا ہے تو کیا ایسی صورت میں تراویح ہوئی؟ اگر ہوئی تو کیا واجب الاعادہ ہے؟ اس کی تلافی کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ مقتدیوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟ ہر شخص پریشان ہے، کوئی ایسا راستہ بتائیں کہ نجات بھی مل جائے اور رسوائی بھی نہ ہونے پائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

رکوع سجدہ کی تسبیحات تو سنت ہے؛ لیکن تشہد واجب تھا جس کو قصداً چھوڑنے کی وجہ سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے؛ البتہ وقت گذرنے کے بعد اب توبہ ہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/صفر المظفر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تراویح میں قرآن شریف دیکھ کر پڑھنے والے کی اقتدا

سوال: یہاں سعودی عرب میں تراویح میں امام صاحب قرآن پاک دیکھ کر تلاوت کرتے ہیں تو اس طرح نماز ہوجاتی ہے؟ اور پیچھے پڑھنے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

احناف کے نزدیک یہ نماز درست نہیں۔ اس لیے حنفی مقتدی کو چاہیے کہ ایسے امام کی اقتداء نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

تراویح میں قرآن شریف دیکھ کر لقمہ دیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: اس عالم صاحب نے یہ بھی بتایا کہ حرم شریف میں تراویح کی نماز میں امام صاحب تو قرآن مجید حفظ پڑھتے ہیں؛ لیکن سامع میں سے بعض حضرات قرآن مجید میں دیکھ کر لقمہ دیتے ہیں، اگر امام صاحب ان کا لقمہ صحیح ہونے کی بنا پر لے لیں تو

اگر حنفی مقتدی (باوجود جاننے کے کہ قرآن مجید میں دیکھ کر لقمہ دیا جاتا ہے، اور امام صاحب لے لیتے ہیں) نماز پڑھے تو اس کی نماز ہوجائے گی؟ اور اگر حنفی مقتدی نہ جانے اس صورت میں اس کی پڑھی ہوئی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر لقمہ دینے والے نے قرآن میں دیکھ کر لقمہ دیا، اور امام نے وہ لقمہ قبول کیا، اور یہ چیز حنفی مقتدی کو یقینی طور معلوم ہوئی تب تو تراویح کی ان دو رکعتوں کا اعادہ کرے، ورنہ نماز ہوگئی، صرف احتمال کی وجہ سے اعادہ کا حکم نہیں لگائیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اٹھائیس اور انتیسویں کی تراویح میں کونسی سورتیں پڑھے؟

سوال: اور ۲۸ / اور ۲۹ / رمضان کی صلاۃ التراویح میں قرآن کریم کی کئی سورتوں کی تلاوت کرنا؛ بلکہ سورۃ الفیل سے سورۃ الناس تک کی تلاوت کرنا سنت ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی سورت متعین نہیں ہے جو چاہے پڑھ سکتا ہے۔

وقيل: يصليها ويقرأ فيها ما شاء ذكره في الذخيرة.

البتہ سورۂ فیل تا آخر کا پڑھنا مستحسن ہے۔

وبعضهم سورة الفيل أي البداءة منها ثم يعيدها وهذا أحسن لئلا يشتغل قلبه بعدد الركعات، قال في الحلية: وعلى هذا استقر عمل أئمة

اکثر المساجد في دیارنا الخ (شامی ۱/ ۵۴۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تراویح اور وتر کے درمیان دعا کرنا

سوال: بعد التراویح قبل الوتر عربی ادعیہ کے ساتھ اردو ادعیہ بھی کر سکتے ہیں؟ اور فی زماننا دو تین "ربنا" پڑھ کر دعا ختم کر دیتے ہیں تو کیا کچھ لمبی دعا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جیسے فرائض کے بعد دعا ہوتی ہے ایسے ہی اس میں بھی کیا جائے، اس لیے کہ دلیل دونوں کی ایک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ شوال ۱۴۱۸ھ

تراویح میں قرآن سنانے سے پہلے اجرت

سوال: رمضان شریف میں تراویح میں قرآن شریف سنانے کی اجرت لینا دینا دونوں میں از روئے شرع واقوالِ مفتیان اصلاً حرمت کا فتویٰ ہے، کیا کوئی صورت جو کہ "اعطاء اجرة وأخذه" پر بین دال ہو (حلت اجرت پر) ہے؟ جو کچھ بعض فقہا نے حلت کا فتویٰ دیا ہے وہ تاویلات سے خالی نہیں ہے؛ لیکن بات یہ ہے کہ "المعروف کالمشروط" ضابطہ کو فقہاء نے معتبر مانا ہے؛ چناں چہ فتاویٰ رشیدیہ میں حضرت قطب الاقطاب نے "المعروف کالمشروط" کہہ کر حرام کا فتویٰ دیا؛ لہذا "الآخذ والمعطی کلاهما آثمان" نیز "اقرؤا القرآن ولا تأکلوا به" ان دونوں عبارتوں سے اعطاء واخذ فعلِ اثم ہے، دوسری عبارت "قراءت قرآن کرو اس کے ذریعہ حاصل

شدہ آمدنی کو نہ کھاؤ" ان دونوں عبارتوں میں لینا دینا دونوں حرام معلوم ہوتا ہے؛ لیکن بالفرض کسی نے لے لیا ہے تو اس رقم کو استعمال کرنا جائز ہے یا کچھ اور حکم ہے؟ ایک صورت ہمارے ذہن میں آتی ہے واللہ اعلم درست ہے یا غلط؟ لہٰذا وہ صورت یہ ہے کہ حافظ صاحب کو متعین اجرت اور "المعروف کالمشروط" کے خلاف قرآن سنانے سے قبل ہی مثلاً ۲۸/۲۹ شعبان کو کچھ رقم من جانب متولیانِ مسجد یا ذمہ داران کی طرف سے بطور ایک ماہ اور آمد و رفت کے اخراجات دیا جائے، اب آئندہ پورا ماہ قرآن سنانے پر نہ جبر ہو، نہ اکراہ ہو وہ چاہے دس دن میں ختم کرے یا پورے ماہ میں ختم کرے، ختم کی تخصیص نہ ہو تو اس صورت میں یہ اخراجات کا لینا دینا جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟ إن كان خطأ فهو مني ومن الشيطن، وإن كان صوابا فمن الله الرحمن.

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اجرت کبھی عمل سے پہلے بھی دی جاتی ہے، اس لیے آپ نے جو صورت تحریر فرمائی ہے وہ بھی اجرت ہی میں شمار ہوگی، اور "المعروف کالمشروط" والا فقہی قاعدہ یہاں بھی جاری ہوتا ہے، جب فقہاء نے تراویح میں قرآن سنانے پر اجرت کو ناجائز قرار دیا ہے تو حفاظ حضرات کو اس کے لینے پر کیوں اصرار ہے؟ ان کو تو چاہیے کہ اس حکمِ شرعی پر پورے طور پر کاربند ہوں، اللہ تعالیٰ نے حفظِ قرآن کی نعمت و دولت سے مالا مال کیا اس کا تقاضہ یہی ہے کہ کسی نے لے لیا ہو تو واپس کر دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/صفر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ترویحہ کی دعائیں

سوال: ماہِ رمضان المبارک کے موقعہ پر شہر مدراس اور جنوبی ہند کی اکثر مساجد میں نماز تراویح کی ہر دو اور چار رکعتوں کے درمیان کچھ دعائیں، تسبیحات اور صلوات کے نام سے پڑھنے کا رواج ہے، یہ تسبیحات اجتماعی طور پر بالجہر بلند آواز سے پڑھنے کا معمول ہے، ملاحظہ کیجئے: ان تسبیحات کو بعینہ آپ کے سامنے نقل کیا جاتا ہے:

① پہلے دوگانہ کے بعد اس دعا کو ایک مرتبہ پڑھا جاتا ہے۔ "فضل من الله ونعمة ومغفرة ورحمة وعافية وسلامة، لاإله إلا الله والله أكبر، الله أكبر ولله الحمد (برخواجۂ عالم صلوات اللهم صل وسلم وبارك عليه)

② پہلے ترویحہ کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھی جاتی ہے: اشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له واشهد أن محمدا عبده ورسوله، پھر دعا کے بعد اس کو ایک بار پڑھا جاتا ہے، البدر محمد مصطفى صلى الله عليه وآله واصحابه وسلم، والله أكبر الله اكبر، ولله الحمد (برخواجۂ عالم صلوات)

③ دوسرے ترویحہ کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھی جاتی ہے: اللّٰهم صل على محمد وعلى آل محمد، وبارك وسلم وصل على جميع الأنبياء والمرسلين والملٰئكة المقربين وعلى كل ملك برحمتك يا ارحم الراحمين پھر دعا کے بعد پڑھتے ہیں: خليفة رسول الله بالتحقيق خير البشر بعد الأنبياء بالتصديق أمير المومنين أبوبكر الصديق لا إله إلا الله والله اكبر الله اكبر ولله الحمد (برخواجۂ عالم.....)

④ تیسرے ترویحہ کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھی جاتی ہے: سبحان الله والحمدلله ولاإله إلا الله والله أكبر ولاحول ولاقوة إلا بالله العلي العظيم. پھر دعا کے بعد پڑھتے ہیں: مزين المنبر والمحراب أمير المؤمنين عمر بن الخطاب لاإله إلا الله والله أكبر، الله أكبر ولله الحمد. (برخواجۂ عالم صلوات.....)

⑤ چوتھے ترویحہ کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھی جاتی ہے: سبحان الله وبحمده سبحن الله العظيم وبحمده استغفر الله ربي من كل ذنب وخطيئة وأتوب إليه۔ پھر دعا کے بعد پڑھتے ہیں: جامع القرآن كامل الحياء والايمان ذو النورين أمير المؤمنين عثمان بن عفان لاإله إلا الله والله أكبر، الله أكبر ولله الحمد. (برخواجۂ عالم صلوات.....)

⑥ پانچویں ترویحہ کے بعد یہ تسبیح تین بار پڑھی جاتی ہے: استغفر الله، استغفر الله استغفر الله العلى العظيم الذى لااله الا هو الحي القيوم، غفار الذنوب، ستار العيوب، علام الغيوب، كشاف الكروب، يا مقلب القلوب والابصار وأتوب اليه" پھر دعا کے بعد پڑھتے ہیں: أسد الله الغالب مظهر العجائب والغرائب، امام المشارق والمغارب أمير المؤمنين على بن أبي طالب لاإله إلا الله والله أكبر، الله أكبر ولله الحمد (برخواجۂ عالم صلوات.....)

اس سلسلہ میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

① ان تسبیحات کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا ان تسبیحات کو ترویحات میں پڑھنا درست ہے؟

(۲) کیا قرآن وحدیث، آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم وتعاملِ سلف سے ان تسبیحات کا ثبوت ملتا ہے؟

(۳) کیا صحابہ وتابعین اور تبعِ تابعین، فقہائے کرام اور ائمۂ مجتہدین کے مبارک زمانہ میں ان تسبیحات کا رواج رہا؟

(۴) اگر نہیں، تو یہ کس کی ایجاد ہے؟ اور اس کا رواج مسلمانوں کے درمیان کب سے شروع ہوا؟

(۵) مصلیوں کو ان ہی تسبیحات کا پابند بنانا کیسا ہے؟

(۶) کیا یہ تسبیحات تراویح کے لیے جزوِ لازم ہیں؟

(۷) ان تسبیحات کو ترک کردینے پر اعتراضات کرنا اور اختلافات پیدا کرنا اور اس رواج کو برقرار رکھنے پر اصرار کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۸) ان تسبیحات کے بغیر تراویح کو ناقص وناکمل سمجھنا کیسا ہے؟

(۹) تراویح کے سلسلہ میں قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے کیا کوئی خاص دعاء یا کوئی مخصوص تسبیح منقول ہے؟

(۱۰) اگر قرآن وسنت سے کوئی تسبیح اور دعاء منقول ہو تو اس کو کس طرح پڑھا جائے؟ کیا اجتماعی طور پر بلند آواز سے یا انفرادی طور پر الگ الگ آہستہ آواز سے؟ ان دونوں میں افضل اور اولیٰ طریقہ کونسا ہے؟ وضاحت بیان فرمائیں۔

(۱۱) ہر چار رکعت (ترویحہ) کے بعد دعا کرنا کیسا ہے؟ کیا ہر ترویحہ پر دعا ضروری ہے؟ یا آخر میں صرف ایک مرتبہ دعا کرلینا کافی ہے؟ گزارش ہے کہ مندرجۂ بالا سوالات کے سلسلہ میں شرعی احکام کی وضاحت فرمائی جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تراویح کے متعلق اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں حضرت اقدس مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: یہ سب باتیں سنت کے مطابق نہیں ہیں، رسمی ورواجی ہیں، لہٰذا قابلِ ترک ہیں، دو رکعت پر ترویحہ نہیں ہے؛ البتہ چار رکعت کے بعد ترویحہ ہے، اور اس قدر بیٹھنے کا حکم ہے کہ نمازیوں پر بار نہ گذرے، اور اس میں اجتماعی ذکر اور دعا نہیں ہے، لوگ انفرادی طور پر جو چاہیں پڑھیں، چاہے تلاوت کریں یا نفل پڑھیں یا ذکر واذکار میں مشغول رہیں یا درود شریف پڑھتے رہیں یا خاموش بیٹھے رہیں، سب جائز ہے، ایک چیز کا سب کو پابند بنا دینا شریعت کی دی ہوئی آزادی پر پابندی لگانا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴/۳۹۰، ۳۹۱)

اب آپ کے قائم فرمودہ سوالات کے جوابات بالترتیب عرض ہیں:

① ان تسبیحات کا کوئی ثبوت بوقتِ تراویح مخصوص طور پر قرآن وحدیث یا کتبِ فقہ سے نہیں، محض رسمی ورواجی ہیں۔

② جواب ا/ر کے مطابق۔

③ نہیں۔

④ معلوم نہیں۔

⑤ درست نہیں۔

⑥ نہیں۔

⑦ ناجائز اور گناہ ہے۔

⑧ جہالت ہے۔

⑨ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے قہستانی کے حوالہ سے یہ تسبیح نقل فرمائی ہے: سبحان ذی الملك والملكوت، سبحان ذی العزة والعظمة والقدرة والكبرياء والجبروت، سبحان الملك الحی الذی ولايموت، سبوح قدوس رب الملائكة والروح، لااله الا الله نستغفر الله نسألك الجنة ونعوذبك من النار (شامی ۱/ ۵۴۲) لیکن یہ بھی سنت یا واجب نہیں ہے۔

⑩ مذکورہ تسبیح قرآن وحدیث میں نہیں ہے؛ بلکہ فقہاء نے اس کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے، اور اس کو بھی ہر نمازی انفرادی طور پر آہستہ آہستہ پڑھے، اجتماعی طور پر جہراً پڑھنا درست نہیں ہے، ہر نمازی کو اختیار ہے چاہے وہ تسبیح پڑھے، تلاوت کرے، نفل پڑھے یا خاموش رہے۔

يخيرون بين تسبيح وقراءة وسكوت وصلوة فرادىٰ.

(درمختار علی هامش الشامی ۱/ ۵۴۲)

اجتماعی طور پر جہراً پڑھنے سے شریعت کا دیا ہوا اختیار اور آزادی مجروح ہوتی ہے۔

⑪ امام اور مقتدی کا مل کر ہر ترویحہ کے بعد دعا کرنا سنت کے مطابق نہیں، انفرادی طور پر جو دعا کرنا چاہے کرسکتا ہے، اس لیے ہر ترویحہ کے بعد اجتماعی دعا کو ضروری سمجھنا اور اس میں حصہ نہ لینے والوں پر اعتراض کرنا درست نہیں۔

(فتاویٰ رحیمیہ ۱/ ۳۴۷)

حضرت اقدس فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: ہر چار رکعت تراویح کے بعد استراحت مستحب ہے، اور اس وقت اس کو اختیار ہے کہ چاہے تلاوت کرے، چاہے تسبیح وتہلیل، درود پڑھے، دعا کرے، چاہے نوافل

پڑھے؛ لیکن دعا کا التزام کرنا اور مجموعی حیثیت سے دعا پر اصرار کرنا، تارک پر ملامت کیا جانا منع ہے؛ کیوں کہ شریعت میں اس کا ثبوت نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۳۶۱)

البتہ تراویح کی بیس رکعات پر دعا مانگنا مستحب ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۳۶۲) لیکن اس کو بھی ضروری نہ سمجھے اور نہ مانگنے والے پر ملامت نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/صفر ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مروّجہ دعائے ترویحہ کی حیثیت اور اس کا دیوارِ قبلہ پر لٹکانا

سوال: بہت سی مساجد میں آج کل نمازِ تراویح کے ترویحہ کی مشہور دعا: "سبحان الملك القدوس إلخ" بڑے بڑے حروف میں لکھ کر نمازیوں کے سامنے قبلہ والی دیوار پر چسپاں کی جاتی ہیں، جہاں تک بندہ کی نظر سے یہ مسئلہ گذرا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کسی نے نماز میں مکتوب کو پڑھ لیا تو نماز فاسد ہوجاتی ہے، نیز ایک قول شاید یہ بھی ہے کہ اگر پڑھا نہیں صرف اس کا معنی سمجھ لیا تو بھی نماز فاسد ہوجاتی ہے؛ لہٰذا ان حالات میں اس دعا کو سامنے رکھنا کیسا ہے؟ نیز اس دعا کی کیا حیثیت ہے؟ آج کل سلفیوں کی طرف سے "نمازِ نبوی" ایک کتاب آئی ہے، اس میں لکھا ہے کہ: یہ دعا کسی بھی حدیث کی کتاب میں نہیں ملتی اور ہمارے علما نے جہاں پر اس کو لکھا ہے وہ بھی صرف شامی کا حوالہ پیش کرتے ہیں؛ لہٰذا اس دعا کو کتنی اہمیت دی جائے؟ اس کے برخلاف تراویح کی ترویحہ کونسے اعمال قرآن وحدیث سے ثابت ہیں، اس سے بھی مطلع فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فقہا نے یہ لکھا ہے کہ: تراویح کے ترویحہ میں یعنی چار رکعات کے بعد اختیار ہے کہ تسبیح پڑھے یا نفل پڑھے یا قرآن شریف پڑھے یا کچھ نہ پڑھے۔ تراویح میں چار رکعات کے بعد جو ذکر مشہور ہے وہ کسی روایت یا حدیث میں نہیں ملتا؛ البتہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے قہستانی وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: ترویحہ کے بعد یہ ذکر کیا جائے۔ بہر حال اس ذکر کو اس انداز سے دیوارِ قبلہ پر لٹکانا کہ دورانِ نماز نمازیوں کی نظر اس پر پڑے مناسب نہیں؛ لیکن اگر کسی نے یہ پڑھ بھی لیا تب بھی نماز فاسد نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۲/صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ہاؤس کی تراویح میں عورتوں کی شرکت

سوال: ہمارے یہاں ایک بڑے احاطہ میں ایک بڑا ہاؤس ہے، جس میں ہماری برادری کے تقریباً ۵۰-۶۰ مکانات (فلیٹ) ہیں، جس میں ہم رمضان المبارک میں احاطہ کی ایک کھلی جگہ میں تراویح ادا کرتے ہیں، جس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ جو حضرات مسجد کے دور ہونے کی وجہ سے تراویح ترک کر دیتے تھے، وہ لوگ ہاؤس میں ادا کر لیتے ہیں۔ قابلِ دریافت امر یہ ہے کہ جس جگہ مرد تراویح پڑھتے ہیں، اس کے متصل میں ایک حجرہ ہے، جس میں ہاؤس کی خواتین بھی پردہ کے اہتمام کے ساتھ تراویح کی جماعت میں شرکت کرتی ہیں، کیوں کہ مشاہدہ ہے کہ ۹۰/ فیصد خواتین

گھر میں تراویح نہیں پڑھتی ہیں، تو ایسی صورت میں شرعاً عورتوں کی تراویح میں شرکت اور ان کی تراویح کی نماز کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورتیں اگر اسی ہاؤس کی ہوں کہ ان کا حجرہ میں تراویح کے لیے آنا خروج عن المکان نہ ہو، تو ان کی یہ شرکت درست ہے، ورنہ نہیں؛ اس لیے کہ عورتوں کے لیے جماعت میں شرکت کی ممانعت کی علت جو فقہاء نے بتلائی ہے، وہ یہ ہے کہ ان کے گھروں سے نکلنے ہی میں فتنہ ہے۔ صورتِ مسئولہ میں اگر علتِ ممانعت وکراہت یعنی خروج عن المکان- جو سببِ فتنہ ہے- نہیں پائی جاتی، تو حکم یعنی ممانعت وکراہت بھی نہیں۔

أما المرأة فلأنها مشغولة بخدمة الزوج، ممنوعة عن الخروج إلى محافل الرجال؛ لكون الخروج سببا للفتنة، ولهذا لا جماعة عليهن، ولا جمعة عليهن أيضاً (بدائع الصنائع/ ۲۵۸)

ولا يباح للشواب منهن الخروج إلى الجماعات بدليل ماروى عن عمر انه نهى الشواب عن الخروج، ولان خروجهن إلى الجماعة سبب للفتنة، والفتنة حرام، وما أدى إلى الحرام فهو حرام.

(بدائع الصنائع/ ۱۵۷)

البتہ اگر ہاؤس کی عورتوں کی اس شرکت میں دوسری کوئی ایسی خرابی پائی جاتی ہو، جو علتِ ممانعت بن سکتی ہے، تو اس صورت میں ان کی یہ شرکت درست نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عید، تراویح اور شوہر کی نماز میں عورت کی شرکت

سوال: عید اور تراویح کی نماز عورتیں جماعت کے ساتھ پڑھ سکتی ہیں کہ نہیں؟ چاہے عورتیں شہر کی ہوں یا دیہات کی، بعض گاؤں میں بھی عورتیں عید کی نماز پڑھتی ہیں، تنہاء اور جماعت سے، کیا یہ صحیح ہے کہ نہیں؟ اور عورت کو اس کا شوہر نفل یا فرض نماز جماعت سے پڑھا سکتا ہے کہ نہیں؟ بعض لوگ اپنی عورت کو شادی کی رات میں نفل نماز پڑھاتے ہیں تو اگر صحیح ہے تو کیا صورت ہو؟ اور کیا میاں بیوی بغیر جماعت کے پاس میں کھڑے ہو کر الگ الگ اپنی اپنی نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تنہا عورتوں کی جماعت احناف کے یہاں مکروہ ہے، چاہے وہ فرائض کی ہو یا تراویح کی، دیہات میں عید کی نماز درست نہیں، اس کے صحیح ہونے کے لیے مصر یا قصبہ بڑا گاؤں ہونا شرط ہے، عید کی نماز تنہا درست نہیں، شرائط صحت میں سے جماعت بھی ہے، شوہر اپنی بیوی کو جماعت سے نماز پڑھا سکتا ہے؛ البتہ اس صورت میں عورت ساتھ میں نہیں؛ بلکہ پیچھے کھڑی رہے، بغیر جماعت کے میاں بیوی اپنی اپنی نماز پڑھ سکتے ہیں، دونوں ایک دم مل کر نہ کھڑے رہیں؛ بلکہ کچھ فصل ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مستورات کا باجماعت تراویح پڑھنا

سوال: مستورات بعض علاقے میں تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتی

ہیں، قابل احترام شخص نے انہیں روکا، مستورات نے عذر پیش کیا کہ ہمیں منفرداً نماز پڑھنے نہیں آتا ہے، تو ان کا یہ عذر شریعت کی نظر میں قابل قبول ہو کر ان کی تراویح کی جماعت کراہیت سے نکل کر صحیح ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ان کو منفرداً نماز پڑھنے کا طریقہ بتلادیا جائے، اور یہ بھی کہ جیسے اور نوافل پڑھے جاتے ہیں اسی طرح تراویح بھی پڑھی جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عورتوں کے لیے تراویح و جماعت

سوال: عورتوں کے لیے تراویح کا کیا حکم ہے؟ ہمارے یہاں ایک مفتی صاحب نے مسئلہ شائع کیا ہے کہ جمعہ وعیدین اور تراویح عورتوں کے لیے سنت نہیں؛ بلکہ مستحب بھی نہیں، کیا یہ درست ہے؟ اگر کوئی بالغہ حافظہ ہو اور گھر میں عورتوں کی جماعت میں قرآن سنانا چاہے تو اس کا جواز ہے؟ کیا اس کے لیے تداعی جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تراویح جس طرح مردوں کے لیے سنت ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی سنت ہے۔

درمختار میں ہے: التراويح سنة مؤكدة لمواظبة الخلفاء الراشدين للرجال والنساء إجماعاً (درمختار على هامش الشامى ١/٥٢٠)

تراویح صرف مردوں کے لیے بتلانا روافض کا قول ہے۔

(قوله: إجماعاً) راجع إلى قول المتن سنة للرجال والنساء، وأشار إلى أنه لااعتداد بقول الروافض أنها سنة الرجال فقط على مافي الدر والكافي الخ (شامی ۱/ ۵۴۰)

تنہا عورتوں کی جماعت (چاہے تراویح ہی کیوں ہو) مکروہ ہے۔

ويكره تحريماً جماعة النساء ولو في التراويح (درمختار) (قوله: يكره تحريماً) صرح به في الفتح والبحر (قوله: ولو في التراويح) أفاد أن الكراهة كل ما تشرع فيه جماعة الرجال فرضا أو نفلا (شامی ۱/ ۴۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عورتوں پر بھی تراویح ہے

سوال: رمضان المبارک کے ماہ میں اکثر مقامات میں مستورات نماز تراویح سے محروم رہتی ہیں؛ لیکن ایک مولوی صاحب نے یہ حکم رمضان المبارک میں نافذ کیا تھا کہ عورتیں بعد صلوۃ عشاء قبل وتر ۲۰ / رکعات نفل کی نیت سے ادا کرلیں انشاء اللہ تراویح کے قائم مقام ہوجائے گی تو ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز تراویح کی مسنونیت مرد اور عورت دونوں کے لیے یکساں ہے، اس لیے عورتوں کو بھی چاہیے کہ ماہِ رمضان المبارک میں اس کا اہتمام کریں۔

بہشتی زیور میں ہے: ''مسئلہ: رمضان کے مہینہ میں تراویح کی نماز بھی سنت ہے، اس کی بھی تاکید آئی ہے اس کا چھوڑ دینا اور نہ پڑھنا گناہ ہے، عورتیں تراویح کی

نماز اکثر چھوڑ دیتی ہیں، ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیے، عشاء کی فرض اور سنتوں کے بعد بیس رکعات تراویح پڑھے چاہے دو رکعت کی نیت باندھے چاہے چار چار رکعت کی؛ مگر دو دو رکعت پڑھنا اولیٰ ہے، جب بیسوں رکعتیں پڑھ چکے تو وتر پڑھے۔ (بہشتی زیور اختری ۲/ ۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تراویح میں ختمِ قرآن کی شرعی حیثیت

سوال: تراویح میں قرآن سننا افضل ہے یا کہ الم ترکیف سے تراویح افضل ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صحیح مذہب اور قول اصح یہ ہے کہ تراویح میں ایک قرآن ختم کرنا سنت مؤکدہ ہے، قوم کی کاہلی کی وجہ سے اسے ترک نہ کیا جائے اور دو ختم کرنے میں فضیلت ہے اور تین ختم کرنا افضل ہے، جہاں فقہاء نے ایک ختم کو سنت لکھا ہے، اس سے ظاہراً سنت مؤکدہ مراد ہے، الخ (امداد الفتاویٰ ۱/ ۳۰۰)

والختم مرة سنة مؤكدة (نهاية شرح هدايه ۱ /۱۳۱) (از فتاویٰ رحیمیہ ۴۰۵، ۴۰۶)
والتفصيل هناك فارجع إليها. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ختم قرآن پر شیرینی اور ہدیہ

سوال: اکثر ہر سال تراویح کے لیے حفاظ حضرات کو متعین کرتے ہیں، پھر ۲۷/ کے نام سے لوگوں سے چندہ جمع کیا جاتا ہے، اور پھر اسی جمع کردہ رقم میں سے

حافظ صاحب، موذن صاحب اور ہمیشہ کے دائمی پیش امام کو دینے دلانے کے بعد اسی رقم میں سے شیرینی وغیرہ تقسیم کی جاتی ہے، آیا یہ فعل کیسا ہے؟ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چندہ دینے کے لیے لوگوں کو مجبور کرنا جائز نہیں؛ نیز شیرینی ضروری نہیں، لوگوں نے اس کو ضروری سمجھ لیا ہے، اور بڑی پابندی کے ساتھ اس پر عمل کیا جارہا ہے، مسجدوں میں بچوں کا اجتماع اور شور وغل وغیرہ خرابیوں کے پیش نظر شیرینی کے دستور کو موقوف کردینا ہی بہتر ہے، کوئی شخص اپنے طور پر (چندہ سے نہیں اور نہ ہی کسی دباؤ سے) ختم قرآن کی خوشی میں کبھی کبھی شیرینی تقسیم کرے اور مسجد کے ادب واحترام کا خیال رکھا جائے، تو درست ہے، حافظ صاحب کو جو دیا جاتا ہے اگر پہلے سے معاملہ طے کرکے دیا جاتا ہے تو تراویح پر اس طرح اجرت کا لینا دینا ناجائز ہے، لینے والا اور دینے والا دونوں گنہ گار ہوتے ہیں، اور اگر پہلے سے طے نہیں کیا گیا ہے، تب بھی چوں کہ لوگوں میں دستور یہ ہوگیا ہے کہ ہدیہ کے نام سے حافظ صاحب کی خدمت میں کچھ نہ کچھ پیش کیا جاتا ہے اور حافظ صاحب بھی اس کے متوقع ہوتے ہیں، چناں چہ ایک مرتبہ پیسے نہ دیئے جائیں تو دوسری دفعہ نہیں آئیں گے، تو یہ ہدیہ کہاں رہا؟ یہ بھی معاوضہ اور اجرت کے حکم میں ہوکر ناجائز ہی کہلائے گا۔ (ماخوذ از فتاوی رحیمیہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

رمضان کی ستائیسویں میں ختم قرآن

سوال: ہر سال رمضان المبارک کی ستائیسویں رات میں قرآن پاک کو پورا

کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ضروری نہیں؛ البتہ افضل ومستحب ہے۔ (مسائل تراویح بحوالہ فتاوی محمودیہ ۲/۳۵۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ذوالقعدہ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ستائیسویں شب میں ختم کرنا

سوال: ① ہر سال صلاۃ التراویح میں ختمِ قرآن کریم ۲۷/ رمضان کو پورا کرنا سنت ہے یا بدعت؟

② اگر سنت ہے تو اس کی کیا دلیل ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② ستائیسویں شب کو ختم کرنا مستحب ہے۔ بحر الرائق (فتاوی محمودیہ ۲/۳۵۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تراویح کی بیس رکعات کے ثبوت پر رسائلِ علماء

سوال: تراویح کی بیس رکعت کے ثبوت میں مدلل بیان فرمائیں، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جو حدیث ہے اس کی صحیح سند کے ساتھ تفصیل بیان فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیس رکعات تراویح کا مسئلہ بہت طویل ہے، اور اس موضوع پر مستقل رسائل موجود ہیں، ان کی نشان دہی کر دیتا ہوں، ان کا مطالعہ کر لیا جائے:

''الرأی النجیح فی عدد رکعات التراویح'' (اردو) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ۔

''مصابیح التراویح'' (فارسی) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔

''رکعات التراویح'' (اردو) حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی مدظلہم، (یہ رسالہ عام طور پر دستیاب ہے اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی روایت پر تحقیقی بحث موجود ہے)۔

''تحقیق التراویح'' (اردو مطبوعہ پاکستان) شیخ مقری رعایت اللہ صاحب۔

''تصحیح حدیث صلوٰۃ التراویح عشرین رکعۃ والرد علی الالبانی في تضعیفه'' شیخ اسماعیل بن محمد الانصاري.

''الهدی النبوي الصحیح في صلوة التراویح'' (عربی) الشیخ محمد علی الصابونی (استاذ کلیة شرعیة جامعة ام القریٰ مکة المکرمة)

ان کے علاوہ فتاویٰ رحیمیہ جلد اول از ص ۲۸۲ تا ۳۴۳ (تفصیلی بحث اس موضوع پر ہے جس میں غیر مقلدین کے جوابات بھی ہیں)، امداد الاحکام جلد اول از ص ۵۴۴ تا ص ۵۶۱، اعلاء السنن (عربی) جلد سابع از ص ۶۱ تا ص ۷۷۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

تراویح میں بیس رکعات کا ثبوت

سوال: کیا تراویح ۸ رکعت ہے یا ۲۰ رکعت؟ غیر مقلدین حضرات احناف کی کتابوں سے ۸ رکعت کا ثبوت نکالتے ہیں، جیسا کہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ترمذی کی تقریر "عرف الشذي" ۲۲۹ میں لکھا ہے: ولا مناص من تسليم أن تراويحه عليه السلام كانت ثمانية ركعات اور ۳۳۰: وأما النبي فصح عنه ثمان ركعات.

② "مراقي الفلاح شرح نورالايضاح" میں فاضل ابوالاخلاص شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: صلاته بالجماعة سنة كفاية، لما ثبت أنه ﷺ صلى بالجماعة أحدى عشرة ركعة بالوتر۔

③ اور فاضل طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ درمختار کی شرح ۱/۲۹۶ میں لکھتے ہیں: لأن النبي ﷺ لم يصلها عشرين؛ بل ثمانيا، ولم يواظب على ذلك۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "المصابیح" طبع ہند کے ۴۳ میں لکھا ہے: الحاصل أن العشرين لم يثبت من فعله الخ۔

عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "ماثبت بالسنة" ۸۸: "لیکن محدثین نے لکھا ہے کہ بیس والی روایت ضعیف ہے، صحیح تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی گیارہ ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات: "فتحصل من هذا كله أن التراويح في الأصل إحدى عشرة ركعة" الخ۔

سید احمد طحطاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ شرح درمختار: "وقد ثبت أن ذلك كان أحدى

عشرة ركعة بالوتر، كما ثبت في الصحيح من حديث عائشة"۔

"منیۃ المصلی" کی شرح "کبیری" کے ۳۹۳ مطبوعہ لاہور میں لکھا ہے: "أنه عليه الصلوٰة والسلام قام بهم في رمضان فصلى ثمان ركعات وأوتر" الخ، ۳۹۴: فانها صلى بهم ثمان ركعات واوترالخ۔ ابن ماجہ: جابر رضی اللہ عنہ کی روایت آٹھ رکعت والی، امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ "فتح القدير شرح هدايه" ۲۰۵ میں ۸/ رکعت کا ثبوت ہے۔ کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت جو یزید ابن رومان سے منقول ہے، تو کیا یزید بن رومان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا؟ کیا سند منقطع ہے؟ کیا یہ طریقہ جس طریقہ پر یہ نماز پڑھتے ہیں، جب کہ عبدالحق بنارسی نے یہ جماعت بنائی، اس سے پہلے کوئی اس طریقہ سے نماز پڑھتا تھا؟ جیسا کہ احناف کی کتابیں شوافع کی کتابیں شاہد ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

"مراقي الفلاح" میں ہے: وهي عشرون ركعة بإجماع الصحابة۔ (اور تراویح کی بیس رکعتیں ہیں، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع سے)۔

(مراقي الفلاح على هامش الطحطاوي ۲۲۵)

اس کی مزید تفصیل دیکھنا چاہیں تو فتاویٰ رحیمیہ جلد اول ۲۸۲ سے لے کر ۳۴۳ کا مطالعہ فرمائیں، اس میں غیر مقلدین حضرات کے اس فریب کی مکمل پردہ دری کی ہے، ان تمام کتابوں سے؛ بلکہ فقہ حنفی کی دیگر معتبر کتابوں سے اور مستند علمائے احناف کے حوالہ سے اس کا بیس رکعات ہونا تفصیل سے ثابت کیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بیس رکعت کے ثبوت کے سلسلہ میں فخر المحدثین حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی

مدظلہم کی کتاب ''رکعات تراویح'' کا مطالعہ فرمائیں، اس مختصر فتویٰ میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ شوال ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب صلاۃ المسافر

شہر کی آبادی کے بعد مسافر شمار ہوگا

سوال: آدمی جب سفر کے لیے مکان سے نکلے اور راستہ میں محلہ کی مسجد میں یا دوسرے محلہ کی مسجد میں یا ریلوے اسٹیشن پر گاڑی میں یا پلیٹ فارم پر نماز پڑھنا ہو، تو اس صورت میں قصر نماز پڑھے یا پوری نماز پڑھے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب کوئی تین منزل (۴۸ میل) کے ارادے سے نکلے، اور شہر کی آبادی سے باہر ہوجائے تو مسافر بن جاوے گا، اور جب تک آبادی کے اندر اندر چلتا ہے تب تک مسافر نہیں ہے، اسٹیشن اگر آبادی کے اندر ہے تو آبادی کے حکم ہوگا، اور جو آبادی کے باہر ہو وہاں پہنچ کر مسافر ہوجاوے گا۔ (درمختار مع الشامی۔ جلد اول) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سفر کی ابتدا وانتہا کی حد

سوال: (۱) سفر کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ سفر کی نیت گھر سے کی تو کیا گھر سے ہی

مسافر ہو جائے گا یا نہیں؟

(۲) مسافر اپنے وطن میں جا کر قصر کرے کہ پوری نماز پڑھے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) سفر کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ آپ کے اس سوال کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ سفر کی نیت سے گھر سے نکلتے ہی مسافر نہیں بنتا، (یعنی مسافر والے احکام اس پر جاری نہیں ہوتے) جب تک کہ آبادی کے حدود سے باہر نہ نکل جاوے۔

(۲) اپنے وطن میں پہنچ کر آدمی مسافر باقی نہیں رہتا؛ بلکہ وطن کی آبادی کے حدود میں قدم رکھتے ہی سفر ختم ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ رمضان ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

شروع سفر سے قصر کرے

سوال: ۴۸ /میل یا ۷۷ /کلومیٹر کے سفر آدمی مسافر بنتا ہے، سوال یہ ہے کہ آدمی کا ارادہ ۵۰۰ /میل یا کلومیٹر کرنے کا ہے، اور وہ آدمی جب سفر شروع کرتا ہے پھر بس (موٹر) میں ۷۷ /کلومیٹر کے اندر جب نماز کا وقت ہو تو نماز قصر کرنا چاہیے یا پوری چار رکعت پڑھنا چاہیے؟ مثال کے طور پر نماز ظہر عصر یا عشاء کی پڑھنا ہو تو؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب کوئی آدمی پانچ سو میل کے ارادہ سے نکلا تو اس کا یہ سفر سفر شرعی ہے، اور

اپنے وطن کے حدود سے باہر نکلتے ہی یہ قصر کرے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ جمادی الاخری ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شرعی مسافت

سوال: شرعی ۴۸ میل کے کتنے کلومیٹر ہوں گے (انگریزی میل کے حساب سے ۱٫۶ کلومیٹر: ۱ میل) یعنی ۱۶ کلومیٹر = ۱۰ میل۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسافت سفر ۴۸ میل انگریزی ہے۔ (جواہر الفقہ ۱/ ۴۳۸)

کلومیٹر کے حساب سے 77.248 (سوا ستتر) کلومیٹر ہوتی ہے۔ یہ یاد رہے کہ شرعی میل اور انگریزی میل میں کچھ فرق ہے، شرعی میل کچھ بڑا ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دوسرے شہر میں بغرضِ ملازمت قیام ہو تو قصر نماز پڑھیں

سوال: بمبئی میں میرا ایک مکان ہے، اور راشن کارڈ بھی بنا ہوا ہے؛ نیز صوبۂ گجرات ''بلی مورا'' نامی قصبہ میں بھی ایک مکان ہے، جہاں تمام اہل خانہ رہتے ہیں، اور ان کا راشن کارڈ بھی بنا ہوا ہے؛ البتہ اس میں میرا نام نہیں ہے، اور میری ملازمت بمبئی میں ہے، ہفتہ میں بروز سنیچر اور اتوار دو روز ''بلی مورا'' جاتا ہوں تو کیا بمبئی میں قصر کروں گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بمبئی کو اگر وطن نہیں بنایا ہے صرف ملازمت کی وجہ سے قیام ہے، تو آپ بمبئی میں قصر پڑھیں، اور اگر بمبئی کو وطن کے طور پر اختیار کرلیا ہے، تو بمبئی میں پوری نماز پڑھیں، جیسا کہ گاؤں میں پوری پڑھتے ہیں، صرف دورانِ سفر قصر کریں۔ (ماخوذ از کفایت المفتی ۳/ ۳۵۶) (فتاوی دار العلوم مطبوعہ کراچی ۲/ ۳۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جائے ملازمت مقامِ قصر میں ہو تو وہاں قصر ہوگی

سوال: فتوی کی رو سے بمبئی میں مجھ پر قصر لازم ہے، اب میں اپنے مکان سے صبح ہی سفر کی تیاری کر کے نکلوں اور پورا دن دفتر میں کام کروں اور شام کو وہاں سے وطن کے لیے روانہ ہوؤں تو ظہر اور عصر کی نماز قصر ہوگی یا مکمل پڑھنی ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بمبئی میں جب قصر ہے اور دفتر بھی بمبئی میں واقع ہے، تو وہاں بھی قصر ہی کیجیے، اس صورت میں تو کوئی اشکال پیدا نہیں ہونا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سرکاری ڈرائیور قصر کرے گا؟

سوال: ایک شخص سرکاری بس سروس میں ڈرائیور کی ملازمت کرتا ہے، جب وہ گھر سے نکلتا ہے تو اس کی ڈیوٹی ایسے مقام پر لگائی جاتی ہے جو زیادہ سے زیادہ ۵۵ /

کلومیٹر کی دوری پر ہوتا ہے؛ لیکن ڈیوٹی ختم ہوتے ہوتے دن بھر میں اس سے وہی ۵۵/کلومیٹر کے تین چکر ہوجاتے ہیں، کیا ایسی صورت میں اس پر قصر نماز واجب ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نہیں؛ بلکہ اتمام کرے۔ (ماخوذ از امداد الاحکام ۱/۶۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دوران سفر اگر اپنے ہی گاؤں آپہنچے تو نماز پوری پڑھے

سوال: ایک شخص تبلیغی جماعت میں نکلا ہوا ہے، اور مسافتِ شرعیہ ہونے کی وجہ سے قصر کررہا تھا، اسی دوران وہ اپنے ہی گاؤں میں تبلیغ کے لیے آیا تو قصر پڑھے یا اتمام؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جہاں سے تبلیغی جماعت میں نکلا ہے، وہاں سے اس کا گاؤں اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ دوری پر ہے تو دورانِ سفر تو قصر پڑھے، اور گاؤں میں جب پہنچے پوری پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مستورات بہ حالت سفر نماز ادا پڑھیں یا قضاء کریں؟

سوال: مستورات مسافری میں نمازوں کو باغیچہ یا ریلوے اسٹیشن یا ایرپورٹ پر لوگوں کے سامنے نماز پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟ یا پھر گھر آنے کے بعد قضاء پڑھیں بہتر کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ستر اور پردہ کا لحاظ کرتے ہوئے وقت کے اندر پڑھنا ضروری ہے، وقت سے تاخیر کرنے کی صورت میں گنہگار ہوں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سفر میں نماز قضا ہونے کا خوف ہو تو ٹرین چھوڑ دے

سوال: شرعی مسافر نماز قضاء ہو جانے کا خوف ہونے کی صورت میں، جب کہ ریل یا بس میں اتنی بھیڑ ہو کہ نماز پڑھنے کو جگہ نہ ہو اور وضو اور تیمم بھی ممکن نہ ہو، ایسی صورت میں سیٹ پر بیٹھے بیٹھے یا کھڑے کھڑے اشاروں سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ یہی صورت اگر ۴۸ میل سے کم سفر ہونے کی صورت میں پیش آئے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس ٹرین یا بس کو چھوڑ دے، نماز پڑھ کر دوسری ٹرین یا بس سے سفر کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شرعی مسافر کا ۴۸/ میل سے قبل دو چار دن کے لیے ٹھہرنا

سوال: مسافر کے لیے قصر کا حکم کب ہے؟ مسافر ۴۸/ میل سے زائد کی نیت کر کے سفر کرے؛ مگر ارادہ یہ ہے کہ دو دن یا تین دن اطراف میں ۴۸/ میل سے کم رہے گا، جیسے کہ تبلیغی جماعت شروع کے چند ایام اطراف میں کام کرتی ہے، اخیری

ایام مسافت سفر کا ارادہ کر کے دوسری جگہوں میں کام کے لیے جاتی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب اپنے گھر سے اڑتالیس میل سے زیادہ کی نیت سے چلا، تو اپنے وطن کی عمارتوں سے باہر قدم رکھتے ہی مسافر شمار ہوگا، اب درمیان میں مختلف مقامات پر ٹھہرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس کو چاہیے کہ قصر کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ / جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سو کلومیٹر سفر کرنے سے قصر

سوال: ایک شخص روزمرہ اپنے غریب خانہ سے سو سوا سو کلومیٹر پر ملازمت کرتا ہے، شام کو روزانہ غریب خانہ پر آجاتا ہے آیا وہ شخص مذکور شرعاً مسافر ہوا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اپنے وطن کے مکانات سے نکلتے ہی وہ مسافر ہوجائے گا، اور وطن واپس آکر مقیم ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سفر میں قبلہ کی تحری اور منفرد کے لیے اذان واقامت کا حکم

سوال: اگر اکیلا سفر میں ہے تو اذان واقامت کہنا چاہیے یا نہیں؟ اکیلا ہے اور عشاء کا وقت ہے، قبلہ کدھر ہے معلوم نہیں ہوتا تو کیا کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سفر میں منفرد کے لیے اذان سنت مؤکدہ نہیں؛ بلکہ مستحب ہے، اقامت سنت مؤکدہ ہے۔ (بدائع الصنائع ۱/۳۷۸)

اگر وہاں کوئی مقامی دین دار مسلمان ہو تو اس سے قبلہ معلوم کرلے؛ ورنہ تحری کرے، یعنی خوب غور وفکر سے صحیح جہت معلوم کرنے کے بعد دل جدھر گواہی دے اس طرف پڑھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بس کے سفر میں نماز

سوال: سفر کی حالت میں نماز کا وقت ہوگیا اور ہم بس میں سفر کر رہے ہیں، نماز قضاء ہونے کا ڈر ہو، تو اس وقت کیا کریں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب کسی جگہ پر بس ٹھہرے، وہاں اتر کر نماز پڑھ لے، اگر کسی طرح بھی پڑھنا ممکن نہ ہو، تو بعد میں قضاء کرسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ شوال المکرم ۱۴۱۱ھ

وطن اقامت بنانے کی ایک تدبیر

سوال: زید وطن اقامت میں امامت کر رہا ہے اور وہ اپنے گھر جانے کے لیے ٹکٹ بنا چکا؛ لیکن گھر جانے سے تھوڑے دن پہلے دوسری جگہ سفر کیا، جس سے مسافر

ہوجاتا ہے، وہاں سے واپسی کے بعد ۱۵ / دن سے کم رہنے کا ارادہ ہے، اب وہ نماز کیسے پڑھائے گا؟ اور یہاں نماز پڑھانے کے لیے کوئی دوسرا آدمی بھی نہیں ہے، سب کے سب ان پڑھ ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب دوسری جگہ کا سفر کیا اور وہ اتنی دور واقع ہے کہ جس سے وہ مسافر ہوجاتا ہے، تو اب وہ دوبارہ مقیم اسی صورت میں بنے گا جب کہ اس کا ارادہ یہاں پندرہ دن قیام کا ہو، اس لیے صورت مسئولہ میں اس پر قصر لازم ہے، جب زید کو معلوم تھا کہ اس کے مقتدیوں میں کوئی نماز پڑھانے کے قابل نہیں ہے، تو اس کو سفر نہیں کرنا چاہیے تھا، اور جب کر چکا ہے تو اب اس کی تدبیر یہ ہے کہ وطن کے سفر کا ارادہ ملتوی کر کے پندرہ یا اس سے زائد یوم قیام کی نیت کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جیل میں نماز قصر پڑھیں یا نہیں؟

سوال: یہاں نو ساری جیل میں ہمارے علاوہ بہت سے مسلم برادران ۲ / سال یا ۲ / سال سے زائد وقت سے ہیں، اور بہت سے سال ڈیڑھ سال سے ہیں، حال میں ہم قصر نماز پڑھتے ہیں: ظہر، عصر اور عشاء کی فرض نماز قصر پڑھتے ہیں، کیا ہم قصر نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ ویسے ہم سب کو امید تو ہے کہ ہم ضمانت پر یا تو کیس میں رہا ہو کر اپنے اپنے گھر چلے جائیں گے، تو اس صورت حال میں ہم قصر نماز پڑھیں یا نہیں؟ اور جو برادران اسلام قصر نماز پڑھتے ہیں ان کے مکانات یا رہنے کا گھر ۸۰ /

کلومیٹر دوری پر ہیں، اس کے متعلق تفصیل سے فتوی تحریر کر کے بھیجئے گا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ حضرات میں سے جو حضرات اڑتالیس (۴۸) میل یا اس سے زیادہ دوری کے رہنے والے ہیں وہ چار رکعت والی نماز قصر یعنی دو رکعت پڑھیں؛ البتہ اگر کسی ایسے آدمی کی اقتداء میں پڑھتے ہوں جو شرعی مسافر نہیں ہے تو اس صورت میں امام کی طرح پوری نماز پڑھنی ہوگی، یہ حکم ان لوگوں کے لیے ہے جن کے متعلق ابھی فیصلہ نہیں ہوا؛ بلکہ ان کا کیس چل رہا ہے، لیکن جن کے لیے فیصلہ ہو گیا اور تجویز شدہ سزا اسی جیل میں گزارنا بھی طے ہو گیا وہ لوگ پوری نماز پڑھیں، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو جلد رہائی نصیب فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

مدتِ اقامت

سوال: اقامت کی مدت ۱۵/ دن ہے تو ایک آدمی نے ۳۱/ جنوری کو عصر کے وقت اقامت کی نیت کی، اور ۱۵/ فروری کو عصر کے وقت سفر کر لیا تو اقامت صحیح ہے؟ یا کیا مدت ہوگی اقامت کی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں پندرہ یوم کا حساب پورا ہو جاتا ہے، اس لیے وہ مقیم کہلائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک شہر کے مختلف محلوں میں قیام کی نیت ہو تو اتمام کرے

سوال: ایک شہر میں ۴۰ / دن رہنا ہے، اور محلے الگ ہیں ۵ / دن اس میں، ۵ / دن اس میں؛ لیکن شہر ایک ہے، تو کیا قصر ہوگا؟ یا نیت تو ہے کہ پورے شہر میں ۴۰ / دن رہنا ہے تو اقامت ہو جائے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ایک ہی شہر میں چالیس یوم قیام کی نیت ہے، (چاہے الگ الگ محلوں میں کام کرنا ہو) تو وہ شخص مقیم بن گیا، پوری نماز پڑھے، قصر نہ کرے۔

لوكان الموضعان من مصر واحد أو قرية واحد، فإنها صحيحة؛ لأنها متحدان حكماً (شامی ۱/ ۵۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسافر امام نے چار رکعت والی نمازیں پڑھا دیں

سوال: بندہ دو سال سے گجرم گاؤں میں امامت کر رہا ہے، جب دیولا سے نکلتا ہوں تو گجرم سفرِ شرعی ہونے کی وجہ سے پندرہ دن کی نیت کر لیتا ہوں اور فیملی کے ساتھ ہی رہتا ہوں، خاص عرض کرنا یہ ہے کہ پہلی تاریخ کو گھر گیا تو کیا بارہ تاریخ کو رشتہ دار کی شادی میں آنا ضروری ہے تو مجھے گجرم آکر نمازوں کے بارے میں کیا کرنا چاہیے؟ قصر یا پوری پڑھانا ہے؟

نوٹ: اگر ایسی حالت میں بہت ساری نمازیں پڑھا لی ہے تو اب کیا کرنا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب آپ پہلی تاریخ کو گھر جا کر گجرم واپس آئے اس وقت آپ کا ارادہ ۱۲ / تاریخ کو رشتہ دار کی شادی میں شرکت کے لیے جانے کا تھا تو آپ کا قیام گجرم میں پندرہ دن کا نہ ہونے کی وجہ سے آپ مقیم نہیں بنے، آپ کو چاہیے کہ چار رکعت والی نمازیں (عشاء، عصر، ظہر) قصر پڑھیں، اس حالت میں آپ نے چار رکعت والی جتنی نمازیں پوری پڑھائی ہیں اور آپ کی اقتداء میں جن مقیم حضرات نے یہ نمازیں پڑھی ہیں ان کی نماز نہیں ہوئی، ان کو چاہیے کہ ان نمازوں کا اعادہ کرلیں اور آپ پر توبہ واستغفار ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ / صفر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مسافر اتمام کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال: بندہ "ہتھوڑا" ضلع سورت کا رہنے والا ہے، اور دھرم پور میں خادمِ مسجدِ جامع ہے، اب بندہ دھرم پور سے ایک کام کی بنا پر سملک جائے (سورت)، تو دھرم پور سے ۱۰۰ / کلومیٹر جیسا دور ہے، اور ہتھوڑا سے ۵۰ / کلومیٹر ہے تو کیا اگر ہتھوڑا نہ جانا ہو اور صرف سملک سے کام کے ختم کرنے پر لوٹ جائے اور ظہر کی نماز سملک میں پڑھے تو قصر کرے گا یا پوری پڑھے گا؟ اور اگر پوری پڑھ لی تو کوئی گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دھرم پور میں آپ کا قیام بسلسلۂ ملازمت ہونے کی وجہ سے وہ آپ کا وطنِ

اقامت ہے، جب آپ وہاں سے سملک جانے کے ارادہ سے روانہ ہوئے تو چوں کہ سملک کا فاصلہ وہاں سے مسافتِ سفر سے زیادہ ہے، اس لیے آپ کے دھرم پور سے نکلتے ہی آپ شرعی مسافر بن گئے، اس لیے اس دوران چار رکعت والی جتنی بھی نمازیں آویں گی ان کو دو رکعت پڑھنا آپ کے لیے ضروری ہے، آپ نے ظہر کی نماز بجائے دو کے چار رکعت پڑھی، اب اگر یہ نماز کسی مقیم کے پیچھے نہیں پڑھی گئی ہے تو اگر آپ نے دو رکعت پر قعدہ کیا تھا تو یوں سمجھا جائے گا کہ ان چار رکعت میں سے دو بطور فرض ادا ہوئی اور دو نفل قرار دی جائے گی؛ بہر حال آپ کا فریضہ ادا ہو گیا، اور اگر آپ نے دو رکعت پر قعدہ نہیں کیا تھا تو آپ کی نماز صحیح نہیں ہوئی، اس صورت میں آپ کے لیے ضروری ہے کہ اس نماز کی قضاء کر لیں، اگر ظہر کا وقت ختم ہونے تک آپ سفر ہی میں تھے تو بطورِ قضاء بھی دو رکعت ہی پڑھیں۔ دھرم پور واپس لوٹ کر آپ کی نیت وہاں پر مسلسل پندرہ روز قیام کی تھی تو اب آپ نمازیں پوری پڑھیں، اور اگر پندرہ روز قیام کی نیت نہیں تھی؛ بلکہ پندرہ روز سے پہلے کسی اور جگہ جانے کا ارادہ تھا تو دھرم پور میں بھی آپ کو قصر ہی کرنا ہے؛ اس لیے کہ پندرہ روز قیام کی نیت نہ ہونے کی وجہ سے دھرم پور آپ کا وطنِ اقامت نہیں بنا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ایک ہفتہ کا قیام معلوم ہونے کے باوجود اقامت کی نیت کرنا

سوال: برما کے چند حج میں جانے والے حجاج بنکاک شہر میں پہنچے اور وہ جہاں

رہتے تھے قریب کی مسجد کے امام صاحب شافعی مسلک کے تھے، اور وہ عشاء وفجر کی فرض نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھتے تھے، برما کے حاجی صاحبان حنفی مسلک کے تھے، ان میں سے ایک عالم صاحب نے خود فرض نماز پڑھا دینے کی اجازت چاہی، امام صاحب نے کہا کہ آپ پوری چار رکعت عشاء میں پڑھائیں، اس عالم صاحب نے پہلے اپنے مقیم ہونے کی نیت کی (حالاں کہ ان کا قیام صرف ہفتہ بھر تھا) اب اس عالم صاحب نے عشاء کی فرض نماز بغیر قصر کئے پوری پڑھا دی، اب ان کے پیچھے حنفی مقتدیوں کی نماز ہوگئی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب ان کا قیام ہفتہ بھر کا ہی تھا تو ان کی اقامت کی نیت معتبر نہیں ہوئی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیت کی حقیقت سے بے خبر ہیں، جب وہ مسافر ہی تھے تو ان پر قصر واجب تھی اور عمداً ترکِ واجب کی وجہ سے گنہگار ہوئے، ان پر توبہ اور نماز کا اعادہ واجب ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۷۷)

درمختار میں قہستانی کے حوالے سے "اَثِمَ واستحق النار" کا لفظ موجود ہے۔

(درمع الشامی ۱/ ۵۸۳)

حنفی مقتدیوں میں جو مقیم تھے ان کی تو نماز ہی نہیں ہوئی؛ اس لیے کہ بعد والی دو رکعتوں میں اقتداء مفترض خلف المتنفل لازم آتا ہے، اور جو مسافر تھے ان پر بھی اعادہ واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نیت اقامت کے شرائط

سوال: زید نے انگلیشور میں پندرہ روز قیام کی نیت کی ہو اور اُسی اثنا میں دو دن کے لیے کھروڈ آنے کا ارادہ ہے، تو کیا یہ نیت اس کی اقامت میں مؤثر ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسافر جس نیتِ اقامت سے مقیم بنتا ہے اس کے لیے چار چیزوں کا ہونا ضروری ہے: ① نیتِ اقامت ② نیتِ مدتِ اقامت ③ اتحاد مکان ④ جس مقام میں اقامت کی نیت کی ہے اس کا اقامت کے لائق ہونا۔

وهو أن ينوي الإقامة خمسة عشر يوما، في مكان واحد صالح للإقامة فلابد من أربعة أشياء: نية الإقامة، ومدة الإقامة، واتحاد المكان، وصلاحيته للإقامة. (بدائع ۹۷/۱)

صورت مسئولہ میں جب زید کا ارادہ دو دن کے لیے کھڑوڈ آنے کا ہے تو اتحاد مکان والی تیسری شرط مفقود ہونے کی وجہ سے زید مقیم نہیں بنے گا؛ بلکہ مسافر ہی رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ رصفر ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

نیت اقامت کے شرائط کی تفصیل

سوال: بندہ نے ایک استفسار قبل ازیں ارسال کیا تھا، جس کا جواب موصول ہوا، فجزاکم اللہ، اس جواب کا آپ کے رجسٹر کے اندراج کے مطابق ۲۱/۶۵

ہے، جس میں دو سوال نقل کیے گئے ہیں، اور دونوں مسئولہ صورتوں کا جواب ایک ہی ہے، دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں؛ لیکن فتاویٰ دار العلوم مکمل و مدلل جدید (مطبوعہ زکریا بک ڈپو دیوبند) جلد چہارم ص: ۴۵۶ پر اسی طرح کے ایک استفتاء کا جواب کچھ تشویش کا باعث بنا ہوا ہے، جو مع عنوان وسوال وجواب درجۂ ذیل ہے، آں حضرت سے امید ہے کہ ایک طالب علم کی تشویش کو دور فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں:

زید گھوم کر تجارت کرتا ہے اور سامان ایک جگہ رکھتا ہے؛ لیکن وہاں وہ خود ایک ہفتہ سے زیادہ نہیں رہتا تو وہ نماز پوری پڑھے یا قصر:

سوال: زید نے اپنا اسبابِ تجارت اپنے وطن سے سو میل کے فاصلے پر لے جا کر وہاں ایک مکان کرایہ پر لے رکھا ہے، اور اس مقام سے اسباب لے جا کر دیہات وبیرون جات میں فروخت کرتا ہے، بیرون جات سے کبھی ہفتہ کبھی دس روز میں اپنے جائے قیام پر واپس آتا ہے، دو چار روز یا ایک ہفتہ وہاں قیام کر کے پھر اسباب لے کر چلا جاتا ہے، اور اس کو فروخت کر کے آٹھ دس روز میں واپس آتا ہے، اسی طرح چار چھ مہینے گزار کر وطن اصلی کو واپس آتا ہے، زید جس مقام پر اسباب تجارت رکھتا ہے وہ وطن اقامت بن جائے گا یا نہیں؟ اور زید کو نماز قصر ادا کرنی چاہیے یا نہیں؟

الجواب: اگر اول اس جائے اقامت میں پندرہ دن کے قیام کی نیت کر لی ہے، تو اس صورت میں وہاں اور قرب وجوار کے دیہات پر جہاں تک مسافتِ قصر نہ ہو نماز پوری پڑھتا رہے گا، اور اگر جائے اقامت میں اول دفعہ بھی پندرہ روز کے قیام کی نیت نہیں کی تو پھر برابر قصر کرے گا۔ فقط

اسی طرح ایک اَور استفتاء ۴/۴۴۶ پر ہے:

اگر کہیں اولاً پندرہ یوم اقامت کی نیت کی تو آس پاس دورہ میں پوری نماز پڑھنا ہوگی:

سوال: ایک آفیسر کا صدر مقام سکندرآباد ہے، جہاں ان کے بال بچے ہی رہتے ہیں، اور ان کی ملازمت دوراز دو ماہ کے دورہ کی ہے، سکندرآباد سے ایک طرف علاقہ ۳۲ رمیل اور ایک طرف پانچ میل اور ایک طرف ۲۱ رمیل اور ایک طرف ۲۲ رمیل کے قریب قریب ہے، دورہ میں کسی جگہ پر دس روز سے زیادہ قیام نہیں ہوتا، اور خاص سکندرآباد میں بھی دس روز سے زیادہ قیام نہیں ہوتا ہے، اس صورت میں آفیسر مذکورہ کو سکندرآباد یا دیگر مقامات میں نماز قصر پڑھنی چاہیے یا پوری؟ کیا حکم ہے؟

الجواب: قاعدہ یہ ہے کہ: موضع اقامت میں جب تک پندرہ دن کے قیام کی نیت ایک دفعہ میں نہ ہو اس وقت تک قصر ہی کرنا چاہیے، اور دورہ میں چوں کہ کوئی مقام مسافت شرعیہ یعنی قصر کے قابل نہیں ہے، پس اگر اول سکندرآباد جو نیت اقامت پندرہ دن کی ہو چکی ہے تب تو پھر دورہ میں قصر کہیں نہیں ہے، اور اگر سکندرآباد میں ہی اول نیتِ اقامت پندرہ دن کی نہ ہوئی تھی اور نہ پھر کسی دوسرے مقام میں نیت پندرہ دن کے قیام کی ہوئی، تو پھر برابر قصر کرے، یعنی سکندرآباد میں بھی اور دورہ میں بھی۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم جدید ۴/۴۴۶)

آں حضرت نے بدائع (۱/۹۷) کے حوالے سے جو چار شرطیں ذکر فرمائی ہیں، ان میں سے بہ ظاہر تیسری شرط اتحاد مکان دارالعلوم کے مذکورہ استفتاء میں عنوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مفقود ہے، پھر بھی اقامت کی نیت کی صحت کا فیصلہ جو بہ صورتِ تعلیق ذکر کیا گیا ہے، کیسے صحیح ہوگا؟ حالاں کہ النیة هو قصد القلب۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بدائع کی جو عبارت اگلے جواب میں نقل کی گئی تھی آپ اُس مقام کو بہ غور مطالعہ فرمالیں، صاحب بدائع نے شروط اربعہ کی مدلل تفصیل دو صفحات میں فرمائی ہے، اس کو اچھی طرح سمجھ کر ذہن نشین فرمالیں۔ نیت اقامت میں چار چیزیں ضروری بتلائی ہیں:

① نفس نیت اقامت، یعنی وہاں قیام کا ارادہ ونیت ہو، اگر کوئی آدمی کسی شہر میں اس طرح ٹھہرا کہ شروع سے ہی ٹھہرنے کا ارادہ اور نیت نہیں؛ بلکہ دل میں یہ ہے کہ میرا فلاں کام ہوتے ہی نکل جاؤں گا، اور وہ کام ایسا ہو جو اس کے خیال میں قیام کا متقاضی بھی نہیں ہے، مثلاً کسی کی ملاقات جس نے اسی دن ملاقات کا وعدہ کیا ہے، مجھے یہاں ٹھہرنا نہیں ہے، اب چاہے اس کام کے ہونے میں تاخیر ہوتے رہنے کی وجہ سے ایک ماہ بھی ٹھہرا، تو چوں کہ ٹھہرنے کی نیت ہی نہیں تھی اس لیے وہ مقیم نہیں بنا۔ اس کے برخلاف شروع سے اس کا ارادہ ونیت قیام کی ہے اور وہ بھی پندرہ دن یا زیادہ، (مثلاً کوئی ایسا کام ہے جس کے متعلق اس کو یقین ہے کہ اس کی انجام دہی کے لیے مجھے پندرہ یا زیادہ دن رکنا ضروری ہے)؛ لیکن بعد میں یا تو وہ کام جلدی ہو گیا یا ایسے حالات پیش آئے کہ آئندہ اس کام کے ہونے کی توقع نہیں رہی، اور اس کو تین چار دن بعد ہی وہاں سے اپنا قیام مختصر کر کے آجانا پڑا، تو اس صورت میں چوں کہ نیتِ اقامت اور نیتِ مدتِ اقامت دونوں موجود تھیں؛ اس لیے وہ قصر کے بہ جائے اتمام کرتا رہے، وہ درست ہے، اگرچہ حالات کی ناموافقت کی وجہ سے نیت کے مطابق کام نہ کر سکا۔

② نیتِ مدتِ اقامت: یعنی اقامت کی جو نیت کی ہے اس کی مدت پندرہ یوم یا زائد ہو، اگر نیتِ اقامت تو ہے (یعنی پہلی شرط)؛ لیکن اس کی مدت پندرہ یوم یا

زائد نہیں ہے؛ بلکہ کم ہے، تب بھی وہ آدمی مقیم نہیں بنے گا، مثلاً ایک آدمی سفر کر کے اپنی ضرورت سے بمبئی گیا، اب وہ جس ضرورت کے لیے بمبئی گیا ہے اس کے متعلق اس کا خیال یہ ہے کہ وہ کام دس دن میں مکمل ہوگا، چناں چہ اس نے بمبئی میں دس دن قیام کی نیت کی، تو اس صورت میں نفسِ نیتِ اقامت موجود ہے؛ لیکن مدتِ اقامت (پندرہ یوم یا زائد) کی نیت والی دوسری شرط نہیں پائی گئی؛ اس لیے وہ مقیم نہیں بنا، اب چاہے بعد میں ایسا ہوا کہ وہ کام دس دن میں نہ ہونے کی وجہ سے اس کو پندرہ یا زائد یوم ٹھہرنا پڑے، پھر بھی وہ مسافر ہی رہے گا۔

③ اتحادِ مکانِ اقامت: یعنی پندرہ روز یا زائد قیام ایک ہی بستی میں کرنے کی نیت ہو، اب اگر کوئی آدمی پندرہ روز یا زائد قیام کی نیت تو کرتا ہے؛ لیکن دو بستیوں میں تو وہ مقیم نہیں ہوگا، مثلاً آپ نے کھروڈ اور انکلیشور دونوں میں مجموعی طور پر پندرہ یا زائد قیام کی نیت کی، تو آپ مقیم نہیں ہوں گے؛ (البتہ اس سے دو صورتیں مستثنیٰ ہیں): ایک: دونوں میں سے ایک میں حتمی طور پر رات گزارنے کی نیت ہے، دوسری جگہ دن دن میں جانے کا ارادہ ہے تو چوں کہ اصل قیام کی جگہ وہی کہلاتی ہے جہاں آدمی رات گزارتا ہے؛ اس لیے اس صورت میں یوں سمجھا جائے گا کہ ایک ہی جگہ پندرہ یا زائد قیام کی نیت ہے۔ دوسری: کل بیس یوم دونوں جگہ قیام کا ارادہ ہے؛ لیکن اس طرح کہ پہلے پندرہ یوم پورے کھروڈ میں گزار کر آخری پانچ یوم انکلیشور میں گذاروں گا، تو چوں کہ پہلے پندرہ یوم پورے کھروڈ میں گزارنے کا ارادہ ہونے کی وجہ سے مقیم بن چکے، اس کے بعد انکلیشور جانے سے مسافر نہیں بنیں گے، کہ وہ کھروڈ سے مسافتِ سفر پر نہیں ہے۔

آپ نے فتاویٰ دار العلوم کا جو جواب نقل فرمایا ہے اس میں اول پندرہ دن اقامت کی نیت کر لی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ سکندر آباد یا اول جائے اقامت میں جب وہ آیا، اس کا ارادہ یہ ہے کہ میں یہاں پندرہ یوم مکمل قیام کروں گا، پھر اپنی تجارت کے لیے دیہات میں نکلوں گا یا پھر اپنے دورہ کے لیے اپنے علاقے میں نکلوں گا، تو وہ مقیم بن گیا، اب اگر وہ اپنی نیت کے مطابق واقعتاً بھی پندرہ یوم وہاں قیام پذیر رہا تو کوئی اشکال نہیں ہے؛ لیکن اگر وہ شروع میں پندرہ یوم قیام کی نیت ہونے کے باوجود بعد میں کسی وجہ سے اپنا ارادہ بدلتے ہوئے پندرہ یوم پورے ہونے سے پہلے ہی تجارت کے لیے نکل پڑا، یا علاقے کے لیے دورہ پر نکل پڑا، تو چوں کہ وہ ایک مقام پر پندرہ یوم قیام کی نیت کرنے کی وجہ سے مقیم بن چکا ہے، اور اب وہاں (وطنِ اقامت) سے اتنی دوری پر جا رہا ہے جو مسافت سفر نہیں ہے؛ اس لیے وہ مقیم ہی ہے، اتمام کرتا رہے؛ لیکن اگر سکندر آباد یا پہلی جائے اقامت پر جب وہ آیا اس وقت بھی اس کی نیت وہاں پندرہ یوم قیام کی نہیں ہے؛ بلکہ یہ ہے کہ یہاں پانچ یوم ٹھہر کر اپنے دورہ پر یا تجارت کے لیے نکلوں گا، تو ظاہر ہے اس صورت میں پندرہ یوم قیام کی نیت نہ ہونے کی وجہ سے وہ آدمی سکندر آباد یا پہلی جائے قیام میں مقیم نہیں بنا؛ بلکہ مسافر ہی ہے، اس لیے قصر کرے گا، اب یہاں سے اپنے دورہ یا تجارت کے لیے دیگر قریبی مقامات پر جا رہا ہے تو بھی قصر ہی کرتا رہے؛ اس لیے کہ وہ مقیم بنا ہی نہیں ہے۔ آپ کو غلط فہمی اس سے ہوئی کہ آپ یہ سمجھے کہ سکندر آباد پہنچ کر پانچ دن بعد دورہ پر نکلنے کا پروگرام ہے، اس کے باوجود اگر وہ پندرہ یوم کی نیت کرے گا تو مقیم ہو جائے گا، حالاں کہ اس صورت میں جب کہ اس کا پروگرام (یعنی ارادہ) پانچ دن بعد دورہ پر

نکلنے کا ہے تو اس کی پندرہ یوم کی نیت کہاں رہی؟ اس لیے کہ بہ قول آپ کے نیت قصد القلب کا نام ہے، اور جب دل میں یہ بات ہے کہ میں پانچ دن بعد اپنے دورہ پر نکلوں گا تو اب پندرہ یوم کا قصد کہاں رہا!۔ حضرت عیسیٰ بن ابانؒ کا جو واقعہ صاحب بدائع نے یہاں نقل کیا، اس کا یہی تو مطلب ہے کہ وہ جب شروع ذوالحجہ میں حج کے لیے مکۂ مکرمہ آئے، اور ایک ماہ مکۂ مکرمہ میں قیام کی نیت کی اور اتمام کرنے لگے، تو امام ابوحنیفہؒ کے کسی شاگرد نے ان سے یہی کہا کہ: جب آپ حج کے لیے مکۂ مکرمہ آئے ہوئے ہیں، اور حاجی کے لیے ضروری ہے کہ وہ منیٰ عرفات جائے، تو گویا منیٰ عرفات جانے کا آپ کا پروگرام (ارادہ) ہے، اور اس کے ہوتے ہوئے آپ کی مکۂ مکرمہ میں ایک ماہ قیام کی نیت کہاں صحیح ہوئی؟ فافهم وتدبر ولا تكن من الغافلين

امید کہ اس تفصیل کے بعد آپ کی تشویش دور ہو جائے گی، پھر بھی خدانہ خواستہ دور نہ ہو تو بہ وقتِ ملاقات زبانی دریافت فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/صفر ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

وطن اقامت کب باطل ہوتا ہے؟

سوال: زید ایک جگہ پندرہ دن سے زیادہ قیام کا ارادہ کیا بعد ۳ دن قیام کرنے کے زید کسی ضرورت سے سفر شرعی یعنی ۴۸ میل سے تجاوز کر کے پھر وہی اول جگہ قیام کیا ہے، یا قیام کرنے سے قبل دل میں خیال کیا تھا کہ بعد تین دن قیام کے مجھے فلاں کام کے لیے ۴۸ میل سفر کرنا ہے؛ تو اسے قیام میں کوئی خلل آتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر زید کا ارادہ شروع ہی سے پندرہ دن یا اس سے زیادہ قیام کا ہے تو وہ اس جگہ پر مقیم بن گیا، قصر نہ کرے بلکہ نمازیں پوری پڑھے، اور اگر زید کا ارادہ شروع سے یہ ہے کہ تین دن کے بعد فلاں کام کے لیے یہاں سے جانا ہے (چاہے ۴۸ میل دور جانا ہو یا کم) تو وہ اس جگہ پر مقیم نہیں بنا؛ البتہ اگر تین دن کے بعد اس کام کے لیے گیا پھر واپس آکر پندرہ یوم یا اس سے زیادہ قیام کی نیت کی تو وہ مقیم بن گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

وطنِ اقامت سفرِ شرعی سے باطل ہوجاتا ہے

سوال: جیسے ہم سبھی حضرات ایک لمبی مسافت طے کرکے دور دراز پڑھانے جاتے ہیں، اور اقامت پذیر ہوتے ہیں مدرسوں میں؛ لیکن کبھی کبھی وطن بھی جانا ہوتا ہے، اور تعطیلات بھی پڑتی ہیں، جن کا وقت متعین ہوتا ہے ایسی صورت میں مثلاً ہم ایک ایسی جگہ رہ رہے ہیں جو ہمارا وطن اقامت ہے، اور مدرسہ کی طرف سے تعطیل کا وقت متعین ہوگیا کہ ۲۰ کو تعطیل ہوگی اور بیس کو ہمارا جانا بھی متحقق ہے مگر کسی وجہ سے ۱۸ یا پندرہ کو مدرسہ کے کام سے یا کسی وجہ سے اتنی دور جانا پڑا جو سفرِ شرعی ہے اور واپس آکر اپنے وطن اقامت میں باقی دن پورا کرتے ہیں تو قصر کریں یا اتمام کریں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں قصر کرنا ہوگا ہمارے تمام اکابر کے فتاوی اور عمل یہی ہے،

اور کتب مذہب سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کسی کے تفرد پر توجہ نہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسافر شخص اقتدا کی صورت میں نماز کس طرح پڑھے؟

سوال: ایک مسافر چار رکعت والی نماز میں جماعت میں اس وقت شریک ہوا کہ وہ آخری یعنی چوتھی رکعت تھی۔ اس نے امام کے سلام پھیرنے کے بعد صرف ایک رکعت پڑھا یہ خیال کر کے کہ میں مسافر ہوں اور قصر پڑھ سکتا ہوں۔ آیا اس مسافر کی نماز ہوئی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی ہو تو اب یہ شخص نماز کو وقت کے اندر ادا کرنا چاہتا ہے تو کتنی رکعت پڑھے اور اگر قضاء ہوئی ہو تو کتنی رکعت ادا کرنا ہوں گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کی وہ نماز درست نہیں ہوئی۔ مسافر مقتدی اگر وقت کے اندر مقیم امام کی اقتداء میں نماز پڑھے تو اس کو بھی چاہیے کہ پوری نماز پڑھے۔ اب جب کہ وہ نماز درست نہیں ہوئی تو اس کے لیے ضروری ہے کہ پھر سے پڑھے، اب اگر اکیلا پڑھتا ہے تو چاہے وقت کے اندر ہو یا وقت کے بعد دونوں صورتوں میں قصر کرے گا اور اگر وقت کے اندر مقیم امام کی اقتداء میں پڑھتا ہے تو پوری پڑھے۔ وقت کے بعد مقیم امام کے پیچھے نہیں پڑھ سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰ / ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تبلیغی جماعت کے لیے قصر واتمام کے چند احکام

سوال: ①ایک تبلیغی جماعت پالنپور سے مہوا پہونچی، مہوا مرکز کے امیر جماعت نے اس جماعت کے افراد سے مہوا کے اندر ایک ماہ رہ کر مہوا اور مہوا کے اطراف میں کام کرنے کے لیے کہا؛ چناں چہ سارے ساتھیوں نے ایک ماہ اقامت کی نیت کرلی اور مہوا سے اتنی دور تک جاکر کام کرنا شروع کردیا جو شرعی مسافت سے کم ہے تو کیا یہ لوگ قصر کریں گے کہ اتمام؟

②الف) ایک تبلیغی جماعت شرعی مسافت طے کرکے ایک جگہ پہونچی اور وہاں جاکر نیت کرلیا کہ ہمیں یہاں پندرہ دن سے زائد رہ کر کام کرنا ہے تو آیا وہ مسافر رہیں گے یا مقیم؟

(ب) نیز ایک جماعت مہوا سے بوٹاڈ کے لیے روانہ ہوئی، اور بوٹاڈ پہنچ کر اسے ایک چلہ پورا کرنا تھا اگر بوٹاڈ میں اقامت کی نیت کرتے ہیں اور کام بوٹاڈ اور بوٹاڈ سے اتنی دور تک جاکر کرتے ہیں جو شرعی حد سے کم ہے تو کیا اتمام کریں یا قصر اگر قصر کئے ہوں تو پھر کیا کریں گے؟

(ج) نیز کتنے کیلومیٹر انسان سفر کرے تو مسافر شمار ہوگا؟ فتاوی رحیمیہ میں ۷۷ میل لکھا ہے، آپ کے نزدیک جو راجح ہو تحریر فرمائیں، واضح رہے کہ عموماً جماعتیں ہر جگہ کے مرکز کے تابع ہوا کرتی ہیں۔ لہٰذا اس مرکز کے تابع ہوکر ہی کام کرنا ہوتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر پندرہ یوم یا اس سے زیادہ کا قیام صرف مہوا میں کرنے کی نیت ہوتی تو وہ

لوگ اتمام کرتے؛ لیکن مہوا کے اطراف میں بھی کام کا نظام پہلے سے بنالیا گیا ہے، اور اسی پر عمل کرنا ہے تو پھر ایک جگہ پندرہ یوم کی نیت کہاں رہی؟ اگر نیت کی بھی تو وہ درست نہیں۔

فلو دخل الحاج مكة ايام العشر لم تصح نيته لانه يخرج الى منى وعرفة فصاركنية الاقامة فى غير موضعها (درمختار) وهذا مسافر حكما وان نوى الاقامة لعدم انقضاء سفره مادام عازما على الخروج قبل خمسة عشر يوماالخ (شامى ۱/۴۸۱)

(الف) اگر ایک ہی مقام (بستی) میں پندرہ یا زائد ایام قیام کرکے کام کی نیت ہے تو وہ حضرات مقیم قرار دیئے جائیں گے ورنہ نہیں۔

(ب) جب پہلے سے یہ تجویز ہوا ہے کہ کام بوٹاڈ اور اس کے اطراف میں کرنا ہے تو یہ ایک ہی جگہ قیام نہیں ہوا، رہا اتمام وقصر کا سوال تو اس کا جواب اس پر موقوف ہے کہ مہوا اور بوٹاڈ کے درمیان مسافت سفر ہے یا نہیں؟ نیز بوٹاڈ کے جن اطراف میں کام کرنا ہے وہ مہوا سے کتنی مسافت پر ہیں؟

(ج) ۷۷ رکیلومیٹر سے آدمی مسافر بن جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب صلاۃ الجمعۃ

قصبہ کے مثل بستی میں جمعہ

سوال: بستی پام ریج (جنوبی افریقہ)

① مقام وتعریف آبادی: پام ریج ایک نئی بستی جو صوبہ ٹرانسوال (جنوبی افریقہ) میں واقع ہے، یہاں کے باشندے تقریباً دو ڈھائی سال سے آباد ہیں کل آبادی تخمیناً ۳۱۷۵ کی ہے۔

جنس:	مسلم	غیر مسلم
آبادی:	۸۴۰	۲۳۳۵
مکانات:	۱۶۵	۴۶۷
کل تعداد:	۳۱۷۵	۶۳۵

② سرکاری نظام ودفتر: کل انتظامات بستی کے متعلق دو دفتروں سے ہوتا ہے، مثلاً: زمین یا مکان کی خرید وفروخت، بجلی و پانی وٹیکس کی ادائیگی، فریاد (متعلق بستی) وغیرہ۔

③ حفاظت وامن: ایک پولیس اسٹیشن ہے؛ نیز بستی والوں کی حفاظت وامن کے لیے فوجی گاڑی مع پولیس ۲۴ گھنٹہ بستی میں گشت کرتے ہیں۔

④ ڈاکخانہ: فی الحال کوئی خاص مکان نہیں ہے ڈاک خانہ کے لیے، لیکن حکومت کی طرف سے ایک گاڑی (Mobile Vehicle) روزانہ آتی ہے، اور باقاعدہ سب کچھ دستیاب ہوتا ہے، جو اور ڈاک خانوں سے ملتا ہے، ڈاکیہ (postman)

ہر مکان تک ڈاک پہونچا تا ہے، تقریباً ہر گھر میں ٹیلیفون موجود ہے۔

⑤ صحت وعلاج: ایک سرکاری دواخانہ موجود ہے، جہاں سے دوا انجکشن وغیرہ مفت میں حاصل ہوسکتا ہے، خود سرکاری متعینہ ڈاکٹر حاضر ہے، اور نرس (Nurse) بھی، دو انفرادی (Privete) ڈاکٹر اپنے اپنے دواخانوں میں مریضوں کا علاج کرتے ہیں بعوض فیس (Fee)۔

⑥ صلوٰۃ: ایک جماعت خانہ میں پنج وقت کی نماز ہوتی ہے بالجماعت، عنقریب مسجد کی تعمیر ہوجائے گی۔

⑦ سرکاری اسکول، دینی مدرسہ، سرکاری کتب خانہ عام لوگوں کے واسطے۔

⑧ متفرقات: باقاعدہ دوکان جہاں پر سب ضروری اشیاء بکتی ہیں، مثلاً: دودھ، تیل، آٹا، مرچ واناج، بسکٹ، روئی، مٹھائیاں و چاکلیٹ وغیرہ وغیرہ، پانچ مکان بصورت دوکان جہاں ضروریات دستیاب ہوتی ہیں، مرغیاں و گوشت مل سکتا ہے، پھل وسبزیاں ملتی ہیں، دودھ، دہی، ہر گھر تک سواری کے ذریعہ سے (Delivered) پہنچتا ہے، دو درزی جو مردوں کے کرتے، پائجامہ، ٹوپی اور زنانہ لباس و کپڑے بناتے ہیں، گویا اسلامی لباس حاصل ہوسکتا ہے، کاریگر و ہنرداں وفن دار، وکیل وغیرہ موجود ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لیے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا شرط ہے، بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں، بازار ہوں، روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں۔

ویشترط لصحتها الخ عن ابی حنیفة إنه بلدة كبيرة فيها سكك

و أسواق ولها رساتيق وفيها وال يقدر على انصاف المظلوم من الظالم بحشمته وعلمه أو علم غيره يرجع الناس إليه فيما يقع من الحوادث وهذا هو الاصح (شامی) وتقع فرضا فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق (شامی)

جو بستی ایسی نہ ہو بلکہ چھوٹی ہو وہ چھوٹا گاؤں ہے، وہاں جمعہ درست نہیں۔

وفیما ذکرنا اشارة الی انه لا تجوز فی الصغیرة الخ (شامی)

آپ نے سوال میں جو تفصیل تحریر فرمائی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بستی اپنے پھیلاؤ اور ضروریات کے اعتبار سے قصبہ کے مثل ہے، اس لیے اس میں جمعہ پڑھا جائے، بہتر یہ ہے کہ کسی عالم فقیہ کو بلا کر اس کا معائنہ کرادیا جائے، وہاں کے حالات کا مشاہدہ فرما کر جو کچھ وہ تجویز کریں اس پر عمل کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۰۷ھ

گاؤں میں جمعہ

سوال: چوں کہ ہم برادرانِ ملت مسلمین واگب، تحصیل: سوپور، ضلع: بارہ مولہ، کشمیر جو کہ پندرہ سو (۱۵۰۰) افراد پر مشتمل ہے، ہمارے گاؤں میں تین مساجد ہیں، ہمارے گاؤں میں ایک گورنمنٹ ہائی پرائمری اسکول، اور گرلز پرائمری اسکول، ایک فیملی پلاننگ سنٹر، ایک دیرینہ خستہ حال پنچایت گھر واقع ہے، اس کے علاوہ ضروریات زندگی کے آٹھ دکان ہیں، اور ایک کوآپریٹو دکان بھی ہے، ہمارے گاؤں میں مندرجۂ ذیل طبقوں کے لوگ آباد ہیں، مثلاً: نان بائی، کمہار، موچی، درزی، حجام، آش پز لوگ بستے ہیں، مزید اس کے ایک آہنگر بھی اپنا کام کاج چلا رہا ہے؛ لیکن

گاؤں ہذا کا اصلی باشندہ نہیں ہے، اور مثالی کوٹائی کی دو مشینیں، اور ہنڈسا بھی واقع ہے، ہمارے گاؤں میں چار ٹرکیں، آٹھ ٹانگہ، اور چند ریڑا بھی کام کر رہے ہیں۔

اس کے برعکس مندرجۂ ذیل ضروریات زندگی میسر نہیں ہیں، مثلاً: قصائی کی کوئی دکان نہیں، علاج کا کوئی بندوبست نہیں ہے، بیت الخلاء کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہے، سواری کے لیے ٹانگہ مشکل سے ملتا ہے، سواری گاؤں کا کوئی انتظام نہیں ہے، موسم سرما میں سبزی کا پورا انتظام نہیں ہے، اور کوئی شیر گوجری یعنی دودھ بکنے والا بھی نہیں ہے، دھوبی، نجار، گلکار، سوتھار، ہانجی لوگ غرض بہت سے قسم کے کاریگر یہاں موجود نہیں ہیں۔

اس کے برعکس قصبہ سوپور جہاں نماز جمعہ وعیدین بڑی کثرت سے پڑھی جاتی ہے، گاؤں ھذا سے قصبہ سوپور تقریباً تین کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے، جب کہ ہم قصبہ سوپور کی اذان صرف صبح وشام مائیکروفون (لاؤڈ اسپیکر) کے ذریعہ سن سکتے ہیں۔

چوں کہ ہم دو علمائے دین کے فتاوی سے چھ سال سے گاؤں ھذا میں نماز جمعہ اور نماز عیدین پڑھتے ہیں، جب کہ ان علمائے دین میں سے ایک نے چھ سال کے بعد نماز عیدین پڑھنے سے روکا، ان کا کہنا ہے کہ آپ نمازِ جمعہ گاؤں ھذا میں پڑھ سکتے ہیں لیکن نماز عیدین قصبہ سوپور میں ادا کرنی لازمی ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ آپ سوپور کی اذان بذریعہ مائیکروفون سن سکتے ہیں، اس لیے آپ پر لازم ہے کہ آپ نماز عیدین سوپور کے عیدگاہ میں پڑھیں، اور نماز جمعہ گاؤں ھذا میں ہی پڑھا کریں جب کہ چھ سال قبل انھوں نے ایسا نہ کہا۔

چوں کہ اب ہماری اپنی برادری میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے، کیوں کہ کچھ

علمائے دین اس فتوی پر راضی نہیں ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ گاؤں کی کل آبادی دو ہزار افراد لازمی ہے، اور ضروریات زندگی کی تمام چیزیں میسر ہونی لازمی ہے، اب ہماری برادری میں اختلاف ہوا، آدھے لوگ گاؤں ھذا میں نماز جمعہ اور عیدین ادا کرتے ہیں، اور بعض لوگ سو پور نماز جمعہ پڑھنے جاتے ہیں۔

اب عرض ہے کہ ہم نے اپنی برادری میں یہ فیصلہ لیا ہے کہ ہم علمائے دیوبند کی طرف رجوع کریں، اب آپ صاحبان کی خدمت میں عرض ہے کہ قرآن وحدیث، حنفیہ مسلک کے مطابق فتوی دے کر گاؤں ھذا کے اختلافات دور کر کے مشکور فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لیے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا ضروری ہے، بڑا گاؤں وہ ہے جو اپنی ضروریات روزمرہ: ڈاکخانہ، شفاخانہ، مدرسہ، بازار وغیرہ کے لحاظ سے قصبہ کے مثل ہو، اور تین چار ہزار کی آبادی ہو، جو گاؤں ایسا نہیں ہے وہاں جمعہ جائز نہیں؛ بلکہ روزانہ کی طرح جمعہ کے روز بھی ظہر کی نماز پڑھی جائے، آپ کے گاؤں کے حالات کی تفصیل پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بڑا گاؤں نہیں ہے، پھر بھی بہتر یہ ہے کہ کسی ایسے عالم وفقیہ کو جس پر سب کا اعتماد ہو بلا کر اس بستی کا معائنہ کرا دیا جائے، وہاں کے حالات دیکھ کر جو کچھ وہ تجویز کریں اس پر عمل کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/شوال ۱۴۰۷ھ

چھوٹی بستی میں جمعہ

سوال: واپی شہر سے تقریباً ۳؍کلومیٹر دوری پر ایک جگہ ''بلیٹھا'' نام سے ہے،

وہاں تقریباً ۷۰، ۸۰ گھر مسلمانوں کے ہیں، جمعہ کی نماز کے لیے اطراف میں کوئی مسجد نہیں ہے علاوہ واپی کے، جو تقریباً ۳؍کلومیٹر دور ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہاں جمعہ کی نماز قائم کرسکتے ہیں یا نہیں؟ وہاں ایک چھوٹی سی مسجد ہے جہاں پانچوں وقت کی نماز باضابطہ وقت کے مطابق ہوتی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لیے شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا شرط ہے۔ بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں، بازار ہوں، روزمرہ کی ضروریات ملتی ہوں، تین چار ہزار کی آبادی ہو؛ اور جو بستی ایسی نہ ہو بلکہ چھوٹی ہو وہ چھوٹا گاؤں ہے، وہاں جمعہ درست نہیں۔ آپ نے جس بستی کے متعلق دریافت کیا ہے اِس پر اُس کو منطبق کرکے دیکھ لیا جائے۔ (ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۳۰۱/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴؍جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بڑا گاؤں کسے کہتے ہیں؟

سوال: ہماری بستی جس میں مردم شماری تین ہزار ہے، جس میں چائے، ناشتہ وغیرہ کی چند ہوٹلیں ہیں، دکانیں ہیں، ہفتہ میں ایک دن کپڑے، مسالہ جات اور چپل وغیرہ کی دکانیں لگتی ہیں، خانگی دواخانہ ہے، گوشت، ترکاری اور دوسری ضروریات زندگی کے سامان بآسانی میسر آجاتے ہیں، کیا اس بستی میں جمعہ وعید کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں دو ہزار افراد پر مشتمل آبادی کو (قریہ کبیرہ) بڑی بستی شمار کر کے اس میں جمعہ کی نماز کو جائز قرار دیا ہے، اس فتویٰ کو سامنے رکھ کر ہر اس بستی میں جس کی مردم شماری دو ہزار ہو اس میں جمعہ پڑھنا جائز سمجھا جائے گا؟

اس زمانہ میں ایسی بستیوں سے تقریباً ضروریات زندگی میسر آ ہی جاتی ہیں، تفصیل سے جواب مرحمت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فتاویٰ محمودیہ میں ایک سوال جواب ہے ملاحظہ ہو:

سوال: ایک موضع جس کی کل آبادی تقریباً سوا دو ہزار یا کچھ زائد ہے، ایک چھوٹا بازار لگتا ہے، ڈاک خانہ بھی ہے، ضروریات کی چیزیں بھی اکثر مل جاتی ہیں، یہاں جمعہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: جمعہ کے لیے حنفیہ کے نزدیک شہر یا بڑا قصبہ ہونا ضروری ہے، چھوٹے گاؤں میں جمعہ درست نہیں، بڑا گاؤں وہ ہے جس میں گلی کوچے ہوں، اپنے پھیلاؤ اور ضروریات کے اعتبار سے قصبہ کے مثل ہو، تین، چار ہزار کی آبادی ہو۔ فقط

(فتاویٰ محمودیہ ۲/ ۳۰۴)

معلوم ہوا کہ مدار آبادی کی تعداد پر نہیں؛ بلکہ اس پر ہے کہ اس میں شہر یا قصبہ کی شان نمایاں ہو، آپ کی بستی بھی اس معیار پر اترتی ہے تو وہاں جمعہ اور عید درست ہے؛ ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک گاؤں میں نماز جمعہ کے وجوب کی تفصیل وتحقیق

سوال: ہمارے یہاں ایک بڑا دیہات ہے، اس میں مسلم وغیر مسلم ملا کر کل آبادی تقریباً دس ہزار کی ہے اس گاؤں میں پرائمری اسکول اور ہائی اسکول بھی ہے ڈاکٹر اور بڑا سرکاری ہسپتال بھی ہے، سنار حلوائی، کپڑے کی اور جوتوں کی دوکانیں بھی ہیں اور ڈاک خانہ بھی ہے اور تقریباً چالیس پچاس دوکانیں متصل ہیں روزمرہ کی تمام ضروری چیزیں ہر وقت مل جاتی ہیں، یہ گاؤں اطراف کی بستیوں کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور یہ گاؤں سرکاری ریکارڈ میں بڑا گاؤں شمار ہوتا ہے، پولس تھانہ البتہ اس میں نہیں ہے نیز عرف میں یہ قریۂ کبیرہ تو ہے ہی لیکن اگر قصبہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، دور دراز سفر کے لیے سواری وغیرہ کی سہولیات بھی میسر ہیں تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس بڑے گاؤں میں جمعہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(ويشترط لصحتها) سبعة أشياء:الأول: (المصر وهو ما لا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوى أكثر الفقهاء مجتبى لظهور التواني في الأحكام (درمختار)(قوله ويشترط إلخ) قال في النهر: ولها شرائط وجوبا وأداء منها: ما هو في المصلى. ومنها ما هو في غيره والفرق أن الأداء لا يصح بانتفاء شروطه ويصح بانتفاء شروط الوجوب.

(شامی مع الدر ۱/۵۹۰)

(وشرط لافتراضها) تسعة تختص بها (إقامة بمصر) (درمختار) (قوله: إقامة) خرج به المسافر، وقوله: بمصر أخرج الإقامة في غيره

إلا ما استثنى بقوله فإن كان يسمع النداء ح (شامی ۱/۶۰۱)

(قوله ورجح في البحر إلخ) هو ما استحسنه في البدائع وصحح في مواهب الرحمن قول أبي يوسف بوجوبها على من كان داخل حد الإقامة أي الذي من فارقه يصير مسافرا وإذا وصل إليه يصير مقيما، وعلله في شرحه المسمى بالبرهان بأن وجوبها مختص بأهل المصر والخارج عن هذا الحد ليس أهله. اهـقلت: وهو ظاهر المتون. وفي المعراج أنه أصح ما قيل. وفي الخانية المقيم في موضع من أطراف المصر إن كان بينه وبين عمران المصر فرجة من مزارع لا جمعة عليه وإن بلغه النداء وتقدير البعد بغلوة أو ميل ليس بشيء هكذا رواه أبو جعفر عن الإمامين وهو اختيار الحلواني وفي التتارخانية ثم ظاهر رواية أصحابنا لا تجب إلا على من يسكن المصر أو ما يتصل به فلا تجب على أهل السواد ولو قريبا وهذا أصح ما قيل فيه اهوبه جزم في التجنيس. قال في الإمداد: تنبيه قد علمت بنص الحديث والأثر والروايات عن أئمتنا الثلاثة واختيار المحققين من أهل الترجيح أنه لا عبرة ببلوغ النداء ولا بالغلوة والأميال فلا عليك من مخالفة غيره وإن صحح اهـ

أقول: وينبغي تقييد ما في الخانية والتتارخانية بما إذا لم يكن في فناء المصر لما مر أنها تصح إقامتها في الفناء ولو منفصلا بمزارع فإذا صحت في الفناء لأنه ملحق بالمصر يجب على من كان فيه أن يصليها لأنه من أهل المصر كما يعلم من تعليل البرهان والله الموفق.

(شامی مع الدر ۱/۶۰۲)

أما المصر الجامع فشرط وجوب الجمعة وشرط صحة أدائها عند

أصحابنا حتى لا تجب الجمعة إلا على أهل المصر ومن كان ساكنا في توابعه وكذا لا يصح أداء الجمعة إلا في المصر وتوابعه فلا تجب على أهل القرى التي ليست من توابع المصر ولا يصح أداء الجمعة فيها (بدائع ۲۵۹/۱)

سوال میں آپ نے اپنی بستی کے جو حالات وکوائف تحریر فرمائے ہیں ان کے پیش نظر وہاں کے رہنے والوں پر حسب شرائط جمعہ واجب ہے اور اس بستی میں جمعہ کی نماز درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ر صفر ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

شرائط جمعہ نہ پائے جانے کے باوجود جمعہ پڑھنا

سوال: کسی گاؤں میں جمعہ اگر پہلے سے چلی آتی ہو، تو کیا ائمہ ثلاثہ کے قول پر عموم بلوی کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا جائے گا؛ جب کہ شہر میں بھی احناف کے جملہ شرائط جو جمعہ کے لیے ہیں آج نہیں پائے جارہے ہیں؟ نیز یہ بھی واضح کریں کہ پڑھی گئی جمعہ کی نماز اگر صحیح نہیں تو کیا بستی والے گنہگار ہوئے؟ اگر ہوئے تو کفارہ کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جمعہ کے لیے حنفیہ کے نزدیک شہر یا بڑا قصبہ ہونا ضروری ہے، چھوٹے گاؤں میں جمعہ درست نہیں۔ (فتاوی محمودیہ ۳۰۴/۲)

بغیر شرائط کے جمعہ پڑھنے سے ظہر کی نماز ذمہ سے ساقط نہیں ہوئی۔ (فتاوی محمودیہ

۳۱۰/۲) لوگوں کو چاہیے کہ ظہر کی قضا کرلیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ رذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

چھوٹے دیہات میں جمعہ کا حکم

سوال: مہاراشٹر صوبہ کے امراوتی ضلع مورسی تعلقہ میں ایک چھوٹا سا دیہات ہے، اور یہاں پر مسلمانوں کے صرف دس مکان ہیں یہاں پر بازار بھی نہیں بھرتا اور مسلمان میت کا سامان بھی نہیں ملتا؛ کیا ایسی حالت میں یہاں جمعہ کا خطبہ یا عید کا خطبہ ہوسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جمعہ کی نماز درست ہونے کے لیے احناف کے نزدیک شہر یا قصبہ یا بڑا گاؤں ہونا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جیل خانہ میں نماز جمعہ

سوال: آنجناب کا مرسل نامہ جیل میں جمعہ پڑھنے کے متعلق دستیاب ہوا، جس میں آپ نے لکھا تھا کہ انتظام ہونے کی وجہ سے جمعہ ہی پڑھیں، اور استدلال میں فتاوی محمودیہ (۱۶/ ۴۰۴ ملخصا) کا حوالہ دیا گیا؛ لیکن عبارت نقل نہیں کی گئی ہے جس کی وجہ سے جواب تشفی بخش معلوم نہیں ہوا، نیز چوں کہ فتاوی رحیمیہ جلد ۳/ ۵۳ پر عبارت درج ذیل ہے:

''اپنے شہر کے جیل خانہ میں جو قید ہیں ان پر جمعہ کی نماز لازم نہیں؛ کیوں کہ جیل خانہ میں جانے کی عام اجازت نہیں الخ'' اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ جیل خانہ میں جمعہ نہیں ہے، جس کی وجہ سے بعض لوگ ظہر کی نماز پڑھتے ہیں اور بعض لوگ جمعہ ہی کی نماز عرصۂ دراز سے پڑھتے چلے آئے ہیں اور احتیاطاً جمعہ پڑھنے والے لوگ ظہر بھی علیحدہ علیحدہ پڑھ لیا کرتے ہیں، اب اس میں کونسی صورت درست ہے؟ کتب فقہ کی عبارت دیکھ کر واضح فرمائیں، چوں کہ شدید اختلاف ہو رہا ہے، جمعہ نہ پڑھنے والوں پر طعن وتشنیع ہو رہی ہے؛ نیز آپ کو معلوم ہو کہ وہ وارڈ یا ہال جس میں جمعہ ہوتی ہے وہ صرف جمعہ کے دن نماز جمعہ ہی پڑھنے کے لیے کھولا جاتا ہے اور نگرانی میں پولس موجود ہوتی ہے، جمعہ کی نماز کے بعد تالا لگ جاتا ہے اور بقیہ پنج وقتہ نماز اپنے اپنے وارڈ میں بعض لوگ چند ساتھی مل کر جماعت کے ساتھ اور بعض علیحدہ علیحدہ ہی پڑھتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز جمعہ کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط اذن عام بھی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جس جگہ نماز جمعہ ادا کی جارہی ہو وہاں پر کسی ایسے آدمی کو جو نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے آنا چاہتا ہے آنے سے روکا نہ جائے؛ تاکہ جس پر نماز جمعہ واجب ہے اس کے لیے یہ ممانعت مفوت جمعہ نہ بنے، اسی اذن عام والی شرط کی جہاں پر فقہاء نے تشریح وتفصیل فرمائی ہے، وہاں پر ایک مثال لکھی ہے کہ اگر حاکم وقت قلعہ میں نماز جمعہ پڑھا رہا ہے قلعہ کا دروازہ آنے والوں کے لیے بند رکھا ہے تو یہ نماز جمعہ درست نہیں؛ اس لیے کہ حاکم وقت خود جمعہ کی نماز قائم کر رہا ہے تو دوسرے کو اس کی

اجازت نہ ہوگی، اس صورت میں دوسری جگہ جمعہ قائم نہیں ہورہا ہے اور قلعہ جہاں جمعہ قائم ہورہا ہے وہاں پر سب کو آنے کی اجازت نہیں ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے وہ لوگ جن پر جمعہ واجب ہوچکا ہے قلعہ میں جانے کی ممانعت کی وجہ سے جمعہ کی نماز سے محروم رہیں گے جو درست نہیں، اس لیے اگر قلعہ کا دروازہ جمعہ کی نماز کے وقت بند نہیں رکھا جاتا یا بند تو رکھا جاتا ہے لیکن اس کا مقصد جمعہ کی نماز سے روکنا نہیں ہے؛ بلکہ دشمن کے اچانک گھس آنے سے حفاظت ہے یا اور جگہوں پر جمعہ قائم کیا جارہا ہے تو اس صورت میں قلعہ کے دروازہ کو بند رکھنا دوسرے لوگوں کے حق میں مفوت جمعہ نہیں ہے، اس لیے جمعہ کی نماز درست ہوگی۔

درمختار میں ہے:

والسابع: الاذن العام من الإمام وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين(كافى) فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو عادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا المصلى، نعم لو لم يغلق لكان أحسن كما فى مجمع الانهر معزيالشرح عيون المذاهب قال: وهذا أولى مما فى البحر والمنح فليحفظ (فلو دخل أمير حصنا)أو قصره (واغلق بابه) وصلى بأصحابه (لم تنعقد) ولو فتحه وأذن للناس بالدخول جاز. (در مختار)

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

قوله (أو قصره) كذا فى الزيلعى والدرر وغيرهما، وذكر الوانى فى حاشية الدرر: ان المناسب للسياق أو مصره "بالميم بدل القاف" قلت: ولا يخفى بعده عن السياق وفى الكافى التعبير بالدار حيث قال: والاذن

العام وهو أن تفتح أبواب الجامع يؤذن للناس حتى لو اجتمعت جماعة فى الجامع واغلقوا الأبواب، وجمعوا لم يجز، وكذا السلطان إذا أراد أن يصلى بحشمه فى داره فإن فتح بابها وأذن للناس إذنا عاما جازت صلاته شهدتها العامة أولا، وإن لم يفتح أبواب الدار واغلق الأبواب واجلس البوابين ليمنعوا عن الدخول لم تجز؛ لأن اشتراط السلطان للتحرز عن تفويتها على الناس وذا لا يحصل الا باذن العام، قلت: وينبغى أن يكون محل النزاع ما اذا كانت لاتقام الا فى محل واحد اما لو تعددت فلا لانه لا يتحقق التفويت كما افاده التعليل تامل (شامی ۱/۶۰۲)

جیل خانہ یا قلعہ اور اس جیسی سرکاری جگہوں میں جمعہ کے درست ہونے نہ ہونے کے سلسلہ میں ہمارے اکابر کے فتاوی مختلف ہیں، وجہ اس کی ظاہر ہے کہ وہاں پر ہر ایک کو جانے کی اجازت نہیں ہوتی، جن اکابر (حضرت مفتی سید عبد الرحیم صاحب دامت برکاتہم) نے وہاں جمعہ کی نماز صحیح نہ ہونے کا جو فتوی (فتاوی رحیمیہ ۳/۵۹) تحریر فرمایا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ اذن عام - جو صحت جمعہ کے شرائط میں سے ہے - موجود نہیں، اور جن اکابر نے: حضرت تھانویؒ نے امداد الفتاوی جدید (۱/ ۶۱۴) میں اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانیؒ نے فتاوی دار العلوم مکمل ومدلل (۵/ ۱۰۴ تا ۱۰۷) میں اور حضرت فقیہ الامتؒ نے فتاوی محمودیہ (۱۶/ ۴۰۴) میں ایسی جگہوں پر جمعہ کے درست ہونے کا فتوی دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں پر ہر ایک کو جانے کی اجازت نہ ہونا نماز جمعہ سے روکنے کے لیے نہیں؛ بلکہ قانونی تحفظ کے پیش نظر ہے، اس لیے یہ ممانعت اذن عام کے منافی نہیں خصوصاً جب کہ شہر میں دوسری جگہوں پر جمعہ قائم ہوتا ہے۔

آپ کی تسلی وتشفی کے لیے مندرجۂ بالا تفصیل لکھی گئی، آپ تحریر فرماتے ہیں کہ ''چوں کہ شدید اختلاف ہورہا ہے جمعہ نہ پڑھنے والوں پر طعن وتشنیع ہورہی ہے'' یہ بات کوفت کا باعث ہے، جیل خانہ میں رہ کر بھی یہ رویہ اور طرز عمل لائق مذمت ہے، چوں کہ دونوں طرف اکابر کے فتاوی موجود ہیں؛ اس لیے کوئی ایک فریق دوسرے پر نہ تو طعن وتشنیع کرے، نہ اس کو برا سمجھے۔ جمعہ پڑھنے والے جمعہ کی نماز پڑھنے کے ساتھ احتیاطاً ظہر بھی علیحدہ علیحدہ پڑھ لیا کرتے ہیں وہ کس بنیاد پر نہ پڑھنے والوں پر طعن وتشنیع کرتے ہیں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ جس ہال یا وارڈ میں نماز جمعہ پڑھی جاتی ہے وہ صرف نماز جمعہ کے لیے کھولا جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ رجب ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

زوال سے پہلے اذان جمعہ

سوال: شہر بیجاپور کی اکثر مساجد میں بروز جمعہ اذان کا یہ معمول ہے کہ بارہ مہینے ٹھیک ساڑھے بارہ بجے دی جاتی ہے، چاہے زوالِ آفتاب کسی بھی وقت ہو، تو کیا اس طرح اذان دینا درست ہے؟ اگر اذان زوال سے پہلے دی گئی تو اعادہ ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فقہ حنفی کی تمام کتابوں میں جمعہ کے وقت کے سلسلہ میں صراحۃً لکھا ہے کہ وہ زوال، یعنی سورج کے ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے، اور اذان کے لیے جو شرائطِ صحت منقول ہیں، ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس فرض ادا نماز کے لیے اذان دی جائے

اس کے لیے اس نماز کا وقت ہونا بھی شرط ہے، اگر وقت آنے سے پہلے اذان دی گئی تو صحیح نہ ہوگی، وقت آنے پر دوبارہ کہی جائے۔ (منقول از عمدۃ الفقہ ۲/ ۳۰)

آپ کے شہر بیجاپور میں سال کے بارہ مہینے اذانِ جمعہ ساڑھے بارہ بجے دینے کا جو معمول ہے، اگر اس وقت زوال ہوکر جمعہ کا وقت شروع ہوجاتا ہے تب تو صحیح ہے، ورنہ وہ اذان درست نہیں، وقت شروع ہونے کے بعد اذان دوبارہ کہی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شہر میں جمعہ کی اذانِ اول پر کاروبار بند کرنے کا مسئلہ

سوال: زید کی جس شہر میں ہوٹل ہے، اس شہر میں دو مختلف مسجدوں میں مختلف اوقات میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، زید نے جمعہ کے وقت کاروبار بند کرنے کے بجائے ہوٹل کے آدھے ملازمین کو ایک مسجد میں جہاں ایک بجے جمعہ کی نماز ہوتی تھی نماز پڑھنے کے لیے بھیج دیا، اور جب وہ نماز پڑھ کر آئے تو کاروبار میں لگ گئے، اور بقیہ ملازمین کو دوسری مسجد میں جہاں دو بجے نماز جمعہ ہوتی ہے نماز پڑھنے کے لیے بھیج دیا، تو کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے؟

دوسرا دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(الف) نمازِ جمعہ کے وقت کاروبار کو جاری رکھتے ہوئے ہر ایک آدمی نمازِ جمعہ ادا کرلے یہ شرعاً درست ہے؟

(ب) اگر نمازِ جمعہ کے وقت کاروبار کو بند کرنا ضروری ہے تو جس شہر میں مختلف

مسجدوں میں مختلف اوقات میں اذانِ جمعہ ہوتی ہے تو کونسی مسجد کی اذان کے وقت کاروبار بند کرنا ضروری ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جمعہ کی اذانِ اول کے بعد بیع وشرا (خرید وفروخت) مکروہ تحریمی ہے، ایسی بیع سے توبہ اور اس کا فسخ دیانۃً واجب ہے، قضاءً نہیں، بیع فاسد قضاءً بھی واجب الفسخ ہوتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۱۴)

اس لیے (الف) نمازِ جمعہ کے وقت کاروبار کو جاری رکھتے ہوئے ہر ایک کا جمعہ پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ کاروبار کا بند رکھنا ضروری ہے۔

(ب) اس سے متعلق صریح جزئیہ اس لیے نہیں ملتا کہ پہلے زمانہ میں پورے شہر میں صرف ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا تھا، لہٰذا اس کو عام نمازوں کی اذان پر قیاس کیا جائے گا، عام اذان کی اجابت باللسان میں اذان اول کا اعتبار ہے، اور اجابت بالقدم میں اذانِ محلہ کا اعتبار ہے، اس سے ثابت ہوا کہ وجوب سعی الی الجمعہ وکراہیتِ بیع میں مسجد محلہ کی اذان معتبر ہے۔ (احسن الفتاوی ۴/ ۱۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جمعہ کے وقت ہوٹل بند رکھنا ضروری ہے

سوال: میری ہوٹل ہائیوے ۸/ پر ہے اور واپی سے قریب دو ڈھائی کیلومیٹر ہے، بلیٹھا کر کے ایک دیہات پڑتا ہے اور ایک مسجد بھی ہے، جس میں جمعہ ابھی ابھی شروع ہوا ہے، تو کیا جمعہ کے روز ہوٹل جمعہ پڑھنے کے لیے بند کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ آبادی ایسی ہو کہ جہاں پر شرعاً جمعہ فرض ہوجاتا ہے، اور آپ کی ہوٹل اس آبادی کے حدود میں واقع ہے تو آپ پر جمعہ واجب ہے، اور اس وقت ہوٹل بند رکھنا بھی ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ رمحرم الحرام ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

اردو میں خطبہ

سوال: خطیب جمعہ کے اول خطبہ میں اللہ کی حمد وثناء کے بعد اردو میں تقریر کرتا ہے اور اس تقریر میں وعظ نصیحت کرتا ہے، تو ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اردو میں خطبہ مکروہ تحریمی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۲۹۵)

اس موضوع پر مستقل رسائل بھی موجود ہیں اور کتبِ فتاویٰ میں مفصل فتاوی بھی، ان کا مطالعہ مفید ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خطبۂ جمعہ میں عربی کے علاوہ دوسری زبان کی ملاوٹ

سوال: (۱) جمعہ کا خطبہ مخلوط طور پر دینا کیسا ہے؟

(۲) بہت سے علاقوں میں آج کل جمعہ کا خطبہ اردو میں دیا جاتا ہے، زمانۂ دراز

سے یہ رواج چلا آرہا ہے، اب اس کو بند کرنا کیسا ہے؟ کیا اس قدیم رواج کو ختم کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① خطبہ کا مسنون اور متوارث طریقہ یہی ہے کہ خالص عربی نثر میں ہو، قرنِ اول میں بلادِ عجم فتح ہوئے اور ان میں تبلیغ وتفہیم کی ضرورت آج سے بہت زیادہ تھی، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں عجمی زبان جاننے والے بھی موجود تھے، اس کے باوجود کہیں ثابت نہیں کہ عجمی زبان میں خطبہ پڑھا گیا ہو، تفہیم کی ضرورت سے انکار نہیں؛ لیکن طریقۂ ماثورہ کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ (کفایت المفتی ۳/۲۳۶)

الكراهة إنما هي لمخالفة السنة لأن النبي ﷺ وأصحابه قد خطبوا دائما بالعربية، ولم ينقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غير الجمعة بغير العربية (آكام النفائس ۱۱۹)

الخطبة بالفارسية التي احدثوها واعتقدوا حسنها ليس الباعث إليها إلا عدم فهم العجم اللغة العربية، وهذا الباعث قد كان موجوداً في عصر خير البرية، وإن كان فيه اشتباه فلا اشتباه في عصر الصحابة والتابعين ومن تبعهم من الأئمة المجتهدين حيث فتحت الامصار الشاسعة والديار الواسعة، و أسلم أكثر الحبش والروم والعجم وغيرهم من الاعاجم، وحضروا مجالس الجمع والاعياد وغيرها من شعائر الاسلام، وكان أكثرهم لا يعرفون اللغة العربية ومع ذلك لم يخطب لهم أحد منهم بغير العربية، ولما ثبت وجود الباعث فى تلك الأزمنة وفقدان المانع والتكاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم يبق إلا الكراهة

التی ھی أدنی درجات الضلالة (ایضاً ۱۴۴)

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ خطبۂ جمعہ میں عربی کے علاوہ دوسری زبان کی ملاوٹ مکروہ ہے۔

② جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے خطبۂ جمعہ میں دوسری زبان کی ملاوٹ سنتِ متوارثہ اور طریقۂ مسنونہ کے خلاف ہے، اب اس کو محض اس لیے جاری رہنے دینا کہ زمانۂ دراز سے اس کا رواج چلا آرہا ہے، سنت کے مقابلہ میں رواج کو ترجیح دینا ہوا جو درست نہیں، ہر مسلمان کا فریضہ ہے کہ اس قسم کے رواج کو ختم کر کے اس کی جگہ سنتِ متوارثہ کو جاری کرنے کی سعی کرے؛ البتہ اس کے لیے حسنِ تدبیر کے طور پر ضروری ہے کہ لوگوں کی ذہن سازی کے لیے سنت کی برکت واہمیت اور رواج کی قباحت سے ان کو واقف کیا جائے اور جب یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے اور اس سے بڑے کسی نقصان کا قوی اندیشہ باقی نہ رہے تب اس پر عمل شروع ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ صفر ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

غیر عربی میں خطبہ دینا

سوال: مفتیان کرام کا کیا فرمانا ہے غیر عربی میں جمعہ کا خطبہ دینے کے بارے میں، خصوصاً آج کے دور میں امریکا اور انگلینڈ میں خطبے انگریزی میں دیے جاتے ہیں، بعض مساجد میں عربی خطبے سے قبل انگریزی بیان ہوتا ہے؛ مگر اس کے باوجود وہ یہ چاہتے ہیں کہ خطبہ انگریزی میں ہو، کیا اس کا جواز ہے؟ اور اگر ہے تو کیا دلائل ہیں؟

آپ کو اس کے بارے میں چند فوٹو کاپی بھیج رہا ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تمام خطبہ خالص عربی میں ہی ہونا چاہیے، اردو (انگریزی) میں پڑھنا یا اردو عربی میں پڑھنا بدعت سیئہ اور مکروہ تحریمی ہے، یہی مفتیٰ بہ ہے اور قابل عمل ہے۔ اس کے خلاف کرنا مکروہ تحریمی ہے جو گناہ سے خالی نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۹/۱۲۷)

آپ نے جو نقل بھیجی ہیں جہاں آپ نے ان کا مطالعہ کیا، وہیں مندرجۂ ذیل مقامات کا بھی مطالعہ فرمالیں:

① فتاویٰ محمودیہ جلد دوم از ص: ۲۷۷ تا ص: ۲۹۹۔ جلد نہم ص: ۱۲۳، ۱۲۴ اور ص: ۱۲۷ تا ص: ۱۳۰۔ جلد: ۱۴ از ص: ۲۶۲ تا ص: ۲۶۶

② حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا رسالہ ''الاعجوبہ فی عربیۃ خطبۃ العروبہ'' جس کا اردو نام ہے: ''خطبۂ جمعہ عربی زبان میں کیوں ہے؟'' یہ رسالہ جواہر الفقہ جلد اول کے از: ۳۴۷ تا ص: ۳۷۰ ہے۔

③ احسن الفتاویٰ جلد چہارم از ص: ۱۵۰ تا ص: ۱۵۴

④ فتاویٰ رحیمیہ جلد اول از ص: ۲۵۹ تا ص: ۲۶۳

⑤ امداد الفتاویٰ جدید جلد اول از ص: ۶۵۴ تا ص: ۶۶۳۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ذی القعدہ ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

اردو میں خطبہ دینا اور مقتدیوں کا اسے نہ سننا

سوال: عید کی نماز کے بعد امامِ عید نے پہلا خطبہ عربی میں پڑھا، بعدہ دوسرا خطبہ بھی عربی میں پڑھا، اور دوسرے خطبہ کا تھوڑا سا حصہ باقی رہ گیا تو امام صاحب نے اردو میں اس کا ترجمہ پڑھنا شروع کیا، ابھی ترجمہ جاری تھا کہ بارش شروع ہوگئی، اور لوگ عیدگاہ سے نکل گئے، پھر امام صاحب چند آدمی کے ساتھ خطبہ پڑھتے ہوئے رہ گئے، اور خطبہ پورا کر کے عیدگاہ سے نکلے، تو اس مسئلے میں معلوم کرنا ہے کہ نمازیوں نے اردو خطبہ چھوڑ کر عیدگاہ سے نکلنے کو اچھا سمجھا، تو کیا مقتدی کو گناہ ہوگا یا امام صاحب کو گناہ ہوگا؟ یا کسی کو گناہ نہیں ہوگا؟ تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خطبہ محض عربی زبان میں ہونا لازم ہے، اس کا ترجمہ کرنا یا اس کے ساتھ اور کسی زبان میں مستقل وعظ کہنا جائز نہیں۔ (فتاوی محمودیہ: ۲/ ۲۹۲)

خطبہ سننا واجب ہے اور چلا جانا درست نہیں۔ (۷/ ۲۰۸)

اس لیے امام تو اردو میں خطبہ دینے کی وجہ سے گنہگار ہوگا، اور مقتدی خطبہ چھوڑ کر چلے جانے سے گنہگار ہوئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا

سوال: جمعہ کے روز دو خطبوں کے درمیان امام صاحب کا بیٹھنا کیسا ہے؟ ایک

عامل سے اس کے متعلق سنا ہے کہ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے سامنے سے ایک عورت آئی جو بدنظری میں مشہور تھی۔ کہتے ہیں کہ اس کی نظر ایسی تیز تھی کہ اگر کسی کو غور سے دیکھ لیتی تو وہ چیز جل جاتی؛ اس لیے حضرت جبرئیل نے آپ ﷺ کو بٹھایا تھا۔ یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے۔

و سن الجلوس بين الخطبتين جلسة خفيفة الخ (مراقي الفلاح على هامش الطحطاوي ٢٨١)

آپ نے جو قصہ لکھا ہے وہ میرے علم میں نہیں ہے، جو صاحب بتلا رہے ہیں انہیں سے کتاب کا حوالہ طلب کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

خطبہ ختم ہونے سے پہلے کھڑے ہونے والوں کو بٹھا دینا

سوال: خطیب کے خطبہ ختم کرنے سے پہلے لوگوں کا کھڑا ہو جانا، اور کیا اس بات کا امام کو حق ہے کہ وہ کھڑے ہونے والے لوگوں کو بٹھائے؟ اور شریعت میں اس کے متعلق کوئی نکیر موجود ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب تک خطبہ ختم نہ ہو جائے وہاں تک اٹھنا درست نہیں ہے۔

وفي شرح الزاهدي: يكره لمستمع الخطبة ما يكره في الصلوٰة من

أكل، وشرب، وعبث، والتفات، ونحو ذلك اھ وفي الخلاصة: كل ماحرم في الصلوٰة حرم حال الخطبة؛ ولو أمرا بمعروف، وفي السيد: استماع الخطبة من أولها إلى آخرها واجب (طحطاوي على مراقي الفلاح۲۸۴)

امام ایسے لوگوں کو بٹھا سکتا ہے؛ بلکہ اس کو چاہیے کہ بٹھائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خطبۂ جمعہ میں بناتِ مکرمات رضی اللہ عنہن کا ذکر مبارک

سوال: خطبۂ جمعہ میں کوئی خطیب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاروں بیٹیوں کا نام بالترتیب لے، تو کیا اس طرح کا خطبہ پڑھنا بدعت ہے یا نہیں؟ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ دلائل کی وضاحت کے ساتھ جواب مطلوب ہے، عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہر زمانہ میں خطبہ کے مضمون کی ترتیب میں اسلام میں پیدا ہونے والے فتنوں سے مسلک اہلِ سنت والجماعت کی حفاظت کا اہتمام کیا گیا ہے؛ چناں چہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماءِ مبارکہ اور ان کے لیے دعا اور ان کے مناقب خطبہ میں لانے سے روافض وخوارج پر تردید اور مسلک اہل سنت کا اعلان مقصود ہے، سابق زمانوں میں جو فتنے تھے ان کی تردید کے لیے انہی صحابہ کا ذکر کافی تھا، جو مطبوعہ خطبوں میں مذکور ہیں، (دورِ حاضر کے) روافض کو حضرت فاطمہ کے سوا دوسری بنات مکرمات رضی اللہ عنہن سے بھی بغض ہے، اس لیے ان پر تردید کے پیش نظر خطبہ میں بنات مکرمات رضی اللہ عنہن کے مناقب وفضائل کا ذکر اور ان کے لیے دعاءِ ترضی کا معمول بنانا چاہیے، اس سے

اکابر کے مسلک سے انحراف لازم نہیں آتا؛ بلکہ ان کے مسلک کی تائید ہوتی ہے، اس لیے کہ ان کے خطبات جس نظریہ پر مبنی ہیں ان میں یہ اضافہ بھی اسی نظریہ کے تحت کیا گیا ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۴۶ بحذف وتغییر یسیر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

خطبہ کے وقت عصا لینا مستحب ہے

سوال: جمعہ اور عیدین میں خطبہ پڑھتے وقت امام کا عصا ہاتھ میں لینا کیا ضروری نہیں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مستحب ہے، ضروری نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خطبۂ جمعہ عربی میں ضروری ہے

سوال: جمعہ کا خطبہ کونسی زبان میں ہونا چاہیے؟ کیا انگریزی زبان میں خطبہ دیا جا سکتا ہے؟ (جب کہ عربی زبان میں کوئی خطبہ سمجھتا نہیں) اگر نہیں تو کیا وجہ ہے؟ حالاں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شروع فی الصلاۃ کے لیے تکبیر تحریمہ عربی میں کہنا شرط نہیں اور خطبہ بھی عربی میں شرط نہیں، علماء کے اقوال سے مفتیان عظام نے اس کو واجب قرار دیا ہے، بظاہر تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی غیر عربی میں خطبہ کی اجازت دے رہے ہیں۔

نوٹ: جس جگہ یہ خطبہ انگریزی میں ہورہا ہے وہ تو بڑی سختی سے امام صاحب کی دلیل پکڑتے ہیں، اور یہ لوگ علما کے اقوال کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں، مفصل بیان کیجیے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خطبۂ جمعہ کے عربی زبان میں ضروری ہونے پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ بنام "الاعجوبة فی عربية خطبة العروبة" موجود ہے جو جواہر الفقہ جلد اول میں ہے، اس کا مطالعہ فرمالیں۔

تکبیر تحریمہ عربی میں کہنے کو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی واجب فرماتے ہیں اور غیر عربی زبان میں تکبیر تحریمہ کو مکروہ تحریمی قرار دیا ہے۔ درمختار میں ہے "مع كراهة التحريم" شامی میں اس کی وضاحت کے ذیل میں اس کی تصریح موجود ہے۔ (در مختار شامی ۱/۳۵۶، ۳۵۷)

یہ علماء کا قول نہیں؛ بلکہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بیان کیا گیا ہے، دراصل وہ لوگ حنفیہ کے یہاں واجب سے کیا مراد ہے؟ یہ نہیں سمجھتے، کیا جو چیز مکروہ تحریمی ہو اس کو اجازت سے تعبیر کرنا درست ہے؟۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خطبہ کے وقت پنکھا جھلوانا

سوال: جمعہ کے خطبہ کے دوران خطبہ سنتے ہوئے دیہاتی پنکھا ہاتھوں سے ڈال سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خطبہ میں آیت درود کو درود شریف کے ساتھ ملانا

سوال: ہمارے یہاں آیتِ درود کے وقت درود (جمعہ کے خطبہ میں) زور سے پڑھتے تھے، تو میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ آیتِ درود کو درود سے ملا کر پڑھنے لگا جیسے: یایھا الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیماً اللّٰھُمَّ صل وسلم الخ پڑھنا شروع کیا، اب جن کو موقع نہ ملا وہ لوگ مجھ سے کہنے لگے کہ امام صاحب آپ آیت پر رکتے نہیں ہو، اب پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ آیت کے ساتھ درود کو ملانے میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس طرح آیت کا وصل درود شریف کے ساتھ جائز اور درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خطیب کا ''تعال'' پڑھنا لحن فاحش ہے

سوال: ایک خطیب صاحب جمعہ کے پہلے خطبہ میں جب ''وقال اللہ تبارك وتعالیٰ'' پڑھ کر آیت پڑھتا ہے تو وہ ''وقال اللہ تبارك وتعالیٰ'' یائے مقصورہ کو

حذف کرکے "وقال اللہ تبارك وتعال" پڑھتا ہے تو یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس خطیب کا "تعال" پڑھنا لحن فاحش ہے، ان کو اس پر متنبہ فرما کر آئندہ اصلاح کردی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۱۶ھ

خطیب کی شکل دیکھنے کے لیے ٹی وی اسکرین مسجد میں لگانا

سوال: برطانیہ کی اکثر مساجد چھوٹی ہیں، ان کا جماعت خانہ جہاں روزانہ پانچ وقت کی نماز ادا ہوتی ہے، جمعہ، عیدین کے خطبے پڑھے جاتے ہیں، وہ جماعت خانہ نمازیوں سے بھر جاتا ہے اور پھر دوسرے نمازی برابر کے ہال یا پھر اوپر کی منزل میں نماز ادا کرتے ہیں، جمعہ، عیدین کا خطبہ پڑھا جاتا ہے یا اس سے پہلے جو بیان دیا جاتا ہے، تو برابر میں دوسرے ہال میں صرف خطیب کی آواز سنائی دیتی ہے اور خطیب نظر نہیں آتے، تو کچھ مسجدوں میں ٹی وی اسکرین لگایا جاتا ہے، اس کے لیے جماعت خانہ میں منبر کے سامنے کیمرہ لگایا جاتا ہے، جمعہ، عیدین کے خطبے کے وقت کیمرہ کھول (ON) دیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے دوسرے ہال والے نمازی خطیب کو خطبہ دیتے یا بیان کرتے دکھائی دیتے ہیں، مسجد کے انتظامیہ کا کہنا ہے:

① جمعہ، عیدین کے خطیب کے علاوہ کوئی قراءت یا وعظ کی مجلس ہوتی ہے، تو کیمرہ کھول دیا جاتا ہے؛ تاکہ دوسرے ہال والے خطیب، قاری، عالم، واعظ وغیرہ کو دیکھ سکیں۔

(۲) امام صاحب (خطیب) نماز، وضوء وغیرہ کے طریقے عملی (کر کے) دکھاتے ہیں، وہ دوسرے ہال والے دیکھ سکیں۔

(۳) مسجد میں جو ٹی وی اسکرین لگائی گئی ہے، وہ مسجد کے (فنڈ) پیسوں سے خریدی نہیں گئی؛ بلکہ کسی نمازی بھائی نے مسجد کو بخشش کیا ہے، خطبہ کے بعد کیمرہ بند کر دیا جاتا ہے، کبھی کبھی بھول بھی جاتے ہیں۔

سوال (۱): کیا مسجد میں ٹی وی اسکرین لگانا شرعاً جائز ہے؟

(۲) جمعہ، عیدین کے خطبے کے درمیان دوسرے ہال والے نمازیوں کو خطیب صاحب کی شکل دیکھنا ضروری ہے؟

(۳) دورانِ خطبہ ٹی وی اسکرین پر فوٹو (تصویر) نظر آتا ہے، تو اس دوسرے ہال میں رحمت کے فرشتے آتے ہیں؟

(۴) جس وقت کیمرہ کھلا ہوتا ہے، اس وقت نمازی اپنی انفرادی نماز ادا کرے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جمعہ اور عیدین کے خطبات میں مقصود خطبہ کا سننا ہے، خطیب کی شکل وصورت کو دیکھنے کی ترغیب یا استحباب واستحسان کہیں نظر سے نہیں گذرا، اس کے لیے ٹی وی اسکرین جو عموماً آلۂ لہولعب سمجھا جاتا ہے اور بیشتر اسی میں استعمال ہوتا ہے، مسجد میں لگانا کسی حال میں درست نہیں، بقیہ سوالات کے جوابات اسی سے سمجھ میں آجائیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

محلہ کی مسجد اور دیگر جگہ میں تکرارِ جمعہ

سوال: علماء دین ومفتیان شرع متین کی خدمت میں یہاں لندن اور انگلینڈ کے دوسرے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں میں جمعۃ المبارک کے متعلق مسئلہ دریافت طلب ہے؛ لیکن پہلے تمہید کے طور پر یہاں کے حالات اور موسمیات کے متعلق چند باتیں عرض کرتے ہیں:

آزادی کے بعد سے یہاں ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش سے مسلمان آکر آباد ہونا شروع ہوئے، تبلیغی جماعت کی چلت پھرت؛ نیز علماء کرام کی جدوجہد سے مساجد ومدارس کے قیام کو تقویت ملی، جہاں کہیں مسلمانوں کی معتدبہ آبادی قائم ہوئی، وہاں کسی مکان یا ہال یا چرچ یا کسی بند تھیٹر (سنیما ہال) کو خرید کر پنج وقتہ نماز، جمعہ اور عیدین اور بچوں کی تعلیم کا انتظام کیا، یہاں کا موسم نہایت سرد ہے اور خنک ہے، گرمیوں میں گرمی بھی ہوتی ہے، دونوں موسموں میں اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں، دفتروں اور کارخانوں میں تعطیلات ہوتی ہیں، ماہِ اپریل میں ایک جمعہ کو سارے ملک میں تعطیل ہوتی ہے، ان ایام میں اور رمضان المبارک میں جمعہ کی نماز کے لیے اتنا کثیر اجتماع ہوتا ہے جو کسی صورت میں ایک جماعت میں نہیں سما سکتا، اور تعطیلات کے علاوہ ان طلباء کو سولہ سال تک جمعہ پڑھنے کا موقع نہیں ملتا، موسم کی خرابی کی وجہ سے بڑے پارک میں جمعہ کی نماز کا انتظام مشکل ہے، اور کسی بڑے ہال کو کرایہ پر لینے میں کافی مشکلات ودقتیں ہیں، ان حالات کے پیشِ نظر پرسٹن، ڈیوز بری، بلیک برن اور شہر لندن میں بعض مساجد، عبادت خانوں میں دو جمعہ کرنی پڑتی ہے؛ لیکن گذشتہ

ماہ لندن اپٹن لین کی مسجد میں یہاں کے مقامی مفتی صاحب (جو مسجد میں امام بھی ہیں) نے اعلان کیا کہ جمعہ کی دوسری نماز ناجائز اور مکروہ تحریمی ہے، جو لوگ جمعہ کی نماز کے لیے جمع ہوئے ہوں اور پہلے جمعہ میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے شریک ہونے کی گنجائش نہ ہو، تو وہ دوسرا جمعہ نہ پڑھیں؛ بلکہ ظہر کی نماز فرداً فرداً ادا کریں، اپٹن لین مسجد (عبادت خانہ، بنیادی شرعی مسجد نہیں ہے) کا محل وقوع اس طرح ہے: مکان نمبر ۶۲ اور ۶۴ کی جگہ ایک ہال بنایا گیا ہے، اور اس کے ساتھ مکان نمبر ۶۶ ہے، مکان نمبر ۶۶ اور ہال کے درمیان اندر داخل ہونے کا راستہ ہے، اور بیچ میں وضوء کی جگہ اور بیت الخلاء ہیں، یہیں سے راستہ ہال میں بھی جاتا ہے، اور مکان نمبر ۶۶ میں بھی۔

مذکورہ بالا پریشانیوں کی بناء پر اس جگہ میں دو جمعہ ہوتے ہیں، ایک جمعہ کے لیے مکان نمبر ۶۶ میں امام کا مصلیٰ ہوتا ہے اور صفیں بڑے ہال میں بھی ہوتی ہیں، اس کے باوجود جمعہ کی نماز ہی کی نیت سے وقت پر آئے ہوئے لوگوں کے لیے جگہ کی تنگی کی وجہ سے دوسرا جمعہ ہال میں کرتے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ نماز ہی کی نیت سے آئے ہوئے لوگوں کو شریعت مطہرہ جمعہ جیسی مہتم بالشان عبادت سے محروم رکھتی ہے یا ان کے لیے دوسرے جمعہ کی اجازت ہے؟ یا ان حالات میں مکروہ تحریمی ہے یا ناجائز؟ اگر کہیں اپٹن لین کی طرح دو جگہیں نہ ہوں؛ بلکہ ایک ہی جگہ ہو تو اس میں دوسرے جمعہ کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ عبادت خانوں اور شرعی بنیادی مسجدوں کے لیے دوسرے جمعہ کا مسئلہ الگ الگ شریعت مطہرہ کی روشنی میں تفصیلاً اور مدلل بیان کیا جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد محلہ میں جب کہ امام ومؤذن اور پنج وقتہ نمازی مقرر ہوں، ہیئت اولیٰ کے مطابق تکرار جماعت مکروہ ہے۔

ویکرہ تکرار الجماعۃ بإذان وإقامۃ في مسجد محلۃ، لا في مسجد طریق أو مسجد لا إمام لہ ولا مؤذن (درمختار)

اس لیے اس میں تو تکرار جمعہ نہ کریں؛ البتہ اگر وہ جگہ مسجدِ محلہ نہیں ہے اور سوال میں مذکور تمام اعذار موجود ہیں تو دوبارہ نماز جمعہ پڑھی جاسکتی ہے؛ مگر امام دوسرا ہونا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک بستی میں دو جگہ جمعہ قائم کرنا

سوال: ہمارے گاؤں میں پہلے سے نمازِ جمعہ ہورہی ہے، مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ملاکر تقریباً پانچ سو چھ سو سے زیادہ مکانات ہوں گے، اکثریت مسلمانوں کی ہے، مسلمانوں میں بھی تین جماعتیں ہیں: ایک صحیح المسلک اہلِ سنت وجماعت (دیوبندی) جن کی اکثریت ہے، دوم: بریلوی حضرات، جو دو نمبر پر ہیں، ان کی الگ مسجد ہے، وہاں بھی نمازِ جمعہ ہوتی ہے، نمبر تین پر شیعہ ہیں، ان کی بھی اپنی مسجد الگ ہے، وہ بھی نمازِ جمعہ پڑھتے ہیں۔ اب تک اپنی ایک ہی مسجد تھی، آبادی بڑھنے کی وجہ سے گاؤں سے بالکل متصل جو کھیتی کی زمین تھی اس میں مکانات کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوا، اور اب بڑھتے بڑھتے اس نے ایک بڑی آبادی کی شکل اختیار کرلی ہے، اس نئی آبادی

میں تقریباً ڈیڑھ سو مکانات ہیں جو قدیم آبادی میں اپنے ہم مسلک لوگوں کے مکانات سے قدرے زائد ہیں، اور آئندہ مزید مکانات کے بڑھنے کا امکان بھی ہے، ان حضرات کو گاؤں کی قدیم آبادی میں نماز کے لیے جانے میں دشواری تھی، جس کی بنا پر یہاں ایک مکان میں پنج وقتہ نماز تقریباً دس سال سے پڑھ رہے تھے، اور نمازِ جمعہ کے لیے گاؤں کی قدیم مسجد میں جاتے تھے، اب گاؤں کی نئی آبادی میں ایک وسیع وعریض مسجد تعمیر ہوگئی ہے جو گاؤں کی پرانی مسجد سے بھی بڑی ہے، اور سارے مصلیوں کے لیے ہر طرح کی سہولت بھی ہے، جب کہ پرانی مسجد قدیم وجدید آبادی کے سبھی افراد کے لیے ناکافی ہے۔ اِس وقت اُسی قدیم مسجد میں نمازِ جمعہ ہو رہی ہے اور مجمع اتنا کثیر ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو دھوپ میں نماز پڑھنی پڑتی ہے، بارش میں مسجد تنگ ہونے سے مصلیوں کو پریشانی ہوتی ہے، اور کبھی کبھی بعض حضرات کو جگہ بھی نہیں ملتی۔

اب سوال یہ ہے کہ نمازِ جمعہ دو جگہ دونوں مسجدوں میں ادا کی جائے یا ایک ہی مسجد میں؟ افضل کیا ہے؟ اگر ایک جگہ افضل ہو تو کونسی مسجد میں نمازِ جمعہ ہونی چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک بستی میں ایک جگہ جمعہ پڑھنا افضل ہے؛ لیکن اگر بستی بڑی ہو اور ایک جگہ سب لوگوں کا جمع ہونا دشوار ہو تو دو جگہ جمعہ پڑھنا حسبِ ضرورت جائز ہے، اور بلاضرورت بھی کئی جگہ جمعہ پڑھا جائے تو نماز ہوجاتی ہے؛ البتہ خلافِ افضل اور خلافِ اولیٰ ہوتی ہے۔ (کفایت المفتی ۳/ ۲۶۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ شعبان ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ایک ہی مسجد میں نمازِ جمعہ کی دو جماعت کرنا

سوال : ہماری مسجد جو دادر کے ہندو علاقہ میں ہے اس میں پہلے نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے جمعہ کی نماز راستے پر پڑھی جاتی تھی۔ راستے پر جمعہ کی نماز پڑھنے والوں کی تعداد تقریباً تین ساڑھے تین سو تھی۔ اب سرکاری حکم کے مطابق راستے پر پڑھنا بالکل بند کر دیا گیا ہے۔ تقریباً ساڑھے تین سو نمازیوں کو مایوس لوٹنا پڑتا ہے اور نمازیوں کو صرف ایک گھنٹہ کی چھٹی ملتی ہے۔ اس میں کھانے سے فارغ ہو کر جمعہ کی نماز میں شریک ہونے کے لیے دوسری مسجد میں جانا پڑتا ہے جو تقریباً پونا کیلومیٹر فاصلہ پر ہے۔ دور جانے سے کام میں تاخیر کا مسئلہ ہے اس بھاگ دوڑ کی وجہ سے چند لوگوں کا جمعہ چھوٹ جاتا ہے۔ ان ہی حالات کے پیش نظر یہاں کے منتظمین کش مکش میں مبتلا ہیں۔ اب کسی بھی حالت میں پہلے کی طرح راستے پر نماز پڑھنے کی گنجائش نہیں رہی حکومت کا رویہ اس معاملہ میں انتہائی سخت ہو گیا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر اگر اسی مسجد میں جمعہ کی دو نمازیں کی جائیں تو یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ اور اس طرح تمام لوگوں کی نماز جمعہ ادا ہو سکتی ہے۔ اور مایوس لوگوں کی پریشانی دور ہو سکتی ہے کیوں کہ صرف ایک گھنٹہ کی گنجائش ہے۔

الجواب : حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہاں قریب میں کوئی ایسا مکان یا بڑا ہال میسر ہو کہ اس میں جمعہ کی دوسری جماعت ادا کی جا سکتی ہو تو وہ صورت اختیار کی جائے اور اگر ایسا کوئی مکان یا ہال میسر نہیں تو بدرجہ مجبوری جمعہ کی دوسری نماز اسی مسجد میں قائم کی جا سکتی ہے؛ البتہ اس کے

لیے ایسی ترتیب اختیار کی جائے کہ دونوں جماعتوں کا حق ادا ہو کر کسی ایک کی تقلیل یا اس کی طرف سے بے التفاتی لازم نہ آئے۔

لان التکرار یؤدی الی تقلیل الجماعة لان الناس اذا علموا انهم تفوتهم الجماعة فیستعجلون فتکثر الجماعة و اذا علموا انها لا تفوتهم یتأخرون فتقل الجماعة و تقلیل الجماعة مکروه بخلاف المساجد التی علی قوارع الطریق لانها لیست لها اهل معروفون فاداء الجماعة فیها مرة بعد اخری لا یؤدی الی تقلیل الجماعة و بخلاف ما اذا صلی فیه غیر اهله لانه لا یؤدی الی تقلیل الجماعة لان اهل المسجد ینتظرون اذان المؤذن المعروف فیحضرون حینئذ الخ (بدائع الصنائع ۱/ ۱۵۳، ۱۵۴) قلت اذا کان علة الکراهة التقلیل و هو لم یوجد فی واقعة الفتوی فلا یحکم بالکراهة هذا ما عندی.

ملحوظہ: اس سلسلہ میں دیگر مفتیان سے بھی رجوع کر لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

جمعہ کے روز با جماعت ظہر پڑھنا

سوال: مختلف مقامات سے لوگ ایک شہر میں جمع تھے اور وہ جمعہ کا دن تھا، بظاہر لوگ نماز جمعہ سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل شہر میں پہنچے تھے؛ مگر سواری سے اتر نہیں سکتے تھے، سواری سے اتر کر اپنے مقام پہنچنے تک نماز جمعہ مساجد میں ادا ہو چکی تھی؛ لہذا چند اشخاص نے طے کیا کہ ہم لوگ مسافر ہیں اور اب جمعہ کی جماعت ہو چکی ہے، اس واسطے ہم کچھ لوگ ظہر کی قصر جماعت کے ساتھ ادا کریں گے اور اسی پر عمل ہوا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسا کرنا مکروہ ہے؛ لیکن وہ نماز ہوگئی، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ (زیلعی شرح کنز ۱/ ۲۲۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ صفر ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بڑی بستی میں جمعہ کے روز احتیاط الظہر پڑھنا

سوال: گاؤں ''بسو'' جس میں فی الحال دس ہزار کی آبادی ہے، اور اسّی نوے دکانیں ہیں، اور تقریباً تمام ہی ضروریات میسر ہیں، اور پچھتر سال سے اس گاؤں میں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے، ابتداء میں تقریباً تینیس جگہوں سے فتویٰ طلب کیا گیا تھا، جن میں سے پندرہ جگہوں سے جواز کا فتویٰ آیا تھا، اور آٹھ جگہوں سے عدم جواز کا فتوی آیا تھا؛ لیکن اُس وقت پورے گاؤں کے لوگ بریلوی عقائد کے تھے، بعد میں دعوت وتبلیغ کی برکت سے کچھ لوگ اہل سنت والجماعت کے عقائد پر آگئے، اور انھوں نے مسجد، مدرسہ میں اپنا حق طلب کیا، جس کی بناء پر اختلاف بڑھا، اور پانچ آدمی شہید ہوگئے؛ لیکن پھر مقدمہ میں فیصلہ یہ ہوا کہ نصف مدرسہ اہل سنت والجماعت کو سپرد کیا گیا، اور یہ لوگ مدرسہ میں الگ جماعت کر کے نماز پڑھنے لگے؛ لیکن جمعہ کی نماز سب کے ساتھ مسجد میں ادا کرتے تھے؛ تاکہ مسجد میں اپنا حق باقی رہے، اب پچھلے سال سے اہلِ سنت اپنی مسجد الگ بنا رہے ہیں جو تیار ہونے کے قریب ہے، اور اس میں بریلوی حضرات نے بھی چندہ دیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اس مسجد میں جمعہ

کی نماز پڑھنی چاہیے یا ظہر؟ جب کہ ظہر پڑھنے کی صورت میں بعضے وہ لوگ جو نیم اہلِ سنت ہیں، یعنی اہل سنت والجماعت کے عقائد ان میں راسخ نہیں ہیں، ان کی طرف سے شدید اختلاف کا خطرہ ہے، اور جمعہ کی نماز پڑھنے کی صورت میں جوڑ باقی رہے گا؛ نیز بریلوی حضرات بھی جمعہ پڑھنے کے لیے آئیں گے تو دین کی صحیح بات سن کر ان کے بھی قریب ہونے کی امید ہے، جمعہ پڑھنے کی صورت میں احتیاطاً ظہر پڑھنی ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آبادی کے شمار، دوکانوں کی تعداد اور روز مرّہ کی حوائج پوری ہوجانے کے اعتبار سے یہ بڑی بستی ہے، اس لیے وہاں جمعہ جائز ہے۔

وتقع فرضا في القصبات، والقرى الكبيرة التي فيها اسواق(شامی ۱/ ۵۳۷)(فتاویٰ محمودیہ ۲/ ۳۰۰)

جب جمعہ درست ہے تو ظہر پڑھنا نہیں چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ رجب ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بعد جمعہ احتیاط الظہر پڑھنا

سوال: نماز جمعہ کے بعد ظہر کی نماز انفراداً واجتماعاً پڑھنا ائمۂ اربعہ کے نزدیک کیا حکم رکھتا ہے؟ چاروں ائمہ کے مذہب کو مفصل تحریر فرماویں، کون جائز کہتا ہے اور کون عدم جواز کا قائل ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسئلۂ احتیاط الظہر قرآن کریم، حدیث شریف، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم، اقوال ائمۂ مجتہدین سے ثابت نہیں، شرائط جمعہ کے متعلق اختلافِ ائمہ کے باوجود شرائط میں تردد کے باعث بعض مشائخ نے یقینی طور پر براءت ذمہ کے لیے اس کو احتیاطاً بیان کیا تھا، پھر اس درجہ اس پر عمل میں ترقی ہوئی کہ بعض جگہ احتیاط الظہر کا علی الاعلان عملاً التزام کیا گیا، بعض جگہ اس کو جماعت کے ساتھ پڑھنے لگے، بعض جگہ اس کو واجب یا فرض اعتقاد کیا گیا، بعض جگہ اس کو جمعہ سے بھی بڑھا دیا گیا؛ حتی کہ جمعہ کو غیر ضروری بدرجۂ نفل سمجھنے لگے، پھر اس پر تکرار ونزاع کی صورتیں پیدا ہونے لگیں، غرض گوناگوں فتنے شروع ہوگئے، اس لیے بہت سے فقہاء نے اپنے قول سے رجوع کرکے ممانعت کا حکم دیا، مسئلۂ مذکورہ میں وجود سلطان وعدم سلطان اور تعدد جمعہ کی تنقیح کافی طور پر ہوچکی ہے، لہٰذا یہ دونوں چیزیں ایسی نہیں جن کی بناء پر احتیاط ظہر کا حکم دیا جائے ندباً یا وجوباً؛ البتہ جس مقام کے مصر ہونے میں شک ہو اور زمانۂ قدیم سے جمعہ ہوتا چلا آرہا ہو اور بند کرنے میں فتنہ ہو، تو وہاں اس طرح احتیاط الظہر مناسب ہے، جس سے کوئی اعتقادی یا عملی مفسدہ پیدا نہ ہو۔ (فتاوی محمودیہ ۹/ ۱۴۷)

مزید تفصیل کے لیے دیکھئے: فتاوی محمودیہ ۹/ ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶ اور کفایت المفتی ۳/ ۱۸۸، ۱۸۹ اور ۱۹۲ تا ۱۹۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
۱۵/ ذوالقعدہ ۱۴۱۱ھ

ملازمت ترکِ جمعہ کے لیے عذر نہیں بن سکتی

سوال: زید، بکر اور عمر حنفی المسلک ہیں، جو شہر کی ایک کمپنی میں ملازمت کرتے ہیں، کام کی وجہ سے نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے وقت نہیں ملتا بجائے جمعہ کے کمپنی میں تینوں مل کر ظہر کی نماز باجماعت ادا کرتے ہیں؟ تو کیا عذر کی وجہ سے جمعہ چھوڑ کر ظہر باجماعت پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب ان حضرات پر جمعہ واجب ہے تو ان کے لیے ضروری اور فرض ہے کہ جمعہ کی نماز پڑھیں، کمپنی کی ملازمت ترکِ جمعہ کے لیے عذر نہیں بن سکتی۔

(ماخوذ از امداد الفتاوی ۱/ ۶۸۰)

لیکن باوجود اس کے اگر جمعہ میں حاضر نہ ہوئے اور ظہر پڑھ لی تو جمعہ ساقط ہو جائے گا، اور ترک جمعہ سے گنہگار ہوں گے۔ (امداد الفتاوی ۱/ ۶۴۱)

جو لوگ حقیقی معذور ہیں، یعنی جن کے عذر کو شریعت نے معتبر سمجھا ہے، ان کے لیے بھی شہر میں نمازِ ظہر کی جماعت مکروہ تحریمی ہے، ایسے لوگوں کو چاہیے کہ وہ منفرداً نماز پڑھیں، اور حالتِ انفراد میں بھی اذان واقامت نہ کہیں۔

وکرہ تحریما لمعذور ومسجون ومسافر اداء ظهر بجماعة فی مصر قبل الجمعة و بعدها لتقلیل الجماعة (در مختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

امتحان کی وجہ سے نمازِ جمعہ ترک کرنا

سوال: ایک شخص کا امتحان کا پرچہ عین جمعہ کے وقت ہے، کیا وہ شخص زوال کے بعد ظہر کی نماز ادا کر کے پرچہ دینے کے لیے جاسکتا ہے یا نہیں؟ بدل کا کوئی دوسرا حل قطعاً نہیں ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ شخص معذورِ شرعی نہیں ہے، اس لیے نماز جمعہ سے پہلے اس کے لیے ظہر پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اگرچہ اس کی یہ ظہر درست ہوجائے گی یعنی اس کا ذمہ بری ہوجائے گا۔

وحرم لمن لاعذر له صلوة الظهر قبلها، أما بعدها فلايكره (درمختار) (قوله: وحرم الخ) عدل عن قول القدوري والكنز وكره لقول ابن همام لابد من كون المراد حرم؛ لأنه ترك الفرض القطعي بإتفاقهم الذي هو آكد من الظهر غير أن الظهر تقع صحيحة؛ وإن كان مأمورا بالاعراض عنها (شامی ۱/ ۶۰۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نمازِ جمعہ کی درستگی بعد یہ سنن پر موقوف نہیں

سوال: اگر کوئی شخص جمعہ کی فرض نماز کے بعد چار سنت نہ پڑھے، تو اس کی جمعہ ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہوجائے گی، یعنی فرض اس کے ذمہ سے ساقط ہوجاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اذان کے بعد فوراً خطبہ شروع کردیا تو سنت کب پڑھیں؟

سوال: زوال کے بعد فوراً اذان دے کر خطبہ شروع کردیں، تو مقتدی کب سنت ادا کریں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب سنت کا وقت ملا ہی نہیں تو اب اس کی ادائیگی کے متعلق کیا حکم دیا جائے!۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ رمضان ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بعد نمازِ جمعہ وعیدین دعا سرّاً یا جہراً؟

سوال: بعد نمازِ جمعہ وعیدین کے امام صاحب دعا جہراً کریں یا سراً کریں؟ اس کا خلاصہ ہمیں مدلل مکمل عنایت فرمائیں۔

بعض مولوی صاحبان روح المعانی ۸/ ۱۳۹، اور فتاویٰ بزازیہ ۴/ ۴۲ میں سری دعا کا ثبوت بتا رہے ہیں؛ لیکن مفتی صاحب! ان لوگوں کے پاس نہ کوئی مدرسہ کی سند ہے اور نہ یہ لوگ مفتی ہیں، ہمیں تو مدلل مکمل اور ثبوت کے ساتھ جواب چاہیے۔

نوٹ: یہ مسئلہ پنج وقتہ نمازوں کا نہیں ہے؛ بلکہ جمعہ اور عیدین کی نماز کے بعد سری دعا کا ثبوت چاہیے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دعا کے جہراً یا سراً ہونے کے سلسلہ میں جو حکم اور تفصیل پنج وقتہ نماز کے بعد دعا کے حکم میں مذکور ہے وہی تفصیل جمعہ اور عیدین کے حکم میں بھی ہے، اس سلسلہ میں تفصیلی فتویٰ فتاویٰ رحیمیہ ۴/ از ۳۲۶ تا ۳۳۴ میں ملاحظہ فرمالیں، یہ فتویٰ الگ پمفلٹ کی شکل میں بھی کسی زمانہ میں شائع ہو چکا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

جہاں جمعہ درست نہ ہو وہاں ظہر کے لیے اذان دینا

سوال: قریہ میں چوں کہ شرعی نقطۂ نظر سے جمعہ درست نہیں ہے؛ لیکن صورت مسئولہ یہ ہے کہ: ایسے قریہ میں جہاں جمعہ درست نہیں ہے تو بہت سے لوگ قرب وجوار میں جمعہ ادا کرنے جاتے ہیں؛ لیکن کچھ سستی کاہلی کی وجہ سے جمعہ کے لیے نہیں جاتے، اب وہ لوگ نماز ظہر ادا کرنا چاہتے ہیں، تو کیا بہ روزِ جمعہ ایسے قریہ میں نماز ظہر کے لیے اذان دینا درست ہے یا نہیں؟ ساتھ ہی یہ کہ اگر اذان درست ہے تو سری یا جہر (مثلاً مائک کے ذریعے)؟ اور نماز ظہر باجماعت ادا کی جائے گی یا فرداً فرداً؟ اگر کوئی بلا جماعت نماز ظہر ادا کرے تو کیا ایسا شخص قابل ملامت ہے؟ اور نیز بہت سے لوگوں نے خدشہ کا اظہار کیا ہے کہ، اگر ایسے قریہ میں جہری اذان ہوئی تو جو لوگ شہروں

میں جمعہ ادا کرنے جاتے ہیں وہ موقوف کر کے ظہر ہی ادا کرنا شروع کر دیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس گاؤں میں صحتِ جمعہ کے شرائط نہ پائے جانے کی وجہ سے نماز جمعہ درست نہیں، ان لوگوں کے حق میں جمعہ کا دن بھی دیگر دنوں کی طرح ہے؛ اس لیے وہ لوگ دیگر ایام میں نماز ظہر جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں، اسی طرح جمعہ کے دن بھی ظہر مع جماعت ادا کریں، اور جب جماعت کے ساتھ ظہر ادا کرنا ضروری ہوا تو اذان بھی دی جائے گی۔ اذان تو جہراً ہی دی جاتی ہے سراً نہیں دی جاتی۔

(قوله في مصر) بخلاف القرىٰ؛ لأنه لاجمعة عليهم، فكان هذا اليوم في حقهم كغيره من الأيام، شرح المنية .وفي المعراج من المجتبىٰ: من لاتجب عليهم الجمعة لبعد الموضع صلوا الظهر بجماعة (شامي ١/٦٠٤)

ولايسنان أيضا لظهر يوم الجمعة في مصر (در مختار)(قوله في مصر) شمل المعذور، زيلعي؛ وفي القرىٰ لايكره بكل حال، ظهيريه. (شامي ١/٢٨٨)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد خانپوری ۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

جمعہ میں اول وقت سے کیا مراد ہے؟

سوال: جمعہ کے لیے اول وقت میں آنے کی فضیلت جو حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے، مثلاً جو اول وقت میں آیا گویا اس نے اونٹ کی قربانی کی جو اس کے بعد آیا گویا اس نے گائے کی قربانی کی اس کے برابر ثواب ہے تو یہاں اول وقت

سے کونسا وقت مراد ہے خاص کر کے یہاں برطانیہ میں سردی میں دن بہت چھوٹا اور گرمی میں دن بہت بڑا ہوتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے گویا ان کے بہ قول زوال سے لے کر امام کے خطبہ کے لیے نکلنے تک کے وقت کو چھ حصوں پر منقسم کریں اور حدیث میں آئی ہوئی فضیلت ہر حصہ والے کو اس کے مطابق حاصل ہوگی جب کہ جمہور جس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں اس کا وقت سورج کے طلوع ہوکر صاف شفاف ہونے کے وقت سے شروع ہوتا ہے سردی میں دن کے چھوٹے اور گرمیوں میں بڑے ہونے سے ساعات کی اس تقسیم پر کوئی اثر نہیں پڑتا اس لیے کہ یہاں پر ساعات سے مراد ساعت اصطلاحی زمانی جو ساٹھ منٹ کی ہوتی ہے مراد نہیں بلکہ ساعت تعدیل آفاقی مراد ہے۔ اس سلسلے میں تفصیلی بحث فتح الملہم ۲/ ۳۸۹، ۳۹۰ اور زاد المعاد ۱/ ۲۲۲ تا ۲۲۶ ملاحظہ فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۹/ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ذہاب الی الجمعۃ کی روایات میں وارد مختلف الفاظ میں تطبیق

سوال: ذہاب الی الجمعہ کے لیے روایات میں مختلف الفاظ آئے ہیں بعض میں من غدا إلى الجمعة الخ کا لفظ آیا ہے اور بعض میں راح کا اور بعض روایات میں بکر کا لفظ وارد ہوا ہے کونسا معنیٰ مراد لینے کی صورت میں ہر روایت پر عمل ہوجائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جمہور نے جو معنیٰ مراد لیا ہے اس پر حدیث میں آئے ہوئے الفاظ رواح تہجیر سے جو اشکال ہوتا ہے اس کا تفصیلی جواب بھی زاد المعاد میں علامہ ابن قیم نے دے دیا ہے حوالۂ بالا کا مطالعہ فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۹/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

جمعہ کے دن صبح سویرے غسل کرنے سے سنت کی ادائیگی

سوال: غیر مسلم ممالک میں عام طور پر جمعہ کے دن کام کی چھٹی نہیں ہوتی صرف نماز جمعہ کے لیے مسجد آنے کی اجازت دی جاتی ہے لہٰذا صبح کام کے لیے روانہ ہونے سے پہلے عام طور پر لوگ غسل سے فارغ ہوجاتے ہیں ان لوگوں کا اس وقت غسل کرنا مسنون شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شامی میں شرح ہدیہ ابن العماد از علامہ سید عبدالغنی النابلسی سے منقول ہے کہ یہ چاروں غسل نظافت کے لیے مسنون ہیں طہارت کے لیے نہیں؛ پس اگر غسل کے بعد حدث ہوجائے اور وضو کرکے نماز پڑھ لی جائے تو دوبارہ وضو سے نظافت میں اضافہ ہوگا اگرچہ وہ وضو طہارت کے لیے ہوگا پس میرے نزدیک ادائے سنت کے لیے وہ غسل کافی ہے اگرچہ اس غسل اور نماز کے درمیان حدث واقع ہوگیا ہے؛ کیوں کہ اس بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان کا مقتضیٰ صرف نظافت حاصل کرنا ہے

اور شامی نے کہا ہے کہ نماز جمعہ کے لیے جو صبح سویرے جانا سنت ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیوں کہ اس سنت کے حصول کے لیے اتنے سویرے سے غسل کر کے جانا اور وضو اس وقت تک باقی رکھنا پھر اسی وضو سے نماز پڑھنا دشوار ہے خاص طور پر طویل دنوں میں اور دوبارہ غسل کرنا بھی دشوار ہے اور معراج الدرایہ کی عبارت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی نے جمعرات کے دن یا جمعہ کی رات کو غسل کیا تو اس نے جمعہ کی سنت کو ادا کر لیا کیوں کہ اس سے مقصود یعنی بدن ولباس کی بدبو دور کرنا حاصل ہو گیا۔ (عمدۃ الفقہ ۱/ ۱۷۳۔ شامی کوئٹہ ۱/ ۱۲۵)

احسن الفتاویٰ سے ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: جمعہ کے دن غسل جنابت صبح کیا تو کیا غسل مسنون بھی دوبارہ کرنا ہوگا یا یہی غسل کافی ہو کر غسل مسنون کا بھی ثواب مل جائے گا۔

الجواب: یہی کافی ہے دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں؛ بلکہ صفائی کا مقصد جمعرات کے دن غسل کرنے سے حاصل ہو جائے تو وہ بھی کافی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۴۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۹/ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

دیہاتوں کا مشترکہ قبرستان فنائے شہر میں شمار نہیں ہو سکتا

سوال: پربڑہ ایک بستی ہے، اس کی پنچایت میں تین گاؤں والوں کا مشترک قبرستان ہے، اور اس قبرستان کا وقوع میتا پورہ سے بالکل لگ کر ہے، اور میتا پورہ ہمت

نگر شہر کا ایک حصہ ہے، صرف ان دونوں کے درمیان ایک ندی حائل ہے، چند سالوں سے اس پر بڑھ قبرستان میں عیدین کی نماز ہو رہی ہے، اس سال سے ان تینوں بستی والوں میں سے ایک بستی والوں نے اعلان لگا دیا ہے کہ: عیدین کی نماز اس قبرستان میں نہ پڑھی جائے، تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ کیا اس قبرستان میں عیدین کی نماز درست ہوگی؟ اگر نہیں تو علت کیا ہے؟ کیا اس عیدگاہ کا وقوع گاؤں کی پنچایت میں ہونا ہے یا شرکائے قبرستان میں سے ایک شریک کا منع کرنا ہے؟

نوٹ: عیدین کی نماز ہمت نگر شہر کی عیدگاہ ہے اس میں بھی ہوتی ہے، اور آٹھ یا دس مساجد میں بھی ہوتی ہے؛ لیکن ان سب جگہوں کے امام چوں کہ دیوبندی خیال رکھنے والے نہیں ہیں؛ اس لیے میتا پورہ کے علاقے میں عیدین کی نماز پڑھنا شروع کیا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جمعہ اور عید کی نماز شہر یا فنائے شہر میں درست ہے، فنائے شہر وہ مقام ہے جو شہر کی ضروریات کے لیے متعین ہو، مثلاً قبرستان، کوڑا ڈالنے یا گھوڑ دوڑ یا جنگی مشق یا فوجی اجتماع وغیرہ کے لیے میدان، ہوائی اڈہ اور ریلوے اسٹیشن وغیرہ؛ فنائے شہر کا شہر سے اتصال ضروری نہیں، اور نہ ہی اس کی مسافت اور وسعت کی کوئی تحدید ہے۔

(أو فناؤه) بكسر الفاء (وهو ما) حوله (اتصل به) أو لا، كما حرره ابن الكمال وغيره؛ (لأجل مصالحه) كدفن الموتى وركض الخيل إلخ (درمختار) قال الشامي: والتعريف أحسن من التحديد؛ لأنه لا يوجد ذلك في كل مصر، وإنما هو بحسب كبر المصر وصغره إلخ (شامی ۱/۵۹۱)

آپ نے جس قبرستان کا تذکرہ سوال میں کیا ہے وہ میتا پورہ (ہمت نگر) کے

مردوں کی تدفین کے لیے نہیں ہے؛ بلکہ تین گاؤں والوں کا مشترکہ قبرستان ہے؛ اس لیے اس کو شہر کی ضروریات کے لیے قرار نہیں دیا جاسکتا، اور اس حیثیت سے اس کو فنائے شہر میں شمار نہیں کیا جاسکتا؛ البتہ اگر میتا پورہ سے بالکل متصل ہے کہ درمیان میں کوئی حائل نہیں ہے، تو فناء کا اطلاق اس پر ہوسکتا ہے۔ کسی ماہر مفتی کو اس مکان کا معائنہ کرا کر حکم معلوم فرمالیں۔ ندی کس کے درمیان ہے یہ بھی واضح نہ ہوسکا، (یعنی میتا پورہ اور ہمت نگر، یا میتا پورہ اور قبرستان)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ

جمعہ کے دن دورانِ بیان سنتیں پڑھنا

سوال: بعض مساجد میں جمعہ کے دن یہ سلسلہ شروع کیا گیا ہے کہ اذانِ اول کے بعد فوراً دس منٹ سے تیس منٹ تک امامِ مسجد کا یا دیگر کسی اہلِ علم کا بیان، بعد بیان پانچ سات منٹ سنتوں کی ادائیگی کے لیے مصلیان کو دیے جاتے ہیں، اس کے بعد خطبہ، پھر نمازِ جمعہ۔ بعض لوگ اول وقت ہی مسجد میں آجاتے ہیں، بعض بیان کے درمیان میں آتے رہتے ہیں، وضو وغیرہ سے فارغ ہوکر بیان سننے کے لیے بیٹھ جاتے ہیں، چند ناواقف اشخاص آکر سنتیں ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو درمیانِ بیان مولانا محترم اسے سمجھا دیتے ہیں، کہ بھائی! بیان کے بعد سنتوں کا موقع دیا جائے گا، آپ پہلے بیان سن لیں، بعض ان میں سے ہٹ دھرمی کرتے ہوئے بیچ صف میں یا صف سے کنارے کھڑے ہوکر اپنی نمازیں پوری کرلیتے ہیں، اور اس کے بعد بیان میں بیٹھتے ہیں۔

زید جو تھوڑا بہت علم بھی رکھتا ہے اس کا کہنا ہے کہ: لوگوں کو مسجد میں آتے ہی بٹھانا اور سنتوں کو بعد میں ادا کروانا یہ بدعت ہے، چناں چہ تحیۃ المسجد والی روایت بھی بہ طور دلیل پیش کرتا ہے، مزید ایک بات وہ یہ بھی کہتا ہے کہ ابتداءً مسجد میں آکر بیٹھنا اور پھر سنتوں کے لیے کھڑا ہونا یہ بدعتیوں کا طریقہ ہے، بعض احباب نے اپنے اپنے طور پر سمجھانے کی کوشش کی؛ لیکن اس کی ایک ہی رٹ ہے، جس کی وجہ سے چند مسجدوں میں مذکورہ بالا سلسلہ شروع ہونے سے رہ گیا ہے، وہاں اذانِ اول کے بعد سنتیں پڑھی جاتی ہیں، بعد میں بیان ہوتا ہے، بیان کے درمیان لوگ آتے رہتے ہیں اور اپنی اپنی نمازیں ادا کرتے رہتے ہیں، بعد فراغت بیان میں شامل ہوتے ہیں، بیان کا تسلسل جاری رہتا ہے۔ اب جناب محترم مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ اپنی صواب رائے عنایت فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں، نیز شرعاً یہ حکم بھی بتلا دیا جائے کہ: فرض نمازوں سے پہلے والی سنتیں اذان کے بعد ہی پڑھی جانی چاہیے یا نمازوں کے اوقات شروع ہوتے ہی ان سنتوں کو ادا کر سکتے ہیں بعد میں بھلے سے اذان ہوتی رہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

امام صاحب کو چاہیے کہ نئے آنے والے کو بٹھانے پر اصرار نہ کریں، مناسب یہ ہے کہ اذان کے بعد سنت پڑھنے کا وقت دیا جائے؛ نیز بیان کے ختم کے بعد بھی وقت دیا جائے، اس کے باوجود درمیان میں آنے والا پڑھتا ہو تو روکا نہ جائے۔ کبھی کبھی بیان ہی نہ ہو؛ تاکہ لوگ ضروری نہ سمجھنے لگیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/رجب ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

اذانِ خطبہ کے درمیان چندہ جمع کرنا

سوال: جمعہ کے روز جامع مسجد میں خطبہ سے پہلے لوگ صفوں کے بیچ میں چندہ جمع کرتے ہیں، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس وقت بھی صفوں کے بیچ میں گھومتے ہیں، جب کہ خطبہ کی اذان شروع ہوجاتی ہے، اور کبھی کبھی خطبہ بھی شروع ہوجاتا ہے۔ دوسری بات یہ بھی کہ معلوم نہیں ہو پاتا کہ کس کس مد کا ہے؛ لہٰذا وضاحت فرمائیں کہ اس طرح سے چندہ کرنا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عین اذان خطبہ یا خاص خطبہ کے وقت ایسا کرنا جائز نہیں ہے، اس سے پہلے اگر کسی ضروری مقصد کے لیے اس طرح کیا جاتا ہے کہ مصلیوں کی گردنوں کو پھلانگنا اور مصلی (یعنی جو حالت نماز میں ہو) اس کے سامنے سے گزرنا لازم نہیں آتا ہو تو گنجائش ہے، مقامی لوگوں کو علم ہوتا ہے، دینے والے کو معلوم نہ ہو تو دریافت کرسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اذانِ خطبۂ جمعہ سے متعلق چند سوالات

سوال: (۱) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں خطبۂ جمعہ کی اذان کہاں دی جاتی تھی؟ آیا منبر کے سامنے، دروازے پر، مسجد کے اندر یا باہر؟

(۲) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو اذان مقام زوراء پر دلوائی تھی وہ مسجد کے اندر کب اور کیسے آ گئی؟ اور یہ اذان مسجد کے اندر دینا کس کی سنت ہے؟

(۳) جمعہ کے لیے جو دو اذان کا رواج پڑ گیا ہے، ان میں کس قدر وقت کا فاصلہ ضروری ہے، نیز اگر اذانِ عثمانی کو سنتِ عثمانی سمجھ کر مسجد سے باہر دیا جائے تو کچھ حرج تو نہیں؟

(۴) آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل سنت جو شیخین رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں جاری تھی، اگر اس پر عمل کیا جائے تو کسی قسم کا نقصان یا وبال تو نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسائلِ فقہیہ کے ثبوت کے لیے چار اصول ہیں: کتاب، سنت، اجماع، قیاس۔ بعض مسائل صاف صاف قرآن پاک میں ہیں، بعض حدیث شریف میں ہیں، بعض اجماع سے ثابت ہیں، بعض قیاس سے۔ ماخذ کو کسی ایک دلیل میں منحصر کر کے سوال کرنا منصب سائل کے خلاف ہے، اس کا حاصل تو یہ ہوگا کہ سائل فقط ایک دلیل کو تسلیم کرتا ہے، بقیہ تین دلیلیں اس کے لیے بے کار ہیں، ان کو تسلیم نہیں کرتا، ان سے مسائل ثابت نہیں مانتا۔ اگر سائل مقلد ہے تو اس کا یہ سوال اپنے حوصلہ سے بڑھ کر ہے، اگر سوال علمی تشنگی کی سیرابی کے لیے ہو تو اس میں مضائقہ نہیں، اس کے لیے اردو میں ایک رسالہ ہے "تنشیط الاذان" اس میں اس مسئلہ کو تفصیل سے لکھا ہے، ادلۂ اربعہ سے ثابت کیا ہے، جس حدیث میں اس اذان کا تذکرہ ہے وہ "أبوداؤد شریف" میں مذکور ہے، "بذل المجہود شرح أبوداؤد شریف" میں پوری اس کی تفصیل مذکور ہے، رواۃ پر بھی کلام مذکور ہے۔ مختصراً اتنا عرض ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک

میں مدینہ پاک کی آبادی کے لحاظ سے صرف ایک اذان بابِ مسجد پر منبر کے سامنے ہوتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک اذان کا اضافہ ہوا، وہ بلند جگہ پر بازار میں بیرونِ مسجد ہوتی تھی، اور دوسری اذان اندرون مسجد ہونے لگی، پہلی اذان اعلام غائبین کے لیے، اور دوسری اذان اعلام حاضرین کے لیے مثل اقامت، اس وجہ سے پہلی اذان میں آواز زیادہ بلند کی جاتی ہے، دوسری میں معمولی آواز پر کفایت کی جاتی ہے، تاکہ حاضرینِ مسجد خطبہ کے لیے تیار ہوجائیں، نوافل وغیرہ سے فارغ ہوجائیں، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کا اہتمام ہوا، خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنے کی حدیث پاک میں تاکید ہے، پس ان کی سنت پر عمل کرنا بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد ہی سے ہے، جو کہ خلافِ حدیث نہیں؛ بلکہ عین موافقِ حدیث ہے، وہ حضرات منشائے حدیث کو سمجھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے اور اس کو شائع کرنے والے ہیں۔ ''عینی شرح بخاری، وفتح الباری وفیض الباری'' کا مطالعہ بھی اس مقصد کے لیے مفید ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۱۴/۲۵۶، ۲۵۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ذوالحجہ ۱۴۱۴ھ

جمعہ کی اذان ثانی کا طریقہ

سوال: جمعہ میں دو اذان کہی جاتی ہیں تو اذان ثانی کے کہنے کا کیا انداز ہونا چاہیے؟ اذان اولیٰ ہی کی طرح دی جائے یا اس میں کچھ فرق ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جمعہ کی اذان ثانی کا مقصد حاضرین کو خطبہ شروع ہونے کی اطلاع دینا ہے۔

جیسے کہ اقامت کا مقصد حاضرین کو جماعت شروع ہونے کی اطلاع دینا ہوتا ہے۔ اس لیے جمعہ کی اذان ثانی میں رفع صوت مستحب نہیں ہے۔(ماخوذ از فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۲۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ ۲۵ / شوال المکرم ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب صلاۃ العیدین

جس بستی میں جمعہ ہوسکتی ہو وہاں نماز عیدین بھی درست ہے

سوال: ہم لوگ دیہات کے رہنے والے ہیں، مدتِ مدیدہ سے ہم لوگ ایک عیدگاہ میں نماز عیدین ادا کرتے ہیں، جس مقام پر عیدگاہ واقع ہے اس سے تقریباً ایک ڈیڑھ فرلانگ کے اوپر ایک بازار ہے، جہاں پر تقریباً ضروریات زندگی کی سبھی اشیاء ملتی ہیں، وہاں پر بینک اور پوسٹ آفس بھی ہے، عیدگاہ میں تقریباً دس بارہ موضع کے لوگ جمع ہوتے ہیں، ایک موضع کو چھوڑ کر بقیہ تمام موضعوں کی آبادی ڈیڑھ ہزار سے اوپر ہے، نیز جس امام کی متابعت میں ہم لوگ نماز عیدین ادا کرتے ہیں ان کے وہاں جمعہ کی نماز بھی کافی زمانہ سے ہوتی ہے، اور اس گاؤں کی آبادی بھی تقریباً ڈھائی ہزار سے اوپر ہے، اب اگر اس امام کی متابعت میں نماز عیدین ادا کی جائے تو نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ نیز یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ تین چار گاؤں کے علاوہ سبھی جگہ کافی زمانہ سے جمعہ کی نماز بھی ہوتی آرہی ہے، اب اگر نماز عیدین سے لوگوں کو منع کیا جاتا

ہے تو پھر آئندہ کے لیے دشواریاں پیش آسکتی ہے مخالفت کے ساتھ، شریعت کی رو سے آپ حضرات اپنی قیمتی آراء سے نوازیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعت میں نماز عیدین کے وجوب اور صحت کے لیے وہی تمام شرائط ہیں جو نمازِ جمعہ کے وجوب وصحت کے لیے ضروری قرار دی گئی ہیں، اس لیے اگر جس مقام پر عیدگاہ واقع ہے وہ مقام کسی بڑے گاؤں یا قصبہ کی فناء میں ہے، تو وہاں عیدین کی نماز درست ہوگی؛ ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ رشوال ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے

سوال: اکثر کتبِ فتاویٰ میں عیدگاہ کو صحراء (الجبانۃ) قرار دیا گیا ہے۔ البتہ زمانۂ حاضرہ میں بوجہ آبادی کے بڑھ جانے سے صحراء خالصہ میں عیدگاہ قائم کرنے میں مندرجۂ ذیل مشکلات کا مشاہدہ اور سامنا تقریباً ہر بڑے شہر کے رہنے والے مسلمانوں کو ہوتا ہے:

اولاً: اکثر بڑے شہروں میں صحراءِ خالصہ حدودِ شہر سے کافی دوری پر واقع ہے (بعض شہروں میں تو مسافتِ قصر سے زیادہ دوری پر واقع ہے) اس بناء پر بہت سے لوگوں کو وہاں تک پہنچنے میں دقت محسوس ہوتی ہے۔

ثانیاً: وہ زمین عموماً غیروں کی ہوتی ہے جس کو خریدنے میں زرِ کثیر کی ضرورت

ہوتی ہے۔

ثالثاً: بوجہ دوری ہونے کے اور سال بھر میں صرف دو بار استعمال کرنے کے اس زمین کی دیکھ بھال مشکل ہوتی ہے۔

رابعاً: آبادی کے ہر وقت بڑھنے سے اس زمینِ مخصوص کی صحرائیت کے ختم ہونے کا امکان ہر وقت ہے۔

خامساً: عیدین سے قبل زمین کو تیار کرنے کے لیے، نیز دیگر انتظامات کے لیے خصوصاً نمازِ عید کے بعد صفائی وغیرہ کے لیے لوگوں میں عموماً سستی پائی جاتی ہے، کوئی اس ذمہ داری کو اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ (ہمارے یہاں اس کا کافی مشاہدہ ہے)۔

سادساً: سال بھر میں صرف دو دفعہ استعمال میں آنے کی بناء پر استنجاء وضو وغیرہ کے انتظامات نہیں ہوتے ہیں جس کی بناء پر لوگوں کو پریشانی ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر استفسار یہ ہے کہ جن جگہوں میں یہ مشکلات پائی جاتی ہوں ایسی جگہوں میں:

① صحراء کے علاوہ اگر شہر کے حدود کے اندر کوئی صاف خالی میدان ہو مثلاً پارک (Park)، کالجوں واسکولوں کے میدانات وکھیل کے میدانات وغیرہ تو آیا ان جگہوں میں عید کی نماز ادا کرنے سے عیدگاہ کی فضیلت اور سنیت حاصل ہوگی یا نہیں؟

② آیا یہ جگہ عیدگاہ کے قائم مقام ہوسکتی ہے یا نہیں؟

③ نیز ایسی جگہوں میں نماز عید ادا کرنا، مساجدِ مختلفہ میں ادا کرنے سے افضل واولیٰ اور زیادتِ ثواب کا مستحق ہے یا نہیں؟

مندرجۂ ذیل وجوہات کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب شافی مدلل عنایت فرمائیں:

① صورتِ بالا میں مشکلاتِ مذکورہ مرتفع ہوجاتی ہیں جس سے مسلمانوں کو سہولت حاصل ہوگی۔

② حکمتِ عیدگاہ یعنی اظہارِ شوکت وجمعیت المسلمین حاصل ہوتی ہے جو کہ مساجدِ مختلفہ میں مشکل ہے۔

③ تکثیرِ جماعت ووحدۃ جماعت مسلمین حاصل ہوگی جو کہ مساجدِ متفرقہ کی صورت میں ناممکن ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عید کی نماز حضور اکرم ﷺ ہمیشہ عیدگاہ میں ادا فرماتے تھے۔

لماثبت أنه علیه الصلوٰة والسلام کان یخرج یوم الفطر ویوم الاضحی إلی المصلی (کبیری: ٥٧٢)

ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے عیدگاہ میں نماز ممکن نہ تھی تو آپ ﷺ نے مسجد نبوی میں عید کی نماز ادا فرمائی۔

عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه أنه أصابهم مطرفی یوم عید فصلی بهم النبی ﷺ صلوٰة العید فی المسجد.

(سنن ابوداؤد شریف، باب یصلی بالناس فی المسجد اذا کان یوم مطر، ١٦٤)

بنابریں حضراتِ فقہائے احناف نے تصریح فرمائی ہے کہ عید کی نماز کا عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے۔

والخروج إلیها أی الجبانة لصلوٰة العیدسنةوان وسعهم المسجد الجامع (درمختار علی هامش الشامی ١/٦١٢)

الخروج الی المصلی وھی الجبانۃ سنۃ وان کان یسعھم الجامع (کبیری ۵۷۲)

عیدگاہ (المصلی) کا مصداق تمام فقہاء اس میدان کو قرار دیتے ہیں جو آبادی سے باہر ہو۔ چناں چہ درمختار کی عبارت ثم خروجہ ماشیا الی الجبانۃ وھی المصلی العام کی شرح میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ بحر الرائق کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

(قولہ المصلی العام) ای فی الصحراء بحر عن المغرب(شامی ۱/ ۶۱۲)

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مغرب کے حوالہ سے لکھا ہے:

وفی المغرب: الجبانۃ المصلی العام فی الصحراء (بحر الرائق ۲/ ۱۷۱)

بلکہ بعض فقہاء نے تو خارج مصر کی تصریح فرمائی ہے، حضرت مولانا عبدالعلی بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: ثم الافضل الصلوٰۃ فی المصلیٰ خارج المصر للتوارث (رسائل الارکان ۱۲۲)

اور یہ سنیت تمام شہروں کے لیے یکساں ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ابو داؤد کی مندرجۂ بالا روایت کی شرح میں فرماتے ہیں:

(اصابھم) ای الصحابۃ (مطر فی یوم عید فصلی بھم النبی ﷺ صلوٰۃ العید فی المسجد) ای مسجد المدینۃ قال ابن الملک: یعنی کان ﷺ یصلی صلوٰۃ العید فی الصحراء الااذا اصابھم مطر فیصلی فی المسجد، فالافضل اداء ھا فی الصحراء فی سائر البلدان وفی مکۃ خلاف اھ (مرقات شرح مشکوٰۃ ۳/ ۲۹۸)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بذل المجہود ۶/ ۲۰۴ میں بھی اس عبارت کو نقل فرمایا ہے۔

بڑے شہروں کی آبادی کا پھیلاؤ صرف دور حاضر کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ آپ اگر تاریخ اسلام اور معاجم البلدان کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آبادیوں کا اس نوع کا پھیلاؤ اس زمانہ میں بھی تھا، اس کے باوجود اس زمانہ میں کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا گیا۔ حالاں کہ آج کل جو تیز رفتار سواریاں ایجاد ہوئی ہیں وہ اس زمانہ میں نہیں تھیں، ان سواریوں کے ذریعہ جتنی تیزی سے عیدگاہ جانا ممکن ہے اس وقت نہیں تھا اگرچہ پیدل جانے میں فضیلت زیادہ ہے، مفتیٔ اعظم حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کا ایک تفصیلی فتویٰ اس موقعہ پر نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

عیدین کی نماز ادا کرنے کا طریقہ مسنونہ ومتوارثہ سلفاً وخلفاً یہی ہے کہ شہر کے باہر میدان میں ادا کی جائے اور تمام شہر کے لوگ جن کو کوئی عذر نہ ہو باہر جا کر ہی نماز ادا کریں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بجز ایک مرتبہ کے ہمیشہ شہر کے باہر جبانہ میں ہی نماز عید ادا فرمائی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کے فعل سے بھی یہی ثابت ہے اور ایک مرتبہ جو شہر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید پڑھی ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ بارش کی وجہ سے باہر جانا دشوار تھا، ہمیشہ شہر سے باہر عید کے لیے تشریف لے جانا ظاہر ہے کہ کوئی عادی فعل نہیں تھا بلکہ نماز کی باہر افضلیت کی بناء پر تھا، اس بناء پر محققینِ احناف بلا عذر شہر میں نمازِ عید ادا کرنے کو خلافِ سنت اور مکروہ کہتے ہیں لیکن یہ ضرور ہے کہ شہر کے تمام لوگ باہر جانے کے لائق نہیں ہوتے، کیوں کہ آبادی میں بوڑھے، اور کمزور اور مریض وغیرہ بھی ہوتے ہیں اس لیے یہ بھی سنت ہے کہ امام شہر کی جامع مسجد میں اپنے نائب کو نمازِ عید پڑھانے کے لیے چھوڑ جائے تاکہ معذورین کی نماز بھی آسانی سے ہوجائے اور اگر شہر بڑا ہو اور تمام معذورین کا ایک مسجد میں جمع ہونا بُعدِ اطرافِ

شہر کی وجہ سے مشکل ہو تو دو تین مسجدوں میں نمازِ عید ہو سکتی ہے، میدان میں نماز پڑھنے سے یہی مراد ہے کہ شہر کی آبادی سے باہر جا کر میدان میں پڑھی جائے، بعض عبارات میں لفظ صحراء واقع ہے جو آبادی سے باہر کے میدان پر بھی صادق آتا ہے۔ الخ

(کفایت المفتی ۳/۲۷۱)

آپ نے جن مشکلات کا تذکرہ اپنے استفتاء میں فرمایا ہے اس کا بھی تجزیہ ضروری ہے:

پہلی وجہ جو آپ نے تحریر فرمائی ہے وہ اسی زمانہ کی پیداوار نہیں ہے، پہلے بھی بڑے شہروں میں یہ دشواری موجود تھی اس کے باوجود حضراتِ فقہاء نے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ نیز جو حضرات ایسے ہیں کہ ان کے لیے وہاں پہنچنا دشوار ہے تو وہ معذورین میں شمار ہو کر ان کے لیے شہر ہی میں عید کی نماز ادا کرنا بلا کراہت درست ہوگا، ایک بات یاد رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ وہ میدان حدودِ میونسپلٹی سے باہر ہو بلکہ مکاناتِ آبادی سے باہر ہونا کافی ہے۔ (کماصرح الشیخ العلامة ظفر احمد التھانوی فی امداد الاحکام ۱/ ۶۷۸)

دوسری وجہ بھی کوئی قوی نہیں ہے خریدنے کی ضرورت بار بار نہیں پڑتی، ایک مرتبہ خریدنے کے بعد آئندہ وہ کام دیتی رہے گی، نیز جب تک خریدنے کی استطاعت حاصل نہ ہو وہاں تک مالک کی اجازت سے یا کرایہ پر لے کر کام چلا سکتے ہیں۔

تیسری، چوتھی، پانچویں وجہ بھی ایسی نہیں جس کو نئی وجہ کہا جا سکے، یہ دشواریاں تو پہلے بھی تھیں، اس کے باوجود فقہاء نے اس کا اعتبار نہیں فرمایا۔

چھٹی وجہ جو آپ نے تحریر فرمائی ہے اس کے متعلق یہ سوال ہے کہ کیا عیدگاہ میں

استنجاء ووضوء کا نظم کرنا ضروری ہے یا مستحب ہے؟ مساجد کے متعلق تو بعض روایاتِ حدیث، نیز تعاملِ سلف سے اس کا ثبوت ہے لیکن عیدگاہ کے متعلق دونوں میں سے کسی سے ثبوت نہیں ہے۔

اس لیے حق تو یہ ہے کہ آپ نے جن مشکلات کا سماں باندھا ہے فقہاء کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اب آپ کے سوالات کے جوابات پیش ہیں:

① حدودِ شہر میں کسی میدان وغیرہ میں نمازِ عید ادا کرنے سے نمازِ عید تو صحیح ہو جائے گی مگر سنت ادا نہ ہوگی، سنت یہی ہے کہ شہر کی آبادی سے باہر عیدگاہ ہو۔

(امداد الاحکام ۱/ ۶۷۹)

② نہیں۔

③ اگر شہر میں جامع مسجد یا اور کوئی مسجد اتنی بڑی ہے جو شہر کے تمام لوگوں کے لیے کافی ہو تو جب تک عیدگاہ کا بندوبست نہ ہو جائے اس ایک مسجد میں تمام لوگ نماز عید ادا کریں، اور اگر شہر میں ایسی بڑی کوئی مسجد نہیں ہے تو مختلف مقامات پر مختلف جماعتوں میں نمازِ عید پڑھنے کے بجائے ایک جگہ تمام مسلمانوں کا مل کر پڑھنا اولیٰ ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

آبادی میں مسجد کے باہر نماز عید ادا کرنا

سوال: عیدین کی جماعت مسجد میں ہوتی تھی؛ مگر اب چند سالوں سے کثرت

ناس وصبیان کی وجہ سے امام مسجد نے مسجد سے متصل شرقی جانب جو کھلی جگہ ہے، جس کو یہاں کی زبان میں ''اَڑان'' کہتے ہیں، اس میں نماز عید شروع کردی، اس ''اڑان'' میں لوگوں کی آمد ورفت، محلہ کے بچوں کا کھیل کود، بچوں کا سائیکل چلانا وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے، بالکل چھوٹے بچے کبھی کبھی پیشاب وغیرہ بھی کردیتے ہیں؛ بہرحال عید کے موقع پر اس کی صفائی ہوتی ہے، اس پر دری بچھا کر چٹائی بچھادی جاتی ہے، اس موقع پر اس جگہ کو عیدگاہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

محض سوال یہ کہ سامنے مسجد چھوڑ کر صرف عیدین کی نماز ادا کرتے ہیں؛ جب کہ ایک اور شکل ممکن ہے وہ کہ تمام بالغین مسجد میں (مع صحن مسجد) رہیں اور بچوں کی صف باہر اڑان میں لگادی جائے؛ بہرحال اس میں کراہت، حسن اور صحت وافضلیت وغیرہ کا کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اور اس طرح کرنا کہاں تک درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آبادی کے مکانات سے باہر میدان میں عید کی نماز پڑھنا مسنون ہے، اس لیے اگر کھلی جگہ ہی میں پڑھنا ہے تو آبادی سے باہر کوئی کھلی جگہ اس کام کے لیے پسند کرلی جائے؛ تاکہ یہ سنت ادا ہو، باقی آبادی کے اندر رہ کر مسجد یا مسجد سے باہر میدان میں یکساں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/شوال ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نماز عید عیدگاہ میں پڑھے یا میدان میں؟

سوال: عیدگاہ شہر کے کنارے پر نہ ہو؛ بلکہ آبادی میں اگر کوئی خالی میدان ہو، مثلاً اسکول کا میدان یا کھیل کا کوئی میدان یا مدرسہ کا صحن وغیرہ، تو کیا اس میں گنجائش ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عیدگاہ آبادی سے دور باہر جنگل میں ہونی چاہیے۔

ثم خروجه ماشيا إلى الجبانة، وهى المصلى العام (درمختار) هو الذى يكون في الصحراء أفاده فى البحر (طحطاوى على الدر ١/ ٥٦٠، شامى ١/ ٦١٢)

وفى التجنيس: والخروج إلى الجبانة سنة لصلوة العيد وفى المُغرب: الجبانة: المصلى العام فى الصحراء الخ (البحر الرائق ١/ ١٥٩)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عیدین کی نماز کے لیے جنگل تشریف لے جایا کرتے تھے؛ لہذا آبادی کے باہر عیدگاہ کا انتظام ضروری ہے، جس میدان کا سوال میں ذکر ہے وہ بھی آبادی کے اندر ہے، اور وہاں کھیل تماشے کے کام بھی ہوتے ہیں، اس لیے بہتر یہ ہے کہ جب تک عیدگاہ کا انتظام نہ ہو مسجد میں ہی نماز پڑھ لیا کریں، اور عیدگاہ بنانے کی فکر میں رہیں۔ (از فتاوی رحیمیہ ۵/ ۳۱ ملخصا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نماز عید کے بعد طویل دعا مانگنا

سوال: عید کی نماز کے بعد حالت یہ ہے کہ اکثر وبیشتر طویل طویل دعائیں کی جاتی ہیں، بعض اوقات تو اتنی طویل دعا ہوتی ہے جو خطبہ اور نماز کی مقدار سے بھی

آگے بڑھ جاتی ہے، آیا نمازِ عید کے بعد اولاً دعا کا ثبوت ہے؟ اور اگر ہے تو اس قدر طویل دعائیں کرنا ثابت ہے؟ حضرت اقدس مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ''ملفوظات'' میں ایک قصہ لکھا ہے کہ: حضرت مولانا رسول خاں صاحب کے پاس شلجم پتوں کے ساتھ لایا گیا، چوں کہ شلجم کے پتے شلجم سے بڑے ہوتے ہیں؛ لہٰذا حضرت نے فرمایا: ''ما بالذات انقص'' اور ''ما بالعرض ازید''. یہی کیفیت یہاں پر معلوم ہوتی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نمازِ عید کے بعد ایسی طویل دعا جو مصلیوں کو حرج میں ڈالنے والی ہو درست نہیں، یہ سب چیزیں منشائے شریعت سے ناواقفیت اور غفلت کی علامت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۲/صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عیدین میں دعا نماز کے بعد کرے یا خطبہ کے بعد؟

حضرات اکابر کا معمول

سوال: ہمارے یہاں عیدگاہ میں عید کی نماز کے لیے دو امام مقرر ہیں، ایک سال ایک امام عیدین کی نماز پڑھاتے ہیں، اور دوسرے سال دوسرے امام، ان دونوں اماموں میں ایک امام خطبہ کے بعد دعا مانگتے ہیں، اور دوسرے نماز کے بعد

متصلاً دعا مانگتے ہیں، اس میں سے کونسا طریقہ مسنون اور درست ہے؟ نیز ہمارے یہاں ایک مرتبہ عید الفطر کے موقعہ پر امام صاحب نے عید کی نماز پڑھائی اور پھر خطبہ کے لیے کھڑے ہونے جارہے تھے (اور دعا خطبہ کے بعد مانگنے والے تھے) کہ وہ دوسرے امام صاحب کھڑے ہو گئے، اور کہنے لگے کہ مولانا یہ طریقہ درست نہیں ہے، نماز کے بعد متصلاً دعا ہونی چاہیے، یہی طریقہ مسنون ہے، خطبہ کے بعد دعا صحیح نہیں ہے، تو اس امام صاحب نے کہا کہ یہ کہاں لکھا ہے؟ اتنا کہہ کر وہ خطبہ کے لیے منبر پر چلے گئے تو وہ دوسرے امام صاحب نے پھر مجمع میں اعلان کیا، کہ بھائی! اصل مسنون طریقہ نماز کے بعد متصلاً دعا ہے؛ بہر حال خطبہ کے بعد دعا ہوئی پھر اس کے بعد کچھ دنوں کے بعد اس امام صاحب نے جو نماز کے بعد دعا کے قائل تھے، حوالہ پیش کیا وہ حوالہ ''فتاوی رحیمیہ ۳/ ۷۵'' ''دعا نماز کے بعد کرے خطبہ کے بعد ثابت نہیں'' الخ پر ہے۔ پھر اس کے بعد وہ دوسرے امام صاحب نے عید الاضحیٰ سے پہلے اپنی بات کا حوالہ تلاش کیا وہ حوالہ ''فتاوی رحیمیہ ج/ ۵ ص/ ۸۱'' ''عید کی نماز کے بعد دعا کرنا'' الخ پر ہے۔ اس حوالہ کو عید الاضحیٰ کے موقعہ پر عید گاہ میں سنانا چاہا لیکن بعض حضرات نے روک دیا کہ عوام میں مسائل نہ چھیڑے جائیں، تو وہ امام صاحب رک گئے؛۔ بہر حال وہ دوسرے امام صاحب نے جو حوالہ پیش کیا اس میں ہے کہ خطبہ کے بعد دعا مانگ سکتے ہیں اگر لازم نہ قرار دے۔ اور ہمارے یہاں دونوں طریقے اس سے پہلے ہو چکے اس میں کسی نے اعتراض نہیں، کیا، تو معلوم ہوا کہ کوئی بھی دعا کو نماز کے بعد ہی یا خطبہ کے بعد ہی لازم نہیں کہتا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ عید کی نماز کے بعد دعا کسی سے بھی منقول نہیں ہے، اور پہلے امام صاحب نے جو حوالہ پیش کیا ہے

اس کا جواب بھی فتاوی رحیمیہ ۵ / ۸۳ پر ہے تو سوال یہ ہے کہ کونسا طریقہ مسنون ہے؟ نیز اس امام کا کھڑے ہو کر بھرے مجمع میں یہ احتجاج کرنا کیسا ہے؟ نیز قول فیصل اور مفتی بہ قول سے مطلع فرما کر ہماری رہنمائی فرمائیں؛ نیز فتاوی رحیمیہ کی دونوں عبارتوں پر نظر فرما کر کس طریقہ پر عمل کیا جائے اور کس طرح دعا مانگی جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عیدین میں دعا کی دو صورتوں (نماز کے بعد متصلاً دعا، اور خطبہ کے بعد دعا) کے متعلق آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ اس میں سے کونسا طریقہ مسنون اور درست ہے؟ سب سے پہلے ضروری ہے کہ لفظ مسنون کی مراد متعین کر لی جائے۔ لفظ مسنون بول کر کبھی تو مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ کام نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے، یا صریح الفاظ میں آپ نے اس کو کرنے کے لیے فرمایا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو عیدین میں دعا نماز کے بعد متصلاً یا خطبہ کے بعد ثابت نہیں۔ یعنی کسی روایت میں صراحت کے ساتھ یہ نہیں آیا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عید کی نماز کے بعد دعا مانگی یا خطبہ سے فراغت کے بعد دعا مانگی، اسی طرح روایت قولیہ میں بھی کسی روایت میں صراحت کے ساتھ نماز عید کے بعد متصلاً یا خطبۂ عید کے بعد دعا کا تذکرہ نہیں۔ چناں چہ ہمارے اکابر کے فتاوی میں جہاں یہ لکھا ہے کہ عید کی نماز کے بعد متصلاً یا خطبۂ عید کے بعد دعا مسنون اور ثابت نہیں، وہاں پر یہی مراد ہے۔

دیکھئے: کفایت المفتی ۳/ ۳۰۶، ۲۷۳، ۳۰۳، ۳۰۴۔ امداد الاحکام ۱/ ۶۴۹۔ فتاوی محمودیہ ۲/ ۲۹۵، ۳۶۱، ۱۶/ ۵۴۰۔ خیر الفتاوی ۳/ ۱۲۸۔ آپ

کے مسائل اوران کا حل ۲/ ۴۱۷۔ امداد الفتاوی ۱/ ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۷۔ فتاوی سنگرہ (گجراتی) ۳/ ۱۰۳، ۱۰۴۔ فتاوی رحیمیہ ۸/ ۱۰۵۔ احسن الفتاوی ۴/ ۱۱۵۔

اور لفظ مسنون بول کر کبھی تو یہ مراد ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے احکام شرع کے سلسلہ میں اصولی ارشادات اور ہدایات دی ہیں جن سے ایک عام قاعدہ کی شکل میں کوئی حکم ثابت ہوتا ہے، جس کے ماتحت بہت ساری جزئیات داخل ہوتی ہیں۔ (اگرچہ ان جزئیات کی تصریح روایت میں موجود نہیں) ان تمام جزئیات پر ثابت ہونے والے حکم کو بھی مسنون سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو عیدین میں نماز عید کے بعد کی جانے والی دعا کو اکثر اکابر نے اپنے فتاوی میں مسنون اور ثابت کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ دیکھئے: کفایت المفتی ۳/ ۳۰۶، ۲۷۳، ۳۰۳، ۳۰۴۔ امداد الاحکام ۱/ ۶۵۱، ۶۵۴۔ فتاوی دارالعلوم ۵/ ۲۰۲، ۲۱۳، ۲۲۵، ۲۳۱۔ فتاوی محمودیہ ۷/ ۲۱۸، ۲/ ۲۶۱، ۲۹۵، ۳۰۷، ۳۱۱، ۱۶/ ۵۴۰۔ خیر الفتاوی ۳/ ۱۲۷، ۱۲۸۔ آپ کے مسائل اوران کا حل ۲/ ۴۱۷۔ امداد الفتاوی ۱/ ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۷۔ احسن الفتاوی ۴/ ۱۱۵۔ فتاوی سنگرہ (گجراتی) ۳/ ۱۰۳، ۱۰۴۔ امداد المفتیین ص ۴۰۸۔ عزیز الفتاوی ص ۳۰۱، ۳۰۷۔ فتاوی رحیمیہ ۳/ ۷۵، ۸/ ۱۰۵۔

اور اسی اعتبار سے بعض اکابر نے جن کی تعداد بہت کم ہے، خطبہ کے بعد کی جانے والی دعا کو بھی مسنون اور ثابت لکھا ہے۔ دیکھیے: کفایت المفتی ۳/ ۲۷۳، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۶۔ آپ کے مسائل اوران کا حل ۲/ ۴۱۷۔ احسن الفتاوی ۴/ ۱۱۵۔ (طبع دوم)۔

اس لیے آپ کے یہاں عید کے موقع پر جو واقعہ پیش آیا، جس میں ایک امام صاحب نے (جو نماز عید کے بعد متصلاً دعا پر عامل ہیں) دوسرے امام صاحب پر (جو خطبۂ عید کے بعد دعا پر عامل ہیں) لوگوں کے بھرے مجمع میں نکیر کی، ان کا یہ اقدام ہرگز مناسب نہیں تھا، چناں چہ ہو بہو اسی طرح کا واقعہ کسی جگہ پیش آنے پر حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری نور اللہ مرقدہ سے سوال کیا گیا۔ حضرت نے جس کا تفصیلی جواب عنایت فرمایا جو فتاوی رحیمیہ ۵/ ۸۱ تا ۸۴ میں دیکھا جاسکتا ہے، اس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہمارے اکابر کے دونوں قسم کے فتاویٰ نقل کرنے کے بعد اپنا رجحان تو یہی بتلایا کہ دعا نماز عید کے بعد متصلاً ہی مناسب ہے، اس کے باوجود مجمع عام میں نکیر کرنے والے صاحب کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے کہ ''مجمع عام میں جو کچھ ہوا غلط ہوا، جنہوں نے یہ نازیبا حرکت کی ہے اس کے ذمہ اس کی تلافی لازم ہے'' اس لیے آپ کے اس سوال کے جواب میں کہ ''اس امام کا بھرے مجمع میں کھڑے ہو کر یہ احتجاج کرنا کیسا ہے'' ہم بھی وہی بات پیش کرتے ہیں جو حضرت اقدس مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمائی ہے، ان امام صاحب کو چاہیے کہ وہ اپنی اس نازیبا حرکت کی تلافی کریں، اور دوسرے امام صاحب نے جو فتاوی رحیمیہ میں مذکورۂ بالا تفصیلی فتویٰ دیکھنے کے بعد مجمع عام میں جب اس کو پیش کرنے کا ارادہ کیا لیکن بعض حضرات کے یہ مشورہ دینے پر کہ عوام میں اس طرح کے مسائل نہ چھیڑے جائیں، وہ اپنے اس ارادہ سے باز رہے، ان کے اس اقدام کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے، واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے عالمانہ وقار کی لاج رکھ لی۔ فجزاهم الله تعالى خير الجزاء.

آپ نے آخر میں قول فیصل بھی دریافت کیا، بھلا ہماری کیا مجال ہے کہ ان اکابر

کی باتوں پر محاکمہ کرکے قول فیصل کے نام سے کوئی بات پیش کریں؛ البتہ ایسے موقع پر ہمارے اکابر کا جو عمل ہوا کرتا ہے اسی کو اپنانے کے لیے طبیعت مائل ہوتی ہے، چناں چہ اس سلسلہ میں حضرت اقدس ومولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ (دار العلوم دیوبند کے اولین صدر مفتی) تحریر فرماتے ہیں ''ہمارے اکابر مثل حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ، اور حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر حضرات اساتذہ مثل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (صدر مدرس سابق مدرسہ ہذا) اور حضرت (شیخ الھند) مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (صدر مدرس مدرسہ ھذا) وغیرہم کا یہی معمول رہا ہے کہ بعد عیدین کے بھی مثل تمام نمازوں کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے۔ (فتاوی دار العلوم عزیز الفتاوی دار الاشاعت کراچی ۳۰۷)

احقر کو بھی اپنے جن اکابر کو عید پڑھتے ہوئے دیکھنے کا موقع ملا ہے، ان تمام کو نماز عید کے بعد ہی دعا کرتے ہوئے دیکھا، خطبہ کے بعد نہیں، اس لیے مناسب یہی ہے کہ نماز عید کے بعد ہی دعا کا اہتمام کیا جائے، خصوصاً جب کہ خطبہ کے بعد کی جانے والی دعا کو بعض اکابر نے بدعت بھی لکھا ہے۔ دیکھیے: فتاوی دار العلوم ۵/ ۲۱۳، ۲۲۵، ۲۳۱۔ فتاوی محمودیہ ۷/ ۲۱۸، ۲/ ۲۹۵، ۳۰۷، ۳۱۱۔ خیر الفتاوی ۳/ ۱۲۸۔ امداد الفتاوی ۱/ ۶۰۲، ۶۰۶۔ فتاوی سنگرہ (گجراتی) ۳/ ۱۰۴۔ عزیز الفتاوی ص ۳۰۱۔ فتاوی رحیمیہ ۳/ ۷۵، ۸/ ۱۰۵۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

دعا نماز عید کے بعد یا خطبہ کے بعد؟

سوال: ہمارے یہاں عیدین کی نماز میں دعا خطبے کے بعد ہوتی ہے، نماز کے بعد نہیں ہوتی، اس کا اصل وقت کب ہے؟ نماز کے بعد یا خطبے کے بعد؟ ہمارے یہاں چند سالوں سے اس مسئلے میں شدت برتی جارہی ہے، راجح قول احادیث کی روشنی میں تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خصوصیت سے بعدِ عید یا بعدِ خطبہ دعا کی تصریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں؛ البتہ بعدِ صلاۃ مطلقاً دعا کا ثبوت بہت سی احادیث سے ہے، نیز اس وقت کو اوقاتِ اجابت میں حصن حصین وغیرہ میں شمار کیا ہے، اور متبادر بعدِ صلاۃ سے بعدیتِ متصلہ ہے؛ لہٰذا بعد صلاۃ دعا نہ کرنا اور بہ جائے اس کے بعدِ خطبہ مقرر کرنا بہ ظاہر تغییرِ سنت ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۲۹۵)

بخاری شریف میں باب موعظة الإمام النساء يوم العيد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے الفاظ: فبدأ بالصلاة ثم خطب فلما فرغ نزل فأتى النساء فذكرهن إلخ (بخاری ۱/۱۳۳) سے معلوم ہوتا ہے کہ، خطبے سے فارغ ہوکر منبر سے اتر کر سیدھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے مجمع میں وعظ ونصیحت کے لیے تشریف لے گئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۹/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

عیدین کے خطبے کے بعد طویل دعا کرنا

عیدین میں مصافحہ ومعانقہ کرنا

سوال: بعدِ خطبۂ عیدین امام کا طویل دعا اجتماعی کرانا کیسا ہے؟ جب کہ عوام واجب الاقتداء جان رہی ہو، اگر درست نہیں تو روکنے کا کون طریقہ اختیار کیا جاسکے؟ نیز مصافحہ وگلے ملنا وغیرہ کیسا ہے؟ جب کہ عوام امام صاحب کو دائرے میں لیے ہوتے ہیں کہ فرار بھی مشکل۔ (بعض صورت میں امام کی مدد مقصود بھی ہوتی ہے)۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز عید کے بعد دعا کریں، بعد خطبہ دعا کرنا بے اصل ہے۔ عید کا مصافحہ ومعانقہ بدعت ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۲/۳۱۱) عوام کی تربیت فرماتے ہوئے ان کو سنت کی اہمیت اور بدعت کی قباحت سے آگاہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ رشوال ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نمازِ عید کے بعد مصافحہ ومعانقہ کرنا

سوال: عید کے دن یا کسی بھی نماز کے بعد معانقہ کرنا کیسا ہے؟ اگر ثابت نہیں تو کس وقت ملنا ثابت ہے اور کتنی بار؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عید کی نماز کے بعد ملنا اور معانقہ ومصافحہ کرنا کوئی امر مسنون نہیں ہے، لوگوں کی

اختراعات اور بدعات میں سے ہے، احادیث میں جہاں تک معلوم ہے اس کا پتہ نہیں چلتا، غیبو بت کے بعد مصافحہ اور طویل غیبو بت پر معانقہ ثابت ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/۷۶/۳)

شامی میں منقول ہے: (کسی بھی) نماز کے بعد مصافحہ کا رواج مکروہ ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نماز کے بعد مصافحہ نہ کرتے تھے، اور کراہت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ روافض کا طریقہ ہے۔ (ایضا ۳/۷۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ذوالقعدۃ ۱۴۱۴ھ

مصافحہ بعد العیدین کا حکم

سوال: مصافحہ بعد العیدین کیا جائز ہے؟ خصوصاً امام یا خطیبِ عیدین ان کے لیے، ان پر تو لوگ ٹوٹ پڑتے ہیں، اپنے لیے سعادت مندی سمجھتے ہیں، آٹھ کھاٹ تین سو ساٹھ والی نمازوں کے علاوہ مسجد میں آنے کا نام نہ لینے والا جاہل طبقہ بالکل مسائل سے جو ناواقف ہو وہ تو حد درجہ کی سعادت مندی سمجھتا ہے، مصافحہ نہ کرنے پر تو طعن و تشنیع کی حد کر دیتا ہے، کسی کو مسئلہ بتا بھی دیا جائے تو وجدنا اٰباء نا کے علاوہ کچھ جواب نہیں ملتا، دریں صورت مصافحہ کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عید کا مصافحہ کرنے کا جو رواج ہے، یہ ٹھیک نہیں ہے، یہ بدعت اور مکروہ ہے، شامی کی پانچویں جلد میں فقہ کی متعدد کتب سے اس کا بدعت اور ممنوع ہونا نقل کیا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/۲۱۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

تکبیر تشریق ایک بار کہنا سنت ہے

سوال: ایام تشریق میں تکبیرات ہر نماز کے بعد ایک مرتبہ کہنا واجب ہے، تو کیا تین مرتبہ پڑھنے کی کوئی حقیقت ہے؟ کیوں کہ ہمارے یہاں تین مرتبہ پڑھنے کا رواج ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

راجح یہ ہے کہ ایک بار سے زیادہ کہنا خلاف سنت ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۴۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۹/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

عیدین میں جماعتِ ثانیہ کا جواز

سوال: ہمارے یہاں برطانیہ میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر بڑا مجمع ہونے کی بناء پر ایک ہی جگہ پر دو یا تین مرتبہ عید کی نماز اور خطبہ کا نظم کرنا پڑتا ہے، یہاں کا موسم خصوصاً ایام سردی میں ایسا نہیں ہوتا کہ اس میں باہر کھلی جگہ میں نماز کا بندوبست کیا جائے، نیز عام طور پر مسجد کے متصلاً ایسی جگہیں نہیں ہوتیں کہ مسجد کی نماز کے ساتھ ہی باہر انتظام کیا جا سکے، بعض بعض جگہوں پر بعض موسموں میں باہر بھی نماز کا انتظام ہوتا ہے لیکن بہت سی جگہوں پر جگہ کی تنگی اور مجمع کی کثرت کے پیش نظر ایک ہی جگہ پر متعدد مرتبہ نماز کا انتظام کرنا پڑتا ہے، تو شرعاً اس کی گنجائش ہے کہ نہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔

جنابِ والا کی جان کاری کے لیے یہ بھی لکھنا مناسب ہے کہ یہاں جن جگہوں

پر نمازِ عید ہوتی ہے، اس کی تین صورتیں ہیں:

① مسجد جو عرفاً و شرعاً مسجد ہے، اور انتظامیہ کمیٹی نے جس کے مسجد شرعی ہونے کی نیتیں کر رکھی ہیں، چاہے وہ مستقلاً مسجد تعمیر کی گئی یا کوئی دوسرا مکان خرید کر اس میں مسجد شرعی کی نیت کر لی گئی۔

② عبادت گاہ، مصلیٰ PRAYERHALL کوئی عمارت تعمیر کی گئی یا خریدی گئی، جس میں پنج گانہ نماز اور جمعہ بھی ادا ہوتا ہے لیکن انتظامیہ کمیٹی نے ابھی اس کی باقاعدہ مسجدِ شرعی ہونے کی نیت نہیں کی ہے لیکن روزانہ کی نماز اور نماز جمعہ برابر ادا ہو رہی ہے، اگرچہ بہت سی جگہوں پر ایسی عمارت کو بھی لوگ اپنے عرف اور بول چال میں مسجد کا نام دیتے ہیں لیکن حقیقت میں ابھی تک وہ مسجدِ شرعی نہیں ہے۔

③ محض عیدین کے خاطر بڑے ہال یا کمرے عید کے دن کے لیے اجرتاً یا عاریتاً لے لیے جاتے ہیں، اور کبھی موسم سازگار ہو تو کھلی جگہ میں بھی عید کی نماز کا انتظام ہوتا ہے۔

ان تینوں صورتوں میں دو یا تین یا متعدد مرتبہ ایک ہی جگہ پر عید کی نماز قائم کرنے کا حکم تفصیل سے مرحمت فرمائیں۔

نوٹ: ہر جماعت میں الگ امام کا انتظام کیا جاتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ویکرہ تکرار الجماعة باذان واقامة فی مسجد محلة، لا فی مسجد طریق او مسجد لاامام له ولا مؤذن (الدر المختار علی هامش رد المحتار ۱/ ۴۰۸، ۴۰۹)

قال الشامی: (قوله: ویکره) ای تحریما لقول الکافي لایجوز والمجمع

لا یباح، وشرح الجامع الصغیر انه بدعة کما فی رسالة السندی، (قوله باذان واقامة الخ) عبارته فی الخزائن: اجمع مما هنا ونصبها یکره تکرار الجماعة فی مسجد محلة باذان واقامة الا اذا صلی بهما فیه اوّلاً غیر اهله او اهله لکن بمخافتة الا ذان ولو کرر اهله بدونهما او کان مسجد طریق جاز اجماعا کمافی مسجد لیس له امام ولا مؤذن ویصلی الناس فیه فوجا فوجا، فان الافضل ان یصلی کل فریق باذان واقامة علی حدة کما فی أمالی قاضیخان اه ونحوه فی الدرر والمراد بمسجد المحلة ماله امام وجماعة معلومون کما فی الدرر وغیرها، قال فی المنبع: والتقیید بالمسجد المختص بالمحلة، احتراز من الشارع، وبالاذان الثانی، احتراز عما اذا صلی فی مسجد المحلة جماعة بغیر اذان حیث یباح اجماعا اه ثم قال فی الاستدلال علی الامام الشافعی النافی للکراهة ما نصه ولنا انه علیه الصلوٰة والسلام کان خرج لیصلح بین قوم فعاد الی المسجد وقد صلی اهل المسجد فرجع الی منزله فجمع اهله وصلی ولو جاز ذلك لما اختار الصلوة فی بیته علی الجماعة فی المسجد، ولان فی الاطلاق هکذا تقلیل الجماعة معنی فانهم لایجتمعون اذا علموا انها لا تفوتهم واما مسجد الشارع فالناس فیه سواء لا اختصاص له بفریق دون فریق اهـ..... وقدمنا فی باب الاذان عن آخر شرح المنیة عن ابی یوسف انه اذا لم تکن الجماعة علی الهیئة الاولیٰ لا تکره والا تکره وهو الصحیح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهیئة کذا فی البزازیة انتهی وفی التاتارخانیة: عن الوالوالجیة وبه ناخذ (شامی ۱/ ۴۰۸، ۴۰۹)

بل یکرہ فعلهما، وتکرار الجماعة الا فی مسجد علی طریق، فلا بأس بذلك جوهرة (الدر المختار علی هامش رد المحتار ۱ /۲۹۱) قال الشامی: (قوله وتکرار الجماعة) لماروی عبد الرحمن بن ابی بکرعن ابیه ان رسول الله ﷺخرج من بیته لیصلح بین الانصار، فرجع وقد صلی فی المسجد بجماعة، فدخل رسول الله ﷺ فی منزل بعض اهله، فجمع اهله فصلی بهم جماعة، ولو لم یکره تکرار الجماعة فی المسجد لصلی فیه، وروی عن انس ان اصحاب رسول الله ﷺکانو ا اذا فاتتهم الجماعة فی المسجد صلوا فی المسجد فرادی، ولان التکرار یؤدی الی تقلیل الجماعة، لان الناس اذا علموا انهم تفوتهم الجماعة یتعجلون فتکثر والا تأخروا اه بدائع وحینئذ فلو دخل جماعة المسجد بعد ما صلی اهله فیه فانهم یصلون وحدانا وهو ظاهر الروایة ظهیریة وفی آخر شرح المنیة: وعن ابی حنیفة لوکانت الجماعة اکثر من ثلاثة یکره التکرار، والا فلا، وعن ابی یوسف اذا لم تکن علی الهیئة الاولیٰ لاتکره والا تکره، وهو الصحیح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهیئة کذا فی البزازیة اه وفی التاتارخانیة عن الولوالجیة وبه نأخذ وسیأتی فی باب الامامة ان شاء الله تعالیٰ لهذه المسئلة زیادة کلام (شامی ۱/ ۲۹۱)

عمدۃ الفقہ میں ہے: محلہ کی مسجد میں دوسری جماعت مکروہ تحریمی ہے، یعنی اگر محلہ کی مسجد جس میں امام اور جماعت کے وہ لوگ جو ہمیشہ آنے والے اور مقرر ہیں، بلند آواز سے اذان اور اقامت کہہ کر نماز پڑھ چکے ہوں، تو اب وہاں اذان واقامت کے ساتھ دوبارہ جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر

بغیر اذان واقامت کے ہو اور ہیئت بدل دی جائے تو مکروہ نہیں، اور محراب کے بدلنے سے یعنی جس جگہ پہلے امام نے نماز پڑھی ہے دوسرے امام کے اس جگہ سے ہٹ کر کھڑا ہو جانے سے ہیئت بدل جاتی ہے، اور اسی قول پر فتویٰ ہے، (پس اگر کبھی کبھی ایسا موقع پیش آئے تو اس پر عمل کر لیا جائے، اور التزام کے ساتھ دوسری جماعت نہ کی جائے؛ تاکہ پہلی جماعت میں کمی وسستی واقع نہ ہو جائے، ورنہ ہیئت بدلنے پر بھی مکروہ تحریمی ہی ہونی چاہیے، پہلی جماعت کا ثواب ہر حال میں زیادہ ہے، اور دوسری جماعت میں اختلاف بھی ہے، اس لیے اس کا اہتمام نہایت ضروری ہے، اور ہیئت بدل کر دوسری جماعت کر لینے کی اجازت ضرورۃً کبھی کبھار کے لیے ہے۔ واللہ اعلم مؤلف) اگر محلہ کی مسجد میں پہلی جماعت بغیر اذان کے ہوئی یا آہستہ اذان ہوئی یا اس مسجد کے مقررہ امام اور نمازیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں نے جماعت کی، تو ان صورتوں میں دوبارہ جماعت کی جائے، اور یہ جماعت پہلی جماعت کہلائے گی، جماعتِ ثانیہ نہیں کہلائے گی، جس مسجد کا امام اور مؤذن اور جماعت مقرر نہیں ہے، جیسے: عام راستے کی مسجد یا اسٹیشن یا سرائے کی مسجد، پس اس میں اذان اور جماعت کا تکرار بلا کراہت جائز ہے؛ بلکہ افضل یہ ہے کہ ہر گروہ جداگانہ اذان واقامت سے نماز پڑھے۔ (عمدۃ الفقہ ۲/۱۸۱)

کتب فقہ کی ان عبارتوں سے جو پیش کی گئیں چند باتیں مستفاد ہوتی ہیں:

① جماعت ثانیہ کی کراہت مسجد محلہ کے ساتھ مخصوص ہے، اس لیے وہ جگہ جہاں جماعت ثانیہ کی جارہی ہے مسجد شرعی ہی نہیں تو تکرار جماعت مکروہ نہیں۔

② نیز اگر وہ مسجدِ شرعی تو ہے لیکن مسجد محلہ نہیں ہے، تو اس صورت میں جماعتِ

ثانیہ مکروہ نہیں۔ مسجد محلہ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جس میں امام اور جماعت کے لوگ ہمیشہ کے آنے والے اور مقرر ہوں، اس لیے اگر وہاں کا کوئی امام مقرر نہیں، اور وہاں کے نماز پڑھنے والے بھی متعین نہیں، جیسے: عام راستہ کی مسجد یا اسٹیشن یا سرائے کی مسجد جس میں غیر متعینہ اشخاص نماز پڑھتے ہیں، اس میں جماعت کا تکرار بالاتفاق مکروہ نہیں؛ بلکہ وہاں تو نماز کے لیے آنے والا ہر گروہ جداگانہ اذان واقامت سے نماز پڑھے، اس کو افضل قرار دیا گیا۔

③ مسجد محلہ میں بھی بعض صورتیں مکروہ نہیں، مثلاً: محلہ کی مسجد میں پہلی جماعت بغیر اذان کے ہوئی یا اس مسجد کے مقرر امام اور نمازیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں نے جماعت کی، تو ان صورتوں میں دوبارہ جماعت کرنے کا حکم ہے، اور یہ دوبارہ کی جانے والی جماعت ہی پہلی جماعت کہلائے گی، اس کو جماعت ثانیہ کہہ کر اس پر کراہت کا حکم نہیں لگے گا۔

④ نیز دوسری جماعت کی کراہت کی علت یہ بتلائی گئی ہے کہ اگر دوسری جماعت کی بلا کراہت اجازت دے دی گئی، تو یہ چیز پہلی جماعت میں تقلیل کا باعث ہوگی، اس لیے کہ اس صورت میں پہلی جماعت کے لیے حاضری کا اہتمام لوگ اس لیے نہیں کریں گے کہ ان کو اطمینان ہے کہ ہم جب بھی جائیں اپنی جماعت کر کے نماز پڑھ لیں گے، اس طرح ان کو جماعت کے فوت ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں رہے گا، اور یہ چیز ان کے لیے پہلی جماعت میں حاضری سے سستی اور کاہلی کا سبب بنے گی، اس کے برخلاف جب ان کو یہ معلوم ہوگا کہ دوسری جماعت مکروہ ہے تو وہ لوگ اہتمام اور تاکید کے ساتھ پہلی جماعت میں حاضری کی کوشش کریں گے۔

مذکورہ علتِ کراہت کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں یہ علت موجود نہ ہو کراہت کا حکم جاری نہیں ہوگا، چناں چہ مسجد سوق میں تعدد جماعت کی اجازت؛ بلکہ افضلیت اسی لیے ہے کہ وہاں یہ علت موجود نہیں۔

مذکورہ بالا تفصیلات کو سامنے رکھ کر آپ کے سوال کا حل پیش کیا جارہا ہے:

آپ نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقعہ پر مجمع کے بڑا ہونے کی وجہ سے ایک ہی جگہ پر دو یا تین مرتبہ عید کی نماز اور خطبہ کا نظم کرنے کے سلسلہ میں حکم شرعی دریافت کیا ہے، اولاً تو یہ بات ذہن نشین رہے کہ جماعت ثانیہ کی کراہت والا حکم حضرات فقہاء نے جہاں بھی بیان کیا ہے وہاں فرائض پنج گانہ ہی کو پیش نظر رکھ کر ذکر کیا ہے، جس کا بڑا قرینہ یہ ہے کہ باب الامامت میں اس مسئلہ کو پیش کرنے سے پہلے باب الاذان میں بھی اس کا حکم بیان کیا گیا ہے، گویا یہ ایسی نماز کا حکم ہے جس کے لیے اذان واقامت مشروع ہو، اور یہ نماز پنج گانہ کی خصوصیت ہے ان کے علاوہ بعض نمازیں اور بھی ایسی ہیں جو جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں؛ لیکن ان کے لیے اذان واقامت مشروع نہیں، (جیسے: نماز عید، نماز تراویح، نماز کسوف) ان کے لیے یہ حکم ہونا نہیں چاہیے؛ اگرچہ کسی کتاب فقہ میں اس کی صراحت نہیں ملی، حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے ''امداد الفتاوی ۱/ ۴۶۹'' پر تراویح کی دو جماعتوں کی اجازت دی ہے؛ اگرچہ حضرت نے اس کی وجہ دوسری تحریر فرمائی ہے لیکن اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ کراہت جماعت ثانیہ والا حکم حضرت نے تراویح میں نہیں لگایا؛ نیز وہ نماز اگر ایسی ہے کہ اس کی ادائیگی مصلی پر فرض یا واجب ہے، اور وہ تنہا اس کو ادا نہیں کرسکتا؛ بلکہ صحت ادا کے لیے جماعت شرط ہے، اور مسجد محلہ میں اس نماز کو جماعت کے ساتھ

ادا کرلیا گیا، اور کچھ لوگ وقت پر نہ پہونچ سکنے کی وجہ سے شریک ہونے سے رہ گے، تو کیا ان کے لیے دوبارہ جماعت کرنا درست ہے؟ حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ سے نماز جمعہ کے بارے میں اسی نوع کا سوال کیا گیا؛ حالاں کہ نماز جمعہ فرائض پنج گانہ میں سے ظہر کی جگہ پر پڑھی جاتی ہے، اور اس کے لیے اذان واقامت بھی کہی جاتی ہے، پھر بھی حضرت مولانا عبدالحی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی اجازت دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

سوال: جمعہ کی جماعت ہوجانے کے بعد دس پندرہ آدمی آگئے، یہ لوگ اسی مسجد میں جمعہ مع خطبہ جماعت سے پڑھیں یا بجماعت ظہر ادا کریں؟

جواب: چوں کہ تعدد جماعت جمعہ بمذہب صحیح جائز ہے، اور بروز جمعہ جس شخص پر جمعہ فرض ہے اس کو ظہر پڑھنا درست نہیں، اس لیے ان لوگوں کو چاہیے کہ جمعہ بجماعت مع خطبہ ادا کریں، اگر اسی مسجد میں ہو تو کوئی حرج نہیں، اور اولی یہ ہے کہ دوسری مسجد میں ہو۔ (مجموعہ الفتاوی لمولانا عبدالحی ۱/ ۲۹۲، ۲۹۳)

''خیر الفتاوی ۳/ ۹۵'' پر بھی مذکورہ صورت میں فتاوی عبدالحی ہی کے حوالہ سے جمعہ کی دوسری جماعت کی اجازت دی گئی ہے۔

امداد الاحکام ۱/ ۶۹۱ تا ۶۹۳ میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی مسئلۂ مذکورہ میں جواز کا ہے۔

حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ سے پوچھا گیا کہ جمعہ کے روز جگہ کی قلت کی وجہ سے تمام لوگ مسجد میں نہیں سما سکتے، تو کیا بقیہ لوگ دوسری مرتبہ جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا کہ: یہ دوسرے لوگوں کی جماعت

جماعت ثانیہ نہیں۔ (ملفوظات فقیہ الامت ۷/۳۸)

مندرجۂ بالا پہلے تین جوابات (مجموعہ فتاوی عبدالحی، خیر الفتاوی، امداد الاحکام) میں تو اس صورت میں جب کہ وہ دس پندرہ آدمی جمعہ کی جماعت میں بروقت پہونچ نہ سکنے کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے، ان کو دوسری جماعت کی اجازت دی گئی حالاں کہ صورت مسئولہ میں فی الجملہ ان کا قصور بھی ہے کہ وہ بروقت حاضر نہ ہوئے، اور آنے میں تاخیر کے مرتکب ہوئے، چاہیے تھا کہ ان کو جماعت کے ساتھ جمعہ ادا کرنے کی اجازت نہ دی جاتی اور تنہا ظہر پڑھنے کا حکم دیا جاتا لیکن صرف اس بنیاد پر کہ ان پر جمعہ فرض ہے اس لیے ان کا ظہر پڑھنا درست نہیں ان کو اسی مسجد میں جمعہ کی دوسری جماعت کرنے کی اجازت دی جارہی ہے، آپ نے اپنے سوال میں جس نماز کے لیے دریافت کیا ہے وہ عید کی نماز ہے جو بقول راجح واجب ہونے کے ساتھ ساتھ اگر چھوٹ جائے تو اس کا کوئی بدل بھی نہیں، نیز آپ کے یہاں جو لوگ پہلی جماعت میں شریک نہیں ہو رہے ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کی طرف سے کوئی کوتاہی یا کاہلی پائی گئی جس کے نتیجہ میں ان کو پہلی جماعت میں شرکت کا موقعہ نہیں ملا بلکہ وہ حضرات بھی وہاں مجمع میں شروع سے موجود ہیں، لیکن جس جگہ پر عید کی نماز با جماعت ادا کی جارہی ہے وہ جگہ محدود ہونے کی وجہ سے تمام حضرات جو موجود ہیں جماعت میں شرکت نہیں کر سکتے گویا جماعت میں عدم شرکت ان کی کسی کوتاہی کی وجہ سے نہیں، نیز یہاں پر یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ دوسری جماعت کی اجازت دینے سے پہلی جماعت کی تقلیل لازم آئے گی، اس لیے کہ عید کی نماز کے سلسلہ میں لوگوں کا جو عام مزاج ہے وہ تو یہ ہے کہ جلد از جلد اس سے فارغ ہو جائیں اسی لیے دیکھا جاتا ہے کہ جن شہروں میں متعدد

جگہوں پر عید کی نماز ادا کی جاتی ہے اور بذریعہ اشتہار تمام جگہوں کے اوقات جماعت سے بھی شہر والوں کو آگاہ کر دیا جاتا ہے وہاں پر لوگ جس جگہ جلدی نماز ہو رہی ہو وہاں پہنچ کر نماز عید سے جلد فارغ ہونے کا اہتمام کرتے ہیں، مطلب کہ صورتِ مسئولہ میں دوسری جماعت کی اجازت کسی حال میں پہلی جماعت میں تقلیل کا باعث نہیں بلکہ دوسری جماعت کو جماعت ثانیہ کا نام دینا یہ بھی محل تأمل ہے، اسی لیے غالبا حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ نے (جیسا کہ اوپر نقل کیا جا چکا) اپنے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ دوسرے لوگوں کی جماعت جماعت ثانیہ نہیں یعنی یہ وہ جماعت ثانیہ نہیں جس پر کراہت کا حکم جاری ہوتا ہے اس لیے کہ اس میں اس کے شرائط موجود نہیں جیسے مسجد سوق میں ہونے والی متعدد جماعت کو جماعت ثانیہ نہیں کہا گیا، اس لیے آپ کے یہاں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر مجمع کے بڑا ہونے کی وجہ سے دو یا تین مرتبہ عید کی نماز اور خطبہ کا نظم کرنا پڑتا ہے اگر یہ نظم کسی بڑے ہال یا میدان میں ہو یا کسی عبادت گاہ (جس کو شرعی مسجد قرار نہیں دیا گیا ہے اس) میں ہو تب تو اس میں کوئی کراہت ہے ہی نہیں لیکن اگر سوال میں مذکور ضرورت کے پیش نظر مسجد شرعی میں بھی ایسا کرنا پڑے تو اس کو مکروہ قرار نہیں دیں گے۔

یہ احقر کا رجحان ہے، اس سلسلہ میں دیگر اہل علم سے بھی دریافت کر لیا جائے اگر وہ اس سے اتفاق کریں تو عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ صفر ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عیدین میں جماعتِ ثانیہ کا حکم

سوال: ہمارے کولہاپور میں کثرتِ ازدحام اور جگہ کی تنگی ہونے کی بناء پر ایک ہی مسجد میں دو عید کی نماز پڑھی جاتی ہیں، بسا اوقات تو ایک ہی خطبے سے اور بسا اوقات دونوں نمازوں کے لیے دو خطبے الگ الگ ہوتے ہیں، تو کیا اس طرح دوسری نماز صحیح ہے؟ اگر صحیح نہیں ہے، تو کونسی شکل ایسی ہوسکتی ہے جس میں صحیح ہو؟ بالتفصیل ہر ایک شکل پر روشنی ڈالتے ہوئے جواب عنایت فرمائیں۔

نوٹ: بسا اوقات تو ایک ہی مسجد میں تین تین چار مرتبہ بھی نماز پڑھی جاتی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عید کی نماز عیدگاہ میں ادا کرنا سنتِ مؤکدہ متوارثہ ہے، آں حضور ﷺ مسجد نبوی کی فضیلت کے باوجود علی سبیل المواظبت برسبیل عبادت عیدین کی نماز عیدگاہ میں ادا فرماتے رہے، صرف ایک دفعہ بوجہ بارش آپ ﷺ نے مسجد میں پڑھی ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ۱/۲۷۵)

شہر، قصبہ اور وہ قریۂ کبیرہ جو مثل قصبہ ہو، اور وہاں جمعہ وعیدین وغیرہ پڑھنے کی علماء نے اجازت دی ہو، وہاں آبادی سے باہر جنگل میں عیدگاہ بنانا ضروری ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ۳/۷۵)

عیدگاہ نہ ہو اور مسجد میں بھی گنجائش نہ ہو، تو جنگل میں کوئی میدان تجویز کرلیا جائے، اور وہاں نماز عید ادا کی جائے، اگر ایسا میدان میسر نہ ہو، تو شہر میں کسی محفوظ میدان میں یا بڑے ہال یا بڑے مکان میں نماز عید پڑھی جائے ایک ہال یا ایک مکان کافی نہ ہو تو

باقی نمازیوں کے لیے دوسری جگہ نماز کے لیے تجویز کردی جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۵/ ۳۶)

باقی ایک ہی مسجد میں دوبارہ، سہ بارہ جماعت کرنا مکروہ ہے[1]۔

بل یکرہ فعلھما، وتکرار الجماعۃ الخ (درمختار علی ھامش الشامي ۱/ ۲۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دس افراد کا عید کی نماز الگ پڑھنا مکروہ ہے

سوال: ہماری بستی میں عیدگاہ بہت پرانی ہے اور کئی سالوں سے اس میں عید کی نماز پڑھی جاتی ہے حسب معمول امسال بھی نماز عید الفطر ادا کی گئی لیکن قریباً دس افراد نے عیدگاہ سے ایک کلومیٹر دور کے فاصلہ پر پڑھی تو ان دس افراد کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آیا ان کی نماز ہوئی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عید کی نماز شہر سے باہر جا کر عیدگاہ میں پڑھنا مسنون ہے۔

الخروج الیھا ای الجبانۃ لصلوٰۃ العید سنۃ (درمختار علی ھامش الشامی ۱/ ۶۱۲)

ضرورت سے زیادہ تعدد خلافِ سنت اور مکروہ ہے۔ (کفایت المفتی ۳/ ۲۷۱)

اس لیے جن لوگوں نے الگ پڑھی ان کی نماز تو ہوگئی بناء علی ان صلوٰۃ العیدین فی موضعین جائز (شامی ۱/ ۶۱۳) البتہ ان کا یہ فعل بلاضرورت ہونے کی

---

[1] ''محمود الفتاویٰ'' ہی میں عنوان: ''عیدین میں جماعت ثانیہ کا جواز'' کے ذیل میں متعدد بار عیدین کی نماز کا جواز لکھا ہے، اُس کا تعلق ایک مخصوص صورت کے ساتھ ہے۔ (مرتب)

وجہ سے مکروہ اور خلافِ سنت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عید کی نماز تنہا پڑھنا

سوال: ایک شخص بخار کی وجہ سے نماز عید الفطر کے لیے مسجد میں تاخیر سے پہنچا جس کی بنا پر جماعت نہ مل سکی بعد میں تنہا عید الفطر کی نماز ادا کیا یہ نماز ادا ہوئی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عید کی نماز تنہا نہیں پڑھی جاسکتی اس کے صحیح ہونے کے لیے جماعت شرط ہے اس لیے اس آدمی نے عید کی نماز جو تنہا پڑھی وہ درست نہیں ہوئی۔ اگر بخار میں مبتلا ہونے کی وجہ سے وہ نماز عید میں شریک نہ ہوسکا تو وہ گنہگار نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عیدین میں زائد تکبیر کہہ دی

سوال: عید کی نماز میں امام صاحب نے پہلی رکعت میں ہاتھ باندھ کر ثناء پڑھنے کے بعد تین بار تکبیر کہنے کے بعد ہاتھ چھوڑ دیا اور پھر چوتھی تکبیر کہنے کے بعد ہاتھ باندھ لیا، تو اس کا کیا حکم ہے شریعت میں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس طرح ایک زائد تکبیر کہی، ایسا کرنے کے باوجود نماز درست ہوگئی، سجدۂ سہو

بھی واجب نہیں ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نمازِ عید میں پانچ تکبیراتِ زوائد کہنا

سوال: عید کی نماز چھ زائد تکبیروں کے بجائے پانچ تکبیروں سے جائز ہے یا نہیں؟ اور وہ بھی دو عید سے مسلسل ایسا ہو رہا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عید کی نماز میں تکبیراتِ زوائد واجب ہیں، ہر ہر تکبیر زائد واجب ہے۔

وتكبيرات العيدين، وكذا أحدها (درمختار) (قوله كذا أحدها) أفاد أن كل تكبيرة واجب مستقل (شامی ۱/ ۳۴۶)

صورتِ مسئولہ میں جب امام نے ایک زائد تکبیر نہیں کہی، تو واجب چھوٹا، جس پر سجدۂ سہو واجب ہوا؛ البتہ نمازِ عیدین میں مجمع زیادہ ہوتا ہے تو امام کو چاہیے کہ سجدۂ سہو نہ کرے۔

ولايأتي الإمام بسجود السهو في الجمعة والعيدين دفعا للفتنة بكثرة الجماعة (مراقي الفلاح) دفعا للفتنة، أي افتتنان الناس وكثرة الهرج (بكثرة الجماعة) الباء للسببيه وهي متعلقة بقوله للفتنة، وأخذ العلامة الواني من هذه السببية أن عدم السجود مقيد بما إذا حضر جمع كثير، أما اذلم يحضروا فالظاهر السجود لعدم الداعي إلى الترك وهو التشويش (طحطاوي على المراقي ۲۵۳، وكذا في الشامي ۱/ ۵۵۶)

مسلسل دو عید سے ہو رہا ہے، تو امام صاحب کو متنبہ کر دیا جائے، ممکن ہے، وہ غلط فہمی میں ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عیدین کی شرائط مفقود ہوں وہاں نماز عید جاری رکھنا

سوال: ہم لوگ دیہات کے رہنے والے ہیں، ہمارے وہاں ایک موضع میں عیدگاہ واقع ہے، تقریباً دس گیارہ موضع کے لوگ وہاں پر جمع ہوتے ہیں اور نماز عیدین ادا کرتے ہیں، مدت مدیدہ سے اس طرح لوگ کرتے چلے آتے ہیں؛ نیز جہاں پر عیدگاہ واقع ہے اس موضع میں نماز جمعہ بھی ہوتی ہے، اگرچہ حنفی المسلک کے اعتبار سے شرائط مفقود ہیں؛ البتہ جہاں پر عیدگاہ واقع ہے اس سے صرف ایک فرلانگ کے اوپر ایک بازار ہے جہاں ضروریات زندگی کی سبھی چیزیں ملتی ہیں، پوسٹ آفس اور بنک بھی ہے، اب اگر نماز عیدین کو بند کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو شدید اختلاف رونما ہوتے ہیں اور پھر دین کی کوئی دوسری بات سننے کو عوام راضی نہیں ہوں گے، تو کیا نماز عیدین پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر پڑھی گئی تو نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ اس سلسلے کا ایک فتویٰ حضرت مولانا مفتی اعظم ہند کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا درج کر رہا ہوں: کیا حضرت مفتی صاحب کے اس فتوے پر عمل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مفصل طور سے جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

سوال: تحصیل قلعہ گنگ ضلع کیمل پور میں موضع گٹال واقع ہے، جس میں تقریباً دوسو گھر کی آبادی ہے، عرصۂ دراز یعنی چالیس سال سے زائد ہو چکے ہیں کہ عیدین کی

نماز وہاں پر پڑھائی جاتی ہے، جس میں وہاں کے باشندے اور گردونواح کے لوگ کثرت سے جمع ہوجاتے ہیں، جس میں اکثر اس طور پر مواعظ حسنہ سے جہلاء کو نہایت فائدہ ہوتا ہے، اب گذشتہ سال سے ایک مولوی صاحب نے آکر فرمایا کہ یہاں عید مبارک نہیں ہوسکتی، یہاں عید پڑھنا پڑھانا ناجائز ہے، لوگ پریشان اور حیران ہیں کہ اتنا عرصہ ہوگیا اور کسی مولوی نے ناجائز نہیں کہا حتی کہ عید نہ پڑھی جائے تو نہ کسی اور شہر میں شوق کرکے جائیں گے، اور بہت خطرہ ہے کہ بہت جاہل نہ ہوجائیں، نہ ایسا کوئی معین وقت نظر آتا ہے کہ ان کو جمع کرکے وعظ حسنہ سنایا جائے، مہربانی کرکے مطلع فرمایا جائے، عندالشرع ایسی جگہ عیدین کی نماز کو ممنوع کردیا جائے یا کہ بطریق سابقہ نماز پڑھی جائے۔

جواب (۳۸۲): چالیس سال سے عید کی نماز اس موضع میں پڑھی جاتی ہے، تو اب اس کو بند کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ اس میں دینی فتنہ ہے، لہذا عیدین کی نماز وہاں حسبِ دستور قائم رکھنی چاہیے اور جمعہ کی نماز بھی وہاں ہوسکتی ہے۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی (کفایت المفتی ۳/۲۰۲)

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حنفی مسلک کے مطابق جب وہاں صحت جمعہ کے شرائط مفقود ہیں تو وہاں جمعہ اور عیدین کی نماز درست نہیں ہے؛ لیکن چوں کہ وہاں مدت مدیدہ سے عیدین کی نماز ہوتی چلی آئی ہے اور منع کرنے کی صورت میں فتنہ کا قوی اندیشہ ہے تو اگر کوئی عالم فتنہ کے اس قوی امکان کے پیش نظر منع نہیں کرتا ہے تو وہ عنداللہ معذور گردانا جائے گا؛ لیکن خود اس میں شرکت نہ کرے اور لوگوں کو مسائل سے واقف کرکے ان کی دینی

تربیت کرتا رہے تا آں کہ ان میں دین کے اس مسئلہ پر عمل کرنے کی بھی صلاحیت پیدا ہوجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

مسبوق عید کی نماز کس طرح پڑھے؟

سوال: جب مسبوق کی عیدین کی نماز میں دونوں رکعتیں ترک ہوگئیں، فقط قعدۂ اخیرہ میں شرکت ہوئی تو بقیہ نماز کس طرح پوری کرے؟ کیا تکبیرات واجبات کو قاعدہ میں شریک ہونے سے پہلے ادا کرے یا قاعدہ کے بعد قیام میں قبل القراءت؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو آدمی نماز عید میں امام کے ساتھ قعدۂ اخیرہ میں شرکت کررہا ہے، وہ امام کے سلام کے بعد اپنی فوت شدہ دونوں رکعات مع قراءت وتکبیرات ادا کرنے والا ہے، اس لیے وہ قعدہ میں امام کے ساتھ شریک ہونے سے پہلے تکبیرات ادا نہیں کرے گا۔

کما قال الفقهاء فی الركعة الأولىٰ: "ولو ادركه فی قيام الركوع لا يقضيها فيه لأنه يقضی الركعة مع تكبيراتها فتح وبدائع (شامی ۱/ ۶۱۶) والعلة متحققة فی مسئلتنا. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نماز عید کے بعد قبرستان جانا

سوال: عید کی نماز کے بعد قبرستان جانا کیسا ہے؟ اور درگاہ پر جاکر دعا کرنا ان کے لیے کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عید کا دن مسرت کا ہوتا ہے، بسا اوقات مسرت میں لگ کر آخرت سے غفلت ہوجاتی ہے اور زیارت قبور سے آخرت کی یاد آتی ہے اس لیے اگر کوئی شخص عید کے دن زیارت قبور کرے تو مناسب ہے کچھ مضائقہ نہیں؛ لیکن اس کا التزام خواہ عملاً ہی سہی جس سے دوسروں کو یہ شبہ ہو کہ یہ چیز لازمی اور ضروری ہے درست نہیں، نیز اگر کوئی شخص اس دن زیارت قبور نہ کرے تو اس پر طعن کرنا یا اس کو حقیر سمجھنا درست نہیں، اس کی احتیاط لازم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۲۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عید کے دن پورے سال انتقال ہونے والوں کے گھر جاکر ان کی تعزیت کرنا

سوال: پورے سال میں جس کے گھر میں سے کسی کا انتقال ہوگیا ہو یا اس کے رشتہ دار میں لندن افریقہ وغیرہ میں انتقال ہوگیا ہو، ان کے گھر محلہ والے جاتے ہیں اور ان کے گھر میں یا ان کے صحن میں کھڑے رہ کر دعا کرتے ہیں، اور اس میں شریک ہونا کیسا ہے؟ اگر اپنے گھر آئے تو ان کو روکنا چاہیے یا نہیں ان کو کیا کہنا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تعزیت بوقت موت میت ہوچکی ہے، اس لیے ایسا درست نہیں، یہ رسم ہے اور

بدعت بھی، اس سے خود بچنا اور دوسروں کو روکنا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ر ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عید کی دن تعزیت کرنا

سوال: عید کے دن تعزیت کے لیے جانا کیسا ہے، اور ساتھ میں کچھ کھانے کی چیز لے کر جانا کیسا ہے؟ اگر لے آئے تو اس کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ ثابت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ر ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عید کی نماز سے پہلے وعظ بیان کرنا

سوال: عید کی نماز جو عیدگاہ میں ادا کی جاتی ہے یا شہر کی بڑی مسجدوں میں، وہاں اکثر وبیشتر عید کی نماز سے قبل بیان کو بہت ہی اہمیت دی جارہی ہے، خاص اس کے واسطے مقررین کو دعوت دی جاتی ہے، شاید کوئی عیدگاہ یا مسجد ہو جہاں عید کی نماز ادا کی جاتی ہو اور وہاں بیان نہ ہو، یہ ناممکن سا معلوم ہوتا ہے، کیا اس کو اس طرح اہمیت دینا جائز ہے؟ کوئی قباحت تو نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عید کے موقعہ پر نمازِ عید کی غرض سے عیدگاہ یا مسجد میں مسلمانوں کی ایک بڑی

تعداد حاضری دیتی ہے، ان میں بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ عید کے علاوہ ان کو اس طرح کے مجمعوں میں حاضری کی نوبت نہیں آتی؛ اس لیے اس موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے دین کی ایسی باتیں اور احکام جن کی طرف سے عام طور پر غفلت برتی جارہی ہے مختصراً بیان کروادیے جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے؛ بلکہ مستحب ہے۔ جمعہ کے دن بھی اس نوع کا موقعہ میسر ہوتا ہے اور اس موقعہ پر کچھ احادیث کا بیان کرنا حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے؛ البتہ اس کو فرض یا واجب کا درجہ نہ دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۲/صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

غیر مجوِّد مقرر و واعظ کا عید کی نماز پڑھانا

سوال: اکثر و بیشتر جگہ وہی مقررین عید کی نماز پڑھاتے ہیں اور خطبہ بھی پڑھتے ہیں، اب عام طور پر اکثر و بیشتر حالت یہ ہوتی ہے کہ اکثر مقررین کی تجوید ٹھیک نہیں ہوتی؛ لہٰذا وہ نماز میں اور خطبہ میں بہت سی فاحش غلطیاں کرتے ہیں، تو ایسا لگتا ہے کہ بیان جو مقصود نہیں ہے اس کے واسطے مقصود چیز نمازِ عید و خطبہ کو برباد کیا جاتا ہے؛ لہٰذا بندہ کے خیال میں چاہیے یہ تھا کہ نمازِ عید اور خطبہ کے لیے کسی متبعِ سنت مجوِّد آدمی کو دعوت دی جاتی؛ تاکہ مقصود بالذات کی اہمیت ہو، اور یہ اس وقت ممکن ہے کہ جب کہ متولیانِ عیدگاہ میں کوئی سمجھ دار عالم باعمل شامل ہو جو اس کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔ کیا یہ ضروری نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ ضروری نہیں کہ جو آدمی عمدہ اور لچھے دار تقریر کر لیتا ہو وہ نماز اور خطبہ بھی عمدہ اور صحیح طریقہ سے پڑھ سکے؛ اس لیے جو حضرات عید سے پہلے تقریر یا بیان کرتے ہیں؛ لیکن تجوید وقرأت نہ ہونے کی وجہ سے قرأت اور خطبہ میں فحش غلطیاں کرتے ہیں ایسوں کو ہرگز امامت اور خطبہ نہ سونپنا چاہیے، نماز اور خطبہ تو مقصود ہیں، تقریر اور بیان کی خاطر مقصود میں اس طرح خلل پیدا کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۲/صفر المظفر ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

واعظین کا عیدگاہ میں وقت کی پابندی نہ کرنا

سوال: نیز عیدگاہ میں جو نماز ادا کی جاتی ہے اس میں اکثر وبیشتر یہ ہوتا ہے کہ مثلاً ۷:۴۵ کو نماز کا وقت طے کیا گیا ہے اور مقرر صاحب ۷:۳۰ کو تشریف لا رہے ہیں اور پھر ایک گھنٹہ تقریر فرماتے ہیں اور اس کے بعد عیدگاہ کے واسطے چندہ ہوتا ہے جس میں تقریباً ۱۵-۲۰ منٹ خرچ ہوتے ہیں، کیا قوم کو ایک مقررہ وقت کا وعدہ کر کے اس طرح بات کو کھینچنا اور لوگوں کی ضروریات کی فکر نہ کرنا خاص کر عید الاضحیٰ میں کیا مناسب ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز کے لیے پہلے سے جو وقت مقرر کیا گیا ہے اس کی پابندی اور اہتمام ضروری ہے، خصوصاً عید کی نماز میں جس میں شریک ہونے والا مجمع مختلف جگہوں سے اور دور

دور سے حاضری دیتا ہے۔ شریعتِ مطہرہ نے جماعت کی نماز میں امام کے لیے اتنا طول دینے کی اجازت نہیں دی جس سے مقتدی حرج میں مبتلا ہوں؛ بلکہ بعض فضلائے صحابہ کی طرف سے جب اس نوع کی بات پائی گئی تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سختی سے اس پر تنبیہ فرمائی، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا قصہ کتبِ احادیث میں موجود ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ نمازِ عید کے لیے جو وقت پہلے سے مقرر کیا گیا ہے اس کے مطابق نماز شروع کردی جائے، اس کے خلاف کرنا شرعاً درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۲/صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

باب الجنائز

نماز جنازہ کی تعجیل یا تاخیر کے متعلق چند سوالات

سوال: گجرات میں بھاؤنگر ضلع کے بعض شہروں میں چند سالوں سے یہ رواج سا ہوگیا ہے کہ میت کو مثلاً علی الصبح یا رات کے آخری حصہ میں انتقال کے بعد ظہر کی نماز تک یا کسی دوسری نماز تک روکے رکھتے ہیں، خصوصاً اگر کسی کا انتقال شب جمعہ میں ہوگیا تو اسے بعد نماز جمعہ ہی دفن کرتے ہیں تاکہ نماز جنازہ میں کافی لوگ شریک ہوسکے اور اس کی وجہ سے اس دن کی بعض نمازوں کے اوقات میں کبھی تبدیلی کردی جاتی ہے یعنی جاری وقت کو پندرہ منٹ یا آدھ گھنٹہ مؤخر کردیا جاتا ہے جس کا باقاعدہ اعلان مسجد کے اندرونی یا بیرونی حصہ میں لگے ہوئے تختۂ سیاہ پر تحریر کردیا جاتا ہے،

بعض مرتبہ روزانہ کے معمول کے مطابق آنے والے مصلیان کو عموماً اور کبھی کبھی آنے والے مصلیان کا خصوصاً حرج ہوتا ہے یا انھیں اپنے نظام بگڑنے سے الجھن ہوتی ہے، ایسی صورت میں چند سوالات پیش خدمت ہیں امید ہے کہ شریعت کی روشنی میں حل فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے:

① کون کون سے شرعی عذر کے سبب نماز جنازہ یا دفن کرنے کے لیے میت کو روکے رکھنا جائز ہے؟

② کسی شرعی عذر کے سبب میت کو وقت کی تعیین کے ساتھ کتنی دیر روکے رکھنا جائز ہوگا؟

③ میت کی تکفین وتدفین میں شرکت کے لیے میت کے بعض اعزا اپنے ٹھکانے سے روانہ ہوگئے ہوں اور ان کا دباؤ میت کو خاص وقت تک روکے رکھنے کے لیے ہو تو شرعاً کیا حکم ہے؟

④ کیا نماز کے مستقل اوقات میں کسی خاص دن یا خاص موقع پر تبدیل (کمی بیشی) کرنا شرعاً جائز ہے؟

⑤ کیا میت کے والی یا اقرب رشتے دار یا کسی خاص شخص کے لیے میت کو روکے رکھنے کی شرعاً گنجائش ہے؟

⑥ محلہ میں کسی کے انتقال کی خبر یا میت کے نماز جنازہ کی اطلاع یا کسی مقررہ دن تعزیتی مجلس ہونے کی خبر مسجد کے آلۂ مکبر الصوت کے ذریعہ کرنا یا مسجد کے اعلان والے بلیک بورڈ پر لکھ دینا یا دونوں باتوں کو کرنا شرعاً کیا حیثیت رکھتا ہے؟

⑦ اگر میت کے تمام بالغ ورثا اپنی اپنی رقم جمع کرکے بہ رضا ورغبت پوری

برادری والوں کو دوسرے یا تیسرے روز ایصال ثواب کے لیے یا محض ایک رواج ورسم کو پورا کرنے کی غرض سے کھانا کھلائے تو آیا یہ کھانا شرعاً حد جواز میں شمار ہوگا اور کیا اس کے کھانے پر کوئی قباحت نہیں ہوگی؟

⑧ کیا کوئی غیر مناسب کام برادری میں رواج پذیر ہوجانے پر اپنی قباحت وشناعت کھودیتا ہے اور پھر وہ عرف کہلانے لگتا ہے اگر تشریح فرمادیں تو تبرع ہوگا۔

⑨ اگر میت نے حالت صحت میں یہ وصیت کی ہے کہ میرے ثلث مال میں سے تمام برادری والوں کو کھانا کھلایا جائے جس میں مثلاً دو قسم کی مٹھائی اور ایک قسم کا نمکین ہو تو کیا شرعاً ایسی وصیت معتبر سمجھی جائے گی اور کیا اس کا نفاذ ورثا پر واجب ہوگا؟

⑩ میت کے ترکہ کی تقسیم کو کتنے دنوں تک مؤخر کیا جاسکتا ہے اگر اس کی تقسیم میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو یا محض برادری کے طعن کا خوف ہو؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعت مطہرہ کا تاکیدی حکم یہ ہے کہ جب کسی مسلمان کی موت کا یقین ہوجائے تو اس کی تجہیز وتکفین اور نماز وغیرہ میں جلدی کی جائے۔

مراقی الفلاح میں ہے: وإذتيقن موته (يعجل بتجهيزه) إكراما له لما في الحديث وعجلوا به فإنه لا ينبغي لجيفة مسلم أن تحبس بين ظهراني أهله الخ یعنی جب موت کا یقین ہوجائے تو اس کی تجہیز وتکفین میں اس کے اعزاز کی وجہ سے جلدی کی جائے حدیث میں ہے اس کے کفن دفن میں جلدی کرو اس لیے کہ مناسب نہیں ہے کہ مسلمان کی نعش (لاش) اس کے گھر والوں کے درمیان روکی

جائے۔(مراقی الفلاح مع طحطاوی ص:۲۰۹)(درمختار مع شامی ۱/۷۹۹)

اور جب جنازہ لے کر چلیں تو اس وقت حکم یہ ہے کہ جنازہ کو اتنی جلدی لے کر چلیں کہ میت کو چارپائی پر اضطراب نہ ہو یعنی ادھر ادھر حرکت نہ کرے اور میت کو جھٹکے نہ لگیں حدیث میں ہے: اسرعوا بالجنازة، فإن تك صالحة فخير تقدمونها، وإن يك سوى ذلك، فشر تضعونه عن رقابكم(متفق عليه) (مشكوة ، باب المشي بالجنازة ص:۱۴۴) یعنی جنازے کو جلدی لے جاؤ اگر جنازہ صالح ہے تو خیر ہے جسے تم لے جارہے ہو اور اگر صالح نہیں ہے تو اپنی گردن پر سے جلدی سے شر دور کروگے۔

نیز حدیث میں ہے:إذا وضعت الجنازة فاحتملها الرجال على أعناقهم فإن كانت صالحة قالت: قدموني وإن كانت غير صالحة قالت لأهلها: يا ويلها أين يذهبون بها؟ يسمع صوتها كل شيء إلا الإنسان ولو سمع الإنسان لصعق. رواه البخاري (مشكوة شريف) یعنی جب لوگ جنازہ کو اپنی گردنوں پر لے کر چلتے ہیں اگر وہ نیک ہوتا ہے تو کہتا ہے مجھے آگے جلدی لے چلو اور اگر صالح نہیں ہے تو کہتا ہے کہ ہائے مجھے کہاں لے جارہے ہو یہ آواز انسان کے سوا سب سنتے ہیں اور اگر یہ آواز انسان سن لے تو اس کے ہوش باقی نہ رہیں۔

مذکورہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مردے کو جلد از جلد اس کے مقام پر پہنچا دینا چاہیے، فقہا نے لکھا ہے کہ اس مقصد سے نماز جنازہ میں تاخیر کرنا کہ اگر جمعہ کی نماز کے بعد نماز جنازہ ہوگی تو لوگ زیادہ ہوں گے یہ مکروہ ہے۔

درمختار میں ہے:وكره تأخير صلاته ودفنه ليصلي عليه جمع عظيم بعد صلاة الجمعة(درمختار ۱/۸۳۳)(فتاویٰ رحیمیہ ۶/۳۶۷،۳۶۸)

نماز جنازہ کے بعد حاضرین کو میت کا منھ دکھلانے سے متعلق ایک سوال کے جواب میں مفتیٔ گجرات حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب نوراللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ رسم غیر ضروری اور مکروہ ہے کہ موجب تاخیر ہے حالاں کہ تعجیل مامور بہ ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ۵/۱۱۰)

نماز جنازہ کے لیے جماعت مسجد کے انتظار کا جو عام رواج ہے اس کے متعلق دریافت کیے گئے ایک سوال کے جواب میں حضرت مولانا رشید احمد لدھیانوی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ رسم خلاف شرع ہے نماز جنازہ میں اس لیے تاخیر کرنا کہ زیادہ لوگ شریک ہوں مکروہ ہے جنازہ میں تعجیل اس قدر مؤکد ہے کہ اوقات مکروہ میں بھی نماز جنازہ ادا کرنے کی اجازت دی گئی ہے یعنی مکروہ وقت میں جنازہ تیار ہو تو اس وقت میں بھی نماز پڑھ لی جائے مکروہ وقت گذرنے تک بھی انتظار نہ کیا جائے۔

(احسن الفتاویٰ ۴/۲۴۲)

①، ② انتقال کے بعد نماز جنازہ کے لیے اتنی تاخیر کی جائے کہ میت کی تجہیز وتکفین اور قبر سنت کے مطابق بہ آسانی تیار ہوجائے اس سے زیادہ میت کو روکنا اور تدفین میں دیر کرنا منشائے شارع کے خلاف اور مکروہ ہے۔

③ ان کے خاطر میت کو روکے رکھنے کا حکم شریعت میں موجود نہیں۔

④ اس تبدیلی کی وجہ سے روزانہ کے نمازیوں کو دشواری پیش آتی ہو تو یہ مناسب نہیں۔

⑤ میت کی تجہیز وتکفین مکمل ہونے پر جو لوگ موجود ہیں اس کا اعتبار کیا جائے گا جو غیر حاضر ہے اس کے لیے نماز وتدفین میں تاخیر کا کوئی حکم شریعت میں موجود نہیں ہے۔

⑥ مساجد میں جو آلۂ مکبر الصوت لگایا جاتا ہے اس کا اصل مقصود تو اذان ہے مگر ضمناً دینی کام جو مفاد عامہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کے اعلان کی بھی گنجائش ہے مثلاً کسی کی میت کا اعلان کرنا یا کسی اہم دینی پروگرام کی اطلاع دینا وغیرہ۔

رہے وہ کام جو دینی نہیں ہیں بلکہ دنیوی معاملات ہیں اور ان کا اعلان بلا معاوضہ کیا جاتا ہے یا مسجد کے مفاد کے لیے کوئی معاوضہ لے کر اعلان کیا جاتا ہے یا مسجد کے لیے موصول ہونے والے چندہ کا اعلان کیا جاتا ہے تو اس کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ اگر اعلان کی جگہ مسجد کے اندر ہے یا لاؤڈ اسپیکر کے ہارن (Horn) مسجد پر یا مسجد کے مناروں پر فٹ ہیں تو یہ اعلان جائز نہیں ہے احادیث میں گم شدہ چیز کا مسجد میں اعلان کرنے کی ممانعت اس تعلیل کے ساتھ آئی ہے کہ مساجد اس مقصد کے لیے نہیں بنائی گئیں۔

البتہ اگر اعلان کرنے کا مائک مسجد سے باہر کسی حجرہ میں ہو اور اس کے ہارن بھی مسجد سے علاحدہ فٹ شدہ ہوں تو پھر اس قسم کے اعلان کی گنجائش ہے۔ (آداب اذان واقامت ص: ۱۵۳)

⑦ یہ ناجائز اور بدعت ہے تفصیل کے لیے فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۲۸۹ تا ۲۹۳ کا مطالعہ فرمالیں۔

⑧ شریعت کے خلاف جو رواج برادری میں پڑ چکا ہو وہ عرف کی بنیاد پر جائز نہیں ہوتا ایسا عرف جو شریعت کے خلاف ہو واجب الترک ہے۔

⑨ جیسا کہ اوپر جواب نمبر ۷ رمیں گذرا یہ دعوت ناجائز اور بدعت ہے اس لیے اس کے لیے کی گئی وصیت پر بھی عمل نہیں ہوگا کسی وصیت پر عمل کے شرائط میں سے

ایک شرط یہ بھی ہے کہ خلاف شرع چیز کی وصیت نہ ہو۔

⑩ میت کے ترکہ کی تقسیم جتنا جلدی ممکن ہو مناسب ہے اس کے باوجود تمام ورثاء بہ رضا ورغبت بعد میں تقسیم کرنے پر اتفاق کرلیں تو اس کی بھی اجازت ہے ورثا کے چاہنے کے باوجود برادری کے طعن وتشنیع کے خوف سے تاخیر کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۰ رشوال ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

جماعت خانے میں جنازے کی نماز پڑھنا

سوال: جنازہ کی نماز ازدحام کثیر کی صورت میں جب کہ نماز جنازہ کی متعین جگہ میں سب کے سمانے کی گنجائش نہ ہو جماعت خانہ میں گنجائش ہے امید کہ جواب باصواب سے ممنون فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جماعت خانہ کے علاوہ کوئی ایسی بڑی جگہ نہ ہو جہاں تمام لوگ سما سکیں تو اجازت ہوگی۔

انما تکرہ فی المسجد بلا عذر فان کان فلا (شامی ۱/ ۶۵۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا

سوال: صلوۃ جنازہ میں تکبیر اول میں ہمارے نزدیک تو صرف ثناء ہے، مگر وہ حضرات (غیر مقلدین) سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں، تو کیا ثناء اور سورۂ فاتحہ کو جمع کر لیا جائے تو عند الاحناف اس کی گنجائش ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جنازہ میں اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء، حضور اکرم ﷺ پر درود اور میت کے لیے دعا ہے، اس لیے اگر سورۂ فاتحہ بہ نیتِ حمد وثناء ودعا پڑھی جائے تو درست ہے، بہ نیتِ تلاوت نہ پڑھی جائے۔ (احسن الفتاوی ۴/ ۲۳۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جنازہ کی نماز میں ثناء کا ثبوت

سوال: احناف کے یہاں جنازے کی نماز میں پہلی تکبیر کے بعد ثناء پڑھی جاتی ہے، کیا اس کا کہیں حدیث میں ثبوت ملتا ہے؟ حدیث میں آتا ہے "لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب" الخ۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز جنازہ درحقیقت میت کی دعا کے لیے موضوع ہے، اور دعا میں پہلے حمد وثناء اور نبیٔ کریم ﷺ پر درود ہونا چاہیے، نمازِ جنازہ حقیقی نماز نہیں ہے، اسی لیے جن ارکان سے نماز مرکب ہے، وہ اس میں نہیں ہیں، مثلاً: رکوع، سجدہ وغیرہ چوں کہ اس میں دعا

ہوتی ہے اور عربی میں لفظ "صلوٰۃ" کا اطلاق دعا پر بھی ہوتا ہے، اس لیے اس کو صلوۃِ جنازہ کہتے ہیں۔

"مؤطا امام مالک" میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

مالك عن سعيد بن ابي سعيد المقبري عن أبيه أنه سأل أبا هريرة كيف تصلي على الجنازة؟ فقال أبوهريرة: أنا لعمر الله أخبرك أتبعها من أهلها، فإذا وضعت كبرت وحمدت الله، وصليت على نبيه ثم أقول الخ(أوجز المسالك ٤ /٢٣١،٢٣٠) اسی طرح حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس میں قرأت نہیں کرتے تھے۔

جن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم (مثلاً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ) سے سورۂ الحمد کا پڑھنا منقول ہے، اس کو بھی حمد پر ہی محمول کیا جاوے گا، چناں چہ احناف کے یہاں بھی اگر کوئی آدمی پہلی تکبیر کے بعد سورۂ الحمد شریف بطریق حمد وثناء پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ (ایضاً)

جب صلوٰۃِ جنازہ حقیقۃً صلوٰۃ ہی نہیں ہے تو "لاصلوٰۃ إلا بفاتحة الكتاب" والی حدیث کا مصداق نہیں ہے۔ (بدائع الصنائع ۱ / ۳۱۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

امام جنازہ کی نماز میں کہاں کھڑا رہے؟

سوال: (۱) اگر جنازہ کی نماز پڑھائے تو امام، میت بالغ عورت ہو تو کہاں کھڑا

رہے گا، سینہ پر یا درمیان جنازہ؟ اور مرد ہو تو کہاں کھڑا رہے گا؟ بچہ اور بچی ہو تو کہاں؟

جنازہ کی صفوں کا فاصلہ

سوال: ② جنازہ کی نماز کے وقت دو صفوں میں کتنا فاصلہ رہے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① میت کے سینہ کے سامنے امام کھڑا رہے چاہے میت بالغ ہو یا بچہ، مرد ہو یا عورت۔

② متصل رہیں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

صفوفِ نماز جنازہ کی درستگی کے درمیان کلمۂ شہادت پڑھنا

سوال: ہمارے یہاں جنازہ کو رکھ کر صف درست کرتے ہیں، بعض آتے رہتے ہیں، اسی درمیان سب لوگ بلند آواز سے کلمہ شہادت بار بار دہراتے ہیں یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کلمہ پڑھ سکتے ہیں؛ لیکن بلند آواز سے نہ پڑھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/رجب ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نماز جنازہ اور تراویح وغیرہ کی نیت

سوال: جنازہ کی نماز کی نیت کیا ہے؟ اور سفر کی نماز کی نیت کس طرح کرے؟

اور تراویح کی ۲۰ / رکعت کی ساتھ میں کیسے نیت کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نیت عزم قلب کا نام ہے، زبان سے کہنا مستحب ہے، جنازہ کی نیت کا طریقہ یہ ہے: أصلی لله تعالیٰ داعیا للمیت (کذا في الدر) سفر اور حضر کی نیت میں کوئی فرق نہیں ہے، تراویح کے لیے شروع میں بیس رکعت کی نیت کافی ہے، ہر دو رکعت پر نیت کرنا شرط نہیں؛ مگر بہتر ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۱/ ۳۵۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ائمۂ حرم کی اقتدا میں نمازِ جنازہ دوسلام سے پڑھنے پر اشکال کا جواب

سوال: حرمین شریفین میں جنازہ کی نماز میں امام ایک طرف سلام پھیرتے ہیں اور حنفی دو طرف، کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ اس مسئلہ میں فقہاء کی کوئی عبارت ہے؟ جب امام کی اقتداء میں نماز پڑھی گئی اور امام نے ایک طرف سلام پھیر کر نماز مکمل کر لی تو مقتدی کا یہ عمل فضول نہیں؟ بعض حضرات کو احناف کے اس عمل پر اشکال ہے، امید ہے کہ اس مسئلہ کی وضاحت بھی باحوالہ فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صریح جزئیہ باوجود تلاش کے نہ ملا، فضول عمل تو اس کو کہا جاتا ہے جس عمل کا نماز سے تعلق نہ ہو، حنفی مقتدی اپنے مسلک کے مطابق دوسلام سے نمازِ جنازہ پڑھتا ہے تو

سلامِ ثانی فضول کیسے ہوا؟ یہ تو اس کی نماز کا جزء ہے۔ جو حضرات اشکال کرتے ہیں ان کا منشاء غالباً یہ ہے کہ حنفی مقتدی بھی حنبلی المسلک امام کی اتباع کرے، ان سے پوچھ لیا جائے کہ کیا حنفی نمازِ جنازہ کے دیگر اعمال میں بھی اس کی اتباع کرے گا؟ حنابلہ کے یہاں نمازِ جنازہ میں تعوذ، تسمیہ، قراءتِ فاتحہ ہے؛ کیا ان اعمال میں بھی اتباع کرے گا؟ جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔

ایک مرتبہ مفتی رضاء الحق صاحب مدظلہ (دار العلوم زکریا افریقہ) نے حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ ''حضرت! امام حنفی ہے، مقتدی شافعی ہے تو کیا امام ان کی رعایت میں دعائے قنوت وتر میں رکوع کے بعد پڑھ سکتا ہے؟'' ارشاد فرمایا: کس کس چیز میں رعایت کروگے؟ کل کو رفع یدین بھی ان کی رعایت میں کریں گے؛ الحمد پڑھنے کا موقع بھی ان کو دیں گے۔ (یعنی ان چیزوں میں رعایت نہیں کریں گے جن سے خود اپنے مذہب کی مخالفت لازم آئے۔)

(افریقہ اور خدماتِ فقیہ الامت ۲/۴۰۷)

شرح کنز میں ہے: لا یتابع المؤتم الامام القانت فی الفجر فی القنوت و هذا عندابی حنیفة ومحمدوقال ابو یوسف یتابعه لانه تبع للامام (الی قوله)ولهما انه منسوخ علی ما تقدم فصار کما کبر خمساً فی الجنازة حیث لا یتابعه فی الخامسة لکونه منسوخاً (تبیین الحقائق ۱/۱۷۱)

جس مسئلہ میں اجتہاد کی گنجائش ہو اس میں دیگر مذاہب والوں کی اتباع نہیں۔

(شامی ۳/۱۰۹)

زیرِ بحث مسئلہ میں تو امام کی مخالفت بھی لازم نہیں آتی؛ اس لیے کہ امام اپنی نماز

سے فارغ ہو چکا ہے۔ دیگر اہلِ علم سے بھی معلوم کرلیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نماز جنازہ مکرر پڑھنا

سوال: یہاں مالپوت میں بعض مرتبہ میت پر دو مرتبہ نماز پڑھتے ہیں، یعنی جو لوگ نماز ہو چکنے کے بعد پہنچتے ہیں وہ دوسری مرتبہ جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جنازہ کی نماز کسی مسجد میں پڑھ لیتے ہیں، اب جو لوگ پہلے سے قبرستان پہنچ چکے ہوں وہ وہاں قبرستان میں جو لوگ جنازہ کی نماز پڑھنے کے لیے جگہ ہوتی ہے وہ وہاں یا پھر دوسری مرتبہ جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں؛ کیوں کہ یہاں قبرستان دور ہے، اس لیے میت کو کسی سواری وغیرہ میں لے جاتے ہیں، اس لیے بعض لوگ میت کے مکان کے بجائے قبرستان ہی پہنچ جاتے ہیں تو کیا ایک میت پر دو مرتبہ نماز پڑھ سکتے ہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ کی نماز دو تین مرتبہ پڑھی گئی تھی، پہلی مرتبہ بعد نماز عشاء حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی، اس کے بعد دوسری نماز رات ساڑھے دس بجے دوبارہ حضرت اقدس جانشین برحق حضرت مولانا عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے رہے سہے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی، اگر ناجائز ہوتا تو یہ لوگ حضرت جی کے جنازہ پر دو مرتبہ نہیں پڑھتے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر جنازہ پر نماز پڑھی گئی اور جنازہ کا ولی بھی اس میں شریک ہے تو اب اس جنازہ پر دوبارہ نماز نہیں پڑھی جائے گی، اور اگر اس نماز میں جنازہ کا ولی شریک نہیں

ہوا تھا تو اس ولی کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حق ہے، اور اس وقت دوسرے وہ حضرات جو پہلی نماز میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ بھی شریک ہونا چاہیں تو ہو سکتے ہیں۔

وإن صلى هو أي ولي بحق بان لم يحضر من يقدم عليه، لا يصلى غيره بعده الخ (درمختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شافعی امام کے پیچھے غائبانہ میت کی نماز جنازہ پڑھنا

سوال: کیا غائب میت پر بھی نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟ یہاں کے بعض عالم کہتے ہیں کہ اگر کوئی شافعی یا حنبلی پڑھائے تو اس کے پیچھے پڑھ سکتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

احناف کے نزدیک میت غائب پر نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتے، پڑھانے والا شافعی یا حنبلی ہونے سے مسئلہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

وكونه هو أو أكثره أمام المصلى وكونه للقبلة، فلا تصح على غائب (درمختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عورت اگر نماز جنازہ پڑھے تو کیا حکم ہے؟

سوال: ایام حج میں جب کوئی میت ہوتی ہے تو عورتیں بھی جنازہ پڑھتی ہیں تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورت اگر نمازِ جنازہ پڑھے تو وہ درست ہے۔

الصلوٰة على الجنازة فرض كفاية اذا قام به البعض واحداً كان أو جماعة ذكرا كان أو أنثى سقط عن الباقين (فتاوى عالمگيرى ١/ ١٦٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کیا جلی ہوئی میت کو غسل دیا جائے گا؟

سوال: اگر کسی کی میت جل گئی ہو اور اس کے اعضاء بھی کٹ گئے ہوں، تو کیا ایسی میت کو بھی غسل دینا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر میت کے بدن کا اکثر حصہ موجود ہو یا نصف حصہ سر کے ساتھ موجود ہو تو اس کو غسل دے کر نمازِ جنازہ بھی پڑھی جائے۔

فأمّا اذا وجد اكثر البدن أو النصف و معه الرأس يصلّى عليه الخ (المبسوط للسرخسى ٢ /٥٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

پوسٹ مارٹم کئے ہوئے شخص کی تجہیز وتکفین اور نمازِ جنازہ

سوال: ایک انسان ایکسیڈنٹ کی وجہ سے فوت ہوگیا، اور اس انسان کا پوسٹ مارٹم کرلیا گیا اور اس انسان کی نعش پوسٹ مارٹم کے تین دن بعد اس کے گھر پہنچائی گئی،

کیوں کہ گھر اس کا دور تھا اور تاخیر کی وجہ سے نعش میں بدبو پیدا ہوگئی، اس انسان کو بغیر غسل اور بغیر کفن کے صلوٰۃ جنازہ کے بعد دفن کر دیا گیا تو آیا اس کی صلوٰۃ جنازہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور پوسٹ مارٹم کی صورت میں غسل کی کیا شکل ہوسکتی ہے جب کہ اس کے اعضاء الگ الگ ہو چکے ہوتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز جنازہ کے صحیح ہونے کے شرائط میں سے میت کا پاک ہونا بھی ہے، اس لیے جس کو غسل نہیں دیا گیا اس پر نماز جنازہ صحیح نہیں ہے۔

(وشرائطها) ستة (و) الثانی (الطهارة) عن نجاسة حكمية وحقيقية فی البدن فلا تصح علی من لم يغسل (طحطاوی علی مراقی الفلاح)

اب اگر کسی میت کو غسل دیئے بغیر اس پر بھول یا جہالت کی وجہ سے نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا گیا تو اس کی قبر پر نماز جنازہ کا اعادہ کرلیا جائے بشرطیکہ دفن کو اتنا وقت نہ گزرا ہو کہ جس میں نعش پھول پھٹ کر ریزہ ریزہ ہوجائے۔

ولوصلی عليه بلاغسل جهلا او نسيانا ثم دفن ولا يخرج الا بالنبش اعيدت علی قبره استحسانا لفساد الاولی. (ایضاً ۳۱۸)

(وان دفن) واهيل عليه التراب (بلاصلوٰة) (صلی علی قبره وان لم يغسل) لسقوط شرط طهارته لحرمة نبشه (مالم يتفسخ) (ایضاً ۳۲٤)

پوسٹ مارٹم میں اعضاء الگ الگ نہیں کئے جاتے بلکہ صرف بدن چیر پھاڑ کر اس میں سے کچھ اجزاء نکال لیتے ہیں اور پھر سی لیتے ہیں، غسل کے لیے پورے جسم پر پانی بہادینا کافی ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

میت پلاسٹک میں سل پیک کردہ ہو تو غسل کیسے دیا جائے؟

سوال: ہمارے یہاں ایک آدمی کا انتقال ہوا اور وہ ایڈز کا مریض تھا، ہسپتال والوں نے اس کو سل پیک کر دیا پلاسٹک سے، اور ان کا قاعدہ یہ ہے جب تک میت دفن نہیں ہوتی اس کو کھولنے نہیں دیتے تو اس صورت میں میت کے غسل کے لیے کیا کریں؟ کیا بغیر غسل دفن کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

میت پلاسٹک میں سل پیک ہے تو غسل کا پانی اس کے جسم کو نہیں لگے گا اور غسل درست نہ ہوگا، ان کو بتلایا جائے کہ شریعت اسلامی میں میت کو غسل دینا زندوں پر فرض ہے، اس لیے ہم اس کو غسل دیدیں، اس کے بعد آپ اس کو پیک کر دیں؛ تاکہ ہم اور آپ دونوں اپنی ذمہ داری پوری کر سکیں، ان کے پیک کرنے کے بعد کفن پہنا کر دفنایا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بعد وفات زوجین کا ایک کا دوسرے کو دیکھنا اور غسل دینا

سوال: ① کیا زوجہ اپنے مردہ خاوند کا منہ دیکھ سکتی ہے؟

② کیا شوہر اپنی مردہ زوجہ کا منہ دیکھ سکتا ہے؟

③ کیا عورت اپنے مردہ خاوند کو غسل دے سکتی ہے؟

④ کیا مرد اپنی مردہ عورت کو غسل دے سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱ تا ۴) احسن الفتاویٰ میں سے ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: اگر شوہر یا بیوی میں سے کسی ایک فرد کا انتقال ہوجاوے تو دوسرا فرد اسے دیکھ سکتا ہے یا چھوسکتا ہے؟ یا اس کا جنازہ اٹھا سکتا ہے یا قبر میں اتار سکتا ہے؟

الجواب: بیوی سب کچھ کرسکتی ہے؛ مگر شوہر دیکھ سکتا ہے، نہلا نہیں سکتا اور بلا حائل چھو نہیں سکتا، جنازہ اٹھا سکتا ہے، اور قبر میں بھی اتار سکتا ہے۔

قال فی التنویر: ویمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر إليها على الأصح، وهى لا تمنع من ذلك. درمختار (منقول از احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۱۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مرنے کے بعد بیوی کا چہرہ دیکھنا

سوال: شوہر اپنی بیوی کے مرجانے کے بعد اس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے؟ اور اس کو قبر میں اتار سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورت کے مرنے کے بعد شوہر اس کے حق میں اجنبی کے حکم میں ہے؛ لیکن منہ دیکھ سکتا ہے، اور محرم کے ساتھ اٹھا کر جنازہ میں لٹا سکتا ہے، قبر میں بھی اتار سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷ رشعبان ۱۴۱۶ھ

بہت چھوٹے بچے کو عورت غسل دے سکتی ہے

سوال: نابالغ لڑکے کا جنازہ (میت) کو عورت غسل دے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ بہت چھوٹا ہے تو دے سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۸ رذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

بے نمازی کی نمازِ جنازہ نہ پڑھنے کی تجویز درست نہیں

سوال: گاؤں والے مل کر یہ طے کریں کہ اپنے گاؤں میں بے نمازی زیادہ ہیں، تو ایک ایسی بات طے ہو جائے کہ جس سے تمام کو نماز پڑھنی پڑے؛ لہٰذا یہ بات طے ہوئی کہ جو پنج وقتہ نماز نہ پڑھے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، اور کفن دفن میں شریک نہ ہونا چاہیے، اور اس بات پر تمام کا اتفاق ہے، اور اس گاؤں میں فتنہ برپا ہونے کا اندیشہ بھی نہیں ہے، امید ہے کہ سب مسجد میں آنے والے ہو جائیں گے تو کیا یہ جائز ہے اور اس میں کوئی حرج ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہر وہ آدمی جو مسلمان ہو کر مرا اس کی نمازِ جنازہ مسلمانوں پر فرض ہے؛ البتہ اس سے چار قسم کے آدمیوں کو فقہاء نے مستثنیٰ کیا ہے، ان چار میں بے نمازی نہیں ہے۔ (درمختار ۱/ ۶۴۲) اس لیے کوئی ایسی تجویز طے نہ کی جائے اور اگر طے کر لی ہے تو اس پر عمل نہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فاسق وگنہ گار مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا کیسا ہے؟

سوال: فاسق وگنہ گار مسلمان کی نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسلمان اگر چہ فاسق اور گنہگار ہو اس کی نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، اگر بعض لوگ اس کو ادا کر لیں تو باقی لوگ بری الذمہ ہو جائیں گے، اور اگر کسی نے نہ پڑھی تو سب گنہگار ہوں گے، فقہاء نے تصریح کی ہے کہ مرنے والا مسلمان فاسق وفاجر اور گنہگار ہو تب بھی اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی، البتہ باغیوں، لٹیروں کی نماز جنازہ اگر وہ اسی حالت میں مارے گئے ہوں تو نہ پڑھی جائے۔

بدائع الصنائع میں ہے: "وأما بيان من يصلى عليه فكل مسلم مات بعد الولادة يصلى عليه صغيرا كان اوكبيرا ذكرا كان او انثى حرا كان اوعبدا الا البغاة وقطاع الطريق ومن بمثل حالهم لقول النبي ﷺ صلو على بروفاجر وقوله للمسلم على المسلم ست حقوق وذكر من جمتلهاان يصلى على جنازته من غير فصل الا ماخص بدليل والبغاة ومن بمثل حالهم مخصوصون بماذكرنا (بدائع الصنائع ۱/ ۳۱۱)

اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ ہر نیک وبد کی نماز جنازہ (بشرطیکہ ظاہری اعتبار سے اس کی موت ایمان پر واقع ہوئی ہو) پڑھی جائے۔ شرح عقائد کی شرح "النبراس" میں ہے:

ويصلى (بلفظ المجهول) اى صلاة الجنازة على كل بر و فاجر اذا مات الفاجر على الايمان بحسب الظاهر للاجماع فان السلف لم يزالوا

يصلون على الفساق ولقوله عليه الصلوٰة والسلام لاتدعوا الصلوٰة اى لاتتركوا من الودع وهو الترک وزعم النحاة ان ماضى هذاالباب لايستعمله العرب على من مات من اهل القبلة لم يجد القارى الهروى هذا الحديث تخريجا من لفظه، وعن ابن عمر عن النبى ﷺ قال: صلوا على من قال لااله الاالله رواه الطبرانى بسند ضعيف جدا وقد تقدم حديث ابوهريرة يرفعه صلوا على كل بر وفاجر رواه البيهقى وانت تعرف ضعف الحديث فمدارا المسئلة على الاجماع (النبراس ٥٤٥)

اس لیے مسلکہ مضمون جو آپ نے ارسال فرمایا ہے اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف ہے، صاحب مضمون دینی مدرسہ کے فاضل ہونے کے باوجود ایک ایسے مسئلہ سے جو مدارس کے نصاب میں پڑھائی جانے والی کتاب ''شرح عقائد'' میں صراحۃً موجود ہے، بے خبر ہیں، فیا للعجب! اور بایں ہمہ دانی تمام علماء کو چیلنج فرما رہے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ

سوال: کیا خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں؟ اگر ہاں تو کیا اس کے لیے استغفار کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خودکشی کرنے والے پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اور اس کے لیے دعائے

استغفار بھی کی جائے۔ (شامی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قبر پر نماز جنازہ کب تک پڑھ سکتے ہیں؟

سوال: یہاں (مورسی) پر ایک آدمی کا خون ہوگیا، اس کی شناخت بھی ہوگئی کہ وہ مسلمان ہے؛ لیکن حکومت نے کسی وجہ سے اس کی لاش مسلمانوں کو نہیں دی، اس کو قبرستان کے باہر دفنا دیا گیا، اس کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھائی گئی، نماز جنازہ کے متعلق بتائیں، کیا مسئلہ ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب تک اس کی لاش کے پھولنے پھٹنے کا غالب گمان نہ ہو، وہاں تک اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے اور اگر اتنی مدت دفن کرنے پر بیت چکی ہے کہ اس کی لاش کے متعلق خیال ہو کہ وہ پھول پھٹ گئی ہوگی، تو اس کی نماز اب نہ پڑھی جائے۔ (درمختار مع الشامی ۱/ ۶۵۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

رضا خانی سے مقابلہ میں مر گیا وہ شہید ہے؟

سوال: اگر بدعتی (رضا خانی) ہماری مسجد پر زبردستی قبضہ کرنا چاہتے ہیں، لڑتے جھگڑتے ہیں، امام اور ٹرسٹیوں کو ہتھیار دکھاتے ہیں؛ حالاں کہ قلیل ہیں، کیا ان سے ہم مقابلہ کر سکتے ہیں؟ اگر اسی حالت میں کوئی مر گیا، کیا وہ شہید نہیں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو آدمی آپ پر حملہ آور ہو اور آپ اپنی جان کی حفاظت میں اس سے مقابلہ کرتے ہوئے ہلاک ہو جائیں، تو شہید ہیں۔ "من قتل دون نفسه فهو شهيد". فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ ذوالحجۃ ۱۴۱۰ھ

پیٹ کے کینسر سے مرنے والا شہید ہے

سوال: کینسر کے مرض میں انتقال ہونے والا شہید ہے یا نہیں؟ اگر شہید ہے تو کونسی شہادت ملے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر پیٹ کا کینسر ہے تب تو پیٹ کی بیماری کی بنیاد پر وہ شہید کہلائے گا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو شہید کا اجر وثواب عطا فرمائیں گے، باقی فقہاء جس پر شہید کا حکم جاری کرتے ہیں وہ مراد نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ رمضان ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

فسادات میں مقتول شہید ہے

سوال: کلمہ گو مسلمان جس کی ڈاڑھی نہ ہو اور نماز نہ پڑھتا ہو، ایسا مسلمان عام فسادات میں بے گناہ قتل کر دیا جائے، دوسری بات یہ کہ اس کا ایمان کمزور ہو، تو یہ

مرنے والا مسلمان شریعت کی نظر میں شہید کہا جائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بدعملی اور گناہوں کی وجہ سے آدمی ایمان سے نہیں نکلتا۔ (البتہ کوئی شخص کسی کفریہ حرکت کا ارتکاب کرے تو یہ مسلمان نہ رہا) بہرحال فساد کے موقعہ پر جو شخص محض مسلمان ہونے کی وجہ سے بے گناہ قتل کردیا جاتا ہے وہ شہید ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

لاوارث میت کا حکم

سوال: ایک عورت ہے جس کی میت ہوگئی اس کا کوئی وارث نہیں، جس جگہ اور جس علاقہ میں یہ عورت مرگئی ہے وہاں کوئی علاقہ مسلمانوں کا نہیں ہے، اس عورت کی شناخت مشکل ہوگئی، مسلم برادران کہتے ہیں کہ یہ عورت مسلم ہے، اس کی تکفین وتدفین کریں گے، غیر مسلم حضرات کہتے ہیں کہ یہ عورت ہندو ہے اس کو ہم جلائیں گے، دونوں فریقوں میں فیصلہ کن بات کیا ہوسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر کوئی علامت کفر واسلام کی موجود نہیں ہے تو علاقہ کا اعتبار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دفن کے بعد مستحب اعمال

سوال: ہمارے رشتے میں ایک نوجوان شادی شدہ مرد کا انتقال ہوا، اس کو دفن کیا گیا مگر اکثر لوگوں کو دفن کرنے کے بعد قبر پر دعا کرنے کا طریقہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے کچھ کر نہیں پاتے۔ آپ سے گذارش ہے کہ دفن کے بعد سے لے کر چالیس قدم آنے تک اور اس کے بعد میت کے گھر پر جا کر کیا کرنا چاہیے۔ اس کا شریعت میں کیا طریقہ ہے؟ قرآن اور سنت کی روشنی میں تفصیل سے لکھ دیں تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دفن کے بعد قبر کے سرہانے سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات یعنی آلم سے لے کر ھم المفلحون تک، اور پائنتی کی طرف سورۂ بقرہ کی آخری آیات آمن الرسول سے ختم سورۃ تک پڑھنا مستحب ہے۔ (بیہقی شعب الایمان، معارف الحدیث ۳/۴۸۵)

دفن کے بعد تھوڑی دیر قبر پر ٹھہرنا، اور میت کیلئے دعائے مغفرت کرنا، یا قرآن شریف پڑھ کر ثواب پہنچانا مستحب ہے۔ (شامی وبہشتی گوہر)

دفن کے بعد یہ دعا بھی پڑھے تو بہتر ہے:

اللهم اغفرله وارحمه وعافه و اعف عنه واكرم نزله ووسع مدخله اغسله بالماء و الثلج و البرد ونقه من الخطايا كما نقيت الثوب الأبيض الدنس، وأبدله داراً خيرا من داره و اهلا خيرا من اهله و زوجا خيرا من زوجه و أدخله الجنة و أعذه من عذاب القبر و عذاب النار اللهم انت ربها وانت خلقتها وانت هديتها للاسلام وانت قبضت روحها

وانت اعلم بسرها وعلانيتها جئنا شفعاء فاغفر لها.

(معارف الحدیث)(ماخوذ از احکام میت ص ۸۸ تا ص ۹۰)

چالیس قدم آنے کے بعد کچھ پڑھنے کا حکم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۳ / جمادی الثانی ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بعد تدفین مستحب عمل

سوال: میت کو دفن کرنے کے بعد امام صاحب سب لوگوں کو جمع کر کے تین مرتبہ قل ہو اللہ احد اور ایک ایک مرتبہ قل اعوذ برب الفلق اور بالناس اور الحمد للہ اور سر پر سورۂ بقرہ کی شروع آیتیں اور پاؤں کی جانب آخری آیتیں اور پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تدفین کے بعد میت کی قبر کے سرہانے سورۂ بقرہ کا شروع تا المفلحون اور اس کی پائینتی (پَر) سورۂ بقرہ کا آخر از آمن الرسول تا ختم پڑھنا مستحب ہے، قل ھو اللہ اور معوذتین پڑھنے کا ثبوت نہیں ہے؛ البتہ دعا ثابت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳ / شوال المکرم ۱۴۱۶ھ

جنازہ کے ساتھ میلاد پڑھنا، بعد دفن اذان دینا

سوال: ہمارے یہاں یہ طریقہ رائج ہو چکا ہے کہ جب جنازہ کو قبرستان لے جایا جاتا ہے، تو میلاد شریف بآواز بلند پڑھا جاتا ہے، اور لوگ اسے مستحب وسنت

وثواب کی نیت سے پڑھتے ہیں، کیا جنازہ کے ساتھ بآواز بلند میلاد شریف شرعاً جائز ودرست ہے؟ کیا یہ بدعت ہے؟ علاوہ ازیں قبرستان میں پہنچ کر مردہ کو دفنانے کے بعد مزار پر اذان دی جاتی ہے، اور لوگ اسے سنت ومستحب وثواب سمجھ کر عمل کرتے چلے آرہے ہیں، براہِ کرام ان دونوں مسئلوں کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں دے کر ہماری اصلاح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کا بلند آواز سے میلاد پڑھنا بدعت ہے، اس موقعہ پر ذکر اللہ یا تلاوت بھی بلند آواز سے کرنا حضرات فقہاء نے ممنوع لکھا ہے، ان کو چاہیے کہ خاموش چلتے رہیں، اور ذکر اللہ کرنا چاہتے ہیں تو دل میں کریں۔

كره فيها رفع صوت بذكر أو قراء ة فتح (درمختار) قوله (كما كره فيها الخ) قيل: تحريماً وقيل: تنزيهاً، كما في البحر عن العناية، وفيه عنها وينبغي لمن تبع الجنازة أن يطيل الصمت، وفيه عن الظهيرية فإن أراد أن يذكر الله تعالىٰ يذكره في نفسه الخ (شامی ۱/ ٦٥٨)

مردے کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دینا بدعت ہے، اس سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

شامی میں ہے: لايسن الأذان عند ادخال الميت في قبره، كما هو المعتاد الآن، وقد صرح ابن حجر في فتاويه بأنه بدعة الخ(شامی ۱/ ٦٦٠)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ شوال المکرم ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قبر پر اذان دینا

سوال: ہمارے یہاں بریلوی علماء اپنے مسلک کی کتابوں اور رسائل کے حوالہ جات کے ساتھ زور شور سے اذان علی القبر کے جواز کو ثابت کرتے ہیں۔اس لیے آں حضرت سے گذارش ہے کہ معتبر کتابوں کے حوالہ جات کے ساتھ یہ بات ثابت فرماویں کہ اذان علی القبر دفن کے بعد کیسا ہے؟ نیز بریلوی حضرات کے دلائل کا جواب کیا ہے؟

نوٹ:۔کیا شیطان کا گذر قبر میں ہوتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قبر پر اذان دینا بے اصل ہے۔آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے جاں نشین خلفائے راشدین وصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین اور تبع تابعین اور ائمۂ مجتہدین (امام رحمۃ اللہ علیہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ) وغیرہم سے ثابت نہیں۔ بدعت مخترعہ اور واجب الترک ہے۔علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے اس کے بدعت ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔(شامی ۱/۷ ۸۳)

درر الجار میں ہے من البدع التی شاعت فی الهند الاذان علی القبر بعد الدفن (من جملہ بدعات میں سے ایک بدعت جو ہندوستان میں شائع ہے دفن کے بعد قبر پر اذان دینا ہے۔(بہ حوالہ المنہاج الواضح ص ۲۱۲)

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اذان دادن بر قبر بعد دفن مکروہ است کہ معہود از سنت نیست (مأۃ مسائل ص ۵۵) قبر پر اذان دینا مکروہ ہے کہ یہ سنت

سے ثابت نہیں۔ (ماخوذ از فتاوی رحیمیہ ۶/ ۱۹۷، ۲۰۶)

نوٹ: اس سلسلہ میں ایک تفصیلی جواب فتاوی رحیمیہ اردو جلد ۶ صفحہ ۱۹۷ سے صفحہ ۲۳۵ تک موجود ہے۔ اس کو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

زیارت قبور کا مسنون طریقہ

سوال: زیارت قبر کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ یہاں یہ طریقہ رائج ہے کہ لوگ قرآن شریف کی کچھ سورتیں پڑھتے ہیں، اس کے بعد درود تاج بھی پڑھتے ہیں، پھر دعا مانگتے ہیں، علاوہ ازیں وسیلہ بھی مانگتے ہیں، پھر سجدۂ تعظیمی بھی کرتے ہیں؟ کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ کیا سجدۂ تعظیمی کرنا جائز ہے؟ کیا وسیلہ مانگنا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہفتہ میں ایک روز قبرستان جانا چاہیے، جمعرات، جمعہ، ہفتہ اور پیر کا دن افضل ہے، قبرستان میں داخل ہوکر یوں سلام کرے: السلام علیکم دار قوم مؤمنین! وإنا إنشاء الله بكم لاحقون ونسئل الله لنا ولكم العافية۔ پھر میت کے پاؤں کی طرف سے چہرے کے سامنے آکر کھڑا ہوکر دیر تک دعا کرے۔ (اگر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ہے تو منہ قبلہ کی طرف اور پشت قبر کی طرف کرے) اور بیٹھنا چاہے تو زندگی میں میت کے ساتھ تعلق کے مطابق قریب یا دور بیٹھے، جس قدر میسر ہو تلاوت کرے؛ بالخصوص سورۂ بقرہ کا اول مفلحون تک، آیۃ

الکرسی، آمن الرسول، سورۂ یس، سورۂ ملک، سورۂ تکاثر اور سورۂ اخلاص بارہ یا گیارہ یا سات یا تین بار پڑھ کر ایصالِ ثواب کرے۔ (شامی ۱/ ۶۶۵، ۶۶۶)

درود شریف کے جو صیغے احادیث میں آئے ہیں ان کا پڑھنا افضل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ

زیارت قبور اور میت کی روح کے متعلق

سوال: قبر پر سرھانے بیٹھیں یا پیر کی جانب؟ کیا مردے دیکھتے بھی ہیں؟ اگر سرھانے بیٹھا جائے تو مردے کو تکلیف ہوگی؟ کیا روح دفن ہونے کے بعد گھر پھر واپس آتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زیارت کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ کھڑے کھڑے زیارت کرے۔ اگرچہ بیٹھنا بھی جائز ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح لباب میں لکھا ہے کہ زیارت کرنے والے کو چاہیے کہ میت کے سرہانے سے نہیں؛ بلکہ پاؤں کی طرف سے زیارت کرے۔

قال فی الفتح والسنة زیارتها قائما والدعا عندها قائما کما کان یفعله ﷺ فی الخروج الی البقیع ویقول السلام علیکم الخ وفی شرح اللباب لملا علی القاری ثم من اٰداب الزیارة ماقالوامن انه یأتی الزائر من قبل رجلی المتوفی لامن قبل راسه لأنه اتعب لبصر المیت بخلاف الاول لانه یکون مقابل لبصره لکن هذا اذا امکنه. الخ

(شامی ۱/ ۶۶۵)

روحوں کا گھر پر آنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ رجب ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

انتقال کے بعد سونے کا دانت نکالنا

سوال: انتقال کے وقت کیا سونے کا دانت نکالنا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بآسانی نکالا جاسکتا ہے تو نکال لیا جائے، اور اگر نکالنا مشکل ہو اور زیادہ محنت کرنے میں میت کی بے حرمتی ہوتی ہو تو اندر ہی چھوڑ دیا جائے۔ (درمختار شامی ۱/ ۶۶۳، احسن الفتاوی ۴/ ۲۴۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایصالِ ثواب میں امام ومؤذن کی شرکت

سوال: دوکان یا مکان یا مسجد میں قرآن خوانی کی اطلاع بہ ذریعۂ اعلان اور بورڈ پر لکھ کر دی جاتی ہے، اور امام اور مؤذن کو بھی اس میں شرکت کے لیے مجبور کرتے ہیں، تو امام اور مؤذن کو اس مروجہ اور رسمی قرآن خوانی میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایصال ثواب، نماز، قرآن شریف، تسبیح پڑھ کر، روزہ رکھ کر، حج کر کے، غریبوں کو کھانا، کپڑا وغیرہ ضرورت کی چیزیں دے کر، غرض ہر نیک کام کر کے جب بھی توفیق

ہو درست اور نفع بخش ہے، نہ اس میں تاریخ کی قید ہے، نہ دنوں کا حساب ہے، نہ اس میں کسی مخصوص چیز کی قید ہے، نہ ہیئات کی قید ہے، نہ سورتوں اور آیتوں کی قید ہے، نہ اور کسی قسم کی قید ہے، یہ تمام قیود شرعاً بے اصل ہیں، التزام کے بغیر اگر کچھ حضرات مل کر قرآن خوانی کرلیں تو اس کی اجازت ہے؛ لیکن اگر کوئی آدمی اس میں شریک نہ ہو اس پر طعن وتشنیع نہ کی جائے اور نہ ہی اس کو برا سمجھا جائے۔ امام صاحب اور مؤذن کو اس پر مجبور کرنا درست نہیں ہے، ان کو چاہیے کہ لوگوں کو صحیح مسئلہ بتلا کر شرکت سے معذوری ظاہر کردیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قومی ایکتا کے لیے کافر کی میت کا اعزاز واکرام کرنا

سوال: کافر ہندو مسلمانوں کی ایکتا کے لیے کافر ہندو سنت سادھو گری راج بامن کی لاش پر مسلمان لیڈروں نے بچوں سے قرآن مجید کی تلاوت کرائی، وہ بھی کس طرح کہ لاش چارپائی پر اور قرآن مجید نیچے کی جانب، اور لیڈر مسلمانوں نے اس کی لاش پر جوش محبت کے ساتھ بہت سارے کثیر تعداد میں جمع ہوکر پھولوں کی چادر اور ہار وغیرہ ڈالے، اور اس کے مرگٹ یعنی سمادھی پر بھی پھول کے ہار ڈالے گئے اور کافروں کی رسم کے مطابق بارھواں کرتے ہیں۔ تو بارھواں کے لڈو وغیرہ وغیرہ جو جو پکا ہوا تھا اس میں شریک ہوکر کھایا پیا۔ تو کافر کی لاش کے پاس قرآن مجید پڑھنا اور پھول ہار کرنا اور مرگٹ پر چادر چڑھانا اور بارھواں وغیرہ میں شریک ہوکر لڈو وغیرہ

کھانا یہ سب کفری کام ہیں یا نہیں؟ اور ایسے مسلمان کے لیے کیا حکم ہے؟ کیا ان کی مسلمانیت میں خرابی ہوگی یا نہیں؟ یا توبہ کرنا لازم ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ولا تصل علی أحد منهم مات أبدا ولا تقم علی قبره﴾ (التوبة:٨٤) (ترجمہ) اور ان میں سے کوئی مرجاوے تو اس کے (جنازہ) پر کبھی نماز نہ پڑھئے اور نہ (دفن وغیرہ کے واسطے) اس کی قبر پر کھڑے ہوجئے۔ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ کسی کافر کے اعزاز واکرام کے لیے اس کی قبر پر کھڑا ہونا یا اس کی زیارت کے لیے جانا حرام ہے۔ (معارف القرآن ۴/ ۴۳۷)

کافر کے لیے ایصال ثواب مفید اور جائز نہیں، یہ تمام امور جو ان مسلمانوں نے کئے حرام ہیں، اور ان پر توبہ لازم ہے، قومی یکجہتی (قومی ایکتا) کا مطلب یہ نہیں کہ مسلمان اپنے مذہبی احکام کی پابندی اور مذہبی شعائر کی عزت وحرمت کا خیال نہ کریں؛ بلکہ مذہبی احکام کی پابندی اور مذہبی شعائر کی عزت وحرمت کا خیال کرتے ہوئے سیاست، تجارت، صنعت، زراعت وغیرہ امور میں اشتراک عمل کا نام قومی یکجہتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دیوانہ لڑکے کی نمازِ جنازہ وغیرہ

سوال: ایک دیوانہ لڑکا ہے وہ مذہب کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور ہمیں بھی معلوم نہیں کہ اس کا مذہب کیا ہے؟ جب وہ قبروں پر جاتا ہے تو وہ ویسا ہی عمل

کرنے لگتا ہے جیسا غیر مسلم کرتے ہیں؛ مگر اس لڑکے کی پرورش ایک مسلم گھر میں ہو رہی ہے، اگر اس کی موت واقع ہوجائے تو اس کے کفن، دفن، نماز جنازہ کے بارے میں کیا عمل ہو؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کے ماں باپ میں سے کوئی مسلمان ہے تو اس کو بھی مسلمان قرار دے کر اس کی تجہیز وتکفین اور نمازِ جنازہ پڑھی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیٹھ کر قبر میں مٹی رکھنا

سوال: میت کو مٹی جھک کر یا بیٹھ کر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض لوگ سختی سے منع کرتے ہیں کہ مٹی بیٹھ کر قبر پر نہ رکھیں؛ بلکہ جھک کر میت کو مٹی دیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس طرح سہولت ہو دے سکتے ہیں، بیٹھ کر بھی مٹی دینا درست ہے۔

كما يفهم من عبارة الدر والشامية: كما كره لمتبعها جلوس قبل وضعها، وقيام بعده قال العلامة الشامی ابن عابدين: (قوله وقيام بعده) أی يكره القيام بعد وضعها عن الأعناق كما فی الخانية والعناية وفی المحيط خلافه حيث قال: والأفضل أن لا يجلسوا حتى يسووا عليه التراب قال فی البحر: والأول أولىٰ لما فی البدائع لا بأس بالجلوس بعد الوضع. (الدر مع الشامية ۱/ ٦٥٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

میت کا منہ دکھانے کی رسم

سوال: ہم عوام میں زیارتِ میت کی عمومیت بشمولیتِ مرد وزن ہے، اس میں محرم وغیر محرم کی کوئی تمیز نہیں کی جاتی، تو صورتِ مسئولہ کے متعلق مفتی بہ قول جواب ارشاد فرمائیں؛ نیز زیارتِ میت عندالشرع مشروع ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو کس حد تک؟ اور نیز مسلم میت کی زیارت غیر مسلم کے لیے؛ اس کا حکم ارشاد فرمائیں اور اس کے برعکس کا بھی حکم ارشاد فرمائیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

میت کا منہ دکھلانے کی جو رسم ہمارے یہاں مروج ہے وہ بے شمار مفاسد کی بناء پر واجب الترک ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جنازہ میں غیر مسلم کی شرکت

سوال: بعض جگہ دیکھا گیا ہے اور سننے میں آیا کہ قبرستان تک غیر مسلم افراد جنازہ کی معیت میں جاتے ہیں تو ان کا وہاں تک مسلم میت کے ساتھ جانا موجبِ عذاب ولعنت ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی غیر مسلم کا مسلمان کے جنازہ میں قبرستان جانا جائز نہیں۔

(ایضاً ۴/ ۲۳۳، فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۳۴۵)

اسی طرح مسلم کا غیر مسلم کے جنازے میں جانا درست وجائز نہیں ہے۔ (ایضاً)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/صفر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

میت کے ساتھ کافر کا شریک ہونا

سوال: کافروں کا قبرستان جانا اور میت کے ساتھ آنا قبرستان میں کیسا ہے؟ اور میت کے ساتھ چلنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جائز نہیں۔ (احسن الفتاوی ۴/ ۲۳۳) روکنے میں اگر شر وفتنہ کا اندیشہ ہو تو خاموش رہنے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بعد دفن ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

سوال: بعدِ تدفینِ میت قبر کے پاس دعا کی جاتی ہے اور دونوں ہاتھوں کو دیگر بوقتِ ادعیہ کی طرح دراز کیا جاتا ہے تو عند الشرع یہ عمل درست ہے یا نہیں؟ بعدِ تدفینِ میت یہ عمل اگر درست ہے تو کس درجہ کا؟ واجب سنت یا مستحب؟ اور ترک عمل مذکورہ پر قابلِ ملامت ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بہت سے لوگ ایسے لوگوں پر جو اس عمل میں شریک نہیں ہوتے لعن وطعن کرتے ہیں، اگر مذکورہ عمل مشروع ہوں، تو حضرتِ والا ذرا مہربانی فرما کر اس کی اصلیت کی طرف اس بندہ کی رہنمائی فرمائیں، آیا وہ عمل مذکور

احادیث وآثارِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے یا کسی صاحبِ مذہب مجتہدِ مطلق کا قول ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

میت کو قبر میں دفن کرنے کے بعد دعا کرنا کہ: ''اللہ پاک سوالِ قبر کے جواب میں اس کو ثابت قدم رکھے اور اس کی مغفرت فرمائے''۔ حدیث شریف سے ثابت ہے، مشکوۃ شریف میں یہ حدیث موجود ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۴۷۸)

قبر پر دعا کے لیے ہاتھ نہ اٹھانا بہتر ہے اور جہاں کہیں کسی غلط فہمی کا اندیشہ نہ ہو ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے میں مضائقہ بھی نہیں؛ لیکن اس صورت میں رخ قبلہ کی طرف کرے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۳۰۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/صفر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

دفن کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، اکابر دیوبند کا معمول

سوال: متبعینِ اہل سنت والجماعت بوقتِ دفن ویسے ہی دعا کیا کرتے تھے میت کے لیے یعنی بغیر ہاتھ اٹھا کر اور بہت عرصے سے یہی طریق ان کا رہا اور اسے علمائے دیوبند واکابر امت کا معمول بہ سمجھ کر کرتے تھے اور ویسے تو اکابر امت حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ، فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سب کا عمل یہ دیکھا گیا کہ قبر کے پاس بغیر ہاتھ اٹھا کر میت کے لیے دعا فرماتے تھے۔

اب کچھ دنوں سے جنوبی افریقہ کے بعض علاقے میں علمائے دیوبند کی طرف منسوب بعض علماء وشیوخ قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے سلسلہ میں یہ عمل رائج کرنے لگے کہ سب حاضرین قبلہ کی طرف منہ کرکے ہاتھ اٹھائے ہوئے دعا کریں، اور استدلال میں صحیح ابی عوانہ اور تخریج حافظ فی الفتح کی حدیث پیش کرنے لگے؛ یہاں تک کہ اس سلسلہ میں ان حضرات کی طرف سے ایک کتاب چھپ چکی ہے کہ جس میں اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ جو طریقہ انھوں نے اختیار کیا ہے سنت ہے اور حدیثِ پاک سے مؤید ہے۔ اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ بزرگان دین متین اور علمائے اکابر نے اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کیا آیا وہ اس حدیث سے ناآشنا تھے (العیاذ باللہ) یا یہ کہ کوئی وجہ تھی جسکی بنا پر انھوں نے رفع یدین عند القبر اگرچہ استقبالاً للقبلہ ہو ترک فرمادیا ہے؟ کیا یہ نو پید علماء وشیوخ حدیث کا عمل ومستدل اصح اور قابل اتباع ہے یا ماضی کے علمائے اعیان ومشائخِ عظام کا تعامل وطریق زیادہ قابل اتباع اور لائق عمل ہے؟ افتونا ماجورین وادخلوا الجنة مسرورین.

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عام زیارت قبور کے موقعہ پر میں نے بھی اپنے اکابر کو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے نہیں دیکھا، رہا دفن میت کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا، اس سلسلہ میں احقر نے راندیر کے اکابر کا عمل ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا دیکھا ہے، آپ نے اپنے سوال میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مسیح الامت حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جو عمل بغیر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے

کا لکھا ہے وہ اگر زیارت قبور کے موقعہ کا ہے تو تسلیم ہے، اور اگر دفن کے بعد کا ہے تو کیا یہ عمل آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا؟ یا کسی ثقہ راوی سے سنا؟ سوال میں اس کی کوئی تصریح نہیں، رہا نفس مسئلہ، تو جب ایک صحیح روایت سے اس کا ثبوت موجود ہے تو اب اس کا انکار سمجھ میں نہیں آتا۔

احسن الفتاوی (۴/ ۲۲۴) کا مضمون آپ کی نگاہوں سے ضرور گزرا ہوگا، جس میں انہوں نے صاف لکھا ہے کہ ''مگر اکابر کے تعامل عدم رفع کے پیش نظر رفع یدین کے قول وعمل کی ہمت نہ ہوتی تھی الخ'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کی طرح اکابر کے عمل کی وجہ سے قائل نہیں تھے بلکہ زمانۂ سابق میں رفع یدین کے بدعت ہونے کا فتوی بھی دے چکے تھے؛ لیکن جب ان کے سامنے روایت پیش کی گئی، تو بایں ہمہ وجوہ اس کے قائل ہوکر اپنے سابقہ فتوی سے رجوع کرلیا، باقی آپ نے سوال کے آخر میں جو یہ جملہ لکھا ہے کہ ''بزرگان دین متین اور علمائے اکابر نے اس حدیث پر کیوں عمل نہیں کیا، آیا وہ اس حدیث سے ناآشنا تھے العیاذ باللہ الخ''

ہمارے ان اکابر کا اپنے وفور علم کے باوجود کسی حدیث سے ناآشنا ہونا ان کی شان کے خلاف نہیں، اور آپ کا محض اسی بنیاد پر حدیث کا ثبوت ہونے کے باوجود اس پر عمل کو قابل تعجب قرار دینا خود قابل تعجب ہے۔

بخاری شریف تو آپ نے پڑھی ہی ہوگی، جہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسی جلیل القدر شخصیت کا استیذان کے لیے تین مرتبہ سلام کرنے کے بعد اجازت نہ ملنے پر واپس جانے والی روایت سے ناواقف ہونا مستقل باب قائم کرکے یہ ثابت

کرنے کے لیے پیش کیا ہے کہ کسی بڑے سے بڑی شخصیت کا بھی تمام احادیث اور نصوص سے واقف ہونا نہ تو ضروری ہے، نہ ہی ناواقفیت ان کی شان کے خلاف۔

اب اخیر میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کا ایک فتوی پڑھ لیجیے تحریر فرماتے ہیں: ''دفن کے بعد میت کے لیے دعائے مغفرت کرنی جائز ہے مگر ہاتھ اٹھا کر کرنی لازم نہیں، خواہ ہاتھ اٹھائے یا نہ اٹھائے، دونوں جائز ہیں۔ (کفایت المفتی ۴/ ۴۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۸/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

دفن کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

سوال: ہمارے یہاں قبرستان میں بعد تدفین ہاتھ اٹھا کر بلند آواز سے دعا ہوتی ہے، بعض لوگ ہاتھ اٹھائے بغیر بلند آواز سے دعا کرتے ہیں، مجھے دو تین مرتبہ اتفاق ہوا، میں نے لوگوں سے کہہ دیا کہ: دل دل میں میت کے لیے ثابت قدمی ومغفرت کی دعا کیجیے اور پڑھ کر دل میں اس کا ثواب ایصال کر دیجیے، گجرات میں تو کسی چیز کا اہتمام دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس سلسلے میں حضرت والا مسنون طریقہ تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر کچھ دیر ٹھہرنا اور دعا کرنا ثابت ہے، اس دعا میں رفع یدین بھی ثابت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح ابوعوانہ کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت فتح الباری میں نقل فرمائی ہے، جس میں حضرت عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کی تدفین سے فارغ ہوکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مذکور ہے، بہ وقتِ دعا چہرہ قبلہ کی طرف کرلیا جائے؛ البتہ حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو غلط فہمی کا اندیشہ نہ ہونے کی حالت سے مقید فرمایا ہے۔ گجرات میں رفع یدین کے ساتھ اجتماعی دعا کا طریقہ رائج ہے۔

احسن الفتاویٰ (۴/ ۲۲۴) اور فتاویٰ محمودیہ (۱۴/ ۳۰۹) اور فتاویٰ رحیمیہ (۵/ ۱۲۶ تا ۱۲۹) کا مطالعہ فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

میت کو خوشبو لگانے کا طریقہ

سوال: مردہ کے کفن میں ایک پاؤڈر بادامی رنگ کا ہوتا ہے اسے خوشبو کہتے ہیں، اور پورے کفن میں اسے بھر دیتے ہیں کہ کیڑے نہیں لگتے، تو کیا اسے لگانا درست ہے؟ اور اس کے ساتھ پانی کی بوتل ہوتی ہے، غالباً گلاب کا پانی ہوتا ہے، اس میں وہ خوشبو بھگو کر پیشانی پر، گھٹنے پر بھی لگاتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فتاوی رحیمیہ میں ہے: حنوط جو پاک چند خوشبودار عطر وغیرہ اشیاء کا مرکب ہوتا ہے وہ عورت کے سر کے بالوں میں اور مرد کے سر اور ڈاڑھی کے بالوں میں لگایا جائے،

اور کافور اعضاء سجدہ پر یعنی پیشانی، ناک، ہتھیلیاں، گھٹنوں اور قدموں پر جو بوقت سجدہ زمین سے لگتے ہیں ملا جائے، یہ حکم مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے، مرد کے لیے حنوط میں زعفران وغیرہ رنگین خوشبو کو شامل نہ کیا جائے، عورت کے لیے اجازت ہے، بعض کتبِ فقہ میں پورے جسم پر خوشبو لگانے کی اجازت ہے؛ مگر ستر کو دیکھنے اور ہاتھ لگانے سے احتراز ضروری ہے، غالباً اسی لیے اپنے یہاں دستور ہے کہ کفن پھیلا کر اس پر حنوط (مرکب خوشبو) چھڑک دیا جاتا ہے، اور اس پر میت کو لٹا کر کفن لپیٹ دیا جاتا ہے؛ تاکہ سارا جسم معطر ہو جاوے، اس طرح ستر کو ہاتھ لگنے سے اور نظر پڑنے سے حفاظت رہتی ہے۔ (۶/۳۴۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

میت کے سرہانے ٹہنی رکھنا

سوال: میت کو دفن کرنے کے بعد میت کے سرہانے ٹہنی رکھتے ہیں، یہ ٹہنی رکھنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فقہ کی کتاب میں اس کو نہیں دیکھا، اگر یہ چیز ثابت ہوتی تو فقہا ضرور لکھتے، فتاویٰ رشیدیہ میں اس کو روافض کا شعار لکھا ہے، لہٰذا اس سے بچنا چاہیے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۳۹۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تدفین سے پہلے ایصال ثواب کا حکم

سوال: زید کے انتقال کے موقع پر کچھ لوگ زید کے گھر تعزیت کی غرض سے جمع ہوئے تھے اور آپس میں دنیاوی باتوں میں مشغول تھے، کسی صاحب نے ان سے کہا کہ اس سے بہتر تو قرآن شریف پڑھ کر میت کو ایصال ثواب کیا جائے تو ان حضرات نے کہا کہ آج تو انتقال کا دن ہے اور انتقال کے دن قرآن نہیں پڑھا جاسکتا بلکہ آئندہ کل پڑھا جائے گا تو اصل پوچھنا یہ ہے کہ انتقال کے روز یا دفن سے پہلے قرآن پاک میت کے ایصال ثواب کی غرض سے پڑھا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز روزہ صدقہ قرآن پاک کی تلاوت وغیرہ نیکی کے کام کا ثواب میت کو یا زندہ آدمی کو بخشا جاسکتا ہے، اور یہ ثواب جس کو بخشا گیا اس کو پہنچ جاتا ہے، جس آدمی کو ثواب پہنچایا جارہا ہے اس کا میت ہونا بھی ضروری نہیں، بلکہ اگر وہ زندہ ہو تب بھی اس کو ثواب پہنچتا ہے اس لیے دفن سے پہلے یا بعد کی قید ضروری سمجھنا درست نہیں ہے۔

شامی میں بحر الرائق سے لکھا ہے:

وفی البحر من صام أو صلی أو تصدق وجعل ثوابه لغیره من الاموات والاحیاء جاز ویصل ثوابها الیهم عند أهل سنة والجماعة کذا فی البدائع (شامی ۱/۶۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قبل از غسلِ میت قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کرنا

سوال: کسی کے انتقال کے فوراً بعد غسل دیئے بغیر ایصال ثواب کے لیے قرآن پڑھوانا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح اگر کسی دور جگہ سے انتقال کی خبر بذریعۂ ٹیلیفون پہنچی اور یہ یقین ہو کہ اتنی دیر میں میت کو غسل نہیں دیا گیا ہوگا پھر بھی قرآن پڑھوانا کیسا ہے؟ سوال کا خلاصہ یہ کہ قرآن پڑھوانے کے لیے غسل کی شرط صرف اسی وقت ہے جب کہ جنازہ پڑھنے والوں کے سامنے ہو یا ہر وقت، چاہے جنازہ پاس ہو یا دور ہو غسل کے بغیر قرآن نہیں پڑھ سکتے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر میت قرآن پڑھنے والوں کے سامنے موجود نہیں ہے اس صورت میں تو بغیر غسل دیے بھی بلا کراہت درست ہے، اسی طرح اگر میت سامنے موجود ہے، لیکن اس پر اس طرح کپڑا ڈال دیا گیا کہ پوری میت مستور ہے، کوئی عضو کھلا ہوا نہیں ہے تو اس صورت میں بھی کراہت نہیں ہے اور اگر وہ پورے طور پر مستور نہیں ہے لیکن تلاوت سراً کی جارہی ہے تب بھی کراہت نہیں ہے، البتہ اس آخری صورت میں جہراً تلاوت کرنا مکروہ ہے۔ (شامی ۱/۶۳۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جنازے میں عدم شرکت کی وصیت معتبر نہیں

سوال: ایک شخص نے اپنے قریبی رشتے دار کو غصہ میں آکر کہا کہ میرے

جنازے میں اس کو نہیں آنے دینا جس کو کہا گیا اس نے سنا نہیں ہے، اگر وہ آجائے تو کیا جو حضرات ان کی گفتگو سنے ہیں وہ گنہگار رہوں گے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسلمان کے جنازہ میں شریک ہونے کی حدیث میں تاکید اور ترغیب آئی ہے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اپنے جنازہ میں شرکت سے کسی کو منع کرے اگر کسی نے کسی کے متعلق یہ کہا کہ فلاں کو میرے جنازہ میں آنے نہ دیا جائے تو اس کی بات پر عمل نہیں کیا جائے گا لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق اس لیے صورت مسئولہ میں اس رشتے دار کو چاہیے کہ جنازہ میں شرکت کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ
اُملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جنازے کی ایک رسم

سوال: ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ میت کے کفن کے کپڑوں کے علاوہ چارپائی پر ایک کپڑا ڈالا جاتا ہے جو میت کے رشتے داروں میں سے کوئی ڈالتا ہے، دفنانے کے بعد فقیر کو دے دیا جاتا ہے تو شرعاً اس کا ڈالنا کیسا ہے؟ اگر جائز ہے تو بعض لوگ مسجد کے کام میں اس کو استعمال کرتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ بے اصل چیز ہے اس کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اُملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

قبر کے پاس تلاوت قرآن کا حکم

سوال: کسی قبر پر جا کر قرآن یا سورہ یسین وغیرہ پڑھنا کیسا ہے نیز اگر جانے کا اہتمام کریں اور قبر کے پاس بیٹھ کر پڑھیں تو اس میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قبر پر جا کر قرآن شریف یا سورۂ یس شریف پڑھنا جائز اور مباح ہے، اس کا التزام منع ہے، زیارت قبر کو مستحب سمجھتے ہوئے جانے کا اہتمام کرنا درست ہے، التزام نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ رجب ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قبر پر قرآن شریف میں دیکھ کر تلاوت

سوال: اگر کوئی قبرستان میں قرآن شریف یا سورۂ یسین لے جا کر والدین کے سرہانے تلاوت کرتا ہے، تو کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے، كذافي الدر المختار؛ مگر بہتر یہ ہے کہ قرآن پاک وہاں نہ لے جائے؛ بلکہ حفظ پڑھے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/ ۳۰۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۹/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

میت کو قبر میں کس طرح اتارے؟

سوال: میت کو قبر میں کس طرح سے اتارے؟ سنا ہوں کہ قبلہ کی طرف سے، تو سوال یہ ہے کہ جنازہ کو مغرب کی جانب رکھے اور اس طرح سے اتارے یا اَور کوئی طریقہ سنت ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جنازہ کو قبر سے مغرب (یعنی قبلہ) کی طرف رکھے اور وہاں سے اتارے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴؍رجب ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

میت کو قبر میں لٹانے کا طریقہ

سوال: دفن کے بعد میت کو قبلہ کی طرف کروٹ دینا سنت ہے یا چت لٹا کر منہ جانب قبلہ کردے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

میت کو قبر میں رکھ کر دائیں کروٹ پر قبلہ کی طرف لٹایا جائے، چت لٹا کر صرف منہ قبلہ کی طرف کرنا کافی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴؍رجب ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قبر کتنی اونچی کر سکتے ہیں؟

سوال: قبر کو کتنی اونچی کر سکتے ہیں، بعض مرتبہ مٹی ڈالنے کے بعد دو یا ڈیڑھ ہاتھ اونچی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح پرانی قبر تو منہدم ہوگئی اس پر مٹی ڈال کر نئی قبر کی طرح لوگ از سر نو بنا دیتے ہیں یہ کیسا ہے؟ حالاں کہ سنا ہوں کہ قبر جتنی جلد مٹ جائے یہ مغفرت ہونے کی نشانی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مستحب یہ ہے کہ قبر اونٹ کے کوہان کے مثل بنائی جائے، اس کی بلندی ایک بالشت یا اس سے کچھ زیادہ ہونی چاہیے۔ اگر قبر بیٹھ جائے تو اس پر دوبارہ مٹی ڈالنا جائز ہے، آپ نے مغفرت کی جو نشانی لکھی ہے وہ میرے علم میں نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/رجب ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جنازہ کے ساتھ بہ آواز بلند کلمہ پڑھنا

کیا میت لے جاتے وقت بآواز بلند لا الہ الا اللہ کا ذکر کرتے ہوئے لے جانا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جنازہ کے ساتھ بآواز بلند کلمہ پڑھنا بدعت ہے۔

کرہ فیھا رفع صوت بذکر او قراۃ فتح(در مختار) قیل تحریما وقیل تنزیھا کما فی البحر عن الغایۃ وفیہ عنھا وینبغی لمن تبع الجنازۃ ان یطیل الصمت الخ (شامی ۶۵۸/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱ رجب ۱۴۱۵ھ

شب برأت اور عیدین میں زیارت قبور کا حکم

سوال: زیارتِ قبور شعبان کی پندرہویں شب میں بعد نمازِ مغرب وعشاء قبلِ فجر وبعد نماز عیدین خصوصی طور سے احادیث سے ثابت ہے یا عام حالات میں حکم یکساں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شب براءت میں بعد العشاء کسی بھی وقت مزار پر جانا کافی ہے۔

ومما ثبت من فعلہ ﷺ انہ اتی المقبرۃ لیلۃ النصف من شعبان یستغفر للمومنین والمومنات والشھداء عن عائشۃ الخ. (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/ ۴۱۴)

بعد نمازِ عیدین خصوصیت سے زیارت قبور ثابت نہیں؛ البتہ عید کا دن مسرت کا دن ہوتا ہے، بسا اوقات مسرت میں لگ کر آخرت سے غفلت ہوجاتی ہے اور زیارتِ قبور سے آخرت یاد آتی ہے؛ اس لیے اگر کوئی شخص عید کے دن زیارت قبور کرے تو مناسب ہے کچھ مضائقہ نہیں؛ لیکن اس کا التزام خواہ عملاً ہی سہی جس سے دوسروں کو یہ شبہ ہو کہ یہ چیز لازمی اور ضروری ہے، درست نہیں، نیز اگر کوئی شخص اس دن زیارت قبور نہ کرے، تو اس پر طعن کرنا یا اس کو حقیر سمجھنا درست نہیں، اس کی احتیاط لازم

ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ۲/۲۷۶، ۲۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/رجب ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شوہر کے مرض الموت میں مہر معاف کروانا

سوال: خاوند کی جانکنی کے وقت بیوی کا مہر معاف کرنا کیسا ہے، اس طرح سے معافی ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: زوج کے مرض الموت میں عورت مہر معاف کردیتی ہے، اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر خوشی سے معاف کردے تو معاف ہوجاتا ہے، اور اگر عورتوں کے زبردستی گھیرا گھیری معاف کرے عند اللہ (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) معاف نہیں ہوتا، اوپر والوں کو ایسے موقع پر اس طرح مجبور نہ کرنا چاہیے۔(اصلاح انقلاب امت حصہ دوم ۱۳۷، ۱۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/رجب ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

انتقال اور غسل کے وقت میت کو کس طرح سلائے؟

سوال: انتقال کے وقت میت کو کس طرح سے سلانا چاہیے؟ اسی طرح غسل کے وقت بھی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حالت زندگی میں سونے کا جو مسنون طریقہ ہے اس کے مطابق، صرف کروٹ نہ دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ

غیر مسلم میت کو کندھا دینا اور اگنی سنسکار کرنا

سوال: یہاں پر ایک مسلم بھائی کے گھر میں کافر غیر مسلم عورت رہتی تھی، حال یہ ہوا کہ بروز اتوار اس کا انتقال ہوگیا، اور مسلم بھائی نے مل کر اس کو کندھا دیا، اور اگنی سنسکار کیا۔ تو ہمارے والد صاحب کے ماموجان قطب الدین بھائی یہ بات بالتفصیل جاننا چاہتے ہیں کہ: آیا کیا یہ صحیح ہے؟ اور ان حضرات کے ایمان کا کیا حال ہوگا؟ وہ وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی مسلمان کا غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت کرنا، اس کو کندھا دینا جائز نہیں ہے، گناہ ہے، توبہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ

باب المکروہات والمفسدات

کل صلاۃ أدیت إلخ کا محمل

(ہر وہ نماز جو مکروہ کے ارتکاب کے ساتھ پڑھی گئی اس کا لوٹانا مستحب ہے یا واجب؟)

سوال: فقہ کا اصول "کل صلاۃ ادیت مع کراھیۃ وجبت اعادتھا" کا محمل کیا وقت کے ساتھ خاص ہے، کہ وقت کے بعد بھی اعادہ ضروری ہے جب کہ فتاویٰ محمودیہ ۲/ ۱۴۳، تحفۃ الألمعی ۲/ ۶۰، ۱۰۱ پر لکھا ہوا ہے کہ وقت میں اعادہ واجب ہے اور وقت کے بعد مستحب ہے، برخلاف عمدۃ الفقہ ۲/ ۳۴۱، مسائل امامت مدلل "مفتی حبیب الرحمن خیرآبادی کی" ۲۸۳، شامی مکتبۂ دارالکتاب ۲/ ۴۵۵ سے ۲/ ۴۵۸ تک کے خلاصہ سے یہ بات راجح سمجھ میں آتی ہے کہ وقت اور بعد الوقت اعادہ کرنا واجب ہے؛ تو حضرت سے گزارش ہے کہ برائے کرم اس تعارض کو دور کر کے شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

احسن الفتاویٰ کی چوتھی جلد میں ایک مستقل رسالہ "نیل السعادۃ بالاقتداء فی الصلاۃ المعادۃ" نامی شامل ہے، اس کے اخیر میں صاحبِ فتاویٰ تحریر فرماتے ہیں: بارھویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ النفس حضرت مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی ؒ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کے فتاویٰ اور تحقیقاتِ فقہیہ میں آپ کے تبحر وتعمق کے مشاہدہ کے بعد واضح ہوتا ہے کہ آپ کی تحقیقات کا

مطالعہ کئے بغیر آپ کا تعارف بہت ناقص بلکہ کالعدم ہے، مسئلہ زیرِ بحث سے متعلق آپ کے دو فتوے نقل کئے جاتے ہیں:

سوال: بعد از خروجِ وقت جبرِ نقصان مستحب است یا واجب؟

جواب: ہر دو روایت است، والاصح الوجوب کما فی مسائل شتیٰ من شرح المنیة.

سوال: در جبرِ نقصانِ نمازِ مغرب و وتر اگر سہواً بر سہ رکعت نہ نشست، چہ کند؟ سہو دہد یا جبر باز گرداند۔ الجواب: باز گرداند۔ (بیاضِ ہاشمی قلمی جلد اول باب قضاء الفوائت ص ۱۳۰، احسن الفتاوی ۳/ ۳۵۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: احمد خانپوری، ۱۵/ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

نماز میں فساد آئے تو اسی وقت ختم کردے

سوال: امام صاحب سے فرض چار رکعات کی دوسری رکعت میں قرأت میں فاحش غلطی ہوگئی جس کی وجہ سے نماز فاسد ہوگئی تو کیا چار رکعات پوری کریں گے یا جس وقت غلطی ہوئی اسی وقت بیٹھ کر سلام پھیر کر نماز کا اعادہ کریں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز میں جب فساد آ گیا تو اب اس کو پورا کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اسی وقت ختم کر کے اعادہ کرلے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

رکوع سجدے میں قراءت کرنا

سوال: تراویح میں حفاظ کرام تراویح کی فکر میں رکوع اور سجدہ میں بھی قرآن کریم پڑھتے ہیں، تو کیا یہ درست ہے؟ نماز کی صحت اور عدم صحت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرأۃ کی حدیث میں ممانعت آئی ہے، اس لیے اس حالت میں قرآن کریم پڑھنا درست نہیں ہے، نماز کراہت تنزیہی کے ساتھ ادا ہوگی۔ (مسائل تراویح: ۹۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱ رشوال ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نماز قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنا

سوال: نمازِ تراویح میں عملِ کثیر سے بچتے ہوئے مصحف سے دیکھ کر قرآن مجید پڑھنا کیسا ہے؟ بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام ذکوان رضی اللہ عنہ ان کو نماز میں امامت کراتا تھا، اور وہ مصحف سے دیکھ کر قرآن مجید پڑھتا تھا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حالتِ نماز میں قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنا مفسد نماز ہے۔

وقراء ته من مصحف أي ما فيه قرآن مطلقا؛ لأنه تعلم (درمختار) فی الشامية: (قوله مطلقا) أي قليلا أو كثيرا، إماما أو منفردا، أميا لا

يمكنه القراءة إلا منه أو لا (رد المحتار ١/ ٤٦١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نماز میں دیکھ کر قرآن شریف پڑھنے والے کی اقتداء کرنا

سوال: ایک حنفی عالم نے بتلایا کہ شافعی مسلک میں قرآن مجید میں دیکھ کر بھی پڑھ سکتے ہیں، اس لیے شافعی حضرات کی نماز ہوجاتی ہے، اور اگر حنفی مقتدی ہوتو ان کی نماز اس شافعی امام کے پیچھے ہوجائے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حنفی مقتدی کی نماز نہیں ہوگی۔

ويصح الاقتداء فيه، ففي غيره أولى إن لم يتحقق منه ما يفسدها في اعتقاده في الأصح (در مختار، والتفصيل في الشامية ١/ ٤٩٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عورت کے محاذات میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال: اگر کسی گھر میں کوئی عورت آگے نماز پڑھے اور مرد پیچھے تو مرد کی نماز ہوگی یا نہیں؟ چاہے نماز فرض ہو یا نفل ہو، اگر سب کا الگ الگ حکم ہو تو تمام کو بیان کریں، اگر نماز ہوجاتی ہو تو اس میں کراہت ہے یا نہیں؟ واضح کیجیے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مرد اور عورت ایک جگہ نماز پڑھ رہے ہیں اور دونوں الگ الگ اپنی اپنی نماز ادا کر رہے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ عورت آگے ہے اور مرد بالکل اس کی سیدھ میں

پیچھے ہے تو ایسا کرنا مکروہ ہے؛ لیکن نماز فاسد نہیں ہوتی اور یہ کراہت بعد میں آنے والے پر ہے۔

فمحاذاة المصلية لمصل ليس في صلاتها مكروهة لا مفسد فتح (درالمختار) (قوله: ليس فى صلوتها) بأن صليا منفردين أو مقتديا أحدهما بإمام لم يقتد به الآخر شرح المنية (قوله: مكروهة) الظاهر أنها تحريمية؛ لأنها مظنة الشهوة والكراهة على الطارى، قلت: وفى معراج الدراية وذكر شيخ الاسلام مكان الكراهة الاساء ة، والكراهة افحش. (شامی ۱/ ۴۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ شوال ۱۴۱۷ھ

امام کا محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانے کی وجہِ کراہت

سوال: جماعتِ اسلامی (اہلِ حدیث) میں سے ایک شخص کا سوال یہ ہے کہ امام کے لیے محراب میں کھڑا ہو کر نماز پڑھنا مکروہ کیوں ہے؟ حوالہ کے ساتھ جواب مطلوب ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

امام پاؤں محراب سے باہر رکھتا ہے تو کوئی کراہت نہیں ہے؛ البتہ بلا عذر محراب میں پاؤں رکھ کر کھڑا ہونا مکروہ تنزیہی (یعنی خلافِ اولیٰ) ہے، وجہِ کراہت میں دو قول ہیں: پہلا: محراب میں کھڑے ہونے سے دونوں طرف کے مقتدیوں پر امام کی حالت مشتبہ رہتی ہے، اس بناء پر اشتباہ نہ ہونے کی صورت میں کوئی کراہت نہیں۔

وهو مختار ابن الهمام وصاحب الحلية.

دوسرا: اہلِ کتاب سے تشبہ، اس بناء پر جانبین میں مقتدیوں کے لیے کوئی اشتباہ نہ ہونے کے باوجود امام کا محراب میں قیام مکروہ تنزیہی ہے، وهو قول الأكثر۔ البتہ جگہ کی تنگی وغیرہ کسی عذر کی وجہ سے ہو تو بالاتفاق کسی قسم کی کوئی کراہت نہیں ہے۔

وقيام الإمام في المحراب لا سجوده فيه، وقدماه خارجه؛ لأن العبرة للقدم مطلقاً وإن لم يشتبه حال الإمام إن علل بالتشبه، وإن بالاشتباه ولا اشتباه فلا اشتباه فى نفى الكراهة (درمختار) قال الشامى: صرح محمد فى الجامع الصغير بالكراهة ولم يفصل فاختلف المشائخ فى سببها الخ (درمختار مع الشامى ۱/ ٤٧٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

محراب کے مقابل قرآن رکھنا

سوال: امام جہاں کھڑا ہو کر نماز پڑھاتا ہے اس کے سامنے محراب میں بالکل سینے کے مقابل قرآن رکھا رہتا ہے تو کیا اس میں اللہ کے غیر کے ساتھ مشابہت تو نہیں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اس میں کوئی کراہت نہیں۔

ولا يكره صلوة الى ظهر قاعد او قائم ولو يتحدث الااذا خيف الغلط بحديثه ولا الى مصحف او سيف مطلقا (در مختار)

وفى شرح المنية وجه عدم الكراهة ان كراهة استقبال بعض الاشياء باعتبار التشبه بعبادها والمصحف والسيف لم يعبدهما احد (در مختار

مع الشامی ۱/ ۴۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ رجب المرجب ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

لنگی یا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو نماز مکروہ تحریمی ہوگی

سوال: ٹخنے سے نیچے لنگی یا پائجامہ لٹک رہا ہے اور اس حالت میں نماز ادا کی گئی، امام نے پڑھائی ہو یا مقتدی نے پڑھی ہو تو نماز پر کیا اثر انداز ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

''ابوداؤد شریف'' میں روایت ہے کہ ایک شخص لنگی ٹخنے سے نیچے کئے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا تو نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ جاؤ وضو کرو، وہ گیا، اور وضو کر کے آیا تو پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ وضو کرو، وہ گیا اور وضو کر کے آیا، تو پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ وضو کرو، وہ گیا اور وضو کر کے آیا، تو ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے اس کو وضو کرنے کا حکم کیوں دیا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ ٹخنوں سے نیچے لنگی کئے ہوئے نماز پڑھ رہا تھا، اور اللہ تبارک وتعالیٰ ایسے آدمی کی نماز قبول نہیں فرماتے جو ٹخنے سے نیچے لنگی (یا پائجامہ) باندھے ہوئے ہو۔ (ابوداؤد ۱/ ۹۳)

حدیث پاک میں بحالت نماز سدل کی ممانعت آئی ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد)

سدل کا اطلاق اسبالِ ازار پر بھی ہوتا ہے، اور سدل کے متعلق فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ مکروہِ تحریمی ہے۔

وکرہ (سدل) تحریماً للنھی (ثوبہ) (در مختار علی ھامش الشامی ۱/ ۴۷۲)

وقد يطلق السدل على اسبال الازار ايضاً وهو ظاهر عبارات الفقهاء رحمهم الله ولهذا لم يذكر اسبال الازار مستقلاً فی المكروهات.

(معارف السنن ۳ / ۳٦۱)

اس لیے اگر کسی نے ایسی حالت میں نماز پڑھی یا پڑھائی کہ لنگی یا پائجامہ ٹخنے سے نیچے لٹک رہا ہے تو وہ نماز مکروہِ تحریمی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جیب میں تصویر رکھ کر نماز پڑھنا

سوال: تصویر ذی روح کو موڑ کر جیب میں رکھنے سے نماز میں خرابی آئے گی؟ اور کیا وہ حدیث میں مذکورہ وعید میں داخل ہوگا کہ فرشتے ایسی جگہ داخل نہیں ہوتے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

نماز میں کراہت نہیں آئے گی۔ لا المستتر بكيس أو ثوب الخ (درمختار) اگر بطور تعظیم رکھی ہے، تو وعید میں شامل ہوگی۔ كما يستفاد من الشامي (۱/ ٤۷۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تصویر والی گھڑی پہن کر کیا نماز ہوگی؟

سوال: اکثر ہاتھ کی گھڑیوں میں کسی پرند کی شکل بنی رہتی ہے، ایسی گھڑی ہاتھ میں ہو تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز بہر حال صحیح ہو جائے گی، اب اگر تصویر اتنی چھوٹی ہے کہ زمین پر رکھ دو تو کھڑے ہو کر نہ دکھائی دے تو مکروہ بھی نہیں ہے۔ (عموماً گھڑیوں میں ایسی ہی چھوٹی ہوتی ہے) ورنہ مکروہ ہے۔ (درمختار مع الشامی ۱/ ۴۷۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا

سوال: چین والی گھڑی پہن کر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ چین والی گھڑی پہن کر نماز مکروہ ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر چین (پٹہ) سونے یا چاندی کا نہیں ہے، تو نماز مکروہ نہ ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ کراچی ۱۹/ ۳۶۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نماز میں گھڑی دیکھنا

سوال: حالت نماز میں گھڑی دیکھنے سے نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر حالت نماز میں گھڑی دیکھنے سے فعلِ کثیر کا مرتکب نہیں ہوا ہے، تو نماز فاسد نہیں ہوئی؛ البتہ مکروہ ہے۔ (کمایفهم من شرح المهذب للنووی ٤/ ٩٣،٩٤)

ولونظر إلیٰ مکتوب وفهمه فالصحیح أنه لاتفسد صلاته بالإجماع. (هدایه اولین ۱۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نماز میں ستر کا حصہ کھلنے پر ناظر و منظور کی نماز کا حکم

سوال: زید ایک نمازی آدمی ہے، اس سے اگلی صف میں عمر نماز پڑھ رہا ہے، عمر کا حالتِ صلوٰۃ میں ستر کا حصہ کھل جاتا ہے، تو زید کی نگاہ حالت صلاۃ میں عمر کے ستر کے اس مخصوص جگہ پر اچانک پڑ گئی، یا وہ خود عمداً اپنی نگاہ ڈالتا ہے، تو صورت مذکورہ میں زید کی نماز ہوئی یا نہیں ہوئی؟ اور عمر کی نماز کا کیا حکم رہے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حالتِ نماز میں دوسرے نمازی یا غیر نمازی کے ستر پر نگاہ پڑ جانے سے، یا ڈالنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی؛ اگرچہ قصداً نگاہ ڈالنا گناہ ہے، رہا عمر جس کا ستر نماز میں کھل گیا تھا، اگر وہ کھلنا غیر اختیاری تھا اور تین تسبیحات پڑھ سکیں اس سے کم وقت کے لیے کھلا رہا، تو اس کی نماز بھی فاسد نہیں ہوئی، ورنہ فاسد ہوگئی۔ (شامی ۱/۳۰۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/شوال المکرم ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک رکن میں بار بار کھجلانا

سوال: ایک ہی رکن میں تین سے زائد مرتبہ ہاتھ چھوڑ کر کھجلانا یا کپڑے کو کھینچنا، کیا ان چیزوں سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تین دفعہ کھجلانے سے مطلقاً نماز فاسد نہیں ہوتی؛ بلکہ یہ اس وقت مفسد ہے کہ ہر دفعہ ہاتھ اٹھائے، اگر ہر دفعہ علیحدہ ہاتھ نہ اٹھائے؛ بلکہ ایک ہی دفعہ ہاتھ اٹھا کر تین دفعہ کھجلایا تو نماز فاسد نہ ہوگی؛ نیز اگر ایک بار کھجلانے کے بعد بقدرِ رکن، یعنی: تین بار "سبحان ربي الأعلى" کی مقدار تک توقف کے بعد کھجلایا، تو اس طرح تین بار کھجلانا بھی مفسد نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ۳/۴۱۷)

بلاضرورت ایک بار بھی کھجلانا مکروہ تحریمی ہے اور نماز واجب الاعادہ ہے، اگر کوئی ایسی ضرورت پیش آجائے کہ بدونِ کھجلائے نماز میں یکسوئی نہ ہو، تو ایک یا دو بار کھجلانا بلا کراہت جائز ہے اور تین بار اس طرح کھجلانا کہ درمیان میں بقدرِ رکن توقف نہ ہو؛ بہر حال مفسد نماز ہے، اگرچہ ضرورت ہی سے ہو۔ (ایضاً ۳/۴۱۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نماز میں بوقت ختمِ قرآن دعائے ماثورہ پڑھنے کا حکم

سوال: اگر امام نے تراویح میں ختم قرآن کے وقت اخیری رکعت میں سورۃ الناس پڑھنے کے بعد متصلاً دعائے ماثورہ جو سورۃ الناس کے بعد لکھی ہوئی ہوتی ہے، یعنی اللھم اٰنس وحشتی فی قبری الخ کو پڑھا پھر اس کے بعد متصلاً ﴿الم ذلك الكتاب﴾ سے دوسری مرتبہ قرآن شروع کر کے پہلا رکوع پورا کر کے رکوع میں گیا تو کیا اس طرح پڑھنے سے نماز فاسد ہوگی یا نہیں ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ختمِ قرآن کی جو صورت دریافت فرمائی ہے اس میں نماز فاسد نہیں ہوگی، اس لیے اللھم اٰنس وحشتی الخ والی دعا ماثور ہے؛ البتہ نماز میں حالت قیام میں اس کو نہ پڑھنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خانۂ کعبہ وغیرہ کی تصویر والے مصلیٰ پر نماز پڑھنا

سوال: ایسے جائے نماز جس میں کعبۃ اللہ یا مدینۃ المنورہ یا بیت المقدس یا بزرگانِ دین کے مزارات کی تصویر، یا عکس بنی ہوئی ہو، اس پر نماز پڑھنا کیسا ہے؟ جواز کا عدم جواز کا؟ زید کہتا ہے جواز وعدمِ جواز کا مسئلہ معلوم نہیں؛ البتہ بے ادبی اور بے حرمتی ہوتی ہے؛ کیوں کہ پاؤں کے نیچے ہوتی ہے، یہ تصویر یا عکس جو جائے نماز میں بنایا گیا ہے یہ یہود ونصاریٰ کی سازش ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس پر نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور بے ادبی اور بے حرمتی ہوتی ہے یا نہیں؟ جوابِ شافی سے مدلل سمجھائیں، اگر بے حرمتی ہوتی ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس قسم کی جائے نماز پر نماز پڑھنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

في غنية المستملي: وأما صورة غير ذي روح، فلا خلاف في عدم كراهة الصلوٰة عليها، أو إليها (٣١٤)

اور اس تصویر سے خانۂ کعبہ کی تعظیم میں کوئی فرق نہیں آتا؛ کیوں کہ تصویر کا حکم

عین شئ کا نہیں ہوتا، دوسرے خود خانۂ کعبہ میں جب نماز پڑھی جاتی ہے، تو وہاں بھی زمین پیروں کے نیچے ہوتی ہے، جب وہ تعظیم کے منافی نہیں تو تصویر کا پیروں کے نیچے ہونا بطریقِ اولیٰ تعظیم کے منافی نہ ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۷/۱۱۱ بحذف یسیر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

گرم ٹوپی میں پیشانی چھپا کر نماز پڑھنا

سوال: عام طور پر سردی کی موسم میں لوگ سر پر گرم ٹوپی پہنتے ہیں، جس سے پیشانی بھی چھپ جاتی ہے تو کیا نماز کے لیے پیشانی کو کھولنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر بغیر پیشانی کھولے نماز پڑھ لی تو نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس طرح نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے؛ البتہ اگر سخت سردی کی وجہ سے ایسا کیا ہو تو کوئی حرج نہیں ہے۔

ویکرہ السجود علی کور عمامته من غیر ضرورة حر أو برد الخ (مراقي الفلاح) الظاهر أن الكراهة تنزيهية الخ (طحطاوی علی مراقي الفلاح ۱۹۵) كما يكره تنزيها بكور عمامته إلا بعذر (در مختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کسی آنے والے کی خاطر رکوع یا سجدہ کو طویل کرنا

سوال: امام صاحب نماز کے دوران کسی آنے والے کی آہٹ سن کر یا کسی کے

جماعت خانہ کا دروازہ کھولنے کی آواز سن کر قرأت، رکوع یا قعدۂ اخیرہ کو لمبا کرے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ یہاں ایک امام صاحب نے بتایا کہ اس طرح کرنے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی آنے والے کی خاطر رکوع یا قرأت یا قعدۂ اخیرہ کو طویل کرنا اس صورت میں مکروہ تحریمی ہے جب کہ امام اس کو پہچان کر تعلق کے لحاظ سے ایسا کرے، نماز پھر بھی فاسد نہ ہوگی؛ لیکن اگر امام نے اس کو پہچانا نہیں ہے؛ بلکہ محض اس لیے ایسا کیا کہ آنے والے نمازی کو رکعت یا نماز ملنے میں اعانت ہو تو کوئی حرج نہیں بلکہ باعثِ اجر ہے۔

درمختار میں ہے: وكره تحريما إطالة ركوع أو قراءة لادراك الجائی الخ (شامی ۱ / ۳۶۶، ۳۶۵) البتہ اس بات کا خیال رہے کہ یہ طویل کرنا ایک دو تسبیح کی مقدار سے زیادہ نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دوسرے سلام کے بغیر نماز ختم کرنا

سوال: نماز پوری کرتے وقت دونوں سلام کہنے کی جگہ ایک سلام کر کے نماز پوری کرے تو نماز میں کوئی خرابی ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دوسرا سلام بھی واجب ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں نماز لوٹانا واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قطرہ روکنے کی غرض سے عضوِ مخصوص کو باندھ کر نماز پڑھنا

سوال: بیوی سے بوس وکنار کی وجہ سے (شہوت رفع ہوجانے کے بعد بھی اور پیشاب کرنے کے بعد بھی) مذی کا قطرہ نکل جانے کا خوف ہونے کی وجہ سے عضو کو کپڑے وغیرہ سے باندھ دیا؛ تاکہ قطرہ نہ نکلے، تو اس صورت میں نماز باجماعت پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ یہی صورت اگر امام کو پیش آئے، تو وہ یہ تدبیر کرکے نماز پڑھا سکتا ہے نہیں؟ سلسل البول والا اس تدبیر کو اختیار کرنے کے بعد بے عذروں کو نماز پڑھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ایسا کرنے سے قطرہ باہر نہیں نکلتا، تو نماز درست ہوجاوے گی اور اندیشہ ہونے کی صورت میں ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، ایسا آدمی نماز پڑھا سکتا ہے؛ البتہ عمومی حالت اس قسم کی ہوگئی ہے، تو امامت کی ذمہ داری دوسرے کے حوالہ کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مذی کو روک کر نماز پڑھنا

سوال: زید نے اپنی بیوی سے بوس وکنار کی، جس کے نتیجہ میں مذی کا اخراج شروع ہوا، اتنے میں ظہر کی اذان ہوگئی، زید جماعت کی نماز کے لیے جانا چاہتا ہے؛ لیکن اسے یقین ہے کہ مذی کا اخراج نماز میں بھی جاری رہے گا (باوجودیکہ استنجاء بھی

کرلے) اگر زید نے کپڑے وغیرہ سے عضو کو باندھ کر مذی کا اخراج روک دیا، تو اب وہ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر نماز قضاء ہونے کا یقین ہو تو اس ترکیب سے مذی کو روک کر نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر زید نے کسی تدبیر سے مذی کا نکلنا روک دیا ہے، تو اس کی نماز درست ہوجائے گی۔ وإن خرج البول إلى قصبة الذكر لا ينتقض (السعاية ۱/۲۰۳)

اگر نماز قضاء ہوجانے کا یقین ہے تو اس تدبیر کو اختیار کرنے میں حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

امام نے صرف ایک سجدہ کیا تو نماز کا اعادہ ہے

سوال: گجرات کے ایک امام ہیں اور انہوں نے جمعہ کی دو رکعت نماز میں پہلی رکعت میں ایک سجدہ کیا، اور بعد میں ہم نے ان کو لقمہ دیا؛ مگر انہوں نے دوسرا سجدہ نہیں کیا، اب وہ بول رہے ہیں کہ نماز صحیح ہوئی اور ہم لوگ کہہ رہے ہیں کہ نماز کو دہرانا پڑے گا، تو اب ان دونوں صورتوں میں کونسی صورت صحیح ہے اور کونسی غلط؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر امام کو اس بات کا یقین ہے کہ اس نے دونوں سجدے کئے ہیں تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو نماز لوٹائی جائے، چوں کہ نماز جمعہ تھی

جس کا وقت اب نہیں رہا، اس لیے اگر لوٹانا پڑے تو ظہر پڑھی جائے گی۔

واختلف الإمام والقوم فلو الإمام على يقين لم يعد وإلا أعاد بقولهم. (درمختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/شوال ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حالت سجدہ میں بوجہ عذر انگلیوں کا بطن زمین پر نہ رکھنا

سوال: زید ایک معمر شخص ہے، برسوں پہلے ٹرک حادثہ میں دونوں پاؤں میں سخت ایذاء ہوئی تھی، ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں، اس حادثہ سے شفایاب ہوا؛ لیکن حادثہ کے بعد نماز پڑھنے کی حالت بدل گئی، کبھی تراویح میں دراز نمازیں بیٹھ کر پڑھتا ہے، حالت مرض کی ایک عادت یہ بھی رہ گئی ہے کہ ہر رکعت میں پہلے سجدہ میں دونوں پاؤں کی انگلیاں زمین سے مس ہوتی ہیں اور کبھی ایک پاؤں کی انگلیوں کا بطن زمین سے لگتا ہے اور دوسرے پاؤں کی انگلیوں کی پشت زمین سے لگتی ہے، اگر وہ چاہے تو دونوں پاؤں کی انگلیوں میں سے ہو سکے اتنی انگلیوں کا بطن زمین سے لگا سکتا ہے، اور دوسرے سجدہ میں دونوں پاؤں کی انگلیوں کی پشت زمین پر ہوتی ہے ہر حالت میں چاہے زمین پر باطن انگشتان لگے یا پشت انگشتان لگے دونوں پیروں میں سے ایک بھی زمین سے مرتفع نہیں ہوتا، یعنی زمین سے اونچا نہیں ہوتا، اب جو انگلیاں برابر رکھنے کی کوشش کرتا ہے تو تعداد رکعت فراموش ہو جاتی ہے، مسئلہ کی لاعلمی کی وجہ سے اٹھائیس سال سے اسی طرح نماز پڑھتا ہے، المختصر یہ کہ: حالت سجدہ میں دونوں

پیروں یا ایک پیر کی انگلیوں کا بطن گاہے زمین پر ہوتا ہے گاہے نہیں ہوتا؛ بلکہ انگلیوں کی پشت زمین پر ہوتی ہے، تو اس صورت میں قیام ترک ہوتا ہے یا نہیں؟ اب زید کی نمازیں صحیح ہوئیں یا نہیں؟ اگر خدانہ کرے صحیح نہیں ہوئیں تو کیا قضا کرنا پڑے گی؟ جواب تشفی بخش تحریر فرمایئے جس سے دل کو تسلی ہو اور امید نہ ٹوٹے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حالت سجود میں پاؤں کی انگلیوں کا بطن زمین پر رکھتے ہوئے ان کے سروں کو قبلہ کی طرف کرنا سنت ہے، اور بلا عذر پشتِ قدم کو رکھنا مکروہ ہے؛ لیکن اگر عذر کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے (جیسا کہ سوال میں مذکور ہے) تو کراہت بھی نہیں ہے۔

ویستقبل باطراف أصابع رجلیه القبلة، و یکره إن لم یفعل ذلك کما یکره لو وضع قدماً و رفع اخری بلا عذر(درمختار)(قوله ویکره إن لم یفعل ذلك) کذا فی التجنیس لصاحب الهدایة، وقال الرملی فی حاشیة البحر: ظاهره أنه سنة وبه صرح فی زاد الفقیر اه قلت: ونقل الشیخ اسماعیل التصریح بأنه سنة عن البرجندی والحاوی ومثله فی الضیاء المعنوی والقهستانی عن الجلابی، وقال فی الحلیة: ومن سنن السجود أن یوجه أصابعه نحو القبلة الخ (شامی ۱/ ۳۷۲)فهذا صریح فی اعتبار وضع ظاهر القدم، وانما الکلام فی الکراهةبغیر عذر الخ (شامی۱/ ۳۶۹)

لہٰذا زید کی تمام نمازیں درست ہوگئیں اور کراہت بھی نہیں آئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ رجب ۱۴۱۱ھ

بعد نماز منی کا دھبہ دیکھنا

سوال: ایک صاحب نے نماز فجر پڑھ لی بعدہ پیشاب کے لیے گیا اس وقت کپڑے پر منی کا دھبہ دیکھا لیکن احتلام کا ہونا یاد نہیں تو نماز کا اعادہ کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

غسل کر کے نماز کا اعادہ کرے کپڑے بھی پاک کر لے۔ (درمختار شامی ۱/۱۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب الوتر

ائمۂ حرم کی اقتدا میں وتر پڑھنا

سوال: ائمۂ حرم کے پیچھے وتر کی جماعت میں شریک ہونا کیسا ہے؟ اکثر اکابر کے متعلق تحقیق سے پتہ چلا کہ وہ حضرات شرکت نہیں فرماتے تھے، فقہائے احناف کی چند عبارات سے شبہ ہوا کہ جب خود احناف کے بڑے حضرات اس کی اجازت دیتے ہیں تو حرم کی جماعت سے محروم کیوں رہا جائے! وہ عبارات درج ذیل ہیں:

قال الامام ابوبکر الجصاص الرازی: یجوز اقتداء الحنفی بمن یسلم علی الرکعتین فی الوتر و یصلی معه بقیة الوتر؛ لان امامه لایخرج بسلامه عنده؛ لانه مجتهد فیه (البنایة شرح الهدایة ۳/۴۱، باب صلوة الوتر)

قال العلامة محمد أنور شاه الكشميری: نعم لو اقتدی خلف الشافعی علی الرکعة الثانیة کما هو مذهبهم ثم أتم الوتر الحنفی عند أبی بکر الرازی وابن وهبان الخ(عرف الشذی،باب ماجاء فی فصل الوتر ۱/ ۱۰٤)

قال الشیخ محمد یوسف بنوری: نعم لو اقتدی حنفی بشافعی فی الوتر و سلم ذلك الشافعی الامام علی الشفع الاول علی وفق مذهبه ثم اتم الوتر صح وتر الحنفی عند ابی بکر الرازی و ابن وهبان.

(معارف السنن ٤/ ۱۷،باب ماجاء فی الوتر)

فتاوی حقانیہ میں ہے: ''اسی طرح اگر وتر بالتسلیمتین یعنی دو رکعت کے بعد سلام پھیر کر وتر پورا کرے، تو امام ابوبکر الجصاص اور متأخرین فقہاء کے ہاں اقتداء درست ہے اور یہی ترجیح حالات کی مقتضی ہے۔ (فتاوی حقانیہ ۳/ ۲۴۲)

حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی ان کے صاحبزادے مولانا عبد الرحمن کوثر صاحب مدظلہ نے نقل فرمایا ہے کہ والد صاحب سے جب کوئی استفتاء کرتا تھا کہ حرمین شریفین میں تراویح کے بعد جو وتر کی نماز پڑھائی جاتی ہے وہ دو سلام کے ساتھ ہوتی ہے، کیا ان کے ساتھ پڑھ لی جائے یا اپنی الگ اکیلے پڑھ لیں؟ تو فرماتے تھے: ''پڑھ لی جائے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اسی طرح پڑھتے تھے۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس معاملہ میں اعتدال کے قائل تھے، فرمایا کرتے تھے: وتر کی نماز کا طریقہ احادیث میں کئی طریقہ سے وارد ہوا ہے۔

(ماہنامہ ''البلاغ''، خصوصی اشاعت بیاد حضرت رحمۃ اللہ علیہ، ص ۳۵)

اس سلسلہ میں تفصیلی بحث فرما کر مسئلہ کی وضاحت فرمائیے کہ اب یہ مسئلہ لاکھوں حنفیوں کی ضرورت بن گئی ہے، اگر آپ کا فتوی جواز کا ہے تو مزید چند امور کی

وضاحت ضروری ہے:

(الف) کیا حنفی مقتدی دو رکعت پر سلام پھیر دے یا بغیر سلام کے تین رکعت پوری کرے؟

(ب) دعائے قنوت میں ہاتھ اٹھا کر آمین کہے یا بغیر ہاتھ اٹھائے؟

اگر آپ کا فتوی عدمِ جواز کا ہو تو کیا دو رکعت کی نفل نیت سے امامِ وتر کی اقتداء صحیح ہے؟ بعض حضرات دو رکعت نفل کی نیت سے پڑھ کر سلام پھیر دیتے ہیں، پھر بیٹھے رہتے ہیں اور دعا میں شامل ہو جاتے ہیں؛ مگر بعض حضرات کی رائے ہے کہ دو رکعت کی نفل نیت سے اقتداء صحیح نہیں ہونی چاہیے؛ کیوں کہ امام تین رکعت کی نیت کرتا ہے اور نفل کی تین رکعتیں نہیں، اسی لیے مغرب کی نماز میں امام کے پیچھے وہ مقتدی جو فرض سے فارغ ہو نفل کی نیت سے اقتداء نہیں کر سکتا، کونسی رائے صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: ”صحیح قول یہ ہے کہ اگر شافعی امام وتر دو سلام سے ادا کرے تو حنفی مقتدی اس کی اقتداء نہ کرے، اسی میں احتیاط ہے۔ وان لا یقطع وتره بسلام علی الصحیح (طحطاوی باب الوتر ص۱۴۰) (فتاوی رحیمیہ قدیم ۶/۴۱۵)

خیر الفتاوی میں ہے: جو ائمہ دو رکعت پر سلام پھیر کر ایک رکعت الگ پڑھتے ہوں ان کی اقتدا میں وتر نہ پڑھا کریں، ایسی صورت میں اگر اپنے ساتھی موجود ہوں اور کسی طرح نامناسب نہ ہو تو الگ جماعت کر لیا کریں؛ ورنہ اکیلے اکیلے حسبِ معمول وتر پڑھ لیا کریں۔ (خیر الفتاوی ۲/۵۱۷، ۵۱۸)

عمدۃ الفقہ ۲ / ۲۹۵ میں یہی لکھا ہے جو اوپر گذرا۔

آپ نے سوال میں جو عبارتیں بنایہ، عرف الشذی اور معارف السنن کے حوالے سے نقل فرمائی ہیں، ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ اور ابنِ وہبان رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اقتداء درست ہے؛ مگر احناف کے بڑوں نے سوائے ''صاحبِ رسائل الارکان'' اس قول کو اصح قرار دے کر اس پر فتوی نہیں دیا؛ بلکہ اس کے خلاف قول یعنی ایسے امام کی اقتداء درست نہ ہونے کی تصحیح کی ہے، کتبِ فقہ سے چند عبارتیں نقل کی جاتی ہیں:

ودلت المسئلة على جواز اقتداء بالشافعية اذا كان يحتاط فى موضع الخلاف بان كان (الى قوله)لا يقطع وتره بالسلام هو الصحيح.
(البحر الرائق ۱/ ۱۷۱)

فتح القدیر میں ہے: و ما ذكرفى الارشاد لا يجوز الاقتداء فى الوتر باجماع اصحابنا؛ لانه اقتداء المفترض بالمتنفل يخالفه ماتقدم من اشتراط المشايخ فى الاقتداء بشافعى فى الوتر ان لا يفصله بانه يقتضى صحة الاقتداء عند عدم فصله(فتح القدير۱/ ٤٣٧)

تنویر الابصار کی عبارت ''و صح الاقتداء فيه بشافعى لم يفصله بسلام على الاصح'' کے ذیل میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: خلافاً لما قاله الرازى من أنه يصح و أن فصله ويصلى معه بقية الوتر(شامى؟ /٤٤٤)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ''خلافاً'' کہہ کر امام ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو نقل فرمایا، تصحیح نہیں فرمائی۔

''طحطاوی علی الدر المختار'' میں ''تنویر الابصار'' کی مذکورہ عبارت کے ذیل میں

لکھا ہے:

وقد اشار الشارح الی رد قول الرازی بقوله سابقاًفی اعتقاده فی الاصح فان کلام الرازی مبنی علی ان المعتبررأی الامام وهو ضعیف.

(طحطاوی علی الدر المختار۱/ ٤٤٤)

مذکورہ عبارتوں میں حضراتِ فقہاء کا امام ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تصحیح نہ کرنا اور اس کے خلاف قول کی تصحیح کو برقرار رکھنے کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اقتداء نہ کی جائے۔ کسی مسئلہ میں فقہاء کے دو قول ہوں ایک کی تصحیح کی گئی ہو، دوسرے کے بارے میں فقہاء ساکت ہوں تو تصحیح شدہ قول کو ترجیح ہوا کرتی ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وحیث ماوجدت قولین وقد صحح واحد فذاك المعتمد(شرح عقود رسم المفتی ص:۱۵۸)

متی اختلف فی المسئلة فالعبرة بما قاله الاکثر"بیری"من قاعدة الاصل الحقیقة (العقود الدریة ۱ /٤)

رہا ابن وہبان کا حوالہ! واضح ہو کہ "منظومہ ابن وہبان" کے شارح خود اس مسئلہ میں ماتن کے خلاف ہیں جیسا کہ علامہ طرسوسی رحمۃ اللہ علیہ کے نقد کرنے سے معلوم ہوتا ہے، منظومہ ابن وہبان میں ہے:

ولو حنفی قام خلف مسلم		بشفع ولم یتبع وثم فموتر

ابن الشحنا نے اس شعر کی شرح بایں الفاظ کی ہے:

الاولیٰ لو اقتدی حنفی فی الوتر بشافعی او بغیر ممن یسلم علی رأس الرکعتین صح اقتدائه؛ و لکن اذا سلم امامه علی رأس الرکعتین لایسلم الحنفی معه ویصلی معه بقیة الوتر؛ لان امامه لم یخرج بالسلام

عن صلاته عنده لانه مجتهد فيه كما لو اقتدى بامام قد رعف و يرى الامام انه لاينتقض وضوئه صح اقتدائه به؛ لانه مجتهد فيه، فطهارته صحيحة، ذكر ذالك الرازى فى شرحه.

اس کے بعد علامہ طرسوسی رحمۃ اللہ علیہ کا نقد بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو:

وقال الطرسوسى فيه نظر، فان القاطع للتحريمة وجد وهو السلام بين الركعتين والثالثة وصلاة المأموم مبنية على صلاة الامام فكيف يحسن ان يقال انها تامة وقال انقطعت بالسلام وا يضاً فالوتر عند الشافعى بالثالثة وعندنا بالثلاث، وقال:انه لم ير من الاصحاب من اشفى الصدر بالكلام على هذاالموضع، وقال غيره:لايصح الاقتداء فى فصل الرعاف قيل وبه قال الاكثر(شرح منظومة ابن وهبا ن ص/٦٣)

آپ نے سوال میں علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر ترمذی "العرف الشذی" اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی شرح ترمذی "معارف السنن" کا حوالہ تحریر فرمایا ہے، ان دونوں حضرات نے بھی اس مسئلہ میں منظومہ ابن وہبان کے مذکورہ شعر کو استدلال میں پیش فرمایا ہے، ملاحظہ کیجیے: جامع الترمذی مع العرف الشذی ص/ ۱۰۴، معارف السنن شرح سنن الترمذی ۴/ ۱۷۰۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ اپنی کتاب میں اقتداء کا جواز بحوالۂ امام ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ وابن وہبان تحریر فرمایا ہے؛ مگر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا عمل اس پر نہیں، یعنی حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ ائمۂ حرم کی اقتداء میں وتر پڑھنے پر اصرار نہیں کرتے تھے جیسا کہ حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ مفتیٔ اعظم ہند کے ایک ملفوظ سے معلوم ہوتا ہے، ملفوظِ گرامی من وعن نقل کررہا ہوں؛ تاکہ دیگر اکابر کا عمل (در بابِ

وتر ائمۂ حرم کی اقتداء میں) معلوم ہو، ارشاد فرمایا:

ایک سال حضرت شیخ الحدیث (مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ) کی معیت میں رمضان شریف مکہ مکرمہ میں گذارا، وہاں ہم لوگ تراویح تو حرم شریف میں امام کے پیچھے جماعت سے پڑھ لیتے کہ تراویح تمام ائمہ کے نزدیک ایک ہی طرح پڑھی جاتی ہے؛ مگر وتر کی جماعت اپنی حرم شریف ہی میں الگ کرتے تھے؛ اس لیے کہ اہلِ حرم وتر دو سلام سے پڑھتے تھے اور ہم ایک سلام سے۔ کچھ دن بعد ہم لوگوں کو حرم شریف میں وتر کی جماعت الگ کرنے سے منع کر دیا گیا، اب حضرت شیخ تو تراویح پڑھ کر حرم سے باہر تشریف لے جاتے اور قیام گاہ پر وتر جماعت سے ادا فرماتے اور میں حرم شریف ہی میں تنہا وتر بغیر جماعت کے پڑھ لیتا، ایک روز میری موجودگی میں حضرت شیخ نے مولانا یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ مولانا آپ کا کیا ذوق ہے؟ وتر کی نماز تنہا حرم شریف میں پڑھنا پسندیدہ ہے یا حرم سے باہر جماعت سے پڑھنا پسندیدہ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جماعت سے پڑھنا پسندیدہ ہے گو حرم سے باہر ہی ہو، اس پر حضرت شیخ نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو حرم شریف میں تنہا وتر پڑھنا پسند کرتے ہیں، اس کے بعد حضرت دام مجدہ نے فرمایا کہ میں پھر بھی تنہا حرم شریف ہی میں وتر پڑھتا رہا، اس لیے کہ حرم شریف کی فضیلت بہت بڑی ہے؛ مگر حضرت مولانا یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ وتر کی جماعت صرف رمضان میں ہوتی ہے، غیرِ رمضان میں وتر جماعت سے نہیں پڑھی جاتی، اس لیے جماعت سے پڑھنا افضل ہے گو حرم سے باہر ہی ہو۔ (ملفوظاتِ فقیہ الامت، قسط ۱/ ۱۳۸)

حرم کی جماعتِ تراویح کے بعد وتر پڑھنے کے لیے باہر جانے میں بھیڑ بھاڑ کی

وجہ سے وقت یا تہمت کا اندیشہ ہے یا صفوف کی ترتیب میں خلل ہوتا ہے اور حرم شریف کی جماعت میں شرکت کا شوق ہی ہے جیسا کہ آپ کے الفاظ ''حرم کی جماعت سے محروم کیوں رہا جائے'' سے ظاہر ہوتا ہے، تو حضرت اقدس مفتی نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتوی پر عمل کر لیجئے، فرماتے ہیں: ''اگر ان کے ساتھ وتر میں (دو رکعت پر سلام پھیرنے والے حضرات کی) جماعت میں شریک ہونا ہی پڑے تو دو رکعت نفل کی نیت کر کے شریک ہوں اور دوسری رکعت کے سلام پر اپنی یہ نماز ختم کر دیں اور پھر مستقل دو رکعت نفل کی نیت کر کے شریکِ جماعت ہو جائیں اور جب امام سلام پھیرے تو اپنی ایک رکعت مثلِ مسبوق کے پوری کر لیں''۔ (نظام الفتاوی، جدید ترتیب، جلد ۵، جزء ۱/ ۲۱۷) یہ چار رکعت نفل شمار ہوگی، وتر بعد میں پڑھنی ہوگی۔

الحاصل مسئلۂ وتر عبادات سے متعلق ہے، عبادات میں احتیاط کا پہلو ملحوظ رکھا جاتا ہے؛ اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ وتر میں دو رکعت پر سلام پھیرنے والے امام کی اقتداء نہ کی جائے جیسا کہ فتاوی رحیمیہ کے حوالہ میں گذرا؛ لیکن اگر کوئی ایسے امام کی اقتداء کرے تو اس کے ساتھ تشدد نہ برتے؛ اس لیے کہ بعض علماء نے وتر میں اقتداء کے جواز کا بھی فتوی دیا ہے جیسا کہ آپ نے سوال میں تحریر فرمایا ہے؛ نیز صاحب رسائل الارکان مولانا عبد العلی محمد بحر العلوم نے امام ابو بکر رازی کے قول کو ''وھو المختار'' تحریر فرمایا ہے۔ دیکھئے: رسائل الارکان ص/ ۱۰۸، مطبوعہ مطبع یوسفی، لکھنو۔

حضرت مولانا مفتی مرغوب احمد صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ مفتیٔ اعظم برما نے بھی جواز کا فتوی دیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے: مرغوب الفتاوی ۲/ ۴۶۷، رسالہ ''حرمین میں وترِ حنفی''۔

(ج) دو رکعت نفل کی نیت سے شرکت کی تفصیل اوپر نظام الفتاوی کے حوالہ سے گذر چکی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: عبدالقیوم راجکوٹی
الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ائمۂ حرم کی اقتدا میں وتر پڑھنا

سوال: رمضان شریف میں بہت سے حنفی حضرات حرمین شریفین عمرہ وزیارت کے لیے تشریف لے جاتے ہیں، حرمین شریفین میں ائمۂ کرام جو وتر پڑھاتے ہیں تو دو رکعت پر سلام پھیر کر الگ سے ایک رکعت اور پڑھتے ہیں، کیا حنفی حضرات وتر میں ان کی اقتدا کرے؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو کیا طریقہ ہوگا مقتدی کے لیے اقتدا کا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر امام وتر کی نماز فصل بالسلام سے ادا کرتا ہے تو حنفی حضرات کو چاہیے کہ ان کی اقتدا نہ کریں۔

(وصح الاقتداء فيه)(أي الوتر)ففي غيره أولى إن لم يتحقق منه ما يفسدها في اعتقاده في الأصح، كما بسطه في البحر بشافعي، مثلا لم يفصله بسلام، لا إن فصله على الأصح فيهما. (درمختار)(قوله على الأصح فيهما) أي في جواز أصل الاقتداء فيه بشافعي، وفي اشتراط عدم فصله. (شامي ١/٤٩٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ٦/ جمادی الاخریٰ ١٤٢٠ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

اول شب میں قبل الوتر تہجد

سوال: اگر کوئی بیدار نہ ہو سکنے کی مجبوری سے تہجد اول شب میں پڑھنا چاہے تو بعد الوتر پڑھے یا قبل الوتر؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قبل الوتر پڑھے۔

وتاخير الوتر إلى آخر الليل لواثق بالانتباه وإلا فقبل النوم (در مختار)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دیر سے رمضان کا ثبوت ہوا تو وتر کا اعادہ نہیں

سوال: عشاء کی نماز و وتر پڑھ لینے کے بعد دیر سے رمضان کے چاند ہونے کی خبر پہونچی، تو کیا تراویح پڑھنے کے بعد وتر کو دوبارہ جماعت سے پڑھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس صورت میں وتر کا اعادہ نہیں ہے۔

قال في التنوير: ووقتها بعد صلوٰة العشاء قبل الوتر وبعده (رد المحتار) (بحوالہ احسن الفتاوی ۳/ ۴۹۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حنفی کا وتر کی نماز میں شافعی امام کی اقتداء کرنا

سوال: کوئی حنفی المسلک وتر کی نماز میں شافعی کی اقتداء کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کرسکتا ہے تو قنوت وغیرہ تمام میں امام کی اتباع کرے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر شافعی امام وتر کی تینوں رکعات ایک ہی سلام سے پڑھاتا ہے، درمیان میں بذریعۂ سلام فصل نہیں کرتا، تب تو حنفی کے لیے وتر میں شافعی کی اقتداء درست ہے، ورنہ نہیں۔ (درمختار وشامی: ۱/ ۴۹۵) اگر امام وتر میں بعد رکوع قنوت پڑھتا ہے تو اس میں امام کا اتباع کرے۔ (حوالۂ بالا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ، ۲۸/ ذوالحجہ ۱۴۱۴ھ

دعائے قنوت پڑھے بغیر رکوع کرنا اور لقمہ دینے پر کھڑا ہونا

سوال: رمضان میں امام وتر کی نماز پڑھاتا ہو اور اس نے بھول کر دعاء قنوت نہیں پڑھی اور رکوع میں چلا گیا، پھر لقمہ دینے کی وجہ سے کھڑا ہو گیا پھر واجب پورا کرکے رکوع کرکے نماز سجدۂ سہو کے ساتھ پوری کی تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز درست ہوگئی۔ لوسها عن القنوت فركع فانه لو عاد وقنت لاتفسد على الاصح. (شامی ۱/ ۵۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب صلاۃ المعذور

صاحبِ عذر کی تعریف اور اس کا حکم

سوال: اگر کسی کو بار بار ہوا خارج ہونے کا مرض ہو یا پیشاب کے قطرے ٹپکنے کا مرض ہو تو وہ شخص نماز اور قرآن کی تلاوت کس طرح کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر نماز کا پورا وقت اس طرح گذرتا ہے کہ اس میں ریح (ہوا) خارج ہوتے رہنے اور پیشاب کے قطرے ٹپکتے رہنے کی وجہ سے اس کو اتنا وقت نہیں ملتا جس میں وضو کر کے طہارت کے ساتھ نماز ادا کر سکے تو ایسا شخص شرعاً معذور کہلاتا ہے، ایک مرتبہ شرعاً معذور بن جانے کے بعد آئندہ پورے وقت میں ایک دفعہ عذر پایا جانا کافی ہے، زوالِ عذر کے لیے ضروری ہے کہ پورا وقت عذر سے کلیۃً خالی نکل جائے، ایسے صاحبِ عذر کے لیے ہر وقت فرض کے لیے وضوء کرنا ضروری ہے، اور اسی وضوء سے فرض، واجب، نفل جو چاہے وقت کے اندر پڑھ سکتا ہے۔ (شامی ۱/ ۲۲۳) (احسن الفتاویٰ ۲/ ۷۴۔۷۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سلس البول یا خروج ریح والے مریض کی نماز

سوال: بار بار پیشاب کے قطرے گرنا یا منی کا نکلنا یا ہوا کا نکلنا، اس مرض کے

لیے نماز کے کیا مسائل ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر پوری ایک نماز کا وقت اس طرح گزر جائے کہ اس دوران پیشاب کے قطرے نکلنے یا ریح خارج ہونے کا سلسلہ اس طرح جاری رہے کہ درمیان میں اتنا وقت نہیں ملا کہ اس میں وہ اس نماز کے فرض پڑھ سکے، تو وہ شخص معذور ہے، ایسا آدمی ہر نماز کے وقت کے داخل ہونے پر ایک مرتبہ وضو کر لے اور نماز ادا کرے، چاہے اس کی بیماری کا یہ سلسلہ جاری ہو؛ البتہ اگر کوئی نیا ناقض وضو پیش آئے گا تو وضو ٹوٹ جائے گا، یہ مسئلہ مقامی عالم سے سمجھ لیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قیام، رکوع سے عاجز کس طرح نماز پڑھے؟

سوال: دینی کتاب ''رکنِ دین'' کے باب ۲۱ صفحہ ۱۸۵ میں بیمار کی نماز کے تعلق سے ایک سوال ہے: 'اگر ایک شخص نہ قیام پر قادر ہے نہ رکوع، سجود پر؛ مگر صرف بیٹھنے پر قادر ہے، یہ شخص کس طرح نماز ادا کرے؟

اس کا جواب کتاب میں اس طرح دیا ہے:

جواب: کہ یہ شخص بیٹھ کر سر کے اشارے سے نماز ادا کرے؛ مگر سجدہ کے لیے زیادہ جھکے، اگر رکوع وسجدہ کے جھکنے میں فرق نہ کرے گا تو نماز نہ ہوگی۔

برائے مہربانی ''بیٹھ کر'' لفظ کی تشریح کریں کہ آیا وہ شخص جو نہ مانڈی ڈال کر بیٹھ سکتا ہے، نہ پیر جوڑ کر قاعدہ میں بیٹھ سکتا ہے پیروں کے سوجن کی وجہ سے تو کیا وہ

اسٹول، کرسی وغیرہ پر بیٹھ کر نماز ادا کرسکتا ہے؟ اور کیا اس کے لیے تکبیر تحریمہ کھڑے ہوکر ادا کرنا بالکل ضروری ہے یا بیٹھ کر ادا کرسکتا ہے؟ اس کے علاوہ اگر اور کوئی پابندی ہو تو ضرور تحریر فرمادیں، برائے مہربانی جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عمدۃ الفقہ میں ہے: اگر قیام ورکوع وسجود سے عاجز ہے اور بیٹھنے پر قادر ہے تو بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے، اور اشارہ کی حقیقت سر کا جھکا دینا ہے، اور سجدہ کا اشارہ رکوع سے لازمی طور پر زیادہ نیچے کرے؛ مگر یہ ضروری نہیں، امکانی حد تک سر کو بالکل زمین سے قریب کردے، مطلب یہ ہے کہ رکوع کے لیے تھوڑا جھکے اور سجدہ میں اس سے زیادہ جھکے؛ تاکہ سجدہ رکوع سے ممتاز ہوجائے، پس اگر رکوع وسجود برابر کرے گا تو نماز صحیح نہ ہوگی، اگر رکوع وسجود سے عاجز ہے یا صرف سجدہ نہیں کرسکتا اور قیام پر قادر ہے تو مستحب اور افضل یہ ہے کہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھے؛ کیوں کہ قربِ زمین کی وجہ سے اس میں سجدہ کے ساتھ زیادہ مشابہت ہے، اور اگر کھڑے ہوکر اشارے سے نماز پڑھے تب بھی جائز ہے۔ (عمدۃ الفقہ ۲/ ۴۰۳-۴۰۴)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی پیروں کے سوجن کی وجہ سے زمین پر نہیں بیٹھ سکتا تو اسٹول یا کرسی وغیرہ پر بیٹھ کر نماز ادا کرسکتا ہے، اور چوں کہ وہ سجدہ کرنے پر قادر نہیں ہے، اس لیے اس کے لیے تکبیر تحریمہ کھڑے ہوکر ادا کرنا ضروری نہیں؛ بلکہ بیٹھ کر بھی ادا کرسکتا ہے، اور یہی افضل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ رجب المرجب ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

کرسی پر نماز پڑھنے کا حکم
مساجد میں کرسیوں کے رواج کی قباحتیں

سوال: ایک آدمی کے گھٹنوں میں درد ہے اور وہ درد اس طرح ہے کہ وہ چل پھر سکتے ہیں، اور تکلیف اس طرح ہے کہ جب سجدہ میں جاتے ہیں تو گھٹنوں پر وزن آنے کی وجہ سے گھٹنوں میں درد ہوتا ہے؛ نیز اس درد کے بڑھ جانے کا بھی اندیشہ ہے، تو بندہ نے ان کو اس طرح جواب دیا کہ چوں کہ آپ چل پھر سکتے ہیں؛ نیز قیام اور رکوع دونوں فرض بھی ہیں، لہٰذا قیام و رکوع کر لیا جاوے اور جب سجدہ کا موقع آوے تو کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے سجدہ کر لیا جاوے۔

یہ جواب تو بندہ نے دیا، بعد میں ایک عالم صاحب کے سامنے یہ مسئلہ بندہ نے پیش کیا، تو انہوں نے بتایا کہ بیٹھ کر اشارہ سے نماز پڑھ لی جاوے؛ تو مجھے تنبہ ہوا، تو پوچھنا یہ ہے کہ ایسا آدمی کس طرح نماز ادا کر سکتا ہے؟ نیز میرے بتائے ہوئے جواب کے متعلق ان کی نماز درست ہوگی یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو ان نمازوں کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کا جدید مفصل فتوی کرسی پر نماز پڑھنے سے متعلق ''ماہنامہ البلاغ'' میں شائع ہوا ہے، اس میں ہے: ''جو شخص کھڑے ہونے پر قادر ہو اور سجدہ نہ کر سکتا ہو، اسے قراءت کھڑے ہو کر ہی کرنی چاہیے اور اگر رکوع

پر بھی قادر ہے تو رکوع بھی باقاعدہ کرنا چاہیے، البتہ سجدے کے وقت زمین پر بیٹھ جائے، اور اشارے سے سجدہ کرے۔ اس کے بعد اگر دوسری رکعت کے لیے اٹھنے پر قادر ہو تو دوسری رکعت کے لیے بھی اٹھ جائے، اور اگر اس میں سخت مشقت ہو تو باقی نماز بیٹھ کر اشارے سے ادا کرے۔ یہ صورت اس لیے راجح ہے کہ اس صورت میں تمام ائمہ اور فقہاء کے نزدیک اس کی نماز باتفاق ہو جائے گی۔

آگے فرماتے ہیں: اشارہ سے نماز پڑھنے کے لیے کرسی پر بیٹھنا اگرچہ بعض حالات میں جائز ہے، لیکن افضل نہیں ہے، اس لیے بلا ضرورت اور بلا عذرِ معتبر کرسی استعمال نہیں کرنی چاہیے، بلکہ آج کل کھڑے ہو کر یا زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھنے پر قدرت ہونے کے باوجود کرسیوں پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے کا جو رواج چل پڑا ہے اس میں درجِ ذیل وجوہات کی بنا پر قباحت ہے۔

① معذور افراد کے لیے زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا افضل اور مسنون طریقہ ہے۔ اسی پر حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد کے لوگوں کا عمل چلا آرہا ہے، کرسی پر نماز ادا کرنے کا رواج ہمارے زمانے میں ہی شروع ہوا ہے، خیر القرون میں اس کی نظیر نہیں ملتی، حالاں کہ اس زمانے میں معذور افراد بھی ہوتے تھے، اور کرسیاں بھی ہوتی تھیں۔

② جو لوگ شرعی لحاظ سے معذور نہیں ہیں، یعنی قیام، رکوع اور سجدہ پر قادر ہیں، ان کے لیے زمین پر یا کرسی پر بیٹھ کر فرض وواجب نماز ادا کرنا جائز ہی نہیں، جب کہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض اوقات ایسے غیر معذور افراد بھی کرسیاں دیکھ کر ان پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی نماز ہی نہیں ہوتی۔

③ کرسیوں کے بلا عذر استعمال سے صفوں کو درست اور سیدھا رکھنے میں

بہت خلل واقع ہوتا ہے، حالاں کہ صفوں کو ملانے اور سیدھا کرنے کی بہت تاکید آئی ہے، ایک حدیث شریف میں ہے: راصوا صفوفکم و قاربوا بینها وحاذوا بالاعناق فوالذی نفسی بیده انی لاری الشیطان یدخل من خلل الصف کانها الخذف. (سنن النسائی ۳ /۳۱۱، ح:۸۰۶) (ترجمہ) اپنی صفیں ملی ہوئی رکھو اور ان کو آپس میں قریب رکھو اور اپنی گردنیں برابر رکھو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں شیطان کو بکری کے کالے بچے کی طرح صفوں کی کشادگی میں گھستے دیکھتا ہوں۔ (از: مظاہر حق ۱ / ۷۲۳)

④ مساجد میں بلا ضرورت کرسیوں کی کثرت سے عیسائیوں کے گرجا اور یہودیوں کی عبادت گاہ سے مشابہت معلوم ہوتی ہے، جہاں کرسیوں اور بنچوں پر بیٹھ کر عیسائی لوگ عبادت کرتے ہیں اور دینی امور میں یہود و نصاریٰ وغیرہ کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔

⑤ نماز تواضع اور انکساری کی عبادت ہے اور کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے کے مقابلے میں زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے میں یہ انکساری بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔

⑥ بعض جوان اور تندرست نمازی حضرات نماز کے بعد ان کرسیوں پر آرام کرتے ہیں اور بعض مرتبہ ایسے نمازی کرسیوں کو ایک دائرے کی شکل دے کر اس پر بیٹھ کر باتوں میں مشغول رہتے ہیں، جو مسجد کے تقدس اور اس کی شان اور ادب کے خلاف ہے۔

⑦ مساجد میں بلا عذر کرسیوں کا استعمال بعض صورتوں میں قرآنِ کریم اور بزرگ نمازیوں کے ادب واحترام کے خلاف ہوجاتا ہے۔

اس لیے اشارہ سے نماز پڑھنے کے لیے بھی حتی الامکان کرسیوں کے استعمال سے بچنا چاہیے اور ان کے استعمال کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے اور ان کا استعمال صرف ان حضرات کی حد تک محدود کرنا چاہیے جو زمین پر بیٹھ کر نماز ادا کرنے پر قادر نہ ہوں؛ البتہ رکوع، سجدے سے معذور افراد کے لیے کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا اس لیے جائز ہے کہ جب کوئی شخص رکوع، سجدے پر قادر نہ ہو تو اس کے لیے اگرچہ افضل یہی ہے کہ وہ زمین پر بیٹھ کر اشارے سے نماز ادا کرے جیسا کہ حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے، لیکن فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ ایسا شخص اگر کھڑے کھڑے رکوع اور سجدے کا اشارہ کرلے تو جائز ہوگا۔ چناں چہ فتح القدیر میں ہے کہ: ”و لو أومأ قائما جاز إلا أن الايماء قاعدا أفضل؛ لانه أقرب الى السجود“.(فتح القدير ١ /٤٦٠)

لہذا جب اشارے سے نماز پڑھنے والے کے لیے زمین ہی پر بیٹھ کر پڑھنا متعین اور ضروری نہ ہوا، بلکہ کھڑے ہو کر اشارے سے بھی پڑھنا جائز ہے، تو کرسی پر بیٹھ کر بھی اشارے سے پڑھنا جائز ہے، البتہ کرسی کے مقابلہ میں زمین پر بیٹھنا افضل ہے کیوں کہ زمین پر بیٹھنے والا اقرب الی الارض یعنی زمین کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ (ماہنامہ البلاغ، کراچی، جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ/ اپریل ۲۰۱۳ء، ص/ ۴۶ تا ۴۸)

صورتِ مسؤلہ میں آپ نے اس معذور آدمی کو جو مسئلہ بتایا وہ صحیح ہے۔ اس کی نماز درست ہوگئی، اعادہ کی ضرورت نہیں۔ (ایضاً)

اگر وہ شخص زمین پر بیٹھ کر سجدہ کا اشارہ کرسکتا ہے تو اس کے لیے یہی افضل ہے کہ زمین پر بیٹھ کر اشارہ کرے۔ (ایضاً) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

معذور شخص کے لیے ٹیبل وغیرہ پر سجدہ کرنے کا حکم

سوال: اگر زمین پر سجدہ کی قدرت نہ ہو تو تکیہ، ٹیبل وغیرہ کسی بلند چیز پر کیا سجدہ کرنا فرض ہے؟

ایک مدرسہ کے ماہنامہ گجراتی رسالہ میں شائع شدہ فتاویٰ - جس کی عکسی تحریر بھی ساتھ ہے - جس کی خط کشیدہ عبارت میں دو جگہ زمین پر سجدہ سے معذور کے لیے کسی بلند چیز جس کی بلندی ۹ / انچ سے زیادہ نہ ہو پر سجدہ کرنا فرض لکھا ہے۔ جس کی وجہ سے بعض جگہوں پر شدید اضطراب و ہنگامہ ہے۔

نیز یہ اظہار بھی ضروری ہے کہ، صاحب فتویٰ کی تنقیص یا تعریض یا تعاقب قطعاً مقصود نہیں، صرف رفع انتشار بین العلماء والعوام اور تسہیل فی العمل کا قصد ہے، غالباً کسی وجہ سے مرجوح روایت نقل ہوگئی ہو؛ کیوں کہ دلائل اور راجح قول اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ واللہ أعلم وعلمه أتم

بہشتی زیور اختری: فی صلاۃ المریض:

مسئلہ (۳): سجدہ کرنے کے لیے تکیہ وغیرہ کوئی اونچی چیز رکھ لینا اور اس پر سجدہ کرنا بہتر نہیں، جب سجدہ کی قدرت نہ ہو تو بس اشارہ کرلیا کرے، تکیہ کے اوپر سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

وعلیٰ حاشتیه نقلا عن شرح البداية وعن شرح التنوير:

فإن لم يستطع الركوع والسجود أومیٰ إيماء، وجعل سجوده أخفض من ركوعه، ولا يرفع إلیٰ وجهه شيئا يسجد عليه (اختری ۲ /۴۵)

نصب الراية (الطبع بدابهيل):عن جابر أن النبيﷺعاد مريضا، فرأٰه يصلي علىٰ وسادة فأخذها، فرمىٰ بها، فأخذ عودا ليصلي عليه، فأخذه فرمىٰ به، وقال: صل على الأرض إن استطعت؛ وإلافاومي إيماء، واجعل سجودك أخفض من ركوعك (٢/ ١٧٥)

وفيه عن ابن عمر قال: قال رسول اللهﷺ: من استطاع منكم أن يسجد فليسجد، ومن لم يستطع فلا يرفع إلىٰ جبهته شيئا يسجد عليه، وليكن ركوعه وسجوده يومي برأسه (٢/ ١٧٦)

هداية في صلاة المريض:

ولايرفع إلىٰ وجهه شيء يسجد عليه، لقولهں:إن قدرت أن تسجد على الأرض فاسجد؛ وإلا فاوم برأسك (١/ ١٦١)

بدائع الصنائع، دارالكتاب ديوبند:

عن علي أن النبي ﷺ قال في صلاة المريض: إن لم يستطع أن يسجد أومأ، وجعل سجوده أخفض من ركوعه (١/ ٢٨٤)

وروي عن النبيﷺ أنه قال: من لم يقدر على السجود فليجعل سجوده ركوعا، وركوعه إيماء، والركوع أخفض من الإيماء (١/ ٢٨٤)

وعلىٰ هامشه: من حديث ابن مسعود موقوفا: إن استطعت أن تسجد على الأرض فاسجد؛ وإلا فاومئ إيماء، واجعل السجود أخفض من الركوع (١/ ٢٨٥)

وفيه: لورفع إلىٰ وجه المريض وسادة أو شيئا فسجدعليه من غير أن يؤمي لم يجز؛ لأن الفرض في حقه الإيماء ولم يوجد، ويكره أن يفعل هذا؛ لما روي عن النبيﷺ: دخل علىٰ مريض يعوده، فوجده

يصلي كذلك، فقال: إن قدرت أن تسجد على الأرض فاسجد؛ وإلا فأوم رأسك (۱/ ۲۸۹)

وفيه: روي عن عبدالله بن مسعود: دخل علىٰ أخيه يعوده، فوجده يصلي ويرفع إليه عود فيسجد عليه، فنزع ذلك من يد من كان في يده، وقال: هذا شيء عرض لكم الشيطان، أوم لسجودك.(۱/ ۲۸۹)

(العود: لکڑی کٹی ہوئی ٹہنی[مصباح:۵۸۳])

وفيه: روي ان ابن عمر رأى ذلك من مريض فقال: أتتخذون مع الله آلهة أخرىٰ؟ فإن فعل ذلك ينظر، إن كان يخفض رأسه للركوع شيئا ثم للسجود ثم يلزق بجبينه يجوز (أي الصلاة)؛ لوجود الإيماء، لا للسجود علىٰ ذلك الشيء، فإن كانت الوسادة موضوعة على الأرض وكان يسجد عليها جازت صلاته؛ لما روي أن أم سلمة كانت تسجد علىٰ مرفقة موضوعة بين يديها لرمد بها، ولم يمنعها رسول الله ﷺ (۱/ ۲۸۹)

(المرفقة: چھوٹا تکیہ جس پر سوتے ہوئے رخسارہ رکھتے ہیں۔[مصباح:۳۰۶])

ان اقوال واحادیث سے یہ امور ظاہر ہوتے ہیں:

① **بوقت قدرت زمین پر سجدہ۔** كما في البدائع (۱/ ۱۰۵) مكن جبهتك وأنفك من الأرض.

② **بوقت عدم قدرت فقط اشارہ۔** (إيماء لا علىٰ شيء) كما ورد عليه عامة النصوص وعليه أصحاب المتون.

③ **زمین پر تکیہ وغیرہ رکھ کر سجدہ کرنا اباحت مرجوحہ،** كما اختاره بهشتي زيور، ولأن حديث أم سلمة فعلي وما سواه قولي، وفيهم صيغ الأمر

وحديث أم سلمة ليس كذلك.

④ کوئی چیز اونچی اٹھا کر سجدہ کرنا یہ منع ہے۔ كما منع ابن مسعود وابن عمر، واختاره الهداية كما مر.

اب سوال یہ ہے کہ:

① ٹیبل وغیرہ پر سجدہ کی فرضیت کی ترجیح کس دلیل سے؟

② یہ کہ ۹/ انچ یا اس سے کم بلندی پر سجدہ کی فرضیت کس وجہ سے؟

③ نیز یہ ۹/ انچ (نصف ذراع) سجدہ میں کہاں سے اخذ کیا ہے؟

السائل: فضل الرحمن ابن مولانا آدم صاحب طالع پوری

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

آپ نے جس فتویٰ پر اشکالات کیے ہیں اُس کے مجیب باحیات اور سلامت موجود ہیں، چاہیے تو یہ تھا کہ آپ اپنا یہ سوال ان ہی کی خدمت میں بھیجتے، اب جب کہ آپ نے ہم سے ہی جواب کا مطالبہ فرمایا ہے تو اصل جواب سے پہلے بطورِ تمہید چند باتیں پیش کی جاتی ہیں؛ تاکہ اصل جواب پر کوئی اشکال باقی نہ رہے۔

① اولاً تو آپ کے سوال کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے: آپ نے فتویٰ کے دو مقامات پر اشکال کیا ہے، اُن میں سے ایک مقام ''زمین پر بیٹھ کر اشارہ سے سجدہ کرنا'' کے عنوان کے ماتحت ہے، جس میں سوال کیا گیا ہے کہ زمین پر بیٹھ کر فرض، واجب یا نفل نماز پڑھنے والا زمین پر پیشانی رکھے بغیر صرف سر کو جھکا کر اشارہ سے سجدہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اِس کے جواب میں مفتی صاحب نے لکھا ہے کہ: ''نماز کے ارکان: قیام،

رکوع، سجدہ، قعدہ؛ وغیرہ میں سجدہ کو خصوصی امتیازی حیثیت حاصل ہے، اور سجدہ یہ نماز کی روح ہے؛ اس لیے زمین پر بیٹھ کر کسی بھی قسم کی نماز پڑھنے والا نمازی اگر زمین پر پیشانی رکھ کر سجدہ کرسکتا ہے، یا زمین پر ٹپائی وغیرہ سخت چیز جو زمین سے نو انچ یا اس سے کم اونچی ہو اس پر پیشانی رکھ کر سجدہ کرسکتا ہے، تو اِن دونوں صورتوں میں زمین پر یا سجدہ کے لائق سخت چیز سجدہ کی جگہ پر رکھ کر اس پر سجدہ کرنا ضروری اور فرض ہے، اِن دونوں صورتوں میں صرف سر جھکا کر سر کے اشارہ سے سجدہ کرنا کافی نہیں، اور ان دونوں صورتوں میں اس طرح صرف سر کے اشارہ سے سجدہ کرنے سے نماز صحیح نہیں ہوگی، اور اس کے لیے ضروری ہے کہ سجدہ کے ساتھ دوبارہ نماز کا اعادہ کرے"۔

② جو بیمار حقیقی سجود پر قدرت رکھتا ہو اس کے لیے ایماء یعنی صرف سر کے اشارہ سے سجدہ کرنا درست نہیں۔

کنز میں ہے: تعذر عليه القيام أو خاف زيادة المرض صلى قاعدا يركع ويسجد، ومومئا إن تعذر، وجعل سجوده أخفض.

بحر الرائق میں ہے: قوله: ومومئا إن تعذر، أي: يصلي مومئا وهو قاعد إن تعذر الركوع والسجود لما قدمناه، ولأن الطاعة بحسب الطاقة (٢/١٢٢)

درمختار میں ہے: وإن تعذرا ليس تعذرهماشرطا بل تعذر السجود كاف لا القيام أومأ قاعدا، وهو أفضل من الإيماء قائما لقربه من الأرض (درمختار على هامش الشامى ١/٥٦٠)

وإن عجز عن القيام والركوع والسجود وقدر على القعود يصلي قاعدا بإيماء، ويجعل السجود أخفض من الركوع، كذا في فتاوىٰ

قاضي خان حتىٰ لو سوى لم يصح، كذا في البحر الرائق وكذا لو عجز عن الركوع والسجود وقدر على القيام فالمستحب أن يصلي قاعدا بإيماء، وإن صلىٰ قائما بإيماء جاز عندنا، هكذا في فتاوىٰ قاضي خان. (هنديه١/ ١٣٦)

بدائع میں ہے: فإذا عجز عن القيام يصلي قاعدا بركوع وسجود، فإن عجز عن الركوع والسجود يصلي قاعدا بالإيماء، ويجعل السجود أخفض من الركوع (بدائع ١/ ١٠٥،١٠٦)

③ یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ، حقیقی سجود پر قدرت رکھنے والا کس کو کہا جائے؟ تو ظاہر ہے کہ شرعاً جس سجدہ کو معتبر اور صحیح قرار دیا گیا ہے جو بیمار اُس طرح کا سجدہ کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو اُسی کو اِیماء یعنی سر کے اشارہ سے سجدہ کرنے کی اجازت ہوگی۔ فقہاء نے جہاں سجدہ کی کیفیت سے بحث کی ہے وہاں لکھا ہے کہ: زمین پر پیشانی رکھنے کو سجدہ کہتے ہیں، کسی نرم چیز پر جس میں سر ناک دھنس جائے اور ناک اور پیشانی قرار نہ پکڑے، مثلاً: گھاس یا روئی وغیرہ پر سجدہ کیا تو سجدہ جائز نہیں، اور اگر اُس کی پیشانی اور ناک قرار پکڑے اور اس جگہ کی سختی معلوم ہو، یعنی اب اگر مبالغہ کیا جائے تو نہ دبے اور سر نیچے نہ جائے تو سجدہ جائز اور درست ہے۔

نیز سجدہ کی جگہ پاؤں کی جگہ سے آدھ گز شرعی (ایک بالشت) یعنی نو انچ تک اونچی ہو تو سجدہ جائز ہے، اور اگر اس سے زیادہ اونچی ہو تو جائز نہیں۔

چناں چہ نور الایضاح میں "باب شروط الصلاة وأركانها" کے عنوان کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں: لابد لصحة الصلاة من سبعة وعشرين شيئا۔

آگے نمبر ١٧/ پر لکھا ہے: والسجود علىٰ مايجد حجمه وتستقر عليه

جبهته. إلخ

اس کے بعد نمبر ۱۸/ پر لکھا ہے: وعدم ارتفاع محل السجود عن موضع القدمين بأكثر من نصف ذراع، وإن زاد على نصف ذراع لم يجز السجود إلا لزحمة سجد على ظهر مصل صلاته.

(نور الايضاح الطبعة الجديدة ص:۱۹۹)

مراقی الفلاح میں ہے: ومن شروط صحة السجود: عدم ارتفاع محل السجود عن موضع القدمين بأكثر من نصف ذراع ليتحقق صفة الساجد، والارتفاع القليل لا يضر، وإن زاد على نصف ذراع لم يجز السجود، أي: لم يقع معتدا به، فإن فعل غيره معتبرا صح، وإن انصرف من صلاته ولم يعده بطل. (مراقي الفلاح على هامش الطحطاوي)

طحطاوی میں ہے: والارتفاع القليل وهو ما كان من نصف ذراع فأقل. (ص:۱۴۶)

طحطاوی علی الدر میں ہے: إذا سجد المريض على شيء موضوع على الأرض صح على أنها سجود إن وجد قوة الأرض وكان ارتفاعه أقل من نصف ذراع؛ وإلا فهو إيماء قال الحلبي: وقوله: فكان ارتفاعه أقل من نصف ذراع، ظاهره أن الارتفاع نصف ذراع مضر في السجود وليس كذلك؛ بل المضر ماكان أكثر عند عدم الضرورة قال أبو السعود: ولو سجد على ما يجد حجمه من وسادة لم يكن ارتفاعها القدر المانع بأن كان قدر لبنة أو لبنتين جاز على أنها بركوع وسجود، انتهى وقال في شرح الملتقى: إلا أن يجد قوة الأرض فتكون صلاته بالركوع والسجود، كما أفاده المصنف واستفيد من هذين النصين أن الركوع في هذه المسئلة

حقيقي كالسجود (طحطاوي على الدر ١ /٥٠٥)

منقولہ بالا عبارات سے یہ بات صاف ہوگئی کہ، جو آدمی سپاٹ زمین پر سجدہ کرنے پر کسی وجہ سے قادر نہ ہو اور وہ کوئی اونچی سخت اور ٹھوس چیز رکھ کر سجدہ کرے بہ شرطے کہ اُس کی اونچائی ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو تو اس کو حقیقتاً سجدہ کرنے والا سمجھا جائے گا، اور اس کے متعلق یہ کہنا درست نہیں کہ: وہ سجدہ کرنے سے معذور ہے، لہٰذا بہ ذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے اس کا سجدہ کرنا معتبر نہ ہوگا، اور اس کی وہ نماز درست قرار نہ دی جائے گی۔

صاحب درمختار بہ ذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے کیے جانے والے رکوع اور سجدہ کی تشریح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

ويجعل سجوده أخفض من ركوعه لزوما، ولا يرفع إلىٰ وجهه شيئا يسجد عليه فإنه يكره تحريما، فإن فعل للبناء على المجهول -ذكره العيني- وهو يخفض برأسه لسجوده أكثر من ركوعه صح علىٰ أنها إيماء لا سجود؛ إلا أن يجد قوة الأرض، وإلا يخفض لا يصح لعدم الإيماء. (در علىٰ هامش الشامي ١ /٥٦١)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: (قوله إلا أن يجد قوة الأرض) هذا الاستثناء مبنى علىٰ أن قوله: ولا يرفع إلخ شامل لما إذا كان موضوعا على الأرض، وهو خلاف المتبادر؛ بل المتبادر كون المرفوع محمولا بيده أو يد غيره وعليه، فالاستثناء منقطع لاختصاص ذلك بالموضوع على الأرض؛ ولذا قال الزيلعي: كان ينبغي أن يقال: إن كان ذلك الموضوع يصح السجود عليه كان سجودا؛ وإلا فإيماء اهـ وجزم به في شرح المنية،

واعترضه في النهر بقوله: وعندي فيه نظر؛ لأن خفض الرأس بالركوع ليس إلا إيماء، ومعلوم أنه لا يصح السجود بدون الركوع ولو كان الموضوع مما يصح السجود عليه اهـ أقول: الحق التفصيل، وهو: أنه إن كان ركوعه بمجرد إيماء الراس من غير إنحناء وميل الظهر فهذا إيماء لا ركوع، فلا يعتبر السجود بعد الإيماء مطلقا، وإن كان مع الانحناء كان ركوعا معتبرا حتىٰ أنه يصح من المتطوع القادر على القيام، فحينئذ ينظر إن كان الموضوع مما يصح السجود عليه كحجر مثلا ولم يزد ارتفاعه علىٰ قدر لبنة أو لبنتين فهو سجود حقيقي، فيكون راكعا ساجدا لا مومئا، حتىٰ أنه يصح اقتداء القائم به، وإذا قدر في صلاته على القيام يتمها قائما، وإن لم يكن الموضوع كذلك يكون مومئا فلا يصح اقتداء القائم به، وإذا قدر فيها على القيام استأنفها؛ بل يظهر لي: أنه لو كان قادرا علىٰ وضع شيء على الأرض مما يصح السجود عليه أنه يلزمه ذلك؛ لأنه قادر على الركوع والسجود حقيقة، ولا يصح الإيماء بهما مع القدرة عليهما؛ بل شرطه تعذرهما، كما هو موضوع المسئلة (١/٥٦١)

اِس میں خط کشیدہ عبارت کو بغور پڑھیں۔

④ جو آدمی حقیقۃً سجود پر قادر نہ ہو وہ بذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے سجدہ کرے گا، اِس صورت میں کوئی چیز اٹھا کر اس کی پیشانی اور ناک کے ساتھ لگانے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ ایسا کرنا مکروہ ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ جب اس کا سجدہ سر کے اشارہ سے ہو رہا ہے تو پیشانی اور ناک کے زمین پر یا زمین پر رکھی ہوئی ایک بالشت یا اس سے کم اونچی کسی سخت چیز پر رکھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، گویا اس کا سجدہ

پیشانی اور ناک سے نہیں؛ بلکہ سر کے اشارہ سے ادا ہو رہا ہے، جب یہ صورت حال ہے تو کوئی چیز اٹھا کر اس کی پیشانی اور ناک سے لگانا فضول ہے، جس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اوپر جو عبارات پیش کی گئیں اُن میں اِس کی بھی صراحت موجود ہے۔

اب آپ کے پہلے اشکال کا جواب صاف ہو گیا کہ، زمین پر ٹپائی وغیرہ سخت چیز جو زمین سے نو اِنچ یا اس سے کم اونچی ہو اس پر پیشانی رکھ کر جو نمازی سجدہ کر سکتا ہے، وہ چوں کہ حقیقتاً سجدہ پر قادر ہے؛ اِس لیے مفتی صاحب نے اُس کے لیے ضروری قرار دیا کہ وہ اس صورت میں اِسی طرح یعنی ٹپائی وغیرہ سخت چیز رکھ کر اس پر سجدہ کرے، اِس صورت میں صرف سر جھکا کر سر کے اشارہ سے سجدہ کرنا کافی نہیں۔ نیز چوں کہ یہ سجدہ حقیقی سجدہ ہے، بہ ذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے نہیں ہے؛ اس لیے یہ ٹپائی جو رکھی گئی ہے اُس کو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی چیز اُس کے سر کی طرف اٹھائی گئی ہے، یہ ممانعت تو اُس وقت ہے جب کہ سجدہ بہ ذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے ہو؛ اِس لیے آپ نے چہرہ کی طرف کسی چیز کے اُٹھائے جانے کی ممانعت کے سلسلہ میں جو روایات اپنے سوال میں بہ طورِ اشکال درج کی ہیں وہ یہاں پیش نہیں کی جا سکتیں۔

حضرت مفتی صاحب زید مجدہم کے جواب کی تائید ''احسن الفتاویٰ'' کے جواب سے بھی ہوتی ہے، ملاحظہ ہو:

''اگر سر اتنا جھکایا جا سکتا ہو کہ زمین تک ایک بالشت یا اِس سے کم فاصلہ رہ جائے تو کسی اینٹ یا ٹپائی وغیرہ پر سجدہ کرنا لازم ہے، اشارہ سے نماز نہ ہوگی''۔ اِلخ (احسن الفتاویٰ ۴/۵۵)

مولانا مفتی سلمان صاحب منصور پوری زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں:

جو شخص سپاٹ زمین پر سجدہ کرنے پر کسی وجہ سے قادر نہ ہو اور کوئی اونچی چیز رکھ کر اس پر سجدہ کرے، تو اگر وہ چیز سخت اور ٹھوس ہے اور اس کی اونچائی دو اینٹ سے زیادہ نہیں ہے تو اُس کو حقیقتاً سجدہ کرنے والا سمجھا جائے گا، اور اسے سجدہ کرنے سے معذور قرار نہیں دیں گے، اور اسی طرح سجدہ کرنا اس پر لازم ہوگا۔ (کتاب المسائل ۱/ ۵۳۳)

آپ کا دوسرا اشکال ''کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے سجدہ کرنا'' کے عنوان کے ماتحت دیے گئے جواب پر ہے، پہلے مفتی صاحب کے جواب کی عبارت پیش کرتا ہوں، وہو ہذا:

''جو نمازی کھڑے رہ کر نماز نہ پڑھ سکنے اور زمین پر بیٹھ کر نماز نہ پڑھ سکنے کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھے، تو اگر وہ نمازی اپنے سامنے سجدہ کی جگہ پر کوئی ٹیبل وغیرہ رکھ کر اس پر پیشانی رکھ کر سجدہ کر سکتا ہو اور وہ ٹیبل اونچائی میں کرسی کے برابر یا نو اِنچ اونچا ہو، اِس سے زیادہ اونچا نہ ہو تو اُس کے لیے اپنے سامنے اس طرح کا ٹیبل رکھ کر اُس پر سجدہ کرنا فرض ہے، کرسی پر بیٹھ کر اس طرح سجدہ کر سکنے کی صورت میں صرف سر کے اشارہ سے یا تھوڑا جھک کر سجدہ کرنا درست نہیں، اور اس صورت میں صرف سر کے اشارہ سے یا تھوڑا جھک کر سجدہ کرنے سے نماز صحیح نہ ہوگی''۔

آپ کے اِس اشکال کا جواب دینے سے پہلے یہ فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ، سجدہ کی حالت میں گھٹنوں کا زمین پر رکھنا کیا حکم رکھتا ہے؟ اِس سلسلہ میں تین قول ہیں:

چناں چہ صاحب درمختار نے باب صفة الصلاة میں سجدہ میں جانے کی جو کیفیت بیان کی ہے، وہاں فرماتے ہیں: ویسجد واضعا رکبتیه أولاً لقربهما من الأرض ثم یدیه۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (قوله واضعا

ركبتيه ثم يديه) قدمنا الخلاف في أنه سنة أو فرض أو واجب؟(درمختار مع الشامي/ ٣٦٨) یعنی گھٹنوں کو زمین پر رکھنے کے سلسلہ میں اختلاف ہے، کہ وہ سنت ہے یا فرض ہے یا واجب ہے؟ چناں چہ فقیہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ اِس کے فرض ہونے کے قائل ہیں، علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ نے ''نورالایضاح'' میں اِسی کو اختیار فرمایا ہے، چناں چہ ''باب شروط الصلاة وأركانها'' کے ماتحت فرماتے ہیں: لابد لصحة الصلاة من سبعة وعشرين شيئا. آگے اِس کی تفصیل کرتے ہوئے انیسویں نمبر پر سجدہ کا طریقہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ووضع اليدين والركبتين في الصحيح (نور الايضاح ص:٢٠٠الطبعة الجديدة)

لیکن فتویٰ اِس کی عدم فرضیت پر ہے، چناں چہ صاحب درمختار نے جہاں نماز کی سنتوں کو بیان کیا ہے وہاں پر تحریر فرماتے ہیں: ووضع يديه وركبتيه في السجود (درمختار مع الشامي/ ٣٥٢) جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ، صاحب درمختار کے نزدیک یہ سنت ہے۔

اِسی کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (قوله ووضع يديه وركبتيه) هو ما صرح به كثير من المشائخ، واختار الفقيه أبو الليث الافتراض، ومشىٰ عليه الشرنبلالي، والفتوىٰ علىٰ عدمه كما في التجنيس والخلاصة، واختار في الفتح الوجوب؛ لأنه مقتضى الحديث مع المواظبة قال في البحر: وهو إن شاء الله أعدل الأقاويل لموافقة الأصول اه وقال في الحلية: وهو حسن ماش على القواعد المذهبية، ثم ذكره أن يؤيده (شامي/ ٣٥٢)

اِس سے یہ معلوم ہوا کہ، اکثر مشائخ بوقت سجدہ گھٹنوں کو زمین پر رکھنے کی سنیت کے قائل ہیں، اگرچہ بقول علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ راجح اور معتدل قول وجوب کا ہے۔

وہ شخص جو زمین پر بیٹھ کر سجدہ کرنے سے معذور ہے اور بیماری کی وجہ سے گھٹنوں کو زمین پر رکھ کر سجدہ نہ کر سکنے کی وجہ سے کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کر رہا ہے، اور اپنے سامنے ٹیبل وغیرہ ایسی چیز جس کی سطح اس کی کرسی کی سطح سے نو اِنچ سے زیادہ اونچی نہ ہو رکھ کر اُس پر پیشانی رکھ کر سجدہ کر سکتا ہے، تو کیا اُس کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے؟

جن حضرات کے نزدیک سجدہ میں گھٹنوں کو زمین پر رکھنا فرض ہے جیسے کہ صاحب نور الایضاح علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ، اُن کے مسلک کے اعتبار سے تو جب یہ آدمی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور زمین پر گھٹنے ٹیک کر سجدہ کرنے سے معذور ہے تو اس کے حق میں حقیقی سجود کا تحقق نہ ہونے کی وجہ سے بہ ذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے سجدہ کرنے کا حکم جاری ہوتا ہے؛ اِس لیے سامنے ٹیبل رکھ کر اس پر پیشانی رکھنے کی طاقت ہونے کے باوجود ایسا کرنا اس کے لیے ضروری نہیں؛ کیوں کہ اس کا سجدہ بذریعۂ ایماء ہو رہا ہے، اور وہ ٹیبل پر پیشانی رکھنے پر موقوف نہیں؛ بلکہ اس کے بغیر بھی بذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے سجدہ کا تحقق ہو رہا ہے۔ البتہ جن حضرات کے نزدیک سجدۂ حقیقی میں گھٹنوں کو زمین پر رکھنا فرض نہیں؛ بلکہ واجب ہے، ان کے نزدیک جب یہ شخص اس پر قادر نہیں تو یہ وجوب اس سے ساقط ہو کر اس کے بغیر بھی اس کے حق میں سجدۂ حقیقی کا تحقق ہو سکے گا، اور جن حضرات کے نزدیک یہ سنت ہے اُن کے نزدیک تو بصورت عذر بطریق اولیٰ سجدۂ حقیقی کا تحقق ہوگا؛ اِس لیے ان دونوں فریق کے بقول کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والا معذور شخص سامنے ٹیبل رکھ کر جس کی اونچائی اُس کی کرسی کی سطح سے نو اِنچ

سے زیادہ نہ ہو پیشانی رکھ کر سجدہ کرنے پر قادر ہے تو اُس کے حق میں سجود حقیقی کا تحقق ہونے کی وجہ سے اُس کے لیے ایسا کرنا ضروری قرار دیا جائے، اِسی میں احتیاط ہے؛ اِس لیے حضرت مفتی صاحب نے اپنے جواب میں جو لکھا ہے وہ بالکل درست ہے۔

''احسن الفتاویٰ'' میں ریل گاڑی اور بس میں نماز کا جو طریقہ بتلایا ہے وہ نقل کیا جاتا ہے:

''ریل گاڑی اور بس میں کھڑے ہو کر قبلہ رخ نماز پڑھیں، گرنے کا خطرہ ہو تو کسی چیز سے ٹیک لگا کر یا ہاتھ سے کوئی چیز پکڑ کر کھڑے ہوں، حالتِ قیام میں ہاتھ باندھنا سنت ہے، فرض نہیں، اور قیام فرض ہے؛ اِس لیے بوقت ضرورت ہاتھ چھوڑ کر کسی چیز کو پکڑ کر کھڑا ہو۔ اگر قبلہ رخ ہونے کی گنجائش نہ ہو تو دو نشستوں کے درمیان قبلہ رخ کھڑا ہو کر قیام و رکوع کا فرض ادا کرے، اور سجدہ کے لیے پچھلی نشست پر کرسی کی طرح بیٹھ جائے یعنی پاؤں نیچے ہی رہیں، اور سامنے کی نشست پر سجدہ کرے، اِس صورت میں بحالتِ سجدہ گھٹنے کسی چیز پر نہیں ٹکیں گے؛ مگر سجدہ میں گھٹنے رکھنا فرض نہیں؛ بلکہ واجب یا سنت ہے، بوقت عذر اُس کے ترک سے نماز ہو جائے گی''۔

(احسن الفتاویٰ ۴/۸۸)

نوٹ: اُس کو قیام کے بجائے بیٹھنے اور رکوع کے بجائے ایماء یعنی سر کے اشارہ سے رکوع کی اجازت اس لیے تھی کہ، اس کے حق میں یہ سمجھا گیا تھا کہ اس کا سجود حقیقی نہیں ہے؛ بلکہ بذریعۂ ایماء یعنی سر کے اشارہ سے ہے، اور ایسا آدمی جو سجودِ حقیقی پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے سجدہ بذریعۂ ایماء کر رہا ہو اُس کے لیے قیام و رکوع پر حقیقتاً قدرت ہوتے ہوئے بیٹھ کر سجدہ کی طرح رکوع بھی بذریعۂ ایماء ادا کرنا افضل ہے؛

لیکن اب جب کہ یہ محقق ہو گیا کہ، کرسی پر بیٹھ کر بھی سجدۂ حقیقی ہوتا ہے، تو کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والا جو شخص قیام اور رکوع کرنے پر قادر ہے وہ بحالت قیام کرسی پر نہ بیٹھے؛ بلکہ کھڑا رہے، پھر بوقت رکوع حقیقتاً رکوع کرے، اور بوقت سجدہ کرسی پر بیٹھ کر کرسی کے سامنے رکھے ہوئے ٹیبل پر جس کی اونچائی کرسی کی سطح سے نو اِنچ سے زیادہ نہ ہو، سجدہ کرے؛ ورنہ اُس کی نماز نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ: ۲۷/شوال ۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

قوت حافظہ میں بوجہِ مرض نماز و روزہ یاد نہ آنا عذر ہے

سوال: ①ایک صاحب کو دماغ میں قوت حافظہ کے مقام پر خون رکنے کی وجہ سے قوت حافظہ میں کمی آ گئی ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ خون رکنے کی وجہ سے کئی ماہ تک نماز یاد نہیں آئی، ان دنوں میں نماز یاد آنے کے لیے سامنے نماز پڑھتے تھے اور نماز پڑھنے کے لیے بارہا کہتے تھے اس کے باوجود بھی نماز یاد نہیں آتی، کیا مریض پر جتنے دن کی نماز یاد نہیں آئی تھی کیا ان تمام دنوں کی چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اسی طرح وضو کا اب تک یاد نہیں۔

②فی الحال مریض کو کبھی کبھی نماز کی یاد آتی ہے تو پڑھتے ہیں، یعنی ایک دن کو ایک وقت کی نماز کی یاد آتی ہے تو پھر چار یا پانچ دن کے بعد نماز یاد آتی ہے، اذان کی آواز جب سنتے ہیں تو نماز کی یاد آتی ہے وہ بھی ہمیشہ نہیں کبھی کبھی یاد آتی ہے، فی الحال نماز کی یاد دلانے سے نماز کی یاد آتی ہے، کیا مریض پر ایسی حالت میں ان تمام دنوں

کی چھوٹی ہوئی نمازوں کی قضا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اب تک وضو بھی یاد نہیں آئی۔

③ کیا مریض ایسی حالت میں رمضان کا روزہ رکھے تو ادا ہوگا یا نہیں؟ اگر روزہ نہ رکھے تو کیا ان روزوں کی قضا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① صورت مسئولہ میں اس مریض پر قضا نہیں ہے۔

② صورت مسئولہ میں بھی قضاء نہیں ہے؛ البتہ اگر یہ کیفیت ایک دن رات یا کم رہے تو قضا ہوگی۔

ولو اشتبه على مريض أعداد الركعات والسجدات لنعاس يلحقه لا يلزمه الأداء (درمختار) (قوله ولو اشتبه على مريض الخ) أي بأن وصل إلى حال لا يمكنه ضبط ذلك، وليس المراد مجرد الشك والاشتباه؛ لأن ذلك يحصل للصحيح (شامی ۱/ ۵۶۲) وفي مسئلتنا حال المريض فوقه.

③ روزہ کے لیے نیت شرط ہے، جب اس کا حافظہ غائب ہے تو نیت کیسے کرے گا؛ البتہ اگر یاد آ گیا اور نیت کر لی تو اس دن کا ادا ہوگا، اگر اس بیماری سے اتنا افاقہ ملا کہ تمام روزوں کی قضا کر سکتا ہے تو تمام کی قضا واجب ہے، اور کچھ کا وقت ملا تو کچھ کی قضا کرے، اور اگر اس بیماری سے افاقہ ملا ہی نہیں؛ یہاں تک کہ اسی حالت میں موت آ گئی تو قضا واجب نہیں ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

باب صلاۃ النساء

مرد وعورت کی نماز میں فرق

سوال: مرد وعورت کی نماز میں کوئی امتیاز ہے یا نہیں؟ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ مرد وعورت کی نماز میں یہ فرق ہے کہ عورت قیام کی حالت میں ہاتھ سینہ پر باندھے اور مرد ناف کے نیچے ہاتھ باندھے اور غیر مقلدین کہتے ہیں کہ: نہیں، مرد اور عورت دونوں ہی ہاتھ سینہ پر باندھیں گے اور امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ عورت مرد کی طرح رکوع نہیں کرے گی یعنی سر اور سرین دونوں برابر نہیں کرے گی؛ بلکہ رکوع میں عورت بہ نسبت مرد کے کم جھکے گی اور سجدہ میں عورت بالکل زمین سے چپک کر اور سمٹ کر سجدہ کرے گی اور قاعدہ میں عورت دونوں پیر داہنی طرف نکال دے گی اور سرین زمین پر رکھ کر قاعدہ کرے گی، اس میں غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ نہیں، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور ازواجِ مطہرات سے مرد وعورت دونوں کا حکم برابر ثابت ہے، دونوں کے حکم میں کوئی امتیاز اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں ہے اور چیلنج کرتے ہیں کہ اگر ثابت ہے تو مستند کتابوں سے مثلاً بخاری ومسلم ومشکوٰۃ وابوداؤد وابن ماجہ وغیرہ سے حوالہ پیش کرو اور صفحہ نمبر بھی بتلاؤ؟ تو ایسی صورت میں ہم ان کو کیا جواب دیں؟ ہم ان سے کہتے ہیں کہ: تم علمائے کرام یا مفتیانِ عظام سے یہ سوال کرو تو وہ کہتے ہیں کہ: ہم نے تمہارے سبھی مفتیوں سے عالموں سے معلوم کرلیا ہے، ان کے پاس کوئی جواب نہیں، لہٰذا یہ مولوی لوگ تمہیں گمراہ کر رہے ہیں، ایسی صورت میں

حضرتِ والا سے درخواست ہے کہ آپ ہماری مدد فرمائیں اور بہ حوالۂ کتبِ حدیث صحیح ہدایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اسلامی نظامِ حیات میں عورتوں اور مردوں کی صنفی خصوصیات اور ان کے تقاضوں کے لحاظ سے دونوں کے حقوق وفرائض اور مسائل واحکام میں نمایاں طور پر فرق وامتیاز کی رعایت کی گئی۔ یہ فرق صرف طرزِ معاشرت اور خانہ داری، تربیتِ اولاد اور گھریلو ذمہ داریوں تک ہی محدود نہیں ہے؛ بلکہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بھرپور رعایت کی گئی ہے؛ حتی کہ اسلامی نظامِ حیات میں بالخصوص دو اہم فرائض حج اور نماز میں یہ امتیاز نمایاں اور ہر قدم پر محسوس ہونے والا ہے، یہ ایک ایسی مسلّم حقیقت ہے جس سے کوئی باشعور مسلمان انکار نہیں کرسکتا، چناں چہ عورتوں اور مردوں کے طریقۂ نماز میں بھی جو امتیاز ہے وہ عین تقاضۂ شریعت کے مطابق ہے اور یہ امتیاز صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین احناف کے یہاں ہی نہیں؛ بلکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین کے یہاں بھی؛ بلکہ سربرآوردہ علمائے اہلِ حدیث بھی اس مسئلہ میں سوادِ اعظم کے ساتھ ہیں، اس کی تفصیل کے لیے مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب زید مجدہم کے رسالہ ''عورتوں کا طریقۂ نماز'' کا مطالعہ کیجیے، یہ رسالہ دفترِ جمعیۃ علمائے ہند دہلی کی طرف سے شائع کیا جاچکا ہے۔

حضرت مفتی صاحب رسالۂ مذکورہ میں تحریر فرماتے ہیں: اب تک کے حوالوں سے روزِ روشن کی طرح یہ بات واضح ہوگئی کہ قرنِ اول سے چودھویں صدی کے اوائل

تک عالمِ اسلام میں رائج تمام فقہی مکاتبِ فکر کے متبعین اور ابتدائی دور کے علمائے اہلِ حدیث بھی اس مسئلہ میں متفق تھے کہ عورتوں اور مردوں کے طریقۂ نماز میں فرق ہے، بالخصوص طریقۂ سجود اور طریقۂ قعود میں (ص:۱۵) مولانا موصوف نے اپنے اسی رسالہ میں اس موضوع پر فقہ وحدیث کے اعتبار سے تفصیلی کلام کیا ہے، اس کا مطالعہ فرمائیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۶/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

عورتوں کا نماز باجماعت پڑھنا

سوال: تنہا عورتوں کی جماعت (یعنی ایک عورت دوسری عورتوں کو نماز پڑھائے) کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس طرح عورتوں کا باجماعت نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عورتوں کا نماز کی جماعت میں حاضر ہونا کیسا ہے؟

سوال: عورتوں کا مسجد میں نماز کی ادائیگی کے لیے جانا کیا حکم رکھتا ہے؟ غیر ممالک مثلاً سعودی عرب وغیرہ میں عورتیں مسجدوں میں نماز پڑھتی ہیں۔ بہر حال اجازت اور عدم اجازت کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ کتاب وسنت کی روشنی میں تفصیلی جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس سلسلہ میں جواب دیتے ہوئے مفتیٔ اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: عورتوں کو فقہائے حنفیہ نے نماز کی جماعتوں اور مجالسِ وعظ میں جانے سے منع کیا ہے اور کتبِ فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ عورتوں کے لیے مجالسِ وعظ اور جماعتِ نماز اور عیدین میں جانا مکروہِ تحریمی ہے جو حرام کے قریب ہے اور اس حکمِ فقہی کی دلیل یہ حدیث ہے جو امام بخاری نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے:

عن عائشة رضي الله عنها قالت: لو أدرك رسول الله ﷺ ما أحدث النساء لمنعهنَّ المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل، فقلت لعمرة: أو منعن؟ قالت: نعم!. (رواه البخاري) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ: اگر عورتوں کی یہ حرکات جو انہوں نے اب اختیار کی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے تو انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔ راوی کہتا ہے کہ: میں نے عمرہ سے پوچھا کہ کیا بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں؟ انہوں نے فرمایا: ہاں! انتہیٰ

اس حدیث سے صاف طور یہ بات معلوم ہوگئی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہی عورتوں کی حالت ایسی ہوگئی تھیں کہ ان کا گھروں سے نکلنا اور جماعتوں میں جانا سببِ فتنہ تھا، اور اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و دیگر اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین عورتوں کو جماعت میں آنے سے منع کرتے تھے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ الباری شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت میں جس میں

عورتوں کا زمانۂ رسالت ہی میں عیدین میں جانا مذکور ہے تحریر فرماتے ہیں:

وقال العلماء: كان هذا في زمنه ﷺ، وأما اليوم فلا تخرج الشابة ذات الهيئة، ولهذا قالت عائشة لو رأى رسول الله ﷺ ما أحدث النساء بعده لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني اسرائيل. قلت: هذا الكلام من عائشة بعد زمن يسير جدا بعد النبي ﷺ، وأما اليوم فنعوذ بالله من ذٰلك فلا يرخص في خروجهن مطلقاً للعيد وغيره. (عینی شرح بخاری ۳/ ۲۷۲)

علما نے فرمایا کہ: عورتوں کا عیدین میں جانا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں اس لیے تھا کہ وہ زمانہ خیر و برکت کا تھا اور فتنہ کا خوف نہ تھا اور آج کل جوان عورتیں خوبصورت خوش وضع ہرگز نہ جائیں اور اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں کی یہ حرکات ملاحظہ فرماتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارک کے بہت تھوڑے دنوں بعد کا ہے اور آج کل تو خدا کی پناہ! پس مطلقاً عورتوں کو عید اور غیرِ عید میں جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ انتہیٰ

جب کہ علامہ عینی اپنے زمانہ میں یہ فرماتے ہیں کہ: آج کل کی عورتوں کے حالات خدا کی پناہ! تو پھر ہمارے اس زمانہ چودھویں صدی کی عورتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے؟

اور علامہ عینی عمدۃ القاری میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:

ومذهب أصحابنا في هذا الباب ما ذكره صاحب البدائع: أجمعوا على أنه لا يرخص للشابة الخروج في العيدين والجمعة وشيء من

الصلوات لقوله تعالىٰ: ﴿وقرن في بيوتكن﴾، ولأن خروجهن سبب للفتنة، وأما العجائز فيرخص لهن الخروج في العيدين، ولا خلاف أن الأفضل أن لا يخرجن في صلوٰة ما. (عینی شرح بخاری ۳/ ۲۷۲، وبدائع ۱/ ۲۷۵)

ہمارے اصحاب یعنی علمائے حنفیہ کا مذہب وہ ہے جو صاحبِ بدائع نے ذکر کیا ہے کہ: علما کا اس پر اتفاق ہے کہ جوان عورت کو عیدین اور جمعہ بلکہ کسی نماز میں جانے کی اجازت نہیں، بوجہِ ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿وقرن في بيوتكن﴾ کے۔ اور اس لیے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے، ہاں بوڑھیاں عیدین کے لیے جاسکتی ہیں اور اس میں خلاف نہیں ہے کہ افضل بوڑھیوں کے لیے بھی یہی ہے کہ کسی نماز کے لیے نہ نکلیں۔ انتہیٰ

اور بدائع میں ہے: ولا يباح للشواب منعهن الخروج إلى الجماعات بدليل ما روي عن عمر أنه نهى الشواب عن الخروج ولأن خروجهن إلى الجماعة سبب للفتنة، والفتنة حرام، وما أدّٰى إلى الحرام فهو حرام. (بدائع ۱/ ۱۵۷)

یعنی جوان عورتوں کا جماعتوں میں جانا مباح نہیں اُس روایت کی دلیل سے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: انہوں نے جوان عورتوں کو نکلنے سے منع فرما دیا تھا اور اس لیے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے، اور فتنہ حرام ہے، اور جو چیز فتنہ کی طرف پہنچائے وہ بھی حرام ہوتی ہے، انتہیٰ

اور فتاویٰ ہندیہ معروف بہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: والفتوى اليوم على الكراهة في كل الصلوات لظهور الفساد، كذا في الكافي. (فتاویٰ عالمگیری ۱/ ۹۲)

یعنی اس زمانہ میں فتاویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں جانا مکروہ ہے؛

کیوں کہ ظہورِ فساد کا زمانہ ہے۔

اور بدائع میں ہے: وأما المرأة فلأنها مشغولة بخدمة الزوج ممنوعة عن الخروج إلى محافل الرجال لكون الخروج سببا للفتنة، ولهذا لاجماعة عليهن ولا جمعة عليهن أيضا. (بدائع ۱/ ۲۵۸) یعنی عورتوں کا حکم یہ ہے کہ وہ خاوند کی خدمت میں (شرعاً) لگائی گئی ہے اور مردوں کی مجلسوں میں جانے سے (شرعاً) روکی گئی ہے؛ کیوں کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے اور اسی لیے عورتوں پر جماعت اور جمعہ نہیں۔

ان تمام عبارتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورتوں کو نمازِ پنجگانہ، عیدین اور جمعہ کی جماعتوں میں جانا مکروہِ تحریمی ہے، اور گھروں سے نکلنے میں ہی فتنہ ہے، اور یہ ممانعت حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ حضرت یحییٰ بن سعید انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم سے منقول ہے، اور ائمۂ حنفیہ کا بالاتفاق یہی مذہب ہے جیسا کہ عینی اور بدائع کی عبارتوں سے واضح ہے۔ (کفایت المفتی ۵/ ۳۹۱-۳۹۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۰۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

حرمین شریفین میں عورتوں کا جماعت کی نماز میں شریک ہونا

سوال: حرمین شریفین میں خواتین کا جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا فقہ حنفی کی رو سے کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فقہاء احناف نے جہاں عورتوں کے لیے مسجد میں جماعت کی شرکت کو مکروہِ تحریمی لکھا ہے، وہاں مسجد حرام کا استثناء نہیں کیا ہے، اس لیے یہ حکم حرمین شریفین میں بھی جاری ہوگا۔

ویکرہ حضورھن الجماعۃ؛ ولو لجمعۃ، وعید، ووعظ مطلقاً؛ ولو عجوزا لیلاً علی المذھب المفتیٰ بہ، لفساد الزمان.

(درمختار علی ھامش الشامی ۱/ ۴۱۹، ۴۱۸)

معلم الحجاج میں ہے: ''مسئلہ: مسجدِ حرام تمام مسجدوں سے افضل ہے، اس میں نماز پڑھنے کا بڑا ثواب ہے، ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہوتا ہے، لیکن یہ ثواب کی زیادتی صرف فرض نماز کے ساتھ مخصوص ہے، نوافل کا ثواب اتنا نہیں، نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے، اسی طرح یہ ثواب صرف مردوں کو ہوتا ہے، عورتوں کو نہیں ہوتا، ان کو اپنے گھر میں نماز پڑھنی افضل ہے۔ (معلم الحجاج ۱۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ذوقعدہ ۱۴۱۰ھ

عورت کے لیے عقص (انبوڑے) کے ساتھ نماز پڑھنا

سوال: عورت کے سر کے بال کے بارے میں پوچھنا ہے کہ ہمیشہ عورت کس طرح اپنے سر کے بال رکھے انبوڑا واڑ دے یا چوٹی رکھے؟ اگر انبوڑا واڑ دے تو کوئی حرج ہے؟ کونسا طریقہ بہتر اور اچھا ہے؟ دوسری بات یہ کہ نماز کی حالت میں عورت کے بال کس طرح ہونے چاہیے؟ انبوڑا ہو تو کوئی حرج ہے؟ اور عورت کے بال اور کپڑے کے بارے میں شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بال یا لباس میں کوئی ایسی ہیئت اختیار کرنا جو کفار وفساق کی مخصوص ہیئت سمجھی جاتی ہو، یہ ناجائز ہے، عورتوں کے لیے سر کے بالوں کا عقص (انبوڑا) ہمارے علاقہ میں غیر مسلم عورتوں کی ہیئت سمجھی جاتی ہے، اس لیے درست نہیں ہے؛ لیکن اس کے باوجود اگر اس طرح کے بالوں کے ساتھ نماز پڑھی تو وہ درست اور صحیح ہے، اس نماز کو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بجنے والے زیور اور چمک دار کپڑے پہن کر نماز پڑھنا

سوال: چمک دار کپڑا پہن کر عورت کے لیے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح پازیب اور دوسرے آواز پیدا کرنے والے زیورات پہن کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

باجہ دار زیور پہننا عورت کے لیے منع ہے؛ البتہ جس میں خود باجہ نہ ہو اگرچہ لگ کر بجتا ہو، اس کا پہننا جائز ہے؛ مگر اس طرح چلنا کہ اجنبی اس کی آواز سنے ممنوع ہے۔ (امداد الفتاوی ۴/۱۹۷، ۱۹۸) غیر مشروع لباس میں نماز مکروہ ہوتی ہے۔ (کما صرح به الفقهاء، إمداد الأحكام ۱/۴۷۴) اس لیے پہلی قسم کا زیور پہن کر نماز مکروہ ہوگی۔

چمک دار کپڑے کے متعلق کوئی صراحت کتب فقہ میں میری نظر سے نہیں گذری؛

البتہ اصول سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اگر ایسا لباس پہن کر وہ غیر محارم کے سامنے نہیں آتی ہے تو جائز ہوگا اور اس صورت میں نماز میں بھی کراہت نہیں آوے گی، اور اگر غیر محارم کے سامنے آتی ہے تو پھر اس کا پہننا منع ہے۔

قال أبوبكر: قد عقل من معنى اللفظ النهى عن ابداء الزينة واظهارها لورود النص فى النهى عن اسماع صوتها، إذ كان اظهار الزينة أولى بالنهى مما يعلم به الزينة، فإذا لم يجز بأخفى الوجهين لم يجز باظهرهما (احكام القرآن للجصاص ۳/۳۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مرد اور عورت کا ساتھ میں نماز پڑھنا

سوال: عورت اور مرد کا ساتھ میں نماز یعنی پاس میں کھڑے ہو کر نماز الگ الگ پڑھنا کیسا ہے؟ چاہے محرم ہو، اور جماعت کر سکتا ہے مرد اپنی عورت یا ماں بہن کی نفل نماز کی؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

الگ الگ نماز دونوں پڑھ رہے ہیں تو درست ہے؛ بشرطیکہ وہ عورت اجنبیہ نہ ہو، محرم عورت کے ساتھ جماعت نفل نماز میں کر سکتا ہے اگر تداعی نہ ہو، اور محاذاۃ بھی نہ ہو، اگر تداعی ہے تو مکروہ ہوگی، اور اگر محاذاۃ ہے تو فاسد ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مزدور عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا

سوال: ہمارے یہاں ایک ایسی جگہ ہے جہاں کافی ساری مسلم عورتیں کام کرتی ہیں اور وہ عورتیں کافی دور سے آتی ہیں نیز اس جگہ پر ایک مسجد بھی ہے جس کے دو حصے ہیں ایک اوپر کا اور ایک نیچے کا اور دو ہی دروازے ہیں ایک اوپر جانے کے لیے اور ایک نیچے جانے کے لیے اور مرد لوگ نیچے کے حصے میں نماز ادا کرتے ہیں اور نماز کے بعد ۲۰-۲۵ منٹ رکتے ہیں پھر مسجد خالی ہو جاتی ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ عورتیں صبح سے کام کے لیے آتی ہیں اور شام ہونے پر اپنے گھروں کو روانہ ہوتی ہیں ان پر تین نمازوں کا وقت گزرتا ہے لہٰذا یہ عورتیں مسجد کے اس حصے میں جس میں مرد نماز نہیں پڑھتے کیا بغیر جماعت کے اپنے اپنے طور پر نماز پڑھ سکتی ہیں یا نہیں جب کہ دروازہ بھی الگ ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قطع نظر اس سے کہ ان عورتوں کا دور دور سے ملازمت کے لیے اس طرح آنا شرعاً مفاسد ومضرات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ممنوع وحرام ہے، ان کو مسجد میں بلا جماعت تنہا اپنی نماز پڑھنے کی اجازت دینا آئندہ بہت سارے مفاسد وفتن (جو اہل افتاء پر مخفی نہیں) کا دروازہ کھولنا ہے، اس لیے جہاں پر وہ کام کرتی ہیں وہیں کوئی کمرہ ان کی نماز کے لیے مخصوص کر دیا جائے کہ اس میں وہ اپنی نماز ادا کرتی رہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

عورتوں کا مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنا

سوال: کیا مسجد کے اندر مردوں کے پیچھے عورتوں کا بلا حجاب جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ عورتوں کے لیے جماعت اور عیدین میں جانا مکروہ تحریمی ہے، جو حرام کے قریب ہے۔ (کفایت المفتی: ۳۹۱/۵)

اس موضوع پر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مفتیٔ اعظم ہند) کا ایک تفصیلی فتوی بصورت رسالہ کفایت المفتی کی پانچویں جلد میں (از ۳۹۱ تا ۴۳۱) موجود ہے، اس کا مطالعہ انشاء اللہ تعالی مفید ثابت ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ شوال المکرم ۱۴۱۳ھ

باب الدعاء

فرض نماز کے بعد دعا کا ثبوت

سوال: ایک امام صاحب نماز پڑھاتے ہیں اور بعد از سلام من الصلوۃ عموماً دعا مانگتے ہیں مگر گاہ بہ گاہ بدون دعا مصلے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور سنت وغیرہ میں مشغول ہو جاتے ہیں، اب کوئی مقتدی اس حرکت پر نکیر کرے اور امام صاحب سے کہے کہ دعا کیوں نہیں مانگتے ہیں؟ کیا اس طرح اس عمل پر شریعت مطہرہ نکتہ چینی کی

اجازت دیتی ہے، جب کہ امام صاحب نے شرعاً بظاہر کوئی برا نہیں کیا۔ کیوں کی فقہ کی کتب درسیات میں سے کسی کتاب میں بھی یہ بات نہیں ملتی کہ امام نماز سے فراغت کے بعد دعا مانگے۔ جب کہ باب صفۃ الصلوۃ کے عنوان کے تحت اختتام صلوۃ کے حق میں اتنی سی بات ملتی ہے کہ سلام پھیر دے اور اس سلام کے وقت فلاں فلاں کی نیت کرے، نیز مشکوۃ شریف کے حاشیہ میں مندرجہ ذیل عبارت موجود ہے۔

"فالمختار أنه يقوم من غير لبث إن كان فى صلوة بعد تطوع و كذلك الامام و قال علماؤنا إذا سلم الامام من الظهر والمغرب والعشاء كره له المكث قاعدا فان شاء ان يصلى تطوعا لم يصل فى مكانه بل يتأخر و يصلى خلف القوم أو حيث أحب من الصلوة خلا مكان إمامته أو ينصرف يمنة أو يسرة و إن شاء رجع فى بيته بتطوع"

عبارت بالا سے یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ امام صاحب بعد التسلیم من الصلوۃ تبدیل مکان کر لے اور نفل میں مشغول ہو جائے نیز اختیار شرح المختار میں نیچے کی عبارت موجود ہے: كل صلوة بعده سنة يكره التعوذ بعدها و الدعاء بل يشتغل بالسنة عبارت مذکورہ بالا سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعد از تسلیم فی الفور سنت میں مشغول ہو ہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں مختصر سی دعا آئی ہے أللهم انت السلام الحديث اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے یہی کہا جا سکتا ہے کہ فرض اور نفل کے درمیان فصل ہونی چاہیے۔ تو فصل کی دو صورت ہو سکتی ہیں: ایک زمانی ایک مکانی، زمانی فصل بذریعہ دعا ہو جاتی ہے۔ اور مکانی فصل تبدیل المکان ہو جائے، بہر حال امام صاحب کوئی برا تو نہیں کرتے یا شرع کے خلاف نہیں کرتے کہ مقتدی

انگشت نمائی کرنے لگیں۔ اور یہ عمل اگر مدرسہ میں ہو تو یہاں کوئی سوال ہی نہیں کہ بچے تعلیم ہی کے لیے آتے ہیں اور تعلیم کی یہ عملی صورت ہے اور عدم تنبہ کی صورت میں سوال کے بعد بتادیا جائے گا نہ کہ عملی تعلیم پر نکیر کی جائے گی۔ رہا اسلاف کا عمل تو ہمارے سامنے کتب درسیات موجود ہیں، نیز ہمارے اسلاف تو کوسوں دور رہتے تو دعا کی بات ان کی طرف سے کہاں سے آئے گی۔ ہاں دعائیں حدیث میں وارد ہیں وہ دعا پر ابھارنا ہے نہ کہ امام صاحب کو دعا مانگنے کے لیے کہا گیا ہے۔ نیز اسلاف کا عمل کیا حجت بن سکتا ہے؟ بہر حال ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ امام صاحب کا عمل شرع متین کے خلاف نہیں کہ مقتدی کو اس پر نکیر کی گنجائش ہو۔ بینوا بالدلائل القویة و توجروا الآجار الجزیلة.

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مستقل رسالہ "النفائس المرغوبة فی حکم الدعاء بعد المکتوبة" نامی موجود ہے اس میں حضرت مفتی اعظم صاحب نے تین امور پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ ① سنتوں، نفلوں کے بعد لوگوں کا اجتماعی طور پر دعا کرنا ثابت ہے یا نہیں؟ ② فرضوں کے بعد دعا کس قدر جائز اور ثابت ہے؟ ③ فرضوں کے بعد سنتوں سے پہلے دعا مانگنے کا احادیث وفقہ سے ثبوت ہے یا نہیں؟ حضرت مفتی صاحب کے مجموعہ فتاوی "کفایت المفتی" کی جلد سوم از ص ۳۰۸ تا ص ۳۴۸ میں اس کا بقدر ضرورت حصہ موجود ہے۔

دوسرے نمبر پر بحث شروع فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: اس بارے میں

احادیث وفقہ سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ فرائض کے بعد دعا مانگنے کا طریقہ نہ صرف جائز بلکہ افضل ہے۔ (ص ۳۱۳)

اس کے بعد حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث پیش فرما کر ان احادیث سے ثابت شدہ امور نمبروار ذکر کرنے کے بعد تحریر فرمایا ہے ''الحاصل ان تمام روایات سے یہ بات نہایت صراحت کے ساتھ ثابت ہوگئی کہ فرائض کے بعد دعا مانگنا آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور اس کی مقبولیت کی امید بھی زیادہ ہے۔ اور یہ کہ أللهم انت السلام الخ سے کسی قدر زیادہ مقدار کی دعا مانگنا بھی جائز ہے۔ اور خود سرور کونین، شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے''۔ (ص ۳۱۷)

اس کے اس سلسلہ کی فقہی روایات پیش فرما کر تحریر فرماتے ہیں، ''الحاصل یہ روایات فقہیہ ہیں جن سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ فرض نماز کے بعد امام اور مقتدی سب مل کر دعا مانگیں اور دعا سے فارغ ہو کر ہاتھ منہ پر پھیریں''۔ (ص ۳۱۹)

آپ نے حاشیہ مشکوۃ سے جو عبارت نقل فرمائی ہے اس سے دعا بعد الصلوۃ کی ممانعت مقصود نہیں ہے، بلکہ یہ امام کے لیے تبدیل ہیئت کا مسئلہ ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنی ہیئت تبدیل کر لے تاکہ نو وارد کو بقاءِ جماعت کا اشتباہ نہ ہو۔ چناں چہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے بدائع الصنائع (۱/۱۶۰) میں اس پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے اور اس میں تمام روایات حدیث پر بھی بحث موجود ہے۔

جن فرض نمازوں کے بعد سنن رواتب مشروع ہیں ان میں فرائض کے بعد طویل ذکر و دعا مانگنے کے لیے بیٹھنا بلا کراہت درست ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہ حنفی کی بعض کتابوں سے جواز بلا کراہت معلوم ہوتا ہے اگر وہ ماثور ہوں، بعض سے

کراہت معلوم ہوتی ہے۔آپ نے اختیار شرح مختار کی جو عبارت نقل فرمائی ہے اس کا تعلق اسی مسئلہ سے ہے چناں چہ مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس بحث کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا۔ص ۳۲۴ تا ص ۳۲۸ اس پر تفصیلی گفتگو فرمائی ہے۔آخر میں فرماتے ہیں:

''یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ یہ کلام انہیں فرائض کے بعد دعا مانگنے کے متعلق ہے جن کے بعد سنتیں ہیں اور جن فرائض کے بعد سنتیں نہیں ہیں ان کے بعد دعا اور ذکر طویل اتفاقاً جائز ہے۔نیز یہ بھی معلوم کرنا چاہیے کہ فقہاء نے ادعیۂ طویلہ کو جو مکروہ کہا ہے اس کراہت سے مراد بھی کراہت تنزیہی ہے جس کا مرجع خلاف اولیٰ ہے''۔

آخر میں خلاصۂ بحث لکھا ہے،''الحاصل احادیث صحیحہ اور روایاتِ فقہیہ سے نہایت واضح طور پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ فرائض کے بعد سنتوں سے پہلے دعا مانگنا اور ادعیۂ ماثورہ کی مقدار تک دعائیں پڑھنا اور ذکر کرنا بلا کراہت جائز ہے۔بلکہ اس وقت دعا مانگنا افضل ہے اور اس دعا میں مقبولیت کی زیادہ امید ہے۔(ص ۳۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ:العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/رجب المرجب ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح:عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

فرض نماز کے بعد دعا کرنا

سوال:باعث تحریر ایں کہ چند دنوں قبل ایک استفتاء روانہ کیا تھا شکریہ بصد شکریہ کہ جواب بھی مل گیا اور گستاخی معاف فرمائیں کہ اصل سوال کا جواب نہیں مرقوم

ہے۔ دعا کے فضائل اور بعد از مکتوبہ قبولیت دعا پر کوئی کلام نہیں ہے۔ بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ امام صاحب لوگوں کو نماز پڑھا کر کبھی کبھی بلا دعا مانگے مصلی سے ہٹ کر سنت میں مشغول ہو جاتے ہیں یا اپنے حجرہ میں جا کر سنت میں مشغول ہو جاتے ہیں تو کیا اس عمل پر کسی مصلی کو شریعت مطہرہ نکیر کی گنجائش دیتی ہے کہ وہ امام سے کہے کہ آپ دعا کیوں نہیں مانگتے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چوں کہ آپ نے اپنے سابق استفتاء میں حاشیۂ مشکوۃ شریف اور الاختیار شرح المختار کے حوالہ سے دو عبارتیں بھی نقل فرمائی تھیں جن سے مترشح ہوتا تھا کہ ان عبارتوں کے مصداق کے تعیین میں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ساتھ ہی آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ فقہ کی کتب درسیات میں سے کسی میں بھی یہ بات نہیں ملتی کہ امام نماز سے فراغت کے بعد دعا مانگے۔ اس سے بھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ کتب فقہ میں فقہاء کے یہاں ایسی کوئی تصریح موجود نہیں ہے۔ اسی لیے آپ کو مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ کا حوالہ اور ساتھ ہی کفایت المفتی سے چند اقتباسات نقل کر کے بھیجے تھے۔ اس لیے آپ کو اس بات کا ثبوت فراہم کرنا مقصود تھا۔ یہ یاد رہے کہ ان روایات حدیث وفقہ سے صرف فضائل بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ ثبوت بھی مقصود ہے۔ اب جب کہ ایک عمل کا افضل ومستحب ہونا ثابت ہوا ہے تو امام کو چاہیے کہ بوقت امامت نماز کے تمام آداب ومستحبات کی بھی رعایت کرے۔ ظاہر ہے کہ ایک شخص کسی دینی مدرسہ میں بوقت امامت ان کی رعایت نہیں کرے گا تو طلبہ کو اس کی

تعلیم وتربیت کیسے حاصل ہوگی؟ اس لیے اگر ذمہ دار نے بغرض تعلیم ایسا کیا ہے تو اس کی اجازت ہے فقہاء نے ترکِ مستحب کے خلاف اولیٰ ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔
(شامی ۱/ ۴۸۳)

اس لیے آپ بھی اس مسئلہ کو موضوع نزاع نہ بنائیں۔ اور تنبیہ کی گئی ہے تو اس سے برا نہ مانئے اور اگر انہوں نے اس سلسلہ میں حدود سے تجاوز کیا ہے تو ان کو یہ جواب بتلا کر نزاع ختم کیجیے۔ ایسے امور کو موضوع نزاع بنانا علماء کی شان نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ رجب المرجب ۱۴۱۴ھ

پنج وقتہ نماز کے بعد دعا کا ثبوت

سوال: کیا پانچوں نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا کسی حدیث سے ثابت ہے؟ ہماری مسجد کے چند ائمہ تو بالکل دعا کرتے نہیں اور ہمیں بدعتی قرار دیتے ہیں، یہ لوگ محض احادیث کو بطور جواب قبول کریں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے اپنے جن چند ائمہ کا عمل ذکر کیا ہے وہ حضرات ابن قیم کی اس عبارت اور کلام سے جو انہوں نے "زاد المعاد" میں کیا ہے استدلال کرتے ہیں، جس میں انہوں نے نماز کے بعد مطلقاً دعا سے انکار کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "فتح الباری شرح بخاری" میں اس پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے پنج وقتہ نماز کے بعد دعا کے ثبوت میں احادیث ذکر فرمائی ہیں، "کتاب الدعوات، باب الدعاء بعد

الصلوة" میں ملاحظہ فرمالیں۔اس موضوع پر شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جو تین رسائل کا مجموعہ ہے: "ثلاث رسائل فی استحباب الدعاء و رفع الیدین فیه بعد الصلوة المکتوبة" اس کا مطالعہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ مفید ثابت ہوگا۔

دراصل یہ مسئلہ ایسا نہیں ہے کہ اس مختصر جواب میں اس پر تفصیلی کلام کیا جائے، مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ اردو میں بنام "النفائس المرغوبة" بھی ہے اس میں بھی چند احادیث درج فرمائی ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فجر وعصر کے بعد دعا کا ثبوت

سوال: عصر اور فجر کے بعد امام اور مقتدی بیٹھتے اور دعا کرتے ہیں، تو کیا اس کا ثبوت ہے؟ اگر ثبوت ہے تو اس میں کونسی دعائیں پڑھنی چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز کے بعد تسبیح، تحمید اور تکبیر کے بعد دعا کرنا مستحب ہے۔

ویسبحون الله تعالیٰ ثلاثا وثلاثین، ویحمدونه کذلك، ویکبرونه کذلك، إلی قوله: ثم یدعون لأنفسهم وللمسلمین بالأدعیة الماثورة الجامعة رافعی أیدیهم الخ (فتاویٰ محمودیہ ۷/۱۳۵)

عبارتِ بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث میں وارد جامع دعائیں مانگنی

چاہیے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ:العبد احمد عفی عنہ خانپوری،۱۶/شوال ۱۴۱۷ھ

مغرب کی نماز سے پہلے دعا کا ثبوت

سوال: ہم لوگ حضرت نظام الدین بنگلہ والی مسجد میں بیٹھے تھے، ایک مولوی صاحب نے دوسرے مولوی صاحب سے کہا کہ بھائی مغرب کا وقت ہے دعا کرو، تو وہ مولوی صاحب کہنے لگے مغرب کے وقت دعا کرنا درست نہیں، اور یہ مسئلہ مجھے ابھی ابھی معلوم ہوا ہے، تو مغرب کے وقت دعا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعتِ مطہرہ نے دعا کے لیے کسی بھی وقت میں پابندی عائد نہیں فرمائی، اس لیے یہ کہنا کہ مغرب کے وقت دعا کرنا درست نہیں، صحیح نہیں ہے، مشکوۃ شریف میں سنن ابوداؤد کے حوالے سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت نقل کی گئی ہے، فرماتی ہیں کہ مجھے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھلایا کہ مغرب کی اذان کے وقت یہ کلمات کہو:

"اللّٰهم هذا اقبال ليلك وادبار نهارك واصوات دعاتك فاغفرلى

(مشكوة: ٦٥،٦٦)

حاشیہ ۲/میں مرقات کے حوالہ سے لکھا ہے: فاغفرلى اى بحق هذا الوقت الشريف والصوت المنيف اس سے تو دعا کا ثبوت ملتا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ:العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فجر اور عصر کے بعد مقتدیوں کی طرف منھ کر کے دعا کرنا

سوال: امام فجر اور عصر کی نماز کے بعد کبھی تو فوراً مقتدیوں کی طرف منھ کر کے تسبیحات اور دعا کرتا ہے، اور کبھی تسبیحات کو قبلہ رو ہو کر پڑھتا ہے، اور دعا مقتدیوں کی طرف متوجہ ہو کر کرتا ہے، تو یہ دوسری صورت مکروہ تو نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سلام کے بعد فوراً دائیں بائیں یا مقتدیوں کی طرف رخ پھیر لینا چاہیے؛ البتہ جن کلمات کے متعلق حدیث میں یہ تصریح ہے کہ قعدہ کی ہیئت پر بیٹھ کر پڑھے اس میں اسی طرح پڑھے مثلاً مغرب اور فجر میں چہارم کلمہ۔ (کفایت المفتی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فرض نماز کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا

سوال: بعد نماز فرض کے جو امام اجتماعی دعا کراتا ہے کیا یہ مسنون نہیں ہے؟ غیر مقلدین کا کہنا ہے کہ فرض نماز کے بعد امام صرف سلام پھیر کر اپنی جگہ سے اٹھ جائے، بقیہ لوگ اپنی اپنی دعا کر لیں اور یہ لوگ دلیل اس کی یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر یہ فعل صحیح وسنت ہوتا تو حرمین شریفین میں اور دیگر مساجدِ عرب میں بھی امام خود ہی کراتا؛ لہٰذا یہ فعل خود ہمارے یہاں ہندوستان میں رائج ہے، یعنی امام کا بعد فرض نماز کے اجتماعی دعا کرانا یہ غلط ہی نہیں؛ بلکہ بدعت ہے۔ لہٰذا خدمتِ عالی میں گزارش ہے کہ صحیح، اطمینان بخش جواب مرحمت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فرض نمازوں کے بعد اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی مشروعیت پر عربی واردو میں کئی رسالے لکھے گئے ہیں، ابھی ابھی ایک رسالہ مولانا مفتی شمس الدین نور کا بنام "التحفة المطلوبة في استحباب رفع اليدين في الدعا بعد المكتوبة" نامی طبع ہوا ہے جس میں سابقہ تمام رسائل اور اس موضوع سے متعلق دیگر تحریرات کا خلاصہ بہت عمدہ طریقہ سے ایک خاص ترتیب سے پیش کیا گیا ہے، اس کا مطالعہ فرمائیں، ان شاء اللہ کافی وشافی ہوگا۔ رسالۂ مذکورہ کے ص: ۱۳۷ پر ہے کہ: غیر مقلدین کے پیشوا علامہ مبارک پوری فرماتے ہیں: ہمارے زمانہ کے علمائے اہلِ حدیث (غیر مقلدین) نے فرائض کے بعد متصلاً ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کے جواز وعدمِ جواز میں اختلاف کیا ہے، بعض نے جواز کا قول اختیار کیا ہے اور بعض نے اس طرح کی اجتماعی دعا برفعِ الیدین کو بدعت کہا ہے؛ لیکن (بقول علامہ مبارکپوری) حق قائلینِ جواز کے ساتھ ہے، جس کا استدلال تین طرح ہے:

اول استدلال: پانچ احادیث سے ہے:

① حدیث ابی ہریرۃ: أن رسول اللہ ﷺ رفع يديه بعد ما سلم وهو مستقبل القبلة. الحديث ② حضرت عبداللہ بن زبیر کی روایت: قال: أن رسول اللہ ﷺ لم يكن يرفع يديه حتى يفرغ من صلوٰته. الحديث ③ حضرت انس بن مالک کی حدیث: قال النبي ﷺ: ما من عبد يبسط كفيه دبر كل صلوٰة يقول. الحديث ④ حضرت یزید بن الاسود العامری کی حدیث: صليت مع رسول اللہ ﷺ الفجر فلما سلم انحرف ورفع يديه ودعا. الحديث

⑤ حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث: ثم تقنع يديك أي ترفعهما إلى ربك مستقبلا ببطونهما وجهك وتقول: يارب يارب. الحديث۔

یہ تمام احادیث تخریجات اور فوائدِ حدیث کے ساتھ پیچھے گذر چکی ہیں، یہاں صرف اشارہ کر دیا گیا ہے۔

استدلالِ دوم: نیز قائلینِ جواز رفعِ یدین فی الدعا کی عمومی احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں: ① چناں چہ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ فرائض کے بعد دعا مانگنا مستحب ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرائض کے بعد دعائیں مانگنا ثابت ہے، کما مرّ ② یہ بھی مسلّم حقیقت ہے کہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا آدابِ دعا میں سے ہے؛ کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے شمار قولی وفعلی احادیث سے عمومی دعاؤں میں ہاتھ اٹھانا ثابت ہے۔ ③ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ فرائض کے بعد دعاؤں میں ہاتھ اٹھانے پر کسی حدیث یا اثرِ صحابی میں ممانعت ثابت نہیں ہے، پس ان تمام مذکورہ بالا امور کے ثبوت اور دلیلِ ممانعت کے عدمِ ثبوت پر نتیجہ یہی نکلا کہ فرائض کے بعد دعاؤں میں ہاتھ اٹھانا مستحب ہے اور بہترین آدابِ دعا میں سے ہے، اس کو بدعت یا مکروہ کہنا صحیح نہیں؛ کیوں کہ ممانعت کی کوئی دلیل موجود نہیں۔

استدلالِ سوم: نیز قائلینِ جواز نے صحیح بخاری کی ذیل کی حدیثِ انس رضی اللہ عنہ سے بھی استدلال کیا ہے:

وعن أنس بن مالك قال: أتى رجل أعرابي من أهل البدو إلى رسول الله ﷺ يوم الجمعة، فقال: يا رسول الله! هلكت الماشية، هلك العيال، هلك الناس فرفع رسول الله ﷺ يديه يدعوه ورفع الناس أيديهم مع

رسول الله ﷺ، قال: فما خرجنا من المسجد حتى مطرنا، فما زلنا نمطر حتى كانت الجمعة الأخرىٰ، فأتى الرجل إلى رسول الله ﷺ فقال: يارسول الله! بشق المسافر ومنع الطريق. (صحيح بخاری ۱/ ۱۴۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دیہاتی لوگوں میں سے ایک جوان بدوی جمعہ کے روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، پس کہنے لگا: یارسول اللہ! جانور ہلاک ہونے لگے، خاندان اجڑ گئے، لوگ ہلاک ہورہے ہیں: (اللہ تعالیٰ سے بارانِ رحمت کے لیے دعا کیجیے؛ تاکہ یہ قحط سالی دور ہوجائے) چناں چہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمارہے ہیں اور تمام لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ ہاتھ اٹھائے (دعا مانگنے میں شریک ہوئے) راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: ہم مسجد سے نکلنے نہ پائے تھے کہ موسلا دھار بارش برس رہی تھی، بارش کا یہ سلسلہ آئندہ دوسرے جمعہ تک برابر جاری رہا، دوسرے جمعہ کو وہی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پھر آیا، کہنے لگا: یارسول اللہ! مسافر پھنس گئے اور راستے (بارش کا پانی جمع ہونے کی وجہ سے) مسدود ہوگئے۔

علامہ مبارکپوری فرماتے ہیں کہ: یہاں اس واقعہ میں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر طلبِ باراں کے لیے دعا مانگی دیگر مواقع پر بھی (اجتماعی یا انفرادی) دعاؤں میں اسی طرح ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے؛ کیوں کہ اس حدیثِ بخاری میں ایسا کوئی اشارہ موجود نہیں ہے کہ جس سے معلوم ہو کہ اس طرح اجتماعاً ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا صرف اسی واقعۂ استسقاء (طلبِ بارانِ رحمت) کے ساتھ خاص ہے، چناں چہ اسی لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری "کتاب الدعوات" کے "باب رفع

الأيدي في الدعاء" کے تحت ہر قسم کی دعاؤں میں رفعِ یدین کے استحباب پر اس حدیثِ انس سے استدلال کیا ہے۔ نیز علامہ مبارکپوری آخر میں اپنا رجحان بتلاتے ہیں جس کو مسلکِ اہلِ حدیث کی ترجمانی سمجھنی چاہیے۔

قلت: القول الراجح عندي أن رفع اليدين في الدعاء بعد الصلوٰة جائز، لو فعله أحد لا بأس عليه إن شاء الله تعالىٰ. (تحفة الاحوذی ۱/ ۱۷۳) (التحفة المطلوبة: -۱۳۷ ۱۴۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۶/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

نماز کے بعد امام کا رخ کس طرف ہو؟

سوال: جب مسجد میں سب لوگ فرض نماز ادا کر کے دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں، اور مولوی صاحب اس وقت اپنا منہ لوگوں یا جماعت کی طرف کرتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وہ فرض نماز جس میں فرائض کے بعد سنن نہیں ہیں، (یعنی فجر وعصر) ان میں امام کے لیے افضل یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد اپنی ہیئت تبدیل کر کے دائیں یا بائیں یا لوگوں کی طرف منہ کر لے، یہ اس لیے کہ مسجد میں آنے والے نئے مصلی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ امام نماز میں ہے۔ (شامی ۱/ ۳۹۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ

نماز کے بعد دعا سراً یا جہراً؟

سوال: زید ایک مسجد میں امامت کرتا ہے اور روزانہ ہر فرض نماز کے بعد زور سے

دعا مانگتا ہے، اور مقتدی آمین کہتے ہیں، بکر کا کہنا ہے کہ دعا مانگی جائے؛ مگر چپکے چپکے اور آہستہ آہستہ مانگی جائے تو سنت کے مطابق ہے، زید کا عمل صحیح ہے یا بکر کی بات صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دعا آہستہ مانگنا افضل ہے، اگر دعا کی تعلیم مقصود ہو تو بلند آواز سے بھی مضائقہ نہیں؛ مگر اس بلند آواز سے دوسرے نمازیوں کی نماز میں خلل نہ ہو۔ (فتاوی محمودیہ ۲/ ۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ

فرض نماز کے بعد دعا کی مقدار

سوال: فرض نمازوں کے بعد سنتیں کتنی دیر کے بعد پڑھ سکتے ہیں؟ جب کہ کتب فقہ میں لکھا گیا ہے کہ "اللھم أنت السلام الخ" تک تاخیر کی جاسکتی ہے، اس سے زیادہ تاخیر کرنا خلاف سنت اور مکروہ تنزیہی ہے؛ مگر ہم نے سنا ہے کہ فرض نماز کے بعد "اللھم أنت السلام الخ" کے بقدر کم سے کم وقفہ کر سکتے ہیں، اور زیادہ سے زیادہ دو خفیف رکعتوں کے بقدر تاخیر کر سکتے ہیں، اس سے زیادہ خلاف سنت ہے۔ کیا خط کشیدہ مسئلہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو حوالہ کے ساتھ جواب مرحمت فرمائیں؛ نیز مدرسہ میں طلباء سے تسبیح فاطمہ کا اہتمام بعد نماز فرض قبل السنت کراتے ہیں پھر سنتیں ادا کرواتے ہیں، یہ کہاں تک صحیح ہے؟ یہ عمل خلاف سنت تو نہیں ہے؟ حالاں کہ اس میں اتنی تاخیر نہیں لگتی کہ اتنی دیر میں دو خفیف رکعتیں پڑھ لے، طلباء سے یہ اہتمام عادت ڈلوانے کے لیے ہے اور آزاد چھوڑنے پر پھر اہتمام

نہیں کرتے؛ لہذا اب اس بارے میں مفصل جواب معہ حوالہ عنایت فرمائیں؛ نیز اس بات کا بھی جواب دیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ گھر پر سنتیں ادا کرنا افضل ہے؛ حالاں کہ اس فضیلت کو حاصل کرنے میں سنتیں وفرائض کے درمیان خوب تاخیر ہوسکتی ہے: مثلاً کسی کا مکان مسجد سے دور ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

روایاتِ صحیحہ کثیرہ سے ثابت ہے کہ فرائض کے بعد "اللھم أنت السلام الخ" سے زائد مقدار کی دعائیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہیں۔ (کفایت المفتی ۳/۲۸۷)

احادیثِ صحیحہ اور روایاتِ فقہیہ سے نہایت واضح طور پر یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ فرائض کے بعد سنتوں سے پہلے دعا مانگنا اور ادعیۂ ماثورہ کی مقدار تک دعائیں پڑھنا اور ذکر کرنا بلا کراہت جائز ہے؛ بلکہ اس وقت دعا مانگنا افضل ہے، اور اس دعا میں مقبولیت کی زیادہ امید ہے۔ (کفایت المفتی ۳/۳۲۹)

نوٹ: اس موضوع پر حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مفتی اعظم ہند) کا مستقل ایک رسالہ "النفائس المرغوبة في حكم الدعاء بعد المكتوبة" کے نام سے موجود ہے اس کا ضرور مطالعہ فرمالیں، اس مسئلہ کو مع مالہ وماعلیہ اس میں تفصیل سے تحریر فرمادیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/۸ ذوالقعدۃ ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

آلۂ مکبر الصوت کے مسائل

بلاضرورت نماز میں مائک کا استعمال

سوال: (الف) اگر امام کی قراءت اور تکبیر انتقال کی آواز پہلی صف سے آخری صف تک بہ خوبی سنائی دے اور مقتدی حضرات کو ایک رکن سے دوسرے رکن میں جاتے ہوئے کسی قسم کی پریشانی نہ ہو تو ایسی حالت میں مائک (لاؤڈ اسپیکر یعنی مکبر الصوت) سے امام کا نماز پڑھانا کیسا ہے؟ نماز فاسد ہوگی یا نہ ہوگی؟ واضح رہے کہ صورتِ مذکورہ میں بلا وجہ نماز میں مائک کا استعمال ہو رہا ہے، بسا اوقات مائک سے نماز پڑھانے میں مائک کی خرابی کی وجہ سے گھوں گھوں اور ٹوں ٹوں کی آواز سنائی دیتی ہے، جس سے نماز میں خلل ہو کر نماز کا خشوع وخصوع جاتا رہتا ہے۔

(ب) نیز امام صاحب چھوٹا مائک اپنے کرتے میں یا قمیص میں لگاتے ہیں اور اس کا تار سینہ سے زمین تک لٹکتا رہتا ہے، جس سے تبدیلیٔ رکن میں انتشارِ ذہنی ہوتا ہے اور سدل کے مشابہ بھی ہے، ان حالتوں میں مائک کا استعمال کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(الف) بغیر مائک کے امام جب نماز پڑھا رہا ہو اس وقت اس کو قراءت وغیرہ میں جماعت کی ضرورت وحاجت کے مطابق جہر کرنا چاہیے، اس سے زیادہ جہر پسندیدہ نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: ویجهر الإمام وجوبا بحسب الجماعة فإن زاد عليه

أساء (الدر على هامش الشامية١/ ٣٩٣)

تو پھر بلاضرورت مائک کا استعمال خصوصا جب کہ اس کی وجہ سے شور وشغب ہوکر نماز میں خلل واقع ہوتا ہے درست نہیں ہے، ان کا یہ فعل مکروہ ہے؛ البتہ اس کے باوجود فسادِ نماز کا حکم نہیں لگے گا۔

(ب) سدل کا تعلق لباس سے ہے اور تار کے لٹکنے سے انتشارِ ذہنی کا ہونا عادت وطبیعت پر ہے، اگر کسی امام کے لیے یہ انتشار کا باعث ہو تو اس کے لیے یہ لگانا درست نہیں ہے۔ بہرحال بلاضرورتِ شرعی مائک کا استعمال درست نہیں ہے اور بوقتِ ضرورت حدود وقیود وشروط کی رعایت کے ساتھ گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بلاضرورت مائک کا استعمال

سوال: اگر کسی مسجد میں مائک استعمال ہوتا ہو اور اس مسجد میں بغیر مائک کے بھی مقتدیوں کو امام کی آواز آرام سے سنائی دیتی ہو، پھر بھی مائک کا استعمال ہوتا ہو تو شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں جب کہ امام کی آواز بغیر مائک کے بھی مقتدیوں تک پہنچ جاتی ہے نماز میں مائک کا استعمال کرنا شرعاً درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ١٦/ شوال

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

نماز میں آلۂ مکبر الصوت کا استعمال اور اس کی حفاظت کرنا

سوال: آلۂ مکبر الصوت کہ اس کے ذریعہ تراویح وفرائض، واجبات نمازیں پڑھنا جائز ہے یا کہ نہیں؟ اور آج کل آلۂ مکبر الصوت کی ایک جدید شکل ہے، وہ یہ ہے کہ آلۂ مکبر الصوت بالکل چھوٹا سا بنایا ہوا جس کو لے کر امام اپنے گریبان یعنی بٹن کی جگہ آویزاں کرتا ہے اور اس کی وائر مکمل اس کی مرکز مشین سے لے کر امام کے گلے تک لٹکی ہوئی رہتی ہے اور وہ وائر اور آلۂ مکبر الصوت دونوں امام کی ہر حالت میں سجدہ، قومہ، رکوع، قیام، قعدہ ہر حال میں امام کے ساتھ چسپاں رہتا ہے، مستقل اس کی حفاظت کرنا پڑتی ہے، اس طرح کے آلۂ مکبر الصوت کو نمازِ فرض وسنت، واجب کے لیے استعمال جائز ہے یا ناجائز ہے؟

ایک تو قدیمی شکل وہ ہے کہ آلۂ مکبر الصوت کو اسٹیل لوہے کی سٹیج پر باندھ کر امام یا مقرر کے سامنے تقریباً دو ڈھائی فٹ رکھا جاتا ہے، جس کے جز سے امام کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، یہ پرانا آلۂ مکبر الصوت ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

اور آج کل جو جدید آلۂ مکبر الصوت ہے جو ہر حال میں اپنی ۲۰-۲۵ فٹ وائر کے ساتھ، یا کم از کم دس بارہ فٹ وائر کے ساتھ امام کے بغل وگریبان سے چسپاں رہتا ہے، اس کا استعمال کیسا ہے؟ کیا اس طرح ادا کردہ نماز واجب الاعادہ ہے یا نہیں ہے؟ مع دلائل وحوالہ کے واضح فرمائیں، یہ مسئلہ بہت ہی اُلجھا ہوا ہے، عام طور پر مساجد میں اس کا استعمال کیا جارہا ہے؛ جب کہ امام کو اس وقت اس آلۂ مکبر الصوت کی طرف اپنی گردن جھکاتے ہوئے متوجہ رہنا پڑتا ہے، اور اس کی وجہ سے بسا اوقات بھول

بھی ہونے کا خدشہ رہتا ہے، یہاں پر اکثر علماء کی رائے اس کے ذریعہ نماز حرام ہونے کی ہے، بعض نااہل حضرات کہتے ہیں اس کا ہونا ضروری ہے، تفصیل مطلوب ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تکبیرات انتقال کی آواز تمام مقتدیوں تک برابر پہنچ جاتی ہے، تو اس آلہ کو ہرگز استعمال نہ کیا جائے اور اگر نہیں پہنچ پاتی ہے تو اس صورت میں معقول طریقہ سے مکبرین کا نظم ہوجاتا ہے، تو اس صورت میں بھی اس آلہ کو نماز میں استعمال نہ کریں اور اگر مکبرین کا معقول نظم نہیں ہو پاتا اور تکبیرات انتقال کی آواز تمام مقتدیوں تک برابر نہ پہنچ پانے کی وجہ سے نماز میں گڑبڑ ہوجاتی ہے، تو اس کے استعمال کی اجازت ہے اور نماز میں اس کے استعمال کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہوتی، چاہے جدید صورت ہو یا قدیم۔ جدید صورت میں اس کا مائیکروفون بذریعہ کلیپ امام کے گریبان سے لگا دیا جاتا ہے، خود امام کو سنبھالنا نہیں پڑتا، اس میں امام کو اتنی توجہ بھی نہیں کرنی پڑتی، جتنی موسم سرما میں چادر اوڑھ کر نماز پڑھنے والوں کو چادر سنبھالنے میں کرنا پڑتی ہے، اس موضوع پر مستقل رسائل بھی لکھے گئے ہیں، ان کا مطالعہ کرلیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ شوال ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

آلۂ مکبر الصوت کا بقدر ضرورت استعمال

سوال: مختلف مقامات پر جمعہ اور عیدین وغیرہ کی نماز میں مائک لگاتے ہیں، جب کہ مائک سے مقتدیوں کو آسانی ہوتی ہے، اور مائک نہ رہنے سے اور مکبرین

کے رہنے کے باوجود مقتدی امام سے پیچھے رہ جاتے ہیں رکوع وغیرہ میں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اسی آسانیٔ مقتدی کو پیش نظر رکھتے ہوئے مائک یا اس قسم کے بلند ہونے والے صوتیہ آلات کا استعمال کرنا از روئے شرع درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر امام کی تکبیرات انتقال کی آواز تمام مقتدیوں تک نہیں پہنچ پاتی، تو اس صورت میں اولی اور اسلم طریق یہ ہے کہ ایک یا متعدد ایسے اشخاص کا انتخاب کیا جائے جو تکبیرات انتقال لوگوں تک پہنچائیں؛ لیکن اگر ایسا ممکن نہ ہو تو بوقت ضرورت بقدر ضرورت آلۂ مکبر الصوت یعنی لاؤڈ اسپیکر کا استعمال درست ہے؛ لیکن بلا ضرورت یا زائد از ضرورت استعمال مکروہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

متفرقات صلاۃ

بے نمازی کے متعلق شیخ العثیمین کا فتویٰ شریعت کی نظر میں

سوال: شیخ محمد بن صالح العثیمین کا ایک فتویٰ ہے اِس کے متعلق ہمارے علما کی کیا رائے ہے؟

بے نمازی کے لیے شرعی حکم:

سوال: ایک آدمی اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیتا ہے؛ لیکن وہ نہیں مانتے، آیا وہ

ان کے ساتھ رہے یا گھر چھوڑ کر چلا جائے؟

جواب: اگر اس کے گھر والے بالکل نماز نہیں پڑھتے تو وہ کافر ہیں، مرتد اور اسلام سے خارج ہیں، ان کے ساتھ رہائش رکھنا جائز نہیں؛ البتہ اس پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ان کو دعوت دیتا رہے، بار بار اور اصرار سے کہتا رہے، کچھ بعید نہیں کہ اللہ انھیں ہدایت عطا فرمادے۔ حقیقت یہ ہے کہ نماز کا تارک کافر ہے، قرآن کریم، سنت رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا فتویٰ اس کی دلیل ہے، علاوہ ازیں عقل سلیم کا بھی یہی تقاضا ہے۔

قرآن کریم نے مشرکوں کے بارے میں فرمایا: ﴿فإن تابوا وأقاموا الصلوة وأتوا الزكوة فإخوانكم في الدين ونفصل الايات لقوم يعلمون﴾ (البقرة:۱۱) پس اگر یہ توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو تمھارے دینی بھائی ہیں۔ آیت کے مفہوم میں یہ بات از خود شامل ہے کہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو تمھارے دینی بھائی نہیں۔ واضح رہے کہ گناہ چاہے کتنا ہی بڑا ہو اس کی وجہ سے دینی بھائی چارے کی نفی نہیں کی جاسکتی؛ البتہ اسلام سے خارج ہونے کی صورت میں ہی دینی بھائی چارہ ختم ہوتا ہے۔

حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: بين الرجل وبين الكفر والشرك ترك الصلاة (صحيح مسلم) کفر وشرک اور بندے کے درمیان نماز کا معاملہ حائل ہے۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: العهد الذي بيننا وبينهم الصلاة، فمن تركها فقد كفر (سنن الترمذي وسنن النسائي) ہمارے اور کافروں کے درمیان اصل فرق نماز کا ہے،

جس نے نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے: لاحظ في الإسلام لمن ترك الصلاة (موطاامام مالك) جس نے نماز چھوڑ دی اس کا اسلام میں ذرا بھی حصہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن شقیق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ: نماز کے علاوہ کسی کام کے چھوڑنے کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کفر شمار نہیں کرتے تھے۔ (سنن الترمذی)

عقل سلیم سے پوچھیے! کہ اگر ایک آدمی کے دل میں رائی کے دانے جتنا ایمان ہو، اسے نماز کی اہمیت کا بھی علم ہو، یہ بھی خبر ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی سخت تاکید کی ہے، پھر کیا عقل سلیم یہ بات تسلیم کرتی ہے کہ وہ آدمی مسلسل نماز کا تارک ہوسکتا ہے! سیدھی سی بات ہے کہ ایسا ناممکن ہے۔

جو لوگ تارک نماز کو کافر قرار دینے سے انکار کرتے ہیں ان کے دلائل پر میں نے غور کیا ہے، ان کے تمام دلائل چار شکلوں میں منحصر ہیں:

① ان کی بات میں دلیل والی کوئی وجہ ہی نہیں۔

② ان کی دلیل کسی ایسی صفت کے ساتھ مقید ہے کہ اس کے ساتھ ترک نماز ممکن ہی نہیں۔

③ ایسی صورتِ حال درپیش ہے کہ نماز چھوڑنے والا معذور قرار پاتا ہے۔

④ ان کی دلیل عمومی ہے، تارک نماز کو کافر قرار دینے والی احادیث سے اس کی تخصیص ہوجاتی ہے۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ نماز کا تارک کافر ہے، تو اس پر مرتد والے احکام

نافذ ہوں گے، کسی نص (قرآن پاک کی آیت یا صحیح حدیث) میں یہ نہیں آیا ہے کہ نماز کا تارک مسلمان شمار ہوسکتا ہے، یا وہ جنت میں جائے گا، یا جہنم کی آگ سے بچ سکے گا، یا اس طرح کی کوئی اور دلیل موجود ہو جس کی وجہ سے تارک نماز پر لاگو حقیقی کفر کو کفرِ نعمت (ناشکری) یا کفرٌ دون کفرٍ (بڑے کفر کے بہ جائے چھوٹا کفر) والی تاویل وتوجیہ کی ہمیں ضرورت ہو۔

واضح رہے کہ مرتد پر مندرجۂ ذیل احکام لاگو ہوتے ہیں:

① کسی مسلمان لڑکی کا نکاح اس سے نہ کروایا جائے، اور اگر نکاح پہلے سے موجود ہے اور اب نماز نہیں پڑھتا تو ان کا نکاح باطل قرار پائے گا، کوئی مسلمان خاتون اس کے لیے حلال نہیں۔ مہاجر خواتین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان اس کی دلیل ہے: ﴿فإن علمتموهن مؤمنت فلاترجعوهن إلى الكفار لا هن حل لهم ولاهم يحلون لهن﴾ (الممتحنة: ۲) پھر جب تمھیں معلوم ہوجائے کہ وہ مومن ہیں تو انھیں کفار کی طرف واپس نہ کرو، نہ وہ کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ کفار اُن کے لیے حلال۔

② اگر نکاح کے بعد مرد نے نماز چھوڑ دی تو اس کا نکاح فسخ ہوجائے گا، مسلمان بیوی اس کے لیے حلال نہیں۔ اس کی دلیل مذکورہ بالا آیت ہے۔ اس مسئلے کی باقی تفصیلات اہل علم کے یہاں معروف ہیں، کہ آیا ترکِ نماز ازدواجی ملاقات سے پہلے تھی یا بعد میں شروع ہوئی؟

③ اگر بے نمازی ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ نہ کھایا جائے؛ اس لیے کہ وہ حرام ہے، یہودی یا عیسائی کا ذبیحہ تو ہمارے لیے جائز ہے؛ مگر بے نمازی کا نہیں؛ اس لیے

کہ بے نمازی کا ذبیحہ یہودی اور عیسائی کے ذبیحہ سے زیادہ شریعت میں ناپسندیدہ ہے۔ والعیاذ باللہ۔

④ بے نمازی مکہ شہر تو کیا، اس کی حدود میں بھی داخل نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿یأیها الذین اٰمنوا إنما المشرکون نجس فلایقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا﴾ (التوبة:۲۸) اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مشرکین ناپاک ہیں؛ لہٰذا اس سال کے بعد یہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکنے پائیں۔

⑤ اگر بے نمازی کے قرابت داروں میں سے کوئی فوت ہوجائے تو وراثت میں اس کا کوئی حق نہیں، مثلاً ایک نمازی مسلمان مرجاتا ہے اس کے ورثاء میں اس کا ایک حقیقی بے نماز بیٹا اور چچازاد بھائی ہے، بھلا کون وارث بنے گا! اس کے حقیقی بیٹے کے بہ جائے اس کے چچازاد بھائی کو وراثت ملے گی۔ اس کی دلیل حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لایرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم (صحیح بخاری وصحیح مسلم) مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں بن سکتا۔ ایک دوسرے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الحقوا الفرائض بأهلها، فما بقي فهو لأولیٰ رجل ذکر (صحیح بخاری وصحیح مسلم) تمام حق داروں کو وراثت میں سے ان کا حصہ دے دو، اور جو بچ رہے تو وہ مرد کے مذکر رشتے داروں یعنی عصبہ کا حق ہے۔ اس ایک مثال کے ذریعے باقی تمام ورثا کا حکم معلوم ہوجاتا ہے۔

⑥ بے نمازی جب مرجائے تو اسے غسل دیا جائے اور نہ کفن، نہ تو اس کا جنازہ پڑھا جائے اور نہ ہی اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ تب اس کے ساتھ

کیا کیا جائے؟ اسے صحرا میں لے جائیں اور گڑھا کھود کر کپڑوں سمیت دفن کر دیں؛ اس لیے کہ شرعاً اس کا کوئی احترام نہیں۔ اس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ، اگر کسی کو معلوم ہو کہ اس کا کوئی عزیز یا تعلق دار نماز نہیں پڑھتا، اور اب وہ مر گیا ہے تو اس شخص کے لیے جائز نہیں کہ اس کے میت کو عام مسلمانوں کے سامنے نماز جنازہ کے لیے لائے۔

⑦ قیامت کے روز فرعون، ہامان، قارون اور ابی بن خلف جیسے کافر ولیڈروں کے ساتھ اس کا حشر ہوگا والعیاذ باللہ، بے نمازی کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا، اور کسی عزیز یا تعلق دار کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ اس کے حق میں رحمت و مغفرت کی دعا کرے؛ اس لیے کہ وہ کافر ہے؛ لہٰذا دعا کا مستحق نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربىٰ من بعد ماتبين لهم أنهم أصحب الجحيم﴾ (التوبة: ۱۱۳) نبی اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، زیبا نہیں ہے کہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں، چاہے وہ ان کے رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں، جب کہ ان پر یہ بات کھل چکی ہے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں۔

میرے بھائیو! معاملہ بہت خطرناک ہے، اور افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سارے لوگ اس مسئلے میں سستی کا شکار ہیں، اور گھر میں ان لوگوں کے ساتھ رہائش پذیر ہیں جو نماز نہیں پڑھتے اور یہ قطعاً جائز نہیں ہے۔ واللہ أعلم وصلى الله علىٰ نبينا محمد وعلىٰ آله وصحبه أجمعين.

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

نماز فرض عین ہے، ہر مکلف کو اس کا ادا کرنا ضروری ہے، جو شخص اس کی فرضیت

کا اعتقاد رکھتا ہے؛ مگر بلا عذرِ شرعی سستی وغیرہ کی وجہ سے اس کو ترک کرتا ہے ساتھ ہی اس کو عقاب کا خوف بھی ہے، وہ شخص شرعاً فاسق ہے، کافر نہیں ہے۔ اول اس کو سمجھایا جائے اور نماز کی اس کو تاکید کی جائے، اگر مان جائے تو بہتر؛ ورنہ اس سے تعلقات ترک کردیے جائیں، حتیٰ کہ تنگ آکر ترکِ نماز سے توبہ کرلے اور آئندہ مداومت کے ساتھ نماز پڑھے۔ اگر وہ نماز کو فرض نہیں سمجھتا؛ بلکہ وہ فرضیت کا منکر ہے اور استخفافاً اس کو ترک کرتا ہے، اور آئندہ قضا کی نیت نہیں رکھتا، نہ اس کو خوفِ عقاب ہے تو ایسا شخص شرعاً کافر ہے، ایسے شخص کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے، زوجہ کو اس سے علاحدہ رہنا ضروری ہے، جب تک تجدیدِ نکاح وتجدید ایمان نہ کرے صحبت حرام ہوگی، اور اس کے جنازہ کی نماز ناجائز ہے۔ ویکفر بترك الصلاة متعمدا غيرناو للقضاء وغير خائف من العقاب. (بحر ۱/۱۲۲)

اور نماز کو فرض سمجھتے ہوئے نہ پڑھنے والے شخص کے جنازے پر صلاۃ جنازہ پڑھی جائے گی، اگر کوئی بڑا شخص دوسروں کی تنبیہ اور زجر وعبرت کے لیے اس پر نماز نہ پڑھے تو مضایقہ نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/۱۱۵، ۲۱۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۰/رجب ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

نماز پڑھ لینے کے بعد دوسری جگہ اسی وقت کو پایا تو کیا دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہے؟

سوال: ایک شخص نے ظہر کی نماز پڑھی، پھر ہوائی جہاز پر سوار ہوکر ایسی جگہ پہنچا

جہاں ابھی ظہر کا وقت داخل نہیں ہوا تھا، پھر اس جگہ آدھے گھنٹہ کے بعد ظہر کا وقت شروع ہوا، تو اب اس شخص کو دوبارہ ظہر کی نماز پڑھنا ضروری ہے یا نہیں؟ بینوا بالدلائل الواضحه توجروا يوم القيامة۔

از: احقر محمد کلیم لوہاروی

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اصل جواب سے پہلے اس سے متعلق عبارتیں اور ان عبارتوں سے مستفاد امور پیش کرتا ہوں:

① قال المحقق ابن الهمام: تواطأت اخبار الاسراء من فرض الله تعالىٰ الصلوة خمسا بعد ما امروا اولا بخمسين ثم استقر الأمر على الخمس شرعا عاما لأهل الآفاق، لاتفصيل فيه بين اهل قطر و قطر (الى ان قال) فاستفدنا أن الواجب فى نفس الأمر خمس على العموم غير ان توزيعها على تلك الأوقات عند وجودها و لا يسقط بعدمها الوجوب وكذا قال ﷺ خمس صلوات كتبهن الله على العباد (فتح القدير ١/ ٢٢٤)

قال الشيخ عبد الرحمٰن الجزيرى فى كتاب الفقه على المذاهب الأربعة: أما السنة الصحيحة الدالة على أن عدد الصلوات خمس فهى كثيرة بلغت مبلغ التواتر (إلى أن قال) ولهذا فقد أجمع أئمة المسلمين على أن الصلوات المفروضة خمس صلوات وهى الظهر و العصر الخ (١/ ١٧٩،١٨٠)

عبارت بالا سے مستفاد ہوا کہ رات دن میں صرف پانچ ہی نمازیں فرض ہیں، اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو متواتر و متوارث ہونے کے ساتھ مجمع علیہ بھی ہے۔

② قال النبى ﷺ: لا تصلىٰ صلوة مكتوبة فى يوم مرتين (سنن دار

قطنی، باب لایصلی المکتوبة فی یوم مرتین)

و أیضاً قال: لاتصلوا صلوة فی یوم مرتین (ابوداؤدشریف ص۹۳ باب اذا صلی فی جماعة ثم ادرك جماعة أیعید. نسائی شریف ص۱۳۸ باب سقوط الصلوة عمن صلی مع الامام فی المسجد جماعة انظر لتخریجه "نصب الرایة" للزیلعی ۲/ ۱۳۹،۱۳۸، مع الهامش)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک فرض نماز جب ایک مرتبہ تمام شرائط و ارکان وو اجبات وغیرہ کی رعایت کے ساتھ ادا کر لی گئی، تو پھر دوبارہ بحیثیت فرض اس کا اعادہ درست نہیں ہے۔

③ وهل تثبت صفة الجواز للمأمور به اذا اتی به قال بعض المتکلمین لا والصحیح عند الفقهاء انه تثبت به صفة الجواز للمأمور به و انتفاء الکراهة (منار الانوار للعلامة النسفی) ای المذهب الصحیح عندنا انه تثبت بمجرد ایجاد الفعل صفة الجواز للمامور به وهوحصول الامتثال علی ما کلف به والا یلزم تکلیف مالایطاق ثم اذا ظهر الفساد بدلیل مستقل بعده یعیده (نور الانوار ص ۵۱)

لو قال کغیره و هل الاتیان بالمامور به یوجب الاجزاء لکان اولیٰ و فی العضد اعلم ان الاجزاء یفسر بتفسیرین احدهما حصول الامتثال به و الآخر سقوط القضاء فان فسرّ بالأول فلا شك ان الاتیان بالمأمور به یحققه و ذلك متفق علیه و ان فسّر سقوط القضاء فقد اختلف فیه و المختار ان یستلزمه (نسمات الاسحارللعلامة الشامی)

عبارت بالا سے مستفاد ہوا کہ جب مامور بہ کو اس کے جملہ شرائط و ارکان و واجبات وغیرہ کی مکمل رعایت کے ساتھ ادا کر دیا گیا تو بندہ کا ذمہ بری ہو گیا، اور اب دوبارہ اس پر اسی مامور بہ کی ادائیگی لازم نہ ہوگی۔

④اعلم ان سبب وجوب الصلوة بايجاب الله تعالىٰ فى حقنا الوقت ولهذا تضاف الصلوة اليه فيقال صلوة العصر وكذلك سبب وجوب الصوم الوقت وهو شهر رمضان (الى ان قال) وهذه طريقة المتأخرين فمرادهم من الاسباب، الاسباب الظاهرة واما المشايخ المتقدمون فيقولون سبب وجوب العبادة نعم الله علينا شكرا لها للايمان وجب شكرا لنعمة الوجود فى النطق وكمال العقل، والصلوة وجبت شكرا لنعمة الاعضاء السليمة والصوم وجب شكرا لنعمة اقتضاء الشهوات و الزكوة وجبت شكرا لنعمة المال والحج وجب شكر ا لنعمة البيت فمرادهم بالاسباب الحقيقة (تسهيل الوصول الى علم الاصول ص٢٥٦)

اعلم أن أصول الدين وفروعه مشروعة بأسبابٍ جعلها الشرع أسبابا لها كالحج بالبيت و الصوم بالشهر و الصلوة باوقاتها(حسامى ص٥٤)

وحاصله ان لاحكام الشرع اسبابا تضاف اليها والموجب والشارع لها فى الحقيقة هو الله تعالىٰ دون السبب لان الموجب للاحكام هو الله تعالىٰ وحده (نامى شرح حسامى ١١٦)

ثم ههنا شيئان نفس الوجوب و وجوب الاداء، فنفس الوجوب سببه الحقيقى هو الايجاب القديم وسببه الظاهرى وهو الوقت (نور الانوار ص٥٣)

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ وجوب کی نسبت اسباب کی طرف ظاہری ہے، ورنہ درحقیقت موجب تو اللہ کی ذات ہے، اور باری تعالیٰ نے (جیسا کہ حدیث معراج میں ہے) فرمادیا ہے: هى خمس و هى خمسون لا يبدل القول لدى.....

نیز آں حضرت ﷺ نے خبر دے دی کہ خمس صلوات فى اليوم والليلة

اور سبب ظاہری کے وجود میں آجانے پر جب بندہ نے امتثالِ امرِ الٰہی کر دیا تو براءۃِ ذمہ ہوگئی، اب اس پر اسی دن وجوب مکرر نہ ہوگا۔

⑤ والاصل فی هذا النوع انه لما جعل الوقت ظرفاً للمؤدی و سبباً للوجوب لم یستقم ان یکون کل الوقت سبباً لان ذٰلك یوجب تاخیر الاداء عن وقته او تقدیمه علی سببه فوجب ان یجعل بعضه سبباً وهو الجزء الذی یتصل به الأداء فمااتصل الاداء بالجزء الأول کان هو السبب والا تنتقل السببیة الی الجزء الذی یلیه لأنه لما وجب الخ (حسامی ص۳۳)

وهو اما ان یضاف الی الجزء الأول او الی مایلی ابتداء الشروع او الی الجزء الناقص عند ضیق الوقت او الی جملة الوقت یعنی ان الأصل کل مسبب متصل بسببه فان ادّیت الصلوة فی اول الوقت یکون الجزء السابق علی التحریمة وهو الجزء الذی لایتجزأ سبباًلوجوب الصلوة فان لم یؤدّ فی اول الوقت تنتقل السببیة الی الاجزاء التی بعده الخ.

(نور الانوار ص۵۳)

والحاصل ان کل جزء سبب علی طریق الترتیب والانتقال لکن تقرر السببیة موقوف علی اتصال الاداء.

(ص۶۳ افاضة الانوار علی متن المنار للعلامة الحصکفی علی هامش نسمات الأسحار)

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ وقتِ نماز کا جزءِ اول سبب ہے، لیکن اگر اس میں اداءِ صلوۃ نہیں پائی گئی تو صفتِ سببیت بعد والے اجزاء کی طرف منتقل (یعنی ثابت) ہوتی جائے گی، اور جب اداء پائی جاوے گی اس کے متصل جزء کو سبب قرار دیا جاوے گا، اب اگر اداء جزءِ اول کے متصل وجود میں آئی تو وقت نماز کا وہی جزء (یعنی جزءِ اول)

سببیت کے لیے متعین ہوگیا، اور بعد والے اجزاء میں صفتِ سببیت کی صلاحیت کے باوجود اب اس کے حق میں سبب نہیں قرار دیئے جائیں گے، حالاں کہ دیگر جن حضرات نے ابھی تک نماز ادا نہیں کی ہے ان کے حق میں وہی اجزاء سبب بن گئے ہیں۔

اس تمہید کے بعد آپ کے سوال کا جواب پیش خدمت ہے، کہ صورت مسئولہ میں اس آدمی نے ہوائی جہاز پر سوار ہونے سے پہلے جو نماز ظہر پڑھی تھی وہ اگر زوالِ شمس (یعنی دخولِ وقتِ ظہر) سے پہلے پڑھی ہے، تب تو اس کی وہ نماز وقت سے پہلے ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہوئی اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوبارہ پڑھے، اور اگر وہ نماز زوالِ شمس (یعنی دخول وقتِ ظہر) کے بعد پڑھی تھی تو اس کو اب دوبارہ نماز ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا ذمہ فرضِ ظہر سے بری ہو چکا ہے؛ البتہ اگر وہ بہ نیت نفل وہاں والوں کے ساتھ جماعت میں شرکت کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ هذا ما سنح لی والله اعلم بحقيقة الحال.

تنبیہ: درمختار میں ایک جزئیہ موجود ہے: فلوغربت ثم عادت هل يعود الوقت الظاهر نعم الخ اور اس پر درمختار کی شرح میں علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے (۱/۱۷۴) اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے رد المحتار (۱/۲۶۵) میں بحث فرمائی ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس بحث کے آخر میں فرماتے ہیں: قلت: و يلزم على الأول بطلان صوم من أفطر قبل ردها و بطلان صلوته المغرب لو سلّمنا عود الوقت بعودها للكل والله تعالى أعلم.

لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے انداز سے صاف مترشح ہوتا ہے کہ وہ بطور لزوم اس کو ذکر فرمارہے ہیں مگر خود اس پر مطمئن نہیں، نیز اس جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے رد شمس

کے جس واقعہ کو دلیل میں پیش کیا گیا ہے، اس میں بھی کسی جگہ کسی روایت میں یہ وارد نہیں کہ حضور اقدس ﷺ یا دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے نماز عصر کا اعادہ فرمایا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: احمد عفی عنہ خانپوری ۲۴ / جمادی الاخری ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

حرام لقمہ کھانے سے چالیس روز کی نماز نہیں ہوتی کا مطلب

سوال: حرام کا ایک لقمہ اگر پیٹ میں چلا جائے تو چالیس روز کی نماز نہیں ہوتی تو اس کی اصلاح کی صورت کیا ہے؟ کیا حرام لقمہ کھائے تو کیا نماز نہ پڑھے جب کہ چالیس روز تک نماز نہ ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز قبول نہیں ہوتی۔ دو باتیں الگ الگ ہیں نماز نہ ہونا اور نماز قبول نہ ہونا۔ اس صورت میں قبول نہیں ہوگی، یعنی اس پر اجر وثواب اور خوشنودیٔ باری تعالیٰ مرتب نہ ہوگی، لیکن آپ کا فریضہ ادا ہوجائے گا، اور آپ اپنے فریضہ سے سبکدوش ہوجائیں گے، لیکن اگر آپ نے نماز ہی نہ پڑھی تو آپ کا ذمہ بری نہ ہوگا۔

رہی اصلاح کی صورت تو وہ یہ ہے کہ جس کا حق دبایا ہے اس کا حق ادا کریں، اور اس سے معاف کرا کر آئندہ کے لیے سچی توبہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کیا گنہگار کی نماز مقبول ہے؟

سوال: زنا، شراب، جوا، اس کے علاوہ جتنے بھی کبیرہ گناہ میں مبتلا ہو، پھر پنج گانہ نماز کا پابند ہو، کیا ایسے شخص کی نماز قبول ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کا فریضہ تو ادا ہو جائے گا، رہی قبولیت تو وہ اللہ تعالیٰ کے اختیار کی چیز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قومہ اور سجدہ کے اذکارِ مسنونہ

سوال: نفل یا سنت یا فرض نماز میں قومہ کے وقت ربنا لك الحمد کے بعد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلی کے بعد سبوح قدوس رب الملائکة والروح پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور دونوں سجدوں کے درمیان اللهم اغفرلی وارحمنی وعافنی واهدنی وارزقنی واجبرنی وارفعنی پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہو یا منفرداً نماز پڑھتا ہو۔

نوٹ: یہ کچھ ارشادات حصن حصین کتاب سے نقل کر رہا ہوں چوں کہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے اس لیے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ فتویٰ میں ان مسائل کا کیا حل ہے اور کس پر فتویٰ ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسنون یہ ہے کہ قومہ میں اللهم ربنا ولك الحمد یا اللهم ربنا لك الحمد یاربنا لك الحمد پڑھے اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھے اس کے علاوہ دیگر دعائیں جو وارد ہوئی ہیں ان کو نوافل میں پڑھے، فرائض میں ان کا پڑھنا مسنون نہیں ہے۔

(ویجلس بین السجدتین مطمئنا) لما مر (ولیس بینهما ذکر مسنون وکذا) یسن (بعد رفعه من الرکوع) دعاء وکذا لا یأتي فی رکوعه وسجوده بغیر التسبیح (علی المذهب) وما ورد محمول علی النفل (درمختار)

فرائض میں تنہا پڑھنے کی صورت میں جائز ہے۔

علی أنه إن ثبت فی المکتوبة فلیکن فی حالة الانفراد، أو الجماعة والماموم محصورون لا یتثقلون بذلك الخ کما فصله العلامة بن عابدین الشامی (ردالمحتار ۱/ ۳۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ ذوالحجہ الحرام ۱۴۰۶ھ

پلنگ پر بیٹھے ہوئے کے سامنے نماز پڑھنا

سوال: اگر کوئی پلنگ (bed) پر بیٹھا ہے یا سویا ہے اور اس کے سامنے نیچے کوئی نماز پڑھ رہا ہے تو کیا نماز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس میں کوئی حرج نہیں، نماز درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سلام پھیرنے کا مسنون طریقہ

سوال :① بعض امام صاحبان ونمازی صاحبان سلام پھیرتے وقت پہلے چہرہ دائیں جانب یا بائیں جانب پھیر دیتے ہیں، پھر "السلام علیکم ورحمة الله" کہتے ہیں۔

② اور بعض پہلے "السلام علیکم" کہتے ہیں، پھر چہرہ دائیں جانب یا بائیں جانب پھیرتے ہیں، پھر "ورحمة الله" کہتے ہیں۔

③ اور بعض لوگ پہلے "السلام علیکم ورحمة الله" پورا کہہ دیتے ہیں، پھر دائیں یا بائیں جانب سلام پھیرتے ہیں، ان تینوں طریقوں میں سے کونسا طریقہ صحیح ہے؟ اگر ائمہ کا اختلاف ہو تو اسے بھی واضح فرمائیں، اور احناف کا مسلک بھی وضاحت سے فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سلام کے الفاظ کی ابتداء تو جانبِ قبلہ سے کردے، اس کے بعد دائیں یا بائیں جانب چہرہ پھیرتے ہوئے اس کو مکمل کرے۔ "ترمذی شریف" میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت قالت: كان رسول الله ﷺ يسلم في الصلوٰة تسليمة واحدة تلقاء وجهه، ثم يميل إلى الشق الأيمن شيئا" کی تشریح فرماتے ہوئے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أي يأخذ فيها من تلقاء وجهه، ويختمها إذا مال وجهه إلى اليمين، وكذا الحكم في تسليم اليسار؛ لكنها اكتفت بذكر تسليمة لما أن

مقصودها بالذكر انما هو بيان التسليمة من أين تبتدأ وبيان كيفيتها كيف هي (الكوكب الدري ١ /١٤٠)

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

ولعله يريد أن المقصود بيان كيفية السلام هكذا، لا بيان العدد، والكيفية هذه من إبتداءه تلقاء الوجه، وانتهائه في جانب اليمين، ذكره في المجموع والمغني وهو المعمول به عندنا (معارف السنن ٣ /١١١)

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "شرح سفر السعادة ٩٢" میں اس کو بیان فرمایا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نماز کی نیت میں "آج" کی قید

سوال: فرض نماز میں نیت کرتے وقت آج کی قید نہ بڑھائے، مثلاً صرف یہ کہے کہ عصر کی نماز پڑھتا ہوں، تو کیا اس سے نماز ہوجائے گی؟ بندہ نے آج تک "آج کی" قید نہیں بڑھائی، تو کیا اب تک کی نمازوں کو دہرالیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

نیت صرف ارادہ سے ادا ہوجاتی ہے، زبان سے الفاظ کہنے کی ضرورت نہیں؛ بلکہ زبان سے قلبی نیت کے خلاف بھی ہوجائے تو بھی نماز ہوجائے گی، نیت قلب کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ کسی کے سوال کرنے پر فوراً بتاسکے کہ کیا پڑھنا چاہتا ہے؟ آپ کی نمازیں درست ہیں۔

والمعتبر فيها عمل القلب اللازم للإرادة، فلا عبرة للذكر

باللسان إن خالف القلب..... وهو أن يعلم عند الإرادة بداهة بلا تأمل، أي صلوة يصلى الخ (درمختار) (قوله أن يعلم عند الإرادة الخ) قال الزيلعي: أدناها أن يصير بحيث لو سئل عنها أمكنه أن يجيب من غير فكر اھ (شامی ۱/ ۳۰۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ رجب ۱۴۱۱ھ

کپڑے کا پردہ سُترہ ہے

سوال: اگر کوئی آدمی نماز پڑھ رہا ہو، اور اس کے سامنے کپڑے کا پردہ لٹکا ہوا ہو تو وہ سترہ کے قائم مقام ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہوسکتا ہے۔

ولو ستارة ترتفع إذا سجد وتعود إذا قام (درمختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فجر کے علاوہ دیگر نمازوں میں قنوت نازلہ

''فتاوی رحیمیہ'' سے ایک عالم کی غلط رَوِش کی اصلاح

سوال: کچھ ماہ قبل ہمارے ملک میں جو ناسازگار حالات پیدا ہوئے تھے، اس وقت اکثر مساجد میں دعاء قنوت نازلہ کا اہتمام کیا گیا تھا، اس دعا کو جمعہ، مغرب وعشا کی نمازوں میں بھی پڑھا گیا تھا، فتاویٰ رحیمیہ کی روشنی میں ایک اہلِ علم نے اپنے بیان میں یوں کہا کہ فجر کی نماز کے علاوہ دوسری نمازوں میں دعاء قنوت نازلہ جو پڑھی

گئی وہ طریقہ صحیح نہیں تھا، آگے انہوں نے کہا کہ وہ تمام نمازیں بھی نہیں ہوئیں، ایک ذمہ دار اہل علم کا اس طرح کہنا کیا درست ہے؟ ایسے اہلِ علم کو کیا کہیں گے؟ جواب وضاحت کے ساتھ دیا جائے؛ تاکہ اس میں پھر کوئی اشکال نہ ہو۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مفتیٔ اعظم مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک تفصیلی فتوی کفایت المفتی جلد سوم از ۴۲۴ تا ۴۲۹ پر موجود ہے، جس پر اکابر علماء دیوبند: حضرت علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم کے تصدیقی دستخط موجود ہیں، اس کا ایک اقتباس نقل کرتا ہوں، جو انشاء اللہ باعث تشفی ہوگا، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”رہی یہ بات کہ حنفیہ کے نزدیک صرف فجر کی نماز میں ہے یا تین جہری نمازوں میں یا پانچوں نمازوں میں؟ تو اس کے متعلق یہ تفصیل ہے کہ علامہ طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں صرف فجر کی نماز میں قنوت پڑھنے کا ذکر ہے، اور اسی کو صاحبِ شامی نے ترجیح دی ہے؛ لیکن علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح ہدایہ میں ”صلوٰۃ الجھر“ لکھا ہے، اور اسی طرح بحر الرائق و مراقی الفلاح میں شرح نقایہ سے ”صلوٰۃ الجھر“ نقل کیا ہے، اور درمختار میں ”وقیل في الصلوات کلھا“ بھی لکھا ہے، یعنی کہا گیا ہے کہ تمام نمازوں میں پڑھنی جائز ہے، اور احادیث میں بھی قنوت کا ذکر مختلف طریقوں سے آیا ہے: کسی حدیث میں صرف نمازِ فجر کا ذکر ہے، اور کسی میں نماز عشاء کا، اور کسی میں دو تین

نمازوں کا، اور کسی میں پانچوں نمازوں کا، پس صرف نمازِ فجر میں پڑھنے کی روایت اور جہری نمازوں میں پڑھنے کی روایت تو فقہ حنفی کی معتبر کتابوں میں بھی موجود ہے، ان دونوں صورتوں میں تو فقہ حنفی کی رو سے بھی تامل کی گنجائش نہیں، رہا پانچوں نمازوں میں پڑھنا تو دیگر ائمہ بموجب حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ پانچوں نمازوں میں قنوت نازلہ کے جواز کے قائل ہیں، اور یہی مطلب ہے درمختار کے اس قول کا "وقیل: فی الصلوات کلها" مگر ائمہ حنفیہ سے پانچوں نمازوں میں پڑھنے کی کوئی فقہی روایت نہیں ہے، جہری نمازوں میں پڑھنے کی فقہی روایتیں یہ ہیں:

"إن نزل بالمسلمين نازلة، قنت الإمام في صلوة الجهر، وبه قال الأكثرون وأحمد الخ(عيني شرح هدايه) ترجمہ: اگر مسلمانوں پر کوئی مصیبت آجائے تو جہری نمازوں میں امام قنوت پڑھے، اسی کے اکثر علماء اور امام احمد قائل ہیں۔

وفي الغاية: إن نزل بالمسلمين نازلة، قنت الإمام في صلوة الجهر، وهو قول الثوري وأحمد الخ (مراقي الفلاح) ترجمہ: غایہ میں ہے کہ: اگر مسلمانوں پر کوئی مصیبت آجائے تو امام جہری نمازوں میں قنوت پڑھے، امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔ اسی طرح بحر الرائق وشامی میں بھی منقول ہے"۔ (کفایت المفتی ۳/۴۲۶)

جن صاحب علم نے وہ بات کہی جو آپ نے سوال میں تحریر فرمائی ہے، ان کی بات درست نہیں ہے، اگر ان صاحب کا رجحان علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی ترجیح کی طرف ہے، تو وہ اس پر شوق سے عمل کریں یا دوسروں کو بتلائیں؛ لیکن دوسرے قول کی تغلیط کا انہیں حق نہیں پہنچتا، اور یہ فرما کر کہ "وہ تمام نمازیں بھی نہیں ہوئیں" انہوں نے

بڑی غلط روش اختیار فرمائی، یہ روش اہلِ علم کی شان کے خلاف ہے، انہیں چاہیے کہ بیان ہی میں اپنی اس غلطی کی اصلاح فرمائیں؛ تاکہ ان کا بیان سن کر جو لوگ غلطی میں مبتلا ہوئے ہیں، اس کے وبال سے وہ بری ہوں، ورنہ عنداللہ ماخوذ ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/شوال المکرم ۱۴۱۱ھ

کویت پر حملہ میں قنوت نازلہ پڑھنا

سوال: یوم عاشورہ کو عراق نے کویت پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرلیا، جس سے وہاں کی معیشت پر بڑا نقصان پہنچا اور نتیجہ یہاں تک پہنچ چکا کہ امریکہ وغیرہ عراق کے خلاف جنگ کی تیاری میں ہیں، عراق نے بھی اعلان کردیا ہے، مزید تفصیل آپ کو معلوم ہوگی؛ بہرحال کیا ان حالات میں ابھی سے قنوتِ نازلہ کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں قنوت نازلہ نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ کراچی ۷/۱۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قنوت نازلہ میں ممالک کا نام لینا

سوال: امسال جو رمضان گزرا اس میں ہمارے پورے ضلع میں ۱۵/ کے بعد

سے ۳۰ر تک دعائے قنوت نازلہ فجر کی نماز میں پڑھی گئی تھی، اور مذکورہ دعا کے پڑھنے کا مشورہ بلکہ پمفلٹ کی شکل میں پوری دعا قنوت نازلہ مع اضافہ شدہ شائع کرایا گیا تھا حضرت مولانا اسعد مدنی صاحب زید مجدہ کی طرف سے، اس دعا میں چند مسلم ممالک کے حق میں دعائیں تھیں اور چند غیر مسلم ممالک کے حق میں بددعائیں تھیں، مثلاً عراق، چیچنیا وغیرہ اور غیر مسلم ممالک میں امریکہ، یورپین وغیرہ کا نام قنوت نازلہ کے درمیان میں ملاکر ائمۂ مساجد پڑھا کرتے تھے، کیا اس طرح عین نماز میں اسلامی ممالک یا غیر اسلامی ممالک کے نام دعا یا بددعا میں لینا شرعاً درست ہے؟ جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض قبائل اور بعض کفار کے نام بددعائیں فرمائی ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قنوت نازلہ میں کسی کا نام لے کر اس کے حق میں دعا یا اس پر بددعا حدیث پاک میں وارد ہوئی ہے؛ لیکن فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ تصریح میری نظر سے نہیں گزری، دوسرے اہل علم سے تحقیق فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قنوت نازلہ کے آخر میں درود شریف

سوال: دعائے قنوت کے بعد جو درود شریف مشہور ہے وہ درود تحریر فرمائیں، اور اس کے پڑھنے کا حکم کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دعائے قنوت کے آخر میں وصلی اللہ علی النبي وآلہ وسلم کا اضافہ

فرمادیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/شعبان ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

دوران نماز زلزلہ آجائے تو کیا کرے؟

سوال: درمیان نماز اگر زلزلہ آجائے یا کوئی دوسری قدرتی مصیبت آئے تو کیا نماز توڑ کر مسجد سے باہر نکل سکتے ہیں یا نہیں؟ یا اسی طرح اپنے مکان کی عمارت سے باہر نکل سکتے ہیں؟ (اس صورت میں عورت کی بے پردگی کا بھی اندیشہ ہے) جب کہ عمارت کے منہدم ہونے کا اندیشہ دونوں صورتوں میں موجود ہے۔اسی طرح زلزلہ میں مرنے والے مسلمانوں کو کیا شہادت کا درجہ ملتا ہے؟ اور اگر شہادت کا درجہ ملتا ہے تو حکمی یا اخروی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زلزلہ یا کسی اور وجہ سے کسی عمارت کے منہدم ہوجانے کا اندیشہ ہو تو بہ طورِ تحفظ اس میں سے نکل کر کھلی فضا میں آجانا درست ہے، شرعاً ممنوع نہیں۔

منہدم ہونے والی عمارت کے ملبہ میں دب کر مرنے والا اخروی اعتبار سے شہید ہے۔درمختار میں ہے: والمهدوم عليه (درعلیٰ هامش الرد ۱/۶۷۴) یعنی اس کو شہید کا ثواب ملے گا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مکبر کا درمیانِ نماز میں ''تسمیع'' کہنا

سوال: مکبر آدمی امام کے پیچھے ''ربنا لك الحمد'' کے بجائے ''سمع الله لمن حمده'' کہے تو کیا حرج ہے؟ اور بعض مرتبہ مکبر بھول جاتا ہے زور سے کہنا، اور بعض مرتبہ آدھی نماز کے بعد زور سے کہنا شروع کرتا ہے تو کوئی حرج ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مکبر جو امام کی تکبیرات انتقال لوگوں تک پہنچاتا ہے وہ چوں کہ مقتدی ہوتا ہے، اور مقتدی پر تسمیع نہیں ہے، اس لیے وہ ''ربنا لك الحمد'' کہے ''سمع الله لمن حمده'' نہ کہے؛ لیکن اگر بھول سے کہہ دیا تو نماز ہوجائے گی، زور سے کہنا بھول جانے سے بھی نماز پر کوئی اثر نہیں آوے گا، اگر درمیان نماز اس کی ضرورت پیش آگئی تو درمیان نماز سے کہنا شروع کرسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مغرب سے پہلے اور قبرستان میں دعا

سوال: قبل المغرب دعا مانگنا کیسا ہے؟ قبر پر کھڑے دعا مانگنا کیا حکم رکھتا ہے؟ قبرستان میں اجتماعی دعا مانگنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دعا ہر وقت قبول ہوسکتی ہے اور ہر وقت مقبولیت کی توقع ہے۔ (جواہر الفقہ ۱/ ۳۷۴) اس لیے قبل المغرب بھی دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

احادیثِ صحیحہ میں ہے کہ جمعہ کے روز ایک گھڑی ایسی آتی ہے کہ اس میں جو دعا کی جاوے قبول ہوتی ہے؛ مگر اس گھڑی کے تعین میں روایات اور اقوال علماء مختلف ہیں اور محققین کے نزدیک فیصلہ یہ ہے کہ یہ گھڑی جمعہ کے دن دائر سائر رہتی ہے کبھی کسی وقت میں آتی ہے؛ مگر تمام اوقات میں سے زیادہ روایات اور اقوالِ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین وتابعین وغیرہم سے دو وقتوں کو ترجیح ثابت ہوتی: ان میں سے دوسرا وقت عصر کے وقت غروبِ آفتاب تک ہے۔ (جواہر الفقہ ۱/ ۳۷۵)

زیارت قبور کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ کھڑے رہ کر دعا مانگے۔

قال فی الفتح والسنة زیارتها قائما والدعاء عندها قائما کماکان یفعله ﷺ فی الخروج الی البقیع (شامی ۱/ ٦٦٥)

دفنِ میت کے بعد اجتماعی دعا مستحب ہے۔

وجلوس ساعة بعد دفنه لدعاء الخ (درمختار) (قوله وجلوس الخ) لمافی سنن ابی داؤد کان النبی ﷺ اذا فرغ من دفن المیت وقف علی قبره وقال: استغفروا لاخیکم واسألوا الله له التثبیت فانه الآن یسئل الخ (شامی ۱/ ٦٦١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نمازی کے نیچے سے چندہ کا ڈبہ گزارنا

سوال: نمازی جب قیام میں ہو تو دائیں بائیں والے پیر اور سجدہ کے درمیان سے چندہ کا چھوٹا ڈبہ گزار سکتے ہیں؟ دوسرے لفظوں میں آگے بڑھا سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ چیز نمازی کی توجہ کو نماز سے ہٹانے والی چیز ہے جو جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فجر کے بعد سونا

سوال: فجر کے بعد سونا کیسا ہے؟ حرام یا مکروہ۔ اور مکروہ ہے تو اشراق تک یا اس کے بعد بھی مکروہ ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مکروہ ہے، طلوع آفتاب تک یہ حکم ہے۔ (درمختار علی هامش الشامی ۱/ ۲۸۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ صفر ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

التحیات الخ کا شانِ نزول

سوال: "التحیات للہ والصلوات والطیبات" کب اور کہاں یہ دعا نازل ہوئی؟ کیا اس دعا کو نماز میں نہ پڑھنے سے نماز ضائع ہو جاتی ہے؟ معراج میں پانچ نمازیں فرض ہونے سے پہلے جو دو نمازیں فرض تھیں کیا ان نمازوں میں یہ دعا پڑھی جاتی تھی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

"کبیری شرح منیة المصلی" میں شیخ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفصیل تحریر فرمائی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ معراج میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ابتدائی کلمات بطور تحیہ بارگاہ الٰہی میں عرض کئے، اس کے جواب میں باری تعالیٰ کی طرف سے "السلام علیك ایها النبي ورحمة الله وبركاته" فرمایا گیا الخ۔ (کبیری ۳۲۹)

اس کا قعدہ میں پڑھنا واجب ہے، اور اگر بھول سے چھوٹ گئی ہو تو سجدۂ سہو واجب ہوگا، اور سجدۂ سہو نہ کرنے کی صورت میں نماز کا اعادہ واجب ہوگا۔ (کما ھو مصرح فی کتب الفقه)

ابتدائے اسلام میں پڑھی جانے والی نماز میں اس کے ہونے نہ ہونے کی تصریح کسی کتاب میں نہیں دیکھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/صفر ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نماز وروزہ کے فدیہ کا حیلہ

سوال: میرے والد بزرگوار خدا کی آغوش رحمت میں روپوش ہو چکے ہیں، خدا ان کو غریق رحمت فرمائے، ان کی زندگی میں زیادہ تر احکام خداوندی میں سے نماز، روزہ سے غفلت ہوئی ہے، اب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں کچھ فدیہ کے متعلق وصیت تو کی نہیں ہے، جو ایک تہائی مال میں سے ادائیگی ہو سکے، دیگر یہ کہ جو ترکہ ہے اور اس کے

وارثین ہیں، ان میں دونا بالغ ہیں، اب اگر بالغ ورثاء اپنے اپنے حصص میں ادا کرنا چاہیں تو صلوۃ وصوم کا کتنا ادا کرے؟ کیا اس میں کسی قسم کا حیلہ کتب فقہ وفتاوی میں مرقوم ہے یا نہیں؟ اگر زیادہ فدیہ ہے جس کی ادائیگی ورثاء کے لیے مشکل ہے، تو اب کیا کیا جاوے؟ اور دوسری بات یہ کہ ورثاء کو تمنا بھی ہے کہ ہمارے والد کو کسی طرح فرائض خداوندی سے رہائی حاصل ہوجائے، امید ہے حضرت والا اس سلسلہ میں رہبری فرمائیں گے، عمدۃ الفقہ میں حسبِ ذیل طریقہ مذکور ہے، جو قلم کے حوالہ کیا جارہا ہے:

''اگر کسی متوفی نے کچھ ترکہ نہیں چھوڑا یا جو چھوڑا ہے اس کی تہائی اس کی قضاء نمازوں، روزوں وغیرہ کے کفارہ کے لیے کافی نہیں ہے، یا اسی نے کچھ وصیت نہ کی ہو، تو اس کے وارث پر کوئی چیز واجب نہیں ہے؛ لیکن اگر اس کا وارث اپنی طرف سے احسان کے طور پر ادا کرنا چاہے تو جائز ہے، پس اگر وہ ترکہ میں سے بغیر وصیت کے احساناً فدیہ ادا کرے تو یہ اس وقت جائز ہے کہ ترکہ تقسیم ہوجائے، اور پھر وہ وارث اپنے حصہ میں سے دے یا سب وارث مل کر رضامندی سے دیں، اور ان میں کوئی نابالغ نہ ہو یا نابالغ کا حصہ نکال کر بالغ اپنے حصہ میں سے دے، اور ترکہ نہ ہونے کی صورت میں وارث یہ حیلہ کرے تو جائز ہے کہ نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا اس کی قیمت اپنے پاس سے یا قرضہ لے کر کسی مسکین کو فدیہ میں دیدیں، اور اس کا قبضہ کرادیں، اور پھر وہ مسکین اپنی طرف سے اس کے کسی وارث کو ہبہ یا صدقہ کردے، اور وہ بھی اس پر قبضہ کرے، پھر یہ مسکین کو دیدے، اسی طرح لوٹ پھیر کرتے رہیں؛ یہاں تک کہ سب کفارہ پورا ہوجائے، اور جب بہت زیادہ نمازیں، روزے وغیرہ ہوں تو پھر لوٹ پھیر کے اور کم کرنے کی سہولت کے لیے، مثلاً ایک سال یا دو سال کا فدیہ حساب

کرکے اپنے پاس سے یا قرضہ سے لے کر لوٹ پھیر کریں، اور ایک ایک یا دو دو سال کا حساب کرکے پورا فدیہ ادا کردیں، اور اگر وصیت کی ہے؛ مگر ترکہ اتنا کافی نہیں کہ سب کا فدیہ ادا ہوسکے تو جس قدر ادا ہوسکتا ہے اس قدر اس تہائی ترکہ میں سے دیا جائے، اور باقی رہی ہوئی نمازوں، روزوں وغیرہ کے لیے وہی حیلہ کریں جو بیان ہوا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک روزہ کا فدیہ نئے وزن کے حساب سے ایک کلو چھ سو باسٹھ (۱۶۶۲) گرام گیہوں یا اس کی قیمت ہے، ہر نماز کا فدیہ بھی اسی مقدار ہے، وتر چوں کہ واجب ہے، اس لیے اس کا بھی فدیہ مستقلاً دیا جائے، مورث نے جب وصیت نہیں فرمائی ہے، تو ورثاء پر ترکہ میں سے فدیہ دینا ضروری نہیں ہے؛ لیکن اس کے باوجود وہ دیں گے تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ قبول کرے گا، اگر ورثاء فدیہ دینے پر قادر نہیں ہیں، یا فوت شدہ نمازوں اور روزوں کی زیادتی کی وجہ سے اس کی مقدار فدیہ پر قادر نہیں ہیں، تو وہ مرنے والے کے لیے دعاءِ مغفرت کا اہتمام کریں۔

عمدۃ الفقہ کے حوالہ سے آپ نے جو طریقہ نقل فرمایا وہ حیلۂ اسقاط کہلاتا ہے، بعض فقہاء نے اس کی صورتیں بتلائی ہیں، جو طریقہ فقہاء نے بتایا ہے وہ اگر پوری طرح ادا کیا جائے تو مباح ہے؛ لیکن لوگ اس کو ضروری اور لازم سمجھ لیتے ہیں، اور پھر وہ ایک رسم بن جاتی ہے اور تارک کو لعن طعن کرنے لگتے ہیں، اس لیے اس کو رواج دینا نہیں چاہیے۔ (از کفایت المفتی ۴/ ۱۶۷، ۱۶۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تشہد میں انگلی اشارہ کے بعد کس طرح رکھیں؟

سوال: نماز میں تشہد پڑھتے وقت "لا" پر انگلی اٹھاتے ہیں اور "إلاَّ" پر انگلی نیچے رکھ دینی چاہیے یا قبلہ کی طرف اشارہ کرنا چاہیے، سنت کیا ہے؟

یہاں پر بعض علماء کا فعل یہ ہے کہ "إلا" پر انگلی جھکا دیتے ہیں یعنی انگشت وسطیٰ اور انگوٹھے کا حلقہ بنا کر انگشتِ سبابہ نیچے رکھ دیتے ہیں، اور بعض علماء کا فعل یہ ہے کہ "إلا" پر انگشتِ سبابہ سے قبلہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں، اور پھر آخر تک یہی صورت رہتی ہے انگشتِ سبابہ کو نیچے نہیں رکھتے، صحیح کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

"إلاَّ اللہ" پر انگلی کے اشارہ کو ختم کر کے کچھ نیچے کو رخ کر دیا جائے اور یہ ہیئت اخیر تک باقی رہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۳/ ۶۸)

یرفع السبابة عند النفي ویضعها عند الإثبات (شامی ۱/ ۳۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نماز میں دھیان کا طریقہ

سوال: بندہ کو نماز وغیرہ میں اللہ کا دھیان رکھنا ہے، ظاہر ہے کہ تصور پر یہ چیز ہوگی تو اللہ تعالیٰ شکل وصورت سے منزہ ہے؛ مگر دھیان بغیر صورت کے کیسے ہوگا؟ ہمارے سامنے بڑی چیز انسانی صورت ہے، لامحالہ یہی ذہن میں آئے گی تو دھیان

جمانے میں کیا کیا جاوے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دھیان کا طریقہ حدیث میں بتلا دیا ہے، جس کا انسانی صورت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ "أن تعبد الله كأنك تراه، فإن لم تكن تراه فإنه يراك" (مشکوۃ ۱۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نماز میں وساوس کا علاج

سوال: جب میں نماز کے لیے مسجد میں جاتا ہوں تو آپ ﷺ کی حدیث ہے کہ جو شخص رکوع یا سجدے میں (یاد نہیں کہ رکوع کا لفظ ہے یا سجدے کا) امام سے پہلے چلا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کو گدھے کا سا کر دیں گے اور میں امام کے رکوع یا سجدے میں جانے کے بعد رکوع یا سجدہ کرتا ہوں تب بھی مسخیت کے خیالات آتے ہیں کہ تجھے (یعنی مجھے) آزمانا ہو تو آزمالے کہ اللہ تعالیٰ مسخیت کے اوپر قادر ہے کہ نہیں تو میں دل ہی دل میں کہتا ہوں مجھے نہیں آزمانا اور یہ کہتا ہوں إن الله علىٰ كل شيء قدير تو پوچھنا یہ ہے کہ ان خیالات کو دور کرنے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ان خیالات کو دور کرنے کے لیے ان کی طرف کوئی توجہ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ آپ نماز میں جو تلاوت وتسبیحات وغیرہ ادا کرتے ہیں ان کی طرف اپنی

توجہ مرکوز رکھیں تو خود بہ خود دیگر خیالات سے حفاظت ہوجائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۴ رشعبان المعظم ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

تکبیر اولیٰ کا وقت کب تک رہتا ہے؟

سوال: ایک مقتدی آدمی امام کی نماز شروع ہوجانے کے بعد شامل ہوا، اب کہاں تک شامل ہونے سے کہا جائے گا کہ اس نے تکبیر اولیٰ پالی؟ مختصراً یہ کہ تکبیر اولیٰ کا وقت کب تک رہتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو آدمی پہلی رکعت کے رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہوجائے اس کو یہ فضیلت حاصل ہوجاتی ہے، اس مسئلہ میں قول صحیح یہی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۲/ ۲۵۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷ رشعبان ۱۴۱۶ھ

دو وقتوں کی نماز ساتھ پڑھنا

سوال: یہاں معمولی سی بارش کی وجہ سے ایک ساتھ دو وقتوں کی نماز ایک ساتھ پڑھی جاتی ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سنت ہے تو کیا یہ کسی امام کے نزدیک جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حنفیہ کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے۔ ہر ایک نماز اپنے اپنے وقت میں پڑھنا ضروری ہے۔ البتہ یوم عرفہ کو حاجی کے لیے عرفات میں ظہر وعصر کو جمع کرنے کا حکم چند

شرائط کے ساتھ ہے۔اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء کو،اس کے علاوہ میں جائز نہیں ہے۔امام شافعی و امام مالک وغیرہ کے نزدیک بعض صورتوں میں (چند شرائط کے ساتھ) اس کی اجازت ہے۔(اوجز المسالک ۳/ ۸۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

نسبندی کرانے والے کی نماز وروزہ کا حکم

سوال: آدمی ہو یا عورت نسبندی کرنے سے اولاد کا ہونا بند ہوجاتا ہے، کیا ایسے آدمی کی نماز اور روزہ اللہ کے یہاں قبول ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نسبندی کرانا گناہ ہے، رہا نماز وروزہ کا قبول ہونا، یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار کی چیز ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

كتاب الزكاة

باب وجوب الزکوۃ

زکوۃ کے چند مسائل: حوائجِ اصلیہ کی تحدید نہیں

سوال: ①حوائجِ اصلیہ (زکوۃ کے باب میں) کیا ہیں؟ فی زمانہ کونسی چیزیں حوائجِ اصلیہ میں داخل ہوں گی؟ عام فہم زبان میں سمجھائیں۔

②ایک آدمی نوکری کرتا ہے، اس کو مثلاً ۵/ ہزار روپیہ وظیفہ (Salary) ملتا ہے، اس میں سے تقریباً ۴/ ہزار روپئے خرچ ہوجاتے ہیں، ایک ہزار یا کبھی اس سے کم روپئے بچتے ہیں، پورا سال اسی طرح ہوتا ہے، اس شخص کے پاس ایک تولہ سونا بھی ہے، تو کیا اس پر زکوۃ واجب ہوگی؟

③ایک شخص کے پاس صرف پانچ سو (۵۰۰) روپئے ہیں اور دو تولہ سونا ہے، تو کیا اس پر زکوۃ واجب ہوگی؟

④ایک شخص کی دوکان ہے، تو مالِ تجارت پر وہ زکوۃ کس حساب سے دے گا، خرید کی قیمت پر یا فروخت کی قیمت پر؟ اگر فروخت کی قیمت ہو تو اگر یہ شخص ایک ہی چیز تیس روپئے میں بیچتا ہے، بعینہ وہی کبھی ۷۰/ روپئے میں بیچتا ہے، مطلب کوئی قیمت فکس نہیں ہے، تو زکوۃ کیسے دے گا؟

⑤تاجر کے پاس جو نقد روپئے ہوتے ہیں اس میں روزانہ کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، کبھی لاکھ، کبھی دس ہزار، کبھی ہزار، کبھی سو؛ تو وہ زکوۃ کے لیے حساب کیسے لگائے گا؟

⑥چاندی ۲۹/ ہزار روپئے کلو ہو تو کتنے روپئے پر زکوۃ واجب ہوگی؟

⑦ ایک شخص ظاہراً تندرست جوان ہے، ایسے شخص کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

⑧ بہت سے بھیک مانگنے والے صاحبِ نصاب ہوتے ہیں یا غیر مسلم ہوتے ہیں، بظاہر ان کی یہ حالت زکوٰۃ دینے والے کو پتہ نہیں ہوتی تو، کیا ان کو زکوٰۃ دے دی تو ادا ہوگی یا نہیں؟

⑨ ایک شخص ہے (مرد ہو یا عورت) اس کے پاس بڑا گھر ہے، سامان راحت ہے، اس کے بچّے کماتے ہیں اور اس کو پالتے ہیں، بظاہر خود یہ شخص کچھ نہیں کر رہا ہے، تو اس کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟

⑩ ایک آدمی نے ۱۰۰/روپئے کے حساب سے ۵۰۰/شیئرز (حصص) لیے تھے، ایک سال کے بعد اس کی قیمت ۳۰۰/روپئے ہوگئی، تو اس پر زکوٰۃ کس حساب سے واجب ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① حوائجِ اصلیہ میں وہ اشیاء داخل ہوتی ہیں جن کے بغیر انسان کو ہلاکت کا خطرہ ہو، مثلاً: ضروری نفقہ، رہائشی مکانات، اخراجات، آلاتِ جنگ اور سردی، گرمی کے وہ کپڑے جن کی اپنے موسم کے اعتبار سے ہر وقت ضرورت ہوتی ہے؛ نیز وہ اشیاء جن کے بارے میں انسان ہر وقت صحیح معنی میں متفکر رہتا ہے، مثلاً: واجب الادا قرضہ، پیشہ اور کاریگری کے اوزار و آلات اور گھر کے ضروری اثاث وسامان اور سواری کے جانور اور علماء کے لیے دینی کتابیں یہ سب حوائجِ اصلیہ میں شامل ہیں؛ لہٰذا اگر کسی کے

پاس نقد رقم موجود ہے؛ لیکن اس پر قرض بھی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

حضرات فقہاءِ کرام کی بیان کردہ جزئیات سے اتنی بات تو ظاہر ہے کہ حاجتِ اصلیہ کی کوئی ایسی تحدید نہیں جس میں کمی زیادتی کی گنجائش نہ ہو؛ بلکہ وسعت ہے، البتہ لفظ ''حاجت'' اور ''اصلی'' کے مفہوم کو باقی رکھتے ہوئے اس کے دائرہ میں جائز حد تک نمائش سے بچتے ہوئے توسع کی گنجائش ہے، مثلاً: کچے مکان کی جگہ پختہ مکان، نل کی جگہ پر ٹنکی، سواری کے جانور کی جگہ پر موٹر سائیکل، جیپ کار، تیر کمان کی جگہ رائفل، بندوق وغیرہ، آلات صنعت وحرفت میں دست کاری کی جگہ مشینیں، اسی طرح ضروریات زندگی میں بڑے مکانات میں لفٹ، ٹیلیفون، فریج، کولر، موسم کے اعتبار سے ہیٹر، اے سی، پنکھا، اسی طرح نوکر چاکر یا لونڈی، ڈرائیور وغیرہ جو موٹر چلا سکے اگر گھرانہ خوش حال ہو، اسی طرح بچوں کی پڑھائی یا تربیت کا سامان؛ الغرض اس طرح کی جدید چیزیں جو روز مرہ کی ضروریات زندگی میں داخل ہیں اور جن کی اصل تصریحات فقہ میں بنیادی حیثیت سے موجود ہیں، وہ سب حاجتِ اصلیہ میں داخل ہیں؛ البتہ ٹی وی، وی سی آر جیسی فحش اور ناجائز چیزیں حاجتِ اصلیہ میں داخل نہیں۔

(ملخص از جدید فقہی مباحث ۶/ ۲۹۲، ۲۹۶ ادارۃ القرآن، وایضاح النوادر حصہ دوم ۳۳، ۳۴ وامداد الفتاوی ۲/ ۴۲)

اولاد کا نکاح حوائجِ اصلیہ میں داخل نہیں ہے؛ کیوں کہ اگر وہ بالغ ہیں تو نکاح کی ذمہ داری اولاد پر ہے، اور نابالغ ہیں تو نکاح ضروری نہیں، باپ پر صرف نابالغ اولاد کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ مبوب ومرتب ۹/ ۳۴۳)

نیز ذاتی مکان کا ہونا بھی حاجتِ اصلیہ میں داخل نہیں ہے، زندگی بسر کرنے کے لیے کرایہ کا مکان بھی کافی ہے، اور مکان کے لیے جمع کردہ رقم پر سال گزر جائے تو

زکوٰۃ واجب ہوگی۔ (فتاوی دار العلوم زکریا ۳/ ۱۱۵، ۱۱۶ سے ماخوذ)

② اس کے پاس نقد روپیہ جو بھی موجود ہو، اور ایک تولہ سونے کی بازار میں جو قیمت ہے وہ دونوں ملا کر ۵۹۵ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہوجاتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

③ اگر پانچ سو روپئے اور ساتھ میں دو تولہ سونے کی قیمت ملا کر ۵۹۵ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہوجاتی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

④ زکوٰۃ کی ادائیگی میں قیمت فروخت کا اعتبار ہوگا، زکوٰۃ دیتے وقت بازار میں اس مال کی جو قیمت ہوگی وہ معتبر ہے۔

⑤ جس تاریخ کو زکوٰۃ کا سال پورا ہو رہا ہے اس روز جو نقد اس کے پاس موجود ہے اس کو حساب میں جوڑ لے۔

⑥ چاندی کا نصاب ۵۹۵ گرام ہے، ایک گرام چاندی کی جو قیمت ہو اس کو اس میں ضرب دے دیا جائے، صورتِ مسئولہ میں 15.17758 روپئے ہوتے ہیں۔

⑦ اگر اس کے پاس چاندی کے نصاب کی قیمت کے بقدر حوائجِ اصلیہ سے زائد مال موجود نہ ہو، تو اس کو زکوٰۃ دینے سے ادا ہوجائے گی۔

⑧ زکوٰۃ دینے والے کے لیے ضروری ہے کہ تحقیق کرلے، ظاہری قرائن سے مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دے دی، بعد میں اس کا صاحبِ نصاب ہونا معلوم ہوا تب بھی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، اور اگر بعد میں اس کا غیر مسلم ہونا معلوم ہوا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، دوبارہ زکوٰۃ ادا کرے۔

⑨ اگر اس کی ملکیت میں حوائجِ اصلیہ کے علاوہ اتنا مال موجود ہو جس کی قیمت ۳۵۔۶۱۲ گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہے اگرچہ وہ مال تجارت کا نہ ہو، تو ایسے آدمی کو زکوٰۃ دینا درست نہیں۔

⑩ زکوٰۃ کا سال جس روز ختم ہو رہا ہے اس روز شیئرز کی جو قیمت ہوگی اس کے مطابق حساب لگائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

کتنی رقم پر زکوۃ واجب ہے؟

سوال: سات تولہ سونا یا باون تولہ چاندی پر زکوۃ واجب ہوتی ہے، رقم کتنی ہو جس پر زکوۃ واجب ہوگی؟ واضح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر رقم ہوگی، تو اس پر زکوۃ واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

زکوۃ میں حوائجِ اصلیہ کی تشریح

سوال: ① ایک مولوی صاحب جو شرعاً غریب ہیں، اُن کے پاس مکان بنانے کے لیے کہیں سے زکوۃ کی رقم آئی، تو اِس زکوۃ کی رقم پر بعد حولانِ حول زکوۃ

واجب ہے یا نہیں؟

(۲) حاجتِ اصلیہ میں کون کون سی اشیاء داخل ہیں؟

(۳) حاجتِ اصلیہ کی حد کتنے زمانہ تک کی ہے؟

(۴) اگر زکوٰۃ کی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوتو پھر اب وہ شرعاً مالدار ہے؛ لہٰذا اب اُس کے لیے مکان وغیرہ حاجتِ اصلیہ کے لیے اخذِ زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

(۵) اگر کسی (اہلیہ وغیرہ) کو مالک بنا کر اخذِ زکوٰۃ کرے تو شرعاً کیا حکم ہے؟

(۶) مکان کے لیے جمع کی گئی رقم کا شمار حاجتِ اصلیہ میں ہے یا نہیں؟ جب کہ حاجتِ اصلیہ میں سے اُن کا مکان مستقل نہیں ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) واجب ہے۔

إن الزكاة تجب في النقد كيف ما أمسكه للنماء أوللنفقة (شامي ۲/ ٦)

(۲) حاجتِ اصلیہ سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کے ذریعہ آدمی اپنی ذات سے ہلاکت دور کرتا ہو۔

وفسره ابن ملك بما يدفع عنه الهلاك، تحقيقاً كثيابه، أو تقديراً كدَينه (در مختار على هامش الشامي ۲/ ٦)

اِس میں رَہائشی مکان، استعمالی کپڑے اور گھریلو ضرروی سامان، سورای کا جانور، خدمت کے غلام اور ضروری ہتھیار داخل ہیں۔

كلام الهداية مشعر بأن المراد نفس الحوائج، فإنه قال: وليس في دور السكنىٰ وثياب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة

وسلاح الاستعمال زكاة، لأنها مشغولة بحاجته الأصلية، وليست بنامية أيضا،اھ (شامي ۲ /٦)

③ جب تک آدمی زندہ ہے اِس کی حاجت باقی ہے۔ کما ھو ظاھر

④ اُس کے پاس آنے کے بعداب وہ اُس کی مِلک ہوگئی، زکوٰۃ کی رقم نہیں رہی، اور اِس کا حکم عبارتِ منقولہ نمبر(۱) کے مطابق ہوگیا؛ اِس لیے اب وہ صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔

⑤ اُس رقم کو اپنی ملکیت سے نکال دینے کے بعد وہ صاحبِ نصاب نہیں رہا تو اپنی ضرورت کے لیے (کوئی دے تو) زکوٰۃ لے سکتا ہے، سوال پھر بھی نہ کرے۔

⑥ خود مکان حاجتِ اصلیہ میں داخل ہے۔ نقد رقم اِس مقصد کے لیے جمع کر رکھی ہے تو اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ بقدرِ نصاب ہو۔ كما تدل عليه عبارة الهداية المنقولة عن الشامي.

آپ ایسا کیجیے کہ جوں جوں رقم آتی رہے اُس کو جمع کرنے کے بجائے مکان کا سامان (لکڑی، اینٹ وغیرہ) خریدنے میں صَرف کرتے رہیے تو کوئی اشکال نہیں رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کیا ٹی وی اور کمپیوٹر کا شمار حوائجِ اصلیہ میں ہے؟

سوال : صدقۂ فطر کن لوگوں پر واجب ہے؟ گھر میں رکھے ہوئے ٹی وی، ریڈیو، کمپیوٹر کی مالیت کو بھی نصاب میں شمار کریں گے یا نہیں؟ یعنی ضرورتِ اصلیہ کی اشیاء کے علاوہ میں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جولوگ حوائجِ اصلیہ کے علاوہ مقدارِ نصاب کے مالک ہوں، چاہے اُس نصاب پر سال نہ گزرا ہو، اور چاہے وہ نامی یعنی بڑھنے والا نہ ہو، تب بھی اُس پر صدقۂ فطر واجب ہے، ٹی وی حوائجِ اصلیہ میں داخل نہیں، اور کمپیوٹر اگر اُس کے ذریعۂ معاش کا حصہ ہے تو وہ حوائجِ اصلیہ میں داخل شمار ہوگا؛ ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ضرورت کے لیے جو رقم ہے کیا اُس پر زکوٰۃ ہوگی؟

سوال: ایک شخص کے پاس کئی ہزار روپے جمع ہیں، اُس پر سال بھی گذر چکا ہے؛ مگر اُس کے پاس نہ مکان ہے اور نہ ہی گھریلو سامان، ابھی شادی بھی نہیں کی، اِن ہی ضروریات کے لیے روپیہ جمع کر رکھا ہے، اِس پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اِس پر زکوٰۃ فرض ہے، البتہ اگر سال پورا ہونے سے قبل تعمیرِ مکان کا سامان یا گھریلو استعمال کی اشیاء وغیرہ خرید لے، تو زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔ (احسن الفتاوی ۴/۲۹۱ بحوالۂ شامی ۲/۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حج کے لیے جمع کرائی ہوئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: ایک شخص رمضان میں زکوٰۃ نکالتا ہے، اِس سال حج میں جانے کا ارادہ

ہے؛ لہذا حج کو جانے کے لیے پیشگی رقم جمع کرائی ہے، اب اِس کی روانگی شعبان میں متوقع ہے؛ لہذا جو رقم جمع کی گئی ہے اُس کی زکوٰۃ نکالنی ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آمدورفت کا کرایہ اور معلم وغیرہ کی فیس کے لیے جو رقم دی گئی ہے اُس پر زکوٰۃ نہیں ہے، اِس سے زائد رقم جو کرنسی کی صورت میں اُس کو واپس ملے گی اُس میں سے یکم رمضان المبارک تک جتنی رقم بچے گی اُس پر زکوٰۃ فرض ہے، جو خرچ ہوگئی اُس پر نہیں۔ (احسن الفتاوی ۴/ ۲۶۴ بحوالہ شامی ۱/ ۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

گھر کے لیے جمع شدہ رقم پر زکوۃ اور حج کا حکم

سوال: ایک شخص برطانیہ میں رہتا ہے جہاں پر گھر بہت گراں بکتے ہیں، معمولی مکان خریدنے کے لیے ۳۰، ۳۵ ہزار پاؤنڈ ہوتے ہیں، اور عام معمولی شخص کی تنخواہ ۱۲۵ پونڈ ہفتہ کے ہوتی ہیں برطانیہ میں عام طور پر لوگ گھر خریدنے کے لیے بنک کی لون لیتے ہیں، جس پر سود لگتا ہے، اور آدمی کی اکثر زندگی اسی میں چلی جاتی ہے، اب ایسی حالت میں جب کہ تنخواہ کم، اور گھر کی قیمت زیادہ، اور سودی معاملہ سے پرہیز کرنے کے لیے ایک شخص کرایہ پر رہتا ہے، اور پیسہ جمع کرتا ہے؛ تاکہ گھر خرید لے، تو اس رقم پر جو گھر خریدنے کے لیے ہے، کیا اس پر زکوۃ ادا کرنی پڑے گی؟ امداد الفتاوی میں احتیاطاً ادا کرنے کو لکھا ہے، مگر اوپر کی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے، نیز اقتصادی حالت پر غور

کرتے ہوئے، زکوۃ نہ ادا کرنے کی صورت ہوسکتی ہے؟ اسی طریقہ سے کیا ایسے شخص پر حج فرض ہوگا کہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر جو بحث فرمائی ہے اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس رقم پر زکوۃ فرض ہے۔

فالاولی التوفیق بحمل مافی البدائع وغیرها علی مازاد امسکه ینفق منه کلما یحتاجه فحال الحول وقد بقی معه منه نصاب أنه یزکی ذلك الباقی وإن کان قصده الانفاق منه أیضا فی المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلی حوائجه الأصلیة وقت حولان الحول بخلاف ما إذا حال الحول وهو مستحق الصرف إلیها (شامی ۷۲)

جس زمانہ میں لوگ حج کو جارہے ہیں اور اس آدمی کے پاس یہ رقم موجود ہے تو اس پر حج بھی فرض ہوگا۔

وان لم یکن له مسکن ولا شی من ذلك وعنده دراهیم تبلغ به الحج وتبلغ ثمن مسکن وخادم وطعام وقوت وجب علیه الحج وإن جعلها فی غیره أثم لکن هذا إذا کان وقت خروج أهل بلده کما صرح به فی اللباب أما قبله فیشتری به ماشاء لأنه قبل الوجوب الخ (شامی ۱۵۶/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، جمادی الاخری ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ٹریکٹر، سلائی مشین اور حج کے لیے جمع رقم پر زکوۃ کا وجوب

سوال: کسی کے پاس ٹریکٹر ہے جس سے گھر پر کھیتی کا کام بھی کرتا ہے اور باہر بھی جاتا ہے اور کماتا ہے سرکاری کام بھی کرتا ہے، جس سے آمدنی بھی آتی ہے، تو کیا ٹریکٹر میں زکوۃ ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کی آمدنی میں زکوۃ ہے کہ نہیں؟ اور ایک آدمی سلائی کا یا بھرت کا کام کرتا ہے اور پانچ ہزار کی مشین ہے تو اس میں زکوۃ ہے یا نہیں؟ ایک آدمی مال جمع کرتا ہے اور قیمت زیادہ ہونے پر بیچتا ہے تو اس مال پر کبھی کبھی سال بھی گذر جاتا ہے تو اس پر زکوۃ ہے؟ اور حاجی نے حج کے لیے پیسے جمع کئے پچاس ہزار پڑے ہیں سال پورا گذر گیا؛ لیکن نیت حج کی ہے تو ان پیسوں میں زکوۃ ہے یا نہیں؟ یا پیسے تو تھے مگر سال پورا نہ ہوا تھا، دس مہینے ہوئے تھے کہ حج کے ٹکٹ اور خرچہ کے لیے بھر دئے پھر سال پورا ہوا تو اب زکوۃ ہے یا نہیں؟ اگر زکوۃ ہے تو جو پیسے واپس مکہ میں ملنے والے ہیں ان کی ہے یا پورے پیسوں کی زکوۃ ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ٹریکٹر مال نامی نہیں ہے اس لیے اس میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔ اس کی آمدنی اگر بقدر نصاب ہے اور حاجت اصلیہ سے زائد ہونے کے ساتھ اس پر سال گذر گیا تو زکوۃ واجب ہوگی۔ بھرت کا کام کرنے والے کی مشین میں زکوۃ واجب نہیں ہے۔ جس مال کو وہ جمع کر رہا ہے وہ اگر خریدتا ہے اور اسی لیے کہ قیمت زیادہ ہونے پر بیچنا مقصود ہے تو اس مال پر سال گذرنے سے زکوۃ واجب ہوگی۔ حج کے لیے جو رقم جمع کی گئی ہے اس پر سال گذرنے پر زکوۃ واجب ہوگی۔ اور سال ختم ہونے سے پہلے

اس رقم سے ٹکٹ وغیرہ خرید لیا تو اب اس رقم پر زکوۃ نہیں ہے البتہ جو رقم واپس مکہ مکرمہ میں ملے گی اس میں سال ختم ہو چکا ہے تو زکوۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/محرم الحرام ۱۴۱۴ھ

شادی پر دینے کے لیے رکھے ہوئے زیورات پر زکوۃ

سوال: کسی صاحب نصاب نے اپنی بیٹی کے لیے زیور کا ایک سیٹ ۵/تولہ کا خرید کر رکھا ہے اس کی شادی پر اس کو دیں گے، تو اس ۵/تولہ پر زکوۃ ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جی ہاں! اس آدمی پر اس کی زکوۃ واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/رمضان ۱۴۱۷ھ

روزانہ پس انداز رقم کی زکوۃ کب ادا کرے؟

سوال: بکر روزانہ پچاس روپیہ جمع کرتا ہے، ایک برس بعد اٹھارہ ہزار جمع ہوں گے، اس کی زکوۃ کس طرح دی جائے؟ کیوں کہ اٹھارہ ہزار کو ایک سال کامل نہیں گذرا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر پہلے سے اس کے پاس سونا، چاندی یا دوسری نقد رقم کی شکل میں مقدارِ نصاب موجود ہے، تو اس اصل نصاب پر سال گذرنے سے اس زائد جمع شدہ کی زکوۃ بھی واجب ہوجائے گی، اس کے ساتھ اس کی زکوۃ بھی ادا کرے، اور اگر اس کے

پاس پہلے سے کوئی نصاب سونا، چاندی یا نقد کی صورت میں موجود نہیں ہے، تو روزانہ پس انداز ہونے والے یہ پچاس روپئے کی مجموعی تعداد چاندی کے نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی) کی قیمت کے بقدر ہوجائے، اس دن سے سال کی ابتداء ہوگی، وہ جب مکمل ہوجائے تو مکمل ہونے کے دن جتنی بھی رقم ہوگی (یعنی بعد میں اس میں جو اضافہ ہوا اس کو بھی داخل کرلیا جائے) سب کی زکوۃ ادا کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ شعبان المعظم ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حکومت کی طرف سے بچوں کو دی جانے والی امداد پر زکوۃ

سوال: اِس ملک میں حکومت کی طرف سے قانون ہے کہ: ہر بچہ کی پیدائش سے لے کر اٹھارہ سال تک حکومت کی طرف سے سالانہ ۴۰۰/ چار سو ڈالر کے حساب سے امداد کی جاتی ہے، اور یہ ساری رقم اٹھارہ سال پورے ہونے کے بعد اِس بچہ ہی کو دی جاتی ہے نہ کہ اُس کے والدین کو، اور بالفرض والتقدیر اگر یہ بچہ اٹھارہ سال پورے ہونے سے پہلے ہی وفات پاجائے، تو یہ ساری رقم اُس کے والدین کو نہیں دی جاتی؛ بلکہ حکومت غرباء، مساکین کے درمیان تقسیم کردیتی ہے۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ: اِس رقم کا مالک بچہ ہوگا یا نہیں؟ نیز اٹھارہ سال پورے ہونے کے بعد یہ رقم بچہ کو دے دی گئی تو اِس رقم میں زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو والدین پر ہوگی یا بچہ پر؟ اگر بچہ پر ہوگی تو مکمل اٹھارہ سال کی واجب ہوگی یا پھر بعد البلوغ والے سالوں کی؟

اِس آخری مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ: حکومت کا ایک پلان ہے کہ بچے کے نام

سے ہر ماہ ۵۰ / ڈالر جمع کروائیں، (پیدائش سے لے کر ۱۸ / سال کی عمر ہونے تک) اب اٹھارہ سال ہونے پر بچے کو مثلاً ستر ہزار ڈالر ملے گا، جو خاصۃً بچوں کی کالج یا یونیورسٹی کی پڑھائی کے خرچ میں کام آئیں گے، اُن ڈالر پے زکوۃ کا کیا مسئلہ رہے گا؟ زکوۃ کیسے ادا کریں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کی طرف سے سالانہ چار سو ڈالر کے حساب سے جو امداد بچہ کو اٹھارہ سال پورے ہونے کے بعد دی جاتی ہے، تو چوں کہ یہ رقم حکومت کی طرف سے ایک قسم کی امداد ہے؛ اِس لیے جب تک بچہ کے ہاتھ میں وہ نہیں آئے گی وہاں تک وہ اُس کا مالک نہیں کہلائے گا، اور چوں کہ اٹھارہ سال پورے ہونے پر یہ رقم اُس کو دی جاتی ہے؛ اِس لیے جس وقت یہ رقم اُس کو دی جائے گی، اُس وقت وہ اُس کا مالک ہو کر صاحب نصاب بھی کہلائے گا، اب رقم ملنے پر ایک سال پورا ہونے پر اُس رقم پر زکوۃ کی ادائیگی واجب ہوگی؛ البتہ اگر اُس کی ملک میں پہلے سے بقدرِ نصاب مال موجود ہے تو اِس صورت میں اُس نصاب پر جب سال پورا ہوگا، اِس رقم کی زکوۃ بھی اُسی کے ساتھ لازم ہوگی۔

نوٹ: اِس سوال کے آخری پیراگراف میں مسئلہ کی جو صورت آپ نے تحریر فرمائی ہے، وہ سمجھ میں نہیں آئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بچوں کے نام بینک میں جمع رقم کی زکوۃ کس پر ہے؟

سوال : بچوں کے نام بینک میں کھاتے کھولے ہیں، ہر ماہ اس میں کچھ رقم پابندی سے جمع ہوتی ہے، اس پر مجھے زکوۃ دینی ہوگی یا نہیں؟

الجواب : حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ رقم بچوں کی ہے، اور ان کی نیت سے ہی جمع کراتے ہیں تو اس رقم کی زکوۃ آپ پر واجب نہیں، اس لیے کہ وہ آپ کی ملک نہیں رہی؛ بلکہ بچوں کی ملک ہوگئی، اور اگر آپ کی نیت بچوں کو دینے کی نہیں؛ بلکہ صرف قانونی بچاؤ کی غرض سے ان کے نام پر جمع کرائی ہے، تو وہ رقم آپ کی ہی ہے، اگر آپ صاحب نصاب ہیں تو اس کی زکوۃ بھی آپ پر واجب ہوگی، پہلی صورت میں بچے خود چوں کہ نابالغ ہیں اس لیے ان پر زکوۃ واجب نہیں، ہاں بالغ ہوجانے کی صورت میں اگر ان کی ملک میں بقدر نصاب مال ہے تو زکوۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ

سوال : سرکاری ملازمین کے پراویڈنٹ فنڈ میں لاکھوں روپیے جمع رہتے ہیں، یہ ایسی رقم ہوتی ہے جسے ملازمین اپنی ضرورت کے وقت نکال سکتے ہیں، کیا اِس رقم پر زکوۃ واجب ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تنخواہ سے جو رقم پراویڈنٹ فنڈ میں کاٹی جاتی ہے اور اُس پر ماہ بہ ماہ جو اضافہ محکمہ اپنی طرف سے جمع کرتا ہے، پھر مجموعہ پر جو رقم سالانہ (بنام سود یا انٹرسٹ) ملازم کے حساب میں جمع کرتا ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر اِن میں سے کسی رقم پر سالہائے گذشتہ کی زکوۃ واجب نہیں، ہاں! وُصول ہونے کے بعد سے ضابطہ کے مطابق اُس پر زکوۃ واجب ہوگی، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے؛ مگر صاحبین رحمہما اللہ علیہما کے نزدیک یہ رقم وصول ہونے کے بعد سالہائے گذشتہ کی زکوۃ بھی واجب ہوگی؛ لہٰذا اگر کوئی شخص تقویٰ اور احتیاط پر عمل کرتے ہوئے سالہائے گذشتہ کی زکوۃ بھی دے دے تو افضل اور بہتر ہے، نہ دے تو کوئی گناہ نہیں؛ کیوں کہ فتویٰ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے، فنڈ خواہ جبری ہو یا اختیاری، زکوۃ کے مسائل میں دونوں کے احکام یکساں ہیں۔

مذکورہ بالا حکم اُس وقت ہے جب کہ ملازم نے اپنے فنڈ کی رقم اپنی ذمہ داری پر کسی دوسرے شخص یا کمیٹی وغیرہ کی تحویل میں منتقل نہ کروادی ہو، اگر ایسا کیا یعنی اپنے فنڈ کی رقم اپنی طرف سے اپنی ذمہ داری پر کسی شخص یا بینک، بیمہ کمپنی، کسی اَور مستقل تجارتی کمپنی یا ملازمین کے نمائندوں پر مشتمل بورڈ وغیرہ کی تحویل میں دِلوادی، تو یہ ایسا ہے جیسے خود اپنے قبضہ میں لے لی ہو؛ کیوں کہ اِس طرح جس کمپنی وغیرہ کو یہ رقم منتقل ہوئی وہ اُس ملازم کی وکیل ہوگئی، اور وکیل کا قبضہ شرعاً مؤکل کے قبضہ کے حکم میں ہے؛ لہٰذا جب یہ رقم اُس کمپنی وغیرہ کی طرف منتقل ہوگی اُس وقت اُس پر زکوۃ کے احکام جاری ہوجائیں گے، اور ہر سال کی زکوۃ ضابطہ کے مطابق واجب ہوتی

رہے گی۔ (پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ اور سود کا مسئلہ ۲۶، ۲۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ کے مختلف مسائل

سوال: ① سرکاری ملازم کے پراویڈنٹ فنڈ کے نام سے جو پیسے سرکاری تجوری میں جمع ہوتے ہیں، اس پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ (پراویڈنٹ فنڈ کی رقم ملازم اپنے اختیار سے جب چاہے نکال نہیں سکتا)۔

② پراویڈنٹ فنڈ دو قسم کا ہوتا ہے: ایک فرضیات، دوسرا مرضیات، فرضیات فنڈ تنخواہ پر ۱/ سے ۱۰/ فی صد تک ہوتا ہے، وہ جمع کرنا ہر ملازم پر ضروری ہوتا ہے۔ دوسرا مرضیات فنڈ، یعنی اپنی مرضی سے ہر ماہ جتنی چاہے رقم اس فنڈ میں جمع کروائے، تو وہ رقم بھی اسی پراویڈنٹ میں جمع ہوجاتی ہے، اور اس کو بھی ملازم اپنی مرضی سے جب چاہے نکال نہیں سکتا، تو اسی فرضیات فنڈ کے علاوہ مزید جمع کی گئی رقم پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

③ پراویڈنٹ فنڈ کی جمع کی ہوئی رقم پر دو قسم سے سود ملتا ہے: (۱) ملازم اگر سرکاری ہے تو اس کو ہر سال کی جمع رقم ۱۰/ پر سے ۱۲/ فی صد سود جمع کیا جاتا ہے۔ (۲) اور اگر ملازم غیر سرکاری یعنی کسی فیکٹری یا پرائیویٹ کمپنی کا ہے، تو جتنی رقم فنڈ میں ملازم کی ہے، اتنی ہی رقم کمپنی اپنی طرف سے ملازم کے فنڈ میں جمع کرائے گی، اور دونوں رقمیں مل کر جمع ہوئی رقم پر سرکار سے چھ فی صد سود جمع کرے گی، ان دونوں صورتوں میں سود کی جمع رقم ملازمت ختم ہونے سے ملازم کے قبضے میں آتی ہے، ایسی

سود کی رقم حرام یا حلال؟

④ پراویڈنٹ فنڈ کی جمع رقم جو سرکاری ملازم کو ملازمت کے ۱۵-۲۰ سال پورے ہونے پر اور ملازمت کے ختم ہونے پر نقد ملتی ہے، تو تب یہ نقدی رقم ملنے پر رقم کی زکوۃ ادا کرنی ضروری ہے یا نہیں؟

⑤ بہت سے ملازمین انکم ٹیکس معاف ہوجانے یا گھٹانے کی غرض سے مجبوراً پراویڈنٹ فنڈ میں زیادہ رقم جمع کرادیتے ہیں، اور اس زیادہ رقم پر بھی سود ملتا ہے اور رقم بھی اچھی خاصی جمع ہوجاتی ہے، تو ایسی مجبوری سے جمع کی گئی رقم جو انکم ٹیکس کو بچانے کے لیے جمع کرائی ہے، اس پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

⑥ انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے پراویڈنٹ فنڈ میں زیادہ رقم جمع کرنے کے بعد بھی اگر انکم ٹیکس سے راحت نہیں ہوتی، تو بیمہ پالیسی خریدنی پڑتی ہے، اور بیمہ (انشورنس) میں رقمیں بھرنی ہوتی ہے، ایسی مجبوری میں انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے بیموں میں ڈالی گئی رقم پر بھی سود اور دیگر منافع حاصل ہوتے ہیں، ایسی حالت میں سودی کاروبار کی لعنت کا مصداق ہوگا یا نہیں؟

⑦ کوئی سرکاری ملازم جس کے پاس اپنے خود کا مکان نہیں ہے وہ اپنے پراویڈنٹ فنڈ یا بیمہ پالیسی سے لون لے کر مکان بنانا یا خریدنا چاہتا ہے، ایسی لون کی ادائیگی کے ہفتے کی رقم ہر مہینہ متعین ہوتی ہے جو ۱۵-۲۰ سال تک ادا کرتا رہتا ہے، اور ایسے مہینوں کی رقم پر بھی انکم ٹیکس میں راحت ملتی ہے، تو کیا ایسے ملازم کو جس کا اپنا مکان نہیں لون لے کر اپنا مکان بنانا یا خریدنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①، ② تنخواہ سے جو رقم پراویڈنٹ فنڈ میں کاٹی جاتی ہے اور اس پر ماہ بہ ماہ جو اضافہ محکمہ اپنی طرف سے کرتا ہے، پھر مجموعہ پر جو رقم سالانہ (بہ نام سود یا انٹرسٹ) ملازم کے حساب میں جمع کرتا ہے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر ان میں سے کسی رقم پر سالہائے گذشتہ کی زکوۃ واجب نہیں ہے۔ ہاں! وصول ہونے کے بعد سے ضابطے کے مطابق اس پر زکوۃ واجب ہوگی؛ مگر صاحبین کے نزدیک یہ رقم وصول ہونے کے بعد سالہائے گذشتہ کی زکوۃ بھی واجب ہوگی؛ لہٰذا اگر کوئی شخص تقویٰ اور احتیاط پر عمل کرتے ہوئے سالہائے گذشتہ کی زکوۃ بھی دے دے، تو افضل اور بہتر ہے، نہ دے تو گناہ نہیں؛ کیوں کہ فتویٰ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے۔ فنڈ خواہ جبری ہو یا اختیاری، زکوۃ کے مسائل میں دونوں کے احکام یکساں ہیں۔

یہ حکم اس وقت ہے جب کہ ملازم نے اپنے فنڈ کی رقم اپنی ذمہ داری پر کسی دوسرے شخص یا کمپنی وغیرہ کی تحویل میں منتقل نہ کروادی ہو، اگر ایسا کیا یعنی اپنے فنڈ کی رقم اپنی طرف سے اپنی ذمہ داری پر کسی شخص یا بینک بیمہ کمپنی یا کسی اَور مستقل تجارتی کمپنی یا ملازمین کے نمائندوں پر مشتمل بورڈ وغیرہ کی تحویل میں دلوادی، تو یہ ایسا ہے جیسے خود اپنے قبضے میں لے لی ہو؛ کیوں کہ اس طرح جس کمپنی وغیرہ کو یہ رقم منتقل ہوئی وہ اس ملازم کی وکیل ہوگئی، اور وکیل کا قبضہ شرعاً مؤکل کے قبضہ کے حکم میں ہے؛ لہٰذا جب سے یہ رقم اس کمپنی وغیرہ کی طرف منتقل ہوگئی اس وقت سے اس پر زکوۃ کے احکام جاری ہوجائیں گے، اور ہر سال کی زکوۃ ضابطے کے مطابق واجب ہوتی رہے گی۔

(ضمیمہ پراویڈنٹ فنڈ پر زکوۃ اور سود کا مسئلہ ص: ۲۶، ۲۷)

③ جبری پروویڈنٹ فنڈ میں ملازم کی تنخواہ سے جو رقم ماہ بہ ماہ کاٹی جاتی ہے، اور اس پر ہر ماہ جو اضافہ محکمہ اپنی طرف سے کرتا ہے، پھر مجموعہ پر جو رقم سالانہ بہ نام سود جمع کرتا ہے، شرعاً ان تینوں رقموں کا حکم ایک ہے، اور وہ یہ کہ: یہ سب رقمیں درحقیقت تنخواہ ہی کا حصہ ہے، اگرچہ سود یا کسی اور نام سے دی جائے؛ لہٰذا ملازم کو ان کا لینا اور اپنے استعمال میں لانا جائز ہے، ان میں سے کوئی رقم بھی شرعاً سود نہیں؛ البتہ پراویڈنٹ فنڈ میں رقم اگر اپنے اختیار سے کٹوائی جائے تو اس پر جو رقم محکمہ بہ نام سود دے گا، اس سے اجتناب کیا جاوے؛ کیوں کہ اس میں تشبہ بالربا بھی ہے، اور سود خوری کا ذریعہ بنا لینے کا خطرہ بھی ہے؛ اس لیے خواہ وصول ہی نہ کرے، یا وصول کر کے صدقہ کر دے۔

یہ حکم اس وقت ہے جب کہ پراویڈنٹ فنڈ کی رقم ملازم نے اپنی طرف سے کسی شخص یا کمپنی وغیرہ کی تحویل میں نہ دلوائی ہو؛ بلکہ محکمہ نے اپنے تصرف میں رکھی ہو، یا کسی شخص یا کمپنی وغیرہ کو دی ہو تو اپنے طور سے اپنی ذمہ داری پر دی ہو، اور اگر ملازم نے اپنی ذمہ داری پر یہ رقم کسی شخص یا بینک یا بیمہ کمپنی یا کسی اَور مستقل کمیٹی مثلاً ملازمین کے نمائندوں پر مشتمل بورڈ وغیرہ کی تحویل میں دلوادی، تو یہ ایسا ہے جیسے خود وصول کر کے اس کی تحویل میں دی ہو، اب اگر بینک یا کمپنی وغیرہ اس رقم پر کچھ سود دیں تو یہ شرعاً بھی سود ہی ہوگا، جس کا لینا ملازم کے لیے قطعاً حرام ہے، فنڈ خواہ جبری ہو یا اختیاری۔ (ایضاً ص: ۲۵، ۲۶)

④ جواب نمبر ۱، ۲ دیکھ لیں۔

⑤ جواب نمبر ۱، ۲ دیکھ لیں۔

⑥ اس نے انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے جو بیمہ پالیسی خریدی اپنے اختیار سے

خریدی ہے؛ اس لیے سودی معاملے کی وعیدیں اس پر لاگو ہوں گی۔

⑦ پروویڈنٹ فنڈ کی رقم اس کا حق ہے، اس کو مکان بنانے کے لیے بہ طور قرض لے سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

کیا دَلالی سے جمع کی ہوئی رقم پر زکوۃ ہے؟

سوال: زید دلالی کرتا ہے، اور خریدار سے کہتا ہے کہ: فلاں شخص اِتنے روپے دیتا تھا؛ مگر مَیں نے اُس کو نہیں دیا، گاہک اِس ترغیب سے خرید لیتا ہے، اور زید کو اجرت دلالی کی دیتا ہے، زید کے پاس ایسی اجرت سے بقدرِ نصاب روپیہ جمع ہو گیا ہے، تو زید پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اِس صورت میں زید جھوٹ بولنے کی وجہ سے گنہ گار ہوا، اور حدیث شریف میں ہے کہ: ایسی بیع میں برکت نہیں ہوتی؛ لیکن زید اُس رقم کا مالک ہو جاتا ہے، اور زکوۃ لازم ہوگی۔ (فتاویٰ دار العلوم بحوالہ ہدایہ ۶ / ۹۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

امانت کی رقم پر زکوۃ کا حکم

سوال: میرے پاس کسی کی امانت ہے تو اُس پر زکوۃ دینا میرا فرض ہے یا جس کی رقم ہے وہ زکوۃ دے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس شخص کی امانت آپ کے پاس ہے، آپ کے ذمہ اُس کی زکوۃ نہیں؛ بلکہ اُس کی زکوۃ امانت رکھوانے والے کے ذمہ ہے، اگر اُس نے آپ کو اختیار دے دیا ہے تو آپ بھی اُس رقم سے ادا کر سکتے ہیں۔ (آپ کے مسائل اور اُن کا حل ۳/ ۳۵۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فکس ڈپوزٹ والی رقم پر زکوۃ

سوال: فکس ڈپوزٹ پر زکوۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو رقم بینک میں فیکس ڈپوزٹ کے طور پر رکھی ہوتی ہے اس کی زکوۃ واجب ہے؛ لیکن بینک میں اس طرح رقم رکھنے کا مقصد چوں کہ سود حاصل کرنا ہی ہوتا ہے؛ اس لیے یہ رکھنا حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جمع رقم پر زکوۃ

سوال: ایک شخص نے مکان خریدنے کے لیے روپئے جمع کئے اور ایک لاکھ ہو گئے اور ایک سال بھی گزرا، تو کیا اس پر بھی زکوۃ واجب ہوئی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جی! اس رقم پر زکوۃ واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

موتی، لال برتن، ہیرہ اور تانبے پر زکوۃ

سوال: ① موتی پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

② لال برتن پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ (یہ برتن بے حد قیمتی ہوتا ہے)

③ ہیرا پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

④ شیر کی خرید قیمت دس روپیہ ہے، پھر وہ بیس روپے کا ہوگیا تو زکوۃ کس پر ہوگی: دس روپیہ والے پر یا بیس روپیہ والے پر؟ وضاحت فرمائیں، اور اگر وہ دو روپیہ کا ہوگیا تو کیا کریں؟

⑤ تانبے پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① تا ③ موتی، لال برتن اور ہیرا اگر تجارت کے لیے نہیں ہیں تو ان میں زکوۃ واجب نہیں۔

④ سال ختم ہونے پر اس کی جو قیمت ہے اس پر زکوۃ واجب ہوگی، چاہے وہ دس ہوں یا بیس ہو یا کم وبیش۔ یہ یاد رہے کہ ختم سال والے دن بازار میں جو قیمت ہوگی اس کا اعتبار کیا جائے گا۔

⑤ تانبا اگر تجارت کے لیے نہیں ہے تو اس میں زکوۃ واجب نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ر رمضان ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

سونے کے دانت پر زکوۃ

سوال: اگر سونے کا دانت لگایا ہے تو کیا زکوۃ اس پر واجب ہے؟ اگر واجب ہے تو نصاب کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس آدمی کے پاس اس کے علاوہ دوسرا سونا اتنا ہے کہ دونوں ملا کر سونے کے نصاب کی مقدار (ساڑھے سات تولے یعنی ۸۷/۴۷۹ گرام) پوری ہوجاتی ہے، یا اس کے پاس دوسری چاندی یا نقد رقم ہے اور وہ چاندی یا رقم ملا کر چاندی کا نصاب پورا ہوجاتا ہے، تو اس پر اس کی زکوۃ واجب ہے؛ ورنہ نہیں، چاندی اور سونا آدمی کے پاس جس صورت وشکل میں ہو، اس کی زکوۃ (مقدار نصاب ہونے کی صورت میں) واجب ہوتی ہے۔ (بدائع الصنائع ۲/۱۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ثمنین کو نقد رقم کے ساتھ ملا کر نصاب مکمل کیا جائے گا

سوال: ایک شخص کے پاس پونے سات تولہ سونا اور تیس ہزار روپے نقد ہیں، صرف پانچ تولہ سونے پر سال مکمل ہوا ہے، جو بھی رقم موجود ہے اُس میں سے گھر کی ضروریات میں استعمال کیا جاتا ہے، جس کا سالانہ اندازہ آٹھ دس ہزار روپیے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ: کیا سونے کے اندر زیورات کو نقد رقم میں ملا کر نصاب مکمل کیا جائے گا یا نہیں؟ جب کہ وہ نقدی گھر کی ضروریات میں استعمال ہوتی رہتی

ہے؛ البتہ سال ختم ہونے پر اِتنی رقم باقی رہ جاتی ہے کہ ساڑھے سات تولہ سونے کی قیمت بن سکتی ہے، درمیانی سال میں اِس رقم میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پونے سات تولہ سونے کے ساتھ نقد رقم ملا کر نصاب مکمل کرلیا جائے گا، اور سال کے ختم پر سونے کے ساتھ جتنی رقم باقی ہوگی دونوں پر زکوۃ واجب ہوگی، درمیانی سال ہونے والے اضافہ یا کمی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کیا ہر رقم پر سال گزرنا ضروری ہے؟

سوال: بھینسوں کے کاروبار میں سال بھر کا کل منافع ایک لاکھ ہوا ہے؛ مگر بعض رقم پر سال گزرا ہے اور بعض پر نہیں گزرا؛ کیوں کہ منافع ہر ماہ تھوڑا تھوڑا ہوتا ہے تو زکوۃ کی ادائیگی کس طرح ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

منافع کی مقدار نصاب تک پہنچنے سے سال کی ابتداء شمار ہوگی، اِس کے بعد اُس کی جنس کا جتنا اضافہ ہوا ہے اُس کو بھی اصل نصاب کے ساتھ ملا لیا جاوے گا، اور سال پورا ہونے پر سب مال (اصل نصاب اور بعد کا اضافہ) پر زکوۃ واجب ہوگی۔

والمستفاد ولو بهبة أو إرث وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه، فيزكيه بحول الأصل (درمختار)

(قوله: إلى نصاب) قيد به؛ لأنه لوكان النصاب ناقصا وكمل

بالمستفاد فإن الحول ينعقد عليه عند الكمال (شامي ۲/ ۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیس ہزار روپئے اور ڈھائی تولہ سونے میں زکوۃ

سوال: اگر کسی کے پاس ڈھائی تولہ سونا ہو اور بیس ہزار روپیہ ہو؛ لیکن اس بیس ہزار روپیہ میں سے پندرہ ہزار روپیہ تجارت کے واسطے کسی کو دیا ہو، اور وہ تاجر ہر مہینہ پانچ سو روپیہ دیتا ہو اور وہ پانچ سو روپیہ میں سے چار سو روپیہ سے ہر مہینہ قرض چکاتے ہو، (قرض چھتیس سو روپیہ ہے) جس میں سے ایک سو روپیہ باقی رہتے ہیں، ایسے مرد پر زکوۃ دینا فرض ہے؟ اور وہ بیس ہزار روپیہ بھی ایک آدمی نے محض تجارت کے واسطے ہی دیا ہے، قرض کے طور پر نہیں ہے، اس نے ہمیں ہی وہ پیسے دے دیے (فی سبیل اللہ) تو آپ جواب ارسال فرمائیے کہ ایسے مرد پر زکوۃ دینا فرض ہے یا زکوۃ کا مستحق ہے؟ اب تک جو گھر چل رہا تھا وہ لوگوں کے پاس پیسہ باقی تھے اس سے گھر چلتا تھا، مستقبل کے لیے کچھ نہیں ہے، گھر میں کوئی کمانے والا نہیں ہے، ڈھائی تولہ سونا جو ہے اس میں ڈیڑھ تولہ سونا والدہ کے مہر کا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیس ہزار روپیہ چوں کہ اس کی ملک ہیں اور ساتھ میں ڈھائی تولہ سونا بھی اس کی ملک ہے، اس لیے اس پر صاحب نصاب ہونے کی وجہ سے زکوۃ واجب ہوگی؛ البتہ چوں کہ اس پر چھتیس سو روپیہ قرض ہے، اس لیے قرض کی رقم کو اس بیس ہزار اور سونے کی قیمت میں سے وضع کر کے باقی رقم پر زکوۃ واجب ہوگی، یہ یاد رہے کہ ڈھائی تولہ

سونا اگر اس آدمی کی ملک میں ہے تب ہی اس کا شمار ہوگا، اور اگر پورے ڈھائی تولے اس کی ملک نہیں ہے؛ بلکہ اس میں سے ڈیڑھ تولہ سونا والدہ کی ملک ہے، تو اس ڈیڑھ تولہ کی زکوۃ اس آدمی پر واجب نہیں ہوگی؛ بلکہ اس ڈیڑھ تولہ کے سلسلہ میں اس کی والدہ کو دیکھا جائے گا، اگر ان کے پاس اس سونے کے علاوہ دوسری چاندی یا نقد رقم ملا کر نصاب پورا ہوتا ہے، تو ان پر اس کی زکوۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سونے، کپڑے اور نقد روپیوں میں زکوۃ

سوال: میرا عنقریب نکاح ہونے والا ہے جس میں میرے والد صاحب نے مجھے سات تولہ سونا اور بیس جوڑے کپڑے دیئے ہیں، اور میرے پاس میری ملکیت کے نقد تین ہزار روپئے ہیں، تو ان چیزوں پر سال گزرنے سے مجھ پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

نوٹ: میرے والد صاحب نے مجھے سونے اور کپڑوں کا مالک بنادیا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیس جوڑا کپڑے پہننے کے لیے ہیں اس لیے ان پر زکوۃ واجب نہیں؛ البتہ سات تولہ سونا اور نقد تین ہزار روپیوں پر جب سال پورا ہوگا زکوۃ واجب ہوگی، مطلب یہ ہے کہ اب سونے کے مالک آپ بن چکے ہیں اس لیے اس کی زکوۃ بھی آپ ہی پر واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۶ھ

نقد رقم اور زیورات پر زکوۃ

سوال: ایک لڑکی ہے جس کے والدین حیات نہیں ہے اور ذریعۂ معاش کچھ نہیں ہے؛ مگر اس کے پاس خود کئی سالوں سے اب تک جمع شدہ نقد ۴۰/ ہزار روپے اور ۶۰۰۔۲۸/ گرام سونے کے زیور اور کچھ چاندی، مراد دو تین تولہ کے قریب چاندی ہے، زیور اسے ہدیہ میں ہی ملے ہیں اور وہ سورت میں بہنوں کے پاس رہتی ہے اور بمبئی میں بھی بہن کے پاس رہتی ہے؛ مگر بمبئی میں نفقہ اُسی جمع شدہ رقم سے استعمال کرتی ہے، اب اس پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اور واجب ہے تو کتنی رقم زکوۃ میں دینی ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس پر زکوۃ واجب ہے، نقد چالیس ہزار میں سے ایک ہزار زکوۃ کے طور پر نکالے، اور سونے چاندی کے زیورات کی جو قیمت اِس وقت ہے اس قیمت کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں نکالے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کچھ سونا اور کچھ نقد و چاندی ہو تو زکوۃ واجب ہے؟

سوال: (۱) ایک شخص کے پاس پانچ تولہ سونا اور ساتھ ساتھ میں ایک ہزار نقدی بھی ہے، اور سال بھی اس کے اوپر پورا ہو چکا ہے تو کیا ایسے شخص پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

② میری امی کے پاس ڈھائی تولہ سونا ہے؛ لیکن ساتھ ساتھ ان کے ناک کی نتھ میں باریک سی کڑی چاندی کی نہ ہونے کے برابر ہے اور ان کے پاس ہمیشہ نقدی بھی سو، دوسو روپیہ رہتی ہے، تو کیا وہ نہ ہونے کے برابر والی چاندی کے ساتھ سونے کو ملا کر زکوۃ ادا کرنی پڑے گی یا اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اگر پانچ تولہ سونے کی قیمت اور نقد ایک ہزار روپیہ ملا کر چھ سو بارہ گرام پینتیس ملی گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو جاتا ہے تو زکوۃ فرض ہوگی۔

② وہ چاندی اور نقدی دونوں کے ساتھ ڈھائی تولہ سونے کی قیمت ملا کر چاندی کا نصاب مکمل ہو جاتا ہے تو زکوۃ فرض ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/شوال ۱۴۱۷ھ

سونے کے ساتھ روپیہ بھی ہو تو؟

سوال: کچھ سونا ہے مثلاً دو تولہ، چاندی نہیں ہے، اور روپیہ دو سو ہے، تو اس پر زکوۃ ہے؟ مطلب کہ کچھ سونا ہے کچھ روپیہ ہے تو دونوں نصاب کے لیے ملائے، اگر ساڑھے باون تولہ کے برابر ہو جائے تو صاحبِ نصاب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جی ہاں! اگر سونے کے ساتھ روپیہ بھی موجود ہو تو دونوں کو ملا کر نصاب مکمل کیا جاوے گا، اور زکوۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/شعبان ۱۴۱۶ھ

رانگ ملے ہوئے سونے کی زکوۃ کا حکم

سوال: زیور بنتا ہے تو اس میں رانگا ملاتے ہیں، ۱۰/تولہ کے زیور میں ایک تولہ رانگا ملایا ہو، تو زکوۃ ۹/تولہ کی دینی پڑے گی یا دس تولہ کی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس صورت میں زکوۃ دس تولہ کی واجب ہوگی، وہ ملاوٹ بھی سونے کے حکم میں ہے۔ وغالب الفضة والذهب فضة وذهب (درمختار ۲/ ۳٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی خانپوری، ۱۵/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

زیورات میں کس قیمت کا اعتبار ہوگا؟

سوال: ہمارے گھروں میں عورتوں کے پاس جو زیورات ہیں اس میں زیور بناتے وقت تھوڑا بہت پیتل جوہری ضرور ملاتا ہے، اس زیور کو اگر ہم فروخت کریں تو خالص سونے کی جو قیمت ہے وہ نہیں ملتی اس سے کم ملتی ہے، اس زیورات کی زکوۃ ادا کرتے وقت انفع للفقراء کو مدنظر رکھتے ہوئے خالص سونے کی قیمت کا اعتبار ہوگا یا ملاوٹ والے سونے کا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بازار میں خالص سونے کا دام الگ ہے اور زیورات والے سونے کا دام الگ ہے، زیورات کی زکوۃ بصورت قیمت ادا کی جارہی ہو تو اس کا جو دام ہوگا وہ شمار ہوگا؛

البتہ اگر زیورات کی زکوٰۃ سونے کی صورت میں ادا کی جارہی ہو تو وزن کا اعتبار ہوگا چاہے وہ خالص سونا ہو یا ملاوٹ والا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

صرف روپیوں پر زکوۃ

سوال: کسی کے پاس سونا چاندی نصاب میں نہیں ہے، (یعنی ساڑھے سات تولہ یا ساڑھے باون تولہ چاندی) دیگر پیسے ایک ہزار یا اس سے زیادہ ہیں، اس پر سال گذر گیا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ یعنی اسے زکوٰۃ دینا چاہیے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر صرف روپئے موجود ہیں اور ان پر سال گذر چکا ہے، تو اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہیں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مالِ مستفاد پر زکوۃ کا ایک مسئلہ

سوال: ① میں نے اپنی ایک دکان فروخت کی کیوں کہ اس رقم سے مجھے دوسری دکان خریدنی ہے، جو دکان فروخت کی اس کی رقم مجھے رمضان مہینہ کے پہلے (پندرہ دن پہلے) ملی، ابھی دوسری دکان کا سودا طے نہیں ہوا، اس لیے رقم میرے پاس ہے، اب مجھے یہ جاننا ہے کہ اس رقم پر مجھے زکوۃ ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟

② دوسرا یہ کہ اگر زکوۃ ادا کرنا واجب ہے تو اس زکوۃ کی رقم سے میں ہمارے

ایک رشتہ دار جو غریب ہے ان کے رہنے کا گھر چھپر اور مٹی کا ہے انہیں گھر کی تکلیف ہے، تو کیا اس زکوۃ کی رقم سے میں ان کو گھر بنا کر دے سکتی ہوں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) اگر آپ کے پاس موجود نصاب کا سال ماہ رمضان المبارک کے شروع میں پورا ہو رہا ہے تو اس کے ساتھ اس پر بھی زکوۃ فرض ہو جائے گی۔

(۲) آپ زکوۃ کی رقم انہیں دے دیں وہ از خود اپنا مکان بنالیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/شوال المکرم ۱۴۱۶ھ

یکے بعد دیگرے فیکٹری خریدی تو زکوۃ کا کیا حکم ہے؟

سوال: ایک آدمی ایک فیکٹری لگاتا ہے، اس سے جو آمدنی ہوئی، ابھی سال نہیں گذرنے پائے کہ اس سے دوسری پھر سال نہ گذرے کہ تیسری بنالی، اب زکوۃ کی ادائیگی کا کیا طریقہ ہوگا؟ نیز فیکٹری پر زکوۃ آئے گی کہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب وہ رقم اس نے فیکٹری میں لگادی تو اب اس پر زکوۃ نہیں ہے، اور فیکٹری لگانے سے مقصود خود فیکٹری کی تجارت ہے تب تو اس فیکٹری پر واجب ہے، اور اگر مقصود فیکٹری کی تجارت نہیں؛ بلکہ پیداوار ہے تو فیکٹری پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فیکٹری کی جگہ اور مشینری پر زکوۃ واجب نہیں

سوال: ہمارے پاس الیکٹرک وائرنگ کی پٹیاں اور پائپ اور لائٹ باکس بنانے کی مشین ہے، اب ہمیں زکوۃ اُس مشین پر نکالنی ہے یا اُس سے حاصل ہونے والی آمدنی پر؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فیکٹری کی جگہ اور مکان اور مشینری پر زکوۃ واجب نہیں ہے، آپ کے پاس جو کچا مال اور تیار شدہ مال اور اُس کی قیمت سے حاصل شدہ رقم جمع ہو، اُس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، جس دن سال پورا ہوا اُس دن کچے اور تیار شدہ مال کی جو قیمت بازار میں ہو وہ لگا کر اُس میں نقد رقم ملا کر جو مجموعی مالیت ہوتی ہو، اُس کا چالیسواں حصہ بطورِ زکوۃ ادا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جس زمین کی مٹی سے اینٹیں بنائی جائیں اس میں زکوۃ نہیں

سوال: ایک آدمی کی ملکیت میں زمین ہے، اور وہ تجارت کے لیے نہیں ہے، اور وہ مالک اسی زمین کے اوپر اسی زمین کی مٹی سے اینٹیں بنواتا ہے، تو زمین کے اندر زکوۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب وہ زمین تجارت کے لیے نہیں ہے، تو اس میں زکوۃ واجب نہیں

ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نصاب کے برابر مقروض پر زکوۃ واجب نہیں

سوال: صاحبِ نصاب پر مالِ نصاب کے بقدر قرضہ ہو تو وہ کیا کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس صورت میں اس پر زکوۃ واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سونے چاندی کے ناقص نصاب میں وجوبِ زکوۃ

سوال: ① ایک شخص کے پاس نہ سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ پورا ہے، نہ چاندی کا نصاب پورا ہے، وہ زکوۃ کس طرح ادا کرے؟

② اگر چاندی اور سونے دونوں کو ملا کر کسی ایک کے بقدر نصاب ہو جاتا ہے تو صرف نصاب کے ڈھائی فیصد ادا کرنے ہیں یا نصاب سے زائد جو روپے ہوں ان تمام کے ڈھائی فیصد ادا کرنے ہیں؟

③ ایک شخص کے پاس جتنی قیمت کا زیور ہے اتنی ہی مقدار یا اس سے زیادہ اس پر قرض ہے تو اس پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① کسی کے پاس نہ تو پوری مقدار سونے کی ہے، نہ پوری مقدار چاندی کی؛

بلکہ تھوڑا سونا اور تھوڑی چاندی، تو اگر دونوں کی قیمت ملا کر ساڑھے باون تولہ (یعنی ۶۱۲/گرام اور ۳۵/ملی گرام) چاندی کے برابر ہوجائے تو زکوۃ واجب ہے، اور اگر دونوں چیزیں اتنی تھوڑی تھوڑی ہیں کہ دونوں کی قیمت اتنی چاندی کے برابر نہیں ہوتی تو زکوۃ واجب نہیں۔ (بہشتی زیور ۳/۲۴۰)

(۲) دونوں کو ملا کر جو رقم بنتی ہے اس کا چالیسواں حصہ ادا کرے۔

(۳) اگر قرض ادا کرنے کی بقدر روپے بھی نہیں ہیں تو اس پر زکوۃ واجب نہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بینک میں جمع رقم سے زکوۃ کیسے ادا کرے؟

سوال: عبداللہ نامی ایک شخص کا بینک (BANK) کھاتا (Account) ہے، ہر سال اس میں سے استعمال کے لیے پیسے لیے جاتے ہیں اور جمع بھی کئے جاتے ہیں یعنی کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے؛ البتہ ایک رقم تو ہمیشہ بینک میں موجود رہتی ہے تو اس پر زکوۃ کی ادائیگی کا کیا طریقہ ہوگا؟ اور حساب کیسے ہوگا؟ یہ مسئلہ تین سال کی زکوۃ کا ہے، بینک میں جس طرح ان سالوں میں حساب رہا ہے وہ میں آپ پر بھیج رہا ہوں:

سود کی جو رقم ہے وہ ایک طرف لکھ دی ہے؛ مگر اس بات کا دھیان رہے کہ سود کی رقم آتے ہی فوراً اس کو یہ شخص نکال لیتا ہے یعنی کہ فی الحال بینک میں سود کی کوئی رقم نہیں ہے۔

سال اول کی مجموعی رقم: 1,44,000 ہوئی، جس میں سود کی رقم: 5381 ہے۔

سال دوم کی مجموعی رقم: 1,55,500 ہوئی، جس میں سود کی رقم: 13791 ہوئی۔
سال سوم کی مجموعی رقم: 1,80,500 ہوئی، جس میں سود کی رقم: 20741 ہوئی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں عبداللہ نے اگر اب تک کی زکوۃ ادا نہیں کی ہے تو اس پر

پہلے سال کی زکوۃ: 3465.48

دوسرے سال کی زکوۃ: 3406.09

تیسرے سال کی زکوۃ: 3822.19

تین سال کی مجموعی زکوۃ: 10693.76 واجب الاداء ہے۔

سود کی رقم کے سلسلہ میں ایک وضاحت حضرت مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی مدظلہم کی کتاب ''موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل'' کے حوالہ سے پیش خدمت ہے۔

''یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری معلوم ہو رہا ہے کہ بینک سے ملنے والی رقم کے سود ہونے کا قطعی فیصلہ اور حکم اس وقت ہوگا جب کھاتے دار اپنی کل جمع شدہ رقم بینک سے نکال لے اور اس پر اضافہ ملے، یہ ''اضافہ'' ہی درحقیقت سود ہوگا، اور اسی کا صدقہ کرنا ضروری ہوگا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ کھاتے دار نے اگر جمع شدہ اپنی اصلی رقم سے زیادہ کچھ وصول نہیں کیا ہے تو بینک سے نکالے جانے والی رقم سود نہیں ہوگی؛ بلکہ اصل جمع شدہ رقم کا جزء ہوگی خواہ بینک میں اس کے کھاتے کے اندر سود کے نام سے کچھ رقم جمع کر دی گئی ہو؛ اس لیے اس کا صدقہ کرنا ضروری نہ ہوگا''۔ (۱۷۲/طبع ثانی جمادی الاولیٰ

۱۴۱۷ھ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

زکوۃ کا وجوب اصلی رقم پر ہے نہ کہ سود پر

سوال: زید نے پندرہ ہزار روپیہ فکس میں رکھے ہیں، جو چھ سال رکھنے کے بعد دوچند، یعنی تیس ہزار ہوجائیں گے، تو فکس رکھنے کے بعد پندرہ ہزار کی زکوۃ دے یا تیس ہزار کی؟ یا چھ برس گزرنے پر تیس ہزار کی زکوۃ دے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فکس میں اس لیے رقم رکھنا کہ کچھ مدت کے بعد دوچند ہوجائے گی، ناجائز اور حرام ہے، جو زیادتی اس پر ملی ہے وہ سود ہے، اس کو چاہیے کہ اپنی اس حرکت سے تائب ہوکر وہ زائد رقم فقراء ومساکین کو دیدے، اور نیت یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اس وبال سے نجات عطا فرمائے، ثواب کی نیت نہ ہو، پندرہ ہزار چوں کہ اس کی اپنی ملک تھی اور ہے، اس لیے ان پر گذشتہ تمام سالوں کی زکوۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری

زیور کی زکوۃ کون اور کس طرح نکالے؟

سوال: (الف): عورت کے زیور کا مالک شوہر ہے؟ ساس سسر یا خود عورت؟
(ب) عورت کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا ہے؛ مگر اس کے پاس رقم نہیں

ہے جو بطور زکوۃ نکال سکے، اگر اس کے زیور کا مالک شوہر ہے اور اس کے پاس بھی کھا پی کر کچھ نہیں بچتا ہے، ایسی صورت میں زیور بیچ کر زکوۃ دے یا پھر کیا کرے؟ زیور کا کچھ حصہ بیچ کر زکوۃ ادا کرنے کے لیے عورت تیار نہیں ہے یا پھر قرض لے؟

(ج) عورت کے پاس ساڑھے پانچ تولہ صرف چاندی ہے، گھر میں کھا پی کر کچھ بچتا نہیں ہے، شوہر کے پاس ۶،۵ ہزار روپئے بینک بیلنس ہے، گھر میں ہر وقت کوئی نہ کوئی بیمار رہتا ہے، کب کیا ضرورت پڑ جائے اس کے حساب سے ۶،۵ ہزار ہمیشہ یہ شوہر رکھتا ہے، اور موجودہ زمانہ میں ۶،۵ ہزار روپئے اس مہنگائی کے زمانہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتے جب کہ چاندی کے حساب سے ۵/ ہزار کا مالک صاحب نصاب ہو جاتا ہے، سونے اور چاندی کے نصاب میں بڑی ناانصافی معلوم ہوتی ہے؟ ایسی صورت میں کس طرح زکوۃ ادا کرے؟

(د) خالد کے دو لڑکے زید اور سعید دونوں کی بیویاں ہیں، دونوں ایک ساتھ رہتے ہیں، زکوۃ کے لیے دونوں بیویوں کے زیورات اکٹھا کر کے نصاب مانا جائے گا یا نصاب کے لیے دونوں کا زیور الگ الگ حکم رکھتا ہے؟ بہت سے لوگ جن کی دو تین بہو ہیں، ہر ایک ایک کو الگ الگ زیور کا مالک بناتے ہیں، اس صورت میں کسی تنہا بیوی کا زیور نصاب کو نہیں پہنچتا، شرعاً کیسا ہے؟

(ھ) جنید اور خالد دو بھائی ہیں، خالد کے تین لڑکے ہیں اور یہ تینوں نوکری کرتے ہیں، خالد اپنے تینوں لڑکوں کی عورتوں کا اور اپنی بیوی کا ملا کر نصاب لگاتے ہیں اور پھر زکوۃ ادا کرتے ہیں، جنید اپنی عورت کا زیور خالد اور ان کی اولاد کے ساتھ نہیں ملاتے، وہ کہتے ہیں کہ ہماری بیوی کے زیور نصاب تک نہیں پہنچتے، اس لیے نہ میں زکوۃ

نکالوں گا اور نہ ہی آپ کے ساتھ مل کر نصاب میں شامل ہوں گا، شرعاً کیسا ہے؟ جب کہ خالد اور جنید ایک ساتھ رہتے ہیں، کھانا پینا رہنا سہنا سب ایک ساتھ ہے۔

(و) جنید اور خالد دونوں بھائی ہیں، خالد کے تین لڑکے ہیں، تینوں شادی شدہ ہیں، کوئی عورت صاحب نصاب ہے اور کوئی نہیں، تو زکوۃ خالد پر واجب ہوگی جو گھر کے مالک ہیں یا جس عورت کا زیور نصاب کو پہنچ رہا ہے اس کے نام ہوگی؟ اور اگر تینوں لڑکے اور تینوں عورتیں صاحب نصاب ہیں اور جنید بھی صاحب نصاب تو سب پر قربانی لازم ہوگی یا گھر کے مالک ہونے کی صورت میں صرف خالد پر یا خالد، جنید لڑکوں کے باپ اور چچا دونوں پر واجب ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(الف) عورت کے زیور کی مالکہ عورت ہی ہے؛ البتہ اگر وہ زیور اس کو چڑھاوے میں دیا گیا ہے تو اس میں عرف کا اعتبار ہوگا۔

(ب) زیور جس کی بھی ملکیت میں ہو اس پر اس کی زکوۃ واجب ہے، اگر اس کے پاس زکوۃ کی ادائیگی کے لیے نقد رقم موجود نہیں تو خود زیور کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں نکالے؛ بلکہ اصل حکم تو یہی ہے کہ جس مال میں زکوۃ واجب ہو اسی مال کا چالیسواں حصہ زکوۃ کے طور پر دیا جائے لیکن اگر کوئی آدمی اس مال کے چالیسویں حصہ کے بجائے اتنی قیمت زکوۃ کے طور پر دیدے تو بھی زکوۃ ادا ہوجائے گی، زکوۃ ایک فریضہ ہے، اس کا ادا نہ کرنے والا فاسق ہے اور مستحق عذاب وعقاب، اگر قرض لے کر زکوۃ ادا کرے تب بھی ادا ہوجاتی ہے۔

(ج) عورت کے پاس چاندی کا نصاب ہے، اس کی زکوۃ اس پر واجب ہے، مرد کے پاس نصاب کے بقدر روپئے ہیں ان کی زکوۃ اس پر واجب ہے، شریعت مطہرہ کی مقرر فرمودہ مقدار ونصاب پر ناانصافی کا اطلاق ایک مومن کی شان نہیں، اس سے توبہ ضروری ہے، اللہ تعالیٰ ایمان کی حفاظت فرمائے۔

(د) زیور اگر بہوؤں کی ملک ہے، اور ہر ایک بہو کا زیور الگ سے مقدار نصاب نہیں ہے تو کسی پر زکوۃ واجب نہیں ہے، اور اگر وہ خسر کی ملکیت ہے اور دونوں ملا کر بقدرِ نصاب ہیں تو خسر پر زکوۃ واجب ہے۔

(ہ) کھانا پینا ایک ساتھ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام اشیاء کی ملکیت میں شرکت ہے، اس کے باوجود بہت سی اشیاء میں ہر ایک کی مستقل ملکیت ہوتی ہے، زکوۃ میں ملکیت کا اعتبار ہوتا ہے جیسا کہ اوپر (د) میں بتلادیا گیا ہے۔

(و): زکوۃ کی تفصیل اوپر آچکی ہے، جن جن حضرات کے پاس نصاب کے بقدر مال موجود ہے اور وہ ضروریات وحوائج اصلیہ سے زائد ہے تو چاہے وہ سونا چاندی نہ ہو اور اس پر سال بھی نہ گزرا ہو ان سب پر قربانی واجب ہے، صرف گھر کے ذمہ دار پر نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

لڑکی کے لیے زیور بنوا کر رکھا تو اُس کی زکوۃ کس پر ہے؟

سوال: جو زیور لڑکیوں کی شادی کے لیے بنوا کر رکھا جاتا ہے تو لڑکی کے لیے ایسے زیور پر زکوۃ اُس کے والدین پر ہے یا لڑکی پر؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ زیور لڑکی کی مِلک کر دیا ہے تو اُس پر زکوۃ بلوغ سے پہلے فرض نہیں ہے، نہ لڑکی پر، نہ والدین پر؛ بالغ ہونے کے بعد خود لڑکی پر فرض ہوگی، اگر لڑکی کی ملک نہیں کیا تو جس کی ملک ہے اُس پر زکوۃ فرض ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۱/ ۱۲۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیوی کی زکوٰۃ بیوی ہی ادا کرے

سوال: ایک آدمی کی آمدنی ماہانہ پچیس سو روپیہ ہے اور اس کا خرچ مہنگائی کے لحاظ سے آمدنی کے برابر ہوجاتا ہے اور کچھ بچت ہو ہی جاتی ہے اور اس کے پاس تقریباً بارہ تولہ سونا ہے، جو کہ اس کی بیوی کے میکے سے آیا ہے اور بیوی کہتی ہے کہ آپ زکوۃ اپنی آمدنی سے ادا کریں، میں آپ کو سونا بیچنے نہیں دوں گی، وہ آدمی زکوۃ کس طرح ادا کرے؟ اور زکوۃ جو کہ عموماً ساڑھے سات تولہ پر واجب ہے، تو زکوۃ ساڑھے بارہ تولے کی ادا ہوگی، یا پورے ۲۰/ تولے کی ادا کرنی ہوگی؟ اس آدمی پر تقریباً ۱۷/ ہزار روپئے کا قرض ہے، اور اس شخص کا پراویڈنٹ فنڈ تقریباً ۳۰۰۰۰ (تیس ہزار) روپئے ہے، تو کیا فنڈ پر بھی زکوۃ واجب ہے، اور ہے تو اس شخص کو کل کتنی زکوۃ اور کس طرح ادا کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ سونا بیوی کی ملکیت ہے، اس لیے اس کی زکوۃ بیوی پر واجب ہے، جتنا سونا ہے اس کا چالیسواں حصہ زکوۃ میں دینا ضروری

ہے، اگر بارہ تولہ ہے تو اس کا چالیسواں حصہ، اور اگر بیس تولہ ہے تو اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکالا جائے، اگر وہ چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں واجب ہوا، اس کی جگہ پر اس کی قیمت کے روپئے زکوٰۃ کی نیت سے فقراء کو دے گی، تب بھی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، سونا جب بیوی کی ملکیت ہے تو اس کی زکوٰۃ بھی اسی پر واجب ہے۔

پراویڈنٹ فنڈ میں جو رقم جمع ہے، اس کی تفصیل کیجیے، کیا یہ ساری رقم وہ ہے جو اس کی تنخواہ سے جبری طور پر کاٹی گئی تھی، یا اس میں کچھ ایسی بھی ہے جو اس نے اختیاری طور پر کٹوائی تھی؟ نیز اس میں اس کی تنخواہ میں سے کاٹی ہوئی رقم کتنی ہے اور اضافہ کتنا ہے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عورت کے پاس نقد موجود نہ ہو تو زکوۃ کیسے نکالے؟

سوال: ایک شوہر نے اپنی شادی کے وقت اپنی بیوی کو سونے کے زیورات ہدیہ میں دیے، وہ آدمی مالدار ہے یا اس کی آمدنی کم ہے، اب زکوۃ نکالنے کے وقت شوہر اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ: میں نے تجھے ہدیہ دیا، تو جانے تیرا کام جانے، اور اس عورت کے پاس پیسہ نہیں ہے اور نہ وہ کام کرتی ہے، کیا اس کو کام کرنا پڑے گا؛ تاکہ وہ اپنی زکوۃ دے سکے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو زیورات عورت کو دیے گئے ہیں اگر وہ مقدار نصاب ہیں یا ان کے ساتھ نقد ملا کر نصاب پورا ہوجاتا ہے تو ان کی زکوۃ عورت پر واجب ہے۔ عورت کے پاس نقد

موجود نہ ہو تو خود ان زیورات میں سے چالیسواں حصہ زکوۃ کے طور پر نکالے، اس کے لیے کام کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ر شوال ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شوہر مقروض ہو تو بھی بیوی کے مملوک زیور پر زکوۃ آئے گی

سوال: سید بشیر کے اوپر تقریباً دو لاکھ روپیہ کا قرض ہے، جب کہ اُس کی بیوی کے پاس ساڑھے آٹھ تولہ سونے کے زیورات ہیں، زیورات کی مالک بیوی ہی ہے، تو کیا شوہر کے مقروض ہونے کی وجہ سے اِن زیورات پر زکوۃ آئے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چوں کہ ساڑھے آٹھ تولہ سونے کے زیورات کی مالک بیوی ہے، اور اُس پر کوئی قرضہ بھی نہیں ہے؛ اِس لیے اُس پر اِن زیورات کی زکوۃ فرض ہے، اگر اُس کے پاس زکوۃ کی ادائیگی کے لیے کوئی رقم موجود نہ ہو تو اِس زیور کا چالیسواں حصہ نکال کر بطورِ زکوۃ غرباء میں تقسیم کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شوہر مقروض اور بیوی صاحب نصاب ہو تو؟

سوال: شوہر اور بیوی دونوں کام کرتے ہیں، اور دونوں کی تنخواہ اتنی ہے کہ گھر کے سامان وغیرہ کے لیے کافی ہو، اور شوہر کا قرضہ ہے، اور اس کی بیوی کے پاس

زیورات ہیں، کیا اس کی بیوی کو زکوۃ دینا پڑے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیوی پر اپنے زیورات کی زکوۃ واجب ہے، خود ان زیورات میں سے چالیسواں حصہ زکوۃ کے طور پر نکالنا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ر شوال ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سونا چاندی کے نصاب میں فرق کی وجہ

سوال: نصابِ زکوۃ کے لیے سونا ساڑھے سات تولہ (۸۵ گرام) جس کی قیمت ۳۵/ ہزار تک آتی ہے، اور چاندی: ساڑھے باون تولہ (۵۹۵ گرام) جس کی قیمت تقریباً ۵/ ہزار تک آتی ہے، دونوں کے نصاب میں سات گنا فرق ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ دونوں نصاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح ثابت ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سونے چاندی کا نصاب جدید حساب سے

سوال: موجودہ دور میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا کتنا گرام ہوتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ساڑھے سات تولہ سونا ۸۷ء۴۷۹ گرام اور ساڑھے باون تولہ چاندی ۶۱۲ء۳۵ گرام۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ رشوال المکرم ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

آرڈر پر کام لینے والا زکوٰۃ کیسے ادا کرے؟

سوال: ایک آدمی جس کا کاروبار یہ ہے کہ وہ آدمی ایک آدمی سے آرڈر لیتا ہے اور دوسرے کاریگر کو وہ کام دیتا ہے اور کاریگر کو اس کا معاوضہ دیتا ہے؛ مگر بعض اوقات ایسا ہوتا ہے، جس آدمی سے وہ آرڈر لیتا ہے، وہ آتا ہی نہیں ہے، یا پھر اسے وہ کام پسند نہیں آتا ہے، کاریگر کو اس کی مزدوری تو دینی ہی پڑتی ہے، جس سے کبھی بہت نقصان بھی ہوتا ہے، یہ آدمی زکوٰۃ کس طرح ادا کرے، یعنی کہ سالانہ آمدنی میں سے وہ تمام نقصانات کو نفی کر کے زکوٰۃ ادا کرے، یا پھر پوری آمدنی پر ادا کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر کاروبار تجارت کا ہے، تو ختم سال پر اس کے پاس جتنی رقم اور مال موجود ہے، اس کی زکوٰۃ ادا کرے، اور اگر تجارت نہیں ہے تو پھر اس کی نوعیت واضح فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بھینسوں پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: زید صاحب نصاب ہے اور اس کا بمبئی میں ایک بھینسوں کا اصطبل ہے، جس میں ۱۰۰ بھینسیں ہیں جن کا دودھ بیچتا ہے، اور بھینسوں کو تجارت کی نیت سے نہیں خریدا اور وہ بھینسیں سائمہ بھی نہیں ہیں؛ بلکہ انہیں گھاس دانہ خرید کر کھلایا جاتا ہے؛ تو کیا حولانِ حول پر ان بھینسوں پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا اس کے منافع پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سائمہ نہ ہونے کی وجہ سے بھینسوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

وشرطه أي شرط افتراض أدائها حولان حول وهو فی ملكه، وثمنية المال كالدراهم والدنانير لتعينهما للتجارة بأصل الخلقة فتلزم الزكوٰة كيفما أمسكهما ولو للنفقة أو (السوم) لقيدها الآتی.

(درمختار علی هامش الشامی ۲/۱۱)

ان بھینسوں سے حاصل شدہ منافع، رقم کی صورت میں موجود ہے، اور اس پر سال گزر جائے تو دیگر شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے زکوٰۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

سوال: بھینسوں پر زکوٰۃ واجب ہونے کی صورت میں جب کہ بعض بھینسوں پر حولان حول ہوا ہے، اور بعض بھینسوں پر نہیں ہوا ہے، تو زکوٰۃ کی ادائیگی کی کیا شکل ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوال میں دریافت کردہ صورت پر بھینسوں پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نصاب صدقۃ الفطر میں زمین کا شمار ہوگا؟

سوال: صدقۃ الفطر کے نصاب کو پورا کرنے کے لیے زمین کی مالیت داخل ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر زمین قدر کفایت سے زائد ہے، تو زائد مقدار شمار ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ رشوال المکرم ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بیوی کا صدقۃ الفطر کس کے ذمہ ہے؟

سوال: عقیلہ کی شادی اور رخصتی دونوں ہوچکی ہے، اور آٹھ روز ٹھہر کر اپنے سسرال سے عقیلہ اپنے والدین کے یہاں جاچکی ہے، اور پورا رمضان عقیلہ نے اپنے والدین ہی کے گھر گذارا، تو صدقۃ الفطر عقیلہ کی جانب سے کون ادا کرے گا؟ جب کہ عقیلہ کے پاس صدقۃ الفطر کا نصاب بھی موجود نہیں ہے؛ البتہ اس کے شوہر اور اس کے والدین کے پاس نصاب موجود ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عقیلہ کے پاس اگر نصابِ صدقۃ الفطر ہے، تو خود اپنا صدقۃ الفطر ادا کرے گی، ورنہ والدین یا شوہر میں سے کسی پر عقیلہ کی طرف سے صدقۃ الفطر کی ادائیگی نہیں ہے، چاہے وہ حضرات صاحبِ نصاب ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ رشوال المکرم ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تعمیر مکان کے لیے خریدی گئی اشیاء پر صدقۃ الفطر

سوال: عقیل نامی شخص کا مکان ٹٹی سیٹ کا خستہ مکان ہے، اس نے از سرِ نو مکان بنانے کے لیے چودہ ہزار روپئے کی اینٹ خریدی ہے، اور اس کے پاس کل زمین دو کٹھہ ہے، جس کی مالیت صرف سولہ ہزار روپئے ہے، اور گھر میں سونا چاندی بھی موجود ہے، البتہ نقد کی شکل میں پندرہ سو روپئے اس کے پاس موجود ہیں، اور کسی کا قرض بھی نہیں ہے، تو کیا اس پر صدقۃ الفطر واجب ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

گھر میں موجود سونا چاندی اور نقد پندرہ سو روپیہ ملا کر ساڑے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہوجاتا ہے تو عقیل پر صدقۃ الفطر اور زکوۃ دونوں واجب ہے اور اگر یہ سب ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر نہیں ہوتا، تو زکوۃ واجب نہیں؛ البتہ چوں کہ چودہ ہزار روپئے کی اینٹ ابھی غیر مستعمل پڑی ہے، اس لیے صدقۃ الفطر نیز قربانی واجب ہے۔

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ
کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ رشوال المکرم ۱۴۱۳ھ

قرض اور زکوۃ کے مسائل

مانعِ زکوۃ قرض

سوال: کتنا قرضہ ہو کہ جس کی بنا پر آدمی پر زکوۃ فرض نہیں ہوتی ہر آدمی پر کچھ تو کچھ قرضہ ہوتا ہی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آدمی کے پاس زکوۃ واجب ہونے والا جو مال ہے اس کی مجموعی مقدار میں سے اس کا جتنا بھی قرضہ ہے وضع (کم) کیا جائے اس کے بعد جو مال بچ گیا وہ مقدارِ نصاب یا زیادہ ہے تو اس کی زکوۃ ادا کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۹/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

فیکٹری مالکان تجار کا دینِ محیط اور وجوبِ زکوۃ

سوال: ①ایک آدمی (زید) نے ایک کروڑ روپے کی پراپرٹی کرایہ پر دینے کی نیت سے خریدی اور کرایہ پر دے دی، قیمت کے بیس لاکھ روپے ادا کر دیے، جب کہ سابقہ اَسی (۸۰) لاکھ روپے کئی سالوں میں قسط وار ادا کرنے ہیں، واضح ہو کہ اِس پراپرٹی کا کرایہ سالانہ دس لاکھ روپیہ آتا ہے جس میں سے دو لاکھ روپے نقد ادا کردہ بیس لاکھ کے مقابلہ میں بیٹھتا ہے، جب کہ آٹھ لاکھ روپے واجب الادا قرض

اَسی ۸۰ / لاکھ کے مقابلہ میں پڑتا ہے، اِس پراپرٹی پر حاصل شدہ کرایہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں مقامی علمائے کرام سے مسئلہ دریافت کرنے پر اُنھوں نے بتلایا کہ: ''کرایہ میں سے اوّلاً ایک سال کی واجب الاداء قسطیں وضع کرلی جائیں، بعدہٗ اگر بقدرِ نصاب مال بچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی؛ ورنہ نہیں''؛ مگر اِس پر اشکال یہ ہے کہ اِس صورت میں پورا کرایہ سالانہ قسطوں کی ادائیگی میں خرچ ہوجاتا ہے، اور اُس شخص پر کوئی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، اور ہمارے یہاں اربابِ اموال قسط وار ادائیگی کی شرط پر قرض لیتے چلے جاتے ہیں، اور کرایہ پر دینے کی نیت سے پراپرٹیاں خرید کر کرایہ پر دیتے چلے جاتے ہیں، اور حاصل شدہ کرایہ سے صرف قسطیں ہی ادا ہو پاتی ہیں؛ بلکہ بعض اوقات تو قسطوں کی ادائیگی میں کرایہ ناکافی ہونے پر جیب سے بھی پیسے نکالنے پڑتے ہیں، یوں اِن حضرات کی اَملاک بڑھتی جاتی ہیں اور زکوٰۃ اُن پر واجب نہیں ہوتی، یہ میری سمجھ سے باہر ہے، میرے خیال میں نقد ادا کردہ قیمت کے مقابلہ میں آنے والے کرایہ میں سے ٹیکس کی رقم وضع کرنے کے بعد بقیہ پیسوں پر زکوٰۃ واجب ہونی چاہیے، مثلاً: سوال میں ذکر کردہ صورت کے مطابق نقد ادا کردہ قیمت بیس لاکھ کے مقابلہ میں آنے والے دو لاکھ روپیوں پر ٹیکس وَضع کرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہونی چاہیے، امید ہے کہ اِس کا معقول حل پیش فرمائیں گے۔

(۲) دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی مالدار مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو ایک بڑی (معتدبہ) رقم بطورِ قرض دیتا ہے، اور قرض دار اُس رقم سے پراپرٹی (اَملاک) بہ نیتِ تجارت خریدے، اور قرض کی رقم اُسے قسط وار کئی سالوں میں ادا کرنی ہے، تو ایسی صورت میں مسئلہ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ قرض دار کو ایک سال کی قسطیں وضع کرنے

کے بعد اُس پراپرٹی کی قیمت پر زکوٰۃ ادا کرنی ہے، اور قرض خواہ کو بھی قرض دی ہوئی رقم کی زکوٰۃ وصولی کے بعد گذشتہ سالوں کی بھی ادا کرنی ہے، اِس صورت میں ایک ہی پیسے پر دوہری زکوٰۃ لازم آتی ہے؛ کیوں کہ قرض دار کے پاس جو پراپرٹی ہے وہ اِسی رقم کا عوض ہے؛ لہٰذا گزارش ہے کہ اِس کا تشفی بخش جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں۔

③ ایک شخص نے ایک کروڑ روپئے کا مالِ تجارت خریدا، جس میں سے ۵۰/ لاکھ نقد ادا کر دیے اور ۵۰/ لاکھ قسط وار ادا کرنے ہیں، تو ایسی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ کیا ہونا چاہیے؟ آیا اِس طرح ادا کرے کہ جو قیمت نقد ادا کر دی ہے اُس کے مقابلہ میں آنے والے مالِ تجارت پر زکوٰۃ ادا کر دی جائے، اور جو قسط وار ادا کرنی باقی ہے اُس کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، یا پھر کوئی اَور صورتِ حال ہے؟ برائے مہربانی واضح اور تشفی بخش رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے سوال کا جواب دینے سے پہلے بطورِ تمہید چند امور ذکر کیے جاتے ہیں:

شریعتِ مُطہَّرہ میں زکوٰۃ کے واجب ہونے کے لیے چند شرائط کا ہونا ضروری ہے، اُن میں سے ایک یہ ہے کہ: وہ مال بقدرِ نصاب ہو۔ چناں چہ ''فتاویٰ عالمگیری'' میں شرائطِ وجوب کو جہاں شمار کرایا ہے اُس میں تحریر فرماتے ہیں: ومنها كون المال نصاباً، فلا تجب في أقل منه، هكذا في العيني شرح كنز. (۱/۱۷۲)

اِن ہی شرائطِ وجوب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ: وہ مالِ نصاب نامی ہو۔

① ''کنز الدقائق'' میں ہے: وشرط وجوبها: العقل، والبلوغ، والإسلام والحرية، وملك نصاب حولي فارغ عن الدين وحاجته

الأصلية، نام ولو تقديراً (كنز الدقائق:٥٦)

② ''عالمگیری'' میں ہے: ومنها كون النصاب نامياً حقيقةً بالتوالد والتناسل والتجارة، أو تقديراً بأن يتمكن من الاستنماء بكون المال في يده أو في يد نائبه، وينقسم كل واحد منهما إلى قسمين خلقي وفعلي هكذا في التبيين (١/ ١٧٤)

③ ''بدائع الصنائع'' میں ہے: ومنها كون المال نامياً؛ لأن معنى الزكوٰة وهو النماء لا يحصل إلاّ من المال النامي (٢/ ١١)

اور مالِ نامی کی تشریح میں فقہاء نے اَثمان چاہے وہ خلقی ہوں- جیسے: سونا اور چاندی- یا عرفی ،- جیسے: سکۂ رائج الوقت- اور مالِ تجارت اور سوائم کو شمار کیا ہے۔

''المحيط البرهاني'' میں ہے: فنقول: مال الزكوة الأثمان، وهي الذهب والفضة وأشباههما والسوائم وعروض التجارة (٣/ ١٥٦)

اِس لیے اثمان اور سوائم کے علاوہ میں جب تک تجارت کی نیت نہ ہو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی؛ چناں چہ اگر کسی آدمی نے زمین یا مکان یا اور کوئی چیز تجارت کے علاوہ کسی اَور نیت سے خریدی، مثلاً: رہائش کے لیے یا کرایہ پر دینے کے لیے، تو اُس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔

''ہدایہ'' میں ہے: وليس في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنزل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة؛ لأنها مشغولة بالحاجة الأصلية وليست بنامية أيضاً (هدايه١/ ١٨٦)

''امداد الفتاویٰ'' میں ہے:

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ: بر مکانات ودکانات کہ زائد از

سکونت ہست و براں کرایہ گرفتہ می شود، آیا زکوۃ واجب ست یا نہ؟

الجواب: زکوۃ بر اینہا واجب نیست؛ زیرا کہ نامی شدن نصاب از شرائطِ زکوۃ است، ومکانات نامی نیستند۔ ومنها كون النصاب نامياً (عالمگیری ۱ /۱۷۱) ولا في ثياب البدن وأثاث المنزل ودور السكنى ونحوها(درمختار) قوله:(ونحوها) كحوانيت وخانات يستغلها (طحطاوي مصري ۱/ ۳۹۲)(امداد الفتاوی ۲ /۱۷)

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مالِ نصاب دیون اور قرضوں سے خالی ہو، اگر مالکِ نصاب پر اِتنا قرض ہے کہ پورا مال اُس کی ادائیگی میں ختم ہوسکتا ہے تو اُس پر زکوۃ نہیں، اور اگر قرض تو ہے؛ لیکن اُس کی ادائیگی کے بعد بھی بقدرِ نصاب مال بچ جاتا ہے، تو قرض کی مقدار منہا کرنے کے بعد بچے ہوئے مال پر زکوۃ واجب ہوگی۔

"المحيط البرهاني" میں ہے: الفصل العاشر في بيان ما يمنع وجوب الزكوة، فنقول: ما يمنع وجوب الزكوة أنواع: منها الدين، قال أصحابنا: كل دين له مطالب من جهة العباد يمنع وجوب الزكاة، سواء كان الدين للعباد أو لله تعالى إلخ (۳/ ۲۲۸)

قال محمد رحمه الله في "الجامع" أيضاً: رجل له دراهم ودنانير، وعروض التجارة، والسوائم، ومال قنية، وعقار، وعليه دين مستغرق فلازكاة عليه، وقد مر هذا وإن استغرق الدين بعض هذه الأموال ذكر في عامة نسخ "الجامع": أنه يصرف الدين إلى نصاب الدراهم والدنانير [ثم] إلى مال التجارة، وهكذا ذكر في "النوادر" وذكر فى بعض نسخ "الجامع": أنه يصرف الدين إلى الدراهم والدنانير، وأموال التجارة، وسوى بين الدراهم والدنانير وأموال التجارة، والأول أصح.

يجب أن يعلم أنه إذا كان للمديون صنوف من الأموال المختلفة، والدين مستغرق بعض هذه الأموال، فالدين أولاً يصرف إلى الدراهم والدنانير، إما لأن قضاء الدين استبدل من حيث إن الديون تقضى بأمثالها، و[القضاء] بالمثل مبادلة، فكان صرفه إلى مال معدّ للاستبدال أولى، والدراهم والدنانير معدّة للاستبدال دون غيرها، وإما لأن الدراهم والدنانير أيسر المالين قضاء، والدين أبداً يصرف إلى أيسر المالين قضاءً؛ فإن فضل شيء من الدين يصرف إلى عروض التجارة دون السائمة، إلخ. (۳/ ۲۳۲،۲۳۱)

اور دَین کے سلسلہ میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ: وہ دَین چاہے فوری ادائیگی والا ہو یا مؤجل، بہر صورت وہ وجوبِ زکوۃ سے مانع ہے۔

"تبیین" میں ہے: ولا فرق في الدين بين المؤجل والحال (۱/ ۲۵٤)

"بحر الرائق" میں صاحبِ کنز کے قول "فارغ عن الدين" کی تشریح میں ہے: أطلقه فشمل الحال والمؤجل (بحر الرائق ۲/ ۲۱۹)

"بدائع الصنائع" میں ہے: ومنها أن لا يكون عليه دين مطالب به من جهة العباد عندنا، فإن كان فإنه يمنع وجوب الزكاة بقدره، حالاً كان أو مؤجلاً (۲/ ٦)

"امداد الاحکام" میں ہے:

سوال: ایک شخص نے چار ہزار روپیہ میں ایک زمین خریدی، جس کی ادا دس قسطوں میں قرار پائی ہے، ایک قسط وہ ادا کر چکا اور زمین پر قابض ہو گیا، دوسری قسط کے لیے ڈھائی سو روپیہ اُس کے پاس رکھا ہے جس پر حولانِ حول ہو چکا ہے، تو اُس

رقم پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اور زمین کا قرض مانعِ وجوبِ زکوۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: اُس رقم پر زکوۃ واجب نہیں، قرض بہر حال مانع وجوبِ زکوۃ ہے خواہ زمین کی وجہ سے ہو یا کسی اَور وجہ سے، اور خواہ اُس کی ادا بالاقساط مشروط ہو یا بلا اقساط۔ واللہ أعلم.(۲/۲۸)

معلوم ہوا جس قرض کی ادائیگی قسطوں کی شکل میں تجویز ہوئی ہو وہ بھی بہر حال وجوبِ زکوۃ سے مانع ہے۔

مالِ نصاب میں سے دین اور قرض کو مِنہا کرنے کے سلسلہ میں بھی حضراتِ فقہا نے ترتیب ملحوظ رکھی ہے، مثلاً: کسی آدمی کے پاس مختلف نصاب ہیں، یعنی دراہم ودنانیر والا نصاب بھی ہے اور مالِ تجارت والا نصاب بھی ہے، اور سوائم (مویشیوں) والا نصاب بھی ہے، اور وہ آدمی مدیون بھی ہے، تو اُس کا دین اوّلاً دراہم ودنانیر والے نصاب سے مِنہا کیا جائے گا، اگر اُس میں سے مِنہا کرنے سے وہ دَین پورا ہو جاتا ہے تو اُس نصاب کی زکوۃ اُس پر واجب نہ ہوگی؛ لیکن بقیہ نصابوں (مالِ تجارت اور سوائم) کی زکوۃ اُس پر واجب ہوگی، اگر دراہم ودنانیر سے بھی وہ دَین پورا نہیں ہو رہا ہے تو پھر مالِ تجارت والے نصاب میں سے مِنہا کیا جائے، اِس کے بعد جو نصاب بچ جائے اُس کی زکوۃ وہ ادا کرے گا۔

"عنایہ" شرحِ ہدایہ میں ہے: اعلم أن المديون إذا كان له صنوف من الأموال المختلفة والدين يستغرق بعضها، صرف أولاً إلى النقود، فإن فضل شيء منه صرف إلى عروض التجارة دون السائمة، فإن فضل شيء منه صرف إلى مال القنية، فإن كان له نصب من الإبل والبقر

والغنم يصرف إلى أقلها زكاة الخ (عنايه على هامش فتح القدير ۲/۱۶۱)

"محیط برہانی" میں ہے: يجب أن يعلم أنه إذا كان للمديون صنوف من الأموال المختلفة، والدين مستغرق بعض هذه الأموال، فالدين أولاً يصرف إلى الدراهم والدنانير، إما لأن قضاء الدين استبدل من حيث إن الديون تقضى بأمثالها، و[القضاء] بالمثل مبادلة، فكان صرفه إلى مال معدّ للاستبدال أولى، والدراهم والدنانير معدّة للاستبدال دون غيرها، وإما لأن الدراهم والدنانير أيسر المالين قضاء، والدين أبداً يصرف إلى أيسر المالين قضاءً؛ فإن فضل شيء من الدين يصرف إلى عروض التجارة دون السائمة، إلخ (۳/ ۲۳۲،۲۳۱)

آگے تحریر فرماتے ہیں: فإن كان له نصاب من السوائم والإبل والبقر والغنم فالدين يصرف إلى أقلها زكاةً، حتى إنّ في هذه المسألة يصرف الدين إلى الإبل والغنم الخ(۳/۲۳۲)

اِس ضروری وضاحت کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب دیے جا رہے ہیں:

① مذکورہ بالا پوری تمہید سے یہ بات صاف ہو چکی کہ، اگر کسی کے پاس اموالِ زکوۃ (نقود، مالِ تجارت، سوائم) میں سے کوئی مال بقدرِ نصاب ہو اور وہ دین سے خالی ہو، تب ہی اُس پر زکوۃ واجب ہوگی، چاہے وہ دین معجّل ہو یا مؤجل، چاہے بالاقساط ہو یا بلا اقساط، ہر حال میں وہ دین وجوبِ زکوۃ سے مانع ہے۔

آپ نے اپنے سوال میں جو صورتِ مسئلہ پیش کی ہے اُس میں زید ۸۰ لاکھ روپیہ کا مدیون ہے (اگرچہ یہ رقم اُس کو کئی سالوں میں قسط وار ادا کرنی ہے) تو جب

زید کا زکوۃ کا سال پورا ہوگا اُس وقت اُس کے پاس اموالِ زکوۃ میں سے جتنی بھی اصناف موجود ہوں گی، اُن میں سے بالترتیب اُس کا یہ قرض مِنہا کیا جائے گا، اِس کے بعد اگر اُس کے پاس اموالِ زکوۃ میں سے کوئی مال بقدرِ نصاب بچ جاتا ہے تو اُس پر زکوۃ واجب ہوگی؛ ورنہ نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں زکوۃ کا سال پورا ہونے پر زید کے پاس جو نقد رقم موجود ہے چاہے اُس پراپرٹی کے کرایہ کی شکل میں حاصل شدہ ہو یا اَور کسی ذریعہ سے اُس کی ملک میں آئی ہو، وہ اور جتنا سونا اور چاندی اُس کی مِلک میں ہے، اُس کی قیمت لگا کر اُس کے مجموعہ سے ۸۰ لاکھ روپے قرض منہا کیا جائے، اگر بقدرِ نصاب مال بچتا ہے تو اِس بچے ہوئے پر زکوۃ واجب ہوگی؛ ورنہ بقایا قرض کو مالِ تجارت میں سے منہا کیا جائے، اگر اُس سے قرض پورا ہو جاتا ہے اور بچا ہوا مال بقدرِ نصاب ہے، تو اُس پر زکوۃ واجب ہوگی؛ ورنہ نہیں۔ آپ نے اپنی سمجھ سے وجوبِ زکوۃ کا جو حساب لکھا ہے وہ درست نہیں۔

نوٹ: البتہ اِس صورت میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ اِس زمانہ میں بڑے بڑے مالداروں کا کاروبار ہی یہ ہوگیا ہے کہ قابلِ زکوۃ مال جتنا بڑھتا جاتا ہے اُس سے زیادہ قرض لیتے جاتے ہیں، اور نئی نئی مِلیں، کارخانے کھولتے جاتے ہیں، اگر اِن سب قرضوں کو مِنہا کیا جائے تو ایسے مالداروں کو شاید زکوۃ دینے کی توفیق ہی نہ ہو، جو مقاصدِ شریعت کے خلاف معلوم ہوتا ہے؛ اِسی لیے دورِ حاضر کے بعض اربابِ فتویٰ خصوصاً حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ یہ تھا کہ: ایسے کاروباری حضرات کے لیے اپنے آپ کو زکوۃ سے فارغ سمجھنا مناسب نہیں، اور جس قدر اپنا مال قابلِ زکوۃ ہے اُس کی زکوۃ دینی چاہیے، بالخصوص جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی بھی قسم

کے قرض کو زکوۃ سے منہا کرنے کی گنجائش نہیں؛ لیکن اُن کا فتوی بطورِ وجوب نہیں؛ بلکہ بطورِ مشورہ ہے؛ اِس لیے کہ حنفیہ کا مسلک (جیسا کہ اوپر آچکا) یہی ہے کہ اگر کوئی صاحبِ نصاب مقروض ہو تو قابلِ زکوۃ مالیت میں سے قرض منہا کیا جائے گا، منہائی کے بعد اگر وہ شخص صاحبِ نصاب ہی نہ رہا تو زکوۃ واجب نہیں؛ ورنہ صرف باقی مال کی زکوۃ واجب ہوگی۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی کتاب ''فقہی مقالات'' ۳/ ۱۵۵ پر ''قرضوں کی منہائی'' کے عنوان کے ماتحت ''قرضوں کی قسمیں'' اور پھر ''تجارتی قرضے کب منہا کیے جائیں'' اِن عنوانات سے جو حکم بیان کیا ہے اُس کی بنیاد بھی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مَوقف ہے۔

(۲) آپ کے اِس سوال کی بنیاد بھی وہی نظریہ ہے جو اوپر ذکر کیا گیا؛ ورنہ حنفیہ کا جو اصل مسلک ہے اُس کے اعتبار سے قرض دار پر بنیتِ تجارت خریدی ہوئی اِس پراپرٹی کی قیمت میں سے پورا قرض منہا کرنے کے بعد جو حصہ بچے گا، اُسی کی زکوۃ واجب ہوگی، اور اِس صورت میں آپ کا یہ اشکال کہ ایک ہی پیسہ پر دوہری زکوۃ لازم آتی ہے، وارد نہیں ہوتا۔

(۳) آپ کے اِس سوال کی بنیاد بھی وہی نظریہ ہے جو اوپر بیان کیا جاچکا۔

صورتِ مسئولہ میں اُس پر پچاس لاکھ کی جو ادائیگی باقی ہے وہ پورا دَین مالِ تجارت میں سے منہا کرنے کے بعد جو مال بچ جائے گا، اُس پر بقدرِ حساب زکوۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَملاہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ

دین مہر مانع وجوب زکوۃ ہے یا نہیں؟

سوال : شاہد مالک نصاب ہے، اور اس پر اس کی بیوی شاہدہ کا دین ہے بصورت مہر مؤجل، اور مہر اتنا ہے کہ اگر شاہد مہر ادا کرے تو شاہد مالک نصاب نہیں رہتا؛ مگر شاہد مہر کی ادائیگی کی نیت نہیں رکھتا تو شاہد پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

مسئلۂ بالا میں زید اور بکر کے درمیان اختلاف ہوگیا بایں طور کہ زید کا کہنا ہے کہ شاہد پر اس صورت میں زکوۃ واجب ہوگی، اور کہتا ہے کہ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے وجوب زکوۃ کا فتویٰ دیا ہے، اس کے جواب میں بکر کا کہنا ہے کہ ذکر کردہ صورت میں شاہد پر زکوۃ واجب نہیں ہوگی؛ کیوں کہ دین کسی بھی طرح کا ہو بشرطیکہ اس کا مطالبہ من جہۃ العباد ہو تو وہ مانع وجوب زکوۃ ہے، اور بکر نے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے کے جواب میں کہا کہ حضرت اقدس کا فتویٰ سر آنکھوں پر؛ مگر اس پر ایک اعتراض واقع ہوتا ہے کہ اگر صورت بالا میں شاہد کو مسئلہ بتا کر کہ تم پر زکوۃ واجب ہے، زکوۃ ادا کرادی گئی اور پھر شاہد فوت ہوگیا تو آیا دین مہر جو اس کی بیوی کا اس کے ذمہ قرض ہے وہ معاف ہوجائے گا یا قیامت میں اس کا حساب کتاب ہوگا؟ اگر حساب نہیں ہوگا اور زکوۃ کی ادائیگی سے دین ساقط ہوگیا تب تو درست ہے، اور اگر روز جزاء اس کا حساب ہوگا تو پھر دین کی ادائیگی کی ترغیب دلا کر دین مہر ادا کرائی جانی چاہیے، نہ کہ وجوب زکوۃ کا مسئلہ بتلا کر زکوۃ ادا کرائی جانی چاہیے، اب آں محترم سے التماس ہے کہ مسئلۂ بالا کا شرعی حکم کیا ہے؟ بلا کسی اگر مگر دوٹوک شرعی حکم مدلل عنایت فرمائیں، اور زید و بکر دونوں میں سے کون صحیح پر ہے؟ نیز

حضرت اقدس مولانا تھانوی نوراللہ مرقدہ وبرد مضجعہ کے فتوؤں کی تشریح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دین مہر مانع عن وجوب الزکوۃ ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں کتب فقہ میں مختلف اقوال مذکور ہیں، سب سے پہلے چند کتب فقہ کی عبارتیں پیش کرتا ہوں، اس کے بعد ان کا خلاصہ لکھوں گا:

(۱) ولو كان عليه مهر لإمرأته وهو لا يريد أداءه لا يجعل مانعا عن الزكوة، ذكره في التحفة عن بعضهم لأنه لا يعده دينا، وذكر قبله مهر المرأة يمنع مؤجلا كان أو معجلا؛ لأنها متى طلبت أخذته، وقال بعضهم: إن كان مؤجلا لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادة انتهى وهذا يفيد أن المراد المؤجل عرفا لا شرطا مصرحا به، وإلا لم يصح قوله "لأنها متى طلبت أخذته" ولا بأنه غير مطالب به عادة؛ لأن هذا في المعجل لا المؤجل شرطا فلا معنى لتقتيد عدم المطالبة فيه بالعادة (فتح القدير ۱/ ۴۸۸)

(۲) وعلى هذا يخرج مهر المرأة، فإنه يمنع وجوب الزكوة عندنا معجلا كان أو مؤجلا؛ لأنها إذا طالبته يؤاخذه به، وقال بعض مشائخنا: ان المؤجل لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادة فأما المعجل فيطالب به عادة فيمنع، وقال بعضهم: إن كان الزوج على عزم من قضائه يمنع، وإن لم يكن على عزم القضاء لا يمنع؛ لأنه لا يعده دينا وإنما يؤاخذ المرأ بما عنده في الأحكام (بدائع الصنائع ۲ /۶)

(۳)ومؤجلا ولو صداق زوجته المؤجل للفراق (درمختار) (قوله:

المؤجل) وقيل: المهر المؤجل لا يمنع؛ لأنه غير مطالب به عادة بخلاف المعجل، وقيل: إن كان الزوج عزم على الأداء منع وإلا فلا، لأنه لا يعد دينا بحر عن غاية البيان في القهستاني، والصحيح أن المؤجل غير مانع كما في الجوهرة، وقوله للفراق: متعلق بالمؤجل وسواء كان الفراق بطلاق أو موت كما في البحر (طحطاوي على الدر المختار ١/ ٣٩١)

(٤) أطلقه فشمل الحال والمؤجل ولو صداق زوجته المؤجل إلى الطلاق أو الموت، وقيل: المهر المؤجل لا يمنع لأنه غير مطالب به عادة بخلاف المعجل، وقيل: إن كان الزوج على عزم الأداء منع وإلا فلا لأنه لا يعد دينا كذا في الغاية البيان (البحر الرائق ٢/ ٢١٩)

(٥)وكذلك المهر يمنع مؤجلا كان أو معجلا لأنه مطالب به، كذا في محيط السرخسي وهو الصحيح على ظاهر المذهب، وذكر البزدوي في شرح الجامع الكبير، قال مشائخنا في رجل عليه مهر مؤجل لإمرأته وهو لا يريد أدائه لا يجعل مانعا من الزكوة لعدم المطالبة في العادة وأنه حسن أيضاً هكذا في جواهر الفتاوىٰ (فتاوى عالمگيرى١/ ١٧٣)

(٦) أو مؤجلا ولو صداق زوجته المؤجل للفراق (درمختار) (قوله أو مؤجلا) عزاه في المعراج إلى شرح الطحاوي وقال: وعن أبي حنيفة لا يمنع وقال الصدر الشهيد لا رواية فيه ولكل من المنع وعدمه وجه زاد فى القهستاني عن الجواهر والصحيح أنه غير مانع. (شامي ٢/ ٦)

مندرجۂ بالا عبارات فقہیہ سے چار اقوال معلوم ہوئے: ① دین خواہ مؤجل ہو یا معجّل، مہر ہو یا غیر مہر، بہر صورت مانع وجوب زکوۃ ہے۔ ② دین مؤجل مانع نہیں

مہر ہو یا غیر مہر۔ ③ صرف مہر مؤجل مانع نہیں۔ ④ زوج ادائے مہر کا عزم رکھتا ہو تو مانع ہے ورنہ نہیں۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے آخر میں قول رابع کو ترجیح دی ہے، حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے کفایت المفتی ۴ / ۲۴۶ میں اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الاحکام ۲ / ۳ میں اور حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی دامت برکاتہم نے فتاوی محمودیہ ۱۳ / ۱۰۴ میں اسی کو اختیار فرما کر اس پر فتوی دیا ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی دار العلوم دوم (امداد المفتیین) مطبوعہ کراچی ص ۴۵۱ میں لکھا ہے: ''دین مہر ہمارے ملک میں مانع زکوۃ نہیں''۔ احقر کے خیال میں اس کی بنیاد بھی قول رابع ہی ہے، اس لیے کہ ہمارے یہاں عموماً زوج کا ارادہ وعزم ادائے مہر کا نہیں ہوتا۔ هذا ما عندی، وكذا فهمت من فتاوى الأكابر رحمهم الله تعالىٰ.

سوال میں بکر کا جو اعتراض ذکر کیا گیا ہے، اس سے اکابر کے فتاوی پر کوئی زد نہیں پڑتی، اس لیے کہ فقہاءِ احناف نے بالاتفاق یہ لکھا ہے کہ اگر دین ایسا ہے کہ بندوں کی طرف سے اس کا کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں ہے تو وہ دین وجوبِ زکوۃ سے مانع نہیں، بکر والا مذکورہ اعتراض یہاں بھی وارد ہوتا ہے، کیا زکوۃ ادا کرنے کی وجہ سے آخرت میں اس دین کا مطالبہ نہیں ہوگا؟ مجھے کسی کتاب میں یہ صراحت نہیں ملی کہ قیامت کا مطالبہ اس صورت میں ساقط ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ / ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دین متوسط پر وجوبِ زکوۃ کی ایک صورت

سوال: ایک صاحب نے اپنی حیات میں اپنی ملکیت کو اپنی اولاد پر ہبہ کیا ہے اس طرح پر کہ اپنی کل مالیت کی قیمت لگا کر "للذکر مثل حظ الانثیین" کے حساب سے تقسیم کیا ہے، جس میں تین مکان ہیں، دو کی قیمت پانچ پانچ لاکھ روپیہ ہے اور ایک کی قیمت آٹھ لاکھ روپیہ ہے، وہ تینوں مکان تینوں لڑکوں کو دیا ہے، اور جس مکان کی قیمت آٹھ لاکھ روپیہ ہے اس سے یہ طے کیا ہے کہ وہ تین لاکھ روپیہ پانچ سال میں والد صاحب کو واپس کرے گا، اور والد صاحب نے ان تین لاکھ روپیہ میں سے ڈھائی لاکھ روپیہ اپنی ایک لڑکی کو دینے کا کہا ہے، جو اس کا حصہ بنتا ہے کہ جب وہاں سے روپیہ آئے گا پانچ سال میں تو وہ روپیہ میں تم کو (لڑکی) دے دوں گا، تو اس شکل میں اس تین لاکھ پر جس میں ڈھائی لاکھ لڑکی کا حصہ ہے پچاس ہزار والد کا حصہ ہے زکوۃ کس پر آئے گی؟ نیز ان تینوں لڑکوں سے ستر ستر ہزار روپیہ لینا بھی طے کیا ہے جو حسبِ سہولت تین، چار سال میں ادا کریں گے تو اس رقم پر بھی زکوۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ دین متوسط کے قبیل سے ہے، اس لیے رقم وصول کرنے کے بعد گذشتہ سالوں کی زکوۃ واجب ہوگی، یہ یاد رہے کہ تمام زکوۃ باپ پر واجب ہوگی؛ اس لیے کہ باپ کے یہ کہہ دینے سے کہ اتنی رقم لڑکی کو دینا ہے اس پر لڑکی کی ملکیت یا استحقاق نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے قبضہ میں نہ آجائے۔

نوٹ: باپ اگر اپنی زندگی میں اپنی جائیداد اولاد میں تقسیم کرتا ہے تو یہ شرعاً

میراث نہیں؛ بلکہ ہبہ ہے، اس لیے لڑکے اور لڑکیوں کو برابر دینا چاہیے، لڑکے کو لڑکی کے مقابلہ میں زیادہ دینا درست نہیں۔

لڑکوں سے ستر ہزار کی وصولیابی کس بنیاد پر ہے واضح کیجیے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/شوال ۱۴۱۸ھ

دینِ مؤجل بھی وجوب زکوۃ کے لیے مانع ہے

سوال: ایک آدمی کے پاس مثلاً زید کے پاس ۲۱/ لاکھ روپیہ ہیں جو بکر کو بطورِ قرض دے رکھے ہیں اور مقروض (بکر) قرض خواہ (زید) کو تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کر دے گا، اسی عرصہ میں ان ۲۱/ لاکھ روپیہ پر سال گزر گیا، لہٰذا قرض خواہ (زید) نے ان ۲۱/ لاکھ کی زکوۃ ادا کر دی (اگر چہ وصولیابی کے بعد ادا کرتا تو بھی درست تھا) اسی طرح دوسرا سال چل رہا تھا اور سال پورا ہونے میں ۱۵ یا ۲۰ دن باقی تھے کہ قرض خواہ (زید) نے ایک فلیٹ ۹/ لاکھ میں ادھار خرید لیا، (بیچنے کی نیت نہیں) اور یہ کہا کہ میرے فلاں (بکر) کے پاس سے ۲۱/ لاکھ لینے ہیں، جب وہ دے گا تب ان میں سے ۹/ لاکھ ادا کر دوں گا اور بائع اس پر راضی بھی ہو گیا، اگر چہ ثمن کے ادا کرنے کی مدت مجہول ہونے کی وجہ سے بیع درست نہیں، لیکن بالفرض یہ بیع درست ہوتی اور جو دوسرے سال کے باقی ۱۵ یا ۲۰ دن گزر کر دوسرا سال بھی پورا ہو جائے گا تو ان ۹/ لاکھ جو مشتری (زید) پر قرض ہو گیا ہے، پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

اگر ان ۹/ لاکھ پر زکوۃ واجب ہوتی ہے تو کوئی سوال نہیں، اگر ان ۹/ لاکھ پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی (زید کے ذمہ قرض ہونے کی وجہ سے) تو حضرت مفتی تقی عثمانی

صاحب دامت برکاتہم نے فتاوی عثمانی ۲ / ۷۰ میں ایک ایسے مسئلہ میں وجوبِ زکوۃ کا حکم دیا ہے۔

وہ سوال وجواب یہ ہے:

سوال: کینیڈا میں مکانوں کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ اس کی بیک وقت ادائیگی مشکل ہے، اس لیے مجبوراً قرض پر مکان خریدنا پڑتا ہے اور یہ قرض قسطوں میں ۲۵-۳۰ سال میں ادا کیا جاتا ہے۔ مذکورہ بالا صورت میں یعنی مکان کا قرضہ بھی ہر ماہ قسط کی صورت میں ادا ہو رہا ہے، اس کے باوجود ۵ یا ۱۰ / ہزار ڈالر جمع ہو گئے ہیں، کیا ان پر زکوۃ فرض ہوگی؟ اور حج بھی فرض ہوگا؟۔

جواب: اس رقم پر زکوۃ دینی چاہیے کیوں کہ مکان کا قرض مؤجل ہے اور قرض مؤجل علی الاصح مانع وجوبِ زکوۃ نہیں۔ وعن ابی حنیفة لا یمنع، و قال الصدر الشهید: لا روایة فیه، و لکل من المنع وعدمه وجه زاده القهستانی عن الجواهر و الصحیح انه غیر مانع. (شامی ۲ /۵) (فتاوی عثمانی ۲/ ۷۰)

چوں کہ یہ مسئلہ دو، تین عالموں کے سامنے پیش کیا تو انہوں نے عدمِ وجوب بتایا اور جب فتاوی عثمانی کا مسئلہ پیش کیا تو تحقیق کرنے کو کہا، اخیراً آپ حضرت کی خدمت میں اس امید کے ساتھ پیش کر رہا ہوں کہ آپ ضرور اس کی وضاحت فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

① آپ کے سوال کا جواب دینے سے پہلے بطور تمہید چند امور نقل کئے جاتے ہیں:

(الف) شریعتِ مطہرہ میں زکوۃ کے واجب ہونے کے لیے چند شرائط کا ہونا

ضروری ہے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مال بقدرِ نصاب ہو؛ چناں چہ ''فتاوی عالمگیری'' میں شرائط وجوب کو جہاں شمار کرایا ہے اس میں تحریر فرماتے ہیں:

ومنها كون المال نصاباً فلا تجب فی اقل منه، هكذا فی العينی شرح الكنز(۱/۱۷۲)

انہی شرائطِ وجوب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ مال نصاب نامی ہو۔

کنز الدقائق میں ہے: و شرط وجوبها العقل و البلوغ و الاسلام و الحرية و ملك نصاب حولی فارغ عن الدين و حاجته الاصلية نام ولو تقديرا (كنز الدقائق٥٦)

اور مالِ نامی کی تشریح میں فقہاء نے اثمان - چاہے وہ خلقی ہوں جیسے: سونا اور چاندی، یا عرفی، جیسے: سکہ رائج الوقت - اور مالِ تجارت اور سوائم کو شمار کیا ہے۔

''محیط البرہانی'' میں ہے: فنقول مال الزكوة الاثمان و هی الذهب و الفضة و اشباههما، و السوائم و عروضُ التجارة (۳/ ۱۵٦)

اس لیے اثمان اور سوائم کے علاوہ میں جب تک تجارت کی نیت نہ ہو زکوۃ واجب نہیں ہوگی، چناں چہ اگر کسی آدمی نے زمین یا مکان یا اور کوئی چیز تجارت کے علاوہ کسی اور نیت سے خریدی مثلاً رہائش کے لیے یا کرایہ پر دینے کے لیے، تو اس میں زکوۃ واجب نہیں ہوگی۔

''ہدایہ'' میں ہے: وليس فی دور السكنی وثياب البدن و اثاث المنزل و دواب الركوب و عبيد الخدمة و سلاح الاستعمال زكوة، لانها مشغولة بالحاجة الاصلية و ليست بنامية ايضاً (هدايه١ /١٨٦)

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مالِ نصاب دیون اور قرضوں سے خالی ہو، اگر مالکِ نصاب پر اتنا قرض ہے کہ پورا مال اس کی ادائیگی میں ختم ہوسکتا ہے، تو اس پر زکوۃ نہیں، اور اگر قرض تو ہے لیکن اس کی ادائیگی کے بعد بھی بقدرِ نصاب مال بچ جاتا ہے، تو قرض کی مقدار منہا کرنے کے بعد بچے ہوئے مال پر زکوۃ واجب ہوگی۔

''المحیط البرھانی'' میں ہے: الفصل العاشر فی بیان مایمنع وجوب الزکوۃ: فنقول ما یمنع وجوب الزکوۃ انواع منھا: الدین، قال اصحابنا کل دین لہ مطالب من جھۃ العباد یمنع وجوب الزکوۃ سواء کان الدین للعباد او للہ تعالی الخ (۳/ ۲۲۸)

اور دین کے سلسلہ میں فقہاء نے تصریح کی ہے کہ وہ دین چاہے فوری ادائیگی والا ہو یا مؤجل، بہر صورت وہ وجوبِ زکوۃ سے مانع ہے۔

''تبیین الحقائق'' میں ہے: ولا فرق فی الدین بین المؤجل و الحال (۱/ ۲۵۴)

بحر الرائق میں صاحبِ کنز کے قول: ''فارغ عن الدین'' کی تشریح میں ہے: اطلقہ فشمل الحال و المؤجل (بحر الرائق ۲/ ۲۱۹)

''بدائع الصنائع'' میں ہے: ومنھا ان لا یکون علیہ دین مطالب من جھۃ العباد عندنا فان کان فانہ یمنع وجوب الزکوۃ بقدرہ حالاً کان او مؤجلاً (بدائع الصنائع ۲/ ۶)

(ب) بیع فاسد کی وجوہات میں سے ایک وجہ ''بیع میں مدتِ ادائے ثمن کا مجہول ہونا ہے۔

''ہدایہ'' میں ہے: قال و البیع الی النیروز و المھرجان و صوم النصاری

و فطر اليهود اذا لايعرف المتبايعان ذلك فاسد لجهالة الاجل و هى مفضية الى المنازعة فى البيع لابتنائها على المماكسة الا اذا كانا يعرفانه لكونه معلوما عندهما.(۳/ ٦١)

ترجمہ: اور بیع نوروز، مہرجان، نصاری کے روزوں اور یہودوں کے افطار کے وعدہ پر فاسد ہے جب تک بائع اور مشتری اس کو پہچانتے نہ ہوں، کیوں کہ میعاد مجہول ہے اور بیع کے اندر میعاد مجہول ہونا مفضی الی المنازعۃ ہے کیوں کہ ٹال مٹول پر مبنی ہے، مگر جب کہ دونوں اس کو پہچانتے ہوں کیوں کہ بائع اور مشتری کو میعاد معلوم ہے۔ (ہدایہ اخیرین، باب البیع الفاسد، ص:٦١، ترجمہ از: اشرف الہدایہ، ۸/ ۲۴۸، ۲۴۹)

''عطر ہدایہ'' میں بیع فاسد کے احکام میں لکھا ہے:

① قبضہ سے پہلے اس کا کوئی حکم نہیں ہے۔

② اور قبضہ کے بعد بطور حرام ملک میں آجاتی ہے مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ بائع کی طرف سے رضامندی ہو اور قبضہ کی اجازت ہو اور مجلسِ عقد میں قبضہ ہو جائے، اگر مجلسِ عقد کے بعد قبضہ ہوا یا بائع کی اجازت کے بغیر قبضہ کر لیا تو ملک حاصل نہ ہوگی۔

③ قبضہ کے بعد اگر مال بعینہ موجود ہے تو مال واپس کر کے بیع کو فسخ کرنا واجب ہے۔ (عطرِ ہدایہ، بیع فاسد کا حکم، ص ۱۶۵)

درمختار میں ہے: (واذا قبض المشترى المبيع برضا) عبر ابن كمال باذن (بائعه صريحاً او دلالةً) بان قبضه فى مجلس العقد بحضرته (فى البيع الفاسد) (ملكه). قال الشامى (قوله ملكه) اى ملكاً خبيثاً حراماً.

(الدر المختار مع رد المحتار ۸۸،۸۹/، دار الفكر؛ درر الحكام شرح مجلة الاحكام ۱/ ۳۳۱)

(و) يجب على كل واحد منهما (فسخه قبل القبض) (او بعده مادام) المبيع بحاله.

(در المختار مع رد المحتار ه /۹۱،۹۰، دار الفكر؛ درر الحكام شرح مجلة الاحكام۱ /۳۹۶)

اس تمہید کے بعد پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ:

صورتِ مسئولہ میں زید نے فلیٹ یہ کہہ کر خریدا کہ میرے فلاں (بکر) کے پاس سے ۲۱/ لاکھ لینے ہیں جب وہ دے گا تب ان میں سے ۹/ لاکھ ادا کروں گا اور ادائے ثمن کی مدت متعین نہیں کی تھی تو یہ بیع فاسد ہے، اگر زید نے مجلسِ عقد میں فلیٹ پر قبضہ کرلیا ہے تو زید اس کا مالک ہے اور نو لاکھ روپیہ اس پر بطورِ ثمن دین واجب ہے، اگر مجلسِ عقد میں قبضہ نہیں کیا تھا تو فلیٹ زید کی ملک نہیں ہے لہذا ثمن بھی واجب نہیں ہوا۔

پہلی صورت میں زید نو لاکھ کا مقروض ہوا اس لیے نو لاکھ حوائجِ اصلیہ میں رکھے ہوئے ہونے کی وجہ سے اس پر زکوۃ واجب نہیں، دین کے سلسلہ میں فقہاء کی تصریح سطورِ بالا میں گزر چکی ہے کہ دین مؤجل بھی وجوبِ زکوۃ سے مانع ہے۔

امداد الاحکام میں ہے:

سوال: ایک شخص نے چار ہزار روپے میں ایک زمین خریدی، جس کی ادا دس قسطوں میں قرار پائی ہے، ایک قسط وہ ادا کر چکا اور زمین پر قابض ہو گیا، دوسری قسط کے لیے مال ۲۵۰ روپیہ اس کے پاس رکھا ہے، جس پر حولانِ حول ہو چکا ہے، تو اس رقم پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں، اور زمین کا قرض مانع وجوب زکوۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: اس رقم پر زکوۃ واجب نہیں، قرض بہر حال مانع وجوبِ زکوۃ ہے، خواہ زمین کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے، اور خواہ اس کی ادا بالاقساط مشروط ہو یا بلا

اقساط۔ واللہ اعلم (امداد الاحکام، کتاب الزکوۃ، ۲/ ۲۸، کراچی)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب دامت برکاتہم کا فتوی کینیڈا کے مخصوص حالات اور احتیاط پر مبنی ہے، جواب کے الفاظ ''اس رقم پر زکوۃ دینی چاہیے'' اس پر دال ہیں، اگر زکوۃ واجب ہوتی تو یوں تحریر فرماتے: اس پر زکوۃ واجب ہے۔

نیز حضرت مولانا مدظلہ کے فتوی کا مبنی ایک دوسرا امر بھی ہوسکتا ہے جس کی تفصیل ''محمود الفتاوی'' سے نقل کی جاتی ہے۔

''اس زمانہ میں بڑے بڑے مالداروں کا کاروبار ہی یہ ہوگیا ہے کہ قابلِ زکوۃ مال جتنا بڑھتا جاتا ہے اس سے زیادہ قرض لیتے جاتے ہیں اور نئی نئی میلیں، کارخانے کھولتے جاتے ہیں اگر ان سب قرضوں کو منہا کیا جائے تو ایسے مالداروں کو شاید زکوۃ دینے کی توفیق ہی نہ ہو جو مقاصدِ شریعت کے خلاف معلوم ہوتا ہے، اسی لیے دورِ حاضر کے بعض اربابِ فتوی خصوصاً حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی یہ تھا کہ ایسے کاروباری حضرات کے لیے اپنے آپ کو زکوۃ سے فارغ سمجھنا مناسب نہیں، اور جس قدر اپنا مال قابلِ زکوۃ ہے، اس کی زکوۃ دینی چاہیے، بالخصوص جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کسی بھی قسم کے قرض کو زکوۃ سے منہا کرنے کی گنجائش نہیں۔

لیکن ان کا فتوی بطورِ وجوب نہیں؛ بلکہ بطورِ مشورہ ہے، اس لیے کہ حنفیہ کا مسلک (جیسا کہ اوپر آچکا) یہی ہے کہ اگر کوئی صاحبِ نصاب مقروض ہو تو قابلِ زکوۃ مالیت میں سے قرض منہا کیا جائے گا، منہائی کے بعد اگر وہ شخص صاحبِ نصاب ہی نہ رہا تو زکوۃ واجب نہیں، ورنہ صرف باقی مال کی زکوۃ واجب ہوگی۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی کتاب ''فقہی مقالات'' ۳/ ۱۵۵ پر

''قرضوں کی منہائی'' کے عنوان کے ماتحت ''قرضوں کی قسمیں'' اور پھر ''تجارتی قرضے کب منہا کیے جائیں'' ان عنوانات سے جو حکم بیان کیا ہے اس کی بنیاد بھی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہی موقف ہے''۔ (محمود الفتاوی قدیم ۲/ ۳۷، ۳۸)

بہت ممکن ہے فتاوی عثمانی کا یہ فتوی - جو آپ نے استفتاء میں نقل فرمایا ہے - کا مبنی بھی یہی ہو۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مولانا مدظلہ کا فتوی وجوب کے طور پر نہیں بلکہ زکوۃ میں انفع للفقراء کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک مشورہ ہے۔ باقی حنفیہ کا اصل مذہب وہی ہے جو سطور بالا میں کتب فقہ سے نقل کیا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبد القیوم راجکوٹی، ۲۷/ صفر ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری　　الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

قرض کی زکوۃ قرض دینے والے پر ہے

سوال: زید نے بکر کو ایک لاکھ روپیہ قرض دیا، بکر نے یہ رقم اپنی ضرورت پر خرچ کر دی، اور چار سال تک قرض دہندہ کو لوٹا نہیں سکا، کیا زید کی اِس رقم پر جو کہ اُس کے پاس نقد کی صورت میں نہ تو زید کے پاس موجود ہے نہ بکر کے پاس، کیا اِس صورت میں اُس رقم پر زکوۃ واجب ہے؟ اور اگر ہے تو اُس کی ادائیگی کی ذمہ داری کس پر ہے؟ زید پر یا بکر پر؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید نے جو رقم بکر کو بطورِ قرض دی ہے اُس کی زکوۃ زید پر واجب ہے، چاہے تو

ابھی دے دے اور چاہے تو قرض وصول ہونے کے بعد گزشتہ سالوں کی ادا کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

قرض لی ہوئی رقم کی زکوٰۃ کون ادا کرے گا؟

سوال: میرے نسبتی بھائی کے پاس سے میں نے امانت ایک سال کے لیے بیس ہزار روپئے میرے لڑکے کو باہر ملک بھیجنے لیا تھا؛ لیکن ایجنٹ نے دھوکہ دیا، بھیج نہیں سکا، تکرار چل رہی ہے، پیسے واپس کرتا ہوں کہہ کر دو سال گذر گئے، معلوم یہ کرنا ہے کہ اس رقم کی زکوٰۃ کون ادا کریں؟ میں محمد آدم علی جو رقم لیا ہوں، یا نسبتی بھائی جو اصل رقم والا یا ایجنٹ؟ معلوم ہو کہ رقم تو دھوکہ دینے والوں کے پاس ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے جو رقم اپنے نسبتی بھائی سے بطور قرض لی ہے، اس رقم کی زکوٰۃ آپ کے نسبتی بھائی پر ہی واجب ہے، البتہ یہ اختیار ہے کہ وہ زکوٰۃ ابھی ادا نہ کریں، اور جب اور جتنی رقم ان کے ہاتھ میں واپس آئے اس وقت اتنی رقم کی گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کریں۔ (شامی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ

سونا ادھار خریدنے پر زکوٰۃ

سوال: زید نے بکر کے پاس سے کچھ سونا یعنی بقدرِ نصاب یا اس سے زائد

ادھار لیا، سونا تو زید کی ملکیت میں آچکا ہے، تو اب حولانِ حول کے بعد زکوۃ کس پر واجب ہوگی؟ آیا زید پر یا بکر پر؟ اور کیا یہ خرید وفروخت بھی صحیح ہے یا نہیں؟ اور صحیح نہ ہونے کی صورت میں زید کیا کرے؟ وضاحت کے ساتھ جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ خرید وفروخت اگر روپیوں کے عوض ہوئی ہے، تو درست ہے اور جب وہ سونا زید کی ملکیت میں آچکا ہے تو اس کی زکوۃ بھی زید پر ہی واجب ہوگی؛ البتہ اگر زید مقروض ہے اور قرض کی ادائیگی کے لیے نقد رقم نہیں ہے تو اتنی مقدار اس سونے کی قیمت میں سے کم کی جاوے گی اور بقیہ سونے پر شریعت مطہرہ کے مقرر فرمودہ قانون کے مطابق زکوۃ واجب ہوگی۔ (تکملہ فتح الملہم ۱/۵۸۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ادائے زکوۃ میں قرض لیے ہوئے سرسوں کا دام کس دن کا وضع کرے؟

سوال: ہم نے رمضان کے قبل ۱۰۰ رکونٹل سرسوں بطورِ قرض ایک دوسری پارٹی کے پاس سے لیا تھا، اور شرط کی تھی کہ ہم اس سرسوں کو بیچ دیں گے، اور آپ کو جس وقت ضرورت ہوگی تب ہم ایسا ہی مال آپ کو واپس دیں گے، وہ مال ہم نے ایک کونٹل سات سو روپئے کے دام سے بیچ دیا تھا، اور اس وقت اس کا دام چھ سو روپئے

چل رہا ہے، اور جس وقت اس پارٹی کو دینا ہوگا، اس وقت نہ جانے کیا دام ہوگا، اور اس پارٹی کو دینے کے لیے ابھی تک ہم نے سرسوں خریدا نہیں ہے، تو ہم پر یہ جو قرض ہے وہ جس دام سے ہم نے بیچا ہے اس دام سے گنا جائے گا یا یکم شوال کو جو دام ہے اس دام سے گنا جائے گا یا جس وقت ہم خرید کر اس پارٹی کو دیں گے اس وقت جو دام ہوگا وہ گنا جائے گا؟ رہنمائی فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرض میں مستقرض کے ذمہ وہی چیز واجب سمجھی جاتی ہے جو اس نے بطورِ قرض لی ہے۔ فقہ کا قاعدہ ہے: ''الاقراض تقضی بأمثالها'' اس لیے آپ پر سرسوں ہی واجب الادا ہیں، آپ جب زکوۃ ادا کریں اس وقت ایک سو کوینٹل سرسوں کا جو بھاؤ بازار میں ہو، اتنی رقم وضع کرنے کے بعد بقیہ مال کی زکوۃ ادا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مبیع کی قیمت قسط وار وصولی کی صورت میں زکوۃ کی ادائیگی

سوال: ایک آدمی نے ایک زمین بیچی، جس آدمی کو زمین دی، وہ قسط وار اس کی قیمت ادا کرتا ہے، جس آدمی نے زمین بیچی ہے اس نے ایک دن مقرر کر رکھا ہے زکوۃ ادا کرنے کے لیے، (صاحب نصاب آدمی ہے) اب جب وہ دن آیا تو اس کی زمین کی کل قیمت کی وصولیابی نہیں ہوئی تھی، جب زکوۃ ادا کرے گا تو صرف اتنے حصے کی ادا کرے گا جو وصول ہو چکا، یا ابھی جو رقم آنی باقی ہے اس کی بھی زکوۃ ادا کرے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو رقم ابھی تک وصول نہیں ہوئی ہے اس کی زکوۃ کی ادائیگی اس وقت واجب نہیں ہے؛ بلکہ جب وہ وصول ہوگی اس وقت گذشتہ تمام مدت کی زکوۃ ادا کرے گا۔

وتجب عند قبض أربعين درهما من الدين القوى، كقرض، وبدل مال تجارة، فكلما قبض أربعين درهما يلزمه درهم، وعند قبض مأتين منه لغيرها أي من بدل مال لغير تجارة، وهو المتوسط كثمن سائمة وعبيد خدمة و نحوهما مما هو مشغول بحوائجه الأصلية، كطعام وشراب واملاك ويعتبر مامضى من الحول قبل القبض في الأصح (درمختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ جمادی الاخری ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قرضِ حسنہ پر زکوۃ ہے یا نہیں؟

سوال: جو روپیہ کسی کو قرضِ حسنہ دیا اُس پر زکوۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وصول ہونے کے بعد اُس روپیہ کی زکوۃ دی جائے گی، اگر وصول ہونے سے قبل زکوۃ دے دے تو یہ بھی درست ہے۔ (فتاوی دار العلوم ۶/ ۴۵ بحوالہ شامی ۲/ ۱۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ڈپازٹ پر زکوٰۃ نہیں

سوال : شہر بمبئی میں کرایہ پر گھر لینے کی صورت میں کرایہ کے ساتھ ڈپازٹ لینے کا رواج عام ہے، اور اب تو بغیر ڈپازٹ کے گھر ملنا دشوار ہو گیا ہے، اب سوال یہ ہے کہ: ایک بیوہ عورت ہے جس کے پاس ذاتی ملکیت کا مکان بھی نہیں ہے، وہ خود ڈپازٹ مع کرایہ دے کر رہتی ہے، نیز گھر میں کوئی کمانے والا بھی نہیں ہے، خود محنت کر کے کرایہ ادا کرتی ہے اور گھر کا گزران چلاتی ہے، تو کیا اِس کی ڈپازٹ کی رقم پر زکوٰۃ آئے گی؟ کیوں کہ اگر وہ ڈپازٹ کی رقم سے زکوٰۃ ادا کرے گی تو ایک وقت آئے گا کہ ڈپازٹ کی رقم ختم ہو جائے گی اور وہ بالکل بے گھر ہو جائے گی، تو کیا اِس کی ڈپازٹ کی رقم ضرورتِ اصلیہ میں داخل ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ڈپازٹ کی رقم بحکمِ رہن ہے، اور رہن کی زکوٰۃ نہ راہن پر واجب ہے نہ مرتہن پر، وہ واپس کر دی جائے گی تب بھی رہن کی (گذشتہ ایام کی) زکوٰۃ مالک کے ذمہ واجب نہ ہوگی۔ (از: فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۱۲۰، ۱۲۱)

''اسلامک فقہ اکیڈمی کے اہم فقہی فیصلوں'' میں ہے: ''کرایہ دار کی طرف سے مالکِ دکان ومکان وغیرہ کو پیشگی دی گئی ضمانت کی رقم (Security Deposit) پر زکوٰۃ کرایہ دار کے ذمہ واجب نہیں ہوگی۔ (ص: ۴۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مقروض شخص کا صدقہ کرنا

سوال: جب اپنے پاس پورا پیسہ قرض کا ہے تو صدقہ دینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرض لی ہوئی رقم سے صدقہ دینا درست ہے، مگر مناسب یہ ہے کہ قرض پہلے ادا کرو کہ وہ واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد خانپوری عفی عنہ، ۲۱/ذوالحجۃ ۱۴۱۴ھ

قرض خواہ کے انتقال کے بعد نامعلوم قرض وصول ہو تو زکوۃ فرض ہوگی؟

سوال: زید کا انتقال ہوا، اس کے دس سال کے بعد بکر جو کسی دوسرے شہر میں رہتا تھا، اس نے کہا کہ: میرے ذمہ زید کا قرضہ تھا اور وہ قرض کی رقم زید کے ورثا کو دے دیتا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ: اس رقم میں گزشتہ دس سال کی زکوۃ نکالنی ہوگی یا نہیں؟ ورثا بعد الزکوۃ تقسیم کریں یا بغیر ادا زکوۃ تقسیم کریں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بکر پر زید کا دین ہے اس کا (زید کے ورثا کو) علم نہیں تھا، اور کوئی ثبوت بھی نہیں تھا، تو اس صورت میں گزشتہ سنین کی زکوۃ واجب نہ ہوگی۔ مال ضمار کے حکم میں ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

۱۱/ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ

باب زكوة أموال التجارة

تجارتی زمین پر زکوۃ ہے

سوال: زید نے ایک زمین اس نیت سے خریدی کہ اس پر مکانات تعمیر کر کے فروخت کریں گے، چند سال تک وہ زمین خالی پڑی رہی تو ان سالوں میں اس زمین کی زکوۃ نکالنی ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چوں کہ وہ زمین بھی مالِ تجارت کا ایک حصہ ہے؛ اس لیے جن سالوں میں وہ خالی پڑی رہی ان سالوں کی بھی زکوۃ زید پر واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۴ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

ہوٹل کے خام مال (آٹا، تیل، مصالحہ) پر کیا زکوۃ آئے گی؟

سوال: ہوٹل کے کاروبار میں ہر وقت ہوٹل چلانے کے لیے دس ہزار روپے کا خام مال، مثلاً: آٹا، تیل، شکر وغیرہ رکھنا پڑتا ہے، جو حولانِ حول کے وقت بھی ہوتا ہے، تو کیا اِس اسٹاک مال پر زکوۃ ہوگی؟ اگر واجب ہوگی تو اجتماعی منافع میں سے سب کی اجازت سے ادا کرنے پر ادا ہو جائے گی؟ یا ہر حصہ دار کو اپنے حصہ کی زکوۃ ادا کرنی ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خام مال وہی ہے جو فروخت ہوتا ہے؛ اِس لیے مالِ تجارت ہونے کی وجہ سے

اُس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے؛ لیکن یہ حکم ہر اُس شریک کے لیے ہے جو صاحبِ نصابِ شرعی ہو۔ جن شرکاء پر واجب ہے اُن کی اجازت سے اُن کی زکوٰۃ دیگر شریک نے ادا کردی تو وہ درست ہوجائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مال تجارت کی زکوۃ میں کونسی قیمت کا اعتبار ہے؟

سوال: ایک دوکان دار ہے وہ اپنے مال کی زکوۃ مال ہی سے نکالنا چاہتا ہے مثلاً جوتے کی دکان ہے تو خرید قیمت سے نکالے یا فروخت قیمت سے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سال پورا ہونے پر جس قدر مال موجود ہو اس وقت اس کی جتنی قیمت ہو اس کے حساب سے زکوۃ ادا کرے۔ (فتاوی محمودیہ ۳/۴۹)

قیمتِ فروخت کا اعتبار ہوگا۔ (احسن الفتاوی ۴/۲۹۹)

اگر خود اس مال تجارت کا چالیسواں حصہ بطور زکوۃ دے دیا جائے تو کوئی دغدغہ نہیں رہے گا۔ مثلاً چالیس جوتوں میں سے ایک جوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

زکوۃ میں بیچنے کی قیمت کا اعتبار ہے

سوال: تجارت کی زکوۃ میں کونسی قیمت کا اعتبار ہوگا؟ جس قیمت میں خریدے

اس کا اعتبار ہوگا؟ یا جس قیمت میں ہم بیچنا چاہتے ہیں اس کا اعتبار ہوگا، مثلاً ۵۰۰۰۰ میں خریدا اور میں بیچنا چاہتے ہیں، حضرت والا سے جواب کی امید ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس قیمت پر بیچے گا اس حساب سے زکوۃ ادا کی جائے، یعنی زکوۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں قیمتِ فروخت کا اعتبار کیا جائے گا۔ (از احسن الفتاوی ۴/۲۹۹-فتاوی محمودیہ کراچی ۹/۴۱۶، امداد الفتاوی ۲/۴۲، مسائل بہشتی زیور ۱/۳۱۹، فتاوی رحیمیہ ۱۰/۱۶۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ جمادی الاولی ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

زِیرا، سونف اور رائی پر زکوۃ

سوال: اگر کسی کے پاس اپنے کھیت کا زِیرا، سونف اور رائی وغیرہ زکوۃ نکالتے وقت موجود ہے اور یہ نصاب کی مقدار بھی ہیں، اور یہ مال فروخت کرنے کی نیت سے رکھا ہوا ہے، تو کیا زکوۃ نکالتے وقت ایسے مال کی بھی زکوۃ نکالنی پڑے گی یا نہیں؟ ایسے مال پر زکوۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ اُس کو مالِ تجارت کہتے ہیں یا نہیں؟ مالِ تجارت کی تعریف کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اِس کی زکوۃ واجب نہیں ہے؛ البتہ اگر اِس کو فروخت کر چکا ہے اور زکوۃ نکالتے وقت اِس کی قیمت موجود ہے تو اُس پر زکوۃ واجب ہوگی۔

ومثله الخارج من أرضه؛ لأن الملك ثبت فيه بالنبات، ولا اختيار

له فيه، ولذا قال في البحر: وخرج أي بقيد العقد ما إذا دخل من أرضه حنطة تبلغ قيمتها نصابا، ونوى أن يمسكها ويبيعها، فأمسكها حولا لاتجب فيها الزكوة كما في الميراث (شامي، ۱۱/۲)

تجارت کی تعریف: التجارة كسب المال ببدل هو مال (شامي ۲ /۱۵)

(ترجمہ: تجارت مال کے عوض مال کمانا ہے۔ مرتب) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تجارتی غلہ کی زکوٰۃ کے چند مسائل

سوال: زید نے غلہ کے علاوہ دیگر پیداوار میں سے زِیرا، تمباکو، رائی کو اپنے پاس بطورِ ذخیرہ روک رکھا، کچھ مدت بعد اُس کو ادھار قیمت سے بکر کو بیچ دیا؛ لیکن پھر وہی مال دوبارہ بکر سے تجارت کی غرض سے خرید بھی لیا، اِس صورت میں زید کی اِن اشیاء کے متعلق سوال یہ ہے کہ:

(الف) اب اِس دوبارہ خریدنے کے بعد اِن اشیاء کو مالِ تجارت شمار کریں گے یا حسبِ سابق یہ کھیتی کی پیداوار ہی شمار کی جائے گی؟

(ب) اب سے حولانِ حول پر اِن اشیاء کی زکوٰۃ زید پر واجب ہوگی یا نہیں؟

(ج) زکوٰۃ واجب ہونے کی صورت میں اِن اشیاء کی خرید کی قیمت معتبر ہوگی یا فی الحال کا بازاری بھاؤ معتبر ہوگا؟

(د) بالفرض اب تک اگر اِن اشیاء کا عُشر یا خراج نہیں ادا کیا گیا تو عشر یا خراج کا کیا حکم ہوگا؟

(ھ) اب ادائیگی واجب ہونے کی صورت میں کس طرح سے عشر یا خراج ادا کیا جائے گا؟

(و): بعض مرتبہ زید کا مال بکنے اور دوبارہ خریدنے تک زید ہی کے گھر اُسی جگہ جہاں پہلے سے رکھا ہوا ہے، اُسی ہیئت میں جو پہلے سے ہے، رکھا رہتا ہے، اِس طرح تجارت میں شرعاً کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(الف) جب بغرضِ تجارت خریدا گیا تو خریدتے ہی وہ مالِ تجارت شمار ہوگا۔ وما اشتراہ لها أي للتجارة كان لها، لمقارنة النية لعقد التجارة (درمختار)

(ب) ہوگی۔

(ج) سال پورا ہونے پر جس قدر مال موجود ہو اُس وقت اُس کی جتنی قیمت ہو، اُس کے حساب سے زکوٰۃ ادا کرے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳/۵۰)

(د) اب ادا کرے۔　　(ھ) قیمت لگا کر۔

(و) جب قبضہ نہیں ہوا ہے تو پہلی بیع کے بعد دوسری بیع کیسے درست ہوگی؟۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شرکت والے کاروبار کی زکوۃ کس طرح نکالی جائے؟

سوال: ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو دکان کھلوائی ہے، رقم ایک بھائی کی

ہے اور چلاتا دوسرا بھائی ہے، نفع برابر کا ہے، اُس کی زکوٰۃ کون ادا کرے؟ جب کہ یہ کاروبار شرکت میں ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ جب کسی کاروبار کے لیے مال دیا جائے اور نفع میں حصہ رکھا جائے تو شرعی اصطلاح میں اِس کو ''مضاربت'' کہتے ہیں، اور ہمارے یہاں عام طور سے اِس کو ''شرکت'' کہہ دیا جاتا ہے، اِس کاروبار میں ایک اصل رقم ہوتی ہے اور ایک اُس کا منافع، اصل رقم کی زکوٰۃ اُس کے مالک کے ذمہ ہے، اور اُس کے ذمہ منافع کے اُس حصہ کی زکوٰۃ بھی واجب ہے جو اُسے ملے گا، اور جو نفع پر کام کرتا ہے اگر اُس کا نفع نصاب کی مقدار کو پہنچے اور اُس پر سال بھی گزر جائے، تو اپنے حصہ کی زکوٰۃ اُس پر بھی ہوگی۔ جو قطعہ زمین کا دکان کے لیے خریدا ہے اُس پر زکوٰۃ نہیں۔ (آپ کے مسائل اور اُن کا حل ۳/ ۳۵۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مرغیوں پر زکوٰۃ

سوال: مرغوں اور مرغیوں پر وجوبِ زکوٰۃ کا کیا حکم ہوگا؟ ایک مولوی صاحب کا قول سنا ہے کہ مرغیوں میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور مرغوں میں واجب ہوگی؛ کیوں کہ فارم تجارت کی نیت سے خرید کر مرغے پالتے ہیں، مگر ان کی بات میں خلجان یہ ہے کہ ① صرف مرغے ہوتے ہیں اور ان میں افزائش نہیں ہوتی۔ ② قیمت سے خریدا ہوا فیڈ کھلایا جاتا ہے۔ ③ دو ماہ تک پال کر بڑے کئے جاتے ہیں، پھر

فروخت ہوتے ہیں۔ ④ دو ماہ میں حولان حول نہیں ہوگا؛ لہٰذا مرغوں اور مرغیوں کی زکوۃ کے بارے میں تفصیل سے وضاحت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مرغے، مرغیاں اگر افزائش نسل کے طور پر رکھی ہیں، تو ان میں زکوۃ نہیں ہوگی، اور اگر تجارت کی غرض سے ہیں، تو مال تجارت کے حکم میں ہے، یعنی اس میں باعتبار قیمت زکوۃ واجب ہوگی۔

ولو للتجارة ففيها زكاة التجارة(درمختار)أي بحكم مانوى به التجارة من العروض الشاملة للحيوانات، وبحكم المسامة للحمل والركوب وهو وجوب زكوٰة التجارة في الأول، وعدمه في الثاني (شامي؟ /١٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ١٥ /شوال المکرم ١٤٠٩ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

انڈے پر زکوۃ

سوال: میرا بیوپار مرغی کے انڈے کا ہے، فارم سے لاکر ایک ایک دو کر کے بیچتا ہوں، کیا اس کی زکوۃ نکالنی ہوگی؟ اگر نکالنی ہوگی تو کس طرح؟ پیسوں کی زکوۃ تو نکال دیتا ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نصابِ زکوۃ کا سال جس تاریخ کو پورا ہوتا ہو اس تاریخ کو جو نقد رقم موجود ہو،

اس کے ساتھ اس دن جو مرغیاں بچے انڈے موجود ہیں ان کی قیمت بھی ملالیں، اور اس مجموعے کا حساب لگا کر چالیسواں حصہ بہ طور زکوۃ ادا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲ / رمضان ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

زکوٰۃ دکان پر یا مال پر؟

سوال: ایک آدمی جس کے پاس دکان ہے اور وہ مال سے بھری ہوئی ہے، اس آدمی کو زکوٰۃ کس طرح نکالنی چاہیے؟ کیا اسے صرف مال کی زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے، یا کہ دکان کی قیمت پر بھی زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو مال تجارت اس کے پاس موجود ہے وہ اور ساتھ ہی جو رقم ہے، دونوں کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی، دکان کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ / رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مضاربت کی رقم میں زکوۃ واجب ہے

سوال: میں ایک ملازم ریٹائرڈ ہوا ہوں اور ایک سال کے بعد لڑکی کی شادی ہے، میرے پاس پچاس ہزار روپے نقد تھے تو وہ پیسے میرے بھائی جن کی بڑی تجارت ہے دے دیا ہوں، اور وہ کہتے ہیں کہ یہ پیسے میں میری تجارت میں لگا کر جو منافع ملیں گے ہر ماہ یا جیسے ممکن ہو دے دوں گا، تو زکوۃ کا مسئلہ کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک آدمی کی رقم اور دوسرے کی محنت اس طرح کے جو منافع ہوں وہ پورا رقم والے کو دے دے یہ درست ہے، اس رقم میں زکوۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیچنے کی نیت سے خریدی ہوئی زمین پر زکوۃ

سوال: ایک شخص نے زمین اس نیت سے خریدی کہ اچھی قیمت آنے پر سات آٹھ سال کے بعد فروخت کردوں گا تو کیا اس زمین پر زکوۃ آئے گی؟ ہمارے یہاں مفتی صاحب فرماتے ہیں کہ جب تک تم نے مارکیٹ میں اسے نہیں رکھا یا کسی وکیل وغیرہ کو نہیں کہا تب تک زکوۃ فرض نہ ہوئی، تو کیا ان مفتی صاحب کا یہ کہنا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس زمین کا بیچنے کے ارادہ سے خریدنا اسی کا نام شرعاً تجارت ہے، اس لیے اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/محرم الحرام ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

مشترکہ منافع میں تصرف اور زکوۃ کا حکم

سوال: زید ایک مشترک ہوٹل کا ذمہ دار ہے، سالانہ اس کو پچیس ہزار کی رقم منافع میں حاصل ہوتی ہے، جس میں وہ صرف بیس ہزار کی رقم اپنے تصرف میں لاتا

ہے، بعض مرتبہ ذمہ دار شرکاء کو اس کی اطلاع کرتا ہے اور بعض مرتبہ بلا اطلاع ہی ایسا کرتا ہے، نیز اطلاع دینے پر شرکاء بعض مرتبہ دل سے اجازت دیتے ہیں اور بعض مرتبہ مصلحتاً دل نہ چاہتے ہوئے اجازت دیتے ہیں یا محض خاموشی سے کام لیتے ہیں، ان تمام صورتوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟ نیز ان سب صورتوں میں اس رقم کی زکوۃ کس پر واجب ہوگی؟ اور کس طرح ادا کی جائے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر شرکاء کی اجازت سے تصرف کیا ہے تو درست، اور اس سے حاصل شدہ منافع بھی حلال ہیں، ورنہ نہیں۔

(فان فعل ضمن) بالمخالفة (وكان ذلك الشراء له) (قوله الشراء له) وله ربحه وعليه خسرانه ولكن يتصدق بالربح عندهما وعند ابى يوسف يطيب له اصله المودع اذا تصرف فيها وربح اتقانى (شامى ٤/ ٥٤٢)

جو اجازت دل سے نہیں دی گئی ہے وہ معتبر نہیں ہے۔ قال رسول الله ﷺ الا لاتظلموا الالايحل مال امرء الابطيب نفس منه (مشكوٰة: ٢٥٥) جب دل سے نہ دی گئی اجازت کا یہ حال ہے، تو خاموشی کی صورت میں کیسے جائز ہوگا۔

رہی زکوۃ تو وہ بقدر حصص نفع ہر ایک شریک پر واجب ہوگی، بشرطیکہ دیگر شرائط اس میں موجود ہوں۔ فتجب زكاتها اذا تم نصابا وحال الحول لكن لا فوراً بل عند قبض اربعين درهما من الدين القوي كقرض (درمختار)

جب وہ رقم ان کے پاس آجاوے اس وقت زکوۃ ادا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

باب المصارف

مصرف اور غیر مصرف کی چند صورتیں

سوال: ① اگر کوئی شخص صاحب نصاب ہو اور فی الحال گھر خرچ میں تنگی ہے، تو کیا اس کو زکوۃ کا پیسہ دے سکتے ہیں؟

② صاحب نصاب کسے کہتے ہیں؟ اگر اس پر تفصیلی خلاصہ کر دیتے تو زکاۃ کی رقم ادا کرنے میں عافیت ہوتی۔

③ کسی کو کاروبار کرنے کے لیے بھی دے سکتے ہیں تو کتنی رقم دے سکتے ہیں؟

④ ایک گھرانہ ایسا ہے جس کے گھر کے آدمی دین سے دور ہے، اور سٹہ کھیلتے ہیں؛ گھر کے خرچ کے لیے اسے زکاۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

⑤ وطن میں ایک مدرسہ ہے، جس میں ۷۰ رطلبا صرف عربی تعلیم حاصل کر کے گھر چلے جاتے ہیں، وہاں پر کھانے یا رہنے کا کسی قسم کا نظم نہیں ہے، تو کیا وہاں کے مدرس کو یا اور اخراجات کے لیے زکاۃ کا پیسہ دے سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① جو آدمی صاحب نصاب ہو اس کو زکوۃ کی رقم نہیں دی جاسکتی۔

② جس کے پاس ساڑھے باون تولہ (۶۱۲ گرام ۳۵ ملی گرام) چاندی یا ساڑھے سات تولہ (۸۷ گرام ۴۹۷ ملی گرام) سونا یا اتنی ہی قیمت کا سوداگری کا اسباب ہو، اس کو شریعت میں مال دار کہتے ہیں، ایسے شخص کو زکوۃ کا پیسہ دینا درست

نہیں اور اس کو زکوۃ کا پیسہ لینا اور کھانا بھی حلال نہیں۔ اسی طرح جس کے پاس اتنی ہی قیمت کا کوئی مال ہو تو سوداگری کا اسباب تو نہیں؛ لیکن ضرورت سے زائد ہے، وہ بھی مال دار ہے، ایسے شخص کو بھی زکوۃ کا پیسہ دینا درست نہیں، اگرچہ خود اس قسم کے مال دار پر زکوۃ واجب نہیں۔ اور جس کے پاس اتنا مال نہیں؛ بلکہ تھوڑا مال ہے، یا کچھ بھی نہیں یعنی ایک دن کے گزارے کے موافق بھی نہیں، اس کو غریب کہتے ہیں، ایسے لوگوں کو زکوۃ کا پیسہ دینا درست ہے، اور ان لوگوں کو لینا بھی درست ہے۔ رہنے کا گھر اور پہننے کے کپڑے اور کام کاج کے لیے نوکر چاکر اور گھر گھرستی جو اکثر کام میں رہتی ہے، یہ سب ضروری اسباب میں داخل ہیں، اس کے ہونے سے مال دار نہیں ہوتا، چاہے جتنی قیمت کی ہو؛ اس لیے اس کو زکوۃ کا پیسہ دینا درست ہے۔ کسی کے پاس پانچ مکان ہیں جن کو کرایہ پر چلاتا ہے اور اس کی آمدنی سے گزر کرتا ہے؛ لیکن بال بچے اور گھر میں کھانے پینے والے لوگ اتنے زیادہ ہیں کہ اچھی طرح بسر نہیں ہوتی اور تنگی رہتی ہے، اور اس کے پاس کوئی ایسا مال بھی نہیں جس میں زکوۃ واجب (مثلاً چاندی، سونا، سامانِ تجارت)، تو ایسے شخص کو بھی زکوۃ کا پیسہ دینا درست ہے۔ (بہشتی زیور ۳/۳۱)

③ جو صاحبِ نصاب نہ ہو اس کو زکوۃ کی رقم کاروبار کرنے کے لیے مالک بنا کر دے سکتے ہیں۔ اتنی رقم دے کہ وہ صاحب نصاب نہ بن جائے۔

④ دے سکتے ہیں۔

⑤ وہ مدرِس اگر صاحبِ نصاب نہیں ہے تو اس کو زکوۃ کی رقم ادائیگیٔ زکوۃ کے لیے مالک بنا کر دی جاسکتی ہے، تنخواہ میں نہیں دی جاسکتی۔ مدرسے کے اخراجات کے

لیے دینا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ رشوال المکرم ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

جس کے پاس ٹی وی وغیرہ ہو اُس کو زکوٰۃ دینا

سوال: ایک شخص بیس ہزار روپیہ کا مقروض ہے، اور دینے کی صلاحیت بھی نہیں ہے؛ مگر گھر میں ٹی وی، ریڈیو اور ٹیپ وغیرہ رکھے ہوئے ہیں، جن کی مالیت بیس ہزار روپیہ تک ہے، تو کیا اُس آدمی کو قرض کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ کا روپیہ دے سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اُس کی حوائجِ اصلیہ سے زائد سامان فروخت کر کے قرض ادا کرنے کے بعد اُس کے پاس نصاب کی مقدار موجود نہ ہو، تو اُس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مقروض کے لیے زکوۃ لینے کا حکم

سوال: میری ملکیت میں ایک بیکری کے اندر سو حصوں میں سے ایک حصہ ہے، پوری دکان مالکی کی ہے، ایک حصہ کے میں نے انیس ہزار روپئے ادا کئے تھے، وہ پیسے تو بیکری کے لیے مکان خریدنے میں خرچ ہو گئے، اور سال بھر میں اس کی آمدنی چار ہزار روپئے کے قریب آتی ہے، ایک حصہ کی، اور وہ رقم آتے ہی کوئی نہ کوئی کام میں فوراً استعمال ہو جاتی ہے، اور دوسرا میرے والد صاحب کے دیے ہوئے مکان کے

لیے ایک پلاٹ ہے جس کی قیمت تقریباً بیس ہزار روپئے ہیں۔ میرے شوہر کے ساتھ حج میں گئی تو میرے شوہر نے حج میں جانے سے پہلے کہا تھا کہ حج میں صرف آنے جانے کا کرایہ، کھانے، پینے کو چھوڑ کر جو خرچ ہو وہ مجھے دینا ہوگا جب بھی کوئی رقم میرے پاس آئے، اس حساب سے پینتالیس ہزار روپئے میرے ذمہ قرض ہے، جس پر میں راضی بھی تھی۔

تو اب سوال یہ ہے کہ اوپر جو میری ملکیت کی چیزیں بتلائیں اس کے علاوہ کوئی بھی چیز میرے پاس نہیں ہے، اور اس کے ساتھ پینتالیس ہزار روپئے قرض ہے تو اب اگر کوئی آدمی مجھے زکوۃ کی رقم دے تو مجھے لینا جائز ہے یا ناجائز؟

نوٹ: بیکری کے اندر تجارتی مال کا اسٹاک مالک بیکری کے بتلانے کے مطابق زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ ہوتا ہے، اس حساب سے ایک حصہ کے ایک ہزار روپئے آئے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چوں کہ آپ کا نفقہ سکنی وغیرہ آپ کے شوہر کے ذمہ ہے، صرف آپ پر جو قرضہ واجب الاداء ہے اس کی ذمہ داری آپ پر رہ جاتی ہے، اس لیے بیکری میں جو آپ کا سوواں حصہ ہے وہ مکان اور مال تجارت دونوں میں ہے، اور جس وقت مکان خریدا گیا تھا ظاہر ہے اس کے بعد اس کی قیمت میں اضافہ ہوا ہوگا، اس اعتبار سے وہ سوواں حصہ اِس وقت کتنی مالیت رکھتا ہے اس کی وضاحت آپ کے سوال میں ہونی چاہیے تھی، اس لیے آپ بیکری کے مکان اور اس میں موجود اسٹاک دونوں کی حالیہ قیمت معلوم کر کے اس کا سوواں حصہ شمار کریں، اور مکان کے لیے والد صاحب نے جو

پلاٹ آپ کو دیا ہے اس کی بھی حالیہ قیمت لگا کر اگر دونوں کا مجموعہ آپ پر واجب الادا قرضہ پینتالیس ہزار سے اتنا زائد ہے کہ وہ زیادتی چاندی کے نصاب ۶۱۲ گرام ۳۵ ملی گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہوتی ہے تو آپ کے لیے زکوۃ لینا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ذی القعدۃ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

فیکٹری کا مقروض مالک مستحقِ زکوۃ ہے

سوال: میرا نام یوسف ہے، اور میرا کاروبار صابون اور پاؤڈر بنانے کی فیکٹری بڑے پیمانے پر چل رہی تھی، تقریباً سترہ سال سے چالو تھی جس میں میرے ساتھ پانچ بھاگیدار تھے، اور اس کی پوری جواب داری میری تھی، اور اس میں کام کرنے والے ذمہ دار قسم کے لوگوں نے بہت بڑے پیمانے پر بھروسے کا غلط فائدہ اٹھایا، اور کروڑوں کا نقصان فیکٹری کا کر دیا، جس کی وجہ سے آج تقریباً بیس کروڑ کا قرض فیکٹری پر ہو گیا ہے، اب ہمارے بھاگیداروں کو ملا کر مشورہ کیا تو بھاگیداروں نے کہا کہ ہم اس قرض کے ذمہ دار نہیں ہیں، آپ ہم کو بنا پوچھے باہر سے روپیہ لا کر فیکٹری میں کیوں ڈالے؟ اور روپئے جتنے بھی باہر سے لائے وہ سارے فیکٹری ہی میں ڈالے ہیں، اس پر میری بھی بہت بڑی غلطی ہے کہ میں نے بھاگیداروں سے بنا پوچھے رقم لا کر فیکٹری میں ڈال دی، اور آج میری یہ حالت ہے کہ میرے پاس نہ کوئی بمبئی میں گھر ہے، نہ کوئی میرے خرچے کے لیے کافی اسباب ہیں، اور جو بھی میرا تھا وہ

سب بھاگیداروں نے مجھ سے لے لیا، ابھی فی الحال میرے پاس ایک مہینہ کا بھی خرچ نہیں ہے، اور جس کے پاس سے میں نے رقم لی تھی اس کو جواب دینے کا بھی کوئی سہارا میرے پاس نہیں ہے، تو کیا ایسی صورت میں زکوۃ، صدقات کے روپئے لے کر میں اپنا قرض چکا سکتا ہوں، اور اس میں سے گھر کا خرچ کر سکتا ہوں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے سوال میں اپنی جو حالت بتلائی ہے اس کے پیش نظر آپ مستحق زکوۃ ہیں، کوئی آدمی اگر آپ کو زکوۃ دینا چاہے تو دے سکتا ہے، اور آپ لے سکتے ہیں، اس کی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

مقروض مستحق زکوۃ ہے

سوال: اگر کسی کے پاس کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہے، تو وہ آدمی رکشا ٹیکسی یا چھوٹی موٹی دوکان یا بنا بنا ہوا گھر ادھار خریدے، یا کسی کے پاس سے وہ رقم لے کر خریدے، پھر وہ مقروض ہو جائے تو زکوۃ کی رقم کا مالک بنا دے، اور وہ اپنا قرض پورا کر دے تو یہ شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مقروض کا قرض ادا کرنے کے لیے رقم زکوۃ اس کو دی جا سکتی ہے۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸ رشوال المکرم ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

رہائش کے مکانات زکوۃ کا حق دار ہونے میں مانع نہیں

سوال: میں اس وقت بہت ہی پریشانی کی حالت سے گذر رہا ہوں کہ اپریل یا مئی میں میری دولڑکیوں کی شادی ہے اور بمبئی میں ایک مکان ہے اور گاؤں میں بھی ایک مکان ہے، اس مکان کی حالت یہ ہے کہ پائے کی ساری اینٹیں پاوڈر ہوتی جارہی ہے اس کی مرمت کروانے کی بھی طاقت نہیں اور یہ اندیشہ ہے کہ دیوار گر جائے، ادھر بازار میں ساڑھے تین لاکھ کا قرضہ ہے اس کے ادا کرنے کے واسطے بھی کوئی شکل وصورت نہیں نیز دولڑکیوں کی شادی بھی کروانی ہے اس کی بھی کوئی صورت نہیں جس کی وجہ سے میں آپ سے مشورہ چاہتا ہوں کہ زکوۃ لے سکتا ہوں یا نہیں اور مکان بمبئی یا گاؤں کا بیچنے سے قرض یا ضرورت پوری ہوسکتی ہے یا نہیں اور میرے دولڑکے مدرسہ بھروچ میں پڑھتے ہیں اور تین لڑکیاں بھی اسکول میں جاتی ہیں اس وجہ سے میں زکوۃ لے سکتا ہوں یا نہیں؟ آپ سے مشورہ چاہتا ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں اگر کوئی آدمی آپ کو زکوۃ کی رقم دے تو اس کا لینا آپ کے لیے جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۴ رشوال ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مقدمہ کے لیے زکوۃ دینا

سوال: ایک شخص مقدمہ کے لیے زکوۃ کی رقم طلب کرتا ہے، حالاں کہ نہ اس نے کبھی زکوۃ لی اور نہ دی ہے، اگر وہ کسی سے مقدمہ کے لیے زکوۃ طلب کرتا ہے تو زکوۃ کا مستحق ہے یا نہیں؟ اور زکوۃ دینے والے کے ذمہ سے زکوۃ ساقط ہوگی اور وہ بری الذمہ ہوجائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس کے پاس اپنی اصلی ضرورتوں سے زائد اتنا مال نہیں ہے جس کی قیمت ۶۱۳ (چھ سو تیرہ) گرام چاندی کے برابر ہو تو اس کو زکوۃ دے سکتے ہیں، اور اس صورت میں اس کو دینے سے زکوۃ ادا ہوجائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

زکوٰۃ کی رقم کاروبار میں لگا کر غربا پر منافع کی تقسیم

سوال: شہر حیدرآباد میں اور ملک کے دیگر مقامات پر بھی مال دار اور متموّل اصحاب کی جانب سے زکوٰۃ کے ٹرسٹ قائم ہیں، بعض ٹرسٹ خاندان کے نام سے ہیں اور بعض ٹرسٹ عام نوعیت کے نام پر ہیں، ہر سال اِن ٹرسٹ میں متعلقہ اصحاب اور اُن کے قریبی رشتہ داروں اور دوست احباب کی رقم جمع ہوتی ہے، اور یہ رقم کسی آمدنی پیدا کرنے والے ذریعہ میں مشغول کی جاتی ہے، یا کسی معتبر بینک کے کھاتے میں اور خصوصاً میچوئل (Mutual) فنڈز میں یا حکومتِ ہند کے یونٹ ٹرسٹ میں مشغول کی

جاتی ہے، اِن اصحاب کی نیتوں پر شک وشبہ نہیں ہے، نیت تو اِن کی یہ ہے کہ اِس سے زیادہ عرصہ تک ضرورت مندوں کو فائدہ پہنچتا رہے، متموّل تجار وصنعت کاروں کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ پیسے سے پیسہ پیدا کیا جائے، اور بغیر کسی آمد کے پیسہ دینا یا پیسہ لگانا وہ پیسہ کو ضائع کرنا سمجھتے ہیں، اِس لحاظ سے اُن کی نیت یہ ہوتی ہے کہ زکوٰۃ کے پیسے کو مشغول کر کے اُس آمدنی سے زیادہ سے زیادہ افراد اور اداروں کو فائدہ پہنچایا جائے، اِس سلسلہ میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا زکوٰۃ کی رقم نفع بخش کاروبار، تجارت، میچوئل فنڈز یا یونٹس میں مشغول کی جاسکتی ہے؟ چوں کہ زکوٰۃ کی رقم جس وقت نکالی گئی اُس کے ایک سال کے اندر صَرف ہو نہیں پاتی؛ بلکہ مشغول رہتی ہے، یہ سوال پیدا ہوگا کہ جن لوگوں نے یہ رقومات ٹرسٹ میں دی ہیں کیا اُن کی زکوٰۃ ادا ہوگئی؟

یہ سوالات ایک دینی مدرسہ کے استاذ سے پوچھے گئے تھے، اُنھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کے ایک واقعہ کی طرف نشان دَہی کی، جس میں وہ صاحب جن کو کسی بیت المال سے کچھ رقم لانے کے لیے کہا گیا تھا، اُنھوں نے راستہ میں رقم مشغول کر کے نفع کمایا اور مدینہ پہنچنے کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اِس کا تذکرہ کیا، اور اِس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کوئی اعتراض نہیں فرمایا، جب استاذ موصوف سے پوچھا گیا کہ: کیا یہ رقم زکوٰۃ کی تھی؟ کیوں کہ بیت المال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی دوسرے کئی مدات کی رقم جمع ہوا کرتی تھی، اُنھوں نے جواب دیا کہ: اِس بات کی صراحت روایت میں نہیں ملتی، اُنھوں نے مزید کہا: کہ کسی دینی مدرسہ کے دارالافتاء سے صحیح اور دوٹوک جواب ملنا مشکل ہے؛ کیوں کہ ہر مدرسہ کو ایسے ٹرسٹس سے امداد جاری ہے؛ تاہم میرا یقین ہے کہ علمائے کرام اور مفتیانِ عظام اِن مسائل میں کسی مصلحت کو پیشِ نظر نہیں رکھیں گے،

اور شرع شریف کے مطابق صحیح جو بات ہے اُس کو بیان کریں گے؛ لہٰذا حاملینِ دینِ متین اور مفیتانِ شرعِ مبین سے گزارش ہے کہ وہ درجِ ذیل دو سوالات کا جواب نصوص کی روشنی میں عطا فرمائیں۔

① کیا زکوٰۃ کی رقم کو زکوۃ کے مُدات پر خرچ کرنے کے بجائے اُن کو نفع بخش انداز میں مشغول کرنا، اور اِس طرح زکوۃ کی رقم کو محفوظ رکھنا، اور اِس سے حاصل ہونے والے نفع کو زکوٰۃ کی مدات پر لگانا جائز ہے؟

② کیا اُس شخص کی زکوۃ شرعاً ادا ہوجائے گی جس نے اپنی زکوۃ کی رقم اُن اصحاب اور اداروں کے حوالہ کی ہے جو زکوۃ کی رقومات کو محفوظ اور مشغول رکھ کر صرف اُس کے نفع کو خرچ کرتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیتِ کریمہ: ﴿إنما الصدقٰت للفقراء﴾ الآیۃ کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ: جمہور فقہاء اِس بات پر متفق ہیں کہ زکوۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکوۃ کی ادائیگی کے لیے یہ شرط ہے کہ اِن مصارف میں سے کسی مستحق کو مالِ زکوٰۃ پر مالکانہ قبضہ دے دیا جائے، بغیر مالکانہ قبضہ دیے اگر کوئی مال اُن ہی لوگوں کے فائدے کے لیے خرچ کر دیا گیا تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اِسی وجہ سے ائمۂ اربعہ اور جمہور فقہائے امت اِس پر متفق ہیں کہ رقم زکوٰۃ کو مساجد یا مدارس یا شفاخانے، یتیم خانے کی تعمیر میں یا اُن کی دوسری ضروریات میں خرچ کرنا جائز نہیں؛ اگرچہ اِن تمام چیزوں سے فائدہ فقراء اور دوسرے حضرات

کو پہنچتا ہے جو مصرفِ زکوۃ ہیں؛ مگر اُن کا مالکانہ قبضہ اِن چیزوں پر نہ ہونے کے سبب زکوۃ اِس سے ادا نہیں ہوتی۔ (معارف القرآن ۴/۴۰۹)

آپ نے اپنے سوال میں جن صورتوں کا تذکرہ کیا ہے جس میں زکوۃ کی رقم کو نفع بخش کاروبار، تجارت، میچوئل فنڈ یونٹس میں مشغول کر کے اُن سے آمدنی حاصل کی جاتی ہے، اور حاصل شدہ اِس آمدنی کو غرباء، مساکین میں تقسیم کیا جاتا ہے، تو ایسا کرنے سے اصحابِ اموال کی زکوۃ ادا نہ ہوگی؛ اِس لیے کہ مالِ زکوۃ کو کاروبار یا میچوئل فنڈس وغیرہ میں لگانے سے تملیک - جو زکوۃ کی ادائیگی کی بنیادی شرط ہے - نہیں پائی جاتی، اور مستحقینِ زکوۃ کو مالِ زکوۃ کا مالک بنائے بغیر دوسرے طریقوں سے فائدہ پہنچانے سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی، جیسا کہ شروع جواب میں ''معارف القرآن'' کی عبارت سے واضح ہو چکا ہے، ''فتاویٰ رحیمیہ'' سے اِسی نوع کا ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے، ملاحظہ ہو:

سوال: زید کے پاس زکوۃ کی بڑی رقم جمع ہے، اُس کو یکبارگی حق دار کو نہ دیتے ہوئے اِس رقم سے کوئی پراپرٹی یا زمین خرید کر اُس کی آمدنی میں سے مستحقین، مدارس اور دینی دنیوی طلباء جو اِس کے مستحق ہوں، اُن کو وظیفہ دینا چاہتا ہے؛ تو کیا زکوۃ کی رقم سے آمدنی کا سامان کر کے آمدنی میں سے مستحقین پر خرچ کر سکتا ہے؟

الجواب: ادائیگیٔ زکوۃ کے لیے تملیک یعنی مستحقین کو بلاعوض مالک بنا دینا شرط ہے، اگر آمدنی کے لیے پراپرٹی قائم کی گئی یا کوئی زمین خریدی گئی تو یہ شرط پوری نہیں ہوئی؛ لہذا زکوۃ ادا نہ ہوگی؛ لہذا زکوۃ کی رقم سے آمدنی کی جائداد فراہم کرنا جائز نہیں ہے، حق دار کو بلاعوض مالک بنا دینا ضروری ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/۸)

اِس مسئلہ کی مزید وضاحت ہوجائے؛ اِس لیے ''فتاوی رحیمیہ'' سے ایک اور سوال وجواب بھی نقل کیا جاتا ہے:

سوال: ہمارے یہاں ایک کمیٹی ہے، کمیٹی کے اراکین زکوۃ کی رقم چندہ میں جمع شدہ رقم میں سے غرباء کو غیر سودی قرض دیتے ہیں؛ تاکہ وہ اپنے گزران کے لیے چھوٹا موٹا کاروبار شروع کرسکیں، اور قرض دینے کا مقصد ہوتا ہے کہ اِن کو قرض ادا کرنے کی فکر رہے گی تو محنت اور توجہ سے کام کریں گے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کمیٹی کا یہ طریقۂ کار صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، قابلِ ترک ہے، زکوۃ کی رقم جمع کرکے اُس میں سے قرض دینا جائز نہیں ہے، جن لوگوں کی رقمیں ہیں اُن کی زکوۃ ادا نہ ہوگی، اور کمیٹی کے ممبر اِس کے ذمہ دار ہوں گے، زکوۃ کی ادائیگی کے لیے یہ شرط ہے کہ زکوۃ کی رقم مستحقِ زکوۃ کو بلاعوض مالک بنا کردے دی جائے۔ ''درمختار'' میں ہے: (هي تمليك) خرج الإباحة، فلو أطعم يتيما ناويا الزكوة لايجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم كما لوكساه (در مختار مع الشامي ٢/ ٣)

اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ قرض دینے کی صورت میں تملیک پائی نہیں جاتی، کمیٹی والے بھی اِس نیت سے دیتے ہیں کہ بعد میں اِس سے یہ رقم وصول کرنا ہے؛ لہٰذا یہ طریقہ واجب الترک ہے۔ اور یہ بات بھی خیال میں رہے کہ زکوۃ کی رقم مستحقینِ زکوۃ میں جلد از جلد تقسیم کردی جائے؛ تاکہ لوگوں کی زکوۃ ادا ہوجائے، قرض دینے کے لیے دوسری رقم کا انتظام کیا جائے۔ (فتاوی رحیمیہ ۷/ ۳۶۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ
کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مدارس میں استعمالِ زکوۃ کے متعلق کچھ سوالات

غیر مسلم مہاجن سے قرض لے کر ادائے قرض میں زکوۃ دینا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان عظام مسائل ذیل کے بارے میں:

① کہ آج کل مدارس میں زکوۃ ہی زیادہ وصول ہوتی ہے، امداد تو شاذ ونادر؛ اِس لیے مدارس کے اربابِ حل وعقد شریعت کے مقرر کردہ طریقہ (حیلۂ تملیک) سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں؛ مگر ہمارے یہاں اہلِ مدرسہ اِس حیلۂ تملیک سے بھی کلی طور پر متفق نہیں، تو اِس صورت میں مہتمم کیا یہ کرسکتا ہے کہ اول کسی مہاجن وغیرہ سے قرض اٹھالے اور اُس کو مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کرے، بعد میں زکوۃ کی مد سے اُس قرضہ کو ادا کردے، تو کیا مہتمم زکوۃ کی مد سے مدرسہ کا قرضہ ادا کرسکتا ہے؟

مہتمم طلبہ کا وکیل

سوال: ② کیا مہتمم طلبہ کا شرعی وکیل ہوسکتا ہے؟ جواب مُفصَّل مطلوب ہے۔

زکوۃ کی رقم طلبہ کو بطور وظیفہ دینا

سوال: ③ یا زکوۃ کی رقم کو مدرسہ کی جملہ مدات میں استعمال کرنے کے لیے وظیفہ کا طریقہ اختیار کرلیا جائے، اور طلبہ سے ماہانہ وظیفہ کے ذریعہ جو رقم اکھٹی ہو اُس سے مدرسین کی تنخواہیں ودیگر ضروریات پوری کرلی جائیں، جیسا کہ بعض مدارس میں ایسا بھی ہوتا ہے، تو کیا اِس شکل میں مہتمم اُس رقم کو جو زکوۃ کی ہے اور طلبہ کے وظیفہ میں

دی ہے، طلبہ نے اُس کو اپنی فیس طعام وغیرہ میں مدرسہ میں جمع کر دیا، مدرسہ کی دیگر ضروریات میں خرچ کی جاسکتی ہے؟

(الف): طلبہ بالغ ہوں یا نابالغ ہوں؟

(ب): نابالغ طلبہ کو مالک بنانے کی کیا صورت ہو؟

(ج): مستطیع طلبہ ہی ہوں یا غیر مستطیع طلبہ کو مالک بنایا جاسکتا ہے؟

(د) کسی طالب علم کے ورثاء تو مستحق زکوۃ نہیں ہیں؛ مگر وہ بچہ کا خرچ بھی مدرسہ میں نہیں دے سکتے، تو اِس شکل میں کیا حکم ہے؟ اُس پر زکوۃ خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(ہ): اگر طلبہ کے ورثاء سے لکھوالیا جائے کہ ہم خرچ برداشت نہیں کر سکتے، تو کیا اُن طلبہ پر زکوۃ خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(و): کیا یہ بھی درست ہے کہ بیرونی طلبہ جو نابالغ ہوں اُن کے وارثین کی طرف سے کسی کو سرپرست بنادیا جائے، اور وہ سرپرست بیت المال سے اُن طلبہ کے وظیفہ کی شکل میں رقم لے کر مدرسہ میں جمع کرادے، اور مدرسہ وہ رقم تنخواہ و جملہ مدات میں صَرف کرے، فی زماننا اِس کا بہتر طریقہ کیا ہے جو شکوک سے بالا ہو؟ نیز اِس مسئلہ میں قرآن وحدیث کا کیا حکم ہے؟ اور تعاملِ صحابہ اور اجماعِ امت کا کیا کہنا ہے؟ اِس مسئلہ پر تحقیقی نقطۂ نظر سے قلم اُٹھائیں گے تو حضرت کی ذرہ نوازی ہوگی۔

حیلوں کی شرعی حیثیت واقسام

سوال :④ حیلۂ تملیک تو بظاہر رقم کی ہیرا پھیری کا نام ہے، اِس مسئلہ پر معترضین کے منھ کس طرح بند کیے جائیں۔

جوابات مفصل مدلل تحریر کیے جائیں؛ تاکہ اُنہیں اِفادۂ عام کے لیے چھپوایا جاسکے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① زکوۃ کی تعریف یہ کی گئی ہے: هي تمليك جزء مال عيَّنه الشارع من مسلم فقير غير هاشمي ولا مولاه، مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى (تنوير الأبصار)

اِس لیے زکوۃ کی ادائیگی کے لیے یہ شرط ہے کہ زکوۃ کے مال کا بلا شرط عوض مالک بنادیا جائے، مہاجن کو جو کچھ دیا جارہا ہے وہ اِس کے پاس سے خریدے ہوئے مال یا لیے ہوئے قرض کی ادائیگی میں دیا جارہا ہے؛ نیز وہ مسلمان بھی نہیں؛ اِس لیے اِس طریقہ سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی۔

② مہتمم، طلبہ کا وکیل بایں معنیٰ ہے کہ، جب طلبہ نے اُس کے اہتمام کو تسلیم کر لیا تو گویا یہ کہہ دیا کہ: آپ ہمارے واسطے اربابِ اموال سے زکوۃ وغیرہ وصول کر کے ہماری ضروریات (کھانا، کپڑا وغیرہ) میں صَرف کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ قدیم ۳/۴۸)

لیکن اِس صورت میں یہ ضروری ہوگا کہ اُس زکوۃ کی رقم سے جو کچھ خریدا جائے وہ بعد میں طلبہ کو تملیکاً دے دیا جائے؛ اِس لیے کہ اِس کی حیثیت وکیل بالقبض اور پھر وکیل بالشراء کی ہے۔

③ وظیفہ والے طریقہ کو اختیار کرنے میں بھی کوئی اشکال نہیں، جس کی شکل یہ ہے: بوقتِ داخلہ طلبہ کو کہہ دیا جائے کہ آپ کا داخلہ فیس سے ہے، جس کی مقدار مثلاً ماہانہ دوسو روپیہ ہے، اور طلبہ اِس کو منظور کرلیں، اِس کے بعد ہر ماہ اُتنی مقدار اُن کے ہاتھ میں دی جائے، اور وہ بطورِ فیس مدرسہ میں جمع کرادیں، اب اِس رقم کو منتظمینِ

مدرسہ ضروریاتِ طلبہ، تنخواہِ مدرسین و ملازمین اور دیگر ضروریاتِ مدرسہ میں بھی خرچ کر سکتے ہیں۔ (ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ ۵/۱۵۰)

(الف) طلبہ چاہے بالغ ہوں یا نابالغ۔

(ب) نابالغ بھی اگر مَصرفِ زکوۃ ہو تو اُس کو دینے سے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے۔

(امداد الفتاویٰ ۲/۵۲)

اِس کا عاقل ہونا کافی ہے، یعنی مال کی اہمیت اور حیثیت جانتا ہو، کوئی دھوکہ دے کر اُس سے مال ہتھیا نہ سکتا ہو جیسے کہ ایک دَم چھوٹے بچے کو سویٹ، مٹھائی وغیرہ دے کر پھسلا کر دھوکہ دیا جاتا ہے۔

''شامی'' میں ہے: ویصرف إلى مراهق يعقل الأخذ، كما في المحيط (شامي ۲/۶۸) (بشرط أن يعقل القبض) قيد في الدفع و الكسوة كليهما، ح وفسره في الفتح وغيره بالذي لا يرمى به ولا يخدع عنه، فإن لم يكن عاقلا فقبض عنه أبوه أو وصيه أو من يعوله، قريبا أو أجنبيا أو ملتقطه صح (شامي ۲/۳)

(ج) جو طلبہ غیر مستطیع ہوں اُن کو مالک بنایا جائے، اگر وہ بالغ ہیں تو خود اُس کی ملک میں بقدرِ نصاب مال نہ ہو، چاہے اُن کا باپ مالدار ہو، اور اگر وہ نابالغ ہیں تو خود اُن کی ملک میں بقدرِ نصاب مال نہ ہونے کے ساتھ اُن کے باپ کا بھی فقیر ہونا ضروری ہے۔

(د) اگر وہ بالغ ہیں تو اُن کو زکوۃ دی جا سکتی ہے۔ (بشرطیکہ خود اُن کی ملک میں بھی بقدرِ نصاب مال نہ ہو)، نابالغ ہیں تو نہیں۔

(ہ): صورتِ سابقہ کی طرح۔

(و): اِس کے بغیر بھی جب کام چل سکتا ہے جیسا کہ صورت ''ب'' میں مذکور ہے، تو اِس کی کیا ضرورت ہے؟

اِس میں حیلہ کا استعمال بلاضرورت جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر مدرسہ کی کوئی اَور آمدنی نہ ہو اور مدرسہ بند ہوجانے کا خطرہ ہو، تو زکوۃ کا روپیہ حیلۂ شرعیہ کے ساتھ (مدرسین وملازمین کی تنخواہوں میں) خرچ کیا جاسکتا ہے۔ (کفایت المفتی ۴/۲۸۵)

④ حیلہ کے سلسلہ میں ایک بات اصولی طور پر یاد رکھنے کی ضرورت ہے؛ اِس لیے کہ جب کوئی آدمی دَفعِ حقوق کے لیے حیلوں کو کتاب میں دیکھتا ہے تو اُس کو اُس پر حیرت ہوتی ہے، کہ اسلام میں اِس مکر وفریب کی اجازت کیسے ہوگئی؟ جب کہ اسلام تو اِس قسم کی حرکتوں کو مٹانے اور ختم کرنے کے لیے آیا ہے، تو بھلا اسلام کے پیش کردہ طریقِ اصلاح سے اِس فساد کا کیا جوڑ؟ حالاں کہ اگر اِس کے شروع میں تصحیح کردی جائے کہ لوگوں کے اموال قبضانے کے لیے حیلے اختیار کرنا حرام ہے، تو دل کو تسکین ہوجاتی ہے، کہ یہ تو اُن لوگوں کے لیے ہے جو پھنس گئے ہیں اور اپنی خَلاصی چاہتے ہیں، اِس سے مقصود اِن حیلوں کی ترویج اور لوگوں کے اموال کو ہڑپ کرنے کی اجازت نہیں ہے، تو پھر کوئی اشکال باقی نہ رہتا۔ (فیض الباری ۴/۴۷۹، ۴۸۰)

چناں چہ حیلوں کی شرعی حیثیت معلوم کرنے سے پہلے اُس کے اقسام جاننا ضروری ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: حیلہ کے محرکات کے اعتبار سے اس کی چند قسمیں ہیں:

اول: اگر کوئی آدمی کسی جائز ومُباح طریقہ سے کسی کے حق کو باطل کرنا یا کسی

باطل چیز کو ثابت کرنا چاہتا ہے، تو وہ حرام ہے۔

دوم: اور اگر مباح طریقہ سے کسی حق کو ثابت کرنا یا باطل کو دَفع کرنا چاہتا ہے، تو وہ واجب یا مستحب ہے۔

سوم: اور اگر کسی مُباح طریقہ سے اپنے آپ کو کسی مکروہ میں پھنسنے سے بچانا چاہتا ہے تو وہ مستحب یا مباح ہے۔

چہارم: اور اگر کسی مباح ذریعہ سے کسی فعلِ مندوب کو چھوڑنا چاہتا ہے تو وہ مکروہ ہے۔

اِن اقسامِ اربعہ میں سے قسمِ اول کے سلسلہ میں ائمہ میں اختلاف ہے، کہ کیا اِس قسم کے حیلے مطلقاً صحیح ہوکر ظاہر و باطن میں نافذ ہو جاتے ہیں یا مطلقاً باطن میں؟ یا صحیح تو ہے؛ لیکن گناہ کے ساتھ؟ چناں چہ جن حضرات نے مطلقاً اِس کو جائز قرار دیا یا مطلق باطل قرار دیا، دونوں کے پاس دلائل ہیں۔ پہلی جماعت کے دلائل میں سے ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿خذ بيدك ضغثاً فاضرب به ولا تحنث﴾ اور خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس حیلہ پر اُس آدمی کے سلسلہ میں عمل کیا جو بیماری کی وجہ سے نہایت کمزور تھا۔ سنن میں ابوأمامہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ واقعہ مذکور ہے، اور ارشادِ باری تعالیٰ: ﴿ومن يتق الله يجعل له مخرجاً﴾ اور حیلہ بھی تو اِسی کا مصداق ہے، اور شریعت کی طرف سے استثناء کی اجازت دینا اِس لیے کہ اِس میں بھی حنث فی الیمین سے اپنے کو بچانا ہے، اِسی طرح تمام شروط کا حال ہے، کہ اِس میں اپنے آپ کو حرج میں پڑنے سے بچانا ہے، اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ و حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے قصہ میں "بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم

جنيباً" (فتح الباري ١٢ /٢٧٥)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اپنے کو حرام سے بچانے اور گناہ میں مبتلا ہونے سے دور رکھنے کے لیے حیلہ اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ بلکہ وہ مستحسن ہے؛ البتہ کسی مسلمان کے حق کو باطل وختم کرنے کے لیے حیلہ اختیار کرنا گناہ ہے وسرکشی ہے۔ علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الكافي" میں امام محمد بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا ہے کہ: مبطلِ حق حیلے اختیار کر کے خدائی احکام سے فرار اختیار کرنا مؤمن کی شان نہیں۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری ۲۴/ ۱۰۸، ۱۰۹)

علامہ شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "مبسوط" میں اِس پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے، کہ جو حضرات علی الاطلاق اِس کو غلط ومکروہ سمجھتے ہیں یہ اُن کی ناواقفیت اور کتاب وسنت میں عدمِ تدبُّر کی وجہ سے ہے۔ (مبسوط سرخسی ۳۰/ ۲۰۸)

اِس کے بعد اُنھوں نے کتاب وسنت سے اِس کے دلائلِ جواز پیش کیے ہیں: چناں چہ سب سے پہلی دلیل حضرت ایوب علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ اِس واقعہ کی بقدرِ ضرورت تفصیل معارف القرآن سے پیش کرتا ہوں:

﴿واذكر عبدنا أيوب إذ نادى ربه أني مسني الشيطٰن بنصب وعذاب - إلى قوله تعالىٰ-: وخذ بيدك ضغثاً فاضرب به ولا تحنث﴾ الخ خلاصۂ تفسیر میں فرماتے ہیں: اور آپ ہمارے بندہ ایوب (علیہ السلام) کو یاد کیجیے جب کہ اُنھوں نے اپنے رب کو پکارا، کہ شیطان نے مجھ کو رنج اور آزار پہنچایا ہے۔ اور یہ رنج اور آزار بعض مفسرین کے قول کے مطابق وہ ہے جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے "كتاب الزهد" میں ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی

بیماری کے زمانہ میں ایک بار شیطان ایک طبیب کی شکل میں حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کو ملا تھا، اُس سے اِنھوں نے طبیب سمجھ کر علاج کی درخواست کی، اُس نے کہا کہ: اِس شرط سے کہ اگر اُن کو شفاء ہوجائے تو یوں کہہ دینا کہ تُو نے اُن کو شفاء دی، مَیں اَور کچھ نذرانہ نہیں چاہتا، اِنھوں نے حضرت ایوب علیہ السلام سے ذکر کیا، اُنھوں نے فرمایا کہ: بھلی مانس! وہ تو شیطان تھا، مَیں عہد کرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو شفاء دے دے تو مَیں تجھ کو سو قمچیاں ماروں گا، پس آپ کو سخت رنج پہنچا اِس سے کہ میری بیماری کی بدولت شیطان کا یہاں تک حوصلہ بڑھا کہ، خاص میری بیوی سے ایسے کلمات کہلوانا چاہتا ہے جو ظاہراً موجبِ شرک ہے، گو تاویل سے شرک نہ ہوں؛ اگرچہ حضرت ایوب علیہ السلام ازالۂ مرض کے لیے پہلے بھی دعا کر چکے تھے؛ مگر اِس واقعہ سے اَور زیادہ اِبتہال اور تضرُّع سے دعا کی، پس ہم نے اُن کی دعا قبول کرلی، اور حکم دیا کہ اپنا پاؤں (زمین پر) مارو (چناں چہ اُنھوں نے زمین پر پاؤں مارا تو وہاں سے ایک چشمہ پیدا ہوگیا) (رواہ احمد) (پس ہم نے اُن سے کہا کہ:) یہ تمھارے لیے نہانے کا ٹھنڈا پانی ہے اور پینے کا، (یعنی اِس میں غسل کرو اور پیو بھی، چنانچہ نہائے اور پیا بھی، اور بالکل اچھے ہوگئے..... اور اب حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنی قسم پوری کرنے کا ارادہ کیا؛ مگر چوں کہ اُنھوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت بہت کی تھی، اور اُن سے کوئی گناہ بھی صادر نہ ہوا تھا؛ اِس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اِن کے لیے ایک تخفیف فرمائی) اور (ارشاد فرمایا کہ: اے ایوب!) تم اپنے ہاتھ میں ایک مٹھا سینکوں کا لو (جس میں سو سینکیں ہوں) اور (اپنی بیوی کو) اُس سے مار لو، اور (اپنی) قسم نہ توڑو، (چناں چہ ایسا ہی ہوا)۔

آگے ''معارف ومسائل'' کے ذیل میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''حیلوں کی شرعی حیثیت'': اِس آیت سے دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ کسی نامناسب یا مکروہ بات سے بچنے کے لیے کوئی شرعی حیلہ اختیار کیا جائے تو وہ جائز ہے، ظاہر ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ میں قسم کا اصلی تقاضہ یہ ہے کہ آپ اپنی زوجۂ مطہرہ کو پوری سو قمچیاں ماریں؛ لیکن چوں کہ اِن کی زوجۂ مطہرہ بے گناہ تھیں، اور اُنھوں نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بے مثال خدمت کی تھی؛ اِس لیے اللہ تعالیٰ نے خود حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک حیلہ کی تلقین فرمائی، اور یہ تصریح کر دی کہ اِس طرح اِن کی قسم نہیں ٹوٹے گی؛ اِس لیے یہ واقعہ حیلہ کے جواز پر دلالت کرتا ہے؛ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اِس قسم کے حیلے اُسی وقت جائز ہوتے ہیں جب کہ اُنہیں شرعی مقاصد کے اِبطال کا ذریعہ نہ بنایا جائے، اور اگر حیلہ کا مقصد یہ ہو کہ کسی حقدار کا حق باطل کیا جائے، یا کسی صریح فعل حرام کو اُس کی روح برقرار رکھتے ہوئے اپنے لیے حلال کر لیا جائے، تو ایسا حیلہ بالکل ناجائز ہے۔ الخ (معارف القرآن ۷/ ۵۲۰ تا ۵۲۳ بحذف واختصار)

اِس کے بعد شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری دلیل قرآن میں ارشادِ ربانی:

﴿ولما جهزهم بجهازهم جعل السقاية في رحل أخيه﴾ إلى قوله تعالى ﴿ثم استخرجها من وعاء أخيه، كذلك كدنا ليوسف﴾ إلخ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ جو اُن کے بھائی بنیامین کے ساتھ ہوا، اِس کو پیش کیا ہے، جس میں حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس روکنے کے لیے ایک حیلہ اختیار کیا تھا، (واقعہ معروف ہے، کُتبِ تفسیر میں دیکھ لیا جائے) اِسی واقعہ پر ''معارف ومسائل'' کے عنوان کے ماتحت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں: ﴿كذلك كدنا ليوسف﴾ سے معلوم ہوا کہ کسی شرعی مصلحت کی بناء پر معاملہ کی صورت میں کوئی ایسی تبدیلی اختیار کرنا جس سے احکام بدل جائے، جس کو فقہاء کی اصطلاح میں ''حیلۂ شرعیہ'' کہا جاتا ہے، یہ شرعاً جائز ہے، شرط یہ ہے کہ اِس سے شرعی احکام کا ابطال لازم نہ آتا ہو؛ ورنہ ایسے حیلے باتفاقِ فقہاء حرام ہیں، جیسے: زکوۃ سے بچنے کے لیے کوئی حیلہ کرنا، یا رمضان سے پہلے کوئی غیر ضروری سفر صرف اِس لیے اختیار کرنا کہ روزہ نہ رکھنے کی گنجائش نکل آئے، یہ باتفاق حرام ہے۔ ایسے ہی حیلے کرنے پر بعض اقوام پر عذابِ الٰہی آیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے حیلوں سے منع فرمایا ہے، اور باتفاقِ امت حرام ہیں، اُن پر عمل کرنے سے کوئی کام جائز نہیں ہو جاتا؛ بلکہ دوہرا گناہ لازم آتا ہے: ایک تو اصل ناجائز کام کا، دوسرے یہ ناجائز حیلہ، جو ایک حیثیت سے اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چال بازی کا مرادِف ہے، اِسی طرح کے حیلوں کے ناجائز ہونے کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الحِیل'' میں ثابت کیا ہے۔ (معارف القرآن ۵/۱۰۶، ۱۰۷)

اِس کے بعد مزید دو دلیلیں قرآن مجید سے پیش کرنے کے بعد شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث سے دلائل پیش کیے ہیں: جن میں ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ، ایک آدمی نے حاضرِ خدمت ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: یا رسولَ اللہ! مَیں نے اپنی بیوی پر تین طلاق کی قسم کھالی ہے کہ، مَیں اپنے بھائی سے بات نہیں کروں گا، تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ایسا کرو کہ اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دو، پھر جب اُس کی عدت گزر جائے تو اپنے بھائی سے بات کرلو، اور پھر بیوی سے از سرِنَو نکاح کرلو۔ (المبسوط ۳۰/۲۰۹)

اِس کے بعد فرماتے ہیں کہ جو آدمی احکامِ شرعیہ میں غور فکر کرے گا تو دیکھے گا کہ تمام معاملات اِسی شان کے حامل ہیں، مثلاً: اگر کسی آدمی کو کسی عورت سے عشق ومحبت ہوجائے، اور وہ پوچھے کہ: میرے لیے اُس کے حاصل کرنے کی کیا صورت ہے؟ تو اُس کو کہا جائے گا کہ: اِس سے نکاح کرلو۔ کسی کو اپنی بیوی سے نفرت ہوجائے اور پوچھے کہ: میرے اِس سے خَلاصی کی کیا صورت ہے؟ تو جواب ملے گا کہ: طلاق دے دو۔ کوئی آدمی اپنی بیوی کو طلاقِ رجعی دے چکا ہو، اور اب نادم ہو اور پوچھے کہ: میرے لیے کیا تدبیر ہے؟ تو اُس کو کہا جائے گا کہ: رجوع کرلو۔ کوئی آدمی اپنی بیوی کو اُس کی بدخلقی کی وجہ سے تین طلاق دے چکا تھا، پھر وہ تائب ہوگئی، اور اب دونوں کوئی تدبیر چاہتے ہیں، جواب ملے گا کہ: حلالہ کے بعد نکاح کرسکتے ہو، تو جو آدمی احکام میں حیلہ کو ناپسند سمجھتا ہے تو درحقیقت وہ احکامِ شرعیہ سے ناپسندیدگی کا اظہار کررہا ہے، یہ باتیں قلتِ تدبر سے ناشی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے آدمی حرام سے بچے یا حلال حاصل کرے اچھا ہے؛ البتہ حیلہ کے ذریعہ کسی کے حق کو باطل کرنا، یا باطل میں ملاوٹ کرکے اُس کو خوبصورت بنانا ممنوع ہے۔ (المبسوط ۳۰/۲۱۰)

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بوقتِ ضرورت حیلہ کے جائز ہونے پر حدیث سے دو دلیلوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اِس کی وضاحت بھی مناسب ہے:

① ابو داؤد شریف میں روایت موجود ہے کہ: ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ بیمار ہوئے، اور اُنھیں ایسی نقاہت لاحق ہوئی کہ ہڈی اور چمڑی رہ گئی، اِسی حالت میں کوئی باندی اُن کے پاس پہنچ گئی، اُس کو دیکھ کر اُن کی طبیعت میں سرور پیدا ہوا، اور

اُس کے ساتھ جماع کرلیا، پھر جب اُن کی قوم کے لوگ اُن کے پاس عیادت کے لیے گئے تو اِنھوں نے اُن لوگوں کو باخبر کیا، اور عرض کیا کہ: میرے لیے نبیٔ کریم ﷺ سے حکم معلوم کرو کہ: مَیں ایک باندی سے جو میرے پاس آئی تھی، فعلِ بد کر بیٹھا؛ چناں چہ اُن لوگوں نے نبیٔ کریم ﷺ سے اِس واقعہ کا تذکرہ کرنے کے ساتھ یہ بھی عرض کیا کہ: وہ آدمی جس آزار میں مبتلا ہے ایسا آزار ہم نے کسی پر نہیں دیکھا، وہ اِتنے کمزور ہو چکے ہیں کہ ہم اگر اُن کو اُٹھا کر آپ کی خدمت میں لے آئیں تب بھی اندیشہ ہے کہ اُن کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں، وہ تو محض ہڈی اور چمڑی کا مجموعہ ہیں، تو حضور ﷺ نے حکم دیا کہ: سو سینکیں لے کر یکبارگی اُن کو مار دو۔ (ابوداؤد شریف ۲/ ۶۱۴)

(۲) دوسری روایت جو تقریباً تمام کتب حدیث میں موجود ہے، یہاں ''بخاری'' کے حوالہ سے پیش کرتا ہوں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، کہ حضور ﷺ نے ایک آدمی کو خیبر پر عامل مقرر کیا، وہ شخص ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں عمدہ کھجوریں لے کر حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ نے سوال کیا کہ: خیبر کی تمام کھجوریں ایسی (عمدہ) ہوتی ہیں، اُنھوں نے عرض کیا: نہیں، بخدا! اے اللہ کے رسول! ہم اِس جیسی کھجوریں ایک صاع کی مقدار دیگر اقسام کی کھجوروں کے دو صاع کے عوض، اور اِس جیسی کھجوروں کے دو صاع دوسری کھجوروں کے تین صاع کے عوض حاصل کرتے ہیں، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ایسا نہ کرو؛ (بلکہ) دیگر اقسام کی کھجوریں دراہم کے عوض بیچو، پھر اُن دراہم سے عمدہ کھجوریں خریدو۔ (بخاری ۱/ ۲۹۳)

اِن دونوں روایتوں کی حقیقت پر غور فرمائیے کہ اِن میں ایک حیلہ ہی تو بتلایا گیا ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ بوقتِ ضرورت حیلہ اختیار کیا جاسکتا ہے؛ البتہ اِس میں

وہی شرط ہے جو ہم اوپر ''معارف القرآن'' کے حوالہ سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں اور ''مبسوط'' کے حوالہ سے شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں نقل کر چکے ہیں، ایسے موقع پر جب شریعت حیلہ کی اجازت دیتی ہو تو اُس کو معیوب سمجھنا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟

اگر طمع خواہد زمن سلطان دیں		خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

اب آپ حضرات حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وہ الفاظ دوبارہ پڑھ لیجیے جو ہم اوپر ''کفایت المفتی'' کے حوالہ سے نقل کر آئے ہیں؛ اِس لیے اہلِ مدرسہ کو چاہیے کہ مدرسین وملازمین کی تنخواہ میں زکوۃ کا روپیہ حیلۂ شرعیہ کے بعد بھی بلاضرورت ہرگز استعمال نہ کریں، طلبہ کی ضرورت میں یقیناً استعمال کیا جاسکتا ہے؛ اِس لیے کہ وہ اِس کے اصلی حق دار ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ صفر المظفر ۱۴۰۸ھ

بقیۃ باب المصارف

مکاتب قرآنیہ میں زکوۃ صَرف کرنے کے فضائل ومسائل

① مصرف کی تلاش ② فضائل انفاق مال ③ مال میں زکوۃ کے علاوہ حقوق ④ ہر سال حج وعمرہ کرنے والوں کے لیے لمحۂ فکریہ ⑤ زکوۃ وخیرات کا بہترین مصرف ⑥ زکوۃ کی ادائیگی رمضان ہی میں کیوں؟ ⑦ زکوۃ تھوڑی تھوڑی نکالنے کی تین مصلحتیں

سوال: اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے صوبہ گجرات کے غربت زدہ اور دینی لحاظ سے پسماندہ علاقوں میں چند رفقاء کے ساتھ مکاتب کے قیام کی سعادت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اب تک تقریباً دوسو پچھتر آبادیوں میں قیام مکتب کی سعادت حاصل ہوئی ہے، اب الحمد للہ یہ سلسلہ بڑھتا ہی جارہا ہے، اولاً ان مکاتب کے قیام کا پس منظر قدرے عرض کرتا ہوں:

جن دیہاتوں میں مسلمان قلیل تعداد میں ہیں، اور آج تک ان بستیوں میں مسجد، مدرسہ، مکتب کی کوئی شکل نہیں، جس کی وجہ سے مسلمانوں میں ارتداد یا ارتداد جیسا ماحول تھا اور اب بھی ہے، مسلمانوں کے گھروں میں بت اور محلوں میں بت کدہ بنے ہوئے ہیں اور بعض جگہ اب بھی یہ صورت حال ہے، اور مسلمان غیر مسلموں جیسا شعار، لباس، وضع قطع اپنائے ہوئے ہیں، نام بھی غیر مسلموں جیسے ہیں، غیر مسلموں کے تہواروں کو ذوق وشوق سے مناتے ہیں، اسلامی تہواروں کا بہت سوں کو پتہ تک

نہیں ہیں، بعضوں نے قرآن کا لفظ تک نہیں سنا ہے، شہروں کے اطراف میں نئی نئی کالونیاں اور جھونپڑے بڑی مقدار میں آباد ہو رہے ہیں، ان جگہوں پر بھی مکتب، عبادت گاہ نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں میں گمراہی اور فتنے گھس آئے ہیں، قادیانی اور عیسائی مشنری ان جگہوں کو خاص نشان بنا رہے ہیں۔

ان علاقوں میں بسنے والے ۹۰ / فیصد مسلمان غریب اور مزدور پیشہ ہیں، جن کے لیے اپنی آمدنی سے اپنی ضروریات زندگی کی تکمیل مشکل ہوتی ہے، ان میں بہت ہی کم متوسط درجے کے ہیں جو اپنی آمدنی سے اپنی ضروریات زندگی پوری کر لیتے ہیں۔

ایسے علاقوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے مکاتب کا سلسلہ شروع کیا ہے، بحمد اللہ جہاں کچھ مدت سے کام ہو رہا ہے، وہاں سے مکتب سے تکمیل کے بعد حافظ، عالم بنانے کے لیے بڑے اداروں میں بچوں کو بھیجنے کی کوشش بھی ہو رہی ہے اور نتائج سامنے آرہے ہیں اور مزید اچھے نتائج کی امید ہے۔ ان شاء اللہ۔

اس قسم کی کئی آبادیوں سے مکاتب شروع کرنے کی درخواستیں آئی ہوئی ہیں، اس کے علاوہ مخلصین فکر مند علماء اور دعوت وتبلیغ کے ساتھیوں کی سروے رپورٹ میں چند ڈرانے والے اور چونکانے والے اعداد وشمار سامنے آرہے ہیں۔

ایسے چھوٹے اور دور افتادہ علاقوں میں قیام وطعام کا نظم نہ ہونے کی وجہ سے معلمین حضرات روزانہ سائیکل، موٹر سائیکل، پیدل، بس، آٹو رکشہ غرض جو میسر آتا ہے، اس کے ذریعہ آمد ورفت کرتے ہیں، بعض معلمین روزانہ ۸۰ / کیلومیٹر تک کا سفر کرتے ہیں۔

اس پس منظر میں ہماری کچھ الجھنیں ہیں، اس کا شرعی حل مطلوب ہے، اس طرح

کی آبادیوں میں قیام مکاتب اور عبادت گاہ کے لیے مالیات کی بھی بڑی مقدار میں ضرورت پیش آتی ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

① معلمین، مدرسین کی ماہانہ متعینہ تنخواہ، جن میں حسب ضرورت اضافے بھی ہوتے رہتے ہیں۔

② معلمین اور نگران حضرات کے مصارف سفر۔

③ اس طرح کی غربت زدہ بستیوں کے پڑھنے والے بچوں بچیوں کو سال میں ایک یا دو مرتبہ کپڑوں کے مصارف۔

④ مدرسین کو سال میں دو مرتبہ راشن اور ایک مرتبہ دیئے جانے والے کپڑوں کے مصارف۔

⑤ امراض کے موقعہ پر مدرسین اور ان کے اہل خانہ کے لیے علاج ومعالجہ کے مصارف۔

⑥ جن مدرسین کی شادی نہیں ہوئی ہے، ان کی شادی کے موقع پر حسب وسعت تعاون کے مصارف۔

⑦ معلمین اور نگران حضرات کی آمد ورفت کے لیے سائیکل اور موٹر سائیکل کی خریدی اور اس کے نباہ کے مصارف۔

⑧ بہت سی آبادیوں میں اب تک کھلی زمین پر آسمان کے نیچے یا درخت کے سایہ میں تعلیمی سلسلہ ہے، وہاں عبادت گاہ یا مکتب بقدر ضرورت تعمیر یا ٹین کے شیڈ کے مصارف۔

⑨ بعض آبادیوں میں بعض مرتبہ بچوں کو اور ان کے والیوں کو راشن وغیرہ دینا

بھی ضروری ہوتا ہے، ورنہ گمراہ فرقے اس راہ سے ایمان کا سودا کرتے ہیں، یہ تو ہو گئی مصارف کی تفصیلات۔

اب اس کے مقابلہ میں ہمارے پاس بطور خرچ آنے والی رقوم کی تفصیلات حسب ذیل ہیں:

کچھ آبادیوں میں بچوں اور ان کے والیوں پر محنت کی گئی، سمجھایا گیا تو اپنی غربت کے باوجود ۱۰/ ۲۰ روپئے فیس کے عنوان سے کچھ والیوں نے دینے پر رضامندی کا اظہار کیا ہے اور کچھ حضرات اپنی رقم حسبِ وسعت جمع کرواتے ہیں، بعض جگہوں پر دین کے متعلق غفلت کی وجہ سے غربت کی بناء پر بسا اوقات دس بیس روپئے فیس کے خاطر بچوں کو مکتب میں بھیجنا بند کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ مصارف کی تکمیل کے لیے مسلمانوں کو اپیل کی جاتی ہے، چندہ کیا جاتا ہے، حالات دکھائے جاتے ہیں، حالات سے واقف کیا جاتا ہے، تعلقات کو بھی استعمال کیا جارہا ہے، دعائیں کرتے بھی ہیں اور کرواتے بھی ہیں، اس کے باوجود مصارف کی تکمیل کے لیے فیس اور عطیات کی (للہ) رقم نہایت قلیل مقدار میں حاصل ہوتی ہے، جس سے مجموعی بجٹ کا ۲۰/ فیصد بھی پورا کرنا مشکل ہوتا ہے، زیادہ تر مسلمان زکوۃ، صدقات کی رقم پیش کرنے کی بات کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا حالات کے پیش نظر آں محترم ہماری رہبری فرمائیں کہ صدقہ، زکوۃ کی رقم ان کاموں کے لیے وصول کی جائے یا نہ کی جائے اور ان کو مذکورۂ بالا ضروریات کی تکمیل میں استعمال کرنے کا کیا طریقہ ہوگا، جس میں معطین کی زکوۃ صحیح طریقے سے ادا بھی ہوجاوے اور ان کے اجر میں کوئی کمی نہ آوے۔

امید ہے کہ کوئی آسان شکل جس میں بڑی دشواری کا سامنا بھی نہ کرنا پڑے اور لوگوں کو بھی اپنی دی ہوئی زکوۃ کی ادائیگی کے سلسلہ میں کامل یقین، کامل اعتماد اور بھروسہ رہے بتلا کر ممنون فرمائیں، اور اس طرح کے کاموں کے لیے بھی اگر زکوۃ کی رقم دی جاتی ہے اور آپ کے بتلائے ہوئے طریقہ پر عمل کیا جاوے تو مزید اجر کے مستحق ہو ایسی کوئی فضیلت آپ کے ذہن میں ہو تو اس کو بھی ضرور تحریر فرمائیں؛ تاکہ چندہ دہندگان پوری رضاء ورغبت کے ساتھ ہمارا تعاون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مالداروں کو اپنے مال میں سے جو زکوۃ نکالنے کا حکم دیا گیا ہے، یہ فقراء کا ایک حق ہے، اس حق کی ادائیگی اسی وقت تام ہوگی جب زکوۃ اپنے مصرف میں صرف ہو، خود اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں زکوۃ کے آٹھ مصارف متعین فرمادیے ہیں، ﴿إنما الصدقات للفقراء والمسكين﴾ (التوبة:٦٠) صدقات تو دراصل حق ہے فقیروں کا، مسکینوں کا۔

لہٰذا صاحب مال کی شرعی ذمہ داری ہے کہ اپنا مالِ زکوۃ صحیح مصرف میں صرف کرے، آج کل جہاں زکوۃ کی ادائیگی میں کوتاہی عام ہے وہیں صحیح مصرف کی جستجو میں لاپرواہی بڑھتی جاتی ہے۔

زکوۃ وصدقات ادا کرنے سے مقصود محتاج کی حاجت پورا کرنا ہے، صاحب مال کو تو فرصت نہیں کہ مصرف کی تلاش کرنے میں ہر ممکن کوشش کرے، اللہ تعالے کے کچھ بندے ایسے ہیں جو تن، من اور دل وجان سے اپنا قیمتی وقت فارغ کرکے، صحیح مصرف تلاش کرکے اہل مال کی توجہ مبذول کراتے ہیں، درحقیقت اہل مال ان کے

احسان مند ہیں، حاجت مند کی ضرورت پوری کرنے میں بہت ثواب ہے، یہ حاجت جس درجہ کی ہوگی، اسی قدر اس پر ثواب مرتب ہوگا، مصیبت زدہ اور حاجتمندوں کی ضرورت پورے کرنے پر بے شمار فضائل احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔

چند احادیث نقل کی جاتی ہیں:

ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: واللہ یحب اغاثۃ اللھفان. (فضائل صدقات ۱/ ۱۲۵) اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کو محبوب رکھتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کا بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو، اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا ہو، اور بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا برتاؤ کیا نہ جاتا ہو۔

ایک حدیث میں ہے: جو شخص میری امت میں سے کسی شخص کی حاجت پوری کرے؛ تاکہ اس کو خوشی ہو اس نے مجھ کو خوش کیا، اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ جل شانہ کو خوش کیا، اور جو شخص حق تعالیٰ شانہ کو خوش کرتا ہے وہ اس کو جنت میں داخل فرما دیتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مصیبت زدہ آدمی کی مدد کرتا ہے اس کے لیے تہتر ۷۳ / درجے مغفرت کے لکھے جاتے ہیں، جن میں سے ایک درجہ سے تو اس کی درستگی ہوتی ہے (یعنی لغزشوں کا بدلہ ہو جاتا ہے) باقی بہتر/ ۷۲ درجے رفع درجات کا سبب ہوتے ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی عیال ہے، آدمیوں میں سب سے زیادہ محبوب اللہ جل شانہ کے نزدیک وہ ہے جو اس کی عیال کے ساتھ

اچھا برتاؤ کرے۔ مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی عیال ہے مشہور حدیث ہے۔

(فضائل صدقات ۱/ ۱۲۸، ۱۲۹)

قرآن شریف میں نیک لوگوں کے اوصاف عالیہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا ویتیما واسیرا﴾ (الدھر) اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے خاطر مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

یعنی اہل جنت کے یہ انعامات اس سبب سے بھی ہیں کہ وہ دنیا میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے، حرف علی بمعنی مع ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ایسی حالت میں بھی غریبوں کو کھانا کھلاتے جب کہ وہ کھانا خود اپنے لیے بھی ان کو محبوب اور پسند ہے، یہی نہیں کہ اپنے سے زائد فالتو کھانا غریبوں کو دیدیں، مسکین اور یتیم کو کھانا کھلانے کا عبادت اور ثواب ہونا تو ظاہر ہے۔ قیدی سے مراد ظاہر ہے کہ وہ قیدی ہے جس کو اصول شرعیہ کے مطابق قید میں رکھا گیا ہے خواہ وہ کافر ہو یا مسلمان مجرم؛ مگر بہر حال اس کو کھانا کھلانا حکومت اسلامی کی ذمہ داری ہے، جو شخص اس کو کھانا کھلاتا ہے وہ گویا حکومت اور بیت المال کی اعانت کرتا ہے اس لیے قیدی چاہے کافر بھی ہو اس کو کھانا کھلانا ثواب ہوگا، خصوصاً ابتدائے اسلام میں تو قیدیوں کا کھانا پینا اور ان کی حفاظت عام مسلمانوں میں تقسیم کر کے ان کے ذمہ کردی جاتی تھی جیسے غزوۂ بدر کے قیدیوں کے ساتھ معاملہ کیا گیا۔ (معارف القرآن ۸/ ۶۳۸)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب اللہ جل شانہ نے ان آیات میں قیدی کے ساتھ احسان کرنے کا حکم فرمایا ہے، حالاں کہ اس وقت قیدی مشرک تھے تو مسلمان

قیدی کا حق تجھ پر اور بھی زیادہ ہوگیا۔ (فضائل صدقات ۱/ ۴۵)

غور کرنے کا مقام ہے کہ مسلمان بھائیوں کو قید کرنے والے کافر، قیدیوں کو جسمانی تکلیف پہنچا سکتے ہیں، بہت بہت تو قتل کر دیں گے؛ لیکن ایمان سلب کر کے ان کو کافر بنانے کی ان میں قدرت نہیں، بایں ہمہ وہ قیدی قابل رحم ہیں، قرآن واحادیث میں ان پر انفاق مال کی مستقل فضیلت ہے، ان کی خبر گیری اہل ایمان کی ذمہ داری ہے، تو بھلا ہمارے جو مسلمان بھائی گمراہ فرقوں کی زد میں ہیں، قادیانی اور عیسائی مشنریاں ان کو مرتد بنانے کی فکر میں ہیں، ایسے مسلمان ان قیدیوں سے زیادہ قابل رحم ہیں، ان کا ایمان بچانا اور دینی تعلیم سے ان کو روشناس کرانا ہمارا اسلامی فریضہ ہے۔

وما یتعلق به سعادة ابدیة ونجا ة عقباویة وهی من اجل المنافع.
(هدایه۱/ ۶۰۷)

آپ نے استفتاء میں للہ رقم سے مصارف پورے نہ ہونے کا شکوہ کیا ہے، یہ واقعۃً صحیح ہے۔ مال کی محبت اس قدر غالب ہے کہ مقدار واجب (چالیسواں حصہ) بھی ادا کرنا بڑا بوجھ لگتا ہے، حالاں کہ مالداروں پر زکوۃ کے علاوہ بھی مالی حقوق ہیں۔ فضائل صدقات میں ہے:

بعض تابعین جیسا کہ امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ وشعبی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات اس طرف گئے ہیں کہ مال میں زکوۃ کے علاوہ بھی حقوق واجب ہیں، ان حضرات کے نزدیک مالدار کے ذمہ واجب ہے کہ جہاں کہیں ضرورت مند کو دیکھے تو زکوۃ سے زائد سے بھی اس کی حاجت کو پورا کرے؛ لیکن فقہ کے اعتبار سے صحیح یہ ہے کہ اگر کہیں کوئی شخص اضطرار

کے درجہ کو پہنچ گیا ہو تو اس کی ضرورت کا پورا کرنا فرض کفایہ ہے۔ (فضائل صدقات ۱/ ۲۶۲)

ہمارے اسلاف نے مسئلۂ اضطرار کو خوب سمجھا اور عمل کر کے بتلایا، ان کی زندگی ہمارے لیے اسوہ ہے، جو مالدار ہر سال عمرہ اور نفلی حج کرتے ہیں، ان کے لیے حسب ذیل واقعہ میں بڑا سبق ہے:

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالم باعمل محدث ومفسر ہونے کے ساتھ ساتھ مجاہد وقت تھے، ایک سال درس حدیث دیتے، ایک سال تجارت کرتے اور ایک سال جہاد کرتے، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر شاگرد تھے، اس لیے ہم حنفیوں کے امام ومقتداء ہیں، ان کا واقعہ ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم ہر سال حج کرنے والے مالداروں کو حدود شرعیہ اور دین کے ہر حکم کو اس کے مقام پر رکھنے کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ حج پر تشریف لے جارہے تھے، ایک قافلہ بھی ساتھ تھا، راستہ میں ایک قافلہ والوں کی ایک مرغی مرگئی، قافلے والوں نے وہ مرغی کوڑے کے ڈھیر میں پھینک دی، حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ قافلہ والوں سے کچھ پیچھے تھے، انہوں نے دیکھا کہ قافلے والے تو اس مرغی کو پھینک کر چلے گئے، اتنے میں قریب کی بستی سے ایک لڑکی نکلی، وہ تیزی سے اس مردہ مرغی پر جھپٹی، اور اس کو اٹھا کر ایک کپڑے میں لپیٹا، اور جلدی سے بھاگ کر اپنے گھر چلی گئی، حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ یہ سب دیکھ رہے تھے، بہت حیران ہوئے کہ اس مردہ مرغی کو اس طرح رغبت کے ساتھ اٹھا کر لیجانے والی لڑکی کون ہے؟ چناں چہ

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ بستی میں اس لڑکی کے گھر گئے، اور پوچھا کہ وہ کون ہے؟ اور اس طرح وہ مردہ مرغی اٹھا کر کیوں لائی ہے؟ جب بہت اصرار کیا تو اس لڑکی نے بتایا کہ بات دراصل یہ ہے کہ میرے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، جو ہمارے گھر میں واحد کمانے والے تھے، میری والدہ بیوہ ہیں، میں تنہا ہوں، اور لڑکی ذات ہوں، اور گھر میں کھانے کو کچھ نہیں ہے، ہم کئی روز سے اس حالت میں ہیں جس میں شریعت نے مردار کھانے کی اجازت دی ہے، چناں چہ اس کوڑے میں جو کوئی مردار پھینک دیتا ہے، ہم اس کو کھا کر گزارہ کر لیتے ہیں، یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کے دل پر چوٹ لگی، انہوں نے سوچا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بندے تو اس حالت میں زندگی گزار رہے ہیں، کہ مردار کھا کھا کر گزارہ کر رہے ہیں، اور میں حج پر جا رہا ہوں، چناں چہ اپنے معاون سے پوچھا کہ تمہارے پاس کتنے پیسے ہیں؟ اس نے بتایا کہ ہمارے پاس دو ہزار دینار ہیں، آپ نے فرمایا کہ ہمیں واپس گھر جانے کے لیے جتنے دینار کی ضرورت ہے، تقریباً بیس دینار، وہ رکھ لو، باقی سب اس لڑکی کو دے دو، اور ان دینار سے اس کے گھر والوں کو جو فائدہ ہوگا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ حج سے زیادہ ثواب عطا فرمائیں گے، یہ کہہ کر آپ گھر کی طرف واپس لوٹ گئے۔ (خطبات عثمانی ۳/۱۷۷، ۱۷۸)

گمراہ فرقے قادیانی اور عیسائی مشنریاں متحد ہو کر پسماندہ اور دین سے دور قوم کو لقمۂ تر بنانے کے درپے ہیں، طاغوتی طاقتیں جن کی ڈور باہر کے شیاطین کے ہاتھ میں ہے، اسلام اور مسلمانوں پر کاری ضرب لگانے کی فکر میں ہیں، ایسے قابل رحم غربا اجتماعی طور پر حالت اضطرار سے کم نہیں۔

اس لیے دینی مکاتب زکوۃ وخیرات کا بہترین مصرف ہیں، اس میں دینی نشر واشاعت کا ثواب بھی ہے، حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ دائماً اپنی زکوۃ وخیرات اہل علم پر ہی خرچ کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ میں درجۂ نبوت کے بعد علماء کے درجہ سے افضل کسی کا مرتبہ نہیں دیکھتا ہوں، اگر اہل علم تنگ دست ہو گئے تو دینی خدمت نہ ہو سکے گی، نتیجۃً امور دینیہ میں نقص آجائے گا، لہذا علمی خدمت کے لیے ان کو فارغ و بے فکر کر دینا سب سے بہتر ہے۔

وكان ابن المبارك يخصص بمعروفه أهل العلم، فقيل له لو عممت، فقال: إني لاأعرف بعد مقام النبوة أفضل من مقام العلماء، فإذا اشتغل قلب أحدهم بحاجة لم يتفرغ للعلم ولم يقبل على التعلم فتفريغهم للعلم أفضل.

(احياء العلوم، الوظيفة الثامنة،باب أن يطلب لصدقتة من تزكو به الصدقة الخ ۱/ ۱۹۷)

زکوۃ ادا کرنے میں ایک کوتاہی یہ بھی دن بدن بڑھتی جارہی ہے کہ سال پورا ہونے کے باوجود اہلِ مال زکوۃ ادا نہیں کرتے اور رمضان کا انتظار کرتے ہیں؛ تاکہ ثواب زیادہ حاصل ہو، حالاں کہ فوری تقاضے سامنے ہیں، مصرف کے اہم مواقع موجود ہیں، زکوۃ وصول کر کے صحیح مصرف میں لگانے والے بے چین ہیں، پھر بھی اہل مال کو ان کی ضروریات پورا کرنے اور زکوۃ کا اہم فریضہ ادا کرنے کی فرصت نہیں، یہ طریقہ بھی قابل اصلاح ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

بعض اوقات لوگ یہ کرتے ہیں کہ مثلاً زکوۃ تو یکم رجب کو فرض ہو گئی؛ لیکن ابھی

زکوۃ ادا نہیں کر رہے ہیں، بلکہ اس انتظار میں بیٹھے ہیں کہ جب رمضان المبارک آئے گا، اس وقت زکوۃ نکالیں گے، کیوں؟ اس لیے کہ رمضان المبارک میں زکوۃ نکالنے سے ستّر گنا ثواب زیادہ ملے گا، ارے بھائی! اگر آپ پر یکم رجب کو زکوۃ واجب ہو چکی ہے، اور ایک آدمی بے چارہ بھوکا ہے، اس کو تو فوری کھانے کی ضرورت ہے، اور تم رمضان کے انتظار میں بیٹھے ہو کہ جب رمضان آئے گا تو زکوۃ نکالیں گے، یہ بات سمجھ لیں کہ بیشک رمضان میں زکوۃ نکالنے سے ثواب زیادہ ہوگا؛ لیکن اس سے زیادہ ثواب اس میں ہے کہ ایک مسلمان کی کوئی فوری ضرورت ہے، تو اس فوری ضرورت کی تکمیل کے لیے آپ زکوۃ دے دیں گے، تو انشاء اللہ اس پر زیادہ ثواب ملنے کی توقع ہے؛ لہذا زکوۃ کی ادائیگی کے لیے رمضان کے انتظار میں بیٹھے رہنا یہ بھی کوئی ضروری نہیں؛ بلکہ اگر پہلے بھی ضرورت کا موقع سامنے آئے تو رمضان سے پہلے زکوۃ دے دینا بہتر ہے۔ (خطبات عثمانی ۲/۲۴۹)

سال کے متفرق اوقات میں زکوۃ کی ادائیگی میں جانبین کے لیے سہولت ہونے کے ساتھ ساتھ چند مصالح بھی ہیں، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ کا وقیع مشورہ غور سے پڑھئے، فرماتے ہیں:

اگر ساری زکوۃ ایک ہی وقت ادا کرنا مقصود ہو تو اس کی اچھی صورت یہ ہے کہ کوئی سا ایک مہینہ زکوۃ ادا کرنے کا معین کر لے اور بہتر یہ ہے کہ افضل مہینوں میں سے مقرر کرے؛ تاکہ اس میں خرچ کرنے سے ثواب میں زیادتی ہو، جیسا کہ مثلاً محرم کا مہینہ ہے کہ وہ سال کا شروع مہینہ ہونے کے علاوہ اشہر حرم میں سے ہے اور اس میں ایک دن یعنی عاشورہ کا ایسا ہے کہ اس میں صدقہ کرنے کی اور اہل وعیال پر خرچ میں وسعت

کی فضیلت آئی ہے، لہذا اس مہینہ میں اگر ادا کرے تو بہتر یہ ہے کہ دسویں تاریخ کو ادا کرے، یا مثلاً رمضان المبارک کا مہینہ ہے، احادیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جود وبخشش میں تمام آدمیوں سے بڑھ کر تھے، اور ماہ رمضان میں تو آپ کی بخشش اور جود ایسی تیزی سے چلتی تھی جیسا کہ تیز ہوا؛ نیز اس مہینہ میں لیلۃ القدر ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے؛ نیز اللہ تعالی کی نعمتیں بھی اس مہینہ میں اپنے بندوں پر روز افزوں ہوتی ہیں، اسی طرح ذوالحجہ کا مہینہ بھی بڑی فضیلت والے مہینوں میں ہے، اس میں حج ہوتا ہے، اس میں ''ایام معلومات'' ہیں یعنی عشرہ ذی الحجہ، اور ''ایام معدودات'' ہیں: یعنی ایام تشریق، اور ان دونوں میں اللہ تعالی کی یاد کی ترغیب قرآن پاک میں آئی ہے، پس اگر کوئی رمضان کو متعین کرے تو اس کا عشرۂ آخر مناسب ہے، اور ذی الحجہ کو مقرر کرے، تو اس کا عشرۂ اول بہتر ہے، بندۂ ناکارہ زکریا کا مشورہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی زکوۃ کا تقریبی اندازہ تو ہوتا ہی ہے اس لیے سال کے شروع ہی سے ضرورت کے مواقع پر اس انداز کی رعایت رکھتے ہوئے تھوڑا تھوڑا دیتا رہے اور جب سال وجوب کا ختم ہو اس وقت اپنے مال کا اور اپنی زکوۃ کا پورا حساب لگالے، اگر کچھ کمی رہ گئی ہو تو اس وقت پوری کردے اور کچھ زیادہ ادا ہو گیا تو اللہ تعالی کا شکر ادا کرے کہ اسی کی توفیق تھی کہ واجب سے بھی زیادہ ادا ہو گیا۔

اس میں تین مصلحتیں ہیں:

اول: تو یہ ہے کہ پوری رقم اگر مقدار میں زیادہ ہوئی تو بڑی رقم کا بیک وقت خرچ کرنا اکثر طبیعت پر بار ہو جاتا ہے اور زکوۃ کے ادا کرنے میں طیب نفس سے خرچ کرنے کو بہت زیادہ اہمیت ہے۔

دوسری مصلحت: یہ ہے کہ ضرورت کے مواقع ہر وقت میسر نہیں ہوتے، اس طرح ادا کرنے میں ضرورت کے مواقع پر خرچ ہوتا رہے گا، اور اگر سال کے ختم پر حساب کر کے اس خیال سے اس کو علیحدہ رکھے گا کہ وقتاً فوقتاً خرچ کرتا رہوں گا تو اس میں ایک تو ہر دن تاخیر ہوتی رہے گی۔ دوسرے اس کا اطمینان نہیں کہ ادائیگی سے پہلے کوئی حادثہ جانی یا مالی پیش نہ آجائے اور زکوۃ واجب ہوجانے کے بعد ادا نہ ہونے میں سب کے نزدیک گناہ ہے۔

تیسری مصلحت: یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً ادا کرتے رہنے میں اگر آدمی کے بخل نے زیادہ زور نہ کیا تو امید یہ ہے کہ مقدار واجب سے کچھ زیادہ اکثر ادا ہوجایا کرے گا جو مرغوب چیز ہے، اور بیک وقت حساب لگا کر اس پر اضافہ کرنا بہت سے لوگوں کو دشوار ہوگا۔ (فضائل صدقات ۱/ ۲۶۴، ۲۶۵)

اس تمہید وتحریض کے بعد استفتاء کا جواب ملاحظہ کیجیے:

زکوۃ وصدقات واجبہ کے لیے تملیک ضروری ہے، یعنی مستحق زکوۃ کو مال کا مالک بنانا رکن ہے۔

ہدایہ میں ہے: ولا يكفن بها ميت لإنعدام التمليك وهو الركن.

(هدايه ۱/ ۲۲۲، باب من يجوز دفع الصدقات)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قرآن کریم میں زکوۃ کو صدقہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، ﴿إنما الصدقات للفقراء﴾ اور صدقہ کے معنی حقیقی یہی ہیں کہ کسی فقیر حاجت مند کو اس کا مالک بنا دیا جائے، کسی کو کھانا دینا یا رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کر دینا حقیقی معنی کے اعتبار سے

صدقہ نہیں کہلاتا۔

شیخ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں فرمایا: کہ حقیقت صدقہ کی بھی یہی ہے کہ کسی فقیر کو اس مال کا مالک بنادیا جائے، اسی طرح امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے ''احکام القرآن'' میں فرمایا کہ لفظ صدقہ تملیک کا نام ہے۔ (جصاص ۲/ ۱۵۲ بحوالہ معارف القرآن ۴/ ۴۱۱)

دیگر یہ کہ ادائیگیٔ زکوۃ کے لیے ضروری ہے کہ زکوۃ کے عوض کوئی منفعت حاصل نہ کی جائے۔

قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى.

(تنوير الابصار مع در مختار شامی ۳ /۱۷۳)

اسی وجہ سے تدریس کے عوض اجرت میں زکوۃ دینا جائز نہیں؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں واجب التملیک رقم کی تملیک کے بغیر معلمین، مدرسین کی ماہانہ تنخواہ میں دینا جائز نہیں، اس کے علاوہ دیگر ضروریات مثلاً مدرسین کے مصارف سفر، آمدورفت کے لیے سائیکل، موٹر سائیکل، راشن وکپڑوں کے مصارف، شادی کے موقع کی ضروریات میں زکوۃ وصدقاتِ واجبہ کی رقم تملیکاً دینا جائز ہے، بشرطیکہ جن کو رقم زکوۃ دی جارہی ہے وہ مصرف زکوۃ ہوں، مالک بن جانے کے بعد وہ حضرات اپنی ضروریات میں صرف کرسکتے ہیں، مصرف زکوۃ وہ شخص ہے جس کی ملک میں چھ سو بارہ گرام اور تین سو پچاس ملی گرام چاندی یا اتنا نقد روپیہ یا اتنی قیمت کا مال اور حوائج اصلیہ سے زائد سامان نہ ہو۔ مگر یہ یاد رہے مذکورہ صورت میں سائیکل اور موٹر سائیکل کے معلمین خود مالک ہیں، آئندہ تدریس سے مستعفی ہوجائیں تو ان سے سائیکل اور موٹر سائیکل واپس نہیں لے سکتے۔

اسی طرح اس مد سے بچوں کو کپڑے اور ان کے والیوں کو راشن دینا بھی درست ہے اگر وہ مستحق زکوۃ ہوں۔ بصورت دیگر شرعی حیلہ کے بعد دیں، شرعی حیلہ یہ ہے کہ مستحق زکوۃ کو کہا جائے کہ کسی کے پاس سے قرض لے کر فلاں کار خیر میں تو اپنی طرف سے صرف کر دے، ہم تیرے قرض کی ادائیگی کا انتظام کر دیں گے، وہ قرض لے کر اس کارِ خیر میں دے دے، پھر زکوۃ کی رقم کا اس کو مالک بنا دیا جائے، اس سے وہ اپنا قرض ادا کر دے۔ (ماخوذ از فتاوی بنگرہ جدید ۳/ ۲۶۳)

اگر قرض والا حیلہ کسی وجہ سے مشکل ہو تو مکتب کے ذمہ داران میں مستحق، سمجھ دار، مسائل سے واقف شخص کو مالک بنا کر مصرف میں صرف کرنے کی ترغیب دے سکتے ہیں۔ حیلہ مذکورہ کے بعد تنخواہ، تعمیر، ٹین کے شیڈ وغیرہ میں استعمال کرنے میں حرج نہیں۔

فتاوی محمودیہ میں ہے: زکوۃ اور چرم قربانی کو تعمیر یا تنخواہ میں یا وقفی کتب و قرآن شریف خریدنے میں صرف کرنا جائز نہیں؛ البتہ مستحق طلبہ کے وظائف میں صرف کرنا درست ہے کہ ان طلباء کے کپڑے وغیرہ بنا دیے جائیں، اگر متولئ مکتب یا مہتمم غریب اور مستحق ہو اور مالکان، زکوۃ یا قیمت چرم قربانی ان کو دیدیں اور مالک بنا دیں تو اس کو از خود تنخواہ یا تعمیر وغیرہ میں صرف کرنا درست ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی غریب مستحق کو دے کر قبضہ کرا دیں اور وہ اپنی طرف سے مکتب کے لیے دے دے، تب بھی مکتب کی جمیع ضروریات میں صرف کرنا درست ہے، یہ حکم ہے زکوۃ اور قیمت چرم قربانی کا۔

(فتاوی محمودیہ کراچی ۹/ ۵۹۵، ۵۹۶)

ایسی صورت میں زکوۃ دینے والے کو زکوۃ ادا کرنے کا ثواب اور مستحق کو مکتب میں دینے کا ثواب ملے گا یعنی دونوں اجر عظیم کے مستحق ہوں گے۔

درمختار میں ہے:وقدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذا الأشياء، قوله:(ثم يأمره الخ) ويكون له ثواب الزكاة وللفقير ثواب هذه القرب بحر(شامی، کتاب الزکاۃ،باب المصرف ۳ /۲۹۳)

اگر معلمین مستحق ہیں تو تنخواہ کے علاوہ ان کو زکوۃ دی جاسکتی ہے،جس کی صورت یہ ہے کہ ان کے تقرر کے وقت تنخواہ کی ایک مقدار بحیثیت اجرت مقرر کرلی جائے، وہ تو ان کو مقررہ وقت پر ملتی رہے گی؛لیکن ہنگامی ضرورت مثلاً شادی کے مصارف، ان کے یا ان کے اہل وعیال کے علاج ومعالجہ کے مصارف وغیرہ کے لیے زکوۃ کی رقم براہ راست بھی دے سکتے ہیں۔

ایک شکل یہ بھی ہے کہ معلم صاحب سے اجارہ کا معاملہ ہی نہ کیا جائے، وہ لوجہ اللہ بچوں کو پڑھائیں، امامت کرائیں، حسب موقع اور حسب ضرورت ان کی تمام ضروریات زکوۃ کی رقم سے پوری کردی جائے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم کے فتاوی ''فتاوی عثمانی'' سے ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: بچوں کو دینی تعلیم دینے کے لیے ایک مولوی صاحب مقرر ہیں، محلے کے بچے ایک دو گھنٹہ قرآن پڑھ کر اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں، مدرسہ کی جانب سے طعام وقیام کا انتظام نہیں ہے، کیا عوام انہیں زکوۃ، فطرہ، چرم قربانی کی رقم سے تنخواہ دے سکتے ہیں؟ ایسی صورت میں زکوۃ وغیرہ ادا ہوجائے گی۔

جواب: زکوۃ سے مذکور معلم صاحب کی تنخواہ شرعاً نہیں دی جاسکتی، ہاں اگر وہ مستحق زکوۃ ہوں یعنی ان کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا زائد از

ضرورت سامان نہ ہو تو تنخواہ کے علاوہ ان کو زکوۃ دی جاسکتی ہے، یعنی تنخواہ الگ مقرر ہو اور زکوۃ اس کے علاوہ دی جائے، یا پھر معلم صاحب کی کوئی تنخواہ مقرر نہ ہو وہ توجہ سے پڑھائیں، پھر جس شخص کو جتنی زکوۃ دینے کا موقع ملے انہیں دے دیا کرے؛ لیکن مقررہ نہیں ہوگی۔ (فتاوی عثمانی ۲/ ۱۴۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: عبدالقیوم راجکوٹی، ۱۵/ رجب ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری　　الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

کیا سفرائے مدارس عاملین یا ابن السبیل میں داخل ہیں؟

سوال: ① حیلۂ تملیک کے لیے مندرجۂ ذیل کی صورت میں شرعی کیا حکم ہے؟ سفرائے مدرسہ سفر کی حالت میں جو چندہ مدرسہ کے لیے وصول کرتے ہیں، ان سے اگر مہتمم مدرسہ یہ کہہ دے کہ آپ چندہ وصول کرنے کے بعد اپنی تملیک میں لے کر اپنے ہی جانب سے اس رقم کو مدرسہ میں داخل کردیں، کیا یہ حیلہ درست ہے؟ اور اس حیلہ کے بعد ضروریات مدرسہ وطلباء کے لیے صرف کرنا درست ہوگا یا نہیں؟ اس لیے کہ کتب فقہ میں ہے: "فیکون الثواب لهما كذا في بناء المسجد" اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مزکی کی زکوۃ ادا ہو کر اور حیلۂ تملیک کے بعد، معطی اور مزکی دونوں کو ثواب ملتا ہے، اور اس طرح کے حیلہ کے بعد تعمیر مسجد و مدرسہ اور تکفین میت میں اس رقم کا استعمال کرنا جائز ہے، تو کیا یہ مسئلہ درست ہے؟ مدلل ومفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

② مہتممِ مدرسہ وناظمِ مدرسہ جو کہ خود صاحب زکوۃ ونصاب ہوں تو یہ حضرات

خود چندہ کی غرض سے شرعی مسافت طے کر کے شرعی مسافر ہو کر ابن السبیل کے تحت خود مال زکوٰۃ (چندہ) کو اپنی تملیک میں لے کر مدرسہ کے تمام ضروریات میں صرف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کیوں کہ بہ نص قطعی ابن السبیل مصارف زکوٰۃ میں سے ایک مصرف ہے، اس لحاظ سے کیا یہ حیلہ تملیک کا مسئلہ درست ہوگا یا نہیں؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ مدلل و مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ "تفسیر معارف القرآن" ۴/۳۹۹ پر تحریر فرماتے ہیں: تفصیلِ مذکور سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آج کل جو اسلامی مدارس اور انجمنوں کے مہتمم یا ان کی طرف سے بھیجے ہوئے سفیر صدقات، زکوٰۃ وغیرہ مدارس اور انجمنوں کے لیے وصول کرتے ہیں، ان کا وہ حکم نہیں جو عاملینِ صدقہ کا اس آیت میں مذکور ہے..... وجہ یہ کہ یہ لوگ (مہتمم اور سفراء) فقراء کے وکیل نہیں، بلکہ اصحاب زکوٰۃ مالداروں کے وکیل ہیں، ان کی طرف سے مالِ زکوٰۃ کو مصرف پر لگانے کا ان کو اختیار دیا گیا ہے، اسی لیے ان کا قبضہ ہو جانے کے بعد بھی زکوٰۃ اس وقت تک ادا نہیں ہوگی جب تک یہ حضرات اس کو مصرف پر خرچ نہ کر دیں..... اور جب تک یہ اس مال کو مصرف پر خرچ نہ کر دیں ان کا قبضہ ایسا ہی ہے جیسا کہ زکوٰۃ کی رقم خود مال والے کے پاس رکھی ہو۔

مندرجۂ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ سفراء اربابِ اموال کے وکیل ہیں، تو ان کا ذمہ یہ ہے کہ وہ کسی حقدار کو اس کا مالک بنائیں، نہ یہ کہ خود مالک بن بیٹھیں، اس

لیے مہتمم کا ان کو یہ ہدایت صادر کرنا کہ خود اپنی تملیک میں لے کر اپنی جانب سے مدرسہ میں داخل فرمادیں، درست نہیں ہے۔

(۲) جواب نمبر ۱ میں مہتمم کی حیثیت واضح ہوچکی ہے، اس لیے اس کا بھی وہی حکم ہے۔ مزید براں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ابن السبیل کے متعلق فقہاء نے تصریح کی ہے، اگر اس کو اپنی ضرورت کے بقدر قرض مل جاتا ہے تو زکوٰۃ نہ لینا مناسب ہے، اور زکوٰۃ لینے والی صورت میں بھی صرف اتنی مقدار لینا جائز ہے جس سے اس کی ضرورت پوری ہوکر وہ اپنے وطن تک پہنچ جائے۔

وقال في الفتح ايضا ولا يحل له أى لا بن السبيل أن يأخذ أكثر من حاجته، والاولى له أن يستقرض إن قدر ولا يلزمه ذلك (شامی ۲/ ٦٧)

البتہ اگر مہتمم یا سفیر غریب ومحتاج ہیں، اور صاحب مال ان کو یہ کہہ کر زکوٰۃ دیتا ہے کہ میں آپ کو دے رہا ہوں آپ جس طرح چاہیں کرسکتے ہیں، مثلاً تعمیرِ مسجد میں، البتہ اس صورت میں صاحبِ مال کو زکوٰۃ دینے کا ثواب ملے گا اور مہتمم یا سفیر کو مسجد میں لگانے کا۔

ويكون له ثواب الزكوٰة وللفقير ثواب هذه القرب (شامي ۲/٦٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حیلۂ زکوٰۃ میں مصرف پر دباؤ ڈالنا صحیح نہیں

سوال: حیلۂ زکوٰۃ میں زکوٰۃ کی رقم دیتے ہوئے اگر یہ شرط لگائی جائے کہ

روپیہ ہمیں واپس لوٹا دینا، اگر لوٹاؤ گے نہیں تو سزا دی جائے گی، یا واپس نہ کرنے پر جرمانہ عائد کیا جائے گا، تو کیا اِس طرح شرط لگانا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

من عليه الزكوٰة لو أراد صرفها إلى بناء المسجد والقنطرة لا يجوز، فإن أراد الحيلة فالحيلة أن يتصدق به المتولي على الفقراء، ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم المتولي يصرف إلى ذلك كذا في الذخيرة (عالمگیری)

کسی مصرف کو مجبور کرنا اور اُس پر دباؤ ڈالنا درست نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳/۳۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری

مدارس میں رائج حیلۂ زکوۃ کا حکم

سوال: ایک مدرسہ ہے جس میں دورۂ حدیث تک کی تعلیم ہے، اُس میں بالغ و نابالغ طلباء زیرِ تعلیم ہیں، یہ طلباء جب مدرسہ میں داخل ہوتے ہیں تو اُن سے خورا کی فیس کہہ کر کھانے کی فیس متعینہ مثلاً: تین سو روپیہ ماہانہ وصول کی جاتی ہے، اگر طالبِ علم کی حیثیت کمزور ہوتی ہے اور وہ خورا کی فیس مکمل نہیں ادا کرسکتا ہے، اور وہ مستحقِ زکوۃ ہے، تو اُس کو مُدِ زکاۃ سے رقم تملیکاً دے کر بقیہ خورا کی فیس وصول کی جاتی ہے، اور بچوں کو خورا کی فیس کے عوض مطبخ میں بٹھا کر کھلایا جاتا ہے، کسی بچے کو کھانا مطبخ سے باہر لے جانے کی بالکل اجازت نہیں ہے، ایک روٹی بھی باہر نہیں لے جاسکتا۔ اب سوال یہ ہے کہ خورا کی فیس کے عوض مذکورہ طریقہ سے کھلانے میں شرعاً کوئی حرج

ہے یا نہیں؟ نیز ہر جمعہ کو تقریباً ایک تہائی بچے ایک دن یا زیادہ کھانا نہیں کھاتے، بعض بچے بیماری وغیرہ کی وجہ سے کم وبیش ایام کھانا نہیں کھاتے، اِس کے باوجود خورا کی فیس میں کوئی کمی نہیں ہوتی تو شرعاً اِس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خورا کی فیس کا مطلب تو یہی ہے کہ پورا مہینہ جو کھانا فیس ادا کرنے والے طالب علم کو دیا جاتا ہے وہ قیمتاً دیا جارہا ہے، اور خورا کی فیس کے نام سے جو رقم اُس سے وصول کی گئی وہ اُس کھانے کی قیمت ہے؛ اِس لیے اگر کوئی طالب علم اپنا کھانا کمرہ پر لے جانا چاہے تو اُس کو اِس کا حق حاصل ہونا چاہیے؛ نیز اگر مہینہ میں ایک دن یا اِس سے زیادہ کھانا نہیں کھایا تو اِس حساب سے رقم واپس لینے کا اُس کو اختیار ہوگا۔

ہمارے مدارس میں جو طریقہ رائج ہے جس کی تفصیل آپ نے سوال میں لکھی ہے، وہ شرعی اعتبار سے درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری

داخلہ فارم میں توکیل بالصرف کا کالم پُر کروا کر حیلۂ تملیک سے نجات درست نہیں

سوال: مدارس میں صدقاتِ واجبہ، زکوۃ کی جو رقوم آتی ہیں اُس کے خرچ کے لیے مختلف حیلے اختیار کیے جاتے ہیں، تو اگر مندرجۂ ذیل طریقہ اختیار کیا جائے تو شرعاً اِس میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟

وہ طریقہ یہ ہے کہ: تمام بالغ ونابالغ طلباء مہتمم مدرسہ کوزکوۃ کی رقم اپنے جملہ مصارف میں خرچ کرنے کا وکیل بنادیں، پس مہتمم جس طرح طلباء کی طرف سے زکوۃ وغیرہ صدقاتِ واجبہ پر قبضہ کرنے کا وکیل ہے۔ (بقول حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ) اِسی طرح وہ طلباء کی جانب سے جملہ مصارفِ مدرسین وملازمین کی تنخواہیں، تعمیرات، خرید کتب، لائٹ بل وغیرہ میں بن جائے، جس کی صورت یہ ہو کہ داخلہ کے وقت داخلہ فارم میں ایک کالَم پُر کروایا جائے جس میں طالبِ علم مہتمم مدرسہ کو صراحۃً وکیل بناوے۔

اب سوال یہ ہے کہ: کیا اِس طرح داخلہ فارم میں کالَم پُر کروانے سے مہتمم، طلبہ کی جانب سے خرچ کرنے کا وکیل بن جائے گا؟ اور کیا مہتمم کو صدقاتِ واجبہ کی رقوم مدرسہ کے اخراجات میں بلاحیلۂ تملیک صَرف کرنے کا اختیار ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوال میں مذکور طریقہ جس میں طالبِ علم مہتمم مدرسہ کو صراحۃً اپنے مصارف میں صَرف کرنے کا وکیل بنائے، اِس صورت میں طالبِ علم کی وہ ضروریات جن میں وہ چیز اُس کے حوالہ کردی جاتی ہے، مثلاً: کھانا (جہاں کمرہ پر دیا جاتا ہے)، لباس وغیرہ؛ اِن کی تکمیل میں جو صَرف ہوا اُس میں زکوۃ کی ادائیگی کا حکم لگانا قابلِ اشکال نہیں؛ لیکن جو رقم خریداریٔ کتب میں صَرف ہوئی یا تعمیر میں صَرف ہوئی، وہاں پر اشکال یہ ہے کہ اِن کی رقم سے خریدی ہوئی کتابیں مالک بنا کر اُن کے حوالہ نہیں کردی جاتیں؛ بلکہ عاریۃً دی جاتی ہیں، جو سال ختم ہونے پر واپس وصول کرلی جاتی ہیں، جب اِن کتابوں کو اِن کی رقوم سے خریدا گیا تو گویا وہ طلباء مشترکہ طور پر اِس کے

مالک بنے، اب یہ کتابیں اُن سے واپس لے کر مدرسہ میں رکھ لینا کیا معنی رکھتا ہے؟ تعمیرات میں خرچ ہونے والی رقوم کا بھی یہی حال ہے۔

بہرحال داخلہ فارم میں توکیل بالصرف کا کالم پُر کروا کر حیلۂ تملیک سے مکمل طور پر نجات مل جانا سمجھ میں نہیں آتا۔

نیز ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "لا یحل مال امرء مسلم إلا بطیبة نفس منه" کی وجہ سے بھی اشکال پیدا ہوتا ہے کہ، یہ خانہ پُری اپنے داخلہ کی ضرورت کی وجہ سے بدرجۂ مجبوری نہ کی جارہی ہو؛ اِس لیے کہ اِس کو معلوم ہے کہ اگر مَیں یہ خانہ پُری کر کے منتظمِ مدرسہ کو وکیل بالصَّرف نہیں بناؤں گا تو میرا داخلہ نہیں ہوگا۔

پھر مدرسہ میں موجود طلباء کی طرف سے وکیل بالصرف ماننے کی صورت میں حسبِ ضابطہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ، ہر ایک کی طرف سے یکساں طور پر وکیل بالصرف ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ مذکورہ رقوم میں سے جتنی رقم خرچ ہوئی وہ اِن طلباء پر تقسیم مان کر ہر ایک کے حصہ میں جتنی آتی ہے، گویا اُس نے اُتنی مقدار کے صرف کا مہتمم کو وکیل بنایا؛ حالاں کہ تمام طلباء کی ضروریات یکساں نہیں، مثلاً دورۂ حدیث میں پڑھنے والے طالبِ علم کو پڑھانے والے اساتذہ کو جو تنخواہ دی جاتی ہے، اُس کی مقدار ابتدائی درجات میں پڑھنے والے طلباء کے اساتذہ کو دی جانے والی تنخواہ کی مقدار سے زیادہ ہے، یا مثلاً اِس سال مدرسہ میں جو تعمیرات ہوئیں وہ اِس سال میں پڑھنے والے طلباء کی رقوم سے ہوئیں، اب جب وہ مدرسہ چھوڑ کر جارہے ہیں اور اِن کی مملوکہ چیز یہیں محبوس ہے، اُن کو اِس کا کوئی معاوضہ بھی نہیں دیا جارہا ہے، اور اُن سے یہ بھی نہیں درخواست کی جاتی کہ اِن تعمیرات میں آپ کا جو حصہ ہے وہ آپ مدرسہ کو ہبہ کردیں،

توتوکیل کے اِس مضمون سے مسئلہ کیسے حل ہوگا؟ بلکہ یہاں تو یہ اشکال ہوگا کہ ایک کے مال کو دوسرے کی ضروریات میں خرچ کردیا گیا، جب کہ قدیم زمانہ کے حیلۂ تملیک میں یہ اشکالات پیش نہیں آتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

زکوٰۃ سے تنخواہ دینا

سوال: اُدھنا پریم نگر جھونپڑ پٹی میں مکتب کی شکل میں مدرسہ شروع کیا ہے، مسلمانوں کے ۳۰/ گھر ہیں، سب غریب اور مزدور طلبہ ہیں، چار سو روپیہ مہینے کا پڑھانے کے لیے معلم رکھا ہے، ایک کارخانے والے صاحب نے معلم کی تنخواہ دینے کے لیے کہا ہے، لیکن پیسے زکوٰۃ کے ہیں، تو کیا زکوٰۃ کے پیسے میں سے معلم کی پگار دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زکوٰۃ کی رقم کسی معلم کی تنخواہ میں دینا درست نہیں ہے، اگر دیں گے تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی؛ البتہ اگر وہ معلم غریب ہے، تو اس کو ویسے ہی بغیر کسی عوض کے اس رقم کا مالک بنایا جاسکتا ہے؛ مگر اس کے عوض اس سے کسی قسم کی خدمت لینا جائز نہیں ہے۔ (شامی ۲/ ۳۴۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تنخواہ میں زکوۃ کی رقم بلا تملیک صرف کرنا

سوال: زکوۃ وصدقات کی رقم کو مدرسہ میں استاذ کی تنخواہوں میں اور ملازمین کی تنخواہوں میں نیز مہمان نوازی اور دیگر ضروریات جیسے تعمیر، پکوان کے لیے گیس یا لکڑی کے لیے بغیر تملیک کے استعمال کرنا کیسا ہے؟ ایسے مدارس کو زکوۃ یا صدقات دینا چاہیے یا نہیں؟ مفصل جواب تحریر کریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زکوۃ وصدقات کی رقم براہ راست (بلا تملیک شرعی) اساتذہ کی تنخواہوں، مہمان نوازی وغیرہ میں استعمال کرنا درست نہیں ہے ایسا کرنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوئی جس ادارہ کے متعلق معلوم ہو کہ وہاں ایسا معاملہ ہوتا ہے وہاں اپنے زکوۃ وصدقات دینے سے بچنا ضروری ہے۔ اگر دیں گے تو زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مدرسہ کے طلبہ کو زکوۃ دی جائے؟

سوال: مدرسہ میں جو رقم بطور زکوۃ کے دی جاتی ہے، اس کے حیلہ کے لیے غریب طلباء کو دینا ہی ضروری ہے یا مالدار کو بھی دے کر کے حیلہ کر سکتے ہیں؟ نیز جو رقم للہ دی گئی ہے، اس رقم کے ذریعہ سے مدرسہ کی بلڈنگ وغیرہ باندھ سکتے ہیں یا بلڈنگ کے لیے مستقل چندہ کرنا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وہ رقم جس طالب علم کو دی جارہی ہے اس کا مستحقِ زکوٰۃ ہونا ضروری ہے، اب اگر وہ طالبِ علم بالغ ہے، تو اتنا کافی ہے کہ خود اس کی ملکیت میں بقدرِ نصاب کچھ نہ ہو، چاہے اس کا باپ مالدار ہی کیوں نہ ہو، اور اگر وہ طالب علم نابالغ ہے تو اس صورت میں اگر اس کا باپ مالدار (مالکِ نصاب) ہے تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

ولا إلى طفله بخلاف ولده الكبير (درمختار) (قوله ولا إلى طفله) أي الغني، فيصرف إلى البالغ ولو ذكرا صحيحا، قهستاني فأفاد أن المراد بالطفل غير البالغ ذكرا كان أو انثىٰ في عيال أبيه أو لا على الاصح (شامی ۲/۷۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اسکول کے غیر مستطیع طلبہ کے لیے زکوۃ صدقات لینا

سوال: واپی میں ایک اردو میڈیم اسکول ہے جس میں دینی دنیوی دونوں تعلیم ہوتی ہے پونے تین سو طلبہ زیر تعلیم ہیں مستطیع طلبہ سے سو روپیہ فیس وصول کی جاتی ہے اور فیس سے ہی اساتذہ کی تنخواہیں لائٹ بل وغیرہ بہ مشکل پوری ہوتی ہے اور غیر مستطیع بچوں سے کوئی فیس نہیں ہے؛ بلکہ انتظامیہ کتاب وغیرہ کا بھی حتی الامکان انتظام کرتی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بچوں کی فیس قلم کاغذ وغیرہ میں صدقات زکوۃ وغیرہ رقوم استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ بہر صورت تفصیلاً جواب درکار ہے۔

نوٹ: اسکول میں قیام وطعام کا انتظام نہیں ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب اس ادارہ میں مقیم طلبہ موجود نہیں ہیں تو ان کے لیے زکوۃ وصدقات کی وصولیابی درست نہیں، ارباب اموال کو غیر مستطیع طلبہ کی امداد کی طرف متوجہ کیا جائے کہ وہ لوگ بہ راہ راست ان طلبہ یا ان کے اولیاء کی امداد زکوۃ وصدقات کی رقوم سے کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

چندہ کی رقم ملکیت کی صورت میں مہتمم استعمال کرسکتا ہے؟

سوال: مدرسہ کی چندہ کی رقومات کا مالک مہتمم کو بنادینے کی صورت میں کیا مہتمم ان رقومات کو اپنی ذاتی استعمال کے لیے اسکوٹر، موٹر کار یا ان رقومات کو پاور لوم میں استعمال کرسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر زکوۃ دینے والے نے مہتمِ مدرسہ کو یہ کہہ کر مال زکوۃ دیا کہ میں آپ کو زکوۃ کا مالک بنا رہا ہوں، آپ جہاں چاہیں استعمال کرسکتے ہیں، تو اس صورت میں مہتمم اپنی مرضی سے جہاں خرچ کرنا چاہے اس کو اختیار ہے، اور اگر مہتمم کو یہ رقم طلبہ کی خدمات میں خرچ کرنے کے لیے دی گئی ہے، تو اس صورت میں مہتمم اس رقم کو امورِ مذکورہ فی السوال میں خرچ نہیں کرسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سفرائے مدارس کو زکوۃ دینے کی مقدار

سوال: بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے یہاں سالانہ زکوۃ کی رقم بہت زیادہ ہوتی ہے، ہم لوگ بہت سارے مدارس کے سفیروں (چندہ کرنے والوں) کو سالانہ خرچ کے اعتبار سے مختلف (۵۰۰، ۴۰۰، ۲۰۰) روپئے دیتے ہیں؛ لیکن بہت سے ہمارے (پڑوسی) اعتراض کرتے ہیں کہ بہت سوں کو دینے سے کیا فائدہ؟ بلکہ کم کو زیادہ رقم عطا کرو؛ تاکہ ان کا فائدہ ہو، حالاں کہ اس زمانہ میں سفراء پر اعتبار کم ہوتا ہے؛ لہٰذا اس صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ مشورہ سے مطلع فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: مسئلہ: اگر کسی شخص نے کسی شخص کو اپنے گمان کے مطابق مستحق اور مصرف زکوۃ سمجھ کر زکوۃ دیدی، بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اسی کا غلام یا کافر تھا، تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی، دوبارہ دینی چاہیے؛ کیوں کہ غلام کی ملکیت تو آقا ہی کی ملکیت ہوتی ہے، وہ اس کی ملک سے نکلا ہی نہیں، اس لیے زکوۃ ادا نہیں ہوئی، اور کافر زکوۃ کا مصرف نہیں ہے۔

اس کے علاوہ اگر بعد میں یہ ثابت ہو کہ جس کو زکوۃ دی گئی ہے، وہ مالدار یا سید ہاشمی یا اپنا باپ یا بیٹا یا بیوی یا شوہر ہے، تو زکوۃ کے اعادہ کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ رقم زکوۃ اس کی ملک سے نکل کر محل ثواب میں پہنچ چکی ہے، اور تعین مصرف میں جو غلطی کسی اندھیرے یا مغالطہ کی وجہ سے ہوگئی وہ معاف ہے۔ (درمختار) (معارف القرآن ۴/ ۴۱۳)

''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں ہے: زکوۃ ادا کرتے وقت اگر گمان

غالب تھا کہ یہ شخص زکوۃ کا مستحق ہے تو زکوۃ ادا ہوگئی۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۳۹۸)

اس لیے سفراء کے متعلق جب تک ان کے صحیح ہونے کا یقین یا غالب گمان نہ ہو، ان کو زکوۃ نہ دی جائے۔

رہا مشورہ دینے والوں کا آپ حضرات کو یہ مشورہ دینا کہ مختلف جگہ پر تھوڑا تھوڑا دینے کے بجائے ایک جگہ پر زیادہ دیا جائے، یہ ان کی ایک سوچ ہے، اگر آپ کو ان کا یہ مشورہ ٹھیک معلوم ہوتا ہے، تو عمل کر سکتے ہیں، کوئی ضروری نہیں، ویسے بھی آپ تنہا ان کو زکوۃ کی رقم نہیں دے رہے ہیں؛ بلکہ اور حضرات بھی دیتے ہیں، اور اسی طرح وہ بھی تنہا آپ سے زکوۃ وصول نہیں کر رہے ہیں؛ بلکہ اور لوگوں کے پاس بھی جاتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

کس مدرسہ میں زکوۃ دی جائے؟

سوال: جس مدرسہ میں حافظ، قاری، مولوی، مفتی بنتے ہوں، اس مدرسہ میں زکوۃ کی رقم استعمال کرنا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جہاں غریب ومحتاج طلبہ کے قیام وطعام کا نظم ہو، وہاں زکوۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

معلموں کو زکوۃ دینا

سوال: معلموں کو زکوۃ اور خیرات کی رقم حیلہ کر کے تنخواہ دی جاسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر معلم حضرات محتاج ہوں اور بقدر نصاب مال کے مالک نہ ہوں تو زکوۃ کی رقم براہِ راست بطور زکوۃ (نہ کہ بطور تنخواہ) دی جاسکتی ہے، حیلہ کس قسم کا ہے، یہ معلوم ہونے پر اس کا حکم بتلایا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

زکوۃ کا استعمال کس نوع کے طالب علم کے لیے درست ہے؟

سوال: زید کہتا ہے کہ بیت المال (زکوۃ) کا روپیہ مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے والوں میں سے وہی لڑکے کھا سکتے ہیں جو بالکل نادار اور مفلس ہوں، اور جن کے والدین نہ ہو، اور جن کے والدین زندہ ہیں اور وہ حیثیت والے ہیں اور وہ لوگ اب لڑکوں کو تعلیم کے لیے مدرسہ میں داخل کردے تو ان لڑکوں کے لیے زکوۃ کا پیسہ کھانا بالکل ناجائز اور حرام ہے، اور ان کے والدین کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی اولاد کو زکوۃ کا پیسہ کھلاوے، لہٰذا ان کے والدین سے ان لڑکوں کی فیس طعام وصول کی جائے گی، اگر فیس ادا نہ کرے گا تو گویا وہ اپنے لڑکوں کو ناجائز پیسہ کھلا رہا ہے جو گناہ کا سبب ہے، اور اس کے بالمقابل عمر کہتا ہے کہ مدرسہ میں داخل ہونے والے ہر لڑکے کے لیے

بلا کراہت مدرسہ کا کھانا پینا بالکل جائز ہے، کوئی گناہ والی بات نہیں ہے؛ کیوں کہ مدرسہ میں آنے کے بعد سب بچے برابر ہیں چاہے غریب کا لڑکا ہو یا لاکھ پتی، کروڑ پتی کا لڑکا ہو، سب کھا سکتے ہیں، ہاں اگر ان کے والدین بخوشی بچوں کا خرچہ دینا چاہیں تو ایک سے لاکھ تک مدرسہ میں دے سکتے ہیں، مدرسہ ان کے اوپر زبردستی نہیں کرے گا کہ آپ کو اپنے بچوں کی فیس ادا کرنی ہوگی، نہیں تو آپ کے بچوں کے لیے مدرسہ میں کھانا وغیرہ بالکل ناجائز ہے، اب ان میں کونسی بات درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو طالب علم بالغ ہونے کے ساتھ خود صاحب نصاب نہیں ہے، تو اس کے لیے زکوۃ لینا درست ہے، چاہے اس کا باپ غنی ہو اور صاحب نصاب کیوں نہ ہو؛ البتہ اگر وہ طالب علم بالغ نہیں ہے؛ بلکہ نابالغ ہے اور اس کا باپ غنی اور صاحب نصاب ہے تو اس کو زکوۃ دینا درست نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: ولا إلى طفله (أي الغني) بخلاف ولده الكبير وأبيه وامرأته الفقراء وطفل الغنية، فيجوز لانتفاء المانع (درمختار؟/ ۷۲)

اس کی شرح کرتے ہوئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: (قوله: ولا إلى طفله) أي الغني فيصرف إلى البالغ لو ذكرا صحيحا قسهتاني فأفاد أن المراد بالطفل غير بالغ ذكرا كان أو أنثى، في عيال أبيه أو لا، على الأصح؛ لما أنه يعد غنيا بغناه نهر (قوله: بخلاف ولده الكبير) أي البالغ كما مر الخ. (شامی؟ /۷۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۹/ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مقسّمِ زکوۃ ادارہ کے مصارف میں زکوۃ استعمال کرنا

سوال: ایک ادارہ ضرورت مند افراد میں تقسیم کرنے کے لیے سالانہ زکوۃ کی مد میں تقریباً ڈیڑھ، دولاکھ روپئے جمع کرتا ہے، اس تمام رقم کے حساب، کتاب کے لیے اس کو قوانین کے مطابق چیریٹی کمشنر (انکم ٹیکس ڈپارٹمنٹ) دفتر میں آڈیٹ کروا کے پیش کرنا پڑتا ہے، ان تمام کاموں میں تقریباً دس سے پندرہ ہزار روپے خرچ ہوتے ہیں، اور ان اخراجات کے لیے اس زکوۃ کی رقم کے علاوہ اور کوئی رقم نہیں ہوتی ہے، اس صورت میں ان اخراجات کے لیے زکوۃ کی رقم استعمال کرنے کا شرعی طریقہ تحریر فرمایئے، اس کے لیے حیلہ کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوشش تو یہی ہونی چاہیے کہ دفتری کاموں کے مصارف کے لیے عطیات مل جائیں، اتنا بڑا ادارہ جو سالانہ دولاکھ کی رقم بمد زکوۃ جمع کر کے غرباء میں تقسیم کرتا ہے، اس کے دفتری مصارف کے لیے دس، پندرہ ہزار کی رقم بمد عطیات آسانی سے حاصل ہوسکتی ہے؛ البتہ کوشش ضروری ہے، لیکن اگر اس کے باوجود ایسی رقم حاصل نہ ہو تو پھر کسی ایسے مستحقِ زکوۃ کو جو ادارہ کے کام سے دل چسپی رکھتا ہے اور اس کی مالی امداد کرنا چاہتا ہے؛ لیکن مالی حیثیت نہ ہونے کی وجہ سے عاجز ہے اس کو بطورِ قرض کوئی آدمی دس، پندرہ ہزار دے اور وہ غریب قرض لی ہوئی اس رقم کو برضا ورغبت ادارہ کو بطور عطیہ دے، اس کے بعد اس غریب مقروض کو بمد زکوۃ دس، پندرہ ہزار دیے

جائیں اور وہ اس سے اپنا قرض ادا کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نابالغ بچوں کے ذریعہ تملیک زکوۃ

سوال: نابالغ بچوں کی تملیک کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا ان کی تملیک کا اعتبار ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نابالغ بچوں کا باپ اگر غنی (صاحب نصاب) ہے تو ان کو زکوۃ دینا درست نہیں ہے، اور اگر ان کے باپ فقراء ومساکین ہیں تو ان کو مالک بنانے سے زکوۃ ادا ہوجائے گی۔ (درمختار شامی ۲/ ۷۲)

لیکن اس کے بعد وہ رقم ان نابالغ بچوں سے فیس کے طور پر تو وصول کی جاسکتی ہے؛ لیکن ان کی طرف سے بطورِ عطیہ مدرسہ میں جمع نہیں کی جاسکتی، اس لیے کہ نابالغ بچہ کا یہ تصرف درست نہیں۔ (کما ھو مصرح فی کتاب الحجر والمأذون من الفقه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

محصّل چندہ نے خود ہی تملیک کر کے تنخواہ وصول کرلی

سوال: ①ایک استاذ نے- جو خود مستحقِ زکوۃ وچرمِ قربانی ہے- مدرسہ کی رسید پر زکوۃ وچرم قربانی کا پیسہ وصول کیا اور بجائے اس کے کہ مدرسہ کے ذمہ دار کو دیتا اور

وہ تملیک کرا کر اس کو تنخواہ دیتے، اس نے خود اپنے ہاتھ سے تملیک کر کے اپنی تنخواہ میں شامل کر لیا بایں طور کہ چندہ کر کے لایا اور مصرفِ زکوۃ و چرمِ قربانی ہونے کی وجہ سے پیسہ پر بلا واسطہ خود قبضہ کر لیا اور اس کے بعد دل میں ارادہ کر لیا کہ روپیہ میں نے مدرسہ میں دے دیا اور اس کے بعد اس کو تنخواہ میں شامل کر لیا، سوال یہ ہے کہ اس طرح کی تملیک کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ آیا یہ تملیک کافی ہے یا ذمہ دار کے حوالہ کرنا پڑے گا اور وہ تملیک کرا کر دے گا تب تنخواہ میں لینا درست ہوگا؟ مکمل و مدلل تحریر فرمائیں۔

(۲) اگر کوئی استاذ مدرسہ کی رسید پر چرمِ قربانی و زکوۃ کا پیسہ لایا اور کسی بچہ کے ہاتھ سے تملیک کرا کے تنخواہ میں لے لیا تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) ذمہ دار کو دینا ضروری ہے، خود ہی تملیک کر کے اپنی تنخواہ میں رکھنا درست نہیں ہے، ذمہ دار نے اس مدرس کو صرف اس کام میں اپنا وکیل بنایا ہے کہ وہ اربابِ اموال سے اس کی طرف سے زکوۃ وصول کرے۔

(۲) نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مکتب کے منتظمین دینی تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کے والدین کو زکوۃ کی رقوم دے کر فیس وصول کر سکتے ہیں؟

سوال: ایک تنظیم ایک غریب علاقہ میں ایک مکتب چلاتی ہے، وہ للہ رقوم سے

لیکن اس علاقہ میں چار پانچ جگہیں ایسی ہیں کہ جہاں مکتب کی خاص ضروت ہے، اس گاؤں میں اکثر غریب ہیں، اور علاقہ میں کوئی خاص پیش امام بھی نہیں ہے، اور بچوں کی دینی تعلیم کی طرف کوئی توجہ بھی نہیں ہے؛ بلکہ وہاں مکتب کی تعلیم ہوتی ہی نہیں، در اصل تنظیم والوں کے پاس فی الحال للہ رقوم زیادہ نہیں ہے، اکثر رقوم زکوۃ وغیرہ کی ہوتی ہے، اگر مکتب کے بچوں کے والیوں کو جو صاحبِ نصاب نہ ہو کچھ رقم زکوۃ کی دی جائے اور ان کو مالک بنا کر پھر ان سے یہ کہا جائے کہ آپ اپنے بچے کی اس سے فیس ادا کردیں، پھر وہ رقم جمع کر کے پیش امام صاحب کی (جو مکتب کے بچے پڑھاتا ہے) اس سے اس کی تنخواہ دی جاسکتی ہے؟ یا پوری رقم کو جو کوئی صاحب نصاب نہ ہو اس سے صحیح طریقہ سے حیلہ کرائیں اور وہ رقوم مسجد میں جمع کر کے پیش امام صاحب کی تنخواہ اس سے دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ یہ عارضی طور پر ہے، اگر بعد میں للہ رقم انشاء اللہ آگئی تو للہ رقوم سے تنخواہ دیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زکوۃ اور صدقاتِ واجبہ کی رقوم کے حقدار فقراء اور مساکین ہیں، ایسی رقوم ان کو بطورِ تملیک دے دی جائیں، وہ حضرات مالک بننے کے بعد اپنی مرضی اور اختیار سے جہاں چاہیں خرچ کر سکتے ہیں، اپنی ضروریات میں استعمال کریں، کسی کو ہدیہ دیں، مسجد یا مدرسہ میں بطورِ عطیہ دیں، ان کو اختیار ہے۔

زکوۃ اور صدقاتِ واجبہ کی رقوم کو مسجد یا مدرسہ ومکتب کے مدرسین کی تنخواہ میں استعمال کرنا جائز نہیں، اگر براہِ راست استعمال کیا گیا تو زکوۃ ادا نہ ہوگی، ایسے مدارس

جہاں دارالاقامہ میں غریب طلبہ قیام پذیر ہوتے ہیں، ان کے کھانے، پینے اور دیگر ضروریات میں اس قسم کی رقوم استعمال کی جاسکتی ہیں۔

مسلمان بچوں کی ابتدائی دینی تعلیم کا انتظام ان کے والدین اور جماعتِ مسلمین کی ذمہ داری ہے، جس طرح ان کی دیگر ضروریات کا انتظام والدین کرتے ہیں اسی طرح دینی بنیادی تعلیم کا نظم بھی ان کو کرنا چاہیے، اس کے لیے اگر مصارف برداشت کرنا پڑیں تو وہ بھی کریں، اب اگر والدین غریب اور محتاج ہونے کی وجہ سے مستحقِ زکوۃ ہونے کی صورت میں زکوۃ اور صدقات واجبہ کی رقوم سے ان کی اور ان کی اولاد کی دیگر ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جس طرح ان کی امداد کی جاتی ہے اسی طرح ان کی اولاد کی تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے بھی اس نوع کی رقوم سے والدین کی امداد کی جائے، اور مالک بننے کے بعد وہ اپنی رضامندی اور اختیار سے یہ رقم مکتب کے مدرسین کی تنخواہ میں دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔

رہی حیلہ کرا کر دینے کی صورت تو اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی اسماعیل صاحب بسم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مطبوعہ فتوے کی نقل اس جواب کے ہمراہ منسلک کی جارہی ہے، اس کا بغور مطالعہ فرماویں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ جمادی الآخر ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مکتب میں زکوۃ وغیرہ دینے کے بعد تلافی بہ ذریعۂ معافی

سوال: ایک مکتب جس میں کھانے والے طلبہ نہیں ہیں، کے نام سے زکوۃ وغیرہ

کی رقم مدیر مکتب وصول کرتے ہیں، جس کی مجموعی رقم لاکھوں ہوتی ہے۔ متعدد سفرائے کرام چندہ وصولی پر مقرر ہیں۔

① تو کیا اس مکتب میں زکوۃ، صدقات، فطرہ، امداد وغیرہ کی رقم دینا جائز ہے؟

② جن لوگوں نے زکوۃ کی رقم دی ہے، ان کی زکوۃ شرعاً ادا سمجھی جائے گی یا نہیں؟

③ صاحب مکتب زکوۃ دینے والوں سے معافی مانگ رہا ہے کہ میری غلطی ہے؛ لیکن زکوۃ حیلہ کرکے خرچ کی ہے، تو زکوۃ دینے والے حضرات بری الذمہ ہوں گے یا نہیں؟

④ یہ ذمہ دار مکتب عالم اور مفتی بھی ہے، لوگوں کو کہتا ہے کہ: تمھاری زکوۃ ادا ہوگئی، یہ کہنا جائز ہے یعنی صحیح ہے؟

⑤ اور کمال یہ ہے کہ یہ مفتی و عالم امامت کے فرائض بھی ادا کرتے ہیں اور مفسر بھی ہیں، تو کیا ان کی امامت و لوگوں کی تفسیر سنانا صحیح ہے یا ناجائز ہے؟

⑥ یہ صاحب دوسرے مدرسے کے بھی ذمہ دار ہیں ان کو ذمہ دار بنانا صحیح ہے؟

⑦ کچھ حضرات اس عالم و مفتی کی حمایت کرتے ہیں، ان کی حمایت صحیح ہے؟

نوٹ: ادا کنندہ حضرات کی زکوۃ اگر ادا نہیں ہوئی، تو اس کا اعادہ ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①② مکتب کے مدیر اس مکتب کے لیے زکوۃ وصدقات کی رقم کیا کہہ کر وصول کرتے ہیں؟ اس کی تفصیل آپ نے سوال میں تحریر نہیں فرمائی، اگر ان کے سفرا لوگوں کو یہ بتلاتے ہوں کہ: اس مدرسہ میں کھانے والے مقیم غریب طلبہ موجود ہیں، ان کے

مصارف کے لیے زکوۃ وصدقات دیے جائیں، اوران کی اس اپیل پر لوگ زکوۃ وصدقات کی رقم ان کو دیتے ہیں، یہ سمجھ کر کہ یہ رقم ان طلبہ کی ضروریات میں خرچ ہوگی، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ دینے والوں نے ان سفراء اوران کے واسطے سے مدرسہ کے مدیر کو اس بات کا وکیل بنایا، کہ مالکانِ اموال کے زکوۃ وصدقات کے رقوم ان طلبہ پر خرچ کریں۔ اب جب کہ اس مدرسے میں ایسے طلبہ ہی موجود نہیں ہے، تو مدرسہ کے مدیر کو جس چیز کا وکیل بنایا گیا تھا اس کے نہ ہونے کی وجہ سے وکالت درست نہیں ہوئی، اور مدیر مدرسہ کی وکالت چوں کہ مقید تھی (یعنی جس مدرسہ کے نام سے چندہ کیا جارہا ہے اس کے طلبہ پر خرچ کرنے کا وکیل بنایا گیا تھا)، مطلقہ نہیں تھی (یعنی مدیر کو یہ کہہ کر رقم نہیں دی گئی تھی کہ وہ اپنی صواب دید سے کسی بھی مصرفِ زکوۃ میں یہ رقم خرچ کرے) اس لیے جب یہ رقوم مالکانِ اموال نے جہاں (یعنی اس مدرسہ کے کھانے والے غریب طلبہ) خرچ کرنے کا مدیر کو وکیل بنایا تھا وہاں خرچ نہ ہوئی، تو مدیر کا یہ تصرف غیر ماذون فیہ ہونے کی وجہ سے مالکان اموال کی زکوۃ ادا نہیں ہوئی، اور مدیرِ مدرسہ ان رقوم کو ایسی جگہ خرچ کرنے کی وجہ سے جہاں خرچ کرنے کا اس کو وکیل نہیں بنایا گیا تھا، ضامن ہوا۔

③ جیسا کہ اوپر بتلایا جاچکا زکوۃ ادا نہیں ہوئی؛ اس لیے مالکانِ اموال بری الذمہ نہیں ہوئے، ان پر اس کی ادائیگی باقی ہے۔ مدیرِ مکتب زکوۃ دینے والوں سے معافی مانگے اور زکوۃ دینے والے معاف کردیں، تب بھی زکوۃ کی ادائیگی مالکان کے ذمہ پر باقی ہے۔ مالکانِ اموال کے معافی دینے کا مطلب یہ ہوا کہ بے جا تصرف کی وجہ سے مدیرِ مکتب پر جو ضمان واجب ہوا وہ معاف کردیا گیا، تو اس معافی کا صرف اتنا اثر ہوگا

کہ مدیرِ مکتب کے ذمہ سے ضمان ساقط ہوجائے گا۔

④ مدیر مکتب کا لوگوں کو یہ کہنا کہ: تمھاری زکوۃ ادا ہوگئی، درست نہیں؛ اس لیے کہ لوگوں نے اس کو مطلق وکیل نہیں بنایا تھا، جیسا کہ اوپر تفصیل آچکی، لوگوں کو اس کی اس بات کے دھوکے میں نہیں رہنا چاہیے۔

⑤ مسئلہ سے واقفیت کے باوجود اس نے یہ سب حرکت کی ہے تب تو اس کے اس اقدام کا صریح معصیت ہونا ظاہر ہے، اور اس صورت میں اس کی امامت بھی مکروہ ہے، اور اگر مسئلہ سے ناواقفیت کی وجہ سے یہ سب کچھ کیا ہے تو اب جب کہ مسئلہ بتلایا جارہا ہے اس کے مطابق عمل کرلینے سے امامت پر باقی رکھے جاسکتے ہیں۔ وہ جو تفسیر سناتے ہیں وہ مستند اور معتبر تفاسیر کے حوالے سے ہے، تو ان کا یہ تفسیر سنانا درست ہے؛ ورنہ نہیں۔

⑥ دوسرے مدرسہ کی ذمہ داری صحیح طریقہ سے انجام دیتے ہیں تو ٹھیک ہے؛ البتہ اس میں مالیات کا شعبہ بھی داخل ہے، تو احتیاط ضروری ہے۔

⑦ حمایت کرنے والے حضرات بر بنائے دلیل ان کی حمایت کرتے ہیں تو بتلایا جائے، کہ وہ دلیل کیا ہے؟ ان عالم صاحب کی اس کوتاہی کو جانتے اور سمجھتے ہوئے بھی وہ حمایتی حضرات اس معاملے میں ان کو بے قصور گردانتے ہوں، تو ان کی یہ حمایت عصبیت محضہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

سادات کے لیے زکوۃ لینا جائز نہیں

سوال: مَیں نسبی طور پر سید ہوں، ایک گاؤں کی مسجد میں اذان وغیرہ کی خدمت انجام دیتا ہوں، میرے اہل وعیال زیادہ ہونے کی وجہ سے موجودہ آمدنی سے گھر کا خرچ نہیں چل پاتا جس کی بناء پر مَیں بہت پریشان ہوں، تو کیا ایسی صورت میں مَیں زکوۃ اور صدقۂ فطر وغیرہ لے سکتا ہوں یا نہیں؟ اِسی طرح مسجد کی روٹی لے سکتا ہوں یا نہیں؟ اِسی طرح مجھے اپنا گھر بنانے کے لیے رقم کی ضرورت تھی تو مَیں نے چند حضرات کو خط لکھا، تو اُن لوگوں نے کچھ رقم میرے لیے بھیجی، تو کیا مَیں اُس رقم کا حیلہ کر کے اپنے گھر میں استعمال کر سکتا ہوں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سادات کے لیے زکوۃ جائز نہیں ہے، اِسی طرح صدقاتِ واجبہ بھی جائز نہیں ہیں۔

ولا إلى بني هاشم-إلى أن قال- وجازت التطوعات من الصدقات (درمختار) (قوله: جازت التطوعات إلخ) قيد بها ليخرج بقية الواجبات. (شامي۲/ ۷۳،۷۲)

صدقاتِ نافلہ جائز ہیں، مسجد کی روٹی اگر صدقاتِ نافلہ کے قبیل سے ہے تو لے سکتے ہیں، صدقۂ فطر چوں کہ صدقاتِ واجبہ میں سے ہے؛ اِس لیے زکوۃ کی طرح اِس کا بھی لینا جائز نہیں ہے، اگر کوئی سید عیال دار اور محتاج ہے تو لوگوں پر خصوصاً صاحبِ حیثیت اور اہلِ خیر حضرات کو لازم ہے کہ، وہ حضرات للہ رقوم سے سادات کی امداد کریں، اور اِن کو مصیبت وتکلیف سے نجات دلائیں، کہ بڑے اجر وثواب کا کام ہے، اور

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ صحیح محبت کی دلیل ہے؛ ورنہ مواخذہ کا اندیشہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ)

اگر حیلہ کر کے سید کو زکوۃ دی جائے تو مضائقہ نہیں، حیلہ کی صورت یہ ہے کہ کسی غیر سید غریب کو یہ کہہ کر دے دیا جائے کہ: فلاں سید کو دینا تھا؛ مگر وہ سید ہے، اُس کے لیے زکوۃ جائز نہیں؛ لہذا تم کو دیتے ہیں، اگر تم یہ کل یا بعض اُس کو اپنی طرف سے دے دو تو بہتر ہے، اور وہ لے کر دے دے تو سید کے لیے جائز ہے۔ (کفایت المفتی ۴/ ۲۷۲)

اگر آپ کی بیوی سادات میں سے نہیں ہے تو مناسب صورت یہ ہے کہ لوگ اُس کو زکوۃ دے دیں، پھر وہ خود آپ کے گھریلو مصارف میں استعمال کرے یا آپ کو مالک بنادے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سادات کو زکوٰۃ وصدقات دینا

سوال: سید خاندان کے یتیم، مسکین، بیواؤں کو بیت المال میں سے ماہانہ وظیفہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ بیت المال میں زکوٰۃ، فطرہ، صدقہ، ہدایا؛ جمع کئے جاتے ہیں، قرآن وحدیث سے جواب دیجئے؛ نیز امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں؟ جواب دیجئے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

احناف کے نزدیک زکوٰۃ اور صدقات واجبہ سادات کو نہیں دے سکتے؛ البتہ ہدیہ اور صدقاتِ نافلہ دینا جائز ہے، اس لیے بیت المال میں جو رقم ہدیہ یا صدقۂ نافلہ کے طور پر جمع ہوئی ہو، اس میں سے سادات کا وظیفہ مقرر کیا جائے۔

ولا يدفع إلى بني هاشم (هدايه)

فجروا على موجب ذلك في الواجبة الخ (فتح القدير٢/ ٢٧٣)

وأما الصدقة النافلة فقال في النهاية: ويجوز النفل بالإجماع (ايضاً)

امام شافعیؒ کے نزدیک بھی زکوۃ کی رقم سادات کو دینا درست نہیں ہے۔

ولا يجوز دفع الزكوٰة إلى هاشمي لقولها: نحن أهل بيت لا تحل لنا الصدقة أما فالزكوٰة حرام على بني هاشم، وبني المطلب بلاخلاف الخ.

(شرح المهذب ٦ /٢٢٧)

صدقاتِ نافلہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی سادات کو دینا درست ہے۔

وتحل صدقة التطوع للاغنياء، ولبني هاشم الخ (شرح المهذب٦/ ٢٣٨)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/شوال ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

زکوۃ کی رقم سے بیوہ عورت کی لڑکیوں کا نکاح کرنا

سوال: زکوۃ کی رقم سے بیوہ عورتوں کی لڑکیوں کی شادی کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور اِس صورت میں زکوۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مالک یا اُس کا وکیل زکوۃ کی رقم براہِ راست شادی کرانے میں استعمال نہیں کر سکتے، اگر کریں گے تو زکوۃ ادا نہ ہوگی؛ البتہ بیوہ عورت اگر مستحقِ زکوۃ ہے تو اُس کو مالک بنادے، اِس کے بعد وہ عورت اپنی لڑکی کے نکاح یا دوسرے کام میں اپنی مرضی سے

خرچ کرسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

صاحب نصاب بیوہ کی زکوۃ کی ادائیگی کا طریقہ

سوال: اسماء ایک بیوہ عورت ہے، اس کے شوہر کو گزرے ہوئے ایک سال کا عرصہ ہوگیا، اسماء کی تین لڑکیاں بالغہ اور ایک نابالغ لڑکا ہے، سب کے نام سے بہت کچھ رقم جمع ہے، اس کے ساتھ سونا چاندی بھی ہے جو نصاب تک پہنچتا ہے، مرحوم کے گزرنے کے بعد مرحوم کے بھائی اسماء اور اس کے بچوں کو کھانے پینے کا سامان دیتے ہیں، دیگر اخراجات کے لیے پیسہ بہت اصرار کرنے پر کبھی کبھی دے دیتے ہیں، اور اسماء کے پاس آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اس کے شوہر کی دولت کی جو آمدنی ہوتی ہے اس میں سے اسماء کو کچھ بھی نہیں دیا جاتا۔ دریافت طلب امر یہ کہ صورت مسئولہ میں اسماء پر اس کے بچوں کے نام سے جمع روپیوں پر اور اس کے ذاتی سونے چاندی میں زکوۃ ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اسماء کے پاس موجود سونا چاندی نصاب تک پہنچتا ہے، تو اس پر اس سونے چاندی نیز نقد رقوم کی زکوۃ واجب ہے۔ بچوں کو اپنے والد کے ترکہ میں سے جو رقم یا سونا چاندی یا مالِ تجارت میں سے ملنے والا حصۂ وراثت نصاب تک پہنچتا ہے، تو نابالغ کو چھوڑ کر بالغہ لڑکیوں پر بھی زکوۃ واجب ہے۔ مرحوم کے بھائیوں کو چاہیے کہ ان تمام کی زکوۃ کی ادائیگی کے لیے ان کے مال میں سے پیسہ ان کو دیں؛ تاکہ یہ زکوۃ

ادا کر سکے، یا اسماء اور اس کے بچے مرحوم کے بھائیوں کو اپنی زکوۃ کی ادائیگی کے لیے وکیل بنادیں، اس کے بعد وہ ان کے مال کی زکوۃ نکال لیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۴ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

زکوۃ کی رقم تعمیری کام میں براہِ راست استعمال کرنا جائز نہیں

سوال: مہاراشٹر صوبہ میں ''بُد نیرہ'' ایک مقام ہے، جس کی مسلم آبادی تقریباً پانچ ہزار ہے، یہاں دینی تعلیم کا معقول نظم نہ ہونے کی وجہ سے آبادی کا اکثر حصہ دین سے ناواقف ہے؛ لہٰذا بڑی جدوجہد سے ایک انتظامیہ کمیٹی تشکیل پائی، جس کے تحت ایک مکتب کا قیام عمل میں آیا، مکتب میں تقریباً سو طلبہ زیرِ تعلیم ہیں، مکتب کے لیے ایک بہت پرانی عمارت تھی جو پہلے سے مکتب کے لیے وقف کی گئی تھی، جو نہایت شکستہ حالت میں تھی، انتظامیہ نے باہمی چندہ کر کے عمارت کی مَرمَّت کی؛ لیکن سرمایہ کی کمی کی وجہ سے فرش کی تکمیل نہ ہوسکی، معلمین کی تنخواہ کا نظم بھی چندہ ہی سے ہوتا ہے، مکتب میں پندرہ فیصد طلبہ غرباء کے ہیں، انتظامیہ کے پاس صدقات کی رقم جمع ہے جس سے غریب طلبہ کی مدد کی جارہی ہے، انتظامیہ یہ چاہتی ہے کہ صدقات کی رقم سے مکتب کا فرش پختہ کردیا جائے تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زکوۃ کی رقم کو تعمیری کام میں براہِ راست استعمال کرنا درست نہیں ہے؛ اِس لیے کہ اِس میں تملیک ضروری ہے، آپ ایسا کرسکتے ہیں کہ جن غرباء کے بچے اِس میں تعلیم حاصل کررہے ہیں اُن میں سے چند دین دار حضرات کو یہ کہہ کر زکوۃ کی رقم دیں

کہ: یہ رقم زکوٰۃ کی ہے، ہم آپ کو اِس کا مالک بناتے ہیں، آپ اِس رقم کو اپنی ملک میں لینے کے بعد مدرسہ کی تعمیری ضروریات کے لیے ہمیں اپنی مرضی سے عطا فرمائیں، اب اگر وہ اِس طرح اپنی ملک میں لینے کے بعد اپنی رَضامندی واختیار سے اِس کام کے لیے دیں تو اِس کا استعمال درست ہے؛ لیکن اِس معاملہ میں اُن پر جبر نہیں ہوسکتا، اگر وہ حضرات اپنی ملک میں لانے کے بعد اپنی دیگر ضروریات میں استعمال کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

زکوۃ کی رقم سے تعمیراتی کام درست ہے یا نہیں؟

سوال: زکوۃ کی رقم سے بیرونی طلبہ کے لیے دارالاقامہ کی تعمیر درست ہے یا غیر درست؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زکوۃ کی رقم براہِ راست بغیر تملیکِ شرعی، دارالاقامہ یا کسی اَور تعمیراتی کام میں استعمال کرنا درست نہیں۔ (شامی ۲/ ۶۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

زکوۃ کی رقم تعمیراتی کام میں لگائی گئی تو اِس کا ذمہ دار کون؟

سوال: زکوۃ کی رقم سے بیرونی طلبہ کے لیے دارالاقامہ کی تعمیرِ نو کی گئی؛ لیکن پلان کے تحت اب تک مدرسہ جاری نہ ہوسکا، اور مستحقین طلبہ وہاں تعلیم حاصل کررہے

ہیں، تو اِس تعمیر شدہ دارالاقامہ کو کرایہ سے دینا اور اُس کی آمدنی سے مسجد کے امام کی یا مکتب کے معلم کی تنخواہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ نیز مسجد کی کمیٹی کا یہ فعل درست ہے یا غیر درست؟ نیز دہندگانِ زکوۃ کی زکوۃ ادا ہوئی یا نہیں؟ ادا نہ ہوئی ہو تو اُس کی ادائیگی کی صورت کیا ہوگی؟ جب کہ زکوۃ دہندگان کو زکوۃ ادا کیے ہوئے کافی عرصہ گزر گیا ہے، اور اُن کو اندرونی معاملات کی اطلاع بھی نہیں؛ لہٰذا اِس زکوۃ کی عدمِ ادائیگی کا ذمہ دار کون ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر براہِ راست بغیر تملیکِ شرعی زکوۃ کی رقم سے عمارت تعمیر کی گئی تو مالکین کی زکوۃ ادا نہیں ہوئی، جس کی ذمہ داری حضراتِ منتظمین پر عائد ہوتی ہے، اُن پر اِتنی رقم کا ضمان واجب ہے، جس کو وہ مالکین کی خدمت میں ادا کریں؛ اور مالکین از سرِ نو زکوۃ ادا کریں، منتظمین پر لازم ہے کہ وہ مالکین کو صورتِ حال سے باخبر کریں؛ ورنہ پورا گناہ اُن پر ہوگا، حضراتِ منتظمین جب مالکین کو ضمان ادا کر دیں گے تو عمارت کی ملکیت منتظمین کی ہوگی، اور اُس کی آمدنی کو جہاں چاہیں خرچ کریں بشرطیکہ یہ عمارت اُن کی اپنی زمین میں بنائی ہو؛ لیکن ضمان کی ادائیگی سے قبل اِس آمدنی کو خرچ کرنا بھی درست نہیں۔ کما ھو مقتضی الأصول والکتب الفقھیة. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

زکوۃ کی رقم سے اشیائے ضروریہ خرید کر فقیر کو دینا درست ہے

سوال: ہمارے یہاں ایک ٹرسٹ ہے جو لوگوں سے زکوۃ کی رقم وصول

کرتا ہے اور فقیروں، حاجت مندوں کی ضروریات میں صَرف کرتا ہے، اُس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مریضوں کی دوائیاں خرید کر اُن کو دی جاتی ہیں، اِسی طرح علاج معالجہ کی فیس ٹرسٹ ادا کرتا ہے، یا مکان کی تعمیری اشیاء خرید کر غریبوں کو دیتا ہے، یا اپنی ماتحتی میں گھر کا پورا کام کرواتا ہے، اور مزدور کی مزدوری بھی زکوۃ کی رقم سے دیتا ہے، تو کیا اِس طرح زکوۃ ادا ہوجائے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زکوۃ کی رقم سے دوائی یا اَور کوئی چیز جو فقیر کی ضرورت کی ہے خرید کر فقیر کو دینے سے بھی زکوۃ ادا ہوجاتی ہے۔ (شامی ۲/ ۲۴)

اِسی طرح اُس کے علاج معالجہ کا بِل مریض کے کہنے سے ادا کیا گیا تو زکوۃ ادا ہوگی؛ ورنہ نہیں۔ (شامی ۲/ ۶۸)

اِس لیے بہتر یہ ہے کہ معالجہ کے بِل کی رقم اُس کے ہاتھ میں دے کر یہ کہا جائے کہ: تُو اِس رقم سے یہ بِل ادا کردے، مکان کی مَرمَّت میں جو سامان وغیرہ خریدا جاتا ہے اُس کا حکم دوائی کی طرح ہے، اور معمار وغیرہ کی مزدوری دی جاتی ہے اُس کا حکم معالجہ کے بِل کی طرح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

زکوۃ کی رقم سے برتن خرید کر کرائے پر دینا

سوال: ایک چھوٹا دیہات ہے اس کے قریب ایک دیہات ہے، یہ چھوٹے قریہ والے پڑوس قریہ کی مسجد سے جو برتن مسجد میں کرایہ پر دیے جاتے ہیں وہ لیتے تھے پھر

کچھ معاملہ درپیش ہونے پر اس گاؤں والوں نے مسجد کے برتن کرایہ پر دینے سے انکار کیا، اب یہ گاؤں والے غریب لوگ ہیں، وہ للہ پیسے سے خرید کر اپنی مسجد میں نہیں رکھ سکتے تو کچھ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ زکوۃ کے پیسہ کا حیلہ کر کے اس مسجد کے لیے برتن خرید کر مسجد میں رکھ دیے جائیں تو کیا یہ درست ہیں پھر گاؤں والے اس کو کرایہ پر چلائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زکوۃ کی رقم سے برتن خرید کر کرایہ پر دینے کے لیے مسجد میں رکھنا درست نہیں ایسا کرنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی البتہ اگر کسی غریب مستحق زکوۃ کو زکوۃ کی وہ رقم بہ طور تملیک دے دی جائے اور اس کو بتلا دیا جائے کہ تو اس رقم کا مالک ہے اب اپنے اختیار اور مرضی سے اگر اپنی طرف سے یہ رقم مسجد کو برتن خریدنے کے لیے دے دے یا خود برتن خرید کر اس مقصد کے لیے مسجد کو دے دے تو لوگوں کی یہ ضرورت پوری ہو جائے اور وہ آدمی یہ سن کر بہ رضا و رغبت ایسا کر لے تو درست ہے اور یہی شرعی حیلہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۹/ ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ

زکوۃ کی رقم سے اشیائے خورد ونوش خرید کر تقسیم کرنا

سوال: ہمارے یہاں ایک تنظیم جس کے نام اہل ثروت حضرات کی طرف سے کثیر مقدار میں زکوۃ کی رقم آئی ہے تنظیم کا زکوۃ کی نقد رقم کے بہ جائے اشیائے خورد ونوش مستحقین پر تقسیم کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ تنظیم اگر نقد رقم دیتی ہے تو اشیائے خورد ونوش پر خرچہ ہونے کے بہ جائے شراب نوشی فلم بینی جوا وغیرہ غلط کاموں پر خرچ ہوتی ہے

ایسی حالت میں تنظیم کا نقد رقم کی بہ جائے اشیائے خورد ونوش تقسیم کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ارباب اموال نے ذمہ داران تنظیم کو اشیائے خورد ونوش خرید کر بہ طور زکوۃ تقسیم کرنے کا مجاز بنایا ہے تو تنظیم کے لیے ایسا کرنا جائز ہے ورنہ جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱ر صفر ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

فلاحی ادارے میں زکوۃ دینا کیسا ہے؟

سوال: کسی خدمتی ادارہ یا کوئی وقف ٹرسٹ یا فاؤنڈیشن کو زکوۃ دینے سے کیا زکوۃ ادا ہو جاتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو فلاحی ادارے زکوۃ جمع کرتے ہیں وہ زکوۃ کی رقم کے مالک نہیں ہوئے؛ بلکہ زکوۃ دہندگان کے وکیل اور نمائندے ہوئے ہیں، جب تک اُن کے پاس زکوۃ کا پیسہ جمع رہے گا وہ بدستور زکوۃ دہندگان کی مِلک ہوگا، اگر وہ صحیح مصرف پر خرچ کریں گے تو زکوۃ دہندگان کی زکوۃ ادا ہوگی؛ ورنہ نہیں۔ (آپ کے مسائل اور اُن کا حل ۳/ ۴۰۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مکان بنانے کے لیے زکوۃ کی رقم دینا کیسا ہے؟

سوال: ایک شخص (زید) اپنی بیوی اور چند نابالغ بچوں کو چھوڑ کر تقریباً دس سال سے غائب ہے، تمام رشتہ داروں، متعلقین اور دیگر ذرائع کے ذریعہ تلاش کیا؛ لیکن کہیں پتہ نہ چل سکا، اور اب امید کی کوئی کرن بھی نظر نہیں آتی، زید کی بیوی گھریلو کام کاج کر کے اپنا اور بچوں کا پیٹ بھرتی ہے، میکے والوں کی بھی اِتنی حیثیت نہیں کہ مالی تعاون کر سکے، گاؤں کے اہلِ خیر حضرات زکوۃ، فطرہ سے امداد کرتے ہیں، عورت نے اُسی رقم سے تھوڑا تھوڑا جمع کر کے ۲۵/ ہزار کی رقم جمع کی، اور ایک شخص کے کاروبار میں لگائی؛ البتہ اِس سے بھی جو منافع آتے ہیں وہ اِخراجات کے لیے ناکافی ہوتے ہیں، اور اِس عورت کے پاس ذاتی مکان بھی نہیں ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ: اُس عورت کو زکوۃ، فطرہ کے ذریعہ امداد کرنا اور مکان بنا کر دینا کیا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چوں کہ وہ عورت مالِ تجارت کی مالک ہے جس کی مقدار نصاب جتنی ہے؛ اِس لیے زکوۃ، فطرہ اُس کو دینا درست نہیں ہے؛ البتہ اُس کی اولاد میں جو بالغ ہو اُس کو زکوۃ، فطرہ کی رقم دی جاسکتی ہے، اگر اُس کو مکان کی ضرورت ہے تو مکان بنانے کے لیے اُس کو بطورِ قرض رقم دی جائے، اور بعد میں اُس قرض کی ادائیگی کے لیے زکوۃ یا فطرہ کی رقم دی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مکان بنانے کے لیے زکوۃ لینے کی صورت

سوال :احقر کا مدار معاشی اعتبار سے تنخواہ پر ہے، ۲۱۴۸/ ماہانہ ہے، سلائی وتجارت سے سالانہ اوسطاً ۳۵۰۰/ کا اندازہ ہے، گھر پر سالانہ ۵۰۰۰/ والد صاحب کو دیتا ہوں، دو مکان ہیں، جس میں ایک تو رہنے کے قابل نہیں ہے، ۳/ بھائی، ۳/ بہن ہیں، والد صاحب ۲۰۰۰۰/ کے مقروض ہیں، زمین کی آمدنی اوسطاً سالانہ آٹھ ہزار کا اندازہ ہے، بندہ کو اپنا مکان بنانا ہے، ابھی اس کے پلاٹ کی بات کی ہے ۳۰۰۰۰/ قیمت ہے، اس کے بعد پورے مکان کا خرچ ہے، پس اندازاً قریب ۳۰۰۰۰/ ہے، اہل وعیال کے جملہ مصارف (جو ۴/ نفر میرے ساتھ ملا کر ہوتے ہیں) میرے ذمہ ہیں، ان حالات میں میرے لیے زکوۃ لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس وقت آپ کے لیے زکوۃ لینا جائز نہیں، اولاً آپ پلاٹ خرید کر اس میں پس انداز رقم صرف کر دیجئے، اس کے بعد قرض لے کر تعمیری کام شروع کیجیے، آپ جب مقروض بن جائیں اور اس قرض کی ادائیگی کے لیے رقم موجود نہیں ہے تو اب آپ اس کی بقدر اور اس کے اوپر اتنی مقدار جو نصابِ زکوۃ سے کم ہو لے سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

زکوۃ کے مال سے مستحق کے مکان کا کرایہ ادا کرنا

سوال :ایک شخص کے یہاں ایک عورت گھر میں کام کرتی ہے اور وہ بیوہ ہے،

گھر پر اس کا کوئی نہیں، اس عورت نے کوئی مکان کرایہ پر لے رکھا ہے، صاحبِ مکان نے اس سے کہا کہ: تم مکان کا کرایہ مجھ سے لے لینا، صاحبِ مکان سے مراد جس شخص کے یہاں یہ عورت کام کرتی ہے وہ ہے، اور اس جملہ کے بعد وہ شخص اس عورت کو تنخواہ کے علاوہ کچھ رقم کرایہ ادا کرنے کے لیے دیتا ہے، تو اس شخص کا اس رقم کو زکوۃ میں سے دینا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مکان کا کرایہ تنخواہ کے ایک جزء کے طور پر دیا جارہا ہے تو زکوۃ سے دینا درست نہیں ہے، اور اگر کرایہ کے متعلق یہ صفائی کردی گئی ہے کہ یہ تنخواہ کے جزء کے طور پر نہیں؛ بلکہ مالک کی طرف سے دیا جارہا ہے تو دے سکتے ہیں؛ لیکن چوں کہ وہ عورت اس کے گھر میں کام کرتی ہے اس لیے معاوضہ کا شبہ تو ہے؛ اس لیے احتیاط اس میں ہے کہ: خالص مال سے دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مستحق کو زکوۃ میں پنکھا دے کر وقف کروانا

سوال: ایک آدمی نے کہا، ہم تینوں بھائیوں کی جانب سے مدرسہ میں پنکھا وقف کریں گے، پھر انھوں نے اپنے زکوۃ کے پیسوں سے دو پنکھے لاکر ایک شخص کو دیے، جو مستحقِ زکوۃ تھا اور اس کو کہا کہ ایک پنکھا اپنے پاس رکھ اور ایک پنکھا اپنی جانب سے مدرسہ میں وقف کردے، اس نے وقف کردیا، تو آیا زکوۃ ادا ہوگی یا ادا نہ

ہوگی؟ اور اگر زکوٰۃ ادا ہو تو پنکھا کا وقف کرنا کس کی جانب سے ہوگا؟ اگر جس کو دیا اس کی جانب سے وقف کرنا ہو، تو جس نے کہا ہے وقف کروں گا اس پر وقف کا قرضہ باقی رہے گا یا نہیں؟ شرعاً مفصل ومدلل جواب عنایت فرمائیں مع حوالہ۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں جس کو وہ پنکھے دیے گئے تھے، اس نے اپنے آپ کو مالک سمجھتے ہوئے ان میں سے ایک پنکھا مسجد میں وقف کیا، تو زکوٰۃ ادا ہوگئی اور یہ پنکھا اسی کی طرف سے وقف ہوا اور اگر اس نے اپنے آپ کو وکیل سمجھتے ہوئے یہ پنکھا اپنی طرف سے نہیں؛ بلکہ دینے والے کی طرف سے وقف کیا تو اتنی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی اور یہ پنکھا دینے والے کی طرف سے وقف ہوا، صورتِ اولیٰ میں بھی ان پر کوئی ذمہ باقی نہیں ہے، اس لیے کہ انھوں نے جو الفاظ کہے تھے، وہ نذر ہی نہیں ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ

زکوۃ کی رقم پر مالکانہ قبضہ شرط ہے جمہور فقہاء کا اتفاق

اسکول کی فیس میں زکوۃ کی رقم صرف کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ تنظیمیں اجتماعی شکل میں زکوۃ جمع کرتی ہیں، اور اسے مذہب وتعلیم کے نام پر مختلف امور میں تقسیم کرتی ہیں مثلا:

① زکوۃ کی رقم سے بڑی بڑی کانفرسوں کا انعقاد کرنا، جن میں بے جا اسراف کیا

جاتا ہے۔

② زکوۃ کی رقم سے ٹی۔وی چینل چلانا۔

③ زکوۃ کی رقم سے عوامی پروگراموں کا انعقاد کرنا۔

④ زکوۃ کی رقم سے صاحب نصاب آدمی کا سفر کرنا۔

⑤ زکوۃ کی رقم سے سی۔ڈی، ڈی۔وی۔ڈی تیار کرنا۔

⑥ زکوۃ کی رقم سے بین المذاہب پروگرام کا منعقد کرنا۔

⑦ زکوۃ کی رقم سے اسلامک اسکول چلانا۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ کیا مذکورہ بالا امور زکوۃ کے مصرف ہو سکتے ہیں؟

اور ایک اسکول کی فیس مثلاً دس ہزار روپے ماہانہ ہے، اور بچہ پانچ ہزار ماہانہ ادا کر رہا ہے تو کیا مابقیہ فیس زکوۃ کی رقم سے ادا کرنا شرعاً درست ہے؟

جن لوگوں نے ایسے آرگنائزیشن (تنظیموں) کو زکوۃ دی جب کہ انہیں مذکورہ بالا مصرف کا علم تھا، تو ایسے لوگوں کی زکوۃ کا کیا حکم ہے؟ ادا ہوئی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے سوالات کے جوابات سے پہلے ایک بات اصولی طور پر یہ سمجھ لیں کہ زکوۃ کی رقم کا کسی مستحق کو مالک وقابض بنا کر دینا ضروری ہے۔

درمختار مع الشامی میں ہے: ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحة کما مر، لا یصرف الی بناء نحو مسجد، ولا الی کفن میت الخ (درمختار)

(قوله: تملیکاً) فلا یکفی فیه الاطعام الا بطریق التملیك، ولو اطعمه عنده ناویا الزکوة لا تکفی ط الخ (قوله نحو مسجد) کبناء القناطیر،

والسقايات، واصلاح الطرقات، وكرى الانهار، والحج والجهاد وكل ما لاتمليك فيه زيلعی (درمختارمع الشامی ۲/ ٦٨)

نیز درمختار میں ہے:هی لغة الطهارة والنماء، وشرعاً (تمليك) خرج الاباحة، فلواطعم يتيماً ناوياً الزكوة لايجزيه الا إذا دفع اليه المطعوم.

(درمختار مع الشامی ۲/ ۲۰۳)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ زکوۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکوۃ کی ادائیگی کے لیے یہ شرط ہے کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مال زکوۃ پر مالکانہ قبضہ دیدیا جائے، بغیر مالکانہ قبضہ دئے اگر کوئی مال ان ہی لوگوں کے فائدے کے لیے خرچ کردیا گیا تو زکوۃ ادا نہیں ہوگی، اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ رقم زکوۃ کو مساجد یا مدارس یا شفاخانے، یتیم خانے کی تعمیر میں یا ان کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں؛ اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء اور دوسرے حضرات کو پہنچتا ہے جو مصرف زکوۃ ہیں؛ مگر ان کا مالکانہ قبضہ ان چیزوں پر نہ ہونے کے سبب زکوۃ اس سے ادا نہیں ہوتی۔ (معارف القرآن ۴/ ۴۰۹)

آپ نے اپنے سوال میں جن سات صورتوں کے متعلق دریافت فرمایا ہے، ان میں سے کسی میں بھی مستحق زکوۃ کو مالکانہ قبضہ دے کر اس کا مالک نہیں بنایا جاتا، اس لیے ان تمام صورتوں میں زکوۃ کی رقم خرچ کرنے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

اسکول کی فیس کی ادائیگی کے متعلق آپ نے جو دریافت کیا ہے اس میں تفصیل یہ ہے کہ اسکول میں پڑھنے والا وہ بچہ اگر بالغ ہے، اور وہ مستحق زکوۃ ہے، یعنی اس کے

پاس ساڑھے باون تولہ چاندی (۶۱۲،۳۵۰ گرام) کی قیمت، یا اس قیمت کا زائد از ضرورت سامان نہ ہو تو اس کو بقیہ فیس کی ادائیگی کے لیے زکوۃ کی رقم دی جائے، تو درست ہے۔ اور اگر وہ نابالغ ہے اور اس کا باپ؛ نیز خود اس کی ملکیت میں مقدار نصاب مال زائد از ضرورت موجود نہیں تو اس کو بھی زکوۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔

سوال میں دریافت کردہ تنظیموں کو جنہوں نے زکوۃ کی رقم دی، اور انہوں نے سوال میں ذکر کردہ مصارف میں اس کو استعمال کیا تو دینے والوں کی زکوۃ ادا نہیں ہوئی، اور وہ اپنے ذمہ سے سبک دوش نہیں ہوئے، ان کو چاہیے کہ دوبارہ شروع جواب میں بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق زکوۃ ادا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: احمد خانپوری، ۸/محرم الحرام ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ الجواب صحیح عبد القیوم راجکوٹی

قیدی پر زکوۃ کی رقم صرف کرنا

سوال: کیا میں اپنی زکوۃ وغیرہ کی رقم ایک قیدی کی رہائی کے لیے دے سکتا ہوں؟ جو مقدمۂ قتل میں سزا بھگت رہا ہے، اور اس سے قتل خطأ ہوا ہے عمداً نہیں، اور وہ قیدی ان پیسوں کو جو زکوۃ کے ہیں اپنی رہائی اور اہل وعیال کے خرچہ میں لاسکتا ہے کہ نہیں؟ اور اوپر والی ضروریات میں کیا سود کی رقم استعمال کرسکتا ہے؟ اور قتل مسلمان کا ہے، اور دوسرے مقدمات میں سزا بھگتنے والے کو کیا زکوۃ وغیرہ کی امداد کرسکتے ہیں یا نہیں؟ ہمیں جواب سے ممنون فرمائیں، اور ہمارے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ ہمیں ہدایت دیوے اور قید خانے سے رہائی مقدر فرماوے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ قیدی مستحق زکوۃ ہے تو آپ اپنی زکوۃ کی رقم اس کو دے سکتے ہیں، اس کے بعد وہ اس رقم کو اپنی تمام ضروریات (جس میں اس کی رہائی یا اہل وعیال کے مصارف بھی شامل ہیں) میں اس کو صرف کرسکتا ہے، بینک سود کی رقم بھی اس میں دی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

زکوۃ کو غیر مصرف میں استعمال کیا تو تلافی کی کیا صورت ہے؟

سوال: (۱) زید کو کسی نے زکوۃ وصدقہ کی رقم دی؛ تاکہ زید یہ رقم اپنے گاؤں کے دینی ادارے پر لگائے اور اس مدرسہ میں صرف حفظ وناظرہ کی تعلیم بچوں کو دی جاتی ہے، اب زید وہ رقم وصول کرکے مدرسہ پر لگاتا رہا اور بقیہ رقم مقامی بینک میں جمع کرادی، اب کچھ عرصہ کے بعد زید نے وہ جمع شدہ رقم بینک سے نکال کر خود اپنے نام کی زمین خرید لی، اور اپنے لڑکے عابد کو کہا کہ جب میرے پاس رقم ہوگی تو میں مدرسہ کو ادا کردوں گا، اب کچھ دنوں کے بعد زید کا انتقال ہوگیا اور زید کی وفات کے بعد زید کے لڑکے عابد نے مدرسہ کی ذمہ داری سنبھالی، اور برابر اس کو بھی زکوۃ کی رقم مدرسہ کے لیے ملتی رہی اور کچھ عرصہ تک عابد بھی یہ زکوۃ کی رقم اپنی ضروریات کے لیے استعمال کرتا رہا، اب عابد کہتا ہے کہ میں اپنا اور اپنے مرحوم والد کا جو مدرسہ کے ذمہ قرضہ تھا وہ سب ادا کرنا چاہتا ہوں، اب عابد کس طرح یہ قرضہ ادا کرے؛ تاکہ دونوں باپ بیٹے کی طرف سے ادا ہوجائے؟

اس مدرسہ میں صرف اسی گاؤں کے بچے حفظ وناظرہ قرآن پاک کرتے ہیں، کھانا ور ہائش ان کی اپنے گھروں میں ہے، صرف تعلیم کے لیے آتے ہیں، اور جوان کا استاد ہے وہ دوسرے گاؤں کا ہے ان کو بطور تنخواہ یہ رقم ادا کی جاتی ہے، اب اس مدرسہ پر زکوۃ کی رقم لگ سکتی ہے یا نہیں؟ اور جنہوں نے زکوۃ دی ہے ان کی زکوۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

(۲) اگر ان دینے والوں کی زکوۃ ادا نہیں ہوئی تو عابد کسی سخت مجبوری کی وجہ سے ان کو بتا بھی نہیں سکتا کہ آپ کی زکوۃ ادا نہیں ہوئی، تو اس بارے میں کیا کیا جائے؟

(۳) اب چوں کہ زید نے زمین خرید لی اور اس کی وفات سے لے کر آج تک تقریباً ۱۰/سال ہوئے ہیں، اب زمین کی قیمت بھی زیادہ ہوگئی اور زکوۃ کی رقم بھی ۱۰/سال تک زمین کی وجہ سے بند پڑی رہی، اب جتنی رقم مدرسہ سے لی گئی تھی اتنی ہی مدرسہ کو واپس کرنی ہوگی یا زمین کی اب جو قیمت ہے اس قیمت کے حساب سے ادا کرنی ہوگی؟

(۴) جس مدرسہ کا یہ قرضہ تھا اسی مدرسہ کو واپس کرنا ہوگا یا علاقے کے اندر اور بھی مدارس ہیں جن میں بیرونی طلباء مقیم ہیں ان کو بھی دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) زکوۃ کی رقم کی ادائیگی میں تملیک بلاعوض لازم ہے یعنی فقراء ومساکین کو بغیر کسی معاوضہ کے مالک بنا کر رقم زکوۃ دی جائے، مدرسہ میں پڑھانے والے مدرسین اور اساتذہ کو تنخواہ بطورِ عقدِ اجارہ دی جاتی ہے جو تملیک بلاعوض نہیں ہے؛ اس لیے

زکوۃ کی جو رقم مدرس کی تنخواہ میں دی گئی اس سے زکوۃ ادا نہیں ہوئی، زید اور عابد کو زکوۃ کی ادائیگی کا وکیل بنایا گیا تھا اور انہوں نے وہ رقم تنخواہ میں صرف کی جس کے نتیجہ میں زکوۃ ادا نہیں ہوئی، اس لیے یہ دونوں حضرات اتنی رقم کے ضامن ہوئے، ان کے لیے ضروری ہے کہ جس آدمی نے زکوۃ کی یہ رقم انہیں مصرف زکوۃ میں صرف کرنے کے لیے دی تھی اس آدمی کو اتنی رقم اپنے پاس سے واپس ادا کریں۔

(۲) عابد کی وہ مجبوری کیا ہے؟ سوال میں اس کو ظاہر کیجیے؛ تاکہ اس کا حل پیش کیا جاوے، یہ یاد رہے کہ دنیوی بدنامی یا اس کا ڈر یہ کوئی مجبوری نہیں ہے، آخرت کا عذاب اس سے زیادہ سخت ہے، اخروی مواخذہ اور عذاب کے مقابلے میں دنیوی بدنامی یا اس کے ڈر کو ملحوظ رکھنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

(۳) زید نے زکوۃ کی بقیہ رقم سے زمین خریدی تو اس کے ایسا کرنے سے بھی زکوۃ ادا نہیں ہوئی، اور زکوۃ کی جتنی رقم اس نے زمین خریدنے میں استعمال کی وہ اتنی رقم کا بھی ضامن ہے، اس کو چاہیے کہ اتنی رقم مالک کو لوٹا دے اور اس کو بتلا دے کہ آپ نے جو رقم زکوۃ ادا کرنے کے لیے مجھے حوالہ کی تھی میں نے اس کو اپنی ضرورت میں استعمال کرلیا تھا، اور ایسا کرنے سے مجھ پر اتنا ضمان واجب ہوا تھا، میں وہی ضمان ادا کررہا ہوں۔

(۴) جب زید نے وہ رقم زکوۃ میں ادا کرنے کے بجائے اپنے استعمال میں لے لی، اسی وقت وہ اس کا ضامن بنا اور اس کی وکالت ختم ہوگئی، اب وہ یہ رقم کسی بھی مدرسہ یا فقراء پر صرف نہیں کرسکتا؛ بلکہ مالک کو لوٹانا ضروری ہے، اگر کسی مدرسہ (چاہے اس میں بیرونی طلبہ مقیم ہوں اس) میں صرف کرے گا تب بھی اس کا ذمہ بری نہیں ہوگا

جب تک کہ مالک کو لوٹا نہ دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ محرم ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مستحق کو رقم دینے کے بعد زکوۃ کی نیت کب تک معتبر ہے؟

سوال: مَیں سرکاری ملازم ہوں، سرکار کی طرف سے وطن آنے جانے کا کرایہ ملتا ہے، مَیں نے بھی کرایہ لیا، صرف ٹکٹ دِکھانا پڑتا ہے، ایک مرتبہ ٹکٹ منسوخ کر کے اُس کا جو روپیہ بنتا ہے وہ لے لیا، اور ہمارے محکمہ کو دِکھایا کہ مَیں اِسی ٹرین سے وطن سے آیا؛ پھر کچھ عرصہ بعد مجھے گناہ کا احساس ہوا اور جتنے روپے میرے وہ ٹکٹ کی قیمت سے بنتے ہیں، وہ مَیں نے ایک غریب مستحق کو بغیر ثواب کی نیت کے دے دیے؛ لیکن اب احساس ہو رہا ہے کہ وہ روپے تو سرکاری محکمہ میں جانا چاہیے اور مَیں نے غریب کو دے دیا، پھر مَیں نے سوچا کہ اب اگلی بار جب وطن جانا نصیب ہو، تو ٹکٹ کے لیے سرکار سے روپے لینے کے بجائے مَیں دوں گا اور اپنے خرچ پر وطن جاؤں گا، اور جو روپے بغیر ثواب کی نیت کے غریب کو دیے تھے اُس میں زکوۃ کی نیت کروں، تو کیا یہ درست ہے؟ زکوۃ ادا ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زکوۃ ادا کرنے کی شرط یہ ہے کہ زکوۃ دیتے وقت متصل ہی زکوۃ دینے کی نیت کرے، یا جو کچھ زکوۃ اُس کے ذمہ واجب ہے اُس کو اپنے مال سے نکال کر علاحدہ کرتے وقت متصل ہی زکوۃ دینے کی نیت کرے، ادا کرتے وقت یا علاحدہ کرتے

وقت نیت کا متصل ہونا خواہ حکمی ہو تب بھی ادا ہو جائے گی۔ مثال کے طور پر اگر زکوۃ کسی فقیر کو بغیر نیت کے دے دی، پھر اُس مال کو زکوۃ میں دینے کی نیت کر لی، تو اگر جس وقت زکوۃ کی نیت کی جا رہی ہے اُس وقت تک وہ مال فقیر کے قبضہ میں موجود ہے یعنی ابھی اُس نے اُس کو خرچ نہیں کیا تو یہ زکوۃ ادا ہو جائے گی، اور اگر فقیر اُس کو خرچ کر چکا ہے تو زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ (عمدۃ الفقہ ۲/۴۹، ۵۰ ملخصاً)

لہٰذا آپ جس غریب مستحق کو ایک مدت پہلے وہ رقم دے چکے ہیں، اور جس وقت رقم دی گئی تھی اُس وقت آپ نے ادائے زکوۃ کی نیت نہیں کی تھی، اور اب اُس پر ایک مدت گزرنے کے بعد آپ اُس رقم کو ادائے زکوۃ میں دینے کی نیت کر رہے ہیں، تو اگر وہ رقم بعینہٖ ہُو بہُو اُس غریب کے پاس موجود ہے، اور ابھی تک اُس نے اُس کو خرچ نہیں کیا ہے تب تو آپ کی یہ نیت درست ہو کر آپ کی زکوۃ ادا ہو جائے گی؛ ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ رجب ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مستحقِ زکوۃ، رقم زکاۃ کا مالک بن جانے کے بعد تصرف میں آزاد ہے

سوال: میرے ایک قریبی رشتے دار ہیں جو کئی سالوں سے مجھے رمضان میں اپنی زکوۃ کی خطیر رقم مصارفِ زکوۃ میں مستحقین تک پہنچانے کے لیے دیتے ہیں، میں اس کی کوشش کرتا ہوں کہ وہ رقم صحیح جگہ استعمال ہو جائے، اس سال بھی انھوں نے

مجھے اپنی زکوۃ کی رقم دی، تو میں نے ان سے کہا کہ: اس مرتبہ آپ مجھے اس رقم کا مالک بنا دیجیے، اس سے آپ کی زکوۃ بھی ادا ہو جائے گی اور میں اس رقم کو اپنی ضرورتوں میں بھی استعمال کر سکوں گا، تو انھوں نے مجھے اس کا مالک بنا دیا، صورت مسئلہ کو مدنظر رکھتے ہوئے مندرجۂ ذیل سوالات کے جوابات تحریر فرمائیں:

① یہ میرے لیے طیب حلال ہے یا حرام؟

② یہ رقم میں اپنے قرض کی ادائیگی میں صرف کر سکتا ہوں کہ نہیں؟

③ ہر سال میں اپنی اہلیہ کی زکوۃ اپنے مال میں سے نکالتا ہوں، اس سال میں چوں کہ خود مقروض ہوں؛ اس لیے ابھی تک زکوۃ نہیں نکال سکا ہوں، کیا اس رقم سے میں ان کی زکوۃ نکال سکتا ہوں؟

④ زندگی میں دو مرتبہ بیت اللہ کی حاضری کی سعادت نصیب ہوئی ہے، امسال بھی حاضری کی تمنا اور خواہش ہے، کیا اس رقم کو اس کار خیر میں صرف کر سکتا ہوں؟

⑤ کیا اس رقم کو اپنے نابالغ اولاد پر خرچ کر سکتا ہوں؟ اگر ہاں، تو اس کی شکل کیا اختیار کی جائے؟

⑥ میرے والدین مقروض ہیں، کیا یہ رقم ان پر خرچ کی جا سکتی ہے؟

⑦ میرے بھائی مدرسہ میں پڑھاتے ہیں اور شادی شدہ ہیں؛ لیکن خرچ میں تنگی رہتی ہے، کیا یہ رقم ان کو دی جا سکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① شرعاً نصاب کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جس کی وجہ سے زکوۃ واجب ہوتی ہے،

یہ وہ نصاب ہے جو بڑھنے والا اور دَین سے خالی ہو۔ دوسری قسم: وہ نصاب ہے جس کی وجہ سے زکوۃ حرام ہوتی ہے، یہ وہ نصاب ہے جو بڑھنے والا نہ ہو اور اس کی ضرورتوں سے زائد ہو، اس صورت میں اس پر زکوۃ واجب تو نہیں؛ لیکن زکوۃ لینا اس کے لیے حرام ہے؛ بلکہ زکوۃ کے علاوہ اور حقوق یعنی صدقۃ الفطر قربانی وغیرہ اس پر واجب ہے، اور اگر وہ نصاب بڑھنے والا نہیں ساتھ ہی اس کی ضرورتوں میں مشغول ہے، تو اس کے لیے زکوۃ لینا مباح اور جائز ہے؛ لیکن اگر اس کے پاس اپنے اور اپنے ماتحتوں کے کھانے پینے اور لباس وغیرہ ضرورتوں کے مقدار موجود ہے، تو اس کے لیے سوال کرنا حلال نہیں۔ صورت مسئولہ میں اگر آپ اس آخری قسم میں داخل ہیں تو آپ کے لیے زکوۃ لینا جائز ہونے کے باوجود سوال کرنا درست نہیں تھا۔

(۲) اگر آپ مصرف زکوۃ ہوتے ہوئے یہ رقم آپ نے وصول کی ہے، تو اس کا استعمال آپ کے لیے جائز ہے۔ اپنے قرض کی ادائیگی اور دیگر ضروریات میں استعمال کر سکتے ہیں۔

(۳) اہلیہ کے آپ کو وکیل بنانے کی صورت میں اس کی زکوۃ بھی اس مال سے ادا کر سکتے ہیں۔

(۴) جی ہاں۔

(۵) نابالغ اولاد پر بھی جیسے اپنی رقم خرچ کرتے ہیں اس کو بھی خرچ کر سکتے ہیں۔

(۶) والدین کو ان کا قرض ادا کرنے کے لیے یہ رقم دے سکتے ہیں، اور خود بھی اس رقم سے ان کا قرض ادا کر سکتے ہیں۔

(۷) ان کو بھی یہ رقم دے سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جب آپ اس رقم کے مالک بن چکے، تو ایک مالک جس قسم کے تصرفات اپنی ملکیت میں کرتا ہے اس نوع کے تمام تصرفات اس رقم میں کرنے کا آپ کو بھی اختیار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ رذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ناجائز امور کے مرتکب مستحقین کو زکوۃ دینے کا طریقہ

سوال: کچھ لوگ زکوۃ کے مستحق ہیں؛ لیکن زکوۃ کی رقم سے غیر شرعی فائدہ اٹھاتے ہیں، مثلاً ٹی وی، ریڈیو لانا، شراب پینا اور جوا کھیلنا؛ لیکن ان کے بیوی بچے پریشان رہتے ہیں، تو ایسی حالت میں زکوۃ دینے کی کیا سبیل اختیار کی جائے جب کہ بیوی مستحق زکوۃ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیوی مستحق زکوۃ نہیں ہے؛ لیکن بچے ہیں، تو بچوں کو زکوۃ کی رقم دی جاسکتی ہے، یہ بھی کرسکتے ہیں کہ ان کی ضرورت کی اشیاء دکان دار کو کہہ کر انھیں ادھار دلوادی جائیں، اور پھر ان کی اجازت سے ان کا قرض زکوۃ کی رقم سے ادا کردیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸ رشوال المکرم ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

خوش حال باعزت شخص کو زکوۃ دینا

سوال: ایک شخص ہے جو صاحب نصاب نہیں ہے؛ لیکن کماتا کھاتا ہے باعزت

طور سے، تو کیا ایسے شخص کو زکوۃ کا روپیہ دینا درست ہے یا اس کا لینا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کو زکوۃ دے سکتے ہیں اور اس کے لیے لینا بھی درست ہے؛ البتہ سوال کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مستحق کو زکوۃ کتنی دے؟

سوال: زکوۃ کس کو اور کتنی دے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مصارف زکوۃ کی تفصیلات کتاب الزکوۃ کے باب المصرف میں دیکھی جاسکتی ہے۔ کسی بھی مصرف کو یک مشت اتنی رقم نہ دے کہ وہ اس کے ہاتھ میں آتے ہی صاحبِ نصاب بن جائے، یہ مکروہ ہے۔

ویکرہ لمن علیہ الزکوۃ أن یعطي فقیرا مائتي درھم أو أکثر، ولو أعطیٰ جاز وسقط عنہ الزکاۃ إلخ (بدائع ۴۸/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ

مستحق کو نصاب سے زائد رقم دینا

سوال: مستحق زکوۃ کو نصاب سے زائد زکوۃ دینے کا کیا حکم ہے۔ کسی خاص ضرورت کے تحت یا اپنے قریبی رشتہ دار ہونے کی صورت میں نصاب سے زائد زکوۃ

ادا کرنے کی گنجائش ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیک وقت زکوۃ کی اتنی مقدار اس کو دینا کہ وہ خود مالک نصاب بن جائے مکروہ ہے اگرچہ زکوۃ ادا ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر وہ شخص اتنا مقروض ہے کہ اس مقدار میں سے قرض ادا کرنے کی صورت میں اس کے پاس بقدر نصاب رقم بچتی نہیں ہے تو پھر مکروہ بھی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ رجب المرجب ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کمیٹی جب تک زکوۃ کی رقم مستحق کو نہ دے، ذمہ بری نہ ہوگا

سوال: زکوۃ دینے والا زکوۃ بیت المال میں جمع کرنے سے بری الذمہ ہو جائے گا یا نہیں؟ بیت المال زکوۃ کی رقم کو کسی مصلحت سے روکے رکھے مثلاً کوئی صحیح مصرف سامنے نہیں آیا ہے، تو شرعاً کیسا ہے؟ زیادہ سے زیادہ کتنے دنوں تک روک سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں منتظمینِ بیت المال، اربابِ اموال کے وکیل ہیں؛ اس لیے زکوۃ کی رقم بیت المال میں دینے سے براءت ذمہ نہیں ہوگی، جب تک بیت المال اس کو مصرف میں صرف نہ کرے، دوسرا سال آنے سے پہلے رقم خرچ ہو جانی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مستحقِ زکوۃ کی کوئی چیز استعمال کرنا

سوال: ایک مفتی صاحب کے سامنے بیٹھ کر مسائل سنائے جارہے تھے، اس میں ایک مسئلہ یہ آیا کہ مستحق زکوٰۃ کو اگر مدِ زکوٰۃ میں لوٹا ملا، اور اس کے یہاں کوئی غیر مستحق مہمان آیا، تو اس مہمان کو لوٹا استعمال کرنے کی اجازت نہیں، چاہے مستحق میزبان اجازت دے دے، ہاں! اگر اس کو مالک بنادے تو اس کا جواب دوسرا ہے، تو اس میں سوال یہ ہے کہ فقیر جب لوٹے کا مالک ہوگیا، تو پھر اس کا کسی کو استعمال کرنے کی اجازت دینا بیکار کیوں ہے؟ نیز اس ضمن میں یہ مسئلہ بھی تھا کہ: طالب علم کو کھانا مدرسہ سے ملتا ہے، اس میں سے وہ کسی مہمان کو بغیر مالک بنائے نہیں کھلا سکتا۔ تو اس کو اچھی طرح سمجھا کر ممنون فرماویں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس کو وہ چیز زکوٰۃ میں ملی ہے، بطور زکوٰۃ اس کا مالک بنا ہے، اور جب تک وہ چیز اس کے ملک میں ہے، اس وقت تک اس کی زکوٰۃ والی حیثیت قائم ہے، اور غیر مستحق کے لیے زکوٰۃ سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں، چاہے مالک اجازت کیوں نہ دے، البتہ وہ مستحق اس چیز کو اپنی ملک سے نکال کر غیر مستحق کو اس کا مالک بناوے، تو اب اس کی وہ حیثیت قائم نہیں رہی؛ بلکہ تبدلِ ملک کی وجہ سے تبدیلی عین ہوگیا۔

"لقول النبی ﷺ لبريرة هي لها صدقة ولنا هدية". (هدايه ۳/۳۳۹)

کھانا جو دوسرے کو کھلایا جاتا ہے، اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں: ایک بطریق اباحت دوسرے بطریق تملیک۔ پہلی صورت میں کھانے والے کے لیے اس کھانے

کی تناول فرمانے کی اجازت ہوتی ہے، مالک نہیں بنتا؛ بلکہ ملکیت کھلانے والے کی رہتی ہے، جب کہ دوسری صورت میں کھانے والا مالک بن جاتا ہے؛ اس لیے سابقہ اصول کے مطابق پہلی صورت میں تبدلِ عین نہیں ہوتا، اور جب کہ دوسری صورت میں ہوجاتا ہے۔ یہ مسئلہ اصولِ فقہ کا ہے، اب بھی سمجھ میں نہ آوے تو ماننے پر اکتفا فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۴ھ

غیر مستحق کا زکوۃ لینا اور اس کو دینا

سوال: مدرسہ کے نام پر زکوۃ وغیرہ وصول کرنا جب کہ وہاں مصارفِ زکوۃ کی ظاہری کوئی صورت موجود نہ ہو، کیسا ہے؟ جو لوگ زکوۃ دیتے ہیں وہ کہاں تک درست کررہے ہیں؟ اس میں مواخذہ ذمہ دارِ مدرسہ سے ہوگا یا صاحب مال سے؟ اور یہ عمل کب تک کیا جاسکتا ہے؟ تحقیق کی کب تک ضرورت نہیں ہے؟ کیا ایسے مدرسہ کو امدادی رقم دیا جاسکتا ہے؟ مالِ زکوۃ کو اپنے لیے ہدیہ جان کر بطور معاش اختیار کرنا کیسا ہے؟ وضاحت فرماویں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب مدرسہ میں مصارف زکوۃ موجود نہ ہوں تو زکوۃ لینا درست نہیں، وہاں دینا بھی درست نہیں اس طرح زکوۃ ادا نہیں ہوگی، فریضہ ذمہ پر باقی رہ جاوے گا۔ مال زکوۃ کو بطور معاش اختیار کرنے سے آپ کی مراد یہ ہے کہ لوگوں سے زکوۃ مانگ کر اپنی ضرورتیں پورا کرنا، تو اگر کسی آدمی کے پاس اتنی رقم یا سرمایہ موجود ہے جس سے

اس کا دن بھر کا گزارا ہو جاتا ہے تو ایسے آدمی کے لیے سوال کرنا جائز نہیں ہے؛ لیکن اس کے باوجود اس کے سوال پر کسی نے اس کو زکوۃ دے دی تو دینے والے کی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ رشوال ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مصارف زکوۃ میں فی سبیل اللہ کا مصداق کون؟

سوال: قرآن میں جو مصارفِ زکوۃ بیان ہوئے ہیں، ان میں فی سبیل اللہ کا کیا مصداق ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ فی سبیل اللہ سے مراد غازی اور مجاہد ہے، جس کے پاس اسلحہ اور جنگ کا ضروری سامان خریدنے کے لیے مال نہ ہو، یا وہ شخص جس کے ذمہ حج فرض ہو چکا ہو؛ مگر اس کے پاس اب مال نہیں رہا، جس سے وہ حج فرض ادا کرے، یہ دونوں کام خالص دینی خدمت اور عبادت ہیں؛ اس لیے مالِ زکوۃ کو ان پر خرچ کرنے میں ایک مفلس کی امداد بھی ہے، اور ایک عبادت کی ادائیگی میں تعاون بھی۔ (معارف القرآن ۴/۴۰۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ رشوال المکرم ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب العشر والخراج

عشری وخراجی زمین کسے کہتے ہیں؟

سوال: عشری اور خراجی زمین کسے کہتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

الأرض العشرية ما فيها عشر أو نصف عشر، و ليس فيها الخراج، وهي: ما أسلم أهله طوعا أو فتح عنوة وقسمت على جيش المسلمين، وإن تركت عند أهلها من الكفرة فهي خراجية الأرض الخراجية وهي التي يوخذ منها الخراج .(قواعد الفقه: ١٦٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ہندوستانی زمین عشری ہے یا خراجی؟

سوال: ہمارے ہندوستان کی سرزمین میں زکوۃ کا کیا مسئلہ ہے؟ آیا اس میں عشر آئے گا یا نہیں؟ اگر عشر دینا ہے تو کس قدر؟ واضح رہے کہ ہماری زمین کی سیرابی سال کے اکثر اوقات میں بورنگ کے پانی سے کی جاتی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہندوستان کی زمینوں کے عشری وخراجی ہونے، نہ ہونے میں مفتیانِ کرام کا اختلاف رہا ہے، بعض حضرات قانونِ تنسیخ زمین داری (جو انگریز کے دور حکومت میں جاری

ہوااور آزادی کے بعد بھی اس پر عمل جاری ہے اس) کی وجہ سے اراضی کے ملکِ سرکار ہونے کی بنیاد پر نہ اس کو عشری کہتے ہیں نہ خراجی، اور بعض حضرات دار الحرب ہونے کی بنیاد پر اس کو عشری وخراجی نہیں کہتے، جبکہ محقق علماء کرام اس قانون کے بعد اور دار الحرب کی تقدیر پر بھی ہندی اراضی کو عشری یا خراجی ہی فرماتے ہیں، حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے قانونِ تنسیخ زمین داری کے بعد بھی دلائل کے اعتبار سے اقرب واظہر اسی کو فرمایا ہے کہ ملکِ مالکان ثابت ہے؛ البتہ اس قانون کے مطابق سرکار نے جو زمین زمین داروں سے لے کر کاشتکاروں کو دی ہے وہ خراجی کہی جائیں گی۔ (ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۱۳/ ۹۲)

اراضیٔ ہند نہ سب عشری ہیں نہ سب خراجی ہیں؛ بلکہ بعض عشری ہیں بعض خراجی ہیں، جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں اور ان کے پاس مسلمانوں ہی کے پاس سے پہنچی ہیں ارثاً وشراءً وھلم جراً وہ زمینیں عشری ہیں، اور جن اراضی کا درمیان میں کوئی کافر مالک ہوا ہے وہ خراجی ہیں، چاہے وہ کافر انفرادی ملکیت سے مالک ہوا ہو یا سرکاری حکومتی اقتدار کی شکل میں مالک ہوا ہو، اور جن زمینوں کے ماضی کے مالکان کی کچھ خبر نہ ہو سکے ان اراضی کو بدلیل استصحاب حال عشری ہی کہا جائے گا۔ (اسلام کا نظام اراضی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بناس کانٹھا کی زمین عشری ہے یا خراجی؟

سوال: ہمارے علاقہ یعنی ضلع بناس کانٹھا کہ جہاں کی زمینیں مسلم نواب کی

تھیں، اور ضلع مہسانہ جہاں کی زمینیں غیر مسلم راجہ گائکواڑ کی تھیں، عشری ہیں یا خراجی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

موجودہ حالت میں جب کہ زمین ملکِ سرکار ہے، تو نہ وہ عشری ہیں نہ خراجی۔

هذا نوع ثالث لاعشرية ولاخراجية من الأراضي، تسمىٰ أراضى المملكة وأراضى الحوز (شامي) (فتاویٰ محمودیہ ۳/ ۶۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عشر وخراج کی مقدار

سوال: عشر وخراج کی مقداریں کیا ہیں؟ اور خراجِ مقاسمہ وخراج موظّف کی تعریف اور مقدار کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس زمین کی آب پاشی کی جاتی ہے یا محنت کر کے کنویں وغیرہ سے پانی دیا جاتا ہے، اُس کی پیداوار میں نصف عشر واجب ہے، اور جس زمین میں بارش کے پانی سے کھیتی ہوتی ہے اور مستقل پانی دینا نہیں پڑتا، اُس کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے۔

(و) تجب في (مسقى سماء) أي مطر وسيح كنهر (و) يجب (نصفه في مسقى غرب) أي دلو كبير (ودالية) أي دولاب؛ لكثرة المؤنة، إلخ.

(درمختار على هامش الشامي ۲/ ۵۵،۵۳)

خراج کی دو قسمیں ہیں: ایک خراجِ مقاسمہ، یعنی پیداوار ہی کا ایک حصہ، مثلاً نصف یا رُبع یا ثُلث مقرر کر دیا جائے، اِس صورت میں اُس کی مقدار وہی ہوگی جو

مقرر کی گئی ہے؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ نصف سے زیادہ نہ ہو۔ دوسری قسم خراجِ مُوظَّف ہے، یعنی پیداوار کا کوئی حصہ متعین نہ ہو؛ بلکہ مالکِ زمین کے ذمہ ڈال دیا گیا ہو، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا تھا، اِس کی مقدار مختلف ہے، ہر جریب (ساٹھ ذراع لمبی اور ساٹھ ذراع چوڑی زمین) پر اگر غلہ ہے تو ایک صاع غلہ اور ایک درہم، اور سبزی ہے تو پانچ درہم، اور انگور و کھجور کا باغ ہے تو دس درہم۔

وهو نوعان: خراج مقاسمة، إن كان الواجب بعض الخارج كالخمس ونحوه، وخراج وظيفة، إن كا ن الواجب شيئا في الذمة. الخ (درمختار على هامش الشامي ٣/ ٢٨٥،٢٨٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کیا ہندوستان کی زمین میں عشر واجب ہے؟

سوال: ہندوستان میں جو زمین کی پیداوار ہوتی ہے، کیا اس میں سے عشر دینا ہوگا؛ کیوں کہ عشر تو عشری زمین سے دی جاتی ہے، جو اسلامی حکومتوں میں ہوتی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو اراضیٔ کاشت مسلمانوں کی ملکیت میں اسلامی زمانہ سے اسلامی حکومت کے دینے سے یا خود مسلمان ہوکر اپنی زمین پر مالک برقرار رہنے سے ابتک برابر چلی آرہی ہے؛ حتی کہ خاتمۂ زمینداری کے بعد بھی اپنی ہی ملک میں باقی ہو اور کبھی غیر مسلم کے ملک میں نہ گئی ہو وہ عشری ہے اور اس میں عشر نکالنا واجب ہے، پھر اگر فقط آسمانی یا بارانی پانی سے سیراب ہوکر پیداوار ہوتی ہے یا قدرتی دریاؤں کے سیلابی

پانی سے سیراب ہوکر پیداوار ہوتی ہے، تو ہر فصل کی پیداوار پر پیداوار حاصل ہوتے ہی دسواں حصہ ادا کرنا واجب ہوجائے گا، ورنہ بیسواں حصہ ادا کرنا واجب ہوگا، اور جو زمین مذکورہ بالا قیود وشرائط کے ساتھ مسلمانوں کی ملک میں نہیں ہیں، وہ عشری نہیں ہوں گی، اور اس کی پیداوار سے عشر نکالنا واجب نہ ہوگا کہ اگر نہ نکالے تو گنہگار ہو، البتہ جس زمین کے بارہ میں عشری کا اشتباہ ہو، عشری نہ ہونے کا یقین نہ ہو اس کی پیداوار میں سے ہر فصل میں سے عشر کے قاعدے کے مطابق دسواں حصہ یا بیسواں حصہ بلکہ کچھ زائد ہی کرکے احتیاطاً نکالتے ہی رہنا چاہیے کہ باعث خیر وبرکت ہی ہوگا کسی حال میں مضر اور ناجائز نہ ہوگا۔ (نظام الفتاوی ۲/ ۳۴۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ رمحرم الحرام ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عشر کن چیزوں میں واجب ہوگا؟

سوال: ① اور یہ عشر صرف ان پیداوار سے دینا ہوگا جو لمبی مدت تک باقی رہتی ہیں، جیسے گیہوں وغیرہ یا کم مدت تک رہنے والوں پھلوں میں بھی دینا ہوگا، جیسے آم وغیرہ۔

② پیداوار کی زکوٰۃ میں کتنے کیلو ہوں تو نصاب ہوتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① تمام قسم کی پیداوار میں عشر واجب ہوتا ہے۔

بلا شرط نصاب وبلا شرط بقاءٍ وحولان حول. (درمختار)

(۲) اس میں نصاب بھی مقرر نہیں ہے۔ (کمامر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ رمحرم الحرام ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عشر وخراج کے مصارف

سوال: عشر وخراج کے مصارف کیا ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عشر کا مصرف وہی ہے جو زکوٰۃ کا ہے۔

باب المصرف أي مصرف الزكوٰة والعشر (درمختار ۲ /٦٤)

خراج کا مصرف مصالحِ مسلمین ہیں، مثلاً: سرحدوں کی حفاظت، پُل کی تعمیر، مساجد، حوض، رِباط وغیرہ کی تعمیر، نہروں کا بنانا، علماء وقضاۃ وعُمّال حکومت، طلبۂ علم کے وظائف۔

مصرف الجزية والخراج ومال التغلبي وهديتهم للإمام، وما أخذ منهم بلاحرب مصالحنا، كسد ثغور، وبناء قنطرة، وجسر، وكفاية العلماء والقضاة والعمال. (تنوير الأبصار مع الدر المختار على هامش الشامي ٣/ ٣٠٧،٣٠٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عشر میں غلہ یا قیمت؟

سوال: زمین کی پیداوار کا عشر نکالنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو پھر ماء مطر سے کس زمین اور غلہ کی کس نوع میں کتنا ضروری ہے؟

نوٹ: غلہ پر اگر عشر واجب ہے تو عشر میں غلہ ہی واجب ہوگا یا اس کی قیمت بدل بن سکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر عشری زمین ہے تو بارش سے پیداشدہ پیداوار میں سے دسواں حصہ نکالا جائے، اس کی قیمت بھی ادا کی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

زمین کا محصول ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوگا

سوال: آج کل غیر مسلم حکومت ہماری عشری یا خراجی زمین پر جو ٹیکس لیتی ہے، اُس سے خراج اور عشر ادا ہوجائے گا یا الگ سے دوسری رقم اِس کے لیے خرچ کرنی ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اصح قول یہ ہے کہ: محصول مذکور زمینوں کا کرایہ ہے جس کی وجہ سے عشری زمین سے عشر ساقط نہیں ہوگا؛ لیکن جب زمین خراجی ہو تو یہ محصول خراج کے قائم مقام ہوگا۔ کذا فی فتاوی رشیدیہ (فتاویٰ محمودیہ ۳/ ۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

پالنپور کے اطراف کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟

سوال: (۱) شمالی گجرات (پالنپور کے اطراف) کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟

خراجی ہونے کی صورت میں خراج مقاسمہ ادا کرنا ہوگا یا خراج مؤظف؟ اس زمانہ کے اعتبار سے خراج مؤظف کی مقدار کیا ہے؟

عشر وخراج دانے میں واجب ہے یا گھاس میں؟

سوال :② باجرا، جوار، گیہوں کی پیداوار جس سے مقصود غلہ اور گھاس دونوں ہوتے ہیں تو کیا دونوں میں سے عشر اور خراج مقاسمہ ادا کرنا ہوگا یا صرف غلہ میں سے؟

بار بار بڑھنے والی گھاس پر عشر وخراج

سوال :③ ایسی گھاس جو ایک مرتبہ بونے پر تین سال تک رہتی ہے اور ہر مہینہ کاٹنے پر وہ بڑھتی رہتی ہے اور اس میں غلہ مقصود نہیں ہوتا تو کیا ہر مہینہ کاٹنے پر اس کا عشر اور خراج ادا کرنا ہوگا؟ یا پورے تین سال کا ایک مرتبہ ادا کرنا کافی ہوگا؟

اولاد کی تعلیم پر خراج صرف کرنا

سوال :④ اپنی زمین کا خراج اپنی بالغ اور نابالغ اولاد کی تعلیم پر خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخی حقائق کی بنیاد پر ہندوستان و پاکستان کی زمینوں کے متعلق جو تجزیہ پیش فرمایا اس میں صوبہ گجرات و کاٹھیاواڑ کی زمینوں کو خراجی بتلایا ہے؛ اس لیے کہ اولین مسلمان فاتحین نے باشندگان ملک کی زمینوں میں کوئی تصرف نہیں کیا بلکہ بہ دستور ان کی ملک میں باقی رہنے دیا اور

ان پر خراج مقرر فرمادیا۔(اسلام کا نظام آراضی ص:۲۳۷)

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ خراج کی کون سی قسم ان زمینوں پر عائد ہے اس پر بحث فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: اس تفصیل سے علاقہ سندھ کی زمینوں کا خراج تو معلوم ہو گیا کہ عموماً مقاسمہ اور بٹائی کی صورت سے پیداوار کا پانچواں حصہ (خمس) تھا اس زمانہ میں ملتان، بہاولپور، پنجاب کے سب علاقے بھی سندھ میں شامل تھے۔ ان کا بھی یہی حکم ہوگا بلکہ صوبہ گجرات اور راجپوتانہ بھی محمد بن قاسم کی فتوحات میں داخل سندھ کا جزء قرار دیا گیا تھا اس لیے ان تمام علاقوں کے خراج میں اگر کسی خاص زمین یا کسی خاص علاقہ کے متعلق خراج کی کوئی دوسری صورت کافی ثبوت کے درجے کو پہنچ جائے تو اس پر عمل کیا جائے گا ورنہ خمس پیداوار کو خراج سمجھا جائے گا۔(ایضا ص ۱۹۱)

(۲) مدار قصد اور نیت پر ہے اگر بونے والے کی نیت صرف دانہ کی تھی گھاس مقصود نہیں تھی تو عشر اور خراج مقاسمہ صرف دانہ میں واجب ہوگا گھاس میں نہیں۔ اور اگر دونوں مقصود تھے تو دونوں میں۔

وان المدار على القصد حتى لو قصد به ذلك وجب العشر (شامی ۲/۵۵)

(۳) عشر اور خراج مقاسمہ دونوں کا تعلق پیداوار سے ہے اس لیے جب جب کاٹی جائے ان کا عشر و خراج نکالا جائے۔

قال الخير رملي خراج المقاسمة كالمؤظف مصرفا و كالعشر مأخذا لافرق فيه بين الرطاب والزرع والكرم والنخل المتصل و غيره فيقسم الجميع على حسب ما تطيق الارض من النصف او الثلث او الربع او الخمس و قد تقرر ان خراج المهقاسمة كالعشر لتعلقه بالخارج و لذا

يتكرر بتكرر الخارج فى السنة وانما يفارقه فى المصرف الخ (شامى ٣/ ٣١٤)

④ خراج کا مصرف عام مصالح اہل اسلام ہیں سرحدوں کی حفاظت، فوج کے اخراجات، اور عمال حکومت اور علماء وطلباء، مفتیوں اور قاضیوں کا گذارہ بقدر کفایت اس مد سے دیا جائے سڑکوں اور پلوں کی تعمیر ومرمت کا خرچ بھی اس مد سے کیا جائے۔

ومصرف الجزية و الخراج ومال التغلبى و هديته للامام و ما اخذ منهم بلاحرب مصالحنا كسد ثغور و بناء قنطرة وجسر و كفاية العلماء والمتعلمين تجنيس و به يدخل طلبة العلم فتح والقضاة والعمال الخ.
(در مختار على هامش الشامى ٣٠٦٣، ٣٠٧)

(قوله و كفاية العلماء) هم اصحاب التفسير والحديث و الظاهر ان المراد بهم من يعلم العلوم الشرعية فيشمل الصرف والنحو وغيرهما حموى عن البرجندى ط وفى التعبير بالكفاية إشعار بانه لا يزاد عليها و سيأتى بيانه و كذا باشتراط فقرهم لكن فى حظر الخانية سئل على الرازى عن بيت المال هل للاغنياء فيه نصيب قال لا الا ان يكون عاملا او قاضيا و ليس للفقهاء فيه نصيب الا فقيه فرغ نفسه لتعليم الناس الفقه اوالقرآن اهـ قال فى البحر اى بان صرف غالب اوقاته فى العلم وليس مراد الرازى الاقتصار على العامل او القاضى بل اشار بهما الى كل من فرغ نفسه لعمل المسلمين فيدخل فيه المفتى و الجندى فيستحقان الكفاية مع الغنى اهـ وذكر قبله عن الفتح ان طالب العلم قبل ان يتأهل عامل لنفسه لكن ليعمل بعده للمسلمين (شامى ٣/ ٣٠٧)

عبارت مذکورہ میں طالب علم پر خراج خرچ کرنے کا جواز مصرح ہے البتہ فتح القدیر کے حوالہ سے جو آخری عبارت پیش کی اس سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ اگر اس

طالب علم کی نیت یہ ہے کہ حصول علم کے بعد مصالح اہل اسلام کے لیے کام کروں گا تب وہ حق دار ہے۔ اگر اپنی بالغ اولاد کو طلب علم دین کے لیے اس واسطے فارغ کیا ہے کہ حصول علم کے بعد بھی اسی مشغلہ میں رہے گی تو ان کی دینی تعلیم پر بلاتردد خراج بقدر ضرورت خرچ کیا جاسکتا ہے البتہ مناسب یہ ہے کہ صرف ان ہی پر خرچ کرنے پر اکتفانہ کرے۔ دیگر مصارف پر بھی خرچ کرے۔ رہی نابالغ اولاد تو چوں کہ اس کا نفقہ خود اس پر واجب ہے اس لیے ان پر خرچ نہ کیا جائے۔ ھذا ما ظھر لی. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سرکار سے خریدی ہوئی زمین کا حکم

سوال: ① زید نے اپنی زمین کی قیمت قسط وار حکومت کو ادا کردی ہے، ایسی زمین کو ہمارے یہاں ''ہٹ کی زمین'' کہتے ہیں، اور زید اُس کو بیچنے کا مختار ہے، اُس پر عشر یا خراج زمین کی نوعیت کے اعتبار سے آئے گا یا نہیں؟

② زید کے پاس ایک زمین ہے جس کی قیمت زید نے حکومت کو ادا نہیں کی، اور حکومت کی طرف سے زید اُس کے بیچنے کا مختار بھی نہیں ہے، ایسی زمین اگر عشری ہے تو عشر، اور خراجی ہے تو خراج اُس پر واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② موجودہ حالت میں جب کہ زمین ملکِ سرکار ہے، تو نہ وہ عشری ہیں

نہ خراجی۔

هذا نوع ثالث لاعشرية ولاخراجية من الأراضي، تسمىٰ أراضي المملكة وأراضي الحوز.(بحواله شامي) (فتاویٰ محمودیہ ۳/۶۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ٹریکٹر اور غلہ پر زکوۃ

سوال: ٹریکٹر میں زکوۃ ہے یا نہیں؟ اور اپنا غلہ ہے، بھاؤ کم ہونے کی وجہ سے بیچا نہیں، اس میں اور کھانے کے لیے گیہوں سو من رکھے ہیں، ان میں زکوۃ ہے کہ نہیں؟ زکوۃ صرف سونا، چاندی، پیسے اور تجارتی مال میں ہے یا اور اشیاء میں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ٹریکٹر جو اپنی ضرورت کے لیے ہے، اس میں زکوۃ نہیں ہے؛ البتہ اگر اس کی تجارت کرتا ہے تو زکوۃ واجب ہوگی، اپنی زمین میں جو غلہ پیدا ہوا وہ محفوظ رکھا ہے، اس میں زکوۃ نہیں ہے، چاہے بھاؤ بڑھنے پر بیچنے کا ارادہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عشر کی رقم تنخواہ میں دینا

سوال: عشر کی رقم بلا تملیک تنخواہ میں دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

باعتبارِ مصرف عشر کا بھی وہی حکم ہے جو زکوۃ کا ہے، اس لیے عشر کی رقم بلا تملیک

تنخواہ میں صرف کرنا دست نہیں۔ (درمختار، شامی ۲/ ۶۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/صفر ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عشر مصارف وضع کیے بغیر ادا کرے

سوال: ① زمین کی پیداوار میں جو عشر نکالا جاتا ہے وہ عشر پیداوار کو جو خرچ لگا وہ نکال کر دیں یا پوری پیداوار میں سے؟ مثلاً کسی کو دس بورے جوار ہوئی اور دس بورے جوار کی قیمت مثلاً پانچ ہزار روپیہ ہوئی، اور جوار بونے سے لے کر گھر آنے تک دو ہزار خرچ ہوا، اس حساب سے عشر تین ہزار میں سے نکالے یا پورے پانچ ہزار میں سے؟

② ایسے ہی کسی کو کپاس چالیس ہزار کی ہوئی اور خرچ دس ہزار لگا، تو زکوۃ پورے چالیس پر ہوگی یا تیس ہزار پر؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② زراعت میں جو مصارف آئے ہیں وہ وضع کیے (نکالے) بغیر ادا کریں گے۔

صورت مسئولہ میں جوار میں پورے پانچ ہزار اور کپاس میں پورے چالیس ہزار میں سے عشر نکالا جاوے گا۔ بلا رفع مؤن الزرع (درمختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ر شوال المکرم ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

متفرقات کتاب الزکاۃ

زکوۃ اور بیت المال الگ الگ نہیں

سوال: کیا بیت المال اور زکوۃ کو علاحدہ علاحدہ فنڈوں میں رکھا جاسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زکوۃ اور بیت المال دونوں الگ الگ نہیں ہے؛ بلکہ زکوۃ بھی بیت المال کا ایک شعبہ اور حصہ ہے، اسلامی حکومت میں جو اموال جمع ہوتے ہیں ان کو جہاں رکھا جاتا ہے اس کو بیت المال کہا جاتا ہے، جمع ہونے والے اموال کی نوعیت کے اعتبار سے بیت المال کے چار شعبے ہیں، اور ہر شعبے کا مصرف بھی متعین ومعلوم ہے، کتب فقہ میں کتاب الزکاۃ اور کتاب السیر میں اس کی تفصیلات مذکور ہیں، آپ کی معلومات کے لیے بدائع الصنائع کی عبارت پیش خدمت ہے:

وأما بيان ما يوضع في بيت المال من الأموال وبيان مصارفها، فأما ما يوضع في بيت المال من الأموال فأربعة أنواع: أحدها: زكاة السوائم والعشور وما أخذه العشار من تجار المسلمين إذا مروا عليهم؛ والثاني: خمس الغنائم، والمعادن، والركاز؛ والثالث: خراج الأراضي وجزية الرءوس وما صولح عليه بنو نجران من الحلل وبنو تغلب من الصدقة المضاعفة، وما أخذه العشار من تجار أهل الذمة والمستأمنين من أهل الحرب؛ والرابع: ما أخذ من تركة الميت الذي مات ولم يترك وارثا أصلا، أو ترك زوجا أو زوجة.

فأما مصارف هذه الأنواع، فأما مصرف النوع الأول فقد ذكرناه.

وأما النوع الثاني وهو خمس الغنائم والمعادن والركاز، فنذكر مصرفه في كتاب السير.

وأما مصرف النوع الثالث من الخراج وأخواته فعمارة الدين، وإصلاح مصالح المسلمين وهو رزق الولاة، والقضاة وأهل الفتوى من العلماء، والمقاتلة، ورصد الطرق، وعمارة المساجد، والرباطات، والقناطر، والجسور، وسد الثغور، وإصلاح الأنهار التي لا ملك لأحد فيها.

وأما النوع الرابع فيصرف إلى دواء الفقراء، والمرضى وعلاجهم، وإلى أكفان الموتى الذين لا مال لهم، وإلى نفقة اللقيط وعقل جنايته، وإلى نفقة من هو عاجز عن الكسب وليس له من تجب عليه نفقته، ونحو ذلك. وعلى الإمام صرف هذه الحقوق إلى مستحقيها والله أعلم.

(بدائع الصنائع ٢/٦٩،٦٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ رمحرم الحرام ۱۴۲۰ھ

زکوۃ ادا کرنے میں کتنی تاخیر کر سکتے ہیں؟

سوال :① سال رواں کی رقم جو زکوۃ کی ہے سال رواں ہی میں ختم ہونا چاہیے؟

② زکوۃ کی رقم کی تقسیم کے لیے جماعت ہی زکوۃ کمیٹی مقرر کرے، اور کچھ رقم بچائے تو جائز ہے؟

③ کیا زکوۃ کی رقم کسی اہم ضرورت کے لیے اس طرح کوئی مجبوری آجائے، تو

اس خیال کے لیے آئندہ سال کے لیے بچا سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① دوسرا سال پورا ہونے سے پہلے ادا کر دینی چاہیے، اس سے زیادہ تاخیر میں گناہ ہے۔

وقيل: فوري، أي واجب على الفور، وعليه الفتوىٰ كما في شرح الوهبانية، فيأثم بتأخيرها الفور بأول أوقات الإمكان، وقد يقال: المراد أن لا يؤخر إلى العام القابل؛لما في البدائع عن المنتقىٰ بالنون: إذا لم يؤد حتىٰ مضىٰ حولان فقد أساء وأثم فتأمل(شامي ۲/۱٤)

② آپ کا سوال سمجھ میں نہیں آیا، اگر بچانے سے مراد یہ ہے کہ دوسرا سال پورا ہونے کے باوجود کچھ رقم بچا کر رکھ لی اور مصارف کو نہیں دی، تو اس کا حکم جواب نمبر ایک میں آچکا ہے۔

③ اس کا جواب اوپر آچکا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ

زمین میں سے خزانہ نکل آئے تو کیا اُس کا استعمال جائز ہے؟

سوال: اگر کسی زمین سے مدفون خزانہ نکلے تو اُس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر یہ خزانہ کسی کی مملوک زمین سے درآمد ہوا ہے تو اُس کو دے دیا جاوے؛ ورنہ جس کو ملا ہے وہ اُس کو استعمال کر سکتا ہے بشرطیکہ اُس پر اہلِ اسلام کی علامت نہ ہو،

اگر اہلِ اسلام کی علامت ہے تو وہ لقطہ کے حکم میں ہے جس کا اعلان کر کے مالک تک یا اُس کے وُرثاء تک پہنچانا ضروری ہے۔ (درمختار، شامی ۲/ ۵۱، ۵۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سونے چاندی کی زکوٰۃ میں یومِ ادا کی قیمت معتبر ہے

سوال: سونا، چاندی اور زیورات کی زکوٰۃ نکالتے ہوئے کس قیمت کا حساب ہوگا، موجودہ قیمت کا یا جس قیمت سے خریدا ہے اُس کا؟ اور کیا زیورات کی صنعت وبناوٹ کی رقم کا حساب زکوٰۃ نکالنے میں شمار کریں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اُس کی زکوٰۃ ادا کرنے کے دن جو قیمت ہو اُس کا اعتبار کیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۷/ ذی قعدہ ۱۴۲۴ھ

سونے اور چاندی کی زکوٰۃ کس ریٹ پر دی جائے؟

سوال: سونے کا ریٹ (بھاؤ) ڈلی کا اَور ہے اور بنے ہوئے زیور کا الگ ہے، کس نرخ (ریٹ) پر زکوٰۃ دی جائے؟ کیوں کہ بازار والوں کا دینے کا نرخ اَور ہے اور لینے کا الگ ہے، اگر فقراء کو سونا زکوٰۃ میں دیا جائے تو اُن کا نقصان ہوتا ہے؛ کیوں کہ بازار والے اُن سے کم قیمت سے خریدتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو نرخ (ریٹ) بازار میں ایسے سونے کا ہے یعنی جس قیمت کو دکان دار فروخت

کرتے ہیں وہ قیمت لگا کر زکوٰۃ دے، اگر سونا ہی زکوٰۃ میں دینا ہو تو موجودہ سونے کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دے دے، یہ بھی درست ہے اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اگرچہ فقراء کسی قیمت پر فروخت کر دیں۔ (فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۱۲۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ادائیگیٔ زکوٰۃ کے لیے رپورٹ میں نام آنا ضروری نہیں

سوال: چندہ والے کو زکوٰۃ کی رقم دی، اور اُس سے رسید بھی وصول کی؛ مگر رپورٹ بک میں مزکّی کا نام نہیں آیا، تو کیا زکوٰۃ ادا ہوئی یا دوبارہ ادا کرنا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زکوٰۃ کی وہ رقم اگر اپنے مصرف میں خرچ کی گئی ہے تو زکوٰۃ ادا ہوگئی، رپورٹ میں نام آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مستحقِ زکوٰۃ کا مزکی کو زکوٰۃ کی رقم لوٹانے کا حکم

سوال: ایک مستحقِ زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی رقم دی گئی؛ مگر ایک مدت کے بعد مستحق نے ضرورت نہ ہونے کی بنا پر واپس کر دی، تو مزکی کے لیے لینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس کو زکوٰۃ کی رقم دی گئی اور اُس نے قبول کر لی، اور وہ اگر مستحق زکوٰۃ ہے تو اُس کے ہاتھ جاتے ہی زکوٰۃ ادا ہوگئی اور وہ مالک بن گیا، اب اگر وہ واپس کرتا ہے تو

مزکی اُس کو قبول نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شیئرز (حصص) پر زکوٰۃ کونسی قیمت پر ہے؟

سوال: ایک شخص نے تجارتی کمپنی کے حصص خریدے، جب کمپنی شروع ہوئی تھی اُس وقت ایک حصہ پانچ سو روپے کا تھا، اور جس وقت اُس نے حصے خریدے اُس وقت ایک حصہ کی قیمت ایک ہزار تھی، اور اِس وقت ایک حصہ کی قیمت پانچ سو روپے ہے، تو یہ شخص کس قدر زکوٰۃ دے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو قیمت اِس وقت ہے یعنی پانچ سو روپے کی ادا کرے۔ (فتاوی دار العلوم ۶/ ۱۴۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

صدقۂ فطر اور زکوٰۃ کی ادائیگی عید کے بعد

سوال: مَیں یہاں نیوزی لینڈ کی مسجد جس کا نام "مسجدِ عمر ماؤنت روسکل" ہے، اُس میں پندرہ سال سے ٹرسٹی ہوں، اور ٹرسٹ کے اندر خزانچی کی ذمہ داری ادا کر رہا ہوں، اور الحمد للہ ہمیشہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے فضل وکرم سے اُس کو حاضر ناظر رکھ کر خدمت انجام دے رہا ہوں، اب چند سوال یہ ہیں:

مسلم آبادی کے اعتبار سے سب سے بڑا ایریہ (Area) ماؤنت روسکل ہے،

اور کئی مسلم ممالک اور غیر مسلم ممالک کی آبادی یہاں پر ہے، اور ٹرسٹ زکوٰۃ اور فطرہ کی رقم جمع کر کے عالمی پیمانے پر مختلف مسلم برادری کے ذریعہ ہر رمضان میں تقسیم کرتا ہے، شرعی اعتبار سے اِس میں کوئی تفصیل ہو تو مطلع فرمائیں؛ کیوں کہ صدقۃ الفطر نماز عید کے بعد مستحقین تک پہنچتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

''عمدۃ الفقہ'' میں ہے: لوگوں کے لیے مستحب یہ ہے کہ عید الفطر کے روز طلوع فجر کے بعد عیدگاہ کو جانے سے پہلے صدقۂ فطر ادا کریں، اور یہ اِس لیے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل ہو جائے، اور آپ کے فعل کی پیروی ہو، اور اِس قول وفعل کو ''حاکم'' وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ تشریف لے جانے سے پہلے صدقۂ فطر نکالتے تھے، اور ہمیں حکم فرماتے تھے کہ ہم نمازِ عید سے پہلے صدقۂ فطر نکالیں، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مصلیٰ (عیدگاہ) کی طرف تشریف لے جانے سے پہلے اِس کو تقسیم فرماتے تھے، اور ارشاد فرماتے تھے کہ: غرباء کو اِس روز در بدر پھرنے سے بے نیاز کر دو، اور صحیحین میں بھی اِس کی اصل موجود ہے، اور یہ غنی کر دینے کا حکم استحباب کے لیے ہے یعنی اَولیٰ ہے۔ (عمدۃ الفقہ ۳/ ۱۶۷، ۱۶۸)

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ بہتر یہ ہے کہ صدقۂ فطر کی رقم عیدگاہ جانے سے پہلے فقراء کے ہاتھوں میں پہنچا دی جائے؛ لیکن اگر ایسا نہ ہوا؛ بلکہ عید کے بعد وہ رقم مستحقین تک پہنچی تو بھی صدقۂ فطر ادا ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

صدقات واجبہ قبل از تقسیم ہلاک ہوجائے تو ضمان آئے گا؟

سوال: کبھی کسی مجبوری کی وجہ سے زکوۃ کی رقم کو محفوظ مقامات تک نہ پہنچایا جائے، مثلاً: اتوار ہے، بینک بند ہے، اور وہ رقم گھر میں محفوظ جگہ پر ہے، اُس میں اگر چوری ہوجائے تو کیا حکم ہے؟ بڑے افسوس کے ساتھ مَیں آپ کو بتاؤں کہ پندرہ سال میں پہلی مرتبہ ایسا ہوا، کہ زکوۃ اور فطرہ اور للہ رقم تقریباً ۱۲ یا ۱۴ ہزار ڈالر تھے، اتفاقاً عید اتوار کو تھی اور مَیں اُس کو بینک میں جمع نہیں کرسکا، اور گھر سے ہم لوگ غائب تھے، میری ساس کے مکان پر ملاقات کے لیے گئے ہوئے تھے، اِتنے وقفہ میں (۴۵ منٹ کے وقفہ) چور آئے اور دروازہ توڑ کر اُس روز کا ڈونیشن (زکوۃ، فطرہ، للہ) لے گئے، تو جن لوگوں نے زکوۃ دی تھی اُن کا فریضہ ساقط ہوا یا نہیں؟ جن لوگوں نے فطرہ دیا اُن کو فطرہ کا ثواب ملا یا نہیں؟ اُن کا ذمہ ساقط ہوا یا نہیں؟ یا اگر ہم ٹرسٹ مل کر اندازاً اِتنی رقم نکال دیں تو ذمہ ساقط ہوجائے گا؟ یاد رہے کہ ابھی تک مَیں اُس کو گِن نہیں پایا تھا، عید کی نماز کے بعد ۱۱ر بجے کے قریب مَیں گھر پہنچا، اور یہ واردات پونے ایک سے ڈیڑھ بجے تک میں ہوئی، کیا مجھ پر اِس کی کسی طرح کی ذمہ داری ہے؟ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ آپ اِس کا شرعی حل فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ ٹرسٹی حضرات لوگوں کے پاس سے جو رقم زکوۃ، صدقۃ الفطر اور للہ کے نام سے وصول کر کے اُن رقوم کو حسبِ صواب دید مختلف مصارف پر خرچ کرتے ہیں، اور یہ سلسلہ سالہا سال سے اِسی طرح جاری ہے، عید الفطر کے موقعہ پر لوگ آپ ٹرسٹیان

کو اِس نوع کی رقمیں سپرد کرتے ہیں، آپ ٹرسٹیان کی حیثیت اُن رقوم میں وکیل کی ہے، گویا آپ حضرات مالکانِ اموال کی طرف سے اُن کی زکوٰۃ یا صدقۂ فطر یا عطیات کی رقوم کو اُن کے مصارف تک پہنچانے کا کام کرتے ہیں، آدمی کسی کام کے لیے وکیل بنایا جائے اُس کی انجام دَہی کے لیے جو مال اُس کے حوالہ کیا جاتا ہے وہ مال وکیل کے قبضہ میں امانت کی حیثیت رکھتا ہے، اور شرعاً امانت کا حکم یہ ہے کہ: وکیل نے یا جس کے پاس امانت ہے اُس نے اُس کی حفاظت میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی؛ بلکہ عام طور پر جس طرح اُس کی حفاظت کی جاتی ہے اور آدمی اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے، اِسی طرح اُس نے اُس کی حفاظت کی، اِس درمیان وہ مال ضائع ہوگیا، مثلاً: چوری ہوگیا یا آگ لگنے کی وجہ سے جل گیا، تو وہ شخص اُس مال کا ضامن نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں عید کی نماز کے وقت زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور للہ کے نام سے جو رقمیں آپ حضرات نے لوگوں سے وصول کیں، اُن میں آپ کی حیثیت وکیل ہونے کی وجہ سے امانت دار کی ہے، اب اُس روز اتوار ہونے کی وجہ سے آپ وہ رقم بینک میں جمع نہ کرا سکے، اور جب تک بینک کھلے وہاں تک کے لیے اپنے گھر میں حفاظت سے رکھا جس طرح اپنے مال کو رکھا جاتا ہے، اور تھوڑے سے وقت کے لیے اپنے سسرال میں ملاقات کے لیے گئے، اِس درمیان چوروں نے آکر اُن رقوم پر ہاتھ صاف کرلیا، تو اِس میں آپ پر کوئی ضمان نہیں، اور آپ گنہ گار بھی نہیں؛ البتہ زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر کی وہ رقمیں مستحقین تک نہیں پہنچیں؛ اِس لیے دینے والوں کی زکوٰۃ اور صدقۂ فطر ادا نہیں ہوا، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی آدمی زکوٰۃ کا حساب کرکے زکوٰۃ کی واجب شدہ مقدار الگ کرکے اپنے گھر میں رکھے اور چوری ہوجائے، یا جیب میں لے کر مستحقین

کو دینے کے لیے جارہا تھا اور جیب کٹ جائے؛ بہر حال زکوٰۃ اور صدقۂ فطر ادا نہ ہونے کی وجہ سے اُن لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنی زکوٰۃ اور صدقۂ فطر دوبارہ نکال کر مستحقین تک پہنچائیں، آپ اِس کا اعلان کردیں اور اوپر جو مسئلہ بتلایا گیا اُس سے لوگوں کو واقف کردیں، آپ کی ذمہ داری پوری ہوجائے گی، اِس کے بعد بھی خدانہ کرے کوئی شخص آپ پر خیانت کا الزام عائد کرے تو صبر اور تحمل سے کام لیں، اُلجھنے کی ضرورت نہیں۔

الأمانة غير مضمونة، يعني على تقدير هلاكها أو ضياعها بدون صنع الأمين وتقصيره، ولا يلزم الضمان يعني إذا هلكت الأمانة أو فقدت أو طرأ نقصان على قيمتها في يد الأمين بدون صنعه وتعديه وتقصيره في الحفظ لا يلزم الضمان على الأمين المذكور، سواء أهلكت بسبب ممكن التحرز منه كالسرقة، أم بسبب غير ممكن التحرز منه كالحريق الغالب، وسواء أهلك مال الأمين مع الأمانة المذكورة أم لم يهلك، وسواء أشرط الضمان أم لم يشرط راجع شرح المادة ٨٣.

(درر الحكام شرح مجلة الاحكام ٢/ ٢٠٢)

الوكالة المال الذي قبضه الوكيل والرسول من جهة الوكالة ومن جهة الرسالة أمانة في يدهما راجع المادة (١٤٦٣) (أيضا ٤/ ٢٠٣)

(المال الذى قبضه الوكيل بالبيع والشراء وإيفاء الدين واستيفائه وقبض العين من جهة الوكالة في حكم الوديعة في يده، فإذا تلف بلا تعد ولا تقصير لا يلزم الضمان، والمال الذي في يد الرسول من جهة الرسالة أيضا في حكم الوديعة) (ايضا ٣/ ٥٨٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۴/ شوال المکرم ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

زکوۃ کی رقم ضائع ہونے پر ضمان نہیں

سوال: ہمارے شہر میں غریب فنڈ کے نام سے ایک سوسائٹی ہے، اِس میں لوگ اپنی زکوۃ کی رقم جمع کرواتے ہیں، پھر ذمہ دارانِ فنڈ بتدریج غرباء اور مستحقین پر صَرف کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ زکوۃ کا روپیہ فنڈ میں داخل کرتے ہی زکوۃ ادا ہوجائے گی یا غرباء اور مستحقین پر تقسیم کرنے کے بعد ادا ہوگی؟ اگر ثانی صورت ہے تو قبل التقسیم خدانخواستہ کسی آفت یا چوری وغیرہ سے نقصان ہوگیا تو زکوۃ نکالنے والے کے ذمہ سے زکوۃ ساقط ہوگی یا ذمہ دارانِ فنڈ پر ضمان آئے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فقراء ومساکین میں تقسیم ہونے کے بعد ہی زکوۃ ادا ہوگی؛ اِس لیے چوری ہوجانے یا آفت کا شکار ہوجانے کی صورت میں معطین کی زکوۃ ادا نہیں ہوئی، اگر سوسائٹی کے ذمہ داران نے حفاظت میں غفلت نہیں برتی تو اُن پر ضمان بھی نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۸۹، فتاویٰ محمودیہ ۳/ ۴۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سوال: ذمہ دارانِ فنڈ کسی دوسرے معتمد شخص کو تقسیمِ زکوۃ کے لیے وکیل بنائیں، اور یہ وکیل اپنی ذمہ داری پوری کوشش اور حفاظت کے ساتھ پوری کررہا ہے، اِس کے باوجود خدانخواستہ کسی آفت یا چوری وغیرہ سے رقم ضائع ہوجائے تو اِس پر ضمان آئے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں وہ ضامن نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

زکوۃ کی رقم چوری ہوگئی تو زکوۃ ادا نہ ہوگی

سوال: زکوۃ کی رقم کسی نے نکال کر رکھی اس میں سے کچھ کی ادائیگی کی اور کچھ باقی رہ گئی اور وہ بقیہ رقم چوری ہوگئی، تو ایسی صورت میں زکوۃ ادا ہوگی کہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جتنی رقم چوری ہوگئی اتنی زکوۃ ادا نہیں ہوئی، اتنی مقدار دوبارہ نکال کر مصرف میں خرچ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

اپنا قرض وصول کرنے کی شرط کے ساتھ زکوۃ دینا

سوال: میں ایک آدمی کا مقروض ہوں، ایک بڑی رقم اُس کی مجھ پر بطورِ قرض واجب الادا ہے، قرض خواہ مجھے یہ کہہ رہے ہیں کہ: مَیں تجھے اپنی زکوۃ کی رقم اِس شرط پر دینے کے لیے تیار ہوں کہ تم اِس رقم سے میرا قرض ادا کردو، اِس وقت میری حیثیت اُس کا قرض ادا کرنے کی بالکل نہیں ہے، میرے پاس کوئی رقم یا جائداد قرض کی ادائیگی کے لیے نہیں، تو سوال یہ ہے کہ: مَیں اپنے اُس قرض خواہ کے پاس سے زکوۃ اِس شرط پر لے سکتا ہوں کہ بعد میں وہ رقم اُنہیں کو اُن کے قرض کی ادائیگی میں لوٹا دوں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرض خواہ کے لیے اِس طرح کی شرط لگانا مناسب نہیں، اِس کو اِس طرح کی شرط لگائے بغیر بھی شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ، اپنی زکوۃ کی رقم بنیتِ ادائے زکوۃ آپ کو دے کر آپ سے جبراً وصول کرلے، پھر بھی اگر ایسی شرط کر کے زکوۃ کی رقم آپ کو دی اور اِس سے آپ نے اُس کا قرض ادا کیا، تو یہ بھی درست ہے، اِس طرح اُس کی زکوۃ ادا ہوجائے گی اور آپ کا قرضہ بھی ساقط ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

وکیل کا صدقہ کی رقم کو اپنے استعمال میں لے آنا

سوال: اگر کسی صاحب نے یا گاؤں کے ذمہ داروں نے کچھ رقم جو للہ تھی امام صاحب کو دی، اور وکیل بنایا کہ جہاں ضرورت ہو آپ اِس رقم کو چندہ میں دیتے رہیں، اب امام صاحب خود مقروض ہیں، اور کوئی ذرائعِ آمدنی نہیں ہے، تو کیا وہ للہ رقم کو اپنی ضروریات میں لاسکتے ہیں؟ اور اگر امام صاحب گاؤں والوں کے سامنے ظاہر بھی کریں تو یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر امام صاحب کو صرف اِتنا کہا گیا ہے کہ: آپ یہ رقم مواقعِ ضرورت میں صَرف فرمائیں یا اُس کو اختیار دیا ہے، تو اِس صورت میں اپنے اوپر خرچ کرسکتا ہے؛ لیکن اگر چندہ میں دینے کا لفظ کہا گیا ہے تو اِس صورت میں اپنے اوپر خرچ نہیں کرسکتا؛ اِس

لیے کہ ہمارے عرف میں چندہ میں دینے کا مطلب اپنے اوپر خرچ کرنا نہیں ہے۔

وللوکیل بدفع الزکوۃ أن یدفعھا إلی ولد نفسہ کبیرا کان أوصغیرا وإلی امرأتہ الخ (البحرالرائق ۲/ ۲۴۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

زکوٰۃ وغیرہ کے وکیل کا رقم زکوٰۃ کو اپنے استعمال میں لانا

سوال: ایک صاحب نے ایک شخص کو کچھ رقم دے کر وکیل بنایا، جس میں زکوٰۃ وچرم قربانی کی رقم وصدقہ وللہ کی رقم تھی اور وہ وکیل صاحب خود ضرورت مند ہیں تو کیا وہ رقم اور کونسی رقم اپنی ضرورت میں استعمال کرسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو رقم زکوٰۃ وصدقات وغیرہ کی تقسیم کرنے کے لیے اس کو وکیل بنایا گیا ہے، اس کو وہ خود اپنی ضرورت میں استعمال نہیں کرسکتا، چاہے خود ضرورت مند کیوں نہ ہو۔

وللوکیل أن یدفع لولدہ الفقیر وزوجتہ لالنفسہ (درمختار ۳/ ۱۸۸ زکریا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حاجت مند کے لیے دی ہوئی رقم خود رکھنا

سوال: زید نے عمر سے کہا کہ یہ سو روپیہ کسی حاجت مند کو دینا، اب عمر خود حاجت مند ہے، تو وہ ان روپیوں کا استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نہیں۔

وللوکیل أن یدفع لولده الفقیر وزوجته لا لنفسه (درمختار۳/ ۱۸۸زکریا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سو روپے پر کتنی زکوۃ ہوگی؟

سوال: اِس دور کے سو روپے میں کتنے روپے بطورِ زکوۃ واجب ہوں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زکوۃ میں چالیسواں حصہ واجب ہوتا ہے؛ اِس لیے سو روپے پر ڈھائی روپیہ نکالے بشرطیکہ مقدارِ نصاب ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیوی کا شوہر کے مال میں سے زکوۃ یا قربانی دینا

سوال: کیا بیوی شوہر کی چوری سے زکوۃ اور قربانی دے سکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیوی اگر اپنے مال میں سے زکوۃ ادا کر رہی ہے یا قربانی دے رہی ہے تو اِس میں شوہر کی اجازت لینے کی ضرورت نہیں، اِس کا یہ تصرف اپنے مال میں ہونے کی وجہ سے شوہر کی اجازت پر موقوف نہیں؛ البتہ اُس کو بتلا دینا مناسب ہے؛ تاکہ غلط فہمی کا باعث نہ ہو۔ اور اگر شوہر کے مال میں سے دے رہی ہے تو ایسا کرنا جائز نہیں، پھر بھی اُس کی قربانی اور زکوۃ ادا ہو جائے گی، اور شوہر کی اِتنی رقم کا تاوان عورت پر

باقی رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

صدقہ کو ہدیہ کے نام سے دیا جاسکتا ہے

سوال: صدقہ دیتے وقت سامنے والے کو یہ کہنا لازمی ہے کہ: یہ صدقہ کی رقم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ صدقہ کا مصرف ہے تو اُس کو صدقہ دیتے وقت یہ کہنا ضروری نہیں ہے کہ: یہ رقم صدقہ کی ہے؛ بلکہ مصرف ہونے کے باوجود اگر وہ لینے میں شرم محسوس کرتا ہو تو ہدیہ کے نام سے بھی دیا جاسکتا ہے، اپنے دل میں نیت صدقہ کی کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فروخت نہ ہونے والی چیز زکوۃ میں دینا کیسا ہے؟

سوال: ایک دکان دار سے ایک چیز نہیں بکتی، کیا وہ چیز زکوۃ میں دی جاسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

رَدِّی، خراب چیز زکوۃ میں دینا اخلاص کے خلاف ہے، تاہم اِس چیز کی جتنی مالیت بازار میں ہو اُس کے دینے سے اُتنی زکوۃ ادا ہوجائے گی۔ (آپ کے مسائل اور اُن کا حل ۳/ ۳۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی نے اپنی بہن کو کچھ رقم دی تو اس کی زکوٰۃ کس پر واجب ہے؟

سوال: ہندہ نے پچیس ہزار کی رقم اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے شوہر کی رقم میں سے- جو اس کو خرچ کے لیے دی جاتی تھی- لے جا کر اپنی چھوٹی بہن کو مکان خریدنے کے لیے دی، اب سوال یہ ہے کہ ہندہ کو ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے شوہر کی اجازت کے بغیر اس نے ایسا قدم اٹھایا تو عنداللہ گنہگار ہوگی یا نہیں؟ اس رقم کی زکوٰۃ ہندہ پر عائد ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

گھریلو مصارف کے لیے جو رقم شوہر بیوی کو دیتا ہے، اس میں سے بغیر اجازت شوہر کسی کو دینا چاہے تو نہیں دے سکتی، اجازت کبھی تو صریح ہوتی ہے اور کبھی عرف کی وجہ سے حکماً ہوتی ہے، مثلاً: اس رقم میں سے کسی بھکاری کو کچھ دے دینا وغیرہ، صورتِ مسئولہ میں جو رقم ہندہ نے بچائی ہے، وہ شوہر کی ملک ہے، اس لیے جائز نہیں تھا کہ وہ رقم اپنی بہن کو دیتی، اب جب کہ وہ دے چکی ہے، وہ اس کی ضامن ہے، شوہر اس سے واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہے؛ نیز اس رقم کی زکوٰۃ ہندہ پر نہیں؛ بلکہ شوہر پر واجب ہے، اس لیے کہ اس کا مالک شوہر ہے، اور اگر وہ رقم شوہر نے ہندہ کو اس کے ذاتی مصارف کے لیے دی تھی، تو اس کی مالک ہندہ ہے، اگر اس نے اس میں سے کچھ بچا کر اپنی بہن کو دیا تو درست ہے؛ البتہ اس کے لیے مناسب تھا کہ اس سلسلہ

میں شوہر سے مشورہ کرتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

قرض دی ہوئی رقم میں زکوۃ کی نیت کرنا کیسا ہے؟

سوال: کوئی غریب شخص قرض لی ہوئی رقم کو آج تک واپس نہیں کر سکا اور نہ ہی امید ہے، اب کیا ہم اُس قرض دی ہوئی رقم کو زکوۃ کی نیت کر کے چھوڑ دیں تو زکوۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو صورت آپ نے لکھی ہے اُس سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی؛ کیوں کہ زکوۃ ادا کرتے وقت نیت کرنا شرط ہے۔ (آپ کے مسائل اور اُن کا حل ۳/ ۳۸۳)

نوٹ: اپنی قرض میں دی ہوئی رقم وُصول کرنے میں یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ مقروض کو زکوۃ کی رقم دے کر مالک بنا دیں، پھر جب وہ مالک ہو جائے اپنا قرض وُصول کر لیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مقروض نے زکوۃ کی رقم واپس کر دی تو کیا کرے؟

سوال: ایک ضرورت مند نے ایک دوست سے قرض لیا، دینے والے نے زکوۃ کی نیت سے قرض دیا وہ حقیقت میں زکوۃ کا مستحق تھا۔ کچھ مدت کے بعد مقروض نے وہ رقم واپس کی، قرض دینے والے نے کہا میں نے تو ہدیہ دیا تھا، مقروض نے لینے سے

انکار کیا کہ مجھے ہدیہ کی ضرورت نہیں ہے اور وہ رقم چھوڑ کر چلا گیا اب اس رقم کا کیا کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مقروض کو بتلا دیا جائے کہ جس وقت یہ رقم دی گئی تھی اس وقت ہدیہ دیا گیا تھا۔ اور اس پر آپ کا قبضہ ہو چکا ہے۔ آپ اس کے مالک بن چکے اور آپ نے وہ رقم اپنی ضرورت میں استعمال کر لی اب یہ رقم جو آپ دے رہے ہیں، بعینہ وہ رقم نہیں ہے بلکہ دوسری ہے ہمارے لیے اس کا لینا جائز نہیں ہے۔ یہ رقم آپ کی ملک ہے آپ اسے واپس لے لیجئے اور اگر آپ ہمیں دینا ہی چاہتے ہیں تو واپسی کی نیت سے نہیں (اس لیے کہ اصل رقم خرچ ہو جانے کی وجہ سے واپسی شرعاً ممکن نہیں رہی) بلکہ ہدیہ کے طور پر دیں۔ اگر وہ اپنی طرف سے ہدیہ کے طور پر دیتے ہیں تو آپ کے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کل رقم کے چالیسویں حصہ کی زکوۃ

سوال: تنخواہ کے جو پیسے کھاتہ میں جمع رہتے ہیں یا اور دوسری کمائی کے پیسوں کی زکوۃ بھی ہم رمضان میں ادا کرتے ہیں، تو کتنی زکوۃ ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے اپنی زکوۃ کے سال کو پورا کرنے کے لیے اگر رمضان کی پہلی تاریخ مقرر کر لی ہے تو اس صورت میں رمضان کی پہلی تاریخ کو آپ کی تنخواہ کی جو رقم اور اس

کے علاوہ دوسری کمائی کی بھی جو رقمیں آپ کے کھاتہ میں جمع ہیں، اور ساتھ ہی آپ کے ہاتھ میں جو نقد رقم موجود ہو ان سب کو ملا کر اس مجموعہ کا چالیسواں حصہ زکوۃ کے طور پر نکالنا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

شرائط کے ساتھ زکوۃ دینا

سوال: ①شرائط کے ساتھ زکوۃ دینا کیسا ہے؟ مثلاً مستحق کو یہ کہہ کر زکوۃ کی رقم دینا کہ اگر آپ نے زکوۃ کی رقم کسی اَور سے لی اور کمیٹی کو معلوم ہو گیا کہ آپ اَور جگہ سے بھی زکوۃ کی رقم لیتے ہیں، جب کہ کمیٹی آپ کا پورا جائز خرچ دیتی ہے، تو ہم آپ کو زکوۃ کی رقم دینا بند کر دیں گے۔

②زکوۃ یا للہ رقم جس مستحق کو بھی دیوے اور اس سے یہ تحریر کروالیں، کہ مجھ کو زکوۃ کی رقم مل گئی ہے، تو ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①ان کو ہدایت کی جاسکتی ہے، شرط نہیں لگائی جاسکتی؛ البتہ معلوم ہونے پر بند بھی کی جاسکتی ہے۔

② کمیٹی اپنا نظم اور حساب ٹھیک رکھنے کے لیے وصولی کی رسید لکھوا سکتی ہے، مناسب یہ ہے کہ اس میں رقم کا ذکر مطلق کیا جائے زکوۃ کی صراحت نہ کی جائے؛

تا کہ لینے والا خفّت محسوس نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸ رشوال المکرم ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

زکوۃ کی رقم سے تعلیمی مشکل کا حل

سوال: ماں باپ شرعاً زکوۃ کے مستحق نہیں ہے؛ لیکن آج کے دور کے حساب سے دنیوی تعلیم کے لیے خرچ بھاری ہوتا ہے، جس کو ماں باپ برداشت نہیں کر سکتے، تو ان طلبا پر زکوۃ کی رقم بالغ اور نابالغ دونوں قسم پر صرف کرنا کیسا ہے؟ اگر نہیں کر سکتے ہیں تو کوئی اچھی صورت بتائیں کہ ان پر استعمال کر سکیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بالغ اولاد پر تو خرچ کی جاسکتی ہے؛ لیکن نابالغ کا باپ اگر صاحب نصاب ہے تو اس پر صرف کرنا درست نہیں ہے۔ باپ قرض لے کر خرچ کرے اس کے بعد اس کا قرضہ زکوۃ سے ادا کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸ رشوال المکرم ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

زکوۃ کی رقم بہ طور قرض للہ مد میں دینا

سوال: اگر ہمارے پاس (بیت المال میں) زکوۃ کی رقم زیادہ ہے اور للہ رقم نہیں ہے، اور مصرف ہمارے سامنے للہ کا آ گیا، یا ہمارے پاس للہ رقم ہے اور مصرف

زکوۃ کا آ گیا، تو کیا للہ رقم زکوۃ کے مستحق کو اور زکوۃ کی رقم للہ کے مستحق کو عارضی طور پر ایک دوسرے مصرف میں استعمال کرنا اور رقم آنے پر اس مد میں رکھ لینا کیسا ہے؟ اگر جائز نہیں تو شریعت نے کوئی جائز حیلہ بتایا ہو تو مطلع فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

للہ کی جو رقم ہے وہ مصرفِ زکوۃ کو دی جاسکتی ہے؛ اس لیے کہ جب وہ زکوۃ کا مصرف ہے تو للہ کا مصرف کیوں نہیں!؛ البتہ اس کے برعکس صورت ہو تو زکوۃ کی رقم بہ طورِ قرض للہ مد میں رقم دینے والوں کی اجازت سے استعمال کی جاسکتی ہے، بعد میں جب للہ رقم آئے تو اتنی رقم مدِ زکوۃ میں رکھ دی جائے۔

قال الشرنبلالي في رسالته: ذكروا أنه يجب عليه أن يجعل لكل نوع منها بيتا يخصه، ولا يخلط بعضه ببعض، وأنه إذا احتاج إلى مصرف خزاذ وليس فيها ما يفي به يستقرض من خزانة غيرها، ثم إذا حصل للتي استقرض لها مال يرد إلى المستقرض منها؛ إلا أن يكون المصروف من الصدقات أو خمس الغنائم على أهل الخراج وهم فقراء؛ فإنه لا يرد شيئا لاستحقاقهم الصدقات بالفقر إلخ (شامي ٦٣٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مستحق کے اکاؤنٹ میں جمع کرنے سے زکوۃ کی ادائیگی

سوال: ایک شخص سالانہ زکوۃ نکالتا ہے، اور اپنے چند قریبی رشتے دار جن کو دینا روا ہے چوں کہ ان کے حالات از روئے معاشرت درست نہ ہونے کی بناء پر یہ زکوۃ

ان لوگوں کے نام بینک یا پوسٹ کھاتہ نکال کر ان کی دستخط سے انھیں کے نام سالانہ بمقدار معینہ جمع کرتا ہے، یہ آفس کی ملکیت ہے، ان کی بغیر اجازت اور بغیر دستخط کے نکالی نہیں جاسکتی، یہ عمل اس لیے کرتا ہے کہ وہ وقت ضرورت پر اس کا صحیح استعمال کرسکیں؛ تاکہ وقت ضرورت پر ان کو قرضہ وغیرہ لینا نہ پڑے، کیا اس طرح زکوۃ کی رقم ان کے ناموں پر جمع کرنے اور ان کی ملکیت میں داخل کرنے سے ادا ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک یا پوسٹ میں اکاؤنٹ مستحق زکوۃ کے کہنے سے کھلوایا ہے، اور اس کی طرف سے اس میں رقم جمع کرائی ہے کہ اب اس کے دستخط اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی دوسرا وہ رقم نہیں نکال سکتا، تب تو تملیک پائی جانے کی وجہ سے مزکی کی زکوۃ ادا ہوجائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

نظام زکوۃ کے لیے بیت المال قائم کرنا

سوال: ہم کچھ افراد نے مل کر ایک کمیٹی بنائی ہے، جس کا نام "توکل بیت المال ٹرسٹ" ہے، اس میں ہم اراکین اور دیگر افراد جو اپنی رضامندی سے زکوۃ کی رقم جمع کرتے ہیں، تو کیا اس طور پر اجتماعی طریقہ سے زکوۃ کا نظام بنا کر مستحقین کو پہنچانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زکوۃ وغیرہ کا ایسا انتظام کرنا کہ تمام وہ حضرات جن پر زکوۃ فرض ہے وہ اپنی زکوۃ

یکجا جمع کریں، اور اس کو صحیح مصارف پر خرچ کیا جائے، بہت مناسب اور پسندیدہ ہے؛ مگر اس میں جبر کی صورت اختیار نہ کی جائے کہ ہر شخص اپنی زکوۃ لازمی طور پر بیت المال ہی کو دے، اور بیت المال کے لوگ اس پر جا کر مسلط ہو جائیں؛ کیوں کہ یہ بیت المال، شرعی بیت المال نہیں ہے؛ بلکہ نام کا بیت المال ہے۔ (ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۱۳/ ۹۵، ۹۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱ رشوال المکرم ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ہدیہ کے نام سے صدقہ دینا

سوال: صدقہ دیتے وقت سامنے والے کو یہ کہنا لازمی ہے کہ یہ صدقہ کی رقم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر صدقہ کا مصرف ہے تو اس کو صدقہ دیتے وقت یہ کہنا ضروری نہیں کہ یہ رقم صدقہ کی ہے؛ بلکہ مصرف ہونے کے باوجود اگر وہ لینے میں شرم محسوس کرتا ہو تو ہدیہ کے نام سے بھی دیا جا سکتا ہے، اپنے دل میں صدقہ کی نیت کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۱۵/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

كتاب الصوم

باب رؤیۃ الہلال

ثبوتِ ہلال میں گذشتہ ماہ کا اعتبار

سوال: ذی الحجہ کے ۲۹/ چاند کی کہیں سے بھی اطلاع نہیں تھی؛ لیکن ذیقعدہ کے ۲۹/ چاند کی اطلاع موصول ہوگئی، تو اِس حساب سے ذیقعدہ کے ۳۰/ دن منگل کو پورے ہوجاتے تھے، جس کی بناپر چندجگہ عیدالاضحیٰ بدھ ۵/ اگست ۱۹۸۷ء کو منائی گئی، تو کیا ثبوتِ ہلال میں گذشتہ مہینہ کا اعتبار کیا جائے گا؟ برائے کرم اِس مسئلہ کو ضرور واضح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر شوال کی رویتِ ہلال بطریقِ موجب حاصل ہوئی اور اُس کے حساب سے ذوالقعدہ کے تیس دن پورے کیے ہیں تو عید کرسکتے ہیں۔

فیلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب كما مر (درمختار على هامش الشامي ۲ /۱۰۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ثبوتِ ہلال میں شہادت کا محل ہونا ضروری ہے

سوال: سعودی عربیہ میں قرانِ شمس وقمر سے پہلے اور قرانِ شمس وقمر کے وقت یا قرانِ شمس وقمر کے چند گھنٹوں ہی کے بعد رویتِ ہلال کا فیصلہ کیا جاتا ہے، آیا اُسے معتبر

مانا جائے گا یا نہیں؟ وہاں کے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ ہم آبزرویٹی رصد گاہوں کا کوئی اعتبار نہیں کرتے ہیں، ہم صرف رویتِ ہلال کا اعتبار کرتے ہیں، تو اب شریعتِ اسلامیہ کا اِس بارے میں کیا حکم ہے؟ آیا چاند کی رویت کو بھی آبروزیٹی کی کسوٹی پر پرکھا جانا ضروری ہے یا صرف دین دار مسلمانوں کی رویت کا اعتبار کر کے اُسے قبول کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ سعودیہ کے علمائے کرام قبول فرماتے ہیں؟ حالاں کہ وہ رویت قرانِ شمس وقمر سے قبل یا متصل یا چند ہی گھنٹے بعد ہو۔

اِس بارے میں آپ ہماری رہنمائی فرمائیں، ہم انگلینڈ میں- جہاں کبھی بھی چاند نظر نہیں آتا ہے- مجبورِ محض ہیں، ملک میں سعودیہ کے چاند پر فیصلہ کرنا چاہتے تھے؛ مگر ایک عالمِ دین نے یہ بات کہہ کر کہ: سعودیہ میں قرانِ شمس وقمر سے پہلے یا متصل یا چند ہی گھنٹوں کے بعد رویتِ ہلال کا فیصلہ ہوتا ہے جو غلط ہے، ہمارے فیصلہ کو ٹھکرا دیا؛ اِس لیے آں جناب کی طرف رجوع ہو کر دریافت کرتے ہیں، اِس سے قبل آں جناب کی خدمت میں سعودیہ کے علمائے کرام کے فیصلوں کی نوعیت کا رسالہ ارسال کیا جاچکا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چاند کا نکلنا سب مقامات پر بیک وقت نہیں ہے؛ بلکہ اِس میں قدرت کا پیدا کیا ہوا اختلاف ہے، کہیں ایک دن پہلے طلوع ہوتا ہے، کہیں دو دن پہلے، اگر شرعی اصول کے مطابق ایک ملک میں چاند کی رویت ثابت ہو جائے اور دو عادل شاہد بذریعۂ ہوائی جہاز ایسے ملک میں آکر شہادت دیں جہاں اُس روز اٹھائیس تاریخ ہو تو

شاہدوں کے عادل وثقہ ہونے کے باوجود اُن کی شہادت قابلِ سماعت نہیں ہوگی، شہادت کے لیے محل ہونا ضروری ہے، اُس کا محل یوم الشک ہے یعنی ۲۹ رتاریخ، اور ۲۸ تاریخ کو تو شہادت لی بھی نہیں جائے گی، نہ شاہد کاذب قرار دیا جائے گا، اگر چار آدمی عادل معتبر کسی شخص کے متعلق گواہی دیں کہ: ہم نے اِس کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے؛ لیکن تفتیش سے معلوم ہوا کہ وہ شخص مجبوب ہے یعنی اُس کے پاس آلہ ہی موجود نہیں؛ بلکہ مقطوع ہے، تو اِن شاہدوں کی وجہ سے اُس شخص کو سنگسار نہیں کیا جائے گا، نہ شاہدوں کے حدِ قذف جاری ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳/۱۳۹، ۱۴۰)

صورتِ مسئولہ میں حکومتِ سعودیہ کا یہ فیصلہ ۲۹ تاریخ کو شہادتِ رویت کی بنیاد پر ہے تو محلِ شہادت موجود ہے؛ اِس لیے قابلِ قبول ہے؛ ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲ رجمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ

قبول شہادت کے لیے محلّ شہادت ہونا ضروری ہے

سوال: حضرات علماء قرآن اور مفتیان شرع متین سے رویت ہلال کے باب میں رہنمائی کی درخواست کی جاتی ہے؛ کیوں کہ جب سے مجھ پر رویتِ ہلالِ کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے روزہ اور عید وغیرہ کے چاند کے بارے میں فیصلہ کرنے کی ذمہ داری آن پڑی ہے تو میں نے یہ تہیہ کیا ہے کہ اس ذمہ داری کو شریعت کے مطابق پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا انشاء اللہ۔

① صوبۂ سرحد کے بعض علاقوں میں حکومتی کمیٹی کے فیصلوں پر عمل نہیں ہوتا؛

بلکہ انہوں نے آپس میں اپنی کمیٹیاں بنائی ہیں جن کے فیصلوں پر وہ عمل کرتے ہیں، ایسی کمیٹیوں کے وجود کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

② مذکورہ کمیٹیوں کے فیصلوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ صرف گواہوں کی عدالت پر فیصلہ کرتی ہیں اور اس میں ان کے بقول یہ دیکھنا بھی ضروری نہیں ہے کہ چاند درایتی قواعد کے مطابق نظر بھی آسکتا تھا یا نہیں؟ اور اس کی ولادت ہوئی بھی ہے یا نہیں؟ یعنی وہ افق پر موجود بھی ہے یا نہیں؟ اب ایسی بدیہی بات (جس پر سارے علمائے فلکیات متفق ہیں اور ان میں اس پر کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا؛ نیز اس ولادت قمر پر سورج گرہن بھی منحصر ہوتا ہے جو کہ لاکھوں کا مشاہدہ ہوتا ہے کہ بالکل اسی وقت ہوتا ہے جس پر ولادت قمر کا وقت بتایا جاتا ہے) کو بھی اگر وہ حضرات قابل اعتبار نہیں سمجھتے تو دوسرے درایتی قوانین جن کا درجہ اس قانون سے بھی کہیں کم تر کا ہے یہ حضرات کیا خیال رکھ سکتے ہیں؟ اس میں پوچھنے کی بات یہ ہے کہ کیا ہم ان کی اس مسئلہ میں تقلید کر سکتے ہیں کہ صرف گواہوں کی عدالت پر ہی فیصلہ کریں اور اس کو نہ دیکھیں کہ چاند درایتی قوانین کے مطابق نظر آسکتا ہے یا نہیں؟ اور وہ اس روز افق پر موجود بھی ہے یا نہیں؟ اس میں مشکل بات یہ ہے کہ اگر ولادت قمر سے پہلے چاند کے نظر آنے کا اعلان کیا جائے تو اگلے روز چاند کے واضح طور پر آنے کی امید نہیں ہوتی، جس سے یہ تفاصیل جاننے والے حضرات بہت پریشان ہوتے ہیں اور ان میں بعض شرع متین کی توہین کے مرتکب بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ اس دفعہ رمضان ۱۴۱۸ھ کو بھی پشاور میں ان حضرات کی غیر ملکی کمیٹیوں نے پیر کے دن چاند نظر آنے کا اعلان کیا؛ حالاں کہ اسی رات کو چاند ۹/ بج کر ۵۷/ منٹ پر پیدا ہونے والا تھا، اس لیے اگلے دن باوجود موسم صاف

ہونے کے جیسا کہ فلکیات کے ماہرین بتاتے تھے صوبۂ سرحد میں کہیں بھی چاند نظر نہیں آیا تھا؛ حالاں کہ ہر جگہ اس کے دیکھنے کی پوری کوشش کی گئی تھی اور جیسا کہ توقع تھی کہ چاند کی اطلاع کراچی اور بلوچستان سے آسکتی ہے، چناں چہ وہیں سے شہادتیں وصول ہوئیں اور ان ہی کی شہادتوں پر میں نے چاند نظر آنے کا اعلان کیا تھا۔

ان علماء کرام کا مطالبہ ہے کہ ہم بھی ان کی شہادتوں کو لے کر ان پر فیصلہ کریں جس کے لیے اس دفعہ انہوں نے پوری کوشش کی؛ لیکن ولادت قمر سے پہلے چاند کے نظر نہ آنے کا سو فیصد یقین ہونے اور پورے ملک میں چاند کے کہیں اور سے نظر نہ آنے کے باوجود اگر ہم ان کا یہ مطالبہ مان لیں تو کیا شریعت اس فیصلہ کو تسلیم کرے گی؟ اس ضمن میں یہ بھی ایک شکل ہے کہ چاند نظر آنے یا نظر نہ آنے کا فیصلہ قاضی کی شرحِ صدر پر ہوتا ہے ایسی بدیہی رکاوٹوں کے ساتھ قاضی کا شرحِ صدر کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟

(۳) ان کے برعکس دوسری طرف کچھ علماء کرام یہ فرماتے ہیں کہ بخاری شریف کی بعض احادیث کے بعض روات پر وہم کا حکم علامہ عینی نے اس لیے لگایا ہے کہ ان کی روایت قواعد ریاضیہ سے متصادم تھی۔ (مقالات کوثری ۴۰۶، ۴۰۷)

تو ایک ایسا آدمی جو چاند کے نظر آنے کی شہادت دیتا ہے چاہے وہ عادل ہی کیوں نہ ہو اس پر اس درایتی اصول کے مطابق جرح کیوں نہیں ہوسکتی؛ کیوں کہ چاند کے نظر آنے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی سہو ہوا تھا جن کی عدالت مسلمہ ہے، ان کا کہنا ہے کہ چاند کا فیصلہ تو ''صوموا لرؤیتہ'' کی حدیث شریف پر ہی کیا جائے؛ لیکن ایسی صورت میں کہ چاند کی پیدائش ہی نہ ہوئی ہو اور غروب شمس کے وقت وہ افق پر موجود ہی نہ ہو تو پھر آنے والی شہادتوں پر خوب جرح کر کے تحقیق کی جائے کہ کہیں ان

حضرات کو دیکھنے کا سہو تو نہیں ہوا، اس کے بعد فیصلہ قاضی اپنی شرحِ صدر پر کرے۔

اب میرا سوال یہ ہے کہ کیا صوبۂ سرحد کی غیر حکومتی کمیٹی کے علماء کرام کی بات کو اس طرح تسلیم کیا جائے اور درایتی مسلمہ قواعد کو ترک کر کے صرف عادل شواہد پر فیصلہ کیا جائے یا دوسرے علماء کرام کی بات لی جائے کہ مسلمہ درایتی قواعد کے مطابق جس دن غروب آفتاب سے پہلے چاند کی ولادت نہ ہوئی ہو یا چاند اس دن سورج غروب ہونے سے پہلے غروب ہو چکا ہو تو اس دن چاند نظر آنے کی جملہ شہادتوں کو قبول نہ کیا جائے، اس میں ہماری رہنمائی فرمائیں اور اپنی تحقیق اور حتمی رائے قرآن وحدیث کی روشنی میں عطا فرمائیں، یہ چوں کہ پورے ملک کا مسئلہ ہے، اس لیے درخواست ہے کہ اس پر ترجیحی طور پر توجہ فرما کر جلد جواب سے سرفراز فرمائیں۔

المستفتی: محمد عبداللہ خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① پاکستان کی مرکزی حکومت کو ولایتِ عامہ حاصل ہے؛ لہٰذا اگر مرکزی حکومت نے کسی معتبر ہلال کمیٹی کے علماء سے فیصلہ کروا کر نشر کیا تو یہ فیصلہ تمام پاکستان کے لیے موجبِ عمل ہوگا بشرطیکہ ریڈیو خاص ضابطہ کے تحت ہو۔

جواہر الفقہ میں ''رویت ہلال کے شرعی احکام'' نامی رسالہ میں چار اکابر علماء کی جو متفقہ تجویز شائع ہوئی ہے، اس میں مرکزی حکومت کی تشکیل کردہ مرکزی کمیٹی کے اعلان کو ''سب مسلمانوں کے لیے واجب القبول بتلایا گیا ہے''۔ (جواہر الفقہ ۱/۴۰۱)

اس لیے ان علاقہ جات کا حکومتی کمیٹی کے فیصلہ پر عمل نہ کرنا درست نہیں ہے۔

اگر حکومتِ مرکزی نے ہر ہر علاقہ میں اس علاقہ کے لیے ذیلی کمیٹی کی تشکیل کی اجازت دی اور اس اجازت کے ماتحت اس کے شرائط کے مطابق کمیٹی تشکیل دی گئی ہے تب تو درست ہے، ورنہ نہیں۔

(۲) قبول شہادت کے لیے محض عدالت کافی نہیں؛ بلکہ محل شہادت ہونا بھی ضروری ہے، رویت ہلال کی شہادت کا محل یوم الشک ہے یعنی ۲۹ / تاریخ۔ اور ۲۸ / تاریخ تو شہادت لی بھی نہیں جائے گی، نہ شاہد کاذب قرار دیا جائے گا، اگر چار آدمی عادل معتبر کسی شخص کے متعلق گواہی دیں کہ ہم نے اس کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے؛ لیکن تفتیش سے معلوم ہوا کہ وہ شخص مجبوب ہے یعنی اس کے پاس آلہ ہی موجود نہیں؛ بلکہ مقطوع ہے تو ان شاہدوں کی وجہ سے اس شخص کو سنگسار نہیں کیا جائے گا، نہ شاہدوں کے حد قذف جاری ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳ / ۱۴۰)

آپ کے پاس جب کوئی شہادت آئے تو اولاً آپ یہ دیکھئے کہ شاہدین جس دن کی رویت کی شہادت دے رہے ہیں وہ ۲۸ / تاریخ ہے یا ۲۹ / تاریخ، اگر وہ ۲۸ / تاریخ کی رویت کی شہادت دے رہے ہیں تو آپ محلِ شہادت نہ ہونے کی بنیاد پر ان شہادتوں کی سماعت ہی نہ فرمائیں، عموماً درایتی قواعد کے اعتبار سے ولادتِ قمر سے پہلے چاند دیکھنے والی شہادتیں اس معیار پر پوری نہیں اترتیں، آپ نے رمضان ۱۴۱۸ھ کے تعلق سے غیر حکومتی کمیٹی کے جس اعلان کا سوال میں ذکر کیا ہے وہاں بھی یہی صورت تھی کہ پیر کے دن ہندو پاک میں ۲۸ / تاریخ تھی، میری معلومات کے مطابق ہندو پاک میں کہیں بھی ۲۹ / تاریخ نہیں تھی؛ البتہ اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ محلِ شہادت موجود ہے یعنی ۲۹ / تاریخ ہے؛ لیکن درایتی قواعد کے مطابق ولادت قمر نہیں ہوئی

ہے یا ولادت تو ہو چکی ہے لیکن رویت کا امکان نہیں ہے، اس صورت میں کیا کیا جائے؟ اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ ۲۹/ تاریخ کی شام کو ایسا تو ہوتا نہیں ہے کہ ولادت قمر نہ ہوئی ہو؛ اس لیے کہ اصولی طور پر اگر ولادت نہیں ہوتی ہے تو ۳۰/ تاریخ کی شام کو بھی امکان رویت نہ ہوگا، اور اس کے بعد والا دن نئے ماہ کا قرار نہیں دیا جاسکے گا حالاں کہ تیس یوم پورے ہونے کی وجہ سے نیا ماہ شروع ہو چکا ہے، ہاں یہ ممکن ہے کہ ولادت قمر ہو چکنے کے باوجود رویت کا امکان حسبِ قواعد ہیئت نہیں ہے تو کتب فقہ خصوصاً علامہ شامی کی وہ بحث- جو انہوں نے اپنے رسالہ "تنبیہ الغافل والوسنان فی احکام ہلال رمضان" کی فصل ثالث میں کی ہے۔ (دیکھئے رسائل ابن عابدین ۱/ ۲۴۸، ۲۴۹)- دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قبولِ شہادت کی شروط معتبرہ عند الشرع کے ہوتے ہوئے اس کو قبول کیا جائے گا، محض عدم امکان نزدِ اہل ہیئت کی وجہ سے اس کو رد نہیں کریں گے، چناں چہ اس مسئلہ میں شوافع کا مسلک بیان فرماتے ہوئے علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ حسابی اعتبار سے عدم امکان رویت کی صورت میں حساب پر عمل کرتے ہوئے شہادت رد کردیں گے؛ لأن الحساب قطعی والشهادة ظنية۔ اس کے بعد علامہ رملی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تردید نقل فرمائی ہے، اسی تردید میں اس کی بھی کہ "ہوسکتا ہے کہ عادل ہونے کے باوجود شاہد کو رویت میں سہو ہوا ہو" بایں الفاظ تردید فرمائی ہے: "والاحتمالات التی ذکرها السبکی بقوله "لأن الشاهد قد یشتبه علیه" الخ لا أثر لها شرعا لإمکان وجودها فی غیرها من الشهادات" اس بحث کے آخر میں خود علامہ شامی نے جو تحریر فرمایا ہے وہ وہی ہے جو میں اوپر بتلا چکا ہوں۔

فحيث علم أنه لا اعتماد على ما يقوله علماء النجوم والحساب في اثبات الشهر لعدم اعتباره في الشرع المعلق فيه وجوب الصوم أو الفطر على الرؤية لا على القواعد الفلكية، ظهر وتبين خطأ من عارض رؤية الشهر في عامنا هذا الثابتة بالبينة التي اعتبرها الشارع ﷺ، وبنى الاحكام عليها بمجرد الاخبار عن جماعة أنهم رأوا الهلال نهاراً واعتمد على ذلك حتى صام يوم عيده بلا مسوغ شرعي؛ بل بمحض الاحتمال العقلي المخالف لنصوص الشرع التي اعتبرها الأئمة المجتهدون و اتباعهم المعتمدون (رسائل ابن عابدين ۱/ ۲۴۹)

③ مقالات کوثری میرے پاس نہیں، اس لیے اس سلسلہ میں کچھ لکھنے سے قاصر ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ذوالقعدہ ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

چاند کے ثبوت کے بارے میں چند سوالات کے جوابات

مکرمی ومحترمی حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔

رویتِ ہلال کے موضوع پر سوالنامہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا جارہا ہے، اگر ممکن ہو تو اِس کے جوابات اکیڈمی کو ارسال فرمادیں؛ ورنہ اپنے ساتھ سیمینار میں لیتے آئیں، اِس علمی تعاوُن پر ہم آپ کے بہت مشکور ہوں گے۔ والسلام

مجاہد الاسلام قاسمی (جنرل سکریٹری)

سوال: اسلام نے متعدد عبادات اور شرعی احکام کو قمری ماہ وسال سے وابستہ کیا ہے، اور قمری ماہ کے آغاز کا مدار ہلال کی بصری رویت پر رکھا ہے، خصوصاً روزہ جیسی اہم ترین اسلامی عبادت کا آغاز واختتام، اسی طرح دونوں اسلامی تہواروں عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ (جن کی حیثیت اصلاً عبادت کی ہے) کی ادائیگی بھی قمری ماہ وتاریخ سے وابستہ ہے؛ اِس لیے رویتِ ہلال سے متعلق قدیم وجدید سوالات کا شرعی حل ایک اسلامی فریضہ ہے، جو بابصیرت اور دقیق النظر علماء اور اصحابِ افتاء پر عائد ہوتا ہے، رویتِ ہلال کے بارے میں کچھ اہم اور بنیادی مسائل پر علماء کی طرف سے مُتفقہ رائے نہ ہونے کی وجہ سے بعض اوقات مسلمانوں میں انتشار پیدا ہوتا ہے، جس سے روزہ جیسی اہم عبادت اور عیدالفطر وعیدالاضحیٰ کی پُرمسرت تقریبات متأثر ہوتی ہیں، ذرائعِ اِبلاغ کی نئی ایجادات اور بعض علاقوں میں نظامِ قضاء کے فُقدان کی وجہ سے بھی بہت سے نئے مسائل پیدا ہوگئے ہیں؛ لہٰذا اِس سلسلہ میں چند بنیادی سوالات اصحابِ علم وتحقیق اور علماء وفقہاء کی خدمت میں اِس امید کے ساتھ پیش کیے جارہے ہیں کہ، آپ حضرات اِن سوالات پر واضح اور مدلل جواب تحریر فرمائیں گے۔

①[الف]: رویتِ ہلال کے سلسلہ میں مطالع کے اختلاف کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

[ب]: اگر مطالع کے اختلاف کا اعتبار ہے تو اُس کے حدود کیا ہیں؟

[ج]: ہندوستان بشمولِ پاکستان وبنگلہ دیش ونیپال کا مطلع ایک ہے یا مختلف؟ بالخصوص جب کہ اِن علاقوں میں بلندی کی سطح کافی مختلف ہے۔

[د]: اگر مطلع ایک ہے تو کیا کسی حصہ میں ۲۹ر تاریخ کو رویتِ ہلال کا ثبوت اور

اُس کا اعلان بھی کر دیا جائے، تو ملک کے دوسرے خطہ کے مسلمانوں پر کیا یہ لازم ہے کہ وہ اِس اعلان کے مطابق عمل کریں، یا اپنے مقامی قاضی اور جہاں نظامِ قضا نہ ہو وہاں کسی رویتِ ہلال کمیٹی کے فیصلے کا انتظار کریں؟ اور کیا اِس دوسرے خطہ کے قاضی یا رویتِ ہلال کمیٹی اِس اعلان کی پابند ہے؟

[ھ]: ایک خطہ میں اگر رویت ہو جائے تو دوسرے خطہ تک اُس کی خبر بذریعۂ فون یا فیکس یا ٹیلی گرام یا ریڈیو ملتی ہے، تو اِس خبر پر کیا عمل کرنا صحیح ہوگا؟ کیا اِن کے اعتبار کے لیے کچھ شرائط ہیں؟ اور کیا اِن کے مابین احکام میں کچھ فرق ہے؟

② ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اکثر موسم کا فرق رہتا ہے، اور فضا میں ابر، گرد وغبار یا مختلف طرح کی کثافت کے اعتبار سے بھی اِن کے مابین فرق ہے؛ اِس لیے قمری مہینے کی ۲۹ / تاریخ کو ہر جگہ مطلع یکساں صاف یا گرد آلود نہیں رہتا ہے تو.....

(الف) کیا رویت کے لیے فلکیاتی حساب سے مدد لی جاسکتی ہے؛ تاکہ یہ معلوم ہو کہ آج اُفق پہ چاند کی بصری رویت کا امکان ہے یا نہیں؟

(ب) بعض قدیم اور جدید علماء کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر کسی خطہ میں فلکیاتی حساب سے قمری ماہ کی ۲۹ / تاریخ کو چاند کی بصری رویت کا امکان نہ ہو، اور اِس کے باوجود اُس خطہ سے رویتِ ہلال کی شرعی شہادت ملتی ہے، تو کیا اُسے قبول کیا جائے گا؟ یا یہ کہہ کر کہ: اِن کو غلط فہمی ہوئی ہے، شہادت رد کر دی جائے گی؟

(ج) چاند کی رویت کے لیے کیا محکمۂ موسمیات سے مدد لی جاسکتی ہے؟ یعنی اِس کے علم کے لیے کہ آج مطلع صاف ہے یا گرد آلود و کثافت زدہ ہے، اور چاند کی رویت ممکن ہے یا نہیں؟

(د) اگر ۲۹ رشعبان کو مطلع ابر آلود ہو اور ایک شخص کی شہادت کی بنا پر قاضی نے آغازِ رمضان کا اعلان کر دیا ہو، اِس کے بعد رمضان کی ۳۰/ تاریخ مکمل ہو چکی ہو، ۳۰ رمضان کی شام کو موسم بالکل صاف ہو اور عید کا چاند دیکھنے کی بہت کوشش کے باوجود کسی کو عید کا چاند دِکھائی نہ دیا ہو، تو کیا اگلے دن کو عید الفطر کا دن قرار دے کر عید منائی جائے گی؟ یا یہ سمجھا جائے گا کہ جس فردِ واحد نے رمضان کے چاند کی گواہی دی تھی اُسے مغالطہ ہوا یا اُس نے غلط بیانی سے کام لیا؛ لہٰذا اگلے دن کو رمضان کی ۳۰/ تاریخ قرار دے کر روزہ رکھنے کا فیصلہ کیا جائے گا؟

③ (الف) رمضان وعیدین کے ثبوت کے لیے جب کہ مَطلع صاف ہو تو کتنے افراد کی چاند دیکھنے کی شہادت کافی ہوگی؟ چاند دیکھنے والوں کے لیے عدل کا وہ معیار ضروری ہے جو فقہاء نے عام طور پر لکھا ہے؟ یا موجودہ دور میں اِتنا کافی ہے کہ چاند دیکھنے والا معاشرہ میں جھوٹا نہیں سمجھا جاتا، اور صوم وصلوۃ کا پابند ہے؟ اور کیا مستور الحال کی شہادت معتبر ہوگی؟

(ب) چاند دیکھنے والوں کے لیے کیا قاضی کے پاس جا کر یا جہاں نظامِ قضا نہ ہو وہاں کے مقامی علماء یا رویتِ ہلال کمیٹی کے ذمہ دار کے پاس جا کر شہادت دینا ضروری ہے؟ چاند دیکھنے والوں کا بیان اصولی طور پر شہادت ہے یا خبر؟ اگر شہادت ہے تو کیا اُس کے لیے شہادت اور مجلسِ قضا اور شہادت کی دیگر شرائط کا پایا جانا ضروری ہے؟

(ج) دیکھنے والوں کے لیے کیا فوری طور پر شہادت دینا ضروری ہے؟ اور اگر چاند دیکھنے کے بعد چند گھنٹوں کی تاخیر یا ایک دن یا اِس سے زائد کی تاخیر کے بعد شہادت دے، تو کیا اُن کی شہادت قبول کی جائے گی یا رد کر دی جائے گی؟ خصوصاً جب کہ

رمضان وعید الفطر کے موقع پر تاخیر سے اعلان کی صورت میں مسلمانوں کے مابین شدید اختلاف وانتشار پیدا ہوجاتا ہے۔

④ (الف) صوبۂ بہار واُڑیسہ اور ملک کے دیگر صوبوں میں جہاں نظامِ قضا موجود ہے، اگر وہاں کے قاضی چاند ہونے کا ثبوت ہونے کے بعد اعلان کرتے ہیں تو کیا اُس کے حلقۂ قضا کے تمام مسلمانوں پر اُس اعلان پر عمل ضروری ہوگا یا نہیں؟

(ب) قاضی کی طرف سے اگر ریڈیو یا ٹیلی ویژن کے ذریعہ مُتعیَّنہ الفاظ میں اعلان ہوتا ہے، تو اُس کا اعلان اعلانِ سلطان کے حکم میں ہوگا یا نہیں؟

(ج) ہندوستان اور اِس جیسے ملکوں میں اگر ایک صوبہ کے قاضی یا رویتِ ہلال کمیٹی نے شرعی اصولوں کی روشنی میں رویتِ ہلال کا اعلان کیا، تو کیا یہ صرف اُسی صوبہ کے مسلمانوں کے لیے واجب العمل ہوگا یا پورے ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے؟ یعنی دوسرے علاقہ کے مسلمانوں کے حق میں وہ محض ایک خبر ہے یا اُن کے حق میں بھی اعلانِ سلطان کا درجہ رکھتا ہے؟

(د) ریڈیو سے رویتِ ہلال کے اعلان کے معتبر ہونے کے لیے کیا معلن کا مسلمان ہونا ضروری ہے یا کوئی بھی شخص اعلان کرے؟ اگر تجربات سے تصدیق ہوتی ہے کہ یہ شخص قاضی یا رویتِ ہلال کمیٹی کی طرف خبر کی صحیح نسبت کیا کرتا ہے تو کیا اُس پر اعتماد کرلینا کافی ہے؟

⑤ (الف) بعض علاقوں میں بالعموم مطلع ابر آلود رہتا ہے، اور بہت کم چاند کی رویت ۲۹/ تاریخ کو ممکن ہوتی ہے، جیسے برطانیہ، کہ سال کے کچھ یا اکثر مہینوں میں وہاں چاند ۲۹/ تاریخ کو نظر ہی نہیں آتا، تو کیا ایسی جگہوں پر ہمیشہ ۳۰/ دن کا مہینہ

شمار کر کے رمضان وعیدین کا فیصلہ کیا جائے؟

(ب) اگر ہر مہینہ ۳۰/ دن کا شمار کیا جاتا ہے تو سال کے دنوں میں دیگر ممالکِ اسلامیہ کے حساب سے ہفتہ دس دنوں کا فرق پڑ جاتا ہے، اور چار سال میں ایک مہینہ کا فرق ہو جاتا ہے، تو کیا ایسی جگہوں میں چاند کی رویت کے لیے ماہرینِ فلکیات کے قول پر اعتماد کیا جائے؟ یا دیگر ممالک میں رویتِ ہلال کے اعلان پر عمل کیا جائے؟

(ج) ملک کے چند شہروں یا صوبوں کے رویتِ ہلال کمیٹی کے ذمہ داران کی طرف سے رویت کے ثبوت کا فیصلہ ہو جانے پر اُن جگہوں کے ریڈیو اسٹیشن، اُن کی طرف سے رویت کا جو اعلان کرتے ہیں، دوسرے علاقوں کے ذمہ داران کس حد تک اِن اعلانات پر اعتماد کر سکتے ہیں؟ کیا اِن اعلانات کی بنیاد پر وہ رویت کا ثبوت مان کر اپنے علاقوں میں اعلان کر سکتے ہیں؟ اور اِس کے لیے کیا کم از کم تین جگہوں کا اعلان درکار ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① (الف) امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہر روایت یہ ہے کہ: اختلافِ مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے، اِسی کو عام فقہائے احناف نے راجح قرار دیا ہے، یہاں تک کہ مشرق ومغرب کے فاصلہ میں اختلافِ مطالع کو غیر معتبر قرار دے کر ایک جگہ کی رویت کو دوسری جگہ کے لیے حجت قرار دیا ہے۔ ''درمختار'' میں ہے:

(واختلاف المطالع) ورؤيته نهاراً قبل الزوال وبعده (غير معتبر على) ظاهر (المذهب)، وعليه أكثر المشائخ وعليه الفتوى، بحر عن الخلاصة (فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب) إذا ثبت عندهم رؤية

أولئك بطريق موجب كما مرّ وقال الزيلعي: الأشبه أنه يعتبر؛ لكن قال الكمال: الأخذ بظاهر الرواية أحوط. (در مختار على هامش الشامي ٢/ ١٠٤،١٠٥)

ہمارے اکابر میں سے سرخیلِ علمائے دیوبند حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتاویٰ رشیدیہ'' ۱/ ۴۱ میں، اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتاویٰ دار العلوم'' (مطبوعہ کراچی) ۱/ ۳۷۶ میں، اور حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''امداد الفتاویٰ'' ۲/ ۱۱۲ میں، اور مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''کفایت المفتی'' ۴/ ۲۰۹، ۲۱۱، ۲۱۲ میں اِسی پر فتویٰ دیا ہے، حنابلہ اور مالکیہ بھی اِسی کے قائل ہیں۔ اِس کے برخلاف فقہائے حنفیہ میں سے بعض حضرات نے بلادِ بعیدہ میں اختلافِ مَطالع کو معتبر مانا ہے، ہمارے اکابر میں سے حضرت العلامہ مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے ''العُرف الشَّذی'' ۱/ ۲۰۳ میں، اور حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتح الملہم'' ۳/ ۱۱۳ میں، اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ''رویتِ ہلال'' ص: ۴۸، ۴۹ میں اِسی کو اختیار فرمایا ہے، شوافع اِسی کے قائل ہیں۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

وإنما الخلاف في اعتبار اختلاف المطالع بمعنى أنه هل يجب على كل قوم اعتبار مطلعهم، ولا يلزم احداً العمل بمطلع غيره أم لا يعتبر اختلافها؛ بل يجب العمل بالأسبق رؤيةً، حتى لو رؤى في المشرق ليلة الجمعة وفي المغرب ليلة السبت وجب على أهل المغرب العمل بما رآه أهل المشرق، فقيل بالأول، واعتمده الزيلعي وصاحب الفيض وهو

الصحيح عند الشافعية؛ لأن كل قوم مخاطبون بما عندهم كما في أوقات الصلاة، وأيده في الدرر بما مرّ من عدم وجوب العشاء والوتر على فاقد وقتهما، وظاهر الرواية الثاني، وهو المعتمد عندنا وعند المالكية والحنابلة. (شامی ۲/۱۰۵)

''مجموعۂ رسائل ابن عابدین'' میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ بنام ''تنبيه الغافل والوسنان على أحكام هلال رمضان'' ہے، اِس میں اُنہوں نے اختلافِ مطالع کی شرعی حیثیت بیان کرنے کے لیے مستقل ایک فصل بعنوان ''الفصل الرابع في بيان حكم اختلاف المطالع'' قائم فرمائی ہے، اُس میں احناف، حنابلہ، اور مالکیہ کے یہاں اختلافِ مطالع کے عدمِ اعتبار والے قول کے معتمد اور راجح ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

لكن المعتمد الراجح عندنا أنه لااعتبار به، وهو ظاهر الرواية وعليه المتون كالكنز وغيره، وهو الصحيح عند الحنابلة كما في الأنصاف، وكذا هو مذهب المالكية الخ (مجموعۂ رسائل ابن عابدین ۱/ ۲۵۱)

نیز اختلافِ مَطالع کے اعتبار والا قول جمہور مشائخ اور ظاہر مذہب کے خلاف ہونے کے علاوہ وجوہ ذیل کی بناء پر بھی ناقابلِ عمل ہے۔

① قوله تعالىٰ: ﴿يسئلونك عن الأهلة، قل هي مواقيت للناس والحج﴾ وقوله تعالىٰ:﴿قدره منازل لتعلموا عدد السنين والحساب﴾ میں واضح ہدایت ہے کہ احکامِ شرع کا مدار قمری حساب پر ہے، شمسی پر نہیں، اِس کی وجہ یہ ہے کہ، شمسی تاریخوں کو ہر شخص معلوم نہیں کرسکتا؛ بلکہ دنیا کے چند افراد یہ تاریخیں

متعین کرتے ہیں اور باقی ساری دنیا محض اُن کی تقلید کرتی ہے، اِس کے برعکس قمر کے مُشاہَدہ سے ہر ناخواندہ شخص بھی تاریخ معلوم کرسکتا ہے، چوں کہ احکامِ شرع ہر شہری وجنگلی اور خواندہ اور ناخواندہ کے لیے یکساں ہیں؛ اِس لیے اُن کا مدار یُسر وسہولت اور عام فہم طریقہ پر رکھا گیا ہے؛ مگر مَطالعِ قمر کے اختلاف کا علم اِتنا مشکل اور اِس قدر پیچیدہ ہے کہ تسخیرِ قمر کے موجودہ دورِ ترقی میں بھی ایسے لوگ بہت ہی کم؛ بلکہ کالعدم ہیں جو اختلافِ مطالع کا خط کھینچ کر یہ بتادیں کہ اِس خط کے ایک جانب رویت کا امکان ہے اور دوسری جانب نہیں، اختلافِ مطالعِ قمر کے علم کی بہ نسبت تو شمسی حساب بھی ہزاروں درجہ سہل اور آسان ہے، پس جب کہ شریعت نے شمسی حساب کو عام فہم نہ ہونے کی وجہ سے غیر معتبر قرار دیا ہے، تو اختلافِ مطالعِ قمر جیسے پیچیدہ اور مشکل ترین حساب کا مکلف بنانا بطریق اولیٰ مقتضائے شرع کے خلاف ہے۔

(۲) اگر یہ مسئلہ مقتضائے شرع کے خلاف اختلافِ مطالعِ قمر کے علم میں مہارت رکھنے والے چند افراد کے سپرد کر بھی دیا جائے، تو اِس میں ایک مزید قباحت یہ لازم آئے گی کہ ایک ہی مملکت کے اندر واقع دو متقارب مقامات کے درمیان خط اختلافِ مطالع واقع ہونے کی صورت میں ایک شہر میں مرکزی حکومت رویت کی بناء پر عید کا فیصلہ کرے اور دوسرے ملحق شہر میں اختلافِ مطالع کی بناء پر روزہ کا حکم دے، ایسے فیصلہ کی نظیر تاریخِ اسلام میں نہیں ملتی۔

(۳) (الف) خطِ اختلافِ مطالع کا محلِ وقوع ہر ماہ مختلف ہوتا ہے؛ لہٰذا ہر مہینہ میں اِس کی تعیین کے لیے ماہرینِ فن کی ضرورت پڑے گی جو کالعدم ہیں؛ نیز اِس میں ہر ماہ تبدیلی واقع ہونے کی وجہ سے اِجرائے احکام میں تعسّر اور عوام میں انتشار

پیدا ہونا لازمی امر ہے۔ (از: احسن الفتاوی ۴/ ۴۹۳)

(ب) جوابِ سابق میں اختلافِ مطالع کے عدمِ اعتبار کی تصریح وترجیح مذکور ہے، نیز اعتبار کی صورت میں تحدید بھی دشوار ہے، مسیرتِ شہر کی تحدید جس قول میں کی گئی ہے وہ متعدد وجوہ کی بناء پر باطل ہے۔

(ج) یہ یاد رہے کہ بلندی کی سطح مختلف ہونے سے مطالعِ قمر میں اختلاف نہیں ہوتا، ہاں! مَطالع ومَغاربِ شمس میں ہوتا ہے۔

(د) اگر ہندو پاک وبنگلہ دیش ونیپال کے تمام مسلمان رویتِ ہلال کے فیصلہ کے لیے کسی کمیٹی کو اختیار دے دیں، اور اُس کمیٹی کے سامنے رویتِ ہلال کا شرعی ثبوت مہیا ہونے پر وہ فیصلہ واعلان کردے، تو اُن تمام مسلمانوں پر وہ اعلان وفیصلہ واجب العمل ہوگا؛ بشرطیکہ کمیٹی کے ارکان میں ماہرینِ فقہ کی اکثریت ہو، اور اُن کی رائے کو قانونی غلبہ حاصل ہو، اور اگر ایسا نہیں ہے تو مقامی قاضی یا رویتِ ہلال کمیٹی کے فیصلہ کا انتظار ضروری ہے۔

(ھ) ہلالِ رمضان کے علاوہ دیگر اسلامی مہینوں کے ہلال کے لیے خبر کافی نہیں؛ بلکہ شہادت شرط ہے، كما هو مصرح في كتب الفقه؛ اِس لیے اِن میں محض خبرِ رویت پر عمل درست نہیں، چاہے وہ فون یا فیکس یا ٹیلی گرام یا ریڈیو سے ملی ہو؛ البتہ اگر ہلالِ رمضان میں خبر اِس طرح پہنچی کہ اِس میں احتمالِ تزویر نہ ہو تو اُس پر عمل کرسکتے ہیں؛ بشرطیکہ جس جگہ خبر پہنچ رہی ہے وہاں کا مطلع صاف نہیں تھا۔

(۲) (الف) صرف اِتنی مدد میں تو بظاہر کوئی اشکال نہیں ہے۔

(ب) اگر رویتِ ہلال کی شرعی شہادت ملی ہے تو محض فلکیاتی حساب سے عدمِ

امکان کی بنیاد پر اُس کو رد نہیں کیا جاسکتا۔

رویتِ ہلال کے معاملہ میں آلاتِ رصدیہ اور حساباتِ ریاضیہ کے ناقابلِ اعتبار ہونے کا مسئلہ تقریباً اجماعی مسئلہ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ شرحِ بخاری میں فرماتے ہیں:

وا لمراد بالحساب هنا حساب النجوم وتسييرها، و لم يكو نوا يعرفون من ذلك أيضاً إلا النزر اليسير، فعلق الحكم بالصوم وغيره بالرؤية لرفع الحرج عنهم في معاناة حساب التسيير، واستمر الحكم في الصوم ولو حدث بعدهم من يعرف ذلك؛ بل ظاهر السياق يشعر بنفى تعليق الحكم بالحساب أصلاً، ويوضحه قوله في الحديث الماضى: (فإن غم عليكم فاكملوا العدة ثلاثين) و لم يقل: فسلوا أ هل الحساب، والحكمة فيه كون العدد عند الإغماء يستوي فيه المكلفون، فيرتفع الاختلاف والنزاع عنهم، وقد ذهب قوم إلى الرجوع إلى أهل التسيير في ذلك وهم الروافض، ونقل عن بعض الفقهاء موافقتهم قال الباجي: وإجماع السلف الصالح حجة عليهم، وقال ابن بزيزه: وهو مذهب باطل، فقد نهت الشريعة عن الخوض في علم النجوم؛ لأنها حدس وتخمين ليس فيها قطع ولا ظن غالب، مع أنه لو ارتبط الأمر بها لضاق؛ إذ لا يعرفها إلا القليل (فتح الباري؛ /۱۲۷)

علامہ ابنِ رُشد مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فإن العلماء أجمعوا على أن الشهر العربي يكون تسعاً وعشرين ويكون ثلاثين وعلى أن الاعتبار في تحد يد شهر رمضان إذما هو

الرؤية (بداية المجتهد١/ ٢٠٧)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واختلف العلماء في معنى "فاقدروا له" فقالت طائفة من العلماء: معناه ضيقوا له وقدروه تحت السحاب، وممن قال بهذا أحمد بن حنبل وغيره، ممن يجوّز صوم يوم ليلة الغيم عن رمضان كما سنذكره إن شاء الله تعالىٰ، وقال ابن سريج وجماعة منهم مطرف بن عبدالله وابن قتيبة وآخرون: معناه قدروه بحساب المنازل، وذهب مالك والشافعي وأبوحنيفة وجمهور السلف والخلف إلىٰ أن معناه: قدروا له تمام العدد ثلاثين يوماً قال المازري حمل جمهور الفقهاء قوله ﷺ: "فاقدروا له" علىٰ أن المراد إكمال العدة ثلاثين، كما فسره في حديث آخر قالوا: ولا يجوز أن يكون المراد حساب المنجمين؛ لأن الناس لو كلفوا به ضاق عليهم؛ لأنه لا يعرفه إلا أفراد، والشرع إنما يعرف الناس بما يعرفه جماهيرهم (نووي شرح مسلم ١/ ٣٤٧)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ "أوجز المسالك شرح مؤطا إمام مالك" میں تحریر فرماتے ہیں:

والثالث: معناه قدروه بحسب المنازل، قاله أبوالعباس ابن سريج من الشافعية، ومطرف بن عبدالله من التابعين، وابن قتيبة من المحدثين، قال ابن عبدالبر: لا يصح عن مطرف، وأما ابن قتيبة فليس هو ممن يعرج إليه في مثل هذا قال الباجي: وذكر الداودي أنه قيل في معنىٰ قوله "فاقدروا له" أي قدروا المنازل، وهذا لا نعلم أحداً قال به إلا بعض

أصحاب الشافعي، أنه يعتبر في ذلك بقول المنجمين، والإجماع حجة عليه. (أوجز ٥ /١٦)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرحِ مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

وفي شرح السنة قال ابن سريج: "فاقدروا" خطاب لمن خصه الله بهذا العلم، وقوله: "فاكملوا العدة" خطاب للعامة اه وهو مردود لحديث: "إنا أمة أمية، لانكتب ولانحسب" فانه يدل على أن معرفة الشهر ليست إلى الكتاب والحساب كما يزعمه أهل النجوم، وللاجماع على عدم الاعتداد بقول المنجمين ولو اتفقوا على أنه يرى، ولقوله تعالىٰ مخاطباً لخير أمة: ﴿أخرجت للناس﴾ خطاباً عاماً، ﴿فمن شهد منكم الشهر فليصمه﴾، ولقوله ﷺ بالخطاب العام: "صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته"؛ ولما في نفس هذا الحديث "لاتصوموا حتىٰ تروه" ولما في حديث أبي داؤد والترمذي عن أبي هريرة أنه عليه الصلوٰة والسلام قال: "الصوم يوم يصومون، والفطر يوم يفطرون؛ بل أقول: لو صام المنجم عن رمضان قبل رؤيته بناءً على معرفته يكون عاصياً في صومه، ولا يحسب عن صومه إلا إذا ثبت الهلال على خلاف فيه، ولو جعل عيدالفطر بناءً على زعمه الفاسد يكون فاسقاً، وتجب عليه الكفارة في قول وهو الصحيح، وإن استحل افطاره فرضاً عن عده واجباً صار كافرا (مرقاۃ ٤/ ٢٤٢ جدید)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(قوله: لا عبرة بقول الموقتين) أي في وجوب الصوم على الناس؛

بل في "المعراج": لا يعتبر قولهم بالإجماع، ولا يجوز للمنجم أن يعمل بحساب نفسه وفي "النهر": فلايلزم بقول الموقتين أنه أي الهلال يكون في السماء ليلة كذا وإن كانوا عدولاً في الصحيح، كما في الايضاح. (شامي ۲/۱۰۰)

اِن تمام عباراتِ منقولۂ بالا سے یہ بات صاف صاف معلوم ہوتی ہے کہ، رویتِ ہلال کے معاملہ میں حسابات ِریاضیہ اور آلاتِ رصدیہ کا اعتبار نہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے، بعض شافعیہ حساب کے معتبر ہونے کے قائل ہیں؛ لیکن خود اُن کے ہم مسلک مشائخ نے اُن کا رد کیا ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "تنبیہ الغافل والوسنان علی أحکام ہلال رمضان" میں ایک مستقل فصل قائم فرما کر اِس مسئلہ پر کلام فرمایا ہے، جس میں مذاہبِ اربعہ کی کتبِ معتبرہ کی نقول پیش فرما کر اِس کا اجماعی ہونا ثابت فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: رسائل ابنِ عابدین ۱/۲۴۶ تا ۲۴۹۔

عمومی طور پر جب یہ فیصلہ کرلیا گیا کہ حساباتِ ریاضیہ کا اِس معاملہ میں اعتبار نہیں، تو اِس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اِس کا اعتبار جس طرح وجوبِ صوم میں نہیں کیا گیا اِسی طرح اگر ثقہ اور عادل گواہوں نے اِس بات کی گواہی دی کہ: ہم نے چاند دیکھا ہے، اور حساباتِ ریاضیہ کے اعتبار سے اُس روز رویت کا امکان نہیں، تو اِس صورت میں بھی محض حساباتِ ریاضیہ کی وجہ سے اِن شاہدوں کی شہادت کو رد نہیں کیا جائے گا؛ لیکن چوں کہ عام طور پر حضراتِ مصنفین جہاں حساباتِ ریاضیہ کے عدمِ اعتبار کو بیان فرماتے ہیں، وہاں بطورِ مثال پہلی صورت تحریر فرماتے ہیں، کہ اگر مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہیں آیا اور منجمین واہلِ ہیئت یہ بتلاتے ہیں کہ: چاند موجود

ہے، تو محض اُن کی بات پر روزہ واجب نہ ہوگا؛ (بلکہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں تو یہاں تک ہے کہ: کسی حساب داں نے محض اپنے حساب کی بنیاد پر بلا رویتِ شرعی روزہ رکھا تو وہ گنہگار ہوگا، اور اِسی بنیاد پر عید الفطر منائی تو فاسق ہوگا، اور افطار کو وجوبی طور پر حلال سمجھا تو کافر قرار دیا جائے گا) اِس سے شاید یہ غلط فہمی ہو کہ دوسری صورت میں یعنی جب کہ حساباتِ ریاضیہ سے رُویت کا عدمِ امکان ثابت ہوتا ہو، اور شرعی شہادت رُویت کی میسر ہو جائے تو وہ رد کر دی جائے گی؛ حالاں کہ ایسا نہیں ہے؛ بلکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں علامہ سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ: ''اہلِ حساب کے قول کا اعتبار کیا جائے گا؛ اِس لیے کہ حساب قطعی چیز ہے'' وہیں اُنہوں نے اِس کی صراحت فرمائی ہے کہ: علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے اِس قول کی خود اُن کے ہم مسلک مشائخ نے تردید فرمائی ہے، اِس موقع پر جو عبارات مشائخِ شافعیہ کی نقل فرمائی ہیں، اُس میں اِس دوسری صورت کی صراحت موجود ہے، اور اِس میں صاف صاف لکھا ہے کہ: اہلِ حساب کے قول کی وجہ سے شہادت رد نہیں کی جاسکتی؛ بلکہ شہادت پر ہی عمل ہوگا؛ اِس لیے کہ شارع نے شہادت کو یقین کا قائم مقام قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو:

وللإمام السبكي الشافعي تاليف، مال فيه إلى اعتماد قولهم؛ لأن الحساب قطعي اه ومثله في شرح الوهبانية، قلت: ما قاله السبكي رده متأخرو أهل مذهبه، منهم: ابن حجر والرملي في شرح المنهاج، وفي فتاوى الشهاب الرملي الكبير الشافعي سئل عن قول السبكي: لو شهدت بينة برؤية الهلال ليلة الثلاثين من الشهر وقال الحساب بعدم إمكان الرؤية تلك الليلة عمل بقول أهل الحساب؛ لأن الحساب قطعي

والشهادة ظنية، وأطال في ذلك، فهل يعمل بما قاله أم لا؟ وفيما إذا رؤى الهلال نهاراً قبل طلوع الشمس يوم التاسع والعشرين من الشهر وشهدت بينة برؤية الهلال رمضان ليلة الثلاثين من شعبان فهل تقبل الشهادة أم لا؟ لأن الهلال إذا كان الشهر كاملاً يغيب ليلتين، أو ناقصاً يغيب ليلة، أو غاب الهلال الليلة الثالثة قبل دخول وقت العشاء؛ لأنه ﷺ كان يصلي العشاء لسقوط القمر الثالثة، هل يعمل بالشهادة أم لا؟ فاجاب: بأن المعمول به في المسائل الثلاث ما شهدت به البينة؛ لأن الشهادة نزلها الشارع منزلة اليقين، وما قاله السبكي مردود، ردّه عليه جماعة من المتأخرين، وليس في العمل بالبينة مخالفة لصلاته ﷺ، ووجه ما قلناه أن الشارع لم يعتمد الحساب؛ بل ألغاه بالكلية بقوله:" نحن أمة أمية، لانكتب ولانحسب، الشهر هكذا وهكذا"، وقال ابن دقيق العيد: الحساب لا يجوز الاعتماد عليه في الصلاة، انتهى والأحتمالات التي ذكرها السبكي بقوله: "ولأن الشاهد قد يشتبه عليه" الخ لا أثر لها شرعاً؛ لإمكان وجودها في غيرها من الشهادات اھ (رد المحتار على الدر المختار ۲ /۱۰۰)

اِس بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر رَصدگاہ والے یہ اعلان کریں کہ: فلاں روز رویت ممکن نہیں، اور شہادتِ شرعیہ سے اُس روز رویت ثابت ہوجائے تو شہادت پر ہی عمل ہوگا، محض رَصدگاہ کی تحقیق وحساب کی وجہ سے شہادت رد نہیں کی جاسکتی، ہاں! یہ ضرور ہے کہ اِس شہادت کو ماننے کی وجہ سے مہینہ ۲۹ر سے کم کا لازم نہ آتا ہو، اِس لیے کہ اگر مہینہ ۲۹ سے کم کا لازم آتا ہے تو وہ دن محلِ شہادت ہی نہیں۔

لقوله عليه الصلوة والسلام: الشهر هكذا وهكذا وهكذا، وعقد الإبهام في الثالثة، ثم قال: الشهر هكذا وهكذا وهكذا، يعني تمام الثلاثين، يعني مرة تسعاًوعشرين ومرة ثلاثين (متفق عليه)

اِس جگہ اُن حضرات کو جو حساب کے قطعی ہونے کے قائل ہیں بڑا اشکال یہ پیش آتا ہے کہ: جب آیتِ قرآنی سے شمس وقمر کا ایک حساب سے جاری ہونا ثابت ہے تو پھر ہم حساب کی قطعیت کی بنیاد پر شہادت کو کیوں رَد نہ کریں؟ کیا اِن آیاتِ قرآنی سے صَرفِ نظر کرلیا جائے؟ تو اُن حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ: جو بات قرآن مجید سے ثابت ہے وہ تو صرف اِتنی ہے کہ ﴿الشمس والقمر بحسبان﴾ شمس وقمر کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک حساب مقرر فرمایا ہے، اور یہ دونوں اُس حساب سے سرِ مو تجاوز نہیں کرسکتے؛ لیکن اِس حساب کی تفصیل تو قرآن یا حدیث میں موجود نہیں، یہ کیا ضروری ہے کہ اہلِ ہیئت وریاضی جس حساب کے دعویدار ہیں وہی مراد ہو۔ اور اگر مان بھی لیں کہ وہی حساب مراد ہے تب بھی یہ دعویٰ کہ وہ حساب قطعی ہے، محلِ نظر ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: خود اِن فنی معلومات کی حقیقت پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ، اگرچہ حساب بحیثیتِ حساب کے قطعی ہو کہ دو اور دو چار ہی ہوسکتے ہیں، تین یا پانچ نہیں ہوسکتے؛ لیکن اِن دو کا دو ہونا یہ ہماری نظر اور اندازے وتخمینہ ہی کا حکم ہوسکتا ہے، کتنے ہی باریک سے باریک پیمانوں سے تولا اور پرکھا جائے یہ احتمال ختم کرنا ہماری قدرت میں نہیں کہ ہم نے جس کو دو سمجھا ہے وہ دو سے کسی قدر کم یا زیادہ ہو، خواہ یہ کمی یا زیادتی ایک بال کے ہزارویں حصہ کے برابر ہو، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ زمین کے فرش پر کسی زاویہ میں ایک بال کے ہزارویں حصہ

کی کمی یا زیادتی اگرچہ بالکل غیر محسوس زیادتی ہے؛ مگر اوپر کی فضاء اور سیاروں تک جب اِس زاویہ کے خطوط ملائے جائیں گے تو میلوں کا فرق ہوجائے گا۔'' مذہب اور سائنس'' کتاب میں گارڈن بلیف کا ایک اقتباس لیا ہے، جس میں صراحت ہے کہ: چاند ہم سے دو لاکھ چالیس ہزار میل دور ہے، سورج قریباً نو کروڑ تیس لاکھ میل دور ہے۔ (ص: ۶۹) ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہیے کہ، مثلاً آفتاب کو جب ہم کسی وقت دیکھتے ہیں تو وہ آٹھ منٹ پہلے کا آفتاب ہوتا ہے، اِس طرح قریب ترین جس ستارہ کو ہم دیکھتے ہیں وہ چار سال پہلے کا ہوتا ہے۔ (ص: ۷۱) ہم سے قریب ترین ستارہ بھی اِتنی دور ہے کہ اُس کی روشنی ہم تک آنے میں چار سال لگ جاتے ہیں، حالاں کہ روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل سفر کرتی ہے۔ (ص: ۷۲) اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ کیمرہ کی طرح ترقی یافتہ آلات جھوٹ نہیں بولتے؛ مگر اِن آلات کو واقعات پر منطبق کرنا تو بہرحال انسانی نظر اور انسانی عمل ہے، اِس میں غیر محسوس فرق ہوجانا کسی وقت بھی مستبعد نہیں؛ بلکہ واقع ہے، جس کا مشاہدہ ہمیشہ اہلِ فن کے باہمی اختلافات سے ہوتا رہتا ہے، دنیا میں جتنی جدید اور قدیم تقویمیں اور جنتریاں اور کیلنڈر وجود میں آئے ہیں اُن میں سے صرف اُن کو لیا جائے جو مسلم ماہرینِ فن نے تیار کیے ہیں، تو اُن میں بھی باہمی اختلاف نظر آتا ہے، اگر اُن حسابات اور آلات کے نتائج قطعی اور یقینی ہوتے تو ماہرینِ فن کے اختلافِ رائے کا کوئی احتمال نہ رہتا، سائنس کی نئی ترقیات اور فنِ ریاضی وفلکیات کی جدید ترقیات کا آج کی دنیا میں بڑا ہنگامہ ہے، اور اِس میں شبہ نہیں کہ بہت سی نئی تحقیقات نے پرانے فلسفہ اور ریاضی کے اصول کی دھجیاں بکھیر دیں اور اِس کے خلاف مشاہدہ کرادیا؛ لیکن اِس کے باوجود یہ نہیں کہا

جاسکتا کہ آج ایک محقق ماہر نے جو کچھ کہہ دیا وہ حرفِ آخر ہے، اِس کی تغلیط آئندہ کوئی نہیں کر سکے گا، آئندہ کو چھوڑ کر اِسی موجودہ دور میں اِسی درجہ کے دوسرے ماہرین اُس سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔ (رویتِ ہلال ص:۳۸/۳۹)

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں: اِتنی بات اِس اختلاف میں سب کے لیے واضح ہوگئی کہ اِن قواعد وآلات سے حاصل ہونے والے نتائج کو قطعی اور یقینی کہنا محض خوش گمانی ہے، صحیح یہ ہے کہ اِس میں بھی غلطیاں ہوسکتی ہیں، چوتھی صدی ہجری کا مشہور اسلامی فلاسفر اور ماہرِ نجوم وفلکیات ابوریحان البیرونی جو شہاب الدین غوری کے زمانہ میں ایک مدتِ دراز تک ہندوستان میں بھی رہا ہے، اور اِن فنون کا بے نظیر امام مانا جاتا ہے، اِس نئی روشنی اور نئی تحقیقات کے دور میں بھی اُس کی امامت سب کے نزدیک مسلَّم ہے، روسی ماہرین نے اُس کی تحقیقات سے راکٹ وغیرہ کے مسائل میں بڑا کام لیا ہے، اُن کی مشہور کتاب "الآثار الباقية عن القرون الخالية" ایک جرمن ڈاکٹر سی ایڈورڈ سخاؤ کے حاشیہ کے ساتھ لیزک میں چھپ کر شائع ہوئی ہے، اُس میں اِن آلاتِ رصدیہ کے اِن نتائج کے غیر یقینی ہونے کے مسئلہ کو تمام ماہرینِ فن کا اجماعی اور اتفاقی نظریہ بتلایا ہے، اُس کے الفاظ یہ ہیں:

إن علماء الهيئة مجمعون على أن المقادير المفروضة في أواخر أعمال رؤية الهلال هي إبعاد لم يوقف عليها إلا بالتجربة، وللمناظر أحوال هندسية يتفاوت لأجلها المحسوس بالبصر في العظم والصغر، وفي ما إذا تاملها متأمل منصف لم يستطع بت الحكم على وجوب رؤية الهلال أو امتناعها (الآثار الباقية، ص: ۱۹۸، طبع ليزك ۱۹۲۳ء)

علمائے ریاضی وہیئت اِس پر متفق ہیں کہ رویتِ ہلال کے عمل میں آنے کے لیے جو مقداریں فرض کی جاتی ہیں، وہ سب ایسی ہیں جن کو صرف تجربہ ہی سے معلوم کیا جاسکتا ہے، اور مناظر کے احوال مختلف ہوتے ہیں جن کی وجہ سے آنکھوں سے نظر آنے والی چیز کے سائز میں چھوٹے بڑے ہونے کا فرق ہوسکتا ہے، اور فضائی وفلکی حالات ایسے ہیں کہ اُن میں جو بھی ذرا غور کرے گا تو رویتِ ہلال کے ہونے اور نہ ہونے کا کوئی قطعی فیصلہ ہرگز نہ کرسکے گا۔

اور ''کشف الظنون'' میں بحوالہ زیج شمس الدین محمد بن علی خواجہ کا چالیس سالہ تجربہ یہی لکھا ہے کہ: اِن معاملات میں کوئی صحیح اور یقینی پیشن گوئی نہیں کی جاسکتی جس پر اعتماد کیا جاسکے۔ (کشف الظنون ۲/ ۹۶۹، رویتِ ہلال، ص: ۴۱/ ۴۲)

اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ رَصد گاہوں اور آلاتِ رصدیہ کے ذریعہ حاصل کردہ معلومات بھی رُویتِ ہلال کے مسئلہ میں کوئی یقینی فیصلہ نہیں کہلاسکتی؛ بلکہ وہ بھی تجرباتی اور تخمینی معاملہ ہے تو اُس اصول کے حکیمانہ اصول ہونے کی اَور بھی تائید ہوگئی جو رسولِ امی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس معاملہ میں اختیار فرمایا، کہ اِن کاوشوں اور باریکیوں میں امت کو اُلجھائے بغیر بالکل سادگی کے ساتھ رویت ہونے نہ ہونے پر احکامِ شرعیہ کا مدار رکھ دیا، جس پر ہر شخص ہر جگہ ہر حال میں آسانی سے عمل کرسکے۔ (رویتِ ہلال، ص: ۴۲)

شہادت کے لیے جب ایک ضابطہ شریعت نے مقرر فرمایا تو اُس میں مزید قیود کا اضافہ دلیلِ شرعی کے بغیر ممکن نہیں۔ ''وہ شہادت اہلِ ہیئت کے قطعی حساب کے خلاف نہ ہو'' یہ ایک ایسی قید ہے جس کا کوئی شرعی ماخذ نہیں۔ پھر حساب کو قطعی کہنا خود بلا دلیل اور اہلِ ہیئت کی تصریحات کے خلاف ہے، جو حضرات قطعیتِ حساب کے دعویدار

ہیں اُن کے غور وفکر کے لیے دو واقعے پیش کر رہا ہوں:

دو واقعے:

① علمائے امت کا اتفاق ہے کہ دنیا کی تمام مساجد محض تحری وتخمینہ سے قائم کی گئی ہیں؛ لیکن مسجدِ نبوی کی سمت بطورِ وحی ومکاشفہ قائم کی گئی ہے، حق تعالیٰ نے آں حضرت ﷺ کے سامنے بیت اللہ کو بطورِ معجزہ کر دیا تھا، اُس کو دیکھ کر آپ نے مسجدِ مدینہ کی بنیاد رکھی۔

''بحر الرائق'' میں ہے: نقل عن أبي بكر الرازي في محراب المدينة أنه مقطوع به، فإنه إنما نصبه رسول الله ﷺ بالوحي (۱/ ۳۰۳)

''درمختار'' میں ہے: وكذا المدني لثبوت قبلتها بالوحي.

(در مختار على هامش الشامي ۱/ ۳۱۵)

اِس لیے باجماعِ امت مسجدِ نبوی کی سمت بالکل یقینی ہے؛ لیکن حسابات ریاضیہ سے جانچا گیا تو وہ بھی صحیح نہیں اتری؛ چناں چہ امیرِ مصر احمد ابن طولون نے جب مصر میں اپنی جامع مسجد بنانے کا ارادہ کیا، تو چند ماہرینِ ہندسہ کو مدینہ منورہ بھیج کر پہلے مسجدِ نبوی کی سمتِ قبلہ کو آلاتِ ریاضیہ سے جانچا، تو معلوم ہوا کہ آلات کے ذریعہ نکالے ہوئے خط سمتِ قبلہ سے مسجد نبوی کی سمتِ قبلہ دس درجہ مائل بجنوب ہے، جیسا کہ علامہ مقریزی نے ''کتاب الخطط'' ۲/ ۲۵۶ میں بالفاظِ ذیل اس کا ذکر کیا ہے:

إن أحمد ابن طولون لما عزم على بناء هذا المسجد بعث إلى محراب رسول الله ﷺ من أخذ سمته، فإذا هو مائل عن خط سمت القبلة المستخرج بالصناعة نحو عشر درج إلى جهة الجنوب

اب جو لوگ آلاتِ رصدیہ پر مدار رکھتے ہیں اور اِس پر فخر کرتے ہیں، وہ دیکھیں کہ اُن کی تجویز پر تو مسجدِ نبوی کی سمتِ قبلہ بھی پوری نہیں اُترتی، اگرچہ موجودہ زمانہ کے آلات کے مطابق مسجدِ نبوی کی سمت، قبلہ کے عین مطابق ہے؛ لیکن اِس سے اِتنا تو معلوم ہوا کہ آلات پر مدار رکھنا اور اصولِ شرع کو محض آلاتِ رصدیہ کی وجہ سے چھوڑنا غلط طریقہ ہے۔

(۲) نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی نماز بھی پڑھی اور پڑھائی تھی۔ ''بخاری شریف'' اور دیگر کتبِ حدیث میں اِس کی صراحت موجود ہے کہ، سورج گرہن کا یہ واقعہ اُس روز پیش آیا تھا جس روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب زادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ اِس موقع پر علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر اہلِ سیر کے حوالہ سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ: حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات دس چاند کو ہوئی تھی، دو قول اَور بھی ذکر کیے ہیں جن میں ایک چار چاند کا اور دوسرا چودہ کا ہے۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

(قوله: يوم مات ابراهيم) يعني ابن النبي ﷺ، وقد ذكر جمهور أهل السير أنه مات في السنة العاشرة من الهجرة، فقيل: في ربيع الاول، وقيل: في رمضان، وقيل: في ذي الحجة، والأكثر على أنها وقعت في عاشر الشهر، وقيل: في رابعه، وقيل: في رابع عشرة (فتح الباري ۲/ ۵۲۹)

چناں چہ خود حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دوسری تصنیف ''الإصابة'' ۱/ ۹۳ میں اور علامہ ابن عبد البر مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الاستيعاب على هامش الإصابة'' (۱/ ۴۳) میں بھی دس چاند والا قول نقل فرمایا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''مرقات شرحِ مشکوۃ'' میں حافظ کے حوالہ سے اِسی کو ذکر کیا ہے: قال ابن حجر: وكان ذلك يوم عاشر الشهر، كما قاله بعض الحفاظ (مرقات؟ /۲۷۵)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''أوجز المسالك'' میں اِس کو ''شرحِ احیاء'' اور ''تاریخ الخمیس'' کے حوالہ سے ذکر کیا ہے:

قلت: وذكره في تاريخ الخميس في السنة السادسة، فقال: وفي هذه السنة كسفت الشمس أول مرة قيل: الكسوف الذي كان فيه موت إبراهيم، كذا في الوفاء، ثم ذكر في السنة العاشرة، فقال: وفي هذه السنة يوم الثلثاء لعشر ليال خلون من ربيع الأول توفي إبراهيم بن رسول الله ﷺ وانكسفت الشمس يوم مات، فقال الناس: إنما كسفت لموت ابراهيم، قيل: إن الغالب أن الكسوف يكون يوم الثامن والعشرين أو التاسع والعشرين وانكسفت في العاشر، فقالوا: إنها كسفت لموته، انتهىٰ (أوجز المسالك ٤ /۲۵)

اہلِ ہیئت کے نزدیک یہ بات اصولِ مسلمہ میں سے ہے کہ سورج گرہن قمری مہینہ کی آخری تاریخوں (۲۷/۲۸/۲۹) میں ہوتا ہے، اور یہاں حدیث میں تصریح موجود ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے روز سورج گرہن ہوا، اور اکثر اہلِ سیر یہ فرماتے ہیں کہ: اِن کی وفات دس چاند کو ہوئی، جس کا مطلب یہ ہوا کہ دس چاند کو سورج گرہن ہوا، اب اگر اہلِ ہیئت سے اِس سلسلہ میں دریافت کیا جائے تو وہ صاف صاف لفظوں میں یہ کہیں گے کہ: یہ ناممکن اور محال ہے؛ لیکن علمائے کرام اور محدثینِ عظام اِسی واقعہ کو اُن کی تردید کے لیے پیش فرماتے ہیں؛ چناں چہ حافظ ابن

حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اسی موقع پر تحریر فرماتے ہیں:

وفيه رد على أهل الهيئة لأنهم يزعمون أنه لا يقع في الأوقات المذكورة، وقد فرض الشافعي وقوع العيد والكسوف معاً، واعترضه بعض من اعتمد على قول أهل الهيئة، وانتدب أصحاب الشافعي لدفع قول المعترض فأصابوا (فتح الباري ٢ /٤٢٣)

دیکھیے حافظ نے اِس موقع پر اہلِ ہیئت کی تردید فرمائی ہے؛ (بلکہ اُن کی اِس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ عید اور کسوف دونوں جمع ہوجائیں، اور اہلِ ہیئت کی بات کا اعتبار کرنے والوں کی طرف سے امام پر جو اعتراض وارد کیا گیا اُس کا اصحابِ شوافع نے جواب دیا، اور اُن کے اِس جواب کی خود حافظ "فأصابوا" فرما کر تصویب وتائید کررہے ہیں)۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی شرح مشکوۃ میں یہی بات فرماتے ہیں:

وفيه رد لقول أهل الهيئة: لا يمكن كسوفها في غير يوم السابع أو الثامن أو التاسع والعشرين؛ إلا أن يريد أن ذلك باعتبار العادة وهذا خارق لها. (مرقاة ٢/ ٢٧٥)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "اوجز" میں اِس مسئلہ پر مستقل بحث فرمائی ہے:

والسادس فيما قال أهل الهيئة: أن الكسوف لا يكون إلا في الثامن والعشرين أوالتاسع والعشرين، وقد ورد عند أهل التاريخ وقوعهما في الأوقات المختلفة، وورد أن الشمس كسفت عند شهادة الإمام حسين في العاشوراء، وتقدم عن العيني راداً على أهل الهيئة أنه لو كان

الكسوف لوقوعه في ظل الأرض في وقت لكان ذلك الوقت محدوداً معلوماً؛ لان المجرى منهما محدود معلوم، فلما كان تأتي في الأوقات المختلفة والجرى واحد والحساب واحد علم قطعاً فساد قولهم. انتهى.

(أوجز المسالك ٥/٢٤)

اِس لیے رویتِ ہلال کی شہادت بھی محض اِس وجہ سے رد نہیں کی جاسکتی کہ رَصدگاہ والے اُس روز رویت کو ناممکن قرار دیتے ہیں۔

(ج): مطلع کا صاف یا گرد آلود ہونا حسّی چیز ہے، جس کا فیصلہ بہ آسانی کیا جاسکتا ہے، اِس کے لیے محکمۂ موسمیات کی مدد لینا سمجھ میں نہیں آتا۔ رہا رویت کے امکان وعدمِ امکان کا سوال، تو جب اِس سلسلہ میں اُن کی بات کا شرعاً اعتبار ہی نہیں تو پوچھنے سے کیا حاصل؟

(د) اگر ہلالِ رمضان میں خبرِ واحد عادل پر اعتماد کرتے ہوئے روزہ کا حکم دیا گیا اور تیس روزے پورے ہوجانے کے بعد بھی رویت ہلال نہ ہوئی، تو بحالتِ صحو عید کرنا جائز نہیں، اور بحالتِ علت عید کرنا جائز ہے۔

إذا صاموا بشهادة الواحد وأكملوا ثلاثين يوماً ولم يروا هلال شوال لا يفطرون فيما روى الحسن عن أبي حنيفة رحمهما الله تعالى للأحتياط، وعن محمد رحمه الله تعالى أنهم يفطرون، كذا في التبيين، وفي غاية البيان: قول محمد أصح، كذا في النهر الفائق، وقال شمس الأئمة الحلواني: هذا الاختلاف فيما إذا لم يروا هلال شوال والسماء مصحية، فأما إذا كانت متغيمة فإنهم يفطرون بلا خلاف، كذا فى الذخيرة (عالمگيري ١/١٩٨)

(و) لوصاموا (بقول عدل) حيث يجوز و غم هلال الفطر (لا) يحل على المذهب، خلافاً لمحمد، كذا ذكره المصنف؛ لكن نقل ابن الكمال عن الذخيرة: أنه إن غم هلال الفطر حل اتفاقاً وفي الزيلعي: الأشبه إن غم حل وإلا لا (در مختار)

وفي الشامية: (قوله: وفي الزيلعي إلخ) نقله لبيان فائدة لم تعلم من كلام الذخيرة، وهي ترجيح عدم حل الفطر إن لم يغم شوال، لظهور غلط الشاهد؛ لأنه الأشبه من ألفاظ الترجيح، لكنه مخالف لما علمته من تصحيح غاية البيان لقول محمد بالحل، نعم! حمل في الإمداد ما في غاية البيان على قول محمد بالحل إذا غم شوال، بناء على تحقق الخلاف الذي نقله المصنف، وقد علمت عدمه، وحينئذ فما في غاية البيان في غير محله؛ لأنه ترجيح لما هو متفق عليه، تأمل (شامي ٢/١٠٣)

(قوله: وهي ترجيح عدم حل الفطر إن لم يغم الخ) هو وإن أشعر بالترجيح يشعر بالخلاف في المسئلة على خلاف عبارة الذخيرة، وعبارة مجمع الروايات المنقولة في السندي تشهد بالخلاف أيضاً، حيث قال: وفي الإمداد عن مجمع الروايات عن الزاهدى: لو قبل الإمام شهادة الواحد وأتموا ثلاثين، ثم غم عليهم هلال شوال، قال الإمام والثاني: يصومون من الغد، وقال محمد: يفطرون، وقال شمس الأئمة الحلواني: الخلاف فيما إذا لم ير هلال شوال والسماء مصحية، فإن كانت متغيمة يفطرون بلاخلاف اه والأظهر أن ما نقله عن الزيلعي إنما ذكره لبيان أن ما ذكره عن المصنف من تصحيح عدم الحل صحح الزيلعي خلافه، وإن ما حكاه ابن الكمال من الاتفاق حكى الزيلعى ما

يدل على الخلاف. (تقريرات الرافعي ١/ ١٤٦، ١٤٧)

نوٹ: اِس مسئلہ میں علمائے پاکستان نے اُسی پر اتفاق فرمایا ہے جو احقر نے جواب میں لکھا ہے، اِن اتفاق کرنے والوں میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں: ثم اعلم! أنه إذا تم عدد رمضان ثلاثين بشهادة فرد ولم ير هلال الفطر والسماء مصحية لا يحل الفطر اتفاقاً؛ لظهور غلط الشاهد ويعزر ولاخلاف في حل الفطر إذا تم العدد وكان بالسماء علة ليلة الفطر وإن ثبت رمضان بشهادة الفرد، كما حرره في إمداد الفتاح (رسائل ابن عابدين ١/ ٢٣٦)

③ (الف) مطلع صاف ہونے کی صورت میں جمعِ عظیم کی رویت شرط ہے؛ البتہ صاحبِ بحر الرائق علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کے بقول دو کی گواہی سے بھی کام چل جائے گا، اور اگر خارجِ مصر یا بلند مقام سے دیکھنے والا ایک بھی ہو تو اُس کی شہادت سے ثبوت ہو جائے گا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ "تنبيه الغافل والوسنان" میں اِس مسئلہ پر تفصیلی بحث فرمانے کے بعد آخر میں خلاصہ تحریر فرماتے ہیں:

حاصل مامر فيما يتوقف عليه وجوب الصوم عندنا رؤية الهلال من عدل أو مستور لو في السماء علة، وإلا فجمع عظيم أو اثنان على ما اختاره في البحر في زماننا، أو واحد عدل إذا جاء من خارج المصر أو من مكان عال. (رسائل ابن عابدين ١/ ٢٣٨)

فاسق کے صدق کا اگر ظنِ غالب ہو تو اُس کی شہادت قبول کرنا جائز ہے۔

درمختار میں ہے: (فلو قضى بشهادة فاسق نفذ) وأثم فتح (درمختار)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اِس پر تحریر فرماتے ہیں:

(قوله: بشهادة فاسق نفذ) قال في جامع الفتاوى: وأما شهادة الفاسق فإن تحرى القاضي الصدق في شهادته تقبل، وإلا فلا اهـ فقال: وفي الفتاوى القاعدية: هذا إذا غلب على ظنه صدقه، وهو مما يحفظ، درر، أول كتاب القضاء وظاهر قوله: وهو مما يحفظ اعتماده اهـ (شامي ٤/ ٤١٣، ٤١٤)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''کیوں کہ اگر فاسق کی شہادت کو مطلقاً رد کرنا قرار دیا جائے تو ساری دنیا کا نظام مختل ہوجائے، کیوں کہ معاملات کے لیے قابل قبول شہادت ہزار میں ایک بھی میسر آنا مشکل ہوجائے گا، ہاں! یہ ظاہر ہے کہ قاضی کے لیے غلبۂ ظن بصدقِ مخبر ضروری ہے، جو فاسق اِس درجہ میں نہ ہو اُس کی شہادت رد کی جائے گی؛ ورنہ قبول کرنا چاہیے؛ تاکہ حقوق ضائع نہ ہوجائیں۔

''معین الحکام'' میں ''باب الثاني والعشرين'' میں اِس مسئلہ پر مفصل کلام کرکے اِس کو ترجیح دی ہے:

(مسئلة): قال القرافي في باب السياسة: نص بعض العلماء على أنا إذا لم نجد في جهة إلا غير العدول أقمنا أصلحهم وأقلهم فجوراً للشهادة عليهم، ويلزم ذلك في القضاة وغيرهم؛ لئلا تضيع المصالح، قال: وما أظن أحداً يخالف في هذا؛ فإن التكليف شرط في الإمكان، وهذا كله للضرورة؛ لئلا تهدر الأقوال وتضيع الحقوق، قال بعضهم: وإذا كان الناس فساقاً إلا القليل النادر قبلت شهادة بعضهم على بعض، ويحكم بشهادة الأمثل فالأمثل من الفساق، هذا هو الصواب

الذي عليه العمل وإن أنكره كثير من الفقهاء بألسنتهم، كما أن العمل على صحة ولاية الفاسق ونفوذ أحكامه وإن أنكروه بألسنتهم، وكذلك العمل على صحة كون الفاسق وليا في النكاح ووصياً في المال، وهذا يؤيد ما نقله القرافي: وإذا غلب على الظن صدق الفاسق قبلت شهادته وحكم بها، والله تعالى لم يأمر برد خبر الفاسق، فلا يجوز رده مطلقاً؛ بل يتثبت فيه حتى يتبين صدقه من كذبه، فيعمل على ما تبين وفسقه عليه. (معين الحكام، ص: ١١٧)

در بابِ رویتِ ہلالِ رمضان مستور الحال کی شہادت کا اعتبار کیا جائے گا۔ (كما مر في عبارة العلامة الشامي)

(ب) حاکم مسلم نہ ہونے کی صورت میں تمام شرائطِ شہادت ساقط نہ ہوں گی؛ بلکہ ممکنہ شروط کا اعتبار ضروری ہے۔

ولوكانوا ببلدة لاحاكم فيها صاموا بقول ثقة، وأفطروا بإخبار عدلين مع العلة للضرورة (در مختار مع الشامي ٢ /٩٩،١٠٠)

اِس میں عدد کی صراحت ہے، جو شروطِ شہادت میں سے ہے۔

''بحر الرائق'' میں ہے: فيشترط فيه ما يشترط في سائر حقوقهم، من العدالة، والحرية، والعدد، وعدم الحد في القذف، ولفظ الشهادة، والدعوى على خلاف فيه إن أمكن ذلك؛ وإلا فقد تقدم أنهم لوكانوا في بلدة لا قاضي فيها ولا وال فإن الناس يصومون بقول الثقة، ويفطرون بإخبار عدلين للضرورة. (٢/ ٢٨٧)

اِس میں خط کشیدہ الفاظ ''إن أمكن ذلك'' سے معلوم ہوتا ہے کہ ممکنہ شروط

کی رعایت ضروری ہے۔

(ج): اگر ثبوتِ رؤیت اُن کی شہادت پر موقوف ہے تو اُن کے لیے ضروری ہے کہ فوری طور پر شہادت دیں۔

و يجب على الجارية المخدرة أن تخرج في ليلتها بلاإذن مولا ها وتشهد، كما في الحافظية(در مختار) (قوله: ويجب على الجارية المخدرة) أي ا لتي لا تخالط الرجال، وكذا يجب على ا لحرة أن تخرج بلاإذن زوجها، وكذا غير المخدرة والمزوجة بالأولى، قال ط: والظاهر أن محل ذلك عند توقف إثبات الرؤية عليها؛ وإلا فلا (شامي ٢ /٩٩)

اگر اِن کی یہ تاخیر اِس لیے ہے کہ مقامی علماء یا چاند کمیٹی تک پہنچنا اُن کے لیے فوری طور پر ممکن نہ تھا، تب تو اُن کی شہادت رَد نہیں کی جائے گی؛ ورنہ رَد کی جاسکتی ہے۔

وعليه تفرع ما لوشهدوا في آخر رمضان برؤية هلاله قبل صومهم بيوم، إن كانوا في المصر ردت لتركهم الحسبة، وإن جاء وا من خارج قبلت من الفتح ملخصاً. (شامي ٢ /٩٩)

نوٹ: آج کل عوام مسلمین میں مسائلِ شریعت سے جہالت وناواقفیت بھی عام ہے، اگر اُن کی یہ تاخیر اِسی جہالت کی وجہ سے تھی تو اُن کی شہادت رد کی جائے یا نہیں؟ اِس کی صراحت نہیں ملی۔

④ (الف، ب) اگر قاضی کا تقرر تمام مسلمین کی تراضی سے عمل میں آیا ہے تو سب کے حق میں واجب العمل ہے۔

(ج) دوسرے صوبوں کے مسلمانوں کے حق میں واجب العمل نہیں ہے، محض

خبر کی حیثیت رکھتا ہے۔

(د) اگر اعلان بایں الفاظ ہو کہ: فلاں رویتِ ہلال کمیٹی چاند کا شرعی ثبوت مل جانے کے بعد یہ اعلان کر رہی ہے، یا اپنے انتظام سے کرا رہی ہے کہ: رویت شرعاً ثابت ہو چکی ہے، اور یہ کمیٹی جانی پہچانی اور معتبر ہو، اور اُس کے تمام ارکان پابندِ شرع ہوں تو یہ اعلان مقبول اور واجب العمل ہوگا۔

اور اگر اعلان کے طور پر نہیں؛ بلکہ محض خبر کے طور پر نشر کر رہی ہے، اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہو کہ یہ ریڈیو کسی خاص ضابطہ کے تحت ہے، بلا اجازت معتبر خبر شائع نہیں کی جاسکتی، تو ہلالِ رمضان کے اثبات کے لیے کافی ہے، ہلالِ فطر کے اثبات کے لیے کافی نہیں۔

⑤ (الف، ب) دیگر قریبی ممالک جہاں مطلع عموماً صاف رہتا ہو اور رویت ہوتی ہو، اُن سے رابطہ قائم فرما کر بطریقِ موجب ثبوت مہیا کیا جائے۔

(ج) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''مختلف ریڈیو اسٹیشنوں کی خبریں بھی جب وہ حد تواتر کو پہنچ جائیں تو استفاضہ میں داخل ہیں''۔ (فتاویٰ دار العلوم ۲/ ۴۸۷ مطبوعہ کراچی)

تین ریڈیو اسٹیشنوں سے بھی حصولِ استفاضہ ممکن ہے:

قال الحافظ ابن حجر العسقلاني: والثاني -وهو أول أقسام الآحاد- ما له طرق محصورة بأكثر من اثنين، وهو المشهور عند المحدثين، سمي بذلك لوضوحه، وهو المستفيض على رأى جماعة من أئمة الفقهاء.

(شرح نخبة الفكر)

مگر حقیقت یہ ہے کہ استفاضہ کے لیے کوئی عدد متعین نہیں؛ بلکہ جتنی اخبار سے غلبۂ ظن متحقق ہوجائے وہ خبر مستفیض ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۶/ جمادی الاخری ۱۴۱۵ھ

اہلِ برطانیہ کے لیے دربابت رویتِ ہلال مشعلِ راہ

سوال :① یہاں برطانیہ میں ''مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی'' کی طرف سے ایک کتاب ''سعودی عرب کی رویت کے اصول شریعت ومفتیان کرام کی نظروں میں'' شائع ہوئی ہے، اِس میں تقریباً ۲۰ مفتیانِ عظام کے حوالہ سے برطانیہ کو چاند کی تاریخوں کے تعیین کے بارے میں سعودیہ کے تابع بنانے کو جائز قرار دیا ہے، اِن مفتیانِ کرام میں آں جناب کا بھی نام ہے، تقریباً چھ سال سے اِس پر عمل ہورہا ہے، اِس کی وجہ سے ہندوستان پاکستان وغیرہ ممالک سے کبھی دو دن کبھی تین دن کا فاصلہ ہورہا ہے، دو دن، تین دن پہلے رمضان المبارک کا آغاز ہورہا ہے، سعودیہ کے مشرقی ومغربی علاقوں میں سعودیہ اور اُن کے متبعین علاقوں کے علاوہ کہیں بھی دنیا بھر میں رویت نہیں ہوتی، مثلاً سعودیہ کے مغربی علاقہ افریقہ، پناما، باربا ڈوز وغیرہ؛ حالاں کہ اِن علاقوں میں موسم اور مطلع اکثر صاف ہوتا ہے۔

دیگر عرض ایں کہ یہاں ہلال کمیٹی صرف مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ دو جگہ فون کر کے فیصلہ کرلیتی ہے، کیا تواتر واستفاضہ کی تعریف دو فون پر صادق آتی ہے؟ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے ''اصلاحِ انقلاب امت'' میں ''رمضان کے متعلق کوتاہیاں'' کے ماتحت لکھا ہے: رویتِ ہلال کی خبر کے بارے میں جب بے احتیاطی ہوتی ہے تو بدونِ ثبوتِ

رمضانیت باعتقادِ رمضان فرض روزہ رکھا جاتا ہے، حالاں کہ یوم شک میں روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے، جب بناء غیر صحیح پر روزہ شروع کیا اور ختم رمضان پر اتفاق سے ابر ہونے کی وجہ سے اکمالِ ثلثین کے قاعدے پر عید کرے گا، اور ممکن ہے وہ تاریخ رمضان کی ہو تو کس قدر سخت بات ہے!۔

آں جناب سے بندہ صرف یہی تحقیق کرنا چاہتا ہے کہ، سعودیہ کے تابع بن کر مغربی ممالک سے دو دن، تین دن پہلے رمضان کا آغاز اور اختتام کرنا عین اصولِ شریعت پر عمل کرنا ہے؟ اِس بارے میں مفصل جواب تحریر فرما کر ہم طالب علموں کی ہمت افزائی فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

② احسن الفتاویٰ ج ۴ رمیں ''سعودیہ میں رویت کا اعلان پاکستان کے لیے حجت نہیں ہے'' اِس کی فوٹو کاپی ساتھ میں ارسالِ خدمت ہے، اِس جواب کے مطابق برطانیہ کو سعودیہ کے تابع بن کر عمل کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ خلافِ ظاہر ہونے کی وجوہ بیان میں پائی جاتی ہیں، ساتھ اختلافِ مطالع کے بارے میں علامہ شیخ عبداللہ بن محمد کے مضمون کی فوٹو کاپی شیخ بن باز کی، نیز مفتیٔ گجرات مفتی عبدالرحیم لاجپوری مدظلہ کا ماہِ جولائی ۱۹۷۸ء میں ''سفرِ برطانیہ کے درمیان متفقہ فیصلہ'' کی فوٹو کاپی ساتھ میں ارسالِ خدمت ہے۔ آں جناب سے گذارش ہے کہ: اِن سب باتوں کو مدنظر رکھ کر جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①② علاقہ برطانیہ میں رویتِ ہلال کا مسئلہ نیا نہیں ہے، ایک مدت سے اہلِ

علم اور اربابِ فتویٰ کے درمیان موضوعِ بحث بنا ہوا ہے، اور یہ حضرات اُس کے حل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، قرآنی آیات، حدیثی روایات، فقہی عبارات، اقوالِ مشائخ اور قواعدِ ہیئات سے استنباط اور استشہاد بھی فرماتے ہیں؛ لیکن کسی ایک بات پر اتفاق نہیں ہو پاتا، اور متفق ہونا بظاہر دشوار ہونے کے ساتھ ضروری بھی نہیں ہے؛ اِس لیے اہلِ علم اور دلائل سے واقف حضرات کے لیے تو دیانۃً یہ ضروری ہے کہ جس دلیل کو قوی اور راجح قرار دیں اُسی پر عمل کریں، اور عوام اپنے علماء کا اتباع کریں، اور اگر اُن میں بھی اختلاف ہو تو جس پر زیادہ اعتماد ہو اُس کا اتباع کریں۔

ایک بات یاد رہے کہ اہلِ علم اپنے اختیار کردہ قول وعمل کو دوسرے اہلِ علم پر زبردستی چپکانے کی کوشش نہ کریں، اور اُن کے قول وعمل کو باطل محض قرار دے کر نزاع پیدا نہ کریں، اور عوام پر لازم ہے کہ اہلِ علم کے اختلاف میں دخل دے کر اِس کو باعثِ نزاع وفساد ہرگز نہ بنائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۶/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

برطانیہ میں دیگر ممالک سے آنے والی چاند کی خبر پر عمل کرنے کی وجہ سے اٹھنے والے چند سوالات کے جوابات

بخدمتِ اقدس حضرت مفتی صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون! امید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا، ایک نہایت ہی اہم استفتاء

فوری رہبری کی ضرورت کے پیشِ نظر جناب کی خدمت میں معروض ہے، امید ہے کہ مبارک ماہ کی قیمتی گھڑیوں میں سے تھوڑا وقت نکال کر رہبری سے فوری طور پر نوازیں گے، اللہ رب العزت ہر قسم کی عافیت سے نوازیں۔ آمین

سوال: برطانیہ میں اُفق اور موسم ہمیشہ غبار آلود ہونے کی وجہ سے چاند کی رویت نہ ہونے کے باعث رمضان وعیدین کی تعیین کے بارے میں ہمیشہ برطانیہ سے باہر کی آمدہ خبروں پر اعتماد کرتے ہوئے علمائے کرام فیصلہ کرتے ہیں۔

اب تک دو مختلف طریقوں سے فیصلہ کیا جاتا تھا، بعض علماء اِس طرح فیصلہ کرتے تھے کہ برطانیہ سے باہر کسی بھی ملک سے ملنے والی رویتِ ہلال کی خبر پر رمضان شروع کر دیا جائے، اور عید الفطر کے موقع پر بھی جس ملک کی رویت کی خبر پر رمضان شروع کیا ہے اُس کی پابندی کے بغیر وہ یا کسی اَور ملک کی خبر پر عید الفطر کا تعین کر لیا جائے۔

دوسرے بعض علماء رمضان وعیدین دونوں کے تعین کے لیے برطانیہ سے قریب مسلم ملک مراکش کی رویت کی خبر پر (جہاں ہر ماہ رویتِ ہلال کا باقاعدہ نظم ہے) رمضان وعیدین کا تعین کرتے۔

سالِ رواں علمائے کرام نے نئی صورت یہ تجویز کی کہ، سعودی عرب کی رویتِ ہلال کی خبر پر برطانیہ میں بھی رمضان وعیدین کا تعین کیا جائے۔

مراکش کی رویت پر برطانیہ میں رمضان وعیدین کرنے والے علماء نے اِس سے اِس بنیاد پر اختلاف کیا کہ سعودی عرب کی رویت صحیح نہیں ہوتی، اور اِس بارے میں شواہد ودلائل اور مفتیان کرام کے اقوال پیش کیے۔

مذکورہ دو مختلف صورتوں کی بناء پر ۱۴۰۷ھ سالِ رواں رمضان کی ابتدا میں

برطانیہ میں حسبِ ذیل کیفیت پیدا ہوئی: سعودی عرب میں رویتِ ہلال کا اعلان بروز پیر ۲۷/ اپریل ۱۹۸۷ء کی شام کو ہوا، کہ آئندہ کل بروز منگل ۲۸/ اپریل ۱۹۸۷ء کو یکم رمضان ہوگی؛ چناں چہ برطانیہ میں بھی اِس کے مطابق یکم رمضان کا اعلان کیا گیا۔

مراکش کی تحقیقِ رویت کے مطابق ۲۷/ اپریل ۱۹۸۷ء کو ۲۸/ شعبان ۱۴۰۷ھ ہونے کی وجہ سے منگل کو رمضان شروع ہونے کا امکان ہی نہیں تھا، ۲۸/ اپریل ۱۹۸۷ء بروز منگل ۲۹/ شعبان کو مراکش میں چاند کی رویت نہ ہوئی، اور ۳۰/ شعبان ۱۴۰۷ھ بروز بدھ ۲۹/ اپریل ۱۹۸۷ء کو برطانیہ میں مختلف شہروں میں سیکڑوں لوگوں نے چاند دیکھا، اور اُنھوں نے بروز جمعرات ۳۰/ اپریل ۱۹۸۷ء سے رمضان شروع کیا، یوں دونوں میں دو دن کا فرق ہوگیا۔

سوال طلب امور:

① مقامی رویت ہونے کے بعد باہر کی مقدم آمدہ خبر کی شرعاً کیا حیثیت ہوگی؟ بالخصوص جب کہ وہ مشتبہ ہونے کے علاوہ بداہت کے بھی خلاف ہو؛ نیز اِس خبر کی وجہ سے مقامی ماہ ۲۸ دن کا ہوجاتا ہو۔

② بعض لوگوں کا خیال ہے کہ برطانیہ میں ۳۰ شعبان، ۲۹ اپریل کو جو چاند دیکھا گیا وہ دو دن پہلے کا تھا، کیا چاند کے بارے میں اِس طرح قیاس کرنا اور یوں اندازہ کرنا صحیح ہے؟ یا چاند چھوٹا ہو یا بڑا اور بعد غروبِ آفتاب زیادہ دیر اُفق پر رہے یا کم، اُسی رات کا شمار ہوگا جس رات وہ دیکھا گیا؟

③ برطانیہ میں ۳۰ شعبان کو چاند کی رویت ہونے کی وجہ سے جنھوں نے

سعودی عرب کی خبر پر دو روز مقدم رمضان شروع کیا، اُن کے دو روزے رمضان میں شمار ہوں گے یا نفل شمار ہوں گے؟

④ اُن کو رمضان کا اختتام برطانیہ کی مقامی رویت کے مطابق ۲۹ یا ۳۰ روزے شمار کر کے کرنا چاہیے؟ یا سعودی عرب کی خبر کے مطابق عید الفطر مقدم رمضان میں منانی چاہیے؟

⑤ برطانیہ کی آبزرویٹری نے اخبارات میں یہ لکھا تھا کہ: قرانِ شمس وقمر ۲۸/ اپریل ۱۹۸۷ء گرینچ وقت کے مطابق رات ایک بج کر ۳۴ منٹ پر ہوگا، اور سعودی معیاری وقت کے مطابق صبح ۴ بج کر ۳۴ منٹ پر ہوگا۔ اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ چاند محاق سے پہلے دنیا میں کہیں بھی نظر نہیں آسکتا، تو سعودی میں وہ محاق سے تقریباً دس گھنٹے پہلے کیسے دیکھا گیا؟ چناں چہ یہ اعلان محالِ عادی ہونے کی وجہ سے کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ کیا علمِ ہیئت کا قاعدہ شریعت کے خلاف ہے؟

⑥ بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ عید الاضحیٰ سعودی عرب میں حج کے دوسرے دن برطانیہ میں منائی جائے، کیا حدیث شریف میں یا شریعتِ مطہرہ میں اِس کی کوئی حقیقت ہے کہ سعودی عرب میں جس دن حج ہو اُس کے دوسرے دن برطانیہ میں عید الاضحیٰ منائی جائے؟

نوٹ: مسئلہ اہم اِس وجہ سے ہے کہ رمضان مبارک کے اختتام سے پہلے اِس کا جواب ہو؛ تاکہ لوگ اپنے روزوں کے بارے میں صحیح رہبری حاصل کرسکیں، بناء بریں امید کرتا ہوں کہ جناب والا جلد جواب سے نوازیں گے۔

احقر شبیر ٹیلر

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے سوالات کا جواب دینے سے پہلے چند باتیں تمہیدی طور پر عرض کرتا ہوں، جن سے آپ کے اشکالات بھی انشاء اللہ تعالیٰ دور ہوں گے۔

شرعی احکام کی بنیاد سادگی پر ہے۔

شریعت کے تمام احکام کی بنیاد یسر وسہولت اور سادگی اور بے تکلفی پر ہے، فلسفیانہ تدقیقات پر نہیں؛ کیوں کہ اِس شریعت کا دائرۂ حکومت تمام عالم کے بحر وبر اور اسود واحمر، شہری ودیہاتی، آبادیوں اور اُن کے سُکّان پر حاوی ہے، اسلامی فرائض نماز، روزہ وغیرہ جس طرح شہریوں پر عائد ہیں اِسی طرح دیہاتیوں اور پہاڑوں، درّوں اور جزائر کے رہنے والے ناخواندہ، ناواقف لوگوں پر بھی عائد ہیں۔ اور جو احکام اِس درجہ عام ہوں اُن میں مقتضائے عقل وحکمت ورحمت یہی ہے کہ اُن کو تدقیقاتِ فلسفیہ اور قواعدِ ریاضیہ یا آلاتِ رصدیہ پر موقوف نہ رکھا جائے؛ تاکہ ہر خاص وعام، خواندہ وناخواندہ بہ آسانی اپنے فرائض انجام دے سکے، شریعت کے تمام تر احکام اِسی نظریہ کے تحت بالکل آسان اور سادہ طریقہ پر آئے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت کے وہ احکام جن کا تعلق خاص وقت سے ہے، نماز وغیرہ، اِن کے لیے معیار سورج کے طلوع وغروب اور اُس کے استواء وانحناء کو بنایا گیا، روزۂ رمضان کا مدار چاند دیکھنے پر رکھا گیا، حسابات ریاضیہ کا اعتبار نہیں کیا گیا، مہینے قمری رکھے گئے جن کا مدار رویتِ ہلال پر ہے، شمسی مہینوں کو نہیں لیا گیا؛ اِس لیے کہ اِن کا مدار حساباتِ ریاضیہ پر ہے، احکامِ اسلامیہ کے تتبُّع سے بکثرت اِس کے نظائر معلوم کیے جاسکتے ہیں؛ کیوں کہ آلات اور فنی

چیزیں ہر جگہ اور ہر زمانے میں مہیا نہیں ہوسکتیں، اور اُن کا فراہم ہوجانا یقینی نہیں ہوتا، اگر ایسی چیزوں پر احکام کا دارومدار رکھ دیا جائے تو وہ بہت سے لوگوں بلکہ اکثریت کے لیے ناقابل عمل ہوجائیں گے۔

چناں چہ رمضان اور عید کی آمدورفت کے لیے صحیح احادیث میں وہی فطری اور سادہ اصول بتایا گیا ہے جو اسلام کی روح کے عین مطابق ہے، کہ فنی چیزوں کی فراہمی، آلاتِ رصدیہ اور علمِ حساب کی احتیاج کے بغیر اِس مسئلہ کو حل کیا جائے؛ اِس لیے یہ حکم دیا گیا: "صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، فإن أغمى عليكم فاقدروا له ثلثين" مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو کسی پریشانی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اور نہ دُوربین و دیگر آلاتِ رصدیہ وقواعدِ حسابیہ سے مدد لینے کی حاجت، بس جب چاند ۲۹ تاریخ کو نظر آجائے تب وہ روزہ رکھنا شروع کردیں (اگر رمضان کا چاند ہے)، اور عید کرلیں (اگر عید کا مہینہ ہے)، اور نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کرنے کے بعد اگلا دن اُس کے لیے خود ہی متعین ہے، اب اِس کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ چاند دیکھا جائے۔

"بذل المجہود" میں ہے:

فعلق الحكم بالصوم وغيره بالرؤية لرفع الحرج عنهم في معاناة حساب التسيير، واستمر الحكم في الصوم، ولو حدث بعدهم من يعرف ذلك؛ بل ظاهر السياق يشعر بنفي تعليق الحكم بالحساب أصلا، وقد ذهب قوم إلى الرجوع إلى أهل التسيير في ذلك، وهم الروافض قال الباجي: وإجماع السلف الصالح حجة عليهم، وقال ابن بزيزة:

وهو مذهب باطل، فقد نهت الشريعة عن الخوض في علم النجوم؛ لأنها حدس وتخمين ليس فيها قطع ولا ظن غالب، مع أنه لو ارتبط الأمر بها لضاق؛ إذ لا يعرفها إلا القليل (۱۱/ ۱۰۵)

اور پھر مزید یہ آسانی کہ ہر شخص پر چاند دیکھنا لازم نہیں کیا گیا؛ بلکہ بتادیا گیا کہ اگر دو ایک (عید کے لیے کم سے کم دو) معتبر دین دار مسلمان (بحالتِ ابر وغبار وغیرہ) چاند دیکھ کر گواہی دے دیں تو سب کے لیے کافی ہے، اور محض اِتنی بات سے ہی مہینہ کی آمد ثابت ہوجائے گی؛ لہٰذا اِس کے تقاضے پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

''بذل المجہود'' میں ہے: (فلا تصوموا حتى تروه ولا تفطروا حتى تروه) قال الحافظ: ليس المراد تعليق الصوم بالرؤية في حق كل أحد؛ بل المراد بذلك رؤية بعضهم، وهو من يثبت به ذلك، أما واحد على رأي الجمهور أو الإثنان على رأي آخرين، ووافق الحنفية على الأول؛ إلا أنهم خصوا ذلك بما إذا كان في السماء علة الغيم وغيره، وإلا متى كان صحوا لم يقبل إلا من جمع كثير يقع العلم بخبرهم (۱۱/ ۱۰۶)

حسابی قواعد اور آلاتِ رصدیہ کا دخل:

حسابی قواعد اور علمِ ہیئت کے اصول سے ہلال کا ثبوت مان کر اُس کے مطابق عمل کرنا روحِ شریعت سے میل نہیں کھاتا؛ بلکہ اِس کو ناقابلِ اعتبار قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ: ''إنا أمة أمية، لا نكتب ولا نحسب'' الخ کی تشریح کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ طیبی فرماتے ہیں:

قال الطيبي: إنا كناية عن جيل العرب، وقوله: ''لا نكتب ولا نحسب'' بيان لقوله أمّية، وهذا البيان ثم الإشارة باليد ثم القول

باللسان ينهيك على أن الاستقصاء في معرفة الشهر لا إلى الكتاب والحساب كما عليه أهل النجامة اه فالمعنى أن العمل على ما يعتاده المنجمون ليس من هدينا وسنّتنا؛ بل علمنا يتعلق برؤية الهلال، فإنا نراه مرة تسعا وعشرين و مرة ثلاثين (مرقات شرح مشكوة ۲/ ۵۰۳)

آگے چل کر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

قال ابن حجر: وإنما بالغ في البيان بما ذكر مع الإشارة المذكورة ليبطل الرجوع إلى ما عليه الحساب والمنجمون (مرقات۲/ ۵۰٤)

جب مدار رویت پر ٹھہرا تو فقہاء نے چاند کے تتبع اور تلاش کو واجب علی الکفایۃ قرار دیا ہے۔

''فتح القدیر'' میں علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (قوله: وينبغي للناس) أي يجب عليهم وهوواجب على الكفاية(فتح القدير ۲/ ۳۱۳)

''مراقی الفلاح شرح نور الایضاح'' میں علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

يجب كفاية التماس الهلال ليلة الثلاثين من شعبان؛ لأنه قد يكون ناقصا (مراقي الفلاح على هامش الطحطاوي: ۳۵٤)

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ اس پر حاشیہ تحریر فرماتے ہیں:(يجب) الظاهر منه الافتراض؛ لأنه يتوصل به إلى الفرض، وكذا يجب التماس هلال شوال في غروب التاسع والعشرين من رمضان (طحطاوی على المراق ۳۵٤)

''فتاویٰ عالمگیری'' میں بحوالہ ''الاختیار شرح المختار'' لکھا ہے: يجب أن يلتمس الناس الهلال في التاسع والعشرين من شعبان وقت الغروب، فإن

رأوه صاموه، وإن غم أكملوه ثلاثين يوما(۱/ ۱۹۷)

''تبیین الحقائق'' شرحِ کنز الدقائق میں ہے: ويجب التماس الهلال في التاسع والعشرين من شعبان (۱/ ۳۱۷)

اِس پر علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ تحریر فرماتے ہیں: (قوله: يجب التماس الهلال الخ) هو واجب على الكفاية اهـ فتح (حاشية شبلي على الزيلعي شرح الكنز ۱/ ۳۱۷)

فقہِ حنفی کے مشہور متن ''مختصر القدوری'' میں ہے: وينبغي للناس أن يلتمسوا الهلال في يوم التاسع والعشرين من شعبان.

اِس کی شرح فرماتے ہوئے علامہ ابوبکر حداد رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: أي يجب، وكذا ينبغي أن يلتمسوا هلال شعبان أيضا في حق إتمام العدة.

(الجوهرة النيرة ۱/ ۱٦۷)

عبارات منقولۂ بالا سے شعبان، رمضان اور شوال تینوں مہینوں کے چاند کی تلاش اور جستجو کا واجب ہونا معلوم ہوا؛ اس لیے مسلمانوں پر ضروری اور واجب ہے، کہ چاند دیکھنے کی سعی کریں۔ محض اس بنیاد پر کہ کسی جگہ کا مطلع ہمیشہ ابر آلود یا غبار آلود رہتا ہے اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کی گنجائش نہیں نکلتی، برطانیہ کے رہنے والے اس عذر کو پیش کر کے اپنے اس فریضہ کی ادائیگی سے سبکدوش نہیں ہو سکتے، یہ بات الگ ہے کہ باوجود سعی کے مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے؛ لیکن رویت کا انتظام واہتمام کرنا ان پر ضروری ہو جاتا ہے، اور چاند نظر آنے کی صورت میں شہادت دینا بھی ضروری ہو جاتا ہے، اگر چاند دیکھنے والے کو یہ معلوم ہو کہ میری شہادت پر ثبوت رویت موقوف ہے تو اس پر شہادت دینا واجب ہو جاتا ہے؛ یہاں تک کہ اگر چاند

دیکھنے والی پردہ نشین منکوحہ عورت ہے تب بھی اسی رات گھر سے نکل کر قاضی کے سامنے شہادت پیش کرے، اگر شوہر اجازت نہ دے تو بلا اجازت نکل سکتی ہے۔

''درمختار'' میں ہے: ویجب علی الجاریة المخدرة ان تخرج فی لیلتها بلا اذن مولاها وتشهد کما فی الحافظیة .

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس پر حاشیہ تحریر فرماتے ہیں: قوله ویجب علی الجاریة المخدرة ای التی لا تخالط الرجال، وکذا یجب علی الحرة ان تخرج بلا اذن زوجها وکذا غیر المخدرة والمزوجة بالاولی قال ط: والظاهر ان محل ذلك عند توقف اثبات الرؤیة علیها والا فلا . (شامی ۲/ ۹۹)

اب اگر کسی جگہ باوجود سعی وتتبع کے مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے، تو اس صورت میں دوسری جگہ سے بطریق موجب آئی ہوئی خبر پر عمل کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس کو ماننے سے مہینہ ۲۸ یا ۳۱ کا لازم نہ آتا ہو۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳/ ۱۲۲)

رویت ہلال کے معاملہ میں آلات رصدیہ اور حسابات ریاضیہ کے ناقابل اعتبار ہونے کا مسئلہ تقریباً اجماعی مسئلہ ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

والمراد بالحساب هنا حساب النجوم وتسییرها، ولم یکونوا یعرفون من ذلك ایضاً الا النزر الیسیر، فعلق الحکم بالصوم وغیره بالرؤیة لرفع الحرج عنهم فی معاناة حساب التسییر واستمر الحکم فی الصوم ولو حدث بعدهم من یعرف ذلك بل ظاهر السیاق یشعر بنفی تعلیق الحکم بالحساب اصلاً، ویوضحه قوله فی الحدیث الماضی: (فان غم

علیکم فاکملوا العدۃ ثلاثین) ولم یقل فسلوا اھل الحساب والحکمۃ فیہ کون العدد عند الاغماء یستوی فیہ المکلفون فیرتفع الاختلاف والنزاع عنھم، وقد ذھب قوم الی الرجوع الی اھل التسییر فی ذلک وھم الروافض، ونقل عن بعض الفقھاء موافقتھم قال الباجی واجماع السلف الصالح حجۃ علیھم وقال ابن بزیزہ وھو مذھب باطل فقد نھت الشریعۃ عن الخوض فی علم النجوم لأنھا حدس وتخمین لیس فیھا قطع ولا ظن غالب مع انہ لو ارتبط الامر بھا لضاق اذ لا یعرفھا الا القلیل (فتح الباری ٤/ ١٠٢)

علامہ ابن رشد مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فان العلماء اجمعوا علی ان الشھر العربی یکون تسعاً و عشرین ویکون ثلاثین وعلی ان الاعتبار فی تحدید شھر رمضان انما ھو الرؤیۃ.

(بدایۃ المجتھد ١/ ٢٠٧)

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واختلف العلماء فی معنی "فاقدروا لہ" فقالت طائفۃ من العلماء: معناہ ضیقوا لہ وقد روہ تحت السحاب، وممن قال بھذا احمد بن حنبل وغیرہ ممن یجوّز صوم یوم لیلۃ الغیم عن رمضان کما سنذکرہ انشاء اللہ تعالیٰ، وقال ابن سریج وجماعۃ منھم مطرف بن عبداللہ وابن قتیبۃ وآخرون: معناہ قدروہ بحساب المنازل، وذھب مالک والشافعی وابوحنیفۃ وجمھور السلف والخلف الیٰ ان معناہ قدروا لہ تمام العدد ثلاثین یوماً قال المازری حمل جمھور الفقھاء قولہ ﷺ "فاقدروا لہ" علیٰ ان المراد اکمال العدۃ ثلاثین کما فسرہ فی حدیث آخر، قالوا ولا یجوز ان یکون

المراد حساب المنجمين لان الناس لو كلفوابه ضاق عليهم لانه لايعرفه الا افراد والشرع انما يعر ف الناس بما يعرفه جماهيرهم.

(نووی شرح مسلم ۱/ ۳٤۷)

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ "اوجز المسالك شرح مؤطا امام مالك" میں تحریر فرماتے ہیں:

والثالث: معناه قدروه بحسب المنازل، قاله أبوالعباس ابن سريج من الشافعية، ومطرف بن عبدالله من التابعين، وابن قتيبة من المحدثين، قال ابن عبدالبر: لايصح عن مطرف، وأما ابن قتيبة فليس هو ممن يعرج عليه في مثل هذا قال الباجي: وذكر الداودي أنه قيل في معنىٰ قوله "فاقدروا له" أي قدروا المنازل، وهذا لانعلم أحداً قال به إلا بعض أصحاب الشافعي، أنه يعتبر في ذلك بقول المنجمين، والإجماع حجة عليه (أوجز ٥ /١٦)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

وفى شرح السنة قال ابن السريج: فا قدروا خطاب لمن خصه الله بهذا العلم، وقوله فاكملوا العدة خطاب للعامة اه وهو مردود لحديث "انا امة امية لانكتب ولانحسب" فانه يدل علىٰ ان معرفة الشهر ليست الى الكتاب والحساب كما يزعمه اهل النجوم، وللاجماع على عدم الاعتداد بقول المنجمين ولو اتفقوا على انه يرى ولقوله تعالى مخاطباً لخير امة اخرجت للناس خطاباً عاماً فمن شهد منكم الشهر فليصمه، ولقوله ﷺ بالخطاب العام "صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته" ولما فى نفس هذا الحديث لاتصوموا حتىٰ تروه ولما فى حديث ابى داؤد

والترمذی عن ابی هريرة انه عليه الصلوٰة والسلام قال: الصوم يوم يصومون والفطر يوم يفطرون؛ بل اقول لو صام المنجم عن رمضان قبل رؤيته بناءً على معرفته يكون عاصياً فى صومه، ولا يحسب عن صومه الا اذا ثبت الهلال على خلاف فيه ولو جعل عيد الفطر بناءً على زعمه الفاسد يكون فاسقاً وتجب عليه الكفارة فى قول وهو الصحيح وان استحل افطاره فرضاًعن عده واجباًصار كافراً. (مرقات ٤/ ٢٤٢ جديد)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(قوله لاعبرة بقول الموقتين) اى فى وجوب الصوم على الناس بل فى المعراج لا يعتبر قولهم بالاجماع، ولا يجوز للمنجم ان يعمل بحساب نفسه وفى النهر، فلايلزم بقول الموقتين انه اى الهلال يكون فى السماء ليلة كذا وان كانوا عدولاً فى الصحيح كما فى الايضاح(شامی ۲ /۱۰۰)

ان تمام عباراتِ منقولۂ بالا سے یہ بات صاف صاف معلوم ہوتی ہے کہ رویت ہلال کے معاملہ میں حسابات ریاضیہ اور آلات رصدیہ کا اعتبار نہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ اجماعی ہے۔ بعض شافعیہ حساب کے معتبر ہونے کے قائل ہیں لیکن خود ان کے ہم مسلک مشائخ نے ان کا رد کیا ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ "تنبيه الغافل والوسنان على احكام هلال رمضان" میں ایک مستقل فصل قائم فرما کر اس مسئلہ پر کلام فرمایا ہے، جس میں مذاہب اربعہ کی کتب معتبرہ کی نقول پیش فرما کر اس کا اجماعی ہونا ثابت فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: رسائل ابن عابدین ۱ / ۲۴۶ تا ۲۴۹۔

عمومی طور پر جب یہ فیصلہ کرلیا گیا کہ حسابات ریاضیہ کا اس معاملہ میں اعتبار نہیں تو اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اس کا اعتبار جس طرح وجوب صوم میں نہیں کیا گیا،

اسی طرح اگر ثقہ اور عادل گواہوں نے اس بات کی گواہی دی کہ ہم نے چاند دیکھا ہے اور حسابات ریاضیہ کے اعتبار سے اس روز رویت کا امکان نہیں تو اس صورت میں بھی محض حسابات ریاضیہ کی وجہ سے ان شاہدوں کی شہادت کو رد نہیں کیا جائے گا، لیکن چوں کہ عام طور پر حضرات مصنفین جہاں حسابات ریاضیہ کے عدم اعتبار کو بیان فرماتے ہیں، وہاں بطور مثال پہلی صورت تحریر فرماتے ہیں کہ اگر مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہیں آیا اور منجمین واہل ہیئت یہ بتلاتے ہیں کہ چاند موجود ہے تو محض ان کی بات پر روزہ واجب نہ ہوگا، (بلکہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں تو یہاں تک ہے کہ کسی حساب داں نے محض اپنے حساب کی بنیاد پر بلا رویت شرعی روزہ رکھا تو وہ گنہگار ہوگا، اور اسی بنیاد پر عید الفطر منائی تو فاسق ہوگا، اور افطار کو وجوبی طور پر حلال سمجھا تو کافر قرار دیا جائے گا) اس سے شاید یہ غلط فہمی ہو کہ دوسری صورت میں یعنی: جب کہ حسابات ریاضیہ سے رویت کا عدم امکان ثابت ہوتا ہو اور شرعی شہادت رویت کی میسر ہو جائے تو وہ رد کر دی جائے گی؛ حالاں کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں علامہ سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''اہل حساب کے قول کا اعتبار کیا جائے گا؛ اس لیے کہ حساب قطعی چیز ہے'' وہیں انہوں نے اس کی صراحت فرمائی ہے، کہ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی خود ان کے ہم مسلک مشائخ نے تردید فرمائی ہے، اس موقع پر جو عبارات مشائخ شافعیہ کی نقل فرمائی ہیں، اس میں اس دوسری صورت کی صراحت موجود ہے اور اس میں صاف صاف لکھا ہے کہ اہل حساب کے قول کی وجہ سے شہادت رد نہیں کی جاسکتی، بلکہ شہادت پر ہی عمل ہوگا؛ اس لیے کہ شارع نے شہادت کو یقین کا قائم مقام قرار دیا ہے ملاحظہ ہو:

وللامام السبکی الشافعی تالیف مال فیه الی اعتماد قولهم لان الحساب قطعی اه ومثله فی شرح الوهبانیة، قلت: ما قاله السبکی رده متأخرو اهل مذهبه منهم ابن حجر والرملی فی شرحي المنهـاج، وفی فتاوی الشهاب الرملی الکبیر الشافعی سئل عن قول السبکی لوشهدت بینة برؤیة الهلال لیلةالثلاثین من الشهر وقال الحساب بعدم امکان الروية تلك الليلة عمل بقول اهل الحساب لان الحساب قطعی والشهادة ظنیة، واطال فی ذلك فهل یعمل بما قاله ام لا؟ وفیما اذا رؤی الهلال نهاراً قبل طلوع الشمس یوم التاسع والعشرین من الشهر وشهدت بینة برؤیة الهلال رمضان لیلة الثلاثین من شعبان فهل تقبل الشهادة ام لا؟ لأن الهلال اذا کان الشهر کاملاً یغیب لیلتین او ناقصاً یغیب لیلة او غاب الهلال اللیلة الثالثة قبل دخول وقت العشاء لأنه ﷺ کان یصلی العشاء لسقوط القمر الثالثة هل یعمل بالشهادة ام لا؟ فاجاب: بأن المعمول به فی المسائل الثلاث ما شهدت به البینة لأن الشهادة نزلها الشارع منزلة الیقین، وما قاله السبکی مردود ردّه علیه جماعة من المتأخرین ولیس فی العمل بالبینة مخالفة لصلاته ﷺ ووجه ما قلناه ان الشارع لم یعتمد الحساب بل الغاه بالکلیة بقوله "نحن امة امیة لا نکتب ولا نحسب الشهر هکذا وهکذا" وقال ابن دقیق العید الحساب لا یجوز الاعتماد علیه فی الصلوة، انتهی والاحتمالات التی ذکرها السبکی بقوله ولأن الشاهد قد یشتبه علیه الخ لااثر لها شرعاً لامکان وجودها فی غیرها من الشهادات اه

(رد المحتار علی الدر المختار ۲/۱۰۰)

اس بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر رصدگاہ والے یہ اعلان کریں کہ فلاں روز رویت ممکن نہیں، اور شہادت شرعیہ سے اس روز رویت ثابت ہوجائے تو شہادت پر ہی عمل ہوگا، محض رصدگاہ کی تحقیق وحساب کی وجہ سے شہادت رد نہیں کی جاسکتی، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس شہادت کو ماننے کی وجہ سے مہینہ ۲۹ سے کم کا لازم نہ آتا ہو؛ اس لیے کہ اگر مہینہ ۲۹ سے کم کا لازم آتا ہے تو وہ دن محل شہادت ہی نہیں۔

لقوله عليه الصلوة والسلام: الشهر هكذا وهكذا وهكذا، وعقد الابهام فی الثالثة ثم قال: الشهر هكذا وهكذا وهكذايعنی تمام الثلاثين يعنی مرة تسعاً و عشرين ومرة ثلاثين (متفق عليه)

اس جگہ ان حضرات کو جو حساب کے قطعی ہونے کے قائل ہیں، بڑا اشکال یہ پیش آتا ہے کہ جب آیت قرآنی سے شمس وقمر کا ایک حساب سے جاری ہونا ثابت ہے، تو پھر ہم حساب کی قطعیت کی بنیاد پر شہادت کو کیوں رد نہ کریں؟ کیا ان آیات قرآنی سے صرف نظر کرلیا جائے؟ تو ان حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ جو بات قرآن مجید سے ثابت ہے، وہ تو صرف اتنی ہے کہ ﴿الشمس والقمر بحسبان﴾ شمس وقمر کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک حساب مقرر فرمایا ہے، اور یہ دونوں اس حساب سے سرِ مو تجاوز نہیں کرسکتے؛ لیکن اس حساب کی تفصیل تو قرآن یا حدیث میں موجود نہیں، یہ کیا ضروری ہے کہ اہل ہیئت وریاضی جس حساب کے دعویدار ہیں وہی مراد ہو، اور اگر مان بھی لیں کہ وہی حساب مراد ہے تب بھی یہ دعوی کہ وہ حساب قطعی ہے محل نظر ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خود ان فنی معلومات کی حقیقت پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اگرچہ حساب بحیثیت حساب کے قطعی ہو کہ دو اور دو چار ہی ہو

سکتے ہیں، تین یا پانچ نہیں ہو سکتے لیکن ان دو کا دو ہونا یہ ہماری نظر اور اندازے وتخمینہ ہی کا حکم ہوسکتا ہے کتنے ہی باریک سے باریک پیمانوں سے تولا اور پرکھا جائے یہ احتمال ختم کرنا ہماری قدرت میں نہیں کہ ہم نے جس کو دو سمجھا ہے وہ دو سے کسی قدر کم یا زیادہ ہو، خواہ یہ کمی یا زیادتی ایک بال کے ہزارویں حصہ کے برابر ہو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ زمین کے فرش پر کسی زاویہ میں ایک بال کے ہزارویں حصہ کی کمی یا زیادتی اگرچہ بالکل غیر محسوس زیادتی ہے؛ مگر اوپر کی فضاء اور سیاروں تک جب اس زاویہ کے خطوط ملائے جائیں گے تو میلوں کا فرق ہو جائے گا ''مذہب اور سائنس'' کتاب میں گارڈن بلیف کا ایک اقتباس لیا ہے، جس میں صراحت ہے کہ چاند ہم سے دو لاکھ چالیس ہزار میل دور ہے، سورج قریبا نو کروڑ تیس لاکھ میل دور ہے۔ (ص ۶۹) ساتھ ہی یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مثلاً آفتاب کو جب ہم کسی وقت دیکھتے ہیں تو وہ آٹھ منٹ پہلے کا آفتاب ہوتا ہے اس طرح قریب ترین جس ستارہ کو ہم دیکھتے ہیں وہ چار سال پہلے کا ہوتا ہے۔ (ص ۷۱) ہم سے قریب ترین ستارہ بھی اتنی دور ہے کہ اس کی روشنی ہم تک آنے میں چار سال لگ جاتے ہیں حالاں کہ روشنی ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل سفر کرتی ہے۔ (ص ۷۲) اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ کیمرہ کی طرح ترقی یافتہ آلات جھوٹ نہیں بولتے؛ مگر ان آلات کو واقعات پر منطبق کرنا تو بہر حال انسانی نظر اور انسانی عمل ہے اس میں غیر محسوس فرق ہو جانا کسی وقت بھی مستبعد نہیں؛ بلکہ واقع ہے جس کا مشاہدہ ہمیشہ اہل فن کے باہمی اختلافات سے ہوتا رہتا ہے، دنیا میں جتنی جدید اور قدیم تقویمیں اور جنتریاں اور کیلنڈر وجود میں آئے ہیں ان میں سے صرف ان کو لیا جائے جو مسلم ماہرین فن نے تیار کیے ہیں، تو ان میں بھی باہمی اختلاف

نظر آتا ہے، اگر ان حسابات اور آلات کے نتائج قطعی اور یقینی ہوتے تو ماہرین فن کے اختلاف رائے کا کوئی احتمال نہ رہتا، سائنس کی نئی ترقیات اور فن ریاضی وفلکیات کی جدید ترقیات کا آج کی دنیا میں بڑا ہنگامہ ہے، اور اس میں شبہ نہیں کہ بہت سی نئی تحقیقات نے پرانے فلسفہ اور ریاضی کے اصول کی دھجیاں بکھیر دیں اور اس کے خلاف مشاہدہ کرادیا؛ لیکن اس کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آج ایک محقق ماہر نے جو کچھ کہدیا وہ حرف آخر ہے اس کی تغلیط آئندہ کوئی نہیں کرسکے گا۔ آئندہ کو چھوڑ کر اسی موجودہ دور میں اسی درجہ کے دوسرے ماہرین اس سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔

(رویت ہلال ص ۳۸/۳۹)

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں: اتنی بات اس اختلاف میں سب کے لیے واضح ہوگئی کہ ان قواعد وآلات سے حاصل ہونے والے نتائج کو قطعی اور یقینی کہنا محض خوش گمانی ہے، صحیح یہ ہے کہ اس میں بھی غلطیاں ہوسکتی ہیں، چوتھی صدی ہجری کا مشہور اسلامی فلاسفر اور ماہر نجوم وفلکیات ابوریحان البیرونی جو شہاب الدین غوری کے زمانہ میں ایک مدت دراز تک ہندوستان میں بھی رہا ہے اور ان فنون کا بے نظیر امام مانا جاتا ہے، اسی نئی روشنی اور نئی تحقیقات کے دور میں بھی اس کی امامت سب کے نزدیک مسلم ہے، روسی ماہرین نے اس کی تحقیقات سے راکٹ وغیرہ کے مسائل میں بڑا کام لیا ہے، ان کی مشہور کتاب "الاثار الباقیۃ عن القرون الخالیۃ" ایک جرمن ڈاکٹر سی ایڈورڈ سخاؤ کے حاشیہ کے ساتھ لیزک میں چھپ کر شائع ہوئی ہے، اس میں ان آلات رصدیہ کے ان نتائج کے غیر یقینی ہونے کے مسئلہ کو تمام ماہرین فن کا اجماعی اور اتفاقی نظریہ بتلایا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

ان علماء الهيئة مجمعون على ان المقادير المفروضة فى اواخر اعمال رؤية الهلال هى ابعاد لم يوقف عليها الا بالتجربة، وللمناظر احوال هندسية يتفاوت لاجلها المحسوس بالبصر فى العظم والصغر، وفى ما اذا تاملها متأمل منصف لم يستطع بت الحكم على وجوب رؤية الهلال او امتناعها. (الاثار الباقية ص ۱۹۸ طبع ليزك ۱۹۲۳ء)

علماء ریاضی وہیئت اس پر متفق ہیں کہ رویت ہلال کے عمل میں آنے کے لیے جو مقداریں فرض کی جاتی ہیں وہ سب ایسی ہیں جن کو صرف تجربہ ہی سے معلوم کیا جاسکتا ہے اور مناظر کے احوال مختلف ہوتے ہیں جن کی وجہ سے آنکھوں سے نظر آنے والی چیز کے سائز میں چھوٹے بڑے ہونے کا فرق ہوسکتا ہے، اور فضائی وفلکی حالات ایسے ہیں کہ ان میں جو بھی ذرا غور کرے گا، تو رویت ہلال کے ہونے اور نہ ہونے کا کوئی قطعی فیصلہ ہرگز نہ کرسکے گا۔

اور ''کشف الظنون'' میں بحوالہ زیج شمس الدین محمد بن علی خواجہ کا چالیس سالہ تجربہ یہی لکھا ہے کہ ان معاملات میں کوئی صحیح اور یقینی پیشن گوئی نہیں کی جاسکتی جس پر اعتماد کیا جاسکے۔ (کشف الظنون ۲/ ۹۶۹، رویت ہلال ص ۴۱/ ۴۲)

اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ رصد گاہوں اور آلات رصدیہ کے ذریعہ حاصل کردہ معلومات بھی رویت ہلال کے مسئلہ میں کوئی یقینی فیصلہ نہیں کہلاسکتی، بلکہ وہ بھی تجرباتی اور تخمینی معاملہ ہے تو اس اصول کے حکیمانہ اصول ہونے کی اور بھی تائید ہوگئی، جو رسول امی ﷺ نے اس معاملہ میں اختیار فرمایا کہ ان کاوشوں اور باریکیوں میں امت کو الجھائے بغیر بالکل سادگی کے ساتھ رویت ہونے نہ ہونے پر احکام شرعیہ کا

مدار رکھ دیا، جس پر ہر شخص ہر جگہ ہر حال میں آسانی سے عمل کر سکے۔ (رویت ہلال ص ۴۲)

شہادت کے لیے جب ایک ضابطہ شریعت نے مقرر فرمایا تو اس میں مزید قیود کا اضافہ دلیل شرعی کے بغیر ممکن نہیں، وہ شہادت اہل ہیئت کے قطعی حساب کے خلاف نہ ہو، یہ ایک ایسی قید ہے جس کا کوئی شرعی ماخذ نہیں۔ پھر حساب کو قطعی کہنا خود بلا دلیل اور اہل ہیئت کی تصریحات کے خلاف ہے۔ جو حضرات قطعیت حساب کے دعویدار ہیں ان کے غور وفکر کے لیے دو واقعے پیش کر رہا ہوں۔

دو واقعے:

① علمائے امت کا اتفاق ہے کہ دنیا کی تمام مساجد محض تحری وتخمینہ سے قائم کی گئی ہیں، لیکن مسجد نبوی کی سمت بطور وحی ومکاشفہ قائم کی گئی ہے، حق تعالیٰ نے آں حضرت ﷺ کے سامنے بیت اللہ کو بطور معجزہ کر دیا تھا، اس کو دیکھ کر آپ ﷺ نے مسجد مدینہ کی بنیاد رکھی۔

''بحر الرائق'' میں ہے: نقل عن ابی بکر الرازی فی محراب المدینة انه مقطوع به فانه انما نصبه رسول الله ﷺ بالوحی (۱/ ۳۰۳) ''درمختار'' میں ہے: وکذا المدنی لثبوت قبلتها بالوحی (در مختار علی هامش الشامی ۱ /۳۱۵)

اِس لیے باجماع امت مسجد نبوی کی سمت بالکل یقینی ہے لیکن حسابات ریاضیہ سے جانچا گیا تو وہ بھی صحیح نہیں اتری؛ چناں چہ امیر مصر احمد ابن طولون نے جب مصر میں اپنی جامع مسجد بنانے کا ارادہ کیا تو چند ماہرین ھندسہ کو مدینہ منورہ بھیج کر پہلے مسجد نبوی کی سمت قبلہ کو آلاتِ ریاضیہ سے جانچا تو معلوم ہوا کہ آلات کے ذریعہ نکالے ہوئے خط سمت قبلہ سے مسجد نبوی کی سمت قبلہ دس درجہ مائل بجنوب ہے جیسا

کہ علامہ مقریزی نے کتاب الخطط ۲/۲۵۶ میں بالفاظ ذیل اس کا ذکر کیا ہے:

ان احمد ابن طولون لما عزم علی بناء هذاالمسجد بعث الی محراب رسول الله ﷺ من اخذ سمته فاذا هو مائل عن خط سمت القبلة المستخرج بالصناعة نحو عشر درج الی جهة الجنوب

اب جولوگ آلات رصدیہ پر مدار رکھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں وہ دیکھیں کہ ان کی تجویز پر تو مسجد نبوی کی سمت قبلہ بھی پوری نہیں اترتی۔ اگرچہ موجودہ زمانہ کے آلات کے مطابق مسجد نبوی کی سمت، قبلہ کے عین مطابق ہے لیکن اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ آلات پر مدار رکھنا اور اصول شرع کو محض آلات رصدیہ کی وجہ سے چھوڑنا غلط طریقہ ہے۔

② نبیٔ کریم ﷺ کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تھا اور آپ ﷺ نے اُس کی نماز بھی پڑھی اور پڑھائی تھی۔ ''بخاری شریف'' اور دیگر کتبِ حدیث میں اِس کی صراحت موجود ہے کہ، سورج گرہن کا یہ واقعہ اُس روز پیش آیا تھا جس روز آپ ﷺ کے صاحب زادہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ اِس موقع پر علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر اہل سیر کے حوالہ سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ: حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات دس چاند کو ہوئی تھی، دو قول اَور بھی ذکر کیے ہیں جن میں ایک چار چاند کا اور دوسرا چودہ کا ہے۔ چناں چہ فرماتے ہیں:

(قوله: يوم مات ابراهيم) يعني ابن النبي ﷺ، وقد ذكر جمهور أهل السير أنه مات في السنة العاشرة من الهجرة، فقيل: في ربيع الاول،وقيل: في رمضان، وقيل: في ذي الحجة، والأكثر على أنها وقعت

في عاشر الشهر،وقيل: في رابعه، وقيل: في رابع عشرة (فتح الباري ۲/ ٤٢٣)

چناں چہ خود حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دوسری تصنیف "الإصابة" ۱/ ۹۳ میں اور علامہ ابن عبد البر مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے "الاستيعاب على هامش الإصابة" (۱/ ٤٣) میں بھی دس چاند والا قول نقل فرمایا ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے "مرقات شرحِ مشکوۃ" میں حافظ کے حوالہ سے اِسی کو ذکر کیا ہے: قال ابن حجر: وكان ذلك يوم عاشر الشهر، كما قاله بعض الحفاظ. (مرقات۲ /۲۷۵)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "أوجز المسالك" میں اِس کو "شرحِ احیاء" اور "تاریخ الخمیس" کے حوالہ سے ذکر کیا ہے:

قلت: وذكره في تاريخ الخميس في السنة السادسة، فقال: وفي هذه السنة كسفت الشمس أول مرة قبل الكسوف الذي كان فيه موت إبراهيم، كذا في الوفاء، ثم ذكر في السنة العاشرة، فقال: وفي هذه السنة يوم الثلثاء لعشر ليال خلون من ربيع الأول توفي إبراهيم بن رسول الله ﷺ وانكسفت الشمس يوم مات، فقال الناس: إنما كسفت لموت ابراهيم، قيل: إن الغالب أن الكسوف يكون يوم الثامن والعشرين أو التاسع والعشرين وانكسفت في العاشر، فقالوا: إنها كسفت لموته، انتهىٰ (أوجز المسالك ٤ /۲۵)

اہلِ ہیئت کے نزدیک یہ بات اصولِ مسلمہ میں سے ہے کہ سورج گرہن قمری مہینہ کی آخری تاریخوں (۲۷/ ۲۸/ ۲۹) میں ہوتا ہے، اور یہاں حدیث میں تصریح موجود ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے روز سورج گرہن ہوا، اور اکثر

اہلِ سیر یہ فرماتے ہیں کہ: اِن کی وفات دس چاند کو ہوئی، جس کا مطلب یہ ہوا کہ دس چاند کو سورج گرہن ہوا، اب اگر اہلِ ہیئت سے اِس سلسلہ میں دریافت کیا جائے تو وہ صاف صاف لفظوں میں یہ کہیں گے کہ: یہ ناممکن اور محال ہے؛ لیکن علمائے کرام اور محدثینِ عظام اِسی واقعہ کو اُن کی تردید کے لیے پیش فرماتے ہیں؛ چناں چہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اِسی موقع پر تحریر فرماتے ہیں:

وفيه رد على أهل الهيئة لأنهم يزعمون أنه لا يقع في الأوقات المذكورة، وقد فرض الشافعي وقوع العيد والكسوف معاً، واعترضه بعض من اعتمد على قول أهل الهيئة، وانتدب أصحاب الشافعي لدفع قول المعترض فأصابوا (فتح الباري ٢ /٤٢٣)

دیکھیے حافظ نے اِس موقع پر اہلِ ہیئت کی تردید فرمائی ہے؛ (بلکہ اُن کی اِس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ عید اور کسوف دونوں جمع ہوجائیں، اور اہلِ ہیئت کی بات کا اعتبار کرنے والوں کی طرف سے امام پر جو اعتراض وارد کیا گیا اُس کا اصحابِ شوافع نے جواب دیا، اور اُن کے اِس جواب کی خود حافظ "فأصابوا" فرما کر تصویب وتائید کررہے ہیں)۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ بھی شرح مشکوۃ میں یہی بات فرماتے ہیں:

وفيه رد لقول أهل الهيئة: لا يمكن كسوفها في غير يوم السابع أوا لثامن أو التا سع والعشرين؛ إلا أن يريد أن ذ لك باعتبار العادة وهذا خارق لها(مرقاة ٢/ ٢٧٥)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "اوجز" میں اِس مسئلہ پر

مستقل بحث فرمائی ہے:

والسادس فيما قال أهل الهيئة: أن الكسوف لا يكون إلا في الثامن والعشرين أوالتاسع والعشرين، وقد ورد عند أهل التاريخ وقوعهما في الأوقات المختلفة، وورد أن الشمس كسفت عند شهادة الإمام حسين في العاشوراء، وتقدم عن العيني راداً على أهل الهيئة أنه لو كان الكسوف لوقوعه في ظل الأرض في وقت لكان ذلك الوقت محدوداً معلوماً؛ لان المجرى منهما محدود معلوم، فلما كان تأتي في الأوقات المختلفة والجرى واحد والحساب واحد علم قطعاً فساد قولهم. انتهى.

(أوجز المسالك ٥/٢٤)

اس لیے رویت ہلال کی شہادت بھی محض اس وجہ سے رد نہیں کی جاسکتی کہ رصدگاہ والے اس روز رویت کو ناممکن قرار دیتے ہیں۔

اس تمہیدی وضاحت کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب حسب ذیل ہیں:

① باہر سے آئی ہوئی خبر کو ماننے سے مقامی مہینہ ۲۸ کا ہوجاتا ہے تو اس پر عمل جائز نہیں، جیسا کہ تمہید میں واضح کیا جاچکا، اور اگر ۲۹ ویں تاریخ کو یہ خبر بطریق موجب موصول ہوئی تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

② مقامی حساب سے ۲۹/ شعبان مطابق ۲۸/ اپریل کو بطریق موجب خبر رویت حاصل ہونے پر جب رویت کا فیصلہ کردیا گیا ہو، اور اس کے بعد ۲۹/ اپریل کی شام نظر آنے والے چاند کو دو دن پہلے کا بتلایا جاوے تو اس میں کوئی حرج نہیں؛ اس لیے کہ بعض مرتبہ ابر کی وجہ سے چاند کئی روز نظر نہ آئے اور بعد میں ابر صاف

ہونے پر یا چاند کا سائز بڑا ہونے پر ابر کے باوجود نظر آئے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اسی روز کا ہے؛ اس لیے کہ شرعی طریقہ سے مہینہ ثابت ہو چکا ہے۔ ممانعت جو وارد ہوئی ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ اس کا ثبوت بطریق موجب پہلے سے نہیں ہوا ہو، اور محض چاند کے سائز کی بنیاد پر اس کو ایک دو روز کا بتلایا جائے۔

③ بطریق موجب ثبوت فراہم ہونے پر روزے رکھے ہیں تو وہ رمضان ہی کے شمار ہوں گے۔

④ جب سعودیہ کی خبرِ شرعی پر رمضان کا ثبوت مان لیا گیا تو اب اگر اس حساب سے ۲۹ ویں کی شام چاند نظر آجاوے تو عید الفطر منالیں اور ۲۹ کی شام چاند نظر نہ آنے کی صورت میں ۳۰ روزے مکمل کر کے عید مناویں۔

⑤ تمہید میں بیان کردہ تفصیل میں اس کا جواب آچکا ہے۔

⑥ حدیث میں ایسی کوئی تصریح نہیں ہے؛ البتہ اگر سعودی رویت کی خبر بطریق موجب برطانیہ پہنچ گئی تو اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد خانپوری، ۱۲ ذی القعدہ ۱۴۰۷ھ
الجواب صحیح والمجیب نجیح: محمود غفرلہ

مکتوب گرامی حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

محترمی زید احترامہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا، آپ کا فتویٰ ماشاء اللہ بہت جامع اور مفید معلومات پر مشتمل ہے

اور آپ کا طرز استدلال نہایت پختہ ہے، کیا اچھا ہو کہ یہ چھپ جائے دوسروں کو بھی زیادہ سے زیادہ نفع پہنچے۔ حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں بہت بہت سلام، دعا کی درخواست۔ تعطیل عید الاضحیٰ میں ہتھورا، باندہ، کانپور کا نظام تجویز ہو رہا ہے پھر اس کے بعد کلکتہ ہوتے ہوئے انشاء اللہ آپ کی خدمت میں حاضری کا ارادہ ہے، جس کی اطلاع کسی وقت انشاء اللہ کر دوں گا۔ مولانا احمد بزرگ ماشاء اللہ بہت خوش نصیب ہیں اللہ پاک حج مقبول نصیب فرمائے۔ گھر میں بچوں کو اور ان کی والدہ کو دعا سلام، بڑی بچی کو بھی اللہ تعالیٰ صحت عطا فرمائے۔ فقط والسلام

املاہ: العبد محمود غفرلہ، ۲۲/۱۱/۱۴۰۷ھ

مذکورہ فتوے پر مولانا یعقوب قاسمی مدظلہ کے چند اشکالات

محترمی مولانا احمد صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عزیز شبیر ٹیلر پر مرسلہ مفصل فتوی بابت ''برطانیہ میں رویت'' پڑھا۔ اس پر حسب ذیل چند باتیں بطور افہام وتفہیم پیش خدمت ہیں:

(الف) جواب کی تمہید کا خلاصہ یہ ہے کہ اثباتِ شہورِ اسلامی میں اعتبار رویت ہلال کا ہے نہ کہ فلکی حساب کا۔

راقم آثم بھی اس سے متفق ہے کہ اسلامی ماہ کے تعین کا مدار چاند کی بصری ارضی رویت پر ہے، اور علماء ہیئت وفلک بھی یہ لکھتے ہیں کہ چاند کی ارضی بصری رویت کے وقت کا حتمی فیصلہ کسی قسم کے حساب سے نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ اس میں بہت سے

عوامل کارفرما ہوتے ہیں؛ اس لیے علم ہیئت کے ماہرین امکان رویت کو فرماتے ہیں۔

اگر علم ہیئت کا حساب ۲۹/ تاریخ کو امکان رویت ہلال کو بتائے؛ مگر رویت بصری نہ ہو تو اسلامی ماہ کی یکم تاریخ کا فیصلہ امکان رویت کے حساب کی وجہ سے نہیں کیا جائے گا، بلکہ ۳۰ دن مکمل کر کے دوسرا ماہ شروع کیا جائے گا، جس کی تازہ مثال یہ ہے کہ ۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۰۷ھ ۲۵/ اگست کو علم ہیئت کے حساب سے چاند کی رویت کا قوی امکان تھا؛ مگر ۲۵/ اگست کو رویت بصری نہ ہونے کی وجہ سے مراکش اور جہاں بھی رویت ہلال کا اہتمام ہوتا ہے ۳۰/ ذی الحجہ مکمل کر کے یکم محرم ۱۴۰۸ھ ۲۷/ اگست بروز جمعرات متعین ہوا جب کہ سعودی عرب میں ۲۵/ اگست بروز منگل یکم محرم تھی۔

مگر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ کسی بھی مقام کی رویت کی شہادت قران شمس و قمر محاق سے بھی مقدم ہو تو اس کو صرف اس وجہ سے قبول کر لینا کہ شہادت ہے اور اس سے اسلامی ماہ کا تعین کر لینا بھی صحیح نہیں کیوں کہ قران شمس وقمر، محاق یہ کوئی مفروضہ یا صرف علم ہیئت کی اصطلاح نہیں، بلکہ متقدمین ومتأخرین مفسرین نے بالاتفاق اکثر نے "یستتر لیلتین او لیلة" سے اور بعض نے صراحۃً لفظ "محاق" سے اس کو تعبیر کیا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: بحر المحیط، روح المعانی، خازن، احکام القران للقرطبی، صاوی، جمل، مواهب الرحمن تفسیر.

نوٹ: مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہ اور مذکورہ سارے مفسرین متفقہ طور پر آیت کریمہ ﴿والقمر قدرناہ منازل﴾ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ چاند کی ۲۸ منزلیں ہیں، اور اخیر ماہ میں وہ ایک یا دو راتیں مستور ہوتا ہے یہی قران شمس وقمر،

محاق اور نیومون ہے۔

سعودی عرب کے شاہدوں کا قران شمس وقمر، محاق کے وقت یا اس سے بھی پہلے چاند کی بصری رویت کی شہادت دینا یہ صرف علم ہیئت کے خلاف نہیں، بلکہ مذکورہ سارے مفسرین کی متفقہ تفسیر کے خلاف ہے، علامہ اندلسی آلوسی رحمۃ اللہ علیہ سے علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تک سارے مفسرین مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں غلطی کرتے رہے، اور اب اس دور میں شاہدین رویت سعودی عرب نے اس غلطی کو فاش کیا، کہ نہیں چاند ماہ کی آخری راتوں میں مستور نہیں ہوتا ہمیں نظر آتا ہے۔ یا للعجب

میری ناقص رائے میں اصل الجھن علماء ومفتی حضرات کو یہ ہو رہی ہے کہ حساب کی وجہ سے شاہدین کی شہادت کو کیسے رد کریں؟ حساب فلکی کی وجہ سے شہادت کو رد نہیں کرنا؛ بلکہ فقہاء کے نزدیک قضائے قاضی میں یہ بات مسلم ہے، کہ شاہدوں کی شہادت میں ریب وشک ہونے کی صورت میں (چاہے وہ شک گواہوں کی ذات میں ہو یا شہادت کے محل وقوع میں) اس شہادت کو رد کر دیا جائے گا، اسی لیے شہادت میں گواہوں کا عادل ہونا شرط قرار دیا گیا، اور فاسقِ بین اور محدود بالقذف کی گواہی رد کر دی جائے گی۔

اسی طرح شاہدوں کا محال عادی کے خلاف گواہی دینا یہ بھی ریب وشک ہے اس وجہ سے وہ شہادت قابل قبول ہو کر اس پر حکم کو متفرع کرنے کے بجائے اس کو رد کر دینا چاہیے، کیوں کہ شریعت مطہرہ کا مدار محالات پر نہیں ہوسکتا؛ لہذا قران شمس و قمر کے وقت یا اس سے پہلے چاند کی رویت بصری کی شہادت حساب فلکی کی وجہ سے رد نہیں کی جاتی، بلکہ شہادت میں ریب وشک ہونے کی وجہ سے رد کی جاتی ہے۔

چناں چہ شیخ محمد بخیت حنفی مصری اپنی کتاب "ارشاد اهل الملة الى اثبات الاهلة" میں ص ۲۸۴ پر تحریر فرماتے ہیں:

"ان يرى مع عدم الامكان وذلك مستحيل، وانما المراد ان يخبر مخبر برؤيته مع عدم امكانه والاخبار يحتمل الصدق والكذب، والكذب يحتمل العمد والغلط، ولكل منهما اسباب لا تنحصر فليس من الرشد قبول الخبر المحتمل لذلك اوالشهادة به مع عدم الامكان لان الشرع لا يأتى بالمستحيلات"

آگے لکھتے ہیں:

لان دلالة الحساب القطعى اوالقريب من القطعى على عدم الامكان اقوى من الريبة، والريبة موجبة لرد الشهادة فاعتقادنا عدم الامكان لذلك او اقوى.

آپ کے جواب سے یہ بات نتیجہ کے طور پر ثابت ہوتی ہے کہ چاند کی مؤخر رویت کا اعتبار نہیں، بلکہ اسبق ومقدم رویت کی خبر آنے پر مہینہ ۲۸ یا ۳۱ کا نہ ہوتا ہو، تو اس پر عمل کرنا چاہیے، اور مفتی اسماعیل بھڑکودروی مفتی کنتھاریہ دارالعلوم کے فتوی کے مطابق چاند کی اسبق اور مقدم رویت پر عمل کرنا واجب ہے۔

لہٰذا بالفرض والتقدیر اگر برطانیہ میں مقامی رویت ہوتی ہو تب بھی مسلک مذکورہ پر عمل کرتے ہوئے دوسرے مقام بعید سے اصول شریعت کے مطابق ثابت ہونے والی مقدم رویت کا ثبوت معتبر اپنے یہاں فراہم ہوجانے پر مقامی رویت سے قبل ہی عمل کرنا جائز اور درست ہے بلکہ بقول متقدمین واجب ہے۔ (فتویٰ مفتی اسماعیل)

آپ حضرات کے دونوں مذکورہ فتووں کی روشنی میں ۱۴۰۷ھ کے رمضان

وعید کا تجزیہ درج ذیل ہے: ''دہلی اور سعودی عرب میں رمضان کی ابتداء شاہدوں کی شہادت سے ۲۸/اپریل ۱۹۸۷ء بروز منگل ہوئی اور اسی کے مطابق ۳۰ روزے مکمل کر کے ۲۸/مئی ۱۹۸۷ء بروز جمعرات منائی گئی، اسی طرح عید الاضحیٰ سعودی عرب میں ۴/اگست ۱۹۸۷ء بروز منگل تھی، گجرات اور ہندوستان کے معظم علاقوں میں رمضان کی ابتداء ۳۰/اپریل ۱۹۸۷ء بروز جمعرات سے ہوئی اور عید الفطر ۲۹ مئی ۱۹۸۷ء بروز جمعہ منائی گئی، اور عید الاضحیٰ ۶/اگست ۱۹۸۷ء بروز جمعرات منائی گئی''۔

آپ حضرات کے قول کے مطابق تو ہندوستان اور بالخصوص گجرات میں رمضان وعیدین ۱۴۰۷ھ صحیح وقت پر نہیں ہوئی، بلکہ وقت سے مؤخر ہوئی کیوں کہ چاند کی اسبق رویت کا اعتبار کرتے ہوئے اس پر عمل کرنا واجب یا جائز تھا۔ سعودی عرب کی دور کی خبر نہ سہی (اگر چہ بقول آپ کے اختلاف مطالع کا قطعاً اعتبار نہیں، سے نظر انداز) دہلی کی خبر پر بھی عمل نہیں کیا گیا اور ترک واجب کے مرتکب ہوئے۔

چوں کہ ساری دنیا میں سب سے اول اور مقدم سعودی عرب میں چاند کی رویت کا اعلان ہوتا ہے، تو بقول آپ کے عالم اسلام میں اپنی مقامی رویت کا مسئلہ ختم ہو جاتا ہے، کیوں کہ چاند کی رویت کی اسبق خبر سعودی عرب سے ملنے پر اس پر عمل کرنا واجب ہے، باقی رہا چاند کی رویت کا طریق موجب سے پہنچنا تو یہ بات اس دور میں کوئی دشوار نہیں، سعودی ریڈیو، ٹی۔وی کی نشریات کے علاوہ معتمد لوگوں کے متعدد فون رمضان وعیدین کے موقعے پر موصول ہوتے رہتے ہیں، اور عید الاضحیٰ کی سعودی کی خبر تو تواتر کے درجہ میں پورے عالم اسلام میں عید الاضحیٰ سے کئی دن پہلے پہنچنے سے شاید کسی کو انکار ہو؛ بلکہ اب تو ہندو پاک بالخصوص گجرات میں سعودی سے

آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہتا ہے جو آپ حضرات پر بھی مخفی نہیں۔

وجہ اشکال کسوف شمس:

تو اس بارے میں معروض ہے کہ یہ مسئلہ تو خالص علم ہیئت وفلک اور حساب کا ہے، ظاہر ہے اس میں اہل فن کی بات زیادہ وزنی ہوگی مولانا موسیٰ روحانی بازی مدرس حدیث جامعہ اشرفیہ لاہور نے اپنی معروف کتاب ''فلکیات جدیدہ'' میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ۲۳ سالہ عہدِ نبوت کے کسوف شمس کی تعداد اور تاریخوں پر مشتمل ایک جدول تیار کی ہے، جس میں یہ بتایا ہے کہ کسوف ہمیشہ اسلامی ماہ کی اخیری تاریخوں میں ہوا ہے۔(۲۲۱، ۲۲۲)

حضرت ابراہیم کی وفات کی تاریخ کے بارے میں اور کسوف کی تاریخ کے بارے میں (عہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم) روایات بہت ہی مختلف ومضطرب ہیں، جیسا کہ حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ نے ''اوجز'' میں اس کی ابتداء ہی اس کلمہ سے کی ہے:

الخامس فی تاریخ الکسوف فی زمانہ ﷺ واختلف اھل السیر جدّا.

حضرت ابراہیم کی وفات کے بارے میں ۴ مختلف ماہ مروی ہیں، تاریخ بھی ۳، ۴ مختلف، حتی کے سال بھی دو تین مختلف مروی ہیں۔

آپ بھی اس بات سے اتفاق کریں گے کہ اس زمانہ میں تاریخ وماہ کی تعیین کا ایسا رواج نہیں تھا جیسا کے بعد میں ہوا؛ اس لیے اس میں اقوال کا مختلف ہوجانا اہل نقول کے حافظہ کی بنیاد پر قدرتی بات ہے۔

ان کان صوابا فمن اللہ وان کان غیر ذلک فمنی واستغفراللہ واللہ أعلم وعلمہ اتم واحکم

احقر: یعقوب اسماعیل قاسمی غفرلہ، ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۹۸۷ء بروز بدھ

اشکالات کے جوابات

محترم ومکرم مولانا یعقوب صاحب مدت فیوضکم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ نے ممنون کیا، آپ نے جو توجہ فرمائی اس پر ممنون ومسرور ہوں، چوں کہ افہام وتفہیم مقصود ہے؛ اس لیے جن امور کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے ان کے سلسلہ میں میرا خیال بھی عرض کرتا ہوں، امید کہ آپ بھی اس کی طرف توجہ فرمائیں گے۔

(الف) آپ نے احقر کے تمہیدی مضمون کا جو خلاصہ تحریر فرمایا ہے اس میں اہم جز چھوڑ دیا ہے؛ اس لیے آپ کے پیش فرمودہ خلاصہ میں کچھ اضافہ کی اجازت چاہتا ہوں۔ (آپ نے جو خلاصہ پیش فرمایا ہے وہ یہ ہے) ''اثباتِ شہورِ اسلامی میں اعتبار رویت ہلال کا ہے نہ کہ فلکی حساب کا'' (اس پر اتنا اضافہ فرمالیں) ''اور ثبوت رویت میں اعتبار شہادت کا ہے، اور شہادت کے ردوقبول کا معیار فلکی حساب نہیں بلکہ شریعت کا مقرر کردہ اصول ہے''۔

جس طرح محض فلکی حساب کے امکان رویت بتلا دینے سے کام نہیں چلتا، اسی طرح اس کے عدم امکان کے دعوی کی بنیاد پر شہادت رد نہیں کی جاسکتی، جب تک کہ ردشہادت کے لیے کوئی وجہ شرعی نہ ہو، فلکی حساب کا رویت ہلال پر مثبت ومنفی کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ جس طرح فلکی حساب کے مثبت طور پر معتبر ومؤثر نہ ہونے کو آپ تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح منفی طور پر بھی وہ مؤثر ومعتبر نہیں، ''لاعبرۃ بقول المؤقتین

فی الصوم" کا یہی مطلب فقہاء کرام نے لیا ہے۔ اور اپنے تمہیدی مضمون میں اسی کو میں نے ثابت کیا ہے۔

آپ کو بڑی الجھن جو پیش آرہی ہے اس کی وجہ یہ ہے: کہ آپ کتب تفسیر میں "منازل قمر" کی تفصیل کے ذیل میں "قران شمس وقمر اور محاق" کا تذکرہ دیکھ کر یہ سمجھ رہے ہیں کہ جب یہ حضرات مفسرینِ عظام اس کو اپنی تفسیر میں لکھ رہے ہیں تو یہ شرعا ایسا معتبر ہے کہ احکام شرعیہ کے باب میں مؤثر ہے۔ آپ کی غلط فہمی کی بنیاد یہیں سے پڑی، میں نے اپنا سابق جواب لکھنے سے پہلے روح المعانی، ابن کثیر، تفسیر کبیر، تفسیر قرطبی، تفسیر جواھر طنطاوی کا مطالعہ ان تمام مقامات کا کیا تھا لیکن مجھے اس کے دیکھنے کے بعد بھی کوئی اشکال نہیں ہوا۔ اس کی دو وجوہ ہیں:

① پہلی یہ کہ جہاں حضرات مفسرین علم ہیئت کے حوالہ سے منازل قمر کی تشریح کرتے ہیں، وہاں یہ بات واضح کر دیتے ہیں کہ قرآن میں جو لفظ منازل آیا ہے اس کی مراد قطعی طور پر یہ نہیں بلکہ قرآن کے نزدیک تو منازل کا مطلب صرف وہ فاصلے ہیں، جو چاند یومیہ طے کرتا ہے۔ چوں کہ ہیئت والے بھی اس سے بحث کرتے ہیں اور ان کے یہاں اس کے مخصوص نام اور مقدار ہے؛ اس لیے مناسبت مقام کے پیش نظر اس کا بھی تذکرہ کر دیتے ہیں، چناں چہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سورۂ یونس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ: وقدره منازل لتعلموا عدد السنين والحساب. (اور مقرر کیں اس کے لیے منزلیں) یعنی روزانہ بتدریج گھٹتا بڑھتا ہے ﴿والقمر قدرناه منازل حتى عاد كالعرجون القديم﴾ علمائے ہیئت نے اس کے دورہ کی تقسیم کر کے اٹھائیس منزلیں مقرر کی ہیں، جو بارہ بروج پر منقسم ہیں،

قرآن میں خاص ان کی مصطلحات مراد نہیں، مطلق سیر و مسافت کے مدارج مراد ہیں۔
(فوائد شبیریہ سورۂ یونس)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قرآن کریم ان اصطلاحی ناموں سے بالاتر ہے، اس کی مراد صرف وہ فاصلے ہیں جن کو چاند خاص خاص دنوں میں طے کرتا ہے۔ (معارف القرآن ۷/ ۳۹۳)

علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: المنازل جمع منزل، والمراد به: المسافة التی یقطعها القمر فی یوم و لیلة (روح المعانی ۲۳/۱۶)

آگے اصطلاح ہیئت کو بیان کرتے ہوئے ان کے اختلاف کو بھی ذکر کرتے ہیں:

وهی عند اهل الهند سبعة و عشرون؛ لأن القمر یقطع فلك البروج فی سبعة وعشرین یوما وثلث،فحذفوا الثلث لأنه ناقص عن النصف كما هو مصطلح اهل التنجیم، وعند العرب، وساكنی البدو ثمانیة و عشرون الخ. (حوالہ بالا)

جب یہ بات واضح ہو چکی کہ مراد قرآنی ان اصطلاحات سے بالاتر ہے، تو اب حضرات مفسرین عظام کے محض ان باتوں کو اپنی تفاسیر میں ذکر کر دینے سے آپ یہ استدلال فرما رہے ہیں کہ علامہ اندلسی آلوسی سے علامہ عثمانی تک سارے مفسرین مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں غلطی کرتے رہے اور اب اس دور میں شاہدین رویت سعودی عرب نے اس غلطی کو فاش کیا الخ۔ اس کی گنجائش نہیں۔

② دوسری وجہ جو پہلی سے بھی زیادہ اہم ہے، وہ یہ کہ شریعت مطہرہ نے تمام علوم میں اعتبار و اعتماد کی جو درجہ بندی فرمائی ہے اس کو توڑنے کی شریعت اجازت نہیں

دیتی اور نہ ہی اس کی خلاف ورزی سے شرعی مقصود حاصل ہوسکتا ہے۔ احکام شرعیہ کے اثبات وعدم اثبات کے لیے دلائل شرعیہ کی ضرورت ہے جو صرف چار ہیں یعنی قرآن وسنت اور اجماعِ امت وقیاس، ان کے بغیر کسی حکم کو ثابت نہیں کیا جاسکتا، فن ہیئت کے مسلمات کو یہ مقام حاصل نہیں کہ ان کی وجہ سے دلائل شرع سے ثابت شدہ مسائل کو چھوڑا جائے یا اس میں شک وشبہ کی گنجائش نکالی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام نے باوجود یہ کہ ان میں سے بہت سے حضرات فن ہیئت کے ماہر بھی تھے، رویت ہلال کے ثبوت وعدم میں ہیئت کا اعتبار نہیں کیا۔ شریعت مطہرہ کی قائم فرمودہ اس درجہ بندی کے سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کلام پیش کرتا ہوں، جس سے انشاء اللہ آپ کے اشکالات بھی دور ہونگے؛ اگرچہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کلام فن تاریخ کی مناسبت سے ارشاد فرمایا ہے لیکن اصولی شان کا حامل ہونے کی وجہ سے فن ہیئت اور دیگر فنون پر بھی منطبق ہوتا ہے:

''اسلام میں اعتبار واعتماد کا جو مقام قرآن کریم اور احادیث متواترہ کا ہے وہ عام احادیث کا نہیں، جو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ ہے وہ اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کا نہیں، اسی طرح تاریخی روایات کے اعتماد واعتبار کا بھی وہ درجہ نہیں ہے جو قرآن وسنت یا سند صحیح سے ثابت شدہ اقوال صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے؛ بلکہ جس طرح نص قرآنی کے مقابلے میں اگر کسی غیر متواتر حدیث سے اس کے خلاف کچھ مفہوم ہوتا ہو تو اس کی تاویل واجب ہے یا تاویل سمجھ میں نہ آئے تو نص قرآنی کے مقابلے میں اس حدیث کا ترک واجب ہے، اسی طرح تاریخی روایات اگر کسی معاملہ میں قرآن وسنت سے ثابت شدہ کسی چیز سے متصادم ہوں تو وہ بمقابلہ قرآن وسنت کے متروک یا واجب التاویل

قرار دی جائیں گی، خواہ وہ تاریخی اعتبار سے کتنی ہی معتبر و مستند روایات ہوں، اعتبار واعتماد کی درجہ بندی کسی فن کی عظمت واہمیت کو گھٹاتی نہیں؛ البتہ شریعت اور اس کے احکام کی عظمت کو بڑھاتی ہے کہ ان کے ثبوت کے لیے اعتماد واعتبار کا نہایت اعلیٰ درجہ لازم قرار دیا گیا ہے''۔ (مقام صحابہ ص ۱۵)

مگر فن تاریخ کے اتنے فوائد وفضائل اور اس کی اتنی بڑی اہمیت کے باوجود اس فن کو یہ مقام کسی نے نہیں دیا کہ شریعت اسلام کے عقائد واحکام اس فن سے حاصل کیے جائیں، حلال وحرام کے مباحث میں تاریخی روایات کو حجت قرار دیا جائے، جن مسائل کے ثبوت کے لیے قرآن وسنت اور اجماع وقیاس کے شرعی دلائل کی ضرورت ہے ان میں تاریخی روایات کو مؤثر مانا جائے یا تاریخی روایات کی بناء پر قرآن وسنت یا اجماع سے ثابت شدہ مسائل میں کسی شک وشبہ کو راہ دی جائے۔ (ایضاص ۲۳/ ۲۴)

یہی وجہ ہے کہ ائمہ حدیث جن کی کتابیں حدیث میں اصول معتمد علیہ کا درجہ رکھتی ہیں، ان میں وہ جن راویوں کو ضعیف قرار دے کر ان کی روایت چھوڑ دیتے ہیں، جب وہ تاریخ کے میدان میں آتے ہیں تو ان ضعیف راویوں کی روایات بھی شاملِ کتاب کر لیتے ہیں، واقدی اور سیف ابن عمر وغیرہ کو ائمہ حدیث نے حدیث کے معاملہ میں ضعیف بلکہ اس سے بھی زیادہ مجروح کہا ہے؛ مگر تاریخی معاملات مغازی وسیر میں وہی ائمہ حدیث ان کی روایت نقل کرنے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں کرتے۔ (ایضا ۲۹)

خلاصہ یہ ہے کہ عام دنیا کی تاریخ اور اس میں مدون کی ہوئی کتابیں فن حدیث و فقہ یا عقائد کی طرح شریعت اسلام کے عقائد واحکام سے بحث کرنے والا کوئی فن نہیں ہے جس کے لیے روایات کی تنقیح وتنقید کی سخت ضرورت ہو، اور کھرے کھوٹے

کو ممتاز کیے بغیر مقصد حاصل نہ ہو؛ اس لیے فن تاریخ میں ہر طرح کی قوی وضعیف اور صحیح وسقیم روایتیں بغیر نقد وتبصرہ کے جمع کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا گیا، علوم قرآن وسنت کے ماہر وہی علماء جو تنقید وتحقیق اور جرح وتعدیل کے امام مانے گئے ہیں، جب فن تاریخ پر کوئی تصنیف لکھتے ہیں تو اگر چہ زمانہ جاہلیت کی تاریخوں کی طرح بے سر وپا افواہوں اور افسانوں کو اپنی کتاب میں جگہ نہیں دیتے، بلکہ اصول روایت کا لحاظ رکھتے ہوئے سند کے ساتھ روایت نقل کرتے ہیں، اسی لیے اسلامی تاریخیں تاریخی حیثیت میں عام دنیا کی تاریخوں سے صدق واعتماد کے اعتبار سے ایک ممتاز مقام رکھتی ہیں، لیکن تاریخ میں وہ راویوں کے حالات کی چھان بین اور اس جرح وتعدیل سے کام نہیں لیتے، جو فن حدیث وغیرہ میں استعمال کی جاتی ہے۔ (ایضا ۲۹/۳۰)

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ جو حدیث وتفسیر کے مشہور امام اور بڑے ناقد معروف ہیں، روایات میں تنقید وتحقیق ان کا خاص امتیازی وصف ہے؛ مگر جب یہی بزرگ تاریخ پر کتاب البدایۃ والنہایۃ لکھتے ہیں تو تنقید کا وہ درجہ باقی نہیں رہتا، خود البدایۃ والنہایۃ ۸/۲۰۲ میں بعض تاریخی روایات درج کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس کی صحت میرے نزدیک مشتبہ ہے؛ مگر مجھ سے پہلے ابن جریر وغیرہ یہ روایت نقل کرتے آئے ہیں؛ اس لیے میں نے بھی نقل کر دیا، اگر وہ ذکر نہ کرتے تو میں ان کو اپنی کتاب میں نہ لاتا۔ ظاہر ہے کہ کسی حدیث کی تحقیق میں وہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ اس کی صحت مشتبہ ہونے کے باوجود چوں کہ پہلے کسی بزرگ نے لکھا ہے؛ اس لیے لکھتا ہوں، یہ تاریخ ہی کا اپنا مقام تھا کہ اس میں ابن کثیر نے اس توسع کو جائز قرار دیا۔ (ایضا ۳۱)

اور یہ کسی خاص شخص کی اتفاقی غلطی نہیں، بلکہ تمام ائمۂ فن کی سوچی سمجھی روش تاریخ

میں یہی ہے کہ فن تاریخ میں ضعیف وسقیم روایات کو بلاتنقید ذکر کردینا کوئی عیب نہیں، کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ ان روایات سے دین کے عقائد یا احکام شرعیہ کو ثابت کرنا نہیں، عبرت ونصیحت اور تجارب اقوام وغیرہ کے فوائد حاصل کرنا ہیں، وہ یوں بھی ہوسکتے ہیں، اور اگر کوئی شخص ان تاریخی روایات سے کسی ایسے مسئلہ پر استدلال کرنا چاہتا ہے جس کا تعلق اسلامی عقائد یا احکام عملیہ سے ہے، تو اس کی اپنی ذمہ داری ہے کہ روایات کی تنقید اور راویوں پر جرح وتعدیل کا وہی ضابطہ اختیار کرے جو حدیث کی روایات میں لازم وضروری ہے، اس کے بغیر اس کا استدلال جائز نہیں، اور یہ کہنا کہ کسی بڑے ثقہ اور امام حدیث کی کتاب تاریخ میں یہ روایت درج ہے اس کو اس ذمہ داری سے سبکدوش نہیں کرتا۔ اس بات کو اس مثال سے سمجھئے کہ ائمۂ مجتہدین اور فقہائے امت میں بہت سے ایسے حضرات بھی ہیں، جو فن طب کے بھی ماہر ہیں، جیسے: امام شافعی وغیرہ، اور بعض حضرات کی تصانیف بھی فن طب میں موجود ہیں، یہ حضرات اگر کسی طب کی کتاب میں اشیاء کے خواص وآثار بیان کرتے ہوئے یہ لکھیں: کہ شراب میں فلاں فلاں خواص وآثار ہوتے ہیں، خنزیر کے گوشت پوست اور بال کے فلاں فلاں خواص وآثار ہیں، پھر کوئی آدمی طب کی کتاب میں ان کے کلام کو دیکھ کر ان چیزوں کو جائز قرار دینے لگے، اور استدلال میں یہ کہے کہ فلاں امام یا عالم نے اپنی کتاب میں لکھا ہے، اور وہاں اس کے حرام ہونے کا ذکر نہیں کیا تو اس کا یہ استدلال درست ہوگا؟ اور یہ کوئی فرضی مثال بھی نہیں، شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ امت کے کیسے بڑے عالم ہیں، علوم شرعیہ میں شاید کوئی فن نہیں چھوٹا جس پر ان کی تصانیف نہ ہوں، ان کی بزرگی اور تقدس میں کسی کو کلام نہیں؛ مگر موضوع طب پر ان کی تصنیف ''کتاب

الرحمة فی الطب والحکمة" دیکھ لیجئے اس میں متعدد امراض کے علاج اور منافع کی تحصیل کے لیے جو نسخے لکھے ہیں، ان میں بہت سی حرام چیزیں بھی شامل ہیں، اب اگر کوئی شخص اس کتاب کے حوالہ سے ان کو جائز ثابت کرنے لگے اور سیوطی کی طرف اس کو منسوب کرے تو کیا کوئی صحیح الحواس آدمی اس کو درست باور کرسکتا ہے؟ اسی طرح اور بہت سے علماء فقہاء جن کی تصانیف فن طب وغیرہ میں ہیں، سب میں حرام چیزوں کے خواص وآثار اور طریق استعمال ذکر کیا جاتا ہے، خون اور انسانی بول وبراز اور شراب وخنزیر سبھی چیزوں کے خواص لکھے جاتے ہیں اور اس جگہ وہ اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ ان کا حرام یا نجس ہونا بھی اس جگہ لکھدیں، کیوں کہ یہ موضوع طب سے خارج ہے اور دوسری کتب میں بیان ہو چکا ہے، ان کی کتب طب سے کوئی آدمی حرام چیزوں کو ان کا نام لے کر حلال کرنے لگے تو اس میں قصور ان کا یا علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا نہیں کہ انھوں نے فن طب کی کتاب میں حرام اشیاء کے خواص کیوں لکھے؟ کیوں کہ اس فن کا مقتضا اور موضوع ہی یہ ہے کہ سب چیزوں کے خواص وآثار لکھے جاویں، حلال وحرام ہونے کی بحث کا یہ موقع نہیں، اور جہاں اس کا موقع ہے وہ ان کے حرام ہونے کو لکھ چکے ہیں، قصور اس عقلمند کا ہے جو اس حقیقت کو نظر انداز کر کے طبی کتاب سے حلال وحرام کے مسائل نکالنے لگے۔ (ایضاً ۳۳ تا ۳۴)

امید کہ اب آپ کا یہ اشکال کہ تمام مفسرین نے قران شمس وقمر اور محاق کا تذکرہ کیا ہے اور ﴿قدره منازل﴾ کی تفسیر میں تمام اس کو لکھتے چلے آئے ہیں تو یہ کیسے غلط ہو گیا؟ حل ہو گیا ہوگا۔ ان حضرات مفسرین کے اس کو لکھنے کی حیثیت وجہ اول میں بتلا چکا ہوں، پھر بھی ان کے اس کو لکھنے سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ ان بیانات کی بنیاد پر

شریعت کے اصول شہادت میں ترمیم کی جائے، اسی لیے فقہائے کرام نے بھی باوجود ان اصطلاحات ومسلمات ہیئت سے واقفیت کے ان کی وجہ سے شہادت کو قابل رد نہیں قرار دیا؛ اس لیے کہ یہ میدان احکام شرعیہ کا میدان ہے، اس کا مقتضی یہ ہے کہ وہاں دلائل شرعی سے جو بات ثابت ہوتی ہو اسی کو اختیار کیا جائے۔ میں نے اپنے سابق جواب کی تمہید میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی جو عبارت نقل کی تھی اس میں صراحۃً یہ مذکور ہے کہ ۲۹ کی صبح کو افق مشرق میں طلوع شمس سے پہلے چاند نظر آیا اور پھر اسی شام کو (یعنی ۳۰ کی شب میں) افق مغرب پر غروب شمس کے بعد چاند نظر آنے کی شہادت میسر آنے پر شہادت پر ہی عمل ہوگا، (بلکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا اس موضوع پر مستقل رسالہ ہے) آپ بتلائیے کہ اس صورت میں محاق کہاں گیا؟ حالاں کہ شہادت مان لینے کا مطلب یہ ہوا کہ فقہاء نے ہیئت کے محاق والے اصول پر عمل نہیں کیا، اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ بات ریب وشک فی الشہادۃ میں داخل نہیں؛ اس لیے کہ اگر یہ چیز موجب ریب ہوتی تو فقہائے کرام اس شہادت کو کسی صورت میں معتبر نہ مانتے۔ اس سے آپ کا وہ نقطۂ نظر جو آپ نے حضرات مفتیان کرام کی الجھن دور کرنے کے لیے اپنے عنایت نامہ میں ظاہر فرمایا ہے اس کی صاف تردید ہوتی ہے۔ الحاصل آپ نے فلکی حساب کے عدم امکان رویت کے دعوی کی بنیاد پر شہادت رد کرنے کا جو موقف اختیار فرمایا ہے وہ درست نہیں، آپ کے ہاں برطانیہ میں عید الفطر کے چاند کا جو واقعہ پیش آیا اس نے بھی تو آپ کے موقف کی تغلیط کردی، میرے سابق جواب میں یہی بات میں نے ثابت کی ہے کہ محض فلکی حساب کے یہ بتلا دینے سے کہ رویت ممکن نہیں، شہادت رد نہیں کی جاسکتی، رد شہادت کے لیے اصول شرع ہی سے

کام لینا ہوگا، فقہائے کرام بھی اسی بات کو صراحۃً کہتے ہیں: المعمول به فی المسائل الثلاث ما شهدت به البينة لأن الشهادة نزلها الشارع منزلة اليقين.
(شامی؟ /۱۰۰)

اب مجھے کیا حق پہنچتا ہے کہ میں فقہائے کرام کی اس تصریح کے خلاف فتویٰ دوں؟ میں تو مقلد محض ہوں، میرے لیے کسی حال میں تصریحات فقہاء کے خلاف فتویٰ دینے کی اجازت نہیں ہے۔

ایک ضروری وضاحت: میں نے اپنے سابق جواب میں جو کچھ لکھا اور اس افہام وتفہیم میں بھی جو عرض کیا اس سے میرا مقصد سعودیہ کے اعلان کی حمایت نہیں ہے؛ بلکہ نفس مسئلہ کی وضاحت اور شرعی حیثیت کا تعین ہے، رہا سعودی اعلان درست ہے یا نہیں؟ تو جب تک ان کے طریق کار کا علم نہ ہو جائے اس سے پہلے اس سلسلہ میں کچھ کہنا یا لکھنا قبل از وقت ہے، اور آپ سے بھی یہ عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں کہ سعودی اعلان کی تغلیط کے لیے آپ جو طریقہ اختیار فرمائے ہوئے ہیں، وہ درست نہیں، اس کے بجائے اگر آپ یہ تفصیل معلوم کریں کہ وہاں کس طریقہ سے ثبوت ہلال کا فیصلہ ہوتا ہے، شہادت کہاں سے آتی ہے، شاہدین عموماً کون ہوتے ہیں؟ اور پھر اس میں کوئی شرعی قباحت ہو تو اس کو ظاہر فرمائیں۔

(ب) آپ نے دوسرا اشکال کر کے جو تجزیہ پیش فرمایا ہے اس کی بھی وضاحت پیش خدمت ہے۔ چاند کی اسبق رویت پر عمل کو میں نے جو جائز لکھا اس کے ساتھ شرط بھی ذکر کی ہے کہ وہ بطریق موجب پہنچی ہو، حالاں کہ گجرات میں دہلی کی خبر بطریق موجب نہیں پہنچی تھی؛ نیز دیوبند میں جو عید ہوئی تھی تو یہ یاد رہے کہ وہاں ہلال شعبان

کی شہادت اواخر شعبان میں موصول ہونے پر شعبان کی تاریخ کو مؤخر کیا گیا تھا، جس کا گجرات میں بھی پتہ نہ چلا، پھر جب دیوبند میں وہاں کی ۲۹/شعبان (جو گجرات میں ۲۸ تھی) کے حساب سے رمضان کی اطلاع ملی تو ان حضرات نے اس کو قبول کرتے ہوئے رمضان کا اعلان کیا جب کہ گجرات میں اس کی گنجائش ہی نہ تھی؛ اس لیے آپ کے تجزیہ سے ہم پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

(ج) کسوف شمس کے سلسلہ میں خود میں نے ''فتح الباری'' کی جو عبارت نقل کی ہے، اس میں مختلف تاریخیں مذکور ہیں، لیکن میں نے وہاں تصریح کر دی ہے کہ ان تاریخوں میں سے حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے جس تاریخ کے متعلق والاکثر انها وقعت الخ فرما کر ترجیح دی ہے، اسی پر میں نے اپنے کلام کی بنیاد رکھی ہے؛ نیز دور نبوی میں واقع کسوف شمس کی جتنی بھی تاریخیں کتب شروح حدیث میں مذکور ہیں ان میں سے کوئی بھی اصول ہیئت پر صحیح نہیں ٹھہرتی، اس کا کیا علاج؟۔ فقط والسلام۔

العبد: احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/صفر المظفر ۱۴۰۸ھ

ضمیمہ:

(۱) (یوم مات ابراهیم) یعنی ابن النبی ﷺ، وذکر جمهور اهل السیر انه مات فی السنة العاشرة من الهجرة، قیل فی ربیع الاول، وقیل فی رمضان، وقیل فی ذی الحجة، والاکثر علی انها وقعت فی عاشر الشهر، وقیل فی رابع، وقیل فی رابع عشرة (فان قلت) الکسوف فی الشمس انما یکون فی الثامن والعشرین اوالتاسع والعشرین من آخر الشهر العربی فکیف تکون وفاته فی العاشر؟ (قلت): هذا التاریخ یحکی عن الواقدی وهو ذکر ذلك بغیر اسناد فقد تکلموا فیما یسنده الواقدی

فكيف فيمايرسله؟ وقال البيهقى فى باب ما يحول على جواز الاجتماع للعيد وللخسوف لجواز وقوع الخسوف فى العاشر: ثم روى عن الواقدى ما ذكرناه عن تاريخ وفاة ابراهيم وقال الذهبى فى مختصر السنن لم يقع ذلك ولن يقع، والله قادر على كل شىء لكن امتناع وقوع ذلك كامتناع رؤية الهلال ليلة الثامن والعشرين من الشهر (عمدة القارى ٦ /٦٩)

اس میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے دس چاند والا قول واقدی کا ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے، لیکن خود علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل ہیئت کی بات کی دوسرے موقع پر تردید کی ہے جیسا کہ اصل مضمون میں ''اوجز'' کی عبارت میں ان کا قول مذکور ہے، جو عمدۃ القاری ۷ / ٦٦، ٦٧ میں موجود ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تردید مقصود ہے۔ دونوں کا کلام دیکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

② ''فتح الملہم'' میں علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے محمود پاشا فلکی کی کتاب سے کسوف کا ۲۹ / شوال ۱۰ھ کو ہونا تحریر فرمایا ہے، لیکن یہ بھی حساب سے اخذ کردہ نتیجہ ہے۔ اہل سیر میں سے کسی کا کوئی قول نہیں۔

قال بعض الفضلاء المصريين فى تعليقه على المحلى ولقد حاولت كثيرا ان اجد من العلماء بالفلك من يظهر لنا بالحساب الدقيق عدد الكسوفات التى حصلت فى مدة اقامة النبى ﷺ بالمدينة وتكون رؤيتها بها ممكنة وطلبت ذلك من بعضهم مرارا فلم اوفق الى ذلك الا انى وجدت للمرحوم محمود باشا الفلكى جزء اً صغيرا سماه ''نتائج الافهام فى تقويم العرب قبل الاسلام'' الّفه باللغة الفرنسوية، وترجمه الى العربية

الاستاذ العلامة احمد زكى باشا وطبع فى بولاق ١٣٠٥ھ وقد حقق فيه بالحساب الدقيق يوم الكسوف الذى حصل فى السنة العاشرة، وهو اليوم الذى مات فيه ابراهيم ومنه اتضح ان الشمس كسفت فى المدينة المنورة فى يوم الاثنين٢٩/ شوال سنة ١٠، الموافق ليوم٢٧/يناير سنة ٦٣٢ ميلادية فى الساعة ٨ والدقيقة ٣٠ صباحا وهو يرد اكثر الاقوال التى نقلت فى تحديد يوم موت ابراهيم (فتح الملهم ٢/ ٤٥٢)

اس پر دوسرا اشکال یہ ہے کہ ماہ جنوری میں سخت سردی پڑتی ہے (اس لیے کہ جنوری میں مدینہ منورہ کا درجۂ حرارت ''٦ سی'' رہتا ہے یو۔پی کے اکثر مقامات کا درجۂ حرارت یہی ہے۔ (جزیرۃ العرب ص ٤٤) اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں صراحت ہے کہ یہ گہن سخت گرمی کے موسم میں واقع ہوا تھا۔

كسفت الشمس على عهد رسول الله ﷺ فى يوم شديد الحر فصلى باصحابه فاطال القيام حتى جعلوا يخرون. (ابو داؤد ١/ ١٦٧، مسلم ١/ ٢٩٧)

(٣)ولقد بالغ الشيعة فى يوم عاشوراء، فوضعوا احاديث كثيرة كذبا فاحشا من كون الشمس كسفت يومئذ حتى بدت النجوم، وما رفع يومئذ حجر الا وجد تحته دم، وان ارجاء السماء احمرت وان الشمس كانت تطلع وشعاعها كانه الدم، وصارت السماء كانها علقة، وان الكواكب ضرب بعضها بعضا، وامطرت السماء دما احمر وان الحمرة لم تكن فى السماء قبل يومئذ، ونحو ذلك وروى ابن لهيعة عن ابى قبيل المعافرى ان الشمس كسفت يومئذ حتى بدت النجوم وقت الظهر وان رأس حسين لما دخلوا به قصر الأمارة جعلت الحيطان تسيل

دما وان الارض اظلمت ثلاثة ايام ولم يمس زعفران ولا ورس لما كان معه يومئذ الا احترق من مسه ولم يرفع حجر من حجارة بيت المقدس الا ظهر تحته دم عبيط، وان الابل التى غنموها من ابل الحسين حين طبخوها صار لحمها من العلقم الى غير ذلك من الأكاذيب والأحاديث الموضوعة التى لا يصح منها شيء. (البداية والنهاية ٨ /٢٠١)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر کسوف کے بارے میں علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے مندرجہ بالا ہے، اوجز میں دیگر مواقع کا تذکرہ اجمالی ہے ورنہ اس کی باقی تحقیق کرلی جاتی۔

رویتِ ہلال میں سعودیہ کا فیصلہ مسلکِ حنفی کی نظر میں

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مندرجۂ ذیل ہلال کے بارے میں؟

① سعودی عربیہ میں ہمیشہ سب سے پہلے چاند کی رویت ہوتی ہے، کبھی اس کے خلاف نہیں ہوتا۔

② پوری دنیا سے ہمیشہ ایک دن پہلے رویتِ ہلال ہوتی ہے، ہندو پاک سے اکثر دو دن اور ہمیشہ ایک دن قبل رویت کا اعلان ہوتا ہے۔

③ سعودیہ سے مغربی ملک مراکش میں باقاعدہ چاند دیکھنے کا انتظام ہے، اور اس کے لیے وزارۃ الاوقاف بھی ہے، وہاں سے بھی سعودیہ ہمیشہ ایک روز قبل رویت کا اعلان کرتا ہے اور امسال جمادی الاولیٰ میں دو روز مؤخر تھا۔

④ سعودیہ کی رویت کے بارے میں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ وہاں چاند دیکھ کر فیصلہ نہیں کرتے، بلکہ قران شمس وقمر (نیومون) ہوتے ہی رویت مان لی جاتی ہے۔

⑤ وہاں رویت کا فیصلہ ہمیشہ شہادت پر ہوتا ہے کبھی عمومی رویت نہیں ہوتی۔

⑥ نیومون (قران شمس وقمر) کے فوراً بعد یا چار چھ گھنٹے اور کبھی تو نیومون سے پہلے سے ہی رویت ہوجاتی ہے۔ (اوقات نیومون کی فہرست سے اس کا مکمل ثبوت ہوتا ہے)۔

⑦ کئی شہادتیں موجود ہیں کہ صبح مشرق میں چاند نظر آیا اور اسی شام کو سعودیہ نے رویت کا اعلان کیا۔

⑧ سورج گہن میں لگا ہوا ہے اور اسی وقت سعودیہ نے رویت کا اعلان کردیا، حالاں کہ یہ ناممکن ہے (ثبوت کے لیے سورج گہن اور تاریخ سعودیہ کی فوٹو کاپی پیش خدمت ہے)۔

⑨ سعودیہ کی رویت کے مطابق کبھی چودھویں، پندرھویں تاریخ کو بدر نہیں ہوتا بلکہ پندرھویں اور سولھویں کو بدر ہوتا ہے۔ (ہر مشاہدہ کرنے والے کو اس کا بخوبی علم ہے)۔

⑩ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہاں رویتِ ہلال کمیٹی ہے اور دیکھ کر فیصلہ کرتے ہیں تو کیا:

(الف) یہ رویت صحیح ہے؟ اور اس سے ہم برطانیہ والے رویت کی اطلاع لے سکتے ہیں؟

(ب) اطلاع لینے کا شرعی معتبر طریقہ کیا ہے؟

رمضان وشعبان بہت قریب ہے؛ اس لیے جلد جواب مرحمت فرمائیں، ہم لوگوں کی تراویح اور روزے اور عیدین کا اہم مسئلہ ہے۔

از: مولوی حسن محمد ٹنکاروی

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب چاند کی رویت عام نہ ہوسکے صرف دو چار آدمیوں نے دیکھا ہو تو یہ صورتِ حال اگر ایسی فضا میں ہو کہ مطلع صاف ہو، چاند دیکھنے سے کوئی بادل یا دھواں غبار وغیرہ نہ ہو، تو ایسی صورت میں صرف دو تین آدمیوں کی رویت اور شہادت شرعاً قابلِ اعتماد نہ ہوگی جب تک مسلمانوں کی بڑی جماعت اپنے دیکھنے کی شہادت نہ دے چاند کی رویت تسلیم نہ کی جائے گی، جو دیکھنے کی شہادت دے رہے ہیں اس کو ان کا مغالطہ یا جھوٹ قرار دیا جائے، ہاں اگر مطلع صاف نہیں تھا، غبار آلود تھا، دھواں، بادل وغیرہ افق پر ایسا تھا جو چاند دیکھنے میں مانع ہوسکتا ہے ایسی حالت میں رمضان کے لیے ایک ثقہ کی اور عیدین وغیرہ کے لیے دو ثقہ مسلمانوں کی شہادت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ (جواہر الفقہ ۱/ ۳۹۹، ۴۴۰)

یہ وہ طریق کار ہے جو رویتِ ہلال کے فیصلہ کے لیے احناف کے نزدیک ضروری ہے، حکومت سعودیہ میں رویتِ ہلال کا فیصلہ جس انداز سے ہو رہا ہے وہ اہلِ علم کے درمیان موضوعِ نزاع ہے، حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم نے اس سلسلہ میں جو رائے قائم فرمائی ہے وہ ایک موزون اور صائب رائے ہے وہ فرماتے ہیں: ''حکومت سعودیہ میں رویتِ ہلال کا فیصلہ مسلک حنفیہ کے خلاف ہونے کے علاوہ بداہت کے بھی خلاف ہوتا ہے؛ اس لیے وہ پاکستان کے لیے حجت نہیں''۔ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۴۱۶)

جب وہ فیصلہ مسلکِ حنفی کے خلاف ہونے کی وجہ سے پاکستان کے لیے حجت نہیں تو برطانیہ میں مقیم احناف کے لیے کیسے حجت ہوگا؟

(۲) برطانیہ کے حالات کے پیش نظر اہلِ برطانیہ کے لیے جو طریق کار مفتیٔ گجرات حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب مدظلہم نے تحریر فرمایا ہے وہ یہ ہے: ''اپنے نزدیک کے ممالک جہاں پر طلوع وغیرہ میں زیادہ تفاوت نہ ہو اور انتیسویں کا چاند نظر آتا ہو، ایسے ملک سے رابطہ اور تعلق رکھنا چاہیے اور یہ زیادہ مناسب ہے، اور اس کی صورت یہ ہو کہ ہلالِ رمضان کے بارے میں وہاں کے تین چار دین دار اور معتمد آدمیوں کے فون کی خبر پر جب تم ان کی آواز اچھی طرح پہچان سکو اور تمھیں چاند نظر آنے کا یقین پیدا ہو جائے تو رمضان کا فیصلہ کر دو؛ لیکن ہلالِ عید کے لیے شہادت شرط ہے، اس کے لیے ایسا انتظام کیا جائے کہ وہاں کے دو دین دار معتمد آدمی خود چاند دیکھ کر بذریعۂ طیارہ (ہوائی جہاز) آکر شہادت دیں، یا یہاں سے دو دین دار معتمد آدمی جا کر خود چاند دیکھنے والوں کی گواہی لیں یا وہاں کے مفتی، قاضی، خطیب یا ہلال کمیٹی کے صدر معتمد علیہ کا سندی فرمان لے آئیں جس کو یہاں کے معتمد علماء قبول کر لیں تو اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۳/۷۷، ۷۸)

اس سلسلہ میں مزید تفصیلات مطلوب ہوں تو فتاویٰ رحیمیہ ۵ / ۱۸۲ تا ۱۸۶، جواہر الفقہ ۱ / ۴۰۰ تا ۴۰۲ کا مطالعہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری عفی عنہ، ۱۹ / جمادی الاخری ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ٹنکاریہ میں چاند دکھائی دینے پر راندیر چاند کمیٹی کا فیصلہ

ضلع بھروچ کے گاؤں موٹا ٹنکاریہ میں ① جناب ماسٹر ابراہیم اسماعیل بھوتا صاحب ② جناب احمد اسماعیل مؤذن صاحب ③ جناب عبداللہ موسیٰ احمد صاحب نے ۲۹ ویں ذی القعدہ ۱۴۰۶ھ بدھ کی شام کو مغرب کی نماز کے بعد اپنے چاند دیکھنے کی شہادت دار العلوم کنتھاریہ کے مفتی صاحب وغیرہ کے سامنے دی، یہ اطلاع ہمیں بذریعہ اشتہار موصول ہوئی تو راندیر سے جناب موسیٰ ماسٹر صاحب، حافظ سید مرغوب، حاجی نذیر ابراہیم قریشی مذکورہ گواہوں کو لینے کے لیے گئے یہ حضرات پہلے دار العلوم کنتھاریہ پہنچے اور مذکورہ تینوں گواہوں کے معتبر ہونے اور شہادت دینے کی تحقیق وتصدیق حاصل کر کے موٹا ٹنکاریہ گئے اور وہاں سے دو گواہوں ① احمد اسماعیل مؤذن صاحب ② عبداللہ موسیٰ احمد صاحب کو لے کر راندیر پہنچے (تیسرے گواہ جناب ماسٹر ابراہیم بھوتا صاحب ان کے ہمراہ نہ آسکے وہ دوسرے دن راندیر تشریف لائے) ان دونوں حضرات نے مجلس شہادت کے حاضرین کے روبرو خدا کو حاضر وناظر رکھ کر قسمیہ شہادت دی کہ ہم نے ۲۹ / ویں ذی قعدہ ۱۴۰۶ھ بدھ کی شام کو مغرب کی نماز کے بعد یکم ذی الحجہ کا چاند دیکھا ہے اور اس پر ہم کو پورا وثوق واطمینان ہے، جناب ماسٹر ابراہیم اسماعیل بھوتا صاحب دوسرے دن راندیر تشریف لائے اور انھوں نے بھی ہمارے سامنے قسمیہ شہادت دی، دار العلوم کنتھاریہ کے علماء کا مذکورہ گواہوں پر اعتماد اور شہادت کی تصدیق نیز ہمارے سامنے قسمیہ شہادت دینے کی بناء پر ہمیں اطمینان حاصل ہوا جس کی بنیاد پر ہم نے بروز جمعرات ۷ / اگست ۱۹۸۶ء کو یکم ذی الحجہ ہونے

کا اور ۱۶ / اگست ۱۹۸۶ء بروز سنیچر کو عید الاضحیٰ (بقرعید) ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ وصلّی اللہ علی خیر خلقه محمد وآله واصحابه اجمعین.

حاضرین مجلس شہادت کی دستخط:

① سید عبد الرحیم لاجپوری غفرلہ　② محمد رضا اجمیری

③ عبد الغنی کاوی　④ اسماعیل واڈی والا

⑤ سید ابراہیم حاجی میر وفائی　⑥ ایم۔ اے۔ صالح بھائی

⑦ عارف حسن

دار الافتاء جامعہ ڈابھیل کی تائید:

تاریخ ۶ / ۸ / ۱۹۸۶ء بدھ کو مغرب کی نماز کے بعد ماہ ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کی معتبر گواہی کے موصول ہونے کی بنیاد پر راندیر چاند کمیٹی نے عید الاضحیٰ (بقر عید) تاریخ ۱۶ / ۸ / ۱۹۸۶ء سنیچر کو ہونے کا فیصلہ کیا ہے؛ اس لیے سنیچر کو عید کی جائے۔ راندیر چاند کمیٹی اطلاع دے رہی ہے۔

گجرات سماچار ۱۱ / اگست ۱۹۸۶ء

یہ نقل مطابق اصل ہے، ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد: احمد عفی عنہ خانپوری

محمد سعید عفی عنہ، مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

عباس داؤد بسم اللہ

مذکورہ فیصلہ پر مولانا منت اللہ رحمانی کے چند شبہات

مکرم ومحترم جناب مولانا اکرام علی صاحب زید مجدہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط عید الاضحیٰ کے چاند کے سلسلہ میں ایک فیصلہ اور اعلان موصول ہوا، جواب حسب ذیل ہے:

اس فیصلہ میں ساری تفصیلات درج ہیں، لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ ۲۹/ ذی قعدہ کو موٹا ٹنکاریہ میں مطلع صاف تھا یا ابر آلود؟ مفتی صاحبان اور مدرس حضرات نے جو فیصلہ کیا ہے اس میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہے؛ اس لیے ہم پر مطلع کا معاملہ قطعاً غیر واضح ہے، جس کی اس موقعہ پر اہم ضرورت ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ خط اور یہ اشتہار شہادۃ علی کتاب القاضی ہے لیکن یہ خط اور اشتہار کے لانے والے نے لاکر آپ کو دیا ہے مجھے نہیں، ظاہر ہے کہ جتنے واسطے بڑھیں گے اسی قدر اشتباہ زیادہ ہوگا۔ لانے والے سے میں واقف ہوں لیکن مجھے اس سے واقفیت نہیں ہے کہ وہ شہادت کے اہل ہیں یا نہیں؟

مولانا اکرام علی صاحب زید مجدہم، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے شیخ الحدیث ہیں، اور ابھی دو تین دن پہلے وہاں سے مکان آئے ہیں؛ مگر ان کی دستخط اس تحریر پر نہیں ہے، قاری احمد اللہ صاحب بھی غالباً عالم ہیں؛ مگر ان کی دستخط بھی اس تحریر پر نہیں ہے۔

ان سارے حالات کے جمع ہوجانے کے بعد اس تحریر کو گجرات کے سوا دوسرے علاقہ کے لیے عید الاضحیٰ کی رویت سے متعلق ایک فیصلہ تسلیم کرنا صحیح نہیں ہے؛ اس

لیے میں اپنے سابقہ فیصلہ ہی پر قائم ہوں کہ رویت ۲۹ / ذی قعدہ کی ثابت نہیں ہے؛ اس لیے عیدالاضحیٰ کی نماز ۱۷ / اگست بروز اتوار کو ہوگی۔ آپ اس پر غور فرمالیں کہ اگر رویت ۳۰ / ۲۹ میں دائر ہوگئی ہے تو احتیاط اسی میں ہے کہ نماز ۱۷ / اگست کو ادا کی جائے۔ والسلام

منت اللہ، مقیم: خانقاہ رحمانی مونگیر

۸ / ذی الحجہ ۱۴۰۶ھ یوم جمعہ استاذ خانقاہ رحمانی مونگیر

مجھے اس خط کے مضمون سے اتفاق ہے۔ محمد ظفیر الدین (مفتی دارالعلوم دیوبند)

معروضاتِ فقیر برگرامی نامۂ امیر:

گجرات میں واقع اہل علم کی مشہور بستی راندیر (سورت) میں حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری صاحب دامت برکاتہم (صاحب فتاوی رحیمیہ) اور حضرت مولانا محمد رضا اجمیری صاحب دامت برکاتہم (گجرات کی مشہور بزرگ شخصیت اور شیخ الحدیث دارالعلوم اشرفیہ راندیر) اور مولانا مفتی عبدالغنی صاحب مدظلہم (مفتی دارالعلوم اشرفیہ راندیر) اور مولانا مفتی اسماعیل واڈی والا صاحب مدظلہم (مفتی جامعہ حسینیہ راندیر) اور دیگر حضرات کے سامنے ذوالحجہ کے رویت ہلال کی شرعی شہادت پیش ہونے پر ان حضرات نے ثبوت رویت کا فیصلہ صادر فرما کر بذریعۂ پوسٹر مع دستخط حضراتِ فیصلہ کنندگان ومہر حضرت مفتی لاجپوری صاحب دامت برکاتہم اعلان کیا، اور اسی اعلان کی بنیاد پر پورے علاقہ میں عیدالاضحیٰ یوم شنبہ کو منائی گئی۔ جامعہ ڈابھیل کے دارالافتاء نے اسی فیصلہ واعلان کی بنیاد پر عیدالاضحیٰ یوم شنبہ کو ہونے

کا اعلان کیا، جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا اکرام علی صاحب مدظلہم تو اس اعلان سے قبل ہی وطن کے لیے روانہ ہوچکے تھے؛ البتہ مولانا قاری احمد اللہ صاحب (مجود وصدر شعبۂ قراءت وتجوید جامعہ ڈابھیل) اس وقت تک وطن کے لیے روانہ نہیں ہوئے تھے؛ اس لیے انہوں نے چاہا کہ میں اس اعلان کی ایک کاپی اپنے ساتھ لے جاؤں اور وہ وہاں امارت شرعیہ بہار کے سامنے پیش کی جائے، لیکن چوں کہ اس اعلان کی زبان اگرچہ اردو تھی؛ مگر رسم الخط گجراتی تھا اور یہ حضرات گجراتی رسم الخط سے واقف نہیں؛ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کو اردو رسم الخط میں منتقل کیا جائے، چناں چہ اس اعلان کو اردو رسم الخط میں تحریر کرکے بطور تصدیق جامعہ ڈابھیل کے دارالافتاء کی مہر اور مفتیان کی دستخط اور مہتمم صاحب کی دستخط ثبت کیے گئے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہوگیا کہ جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا اکرام علی صاحب مدظلہم کی دستخط اس لیے نہیں تھی کہ وہ اس وقت یہاں موجود ہی نہیں تھے، اور وہ ہوتے تب بھی ان کی دستخط اس پر نہیں لی جاسکتی؛ اس لیے کہ تصدیق کے لیے ضرورت تھی کہ تصدیق کنندگان اردو اور گجراتی دونوں رسم الخط سے واقف ہوں جو مولانا موصوف میں نہیں، چناں چہ یہی وجہ ہے کہ مولانا قاری احمد اللہ صاحب زید مجدہم موجود تھے پھر بھی ان کی دستخط بحیثیت تصدیق کنندہ نہیں لی گئی، اس تفصیل کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت امیر شریعت دامت برکاتہم کی تحریر پر غور فرمائیں، اولاً تو اس تحریر کی حیثیت طے کرنا ضروری تھا کہ یہ اعلان فیصلہ ہے کہ کتاب القاضی؟ فقہ سے معمولی مناسبت رکھنے والا شخص بھی کہہ سکتا ہے کہ اس کی حیثیت اعلان محض کی ہے، کتاب القاضی کی نہیں۔ چناں چہ حضرت امیر شریعت مدظلہم کی تحریر سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ

انہوں نے بھی یہی سمجھا ہے؛ اس لیے کہ انہوں نے اپنے گرامی نامہ کی ابتداء ہی ان الفاظ سے کی ہے: ''آپ کا خط اور عیدالاضحیٰ کے چاند کے سلسلہ میں ایک فیصلہ اور اعلان موصول ہوا'' جب کہ کتاب القاضی ہونے والی بات محض ایک احتمال کے درجہ میں لکھی ہے، یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ خط اور یہ اشتہار شہادت علی کتاب القاضی ہے۔ اور اس تحریر کو کتاب القاضی پر محمول بھی کیسے کیا جاسکتا ہے، جب کہ کتاب القاضی والی بات اس میں نہیں ہے، مثلاً: کتاب القاضی میں مکتوب الیہ کی تعیین اور اس سے خطاب ضروری ہے؛ چناں چہ جس میں ابتداء ہی عمومی انداز میں ہو وہ کتاب القاضی معتبر ہی نہیں، ہاں مخاطب کسی متعین شخصیت کو بنا کر بعد میں عموم کر دیا ہو تو جائز ہے۔ اس کا کاتب ہی کی طرف سے سرمہر ہونا ضروری ہے، وغیر ذلک؛ اس لیے اس بناء پر اس کا رد کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔

اب یہ طے ہو جاتا ہے کہ یہ اعلان ہے، اور اعلان میں اس کی تصریح ضروری نہیں کہ مطلع صاف تھا یا ابر آلود؛ بلکہ اعلان تو بذریعہ مدافع وقنادل بھی معتبر ہے، جس میں کسی بھی قسم کی کوئی تصریح نہیں ہوتی؛ اس لیے اعلان تسلیم کر لینے کے بعد یہ اشکال بے معنی ہو جاتا ہے۔ اگر چہ موسم باراں کا ہونا جس میں عموماً مطلع ابر آلود رہتا ہے اور فیصلہ کنندگان کا قبول شہادت کے شرائط کا ماہر ہونا اس بات کی بین دلیل ہے کہ اس اشکال کی گنجائش نہیں، غالباً اسی لیے حضرت مدظلہم نے کتاب القاضی والا احتمال پیدا کر دیا؛ حالاں کہ کتاب القاضی میں قاضی کا تب سے وصول کرنے والے حضرات ہی مکتوب الیہ کو وہ خط خود پہنچائیں یہ ضروری ہے اگر درمیان میں انھوں نے کسی کو دے دیا تو وہ کتنے ہی ثقہ کیوں نہ ہوں وہ خط قابل قبول نہیں پھر یہ جملہ ''ظاہر ہے

جتنے واسطے بڑھیں گے اسی قدر اشتباہ زیادہ ہوگا'' بے معنی ہے۔

پھر حضرت امیر مد ظلہم کے کلام میں تدافع ہے، ایک طرف تو فرمارہے ہیں: لانے والے سے میں واقف ہوں لیکن مجھے اس سے واقفیت نہیں کہ وہ شہادت کے اہل ہیں یا نہیں؟ اور بعد میں یوں بھی رقم طراز ہیں: ''قاری احمد اللہ صاحب بھی غالباً عالم ہیں؛ مگر ان کے دستخط بھی اس تحریر پر نہیں ہیں''۔

نیز یہ بھی قابل غور ہے کہ جس مقام پر فیصلہ کیا گیا ہو کیا وہاں موجود ہر عالم کا اس میں شریک ہونا ضروری ہے یا فیصلہ کرنے والی جماعت علماء چاہے وہ قلیل ہو اس کا معتبر ہونا کافی ہے؟ ہر عالم کے موجود و شریک ہونے کا مطالبہ تو نظیر ہے اس مطالبہ کی کہ مثلاً اسی مقدمہ میں مدعی علیہ یوں کہے کہ فلاں عالم صاحب یا بزرگ صاحب اس معاملہ میں شہادت دیں گے تب ہی میں قبول کروں گا ورنہ نہیں، کیا اس کے اس مطالبہ کو درست کہا جاسکتا ہے؟۔

اور آخر میں حضرت امیر مد ظلہم کے اس ارشاد ''اس تحریر کو گجرات کے سوا دوسرے علاقہ کے لیے عیدالاضحیٰ کی رویت سے متعلق ایک فیصلہ تسلیم کرنا صحیح نہیں ہے'' کا مطلب اگر یہ ہے کہ بطریق جواز و اعتبار صحیح نہیں ہے، تو جواب نمبر تین میں مذکور تفصیل و تنبیہ سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ یہ بات جمعیت علماء کے متفقہ فیصلہ اور علماء پاکستان کے متفقہ فیصلہ کے خلاف ہے، اور اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ بطریق وجوب عمل و نفاذ، تو جیسے کہ جواب سے معلوم ہوا ہوگا یہ مسئلہ فیصل شدہ نہیں؛ اس لیے کہ اس کی بنیاد حدود اختیار کی تحدید پر ہے، اور ظاہر ہے کہ ہندوستان میں یہ تحدید قانونی تو ہے نہیں، صرف اعتماد اور مرجعیت کی بنیاد پر ہے، تو اعتماد کے لیے حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب مد ظلہم

کی شخصیت کافی ہے؛ اس لیے کہ آپ کے فتاویٰ پر ہندو پاک کے اکابر کا اعتماد ہے، اور ملک میں پیش آنے والے اہم اور پیچیدہ مسائل میں آپ کو مرجعیت بھی حاصل ہے، ہاں عمومی مسائل لوگ مقامی علماء سے ہی دریافت کرتے ہیں۔

آخر میں ایک اشکال جو حضرت امیر مدظلہم کی تحریر میں نہیں، لیکن ہوسکتا ہے کہ کسی کو پیش آوے؛ اس لیے اس کی جواب دہی ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ اصل اعلان گجراتی رسم الخط میں تھا اس کو اردو رسم الخط میں منتقل کیا گیا، کیا یہ بات موجب اشتباہ ہوسکتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک نوع کی ترجمانی ہے، کامل ترجمانی تو یہ ہوتی ہے کہ ایک زبان (لغت) سے دوسری زبان میں منتقل کیا جائے، جب کہ یہاں زبان تو اصل اعلان کی اردو ہی تھی صرف رسم الخط گجراتی تھا اس کو اردو رسم الخط کا جامہ پہنایا گیا، اور ترجمانی اصل کے قائم مقام ہے؛ اس لیے حدود وقصاص جہاں شہادت علی الشہادت اور کتاب القاضی کو بھی "الحدود تندرأ بالشبہات" کے اصول کے پیش نظر کافی نہیں سمجھا جاتا وہاں بھی ترجمانی سے کوئی شبہ واشتباہ پیدا نہیں ہوتا، تفصیل کے لیے دیکھیے: الاشباہ والنظائر ص ۱۲۸ مطبوعہ بیروت قبیل القاعدۃ السابعۃ من النوع الثانی

هذا ما سنح لی ان کان صوابا فمن الرحمن، وان کان خطأ فمنی ومن الشیطان وما ابری نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء.

اس تحریر سے حضرت امیر شریعت مدظلہم کی تنقیص حاشا وکلا، ہرگز مقصود نہیں صرف علمی محاسبہ مقصود ہے۔ واللہ علیم بذات الصدور. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ محرم الحرام ۱۴۰۷ھ

مفتیٔ گجرات حضرت مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ کی تائید:

محترم المقام حضرت مولانا مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم

بعد سلام مسنون! آپ کا رقعہ موصول ہوا۔ آج ہی آپ کا پورا مضمون اور جواب حضرت اقدس مفتی صاحب مدظلہم کو سنایا، گو حضرت مفتی صاحب کی طبیعت مضمحل ہے؛ مگر بہت دلچسپی سے سنا اور آخر میں اس پر اطمینان کا اظہار فرمایا۔ اور فرمایا کہ بہت خوب لکھا ہے۔ حضرت مفتی صاحب کے متعلق آپ نے جو لکھا ہے کہ مفتی صاحب کو ملک گیر مرجعیت حاصل ہے، اس کے ثبوت کے لیے آپ نے جو لکھا ہے وہ کافی ہی ہے۔ مزید حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا ایک تازہ مکتوب (جو مستقل طبع کرالیا ہے) ارسال ہے، انشاء اللہ اس سے حضرت مفتی صاحب کی ملک گیر شخصیت ہونے کے ثبوت پر مزید تقویت حاصل ہوگی، آپ مناسب سمجھیں تو اپنے جواب کے ساتھ یہ مطبوعہ پرچہ بھی بھیج دیں۔ حضرت مفتی صاحب سلام عرض فرمارہے ہیں، طالب دعا بھی ہیں، ناکارہ بھی دست بستہ سلام عرض کر کے طالب دعا ہے۔ فقط والسلام۔

ناکارہ: اکرام الحق غفرلہ، ۵/ صفر المظفر ۱۴۰۷ھ

مطبوعہ پرچہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے مشورہ سے ارسال خدمت ہے۔

تحدیث نعمت

''فتاوی رحیمیہ'' کے متعلق مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے تأثرات وکلمات طیبات

جناب مولانا محمد مرتضی صاحب ناظم کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ گجرات کے

دورہ سے واپسی کے بعد تحریر فرماتے ہیں: ''میں (مولانا محمد مرتضی صاحب) نے حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ کو آپ کا سلام و پیام پہنچایا مولانا علی میاں نے فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں سلام لکھ دو اور لکھ دو کہ:

''میں مفتی صاحب کے لیے ان کی صحت و عافیت اور درازیٔ عمر کے لیے باقاعدہ مداومت کے ساتھ دعا کرتا ہوں کہ الحمد للہ اس وقت آپ محقق، فقیہ اور ماہر فن ہیں اور آپ کی تحقیق سے پورے ملک کو مستفید ہونے کا شرف حاصل ہو رہا ہے، آپ کی تحقیق عمیق ہر خاص و عام کے لیے اطمینان بخش ہے۔ اللہ تعالیٰ زمانۂ دراز تک آپ کے فیوض و برکات کو قائم رکھیں''۔ آمین

ناچیز خادم: مرتضی ۱۵ ربیع الثانی ۱۴۰۶ھ

بذریعۂ خط چاند کی خبر کی شرعی حیثیت

سوال: ضروری تحریر یہ ہے کہ گجرات کی رویت ہلال والی تحریر جس پر مفتیان کرام کے دستخط ثبت ہیں، جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل کے مہتمم جناب مولانا سعید احمد صاحب بزرگ نے مولانا قاری احمد اللہ صاحب استاذ تجوید جامعہ تعلیم الدین کی معرفت مولانا اکرام علی صاحب کے پاس چمپانگر بھاگلپور بھیجی، یہ تحریر حضرت امیر شریعت مدظلہ کی خدمت میں دو عالم دین کی معرفت بھیجی گئی تاکہ وہ بحیثیت امیر کے اس کا اعلان فرماویں، حضرت امیر شریعت مدظلہ کا جواب بھی ارسال خدمت ہے ان کے جواب کی روشنی میں درج ذیل سوالات کے جواب مطلوب ہیں، امید کہ مدلل جواب دینے کی زحمت گوارہ فرمائیں گے۔

① یہ تحریر محض ایک اعلان اور اشتہار ہے یا اس کی حیثیت فتوی کی ہے؟

② بقول حضرت امیر شریعت بہار واڑیسہ اگر یہ تحریر شہادت علی کتاب القاضی ہے تو بذریعہ ڈاک موصول ہونے پر عیدالفطر وعیدالاضحیٰ کا اعلان کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ تحریر کسی کی معرفت موصول ہو تو لانے والے شخص میں کن اوصاف کا ہونا ضروری ہے، کیا عدد وعدالت بھی شرط ہے؟

③ یہ تحریر ریڈیو، ٹیلی فون، تار کی خبر کے مساوی ہے یا زائد یا کم؟

④ جب مفتیان کرام نے عیدالاضحیٰ کا اعلان محض تین آدمیوں کی حلفیہ شہادت پر کیا ہے تو اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مطلع ابر آلود ہوگا ورنہ جم غفیر کا ہونا ضروری ہے، کیا ایسی صورت میں تحریر میں مطلع کی تصریح نہ ہونے کی بنیاد پر اس کو مسترد کردینا صحیح ہوگا؟

⑤ جو ادارہ ریڈیو، ٹیلی فون کی خبر پر رمضان وعیدین کا اعلان کرتا ہو اگر وہاں کا ذمہ دار اس تحریر کو مسترد کردے تو اس کا یہ فعل شرعی نقطۂ نظر سے صحیح ہوگا یا غلط؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اس تحریر کی حیثیت محض اعلان کی ہے، اعلان جس طرح منادی کے ذریعہ ہوتا ہے، اسی طرح دور حاضر میں پوسٹر وغیرہ بھی اعلان ہی کا ایک طریقہ ہے۔ یہ شہادت یا خبر نہیں ہے؛ اس لیے اس میں ان تمام شرائط وقیود جن کی شہادت یا خبر میں رعایت کی جاتی ہے، رعایت ضروری نہیں ہے؛ البتہ اس میں اتنا ضروری ہے کہ جس کمیٹی یا شخصیت کی طرف سے یہ اعلان کیا جارہا ہے اسی کا یہ اعلان ہے اس کا غلبۂ ظن ہو۔

خبر منادی السلطان مقبول عدلا کان او فاسقا، کذا فی جواهر

الاخلاطی. (فتاوی عالمگیری، کتاب الکراهیة ٥/ ٣٠٩)

قلت: والظاهر انه يلزم اهل القرى الصوم بسماع المدافع او رؤية القنادل من المصر؛ لانه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به، واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيد اذ لا يفعل مثل ذلك عادة فى ليلة الشك الا لثبوت رمضان(شامی ٢/ ٩١)

چناں چہ اس تحریر میں دارالافتاء کی مہر اور اراکین کمیٹی کے دستخط اسی لیے ثبت ہیں کہ مطلوبہ غلبۂ ظن حاصل ہو اور تزویر وجعل سازی کا احتمال باقی نہ رہے، بلکہ غور کرنے سے واضح ہوجائے گا کہ توپ کے گولوں اور قنادل کی روشنی سے حاصل ہونے والے غلبۂ ظن (جس کی تصریح علامہ شامی کی عبارت میں موجود ہے) کے مقابلے میں اس قسم کی تحریر سے حاصل ہونے والا غلبۂ ظن زیادہ مضبوط ہے؛ اس لیے کہ اول الذکر کی دلالت عقلی ہے جب کہ ثانی الذکر کی دلالت وضعی ہے، اور افادۂ علم کی جو شان وضعی میں ہے وہ عقلی میں نہیں۔

(٢) یہ شہادت علی کتاب القاضی نہیں ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا۔ ہاں شہادت علی کتاب القاضی میں عدد وعدالت شرط ہے؛ اس لیے اگر وہ بذریعہ ڈاک موصول ہو تو عید کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ کتب فقہ میں "باب كتاب القاضى الى القاضى" میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ (دیکھئے درمختار مع الشامی ٤/ ٣٥٠ تا ٣٥٥)

(٣) اس کے جواب سے پہلے بطور تمہید دو باتیں جاننا ضروری ہے:

(الف): شہادت اور خبر دو چیزیں الگ الگ ہیں، ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، بعض کلام بحیثیت خبر کے معتبر اور قابل اعتماد ہوتے ہیں؛ مگر بحیثیت شہادت

ناقابل قبول ہوتے ہیں، شریعت اسلام میں تو ان کا فرق بہت واضح اور صاف ہے ہی، آج کل تمام دنیا کی عدالتوں میں بھی ان دونوں چیزوں کا فرق قانونی حیثیت سے محفوظ ہے، ٹیلی گراف، ٹیلیفون، ریڈیو، اخبارات اور خطوط کے ذریعے جو خبریں دنیا میں نشر ہوتی ہیں ان کا نشر کرنے والا، لکھنے والا اگر کوئی قابل اعتماد شخص ہے تو بحیثیت خبر کے وہ سارے جہاں میں قبول کی جاتی ہے، اس پر اعتماد کر کے لاکھوں کروڑوں کے کاروبار ہوتے ہیں، دنیا بھر کے معاملات ان خبروں پر چلتے ہیں، عدالتیں بھی بحیثیت خبر کے ان کو تسلیم کرتی ہیں؛ لیکن کسی مقدمہ اور معاملہ کی شہادت کی حیثیت سے ان خبروں کو کوئی دنیا کی عدالت قبول نہیں کرتی اور ایسی خبروں کی بنیاد پر کسی مقدمہ کا فیصلہ نہیں دیتی؛ بلکہ یہ ضروری قرار دیتی ہے کہ گواہ مجسٹریٹ کے سامنے حاضر ہو کر گواہی دے، تاکہ اس پر جرح کی جاسکے اور چہرہ بشرہ کی کیفیت سے اس کو پرکھا جاسکے یہی حکم شریعت اسلام کا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ خبر کوئی حجت ملزمہ نہیں جو دوسرے کو ماننے پر اور اپنا حق چھوڑنے پر مجبور کردے جس کو خبر دینے والے کی دیانت اور سچائی پر بھروسہ ہو وہ مانے گا جس کو نہ ہو وہ ماننے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، بخلاف شہادت کے کہ وہ حجت ملزمہ ہے، جب شرعی شہادت سے کسی معاملہ کا ثبوت قاضی یا جج نے تسلیم کرلیا تو قاضی یا جج اس پر مجبور ہے کہ اس کے موافق فیصلہ دے اور فریق مخالف اس پر مجبور ہے کہ اس کو تسلیم کرے یہ اجبار و الزام صرف خبر سے نہیں ہوتا اسی لیے صرف خبر کی تصدیق پر کوئی پابندی بجز ثقہ اور قابل اعتماد ہونے کے نہ شرعاً ہے نہ موجودہ عدالتوں کے قانون میں، اور شہادت کے لیے عام عدالتی قوانین میں بہت سی پابندیاں دنیا میں رائج ہیں، اور اسلامی شریعت نے بھی اس کے لیے نصاب شہادت کا مکمل ہونا

اور شاہد کے حالات کا جائزہ لے کر شرائط شہادت کا جانچنا ضروری قرار دیا ہے۔

(رویت ہلال، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۳۴، ۳۵)

رمضان کے علاوہ دوسرے ہر چاند کی شہادت کے لیے نصاب شہادت اور اس کی تمام شرائط کو ضروری قرار دیا گیا اور سب فقہاء امت کا اس پر اتفاق ہے۔ (ایضاً ۳۶)

شہادت ہلال کے لیے آٹھویں شرط مجلسِ قضاء ہے یعنی شاہد کے لیے ضروری ہے کہ قاضی کی مجلس میں خود حاضر ہو کر شہادت دے پسِ پردہ یا دور سے بذریعۂ خط یا ٹیلیفون یا وائرلیس ریڈیو وغیرہ جدید آلات کے ذریعہ کوئی شہادت دے تو وہ شہادت نہیں؛ بلکہ محض ایک خبر کا درجہ رکھے گی، جن معاملات و مسائل میں خبر کافی ہے ان میں اس پر عمل جائز ہوگا، اور جن معاملات میں ثبوت کے لیے شہادت ضروری ہے ان میں یہ خبر کافی نہ سمجھی جائے گی اگرچہ آواز پہچانی جائے اور بولنے والا ثقہ اور قابلِ شہادت ہو۔ (ایضاً ۴۰)

(ب): اسی طرح فیصلہ اور فیصلہ کا اعلان اور فیصلہ کی خبر؛ تینوں الگ الگ چیزیں ہیں:

فیصلہ کا مطلب تو یہ ہے کہ قاضی یا ہلال کمیٹی کے سامنے رویت کی شہادتیں گذریں، اور ان کی روشنی میں وہ فیصلہ کریں، اس کے لیے ضروری ہے کہ ضابطۂ شہادت کی پابندی کی جائے جس کی شریعت میں تین صورتیں ہیں: ① شہادت علی الرؤیۃ ② شہادت علی شہادت الرؤیۃ ③ شہادت علی القضاء۔ (اس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے، اجمالاً دیکھنا چاہیں تو جواہر الفقہ ۱/ ۴۰۰، ۴۰۱ میں دیکھئے)۔

اعلان کا مطلب یہ ہے کہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے جو فیصلہ کیا ہے اس کو لوگوں کے

درمیان شائع وعام کرنے کے لیے جوطریقہ اختیار کیا جائے اس کے لیے ضابطۂ شہادت کی کوئی پابندی نہیں ہے؛ بلکہ ہروہ طریقہ جس کے ذریعہ لوگوں کو (اس بات کا) غلبۂ ظن حاصل ہوجائے (کہ یہ اعلان متعلقہ قاضی یا ہلال کمیٹی کی طرف سے کیا جارہا ہے) اس کا اختیار کرنا کافی ہے چناں چہ اس کے لیے توپ کے گولے یا پوسٹر وغیرہ (بشرطیکہ احتمال تزویر نہ ہو) بھی کافی ہے جیسا کہ نمبر ا میں گذر چکا۔ اس مقصد کے لیے ریڈیو بھی استعمال کیا جاسکتا ہے؛ اور اس میں غلبۂ ظن پیدا کرنے اور احتمال تزویر سے بچانے کی صورت وہ ہوگی جو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی ہے: ''ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے صرف وہ فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے اور اس کو نشر کرنے میں پوری احتیاط سے کام لے جن الفاظ میں فیصلہ دیا گیا ہے وہ الفاظ بعینہ نشر کیے جائیں''۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام ص ۱۸۹)

دیکھئے اس میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو قیود لگائی ہیں وہ اسی غلبۂ ظن پیدا کرنے اور احتمال تزویر سے بچانے کے لیے ہیں۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی جواب نمبر ا میں منقولہ عبارت کا یہ جملہ ''واحتمال ذلك لغير رمضان بعيد اذ لا يفعل مثل ذلك عادة فى ليلة الشك الا لثبوت رمضان'' اسی مقصد کی طرف مشیر ہے۔ اور اسی لیے اجلاس جمعیۃ علمائے ہند منعقدہ ۱۴ / ۱۵ ذوالقعدہ ۱۳۷۰ھ (بمقام مرادآباد میں باتفاق علماء واکابر یہ فیصلہ کیا گیا) ''مجلس نے بالاتفاق طے کیا کہ اگر ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق یہ اطمینان ہوجائے کہ جس جگہ سے ریڈیو کی خبر دی جارہی ہے وہاں کے علماء نے چاند ہونے کی باقاعدہ شہادت لے کر چاند ہونے کا حکم

کر دیا ہے، خبر دینے والا بھی متعین ہو کہ کوئی مسلم معتمد خبر دیتا ہو تو اس اعلان پر اعتماد کر کے دوسرے مقامات میں بھی چاند ہو جانے کے حکم پر عمل کیا جانا جائز ہے، اور تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعات اس کے موافق حکم کریں تو اس پر عمل کیا جائے۔ یہ حکم تمام ہندوستان اور پاکستان کے لیے ہے''۔ (کفایت المفتی ۹/۵۰۷)

تیسری چیز خبر ہے، اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک رویت کی خبر اور دوسری فیصلہ کی خبر، رویت کی خبر بذریعہ ریڈیو یا ٹیلی فون کے ملی ہے تو عید میں اس کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کیا جا سکتا؛ اس لیے کہ اس کے لیے شہادت شرط ہے اور وہ موجود نہیں ہے؛ چناں چہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''ہلال رمضان کے علاوہ عید، بقرعید یا کسی دوسرے مہینہ کے لیے ثبوت ہلال با قاعدہ شہادت کے بغیر نہیں ہو سکتا، اور شہادت کے لیے شاہد کا حاضر ہونا لازمی ہے، غائبانہ خبروں کے ذریعہ شہادت ادا نہیں ہو سکتی خواہ وہ قدیم طرز کے آلات خبر رسانی خط وغیرہ ہو، یا جدید طرز کے ریڈیو، ٹیلیفون وغیرہ''۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام ص ۱۸۸)

دوسری فیصلہ کی خبر ہے وہ ان آلات کے ذریعہ ملی اور خبر دینے والا ثقہ آدمی ہے، اور قرائن قویہ سے اس کی تعیین ہو جاتی ہے، تو وہ معتبر ہے۔ اور اس پر عمل جائز ہونے کے ساتھ ساتھ مقامی کمیٹی اسی کی بنیاد پر فیصلہ کرنے کے بجائے اس فیصلہ کا اعلان کر سکتی ہے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''دوسرا کلام ٹیلی فون کے واسطہ میں ہے اور یہی مقصود بسوال ہے سو اس کا جواب ظاہر ہے کہ جن احکام میں حجاب مانع قبول ہے، اس میں غیر معتبر ہے، اور جن میں حجاب مانع نہیں اس میں اگر قرائن قویہ سے متکلم کی تعیین معلوم ہو جائے تو معتبر ہے۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام ص ۲۰۹)

اسی سلسلہ میں جواہر الفقہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ، اور حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب مدظلہم، کا متفقہ فیصلہ موجود ہے کہ ''ذیلی کمیٹی اگر باقاعدہ شہادتیں لے کر کوئی فیصلہ کرتی ہے تو فیصلہ شہادت کی بنیاد پر ہو چکا، اب صرف اعلان کا کام باقی ہے اس کے لیے شہادت ضروری نہیں؛ بلکہ ذیلی کمیٹی کا کوئی ذمہ دار آدمی مرکزی کمیٹی کو ٹیلی فون پر محتاط طور پر جس میں کسی مداخلت کا خطرہ نہ رہے ذیلی کمیٹی کے اس فیصلہ کی اطلاع دیدے، اور مرکزی کمیٹی اس صورت میں اس کو اپنا فیصلہ کہہ کر نہیں بلکہ ذیلی کمیٹی کا فیصلہ بتلا کر اس طرح نشر کرے کہ مرکزی کمیٹی کے سامنے اگرچہ کوئی شہادت نہیں آئی، بلکہ فلاں ذیلی کمیٹی نے جس میں فلاں فلاں علماء شریک ہیں شہادت کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا ہے، ہم اس فیصلہ پر اعتماد کر کے اعلان کر رہے ہیں، اس صورت میں مرکزی کمیٹی کا یہ اعلان ٹیلی فون سے آئی ہوئی اطلاع پر درست ہے''۔ (جواہر الفقہ ۱/ ۴۰۲، ۴۰۳)

ریڈیو کا حکم بھی یہی ہے جیسا کہ فیصلہ مراد آباد کے اس جملہ ''اور تمام ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں متعین ذمہ دار جماعات اس کے موافق حکم کریں تو اس پر عمل کیا جائے'' سے ظاہر ہے؛ اس لیے کہ ذمہ دار جماعات کا یہ حکم ان کا اپنا فیصلہ نہیں، (کہ اس کے لیے شہادت ضروری ہے جو یہاں موجود نہیں) بلکہ جو فیصلہ ہو چکا ہے اس کی تعمیل اور اعلان محض ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ البحر الرائق میں فرماتے ہیں:

لم يذكروا عندنا العمل بالامارات الظاهرة الدالة على ثبوت الشهر

كضرب المدافع فی زماننا والظاهر وجوب العمل بها علی من سمعها ممن كان غائبا عن المصر كاهل القری ونحوها كما يجب العمل بها علی اهل المصر الذين لم يروا الحاكم قبل شهادة الشهود. (منحة الخالق ۲/ ۲۹۱)

اسی تفصیل سے تحریری اطلاع بھی اگر مختلف بالقرائن ہے تو اس کا حکم یہی ہونا ظاہر ہوتا ہے اس جگہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ "كاهل القری ونحوها" کی قید سے قاضی یا حاکم کا یہ حکم جن حدود میں نافذ ہوتا ہے وہ علاقہ مراد ہے؛ اس لیے فیصلہ کرنے والے کا یہ فیصلہ کن حدود میں نافذ اور واجب العمل ہے، یہ بھی معلوم ہونا چاہیے اس کا مدار حاکم وقاضی کے حدودِ اختیار پر ہے، چناں چہ اگر وہ والی سلطنت ہے تو تمام حدود سلطنت میں، اور اگر کسی محدود علاقہ کا حاکم وقاضی ہے تو اسی علاقہ میں؛ لیکن یہ بات وہاں ممکن ہے جہاں اسلامی حکومت ہو، اگر کسی علاقہ یا ملک میں غیر مسلم حکومت ہو تو وہاں علماء یا منتخب ہلال کمیٹی حاکم وقاضی کے قائم مقام ہے۔

رہے اس کے حدودِ اختیار تو اس سلسلہ میں کوئی دوٹوک بات کتب فقہ میں یا ہمارے اکابر کے کلام میں نظر سے نہیں گزری اور اس کی وجہ بھی دراصل یہ ہے کہ یہاں قانونی اختیار تو حاصل نہیں ہے جس کے حدود متعین کیے جائیں، ہاں! علماء کی کسی جماعت یا فرد کو عوام مؤمنین کا اعتماد حاصل ہوتا ہے وہی اس قانونی اختیار کا قائم مقام ہوتا ہے لیکن اس کی حد بندی دشوار ہے، ہاں جس نوع کا اعتماد ہو اسی نوع کی تحدید کی جاسکتی ہے، مثلاً کسی عالم یا مفتی یا علماء کی جماعت یا ہلال کمیٹی کو ایک مخصوص علاقہ کا اعتماد اور اس میں مرجعیت حاصل ہے تو اس کا فیصلہ اسی علاقہ تک واجب العمل اور نافذ ہوگا۔ اور اگر ان میں سے کسی کو ملک گیر اعتماد و مرجعیت حاصل ہے تو اس کا

فیصلہ ملک گیر پیمانہ پر واجب العمل ونافذ ہونا چاہیے۔

تنبیہ: یہ یاد رہے کہ یہ کلام وجوب عمل ونفاذ میں ہے، جواز عمل واعتبار میں نہیں؛ اس لیے کہ جواز عمل واعتبار کا پورے ملک میں ہونا جمیعتِ علماء کے متفقہ فیصلہ اور ''جواہر الفقہ'' کی عبارت سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے۔

مذکور الصدر تمہید کے بعد آپ کے سوال کا جواب واضح ہو گیا۔

(الف) شہادت کے لیے ریڈیو، ٹیلی فون اور اس قسم کی تحریر تینوں میں سے کوئی بھی کافی نہیں۔

(ب) اعلان کے لیے ریڈیو اور اس قسم کی تحریر دونوں کام دے سکتے ہیں بشرطیکہ تمہید میں مذکور امور کا لحاظ کیا جائے؛ البتہ ٹیلی فون اپنی وضع اور استعمال کے لحاظ سے یہ کام نہیں دے سکتا۔

(ج) خبر واطلاع کا مقصد تینوں سے حاصل ہوسکتا ہے، جب کہ اس میں مذکور فی التمہید شرائط کا خیال رکھا جائے۔

④ اعلان اور خبر میں اس تصریح کی ضرورت نہیں، اس کے بغیر بھی واجب العمل ہے، کتاب القاضی میں اگر اس کی تصریح نہ ہو پھر بھی مکتوب الیہ کو اگر فیصلہ کی صحت پر اعتماد ہے تو اس کی بنیاد پر فیصلہ کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔

⑤ علماء کو چاہیے کہ اس ادارہ نے تحریر ہذا کو جن وجوہات کی بنیاد پر رد کیا ہے اگر وہ صحیح ہے، تو مان لیں، اور اگر وہ وجوہات درست نہیں تو ذمہ داران ادارہ سے گفتگو کر کے آئندہ ایسا نہ ہو اس کا لحاظ رکھنے کی تاکید کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ محرم الحرام ۱۴۰۷ھ

انگلینڈ والے رویت ہلال میں مراکش کی خبر کا اعتبار کریں یا سعودیہ عربیہ کی خبر کا؟

سوال: انگلینڈ میں موسم کی خرابی کی وجہ سے عام طور پر آسمان ابر آلود رہتا ہے، خصوصاً بوقت شام آسمان اور زیادہ ابر آلود ہو جاتا ہے، اس وجہ سے رمضان المبارک شروع کرنے کے لیے اور عیدین ادا کرنے کے لیے ہمیشہ دوسرے ملکوں سے چاند کی خبر معلوم کرنے کی محتاجی رہتی ہے، ایسا کبھی نہیں ہوا ہے کہ انگلینڈ ہی میں چاند دیکھ کر رمضان المبارک شروع کیا گیا ہو یا عیدین ادا کی گئی ہو، اسی وجہ سے یہاں کے علماء کرام نے برسوں پہلے انڈیا اور پاکستان کے مفتیان کرام سے رجوع فرما کر فتاوی دریافت فرمائے ہیں، مفتیان کرام کے جوابات کا ماحصل یہ ہے کہ قریب ترین اسلامی ملک پر عمل کرنا احوط ہے اور دوسرے تمام ملکوں پر عمل کرنا جائز ہے، ان تمام جوابات کی روشنی میں مراکش انگلینڈ سے قریب ہونے کی وجہ سے اور احتیاط پر عمل کرنے کے جذبہ سے صحیح العقائد تمام مسلمانوں نے بالاتفاق مراکش پر عمل شروع کیا اور تقریباً سولہ سترہ سال اس پر عمل پیرا رہے؛ مگر بدقسمتی سے مراکش سے چاند کی خبر جلد دستیاب نہیں ہوتی ہے، بعض مرتبہ شب میں دس گیارہ بجے، اور بعض مرتبہ دو تین بجے، اور بعض مرتبہ دوسرے روز صبح میں خبر ملتی ہے، اس وجہ سے عوام میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے، اس طرح کی پریشانیوں کی وجہ سے چاند کے مسئلہ میں صحیح العقائد مسلمانوں کے دو فریق بن چکے ہیں، ایک فریق علماء اور عوام یہ مانتے ہیں کہ کسی بھی غیر متعین ملک پر

عمل کرنا جائز ہے، جب کہ دوسرے فریق کے علماء اور عوام یہ مانتے ہیں کہ کسی بھی ایک ملک کو معین کر کے اس پر عمل کرنا جائز ہے؛ لہذا مراکش ہی پر عمل کرنا چاہیے۔

جو فریق دنیا بھر کے کسی بھی غیر معین ملک پر رمضان المبارک شروع کر دیتا ہے، اور کسی بھی غیر معین ملک کی خبر پر عید الفطر مناتا ہے، ان کے ہمیشہ ۲۹ روزے ہوا کرتے ہیں، کوئی ملک معین نہ کرنے کی وجہ سے اور اسی طرح شعبان اور عید الاضحیٰ بھی دنیا بھر میں سے کسی بھی غیر معین ملک پر مناتے ہیں، اور اس فریق کے علمائے کرام کا یہ کہنا ہے کہ اس طرح پر عمل کرنے کے لیے ہمارے پاس مفتیان کرام کے فتاوے ہیں؛ مگر ہماری ناقص رائے سے ہم یوں سمجھتے ہیں کہ اس طرح عمل کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ گویا ان حضرات نے شریعت سے آزاد ہو کر رمضان المبارک اور عیدین جیسی عظیم الشان عبادات کو اپنے ہی کنٹرول میں کر لیا ہے، جب کہ دوسرے فریق کے مسلمان رمضان المبارک اور عیدین جیسی عظیم الشان عبادات کو اپنے قبضہ میں لینے کے بجائے شریعت مطہرہ کا تابع بن کر چاند کے بارے میں انگلینڈ کو دوسرے کوئی معین ملک کا تابع بنانا ضروری سمجھ کر آج تک مراکش پر عمل کرتے رہے ہیں، اور مراکش سے دیر پا خبر موصول ہونے کی وجہ سے واقع ہونے والی تمام پریشانیاں برداشت کرتے ہوئے بھی رمضان المبارک اور عیدین جیسی عظیم الشان عبادات کو ادا کرتے رہے ہیں؛ مگر کسی بھی غیر معین ملک پر عمل کرنے والے فریق کی طرف سے عموماً مغرب سے متصل چاند کی خبر شائع ہو جانے کی وجہ سے مراکش پر عمل کرنے والے مسلمانوں میں سے بھی کتنے حضرات مراکش کی خبر کا انتظار چھوڑ کر اس فریق کے ساتھ ہو لیتے ہیں، اس وجہ سے ایک ہی شہر میں بسنے والے اور ایک ہی مسلک پر چلنے والے بلکہ ایک

ہی مسجد کے مصلیوں میں اور ایک ہی گھر میں رہنے والے باپ، بیٹوں، اور بھائیوں میں اختلاف ہوجاتا ہے، ان تمام وجوہات کی بناء پر مراکش پر عمل کرنے والے مسلمان مورد لعن وطعن بنتے ہیں، افتراق بین المسلمین کا مذموم الزام بھی ان پر تھوپا جاتا ہے، ان تمام مشکلات کو مدنظر رکھ کر مراکش پر عمل کرنے والے مسلمان مراکش پر عمل ترک کرکے دوسرے معین ملک پر عمل کرنے کی غرض سے آیا سعودی عربیہ ہی پر رمضان المبارک اور عیدین میں عمل کریں تو اس میں کوئی حرج ہے؟ سعودی عربیہ کی خبر پر رمضان المبارک اور عیدین منانا جائز ہے؟ سعودی عربیہ اسلام کا مرکز ہے، اور بفضلہٖ تعالیٰ حرمین شریفین کی وجہ سے عالم اسلام کے تمام مسلمانوں کے دلوں میں اس کا احترام ہے، اور چاند کا فیصلہ بھی حکومت کی طرف سے معین کردہ قاضی القضاۃ کی طرف سے علمائے کرام پر مشتمل ہلال کمیٹی چاند کی باقاعدہ شہادتیں ملنے ہی کے بعد کرتی ہے، رمضان المبارک اور عیدین جیسی عظیم الشان عبادات میں محکمۂ موسمیات کی گنتی کا قطعاً اعتبار نہیں کرتی ہے۔

آپ محترم کے مطالبہ کی غرض سے وہاں کی ہلال کمیٹی کی طرف سے چاند کے فیصلہ کرنے کے طور وطریق کیا ہیں، اور وہاں کے علمائے کرام کو محکمۂ موسمیات سے کس قدر انقباض ہے، اس کا مواد آپ محترم پر ارسال کرتے ہیں، سعودی عربیہ کا ٹائم انگلینڈ کے ٹائم سے دو تین گھنٹے آگے ہونے کی وجہ سے چاند کی رویت کی خبر بہت جلد بڑی سہولت سے یہاں فراہم ہوجاتی ہے اور سعودی عربیہ جیسے ایک معین ملک پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے ہمیشہ ۲۹ روزے ہونے کا خطرہ بھی نہیں رہے گا، جیسا کہ مراکش پر عمل کرنے کی وجہ سے نہیں رہتا تھا، اور سعودی عربیہ پر عمل کرنے کی وجہ سے امید

ہے کے وہ فریق جو دنیا بھر کے کسی بھی غیر معین ملک پر عمل کر کے رمضان المبارک اور عیدین مناتا رہتا ہے وہ بھی سعودی عربیہ کی خبر پر عمل کرنا شروع کر دے اس طرح صحیح العقائد مسلمانوں کا دوبارہ انشاء اللہ اتفاق واتحاد بھی ہو جاوے، جس کے لیے آج لوگ بڑے متمنی ہیں، مذکورہ بالا بیان کردہ تمام پہلوؤں کو مدنظر فرما کر سعودی عربیہ کی خبر پر رمضان المبارک اور عیدین منانے کے بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے؟

اس کے متعلق آپ محترم ہم ناکاروں کی رہنمائی فرما کر ممنون ومشکور ہوں، یہی ہماری آپ محترم سے مؤدبانہ عرض ہے، قوی امید ہے کہ جناب والا ہماری روئیداد کا بغور مطالعہ فرما کر تشفی بخش جواب مرحمت فرماویں گے۔ فقط۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دراصل اس مسئلہ کی بنیاد اختلاف مطالع کے اعتبار وعدم اعتبار پر ہے، امام اعظم حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ظاہری روایت یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے اسی کو عام فقہائے حنفیہ نے راجح قرار دیا ہے؛ یہاں تک کہ مشرق ومغرب کے فاصلے میں اختلاف مطالع کو غیر معتبر قرار دے کر ایک جگہ کی رویت کو دوسری جگہ کے لیے حجت قرار دیا ہے۔

''درمختار'' میں ہے: واختلاف المطالع ورؤيته نهاراً قبل الزوال و بعده غير معتبر على ظاهر المذهب، وعليه اكثر المشائخ وعليه الفتوى، بحر عن الخلاصة فيلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب اذا ثبت عندهم برؤية اولئك بطريق موجب كما مرّ (در مختار على هامش الشامى ٢ /٩٦)

حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی رشیدیہ ۱/ ۴۱ میں اور

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی دار العلوم (مطبوعہ کراچی) ۱/ ۳۷۶ میں اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاوی ۲/ ۱۱۲ میں اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کفایت المفتی ۴/ ۲۰۹، ۲۱۱، ۲۱۲ میں اسی کو اختیار فرمایا؛ البتہ فقہائے حنفیہ کی ایک جماعت نے بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع کا اعتبار کیا ہے، جن میں سے علامہ فخر الدین زیلعی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ۱/ ۳۲۱ اور علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب بدائع الصنائع ۲/ ۸۳ میں حضرت العلامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ العرف الشذی ۱/ ۲۰۳ میں اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم ۳/ ۱۱۳ میں اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ رویت ہلال صفحہ ۴۸، ۴۹ میں اسی کو اختیار کیا ہے؛ البتہ اس صورت میں بلاد بعیدہ اور بلاد قریبہ میں قرب و بعد کا معیار کیا اور کتنا ہوگا؟ یہ ایک حل طلب مسئلہ ہے تو اس سلسلہ میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: جن بلاد میں اتنا فاصلہ ہو کہ ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ اعتبار کرنے کے نتیجہ میں مہینہ کے دن ۲۸ رہ جائیں یا ۳۱ ہو جائیں وہاں اختلاف مطالع کا اعتبار کیا جائے گا اور جہاں اتنا فاصلہ نہ ہو وہاں نظر انداز کیا جائے گا۔ (رسالہ رویت ہلال ص ۴۹)

مولانا محمد برہان الدین سنبھلی صاحب مدظلہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: کہ یہی بات قول فیصل کا درجہ رکھتی ہے اور عملاً تمام علمائے عصر نے اسی کو اختیار بھی کیا ہے، مزید برآں یہ کہ اس قول کو اختیار کرنے سے دونوں پہلوؤں (عام فقہائے احناف کے مشہور مسلک کی فی الجملہ ترجیح اور ایک مشاہد و محسوس حقیقت کا کسی قدر اعتراف) کی یک گونہ رعایت بھی ہو جاتی ہے۔ (رویت ہلال کا مسئلہ ص ۹۹)

اس لیے آپ کے یہاں جب مطلع ہمیشہ غیر صاف رہتا ہے تو جہاں سے خبر بطریق موجب آوے اور اس کو ماننے سے مہینہ ۲۸ یا ۳۱ کا لازم نہیں آتا تو اس پر عمل کریں، اور مختلف جگہوں سے خبر آنے کی صورت میں اگرچہ کسی بھی ایک غیر معین کو اختیار کر سکتے ہیں لیکن اس میں لوگوں میں شدید خلفشار رہتا ہے کہ ایک ہی بستی اور ایک ہی مسجد میں بلکہ ایک ہی گھر میں کوئی صائم ہے اور کوئی غیر صائم ہے، کوئی عید منا رہا ہے اور کوئی رمضان پر عامل ہے، جس کے نتیجہ میں نااہل لوگوں کی طرف سے مسائل فقہ پر زبان طعن دراز کی جاتی ہے، اور ایک دوسرے کے خلاف فتویٰ حاصل کرنے کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے تو ایسے خلفشار اور فتنۂ عوام سے بچنے کے اور عوام کو بچانے کے لیے کسی ایک مقام کی خبر کو عمل کے لیے سب مل کر متعین کر لیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔

تنبیہ ضروری: چوں کہ آپ کا مقصد وہاں مقیم مسلمانوں کے مختلف گروہوں میں واقع اختلاف کی خلیج کو ختم کرنا ہے، تو مناسب یہ ہے کہ تمام گروہوں کے سربرآوردہ حضرات مل کر ایک استفتاء تیار فرمائیں، اور اس کے بعد مفتیان کرام کی خدمت میں پیش کریں تاکہ عمل کے لیے اتفاق کی کوئی صورت وجود میں آسکے، ورنہ انفرادی طور پر ایک استفتاء بھیج کر جواب حاصل کرنے سے یہ مقصد حاصل نہ ہوگا، خصوصاً جب کہ سعودیہ کے متعلق بعض حضرات کا اصرار ہے کہ وہ لوگ حساب پر چلتے ہیں رویت اور شہادت محض عقلی تسلی ہے، اس صورت میں اس پر مدار رکھنا بھی موجب خلفشار ہو سکتا ہے آپ نے جن دو مضامین کی فوٹو کاپی ارسال فرمائی ہے وہ یہاں کے لیے رکھ لی ہیں؛ اس لیے کہ آپ کے پاس تو اصل موجود ہی ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نقل مطابق اصل ہے۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳ / ربیع الاول ۱۴۰۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مکتوب گرامی حضرت مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ

مکرمی زید لطفکم!

سلام مسنون! سعودیہ کے متعلق حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب دامت برکاتہم نے خوب وکالت کی ہے، تاہم ہندوستان اور پاکستان وغیرہ میں بعض حضرات کا اصرار ہے کہ سعودیہ حساب پر چلتے ہیں رویت اور شہادت محض عقلی تسلی ہے، اس صورت میں اس پر مدار رکھنا بہرحال سبب خلفشار ہوگا۔ ھذا ماظھر لی الان. فقط والسلام۔

احقر سید عبدالرحیم لاجپوری غفرلہ

دیوبند سے مولانا سعید صاحب کا خط ہے بھائی عبدالاحد سلمہ کو کاتب کے سلسلہ میں جواب لکھ دیا ہے، اغلب یہ ہے کہ اثبات میں دیا ہوگا۔ کتابت شدہ کاپیاں اور مسودہ فراہم کرنے کی سعی کیجیے۔

سید عبدالرحیم

دوربین سے رویتِ ہلال

سوال: دوربین سے چاند دیکھنا کیسا ہے؟ ممکن ہے آنکھوں سے نظر نہ آئے اور دُوربین سے نظر آجائے، تو کیا دوربین سے نظر آنے کے بعد رمضان کا فرض روزہ رکھا جاسکتا ہے؟ اور کیا یہ "صوموا لرویتہ" کے خلاف نہ ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس مسئلہ پر تفصیلی کلام حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، حدیث پاک "صوموا لرویته" الخ پیش کر کے تحریر فرماتے ہیں: "جس کا حاصل یہ ہے کہ: ریاضی کی تدقیقات اور ہیئت ونجوم کے حسابات میں جائے بغیر ہر شہر کے آدمی سادہ طور پر اپنی اپنی جگہ پر چاند دیکھنے کی کوشش کریں، چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کر کے مہینہ ختم کرلیں، چاند دیکھنے کے لیے اہتمام بھی صرف اتنا کہ کسی ایسی جگہ جہاں مطلعِ قمر میں کوئی چیز حائل نہ ہو، کھڑے ہو کر دیکھ لیں، اس سے زیادہ اہتمام کو پسند نہیں فرمایا"۔ (آلات جدیدہ ۱۷۳)

آگے فرماتے ہیں: "عہدِ رسالت اور خلافتِ راشدہ اور قرونِ خیر کے اس تعامل کی بناء پر ہمارے نزدیک کسی طرح مستحسن اور پسندیدہ نہیں کہ ہوائی جہازوں میں اڑ کر (یا دوربین کے ذریعہ) چاند دیکھنے کا اہتمام کیا جائے"۔ (۱۷۴)

اپنے ایک دوسرے رسالہ "رویتِ ہلال" میں تحریر فرماتے ہیں: "حاصل اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ہوا کہ تمام احکام شرعیہ جو چاند کے ہونے یا نہ ہونے سے متعلق ہیں، ان میں چاند کا ہونا یہ ہے کہ عام آنکھوں سے نظر آئے، معلوم ہوا کہ مدارِ احکام چاند کا افق پر وجود نہیں؛ بلکہ رویت ہے، اگر چہ چاند افق پر موجود ہو؛ مگر کسی وجہ سے قابل رویت نہ ہو تو احکام شرعیہ میں وجود کا اعتبار نہ کیا جاوے گا۔ (۱۶-۱۵)

اب یہ بات کہ دوربین کے ذریعہ چاند دیکھا گیا تو اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ چاند اس قدر تھا کہ بغیر دوربین کے دیکھنے والے بھی اگر

اہتمام وتوجہ سے کام لیتے تو انہیں نظر آجاتا تو اس صورت میں دوربین سے دیکھا گیا بھی معتبر ہوگا، ورنہ نہیں؛ اس لیے کہ بعض وہ دوربین جو آفتاب کی شعاع کو انسانی نگاہ کے درمیان حائل نہیں ہونے دیتی، ان کے ذریعہ تو چاند کسی بھی تاریخ کو دیکھا جاسکتا ہے۔ (ماخوذ از رویت ہلال ۱۳)

چناں چہ ہوائی جہاز سے متعلق اسی قسم کی ایک صورت کے متعلق حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اتفاقی طور پر کوئی ہوائی جہاز کا مسافر چاند دیکھ لے اور آکر شہادت دے تو اس کی شہادت قبول نہ کی جائے، کیوں کہ اس کی شہادت کو رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں؛ بلکہ نیچے کی ہوا میں گرد وغبار اور بخارات کی وجہ سے مستبعد نہیں کہ چاند نظر نہ آئے اور بلند جگہ پر ہوا صاف ہونے کی وجہ سے نظر آجائے۔ کما قال الشامي: وقد يرى الهلال من أعلى الأماكن مالا يرى من الأسفل فلا يكون تفرده بالروية خلاف الظاهر (۲/ ۱۲۷) شرط یہ ہے کہ ہوائی پرواز اتنی اونچی نہ ہو کہ جہاں تک زمین والوں کی نظریں پہنچ ہی نہ سکیں؛ کیوں کہ شرعاً رویت وہی معتبر ہے کہ زمین پر رہنے والے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ سکیں، اس لیے اگر بیس تیس ہزار فٹ کی بلندی پر پرواز کرکے کوئی شخص چاند دیکھ آئے، تو اس بستی کے لیے وہ رویت معتبر نہیں، جس سے عام انسان باوجود مطلع صاف ہونے کے اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ (آلات جدیدہ ۱۷۴، ۱۷۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

غائبانہ خبروں سے اور ہوائی جہاز میں اڑ کر رویتِ ہلال کا شرعی حکم

سوال :① ہمارے یہاں (بوتسوانہ) میں ۲۹ رشعبان اور ۲۹ / رمضان کو رویت نہ ہوسکی؛ نیز ہمارے پڑوسی ممالک مثلاً جنوبی افریقہ، زامبیا، زمبابوے وغیرہ میں بھی رویت نہ ہوئی؛ البتہ ملاوی جو ہمارے ملک سے تقریباً ہزار سے ڈیڑھ ہزار میل دور ہے، وہاں رویت ہوئی، اور ہمیں معتبر ذریعہ سے خبر ملی تو ہم ملاوی کی خبر سے عیدالفطر کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اس سے مطلع فرمائیں۔

② ہوائی جہاز کے ذریعہ فضاء میں جاکر رمضان اور عید کے چاند کو تلاش کرسکتے ہیں یا نہیں؟

③ زمین پر رویت نہ ہوسکی؛ البتہ دو معتبر حضرات نے ہوائی جہاز کے ذریعہ فضاء میں جاکر رویت کی تو اس رویت کی وجہ سے عید اور رمضان کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اس سے مطلع فرمائیں۔

④ مطلع ہمارے یہاں صاف تھا اور رویت نہ ہوسکی، تو ہم رویت کے سلسلے میں دوسرے شہروں اور ملکوں میں تحقیق کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ہلال رمضان کے علاوہ عید، بقرعید یا کسی دوسرے مہینہ کے لیے ثبوتِ ہلال باقاعدہ شہادت کے بغیر نہیں ہوسکتا، اور شہادت کے لیے حاضر ہونا لازمی ہے، غائبانہ

خبروں کے ذریعہ شہادت ادا نہیں ہوسکتی، خواہ وہ قدیم طرز کے آلات خبر رسانی خط وغیرہ ہوں یا جدید طرز کے ریڈیو ٹیلیفون وغیرہ۔ (رویتِ ہلال ص ۵۰ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

اس لیے محض ملاوی کی خبر پر آپ حضرات کے لیے عید الفطر کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۲) (۳) رویتِ ہلال کے لیے شریعتِ مطہرہ نے جس طریقہ کی نشان دہی فرمائی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوائی جہاز میں اڑ کر چاند تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، اس قسم کا اہتمام شرعاً مطلوب نہیں، اس کے باوجود اگر کچھ لوگوں نے اس طرح چاند دیکھ کر اگر اس کی شہادت دی، تو شریعتِ مطہرہ کے مقرر فرمودہ ضابطۂ شہادت اور ثبوتِ رویت کے قانون کا لحاظ کرتے ہوئے اس شہادت پر عمل ہوسکتا ہے۔ (ماخوذ از قدیم نظام الفتاویٰ ۱/ ۲۲۸، ۲۲۹)

(۴) یہ طریقہ بھی شرعاً مطلوب نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴/ ۱۱۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ شوال المکرم ۱۴۰۸ھ

ثبوتِ رؤیتِ ہلال میں آلاتِ رصدیہ اور فلکی حساب معتبر نہیں

محترم المقام استاذ المکرم حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری

دامت برکاتکم و مد ظلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے، میں بھی الحمد للہ حضرت والا کی دعا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے خیر وعافیت سے ہوں۔

غرض تحریر اینکہ امسال برطانیہ میں سعودی کی ۲۹ شعبان کی شام کو بعد نماز مغرب تین حضرات نے چاند دیکھنے کا دعوی کیا ہے، جبکہ فلکیاتی اعتبار سے اس دن رؤیت کا کوئی امکان نہ تھا بلکہ چاند غروب آفتاب سے پہلے ہو چکا تھا، ایسی حالت میں اکی دکی گواہی کی بنیاد پر رمضان کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے؟ اس سلسلہ میں حضرت والا کے فتاوی کی عبارت اور دیگر اکابرین کی عبارت میں بظاہر تعارض نظر آرہا ہے۔

چوں کہ جو حضرات سعودیہ کے متبعین ہیں وہ آپ کی عبارت سے اپنا موقف اور منشاء ثابت کرنے میں اور سعودیہ کی تائید میں کہ وہاں کی رؤیت کا نظام درست ہے اس کا سہارا لینے کا قوی امکان ہے اور ایسی گواہیاں کہیں سے بھی لا کر پیش کر دیں گے، اس لیے ایک استفتاء ارسال خدمت ہے تا کہ اس کی توضیح وتشریح وانطباق فرما دیں۔ امید ہے کہ جناب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

احقر یوسف ساچا باٹلی انگلینڈ

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے سوال کا خلاصہ احقر نے یہ سمجھا ہے کہ رؤیت ہلال کے ثبوت میں فلکی حساب کو دخل ہے یا نہیں؟ اگر دخل ہے تو محمود الفتاوی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلکی حساب کا ثبوتِ رؤیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا یعنی ثبوت رؤیت صرف اور صرف شہادتِ شرعیہ میں منحصر ہے، صرف فلکی حساب سے ثبوت رؤیت نہیں ہو سکتا۔ جبکہ دیگر اکابر علماء کے فتاوی سے معلوم ہوتا ہے کہ ثبوت رؤیت میں فلکی حساب کو بڑا دخل ہے۔

اصل جواب سے پہلے چند امور بطور تمہید پیش کئے جاتے ہیں:

(الف)عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ:انا امة امية لانكتب ولا نحسب،الشهر هكذا وهكذا وهكذا وعقد الابهام فى الثالثة ثم قال الشهر هكذا وهكذا وهكذا يعنى تمام الثلاثين متفق عليه.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم تو امت امیہ ہیں، اوقات کی تعیین کے لیے حساب کتاب کی ضرورت نہیں، (بس اتنا جان لو کہ) مہینہ کبھی اتنا، اتنا، اتنا ہوتا ہے، دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا اور تیسری مرتبہ ایک انگلی بند فرمائی یعنی انتیس کا۔ اور کبھی اتنا، اتنا، اتنا ہوتا ہے یعنی پورے تیس دن کا۔

(فتاوی بینات ۳/۱۹)

حدیث بالا میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لانکتب ولا نحسب (ہم حساب کتاب نہیں کیا کرتے) کہہ کر اوقات کی تعیین کے باب میں حسابی تخمینوں کی حوصلہ شکنی فرمائی، کہیں دونوں ہاتھوں کے اشارہ سے الشهر هكذا وهكذا وهكذا (مہینہ اتنا اتنا اور اتنا ہوتا ہے) کہہ کر ماہ وسال کے سلسلہ میں حساب پر بالکلیہ بے اعتمادی کا اظہار فرمایا؛ ورنہ ظاہر ہے کہ اس مضمون کو سمجھانے کے لیے مہینہ کبھی ۲۹ کا ہوتا کبھی ۳۰ کا، دونوں ہاتھوں کو چھ دفعہ اٹھانے اور هكذا کا لفظ چھ دفعہ دہرانے کی بہ نسبت ۲۹، ۳۰ عدد مختصر بھی تھا اور واضح بھی، اور آپ کے مخاطب ان ہندسوں سے نا آشنا بھی نہیں تھے۔

اكمال المعلم شرح صحيح مسلم لابى عبدالله محمد بن خلفه الوشتانى الأبى المالكى(المتوفى ٨٢٧)٣/٢٢٤ط. (دار الكتب العلمية١٣٣٧) مانصه: وفى احاديث الاشارة الارشاد الى تقريب الاشياء بالتمثيل وهو الذى قصده ﷺ ولم يصنع ذلك لأجل ما وصفهم به من الامية لايحسبون

ولا یکتبون لأنهم لا یجهلون الثلاثین والتسع والعشرین مع ان التعبیر عنها باللفظ اخف من الاشارة المکررة وانما وصفهم بذلك سدا لباب الاعتداد بحساب المنجمین الذی تعتمده العجم فی صومها وفطرها وفصولها.(حاشیه فتاوی بینات ۳ /۲۶)

(۲) عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ ذکر رمضان فقال لاتصوموا حتی تروا الهلال، لاتفطروا حتی تروه فان غم علیکم فاقدروا له (متفق علیه)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت ﷺ نے رمضان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا (انتیس کا) چاند دیکھے بغیر نہ تو روزہ رکھنا شروع کرو اور نہ چاند دیکھے بغیر روزے موقوف کرو اور ابر یا غبار کی وجہ سے نظر نہ آئے تو اس کے لیے (تیس دن کا) اندازہ رکھو۔ (ایضاً: ۱۴)

حدیث بالا میں رؤیت کے بغیر کسی نوع کے حسابی تخمینہ پر اعتماد کرتے ہوئے روزہ رکھنے اور افطار کرنے سے صاف صاف منع فرمایا، نیز رؤیت سے مراد سر کی آنکھوں سے چاند دیکھنا مراد ہے، آسمان میں چاند کا وجود اور امکان کافی نہیں۔

خود ماہرین فلکیات کے یہاں بھی رؤیت ہلال کے معنی سر کی آنکھوں سے دیکھنا ہی آتے ہیں، مزید یہ کہ ان کے یہاں اس رؤیت کے دو درجہ ہیں۔ طبعی، ارادی۔ اگر ہلال افق سے اتنی بلندی پر ہو کہ وہ بلا تکلف دیکھا جا سکے اسے وہ ''طبعی رؤیت'' قرار دیتے ہیں اور اگر اتنی بلندی پر نہ ہو بلکہ اتنا نیچے اور باریک ہو کہ اعلیٰ قسم کی دوربینوں کے بغیر اس کا دیکھنا ممکن نہ ہو اسے ''رؤیت ارادی'' کا نام دیا جاتا ہے۔ فلکیات کی

تصریحات کے مطابق قابل اعتبار طبعی رؤیت ہے نہ کہ ارادی۔ اور حضرات فقہاء کرام رحمہ اللہ علیہم جو شریعت اسلامیہ کے حقیقی ترجمان ہیں وہ بھی اسی پر متفق ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "صوموا لرؤیته وأفطروا لرؤیته" میں رؤیت حسی یعنی سر کی آنکھوں سے دیکھنا ہی مراد ہے اور اسی پر تمام مسلمانوں کا اجماع واتفاق ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ رویتِ ہلال کے معنیٰ سر کی آنکھوں سے دیکھنا قطعی طور پر متعین ہیں، اس میں کسی شک شبہ اور تردید کی گنجائش نہیں۔ یہی معنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد سے آج تک لیے جاتے رہے ہیں، یہی ائمہ لغت کی تصریح سے میل کھاتے ہیں، یہی فلکیات کی اصطلاح کے مطابق ہیں، یہی مزاج شناشانِ نبوت (فقہائے کرام رحمہ اللہ علیہم) نے حدیث سے سمجھے ہیں اور چودہ صدیوں کی امت مسلمہ بھی اسی پر متفق ہے۔ (ایضاً: ۱۱، ۱۲، ۱۳)

(ب) اگر یہ کہا جائے کہ شریعت نے احکام ہلال کا مدار رؤیت پر کیوں رکھا، فلکیاتی تحقیق پر کیوں نہیں رکھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بحیثیت مسلمان ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اچھی طرح بلا چوں وچرا شرعی حکم مان لیں اور عمل کریں۔

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

اس میں تو کوئی شک شبہ نہیں کہ اصل مدار، ثبوت احکام شرعیہ فرعیہ کا، نصوص شرعیہ ہیں، جن کے بعد ان کے امتثال اور قبول کرنے میں ان میں کسی مصلحت و حکمت کے معلوم ہونے کا انتظار کرنا بالیقین حضرت حق سبحانہ وتقدس کے ساتھ بغاوت ہے۔ (احکام اسلام عقل کی نظر میں: ۲۵)

لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ احکام شرعیہ میں بہت سے مصالح اور اسرار

مستور ہیں، ان کا معلوم ہوجانا بعض طبیعتوں کے لیے عمل کے لیے معین اور ضعفاء کے لیے تسلی بخش ثابت ہوتا ہے، اسی بناء پر احکام ہلال کا مدار رؤیت پر رکھنے کی مصلحتیں بیان کی جاتی ہیں، یہ مصالح صرف رؤیت پر مرتب ہوسکتی ہیں فلکیات پر نہیں۔

① دوسری قوموں کی ماہ وسال کا مدار تقویمی حسابوں پر تھا، شارع نے اس امت کی انفرادیت کو محفوظ رکھنے کے لیے جس طرح اور بہت سی چیزوں میں ان کی مشابہت سے امت کو بچانا چاہا اسی طرح ان کی تقویمی مشابہت سے بھی امت کو محفوظ رکھنا چاہا؛ اس لیے ان کو ایک مستقل نظام تقویم دیا۔

② یا ہوسکتا ہے کہ چوں کہ دوسرے حسابی طریقوں سے سال کی تعیین فطری اور تحقیقی نہیں تھی بلکہ اختراعی اور تقریبی تھی، چناں چہ انہیں اس کی کمی بیشی کو برابر کرنے لیے ''لیپ'' کی اصطلاح ایجاد کرنی پڑی، اس کے برعکس اسلام دین فطرت تھا، اس نے چاہا کہ امت اسلامیہ کے ماہ وسال کی تعین کے لیے ''رؤیت'' اور مشاہدہ کا فطری طریقہ مقرر کیا جائے، کیوں کہ یہ اختراعی اور تقریبی طریقے اس کی فطرت سے میل نہیں کھاتے تھے۔

③ یا ممکن ہے اس امر کی رعایت رکھی گئی ہو کہ اسلام کے پورے نظام کی بنیاد تکلف اور تعمق پر نہیں ہے بلکہ سادگی اور سہولت پر رکھی گئی ہے، اس لیے اسلام کے نظام تقویم کو بھی مشاہدہ اور رؤیت جیسے آسان اور سادہ اصول پر مبنی کیا گیا؛ تاکہ اس نظام کے ''جزوکل'' میں مناسبت رہے اور اس باب میں امت تکلیف اور مشقت میں مبتلا نہ ہوجائے۔

④ یا ممکن ہے کہ اس چیز کا لحاظ رکھا گیا ہو کہ نظام تقویم بہرحال اوقات کی تعیین

کا ایک ذریعہ ہے اور جو قوم ذرائع میں منہمک ہو کر رہ جائے اکثر و بیشتر مقاصد اس کی نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور فطری طور پر ان کی صلاحیتیں ذرائع ہی میں کھپ کر ضائع ہو جاتی ہیں، اس لیے چاہا گیا کہ امت مسلمہ کو نظام تقویم ایسا دیا جائے جس میں منہمک ہو کر مقصدی صلاحیتیں کھو بیٹھنے کا ذرا بھی اندیشہ نہ ہو، بس آنکھ کھولی، چاند دیکھ لیا، تقویم درست ہو گئی اور سب اپنے اپنے کام میں لگ گئے، نہ ضرب کی ضرورت نہ تقسیم کی، نہ محکمۂ موسمیات قائم کرنے کی ضرورت نہ اس پر ریسرچ کی۔

⑤ یا ممکن ہے کہ یہ امر پیش نظر ہو کہ اس امت میں امیر ہوں گے، غریب بھی، عالم بھی، جاہل بھی، مرد بھی اور عورتیں بھی، اور بیشتر عبادات اور معاملات کا مدار نظام تقویم پر ہے، اس لیے چاہا گیا کہ جس طرح نظام تقویم سے متعلقہ احکام کے مکلف امت کے سب ہی طبقات ہیں اسی طرح ان کو نظام تقویم بھی ایسا دیا جائے جس پر ہر شخص اپنے مشاہدہ کی روشنی میں پورے شرح صدر کے ساتھ یقین کر سکے۔

⑥ یا ممکن ہے کہ شارع کو جو یقین ہلال کے باب میں مطلوب ہے وہ رؤیت اور مشاہدہ پر ہی مرتب ہو سکتا ہے، اس کی نظر میں حسابی جنتری اس یقین کے پیدا کرنے میں ناکافی ہو۔

⑦ یا ہو سکتا ہے کہ شارع نے اس امر کو پسند نہ فرمایا ہو کہ روزہ و افطار سب کریں؛ مگر ان کے اوقات کی تعیین ایک خاص گروہ کے رحم و کرم پر ہو، اس لیے نظام تقویم ایسا مقرر فرمایا کہ ایک عامی بھی اپنے وقت کی تعیین ٹھیک اسی طرح کر سکتا ہے جس طرح ایک ماہر فلکیات، اور بدوی بھی اسی طرح اپنے اوقات کا حساب لگا سکتا ہے جس طرح ایک شہری؛ بلکہ بعید نہیں کہ ماہر فلکیات یا عالم کی نظر کمزور ہو اور ایک عامی بدوی کی نظر

تیز ہو، اس صورت میں خود ماہر فلکیات یا عالم کو مسکین ان پڑھ کی طرف رجوع کرنا پڑے۔ (فتاویٰ بینات ۳/۲۹، ۳۰)

(ج) ہر دور میں فقہاء نے رمضان وعیدین کا دارومدار رؤیت ہلال پر رکھا ہے، تدقیقات فلسفیہ اور قواعد ریاضیہ یا آلات رصدیہ اور حساب پر نہیں رکھا۔ ذیل میں معتبر کتب کی چند عبارتیں پیش کی جاتی ہیں:

چوتھی صدی کے مشہور حنفی فقیہ مفسر اور اصولی عالم امام ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۷۰ھ) اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

وقد اختلف فی معنی قول النبي ﷺ فان غم علیکم فاقدروا له فقال القائلون اراد به اعتبار منازل القمر فان کان فی موضع القمر لو لم یحل دونه سحاب وقترة وروی یحکم بحکم الرؤیة فی الصوم والافطار وان کان علی غیر ذلك لم یحکم له بحکم الرؤیة وقال آخرون فعدوا شعبان ثلاثین یوما اما التا ویل الاول فساقط الاعتبار لامحالة لایجابه الرجوع الی قول المنجمین ومن تعاطی معرفة منازل القمر ومواضعه و هو خلاف قول الله تعالیٰ ﴿یسئلونك عن الاهلّة قل هی مواقیت للناس﴾ فعلق الحکم فیه برویة الاهلة ولما کانت هذه عبادة تلزم الکافة لم یجزان یکون الحکم فیه متعلقا بما لایعرفه الا خواص من الناس ممن عسی لا یسکن الی قولهم والتاویل الثانی هو الصحیح وهو قول عامة الفقهاء وابن عمر راوی الخبر وقد ذکر عنه فی الحدیث انه لم یکن یا خذ بهذا الحساب (احکام القرآن: ۱/ ۲۰۱، دارالکتب العربی بیروت)

پانچویں صدی کے مشہور حنفی فقیہ شمس الائمۃ الحلوانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۴۸ھ)

فرماتے ہیں:

من قال بانه يرجع الى قول اهل الحساب عند الاشتباه بعيد واستدل بحديث من اتى كاهنا (الى قوله) الشرط عندنا فى وجوب الصوم والافطار رؤية الهلال ولا يوخذ فيه بقول المنجمين ثم رقم لمجدالائمة الترجمانى وقال فقد اتفق اصحاب ابى حنيفة والشافعى انه لا اعتماد على قول المنجمين فى هذا. (شرح منظومه ابن وهبان ۱/ ۹۲ مطبوعة الوقف المدنى ديوبند)

آٹھویں صدی کے مشہور فقیہ علامہ عالم ابن علاء انصاری اندرپتی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۸۶ھ) فرماتے ہیں:

ذكر فى التهذيب فى كتاب الصوم: يجب صوم رمضان برؤية الهلال او باستكمال شعبان ثلاثين، ولا يجوز تقليد المنجم فى حسابه لا فى الصوم ولا فى الافطار وهل للمنجم ان يعمل بحساب نفسه؟ ففيه وجهان احدهما انه يجوز والثانى لا يجوز.

(الفتاى التاتارخانيه ۲/ ۳۵۷ مطبوعه مجلس دائرة المعارف عثمانيه حيدرآباد)

نویں صدی کے مشہور محدث علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں:

والمراد بالحساب هنا حساب النجوم وتسييرها، ولم يكونوا يعرفون من ذلك ايضاً الا النزر اليسير، فعلق الحكم بالصوم وغيره بالرؤية لرفع الحرج عنهم فى معاناة حساب التسيير واستمر الحكم فى الصوم ولو حدث بعدهم من يعرف ذلك، بل ظاهر السياق يشعر بنفى تعليق الحكم بالحساب اصلاً، ويوضحه قوله فى الحديث الماضى "فان غم عليكم فاكملوا العدة ثلاثين" ولم يقل فسئلوا اهل الحساب، والحكمة

فيه كون العدد عند الاغماء يستوى فيه المكلفون فيرتفع الاختلاف والنزاع عنهم، وقد ذهب قوم الى الرجوع الى اهل التسيير فى ذلك وهم الروافض،ونقل عن بعض الفقهاء موافقتهم، قال الباجى:واجماع السلف الصالح حجة عليهم،وقال ابن بزيزة: وهو مذهب باطل فقد نهت الشريعة عن الخوض فى علم النجوم لانها حدس وتخمين ليس فيها قطع ولاظنّ غالب،مع انه لو ارتبط الامر بها لضاق اذ لا يعرفها الا القليل.(فتح البارى٤/ ١٢٧ مطبوعه دار المعرفة بيروت)

دسویں صدی کے مشہور حنفی فقیہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۷۰ھ) اپنی مشہور کتاب "النهر الفائق" میں تحریر فرماتے ہیں:

ان صوم رمضان لا يلزمه الا باحد هذين فلا يلزم بقول المؤقتين انه يكون فى السماء ليلة كذا وان كانوا عدولا فى الصحيح كما فى الايضاح، قال مجد الائمة (الترجمانى) وعليه اتفق اصحاب ابى حنيفة و الشافعى الخ (النهر الفائق ٢ /١٠ مطبوعه دار الكتب العلمية بيروت)

لاعبرة بقول المنجمين قال فى غاية البيان و من قال يرجع فيه الى قولهم فقد خالف الشرع لانه روى عنه ﷺ انه قال من اتى كاهنا او منجما فصدقه بما قال فهو كافر بما انزل على محمد.

(البحر الرائق ٢ /٢٨٤ دارالمعرفه بيروت)

گیارہویں صدی کے مشہور حنفی فقیہ علامہ عبدالرحمٰن بن محمد رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۷۸ھ) - جو داماد کے لقب سے مشہور ہیں - تحریر فرماتے ہیں:

وفى القهستانى ان ما قال اهل التنجيم غير معتبر فمن قال انه

يرجع فى ذلك الى قولهم فقد خالف الشرع.

(مجمع الانهر فى شرح ملتقى الابحر: ۱/۲۳۷ مطبوعه دار احياء التراث بيروت)

بعینہٖ یہی عبارت ''جامع الرموز: ۱/ ۳۵۶ مطبوعہ ایچ ایم کراچی'' میں ہے۔

بارہویں صدی کے مشہور عالم ربانی اسرار شریعت کے ماہر حضرت شاہ ولی صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) رقمطراز ہیں:

مبنى الشرائع على الامور الظاهرة عند الاميين دون التعمق والمحاسبات النومية، بل الشريعة واردة باخمال ذكرها وهو قوله ﷺ: انا امة امية لا نكتب ولا نحسب.

(حجة الله البالغة؟/ ۵۱ مطبوعة ادارة الطباعة المنيرية دمشق)

تیرہویں صدی کے مشہور فقیہ عالم خاتم الفقہاء علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں:

(لا عبرة بقول الموقتين)اى فى وجوب الصوم على الناس بل فى المعراج لايعتبر قولهم بالاجماع. (رد المحتار على الدر المختار؟/ ۱۰۰ مطبوعة كوئتة)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ ''تنبيه الغافل و الوسنان على احكام هلال رمضان'' تحریر فرمایا ہے، اس میں ایک مستقل فصل قائم فرما کر اس مسئلہ پر کلام کیا ہے، جس میں مذاہب اربعہ کی معتبر کتابوں کی عبارتوں سے اجماع ثابت کیا ہے کہ رؤیت ہلال میں اہل حساب کا قول معتبر نہیں، ملاحظہ کیجئے:

الفصل الثالث فى بيان حكم قول علماء النجوم و الحساب: فنقول قد صرح علماؤنا و غيرهم بوجوب التماس الهلال ليلة الثلاثين من شعبان فان رأوه صاموا والا اكملوا العدة فاعتبروا الرؤية او اكمال

العدة اتباعا للاحاديث الآمرة بذلك دون الحساب والتنجم وقد اتفقت عبارات المتون وغيرها من كتب علمائنا الحنفية على قولهم يثبت رمضان برؤية هلاله و بعد شعبان ثلاثين (الى قوله)فلا يلزم بقول الموقتين انه يكون فى السماء ليلة كذا وان كانوا عدولا فى الصحيح كما فى الايضاح قال مجد الأئمة وعليه اتفق اصحاب ابى حنيفة الا النادر و الشافعى الخ (رسائل ابن عابدين ١/ ٢٤٤، ٢٤٥)

آگے مالکیہ کا مذہب نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

واما عند المالكية ففى مختصر الشيخ خليل انه لايثبت بقول المنجم الخ.

اسی صفحہ پر شافعیہ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

(واما عند الشافعية) ففى الانوار للاردبيلى ولا يجب بمعرفة منازل القمر لا على العارف بها ولا غيره انتهى وفى ينابيع الاحكام ولا عبرة بقول المنجم مطلقا فلا يصوم وان علم بالحساب انه اهل على الاظهر اذ تحكيمه قبيح شرعاً. (ایضاً/ ٢٤٧)

حنابلہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

ففى الغاية وشرحهامن باب صلاة الكسوف ولاعبرة بقول المنجمين فى كسوف ولا غيره مما يخبرون به ولا يجوز العمل به لانه من الرجم بالغيب فلا يجوز تصديقهم فى شئ من المغيبات انتهى (ایضاً ١/ ٢٤٩)

چودھویں صدی میں سائنس نے خوب ترقی کی۔ چاند، سورج اور سیاروں کے بارے میں نت نئی تحقیقات پیش کیں، قرآن اور احادیث کے بہت سے وہ واقعات

اور احوال جو سابق دور میں سمجھ سے بالاتر تھے، جدید سائنس کی تحقیقات نے ان کا سمجھنا آسان کر دیا۔ بایں ہمہ چودھویں صدی کے علماء ومفتیان کرام نے بھی رؤیت ھلال کا دارومدار شرعی ثبوت پر رکھا، حساب وآلات رصدیہ پر نہیں۔

ذیل میں چودھویں صدی کے علماء کرام ومفتیان کرام کی عبارت پیش کی جاتی ہے:

امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۵۲ھ) فرماتے ہیں:

قو له (فان غم عليكم فا قدروله) فالفطرو الصوم عندنا يدور بالرؤية حقيقة، او نقلها المعتبر شرعاً، ولاعبرة عندنا بالتقويم، الخ.

(فيض البارى ٣ /١٥٢ مطبوعه المجلس العلمى دابيل)

خاتم الفقہاء حضرت مولانا محمد عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۰۴ھ) تحریر فرماتے ہیں:

احادیث صحیحہ بکثرت اس باب میں وارد ہیں کہ مدار صوم وافطار رؤیت ہے، اس وجہ سے بدون ثبوت رؤیت کے صرف ارباب توقیت کے قول پر اعتماد کرنا ناجائز ہوگا اور صحیح اور معتبر قول انہیں فقہاء کا ٹھہرے گا جو ارباب توقیت کے قول پر اعتماد نہیں کرتے ہیں۔

قال النبی ﷺ صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته فان اغمى عليكم فاكملوا العدد (اخرجه مسلم)

وقال ﷺ الشهر تسع وعشرون ليلةً فلا تصوموا حتى تروه فان غم عليكم فاكملوا العدة ثلاثين (اخرجه البخارى)

وقال ﷺ: صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته فان حالت دونه غيابة فاكملوا ثلثين يوما (اخرجه الترمذى)

وقال ﷺ انا امة امية لانكتب ولا نحسب الشهر هكذا وهكذا وهكذا. (الحديث)

الغرض ان احادیث سے یہ ثابت ہے کہ شرعاً مدار صوم وافطار رؤیت ہے، ورنہ اکمال سی یوم۔ پس اعتبار قول منجمین میں مخالفت احادیث کی لازم آتی ہے اور قول ارباب توقیت بوجہ ورودان روایات کے حجت ملزمہ نہیں ہوسکتا۔

(مجموعہ فتاوی کتاب الصوم: ۱/ ۲۸۰، ۲۸۱، مطبوعہ یوسفی پریس لکھنؤ)

مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے رؤیت ہلال کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ "القول المنشور فی هلال خير الشهور" تحریر فرمایا اس میں لکھتے ہیں:

لااعتبار لحساب المنجمين والحاسبين فی الهلال وقد اختلفوا فی ذلك، فالذی عليه الاكثرون هو عدم اعتبار قولهم لا فی حق نفسه ولا فی حق غيره (مجموعه رسائل لكهنوی ۲/ ٥)

دارالعلوم کے سب سے پہلے مفتی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۴۷ھ) کے کئی فتاویٰ اس پر شاہد ہیں، فرماتے ہیں:

"اصل چیز رؤیت وشہادت ہے، علم ہیئت کے قواعد اور جنتری پر دارومدار غلط ہے، ملاحظہ کیجئے: فتاوی دارالعلوم دوسرا باب رؤیت ہلال کے ذیل میں عناوین: ① حساب ہیئت کی بناپر روزہ شروع کردینا کیسا ہے؟ ② باعتبار ہیئت چاند کا اعتبار درست ہے یا نہیں؟ (فتاوی دارالعلوم مدلل: ۶/ ۳۶۷ تا ۳۷۰ مطبوعہ دارالعلوم دیوبند)

عزیز الفتاوی میں بعنوان ثبوت ہلال کے بارہ میں قواعد ریاضیہ شرعاً معتبر نہیں۔

(عزیز الفتاوی: ۱/ ۳۸۳، مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۷۷ھ) کا ایک فتویٰ

ملاحظہ کیجئے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اس ملک جنوبی افریقہ میں رؤیت ہلال کے متعلق جدید تعلیم یافتہ حضرات کا اصرار ہے کہ چاند کی پیدائش کے متعلق سائنس جدید نے جو نئی دریافت اور تحقیق کی ہے اسی پر عمل کرتے ہوئے رمضان وعید وغیرہ کرتے رہنا چاہیے۔ اور ارشاد نبوی ﷺ ''صوموا لرؤیتکم و افطروا لرؤیتکم'' پر اس وقت تک عمل ضروری تھا جب تک اس تحقیق جدید کا انکشاف نہیں ہوا تھا مگر اب مذکورہ حدیث پر عمل متروک ہونا چاہئے اور چاند کی پیدائش کی پیروی کرنی چاہیے، جو تحقیق کبھی غلط نہیں ہوسکتی ہے، کیا ان حضرات کی دلیل قابل تسلیم ہے؟

جواب: یہ کوئی نئی تحقیق اور نیا نظریہ نہیں ہے۔ سائنس قدیم میں بھی اسکی تحقیق ہو چکی ہے لیکن احکام کی بنیاد پیدائش ہلال پر نہیں رکھی گئی، بلکہ رؤیت ہلال پر رکھی گئی ہے، روزے، حج، زکوۃ وغیرہ جملہ مسائل اسی رؤیت پر مبنی ہیں، پیدائش ہلال پر نہیں۔

ولاعبرة بقول الموقتين ولو عدولاً على المذهب (در مختار ۲/ ۳۸۷)

(فتاویٰ شیخ الاسلام: ۵۶:۵۷ مطبوعہ مکتبہ دینیہ دیوبند)

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۶ھ) کا ایک رسالہ ''رؤیت ہلال'' کے نام سے ہے۔ اس میں عنوان ''ریاضی کے حسابات اور آلات رصدیہ کے نتائج بھی یقینی نہیں'' کے ذیل میں لکھا ہے:

چوتھی صدی ہجری کا مشہور اسلامی فلاسفر اور ماہر نجوم وفلکیات ابوریحان البیرونی جو شہاب الدین غوری کے زمانہ میں ایک مدت دراز تک ہندوستان میں بھی رہا ہے

اوران فنون کا بے نظیر امام مانا جاتا ہے۔اس نئی روشنی اور نئی تحقیقات کے دور میں بھی اس کی امامت سب کے نزدیک مسلّم ہے، روسی ماہرین نے اس کی تحقیقات سے راکٹ وغیرہ کے مسائل میں بڑا کام لیا ہے۔

ان کی مشہور کتاب "الآثار الباقية عن القرون الخالية" ایک جرمن ڈاکٹر سی ایڈورڈ سخاؤ کے حاشیہ کے ساتھ لیزک میں چھپ کر شائع ہوئی ہے اس میں آلات رصدیہ کے ان نتائج کے غیر یقینی ہونے کے مسئلہ کو تمام ماہرین فن کا اجماعی اور اتفاقی نظریہ بتلایا ہے۔اس کے الفاظ یہ ہیں:

ان علماء الهيئة مجمعون علىٰ ان المقادير المفروضة فى اواخر اعمال رؤية الهلال هى ابعاد لم يوقف عليها الا بالتجربة وللمناظر احوال هندسية يتفاوت لاجلها المحسوس بالبصر فى العظم والصغر و فى ما اذ تأملها متأمل منصف لم يستطع بت الحكم على وجوب رؤية الهلال اوامتناعها.(آثار باقیہ، ص:۱۹۸،طبع ۱۹۲۳ء،لیزك)

ترجمہ:علمائے ریاضی وہیئت اس پر متفق ہیں کہ رؤیت ہلال کے عمل میں آنے کے لیے جو مقداریں فرض کی جاتی ہیں وہ سب ایسی ہیں جن کو صرف تجربہ ہی سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔اور مناظر کے احوال مختلف ہوتے ہیں جن کی وجہ سے آنکھوں سے نظر آنے والی چیز کے سائز میں چھوٹے بڑے ہونے کا فرق ہوسکتا ہے۔اور فضائی وفلکی حالات ایسے ہیں کہ ان میں جو بھی ذرا غور کرے گا تو رؤیت ہلال کے ہونے یا نہ ہونے کا کوئی قطعی فیصلہ ہرگز نہ کرسکے گا۔

اور کشف الظنون میں بحوالۂ زیج شمس الدین محمد بن علی خواجہ کا چالیس سالہ تجربہ

یہی لکھا ہے کہ ان معاملات میں کوئی صحیح اور یقینی پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی جس پر اعتماد کیا جاسکے۔ (کشف الظنون ۲/۹۶۹)

اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ رصد گاہوں اور آلات رصدیہ کے ذریعہ حاصل کردہ معلومات بھی رؤیت ہلال کے مسئلہ میں کوئی یقینی فیصلہ نہیں کہلاسکتی، بلکہ وہ بھی تجرباتی اور تخمینی معاملہ ہے، تو اس اصول کے حکیمانہ اصول ہونے کی اور بھی تائید ہوگئی جو رسول امی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاملہ میں اختیار فرمایا کہ ان کاوشوں اور باریکیوں میں امت کو الجھائے بغیر بالکل سادگی کے ساتھ رؤیت ہونے یا نہ ہونے پر احکام شرعیہ کا مدار رکھ دیا جس پر ہر شخص ہر جگہ ہر حال میں آسانی سے عمل کرسکے۔ (رؤیت ہلال: ۳۰، ۳۲)

علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۴ھ) تحریر فرماتے ہیں:

ویدل علی بطلان تاویلهم قوله ﷺ "فان حال بینکم وبین منظره سحاب اوقترة فعدوا ثلاثین"، فامر علیه السلام بعد ثلاثین (مطلقاً) مع جواز الرؤیة لو لم یحل بیننا وبینه سحاب او قترة،ولم یوجب الرجوع الی قول المنجمین، فا لقا ئل باعتبارمنازل القمر وحساب المنجمین خارج عن حکم الشریعة ولیس هذاالقول مما یسوغ الاجتهاد فیه، لدلالة الکتاب ونص السنة، واجماع الفقهاء بخلافه.

(احکام القرآن ۱/ ۱۹۱:۵ مطبوعه ادار القرآن والعلو م الاسلامیة کراچی)

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۹۷ھ) نے بیان ان العبرة للرؤیة لا للحساب عنوان کے ذیل میں لکھا ہے:

والعبرة عندالائمة الثلاثة للرؤیة وما یقوم مقامها وعند بعضهم

یعتبر حساب منازل القمر عند اھل الحساب ایضاً کما ذکرہ فی العمدۃ. (معارف السنن ٦ /٧)

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ (م ۱۴۱۷ھ) تحریر فرماتے ہیں:

احکام وارکان اسلام کو ایسے سادہ طریقہ پر قائم کیا گیا ہے جس کا سمجھنا بلا تکلف آسان ہو، ہیئت وحساب یا دیگر دقیق علوم پر قائم نہیں کیا گیا ہے کہ جن کے سمجھنے کے لیے بڑے آلات وتکلفات کی ضرورت پیش آئے۔ اگر ایسے علوم پر قائم کرنا مقصود ہوتا تو حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی بھی وحی آتی اور آپ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی بھی تعلیم دیتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی تبلیغ واشاعت فرماتے۔ علامہ سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل توقیت کے قول کو معتبر مانا ہے مگر خود شوافع ابن حجر، رملی، شہاب، رحمہم اللہ تعالی وغیرہ نے ہی ان کی تردید کی ہے اور علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے ''معراج'' سے اجماع نقل کیا ہے کہ اہل توقیت کا قول معتبر نہیں۔ (فتاوی محمودیہ کراچی ۱۰ /۱۱۸)

مفتیٔ گجرات حضرت سید مفتی عبد الرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۲۲ھ) اپنے ایک طویل فتوے میں تحریر فرماتے ہیں:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مہینہ کی آمد کو رؤیت ہلال پر موقوف رکھا ہے، نئے چاند کے افق پر موجود ہونے یا اس کے نظر آنے کے صرف عقلی اور حسابی امکان کو دار ومدار نہیں بنایا۔ (فتاوی رحیمیہ: ۷ / ۷۷ ۳ مطبوعہ رحیمیہ راندیر)

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۲۱ھ) فرماتے ہیں:

قمری مہینے کا شروع ہونا چاند دیکھنے پر موقوف ہے، فلکیات کے فن سے اس میں

اتنی مدد تو لی جاسکتی ہے کہ آج چاند ہونے کا امکان ہے یا نہیں، لیکن جب تک رؤیت کے ذریعہ چاند ہونے کا ثبوت نہ ہو جائے محض فلکیات کے حساب سے چاند ہونے کا فیصلہ نہیں ہوسکتا، مختصر یہ کہ چاند ہونے میں رؤیت کا اعتبار ہے، فلکیات کے حساب کا اعتبار بغیر رؤیت کے نہیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/۲۶۱ مطبوعہ نعیمیہ بکڈپو دیوبند)

فقیہ العصر حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۴۲۲ھ) فرماتے ہیں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اگرچہ ناخواندہ عوام کی اکثریت تھی مع ہذا حساب داں بھی موجود تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قضاء کا واقعہ مشہور ہے سترہ اونٹوں کو جس اسلوب سے تقسیم فرمایا ہے اس سے آج کل کے دورِ ترقی کے اکثر محاسبین بھی ناواقف ہیں، بہت کم لوگ اس کی حقیقت جانتے ہیں۔ غرضیکہ وہ زمانہ محاسبین سے بالکل خالی نہ تھا اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت ہلال میں حساب کو باطل قرار دے کر رؤیت کو شرط قرار دینا اس پر کھلی دلیل ہے کہ شرعاً اثبات ہلال کے لیے حسابی طریقہ استعمال کرنا جائز نہیں اور اس پر پوری امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

(احسن الفتاوی ۴/۴۹۲ مطبوعہ دار الاشاعت دہلی)

علماء وفقہاء کی عبارات بالا کا مضمون مشترک ہے، ان عبارات پر غور کرنے سے حسب ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں:

① قمری مہینہ کی تبدیلی میں دارومدار چاند نظر آنے (یعنی چاند سر کی آنکھوں سے دیکھنے) پر ہے۔

② صرف فلکی حساب اور آلات رصدیہ پر ثبوت ہلال کا مدار رکھنا شرعاً جائز نہیں۔

③ آلات رصدیہ کے ذریعہ ثبوت ہلال میں مدد لی جاسکتی ہے۔

④ تعارض کے وقت یعنی رؤیت ہلال کا شرعی ثبوت نہ ہو اور اہل حساب کی تحقیق اس کے برعکس ہو تو ترجیح شق اول (شرعی ثبوت) کو حاصل ہوگی۔ لان مبنی الشرائع علی الامور الظاهرة.

آلات رصدیہ یہ سائنسی ایجاد کے کرشمے اور تجربے ہیں جن کے بارے میں خود ان کے موجد برملا اظہار کر چکے ہیں کہ یہ حرف آخر نہیں، بلکہ ہر تجربہ دوسرے نئے تغیرات کا پیش خیمہ ہوتا ہے اور ہر نئی تحقیق سابق تحقیق کو باطل کر دیتی ہے جبکہ شرعی قوانین مستحکم ہوتے ہیں اور سائنسی تغیرات کے سامنے رُو بہ زوال نہیں ہوتے۔ اگر حساب اور آلات کے نتائج کو شرعی قوانین کی طرح قطعی اور یقینی کا درجہ دے دیا گیا تو شرعی قوانین میں شکوک وشبہات پیدا ہونا مستبعد نہیں۔

ذیل کے واقعہ سے امکان شبہات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے: حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے سفر مصر وشام کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:۔

اسی دوران ایک مشہور عربی رسالہ کے دفتر میں مولانا بنوری کی ملاقات علامہ جوہری طنطاوی مرحوم سے ہوگئی، جن کی تفسیر الجواہر اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر ہے، بعض لوگوں نے تو امام رازی کی تفسیر کبیر پر یہ فقرہ چست کیا ہے کہ فیه کل شيء الا التفسير (یعنی اس میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے) لیکن واقعہ یہ ہے کہ ''تفسیر کبیر'' کے بارے میں یہ جملہ بہت بڑا ظلم ہے، ہاں! اگر موجودہ دور میں کسی کتاب پر یہ جملہ کسی درجہ میں صادق آسکتا ہے تو وہ علامہ طنطاوی مرحوم کی ''تفسیر الجواہر'' ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب تفسیر کی نہیں؛ بلکہ سائنس کی کتاب ہے اور سائنس کی باتوں

کو قرآن کریم سے ثابت کرنے کے شوق میں علامہ طنطاوی مرحوم نے بعض جگہ آیات قرآنی کی تفسیر میں ٹھوکریں بھی کھائی ہیں۔

علامہ طنطاوی مرحوم سے حضرت مولانا بنوری کا تعارف ہوا، تو انہوں نے مولانا سے پوچھا کہ کیا آپ نے میری تفسیر کا مطالعہ کیا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ ہاں! اتنا مطالعہ کیا ہے کہ اس کی بنیاد پر کتاب کے بارے میں رائے قائم کرسکتا ہوں۔ علامہ طنطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے رائے پوچھی تو مولانا نے فرمایا آپ کی کتاب اس لحاظ سے تو علماء کے لیے احسان عظیم ہے کہ اس میں سائنس کی بے شمار معلومات عربی زبان میں جمع ہوگئی ہیں، سائنس کی کتابیں چوں کہ عموماً انگریزی زبان میں ہوتی ہیں، اس لیے عموماً علمائے دین ان سے فائدہ نہیں اٹھاسکتے، آپ کی کتاب علماء دین کے لیے سائنسی معلومات حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے؛ لیکن جہاں تک تفسیر قرآن کا تعلق ہے اس سلسلے میں آپ کے طرزِ فکر سے مجھے اختلاف ہے، آپ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ عصر حاضر کے سائنس دانوں کے نظریات کو کسی نہ کسی طرح قرآن کریم سے ثابت کر دیا جائے۔ اور اس غرض کے لیے آپ بسا اوقات تفسیر کے مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزی سے بھی دریغ نہیں کرتے، حالاں کہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ سائنس کے نظریات آئے دن بدلتے رہتے ہیں، آج آپ جس نظریہ کو قرآن سے ثابت کرنا چاہتے ہیں، ہوسکتا ہے کل وہ خود سائنس دانوں کے نزدیک غلط ثابت ہوجائے، کیا اس صورت میں آپ کی تفسیر پڑھنے والا شخص یہ نہ سمجھ بیٹھے گا کہ قرآن کریم کی بات معاذ اللہ غلط ہوگئی، مولانا نے یہ بات ایسے مؤثر اور دل نشیں انداز میں بیان فرمائی کہ علامہ طنطاوی مرحوم بڑے متأثر ہوئے اور فرمایا: ایها الشيخ لست عالماً هندياً وانما انت ملك انزل

اللہ من السماء لاصلاحی (مولانا آپ کوئی ہندوستانی عالم نہیں ہیں بلکہ آپ کوئی فرشتے ہیں جسے اللہ تعالی نے میری اصلاح کے لیے نازل کیا ہے) یہ واقعہ میں نے مولانا سے بارہا سنا اور شاید بینات کے کسی شمارے میں بھی مولانا نے اسے نقل کیا ہے۔ (نقوش رفتگاں: ۹۱، ۹۲)

اس تمہید کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات لکھے جاتے ہیں:

آپ کے استفتاء کا خلاصہ تین امور پر مشتمل ہے:

① فلکیاتی اعتبار سے رؤیت ہلال کا امکان نہ ہو تو چاند دیکھنے والوں کی گواہی قابل قبول ہے یا نہیں؟

② سعودیہ کے متبعین ''محمود الفتاوی'' کی عبارت سے اپنا موقف ثابت کرنے میں غلط فائدہ اٹھاویں اس کا قوی امکان ہے، لہٰذا اس کا انسداد کیجئے۔

③ ''محمود الفتاویٰ'' اور دیگر اکابر کی عبارات میں بظاہر تعارض ہے۔ ''محمود الفتاویٰ'' سے معلوم ہوتا ہے کہ رؤیت ہلال کے سلسلے میں حساب داں یعنی فلکی تحقیقات کا اعتبار نفیاً صحیح ہے نہ اثباتاً، جبکہ دیگر اکابر کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات فلکی تحقیقات کو نفیاً معتبر مانتے ہیں، اس میں کونسی بات صحیح ہے؟ (سوال کی تنقیح پوری ہوئی)۔

پہلے سوال کا جواب:

احکام شرعیہ کا دارومدار حجت شرعی پر ہے، گواہی شرعی حجت ہے، فلکی حساب حجت شرعی نہیں محض تخمینہ ہے، تخمینہ سے کسی امر کا ثبوت نہیں ہوسکتا، البتہ قبول شہادت کے لیے محل شہادت ہونا ضروری ہے اور شہادت کا محل انتیس شعبان ہے، لہذا اٹھائیس

شعبان کو اگر گواہوں نے گواہی دی کہ ہم نے آنکھوں سے چاند دیکھا ہے تو ثقہ و عادل ہونے کے باوجود ان کی گواہی قابل قبول نہیں ہے جیسے دو آدمی اس بات کی گواہی دیں کہ زید نے عمرو کو قتل کیا، گواہ ثقہ بھی ہیں؛ مگر تحقیق سے پتہ چلا کہ عمرو تو زندہ ہے تو یہ گواہی قابل قبول نہیں؛ اس لیے کہ عمرو محل شہادت نہیں۔

لو شهد الشاهدان بخلاف ما قامت عليه القرينة فالمعتبر هو الشهادة ما لم يكذبها الحس كما لو شهدا بان زيداً قتل عمروا ثم جاء عمرو حيا (رسائل ابن عابدين/۱۲۹)

اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ قرائن اور شہادت میں تعارض کی صورت میں ترجیح شہادت کو حاصل ہے نہ کہ قرائن کو، بشرطیکہ وہ شہادت برمحل ہو اور اگر وہ شہادت بے محل ہو جیسا کہ مذکورہ مثال میں تو ایسی شہادت قابل قبول نہیں۔

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

''چاند کا نکلنا سب مقامات پر بیک وقت نہیں ہے، بلکہ اس میں قدرت کا پیدا کیا ہوا اختلاف ہے، کہیں ایک دن پہلے طلوع ہوتا ہے، کہیں دو دن پہلے اگر شرعی اصول کے مطابق ایک ملک میں چاند کی رؤیت ثابت ہو جائے اور دو عادل شاہد بذریعۂ ہوائی جہاز ایسے ملک میں آکر شہادت دیں جہاں اس روز اٹھائیس تاریخ ہو تو شاہدوں کے عادل وثقہ ہونے کے باوجود ان کی شہادت قابل سماعت نہیں ہوگی، شہادت کے لیے محل ہونا ضروری ہے، اس کا محل یوم الشک ہے یعنی ۲۹ رتاریخ۔ اور ۲۸ رتاریخ کو تو شہادت لی بھی نہیں جائیگی، نہ شاہد کاذب قرار دیا جائیگا، اگر چار آدمی عادل معتبر کسی شخص کے متعلق گواہی دیں کہ ہم نے اس کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے،

لیکن تفتیش سے معلوم ہوا کہ وہ شخص مجبوب ہے یعنی اس کے پاس آلہ ہی موجود نہیں بلکہ مقطوع ہے تو ان شاہدوں کی وجہ سے اس شخص کو سنگسار نہیں کیا جائے گا، نہ شاہدوں پر حدِ قذف جاری ہوگی۔

وکذا لو شهدوا علی زناه فوجدوه مجبوبا(لم یحد) (الدر المختارکتاب الحدودباب الشهادت علی الزنا؟ /۳۳) (بحوالہ فتاوی محمودیہ کراچی ۱۰/ ۶۳، محمود الفتاوی ۲/ ۹۳)

فلکیاتی حساب سے ۲۹ر تاریخ کو چاند کی رؤیت کا امکان نہ ہو اور شرعی گواہ سر کی آنکھوں سے چاند دیکھنے کی گواہی دیں تو نئے ماہ کا ثبوت ہو جائے گا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح بایں الفاظ فرمائی ہے:

و فی فتاویٰ الشهاب الرملی الکبیر الشافعی سئل عن قول السبکی لو شهدت بینة برؤیة الهلال لیلة الثلاثین من الشهر و قال الحساب بعدم امکان الرؤیة تلک اللیلة عمل بقول اهل الحساب لان الحساب قطعی و الشهادة ظنیة و اطال فی ذلك فهل یعمل بما قاله ام لا وفیما اذا رؤی الهلال نهاراً قبل طلوع الشمس یوم التاسع و العشرین من الشهر و شهدت بینة برؤیة هلال رمضان لیلة الثلاثین من شعبان فهل تقبل الشهادة ام لا لان الهلال اذا کان الشهرکاملاً یغیب لیلتین او ناقصاً یغیب لیلة او غاب الهلال لیلة الثالثة قبل دخول وقت العشاء لانه ﷺ کان یصلی العشاء لسقوط القمر الثالثة هل یعمل بالشهادة ام لا؟ فاجاب بان المعمول به فی المسائل الثلاث ما شهدت به البینة لان الشهادة نزلها الشارع منزلة الیقین و ما قاله السبکی مردود رده علیه جماعة من المتأخرین.(شامی؟ /۱۰۰، رسائل ابن عابدین۱/ ۲۴۸)

آپ نے تحریر فرمایا ہے:

''برطانیہ میں سعودی کی ۲۹ رشعبان کی شام کو بعد نماز مغرب تین حضرات نے چاند دیکھنے کا دعویٰ کیا ہے، جب کہ فلکیاتی اعتبار سے اس دن رؤیت کا امکان نہ تھا بلکہ چاند غروب آفتاب سے پہلے ہو چکا تھا''۔

آپ نے یہ نہیں لکھا کہ برطانیہ میں اس روز اسلامی کونسی تاریخ تھی؟ اگر برطانیہ میں ۲۸ رشعبان تھی تب تو یہ گواہی قابل سماعت نہیں جیسا کہ گذرا اور اگر برطانیہ میں ۲۹ رتاریخ تھی اور غروب آفتاب سے پہلے چاند دیکھا تھا تو ان کی گواہی سے رمضان کا ثبوت ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ گواہ دیندار ہوں اور مطلع غبار آلود ہو۔

عمدۃ الفقہ میں ہے:

رمضان کا چاند ابر وغبار وغیرہ کے دن ایک آدمی کی گواہی سے ثابت ہو جاتا ہے جیسا کہ متون وشروح میں اس کا بیان ہے (مؤلف) پس اگر آسمان پر (چاند کے مطلع کی جگہ پر) ابر وغیرہ کوئی علت ہو جو رؤیت سے مانع ہو تو رمضان کا چاند دیکھنے میں ایک شخص کی گواہی قبول کر لی جائے گی بشرطیکہ وہ عادل، مسلمان، عاقل اور بالغ ہو۔

(عمدۃ الفقہ ۳/۲۲۸)

اور اگر آسمان پر کوئی علت نہ ہو (یعنی مطلع صاف ہو) تو ایسی بڑی جماعت کی گواہی قبول ہوگی جن کے خبر دینے سے یقین حاصل ہو جائے، یعنی اس خبر سے غلبۂ ظن حاصل ہو جائے اور بڑی جماعت کے لیے کوئی تعداد مقرر نہیں ہے بلکہ یہ امام کی رائے پر موقوف ہے، یہی صحیح ہے۔ (ایضا ۳/۲۳۲)

ہدایہ میں ہے: واذا كان بالسماء علة قبل الامام شهادة الواحد

العدل فی رؤیة الهلال رجلا کان او امرأة حرا کان او عبدا لا نه امر دینی فأشبه روایة الاخبار ولهذا لا یختص بلفظ الشهادة وتشترط العدالة لان قول الفاسق فی الدیانات غیر مقبول إلخ واذا لم تکن بالسماء علةلم تقبل الشهادة حتی یراه جمع کثیر یقع العلم بخبرهم لان التفردبالرؤیة فی مثل هذه الحالة یوهم الغلط فیجب التوقف فیه حتی یکون جمعا کثیرا بخلاف ما اذا کان بالسماء علة لا نه قد ینشق الغیم عن موضع القمرفیتفق للبعض النظر(هدایه ۱/ ۲۱۵، ۲۱۶)

بدائع الصنائع میں ہے:

عن ا بن عباس:ان رجلا جاء الی رسول الله ﷺفقال ابصرت الهلال فقال: اتشهد ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله؟ قال نعم قال قم یا بلال فأذن فی الناس فلیصوموا غدافقد قبل رسول اللهﷺ شهادة الواحد علی هلال رمضان ولنا فی رسول الله ﷺ أسوة حسنة .

(بدائع الصنائع۲۲۲،۲۲۱)

مذکورہ حدیث کے متعلق حاشیہ میں لکھا ہے:

"اخرجه ابو داؤد فی سننه فی الصوم" باب فی شهادة الواحد علی رؤیة الهلال برقم:۲۳٤۰ والترمذی فی جامعه فی الصوم"باب ما جاء فی الصوم بالشهادة برقم ٦۹۱ والنسا ئی فی ا لمجتبی من السنن٤/ ۱۳۲ فی الصوم باب ما جاء فی الصوم بالشهادة وا بن ما جة فی سننه فی الصیام باب ماجاء فی الشهادة علی رؤیة الهلال برقم۱٦٥۲.

(حاشیه بدائع الصنائع ۲ / ۲۲۲)

آپ نے تحریر فرمایا ہے:''جبکہ فلکیاتی اعتبار سے اس دن کو(۲۹ رشعبان کو)

رؤیت کا کوئی امکان نہ تھا''۔

فلکی حساب سے امکان ہو یا نہ ہو مگر شرعی حساب سے ۲۹/شعبان کو چاند کا امکان بلکہ وقوع ہے، نص سے اس کا ثبوت ہے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں گزرا کہ ان آنے والے صحابی نے ۲۹ر شعبان کا چاند دیکھا تھا، نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول اور فعل دونوں سے ۲۹ر شعبان کو امکان رؤیت کا ثبوت ہے۔

قولی حدیث میں الشهر هكذا وهكذا وهكذا پیش کر دینا کافی ہے جیسا کہ سابق اوراق میں گذرا۔

فعلی احادیث میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ملاحظہ فرمالیجئے:

عن عائشة: كان رسول الله ﷺ يتحفظ من شعبان ما لا يتحفظ من غيره ثم يصوم لرؤية رمضان فان غم عليه عد ثلاثين يوما ثم صام.

(ابوداود كتاب الصوم ۱/ ۳۱۸)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جتنا ماہ شعبان کے چاند کا اہتمام فرماتے تھے اتنا کسی دوسرے ماہ کا نہیں فرماتے تھے، پھر (انتیس شعبان کا) چاند دیکھ کر رمضان کا روزہ رکھا کرتے تھے، لیکن مطلع غبار آلود ہونے (اور کہیں سے رؤیت کی اطلاع نہ ملنے) کی صورت میں (شعبان) کے تیس دن پورے کیا کرتے تھے۔

دیکھئے! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ۲۹/شعبان کو چاند کا اہتمام فرمانا خود امکان رؤیت پر صریح دلیل ہے۔ رہی یہ بات کہ غروب آفتاب سے پہلے چاند دیکھا جائے تو یہ چاند کس دن کا شمار ہوگا سابق دن کا یا آئندہ دن کا؟ اس کے متعلق حضرات فقہاء نے

تصریح فرمائی ہے کہ وہ چاند آنے والے دن کا ہے، مثلاً بدھ کے روز انتیس شعبان کی تاریخ ہے اسی روز غروب آفتاب سے کچھ پہلے چاند دیکھا گیا تو جمعرات کو رمضان کی پہلی تاریخ شمار ہوگی۔

نورالایضاح میں ہے: ولا عبرة برؤية الهلال نهارا سواء كان قبل الزوال او بعده وهو لليلة المستقبلة فى المختار.

(نور الایضاح،۱۴ مطبوعہ معراج بک ڈپو دیوبند)

بدائع الصنائع میں ہے:

وقال ابو يوسف:ان كان بعد الزوال فكذالك، وان كان قبل الزوال فهو لليلةالماضية ويكون ذالك اليوم من رمضان والمسألة مختلفة بين الصحابةوروى عن عمر، وابن مسعود، وابن عمر،وانس مثل قولهما وروى عن عمر رواية اخرىٰ مثل قوله،وهو قول على ، وعائشة، وعلىٰ هذا الخلاف هلال شوال اذا رأوه يوم الشك وهو يوم الثلاثين من رمضان قبل الزوال او بعده فهو لليلة المستقبلة عندهما ويكون اليوم من رمضان،وعنده ان رأوا قبل الزوال يكون لليلة الماضية ويكون اليوم يوم الفطر، والاصل عندهما انه لا يعتبر فى رؤية الهلال قبل الزوال ولا بعده وانما العبرة لرؤيته قبل غروب الشمس وعنده يعتبر (بدائع الصنائع۲/ ۲۲۴،۲۲۳)

خط کشیدہ الفاظ سے معلوم ہوا کہ غروب شمس سے پہلے دیکھا ہوا چاند معتبر ہے، لہذا ایسے چاند کی رؤیت کی بنیاد پر جو گواہی دی جاوے وہ بھی معتبر ہے۔

آپ کے استفتاء میں بظاہر تعارض ہے، پہلے تحریر فرمایا ''فلکیاتی اعتبار سے اس

دن رؤیت کا کوئی امکان نہ تھا'' بعد میں لکھا'' بلکہ چاند غروب آفتاب سے پہلے ہو چکا تھا'' جب امکان ہی نہ تھا تو غروب آفتاب سے پہلے چاند کیسے پیدا ہوا؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آئی۔

دوسرے سوال کا جواب:

ایسا لگتا ہے کہ جناب والا نے ''محمود الفتاوی'' کا بالاستیعاب مطالعہ نہیں کیا ہے، حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے فتاوی میں کئی جگہ سعودیہ کا فیصلہ در باب رؤیت ہلال شرعی ضابطہ پر نہ اترنے اور قابل قبول نہ ہونے کی صراحت ہے، ملاحظہ کیجئے:

① ایک ضروری وضاحت: میں نے اپنے سابق جواب میں جو کچھ لکھا اور اس افہام اور تفہیم میں بھی جو عرض کیا، اس سے میرا مقصد سعودیہ کے اعلان کی حمایت نہیں ہے، بلکہ نفس مسئلہ کی وضاحت اور شرعی حیثیت کا تعین ہے، رہا سعودی اعلان درست ہے یا نہیں؟ تو جب تک ان کے طریق کار کا علم نہ ہو جائے اس سے پہلے اس سلسلہ میں کچھ کہنا یا لکھنا قبل از وقت ہے الخ۔ (محمود الفتاوی اردو ۲/ ۱۶۷، مطبوعہ مکتبۂ انور ڈابھیل)

② ایک اور جگہ رقم طراز ہیں:

حکومت سعودیہ میں رؤیت ہلال کا فیصلہ جس انداز سے ہو رہا ہے وہ اہل علم کے درمیان موضوع نزاع ہے، حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم نے اس سلسلہ میں جو رائے قائم فرمائی ہے، وہ ایک موزوں اور صائب رائے ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''حکومت سعودیہ میں رؤیت ہلال کا فیصلہ مسلک حنفیہ کے خلاف ہونے کے علاوہ بداہت کے خلاف بھی ہوتا ہے؛ اس لیے وہ پاکستان کے لیے حجت نہیں''۔

(احسن الفتاوی ۴/ ۴۱۶)

جب وہ فیصلہ مسلک حنفی کے خلاف ہونے کی وجہ سے پاکستان کے لیے حجت نہیں تو برطانیہ میں مقیم احناف کے لیے کیسے حجت ہوگا؟۔ (محمود الفتاوی ۲/۱۸۰)

③ سعودیہ کے متعلق بعض حضرات کا اصرار ہے کہ وہ لوگ حساب پر چلتے ہیں، رؤیت اور شہادت محض عقلی تسلی ہے، اس صورت میں اس پر مدار رکھنا بھی موجب خلفشار ہوسکتا ہے۔ انتہی بلفظہ (محمود الفتاوی ۲/۲۰۵)

مذکورہ تینوں عبارتوں پر غور فرمالیں کہ ان عبارتوں سے سعودیہ کے متبعین کا منشاء ثابت ہورہا ہے یا متزلزل ہورہا ہے؟

حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ کے فتاویٰ میں جہاں سعودیہ کی رؤیت اور فیصلہ کو تسلیم کیا گیا اور اس پر عمل کی گنجائش لکھی ہے وہ مقید ہے مطلق نہیں، حضرات فقہاء کا مسئلہ کو مقید کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ جہاں وہ قید نہ ہو اس کے لیے وہ حکم ثابت نہ ہوگا۔

وكذا يقال فى مفهوم الروايات، فان العلماء جرت عادتهم فى كتبهم، على انهم يذكرون القيود و الشروط و نحوها تنبيها على اخراج ما ليس فيه ذلك القيد و نحوه، وان حكمه مخالف لحكم المنطوق، وهذا مما شاع و ذاع بينهم بلا نكير و لذا لم ير من صرح بخلافه.

(شرح عقود رسم المفتى: ۱۷٤، زكريا)

محمود الفتاویٰ سے اس کی دو مثال پیش کرتا ہوں:

① سوال: بعض لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ عید الاضحیٰ سعودی عرب میں حج کے دوسرے دن برطانیہ میں منائی جائے، کیا حدیث شریف میں یا شریعت مطہرہ میں اس کی کوئی حقیقت ہے کہ سعودی عرب میں جس دن حج ہو اس کے دوسرے دن برطانیہ

میں عید الاضحیٰ منائی جائے؟

جواب: حدیث میں ایسی کوئی تصریح نہیں ہے، البتہ اگر سعودی رؤیت کی خبر بطریق موجب برطانیہ پہنچ گئی تو اس پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ (محمود الفتاوی ۲/ ۱۳۰، ۱۵۲)

② سوال: سعودی عربیہ میں قران شمس وقمر سے پہلے اور قران شمس وقمر کے وقت یا قران شمس وقمر کے چند گھنٹوں ہی کے بعد رؤیت ہلال کا فیصلہ کیا جاتا ہے، آیا اسے معتبر مانا جائے گا یا نہیں؟ (ملخصاً)

جواب: صورت مسئولہ میں حکومت سعودیہ کا یہ فیصلہ ۲۹ر تاریخ کو شہادت رؤیت کی بنیاد پر ہے تو محل شہادت موجود ہے اس لیے قابل قبول ہے، ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۷ھ (محمود الفتاوی ۲/ ۹۴)

مذکورہ دونوں فتاوی میں حضرت مدظلہ نے ''رؤیت'' و ''شہادت'' کی قید لگائی، رؤیت اور شہادت سے شرعی رؤیت اور شرعی شہادت مراد ہے، شرعی رؤیت ہے سر کی آنکھوں سے چاند دیکھنا، اور شرعی شہادت وہ ہے جو ضابطۂ شریعت کے مطابق ہو۔

تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ سعودیہ کے متبعین کے لیے حضرت مفتی صاحب کے فتاوی تائید کے طور پر پیش کرنے کی کوئی سبیل نہیں، پھر بھی توڑ موڑ کر اگر کوئی پیش کرے تو اس کی ذمہ داری اسی پر ہوگی نہ کہ صاحب فتاویٰ پر۔

تیسرے سوال کا جواب:

آپ نے تحریر فرمایا: ''حضرت والا کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ رؤیت ہلال کے سلسلہ میں حساب داں کی بات کا اعتبار نہ نفیاً صحیح ہے اور نہ اثباتاً جبکہ اور اکابر کے فتاوی ومضامین سے معلوم ہوتا ہے: وہ حضرات نفیاً اس کو معتبر مانتے ہیں''۔

غالباً آپ کی مراد نفیاً اور اثباتاً سے اگر یہ ہے کہ نفیاً یعنی شرعاً صرف آلات رصدیہ سے ہونے والے ثبوت ہلال کی نفی کرنا درست ہے اور اثباتاً یعنی عقلاً ان آلات سے رؤیت کا ثبوت درست وممکن ہے۔

اگر یہی مراد ہے تو حضرت مدظلہ اور اکابر کے فتاویٰ میں واقعی کوئی تعارض نہیں، باقی ہمارے اکابر میں اس کا کوئی قائل نہیں کہ صرف اور صرف آلات رصدیہ کی بنیاد پر ثبوت ہلال شرعاً معتبر ہے۔

موجودہ دور کے مفتیان کرام درحقیقت ناقل فتاویٰ ہیں:

المفتی المجتهد فی المذهب،وهو المفتی حقیقةاما غیره فهو ناقل.

(شرح عقود رسم المفتی:۱۳۲)

وان ما عداهم یکتفی بالنقل،وان علینا اتباع ما نقلوه لنا عنهم من استنباطاتهم غیر المنصوص عن المتقدمین ومن ترجیحاتهم.

(شرح عقود رسم المفتی:۱۳۸)

اسی وجہ سے مفتی کے لیے فتوے میں کتاب کا حوالہ دینا ضروری ہے، حوالہ کے بعد مفتی عہدہ برآ ہوجاتا ہے، اور ساری ذمہ داری محولہ کتاب کے مصنف پر عائد ہوتی ہے۔

مفتی صاحب مدظلہ نے ''محمود الفتاویٰ'' میں تحریر فرمایا ہے:

''فلکی حساب کا رؤیت پر مثبت ومنفی کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، جس طرح فلکی حساب کے مثبت طور پر معتبر ومؤثر نہ ہونے کو آپ تسلیم کرتے ہیں، اسی طرح منفی طور پر بھی وہ مؤثر ومعتبر نہیں۔ ''لا عبرة بقول الموقتین فی الصوم'' کا یہی مطلب فقہاء کرام نے لیا ہے۔'' (انتہی بلفظہ)

ملاحظہ کیجئے: مفتی صاحب نے نفیاً مؤثر ہونا اپنی طرف سے نہیں لکھا فقہائے

کرام کی عبارات کی روشنی میں لکھا ہے، علّامہ شامی کی عبارت ”ان الشارع لم یعتمد الحساب بل ألغاہ بالکلیۃ“ (شامی؛ ۱۰۰/۲) سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

جو حضرات علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور و معروف کتاب ”رد المحتار“ کو معتبر مانتے ہیں اور فقہ حنفی میں جامع و مستند سمجھتے ہیں، اپنے فتاویٰ میں اس کے حوالے دیتے ہیں، ان کو علّامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی بات تسلیم کر لینا چاہیے اور بصورت دیگر اس کا جواب دینا چاہیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ اعتراض درحقیقت صاحبِ محمود الفتاویٰ پر نہیں بلکہ علامہ شامی اور دیگر فقہاء پر ہے۔ فافہم و تدبر. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبد القیوم راجکوٹی، ۳۰/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری　　الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

چاند کی شہادت کو فلکی حسابات کی بنیاد پر رد کرنا اور روزہ کی قضاء نہ کرنا

سوال: عرض یہ ہے کہ ہمارے یہاں برطانیہ میں رمضان ۱۴۳۱ھ کے موقع پر ۲۹ ویں شعبان ۱۴۳۱ھ بمطابق ۱۰ اگست ۲۰۱۰ء منگل کی شام ”برمنگھم“ شہر کے تین حضرات نے رمضان کا چاند دیکھا، جن کی گواہیاں مرکزی رویت ہلال کمیٹی برطانیہ کے وفد نے ”برمنگھم“ جا کر گواہوں سے روبرو مل کر لیں، ان گواہوں کی خصوصیات میں سے ایک تو یہ ہے کہ یہ تینوں صاحب ترتیب ہیں، جبکہ ایک گواہ عالم دین، دوسرا

حافظ قرآن ہے اور تیسرے گواہ تبلیغی جماعت میں عرصے سے دعوت کے کام میں جڑے ہوئے ہیں، ان تینوں حضرات کی گواہی چاند کمیٹی کے وفد نے ان سے مل کر سنی اور تحریری دستخط بھی لیے، جس کی تفصیل ساتھ میں روانہ کردہ گواہی کے کاغذات میں موجود ہے، یاد رہے کہ اس سے قبل بھی چاند کمیٹی کے اعلانات کے پچھلے پچیس سالہ ۲۹/ ویں دن کے تسلسل کی شام کو برطانیہ میں- جو کہ بہت چھوٹا ملک ہے، بہ شمول دار العلوم بری کے ۸/ نیز دار العلوم لیسٹر کے ۳/ طلباء- بیس مواقع پر چاند کی رویت وشہادت ہوئی ہے جن تمام کا ریکارڈ ہماری ویب سائٹ پر بھی موجود ہے۔

بہر حال بعض حضرات نے اس گواہی کو یہ کہہ کر تسلیم نہیں کیا کہ: یہ شہادت مفروضہ فلکیاتی نیومون تھیوری کے حسابات کے خلاف ہونے کی وجہ سے مشکوک ومتہم ہے؛ کیوں کہ فلکیاتی حساب کے مطابق اس چاند کے دکھائی دینے کے امکانات اس وقت بالکل نہ تھے، اس کے علاوہ چاند کمیٹی نے گواہوں سے جو گواہی لی وہ رمضان شروع ہونے کے ایک ہفتہ بعد لی وغیرہ! حالاں کہ نصوص وفتاویٰ کے مطابق مذکورہ وجوہ کی بنیاد پر اس شام رمضان کی ''عدمِ فرضیت'' کا شرعاً کوئی جواز نہیں۔

یاد رہے کہ چاند کمیٹی نے مذکورہ شہادت کے بعد اپنے اعلانات میں ''فقہاء و مفتیانِ کرام کے ثبوتِ ہلال کے مسئلہ میں فلکیات کے عمل دخل کی تردید میں جو فتاویٰ آپ حضرات کے ہیں (جو ہماری ویب سائٹ پر الگ سے وکتب میں بھی ہیں) انہیں پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اس چھوٹ جانے والے روزہ کی قضاء کے لیے بھی عوام کو مطلع کیا، مگر بعض لوگ مفروضہ نیومون تھیوری کے حسابات جو (۱۴۳۱ھ ق م کمپیوٹن فلسفی کی سوچ ونظریہ ہے اور جو) اسلام کی آمد سے پہلے ۵۸۳ء کے یہودی ربائی

حالیل دوم نے دینِ موسوی میں تحریف کر کے جسے دخیل بنایا تھا، اسے شہادتِ ہلال کے لیے ''کسوٹی'' مانتے ہیں اور دلیلاً آیتِ شریفہ ﴿الشمس والقمر بحسبان﴾ پیش کرتے ہیں، اس طرح انہوں نے مذکورہ شہادت کو رد کر کے روزہ کی قضاء کرنے کا بھی انکار کر دیا! اس طرح نعوذ باللہ ماقبل اسلام اور ماقبل مسیح کی فلسفیانہ تھیوری کو نصوص کے خلاف استعمال کیا، جسے آپ ﷺ نے حدیث امّی سے رد کر دیا تھا! اب وہ عوام جن کا روزہ شہادت کی بنیاد پر چھوٹ گیا ہے وہ گومگو کی حالت میں ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ''ہمارا روزہ قضاء نہ کرنے کا وبال ان لوگوں پر ہوگا جنہوں نے اس کی قضاء کے لیے منع کیا ہے''!

اس تفصیل کے ضمن میں ذیل کے سوالات کے جوابات درکار ہیں:

① کیا برمنگھم کے مذکورہ گواہوں کی شہادت کو چاند کے فلکی حسابات اور اس کی نیومون تھیوری کی کسوٹی کی بنیاد پر رد کرنا جائز ہے؟

② جن لوگوں کا روزہ مذکورہ شہادت کی بنیاد پر چھوٹ گیا ہے اس کی قضا وہ یہ سمجھ کر نہ کریں کہ ''اس کا وبال ہم پر نہیں ہوگا بلکہ جنہوں نے منع کیا ہے ان پر ہوگا''، تو کیا ان کا یہ عذر شرعاً قابل حجت ہے؟ یا پھر ان پر قضاء ضروری ہے؟ بینوا و توجروا

بقلم: مولوی یعقوب احمد مفتاحی

(ناظم حزب العلماء یوکے و مرکزی رویتِ ہلال کمیٹی برطانیہ)

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① فلکی حساب کی بنیاد پر شرعی شہادت کو رد کرنا جائز نہیں، ہر دور میں فقہاء نے رمضان وعیدین کا دارومدار رؤیت ہلال پر رکھا ہے، تدقیقات فلسفیہ اور قواعد ریاضیہ

یا آلات رصدیہ اور حساب پر نہیں رکھا۔

(اس سلسلہ کی عبارات فقہیہ آپ کے مرسلہ دوسرے استفتاء کے جواب میں ملاحظہ فرمالیں)۔

جن لوگوں نے فلکی حساب کو معیار بنا کر آیت کریمہ ﴿الشمس والقمر بحسبان﴾ سے استدلال کیا ہے، یہ استدلال بھی درست نہیں۔ مذکورہ آیت کریمہ سورۂ رحمٰن میں ہے، انسان کے لیے حق تعالیٰ نے جو نعمتیں زمین و آسمان میں پیدا فرمائی ہیں، اس آیت میں علویات کی نعمتوں میں سے شمس و قمر کا ذکر خصوصیت سے شاید اس لیے آیا ہے کہ عالم دنیا کا سارا نظام کار اِن دونوں سیاروں کی حرکات اور ان کی شعاعوں سے وابستہ ہے، اور لفظ حسبان بضم الحاء بعض حضرات نے فرمایا کہ حساب کے معنی میں مصدر ہے، جیسے غفران، سبحان، قرآن، اور بعض نے فرمایا کہ حساب کی جمع ہے، اور مراد آیت کی یہ ہے کہ شمس و قمر کی حرکات جن پر انسانی زندگی کے تمام کاروبار موقوف ہیں، رات دن کا اختلاف، موسموں کی تبدیلی، سال اور مہینوں کی تعیین، ان تمام کی حرکات اور دوروں کا نظام محکم ایک خاص حساب اور اندازے کے مطابق چل رہا ہے، اور اگر حسبان کو حساب کی جمع قرار دیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ ان میں سے ہر ایک کے دورے کا الگ الگ حساب ہے، مختلف قسم کے حسابوں پر یہ نظام شمسی اور قمری چل رہا ہے، اور حساب بھی ایسا محکم و مضبوط کہ لاکھوں سال سے اس میں ایک منٹ، ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آیا۔ (معارف القرآن ۶/ ۲۴۴)

تفصیل بالا سے معلوم ہوا کہ شمس و قمر کی سیر ایک خاص حساب اور ضابطہ اور مضبوط نظام کے ماتحت ہے، یہ دونوں اس حساب سے سرمو تجاوز نہیں کر سکے، لیکن

اس خاص حساب کی تفصیل تو قرآن یا حدیث میں موجود نہیں، یہ کیا ضروری ہے کہ اہل ہیئت وریاضی جس حساب کے دعوے دار ہیں وہی مراد ہو۔ (محمود الفتاویٰ ۲/ ۱۴۳)

اور اگر تھوڑی دیر کے لیے مان لیا جائے وہی حساب مراد ہے، تب بھی یہ دعوی کہ ''وہ حساب یقینی اور قطعی ہے'' محل نظر ہے، سائنس کے نظریات یقین اور مشاہدہ کے بجائے ظن اور تخمین پر مبنی ہیں، سائنس کی ایسی تحقیقات جو قرآن وحدیث کی تصریحات سے ٹکراتی ہوں قابل قبول نہیں، ایسے مواقع پر سیدھا اور صاف راستہ یہ ہے کہ قرآن و سنت کی تصریحات پر عمل کیا جائے اور سائنسی معلومات پر عمل نہ کیا جائے۔

کیوں چاند میں کھوئے ہو، الجھے ہو ستاروں میں
حل کو ڈھونڈو قرآن وحدیث کے اشاروں میں

(۲) شرعی شہادت کی بنیاد پر رمضان کا فیصلہ کیا گیا، فیصلہ کرنے والے حضرات نے یہ فیصلہ اصول شرع کی روشنی میں کیا ہو، تو جو لوگ ان کے متبعین ہیں ان کے لیے فیصلہ پر عمل کرنا ضروری ہے۔

ولو احتجم و ظن ان ذلك يفطره ثم اكل متعمدا عليه الكفارة لان الظن ما استند الى دليل شرعى الا اذا افتاه فقيه بالفساد لان الفتوى دليل شرعى فى حقه (الى قوله) لان على العامى الاقتداء بالفقهاء لعدم الاهتداء فى حقه الى معرفة الاحاديث. (هدايه اولين:۲۲۶)

ان کا یہ کہنا ''اس کا وبال ہم پر نہیں ہوگا بلکہ جنہوں نے منع کیا ہے ان پر ہوگا'' درست نہیں، اگر انہوں نے روزہ قضاء نہیں کیا تو گنہگار رہوں گے۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

سوال: اگر مطلع بالکل صاف ہو اور رؤیت ہلال عید الاضحیٰ کے لیے پورا پورا ہتمام کرنے کے باوجود دور نزدیک کہیں بھی کسی شخص نے ۲۹ کا چاند نہیں دیکھا؛ مگر قاضی نے بعض لوگوں کے کہنے پر ۵ یا ۶ تاریخ کو ۲۹ کی رؤیت ہلال کا اعلان کیا اور لوگوں نے اس کے مطابق ۱۰ / ذی الحجہ کو نماز و قربانی ادا کیا، تو ایسی صورت میں فریضۂ صلوۃ واضحیہ ادا ہو جائیں گے یا نہیں؟ اور اعلان قاضی کا وثوق نہ کر کے ۳۰ کے چاند کے مطابق صلوۃ واضحیہ ادا کرنے کا کیا حکم ہے؟ ملخصاً

الجواب: جو لوگ اس قاضی کے ماتحت ہیں اور قاضی نے شرعی شہادت سے اعلان کیا ہے تو ان کے ذمہ اس پر عمل واجب ہے، اس کے خلاف کرنے سے گنہگار ہوں گے۔ (ماخوذ از فتاوی محمودیہ جدید: ۱۰ / ۱۲۰ تا ۱۲۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبد القیوم راجکوٹی، ۱ / صفر ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری　　الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

چاند کے فیصلہ میں اختلاف کی صورت میں نماز عید میں تعدد اور اعتکاف کا حکم

سوال: یہاں باٹلی میں مسلمانوں کے چاند کے فیصلے میں دو جماعتیں ہیں، ایک گروہ جمعیۃ علماء یوکے (سعودی عربیہ) کی رویت کا اعتبار کرتے ہوئے رمضان اور عیدین کے تعین کا اعتبار کرتا ہے، جب کہ دوسرا گروہ باٹلی کے مفتیان کرام اور علماء عظام پر مشتمل چاند کمیٹی کے اعلان کا اعتبار کرتے ہوئے رمضان اور عیدین کا تعین کرتا ہے اور عموماً جمعیۃ العلماء کا اعلان دوسرے گروہ کے اعلان سے ایک دن پہلے

ہوتا ہے، اب دونوں گروہ ایک ہی شرعی مسجد میں اپنے اپنے اعلان کے مطابق عیدین ادا کرنا چاہتے ہیں، تو اب سوال یہ ہے کہ:

① اگر پہلے گروہ نے ایک دن پہلے عید کی نماز ادا کرلی، تو پھر دوسرے دن اسی مسجد میں دوبارہ وہی عید کی نماز دوسرا گروہ ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟

② اور معتکفین کا کیا حال ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی مسئلہ میں معتبر علمائے کرام کی رائے میں اختلاف ہو تو عامی شخص کے لیے یہ حکم ہے کہ جن کی رائے پر اعتماد ہو اس پر عمل کرے۔

وان کان عامیاً اتبع فتویٰ المفتی فیه الاتقیٰ الأعلم.

(شرح عقود رسم المفتی: ۱۰۷)

لیکن دوسرے گروہ کی رائے کی تغلیط اور ان پر تنقید نہ کرے، ہمارے اکابر کا ایسے مسائل میں یہی معمول رہا ہے، لہذا ہمیں ان کا اتباع کرنا چاہیے، جس سے دین پر ثابت قدمی میں بڑی تقویت ملتی ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ آیت کریمہ ﴿وكلاً نقص عليك من أنبآء الرسل ما نثبت به فؤادك﴾(هود) ترجمہ: اور پیغامبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں) کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: اس میں دلیل ہے کہ مقبولین کے قصص کو قلوب کی تثبیت وتقویت وتنشیط میں خاص اثر اور دخل ہے؛ اسی لیے بزرگوں نے اولیاء کی حکایات جمع کرنے کا خاص اہتمام فرمایا

ہے۔(بیان القرآن ۵/ ۶۷)

مختلف فیہ مسائل میں عمل کی بجائے باوقار فقہی مسائل کی آڑ میں ذاتیات کو ہدف بنانا اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو کون نہیں جانتا، ان کے محتاط طرز فکر وعمل سے شاید ہی کوئی نا آشنا ہوگا، ایک موقع پر حضرت انگلینڈ تشریف لے گئے، وہاں اہل علم کے مابین سحری کے آخری وقت کے متعلق اختلاف چل رہا تھا، اس کے حل کے لیے حضرت کی طرف رجوع کیا گیا، حضرت نے پانچ سو علماء کی موجودگی میں نہایت ہی محتاط فیصلہ صادر فرمایا، جو ہمارے لیے مشعل راہ ہے، اسی طرح عید الفطر کے چاند میں اختلاف کی صورت میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا محتاط عمل معتکفین کے لیے قابل توجہ وعمل ہے، لہٰذا اصل جواب سے پہلے حضرت فقیہ الامت رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ اور حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا عمل نقل کیا جاتا ہے، اس کو غور سے پڑھیے اور عملی جامہ پہنایئے، ملاحظہ کیجئے:

''کرامات وکمالات اولیاء'' (افادات حضرت شیخ الحدیث مولانا یوسف متالا صاحب دامت برکاتہم ومدظلہم) میں لکھا ہے:

حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی کا فیصلہ:

آج سے کوئی پچیس برس پہلے، حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ (مفتیٔ اعظم ہندوستان) جب یہاں تشریف لائے تھے، تو علماء نے مجھ سے کہا کہ یہاں جھگڑا چل رہا ہے ٹائم ٹیبل کا- اس وقت بھی گرمی میں روزے تھے، کوئی کہتا ہے کہ سحری ختم ہوتی ہے ڈیڑھ بجے، کوئی کہتا ہے ڈھائی بجے، کوئی کہتا ہے ساڑھے تین

بجے - تو کوئی چار سو، پانچ سو علماء اکٹھے ہوئے تھے، صرف علماء، پاور ڈاسٹریٹ مسجد، بریدفورڈ میں۔ سارے فتاویٰ سن کر حضرت نے فیصلہ لکھوایا مفتی مقبول صاحب سے کہ لکھو کہ احتیاط اس میں ہے کہ ڈیڑھ بجے روزہ شروع کیا جائے، لیکن جو ڈھائی بجے شروع کرتے ہیں، جو ساڑھے تین بجے شروع کرتے ہیں، ان کا روزہ بھی درست، اور ڈیڑھ بجے کے بعد جو فجر کی نماز پڑھتے ہیں، ان کی نماز بھی درست، آگے دلیل لکھوائی، فرمایا کہ اس وجہ سے کہ ہم لوگ تو مقلد ہیں، اور مقلد کا کام فتوے پر عمل کرنا ہے، اور یہ تینوں، ڈیڑھ اور ڈھائی اور ساڑھے تین، تین ٹائم ٹیبل والوں کے پاس تینوں طرح کے فتاویٰ ہیں، تو وہ اپنے فتوے پر عمل کر رہے ہیں کسی کو پوچھ کر کے، تو ان میں سے کسی کو غلط نہ کہا جائے۔ کتنی پیاری بات! کتنا پیارا فتویٰ!

انتشار سے بچانے کا اہتمام:

ہم نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ (مراد حضرت مولانا محمد زکریا صاحب) کے یہاں ۶۳ء میں سب سے پہلے رمضان گذارا تھا، جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے دفتر کی مسجد میں پورے مہینہ کا اعتکاف فرمایا تھا، انتیس روزے ہوئے اور رات کو ایک بجے کے قریب دیہاتیوں کا ایک وفد آیا، سب لوگ اپنی اپنی عبادت میں مصروف تھے رات کو، اور یہ بہت سارے لوگ پگھڑ باندھے ہوئے آئے، بھئی کیا ہوا؟ تو کہنے لگے کہ چاند کی خبر لے کر آئے ہیں، شہادت لے کر آئے ہیں، تو حضرت کو اطلاع کی معتکف میں، حضرت نے فرمایا کہ مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیجو، حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی سہارنپور میں معتکف تھے، مگر دوسری حکیموں والی مسجد میں جہاں مولانا عاقل صاحب اور مولانا سلمان صاحب کا مکان ہے اس کے

قریب جہاں حضرت ہمیشہ نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے، اس میں مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ معتکف تھے، اس وفد کو وہاں بھیجا، شہادت والوں کو حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے تحقیق کی، چاند کیسے دیکھا؟ کہاں پر دیکھا؟ کیا وقت تھا؟ سب تحقیق کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اطمینان ہو گیا، تو حضرت نے فرمایا کہ بھئی چلو! اٹھاؤ ہمارا سامان، حضرت اعتکاف میں تھے، اعتکاف سے مفتی صاحب باہر آ گئے، کسی سے یہ نہیں فرمایا کہ بھئی چلو، فیصلہ لکھو کہ میں فیصلہ کرتا ہوں کہ چاند ہو گیا اور کل عید ہے۔

وہاں سے خدام نے آ کر حضرت (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب) کو اطلاع دی کہ مفتی محمود صاحب نے ان سے شہادت لی اور مفتی صاحب تو اپنے معتکف سے گھر میں کمرہ میں چلے گئے، تو حضرت نے فرمایا کہ اچھا! تو اس کے بعد پھر حضرت بھی کچے گھر آ گئے، مگر وہاں شہر کے کچھ حضرات نے کہا کہ ہمارے پاس تو کوئی آیا نہیں، انہوں نے اس فیصلہ کو نہیں مانا، وہ اڑ گئے، اور انہوں نے کہا کہ نہیں، ہم تو کل عید کا اعلان نہیں کریں گے، اب ایک ہی شہر سہارنپور میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا دولت کدہ، حضرت کی مسجد اور مظاہر علوم کا دفتر، دنیا کی بڑی مرکزی جگہ، اور وہاں سے گویا ایک فیصلہ ہوا اور شہر والے جو وہاں کے قاضی وغیرہ تھے، پرانے زمانے سے چلے آ رہے تھے، انہوں نے جب یہ فیصلہ کیا کہ کل کو روزہ ہے تو حضرت نے فرمایا مہمانوں سے کہ دفتر کی مسجد میں جہاں اعتکاف تھا، وہاں اشراق کے وقت عید کی نماز ہو گی، مہمان عید کی نماز پڑھ کر جا سکتے ہیں، اور میں ان کے ساتھ عید کی نماز آج نہیں پڑھوں گا، آئندہ کل کو عید کی نماز پڑھوں گا، جہاں مظاہر علوم کے مدرسہ کی مسجد ہے، تو وہاں دوسرے دن، اگلے دن حضرت نے عید کی نماز پڑھی، کوئی جھگڑا نہیں، عید کی نماز تو آج بھی

پڑھی جاسکتی ہے، دوسرے دن بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ (کرامات وکمالات اولیاء ۱/ ۸ تا ۱۰)

اس تمہید کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات لکھے جاتے ہیں:

① دوسرا گروہ دوسرے دن اسی مسجد میں نماز عید ادا کرسکتا ہے، یہ جماعت ثانیہ نہیں، اس لیے کہ دوسرے دن عید کی نماز پڑھنے والوں کے لیے وہ عید کا پہلا ہی دن ہے۔

② یہی حکم معتکفین کے متعلق ہے کہ جس گروہ کے اعلان پر اعتماد ہو اسی کے مطابق اپنا اپنا اعتکاف پورا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبد القیوم راجکوٹی، ۲۶/ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری　　الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ثبوت ہلال کی بابت مرکز اسلام پر اتحاد کا جھنڈا گاڑنے کی ناکام کوشش

فلکیاتی حساب کی بنیاد پر ''جمِ غفیر'' کی شرط میں کمی بیشی

انگلینڈ میں غیر سعودیہ کی رؤیت کے قائلین کا طریقۂ کار کیا نبوی طریقہ کے خلاف ہے؟

سوال: ① کیا فلکیاتی مفروضہ حسابات کی تھیوری اور میتونی سائکل حساب کے مفروضہ نیومون اور اس کے مفروضہ امکان رؤیت حسابات کو شرعی ثبوت ہلال کے لیے اثباتاً، نفیاً یا اعانۃ جمِ غفیر کی بنیاد کے طور پر مشروط کیا جاسکتا ہے؟

(۲) چوں کہ ہمارے ہاں مقامی طور پر شاذ و نادر ہی رؤیت ہلال ہوتی ہے (جس پر ہمارا چوبیس سالوں سے زیادہ کا رؤیت ہلال کا ریکارڈ بھی موجود ہے، دیکھئے ہماری ویب سائٹ کا ہوم پیج) اس لیے اختلاف مطالع کے عدم اعتبار کی بنیاد پر فتاویٰ کے مطابق سعودیہ سے نبوی طریقہ پر مبنی ثبوتِ ہلال کے اعلان کی بنیاد پر مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی کی طرف سے برطانیہ میں شرعی اعلان پر عمل کئے جانے کی سہولت موجود ہے، باوجود اس کے مراکش اور ساؤتھ افریقہ یا اور کسی جگہ کے چاند کی رؤیت وثبوت ہلال کا ایسا فیصلہ جو نبوی طریقہ کے برخلاف مذکورہ فلکیاتی نیومون کے میتونی حساب کے امکان رؤیت کی بنیاد سے مشروط ہوتا ہو! ایسے کسی فیصلہ پر عمل کرنا کروانا کیا شرعاً جائز ہے؟

(۳) جیسے کہ بعض احناف نے حالتِ صحو میں جمِ غفیر کی شہادت کے لیے شرعی اجتہاد کیا تھا، اس اجتہاد کے حوالہ سے ''جس ۲۹ ویں کی شام میتونی فلکی حساب کی نیومون تھیوری کے مطابق امکانِ رؤیت نہ ہو'' تو اس شام کو اس مردود وغیر منصوص حساب کی بنیاد پر ''شرعی منصوص شہادت'' کو مردود قرار دے کر جمِ غفیر کی شہادت سے اسے مشروط قرار دیا جائے تو یہ مبنیٰ جیسے کہ قطعاً غیر شرعی ونصاً مردود ہے کیا ایسے ناجائز مبنیٰ اور اس کی اعانت کو منصوص نبوی طریقہ وشہادت کے لیے شرط قرار دے کر اس دن ''شرعی شہادت کی قبولیت کے بجائے جمِ غفیر کی شہادت کی شرط'' عائد کی جاسکتی ہے؟ جب کہ احناف نے جو ''شرعی اجتہاد'' کیا تھا اس میں فلکیاتی مردود وناجائز حساب ہرگز اس کا مبنیٰ نہیں تھا بلکہ وہاں تو مبنیٰ ''صحابہ کی منصوص عدالت کے مقابل غیر صحابہ (یا غیر خیر القرون) کی منصوص عدمِ عدالت'' اس کی بنیاد تھی، گویا ان کا یہ اجتہاد اور اس کا مبنیٰ

دونوں باتیں منصوص ومشروع تھیں، جبکہ ''فلکی حساب سے امکانِ رؤیت نہ ہوتو اس دن جمِ غفیر کی شہادت ضروری ہونی چاہیے'' والی سوچ میں، صحابہ وغیر صحابہ کے درمیان منصوص عدالت ''الصحابة کلهم عدول'' کے مثل ''مشروع ومنصوص تفریق'' کا شائبہ تک بھی نہیں، کیوں کہ اس کی بنیاد یعنی ''فلکی امکان رؤیت'' تو مردود من النص (حدیث امی) ہے۔ بینوا و توجروا (ملخصاً)

مولوی یعقوب احمد مفتاحی

ناظم حزب العلماء یوکے ومرکزی رؤیتِ ہلال کمیٹی برطانیہ

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

رؤیت ہلال کا مسئلہ ہر دور میں مختلف فیہ رہا ہے اور رہے گا، اس اختلاف کو ختم کرنے کی کوشش کرنا سعیٔ لاحاصل ہے، بالخصوص ایسے ممالک میں جہاں چاند کی رؤیت کا امکان کم ہو اور سوئے قسمتی سے جہاں کے لوگوں میں ذہنی آزادی ہو، ہر شخص اپنی رائے اور عندیہ کا قائل کرنے میں کوشاں ہو، وہاں اختلاف کے امکانات اور بڑھ جاتے ہیں، آپ نے اپنے استفتاء میں مذکورہ بالا دونوں سبب کا خود اعتراف فرمایا ہے، لیجئے آپ ہی کے الفاظ ملاحظہ کیجئے:

''ہمارے یہاں یورپ میں خاص کر برطانیہ میں موسم کے حالات کی وجہ سے پہلے چاند کی رؤیت شاذ ونادر ہی ہوتی ہے''

اس سے پہلے تحریر فرمایا: ''حالات اس نہج تک خراب ہوچکے ہیں کہ خاص کر جدید مسلم نوجوان نسل کہ جنہیں سائنس کے نام پر عقائد اسلام پر قدم جمائے رکھنے میں بظاہر مشکل پیش آرہی ہے، خاص کر رؤیت ہلال کے نصوصی مسئلہ میں اس کی بنیاد

پر ان کے قدم لڑکھڑاتے نظر آرہے ہیں، جو یقیناً علمائے اسلام ونصوص کے محافظین کے لیے ایک بہت بڑی تشویش کی بات ہے۔ الخ''

لہذا ایسے سنگین حالات میں رؤیت ہلال کا مسئلہ حل کرنے کے لیے اتحاد کا جھنڈا لے کر کھڑا ہونا اور اسے مرکز اسلام پر گاڑنے کی کوشش کرنا بظاہر بے سود ہے۔

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے چاند کے مسئلہ میں اختلاف کے دس اسباب ذکر فرمائے ہیں۔ حضرت فرماتے ہیں:

چاند کے مسئلہ میں گڑبڑ اور اختلافی صورت ہمیشہ سے رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی، قرون مشہود لہا بالخیر خلافت راشدہ کے دور میں بھی یہ رہا، اس اختلاف کو ختم کرنے کی سعی قدرت کا مقابلہ کرنا ہے، اس لیے کہ:

پہلا سبب اختلاف تو یہ ہے کہ چاند کبھی انتیس کو نظر آتا ہے کبھی تیس کو۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ جب چاند نظر آتا ہے ہر جگہ کا مطلع صاف نہیں رہتا، کہیں صاف کہیں غبار آلود؛ اس لیے کہیں نظر آیا کہیں نظر نہ آیا۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ ہر مہینہ کا چاند برابر نہیں ہوتا، کبھی باریک کبھی موٹا۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ ہر مہینہ کا چاند ایک جگہ سے نظر نہیں آتا، کبھی مغرب سے مائل بہ جنوب، کبھی عین مغرب میں، کبھی مائل بہ شمال نظر آتا ہے۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ دیکھنے والوں کی سب کی نظر ایک نہیں، کسی کی قوی کسی کی ضعیف، کوئی بغیر چشمہ کے دیکھے کسی کو چشمہ سے بھی نظر نہ آوے۔

چھٹا سبب یہ ہے کہ گواہی دینے والے سب یکساں نہیں، کسی کی گواہی مقبول کسی کی مردود۔

ساتواں سبب یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کی بات ماننے کو سب تیار ہو جائیں، جس کا شکوہ آپ کو بھی ہے۔

آٹھواں سبب یہ ہے کہ ہر جگہ رؤیت ہلال کمیٹی موجود نہیں، نہ بنانے کے لیے تیار ہیں، باوجود یہ کہ بار ہا درخواست کی گئی۔

نواں سبب یہ ہے کہ جہاں رؤیت ہلال کمیٹی موجود ہے وہاں بھی اس کے تمام ارکان مسائل شرع کے ماہر واحکام سنت کے پابند نہیں۔

دسواں سبب یہ ہے کہ ہر ریڈیو پر اپنا قبضہ نہیں کہ پابندی عائد کی جاسکے کہ اعلان کیا جائے یا نہ کیا جائے، نہ ہر جگہ عالم کو اس کا مکلف کیا جاسکتا ہے کہ ریڈیو اسٹیشن پر آکر خود اعلان کرے نہ یہ اس کے قبضہ میں ہے۔

ان اسباب عشرہ کے پیش نظر آپ ہی بتائیں کہ یہ مسئلہ کیسے حل کیا جائے؟ (فتاویٰ محمودیہ ۱۰/۷۱)

مذکورہ اسباب عشرہ کے ساتھ دو سبب کا اضافہ احقر کی طرف سے بھی کر لیجئے۔

گیارہواں سبب یہ ہے کہ آلات رصدیہ کی خبر کو یقین کا درجہ دینا کہ جب تک حسابی قواعد سے امکان رؤیت نہ ہو ثبوت ہلال ناممکن ہے۔

بارہواں سبب یہ ہے کہ ہر گروہ کا اپنی بات دوسرے پر تھوپنے کی دھن سوار ہونا، گو اس میں فقہ کے منصوص مسئلہ کی خلاف ورزی لازم آتی ہو۔

اس تمہید کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات لکھے جاتے ہیں:

① ③ فلکیاتی حساب شرعی حجت نہیں، نہ اثباتاً نہ نفیاً، لہٰذا ثبوت ہلال کے لیے اس کو مشروط نہیں کیا جاسکتا ہے، اس سلسلہ میں حضرات فقہاء کی صریح عبارتیں آگے

آرہی ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ رمضان کا چاند دو باتوں میں سے ایک بات کے ساتھ ثابت ہوجائے گا، یا تو انتیس شعبان کو چاند نظر آجائے گا، یا پھر تیس دن پورے کئے جائیں گے اور اس پر علمائے امت کا اجماع ہے، رمضان کے علاوہ باقی اور مہینوں کے چاند کے ثبوت کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ ان باتوں میں سے ایک بات کے ساتھ ثابت ہوجائے؛ البتہ رمضان اور دیگر مہینوں میں ابر وغبار وغیرہ کے روز اس بارے میں فرق ہے کہ چاند کی رؤیت میں کتنے آدمیوں کا قول مانا جائے؟ جس کی تفصیل یہ ہے:

رمضان کا چاند ابر وغیرہ کے دن ایک آدمی کی گواہی سے ثابت ہوجاتا ہے جیسا کہ متون وشروح میں اس کا بیان ہے، اور اگر آسمان میں ابر نہ ہو یعنی مطلع صاف ہو تو ایسی بڑی جماعت کی گواہی قبول ہوگی جن کے خبر دینے سے یقین ہوجائے یعنی اس خبر سے غلبۂ ظن حاصل ہوجائے، عید الفطر کے چاند میں آسمان پر ابر یا غبار وغیرہ کی موجودگی میں گواہوں کے عادل ہونے کی شرط کے ساتھ شہادتِ اموالِ نصاب (یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں) اور لفظ اشھد (میں گواہی دیتا ہوں) اور حد قذف سے بچا ہوا ہونا بھی شرط ہے، اور اگر آسمان صاف ہو تو جب تک ایک جماعت گواہی نہ دے تب تک گواہی مقبول نہ ہوگی جیسا کہ رمضان کے چاند کا حکم ہے۔ (ماخوذ از عمدۃ الفقہ ۱۵۳ تا ۱۶۱)

حنفی فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ انتیس شعبان کا چاند ہو یا انتیس رمضان کا، ابر کے روز ثبوت رمضان میں ایک عادل آدمی کی شہادت اور عید الفطر کے لیے دو عادل کی شہادت کافی ہے، جم غفیر کی شرط نہیں۔ فقہاء کی عبارتیں حسب ذیل ہیں:

ہدایہ میں ہے: واذا کان بالسماء علة قبل الا مام شهادة الوا حد العدل فی رؤية الهلال رجلاً كان او امرأة حراً كان او عبداً لا نه امر

دینی فیشبه روایة الاخبار (ھدایہ اولین۲۱۵)

بدائع میں ہے: وان کانت السماء متغیمة تقبل شهادة الواحد بلاخلاف بین اصحابنا. (بدائع الصنائع ۲/ ۲۲۱)

کنز میں ہے: وقبل بعلة خبرعدل ولوقناًاوانثی لرمضان وحرین او حر وحریتین للفطر. (کنز الدقائق بهامش البحر الرائق ۲/ ۲۸٦)

درمختار میں ہے: وقبل بلا دعویٰ و بلا لفظ اشهد و بلا حکم و مجلس قضاء لانه خبر لا شهادة للصوم مع علة کغیم و غبار خبر عدل الخ. (در مختار مع رد المحتار ۳/ ۳۵۲)

مبسوط میں ہے: ولوشهدرجل واحدبرؤیة هلال رمضان وبالسماء علة قبلت شهادته اذا کان عدداً اھ(المبسوط ۲/ ۱۵۳)

محیط برہانی میں ہے: الواحد اذا شهد بهلال رمضان فان کانت السماء متغیمة تقبل شهادة الواحد اذا کان مسلماً اھ. (المحیط البرهانی ۳ / ۳۳۸)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ان کان بالسماء علة فشهادة الواحد علیٰ هلال رمضان مقبولة اھ. (الفتاویٰ الهندیه ۱ /۱۹۷)

فتاویٰ قاضی خان میں ہے: شهادة الواحد علیٰ هلال رمضان مقبولة اھ (فتاویٰ قاضی خان بهامش الهندیه ۱/ ۱۹٦)

شرح الوقایہ میں ہے: وقبل بلا دعویٰ ولفظ اشهد للصوم مع غیم خبر فرداھ(شرح الوقایه ۱/ ۲٤٦)

تبیین الحقائق میں ہے: ای اذا کان بالسماء علة یقبل فی هلال رمضان خبر واحد عدلاھ(تبیین الحقائق۱ /۳۱۹)

الواحد اذا شهد برؤیة هلال رمضان فان کانت السماء متغیمة

وفی الهداية او غبار او نحوه يقبل شهادة الواحد(فتاویٰ تاتار خانیہ ۳/ ۳۵۸)

فقہاء کی مذکورہ تصریح کے خلاف انتیسویں کی شام کو فلکی حساب سے امکان رؤیت نہ ہو، ایسے موقع پر ثبوت ہلال کے لیے فلکی حساب کو بنیاد بنا کر جم غفیر کو شرط قرار دینا درست نہیں؛ بلکہ اس طرح فقہ کے مطلق مسئلہ کو مقید کرنا شان تقلید کے بھی خلاف ہے، ہم مقلد ہیں، حنفی فقہاء نے اپنی معتبر کتب میں جو لکھا ہے اس کا اتباع ضروری ہے، یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں کہ فقہاء کی کتابوں میں یہ عادت رہی ہے کہ وہ قیود وشروط وغیرہ اس بات پر تنبیہ کرنے لیے ذکر فرماتے ہیں کہ جہاں یہ قید وشرط نہ پائی جائے وہ حکم سے خارج ہے، اور مسکوت کا حکم منطوق کے برخلاف ہے، اور یہ بات فقہاء کے درمیان بلانکیر شائع وذائع ہے، اور اسی وجہ سے کوئی ایسا آدمی نہیں مل سکتا جس نے اس کے خلاف تصریح کی ہو۔

وكذا يقال فی مفهوم الروايات،فان العلماء جرت عادتهم فی كتبهم، علىٰ انهم يذكرون القيود و الشروط و نحوها تنبيهاً علىٰ اخراج ما ليس فيه ذلك القيد و نحوه،و ان حكمه مخالف لحكم المنطوق و هذا مما شاع و ذاع بينهم بلا نكير؛ و لذا لم ير من صرح بخلافه.

(شرح عقود رسم المفتی ۱۷٤)

رسم المفتی فی زماننا من اصحابنا اذا استفتی عن مسئلة ان كانت مروية عن اصحابنا فی الروايات الظاهرة،بلا خلاف بينهم،فانه يميل اليهم، و يفتی بقولهم،ولا يخالفهم برأيه،وان كان مجتهداً متقناً؛ لان الظاهر ان يكون الحق مع اصحابنا،ولا يعدوهم،و اجتهاده لا يبلغ اجتهادهم،ولا ينظر الىٰ قول من خالفهم،ولا تقبل حجته ايضاً،لانهم

عرفوا الأدلة وميزوا بين ما صح و ثبت وبين ضده.

(شرح عقود رسم المفتی ۱۱۹،۱۱۸)

جم غفیر کو شرط قرار دینے کی جو وجہ آپ نے تحریر فرمائی ''احناف نے جو شرعی اجتہاد کیا تھا اس میں فلکیاتی مردود و ناجائز حساب ہرگز اس کا مبنی نہیں تھا بلکہ وہاں تو مبنی صحابہ کی منصوص عدالت مقابل غیر صحابہ (یا غیر خیر القرون) کی منصوص عدم عدالت'' اس کی بنیاد تھی۔ انتہی بلفظہٖ

فی الجملہ صحیح ہے لیکن دور حاضر میں مجتہدین جیسے اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے، لہٰذا اس مسئلہ کے حل کا جو مبنی (اجتہاد) تھا، دور حاضر میں مفقود ہے، اور اگر بالفرض فقہاء کی تصریح کے خلاف آپ کی یہ بات تسلیم کر کے انتیسویں کے چاند کے ثبوت کے لیے جم غفیر کی شرط لگا دی جائے تو اسی مسئلہ کے دوسرے پہلو میں بھی ترمیم کا سوال اُٹھ سکتا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے: انتیسویں کے روز اگر آسمان پر کوئی علت نہ ہو (یعنی مطلع صاف ہو) تو چاند کے ثبوت کے لیے جم غفیر شرط ہے، جو لوگ فلکی حساب کے دلدادہ اور شریعت کو موجودہ ایجادات کے سانچہ میں ڈھالنا چاہتے ہیں، جس کا آپ نے بھی شکوہ کیا ہے، وہ کہیں گے کہ اس مسئلہ میں جم غفیر کی شرط فقہاء نے غلبۂ ظن حاصل کرنے کی خاطر لگائی ہے، فقہاء کے دور میں موجودہ وسائل اور ایجادات نہیں تھے، اس لیے غلبۂ ظن حاصل کرنے کے لیے انہوں نے جم غفیر کی شرط لگائی تھی، موجودہ ترقی یافتہ سائنس سے غلبۂ ظن نہیں، بلکہ یقین یا عین الیقین حاصل ہو جاتا ہے، لہٰذا جم غفیر کی اب ضرورت نہیں، یہ صرف احتمال نہیں؛ بلکہ واقعہ ہے کہ سائنس کی بات پر اس قدر لوگوں نے اذعان و یقین کر رکھا ہے کہ اس کی بنیاد پر سر کی آنکھوں سے دیکھے

ہوئے چاند اور رؤیت عامہ کا انکار کر دیا ہے، انگلینڈ سے آیا ہوا استفتاء- جو ایک ذمہ دار عالم نے یہاں دار الافتاء میں بھیجا تھا- کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:

''حضرت آج کل رؤیت کا لفظ بھی کثرت وشدت سے یہاں انگلینڈ میں بیان کیا جارہا ہے، میں نے اس کا مطلب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ افق پر فلکی حساب سے رؤیت ہلال کا امکان ہونا ہے، اگر ایسا امکان نہیں ہے تو انتیسویں کو بھی رؤیت نہیں ہوسکتی، اگر کوئی شخص اس صورت میں رؤیت کا دعوی کرتا ہے تو وہ خاطی یا کاذب اور موہوم ومشکوک اور متہم سمجھا جائے گا، بعض حضرات تو اس امکان اور عدم امکان کو اتنا قطعی ویقینی اور ضروری سمجھتے ہیں کہ انہوں نے قسم کھالی کہ اگر عدم امکان کی صورت میں پورا شہر بھی رؤیت کا دعوی کرے تو ہم نہیں مان سکتے۔ انتہیٰ بلفظہٖ۔''

اس ہٹ دھرمی کو ملاحظہ کیجئے اور دور ترقی کے دلدادہ پر ماتم کیجئے، خلاصہ یہ ہے کہ جس صورت میں جم غفیر شرط نہیں ہے، وہاں جدید اجتہاد کی روشنی میں یا فلکی حساب کی بنیاد پر اگر مشروط قرار دیا گیا تو جدید اور ترقی یافتہ ذہن کے حاملین کی طرف سے جس صورت میں جم غفیر مشروط ہے، وہاں سے اس شرط کو غیر ضروری ہونے کا مطالبہ بھی ہوسکتا ہے، اس طرح کے شبہات ومطالبات سے اگر فقہی اجتہادی مسائل میں قطع وبرید کی گئی تو ذخیرۂ فقہ کی خیر نہیں، فقہ پر سے اعتماد ہی اٹھ جائے گا، احناف نے انتیسویں کے چاند کے ثبوت کے لیے جم غفیر کی شرط لگائی، اس کا مبنی صرف اور صرف صحابہ رضی اللہ عنہم کی عدالت نہیں جیسا کہ آپ سمجھ رہے ہیں؛ بلکہ یہ اجتہاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے مؤید ہے (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتیسویں کو ایک آدمی کی شہادت پر ثبوت ہلال کا فیصلہ فرمانا) اس نوع کی احادیث یوم غیم پر محمول ہیں؛ لہذا یہ اجتہاد مؤید بالنص ہے،

اس مسئلہ کا مبنیٰ ''نرا اجتہاد احناف'' کہنا درست نہیں، اگر چہ مقلد کے لیے ''مجتہد کا نرا اجتہاد'' اور کتب فقہ میں لکھے ہوئے مسائل حجت ہیں، ہماری معلومات کے مطابق وہ مؤید بالنص ہوں یا نہ ہوں۔ مقلد کی تعریف ہے: اخذ بقول الغیر بغیر معرفة دلیله (شرح عقود رسم المفتی ۱۳۲)

مذکورہ مسئلہ کے مؤید بالنص ہونے کی دلیل حسبِ ذیل عبارت ہے: محدث ناقد حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب باندھا: ''باب افتراض الصوم بشهادة مسلم واحد عدل او مستور اذا كان بالسماء علة'' اس کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل فرمائی:

''عن ابن عمر قال تراأيا الناس الهلال فاخبرت رسول الله ﷺ انی رأيته فصام، وامر الناس بصيامه رواه ابو داؤد و الدارمی قال ميرك نقلاً عن التصحيح: ورواه الحاكم و قال: على شرط مسلم، ورواه البيهقی اه وصحح ابن حبان، و قال النووی: اسناده على شرط مسلم.

(مرقاۃ ۴/ ۵۰۷)

قال المؤلف دلالة الحديث الاول من فعله ﷺ ان شهادة المسلم الواحد العدل تكفی لا يجاب الصوم ظاهرة، و كون ابن عمر عدلاً معلوماً له ﷺ غير خفی، والتقييد بعلة فی السماء ليس مذكوراً فی الحديث لكن الدليل عليه ما ذكره صاحب الهداية و نصه: واذا لم تكن بالسماء علة لم تقبل الشهادة حتى يراه جمع كثير يقع العلم بخبرهم لان التفرد بالرؤية فی مثل هذه الحالة يوهم الغلط فيجب التوقف فيه حتى يكون جمعاً كثيراً بخلاف ما اذا كان بالسماء علة لانه قد ينشق

الغيم عن موضع القمر فيتفق للبعض النظر اھ (۱/ ۱۹۵، ۱۹۶)

ذلك ان تستدل عليه بما رواه ابو داؤد وسكت عنه عن ابی هريرة ذكر النبیﷺ فيه (ای فی حديث ايوب المذكور فی السنن قبل) قال: وفطركم يوم تفطرون،و اضحاكم يوم تضحون،وكل عرفة موقف، وكل منی منحر،وكل فجاج مكة منحر،وكل جمع موقف اھ (۱/ ۳۲۵)

وفی سنن الترمذی:قالﷺ "الصوم يوم تصومون، والفطر يوم تفطرون، والاضحی يوم تضحون" وفيه ايضاً: غريب حسن، وفسر بعض اهل العلم هذا الحديث فقال: ان ما معنی هذا الصوم و الفطر مع الجماعة و عظم الناس اھ (۱/ ۹۳)

وتقريره انه عليه الصلاة والسلام اضاف الصوم والفطر والاضحية الی الجماعة فی قوله "تصومون و تفطرون و تضحون" فلابد فی اصل الحكم من الجماعة الكثيرة او جميع المسلمين الموجودين فی بلدة مثلاً فی هذه الاحكام الا اذا عرض عارض ككون السماء مغيمة مثلاً فله حكم آخر ثابت بالشرع كحديث المتن (اعلاء السنن ۹/ ۱۰۹، ۱۱۰)

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کی شرح کرتے ہوئے محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وقبول خبر الواحد فی الصوم محمول علی ما اذا كان فی السماء علة (بذل المجهود ۱۱/ ۱۴۱)

فلکیاتی حساب ثبوت ہلال میں حجت نہیں اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، اگر اعانۃً جم غفیر کی بنیاد کے طور پر فلکیاتی حساب کو مشروط کہا جائے تو اس کا حجت ماننا لازم آتا ہے جو درست نہیں، فقہاء کی عبارات حسب ذیل ہیں:

چوتھی صدی کے مشہور حنفی فقیہ مفسر اور اصولی عالم امام ابوبکر جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ (م ۳۷۰ھ) اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

وقد اختلف فی معنی قول النبي ﷺ فان غم علیکم فاقدروا له فقال القائلون اراد به اعتبار منازل القمر فان کان فی موضع القمر لو لم یحل دونه سحاب وقترة وروی یحکم بحکم الرؤیة فی الصوم والافطار وان کان علی غیر ذلك لم یحکم له بحکم الرؤیة وقال آخرون فعدوا شعبان ثلاثین یوما اما التاویل الاول فساقط الاعتبار لامحالة لایجابه الرجوع الی قول المنجمین ومن تعاطی معرفة منازل القمر ومواضعه و هو خلاف قول الله تعا لی ﴿یسئلونك عن الاهلّة قل هی مواقیت للناس﴾ فعلق الحکم فیه برویةالاهلة ولما کانت هذه عبادة تلزم الکافة لم یجزان یکون الحکم فیه متعلقا بمالا یعرفه الا خواص من الناس ممن عسی لا یسکن الی قولهم والتاویل الثانی هو الصحیح وهو قول عامة الفقهاء وابن عمر راوی الخبر وقد ذکر عنه فی الحدیث انه لم یکن یا خذ بهذا الحساب.

(احکام القرآن: ۱/ ۲۰۱، دارالکتب العربی بیروت)

پانچویں صدی کے مشہور حنفی فقیہ شمس الائمۃ الحلوانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۴۸ھ) فرماتے ہیں:

من قال بانه یرجع الی قول اهل الحساب عند الاشتباه بعید واستدل بحدیث من اتی کاهنا (الی قوله) الشرط عندنا فی وجوب الصوم والافطار رؤیة الهلال ولایوخذ فیه بقول المنجمین ثم رقم لمجدالائمة الترجمانی وقال فقد اتفق اصحاب ابی حنیفة والشافعی انه لا اعتماد علی قول

المنجمين فی هذا. (شرح منظومه ابن وهبان ۱/ ۹۲ مطبوعة الوقف المدنی دیوبند)

آٹھویں صدی کے مشہور فقیہ علّامہ عالم ابن علاء انصاری اندر پتی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۷۸۶ھ) فرماتے ہیں:

ذكر فی التهذيب فی كتاب الصوم: يجب صوم رمضان برؤية الهلال او باستكمال شعبان ثلاثين، ولا يجوز تقليد المنجم فی حسابه لا فی الصوم ولا فی الافطار وهل للمنجم ان يعمل بحساب نفسه؟ ففيه وجهان احدهما انه يجوز والثانی لا يجوز.

(الفتاى التاتارخانيه ۲/ ۳۵۷ مطبوعه مجلس دائرة المعارف عثمانيه حيدرآباد)

نویں صدی کے مشہور محدث علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں:

والمراد بالحساب هنا حساب النجوم وتسييرها، ولم يكونوا يعرفون من ذلك ايضاً الا النزر اليسير، فعلق الحكم بالصوم وغيره بالرؤية لرفع الحرج عنهم فی معاناة حساب التسيير واستمر الحكم فی الصوم ولو حدث بعدهم من يعرف ذلك، بل ظاهر السياق يشعر بنفی تعليق الحكم بالحساب اصلاً، ويوضحه قوله فی الحديث الماضی "فان غم عليكم فاكملوا العدة ثلاثين" ولم يقل فسئلوا اهل الحساب، والحكمة فيه كون العدد عند الاغماء يستوی فيه المكلفون فيرتفع الاختلاف والنزاع عنهم، وقد ذهب قوم الى الرجوع الى اهل التسيير فی ذلك وهم الروافض، ونقل عن بعض الفقهاء موافقتهم، قال الباجی: واجماع السلف الصالح حجة عليهم، وقال ابن بزيزة: وهو مذهب باطل فقد نهت الشريعة عن الخوض فی علم النجوم لانها حدس وتخمين ليس فيها قطع

ولاظنّ غالب،مع انه لو ارتبط الامر بها لضاق اذ لا یعرفها الاالقلیل.

(فتح الباری٤/ ١٢٧ مطبوعه دار المعرفة بیروت)

دسویں صدی کے مشہور حنفی فقیہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ (م ۹۷۰ھ) اپنی مشہور کتاب "النهر الفائق" میں تحریر فرماتے ہیں:

ان صوم رمضان لایلزمه الا باحد هذین فلا یلزم بقول المؤقتین انه یکون فی السماء لیلة کذا وان کانوا عدولا فی الصحیح کما فی الایضاح، قال مجد الائمة (الترجمانی) وعلیه اتفق اصحاب ابی حنیفة و الشافعی الخ (النهر الفائق ٢ /١٠ مطبوعه دار الکتب العلمیة بیروت)

لاعبرة بقول المنجمین قال فی غایة البیان و من قال یرجع فیه الی قولهم فقد خالف الشرع لانه روی عنه ﷺ انه قال من اتی کاهنا او منجما فصدقه بما قال فهو کافر بما انزل علی محمد.

(البحر الرائق ٢ /٢٨٤ دارالمعرفه بیروت)

گیارہویں صدی کے مشہور حنفی فقیہ علامہ عبدالرحمٰن بن محمد رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۷۸ھ) - جو داماد کے لقب سے مشہور ہیں - تحریر فرماتے ہیں:

وفی القهستانی ان ما قال اهل التنجیم غیر معتبر فمن قال انه یرجع فی ذلك الی قولهم فقد خالف الشرع.

(مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر ١/٢٣٧ مطبوعه دار احیاء التراث بیروت)

بعینہٖ یہی عبارت "جامع الرموز: ۱/ ۳۵۶ مطبوعہ ایچ ایم کراچی" میں ہے

بارہویں صدی کے مشہور عالم ربانی اسرار شریعت کے ماہر حضرت شاہ ولی صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) رقمطراز ہیں:

مبنی الشرائع علی الامور الظاهرة عند الامیین دون التعمق والمحاسبات النومیة، بل الشریعة واردة باخمال ذکرها وهو قوله ﷺ: انا امة امیة لا نکتب ولا نحسب.

(حجة الله البالغة۲/ ۵۱ مطبوعة ادارة الطباعة المنیریة دمشق)

تیرہویں صدی کے مشہور فقیہ عالم خاتم الفقہاء علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں:

(لا عبرة بقول الموقتین)ای فی وجوب الصوم علی الناس بل فی المعراج لا یعتبر قولهم بالاجماع. (رد المحتار علی الدر المختار۲/ ۱۰۰ مطبوعة کوئٹة)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ "تنبیه الغافل و الوسنان علی احکام هلال رمضان" تحریر فرمایا ہے، اس میں ایک مستقل فصل قائم فرما کر اس مسئلہ پر کلام کیا ہے، جس میں مذاہب اربعہ کی معتبر کتابوں کی عبارتوں سے اجماع ثابت کیا ہے کہ رؤیت ہلال میں اہل حساب کا قول معتبر نہیں، ملاحظہ کیجئے:

الفصل الثالث فی بیان حکم قول علماء النجوم و الحساب: فنقول قد صرح علماؤنا و غیرهم بوجوب التماس الهلال لیلة الثلاثین من شعبان فان رأوه صاموا والا اکملوا العدة فاعتبروا الرؤیة او اکمال العدة اتباعا للاحادیث الآمرة بذلك دون الحساب والتنجم وقد اتفقت عبارات المتون وغیرها من کتب علمائنا الحنفیة علی قولهم یثبت رمضان برؤیة هلاله و بعد شعبان ثلاثین (الی قوله)فلا یلزم بقول الموقتین انه یکون فی السماء لیلة کذا وان کانوا عدولا فی الصحیح کما فی الایضاح قال مجد الأئمة وعلیه اتفق اصحاب ابی حنیفة الا

النادر والشافعی الخ (رسائل ابن عابدین ۱/ ۲۴۴، ۲۴۵)

آگے مالکیہ کا مذہب نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

واما عند المالکیة ففی مختصر الشیخ خلیل انه لایثبت بقول المنجم الخ.

اسی صفحہ پر شافعیہ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

(واماعند الشافعیة) ففی الانوار للاردبیلی ولا یجب بمعرفة منازل القمر لا علی العارف بها ولا غیره انتهی وفی ینابیع الاحکام ولاعبرة بقول المنجم مطلقا فلایصوم وان علم بالحساب انه اهل علی الاظهر اذ تحکیمه قبیح شرعاً. (ایضاً ۱/ ۲۴۷)

حنابلہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

ففی الغایة وشرحهامن باب صلاة الکسوف ولاعبرة بقول المنجمین فی کسوف ولا غیره مما یخبرون به ولا یجوز العمل به لانه من الرجم بالغیب فلا یجوز تصدیقهم فی شئ من المغیبات انتهی (ایضاً ۱ /۲۴۹)

چودہویں صدی میں سائنس نے خوب ترقی کی۔ چاند، سورج اور سیاروں کے بارے میں نت نئی تحقیقات پیش کیں، قرآن اور احادیث کے بہت سے وہ واقعات اور احوال- جو سابق دور میں سمجھ سے بالاتر تھے- جدید سائنس کی تحقیقات نے ان کا سمجھنا آسان کر دیا۔ بایں ہمہ چودہویں صدی کے علماء ومفتیان کرام نے بھی رؤیت ہلال کا دارومدار شرعی ثبوت پر رکھا، حساب وآلات رصدیہ پر نہیں۔

ذیل میں چودہویں صدی کے علماء کرام ومفتیان کرام کی کتابوں کے حوالے پیش کئے جاتے ہیں:

① فیض الباری ۳/ ۱۵۲، مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل ② مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ جلد اول کتاب الصوم ۲۸۰-۲۸۱، مطبوعہ یوسفی پریس لکھنؤ ③ مجموعہ رسائل لکھنوی ۲/ ۵ ④ فتاویٰ دار العلوم مدلل ۶/ ۳۶۷ تا ۳۷۰، مطبوعہ دار العلوم دیوبند ⑤ عزیز الفتاویٰ ۱/ ۳۸۳، مطبوعہ دار الاشاعت کراچی ⑥ فتاویٰ شیخ الاسلام ۵۶، ۵۷، مطبوعہ مکتبہ دینیہ دیوبند ⑦ رؤیت ہلال ۳۰، ۳۲ ⑧ احکام القرآن ۱/ ۱۹۵، مطبوعہ ادارۃ القرآن و العلوم الاسلامیہ کراچی ⑨ معارف السنن ۶/ ۷ ⑩ فتاویٰ محمودیہ کراچی ۱۰/ ۱۱۸ ⑪ فتاویٰ رحیمیہ ۷/ ۳۷۷، مطبوعہ رحیمیہ راندیر ⑫ آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳/ ۲۶۱، مطبوعہ نعیمیہ بک ڈپو دیوبند ⑬ احسن الفتاویٰ ۴/ ۴۹۲، مطبوعہ دار الاشاعت دہلی۔

② اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون﴾ (النحل) (ترجمہ: اگر تم کو علم نہیں تو دوسرے اہل علم سے پوچھ دیکھو)۔ اسی وجہ سے آداب استفتاء میں لکھا ہے: ''جو مسئلہ معلوم نہ ہو وہ مسئلہ پوچھنا چاہیے، اس ذہن یا طریقہ سے استفتاء پیش کرنا کہ اس کا حکم وہی بتلایا جائے جو مستفتی کا منشاء ہے، درست نہیں''۔ یہ بھی لکھا ہے کہ: ''مستفتی کے ذہن میں پیش آمدہ سوال کا کوئی جواب ہو تو بھی استفتاء میں ظاہر نہ کرے''۔

ينبغي للمستفتي أن يتأدب مع المفتي و يبجل في خطابه و جوابه (الى ان قال) ولا يقل اذا اجابه هكذا ''قلت انا'' او ''كذا وقع لي''. (شرح عقود رسم المفتي، فصل في آداب المستفتي و صفته و احكامه ۳۵)

استفتاء میں مذکورہ امور کی رعایت نہیں کی گئی، جو لوگ بلا دلیل شرعی سعودیہ کی

رؤیت کے قائل نہیں، ان کے بارے میں آپ نے تحریر فرمایا ''باوجود اس کے مراکش اور ساؤتھ افریقہ یا اور کسی جگہ کے چاند کی رؤیت وثبوت ہلال کا ایسا فیصلہ جو نبوی طریقہ کے برخلاف مذکورہ فلکیاتی نیومون کے میتونی حساب کے امکان رؤیت کی بنیاد پر مشروط ہوتا ہے! ایسا کسی کے فیصلہ پر عمل کرنا اور کروانا شرعاً جائز ہے''؟ انتہی بلفظہٖ۔

نقل کردہ عبارت میں مفتی کا کام خود مستفتی نے انجام دے دیا ہے، یعنی مراکش اور ساؤتھ افریقہ یا اور کسی جگہ کے فیصلہ پر ''نبوی طریقہ کے خلاف'' کا حکم آپ نے خود لگا دیا ہے۔ ظاہر سی بات ہے جو فیصلہ نبوی طریقہ کے خلاف ہو اس پر عمل کرنا یا کروانا جائز نہیں، خود مستفتی بھی اس جواب سے واقف ہے۔ لیکن یہ حکم اس وقت ہے جب واقعۃً وہ فیصلہ نبوی طریقہ کے خلاف ہو، جو لوگ مراکش یا ساؤتھ افریقہ یا اور کسی جگہ کی رؤیت کے قائل ہیں، کیا وہ حضرات فیما بینہ وبین اللہ اپنے یہاں ثبوت ہلال کے طریقۂ کار کو نبوی طریقہ کے برخلاف سمجھتے ہیں؟ یقیناً جواب نفی میں ہوگا۔ اگر جواب اثبات میں ہو جیسا کہ آپ کا گمان ہے تو ماضی میں مراکش کو بنیاد بنا کر ۲۰/ سال عیدین ورمضان کے ثبوت پر جو عمل کیا گیا تھا، اس کا کیا حکم ہوگا؟ فافہم وتدبر. اس کا فیصلہ سوچ سمجھ کر خود ہی کرلیں۔

اس سال ۱۴۳۱ھ کے رمضان میں حزب العلماء کے فیصلہ ''ایک روزہ کی قضاء'' پر عوام کا جو ردعمل ہوا کہ ہمارا روزہ قضا نہ کرنے کا وبال ان لوگوں پر ہوگا جنہوں نے اس کی قضا سے منع کیا ہے جس کا ذکر آپ کے دوسرے استفتاء میں ہے، وہ بھی مدنظر

رکھیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبدالقیوم راجکوٹی، ۱۲/صفر المظفر ۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری　　الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

رؤیتِ ہلال میں اختلاف ہو تو عید وقربانی کیسے ادا کریں؟

سوال: امسال عید الاضحیٰ کے موقع پر جنوبی گجرات میں ۲۹ر کے چاند کے حساب سے سنیچر، اتوار، پیر کو قربانی ہوئی، اور شمالی گجرات میں ۳۰ر کے چاند کے حساب سے اتوار، پیر اور منگل کو قربانی کی گئی (کیوں کہ اس علاقہ میں چاند نظر نہیں آیا تھا، حالاں کہ وہاں پر بھی ۲۹ر کے چاند کی اطلاعات پہنچ چکی تھی، پھر بھی اتوار، پیر اور منگل تین دن قربانی کرتے رہے) اور تکبیر تشریق بھی سنیچر سے شروع کی، تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ منگل کی قربانی صحیح ہوئی یا نہیں؟ (اگر صحیح نہیں ہوئی تو اب کیا صورت ہے؟) نیز تکبیر تشریق بھی ایک دن کی چھوٹ گئی، تو کیا بستی والے گنہگار ہوں گے کہ نہیں؟ اگر تارک تکبیر تشریق کی وجہ سے پوری بستی گنہگار ہوئی تو توبہ کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جہاں رویت ہلال کمیٹی قائم ہے، اور اس میں ثقہ، ماہرِ شریعت علماء موجود ہیں، وہاں والوں کو اس کے فیصلہ کے مطابق عید کرنا چاہیے، اگر شمالی گجرات میں ہلال کمیٹی کو ہلالِ عید الاضحیٰ کا شرعی ثبوت وشہادت میسر نہ آنے کی وجہ سے اس نے اتوار کی عید کا اعلان کیا، تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، عہدِ صحابہ (قرون مشہود لہا بالخیر) میں بھی اس نوع کے واقعات ہوئے ہیں۔ جو حضرات مسائل شرعیہ سے واقف ہیں ان کے لیے

یہ امرِ غریب نہیں ہے، جہاں والوں نے ماہرِ شریعت، ثقہ علماء پر مشتمل ہلال کمیٹی کے فیصلہ کے مطابق جس دن عید منائی اور قربانی کی وہ درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ، ۲۷ رذوالحجہ ۱۴۱۴ھ

باب السحور والإفطار

اذان سن کر سحری ختم کرنا

سوال: ہمارے یہاں سحری عام طور پر صبح صادق سے پہلے نہیں بلکہ اذان سن کر ختم کی جاتی ہے، اذان تک کھانا پینا، پان تمباکو کا سلسلہ جاری رہتا ہے، ادھر اذان شروع ہوئی اور ادھر لوگوں نے جلدی جلدی پان تمباکو تھوک دیا، کیا اس طرح روزہ ادا ہو جائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شرعاً روزہ کا وقت صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک ہے؛ اس لیے صبح صادق کے شروع ہونے سے کچھ پہلے کھانا پینا بند کر کے روزہ شروع کر دیا جائے تاکہ شرعاً روزہ درست ہو، فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، اور اذان وقت کے داخل ہونے کے بعد یعنی صبح صادق ہو چکنے کے بعد دی جاتی ہے، اب اگر کھانے، پینے کا سلسلہ اذان سن کر ختم کیا جائے گا تو اس کا لازمی نتیجہ صبح صادق کے بعد کھانے، پینے کی شکل میں ظاہر ہوگا، اور یہ چیز روزہ کی صحت کے منافی ہے؛ لہٰذا آپ کے یہاں جو رواج ہے اس کو اولین فرصت میں ختم کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

روزہ افطار کرنے کا وقت

نوٹ: کاروار، کرناٹک کے کوئی جے، اے، خان صاحب نے کتابچہ ''افطار'' نامی تحریر کیا تھا، کسی شخص نے وہ رسالہ دارالافتاء ڈابھیل کے نام بھیج کر اس میں لکھے ہوئے افطار کے وقت کی شرعی حیثیت معلوم کی تھی ''افطار نامی رسالہ کا ابتدائی حصہ یہ ہے: (ع۔ر)

رمضان میں مغرب کے وقت روزہ کھولنے سے متعلق کچھ ضروری عرض

① جون ۱۹۸۶ء رمضان کے مہینے میں افطار کرنے کے سلسلہ میں اختلاف کی وجہ سے میں نے ۱۵/ستمبر ۱۹۸۶ء کو ایک پرچہ پیش کیا تھا، جس میں افطار کرنے کا موزوں طریقہ بتایا گیا تھا، کہ مغرب کی اذان مکمل ہونے اور اذان کی دعا ختم ہونے کے بعد اور مغرب کی نماز سے پیشتر افطار کیا جائے، میرے پرچے میں درج کی گئی کتابوں کے حوالہ کے مطابق جو احادیث سے ظاہر ہوتا ہے میں نے اظہار خیال کیا تھا؛ مگر بدقسمتی سے چند روزہ داروں نے اس کو بے وقعت اور حقیر سمجھ کر قبول نہیں کیا؛ چوں کہ ایک مولانا صاحب نے ان کو دسرا طریقہ اختیار کرنے کی نصیحت فرمائی تھی۔

② جو کچھ بھی ہو میں دوبارہ اپنا خیال زیادہ تفصیل اور اچھے طریقہ کے ساتھ کسی کی مخالفت اور مقابلہ کے بغیر شریعت کا تقاضا بیان کرنا چاہتا ہوں، میں اپنے صدق دل سے اپنے اعتقاد کی بنا پر بیان کروں گا؛ اگرچہ میں کوئی عالم نہیں ہوں، اور نہیں کسی کالج یا دارالعلوم کا تعلیم یافتہ ہوں، پھر بھی اپنے اعتقاد کے مطابق صدق دل سے ظاہر کرنے سے گریز نہیں کرسکتا، جو کچھ میں بیان کروں گا وہ میرے علم اور میری زندگی کے اعتقاد کے مطابق ہوگا جو اسلامی کتابوں کے مطابق ہے، ساتھ ساتھ میں معافی بھی

چاہوں گا کہ اگر میرے بیان میں کوئی غلطی یا کسر ہو تو مہربانی فرما کر مجھے اطلاع دیں؛ تاکہ میں اپنی رائے بدل لوں کیوں کہ میری تعلیم صرف ہائی اسکول میٹرک تک ہے۔

③ اب میں اپنے اصل مقصد پر آتے ہوئے افطار کا موزوں طریقہ بیان کرتا ہوں، اس وقت میری عمر ۷۳ سال ہے۔ زمانۂ دراز سے یعنی بہت سالوں سے رمضان یا دیگر مہینے میں ہم نیچے بیان کیے گئے طریقہ کے مطابق افطار کرتے رہے ہیں، اور یہی طریقہ ہمارے آباء واجداد نے بھی اختیار کیا تھا:

① غروب آفتاب کا یقین کر کے مؤذن اذان دیتے، اذان کے دوران تمام روزہ دار خاموشی اختیار کرتے اور اذان کے آداب بجالاتے اور اذان ختم ہوتے ہی دعا پڑھتے اور یہ سب غروب آفتاب سے پانچ منٹ میں مکمل ہو جاتا۔

② دعا ختم ہوتے ہی افطار کیا جاتا جو کہ صرف پانچ منٹ میں مکمل ہوتا، اس طرح ہم تمام اتفاق کے ساتھ روزہ افطار کرتے جو قرآن کے مطابق اور اسلامی کتب میں بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق ہوتا تھا۔

③ اس طرح اذان اور افطار، سورج غروب ہونے سے دس منٹ کے اندر ختم ہوتا، اور مغرب کی نماز شروع ہو کر پندرہ منٹ میں ختم ہو جاتی، لہذا مغرب کی نماز سورج غروب ہونے سے تقریباً ۲۵ / منٹ میں ختم ہو جاتی، مجھ ناچیز خیال کے مطابق اس طریقہ میں کوئی غلطی یا کسر نہیں معلوم ہوتی اور یہ طریقہ گزشتہ کئی سالوں سے جاری تھا اور اس طریقہ پر ۱۹۸۵ء تک کسی کا اعتراض یا کوئی مخالفت نہ تھی، حالاں کہ بہت سے مختلف مقامات کے تعلیم یافتہ لوگ اور مولانا حضرات موجود تھے، ان کی فہرست جو مجھے میسر ہوئی ہے وہ فہرست (الف) میں درج ہے، اس طرح ہم اپنے اعتقاد پر قائم تھے،

جو زمانۂ دراز سے قائم تھا اور سب کچھ تسلی اور محبت سے ہماری قوم میں چلا آرہا تھا۔

④ لیکن ۱۹۸۶ء میں ایک مولانا صاحب جو ہماری مدینہ جامع مسجد ''کاروار'' میں امامت کررہے تھے، انہوں نے اچانک نیا افطار کا طریقہ بتایا، اور انہوں نصیحت کی کہ اذان کے پہلے لفظ ''اللہ اکبر'' کے شروع ہوتے ہی افطار کریں، اور اذان کے آداب کی اہمیت کے بغیر ہی دعا مانگیں، حالاں کہ اسلام کی معتبر کتب میں اذان کے آداب بجالانے کے لیے بتایا گیا ہے، اس اچانک اور بے ضرورت تبدیل کے آنے سے ۱۹۸۶ء سے ہمارے یہاں روزہ داروں میں تفرقہ پڑ گیا ہے، اور اسی پر مجھے خوف ہے کہ آئندہ یہ تفرقہ آگ کی طرح بھڑکے گا اور ہماری قوم میں نااتفاقی ہوجائے گی اللہ نہ کرے۔

⑤ میں ایک عمر رسیدہ شخص ہونے کی بناء پر اور اس تفرقہ کے اندیشہ سے بیزار ہوتے ہوئے تفرقہ مٹانے کے ارادہ سے ایک نصیحت کے طور پر اپنے علم اور اعتقاد کے مطابق ۱۵/ستمبر ۱۹۸۶ء کو میں نے ایک پرچہ تیار کیا (جس کی نقل اسی کے ساتھ ہے) اور جس کو ۱۵/ستمبر ۱۹۸۶ء کو نقل کرکے ہمارے تعلقہ کی مساجد میں پیش کیا گیا تھا اور وہ پرچہ صحیح جان کر قبول کرلیا گیا تھا لیکن بدقسمتی سے ہماری مدینہ جامع مسجد ''کاروار'' کے اکثر روزہ داروں نے مولانا کی نصیحت پر اندھی تقلید کرتے ہوئے نیا طریقہ اختیار کرلیا، اب نئے طریقہ کے لیے ہمارے علاقہ میں اور مولانا کے پاس یا کسی شخص کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے، یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ نیا طریقہ کس طرح داخل ہوا اور اس کے اسباب کیا ہیں؟ اس کے لیے اسلام کی معتبر کتابوں میں ٹھوس ثبوت

نہیں ہے، مجھے کہنا پڑتا ہے، ہمارا بہت زمانہ سے چلتا ہوا طریقہ بالکل صحیح ہے؛ کیوں کہ وہ طریقہ تمام ارکان کے ساتھ یعنی سنت مؤکدہ، مستحب اور فرض بھی ادا کرتا ہے، جو رمضان یا دوسرے مہینے میں افطار کرنے کے لیے اسلام کے معتبر ارکان میں ہے۔ (کتابچہ ''افطار'' کا مضمون پورا ہوا)۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس وقت جناب جی، ایم، خان صاحب کا ایک کتابچہ پیش نظر ہے، جس میں مؤلف نے افطار کے موزوں وقت کی تعیین کے سلسلہ میں اپنے مقدور بھر سعی فرمائی ہے، احقر سے اس کتابچہ پر تبصرہ کرنے کی فرمائش کرنے کے ساتھ اصل مسئلہ کی وضاحت کی تاکید بھی کی گئی؛ چناں چہ احقر نے پورا مضمون بغور پڑھا اور مکرر پڑھا۔ کتابچہ پر کسی قسم کا تبصرہ کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوا کہ اصل مسئلہ کو کتاب وسنت اور کتب فقہیہ کی عبارتوں کی روشنی میں منقح کر دیا جائے، اس کے بعد آخر میں انشاء اللہ تعالیٰ کتابچہ کے متعلق بھی اپنی رائے پیش کروں گا۔

قرآن مجید میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ ثم اتموا الصیام الی اللیل ﴾ (البقرۃ:۱۸۷) ترجمہ: پھر (صبح صادق سے) رات آنے تک روزہ کو پورا کرلیا کرو۔

① آیت مذکورہ کی تفسیر فرماتے ہوئے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی شہرۂ آفاق ''تفسیر مظہری'' میں تحریر فرماتے ہیں:

ثم اتموا الصیام الی اللیل بیان لآخر وقته عن عمربن الخطاب قال: قال رسول اللہ ﷺ: اذااقبل اللیل من ههنا وادبرالنهارمن ههنا وغربت الشمس، فقد افطر الصائم رواه البخاری (تفسیر مظهری ۱/۱۹۱)

یعنی ﴿ثم اتموا الصیام الی اللیل﴾ میں روزہ کے آخری وقت کو بیان فرمانا مقصود ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رات ادھر (مشرق) سے آجائے اور دن ادھر (مغرب) سے رخصت ہو اور سورج چھپ جائے تو روزہ دار کے لیے افطار کا وقت ہو گیا، یہ روایت بخاری نے نقل کی ہے۔

② علامہ ابوبکر جصاص رازی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "احکام القرآن" میں اسی آیت کریمہ کی تفسیر وتشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہے:

ولاخلاف فی انه اذغابت الشمس فقد انقضی وقت الصوم، وجاز للصائم الأكل والشرب والجماع وسائر ماحظره عليه الصوم.

(احکام القرآن ۱ /۲۴۲)

یعنی اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں کہ جب غروب شمس ہو جائے تو روزہ کا وقت ختم ہو گیا، اور روزدار کے لیے وہ تمام چیزیں جو روزہ کی وجہ سے ممنوع تھیں، یعنی کھانا، پینا، اور جماع وغیرہ حلال ہو گئیں۔

③ حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کی تشریح کرتے ہوئے اپنی کتاب "احکام القرآن" میں تحریر فرماتے ہیں:

فالذی ورد فی الاستحباب تعجیل الفطر محمول علی ان لایؤخر الفطر بعد التیقن بالغروب (احکام القرآن ۱/ ۲۴۷)

یعنی (آیت میں جب رات آنے پر روزہ پورا کرنے کا حکم دیا گیا تو) اب وہ روایتیں جن میں افطار میں جلدی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان کا مطلب یہ ہوا کہ غروب آفتاب کا یقین ہو جانے کے بعد افطار میں تاخیر نہ کرے۔

④ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تفسیر ''الجامع لاحکام القرآن'' میں تحریر فرماتے ہیں:

قوله تعالى ''الى الليل'' اذاتبين الليل سن الفطر.

(الجامع لأحكام القرآن المعروف بتفسير قرطبي ۲/ ۳۲۸)

یعنی ارشاد ربانی ﴿الی اللیل﴾ کا مطلب یہ ہے کہ جب رات آجائے (یعنی غروب آفتاب کا یقین ہوجائے) تو افطار مسنون ہے۔

قرآن مجید کی اس تفسیر وتشریح کے بعد احادیث وآثار پر نظر ڈالی جائے، اس سلسلہ میں احادیث وآثار کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے، ہم ان میں سے چند کو پیش کرتے ہیں:

① امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے وقت افطار کی تعیین کے سلسلہ میں مستقل باب ''متی یحل فطر الصائم'' کے عنوان سے قائم فرما کر دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔ پہلی روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے:

قال رسول الله ﷺ:اذا اقبل الليل من ههنا وادبرالنهارمن ههنا وغربت الشمس فقد افطرالصائم ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب رات ادھر (مشرق) سے آجائے اور دن ادھر (مغرب) سے رخصت ہوجائے اور آفتاب غروب ہوجائے تو روزہ دار کے لیے افطار کا وقت ہوگیا۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ شارح بخاری حدیث مذکور کے الفاظ ''فقد افطر الصائم'' کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

اى دخل فى وقت الفطر، وقال ابن خزيمة: لفظه خبر، ومعناه

الامر، ای فلیفطر الصائم(عمدۃ القاری ۱۱ / ۶۵)

(یعنی افطر الصائم کا مطلب یہ ہے کہ: وہ (روزہ دار) افطار کے وقت میں داخل ہوگیا، اور ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ میں صیغہ خبر کا استعمال کیا گیا؛ لیکن معنی امر کا ہے (یعنی روزہ دار کو افطار کر لینا چاہیے)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حدیث مذکور کی شرح میں امام ابن خزیمہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو نقل فرما کر اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ (دیکھیے: فتح الباری ۴ / ۱۵۹، ۱۶۰)

(۲) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی باب میں دوسری روایت حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی نقل فرمائی ہے:

قال: کنامع النبی ﷺ فی سفر وھو صائم، فلماغابت الشمس قال لبعض القوم یافلان قم فاجدح لنا، فقال یارسول اللہ لوامسیتَ، قال: انزل فاجدح لنا، قال یارسول اللہ فلوامسیت، قال: انزل فاجدح لنا، قال: ان علیك نھارا، قال: انزل فاجدح لنا،فنزل فجدح لھم، فشرب النبی ﷺ ثم قال: اذا رأیتم اللیل قداقبل من ھھنافقد افطرالصائم.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ (ماہِ رمضان میں) ایک سفر میں تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزہ دار تھے؛ چناں چہ جب آفتاب غائب ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قوم میں سے ایک آدمی (حضرت بلال رضی اللہ عنہ) کو فرمایا کہ اے فلانے ہمارے لیے ستّو گھولو، انہوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! اگر کچھ اور شام ہوجانے دیتے تو اچھا ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اتر کر ہمارے لیے ستو تیار کرو انہوں نے (پھر) عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول اگر کچھ مزید انتظار فرما لیتے

تو (مناسب تھا) آپ ﷺ نے فرمایا کہ اترو اور ہمارے لیے ستو گھولو، انہوں نے عرض کیا کہ ابھی دن (روشنی) باقی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اتر کر ہمارے لیے ستو گھولو؛ چناں چہ انہوں نے اتر کر ستو گھولا، اور نبی کریم ﷺ نے (اس کو) نوش فرما کر ارشاد فرمایا: جب تم دیکھو کہ رات ادھر (مشرق) سے آگئی ہے تو روزہ دار کو افطار کر لینا چاہیے۔

اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فیه انه لا یجب امساك جزء من اللیل مطلقاً؛ بل متی تحقق غروب الشمس حل الفطر (عمدة القاری ۱۱/ ٤٤) یعنی اس حدیث میں یہ بتلایا گیا کہ جب آفتاب غروب ہونے کا تحقق ہو جائے تو افطار کر لینا چاہیے، اب رات کے مزید کسی حصہ کے گزرنے تک بالکل انتظار نہ کرے)۔

بعینہ یہی بات حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں۔ (فتح الباری ۴/ ۱۶۰)

آگے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ:

وفیه ایماء الی الزجر عن متابعة اهل الکتاب، فانهم یؤخرون الفطر عن الغروب (فتح الباری ٤/ ١٦٠) (یعنی اس حدیث میں اہل کتاب کی پیروی سے روکنے کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ لوگ افطار کو غروب آفتاب سے مؤخر کرتے ہیں)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ غروب آفتاب کا تحقق ہو جانے کے بعد افطار میں تاخیر (چاہے ستاروں کے چٹکنے تک نہ ہو پھر بھی) اہل کتاب کی پیروی کا ایک حصہ ہے، اس لیے کہ حدیث مذکور کے واقعہ میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے معمولی تاخیر کی درخواست کی تھی؛ لیکن حضور اکرم ﷺ نے اس کو بھی منظور نہیں فرمایا۔

ان دو روایتوں سے جو فوائد واحکام معلوم ہوئے، اس کی تفصیل کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وفی حدیثی الباب من الفوائد بیان وقت الصوم وان الغروب متی تحقق کفی. (فتح الباری ٤/ ١٦٠) (یعنی جب غروب آفتاب کا تحقق ہوگیا تو اب افطار کے لیے مزید انتظار کی ضرورت نہیں، بلکہ وہی کافی ہے)۔

③ تمام حضرات محدثین اپنی کتابوں میں تعجیل افطار کا مستقل باب قائم کرتے ہیں، اور اس سلسلہ میں احادیث اتنی کثیر تعداد میں وارد ہوئی ہیں کہ حافظ ابن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمایا کہ: احادیث تعجیل الإفطار وتاخیر السحور صحاح متواترة. (فتح الباری ٤/ ١٦١، عمدة القاری ١١/ ٦٦) (یعنی افطار میں جلدی کرنے اور سحر میں تاخیر کرنے کے سلسلہ میں احادیث جو وارد ہوئی ہیں وہ تمام) صحیح ہیں اور درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب صحیح بخاری شریف میں "باب تعجیل الإفطار" کے عنوان سے مستقل باب قائم فرما کر اس میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں، ان میں سے ایک تو وہی جس کو ہم نمبر دو پر نقل کر آئے، یعنی حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی روایت؛ چناں چہ حافظ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ اس جگہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس شخص (یعنی بلال رضی اللہ عنہ) سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فرمانا کہ اتر کر ہمارے لیے ستّو گھولو، اس سے یہ ثابت ہوا کہ جہاں غروب آفتاب کا تحقق ہوگیا فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے افطار فرمایا۔ (عمدۃ القاری ١١/ ٦٧)

اس جگہ یہ بات ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے مؤذن بھی تھے، اور حضر کی طرح سفر میں بھی یہ خدمت آپ کے سپرد تھی، انہیں حضور اکرم ﷺ غروب شمس کا تحقق ہوجانے پر اذان دینے کا حکم فرمادینے کے بجائے افطار کی تیار کا حکم دے رہے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں دوسری حدیث حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی بیان فرمائی ہے: ان رسول الله ﷺ قال: لا یزال الناس بخیر ماعجلوا الفطر (یعنی لوگ (امت محمدیہ) برابر بھلائی پر قائم رہیں گے جب تک کہ وہ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے)۔

تعجیل ایک مفہوم کلی ہے، جس کے مختلف درجات ہیں:

اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ غروب آفتاب کا یقین ہوتے ہی افطار کرلیا جائے، جیسا کہ حضرات محدثین وفقہاء نے تصریح فرمائی ہے، قاضی مہلب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ دونوں نے تمام علماء کا متفقہ قول یہی نقل فرمایا ہے: واتفق العلماء علی ان محل ذلك اذاتحقق غروب الشمس (عمدة القاری ۱۱/ ٦٧، فتح الباری ٤/ ١٦١) اور اس کا ادنی درجہ یہ ہے کہ ستاروں کے چٹکنے سے پہلے پہلے افطار کرلے، اگر اتنی تاخیر کی جس کے نتیجہ میں ستارے چٹک گئے تو یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔

④ ''ترمذی شریف'' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: قال رسول الله ﷺ: قال الله عزوجل: احب عبادی الیّ اعجلهم فطراً (یعنی نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندوں میں مجھے زیادہ محبوب وہ ہے جو ان میں جلدی افطار کرنے والا ہو)۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ای اکثرهم

تعجيلا فى الإفطار لماقدمناه، وقال الطيبي: ولعل السبب فى هذه المحبة المتابعة للسنة، والمباعدة عن بدعة، والمخالفة لأهل الكتاب (مرقات شرح مشكوة ٤ /١٥٥) (یعنی وہ بندہ (زیادہ محبوب ہے) جو افطار میں سب سے زیادہ جلدی کرنے والا ہو، اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شاید اس محبت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں سنت کی اتباع، اور بدعت سے دوری، اور اہل کتاب کی مخالفت ہے)۔

ظاہر ہے مقام محبوبیت اسی کو حاصل ہوگا جو تعجیل افطار کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو۔

⑤ ''مسلم شریف'' میں حضرت ابوعطیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال: دخلت انا ومسروق على عائشة رضى الله عنها، فقلنا: يا ام المؤمنين رجلان من اصحاب محمدا احدهما يعجل الإفطار، ويعجل الصلوة، والآخر يؤخر الإفطار، ويؤخر الصلوة، قالت: ايهما الذى يعجل الإفطار ويعجل الصلوة؟ قال قلنا: عبد الله يعنى ابن مسعود، قالت: كذلك كان يصنع رسول الله ﷺ زاد ابوكريب والآخر ابوموسى

(یعنی میں اور حضرت مسروق (دونوں) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے، ہم نے عرض کیا کہ اے ام المؤمنین! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں سے دو آدمی ایسے ہیں کہ ان میں سے ایک افطار میں بھی جلدی کرتے ہیں اور نماز میں بھی۔ اور دوسرے افطار میں بھی تاخیر کرتے ہیں اور نماز میں بھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت فرمایا کہ ان میں سے کون افطار اور نماز میں تعجیل کرتے ہیں؟ تو ہم نے عرض کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ارشاد فرمایا: کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (راوی کہتے ہیں کہ) دوسرے صحابی حضرت

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تھے)۔

ظاہر ہے دوسرے صحابی جو تاخیر سے کام لیتے تھے وہ اتنی تاخیر تو نہیں تھی جو حدِ کراہت میں داخل ہو جاتی ہو؛ بلکہ مراد یہ ہے کہ جلدی کرنے والے صحابی تعجیل افطار میں مبالغہ سے کام لیتے تھے۔ اور دوسرے صحابی اتنا مبالغہ نہیں فرماتے تھے۔ چناں چہ شارح مسلم حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: المراد فی التعجیل المبالغة فیه، وبالتاخیر عدمها والله أعلم (فتح الملهم ۳ /۱۲۲) اس کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے طریق کار کو عین سنت کے مطابق بتلایا۔

⑥ ''مسند احمد'' وغیرہ میں حضرت قطبہ بن قتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: رأیت النبی ﷺ یفطر اذا غربت (مجمع الزائد ۳ /۱۵٤) یعنی میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ غروب ہوتے ہی (بلا تاخیر) افطار فرماتے تھے۔

⑦ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کان رسول الله ﷺ اذا کان صائما، امر رجلا یقوم علی نشز (ای مرتفع) من الارض، فاذا قال: قد وجبت الشمس افطر، رواه الطبرانی فی الکبیر (مجمع الزائد ۳ /۱۵۵) یعنی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب روزہ سے ہوتے تھے تو ایک آدمی کو بلند مقام پر کھڑا فرما دیتے تھے اور جہاں وہ یہ کہتا کہ: آفتاب غروب ہو گیا اسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افطار فرماتے تھے۔

⑧ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: رأیت رسول الله ﷺ وهو صائم یترصد غروب الشمس بتمرة، فلما توارت القاها فی فیه (کنز العمال ۱٤/ ٦٨) یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزہ سے ہیں اور کھجور لیے ہوئے غروب آفتاب کا انتظار فرما رہے ہیں، اور جہاں آفتاب آنکھوں سے اوجھل ہوا،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کھجور منہ میں ڈال دی۔

⑨ عن ابی رجاء قال: کنت اشهد ابن عباس رضی الله عنهما عند الفطر فی رمضان فکان یوضع طعامه ثم یامر مراقبا یراقب الشمس، فاذا قال: وجبت، قال: کلوا (٤ /٢٢٧) ابورجاء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رمضان المبارک میں افطار کے وقت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوتا تھا، آپ کے سامنے کھانا رکھا جاتا تھا، پھر آپ رضی اللہ عنہ ایک شخص کو حکم دیتے تھے کہ وہ آفتاب کو دیکھتا رہے، پس جب وہ شخص کہتا کہ آفتاب غروب ہوگیا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے کہ کھاؤ۔

⑩ عن ابی حمزة الصبعی انه کان یفطرمع ابن عباس رضی الله عنهما فی رمضان، فکان اذا امسی بعث ربیبه له تصعد ظهر الدار، فإذا غربت الشمس اذن فیأکل وناکل، فاذا فرغ، اقیمت الصلوة، فیقوم یصلی ویصلی معه (مصنف ابن ابی شیبه ٣ /١٢) ابوحمزہ صبعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ رمضان المبارک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ افطار کرتے تھے، چناں چہ جب شام ہوتی تو ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے ربیب کو بھیجتے کہ وہ گھر کی چھت پر چڑھ جاتا، پھر جب سورج غروب ہوتا تو وہ اذان دیتا، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ہم کھانا شروع کرتے، پھر جب وہ اذان سے فارغ ہوتا تو نماز کے لیے اقامت کہی جاتی؛ چناں چہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اٹھ کر نماز پڑھتے اور ہم بھی آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھتے۔

⑪ عن مجاهد قال کنت لآتی ابن عمر رضی الله عنهمابالقدح عند فطره، فاستره من الناس ومابه الاالحیاء یقول من سرعة مایفطر

(مصنف عبدالرزاق ٤/ ٢٢٦، مصنف ابن ابی شیبه ٣ /١٣)

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ افطار کے وقت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا (کھانے کا) برتن لاتا، اور افطار میں جلدی کرنے کی وجہ سے مارے شرم کے وہ برتن لوگوں سے چھپا کر لاتا۔

⑫ عن عبدالواحدبن ایمن عن ابیه عن ابی سیعد قال: دخلت علیه، فافطرعلی عرق، وانا اری الشمس لم تغرب (مصنف ابن ابی شیبه۳ /۱۲، ۱۳)

عبدالواحد بن ایمن رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے نقل فرماتے ہیں کہ: میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے گوشت کی ہڈی والی بوٹی سے افطار کیا، اور (افطار میں انہوں نے اتنی جلدی کی تھی کہ) میں یہ سمجھ رہا تھا کہ ابھی تک آفتاب غروب نہیں ہوا۔

⑬ عن مسلم بن یزیدعن ابیه قال: کان علی بن ابی طالب یقول لابن أبی التیاح، غربت الشمس؟ فیقول: لاتعجل، فیقول: غربت الشمس؟ فإذا قال: نعم، أفطر، ثم نزل فصلی (مصنف ابن أبی شیبه۳ /۱۳) مسلم بن یزید رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے نقل فرماتے ہیں کہ (ایک سفر میں) حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ابوالتیاح سے کہنے لگے کہ (کیا) سورج غروب ہوگیا؟ تو انہوں نے کہا کہ ابھی جلدی نہ کریں، پھر پوچھنے لگے کہ کیا سورج غروب ہوگیا؟ تو جب انہوں نے کہا کہ ہاں (غروب ہوگیا) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے افطار فرمایا پھر اتر کر نماز پڑھی۔

⑭ عن علقمة قال: أتی عبدالله بجفنة فقال للقوم: ادنوا فکلوا، فاعتزل رجلٌ منهم، فقال له عبدالله مالك؟ قال إنی صائم، فقال عبدالله: هذا والذی لا إله غیره حین حلّ الطعام لأ کل (مصنف ابن ابی شیبه۳ /۱۲)

حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس (کھانے کا برتن) لایا گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے فرمایا کہ قریب ہوجاؤ! اور کھاؤ، تو ان میں سے ایک شخص الگ ہٹ گیا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا کہ کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا کہ میں روزہ سے ہوں تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، یہ وہ وقت ہے کہ (روزہ دار کے لیے) کھانا حلال ہوگیا، (اس اثر کا مطلب یہ ہے کہ افطار میں اتنی جلدی کی گئی تھی کہ وہ آدمی یہ سمجھ رہا تھا کہ ابھی تک وقت نہیں ہوا)۔

⑮ عن موسى بن أنس أنّ أنساً كان يصعدالجارية فوق البيت، فيقول:اذااستوى الأفق فأذنيني.(مصنف ابن ابي شيبة ٣ /١٣) حضرت موسیٰ ابن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک باندی کو گھر کی چھت پر بھیج دیتے تھے اور فرماتے کہ جب افق برابر ہوجائے (یعنی سورج غروب ہوجائے) تو مجھے اطلاع دینا۔

⑯ عن ابن حنظلة عن ابيه قال: شهدت عمربن الخطاب فى رمضان وقرب اليه شراب، فشرب بعض القوم وهم يرون الشمس قد غربت، ثم ارتقى المؤذن، فقال:ياأميرالمؤمنين! والله إن الشمس طالعة لم تغرب، فقال عمر: من كان افطر فليصم يوماً مكانه، ومن لم يكن أفطر فليتم حتى تغرب المشس واعاده من طريق آخر، وزادفيه فقال له: انما بعثنا داعيا ولم نبعثك راعياًالخ.

(نصب الراية٢ /٤٢٩، مصنف ابن أبي شيبة٣ / ٤٣،٢٤، مصنف عبدالرزاق ٤/ ١٧٨)

علی ابن حنظلہ اپنے والد سے نقل فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رمضان المبارک میں حاضر ہوا، آپ کے سامنے افطاری پیش کی گئی، بعض لوگوں

نے اس میں سے نوش فرمالیا یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہوگیا، اس کے بعد مؤذن اذان دینے کے لیے چڑھا اس نے (اوپر سے) کہا کہ اے امیر المؤمنین! خدا کی قسم آفتاب تو ابھی موجود ہے غروب نہیں ہوا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس نے روزہ افطار کرلیا وہ اس کی جگہ ایک روزہ (بطور قضا) رکھ لے، اور جس نے ابھی تک افطار نہیں کیا وہ غروب آفتاب تک ٹھہر جائے اور روزہ پورا کرے۔ (اسی واقعہ میں دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مؤذن کو (جس نے اوپر سے چلّا کر خبر دی تھی) فرمایا کہ: ہم نے تو تجھے نماز کی دعوت دینے کے لیے بھیجا تھا، سورج دیکھنے کے لیے نہیں بھیجا تھا۔ (گویا مؤذن کی بے ادبی پر تنبیہ فرمائی)۔

⑰ عن عمرو بن میمون الاودی قال کان اصحاب محمد ﷺ اسرع الناس افطاراً وابطأه سحوراً.

(مصنف عبد الرزاق ٤/ ٢٢٦، عمدة القاری ١١/ ٦٦، فتح القدیر ٤/ ١٦١)

عمرو بن میمون اودی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ لوگوں میں سب سے زیادہ جلدی افطار کرنے والے، اور دیر سے سحر کھانے والے تھے۔

احادیث وآثار کے بعد کتب فقہیہ سے بھی نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

① ''نورالایضاح'' میں ہے: ویستحب له ثلا ثة اشیاء: السحور، وتاخیره، وتعجیل الفطر من غیر یوم غیم (نورالایضاح ص١٥٨)

روزہ کے لیے تین چیزیں مستحب ہیں: ① سحری کھانا ② اس میں تاخیر کرنا ③ اور افطار میں جلدی کرنا جب کہ بادل نہ ہوں (بادل ہونے کی صورت میں روزہ کی حفاظت کے پیش نظر احتیاط برتنی چاہیے)۔ (مراقی الفلاح)

''طحطاوی علی مراقی الفلاح'' میں ہے: یستحب الإفطار قبل الصلاة (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص۳۷۳) نماز مغرب سے پہلے افطار کرلینا مستحب ہے۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وکان ﷺ یفطر قبل ان یصلی. (زاد المعاد ۱/ ۳۳۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز مغرب پڑھنے سے پہلے افطار فرمالیتے تھی۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ''مؤطا امام محمد'' میں صراحت فرمائی ہے کہ نماز مغرب سے پہلے بھی افطار کرسکتا ہے، اور نماز مغرب کے بعد بھی کرسکتا ہے؛ لیکن جو آدمی نماز مغرب کے بعد افطار کرنا چاہے، وہ سنت ونفل سے پہلے کرلے، یعنی فرض مغرب کے سلام پھیرتے ہی افطار کرلے تاکہ افطار میں تاخیر مکروہ کا مرتکب نہ ہو۔ (رسائل الارکان ص۲۱۵)

''تبیین الحقائق'' شرح کنز الدقائق میں ہے: والمستحب فیه التاخیر، وفی الفطر التعجیل (تبیین الحقائق ۱/ ۳۴۳) یعنی سحری میں تاخیر اور افطار میں تعجیل مستحب ہے۔

③ ''بدائع الصنائع'' میں ہے: ویسن تعجیل الإفطار اذا غربت الشمس، هکذا روی عن ابی حنیفة انه قال: وتعجیل الإفطار اذا غربت الشمس احب الینا (بدائع الصنائع ۲ /۱۰۵) اور افطار میں جلدی کرنا مسنون ہے جب کہ سورج غروب ہوجائے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ آفتاب غروب ہوتے ہی افطار میں جلدی کرنا ہمارے نزدیک پسندیدہ ہے۔

④ ''بحر الرائق'' میں ''فتاوی بزازیہ'' کے حوالہ سے لکھا ہے کہ: ویستحب تعجیل الإفطار (۲/ ۳۱۰) افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے۔

البتہ غروب آفتاب کا یقین یا ظن غالب ہونا ضروری ہے۔ ولا یفطر مالم

يغلب على ظنه غروب الشمس. (۲/ ۳۱۵)

⑤ ''فتاوی عالمگیری'' میں ہے: وتعجيل الإفطار افضل، فيستحب ان يفطر قبل الصلوة. (فتاوى عالمگيرى ۱ /۲۰۰) افطار میں جلدی کرنا افضل ہے، چناں چہ نماز (مغرب) سے پہلے افطار کر لینا مستحب ہے۔

⑥ درمختار میں ہے: ويستحب السحور وتاخيره وتعجيل الفطر (الدر على هامش الشامى ۲/ ۱۲٤) اور روزہ دار کے لیے سحری کھانا اور اس میں تاخیر کرنا اور افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے۔

منقولۂ بالا نصوص، قرآن وحدیث وآثار صحابہ رضی اللہ عنہم وعباراتِ فقہیہ سے مشترک طور پر اتنی بات معلوم ہوئی کہ غروب آفتاب کا تحقق ہوتے ہی روزہ کا وقت ختم ہو جاتا ہے، اور روزہ دار کے لے افطار کا استحباب ثابت ہو جاتا ہے، اب اس کی بھی ضرورت نہیں کہ اذان دی جائے اور اس کے ختم ہونے کا انتظار کیا جائے؛ بلکہ بعض احادیث (مثلاً نمبر ۲، ٦، ۷، ۸) اور آثار (مثلاً نمبر ۹، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱٦) سے تو اذان سے قبل ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا افطار کرنا معلوم ہوتا ہے، اور اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما (نمبر ۱۰) سے درمیان اذان افطار کرنا ثابت ہوتا ہے، اس لیے افطار کا موزوں وقت شریعت مطہرہ کے نزدیک یہی ہے کہ آفتاب کے غروب ہونے کا یقین ہو جائے۔

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ غروب آفتاب کا علم کس طرح ہو؟ تو اس کا جواب یہ کہ میدانی علاقوں اور دیہات وغیرہ میں تو ہر شخص بہ آسانی غروب آفتاب کو معلوم کر سکتا ہے، اور بڑے شہروں وغیرہ میں جہاں یہ ممکن نہ ہو وہاں لوگوں کو غروب آفتاب کی اطلاع نقارہ، توپ کا گولہ، سائرن، لائٹ وغیرہ کے ذریعہ دی جا سکتی ہے،

اور بذریعۂ اذان بھی دی جاسکتی ہے۔ پہلی صورت کو بدعت قرار دینا درحقیقت بدعت کی تعریف سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

حضرت مفتیٔ اعظم مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی قسم کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

جواب: نقارہ بجانا غروب شمس کی عام اطلاع کے لیے ہوتا ہے، اور جب کہ نقارہ غیر مشتبہ طور پر سنا جائے اور ظن غالب ہو کہ یہ نقارہ وہی ہے جو اطلاع افطار کے لیے بجایا جاتا ہے، تو اس کی آواز سن کر افطار کر لینا مذہب حنفی اور شافعی دونوں میں جائز ہے۔ علامہ قیلوبی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شرح منہاج الطالبین'' کے حاشیہ میں لکھا ہے:

ومنه سماع الطبول، وضرب الدفوف، ونحو ذلك مما يعتاد فعله اول الشهر وآخره، اهـ، قلت: وكذا اول الصوم وآخره. (کفایت المفتی ۴/ ۲۳۴، ۲۳۵)

حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: طبلِ سحور کو فقہاء نے جائز لکھا ہے، اور افطار اور سحور کی مصلحت متشابہ ہے، اس لیے بھی کچھ حرج نہیں؛ مگر فرش مسجد سے علیحدہ ہو اور ناقوس وغیرہ سے اس کو اس لیے مشابہت نہیں کہ وہ لوگ اس طریقِ اعلان کی خصوصیت کو عبادت بھی سمجھتے ہیں، اور یہاں کوئی ایسا نہیں سمجھتا اور خیر القرون میں اس کی نظیر دفِ نکاح ہے کہ اس سے بھی مقصود اعلان ہے، ایک طاعت کی تحقیق کا، اور اس سے بھی مقصود اعلان ہے ایک طاعت کے وقت کے تحقق کا؛ بلکہ عند التأمل دف اپنی غرض میں اس قدر محتاج الیہ نہیں جس قدر عوام کے اعتبار سے یہ اپنی غرض میں محتاج الیہ ہے۔ (امداد الفتاوی ۲/ ۱۰۴)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''سحری یا افطاری کا اگر وقت معلوم نہ ہو اور روزوں کے فساد کا اندیشہ ہو تو نقارہ بجانا، یا گھنٹہ بجانا، بارود کا گولہ بنانا درست ہے؛ لیکن مسجد یا اس کی چھت پر نہیں چاہیے بلکہ مسجد سے ہٹ کر کسی دوسرے مکان یا بلند مقام پر چاہیے کیوں کہ یہ چیز احترام مسجد کے خلاف ہے''۔ (فتاوی محمودیہ ۷/ ۲۹۲)

حضرت مولانا سید مفتی عبدالرحیم لاجپوری صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''الجواب: جس طرح نکاح اور اعلان جنگ کے لیے دف وغیرہ بجانا حدیثوں سے ثابت ہے، اسی طرح چاند نظر آنے اور سحری وافطاری کے وقت ضرورۃً بطورِ اعلان دف بجانا بھی جائز ہے، بشرطیکہ باجا بجانے کے طرز پر نہ ہو''۔ (فتاوی رحیمیہ ۲/ ۴۰)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ردالمحتار ۵/ ۲۴۷ میں اس کو لکھا ہے، اس لیے احادیث وآثار دیکھنے سے یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ اذان سے پہلے افطار کرلیا جائے، اور عوام مسلمین کو غروب آفتاب کی اطلاع دینے کے لیے نقارہ وغیرہ کا طریقہ اختیار کرسکتے ہیں۔

نمبر سات پر حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی جو روایت گزری اس میں صراحت موجود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی آدمی کو بلند مقام پر کھڑا فرمادیتے تھے اور جہاں وہ غروب آفتاب کی اطلاع دیتا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افطار فرماتے تھے، اسی طرح نمبر نو میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا معمول اور نمبر ۱۵ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ (خادم الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا معمول بھی اس بات کی بین دلیل ہے کہ جو شخص خود غروب آفتاب پر واقف ہوا ہو وہ دوسروں کو اطلاع دے؛ تاکہ دوسرے اس اطلاع کی بنیاد پر افطار کریں اس میں کوئی

حرج نہیں ہے، بلکہ احادیث وآثار سے ثابت ہے۔

دوسری صورت اذان کی ہے، تو یہ یاد رہے کہ اصالۃً اذان نماز کے لیے دی جاتی ہے، افطار کے لیے نہیں، شریعت مطہرہ نے وقت نماز کی اطلاع کے لیے اذان کو وضع فرمایا ہے؛ لیکن چوں کہ نماز مغرب کا وقت بھی غروب آفتاب کے تحقق سے شروع ہوتا ہے، اور افطار کے لیے بھی بعینہ یہی وقت ہے، اس لیے غروب آفتاب کا تحقق ہوتے ہی اگر اذان دے دی جائے تاکہ اس طرح لوگوں کو افطار کا وقت بھی معلوم ہوجائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، اس صورت میں اذان سننے والوں کو اختیار ہے کہ وہ اذان کے مکمل ہونے تک افطار نہ کرتے ہوئے اذان کا جواب دیتے رہیں اور اذان ختم ہونے کے بعد افطار کریں، اور یہ بھی اختیار ہے کہ اذان کا پہلا کلمہ سنتے ہی افطار کرلے۔ پیشِ نظر کتابچہ میں اس صورت کو غلط قرار دیا گیا ہے وہ درست نہیں ہے۔ ہم نے جو آثار نقل کیے ہیں ان میں نمبر دس پر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا جو اثر ہے اس میں اس کی صراحت ہے کہ وہ اپنے ربیب کو مکان کی چھت پر بھیجتے تھے، اور غروب آفتاب ہونے پر جہاں وہ اذان شروع کرتا وہیں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور آپ کے رفقاء افطار شروع فرماتے تھے۔

رہی یہ بات کہ اس صورت میں درمیان اذان کھانا پینا لازم آتا ہے تو حدیث و فقہ میں اس کے جواز کی صراحت موجود ہے۔

''ابوداؤد شریف'' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: قال رسول اللہ ﷺ: اذا سمع احدکم النداء، والاناء علی یدہ فلایضعہ حتی یقضی حاجتہ منہ (ابوداؤد شریف ۱/ ۳۲۱)

''مراقی الفلاح'' شرح نور الایضاح میں اذان کے جواب کی تفصیل میں لکھا ہے:

ولا یجیب فی الصلوۃ ولو جنازۃ، وخطبۃ سماعھا وتعلم العلم وتعلیمہ، والاکل الخ (مراقی الفلاح علی ھامش الطحطاوی ص۱۱۰)

''درمختار'' میں بھی اس کی صراحت موجود ہے۔ (درعلی ھامش الشامی ۱/ ۲۹۲)

اور روزہ دار کے حق میں تو بڑی وسعت ہے کہ نماز کی اقامت کہی جا چکی اور جماعت شروع ہو چکی ہے؛ لیکن روزہ دار کی ضرورت پوری نہیں ہوئی تو شریعت مطہرہ اجازت بلکہ حکم دیتی ہے کہ پہلے کھانا کھالے اس کے بعد نماز پڑھے۔ تمام حضرات محدثین نے مستقل باب قائم فرما کر اس مسئلہ کو اپنی اپنی کتابوں میں ذکر فرمایا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''باب اذا حضر الطعام واقیمت الصلوۃ'' کے ذیل میں تین مرفوع حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔ ان میں ایک حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب شام کا کھانا پیش ہو تو مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے کھانا کھالو۔ (بخاری شریف)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی اسی روایت کو ذکر فرمایا ہے، اس کے بعد خود حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل نقل فرمایا ہے جب ان کے سامنے کھانا رکھا جاتا اور ادھر نماز کی اقامت شروع ہوتی (بلکہ نماز شروع ہو جاتی) تو جب تک وہ فارغ نہ ہو جاتے نماز میں شریک نہ ہوتے؛ حالاں کہ وہ امام کی قراءت سن رہے ہوتے تھے۔

(بخاری شریف)

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں: اختلفوا فی ھذا الامر، فالجمھور علی انہ للند ب، وقیل للوجوب وبہ قالت الظاھریۃ

قالوا:لایجوز لاحد حضرطعامه بین یدیه وسمع الاقامة ان یبدأ بالصلوة قبل العشاء، فان فعل فصلاته باطلة، والجمهور علی الصحة (عمدة القاری ۵/ ۱۹۷) (یعنی حضور ﷺ کے اس امر سے وجوب مراد ہے یا استحباب اس سلسلہ میں) علمائے امت میں اختلاف ہے، جمہور علماء (جن میں ائمۂ اربعہ بھی ہیں، اس بات کے قائل ہیں کے یہ امر استحباب کے لیے ہے، اور ایک قول وجوب کا بھی ہے؛ چناں چہ اہل ظاہر نے اس کو اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس کے سامنے کھانا موجود ہو اور وہ اقامت کی آواز سنے اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کھانے سے پہلے نماز شروع کرے، اگر اس نے ایسا کیا تو اس کی نماز باطل ہے؛ لیکن جمہور علماء نماز کے صحیح ہونے کے قائل ہیں)۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ عمل جو اوپر بیان کیا گیا اس وقت ہوتا تھا، جب کہ وہ روزہ سے ہوتے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری ۲/ ۱۲۷، اور حافظ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری ۵/ ۱۹۸ میں اس کی تصریح فرمائی ہے، یہ روایت اس تفصیل کے ساتھ "مسند احمد" میں بھی موجود ہے۔ "ترتیب مسند مسمی الفتح الربانی" کی شرح "بلوغ الامانی" میں شیخ احمد عبدالرحمن البناالشهير بالساعاتی اس موقعہ پر فرماتے ہیں: وكان ابن عمر رضی الله عنهما من اشد الناس تمسكابقوله ﷺ وفعله (۱۰/۷) یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جو نبی کریم ﷺ کے قول وفعل پر بڑی شدت (مبالغہ) سے عمل کرنے والے ہیں۔

حضرات فقہائے کرام نے بھی "باب الامامة" میں ان مسائل کی تفصیل ذکر

فرمائی ہے۔

رہا مسئلہ اذان کے جواب کا تو فقہائے احناف کے درمیان مختلف فیہ ہے اور محققین حضرات نے زبان سے جواب دینے کو مستحب قرار دیا ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: والذی ینبغی تحریرہ فی ھذا المحل ان الإجابة باللسان مستحبة، وان الإجابةبالقدم واجبة ان لزم من ترکھا تفویت الجماعة الخ (شامی ۱/ ۲۹۴)

(یعنی اس جگہ اس بات کی صفائی ضروری ہے کہ زبان سے جواب دینا مستحب ہے، اور قدم سے جواب دینا (یعنی نماز کے لیے جانا) واجب ہے اگر اس کے چھوڑنے سے جماعت کی تفویت لازم آتی ہو)۔

اور جن حضرات مشائخ حنفیہ نے زبانی جواب کو واجب کہا ہے، انہوں نے بھی اس آدمی کو جو کھانے میں مشغول ہے اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، جیسا کہ ہم آگے ''مراقی الفلاح'' اور ''درمختار'' کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں؛ نیز اذان کا پہلا کلمہ سنتے ہی افطار کرنے والا اگر جواب دینا چاہے تو دے سکتا ہے، دونوں میں کوئی منافات تو نہیں ہے؛ اس لیے صاحب کتابچہ کا ''اذان کا پہلا کلمہ سنتے ہی افطار کرنے والے طریقہ'' کو غلط قرار دینا درست نہیں۔

نیز انہوں نے اپنے مالوف طریقِ افطار کا مستحب ہونا ثابت کرنے کے لیے مستقل کتابچہ ترتیب دیا؛ لیکن حدیث وفقہ کی کسی صریح عبارت سے اس طریقہ کو ثابت نہیں کر پائے۔ صرف جوابِ اذان کے سلسلہ میں جو فقہی جزئیات ہیں انہیں پیش کر دیا؛ لیکن اس سے ان کے مالوف طریقہ کا استحباب کہاں ثابت ہوا؟ اور اگر

بالفرض وہ کسی صریح عبارت سے اس کا استحباب ثابت کر بھی دیتے، تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ دوسرا طریقہ غلط ہے؛ بلکہ مؤلفِ کتابچہ کا اپنے مالوف طریقہ پر اس قدر اصرار تو غلو فی الدین کی صورت ہے، جو مستحب کو ترک کرنے کا باعث ہوتی ہے۔

''مشکوۃ شریف'' میں ''بخاری و مسلم'' کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت ذکر کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا: لا یجعل احدکم للشیطان شیئا من صلوته، یری ان حقا علیه ان لا ینصرف الاعن یمینه، لقد رأیت رسول الله ﷺ کثیرا ینصرف عن یساره (یعنی تم سے کوئی شخص اپنی نماز میں شیطان کا حصہ نہ رکھے اس طرح کہ وہ نماز کے بعد دائیں طرف سے گھومنے کو ضروری سمجھے، تحقیق کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو بہت مرتبہ بائیں طرف سے گھومتے بھی دیکھا ہے)۔

اس حدیث کی شرح فرماتے ہوئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے کہ: وفیه ان من اصر علی أمر مندوب، وجعله عزماً ولم یعمل بالرخصة، فقد اصاب منه الشیطان من الإضلال (مرقات شرح مشکوۃ ۲/ ۳۵۳) (یعنی اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو آدمی کسی مندوب (و مستحب) بات پر اصرار کرے اور اس کو ضروری سمجھنے لگے اور (شریعت کی عطا فرمودہ) گنجائش پر عمل نہ کرے، تو شیطان نے اس کو گمراہ کر دیا ہے)۔

فقہائے کرام نے اصول بیان کیا ہے کہ: ''تارك المستحب لا یلام'' پس مستحب کے تارکین کو ملامت کرنا یا قابل ملامت سمجھنا مستحب کو اس رتبہ سے بڑھا دینا ہے؛ لہٰذا اس وجہ سے بھی وہ فعل مباح یا مستحب مکروہ ہو جائے گا۔ (الجنة لأهل السنة ص ۱۴۲)

اِس لیے مؤلف کتابچہ نے جو روش اپنے رسالہ میں اختیار فرمائی ہے وہ اس صورت میں بھی درست نہیں، جب کہ ان کے مالوف طریقۂ افطار کا مستحب ہونا ثابت ہوجائے، چہ جائے کہ وہ بھی ثابت نہیں ہے۔

آخر میں دینی خیرخواہی (الدین النصیحة) کے پیش نظر مؤلف رسالہ کی خدمت میں عرض کروں گا کہ خود اپنے اقرار کے مطابق وہ عالم دین نہیں ہیں، اور نہ ہی فتاویٰ نویسی کا فن انہوں نے معتبر علمائے کرام سے حاصل کیا ہے تو ان کو چاہیے کہ اس قسم کی صورتیں پیش آنے پر خود فتوی دینے کے بجائے معتبر وثقہ اہل علم کی طرف رجوع فرمائیں، اس کام کی انجام دہی کے لیے جو شرائط حضرات فقہائے کرام نے ضروری قرار دیے ہیں ان کے مفقود ہونے کی صورت میں اس پر اقدام بڑا خطرناک ہے، اور فرمان نبوی علی صاحبها الف الف صلوة وتحية کے بموجب "ضلّوا فاضلّوا" کا مصداق ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب "شرح عقود رسم المفتی" (جو خاص اسی موضوع پر ہے) میں تحریر فرماتے ہیں:

قال فی آخر منیة المفتی: لوان الرجل حفظ جمیع کتب اصحابنا لابد ان یتلمذ للفتوی حتی یهتدی الیه (شرح عقود رسم المفتی ص:۹۷)

(یعنی کتاب منیۃ المفتی کے آخر میں ہے کہ اگر کوئی شخص ہمارے اصحاب حنفیہ کی تمام کتابوں کو حفظ کرلے تب بھی ضروری ہے کہ فتویٰ دینے کے لیے کسی (ماہر استاذ) کی شاگردی اختیار کرے تاکہ اس کا طریقہ معلوم ہو)۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم وعلمه اتم واحكم. والحمد لله تعالى اولا وآخراً، والصلوة على نبيه

دائما ابداً.

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سحری وافطاری کا وقت

سوال: ① سحری صبح صادق سے کتنے منٹ قبل کر سکتے ہیں؟ اگر کسی نے صبح صادق تک سحری کھائی تو روزہ ہوا کہ نہیں؟

② غروب آفتاب کے بعد اذان اور افطار کتنے منٹ بعد کرنا چاہیے؟ اگر کسی نے غروب آفتاب کے فوراً بعد افطار کر لیا تو اس کا روزہ ہوا یا نہیں؟

③ وقت عشاء غروب آفتاب کے کتنے گھنٹے بعد شروع ہوتا ہے؟ زوال کے بعد وقت مکروہ کتنے منٹ تک رہتا ہے؟

④ اور اذان کتنے منٹ بعد دے سکتے ہیں؟

نوٹ: ہمارا دائمی تقویم شائع کرنے کا ارادہ ہے، جس کے لیے یہ مسائل دریافت کئے جارہے ہیں، دیگر تقویم جس میں افطار وسحری میں احتیاط کی بات ہے، اس کا تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① حقیقی صبح صادق جب شروع ہو اس سے پہلے تک سحر کھا سکتے ہیں، جہاں صبح صادق نمودار ہونا شروع ہوئی سحر کھانا درست نہیں، یہ تو اصل مسئلہ ہوا، لیکن عوام؛ بلکہ اکثر خواص بھی حقیقی صبح صادق نہ کبھی دیکھتے ہیں اور نہ اس کی معرفت حاصل ہے؛ بلکہ

عموماً آج کل تقویم پر مدار رکھا جاتا ہے جو حسابی چیز ہے، جس میں ایک دو یا زیادہ منٹ کا فرق بھی ہوسکتا ہے، اور تمام لوگوں کی گھڑیاں بھی ایک دم درست وقت پر نہیں ہوتیں؛ بلکہ ان میں بھی پانچ منٹ یا زائد کا فرق ہوسکتا ہے، اس لیے اگر کوئی آدمی تقویم سے معلوم شدہ وقت کے مطابق سحری کرنا چاہتا ہے تو احتیاط اسی میں ہے کہ اس میں صبح صادق کا جو وقت ہے اس سے دس منٹ پہلے سحر کھانے کا سلسلہ بند کردے۔

(۲) اگر کسی آدمی نے آفتاب کا آخری کنارہ ڈوبتے ہوئے اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا، اور اس مشاہدہ کے نتیجہ میں غروب کا علم قطعی اس کو حاصل ہوگیا، تو اس وقت وہ افطار بھی کرسکتا ہے اور اذان مغرب بھی دے سکتا ہے؛ لیکن اگر وہ شخص خود مشاہدہ کرنے کے بجائے تقویم پر مدار رکھ رہا ہے تو وہاں بھی وجوہات مندرجۂ بالا کی بنیاد پر پانچ منٹ احتیاط کرے۔

(۳) اس کے لیے کوئی متعین وقت نہیں ہے، مقام اور موسم کے لحاظ یہ فاصلہ کم وبیش ہوتا رہتا ہے۔ (کمافی احسن الفتاوی ۲/ ۱۴۶)

(۴) تقویم میں لکھے ہوئے وقت استواء شمس کے پانچ منٹ بعد اذان دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

انجکشن سے فسادِ روزہ کا شبہ

سوال: انجکشن کے اثرات اگرچہ منافذِ اصلیہ کے ذریعہ پیٹ تک نہیں پہنچتے،

لیکن بعض انجکشن سے قوت وتوانائی حاصل کی جاتی ہے، تو کیا روزہ دار کے لیے اس کا استعمال درست ہوگا؟ اور کیا ایسا کرنے والے کا روزہ فاسد نہ ہوجائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی چیز کا بدن کے کسی حصہ کے اندر داخل ہوجانا مطلقاً روزہ کو فاسد نہیں کرتا؛ بلکہ اس کے لیے دو شرطیں ہیں: اول یہ کہ وہ چیز جوفِ معدہ میں یا دماغ میں پہنچ جائے۔ دوسرے یہ کہ یہ پہنچنا بھی مخارقِ اصلیہ، یعنی: منفذِ اصلی کے راستہ سے ہو، اگر کوئی چیز مخارقِ اصلیہ کے علاوہ کسی دوسرے کیمیائی طریقہ سے جوفِ معدہ یا دماغ میں پہنچا دی جائے، تو وہ بھی مفسد صوم نہیں۔ انجکشن کے ذریعہ بلاشبہ دوا یا اس کا اثر پورے بدن کے ہر حصہ میں پہونچ جاتا ہے؛ مگر یہ پہنچنا منفذِ اصلی کے راستہ سے نہیں؛ بلکہ عروق (رگوں) کے راستہ سے ہے، یہ راستہ منفذِ اصلی نہیں؛ اسی لیے گرمی کے موسم میں کوئی شخص اگر ٹھنڈے پانی سے غسل کرتا ہے تو پیاس کم ہوجاتی ہے، کیوں کہ پانی کے اجزاء مسامات کے راستہ سے اندر جاتے ہیں، مگر اس کو کسی نے مفسدِ صوم نہیں قرار دیا، اس سے یہ شبہ بھی رفع ہوگیا کہ گلوکوز وغیرہ کے انجکشن ایسے ہیں کہ ان کے ذریعہ بدن کو غذا جیسی قوت پہنچ جاتی ہے، اس لیے ان کا حکم غذا کا سا ہونا چاہیے؟ جواب واضح ہے کہ قوت پہنچانا مطلقاً مفسد صوم نہیں، جیسے ٹھنڈک پہنچانا مفسد صوم نہیں؛ بلکہ منفذ اصلی کے راستہ سے کسی چیز کا جوف معدہ یا دماغ میں پہنچنا مفسد ہے، وہ انجکشن میں نہیں پایا جاتا، اگرچہ قوت اس سے پہنچ جائے۔ (آلات جدیدہ مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ۱۵۶، ۱۵۷)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

انجکشن سے عدم نقضِ صوم پر اشکال

سوال: انجکشن سے صوم ٹوٹتا نہیں، مقیس علیہ کیا ہے؟ جوف میں وصول دوا نہیں اس لیے نقض صوم نہیں تو پاگل کتے کے کاٹنے سے انجکشن ناف میں لیتے ہیں تو وہاں غالباً وصول الدواء الی الجوف ہے تو اس وقت نقض صوم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

انجشکن کے ذریعہ دوا جوف عروق میں پہنچائی جاتی ہے اور خون کے ساتھ شرائین یا اوردہ میں اس کا سریان ہوتا ہے جوف دماغ یا جوف بطن میں دوا نہیں پہنچتی اور فساد صوم کے لیے مفطر کا جوف دماغ یا جوف بطن میں پہنچنا ضروری ہے مطلقا کسی عضو کے جوف یا عروق (شرائین واوردہ) کے جوف میں پہنچنا مفسد صوم نہیں۔ (امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۴۵)

امداد الفتاویٰ جلد دوم ۱۴۵ تا ص: ۱۴۷ نیز فتاویٰ محمودیہ ۳/ ۱۴۳ تا ۱۴۶ اور جلد ۱۱/ ۸۷ مطالعہ کرلیا جائے صرف اس وجہ سے کہ وہ انجکشن ناف میں لگایا جاتا ہے یہ ضروری نہیں کہ دوا جوف معدہ میں پہنچے۔ پوری تحقیق کرلی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۳/ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

کاروبار میں تکلیف سے روزہ نہ رکھنا

سوال: زید کی عمر اس وقت بہتر سال کی ہے، پینتیس سال سے وہ روزہ نہیں

رکھ سکتا، روزہ رکھنے سے ضعف کا احساس ہوتا ہے، اور شام کے وقت روزانہ کاروبار میں تکلیف ہوتی ہے، اگر وہ چاہے تو روزہ رکھ سکتا ہے؛ مگر کاروبار بند کرنا پڑتا ہے، اور آرام کرنا پڑتا ہے، اس کا کام طبابت ہے؛ لہذا کاروبار بند کرنا بھی مناسب نہیں، علاوہ ازیں کاروبار بند کرنے سے روزی روٹی کا بھی سوال ہے، اب زید روزہ رکھے اور آرام کرے، یا روزہ نہ رکھ کر فدیہ ادا کرے، اور فدیہ کی مقدار کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں افطار کی اجازت نہیں ہے؛ بلکہ زید کو چاہیے کہ روزہ رکھ کر آرام کرے۔

إذا كان عنده ما يكفيه وعياله، لا يحل له الفطر؛ لأنه يحرم عليه السوال من الناس، فالفطر اولى (شامی ۲/ ۱۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

کفارۂ صوم کے تسلسل میں حیض مانع نہیں

سوال: روزے کا جو دو مہینہ کا کفارہ ہے، اس میں عورتیں کس طرح عمل کریں؟ کیوں کہ وہ تو حیض کی وجہ سے مسلسل روزے نہیں رکھ سکتی ہیں تو ان کے لیے کیا طریقہ ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حیض تسلسل سے مانع نہیں ہے، اس لیے اگر روزوں کے درمیان حیض شروع ہو جائے تو ایام حیض کے بعد روزہ رکھنا شروع کر دے؛ البتہ اگر ایام حیض کے ختم ہونے کے بعد ایک دن بھی خالی رہا یعنی روزہ نہ رکھا تو تسلسل باقی نہیں رہے گا، اور از

سرنو روزہ رکھنا پڑے گا۔

(قوله: بخلاف الحيض) فإنه لا يقطع كفارة قتلها و إفطارها؛ لأنها لا تجد شهرين خاليين عنه الخ (شامی ۲ /۶۳۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

روزہ کے کفارہ میں گھر کے ملازم کو آزاد کرنا

سوال: اگر کسی نے روزہ فاسد کرلیا، تو اس کو روزہ کی قضاء کرنا اور کفارہ ادا کرنا ضروری ہے؟ اب اس کو ایک غلام آزاد کرنا ضروری ہے؟ اس میں ایک صورت یہ ہے کہ اگر زید نے روزہ فاسد کرلیا اور کفارہ ادا کرنا چاہتا ہے اور اس کے پاس غلام تو ہے نہیں؛ البتہ اس کے گھر ایک کام کرنے والا نوکر جیسا کہ عام طور پر گھروں میں ہوتا ہے، تو اب وہ یہ چاہتا ہے کہ اس نوکر کو کام سے نکال دے اور ہر مہینہ اس کو تنخواہ دیتا رہے، (جتنی تنخواہ وہ پہلے اسے دیتا تھا) تو اس صورت میں اس کا کفارہ ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

گھروں میں کام کرنے والا ملازم آزاد ہے، غلام نہیں ہے؛ اس لیے سوال میں مذکورہ طریقہ اختیار کرنے سے کفارہ ادا نہیں ہوگا، ہمارے دور میں غلام نادر الوجود ہے، اس لیے اب اداءِ کفارہ کی صورت یہ ہے کہ مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو، تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے۔ (شامی ۲/ ۱۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کفارے کے روزے قضاء کی طرف سے کافی نہیں

سوال: اگر بہت سے روزے توڑے ہیں تو کفارہ کے علاوہ ان کی قضاء بھی ضروری ہے یا کفارہ سے قضا بھی پوری ہوجائے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کفارہ الگ ہے اور قضا الگ ہے، اگر کئی روزے توڑے ہوں تو ہر ایک کی قضا الگ الگ ضروری ہے، کفارہ کے روزے قضا کی طرف سے کافی نہیں ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

طہرِ متخلل والی عورت پر روزہ نہیں

سوال: طہر متخلل کا کیا حکم ہے؟ بعض اوقات خصوصاً رمضان میں یہ صورت پیش آئے تو کیا کرے؟ مثلاً ایک دن یا پہلے دن حیض نظر آیا اور پھر دو تین دن نظر نہ آیا تو حائضہ اس صورت میں روزہ رکھے یا متشابہ للصائم کی طرح رہے، اور اگر اس نے روزے کی نیت کرلی تو روزہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس صورت میں اگر بعد میں خون آیا ہے اور درمیان میں ایامِ عادت آگئے تو وہ حیض شمار ہوں گے، روزہ نہ رکھے، حائضہ روزہ دار سے مشابہت بھی اختیار نہیں کرسکتی؛

بلکہ کھانا کھائے؛ البتہ سب کے سامنے نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

کسی کو خون دینے کے لیے روزہ توڑنا

سوال: ہم بلڈ بینک میں ملازمت کرتے ہیں، ہسپتال میں کچھ مریضوں کو حالات اضطراری میں خون چڑھایا جاتا ہے، اس سلسلہ میں دو سوالات کے جوابات درکار ہیں:

① ڈاکٹری اصول کے تحت خالی پیٹ خون نہیں لیا جاتا ہے اور اس وجہ سے روزہ دار کو کھانے کی ہی ہدایت دی جاتی ہے، چند لوگوں کے سوا زیادہ تر روزہ توڑ دیتے ہیں، کیا ہم لوگ ایسی حالت میں اسلامی نقطۂ نظر سے گنہگار تو نہیں ہوں گے؟

② اگر ایسی حالت میں روزہ افطار کرنے کا جواز ہے تو اس کی کیا شکل ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② اس حالت میں شرعاً روزہ توڑنے کا جواز نہیں ہے، آپ اگر کسی کو روزہ توڑنے کے لیے کہیں گے تو آپ بھی گنہگار ہوں گے، ایسے لوگوں کا خون رات میں لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

صومِ داؤدی کی نذر پوری نہ کرنے کا حکم

سوال: میں مقروض آدمی ہوں، جب مجھ پر قرض کا یہ بار گراں آیا، تو میں نے

یہ نذر مان لی کہ میں جب تک اس سے سبک دوش نہیں ہوجاتا، صوم داؤدی رکھتا رہوں گا، اور اس پر عمل شروع بھی کر دیا گیا، کچھ مہینوں تک تسلسل رہا؛ مگر وہ سلسلہ ٹوٹ گیا، کبھی ایسا بھی ہوا کہ مسلسل ہی روزہ نہ رکھ سکا، اور کبھی یوں ہوا کہ بغیر کسی فصل کے برابر روزا نہ رکھتا رہا، اور حالت یہ ہے کہ اب تک میں بارِ قرض سے عہدہ برآ نہیں ہوسکا ہوں، از روئے شرع مجھے کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے؟ کیا ناغہ شدہ روزوں کے کفارے واجب ہوں گے اور ہوں گے تو کتنے؟ اور اس صورت حال سے نمٹنے کی کیا سبیل ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کی نذر کے مطابق آپ پر جب تک آپ قرض سے سبک دوش نہ ہوں، ایک ایک دن کے فصل سے روزہ رکھنا ضروری ہے، جن دنوں میں آپ نے روزے نہیں رکھے، ان ایام کے چھوٹے ہوئے روزے بنیت قضاء رکھنا ضروری ہے، اس پر کوئی کفارہ نہیں، جن دنوں میں آپ مسلسل بغیر فصل کے روزے رکھتے رہے ان دنوں میں ایک ایک دن کے فصل سے رکھا جانے والا روزہ تو نذر کا ہوا، اور درمیانی ایام کے روزوں میں اگر چھوٹے ہوئے نذر کے روزوں کی قضاء کی نیت کی ہے تو وہ قضاء کے طور پر شمار ہوں گے، ورنہ نفل ہے، آئندہ اگر بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ رہے تو روزہ کی جگہ پر بطور فدیہ غلہ یا رقم (ایک صدقۃ الفطر کے برابر) دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ

انتیسویں تاریخ کو چاند دیکھ کر عید منائی اور ۳۰/شوال کو چاند نظر نہ آیا تو کیا ایک روزہ کی قضا ہے؟

سوال: ۲۹/رمضان کو بعض حضرات نے چاند دیکھ کر عید منائی؛ مگر ہوا یہ کہ چند حضرات نے ۲۹/رمضان کو چاند دیکھا، ان کے اعتبار سے شوال المکرم کی ۲۹ یا ۳۰ تاریخ کو چاند نظر آتا؛ مگر چاند نہ ۲۹ کو نہ ۳۰ شوال کو نظر آیا؛ بلکہ جن حضرات نے ۳۰/رمضان کو چاند دیکھا ان کے اعتبار سے ۳۰/شوال المکرم کو چاند نظر آیا تو کیا جن حضرات نے ۲۹/رمضان کو چاند دیکھ کر عید منائی مگر آئندہ مہینے کے اعتبار سے گویا یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ رؤیت صحیح نہیں ہوئی تو کیا ان حضرات کو ۳۰/رمضان کا روزہ رکھنا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عمدۃ الفقہ میں ہے: اگر رمضان کی اکتیسویں رات کو مطلع ابر آلود رہے اور شوال کا چاند نظر نہ آیا تو صبح کو بالاتفاق روزہ نہ رکھیں اور عید کریں، خواہ رمضان کا چاند آسمان ابر آلود ہونے کی صورت میں ایک عادل آدمی کی گواہی سے ثابت ہوا ہو یا دو عادل آدمیوں کی گواہی سے ثابت ہوا ہو، اور اگر رمضان کا چاند آسمان پر ابر یا غبار وغیرہ ہونے کی صورت میں ایک شخص کی گواہی سے ثابت ہوا ہو اور شوال کا چاند اکتیسویں شب کو مطلع صاف ہونے کے باوجود نظر نہ آیا تو بعض کے نزدیک افطار حلال ہے اور بعض کے نزدیک افطار حلال نہیں، دونوں طرف ترجیح ہے، پس ترجیح مختلف فیہ ہے؛

لیکن عدمِ افطار ہی ارجح ہے اور اگر رمضان کا چاند ابر وغیرہ کی حالت میں یا مطلع صاف ہونے کی صورت میں دو عادل گواہوں کی گواہی سے ثابت ہوا، اور شوال کا چاند اکتیسویں شب کو مطلع صاف ہونے کے باوجود نظر نہیں آیا تو اس صورت میں بھی بعض کے نزدیک افطار حلال ہے اور بعض کے نزدیک افطار حلال نہیں ہے اور دونوں طرف ترجیح ہے، پس ترجیح میں اختلاف ہے؛ لیکن افطار حلال ہونا ہی ارجح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، جیسا کہ شامی وغیرہ سے ظاہر ہے۔ (عمدۃ الفقہ ۳/ ۲۴۴)

شامی میں ہے: (و بعد صوم ثلاثين بقول عدلين حل الفطر) (قوله حل الفطر) أي اتفاقاً ان كانت ليلة الحادي و الثلاثين متغيمة، و كذا لومصحية على ما صححه في الدراية و الخلاصة و البزازية، و صحح عد مه في مجموع ا لنوازل والسيد الا مام الا جل ناصر الد ين كما في الا مداد، و نقل العلامة نوح الاتفاق على حل الفطر في الثانية أيضا عن البدائع و السراج و الجوهرة، قال: والمراد اتفاق ائمتنا الثلاثة، و ما حكى فيها من الخلاف انما هو لبعض المشائخ، قلت: و في الفيض: الفتوى على حل الفطر و وفق المحقق ا بن الهمام كما نقله عنه في الامداد بأنه لا يبعد لو قال ان قبلهما في الصحوأي في هلال رمضان و تم العدد لايفطرون و ان قبلهما في غيم أفطروا لتحقيق زيادة القوة في الثبوت في الثاني و الاشتراك في عدم الثبوت أصلا في الأول فصار كشهادة الوا حد اه قال ح: والحاصل أنه اذا غمّ شوال أفطروا اتفا قا اذا ثبت رمضان بشهادة عدلين في الغيم أو الصحو وان لم يغم فقيل يفطرون مطلقا قيل لا مطلقا و قيل يفطرون ان غم رمضان أيضا

وإلا لا. (در مختار مع الشامي ۲/ ۱۰۳-۱۰۴)

عباراتِ بالا سے معلوم ہوا کہ آپ نے اپنے سوال میں جو صورت تحریر فرمائی ہے ویسی ہی صورت رمضان المبارک میں پیش آئے تو افطار کرنا اور عید منانا مفتیٰ بہ قول کے مطابق جائز اور درست ہے، تو پھر صورت سوال میں مزید ایک روزہ رکھنے کا حکم دینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

مشکل ڈیوٹی والے حضرات روزہ رکھیں یا افطار کریں؟

انگلینڈ میں غیر معتدل ایام میں روزے کا دورانیہ کم کرنے کے لیے سبع اللیل کے قول پر عمل کی گنجائش

سوال: امسال رمضان المبارک جولائی کے مہینے میں ہوگا، جس کی وجہ سے برطانیہ کے بعض علاقوں خصوصاً اسکاٹ لینڈ میں طلوع وغروب کے حساب سے روزہ کا دورانیہ تقریباً ۲۰ / گھنٹے ہوگا، سحری اگر اقرب الایام کے حساب سے بند کی گئی (جیسا کہ عموماً فجر اس حساب سے ڈیڑھ بجے پڑھی جاتی ہے تاکہ فجر کی نماز کی ادائیگی میں سہولت ہو اور قضاء نہ ہو) تو یہ دورانیہ پونے اکیس گھنٹے بڑھ جائے گا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس پورے مہینے میں کھانے پینے کے لیے صرف تین یا چار گھنٹے مسلمانوں کو میسر ہوں گے۔ اور اس کے علاوہ بقیہ وقت وہ کھانے پینے سے مکمل اجتناب کریں گے۔ یہ صورتِ حال ان حضرات کے لیے جو پورا مہینہ کام کاج سے چھٹی کر سکتے ہیں،

یا جن کا کام مشقت طلب نہیں، ان کے لیے تو کسی درجے میں قابلِ برداشت ہے؛ لیکن وہ حضرات جو محنت مزدوری کرنے پر مجبور ہیں یا جو ایسے شعبوں میں ہیں جہاں ذہنی چوکنے پن میں ذرا سی کمزوری بھی جان لیوا ثابت ہوسکتی ہے ان کے لیے یہ صورتِ حال جان لیوا بھی ثابت ہوسکتی ہے۔

اسکاٹش ہائی ویز ایجنسی میں ہمارے کچھ نمازی ساتھی کام کرتے ہیں، جن کا کام سڑکوں کی دیکھ بھال اور کسی حادثے کی صورت میں فوراً وہاں پہنچ کر صورتِ حال کو قابو میں کرنا ہوتا ہے۔ اس کے لیے ایجنسی کی طرف سے ان پر یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے آپ کو مکمل فِٹ رکھیں اور ایسی تمام سرگرمیوں سے گریز کریں جو ان میں کسی نوع کی بھی خوابیدگی پیدا کرنے کا باعث ہو۔ سالِ گذشتہ رمضان المبارک کے بعد اس متعلقہ ایجنسی سے ان کے لائن مینیجر ہمارے یہاں آئے اور اتنے لمبے دورانیے کے روزے کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا۔ ان کو تشویش یہ تھی کہ بھاگ دوڑ کے دوران بدن میں پانی کی کمی کی وجہ سے ان کے مسلمان ملازمین dehydrate ہو سکتے ہیں۔ نیز اتنے لمبے دورانیے تک کھانے پینے سے رکے رہنے کے بعد ان میں مکمل ذہنی بیداری ممکن نہیں۔ اس دوران ہائی ویز پر حادثے کی صورت میں ان کی معمولی غفلت تیز رفتار ٹریفک کے درمیان ان کے لیے یا دوسروں کے لیے جان لیوا ثابت ہوسکتی ہے۔ ہائی ویز ایجنسی دورانِ رمضان ان مسلمان ملازمین کو روزے کی حالت میں اس نوع کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے قابل نہیں سمجھتی۔ اس لیے یا تو رمضان المبارک میں انہیں جبری رخصت پر جانا ہوگا یا ممکن ہے کہ ان کی ذمہ داریوں کی نوعیت بدل دی جائے۔

آپ یقیناً اس بات سے اتفاق کریں گے کہ یہ صورتِ حال تعلیم یافتہ اور باصلاحیت مسلمانوں کے لیے جو اچھے ذمہ دارانہ عہدوں پر فائز ہیں پریشان کن ہے۔ اس کی وجہ سے ان پر اعتماد، ان کی competitiveness اور ان کی employability پر بھی سوالیہ نشان لگ سکتا ہے۔ ہائی ویز ایجنسی کے علاوہ سیکیورٹی سے متعلق اداروں، محکمۂ صحت خصاصاً آپریشن تھیٹر میں موجود مسلمان جراحوں؛ بلکہ سٹریٹیجک شعبوں میں موجود سارے ہی مسلمانوں کے لیے یہ صورتِ حال پریشانی کا باعث ہوسکتی ہے؛ بلکہ خدانخواستہ میڈیا میں یہ موضوع آیا تو اس کے اثرات برطانیہ سے باہر دیگر ممالک میں موجود مسلمانوں پر بھی ہوں گے اور یہ صورتِ حال صرف رمضان تک محدود نہیں رہے گی؛ بلکہ اس موضوع کو عموماً باعمل مسلمانوں پر اعتماد مجروح کرنے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ آپ سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

① کیا ایسے حساس شعبوں میں موجود مسلمانوں کو رمضان المبارک میں روزہ چھوڑنے اور بعد میں قضا کرلینے کی اجازت ہے یا نہیں؟

② غیر معتدل ایام میں روزے کا دورانیہ کم کرنے کے لیے سبع اللیل کے قول پر عمل کی عمومی اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اس طرح روزے کا دورانیہ پونے انیس گھنٹے ہوجائے گا۔

③ اس کے علاوہ اس مشکل کے حل کے لیے کوئی قابلِ عمل تدبیر بھی آپ تجویز کرسکیں تو کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

استفتاء میں طلبِ معیشت (ملازمت) اور شریعت کے ایک اہم فریضہ (روزہ)

کے درمیان ٹکراؤ کی صورت ہے، اس لیے اصل حکم تحریر کرنے سے پہلے بطور تمہید یہ جاننا ضروری ہے کہ ایسی صورت میں کس کو ترجیح حاصل ہے:

علامہ علاء الدین علی متقی بن حسام الدین ہندی رحمۃ اللہ علیہ، برہانپوری، گجراتی نے اپنی مشہور کتاب "کنز العمال فی سنن الاقوال و الافعال" میں طبرانی اور بیہقی سے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل فرمائی ہے: طلب کسب الحلال فریضة بعد الفریضة طب، ق، وضعفه عن ابن مسعود (کنز العمال، ۹/۴، مطبوعه: مؤسسة الرسالة) ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رزقِ حلال کو طلب کرنا دین کے اولین فرائض کے بعد دوسرے درجہ کا فریضہ ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے حوالہ سے حدیث کی تشریح نقل کی جاتی ہے؛ ملاحظہ ہو:

جس جگہ پر معیشت میں اور اللہ تبارک وتعالی کے عائد کردہ فرائض کے درمیان ٹکراؤ ہو جائے، وہاں پر اللہ تعالی کے عائد کیے ہوئے فرائض کو ترجیح ہوگی۔ بعض لوگ افراط کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں، جب انہوں نے یہ سنا کہ طلبِ حلال بھی دین کا ایک حصہ ہے تو اس کو اتنا آگے بڑھایا کہ اس طلبِ حلال کے نتیجہ میں نمازیں ضائع ہو رہی ہیں تو ان کو اس کی پرواہ نہیں، روزے چھوٹ رہے ہیں تو ان کو اس کی پرواہ نہیں، حلال وحرام ایک ہو رہا ہے تو ان کو اس کی پرواہ نہیں۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ۱/۱۷۹، ۱۸۰)

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم فرماتے

ہیں: پہلی بات: کاروبار کا نمبر دوسرا ہے اور نماز کا پہلا، پس اگر نماز اور کاروبار میں تعارض ہو جائے تو نماز کو مقدم کرے گا، یہی حال نوکری اور کھیتی باڑی کا ہے، بیہقی اور طبرانی نے حدیث روایت کی ہے: "کسب الحلال فریضة بعدالفریضة" حلال روزی کمانا فرض کے بعد فرض ہے۔ (یہ حدیث فی نفسہ ضعیف ہے، مگر اپنے شواہد کی وجہ سے حسن ہے۔ کشف الخفاء)

آگے فرماتے ہیں:

خیالِ خام: اور کوئی خیال کرے کہ اگر نماز پڑھنے جائیں گے تو گاہک چلا جائے گا اور نقصان ہوگا، کھیت کا کام رہ جائے گا، ملازمت چھوٹ جائے گی تو جان لینا چاہیے کہ رزاق: گاہک، کھیت اور سیٹھ نہیں، روزی رساں اللہ تعالیٰ ہیں اور وہ بہترین روزی پہنچانے والے ہیں، پھر کیوں اسبابِ ظاہری کے چکر میں پڑا جائے، مسبب الاسباب پر اعتماد کر کے تو دیکھو!۔ (تحفۃ القاری ۵/ ۱۲۷-۱۲۹)

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم جہاد کے ایک سفر میں ایک منزل پر اُترے، گرمی نہایت سخت تھی اور غربت کی وجہ سے اس قدر کپڑا بھی سب کے پاس نہ تھا کہ دھوپ کی گرمی سے بچاؤ کر لیں، بہت سے لوگ اپنے ہاتھ سے آفتاب کی شعاع سے بچتے تھے، اس حالت میں بھی بہت سے روزہ دار تھے جن سے کھڑے ہو سکنے کا تحمل نہ ہوا اور گر گئے۔

عن انس قال کنا مع النبی ﷺ فی السفر فمنا الصائم و منا المفطر قال فنزلنا منزلاً فی یوم حار اکثرنا ظِلاً صاحب الکساء ومنا من یتقی الشمس بیده قال فسقط الصوام الحدیث. (مسلم ۱/ ۳۵۶)

جہاد کا سفر دینی سفر ہے، سفرِ شرعی میں روزہ ترک کرنے کی اجازت ہے، عرب

کی گرمی مشہور ہے؛ تاہم صحابہ رضی اللہ عنہم رمضان المبارک کے روزے رکھتے تھے، حدیث شریف میں ہے:

عن ابی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من افطر يوماً من رمضان من غير رخصة و لا مرض لم يقض عنه صوم الدهر كله و ان صامه.

(رواه احمد والترمذی وابو داؤد وابن ماجة والدارمی والبخاری فی ترجمة الباب، مشكوة، كتاب الصوم، باب تنزيه الصوم، الفصل الثانی، ص/۱۷۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بغیر شرعی اجازت کے اور بغیر بیماری (وغیرہ کے کسی عذر) کے رمضان کے ایک دن کا بھی روزہ (جان بوجھ کر) توڑ دے یا چھوڑ دے تو ساری عمر کے روزے بھی اس کا بدلہ نہیں ہوگا؛ اگرچہ وہ ساری عمر روزے رکھے۔

(مظاہر حق، جدید، ۲/۷۴۱)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ حدیثِ بالا کے ذیل میں رقمطراز ہیں:

روزہ ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ارشاد فرمائی ہے، سب سے اول توحید و رسالت کا اقرار، اس کے بعد اسلام کے چاروں مشہور رکن: نماز، روزہ، زکوۃ، حج۔ کتنے مسلمان ہیں جو مردم شماری میں مسلمان شمار ہوتے ہیں؛ لیکن ان پانچوں میں سے ایک کے بھی کرنے والے نہیں، سرکاری کاغذات میں وہ مسلمان لکھے جائیں؛ مگر اللہ کی فہرست میں وہ مسلمان شمار نہیں ہو سکتے؛ حتی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اسلام کی بنیاد تین چیز پر ہے: کلمۂ شہادت، نماز اور روزہ، جو شخص ان میں سے ایک بھی چھوڑ دے وہ کافر ہے، اس کا خون کر دینا حلال ہے، علماء نے ان جیسی روایات کو انکار کے ساتھ

مقید کیا ہو یا کوئی تاویل فرمائی ہو؛ مگر اس سے انکار نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ایسے لوگوں کے بارے میں سخت سے سخت وارد ہوئے ہیں، فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرنے والوں کو اللہ کے قہر سے بہت ہی زیادہ ڈرنے کی ضرورت ہے کہ موت سے کسی کو چارہ نہیں، دنیا کی عیش وعشرت بہت جلد چھوٹنے والی چیز ہے۔

(فضائلِ اعمال، فضائلِ رمضان، فصلِ اول، ص/ ۶۰۰)

① صورتِ مسئولہ میں جو حضرات محنت مزدوری کرنے پر مجبور ہیں یا جن کی ڈیوٹی ذہنی چوکنا پن کی متقاضی ہے؛ یہ حضرات سب سے پہلی یہ کوشش کریں کہ ایجنسی سے تخفیفِ عمل کی درخواست کریں یعنی وقتی طور پر ایسی ذمہ داری اور ڈیوٹی سپرد کرنے کی درخواست دیں جو روزہ کے ساتھ بآسانی نبھائی جاسکے، اگر یہ درخواست منظور ہو جائے تو زہے قسمت! مقصود حاصل ہے، اور اگر یہ درخواست مسترد ہو جائے ظاہر؛ بلکہ غالبِ گمان یہی ہے کہ موجودہ حالات میں یہ درخواست نقار خانے میں طوطی کی آواز کی حیثیت کی حامل ہے، لیکن جب اپنی طرف سے درخواست کرنے کے باوجود مسترد ہوگئی تو ایسی صورت میں درخواست دہندگان اپنی ذامہ داری پوری کرنے والے شمار ہوں گے، درخواست منظور نہ ہونے کی صورت میں، ڈیوٹی کی وجہ سے روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں؛ اس لیے روزہ تو رکھ لیا جائے، ڈیوٹی کے دوران بھوک کی وجہ سے ذہنی بیداری اور چوکنا پن میں خلل واقع ہونے لگے یعنی مخدوش حالت ہو جائے تب استغفار کرتے ہوئے روزہ کو توڑ دے، رمضان کے بعد جلد از جلد روزہ کی قضا کر لیں، کفارہ واجب نہ ہوگا۔

ڈیوٹی شروع ہونے سے پہلے روزہ چھوڑنا جائز نہیں۔ جو حضرات پورا مہینہ چھٹی

لے سکتے ہیں، یا جن کی ڈیوٹی مشقت والی نہیں ان کے لیے روزہ ترک کرنا یا توڑنا جائز نہیں۔

کتبِ فقہ سے چند عبارتیں نقل کی جاتی ہیں:

صاحبِ تاتارخانیہ شیخ امام فریدالدین اندرپتی تحریر فرماتے ہیں: والخادم الحر الذی ذهب لكرى النهر فاشتد الحر و خاف على نفسه الهلاك ينبغى ان لا تجب الكفارة لو افطر (الفتاوى التاتارخانيه جديد، كتاب الصوم، الفصل السابع فى الاسباب المبيحة للفطر، ٣/٤٠٦، مطبوعه:مكتبه زكريا،ديوبند)

فتاوی ہندیہ میں "قنیہ" کے حوالہ سے لکھا ہے: المحترف المحتاج الى نفقته علم انه لو اشتغل بحرفته يلحقه ضرر مبيح للفطر يحرم عليه الفطر قبل ان يمرض كذا فى القنية.

(الفتاوى الهندية، كتاب الصوم، الباب الخامس فى الاعذار التى تبيح الافطار١/ ٢٠٨)

و الصحيح الذى يخشى ان يمرض بالصوم فهو كالمريض هكذا فى التبيين. (ايضاً:٢٠٧)(تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق،فصل فى العوارض ١/ ٣٣٣)

ومنها:(اى الاعذار التى تبيح الافطار)العطش و الجوع كذلك اذا خيف منهما الهلاك او نقصان العقل كالامة اذا ضعفت عن العمل و خشيت الهلاك بالصوم وكذا الذى ذهب به موكل السلطان الى العمارة فى الايام الحارة، اذا خشى الهلاك او نقصان العقل كذا فى فتح القدير (ايضاً:٢٠٧)(فتح القدير،فصل فى العوارض ٢/ ٣٥٦)

قال الرملى قال فى جامع الفتاوى و لو ضعف عن الصوم لاشتغاله بالمعيشة فله ان يفطر و يطعم لكل يوم نصف صاع اهـ و اقول هذا اذا لم يدرك عدة من ايام اخر يمكنه الصوم فيها، اما اذا امكنه يجب

القضاء. (منحة الخالق على البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل فى العوارض ۲/۲۸۱، كوئٹه)

کتبِ فتاوی سے چند فتاوی نقل کیے جاتے ہیں:

فتاوی عثمانی جلد ۲ / ۱۷۹ سے ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے ملاحظہ ہو:

سوال: پائلٹوں کو بعض طبی وجوہات کی بناء پر روزے کی حالت میں پرواز کرنے کی ممانعت ہے، ڈاکٹروں کی ہدایات یہ ہوتی ہیں کہ جہاز اُڑانے سے قبل بھی پائلٹ ضرور کچھ کھاپی کر جائیں اور پرواز سے واپس آکر بھی خورد ونوش کریں، ورنہ طبی نقطۂ نگاہ سے ان کی صحت پر بُرا اثر پڑسکتا ہے، کیا اس صورت میں پائلٹ کے لیے روزہ نہ رکھنے کی اجازت از روئے شرع ہوسکتی ہے؟

نیز اس صورت میں جبکہ پائلٹ جنگی جہاز اُڑاتے ہوں اور ان کی تربیت پروگرام کے تحت لازمی ہو تو کیا ایامِ رمضان میں ان کی اُڑان اور مسافت اپنی اصلی جگہ سے اتنی دور ہوتی ہے کہ وہ پرواز کرتے ہی مسافر کے حکم میں آجاتے ہیں، تو آیا اس صورت میں وہ روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضاء کرلیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: ڈاکٹروں کی بعض ہدایات تو محض بر بنائے احتیاط ہوتی ہیں جن کی خلاف ورزی سے کوئی واقعی نقصان عموماً نہیں ہوتا، ایسی ہدایات کی بناء پر تو روزہ چھوڑنا درست نہیں؛ لیکن اگر یہ ہدایات واقعتاً ایسی ہیں کہ ان کی خلاف ورزی سے نقصان کا گمان غالب ہے، تو ایسی صورت میں پائلٹ کے لیے روزہ چھوڑ کر دوسرے دنوں میں قضاء کرنا جائز ہوگا، سفر کی وجہ سے بلاشبہ روزہ قضا کرنے کی اجازت ہے؛ لیکن سفر سے پہلے وطن ہی میں کھانا شروع کردینا ضرورت کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ (فتاوی عثمانی ۲ / ۱۷۹، ۱۸۰)

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں بزبان فارسی سوال وجواب ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسان اور نان بائی کے لیے موسمِ گرما میں روزہ رکھنا لازم ہے اور رمضان المبارک میں ایسے مشقت والے کام نہ کرے کہ قضاء کی نوبت آئے۔

سوال: روزۂ رمضان کہ فرضیتِ او مؤکد بالقرآن والحدیث اجماعِ امت است بعذرِ کارہائے معاش ہمچو کشتہ کاری وخبازی ودیگر افعالِ شدید کہ در موسمِ گرما انسان را چنداں تشنگی می دہند، اکثر مردم کار نیز می کنند وروزہ نیز می دارند، وبعض مردمِ کاہل روزہ نمی دارند وقضا بعد آں نمی شوند، آیا گذاشتنِ روزہ بدیں عذر چہ حکم دارد؟

جواب: ازیں عذر ہا روزۂ رمضان شریف قضاء کردن درست نیست؛ بلکہ لازم است کہ در رمضان المبارک ایں چنیں اعمالِ شاقہ نکند کہ نوبتِ قضاء کردنِ روزہ برسد۔ قال فی الدر المختار لا یجوز ان یعمل عملاً یصل به الی الضعف فیخبز نصف النهار و یسترح الباقی، فان قال لا یکفینی کذب باقصر ایام الشتاء فان اجهد الحر نفسه بالعمل حتی مرض فافطر ففی کفارته قولان الخ (فتاوی دار العلوم دیوبند ۶/۴۶۶، ۴۶۷)

''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں ہے:

سوال: ہم گلف میں رہنے والے پاکستانی باشندے رمضان المبارک کے روزے صرف اس وجہ سے پورے نہیں رکھ سکتے کہ یہاں رمضان کے دوران شدید ترین گرمی ہوتی ہے، اور کام بھی محنت کا ہوتا ہے کہ عام حالت میں دو گھنٹے کے کام میں دس بارہ گلاس پانی پی لیا جاتا ہے، اگر ہم روزے نہ رکھیں تو کیا حکم ہے؟

جواب: کام کی وجہ سے روزے چھوڑنے کا حکم نہیں؛ البتہ مالکوں کو حکم دیا گیا

ہے کہ رمضان میں مزدوروں اور کارکنوں کا کام ہلکا کردیں۔ آپ لوگ جس کمپنی میں ملازم ہیں اس سے اس کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۴/ ۵۶۳)

آپ نے میڈیا کے متعلق تحریر فرمایا: خدانخواستہ میڈیا میں یہ موضوع آیا تو اس کے اثرات برطانیہ سے باہر دیگر ممالک میں موجود مسلمانوں پر بھی ہوں گے۔ الخ۔

شاید آپ اس سے یہ تأثر دینا چاہتے ہیں کہ روزہ کے باب میں اگر تخفیف کا فتوی نہ دیا گیا تو میڈیا مذہبِ اسلام کے اس اہم رکن (روزہ) کو موضوعِ بحث بنا کر اسلام کو تشدد پسند مذہب قرار دے گی۔

اس کا پہلا جواب یہ ہے: موجودہ دور کی میڈیا دجالی فتنہ کا ایک حصہ ہے، اس نے اسلام اور احکامِ اسلام کی دھجیاں اڑانے اور اسلام اور اہلِ اسلام کو تشدد پسند اور دہشت گرد ثابت کرنے میں بڑا رول ادا کیا ہے، میڈیا نے حدود اور تعزیر کو ظلم قرار دیا، پردہ کو آزادئ نسوانیت میں مخل سمجھا، جہاد کو دہشت گردی ثابت کیا، بے شمار ایسے مسائل ہیں جن کو میڈیا نے موضوعِ بحث بنا کر خوب اچھالا اور یہ سلسلہ جاری ہے؛ لہذا میڈیا سے ڈرنے اور اثر لینے کی ضرورت نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ: ذرائع ابلاغ استعمال کرنے والا ایک سنجیدہ مثبت ذہن رکھنے والا طبقہ ایسا ہے جو احکامِ اسلام پر ریسرچ کرتا ہے، اور ارکانِ اسلام کی پابندی کرنے والے کو نظرِ استحسان سے دیکھتا ہے، اگر بالفرض میڈیا نے روزہ کے مسئلہ کو اچھالا تو بہت ممکن ہے کہ سنجیدہ طبقہ روزہ کے حکم سے اچھا اثر لے اور کیا بعید ہے یہی اثر حلقۂ اسلام میں داخل ہونے کا ذریعہ بن جائے!

آپ کی معلومات کے لیے ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس میں غور فرمالیں،

ایک بوڑھے مسلمان کے شدید گرمی کے روزے نے انتہائی متعصب اسلام دشمن کے قلب پر کیسا اثر کیا۔ قدرت اللہ شہاب صاحب اپنے ''شہاب نامہ'' میں لکھتے ہیں:

ہالینڈ میں ہر بچے کی پیدائش میونسپلٹی کے دفتر میں رجسٹر کرانی لازمی ہے۔ اس مقصد کے لیے جو فارم بھرنا پڑتا ہے اس کے ایک خانہ میں بچے کا مذہب بھی درج کرنا ہوتا ہے، کچھ والدین یہ خانہ خالی چھوڑ دیتے ہیں؛ تاکہ سنِ بلوغت کو پہنچ کر بچہ اپنی مرضی سے جو مذہب اس کا جی چاہے اختیار کر لے۔ کئی میونسپلٹیوں میں مجھے ایسے فارم بھی نظر آئے جن میں والدین نے مذہب کا خانہ خالی چھوڑ کر اس کے نیچے اپنے ہاتھ سے یہ شرط لکھی ہوئی تھی: ''جوان ہو کر اپنی پسند کا کوئی بھی مذہب اختیار کرنے کے لیے آزاد ہے، سوائے اسلام کے۔''

ایک روز میں آرنہم کے وسیع وعریض جنگل میں گھوم رہا تھا، تھک کر درختوں کے جھنڈ میں ایک بنچ پر بیٹھا، تو قریب کے بنچ سے دھیمی دھیمی خوش الحان آواز میں سورۂ رحمن کی تلاوت کی آواز آئی۔ ایک نہایت خوش پوشاک، فرنچ کٹ سفید داڑھی والا ڈچ آنکھیں بند کیے جھوم جھوم کر سورۂ رحمن کی قراءت کر رہا تھا۔ جب وہ فارغ ہوا، تو میں نے اٹھ کر السلام علیکم کہا اس نے وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ کر جواب دیا۔

''کیا آپ ڈچ مسلمان ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا۔ اس کا نام عبداللہ ڈی ہوگ تھا۔ جب اسے معلوم ہوا کہ میرا وطن پاکستان ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے بتایا کہ اسلام کا تحفہ اسے کراچی میں نصیب ہوا تھا۔ وہ پہلے ڈچ نیوی میں اعلیٰ افسر تھا۔ وہاں سے قبل از وقت فراغت حاصل کر کے وہ مرچنٹ فلیٹ میں شامل ہو گیا اور ایک کارگو شپ کا

کپتان بن گیا۔ یہ جہاز مشرقی بندرگاہوں اور یورپ کے درمیان سامان ڈھوتا تھا، ۱۹۴۸ء میں ایک بار اس کا جہاز کراچی کی بندرگاہ پر کچھ سامان لدوانے کے لیے رکا، گرمی اور حبس کا موسم تھا، سامان لادنے والے مزدور پسینے میں شرابور تھے۔ جہاز کے عملے نے انہیں ٹھنڈا پانی دیا، تو سب نے پینے سے انکار کردیا، کیوں کہ ان کا روزہ تھا۔ ایک بوڑھے مزدور پر ڈی ہوگ کو بڑا ترس آیا جو گرمی، حبس اور سامان کے بوجھ تلے بدحال ہورہا تھا۔ دوسروں کی نظر بچا کر وہ اس بوڑھے کو اپنے کیبن میں لے گیا اور اسے ٹھنڈے جوس کا گلاس دے کر اشارے سے کہا کہ یہاں پر اسے کوئی نہیں دیکھ رہا، وہ چپکے سے اسے پی لے۔ بوڑھے مزدور نے نفی میں سر ہلا کر جوس کا گلاس واپس کردیا اور آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر اللہ، اللہ کہتا ہوا کیبن سے باہر چلا گیا۔ اَن دیکھے خدا کی ذات پر اس قدر مکمل، بے ابہام اور غیر متزلزل ایمان دیکھ کر ڈی ہوگ کا دل تو اسی وقت مسلمان ہوگیا تھا؛ لیکن اس کے دماغ نے یہ تبدیلی ایک برس کے بعد قبول کی۔ اس ایک برس کے دوران اس نے اپنے جہاز کے عملے میں ڈچ زبان جاننے والا ایک انڈونیشی مسلمان عالم بھرتی کرلیا۔ اس سے انہوں نے قرآن شریف پڑھا، حدیث سے واقفیت حاصل کی اور پھر قاہرہ کی ایک مسجد میں جا کر باقاعدہ اسلام قبول کرلیا۔ (شہاب نامہ ص/۵۵۱، ۵۵۲)

② جو ممالک ۴۵ / ڈگری عرض البلد سے اوپر جنوب یا شمال میں واقع ہیں، وہاں رات و دن کا وقت مختلف موسم میں متفاوت ہوتا ہے، یو۔کے بھی ۵۰ سے ۵۸ عرض البلد میں واقع ہونے کی وجہ سے اس کی زد میں آتا ہے، لہذا غیر معتدل ایام میں رات کے سات حصے کرکے اخیری حصہ کو صبح صادق قرار دیا جائے تو علمائے

برطانیہ کی ایک جماعت نے سہولت کے خاطر اس کی گنجائش دی ہے۔

حضرت مفتی اسماعیل کچھولوی صاحب دامت برکاتہم سے لندن میں سحر کے آخری وقت کے بارے میں ایک استفتاء کیا گیا تھا، اس کا مفصل جواب ''فتاوی دینیہ'' میں ہے، جس میں حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے تفصیلی دلائل ذکر کیے ہیں، بطور خلاصہ لکھا ہے:

اکابرینِ امت اور فقہائے کرام کے مذکورۃ الصدر ارشادات کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو جہاں جن دنوں میں پوری رات روشنی افق پر رہتی ہے اور جس جگہ حالات کے پیشِ نظر مشاہدہ بھی مشکل ہے کہ آسمان عموماً ابر آلود رہتا ہے، حکومت کی طرف سے روشنی کا مکمل انتظام ہے؛ نیز ہر ایک شخص کو صبح صادق کی معرفت اور پہچان بھی نہیں ہوتی۔ ''الضرر یزال مهما امكن'' اور ''الضرورات تبيح المحظورات'' کے قانون کے پیشِ نظر مسافتِ سفر کی ۴۸/میل کی تحدید اور ماءِ کثیر کی ''دہ دردہ'' کی تعیین کی طرح ان دنوں میں صبح صادق کا وقت ساتواں حصہ مقرر کر دیا جائے تو یہ اوسع للناس اور ارفق ہوگا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں اور حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الفتاوی میں صبح صادق کی پہچان کے لیے جو قاعدہ بتایا ہے اسی طرح یہی فاصلہ صبح صادق اور طلوعِ شمس کے درمیان ہوا ہے۔ اور حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے رات کے ساتویں حصہ والا جو قول لکھا ہے، اس کے حساب سے تقریباً ایک گھنٹہ ہوتا ہے؛ اس لیے ایک گھنٹہ اور بطورِ احتیاط پندرہ منٹ کا اضافہ کر کے سوا گھنٹہ مقرر کرنے سے زیادہ تائید ہوتی ہے۔

میری اپنی رائے میں جن دنوں حقیقی صبح صادق ہوتی ہے ان دنوں میں یعنی آفتاب جب افق سے ۱۸ / ڈگری سے زیادہ نیچے جاتا ہے ان دنوں میں روزہ اور نماز کے لیے اسی کا اعتبار کیا جائے اور گرمی کے ان دنوں میں جب آفتاب اتنا نیچے نہیں جاتا اور آسمان پر پوری رات روشنی رہتی ہے اس وقت "فاقدروا له" پر عمل کرتے ہوئے رات کے سات حصہ کرکے اخیری حصہ کو صبح صادق کا اندازہ کرلیا جائے۔ اور اس پر عمل کرلیا جائے تو لوگوں کے لیے بھی سہولت وآسانی رہے گی اور وقت کی تعیین میں بھی زیادہ پریشانی نہیں ہوگی اور روزہ رکھنے والوں کے لیے بھی سہولت رہے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ۱۹ / محرم الحرام ۱۴۰۳ھ

علمائے برطانیہ اور ائمہ حضرات نے بالاتفاق سوا گھنٹہ مقرر کیا وہ غیر محل میں نہیں ہے؛ بلکہ وہاں کے لوگوں کی سہولت اور شریعت کی حدود کے بموجب ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔ (فتاوی دینیہ ۱ / ۳۵۰ تا ۳۵۷)

③ آپ نے استفتاء میں تحریر فرمایا ہے: سالِ گذشتہ رمضان المبارک کے بعد اس متعلقہ ایجنسی سے ان کے لائن مینجر ہمارے یہاں آئے اور اتنے لمبے دور انیے کے روزے کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا۔ الخ۔

موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور روزہ کے بارے میں شرعی حکم اور اسلامی تعلیمات میں رعایتِ حدود کی تبلیغ کرتے ہوئے، آنجناب کی "صدرِ جمعیت اتحاد المسلمین" ہونے کے ناطے سے ذمہ داری تھی کہ ان سے فرماتے: آپ مسلم ملازمین پر ماہِ مبارک میں کام کی تخفیف کردیں، یا ماہِ مبارک کے لیے ہنگامی ملازم بڑھادیں، ہمارے نبی ﷺ کا ارشاد ہے: من خفف عن مملوكه فيه غفر الله له و اعتقه من النار

(مشکوۃ ص/۱۷۳) ترجمہ: جو شخص اس مہینہ میں ہلکا کردے اپنے غلام (ملازم) کے بوجھ کو اللہ تعالیٰ اس تخفیف کی بناء پر اس کی مغفرت فرماتے ہیں اور آگ سے خلاصی فرماتے ہیں۔ اور اس سلسلہ کے احکام وفضائل بتلاتے، بجائے اس کے ان کی گفتگو سے متأثر ہوکر روزہ میں تخفیف کا سوال پیش فرماتے ہیں۔ یا للعجب

ہر ادارہ اور محکمہ میں ہنگامی ملازم کا انتظام ہوتا ہے؛ نیز مرض اور اعذار کی وجہ سے ایامِ رخصت کے قواعد اور ضابطے مقرر ہوتے ہیں چاہیے تھا کہ ان مینجر صاحب سے روزہ رکھنے والے کے حق میں مزید رعایت واعانت کی درخواست کی جاتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احقر عبد القیوم راجکوٹی، ۱۰/ رجب المرجب ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری　　الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

باب مفسدات الصوم

روزے کی حالت میں عود بتی کا دھواں سونگھنا

سوال: مسجد میں افطار سے قبل عود بتی سلگائی جاتی ہے اس کے دھونی سے کیا کراہت ہے روزہ میں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بہشتی زیور میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسئلہ لکھا ہے کہ لوبان سلگائی پھر اس کو اپنے پاس رکھ کر سونگھا تو روزہ جاتا رہا۔ صرف قضاء واجب ہے۔ اگر کوئی شخص قصدا

خوش بو کی کوئی چیز جلا کر اس کا دھواں اپنی طرف لے گا اور اس کو سونگھے گا تو روزہ یاد ہونے کے باوجود دھوئیں کو داخل کرنا خواہ کسی بھی صورت سے ہو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ دھواں عنبر کا ہو یا اگر بتی جلا کر اس کا ہو یا ان کے علاوہ کسی بھی چیز کا ہو۔ (مسائل روزہ ص ۷۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

روزے کی حالت میں خون دینا

سوال: روزے کی حالت میں اگر کسی کو خون دینے کی ضرورت پیش آجائے ایک دو بوتل تو دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر جسم میں خون پہنچانے کا طریقہ وہی ہو جو انجکشن کے ذریعہ دوائی پہنچانے کا ہے تو روزہ کی حالت میں خون دینے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ ۲۵/شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ہاتھ سے منی خارج کرنا مفسدِ صوم ہے

سوال: رمضان کے روزے کی حالت میں شہوت کے ساتھ منی کو گرانا، یا گرنا، اس سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ اگر ٹوٹتا ہے تو اس کی قضا یا کفارہ دینا ضروری ہوگا یا

نہیں؟ لیکن مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے تقریباً نو یا دس سال سے اس گناہ میں مبتلا ہو تو اس کے لیے کیا کرے؟ توبہ کرنے سے معاف ہوگا یا اتنے سال کے روزے رکھنے پڑیں گے؟ اگر روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو یا مسکینوں کو کھلانے کی طاقت نہ رکھتا ہو، اس کے لیے بتائیے؛ تاکہ وہ شخص ان گناہوں کی وجہ سے اللہ سے ناراض نہ ہو پائے اور عبادت کرنا چھوڑ دے، برائے مہربانی جواب کارڈ پر جلد از جلد دیجئے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہاتھ سے منی خارج کرنا بہت سخت گناہ ہے، حدیث میں اس پر لعنت وارد ہوئی ہے، اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، قضاء واجب ہے، کفارہ نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ۴/۴۴۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

استھما پمپ لینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

سوال: ایک صاحب مرض دمہ سے دوچار ہیں، ان کو برسوں سے اس مرض میں استھما کا پمپ لینا پڑتا ہے، یعنی جب سانس پھولنے لگتی ہے اور سانس لینے میں دشواری اور تکلیف ہوتی ہے اور حالت اس قدر خراب ہوتی ہے کہ وہ کسی کام کے لائق نہیں رہتے، چار قدم چلنا مشکل ہو جاتا ہے، اس حال میں استھما کے پمپ سے ہی تنفس صحیح ہوتا ہے، اور حالت قابو میں آتی ہے، اس پمپ کے لینے کا طریقہ یہ بتلایا کہ پمپ کو منہ کھول کر چلایا جاتا ہے، صرف ایک بار چلانا کافی ہے، اس سے ہوا نکل کر منہ میں جاتی

ہے، اسے منہ میں لے کر منہ بند کر کے ناک کے ذریعہ سانس نکال دی جاتی ہے، اس سے سانس کی نالی کی حالت درست ہو کر مرض میں تخفیف وراحت وقتی طور پر ہو جاتی ہے، آیا اس سے روزہ میں خرابی تو نہیں آتی؟ یہ دوا غالباً معدہ یا دماغ میں نہیں پہنچتی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

استھما پمپ سے چلائی جانے والی دوا حلق کی راہ سے دماغ میں پہنچتی ہے، اس لیے اس سے روزہ تو فاسد ہو ہی جاوے گا۔ (فتاوی دار العلوم بحوالہ مسائل روزہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

مشت زنی سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

سوال: رمضان میں روزے کی حالت میں اگر کسی شخص نے مشت زنی کر کے منی خارج کر دی، تو کیا اس کا روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟ نیز ٹوٹے گا تو کفارہ آئے گا کہ نہیں؟ اور اگر کفارہ آئے گا تو کفارہ میں کیا واجب ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہاتھ سے منی خارج کرنا بہت سخت گناہ ہے، اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، قضاء واجب ہے، کفارہ نہیں۔ (درمختار مع شامی ۲/ ۱۰۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۳ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ

اخراج منی سے روزہ کا فساد

سوال: ایک آدمی نے رمضان المبارک میں روزہ کی حالت میں ناجائز طریقہ

سے اپنی شہوت پوری کی، اس نے ذکر رگڑ کر منی کا اخراج کیا تو کیا روزہ فاسد ہو جائے گا؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو صرف قضا واجب ہوگی یا کفارہ بھی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، صرف قضاء واجب ہوتی ہے، کفارہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

کان میں پانی جانے سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

سوال: اگر صائم حالتِ صیام کان میں پانی ڈالے تو اس کا روزہ ٹوٹے گا یا نہیں؟ اور نہ ٹوٹتا تو ظاہر ہے، شرح وقایہ کے حاشیہ میں لکھا ہے: لیکن ارادۃً ڈالے تو بعض جاہل لوگ روزہ ٹوٹ جائے گا بیان کرتے ہیں، تو برائے کرم روزہ ٹوٹنے کی علت واضح کیجئے اور نہیں ٹوٹتا تو بھی علت بیان کریں؛ تاکہ جاہلوں کا جہل دور ہو جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

روزہ کی حالت میں کان میں پانی چلا جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے؛ لیکن اگر کوئی آدمی قصداً کان میں پانی داخل کرے تو روزہ کے فساد اور عدمِ فساد میں دونوں قول ہیں، اس لیے قضاء کر لینے میں احتیاط ہے۔

أو دخل الماء في أذنه وإن كان بفعله على المختار (درالمختار) قال الشامی: (قوله: وإن كان بفعله) اختاره في الهداية والتبيين وصححه في المحيط، وفي الولوالجية: أنه المختار، فصل في الخانية بأنه إن دخل لا

يفسد، وإن ادخله يفسد في الصحيح؛ لأنه وصل إلى الجوف بفعله، فلا يعتبر فيه صلاح البدن، ومثله في البزازية واستظهره في الفتح والبرهان شرنبلالية ملخصا (شامی۲/ ۱۰۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

روزے کی حالت میں بیوی کے ساتھ لپٹنے سے منی کا خروج

سوال: رمضان المبارک کے مہینے میں دن میں روزے کی حالت میں جوانی کے جوش میں زید اپنی بیوی سے صرف لپٹ کر پڑا رہا، جس کی وجہ سے منی خارج ہوگئی، ایسی حالت میں روزہ ٹوٹ گیا؟ اگر ٹوٹ گیا تو کیا قضاء و کفارہ دونوں واجب؟ اگر اس کا کفارہ ایک روزہ رکھا گیا تو کفارہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسا کرنے سے روزہ ٹوٹ گیا اور صرف قضا واجب ہوگی، کفارہ نہیں۔ (عمدۃ الفقہ ۳/ ۲۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ رصفر المظفر ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بیوی سے لپٹنے کے تین گھنٹے کے بعد لیس دار مادہ خارج ہوا تو کیا حکم ہے؟

سوال: رمضان ہی کے مہینے میں روزے کی حالت میں زید نے اپنی بیوی کو

پیار کیا، چمٹایا؛ لیکن اس وقت منی خارج نہیں ہوئی؛ بلکہ تقریباً تین گھنٹے بعد پیشاب کے ساتھ لیس دار مادہ خارج ہوا، وہ مذی تھی یا ودی یا منی یا جریان کا قطرہ، اس کے بارے میں معلوم نہیں ہوسکا، ایسی حالت میں غسل فرض ہوگیا؟ کیا ایسی حالت میں روزہ ٹوٹ گیا؟ اگر روزہ ٹوٹ گیا تو قضاء رکھنی ہوگی یا کفارہ بھی دینا ہوگا؟ اس کا کفارہ کیا ہے؟ یہ بھی بتلادیجیے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس سے روزہ نہیں ٹوٹا، اور غسل بھی واجب نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ رصفر المظفر ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

نسیاناً کھانے کے بعد عمداً کھانا یا جماع کرنا

سوال: مسائلِ روزہ مکتبہ رضی ص: ۵۹ پر لکھا ہے: مسئلہ جانتے ہوئے بھول کر کھانا کھانے کے بعد عمداً جماع کرنے کی صورت میں کفارہ بھی لازم ہوگا، اور عمداً محض کھانا کھانے کی صورت میں صرف قضاء ہے۔ دریافت یہ ہے کہ جب دونوں صورتوں میں عمداً ہے تو، پھر دونوں صورت میں کفارہ ہونا چاہیے، ایک میں کفارہ اور ایک میں قضاء کیوں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ سے متعلق جو عبارتیں شامی، فتح القدیر وغیرہ میں ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ، دونوں صورتوں میں (یعنی بھول کر کھالینے کے بعد جان بوجھ کر کھانے اور جان بوجھ کر جماع کرنے سے) صرف قضاء ہی واجب ہوگی، کفارہ نہیں۔

وہ عبارتیں یہ ہیں:

ومن أكل في رمضان ناسيا وظن أن ذلك يفطره، فأكل بعد ذلك متعمدا عليه القضاء دون الكفارة؛ لأن الاشتباه استند إلى القياس، فتحقق الشبهة إلخ (هدايه)

(قوله ومن أكل في رمضان ناسيا)أو جامع ناسيا وظن أنه أفطر فأكل أو جامع عامدا، لا كفارة عليه. (فتح القدير ٢/٣٢٥)

أكل أو جامع ناسيا، أو احتلم أو أنزل بنظر،أو ذرعه القيء، فظن أنه أفطر فأكل عمدا للشبهة، ولو علم عدم فطره لزمته الكفارة؛إلا في مسئلة المتن، فلا كفارة مطلقا على المذهب، لشبهة خلاف مالك، خلافا لهما كما في المجمع وشروحه،فقيد الظن إنما هو لبيان الاتفاق. (درمختار)

(قوله إلا في مسئلة المتن)وهي مالو أكل وكذا لو جامع أو شرب؛ لأن علة عدم الكفارة خلاف مالك، وخلافه في الأكل والشرب والجماع كما في الزيلعي والهداية وغيرهما. (شامي ٢/١١)

وإنما لم تجب الكفارة بإفطاره عمدا بعد أكله أو شربه أو جماعه ناسيا؛ لأنه ظن في موضع الاشتباه بالنظير وهو الأكل عمدا؛ لأن الأكل مضاد للصوم ساهيا أو عامدا، فأورث شبهة، وكذا فيه شبهة اختلاف العلماء؛ فإن مالكا يقول بفساد صوم من أكل ناسيا وأطلقه؛فشمل ما إذا علم بأنه لا يفطره،بأن بلغه الحديث أو الفتوىٰ، أولا وهو قول أبي حنيفة، وهو الصحيح. (بحر الرائق ٢/ ٣١٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

روزہ کی حالت میں میاں بیوی کے پیار کی چند صورتیں

سوال :① اگر عورت نے روزہ کی حالت میں مرد کے عضو خاص کو پکڑا یا پکڑوایا، جس سے مرد کو منی نکل آئی تو روزہ کا کیا حکم ہے؟ مرد اور عورت دونوں کے روزوں کی وضاحت فرمائیں، آیا فقط قضا لازم ہے یا کفارہ بھی؟

② اگر عورت نے روزہ کی حالت میں مذکور کام کیا جس سے منی تو نہیں نکلی، نکلنے کے قریب تھی کہ مرد نے رد کر دی، تو روزہ غسل وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

③ اگر خواب کی حالت میں منی نکلنے کے قریب ہوا اور فوراً بیدار ہو کر روک دے، تو غسل کا کیا حکم ہے؟

④ اگر مرد نے عورت کی شرم گاہ میں انگلی داخل کی تو کیا حکم ہے؟

⑤ روزہ کی حالت میں عورت کے اوراعضا کو مس کرنا جس سے مذی نکلے یا نہ نکلے وغیرہ کا کیا حکم ہے؟ پستان کو منہ سے چومنا کیا حکم ہے؟ روزہ مکروہ ہوتا ہے؟ اگر ہوتا ہے تو تحریمی یا تنزیہی یا فاسد وغیرہ؟ تمام کا حکم وضاحت سے جواب مرحمت فرمائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اس صورت میں مرد کا روزہ ٹوٹ گیا اور اس پر صرف قضاء واجب ہے، کفارہ نہیں ہے؛ البتہ روزہ میں یہ حرکت گناہ ہے، توبہ واستغفار دونوں پر لازم ہے۔

② اگر منی نکلی ہی نہیں یعنی روکنے کی وجہ سے اس وقت نہیں نکلی اور بعد میں شہوت ٹھنڈی پڑ جانے کے بعد بھی نہیں نکلی، تو روزہ فاسد نہیں ہوا ہے، اور اگر بعد میں بھی نکلی تو فاسد ہو گیا اور قضاء واجب ہے، کفارہ نہیں۔

③ خواب کی حالت میں منی نکلنا جس کو احتلام کہتے ہیں، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

④ اگر وہ انگلی پانی یا تیل سے تر تھی تو عورت کا روزہ ٹوٹ گیا اور اس پر قضاء ہے کفارہ نہیں ہے، اور اگر خشک انگلی داخل کی تو روزہ ٹوٹا نہیں ہے۔

⑤ اگر عورت کا بوسہ لیا یا اس کے جسم کا مساس کیا اور اس سے منی نکل آئی، تو روزہ فاسد ہو گیا؛ لیکن صرف قضاء واجب ہے کفارہ نہیں ہے، اور اگر ایسا کرنے سے منی نہیں نکلی تو روزہ فاسد نہیں ہوا، چاہے مذی نکلی ہو یا نہ نکلی ہو۔

عورت کا جسم چھونا (جس کی ایک صورت پستان چومنے کی بھی ہے) اس صورت میں مکروہ ہے جب انزال کا اندیشہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۲ رشوال ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

روزے نہ رکھنے سے کفارہ لازم نہیں آتا، صرف قضا کرے

سوال: ڈاکٹر صاحب نے مجھے دوا لکھ کر دی، اور اس کا وقت دو مہینہ تھا، اور مسلسل استعمال کرتا تھا، اسی میں رمضان کے کچھ ایام آ گئے جس میں میں نے روزے نہ رکھے، کیا مجھے اس کی قضا کرنی پڑے گی، یعنی جیسے کوئی جان بوجھ کر روزہ چھوڑے ان کے لیے ایک غلام آزاد کرنا، دو مہینے کے روزے رکھنا یا ساٹھ غریبوں کو کھانا کھلانا، تو کیا مجھے بھی ایسے ہی کرنا پڑے گا، یا خالص روزے رکھنا پڑے گا؟ یہ مجھے مشورہ دیں۔ اگر میں دوا رمضان کے بعد استعمال کرنا چاہتا تو وہ چل سکتا تھا، میں نے شروع کیا اور

سامنے رمضان آکر کھڑا ہو گیا جس میں میرے کچھ روزے گئے، آپ شریعت کے مطابق مجھے بتایئے؛ تاکہ میں اس پر عمل کر کے آخرت کے گناہ سے بچ جاؤں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر آپ کو ایسی بیماری لاحق تھی جس میں شرعاً روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے تب تو آپ پر گناہ نہیں ہے؛ البتہ جتنے روزے ماہ رمضان کے آپ نے نہیں رکھے اتنے روزوں کی صرف قضاء آپ پر لازم ہے، یعنی دس روزے نہیں رکھے تھے تو اس کی جگہ بہ نیتِ قضاء دس روزے رکھ لیجئے۔ اور اگر آپ کو ایسی کوئی بیماری لاحق نہیں تھی تو آپ نے ماہِ رمضان کے روزے نہ رکھ کر بڑا گناہ کیا جس کی توبہ ضروری ہے، رو، رو کر اللہ تعالیٰ سے اس کوتاہی کی معافی مانگیں، اور اس صورت میں بھی آپ پر صرف قضا ہی ہے، یعنی جتنے روزے نہیں رکھے اس کی جگہ بہ نیت قضا اتنے روزے رکھ لینا کافی ہے، آپ پر کفارہ (یعنی غلام آزاد کرنا، ساٹھ غریبوں کو کھانا کھلانا وغیرہ) نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ / جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

متفرقات الصوم

لیلۃ القدر کا اعلان

سوال: ہر سال علی التعیین یہ اعلان کرنا کہ ۲۷ / رمضان لیلۃ القدر ہے یہ

اعلان کرنا سنت ہے یا بدعت؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسلم شریف میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قسمیہ طریقہ سے یہ فرمان وارد ہے کہ شبِ قدر ستائیسویں شب ہے۔ (مشکوٰۃ ۱۸۲)

اگرچہ دیگر روایات کے پیشِ نظر محققین نے اس کو عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں دائر مانا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

مختلف مقامات پر شبِ قدر کے شمار کا طریقہ

سوال: (۱) کیا ایک ہی وقت میں تمام دنیا میں شب قدر ہوتی ہے یا مختلف؟ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر پورے سال میں ایک یا دو مرتبہ ہوتی ہے۔

(۲) اگر مان لیا جائے کہ لیلۃ القدر کا نزول ۲۷ رمضان کی شب میں ہو تو یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہی رات ہر جگہ ۲۷ کی ہو، کیوں کہ دوسرے ملک میں ۲۶ یا ۲۸ کی بھی تاریخ ہوسکتی ہے، پھر اگر ہندوستان والوں کے ۲۷ کی شب میں لیلۃ القدر کا نزول ہو رہا ہے تو دوسرے ممالک میں وہ وقت دن کا بھی ہوسکتا ہے، تو پھر شب قدر بیک وقت سارے ممالک میں ہونا لازم نہ آیا۔

(۳) مثلاً ہندوستان میں شب قدر کا نزول جمعہ ۲۷ رمضان کی شب میں ہوا، اور دوسرے ممالک میں دن کا وقت ہے تو کیا یہی شب قدر دن کا انتظار کر کے آئندہ شب یہی لیلۃ القدر منتقل ہو جائے گی یا وہاں کے لیے دوسری مرتبہ نازل ہوگی؟ اگر

دوبارہ نازل ہوئی تو ایک ہی رمضان میں دومرتبہ نزول کا ثبوت ہوا؟ پھر حدیث کا کیا مطلب ہے؟ برائے کرم مسئلہ کو مع حوالہ کے مدلل ومفصل فرمائیں، ممنون ہوں گا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس زمانہ اور وقت کے ساتھ جو حکم یا فضیلت متعلق ہے، ہر جگہ جب وہ وقت وہ زمانہ آوے گا اسی وقت حکم یا فضیلت بھی واقع ہوگی، پس جس طرح نمازوں کا حکم ہر جگہ طلوع وغروب کے ساتھ ہے، اسی طرح یہاں کے حساب سے جو لیلۃ القدر ہوگی اس وقت وہ برکات خاصہ یہاں نازل ہوں گی، اور جس وقت دوسری جگہ کے حساب سے وہاں لیلۃ القدر ہوگی ویسے ہی برکات ورحمت وہاں اس وقت متوجہ ہوں گی۔ وھذا ظاھر جدا (امداد الفتاوی: ۱۲۹/۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ ذوالحجہ الحرام ۱۴۱۴ھ

صرف دسویں محرم کا روزہ رکھنا

سوال: محرم کے مہینہ کا ایک روزہ رکھا جائے یا دو روزے رکھے جائیں، محرم کا ایک روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دسویں محرم کو روزہ رکھنا ہو تو بہتر یہ ہے کہ اس دن سے پہلے ایک دن کا روزہ بھی رکھ لے، اور اگر پہلے نہیں رکھا تو اس کے بعد والے دن کا روزہ ملالے، اکیلے دسویں محرم کا روزہ رکھنا مکروہ تنزیہی ہے۔

والمکروہ تحریماً کالعیدین وتنزیھاً کعاشوراء وحدہ (درمختار) (قولہ

كعاشوراء وحده) أي مفرداً عن التاسع أو عن الحادي عشر امداد الخ. (شامی، ۲/ ۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

روزے کے باب میں حیض ونفاس اور احتلام کا فرق

سوال: حیض ونفاس اور احتلام تینوں حدث اکبر؛ پھر وجہ فرق کیا ہے کہ اولین مانع صوم ہے ثالث نہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے مطلوبہ فرق کو علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے بدائع الصنائع میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

(وأما) حكم الحيض والنفاس فمنع جواز الصلاة، والصوم، وقراءة القرآن، ومس المصحف إلا بغلاف، ودخول المسجد، والطواف بالبيت لما ذكرنا في الجنب إلا أن الجنب يجوز له أداء الصوم مع الجنابة ولا يجوز للحائض، والنفساء لأن الحيض، والنفاس أغلظ من الحدث، أو بأن النص غير معقول المعنى، وهو قوله ﷺ تقعد إحداهن شطر عمرها لا تصوم ولا تصلي، أو ثبت معلولا بدفع الحرج؛ لأن درور الدم يضعفهن مع أنهن خلقن ضعيفات في الجبلة فلو كلفن بالصوم لا يقدرن على القيام به إلا بحرج، وهذا لا يوجد في الجنابة، ولهذا الجنب يقضي الصلاة، والصوم، وهن لا يقضين الصلاة، لأن الحيض يتكرر في كل شهر ثلاثة أيام إلى العشرة فيجتمع عليها صلوات كثيرة فتحرج في قضائها

ولاحرج في قضاء صيام ثلاثة أيام أو عشرة أيام في السنة، وكذا يحرم القربان في حالتي الحيض، والنفاس ولا يحرم قربان المرأة التي أجنبت لقوله تعالى ﴿فاعتزلوا النساء في المحيض ولا تقربوهن حتى يطهرن﴾ (البقرة:۲۲۲)، ومثل هذا لم يرد في الجنابة بل وردت الإباحة بقوله تعالى ﴿فالآن باشروهن وابتغوا ما كتب الله لكم﴾ (البقرة:۱۸۷) أي: الولد فقد أباح المباشرة وطلب الولد، وذلك بالجماع مطلقا عن الأحوال. (بدائع الصنائع ۴۴۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۳؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مسجد میں روزہ افطار رمضان کے مہینے میں

سوال: ہمارے یہاں مدھیہ پردیش میں عام رواج ہے کہ رمضان میں افطار کے وقت تمام لوگ اپنے اپنے گھر سے افطاری کا سامان بنا کر لاتے ہیں اور مسجد کے صحن میں یا جس مسجد میں جگہ نہ ہو تو جماعت خانے ہی میں تمام لوگ افطار کرتے ہیں آیا یہ فعل کیسا ہے؟ نبی کریم ﷺ یا صحابہ وتابعین سے ثابت ہے یا نہیں اور ان کو اس فعل سے روکا جائے یا نہیں؟ اور اگر روکا جائے تو کس طرح کہ عام رواج ہے؟ فتنہ کھڑا ہونے کا اندیشہ ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

رمضان المبارک میں روزہ دار کو افطار کرانے پر خاص فضیلت وارد ہوئی ہے اگر لوگوں کا اپنے گھر سے افطاری کا سامان مسجد کے صحن میں لاکر افطار کرنے کا

مقصد یہ ہو کہ کوئی مسافر یا غریب مسکین جو اپنی افطاری کی استطاعت نہیں رکھتا وہ بھی شریک ہو جائے اور اس طرح روزہ دار کو افطار کرانے کی فضیلت حاصل ہو جائے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں البتہ مسجد کے اندر یعنی جہاں جماعت سے نماز ہوتی ہے جو شرعی مسجد کہلاتی ہے وہاں بیٹھ کر مقامی لوگوں کا جو معتکف بھی نہیں ہیں افطار کرنا درست نہیں جو حصہ مسجد سے خارج ہے وہاں بیٹھ کر افطار کر سکتے ہیں نیز اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ شور وشغب نہ ہو اور اس طرح افطاری لانے کو ضروری اور واجب نہ سمجھا جائے بہ ایں طور کہ نہ لانے والے پر طعن وتشنیع ہو یا اس کو برا سمجھا جائے اگر ایسا ہوگا تو پھر روکا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۵ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

افطاری اور جماعت میں کتنا فصل ہو

سوال: ① مغرب کی نماز کس وقت ادا کی جائے؟ یعنی جماعت کب کھڑی ہو؟
② افطاری میں دس منٹ ضائع کرنا مناسب ہے یا وقت پر جماعت کھڑی ہونا افضل ہے؟
③ متولی حضرات نے جو ۱۰ منٹ کا وقفہ دیا ہے، افطاری کے لیے کیا وہ درست ہے؟
④ کیا متولی حضرات مغرب کے وقت نماز با جماعت میں تبدیل کر سکتے ہیں؟ (من مانی)۔
⑤ کیا (جماعت) فرض نماز کے لیے ان لوگوں کا انتظار کرنا درست ہے جو گھر

سے افطاری کر کے آتے ہیں؟

⑥ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد بزرگان دین نے بھی افطاری کے لیے اتنا وقت لیا ہے یا روزہ داروں کو دیا ہے جس سے مغرب کی فرض نماز کو ۱۰ رمنٹ دیری سے پڑھیں؟ ایسی کوئی مثال یا مسئلہ ہو تو بتایئے۔

⑦ کیا مغرب کی اذان اور افطاری کے ۱۰ رمنٹ بعد مغرب کی نماز (جماعت) کھڑی ہوئی تو درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① تا ⑦: اذان و جماعت میں اتنا فصل کیا جائے کہ پابندِ جماعت افطار سے فارغ ہو کر کلی وغیرہ کر لے اور شروع جماعت سے شریک ہو سکیں۔ جو لوگ اپنے مکان پر افطار کرتے ہیں ان کو بھی چاہیے کہ افطار میں زیادہ وقت خرچ نہ کریں، اور اپنے انتظار میں تمام حاضرین مسجد کو نہ روکے رہیں۔ آپس کی مصالحت سے وہاں کے اعتبار سے پانچ دس منٹ جیسا مناسب ہو تجویز کر لیں، اس میں نزاع نہ کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/ ۱۳۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۱ رشوال ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مفاسد پر مشتمل افطاری پروگرام میں شرکت

سوال: غیر مسلمین کے مرتب ہوئے روزہ افطاری پروگرام میں شریک ہونا کیسا ہے؟ جب کہ ان کی طرف سے کی گئی اس ضیافت میں دیگر مفاسد کے علاوہ حرام

مال بھی ہوسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جوافطاری کا پروگرام مفاسد پر مشتمل ہواس میں شرکت کرنا درست نہیں، چاہے اس کا ترتیب دینے والا غیر مسلم ہو یا مسلمان۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ر رمضان ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

شوال کے روزوں میں قضا کی نیت کرنا

سوال: کیا شوال کے چھ روزوں میں قضاء کی نیت کریں، دونوں نیتوں کی وجہ سے دونوں کا ثواب ملے گا اور فرض ذمہ سے اتر جائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بعض فقہاء حضرات نے اس کی اجازت دی ہے۔

في فتح القدير: صام في يوم عرفة مثل قضاء أو نذر أو كفارة ونوىٰ معه الصوم عن يوم عرفة، أفتىٰ بعضهم بالصحة والحصول عنها. انتهىٰ (حموي شرح الأشباه والنظائر ۱/۱۵۰)

احتیاط اسی میں ہے کہ قضاء کی مستقل نیت کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۳ر ذی القعدہ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

باب الاعتکاف

بقعۂ مدخولہ میں اعتکاف

سوال: مسجد (جماعت خانہ) کی دیوار منہدم کرکے وسیع کردی گئی تو بقعۂ مدخولہ کا کیا حکم ہے؟ آیا وہاں اعتکاف درست ہے یا نہ؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

توسیع کا مقصد ظاہر ہے کہ رقبۂ مسجد میں اضافہ کرنا ہے، گویا بقعۂ مدخولہ کو مسجد میں شامل کرنے کی نیت موجود ہے، اور جب بقعۂ مدخولہ بھی حصۂ مسجد بن گیا تو اس میں اعتکاف درست ہونے میں کیا تردد ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

ہال میں اعتکاف کرنا

سوال: ہمارے گاؤں کی جامع مسجد جو تقریباً چھ سال قبل شہید کردی گئی تھی، وہ آج تک زیرِ تعمیر ہے، اسی وقت سے پانچوں وقت کی نمازیں وہیں پر باجماعت ادا کی جاتی ہیں، اور دیگر ایک ہال کے اندر بھی نماز اسی وقت سے باجماعت ہوتی ہے جہاں اکثر نمازی ہوتے ہیں، اب رمضان کے اخیری عشرہ کا اعتکاف ہال کے اندر ضروری ہے یا نہیں؟ اگر ضروری نہیں ہے تو ہال کے اندر اعتکاف کرنے والوں کے ثواب میں مسجد میں اعتکاف کرنے والوں کے بالمقابل کوئی فرق آئے گا یا نہیں؟

نوٹ: گذشتہ چھ سالوں سے جامع مسجد اور ہال دونوں کے اندر اعتکاف کرنے کے لیے لوگوں کو بٹھایا جاتا ہے۔

مسجد کی مکمل تعمیر کے بعد ہال میں جماعت بالکل بند کردی جائے گی۔

تراویح دونوں جگہ پر برابر جاری ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہال مسجد شرعی نہیں ہے؛ اس لیے اس میں اعتکاف نہ ضروری ہے، نہ ہی درست ہے، جو لوگ مسجد میں اعتکاف کررہے ہیں ان کا اعتکاف درست ہے اور وہ مستحقِ اجرِ اعتکاف بھی ہیں اور وہاں اعتکاف ہونا بھی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

مکتب میں اعتکاف

سوال: دارالعلوم کی ایک شاخ ہے، جہاں پر بچے بچیاں دونوں پڑھتے ہیں اور پانچ وقت کی نماز پابندی سے ہوتی ہے، تو کیا اس مکتب میں اعتکاف کرنا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اعتکاف کے لیے مسجد شرعی ہونا ضروری ہے، اس لیے مکتب میں چاہے پنج وقت جماعت ہوتی ہو تب بھی اعتکاف درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

مسجد میں ٹھہرنے کی نیت سے اعتکاف کا ثواب نہ ملے گا

سوال: ایک شخص نماز ظہر میں آیا اور اسے یقین ہے کہ میں بیس منٹ تک مسجد میں رہوں گا، چناں چہ اسی ارادہ سے مسجد میں داخل ہوا؛ مگر اعتکاف کا استحضار یا اس کی نیت نہیں کی تو اس کا اتنی دیر مسجد میں ٹھہرے رہنا جبکہ دخول وقت ہی سے اتنی مقدار ٹھہرنے کا ارادہ ہے اعتکاف کے لیے کافی ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اعتکاف کے لیے اعتکاف کی نیت بھی شرط ہے، صورتِ مسئولہ میں نیت اعتکاف نہ ہونے کی وجہ سے اعتکاف کا تحقق نہیں ہوا۔

وهو اللبث فی المسجد مع الصوم ونية الاعتكاف، اما اللبث فركنه؛ لأنه ينبئ عنه، وشرطه النية والمسجدالخ (تبيين الحقائق ۱/ ۳۴۸)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

اعتکاف کے چند مسائل

سوال: ① رمضان میں اعتکاف کی حالت میں نہانے کی حاجت ہوگئی، ٹھنڈے پانی سے نہانے میں طبیعت خراب ہونے کا اندیشہ ہے، تو معتکف مسجد کے صحن میں پانی گرم کرنے تک ٹھہر سکتا ہے؟

② معتکف نے مسجد سے باہر کسی سے بات کرلی، یا سلام کا جواب دیا، تو کیا

اعتکاف فاسد ہو گیا؟

③ معتکف اپنے کپڑے دھو سکتا ہے یا نہیں؟

④ معتکف جمعہ کا غسل کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① دوسرے کو پانی گرم کرنے کے لیے کہہ دے اور وہاں تک خود تیمم کر کے مسجد میں ٹھہرا رہے۔

② چلتے چلتے بات کر لی تو اعتکاف نہیں ٹوٹا، اگر اس غرض سے ٹھہر گیا تو ٹوٹ جاوے گا۔

③ کپڑا ناپاک ہو گیا ہو تو دھو کر پاک کر سکتا ہے۔

④ غسل جمعہ کے لیے مسجد سے باہر نہیں نکل سکتا؛ البتہ جمعہ سے قبل ضرورتِ شرعیہ وطبعیہ کے لیے باہر گیا، تو واپسی میں غسل جمعہ کر سکتا ہے، جلدی غسل سے فارغ ہو کر مسجد آجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

معتکف کا غسل کے لیے نکلنا

سوال: ① اعتکاف کی حالت میں غسل کرنے کے متعلق کیا حکم ہے؟ یہ جو مشہور ہے کہ استنجاء کے بہانہ سے جا کر غسل کر کے آئے، درست ہے یا نہیں؟

معتکف کا نماز جنازہ کے لیے نکلنا

سوال: ② یہ نیت کر کے اعتکاف کرے کہ اگر کوئی رشتہ دار کا انتقال ہو تو میں

جنازہ میں شریک ہوں گا، وہ رشتہ دار اسی گاؤں میں یا دوسری جگہ رہتا ہو تو جا سکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا بیڑی پینے کے لیے نکلنا

سوال: ③ بیڑی، سگریٹ پینے کے لیے جانے کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① حالت اعتکاف میں فرض غسل کے لیے نکل سکتا ہے، ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے غسل کرنے کے واسطے مسجد سے باہر جانا جائز نہیں، اگر چلا گیا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا، غسل جمعہ کرنے کے لیے بھی معتکف کو مسجد سے باہر جانا جائز نہیں؛ البتہ غسل جمعہ سے قبل ضرورت طبعیہ، مثلاً: پیشاب، پاخانہ کے لیے باہر گیا تو واپسی میں غسل کر سکتا ہے؛ لیکن جلدی غسل سے فارغ ہو کر مسجد میں آجائے۔ (فتاویٰ محمودیہ جدید ۲۸۱/۱۰)

② اس نیت سے کوئی فرق نہیں پڑے گا اور جنازہ میں شرکت کے لیے جائے گا تو اعتکاف فاسد ہو جاوے گا؛ البتہ نذر کے اعتکاف میں بوقت نذر یہ استثناء کیا ہو تو معتبر ہوگا۔

لوشرط وقت النذر أن يخرج لعيادة مريض وصلاة جنازة وحضور مجلس علم جاز. (درمختار مع رد المحتار ۴۴۸/۲)

③ اگر مجبور ہو جائے اور نہیں پینے کی صورت میں طبیعت خراب ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو نکل سکتا ہے؛ ورنہ نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ جدید ۲۳۹/۱۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲ / رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

معتکف کا تراویح کے لیے مسجد سے باہر جانا

سوال: فتاوی محمودیہ ۱۰/ ۱۶۰ میں لکھا ہے: معتکف کو خارج از مسجد تراویح کی نماز کے لیے جانا جائز نہیں ہے، زید معتکف ہے اور تراویح کے لیے خارج از مسجد آتا ہے (جو کہ مسجد کا صحن بھی نہیں ہے) ایسی صورت میں زید کا اعتکاف فاسد ہوا یا نہیں؟ اس کی قضاء کرنی پڑے گی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں زید کا اعتکاف فاسد ہو گیا، اگر اعتکاف مسنون ہے تو اس دن کی قضاء روزہ سمیت لازم ہے؛ البتہ احتیاطاً رمضان کے بعد دس دن روزے سمیت قضاء کرے تو بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

ایضاً

سوال: زید ۱۰/ سال سے اعتکاف کرتا ہے، اور تراویح کے لیے خارج از مسجد (جو کہ مسجد کا صحن بھی ہے) نکلتا ہے، فتاوی محمودیہ کی عبارت ۱۰/ ۱۶۰ کو دیکھتے ہوئے اس کا اعتکاف صحیح ہوا یا نہیں؟ یا فاسد ہوا؟ اگر فاسد ہوا تو کیا قضاء کرنی پڑے گی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کا اعتکاف فاسد ہوا، قضاء کے لیے وہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/شعبان ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دورانِ اعتکاف مریضوں کو دیکھنا، ووٹ دینے یا افسر کی طلب پر جانا

سوال: فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۱۵۰ مسائل اعتکاف میں نمبر ۵۴ یہ ہے حکیم صاحب معتکف ہیں لیکن مسجد میں روزانہ صبح ایک گھنٹہ کے قریب مریضوں کو دیکھ کر نسخے لکھتے ہیں اس کے جواب میں حضرت نے فساد اعتکاف کا حکم لگایا ہے جب کہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۶/۵۰۱ خیر الفتاویٰ ۴/۱۴۵ میں عدم فساد مرقوم ہے آپ کے نزدیک جو صحیح ہو تحریر فرمائیں اسی طرح معتکف کا ووٹ کے لیے اور حاکم وافسر کے طلب پر مسجد سے نکلنا مفسد ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکیم صاحب کے دوران اعتکاف مسجد میں روزانہ صبح ایک گھنٹہ کے قریب مریضوں کو دیکھ کر نسخہ لکھنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہونا چاہیے اس سلسلے میں فتاویٰ دار العلوم اور خیر الفتاویٰ کے جوابات ہی صحیح اور درست ہیں۔ ووٹ دینے کے لیے اور اسی طرح حاکم اور افسر کے طلب کرنے پر مسجد سے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۱/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

اعتکاف کے دوران حائضہ ہوگئی

سوال: عورت اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرے گی؛ لیکن اگر اپنے گھر ہی کی مسجد میں بیٹھے بیٹھے حائضہ ہوگئی تو کیا کرے؟ وہاں سے اٹھ جائے اور بقیہ دنوں میں قضاء کرے یا کیا کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حیض آجانے سے اعتکاف نہیں رہے گا، اگر نفل اعتکاف تھا تو وہ ختم ہوگیا، اور اگر مسنون تھا تو ایک دن کی قضاء کرلے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

ایک امام صاحب کے اعتکاف کا حالِ زار

سوال: ہماری مسجد میں امام صاحب ہیں جو خود کو عالم کہلواتے ہیں، امسال اعتکاف میں بیٹھے ہیں اور ساتھ میں امامت بھی کرتے ہیں؛ مگر اعتکاف برائے نام ہے، اور مسجد کے صحن میں بیٹھ کر لوگوں کے ساتھ باتوں میں مشغول رہتے ہیں، طبیعت چلی جس وقت لوگ چلے گئے، برائے نام عبادت میں لگ جاتے ہیں، اور رات میں جس طرح ایک معتکف کو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں مشغول ہونا چاہیے، تو وہ بھی برائے نام ہے، اور وقت سحری کے سحری سے فارغ ہونے کے بعد سگریٹ سلگا کر مسجد کے صحن میں نوش فرماتے ہیں، باقی اب زیادہ کیا لکھا جائے؟ کیا ایک معتکف کو اس طرح کی حرکت کرنا مناسب ہے؟ اور کیا ان تمام باتوں سے اعتکاف قائم رہتا ہے؟ آپ

اس کا مناسب جواب دیں، اسلام کی روشنی میں دیں، عین نوازش ہوگی، جو جگہ مسجد میں معتکف کے لیے قائم کی گئی وہاں برائے نام رہتے ہیں، باقی وقت مسجد کے صحن میں گذارتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اعتکاف کی حالت میں آدمی کو ذکر، تلاوت، دعاء وغیرہ امور میں مشغول رہنا چاہیے، بلاضرورت دنیوی باتیں کرنا بغیر اعتکاف کے بھی مسجد میں مکروہ ہے، اور اعتکاف کی حالت میں اور زیادہ برا ہے، مسجد کا صحن اگر داخل مسجد ہے تو وہاں بیٹھنے سے اعتکاف فاسد نہ ہوگا، اور وہاں سگریٹ پینا جائز نہیں ہے، جو جگہ معتکف کے لیے مسجد میں متعین کی جاتی ہے اسی میں رہنا ضروری نہیں ہے، اس کے علاوہ مسجد کے دیگر حصوں میں بھی بیٹھ سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/شوال المکرم ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

معتکف کے لیے مسجد میں ریڈیو لانا

سوال: ایک آدمی کو حرم شریف کی تراویح ریڈیو پر سے سننے کا بھی بہت شوق ہے، اور اعتکاف بھی کرنا چاہتا ہے، تو کیا وہ مسجد میں ریڈیو سے سن سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کی عظمت وحرمت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس میں ریڈیو لایا ہی نہ جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

معتکف کے لیے وضو کے دوران صابن کا استعمال

سوال :① معتکف کیا وضوء کے لیے جائے تو حوض پر بیٹھ کر صابن سے منہ ہاتھ دھوسکتا ہے؟ اور سر میں بدبو آتی ہے تو کیا سر بھی صابن سے دھوسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا مسجد میں حجامت بنوانا

سوال :② اور حجام کے پاس حجامت بنواسکتا ہے؟ حجام کو مزدوری دینے پر حجامت بنائے تو کیا جائز ہے؟ کیوں کہ سورت سے ایک کتابچہ آیا ہے جو نثار بھائی واگ بکری والوں نے چھپوایا ہے اس میں لکھا ہے کہ: حجام مسجد کے باہر رہے اور معتکف مسجد میں اس صورت میں جائز ہے، اور مفتی اسماعیل صاحب کچھولوی کی کتاب میں لکھا ہے: جائز ہے، اس میں کچھ تفصیل نہیں، لہذا آپ واضح فرمائیں حجامت کس صورت میں بنائیں؟ کیوں کہ ہمارے یہاں ہر سال نائی کو بلا کر جماعت خانہ میں بال کٹواتے ہیں اور مزدوری بھی دیتے ہیں، جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① وضو کے لیے نکلنے کی صورت میں وضوء کے درمیان صابون کا استعمال بھی کر سکتا ہے۔

② اگر حجام اجرت لے کر حجامت بناتا ہے تو اس کے لیے مسجد میں بیٹھ کر حجامت بنانا جائز نہیں ہے، اجرت لے کر مسجد میں قرآن مجید پڑھانا جائز نہیں ہے تو حجامت بنانا کیونکر جائز ہوگا؟ البتہ اگر کوئی آدمی بلا اجرت لیے معتکف کی حجامت بنادے تو اس

شرط کے ساتھ جائز ہے کہ مسجد میں بال وغیرہ نہ پڑیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

سنتِ مؤکدہ اعتکاف کی نیت وقضاء

سوال: سنتِ مؤکدہ اعتکاف کی نیت ایک ساتھ دس دن کی کرے یا پھر ایک ایک دن کی نیت کرلے، ایک ایک دن کی نیت کرنے کی صورت میں وہ سنتِ مؤکدہ اعتکاف رہے گا یا نفل؟ اور کسی وجہ سے سنتِ مؤکدہ اعتکاف فاسد ہوجائے تو فضائل اعمال میں ہے کہ سنت اعتکاف اور نفل اعتکاف کی قضاء نہیں ہے؛ مگر کچھ سال پہلے سنا تھا کہ جس دن فاسد ہوا اس دن کی قضا کرنی ہوگی تو کیا یہ صحیح ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک ساتھ پورے عشرہ کی نیت کرے تب ہی سنتِ مؤکدہ اعتکاف ادا ہوگا، ایک ایک دن کی نیت سے نہیں۔ جس دن اعتکاف فاسد ہوا اس دن کی قضا کرنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

بیڑی پینے سے روکنے پر اعتکاف چھوڑ دیا گنہگار کون ہوگا؟

سوال: موضع پونہ، ہمارے محلہ کی مسجد میں ماہِ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں بہت سے حضرات اعتکاف کیا کرتے تھے، اس درمیان مسجد کے امام صاحب نے کہا کہ اعتکاف کرنے والے بیت الخلاء وغیرہ جگہوں میں جاکر بیڑی سگریٹ وغیرہ

ہرگز نہیں پی سکتے، جس کے نتیجہ میں جماعت والوں نے دوسال سے اعتکاف کرنا ہی چھوڑ دیا، تو بیڑی وغیرہ پینے میں شرعی کیا حکم ہے؟ اور اعتکاف ترک کردینے سے گنہگار کون ہوں گے؟ جس کی رہبری فرما کر کرم فرمائیں، بڑی عنایت ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیڑی بلاضرورت پینا مکروہ ہے، بضرورت درست ہے، اور کراہت بھی بدبو کی وجہ سے ہے، اور درجۂ حرام میں نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۱۱۲)

یہ تو بیڑی پینے کا مطلق حکم ہوا، چاہے معتکف ہو یا غیر معتکف، اب اگر کوئی معتکف آدمی بیڑی پینے کا عادی ہے تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ اعتکاف کرنے سے پہلے ہی بیڑی چھوڑنے کی کوشش کرے، اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو تعداد اور مقدار کم کردے، اور اگر کچھ پینی ہی پڑے تو جس وقت استنجاء اور طہارت کے لیے نکلے، اس وقت بیڑی کی حاجت پوری کرے، خاص بیڑی پینے کے لیے نہ نکلے؛ مگر جب مجبور ہوجائے اور طبیعت خراب ہونے کا خوف ہو تو اس کے لیے بھی نکل سکتا ہے، کہ ایسی اضطراری حالت کے وقت یہ طبعی ضرورت میں شمار ہوگا، اور مخل ومفسد اعتکاف نہ ہوگا۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۵/ ۲۰۲)

معلوم ہوا کہ اعتکاف کرنے والا مذکورہ بالا طریقہ سے بیڑی پی سکتا ہے، اس لیے امام صاحب نے مطلق ممانعت کا جو حکم بتلایا وہ درست نہیں ہے، اور اسی کے نتیجہ میں اس مسجد میں عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کی سنت جو سنتِ کفایہ ہے چھوڑی جارہی ہے، جس کا ذریعہ امام صاحب بنے، اس لیے وہ اس گناہ کا ذریعہ بننے پر گنہگار ہوئے، اور سنتِ کفایہ چھوڑنے کا جو گناہ ہے اس میں امام صاحب کے ساتھ تمام محلہ والے بھی

داخل ہیں، آئندہ کے لیے توبہ واستغفار کر کے دوبارہ اس سنت کو جاری کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

اعتکاف میں بیٹھ کر اسکول کے امتحان کی تیاری کرنا

سوال: اعتکاف میں بیٹھ کر اسکول کے امتحان کی تیاری کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اعتکاف اللہ تعالیٰ کی یاد اور ذکر وعبادت وتلاوت کے لیے کیا جاتا ہے، اسکول کے امتحان کی تیاری کے لیے نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ر ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

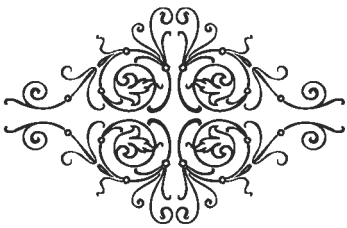

كتاب الحج

دو لاکھ مالیت والے پلاٹ کے مالک پر حج فرض ہے

سوال: ایک شخص کا اپنا مکان ہے، لڑکیاں سسرال میں ہے، لڑکے اپنے کاروبار کرتے ہیں، اس شخص کی ملکیت میں ایک پلاٹ ہے دو لاکھ کی مالیت کا، مذکورہ شخص اپنا گذر بسر ملازمت سے کرتا تھا، اسی دوران ذی الحجہ آ گیا، اولاد پلاٹ کی ضرورت کا اظہار کر رہی ہیں، آیا مذکورہ شخص حج کرے یا پلاٹ اولاد کو دے دیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس پر حج فرض ہے، اس کو چاہیے کہ پلاٹ بیچ کر حج کو جائے۔

(أو أرضٌ) أی لا یزرعها أو زیادةٌ علی قَدْرِ حاجتِهِ من غَلّتها (أو كَرْمٌ) أي بُستانُ عِنَب و نحوِه من أشجار ثمار، زائدةٌ علی مقدار التفكّه بها أو (حوانيتُ) اي من دَكاكين وحمّامات وسائرِ مستَغَلاتٍ فاضلاتٌ عن مقدار الحاجات (أو نحو ذلك) أي من ابل و بقر و غنم تُرْعَى (مما لا يَحتاجُ اليها) أي الى لبنها و شَعْرها و لحمها (يجبُ بيعُهَا ان كان بِهِ) أي بثمنها (وفاءٌ بالحج) اي بنفقةِ أداء الحج.

(حاشية ارشاد الساري الى مناسك الملا علی قاري:٦٠)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: و في التجر يد: ان كان له دارٌ لا يسكنها و عبد لا يستخدمه فعليه ان يبيعه و يحج به (١/٢١٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

مقروض شخص پہلے قرض ادا کرے یا حج؟

سوال: زید نے سعودی عرب میں ملازمت کرتے ہوئے اپنے والد کو ہندوستان

میں ایک معقول رقم حج کی ادائیگی کے لیے روانہ کی؛ لیکن زید کے والد محترم ہندوستان میں ایک شخص کے مقروض ہیں، اب والد محترم کو حج کی ادائیگی پہلے کرنا چاہیے یا پہلے قرض کی ادائیگی کرنا چاہیے؟ ازراہ کرم جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید کے والد محترم کو اگر اطمینان ہے کہ ان پر جو قرض ہے وہ ادا ہو جائے گا تو وہ حج کے لیے جاسکتے ہیں، موت وحیات کا کوئی بھروسہ نہیں، اس لیے حج میں جاتے وقت وصیت وانتظام کر جائے کہ میرے بعد میرا قرض میری فلاں جائیداد سے ادا کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مقروض شخص حج کرسکتا ہے

سوال: ایک شخص ہے جس پر حج فرض نہیں اس کے ذمہ قرض ہے یعنی وہ مقروض ہے مگر اس کی اولاد اس کی قرض کی ادائے گی کی ذمہ داری لیتی ہے۔ اور ان اولاد کی بھی دلی تمنا ہے کہ ان کے والدین اپنی زندگی میں حج ادا کریں اور ادھر ان کے والدین برسوں سے یہ تمنا اور دلی آرزو اور حج کی ادائیگی کی تڑپ لیے بیٹھے ہیں کہ کاش حق جل شانہ اپنے عظمت اور جلال والے مقدس گھر یعنی کعبۃ اللہ شریف اور سرور کونین، مدنی آقا کے روضۂ اطہر اور مقدس مقامات کی حاضری نصیب فرمائے۔ والد کی عمر ۵۹ اور والدہ کی ۵۵ سال کی ہو چکی ہے فی الحال والد اور والدہ ساؤتھ افریقہ میں ڈھائی سال

سے مقیم ہیں۔ والد صاحب درس وتدریس کی خدمات انجام دیتے ہیں الحمدللہ والمنہ اپنی کمائی سے بہت سارا قرض اپنا ادا کر چکے ہیں اور تدریج بتدریج ادا کر بھی رہے ہیں۔ تاہم کچھ قرض ان کے ذمہ باقی ہے۔ مگر قرض کی ادائیگی کا انھیں پوری طرح پاس ہے۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ ابھی اللہ تعالیٰ نے صحت اور تندرستی دے رکھی ہے جو کہ قدر علیل اور نقاہت کا شکار ہیں دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں مکمل صحت اور تندرستی عطاء فرمائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حج کی ادائیگی کے بعد بھی قرض کی ادائیگی کے متعلق اطمینان ہے تو حج میں جا سکتا ہے کوئی گناہ نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حج کے لیے وقت معیار ہے یا ظرف؟

سوال: حج کے لیے وقت معیار ہے کہ اس سال دوسرا حج ادا نہیں کر سکتے اور ظرف بھی ہے کہ پورا وقت صرف نہیں ہوگا صرف پانچ دن خرچ ہوتے ہیں اور ظرف کا تقاضہ ہے کہ مامور بہ کو اول اوسط آخر تمام وقت میں جب چاہے تب ادا کر سکتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ صرف ذی الحجہ میں ادا کرتے ہیں، حکومت اعلان کر دے کہ اس سال شوال پھر ذوالقعدہ میں، ایسا نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعت مطہرہ کی طرف سے شوال ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے ابتدائی ایام کے اشہر

حج کے نام سے موسوم کرنے کے باوجود بعض افعال حج کی ادائیگی کے لیے ایام واوقات کی بھی تعیین کردی گئی ہے، بندوں کے اختیار پر نہیں چھوڑا گیا۔ اصول فقہ کا شمار فنون عقلیہ میں ہے، فنون نقلیہ میں نہیں علمائے اہل اصول نے شریعت مطہرہ کے احکام وعلل کو مدنظر رکھتے ہوئے بنیادی طور پر اس کے اصول کا استخراج بہ طور استقراء کیا ہے اور اسی طریق کار پر چلتے ہوئے امر مقید بالوقت کی چار انواع پر عقلی تقسیم فرمائی ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ اصولی طور پر احکامِ شرع کا مجموعی خاکہ اہل علم کے سامنے آجائے، چناں چہ وقتِ حج کو ظرف قرار دینے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ کسی سال حکومت کو ایسا اعلان کرنے کا اختیار دیا جائے کہ امسال حج شوال میں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۳؍رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

باپ کا قرض ادا نہ کرنے والے کا حج صحیح ہے

سوال: ایک شخص اپنے باپ کے پاس سے قرضہ کے طور پر پیسے لے کر سعودیہ ملازمت کرنے کے لیے گیا، پھر ایک سال کے بعد باپ اپنے بیٹے سے دیے ہوئے پیسے طلب کرتا ہے، تو بیٹا جواب میں کہتا ہے کہ میں حج کرنے کے بعد دوں گا اور اس نے حج کیا تو اس لڑکے کا حج صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حج صحیح ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

نفلی حج کرنا افضل ہے یا ذاتی مکان بنانا؟

سوال: زید بمبئی میں رہتا ہے، زید کا اپنا خود ذاتی مکان نہ بمبئی میں ہے اور نہ وطن میں ہے، ابھی تک کرایہ کے مکان میں فیملی کے ساتھ رہتا ہے، زید ویسے تو کئی حج کر چکا ہے، اور بیوی کو بھی حج کرا چکا ہے؛ لیکن جب کوئی گھر لینے کے بارے میں کہتا ہے تو زید جواب دیتا ہے جب تک گھر نہیں ہوگا زکوۃ سے بچتے رہیں گے، لوگ کہتے ہیں کہ بھائی شریعت نے بیوی کے لیے ضروری کیا ہے، ویسے جس کرایہ کے گھر میں رہتے ہیں ضروریاتِ زندگی کی ہر چیز موجود ہے، صرف اپنا ذاتی گھر نہیں، اس سال بھی بیوی بچوں کے ساتھ حج کرنے جا رہے ہیں، اس پر پھر لوگوں نے کہا بھائی پہلے اپنا گھر بناؤ، زندگی اور موت کا کوئی بھروسہ نہیں کہ کیا ہو جاوے؟ کم از کم اپنا گھر رہے گا تو بیوی بچے اپنے گھر میں خود رہیں گے؛ لیکن زید کی سمجھ میں نہیں آتا، ویسے بچے ابھی صاحب نصاب نہیں ہیں کہ ان پر حج فرض ہو، پوچھنا یہ ہے کہ یہ جو پیسے حج کی نیت سے جمع کر لیے ہیں تو ان سے حج کریں یا گھر کا انتظام؟ حج تو نفلی ہوگا؛ کیوں کہ وہ پہلے بھی کئی حج کر چکا ہے، اور ایک بات یہ پوچھنا ہے کہ کیا اولاد کو حج کرانا کیا والدین پر فرض ہے؟ دوسری بات یہ کہ زید پر اب حج فرض نہیں ہے، کیا صرف نام کے لیے حج کیا جا سکتا ہے کہ ہم نے اتنا حج کیا ہے؟ اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آدمی پر اہل وعیال کے لیے رہائش کا انتظام کرنا بھی ضروری ہے؛ لیکن اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ رہائش کا یہ انتظام اپنے ذاتی ملکیت کے مکان میں کرے؛ بلکہ

کرایہ کا مکان لے کر اس میں بھی یہ انتظام کیا ہے تو اسی کا ذمہ بری ہو جائے گا۔

صورتِ مسئولہ میں اگر زید کا فریضۂ حج ادا ہو چکا ہے تو اب مزید حج کرنا اس پر ضروری نہیں؛ نیز اولاد کو حج کرانا بھی اس پر ضروری نہیں، اگر وہ اولاد کو حج کرا رہا ہے یہ اس کا ان پر احسان ہے، بہر حال زید اگر اپنی رضا اور رغبت سے اپنے پاس آئی ہوئی رقم نفلی حج میں خرچ کرنے کے بجائے اپنے لیے ذاتی مکان حاصل کرنے میں خرچ کرے تو مناسب ہے؛ لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرتا تو اس کے اہل وعیال اس معاملہ میں اس پر کوئی جبر نہیں کر سکتے، اور شرعاً اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ مرتے وقت اپنے اہل وعیال کے لیے گھر چھوڑ کر جائے، جب تک وہ زندہ ہے اہل وعیال کی ذمہ داری اس پر ہے جس کو وہ نبھا رہا ہے، ہاں! اہل وعیال کے ساتھ محبت وتعلق کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنے بعد بھی ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے ایسا انتظام کیا جا سکتا ہو تو کر لینا مناسب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/صفر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

کیا عمرہ کرنے سے حج فرض ہو جاتا ہے؟

سوال: کسی آدمی نے حج کی ادائیگی سے پہلے عمرہ کر لیا تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا عمرہ کرنے کی وجہ سے حج فرض ہو جاتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسا آدمی جس پر پہلے سے حج فرض نہیں ہے وہ جب عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ

اور کعبۃ اللہ شریف جا پہنچا تو اس پر فرضیت حج متعین ہو جاوے گی؛ لیکن یہ فرضیت حج بالاتفاق تب ہوگی جب حج کے مہینوں میں آ کر کعبۃ اللہ شریف میں پہنچا ہو، اور اگر کعبۃ اللہ شریف میں حج کے مہینوں میں نہیں پہنچا تو سب علماء کے نزدیک مشہور اور راجح قول میں اس پر حج فرض نہ ہوگا، کیوں کہ حج کے واجب ہونے کے لیے وقت بھی شرط ہے۔ (زبدۃ المناسک ص ۱۴، ۱۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

کیا عمرہ کرنے سے حج فرض ہو جاتا ہے؟

سوال: اب کی سال ٹکٹ کی سہولت کی وجہ سے بہت سارے لوگ عمرہ کے لیے اپنے بالغ یا قریب البلوغ لڑکوں اور لڑکیوں کو بھی لے جاتے ہیں، تو کیا بیت اللہ کو دیکھنے کے بعد ان بچوں پر آئندہ حج فرض ہو جائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷ر شعبان ۱۴۱۶ھ

عمرہ کے لیے جانے والے پر حج فرض ہو جاتا ہے؟

سوال: یہ والدین دسمبر کی ڈیڈھ ماہ کی ہونے والی تعطیلات میں اپنے وطن عزیز انڈیا آنا چاہتے ہیں تو ان کے کچھ احباب نے یہ مشورہ دیا کہ ویسے جب کہ آپ انڈیا جا ہی رہے ہو تو کیوں نہ انڈیا جاتے وقت یا انڈیا سے آتے وقت عمرہ ادا کر لو اور اسی

سفر کے خرچ میں آپ کو بیت اللہ شریف اور روضۂ اطہر کی حاضری وزیارت کا شرف بھی حاصل ہوجائے گا۔عمرہ کے بارے میں بزرگوں سے یہ سنا گیا ہے کہ عمرہ کرنے والے پر حج کی ادائے گی کی فرضیت لازم ہوجاتی ہے۔کہ جب عمرہ ادا کرلیا تو اس پر حج پڑھنا واجب ہوجاتا ہے۔تو برائے کرم شریعت مطہرہ کے احکام سے مطلع فرماتے ہوئے رہبری فرمائیں اور جلد از جلد آں قبلہ محترم جواب خط سے مسرور فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔جزاکم اللہ خیرا فی الدارین خیر الجزاء واحسن الجزاء۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی ایسا آدمی جس پر حج فرض نہیں ہے وہ حج کے مہینوں شوال، ذوالقعدہ، ذوالحجہ میں اگر کعبۃ اللہ شریف پہنچے اور ایام حج کا خرچہ کھانے کا بھی رکھتا ہو تو اس پر حج فرض ہوجاتا ہے ورنہ نہیں۔(زبدۃ)

والدین جن ایام میں عمرہ کے لیے جانے والے ہیں یا جانا چاہتے ہیں اگر وہ اشہر حج نہیں ہے تو عمرہ کے لیے جانے کے باوجود ان پر حج فرض نہیں ہوگا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جماعتِ تبلیغ کے سفر سے فریضۂ حج ادا کرنا

سوال: کوئی بیرون کی جماعت میں جائے اور واپسی میں حج کر کے آئے تو حج کا فرض ادا ہوگا یا نہیں؟ یعنی حج ہوا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کا فریضۂ حج ادا ہو گیا، اب دوبارہ بحیثیت فرض اس پر حج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

سرکار یا کسی اور کے خرچہ سے فریضۂ حج کی ادائیگی

سوال: (۱) مسلم سرکاری ملازمین کو سرکار اپنے خرچ پر حج بیت اللہ کے لیے بھیجتی ہے کیا اس سے حج فرض ادا ہو جاتا ہے؟

(۲) کیا دوسرے کے خرچ سے حج فرض ادا ہو جاتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) اگر وہ اپنے فریضۂ حج کی نیت کریں گے تو ان کا فرض ادا ہو جائے گا۔

(۲) جی ہاں!۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بیٹے کے عمرہ سے والدین پر حج فرض نہیں ہوتا

سوال: ایک شخص ۸/صفر ۱۴۱۰ھ کو سعودی عربیہ گیا، اور شوال ۱۴۱۰ھ کو اس نے اپنی جانب سے دو عمرے ادا کئے، اور دوسرا عمرہ اسی موسم حج میں ادا کیا، پھر ماہ رمضان ۱۴۱۱ھ میں اسی نے دو عمرے ادا کئے، ایک اپنے والد کی جانب سے اور ایک اپنی والدہ کی جانب سے، حالاں کہ اس کے والدین تندرست اور حیات ہیں، تو کیا وہ

شخص اپنے والدین کی جانب سے عمرہ کرسکتا ہے؟ کیا عمرہ کرنے کے بعد اس کے والدین پر حج فرض ہوجائے گا؟ اور یہ آدمی سعودی عربیہ کمانے گیا ہے، اور اس کی اتنی استطاعت نہیں کہ والدین کو حج کرائے، تو برائے کرم اس سوال کا جواب عرض کیجئے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مذکور آدمی کا اپنے والدین کی طرف سے عمرہ کرنا درست ہے، ان کو عمرہ کا ثواب ملے گا، اور اس آدمی کے عمرہ کرنے کی وجہ سے والدین پر حج فرض نہیں ہوا؛ البتہ اگر والدین کے پاس اتنی مالی استطاعت ہے کہ وہ حج کرسکیں تو ان پر حج فرض ہوگا؛ ورنہ نہیں۔ بیٹا کتنا صاحب استطاعت کیوں نہ ہو، اس پر ضروری نہیں کہ والدین کو حج کرائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ذوالقعدہ ۱۴۱۱ھ
لجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

والدین نے حج نہ کیا ہو تو بیٹا مع اہلیہ حج کو جاسکتا ہے؟

سوال: میاں بیوی دونوں پانچ سال سے الگ رہتے ہیں، اور بیوی کو ان کے والد صاحب نے ملکیت کے طور پر ان کے نام پر الگ پیسے دیے ہیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ شوہر کی ساس سسر کہتے ہیں کہ تم حج کا فارم بھر دو، اور حج پڑھ لو، اور اتنے پیسے ہیں کہ حج آسانی سے ہوسکتا ہے، اور حج کا فارم وغیرہ بھی بھر دیا ہے، اور دیگر تمام کاروائی بھی ہوچکی ہے۔ اب اصل بات یہ ہے کہ بیوی کے والد والدہ نے تو حج پڑھ لیا ہے، اور شوہر کے والد والدہ نے حج نہیں پڑھا اور بات ایسی بنی ہے کہ اگر شوہر بیوی

کے ساتھ حج کو جاتا ہے تو ماں باپ ناراض ہوتے ہیں اور ناراض ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے ابھی تک حج نہیں پڑھا اور بیٹا حج کو جائے؟ یہ ظاہری وجہ ہے۔ اور گاؤں میں ایک عام ذہن بنا ہوا ہے کہ جب تک ماں باپ حج نہ پڑھیں وہاں تک اولاد حج کو نہیں جاسکتی، اور اس خیال میں عوام وخواص سب ہی مبتلا ہیں اور سب کا کہنا ہے کہ اگر تم حج کو چلے گئے اور حج پڑھ لیا تو تمہارا حج قبول نہیں ہوگا، اور شوہر کے پاس اتنی طاقت نہیں ہے کہ ان کو ساتھ میں حج پڑھائے اور شوہر کی تو یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ والدین کو بھی حج نصیب فرمائے، اور اللہ تعالیٰ جب بھی ان کے لیے حج میں جانا مقدر فرمائیں گے، وہ حسب استطاعت ان کے خرچ میں پوری مدد کرے گا۔ اور میاں بیوی جو حج میں جارہے ہیں اس میں شوہر کا کچھ بھی حصہ نہیں ہے وہ بیوی کی ملکیت ہے جس میں شوہر محرم بن کر ساتھ میں جارہا ہے تو اس طرح ناراض کر کے حج کو جانے میں حج کے اندر کچھ خرابی آسکتی ہے؟ اور خواص وعوام کے اس طرح کہنے کی وجہ سے حج میں تاخیر کی جاسکتی ہے؟ کیا والدین کے حج کرنے کا انتظار کیا جاسکتا ہے؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر بیوی ساس سسر سے معافی مانگنے جائے جو حقوق ادا نہیں ہوئے اس کی، اور ساس سسر معاف نہ کریں تو بیوی کے حج میں کوئی خرابی آسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حج اسلامی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے جس کی فرضیت کے لیے شریعت مطہرہ کی طرف سے کچھ شرائط ضروری قرار دیے گئے ہیں، ان میں سے ایک شرط استطاعت یعنی مالدار ہونا ہے، استطاعت سے مراد یہ ہے کہ زادِ راہ (توشہ) اور راحلہ (سواری) پر اس طرح قدرت ہو کہ وہ اس کا مالک ہو یا کرایہ پر لے کر قابض

ہو، زادِراہ اور سواری کا مالک ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کے پاس اپنی حاجت سے زیادہ مال ہو، یعنی اس کے رہنے کا مکان، لباس، خادم، اور گھر کے اسباب کے سوا اس قدر سرمایہ ہو کہ سواری پر مکہ مکرمہ کو جائے اور واپس آئے۔ (عمدۃ الفقہ ۴/ ۳۳، ۳۴)

حج فرض ہو جانے کے بعد اسی سال حج کرنا واجب ہے، بغیر عذر تاخیر کرنے سے گنہگار ہوگا۔ (انمول حج ص ۲۰)

اگر بیٹے میں حج کی فرضیت کی شرطیں پائی جاتی ہیں تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے چاہے اس کے ماں باپ نے حج کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ عوام میں جو یہ مشہور ہے کہ بیٹا جب تک کہ والد صاحب کو حج نہ کرائے اپنا حج بھی نہ کرے یہ شریعت کے خلاف اور غلط مشہور ہے۔ ''فتاوی محمودیہ'' سے ایک سوال جواب نقل کیا جا رہا ہے:

سوال: ایک شخص نے اپنی کمائی سے حج کے لیے روپیہ اکٹھا کیا اور وہ حج کو جانا چاہتا ہے؛ مگر لوگ کہتے ہیں پہلے والد کو حج کرانا چاہیے بعد میں خود کرے اب اس کو کیا کرنا چاہیے، جب کہ اس کے پاس اتنی گنجائش نہیں کہ والد کو بھی ساتھ لے جا سکے؟

جواب: اس کو خود اپنا حج کرنا چاہیے، پھر اگر کسی وقت وسعت ہو اور اپنے والد کو بھی حج کرا دے تو عین سعادت ہے۔ یہ بات کہ جب تک والد کو حج نہ کرائے اپنا حج بھی نہ کرے، شرعی مسئلہ نہیں، بلکہ بے علم عوام میں غلط مشہور ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۳/ ۱۷۸)

اِسی طرح ''آپ کے مسائل اور ان کا شرعی حل'' میں ہے:

سوال: ① جو شخص غیر شادی شدہ ہو اور اس کے والدین زندہ ہوں، اور والدین نے حج نہیں کیا ہو اور یہ شخص حج کرنا چاہے تو کیا اس کا حج ہو سکتا ہے؟

② اگر والدین اس کو حج پر جانے کی اجازت دیں تو کیا وہ حج کر سکتا ہے؟

جواب: اگر یہ شخص صاحب استطاعت ہو تو خواہ اس کے والدین نے حج نہ کیا ہو اس کے ذمہ حج فرض ہے اور حج فرض کے لیے والدین کی اجازت شرط نہیں۔

(آپ کے مسائل اور ان کا شرعی حل ۴/ ۳۷)

اِس لیے صورت مسئولہ میں بیوی صاحب استطاعت ہے اور اس پر حج فرض ہو چکا ہے، وہ اپنا فرض حج ادا کرنے کے لیے سفر میں اپنے شوہر کو بھی لے جا رہی ہے تو شوہر کو بیوی کے ساتھ حج کے لیے جانے میں شرعاً کوئی حرج یا گناہ نہیں، چاہے شوہر کے ماں باپ نے حج نہ کیا ہو، لوگوں کا یہ سمجھنا کہ ماں باپ نے اگر حج نہیں کیا ہے اور بیٹا حج کرلے گا تو اس کا حج قبول نہیں ہوگا یہ سب غلط اور بے اصل ہے، اور لوگوں کے اس طرح کہنے سے حج میں تاخیر کرنے کی وجہ سے عورت گنہگار ہوگی، اگر اس کا شوہر ماں باپ کا خیال کر کے حج میں آنے کے لیے تیار نہ ہو تو عورت کے لیے ضروری ہے کہ اپنے دوسرے محرم رشتہ دار باپ، بھائی یا چچا یا ماموں میں سے کسی کو ساتھ لے جائے اور اپنا فرض حج ادا کرے، اور بیوی کو ایسا کرنے کے لیے شرعاً شوہر کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں اگر شوہر اجازت نہ بھی دے تب بھی عورت جا سکتی ہے، بیوی سفر حج سے پہلے ساس سسر سے معافی تلافی کے لیے جائے پھر بھی ساس سسر معاف نہ کریں تو اس سے بیوی کے حج میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ۶/ ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بیٹے کا والدہ کے ہوتے ہوئے والد کے ساتھ حج کرنا

سوال: میرے والد مجھے آئندہ سال حج کو جانے کے لیے کہتے ہیں کہ میں اور

تو یعنی باپ بیٹا حج کریں گے امی کو نہیں میری والدہ ابھی زندہ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ امی ابا حج کرے تو اچھا ہے کیوں کہ ان کا حق ہے چاہے اس معاملہ میں وہ خود کے پیسے سے حج کریں یا کوئی اللہ کا بندہ ان کو روانہ کرے تو اس صورت میں بیٹے کا حج کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ پر حج فرض نہیں ہے آپ کے والد صاحب آپ کو حج کروا رہے ہیں تو آپ کے لیے ان کی اس فرمائش اور خواہش پر عمل کرتے ہوئے حج کرنے میں کوئی اشکال نہیں آپ کی والدہ کا حج نہیں ہوا اور والد صاحب ان کو لے جانے کے بہ جائے آپ کو لے جا رہے ہیں یہ بات آپ کے لیے حج میں جانے سے رکاوٹ نہیں ہے آپ کا حج ادا ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۲ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مدینہ منوّرہ سے مکہ مکرمہ بغیر احرام جانے سے دم لازم ہوگا یا کوئی اور صورت ہے؟

سوال: مکہ مکرمہ کے اندر مدرسہ صولتیہ میں ہم نے ایک مولانا سے معلوم کیا کہ مدینہ شریف سے مکہ بغیر احرام باندھے ہوئے آئے تو کیا اس کے متعلق دم دینا پڑے گا؟ تو جواباً انہوں نے کہا کہ ہاں دم دینا ہوگا؛ مگر پھر ہم نے کہا کہ دم کے بغیر اور کوئی راستہ

ہے؟ جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اگر آپ دوسری مرتبہ ہندوستان سے مدینہ منورہ آویں تو اس طرح نیت کریں کہ گذشتہ وقت میں ہم مکہ شریف بغیر احرام کے چلے گئے تھے تو وہ احرام بھی شامل کرتے ہوئے حالیہ احرام کرنے کی نیت کرتا ہوں۔ تو معلوم کرنا یہ ہے کہ اس طرح نیت کرنے سے گذشتہ چھوٹے ہوئے احرام کی ادائیگی درست ہو جائے گی؟ برابر اسی طرح اگر جدہ سے مکہ مکرمہ بغیر احرام باندھے داخل ہو گئے اور اس کی قضاء بھی مذکورہ بالا صورت کے مطابق دوسری مرتبہ جانے پر ترک شدہ احرام کی بھی نیت کر لینے سے احرام باندھنا صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تحریر کردہ حیلہ صحیح ہے؛ مگر اتنا یاد رہے کہ بغیر احرام باندھے داخل ہونے کے بعد اس سال اس نے حج یا عمرہ نہ کیا ہو تو یہی مسئلہ ہے کہ آئندہ جب میقات سے احرام باندھ کر جائے گا تو دم ساقط ہو جائے گا اور اگر بغیر احرام باندھے داخل ہو گیا اور حج یا عمرہ کر لیا تو دم ساقط نہ ہوگا۔ (زبدہ ۲/ ۱۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

واپسی میں جدہ سے مکہ برائے طواف جانے پر احرام کا حکم

سوال: فتاویٰ رحیمیہ ۳/ ۵۲ ''مکہ معظّمہ میں داخل ہونے کے لیے احرام باندھے یا نہیں؟'' کے ذیل میں یہ پوچھنا ہے کہ حج، عمرہ اور زیارت کے بعد وطن واپسی کے لیے مدینہ سے جدہ پہنچ کر ٹکٹ نہ ملنے کی وجہ سے کچھ دن یا کچھ وقت رکنا پڑا، اس وقت عمرہ کی نیت سے حرم میں جائے تو احرام باندھ کر جانا ہے، یہ تو سمجھ میں

آ گیا؛ لیکن اگر نماز وطواف کے لیے کعبہ شریف جانا ہوا تو اس وقت بھی احرام باندھنا پڑے گا یا نہیں؟ کیوں کہ جدہ پہنچنے کے بعد وہ اہلِ حل میں داخل ہو گیا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ مسئلہ فتاویٰ رحیمیہ میں قرۃ العینین (زبدۃ المناسک) کے حوالے سے دیا گیا ہے، اس میں پوری تفصیل مع تعلیل مذکور ہے، وہ آدمی جدہ کے ارادہ سے وہاں نہیں گیا؛ بلکہ اپنے وطن جانے کے ارادہ سے جدہ پر سے ان کا مرور ہو رہا ہے اس لیے وہ جدہ والوں کے حکم میں نہیں؛ بلکہ ابھی راستہ ہی میں ہے، اور اس نے مکہ میں دخول کا ارادہ کیا اور مکہ کا دخول آفاقی کے لیے بغیر احرام کے درست نہیں ہے، اگر وہ خاص جدہ کے ارادہ سے وہاں پہنچا ہوتا اور پھر وہ مکہ جانے کا ارادہ کرتا تو اس کو جدہ والوں کے حکم میں شمار کرتے۔ دیکھئے زبدہ ۱ / ۵۴۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴ / رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حج کی سعی سے پہلے عمرہ

سوال: کسی حاجی نے پندرہ ذی الحجہ تک حج کی سعی نہیں کی، وہ حج کی سعی سے پہلے عمرہ کرنا چاہتا ہے تو کیا اس کا عمرہ ہو جائے گا یا اس کو عمرے سے پہلے حج کی سعی کرنا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کو چاہیے کہ پہلے حج کی سعی کر لے اس کے بعد عمرہ کرے، اس کے باوجود

اگر کسی نے سعی سے پہلے عمرہ کرلیا تو وہ درست ہوجائے گا۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

حج کی سعی سے پہلے صحبت کرنا کیسا ہے؟

سوال: سعی سے پہلے میاں بیوی صحبت کرسکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر حلق بھی کرا چکا ہے تو صحبت حلال ہوجائے گی؛ ورنہ نہیں۔

وحل له النساء بالحلق السابق حتى لو طاف قبل الحلق لم يحل له شيء (درمختار) (قوله حل له النساء) أي بعد الركن منه وهو أربعة أشواط بحر (شامی ۲/ ۱۹۹)

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سواری چلانے والے کے لیے مستقل سعی کی ضرورت نہیں

سوال: سوار ہونے والے اور سواری چلانے والے کی سعی ایک ساتھ ہوجاتی ہے یا سواری چلانے والے کو مستقل طور پر اپنی سعی کرنی ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سواری چلانے والے کی سعی بھی ادا ہوجائے گی، چاہے نیت کی ہو یا نہ کی ہو؛

البتہ نیت کرلینا سنت ہے۔ (زبدۃ المناسک ص ۱۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

محرم کے لیے سِلی ہوئی لنگی پہننے کا جواز

سوال: ① حالتِ احرام میں سلی ہوئی لنگی پہننا کیسا ہے؟ برطانیہ میں علماء کی ایک جماعت سلی ہوئی لنگی پہننے کی نہ صرف یہ کہ اجازت دیتی ہے؛ بلکہ ان کا عمل بھی اسی پر ہے، فتاوی رحیمیہ ۸/ ۲۸۶، اور معلم الحجاج ص/ ۱۲۸ سے حفاظتِ ستر کی صورت میں اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اور معلم الحجاج کے ص/ ۳۴۶ کے جزئیہ سے بغیر عذر کے بھی پہننے کا جواز مفہوم ہوتا ہے، کیا بغیر عذر کی صورت میں کوئی لنگی سی کر پہنے تو دم واجب ہوگا یا نہیں؟

② آج کل برطانیہ میں ایک کپڑا اس طرح بنایا جاتا ہے جو لنگی کی شکل میں گول ہوتا ہے؛ مگر اس میں کہیں بھی سلائی نہیں ہوتی، اس کی بُنائی ہی اس طرح سے کی جاتی ہے کہ اس میں سلائی نہ آئے، اس طرح کی لنگی جس کی بُنائی میں کسی طرح کی سلائی نہ ہو اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی اس طرح کی لنگی حالتِ احرام میں استعمال کرے تو دم واجب ہوگا؟

③ کیا لنگی کا شمار فقہاء کے یہاں ان کپڑوں میں سے ہے جو جسم کی ہیئت کے مطابق بنائے گئے ہیں، جیسے: کرتہ، قمیص، پاجامہ وغیرہ۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① تمام اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ محرم مرد کے لیے سلا ہوا کپڑا پہننا ناجائز ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

قال ابن المنذر:اجمع اهل العلم على ان المحرم ممنوع من لبس القميص والعمائم والسراويلات و البرانس و الخفاف، و الاصل فى هذا حديث ابن عمر؛ ان رجلاً سأل النبى ﷺ مايلبس المحرم من الثياب؟ وحديث يعلى فى رجل احرم و عليه جبة، فقال له: اخلع عنك الجبة الحديث متفق عليه) نص النبى ﷺ على هذه الاشياء، والحق بها اهل العلم ما فى معناه مثل الدرعة والتبان واشباه ذلك، فلا يجوز للمحرم ستر بدنه بما عمل على قدره، ولا ستر عضومن اعضائه بما عمل على قدره، كالقميص والسراويل والقفازين والخفين ونحو ذلك، وليس فى هذا اختلاف قال ابن عبد البر: لا يجوز لبس شيئ من المخيط بشرط كونه معمولاً على قدر البدن او العضو) عند جميع اهل العلم، واجمعوا على ان المراد بهذا الذكور دون الاناث اه (اعلاء السنن ۱۰/ ۵۷)

سلے ہوئے کپڑے کے متعلق حضراتِ فقہاء نے ضابطہ بیان فرمایا ہے: ضابطہ ''غنیۃ الناسک'' سے نقل کیا جاتا ہے، یہ کتاب فقیہِ وقت حضرت مولانا حسن شاہ ابن مولانا مکرم شاہ حنفی قادری پشاروی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جو ہمارے اکابر کے یہاں مناسک میں بہت ہی قابلِ اعتماد سمجھی جاتی ہے، فرماتے ہیں:

قال الحلبي: ان ضابطه لبس كل شيء معمول على قدر البدن او بعضه بحيث يحيط به بخياطته او تلزق بعضه ببعض وغيرهما ويستمسك عليه بنفس لبس مثله؛ الا المكعب بكسر الميم و فتح العين اه

ضابطہ بیان فرما کر فوائدِ قیود کی تشریح بایں الفاظ میں فرماتے ہیں:

فخرج ماخيط بعضه ببعض لا بحيث يحيط بالبدن مثل المرقعة فلا بأس بلبسه، وكذا لو اردى بالقميص اواتشح به فلا بأس به لعدم الاحاطة بواسطة الخياطة، و كذا لو لبس الطيلسان و لم يزره لعدم الاستمساك بنفسه، ولهذا يتكلف فى حفظه، فلو زره فهو لبس المخيط لحصول الاستمساك بالزرمع الاحاطة بالخياطةاه و افاد قوله او بعضه حرمة لبس القفازين فى يد ى الرجل، وبه صرح فى الكبير وغيره(غنية الناسك فى بغية المناسك ص٤٤مطبوعه مطبع خيريه ميرٹھ)

سلے ہوئے کپڑے کا یہی ضابطہ من وعن علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''بحر'' میں نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو: بحر الرائق، باب الاحرام ۲/ ۳۴۸۔

ضابطہ کی تشریح ''عمدۃ الفقہ'' میں اس طرح بیان فرمائی ہے:

سلے ہوئے کپڑے سے مراد وہ لباس ہے جو پورے بدن یا بدن کے کسی عضو کے مطابق بنا ہوا ہو، اور وہ سلائی یا بنائی کے ذریعہ یا اس کے بعض حصوں کو بعض کے ساتھ چپکا کر یا کسی اور طریقہ سے بدن یا کسی عضو کا احاطہ کرلے اور اس کو معمول (یعنی جسم کی وضع وتراش) کے مطابق پہنا جائے، اور کپڑا کسی چیز سے روکے بغیر بدن پر خود بخود ٹھہرا رہے سوائے مکعب کے (جس کی تفصیل کتابِ ہذا میں مذکور ہے) پس احرام کی حالت میں سلا ہوا کپڑا پہننا اس وقت منع ہے جب کہ اس کپڑے میں دو باتیں پائی جائیں: یعنی ① سلائی وغیرہ کے ذریعہ بدن یا کسی عضو کا احاطہ کرنا۔ ② خود بخود بدن یا عضوِ بدن پر ٹھہرے رہنا، اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک بات نہ پائی گئی تو وہ کپڑا سلے ہوئے کے حکم میں نہیں رہے گا، پس دستانے بھی سلے ہوئے کپڑے کے حکم میں ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جو کپڑا بدن یا کسی عضو کی ساخت پر بنا ہوا نہ ہو؛ بلکہ پیوند لگا

کر چادر کی طرح) سیا گیا ہو یا عرض کم ہونے کی وجہ سے دو پاٹ کو جوڑ کر چادر کی طرح سی کر ایک بنالیا ہو تو وہ سلے ہوئے کے حکم میں نہیں ہے، پس اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح اگر قمیص کو چادر کی طرح اوڑھ لیا یا تہ بند کی طرح باندھ لیا تو کوئی مضائقہ نہیں ہے؛ کیوں کہ اس طرح پہننے میں سلائی کے ذریعہ بدن کا احاطہ کرنا نہیں پایا گیا، اور اسی طرح طیلسان (چوغا جبہ) پہننے کا مضائقہ نہیں ہے؛ جبکہ اس کی گھنڈی (بٹن وغیرہ) نہ لگائے؛ کیوں کہ یہ بھی خود بخود بدن پر نہیں ٹھہرتا اور اس کے سنبھالنے میں تکلف کرنا پڑتا ہے۔ (عمدۃ الفقہ، کتاب الحج ۴/۴۸۷)

آپ کے سوالات کے جوابات حسبِ ذیل ہیں:

(الف) ستر کھلنے کا اندیشہ ہو تو حالتِ احرام میں سلی ہوئی لنگی پہننے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ یہ لنگی باندھے بغیر بدن پر نہیں ٹھہرتی، پس لنگی اس لباس میں داخل ہے جس کے استعمال سے دم واجب نہیں ہوتا۔

وعقد الازار والرداء بأن يربط طرف احدهما بطرفه الاخر شرح: وان يخلله بخلال او يشده بحبل و نحوه.

(غنية الناسك، فصل فى مكروهات الاحرام و محظوراته إلخ ص٤٧)

بلاضرورت ایسی سلی ہوئی لنگی سے احتراز کرے۔ (ماخوذ از فتاوی رحیمیہ ۸/۲۸۶)

معلم الحجاج کی عبارت جزئیہ ضرورت پر محمول ہے ''سترِ عورت کی خاطر'' کی قید لگانا اس کا قرینہ ہے۔

(ب) اس کی بنائی سینے کے حکم میں ہے، لہذا اس کے استعمال کا وہی حکم ہوگا جو اوپر گذرا۔

(ج) نہیں؛ بلکہ ہمیانی باندھنے کی طرح ہے جو روپیہ، پیسہ کی حفاظت کی خاطر کمر سے باندھی جاتی ہے۔

ولا بأس ان یشد فی وسطه الهمیان لیس فیه معنی لبس المخیط.

(هدایه ۱/ ۲۴۰)

جو حضرات عام حالات میں کھلی لنگی پہننے کے عادی ہیں یا ایسی کھلی لنگی میں ستر کی حفاظت پر قادر ہیں ان کو ایسی سلی ہوئی لنگی استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حالت احرام میں نیکر یا لنگوٹ پہننا

سوال: کسی تکلیف کی وجہ سے حج میں سلا ہوا کپڑا پہن سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً خصیتین بڑے ہو گئے ہوں تو کیا انڈرویر یا لنگوٹ پہن سکتے ہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عذر کی وجہ سے لنگوٹ باندھنا جائز ہے، اور بدونِ عذر مکروہ ہے، مگر اس پر کوئی جزا واجب نہیں، نیکر پہننا بہر حال ناجائز ہے، اور اس پر لبس مخیط کی جزا واجب ہے۔ (احسن الفتاوی ۴/ ۵۲۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کیا محرم کے لیے سلی ہوئی لنگی کا پہننا بلا کراہت جائز ہے؟

سوال: انوار مناسک ''ص ۲۱۰'' پر لکھا ہے۔ ''لہذا سلی ہوئی لنگی پہننا

بلا کراہت جائز اور درست ہے''۔ نیز ص ۲۶۰ پر لکھا ہے ''لیکن سلی ہوئی لنگی کا پہننا بلا کراہت جائز اور درست ہے، اسی طرح احرام کی دو چادروں میں سے ایک کو لنگی کی طرح سل دیا جائے؛ تاکہ چلتے وقت ران اور ستر نہ کھلے تو بلا کراہت جائز اور درست ہے'' تو کیا احرام کی حالت میں لنگی پہننا بلا کراہت جائز اور درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

احرام کی حالت میں سلا ہوا کپڑا پہننے کی ممانعت کے سلسلہ میں حضرات فقہاء ایک ضابطہ اور اصول تحریر فرماتے ہیں۔ چناں چہ شامی میں ہے:

وفی البحر عن مناسك ابن امیر حاج الحلبی: ان ضا بطه لبس کل شیء معمول علی قدر البدن او بعضه بحیث یحیط به بخیا طة او تلزیق بعضه ببعض او غیرهما و یستمسك علیه بنفس لبس مثله الا المکعب اه قلت: فخرج ما خیط بعضه ببعض لا بحیث یحیط بالبدن مثل المرقعة فلا باس بلبسه کما قدمناه (شامی کوئٹه ۲/ ۱۷۷)

(ترجمہ): ''بحر الرائق'' میں ابن امیر حاج حلبی کی مناسک کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس کا اصول یہ ہے کہ جو لباس انسان کے تمام بدن یا بدن کے بعض حصے کے موافق بنایا گیا ہو اس طرح پر کہ وہ سلائی کے ذریعہ یا بعض حصوں کو بعض کے ساتھ چپکانے سے یا کسی اور طرح سے (مثلاً بنائی سے) کل بدن یا بدن کے بعض حصوں کو ڈھانپ لے اور وہ خود بخود جسم پر ٹھہرا رہے، ایسا لباس احرام کی حالت میں پہننا منع ہے سوائے مکعب کے، میں کہتا ہوں کہ اس حکم سے وہ کپڑا خارج ہے جس کا بعض حصہ بعض کے ساتھ اس طرح سلا ہوا ہو کہ وہ بدن یا اس کے کسی حصہ کی وضع پر نہ ہو، مثلاً

پیوند لگا ہوا کپڑا کہ اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یہی ضابطہ غنیۃ الناسک میں ص ۴۴ پر موجود ہے۔

چناں چہ اسی اصول کے ماتحت فقہاء ایسے آدمی کے لیے جس کے پاس اتنی بڑی چادر موجود نہیں، جس سے وہ اپنے جسم کو ڈھانپ سکے؛ لیکن دو ٹکڑوں کو جوڑ کر اس چادر کو تیار کیا گیا ہے تو اگر چہ یہاں پر کپڑے کے دو ٹکڑوں کو جوڑنے کے لیے سلائی کی گئی ہے اور لغوی اعتبار سے یہ سلا ہوا کپڑا کہا جاسکتا ہے؛ لیکن چوں کہ یہ سلائی آدمی کے بدن یا کسی عضو کے موافق نہیں کی گئی ہے؛ اس لیے اگر اس آدمی کے پاس پوری لمبی چادر نہیں ہے اس کے لیے اس چادر کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ البتہ اگر پوری لمبی چادر موجود ہو جس کے ذریعہ جسم کو ڈھانپا جاسکتا ہے تو اس کا استعمال بہتر ہے۔ چناں چہ ''امداد الفتاوی'' میں ایک سوال کے اندر یہ پوچھا گیا ہے کہ کوئی ازار یا چادر جو کہ کم عرض ہونے کی وجہ سے احرام کی حالت میں دو پاٹ کر کے پہن لی جاوے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس کے جواب میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''گو افضل یہی ہے کہ اس میں بالکل سلائی نہ ہو؛ لیکن اگر دو پاٹوں کو جوڑنے کے لیے سلائی کی جاوے تب بھی جائز ہے''۔ (امداد الفتاوی ۲/ ۱۴۶)

خلاصہ یہ ہے کہ ایک تو سلا ہوا وہ لباس جس کو احرام کی حالت میں پہننے کی وجہ سے دم واجب ہوتا ہے، اس کے لیے تو وہی ضابطہ ہے جو جواب کے شروع میں بتلایا گیا؛ اس لیے اگر کوئی ایسا لباس جو بدن یا بدن کے کسی عضو کی ہیئت پر سلا یا بنا یا نہیں گیا ہے؛ لیکن اس میں سلائی موجود ہے تو اس کے پہننے سے دم تو واجب نہیں ہوگا؛ مگر افضل اور بہتر یہی ہے کہ سلائی کسی شکل میں موجود نہ ہو جیسا کہ اوپر ''امداد الفتاوی''

کے جواب سے ظاہر ہے۔

رہا سلی ہوئی لنگی کا پہننا، تو اگر کسی آدمی کو ستر کھل جانے کا اندیشہ ہے اگر وہ اس سے حفاظت کی غرض سے سلی ہوئی لنگی استعمال کرتا ہے تو اس کے لیے اجازت ہے ورنہ عام حالات میں محرم کا سلی ہوئی لنگی پہننا مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہے؛ چناں چہ ''معلم الحجاج'' میں مسئلہ ہے: ''تہبند کے دونوں پلوں کو آگے سے سینا مکروہ ہے، اگر کسی نے ستر عورت کی حفاظت کی وجہ سے سی لیا تو دم واجب نہ ہوگا''۔ (معلم الحجاج ص ۱۱۴)

''عمدۃ الفقہ'' میں ہے: ⑦ چادر اور تہبند میں گرہ لگانا یعنی چادر یا تہبند کے ایک سرے کو دوسرے سرے کے ساتھ باندھنا یا کانٹے وسوئی اور پن وغیرہ سے اٹکانا یا چادر و تہبند کو رسی و کمر بند وغیرہ سے باندھ لینا۔ (عمدۃ الفقہ مکروہات احرام ۴/ ۱۴۹)

''غنیۃ الناسک'' میں ''فصل فی مکروهات الاحرام ومحظورات التی لا جزاء فیها سوىٰ الكراهة'' کے ماتحت لکھا ہے: ''وعقد الازار والرداء بان يربط طرف احد هما بطرفه الآخر (شرح) وان يخلله بخلال او يشده بحبل ونحوه''. (٤٧)

صاحبِ ''انوارِ مناسک'' نے معلم الحجاج ص ۱۰۵ کی عبارت ذیل ''چادر لنگی اگر بیچ میں سے سلی ہوئی ہے تو جائز ہے؛ مگر افضل یہ ہے کہ احرام کا کپڑا بالکل سلا ہوا نہ ہو'' سے جو استدلال کیا ہے وہ غلط فہمی پر مبنی ہے، مسئلۂ بالا کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر کوئی لنگی کپڑے کے دو پاٹ کو جوڑ کر تیار کی ہو تو اس کو پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ لنگی کے دو پلوں کو سیا گیا ہو تو وہ بھی بلا کراہت جائز ہے، اس مسئلہ کو صاحب ''معلم الحجاج'' نے ص ۱۱۴ پر مکروہات احرام کے عنوان کے ماتحت الگ سے

بیان کیا ہے، چناں چہ لکھا ہے:

مسئلہ: تہبند کے دونوں پلوں کو آگے سے سینا مکروہ ہے، اگر کسی نے ستر عورت کی حفاظت کے لیے سی لیا تو دم واجب نہ ہوگا۔ (۱۱۴)

اس لیے سلی ہوئی لنگی کے متعلق علی الاطلاق یہ کہنا کہ اس کا حالتِ احرام میں پہننا بلا کراہت جائز اور درست ہے، صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: احمد خانپوری، ۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

حجاج کرام کے لیے مرکنٹائل بینک کی اشیاء کا استعمال

سوال: بمبئی میں حجاج کرام کو حج میں جانے کی کاروائی کرنی ہوتی ہے اس مکمل کاروائی کا ایک جزء یہ بھی ہے کہ مروج بینک (مرکنٹائل بینک) کی جو مقررہ رقم سعودی میں جا کر خرچ کرنے کے لیے درکار ہوتی ہے اتنی رقم کا ڈرافٹ اس بینک کا لینا ہوتا ہے، عام رواج میں اسی بینک کا ڈرافٹ لیتے ہیں، ویسے کسی دوسری بینک کا بھی ڈرافٹ اگر حاجی لے لیتا ہے تو بھی کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، اب یہ مرکنٹائل بینک حج کمیٹی کے دفتر کو اپنے برانچ کی طرف سے ایک ڈرم پانی کا، ایک چھوٹا سا کیٹ پاسپورٹ وغیرہ رکھنے کے لیے، ایک مصلی نماز پڑھنے کا، یہ اشیاء دیتی ہے کہ ہر حاجی کو بلا کسی استثناء کے بینک کی طرف سے یہ اشیاء دی جائیں تو حاجی نے چاہے کسی دوسرے بینک کا بھی ڈرافٹ لیا ہو، پھر بھی اس کو اور دوسرے حاجیوں کو جنھوں نے اس بینک کا ہی ڈرافٹ لیا ہے سب کو حج کمیٹی یہ اشیاء دیتی ہے، اور جس کو یہ اشیاء نہ لینی ہو اس کو اس کی قیمت

۵۶ (چھپن) روپیہ نقد دی جاتی ہے، تو اب سوال یہ ہے کہ ان اشیاء کا استعمال ہر حاجی صاحبان کریں یا عدم ضرورت کی صورت میں نقد روپیے لے کر خود کے استعمال میں لانا چاہیے؟ یہ استعمال مباح ہے یا نہیں؟ اگر مباح نہیں ہے تو اس کا کیا مصرف کیا جائے؟ یہ چیزیں سود میں شمار ہوں گی؟ اور اس کا لینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مرکنٹائل بینک بواسطۂ حج کمیٹی یہ اشیاء یا اس کی قیمت دیتی ہے وہ رقم کہاں سے لاتی ہے؟ اگر کسی مخصوص آدمی کی طرف سے حجاج کرام کو بطور ہدیہ یہ اشیاء دی جاتی ہیں تب تو اس کا استعمال مباح ہے، اور اگر بینک اپنی سودی آمدنی سے یہ دیتی ہے تو اس کا استعمال نہ کریں بلکہ قبول ہی نہ کریں، اس سلسلہ میں بینک کے ذمہ داروں سے رابطہ قائم فرما کر حقیقت حال معلوم کی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

احرام کی حالت میں کیسا جوتا پہننا جائز ہے؟

سوال: حالت احرام میں کیسی چپل استعمال کی جائے؟ اس کے متعلق ایک مسئلہ کی تحقیق کے سلسلہ میں یہ عریضہ ارسال کر رہا ہوں امید کہ تفصیلی جواب مرحمت فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

① اگر جوتا نہ ہو تو موزہ کو وسط قدم پر سے کاٹ کر پہنے۔ (زبدہ) اس طرح کہ پیر کی پشت کھلی رہے مع اوپر کے دونوں ٹخنوں کے۔ (ناقل) ضروری انتباہ..... اکثر عوام وخواص میں یہ مشہور ہے، کہ فقط پیر کی بیچ کی ہڈی کھلی رکھنا ضروری ہے، یہ بالکل غلط

ہے؛ مگر وضو میں جو دو کعبین دھونے واجب ہیں ان کے اوپر سے لے کر پیر کی بیچ کی ہڈی سے بھی کچھ نیچے تک کاٹنا چاہیے، کہ اچھی طرح پیر کی ہڈی سے نیچے سے اوپر دونوں ٹخنوں تک مع اطراف پیر اور ایڑی کے موزہ وغیرہ سے خالی رہے، اور مثل جوتی کے رہ جائے۔ (ناقل)

"الذی فی الحدیث ویقطعهما حتی یکونا اسفل من الکعب وهو افصح مما هذا ابن کمال؛ والمراد قطعهما بحیث یصیر الکعبان ومافوقها من الساق مکشوفا لا یقطع موضع الکعبین فقط کما لا یخفی".

(ردالمحتار ص:۲۲٤)

"ایضاً لو کان الکوش الهندی یستر العقب ومافوقه مما یحاذی الکعب ینبغی ان لا یجوز لبسه لانه لم یکن اسفل من الکعبین فی کل جانب وهو الظاهر من النص ولعله محل النص علی قطع الخفین حتی یکونا کالنعلین من جانب الموخر". (زبدة المناسك ص:۱۰٤)

② "وعن هذا فسر الشارح رحمه الله تعالیٰ المکعب بالکوش الهندی؛ ولم یلتفت الی انه یستر العقب؛ فما فی ردالمحتار: والظاهر انه لا یجوز ستر العقب اه ویتفرع علی عدم جواز لبس الکوش الهندی ونحوه مما یستر العقب؛ لیس بظاهر؛ نعم لو کان الکوش الهندی یستر العقب ومافوقه مما یحاذی الکعب ینبغی ان لا یجوز لبسه؛ لانه لم یکن اسفل من الکعبین فی کل جانب؛ وهو الظاهر من النص". (غنیة الناسك ص:۸۷ باب الاحرام)

③.....احرام کی حالت میں پاؤں میں ہر اس جوتے کا پہننا جائز ہے، جس سے وسط قدم کی ابھری ہوئی ہڈی کھلی رہے، خواہ وہ چپل ہو یا سلیپر، یا ہندوستانی

یا پاکستانی دیسی جوتا اور نیوکٹ وغیرہ۔

(بحر الرائق ۲/ ۳۲۴، عمدۃ الفقہ ۴/ ۱۴۰، عمدۃ المناسک ص: ۲۱۴)

④.....حاصل یہ کہ احرام کی حالت میں دونوں ٹخنے اور پیروں کے اوپر جہاں بال اگتے ہیں جو ابھرا ہوا حصہ ہے، اس کا کھلا رہنا ضروری ہے، پس احرام کی حالت میں مردوں کو بہتر تو ہوائی چپل پہننا ہے، اور اگر جوتا یا چپل ایسا ہو جو ٹخنوں اور مذکورہ پیروں کے بالائی حصہ کو نہ چھپاتا ہو، تو اس کا پہننا بھی درست ہے؛ البتہ اگر ایڑی، پنجہ انگلیاں چھپی رہیں، تو کوئی حرج نہیں۔ (مسائل حج وعمرہ ص: ۲۱۲)

ان عبارات میں سے بعض سے سمجھ میں آتا ہے کہ احرام کی حالت میں جوتے ایسے ہونے چاہیے جس میں ایڑی وغیرہ چھپی ہوئی ہوں، اور دوسرے حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایڑی وغیرہ کا چھپا رہنا ضروری نہیں۔ اب آپ سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ کی تفصیلی وضاحت فرمائیں کہ احرام کی حالت میں جوتا کس طرح کا ہونا چاہیے؟ کیا صرف قدم کے اوپر کا حصہ کھلا رکھنا کافی ہے یا ایڑی اور ٹخنہ کے نیچے تک کا سارا حصہ کھلا رکھنا ضروری ہے؟

بعض سنڈل اس قسم کی بنی ہوئی ہے کہ اوپر کی پشت تو کھلی ہوئی ہے؛ مگر پشت سے اوپر ایک پٹی ہے جو سنڈل کو پکڑ کر رکھتی ہے اور اس میں ایڑی بھی چھپی رہتی ہے، اس کا استعمال احرام کی حالت میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پاؤں کی حفاظت کے لیے دو چیزیں استعمال کی جاتی تھیں: ایک کو خُف سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور دوسری کو نَعل سے۔ خف چمڑے یا

اسی طرح کی چیز سے اس طرح بنا ہوا ہوتا تھا کہ وہ پاؤں کو دونوں ٹخنوں اور اوپر کے کچھ حصہ سمیت چھپالیتا تھا، اور خف کو وہ حضرات پاؤں میں تنہا بھی پہن کر چلتے پھرتے تھے۔ دوسری کو نعل سے تعبیر کیا جاتا تھا، ان کے یہاں نعل کا اطلاق چپل پر ہوتا تھا، اور جس کو ہمارے یہاں جوتی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کو اہل عرب مدَاس سے تعبیر کرتے ہیں، اور عربی زبان کا لفظ حذاء اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے؛ لیکن وہ عرب میں رائج نہیں تھا، متأخرین اسی کو مکعب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ ''ترمذی'' کی شرح ''معارف السنن'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''الخف فی الشرع اسم للمتخذمن الجلد أو نحوه الساتر لکعبین فصاعداً متصلاً بالقدم من غیر أن یشف، هذامایستفادمن مواضع من البحر الرائق وغیره وکان الخف کالنعل یمشون فیه والنعل عندهم ما یسمیه أهل الهند ''چپلی'' ومایسمونه ''جوتی'' فهوالمداس (بالفتح) کما ذکره صاحب القاموس وفیه هواسم لمایلبس فی الرجل اه قال الراقم وفی هذا المعنی حذاء عند هم قدیما وحدیثا ولم یکن رائجا فی العرب وقدیسمی عندهم فی متأخریهم بالمکعب''.(معارف السنن ۱/ ۳۳۳، ۳۳٤)

حالت احرام میں محرم کے لباس کے سلسلہ میں پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الا ان یکون احدلیست له نعلان فلیلبس الخفین ولیقطعهما ماسفل من الکعبین یعنی حالت احرام میں محرم کو چاہیے کہ خفین کا استعمال نہ کرے، البتہ اگر کسی محرم کے پاس نعلین (چپل) نہ ہوں تو خفین کو

کعبین سے نیچے کاٹ کر استعمال کرسکتا ہے۔ عربی زبانی میں لفظ کعب دو معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

① وہ ابھری ہوئی ہڈی جو پنڈلی اور پاؤں کے جوڑ پر ہے (جس کو اردو میں ٹخنہ کہتے ہیں)۔

② اور وہ ابھری ہوئی ہڈی جو چپل کے تسمہ کے پاس پاؤں کی پشت پر ہے، اس ارشاد میں نبوی میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ کعب کو اسی دوسرے معنی میں بر بنائے احتیاط لیا ہے۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

ونسب الى محمد بن الحسن انه فسر الكعب بالعظم الذى فى وسط القدم المسمى عندالاطباء بـ:"العظم الزورقى" وبعضهم جره الى غسل الرجلين أيضاًوهوخطأ،وانماالكعب عنده بذلك المعنى فى قطع الخفين للمحرم لاغير،وخلاصة مادارالبحث:ان لفظ الكعب عند محمد والاصمعى فى اللغة يستعمل بالمعنيين:بمعنى العظم الناتى عند مفصل الساق والقدم، وبمعنى العظم عند معقد الشراك فأخذه محمد بهذا المعنى فى المحرم لكونه احوط ومحمدحجة فى اللغة فلاعبرة بقول من لم يعرفه وراجع العمدة (٤/ ٥٢١)والفتح(٣/٣٢٠) للتفصيل (معارف السنن ٦/٣٣٢)

مطلب کہ کعب کا جو مشہور مفہوم ہے، یعنی پنڈلی اور پاؤں کے جوڑ پر دائیں بائیں جو ابھری ہوئی ہڈی ہے، اس کے ساتھ اس کا جو غیر معروف مفہوم اور معنی یعنی پاؤں کی پشت کا ابھرا ہوا حصہ، جس کا حاصل یہ ہوا کہ خفین یعنی چمڑے کے موزوں کو اس طرح کاٹ دیا جائے کہ یہ دونوں حصے کھلے رہیں؛ البتہ ان دونوں حصوں کے کھلے رہنے

کے ساتھ ساتھ پاؤں کا پچھلا حصہ جس کو عربی میں لفظ عقب، اور اردو میں لفظ ایڑی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کا بھی کھلا رہنا ضروری ہے یا نہیں؟ تو کتب فقہ کی عبارتوں سے اتنی بات تو واضح ہوتی ہے کہ قدم کی پشت کا اوپر والا حصہ (جو لفظ کعب کے ایک مفہوم کا مصداق ہے) اور دونوں ٹخنے اور ان کے محاذات کا پورا حصہ اور ان کے اوپر کا حصہ کھلا رہنا ضروری ہے، البتہ ایڑی کے متعلق بعض عبارتوں سے مفہوم ہوتا ہے کہ اس کا کھلا رہنا ضروری نہیں، یعنی پاؤں کا پچھلا حصہ جو ٹخنوں سے نیچے ہے، اور ہندوستانی دیسی جوتا پہننے کی صورت میں وہ بھی کچھ چھپ جاتا ہے، تو اس کی گنجائش ہے، البتہ آپ نے جس سنڈل کے متعلق دریافت کیا ہے کہ اس میں پشت تو کھلی رہتی ہے؛ مگر پشت سے اوپر ایک پٹی ہوتی ہے، اس کے متعلق کوئی صراحت نظر سے نہیں گزری۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

عورتوں کا حرمین میں نماز پڑھنا

سوال: عورتوں کو حرم شریف میں نماز پڑھنا افضل ہے یا اپنی رہائش گاہ میں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورتوں کے لیے مسجد نبوی اور حرم شریف میں نماز پڑھنے سے اپنے مکان میں پڑھنا زیادہ ثواب ہے۔ (احسن الفتاوی ۴/ ۵۶۷ حج کے ضروری مسائل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

عورتیں اقتداء کی نیت نہیں کرتیں

سوال: حرم شریف میں جو عورتیں امام کے پیچھے نماز ادا کرتی ہیں، اکثر وہ امام کی اقتداء کی نیت نہیں کرتیں تو کیا ان کی نماز ہو جائے گی یا یہ نمازیں دہرانی پڑیں گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

امام کے پیچھے ادا کی جانے والی نماز کے صحیح ہونے کے لیے اقتداء کی نیت بھی شرط ہے؛ اس لیے اگر کسی نے اقتداء کی نیت نہیں کی تو اس کی وہ نماز درست نہیں ہوئی، چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ایام حج میں نماز میں قصر یا اتمام؟

سوال: حج کے ایام میں امامت کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ خود امامت کرائے تو خود تنہا پڑھنے کی صورت میں جو حکم ہے وہی حکم امامت کرانے کی صورت میں بھی ہوگا یعنی جن صورتوں میں قصر واجب ہے ان صورتوں میں قصر، اور جن صورتوں میں اتمام ضروری ہے ان صورتوں میں اتمام کرائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

عرفات میں ظہر وعصر میں جمع

سوال: اس میں ائمہ کے اختلاف سے کیا فرق ہوتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حنفی شخص تنہا نماز پڑھتا ہے یا امام بن کر پڑھاتا ہے تو اختلاف ائمہ سے کوئی فرق نہیں پڑے گا؛ البتہ وہ شخص کسی ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھے جو حنفی نہیں ہے، تو وہ کہاں اور کونسے مسلک رکھنے والے امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے؟ یہ معلوم ہونے پر اس کا حکم بتلایا جاسکتا ہے؛ البتہ ایک صورت جو عموماً زیر بحث آتی ہے اس کا تفصیلی حکم عرض کرتا ہوں: عرفات میں ظہر اور عصر کے درمیان جو جمع ہوتا ہے اگر حاجی مسجد نمرہ میں امام کے پیچھے ظہر وعصر پڑھنے نہیں گیا؛ بلکہ اپنی قیام گاہ ہی پر رہا تو اس کو چاہیے کہ ظہر اپنے وقت میں اور عصر کو اس کا وقت داخل ہونے کے بعد اس کے وقت میں پڑھے، اگر وہاں کئی حضرات ہیں تو دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت پر باجماعت ادا کریں، اور اگر حاجی مسجد نمرہ میں گیا ہے کہ امام کے پیچھے دونوں نمازیں ادا کرنا چاہتا ہے تو امام اگر مسافر ہے (یعنی مسافت قصر سے آیا ہے) اور وہ دونوں نمازیں قصر پڑھا رہا ہے تو حاجی بھی اگر مسافر ہے تو امام کے پیچھے قصر ہی پڑھے، اور حاجی اگر مقیم ہے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی نماز پوری کرلے، اور اگر امام مسافر نہیں، اس کے باوجود قصر کررہا ہے، (جیسا کہ مالکیہ کے یہاں ہوتا ہے) تو اس کے پیچھے نہ تو مقیم حاجی کی نماز درست ہوگی، اور نہ مسافر کی؛ بلکہ اگر پڑھ لی تو لوٹائی جائے، نہ لوٹانے سے

فرض سر پر لازم رہے گا۔ (زبدۃ المناسک) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

حجر اسود کے بوسہ میں چاندی کے دائرہ سے بچے

سوال: آدمی کے لیے چاندی کے استعمال کی مقدار بہت کم ہے، اب حجر اسود کو جب بوسہ دینے کے لیے جاتے ہیں، تو اس کا دائرہ چاندی کا ہے تو لوگ اس دائرہ کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ کر پتھر کا بوسہ دیتے ہیں، اور وہ چاندی کا دائرہ جائز مقدار سے زائد ہے تو آدمی کا اس دائرہ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بوسہ دینا چاندی کے استعمال میں شمار ہوگا یا نہیں؟ اس طرح بوسہ دینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حجر اسود کو استلام کرتے وقت ہاتھ لگانے اور بوسہ دینے میں یہ خیال رہے کہ جو گول حلقہ چاندی کا حجر اسود پر چڑھا ہوا ہے اس کو ہاتھ نہ لگے، اور نہ بوسہ دے؛ کیوں کہ اس سے چاندی کا استعمال لازم آئے گا جو ممنوع ہے۔ (زبدۃ المناسک ۱/۹۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سابق دم کی ادائیگی

سوال: میں نے ۹۵ء میں حج کیا تھا، اس وقت میں نے خطا سے قربانی سے

پہلے سر منڈوالیا تھا، اب مجھے احساس ہوا تو مجھے اس کا دم دینا ہوگا؟ اگر دینا ہے تو کیا ہوگا؟ دمِ کفارہ وغیرہ جو بھی ہو جواب دے کر احسان فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک دنبہ یا بکری بطورِ دم ذبح کروانا ضروری ہے، آپ وہ رقم کسی آدمی کو دیجئے کہ وہ اس سے دنبہ یا بکرا بطورِ دم خرید کر آپ کی طرف سے حدودِ حرم میں ذبح کرے، مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ کے ذمہ داران بھی یہ کام کردیتے ہیں، یہ یاد رہے کہ یہ ذبح حدودِ حرم میں ہی ہونا چاہیے، یہاں ہندوستان میں نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

حج ہیلپ کمیٹی کے اخراجات، اور نقلی کعبہ بنانا

سوال: ہم لوگوں نے اس سال حاجیوں کی خدمت کے جذبہ سے میرپور شہر میں ''حج ہیلپ کمیٹی'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے، یہ ادارہ حاجیوں کے فارم بھروانا، بلڈ گروپ کروانا، وقت بوقت حج کمیٹی بمبئی کے اعلانات حاجیوں تک پہنچانا اور دیگر جو بھی خدمت ہوسکتی ہو حاجیوں کی کرنا تربیتی کیمپ لگانا وغیرہ کام کرتے ہیں، اس سلسلہ میں سوال یہ ہے کہ:

① حج ہیلپ کمیٹی نے حاجیوں کی خدمت کے جذبہ سے جو بھی کام کئے ہیں: اس میں بلڈ گروپ کروانا، تمام کاغذات کی فوٹو کاپی کروانا، بھوپال وبمبئی حاجیوں کے کام سے جانا، حاجیوں کو انجکشن لگوانا وغیرہ دیگر چھوٹے چھوٹے اخراجات حج ہیلپ کمیٹی نے کئے ہیں، کچھ حضرات کا یہ کہنا ہے کہ حج ہیلپ کمیٹی نے جو خرچ حاجیوں پر

کیا ہے وہ غلط ہے؟

② حاجیوں کی فہمائش کے لیے کمیٹی نے خانۂ کعبہ کا ایک چھوٹا سا ماڈل بنا کر اس میں مقام ابراہیم، زمزم کا کنواں، حجرِ اسود وغیرہ کی نشان دہی کر کے تربیتی کیمپ میں دکھا کر فہمائش کی گئی کہ طواف کہاں سے شروع ہوگا؟ کہاں پورا ہوگا؟ طواف کے دوران کیا دعائیں پڑھی جائیں گی وغیرہ فہمائش کی گئی اور اس سے عازمینِ حج کو کافی سہولت ہوئی، اس کام کی سبھی لوگوں نے کافی تعریف کی؛ لیکن کچھ حضرات کا کہنا ہے کہ خانۂ کعبہ کا ماڈل بنانا غلط ہے، جبکہ یہ ماڈل وقتی طور پر حاجیوں کی فہمائش کے لیے بنایا گیا تھا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① حج ہیلپ کمیٹی حاجیوں کی خدمت اور ادائیگیٔ حج؛ نیز سفرِ حج میں سہولت وراحت پہنچانے کی غرض سے جو کام کر رہی ہے جس کی تفصیل سوال میں منسلکہ پوسٹر میں ہے، وہ بڑے اجر وثواب کے کام ہیں اور اس سلسلہ میں خرچ کی جانے والی رقم صحیح مصرف میں استعمال ہوئی ہے، ان مصارف کو بے کار اور غلط کہنا نصوصِ قرآن وحدیث سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔

② حاجیوں کو طواف اور مناسکِ حج بخوبی سمجھانے کے لیے کعبۃ اللہ کا ماڈل بنانے کی بھی اجازت ہے؛ البتہ اس کو مکمل طور پر کعبۃ اللہ کے مشابہ بنانے کے بجائے ضرورت کے مطابق سادہ رکھا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ صفر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

کیا عرفہ کا روزہ حاجی کے لیے بھی مستحب ہے؟

سوال: دوران حج میدان عرفات میں روزہ رکھنا کیسا ہے؟ زید سے جب اس بارے میں دریافت کیا گیا تو زید نے کہا روزہ ہر حال میں مستحب ہے چاہے وہ دوران حج عرفات کا میدان ہی کیوں نہ ہو؛ لیکن بکر کا کہنا ہے کہ صرف یہاں یعنی جو شخص حج کے سفر پر نہ ہو اس کے لیے ہی عرفہ کا روزہ مستحب ہے نہ کہ حج کے دوران، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو حاجی میدان عرفات میں روزہ رکھ سکتا ہے اور روزہ کی وجہ سے افعال ومناسک کی ادائیگی میں کمزوری کا اندیشہ نہیں ہے، اس کے لیے مستحب ہے؛ ورنہ نہیں۔

درمختار میں ہے: والمندوب كأيام البيض من كل شهر ويوم الجمعة ولو منفردا، وعرفة ولو لحاج لم يضعفه. (درمختار على هامش الشامى ٢ /٩١)

قوله لم يضعفه: صفة لحاج اى إن كان لا يضعفه عن الوقوف بعرفات ولا يخل بالدعوات محيط فلو اضعفه كره (شامی ٢ /٩١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ٢٣ / ذی الحجہ ١٤٢٨ھ

آخری چکر کے بعد مروہ پر دعا کا ثبوت

سوال: صفا مروہ کی سعی کے آداب میں یہ بھی ہے کہ ہر چکر کے بعد دعا کی جائے، آخری چکر کے بعد مروہ پر دعا کا ثبوت ہے؟ یا صرف چھ چکر میں، اور آخری چکر کے

بعد دعا نہیں، بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آخری چکر کے بعد دعا نہیں، سرسری تتبع سے اس کی وضاحت نہ مل سکی، اگرچہ مطلق دعا سے آخری چکر کے بعد بھی دعا کرنا معلوم ہوتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صفا کی طرح مروہ پر دعا کرنا ہر چکر میں اور آخری چکر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان فرمائی ہے، اس میں ہے:

ثم مشى حتى اتى المروة فصعد فيها ثم بدا له البيت قال لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك و له الحمد و هو على كل شيئ قديرقال ذلك ثلاث مراة ثم ذكر الله و سبحه و حمده ثم دعا عليها بما شاء الله فعل هذا حتى فرغ من الطواف(سنن النسائی ۲ /۴۱)

مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث جس میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کا تفصیلی بیان ہے اس میں ہے:

ثم نزل الى المروة حتى انصبت قدماه فى بطن الوادى سعى حتى اذا صعدتا مشى حتى اتى المروة ففعل على المروة كما فعل على الصفا حتى اذا كان آخر طواف على المروة (مسلم شريف ۱/ ۳۹۶)

حدیثِ بالا کی تشریح میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

(قوله ففعل على المروة كما فعل على الصفا)فيه انه يسن عليها من الذكر و الدعاء و الرقىٰ مثل ما يسن على الصفا و هذا متفق عليه (ايضاً)

مسلم شریف والی روایت ابوداؤد میں ۱ / ۲۶۲ تا ۲۶۴ پر موجود ہے۔

مؤطا مالک میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے اخیر میں ہے:

ويدعوا ويصنع على المروة مثل ذلك. (موطأ مالك:۱۴۵)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

(و یصنع علی المروۃ مثل ذلك)استدل به العز بن عبدالسلام علی ان ا لمروۃ افضل من الصفالانها تقصد للذکر و الدعاء اربع مرات بخلافِ الصفا فانها تقصد ثلاثاً الخ (اوجز المسالك۷ /۱۰٤)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ ''باب رفع الیدین عند رؤیة البیت'' کے ذیل میں فرماتے ہیں: وقد رأینا الرفع بعرفة و المزدلفة و عند الجمرتین و علی الصفا و المروۃ من طریق الدعاء فی الموطن الذی جعل ذلك الوقوف فیه لعلة الاحرام(طحاوی شریف ۱ /۳۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

دورانِ طواف بیت اللہ شریف کو دیکھنے کی کراہیت پر شبہ

سوال: معلم الحجاج میں ہے: ''طواف کرتے وقت بیت اللہ کو دیکھنا مکروہِ تحریمی ہے''۔ (ص۳۴۹، طواف کی غلطیاں)

کیا اس مسئلہ میں فقہاء رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات مل سکتی ہیں یا کوئی حدیث یا اثر؟ شبہ اس لیے ہوا کہ بیت اللہ کو دیکھنے کی فضیلت منصوص ہے اور طواف کی حالت میں دیکھنے کو مکروہِ تحریمی کہنا کسی مضبوط دلیل کا متقاضی ہے، باوجود تلاش کے کوئی ایسی دلیل نہ ملی جس سے اس جزئیہ کی تائید ہوتی ہو۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بیت اللہ شریف کا طواف کرنے کے دوران بیت اللہ کو دیکھنا مکروہ ہے، اس پر

آپ کو بیت اللہ کو دیکھنے کی فضیلت سے کیوں اشکال ہوا؟ قرآن شریف پڑھنا بلکہ دیکھنا بھی عبادت ہے تو کیا دورانِ صلاۃ جدارِ قبلہ پر لکھی ہوئی آیتِ کریمہ کو پڑھنا مفسدِ صلاۃ یا مکروہ نہیں؟

واذاقرا الامام من المصحف فسدت صلاته عندابی حنيفة، وقال هی تامة لانه عبادة انضافت الی عبادة الا انه يكره. (هدايه۱/ ۱۳۷)

اصل بات یہ ہے کہ حدیث شریف میں بیت اللہ شریف کے طواف کو نماز کے مانند کہا گیا ہے۔ عن ابن عباس ان النبی ﷺ قال الطواف حول البيت مثل الصلاة الحديث (مشكوة۲۲۷) جس طرح نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا یا کوئی ایسا عمل کرنا جو خشوع کے منافی ہو منع ہے، یہی حکم طواف کا ہے۔

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مفتی مدرسہ شاہی مراد آباد تحریر فرماتے ہیں: کعبۃ اللہ کی طرف منہ کرنے کو بھی فقہاء نے مکروہِ تحریمی اور خلافِ ادب لکھا ہے کہ جس طرح نماز کے اندر اِدھر اُدھر دیکھنا مکروہ ہے اسی طرح طواف کے اندر اِدھر اُدھر دیکھنا مکروہ اور خلافِ ادب ہے اور آداب میں سے یہ ہے کہ بوقتِ طواف اپنے سامنے کی طرف دیکھتا رہے۔ (معلم الحجاج ص/ ۱۳۰، غنیۃ الناسک ص/ ۱۶۵، ایضاح المناسک ص/ ۱۱۸۔ بحوالہ ماہنامہ ''ندائے شاہی'' حج وزیارت نمبر شوال، ذی القعدہ ۱۴۲۱ھ)

کوئی شخص کعبہ کے سامنے نماز پڑھ رہا ہو وہ درمیانِ نماز موضعِ سجود کو دیکھتا رہے یا کعبہ کو؟ حضراتِ شوافع میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، علامہ بدر الدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ جو شوافع کے بڑے فقیہ ہیں پوری بحث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: و المذهب انه ينظر إلى موضع سجوده لانه لا يأمن ما يشغله (اعلام الساجد۱۰۴)

لہٰذا یہ اشکال نہ کیا جائے کہ درمیانِ طواف کعبہ کی طرف منہ کرنے سے طواف کے خشوع وخضوع میں خلل نہ آئے تو مکروہ نہ ہونا چاہیے۔

طواف نہایت ہی دلجمعی، سکون ووقار کے ساتھ کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے جلال اور بیت اللہ شریف کی عظمت کا تصور ہو گویا اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، اپنے گناہوں پر نادم ہو جیسے کوئی قصوروار غلام اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہے، حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم اسی شان سے طواف کرتے تھے۔

صاحبِ ارشاد الساری تحریر فرماتے ہیں: وینبغی ان یطوف کابن عمر حیث قال: کنا نتراءی اللہ فلایدری احدنا یمینہ من یسارہ و لا یلتفت الی سواء و یکون فی مقام الاحسان موصافاً بما فسرہ علیہ الصلاۃ و السلام حیث قال: ان تعبد اللہ کانک تراہ.

(ارشاد الساری الی مناسك الملا علی قاری ص۱۱۰)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (وترك الكلام و كل عمل ينافي الخشوع) اى التذلل و كذا الالتفات بوجهه الى الناس لغير ضرورة ووضع اليد على الخاصرة او على القفا و نحوها (وصون النظر) اى حفظه عن كل ما يشغله) اى مما هو فى صدده من الحضور.

(المسلك المتقسط مع ارشاد الساری ص/۱۱۰،۱۰۹)

الحاصل! بیت اللہ شریف کو دیکھنا بلاشبہ عبادت ہے؛ لیکن بعض احوال (میں جیسے حالتِ نماز، حالتِ طواف وغیرہ) میں نہیں دیکھنا چاہیے۔

بیت اللہ شریف کا اندرونی حصہ یعنی چھت والا حصہ بیت اللہ ہی کا ایک جزء ہے اس کے باوجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چھت کی جانب نظر اٹھا کر دیکھنے والے شخص پر تعجب فرماتی،

اور حضور ﷺ کا معمول بیان فرماتی ہیں کہ دخولِ بیت اللہ کے موقع پر آں حضور ﷺ کی نگاہ مبارک سجدہ کی جگہ نیچے جھکی رہتی تا آنکہ بیت اللہ سے باہر نکل جاتے۔

وقد اخرج الحاکم فی مستدرکه و البیهقی فی سننه عن ظهیر بن محمد المکی عن موسی بن عقبة عن سالم بن عبد الله ان عائشة کانت تقول عجباً للمرأ المسلم اذا دخل الکعبة کیف یدع بصره قبل السقف اجلالاً لله تعالی و اعظاماً ! دخل رسول الله ﷺ الکعبة ما خلف بصره موضع سجوده حتی خرج منهاو قال حاکم صحیح علی شرط الشیخین و لم یخرجاه (اعلام الساجد باحکام المساجد ۱۰۴، ۱۰۵)

تنبیہ: آپ نے سوال میں ''معلم الحجاج'' کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے: ''طواف کرتے وقت بیت اللہ کو دیکھنا مکروہِ تحریمی ہے'' حالاں کہ ہمارے سامنے ''معلم الحجاج'' کا جو نسخہ ہے اس میں ہے ''طواف کرتے وقت بیت اللہ کی طرف منہ کرنا مکروہِ تحریمی ہے'' ص ۳۴۹، مطبوعہ سہارنپور، صفحہ نمبر یکساں ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ آپ نے اپنے الفاظ میں تحریر فرمایا ہے۔ واضح ہو ''دیکھنے'' اور ''منہ کرنے میں'' بڑا فرق ہے۔ دیکھنے کے لیے منہ پھیرنا ضروری نہیں؛ بلکہ بغیر منہ پھرائے گوشۂ چشم سے بھی دیکھنے کا عمل ہوسکتا ہے۔

کما صرح فی عبارة البنایة و لایلتفت ای یمیناًاو یساراً و لو نظر بمؤخر عینه یمنة و یسرة من غیر ان یلوی عنقه لا یکره (بنایة ۲ /۵۲۴)

لہٰذا نقلِ عبارت میں احتیاط درکار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: عبدالقیوم راجکوٹی
الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

متمتع کا عمرہ کر کے حج سے پہلے مدینہ جانا

سوال: ایک شخص نے حج تمتع کی نیت سے احرام باندھا عمرہ سے فراغت کے بعد حج سے پہلے وہ مدینۂ منورہ چلا گیا وہاں سے اس نے حج افراد کا احرام باندھا تو اب اس کا تمتع باطل ہوگا یا نہیں اگر تمتع باطل ہوتا ہے تو اس صورت میں اس پر قربانی دم شکر کی واجب ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زبدۃ المناسک ۲/ ۱۴ پر ہے اکثر حاجی اشہر حج میں آ کر عمرہ کرتے ہیں پھر اشہر حج میں حج کرنے سے پہلے مدینۂ منورہ روضۂ اقدس اور حجرۂ مطہرہ ومعطرہ ﷺ کی زیارت کے لیے چلے جاتے ہیں پس ان کو چاہیے کہ وہاں سے جب واپس ہوں تو فقط حج مفرد ہی کا حرام باندھ کر آئیں تو امام صاحب کے نزدیک ان کا تمتع صحیح ہے اس سفر کرنے سے تمتع باطل نہ ہوگا کیوں کہ وہ لوگ اشہر حج میں عمرہ کر چکے ہیں اور عمرہ کرنے کے بعد وہ حکماً مکیوں میں داخل ہیں اگر چہ اشہر حج میں میقات سے بھی باہر نکل گئے ہوں کیوں کہ وہ اپنے اصلی وطن میں نہیں گئے ہیں تو ان کا سفر بہ اعتبار حکم کے واحد ہے اس کو الامام فاسد کہتے ہیں جو کہ مبطل تمتع نہیں اب ان کو مدینۂ طیبہ سے قران کا احرام باندھنا ممنوع ہے کہ وہ مکیوں کے حکم میں ہیں اگر قران کا احرام باندھیں گے تو دم جنایت لازم ہوگا۔ (شرح اللباب وغنیۃ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ شوال ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

پیسہ جمع کر کے قرعہ اندازی سے حج کرنا

سوال : دس آدمی دس دس ہزار آدمی جمع کریں ایک لاکھ ہوجاتے ہیں، اب قرعہ سے جس شخص کا نام نکلے اس کو حج کے لیے روانہ کریں، ہر سال ایسا کریں تو دس میں سب کا حج ہوجائے گا۔ ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کام کو عام کیا جائے تو کیسا ہے؟ اس ترتیب سے کافی لوگ حج کر سکتے ہیں، تو ایسا کرنا مناسب ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپس میں تعاون اور تناصر کے جذبہ سے اس طرح کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں جب کہ باری باری سب کو اس کی رقم واپس مل جاتی ہو اور اس طرح جمع کی ہوئی رقم سے حج کی ادائیگی بھی درست ہے؛ لیکن یاد رہے کہ شروع میں قرعہ اندازی میں جن کا نام نکلا اور وہ رقم وصول کر چکے ان کی طرف سے بعد میں قسطوں کی ادائیگی میں غفلت اور بے پرواہی نہ ہو، عموماً ایسا ہوتا ہے اس لیے اس سے منع بھی کرتے ہیں، اور اسی لیے اس کو عام کرنے کے لیے لوگوں کو ہرگز ترغیب نہ دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۱/محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

تجارت کی نیت سے حج کرنے کا حکم

سوال: ہمارے شہر..... سے ایک کمپنی کا مالک جو کہ غیر مسلم ہے، اور وہ چالیس مسلمانوں کو اپنی نئی (بائیک) موٹر سائیکل (گاڑی)، اور اس کے اپنے سفرِ حج سے حج کے لیے بھیج رہا ہے۔ تو اس وقت بہت سے مسلمان جو بے چارے اپنے خرچ سے

جانے کی استطاعت نہیں رکھتے، وہ اس موقع پر جانے کے لیے تیار ہیں، اور اس کمپنی کے مالک کو ان حجاج کرام کے بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ اس کی گاڑی باہر کی ممالک میں شہرت ہو، جس سے کہ اس کی گاڑیوں کی کھپت بڑھے، اور وہ کمپنی کا مالک ان کے پورے سفر حج کا ان حجاج کا قافلہ جہاں جہاں ٹھہرے وہاں کا خرچ، مطلب کے کل خرچ کا ذمہ اپنے اوپر لیتا ہے؛ لہٰذا قابلِ دریافت امر یہ ہے کہ یہ مسلمان جو جانا چاہتے ہیں اس طریقہ کا حج کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر کر سکتے ہیں تو اس کی کیا صورت ہونی چاہیے؟ اور نہیں کر سکتے تو کیوں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آیت قرآنی ﴿لیس علیکم جناح ان تبتغوافضلاًمن ربکم﴾ کی تفسیر میں مولانا مفتی محمد شفیع صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ: واقعہ اس نزولِ آیت کا یہ ہے کہ: زمانۂ جاہلیت میں اہلِ عرب نے جس طرح تمام عبادات ومعاملات کو مسخ کر کے طرح طرح کی بیہودہ رسمیں ان میں شامل کر دی تھیں، اور عادات کو بھی کھیل تماشہ بنا دیا تھا، اسی طرح افعالِ حج میں بھی طرح طرح کی بیہودگیاں کرتے تھے، منیٰ کے عظیم اجتماع میں ان کے خاص خاص بازار لگتے تھے، نمائش ہوتی تھی، تجارتوں کو فروغ کے ذرائع لگائے جاتے تھے، اسلام آیا اور حج مسلمانوں پر فرض کیا گیا، تو ان تمام بیہودہ رسموں کا قلع قمع کیا گیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر مٹ جانے والے تھے، اب ان کو یہ خیال ہوا کہ ایام حج میں تجارت کرنا یا مزدوری کر کے کچھ کما لینا یہ بھی جاہلیت کی پیداوار ہے۔ شاید اسلام میں اس کی مطلقاً حرمت وممانعت ہو جائے، یہاں تک کہ ایک صاحب عبداللہ

بن عمر رضی اللہ عنہم کے پاس آئے اور یہ سوال کیا کہ: ہمارا پیشہ پہلے سے یہ ہے کہ ہم اونٹ کرایہ پر چلاتے ہیں، کچھ لوگ ہمارے اونٹ حج کے لیے کرایہ پر لے جاتے ہیں، ہم ان کے ساتھ جاتے ہیں اور حج کرتے ہیں، کیا ہمارا حج نہیں ہوگا؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، اور آپ سے وہی سوال کیا تھا جو تم مجھ سے کر رہے ہو، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس وقت کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی ﴿لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم﴾ اس وقت آپ نے اس شخص کو بلوایا اور فرمایا کہ: ہاں! تمہارا حج صحیح ہے۔

الغرض! اس آیت نے یہ واضح کر دیا کہ اگر کوئی شخص دورانِ حج میں کوئی بیع وشراء یا مزدوری کرے جس سے کچھ نفع ہو جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ ہاں! کفارِ عرب نے جو حج کی تجارت کی منڈی اور نمائش گاہ بنالیا تھا اس کی اصلاح قرآن کے دو لفظوں سے کر دی گئی: ایک تو یہ کہ جو کچھ کمائیں اس کو اللہ تعالیٰ کے فضل اور عطا سمجھ کر حاصل کریں، شکر گزار ہوں، محض سرمایہ سمیٹنا مقصود نہ ہو ﴿فضلا من ربکم﴾ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ دوسرے ﴿لاجناح﴾ کے لفظ نے یہ بتلا دیا کہ اس کمائی میں تم پر کوئی گناہ نہیں، جس میں ایک اشارہ اس طرف ہے کہ اگر اس سے بھی اجتناب کیا جائے تو بہتر ہے، کیوں کہ اخلاص کامل میں فرق آتا ہے اور حقیقت مسئلہ کی یہ ہے کہ اس کا معیار اصل نیت پر ہے۔ اگر کسی شخص کی نیت اصل میں دنیوی نفع تجارت یا مزدوری ہے اور ضمنی طور پر حج کا بھی قصد کر لیا یا نفعِ تجارت اور قصدِ حج دونوں مساوی صورت میں ہیں تب تو یہ اخلاص کے خلاف ہے، حج کا ثواب اس سے کم ہو جائے گا،

اور برکاتِ حج جیسی حاصل ہونی چاہیے وہ حاصل نہ ہوں گی، اور اگر اصل نیت حج کی ہے؛ اس لیے شوق میں نکلا ہے؛ لیکن مصارفِ حج میں یا گھر کی ضروریات میں تنگی ہے، اس کو پورا کرنے کے لیے کوئی معمولی تجارت یا مزدور کرلی، یہ اخلاص کے بالکل منافی نہیں۔ ہاں اس میں بھی بہتر یہ ہے کہ خاص ان پانچ ایام میں جن میں حج کے افعال ادا ہوتے ہیں ان میں کوئی مشغلہ تجارت ومزدوری کا نہ رکھے؛ بلکہ ان ایام کو خالص عبادت و ذکر میں گزارے۔ اسی وجہ سے بعض علما نے خاص ان ایام میں تجارت ومزدوری کو ممنوع بھی فرمایا ہے۔ (معارف القرآن ۱/۴۸۶، ۴۸۷)

صورت مسئولہ میں ان حجاج کو بھیجنے والے کی نیت اپنی مصنوعات کو فروغ دینے اور اس کے اشتہار کی ہے، مزید برآں وہ غیر مسلم بھی ہے، اگرچہ جانے والے حجاج کی نیت سعادتِ حج سے مشرف ہونے کی ہے؛ لیکن جب بھیجنے والے کی نیت اور ارادہ معلوم اور ظاہر ہے، تو جانے والے اس میں تعاون کررہے ہیں، اور اس طرح ایک خالص اسلامی فریضہ کو تجارت ومصنوعات کی فروغ کا ذریعہ بنایا جارہا ہے، یہ چیز غیرتِ ایمانی کے خلاف ہے، پھر بھی اگر وہ حضرات اس طرح حج کریں گے تو ان کا حج ادا ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۴/رجب المرجب ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

قرض لے کر عمرہ کرنا

سوال: قرض لے کر عمرہ کے لیے جاسکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عمرہ فرض نہیں ہے، اس کے لیے قرض لے کر جانا مناسب نہیں، پھر بھی اگر قرض کی ادائیگی کا نظم کر کے جانا چاہے، تو گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷ رشعبان ۱۴۱۶ھ

شوہر کی ناراضگی کی حالت میں حج کی ادائیگی

سوال: ہندہ کئی سالوں سے اپنے شوہر سے ناراض ہو کر (کئی سالوں سے) اپنے ماں باپ کے پاس رہتی ہے، ہندہ کا دادا حج کے لیے جارہے ہیں اور اس کو اپنے ساتھ حج کے لیے لے جانا چاہتا ہے، کیا ہندہ اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے دادا کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے، کیا اجازت ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہندہ کا اس طرح اپنے شوہر سے ناراض ہو کر اس کے گھر سے بلا اجازت اپنے ماں باپ کے گھر چلا جانا اور اپنے شوہر کی ناراضگی کے ساتھ وہاں قیام کرنا گناہ اور معصیت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے کہ: تین آدمیوں کی نماز قبول نہیں ہوتی، اور ان کی کوئی نیکی (اللہ تعالیٰ کی طرف) نہیں جاتی (یعنی قبول نہیں ہوتی) پہلا وہ غلام جو اپنے آقا کے یہاں سے بھاگ گیا جب تک کہ لوٹ کر ان کے پاس پہنچ کر اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں نہ دے دے، دوسری وہ عورت جس کا شوہر اس سے ناراض ہو، تیسرا شراب کے نشہ والا یہاں تک کہ اس کا نشہ اتر جائے۔ (مشکوۃ ۲۸۳)

اس لیے ہندہ کو چاہیے کہ وہ اولین فرصت میں اپنے شوہر کے گھر جائے، اس کے

بعد اگر اس پر حج فرض ہے تو شوہر اجازت نہ دے پھر بھی اپنا فریضہ ادا کرنے کے لیے جاسکتی ہے، اور اگر اس پر فرض نہیں ہے تو بلا اجازت نہیں جاسکتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب طواف الزیارۃ

طواف زیارت کی تکمیل نفلی طواف سے

سوال: کسی حاجی نے طوافِ زیارت کے دو تین شوط چھوڑ دیے اور ایام نحر کے بعد اس نے نفل طواف کیا تو کیا اس نفل طواف کے شوط طواف زیارت میں شامل کر لیے جائیں گے؟ اور کیا اس طرح طوافِ زیارت مکمل ہو جائے گا اور تاخیر کی وجہ سے اس حاجی پر صدقہ وغیرہ آئے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جی ہاں، اس طرح طواف زیارت کی تکمیل ہو جائے گی اور دم ساقط ہو جائے گا؛ البتہ ہر شوط کے بدلہ میں ایک کامل صدقہ نکالنا ضروری ہے۔ (زبدۃ المناسک ۲/۷۸، عمدۃ الفقہ کتاب الحج ۴/۵۳۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/صفر ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

طواف زیارت کیے بغیر نئی شادی والی بیوی بھی حلال نہیں

سوال: ایک آدمی نے حج کیا، اور طواف زیارت نہیں کیا اور وطن واپس چلا گیا تو کیا اس کی بیوی اس کے لیے حلال ہے۔ اور اگر نہیں ہے تو کیا پھر دوسری شادی کر سکتا ہے یا اس کی صورت کیا ہوگی۔ ''معلم الحجاج'' میں لکھا ہے کہ جب تک طواف زیارت نہیں کرے گا بیوی حلال نہیں ہوگی چاہے سالہا سال گزر جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

''معلم الحجاج'' میں جیسا کہ لکھا ہے اس آدمی کے لیے عورت کے ساتھ وطی اور دواعی وطی حلال نہیں جب تک کہ طواف زیارت نہ کرلے، دوسری شادی کرنے سے بھی مسئلہ حل نہ ہوگا نئی آنے والی بیوی کا بھی یہی حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ

طواف زیارت کیے بغیر وطن لوٹنے والا جرم کا تدارک نیا احرام باندھ کر کرے یا سابق احرام سے؟

صاحب فتاویٰ رحیمیہ کا تسامح

سوال: فتاوی رحیمیہ ۵/ ۲۲۷ سوال نمبر: ۱۵۱۸ میں ایک عورت کے متعلق سوال کیا گیا ہے، جو بیماری کی وجہ سے طواف زیارت نہ کرسکی، اور طواف زیارت کیے بغیر ہی وطن واپس لوٹی، کہ وہ طواف زیارت کے لیے مکہ مکرمہ احرام باندھ کر جائے یا بغیر

احرام باندھے؟ اس کے جواب میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ ''اب اسے چاہیے کہ طواف زیارت ادا کرنے کے لیے عمرہ کا احرام باندھ کر جائے'' تو کیا اس کے لیے نیا احرام باندھ کر جانا ضروری ہے؟ یا اس کا پہلے والا احرام ابھی مکمل ختم نہیں ہوا بلکہ باقی ہے؛ اس لیے نیا احرام باندھنے کی ضرورت نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو شخص (چاہے وہ مرد ہو یا عورت) طواف زیارت کیے بغیر اپنے وطن واپس آ گیا، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ واپس مکہ مکرمہ جا کر طواف زیارت ادا کرے، جب تک کہ طواف زیارت ادا نہیں کرے گا، اگر وہ مرد ہے تو اس کے لیے اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرنا، اور اگر وہ عورت ہے تو اس کے ساتھ اس کے شوہر کا صحبت کرنا جائز نہیں، طواف زیارت کی ادائیگی کے لیے جب وہ مکہ مکرمہ جائے گا تب اس کے لیے نیا احرام باندھنے کی ضرورت نہیں، طواف زیارت نہ کرنے کی وجہ اس کا پہلے والا احرام ختم نہیں ہوا بلکہ باقی ہے، اپنے اسی احرام کے ساتھ وہ مکہ مکرمہ جائے گا۔

چناں چہ ''بدائع الصنائع'' میں ہے:

''واما حكمه اذا فات عن ايام النحر فهو انه لا يسقط بل يجب ان ياتى به لان سائر الاوقات وقته، بخلاف الوقوف بعرفة انه اذا فات عن وقته يسقط لانه موقت بوقت مخصوص ثم ان كان بمكة ياتى به باحرامه الاول لانه قائم اذ التحلل بالطواف ولم يوجد وعليه لتاخيره عن ايام النحر دم عند ابى حنيفة وان كان رجع الى اهله فعليه ان يرجع الى مكة باحرامه الاول ولا يحتاج الى احرام جديد، وهو محرم عن

النساء الی ان یعود فیطوف، وعلیه للتاخیر دم عند ابی حنیفة ولا یجزئ عن هذا الطواف بدنة لا نه رکنه وارکان الحج لا یجزئ عنها البدل ولا یقوم غیرها مقامها بل یجب الاتیان بعینها کالوقوف بعرفة (بدائع ۲/ ۱۳۳)

(ترجمہ) اور طواف زیارت کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ (اپنے مقررہ وقت یعنی) ایام نحر سے فوت ہو جائے تو وہ معاف نہیں ہوتا، بلکہ ضروری ہے کہ اس کو ادا کیا جائے؛ اس لیے کہ پوری زندگی اس کا وقت ہے، برخلاف وقوف عرفہ کے کہ اگر وہ اپنے وقت سے فوت ہو گیا تو وہ ساقط ہوئے گا؛ اس لیے کہ وہ مخصوص وقت کے ساتھ موقت ہے، پھر اگر وہ آدمی (جس کا طواف زیارت ایام نحر میں ادا نہیں ہو پایا ہے) مکہ مکرمہ ہی کے اندر موجود ہے تو وہ اپنے پہلے والے احرام ہی کے ذریعہ طواف کرے گا؛ اس لیے کہ جب تک طواف نہیں کیا ہے پہلے والا احرام موجود ہے اور طواف کو ایام نحر سے مؤخر کرنے کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر ایک دم واجب ہے، اور اگر وہ اپنے گھر لوٹ چکا ہے تب بھی اس پر ضروری ہے کہ اپنے پہلے والے احرام کے ساتھ مکہ واپس جائے اور اس کو نیا احرام باندھنے کی ضرورت نہیں .....الخ۔

''غنیۃ الناسک'' میں ہے: ''ولو ترك طواف الزیارة کله او اکثره فهو محرم ابدا فی حق النساء حتی یطوف، فکلما جامع لزمه دم اذا تعدد المجلس الا ان یقصد الرفض فلا یلزمه بالثانی شیء فعلیه حتما ان یعود بذلك الاحرام ویطوف ولا یجزئ عنه البدل اصلا''. (غنیة الناسك ۱٤٦)

''معلم الحجاج'' میں ہے۔ مسئلہ: اگر طواف زیارت کے چار چکر یا پورا طواف چھوڑ دیا تو ساری عمر عورت حلال نہ ہوگی، اور عورت کے حق میں احرام باقی رہے گا،

اور اسی احرام سے آکر طواف کرنا واجب ہوگا، بدل دینا کافی نہ ہوگا، جب ادا کرے گا اس وقت عورت حلال ہوگی اور اس حالت میں اگر جماع کرلے گا تو ہر جماع کے بدلہ میں مجلس مختلف ہونے کی صورت میں ایک دم واجب ہوگا۔ (معلم الحجاج ۲۴۵، ۲۴۶)

''زبدۃ المناسک'' میں ہے۔ مسئلہ: اور اگر طواف زیارت کے چار شوط چھوڑ دیے جب تک ادا نہ کرے ساری عمر حقِ عورت میں احرام سے نہ نکلے گا اسی احرام سے آکر ادا کرنا واجب ہوگا، دوسرے احرام کی ضرورت نہیں ہے اگرچہ میقات سے نکل گیا ہو، کیوں کہ جب مکہ معظّمہ کو عود کرے گا تو میقات سے گزرتے وقت کے لیے وہ پہلا احرام جو حق نساء میں باقی ہے وہی کافی ہے، طواف زیارت کا بدل دینا کافی نہیں ہوگا۔ (زبدۃ المناسک ۲/ ۷۹)

عباراتِ بالا سے معلوم ہوا کہ اس عورت کے لیے طواف زیارت کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ جاتے وقت نیا احرام باندھنے کی ضرورت نہیں، اس کا پہلے والا احرام جو ابھی تک باقی ہے وہی اس کے لیے کافی ہے، اور اسی احرام کے ساتھ وہ مکہ مکرمہ لوٹے گی؛ اس لیے ''فتاوی رحیمیہ'' میں حضرت اقدس مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نیا احرام باندھنے کا جو حکم لکھا ہے وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا تسامح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: احمد خانپوری، ۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

طوافِ زیارت کی سعی سے پہلے صحبت کرنا

سوال: حج کے موقع پر طوافِ زیارت تو ایامِ نحر میں کرلیا؛ لیکن ہجوم کی وجہ سے

سعی کو مؤخر کیا: سعی کرتے وقت نفل طواف کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نہیں۔ (زبدۃ المناسک ۱/ ۱۲۳)

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حج ٹورس کے مسائل

ٹورس والوں کا بزرگ اشخاص کو مفت حج کرانا یا رعایت دینا اور ایجنٹ کے کمیشن کا حکم

سوال: ① بہت سارے لوگ حج وعمرہ ٹورس چلاتے ہیں، اپنے کاروبار کو بڑھانے کے لیے اور زیادہ حاجی وصول کرنے کے لیے دو طریقے اپناتے ہیں۔ کسی ایسے آدمی کو جو کسی علاقہ یا شہر میں باعزت ہو ایسے شخص کو یا تو مفت میں حج میں لے جاتے ہیں یا بہت کم میں لے جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ حضرت آپ کے ہونے سے لوگوں کو فائدہ ہوگا؛ لیکن دلی مقصد یہ نہیں ہوتا، بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ اتنا بڑا آدمی ان کے ساتھ جاتا ہے تو ہمیں بھی ان کے ساتھ جانا چاہیے اور حج کے بعد دوسرے سال کے لیے لوگوں سے یوں کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ نے میرے ساتھ حج کیا تھا، اور وہ بھی اس کے احسان کی وجہ سے لوگوں سے کہتے ہیں کہ اچھی ٹور ہے تاکہ دوبارہ پھر

ان کو حج میں لے جائے؛ حالاں کہ دیگر لوگ جنہوں نے بلا واسطہ کسی کے اس کے ساتھ حج کیا ہوتا ہے وہ اس ٹور والے کو بہت برا بھلا کہتے ہیں پھر بھی لوگ بزرگ کی بات پر بھروسہ کرتے ہیں۔

(حضرت مجھ کو بہت ڈر لگتا ہے کہ میں آپ کے سامنے اتنا سب لکھوں؛ اس لیے گستاخی کی معافی چاہتا ہوں) مجھ کو یہ صرف اس وجہ سے لکھنے کی نوبت آئی ہے کہ بہت سارے ہمارے اپنے مجھ سے کہتے ہیں تو اپنی ٹور چلانے کے لیے ایسا کیوں نہیں کرتا جیسا کہ اور ٹور والے کرتے ہیں، (یعنی اوپر والی بات) میں ان کو جواب دیتا ہوں کہ میرا ضمیر گوارا نہیں کرتا کہ میں ان بزرگوں کو اپنی دنیا کمانے کا ذریعہ بناؤں، میرا مقدر میرے ساتھ ہے اور الحمد للہ خوب چلتا ہے، بس آپ سے صرف یہ جواب مطلوب ہے کہ میرے لیے بھی یہ ترتیب جائز ہے اور ان لوگوں (بزرگوں) کو بھی ایسا کرنے کی اجازت ہے؟ میرے استاد محترم ہونے کی وجہ سے میری صحیح رہبری فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تادیر باقی رکھے۔ آمین۔

(۲) حضرت استاذی! دوسرا سوال یہ عرض کرنا ہے کہ بہت سے ٹور والے حج میں حاجیوں کو بہت زیادہ پریشان کرتے ہیں، حاجی ان سے ناراض ہوتے ہیں، حج سے آنے کے بعد اس ٹور والے کو یہ فکر ہوتی ہے کہ آئندہ مجھ کو حاجی کیسے ملیں گے، امسال کے تمام حاجیوں نے اپنے اپنے علاقوں میں میری خوب برائی کی ہوگی تو ناراض ہونے والے حاجیوں میں ایسے آدمی کو تلاش کرتے ہیں جس کا لوگوں میں رسوخ ہو، اس کے پاس جاتے ہیں اور معافی تلافی کرتے ہیں، اور چکنی چپڑی باتیں کر کے پھر اس کو کہتے ہیں کہ حاجی صاحب آپ اگر مجھ کو حاجی دلوادو گے تو میں آپ کو ایک حاجی پر مثلاً پانچ

ہزار دوں گا، اگر آپ نے دس بیس حاجی کروادیے تو آپ کا گزشتہ سال کا حج کا خرچہ نکل جائے گا، اس لالچ میں آکر وہی آدمی اس کی تعریف کرنے لگتا ہے (اپنے مفاد کے خاطر) اور اس میں رقم بھی زیادہ طے کرتا ہے تاکہ اس کو دینے کے پیسے بھی نکل جائیں۔

③ دوسری شکل: بعض ٹور والے ہر جگہ پر اپنے ایجنٹ بناتے ہیں اور ان ایجنٹوں سے کمیشن طے کرتے ہیں اور چوں کہ اس کو کمیشن دینا ہوتا ہے؛ اس لیے زیادہ دام رکھتے ہیں، پھر اس نے جو کام کیا اس کے عوض یا تو اس کو حج میں لے جاتے ہیں یا نقد اس کو دے دیتے ہیں، مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد ہر حاجی ایک دوسرے سے پوچھتا ہے تم سے کتنے پیسے لیے تو جو لوگ بغیر ایجنٹ کے ڈائریکٹ ہم سے بک کرواتے ہیں ان سے ہم کچھ پیسے کم لیتے ہیں تو ایجنٹ کے معرفت آنے والے ٹور والے سے کہتے ہیں کہ تم نے ہم سے پیسے کیوں زیادہ لیے اور ان سے کم لیے؟ تو ٹور والے کو مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ تم لوگ ایجنٹ کی معرفت آئے تھے تو مجھ کو ایجنٹ کو کمیشن دینا پڑا تو وہ حاجی ایجنٹ کو بہت برا بھلا کہتے ہیں؛ کہ ہم تو یہ سمجھتے تھے یہ ایجنٹ بزرگ آدمی ہے یا باعزت با وقار آدمی ہے، اس لیے یہ ہمدردی میں ہماری رہنمائی کرتا ہے، کاش ہم کو معلوم ہوتا تو ہم بھی ڈائریکٹ جاتے، ہم نے ہمارا نقصان کردیا، حج سے واپس آنے کے بعد اگر وہ ایجنٹ کوئی بزرگ یا کوئی داعی آدمی تھا تو عوام الناس میں اس کے مقام کی وجہ سے لوگ خاموش رہتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے لیے کسی کے سامنے کچھ کہنا مناسب نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام یہ عرض ہے کہ کوئی آدمی ایجنٹ بن کر کام کرے تو اس کو یہ ظاہر کرنا چاہیے، ہر اس کے پاس آنے والے حاجی کو کہ: میرا کمیشن ہے تاکہ لوگ ناراض نہ ہوں، مکانوں کی دلالی میں عامۃ الناس جانتے ہیں ان کی دلالی ہوگی تو کوئی جھگڑا ہی نہیں ہوتا۔

حج ٹور کے ایجنٹ کے متعلق اکثر لوگوں کا گمان یہ ہوتا ہے یہ اچھی ٹور میں حج کرنے کی ہمدردی کے لیے ہمارا تعاون کرتا ہے، اور پچھلی باتوں میں جو ٹور والوں کی مکاریاں بیان کی ہیں یہ طریقہ جائز ہے؟ مجھ کو کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے نہ آپ کے جوابات کا افشاء کر کے اپنا مفاد ڈھونڈوں، بس میرے اپنے علم کے لیے آپ استاذ محترم ہونے کی وجہ سے رہبری فرمائیں، اگر میری بھی کوئی شکایت آپ کے پاس پہنچی ہو تو میری اصلاح فرمائیں میں آپ کا شاگرد ہوں، باپ کے لیے بیٹے کی شکایت کو چھپانا بیٹے کے لیے نقصان ہے، اور استاذ کا مقام شاگرد کے لیے باپ سے بھی زیادہ ہے، گستاخی معاف فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① آپ نے اپنے سوال میں جن نکات کو اٹھایا ہے، اس کا خلاصہ دو باتیں ہیں: نمبر ایک یہ ہے کہ حج اور عمرہ کے لیے ٹور لے جانے والے حضرات کسی ایسی شخصیت کو جو اپنے صلاح اور دین داری کی وجہ سے اپنے علاقہ میں مشہور ہے، بلا معاوضہ یا کم معاوضہ پر اپنے ساتھ حج یا عمرہ کے لیے یہ کہہ کر لے جاتے ہیں کہ آپ کے ہونے سے لوگوں کو فائدہ پہنچے گا؛ لیکن ان کو لے جانے والوں کا دلی مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایسی بزرگ اور عالم شخصیت کے ہمارے ساتھ ہونے سے بہت سے حج میں جانے والے حضرات ہماری ٹور میں سفر حج کرنے کو ترجیح دیں گے؛ تاکہ ان بزرگ کی برکات اور فیوض سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ ملے، اور اس طرح ہماری ٹور میں حج کے لیے سفر کرنے والوں کی تعداد بڑھ کر ہمیں مالی طور پر فائدہ حاصل ہوگا؛ نیز آنے والے سالوں میں بھی لوگوں کو ہماری ٹور میں سفر کرنے کے لیے آمادہ کرنے کے واسطے ہمیں یہ کہنے کا موقعہ

ملے گا کہ فلاں بزرگ شخصیت نے گزشتہ سال ہمارے ساتھ حج کیا تھا۔

نمبر دو یہ ہے کہ خود وہ بزرگ شخصیت جن کو اس ٹور کے چلانے والے نے اپنے ساتھ حج کرایا، وہ باجود یہ جانتے ہوئے کہ اس ٹور کا نظم وانتظام ٹھیک نہیں ہے، اور اس میں سفر کرنے والوں کو وہ سہولتیں مہیا نہیں کی جاتیں جن کا وعدہ ٹور کے ذمہ داروں کی طرف سے معاملہ کرنے کے وقت کیا جاتا ہے، اس کے باوجود وہ بزرگ لوگوں کے سامنے اس کی تعریف اور اس کے نظم کی تحسین محض اس لیے کرتے ہیں کہ اس نے ان کو بلا معاوضہ حج کا سفر کرنے کی سہولت فراہم کی تھی۔ اب ہر ایک نمبر کا حکم لکھا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے جو بنیادی ہدایتیں امت کو عطا فرمائیں، اور قرآن پاک میں بھی جن کی تاکید کی گئی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہر عمل خالص اللہ کی رضا جوئی کے لیے انجام دیا جائے۔ ﴿وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين﴾ ''انما الاعمال بالنيات'' یہاں تک کہ کسی کے ساتھ محبت یا بغض بھی اللہ ہی کے واسطہ رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کو کمال ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے، چناں چہ ارشاد ہے: ''من اعطىٰ لله ومنع لله واحب لله وابغض لله فقد استكمل ايمانه'' (ترمذی) کہ جو شخص کسی کو کچھ دے تو اللہ کے لیے دے، اور کسی کو دینے سے منع کرے تو اللہ کے لیے منع کرے، اگر کسی سے محبت کرے تو اللہ کے لیے کرے، اور اگر کسی سے بغض وعناد رکھے تو اللہ کے لیے رکھے تو اس کا ایمان کامل ہو گیا۔

اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی زید مجدہم فرماتے ہیں کہ: تیسری علامت یہ بیان فرمائی کہ اگر محبت کرے تو اللہ کے لیے محبت کرے۔ ایک محبت تو بغیر کسی شائبہ کے خالصۃً اللہ کے لیے ہوتی ہے جیسے کسی اللہ والے

سے محبت ہے، ظاہر ہے کہ اس سے محبت؛ اس لیے نہیں ہوتی ہے کہ اس سے پیسے کمائیں؛ بلکہ اس سے محبت اس نیت سے ہوتی ہے کہ اس سے محبت اور تعلق رکھیں گے تو ہمارے دین کا فائدہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے، یہ محبت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور بڑی برکت کی اور بڑے فائدہ کی چیز ہے۔

بعض اوقات شیطان اور انسان کا نفس اس محبت میں بھی صحیح راستہ سے گمراہ کر دیتا ہے، مثلاً اولیاء سے تعلق کے وقت شیطان یہ نیت دل میں ڈال دیتا ہے کہ اگر ہم ان کے مقرب بنیں گے تو دنیا والوں کی نگاہ میں ہماری قدر و قیمت بڑھ جائے گی، العیاذ باللہ۔ یا مثلاً لوگ یہ کہیں گے کہ یہ صاحب تو فلاں بزرگ کے خاص آدمی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو محبت خالص اللہ کے لیے ہونی چاہیے تھی وہ اللہ کے لیے نہیں ہوتی، بلکہ وہ محبت دنیاداری کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ یا بعض لوگ کسی اللہ والے کے ساتھ؛ اس لیے رابطہ جوڑ لیتے ہیں کہ ان کے پاس ہر قسم کے لوگ آتے ہیں، صاحب منصب اور صاحب اقتدار بھی آتے ہیں، اور بڑے بڑے مالدار لوگ بھی آتے ہیں، جب ہم ان بزرگوں کے پاس جائیں گے تو ان لوگوں سے بھی تعلقات قائم ہوں گے اور پھر اس تعلق کے ذریعہ ان سے اپنی ضروریات اور اپنے مقاصد پورے کریں گے، العیاذ باللہ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو محبت اللہ کے لیے ہونی تھی وہ دنیا حاصل کرنے کے لیے ہوگئی۔ (اصلاحی خطبات ۹/ ۳۲، ۳۱)

اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی راحت رسانی بھی اسی محبت کی بنیاد پر ہونی چاہیے، اگر یہ ٹور والے ان بزرگ شخصیتوں کو خالص اللہ کی محبت کی نسبت پر حج کے لیے لے جاتے تو میں سمجھتا ہوں کہ ان کا یہ عمل اللہ تعالیٰ

کی خوشنودی اور اس کی رضا کا ذریعہ تو بنتا ہی، ساتھ ہی ان کے کاروبار میں بھی برکت اور اضافہ ہوتا؛ لیکن نفس اور شیطان نے ان کی ایسی راہ ماری کہ اس عمل میں دنیاوی غرض شامل کر کے اس کے اجر وثواب سے بھی محروم کر دیا اور کاروبار کی ترقی کا بھی خدا حافظ۔

دوسری بات یہ ہے کہ وہ بزرگ شخصیت جن کو ٹور والے اس مقصد کے لیے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں، اگر ان کو بھی ٹور والے کی اس بدنیتی کا علم یا احساس ہے، اس کے باوجود وہ اپنی ذات کو اس مقصد میں استعمال کرنے کی اجازت دے رہے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنی بزرگی یا دین داری یا علم کو بکاؤ مال سمجھ کر اس کی قیمت وصول کر رہے ہیں۔ جو بہت ہی خطرناک چیز ہے۔

حضرت مولانا اعزاز علی صاحب نور اللہ مرقدہ ''نور الایضاح'' کے مقدمہ میں طلبہ اور علماء کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حذار ثم حذار أن ترید بالعلوم الدینیة الدنیا وجاهها ومالها، فان البهلوان الذی یلعب فوق الجبال خیر من العلماء الذین یمیلون الی المال لأنه یأکل الدنیا بالدنیاوهؤلاء یأکلون الدنیا بالدین وقال بعض العلماء استجرارالجیفة بالمعازف أهون من استجرارها بالمصاحف وقال تعالی جده: ﴿ولا تشتروا بآیٰتی ثمناً قلیلاً و ایای فاتقون﴾.

(مقدمۂ نور الایضاح:٦)

یعنی خبردار پھر خبردار! علوم دینیہ کے ذریعہ سے دنیا اور اس کا جاہ ومال طلب کرنے سے بچو؛ اس لیے کہ وہ پہلوان جو پہاڑوں کے اوپر تماشہ کرتا ہے، وہ ان علماء سے بہتر ہے جو مال کی طرف مائل ہوتے ہیں؛ اس لیے کہ وہ دنیا کے ذریعہ سے دنیا کماتا ہے اور یہ لوگ دین کے ذریعہ دنیا حاصل کرتے ہیں۔ بعض علماء کا ارشاد ہے کہ

مردار (دنیا) معازف (گانے بجانے کے آلات) کے ذریعہ حاصل کرنا مصاحف (قرآن وحدیث) کے ذریعہ حاصل کرنے کے مقابلہ میں سہل ہے، اور ارشاد خداوندی ہے: میری آیتوں کے بدلہ میں ثمن قلیل نہ حاصل کرو۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی زید مجدہم حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے حوالے سے ان کے کسی استاذ یا شیخ کا واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ وہ کسی دوکان پر کوئی چیز خریدنے گئے، اور انہوں نے اس چیز کی قیمت پوچھی، دوکان دار نے قیمت بتادی جس وقت قیمت ادا کرنے لگے تو اس وقت ایک اور صاحب وہاں پہنچ گئے جو ان کے جاننے والے تھے، وہ دوکان دار ان کو نہیں جانتا تھا کہ یہ فلاں مولانا صاحب ہیں، چناں چہ ان صاحب نے دوکان دار سے کہا کہ یہ فلاں مولانا صاحب ہیں، لہٰذا ان کے ساتھ رعایت کریں، حضرت مولانا نے فرمایا کہ: میں اپنے مولوی ہونے کی قیمت نہیں لینا چاہتا، اس چیز کی جو اصل قیمت ہے وہی مجھ سے لے لو؛ اس لیے کہ پہلے جو قیمت تم نے بتائی تھی اس قیمت پر تم خوش دلی سے یہ چیز دینے کے لیے تیار تھے، اب اگر دوسرے آدمی کے کہنے سے تم نے رعایت کردی اور دل اندر سے مطمئن نہیں ہے تو اس صورت میں وہ خوش دلی سے دینا نہیں ہوگا، اور پھر میرے لیے اس چیز میں برکت نہیں ہوگی، اور اس کا لینا بھی میرے لیے حلال نہیں ہوگا؛ لہٰذا جتنی قیمت تم نے لگائی ہے اتنی قیمت لے لو۔

اس واقعہ سے اس طرف اشارہ فرمادیا کہ یہ ''مولویت'' بیچنے کی چیز نہیں کہ بازار میں اس کو بیچا جائے کہ لوگ اس کی وجہ سے اشیاء کی قیمت کم کردیں۔ (اصلاحی خطبات ۱۱/۱۲۸)

پھر ان بزرگ یا عالم صاحب کا اس ٹور کے متعلق یہ جانتے ہوئے کہ اس کا انتظام

ٹھیک نہیں ہے؛ نیز گاہکوں سے معاملہ کرتے وقت جن سہولتوں کا وعدہ کرتے ہیں وہ فراہم نہیں کرتے، اس کے باوجود وہ اس کی تحسین وتعریف کریں تو یہ ایک طرح کی جھوٹی شہادت ہے، اور جھوٹی گواہی اتنی بری چیز ہے کہ حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے اس کو شرک کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، صحابۂ کرام سے فرمایا کہ: کیا میں تم کو بتاؤں کہ بڑے بڑے گناہ کون کون سے ہیں؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ضرور بتایئے، آپ نے فرمایا کہ: بڑے گناہ یہ ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا، اس وقت تک آپ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، پھر آپ سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور پھر فرمایا کہ جھوٹی گواہی دینا، اور اس جملے کو تین مرتبہ دہرایا۔ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب بیان الکبائر، حدیث نمبر ۱۴۳)

آپ اس سے اس کی شناعت کا اندازہ لگائیں کہ ایک طرف تو آپ نے اس کو شرک کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا، دوسرے یہ کہ اس کو تین مرتبہ ان الفاظ کو اس طرح دہرایا کہ پہلے آپ ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے، پھر اس کے بیان کے وقت سیدھے ہوکر بیٹھ گئے۔ اور خود قرآن کریم نے بھی اس کو شرک کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے چناں چہ فرمایا کہ: ﴿فاجتنبوا الرجس من الأوثان واجتنبوا قول الزور﴾ (الحج:۳۰) یعنی تم بت پرستی کی گندگی سے بھی بچو اور جھوٹی بات سے بھی بچو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی کتنی خطرناک چیز ہے۔

جھوٹی گواہی دینا، جھوٹ بولنے سے بھی زیادہ شنیع اور خطرناک ہے؛ اس لیے کہ اس میں کئی گناہ مل جاتے ہیں، ایک جھوٹ بولنے کا گناہ، اور دوسرا دوسرے شخص

کو گمراہ کرنے کا گناہ؛ اس لیے کہ جب آپ نے جھوٹی گواہی دی اور جھوٹی گواہی کی وجہ سے دوسرا شخص یہ سمجھا کہ یہ آدمی بڑا اچھا آدمی ہے اور اچھا سمجھ کر اس سے کوئی معاملہ کرلے گا اور اگر اس معاملہ کرنے کے نتیجہ میں اس کو کوئی نقصان پہونچے گا تو اس نقصان کی ذمہ داری بھی آپ پر ہوگی۔ (اصلاحی خطبات ۳/۱۴۶، ۱۴۷)

یہ تو آپ کے سوال میں اٹھائے گئے نکات کا حکم تھا؛ لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کو کیسے پتہ چلا کہ ٹور والا اس بزرگ اور عالم شخصیت کو اپنے کاروبار کو بڑھاوا دینے کے لیے بلا معاوضہ یا کم معاوضہ پر لے جارہا ہے؟ اسی طرح وہ بزرگ اس ٹور والے کی (بقول آپ کے) بدنیتی کو جانتے ہوئے اپنی بزرگی سے اس طرح فائدہ اٹھانے کا موقعہ فراہم کرتے ہیں؟ اگر خود ٹور والے نے آپ کے سامنے اپنے اس اندرونی ارادہ کا اظہار کیا ہے یا ان بزرگ نے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے، تب تو اس کا حکم وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ اور اگر ایسی بات نہیں ہے بلکہ آپ اپنے گمان اور قیاس سے یہ بات فرمارہے ہیں تو حدیث پاک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ایاکم والظن، فان الظن اکذب الحدیث اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم﴾ ہمیں تو شریعت مطہرہ نے ظاہر کے مطابق معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے اور دلوں کے اندر کا حال خدا کے حوالہ کرتے ہوئے ظنوا بالمؤمنین خیراً کی تاکید کی گئی ہے، اور دلوں کے اندرونی کیفیات کی ٹوہ میں لگنے کے بجائے ﴿ولا تجسسوا﴾ فرما کر دلوں کے اندر کے حال کو ﴿یوم تبلی السرائر﴾ پر محول کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

(۲) اوپر کے جواب میں اس کا حکم بھی آچکا ہے۔

(۳) ایجنٹ بن کر کام کرنے والے کو بطور کمیشن جو رقم دی جاتی ہے، وہ دلالی ہے، اور فقہاء نے دلالی کا جواز ہی عرف کی بنیاد پر دیا ہے؛ اس لیے جس طرح مکانوں کی دلالی میں مکان خریدنے یا بیچنے والے کو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ میرے اس کام میں جو آدمی میری مدد کر رہا ہے، وہ اپنی اس محنت پر دلالی کی شکل میں معاوضہ وصول کر رہا ہے۔ اور دلالی بھی اسی صورت میں جائز ہے ورنہ نہیں۔ صورت مسئولہ میں حاجی اگر یہ سمجھ رہا ہے کہ ٹور والے کے ساتھ میرا معاملہ طے کرانے والی یہ شخصیت محض میری خیر خواہی میں نہیں بلکہ اپنی اس محنت پر ملنے والے معاوضہ اور دلالی کی خاطر کام کر رہی ہے، تب تو اس آدمی کے لیے یہ کمیشن لینا جائز اور درست ہوگا، ورنہ اس سے بڑا دھوکا اور کیا ہوسکتا ہے کہ حاجی تو یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ عالم صاحب یا داعی صاحب میری خیر خواہی کے جذبہ سے یہ ساری مشقت اٹھا رہے ہیں، اور اسی بنیاد پر وہ ان کے متعلق اپنے دل کو احساس ممنونیت سے بھرا ہوا پاتا ہے، جب کہ حقیقت اس کے بالکل برخلاف ہے، چناں چہ جب حاجی کے سامنے حقیقت سے پردہ اٹھتا ہے تو وہ اس کے متعلق لعن وطعن کرتا ہے اور اول فول بکنے لگتا ہے، دین کی نسبت پر عزت کے مقام پر فائز شخصیت کے لیے اس سے بڑا المیہ کیا ہوسکتا ہے؟ العیاذ باللہ۔ ٹور والے کو بھی چاہیے کہ وہ حاجی کے سامنے پہلے ہی یہ اظہار کر دے کہ آپ کا معاملہ مجھ سے طے کرانے والی شخصیت کو میں ان کی محنت کا معاوضہ ادا کر رہا ہوں، ورنہ تو ٹور والا بھی اس تزویر اور دھوکہ بازی میں برابر کا شریک ہوکر آخرت میں مسئول ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

حج ٹور کے ایجنٹ کی اجرت کا حکم

سوال: یہ مسئلہ ان ایجنٹ حضرات پر ہے جو حج ٹور والوں کو حاجی صاحبان کمیشن پر دیتے ہیں، اور ان ایجنٹ حضرات کی نیت یہ ہوتی ہے کہ کمیشن بھی مل جائے گا اور حج بھی ہو جائے گا، اور یہ حضرات حج کے ارکان بھی حاجیوں کو مکمل کراتے ہیں، اور حاجی صاحبان کو لانا اور لے جانا ان کی ذمہ داری ہوتی ہے، اور ایسا ہر سال ہوتا ہے؛ لہٰذا کیا ایسا کرنے سے یعنی کمیشن کی وجہ سے ان لوگوں کا حج اور عمرہ کامل ہوتا ہے؟ اور ثواب کے اعتبار سے اجر بھی پورا کا پورا مل جاتا ہے یا پھر اس حج اور عمرہ میں کچھ کمی رہ جاتی ہے، اس عمل پر فتویٰ کیا ہے؟ جب کہ ان ایجنٹ صاحبان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ ہمارا حج بھی ہو جائے گا اور کمیشن بھی مل جائے گا۔ نیز ان ایجنٹ صاحبان کا خرچ یعنی آنا جانا اور طعام و مکان کا کرایہ وغیرہ وغیرہ یہ سب خرچ مالکِ ٹور پر ہوتا ہے۔ آپ اس مسئلہ کا مکمل و مدلل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوال میں دریافت کردہ صورت دلالی کی ہے، جس کی فقہائے احناف نے تعامل اور لوگوں کی حاجات کے پیش نظر اجازت دی ہے بشرطیکہ اجرت پہلے سے طے کر دی گئی ہو؛ اس لیے اگر کوئی آدمی ٹور والوں کو گاہک لا کر دیتا ہے، اور ٹور والے اس کو بطور کمیشن پہلے سے مقرر شدہ اجرت دیں تو درست ہے؛ لیکن اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ ٹور والا کمیشن کی مقدار بڑھا کر وصول نہ کرے بلکہ اپنی طرف سے کمیشن کی رقم

ادا کرے۔ (ماخوذ از جدید معاشی نظام میں اسلامی قانون اجارہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۷/محرم الحرام ۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

ٹورس والے کو ملنے والی تصریح دوسرے کو بیچنے کے مسائل

سوال: (۱) ۲۰۰۳ء سے جو ٹور گورنمنٹ آف انڈیا کے فورین افیرس حج سیل میں رجسٹرڈ (Registerd) ہو وہی ٹور حج کے لیے حاجی لے جاسکتا ہے۔ اور جو ٹور حج سیل سے رجسٹرڈ ہے انہیں حج سیل کی اور سے لائسنس اور کوٹا (Quota) یعنی تصریح ایلوٹ کیا جاتا ہے۔ اور جس ٹور کو جتنا کوٹا ملتا ہے، اس کے مطابق حاجی لے جاسکتا ہے، (مثلاً جس ٹور آپریٹر کے پاس لائسنس ۱۰۰ کے کوٹا کا ہے، وہ ٹور آپریٹر ۱۰۰ حاجی لے جاسکتا ہے)۔

(۲) اب ان ٹور آپریٹروں میں کچھ ٹور آپریٹر ایسے ہیں جو گورنمنٹ آف انڈیا کے فورین افیرس حج سیل میں رجسٹرڈ نہیں ہے یعنی ان کے پاس نہ حج کا ٹور لے جانے کا لائسنس ہے، نہ تو حج کا کوٹا (تصریح) ہے۔ ایسے ٹور آپریٹر رجسٹرڈ ٹور آپریٹر سے کوٹا (تصریح) خرید کر اپنی ٹور لے جاتے ہیں۔ یہ کاروبار گورنمنٹ آف انڈیا کے قانون کے خلاف ہے تو کیا اس طرح کا کاروبار شرعی اعتبار سے درست ہوگا؟

(۳) ان ٹور آپریٹر میں کچھ آپریٹر ایسے ہیں جو حج کا ٹور لے جاتے ہیں، اب انہیں جو کوٹا (تصریح) گورنمنٹ آف انڈیا کے حج سیل سے ملا ہے اتنے کوٹا (تصریح) کا بکنگ (Booking) پورا ہو جانے پر جو ٹور آپریٹر اپنا کوٹا (تصریح) بیچتے ہیں ان

سے کوٹا (تصریح) خرید کر جو ٹور کا دام ہوتا ہے + کوٹا (تصریح) کے روپیے (مثلاً ٹور کا دام ۱۰۰۰۰۰+۲۰۰۰۰ کوٹا کے روپیئے) پر اپنا بکنگ کرتا ہے تو کیا یہ کاروبار شرعی اعتبار سے درست ہوگا؟

④ ان ٹور آپریٹر میں کچھ ٹور آپریٹر ایسے ہیں جو حج کا ٹور لے جاتے ہیں، اس ٹور آپریٹر کو معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے پاس جو کوٹا (تصریح) ہے اس سے زیادہ بکنگ آئے گا اس لیے وہ ٹور آپریٹر کوٹا (تصریح) بیچنے والے ٹور آپریٹر سے پہلے ہی سے کونٹیکٹ (Contact) کر کے انہیں ایڈوانس (Advance) میں کوٹا (تصریح) کے پورے روپیے دے کر ان سے کوٹا (تصریح) خرید لیتے ہیں اور پھر اپنے اوریجنل (Original) کوٹے کا بکنگ ہو جانے پر ٹور کا دام + کوٹے کے روپیے لے کر اپنا بکنگ کرتے ہیں تو کیا اس طرح کا کاروبار شرعی اعتبار سے درست ہوگا؟

⑤ کچھ ٹور آپریٹر ایسے ہیں جو حج کا ٹور نہیں لے جا کر اپنا کوٹا (تصریح) جو ٹور آپریٹر حج کا ٹور لے جاتا ہے اسے دیتے ہیں، اور اس کے ساتھ پارٹنرشیپ (Partner ship) کرتے ہیں یعنی کوٹا (تصریح) جو ٹور آپریٹر ٹور نہیں لے جاتا اس کا ہوتا ہے، اور محنت جو ٹور لے جاتا ہے اس کی ہوتی ہے، اس معاملہ میں کوٹا کی خرید وفروخت نہیں ہوتی بلکہ ٹور پورا ہونے پر منافع میں حساب ہوتا ہے، اور ٹور کا جو دام ایک مرتبہ طے ہوتا ہے اس میں بھی فرق نہیں آتا تو کیا اس طرح کا کاروبار شرعی اعتبار سے درست ہوگا؟

⑥ کچھ ٹور آپریٹر ایسے ہیں جو حج کا ٹور کا دام شروع میں کم رکھتے ہیں، اور حج کمیٹی کی قرعہ اندازی (Draw) ہو جانے پر اور دوسرے ٹور میں جگہ بھر جانے پر ٹور کے دام زیادہ کر دیتے ہیں، تو اس طرح کا کاروبار کرنا اور حاجیوں کی مجبوری کا فائدہ اٹھانا

شرعی اعتبار سے درست ہوگا؟

⑦ اب میرا سوال ان حاجیوں کے بارے میں ہے جن کا فرض حج ادا ہو گیا ہوتا ہے، اور وہ حج نفل ادا کرنے جا رہے ہیں تو کیا ان کا ان ٹور والوں سے زیادہ قیمت دے کر کوٹا (تصریح) خریدنا شرعی اعتبار سے درست ہوگا؟

نوٹ: کوٹا (تصریح) کا بیچنا یا خریدنا گورنمنٹ آف انڈیا کے قانون کے سخت خلاف ہے۔ اس سوال کا جواب شریعت کی روشنی میں حوالہ کے ساتھ مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے سوالات کے جوابات سے پہلے تمہید کے طور پر کچھ عرض کیا جاتا ہے؛ تاکہ جوابات سمجھنے میں آسانی ہو:

آپ نے لائسنس اور کوٹا (Quota) یعنی تصریح کی جو تفصیل کی ہے اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا (Government of India) کی طرف سے ان ہی ٹور اینڈ ٹراویلس (Tours&Travels) والوں کو حاجی لے جانے کی اجازت ہوتی ہے جو گورنمنٹ کے فورین افیرس کے حج سیل میں رجسٹرڈ (Registerd) ہوں، شاید اس کی وجہ یہ ہوگی کہ حاجیوں کو وہی ٹورس اینڈ ٹراویلس (Tours&Travels) حج کے لیے لے جاسکیں جو صحیح طریقہ سے اس ذمہ داری کو نبھانے کی صلاحیت رکھتے ہوں؛ تاکہ وہاں جاکر حاجیوں کو کسی پریشانیوں کا سامنا نہ ہو؛ نیز سعودی گورنمنٹ کی طرف سے ہر ملک کے واسطے حاجیوں کی ایک مخصوص تعداد مقرر ہوتی ہے، جن کو حج کا ویزا دیا جاتا ہے؛ تاکہ سعودی گورنمنٹ کے لیے حاجیوں کا انتظام کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو، اسی کو حج کے کوٹے کا نام دیا گیا ہے۔ اس

کوٹے میں سے ایک بڑا حصہ تو وہ ہوتا ہے جن کو انڈیا گورنمنٹ اپنے ایک شعبہ یعنی حج کمیٹی کی طرف سے انتظام کر کے حج کے لیے بھیجتی ہے، اور ایک مخصوص تعداد جو ٹور اور ٹراویلس کمپنیاں حج کے لیے حاجی لے جاتی ہیں ان کے حوالہ کرتی ہے، اور وہ ان حاجیوں کو اپنے انتظام سے حج میں لے جا کر حج کراتی ہیں، اس مخصوص مقدار میں سے ایک مقررہ تعداد ہر ٹور والے کو اس کی گذشتہ سالوں کی کارکردگی کی بنیاد پر لے جانے کی اجازت دیتی ہے، اسی اجازت کو تصریح کے نام سے جانا جاتا ہے، اور پھر اسی کے مطابق سعودی کونسیولیٹ (Consulate) کی طرف سے اس ٹور والے کو ویزا جاری کیا جاتا ہے، گویا یہ ایک حق ہے جو اس ٹور والے کو اس کی سابقہ کارکردگی کو سامنے رکھ کر دیا گیا ہے، اور اس حق کے اس کو حاصل ہونے میں اس کی سابقہ کارکردگی کو دخل ہے؛، نیز اس تصریح پر کوئی معاوضہ بھی نہیں لیا گیا، شرعی اعتبار سے یہ ایک خالص حق ہے، جس کو صاحب حق خود تو استعمال کر سکتا ہے؛ لیکن کسی کو معاوضہ لے کر اس کا بیچنا شرعاً جائز نہیں، اگر وہ اپنی مجبوری یا حالات کی وجہ سے اس سال حج کے لیے حاجیوں کو لے جانے کی طاقت نہیں رکھتا یا اس کا ارادہ نہیں، تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے اس ارادہ سے گورنمنٹ کو باخبر کر دے؛ تاکہ وہ حق گورنمنٹ دوسرے کسی ٹور والے کو جو گورنمنٹ کے اصول کے مطابق یہ انتظام کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو دے دے، خود گورنمنٹ نے بھی اس کو بیچنا جائز نہیں رکھا، گویا گورنمنٹ کے مطابق بھی ایسا کرنا قانون کی خلاف ورزی ہے، اور اس طرح کے امور میں آدمی جس گورنمنٹ کے ماتحت رہتا ہو اس کا حکم ماننا ضروری ہو جاتا ہے، اور اس کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں چوں کہ جیل یا دنڈ کا اندیشہ ہے، اس لیے بھی ایسا کرنا جائز نہیں، وہ کام جس سے جان یا

مال کو خطرہ لاحق ہوتا ہو، اور شرعی اعتبار سے بھی اس میں کوئی قباحت نہ ہو، اس کا ارتکاب شرعاً جائز نہیں، چہ جائیکہ شرعاً بھی یہ عمل درست نہیں۔ اب آپ کے سوالات کے جوابات پیشِ خدمت ہیں:

① اپنی تصریح (Quota) کسی دوسرے ٹور آپریٹر کو بیچنا درست نہیں، اور جو رقم اس طرح حاصل کی گئی ہے وہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے، جس سے لی گئی ہے اُسی کو لوٹا دی جائے۔

② یہ کاروبار بھی درست نہیں۔

③ یہ بھی درست نہیں۔

④ یہ بھی درست نہیں۔

⑤ جس ٹور آپریٹر کو کوٹا ملا ہوا ہے وہ خود بھی دوسرے ٹور آپریٹر کے ساتھ جو ٹور لے جارہا ہے جاتا ہے، اور حاجیوں کو لے جانے، لانے کی خدمت میں حصہ لیتا ہے، تب تو ایسا کرنا درست ہے، ورنہ یہ بھی عملی طور پر تصریح بیچنے ہی کی طرح ہے جو درست نہیں۔

⑥ اپنی خدمات کی قیمت موقع اور محل کے اعتبار سے کم یا زیادہ وصول کرنا بشرطے کہ معاملہ کرتے وقت شروع ہی سے اس کی وضاحت کردی گئی ہو درست ہے؛ البتہ سامنے والے کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا شرافت ایمانی کے خلاف ہے۔

''احسن الفتاوی'' سے ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے اس سے یہ مسئلہ سمجھ میں آجائے گا:

سوال: ایک شخص ضرورت کی بنا پر اپنی کوئی چیز فروخت کرنا چاہتا ہے، اور خریدار اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر بہت کم دام لگاتا ہے، مثلاً ایک گھڑی جس کی قیمتِ

خرید ۲۰۰ روپئے ہے، اور بحالت موجودہ ۱۰۰ روپئے میں فروخت ہوسکتی ہے؛ لیکن خریدار ۲۵ سے زیادہ پر خریدنے کے لیے تیار نہیں تو کیا خریدار کا یہ عمل جائز ہے؟

جواب: یہ عمل جائز تو ہے؛ مگر خریدار اگر صاحب استطاعت ہے اور بیچنے والا واقعۃً مجبور ہے تو خریدار کو مروّت سے کام لینا چاہیے اور حتی المقدور بائع کو صحیح قیمت ادا کرنا چاہیے، غرض بیع تو بہر صورت صحیح ہے؛ مگر کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا اخلاق ومروّت کے خلاف ہے۔ (احسن الفتاوی ۶/ ۵۰۲)

⑦ اس کا جواب اوپر آچکا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱/ ۲/ ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

حج سبسڈی کے مسائل

جھوٹا حلف نامہ داخل کرکے سبسڈی حاصل کرنا جائز نہیں

سوال: ہر سال حکومت ہند کے بیت المال سے حج کمیٹی کے ذریعہ حج کرنے جانے والوں کے لیے سبسڈی کے نام پر ہوائی جہاز کے کرایہ میں مخصوص رعایت تقریباً بیس ہزار روپے دی جاتی ہے، امسال حکومتِ ہند نے یہ قانون بنادیا ہے کہ جو گذشتہ سالوں میں حج کمیٹی کے ذریعے حج کرچکے ہیں، اور دوسرے وہ جو انکم ٹیکس بھرتے ہیں (اس زمرے میں تمام سرکاری ملازمین آتے ہیں)، انھیں یہ سبسڈی نہیں دی جائے گی، اس کے لیے خاص طور سے حج کمیٹی ایک حلف نامہ مانگ رہی ہے اور اس کا

مضمون صاف الفاظ میں یہی ہے کہ: ''میں (زید) نے اس سے قبل حج ادا نہیں کیا'' جب کہ میں حج کر چکا ہوں، دوسرے یہ کہ میرے دوست عمر کو یہ حلف دینا پڑ رہا ہے کہ ''وہ انکم ٹیکس ادا نہیں کرتے'' جب کہ وہ پابندی کے ساتھ ادا کر رہے ہیں، تو کیا جہاز کے کرائے میں بیس ہزار روپے بچانے کے لیے از روئے شرع جھوٹا حلف نامہ داخل کرنے کی اجازت ہوگی؟ اور کیا ایسا حج قبول ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن اور حدیث میں جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسم کھانے کی سخت ممانعت وارد ہوئی ہے اور اس پر وعیدیں سنائی گئی ہیں اور ان کا شمار کبیرہ گناہوں میں کیا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کبیرہ گناہ یہ ہیں: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا، اور ناحق کسی کو قتل کرنا اور جھوٹی قسم کھانا۔ (مشکوۃ ۱۷)

جہاز کے کرایہ میں بیس ہزار روپئے بچانے کے لیے فارم کی خانہ پُری کرتے وقت جھوٹا حلف نامہ داخل کرنا سخت حرام اور کمینہ حرکت ہے، جب وہ آدمی حج کمیٹی کے ذریعہ پہلے حج کر چکا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس کا غالباً نفل حج ہے، اور سب جانتے ہیں کہ نفل کا مطلب یہ ہے کہ کرے تو ثواب اور نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں؛ لیکن یہ شخص اس نفل حج کے لیے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کر رہا ہے، جس سے بچنا اس کے لیے ضروری اور فرض تھا، بھلا ایسا حج کیا قبول ہوگا۔ حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ ''اصلاح انقلاب'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''بعض لوگ حج کو جاتے ہیں اور ریل میں یا جہاز میں یا اونٹ

پر فرض نمازیں برباد کرتے ہیں، سوانہوں نے ایک فرض تو ادا کیا اور اتنے کثیر فرض فوت کیے اور اگر حج فرض نہیں تھا، نفل تھا تو اور بھی غضب ہوا کہ ایک نفل کے لیے اتنے فرض گئے گذرے، سو ایسے شخص کو حج کرنا جائز بھی نہیں''۔ (اصلاح انقلاب ۱/ ۱۶۲)

علمانے لکھا ہے کہ: حج مبرور وہ ہے جس میں کسی گناہ اور خلاف شرع کام کا ارتکاب نہ ہوا ہو۔ جھوٹا حلف نامہ کبیرہ گناہ ہے، لہٰذا اس کے بعد یہ حج کہاں مقبول اور مبرور رہا، چند کوڑیوں کے لیے ایسی شنیع حرکتوں کا ارتکاب اور وہ بھی حج جیسی عظیم الشان عبادت کی ادائیگی کے نام پر سراسر ایمانی غیرت کے خلاف ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

حجاج کرام کا حکومت کی سبسڈی سے فائدہ اٹھا کر حج کرنا

سوال: حج اسلام کا پانچواں رکن ہے جو صاحب استطاعت اہل ایمان پر فرض ہے۔ اور ادائیگیٔ حج کے لیے حاجی کی ذاتی ملکیت کا زادِ راہ ہونا ضروری ہے۔

ہمارے ملک سے جو حجاج حج کمیٹی کے معرفت اس فریضہ کو انجام دیتے ہیں ان کے سفر کے کرائے میں حکومت ہند ایک حصہ سبسڈی (subsidy) دیتی ہے جس کی وجہ سے ان کا ہوائی سفر دوسرے ذرائع سے حج کرنے والے حجاج کے مقابلے میں کافی کم میں ہوتا ہے، نیز زرِ مبادلہ کی شرح بھی کم ہوتی ہے۔

سال گزشتہ بمبئی کے اخبارات میں سعودی عرب کے علماء سے منسوب یہ بیان شائع ہوا تھا کہ حکومت یا کسی اور طرح سے سبسڈی (subsidy) سے فائدہ لے کر ادا کیا ہوا حج صحیح نہیں ہوگا یا ادا نہیں ہوگا۔

برائے مہربانی اس بات کا خلاصہ کریں کہ حکومت کی سبسڈی (subsidy) سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کیا ہوا حج صحیح ہوگا یا نہیں؟ اور ادا ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کرایہ میں حکومت ہند کی طرف سے دی جانے والی سبسڈی یہ درحقیقت ایک رعایت ہے جو کرایہ کے سلسلہ میں حاجیوں کو دی جاتی ہے؛ اس لیے کہ حاجیوں کو لے جانے والی ہوائی سروس بھی حکومت کی ملک ہے، اسی طرح زرِمبادلہ کی شرح میں کمی بھی ایک طرح کی رعایت ہے۔ عقد اجارہ میں اجرت پر لے جانے والے کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ کرایہ کی مقررہ مقدار میں کسی فرد یا جماعت کے لیے کوئی حصہ کم کردے۔ اسی طرح خرید وفروخت میں بائع کو اختیار ہے کہ مبیع کے مقررہ ثمن میں کمی کردے۔

صورت مسئولہ میں چوں کہ اجرت پر حاجیوں کو سفر کے لیے لے جانے والی بھی درحقیقت حکومت ہند ہے؛ اس لیے اس کا یہ اقدام شرح کرایہ میں ایک قسم کی تخفیف کہلائے گا۔ اسی طرح زرمبادلہ میں حکومت ہند بائع کی حیثیت رکھتی ہے، اور زرمبادلہ کی شرح میں کمی ایسی ہی ہے جیسے بائع کی طرف سے مقررہ ثمن میں کی جانے والی تخفیف۔ اور یہ دونوں امور بلاشبہ درست ہیں، ہم اس ملک میں رہتے ہوئے بہت سے معاملات میں حکومت کی طرف سے دی جانے والی ایسی رعایتوں سے بلادریغ فائدہ اٹھاتے ہیں، مثلاً: گیس سلنڈر کی خریداری میں، حکومت کی طرف سے راشن کی دکان پر فروخت ہونے والے غلہ میں وغیرہ وغیرہ۔ بہرحال اس بنیاد پر یہ کہنا کہ حج صحیح نہیں ہوگا یا ادا نہیں ہوگا، اصول شرع کے مطابق سمجھ میں آنے والی بات نہیں۔ حج کے لیے جن چیزوں

کو شرائط وارکان وواجبات وسنن کا درجہ دیا گیا ہے ان تمام کے انجام دینے پر حج کے صحیح اور ادا ہونے کا حکم لاگو کیا جاتا ہے۔ حکومت سے ملنے والی سبسڈی کا قبول نہ کرنا ارکان وشرائط وواجبات میں سے نہیں۔

(قوله كالحج بمال حرام) كذا فى البحر، والاولى التمثيل بالحج رياء و سمعة فقد يقال أن الحج نفسه الذى هوزيارة مكان مخصوص الخ ليس حراما بل الحرام هو انفاق المال الحرام ولا تلازم بينهما كما أن الصلاة فى الارض المغصوبة تقع فرضا و انما الحرام شغل المكان المغصوب لامن حيث كون الفعل صلاة لان الفرض لايمكن اتصافه بالحرمة، و هنا كذلك فان الحج فى نفسه مأمور به و انما يحرم من حيث الانفاق وكأنه أطلق عليه الحرمة لأن للمال دخلاً فيه فان الحج عبادة مركبة من عمل البدن و المال كما قدمناه، و لذا قال فى البحر و يجتهد فى تحصيل نفقة حلال فانه لا يقبل بالنفقة الحرام كما ورد فى الحديث مع أنه يسقط الفرض عنه معها ولا تنافى بين سقوطه و عدم قبوله فلا يثاب لعدم القبول ولا يعاقب عقاب تارك الحج اه أى لأن عدم الترك يبتنى على الصحة وهى الاتيان بالشرائط والاركان و القبول المترتب عليه الثواب يبتنى على أشياء كحل المال والاخلاص كما لوصلى مرائيا أوصام واغتاب فان الفعل صحيح لكنه بلا ثواب والله تعالى أعلم (رد المحتار على الدر المختار ٢ /١٥٢)

جولوگ حکومت ہند یا سعودی حکومت یا دنیا کی دیگر حکومتوں میں سے کسی حکومت کے مصارف پر پورا حج ادا کرتے ہیں، کیا آج تک ان کے متعلق سعودی عرب کے

علماء یا کسی اور عالم نے ایسا بیان دیا ہے کہ ان کا حج صحیح نہیں ہوگا یا ادا نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

حج سبسڈی سے استطاعت کا تحقق، سبسڈی پر شبہ اور مشورہ

سوال: حج اسلام کا مقدس اہم، بنیادی اور آخری فریضہ ہے، جو ہر صاحب استطاعت پر شرائط کے ساتھ صرف ایک بار فرض ہے، یعنی وہ شخص جو مکمل طور پر سفر خرچ، حرمین شریفین میں قیام طعام؛ نیز غیر حاضری میں اہل وعیال اور متعلقین کا نان ونفقہ، اور دیگر ضروریات پوری کرنے کی حیثیت رکھتا ہے، اس پر فریضۂ حج لازم آتا ہے۔ اسلام اس کے لیے تکلفات قرض اور کسی کے احسان کو پسند نہیں کرتا۔

ہمارے ملک ہندوستان سے عازمین حج بڑی تعداد میں مرکزی حج کمیٹی کے ذریعہ سفر کرتے ہیں، اور پرائیویٹ ٹورس اور ٹراویلس کے ذریعہ حج کرنے والوں کی بھی خاصی تعداد ہے، سینٹرل حج کمیٹی حکومت ہند کا ایک ادارہ ہے، جس کا کام پلیگریم پاس یعنی عارضی پاسپورٹ بنانا، زرمبادلہ دینا، حرمین شریفین میں قیام کا انتظام کرنا وغیرہ ہے، بحری جہاز میں کرایہ کم تھا اس وقت سبسڈی Subsidy دی جاتی تھی یا نہیں اس کا علم نہیں؛ لیکن جب سے وہ بند ہوئے اور ہوائی جہاز سے سفر شروع ہوا تو کرایہ میں بھی زبردست اضافہ ہوگیا، اس وقت مسلمان قائدین کی درخواست پر حکومت ہند نے کرایہ میں Subsidy کے نام سے رعایت دینی شروع کی، ہوائی جہاز ائیرانڈیا کی

چارٹر ہو یا کسی بھی ایئر لائنس کی ہو، حکومت ہر ایئر لائنس کو فی کس ۷۷۰ ڈالر تقریباً ۳۵۰۰۰ روپئے ادا کرتی ہے، جب کہ حاجیوں سے کرایہ صرف ۱۲۰۰۰ ریلتی ہے بقیہ ۲۳۰۰۰ حکومت اپنی طرف سے ادا کرتی ہے، امسال جو ایک لاکھ حاجی سینٹرل حج کمیٹی کے ذریعہ حج کے سفر پر گئے ہیں ان کی طرف سے حکومت نے 225 کروڑ روپیہ ادا کیا ہے، یہ امر بھی تحقیق طلب ہے کہ وہ رقم کہیں مشکوک تو نہیں؟ حکومت Subsidy آخر کس مد سے دیتی ہے؟ عام طور پر حجاج اس سے ناواقف ہوتے ہیں؛ لیکن اب یہ بات علم وشعور میں آنے لگی ہے کہ حکومت اس کو احسان سمجھتی ہے اور ملک کے دیگر طبقات میں اس کا اظہار بھی کیا جاتا ہے، مسلمانوں کے ساتھ مراعات واحسانات میں Subsidy کو گنایا جاتا ہے، اور جتلایا جاتا ہے۔

یہ کہنا کہ حکومت ہم سے بہت سے ٹیکس وصول کرتی ہے اور وہی رقم ہمیں Subsidy کے نام سے دے دیتی ہے، کہاں تک صحیح ہے؟ جب کہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ حکومت کی طرف سے بہت سے فلاح وبہبودی کے کام عوام کے لیے بلاتفریق مذہب وملت انجام دیے جاتے ہیں۔ جیسے اسکول چلانا، ہسپتال چلانا، اور سڑکیں بنوانا وغیرہ، اسی طرح یہ کہنا کہ حکومت جب دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو ان کے مذہبی تہواروں میلوں کے لیے رعایتیں دیتی ہے تو مسلمانوں کو بھی وہ رعایتیں حاصل کرنی چاہیے کہاں تک صحیح ہے؟ مسلمانوں کی اپنی ایک شان ہے اس کا امتیاز ہے دوسروں کی نقالی کرنا بالخصوص فریضۂ اسلام کی ادائیگی میں اس کو کیا زیب دیتا ہے؟

ملت کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ حج کے لیے مسلمانوں کو شرائط کی روشنی میں خود کفیل ہونا چاہیے تکلفات، احسانات اور بالخصوص حکومت کے زیر احسان حج کرے، یہ امر

روح اسلام کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

پتہ نہیں یہ Subsidy صرف ہمارے سیکولر ملک میں ہے یا دیگر اسلامی ممالک میں بھی اس کی نظیر پائی جاتی ہے؟ حضرات علمائے کرام سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرات فقہاء نے حج کے لیے چار قسم کی شرائط بیان کی ہیں: ① شرائط وجوب حج ② شرائط وجوب ادا ③ شرائط صحت ادا ④ حج کے فرض کی جگہ واقع ہونے کے شرائط۔ (عمدۃ الفقہ ۴/۲۷)

وهی انواع ای اربعة: شرط الوجوب، وشرط الاداء، وشرط صحة الاداء، وشرط وقوعه عن الفرض. (مناسك ملا علی قاری ص۴۱)

حج کی شرطوں کی پہلی قسم شرائط وجوب حج ہے، اور یہ وہ شرطیں ہیں کہ جب کسی شخص میں وہ سب شرطیں پائی جائیں، تو اس پر حج فرض ہوجاتا ہے، اور اگر وہ تمام شرطیں یا ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو اس پر حج بالکل فرض نہیں ہوتا، اس پر خود ادا کرنا بھی فرض نہیں ہوتا، اور زندگی میں کسی دوسرے سے حج کرانا یا مرتے وقت وصیت کرنا بھی اس پر واجب نہیں ہوتا۔

(النوع الاول) ای من انواع شرائط الحج (شرائط الوجوب) وهی التی اذا وجدت جمیعها وجب الحج علی صاحبها، واذا فقد واحد منها لا یجب اصلاً، لا بالنیابة، ولا بالوصایة. (مناسك ملا علی قاری ص۴۲)

ان ہی شرائط وجوب میں سے چھٹی شرط استطاعت ہے۔ استطاعت سے

مراد یہ ہے کہ زادِراہ (توشہ) اور راحلہ (سواری) پر اس طرح قدرت ہو کہ وہ اس کا مالک ہو یا کرایہ پر لے کر قابض ہو، اور اگر مانگ کر یا اس کے مباح ہونے کی وجہ سے قادر ہوا ہو تو اس سے حج فرض نہیں ہوتا، خواہ وہ اس شخص نے مباح کیا ہو جس کا اس پر احسان شمار نہیں ہوتا جیسے ماں، باپ، اور اولاد، یا ان کے علاوہ کسی اور نے مباح کیا ہو، جیسے اجنبی لوگ۔

(السادس الاستطاعة) وهی شرط الوجوب لا شرط الجواز (وهی ملک الزاد) ای النفقة فی المأتی والمعاد (والتمکن من الراحلة) ای الاقتدار علی رکوب المرکوب حیث شاء. (مناسك ص۲۷)

(ولا تثبت الاستطاعة ببذل الغیر) ای باعطاء غیره له (مالاً) ای قدر زاد و راحلة، (اوطاعة) ای خدمة لمن یحتاج الیها فی الطریق کالزمن، (ملکاً) ای من جهة التملیك فی المال والخادم، (أوباباحة) ای بالاعارة فی الخادم والراحلة او بالاجارة فی استعمال الزادمن المال، فان ثقل المنة تدفع حصول الاستطاعة (مناسك ص۳۰)

لا یجب علیه القبول عندنا (مناسك ص۳۱) قوله لا یجب علیه القبول، لان شرائط اصل الوجوب لا یجب علیه تحصیلهاعند عدمها، قاله فی البحرالرائق اه حباب قال العلامة طاهرسنبل وکذا لاتثبت الاستطاعة ببذل غیره الزادوالراحلة حتی لا یجب علیه الحج عندنا (شرح لباب ص۳۱)

منها: ملك الزاد والراحلة فی حق النائی عن مکة، والکلام فیه فی موضعین احدهمافی بیان انه من شرائط الوجوب، والثانی فی تفسیر الزاد والراحلة، اما الاول فقد قال عامة العلماء انه شرط، فلا یجب

الحج باباحة الزاد والراحلة، سواء كانت الاباحة ممن له منّة على المباح له، اوكانت ممن لامنة له عليه كالاب. (بدائع ۲/۱۲۲)

اگر کسی نے اس کو مال دیا کہ اس سے حج کرلے تو اس پر اس کا قبول کرنا واجب نہیں، اس لیے کہ جب وجوب کی شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو اس کا حاصل کرنا اس پر واجب نہیں۔ (عمدۃ الفقہ ۴/۳۳)

''فتاوی محمودیہ'' سے ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: حکومتِ ہند موسمِ حج میں حاجیوں کی دیکھ بھال کے لیے ویلفیر آفیسر بنا کر کسی کو منتخب کر کے اس کے تمام مصارف برداشت کرتی ہے، اور اس کے لیے بقدر ضرورت تمام رقم پیشگی دے دیتی ہے، وہ منتخب آفیسر اپنے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ حج بیت اللہ بھی ادا کر لیتے ہیں، ان کا یہ حج کیسا ہوگا؟ اس کا وہ حج فرضیت حج میں شمار ہوگا یا نفل؟ کیا حکومت نے جب رقم دی اس وقت وہ صاحب نصاب شمار نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً: جب کوئی شخص خود صاحب نصاب نہیں جس سے اس پر حج فرض ہو، یعنی زادِ راہ پر قادر نہیں؛ مگر وہ پیدل پہنچ جائے، یا کوئی شخص اس کو اپنے ساتھ لے جائے، یا کسی نے اس کو روپیہ دیدیا جس سے وہ وہاں پہنچ گیا اور حج ادا کرلیا تو اس کا حج ادا ہوجائے گا۔ پھر غنی ہوجانے پر اس کے ذمہ دوبارہ حج فرض نہیں ہوگا۔

''الاشباہ والنظائر'' میں ہے: کہ کسی فرض کی ادائیگی کے لیے جو شرائط ہوں ان کی تحصیل مقصود نہیں بلکہ جب ان کا حصول ہوجائے خواہ کسی طریقہ سے ہو تو بھی کافی ہے، مثلاً نماز کے لیے طہارت شرط ہے، ایک شخص بلا اختیار نہر میں گر گیا پانی اس

کے بدن پر پہنچ گیا اور بہہ گیا، پھر اس نے نماز پڑھی تو اس کی نماز ہو جائے گی، یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے اپنے قصد سے وضو نہیں کیا اس لیے اس کی نماز نہیں ہوئی، اسی طرح یہاں بھی اس کا حج ہو جائے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۲۱۲)

ہمارے ملک ہندوستان میں سینٹرل کمیٹی (جو حکومت کا ایک ادارہ ہے) حج کے لیے جانے والوں کے لیے ضروری انتظامات کرتی ہے، اس کے واسطے سے حج کے لیے جانے والے ہر شخص کے کرایہ میں سبسڈی کے نام سے ایک مخصوص رقم ادا کرتی ہے، اور اس کی طرف سے ہوائی کمپنی کو جو مجموعی کرایہ ادا کیا جاتا ہے وہ تقریباً ۳۵ ہزار روپے ہوتا ہے، جب کہ حکومت کا یہ ادارہ حاجیوں سے کرایہ کے نام پر صرف ۱۲ ہزار روپے وصول کرتا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ بقیہ ۲۳ ہزار روپے کرایہ کے طور پر حاجی کی طرف سے حکومت ادا کرتی ہے، اس صورت حال کے پیش نظر یہاں پر کئی مسائل کا حل اور وضاحت ضروری ہو جاتی ہے۔

① اگر حج کا ارادہ رکھنے والے کسی شخص کے پاس اتنی رقم موجود ہو کہ حکومت کی مذکورہ مدد کے بغیر وہ زاد اور راحلہ پر قدرت نہیں رکھتا، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وجوب حج کے شرائط میں سے چھٹی شرط استطاعت اس میں پائی نہیں جاتی؛ اس لیے اس پر شرعاً حج فرض نہیں ہوتا؛ لیکن اس کے باوجود اگر وہ حج کمیٹی کے ذریعہ سفر کر کے حج ادا کر لے گا، یعنی حکومت کی طرف سے دی جانے والی اس مدد کو قبول کر کے حج کر لے گا تو اس کا فریضۂ حج ادا ہو جائے گا، بشرطیکہ اس نے احرام کے وقت حج فرض یا مطلق حج کی نیت کی ہو، نفل یا نذر کی نیت نہ ہو، اب اگر اس کے بعد اس کے پاس اتنا مال آ گیا کہ حکومت کی مدد کے بغیر بھی زاد و راحلہ پر استطاعت حاصل ہو گئی تب بھی

دوبارہ حج کے لیے جانا ضروری نہیں، اس صورت میں اگر وہ حج کمیٹی کے واسطہ سے سفر کرنا پسند نہ کرے اور حج نہ کرے تب بھی گنہگار نہیں، اور نہ ہی اس پر بوقت وفات وصیت کرنا ضروری ہے۔

(۲) اگر کسی شخص کے پاس حوائج اصلیہ کو چھوڑ کر اتنی رقم موجود ہو کہ حکومت کی مذکورہ مدد کے بغیر بھی وہ زادوراحلہ پر قدرت رکھتا ہے، تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے، اس کے بعد اگر وہ حج کمیٹی کے ذریعہ سفر کی شکل اختیار کر کے حج ادا کرے گا، یعنی حکومت کی طرف سے دی جانے والی اس مدد کو قبول کر کے حج کر لے گا، تو اس کا فریضۂ حج ادا ہو جائے گا۔

صورتِ مذکورہ میں اگر وہ شخص حج کمیٹی کے واسطہ سے سفر نہ کرتے ہوئے اپنے طور پر سفر کا انتظام کرتا ہے تب بھی اس کا فریضۂ حج ادا ہو جائے گا، اور اگر یہ سوچ کر کہ حج کمیٹی کی قرعہ اندازی میں نام نہیں نکلا حج کے لیے نہیں گیا تو گنہگار ہوگا، اور اگر موت تک حج ادا کرنے کا موقع نہ ملا تو اس پر بوقت وفات اپنی طرف سے حج فرض ادا کرنے کی وصیت کر جانا ضروری ہے۔

اوپر کی تفصیلات سے یہ بات تو واضح ہوگئی کہ چاہے حکومت کی امداد کے بغیر اس کے لیے حج کرنا ممکن نہ ہو یا ہو، دونوں صورتوں میں اگر اس نے حج کمیٹی کے ذریعہ سفر والی شکل اختیار کر کے حج ادا کیا، تو بلا شک وشبہ اس کا حج درست ہو جائے گا، اور اگر یہ زندگی میں پہلی مرتبہ حج کر رہا ہے، اور بوقت احرام حج فرض یا مطلق حج کی نیت بھی کر رہا ہے تو اس کا فرض حج بھی ادا ہوا سمجھا جاوے گا؛ لیکن یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کے لیے حکومت کی اس امداد کو قبول کرنا مناسب ہے یا نہیں؟

فقہاء نے استطاعت والی شرط وجوب پر کلام کرتے ہوئے اس بات کی تصریح

کی ہے، کہ اگر کوئی شخص کسی کو بطور اباحت زادِ راحلہ دے رہا ہے، یعنی اس کو زادِ راحلہ کا مالک نہیں بنا رہا ہے بلکہ ایسی صورت اختیار کی جارہی ہے جس میں وہ شخص مالک بنے بغیر زادِ راحلہ سے فائدہ اٹھا کر حج کرسکتا ہے تو اس صورت میں اس پر حج فرض نہیں، چاہے وہ شخص جو بطور اباحت زادِ راحلہ دے رہا ہے وہ ان لوگوں میں سے ہو جس کا یہ سلوک احسان شمار نہیں ہوتا، مثلاً باپ بیٹے یا بیٹا باپ کے ساتھ یہ معاملہ کرے، اور چاہے وہ شخص ان لوگوں میں سے ہو جس کا یہ سلوک احسان شمار ہوتا ہے، مثلاً باپ، بیٹے کے علاوہ اور کوئی اجنبی شخص ایسا سلوک کررہا ہو۔

اسی طرح فقہاء نے اس بات کی بھی تصریح کی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کو زادِ راحلہ بطور تملیک دے رہا ہو، اس صورت میں اگر اس نے قبول کرلیا تو اس پر حج فرض ہوجائیگا؛ لیکن اس کے لیے اس کو قبول کرنا ضروری نہیں، چاہے دینے والا ان لوگوں میں سے ہو جس کا دینا احسان شمار نہیں ہوتا، اور چاہے ان لوگوں میں سے ہو جس کا دینا احسان شمار ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے ''مناسک ملا علی قاری'' میں ایک جملہ یہ لکھا ہوا ہے: فان ثقل المنة تدفع حصول الاستطاعة (ص:۳۰)

اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ایسے شخص کے بطور تملیک دینے پر جس کا دینا احسان شمار ہوتا ہو قبول کرنا مناسب نہیں، چہ جائیکہ اس کا یہ دینا بطور اباحت ہو، اس لیے حکومت کی طرف سے دی جانے والی یہ امداد جب کہ حکومت غیر مسلمہ ہونے کے ساتھ اس کو اپنے احسان کے طور پر علانیہ بیان کرتی ہے، قبول کرنا غیرت ایمانی کا تقاضہ نہیں؛ البتہ حکومت کی یہ امداد واقعۃً کس درجہ میں احسان بنتی ہے یہ بھی قابل غور ہے، اس سلسلہ میں ایک جانکار کا مضمون جو اردو ٹائمز (بمبئی) کے حوالہ سے ندائے شاہی میں

شائع ہوا تھا ضرور پڑھ لیں ①۔ اور اس مضمون کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کریں کہ

① حج سبسڈی کے عنوان سے مرکزی حکومت اور اس کے زیرِ اقتدار سرکاری ادارے سینٹرل حج کمیٹی کی جانب سے اوندھے سیدھے اقدامات کیے جارہے ہیں جو مسلمانوں اور خاص طور پر عازمین کے لیے تشویش اور فکر کا باعث ہے، جہاں تک ہوائی جہاز کے کرائے میں سبسڈی کا سوال ہے، حکومت ہند نے بحری جہازوں کے ذریعے ہندوستانی مسلمانوں کے ایک ہزار سالہ قدیم ذریعۂ سفرِ حج کو بند کرنے کے عوض ہرجانہ کے طور پر سبسڈی شروع کی تھی۔

اول تو یہ ہے کہ یہ سبسڈی نہیں، بحری جہاز کے ذریعے سفرِ حج ختم کرنے اور عازمین حج کو بذریعہ طیارہ سفرِ حج کرنے پر مجبور کرنے کے لیے حکومت ہند تب سے ہرجانہ ادا کررہی ہے، جب سے ہوائی جہاز سے تمام ہندوستانی عازمین کی روانگی ہورہی ہے۔

دوئم یہ کہ سبسڈی کے نام سے ہندوستانی مسلمانوں اور عوام سے دھوکہ دہی کی جارہی ہے کہ سبسڈی کی رقم اتنی ہرگز نہیں ہوسکتی کہ جتنی بتائی جارہی ہے، آج پرائیویٹ ٹور آپریٹرس ۲۸/ ہزار روپیوں میں حجاج کرام کو جدہ، ہندوستان۔ جدہ پہنچادیتے ہیں یہ ٹور آپریٹر ایک آدھ ٹکٹ کا چارج ۲۸/ ہزار روپئے کررہے ہیں، جب کہ ائیر انڈیا جس نے ۷۲/ ہزار عازمین حج کے ائیر ٹکٹوں کو اپنی مونوپولی بنادیا ہے، وہ حکومت ہند سے فی حاجی ۳۲/ ہزار تا ۳۶/ ہزار روپئے چارج کررہی ہے۔ یہ زیادتی ہے، دھوکہ بازی ہے، گھپلہ ہے، کیوں کہ ۷۲/ ہزار مسافروں کے ہند، جدہ، ہند واپسی کے ایئر ٹکٹوں کا اگر بین الاقوامی ٹینڈر منگوایا جائے تو اس کرایہ کی رقم پرائیویٹ آپریٹروں کے کرائے (۲۸/ ہزار) سے بھی بہت کم ہوجائے گی، حکومت ہند کا ادارہ (ایئر انڈیا) حجاج کرام کو مارکیٹ سے کہیں زیادہ چارج کرکے کروڑوں روپئے ہر سال منافع کمارہا ہے، اور حکومت ہند سبسڈی کا احسان کا خواہ مخواہ بوجھ ہندوستانی حجاج کرام اور ہندوستانی مسلمانوں پر لادرہی ہے، گھی کہاں گیا؟ کھچڑی میں، کھچڑی کون کھارہا ہے؟ مرکزی حکومت کے عہدیداران وافسران۔ روپیہ جارہا ہے حجاج کرام کا، احسان جتایا جارہا ہے ہندوستانی مسلمانوں پر، اب اس ریاکاری کے سلسلہ کو ہمیشہ کے لیے ختم کرنا ضروری ہے، اس لیے ہندوستانی مسلمانوں کو صاف موقف اپنالینا چاہیے کہ حکومت ہند حج سبسڈی (جو کہ اصلاً تو سبسڈی نہیں ہے اگر سبسڈی مان لی جائے تو بحری جہاز بند کرنے کا جرمانہ ہے) ختم کرنا چاہتی ہے، تو پھر تمام ۷۲/ ہزار حجاج کرام کو سبسڈی دینا بند کردے؛ لیکن اس کے عوض مندرجۂ ذیل اقدامات کرنے کے لیے بھی حکومتِ ہند آمادہ ہوجائے۔

(۱) عازمین حج کے لیے بحری جہازوں کا سلسلہ پھر سے شروع کیا جائے، یا پھر پرائیویٹ شپنگ کمپنیوں کو حجاج کرام کے لیے سروس شروع کرنے کی اجازت دی جائے، اگر حکومت ہند کراچی سے ممبئی لانچ سروس دوبارہ شروع کرنے پر غور کرسکتی ہے تو پھر ہندوستانی حجاج کرام کے لیے بحری جہاز دوبارہ کیوں شروع نہیں کیے جاسکتے؟ یہاں یہ واضح ⊂

امداد کی اتنی بڑی مقدار جو بتلائی جارہی ہے واقعۃً قابل تسلیم ہے؟ نیز حکومت نے ہندوستان سے حج کے لیے جانے والے حضرات کو ہوائی سفر کا پابند بنایا، کیا اس کا یہ اقدام ان کے حقوق شہریت کے منافی تو نہیں؟ نیز اگر حاجیوں کے سفر پر سے ایئر انڈیا کا اجارہ اٹھادیا جائے؛ نیز بحری جہازوں کی بھی اجازت دے دی جائے تب بھی کیا

➲ ہو کہ سعودی حکومت نے بھی بحری جہازوں پر پابندی عائد نہیں کی ہے، اور جدہ کی بندرگاہ پر آج بھی عازمین حج کو لے کر بحری جہازوں کے اترنے کی اجازت ہے۔

(۲) ہوائی سفر سے جدہ جانے والے عازمین کے لیے ایئر انڈیا نے جو مونو پولی کر رکھی ہے اسے ختم کیا جائے، جس طرح زر مبادلہ کا ٹھیکہ ہر سال کھلے عام نیلامی یا ٹینڈر کے ذریعہ دیا جاتا ہے، اور عازمین حج کو دیے جانے والے زر مبادلہ میں اسٹیٹ بینک آف انڈیا کی مونو پولی یا اجارہ داری ختم کر دی گئی ہے، اسی طرح ہوائی سفر میں ایئر انڈیا کی مونو پولی ختم کی جائے۔

(۳) دورانِ حج مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ۷۲ / ہزار رہائشی یونٹوں اور عمارتوں کو کرائے پر لینے کے کام میں ہندوستانی وزارت خارجہ (حج سیل) اور ہندوستانی سفارت خانہ (جدہ) کے افسران نے بھی اجارہ داری (مونو پولی) قائم کر رکھی ہے، اور یہ معاملہ شفاف نہیں ہے۔ رہائشی عمارتوں کو کرائے پر لینے کی اجارہ داری بھی ختم کی جائے، اور اسے شفاف بنایا جائے، بس یہ تین اقدامات ہی کر دیے جائیں، تو پھر ہندوستانی مسلمانوں کو ایک کوڑی سبسڈی یا نام نہاد سبسڈی کی ضرورت باقی نہیں رہ جائے گی۔

(۴): ممبئی سمیت ملک کے جتنے شہروں پر سنٹرل حج کمیٹی اور ریاستی حج کمیٹیوں نے غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے اسے فوراً ختم کیا جائے اور ان حج ہاؤسز کو ایک مسلم ٹرسٹ تشکیل دے کر اس کے سپرد کیا جائے، سینٹرل حج کمیٹی اور دیگر تمام صوبوں کی ریاستی حج کمیٹیاں جو اپنے دفاتر ان حج ہاؤسز میں قائم رکھے ہوئے ہیں اپنے دفاتر کا کرایہ ہندوستانی حجاج ٹرسٹ کو ادا کریں۔

(۵) ہندوستانی حجاج ٹرسٹ کے حوالے حج سیزن کے ذریعہ زر مبادلہ فکسڈ ڈپازٹ عطیات حج ہاؤسز کے کرائے ہونے والی مکمل آمدنی کی جائے اور اس آمدنی سے حاجیوں کو کرائے میں سبسڈی دی جائے۔ سبسڈی کی ہندوستانی مسلمان از خود سرمایہ کاری (Self Financing) کر سکتے ہیں، حکومت سے مسلمانوں کو سبسڈی کی بھیک مانگنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ (ماہنامہ ندائے شاہی جنوری ۲۰۰۴ء از قلم سعید احمد اردو ٹائمز کے خصوصی نامہ نگار)

حکومت کے اس بار احسان کو اٹھانے کی ضرورت رہے گی، آپ حضرات اپنے صوبہ کے ذمہ داروں میں سے ہیں ایسا نہ ہو کہ اس احسان کو قبول نہ کرنے کے عنوان سے آپ کے ذریعہ حجاج کرام کو ملنے والی سہولت تو ختم ہو جائے؛ لیکن ان کا جو استحصال حکومت کی طرف سے ہو رہا ہے اس کا کوئی مداوا نہ ہو۔

آپ نے جو تحریر فرمایا ہے: ''ملت کا ایک طبقہ کہتا ہے: حج کے لیے مسلمان کو شرائط کی روشنی میں خود کفیل ہونا چاہیے، تکلفات، احسانات اور بالخصوص حکومت کے زیرِ احسان حج کرے، یہ امر روح اسلام کے خلاف ہے'' جو طبقہ یہ کہتا ہے اس کو چاہیے کہ خود کفیل ہونے کے اسباب اختیار کرے، اس میں کامیابی ہونے کے بعد حکومت کے سبسڈی والے احسان کو قبول نہ کرے، کہیں ایسا نہ ہو کہ روح اسلام والے حج کے حصول میں حجاج کرام کی ایک معتد بہ تعداد نفس حج سے محروم ہو جائے۔

دیگر یہ کہ آپ نے سبسڈی کے نام سے دی جانے والی رقم کے متعلق شبہ ظاہر فرمایا، کہ یہ امر بھی تحقیق طلب ہے کہ وہ رقم کہیں مشکوک تو نہیں؟ حکومت Subsidy آخر کس مد سے دیتی ہے؟ اس سے زیادہ تحقیق طلب بلکہ ذمہ داران حج کمیٹی کا فرض منصبی ہے کہ وہ حکومت کے اس دعویٰ کہ وہ ہر ایئر لائنس کو فی کس 770 ڈالر تقریباً 35000 روپے ادا کرتی ہے، کی صحت وصداقت کو ایئر کمپنیوں کے کرایوں کی شرح اور چارٹر جہازوں میں ملنے والی خصوصی رعایت وغیرہ اصولوں کے مطابق جانچیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ جمادی الاول ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عورت اور محرم کے مسائل

اکیلی عورت کا سفر حج اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تفرد

سوال: ایک عورت پر حج فرض ہو گیا ہو اور کوئی مانع موجود نہ ہو، سوائے یہ کہ کوئی محرم سفرِ حج میں ساتھ جانے کے لیے نہیں ہے، تو کیا ایسی عورت اکیلی حج کر سکتی ہے؟ اس لیے کہ چند روز پہلے ''ملفوظات حضرت محدث کشمیری رحمۃ اللہ علیہ'' کا مطالعہ کرنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عورت اس صورت میں بھی حج کر سکتی ہے، جس کی تفصیلی عبارت اس خط کے ساتھ ارسال ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں لکھا ہے کہ: فقہائے کرام کا اجماع ہے کہ ضعیف و کمزور عورت بھی بلا محرم سفر نہ کرے۔

ولا تثبت الاستطاعة للمرأة إذا كان بينها وبين مكة مسيرة سفر - شابة كانت أو عجوزة - إلا بمحرم (فتاوىٰ ٣٠٧/٨) عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قال: لا تحجّن امرأة إلا ومعها ذو محرم (رواه الدار قطني: ٢٤٤٠)

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے ''ملفوظات حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ'' کی تین نقول ارسال فرمائی ہے، اس میں جو کچھ بھی تحریر ہے وہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے، جامع ملفوظات حضرت مولانا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی صرف احتمالی درجہ میں لکھا ہے: ''ایسی صورت میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی ضرور دیگر ائمۂ مجتہدین کے موافق ہی ہوگا''؛ لیکن فقہِ حنفی کے اتنے بڑے ذخیرے میں سے کسی ایک کتاب سے بھی اپنے اس احتمال کی تائید میں دو جملے پیش نہیں فرمائے؛ اس لیے آپ کے مرسلہ ان تینوں صفحات میں پیش

کی گئی ساری باتوں سے اثر لینے کی ضرورت نہیں، اس کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تفرد پر محمول کریں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

عورت کا بلا محرم اپنی سہیلیوں کے ساتھ حج میں جانا

سوال: ہماری والدہ محترمہ بیت اللہ شریف کی زیارت (حج یا عمرہ میں جانے) کی تمنا کر رہی ہیں؛ مگر کم نصیبی کہ مالی حالت کمزور ہونے کی وجہ سے بلا محرم اپنی سہیلیوں کے ساتھ حج یا عمرہ کر لیا جائے تو کیا اجر وثواب کی مستحق ہوں گی؟ حالاں کہ میں محرم ہونے کی وجہ سے اماں کے ساتھ جانا چاہتا ہوں؛ مگر مالی حالت اس قدر کمزور ہے کہ میں ساتھ جانے سے قاصر ہوں، تو کیا والدہ محترمہ بلا محرم سہیلیوں کے ساتھ حج یا عمرہ میں جاسکتی ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورت کو دوسری عورتوں کے ساتھ بلا محرم (حج یا عمرہ کے لیے) جانا جائز نہیں۔ (معلم الحجاج: ۸۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

جس عورت کا شوہر یا محرم نہ ہو وہ حج کس طرح کرے؟

سوال: وہ عورت جس کا شوہر یا کوئی بھی محرم نہ ہو اور وہ حج کرنا چاہتی ہو تو اس کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس عورت کا کوئی محرم یا شوہر نہیں ہے اور وہ حج کرنا چاہتی ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ کسی نیک صالح مرد سے نکاح کر کے اس کے ساتھ جائے، چناں چہ ایک روایت کے بموجب فرض حج کے لیے نکاح کو واجب لکھا ہے اگر چہ وہ قول مختار نہیں۔
(شامی ۲/۱۵۸)(زبدۃ المناسک ۱/۲۲)

ایسی عورت جس پر حج فرض ہو چکا تھا؛ لیکن محرم یا شوہر نہ ہونے کی وجہ سے جا نہ سکی، اس کے لیے موت کے وقت وصیت کر جانا ضروری ہے کہ اس کی طرف سے حج بدل کرا دیا جائے۔ (شامی ۲/۱۵۷) البتہ اگر وہ اتنی بوڑھی ہوگئی کہ بوڑھاپے کی وجہ سے سفر کے قابل نہیں رہی یا اپاہج بن گئی یا اندھی ہوگئی تو زندگی ہی میں کسی کو حج بدل کے لیے بھیج سکتی ہے، اگر اس سے قبل کسی کو حج بدل کے لیے بھیج دیا اور محرم وشوہر نہ ہونے والا اس کا یہ عذر وفات تک رہا تو درست ہے ورنہ نہیں۔ (شامی ۲/۲۵۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

بیوہ عورت اپنے رشتہ داروں کے ساتھ حج میں جاسکتی ہے؟

سوال: ایک بیوہ عورت حج کرنا چاہتی ہے جس کا کوئی محرم نہیں ہے اس کے رشتہ داروں میں سے تین جوڑے یعنی تین مرد اور تین عورتیں حج کو جارہی ہیں، اس بیوہ عورت کا مردوں سے کوئی رشتہ نہیں ہے؛ البتہ عورتوں میں سے کوئی اس کی چچازاد بہن ہے وغیرہ وغیرہ تو کیا یہ بیوہ عورت ان کے ساتھ حج کا سفر کرسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورت کی جائے سکونت سے حرم کا فاصلہ اگر مسافتِ سفر یعنی اڑتالیس میل اور

اس سے زیادہ کا ہے تو اس صورت میں ایسی عورت کسی محرم یا شوہر کے بغیر حج کے لیے نہیں جاسکتی۔ (درمختار علی ھامش الشامی ۲/ ۱۵۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

عدت میں حج ادا کرنا اور وطن سے محرم بلانا

سوال: ①ایک شخص مع اپنی زوجہ کے فرض حج کے لیے گیا، حج اداء کرنے سے پہلے مکہ میں یا مکہ آنے سے پہلے راستہ میں شوہر کا انتقال ہوگیا، تو عورت کیا کرے؟ حج اداء کرے یا عدت میں بیٹھے؟ اور اگر عورت کے لیے عدت میں بیٹھنا ضروری ہو تو وہ عدت کہاں گزارے گی؟

②شوہر کا مکہ میں انتقال ہوگیا اور زوجہ کے ساتھ کوئی محرم نہیں ہے، اگر وہ حج ادا کرسکتی ہے تو وہ دوسرے لوگوں کے ساتھ حج ادا کرسکتی ہے یا نہیں؟ (اور وہ عورت ایسی ہے کہ ان کے پاس اتنے روپیہ نہیں ہے کہ وہ محرم کو اپنے ملک سے بلائیں)۔

③اگر عورت کے پاس اتنے روپئے ہوں کہ وہ محرم کو اپنے ملک سے بلا سکتی ہے، تو اس کے لیے اپنے ملک سے محرم کو بلانا ضروری ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①اگر مکہ میں شوہر کا انتقال ہوگیا تو اب وہ عدت میں بیٹھے، عدت کی حالت میں حج ادا نہیں کرسکتی، راستہ میں انتقال ہوگیا ہو تو واپس جا کر عدت گزارے۔

②عدت کے دوران حج اداء نہیں کرسکتی، چاہے محرم ساتھ موجود ہو۔

③اگر بحفاظت وہاں عدت گزارنا ممکن ہے تو محرم بلانا ضروری نہیں ہے؛ لیکن

عدت کے بعد واپسی کے سفر میں محرم ہونا چاہیے، اور اگر بحفاظت وہاں عدت گزارنا ممکن نہ ہو یا حکومت قیام کی اجازت نہ دیتی ہو تو محرم کو بلا کر اس کے ساتھ وطن لوٹ جائے اور وطن میں عدت گزارے۔

نوٹ: زبدۃ المناسک (۱/ ۲۴، ۲۵) کا بھی مطالعہ کر لیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ محرم الحرام ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بیمار محرم والی عورت کا حج بدل

سوال: ایک عورت معمرہ جس کا محرم بھائی ہے، اور اس کے پاس سفر حج کے لیے پوری رقم موجود ہے؛ لیکن محرم جو ہے وہ اتنا بیمار ہے کہ سفر سے لاچار ہے؛ بلکہ کوئی امید نہیں کہ وہ سفر کر سکے، وہ عورت جانتی ہے کہ جب تک محرم نہ ہو سرمایۂ سفر کے باوجود حج اس پر فرض نہیں ہے، اب اپنی حیاتی میں وصیت کرے کہ مرنے کے بعد حج بدل کے لیے کسی کو بھیجا جائے یا بجائے اس کے اپنی حیاتی میں ہی ایک آدمی کو حج کے لیے بھیج دے؟ کیا اگر اس طرح آدمی بھیج دیا تو اس کی طرف سے حج ہو گیا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس عورت کا اس بھائی کے علاوہ اور کوئی محرم نہیں ہے، اور ان کے اس بھائی کی یہ معذوری اس عورت کی وفات تک قائم رہی؛ نیز وفات تک اس عورت کو دوسرا کوئی محرم بھی میسر نہ آیا تو عورت کا کرایا ہوا یہ حج اس کی طرف سے کافی ہو جائے گا؛ ورنہ نہیں۔

شامی میں ہے: ومن العجز الذي يرجى زواله عدم وجود المرأة محرماً

فتقعد إلى أن تبلغ وقتا تعجز عن الحج فيه أي لِكِبَرٍ أو عمى أو زمانة فحينئذ تبعث من يحج عنها، اما لو بعثت قبل ذلك لا يجوز لتوهم وجود المحرم؛ إلا إن دام عدم المحرم إلى أن ماتت فيجوز كالمريض إذا أحج رجلا ودام المرض إلى أن مات كما في البحر وغيره (۲ /۲۵۹، بحر الرائق ۳ /٦٦ فتاوى قاضيخان على هامش الهندية ۱/ ۳۰۹،۳۰۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰ / ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

معمر عورت کا محرم کے بغیر سفرِ حج کرنا

سوال: امینہ ایک معمرہ عورت ستر (۷۰) سال کی عمر ہے، وہ بغیر محرم کے حج بیت اللہ جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورت چاہے جوان ہو یا معمر؛ شوہر یا محرم کے بغیر سفر حج نہیں کرسکتی بشرطیکہ مکہ مکرمہ اس کے وطن سے شرعی مسافت سفر پر واقع ہو۔

درمختار میں ہے: ولوعجوزا فی سفر، قال فی الشامیة: (قوله و لو عجوزا) ای لاطلاق النصوص بحر قال الشاعر:

لكل ساقطة فى الحى لاقطة		وكل كاسده يوما لها سوق

(قوله فی سفر) هو ثلاثة أيام ولياليها الخ (درمختار مع الشامی؟/ ۱۵۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳ / جمادی الاخریٰ ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

منہ بولے بیٹے کے ساتھ سفرِ حج کرنا

سوال: فاطمہ نے ایک بچہ کو بچپن سے پال پوس کر بڑا کیا اور اس کو منہ بولا بیٹا بنایا، اب فاطمہ اس کو اپنے ہمراہ حج کو لے کر جارہی ہے، کیا یہ شرعاً درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

منہ بولا بیٹا بنادینے سے وہ لڑکا فاطمہ کا حقیقی بیٹا نہیں بنا ہے، اس لیے اگر اس کے ساتھ فاطمہ کا دوسرا کوئی رشتۂ حرمت نہیں ہے تو فاطمہ اس کے ساتھ سفرِ حج میں نہیں جاسکتی۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَ كُمْ اَبْنَآءَ كُمْ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ﴾ (الاحزاب:۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

عورت کا اپنے خسر کے ساتھ حج کے لیے جانا

سوال: بیوہ بہو اپنے سسرے کے ساتھ حج بیت اللہ کے لیے جاسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷ر شعبان ۱۴۱۶ھ

داماد کے ساتھ حج

سوال: حورا بہن اور حورا بہن کی ماں حورا بہن کے داماد (جمائی) کے ساتھ حج کرنے کے لیے جاسکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حورا بہن اوران کی ماں حورا بہن کے داماد کے ساتھ حج میں جاسکتی ہیں۔اس لیے کہ وہ داماد دونوں کے حق میں محرم ہے۔

وحرم بالمصاهرة بنت زوجته الموطوئة و ام زوجته وجدتها مطلقا بمجرد العقد الصحيح الخ (در مختار)(و جدتها مطلقا) اى من قبل ابيها و امها وان علون بحر (شامی ۲ /۳۰۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ / جمادی الاخری ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب الرمي

تیرھویں کی رمی مغرب کے بعد کرنا

سوال: کسی حاجی نے تیرھویں ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کیا؛لیکن اس نے رمی مغرب کی نماز کے بعد کی تو کیا رمی ادا ہوجائے گی یا دم آئے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جی ہاں، دم واجب ہوگا۔(زبدۃ المناسک ۱/۱۹۱)

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱ /محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

چوتھے دن تک رمی کی تاخیر اور وجوبِ دم میں مفتیٰ بہ قول

سوال: رمی جمار کے متعلق ایک مسئلہ کی تحقیق کے سلسلہ میں ایک عریضہ ارسال کررہا ہوں، امید کہ تفصیلی جواب مرحمت فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

(۱)وفی الاصل لوترك رمی الجمار کلها فی سائرالایام الی الیوم الرابع قضاها علی التالیف فی الیوم الرابع؛لان وقت الرمی باق؛ والجنس واحد (المحیط البرهانی۳/۴۱۰الفصل الثالث تعلیم اعمال الحج کتاب المناسك)

(۲)فعلی هذاالقول لواخررمی الجمارالثلاث عن یوم القرّالی یوم النفر الاول؛ رماهابعدطلوع الفجرقبل طلوع الشمس؛یکون اداءً لاقضاءً؛ ولا یلزمه دم. (البحرالعتیق فی مناسك المعتمروالحاج الی بیت الله العمیق؛ ۸۸۰/٤ الباب الثانی عشر فی الاعمال المشروعة یوم النحر. فصل فیما یفعله الحاج ایام التشریق ولیالیها)

(۳)فان ترك الرمی کله فی سائرالأیام الی آخرأیام الرمی وهو الیوم الرابع فانه یرمیهافیه علی الترتیب وعلیه دم عنده؛ وعندهمالادم علیه لما بیّنا أن الرمی مؤقت عنده وعندهمالیس بمؤقت.

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ص: ۳۲٦ کتاب الحج، الکلام في عدد الجمار)

(٤)ثم بتاخیرهایجب الدم عنده خلافاً لهما (شامی ۸٦/۳باب الجنایات)

(٥)لو اخر رمی الایام کلهاالی الرابع مثلاًرماهاکلهافیه قبل الزوال أو بعده علی التالیف قضاء عنده وعلیه دم واحدللتاخیر، واداء عندهما ولاشئ علیه. (غنیة جدید ص:۱۸۲-قدیم ص:۹۷)

ان عبارات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص تینوں دن کی رمی ترک کردے اور چوتھے دن ان سب دنوں کی کنکری ماردے، تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو

ایک دم واجب ہوگا، اور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بھی ادا ہے، اور اس پر کوئی دم نہیں۔

کیا حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کا قول مفتی بہ ہے یا حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا؟ آج کے سخت ہجوم کے حالات میں کوئی شخص حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرلے تو اس میں کراہت کا ارتکاب لازم آئے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اصول افتاء کے پیش نظر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کا قول راجح اور مفتی بہ قرار دیا جائے گا۔

فی شرح المنیة للبرهان ابراهیم الحلبی من فصل التیمم حیث قال فللّٰه در الامام الاعظم ماأدق نظره وماأسدفکره والأمرماجعل العلماء الفتوی علی قوله فی العبادات مطلقاً (شرح عقودرسم المفتی ص:۱۱۰)

"هدایة السالك الی المذاهب الاربعة فی المناسك" میں ہے: وعند الحنفیة: أنه یدخل وقت رمی جمرة العقبة بطلوع الفجریوم النحر؛ ویبقی الی غروب شمسه وفیما بعدذلك من اللیل الی طلوع الفجرمن الغدیجزئ الرمی مع الکراهة؛ولاشئ علیه وفیمابعدذلك من أیام التشریق ولیالیها یجزئه، وعلیه مع ذلك دم عندأبی حنیفة، ولاشئ علیه عند الصاحبین؛ وقدأساء (هدایة السالك الی المذاهب الاربعة فی المناسك ۱۰۹۷/۳)

اس کے حاشیہ پر شیخ نورالدین عتر تحریر فرماتے ہیں: المفتی به عندالحنفیة قول أبی حنیفة بوجوب الدم. (حاشیہ صفحہ مذکورہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷ رصفر المظفر ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

خوف زحام کی بناء پر ترک رمی

سوال: وتجوز الانابة فی الرمی لمن عجز عن الرمی بنفسه لمرض أو حبس أو کبر سن أو حمل المرأة فیصح للمریض بعلة لا یرجی زوالها قبل انتهاء وقت الرمی و للمحبوس و کبیر السن والحامل أن یوکل عنه من یرمی عنه الجمرات کلها و یجوز التوکل عن عدة أشخاص علی أن یرمی الوکیل عن نفسه أولاً کل جمرة من الجمرات الثلاث.

(الفقه الاسلامی وادلته ۳ /۱۹۳)

سوال: زید نے رمی جمرات ثلثہ ۱۲ / تاریخ کو عورتوں کی طرف سے وکالۃً کی، کیوں کہ قافلہ چل رہا تھا، عورتوں کو رمی کرنا بہت دشوار تھا، یہ رمی صحیح ہوئی یا نہیں؟ بہ حالتِ عدمِ صحت دم واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: رمی جمار واجب ہے، اور ترک واجب اگر بہ سبب کسی عذر کے ہو تو اس میں کچھ نہیں آتا۔ کمافی رد المحتار: وکذا کل واجب اذا ترکه بعذر لا شیء علیه کما روی البحر، شامی و هکذا فی المناسك وغیره۔ پس اس صورت میں بہ سبب عذر ازدحام کے جو عورتوں کی رمی ترک ہوئی تو اس میں دم واجب نہ ہوگا۔ (فتاویٰ دار العلوم مدلل ومکمل ۶ / ۵۵۳، ۵۵۴)

لکن لو ترکه بعذر کزحمة بمزدلفة لا شیء علیه (در المختار ۲/ ۵۱۲)

و قد صرحوا بأنه لو أفاض من عرفات لخوف الزحام وجاوز حدودها قبل الغروب لزمه دم مالم یعد قبله، و کذا لو ند بعیره فتبعه کما صرح به فی الفتح وقد یجاب بأن خوف الزحام لنحوعجز و مرض انما جعلوه عذرا هنا لحدیث أنها قدم ضعفة أهله بلیل، ولم

یجعل عذراً فی عرفات لما فیه من اظهار مخالفة المشرکین، فانهم کانوا یدفعون قبل الغروب فلیتأمل. (وقوله لا شیء علیه) وکذا کل واجب اذا ترکه بعذر لا شیء علیه کما فی البحر.

(رد المحتار۲/۵۱۱، ۵۱۲ مطلب فی الوقوف بمزدلفة)

اب سوال یہ ہے کہ:

① آج کل جمرات پر دن یا رات کے کسی بھی وقت میں حتی کہ رات بارہ بجے ایک بجے بھی اتنا ہجوم اور ازدحام ہوتا ہے کہ کمزور ضعیف اور بوڑھی عورتوں کے لیے تو بسا اوقات جان کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، اور یہ بالکل مشاہدہ کی بات ہے۔ جس طرح بہ ذات خود رمی کرنا واجب ہے اسی طرح یوم النحر کے افعال میں ترتیب بھی واجب ہے اور ترتیب قائم رکھنے میں جان کا خطرہ تو نہیں؛ لہٰذا ترتیب قائم رکھنے کی مشقت و تکلیف بہ ذات خود رمی کرنے کی بہ نسبت اخف اور کمتر ہے، اور مذکورہ بالا لوگوں کو بہ ذات خود رمی کرنے کی مشقت و تکلیف اس سے بدرجہا سخت تر ہے۔

جمعیت علماءِ ہند کی زیر نگرانی محمود ہال، دیوبند میں منعقد ہونے والے چھٹے فقہی اجتماع نیز اسلامک فقہ اکیڈمی کے تحت ہونے والے فقہی سمینار میں آج کل کے حالات میں ازدحام یا دیگر پریشان کن اعذار کی بناء پر یوم النحر کے افعال میں ترتیب قائم رکھ نہ سکنے کی صورت میں تیسیراً علی الناس دم واجب نہ ہونے کا فتویٰ دیا گیا۔ تو کیا خوفِ زحام اور دیگر پریشان کن اعذار کی بناء پر ضعیف، مریض، کبیر السن عورتوں اور مردوں کے لیے نیابت فی الرمی یعنی دوسرے کسی شخص کے ذریعہ رمی کرانا بغیر وجوبِ دم کے جائز ہے یا نہیں؟

② بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ ترکِ وقوفِ مزدلفہ میں عجز ومرض وغیرہ کی بناء پر خوفِ زحام کو عذر قرار دیا جانا مذکورہ بالا حدیث (أنه ﷺ قدم ضعفة أهله بليل) کی بناء پر منصوص ہے، لہٰذا اس پر قیاس کر کے خوفِ زحام کو نیابت فی الرمی یا ترکِ رمی کے بارہ میں عذر قرار دے کر درج بالا لوگوں کے لیے نیابت فی الرمی یا ترکِ رمی جائز نہ ہوگا۔

ازعبداللہ ڈیوز بری، انگلینڈ، یوکے

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے سوال میں یہ عبارت ہے کہ ''آج کل جمرات پر دن یا رات کے کسی بھی وقت میں حتی کہ رات کے بارہ بجے ایک بجے بھی اتنا ہجوم اور ازدحام ہوتا ہے کہ کمزور ضعیف بوڑھی عورتوں کے لیے تو بسا اوقات جان کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے اور یہ بالکل مشاہدہ کی بات ہے'' جمرات کے پاس ہجوم کا ہونا اور اس ہجوم کا اتنی مقدار میں ہونا کہ اس حالت میں کمزور ضعیف اور بوڑھی عورتوں کے لیے جان کا خطرہ لاحق ہو جاتا ہے یہ تو درست ہے؛ لیکن ہجوم کی یہ کیفیت اور نوعیت رمی کے پورے وقت میں باقی نہیں رہتی، بلکہ رمی کے لیے شریعت کی طرف سے جو وقت مقرر ہے، مثلاً پہلے دن کی رمی کے لیے دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق سے لے کر گیارھویں ذی الحجہ کی صبح صادق تک کا جو وقت مقرر ہے، اس میں بعض لمحات ایسے آتے ہیں کہ ان اوقات میں ہجوم کی وہی کیفیت ہوتی ہے جو آپ نے تحریر فرمائی ہے؛ لیکن اس پورے وقت میں مسلسل از ابتداء تا انتہاء یہ کیفیت نہیں ہوتی بلکہ اسی مقررہ وقت میں بہت سے لمحات ایسے بھی آتے ہیں کہ ان میں مذکورہ افراد بسہولت رمی کر سکتے ہیں؛ اس لیے سوال میں مذکور

آپ کا دعوی خلاف مشاہدہ ہے۔ رہی وہ عبارت جو سوال میں ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' کے حوالے سے نقل فرمائی ہے، اس میں اس بات کی تصریح نہیں کہ یہ حنفیہ کا مسلک ہے بلکہ فقہ حنفی کی معتبر کتابوں کے مطالعہ سے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔

''غنية الناسك فى بغية المناسك'' جو ہمارے اکابر کے یہاں اس باب میں بہت مستند سمجھی جاتی ہے اس کی عبارت پیش خدمت ہے:

السادس: أن يرمى بنفسه فلا تجوز النيابة فيه عندالقدرة، وتجوز عند العذر فلو رمى عن مريض با مره أومغمى عليه ولو بغيرامره أو صبى أو معتوه أو مجنون جاز، والأفضل أن توضع الحصاة فى اكفهم فيرمونها أويرمونه بأكفهم ولو رمى عنهم يجزيهم ذٰلك، ولا يعادان زال العذرفى الوقت ولا فدية عليهم وان لم يرموا الاالمريض

وحد المريض أن يصيربحيث يصلى جالسا لأنه لايستطيع الرمى راكبا ولامحمولا، امالأنه تعذرعليه الرمى أو يلحقه بالرمى ضرر فان كان مريض له قدرة على حضورالمرمى محمولا ويستطيع الرمى كذلك من غير أن يلحقه ألم شديد ولا يخاف زيادة المرض ولا بطوء البرء لا يجوز النيابة عنه الا أن لا يجدمن يحمله. (غنية الناسك ص١٠٠)

آگے تحریر فرماتے ہیں:

(تنبيه): قدتبين مما قدمنا أنهم جعلواخوف الزحام عذرا للمرأة و لمن به علة أوضعف فى تقديم الرمى قبل طلوع الشمس أو تأخيره الى الليل، لافى جواز النيابة عنهم لعدم الضرورة، فلولم يرموا بأنفسهم لخوف الزحام تلزمهم الفدية والله سبحانه و تعالى أعلم (١٠٠)

یوم النحر کے افعال میں ترتیب کے سلسلہ میں فقہی اجتماع اور فقہی سمینار میں جو فیصلہ کیا گیا ہے اس میں جس قول کو اختیار کیا گیا ہے وہ مذہب احناف سے بالکلیہ خارج نہیں، بلکہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہونے کے ساتھ ائمۂ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں اس کو اختیار کرنے کی وجہ سے مذہب حنفی سے بالکلیہ خروج لازم نہیں آتا اور یہ چیز آپ پر مخفی نہیں۔

بعض حضرات کی جو رائے آپ نے ترک وقوف مزدلفہ کے مسئلہ پر قیاس والی پیش کی وہ بھی سمجھ میں آنے والی نہیں، خود آپ نے جو عبارت پیش فرمائی ہے اس میں صراحت موجود ہے کہ اگر خوف زحام کی وجہ سے حدود عرفات کو قبل الغروب پار کرلیا تو دم واجب ہوگا، حالاں کہ نفس وقوف عرفات کا تحقق ہو چکا، صرف غروب آفتاب تک اس کو ممتد نہ کرنے کی وجہ سے دم واجب ہوا، اور سب جانتے ہیں کہ امتداد الی الغروب واجب ہے اور یہاں واجب چھوڑنے پر اگرچہ خوف زحام کی وجہ سے ہے دم لازم کیا گیا، اور خوف زحام کو سقوط دم کے لیے کافی نہیں سمجھا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۳/محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

رمی جمار ترک کرنے سے دم واجب ہوگا

سوال: کوئی شخص حج کو گیا جیسا کہ بمبئی سے ٹور لے جاتا ہے؛ لہٰذا ایام نحر میں سات کنکریاں جمرۂ عقبہ پر ماردی؛ مگر جلدی میں تین جمرہ پر کنکریاں نہ مار سکا، اب اسے یاد آیا کہ حج میں اس سے کوتاہی ہوگئی ہے؛ لہٰذا اب آپ بتائیے اس کا کفارہ کیا ہے؟ کیا حج ادا ہو گیا؟ اب اس کی استطاعت بھی نہیں ہے کہ دوبارہ حرم جائے۔ برائے مہربانی آپ کوئی راستہ بتائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں حج ادا ہوگیا؛ مگر چوں کہ حاجی نے تین جمرہ پر کنکریاں مارنا ترک کردیا ہے؛ اس لیے حج میں نقص آنے کی بناء پر اس پر دم (قربانی کے لائق جانور کا حرم میں ذبح) لازم ہے؛ لہٰذا اسے چاہیے کہ یہ دم غرباء وفقراء پر صرف کرے اس میں سے مالداروں کو دینا یا اپنے لیے رکھنا جائز نہیں ہے۔ (عالمگیری ۱/ ۲۷۴)

حکم مذکور اس وقت ہے جب تک حاجی حرم شریف میں موجود ہو؛ لیکن اگر گھر آنے کے بعد جو جنایت کی ہے وہ یاد آئی، جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے تو ایسی صورت میں اسے چاہیے کہ کسی کو وکیل بنا کر یا کسی بھی ذریعہ سے دم کی قیمت حرم شریف میں پہنچادے، یہ کہہ کر کہ اس رقم سے ایک دم جنایت خرید کر ذبح کیا جائے اس کے بعد وہ سبکدوش ہوجائے گا انشاء اللہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

ہجوم کی وجہ سے مرد کا عورت کی طرف سے رمی میں وکیل بننا

سوال: حج کے ایام میں شیطان کو کنکری مارنے کے لیے زیادہ بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے شوہر اپنی بیوی کی طرف سے وکیل بن کر کنکری مار سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورت کی طرف سے کسی دوسرے کو نائب بن کر ہجوم کی وجہ سے رمی کرنا (شیطان کو کنکری مارنا) جائز نہیں، اگر ہجوم کے خوف سے عورت نے رمی نہیں کی تو فدیہ واجب

ہوگا۔ (معلم الحجاج ص ۱۸۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

تیسرے دن کی رمی چھوڑ دی تو کیا حکم ہے؟

سوال: دو دن جمرات کی رمی کی اور تیسرے دن رمی نہیں کی تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تیسرے دن سے مراد اگر بارہویں ذوالحجہ ہے، تو اس کی رمی چھوڑنے پر دم واجب ہوگا، اور اگر تیسرے دن سے مراد تیرہویں ذوالحجہ ہے، تو اگر وہ شخص بارہویں کے غروبِ آفتاب سے پہلے منیٰ سے مکہ چلا آیا تھا، اس پر تیرہویں کی رمی واجب نہیں ہوئی، اور یہ چلا آنا بلا کراہت جائز ہے، اور اگر بارہویں کے غروب آفتاب کے بعد تیرہویں کی صبح صادق سے پہلے منیٰ سے مکہ چلا آیا تھا تو اس صورت میں بھی تیرھویں کی رمی واجب نہیں ہوئی؛ لیکن یہ چلا آنا بکراہت جائز ہے؛ مگر جو تیرھویں کی صبح صادق منیٰ میں ہو گئی تو رمی تیرہویں کی واجب ہے اگر بدون کیے چلا آئے گا تو دم واجب ہوگا۔ (زبدۃ المناسک ۱۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

رمی جمار، ذبح اور حلق میں ترتیب

سوال: حج کے دنوں میں یعنی ۱۰، ۱۱، ۱۲ / ذی الحجہ کو منی میں لاکھوں جانوروں

کی قربانی ہوتی ہے؛ مگر اس کے گوشت وغیرہ کا معقول انتظام نہ ہونے پر چند سال پہلے ان تمام جانوروں کا گوشت ضائع ہو جاتا تھا، اس سلسلہ میں سعودی حکومت نے ابھی چند سال ہوئے غریب ممالک میں پہونچانے کا انتظام کیا اور اس کے لیے منی میں ایک بڑا مذبحہ (SLAUGHTERHUOSE) بنا کر اس کی ساری ذمہ داری ایک مقامی کمپنی کے سپرد کی ہے، اس کمپنی کا طریقۂ کار یہ ہے کہ قربانی کرانے والے حضرات سے پیسے لے کر رسید دے دی جاتی ہے، جس میں قربانی، دم، صدقہ وغیرہ کی خانہ پُری کے ساتھ قربانی کرنے کا وقت بھی لکھ دیا جاتا ہے تاکہ جس قسم کی قربانی جس وقت کرانا چاہے وہ متعین ہو جائے، اس سلسلہ میں حنفی حاجی صاحبان ایک اندازہ لگاتے ہیں کہ اتنے بجے تک ہم رمی جمار سے فارغ ہو جائیں گے اس اندازے کے مطابق اپنی قربانی کرانے کی اجازت دے دیتے ہیں؛ مگر بعض مرتبہ رمی جمار میں گڑبڑ ہو جانے سے طے شدہ اندازے کے مطابق رمی جمار نہیں کر پاتے، حالاں کہ احناف کے نزدیک حج میں ترتیب واجب ہے اس کے خلاف ہو جانے سے بطور کفارہ مزید ایک جانور کی قربانی ضروری ہو جاتی ہے، تو کیا ہزاروں حنفی حضرات ان لاکھوں کے اضافی اخراجات سے بچنے کے لیے اگر صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر (ان کے یہاں ترتیب واجب نہیں) عمل کر لیں تو احناف کے یہاں کوئی گنجائش ہے؟ اس طرح ہر سال لاکھوں جانوروں کا گوشت بھی ضائع ہونے سے بچ جائے گا اور حاجی صاحبان کے لیے اس بھیڑ میں سہولت ہو جائے گی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تمتع اور قران کرنے والے کے لیے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

کے قول پر جو مفتی بہ ہے ترتیب لازم ہے، اس کے ترک سے دم واجب ہوتا ہے، جبکہ صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ ترتیب سنت ہے اس کے ترک پر دم واجب نہیں۔

آج کل حجاج ازدحام یا دیگر پریشان کن اعذار کے پیش نظر اگر ترتیب قائم نہ رکھ سکیں تو صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کی گنجائش ہے۔

(چھٹا فقہی اجتماع بمقام شیخ الھند ہال دیوبند منعقدہ ۲۶، ۲۷/ مارچ ۱۹۹۷ء)(انمول حج ۱۱۵)

اس فیصلہ کے متعلق مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: آج کل بے پناہ ہجوم اور دیگر پریشان کن اعذار کے پیش نظر سقوط ترتیب کے متعلق آپ کا اور دیوبند کے فقہی اجتماع کا فیصلہ غلط تو نہیں؛ مگر یہ عام فتویٰ نہیں ہوسکتا، معذورین کے لیے مخصوص ہونا چاہیے استطاعت ہوتے ہوئے دم دینے میں احتیاط ہے۔

اس کے بعد مفتی صاحب نے رسائل الارکان، ہدایہ اولین، فتح القدیر کی عبارت تحریر کر کے لکھا ہے کہ: حج عمر بھر میں ایک مرتبہ (بطور فرض) ادا کیا جاتا ہے؛ اس لیے اس طرح ادا ہونا چاہیے جو اس کا حق ہے، لہذا نوجوان، صحت منداور باہمت لوگ مفتیٰ بہ قول پر ہی عمل کرنے کی کوشش کریں، اور جو حضرات ضعیف، کمزور اور معذور ہوں اور وہ لوگ ہجوم اور اپنی معذوری کی وجہ سے مفتی بہ قول پر عمل کرنے سے قاصر ہوں، تو ایسے ضعیف اور معذور حضرات صاحبین رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرلیں تو اس کی گنجائش ہے۔ اھ پوری تفصیل چھ صفحات پر مشتمل ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ۱۰/ ۱۸۴ تا ۱۹۰)

علاوہ ازیں اس مشکل کا ایک حل یہ بھی ہے کہ آدمی افراد کرلے، کیوں کہ مفرد پر قربانی واجب نہیں۔

اسلامی فقہ اکیڈمی کے دسویں فقہی سمینار منعقدہ ۲۴ تا ۲۷ اکتوبر ۱۹۹۷ء میں

حج وعمرہ سے متعلق جو تجاویز پاس ہوئیں ان میں تجویز نمبر ۷ حسب ذیل ہے:

حنفیہ کے قول راجح کے مطابق ۱۰/ ذی الحجہ کے مناسک میں رمی، ذبح اور حلق کو ترتیب کے ساتھ انجام دینا واجب ہے۔ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر فقہاء کے یہاں مسنون ہے جس کی خلاف ورزی سے دم واجب نہیں۔ حجاج کو چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو ترتیب کی رعایت کو ملحوظ رکھیں، تاہم ازدحام اور موسم کی شدت اور مذبح کی دوری وغیرہ کی وجہ سے صاحبین رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ کے قول پر عمل کی گنجائش ہے؛ لہذا اگر یہ مناسک ترتیب کے خلاف ہوں تو بھی دم واجب نہ ہوگا۔ (اہم فقہی فیصلے دسواں ایڈیشن ۱۱۴)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

رمی اور قربانی کی ترتیب میں راجح قول

سوال: رمی جمار اور قربانی کی ترتیب کے بارے میں ہمارے یہاں راجح مذہب کیا ہے؟ (وہاں پر جیسا کہ معلوم ہوگا قربانی کی رقم پیشگی حکومت کی طرف سے جو انتظام قربانی کا ہوتا ہے اس میں مشقت سے بچنے کے لیے حجاج جمع کراتے ہیں، اور وقت بھی لکھواتے ہیں، مثلاً دس ذی الحجہ کو صبح گیارہ بجے ہماری قربانی کرنا، اب عام طور پر مزدلفہ سے واپسی میں کسی بھی وجہ سے منیٰ پہنچ کر رمی جمار میں تاخیر ہوتی ہے، اس صورت میں رمی سے قبل قربانی جن کی رقم جمع کی ہے ہو جاتی ہے، اس صورت میں کیا دم واجب ہوگا یا نہیں؟) اس کے بارے میں گذشتہ سال میرے ہاتھ وہاں ایک چھوٹا رسالہ لگا جس میں اسلامی ڈیولپمنٹ بینک کے صدر کی دعوت پر مختلف ممالک کے علماء اور مفتی

صاحبان جمع ہوئے، اور کچھ مقالات پیش کئے، جس میں حنفی علماء نے بھی صاحبین وغیرہ کے مذہب کو بیان کرتے ہوئے نتیجہ نکالنے کی کوشش کی ہے کہ ترتیب لازم نہیں، کسی رکن کی ادائیگی میں تقدیم وتاخیر ہوتو دم لازم نہیں ہوگا، جس کی نقل آپ کے پاس روانہ کرتا ہوں جو آپ کے لیے مدد کا کام دے گی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہی راجح ہے، اس لیے اگر قران یا تمتع کا احرام ہے تو رمی سے قبل ذبح ہونے سے دم واجب ہوگا، ہاں مفرد پر نہیں ہوگا، جو مضمون آپ نے ارسال فرمایا ہے اس میں کوئی ایسی عبارت کتب احناف سے نہیں پیش کی گئی جس میں یہ تصریح ہو کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

تمام دن کی رمی ترک کرنے سے کتنے دم واجب ہیں؟

سوال: معلم الحجاج صفحہ نمبر ۱۸۹ میں لکھا ہے کہ حج کے دنوں میں رمیٔ جمار اگر بالکل کسی روز بھی نہیں کی اور رمی کا وقت نکل گیا تب بھی ایک ہی دم واجب ہوگا، فتاویٰ رحیمیہ ۵ / ۱۵۲ میں تحریر کیا ہوا ہے کہ دو دن کی رمی چھوٹ گئی تو دو دم واجب ہوگا، اس مسئلہ کو کس طرح تطبیق دی جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

غنیۃ الناسک میں ہے: ولو أخر رمی الأیام کلها إلی الرابع مثلا رماها کلها فیه قبل الزوال أو بعده علی التألیف قضاء عنده، وعلیه دم واحد

للتاخير، وأداء اه عندهما ولا شيء عليه وإن لم يقض حتى غربت الشمس منه فات وقت القضاء والأداء، وعليه دم واحد اتفاقا. (۹۷)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی دم واجب ہوگا۔

عمدۃ الفقہ میں ہے: ''اگر کسی نے ایک دن تینوں جمروں کی یا دو دن یا تینوں دن کی رمی ترک کردی تو اس پر ایک ہی دم واجب ہوگا؛ کیوں کہ جنس متحد ہے، جیسا کہ حلق میں حکم ہے۔ (عمدۃ الفقہ ۴/ ۵۴۵)

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حج اور حیض سے متعلقہ مسائل

قران کا احرام باندھنے کے بعد حیض آ گیا

سوال: ایک عورت حج قران کا احرام باندھ کر مکہ شریف پہنچی، پہنچتے ہی ماہواری کے ایام شروع ہو گئے، یہاں تک کہ عمرہ ادا نہ کرسکی حج کے ایام آنے کی وجہ سے منیٰ، عرفات، مزدلفہ جا کر حج کے ارکان پورے کیے، پاک ہونے کے بعد طواف زیارت بھی ادا کرلیا، اس کا عمرہ جو رہ گیا ہے اس کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟ کیا یہ حج اس کا حج افراد ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وہ عورت اپنے فوت شدہ عمرہ کی قضا کرے اور ترک عمرہ کی وجہ سے ایک دم

دے اس کا یہ حج، حج افراد ہے؛ اس لیے اس پر دم قران نہیں۔

نوٹ: اس مسئلہ کی تفصیل اذان بلال ماہ رجب ۱۴۲۴ھ جلد ۱۴ شمارہ ۹ دیکھ لیں۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عمرہ کا احرام باندھتے ہی حیض آ گیا

سوال: ایک عورت ہندوستان سے عمرہ کا احرام باندھ کر چلی اور فوراً اسے حیض شروع ہو گیا، اور سات دن کی اس کی عادت ہے تو اب چوں کہ وہاں پہنچ کر عمرہ کا طواف نہیں کرے گی اور دو تین دن کے بعد حج کا احرام باندھنے کا وقت آ گیا تو اب عورت کیا کرے گی؟

اور اگر حج کا احرام بھی اس نے وقت پر باندھ دیا اور حج کے سارے ارکان بھی پورے کر دیے تو اب سوال یہ ہے کہ طوافِ زیارت پہلے کرے یا عمرہ کا طواف کرے یا پھر ایک ہی طواف وسعی میں دونوں ادا ہو جائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسی عورت عمرہ کا احرام چھوڑ کر حج کا احرام باندھ لے۔ (اوجز المسالک ۸/ ۷۸)

عمرہ کا احرام چھوڑنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ وہ اپنا سر کھول کر کنگھا کرے، یا ناخن تراش لے یا بال کترے۔ (شامی ۲/ ۴۷۴)

اب چوں کہ اس نے عمرہ کا احرام چھوڑا تھا؛ اس لیے حج کی ادائیگی سے فارغ ہو کر وہ اپنے اس عمرہ کی قضاء کرے گی اور اس پر دم بھی واجب ہوگا، ایک بکری یا

بڑے جانور کا ساتواں حصہ بطور دم ذبح کرے۔ (شامی ۲/ ۲۷۴، زبدۃ المناسک ۲/ ۳۳)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم ذوالحجہ ۱۴۰۷ھ

حالت حیض میں طواف وسعی کرنا

سوال: حائضہ کے حرم مکہ اور مسجد نبوی کے داخلہ کے بارے میں، اسی طرح طواف اور سعی کے بارے میں وضاحت فرمائیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حیض والی عورت کے لیے مسجد میں داخل ہونا ممنوع ہے، اس لیے نہ وہ مسجد حرام میں داخل ہوسکتی ہے، اور نہ مسجد نبوی میں، حالت حیض میں طواف نہ کرے، اور جو حیض کے عذر سے طواف زیارت ایام نحر سے مؤخر ہوگیا تو کچھ حرج نہیں اور دم واجب نہ ہوگا، سعی طواف قدوم کے ساتھ نہ کی ہو تو سعی کو بھی موقوف رکھے، بعد پاک ہونے کے طواف زیارت کے ساتھ کرے، اور جس کو احرام سے پہلے حیض آجائے وہ نہا کر احرام باندھ لے، اور یہ نہانا ستھرائی کے واسطے ہے، اور سوائے طواف اور سعی کے سب کچھ کرے، اگر طواف پاکی میں کیا اور اس کے بعد حیض آیا تو سعی کو حیض کی حالت میں کرنا جائز ہے، کیوں کہ سعی میں پاکی ضروری نہیں ہے؛ البتہ یہ وقت اگر طواف قدوم کے بعد کا ہے تو سعی کو طواف زیارت کے بعد کرنا بہتر ہے، اور اگر یہ وقت طواف زیارت کے بعد کا ہے تو سعی کو حالت حیض میں ہی کرے؛ تاکہ ایام نحر نکل نہ جائے، اگرچہ سعی کا ایام نحر میں کرنا واجب نہیں ہے؛ مگر طواف زیارت کے بعد افضل ہے، اور طواف

کے ساتھ موالات سعی کی سنت ہے، اور جو حیض بعد وقوف اور طواف زیارت کے آئے تو طواف صدر ساقط ہو جاتا ہے اور دم بھی واجب نہیں ہوتا؛ مگر جو تو قف کرے اور پاک ہو کر طواف صدر کر کے جائے تو بہتر ہے۔ (زبدۃ المناسک ۲۲۳، ۲۲۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

حج کرنے والی حائضہ ہوگئی

سوال: اگر ایام حج میں احرام باندھنے کے بعد حیض آ گیا تو ارکان حج کے متعلق عمل کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سابق میں تفصیل آ چکی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

حیض کی حالت میں طواف زیارت

سوال: حیض کی حالت میں طواف زیارت کے لیے کیا کریں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جواب بالا میں تفصیل آ چکی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

حائضہ سے طواف وداع ساقط ہے

سوال: حیض کی حالت میں طواف وداع کے لیے کیا صورت ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر عورت کو حیض آ گیا ہے جس کی وجہ سے طواف نہیں کر سکتی ہے، تو اس سے طواف وداع ساقط ہے؛ لیکن اگر وہ مکہ مکرمہ کی آبادی سے نکلنے سے پہلے پاک ہو جائے تو اس کو لوٹ کر طواف کرنا واجب ہے، اور اگر آبادی سے نکلنے کے بعد پاک ہو تو واجب نہیں۔ (معلم الحجاج ۲۲۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ

عمرہ کرنے والی حائضہ ہوگئی

سوال: اسی طرح عمرہ کرنے جانے والی عورت عامرہ مکہ پہنچی اور حیض شروع ہوگیا، تو اب ادائیگی ارکان میں کیا رہبری فرماتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عمرہ کے ارادہ سے عورت مکہ پہنچی اور حیض آ گیا تو وہ پاک ہونے کا انتظار کرے اور پاک ہونے کے بعد طواف سعی کر کے قصر کرا کر حلال ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

متمتع حائضہ ہوگئی

سوال: ایک عورت حجِ تمتع کرنا چاہتی ہے، روانگی کے وقت اگر حیض شروع ہو جائے تو کیا کرے؟

اگر کوئی عورت احرام باندھ کر حدودِ حرم میں داخل ہوگئی؛ مگر حالتِ حیض میں ہونے

کی وجہ سے افعالِ عمرہ ادا نہیں کرسکتی اور اس کی عادت ایک عشرہ کی ہے تو کیا اب وہ پاک ہونے تک احرام کی حالت میں رہے یا احرام ختم کرکے پاکی حاصل ہونے کے بعد پھر میقات سے احرام باندھ کر عمرہ ادا کرسکتی ہے؟ اگر اتنے زیادہ ایام تک احرام میں رہے گی تو اس کی پابندیاں جو ہیں اس کی وجہ سے بہت دشواری ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

احرام باندھنے کے وقت عورت اگر حالتِ حیض میں ہے تب بھی غسل کرلے، اس کے بعد احرام کی دو رکعت پڑھنے کے بجائے صرف عمرہ کی نیت: "اللّٰهم إني أريد العمرة فيسرها لي وتقبلها مني" کرکے "لبيك اللّٰهم لبيك لا شريك لك لبيك، إن الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك" پڑھ لے، اس کا احرام شروع ہوجائے گا، مکہ مکرمہ پہنچ کر ٹھہری رہے یہاں تک کہ جب پاک ہوجائے تب غسل کرکے عمرہ کے افعال ادا کرے، دیر تک احرام میں رہنے کی پابندی اٹھائی اس کا اجر ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ شوال ۱۴۱۷ھ

حج تمتع کرنے والی عورت حائضہ ہوگئی تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱) ایک عورت ذی الحجہ کی شروع تاریخ میں حج تمتع کے ارادہ سے چلی، اپنے ملک کے میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ پہنچی، اب عمرہ کے ارکان ادا کرنے سے پہلے حیض شروع ہوگیا، حیض سے پاک ہونے سے پہلے حج کا احرام باندھنے کا وقت آگیا تو ایسی عورت کے لیے حج تمتع ادا کرنے کا طریقہ کیا ہوگا؟ عمرہ

کے احرام سے نکلنے کے لیے چوٹی سے بال کاٹنے ہوں گے یا نہیں؟ عمرہ کی قضاء یا دم لازم آئے گا یا نہیں؟

② اسی طرح ایک عورت حج سے پہلے عمرہ کے ارکان ادا کرنے کے بعد وقت کی قلت کی بناء پر مدینہ منورہ چلی گئی، اور اس کا ارادہ حج تمتع کا تھا، اب واپسی کے وقت حیض شروع ہو گیا، تو ایسی شرعی عذر والی عورت مدینہ منورہ سے واپسی پر حج افراد کا احرام باندھے؟ یا اس کے لیے کوئی شکل آپ کے علم میں ہو تحریر فرمائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے ''مؤطا'' میں اس مسئلہ پر مستقل باب قائم کیا ہے۔

باب المرأة تقدم مكة بحج أوبعمرة فتحيض قبل قدومها أو بعد ذلك.(موطأ امام مالك جديد ۲/ ۳۵۵)

آگے اس کا حکم بیان فرماتے ہیں:

قال محمد: وبهذا نأخذ الحائض تقضى المناسك كلها غيران لاتطوف ولاتسعى بين الصفا والمروة حتى تطهر، فان كانت أهلت بعمرة، فخافت فوت الحج فلتحرم بالحج و تقف بعرفة و ترفض العمرة فاذا فرغت من حجها قضت العمرة كما قضتها العائشة رضى الله عنها، و ذبحت ما استيسر من الهدى(ايضاً ۲/ ۳۶۰،۳۵۹)

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ عورت اگر عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظّمہ پہنچی اور وہ حائضہ ہے ایام حج آجانے کی وجہ سے حج کے فوت ہو جانے کا اندیشہ ہے، یعنی عمرہ کا احرام باقی رکھ کر پاکی کا انتظار کرنے میں یہ اندیشہ ہے کہ حج فوت ہو جائے گا، تو اس کو

چاہیے کہ حج کا احرام باندھ لے اور وقوف عرفات کر لے، اور عمرہ کا احرام کھول کر عمرہ چھوڑ دے، اس کے بعد حج سے فارغ ہو کر عمرہ کی قضاء کر لے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا تھا، اور دم رفض کے طور پر جانور ذبح کرے۔

احرام عمرہ سے نکلنے کے لیے محظورات احرام میں سے کوئی کام کر لے، مثلاً کنگی کر لے یا اور کوئی کام (چوٹی کاٹنا) کر لے۔

''مرقاۃ'' میں ہے: فأمرنی النبی ﷺ أن أنقض رأسی أی شعره، وامتشط و أهل بالحج، أی أمرنی أن أحرم بالحج، و أترك العمرة أی أرفضها، قال ابن الملك: أی أمرنی أن أخرج من احرام العمرة و اتركها باستباحة المحظورات من التمشيط وغيره لعدم القدرة على الاتيان بأفعالها بسبب الحيض الخ (مرقاة شرح مشكوٰة ٥/ ٣٠٦)

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: حنفیہ نے اپنے اس مدعا پر کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمرہ فسخ کر دیا تھا کئی وجہ سے استدلال کیا ہے، ایک یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا اپنے عمرہ کو چھوڑ دو، دوم یہ کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا: اپنا سر کھول کر کنگھی کر لو، ظاہر ہے کہ احرام میں کنگھی کرنا جائز نہیں ہے کیوں کہ بالوں کے جھڑنے کا اندیشہ ہے۔

(حجۃ الوداع وعمرات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اردو ص: ٦٠)

وہ عورت عمرہ کی قضاء بھی کرے، جیسا کہ اوپر ''مؤطا'' کی عبارت میں آچکا ہے اور چوں کہ عمرہ چھوڑا ہے؛ اس لیے دم بھی دے گی۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

واهدت أی یجب علیها الهدی ایضاً کما اهدی النبی ﷺ عن عائشة بقرة کما فی روایات مسلم الا أن ذاك الهدی عندهم هدی القران و عند الحنفیة هدی الرفض(اوجز المسالك ٥ /٨٧، ٨٨)

''فتح القدیر'' میں ہے:

وکل من رفض نسکا فعلیه دم لما روی ابو حنیفة عن عبد الملك بن عمیر عن عائشة ان النبی ﷺ امر لرفضها العمرة بدم (٣/ ١١٤)

''زبدۃ المناسک'' میں ہے: مسئلہ: جس چیز کو چھوڑا ہے اس کے چھوڑنے کی وجہ سے ایک تو دم رفض دینا واجب ہوگا، دوسرا یہ کہ اس چھوڑی ہوئی چیز کی قضاء کرنی ہوگی، پس عمرہ کے چھوڑنے سے اس کی قضاء اور دم رفض لازم ہے۔ فقط (٢/ ١٤)

(٢) ایسی عورت افراد ہی کا احرام باندھے۔

''زبدۃ المناسک'' میں ہے: اکثر الوقوع ضروری: مسئلہ اکثر حاجی اشہر حج میں آکر عمرہ کرتے ہیں، پھر اشہر حج میں حج کرنے سے پہلے مدینہ طیبہ روضۂ مقدسہ اور حجرۂ مطہرہ ومعطرہ ﷺ کی زیارت کے لیے چلے جاتے ہیں، پس ان کو چاہیے، جب وہاں سے واپس ہوں تو فقط حج مفرد ہی کا احرام باندھ کر آئیں، تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان کا تمتع صحیح ہے، اس سفر کرنے سے تمتع باطل نہ ہوگا، کیوں کہ وہ لوگ اشہر حج میں عمرہ کر چکے ہیں، اور عمرہ کرنے کے بعد وہ حکماً مکیوں میں داخل ہیں، اگر چہ اشہر حج میں میقات سے بھی باہر نکل گئے ہوں، کیوں کہ وہ اپنے اصلی وطن میں نہیں گئے ہیں، تو ان کا سفر باعتبار حکم کے واحد ہے، اس کو الامام فاسد کہتے ہیں، جو کہ مبطل تمتع نہیں، اب ان کو مدینہ طیبہ سے قران کا احرام باندھنا ممنوع ہے کہ وہ مکیوں کے حکم

میں ہیں، اگر قران کا احرام باندھیں گے تو دم جنایت لازم ہوگا۔

(شرح اللباب وغنیۃ ۲ / ۱۴، ۱۵)

البتہ اس صورت میں اس پر دم تمتع لازم ہے۔ (زبدۃ المناسک ۲ / ۱۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲ / جمادی الاخری ۱۴۲۰ھ

قران کا احرام باندھنے والی حائضہ ہوگئی

سوال: اگر کسی عورت نے قران کا احرام باندھا، اور مکہ معظّمہ پہنچنے سے پہلے حائضہ ہوگئی، اور ایام حج تک پاکی کی امید نہیں، اس کے لیے کیا حکم ہے؟ کیا وہ احرام فسخ کرے اور وہ حج کا نیا احرام باندھے؟ یا اسی احرام سے حج کرے؟ اگر احرام فسخ کرے تو قضاء کس کی کرے، اور کتنے دم دے؟ اگر اسی احرام سے حج کرے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کا دریافت کیا ہوا مسئلہ مستقل طور پر صراحۃً باوجود تتبع اور تلاش کے نہیں ملا، البتہ ''عمدۃ الفقہ'' کتاب الحج میں قران کے بیان میں کچھ عبارت ایسی ملی جس سے آپ کا سوال حل ہوسکتا ہے۔

مؤلف کتاب شرائط قران کے عنوان کے ماتحت تیسری شرط بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

③ عمرہ کا پورا یا اکثر طواف وقوف عرفہ کو اس کے وقت میں ادا کرنے سے پہلے کرنا، پس اگر کسی قارن نے عمرہ کا پورا یا اکثر طواف نہیں کیا، مثلاً: وہ مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہوا، بلکہ سیدھا عرفات چلا گیا، یا اس نے اقل حصہ یعنی تین چکر یا اس سے کم طواف

کر کے زوال کے بعد وقوف عرفہ کر لیا، خواہ کسی عذر کی وجہ سے ایسا کیا ہو، مثلاً: کسی عورت کو حیض آ گیا اور وہ اس کی وجہ سے طواف عمرہ نہ کر سکی تو اس کا عمرہ جاتا رہا اگر چہ اس نے عمرہ ترک کر دینے کی نیت نہ کی ہو پس اس کا عمرہ جاتا رہا اور قران ساقط ہو گیا؛ اس لیے کہ جب اس کا عمرہ جاتا رہا تو وہ دونسک (دو عبادتیں) ادا کرنے کا فائدہ حاصل نہیں کر سکا اور اس پر دم رفض واجب ہوگا، کیوں کہ اس نے عمرہ شروع کر کے ترک کر دیا ہے، اور ایام تشریق کے بعد اس عمرہ کی قضاء دینا اس پر واجب ہے کیوں کہ اس عمرہ کا شروع کرنا صحیح ہو گیا پس وہ محصر کے مشابہ ہو گیا؛ اس لیے اب اس کا ادا ممکن نہیں رہا، کیوں کہ اگر وہ اس کو وقوف عرفہ کے بعد ادا کرے گا تو وہ افعال حج پر افعال عمرہ کی بنا کرنے والا ہوگا اور یہ مشروع طریقہ کے خلاف ہے۔ (عمدۃ الفقہ ۲۶۱/۴)

(اضافہ از احقر): اوپر عبارت میں مؤلف نے لکھا ہے: اگر چہ اس نے عمرہ ترک کر دینے کی نیت نہ کی ہو.....الخ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب قران کا احرام باندھنے والی عورت کو مکہ مکرمہ پہنچ کر یا پہلے حیض آ جائے اور عمرہ کے افعال کی ادائیگی کا وقت نہ رہے اور عرفات میں وقوف کا وقت آ جائے تو اس کو چاہیے کہ عمرہ کے ترک کی نیت کر لے؛ لیکن یاد رہے کہ تمتع کا احرام باندھنے کی صورت میں وہ عورت عمرہ کا احرام کھولنے کے لیے کوئی منافیٔ احرام کام (مثلاً بالوں میں تیل ڈالنا وغیرہ) کر کے عمرہ کا احرام ختم کرتی تھی ایسا یہاں نہ کیا جائے؛ اس لیے کہ یہاں پر یہ احرام صرف عمرہ کا نہیں بلکہ ساتھ میں حج کی بھی نیت کی گئی ہے گویا دونوں کا مشترک احرام ہے، اب اگر یہاں عمرہ کا احرام ختم کرنے کے لیے کوئی منافیٔ احرام کام کرے گی تو یہ عمل حج کے احرام کے حق میں جنایت ثابت ہوگا، جیسا کہ متمتع عمرہ کے افعال ادا کرنے کے بعد حلق کرا کر عمرہ کا

احرام کھول دیتا ہے؛ لیکن قارن عمرہ کے افعال ادا کرنے کے بعد حلق نہیں کرائے گا، (جیسا کہ کتب فقہ میں مصرح ہے)۔

بہر حال قران کا احرام باندھنے والی عورت صورت مسئولہ میں عمرہ ترک کرنے کی صرف نیت کرلے اور عرفات چلی جائے، اور اگر نیت نہیں کی تب بھی وقوف عرفات کرلینے سے خود بخود عمرہ ترک ہوجائے گا اور ان دونوں صورتوں میں افعال حج ادا کرنے کے بعد احرام کھول دے اور اس عورت پر دم قران واجب نہیں؛ اس لیے کہ قران ہوا ہی نہیں؛ البتہ چھوٹے ہوئے عمرہ کی قضاء اور عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد اس کو چھوڑ دینے کی وجہ سے ایک دم جس کو فقہاء کی اصطلاح میں دم رفض کہتے ہیں واجب ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

باب حج البدل

بغیر وصیت حج بدل کرے تو فرض ساقط ہوجائے گا

سوال: میں سال گذشتہ اپنا حج کرچکا ہوں، امسال اپنے مرحوم بھائی کی طرف سے حج بدل کا ارادہ تھا اسی نیت سے فارم بھی بھر دیا تھا، مرحوم بھائی پر حج فرض نہ تھا، بعد میں بعض رشتہ داروں نے توجہ دلائی کہ والد مرحوم پر حج فرض تھا، اور انہوں نے اپنی زندگی میں حج نہیں کیا ہے؛ لہٰذا والد مرحوم کی طرف سے حج بدل کرلوں، تو کیا میں والد مرحوم کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہوں یا نہیں؟ اور اس صورت میں والد مرحوم کی

طرف سے حج فرض ادا ہوگا یا نفل؟ اور میں حج بدل میں احرام باندھتے وقت کیا نیت کروں؟ بعض ساتھیوں کی رائے یہ ہے کہ میں پہلے مدینہ جاؤں اور پھر عین حج کے موقع پر یعنی ۷ / ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر مکہ پہنچوں۔ حج بدل میں افراد افضل ہے یا قران یا تمتع؟ مذکورہ مسئلہ میں قربانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر آپ کے والد مرحوم پر حج فرض ہو چکا تھا، اور زندگی میں انہوں نے حج ادا نہیں کیا اور بوقتِ وفات وصیت بھی نہیں کی ہے، اور اب آپ اپنے خرچ سے تبرعاً فرض حج ادا کر رہے ہیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کا حج فرض اداء ہو جائے گا۔ (شامی ۲/ ۲۶۶)

احرام کے وقت نیت اپنے والد مرحوم کے حج کی کریں، اگر زبان سے کہہ دیں "لبیك عن أبی" تو بہتر ہے ورنہ دل سے بھی کافی ہے، چوں کہ یہ حج آپ اپنے والد مرحوم کی طرف سے تبرعاً کر رہے ہیں؛ اس لیے آپ کو اختیار ہے، چاہیں افراد کا احرام باندھیں، چاہیں قران وتمتع کا۔ پہلے مدینہ منورہ جا کر عین حج کے موقعہ پر افراد کا احرام باندھ کر مکہ معظّمہ آنا چاہیں تو ایسا بھی کر سکتے ہیں، ضروری نہیں ہے۔

صورت مسئولہ میں آپ اگر تمتع یا قران کا احرام باندھیں گے تو دم قران وتمتع واجب ہوگا، اور اگر افراد کا احرام باندھا ہے تو جانور ذبح کرنا افضل ہے، واجب نہیں۔ یہ حکم تو حج کی قربانی کا ہے؛ رہی عید الاضحیٰ کی قربانی تو آپ حج کے خاص ایام شروع ہونے سے پہلے مکہ معظّمہ مقیم بن چکے ہیں، یعنی پندرہ یوم یا اس سے زیادہ قیام کی نیت کے ساتھ اتنا قیام کر چکے ہیں اور ساتھ ہی بقدرِ نصاب مال کے مالک ہیں تو عید الاضحیٰ

والی قربانی بھی آپ پر واجب ہے، ورنہ نہیں۔ (شامی ۲/۱۹۶، زبدۃ المناسک ۲/۱۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

جھوٹے حلفیہ بیان کے ذریعہ حج بدل میں جانا

سوال :① ایک آدمی نے کسی سال اپنا فرض حج ادا کیا، اس کے ایک یا دو سال کے بعد کسی آدمی نے اپنے کسی رشتہ دار کی طرف سے حج بدل کے لیے اس کو کہا، اب یہ آدمی جب حج بدل کے لیے حج کمیٹی میں درخواست دینے کے لیے گیا تو اس سے کہا گیا کہ آپ نے پچھلے پانچ سال کے اندر اندر حج کیا ہے؛ لہٰذا آپ کے لیے حج بدل میں جانا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ درخواست فارم میں ایک کالم ایسی آتی ہے جس میں آپ کو دستخط کرنی ہوتی ہے جس میں لکھا ہوا ہوتا ہے کہ: ''میں حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ میں نے پچھلے پانچ سال میں حج نہیں کیا'' جو کہ غلط بیان ہوتا ہے، اب جواب طلب امر یہ ہے کہ اس کو حج بدل میں جانا جائز ہے یا نہیں؟ کہنے والے نے یہ بھی کہا کہ آپ انٹرنیشنل پاسپورٹ سے جاسکتے ہیں؛ کیوں کہ اس میں وہ پابندی نہیں ہے جو حج کمیٹی میں ہے۔

② اگر حج بدل میں جانے والا انٹرنیشنل سے جاوے تو دس پندرہ ہزار روپیہ زیادہ ہوتا ہے، اب قابل طلب امر یہ ہے کہ اگر بھیجنے والے کے پاس اتنے پیسے کی گنجائش نہ ہو جتنا کہ انٹرنیشنل میں خرچ ہوتا ہے، اور بھیجنے والے کو اسی سال حج بدل کرانا ہو؛ کیوں کہ مرنے والے کو چھٹکارا دلانا ہے، تو اب بھیجنے والا اگر اس کو کہے کہ تم

اسی سال جاؤ، تو وہ آدمی حج بدل کو جا سکتا ہے یا نہیں؟

③ حج بدل جس کی طرف سے کرتا ہے اس پر فرض ہو یا نہ ہو، دونوں صورتوں میں کیا کریں؟ تفصیل سے جواب دیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اس طرح کذب بیانی اور جھوٹے حلفیہ بیان کے ذریعہ حج بدل میں جانا ہرگز جائز نہیں ہے، احادیث میں جھوٹی قسم پر بے شمار سخت وعیدیں آئی ہیں، اور یہ کبیرہ گناہ ہے۔

② ③ اس صورت میں بھی جائز نہیں، چاہے حج بدل فرض ہو یا نفل، اس لیے کہ بھیجنے والے کے لیے شرعاً یہ ضروری نہیں ہے کہ اسی آدمی کو بھیج کر حج بدل کرائے، اگر وہ اس طرح گیا تو مرتکب کبیرہ ہے، اور بھیجنے والے کو اس کا حال معلوم ہونے کے باوجود بھیجا تو وہ بھی گنہگار ہے، ایسے بہت سارے آدمی بھیجنے والے کو مل جائیں گے جو اس قباحت سے پاک ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ شوال ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حج بدل

سوال: اگر کوئی آدمی اپنی جیب خاص سے کسی دوسرے آدمی کے والد کی جانب سے حج بدل ادا کرے، تو جائز ہے یا نہیں؟ اس کی کیا شکل ہو سکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس صورت میں میت کو حج کا ثواب ملے گا، صورت وہی ہے جو عام طور پر حج بدل کی ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۱ھ

مرحوم کی طرف سے حج بدل

سوال: ہم سعودی عرب میں موجود ہیں ملازمت کے خاطر، اگر موقعہ ملا تو مرحوم کے نام سے حج بدل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ وجہ یہ ہے کہ مرحوم نے وصیت وغیرہ نہیں کی ہے، خاص کر والدین، اور بھائی بہن اور عورت اور بچوں کے نام سے حج بدل کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

والدین یا دیگر اعزہ میں سے جو وفات پا چکے ہیں، ان کی طرف سے آپ حج کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، چاہے انہوں نے وصیت نہ کی ہو، جن کی طرف سے آپ حج کریں گے ان کو اس حج کا ثواب ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

مرحومہ کی حج بدل کرانا

سوال: ایک شخص کا انتقال ہو گیا، وراثت تقسیم نہیں ہوئی تھی، وارث داروں میں لڑکے لڑکیاں اور عورت تھی، عورت پر حج فرض تھا، کاروبار مشترک چلتا رہا، وراثت

تقسیم نہیں ہوئی تھی، اس وقت اندازاً عورت پر فرض تھا، وصیت نہیں کی، عورت کا انتقال ہوگیا، حج فرض ذمہ باقی رہ گیا، لڑکوں نے اپنی طرف سے نفل حج کروایا، تو کیا مرحومہ کے ذمہ سے فرض اتر جائے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مرحومہ کی وصیت نہیں تھی؛ لیکن لڑکوں نے یہ سمجھ کر کہ ان پر حج فرض تھا، اُن کی طرف سے حج کرایا؛ تاکہ ان کا ذمہ بری ہو، تو ان شاء اللہ کافی ہوگا۔

في مناسك السروجي: لو مات رجل بعد وجوب الحج ولم يوص به فحج رجل عنه أو حج عن أبيه أو أمه عن حجة الإسلام من غير وصية، قال أبوحنيفة: يجزيه إن شاء الله، وبعد الوصية يجزيه من غير المشيئة اهـ(شامي ۲/۲۵۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۹/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

غیر حاج کو حجِ بدل کے لیے لے جانا

سوال: سالا (بیوی کا بھائی) بہنوئی کا قرض دار ہے، بہنوئی اپنے سالا کو اپنی ساس کے حج بدل کے لیے ساتھ لے جانا چاہتا ہے، ساس کا انتقال ہو چکا ہے جو کہ صاحبِ نصاب نہیں تھی، سالا بھی صاحب نصاب نہیں ہے، ایسی صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا بہنوئی اپنے سالا کو اپنی ساس کے حجِ بدل کے لیے ساتھ لے جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بہتر تو یہ ہے کہ حج بدل کے لیے ایسے آدمی کو بھیجا جائے جو مناسکِ حج سے بخوبی واقف ہونے کے ساتھ اپنا فریضۂ حج ادا کر چکا ہو؛ لیکن اگر ایسے آدمی کو بھیجا جس نے ابھی تک حج نہیں کیا ہے اور نہ اس پر حج فرض ہے تو درست ہے؛ البتہ مکروہِ تنزیہی ہے۔ صورت مسئولہ میں بہنوئی کا اپنے سالے کو اپنی مرحومہ ساس کے حجِ بدل میں لے جانا مکروہِ تنزیہی ہے۔ (شامی ۲/۲۴۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

زندوں کی طرف سے عمرہ

سوال: ہم مکہ میں گئے اور ٹائم بہت مل رہا ہے، تو اس دوران میں کسی کے نام کا عمرہ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ جبکہ گھر والدہ، بھائی، عورت، بچے موجود ہیں، ان کے نام سے عمرہ کرنا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

کسی کی طرف سے طواف

سوال: گھر میں کسی کے بھی نام سے طواف کعبہ کا کرنا درست ہے یا نہیں؟

ثواب ملے گا یا نہیں؟ وہ معلوم کرنا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کر سکتے ہیں، اس طواف کا ثواب ان کو مل جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

فرض حج کے ذریعہ ایصال ثواب

سوال: مسئلہ یہ پیش آیا ہے کہ ناچیز کی پھوپھی نے ماہِ ذی الحجہ میں یہ نیت کی تھی کہ میں اپنے بھتیجے خالد کو آئندہ سال اس کے والد مرحوم کے حج بدل میں بھیجوں گی (انشاء اللہ) (یہ بھی یاد رہے کہ والدِ مرحوم پر اپنی حیات میں حج فرض نہیں ہوا تھا)۔

دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ اسی سال والد مرحوم کے بھانجی داماد نے والد مرحوم کی طرف سے حج ادا کر دیا، جو انہوں نے حج کی ادائیگی کے بعد ظاہر کیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا پھوپھی کی نیت کا پورا کرنا ضروری ہے؟ یا یہ کہ پھوپھی یہ رقم ناچیز کو ہدیہ کر دیں اور ناچیز اپنا حج پڑھ لے۔ کیا اس کی گنجائش ہے؟

دراصل بات یہ ہے کہ پھوپھی یہ کہہ رہی ہے کہ میں تو اپنی نیت کے مطابق یہ رقم تیرے حوالہ ضرور کر دوں گی، اب مفتی صاحب سے یہ معلوم کر لیں کہ والد صاحب کی طرف سے حج پڑھا جائے گا یا ناچیز اپنی طرف سے پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چوں کہ آپ کے والد مرحوم پر حج فرض نہیں تھا اور نہ ہی انہوں نے اپنی طرف سے حج بدل کرانے کی کوئی وصیت کی تھی، ایسی صورت میں آپ کی پھوپھی صاحبہ کا ان کی

طرف سے ان کے بیٹے کو حج بدل کے لیے بھیجنے کا حاصل صرف اتنا ہی ہے کہ اس حج کا ثواب ان کو پہنچے؛ اس لیے اگر ان کی دی ہوئی رقم سے آپ اپنا فرض حج ادا کریں اور بعد میں اپنے اس فرض حج کا ثواب والد مرحوم کو بخش دیں تو دونوں مقصد حاصل ہو جائیں گے، فقہاء نے فرائض کا ثواب دوسروں کو پہنچانے کے درست ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۳۰/ ربیع الآخر ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مسائل منیٰ ومزدلفہ

مزدلفہ میں صبح صادق کے بعد مغرب وعشاء بہ نیت ادا پڑھنا

سوال: ① کوئی حاجی مزدلفہ میں دیر سے پہنچا یہاں تک کہ صبح صادق ہوگئی اس نے مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی نیت سے پڑھی حالاں کہ قضاء کی نیت کرنی چاہیے تھی، تو کیا اس کی نماز ہو جائے گی یا دہرانی پڑے گی؟

مزدلفہ میں دیر سے پہنچنے پر مغرب وعشاء پڑھنے سے دم نہیں

سوال: ② مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی نماز عشاء کے وقت میں پڑھنا واجب ہے وہ دیر سے پہنچنے کی وجہ سے صبح صادق سے پہلے مزدلفہ میں یہ نمازیں نہ پڑھ سکا تو کیا اس پر دم آئے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) دل میں اگر اس بات کا تعین کیا ہو کہ میں نے گذشتہ شب کی مغرب اور عشاء پڑھی تو چاہے نیت اداء کی کی ہو پھر بھی یہ نماز درست ہو جائیگی دہرانے کی ضرورت نہیں، اور اگر ایسا نہیں تو دہرانا ضروری ہے۔ (ماخوذ از عمدۃ الفقہ ۲/۷۷)

(۲) اس صورت میں دم واجب نہیں۔ (ماخوذ از بدۃ المناسک ۲/۵۰)

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/صفر ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

حکومت کا قیامِ منیٰ ومزدلفہ کے لیے حدود کے باہر خیمے گاڑنا

سوال: آج کل حاجیوں کی کثرت کی وجہ سے سعودی حکومت ہر جگہ توسیع کر رہی ہے، جیسے مسجد حرام ومسجد نبوی وغیرہ، اسی طرح منی میں بھی توسیع کی گئی ہے اور مزدلفہ کے کچھ حصہ کو منی کے حدود میں داخل کر دیا گیا ہے اور بعض حاجیوں کے خیمے بھی وہیں نصب کئے جاتے ہیں؛ لہذا درج ذیل سوالات کے جوابات مطلوب ہیں، امید ہے کہ ضرور جوابات سے نوازیں گے۔

(۱) نئے حدود منی میں ٹھہرنے والے حجاج منی میں ٹھہرنے والے شمار ہوں گے یا نہیں؟

(۲) مزدلفہ کی رات میں حجاج مزدلفہ سے خارج کردہ منی میں داخل کردہ حصہ میں قیام کریں تو کیا مزدلفہ کا قیام ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

(۳) کیا حکومت سعودیہ کو شرعاً یہ حق حاصل ہے کہ حدود منی، مزدلفہ میں کمی بیشی کرے جب کہ حدود پہلے سے متعین چلے آرہے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حج ایسی عبادت ہے جو مخصوص اوقات میں، مخصوص افعال کے ذریعہ مخصوص جگہوں میں ادا کی جاتی ہے، چناں چہ اس کی صحتِ اداء کے شرائط میں مکان اور زمان کو بھی شمار کیا گیا ہے۔

عالمگیری میں ہے: أما شرائط صحة ادائه فثلاثة:الإحرام، والمكان، والزمان. (۱/۲۱۹)

''غنیۃ الناسک'' میں ہے: واما شرائط صحة الأداء فتسعة: الاسلام، والإحرام، والزمان، والمكان، والتمييز، والعقل الخ(ص:۱۳)

آگے مکان والی شرط کی وضاحت وتفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والمكان: المسجد للطواف ولو سطحه، والمسعى للسعي، وعرفات للوقوف، ومزدلفة للجمع والمبيت والوقوف، ومنى للرمي، والحرم للذبح، فلا يصح شئ من افعاله فى غير مااختص به من المكان. (ص۱٤)

چناں چہ حج کے تمام اعمال ومناسک (چاہے وہ رکن اور واجب ہوں یا سنت ہوں) میں سے جس کے لیے جو جگہ مخصوص کی گئی ہے اس کے علاوہ میں انجام دینے سے ادا نہیں ہوں گے۔

مناسک ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ میں ہے: فلا يصح شئ من افعاله أي من اعمال الحج ركنا أو واجبا أو سنة فى غير ما اختص به أي من اماكنها.

(ارشاد الساری إلى مناسك الملا على القاری:ص٤٢)

''عمدۃ الفقہ'' کتاب الحج میں ہے: ''چوتھی شرط حج کی جگہ کا ہونا ہے، یعنی وقوف، رمی، حلق اور ذبح وغیرہ میں سے ہر ایک کا اس کی متعین جگہ میں کرنا صحت اداء کے لیے

شرط ہے، اور مسجد الحرام طواف کے لیے متعین جگہ ہے؛ اگر چہ اس کی چھت پر ہو، اور سعی کے لیے مسعیٰ (صفاومروہ کی درمیانی جگہ) متعین ہے، اور وقوف کے لیے عرفات متعین ہے اور سب حاجیوں کے عرفات سے روانہ ہوکر جمع ہونے اور رات گذارنے اور پھر وقوف کرنے کے لیے مزدلفہ متعین ہے، اور رمی جمار کے لیے منی اور ہدی وغیرہ کے ذبح کے لیے حدود حرم متعین ہیں، پس اگر کوئی شخص حج کے اعمال میں سے کوئی عمل خواہ وہ رکن (فرض) ہو یا واجب یا سنت ہو اس کی خاص مقررہ جگہ کے علاوہ دوسری جگہ کرے گا تو وہ عمل صحیح نہیں ہوگا۔ (ص ۶۱)

حرم، منی، عرفات اور مزدلفہ وغیرہ مقامات جہاں اعمال ومناسک حج ادا کئے جاتے ہیں اور صحت اداء کے لیے شرط ہیں، ان کے حدود اربعہ بھی کتب مناسک اور کتب فقہ میں بیان کئے جاتے ہیں، اور ان کو بیان کرنے کا مقصد یہی ہے کہ ان مقامات کے یہ حدود متعین ومعلوم ہیں، ان میں تغیر وتبدل کی اجازت اور امکان نہیں، بیان حدود کے سلسلہ میں چند کتابوں کے حوالجات پیش ہیں، تفصیل کے لیے مراجعت فرمالیں۔

حدود عرفات: ارشاد الساری إلی مناسك الملا علی القاری: ص ۱۴۰، ۱۴۱ غنیة الناسك فی بغیة المناسك: ۸۴ زبدة المناسك: ۱/۱۳۸ هدایة السالك إلی المذاهب الاربعة فی المناسك: ۳/۱۰۶ عمدة الفقه کتاب الحج: ص ۲۲۳

حدود مزدلفہ: ارشاد الساری: ص ۱۴۷ غنیة الناسك: ص ۸۹ هدایة السالك: ۳/۱۴۷ زبدة المناسك: ۱/۱۵۶ عمدة الفقه کتاب الحج: ص ۲۳۰

حدود منی: ارشاد الساری: ص ۱۴۹ غنیة الناسك: ص ۹۱،۹۰ هدایة

السالك: ٣/٩٧٦ زبدة:١٧٩،١٧٨/١

مصنف زبدۃ المناسک حضرت مولانا شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے منی کے حدود تفصیل سے بیان کرنے کے بعد ایک تنبیہ فرمائی ہے، اس میں تحریر فرماتے ہیں: ''اور چوں کہ حاجیوں کو منی میں رہنا سنت ہے، ان کو بھی چاہیے کہ جن جبلوں کا جو سامنا طرف منی میں داخل ہے اگر ان پر چڑھ کر قیام کریں تو بھی سنت ادا ہو جائے گی، اس طرح اور کام جو منی کی حد میں کرنے ہیں، واجب ہوں یا سنت وغیرہ وہ بھی اس حد کے اندر کرنا چاہیے، جبلوں کی پیٹھ کی طرف جو منی سے خارج شمار کیا گیا ہے وہاں قیام نہ کریں، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ بہت سے لوگ عقبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف پہاڑیوں پر خیمہ لگائے یا ایسے پڑے رہتے ہیں ان کی یہ سنت وغیرہ ادا نہیں ہوتی۔ الخ (زبدۃ:١/١٧٩، ١٨٠)

الحاصل: عرفات، منی اور مزدلفہ کے حدود میں کمی بیشی یا توسیع کرنے کا اختیار وجواز سعودیہ حکومت یا کسی فرد اور جماعت کو حاصل نہیں ہے؛ البتہ آپ نے سوال کے الفاظ میں تسامح سے کام لیا ہے، اس لیے کہ سعودی حکومت نے بعض حجاج کرام کے خیمے جو حدود منی میں ہونے چاہیے وہ حدود مزدلفہ میں لگائے ہیں؛ لیکن منی اور مزدلفہ کے حدود میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے، اس لیے کہ منی اور مزدلفہ کے حدود پر دلالت کرنے والے نشانات اور بورڈ پہلے جہاں نصب تھے وہیں برقرار ہیں، ان میں کوئی تصرف وتبدل نہیں کیا، اس لیے اس بنیاد پر جو سوالات آپ نے قائم فرمائے ہیں درست نہیں ہیں، پھر بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ جن حجاج کرام کے خیمے منی سے باہر مزدلفہ کے حدود میں قائم کئے گئے ہیں وہ حضرات ان خیموں میں قیام کرنے کی وجہ سے منی

میں قیام جوسنت ہے (آٹھویں ذوالحجہ کی فجر کے بعد سے نویں ذوالحجہ کی فجر کے بعد تک اور دسویں ذوالحجہ کے طلوع آفتاب سے لے کر نفر اول یا نفر ثانی تک) اس کے ادا کرنے والے قرار دیے جائیں گے یا نہیں؟ تو اس کا جواب صاف ہے کہ صورت مسئولہ میں یہ تمام سنن ترک ہوجاتی ہیں جن کے چھوڑنے کی وجہ سے اگرچہ کوئی جزاء یعنی دم یا صدقہ تو لازم نہیں آتا؛ لیکن ان کا چھوڑنا نہایت برا اور مکروہ ہے، اور ان سنن کے ثواب سے محرومی کا سبب ہے، خصوصاً گیارہویں اور بارہویں ذوالحجہ کی رات میں منیٰ کا قیام جو اگرچہ حنفیہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے؛ لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک تو واجب ہے، اور وہ اختلافی مسائل جن میں دیگر حضرات ائمہ وجوب کے قائل ہوں احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی رعایت کی جائے، اس لیے سعودی حکومت کا یہ اقدام درست نہیں ہے، اس پر احتجاج کر کے اس کی اصلاح ضروری ہے، خصوصاً جب کہ ان خیموں میں جنوبی ایشیا (ہندو پاک و بنگلہ دیش وغیرہ) کے حجاج کو ٹھہرایا جاتا ہے تو اس علاقہ کے اہل علم اور ذمہ دار حضرات کو چاہیے کہ اس سلسلہ میں سعودی وزارت حج کے ذمہ داروں سے گفتگو کریں۔

جو لوگ دسویں ذوالحجہ کی رات میں ان خیموں میں قیام کریں گے اور وہیں مغرب وعشاء کی نماز ایک ساتھ ادا کریں گے؛ نیز فجر غلس میں ادا کریں گے؛ نیز فجر غلس میں ادا فرما کر وہاں وقوف فرمائیں گے تو مزدلفہ کے قیام کی یہ سنتیں اور واجب ادا ہوئے سمجھے جائیں گے؛ اس لیے کہ یہ حصہ مزدلفہ میں داخل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ صفر ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

منیٰ کے مکہ مکرمہ میں شامل ہونے پر دو مسئلوں کا حل

ندائے شاہی کے حج وزیارت نمبر جنوری، فروری ۲۰۰۱ء کے صفحہ ۱۷۲ تا ۱۷۶، ارسال فرما کر سائل نے کچھ مسائل دریافت کیے ہیں، اولاً ندائے شاہی کا مضمون پیش خدمت ہے، اس کے بعد سائل کے سوالات اور جوابات پیش کیے جائیں گے۔

حج کے ارکان ومناسک کے بارے میں بعض نئے فتاویٰ

سفر حج کے بارے میں نئے دور میں کچھ نئے مسائل سامنے آئے ہیں، جن کے متعلق برصغیر کے معتبر علماء ومفتیان نے غور وفکر کر کے احکامات متعین کیے ہیں، ان کا جاننا حنفی حجاج کے لیے بہت ضروری ہے تاکہ پرانی لکھی ہوئی مناسک حج کی کتابوں اور رسائل سے مغالطہ نہ پیش آئے، اس طرح کے مسائل کو نمبر وار تحریر کیا جارہا ہے۔

منیٰ کا مکہ معظّمہ میں شامل ہونا:

پرانی سب کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ مکہ معظّمہ اور منیٰ دونوں الگ الگ جگہیں ہیں؛ لیکن اس وقت مکہ مکرمہ کی آبادی منیٰ سے بالکل متصل ہوچکی ہے اور ان دونوں جگہوں کی میونسپلٹی بھی ایک ہے۔ مکہ معظّمہ کا بڑا اسپتال بھی خاص منیٰ کے حدود میں قائم ہے۔ جو سال بھر کھلا رہتا ہے۔ نیز رابطہ عالم اسلامی کا دفتر بھی منیٰ میں واقع ہے؛ اس لیے اب منیٰ پر بھی مکہ مکرمہ کے احکامات جاری کیے جائیں گے اور اس کو مکہ معظّمہ میں شامل کرنے کے حکم سے حجاج کرام کے درج ذیل مسائل وابستہ ہوں گے:

نمبر ۱: جو شخص ذی الحجہ کی نو تاریخ سے پہلے پہلے تک پندرہ دن مکہ مکرمہ میں مقیم ہو تو اس کو نماز پوری پڑھنی ہوگی، پہلے اس سلسلہ میں آٹھویں تاریخ کا اعتبار تھا، اب

نویں تاریخ کا اعتبار ہوگا، کیوں کہ اسی دن منیٰ سے عرفات جانا ہوتا ہے۔

نمبر ۲: جو شخص پہلے سے مقیم نہ ہو اور اسے دس ذی الحجہ سے آگے پندرہ روز یا اس سے زیادہ تک مکہ مکرمہ میں رہنا ہے تو وہ منیٰ ہی میں دس تاریخ کو ظہر کے وقت سے مقیم شمار ہوگا، اور اسے نمازیں پوری ادا کرنی ہونگی۔

نمبر ۳: جب ایسا حاجی جو پہلے سے مقیم ہو یا آئندہ پندرہ دن رہنے کے ارادے سے مقیم ہو گیا ہو، تو دس ذی الحجہ کو اقامت کی حالت میں رہنے کی وجہ سے اس کے ذمہ مالی قربانی (جو صاحب نصاب اور مقیم ہونے سے واجب ہوتی ہے یہ حج کے دم شکر کے علاوہ ہے) بھی واجب ہو جائے گی (اگر چہ اس مالی قربانی کو حدود حرم ہی میں ذبح کرنا واجب نہیں ہے بلکہ اپنے وطن میں بھی ذبح کرایا جا سکتا ہے اور اگر ایسے مقیم نے ایام نحر میں مالی قربانی نہ کی تو بعد میں قربانی کی قیمت کا صدقہ واجب ہے) مذکورہ تین مسائل کے سلسلے میں موسم حج ۱۴۲۰ھ ہندو پاک کے اکابر مفتیان نے درج ذیل فتویٰ کی تصدیق کی جس کا متن یہ ہے:

اقامت وقصر حاجی، منیٰ کی تحدید وآبادی، مسافر کی قربانی:

استفتاء: ① کیا منیٰ مکہ مکرمہ میں داخل ہے یا خارج؟

② کیا منیٰ میں حاجی کو قصر کرنا ہے یا پوری نماز ہوگی؟

③ حاجی پر مالی قربانی کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب مبسملا ومحمدلاً ومصلیاً ومسلما: ① ② عام کتب فقہ میں یہ تحریر ہے کہ اگر کوئی شخص مکہ مکرمہ میں پہنچا اور ۸/ ذی الحجہ تک اس کے پندرہ روز نہیں بنتے تو اس کو قصر نماز ادا کرنی ہوگی، کیوں کہ ۸/ تاریخ کو اس کو ہر حال میں مکہ مکرمہ چھوڑنا ہے؛

لہٰذا اس کا پندرہ روز قیام کی نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب منیٰ مکہ مکرمہ سے علاحدہ تھا۔ اب صورت حال یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کی آبادی منیٰ سے بھی متجاوز ہو چکی ہے، اور منیٰ مکہ مکرمہ کا ایک محلہ ہے، جیسا کہ مقامی حضرات سے تحقیق کرنے سے اور مشاہدہ سے معلوم ہوا اور دونوں کی بلدیہ بھی ایک ہے۔ لہٰذا اب ۸ / تاریخ نہیں بلکہ ۹ / کا اعتبار ہوگا۔ نیز اگر حج سے قبل مسافر ہے اور حج کے بعد یعنی ۹ / ذی الحجہ کے بعد اس کو پندرہ روز مکہ مکرمہ رہنا ہے تو ۱۰ / ذی الحجہ کو ظہر کی نماز سے مقیم ہوگا اور نمازیں پوری ادا کرنا ہوں گی۔ اور جو پہلے سے مقیم ہے وہ تو ہر حال میں منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں نماز پوری ادا کرے گا کیوں کہ عند الاحناف قصر سفر کی وجہ سے ہے نہ کہ حج کی وجہ سے۔

③ جب حاجی ۱۰ / ذی الحجہ کو مقیم ہو گیا تو دیگر شرائط پوری ہونے پر اس کے ذمہ مالی قربانی بھی واجب ہوگی، اور پہلے اگر مال نہیں تھا ایام نحر میں مال آ گیا اور بقدر نصاب ہے تو قربانی واجب ہوتی ہے۔ اس پر حولان حول شرط نہیں ہے، اور اگر آخری دن مال آ گیا، پہلے مسافر تھا آخری دن مقیم ہو گیا اور قربانی نہیں کی، تو بعد گذرنے ایام نحر کے اس پر قربانی کی قیمت کا تصدق واجب ہے، اور درمیانی درجہ کے بکرے کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ فقط واللہ أعلم بالصواب۔

کتبہ شیر محمد علوی، دار الافتاء جامعہ اشرفیہ لاہور

تصدیق مفتیان کرام واردین مدرسہ صولتیہ مکہ معظّمہ موسم حج ۳ / ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۰۰۰ء نزیل مکہ معظّمہ

① محمد فاروق غفرلہ، جامعہ محمودیہ علی پور ہاپوڑ روڈ میرٹھ، نزیل مکہ مکرمہ

(۲) مشرف علی تھانوی، دار العلوم الاسلامیہ کامران بلاک اقبال ٹاون لاہور، نزیل مکہ مکرمہ
(۳) العبد احمد خانپوری، مفتی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات انڈیا، ۲۲/۱۲/۱۴۲۰ھ
(۴) مبین احمد غفرلہ، خادم جامعہ عربیہ خادم الاسلام ہاپوڑ ۱۹/ذی الحجہ ۱۴۲۰ھ نزیل مکہ مکرمہ
(۵) شبیر احمد عفی اللہ عنہ، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مراد آباد، یوپی، انڈیا، نزیل مکہ مکرمہ ۲۰/۱۲/۱۴۲۰ھ
(۶) احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ، مفتی مدرسہ شاہی مراد آباد، نزیل مکہ المکرمۃ ۲۱/۱۲/۱۴۲۰ھ
(۷) رئیس الدین غفرلہ، مدرس جامعہ مظاہر علوم وقف سہارنپور، یوپی، انڈیا۔
(۸) رشید احمد غفرلہ، خادم دار الافتاء دار العلوم عبدیہ ہتھین ضلع: فرید آباد، انڈیا۔

منیٰ میں نماز جمعہ کا قیام:

نمبر (۴): منیٰ کے مکہ معظّمہ میں شامل ہونے سے چوتھا مسئلہ یہ متعلق ہے کہ اگر منیٰ کے ایام (۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳/ذی الحجہ) میں جمعہ کا دن پڑ جائے تو وہاں جمعہ قائم کرنا ضروری ہوگا اگر مسجد میں نماز جمعہ قائم نہ ہو تو خیموں میں الگ الگ جماعتوں کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھی جائے گی؛ اس لیے کہ یہ بھی مکمل شہر کے درجہ میں ہو چکا ہے۔ حجاج کرام اس کا خاص خیال رکھیں۔

قربانی کی مشکلات:

نمبر (۵) حج ۱۴۱۹ھ تک عام لوگوں کو قربانی میں کوئی زیادہ پریشانی پیش نہ آتی

تھی؛ اس لیے کہ منیٰ کے اخیر میں مزدلفہ کے بالکل ابتدائی حصہ میں ایک بہت بڑی قربان گاہ قائم تھی جس میں لوگ جاتے اور وہیں جانور خرید کر اسی احاطے میں ذبح کر کے آجاتے تھے، اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے یا کرانے میں کوئی مشکل نہ تھی۔

لیکن موسم حج ۱۴۲۰ھ سے حکومت نے مزدلفہ کی اس قربان گاہ کو بالکل ختم کر دیا، اور اس جگہ پر حجاج کے خیمے لگا دیے گئے اور منیٰ سے بالکل الگ کئی کلومیٹر کے فاصلے پر پہاڑوں سے راستے نکال کر ''المعیصیم'' کے نام سے بڑے اور چھوٹے جانوروں کی الگ الگ جدید سہولیات سے آراستہ قربان گاہیں تعمیر کی ہیں، جن میں ذبح، صفائی ستھرائی اور پھر جانور کو کولڈ اسٹور میں رکھ کر فوری طور پر گوشت غریب ممالک میں بھیجنے کا انتظام ہے۔ بلاشبہ یہ ایک عظیم منصوبہ ہے؛ لیکن حنفی حجاج کو اس میں یہ مشکل پیش آئی کہ اب ان جدید قربان گاہوں میں کوئی آدمی اپنی مرضی سے خرید وفروخت کر کے خود آسانی سے ذبح نہیں کر سکتا، زیادہ تر قربان گاہوں میں وکالت کا انتظام ہے، اور اس کا کچھ پتہ نہیں کہ جانور کس وقت ذبح ہوگا، اور جن چند قربان گاہوں میں اپنے ہاتھ سے ذبح کی اجازت ہے ان میں بھی پہلے لائن لگا کر ٹوکن خریدنا پڑتا ہے پھر اجازت ملنے پر اندر جاتے ہیں اس میں بھی کافی تاخیر اور دقت پیش آتی ہے، جو ایک ناواقف آدمی اور بالخصوص خواتین اور ضعفاء، کے لیے تو انتہائی مشکل ہے۔ اس نئی صورت حال میں حنفی حجاج کے لیے رمی، قربانی اور حلق کے درمیان ترتیب قائم رکھنا بہت مشکل ہوتا جا رہا ہے، حکومت سعودیہ کا پورا زور اس پر ہے کہ لوگ قربانی خود اپنے ہاتھ سے کرنے کے بجائے بینکوں سے قربانی کے ٹوکن خرید لیں اور مطمئن ہو جائیں، اسی طرح کی مشکلات کے مداوا کے لیے ''ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ العلماء ہند''

کے چھٹے فقہی اجتماع منعقدہ ۱۶ تا ۱۸ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ میں حنفی حجاج کو سہولت دیتے ہوئے یہ تجویز منظور کی گئی:

''متمتع اور قارن کے لیے رمی، ذبح اور حلق کے درمیان امام اعظم رحمۃ اللہ کے قول پر جو مفتی بہ ہے ترتیب لازم ہے، اس کے ترک سے دم واجب ہوجاتا ہے۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک یہ ترتیب سنت ہے اس کے ترک پر دم لازم نہیں ہے۔ آج کل حجاج ازدحام یا دیگر پریشان کن اعذار کے پیش نظر اگر ترتیب قائم نہ رکھ سکیں تو صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر عمل کی گنجائش ہے''۔

اس تجویز کا مقصود یہ ہے کہ اولاً تو پوری کوشش یہ کی جائے کہ ترتیب قائم رہے، خواہ اس کے لیے کچھ وقت ہی اٹھانی پڑے؛ لیکن اگر کوشش کے باوجود ترتیب باقی رہنے کی کوئی شکل نہ رہے تو صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے دم واجب نہ ہوگا۔

حج بدل میں تمتع:

⑥ جو شخص دوسرے کی طرف سے حج بدل کرے اصل حکم اس کے لیے یہی ہے کہ اس کا حج میقاتی ہونا چاہیے۔ یعنی میقات ہی سے آمر کی طرف سے احرام باندھے، پہلے زمانے میں اس کی بہتر شکل یہ تھی کہ لوگ حج سے پہلے مدینہ منورہ کے ارادے سے سفر کرتے اور حج کے قریب ذوالحلیفہ سے احرام باندھ کر آمر کی طرف سے حج کرلیا کرتے تھے؛ لیکن اس دور میں حاجیوں کے لیے براہ راست مدینہ جانا کارے دارد ہے اور بہت مشکل سے سیدھے مدینہ جانے کی اجازت ملتی ہے؛ نیز حج کمیٹی یا گروپ سے جانے والے اپنی مرضی کے مالک بھی نہیں ہوتے بلکہ مقررہ نظام کی پابندی ان کے لیے ناگزیر ہوتی ہے ایسی صورت میں اگر حج بدل کے لیے حج میقاتی کو ضروری

قرار دیا جائے تو احرام کی مدت طویل ہونے کی وجہ سے نہ صرف مشکل پیش آتی ہے بلکہ بے احتیاطی کا بھی خطرہ رہتا ہے؛ اس لیے ادارۃ المباحث الفقہیہ کے مذکورہ اجتماع میں حج بدل کرنے والوں کو آمر کی اجازت سے حج تمتع کرنے کے جواز کا بھی فتویٰ دیا گیا ہے۔

تجویز کا متن حسب ذیل ہے:

''حج بدل کا اصل حکم تو یہی ہے کہ مامور حج افراد کرے؛ لیکن اگر آمر یا وصی تمتع کی اجازت دے دے تو تمتع بھی درست ہے، البتہ دم تمتع مامور اپنے مال سے ادا کرے الا یہ کہ آمر دم تمتع ادا کرنے کی بھی اجازت دیدے، خواہ یہ اجازت صراحۃً ہو یا دلالۃً، لہٰذا اس فیصلے سے معلوم ہوگیا کہ اگر حج پر بھیجنے والا شخص جانے والے کو تمتع کی اجازت دیدے تو تمتع کرنے سے بھی حج بدل ادا ہوجائے گا، اور اس وقت عام حجاج کو حج تمتع کرنے کا مشورہ دیا جاتا ہے؛ اس لیے کہ یہی آسان اور احوط ہے''۔

حالت حیض میں طواف زیارت:

⑦ ایک اور مسئلہ خاص طور پر خواتین سے متعلق ہے، وہ یہ کہ اگر ایام نحر میں کسی عورت کو ناپاکی کی بنا پر طواف زیارت کا موقع نہ مل سکے اور بعد میں اس کے اتنے روز ٹھہرنے کا بھی نظم نہ ہو کہ وہ پاک ہونے کے بعد طواف زیارت کر کے وطن لوٹ سکے اور ایسی ناگزیر شکل سامنے آجائے کہ پاکی کے ساتھ اس سفر میں طواف کا موقع ہی نہ رہے۔ تو اس میں جو شرعی گنجائش فقہاء نے دی ہے اس بارے میں بھی مذکورہ فقہی اجتماع نے مندرجہ ذیل تجویز بکمال احتیاط منظور کی:

''اگر طواف زیارت سے قبل کسی عورت کو حیض آجائے تو اس پر ایسی تدبیر اختیار

کرنا ضروری ہے جس سے وہ پاک ہونے کے بعد طواف زیارت کرکے ہی مکہ مکرمہ سے واپس ہوسکے، جیسے ٹکٹ اور ویزے کی تاریخ بڑھانا۔ یا حج کمیٹی سے روانگی کو موخر کرانا وغیرہ، اور اگر کوئی ایسی صورت ممکن نہ ہوسکے اور دوبارہ وطن سے واپسی بھی مشکل ہو اور وہ حالت حیض ہی میں طواف زیارت کرلے تو اگرچہ وہ گنہگار ہوگی؛ لیکن اس کا یہ طواف زیارت شرعاً معتبر ہوجائے گا، اور وہ پوری طرح حلال ہوجائے گی؛ مگر اس پر ایک بدنہ یعنی بڑے جانور کی قربانی جنایت میں لازم ہوگی، اور اگر قربانی نہیں کی جاسکی اور وہ کسی بھی موقع پر طواف زیارت کا اعادہ کرلے تو بدنہ کا وجوب اس سے ساقط ہوجائیگا''۔

ایام منیٰ میں مزدلفہ میں قیام:

منیٰ کی حدود شرعاً متعین ہیں، جہاں حکومت سعودیہ نے بڑے بڑے نیلے بورڈ لگا رکھے ہیں؛ لیکن موسم حج ۱۴۲۰ھ سے حکومت نے خیموں کی پلاننگ زیادہ محفوظ طریقہ پر کرنے کے لیے خیموں کا سلسلہ منیٰ کے اندر تک محدود نہ رکھ کر مزدلفہ کے کافی حصہ تک وسیع کردیا ہے۔ مزدلفہ میں بنے ہوئے ان خیموں میں ہزار ہا ہزار حاجیوں کے ٹھہرنے کا انتظام ہے، اب اس صورت حال میں منیٰ میں رات گذارنے کی جو خاص سنت ہے وہ متروک ہورہی ہے؛ اس لیے مزدلفہ میں ٹھہرنے والے حجاج اگر بسہولت منیٰ کے حدود میں انتظام کرسکیں تو فبہا ورنہ اگر مزدلفہ میں ہی رہنا پڑے، جیسا کہ عام حجاج کا حال ہے تو اس کی وجہ سے ان پر کوئی دم وغیرہ لازم نہیں ہے اور حکومتی نظام کی مجبوری کی وجہ سے انشاء اللہ وہ ترک سنت کے گنہگار بھی نہ ہوں گے، اور یہاں ٹھہرنے والے حضرات اگر عرفات سے لوٹ کر مزدلفہ کے حدود میں اپنے بنے ہوئے خیموں

میں آکر رات گزاریں تو ان کا وقوف مزدلفہ کا عمل متحقق ہوجائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

محترم المقام حضرت مولانا مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

بحمد اللہ خیریت سے ہوں اور حضرت کی خیر وعافیت کا طالب ہوں۔

غرض تحریر ایں کہ ماہنامہ ''ندائے شاہی'' نے حج نمبر میں حج کے متعلق بعض نئے فتاوی شائع کیے ہیں جن کی فوٹو کاپی ارسال خدمت ہے، حضرت کے نزدیک یہ جوابات صحیح ہوں تو تصدیق فرمادیں، بصورت دیگر آپ کے نزدیک جو جوابات صحیح ہوں وہ تحریر فرمادیں۔

اگر مرسلہ فتاویٰ صحیح ہیں اور منی مکہ مکرمہ میں شامل ہے، تو دو مسئلہ کی مزید تحقیق مطلوب ہے:

سوال: ① تیرہویں کی صبح صادق منی میں ہوجائے تو تیرہویں کی رمی واجب ہے، اب جب کہ منی مکہ مکرمہ میں شامل ہے تو تیرہویں کی رمی کا مسئلہ کیا ہوگا، اگر تیرہویں کی صبح صادق منی میں ہوجائے تو منی اور مکہ مکرمہ ایک شہر ہونے کی وجہ سے رمی کا وجوب رہے گا؟

② منی میں قیام سنت ہے اب منی اور مکہ مکرمہ ایک ہونے کی وجہ سے کوئی شخص بجائے منی جانے کے مکہ مکرمہ ہی میں قیام کرکے وہیں سے عرفات ومزدلفہ ہوآئے تو تارک سنت کہلائے گا یا نہیں؟

طالب دعا: مرغوب احمد لاجپوری

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے ماہنامہ (ندائے شاہی کے حج وزیارت نمبر جنوری، فروری ۲۰۰۱ء) کے صفحہ ۱۷۲ تا ۱۷۶ کی زیروکس ارسال فرمائی ہے۔ جس میں مفتی محمد سلمان منصور پوری صاحب زید مجدہم کا ایک مضمون حج کے ارکان ومناسک کے بارے میں بعض نئے فتاوی کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس میں مذکور تمام ہی مسائل سے اتفاق کرتے ہوئے ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

منیٰ کے باعتبار آبادی مکہ مکرمہ میں شامل ہونے کے فیصلہ اور فتویٰ کی وجہ سے جن مسائل پر اثر پڑتا ہے ان کی تفصیلی وضاحت اسی مضمون میں کردی گئی ہے۔ اس فیصلہ کی نسبت سے آپ نے جو سوال قائم فرمائے ہیں اس کی ضرورت نہیں؛ اس لیے کہ حج ایک ایسی عبادت ہے جو مخصوص اوقات میں مخصوص افعال کے ذریعہ مخصوص جگہوں میں ادا کی جاتی ہے؛ چناں چہ اس کی صحت ادا کے شرائط میں مکان اور زمان کو بھی شمار کیا گیا ہے۔

''عالمگیری'' میں ہے: اما شرائط صحة ادائه فثلاثة: الاحرام، و المكان، والزمان (۱/ ۲۱۹)

''غنیۃ الناسک'' میں ہے: واما شرائط صحة الاداء فتسعة: الاسلام، والاحرام، و الزمان، والمكان، والتمييز، والعقل. (ص۱۳)

آگے مکان والی شرط کی وضاحت وتفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والمكان المسجد للطواف و لو سطحه، و المسعى للسعي، و عرفات للوقوف، و مزدلفة للجمع، و المبيت والوقوف و منى للرمى، وا لحرم

للذبح، فلا یصح شیء من افعاله فی غیرما اختص به من المکان (ص۱۴)

چناں چہ حج کے تمام اعمال ومناسک (چاہے وہ رکن اور واجب ہوں یا سنت ہوں) میں سے جس کے لیے جو جگہ مخصوص کی گئی ہے اس کے علاوہ میں انجام دینے سے ادا نہیں ہوں گے۔

''مناسک ملا علی قاری'' میں ہے: فلا یصح شئ من افعاله ای من اعمال الحج رکنا او واجباً او سنة فی غیرما اختص به ای من اماکنها (ارشاد الساری الی مناسك الملا علی القاری: ۴۲)

''عمدۃ الفقہ'' کتاب الحج میں ہے: چوتھی شرط حج کی جگہ کا ہونا ہے، یعنی وقوف، رمی، حلق اور ذبح وغیرہ میں سے ہر ایک کا اس کی متعین جگہ میں کرنا صحتِ اداء کے لیے شرط ہے، اور مسجد الحرام طواف کے لیے متعین جگہ ہے اگر چہ اس کی چھت پر ہو۔ اور سعی کے لیے مسعی (صفا اور مروہ کے درمیان کی جگہ) متعین ہے، اور وقوف کے لیے عرفات متعین ہے، اور سب حاجیوں کے عرفات سے روانہ ہو کر جمع ہونے اور رات گذارنے اور پھر وقوف کرنے کے لیے مزدلفہ متعین ہے، اور رمی جمار کے لیے منیٰ، اور ہدی وغیرہ کے ذبح کے لیے حدود حرم متعین ہے۔ پس اگر کوئی شخص حج کے اعمال میں سے کوئی عمل خواہ وہ رکن (فرض) ہو یا واجب یا سنت ہو اس کی خاص جگہ کے علاوہ دوسری جگہ کرے گا تو وہ عمل صحیح نہ ہوگا۔ (ص۶۱)

حرم، منیٰ، عرفات اور مزدلفہ وغیرہ مقامات جہاں اعمال ومناسک حج ادا کیے جاتے ہیں اور صحت ادا کے لیے شرط ہیں۔ ان کے حدود اربعہ بھی کتب مناسک اور کتب فقہ میں بیان کیے جاتے ہیں، اور ان کو بیان کرنے کا مقصد یہی ہے کہ ان

مقامات کے یہ حدود معلوم ومتعین ہیں ان میں تغیر وتبدل کی اجازت اور امکان نہیں۔ بیان حدود کے سلسلہ میں چند کتابوں کے حوالجات پیش ہیں۔ تفصیل کے لیے مراجعت فرمالیں۔

حدود عرفات: ارشاد الساری إلی مناسك الملا علی القاری: ص۱٤۰، ۱٤۱ غنیة الناسك فی بغیة المناسك:۸٤ زبدة المناسك:۱/۱۳۸ هدایة السالك إلی المذاهب الاربعة فی المناسك:۳/۱۰٦ عمدة الفقه کتاب الحج: ص۲۲۳

حدود مزدلفہ: ارشاد الساری:ص۱٤۷ غنیة الناسك:ص۸۹ هدایة السالك:۳/۱٤۷ زبدة المناسك:۱/۱۵٦ عمدة الفقه کتاب الحج: ص۲۳۰

حدود منیٰ: ارشاد الساری:ص۱٤۹ غنیة الناسك:ص۹۱،۹۰ هدایة السالك: ۳/۹۷٦ زبدة:۱/۱۷۸،۱۷۹

مصنف ''زبدۃ المناسک'' حضرت مولانا شیر محمد صاحب نے منیٰ کے حدود کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد ایک تنبیہ فرمائی ہے، اس میں تحریر فرماتے ہیں اور چوں کہ حاجیوں کو منیٰ میں رہنا سنت ہے۔ ان کو بھی چاہیے کہ جن جبلوں کا جو سامنا طرف منیٰ میں داخل ہے، اگر ان پر چڑھ کر قیام کریں تو بھی سنت ادا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اور کام جو منیٰ کی حد میں کرنے ہیں واجب ہوں یا سنت وغیرہ وہ بھی اس حد کے اندر کرنا چاہیے، جبلوں کے پیٹھ کی طرف جو منیٰ سے خارج شمار کیا گیا ہے وہاں قیام نہ کریں۔ میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا ہے کہ بہت سے لوگ عقبہ سے مکہ مکرمہ کی طرف پہاڑیوں پر خیمہ لگائے یا ایسے بھی پڑے رہتے ہیں ان کی یہ سنت وغیرہ ادا نہیں ہوتی۔

(زبدۃ ۱/۱۷۹، ۱۸۰)

اب آپ کے اٹھائے ہوئے سوالات کے جواب عرض ہیں:

① باعتبار آبادی منیٰ کے مکہ مکرمہ سے متصل ہونے کے نتیجہ میں منیٰ کو مکہ مکرمہ کا ایک حصہ قرار دینے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ مکہ مکرمہ پر منیٰ کا حکم جاری کر دیا جائے۔ تیرھویں کی صبح اگر منیٰ میں ہو جائے تو حاجی پر اس دن کی رمی واجب ہوگی؛ لیکن حدود منیٰ سے باہر مکہ مکرمہ کے کسی اور حصہ میں تیرھویں کی صبح ہونے سے رمی واجب نہیں ہوگی۔

② آٹھویں ذی الحجہ اور ایام رمی میں منیٰ میں قیام سنت ہے، وہ سنت اسی وقت ادا ہوگی جب کہ وہ اوپر ذکر کردہ حدود منیٰ میں قیام کرے۔ منیٰ کو باعتبار آبادی کے مکہ مکرمہ میں شامل کر لینے کی وجہ سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ منیٰ کے علاوہ مکہ مکرمہ کے کسی اور حصہ میں قیام کرنے سے وہ سنت ادا ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/۷/ ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

متفرقات حج

ماءِ زمزم کا فر کو دینا

سوال: زمزم کا پانی غیر مسلم کو پینے کے لیے دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دے سکتے ہیں۔ (کتاب الفتاویٰ ۴/ ۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

کافر کو زمزم کا پانی دے سکتے ہیں

سوال: کافر کو کھجور اور زمزم (اس کی طلب پر باعتقاد متبرکاً) پلا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

احرام کی چادر کو کیا کرے؟

سوال: احرام کی چادروں کو اب گھر آ کر کیا کریں؟ آدمی اپنے کفن کے لیے رکھنا چاہتا ہے کیا حکم ہے؟ یا پھر اسے صدقہ کرنا چاہیے، افضل کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کفن کے لیے بھی رکھ سکتا ہے، دوسرے کام میں بھی لا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ صفر ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

طواف کے ذریعہ ایصال ثواب

سوال: ① ایک عورت ہے وہ حج کو جا رہی ہے اور اس کا خاوند انتقال کر چکا ہے، وہ عورت چاہ رہی ہے کہ ہم اپنے خاوند کی جانب سے طواف کریں، یا یہ کہ وہ عورت دوسری شادی کر چکی ہے تو وہ پہلے خاوند کے لیے طواف کر سکتی ہے یا نہیں؟

② عورت مرد کی جانب سے طواف کر سکتی ہے کہ نہیں؟ اگر کر سکتی ہے تو ذی رحم

محرم، محرم اور غیر محرم؛ اِن سب کے لیے کر سکتی ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے لیے خاص ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② عورت طواف کر کے اس کا ثواب کسی مردہ یا زندہ مرد یا عورت کو پہنچا سکتی ہے۔

الأصل أن كل من أتىٰ بعبادة ماله جعل ثوابها لغيره إلخ (درمختار) (قوله بعبادة ما) أي سواء كانت صلاة أو صوما أو صدقة أو قراءة أو ذكرا أو طوافا أو حجا أو عمرة أو غير ذلك إلخ .....(قوله لغيره) أي: من الأحياء والأموات عن البدائع إلخ (شامي ۲/۲۰۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲ رشوال ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ٹی وی پر حج دیکھنا اور سیکھنا

سوال: ٹی وی پر حج کا پروگرام دیکھنا یا ٹی وی کے ذریعہ حج سیکھنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ٹی وی لہو ولعب کا آلہ ہونے کی وجہ سے حج جیسے اسلام کے ایک عظیم رکن کا پروگرام اس پر دیکھنا یا اس کو سیکھنے کے لیے ٹی وی کا استعمال کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اُملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

خدمتِ حجاج کے لیے جانے والوں پر بھی احرام لازم ہے

سوال: مَیں ایک بار حج وعمرہ کر چکا ہوں، اب میرے چچا حج وعمرہ ٹور لے جاتے ہیں، حاجیوں کی خدمت کے لیے ٹور میں مجھ کو لے جانا چاہتے ہیں؛ لیکن میرے لیے مجبوری یہ ہے کہ وہاں پر ارکانِ حج کی ادائیگی میں دھوپ کی وجہ سے میں سخت بیمار پڑ جاتا ہوں، میرا بدن دھوپ سے جل کر زخمی ہو جاتا ہے، اس وقت میرے جسم کی چمڑی کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ لوگ مجھ سے گھن کر کے بھاگتے ہیں، اب اگر میں وہاں جاؤں اور حج وعمرہ نہ کروں بلکہ کیمپ میں رہ کر فقط حاجیوں کی خدمت کروں، تو امید ہے کہ اس صورت میں دھوپ سے احتیاط کر کے حاجیوں کی خدمت انجام دے سکوں گا ان شاء اللہ؛ ورنہ ارکان حج کی ادائیگی کے ساتھ خدمتِ حجاج میرے لیے مشکل ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ: مندرجۂ بالا مذکورہ صورت میں اپنے چچا کے ساتھ فقط حاجیوں کی خدمت کے لیے جاؤں اور بغیر حج کا احرام باندھے اور بغیر حج وعمرہ کیے حاجیوں کی خدمت کر کے وطن واپس آجاؤں، تو میرے لیے یہ جائز ہے؟ جو بھی صورت میرے لیے مناسب ہو ارشاد فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ حاجیوں کی خدمت کے لیے جانا چاہتے ہیں تو ظاہر ہے کہ مکۂ مکرمہ کے ارادے سے آپ کا سفر ہوگا، اور مسئلہ یہ ہے کہ کوئی آفاقی (میقات سے باہر رہنے والا) شخص اگر مکۂ مکرمہ میں داخل ہونے کے ارادے سے نکلا، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ میقات پر حج یا عمرے کا احرام باندھ کر آگے بڑھے، اگر بغیر احرام

کے میقات سے گزرے گا تو گنہگار ہوگا اور اس پر دم بھی واجب ہوگا؛ اس لیے آپ جب ہندوستان سے مکۂ مکرمہ کے سفر کے ارادہ سے چلیں تو عمرہ کا احرام (میقات یا اس سے پہلے) باندھ کر جائیں، اور وہاں جا کر عمرہ کے افعال (طواف، سعی، حلق) ادا کر کے احرام کھول دیں، اس کے بعد آپ مکۂ مکرمہ میں بغیر احرام قیام کرنا چاہیں یہاں تک کہ ایامِ حج آنے پر حج کا احرام نہ بھی باندھیں اور منیٰ، عرفات، مزدلفہ میں حجاج کی خدمت کی غرض سے ان کے ساتھ رہیں، تو کوئی حرج نہیں ہے۔ مطلب کہ یہاں سے مکۂ مکرمہ جاتے وقت تو کم از کم عمرہ کا احرام باندھنا ہی پڑے گا، بغیر احرام کے مکۂ مکرمہ میں داخل ہوں یہ جائز نہیں ہے۔ (شامی ۲/۱۶۷)

خدمتِ حجاج کے دوران آپ کا مکۂ مکرمہ سے مدینۂ منورہ جانا ہوا، اب اگر دوبارہ وہاں سے مکۂ مکرمہ آنا چاہتے ہیں تو اس صورت میں بھی احرام باندھ کر آنا پڑے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۶/رجب ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

حج کے لیے چندہ کرنا

سوال: اپنے کچھ متعلقین سے امداد و تعاون لے کر مثل چندہ کر کے حج کو جانا جائز ہے یا ناجائز؟ جس شکل میں درست ہو تحریر فرماویں۔ کیا زکوۃ کے پیسے سے جا سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چندہ کرنا یہ سوال کی ایک صورت ہے، جو اپنی ذات کے لیے جائز نہیں ہے؛ اس

لیے اس طرح رقم حاصل کر کے سفر حج میں جانا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

كتاب النكاح

اولاد کی رضامندی کے بغیر رشتہ طے کرنا شرعاً کیسا ہے؟

سوال: زید کی منگنی ان کے دادا بکر نے عائشہ بنت خالد سے طے کی، زید کی والدہ فاطمہ کو اس منگنی سے بے خبر رکھا گیا، زید کو لڑکی بھی دکھلا دی گئی مگر زید کی مرضی نہیں معلوم کی گئی، زید کی والدہ پر منگنی کے متعلق مبارک بادی کا فون آیا تب اسے علم ہوا، نیز زید کی والدہ اس منگنی سے راضی نہیں، بالجبر منگنی طے ہوئی ہے، فریق ثانی میں عائشہ کو بھی منگنی کا پتہ نہیں تھا، اس سے بھی اس کے والدین نے منگنی کو پوشیدہ رکھا؛ البتہ عائشہ کے والدین راضی تھے، عائشہ کی والدہ کو کسی نے پوچھا کہ کیا عائشہ کو منگنی کا علم ہے؟ تو اس کی والدہ نے کہا کہ عائشہ کو بتانے کی کیا ضرورت ہے؟ زید کے والد عمران کے والد بکر کے کہنے سے راضی ہو گئے ہیں، زید اور گھر کے دیگر افراد کو جب منگنی کا علم ہوا تو تعجب میں پڑ گئے؛ لہٰذا مذکورہ مسئلہ کے بارے میں شرعی رہنمائی فرما کر ممنون کریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"قد تقرر عندنا من سبر طريق الشارع ان كل أمر يقوم بجماعة يراعى فيه حال الطرفين، والأحاديث فيه ترد فى الجانبين وذلك هو الاصلح لإقامة النظم، فالصواب فى هذه المواضع أن تجمع أحاديث الطرفين ويوخذ المراد من مجموعها ومن يقصر نظره على حديث الجانب الواحد فإنه لايدرك من مراد الشارع الاشطرا منه".

صاحب شریعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریق کار پر غور وفکر کے نتیجہ میں جو بات

ہمارے نزدیک ثابت ہوئی وہ یہ ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کا تعلق ایک جماعت یعنی چند افراد سے ہو ایسے معاملہ میں دونوں جانب کی حالت کا خیال رکھا جاتا ہے، اور احادیث اس سلسلہ میں دونوں فریق کی رہنمائی کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، اور نظم ونسق کو قائم رکھنے کے لیے یہی طریق کار موزوں اور مناسب ہے؛ اس لیے ایسے مواقع پر صحیح طریقہ یہ ہے کہ دونوں طرف کی احادیث کو پیش نظر رکھا جائے اور دونوں کے مجموعہ کو سامنے رکھ کر صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد سمجھنے کی کوشش کی جائے، جو آدمی صرف ایک طرف کی احادیث کو پیش نظر رکھے گا وہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم کی آدھی مراد پا سکے گا۔
(فیض الباری ۴/ ۲۸۴)

آگے چل کر حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اس کی چند مثالیں پیش فرمائی ہیں۔ اسی سلسلہ میں فرماتے ہیں: "فاعلم ان الاحادیث فی امر النکاح ایضا وردت بالوجھین" الخ نکاح کے معاملہ میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان کا تعلق دونوں گروہ یعنی اولیاء اور ماتحتوں سے ہے جہاں ایک طرف ماتحتوں کو اولیاء کی اطاعت اور فرماں برداری کا حکم دیا گیا، وہاں دوسری طرف اولیاء کو بھی ماتحتوں کے جذبات واحساسات کا خیال رکھنے کی تاکید کی گئی۔

صورت مسئولہ میں دادا نے پوتے کا رشتہ طے کرتے ہوئے پوتے اور اس کی والدہ کی مرضی معلوم نہیں کی اور اپنے طور پر اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے یہ رشتہ طے کر دیا جس پر خود لڑکا جس کا رشتہ طے کیا گیا ہے راضی نہیں اور اس کی والدہ بھی اس رشتہ کے لیے تیار نہیں، اب اگر ان دونوں کی یہ ناراضگی اس لیے ہے کہ جہاں رشتہ طے کیا گیا ہے اس میں ان کے خیال سے شرعی طور پر نقص ہے یا لڑکے کو لڑکی کی

پسند نہیں تو اس صورت میں دادا کو چاہیے کہ ان کے جذبات کی رعایت کرتے ہوئے اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے۔ بخاری شریف میں واقعہ ہے کہ ایک خاتون خنساء بنت حزام رضی اللہ عنہا کا نکاح ان کے والد نے ان کی اجازت لیے بغیر کر دیا، انہیں وہ ناگوار ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آکر شکایت کی تو آپ نے وہ نکاح کالعدم قرار دے دیا۔

(معاشرتی مسائل ص:۵۶)

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑکی کے جذبات کی اتنی رعایت کی جس کے اختیار میں نکاح کے بعد طلاق کا حق بھی نہیں رہتا تو لڑکے کے جذبات کی رعایت بطریقِ اولیٰ کرنی چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں کوئی ناگوار صورت پیش آئے۔

اور اگر جہاں رشتہ طے کیا گیا ہے ان میں شرعی طور پر کوئی قابل اعتراض چیز نہیں اور ناپسند بھی نہیں، صرف اس لیے مخالفت کی جارہی ہو کہ ہم کو کیوں نہیں پوچھا گیا؟ تو لڑکے اور ان کی والدہ کا یہ رویہ شرعاً قابل مذمت ہے، ان کو چاہیے کہ اپنے بڑوں کے فیصلہ کو سر چڑھا کر مان لیں، اسی میں اللہ کی طرف سے خیر ڈالی جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲/۲/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

رشتۂ نکاح میں اولاد کی رضامندی کا خیال رکھنا

سوال: اللہ رب العزت نے شریعت محمدی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اسوۂ حسنہ کے ذریعہ تمام مسلمانوں پر یہ حکم نافذ کر دیا کہ لڑکے یا لڑکی کی اجازت لیے بغیر نکاح

نہیں کیا جاسکتا لیکن آج بھی کئی والدین اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ کیا وہ اپنی اولادوں کا بُرا کریں گے اور نکاح سے قبل اپنی اولاد سے اجازت لینا بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور کبھی کبھی ایسے واقعات رونما ہو رہے ہیں کہ اولاد نہ چاہتے ہوئے بھی نکاح کے وقت ایسے رشتے کے لیے ہاں کہنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ جب رشتہ طے پاتا ہے تو اس وقت ان کی رائے لی ہی نہیں جاتی اور رشتہ طے کر لیا جاتا ہے اور نکاح کے وقت خاندان اور معاشرت میں اپنی عزت کے لیے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہاں کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں تو کیا ایسا نکاح جس میں طرفین میں سے کوئی ایک راضی نہ ہو اور مجبوری اور عزت کے خاطر ایسے نکاح کو ہاں کہہ دے تو کیا یہ جائز ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعت نے جس طرح اولاد کے ذمہ والدین کے حقوق رکھے ہیں اسی طرح والدین کے ذمہ اولاد کے حقوق بھی رکھے ہیں اور جو بھی ان حقوق کو نظر انداز کرے گا اس کا خمیازہ اس کو بھگتنا ہوگا مثلاً شادی کے معاملہ میں اولاد کی رضامندی لازم ہے اگر والدین کسی غیر مناسب جگہ رشتہ تجویز کریں تو اولاد کو انکار کا حق ہے اور اگر وہ اپنی ناگواری کے باوجود محض والدین کی رضاجوئی اور آپ کے احترام کی بنا پر قبول کر لیں اور پھر نباہ کر دکھاویں تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظیم اجر کا مستحق ہے لیکن اگر وہ قبول نہ کرے تو والدین کو اس پر جبر کرنے کا کوئی حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۴ر شوال ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

لڑکی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرنا

سوال: اور اگر ایسے نکاح میں لڑکا یا لڑکی کسی لڑکے یا لڑکی کی بدچلنی اور آوارگی کی وجہ سے اس کو پسند نہ کرے تو کیا ایسا نکاح جائز ہوگا خاص طور سے لڑکی (جب کہ لڑکا اپنی رائے کا کھل کر اظہار کرسکتا ہے) جب اپنے والدین کے زبردستی کیے ہوئے ایسے لڑکے کے رشتے کو جس کے عادات واطوار بھی مشکوک ہو لیکن والدین کے نزدیک اپنی جماعت کا غلط عادات واطوار کا لڑکا کسی دوسری جماعت یا ذات کے بہترین لڑکے کے مقابلے میں اولویت رکھتا ہو تو کیا ایسا نکاح جائز ہوگا اور لڑکی ایسے نکاح میں اپنی رضامندی دینے سے انکار کردے تو سماج اور معاشرے میں اس کا کیا مقام ہوگا اور کیا وہ اپنے ماں باپ کی بات ٹھکرانے کے لیے خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں گنہگار بھی ہوگی اور نکاح کے بعد بھی لڑکے کے عادات واطوار میں کوئی تبدیلی نہ آئے اور لڑکی کو بیوٹی پارلر وغیرہ میں جانے کے لیے مجبور کرے تو لڑکی کو نکاح کے بعد کیا اختیار حاصل رہے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

والدین کو حکم ہے کہ وہ شادی کرتے وقت اولاد کے جذبات اور خواہش کو ترجیح دیں عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح کو قبول کرنا ضروری ہے بغیر اس کے نکاح نہیں ہوتا اگر لڑکی نے نکاح کی اجازت بھی نہیں دی اور نکاح ہونے کے بعد اس کو مسترد کردیا تو یہ نکاح نہیں ہوا البتہ نکاح کے بعد اگر لڑکی نے اس نکاح کو مسترد نہیں کیا تھا بلکہ خاموش رہی تھی اور پھر جب لڑکی کو رخصت کیا گیا تو وہ چپ چاپ رخصت ہوگئی اور جس شخص سے اس کا نکاح کیا گیا تھا اس کو میاں بیوں کے تعلق کی اجازت دے دی تو اس کا مطلب

یہ ہوگا کہ اس نے والدین کے کیے ہوئے نکاح کو عملاً قبول کرلیا لہٰذا نکاح صحیح ہوگیا اور اب اس کو کوئی اختیار حاصل نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۴ رشوال ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

جس لڑکی سے شادی کا ارادہ ہو اس کو دیکھنا

سوال: ایک شخص نکاح کی بات چیت چلانے سے پہلے لڑکی کو دیکھنا چاہتا ہے، اور چوں کہ وہ لڑکی ہمیشہ باپردہ رہتی ہے اس لیے دیکھنے کی کوئی اور صورت نہیں، تو کیا وہ شخص باقاعدہ طور پر اس لڑکی کے گھر جا کر اس لڑکی کو دیکھ سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعت میں اجنبی مرد کا عورت کو دیکھنا منع ہے، اس کے باوجود نکاح سے (بلکہ پیام دینے سے) قبل مرد کو اجازت دی گئی کہ جس عورت سے شادی کا ارادہ ہے اگر چاہے تو اس کو دیکھ سکتا ہے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إذا خطب أحدكم المرأة فإن استطاع أن ينظر إلى ما يدعوه إلى نكاحها فليفعل'' (یعنی) جب تم کسی عورت کو نکاح کا پیغام دو (یا دینا چاہو) تو اگر یہ ممکن ہو کہ اس کے وہ اوصاف دیکھ سکو جو نکاح میں مطلوب ہیں تو ضرور ایسا کرلو۔ (ابوداؤد شریف)

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر ایک عورت کو پیغام دینے کا ارادہ ظاہر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلے جا کر دیکھ لو؛ کیوں کہ اس سے تعلقات کے پائیدار ہونے میں بہت مدد ملے گی، میں اس عورت کے گھر گیا اور اس کے

والدین کو پیغام دیا، اس کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کا مشورہ سنایا، اس سے ان دونوں کو کچھ ناگواری سی ہوئی؛ لیکن اس عورت نے پردہ کے پیچھے سے یہ بات سن لی، اس نے کہا کہ اگر اللہ کے رسول ﷺ نے تمہیں دیکھنے کا حکم دیا ہے تو ضرور دیکھو؛ ورنہ سمجھ لو (کہ بہت بری بات ہوگی) چناں چہ دیکھ کر شادی کی، چناں چہ وہ تعلقات بہت اچھے رہنے کا ذکر کیا کرتے تھے۔ (ابن ماجہ شریف)

جمہور علماء کہتے ہیں کہ مخطوبہ کو دیکھنے میں کوئی حرج نہیں؛ مگر چہرہ اور ہتھیلیوں کے علاوہ کچھ اور نہ دیکھے، اس میں عورت کی اجازت بھی ضروری نہیں۔ (معاشرتی مسائل) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جس لڑکی سے شادی کا ارادہ ہو اس کو کون کون دیکھ سکتا ہے؟

سوال: زید کے گھر والے زید کے نکاح کی بات چلانے سے پہلے اس کو، اس کے والد اور بھائیوں؛ نیز چچا، ماموں وغیرہ کو لڑکی دکھانا چاہتے ہیں؛ لہٰذا شریعت مطہرہ میں کس حد تک اجازت ہے؟ اور کس کے لیے دیکھنا جائز ہے؟ (خیال رہے کہ لڑکی باپردہ رہتی ہے) نیز رشتہ طے ہونے کے بعد مذکورہ بالا لوگوں میں سے کن لوگوں کو لڑکی دیکھنے کی اجازت ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو آدمی نکاح کرنا چاہتا ہے صرف اسی کو دیکھنے کی اجازت ہے، اس کے علاوہ اس کے گھر کے دوسرے مرد لڑکی کو نہیں دیکھ سکتے؛ البتہ اگر عورتیں دیکھنا چاہیں تو دیکھ

سکتی ہیں، رشتہ طے ہونے کے بعد بھی (نکاح سے قبل) ان لوگوں کو دیکھنے کی اجازت نہیں؛ البتہ نکاح کے بعد زید کا باپ یعنی لڑکی کا خسر دیکھ سکتا ہے، بھائی، ماموں، چچا نہیں دیکھ سکتے کہ یہ تمام نامحرم ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کم سے کم مہر

سوال: کم سے کم مہر باعتبارِ چاندی کے کتنے تولہ چاندی سے رائج ہوتی ہے؟ اور اس زمانہ میں ہندوستان کے رائج سکہ کے حساب سے مہر کتنے روپے ہوتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورت کے مہر کی کم سے کم مقدار جو حنفیہ کے نزدیک دس درہم ہے، دو تولہ ساڑھے سات ماشہ چاندی ہے۔ (جواہر الفقہ ۱/ ۴۲۳، ۴۲۴)

جدید وزن کے اعتبار سے احتیاطی طور پر بتیس گرام ہوگی، چوں کہ چاندی کے بھاؤ میں روزانہ کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، اس لیے جس روز مہر مقرر کیا جارہا ہے اس روز بازار سے بھاؤ معلوم کرکے بتیس گرام چاندی کا جو بھاؤ ہو وہ مقرر فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ ذوالقعدہ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مہر کی مقدار کتنی ہے؟

سوال: مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار کتنی ہوسکتی ہے؟ اگر لڑکے والے مالدار

ہوں، ادائیگی پر قدرت بھی رکھتے ہوں، تو ایسی صورت میں کس حد تک شرعی جواز ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مطلوب ہے، بعض حضرات مہر کی قدر سے زیادتی پر علماء کو نشانہ بناتے ہیں، کس حد تک درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مہر کی کم از کم تعداد دس درہم (تقریباً دو تولے، ساڑھے سات ماشہ چاندی) ہے، اور زیادہ مہر کی کوئی تعداد مقرر نہیں، حسبِ حیثیتِ طرفین جس قدر چاہیں اور وسعت سمجھیں مقرر کر سکتے ہیں۔

درمختار میں ہے: أقله عشرة دراهم لحديث البيهقي وغيره، لا مهر أقل من عشرة دراهم الخ (درمختار على هامش الشامي ۲/ ۳۵۷)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو بطور مہر ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی، یعنی پانچ سو درہم جس کی مقدار ایک سو اکتیس تولہ تین ماشہ چاندی بنتی ہے دیا ہے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر بھی اتنا ہی تھا، اس لیے اس مقدار کو "مہر فاطمی" بھی کہا جاتا ہے، اگر زیادہ مہر مقرر کرنے والے میں ادائیگی کی حیثیت ہے اور یہ زیادتی فخر ومباہات کے طور پر نہیں ہے تو شرعاً اس کی اجازت ہے، کوئی حرج نہیں؛ البتہ محض نام آوری اور شہرت کے لیے حیثیت سے زیادہ مقرر کرنا شرعاً پسندیدہ نہیں؛ بلکہ مذموم اور برا ہے، خصوصاً معاف کرانے یا نہ دینے کی نیت ہو تو بہت ہی برا ہے۔ (ماخوذ از فتاوی محمودیہ کراچی ۱۲/ ۲۸، ۴۶، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۵/ ۱۵۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ صفر ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کم از کم مہر اور مہر فاطمی کی مقدار

سوال :① زید کا نکاح خالدہ ڈھائی سو یا تین یا ساڑھے تین روپیہ رائج الوقت کو مہر بنا کر کیا گیا، تو کیا یہ صحیح ہے؟ حنفیہ کے نزدیک دس درہم سے کم میں نکاح نہیں ہوگا، تو دس درہم کے کتنے تولے چاندی کے بنتے ہیں؟ اور اس کی کیا قیمت ہوگی؟ سکہ رائج الوقت یعنی فی الحال جو روپیہ ہندوستان میں چلتا ہے اس کو اگر مہر میں دیا جائے تو کم از کم کتنا؟

② مہر فاطمی کی مقدار اور فی زماننا اس کی کتنی قیمت ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① دس درہم موجودہ حساب سے بتیس گرام چاندی ہوتی ہے، جس روز نکاح ہو رہا ہے اس روز بازار میں چاندی کا نرخ معلوم کر لیا جائے، سکہ رائج الوقت کی جو مقدار بطور مہر مقرر کی جا رہی ہے اگر اس سے بتیس گرام چاندی خریدی جا سکتی ہے تو یہ تعیین درست ہوگی، ورنہ اتنی کمی پوری کر لی جائے گی۔

② مہر فاطمی پانچ سو درہم ہے موجودہ حساب سے ایک ہزار پانچ سو اکتیس (۱۵۳۱) گرام چاندی ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ رذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مہر فاطمی کی مقدار

سوال: مہر فاطمی جدید وزن کے حساب سے کتنے گرام سونا یا چاندی ہوگی؟ نیز

یہ بھی وضاحت فرمائیں کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوقیہ یا مثقال کے حساب سے کتنا رکھا تھا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

احسن الفتاویٰ میں ہے: حضرت فاطمہ کے مہر کے بارے میں دو روایتیں ہیں: ایک ۴۸۰ درہم ۲۹۶، ۶۳، اکلو چاندی۔ دوسری روایت ۴۰۰ مثقال: ۹۴۴، اکلو چاندی۔ مقدار اول متعدد روایتِ حدیث وسیرت سے ثابت ہے، اور دوسری روایت صرف سیرتِ خمیس کی ہے، لہٰذا مقدار اول راجح ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۵/ ۳۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مہر کے ساتھ دینار شرعی دینا

سوال: کسی عورت کا مہر پانچ سو روپئے اور دو دینار شرعی ہو، تو شریعت میں دو دینار شرعی کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ معافی کے درجہ میں ہے یا اس کو ادا کرنا ضروری ہے؟ اگر ادا کیا جاوے تو اس کی کیا صورت ہے؟ مع دلائل اس مسئلے کو واضح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بوقت عقد جب مہر متعین کیا گیا ہے، اور اس میں پانچ سو روپئے کے ساتھ دو دینار شرعی کو بھی رکھا گیا ہے، تو اس کی ادائیگی ضروری ہے۔

ویجب الأکثر منها إن سمی الأکثر (درمختار) (قوله: ویجب الأکثر) أی بالغا ما بلغ (شامی ۲/ ۳۵۸)

دو دینار شرعی کی مقدار ہندوستانی وزن کے اعتبار سے نو ماشہ سونا ہوتی ہے۔
(جواہر الفقہ ۳/۴۱۶ کراچی)

اس لیے شوہر کو چاہیے کہ وہ اپنی عورت کو مہر کے طور پر پانچ سو روپیوں کے ساتھ نو ماشہ سونا یا اس کی قیمت ادا کرے، ایک تولہ بارہ ماشہ کا ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بوقت نکاح کمیٹی کا مقدار مہر مقرر کرنا

سوال: (۱) آپ کی خدمت میں عرض کرنا ہے کہ ہماری جماعت میں نکاح کے وقت لڑکی کا مہر ۳۵۰/ روپیہ جماعت نے جنرل میٹنگ میں طے کیا ہوا ہے، ہر غریب، امیر لڑکے کو یہی مہر دینا ہوتا ہے تب ہی جماعت کے قاضی صاحب نکاح پڑھاتے ہیں، ساتھ ہی اگر کوئی صاحب کسی اور قاضی صاحب سے نکاح پڑھوانا چاہتے ہیں تو ان کو اجازت دی جاتی ہے، جماعت کے ہر طبقہ کے لوگوں کی مالی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے مہر صرف جماعت بھائیوں کے لیے طے کرنا شرعاً مناسب ہے؟

(۲) دیکھا دیکھی اور صرف اپنی آن اور بڑائی جتلانے یا شرما شرمی میں نکاح کے وقت زیادہ رقم لکھا کر ادا نہ کرے اور آخرت کا گناہ گار بنے، اس چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے اس وقت کے مطابق جماعت کے لوگ مل کر صرف جماعت کے لوگوں کے لیے مہر کی کوئی رقم طے کر سکتے ہیں؟ یا کم سے کم اتنی اور زیادہ سے زیادہ اتنی رقم، درمیان کی رقم اپنی خاندانی حیثیت کے مطابق طے کرلیں، ایسا قانون (ترغیبی حیثیت سے، نہ

کہ ڈنڈ کی حیثیت سے) جماعت بنا سکتی ہے؟

③ ہمارے یہاں پہلے کے دستور میں قاضی صاحب نکاح میں ہمیں جہاں تک یاد ہے یوں فرماتے تھے: مہر فاطمی ۵۰ / ۱۲۷ روپئے مہر کے بدل فلاں کی پوتی.....

ممکن ہے کہ اس وقت مہر فاطمی چاندی، دینار کی رقم ۵۰ / ۱۲۷ سے زیادہ ہو تو کیا ابھی وہ رقم ادا کرنی پڑے گی اور کتنی رقم ادا کرنی پڑے گی؟ اگر بیوی نے معاف کر دیا ہو تو کوئی مسئلہ پیش آتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①② شریعت کے مقرر کردہ اصول وضوابط اور طریقہ کے مطابق جب کوئی عورت اپنی ذات کو بحیثیت بیوی کسی مرد کے حوالے کرتی ہے اور اس کے معاوضہ میں جو رقم اس عورت کو دی جاتی ہے اس کو شریعت کی اصطلاح میں مہر کہا جاتا ہے، یہ شریعت کی طرف سے عورت کو دیا گیا ایک حق ہے جس کی ادائیگی شوہر کے ذمہ ضروری ہے، اسلام میں مہر کی کم سے کم مقدار ہمارے حنفی مسلک کے مطابق دس درہم ہے، اس سے کم مہر مقرر کرنا درست نہیں، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "لا مهر من اقل عشرة دراهم" (یعنی دس درہم سے کم مہر درست نہیں) عصر حاضر کے اعشاری وزن کے مطابق یہ مقدار اکتیس (۳۱) گرام چاندی سے کچھ زیادہ ہوتی ہے، اس لیے مہر میں کم سے کم بتیس (۳۲) گرام چاندی یا اس کی قیمت مقرر کرنا ضروری ہے۔

مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار شریعت نے مقرر نہیں کی ہے، اس لیے زیادہ مہر جتنی بھی مقرر کرنا چاہے کر سکتے ہیں؛ البتہ اس کے لیے شوہر کا اس کی ادائیگی پر قادر

ہونا ضروری ہے؛ اس لیے کہ جو آدمی نکاح کے وقت مہر ادا نہ کرنے کے ارادہ سے زیادہ مہر مقرر کرے یا اپنی بڑائی ظاہر کرنے کے لیے بڑا مہر باندھے؛ حالاں کہ اس کو معلوم ہے کہ وہ کبھی یہ مقدار ادا نہیں کر سکے گا تو ایسے مہر پر نکاح تو درست ہو جائے گا مگر وہ آدمی گنہ گار بنے گا، بعض روایتوں میں ہے کہ کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ نکاح کرے اور اس کا ارادہ مہر ادا کرنے کا نہیں ہے اور پھر وہ مہر ادا کئے بغیر ہی انتقال کر جائے تو ایسا شخص قیامت کے دن زانی کی شکل میں اللہ کے حضور پیش کیا جائے گا، اس لیے بہت بڑی مقدار میں مہر مقرر کرنے کا لالچ چھوڑ دینا چاہیے، یہ کوئی بڑائی یا عزت کی چیز نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ کے اندر شریعت کی اس روح کو نہایت عمدہ انداز میں بیان فرمایا: ''کان کھول کر سن لو! عورتوں کے مہر زیادہ نہ باندھا کرو، اگر یہ دنیا میں اعزاز کی بات یا اللہ کے نزدیک پسندیدہ بات ہوتی تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ایسا کرتے''۔ (مشکوۃ ۲۷۷)

آگے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ ''میرے علم کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کا مہر بارہ (۱۲) اوقیہ چاندی سے زیادہ نہیں تھا''۔

(مشکوۃ ۲۷۷)

اسی موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار کے لیے ایک حد مقرر کرنے کا اپنا ارادہ ظاہر فرمایا لیکن ایک عورت نے اس کے خلاف قرآن پاک کی ایک آیت سے دلیل پکڑی، تو حضرت رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ ارادہ ترک فرما دیا۔ (مرقاۃ ۶/۲۴۶)

اور لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق زیادہ مہر مقرر کرنے کی اجازت دے دی۔

(احکام القرآن ۲/۱۹۸)

اسی لیے علماء نے لکھا ہے کہ بڑا مہر باندھنا اگرچہ جائز ہے لیکن پسندیدہ نہیں، حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بہترین عورتیں وہ ہیں جن کا مہر آسان ہو۔

(احکام القرآن ۲/ ۱۹۸ بحوالہ تفسیر مظہری)

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ لوگوں کو بڑا مہر باندھنے سے روکنے کے لیے کسی حاکم یا جماعت یا برادری کے ذمہ داروں کا زیادہ سے زیادہ مہر کے لیے کسی مقدار کو طے (فکس) کرنا درست نہیں، فتاویٰ محمودیہ میں ہے کہ: ''حیثیت سے زیادہ مہر مقرر کرنا شرعاً پسندیدہ نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منع فرمایا ہے؛ لیکن کسی فرد کو کسی جماعت کو یہ حق نہیں ہے کہ سب برادری کے لیے مہر کی کوئی خاص مقدار مقرر کردے کہ اس سے کمی زیادتی کی اجازت ہی نہ رہے، اور ہر شخص خواہی نخواہی اسی مقدار پر مجبور ہوجائے''۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/ ۲۴۶)

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسے سوال کے جواب میں جس میں پوچھا گیا ہے کہ برادری کی کمیٹی نے مہر کے لیے ایک رقم مقرر (فکس) کردی ہے، اس سے کم وبیش کرنے نہیں دیتے تو کیا کمیٹی کا یہ فیصلہ درست ہے؟ فرماتے ہیں کہ ''برادری کی کمیٹی کا یہ فیصلہ غلط ہے، حق مہر میں بیوی وشوہر کی حیثیت کو ملحوظ رکھے.....مہر چوں کہ بیوی کا حق ہے؛ اس لیے برادری کے لوگ اس کی مقدار مقرر کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتے''۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۵/ ۱۵۳)

البتہ اگر معاشرہ میں نام آوری اور شہرت کے خاطر بڑا بڑا مہر باندھنے کا رواج ہوجائے اور اس کی ادائیگی کا اہتمام نہ کیا جائے، اور اس قباحت سے روکنے کے لیے برادری کے ذمہ دار مہر کی کوئی مقدار مقرر کرکے اس کے مطابق عمل کے لیے صرف

اپیل کریں اور ترغیبی پہلو سے لوگوں کو آمادہ کریں، اور اس کے خلاف کرنے والے پر کوئی تادیبی کاروائی (یعنی ڈنڈیا مقاطعہ یا برادری کی طرف سے دی جانے والی خدمات سے محروم کردینے وغیرہ) نہ کرے تو اس کی گنجائش ہے، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''البتہ برادری کے لوگوں کو مناسب مہر مقرر کرنے کی اپیل کرنی چاہیے''۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۵/ ۱۵۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطبے کے جو الفاظ اوپر آچکے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کے لیے مہر کی جو مقدار مقرر فرمائی تھی وہ معتدل اور مناسب ہے، موجودہ زمانے کے وزن کے حساب سے وہ مقدار ''۱۵۳۱'' گرام چاندی ہوتی ہے، اس لیے اگر کمیٹی بطور مشورہ کسی مقدار کی طرف ترغیب دینا چاہتی ہے تو یہ مقدار مناسب ہے، یہ یاد رہے کہ ۵۰۰/ درہم مہر جو عام طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کے لیے مقرر فرمایا تھا، اسی کو ''مہر فاطمی'' سے بھی جانا جاتا ہے، اُس زمانے میں عام طور پر پانچ درہم میں ایک بکری آجاتی تھی گویا ۵۰۰/ درہم سو بکریوں کی قیمت ہے، آج کل ایک بکری کا بازاری بھاؤ سامنے رکھ کر اندازہ لگالیں کہ یہ مقدار کتنی ہوتی ہے؟ آپ نے ۳۵۰/ روپئے جو فکس کئے ہیں اس سے تو بکری کا پانچ کلو گوشت بھی نہیں آتا۔

حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی دامت برکاتہم لکھتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز عمل سے جس طرح یہ بات معلوم ہوئی کہ مہر کی مقدار اتنی زیادہ نہیں مقرر کرنی چاہیے کہ ادا کرنا ہی مشکل ہوجائے، اسی طرح یہ بھی پتہ چلا کہ مہر اتنا کم بھی نہ ہونا چاہیے کہ جس سے عورت کی بے وقعتی؛ بلکہ بے قیمتی کا احساس ہونے لگے، اس بارے میں بھی

اکثر لوگ افراط اور تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں کہ یا تو اتنا زیادہ مہر مقرر کرنا باعث فخر سمجھتے ہیں جس کا ادا کرنا مشکل ہی نہیں؛ بلکہ بسا اوقات محال ہوتا ہے، یا اتنی کم مقدار بعض برادریوں اور خاندانوں کے لوگ مقرر کرتے ہیں کہ سن کر ہنسی آجائے اور عورت کی کھلی توہین محسوس ہو، شریعت نے اس سلسلہ میں بھی اعتدال کی راہ پسند فرمائی اور اس پر چلنا بہتر بتایا کہ وہ نہ بہت زیادہ ہو، اور نہ عورت کی حیثیت سے اتنا کم ہو کہ اسے ہم چشموں میں سبکسار ہونا پڑے، اُس زمانے میں قوتِ خرید کے لحاظ سے درہم کی جو مالی حیثیت تھی کہ پانچ درہم میں عموماً ایک اچھی بکری آجاتی تھی، اس کے اعتبار سے پانچ سو درہم کی خاصی مالیت ہوئی۔ (معاشرتی مسائل دین فطرت کی روشنی میں ۵۲، ۵۳)

نیز یہ پہلو بھی مدنظر رہے کہ نکاح کرنے والوں کے مختلف اوصاف وکمالات (علم، ہنر، اخلاق، حسن، عمر وغیرہ) کی وجہ سے بھی مہر کی مقدار میں کمی بیشی ہونے کی بات فقہانے کتابوں میں صاف صاف لکھی ہے، چناں چہ جہاں مہر مثل پر بحث کرتے ہیں وہاں لکھا ہے کہ عمر، جمال، مال، شہر، زمانہ، عقل ہوشیاری، دین داری، علم، پاک دامنی، ادب، اخلاق وغیرہ امور کی وجہ سے مہروں میں فرق آتا ہے۔ (درالمختار، شامی ۲/ ۳۸۵)

اس لیے مشورہ دینے والی صورت میں بھی کوئی ایک ہی مقدار متعین کر کے ایک ہی ڈنڈے سے سب کو ہنکالنا شریعت کی منشاء اور عقل دونوں کے خلاف ہے۔

بہر حال سارے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ مناسب تو یہی ہے کہ کمیٹی مہر کی کوئی مقدار مقرر (فکس) نہ کرے اور بطور مشورہ اور اپیل کوئی مقدار مقرر کرنا چاہتی بھی ہے تو اس میں تمام امور کا خیال رکھا جائے، اور مختلف حیثیتوں سے مختلف مقداریں تجویز کر کے مشورہ دیا جائے اور اس میں بھی یہ بات یاد رہے کہ جو لوگ اس پر عمل نہ کریں

ان کے خلاف کوئی تادیبی کاروائی نہ کی جائے؛ البتہ کسی کے متعلق عام رجحان اور گمان یہ ہو کہ مہر کی جو زیادہ مقدار اس نے مقرر کی ہے اس کی ادائیگی پر وہ قادر نہیں اور اندیشہ ہے کہ آگے چل کر وہ اس کو ادا نہیں کرے گا، اس صورت میں اگر کمیٹی وہ مقدار فوری طور پر ادا کرنے پر اس کو پابند بنائے تو اس کی گنجائش ہے۔

③ مہر فاطمی کی مقدار چاندی کے حساب سے موجودہ وزن میں ''۱۵۳۱'' گرام ہوتی ہے، جس روز نکاح ہو اس روز رائج الوقت سکے کے اعتبار سے اتنی مقدار چاندی کی جو قیمت ہوتی ہو وہ طے کردی جائے تو اتنا سکہ مہر میں واجب ہوگا، اور اگر مہر فاطمی طے کر کے رائج الوقت سکے کا تذکرہ نہیں کیا تو جس روز مہر ادا کیا جائے اس روز ۱۵۳۱ گرام چاندی کی جو قیمت ہوگی وہ ادا کرنی پڑے گی۔

بیوی نے اگر مہر سچے دل سے بغیر جبر و اکراہ کے معاف کر دیا تو اب وہ ساقط ہو گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مہر کی معافی کے بعد بیوی پاگل ہوگئی

سوال: ایک شخص نے شادی کی، اور شادی میں مہر بھی زیادہ طے کی، اور نکاح ہو گیا، اور پہلی رات بھی گذاری میاں بیوی نے، اور اسی رات میں بیوی نے مہر معاف کردی، یعنی جو مہر کی رقم طے ہوئی تھی، اور بعد میں بیوی پاگل ہوگئی، اور بیوی پہلے ہی سے کچھ کم عقل اور کم فہم تھی لوگوں کے کہنے کے مطابق؛ لہٰذا اس مسئلہ کی

صورت میں جو مہر معاف کر دی لہٰذا شوہر پر مہر دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر عورت نے بغیر جبر واکراہ اپنی مرضی سے مہر معاف کر دیا تو وہ درست ہے، اور دیانۃً وہ معاف ہو گیا۔

وصح حطها لكله أو بعضه عنه قبل أو لا ويرتد بالرد. (درمختار)

ولا بد من رضاها، ففي هبة الخلاصة: خوفها بضرب حتى وهبت مهرها لم يصح (شامی۲/ ۳٦٦، ۳٦٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ جمادی الاخری ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مہر کی جائداد کا استعمال

سوال: بعض لوگ مہر کے اندر جانور یا زمین لکھوا دیتے ہیں، بتائیں کہ یہ لکھی ہوئی زمین لڑکے کے گھر والے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور جو کرتے ہیں ایسوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو چیز مہر کے طور متعین کی گئی وہ عورت کی ملک ہے، چاہے وہ زمین ہو یا جانور، عورت کی اجازت کے بغیر اس کا استعمال کسی کے لیے بھی درست نہیں ہے، اور عورت کی طرف سے جس کو اجازت دی گئی وہ استعمال کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

جہیز کی اشیا کا استعمال

سوال: جہیز میں دی ہوئی رقم یا سامان لڑکا یا اُس کے گھر والے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جہیز کی رقم اور سامان لڑکی کی ملک ہے، اس کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر کے جواب میں گزرا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۵ر جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بڑا مہر مقرر کرنا

سوال: بعض جگہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ شادی کرتے ہیں تو مہر ۵۰ر ہزار یا زیادہ باندھتے ہیں، حالاں کہ ادا کرنے کی نیت نہیں ہوتی، لڑکی والے بھی اس لیے باندھ دیتے ہیں کہ لڑکی کو طلاق نہ دے دے، ادا کرے یا نہ کرے، بتائیں ایسے موقع پر شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مہر کی مقدار اتنی مقرر ہونی چاہیے جس کو شوہر بہ آسانی ادا کر سکے، بہ وقتِ عقد نکاح عدمِ ادائیگی کی نیت سے بڑا مہر مقرر کرنا یا خاندانی فخر ومباہات کی نیت سے بڑا مہر باندھنا حالاں کہ وہ جانتا ہے کہ کبھی اس کو ادا نہیں کر سکے گا، اس صورت میں نکاح تو

درست ہوجاتا ہے؛ لیکن ایسا کرنا سخت گناہ ہے، اس پر بڑی وعید ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۵ر جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مہر معاف کرنے پر جبر کرنا

سوال: اسلم نے زینب کو نکاح کا پیغام بھیجا، زینب کے گھر والوں نے رضامندی کا اظہار کیا، اسلم نے نکاح سے قبل زینب سے کہا کہ: مہر اتنا ہی باندھنا جو کہ نکاح کے وقت ادا ہوجائے، زینب نے کہا کہ: آپ مہر باندھنے دو گھر والوں کو، نکاح کے وقت جو ادا ہوگیا ٹھیک، جو باقی رہ جائے گا میں معاف کردوں گی، اب اسلم نکاح کے بعد زینب کو معاف کرنے پر مجبور کرسکتا ہے کہ نہیں؟ اگر اسلم نکاح کے بعد کہتا ہے: معاف کر، تو وہ معاف کردیتی ہے، تو کیا معاف ہوجائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مہر عورت کا حق ہے؛ اس لیے وہ اپنی مرضی سے معاف کرسکتی ہے، چاہے بلا شرط کے معاف کرے خواہ کسی شرط سے معاف کرے؛ البتہ شوہر اس کے لیے مجبور نہیں کرسکتا، خصوصاً جب کہ عورت نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب کہ ابھی نکاح بھی نہیں ہوا تھا، اور مہر واجب ہی نہیں ہوا تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۵ر جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

نکاح کی اجازت لیتے وقت گواہ ہونا ضروری نہیں

سوال: دوسرے ملک میں ہمارے ساتھی ہیں ان سے فون پر اجازت لی کہ تمھارا نکاح فلاں عورت سے کردوں اس نے فون پر ہاں کہا پھر عورت سے بھی اجازت لے لی اور دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح کردیا تو درست ہے مرد اور عورت سے اجازت لیتے وقت گواہ ہونا ضروری ہے دونوں کی اجازت کے وقت گواہ نہ ہوں اور نکاح کردیا تو صحیح ہے مرد اور عورت راضی ہیں نکاح سے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ نکاح درست ہے مرد یا عورت سے اجازت لیتے وقت گواہ ہونا ضروری نہیں۔

(و) شرط (حضور) شاهدين (درمختار) (قوله: وشرط حضور شاهدين) أي يشهدان على العقد، أما الشهادة على التوكيل بالنكاح فليست بشرط لصحته كما قدمناه عن البحر، وإنما فائدتها الإثبات عند جحود التوكيل. (ردالمحتار ۲/۲۹۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ ذوالقعدہ ۱۴۲۲ھ

عقد نکاح میں عاقد کے علاوہ دو گواہ ہونا شرط ہے

سوال: کسی نے اپنی لڑکی کا نکاح اجتماع میں کرانا چاہا، امام صاحب نام لکھ رہے تھے، تو انہوں نے بھی کہا کہ ہماری لڑکی کا نام بھی لکھ لیں، تو امام صاحب نے کہا کہ گواہ کے نام بتاؤ تو جب باپ خود ہی موجود ہے تو ایسی صورت میں فی الشرع گواہوں کا نام تشخص کر کے بتانا ضروری ہے یا باپ خود وکیل اور شاہد دونوں بن سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عقد نکاح یعنی ایجاب وقبول جس مجلس میں ہورہا ہے، اس مجلس میں جو حضرات موجود ہیں وہ سب گواہ ہی ہیں، ان میں سے دو حضرات کا تقرر وتعین ضروری نہیں ہے، باپ صورت مسئولہ میں گواہ نہیں بن سکتا، اس لیے کہ وہ تو بحیثیت ولی ایجاب کرتا ہے تو وہ عاقد ہوا، اور گواہ عاقد کے علاوہ ہونا چاہیے۔ لأن المرأ لا یشهد علی فعل نفسه. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ

خدا کو گواہ بنا کر نکاح کرنا

سوال: ایک اجنبی اجنبیہ گھر سے فرار ہو کر ایسے مقام پر پہنچے کہ خدا کے سوا تیسرا کوئی نہیں، دونوں سے شہوانی جذبات میں چور زنا کاری کا قوی مظنہ ہے، ان حالات کے پیش نظر اگر بدکاری سے بچنے کے لیے طرفین کی رضامندی سے شاہدین کی غیبو بیت میں خدا کو شاہد وگواہ سمجھ کر رشتۂ ازدواجیت قائم کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

انعقاد نکاح کے لیے گواہ شرط ہیں، ان کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوگا۔

وشرط حضور شاهدين حرين او حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معا على الاصح الخ (در مختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ رجب ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

منکوحہ سے نکاح حرام ہے

سوال: زید نے اپنی دختر کی شادی جب کہ اس کی عمر تقریباً بیس سال کی تھی اور اس کے شوہر کی عمر تقریباً ۶۰ سے ۷۰ سال کی تھی، اس کے ہمراہ عقد کر دیا تھا، نکاح کے کم از کم دس روز تک وہ شخص، یعنی اس کا شوہر اس کے ہمراہ رہا، پھر اس کی بیوی کو چھوڑ کر تقریباً دو سال سے لاپتہ ہو گیا، اور اس کے جانے کے بعد سے آج تک کوئی خط و کتابت یا آنا جانا نہیں ہوا، پتہ نہیں وہ شخص زندہ ہے یا پھر انتقال کر گیا، اب اسی لڑکی کے لیے دوسرا رشتہ آیا ہے، اور اس کے والدین کرنے کے لیے تیار ہیں، اب نہ تو اس کے شوہر کا پتہ ہے، اور نہ اس نے کوئی طلاق تحریری یا زبانی دیا ہے، اب بتائیے کہ اس لڑکی کا نکاح دوسرے سے کرنا جائز ہے یا نہیں؟ گذارش ہے کہ صحیح فتویٰ دے کر قرآن وحدیث کی روشنی سے آشنا کریں؛ تاکہ نکاح خوانی میں آسانی ہو۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسی عورت جو دوسرے کے نکاح میں ہو اس سے نکاح کرنا حرام ہے، جب تک کہ پہلا شوہر طلاق نہ دے دے اور عدت نہ گزر جائے۔ لقوله تعالیٰ ﴿والمحصنٰت من النساء الخ﴾ (النساء: ۲۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ شوال ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بوری شیعہ سے نکاح کرنا

سوال: ہمارے یہاں ایک لڑکا بورا (شیعہ) قوم کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا

ہے، لڑکا سنی جماعت کا ہے، تو اسے اس موقعہ پر کیا کرنا چاہیے؟ لڑکی والے کہتے ہیں کہ ہمارا ملا نکاح پڑھائے گا تو کیا ان کا ملا نکاح پڑھاوے تو صحیح ہوگا یا نہیں؟ اپنے امام صاحب نکاح پڑھائیں تو لڑکی کو مسلمان بنانا چاہیے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہمارے علاقہ میں جو شیعہ بورے ہیں ان کا تعلق اسماعیلی فرقے سے ہے، اور اسماعلیہ کے متعلق تمام علمائے مذاہب اربعہ کا اتفاق ہے کہ ان کے ساتھ عقدِ مناکحت درست نہیں ہے۔ (شامی ۳/۳۲۶)

اس لیے اگر وہ لڑکی اپنے مذہب پر رہتے ہوئے اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے تو یہ نکاح شرعاً درست نہیں ہوگا؛ البتہ اگر وہ لڑکی اپنے عقیدہ سے توبہ اور براءت کر کے اہل سنت کے عقائد اختیار کر لے تب اس کے ساتھ نکاح درست ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بوہرہ قوم کی لڑکی سے نکاح

سوال: بوہری فرقے کی لڑکی سے نکاح کرنے کے لیے اس کو ایمان میں داخل کرنا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بوہری فرقے کے بعض عقائد ایسے ہیں جن کی وجہ سے وہ ایمان سے خارج ہے؛

اس لیے اس فرقہ کی لڑکی کو اسلام میں داخل کئے بغیر اس سے نکاح درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

غیر مسلمہ سے مسلمان کا نکاح

سوال: ایک مسلمان مرد نے غیر مسلمہ سے نکاح کیا، عورت اپنے مذہب پر ہے، بھگوان کی پوجا کرتی ہے، اور مرد اپنے اسلام پر ہے، نماز، روزہ کرتا ہے، کیا ایسا نکاح جائز ہے؟ اولاد کس مذہب کی ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ نکاح درست نہیں ہے، اولاد زنا کی کہلائے گی، ثابت النسب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سابق شوہر کی اولاد سے مطلّقہ کی اولاد کا نکاح

سوال: زید کی شادی ہندہ کے ساتھ ہوئی تھی، کچھ عرصہ بعد زید نے ہندہ کو طلاق دے دیا، ہندہ نے دوسری جگہ شادی کرلی، اور زید نے بھی اپنی شادی کرلی، اب بہت عرصہ بعد دونوں کے یہاں اولاد ہوئی، اور دونوں کی اولاد جوان ہوگئی، اب ان دونوں نے آپس میں رشتہ ناطہ جوڑ کر لڑکا لڑکی کا نکاح کردیا، مثلاً طلاق شدہ عورت کا لڑکا اور مرد کی لڑکی، کیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔﴿واحل لکم ماوراء ذلکم﴾ الخ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک دوسرے کی بہن سے آپسی نکاح

سوال: ہمارے وہاں ایک کی بہن میرے یہاں، تو میری بہن اس کے وہاں، مطلب کے بہنوں کا ادل بدل کرنا کیسا ہے کہ کسی کی بہن یا کوئی دوسری رشتے کو دے کر، سامنے والی کی بہن یا اور کوئی اس کی رشتے کو ادل بدل لیتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر دونوں کا مہر مقرر کیا جاتا ہے تو یہ درست ہے۔ (ہدایہ ۲/۳۲۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

زوجۂ مفقود سے نکاح

سوال: ایک عورت کا شوہر قبل دو سال مفقود ہو گیا، (لوگوں کے کہنے سے معلوم ہوا کہ قتل ہو گیا ہے؛ مگر کوئی گواہ نہیں ہے) اس درمیان میں وہ عورت کسی کافر کے ساتھ چلی گئی؛ مگر سمجھا بجھا کر اس کو دوبارلائے، اب اس عورت کے ساتھ ایک مسلمان نکاح کرنا چاہتا ہے، تو اس عورت کے شوہر کو مقتول مان کر نکاح کر سکتا ہے؟ یا وہ مفقود کے حکم میں ہے؟ اگر مفقود ہو تو اس کا حکم کیا ہے؟

تفصیل سے آگاہ فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس کے قتل کی بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے، تب اس کے قتل کے دن سے عدت وفات شمار کر کے عدت کے ختم ہونے پر اس عورت کا عقد ثانی ہوسکتا ہے، اور اگر قتل کی بات درست نہ ہو تو عورت حاکم مسلم بااختیار کی عدالت میں اپنا مقدمہ پیش کرے کہ فلاں شخص میرا شوہر ہے جو اتنی مدت سے لاپتہ ہے، مجھے نکاح ثانی کی ضرورت ہے، اس پر حاکم مسلم باقاعدہ واقعات کی تحقیق کرے، اگر عورت کا بیان صحیح ثابت ہو تو شوہر کو تلاش کرائے، مکمل تفتیش کے بعد جب ملنے سے مایوس ہوجائے، تو عورت کو کچھ اور مدت حسب صوابدید انتظار کا حکم دے، اگر اس مدتِ انتظار میں بھی نہ آیا، تو اس پر موت کا حکم لگائے، اس کے بعد عدت موت چار ماہ دس دن گذار کر دوسری جگہ نکاح درست ہوگا، اگر کسی جگہ حاکم مسلم بااختیار نہ ہو تو چند معزز دیندار مسلمانوں کی ایک جماعت بطور پنچایت یہ سب کام کرسکتی ہے، اور اس میں کم از کم ایک معاملہ شناس معتبر عالم کی شرکت بھی ضروری ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۴/ ۴۵)

اس کے لیے کتاب ''الحیلة الناجزة'' کا بھی بغور مطالعہ کرلیا جائے، یہ کتاب اردو میں ہے اور اس میں پوری تفصیل موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ ذوالقعدہ ۱۴۱۱ھ

زوجۂ مفقود کا بغیر فسخ کے نکاح ثانی کرلینا

سوال: زید اور ہندہ کی شادی ۱۱ اپریل ۱۹۸۸ء کو ہوئی۔ شادی کے تقریباً ۵ یا ۶ ماہ بعد سے زید لاپتہ ہے نہ اب تک کوئی خبر دی ہے اور نہ ہندہ کی خبر لی۔ متوقع جگہوں

میں تلاش بھی کیا گیا لیکن نہیں ملا۔ مجبوراً ہندہ نے ۹۱/۵/۲۸ کو محمد نسیم سے کورٹ میں جا کر شادی کر لی (کورٹ میرج) باضابطہ کسی سے نکاح نہیں پڑھوایا۔ ابھی ۶ ماہ کی حاملہ ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید کے محض لاپتہ ہو جانے سے ہندہ کا اس کے ساتھ کیا گیا نکاح ختم نہیں ہوتا جب تک شرعی قاضی کے پاس اپنا مقدمہ پیش کر کے نکاح فسخ نہ کرایا جائے وہاں تک ہندہ زید کی بیوی ہے محمد نسیم کے ساتھ اس کا نکاح شرعاً درست نہیں ہوا۔ محمد نسیم کو چاہیے کہ فوراً علاحدگی اختیار کر لے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

منکوحہ کا قبل از طلاق دوسرے سے نکاح درست نہیں

سوال: عبداللہ نے اپنی نابالغ لڑکی نور جہاں کا نکاح عبدالرحیم سے کیا تھا، اور ابھی تک رخصتی بھی نہیں کی ہے؟ اب صورت حال یہ ہے کہ عبداللہ اپنے داماد عبدالرحیم سے بداخلاق کی وجہ سے سخت ناراض ہے اور اپنی لڑکی نور جہاں کو عبدالرحیم کے یہاں بھیجنا نہیں چاہتا ہے اور لڑکی بھی جانے کے لیے راضی نہیں ہے کہ میں اپنے شوہر عبدالرحیم کے نکاح میں ہوں اور نور جہاں جب کہ وہ اس وقت بالغ ہے، اپنے اس نکاح کو جو کہ اس کے باپ نے نابالغی کے زمانے میں کیا ہے اس نکاح سے ہٹ کر دوسرا نکاح اپنے ماں باپ کے راضی سے کر سکتی ہے یا نہیں؟ اور پہلے نکاح کا کیا حکم ہوگا، شوہر کو طلاق

دینی پڑے گی یا نہیں؟ یا خود لڑکی نکاح کو باقی رکھ سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نور جہاں کی نابالغی کی حالت میں اس کے باپ عبداللہ نے اس کا جو نکاح عبدالرحیم سے کرایا تھا وہ منعقد ہو چکا ہے، اس لیے اب جب تک کہ عبدالرحیم نور جہاں کو بذریعہ طلاق اپنے نکاح سے علیحدہ نہ کرے وہاں تک نور جہاں کا نکاح دوسرے آدمی سے جائز نہیں ہے۔ (درمختار مع الشامی ۳/۳۲۹، ۳۳۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ رجب ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نَومسلمہ سے نکاح

سوال: دو غیر مسلم میاں بیوی ہیں، اور بیوی کسی مسلمان سے نکاح کا ارادہ کرتی ہے تو سوال یہ ہے کہ غیر مسلم بیوی کا اپنے غیر مسلم شوہر سے طلاق لینا ضروری ہے یا مسلمان مرد کے ساتھ نکاح کرنے سے غیر مسلم خاوند کے نکاح سے نکل جائے گی جب کہ وہ اسلام قبول کرلے گی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قبول اسلام کے بعد تین حیض گزرنے پر زوجین میں از خود تفریق واقع ہو جائے گی (بشرطیکہ اس دوران میں شوہر اسلام قبول نہ کرے) اس کے بعد تین حیض عدت کے واجب ہوں گے۔ (درمختار شامی ۲/۳۹۰، ۳۹۱ باب نکاح الکافر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ رجب ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سوتیلی خالہ کے ساتھ نکاح

سوال: دوسگی بہن ایک باپ سے ہوتو کیا دوسری کا بیٹے کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے؟ یعنی سوتیلی خالہ کے ساتھ نکاح درست ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر کوئی دوسرا سبب حرمت نہیں ہے، تو یہ نکاح درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

چھوٹے بھائی کی بیوہ سے نکاح

سوال: چھوٹے بھائی کی وفات کے بعد چھوٹے بھائی کی بیوی سے بڑا بھائی بعد عدت نکاح کرنا چاہے تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چھوٹے بھائی کی وفات کے بعد اس کی بیوی سے بڑا بھائی بعد عدت نکاح کرسکتا ہے، اس عورت کا مرحوم چھوٹے بھائی کی بیوہ ہونا بڑے بھائی کے حق میں نکاح سے مانع نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ایک بیوی کے لڑکے کا دوسری بیوی کی بہن سے نکاح کا حکم

سوال: زید جس کی پہلی بیوی زینب ہے اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا اور وہ زینب مرگئی پھر زید نے مریم سے شادی کی اور مریم کی سگی بہن اس کا نام فاطمہ ہے۔ اب زید کا لڑکا جو زینب سے پیدا ہوا تو وہ مریم کی بہن فاطمہ سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں آپ اس کا جواب دیں۔

نوٹ: زید نے مریم سے وطی کر بھی لی تو آپ اب اس مسئلہ کا جواب دیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید کی پہلی بیوی زینب کے بطن سے پیدا شدہ لڑکے کا نکاح زید کی دوسری بیوی مریم کی سگی بہن فاطمہ سے درست ہے، بشرطیکہ اور کوئی سبب حرمت دونوں کے درمیان نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ جمادی الاخری ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

چچازاد بھائی کی لڑکی سے نکاح

سوال: مسئلہ یہ ہے کہ ایک مرد ہے یعنی کہ زید ہی اور اس کا چچازاد بھائی ہے اس چچازاد بھائی کی لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چچازاد بھائی کی لڑکی سے نکاح درست ہے بشرطیکہ دوسرا کوئی سبب حرمت

دونوں کے درمیان نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ جمادی الاخری ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

رضاخانی سے رشتۂ نکاح

سوال: رضاخانی گھرانے میں اپنی لڑکیوں کا رشتہ کرنا کیسا ہے؟ اکثر بڑوں سے سنا ہے کہ ان کے عقائد میں فتور ہے، آخر وہ کونسے عقائد ہیں جن کی وجہ سے یہ ممانعت سامنے آرہی ہے؟ برائے مہربانی دلائل کی روشنی میں اس بات کا جواب دیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

رضاخانی حضرات کے عقائد اگر کفر کی حد تک پہنچ چکے ہیں تب تو ان سے رشتۂ نکاح جائز ہی نہیں، اور اگر کفر کی حد تک نہیں پہنچے ہیں تو رشتہ کرنا تو جائز ہے کہ آخر وہ بھی مسلمان ہیں اگرچہ مبتدع (بدعتی) ہیں؛ مگر ایسے لوگوں سے رشتۂ موانست ومناکحت مناسب نہیں ہے، حدیث شریف میں آیا ہے: لا تجالسوهم ولا تناكحوهم الحديث ترجمہ: نہ ان کے ساتھ بیٹھو اور نہ ان سے نکاح کرو۔ (فتاویٰ دار العلوم ۷/ ۱۵۸)

رضاخانی حضرات کے عقائد کی تفصیل اور ان کے عقائد کی تردید کے لیے مذکورہ ذیل کتب کا مطالعہ کیجیے:

① براہین قاطعہ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، اور انوار ساطعہ کے رد میں لکھی گئی ہے۔ ② الجنۃ لاہل السنۃ، یہ مفتی عبد الغنی صاحب صدر مدرس مدرسہ امینیہ دہلی کی تصنیف ہے۔ ③ راہ سنت، یہ مولانا محمد سرفراز

خاں صاحب صفدر کی تصنیف ہے، اس میں تمام بدعات مروجہ کی تردید کی گئی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبدالقیوم راجکوٹی
الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶ رذی القعدہ ۱۴۲۰ھ

مزنیہ لڑکی سے کنوارے لڑکے کا نکاح کرنا

سوال: ایک لڑکی شادی شدہ نہیں ہے، ابھی تک نکاح ہوا نہیں ہے، اور اس کے ماں باپ کے گھر پر ہے اور زنا کاری کی وجہ سے حمل رہ گیا، اور اس کے بعد عزت وآبرو کی وجہ سے حمل ساقط کروادیا تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور لڑکا کنوارا ہے یعنی غیر شادی شدہ ہے تو اس زنا کار لڑکی سے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں اس لڑکی سے نکاح کرنا شرعاً درست ہے، کوئی حرج کی بات نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ / رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

غیر کفو میں نکاح

سوال: زید اکیس سال کا ہے، اس نے پڑوسی کی لڑکی سے پیار کیا، اور اس کے والدین سے نکاح کی درخواست کی، لڑکی کے والد نے رشتہ نامنظور کرتے ہوئے لڑکی کی منگنی کہیں اور کردی، لڑکا لڑکی گھر سے فرار ہوجاتے ہیں، اور لڑکے نے اپنے چند

دوستوں کی مدد سے شرعی نکاح کیا، لڑکی نے اپنی عمر کے لیے کورٹ کا تصدیق نامہ پیش کیا اور بتایا کہ وہ ۱۹ رسال کی ہے، نکاح درست ہوا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر لڑکا کفو نہیں ہے تو ولی کی رضامندی کے بغیر یہ نکاح (مفتی بہ قول کی بناء پر) درست نہیں ہوگا۔

ویفتی في غیر الکفو بعدم جوازہ أصل، وھو المختار للفتویٰ لفساد الزمان. (درمختار) ھذا إذا کان لھا ولي لم یرض بہ قبل العقد فلایفید الرضا بعدہ، بحر وأما إذا لم یکن لھا ولي فھو صحیح، نافذ، مطلقا اتفاقا (درمختار شامی؟ /۳۲۲،۳۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عجم میں کفو کی حیثیت اور حسب نسب پر بے جا فخر وتفاخر

سوال: میں ایک گاؤں میں امامت کرتا ہوں وہاں کے لوگ دیسائی خاندان کے ہیں وہ لوگ کہتے ہیں کہ: دنیا میں سب سے بڑا اور اونچا خاندان ہے تو ہمارا ہے اس سے بڑھ کر کوئی خاندان نہیں ہے، باقی سب خاندان ہمارے سے نیچے اور چھوٹے ہیں؛ اس لیے وہ کوئی دوسرے خاندان کی لڑکی یا لڑکے سے شادی کرنے کو عیب سمجھتے ہیں، مثلاً: مکاندان، مجاور، شیخ، جمعدار، گوندی وغیرہ نہ معلوم ابھی کتنے خاندان ہیں مجھے تو اس کا علم نہیں، کیا ان کا اپنے خاندان کو اونچا سمجھنا اور دوسرے خاندان کو نیچا (کمتر) سمجھنا اور دوسرے خاندان کی لڑکیاں یا لڑکے سے شادی کرنے کو عیب سمجھنا غلط ہے یا

صحیح ہے؟ اور خاندان کا جو رواج ہے فلاں خاندان فلاں خاندان، کیا وہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾. (الحجرات: ۱۳)

ترجمہ وخلاصہ وتفسیر: اے لوگو! میں نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت (یعنی آدم وحوا) سے پیدا کیا ہے (اس لیے اس میں تو سب انسان برابر ہیں) اور (پھر جس بات میں فرق رکھا ہے کہ) تم کو مختلف قومیں اور (پھر ان قوموں میں) مختلف خاندان بنایا (یہ محض اس لیے) تا کہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو (جس میں بہت سی مصلحتیں ہیں؛ اس لیے کہ ایک دوسرے پر تفاخر کرو؛ کیوں کہ) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو (اور پرہیز گاری ایسی چیز ہے جس کا پورا حال کسی کو معلوم نہیں؛ بلکہ اس کے حال کو محض) اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا اور پورا خبردار ہے (اس لیے کسی نسب اور قومیت پر فخر نہ کرو)۔

معارف ومسائل: اس آیت میں ایک جامع تعلیم انسانی مساوات کی ہے کہ کوئی انسان دوسرے کو کمتر یا رذیل نہ سمجھے اور اپنے نسب اور خاندان یا مال ودولت وغیرہ کی بنا پر فخر نہ کرے؛ کیوں کہ یہ چیزیں درحقیقت تفاخر کی نہیں ہیں، پھر اس تفاخر سے باہمی مفاخرت اور عداوت کی بنیادیں پڑتی ہیں؛ اس لیے فرمایا کہ: تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہونے کی حیثیت سے بھائی بھائی ہیں اور خاندان اور قبائل ہے،

مال و دولت کے اعتبار سے جو فرق اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے وہ تفاخر کے لیے نہیں ہے؛ بلکہ تعارف کے لیے ہے۔

قرآنِ کریم نے اس آیت میں واضح کر دیا کہ حق تعالیٰ نے اگرچہ سب انسانوں کو ایک ہی باپ اور ماں سے پیدا کر کے سب کو بھائی بھائی بنا دیا ہے؛ مگر پھر اس کی تقسیم مختلف قوموں، قبیلوں میں جو حق تعالیٰ ہی نے فرمائی ہے، اس میں حکمت یہ ہے کہ لوگوں کا تعارف اور شناخت آسان ہو جائے، مثلاً ایک نام کے دو شخص ہیں تو خاندان کے تفاوت سے ان میں امتیاز ہو سکتا ہے اور اس سے دور اور قریب کے رشتوں کا علم ہو سکتا ہے اور نسبی قرب و بعد کی بنیاد پر ان کے حقوقِ شرعیہ ادا کیے جاتے ہیں، عصبات کا قرب و بعد معلوم ہوتا ہے جس کی ضرورت تقسیمِ میراث میں پیش آتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نسبی تفاوت کو تعارف کے لیے استعمال کرو، تفاخر کے لیے نہیں۔

(معارف القرآن ۸ / ۱۲۴-۱۲۵)

حضراتِ فقہا نے تصریح فرمائی ہے کہ: عجم میں نسب کے اعتبار سے کفائت کا اعتبار نہیں، اس لیے کہ انہوں نے اپنے انساب کو محفوظ نہیں رکھا، فقہا کی اس تصریح کے بعد بھی آپ کی بستی کے رہنے والے عجمی حضرات کا اپنے آپ کو سب سے اونچا سمجھنا معتبر نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۲ / محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

الزام لگانے والی بدچلن عورت سے نکاح پر مجبور کرنا

سوال: ایک عورت جو کہ بدچلن تھی، نکاح سے پہلے غیر مسلم کے ساتھ گھر سے

کئی روز لاپتہ تھی، اس کے بعد کسی بھی طرح فوراً نکاح کر دیا گیا، اس کے بعد چار بچے کی ماں بنی، اس کے بعد بیوہ ہوگئی، چار سال کے عرصہ میں اس کے یہاں کئی لوگوں کا آنا جانا تھا، اس صورت میں بیوہ عورت ایک بچہ کی ماں بنی، اس عورت نے ایک شادی شدہ شخص پر الزام لگایا کہ یہ بچہ اس کا ہی ہے، اور گاؤں کے بعض لوگ اس آدمی پر دباؤ ڈال کر نکاح کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جب کہ وہ آدمی اپنے بے گناہی کا ثبوت دینے کے لیے تیار ہے، مگر کوئی اس کی ایک بات بھی سننے کو تیار نہیں، اور بہت مجبور کیا جارہا ہے، اور اس میں ۱۰۰۰۰/ روپیہ مہر اور چار بچہ کی پرورش کی ذمہ داری پر مجبور کیا جارہا ہے؛ جب کہ بیوہ عورت کے بدچلن ہونے کے ثبوت موجود ہیں، اس صورت میں اس شخص کو کیا کرنا چاہیے؟ ۱۰۰۰۰/ روپیہ مہر اور چار بچے جبراً سپرد کیا جاوے، ایسا کرنا جائز ہے یا حرام یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شرعی ثبوت کے بغیر کسی پر زنا کی تہمت لگانا گناہ کبیرہ ہے، اور اس عورت کی ایسی بات کو بنیاد بنا کر اس آدمی پر نکاح کے لیے دباؤ ڈالنا حرام ہے، جو لوگ ایسا کریں گے گنہ گار ہوں گے، جب وہ چار بچے اس آدمی کی اولاد نہیں ہیں؛ بلکہ مرنے والی کی اولاد ہیں تو ان بچوں کی پرورش کی ذمہ داری اس آدمی پر نہیں ہے؛ بلکہ جو لوگ ان بچوں کے ذی رحم محرم رشتہ دار ہیں، ان پر بچوں کا نفقہ ہوگا؛ بشرطیکہ ان بچوں کی ملک میں ایسا مال موجود نہ ہو جس سے ان کا نفقہ ادا کیا جاسکے۔

جب جبراً کسی کے ساتھ نکاح کرا دینا گناہ ہے، تو اس طرح دس ہزار روپیہ زر مہر اس پر ڈالنا بھی گناہ ہے؛ البتہ اگر جبراً نکاح کرا دیا ہے، اور اس نے زبان سے قبول

کرلیا تو وہ نکاح درست ہوگیا، اور دس ہزار مہر اس نے خوشی سے منظور نہیں کیا ہے تو اس عورت کا مہر مثل واجب ہے، اور زیادتی باطل ہوگی۔ (شامی ۵/۹۵)

مہر مثل کا مطلب یہ ہے کہ اس عورت کے باپ کے گھرانے میں سے کوئی دوسری عورت دیکھو جو اس کے مثل ہو، یعنی: اگر یہ کم عمر ہے، تو وہ بھی نکاح کے وقت کم عمر ہو، اگر یہ خوبصورت ہو تو وہ بھی خوبصورت ہو، اس کا نکاح کنوارے پن میں ہوا، اور اس کا نکاح بھی کنوارے پن میں ہوا ہو، نکاح کے وقت جتنی مالدار یہ ہے، اتنی ہی وہ بھی تھی، جس دیس کی یہ رہنے والی ہے اسی دیس کی وہ بھی ہے، اگر یہ دین دار، ہوشیار، سلیقہ دار، پڑھی لکھی ہے تو وہ بھی ایسی ہی ہو؛ غرض جس وقت اس کا نکاح ہوا ہے، اس وقت ان باتوں میں وہ بھی اسی کے مثل تھی جس کا اب نکاح ہوا، تو جو مہر اس کا مقرر ہوا تھا وہی اس کا مہر مثل ہے۔ (بہشتی زیور ۴/۱۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عدت میں شوہرِ اول سے نکاح کرنا

سوال: زید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، اور طلاق کی عدت گزرنے کے بعد زید نے اپنی طلاق شدہ بیوی سے ہمبستری کی؛ چناں چہ وہ حاملہ ہوگئی پھر تین ماہ بعد حالت حمل میں اس نے دوسرے مرد سے حلالہ کے لیے نکاح کیا، شوہر ثانی نے حلالہ کے بعد اس کو کچھ دنوں بعد تین طلاقیں دے دی، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس عورت کا نکاح شوہر (زید) اول سے (حالتِ مدت) عدت میں کر سکتے ہیں؟ جب کہ حمل بھی

اسی شوہر اول کا ہی ہے یا عدت طلاق کی مدت (وضع حمل) گزارنا ضروری ہے؟ اگر عدت کے گزرنے کا انتظار کرتے ہیں تو مزید حرام کاری ہوتے رہنے کا خطرہ یقینی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شوہرِ اول زید کے تین طلاق دے دینے اور عدت گزارنے کے بعد اس نے مطلقہ کے ساتھ ہمبستری کی، اور اس کے نتیجہ میں جو حمل ٹھہرا وہ زنا کا حمل ہے، اس لیے ایسی حاملہ کے ساتھ دوسرے مرد نے جو نکاح کیا وہ درست ہے؛ البتہ اس دوسرے شوہر کو چاہیے کہ جب تک وہ حاملہ ہے اس کے ساتھ وطی نہ کرے، اس کے باوجود اگر اس دوسرے شوہر نے اس عورت کے ساتھ وطی کرلی، اور اس کے بعد تین طلاق دے دی، تو عدت کے بعد اس عورت کا نکاح شوہر اول کے ساتھ ہوسکتا ہے، اور چوں کہ یہ عورت بوقت طلاق حاملہ ہے، اس لیے اس کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ پیدا ہونے) تک ہے، عدت گزارے بغیر شوہر اول سے یا کسی اور سے نکاح نہیں ہوسکتا، حرام کاری کے اندیشہ کی وجہ سے عدت ساقط نہیں ہوتی، جماعت مسلمین کو چاہیے کہ ان کو حرام کاری سے باز رکھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

طلاقِ رجعی میں عدت کے بعد دوبارہ نکاح

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی، بیس سال کے بعد دونوں راضی برضا ملنا چاہتے ہیں، اس کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر شوہر نے ایک طلاق دی تھی اور رجوع نہیں کیا، یہاں تک کہ بیس سال بیت گئے، اور اب وہ دونوں دوبارہ ازدواجی تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں، تو عقد نکاح کے ذریعہ کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تین طلاق کے بعد عدت میں نکاح

سوال: محمد نے مریم سے سِول نکاح کیا، اور بعد میں محمد کے گھر کچھ گڑبڑ کی وجہ سے محمد نے مریم کو تین طلاق دے دی، اور ابھی مریم نے نہ عدت پوری کی تھی نہ حلالہ کروایا تھا، کہ پھر سے (نکاح کر کے) محمد اور مریم ساتھ میں رہنے لگے، یہاں تک کہ ان کے یہاں ایک اولاد بھی پیدا ہوگئی، تو اس صورت میں ابھی بھی نکاح صحیح کرنا ہوگا اور شرعی حیثیت سے تو مریم کو ابھی عدت گزارنا ہوگی اور حلالہ کروانا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

محمد نے جب اپنی بیوی مریم کو تین طلاق دے دی تو وہ اس پر حرام ہو چکی ہے، اب جب تک کہ شرعی حلالہ نہ ہو محمد کا نکاح مریم کے ساتھ درست نہیں ہے۔ شرعی حلالہ کی صورت یہ ہے کہ: عدت گزار کر یہ عورت دوسرے آدمی کے ساتھ بلا کسی پیشگی شرط کے نکاح کرے، اور یہ دوسرا شوہر اس کے ساتھ صحبت کرے، اس کے بعد اس کا انتقال ہو جائے یا کسی وجہ سے وہ اس کو طلاق دے، تو اب اس کی عدت گزار کر یہ عورت محمد

کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے۔

صورتِ مسئولہ میں تین طلاق کے بعد شرعی حلالہ کے بغیر عدت کے اندر ہی محمد نے جو نکاح کیا تھا، وہ درست نہیں ہوا، اب بھی وہ عورت محمد پر حرام ہے؛ اس لیے فوری طور پر دونوں میں جدائی کرادی جائے، اس کے بعد یہ عورت تین حیض گزار کر دوسرے مرد سے نکاح کرے اور وہ صحبت بھی کرے، اس کے بعد اگر وہ طلاق دے یا اس کی وفات ہوجائے تو عدتِ طلاق یا وفات گزار کر اس کا نکاح محمد سے ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ر صفر ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

حاملہ عورت سے نکاح کا حکم

سوال: حالت حمل میں کسی غیر عورت سے نکاح جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کا سوال سمجھ میں نہیں آیا، اس لیے کہ حالت حمل میں نکاح کرنے والی تو عورت ہی ہوگی، بھلا وہ دوسری سے کیسے نکاح کرے گا؟ نیز یہ بھی بتلائیں کہ کیسے یہ حمل قرار پایا؟ نکاح سے یا زنا سے؟ اگر یہ حمل والی پہلے کسی کے نکاح میں تھی، اور اس شوہر کا وہ حمل ہے تو لامحالہ اس شوہر نے طلاق دی ہے، یا اس کی وفات ہوئی ہے، دونوں صورتوں میں اس کے لیے عدت ضروری ہے، جو وضع حمل ہے، اس لیے جب تک بچہ پیدا نہ ہوجائے، وہ عورت عدت ہی میں ہے، اور عدت میں نکاح درست

نہیں ہوتا، اور اگر یہ کسی کے نکاح میں نہیں تھی؛ بلکہ غیر منکوحہ ہونے کے باوجود زنا کے نتیجے میں حمل ٹھہرا ہے، تو زنا کا حمل ہوتے ہوئے اس کے ساتھ نکاح درست ہے، البتہ یہ شوہر جب تک وضع حمل نہ ہو اس کے ساتھ وطی نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ رذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تفویض طلاق کی شرط پر نکاح

سوال: زید نے ہندہ کو نکاح کا پیغام دیا، جواب میں ہندہ نے کہا کہ اگر زید مجھے طلاق کا اختیار تفویض کرے تو میں نکاح کروں گی، شریعت کے مطابق ہندہ کو یہ شرط لگانے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نکاح کے بعد مستقبل میں شوہر کی طرف سے پیش آنے والی ممکنہ زیادتیوں سے حفاظت کے پیش نظر اگر عورت اپنے ہونے والے شوہر سے اس قسم کا کابین نامہ لکھوانا چاہے جس میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں دیا گیا ہو؛ تاکہ بوقت ضرورت اس سے کام لے سکے؛ یہ شرعاً جائز ہے، اس مسئلہ کی پوری تفصیل "الحیلة الناجزة" میں زیر عنوان "تفویضِ طلاق بوقتِ نکاح" دیکھی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ہندو آشرم میں مسلمان کا نکاح

سوال: ہندو کا بہت بڑا آشرم (استھان) ہے جیسے مسلمانوں کا مدرسہ ہوتا ہے،

اب ہندو کے اس آشرم کی جانب سے یہ اعلان کیا جارہا ہے کہ جس آدمی کو بھی سموشادی کرنی ہو وہ آدمی یہاں سے دیے گئے فارم کو پُر کرے اور اپنے اپنے مذہب اور دھرم کے مطابق یہاں سے شادی کر کے جائے بغیر کسی خرچ کے، کھانا پینا سب خرچ ہندو کا یہ ادارہ اٹھا رہا ہے، تو مسلمان کے لیے اس ادارہ کے ماتحت وہاں جا کر اپنے مولانا سے نکاح پڑھوانا جائز ہے یا نہیں، جب کہ اس ہندو کے روپیہ کے بارے میں بھی پتہ نہیں کہ وہ روپیہ سود کا ہے یا کیسا ہے؟ ہمارے تعلقہ مہوا کے تحت کھونٹڑا گاؤں میں اس طرح کا ایک بڑا آشرم ہے جہاں سے یہ اعلان کیا جارہا ہے جس کی تاریخ مارچ میں طے پائی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہاں پر پڑھایا جانے والا عقد نکاح شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق ہے تو وہ نکاح تو درست کہلائے گا؛ لیکن مصارف نکاح (اور وہ بھی کھانا وغیرہ جس کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں ہے) وہ ادارہ اٹھا رہا ہے اس لیے وہاں عقد نکاح کے لیے جانا ایک مؤمن کی غیرت ایمانی کے خلاف ہے، قطع نظر اس سے کہ ان کا روپیہ حلال کا ہے یا حرام کا، اسلام کے بتلائے ہوئے سادہ طریقہ کے مطابق نکاح کیا جائے تو اس طرح غیر مسلم اداروں کا ممنون واحسان مند بننے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فون پر نکاح وطلاق

سوال: فون پر نکاح، فون پر ہی طلاق کیا یہ جائز ہے؟ واضح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فون پر نکاح درست نہیں؛ البتہ فون پر دی ہوئی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فون اور انٹرنیٹ پر نکاح کی صورتیں

سوال: غائبانہ نکاح کے متعلق صورتیں:

① مجلس نکاح پاکستان میں منعقد ہے، دولہن موجود ہے، دولہا بیرون پاکستان ہے، نکاح خواں دولہا سے فون پر لڑکی اور گواہوں کا نام لے کر کہتا ہے کہ تمھارا نکاح فلاں لڑکی سے کردیا تم نے قبول کیا اور لڑکا فون پر کہتا ہے میں نے قبول کیا اور لڑکے کی قبولیت کو حاضرین مجلس سب بہ یک وقت سنتے ہیں یہ نکاح شرعاً منعقد ہوگا؟

② موجودہ ترقیاتی ٹکنالوجی کے دور میں فون پر ایک مجلس کا انعقاد کانفرنس فون کے نام سے ہوتا ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک ہی وقت میں لوگ مختلف ملکوں میں اپنی اپنی جگہ پر ہوتے ہیں اور فون پر ہر ایک ایک دوسرے کی بات سنتا بھی اور جواب بھی دے سکتا ہے اور بحث ومباحثہ بھی کرسکتا ہے اور اسے ہر آدمی اپنی اپنی جگہ پر اپنے ملک میں سنتا ہے اور بحث میں حصہ لیتا ہے، اس قسم کے فون پر ایک مجلس نکاح مثلاً پاکستان یا انڈیا میں منعقد ہوتی ہے، دولہن پاکستان یا انڈیا میں ہے اور دولہا برطانیہ یا یورپ میں ہے اور فون پر اس سے لڑکی اور گواہوں کے نام لے کر ایجاب یا قبول کرایا جاتا ہے جسے شرکائے مجلس میں سے ہر شخص سنتا ہے اس طرح فون پر شرعاً نکاح منعقد ہوجائے گا؟

③ انٹرنیٹ پر نکاح کے سلسلے میں ایک صورت گفتگو اور تصویر کی بھی ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ کانفرنس فون کے مانند ہر شخص اپنے اپنے ملک میں اپنی جگہ پر ہے مثال کے طور پر مجلس نکاح پاکستان میں انٹرنیٹ پر منعقد ہے اور دلہن پاکستان میں اور دولہا برطانیہ میں دونوں طرف ایک دوسرے کی تصویر دیکھی جاتی ہے اور دونوں طرف کی گفتگو بھی سنی جاتی ہے کیا اس طرح انٹرنیٹ پر ہونے والا نکاح شرعاً منعقد کہا جائے گا؟

نکاح کے شرعاً انعقاد کے لیے فقہا ایجاب وقبول کے لیے اتحاد مجلس شرط قرار دیتے ہیں، مذکورہ بالا فون اور انٹرنیٹ پر ہونے والے نکاح کی صورتوں میں اتحاد مجلس کی شرط پوری ہوجاتی ہے؟

ڈاکٹر تنزیل الرحمن نے مجموعۂ قوانین اسلامی میں بحث اتحاد مجلس کے تحت فون پر نکاح کے جواز کے بارے میں یوں لکھا ہے: موجودہ دور میں رسل ورسائل کی ترقی اور آسانی کے پیش نظر فون پر بھی نکاح کا ایجاب وقبول ہوسکتا ہے بہ شرطے کہ ایجاب وقبول کو دونوں گواہان بھی بہ یک وقت سن سکیں اور آواز پہچانتے ہوں۔ (۱۲۱/۱)

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خرید وفروخت اور نکاح وغیرہ عقد کے انعقاد میں ایجاب وقبول کا مجلس واحد میں ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے، یہاں مجلس سے جگہ کا ایک ہونا مراد ہے؟ اس کی تصریح نظر سے نہیں گذری بلکہ اس سلسلے میں جو جزئیات کتب فقہ میں موجود ہیں ان کے بہ غور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ متعاقدین ایک دوسرے سے دور الگ الگ جگہ پر بیٹھے ہوئے ہیں، لیکن دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں اور اس دوری کی وجہ سے ان

کی گفتگو میں کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہو رہی ہے بلکہ دونوں فریق دوری کے باوجود ایک دوسرے کی بات کو خوب اچھی طرح سمجھ رہے ہیں تب بھی باوجود دوری کے عقد درست قرار دیا جائے گا۔ درر الحکام میں فتاویٰ بزازیہ اور مجمع الانہر کے حوالے سے لکھا ہے:

إذا كان المتبايعان متباعدين لكنهما بحيث يرىٰ أحدهما الاخر فتباعدهما لا ينافي اتحاد المجلس ولا يمنع انعقاد البيع (بزازيه) مالم يكن التباعد يؤدي إلى التباس واشتباه في كلامهما أي في الإيجاب والقبول الذين يقعان بينهما. (مجمع الانهر) (درر الحكام شرح مجلة الاحكام ۱۳۲/۱)

اس طرح یہ جزئیہ بھی موجود ہے کہ متعاقدین ایک جگہ پر موجود ہیں اور ایک نے ایجاب کے الفاظ ادا کیے اور دوسرے کی طرف سے قبول کے الفاظ کہے جائیں اس سے پہلے دونوں میں سے کسی ایک کی طرف سے کوئی ایسا اقدام (فعل یا قول) ہوا جو اعراض پر دلالت کرنے والا ہے تو عقد درست نہ ہوگا اور اگر کوئی ایسا اقدام (قول یا فعل) ہوا جو اعراض پر دلالت نہیں کرتا ہے تو عقد درست ہوگا حالاں کہ پہلی صورت میں جگہ ایک ہونے کے باوجود عقد کے درست نہ ہونے کا حکم لگایا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود جگہ مقصود نہیں اور لفظ مجلس سے مراد جگہ نہیں بلکہ دونوں کا عقد کو انجام دینے کے لیے ایک دوسرے سے ملنا اور اس مقصد کے لیے جمع ہونا مراد ہے۔

چناں چہ مجلۃ الاحکام میں مجلس بیع کی تعریف مندرجۂ ذیل الفاظ سے کی گئی ہے: مجلس البيع هو الاجتماع الواقع لعقد البيع. (درر الحكام ۱۳۲/۱)

اس کی شرح کرتے ہوئے صاحب درر الحکام فرماتے ہیں:

ويرد على هذه المادة أن المجلس اسم مكان بمعنى مكان استقرار

الناس أما الاجتماع فهو وصف المتبايعين فحمل لفظ "اجتماع" على المجلس غيرجائز وغير صحيح والجواب من وجهين:الأول: أن الكلام على حذف مضاف تقديره "محل الاجتماع"على حد قوله تعالى ﴿واسأل القرية﴾ [يوسف:٨٢] أي أهل القرية.الثاني - أنا لا نسلم أن المجلس اسم مكان بل هو مصدر ميمي فيكون معنى مجلس البيع "الجلوس لأجل البيع". (درر الحكام شرح مجلة الأحكام ١/١٣٢)

مجلس کے مفہوم کو واضح کرنے کے لیے چند عبارتیں دررالحکام شرح مجلۃ الاحکام سے نقل کی جاتی ہے:

(المادة:١٨٢) المتبايعان بالخيار بعد الإيجاب إلى آخر المجلس، مثلا: لو أوجب أحد المتبايعين البيع في مجلس البيع بأن قال: بعت هذا المال أو اشتريت ولم يقل الاخر على الفور اشتريت أو بعت بل قال ذلك متراخيا قبل انتهاء المجلس ينعقد البيع وإن طالت تلك المدة.

(درر الحكام ١/ ١٣٢)

ويعلم مما تقدم أن الإيجاب لا يبطل بتراخي القبول في المجلس وإن كان التراخي طويلا سواء أكان الإيجاب خطابا أم كتابة الدرر انظر المادة ٧٣. أما إذا وقع في المجلس من أحد العاقدين بعض الأمور المذكورة في المادة التالية كصدور قول أو فعل يدل على الإعراض أو افتراق العاقدين فقد بطل خيار المجلس؛ لأن الإيجاب يبطل بالإعراض والتفرق.

وإنما قلنا: إن خيار القبول يمتد إلى آخر المجلس مهما طال؛ لأن الإنسان مضطر إلى التفكير والتروي في أموره فجعل خيار المجلس ممتدا إلى آخره لذلك تيسيرا، وبما أن المجلس جامع للمتفرقات فقد

عدت ساعاته ساعة واحدة دفعا للحرج ولو جعل خيار القبول لا يمتد إلى آخر المجلس كان فورا للزم الحرج والحرج مدفوع بالنص حيث قال تعالى ﴿وما جعل عليكم في الدين من حرج﴾ [الحج:٧٨]، وقال ﴿يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر﴾ [البقرة: ١٨٥] وقال عليه الصلاة والسلام يسروا ولا تعسروا الزيلعي. (أيضا ١/١٣٣)

إذا أوجب أحد المتبايعين البيع وكان الآخر قائما فجلس وقبل البيع فالبيع ينعقد يعني أن قعود القابل بعد الإيجاب لا يمنع صحة القبول وكذلك إذا أوجب أحد المتبايعين البيع وكان في يد الآخر كأس ماء أو لقمة خبز فشرب الماء أو أكل اللقمة ثم قبل البيع فالبيع ينعقد. (أيضاً ١/١٣٣)

أما إذا انفض المجلس كاشتغال أحد المتبايعين بأكل الطعام ثم قبوله بالإيجاب يبطل ولا يبقى محل للقبول لتبدل المجلس لو نام أحد المتبايعين قاعدا بعد الإيجاب ثم أفاق من نومه فقبل الاخر فالبيع ينعقد أما إذا نام مضطجعا فيعتبر المجلس منفضا ولا ينعقد البيع بقبول الاخر بعد إفاقته، ولو قال البائع في مجلس: بعت مالي هذا من فلان الغائب عن المجلس ثم حضر ذلك الغائب قبل انفضاض المجلس وقبل البيع فالبيع ينعقد هندية.(أيضا١/١٣٣)

ويستثنى مما قلنا فيه بامتداد خيار القبول إلى آخر المجلس أن يكون التبايع بين اثنين سائرين أثناء سيرهما ماشيين فإن القبول والحالة هذه يجب أن يتصل بالإيجاب كما سيتضح في محله.(أيضا١/١٣٣)

يشترط في البيع اتحاد المجلس أي حصول الإيجاب والقبول في مجلس واحد وعلى هذا إن اختلف مجلس البيع فالبيع لا ينعقد هندية. (أيضا ١/١٣٣)

واتحاد المجلس يكون بعدم الاشتغال في المجلس بشيء غير سبب العقد وهذا الشرط من شروط انعقاد البيع المتعلقة بالمكان، والإعراض يكون إما بالقول وإما بالفعل فالقيام من المجلس لمصلحة كأكل الطعام أو شرب الماء أو النوم مضطجعا من الأفعال التي تدل على الإعراض فإذا فعل أحد المتعاقدين شيئا من ذلك بطل وإن كان مكان الاجتماع متحدا لتفرق مجلس العقد ولا ينعقد البيع بالقبول بعد ذلك؛ لأن امتداد خيار القبول إلى آخر المجلس ولا يعتبر المجلس متحدا مع حدوث ما يدل على الإعراض.

كالأكل والشرب والنوم والمشي وما أشبه ذلك من الأفعال أما إتمام الصلاة الفريضة أو النفل فلايوجب اختلاف المجلس كما أن شرب الماء من الكأس التي كانت في يده أو ازدراد اللقمة لاينافيان اتحاد المجلس رد المحتار.(أيضا١/١٣٤)

وقال العلامة الكاساني:(وأما) الذي يرجع إلى مكان العقد فهو اتحاد المجلس إذا كان العاقدان حاضرين وهو أن يكون الإيجاب والقبول في مجلس واحد حتى لو اختلف المجلس لاينعقد النكاح، بأن كانا حاضرين فأوجب أحدهما فقام الآخر عن المجلس قبل القبول، أو اشتغل بعمل يوجب اختلاف المجلس، لاينعقد؛ لأن انعقاده عبارة عن ارتباط أحد الشطرين بالآخر، فكان القياس وجودهما في مكان واحد، إلا أن اعتبار ذلك يؤدي إلى سد باب العقود؛ فجعل المجلس جامعا للشطرين حكما مع تفرقهما حقيقة للضرورة، والضرورة تندفع عند اتحاد المجلس، فإذا اختلف تفرق الشطرين حقيقة وحكما فلاينتظم

الرکن.(بدائع۲/۲۳۲)

اس لیے ڈاکٹر تنزیل الرحمن صاحب نے ''مجموعۂ قوانین اسلامی'' میں جو بات تحریر فرمائی ہے جس کو آپ نے اپنے سوال میں بہ ایں الفاظ نقل کیا ہے:

موجودہ دور میں رسل ورسائل کی ترقی اور آسانی کے پیش نظر فون پر بھی نکاح کا ایجاب وقبول ہوسکتا ہے بہ شرطے کہ ایجاب وقبول کو دونوں گواہان بھی بہ یک وقت سن سکیں اور آواز پہچانتے ہوں۔(۱/۱۲۱)

ڈاکٹر صاحب کی تحریر فرمودہ اس دفعہ سے میں بھی پورا اتفاق کرتا ہوں البتہ اس سلسلے میں دوسرے علما سے بھی دریافت کرلیں۔

اب آپ کے سوالات کے بالترتیب جوابات دیے جاتے ہیں:

① اگر گواہان لڑکے کی آواز کو پہچانتے ہیں اور ایجاب کے اور قبول کا جواب دینے سے پہلے لڑکے کی طرف سے اعراض پر دلالت کرنے والی کوئی بات پائی نہ گئی ہو تو یہ نکاح درست ہے۔

② اس کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر لکھا گیا ہے۔

③ یہ نکاح بھی شرائط بالا کے ساتھ درست ہے البتہ اس میں چوں کہ دونوں طرف کی شکلیں نظر آرہی ہیں اس لیے گواہوں کے حق میں آواز پہچاننے کی شرط نہیں رہے گی بلکہ یہ ایسا سمجھا جائے گا جیسا کہ دولہا دولہن گواہوں کی نگاہوں کے سامنے موجود ہوں اور وہ ایجاب وقبول کریں اور گواہ بہ یک وقت اس کو سنیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۵/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ٹیلی فون، ای میل اور انٹرنیٹ سے نکاح

سوال: اس وقت ہمارے ملک کے ذرائع ابلاغ میں تین مسئلوں پر بحث چھڑی ہوئی ہے، اور مختلف مسلم دانشور اور قانون داں اپنی اپنی رائے دے رہے ہیں، جس سے غلط فہمی ہونے کا اندیشہ ہے یہ مسئلہ حسب ذیل ہیں:

① ٹیلیفون پر نکاح درست ہے یا نہیں؟ صورت یہ ہوتی ہے کہ ٹیلیفون کے ذریعہ دونوں جگہ امریکہ اور ہندوستان میں مجلس منعقد ہوتی ہے۔ مثلاً لڑکا امریکہ میں ہے، اس کے ساتھ کچھ لڑکے بیٹھے ہوتے ہیں، لڑکی ہندوستان میں ہے، یہاں قاضی نے اس سے نکاح کی اجازت لے لی، اب فون لگایا جاتا ہے، لڑکا فون پر حاضر ہے، قاضی صاحب اس کو لڑکی کا نام وغیرہ بتا کر نکاح قبول کرواتے ہیں، وہ اپنی قبولیت کا اعلان کرتا ہے، جس کو یہاں قاضی صاحب سنتے ہیں اور دو گواہوں کو بھی سنوایا جاتا ہے، اور وہاں امریکہ میں بھی لڑکے کے پاس جو ہوتے ہیں ان کو بھی سنوایا جاتا ہے، اور وہ بھی ٹیلیفون پر بتاتے ہیں کہ لڑکے نے بھی قبول کرلیا؛ مگر عاقدین کی مجلس الگ الگ ہوتی ہے، لڑکی کی طرف سے وکیل بالنکاح قاضی کی بات لڑکے سے فون ہی پر ہوتی ہے، مجلس الگ الگ ہوتی ہے اس صورت میں نکاح درست ہوا یا نہیں؟

ایک اَور ٹیلیفون آلہ ایجاد ہوا ہے جس پر غالباً بولنے والے کا فوٹو بھی آجاتا ہے، اور جو بولتا ہے وہ عبارت بھی محفوظ ہوجاتی ہے، اس کا نام شاید ایس ایم ایس ہے، اور وہ ایک طرح کا موبائیل ٹیلیفون ہے، اس پر بھی نکاح درست ہوگا یا نہیں؟

② اسی طرح فون کے ذریعے کوئی مرد اپنی بیوی کو طلاق دے تو واقع اور نافذ

ہوگی یا نہیں؟ مثلاً ایک عورت کہتی ہے کہ میرے شوہر نے (جو غیر ملک میں رہتا ہے) میری خیر خبر نہیں لیتا تھا، میں نے فون کر کے اس کو اپنا حال بتایا تو دوسرے دن اس نے ٹیلیفون کر کے مجھ سے کہا کہ: میں فلاں ہوں، تم میری آواز پہچان رہی ہو یا نہیں؟ عورت نے کہا کہ: میں آواز پہچان رہی ہوں۔ اس کے بعد اس نے کہا: سنو! میں نے تم کو طلاق دیا، اپنے نکاح سے خارج کیا، تم آزاد ہو۔ یہ صرف بیوی اور شوہر کے درمیان بات ہوئی، کسی اَور سے بات نہیں؟ اس صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اسی طرح جس آلہ کا میں نے تذکرہ کیا اس کے ذریعہ کوئی طلاق دے دے تو طلاق ہوگی یا نہیں؟

③ اسی طرح ای میل اور انٹرنیٹ کے ذریعے نکاح کی قبولیت یا طلاق کی خبر دے تو یہ شرعاً معتبر ہوگا یا نہیں؟ ای میل اور انٹرنیٹ آج کل مشہور ذرائعِ ابلاغ میں سے ہیں، واضح رہے کہ نکاح کے منعقد ہونے کے لیے دو گواہوں کی شرط ہے، وقوعِ طلاق کے لیے گواہوں کی شرط نہیں؛ لیکن یہاں مسئلہ فون اور ایس ایم ایس وانٹرنیٹ وغیرہ پر نکاح وطلاق کا ہے، چوں کہ اِدھر اخبار والے روزانہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کی رائے جاننا چاہتے ہیں، تو میں نے ضرورت محسوس کی کہ آپ سے اس کا شرعی حکم دریافت کرلوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اگر لڑکی نے قاضی کو اپنا وکیل بنایا اور اس نے فون پر لڑکے کے ساتھ رابطہ قائم کر کے ایجاب کیا، اور اس کے بعد لڑکے نے قبول کرلیا اور مجلسِ عقد میں دو گواہ موجود ہوں، جو اس ایجاب وقبول کو سن رہے ہوں تو نکاح منعقد ہوجائے گا، اور یہ گفتگو ایسے فون پر ہونی چاہیے جس میں ریسیور اٹھائے بغیر فون پر آواز آتی ہے، اور وہاں پر موجود

تمام حضرات آواز سنتے ہیں؛ تاکہ دوسری طرف سے قبول کی آواز ایجاب کرنے والا بھی سن لے، اور وہاں موجود حاضرین اور گواہ بھی سن لیں۔ اسی طرح جسے قبول کرنا ہے اس کے پاس بھی اسی طرح کا فون ہوتا کہ وہ خود ایجاب کو سنے، اور وہاں موجود حضرات بھی سن لیں۔ ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ گواہ ایجاب وقبول کرنے والے کی آواز کو جانتے اور پہچانتے ہوں، کسی قسم کے دھوکے کا اندیشہ نہ ہو، ویڈیو کانفرنسنگ میں یہ صورت بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگی؛ کیوں کہ اس میں ایجاب وقبول کرنے والے ایک دوسرے کو دیکھتے بھی ہیں۔

انٹرنیٹ اور ای میل پر نکاح درست نہ ہوں گے؛ کیوں کہ انٹرنیٹ اور ای میل کے ذریعے صرف پیغام رسانی ہوتی ہے، نہ ایک دوسرے کی بات سنتے ہیں نہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں؛ لہٰذا یہ شرط پوری نہ ہوسکے گی۔

وشرطه حضور شاهدين حرين او حروحرتين مكلفين سامعين قولهما جميعامعا. (در مختار)

البتہ انٹرنیٹ اور ای میل کے ذریعے لڑکی نے لڑکے کو اپنے نکاح کا وکیل بنایا، مثلاً یوں پیغام دیا کہ: آپ اپنے ساتھ میرا نکاح کرو اور اس پیغام کے ملنے پر لڑکے نے اپنے پاس موجود دو مسلمان عاقل گواہوں کے سامنے یہ کہا کہ: بذریعہ انٹرنیٹ یا ای میل فلانہ بنت فلاں نے اپنا نکاح میرے ساتھ کرنے کے لیے مجھے وکیل بنایا ہے، چناں چہ میں نے اس کا نکاح خود سے کردیا تو اس صورت میں نکاح منعقد ہوجائے گا۔ یہ وہی صورت ہے جو بذریعہ خط نکاح کی بتلائی گئی ہے۔ اسی طرح لڑکی یا لڑکا بذریعہ انٹرنیٹ یا ای میل کسی کو اپنے نکاح کا وکیل بنائیں اور وہ وکیل بالنکاح دو گواہوں کی

موجودگی میں ایجاب کرے، اور فریقِ ثانی یا اس کا وکیل جو اس مجلس میں موجود ہے اس کو قبول کرے تب بھی نکاح درست ہوگا۔

ولا بكتابة حاضر بل غائب بشرط إعلام الشهود بما في الكتاب ما لم يكن بلفظ الأمر فيتولى الطرفين فتح (قوله: ولا بكتابة حاضر) فلو كتب تزوجتك، فكتبت: قبلت لم ينعقد، بحر. والأظهر أن يقول: فقالت قبلت إلخ؛ إذ الكتابة من الطرفين بلا قول لا تكفي ولو في الغيبة، تأمل.(قوله:بل غائب) الظاهر أن المراد به الغائب عن المجلس، وإن كان حاضرا في البلد ط (قوله: فتح) فإنه قال ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب. وصورته: أن يكتب إليها يخطبها فإذا بلغها الكتاب أحضرت الشهود وقرأته عليهم وقالت: زوجت نفسي منه، أو تقول إن فلانا كتب إلي يخطبني فاشهدوا أني زوجت نفسي منه، أما لو لم تقل بحضرتهم سوى زوجت نفسي من فلان لا ينعقد؛ لأن سماع الشطرين شرط صحة النكاح، وبإسماعهم الكتاب أو التعبير عنه منها قد سمعوا الشطرين،بخلاف ما إذا انتفيا قال في المصفى: هذا أي إذا كان الكتاب بلفظ التزوج، أما إذا كان بلفظ الأمر كقوله: زوجي نفسك مني، لايشترط إعلامها الشهود بما في الكتاب؛ لأنها تتولى طرفي العقد بحكم الوكالة، ونقله عن الكامل، وما نقله من نفي الخلاف في صورة الأمر لا شبهة فيه على قول المصنف والمحققين، أما على قول من جعل لفظة الأمر إيجابا كقاضي خان على ما نقلناه عنه فيجب إعلامها إياهم ما في الكتاب.اهـ

وقوله: لاشبهة فيه إلخ قال الرحمتي: فيه مناقشة لما تقدم أن من

قال إنه توكيل يقول توكيل ضمني، فيثبت بشروط ماتضمنه وهو الإيجاب كما قدمناه، ومن شروطه: سماع الشهود فينبغي اشتراط السماع هنا على القولين؛ إلا أن يقال قد وجد النص هنا على أنه لا يجب فيرجع إليه. اهـ (در مختار مع الشامی ۲/۲۸۸)

ایس ایم ایس بذریعہ موبائیل پیغام رسانی کا ایک طریقہ ہے، اس کا حکم بھی وہی ہے جو انٹرنیٹ اور ای میل کا ہے۔

② فون کے ذریعہ اگر کوئی مسٹر اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو وہ واقع ہوجائے گی؛ اس لیے کہ وقوع طلاق کے واسطے شوہر کی طرف سے کلمات طلاق کا تلفظ کافی ہے، کسی کا سننا بھی ضروری نہیں۔

(و يجري ذلك) المذكور (في كل ما يتعلق بنطق، كتسمية على ذبيحة ووجوب سجدة تلاوة وعتاق وطلاق واستثناء) وغيرها؛ (قوله ويجري ذلك المذكور) يعني كون أدنى ما يتحقق به الكلام إسماع نفسه أو من بقربه (رد المختار ۱/۳۹۵)

البتہ اگر کسی شوہر نے بذریعہ فون اپنی بیوی کو طلاق دی اور بعد میں وہ مکر گیا تو گواہوں کے بغیر ثبوت مشکل ہے۔

③ ای میل اور انٹرنیٹ اور ایس ایم ایس کے ذریعے دی ہوئی طلاق بھی واقع ہوجائے گی؛ بشرطے کہ شوہر اس کا اقرار کرتا ہو، اور ان کا حکم بھی وہی ہے جو تحریر اور خط کا ہے۔

كتب الطلاق، وإن مستبينا على نحو لوح وقع إن نوى، وقيل مطلقا، ولو على نحو الماء فلا مطلقا. ولو كتب على وجه الرسالة والخطاب،

كأن يكتب يا فلانة: إذا أتاك كتابي هذا فأنت طالق طلقت بوصول الكتاب جوهرة.(درمختار على هامش ردالمحتار٢/٤٦٤، ٤٦٥) (قوله كتب الطلاق إلخ) قال في الهندية: الكتابة على نوعين: مرسومة وغير مرسومة، ونعني بالمرسومة أن يكون مصدرا ومعنونا مثل ما يكتب إلى الغائب. وغير المرسومة أن لا يكون مصدرا ومعنونا، وهو على وجهين: مستبينة وغير مستبينة، فالمستبينة ما يكتب على الصحيفة والحائط والأرض على وجه يمكن فهمه وقراءته. وغير المستبينة ما يكتب على الهواء والماء وشيء لا يمكنه فهمه وقراءته. ففي غير المستبينة لا يقع الطلاق وإن نوى، وإن كانت مستبينة لكنها غير مرسومة إن نوى الطلاق وإلا لا، وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أو لم ينو ثم المرسومة لا تخلو إما أن أرسل الطلاق بأن كتب: أما بعد فأنت طالق، فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة. وإن علق طلاقها بمجيء الكتاب بأن كتب: إذا جاءك كتابي فأنت طالق فجاءها الكتاب فقرأته أو لم تقرأ يقع الطلاق كذا في الخلاصة ط ولو استكتب من آخر كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع إن أقر الزوج أنه كتابة أو قال للرجل: ابعث به إليها، أو قال له: اكتب نسخة وابعث بها إليها، وإن لم يقر أنه كتابه ولم تقم بينة لكنه وصف الأمر على وجهه لا تطلق قضاء ولا ديانة، وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق ما لم يقر أنه كتابه اهـ ملخصا.(رد المختار ٢/ ٤٦٤، ٤٥٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عرفی نام سے بھی نکاح ہوجاتا ہے

سوال: میری بھانجی میمونہ بی بی عرف یاسمین بانو کی شادی چند ماہ قبل ہوئی ہے، غلطی سے قاضی نامہ میں اس کا اصلی نام یعنی میمونہ بی بی کے بجائے عرفی نام یعنی یاسمین بانو رکھ دیا گیا ہے، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا اس صورت میں کوئی خرابی نکاح میں ہوگی؟ جب کہ منکوحہ کے سسرال والوں کو کوئی اعتراض نام کے بارے میں نہیں ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اصل مقصود تعریف وتمیز ہے، اگر یہ حاصل ہوجائے تو نکاح درست ہوجاتا ہے۔ صورت مسئولہ میں آپ کی بھانجی جس کا نکاح ہوا، اپنے عرفی نام سے معروف اور پہچانی جاتی ہے تو نکاح ہوگیا ہے۔

قلت: وظاهره أنها لوجرت المقدمات على معينة وتميزت عند الشهود أيضا يصح العقد، وهي واقعة الفتوىٰ؛ لأن المقصود نفي الجهالة، وذلك حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود إلخ (شامی ۲/۲۹۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بوقتِ نکاح سوتیلے باپ کی طرف نسبت کرنا

سوال: میرا ایک لے پالک متبنیٰ بیٹا ہے، جس کی شادی عن قریب ہونے والی ہے، میں محض اپنی اور اپنے لے پالک بیٹے کی خواہش، خوشی اور احسان شناسی کی بنا پر ایجاب وقبول کے موقع پر نکاح خوانی میں بہ جائے اس کے اصل باپ کے میری ولدیت

اسمِ گرامی میں درج کراؤں، کہ اس کے اصل باپ کو اعتراض بھی نہ رہے اور لوگ اس کے اصل نسب سے واقف بھی ہیں، تو صحتِ نکاح میں کوئی حرج ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لے پالک بیٹے کو اس کے اصلی باپ کی طرف منسوب کرکے پکارنے کا قرآن میں صریح حکم موجود ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ادعوهم لآبائهم هو أقسط عند الله﴾ (الأحزاب:٥) اس لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے اس لے پالک بیٹے کو بہ وقتِ نکاح بولنے اور لکھنے میں اس کے اصلی باپ کی طرف منسوب کیجیے، اپنی یا لے پالک بیٹے کی خواہش اور خوشی کے لیے قرآن پاک میں وارد اللہ کے حکم کی صریح خلاف ورزی کرنا بہت بڑی جرأت کی بات ہے۔ حدیث پاک میں اس پر بڑی سخت وعید آئی ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من ادعیٰ إلیٰ غیر أبیه وهو یعلم أنه غیر أبیه فالجنة علیه حرام (بخاری ۱۰۰۱/۲) (جو آدمی اپنے آپ کو اپنے باپ کے علاوہ دوسرے کی طرف منسوب کرے حال یہ کہ وہ جانتا ہے کہ جس کی طرف اپنے آپ کو منسوب کر رہا ہے وہ اس کا باپ نہیں ہے، تو اس پر جنت حرام ہے)۔ ایک اور روایت میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر سے تعبیر فرمایا ہے: قال لا ترغبوا عن آبائکم فمن رغب عن أبیه فهو کفر (بخاري ۱۰۰۱/۲)

اس لیے آپ ہرگز ایسا نہ کریں، اس کے باوجود اگر بہ وقتِ نکاح اس کی نسبت آپ کی طرف کی گئی اور لڑکی جانتی ہے کہ اس سے مراد یہی لڑکا ہے جس کے ساتھ اس کا نکاح ہونے والا ہے، تو تعریف اور تمیز جو مقصود ہے حاصل ہونے کی وجہ سے عقدِ

نکاح درست قرار دیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴ر رجب ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مجلس نکاح میں تحریر سے نکاح

سوال: انیس احمد نے نفیسہ بیگم کے ساتھ مندرجۂ ذیل طریقہ سے نکاح کیا کہ انیس احمد نے ایک تحریری مضمون تیار کیا، پھر اس کو نفیسہ بیگم کو دیا اور نفیسہ بیگم نے اس پر خوشی سے دستخط کردی، اور ساتھ میں یہ بھی بیگم نے اپنے ہاتھوں سے لکھ دیا کہ یہ مضمون کا خلاصہ مجھے دو سال تک منظور ہے، (گویا دو سال کے اندر ناکح نے قبول نہیں کیا تو اس کے بعد از سرِ نو اجازت لی جائے) اس کے بعد انیس احمد نے ایک ماہ کے بعد یہ مضمون دو آدمیوں کے سامنے پڑھا، اور فوراً کہا کہ میں نے منظور کرلیا، تو کیا اس طرح کرنے سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے؟ جن دو عاقل بالغ مسلمان مردوں کے سامنے پڑھا وہ دونوں حضرات بیگم کو جانتے بھی ہیں کہ فلاں بنت فلاں اور فلاں وطن کی ہے، جانبین میں کفو برابر ہے، دونوں کی عمریں سنِ بلوغت سے متجاوز ہیں۔

مضمون یہ ہے ''میں عاقلہ بالغہ اپنی دلی خوشی سے بغیر کسی کے زبردستی اور بغیر کسی کی شرم اور دباؤ کے اپنے دل کی بات زبان پر لاکر لکھ کر دیتی ہوں، کہ میں نے اپنی پوری ذات آپ کو..... یعنی مکمل نام (فلاں بن فلاں) کو مہرِ فاطمی کے عوض عقد نکاح میں دے دیا، مہر ادھار مجھے منظور ہے، میرا پورا پتہ (فلاں بنت فلاں)، اللہ ہم دونوں کو عزت، محبت دے اور دین پر قائم رکھے''

مذکورہ بالا مضمون سائل کے کہنے کے مطابق حرف بہ حرف ہے، اب اگر نکاح منعقد ہو گیا تو مہرِ فاطمی کتنے روپیہ ہوتی ہے؟ نیز اس کی ادائیگی بوقتِ نکاح چاندی کی قیمت سے دینی ہوگی یا بوقتِ ادا کی قیمت پر ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں نکاح منعقد نہیں ہوا، اس لیے کہ نفیسہ بیگم کی طرف سے جو مضمون تیار کر کے انیس احمد کو دیا گیا اس مجلس میں انیس احمد خود موجود ہے؛ بلکہ مضمون کو تیار کرنے والا ہی وہ ہے، اب اگر اسی مجلس میں گواہ موجود ہوتے اور وہیں انیس احمد اس مضمون کو گواہوں کے سامنے پڑھ کر سنا دیتا اور پھر اپنی طرف سے منظوری کے الفاظ ادا کرتا، تب بھی نکاح درست نہ ہوتا، اس لیے کہ موجود آدمی کی طرف سے تحریر کافی نہیں ہے، اور تحریر دینے والی نفیسہ بیگم اور جس کے ساتھ نکاح ہو رہا ہے وہ انیس احمد حاضر وموجود ہونے کی وجہ سے یہ تحریر شرعاً معتبر نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: ولا بكتابة حاضر؛ بل غائب الخ (درمختار ۲/ ۲۸۸)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس پر حاشیہ تحریر فرماتے ہیں: (قوله ولا بكتابة حاضر) فلو كتب تزوجتك فكتبت قبلت لم ينعقد، بحر والأظهر أن يقول فقالت قبلت الخ إذا الكتابة من الطرفين بلا قول لا تكفي؛ ولو في الغيبة تأمل (شامی ۲/ ۲۸۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

موعود نکاح کی شرعی حیثیت

سوال: ایک لڑکی نے کسی لڑکے سے کہا کہ میں تجھ سے ہی نکاح کروں گی؛ مگر والدین نے کسی اور سے نکاح کر دیا، یا لڑکے نے کہا میں تجھ سے ہی نکاح کروں گا؛ مگر لڑکے کے والدین نے دوسری لڑکی سے اس کا نکاح کرا دیا، کیا ایسی صورت میں لڑکا یا لڑکی کسی اور سے نکاح کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں سامنے والا لڑکا یا لڑکی (جن سے نکاح کا وعدہ کیا گیا تھا) کسی دوسری لڑکی یا لڑکے سے نکاح کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نکاح پر تعلیقِ طلاق کی تھی اس سے نکلنے کا حیلہ

سوال: ① زید نے قسم کھائی اگر میں نے ہندہ سے نکاح کیا، تو اسے تین طلاق، اگر ہندہ سے نکاح کرنا چاہے تو اس کی کیا شکل ہوگی؟

نکاحِ فضولی

② نکاحِ فضولی کسے کہتے ہیں؟ اس میں دولہے کا منہ سے بولنا ضروری ہے یا صرف سر ہلانا کافی ہے؟

③ قبل از نکاح دولہے کو اشارہ کرے کہ تو بولنا مت، ہم نکاح پڑھ دیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① صورتِ مسئولہ میں طلاق نہ ہونے کا حیلہ یہ ہے کہ زید خود نکاح نہ کرے، نہ کسی کو وکیل بنائے، نہ امر کرے؛ بلکہ کوئی دوسرا شخص بطورِ فضولی کے زید کا نکاح ہندہ سے کردے، اور زید اس نکاح کی منظوری قول کے ساتھ نہ دے بلکہ (اس فضولی نے بوقتِ نکاح جو مہر مقرر کیا ہے وہ پورا یا اس کا کوئی حصہ ہندہ کے پاس بھیج دے، اس کے بعد) وہ ہندہ سے وطی کرلے، تو یہ اجازت بھی ہوجائے گی، اور زید کا نکاح بھی ہوجائے گا، اور طلاق بھی نہیں پڑے گی۔ (کفایت المفتی ۶/۲۶۱ بتغیر یسیر)

حلف لا يتزوج، فزوجه فضولي، فأجاز بالقول حنث، وبالفعل ومنه الكتابة خلافا لابن سماعة لايحنث به يفتى خانية (درمختار) (قوله فاجاز بالقول) كرضيت وقبلت، نهر وفى حاوى الزهدى: لو هنأه الناس بنكاح الفضولى فسكت فهو اجازة (قوله حنث) هذا هو المختار كما فى التبيين، وعليه اكثر المشايخ والفتوىٰ عليه كما فى الخانية، وبه اندفع مافى جامع الفصولين من ان الاصح عدمه، بحر (قوله بالفعل) كبعث المهر او بعضه بشرط ان يصل اليها، وقيل: الوصول ليس بشرط، نهر وكتقبيلها بشهوة وجماعها؛ لكن يكره تحريما لقرب نفوذ العقد من المحرم، بحر قلت فلو بعث المهر اولا لم يكره التقبيل والجماع لحصول الاجازة قبله الخ (شامی ۳/۱۵۰)

② فضولی اس شخص کو کہتے ہیں جو دوسرے آدمی کے لیے، ایسا تصرف کرے جس تصرف کی اس کو نہ تو شریعت کی طرف سے ولایت حاصل ہو اور نہ تو (اس غیر نے جس کی طرف سے وہ تصرف کررہا ہے) اس کو اپنا وکیل بنایا ہو۔

هو من يتصرف لغيره بغير ولاية ولا وكالة (بحر الرائق ٣ /١٤٧)

بوقتِ عقد دولہا وہاں موجود نہ ہو؛ بلکہ یہ اجنبی (فضولی) اپنے طور پر زید کا نکاح کردے، بعد میں زید فعلاً (جواب سابق میں بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق) اجازت دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باپ کے کرائے ہوئے نکاح میں فسخ کا اختیار نہیں

سوال: میری شادی والدین نے اپنی مرضی سے میرے بچپن میں کرادی تھی، جب کہ میری عمر ۳/سال کی تھی، اب جب کہ میں بلوغ کو پہنچی تو مجھے معلوم ہوا کہ جس شخص سے میری شادی طے کی گئی ہے وہ شخص شرابی وجواری ہے، اور اسلامی تعلیمات سے بہت دور ہے، میرے والدین بھی اب اس رشتہ سے راضی نہیں ہیں، اور میں بھی اس رشتہ کو مذکورہ وجوہات کی بناء پر سخت ناپسند کرتی ہوں، میری ابھی رخصتی نہیں ہوئی ہے، برائے مہربانی آپ اس مسئلہ میں لوجہ اللہ حصہ لے کر اس رشتہ کو فسخ کرادیں، اور شریعت کے احکام کے مطابق فریقین کو اپنی اپنی ذمہ داری سمجھا کر عند اللہ ماجور ہوں، اور ابھی میری عمر ۱۷/سال ہے۔

نوٹ: جس وقت لڑکی کی شادی ہوئی تھی اس وقت اس کی عمر ۵/سال کی تھی، ابھی لڑکے کی عمر ۱۹/سال کی ہے، اور اس وقت مہر تقریباً ۲۰۱ (دوسو ایک) دیا تھا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

باپ کو اپنی نابالغ اولاد (چاہے وہ لڑکی ہو یا لڑکا اس) پر ولایتِ اجبار حاصل

ہے، یعنی وہ لڑکا اور لڑکی چاہے یا نہ چاہے باپ اس کا نکاح کرا سکتا ہے۔

والولایة: تنفیذ القول علی الغیر شاء أو أبیٰ، وهی نوعان: ولایة ندب علی المکلفة ولو بکرا، ولایة اجبار علی الصغیرة الخ.

(درمختار علی هامش الشامیة ۲ /۳۲۱)

باپ نے جب اپنے نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح کرادیا تو وہ لازم ہوگیا اور بالغ ہونے کے بعد اس لڑکے یا لڑکی کو اپنا نکاح فسخ کرانے کا بھی اختیار نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: وللولی انکاح الصغیر والصغیرة جبرا ولو ثیبا کمعتوه ومجنون شهرا، ولزم النکاح ولو بغبن فاحش.

علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں: (قوله ولزم النکاح) أي بلا توقف علی اجازة أحد وبلا ثبوت خیار فی تزویج الأب والجد والمولی الخ.

(درمختار مع الشامیة ۲/ ۳۳۰،۳۲۹)

بہشتی زیور میں ہے: مسئلہ: نابالغ لڑکی یا لڑکے کا نکاح اگر باپ نے یا دادا نے کیا ہے تو جوان ہونے کے بعد بھی اس نکاح کو رد نہیں کر سکتے، چاہے اپنے میل میں کیا ہو یا بے میل، کم ذات والے سے کر دیا ہو، اور چاہے مہر مثل پر نکاح کیا ہو یا اس سے بہت کم پر نکاح کر دیا ہو، ہر طرح نکاح صحیح ہے، اور جوان ہونے کے بعد بھی وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ (بہشتی زیور اختری عکسی حصہ ۹)

آپ کا نکاح چوں کہ آپ کے والد صاحب نے کر دیا ہے اس لیے یہ نکاح لازم ہو چکا ہے، اس کو فسخ نہیں کیا جا سکتا، نہ آپ کو اختیار حاصل ہے اور نہ ہی ہمیں، اب تو آپ اس لڑکے کے ساتھ گھر آباد کر کے اس کی اصلاح کی کوشش کیجئے یا پھر اس کو کچھ

رقم دے کر اس سے طلاق حاصل کر لیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ / جمادی الاخریٰ ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نومسلم میاں بیوی کے لیے تجدید نکاح

سوال: غیر مسلم میاں بیوی ایمان میں داخل ہوئے، کیا ان کو نکاح کرنا ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

انہوں نے زمانۂ کفر میں اپنے مذہب کے طریقے سے جو نکاح کیا تھا اگر دونوں ساتھ میں مسلمان ہوئے ہیں تو وہی کافی ہے، تجدید کی ضرورت نہیں ہے، بشرطیکہ ان میں آپس میں کوئی رشتۂ حرمت نہ ہو، اگر رشتۂ حرمت ہے تو وہ نکاح ختم ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

منکوحہ کے نام کے ساتھ کس کا نام لکھا جائے؟

سوال: جب بچی مدرسہ یا اسکول میں پڑھتی ہے، تو اس وقت لڑکی کے نام کے ساتھ اس کے والد کا نام عموماً لکھا جاتا ہے، مثلاً فاطمہ بی بی بنت عبداللہ؛ مگر جب لڑکی کی شادی ہو جاتی ہے، تو اس کے بعد لڑکی کے والد کا نام اس کے نام کے ساتھ لکھا جائے گا یا اس کے خاوند کا نام لکھا جائے گا؟ شرعی مسئلہ کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شادی کے بعد اگر عورت کا تعارف باپ کی طرف نسبت کرتے ہوئے کرنا مقصود

ہو، تو باپ کا نام ذکر کریں گے، مثلاً: فلانہ بنت فلان، اور اگر شوہر کی طرف نسبت کرتے ہوئے تعارف کرنا مقصود ہو، تو شوہر کا نام ذکر کریں گے، مثلاً: فلانہ زوجۂ فلان، مقصود تعارف ہے وہ جس سے حاصل ہو جائے، حدیث پاک میں دونوں طریقے اختیار کئے گئے ہیں۔ ''مشکوٰۃ شریف'' میں بحوالۂ ''ترمذی'' روایت موجود ہے: عن أنس أن النبي ﷺ قال: حسبك من نساء العالمين مريم بنت عمران، وخديجة بنت خويلد، وفاطمة بنت محمد، و آسية امرأة فرعون (٥٧٣)

دیکھئے! اس روایت میں چار عورتوں کا تذکرہ موجود ہے، جن میں سے تین کی نسبت باپ کی طرف کی گئی ہے اور ایک کی نسبت شوہر کی طرف ہے۔

عن جابر أن رسول الله ﷺ قال: أريت الجنة، فرأيت امرأة أبي طلحة، وسمعت خشخشة أمامي فإذا بلال رواه مسلم (مشكوٰة ٥٧٤)

دیکھے! اس روایت میں حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا والدۂ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی نسبت ان کے شوہر کی طرف کی گئی۔

عن زينب امرأة عبدالله بن مسعود قالت: قال رسول الله ﷺ: تصدقن يامعشر النساء ولو من حليكن، قالت: فرجعت إلى عبدالله، فقلت: إنك رجل خفيف ذات اليد، و أن رسول الله ﷺ قد أمرنا بالصدقة، فأته، فاسئله، فان كان ذلك يجزئ عني وإلا صرفتها إلى غيركم؟ قالت: فقال لي عبدالله: بل إئتيه أنت، قالت فانطلقت، فاذا امرأة من الانصار بباب رسول الله ﷺ، حاجتي حاجتها، قالت: وكان رسول الله ﷺ قد ألقيت عليه المهابة، فقالت: فخرج علينا بلال، فقلنا له: إئت رسول الله ﷺ، فاخبره أن امرأتين بالباب تسألانك، أتجزئ

الصدقة عنهما علي أزواجهما وعلى أيتام في حجورهما؟ ولا تخبره مَن نحن؟ قالت: فدخل بلال على رسول الله ﷺ فسأله، فقال له رسول الله ﷺ: من هما؟ قال: إمرأة من الانصار وزينب، فقال رسول الله ﷺ: أي الزيانيب؟ قال امرأة عبدالله الخ (مشکوٰۃ ۱۷۱)

اس روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دریافت فرمانے پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جواب دیتے ہوئے جو تعارف کرایا، اس میں شوہر کی طرف نسبت فرمائی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خفیہ طور پر نکاح کرنے کے بعد دوبارہ مجمع میں نکاح کرنے سے متعلق چند احکام

سوال: ہمارے یہاں ری یونین فرانس میں ایک رواج چل پڑا ہے کہ نوجوان لڑکے لڑکیاں چپکے سے اپنا نکاح دو گواہوں کے سامنے پڑھواتے ہیں، اور حال یہ ہے کہ ماں، باپ و دیگر رشتہ دار کسی کو کچھ خبر نہیں سوائے چند مخصوص افراد (گواہ) نکاح پڑھوانے والے اور ایک دو خاص دوست کے، اور یہ اس وجہ سے کرتے ہیں تاکہ حلال طریقہ سے میل ملاپ ہو اور گناہ سے بچ جاویں، مگر آگے چل کر باقاعدہ دوبارہ مسجد میں نکاح پڑھواتے ہیں، اس رواج کی وجہ سے خاندان کے خاندان میں خلفشار پیدا ہو گیا اور دوستی دشمنی سے بدل گئی، اور حسد، بغض، عداوت، کینہ اور کپٹ خاندان کے درمیان میں پیدا ہوا، اب دریافت کرنا یہ ہے کہ:

① ایک مرتبہ نکاح پڑھنے کے بعد دوسری مرتبہ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

② چھپ کر نکاح کرنے کے بعد دونوں کے لیے سب کچھ حلال ہو گیا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو بچہ پیدا ہونے پر اس بچہ کو کیا کہا جائے گا؟ جائز یا ناجائز اولاد؟

③ دوبارہ نکاح کرنے سے شوہر تین طلاق کا مالک رہے گا یا نہیں؟

④ اگر لڑکی اس اثناء میں انکار کر دیوے کہ مجھے تمہارے ساتھ رہنا اور زندگی گذارنا نہیں ہے، اور میرے ماں، باپ تجھ کو پسند نہیں کرتے، لہٰذا مجھ کو طلاق دے دو، اور طلاق نہ دینے کی صورت میں مسلم پنچایت سے اس لڑکے پر دباؤ ڈال سکتے ہیں یا نہیں؟

⑤ اور بعض ماں، باپ نے تو بغیر طلاق کے اپنی لڑکی کا دوسری جگہ نکاح پڑھوا دیا ہے، تو کیا ان کے لیے یہ جائز ہے؟

⑥ غیر مسلم قاضی اگر لڑکے اور لڑکی کے درمیان میں ایجاب وقبول کے لیے واسطہ بن جاوے تو نکاح ہو جائے گا یا نہیں؟ جب کہ دو مسلم گواہ موجود ہوں، اور جو شخص اس قسم کے رواج کو ہوا دیتا ہے اور لوگوں کو اکساتا ہے، ایسے شخص کے متعلق شریعت نے کچھ سزا مقرر کی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①② لڑکی نے جس لڑکے کے ساتھ نکاح کیا ہے وہ اگر اس لڑکی کا شرعاً کفو نہیں ہے، تو یہ عقد نکاح درست نہیں ہوا، بعد میں لڑکی کا ولی اجازت ورضامندی ظاہر کرے تب بھی یہ نکاح معتبر نہ ہوگا۔

درمختار میں ہے: (ویفتیٰ) فی غیر الکفؤ (بعدم جوازہ أصلاً) وھو المختار

للفتویٰ (لفساد الزمان) (در مختار) قال العلامة ابن عابدين: (قوله بعدم جوازه أصلاً) هذه رواية الحسن عن أبي حنيفة، وهذا إذا كان لها ولي ولم يرض به قبل العقد فلا يفيد الرضا بعده، بحر وأما إذا لم يكن لها ولیّ فهو صحيح نافذ مطلقاً اتفاقاً كما يأتي.(در مختار مع الشامی۲/ ۳۲۳،۳۲۲)

البتہ اصول فقہ کے اعتبار سے یہ نکاح بحکم نکاح فاسد ہے، جس کی تفصیلی بحث فتاویٰ محمودیہ: ۷ / ۳۷۴ تا ۳۷۷ پر موجود ہے، نکاح فاسد میں وطی حلال نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود اگر مرد نے وطی کرلی اور بچہ پیدا ہوا، تو شرعاً وہ بچہ ثابت النسب ہوگا۔ (درمختار مع الشامی ۲ / ۲۵۹، کوئٹہ) لہٰذا اس صورت میں دوبارہ نکاح باذن ولی ضروری ہے۔

اور اگر لڑکی نے جس لڑکے کے ساتھ نکاح کیا وہ اس کا کفو ہے، تو اگر دیگر شرائط صحت نکاح موجود ہیں تو نکاح درست ہوگا، وطی بھی جائز ہوگی، اور اولاد تو ثابت النسب ہوگی ہی۔ (کما ھو مصرح فی جمیع الکتب) اور جب یہ نکاح درست ہو گیا تو اب دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں ہے، پھر بھی اگر کرلیا تو یہ غیر ضروری اور لغو فعل ہوگا اور نکاح سابق باقی رہے گا۔

③ جس صورت میں پہلا نکاح درست قرار دیا گیا ہے اس صورت میں شوہر پہلے ہی تین طلاق کا مالک ہے، اور جس صورت میں پہلا نکاح درست نہیں تھا اس صورت میں دوسرے نکاح سے تین طلاق کا مالک قرار دیا جائے گا۔

④ جس صورت میں پہلا نکاح غیر کفو سے ہوا ہے تو وہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا، اس لیے اس میں طلاق یا متارکت کی حاجت نہیں۔ (احسن الفتاویٰ ۵ / ۱۰۴)

اور اگر کفو میں ہوا ہے تو نکاح درست ہے، طلاق کے لیے لڑکے پر دباؤ نہیں

ڈال سکتے؛ البتہ فہمائش کی جاسکتی ہے۔

⑤ پہلی صورت میں جائز ہے، دوسری صورت میں وہ نکاح نہیں ہوا، لڑکی پہلے شوہر کے نکاح میں قائم ہے۔

⑥ جب لڑکا لڑکی اس مجلس میں موجود ہیں تو وہ ایجاب وقبول انہیں کی طرف منسوب ہوگا، اور دو مسلم گواہ بھی موجود ہیں؛ اس لیے اگر کفو میں ہے تو وہ نکاح درست ہے، نکاح میں افضل یہ ہے کہ اعلان کے ساتھ بڑے مجمع میں اولیاء کی حاضری میں کیا جائے، شریعت کی تعلیم یہی ہے، جو آدمی اس کے خلاف کرنے پر لوگوں کو اکساتا ہو وہ شریعت کے متوارث طریقہ کے خلاف کر رہا ہے، اس کے لیے کوئی سزا شرعاً مقرر نہیں ہے، لیکن چوں کہ یہ چیز معاشرے میں خلفشار کا باعث ہے، اس لیے ایسے آدمی کو حاکم مناسب تعزیر کرسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خفیہ نکاح کے بعد علی الاعلان دوسرا نکاح

سوال: ایک لڑکا ہے، اس کی منگنی ہوچکی ہے؛ لیکن شادی سے پہلے وہ اپنی منگنی شدہ لڑکی سے تنہائی میں باتیں اور مذاق وغیرہ کرتا ہے، (جو قطعاً جائز نہیں ہے) لہٰذا یہ شخص اپنی منگنی شدہ لڑکی سے باتیں اور مذاق کرنا جائز قرار دینے کے لیے صرف اپنے دو دوستوں کو بطورِ گواہ، اور منگنی شدہ لڑکی کو تنہائی میں بلا کر نکاح کرلیتا ہے، یہ نکاح صرف میاں بیوی اور دو گواہ کے علاوہ کوئی دوسرا جانتا نہیں ہے، اب وہ روزانہ تنہائی میں منکوحہ سے ملتا ہے اور باتیں مذاق وغیرہ کرلیتا ہے، اب وہ دوسرا نکاح علی الاعلان منکوحہ

سے کرتا ہے؛ تاکہ تمام لوگوں کو اس کا علم ہو جائے، پہلے نکاح کے بعد دوسرا علی الاعلان نکاح کرنے میں کوئی حرج ہے کہ نہیں؟ پہلے نکاح کے صحیح ہونے میں ماں باپ کی ناراضگی مخل ہوگی یا کہ نہیں؟ مفصل اور مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر پہلا نکاح تمام شرائط ورکنِ نکاح پر مشتمل تھا، تو وہ درست ہو گیا، اب لوگوں کے علم کے لیے دوبارہ عقد نکاح کی ضرورت نہیں ہے، اطلاع کافی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

خفیہ نکاح

سوال: فاروق کی منگنی عائشہ کے ساتھ ہوئی ہے، منگنی کے ایک ماہ بعد عائشہ اور فاروق دونوں بات کرتے ہو گئے، فاروق کی والدہ کے بار بار اصرار کرنے پر کہ تو اپنی چچازاد بہنوں کے ساتھ، پھوپھی زاد بہنوں کے ساتھ بات کرتا ہے تو اپنی ہونے والی بیوی کے ساتھ بات کرنے میں کیا تکلیف ہے؟ فاروق بالآخر مجبور ہو گیا اور بات شروع کر دی؛ لیکن دونوں کو شدت سے احساس ہے کہ ہم دونوں گناہ کا کام کرتے ہیں، اور دونوں کی شادی کا مسئلہ بھی فی الفور ہو جائے ایسی کوئی شکل نہیں، تو عائشہ نے فاروق کو ایک خط لکھا کہ ہم دونوں باتیں کرتے ہیں یہ گناہ کا کام ہے، کیوں ہم دونوں خفیہ طور پر نکاح نہ کر لیں، خط میں عائشہ نے لکھا کہ: ''میں آپ سے نکاح کرتی ہوں اور آپ کے نکاح میں داخل ہوتی ہوں، آپ شرعی گواہ کے سامنے اس خط کو پڑھ کر

قبول کرلیں؛ تاکہ ہمارے لیے بات کرنے میں کوئی گناہ نہ ہو' تو اس طریقہ پر شرعی نکاح ہوجائے گا؟ اور ان دونوں کا بات کرنا کوئی گناہ نہ ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پھوپھی زاد اور ماموں زاد بہنوں کے ساتھ بلاحجاب بات کرنا اور سامنے آنا شرعاً ممنوع ہے، فاروق کو چاہیے تھا کہ والدہ نے جب پھوپھی زاد اور ماموں زاد بہنوں کے ساتھ بات چیت والا عمل دلیل میں پیش کیا تو فوراً یوں کہتا کہ واقعۃً یہ میرا عمل خلافِ شرع ہے، میں اس سے توبہ کرتا ہوں اور آئندہ کبھی ایسا نہیں کروں گا، آپ میرے اس خلافِ شرع اور گناہ والے عمل کو دوسرے گناہ کے لیے دلیل اور حجت کے طور پر پیش نہ کریں، اس کے بجائے اس نے ماں کے اصرار پر گناہ کا ارتکاب شروع کردیا، فاروق کا یہ طرزِ عمل شرعاً نہایت قبیح اور ناجائز ہے، اس کو چاہیے کہ اس سے توبہ کرے اور اپنی ماں کو بھی شریعت کے حکم سے واقف کرے۔

نکاح کے صحیح ہونے کے لیے ایجاب وقبول کا ایک مجلس میں ہونا ضروری ہے، صورتِ مسئولہ میں لڑکی عائشہ اگر فاروق کے نام خط میں اس طرح لکھے کہ میں نے اپنے آپ کو تمہارے نکاح میں دیا، اور جب یہ خط فاروق کے پاس پہنچے تو فاروق دو گواہوں کے سامنے اس کا یہ خط پڑھ کر سنائے اور پھر یہ کہے کہ میں نے عائشہ کو اپنے نکاح میں قبول کیا، تو شرعاً یہ نکاح درست ہوجائے گا۔

درمختار میں ہے: ولا بكتابة حاضر؛ بل غائب بشرط اعلام الشهود بما فی الكتاب مالم يكن بلفظ الأمر فيتولى الطرفين (درمختار)(قوله: غائب) الظاهر أن المراد به الغائب من المجلس وإن كان حاضرا فی

البلد ط(قوله:فتح) فإنه قال: ينعقد النكاح بالكتاب كماينعقد بالخطاب، وصورته: أن يكتب إليها يخطبها فإذا بلغها الكتاب أحضرت الشهود وقرأته عليهم وقالت: زوجت نفسي منه أو تقول أن فلاناً كتب إليّ يخطبني فاشهدوا انى زوجت نفسي منه أما لم نقل بحضرتهم سوى زوجت نفسي منه فلان لا ينعقد؛ لأن سماع الشطرين شرط صحة النكاح وباسماعهم الكتاب أو التعبير عنه منها وقد سمعوا الشطرين. (شامی۲/ ۲۸۸)

ومن شرائط الايجاب والقبول اتحاد المجلس لو حاضرين.(درمختار)

(قوله: لو حاضرين) احترز به عن كتابة الغائب لما فى البحر عن المحيط، الفرق بين الكتاب والخطاب أن فى الخطاب لو قال قبلت فى مجلس آخر لم يجز، وفى الكتاب يجوز؛ لأن الكلام كما وجد تلاشى فلم يتصل الايجاب بالقبول فى مجلس آخر، فاما الكتاب فقائم فى مجلس آخر وقراءته بمنزلة خطاب الحاضر فاتصل الايجاب بالقبول فصحاه ومقتضاه أن قرأة الكتاب فى مجلس الآخر لابد منها ليحصل الاتصال بين الايجاب والقبول وحينئذ فاتحاد المجلس شرط فى الكتاب أيضا.(شامی۲/ ۲۸۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ جمادی الاخری ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

نکاح ثانی

دوسرے نکاح کے لیے پہلی بیوی سے اجازت

سوال :اگر کوئی شخص دوسرا نکاح کرے، تو اسے پہلی بیوی کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب :حامداً ومصلیاً ومسلماً

دوسرا نکاح کرنے کے لیے پہلی بیوی کی اجازت ضروری نہیں ہے؛ البتہ دوسرا نکاح کرنے کے بعد حقوق کی ادائیگی میں دونوں میں عدل اور مساوات کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دوسرا نکاح کرنے کے لیے پہلی بیوی سے اجازت لینا

سوال :① کیا نکاح ثانی کے لیے پہلی بیوی کی اجازت لینا ضروری ہے؟
② اگر بیوی دوسرا نکاح نہ کرنے پر بضد ہو تو شوہر کیا کرے؟
③ کیا بغیر اجازت پہلی بیوی کے دوسرا نکاح کرسکتا ہے؟
④ کن حالات میں دوسرا نکاح کرنا چاہیے؟

الجواب :حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ضروری نہیں۔

② استخارہ کرلے۔　　③ کرسکتا ہے۔

④ باری تعالیٰ کا ارشاد: ﴿فإن خفتم أن لا تعدلوا فواحدة﴾ یعنی اگر تم کو اس کا خوف ہو کہ عدل نہ کرسکو گے تو ایک ہی پر بس کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ نکاح کرنا اسی صورت میں جائز اور مناسب ہے جب کہ شریعت کے مطابق سب بیویوں میں برابری کرسکے، اور سب کے حقوق کا لحاظ رکھ سکے، اگر اس پر قدرت نہ ہو تو ایک ہی بیوی رکھی جائے، ..... حاصل یہ ہے کہ اگرچہ قرآن کریم نے چار عورتوں تک نکاح میں رکھنے کی اجازت دے دی، اور اس حد کے اندر جو نکاح کئے جائیں گے وہ صحیح اور جائز ہوں گے؛ لیکن متعدد بیویاں ہونے کی صورت میں اس میں عدل ومساوات قائم رکھنا واجب ہے، اور اس کے خلاف کرنا گناہ عظیم ہے، اس لیے جب ایک سے زائد نکاح کا ارادہ کرو تو پہلے اپنے حالات کا جائزہ لو کہ سب کے حقوق عدل ومساوات کے ساتھ پورا کرنے کی قدرت بھی ہے یا نہیں، اگر یہ احتمال غالب ہو کہ عدل ومساوات قائم نہ رکھ سکو گے تو ایک سے زائد نکاح پر اقدام کرنا اپنے آپ کو ایک عظیم گناہ میں مبتلا کرنے پر اقدام ہے، اس سے باز رہنا چاہیے، اور اس حالت میں صرف ایک ہی بیوی پر اکتفاء کرنا چاہیے۔ (معارف القرآن ۲/ ۲۹۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ صفر ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی

سوال: میں نے ایک لڑکی سے شادی کیا، اور لڑکی ہمیں پسند نہیں ہے، اور

دونوں کا جوڑ ابرابر نہیں ہے تو یعنی ہم دوسری شادی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ دوسری شادی کرنے کے بعد پہلی عورت کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر آپ عدل وانصاف کا تقاضہ پورا کرتے ہوئے دونوں بیویوں کے حقوق کو ادا کر سکتے ہیں، تو دوسری شادی کی اجازت ہے۔ لقوله تعالیٰ ﴿ فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی وثلث ورباع فان خفتم ان لاتعدلوا فواحدة﴾ إلخ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دوسری شادی پندرہ سالہ لڑکی سے

سوال: زید کی عمر ۵۰ اور ۵۵/ سال کے درمیان ہے، ایک لڑکی ہے اس کی عمر ۲۳/ سال ہے، اس کے بھی بچے ہیں، زید کی بیوی بھی حیات ہے، زید کا عہدہ بھی بڑا ہے، اور دین واسلام میں اس کا مقام ہے، زید کا ارادہ پندرہ سال کی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کا ہے، لڑکی کی والدہ رشتہ دار سب ناراض ہیں، لڑکی ہاں یا نا کا جواب نہیں دیتی، باپ کا ارادہ ہے، باپ کا کہنا ہے کہ ان کے ساتھ شادی ہونے سے میری لڑکی کو جنت میں لے جائے گا، آج کے دور کے حساب سے مذہب اسلام میں اس کی کیا اجازت ہے؟ اس سے معاشرہ میں خرابی ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دوسری شادی کے لیے پہلی بیوی کی رضامندی شرعاً شرط نہیں؛ لیکن دونوں بیویوں

کے درمیان عدل ومساوات رکھنا ضروری ہے، چوں کہ عورتوں کی طبیعت کمزور ہوتی ہے اور گھریلو جھگڑا فساد سے آدمی کی زندگی اجیرن ہوجاتی ہے، اس لیے عافیت اسی میں ہے کہ دوسری شادی حتی الوسع نہ کی جائے، اور اگر کی جائے تو دونوں کو الگ الگ مکان میں رکھے، اور دونوں کے حقوق برابر ادا کرتا رہے، ایک طرف جھکاؤ اور ترجیحی سلوک کا وبال بڑا ہی سخت ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۵/۱۴۱)

شریعت کی طرف سے نکاح میں عمر کی کوئی قید نہیں ہے؛ لیکن مصالح اور معاشرت کی وجہ سے عمر میں تناسب کی رعایت رکھی جائے تو بہتر ہے۔ (فتاوی محمودیہ کراچی ۱۰/۴۸۲)

صورت مسئولہ میں اگر لڑکی اس نکاح پر دل سے راضی ہے، اور زید اس کے حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر ہونے کے ساتھ دونوں بیویوں میں عدل ومساوات رکھ سکتا ہے، تو شریعت کی نظر میں اس میں قباحت نہیں ہے، اجازت ہے؛ ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نکاح باطل وفاسد کے احکام

سوال: آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے زیر اہتمام عائلی مسائل سے متعلق جو ''مجموعۂ قوانین اسلامی'' مرتب ہوا ہے وہ یقیناً بورڈ کا ایک عظیم الشان کارنامہ اور علمائے ہند کی یادگار خدمت ہے، اس مجموعہ میں زیر بحث آنے والے بعض مسائل تشنۂ تحقیق ہیں؛ کیوں کہ ان کی بابت فقہاء کی عبارتوں میں بھی ایک گونہ ابہام پایا جاتا

ہے، اس سلسلہ میں ایک اہم مسئلہ نکاح باطل اور نکاح فاسد کی تعریف کا ہے جیسا کہ آں محترم کے علم میں ہے، حنفیہ کے نزدیک بنیادی طور پر نکاح کی دو قسمیں ہیں: نکاح صحیح اور نکاح غیر صحیح، پھر نکاح غیر صحیح کی دو قسمیں کی گئی ہیں: نکاح باطل اور نکاح فاسد۔ نکاح غیر صحیح کی ان دونوں قسموں کے بارے میں دو باتیں قابلِ تحقیق ہیں:

ایک نکاح باطل اور نکاح فاسد کی تعریف: کیوں کہ فقہاء نے ایسی واضح تعریف غالباً نہیں کی ہے جو پوری طرح باطل اور فاسد کے درمیان امتیاز قائم کردے، دوسری طرف عدالتوں میں یہ تصور چلا آرہا ہے کہ اگر ابدی موانعِ نکاح کی وجہ سے نکاح ممنوع ہو تو یہ نکاح باطل ہے، اور عارضی موانع ہو تو نکاح فاسد ہے، اس سلسلہ میں ایسی واضح تعریف مطلوب ہے جو جامع مانع ہو، اور باطل و فاسد کے سلسلہ میں فقہاء کی ذکر کی ہوئی تمام مثالوں کو شامل ہو۔

دوسرا مسئلہ باطل و فاسد نکاحوں پر مرتب ہونے والے آثار و احکام کا ہے: خاص کر یہ مسئلہ کہ نکاح فاسد کی وجہ سے نفقہ واجب ہوگا یا نہیں؟ کیوں کہ ایک طرف فقہاء نے صراحت کی ہے کہ نکاحِ فاسد میں نفقہ واجب نہیں ہوگا، نہ عدت کا، نہ اس سے پہلے کا، دوسری طرف نکاح بغیر شہود کی صورت میں نفقہ واجب قرار دیا گیا ہے، اور اس صورت کے نکاح فاسد ہونے کی صراحت بھی کتابوں میں ہے، اور فی الجملہ احتباس کی شکل بھی پائی جاتی ہے جو نفقہ واجب ہونے کی بنیاد ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نکاح باطل اور نکاح فاسد کا مسئلہ جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے، واقعۃً مبہم اور

مغلق ہے، اور فقہائے احناف کی عبارتیں بھی اس سلسلہ میں مختلف اور مضطرب ہیں، اور اسی لیے مجھے جن مسائل میں تردد رہا، ان میں سے ایک یہ بھی ہے، عباراتِ فقہاء کے اضطراب واختلاف کو دور کرنے کے سلسلہ میں ہمارے ماضی قریب کے اکابر نے جو کوشش کی ہے، اس کا حوالہ دینے کو کافی سمجھتا ہوں، ممکن ہے اس سے بورڈ کی لیگل کمیٹی کو کچھ رہنمائی حاصل ہو۔

① حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الاحکام ۲/ ۲۷۲ تا ۲۷۴ ''نکاح باطل وفاسد کی تعریف'' سوال نمبر ۱۰ میں تفصیلی بحث فرمائی ہے۔

② حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مستقل رسالہ ''القول الفاصل بین النکاح الفاسد والباطل'' کے نام سے احسن الفتاویٰ ۵/ ۵۹ تا ۶۴ پر موجود ہے۔

③ فتاویٰ محمودیہ مطبوعہ کراچی ۱۱/ ۳۱، سوال نمبر ۵۳۵۴، اور فتاویٰ محمودیہ ۱۳/ ۵۴۰ تا ۵۴۲، سوال نمبر ۶۶۴۰۔

رہا دوسرا مسئلہ تو فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ بات صراحۃً لکھی ہوئی ہے کہ نکاح فاسد میں عورت نفقہ کی حق دار نہیں۔

عالمگیری میں ہے: قال: ولا نفقة فی النکاح الفاسد ولا فی العدة منه (۱/ ۵۴۷)

درمختار میں ہے: فتجب للزوجة بنكاح صحيح، فلو بان فساده أو بطلانه رجع بما أخذته من النفقة بحر (درمختار) (قوله: بنكاح صحيح) فلا نفقة على مسلم فی نكاح فاسد لانعدام سبب الوجوب، وهو حق الحبس الثابت للزوج عليها بالنكاح (شامی ۲/ ۶۹۹)

النہر الفائق میں ہے: وفيه إيماء إلى أنه لا نفقة لها فى الفاسد؛لأنها ليست زوجة (النهر الفائق۲/ ٥٠٦)

المحیط البرہانی میں ہے:ولا نفقة فى النكاح الفاسد ولا فى العدة منه؛ لأنه لم يحصل للزوج بهذا الاحتباس منفعة من منافع النكاح، وهو ا لوطء او الدواعى؛ لأ نه ممنوع شرعا، فصار منز لة الصغيرة ا لتى لا تجامع مثلها (المحيط البرهانى٤/ ٢٨١)

لیکن اس کے باوجود کتب فقہ حنفی میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ نکاح بغیر الشہود میں نفقہ واجب ہوتا ہے، جیسا کہ خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

وأجمعوا أن فى النكاح بغير الشهود تستحق النفقة (خلاصة الفتاوىٰ۲/ ٥٧)

عالمگیری میں بھی خلاصۃ الفتاویٰ کے حوالہ سے یہی عبارت نقل کی گئی ہے، دیکھئے: عالمگیری ۱/ ۵۴۷

فتاویٰ بزازیہ میں بھی ہے: لا نفقة فى ا لنكاح الفا سد، وفى ا لنكاح بلاشهود تلزم. (الفتاوىٰ البزازية على هامش الهندية٤/ ١٦٠)

چوں کہ نکاح بغیر شہود بھی نکاح فاسد ہی کا ایک فرد ہے، جس کے پیش نظر چاہیے تھا کہ اس میں بھی نفقہ واجب نہ ہو، اس کے باوجود اس میں وجوبِ نفقہ کی صراحت -جیسا کہ اوپر منقول ہوئی- باعث اشکال بنی، جس سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے تو بعض حضرات نے "فيه نظر" فرما کر اس کو تسلیم ہی نہیں کیا، جن میں سے صاحب النہر الفائق بھی ہیں، چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

وفى البزازية: بعد ما ذكر "أنها فى الفاسد لا تلزم" قال: "وفى النكاح بلا شهود تلزم" وفيه نظر إذ هو من أفراده (النهر الفائق۲/ ٥٠٦)

اسی طرح علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح درمختار ۲/ ۲۵۱ میں حموی کے حوالہ سے یہی بات نقل کی ہے، چناں چہ فرماتے ہیں: ونظر فيه الحموی بأنه من أفراد الفاسد جب کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان یہ ہے کہ اس عبارت میں "لا" نافیہ ہونا چاہیے، چناں چہ فرماتے ہیں: والظاهر أن الصواب "لاتستحق" بلاالنافية إذ لا احتباس فيه (شامی۲/ ٦٩٩)

بہر حال! نکاح بغیر شہود میں وجوبِ نفقہ کا مسئلہ باعثِ اشکال بنا، جس سے مذکورہ بالا طریقوں سے خلاصی حاصل کرنے کی سعی کی گئی۔ میرے ناقص خیال میں نکاح بغیر شہود میں باوجود یکہ یہ بھی نکاح فاسد ہی کا ایک فرد ہے، وجوبِ نفقہ کی علت اس کا مجتہد فیہ ہونا ہے، اس لیے کہ مالکیہ کے یہاں نکاح بغیر شہود صحیح اور درست ہے، اس لیے نکاح بغیر شہود کے علاوہ نکاح فاسد کی دیگر صورتوں میں نفقہ واجب قرار دینا درست نہ ہوگا۔ رہی فی الجملہ احتباس کی شکل تو وہ کافی نہیں جب تک کہ اس کے ذریعہ منافع نکاح میں سے کوئی منفعت حاصل نہ ہو، جیسا کہ محیط برہانی کی منقولہ بالا عبارت سے واضح ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

باب النکاح والسفاح

محرم مرد کا عورت کے ساتھ میاں بیوی کی طرح رہنا

سوال: ایک عورت ہے، جو ایک محرم کے ساتھ کئی عرصہ سے ہے، وہ شخص اس عورت کو خدا کو حق ناظر جان کر اپنی بیوی تسلیم کرتا ہے، اس سے اس کی چار اولادیں بھی ہیں؛ مگر اس سے ابھی تک نہ جانے کسی وجوہات کی بناء پر نکاح نہیں کیا ہے؛ مگر بیوی کو شریک حیات سمجھتا ہے؛ لیکن اب کہتا ہے کہ میں نکاح کروں گا، آپ بتائیے کہ گذرا ہوا جو وقت جو عرصہ تھا وہ جائز ہے یا نہیں؟ اس کے ساتھ اس شخص کے تعلقات بہت دنوں سے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو مرد کسی عورت کا محرم ہو، یعنی اس کا اس کے ساتھ ایسا رشتہ ہو جس کی وجہ سے شرعاً نکاح حرام ہوتا ہے، تو اس عورت کے ساتھ اس کا اس طرح رہنا سخت حرام ہے، اس کے ساتھ صحبت کرنا، زنا کرنا ہے، اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہوئی اولاد بھی حرام ہے، جب مرد محرم ہے تو اس کے ساتھ نکاح بھی حرام ہے، اس لیے نکاح کرنے سے وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں ہو جائے گی؛ بلکہ حرام ہی رہے گی، یہ دونوں سخت گنہ گار ہیں، ان کو چاہیے کہ اولین فرصت میں ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کریں، اور اب تک جو ہو چکا ہے اس پر سچے دل سے توبہ کریں، اور آئندہ اس قبیح و شنیع حرکت کا تصور بھی نہ کریں، یہ دنیوی زندگی چند روزہ ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں

پیش ہونا ہے، اور اس کا جواب دینا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اجنبیہ کے ساتھ میاں بیوی کی طرح رہنا

سوال: عرض گذارش یہ ہے کہ پہلی مرتبہ جو آپ کو خط لکھا گیا تھا، اس میں غلطی سے نامحرم لکھنے کے بجائے محرم لفظ لکھا گیا، اب آپ اس کی صحیح تفصیل برائے کرم روانہ کریں گے۔

آپ کو معلوم ہو کہ ایک مسلم انسان (مرد) ہے، جس سے میرے تعلقات تقریباً پندرہ سال سے ہیں، اور اس سے میری چار اولادیں بھی ہیں؛ لیکن اس شخص نے ہر وقت مجھے یہی کہا کہ میں جو بھی جسمانی تعلق تم سے رکھتا ہوں، صرف خدا کو حق، ناظر جان کر اپنی بیوی سمجھتا ہوں، صرف انہوں نے مجھ سے نکاح نہیں کیا؛ لیکن مفتی صاحب اب خدا کے فضل سے خدا کے خوف سے وہ مجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو آپ ہی بتائیں کہ وہ گذرے ہوئے جو ہمارے دن ہیں، وہ کیا کہلائیں گے؟ یہ درست ہے یا نہیں؟ انہوں نے جو بھی جسمانی تعلق کئے ہر وقت عورت سمجھ کر، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بغیر عقد نکاح آج تک جو تعلق اس مرد نے آپ کے ساتھ رکھا، وہ شریعت کی نظر میں حرام ہی ہے، اور اس کے نتیجے میں جو اولاد پیدا ہوئی وہ بھی غیر ثابت النسب ہی ہے، دونوں کے لیے ضروری ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کر کے اپنے اس گناہ

سے سچی توبہ کریں، اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اگر صدق دل سے ہو، آئندہ اگر ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو شرعی طریقہ کے مطابق گواہوں کی موجودگی میں عورت مرد سے یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تمہارے نکاح میں دیا، اور مرد اس کے جواب میں کہے کہ میں نے تمہیں اپنے نکاح میں قبول کیا، اس طرح کرنے سے نکاح ہوکر دونوں ایک دوسرے کے لیے حلال ہوجائیں گے، یہ یاد رہے کہ گواہ دو مرد مسلمان دین دار ہوں، یا ایک مسلمان مرد اور دو مسلمان عورتیں ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اجنبیہ کے ساتھ زندگی گزارنا

سوال: میں غیر شادی شدہ ہوں، اور ایک عورت - جو غیر قوم ہے - تقریباً ساڑھے پانچ سال سے میرے ساتھ ہے، اور ایک ڈیڑھ سال کا بچہ (لڑکی) بھی ہے، اب تک تو مجھے معلوم نہیں تھا، اب میں کیا کروں اور بچے کا کیا کرنا ہے؟ تفصیل سے میری رہنمائی کریں، عورت اور گاؤں والے سب راضی ہیں، اب مجھے کیا کرنا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کا ایک اجنبیہ اور غیر مسلم عورت کے ساتھ اس طرح زندگی گزارنا اور اس کے ساتھ زوجہ جیسا معاملہ کرنا یقیناً بڑا سنگین گناہ ہے، اولین فرصت میں اپنی اس حرکت سے توبہ ضروری ہے، یہ زندگی چند روزہ ہے، اس کے بعد موت کا آنا یقینی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی تمام حرکتوں کا جواب دینا ہوگا، خوش نصیب ہے وہ بندہ جو موت

سے پہلے ہی اپنے گناہوں سے تائب ہوکر آئندہ پیش آنے والی جواب دہی کے لیے اپنے آپ کو تیار کرے، توبہ کی صورت یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ اس عورت سے علاحدگی اختیار فرمالیں؛ اس طور کہ اس کے ساتھ کوئی رابطہ نہ رہے، اس کے بعد اپنی آج تک کی کوتاہی پر نادم وشرمسار ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے یہ عہد فرمائیں کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت کا مرتکب نہ ہوں گا، اس کے بعد مناسب تو یہی ہے کہ کسی مسلمان عورت کے ساتھ عقد نکاح فرماکر عفت و پاک دامنی کی زندگی گزاریں، اور اگر یہ اندیشہ ہو کہ اس غیر مسلمہ کے ساتھ دل کی وابستگی دوبارہ معصیت میں مبتلا کرے گی اور دل پر قابو نہیں ہے، تو پھر اس کی اجازت ہے کہ آپ اس عورت کو اسلام کی دعوت دیں، وہ اسلام قبول کرکے مسلمان ہوجائے، اس کے بعد آپ اس سے عقد نکاح فرمالیں، اور اپنے آپ کو قعرِ معصیت سے نکالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تین ماہ میں بچی پیدا ہونے سے کیا نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال: ایک شخص کا نکاح مؤرخہ ۳۰/ دسمبر ۱۹۹۶ء کو ہوا، نکاح کے فوراً بعد وہ شخص اپنی بیوی کو گھر لایا؛ لیکن مؤرخہ ۳/ اپریل ۱۹۹۷ء کو تقریباً تین مہینے کے اندر اس شخص کے ہاں اس کی بیوی کو لڑکی پیدا ہوئی، تمام برادری اس شخص سے ناراض ہوگئی اور آنا جانا بند کردیا، مؤرخہ ۱۴/ مئی ۱۹۹۷ء کو ایک اچھے پڑھے لکھے مولوی صاحب نے آکر مذکورہ شخص کو توبہ تائب کرائی اور کچھ ڈنڈ، تعزیر ڈالی، اور یہ کہا کہ ایسا فعل کرنے

والے کو سو کوڑے ڈالے جاتے ہیں؛ مگر ہم نہیں ڈال سکتے، اس لیے شریعت کو بحال رکھنے کے لیے اس کے جسم پر سو تنکے توڑیں گے؛ تاکہ شریعت کا حق ادا ہو جائے، بعد میں تنکے بھی نہیں توڑے، اب مسائل زیرِ طلب یہ ہیں:

① تین مہینے کی مدت میں لڑکی ہوئی تو کیا ان دونوں کا نکاح باقی رہا یا ٹوٹ گیا، اگر باقی رہا تو مولوی صاحب نے ڈنڈ کیسی ڈالی؟

② اگر نکاح نہیں رہا تو ان کے دوبارہ نکاح کی کیا صورت ہوگی؟

③ اور اس جاننے والے مولوی صاحب کے لیے کیا حکم ہے؟

④ جو لڑکی پیدا ہوئی ہے وہ بھی زندہ ہے، اس لڑکی کا باپ کون ہے؟ اور اس کی پرورش کس کے ذمہ رہے گی؟ یاد رہے کہ جس مولوی صاحب نے توبہ کرائی، انہی مولوی صاحب نے نکاح بھی پڑھا دیا ہے۔

⑤ اور جن لوگوں نے توبہ تائب کی مجلس میں حلوہ وغیرہ کھایا ہے،، ان کے لیے کیا حکم ہے؟ جواب جلد تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② شریعت مطہرہ کے نزدیک حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے، اگر نکاح کے چھ ماہ پورے ہونے پر یا اس کے بعد کسی کی منکوحہ کو بچہ پیدا ہو تو اس بچہ کا نسب اس نکاح کرنے والے مرد سے ثابت مانا جائے گا؛ ورنہ نہیں، صورتِ مسئولہ میں جب اس کی بیوی کو نکاح کے چھ ماہ کے اندر بچہ ہوا تو اس بچہ کا نسب اس مرد سے ثابت نہیں ہوگا، رہا نکاح کا درست اور باقی رہنا تو جب یہ لڑکی چھ ماہ کے اندر پیدا ہوئی تو معلوم ہوا کہ

وہ عورت بوقتِ نکاح حاملہ تھی، اور اس کا یہ حمل زنا سے تھا، زنا والے حمل کے ہوتے ہوئے بھی نکاح درست ہوجاتا ہے؛ البتہ شوہر کو چاہیے کہ جب تک بچہ پیدا نہ ہوجائے وہاں تک اس عورت کے ساتھ جماع (صحبت) نہ کرے؛ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں نکاح درست بھی ہوا، اور اب بھی باقی ہے، لڑکی پیدا ہونے کی وجہ سے نکاح ٹوٹا نہیں ہے، مولوی صاحب کا اس پر ڈنڈ ڈالنا غلط ہے، اسلام میں ڈنڈ کی اجازت نہیں ہے۔

وصح نكاح حبلى من زنا، لا حبلى من غيره أي الزنا، وان حرم وطؤها ودواعيه حتى تضع (درمختار على هامش الشامى ۲/ ۲۹۲،۲۹۱)

③ صورتِ مسئولہ میں برادری کا اس آدمی سے ناراض ہونا اور مولوی صاحب کا اس پر ڈنڈ ڈالنا درست نہیں ہے، اس کی بیوی کو بچہ پیدا ہوا اور نکاح سے چھ ماہ کم مدت میں پیدا ہوا اس میں شوہر کو قصوروار گرداننا کیسے درست ہوا؟ البتہ اگر اس شوہر کا اس عورت کے ساتھ نکاح سے پہلے کوئی ناجائز تعلق تھا تب برادری کی ناراضگی ٹھیک ہے۔

④⑤ اس لڑکی کی پرورش کی ذمہ داری برادری پر ہے، اور اگر شوہر ہی کے سابقہ ناجائز تعلق کی وجہ سے یہ حمل رہا تھا تو اس صورت میں اس لڑکی کا نفقہ اس شوہر پر ہے۔

ولو نكحها الزانى حل له وطؤها اتفاقاً، والولد له، ولزمه النفقة. (درمختار)

اگر شوہر کسی درجہ میں قصوروار ہے تب تو اس کو توبہ کرانا درست ہے، حلوہ اگر زبردستی شوہر سے رقم نکلوا کر منگوایا گیا تھا تو اس کا کھانا کسی کے لیے بھی جائز نہ تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شوہر کی عدم موجودگی میں اجنبی مرد کے ساتھ رات گذارنا

سوال: ایک دیہات میں ایک زید نام کا شخص امامت کر رہا ہے، اور اسی دیہات میں ایک محبوبہ نام کی عورت ایک بڑے وسیع گھر میں رہتی ہے اور اس کے ساتھ میں ایک بوڑھی عورت بھی رہتی ہے، لیکن گھر کافی بڑا ہے اور محبوبہ کے شوہر سعودی عرب میں ملازم اور محبوبہ کے سسر اور دیگر سسرالی رشتہ دار بمبئی میں قیام پذیر ہیں، ایک رات تقریباً رات کے دس بجے امام صاحب کو محبوبہ کے پچھلے دروازے سے محبوبہ کے گھر میں داخل ہوتے ہوئے ایک شخص نے دیکھ لیا، تو اس دیکھنے والے نے گاؤں کے افراد کو بھی اس کی اطلاع دی، تو گاؤں کے بہت سارے لوگ گھر کے باہر خاموشی کے ساتھ پہرہ دے رہے تھے، صبح تقریباً پانچ بجے جب زید امام صاحب محبوبہ کے گھر سے باہر نکلنے لگے تو پہرہ دینے والے لوگوں نے ان کو باہر نکلنے سے روکا، اور لڑکی کے والدین اور رشتہ دار کو بلایا، جو دوسرے گاؤں میں رہتے تھے، جو وہاں سے تقریباً ۵/ کلومیٹر کی دوری پر ہے، جب محبوبہ کے والدین اور رشتہ دار آئے تو ان کو محبوبہ کے گھر میں داخل کیا گیا تو وہاں پر زید اور محبوبہ دونوں موجود تھے، اس کے بعد دونوں گاؤں کے ذمہ داروں نے بیٹھ کر مشورہ کیا اور محبوبہ اور زید کو بھی بلایا، تو زید نے اقرار کیا کہ میں رات ۱۰/ بجے پچھلے دروازے سے محبوبہ کے گھر میں گیا تھا اور صبح ۵/ بجے تک ہم دونوں ساتھ رہے اور ساتھ رہنے پر دونوں نے یعنی زید اور محبوبہ نے دستخط بھی کئے؛ لیکن صحبت کرنے کا دونوں نے انکار کیا اور اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں اور ابھی معاملہ محبوبہ کے شوہر پر رکھا کہ وہ آنے کے بعد جو بھی فیصلہ کرے؛ لہٰذا ایسی صورت میں شریعت مطہرہ کی

روشنی میں محبوبہ کے شوہر کو کیا فیصلہ کرنا چاہیے؟ اور شریعت مطہرہ زید اور محبوبہ کے بارے میں کیا حکم لگاتی ہے؟ تفصیل معلوم کرنا ہے، عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید اور محبوبہ کو صحبت ووطی کرتے ہوئے جب دیکھا نہیں گیا اور دونوں اس کا انکار بھی کرتے ہیں، تو ان پر یہ الزام لگانا شرعاً درست نہیں ہے؛ بلکہ تہمت ہونے کی وجہ سے گناہ کبیرہ ہے؛ البتہ دونوں رات کے دس بجے سے لے کر صبح کے ۵ / بجے تک تنہائی میں ایک ساتھ رہنے کا اقرار کرتے ہیں، اجنبی مرد اور عورت کا اس طرح تنہائی میں رہنا شرعاً حرام ہے۔

وفی الاشباہ: الخلوة بالاجنبية حرام.(در مختار علی هامش الشامی ۵/ ۲۶۰)

احادیث میں اس کی ممانعت اور اس پر بڑی وعیدیں آئی ہیں: عن جابر قال: قال رسول الله ﷺ:الا لا يبيتن رجل عند امرأة ثيب الا ان يكون ناكحاً أو ذا محرم(مشكوة:۲۶۸) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: سنو! کسی ثیبہ عورت کے پاس کوئی مرد رات نہ گذارے، مگر یہ کہ وہ اس کا شوہر ہو یا محرم ہو۔

عن عقبة ابن عامر قال: قال رسول الله ﷺ:اياكم والدخول على النساء، فقال رجل يارسول الله! ارأيت الحمو؟ قال الحمو الموت (ايضاً: ۲۶۸) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کے پاس جانے سے بچو (ہرگز نہ جاؤ) ایک آدمی نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! دیور کے متعلق کیا حکم ہے؟ (یعنی کیا وہ جاسکتا ہے؟) آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: دیور تو موت (کی طرح خطرناک) ہے۔

عن عمر عن النبی ﷺ قال: لا يخلون رجل بإمرأة إلا كان ثالثهما

الشیطان.(ایضا:۲۶۹) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی مرد جب کسی اجنبی عورت سے تنہائی اختیار کرتا ہے تو ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے، یعنی شیطان ان کو گناہ میں ڈالنے کے لیے ابھارتا ہے۔

عن جابر عن النبی ﷺ: لاتلجوا علی المغیبات، فان الشیطان یجری من احدکم مجری الدم.(ایضاً:۲۶۹) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: جن عورتوں کے شوہر گھروں پر موجود نہ ہوں (بلکہ سفر میں ہوں) ایسی عورتوں کے پاس ہرگز مت جاؤ؛ اس لیے کہ شیطان تم میں سے ہر ایک کے جسم میں ایسا پھرتا ہے جیسا کہ خون۔

مثل الذی یجلس علی فراش المغیبة مثل الذی ینهشه اسود من اساور یوم القیامة(کنز العمال۵/ ۵۲۲) جو آدمی ایسی عورت جس کا شوہر سفر پر ہو اس کے بستر پر بیٹھے تو اس کا حال ایسا ہے جیسے اس کو قیامت کے اژدہوں میں سے کوئی اژدہا ڈس رہا ہو۔

زید اور محبوبہ چوں کہ گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں، اس لیے ان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالی کے حضور اپنے گناہ کی معافی چاہیں اور سچے دل سے توبہ کریں، بندہ جب گناہ کرتا ہے اور پھر اس کا اعتراف کرتا ہے اور اللہ تعالی کے سامنے توبہ کرتا ہے، تو اللہ تعالی اس کی توبہ قبول کرتے ہیں۔ (بخاری شریف ۲/ ۵۹۶)

رہا یہ سوال کہ محبوبہ کے شوہر کو کیا فیصلہ کرنا چاہیے تو اس کا جواب صاف ہے کہ ان کا اپنی نوجوان بیوی کو اس پرفتن زمانے میں ایک وسیع مکان میں تنہا چھوڑ کر سعودیہ ملازمت کے لیے جانا ہی اس صورت حال کا ذمہ دار ہے، شوہر کے لیے بیوی کی حاجت اور خواہش اور حقوق کا لحاظ ضروری ہے، جس طرح مرد کو عورت کی خواہش ہوتی ہے عورت

کو بھی مرد کی خواہش ہوتی ہے؛ بلکہ نسبتاً زیادہ۔

حضرت پیرانِ پیر شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ''غنیۃ الطالبین'' میں ہے کہ مرد کو جماع کی خواہش نہ ہو تب بھی جماع کا ترک کرنا درست نہیں؛ اس لیے کہ عورت کا مرد پر اس بات کا حق ہے اور ترک جماع میں عورت کا نقصان ہے؛ کیوں کہ عورت کی خواہش بہ نسبت مرد کے زیادہ ہوتی ہے۔

حدیث میں ہے کہ عورتوں کو مردوں کے مقابلے میں ۹۹ / درجہ زیادہ خواہش ہوتی ہے، مگر حق تعالیٰ نے ان پر شرم وحیاء کا پردہ ڈال دیا ہے؛ اس لیے شہوت دبی رہتی ہے۔

بعض لوگوں کا قول یہ ہے کہ شہوت کے دس حصے ہیں، عورتوں کو ۹ / حصہ اور ایک حصہ مردوں کو۔ اور بدون عذر کے عورتوں سے چار ماہ تک علیحدگی جائز نہیں ہے، اور اگر مرد سفر میں چھ ماہ سے زیادہ رہے اور عورت اس کو بلاوے اور باوجود قدرت کے نہ آوے تو حاکم کو چاہیے کہ عورت کی حسبِ خواہش دونوں میں جدائی کردے۔

(غنیۃ الطالبین ۱ / ۳۳)

اسی لیے فقہاء فرماتے ہیں کہ مرد کو چاہیے کہ عورت کی اجازت اور خوشی کے بغیر چار مہینے سے زیادہ جدا نہ رہے، امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رات کے وقت مدینہ طیبہ کی گلیوں میں گشت لگاتے تھے کہ ایک مکان سے جوان عورت کی آواز سنائی دی، وہ شوہر کی جدائی میں یہ شعر پڑھ رہی تھی:

فوالله لولا الله تخشى عواقبه		لزحزح من هذالسرير جوانبه

یعنی قسم بخدا! اگر مجھ کو خوف خدا نہ ہوتا تو آج چارپائی کی چولیں ہلتی ہوئی ہوتیں،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وجہ معلوم کی، تو کہنے لگی کہ کافی عرصہ ہوا میرا شوہر جہاد میں گیا ہے، اس کے فراق میں یہ شعر پڑھ رہی تھی، یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ محزون ہوئے، گھر آکر اپنی بیٹی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ عورت شوہر کے بغیر کتنی مدت تک صبر کرسکتی ہے؟ عرض کیا کہ چار ماہ۔ چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمان جاری کیا کہ شادی شدہ فوجی کو چار ماہ ہونے پر اپنے گھر آنے کی اجازت دے دی جائے۔

(شامی ۵/ ۵۴۸، ماخوذ از فتاوی رحیمیہ ۳/ ۱۲۴، ۱۲۵)

شوہر نے کمانے کی لالچ میں عورت کے اس طبعی حق کی ادائیگی میں غفلت برتی جس کا یہ نتیجہ نکلا؛ اس لیے شوہر کو چاہیے کہ بیوی کی اس غلطی سے چشم پوشی کرتے ہوئے اس کو معاف کردے اور آئندہ اس طرح اس سے دور نہ رہے، خود شوہر کی عفت وعزت کی حفاظت بھی اسی میں ہے، بستی اور قوم کے ذمہ داروں کو بھی چاہیے کہ وہ جہاں رات بھر پہرہ دیتے رہے، وہیں آئندہ اس کی نوبت نہ آئے اس کی بندش کی تدابیر پر بھی غور کرکے ان کو روبہ عمل لاویں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عورت کے ارتکابِ زنا میں شوہر پر گناہ ہے؟

سوال: ایک شخص اپنی بیوی کی رضامندی کے ساتھ بیرونِ ممالک جاتا ہے اور تقریباً تین یا چار سال بعد آتا ہے، تو اس عرصہ میں عورت سے بدکاری زنا وغیرہ ہوگیا، تو شوہر گنہگار ہوگا یا نہیں؟ اور اگر بغیر رضامندی کے گیا، تو کیا حکم ہے؟ دونوں صورتوں کو مفصل واضح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مرد اپنی بیوی کی رضامندی اور اجازت کے بغیر چار ماہ سے زائد جدا نہ رہے۔

قال في الفتح: واعلم أن ترك جماعها مطلقاً لا يحل له، صرح أصحابنا بأن جماعها أحيانا واجب ديانة؛ لكن لا يدخل تحت القضاء والالزام إلا الوطئة الأولى، ولم يقدروا فيه مدة، ويجب أن لا يبلغ به مدة الإيلاء إلا برضاها، وطيب نفسها به اهـ (شامی؟/ ۴۳۲)

شوہر عورت کی اذن ورضا سے چار ماہ سے زائد جدا رہے یا بغیر اذن ورضا کے ایسا کرے؛ بہر صورت عورت پر اپنی عصمت وعفت کی حفاظت لازم اور ضروری ہے اور زنا کے ارتکاب کی صورت میں وہ گنہگار ہوگی؛ البتہ اگر عورت کے متعلق شوہر کا یہ خیال تھا کہ میری جدائی کی صورت میں وہ اپنی عفت وعصمت کی حفاظت نہ کر سکے گی، اس کے باوجود شوہر اتنی مدت غائب رہا، تو چوں کہ عورت کے ارتکابِ زنا میں شوہر کے عدم ادائے حقوق زوجیت کو بھی دخل ہے، اس لیے اس درجہ میں وہ بھی گنہگار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ

زنا، نکاح، ثبوتِ نسب اور نافرمان عورت کو طلاق دینا

سوال: تفصیلی مسائل: فریق اول ایک خاتون (مسلم) ہے، فریق ۲ر فریق اول کا قدیم شوہر تھا جو اب اللہ کی رحمت کو پہنچ چکا ہے، فریق ثالث دونوں کی زندگی میں داخل ہونے والا ایک تیسرا شخص۔ فریق اول اور فریق ثانی اپنی شادی شدہ زندگی گزار رہے

تھے، اور بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فریق اول، فریق ثانی سے اپنے گھریلو زندگی میں مطمئن نہیں تھی، اور وہ اپنی اس زندگی سے اکتاہٹ محسوس کرتی تھی، اسی دوران اول کی ملاقات فریق ثالث سے ہوئی، اور بہت ہی کم وقت میں اول اور ثالث میں بہت نزدیکی تعلقات قائم ہو گئے، جس میں جسمانی ناجائز تعلق بھی شامل تھا، جب ان حالات کا علم فریق ثانی (شوہر) کو ہوا تو اس نے اپنی بیوی (فریق اول) کو طلاق دے دی، اب فریق اول اور ثالث میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں تھی؛ اس لیے دونوں ایک ساتھ ایک گھر میں (فریق ثالث کے مکان میں) رہنے لگے، اور ایک دوسرے کی ہر قسم کی ضرورت پوری کرنے لگے جس میں جنسی ملاپ بھی شامل تھا، چھ یا آٹھ ماہ گزر جانے کے بعد یہ خیال دل میں آیا کہ اب دونوں کو نکاح کر لینا چاہیے، اور دونوں نے خاموشی کے ساتھ نکاح کر لیا۔

فریق اول کو اپنے سابق شوہر سے طلاق ملنے کی جو عدت گزارنی تھی وہ نہیں گزاری؛ بلکہ ایسی حالت میں نکاح ثانی کر لیا۔ دوسری بات یہ کہ فریق اول اور ثانی کے درمیان طلاق کے وقت ان کی اولاد کی حیثیت سے دو بچے تھے، بڑا بچہ پانچ یا چھ برس کا ہوگا اور چھوٹا بچہ ایک برس کا، دونوں بچوں کو فریق ثانی (شوہر اور باپ) نے اپنے پاس اپنے قبضے میں لینا چاہتا تھا؛ لیکن فریق اول (ماں اور طلاق شدہ خاتون) نے بڑے بیٹے کو اپنے شوہر کے سپرد کر دیا؛ مگر چھوٹے بچہ کو زبردستی اپنے ساتھ ہی لے کر فریق ثالث کے ساتھ رہنے لگی، فریق ثالث کو یہ بتایا گیا کہ چھوٹا بچہ (جو کہ اس وقت فریق اول کے ساتھ ہی تھا) تمھارا ہے؛ کیوں کہ فریق اول نے اس کو فریق ثالث کے نطفہ کا قرار دیا، فریق اول اور ثالث کے درمیان ابھی کچھ ہی برس کا وقت گزرا تھا کہ دونوں کے

درمیان ذہنی ٹکراؤ شروع ہوگیا، اور زندگی دھیمے دھیمے بکھرنے لگی، فریق اول نے اپنی من مانی زندگی پھر سے گزارنی شروع کردی، اور اسی دوران ایک لڑکی بھی پیدا ہوگئی، فریق اول کے مزاج میں شروع ہی سے بے حد آزادی تھی، کسی بھی غیر مرد کے ساتھ بے تکلفی اور بے جھجک بات کرلینا ایک نہایت معمولی بات نظر آئی تھی، اور نہ کبھی اس بات کو معیوب سمجھا۔ اپنے حالیہ شوہر کی موجودگی یا غیر موجودگی میں کہیں بھی بغیر اطلاع کے چلے جانا، شوہر کے اعتراض کے باوجود بھی نامحرم لوگوں سے تعلق رکھنا، اور ان کے ساتھ کسی بھی بہانے کہیں بھی گھومنا پھرنا، فریق اول نے اپنی زندگی کا معمول بنالیا، اگر اعتراض کیا جاتا تو جھگڑے اور گالی گلوچ کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا، فریق ثالث کی زندگی اجیرن بن کر رہ گئی، اپنی زندگی جس کو فریق ثالث کبھی بے مثال اور محبوب سمجھتا تھا اب وہ اس کے لیے مصیبت ہی ثابت ہونے لگی، روز بہ روز کے لڑائی جھگڑے اور دماغی مار کی وجہ سے عاجز و پریشان ہوکر رہ گیا، گھریلو زندگی پوری طرح بکھر چکی تھی، بہ ذات خود وہ اپنی اور دنیا کی نظروں میں ذلیل وخوار ہوکر رہ گیا، اب بندہ کے پاس صرف ایک ہی راستہ رہ جاتا ہے کہ وہ خدا کے دربار میں پناہ لے، حالات اور اس کے کیے ہوئے گناہوں نے اسے کچھ اس طرح جکڑا کہ کچھ اب سمجھ میں نہیں آتا تھا، جتنی بھی کوشش اور وقت توبہ استغفار کی طرف دھیان کرے پریشانی اور مایوسی ہی نظر آئے؛ کیوں کہ فریق اول کی زیادتیاں بدسلوکیاں اس حد تک بڑھتی جارہی تھیں کہ کہیں رکنے کا نام ہی نہیں۔ ایک دن نماز کے بعد خدا سے گڑگڑا کر دعا کی، اس دعا کے دو تین دن بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رحمت نازل ہوئی، اور اس کے ساتھ ایک احساس دل میں پیدا ہوا ذہن میں یہ بات مکمل طور پر واضح ہوئی کہ، مَیں نے جو زندگی فریق اول

کے ساتھ نکاح کرنے کے بعد جو حلال سمجھ کر گزری ہے، درحقیقت یہ زندگی ناجائز اور حرام ہے اور سنت نبوی کے برعکس ہے؛ کیوں کہ نکاح سے قبل جو عدت شریعت کے مطابق فرض تھی وہ فرض فریق اول نے ادا نہیں کیا، اور فریق ثالث اس خلاف شریعت کام میں برابر شریک رہا، جب عدت ہی نہیں تو نکاح ثانی کیسے حلال قرار دیا جاسکتا ہے! اس احساس کے بیدار ہوتے ہی ایک عزم کیا کہ اس عورت کے ساتھ جنسی تعلقات ان موجودہ حالات میں زنا کے برابر ہیں؛ اس لیے اب باقی زندگی میں اس سے زنا کبھی نہیں کروں گا۔ ان حالات کی روشنی میں فریق ثالث کے ذہن میں چند سوالات عاقبت کے خوف سے پیدا ہوئے، آپ سے درخواست ہے کہ ان کے جوابات قرآن کی روشنی میں فتوے کی شکل میں تحریر فرمائیں:

① گذشتہ شوہر سے طلاق کے بعد کیا کوئی عورت بغیر عدت گزارے ہوئے نکاح ثانی کرسکتی ہے؟ (یہاں عورت سے فریق اول ہی ہے)۔

② حالیہ نکاح جو فریق اول اور ثالث کے درمیان ہوا، کیا یہ شریعت کے اعتبار سے جائز ہے؟

③ سابق شوہر کے گھر سے جو بچہ طلاق کے بعد لائی تھی اور جس کو فریق ثالث کے نطفے سے قرار دیا تھا، اس بچی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ گویا جائز کہلائے گا سوتیلا یا پھر کچھ اَور ہی؟ حالاں کہ اس کی پرورش فریق ثالث نے اپنی حقیقی اولاد سمجھ کر کی ہے۔

④ فریق اول اور ثالث کے درمیان نکاح ہونے کے بعد جو اولاد لڑکی کی شکل میں پیدا ہوئی، تو شریعت کیا کہتی ہے اس کی نوعیت کے لیے؟

⑤ فریق ثالث اپنے کیے پر بے حد نادم اور شرمسار ہے، اس کے لیے شرعی مشورہ؟

⑥ فریق اول اور ثالث اپنے کیے ہوئے گناہوں کی تلافی کیسے اور کس طرح کریں اور اس کے لیے بہتر راستہ کیا ہے؟

⑦ فریق اول آج بھی دنیاوی عیاشیوں سے وابستہ ہے، جو پہلے (۲۵/برس) تھا آج بھی ہے، اور نہ اس کو اس گناہ عظیم کا احساس ہے، ایسے سخت ترین حالات میں دونوں فریق اول اور ثالث ایک ساتھ ایک ہی مکان میں بغیر کوئی بات چیت کیے اور مطلب وابستہ رکھے بغیر بچوں کی عزت ووقار اور دنیا دکھاوے کے لیے رہ رہے ہیں، کیا اس طرح رہنا مناسب ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① سابقہ نکاح کے بہ ذریعۂ طلاق یا وفات ختم ہونے پر شریعت کی طرف سے ایک مدت مقرر کی گئی ہے، اس مدت گزر جانے کا نام عدت ہے، اس مدت کے درمیان عورت کو ایک گھر میں رہنا پڑتا ہے، جب تک یہ مدت ختم نہ ہو چکے تب تک کہیں اور نہیں جاسکتی، نہ کسی اور مرد سے نکاح کرسکتی ہے۔

انتظار مدة معلومية يلزم ا لمرأة بعد زوال ا لنكاح، حقيقةً أو شبهة المتأكد بالدخول أو الموت(عالمگیری ۵۲۶/۱)

وعرفهافي ا لبدائع بأنها أجل تضرب لانقضاء ما بقي من اٰثار النكاح (شامي ٦٤٩/٢)

اب اگر کوئی عورت دوران عدت گھر میں نہ رہی؛ بلکہ ادھر ادھر گھومتی رہی تو ایسا کرنے کی وجہ سے گنہ گار ہوئی؛ لیکن اگر اس نے عدت کی مدت پوری ہونے کے بعد نکاح کیا تو وہ نکاح درست کہلائے گا۔ صورت مسئولہ میں فریق اول پر طلاق واقع

ہونے کے بعد عدت کی مدت یعنی تین حیض گزر جانے کے دوران وہ فریق ثالث کے ساتھ اس کے گھر میں رہی اور جنسی تعلق بھی قائم کیا، جو زنا اور سخت گناہ کا کام ہوا؛ لیکن دونوں کا نکاح چھ یا آٹھ ماہ گزر جانے کے بعد ہوا، تو اگر اس چھ یا آٹھ ماہ کے درمیان تین حیض آچکے تھے اور نکاح شرعی گواہوں کی موجودگی میں شرعی طریقے سے ہوا تھا، تو یہ نکاح صحیح ہو چکا؛ البتہ دونوں پر اب تک زنا کیا اس سے توبہ لازم ہے، اور فریق اول پر عدت کی پابندیوں کے خلاف ورزیوں کے گناہ سے توبہ لازم ہے۔

② جواب نمبر ۱ میں تفصیل آچکی ہے۔

③ اس بچہ کا نسب پہلے شوہر فریق ثانی سے شمار ہوگا، دوسرے شوہر کا وہ سوتیلا ہے۔

④ اگر نکاح ہونے کے چھ ماہ بعد لڑکی پیدا ہوئی تھی، تو اس کا نسب دوسرے شوہر سے ثابت ہے۔

⑤ تا ⑦ اپنے گناہوں پر ندامت، توبہ استغفار یہی ایک راستہ ہے جو لازم ہے۔ ایسی عورت کو طلاق دینا مستحب اور ثواب ہے، اور اگر عورت یہاں تک نافرمان ہے کہ خاوند کے لیے اس کے ساتھ رہنا مشکل ہو، اور گھر میں ہر وقت فتنہ اور فساد برپا رہتا ہو، تو ایسی صورت میں طلاق دینا واجب ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۵/ ۱۵۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بدونِ طلاق چلی جانے والی دو عورتوں کے بعد چوتھا نکاح اور نافرمان بیوی کی اولاد کا حکم

سوال: آج سے آٹھ سال قبل میں نے بانو بنت قطب نداف سے شادی کی، اور اس سے صحبت بھی کی، اور وہ عورت لگ بھگ میرے ساتھ چھ ماہ تک رہی، اور چھ ماہ بعد وہ مجھے چھوڑ کر میرے طلاق دیے بغیر چلی گئی، چلے جانے کے دو سال بعد اس نے بغیر طلاق لیے دوسرا نکاح کیا، نکاح کرنے کے بعد اس کو اس شوہر سے دو اولاد ہوئی۔

اس کے دو سال بعد میں نے پھر ایک دوسرا نکاح ممتاز بنت ملک نداف سے کیا، وہ میرے نکاح میں لگ بھگ پانچ چھ ماہ رہی، وہ بھی میرے طلاق دیے بغیر چلی گئی، اس کو بھی میں نے طلاق نہیں دیا، اس عورت نے بھی میرے بغیر طلاق لیے دوسرا نکاح کیا، اس کو بھی ایک دو اب تک اولاد ہوئیں۔ حضرت گستاخی معاف ہو اب چوتھا نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ:

① مجھے ابھی پھر شادی کرنی ہے تو کیا میں اب چوتھی شادی کر سکتا ہوں یا نہیں؟ حالاں کہ پہلی دو عورتوں کو میں نے طلاق نہیں دیا ہے۔

② اب ان دونوں عورتوں کو طلاق دینے کی کیا شکل ہوگی؟

③ اور ان عورتوں نے مجھ سے بغیر طلاق لیے دوسرا نکاح کیا ہے ان کے نکاح کا شرعاً کیا حکم ہے؟

④ اب ان دونوں عورتوں کے جو بچے ہیں ان بچوں کا کیا حکم ہے؟

⑤ اب اگر وہ عورتیں جو میرے طلاق دیے بغیر دوسرا نکاح کئے ہیں دوبارہ اگر میرے پاس چلے آئیں تو کیا میں ان کو رکھ سکتا ہوں؟

⑥ اور شرعاً میں مجرم ہوں یا عورتیں؟ برائے کرم شرعاً اس مسئلہ کا کیا حکم ہے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① آپ چوتھا نکاح کر سکتے ہیں۔

② جب وہ عورتیں پاکی کی حالت میں ہوں اس وقت آپ ان سے وطی کئے بغیر ایک طلاق دے دیں، اور عدت ختم ہونے تک مزید طلاق بھی نہ دیں اور رجوع بھی نہ کریں جب عدت ختم ہوگی، وہ عورت آپ کے نکاح سے نکل گئی اس کے بعد وہ نیا نکاح کر سکتی ہے۔

③ وہ نکاح درست نہیں ہوا؛ بلکہ اب بھی وہ دونوں آپ کے نکاح ہی میں ہیں۔

④ جب وہ آپ کے نکاح میں ہیں تو بچے بھی آپ کے کہلائیں گے، ان کی نسبت آپ ہی کی طرف ہوگی۔

⑤ جی ہاں۔

⑥ عورتیں تو اصل مجرم ہیں؛ البتہ آپ بھی اس حرام کاری کو اب تک برداشت کرتے رہے، اس معنیٰ کر کے مجرم ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ

متفرقات نکاح

بیوی کا پستان منہ میں لینے سے نکاح فاسد نہیں ہوتا

سوال: ایک شخص نے اپنی نکاحی بیوی کے ساتھ صحبت کرنے کے دوران اپنی بیوی کی چھاتیوں کو بچے کی طرح چوسا، جب کہ چھاتیاں خشک تھیں یہ حرکت صرف ایک بار ہوئی۔ انزال ہونے کے بعد شرمندگی ہوئی اب پچھتا رہا ہے توبہ استغفار کرتا رہتا ہے۔ شک ہے کہیں نکاح تو نہیں ٹوٹا۔ جواب جلد دیجئے مہربانی ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شوہر (بہ شرطیکہ وہ دوسال کی عمر سے تجاوز کر گیا ہو) اگر اپنی بیوی کے پستان منہ میں لے تو اس سے نکاح فاسد نہیں ہوتا چاہے، پستان میں دودھ آتا ہو اور وہ شوہر کے پیٹ میں چلا گیا ہو البتہ ایسا کرنا اچھا نہیں۔

مص رجل ثدی زوجته لم تحرم (در مختار) (قوله مص رجل) قيد به احترازا عما اذا كان الزوج صغيرا فی مدة الرضاع فانها تحرم عليه. (شامی ۲/ ٤٤٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ

شرعاً حلال رشتہ داروں سے نکاح کرنے کو عیب سمجھنا

سوال: ہمارے یہاں سماج میں نکاح کے سلسلہ میں یہ غلط فہمی ہے کہ حقیقی ماموں، حقیقی خالہ اور حقیقی پھوپھی کی اولاد سے نکاح کرنے کو عیب سمجھتے ہیں؛ لہٰذا اس

سلسلہ میں چند سوالات کے جوابات تحریر فرمائیں۔

(۱) اس طرح یعنی حقیقی ماموں، خالہ اور پھوپھی کی اولاد سے نکاح کرنا شرعاً کیسا ہے؟ آیا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) اگر جائز ہے تو اس کو معیوب سمجھنا کیسا ہے؟

(۳) اگر کسی آدمی نے سماج کے خلاف اس طرح نکاح کرلیا تو اس پر طعنہ زنی کرنا اور اس کو برا بھلا کہنا کیسا ہے؟

(۴) اور طعنہ زنی کرنے والے کی مدد کرنا اور اس کا ساتھ دینا کیسا ہے؟

(۵) اور اس کو سماج سے بائیکاٹ اور قطع تعلق اور مارنے پیٹنے کی دھمکیاں دینا کیسا ہے؟

نوٹ: اس مسئلہ کو سماج میں شائع کرانے کا ارادہ ہے لہٰذا جوابات تفصیل سے اور سادے الفاظ میں ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) حقیقی ماموں، خالہ اور پھوپھی کی اولاد سے نکاح کرنا شرعاً درست اور حلال ہے؛ بشرطیکہ اور کوئی رشتۂ حرمت دونوں کے درمیان موجود نہ ہو، سورۂ نساء میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''محرمات'' کو بیان فرما کر آخر میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَأُحِلَّ لكم مَا وَرَاءَ ذلكم﴾ یعنی جو محرمات اب تک مذکور ہوئیں ان کے علاوہ دوسری عورتیں تمہارے لیے حلال ہیں، اس کی مثال دیتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''مثلاً چچا کی لڑکی، خالہ کی لڑکی، ماموں زاد بہن الخ۔ (معارف القرآن ۲/ ۳۲۴)

سورۂ احزاب میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا اَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللّٰتِيْ اٰتَيْتَ أُجُوْرَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّا اَفَآءَ اللهُ عَلَيْكَ وَبَنٰتِ عَمِّكَ وَبَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ﴾(الأحزاب:٥٠)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

مطلب آیت کا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چچا اور پھوپھی کی لڑکیاں اور ماموں اور خالہ کی لڑکیاں حلال کردی گئیں، چچا، پھوپھی میں باپ کے خاندان کی سب لڑکیاں اور ماموں، خالہ میں ماں کے خاندان کی سب لڑکیاں شامل ہیں اور ان سے نکاح کا حلال ہونا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص نہیں، سب مسلمانوں کا یہی حکم ہے۔(معارف القرآن ۷/ ۱۸۸)

احکام القرآن للتھانوی میں ہے:

أحلت له بنات أعمامه وبنات عماته وبنات أخواله وبنات خالاته؛ ولكن لا مطلقاً؛ بل اللاتي هاجرن معه ﷺ خاصة ومن لم تهاجر منهن فلا تحل للنبي ﷺ وهو وجه اختصاص هذا الحكم بالنبي ﷺ وإلافحلتهن على العموم والاطلاق حكم عام شامل لسائر المسلمين.

(أحكام القرآن ٣/ ٣٨٦)

ترجمہ: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنے چچا اور پھوپھی اور ماموں اور خالہ کی بیٹیاں حلال کردی گئیں؛ لیکن علی الاطلاق نہیں؛ بلکہ وہی جنہوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت میں حصہ لیا، اور ان میں سے جنہوں نے ہجرت نہیں کی وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

لیے حلال نہیں کی گئیں اور آں حضرت ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ اس حکم کے مخصوص ہونے کی یہی علت اور وجہ ہے؛ ورنہ ان کا (یعنی چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی بیٹیوں کا) علی الاطلاق حلال ہونا تو ایک ایسا حکم ہے جو تمام مسلمانوں کے لیے عام ہے۔

خود نبی کریم ﷺ نے اپنی پھوپھی کی لڑکی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا؛ بلکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح آں حضرت ﷺ سے کر دیا، ارشاد خداوندی ﴿زوجنٰکھا﴾ کی تفسیر میں بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں، چناں چہ حضرت زینب دیگر ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے سامنے یہ بات فخریہ فرماتی تھیں کہ تمہارا نکاح تو تمہارے والدین (یا دیگر اعزہ) نے کیا اور میرا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کیا۔

روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر میں ہے:

أي جعلناها زوجة لك بلا واسطة عقد إصالة أو وكالة، فقد صح من حديث البخاري والترمذي أنها رضى الله تعالىٰ عنها كانت تفخر على أزواج النبي ﷺ تقول: زوَّجكنَّ أهاليكنَّ وزوَّجني الله تعالىٰ من فوق سبع سمٰوٰت(۲۲/۲۶)

زمانۂ جاہلیت میں ایک رسم بد اور خیال باطل یہ تھا کہ منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح حرام ہے، اس رسم بد کو توڑنے اور خیال باطل کی تردید کے لیے قدرت کی طرف سے یہ انتظام عمل میں آیا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا (جو آں حضرت ﷺ کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی مطلقہ تھیں ان) سے آں حضرت ﷺ کا نکاح خود باری تعالیٰ نے کر دیا، اور شاید اس طرح مستقبل میں امت مسلمہ میں پھیلنے

والے خیال باطل کی تردید اور رسم بد کو بھی خود نبی کریم ﷺ کے عمل سے توڑنا مقصود ہو۔

② تا ⑤ اسلام میں اس کا جائز اور حلال ہونا؛ بلکہ آں حضرت ﷺ کا عمل مبارک اس کے مطابق ہونا اوپر کے جواب سے معلوم ہو گیا، اس کے بعد بھی اس کو معیوب سمجھنا دراصل ہندوانہ رسم اور خیال باطل ہے، اس کی وجہ دراصل یہ ہے کہ ''ہندوستان کی بعض اقوام نے قبول اسلام کے بعد بھی اپنی خاندانی گزشتہ رسوم کو جہالت کی بناء پر باقی رکھا، ان میں سے یہ بھی ایک چیز ہے''۔ (فتاوی محمودیہ ۱۳/ ۲۳۰)

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بعض لوگ نکاح ثانی کو عیب اور بے عزتی سمجھتے ہیں، اس سلسلہ میں امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ - جو فتاوی رشیدیہ میں موجود ہے اور جس پر اس زمانے کے اکابر علماء کی تصدیقات بھی ہیں۔ نقل کرتا ہوں:

استفتاء: کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو شخص نکاح ثانی کو - باوجود علم اس امر کے کہ یہ قرآن شریف سے ثابت ہے، اور حضرت محمد ﷺ کی سنت ہے - عیب اور بے عزتی سمجھتا ہو اور اس کے کرنے والے کو بے عزت اور کمینہ کہتا ہو یا یوں کہتا ہو کہ ہم اس کو حق جانتے ہیں اور حضرت محمد ﷺ کی سنت سمجھتے ہیں؛ مگر چوں کہ ہماری قوم میں اس کا رواج نہیں، اس واسطہ ہم اس کو عار ونگ جانتے ہیں، اب ان دونوں صورتوں میں شرع شریف سے ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ اس شخص کے ساتھ معاملہ، رشتے ناتے کا کرنا یا شادی غمی میں اس کی شامل ہونا یا اس کے جنازے کی نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً: حکم حق تعالیٰ یا کسی طریقہ سنت رسول ﷺ کو جو

عیب یا موجب بے عزتی کا جانے یا اس کے کرنے والے کو بے عزت کہے لاریب وہ ملعون کافر ہے اور مخالف حق تعالیٰ کا ہے، اور جہنمی، مرتد ہے، اور باوجود اعتراف اس امر کے کہ یہ حکم خدا تعالیٰ کا ہے اور سنت ہے اور پھر بھی اس کو اپنے رواج کے سبب ننگ وعار کا باعث جانتا ہے یہ زیادہ تر موجب اس کے کفر اور مخالفت حق تعالیٰ کا ہے کہ وہ شقی، ملعون اپنے رواج کفر کو حق تعالیٰ کے حکم سے اچھا جانتا ہے، پس ایسے شخص سے ترک ملاقات ومعاملات کرنا عین دین ہے، اور اس سے رشتہ وقرابت رکھنا ہرگز جائز نہیں؛ بلکہ اس سے علیحدہ ہوجائے اور اس کو مبغوض ترین خلق اللہ کا جان کر اس کا دشمن ہوجائے اور اس کے جنازے کی نماز ہرگز نہ پڑھے کہ وہ کافر ہے۔ كذا في كتب الحديث والفقه والعقائد. (فتاوی رشیدیہ قدیم ۳/۷ جدید مکمل مبوب ۷۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/شوال المکرم ۱۳۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

”ہنی مون“ منانا بے اصل ہے

سوال: بمبئی شہر میں عقد نکاح کے ہفتہ عشرہ بعد ماہ عسل (ہنی مون) منانے کے لیے کسی مخصوص جگہ بطور تفریح جاتے ہیں، شرعاً کیسا ہے؟ اس کی تاریخ کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اسلام میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ولیمہ کی شرعی حیثیت اور وقت

سوال: ہمارے یہاں ولیمہ کا بڑا زور ہے، چند روز قبل ایک مولوی صاحب نے کہا کہ میرے نزدیک ولیمہ سنتِ مؤکدہ ہے، دوسرے مولوی صاحب نے کہا کہ سنتِ مؤکدہ نہیں ہے؛ سننِ زوائد میں سے ہے، اب دریافت طلب یہ ہے کہ شرعاً اس کی حیثیت کیا ہے؟ اور قبل خلوتِ صحیحہ کسی نے کھلایا تو سنت ادا ہوئی یا نہیں؟ اور اس کو لازم کرادینا شرعاً کیا حیثیت رکھتا ہے؟ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تھا، اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ آپ لوگوں کے پاس جو کچھ ہے حاضر کرو تو جس روز نکاح ہوا تھا اسی روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلایا تھا یا بعد میں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

علامہ عینی شرح بخاری میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "اولم ولو بشاة" کی شرح میں رقمطراز ہیں: والامر فیه للاستحباب (عینی شرح بخاری ۲۰/ ۱۵۳) اس سے معلوم ہوا کہ سنتِ مستحبہ ہے، مؤکدہ نہیں ہے، دعوتِ ولیمہ اجتماعِ زوجین کے بعد کھلائی جاتی ہے۔ ولیمة العرس سنة وفیها مثوبة عظیمة وهی إذا بنی الرجل بإمرأته الخ (عالمگیری ۵/ ۳۴۳)

ولیمہ کے متعلق اور بھی اقوال ہیں: مثلاً (الف) وقتِ عقد۔ (ب) وقتِ عقد کے بعد بھی اور دخول کے بعد بھی۔ (ج) دو دن کے بعد مکروہ ہے۔

(مظاہر حق، فتاویٰ رحیمیہ ۳/ ۱۲۶)

یہ واقعہ خیبر سے واپسی کا ہے اور یہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا ہے، ولیمہ

دخول (صحبت) کے بعد کھلایا گیا تھا۔ (بخاری، کتاب النکاح، باب البناء فی السفر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/صفر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

خلوتِ صحیحہ کے بعد ولیمہ

سوال: کیا ولیمہ کرنا بغیر جماع کے جائز ہے؟ یعنی رات کو خلوت تو کی؛ مگر عورت سے جماع نہیں کیا اور صبح ولیمہ کیا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خلوت صحیحہ کے بعد ولیمہ درست ہے۔ (اوجز ۹/۴۳۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شادی سے پہلے دعوت کا حکم

سوال: شادی سے پہلے دن دولہا کے گھر پر بڑی دعوت ہوتی ہے اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شادی سے پہلے دن دولہا کے گھر دعوت کا مسنون نہ ہونا ظاہر ہے، اب اگر مسئولہ دعوت رسم ورواج کے طور پر ہوتی ہے تو اس کا ناجائز وبدعت ہونا بھی ظاہر ہے، اور اس میں شرکت کی بھی اجازت نہیں، اور اگر باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کو

کھلانے کے لیے نظم کیا گیا ہے، کوئی رسم پیشِ نظر نہیں تو اس کی اجازت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خلوتِ صحیحہ اور عورت کی اجازت کے بغیر ولیمہ کرنا

سوال: دعوت ولیمہ کے لیے کیا یہ شرط ہے کہ بغیر خلوت صحیحہ (ہمبستری) کئے دعوت ولیمہ نہیں دے سکتے (کھلا سکتے)؟ اور کیا یہ بھی شرط ہے کہ عورت کی اجازت لیے بغیر دعوت ولیمہ نہیں کھلا سکتے ہیں؟ بعض لوگ یہ دونوں شرطیں رکھتے ہیں شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ولیمہ کی دعوت اجتماعِ زوجین کے بعد کھلائی جاتی ہے۔ ولیمہ کے متعلق اور بھی اقوال ہیں: مثلاً (الف) وقتِ عقد (ب) وقتِ عقد کے بعد بھی اور دخول کے بعد بھی (ج) دو دن کے بعد مکروہ ہے۔ (مظاہر حق، کتاب النکاح ۳/۱۴۹) (از فتاویٰ رحیمیہ ۳/۱۲۵، ۱۲۶ ملخصا)

دعوتِ ولیمہ کے لیے عورت کی اجازت کی شرط کہیں نہیں دیکھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کیا ولیمہ کے لیے بڑی دعوت کرنا ضروری ہے؟

سوال: بمبئی شہر میں اکثر جگہ یہ ہوتا ہے کہ کسی بڑے ہال میں نکاح ہے اس نکاح میں شریک ہونے والے لڑکی کے طرف سے بھی ہوتے ہیں اور لڑکے کی طرف

سے بھی، لڑکے کا سرپرست نکاح کے بعد جو کھانا کھلاتا ہے وہ دعوتِ ولیمہ کی نیت سے، اور لڑکی کا سرپرست تقریبِ نکاح میں شرکت کی نیت سے، یہ کھانا پورا کا پورا دونوں ولیوں کا مشترک ہوتا ہے، اپنے اپنے مہمانوں کے حساب سے کم وبیش ہوں، کا خرچ برداشت کرتے ہیں، تو کیا درست ہے کہ لڑکے کے ولی کی جانب سے ایک ہی مجلس کا کھانا تقریبِ نکاح کا کھانا بھی ہوجائے اور دعوت ولیمہ بھی ہوجائے؟ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ: دعوتِ ولیمہ نکاح کے ایک روز کے بعد یا دو روز کے بعد کھلانا سنت ہے؟ نکاح کے بعد جو کھانا کھلایا جاتا ہے وہ نکاحی کھانا ہے یعنی دوبار کھانا کھلانا ہوگا؟ اگر لڑکے والا غریب ہے تو نکاحی کھانا اور دعوت ولیمہ کا کھانا یعنی دوبار کھلانا مشکل ہے، اس صورت میں غریب کیا کرے؟ امیر ہو یا غریب، درست کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وقت کے سلسلہ میں اقوال اوپر ذکر کردیے ہیں، ولیمہ کے لیے بڑی دعوت ہونا ضروری نہیں ہے، اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ باقاعدہ کھانا (مستقلاً) پکوایا جائے، روزانہ جو کھانا گھر میں پکتا ہے اس میں دو مٹھی کا اضافہ کرکے عین وقت پر چند آدمیوں کو کھانے پر بلا کر شریک کرلیا تب بھی ولیمہ کی سنت ادا ہوجائے گی، کیا آج کل کا غریب اس سے بھی عاجز ہے؟۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ولیمہ کتنے دنوں تک ہوسکتا ہے؟

سوال: ولیمہ کی حد کتنے دنوں تک ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زفاف کے بعد والے دن یا ایک دن مزید تاخیر کرسکتے ہیں، بعض حضرات نے سات یوم تک گنجائش دی ہے، کمافی الاوجز: ۹/۷ ۴۳ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

شب زفاف سے قبل ولیمہ ہوسکتا ہے؟

سوال: شبِ زفاف یا قبل رخصتی لوگوں کا کھلانا ولیمہ میں داخل ہے یا نہیں؟ یا محض ایک دعوت ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زفاف کے بعد ہونا روایتوں سے ثابت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

وظیفۂ زوجیت ادا نہ کرنے کے قابل عورت سے نکاح پر مالی مطالبہ

سوال: زید کا نکاح (۲۷/سالہ) ہندہ سے ہوا، بعد نکاح زید کو پتہ چلا کہ ہندہ وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کے قابل نہیں ہے، ہندہ خود اس بات کا اقرار کرتی ہے اور

کہتی ہے کہ مجھے مرد کی خواہش نہیں ہے، میرا نکاح والدین کی زبردستی پر ہوا ہے، ہندہ کے والدین، قریبی رشتہ دار بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہندہ وظیفۂ زوجیت کے قابل نہیں ہے، اس بات کا اقرار مقامی علماء کے سامنے بھی ہوا ہے، زید ہندہ سے (طلاق کی شکل) میں چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور چند شرائط پیش کرتا ہے، وہ یہ ہیں:

زید کہتا ہے کہ میری زندگی کے ساتھ مذاق ہوا ہے، کھلواڑ ہوا ہے، مجھ پر ظلم ہوا ہے، لڑکی والے جانتے ہوئے کہ ہندہ وظیفۂ زوجیت کے قابل نہیں ہے میرے ساتھ نکاح کرادیا، اس سے میرا وقت ضائع ہوا، روپیہ خرچ ہوا، دوست واحباب میں مذاق کا موضوع بنا جس کی وجہ سے میری اہانت ہوئی، زید اپنی خرچ شدہ رقم اور اپنی اہانت کا ازالہ چاہتا ہے۔ لڑکی والے کہتے ہیں ہندہ قدرتاً وظیفۂ زوجیت کے قابل نہیں ہے، اس میں ہم کچھ نہیں کرسکتے، اور کہتے ہیں زید اگر طلاق دے تو دس ہزار روپیہ: مہر، عدت کی رقم، جہیز واپس کرے، جب کہ زید مہر، عدت کی رقم، جہیز واپس کرنے پر رضامند ہے، دس ہزار روپیہ کی رقم کے بارے میں کہتا ہے کہ یہ رقم لڑکی والوں نے نکاح میں ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے کہہ کر دی تھی کہ ہم اپنی پہلی والی لڑکی کے نکاح کے وقت شوہر کو بیس ہزار روپیہ دیے تھے، اور اگر ہم آپ کو کچھ نہ دیں تو ہماری لڑکی (ہندہ) کے دل پر کیا گذرے گی؟ وہ سمجھے گی کہ اپنی بہن کے نکاح کے وقت بیس ہزار روپے دیے تھے اور اپنے کو کچھ نہ دیا، اس لیے ہم آپ کو دس ہزار کی رقم دے رہے ہیں؛ تاکہ آپ اپنے نکاح کی ضروریات میں صرف کریں، جب کہ رقم کے سلسلہ میں زید کا کوئی مطالبہ نہیں تھا، اور دس ہزار کی رقم لینے سے انکار کرلیا تو لڑکی والوں نے بضد اور زبردستی سے زید کے گھر والوں کے حوالے کیا، جس کا علم زید کو بعد میں ہوا، فتویٰ طلب امور یہ ہیں:

① لڑکی والوں کی طرف سے زبردستی اور بغیر کسی مطالبہ کے دی ہوئی دس ہزار کی رقم کا زید (شوہر) سے واپسی کا مطالبہ کرنا جب کہ یہ رقم لڑکی والوں نے اپنی مرضی سے ضروریاتِ نکاح پر صرف کرنے دی ہو، جس کا علم زید کو بعد میں ہوا، ایسی رقم کا زید (شوہر) سے واپسی کا مطالبہ کرنا جب کہ زید اس رقم کی واپسی کی استطاعت نہیں رکھتا ہے شریعت مطہرہ کی نظر میں کیا حکم رکھتا ہے؟

② لڑکی والوں نے زید کے ساتھ ایک ناقابلِ زوج لڑکی کا نکاح کر کے جو دھوکہ دیا ہے، شریعت مطہرہ میں ان دھوکہ بازوں کے لیے کونسی سزا ہے؟ اور کیا جرمانہ عائد کرتی ہے؟

③ زید کا اپنے جیب سے ضروریاتِ نکاح پر خرچ شدہ رقم ہندہ کو طلاق دینے کی صورت میں لڑکی والوں سے لینا اور مطالبہ کرنا شریعت مطہرہ کی رو سے کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے اپنے سوال میں ایک مبہم بات لکھی ہے کہ ہندہ وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کے قابل نہیں ہے؛ لیکن تفصیل نہیں فرمائی کہ وہ کونسی بات یا کونسا عیب یا کونسا عارضہ اس میں پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کے قابل نہیں ہے، پھر بھی آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب حاضر ہیں:

① لڑکی والوں کی طرف سے شوہر کے گھر والوں کو دی گئی رقم کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے، وہ ایک تبرع اور احسان تھا، اگر وہ رقم استعمال نہ کی گئی ہوتی یونہی پڑی ہوتی تو واپسی کا مطالبہ کیا جاسکتا تھا؛ لیکن اب وہ رقم استعمال میں آچکی ہے، مطالبہ درست نہیں۔

(۲) اس میں کوئی جرمانہ یا مقررہ سزا نہیں ہے؛ البتہ گنہگار ہوئے۔

(۳) زید بھی اپنی رقم کی واپسی کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ جمادی الاخری ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

رسومات سے بچنے کے لیے اجتماعی نکاح

سوال: ہمارے گاؤں میں شادی بیاہ کے موقع پر جوان لڑکے مختلف خرافات میں مبتلا ہیں، جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) شادی کے دن اپنے باپ کے پاس سے (چاہے وہ غریب ہو یا مالدار) چار یا پانچ ہزار روپئے مانگتے ہیں اور ان پیسوں کو بے جا استعمال کرتے ہیں جیسے کہ ہائیوے (highway) پر جاکر پارٹی کرنا اور سویمنگ پل (swimming pool) پر جاکر نہانا۔

(۲) شادی کے دن دولہا کے گھر پچاس یا اس سے زائد لڑکے جمع ہوکر دولہا کو نہلاتے ہیں، جس کی وجہ سے گھر کی مستورات پریشان ہوتی ہیں۔

(۳) نکاح کے وقت فوٹو لینا اور پیسوں کا ہار پہنانا۔

(۴) شادی کے دن شربت بنانا اور دولہن کو لینے جانے کے لیے رشتہ دار عورتوں کا جمع ہونا، ان خرافات کی وجہ سے گاؤں کے ذمہ داروں نے یہ طے کیا ہے کہ تمام کا نکاح اجتماعی ہو؛ تاکہ لڑکے الگ الگ شادیوں میں منقسم ہوجائے اور خرافات ختم ہوجائیں یا کم ہوجائیں؛ لیکن اجتماعی نکاح میں یہ ضروری نہیں کہ گاؤں میں جتنے بھی نکاح ہو

تمام کے تمام شریک ہوں، ہر ایک آدمی اپنی مرضی کے مطابق دوسرے دنوں میں بھی کرسکتا ہے اور اس کی وجہ سے ذمہ دار حضرات کو کوئی حرج نہیں ہے، بہت سی مرتبہ گاؤں میں پچیس نکاح ہوتے ہیں اور اجتماعی نکاح میں آٹھ یا دس کا نکاح ہوتا ہے، اس طرح اجتماعی نکاح کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور اس اجتماعی نکاح میں جن حضرات کے نکاح ہوتے ہیں ان کے پاس سے چھ سو روپئے لیے جاتے ہیں؛ تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں میں مٹھائی تقسیم کی جائے کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں، ہم آپ کے ممنون ومشکور ہوں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خرافات اور رسم ورواج اور گناہوں سے لوگوں کو بچانے کی غرض سے اجتماعی نکاح کا نظام بنانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ اس کے لیے کسی کو مجبور نہ کیا جاتا ہو، آپ کا مقصد لوگوں کو خرافات سے بچانا ہے تو پھر آپ مٹھائی تقسیم کرنے کی غرض سے دولہا والوں سے چھ سو روپئے کیوں وصول کرتے ہو؟ آپ اس پابندی کو بھی ختم کریں؛ البتہ جن کے نکاح اجتماعی نظام کے مطابق ہو رہے ہیں ان میں سے کوئی اپنے شوق ورغبت سے مٹھائی تقسیم کرنا چاہے تو منتظمین حضرات کو اپنے ارادہ سے واقف کر کے ان کی اجازت سے کرسکتا ہے؛ بشرطیکہ اس کے اس عمل میں رسم ورواج کا پہلو نہ ہو۔

نوٹ: جن خرافات اور رسم ورواج اور گناہوں سے بچانے کے لیے اجتماعی نکاح کا یہ نظام ترتیب دیا جارہا ہے ان خرافات وغیرہ کی قباحت وشناعت کو علماء کی تقاریر کے ذریعہ لوگوں میں کھول کر بیان کیا جائے، اور سادہ اسلامی طریقۂ نکاح کے فضائل

ومناقب بھی قوت کے ساتھ پیش کئے جائیں؛ تاکہ نکاح کے اجتماعی نظام کا مقصد پورے طور پر حاصل ہو، اور لوگ بعد میں بھی اپنے آپ کو برضا ورغبت ان خرافات سے بچانے کا اہتمام کریں؛ ورنہ ایک طرف آپ کا اجتماعی نکاح کا پروگرام چلے گا اور دوسری طرف وہی خرافات دوسرے طریقوں اور راہوں سے آنا شروع ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ، ۴/ ربیع الآخر ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

''یہ لڑکی قیامت تک میری لڑکی کے برابر رہے گی'' کہنے کے بعد اس سے نکاح

سوال: زید نے لڑکی کے والد سے کلام شریف سر پر لے کر کہا کہ: ''یہ آپ کی لڑکی قیامت تک میری لڑکی کے برابر رہے گی'' تو کیا اس لڑکی سے زید کا نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید نے جس وقت لڑکی کے والد سے یہ جملہ کہا اس وقت وہ لڑکی زید کے نکاح میں نہیں تھی؛ لیکن اب زید اس لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، تو اگر اس لڑکی کے ساتھ زید کا کوئی رشتۂ حرمت نہیں ہے، تو محض ایسا کہنے کی وجہ سے وہ لڑکی زید پر حرام نہیں ہوئی؛ بلکہ زید کا نکاح اس کے ساتھ درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

چغل خور بیوی کو میکہ جانے سے روکنا

سوال: زید کی بیوی نافرمان ہے، زید کا کہنا نہیں مانتی ہے، نافرمانی کی تشریح یہ ہے کہ بیوی میں چغل خوری کی عادت ہے، اگر کوئی بات مذاقاً یا اتفاقاً بلا اختیار بھی کسی کے متعلق زید کی زبان سے نکل جاتی ہے، خواہ بیوی کے میکے والے کے متعلق ہو یا اور کسی شخص کے متعلق ہو، بیوی اس شخص سے کہہ دیتی ہے، اور اس شخص سے زید کا جھگڑا ہو جاتا ہے، خصوصاً میکے والوں سے زید کا بہت ہی بڑا جھگڑا ہو جاتا ہے، زید نے پہلے بطورِ نصیحت بہت سمجھایا، پھر بھی اپنی اس عادتِ بد سے باز نہیں آئی، پھر بسترِ خواب واستراحت بھی الگ کر کے ناراضگی ظاہر کی، پھر بھی بیوی اپنی عادتِ مذکور سے باز نہیں آئی، پھر مناسب مار پیٹ کر بھی تنبیہ کی، پھر بھی اپنی اس عادتِ چغل خوری سے باز نہیں آئی، غرض کہ جب سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی اور بیوی نے ایک نہ سنی؛ بلکہ اپنی اسی عادت پر برقرار رہی، تو زید نے بیوی کو اس کے میکے والوں سے جھگڑا و فساد سے بچنے کے لیے میکے جانے سے روک دیا، اور کہا کہ والدین خود میرے گھر آ کر اپنی لڑکی کو دیکھ جایا کریں، بیوی کے والدین میں اتنی قدرت ہے کہ وہ میرے گھر آسکیں، وہ معذور نہیں ہیں؛ تاکہ اس فتنہ وفساد، جھگڑا سے- جو میکے جانے کے سبب بیوی کی چغل خوری کے ذریعہ میکے کے افراد سے بڑھتا چلا جا رہا ہے- کسی قدر فرصت ملے؛ لیکن بیوی نہیں مانتی، اور بغیر اجازتِ شوہر (زید) میکے چلی جاتی ہے، یہاں تک کہ اس مرتبہ زید بیوی کو میکے جانے سے سختی سے منع کر کے پردیس چلا آیا، ساس (زید کی ماں) سخت بیمار ہے، کوئی دوسرا تیماردار نہیں ہے، پھر بھی بیوی بغیر اجازتِ زید میکے چلی گئی۔

اب آگے جو شرعی حکم ہو بالتفصیل وضاحت کے ساتھ مدلل بحوالۂ کتبِ معتبرہ مرحمت فرمایا جاوے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں مصالحِ مذکورہ کے پیشِ نظر شوہر کو حق ہے کہ وہ اپنی بیوی کو والدین کے گھر جانے سے روک دے، خصوصاً جب کہ والدین خود آ کر اپنی لڑکی سے ملنے پر قادر ہیں۔

درمختار میں ہے: ولا يمنعها من الخروج إلى الوالدين في كل جمعة إن لم يقدرا على اتيانها. الخ

اس کی تشریح میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

ماذكره الشارح اختاره في فتح القدير، حيث قال: وعن أبي يوسف في النوادر، تقييد خروجها بأن لا يقدرا على اتيانها، فإن قدرا لا تذهب، وهو حسن ..... والحق الأخذ بقول أبي يوسف إذا كان الأبوان بالصفة التي ذكرت الخ (درمختار مع الشامي: ۳/ ۷۲۱)

شوہر کے منع کرنے کے باوجود اگر بیوی بلا اجازت بھی جاتی ہے تو وہ گنہگار ہے، اور شوہر کی نافرمان ہے۔ رہی ساس (یعنی شوہر کی ماں) کی تیمارداری تو یہ بیوی پر ضروری نہیں ہے، محض ایک اخلاقی ذمہ داری ہے، اور اگر وہ انجام دے تو مستحقِ تعریف ہے، ورنہ اس کے لیے شوہر مجبور نہیں کر سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دولہا سے رقم لینا ناجائز ہے

سوال: دولہا کی طرف سے دولہن والوں کو جو رقم دی جاتی ہے، آیا یہ رقم دولہن والوں کو لینا جائز ہے، یا پھر وہ سحت میں داخل ہے؟ یہ رقم عام طور پر شادی سے پہلے دی جاتی ہے جس سے دولہن والے شادی کے اخراجات نکالتے ہیں، ایک آدمی اس کے ناجائز اور حرام ہونے کا قائل ہے، اور اس نے مختلف دلائل پیش کئے ہیں، وہ دلائل یہ ہیں:

ذكر العلامة ابن نجيم في البحر الرائق ٣ / ٢٠٠ أخذ أهل المرأة شيئا عند التسليم، فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة

ذكر ابن عابدين في رد المحتار المعروف بالشامى ٥/ ٢٧٢ من السحت: ما يأخذه الصهر من الختن بسبب بنته بطيب نفسه؛ حتى لوكان يطلبه يرجع الختن ومن السحت الحرام وماخبث من المكاسب فلزم عنه العار.

ذكر في الفتاوى الهندية: خطب امرأة في بيت أخيها، فابىٰ أن يدفعها؛ حتى تدفع إليه داراً، فدفع وتزوجها يرجع بما دفع؛ لأنه رشوة ١/ ٣٢٧

ذكر فى فتاوى قاضى خان: رجل خطب إمرأة وهى تسكن في بيت أختها، وزوج أختها لا يرضى بنكاح بهذا الرجل؛ إلا أن يدفع إليه دار، فدفع الخاطب إليه داراً، كان له أن يستردها مما دفع إليه؛ لأنه رشوة كذا ذكر فى فتاوى عبدالحى؟ /٧٤

ذكر في الوسيلة الاحمدية: ومن الرشوة ماأخذه ولي المرأة قبل النكاح إذا كان بالسوال أو كان اعطاء الزوج بناء على عدم رضائه على عدم تقدير.

قال في المعدن: لايجوز لأب البنت أن يأخذ من الخاطب شيئاً؛ لأنه رشوة. "لعن الله الراشى والمرتشى" (مشكوة)

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو رقم زوج سے قبل از عقد یا بعد از عقد اس غرض اور اس نام سے لیتے ہیں کہ اس سے برات کو اور اعزہ واقرباء کو کھانا دیا جائے گا ناجائز ہے، اور اس کا حکم وہ ہے جو اس عبارت میں مذکور ہے۔ وأخذ أهل المرأة شيئا الخ (کفایت المفتی ۵/ ۱۱۴)

تفصیل اسی جگہ ملاحظہ فرمالیں؛ نیز کفایت المفتی ۵/ ۳۸ تا ۴۰ کا مطالعہ بھی فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شادی کے دعوت نامے کی ایک شکل

سوال: ہمارے علاقہ میں ایک عالم دین اپنے شہر کے لوگوں کو اس بات کی ترغیب دلا رہے ہیں کہ شادی کے موقع پر جو دعوت نامے اور رقعے تیار کرائے جاتے ہیں لوگ اس پر بہت پیسہ خرچ کرتے ہیں پھر وہ رقعے ادھر ادھر پڑے نظر آتے ہیں یعنی بہت بے ادبی ہوتی ہے بہ جائے رقعے تیار کروانے کے منزل یا یس شریف کے شروع اور آخر صفحہ پر شادی کی اطلاع اور دعوت کا مضمون شائع کر کے اعزہ واقارب دوست واحباب میں تقسیم کرو لوگوں کو شادی کی اطلاع بھی ہوگی بعد میں وہ منزل ان کے گھر میں محفوظ رہے گی جس سے موقع بہ موقع فائدہ اٹھا سکیں گے کیا اس طرح کرنا درست ہے؟ اس صورت میں منزل کی تقسیم اصل مقصود نہیں ہوا کرتی ہے مقصود شادی کی اطلاع ہوتی ہے کیا اس میں قرآن کریم کی تعظیم پر کوئی زد پڑتی ہے؟ کیوں کہ ایک

صاحب کو اس پر اعتراض ہے نمونہ کے لیے وہ منزل ارسال خدمت ہے جس کے شروع اور آخری صفحہ پر شادی کی اطلاع چھپی ہوئی ہے جواب مطلوب ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شادی کے دعوت ناموں میں ہونے والی فضول خرچی سے بچانے کے لیے بہ طور تدبیر یہ ترغیب دی جارہی ہے تو اس کی گنجائش ہے اگلے یا پچھلے صفحہ پر شادی کی اطلاع والے مضمون کا ہونا تعظیم کے منافی نہیں، ناشرین حضرات حمائل اور مصاحف نیز دینی کتابوں کے آخر میں مختلف اشتہارات دیتے ہیں ان کو بھی تعظیم کے مخل نہیں سمجھا جاتا ہے، باقی اگر منزل یا یاسین شریف کو مستقل چھپوا کر شادی کی اطلاع کا پرچہ سادہ قسم کا اس کے ساتھ منسلک کر کے بھیجا جائے تو کسی کو اعتراض کا موقع ہی نہیں رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۱ رشوال ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

نکاح خوانی کی اجرت کے حق دار کون؟

سوال: ہمارے شہر میں نکاح خوانی کی اجرت طے ہوتی ہے اور وہ دولہے والوں کی طرف سے دی جاتی ہے، مثلاً تین سو روپے اور پورے شہر میں یہ بات متعارف ہے کہ تین سو روپے میں سے سو روپے مسجد کے لیے ایک سو پچاس امام کے لیے اور پچاس روپے مؤذن کو دیے جاتے ہیں اور مذکورہ بالا عرف پر اکثر کو اعتراض بھی نہیں تو سوال یہ ہے کہ آیا شرع میں ایسے عرف کا اعتبار ہوگا یا نہیں نکاح خوانی کی

اجرت کا حق دار کون ہوگا اکیلا امام یا مذکورہ بالا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نکاح خوانی کی اجرت کے نام سے لی جانے والی رقم کو اگرچہ عنوان نکاح خوانی کی اجرت کا دیا جاتا ہے لیکن وہ چند چیزوں کا معاوضہ ہوتی ہے نکاح پڑھانے والے امام کو اس میں سے جو حصہ دیا جاتا ہے وہ حقیقت میں نکاح خوانی کی اجرت ہوتا ہے مسجد کو جو رقم دی جاتی ہے وہ مسجد کی بجلی لحاف اور بعض جگہ رجسٹر نکاح وغیرہ کے استعمال کا معاوضہ ہوتا ہے مؤذن صاحب کو جو حصہ دیا جاتا ہے وہ نکاح کی مجلس کے انعقاد کے لیے جو تیاری کرتے ہیں مثلاً لحاف وغیرہ بچھانا پنکھے لائٹ چلانا اس مجلس کے لیے الگ سے صفائی کا اہتمام کرنا ان امور کا معاوضہ ہوتا ہے اس لیے نکاح خوانی کی اجرت کے عنوان پر لی جانے والی رقم کے جو تین حصے کیے جاتے ہیں شرعاً اس میں کوئی ممانعت اور قباحت نہیں خصوصاً جب کہ رقم دینے والوں کو بھی معلوم ہے کہ اس میں سے کتنا حصہ کس کو مل رہا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۱ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

نکاح خوانی کی اجرت کس کا حق؟

سوال: نکاح پڑھانے والا اجیر خاص نہیں امام قریہ یا کوئی امام مسجد پڑھاتا ہے امام کے تقرر کے وقت کمیٹی کہتی ہے کہ نکاح خوانی بھی آپ کے ذمہ ہے یا نہ کہے مگر عرفاً ودلالۃً امام کے ذمہ سمجھتے ہیں تو کیا اجیر عام کہلائے گا اور اجرت نکاح لینا صحیح ہوگا؟

کچھ رقم امام لیتا ہے اور کچھ رقم بقیہ سے نکاح کا رجسٹرڈ خریدنے کا کہتے ہیں تو کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس موضوع پر امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۶۹ تا ۳۷۵ ایک مستقل رسالہ موجود ہے اس کا مطالعہ فرمالے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۳/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

شادی میں ہدیہ کا لینا دینا

سوال: ہمارے یہاں شادی میں بہت سے خرافات ہیں، اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لڑکے والے لڑکی کو پازیب اور ناک اور کان میں پہننے کے زیور دیتے ہیں، تو کیا شرعی طریقے سے اس طرح دینا جائز ہے؟ اور اسی طرح لڑکی والے خود دولہا کو ایک سونے کی انگوٹھی دیتے ہیں تو کیا اس طرح دینا اور لینا جائز ہے؟ میں نے اپنی والدہ سے کہا: میں انگوٹھی نہیں پہنوں گا، تو وہ کہتی ہے: اس میں کیا حرج ہے! وہ انگوٹھی لڑکی کے پاس ہی تو آنے والی ہے، میں تو بالکل راضی نہیں ہوں؛ لیکن پھر بھی مجبور ہو کر مجھے لینی پڑے تو کیا میں اس کا گنہ گار ہوں گا اور کیا میری پکڑ ہوگی؟ اور اگر انگوٹھی لے کر پھر اس کو بیچ دوں تو اس کے پیسے استعمال کر سکتا ہوں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر یہ بہ رضا و رغبت ہدیہ کا لین دین ہو تو اس کا استعمال درست ہے؛ لیکن اگر رسم اور رواج کی وجہ سے دلی رضامندی کے بغیر دے رہے ہیں، تو اس کا لینا درست

نہیں ہے، حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۲/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

بارہ بچوں کے بعد تجدید نکاح

سوال: لوگ کہتے ہیں: جن کے ۱۲/ سے زیادہ بچے ہوجائیں تو پھر سے نکاح کرنا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ غلط بات ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ رمضان ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ویزا فیس اپنے ذمہ لینے کے بعد اس سے فرار چاہنا

سوال: لڑکی ہندوستان کی ہے، لڑکا لندن کا ہے، شادی کا رشتہ طے کرنے سے قبل لڑکے والوں نے لڑکی والوں سے یہ شرط رکھی کہ: لڑکی شادی کے بعد لندن جائے گی تو اس کی ائیر ٹکٹ لڑکے والے دیں گے اور ویزا فیس لڑکی والے دیں گے، (ویزا فیس آج تقریباً ۲۰/ ہزار روپیہ ہے) تو کیا یہ شرط لگا سکتے ہیں؟ اور کیا لڑکی والوں سے یہ رقم لے سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ خیال رہے کہ لڑکا ہندوستان میں ہے، نکاح شادی بھی ہندوستان میں ہے، اور ویزا کے لیے اپلائی (Apply) بھی شادی کے بعد کریں گے، اور ظاہری بات ہے کہ لڑکی لندن جائے گی بیوی ہونے کی حیثیت سے،

جس طرح نکاح کے بعد شوہر کے ذمہ اپنی بیوی کا نان نفقہ ہوتا ہے تو کیا یہ ویزا فیس بھی اس کے ذمہ ہے یا نہیں؟ اور اگر لڑکے والوں کے مطالبے پر لڑکی والوں نے ویزا فیس دے بھی دیا، تو کیا شوہر یا لڑکے والے عنداللہ گنہ گار ہوں گے یا نہیں؟

نوٹ: اس مسئلہ میں یہ بھی ذہن میں رہے کہ لڑکے کے والد نے ویزا فیس کا مطالبہ کیا تھا، لڑکے نے نہیں، اور لڑکا خود سے پسند نہیں کرتا کہ لڑکی والوں سے ویزا فیس کی رقم لیں، لڑکا مجبور ہے اس کے والد کے لیے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شادی کے بعد شوہر اپنی بیوی کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے جہاں (لندن) وہ خود قیام پذیر ہے وہاں لے جانا چاہتا ہے؛ اس لیے اس کے لے جانے کے عمل میں جو مصارف ہو سکتے ہیں اس کی ذمہ داری بھی اسی پر عائد ہوتی ہے؛ اس لیے جب لڑکے والوں کی طرف سے ویزا فیس کی ذمہ داری لڑکی والوں پر ڈالنے کی شرط رکھی جارہی تھی، اسی وقت لڑکی والوں کو چاہیے تھا کہ اُن کو جواباً یہ کہتے کہ: اگر شرعاً اس کی ادائیگی ہم پر عائد ہوتی ہے تو ہم اس کو ادا کرنے کے لیے تیار ہیں، اور اگر اس کی ذمہ داری شوہر پر عائد ہوتی ہو تو آپ ایسی شرط کیوں لگا رہے ہیں؟ اس وقت اپنی لڑکی کا رشتہ لندن میں رہنے والے لڑکے سے ہو جائے اس حرص میں لڑکے والوں کی طرف سے لگائی جانے والی اس شرط کو بہ رضا و رغبت قبول کر چکے، اور اب اس معاملے میں شرعی حکم کا سوال کر کے اپنے اس وعدے سے ہٹنے کی تدبیریں سوچ رہے ہیں، شرعاً یہ بھی پسندیدہ چیز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کیا کثرتِ اولاد عورت پر ظلم ہے؟

سوال: ایک آدمی نے آج مجھ سے پوچھا کہ: یہ عورتیں اتنے سارے بچے جنتی ہیں یعنی ۱۲ یا ۱۳ تو ان عورتوں کی زندگی کا کیا؟ اسلام ایسا تو مذہب نہیں ہے (یعنی ظالم)؟ اس سوال کا دل نشین جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورتوں کا بچہ جننا ایک فطری امر ہے، اور اس سلسلہ کو منقطع کرنا خلافِ فطرت ہے، فطری امر میں ظلم وتعدی کا سوال ہی نہیں ہے۔ اگر کوئی عورت بیمار ہو تو اس کی بیماری کی نوعیت وکیفیت کے مطابق اس کے لیے جداگانہ احکام ہیں، اس معاملہ میں اسلام پر کیا زد پڑتی ہے؟۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸ر جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شوہر اپنی بیوی کو میکے جانے سے کب روک سکتا ہے؟

سوال: زید کی شادی اپنے گاؤں سے چھوڑ کر ایک دوسرے گاؤں ہوتی ہے، اس گاؤں کے لوگوں میں ایک مرتبہ بہت ہی شور وغل ہو گیا تھا کہ: زید کی ساس فلاں آدمی سے زنا کرواتی ہے؛ اگرچہ زید نے عمل بد کرتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ ہاں! البتہ قوی قرائن موجود ہے کہ وہ ایک دو مرتبہ غیر محرم سے باتیں چھپ چھپ کر کیا کرتی تھی، اللہ جانے وہ کیا باتیں کیا کرتی تھی معلوم نہیں، تو زید پریشان کہ کیا اپنی بیوی کو

میکے بھیجے یا نہ بھیجے؟ اس کے بارے میں شرعی فیصلہ کیا ہے؟ بالتفصیل مع حوالہ کے تحریری شکل میں جواب مرحمت فرماویں، نیز زید کا دل گوارہ نہیں کرتا کہ اپنی بیوی کو زید کے سسرال بھیجیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید مصلحت مذکورہ کے پیش نظر اپنی بیوی کو میکہ بھیجنے سے روکنا چاہے تو روک سکتا ہے؛ البتہ اگر اس کی ساس اپنی بیٹی کی ملاقات اور زیارت کے لیے زید کے گھر آنا چاہے تو آکر ملاقات اور زیارت کرسکتی ہے، البتہ اس صورت میں زید اس کو اپنے یہاں قیام سے روک سکتا ہے، ملاقات وزیارت سے نہیں۔

الا ان یخاف علیها الفساد، فله منعهم من ذلك ایضا.(شامی ۲/ ۷۲۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ رشوال ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جس شادی میں رسومات ہو اس میں علما کی شرکت

سوال: کسی صاحبِ اجازت بزرگ کا کسی تقریب شادی میں شرکت کرنا مناسب ہے؟ جب کہ حقیقتِ صورت یہ ہے وہاں معاشرہ میں ہر مذہب والوں کی شادی ہال میں اس طرح کہ سامنے اسٹیج پر لڑکی اور سہیلیاں اس حال میں ہوتیں ہیں کہ ان کے چہرے پر ہزاروں پاور کے قمقمے روشن ہوتے ہیں، اور وہ پوری طرح بے پردہ ہوتی ہیں، اور سامنے کرسیوں پر نامحرموں کا ہجوم ہوتا ہے، اول صف میں سامنے والی کرسی

پر مذکورہ شخص کا تشریف رکھنا جب کہ ان کے پیچھے کی تعداد میں کتنے مرید بھی ہوتے ہیں کہاں تک درست ہے؟ شریعت مطہرہ میں یہ عمل کیسا ہے؟ اسلامی معاشرہ اگر اس طرح بگڑ رہا ہو تو کونسی صورت کس طرح اپنائی جائے کہ معاشرہ میں سدھار ہو سکے اور ان کی ذات و شخص پر بھی کوئی فرق نہ آئے؟ اس طرح کی تقریبات میں نکاح پڑھنا، لڑکے کو سونے کی انگوٹھی پہنانا کیسا ہے؟ اسی طرح کھانا وغیرہ بوضاحت تحریر فرماویں۔ اگرچہ یہ سوال قدرے تفصیل طلب ہے تاہم کافی ہے، کرم ہوگا۔ (مذکورہ مثال میں کوئی خاص شخص مراد نہیں ہے؛ چوں کہ ایک خاکہ سامنے ہے اس لیے صراحۃً لکھنا پڑا)۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسی شادی میں شرکت نہیں کرنا چاہیے، دعوت بھی قبول نہ کی جائے۔

(فتاویٰ محمودیہ ۵/۹۹)

علماء کے ذمہ اپنی حیثیت کے مطابق نہی عن المنکر لازم ہے، اس کا ترک کرنا گناہ ہے۔ (ایضاً ۵/۱۱۴)

مردوں کے لیے سونے کا زیور حرام ہے، سونے کی انگوٹھی کا استعمال مرد کے لیے جائز نہیں۔ جس چیز کا پہننا جائز نہیں، اس کا پہنانا بھی جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/شوال ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نکاح سے قبل شوہر کی طرف سے ہدیہ بھیج سکتے ہیں؟

سوال: (۱) نکاح سے قبل شوہر (ہونے والا) یا شوہر کے گھر والوں کی طرف

سے شرعاً کپڑے وغیرہ دلہن کے پاس ہدیہ میں بھیج سکتے ہیں یا نہیں؟

② دیہاتوں میں بعض جگہ شوہر کے ولی کی طرف سے نکاحی کپڑا دیا جاتا ہے، نکاح سے قبل ہونے والی دلہن اسے پہنتی ہے پھر اسی کپڑے پر اس سے نکاح کی اجازت طلب کی جاتی ہے کیا یہ شرعاً درست ہے؟ ہمارے یہاں ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ اس نکاحی کپڑے پر نکاح کی اجازت طلب کرنا بدعت ہے؛ کیوں کہ نکاح سے قبل تک نامحرم ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② دولہا والوں کی طرف سے دولہن کو کپڑے وغیرہ کچھ دینا یا دولہن والوں کی طرف سے دولہا کو کچھ دینا فی نفسہٖ مباح اور جائز ہے، اس میں کوئی بات ناجائز نہیں؛ لیکن درحقیقت یہ شہرت اور ریاکاری کے لیے دیا جاتا ہے، کہ اگر نہیں دیں گے تو برادری والے لعن طعن کریں گے، نیز اس کو ایسا لازم سمجھا جاتا ہے کہ اگر وسعت نہ ہو تب بھی قرضہ لے کر اور بسا اوقات سودی قرضہ لے کر دیا جاتا ہے، تو جس شئ کو شریعت نے ضروری قرار نہ دیا ہو اس کو اتنا ضروری قرار دینا، اور اس کے لیے قرضہ لینا یا سود دینا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ پس عوارضِ مذکورہ کی بنا پر اس سے اجتناب لازم ہے، اور جہاں یہ عوارض نہ ہوں وہاں کوئی مضائقہ نہیں۔ تاریخ الخمیس ۲۶۴ میں اس کا ذکر ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۷/ ۳۸۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

خطبۂ نکاح اور چند رسومات

سوال: (الف): خطبۂ نکاح کے وقت دولہے کا رخ قبلہ کی طرف کرنا شرعاً کیسا ہے اور سنت رسول کیا ہے؟

(ب) خطبۂ نکاح کھڑا ہو کر پڑھے یا بیٹھ کر سنت رسول یا طریقۂ اسلاف کیا ہے؟

(ج) نکاح پڑھانے سے قبل نکاح خوانی یا قاضی دولہے کے ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھی پہناتے ہیں اور کندھے پر ایک رنگین رومال ڈالتے ہیں، اور یہی چیز نکاح کے وقت بہت ہی اہم کہی جاتی ہے، کیا اس کے بغیر نکاح درست نہیں ہے جب کہ کتابوں میں صرف خطبۂ نکاح کا ہی ذکر ہے؟ یہ شرعاً کیا ہے اور یہ کب سے رائج ہے؟

(د) خطبۂ نکاح کے بعد سلام کرنا وہ بھی کھڑے ہو کر کیسا ہے، قرونِ ثلثہ میں اس کا ثبوت ہے یا نہیں؟ اگر کھڑے ہو کر دولہے کا سلام کرنا درست ہے تو اس کا کیا مقصد ہے اور اس کی دلیل کیا ہوگی؟ اور اگر بدعت یا مکروہ ہے تو اس کی وجہ کیا ہوگی؟ ویسے ہمارے مطالعہ کے حساب سے احادیث وفقہی کتب خاموش ہیں، اسے سمجھا کر مدلل جواب دیں؛ تاکہ غلط طریقہ اختیار کرنے والوں کو اس فتوے کے حوالے سے روکا جا سکے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(الف) نکاح ایک عقد ہے جو تمام عقود کی طرح ایجاب وقبول سے وجود میں آتا ہے، اس کے لیے خطبہ تو مسنون ہے؛ لیکن بوقتِ خطبہ دولہا کا رخ قبلہ کی طرف ہونا کسی کتاب حدیث وفقہ میں مذکور نہیں۔

(ب) نکاح کا خطبہ پڑھنا شرط یا رکن نہیں؛ بلکہ مندوب ہے۔

وندب اعلانه وتقديم خطبة وكونه فی مسجد يوم جمعة. (درمختار)

بعضے حضرات کھڑے ہوکر پڑھتے ہیں، بعضے بیٹھ کر۔ کھڑے ہوکر پڑھنے میں اعلان کی صورت بھی ہے جو کہ مندوب ہے، عقد بیع وغیرہ میں بھی پڑھتے ہیں، اور عادۃً یہ چیزیں بیٹھ کر ہوتی ہیں، ان کے لیے مستقل قیام نہیں ہوتا، یہی حال خطبۂ نکاح کا بھی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۱/ ۱۵۲)

(ج) یہ سب رسم اور فضول حرکت ہے، شرعاً اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے، جہاں رائج ہو وہاں تحقیق کیجیے کہ کب سے رائج ہے؟ اس لیے کہ ہمارے یہاں بحمد اللہ نہیں ہے۔ بہشتی زیور وغیرہ کتب میں جہاں شادی بیاہ کی رسموں کا بیان ہے اس میں بھی اس رسم کا تذکرہ نہیں ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے علاقہ میں رائج ہوگی۔

(د) اس سلام کا بھی شریعت میں ثبوت نہیں؛ لہٰذا رسم ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳/ ۳۱۶)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب حرمة المصاهرة

خسر کی ناپاک نظر سے بچاؤ کی خاطر الگ مکان میں رہنا

سوال: خدا مجھے معاف کرے، کسی کا عیب کھولنے کا مجھے حق نہیں؛ مگر کہنا ضروری ہے، میرے سسر کی نگاہ میں میں نے نوٹ کیا ہے، پاکی نہیں ہے، میں بفضلہٖ تعالیٰ بچ پائی، کیا اس پوائنٹ کے سہارے میں ان سے الگ ہوسکتی ہوں یا پھر

ضروری ہے الگ ہونا؟ میں ایک INLANDLETTER ساتھ روانہ کررہی ہوں، جلداز جلد مجھے جواب مرحمت فرمائیں، مجھے قدم اٹھانا ہے، اگر جواب میں دیری ہوئی تو میں بڑی پریشانی میں گھر جاؤں گی۔ خدا حافظ

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ویسے بھی آپ کو شرعاً حق پہنچتا ہے کہ آپ اپنے شوہر کے ساتھ ایسے الگ مکان یا روم میں رہنے کا مطالبہ کریں، جس میں شوہر کے ماں باپ بھائی بہن وغیرہ نہ ہوں، سسر نے خدانخواستہ آپ کے جسم کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگادیا (بشرطیکہ درمیان میں کوئی کپڑا حائل نہ ہو) یا بوسہ وغیرہ لے لیا، تو آپ اپنے شوہر کے لیے حرام ہوجائیں گی، اس لیے اگر آپ کو سسر کی طرف سے اندیشہ ہے تو خوب بچ کر رہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بہو کو چھونے سے حرمتِ مصاہرت

سوال: زید نے اپنے بیٹے عمرو کی بیوی فاطمہ کو آج سے پندرہ سال پہلے زنا کی نیت سے پکڑا تھا، اور صرف ہاتھ کو پکڑا تھا کہ فاطمہ اپنا ہاتھ چھڑا کر بھاگ نکلی، اور زید کو زنا پر قدرت نہ دی، اب کسی نے عمرو سے کہہ دیا کہ تیری بیوی فاطمہ تیرے لیے حرام ہوگئی ہے؛ جب کہ عمرو کو فاطمہ کے بطن سے ۳/ بچے ہو چکے ہیں، اور چوتھا حمل بھی ہے، اب اس حال میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ واقع میں عمرو کے لیے اس کی بیوی فاطمہ (زید کی اس حرکت سے) حرام ہوگئی یا حلال ہی ہے؟ حرام اگر ہوگئی ہو تو جدائی

کس طرح ہو؟ اور اگر جدائی کرادی جائے تو ان بچوں کی پرورش کا ذمہ دار کون؟ اور یہ بچے حرام کے کہلائیں گے یا حلال؟ نیز عمرو اپنے والد کے ساتھ کیسا برتاؤ رکھے؟ جواب جلد دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید نے اگر اپنے بیٹے عمرو کی بیوی فاطمہ کا ہاتھ بلا حائل کے شہوت کے ساتھ پکڑا ہے، اور عمرو اس واقعہ کی تصدیق کرتا ہے تو عمرو کے لیے فاطمہ کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں؛ بلکہ اس سے متارکت ضروری ہے، کیوں کہ مصاہرت کی وجہ سے اس پر حرام ہوگئی (یہ حرمت بلا انزال ثابت ہوجاتی ہے)۔

وحرم أيضاً بالصهرية أصل مزنيته وأصل ممسوته بشهوة وفروعهن الخ (تنويرالابصار) وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن يصدقها، ويقع في أكبر رأيه صدقها، وعلى هذا ينبغي أن يقال في مسه إياها لا تحرم على أبيه وإبنه إلا أن يصدقاه، أو يغلب على ظنهما صدقه. (شامی ۲/ ۳۰٤)

فلو أنزل مع مس أونظر فلاحرمة به يفتى. (درمختار) (قوله فلاحرمة) لأنه بالإنزال تبين أنه غير مفض إلى الوطء الخ. (شامی ۲/ ۳۰۵،۳۰٤)

فاطمہ ثبوتِ حرمت کے بعد بھی دوسرے مرد سے نکاح نہیں کرسکتی، جب تک کہ قاضی دونوں میں تفریق نہ کردے یا شوہر متارکت نہ کرے، متارکت کی صورت یہ ہے کہ شوہر زبان سے کہہ دے کہ میں نے چھوڑ دی، اس کے بعد عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے، متارکت سے پہلے جو اولاد ہوئی وہ حلال ہے، اور ان کا نسب عمرو سے ہی ثابت ہوگا، اور عمرو بحیثیت باپ کے اپنے بچوں کی پرورش کا ذمہ دار ہے۔

وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة، والوطئ بها لا يكون زنا.(درمختار) (قوله إلا بعد المتاركة) أي وإن مضى عليها سنون، كما في البزازية، وعبارة الحاوي إلا بعد تفريق القاضي أو بعد المتاركة اه (قوله والوطء بها الخ) أي الوطئ الكائن في هذه الحرمة قبل التفريق والمتاركة لا يكون زناً قال في الحاوى: والوطئ فيها لا يكون زنا لأنه مختلف فيه وعليه مهر المثل بوطئها بعد الحرمة، ولاحد عليه ويثبت النسب اه (شامی ۲/ ۳۰۷)

باپ کے گناہ کا مرتکب ہونے کی وجہ سے بیٹے کے لیے باپ کی نافرمانی کی اجازت نہیں ہوجاتی، عمر واپنے باپ کے ساتھ بدستور حسنِ سلوک واطاعت سے رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بہو کی پشت پر ہاتھ رکھنے سے حرمتِ مصاہرت

سوال: ایک ۶۵/ سالہ شخص نے اپنے حقیقی لڑکے کی بیوی (بہو) کی پشت پر ہاتھ رکھا، اور ہاتھ ہٹا لینے کے بعد اس نے اپنی بہو کو ناجائز تعلقات پر آمادہ کرنا چاہا، نہ اس نے بوسہ لیا اور نہ ہی سینہ پر ہاتھ رکھا، یہ بات سن کر بہو زار وقطار رونے لگی، اپنی بہو کا رونا دیکھ کر وہ شخص ہٹ گیا، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ بیوی اپنے شوہر کے لیے جائز رہی یا ناجائز؟ اگر ناجائز اور حرام ہوگئی تو جواز کی کوئی صورت ہو تو وہ بھی تحریر فرمائیں۔

تنقیح:

آپ کے سوال میں چند امور وضاحت طلب ہیں، اس کی وضاحت کے بعد جواب دیا جائے گا۔

① جس وقت بہو کی پشت پر ہاتھ رکھا اس وقت پشت پر کپڑا تھا یا نہیں؟

② اگر تھا تو کپڑے کے باجود خسر کو حرارت کا احساس ہوا یا نہیں ہے؟

③ شہوت کے ساتھ ہاتھ رکھا تھا یا نہیں؟

④ بیٹا (یعنی اس عورت کا شوہر) ان باتوں کی تصدیق کرتا ہے یا نہیں؟

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ / رجب المرجب ۱۴۱۲ھ

جواب تنقیح:

تحریر ایں کہ آپ کی خدمت میں ایک استفتاء ارسال کیا گیا تھا، آپ نے چند امور کی وضاحت طلب کی ہے جو بقدر معلومات بتفصیل ذیل ہے:

① جس وقت خسر نے اپنی بہو کی پشت پر ہاتھ رکھا، بہو مکمل پردہ میں تھی، اس کے بدن پر قمیص اور ساڑی تھی۔

② آپ نے معلوم کیا ہے کپڑے کے باوجود خسر کو حرارت ہوئی یا نہیں؟ یہ تو خسر جان سکتا ہے، ان باتوں کو دوسرا کیسے جان سکتا ہے؟ اگر خسر سے پوچھا جائے تو وہ انکار کر سکتا ہے، خسر تو ویسے بھی اس واقعہ کی تکذیب کرتا ہے۔

③ تیسری بات آپ نے معلوم کی ہے شہوت کے ساتھ ہاتھ رکھا تھا یا نہیں؟ اس کی بھی تحقیق نہیں ہے؛ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ جس وقت یہ واقعہ پیش آیا، اس سے تقریباً تین سال پہلے سے بیوی کو کچھ کہنا یا جنسی ضرورت کی تکمیل کرنا بند ہے، اس سے

اس کے شیخوخت کا اندازہ ہوتا ہے۔

④ آپ نے چوتھی بات یہ معلوم کی ہے کہ اس کا شوہر اس کی تصدیق کرتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ اس کا شوہر دوسری جگہ رہتا تھا، اس واقعہ کے بعد عورت نے آدمی بھیج کر اپنے شوہر کو بلوایا اور اپنے شوہر سے واقعۂ مذکور بیان کیا، اس واقعہ کے بعد شوہر کو علم ہوا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس وقت خسر نے بہو کی پشت پر ہاتھ رکھا، اگر درمیان میں حائل کپڑا ایسا موٹا تھا کہ جو جسم کی حرارت محسوس ہونے نہیں دیتا، تو حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہے، اور اگر ایسا موٹا نہیں تھا؛ بلکہ اس نوع کا تھا کہ اس کے باوجود جسم کی حرارت محسوس ہوتی ہے، اور بوقت مس جانبین میں سے کسی ایک کو شہوت پیدا ہوگئی تھی، اور شوہر اس واقعہ کی تصدیق کرتا ہے تو حرمت مصاہرت ثابت ہوگی۔ بوڑھے آدمی کے حق میں حد شہوت یہ ہے کہ قلب میں حرکتِ مشوّشہ پیدا ہوجائے، اگر پہلے سے حرکت ہو تو زیادہ ہوجائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اپنی بیٹی سے زنا

سوال: زید نے شادی ہندہ سے کی، تقریباً دس ماہ کا عرصہ گزر رہا ہے، اب زید کو معلوم ہوا کہ ہندہ کا باپ عمر ہندہ سے ناجائز تعلق، یعنی زنا کرتا ہے، زید نے ہندہ

سے معلوم کیا تو ہندہ نے انکار کیا، کہا کہ ایسا کوئی معاملہ نہیں ہے، پھر بعد میں زید نے اپنی بیوی ہندہ سے اصرار کر کے پوچھا تو ہندہ نے اقرار کیا کہ ہاں! شادی سے قبل ہی سے ہمارے باپ عمر کا ایسا تعلق ہے، یعنی زنا کرتا ہے، میں راضی نہیں ہوں، زبردستی زنا کرتا ہے۔

اب معلوم یہ کرنا ہے کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا کہ نہیں؟ اور اگر اولاد پیدا ہو تو وہ حرامی کہلائیگی کہ نہیں؟ اور اگر زید اپنی بیوی ہندہ کو میکہ نہ جانے دے اور اپنے خسر عمر کو اپنے گھر نہ آنے دے تو شریعت سے اس کا کیا حکم ہے؟ یا آپ کوئی ایسی صورت بتائیں کہ دونوں میاں بیوی آپس میں اچھی طرح زندگی گزاریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید کا نکاح ہندہ کے ساتھ درست ہو گیا، اور نکاح ہونے کے چھ ماہ بعد جو اولاد ہوئی یا ہوگی وہ بھی ثابت النسب کہلائے گی؛ البتہ عمر کا اپنی ہی بیٹی کے ساتھ زنا میں ملوث ہونا، اور اب تک اس پر اصرار یہ نہایت گھناؤنی اور بے حد قبیح حرکت ہے، زنا گناہ کبیرہ ہے، اور اپنی بیٹی کے ساتھ یہ حرکت کس درجہ بری ہے اس کا تو اندازہ لگانا مشکل ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

زید کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہرگز ہرگز ہندہ کو میکے نہ بھیجے، اور اس کے باپ کو اس کے ساتھ اس طرح ملنے کا ہرگز موقع فراہم نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ممسوسہ کی بیٹی سے نکاح

سوال: زید شادی شدہ ہے، اور اس کے کئی بچے بھی ہیں، زید نے اپنے ایک بھانجہ کو- جو کہ یتیم تھا- اپنے پاس بغرض نگرانی و پرورش کے رکھ لیا تھا، چند برسوں کے بعد زید کا بھانجہ جوان اور شادی کے لائق ہو گیا تھا، تو زید نے اپنی لڑکی سے اپنے بھانجہ کی شادی کر دی، اور اپنا داماد بنالیا، شادی کے بعد چند عورتوں اور کچھ مردوں کی زبانی - جو کہ سبھی لوگ زید کے رشتہ دار ہی ہیں- یہ معلوم ہوا کہ زید کی لڑکی اور اس کے بھانجہ کا نکاح جائز و درست نہیں ہوا؛ کیوں کی زید کی بیوی ہندہ اور اس کے بھانجہ کے درمیان قبل سے ہی ناجائز تعلقات قائم تھے، اس کے چشم دید گواہان میں سے ایک گواہ محمد تاج الدین کی بیوی کا بیان ہے، کہ: ہم جب ایک بار اپنے بچہ کو تلاش کرتے ہوئے ہندہ کے گھر گئے، تو جب دروازہ تھوڑا سا کھول کر اندر جھانک کر دیکھا کہ گھر کے اندر ہمارا بچہ چھپا ہوا تو نہیں ہے، یہ واقعہ آٹھ بجے دن کا ہے کہ گھر کے اندر صندوق کی بغل میں زید کی بیوی ہندہ اور اس کا بھار دونوں آپس میں لپٹے ہوئے بیٹھے تھے، یہ دیکھتے ہی فوراً تاج الدین کی بیوی گھر کے بغل میں آکر حیدر علی کی بیوی کے سامنے بولنے لگی کہ ابھی ابھی ہم نے زید کے گھر کے اندر ایک سینما دیکھی ہے، جس سے کہ ہمارا دل دھڑک رہا ہے کہ یہ کیا ہم نے دیکھ لیا، جاؤ تم بھی جا کر دیکھ لو، یہ سن کر جب وہ عورت زید کے گھر آئی تو دیکھا کہ زید کی بیوی ہندہ کپڑا دھونے بیٹھ گئی تھی، اور زید کا بھانجہ غسل کرنے جا رہا تھا، اس کے بعد کا پھر یہ واقعہ کہ ایک ہی کمرہ کے اندر یکجائی و تنہائی میں ہندہ اور زید کا بھانجہ ساتھ میں ایک ہی لحاف کے اندر سوئے ہوئے دیکھے گئے، سخت ضرورت

پڑ جانے کی وجہ سے مختلف دن وموقعوں پر یہ تینوں اشخاص چشم دید گواہان زید کی تلاش میں اس کے گھر گئے تھے تو دیکھا تھا، ان گواہان کے نام یہ ہیں: یونس ٹیلر ماسٹر، محمد یٰسین، محمد الفت حسین۔ الفت حسین زید کے یہاں ہی رہتا تھا، اور بنگلہ پر تانا بنتا تھا، یعنی اس کا کاریگر ہے، زید جب کٹہیار چلا گیا تھا، تو اس کا بچہ بہت زیادہ رو رہا تھا، تو اسی وقت یہ دیکھنے گیا تھا کہ گھر میں آخر بچہ اتنا کیوں رو رہا ہے؟ جب گھر کے اندر گیا تو دیکھا تھا کہ دونوں، یعنی ہندہ اور اس کے بھانجہ ایک ہی ساتھ سوئے ہوئے ہیں، اب ان تمام باتوں کے پیش نظر جواب طلب امر یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ مذکورہ کے مطابق زید کی لڑکی کا نکاح اس کے بھانجہ کے ساتھ جائز ودرست ہوا یا نہیں؟ بحوالۂ کتب شرعیہ جواب دیا جائے۔

نوٹ: چشم دید گواہوں کے بیان کے وقت جو حضرات موجود تھے، ان کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں: محمد ذوالفقار صاحب، محمد احسان صاحب، محمد شمس الضحیٰ صاحب، محمد ضیاء اللہ صاحب، عبد السبحان صاحب۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں زید کے بھانجہ محمد افتخار سے دریافت کیا جائے کہ کیا اس نے زید کی بیٹی کے ساتھ اس کا عقدِ نکاح ہونے سے پہلے زید کی بیوی کے ساتھ ان افعال کا ارتکاب کیا ہے؟ اگر وہ اس کو تسلیم کرتے ہوئے اقرار کر لیتا ہے، تو اس کا نکاح زید کی بیٹی کے ساتھ درست نہیں ہوا۔

قبّل أم امرأته في أي موضع كان على الصحيح جوهرة حرمت عليه امرأته مالم يظهر عدم الشهوة ولوعلى الفم، كما فهمه في الذخيرة، وفي

المس لا تحرم مالم تعلم الشهوة؛ لأن الأصل في التقبيل الشهوة، بخلاف المس والمعانقة كالتقبيل. (درمختار) (قوله قبل ام امرأته الخ) قال فى الذخيرة: وإذا قبلها أو لمسها أو نظر إلى فرجها، ثم قال لم يكن عن شهوة، ذكر الصدر الشهيد انه في القبلة يفتى بالحرمة مالم يتبين أنه بلاشهوة، وفي المس والنظر لا؛ إلا أن تبين أنه بشهوة؛ لأن الأصل في التقبيل الشهوة بخلاف المس والنظر وكان الامام ظهيرالدين يفتى بالحرمة فى القبلة مطلقاً ويقول لا يصدق فى انه لم يكن بشهوة (قوله حرمت عليه امرأته الخ) اى يفتى بالحرمة اذا سئل عنها، ولا يصدق اذا ادعىٰ عدم الشهوة الا اذا ظهر عدمها بقرينة الحال. (شامی ۲/ ۳۰۶)

اور اگر محمد افتخار ان افعال کے ارتکاب کا منکر ہے تو محض ان گواہوں کے بیانات کی بنیاد پر عدمِ صحتِ نکاح کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا؛ اس لیے کہ اختلافِ زمان کی وجہ سے نصابِ شہادت مکمل نہیں ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے:

ومنها: اتفاق الشهادتين فيما يشترط فيه العدد، فان اختلفا لم تقبل لأن اختلافهما يوجب اختلاف الدعوىٰ والشهادة، ولأن عند اختلاف الشهادتين لم يوجد الا احد شطرى الشهادة، ولا يكتفى به فيمايشترط فيه العدد، ثم نقول الاختلاف قد يكون فى جنس المشهور به، وقد يكون في قدره، وقد يكون فى الزمان، وقد يكون فى المكان وغير ذلك. (٦/ ٢٧٨)

آگے چل کر اختلافِ زمان ومکان کی وضاحت فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں:

واما اختلاف الشهادة فى الزمان والمكان فانه ينظران كان ذلك فى الاقارير لا يمنع القبول، وان كان فى الافاعيل من القتل والقطع والغصب

وانشاء البيع والطلاق والعتاق والنكاح ونحوها يمنع القبول (٦/ ٢٧٩)

بحر الرائق میں ہے: واذا اختلف الشاهدان فی المكان او الزمان فی البيع و الشراء والطلاق والعتق والوكالة والوصية والرهن والدين والقرض وا لبراء ة والكفا لة والحوا لة والقذف تقبل، وان اختلفا فی الجنا ية والغصب والقتل والنكاح لاتقبل، والاصل ان المشهود به اذا كان قولا كالبيع ونحوه، فاختلاف الشاهدين فيه فی الزمان او المكان لايمنع قبول الشهادة؛ لان القول مما يعاد ويكرر، وان كان المشهود به فعلا كالغصب ونحوه، او قولا؛ لكن الفعل شرط صحته كالنكاح فانه قول، وحضور الشاهدين فعل وهو شرط، فاختلافهما فی الزمان او المكان يمنع القبول؛ لان الفعل فی زمان او مكان غير الفعل فی زمان او مكان آخر فاختلف المشهود به (۷/۱۱۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

اغلام بازکی اولاد کا آپس میں نکاح جائز ہے

سوال: زید اور خالد نے باہم لواطت واغلام بازی کی، اور اب دونوں میں سے ایک کی لڑکی مثلاً زید کی لڑکی کا نکاح خالد کے لڑکے کے ساتھ صحیح اور جائز ہے یا نہیں؟ حرمت مصاہرت لازم آئے گی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں زید وخالد جنہوں نے آپس میں اغلام بازی کا ارتکاب کیا ہے، ان میں سے ایک کی لڑکی کا نکاح دوسرے کے لڑکے کے ساتھ درست ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ / رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سالی کے ساتھ زنا سے نکاح، اولاد، نسب اور میراث کا حکم

سوال: (الف) زید نے اپنی منکوحہ بیوی کے رہتے ہوئے اپنی سگی سالی سے بھی ناجائز تعلق قائم کرلیا تو کیا زید ایسی صورت میں اپنی منکوحہ سے ازدواجی رشتہ قائم کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور کیا منکوحہ نکاح میں باقی رہے گی یا نہیں؟

(ب) اپنی منکوحہ اور سگی سالی دونوں سے جسمانی رشتے قائم تھے، اسی دوران منکوحہ کے یہاں ولادت ہوئی تو اس اولاد کو شریعت میں کیا کہیں گے؟

(ج) از روئے شریعت اس اولاد کو باپ دادا کی ملکیت میں حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(الف) بیوی کی بہن سے زنا کرنے سے اصل بیوی حرام نہیں ہوتی، اس کا نکاح بحالہ باقی ہے ہاں! زانی کو گناہ شدید ہوگا۔ (امداد الاحکام ۲/ ۳۸۰)

حضرت مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحب فرماتے ہیں "حقیقی سالی کے ساتھ زنا کرنے سے بیوی نکاح سے خارج نہیں ہوتی، زنا کا گناہ دونوں (زانی ومزنیہ) کے اوپر رہا؛ لیکن میاں بیوی کا نکاح باقی ہے۔ فی الخلاصۃ وطی أخت امرأتہ لا تحرم علیہ امرأتہ (درمختار) (کفایت المفتی ۵/ ۱۹، ۳۳۲)

(ب) وہ اولاد شرعاً ثابت النسب ہے۔

(ج) جی ہاں! ۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ / جمادی الاخریٰ ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

سالی کے ساتھ زنا کرنے سے بیوی حرام نہیں ہوتی

سوال: ذاکر کی شادی تقریباً سولہ سال پہلے ہوئی، شادی کے بعد رسم چوتھی میں جب ذاکر اپنے سسرال گیا، اس دوران راضی بخوشی ذاکر نے اپنی بیوی کی بڑی بہن سے زنا کیا، اس کے بعد قریب چار سال بعد ذاکر نے اپنی بیوی کی چھوٹی بہن سے زنا کیا، یہ دونوں غلطی بخوشی صادر ہوئیں۔اب ذاکر اپنی بیوی کے ساتھ خوش وخرم ہے، اور دونوں بہنیں اپنے اپنے گھر خوش وخرم ہیں؛ مگر مسئلہ یہ درپیش ہے کہ ذاکر اپنی بیوی کے ساتھ حلال طریقہ سے زندگی بسر کر رہا ہے یا حرام طریقہ سے؟ اگر ذاکر کی زندگی حرام طریقہ سے گذر رہی ہے تو حلال طریقہ سے زندگی بسر کرنے کے لیے اب کیا کرنا ہوگا، جب کہ میاں بیوی میں حد سے زیادہ محبت ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ذاکر کا اپنی بیوی کی بڑی اور چھوٹی بہن کے ساتھ زنا کرنا بڑی شنیع حرکت اور کبیرہ گناہ ہے، اس کو چاہیے کہ اس سے سچی اور پکی توبہ اور استغفار کرے؛ البتہ اس کے اس فعلِ شنیع اور گناہِ کبیرہ کے باوجود اس کی بیوی اس پر حرام نہیں ہوئی؛ بلکہ وہ بدستور اس کے نکاح میں ہے اور حلال ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۹ / ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بوسہ سے حرمت مصاہرت کا ثبوت

سوال: ایک شخص نے اجنبی عورت کو شہوت سے بوسہ لیا اور بدن سے بدن کا مس کیا؛ مگر فرج سے کوئی استمتاع نہیں کیا اور نہ ظاہری فرج اور نہ داخلی پر نظر کی، اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگی؟ اب مذکورہ عورت کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے تو کرسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں عورت کا بوسہ لینے کی وجہ سے حرمت مصاہرت ثابت ہوچکی ہے؛ اس لیے اس عورت کی لڑکی سے اس کا نکاح حلال نہیں۔ (درمختار مع الشامی ۳۰۶/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بھابھی کے مخصوص اعضاء کو چھونے سے حرمت مصاہرت

سوال: زید نے شہوت کے ساتھ اپنی بھابھی کے مخصوص اعضاء کو چھویا اور مخصوص اعضاء کو دیکھا بھی لیکن انزال نہیں ہوا تو کیا اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگی؟ نیز زید اپنی لڑکی کا نکاح اس بھابھی کے لڑکے سے کرانا چاہتا ہے تو کیا یہ نکاح صحیح ہوگا یا نہیں اور گناہ کبیرہ سے توبہ بھی کرلی ہے

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جی ہاں! صورت مسئولہ میں حرمت مصاہرت ثابت ہوگئی اور اس کے نتیجہ میں

زید کے اصول وفروع اس کی بھابھی پر اور بھابھی کے اصول وفروع زید پر حرام ہو گئے البتہ زید اپنی لڑکی کا نکاح بھابھی کے لڑکے سے کرا سکتا ہے مذکورہ بالا حرمت مصاہرت کی وجہ سے اس نکاح پر کوئی زد نہیں پڑے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ رمحرم الحرام ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

خسر کے زنا کرنے سے حرمتِ مصاہرت

سوال: میری بہن کے سنسار میں چند دنوں پہلے بہت ہی بری طرح طوفان آیا، اور وہ طوفان میں اس بدنصیب کا سنسار تہس نہس ہو کر رہ گیا۔ واقعہ یوں پیش آیا: رات میں سونے کے وقت اس کے سسر نے اس کی ساس کو نیند کی گولی کھلا دی، اور بہت دیر رات اس کے ساتھ (بہو کے ساتھ) وہ برا کام کیا، صبح ہوتے یہ واقعہ اپنی سگی نند سے بیان کیا، ان سب لوگوں کا گزر بس ایک جھوپڑے میں ہوا کرتا تھا؛ اس لیے اس پوری واردات کی ایک چشم دید گواہ ہے جو اسی کے پڑوس میں رہتی ہے، اور اس کی سسرال سے تعلقات رکھتی ہے، رشتے میں اس کی بھاوج لگتی ہے، اس عورت نے اپنے کمرے میں سے جھوپڑے کی کھڑکی ہٹا کر یہ بری واردات کو دیکھا تھا؛ مگر وہ عورت آج ہماری طرف سے کوئی گواہی دینے کو تیار نہیں ہے، یہی بات کو لے کر میری بہن کی پھوپھی ساس نے فتویٰ دیا کہ: اب یہ لڑکی میرے بھائی کے بچے (شوہر) کے سامنے بھی نہیں آسکتی، تو اس نے بہن کو اس سے بڑی اس کی بہن کے وہاں پہنچا دیا، بہن کے پاس پہنچنے کے بعد چھوٹی بہن نے بڑی بہن کو پورا واقعہ بیان کیا، بڑی

بہن زیادہ پڑھی لکھی نہ ہونے کی وجہ سے اس کی پھوپھی ساس نے جب دوسرا فتویٰ دیا تو بہن کو اس کی پھوپھی ساس واپس لینے آئی، تو اس کے سسرال واپس بھیج دیا۔ یہ ساری باتوں کا چرچا ہوا تو میرے ماموں زاد بھائی نے بہن کو کہہ کر چھوٹی بہن کو واپس بلالیا اور اسے وطن بھیج دیا، اب آپ برائے کرم یہ معلومات دیں کہ:

① میں میری بہن کو واپس اس کے سسرال بھیج دوں؟

② کیا وہ اپنے شوہر کے نکاح میں ہے؟

③ اگر نہیں تو آگے کی کیا کارروائی ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① تا ③ آپ کی بہن کا شوہر اگر اس واقعہ کی تصدیق کرتا ہے تو وہ اپنے شوہر پر حرام ہوجائے گی؛ لیکن اس کے باوجود نکاح نہیں ٹوٹے گا؛ بلکہ ضروری ہے کہ شوہر زبان سے طلاق یا چھوڑنے کے الفاظ کہے، اس کے بعد عدت گزار کر وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کرسکتی ہے۔ اور اگر آپ کی بہن کا شوہر اس واقعہ کا انکار کرتا ہے تو محض آپ کی بہن کے کہنے سے یا ایک عورت کی گواہی سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ (شامی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ر شوال ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بہو سے زنا سے حرمت مصاہرت

سوال: ایک شخص نے شادی کرلی اس کے باپ نے اپنی بہو کے ساتھ ناجائز

فعل کیا تو وہ نکاح ٹوٹ جائے گا؟ اس طریقے سے اگر اس نے بہو کو شہوت کے ساتھ چھویا، کیا ایسی حالت میں بھی نکاح ٹوٹ جائے گا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خسر کے اپنی بہو کے ساتھ زنا کرنے سے وہ عورت اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی ہے اب شوہر کو چاہیے کہ اس کو طلاق دے دے یا زبان سے یوں کہہ دے کہ میں نے اس کو چھوڑ دیا اس کے بعد عدت گذار کر دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔ اگر خسر شہوت کے ساتھ بہو کے بدن کو بلا کسی حائل کے چھوئے یا حائل موجود ہے لیکن وہ حرارت سے مانع نہیں ہے تو اس سے بھی وہ عورت اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب احکام النسب والمولود

ایک بچے کی ماں ہونے کا نرالا ثبوت

سوال: مجھ سے ایک غیر مقلد صاحب نے ایک مسئلہ پوچھا کہ دو اجنبی مرد اور عورت کسی سرکاری آفس کے اندر نوکری کرنے گئے اور دوپہر کے وقت جب چھٹی ہوئی تو دونوں آفس سے نکل رہے تھے دروازہ پر دونوں ٹکرا گئے، ایک دوسرے کو دھکا لگ گیا اور ایک دوسرے سے کہنے لگے شرم نہیں آتی کہ دھکا مارتے ہو، مرد نے عورت

سے کہا شرم تو تم کو آنی چاہیے، میں تو ایک بچے کا باپ ہوں، عورت نے کہا میں بھی ایک بچے کی ماں ہوں، مرد نے کہا: کیا علامت ہے آپ کے دعوے پر؟ عورت نے پستان سے دودھ نکال کر دکھایا، پھر مرد سے کہا کہ آپ کے پاس کیا علامت ہے؟ تو مرد کونسی علامت بتلائے گا؟ اور مسئلہ کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ کوئی شرعی فقہی مسئلہ نہیں ہے؛ نیز یہ ضروری نہیں ہے کہ جس عورت کے پستان سے دودھ نکلے وہ بچہ کی ماں ہی ہو، اس کے بغیر بھی عورت کے پستان سے دودھ نکل سکتا ہے؛ بلکہ بعض اوقات مرد کے پستان سے بھی دودھ نکل سکتا ہے۔

یہاں شرعی طور پر جو سوال پیدا ہوتا ہے وہ تو یہ ہے کہ کیا اس طرح عورت کا سرکاری دفاتر میں ملازمت کرنا جائز ہے؟ نیز ایک اجنبی مرد کے ساتھ اس بے حیائی اور بے شرمی سے گفتگو کرنا اور اس کے سامنے پستان کھول کر اس میں سے دودھ نکالنا کس حدیث کی رو سے جائز ہے؟۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/شوال ۱۴۱۷ھ

مسلم عورت کے کافر سے دو بچوں کا حکم

سوال: ایک مسلم عورت جو کئی سالوں سے ایک کافر کے ساتھ رہتی ہے (ناجائز تعلق ہے) اور اس سے دو بچے بھی ہوئے ہیں، اب وہ بچے مسلم کہلائیں گے یا ہندو؟ ان بچوں کا آئندہ مسلمانوں سے رشتہ ہوگا یا نہیں؟ اگر یہ عورت اسی حالت میں اس غیر کے تعلق کے ساتھ مرجائے تو اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفنانے کا کیا حکم ہے؟

اور اس کے ساتھ ہمارا برتاؤ کیا ہونا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وہ بچے جب تک بچے ہیں ماں کے تابع ہیں، اس عورت کا غیر مسلم کے ساتھ اس طرح بیوی کی طرح رہنا گناہ کبیرہ ہے؛ لیکن اس کے باوجود اگر اس نے کسی کفریہ قول یا فعل کا ارتکاب نہیں کیا تو وہ مسلمان ہے؛ لیکن ایسی عورت کے ساتھ معاشرتی تعلقات رکھنا غیرتِ ایمانی کے خلاف ہے، جب تک وہ اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے اس کا معاشرتی انقطاع کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ثبوتِ نسب کے لیے ڈی، این، اے رپورٹ کا اعتبار نہیں

سوال: زید کا ہندہ سے نکاح ہوگیا، ہندہ کا عمرو سے ناجائز تعلق تھا، ہندہ کو ایک لڑکا پیدا ہوا، اس لڑکے کے متعلق زید اور عمرو میں جھگڑا ہوگیا، زید کہتا ہے کہ ہندہ میری بیوی ہے اور بچہ میرا ہے، عمرو کا دعویٰ ہے کہ بچہ میرا ہے، دس سال سے زید کو اولاد نہیں ہے، اور وہ سعودی میں نوکری کر رہا ہے، اس لیے یہ اولاد میری ہے، اگر آپ کو معلوم کرنا ہے تو D.N.A. کا رپورٹ کر کے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ اولاد کس کی ہے؟ ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ کیا D.N.A. رپورٹ سے معلوم کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں جب کہ ہندہ دس سال سے زید کے نکاح میں ہے اس کو پیدا

ہونے والا بچہ زید ہی کا بیٹا ہے، عمرو کا دعویٰ شرعاً باطل اور نا قابل التفات ہے، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے: "الولد للفراش وللعاهر الحجر".

ڈی این اے رپورٹ کی نہ ضرورت ہے، نہ اس کا اعتبار۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ

کچھ کھلا کر نکاح کے لیے راضی کرنا اور اس نکاح سے پیدا شدہ اولاد کا حکم

سوال: یہاں باپ نے اپنے لڑکے کا نکاح زبردستی کرایا حالاں کہ لڑکا راضی نہیں تھا، زبردستی اس اعتبار سے کی کہ کسی کے پاس جا کر جھاڑ پھونک لائے اور کھانے میں ملا کر اس کو کھلایا اور لڑکا راضی ہو گیا، حقیقی اعتبار سے تو وہ راضی نہ تھا تو نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اگر نکاح درست نہیں ہوا تو اس کی اولاد کا حکم کیا لگایا جائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں نکاح بلاشبہ درست ہے اور اس سے پیدا شدہ اولاد ثابت النسب اور حلالی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

لے پالک لینا جائز ہے

سوال: شرع شریف متبنّیٰ (لے پالک بیٹا) لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دوسروں کے بچوں کے ساتھ محبت وشفقت میں بیٹے جیسا معاملہ کرنا شرعاً درست ہے، باقی دوسرے کے بچہ کو منہ بولا بیٹا بنانے کی وجہ سے شرعاً وہ حقیقی اولاد کے حکم میں نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کے بعد بھی وہ پرایا اور اجنبی ہی کہلائے گا اور رہے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

متبنیٰ بنانا درست ہے

سوال: متبنی لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی کے بچے کے ساتھ محبت وشفقت کا ایسا معاملہ اور سلوک کرنا جیسا کہ اپنے حقیقی بچہ کے ساتھ کیا جاتا ہے جائز اور درست ہے؛ لیکن ایسا کرنے سے وہ اس کا حقیقی بچہ نہیں بن جاتا، اور نہ ہی اس کو وہ تمام احکام لاگو پڑتے ہیں جو حقیقی اولاد کے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

لے پالک بیٹے کی نسبت

سوال: ایک آدمی اپنی لڑکی کے لڑکے کو لے پالک بنایا (منہ بولا بیٹا بنایا) ہے

تو اس بچے کے نام کے ساتھ لے پالک بنانے والا اپنا نام جوڑ سکتا ہے یا نہیں جب کہ اس بچے کے حقیقی والد کا نام ہٹا کر لے پالک بنانے والا اس بچے کے نام ساتھ اپنا نام جوڑتا ہے ایسا کرنا صحیح ہے یا غلط نیز بچے کا نانا یعنی لے پالک بنانے والے کا سرنیم بیلم ہے اور اس بچے کے والد کا سرنیم کھتری ہے تو اس بچے کی نسبت کونسے سرنیم کی طرف کرنا جائز ہے آیا والد کا سرنیم کھتری ہے اس کی طرف یا اپنے نانا کے سرنیم بیلم ہے اس کی طرف؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لے پالک بنانے والے کے لیے ایسا کرنا حرام ہے اور اس کی حرمت قرآن پاک میں منصوص ہے سرنیم بھی استعمال نہ کیا جائے بچہ کے باپ کا جو سرنیم ہے وہ ہی اس کے ساتھ لگایا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ رمحرم الحرام ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

نومسلم کے ساتھ سیٹھ کا نام لگانا

سوال: اگر کوئی غیر مسلم مسلمان ہو گیا اور اب وہ اس کا سیٹھ جو مسلمان ہے، اس کے وہاں ہی رہتا ہے، اس کے بعد سیٹھ نے سوچا کہ لڑکا اچھا ہے، اس کی شادی کروادیں، تو اس نے اس کی شادی کروادی اور شادی کے اندر لڑکے کے نام کے ساتھ اس کے سیٹھ کا نام لگا دیا، جو کہ اس کا باپ نہیں ہے، تو کیا یہ سیٹھ کا نام لگانا جائز ہے؟ اور اگر جائز ہے تو اس سیٹھ کے مال میں وارث ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ بات تو ظاہر ہے کہ وہ سیٹھ اس نومسلم لڑکے کا باپ نہیں ہے، اس لیے اگر اس سیٹھ نے اپنا نام اس نومسلم لڑکے کے نام کے ساتھ بحیثیت باپ لگایا ہے، تو یہ جائز نہیں ہے۔ ﴿ادعوهم لآبائهم﴾ الخ سیٹھ کے مال میں اس نومسلم کو میراث نہیں ملے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خسر کو باپ کہنا

سوال: ہمارے یہاں مسجد کے اندر ایک مولانا نے تقریر کی اور اس کے اندر بیان فرمارہے تھے اور بیان تھا حجۃ الوداع کا، اور انھوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ نے عرفات کے میدان میں فرمایا: اے لوگو! اپنے باپ کے علاوہ کسی کو باپ نہیں کہہ سکتے؛ لیکن ہمارے یہاں اگر کوئی پوچھتا ہے کہ فلاں کون ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ وہ میرے خسر ہیں، لیکن داماد خود پکارتا ہے تو باپ کہہ کر پکارتا ہے، تو یہ مولانا کے بیان کے مطابق خسر کو باپ کہنا ہوا، تو باپ کہنا کیسا ہے؟ مفتیان کرام حدیث کی روشنی میں مدلل ومفصل جواب دیں اور اسی طرح ماں کے بارے میں بھی بتادیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حدیث پاک میں نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: لا ترغبوا عن آباء کم، فمن رغب عن أبیه فهو کفر (بخاری ۲/ ۱۰۰۱) یعنی اپنے والد کی طرف انتساب سے نفرت نہ کیا کرو، جس شخص نے (صرف فخر ومباہات کے لیے) اپنے والد سے رشتہ

توڑا (اور کسی مشہور شخصیت سے جوڑا) تو یہ بھی ایک کفر کی بات ہے۔ (ترجمان السنہ ۲/ ۳۶۶)

ایک دوسری حدیث میں ہے: من أدعى إلى غير أبيه وهو يعلم أنه غير أبيه فالجنة عليه حرام. (بخاری ۲/ ۱۰۰۱) یعنی جو شخص اپنی نسبت اپنے باپ کے علاوہ کی طرف یہ جانتے ہوئے کرے کہ یہ میرا باپ نہیں ہے، تو ایسے آدمی پر جنت حرام ہے۔

چوں کہ زمانۂ جاہلیت میں بعض لوگ فخر ومباہات کے طور پر اپنی بڑائی جتلانے کے لیے خود کو اپنے باپ کی طرف نسبت کرنے کے بجائے کسی مشہور شخصیت کی طرف منسوب کرتے تھے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حرکت پر یہ وعید ارشاد فرمائی، چناں چہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں حدیثوں کی شرح فرماتے ہوئے ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: وإنما المراد به من تحول عن نسبته لأبيه إلى غير أبيه عالماً عامداً مختاراً الخ (فتح الباری ۱۲/ ۵۵) علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ پہلی حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں: لا ترغبوا عن آباء كم الخ، يقال رغب عن أبيه أي ترك الانتساب إليه وجحده (فتح الملهم ۱/ ۲۳۶)

رہا کسی آدمی کا اپنے کسی خاندانی بزرگ کو تعظیم وتکریم کے طور پر مجازاً باپ کہنا، یہ اس میں داخل نہیں ہے؛ بلکہ جائز ہے، قرآن وحدیث میں اس کے نمونے موجود ہیں، حضرت یعقوب علیہ السلام نے بوقتِ وفات جب اپنے بیٹوں سے اقرار لیا کہ تم لوگ میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟ تو بیٹوں نے جواب میں عرض کیا: ﴿قَالُوْا نَعْبُدُ إِلٰـهَكَ وَإِلٰـهَ اٰبَآئِكَ ابرٰهيم واسمٰعيل واسحٰق﴾ (البقرة:۱۳۳)

دیکھئے یہاں آباء میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی شمار کردیا، حالاں کہ حضرت

اسماعیل علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے باپ نہیں؛ بلکہ چچا ہوتے ہیں۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وقدم اسمٰعيل في الذكر على اسحٰق لكونه أسن منه، وعده من آباء يعقوب مع أنه عمه تغليباً للأكثر على الأقل، أو لأنه شبه العم بالأب لانخراطهما في سلك واحد، وهو الاخوة، فاطلق عليه لفظه، ويؤيده ما أخرجه الشيخان عم الرجل صنو ابيه والآية على حد ما أخرجه إبن أبي شيبة وغيره من قوله عليه الصلوٰة والسلام: إحفظواني في العباس، فإنه بقية آبائي (روح المعانی ۱/ ۳۹۱)

اسی طرح قرآن پاک میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں ہے: ﴿واذ قال ابرٰهيم لابيه اٰزر﴾ (الأنعام ۷٤) بہت سے مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، قرآن پاک میں مجازاً اس کو باپ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ومنهم من قال: اسم جده، ومنهم من قال: اسم عمه، والعم والجد يسميان اباً مجازاً (روح المعاني ۷/ ۱۹٤)

حدیث پاک میں غزوۂ حنین کے قصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد: "أنا النبي لا كذب أنا ابن عبدالمطلب" منقول ہے، اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نسبت اپنے دادا عبدالمطلب کی طرف فرمائی، اس لیے کہ عرب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کی شہرت آپ کے والد عبداللہ کے مقابلہ میں زیادہ تھی۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ "شرح بخاری" میں فرماتے ہیں: واما انتسابه إلى عبدالمطلب دون أبيه عبدالله فلشهرة عبدالمطلب بين الناس، بخلاف عبدالله

فإنه مات شابا (عمدة القاري ١٧/ ٢٩٦)

ایک مرتبہ آیت کریمہ ﴿الذين استجابوا لله والرسول من بعد ما اصابهم القرح﴾ (آل عمران:۱۷۲) کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو خطاب فرماتے ہوئے فرمایا کہ: "كان أبواك منهم الزبير وأبوبكر" (تمھارے باپ زبیر رضی اللہ عنہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں) حالاں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کے باپ نہیں؛ بلکہ نانا ہوتے ہیں، لیکن مجازاً ان پر باپ کا اطلاق کیا گیا، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "واطلق الأب على أبي بكر وهو جده مجازاً" (عمدة القاري ١٧ /١٦٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ ذوالقعدہ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عبدالرسول، عبدالنبی وغیرہ نام رکھنا

سوال: عبدالرسول، عبدالنبی وغیرہ اسماء، عبد سے غلام مراد لینے کی صورت میں درست ہے یا نہیں؟ ایسے نام رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

جائز نہیں ہے۔

الاستفسار: هل يجوز التسمية بعبدالنبي وعبدالرسول و أمة النبي وأمة الصديق وغير ذلك؟

الاستبشار: لا يجوز كل إسم أضيف فيه لفظ العبد أو الأمة أو

ما يؤدى مؤدهما بأي لسان كان إلى غير الله تعالىٰ، صرح به علي القارى في شرح الفقه الأكبر وقد ورد الحديث بالنهي عن ذلك في سنن أبي داؤد وغيره وا ما أضافته لفظ الغلام إلى غير الله فهو جائز، فيجوز غلام الرسول ولا يجوز عبدالرسول أو بندۂ رسول أو نحو ذلك (نفع المفتي والسائل ۱۲۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نومولود کے کان میں نہلا کر اذان کہے

سوال: نوزائیدہ بچہ کو کان میں اذان پیدائش کے فوراً بعد کہی جائے یا بعد الغسل؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نہلا کر۔ (اختری بہشتی زیور ۶/ ۱۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کسی بچہ کا نام عفان رکھنا

سوال: کسی بچہ کا نام عفان رکھنا کیسا ہے؟ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عفان نام رکھنا درست ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض کا یہ نام تھا، معنوی اعتبار سے بھی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ

مناف نام رکھنا

سوال: اسم مناف رکھنا کیسا ہے؟ اگر صحیح نہیں ہے تو کیوں؟ نیز اس کے معنی کیا ہیں؟ اور عبد مناف رکھنے میں کیا فائدہ ہے؟ اور فقط مناف رکھنے کا کیا نقصان ہے؟ مدلل جواب تحریر فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مناف (بفتح المیم) زمانۂ جاہلیت کے ایک بت کا نام ہے، جس کی مشرکین پوجا کرتے تھے، اور اس کی طرف اضافت کرتے ہوئے عبد مناف رکھتے تھے۔ ومناف صنم وبه سمی عبد مناف (تاج العروس ٦/٢٦٣) اس لیے عبد مناف نام جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔

مناف یہ اناف ینیف سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، جس کا معنی نمایاں اور بلند کے آتے ہیں، معنوی اعتبار سے مناف، محمد مناف نام رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ رذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

باب الرضاعت

ثبوت رضاعت میں دودھ کی مقدار

سوال: رضاعت کے ثبوت کے لیے دودھ کی کتنی مقدار ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بچہ کے معدہ میں دودھ کا پہنچ جانا ثبوت رضاعت کے لیے کافی ہے، چاہے وہ قلیل مقدار میں ہو۔

و یثبت به وإن قل، إن علم وصوله لجوفه من فمه أو أنفه لا غیر (در مختار علی هامش الشامیة ۲/ ۴۳۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خشک پستان والی عورت سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی

سوال: ایک عورت شادی شدہ ہے اس کو اخیری بچے کی ولادت ۱۹۷۰ء میں ہوئی، اس وقت اس عورت کی عمر ۳۹ / تھی، اس کے بعد ۱۹۸۳ء میں اس نے اپنے شوہر کے پوتے کو مدتِ رضاعت میں ڈیڑھ سال دودھ پلانے کے لیے اپنے پستان سے اس کو بار بار لگایا، اب وہ مرضعہ ۲۰۰۲ء میں ایسا کہتی ہے کہ میں اس بچہ کو اپنا پستان منہ میں دیا کرتی تھی؛ مگر اس وقت میرا دودھ خشک اور بند ہو چکا تھا، اس لیے بچہ اگرچہ میرا پستان منہ میں لیا کرتا تھا؛ مگر میرا دودھ بند اور خشک ہو جانے کی وجہ سے اس نے نہیں پیا ہے۔ مذکورہ صورت میں حرمت رضاعت ثابت ہوگی یا نہیں؟ اور یہ عورت اس بچہ کی رضاعی ماں شمار ہوگی یا نہیں؟

نوٹ: مذکورہ بچہ کا رشتۂ نکاح اس کے نسبی چچا کی لڑکی سے کرنے کی گفتگو جاری ہے؛ لہٰذا امید ہے کہ زحمت فرما کر حوالۂ کتب کے ساتھ جلد از جلد جواب ارسال فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر عورت وہ بات کہہ رہی ہے جو سوال میں نقل کی گئی ہے، یعنی میں اس بچہ کو اپنا پستان منہ میں دیا کرتی تھی؛ مگر اس وقت میرا دودھ خشک اور بند ہو چکا تھا، اس لیے بچہ اگرچہ میرا پستان منہ میں لیا کرتا تھا؛ مگر میرا دودھ بند اور خشک ہو جانے کی وجہ سے اس نے پیا نہیں ہے، تو اس کا قول معتبر ہوگا اور حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

احسن الفتاویٰ (۵/ ۱۲۷۔۱۲۸) سے ایک سوال جواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: ایک عورت کے دس بارہ سال تک اولاد نہیں ہوئی، اور اس عورت نے ایک بچہ کو دودھ پلایا، بعد میں کہتی ہے کہ میرے پستان میں دودھ بالکل نہ تھا، یہاں کے لوگ اختلاف کر رہے ہیں بعض کہتے ہیں کہ اتنی مدت میں دودھ خشک ہو جاتا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں ہوتا، کیا ایسی صورت میں حرمت رضاعت ثابت ہوگی؟

الجواب ومنہ الصدق والصواب: جب دودھ کے وجود پر شاہد نہیں اور عورت خود کہتی ہے کہ دودھ نہیں تھا تو عورت کا قول معتبر ہوگا؛ لہٰذا حرمت ثابت نہ ہوگی۔

قال فی شرح التنویر: فلو التقم الحلمة ولم یدر ادخل اللبن فی حلقه أم لا، لا یحرم؛ لأن فی المانع شکا، وفی الشامیة عن القنیة: امرأة کانت تعطی ثدیها صبیة واشتهر ذلك بینهم ثم تقول لم یکن فی ثدي لبن حین التقمتها ثدي ولم یعلم ذلك إلا من جهتها جاز لابنها أن یتزوج بهذه الصبیة (ردالمحتار؟/ ۵۵۶) (احسن الفتاویٰ ۵/ ۱۲۸)

ایک اور سوال جواب فتاویٰ محمودیہ سے نقل کیا جا رہا ہے:

سوال: ایک لڑکی کی عمر- جب کہ اس کی والدہ فوت ہوئی- ڈیڑھ سال تھی، اور

اس کی حقیقی نانی جس کی عمر ۵۸ / سال تھی، اور آٹھ لڑکی اور ایک لڑکا اس کی عمر میں پیدا ہوا تھا جو موجود تھا، اور اس کی اخیری لڑکی دس سالہ اس وقت تھی، اس نانی نے بنظرِ پرورش نواسہ خود اپنی چھاتیوں سے اس لڑکی کو لگایا کہ شاید دودھ اتر آوے؛ مگر دودھ نہ اترا اور اس بچہ کو گائے وغیرہ کا دودھ پلایا، نانی مذکورہ حلفیہ بیان کرتی ہے کہ میرے دودھ نہیں اترا؛ البتہ چھاتیاں چوستا ضرور رہا، اب اس لڑکے کا نکاح ہمراہ پوتیٔ نانی یعنی لڑکے کے ماموں کی بیٹی سے درست ہے یا نہیں؟

الجواب: صورت مسئولہ میں حرمت رضاعت شرعاً ثابت نہ ہوگی۔

فی القنیة: امرأة كانت تعطی ثديها صبية واشتهر ذلك بينهم، ثم تقول لم تكن فی ثديها لبن حين التقمتها ثدیی، ولا يعلم ذلك الأمر إلا من جهتها جاز، لابنها ان يتزوج بهذه الصبية بحر ۳ /۲۲۲ (فتاویٰ محمودیہ ۳/۳۵۶، ۳۵۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/صفر المظفر ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

خارج سے دودھ پلانے سے رضاعت

سوال: عمر جب پیدا ہوا تو اس کی والدہ بیمار اور کمزور تھی، دودھ پلانے کے قابل نہیں تھی، اور ادھر عمر کی جان کا خطرہ تھا، تو عمر کی خالہ نے رحم کھا کر جان بچانے کے لیے عمر کو دودھ پلایا؛ خواہ سینہ سے لگا کر یا چمچہ وغیرہ سے، تو اس سے رضاعت ہوتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عمر کی خالہ کے عمر کو مدت رضاعت (یعنی عمر کی عُمر کے دو سال کے اندر) میں دودھ

پلانے کی وجہ سے دونوں کے درمیان رضاعت کا رشتہ ثابت ہوگیا، چاہے یہ دودھ سینہ سے لگا کر پلایا گیا ہو یا چمچہ وغیرہ سے؛ بہرصورت رضاعت ثابت ہوجاتی ہے۔

هو مص من ثدی آدمیة ولو بکرا أو میتة أو آیسة وألحق بالمص الوجور والسعوط فی وقت مخصوص وهو حولان و نصف عنده وحولان فقط عندهما و هو الاصح الخ (درمختار ۲/ ۴۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ثبوت رضاعت کے بعد تفریق

سوال: عمر جب بڑا ہوکر شادی کے قابل ہوا تو اس کا رشتہ اس کی خالہ کی لڑکی صالحہ سے ہوا، جو عمر سے عُمر میں دو سال چھوٹی ہے اور نکاح بھی ہوگیا؛ لیکن رضاعت کا کسی کو خیال بھی نہ رہا تو ایسی صورت میں کیا کیا جانا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اپنی خالہ کا دودھ پینے کی وجہ سے عمر اُن کا رضاعی بیٹا بنا، اور خالہ کی لڑکی صالحہ عمر کی رضاعی بہن بنی، اور رضاعی بھائی کا رضاعی بہن سے نکاح درست نہیں ہے، لہٰذا یہ نکاح قابل فسخ ہے، دونوں کو فوراً علیحدگی اختیار کرلینی چاہیے، شوہر اس کو طلاق دے دے یا زبان سے کہہ دے کہ میں نے تجھے چھوڑ دیا، اور جس وقت دونوں میں تفریق ہوگی اس وقت سے عدت لازم ہوگی۔

و تجب العدة بعد الوطأ من وقت التفریق أو متارکة الزوج (در مختار) (قوله أو متارکة الزوج) فی البزازیة: المتارکة فی الفاسد بعد الدخول لاتکون الا بالقول کخلیت سبیلك أو ترکتك والطلاق فیه متارکة؛

لکن لا ینقض به عدد الطلاق الخ (شامی ۲/ ۳۸۲،۳۸۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

رضاعی بہن کی اولاد ثابت النسب ہے

سوال: عمر اور صالحہ کا نکاح ہوئے کافی سال گذر گئے، اس دوران اولاد ہوئی، ان کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں جو اولاد ہوئی ہے وہ ثابت النسب ہے۔

و یثبت النسب احتیاطاً (درمختار) والحاصل انه قبل التفریق یثبت النسب و لو ولدته بعد العقد أو الدخول لأکثر من سنتین (شامی ۲/ ۳۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایضاً

سوال: اگر یہ نکاح حرام تھا تو گناہ کا کیا کفارہ لازم آئے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چوں کہ یہ نکاح یہ جانتے ہوئے کہ یہ رضاعی بہن ہے نہیں کیا گیا، اس لیے کوئی سزا نہیں ہے؛ البتہ بے احتیاطی ضرور ہوئی، اس پر توبہ واستغفار کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک عورت کے قول سے ثبوت رضاعت

سوال: عمر کی رضاعت کے لیے شہادت کے طور پر اس کی دودھ پلانے والی خالہ خود یوں کہتی ہے کہ میں نے اس طرح چمچہ سے دودھ پلایا تھا تو اس کی شہادت کافی ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

معاملہ اگر قاضی کے پاس پہونچے اور شوہر رشتۂ رضاعت کا انکار کرتا ہے، اور قاضی کے سامنے اکیلی دودھ پلانے والی عورت ہی کی گواہی پیش ہو رہی ہے تو تنہا اس کی شہادت پر قاضی ثبوت رضاعت اور تفریق کا فیصلہ نہیں کرے گا؛ لیکن صورت مسئولہ میں یہ نوعیت نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایک خبر ہے، اب اگر عمر اور صالحہ اس خبر کو سچا سمجھ رہے ہیں تو نکاح فاسد ہو جاتا ہے، اور اگر عمر اور صالحہ اس کو غلط اور جھوٹا سمجھتے ہیں تب بھی علیحدگی اختیار کرنا بہتر ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے (بشرطیکہ خبر دینے والی عورت عادل ہو)۔

فی الهندية: تزوج امراة فقالت امراة: ارضعتكما فهو على أربعة أوجه: إن صدقاها فسد النكاح ولا مهر ان لم يدخل، وإن كذباها وهي عادلة فالتنزه المفارقة، والافضل له اعطاء نصف المهر لو لم يدخل (شامی ۲/ ٤٤٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حقیقی بھائی کی رضاعی بہن کے ساتھ نکاح

سوال: اگر کوئی عورت کسی کو دودھ پلائے اور وہ عورت اپنی لڑکی کا اس کے بھائی کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے یا نہیں؟ مثلاً غفران اور سلمان دونوں

بھائی ہیں، اور ایک عورت نفیسہ نے سلمان کو دودھ پلایا، اور نفیسہ نے اپنی بیٹی حامدہ کا نکاح غفران کے ساتھ کر دیا تو صحیح ہوا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حامدہ، غفران کے حقیقی بھائی سلمان کی رضاعی بہن ہوتی ہے، اس کا یعنی حامدہ کا نکاح غفران کے ساتھ درست ہے۔

وتحل أخت أخيه رضاعاً، ويصح إتصاله بالمضاف، كأن يكون له أخ نسبي له أخت رضاعية (درمختار على هامش الشامي؟/ ٤٤٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

رضاعی بھائی کی حقیقی بہن سے نکاح

سوال: ذوالفقار اور مرتضی دونوں نے اپنی ماں (خانی) کا دودھ پیا، ذوالفقار کا ایک چچازاد بھائی وسیم ہے، اس نے ذوالفقار کی ماں کا - جو اس کی چچی ہے - دودھ پیا، وسیم کی بہن یاسمین ہے، یاسمین نے اپنی چچی کا دودھ نہیں پیا، دریافت طلب امر یہ ہے کہ وسیم - جو ذوالفقار کا رضاعی بھائی ہے اس - کی بہن یاسمین کا نکاح ذوالفقار سے ازروئے شرع ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں یاسمین کا نکاح ذوالفقار سے درست ہوگا۔

وتحل أخت أخيه رضاعاً.(درمختار على هامش الشامية ٢/ ٤٤٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

رضاعی بھتیجی سے نکاح

سوال: میرے بچپن میں ہی میری والدہ کا انتقال ہو گیا تھا، والدہ کے انتقال کے بعد میرے والد صاحب نے میری حقیقی خالہ کے ساتھ نکاح کیا جو تادمِ تحریر حیات ہیں، میری حقیقی مرحومہ والدہ سے ہم تین بھائی بہن ہیں، میرا ایک لڑکا حافظ عمران ہے، اس کا رشتہ میرے حقیقی بھائی کی لڑکی (یعنی حقیقی بھتیجی) نور جہاں سے طے ہوا ہے، اب یہ بات ہمیں معلوم ہوتی ہے کہ میرے لڑکے حافظ عمران کو میری مذکورہ خالہ (جو حقیقت میں والدہ ہیں) نے دودھ پلایا ہے، تو کیا اس سے رضاعت ثابت ہوگی؟ اور عمران اور نور جہاں کے درمیان نکاح صحیح ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے بیٹے حافظ عمران کو آپ کی حقیقی خالہ- جو آپ کے والد کے نکاح میں ہیں- نے دودھ پلایا جس کی وجہ سے آپ کی خالہ آپ کے بیٹے حافظ عمران کی رضاعی ماں بنی، اور ان کے شوہر یعنی آپ کے والد حافظ عمران کے رضاعی باپ بنے، اس اعتبار سے آپ کے والد کی وہ اولاد جو آپ کی والدہ کے بطن سے ہیں یعنی آپ تین بھائی بہن، حافظ عمران کے بھائی بہن بنے، گویا آپ نسبی اعتبار سے حافظ عمران کے باپ ہیں اور رضاعی اعتبار سے حافظ عمران کے بھائی ہیں، اور آپ کے حقیقی بھائی جن کی لڑکی نور جہاں سے حافظ عمران کا رشتہ طے ہوا ہے وہ نسبی اعتبار سے حافظ عمران کے چچا ہوتے ہیں، اور رضاعی اعتبار سے حافظ عمران کے بھائی بنتے ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ ان کی بیٹی نور جہاں جس کے ساتھ حافظ عمران کا رشتہ طے ہوا ہے نسبی اعتبار سے حافظ عمران

کی چچازاد بہن ہوتی ہے؛ لیکن چوں کہ رضاعی اعتبار سے وہ حافظ عمران کی بھتیجی بنتی ہے، اس لیے حافظ عمران اور نور جہاں کے درمیان نکاح نہیں ہوسکتا۔

ويثبت به وإن قل امومية المرضعة للرضيع و ابوة مرضعة زوج لبنها منه له. (تنوير الابصار على هامش الشامى؟/ ٤٣٦)

و هذه الحرمة كما تثبت فى جانب الأم تثبت فى جانب الأب، وهو الفحل الذى نزل اللبن بوطئه، كذا فى الظهيرية يحرم على الرضيع ابواه من الرضاع، واصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعا؛ حتى ان المرضعة لو ولدت من هذا الرجل أو غيره قبل هذا الارضاع أو بعده أو ارضعت رضيعا، أو ولد لهذا الرجل من غير هذه المرأة قبل هذا الارضاع أو بعده أو ارضعت امرأة من لبنه رضيعاً فالكل اخوة الرضيع وأخواته واولادهم اولاد اخوته وأخواته وأخ الرجل عمه الخ (عالمگیری ۱/ ۳۴۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

رضاعی خالہ سے نکاح

سوال: شگفتہ کو دو لڑکی ہے: ایک رفعت، دوسری فرحت؛ شگفتہ نے اپنی نواسی نکہت کو- جو رفعت کی بیٹی ہے- دودھ پلا دیا، اب اس رفعت کی بیٹی نکہت سے فرحت کے لڑکے کی شادی درست ہے یا نہیں؟ شبہ اس لیے ہو رہا ہے کہ ان دونوں لڑکا لڑکی کے درمیان خالہ زاد بھائی بہن کے ساتھ ساتھ نانی کے دودھ پلانے کی وجہ سے ماموں

بھانجی کا بھی رشتہ قائم ہوگیا، تو کیا اس رشتہ کا اعتبار ہوگا جس کی وجہ سے شادی ان دونوں کے درمیان جائز نہ ہو؟ شرعی مسئلہ کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

رفعت کی بیٹی نکہت، فرحت کے بیٹے کی رضاعی خالہ ہوتی ہے؛ اس لیے یہ نکاح درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

رضاعی خالہ سے نکاح

سوال: فاطمہ نامی لڑکی کی دادی نے جو سگی دادی ہے، اس نے فاطمہ کو مدتِ رضاعت میں دودھ پلایا اور اب یہ فاطمہ لڑکی اپنے پھوپھی زاد بھائی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتی ہے تو کیا یہ فاطمہ نامی لڑکی اپنے سگے پھوپھی زاد بھائی کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ بحوالۂ کتب تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فاطمہ نے جب اپنی دادی کا دودھ پیا تو فاطمہ کی پھوپھی (جو اس دادی کی لڑکی ہے) اس کی رضاعی بہن قرار پائی، اور فاطمہ اس کے لڑکے کی رضاعی خالہ بنی، تو جس طرح حقیقی خالہ کے ساتھ نکاح درست نہیں ہے اسی طرح رضاعی خالہ کے ساتھ نکاح درست نہیں ہے۔ یحرم من الرضاع مایحرم من النسب. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ رشوال المکرم ۱۴۱۳ھ

باب الحضانة والولاية

تین طلاق کے بعد بچے کس کے پاس رہیں؟

سوال: اپنی بیوی کو 6-6-1996 کو تین طلاق دے دی، طلاق کے بعد وہ اپنے گھر یعنی مئو (یوپی) چلی گئی، کچھ مدت کے بعد واپس میرے ہی گھر (واپی) میں آئی اور میں نے اس گھر کو چھوڑ دیا ہے (چوں کہ وہ اس میں ہے، اب میں اس میں کیسے رہ سکتا ہوں، یہ سوچ کر میں نے چھوڑ دیا) اب وہ کپڑا وغیرہ بیچتی ہے؛ بہر حال کہنا یہ ہے کہ وہ گھر میں نہیں رہتی، اس صورت میں اس کا نان ونفقہ مجھ پر واجب ہے یا نہیں؟ نیز میرا ساز وسامان بھی اسی مکان میں ہے گویا اس پر اسی کا قبضہ ہے، جہیز کا کوئی سامان یہاں بالکل نہیں ہے؛ نیز سہارا انڈیا میں میرا پیسہ جمع تھا، میں ان دنوں چوں کہ چالیس روز کے لیے تبلیغی جماعت میں گیا تھا تو اس نے اپنے نام پر وہ پیسہ کروالیا تو وہ ساز و سامان اور پیسہ شرعی اعتبار سے کس کا ہوگا؟ نیز میرے دو بچے اور ایک بچی ہے، دو بچے وہ اپنے گھر یعنی بچوں کی ننہال چھوڑ آئی ہے، ایک بچے کی عمر سات سال ہے اور دوسرے کی عمر نو سال کی ہے، بچی اسی کے ساتھ واپی میں ہے جس کی عمر گیارہ سال ہے گویا تینوں بچے اسی کے قبضے میں ہیں، میں چاہتا ہوں کہ بچے تینوں میرے پاس رہیں، شریعت اس بارے میں کیا کہتی ہے؟ برائے کرم تفصیل سے جواب دیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بوقتِ طلاق میاں بیوی جس مکان میں رہتے تھے وہ اسی میں رہتی ہے تو اس کی

عدت (یعنی اگر حیض آتا ہے تو تین حیض آنے تک، حمل ہے تو بچہ پیدا ہونے تک) کی مدت کا نفقہ آپ پر واجب ہے، اس نے آپ کے ساز وسامان پر قبضہ کر رکھا ہے اس کا یہ فعل صحیح نہیں؛ بلکہ اس کو چاہیے کہ آپ کا سامان آپ کو واپس کر دے۔ آپ کا پیسہ جو بینک میں جمع ہے وہ بھی آپ کی ملکیت ہے، عورت کا ناحق اس پر قبضہ کرنا درست نہیں؛ البتہ اگر آپ عدت کا نفقہ نہیں دے رہے ہیں تو اتنی مقدار وصول کر سکتی ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ ماں لڑکے کو اپنے پاس سات برس کی عمر تک اور لڑکی کو نو برس کی عمر تک رکھ سکتی ہے، اس کے بعد باپ کے حوالے کر دے۔

صورتِ مسئولہ میں لڑکی گیارہ برس کی ہے، ایک لڑکا نو برس کا ہے، ان دونوں بچوں کو وہ اپنے پاس نہ رکھے؛ بلکہ باپ کے حوالہ کرے، جس کی عمر سات سال ہے اگر ساتواں سال مکمل ہو چکا ہے تو اب اس کو بھی باپ کے حوالے کرے، اور اگر مکمل نہیں ہوا تو مکمل ہونے تک رکھ سکتی ہے اس کے بعد باپ کے حوالہ کرنا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ / ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ماں حق پرورش سے انکار کر سکتی ہے؟

سوال: زید کی بیوی پہلی مرتبہ حاملہ ہے، اب ولادت کا وقت ہے، اور طلاق کی نوبت آچکی ہے، لڑکی والوں کا ارادہ ہے کہ ولادت کے فوراً بعد بچہ کو باپ کے حوالہ کیا جائے، اس لیے کہ سات سال کے بعد وہ لوگ بچے کے لیے تقاضہ کریں گے ہی، اس لیے ابھی سے واپس کر دیں، اور اگر وہ لوگ واپس نہ لیں تو پھر اس بچہ کا کیا کیا جائے؟

اس صورت میں اگر بعد میں بچہ ماں نہ دے، تو صورتِ مسئولہ میں آپ کتاب وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: أحق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح أو بعد الفرقة الأم إلا أن تكون مرتدة أو فاجرة ولا تجبر عليها فی الصحيح لاحتمال عجزهاالخ. (فتاویٰ عالمگیری ۱/ ۵۴۱)

چھوٹے بچے کی پرورش کی سب سے زیادہ حقدار اس کی ماں ہے، چاہے وہ اس بچہ کے باپ کے نکاح میں ہو یا دونوں میں جدائی واقع ہوگئی ہو؛ لیکن یہ اس کا ایک حق ہے جو شریعت نے اس کو دیا ہے، اس لیے اس کو اختیار ہے کہ اپنے اس حق کو وصول کرتے ہوئے بچہ کو اپنی پرورش میں رکھے یا پھر اپنے اس حق کو چھوڑ کر بچہ کو اپنی پرورش میں نہ رکھتے ہوئے باپ کے حوالہ کرنا چاہے تو ایسا بھی کرسکتی ہے، چناں چہ اگر وہ بچہ کی پرورش سے انکار کرے تو اس کو اس کام کے لیے بھی مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر لڑکی والے بچہ پیدا ہوتے ہی اس کی پرورش سے انکار کرتے ہوئے باپ کے حوالہ کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ رجب ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

شوہر کے انتقال کے بعد لڑکے کی پرورش کا حقدار کون؟

سوال: بیوہ عدت گزارنے کے بعد مرحوم شوہر کے بھائی سے (دیور) سے

نکاح کرنا نہیں چاہتی یا بیوہ نکاحِ ثانی دیور سے کرنا چاہتی ہے؛ لیکن بیوہ کے ماں باپ منع کررہے ہیں تو مرحوم کا لڑکا کس کے پاس رہے گا؟ مرحوم کے لڑکے کا زیادہ مستحق کون دادا، دادی، یا نانا، نانی؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لڑکا جب تک سات سال کا نہ ہو اس کی پرورش کا حق اس ماں کو ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر مرحوم شوہر کا لڑکا سات سال سے کم کا ہے تو اس کی پرورش کی حقدار اس کی ماں ہے؛ البتہ اگر وہ کسی ایسے مرد سے نکاح کرلے جو لڑکے کا ذی رحم محرم نہیں ہے تو اب یہ حق لڑکے کی نانی کو حاصل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/صفر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

پرورش کا حق کس کو ہے؟

سوال: میری شادی تھانہ میں ۱۹۸۲ء مئی مہینہ میں ہوئی تھی، اللہ کے فضل وکرم سے ہماری زندگی بہتر تھی، اللہ نے ہم کو ایک بیٹا عمر ۱۲/سال نام فیروز احمد شیخ، بڑی لڑکی عمر ۱۰/سال نام شیرین بانو شیخ، چھوٹی لڑکی عمر ۸/سال شمرین بانو شیخ ہے، میری ملازمت واپی میں تھی، میری بیوی کا حادثہ جمعہ کے روز دوپہر ساڑھے گیارہ بجے ہوا، پرائمس پر پانی گرم کرتے وقت کیروسین سے آگ لگ جانے سے ہوا، آگ نکلنے کے اٹھارہ (۱۸) گھنٹے کے بعد تھانہ میں انتقال ہوا، انتقال کے بعد میرے تینوں بچوں کو میں نے واپی لانے کی کوشش کی؛ لیکن ۱۴/مہینہ گزرنے کے بعد بھی میری بیوی کے

رشتہ دار بچوں کو دینے سے انکار کر رہے ہیں، اور مجھے ملنے دینے سے بھی انکار کر رہے ہیں، مجبور ہو کر میں نے کورٹ کا سہارا لیا اور واپی پولیس کے ذریعہ بچوں کو لانے کے لیے وارنٹ بھیجا؛ لیکن میرے سسرال والے اس وارنٹ سے بھی بچوں کو نہ دے رہے ہیں، اور نہیں بھیج رہے ہیں۔

آپ سے دلی گزارش ہے کہ آپ اس میرے مسئلہ میں دستگیری فرمائیں؛ تاکہ بچوں کی زندگی سنور جائے اور بچوں کو باپ کا پیار ملے اور اپنے بچھڑے ہوئے بچوں سے مل کر سکون کی زندگی بسر کر سکوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے بچوں کی ماں (یعنی آپ کی بیوی) کا انتقال ہو چکا ہے، اور آپ کی مرحومہ بیوی کے رشتہ دار آپ کے بچوں پر قبضہ جمائے ہوئے ہیں، اور آپ کے حوالہ کرنے سے انکار کرتے ہیں.....

بچوں کی پرورش کے سلسلہ میں شریعت کا قانون یہ ہے کہ ماں کو بچہ کی پرورش کا حق ہے اس وقت تک کہ بچہ کو کھانے، پینے، پہننے اور ناپاکی رفع کرنے میں ماں کی ضرورت پڑے، اور اس کی مدت لڑکے کے لیے سات برس اور بچی کے لیے نو برس ہے، یا حیض آنے تک۔ ماں نہ ہونے کی صورت میں پرورش کا یہ حق سگی نانی، سگی پرنانی، پھر سگی دادی، سگی پردادی کو حاصل ہوتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ جدید ۵/۱۷)

اس کے بعد بچہ باپ کے حوالہ کرنا ضروری ہے؛ تاکہ باپ اس کی تعلیم وتربیت کا انتظام کر سکے۔ (درمختار شامی ۲/۶۹۵)

صورتِ مسئولہ میں آپ کے تین بچوں میں سے بڑے لڑکے کی عمر تیرہ برس کی

ہے، اس کے بعد والی لڑکی کی عمر دس سال کی ہے، ان دونوں بچوں پر تو بہر حال آپ کا حق ہے، بیوی کے رشتہ داروں کا ان کو روکے رکھنا ظلم وزیادتی ہے، آخری لڑکی جس کی عمر آٹھ سال ہے، اگر وہ بچی اپنی سگی نانی کے پاس ہے تب تو آپ اس بچی کو نو سال پورے ہونے تک یا حیض آنے تک نانی کے پاس رہنے دیجئے؛ لیکن اس صورت میں آپ اپنی اس بچی سے جب چاہیں ملاقات کر سکتے ہیں، اس کی خیریت وحالات معلوم کر سکتے ہیں، آپ کو اس بچی کی ملاقات سے روکنے کا آپ کی بیوی کے رشتہ داروں کو کوئی حق نہیں ہے، اور اگر اس بچی کی سگی نانی موجود نہیں ہے تو پھر آپ کی بیوی کے رشتہ داروں کو اس بچی کو روکنے اور پرورش کے لیے رکھنے کا حق نہیں ہے۔

آپ اپنے بچوں کو ان کے پاس سے نکالنے کے لیے قانونی چارہ جوئی کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/محرم الحرام ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب النفقة

ولادت کے مصارف کا ذمہ دار کون ہے؟

سوال: بوقت ولادت، ولادت کا خرچ زوج پر ہے یا عورت کے والد پر؟ ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ نفاس کی مدت تک ولادت کا خرچ عورت کے والد یعنی شوہر کے خسر پر ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ولادت کے مصارف سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اگر دائی (مڈوائف) کی اجرت مراد ہے، تو اس سلسلہ میں فتاوی عالمگیری میں جزئیہ ہے:

"وأجرة القابلة عليها إن استأجرتها، ولو استأجرها الزوج فعليه، وإن حضرت بلا إجارة فلقائل أن يقول على الزوج؛ لأنه مؤنة الوطأ، ويجوز أن يقال عليها كأجرة الطبيب" (۱/ ۵۴۹)

رہی اس زمانہ کی دوائیاں تو اس کا وجوب شوہر پر نہیں ہے۔

ولا يجب الدواء للمرض الخ. (ایضاً)

اور اس زمانہ کے دیگر مصارف یعنی طعام وقیام وکسوہ وغیرہ کی ذمہ داری شوہر پر ہوگی، جس طرح عام حالات میں ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ظالم شوہر کے جیب سے رقم نکالنا

سوال: ایک عورت کا خاوند بہت ظالم اور بدمزاج ہے، گھر میں خرچ نہیں دیتا ہے، نہ ہی مزدوری کرنے دیتا ہے، ایسی صورت میں عورت کیا کرے؟ کیا خاوند کی جیب سے رقم نکال کر خرچ میں لائے تو چوری میں شمار تو نہیں ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اپنے نفقہ کے بقدر دستور کے مطابق اس کی جیب سے نکال سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بالغ لڑکے کا باپ سے بذریعۂ کورٹ نفقہ کا مطالبہ کرنا

سوال: ۱۹/۲۰ سال کا لڑکا ہو، ابھی روزگار نہ ہو، اور اس کی ماں کو طلاق ہوگئی، وہ لڑکا ہندوستانی کاروائی سے، یعنی کورٹ سے اپنے باپ سے نفقہ وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر یہ کرنا جائز ہو تو کیا وہ پیسہ اس کی ماں کھاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لڑکا جب بالغ ہوگیا تو اس کا نفقہ باپ پر نہیں ہے؛ البتہ وہ اگر اپاہج ہونے کی وجہ سے کمانے پر قادر نہ ہو، اور اس کے پاس بقدر کفاف مال نہ ہو اور اس کا باپ صاحب حیثیت ہو، تو باپ پر ہوگا۔ (درمختار شامی ۲/۷۳۰)

واجب نہ ہونے کی صورت میں ملکی قانون کا سہارا لے کر بذریعۂ کورٹ حاصل کرنا جائز نہیں ہے، اور اس کا کھانا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دو بچوں کو دودھ پلانے کی مدت

سوال: ایک بچہ کی مدتِ رضاعت میں دوسرا بچہ پیدا ہوجاتا ہے، یعنی بچہ کی عمر آٹھ یا نو ماہ ہے، کیا دوسرے بچے کے دودھ میں سے پہلے بچہ کو شرعاً دودھ پلا سکتے ہیں یا نہیں؟ جب کہ دوسرا بچہ خوب سیر ہوکر دودھ پیتا ہے، اور پھر بھی وافر مقدار میں دودھ بچ جاتا ہے، کیا یہ فاضل دودھ اس بچہ کو پلایا جاسکتا ہے کہ جس کی عمر ابھی آٹھ یا نو ماہ کی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دونوں بچے اسی عورت کے ہیں، ماں ہونے کی حیثیت سے جس طرح دوسرے

بچہ کو دودھ پلانے کی ذمہ داری اس عورت کی ہے، اسی طرح پہلے بچہ کو دودھ پلانے کی ذمہ داری بھی اسی کی ہے، جب تک بچہ دودھ سے مستغنی نہ ہوجائے وہاں تک دودھ پلائے، پورے دوسال تک دودھ پلانا مستحب ہے۔

ثم الخلاف في التحريم: أما لزوم أجر الرضاع للمطلقة فمقدر بحولين بالاجماع الخ (درمختار) (قوله أما لزوم أجر الرضاع الخ) وكذا وجوب الارضاع على الأم ديانة، نهر عن المجتبى (شامی۲/ ٤٣٨) (قوله ولم يبح الارضاع بعد مدته) اقتصر عليه الزيلعي وهو الصحيح كما في شرح المنظومة بحر لكن في القهستاني عن المحيط: لو استغنى في حولين حل الارضاع بعدهما الى نصف ولا تأثم عند العامة خلافا لخلف ابن ايوب اه ونقل أيضا قبله عن أجارة القاعدى أنه واجب إلى الاستغناء، ومستحب الى حولين الخ (شامی۲/ ٤٣٨)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: پوری مدت رضاعت دوسال ہے، جب تک کوئی خاص عذر مانع نہ ہو، بچے کا حق ہے کہ یہ مدت پوری کی جائے۔ (معارف القرآن ۱/ ۵۸۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ جمادی الاخری ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بچوں کی پرورش کا حق

سوال: ستار محمد میمن؛ اس نے اپنی عورت کو تین طلاق دے دی ہے بائنہ، چار گواہوں کے سامنے، وہ طلاق ۱۳/ ۱۱/ ۱۹۸۷ء سال کو دی ہے، پونا فیملی کورٹ میں

بھی یہ کیس چلا، تو کورٹ کے جج نے بھی فیصلہ دے دیا کہ یہ طلاق مسلم لاء کے حساب سے ہوگئی ہیں، اور اب میرے چار بچے ہیں، تسلیم عمر دس سال کی لڑکی ہے، اس کے بعد انیس جس کی عمر آٹھ سال اور اعجاز اس کی عمر سات سال کی ہے، اور اسلم اس کی عمر پانچ سال کی ہے، اور چاروں بچوں کا کیس کورٹ میں چل رہا ہے، اور ان چار بچوں کا تابعہ بچوں کے والد نے مانگا ہے، شریعت کے حساب سے طلاق ہوجانے کے بعد بچے کس کے پاس رہیں گے، اس کا مفصل جواب دیجئے عین نوازش ہوگی، اور بچوں کے والد کی مالی حالت اچھی ہے، اور بچوں کے والد کے ماں، باپ، بھائی، بہن وغیرہ سب ہیں، اور اچھے لوگ ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لڑکا سات سال اور لڑکی نو سال کی ہو وہاں تک اس کی پرورش کا حق ماں کو ہے، اس کے بعد، یعنی ماں نہ ہونے کی صورت میں نانی کو، پھر دادی کو ہے؛ البتہ اگر ماں بچہ کے غیر ذی رحم محرم سے نکاح کرلے یا کسب وغیرہ کی وجہ سے بکثرت باہر نکلتی ہو جس سے بچہ کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو، یا ایسے فسق وفجور میں مبتلا ہو کہ اس سے بچہ کے ضیاع کا خطرہ ہو تو ماں کا حق ختم ہو کر اس کے بعد والی عورت یعنی نانی پر نانی وغیرہ کو ملتا ہے۔ (درمختار شامی ۲/ ۶۸۷، ۶۹۵)

لڑکا پورے سات سال کا ہوجائے اور لڑکی پورے نو سال کی ہوجائے اس کے بعد باپ کے حوالہ کردی جائے، صورتِ مسئولہ میں تسلیم اور انیس تو باپ کے پاس رہیں گے، اعجاز کی عمر اگر پورے سات سال ہوچکی ہے تو وہ بھی باپ کے حوالہ کیا جائے، ورنہ

سات سال پورے ہونے تک ماں کے پاس رہنے دیا جائے، اسلم جس کی عمر پانچ سال ہے وہ ماں کے پاس رہنے دیا جائے؛ یہاں تک کہ سات سال پورے کرلے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

لڑکی کی پرورش کا حق کس کو ہے؟

سوال: ایک مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے، اس کے ساتھ اس کی ایک لڑکی ہے، اور سرکاری طور پر اس کی لڑکی کا خرچہ ہر مہینہ دیتا ہے، تو اب وہ مرد اس لڑکی کو اپنے پاس لینا چاہتا ہے، تو کتنے سال کی عمر میں اس لڑکی کو لے سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب اس لڑکی کی عمر نو سال ہوجائے، تو باپ اس کو اپنی ماتحتی میں لاسکتا ہے۔ (شامی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مطلقہ اور اولاد کا نفقہ اور شوہر کے سامان کا حکم

سوال: زید اور ہندہ دونوں میاں بیوی حصولِ معاش کے لیے اپنے وطن سے دور دوسری جگہ رہتے تھے، آپس میں نااتفاقی کی وجہ سے زید نے اپنے وطن جاکر کچھ لوگوں کی موجودگی میں کہا کہ میں نے معاملہ صاف کردیا، اب بالکل گنجائش نہیں، پھر

وطن سے آکر دو چار آدمی کو لے کر اس روم میں آیا جہاں طلاق سے پہلے دونوں میاں بیوی رہتے تھے، ہندہ سے آکر پھر یہی کہا کہ معاملہ صاف کر دیا کوئی گنجائش نہیں، میرا سامان اور بچے مجھے دے دو، روم چوں کہ کرایہ کا ہے ہندہ سامان اور بچوں کو حوالہ کرنے کے لیے تیار تھی، بچوں میں ایک لڑکی ۱۶/ سال کی، دو لڑکے: ایک لڑکا ۱۱/ سال کا اور ایک ۹/ سال کا ہے، لڑکی اپنے باپ کے ساتھ جانے کو تیار نہیں ہوتی، اس پر زید نے کہا کہ جب لڑکی تیار نہیں ہے تو لڑکے بھی راضی نہیں ہوں گے، زید کے ساتھ آئے ہوئے آدمیوں نے کہا کہ جب بچے نہیں راضی ہیں تو سامان چھوڑ دو، بچوں کو سامان میں ایک سلائی مشین، ایک پنکھا، کچھ برتن کھانے پکانے کے؛ نیز زید نے بینک میں کھاتہ کھول رکھا تھا اس دن روپیہ جمع کیا تقریباً ۳۰۰/ تین سو روپے بس۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

① ہندہ کو عدت کا نفقہ ملے گا یا نہیں؟ ملے گا تو کتنا؟

② بچے باپ کے ساتھ جانے کو تیار نہیں ان بچوں کے اخراجات زید کے ذمہ لازم ہیں یا نہیں؟ ہیں تو کب تک؟

③ مذکورہ سامان کا مالک کون ہوگا؟

④ ایک اہم بات یہ کہ ہندہ کے بقول زید نے کئی مرتبہ یوں کہا کہ میں نے معاملہ صاف کر دیا صراحۃً طلاق کا لفظ نہیں بولا، جب ثبوت طلب کیا گیا تو تقریباً ایک سال کے بعد جو طلاق نامہ دیا اس میں تین طلاق کا ذکر ہے، ایسی صورت میں کون سی طلاق مانی جائے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① دورانِ عدت عورت اگر ناشزہ نہیں ہے تو وہ عدت کے نفقہ کی حقدار ہے، میاں بیوی کی مالی حالت کے پیشِ نظر دو عادل اور ثقہ آدمی جو مقدار تجویز کریں وہ ملے گی، یہ یاد رہے کہ عدت گذر چکنے کے بعد گذشتہ ایام کے نفقہ کا مطالبہ درست نہیں؛ البتہ اگر شروع سے شوہر آپس کی تجویز سے ایک مقدار دینا منظور کر چکا تھا اور وہ اس نے ادا نہیں کی تو اس کا مطالبہ عدت گذر چکنے کے بعد بھی درست ہے۔

② نابالغ اولاد کا نفقہ باپ پر ہے، لڑکی اگر بالغ ہو چکی ہے اور شادی نہیں ہوئی ہے اور اس کے پاس اپنا کوئی مال بھی موجود نہیں تو اس کا نفقہ بھی باپ پر ہے۔

③ زید کے صرف سامان چھوڑ دینے سے وہ ہبہ نہیں بنتا؛ بلکہ یہ عاریت کے حکم میں ہے، بچے استعمال کرتے رہیں بعد میں زید واپس لے سکتا ہے۔

④ اگر زید کا اشارہ اپنے الفاظ ''معاملہ صاف کر دیا'' سے اسی طلاق نامہ کی طرف تھا جس میں تین طلاق مرقوم ہے تو عورت پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شوہر کے ظلم سے میکے جانے والی بیوی کا نفقہ

سوال: شوہر کے ظلم وزیادتی اور مار پیٹ کی وجہ سے یا نان نفقہ نہ دینے کی وجہ سے بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے میکہ چلی جائے تو کیا اس صورت میں وہ ناشزہ

شمار ہوکر، نان نفقہ اور دیگر حقوق سے محروم ہوجائے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شوہر کے ظلم وزیادتی اور مار پیٹ کی وجہ سے یا نان ونفقہ نہ دینے کی وجہ سے بیوی اپنے میکہ چلی گئی ایسی عورت ناشزہ نہیں، لہٰذا نفقہ اور دیگر حقوق واجبہ کی حقدار ہوگی، ظلم کرنے کی وجہ سے شوہر بہت گنہگار ہوا، اس کو چاہیے کہ اپنی بیوی کے ساتھ حسن معاشرت اختیار کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وعاشروهن بالمعروف﴾ اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزران کیا کرو یعنی خوش اخلاقی اور نان ونفقہ کی خبر گیری۔ (معارف القرآن ۳۴۹/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قبل از رخصتی بیوی کا نفقہ کس کے ذمہ ہے؟

سوال: بعدِ نکاح قبلِ خلوت ورخصتی بیوی کا نفقہ کس پر ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بیوی کو رخصتی سے ناحق انکار نہیں ہے تو اس صورت میں نفقہ شوہر پر ہے۔

ولو هی فی بیت ابیها اذالم یطالبها الزوج بالنقلة به یفتی، وکذا اذا طالبها ولم تمنع (در مختار)

(قوله ولو هی بیت ابیها) تعمیم لقوله فتجب للزوجة، وهذا ظاهر الروایة فتجب النفقة من حین العقد الصحیح، وان لم تنتقل الی منزل

الزوج اذالم یطالبها الخ (شامی ۷۰۱/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/رجب ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باپ اور دادا کی موجودگی میں ولایت کس کو حاصل ہے؟

سوال: باپ اور دادا دونوں زندہ ہوں اور سب کا خرچہ وغیرہ دادا ہی دیتا ہو تو پوتوں کا ولی کون ہوگا؟ جواب مع حوالہ کتب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

باپ کو ہی حاصل ہوگی، مال میں بھی اور نکاح میں بھی۔

وولیه ابوه ثم وصیه بعد موته ثم وصی وصیه کما فی القهستانی عن العمادیه ثم بعد هم جده الصحیح وان علا ثم وصیه الخ (در مختار علی هامش الشامی ۱۴۲/۵)

والولی (فی النکاح) العصبة بترتیب الارث. (کنز الدقائق)

وافاد بقوله بترتیب الارث ان الاحق الا بن وابنه وان سفل ولا یتاتی إلا فی المعتوهة علی قولهما خلافا لمحمد کما سیاتی ثم الاب ثم الجد ابوه (بحر الرائق ۱۴۷/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نابالغ کے مال میں غیر ولی کے تصرف کا حکم

سوال: ایک شخص فوت ہوا، اور اس کی بیوہ عورت اور ایک شیر خوار بچی تھی، اس عورت

نے زمین کا ایک قطعہ دوسو روپیہ کم وبیش میں فروخت کیا ہے، اس روپیہ کو اپنے اخراجات اور شیر خوار بچی پر خرچہ کیا ہے، تقریباً پچاس سال کا عرصہ گذرا ہے کہ بائع اور مشتری دونوں وفات پا چکے ہیں اور شیر خوار بچی نے محکمۂ مال میں بالغ ہونے پر دعوی کیا اور بیع نامہ کے مطابق اس کا دعوی خارج کیا اور اراضی مشتری کے نام پر اندراج کیا ہے، مشتری خود کچھ مدت زندگی میں قابض ومتصرف رہا ہے، اور اراضی مشتری کے کاشتکار مشتری کو اور فوت ہونے کے بعد وارثان مشتری کاشت کاری کراتے ہیں اور ان کا قبضہ ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ بیوہ اپنے شوہر کی طرف سے وصی نہیں ہے، تو اس نے جو قطعہ اراضی فروخت کیا اس میں بچی کے حصہ میں بیع درست نہیں ہوئی۔

وجاز بيعه أى الوصى على الكبير الغائب فى غير العقار وجاز بيعه عقار صغير من أجنبي لا من نفسه بضعف قيمته وهذا لو البائع وصيا لا من قبل أم أو أخ فإنهما لا يملكان بيع العقار مطلقاً (درمختار)

(قوله مطلقا) أى ولو فى هذه المستثنيات وإذا احتاج الحال إلى بيعه يرفع الأمر إلى القاضى (شامی ۵/۵۰۲)

الولايه فى مال الصغير للأب، ثم وصيه ثم وصى وصيه ولو بعد، فلو مات الأب ولم يوص فالولاية لأب الأب .....وأما وصى الأخ والأم والعم وسائر ذوى الأرحام ففى شرح الا سبيجابى أن لهم بيع تركة الميت لدينه أو وصيته إن لم يكن أحد ممن تقدم لا بيع عقار الصغار إذ ليس لهم إلا حفظ المال. (شامی ۵/ ۵۰۵،۵۰۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ شوال المکرم ۱۴۱۳ھ

كتاب الطلاق

طلاق، ظہار اور خلع کے بارے میں عورت کا اختیار

سوال: کیا عورت اپنے شوہر کو طلاق دے سکتی ہے یا نہیں؟ ظہار یا خلع کر سکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

طلاق واقع کرنے کا حق شریعت نے شوہر کو دیا ہے عورت کو نہیں، اب اگر شوہر عورت کو اختیار دے تو اس حاصل شدہ اختیار کے مطابق عورت بھی واقع کر سکتی ہے، اس کی تفصیل کتبِ فقہ میں مذکور ہے، عورت ظہار نہیں کر سکتی؛ البتہ خلع کر سکتی ہے؛ لیکن خلع تنہا عورت سے نہیں ہوگا، جب تک شوہر اسی مجلس میں قبول نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

طلاق سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے

سوال: اگر کوئی آدمی اپنی بیوی کو ایک طلاق دے، تو یہاں بیوی کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ یا اس کے لیے کوئی کفارہ لازم ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر شوہر نے اپنی بیوی کو لفظ طلاق کے ذریعہ ایک طلاق دی، مثلاً یوں کہا کہ ”تجھے ایک طلاق دیتا ہوں“ یا ”تجھے طلاق“ وغیرہ، تو ایسا کہنے سے اس کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہوگئی، اگر وہ عورت غیر مدخولہ (یعنی اس کے ساتھ وطی نہیں ہوئی) ہے، تو اس کے طلاق کے پڑتے ہی وہ نکاح سے نکل گئی، اب اگر اس کو دوبارہ رکھنا چاہتا ہے

تو از سر نو نکاح کرنا ہوگا، حلالہ کی ضرورت نہیں ہے، اور اگر وہ عورت مدخولہ (یعنی اس کے ساتھ وطی ہوئی) ہے، تو اس طلاق کے پڑنے کے بعد بھی جب تک وہ عدت میں ہے، نکاح باقی ہے، اب اگر عدت کے دوران شوہر نے رجوع کرلیا تو عدت کا حکم نہ رہتے ہوئے نکاح آئندہ بھی باقی رہے گا، اور اگر شوہر نے عدت میں رجوع نہیں کیا تو عدت گذرتے ہی رشتۂ نکاح ٹوٹ جائے گا، اس کے بعد اگر اس کو رکھنا چاہتا ہے تو نئے سرے سے نکاح پڑھنا ہوگا، دو طلاق کا بھی یہی حکم ہے، اگر تین دے دی، تو اب وہ عورت اس پر حرام ہوگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

وقوعِ طلاق میں اضافتِ معنویہ کافی ہے

سوال: زید کا اپنی بیوی سے معمولی بات پر گھریلو جھگڑا ہوا جو طوالت پکڑ گیا، اور زید نے غصہ کی حالت میں جب کہ اس کی بیوی گھر کے اندر تھی، زید باہر کے کمرے میں تھا، اور صرف طلاق طلاق دس مرتبہ کہا جو کہ بیوی نے سنا؛ لیکن بیوی نے اقرار نہیں کیا، اور اس وقت کچھ لوگ وہاں پر موجود تھے، زید کی بیوی حاملہ تھی ۴ / ۵ مہینے کا حمل تھا، اس حالت میں طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق ہوگئی تو کون سی، اگر نہیں ہوئی ہے تو اس کا کفارہ ہے یا نہیں؟

نوٹ: زید نے ''میں نے تجھے طلاق دیا یا دی'' ایسے الفاظ نہیں کہے صرف طلاق طلاق دس مرتبہ کہا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں زید کی بیوی پر طلاقِ مغلظہ واقع ہوکر وہ زید پر حرام ہوگئی، بغیر حلالہ شرعیہ کے اب زید کا نکاح اس عورت کے ساتھ درست نہیں ہے، حالتِ حمل میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

لاينكح مطلقة من نكاح صحيح نافذ كما سنحققه بها اي بالثلاث لو حرة، وثنتين لو أمة؛ حتى يطأها غيره، ولو مراهقاً بنكاح وتمضي عدته (تنوير الابصار) و(العدة) في حق الحامل مطلقاً الخ (درمختار) اي سواء كان عن طلاق او وفاة الخ (شامی؟ /٦٥٥)

وقوعِ طلاق کے لیے فقہاء نے جس اضافت الی المرأۃ کو شرط قرار دیا ہے، اس سے مراد اضافتِ معنویہ ہے، خواہ نام سے ہو، خواہ ضمیر سے، خواہ دلالتِ حال سے، صورتِ مسئولہ میں شوہر کا بیوی کے ساتھ جھگڑا ہونا اضافتِ معنویہ کے لیے دلالت حالی ہے، جو وقوع طلاق کے لیے کافی ہے۔ (ماخوذ از فتاویٰ دار العلوم، عزیز الفتاوی مطبوعہ ۱/ ۴۷۷ وغیرہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بدکردار بیوی کو طلاق دینا

سوال: ① پچھلے سال ہم اپنی بیوی کے کہنے پر ساتویں مہینہ میں وطن لوٹ آئے، معلوم ہوا کہ بیوی کی طبیعت خراب ہے، اور پیشاب کی جگہ سے خون نکلتا ہے

بند نہیں ہو رہا ہے، اور بستر سے اٹھنے کا بھی ہوش نہیں ہے تو بیماری کی خبر سن کر دیکھنے اور لانے کی غرض سے ہم خود گئے، حالت کا جائزہ لیا، بات تو کچھ تھی، حقیقت کچھ اور تھی، بیوی کی والدہ و والد صاحب نے کہا کہ حیض کا خون نکلنا بند ہو گیا تھا، خون کی صفائی ہوئی ہے، لیکن یہ سب صرف بہانہ تھا، بیوی سے ہم خود ملے، دیکھے، پہلے تو اس نے بھی بہانہ کیا؛ لیکن ہم نے جو دیکھا اس کا سینہ اس کی چھاتی اپنی اصلی حالت پر نہیں تھے؛ بلکہ ایک دودھ پلانے والی عورت کے مانند اس کی چھاتی تھی، اور اس میں بالکل کچا دودھ اترا ہوا کہ معمولی ہاتھ لگانے پر دودھ بہتا تھا جب کہ آٹھ سال قبل کبھی ایسی بات دیکھنے میں نہ آئی، ہم کو فوراً شک وشبہ ہوا اور دل شکنی ہوئی، اس کے والد صاحب سے ملے اور پھر مختصر بات کر کے اپنے گھر آ گئے، چند دنوں کے بعد بیوی اپنے والد کے ہمراہ میرے گھر آئی، ہم نے تحقیق کیا، بیوی نے بتایا کہ واللہ اعلم جھوٹ یا سچ کہ آپ ہی کے چھوٹے بھائی سے تین ماہ کا حمل تھا، اتنا سنتے ہی بدن میں آگ لگ گئی، ہم نے قسم دے کر قرآن ہاتھ میں اٹھوا کر پھر پوچھا کہ حمل کس کا تھا؟ پھر اس نے میرے چھوٹے بھائی ہی کا نام لیا؛ لیکن عورت ان پڑھ جاہل ہے اور قرآن اٹھانے پر بھی اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے، اب اس پر سے بھروسہ پورا اٹھ چکا ہے، ہم نے دو مرتبہ اس کو آزمایا ہے، اس معاملہ کے کچھ ہی دنوں پہلے قسم کھلا کر قرآن اٹھوا کر دوسرے معاملہ میں کہ تم فلانے گھر والوں سے بات چیت نہ کرو اور نہ کبھی اس کے گھر جاؤ؛ لیکن چند دنوں بعد قسم توڑ کر سب سے بات کر لی جس سے منع کیا تھا، قسم کا کفارہ ۲/ روزے رکھ کر بات کر لیتی ہے، عورت جاہل اور بے دین ہے، نہ تو صحیح اصول سے رہتی ہے اور نہ علاحدہ ہونے کو کہتی ہے، ایک مرتبہ گھریلو باتوں سے بھی بھاگ کر اپنے میکہ بھی جا چکی ہے،

ہم کو اب اس سے دل شکنی ہوگئی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اسے طلاق دیں، اس معاملہ میں شریعت کا حکم ضروری ہے، علاحدہ کرنے پر گنہگار تو نہیں ہوں گے، اور اگر اسی عورت کو بادل ناخواستہ کسی مقدمہ کی دہشت سے رکھ بھی لیا جائے تو کیا ہم گنہگار تو نہیں ہوں گے، ہمارے چھوٹے بھائی کا کہنا ہے کہ عورت اپنی جان بچانے کے لیے مجھ پر الزام لگاتی ہے، ہماری طرف سے ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

(۲) عورت کے کہنے پر ہمیں اپنے چھوٹے بھائی سے دل شکنی بھی ہوگئی اور چھ مہینے سے ان سے نہ ملاقات ہے نہ بات چیت کہ ہم اپنا دل ان سے اور ان کا مجھ سے صاف ہوجاتا، جس کا زبردست غم ہے اور ابھی ملاقات کا وقت بھی قریب ہی تھا؛ لیکن رمضان المبارک میں وطن پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ابھی جلد ہی ۱۷/شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ کو سائیکل کی معمولی ایکسیڈنٹ سے اللہ کے پیارے ہوگئے جس کی وجہ سے اور بھی غم اور صدمہ ہے، اس سوال کا مطلب یہ ہے کہ دل شکنی کی حالت میں ہی وہ انتقال فرما گئے، اس سلسلہ میں بھی بتائیں کہ معافی کی کیا صورت ہوگی؟

ہمارا بھائی اس قسم کا نہیں تھا، ظاہری چال چلن سے بالکل ٹھیک تھا، جب کہ وہ عورت اسی گھر میں ۸/سال رہی ہے، جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) آپ کا ازدواجی رشتہ پرانا ہے، اس لیے اگر وہ وعدہ کرتی ہے کہ آئندہ ایسی شنیع حرکت نہیں کرے گی تو آپ طلاق کا اقدام نہ فرمائیں؛ البتہ آپ کے لیے بھی شرعاً ضروری ہے کہ اس طرح اس کو اپنے وطن میں چھوڑ کر پیسہ کمانے کے لیے پردیس

یا وطن سے دور نہ جائیں، جوانی کی عمر ہے، نفس وشیطان ہر ایک کے ساتھ لگا ہوا ہے، نہ معلوم کب قابو نہ رہے اور گناہ میں مبتلا ہو جائے، آپ اگر اس کو طلاق دے کر دوسری لائیں گے اور اس کو اس طرح وطن میں چھوڑ کر دور چلے جائیں گے تو اس کے ساتھ بھی ایسی صورت پیش آسکتی ہے، اس لیے اس کا صحیح علاج تو یہ ہے کہ آپ جہاں جائیں اس کو بھی اپنے ساتھ لے جائیں؛ تاکہ آپ کی اور اس کی دونوں کی عفت وعصمت کی حفاظت رہے۔

(۲) اب اس کا علاج یہ ہے کہ ان کے لیے دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمائیں، انشاء اللہ اس طرح تلافی ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ذی القعدۃ الحرام ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

فاحشہ عورت کو طلاق دینے کا حکم

سوال: کسی شخص نے نکاح کیا، پھر اس کے بعد اس کی عورت نے کسی کافر مشرک سے زنا کروایا، تو اس کو شریعت کے اعتبار سے طلاق کی بلا کراہت گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورت نے جب اس فعل شنیع کا ارتکاب کیا ہے، تو شرعاً شوہر کے لیے طلاق دینا بلا کراہت درست ہے، البتہ اپنے مصالح پر نظر کرتے ہوئے نکاح میں باقی رکھنے کی بھی اجازت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ شوال ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نافرمان بیوی کو طلاق دینا

سوال: ایک عالم نے شادی کے بیان میں کہا تھا کہ اگر بیوی زیادہ پریشان کرے اور اپنے شوہر کی کوئی بات نہ سنے اور شوہر کی اجازت کے بغیر کہیں بھی چلی جائے اور شوہر کے سمجھانے کے باوجود بھی وہ شوہر کا کہنا نہ مانے، تو اسے ایک طلاق دینے کا حکم ہے، یہ بات صحیح ہے یا غلط ہے؟ سوال کا جواب چاہتا ہوں، اگر شوہر ایک طلاق دے اور اس کے باوجود بھی وہ حکم نہ مانے تو پھر وہ اسے دوسری طلاق دے، دوسری طلاق دینے سے عورت نکاح میں رہتی ہے یا نہیں؟ کیوں کہ عالم نے کہا تھا کہ ایک اور دو طلاق دینے سے رشتہ ٹوٹتا نہیں ہے، بس جواب چاہتا ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

طلاق کے حکم کی تفصیل پہلے جواب میں آچکی ہے، نافرمان عورت کی اصلاح کے تمام طریقے جو شریعت نے بتلائے ہیں وہ آزما لینے کے بعد بھی وہ راہِ راست پر نہ آئے، تو اس کے طلاق دینے کی شریعت نے اجازت دی ہے؛ لیکن ضروری اور واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ناشزہ عورت کو طلاق دینا

سوال: زید کی بیوی ھندہ تقریباً ایک سال گذر گیا، زید کے گھر نہیں آئی، اور

مزید ایں کہ زید کی ذات میں طرح طرح کے عیوب ونقائص بتارہی ہے، جیسے نامردی وغیرہ؛ حالاں کہ اس سے قبل اس کی بیوی ھندہ دومرتبہ اس کے گھر کچھ ایام گذار چکی ہے، پہلی دفعہ تین دن رہی، اور دوسری بار دو مہینہ، اور اس مدت میں زید کے متعلق اس کو کوئی شکایت نہ رہی؛ لیکن تیسری بار زید کے گھر آنے کے لیے بالکل تیار نہ تھی، اور اپنے میکہ والوں کی زور زبردستی سے آئی بھی تو اس نے زید کے گھر کھانا پینا بھی ترک کردیا تھا، جس کی بنا پر مجبوراً اس کے میکے والوں (باپ بھائی) کو بلا کر زید نے اس کو میکہ بھیج دیا، اور معتبر ذرائع سے یہ پتہ چلا ہے، کہ کسی سے اس کے ناجائز تعلقات ہیں، نیز ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا ہے، کہ وہ یعنی زید کی بیوی ہندہ اب بھی زید کے گھر آنے کے لیے تیار نہیں ہے، مندرجۂ بالا حالات کوائف کے پیش نظر، زید کو اپنی بیوی ھندہ کو طلاق دینا از روئے احکام ومصالح شرعیہ کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں زید پر اپنی بیوی کو طلاق دینا واجب تو نہیں ہے؛ لیکن بیوی کے موجودہ رویہ کی وجہ سے جب حدود الٰہیہ قائم نہیں ہوسکتی ہے تو جدائی اختیار کرلینا یعنی طلاق دے دینا مناسب ہے۔

لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرۃ (درمختار) ولا علیھا تسریح الفاجرۃ الا اذا خافا ان لا یقیما حدود اللہ فلا باس ان یتفرقا اھ مجتبیٰ والفجور یعم الزنا الخ (شامی ۳۰۳/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بیوی کے ناجائز تعلقات اور ایسی عورت کو طلاق دینے کا حکم

سوال :① اگر عورت غلط ہو اور وہ دوسرے غیر قوم کے مرد سے غلط تعلقات رکھے، تو اس کے لیے کیا فتویٰ ہے؟

الجواب :حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسی عورت گنہگار ہے، اپنے پروردگار کی نافرمان ہونے کے ساتھ شوہر کے ساتھ خیانت کرنے والی ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ جلد از جلد اپنی اس حرکت سے باز آجائے اور سچی توبہ کرلے، خصوصاً غیر قوم کے مرد کے ساتھ غلط تعلقات قائم کرنے کی صورت میں، اس کے اثر میں آکر ایمان سے محروم ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

سوال :② یہ سب باتیں خود اس کا شوہر جان کر بھی اس عورت کو رکھنا چاہے، تو یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب :حامداً ومصلیاً ومسلماً

شوہر پر ایسی عورت کو طلاق دینا واجب اور ضروری نہیں ہے۔

لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة (الدر المختار ہ/ ۳۰۳، عالمگیری ہ/ ۳۷۲)

سوال :③ عورت یہ سب غلط کام کرنے کے بعد اپنے آپ کو پارسہ کہتی ہے اور اس کا شوہر اسے رکھنا چاہتا ہے، مگر وہ خود (عورت) طلاق لینا چاہتی ہے، تو کیا عورت طلاق لے سکتی ہے؟ کیا عورت کو طلاق کا حق ہے؟

الجواب :حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس قسم کی غلط کاریوں کے باوجود اپنے کو پارسہ کہنا کذب و دروغ ہے۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حمل ساقط کرانے والی بیوی کو طلاق دینا

سوال: میرا نام شیخ شریف احمد کریم الدین ہے، میری شادی ۱۹۸۴ء جولائی میں سلمہ سید چاند سے ہوئی، اللہ کے فضل سے میری چار اولاد ہیں، جن کی عمریں: ۵/ سال، ۴/سال، ۳/سال، ڈیڑھ سال ہے، ان چار ڈیلیوری کی وجہ سے میری بیوی کی صحت بھی کمزور ہوگئی، اتفاق سے میری بیوی کو پانچواں حمل قائم ہوا، پچھلے ماہ اس کو ماہواری بھی نہیں آئی، یہ راز اس نے مجھ سے چھپایا، اپنے میکہ میں جا کر اس نے کسی لیڈی ڈاکٹر سے رجوع کیا، وہاں پر میری بیوی نے اپنا حمل بھی ساقط کروادیا اور آئندہ بچے نہ ہوں، اس کا آپریشن بھی کروایا، یہ سب باتیں مجھ سے چھپی ہوئی تھی، میری بیوی نے مجھ سے کہا کہ کچھ پیٹھ میں تکلیف ہے اور ڈاکٹر نے چھوٹے سے آپریشن کے لیے کہا ہے اور یہ راز مجھ پر بعد میں کھلا کہ کوئی چھوٹا آپریشن نہیں تھا؛ بلکہ حمل ساقط کیا گیا ہے، اور آئندہ بچے نہ ہوں اس کا آپریشن کیا گیا ہے، یہ سب سن کر میں غصہ سے بے حال ہوگیا، میری رات کو نیند اڑ گئی، مجھے اپنی بیوی سے سخت نفرت ہوگئی، آپ بتائیں کہ میں کیا کروں؟ اسلام کی روشنی میں کیا اس کو طلاق دینے میں حق بجانب ہوں یا پھر میں اس سے زندگی بھر صحبت نہ کروں اور دوسری شادی کے بارے میں سوچوں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کی بیوی نے جو کچھ کیا، بہت غلط اور گناہ کا کام کیا ہے، اس پر ضروری ہے

کہ اپنے اس گناہ پر توبہ واستغفار کرے اور آپریشن جو کرایا ہے، وہ اگر ایسا ہے کہ اس کی اصلاح ممکن ہے، مثلاً: دوبارہ آپریشن کر کے استقرارِ حمل کی صورت پیدا ہوسکتی ہے، تو اصلاح بھی کرالے، اس کی اس حرکت پر آپ کو غصہ آیا، وہ بہت بجا ہے، معصیت پر غصہ آنا ایمان کا تقاضہ ہے اور اس کی اس حرکت پر آپ طلاق دینا چاہیں تو اس کی بھی اجازت ہے؛ لیکن طلاق دینے سے پہلے دیگر پہلوؤں پر بھی غور کرنا ضروری ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ طلاق دے کر آپ کسی ایسی پریشانی وزحمت کا شکار ہوں، جو موجودہ زحمت سے بڑھ کر ثابت ہو، آپ کو اس عورت سے چار بچے ہیں، چاروں خُرد سال ہیں، اگر طلاق کے بعد عورت نے ان کی تربیت اور دیکھ بھال سے انکار کر دیا، تو ان کی دیکھ بھال آپ کے لیے مستقل مسئلہ ہوگا، دوسری بیوی اگر لائے بھی، تو وہ شرعی اور قانونی اعتبار سے اس کی پابند نہ ہوگی، اخلاقی طور پر وہ یہ کام سنبھال بھی لے، تو اس میں کوتاہیاں ضرور ہوں گی، جو آپ کے لیے مستقل الجھن ثابت ہوں گی، اس بیوی کو اپنے نکاح میں باقی رکھتے ہوئے دوسری سے عقد کیا، تو دونوں کے حقوق کی ادائیگی، اور ان میں عدل ومساوات قائم کرنا بڑا مشکل ہوگا اور اس کے قائم نہ کر سکنے کی وجہ سے آپ مستحق وعید ہوں گے، اس لیے شریعت کی اس اجازت کو اختیار کرنے سے پہلے اس کے تمام عواقب ونتائج پر غور کر لیجئے، آپ میں تمام سے نمٹنے کی صلاحیت وقوت ہے، تو عمل میں لائیے، شریعت کا اصول ہے: ”إذا ابتليت ببليتين فاختر أهونهما“ (جب دو مصیبت میں گرفتار ہو تو ان میں جو ہلکی ہو اس کو اختیار کرو) آپ کو چاہیے تھا کہ آپ اس عورت کا ذہن دینی بناتے، اتنے سال سے جب وہ آپ کے عقدِ نکاح میں ہے، تو اس کی دینی تربیت بھی آپ پر ہے: ﴿قوا انفسكم واهليكم نارا﴾

(اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم سے بچاؤ) اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے اہل وعیال کی تربیت وتعلیم کو ضروری اور واجب بتلایا ہے، اس لیے مناسب تو یہ ہے کہ آج ہی سے آپ اس کی تعلیم اور احکام شرعیہ سے واقف کرانے پر توجہ اور محنت کیجئے کہ خود اس کو اپنی اس حرکت پر زندگی بھر ندامت کا احساس رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ، ۲۶/ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

طلاق دینے کے بعد اس کی متعدد بار خبر دی

سوال: نور جہاں بہن کا کہنا ہے کہ جب رات کو ہم لیٹنے گئے اور میں میرے شوہر کا پیر دبا رہی تھی تو ہمارے مابین کچھ بات پر تکرار ہوگئی، میرے شوہر نے مجھے کہا کہ میں نے تجھے ایک طلاق دی ہے، میں نے کہا کہ ہم اجنبی شہر میں آئے ہوئے ہیں تو آپ ذرا تمیز سے بات کریں تو اس وقت میرے شوہر نے مجھے زور سے ایک لات ماری اور کہا کہ جا میں نے تجھے ایک طلاق دے دی ہے، یہ کہنا دوسری مرتبہ تھا، اور اس کے کہنے کو اس کے بھانجے عمران نے بھی سنا تھا، پھر اس کے بعد ان کی بہن یعنی میرے شوہر کی بہن کا کہنا ہے کہ جب ہم کھانا پکا رہے تھے تب میرے بھائی نے مجھے یہ کہا کہ میں نے اسے ایک دے دی ہے اور دو باقی ہے، اس کے بعد دوسرے دن اس کی امی کے اوپر (وانکانیر) فون کیا کہ امی جان میں نے نور جہاں کو طلاق دے دی ہے، اس کے بعد اس کی امی ذرا کانپ گئی تو جس کے گھر فون آیا تھا اس مرد نے ان کی امی کے ہاتھ سے فون لے لیا تو میرے شوہر نے ان کو بھی ایسا ہی کہا کہ میں نے اس کو طلاق

دے دی ہے، یہی ان کی طلاق کا خلاصہ ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے شوہر سے بھی واقعہ کی تفصیل معلوم کی، جس سے معلوم ہوا کہ اس نے آپ کی عدمِ موجودگی میں اپنی بہن کے سامنے آپ کو ایک طلاق دی تھی، اس کے بعد جب آپ اس کا پیر دبانے آئی تو آپ کو اطلاع دی کہ میں نے تجھے ایک طلاق دے دی ہے، اسی طرح اپنی امی کو فون پر بھی اطلاع کی غرض سے بتلایا کہ میں نے اس کو طلاق دے دی ہے، شوہر کے الفاظ اور قرائنِ احوال سے ظاہر ہے کہ ایک مرتبہ طلاق دینے کے بعد اس نے جو الفاظ استعمال کئے اس سے شوہر کا مقصود انشاء طلاق نہیں تھا؛ بلکہ اِخبار مقصود ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں آپ پر ایک ہی طلاق واقع ہوئی ہے۔

شامی میں ہے: وإذا قال أنتِ طالق، ثم قيل له: ما قلتَ؟ فقال: قد طلقتها أو قلت هي طالق، فهي طالق واحدة؛ لأنه جواب كذا كافي للحاكم (۲/ ۴۹۹) في الدر: لا يلحق البائن البائن إذا امكن جعله اخبارا عن الأول كانت بائن بائن أو ابنتك بتطليقة فلا يقع؛ لأنه اخبار فلا ضرورة في جعله انشاء (درمختار) في الشامية: (قوله: لأنه اخبار) أي يجعل اخبارا لأنه امكن ذلك (شامی ۲/۵۱۲)

اگر اس سے پہلے کوئی طلاق نہیں دی ہے تو عدت کے اندر اندر شوہر رجوع کر سکتا ہے، رجوع کی صورت یہ ہے کہ دو گواہوں کے سامنے یہ کہہ دے کہ میں نے اپنی بیوی کو اپنے نکاح میں لوٹا لیا، جب رجوع کر لے گا تو عورت نکاح میں باقی رہے گی؛

البتہ آئندہ شوہر کو صرف دو طلاق کا اختیار باقی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

صریح تین طلاق

سوال: بعد سلام آپ کو معلوم ہو کہ میں یہاں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جا رہا ہوں، کہاں جا رہا ہوں شاید مجھے بھی معلوم نہیں؛ کیوں کہ میں زندگی میں کچھ کر نہیں سکتا، کیوں کہ اللہ نے میری زندگی میں کچھ اور لکھا ہے، میں ایسا کام کرنے جا رہا ہوں شاید میری زندگی ہی موت میں ڈھل جائے، میں بمبئی میں ایسا کام کرنے جا رہا ہوں شاید میری زندگی موت بن جائے، اس لیے مجھے ڈھونڈھنے کی کوشش مت کرنا؛ کیوں کہ میں آپ لوگوں سے بہت دور جا رہا ہوں، اور اب لوٹ کر آنا مشکل ہے؛ کیوں کہ میں جس کام میں جا رہا ہوں میری موت ہی اس کا سبب بن سکتی ہے، اور میری طرف سے ریشما آزاد ہے؛ کیوں کہ میں نے اسے زندگی میں کچھ نہیں دیا ہے، معافی مانگتا ہوں، اپنی بیوی اور سارے جہاں سے؛ معاف کر دینا مجھ کو اللہ کے واسطے، خدا حافظ! اور میں اللہ کو حاضر و ناظر رکھ کر آپ کو طلاق، طلاق، طلاق دے رہا ہوں؛ کیوں کہ میری زندگی میں کچھ بھی نہیں رکھا ہے، اس لیے آپ کو میری طرف سے کوئی بندش نہیں ہے، آپ کو میری طرف سے کوئی فکر نہ رہے، اور آپ دوسرا گھر بسا سکے، بس میری طرف سے یہی دعا ہے کہ آپ جہاں بھی رہے پھولوں کی طرح ہمیشہ مسکراتی رہے، اور میری طرف سے کسی کے ساتھ بھی کوئی غلطی ہو گئی تو اللہ کے لیے معاف کرنا، شاید میری قسمت میں

گھر بیوی بچے نہیں ہے، اور میں اپنی زندگی ایک ایسے کام میں لگا رہا ہوں جس کا انجام شاید موت ہو؛ کیوں کہ میری زندگی میں اللہ نے یہی لکھا ہے۔ فقط آپ کا شوہر سعید۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ رب العالمین، صلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وبارك وسلم.

الجواب بعون الملک الوہاب: صورتِ مسئولہ میں طالق محمد سعید نے حلفیہ بیان دیا کہ اپنی بیوی ریشما کو چھوڑنے کا قطعی ارادہ اور طلاق دینے کا قصد نہیں تھا، دماغی اور ذہنی الجھن میں یہ تحریر لکھ گیا، لہٰذا اس بیان کی روشنی میں ریشما زوجۂ سعید پر ایک طلاق رجعی واقع ہوئی؛ کیوں کہ دو کلمات طلاق اضافت سے خالی ہیں، سعید دورانِ عدت رجعت کر لے، اب وہ دو ہی طلاق کا مالک رہا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم۔

کتبہ: عبد المصطفی فقیر اشرف رضا قادری

خادم الافتاء والقضاء ادارہ شرعیہ مہاراشٹر، ۳۰/ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں سعید کی زوجہ ریشما پر تین طلاق واقع ہو کر وہ اپنے شوہر پر حرام ہو چکی ہے، شرعی حلالہ کے بغیر اب سعید اس کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتا ہے، طلاق کے لیے الفاظِ صریح استعمال کرنے کی صورت میں قصد وارادہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے، شامی میں ہے: ان الصریح لا یحتاج إلی النیة (شامی ۲/ ٤٦٧)

جب سعید نے صاف صاف یہ لکھا کہ ''میں اللہ کو حاضر وناظر رکھ کر آپ کو طلاق طلاق طلاق دے رہا ہوں'' تو اضافت بھی موجود ہے، طلاق کے دو کلمات کو اضافت

سے خالی بتلانا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

غیر مدخول بہا کو تین طلاق کا حکم

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کے متعلق خط میں یوں لکھا: ''میرے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ اس لڑکی سے شادی کرنے پر ہمارا دل گوارہ نہیں کر رہا ہے، اس لیے میں چھوڑتا ہوں، چاہے آپ حضرات کو تکلیف ہو، اس لیے میں اس لڑکی کو جواب وطلاق دیتا ہوں، یعنی تین طلاق دیتا ہوں'' اس شخص کا صرف نکاح ہوا ہے تاہنوز رخصتی نہیں ہوئی، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شوہر نے بغیر کسی جبر واکراہ کے یہ تحریر لکھی ہے، اس میں یہ جملے بھی ہیں: ''میں چھوڑتا ہوں چاہے آپ حضرات کو تکلیف ہو، اس لیے اس لڑکی کو جواب وطلاق دیتا ہوں یعنی تین طلاق دیتا ہوں''

اردو زبان میں چھوڑنے کا حکم طلاق صریح کے حکم میں ہے۔

(امداد الاحکام ۲/ ۴۴۳، احسن الفتاوی ۵/ ۱۶۶)

ولو قال الرجل لإمرأته: ترا چنگ باز داشتم أو بهشتم أو يله كردم ترا أو پای كشيده كردم ترا، فهذا كله تفسير قوله طلقتك عرفاً حتى يكون رجعيا ويقع بدون النية كذا فى الخلاصة وكان الشيخ الامام ظهير الدين المرغيناني يفتي في قوله بهشتم بالوقوع بلانية الخ (عالمگیری ۱/ ۳۷۹)

بخلاف فارسية قوله سرحتك وهو رها كردم؛ لأنه صار صريحاً في العرف على ما صرح به نجم الزاهدي الخوارزمي في شرح القدوري. اهـ
(شامی ۲/ ۵۰۳)

اس لیے پہلے جملہ میں ''چھوڑ رہا ہوں الخ'' سے ایک طلاق واقع ہوگئی، اور عورت غیر مدخول بہا ہے جیسا کہ سوال میں تصریح ہے کہ ''صرف نکاح ہوا ہے تا ہنوز رخصتی نہیں ہوئی'' تو اس ایک طلاق سے ہی عورت بائنہ ہوگئی، اور اس پر عدت نہ ہونے کی وجہ سے بعد والے جملہ سے کوئی طلاق پڑی نہیں۔

وإن فرق بوصف أو خبر أو جمل بعطف أو غيره بانت بالأولى لا إلى عدة ولذا لم تقع الثانية الخ (درمختار مع الشامي ۲/ ۴۹۴)

لہٰذا یہ شوہر اس عورت سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے، حلالہ کی ضرورت نہیں ہے؛ البتہ اس کے بعد صرف دو طلاق کا اختیار ہوگا۔

نوٹ: یہ جواب اس بنیاد پر ہے کہ رخصتی نہ ہونے کو عدم دخول پر محمول کیا گیا ہے؛ لیکن اگر عرفی رخصتی نہ ہونے کے باوجود شوہر عورت پر دخول کر چکا ہے تو صورت مسئولہ میں بھی تین طلاق واقع ہو کر عورت حرام ہو چکی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ صفر ۱۴۱۷ھ

غیر مدخول بہا کو تین طلاق دینا

سوال: ''بندہ نے اپنی غیر مدخول بہا زوجہ کو تین طلاق دیا، یا دیتا ہوں'' کہا تو اس جملے سے کتنی طلاق پڑے گی؟ اور اس سے دوبارہ شادی کرنے کے لیے کیا راستہ اختیار کرنا پڑے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر کوئی شخص اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو یہ جملے کہے کہ ''تین طلاق دیا'' یا ''تین طلاق دیتا ہوں'' تو اس عورت پر تین طلاق واقع ہو جائے گی۔

وإذا طلّق الرجل إمرأته ثلاثاً قبل الدخول بها وقعن عليها (هدايه ۲/ ۳۷۱)

تین طلاق واقع ہونے سے وہ عورت اپنے شوہر پر حرام بہ حرمت مغلظہ ہو چکی، شرعی حلالہ کے بغیر اب اس کے ساتھ دوبارہ نکاح درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

غصہ کی حالت میں طلاق ثلاثہ

سوال: میں نے غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق طلاق طلاق کہا تھا؛ لیکن میری کیفیت اس وقت معتوہ کی سی ہو گئی تھی، کہ مثلاً میں نے پیسے بھی پھاڑ دیے، اور بچوں کی بھی پٹائی کی، غرض کہ میں اپنے قابو میں نہیں تھا، تو کیا صورت مسئولہ میں معتوہ شمار کیا جاؤں گا یا اس کو صرف غصہ کی حالت قرار دی جائے گی؟ نیز یہ حالت مجھے اس سے قبل بھی پیش آئی تھی، اس وقت بھی میں نے یہی جملے اس کو استعمال کیے تھے؛ لیکن پھر بھی ہم میاں بیوی کا تعلق برابر قائم رکھتے آئے، اور اب بھی ایسا ہی ہوا، تو خدارا اگر میرے بارے میں صورتِ مسئولہ سے چھٹکارے کی حلالہ کے علاوہ کوئی صورت ہو تو تحریر فرمائیں نوازش ہوگی۔

نوٹ: معتوہ کی جو تعریف ہے فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۱۴۵ پر اس طرح ہے کہ:

اصطلاح میں جو مغلوب العقل، قلیل الفہم، پراگندہ دماغ، بے جوڑ باتیں کرے، بے ڈھنگا ہو، نہ ٹھیک سوچ سکے نہ ٹھیک کام کر سکے؛ البتہ پاگلوں کی طرح مار دھاڑ اور گالی گلوچ نہ کرتا ہو، ایسے شخص کو معتوہ کہا جاتا ہے اور معتوہ کی طلاق معتبر نہیں ہوتی۔

(فتاویٰ رحیمیہ ۱۴۶/۲)

لیکن میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ مجھے یہ حالات سب غصہ کے بعد پیش آئے، اس سے پہلے میں اچھا تھا تو اس کو غصہ کی ہی حالت قرار دی جائے گی یا معتوہ کی؟ جو بھی حکم ہو تحریر فرمائیں، اور صورت مذکورہ میں میری بیوی کو طلاق ہوئی یا نہیں ہوئی؟ اور معتوہ کی تعریف مجھ پر صادق آتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

معتوہ تو مجنون ہی کی ایک قسم ہے جیسا کہ شامی میں تصریح موجود ہے، اور آپ کی حالت غصہ کی تھی اور غصہ میں دی ہوئی طلاق پڑ جاتی ہے؛ اس لیے آپ نے جو طلاق پہلے دی تھی وہ پڑ گئی تھی، اور اس کی وجہ سے آپ کی بیوی آپ پر حرام ہو چکی ہے۔ اس کے ساتھ بیوی کا معاملہ حرام ہے، فوراً دونوں علاحدگی اختیار کر لیں، اور عورت عدت گزار کر دوسرا نکاح کرے، آپ اپنے لیے دوسری بیوی تلاش کر لیجئے، اور اب تک جو زنا کا ارتکاب ہوا اس پر سچی پکی توبہ کیجئے۔ دنیوی زندگی چند روزہ ہے، پھر موت کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہونا ہے اور جواب دینا ہے، اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: آپ خود فتاویٰ رحیمیہ کا مطالعہ فرما کر خود ساختہ مفتی نہ بن جائیں؛ ورنہ

شیطان آپ کے دین کے ساتھ کھلواڑ کرتا رہے گا۔ فقط

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ جمادی الاولی ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حالتِ حیض میں تحریری تین طلاق دینا

سوال: میرے بھائی کی شادی گیارہ سال پہلے ہوئی تھی، ان کے چار بچے حیات ہیں، میاں بیوی کی آپسی کاوشوں کی بنا پر میرے بھائی نے ڈھائی ماہ قبل اپنی بیوی کو تحریری تین طلاق دے دیا؛ لیکن بیوی نے لینے سے انکار کر دیا، اور وجہ یہ بتائی کہ میں حالت حیض میں ہوں میں طلاق نامہ لینے سے انکار کرتی ہوں، اور میں آنے کے لیے تیار ہوں، درمیانی لوگوں کے سمجھانے پر میرا بھائی بھی راضی ہو گیا اب وہ بھی لانا چاہتا ہے، لہٰذا مؤدبانہ درخواست ہے کہ میرا بھائی اپنی بیوی کو بغیر نکاح یا حلالہ کے لا سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس طرح زبانی طلاق دینے سے واقع ہو جاتی ہے اسی طرح تحریری طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے، عورت جب حالت حیض میں ہو تو اس کو طلاق نہیں دینا چاہیے؛ بلکہ جب وہ حیض سے پاک ہو جائے تو اس پاکی میں اس کے ساتھ وطی کرنے سے پہلے طلاق دینا سنت ہے؛ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی آدمی حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے گا تو وہ طلاق واقع ہو جاتی ہے، نیز طلاق کا واقع ہونا بیوی کے طلاق نامہ لینے پر موقوف نہیں؛ بلکہ بیوی طلاق نامہ لینے سے انکار کرے تب بھی طلاق واقع

ہوجاتی ہے، لہٰذا صورت مسئولہ میں آپ کے بھائی نے اپنی بیوی کو تحریری طور پر جو تین طلاق دے دی، وہ اس کی بیوی پر واقع ہوکر وہ عورت آپ کے بھائی پر حرام ہوگئی، اب شرعی حلالہ کے بعد اس کے ساتھ نکاح ممکن ہے، اس کے بغیر نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تین طلاق میں اختلاف

سوال: میرے بڑے داماد (عظیم خان) نے جمعہ کی شب تقریباً تین بجے نشہ کی حالت میں گالی گلوچ کے دوران اپنی بیوی (سلمی بیگم) کو طلاق دیا وہاں پر حاضر لڑکی سلمی کے ایک چچازاد بھائی، خود سلمی اور سلمی کی والدہ کے قول کے مطابق دو مرتبہ طلاق طلاق کا لفظ ادا کیا اور ایک چچازاد بھائی کے قول کے مطابق تین مرتبہ طلاق طلاق طلاق کا لفظ ادا کیا اس کے بعد عظیم نے اپنے بیٹوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سلمی کی والدہ سے کہا کہ میں اپنے بیٹوں کو لے جارہا ہوں تم اپنی بیٹی کو سنبھالو اس جملہ کی تصدیق بھی سلمی کی والدہ، دونوں چچازاد بھائی اور خود سلمی کررہے ہیں۔ اوپر لکھی ہوئی عبارت کی تصدیق ہم سب کرتے ہیں اپنے دستخط نیچے کررہے ہیں۔ مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ اس تحریر کردہ مسئلہ کی وضاحت فرما کر تحریری جواب سے نوازیں۔

دستخط سلمی:۔ سلمی بانو عظیم خان سلمی کے چچازاد بھائی:۔ ۱) عبدالجلیل: اے خان سلمی کی والدہ:۔ حلیمہ بی بی سلمی کے چچازاد بھائی:۔ ۲) عبدالحنان: اے خان

میں گناہگار عظیم اللہ آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ دو الفاظ میں نے اپنی زبان پر لایا اور جو میں نے تیسرا الفاظ اپنے بچوں کو لے جانے کے لیے بولا تو اس کو تیسرے الفاظ میں مت استعمال کرنا اگر آپ لوگوں کو مجھ پر عقیدہ نہیں ہو تو میں کلام پاک پر ہاتھ رکھ کر قسم کھانے کے لیے تیار ہوں۔ خدا حافظ

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نشہ کی حالت میں دی ہوئی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے۔ اس لیے عظیم خان نے اپنی بیوی سلمہ بیگم کو جو طلاق دی وہ واقع ہو چکی ہے۔ عظیم خان اگر تین مرتبہ لفظ طلاق بولنے کا اقرار کرتا ہے تو اس کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو کر اس کے لیے حرام ہو گئی۔ اور اگر وہ تین کا انکار کرتا ہے تو چوں کہ تین پر پوری شہادت موجود نہیں ہے بلکہ صرف دو پر ہے اس لیے دو طلاق واقع ہو گی اور الفاظ صریح ہونے کی وجہ سے عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر سکتا ہے۔ اور عدت ختم ہونے کے بعد تجدید نکاح کافی ہے۔ البتہ آئندہ اس کو ایک ہی طلاق دینے کا حق رہ گیا ہے۔ اس لیے اگر ایک بھی دے گا تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔ عظیم خان کا طلاق دے چکنے کے بعد سلمی بیگم کی والدہ سے یہ کہنا کہ ''میں اپنے بیٹوں کو لے جا رہا ہوں تم اپنی بیٹی کو سنبھالو'' حقیقی معنی پر محمول ہو کر اس سے طلاق واقع نہیں ہو گی۔ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ چوں کہ میں طلاق دے چکا ہوں اس لیے اب بچوں کو لے جاتا ہوں اور بیوی پر طلاق واقع ہو چکی ہے اس لیے اس کو تم سنبھالو۔

و یستدل علیه بما فی الدر وحاشیة رد المحتار: قال اعتدی ثلاثا و نوی بالاول طلاقا وبالباقی حیضا صدق قضاء لنیته حقیقة کلامه

و ان لم ینوبه ای بالباق شیئا فثلاث لدلالة الحال بنیة الاول الخ (در مختار علی هامش الشامی ٦/ ٥٠٦)

اور اگر اس کی کوئی نیت نہیں تھی یا سنبھالو کے لفظ سے طلاق کی نیت تھی تو ان دونوں صورتوں میں سلمی بیگم پر تین طلاق واقع ہو چکی ہیں اور وہ اپنے شوہر عظیم خان پر حرام ہوگی کما یدل علیه العبارة السابقة. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

طلاق میں میاں بیوی کا اختلاف ہو تو کیا کرے؟

سوال: ایک مرد کی بیوی یہ کہتی ہے کہ میرے شوہر نے مجھے تین طلاقیں دی ہیں، اور شوہر انکار کرتا ہے، نیز بیوی ساتھ رہنا بھی چاہتی ہے تو بیوی کے لیے اس کے ساتھ رہنا جائز ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس عورت نے خود اپنے شوہر سے تین طلاقیں سنی ہیں، یا دو ثقہ آدمیوں نے اس کو شوہر کے تین طلاق دینے کی خبر دی ہے، تو اس عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس مرد کے ساتھ رہے، یا اس کو اپنے اوپر قابو دے؛ بلکہ اس کو چاہیے کہ اس مرد کو کچھ قسم دے کر اپنی گلو خلاصی کرے، یا بھاگ جائے۔ (درمختار شامی ۲/ ۵۹۰)

البتہ اگر وہ عورت اس شوہر کی عدت گذار کر، دوسرے شوہر سے نکاح کرے، اور دوسرا شوہر وطی کے بعد انتقال کر جائے، یا طلاق دے دے، اور اس کی عدت گذر جائے، تو

وہ شوہر اول کے ساتھ دوبارہ نکاح کرسکتی ہے۔ (ایضا ۲/۵۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ربیع الاول ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عورت کے مطالبے پر تین طلاق دینا

سوال: بیوی خاوند کے درمیان ذیل میں لکھی ہوئی گفتگو ہوئی:

عورت: مجھے طلاق چاہیے غصہ میں چلاتے ہوئے کہا۔

مرد: مجھے طلاق نہیں دینی۔

عورت: مجھے طلاق چاہیے، میں نے کسی مولانا کے پاس نہیں جانا، عورت نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

مرد: اچھا تجھے طلاق ہے۔

عورت: مجھے تین طلاقیں چاہیے، عورت نے زوردار الفاظ میں تین طلاق کا مطالبہ کیا۔

مرد: مجھے تین طلاقیں نہیں دینی۔

عورت: مجھے تین طلاقیں ہی چاہیے، عورت نے پھر تین طلاقوں کا اصرار کیا۔

مرد: اچھا پھر تین ہی سمجھ لے۔

مذکورہ بالا مکالمہ مرد کے بیان کے مطابق ہے، عورت کہتی ہے: بات یوں ہوئی تھی: پہلی طلاق کے سلسلہ میں عورت کا بیان مرد کے بیان کے مطابق ہے، یعنی عورت نے طلاق کا مطالبہ کیا تو مرد نے ایک طلاق دے دی، اچھا تجھے طلاق ہے، اس کے

بعد بیوی کہتی ہے: میں نے بقیہ دو طلاق کا مطالبہ کیا تو مرد نے جواب میں کہا، اچھا میں نے وہ دو طلاق بھی دے دی، عورت کو یقین ہے کہ اسے تین طلاقیں مل چکی ہیں، جب دونوں میں یہ گفتگو ہو رہی تھی تو وہاں کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا، اور عورت بڑے غضبناک انداز میں تین طلاقوں کا مطالبہ کر رہی تھی۔ اب کیا فرماتے ہیں مفتیان دین اس مسئلہ میں کہ گواہ کی عدم موجودگی میں دونوں میں سے کس کی بات پر اعتماد کیا جائے؟ اور عورت کے پُرزور الفاظ میں تین طلاقوں کے مطالبہ کے جواب میں مرد کے یہ کہنے پر: اچھا پھر تین ہی سمجھ لے، تین طلاقیں واقع ہوئی یا نہیں؟ اور اب ان کا میاں بیوی کی طرح اکھٹا رہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور عورت کو اپنے بیان کے مطابق جب تین طلاقیں مل چکی ہیں تو اسے خاوند کے ساتھ رہنا چاہیے یا نہیں؟ یہ بات بھی یاد رہے کہ میاں بیوی کے درمیان کئی مہینوں سے لڑائی جھگڑا رہتا تھا، اور نباہ نہیں ہو رہا تھا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں عورت اور مرد دونوں کے بیان کے مطابق عورت پر تین طلاق واقع ہو چکی ہیں، اور عورت اپنے شوہر پر حرام ہو چکی ہے، اب اس کا اپنے اس شوہر کے پاس بحیثیت بیوی رہنا جائز نہیں؛ بلکہ حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حاملہ کو طلاق دینے کا عمدہ طریقہ

سوال: ہمارے محلہ کا ایک لڑکا اپنی بیوی سے تنگ آ کر اسے شرعی طریقے سے

ایک طلاق دے دیا ہے، وہ طلاق ۹۰/۱۰/۹ کو دیا ہے، اس کا دوسرا طلاق کب دینا چاہیے، اور تیسرے طلاق کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ طلاق دینے کے بعد عدت کتنی ہوگی؟ وہ لڑکا مزدوری کرتا ہے، اور اس کی بیوی کو چار مہینے کا حمل ہے، اور ایک لڑکا تین سال کا ہے، شرعی طریقے سے اس کی عدت اور زچگی کا خرچ، بچے کے دودھ کا کیا مسئلہ ہوگا؟ ہمیں بتادیں، شرعی اصول کے مطابق تمہارا کیا فیصلہ ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

طلاق کا مسنون طریقہ اور احسن وعمدہ طریقہ تو یہ ہے کہ جب اس نے اپنی حاملہ بیوی کو ایک طلاق دے دی ہے، تو اب آئندہ مزید کوئی طلاق نہ دے؛ بلکہ اس کی عدت ختم ہوجانے دے، جب عدت پوری ہوجائے گی، تو آپ ہی آپ وہ عورت اس کے نکاح سے نکلی ہوئی سمجھی جاوے گی، اس کی عدت وضع حمل یعنی بچہ پیدا ہونے تک ہے، دورانِ عدت وہ عورت اسی گھر میں رہے گی، اور اس کا نفقہ اس شوہر پر رہے گا بچہ پیدا ہونے پر عدت ختم ہوجاوے گی پھر بچہ کا نفقہ باپ پر ہے، اگر باپ یہ چاہتا ہے کہ بچہ کو اس کی ماں دودھ پلائے تو اجرتِ رضاعت یعنی دودھ پلانے کی اجرت اس کو دینا پڑے گی، بچہ کی پرورش کا حق ماں کو ہے، اور جب تک اس نے اجنبی کے ساتھ شادی نہ کی ہو، وہاں تک وہی پرورش کی زیادہ حق دار ہے، اور اس کو پرورش کی اجرت بھی دینی پڑے گی، یعنی: باپ پر ضروری ہے کہ بچہ کی ماں کو پرورش کی اجرت ادا کرے، اور بچہ کی پرورش کا یہ حق، اگر لڑکا ہے تو اس کی عمر سات سال کی ہونے تک حاصل ہے، اور اگر لڑکی ہے تو اس کے بالغ ہونے تک حاصل ہے۔ (عالمگیری)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حالتِ حمل میں تین طلاق دینا

سوال: ایک عورت کو اس کے شوہر کا حمل چار ماہ کا تھا، شوہر نے عورت کے نام رقعہ لکھا کہ تجھے طلاق، طلاق، طلاق اور چند آدمیوں کے سامنے بھی اقرار کیا کہ میں طلاق دے چکا ہوں، صورتِ مسئولہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں اس عورت پر تین طلاق واقع ہو کر وہ اپنے شوہر کے لیے حرام ہوگئی، شرعی حلالہ کے بغیر اب اس شوہر کا عورت سے نکاح درست نہیں ہے، حالت حمل میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ (شامی جلد ثانی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ

حالت حمل میں طلاق ثلاثہ

سوال: زید نے اپنی بیوی کو آپسی جھگڑے کی وجہ سے ایک ہی مجلس میں تحریری طور پر (طلاق، طلاق، طلاق) تین طلاقیں دے دیں، جب کہ عورت چار ماہ کے حمل سے تھی، تو کیا حالت حمل میں دی گئی طلاقیں واقع ہوں گی؟ اگر واقع ہوں گی تو کیا حلالہ ضروری ہے؟ اور حلالہ کے علاوہ کوئی دوسری صحیح صورت حال ہو تو واضح کریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید نے تحریری طور پر جو طلاق اپنی بیوی کو دے دی، وہ واقع ہو چکی، اور چوں کہ وہ تین ہیں؛ اس لیے اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی۔

وإن كانت مرسومةً يقع الطلاق نوى أو لم ينو (شامی ۲/ ٤٦٥)

اب یہ عورت عدت گذار کر (جو صورت مسئولہ میں وضع حمل ہے) دوسرے مرد سے نکاح کرے، اور وہ مرد اس عورت سے صحبت کرے، اس کے بعد (بلا کسی پیشگی شرط کے) اس عورت کو طلاق دے، یا اس مرد کا انتقال ہو جائے، تو اس کی عدت گذار کر یہ عورت زید سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے، حالت حمل میں دی ہوئی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نشہ کی حالت میں تین طلاق

سوال: آج کل دورِ حاضر میں کچھ ایسے مسائل ہیں جو کثرت سے رونما ہو رہے ہیں، اس کے متعلق عالمِ اسلام میں کیا ردِ عمل ہے؟ فقہ حنفی میں اس کے متعلق کیا احکام ہیں؟ شراب کے نشہ میں ایک نشست میں تین طلاق دی گئی:

(الف) مدخول بہا نہیں۔ (ب) مدخول ہے، صاحبِ اولاد ہے۔ (ج) خلوتِ صحیحہ ہو چکی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اپنے ارادہ اور اختیار سے شراب پینے کے بعد اس کے نشہ میں جو طلاق دی گئی وہ

واقع ہوجاتی ہے۔

درمختار میں ہے: ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو تقدیراً بدائع یدخل السکران (درمختار) (قوله یدخل السکران) أي فإنه فی حکم العاقل زجراً له، فلامنافاة بین قوله عاقل وقوله الآتی أوسکران (شامی ۲/ ٤٥٦)

وطلاق السکران واقع إذا سکر من الخمر أو النبیذ وهو مذهب أصحابنا رحمهم الله تعالیٰ، کذا فی المحیط. (فتاویٰ عالمگیری ۱/ ۳۵۳)

اب اگر طلاق دینے والے نے بیک لفظ میں تین طلاق دی مثلاً اس نے کہا کہ تجھے تین طلاق تو اس صورت میں بیوی پر تینوں طلاق واقع ہوجائے گی، چاہے مدخول بہا ہو یا نہ ہو، چاہے خلوت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، اور اگر الگ الگ الفاظ سے تین طلاق دی مثلا اس نے کہا تجھے طلاق، طلاق، طلاق، تو اس صورت میں اگر اس کے ساتھ وطی اور خلوت نہیں ہوئی ہے تو ایک طلاق پڑے گی اس پر عدت بھی نہیں ہے اور اگر اس کے ساتھ وطی یا خلوت ہوچکی ہے تو تینوں طلاق واقع ہوجائے گی۔

قال لزوجته غیر المدخول بها: أنت طالق ثلاثا، وقعن، وإن فرق بانت بالأولیٰ لا إلی عدة، ولذا لم تقع الثانیة بخلاف الموطوء ة حیث یقع الکل.(تنویر الأبصار مع الدر المختار)(قوله بخلاف الموطوءة) أي ولوحکما کالمختلی بها فإنها کالموطوءة في لزوم العدة، وکذا فی و قوع الطلاق بائن آخر فی عدتها الخ. (شامی۲/ ٤٩٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مذاق میں بلا گواہ طلاق اور حمل کا حکم

سوال: دو میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہوا، اس جھگڑے میں شوہر نے بیوی کو تین بار (تین مرتبہ) طلاق کے الفاظ استعمال کئے، ان الفاظ کے استعمال کرنے کے بعد بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ اب تو میرا اور آپ کا کوئی رشتہ نہیں، اب میں آپ کے پاس نہیں رہ سکتی ہوں، تب شوہر نے بتلایا کہ میں نے مذاق کیا ہے، اور اس کے بعد شوہر نے کسی سے پوچھا تو اس شخص نے بتایا کہ ایسی طلاق نہیں ہوتی، گواہ صرف دونوں میاں بیوی ہیں، تو کیا ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور ایسی مذاق چلے گی یا نہیں؟ اور مکان میں تو صرف دونوں میاں بیوی تھے، اور اس بات کو کم از کم دو ڈھائی مہینہ ہو چکے ہیں، ایسی صورت میں اس وقت سے لے کر اب تک دونوں میاں بیوی ایک ہی مکان میں رہتے ہیں، اور دونوں کا کھانا پینا اور سونا ایک ہی ساتھ ہے، تو کیا یہ سب کچھ حلال ہے یا حرام؟ ان الفاظ کے استعمال کے بعد اس کی بیوی کو بیس یا پچیس روز کا حمل ٹھہرا ہوا ہے تو یہ حمل حرام ہے یا حلال؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب شوہر نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ طلاق دیدی، تو وہ اس کی بیوی پر واقع ہو کر بیوی شوہر کے لیے حرام ہوگئی، مذاق میں طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور اس وقت میاں بیوی کے علاوہ دوسرا موجود نہیں تھا پھر بھی طلاق واقع ہوگئی، طلاق واقع ہونے کے لیے شوہر کا الفاظ طلاق بولنا کافی ہے، بیوی یا گواہوں کا سننا ضروری نہیں ہے، بیوی نے سنا ہو یا نہ سنا ہو، گواہ موجود ہوں یا نہ ہوں، طلاق بہر حال

واقع ہوجاتی ہے۔

درمختار میں ہے: ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو تقدیرا بدائع لیدخل السکران وعبدا أو مکرها أو هازلا لا یقصد حقیقة کلامه (درمختار) (قوله: هازلا) أي فیقع قضاء و دیانة الخ (شامی ۴۰۹/۴)

جس آدمی نے طلاق واقع نہ ہونے کو بتلایا ہے اس نے غلط بتلایا، صورت مسئولہ میں جب عورت اس پر حرام ہوگئی تو اب دونوں کا میاں بیوی کی طرح ایک مکان میں رہنا ناجائز اور حرام ہے، دونوں کو چاہیے کہ اولین فرصت میں علیحدہ ہوجائیں، شوہر نے جس روز طلاق کے الفاظ کہے تھے اس کے دوسال کے اندر اندر اگر بچہ پیدا ہوا تو اس بچہ کا نسب اس شوہر سے ثابت مانا جائے گا؛ ورنہ نہیں۔

کما یثبت بلادعوة احتیاطا في مبتوتة جاء ت به لأقل منهما من وقت الطلاق، لجواز وجوده وقته (درمختار) (قوله: کما في مبتوتة) یشمل البت بالواحدة والثلاث الخ (شامی ۲/ ۶۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تحریری طلاق

سوال: خاوند اپنی عورت کو کاغذ میں طلاق نامہ لکھ کر پوسٹ پارسل بھیجے، پارسل حاصل کرنے سے وہ عورت کا طلاق نامہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یعنی (طلاق نامہ روبرو میں نہیں ہوا ہے) اگر یہ طلاق ہوجاتی ہے، ہندوستان کے قانون کے مطابق کورٹ سے جو پوشگی ملتی ہے، یعنی ہر مہینہ خاوند سے رقم وہ لیتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز

نہیں ہے تو کورٹ نے اس کی اولاد کو دی، اولاد کو لینی چاہیے یا نہیں؟ اور باپ کے انتقال کے بعد اس کی جائیداد یا پیسہ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس طرح زبانی دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے، اسی طرح اگر شوہر تحریری طور پر طلاق نامہ لکھے یا لکھوائے تب بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ (شامی ۲/ ۴۶۴، ۴۶۵)

طلاق کے بعد عدت کے زمانہ کا نفقہ شوہر پر واجب ہے۔ (اگر عورت کو حیض آتا ہے تو اس کی عدت تین حیض ہوگی، اور اگر حیض نہیں آتا ہے تو تین مہینہ، اور اگر عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت بچہ پیدا ہونے تک ہے) عدت گزر جانے کے بعد عورت شوہر سے نفقہ پانے کی حقدار نہیں ہے، سرکاری قانون کا سہارا لے کر اگر کوئی عورت عدت گزر جانے کے بعد بھی شوہر سے نفقہ وصول کرتی ہے تو وہ ناجائز اور حرام ہے، اولاد کا نفقہ باپ پر واجب ہے، وہ رقم اگر کورٹ دلواتی ہے تو لی جاسکتی ہے، باپ کے مرنے کے بعد اس کے مال میں اولاد کا نفقہ تو نہیں واجب ہوگا؛ لیکن اولاد کو اس میں حق وراثت حاصل ہے، یعنی بحیثیت وارث اولاد اس کے مال میں سے اپنا حصۂ میراث وصول کرے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ

روبرو طلاق بالکتابت واقع نہیں ہوتی

سوال: زید نے اپنی بیوی ہندہ کے سامنے کچھ بات چیت سے متأثر ہوکر ایک پرچی میں لکھ دیا: طلاق طلاق طلاق، پھر وہ پرچی اپنی بیوی ہندہ کی گود میں ڈال کر

چلا گیا، تو کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگئی؟

الجواب: صورت مسئولہ میں جب کہ زید نے ایک کاغذ میں اپنی بیوی کے سامنے تین مرتبہ طلاق کے الفاظ لکھے ہیں اور زبان سے اس کا تلفظ نہیں کیا، تو ایسی صورت میں زید کی بیوی ہندہ پر کسی قسم کی طلاق واقع نہ ہوگی۔ دلائل حسب ذیل ہیں:

① مخاطب کو کسی بات پر آگاہ کرنے کے لیے عموماً تین طریقے استعمال کیے جاتے ہیں: ① نطق، یعنی زبان سے کوئی بات کہے ② کتابت ③ اشارہ۔ ان تین کے اندر اصل نطق ہے؛ اس لیے کہ یہ کتابت اور اشارہ کے مقابلے میں واضح ہے، مخاطب کو بات نطق سے کماحقہٗ سمجھ میں آجاتی ہے، اور کتابت واشارہ میں کچھ نہ کچھ اجمال باقی رہتا ہے؛ اس لیے یہ دونوں نطق کی فرع ہوئیں، اور قاعدہ ہے کہ جب تک اصل موجود ہو فرع پر عمل کرنا درست نہیں۔ اسی وجہ سے اس آدمی کے لیے جو پانی کے استعمال پر قادر ہو تیمم کرنے کی اجازت نہیں ہے، کہ تیمم طہارت ضروریہ ہے اور پانی طہارت مطلقہ ہے، پس جب تک طہارتِ مطلقہ موجود ہے- جو کہ اصل ہے- طہارت ضروریہ- یعنی فرع- پر عمل کرنے کی اجازت نہیں ہے، اسی طرح یہاں بھی کہ جب بیوی سامنے موجود ہے اور بولنے سے اس کو کوئی مجبوری نہیں ہے، پھر بھی کتابت کر رہا ہے تو گویا یہ اصل کو چھوڑ کر فرع پر عمل کر رہا ہے، جو جائز نہیں ہے یعنی غیر معتبر ہے۔ اسی وجہ سے صاحب بحر الرائق نے بعض فقہا کا قول نقل کیا ہے کہ: گونگا آدمی اگر لکھنا جانتا ہو تو پھر اس کا اشارہ معتبر نہ ہوگا؛ بلکہ لکھ کر طلاق دینا ضروری ہوگا؛ کیوں کہ کتابت، اشارہ سے زیادہ واضح ہے، اور پھر اشارہ تو ایک مجبوری کی بنا پر تھا، جب وہ کتابت پر قادر ہے تو پھر اشارہ کی کیا ضرورت ہے۔

وفي البحر الرائق: وقال بعض المشايخ: إن كان يحسن الكتابة لايقع طلاقه بالإشارة؛ لاندفاع الضرورة بما هو أدل على المراد من الإشارة (البحر الرائق ٣/٢٤٩)

مذکورہ عبارت سے بھی صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ، گونگے کے حق میں کتابت اصل ہے یعنی حجت مطلقہ ہے، اور اشارہ حجت ضروریہ ہے، جب حجتِ مطلقہ پر قدرت نہ ہو تو حجت ضروریہ پر عمل کرنے کی اجازت ہوگی۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ بحر الرائق کے مسئلہ کو برقرار رکھتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: گونگا آدمی اگر اشارہ سے طلاق دے اور اشارہ کتابت کی طرح واضح ہو تو طلاق واقع ہوجائے گی، وجہ اس کی یہ بیان کی ہے کہ اشارہ اور کتابت دونوں نطق کے مقابلے میں حجت ضروریہ ہے، اور نطق حجت مطلقہ ہے، جب حجت مطلقہ پر قادر نہیں تو حجت ضروریہ میں سے جس پر بھی عمل کرے معتبر ہوگا۔

علامہ شامی اور صاحب البحر الرائق کے کلام میں کوئی تضاد نہیں ہے؛ بلکہ دونوں کا منتہیٰ ایک ہی ہے، بہ ایں طور کہ صاحب البحر الرائق نے اخرس کی کتابت کو اشارہ کے مقابلے میں معتبر قرار دیا ہے؛ اس لیے کہ یہ مقصد پر زیادہ دلالت کرنے والا ہے، اور یہی بات علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: اصل تو کتابت ہی ہے؛ مگر جب اشارہ بھی اتنا واضح ہو کہ قاضی کسی بھی طرح سے اخرس کی بات سمجھ جائے، تو اشارہ بھی کافی ہوجائے گا۔ (درمختار)

قوله (إيماء الأخرس) أي إشارته بحاجب أو يد أو غير ذلك إذا عرف القاضي إشارته؛ وإلا ينبغي أن يستخبر ممن يعرفها إخوانه وأصدقائه وجيرانه حتى يفيد اعتبار الإيماء مع قدرته على الكتابة، وهو المعتمد؛

لأن كلا منهما حجة ضرورية كما في القهستاني وغيره (شامي ۲۰۵)

علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ شامی کی خط کشیدہ عبارت کی توضیح کرتے ہیں: کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے کتابت اور اشارہ کو حجت ضروریہ کیوں کہا ہے؟ فرماتے ہیں کہ: حجت ضروریہ اس لیے ہے کہ کتابت صرف اس ناطق کے حق میں معتبر ہے جو کسی غائب کو لکھ رہا ہو، یعنی اگر ناطق حاضر کو لکھ رہا ہے تو کتابت معتبر نہیں ہے؛ ورنہ وہ حجت ضروریہ نہ رہے گی؛ بلکہ وہ تو حجت مطلقہ ہو جائے گی، جو ہر حال میں حجت ہے، اور یہ خلاف موضوع ہے۔

(قوله لأن كلا منهما حجة ضرورية) بناء على أن الكتابة إنما تعتبر في الناطق للغائب (تقريرات رافعي ۳۰٤/۲)

نیز اس سے بھی صریح بات یہ ہے کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے طلاق بالکتابت کی اقسام بیان کی ہے: ① مستبین مرسوم ② مستبین غیر مرسوم ③ غیر مستبین۔ ان اقسام کو بیان کرنے کے بعد علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: یہ سب قسمیں ناطق کے بارے میں ہے، تو ناطق کے علاوہ اخرس وغیرہ کے حق میں تو بہ طریق اولیٰ معتبر ہے، یعنی کہ ناطق کے لیے اصل تو نطق ہے؛ مگر جب کہ غائب کو لکھ رہا ہے تو ناطق چاہے بالفعل نطق نہیں کر رہا ہے؛ مگر بالقوہ تو اس پر قادر ہے، پھر بھی اس کے حق میں طلاق بالکتابت کی مذکورہ اقسام معتبر ہیں، تو جو آدمی نطق پر نہ بالقوہ اور نہ بالفعل قادر ہے (یعنی اخرس)، تو اس کے حق میں تو بہ طریقِ اَولیٰ مذکورہ اقسام معتبر ہوں گی۔ پھر اس کے بعد لکھا ہے کہ: اس عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ خط معنون (یعنی خط من فلان إلى فلان سے شروع کرے) اس ناطق کے حق میں جو کہ حاضر ہے، غیر معتبر ہے۔

وظاهره أن المعنون من الناطق الحاضر غير معتبرة (شامي ۵۴۰/۵)

مذکورہ عبارت سے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ناطق حاضر کے لیے خط معنون کو بھی غیر معتبر مانا ہے، تو پھر جو پرچی آپ نے لکھی ہے وہ غیر معنون ہے، اس کا حکم تو اَور واضح ہے۔

نیز تیسری دلیل یہ ہے کہ: کتب حنفیہ میں یہ مسئلہ مصرح ہے کہ، اگر کسی آدمی پر طلاق کے الفاظ بولنے پر اکراہ کیا گیا اور اس آدمی نے طلاق شرعی کے الفاظ زبان سے کہہ دیے، تو بالاتفاق احناف کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی، اور اگر طلاق کے الفاظ لکھنے پر اکراہ کیا گیا پس اس نے طلاق کے الفاظ لکھ دیے، تو طلاق واقع نہ ہوگی، جب کہ اس نے زبان سے اس کا تلفظ نہ کیا ہو۔ یہ مسئلہ بھی متفق علیہ بین الاحناف ہے، ان دو مسئلوں کے حکم میں کیا فرق ہے کہ ایک میں طلاق واقع ہو جاتی ہے دوسرے میں نہیں؟ وجہ اس کی علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے البحر الرائق کے حوالے سے یہی لکھی ہے کہ: کتابت قائم مقام ہے عبارت کے حاجت اور ضرورت کے وقت، اور یہاں کتابت کو عبارت کے قائم مقام ماننے میں کوئی حاجت نہیں ہے، جب کہ وہ بولنے پر بھی قادر ہے۔

قال الشامي معزيا إلى البحر: فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق؛ لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة، ولا حاجة هنا كذا في الخانيه (٤٥٧/٣)

یہی مسئلہ مفتیٔ دار العلوم دیوبند مفتی سید احمد علی سعید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''عورت اور اسلام'' (ص:۱۴۶) میں لکھا ہے۔ ہذا ما عندی وہو الصواب إن شاء اللہ

حررہ العبد محمد اسماعیل مظاہری ماہی

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''فتاویٰ محمودیہ'' میں تحریر فرماتے

ہیں: کتابت بہ منزلۂ عبارت عند الحاجۃ ہے، اگر آدمی کسی غائب کے لیے کہے تو وہ معتبر ہے یا حاضر کے لیے؛ مگر ایسی حالت میں کہ بول نہ سکے، مثلاً گونگا یا معتقل اللسان ہے تو وہ بھی معتبر ہے، اگر مکرہاً کہے تو وہ معتبر نہیں، اسی طرح حاضر کے حق میں معتبر نہیں جب کہ اخرس یا معتقل اللسان نہ ہو۔ اس سب کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بیوی کی موجودگی میں محض لکھ کر دینے سے بغیر زبان سے کہے ہوئے طلاق نہ ہوگی، اگر طلاق لکھ کر بیوی کو دے دی اور زبان سے نہیں کہا دراں حالیکہ کہنے سے کوئی مانع نہیں تھا، پھر یہ سمجھ کر اس سے طلاق ہوگئی کسی سے کہہ دیا کہ: میری بیوی کو طلاق ہوگئی، تو اس کہنے سے بھی طلاق نہیں ہوئی۔ الخ (فتاویٰ محمودیہ ۱۹/ ۳۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

طلاق بذریعۂ تحریر

سوال: محمد ہارون ابن حاجی حبیب نے اپنی بیوی بنام حسینہ بنت محمد ہارون کو ایک تحریری طلاق بذریعہ ڈاک ۲۸/ اکتوبر ۱۹۹۱ء کو دی اور پھر اس کے بعد ۱۸/ نومبر ۱۹۹۱ء کو دو طلاقیں اس طرح دی کہ میں حسینہ بنت محمد ہارون کو دوسری اور تیسری طلاق دیتا ہوں، تحریر میں رجسٹری روانہ کی، اس طرح تینوں طلاقیں واقع ہوئیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

طلاق جس طرح زبانی دینے سے واقع ہوجاتی ہے، اسی طرح تحریری طور پر دینے سے بھی واقع ہوجاتی ہے، اس لیے محمد ہارون نے جب اپنی بیوی حسینہ کو پہلے ایک طلاق

تحریری بھیجی، اور اس کے بعد بقیہ دو طلاقیں بھی تحریری طور پر بھیج دیں، تو اگر محمد ہارون نے اپنی بیوی حسینہ سے دخول کیا ہے (نکاح کے بعد وطی کی ہے) تو یہ تینوں طلاقیں حسینہ پر واقع ہوچکیں اور اب حسینہ اس کے لیے حرام ہوگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ صفر المظفر ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سامنے موجود بیوی کو تحریر سے طلاق دینا

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو یہ الفاظ ایک کاغذ پر لکھ کر دیے کہ ''میں تجھے تیری راضی خوشی سے جدا کرتا ہوں'' اور عورت بھی اس پر راضی ہے تو کیا اس طرح کے الفاظ لکھ کر دینے سے طلاق واقع ہوجائے گی؟

نوٹ: یہ بات یاد رہے کہ میاں بیوی ایک سال سے جدا رہتے ہیں، اور کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں، اور شوہر نے بیوی کے سامنے لکھ کر دیا تھا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: جب بیوی سامنے موجود ہو اور شوہر زبان سے کچھ نہ کہے حالاں کہ وہ زبانی طلاق دینے پر قادر ہے، اخرس یا معتقل اللسان نہیں ہے، اور طلاق کی تحریر لکھ دے یا لکھی ہوئی تحریر پر دستخط کر دے تو اس سے طلاق نہیں ہوتی۔

درمختار میں ''کتاب الخنثیٰ'' کے بعد ''کتاب الفرائض'' سے پہلے ''مسائل شتی'' کے ذیل میں لکھا ہے: ''إيماء الأخرس وكتابته كالبيان بخلاف معتقل اللسان في وصية ونكاح وطلاق''.

اس کی شرح کرتے ہوئے علامہ شامی نے کتابت کی اقسام اور سب کے احکام بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: و ظاهره ان المعنون من ا لناطق ا لحاضر غیر معتبر. (ردا لمحتاره/ ٦٤٥)

"غمز عیون البصائر فی شرح الا شباه والنظائر" الفن الثالث احکام کتابت میں ہے: الکتابة من الغائب جعل کالخطاب من الحاضراه (الاشباه ٥٢٨) (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/ ۲۷۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

طلاق کی دھمکی اور لفظ 'طلاقیں' کا اطلاق

سوال: زید نے ایک شخص عادل کے روبرو کہا کہ میں نے آج اپنے خسر کو ایک خط لکھا ہے، اگر اس کا جواب آج رات ۱۲/ بجے تک نہ ملا تو ان کی لڑکی کو طلاق نہیں بلکہ طلاقیں ہیں۔ شخص عادل نے کہا کہ: تم نے یہ بات بڑی خطرناک کہہ دی، اس کے بعد زید نے ایک مفتی صاحب سے کہا کہ: یہ بات میں نے دھمکی کے لیے کہی تھی، مفتی صاحب نے کہا کہ چاہے دھمکی کے لیے کہی ہو طلاق واقع ہو جائے گی۔ دو روز کے بعد زید نے شخص عادل سے کہا اچھا ہوا تم نے مجھے بچالیا، تو اس نے کہا کہ: تم کس طرح بچ سکتے ہو جب کہ رات کے ۱۲/ بجے تک تم کو کوئی جواب نہیں ملا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کے اس کلام سے اس کی بیوی کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع ہوئی تو کتنی اور کیسی؟ اور اس کا کیا حکم ہے؟ جواب باصواب سے ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر زید نے فی الحقیقت یہ جملہ ''میں نے آج اپنے خسر کو ایک خط لکھا ہے اگر اس کا جواب آج رات ۱۲ / بجے تک نہ ملا تو ان کی لڑکی کو طلاق نہیں بلکہ طلاقیں ہیں'' کہا ہے، تو گویا اس نے اپنی بیوی کی طلاق کو شرط پر معلق کیا، پھر جب زید کے خسر نے وقت معہود گزرنے تک جواب نہیں دیا تو شرط وجود میں آکر طلاقیں واقع ہوگئیں۔

اذا أضافه الى الشرط وقع عقيب الشرط. (عالمگیری ۱/ ۴۲۰)

اردو میں لفظ ''طلاقیں'' کا اطلاق کم از کم دو پر ہوتا ہے؛ اس لیے دو طلاقیں واقع ہوئی سمجھی جائیں گی، اور لفظ صریح ہونے کی وجہ سے دونوں رجعی شمار ہوں گی، عدت کے اندر زید رجوع کرسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴ / شوال ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

''طلاق دے دوں گا'' دھمکی ہے

سوال: محمد رفیق اور بیوی کے درمیان جھگڑا ہوا صرف ۵۰ روپئے کو لے کر، میں نے میری بیوی سے پوچھا کہ یہاں سے پیسے گئے کہاں؟ اس بات کی حجت کو لے کر جھگڑا بڑھ گیا، گالیاں گلوچ ہوئی، بیوی کو بھی میں نے گالیاں دی، ہماری والدہ نے بھی گالیاں دی، اس طرح گالی کا جواب گالی سے میری بیوی نے دیا، اس لیے میں زیادہ غصہ میں آگیا اس کی پٹائی کردی، اور وہ جھگڑا اور بھی بڑھ گیا، سارے محلہ کے لوگ ہماری طرف دیکھتے رہے، میں اپنے آپ کو بے عزت سمجھتا رہا، اس پر بھی میں نے بیوی

سے کہا کہ تو منہ بند کر دے، نہیں تو غصہ میں اور بھی رہا، اس پر بھی اس نے منہ بند نہیں کیا، پھر میں نے کہا اب جو ہو گیا سو ہو گیا، اسی طرح ہوتا رہا تو میں طلاق دے دوں گا، طلاق دے دوں گا، اسی طرح ہوا تو طلاق دے دوں گا، برائے کرم منہ بند کر دے یہ میرے الفاظ ہے، کیا یہ طلاق ہو گئی؟ یہاں لوگ کہتے ہیں کہ طلاق ہو گئی، اور کچھ کہتے ہیں طلاق نہیں ہوئی، ہمارا مسئلہ سنگین طول پکڑ رہا ہے، جواب جلد از جلد مل جائے، میں نے طلاق نہیں دی تھی، صرف دھمکی دی تھی، مجھے کیا معلوم کہ معاملہ یہاں تک بڑھ جائے گا؟ میری بیوی کو چار ماہ کا حمل بھی ہے، مجھے بہت فکر ہے، آپ کسی بھی طرح یہ مسئلہ سلجھا دو۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر آپ نے اپنی بیوی کو یہ الفاظ کہے ہیں: ''اگر اس طرح ہوتا رہا تو میں طلاق دے دوں گا، طلاق دے دوں گا، اس طرح ہوا تو طلاق دے دوں گا'' اس کے علاوہ اور کوئی لفظ نہیں کہا ہے، تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی یہ محض دھمکی ہے۔ (کما یستفاد من الفتاویٰ المحمودیہ ۴/ ۱۳۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ شوال ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

زوجین کا وقوع طلاق میں اختلاف ہو تو کس کی بات معتبر ہے؟

سوال: زید کی بیوی زینب ہے، باہم کشیدگی کے باعث اور زینب کے متعدد بار کے پیش ورفت پر عاجز آ کر یہ کہہ دیا: کہ اگر ایسا ہی رہا تو چھوڑ دوں گا، طلاق دے

دوں گا نہیں رکھوں گا، بعد اس کے وہ میکے گئی اس شرط پر کہ چار یوم بعد آپ خود آجاؤں گی، بحسبِ وعدہ نہ آنے پر زید رخصت کرانے گیا تو بیوی زینب نے جواب دیا کہ تم نے ہم کو طلاق دے دی ان لفظوں کے ساتھ میں نے تجھ کو طلاق دے دی، طلاق دی، طلاق دی، بایں سبب زید حلفیہ کہنے کو تیار ہے کہ ہم نے ایسا نہیں کہا ہے جیسے کہ تم کہہ رہی ہو، اور زینب بھی حلفیہ کہنے کو تیار ہے کہ ہم کو طلاق دے دیا ہے؛ تو جب حلفیہ بیان کے لیے دونوں تیار ہیں اس صورت میں زید کو قابل اعتبار مانا جائے یا زینب کو؟ مہربانی فرما کر مفصل لکھئے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس صورت میں عورت طلاق کا دعویٰ کرے اور شوہر طلاق سے منکر ہو تو دو گواہ عادل مسلمان، یعنی نمازی، پرہیز گار، فسق وفجور سے بچنے والوں کی گواہی سے طلاق ثابت ہوتی ہے، اور یہ بھی ضروری ہے کہ ہر دو گواہ باہم متفق اللفظ والمعنیٰ گواہی دیویں، گواہوں کا اختلافِ بیان بھی موجب ردِ شہادت ہے، جیسا کہ گواہوں کا فاسق وبے نمازی ہونا موجبِ ردشہادت ہے۔

ولزم فی الکل الخ لفظ اشهد بقولها و العدالة لوجوبها الخ وأیضاً فی الدر المختار وکذا تجب مطابقة الشهادتین لفظا ومعنیً الخ.

پس صورت مسئولہ میں اور واقعۂ مذکورہ میں اگر دو گواہ مسلمان عادل بلا اختلاف بیان طلاق کی گواہی دیویں تو شرعاً طلاق واقع ہوتی ہے، اور تین طلاق کے ثابت ہونے کی صورت میں علاقہ نکاح مابین الزوجین منقطع ہے۔

(فتاویٰ دار العلوم عزیز الفتاویٰ ۱/ ۵۳۳ مطبوعہ کراچی)

اور گواہوں کے نہ ہونے یا ان کے عادل وثقہ نہ ہونے کی صورت میں شوہر کا انکار بحلف معتبر ہوگا، جیسا کہ قاعدۂ معروفہ حدیث شریف میں ہے "البینة علی المدعی والیمین علی من انکر"، اور اس کی تصریح جملہ کتبِ فقہ میں ہے۔ (ایضاً ۱/۴۸۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ ربیع الآخر ۱۴۰۷ھ

طلاق دینے کے بعد شوہر انکار کرے تو کیا حکم ہے؟

سوال: شوہر نے بیوی سے جھگڑا کرتے ہوئے کہا کہ کان کھول کر سن، اور سترہ بار سن، اگر آج سے تو تیری ماں کے گھر گئی تو تجھے تین طلاق (اس جھگڑے کے ہونے کے وقت میں اہل محلہ کی کثیر تعداد جو کہ غیر مسلم تھی، وہ اور شوہر کی ماں بھی موجود تھی) اس معاملہ کے چند دن بعد شوہر نے بیوی کو سخت مار ماری، جس کی تاب نہ لاکر بیوی اپنی ماں کے گھر چلی گئی، اور ابھی تک مذکورہ عورت اپنی ماں کے گھر ہے، اس کے بعد سے وہ شوہر کے گھر نہیں گئی، اور اب شوہر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے بیوی کو طلاق دی ہی نہیں؛ مگر طلاق کی شہادت اہلِ محلہ - جو کہ غیر مسلم ہیں - اور شوہر کی ماں وغیرہ سب دے رہے ہیں، تو کیا ان صورتوں میں مذکورہ عورت کو طلاق ہوگئی یا نہیں؟ مدلل مفصل جواب تحریر فرمائیے، آپ کے ممنون ومشکور ہوں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر شوہر نے بیوی کو یہ الفاظ کہے کہ "اگر آج سے تو تیری ماں کے گھر گئی تو تجھے تین طلاق" اور اس کے بعد عورت اپنی ماں کے گھر چلی گئی تو اس پر تین طلاق واقع ہوگئی۔

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقاً الخ

(درمختار علی هامش الشامی ۲/ ٥٤٤)

صورتِ مسئولہ میں اگر عورت نے خود ان الفاظ کو سنا ہے تو شرعاً اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے اوپر شوہر کو قابو دے؛ بلکہ جس طرح بھی ممکن ہو اس سے علیحدگی اختیار کرے اور ہرگز اپنے اوپر قابو نہ دے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۳۰)

في التاتارخانية عن الملتقط: إذا سمعت المرأة الطلاق ولم تسمع الاستثناء لايسعها ان تمكنه من الوطء اه اى فيلزمها منازعته.

(شامی ۲/ ٥٥٤)

شوہر کی ماں کی گواہی صورتِ مذکورہ میں شوہر کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابلِ قبول ہے؛ لیکن غیر مسلم کی گواہی معتبر نہیں ہے، اور صرف ایک عورت کی گواہی (شوہر کی ماں کی گواہی) سے نصاب شہادت پورا نہیں ہوتا، اس لیے احوط یہ ہے کہ جب تک شوہر خود اقرار نہ کرے یا اور کوئی گواہ شرعی میسر نہ آئے، وہاں تک عورت دوسری جگہ نکاح نہ کرے، اور اپنے اوپر شوہر کو جماع وغیرہ کی قدرت نہ دے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۳۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

عورت طلاق کا اقرار کرے اور مرد منکر ہو تو کیا کرے؟

سوال: میرا نام عابدہ ہے، میرے شوہر کا نام محمد شفیع ہے، میرے دو بیٹے ہیں، ایک سات سال کا ہے، دوسرا پانچ سال کا ہے، شادی کو ۹ رسال ہوئے، تین سال سے تنازعہ چلتا ہے، جس کی وجہ سے بار بار مجھ کو طلاق طلاق کہتے رہتے ہیں، کئی دفعہ

طلاق کہی ہے؛ لیکن چار دفعہ خاص الفاظ میں کہی ہے، ایک دفعہ بہت پہلے کہا تھا، جس کو میرے شوہر کی ماں بہنیں بھی جانتی تھیں، دوسرے دفعہ میرے والد کو فون کر کے کہہ دیا تھا کہ میں تمہاری بیٹی کو طلاق دیا ہوں، تیسرے دفعہ ایک روز صبح پانچ بجے گھر پر آئے میں نے ذرا بڑبڑایا کہ نیند میں خلل ڈالتے ہو، تو کہنے لگے کہ میں تجھ کو طلاق دے دیا، پھر وہ دوسرے کمرے میں گئے، تو کہنے لگے مجھ کو ہاتھ نہیں لگانا میں تجھ کو طلاق دیتا ہوں، اب یوں کہتے ہیں اب میں نے طلاق دی ہی نہیں، روزانہ کے جھگڑے ہیں، مار پیٹ کرتے رہتے ہیں، اب شریعت کا کیا مسئلہ ہے، آخری دفعہ طلاق ۲/ جنوری ۱۹۹۳ء کو دی تھی، اب کب سے عدت شروع ہوگی؟ اور کب ختم ہوگی؟ ارشاد فرمائیں اگر طلاق ہوگئی ہو تو۔

نوٹ: یہ چار دفعہ جو مجھے طلاق دیا ہے وہ میں خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر اور اللہ تعالی کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میرے شوہر چار دفعہ ایک ایک کر کے طلاق دیتا ہوں آخری دفعہ بھی یہ کہا ہے کہ میں جو آخری طلاق رہ گئی ہے وہ دیتا ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعت نے شوہر کو طلاق دینے کا اختیار دیا ہے، اگر شوہر شریعت کے دیے ہوئے اس اختیار کے مطابق اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے، تو طلاق واقع ہو جاتی ہے، چاہے وہاں کوئی سننے والا ہو یا نہ ہو؛ چوں کہ شریعت نے شوہر کو زیادہ سے زیادہ تین طلاق کا اختیار دیا ہے، اور یہ بھی کہ پہلی اور دوسری طلاق اگر رجعی ہے تو عدت کے درمیاں رجوع کا بھی اس کو حق ہے، اس لیے جس وقت شوہر نے پہلی طلاق دی تو وہ

واقع ہوگئی، اور اس کے بعد بھی دونوں میاں بیوی اپنے سابقہ تعلقات زوجیت پر قائم رہے، تو رجوع ہوگیا، پھر جب دوسری طلاق دی تو وہ بھی واقع ہوگئی، اس کے بعد بھی میاں بیوی اپنی سابقہ تعلقات زوجیت پر قائم رہے، تو اس میں بھی رجوع ہوگیا، پھر جب تیسری مرتبہ طلاق دی تو وہ بھی واقع ہوگئی، اور بیوی شوہر کے لیے حرام ہوگئی، اب نہ تو رجوع درست ہے، اور نہ دوبارہ نکاح کی اجازت ہے؛ البتہ عورت عدت گذار کر دوسرے مرد سے نکاح کرے، اور دوسرا شوہر نکاح میں لانے کے بعد وطی کے بعد طلاق دے، یا اس کا انتقال ہوجائے، پھر عدت گذار کر پہلے شوہر کے لیے نکاح درست ہوسکتا ہے، یہ یاد رہے کہ اگر عورت طلاق کا دعوی کرتی ہے اور شوہر طلاق دینے سے انکار کرتا ہے، تو عورت کے لیے شرعی شہادت پیش کرنا ضروری ہے، ورنہ شوہر کی بات قسم کے ساتھ مانی جائے گی، اگر آپ کے شوہر نے آپ کو تین طلاق دے دی ہیں، جس کا آپ کو علم ہے، تو اب آپ اس پر حرام ہوچکیں؛ لیکن چوں کہ وہ طلاق کا منکر ہے، اور آپ کے پاس شرعی شہادت موجود نہیں ہے، تو مناسب یہ ہے کہ آپ کچھ رقم دے کر گواہوں کی موجودگی میں خلع کے ذریعے چھٹکارا حاصل کرلیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹ر ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

لواطت کے ایک واقعہ میں طلاق کی قسم

سوال: ایک آدمی نے ایک لڑکے کے ساتھ اپنے عضو مخصوص کو چھو کر ہلایا، اور فاعل اور مفعول کپڑے پہنے ہوئے تھے، تو یہ حرکت کرتے ہوئے چار عورتوں نے دیکھ لیا، تو ایک عورت نے اپنے شوہر کو یہ بات سنادی، اب اس آدمی نے پندرہ بیس آدمیوں

کوسنادیا، اب ان آدمیوں نے فاعل کو بلا کر پوچھا کہ تم نے ایک لڑکے کے ساتھ لواطت کی ہے؟ تو فاعل نے اپنی عزت بچانے کے خاطر طلاق کی قسم کھالی، الفاظ یہ ہے کہ: ''میں نے لڑکے کے ساتھ ایسا کام نہیں کیا، اگر میں نے لڑکے کے ساتھ ایسا کام کیا ہوتو میری بیوی کو تین طلاق'' اور قسم کھانے والا قسم کھاتے وقت ایسا کام سے مراد: کپڑے نکال کر لواطت کرنا مراد لے رہا ہے، اور دخول کرنا مراد لے رہا ہے، اور کپڑے نکال کر دخول کرنا نہیں پایا گیا، تو کیا طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اگر واقع ہوگئی تو اب بیوی کو نکاح میں باقی رکھنے کے لیے کوئی گنجائش نکل سکتی ہوتو بتایئے! عین کرم ہوگا، یہ واقعہ پیش آئے دوسال ہوگئے، ابھی تک بیوی شوہر کے گھر ہے، کسی کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ ایسا واقعہ پیش آیا ہے۔

نوٹ: ان کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قسم کھلانے والے کی مراد کپڑے نکال کر دخول کر کے لواطت کرنا ہے، پھر ان کے دل میں کیا بات ہے؟ خدا بہتر جانتا ہے، جلدی جواب عنایت فرمائیں، آپ کا احسان ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر حالف ومستحلف دونوں کی نیت کپڑے نکال کر دخول کی ہے، تو صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہ ہوگی، اور اگر مطلق لواطت مراد تھی اور دخول اس طرح پایا گیا کہ حرارت کا احساس ہوا تھا، تو طلاق واقع ہوجائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ رجب ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

لواطت کے ارتکاب سے بیوی نکاح سے نہیں نکلتی

سوال: میں ایک منجدھار میں پھنسا ہوا ہوں، ایک بے بس انسان ہوں، اگر میں اپنے گناہوں کو چھپاتا ہوں تو خوف الٰہی غالب آجاتا ہے کہ کل قیامت کے دن میرا کیا حال ہوگا؟ اور اگر گناہ کو اجاگر کرتا ہوں تو دنیا والوں کے آگے ذلت ورسوائی اور شرمندگی کا ڈر ہے، میری داستان یہ ہے کہ میری شادی آج سے تقریباً ۵/ سال پہلے ہوئی تھی، اس وقت میری عمر ۱۷، ۱۸/ سال کی ہوگی، اور میری زوجہ کی عمر ۱۳، ۱۲/ سال کی، ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی ہے، ابھی ۴، ۵/ مہینہ بعد رخصتی ہوگی، اہم بات یہ ہے کہ شادی کے ایک سال بعد محلہ کے ایک بدلڑکے کے ساتھ میں نے زنا جیسا فعل کیا، اس وقت تک میں بھی گناہوں میں ہی ڈوبا رہتا تھا، زنا کاری آوارہ گردی آدی (عادی) فعل میں کرتا تھا؛ لیکن ابھی تین سال سے میں نے یہ سب کام چھوڑ دیے ہیں، خدائے تعالیٰ کا مجھ پر یہ بہت ہی بڑا احسان ہوا کہ مجھے گناہوں کے دلدل سے نکال کر نیک راہ پر ڈالا، ابھی الحمدللہ پانچ وقت کی نماز پابندی سے پڑھتا ہوں، قرآن پاک کی تلاوت بھی کرتا ہوں، اب میں اپنے اس پرانے دور کو یاد کرتا ہوں تو بہت ہی افسوس ہوتا ہے، اب ۴، ۵/ مہینہ بعد عورت بھی آنے والی ہے، اب آپ برائے مہربانی یہ بتائیں کہ کیا میرا پہلا والا نکاح درست ہے یا ٹوٹ گیا؟ کیا میں عورت سے بغیر دوسرا نکاح کئے صحبت کرسکتا ہوں؟ اگر نہیں تو قرآن وحدیث ومسائل کی روشنی میں کوئی ایسا راستہ بتائیں کہ کل قیامت کے دن خدا کے سوال سے بھی بچ جاؤں اور دنیا والوں کے آگے بھی ذلت، رسوائی اور شرمندگی نہیں اٹھانا پڑے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لڑکے کے ساتھ بدفعلی یعنی لواطت، اسی طرح زنا وغیرہ گناہ کے کام ہیں؛ لیکن اِن گناہوں کے ارتکاب سے بیوی نکاح سے نکل نہیں جاتی ہے؛ البتہ اگر بیوی کو طلاق دے دی ہو تو وہ نکاح سے نکل جاتی ہے، آپ جب اپنے سابقہ گناہوں پر نادم ہیں، اور آئندہ ان کے نہ کرنے کا عزم کئے ہوئے ہیں تو یہی توبہ ہے، اللہ تعالیٰ گنہگار کی توبہ قبول فرما کر اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، اور توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے کہ اس نے گناہ ہی نہ کئے ہوں، اس لیے آپ سابقہ گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں؛ البتہ آئندہ گناہوں سے بچنے کا خصوصی اہتمام فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

”تجھے طلاق کی قسم“ کہنے سے طلاق

سوال: زید نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا کہ اگر تو میری بہن کے گھر گئی یا بہن سے بات چیت کی، اسی طرح میری بھاوج سے ملاقات یا بات چیت کی، تو تجھے طلاقوں کی قسم، تاہم ہندہ باز نہ آئی اور زید نے جن جن سے ملاقات اور بات چیت سے منع کیا تھا دونوں باتیں کر گزری، تو ہندہ زید کے نکاح میں رہے گی یا نہیں؟ طلاق واقع ہوگی تو کونسی اور کتنی؟ دلائل سے آراستہ فرما کر ممنون فرمائیں۔ فتاوی رحیمیہ ۵/ ۲۷۵ پر طلاق کی قسم (لفظ مفرد کے استعمال) پر وقوع طلاق رجعی کا فیصلہ فرمایا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں زید نے جو جملہ استعمال کیا ہے، اس میں اپنے لیے قسم کا کوئی لفظ ہی استعمال نہیں کیا؛ بلکہ یوں کہا کہ ''تجھے طلاقوں کی قسم'' اس لیے یمین منعقد ہی نہیں ہوئی، اور ہندہ پر کوئی طلاق نہیں پڑی۔

كما يستفاد من العبارة الآتية: ولو قال عليك عهد الله إن فعلت كذا، فقال: نعم، فالحالف المجيب (درمختار) قوله (فالحالف المجيب) ولا يمين على المبتدئ؛ وإن نوى اليمين خانية وفتح أي لإسناده الحلف إلى المخاطب، فلايكمن أن يكون الحالف غيره.

(شامی ۳ /۱۵۲، کتاب الإیمان قبیل کتاب الحدود)

فتاوی رحیمیہ میں جو مسئلہ ہے اس میں بیوی کے کہنے پر زید نے کہا مجھے طلاق کی قسم منظور ہے، اس لیے یمین منعقد ہوگئی تھی؛ کیوں کہ اپنی طرف یمین کی نسبت کی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ / ذوالقعدہ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حصول وثیقہ کے لیے طلاق کی قسم

سوال: مسجد قوت الاسلام اپٹن لین لنڈن کے ورکنگ کمیٹی کے ممبروں نے مقامی امام وخطیب کے ایماء پر کمیٹی میں زیر بحث بات چیت صیغۂ راز میں رہے اس مقصد سے طلاق کی قسم کھائی ہے، اس قسم کی طلاق کا منشاء یہ تھا کہ کبھی میٹنگ کے دوران ممبروں میں آپس میں تو تو میں میں اور سخت کلامی ہوجاتی تھی، اس لیے کون کیا بولا یہ بات باہر

جائے تو کسی ممبر کے رشتہ دار لڑائی پر آمادہ ہوجائے، چناں چہ اس کے تدارک کے لیے مفتی صاحب نے مشورہ دیا کہ ہر ایک ممبر سے طلاق کی قسم لی جائے؛ تاکہ اندرونی کاروائی کا افشاء نہ ہو اور ہر ایک ممبر محتاط رہے، اب ظاہر ہے کہ کوئی نہ کوئی بات کا افشا ہو ہی جاتا ہے، کبھی سہواً بھی میٹنگ کی گفت وشنید کی بات باہر آجاتی ہے، ممبروں نے محض جھگڑوں کے خوف سے قسم کھائی ہے، تو ایسی صورت میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسی طلاق کی قسم کھلانا جائز ہے اور ایسی قسم کھانا جائز ہے؟ ایسی قسم کھانے اور کھلانیوالے کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا کوئی بات افشاء ہوجانے سے قسم کھانے والے کو نکاح ثانی پڑھانا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حصولِ وثیقہ کی غرض سے طلاق کی قسم کھانا اور کھلانا درست اور جائز ہے، بلاوجہ مکروہ ہے۔

وحاصله: أن اليمين بغيره تعالىٰ تارة يحصل بها الوثيقة أي اتثاق الخصم بصدق الحالف، كالتعليق بالطلاق وأما التعليق فليس فيه تعظيم؛ بل فيه الحمل أو المنع مع حصول الوثيقة، فلا يكره اتفاقاً كما هو ظاهر ماذكرناه، وإنما كانت الوثيقة فيه أكثر من الحلف بالله تعالى في زماننا لقلة المبالاة بالحنث ولزوم الكفارة أما التعليق فيمتنع الحالف فيه من الحنث خوفا من وقوع الطلاق والعتاق وفى المعراج: فلو حلف به لا على وجه الوثيقة أو على الماضي يكره (شامی ۳/ ۵۱،۵۰)

قسم کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں طلاق واقع ہوجائے گی، جس قسم کی

طلاق معلق کی تھی اس کے مطابق حکم جاری ہوگا؛ اس لیے ان حضرات نے قسم میں کیا الفاظ کہے تھے؟ وہ لکھ کر حکم معلوم فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عنین کے نکاح، طلاق اور مہر کا حکم

سوال: زید کی ہندہ سے شادی ہوئی، زید کے اندر حقوقِ زوجیت ادا کرنے کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے دونوں میں لڑائی جھگڑے ہونے لگے، زید کا کافی علاج کیا گیا؛ مگر کامیابی حاصل نہیں ہوئی، آخر ہندہ گھر چلی گئی، طلاق اور مہر کا تقاضا کرنے لگی اور عدت کی رقم کی فرمائش کرنے لگی، نکاح کے وقت مہر مقرر نہیں تھی، زید کے گھر والے ۱۱۰۰/ روپئے دینے کے لیے تیار ہیں، لڑکی والے انیس مثقال سونے کا تقاضہ کررہے ہیں، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

① زید میں مردانگی نہیں تھی، پھر بھی ہندہ سے نکاح پڑھایا گیا، کیا ایسی صورت میں نکاح صحیح ہوگا؟

② مہر کے اختلاف میں کیا کرنا چاہیے؟

③ لڑکی طلاق کی مانگ کررہی ہے تو کیا یہ طلاق ہے یا خلع؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① زید میں مردانگی نہ ہونے کے باوجود یہ نکاح شرعاً درست ہوگیا۔

② اگر بوقتِ نکاح مہر مقرر نہ ہوا ہو اور میاں بیوی میں خلوتِ صحیحہ ہوچکی ہو تو مہرِ مثل واجب ہوگا، مہرِ مثل سے مراد وہ مہر ہے جو بیاہی جانے والی لڑکی کے آبائی

خاندان میں اس جیسی لڑکی کا ہو؛ نیز آبائی خاندان کی لڑکیوں کے شوہر اور اس شوہر میں قابلِ ذکر مناسبت ہو۔

③ لڑکی اگر اپنے مطالبہ کے معاوضہ میں کوئی متعینہ رقم دے رہی ہے اور خلع کے لفظ سے معاملہ ہو رہا ہے تو یہ خلع ہے، اور اگر طلاق کے لفظ سے جدائی ہو رہی ہے تو یہ طلاق علی المال ہے، اور اگر لڑکی کی طرف سے کوئی معاوضہ پیش نہیں کیا جا رہا ہے تو یہ خالص طلاق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نکاح سے پہلے طلاق کا حلف نامہ لکھوانا

سوال: ایک شخص رضوان نامی کی نہ منگنی ہوئی تھی اور نہ شادی، اس وقت ایک صاحب نے اس رضوان کا اپنی صاحبزادی سے نکاح کا ارادہ کیا اور نکاح سے پہلے رضوان سے حلف نامہ لکھوایا جو نیچے مندرج ہے، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اگر میں یعنی رضوان لڑکی کے والد کو یا لڑکی کے بھائیوں کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کروں تو میری گھر والی کو تین طلاق۔ تو دریافت طلب بات یہ ہے کہ:

① ایسے حلف نامہ لکھنے کے بعد اگر شادی ہو اور شادی کے بعد تعلیق پائی جائے تو مذکورہ رضوان کی گھر والی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ ہماری سمجھ کے مطابق طلاق واقع نہ ہونی چاہیے؛ کیوں کہ حلف نامۂ مذکورہ میں نکاح کی طرف نسبت نہیں ہے اور نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہے، کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

② اگر طلاق واقع ہوگی تو رضوان جب دوسری جگہ شادی کرے گا اور اس کے

بعد تعلیق مذکورہ دوبارہ پائی جائے تو اس نکاح پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

نوٹ: واضح رہے کہ رضوان کے تین بھائی اور ہیں، ان میں سے دو عالم ہیں اور دو ناواقف، اوپر ذکر کردہ صاحب کے یہ چار بھائی بھانجے ہیں، کسی وجہ سے ماموں اور ان دو عالم بھائیوں کے درمیان نااتفاقی چل رہی ہے، اس لیے ماموں نے اپنے بھانجے رضوان کو اپنی صاحبزادی دینے سے پہلے حلف نامہ لکھوادیا؛ تاکہ مستقبل میں دو عالم بھائیوں سے مل کر ماموں اور ان کے صاحبزادوں کے خلاف کوئی سازش نہ کرے۔ اس زمانے میں ایک صاحب نے طلحہ کو حلف نامہ لکھوایا ''میں آج قسم کھا کر کہتا ہوں اور لکھتا بھی ہوں ماموں سلیمان اور ان کے لڑکوں کے خلاف بغاوت کر کے ان کے مخالفین سے مل کر اگر ان کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کروں تو میری گھر والی کو تین طلاق''۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① آپ کا یہ سمجھنا کہ طلاق واقع نہ ہوگی صحیح ہے۔

② اس صورت میں طلاق واقع نہ ہوگی۔

شرطه الملك كقوله لمنكوحته ان ذهبت فأنتِ طالق أو الاضافة إليه. (تنویر الابصار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

غیر مسلم قاضی کے فیصلۂ طلاق کا حکم

سوال: میری بیوی سے گھریلو تنازعہ کی وجہ سے میں تین سال ہوئے علیحدہ رہ

رہا ہوں، اس درمیان بیوی نے کورٹ سے طلاق حاصل کی، میں نے نہ طلاق نامہ پر دستخط کئے نہ کورٹ کو اتھاریٹی دی، یہ یک طرفہ کاروائی ہوئی، اس کے بعد ایک مسلم ادارہ کے ذریعہ مجھے نوٹس ملا کہ چوں کہ کورٹ نے طلاق دے دی ہے؛ لہٰذا آپ شرعی طور پر طلاق نامہ لکھ بھیجو۔ میں نے جواب دیا کہ اولاً مجھے طلاق دینا نہیں ہے، اور بیوی طلاق چاہتی ہے تو اسے خلع کہا جائے گا، اور خلع کی صورت میں شوہر کچھ ڈیمانڈ کرسکتا ہے؛ لہٰذا بیوی اگر ایک لاکھ پونڈ دے تو میں خلع دینے کو تیار ہوں، میری اس ادارہ سے کافی خط وکتابت رہی، آخر ادارہ کو میں نے لکھا کہ اگر ایک لاکھ پونڈ آپ کی نظر میں نامناسب لگ رہا ہے تو وہ بتلائے کہ کتنی رقم دے سکتی ہے؟

اب اس ادارہ نے مجھے حسبِ ذیل خط لکھا:

① کورٹ کے ذریعہ طلاق ہوچکی۔

② آپ خلع دینے پر راضی تھے۔

③ آپ اپنی بیوی سے تین سال سے جدا ہیں۔

④ آپ نے بدل خلع کا نامناسب مطالبہ کیا ہے۔

براہِ کرام مجھے بتلایئے کہ کیا مذکورہ وجوہات کی وجہ سے میری بیوی کو طلاق ہوگئی؛ جب کہ میں نے نہ طلاق دی، نہ طلاق نامہ پر دستخط کی، نہ کسی کو وکیل طلاق بنایا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر آپ نے کورٹ کو طلاق کا کوئی اختیار نہیں دیا تھا، اور اس کے فیصلۂ طلاق پر منظوری کے دستخط بھی نہیں کئے تو غیر مسلم قاضی کے اس فیصلہ سے آپ کی بیوی پر طلاق نہیں ہوئی، مسلم ادارہ نے وقوع طلاق کی جو وجوہات لکھی ہیں ان میں سے کسی وجہ سے

بھی شرعاً طلاق واقع نہیں ہوئی؛ البتہ بدل خلع کے طور پر جو مطالبہ کیا ہے وہ یقیناً نامناسب ہے، آپ نے جو رقم بطور مہر دی تھی اتنی رقم کا مطالبہ مناسب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

غیر مسلم جج کا فیصلۂ طلاق

سوال: جج کا غیر اسلامی ممالک میں طلاق کا فیصلہ دینے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا وہ شرعی طلاق ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو رجعی یا بائن؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسلم جج کا فیصلہ جب کہ شریعتِ حقہ کے مطابق ہو شرعاً فسخِ نکاح کے متعلق معتبر ہے، غیر مسلم جج کا فیصلہ ایسے مسائل میں شرعاً معتبر نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۳۴)

اس صورت میں یا تو شوہر سے طلاق حاصل کی جائے یا کسی مسلم حاکم سے باقاعدہ نکاح فسخ کروایا جائے یا خلع کیا جائے۔ (ایضاً ۹/ ۳۵۵)

البتہ اگر شوہر نے خود عدالت میں طلاق کے لیے مقدمہ دائر کیا ہے یا عورت کے مقدمہ داخل کرنے کی صورت میں غیر مسلم جج کو فیصلہ کا اختیار دیا ہے تو اس صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے غیر مسلم جج کو طلاق کا وکیل بنادیا اور بطور وکیل اس کی واقع کی ہوئی طلاق پڑ جائے گی، اب اگر الفاظِ صریح طلاق کے استعمال کئے ہیں تو رجعی پڑے گی اور کنایہ یا بائن کے ہیں تو بائن پڑے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ

طلاق طلاق، تو آزاد کہنے کا حکم

سوال: نام: محمد ایوب، زوجہ: فرزانہ، محمد ایوب نے اپنی عورت کو حسب ذیل تفصیل سے طلاق دی ہے: زبان سے بولا طلاق، طلاق اور تیسری مرتبہ یوں کہا کہ: تو آزاد ہے، جاسکتی ہے، اس طریقے سے معاملہ ہوا، اب ان میں کونسی طلاق ہوئی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں محمد ایوب کی بیوی فرزانہ پر تین طلاق واقع ہوچکی ہے، اب فرزانہ، محمد ایوب پر حرام ہوچکی ہے، شرعی حلالے کے بغیر محمد ایوب کا نکاح فرزانہ کے ساتھ درست نہیں ہے۔

ونحو: اعتدي، استبرئي رحمك، أنت واحدة، أنت حرة، لا يحتمل السبب والرد (درمختار) بل معناه الجواب فقط (شامي)

وفي مذاكرة الطلاق يتوقف الأول فقط،ويقع في الأخيرين وإن لم ينو؛ لأن مع الدلالة لا يصدق قضاء. (درمختار) وا لبائن يلحق الصريح (درمختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۴ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

طلاق کی جگہ خالی چھوڑ کر تحریر لکھنے کا حکم

سوال: زید نے اپنی بیوی ہندہ کو شادی کے ایک سال بعد طلاق رجعی دیا اور اسی وقت رجوع ہوگیا، زید کو اپنی بیوی ہندہ کو اس کے ماں کے گھر جانے سے اعتراض تھا اور وہاں پر رُکنے سے؛ اس لیے زید ہندہ کو اس کے ماں باپ کے وہاں رکنے نہیں

دیتا تھا، شادی کے ڈیڑھ دو سال بعد ہندہ اس کے ماں باپ کے وہاں گھر چلی اور رُک گئی، اس کے ماں باپ ہندہ کو زید سے ملنے نہیں دے رہے تھے، ہندہ کو اس کے ماں باپ بولے کہ: اگر تو نیچے اتری تو تیرا پاؤں کاٹ ڈالیں گے، فون بھی نہیں کرنے دے رہے تھے، اسی وقت میرے پہلے لڑکے کو ماتار چیچک نکل آئی تھی، اس کی خبر دینے نہیں دیے، تو بہ طور دھمکی زید نے نیچے لکھی ہوئی تحریر اس کے گھر ہندہ کی ایک سہیلی سے بھیجی، تحریر صرف اور صرف دھمکی کی ہے، دھمکی چند دوستوں کو گواہ رکھ کر دی گئی ہے:

میرے بار بار منع کرنے کے بعد بھی تم تمھارے ماں باپ کے وہاں گئی، اور رک گئی؛ اس لیے میں تمھیں دوسرا..... دیتا ہوں، اور دوبارہ رکھوں گا اس شرط پر کہ تم تمھارے ماں باپ کے گھر گئیں یا چوکھٹ پار کی تو سمجھ لینا کہ تیسرا بھی..... ہوجائے گا۔

نوٹ: زید کی سمجھ یا علم سے..... کی جگہ جب طلاق لکھے گا تو ہوگا، نہیں تو نہیں۔ دھمکی آمیز تحریر ملنے پر ہندہ ایک گھنٹے میں زید کے پاس آگئی، اور آٹھ سال تک اس کے ماں باپ کے گھر نہیں گئی، اس بیچ زید کو پچھتاوا ہوا اور آج سے چار سال قبل حج پر ہندہ کے ماں باپ سے دل میل صاف ہوئی، تب زید نے آنے جانے کا راستہ کھولنے کے لیے بہت سے فتویٰ منگوائے، سب لوگوں کو یہی بولا کہ میں اپنے قول سے رجوع ہوجاتا ہوں، اگر اس کا کفارہ ہے وہ دیتا ہوں، اجازت آنے جانے کی دیتا ہوں، اجازت بھی دے دیا۔ جب ہندہ کی دو بہنوں کی شادی تھی؛ مگر زید کے والد نے ہندہ کو منع کر دیا اور کہا کہ: شادی سامنے گھر سے کردو، پھر شادی سامنے گھر سے ہوئی۔ زید کی طرف سے ہندہ چار سال قبل اجازت مل گئی تھی؛ مگر ہندہ کے ماں باپ کی طرف

سے جو علمائے دین تھے وہ کہتے تھے: نہیں، طلاق واقع ہوجائے گی، اجازت دینے کے بعد قول سے رجوع کرنے کے بعد یا کوئی بھی کفارہ کے بعد بھی، تو ہندہ نہیں گئی، تین ہفتہ پہلے ہندہ اس کے ماں باپ کے ساتھ اس کے ماں باپ کے گھر چلی گئی، تو ایسی صورت میں دوسری یا تیسری طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

سوالی فتویٰ کے ساتھ دو جوابی فتویٰ بھی بھیج رہا ہوں، ایک جوابی فتویٰ میں زید دو طلاق کا مالک ہے؛ کیوں کہ خالی پر لکھے گا تو ہوگا، نہیں تو نہیں، تو دونوں جگہ خالی ہے۔ دوسرے جوابی فتویٰ میں زید ایک طلاق کا مالک ہے، اس میں دوسرا لکھا ہوا ہے کہ ہوگیا ہے، اور تیسرا بیوی کے کچھ لینے سے طلاق واقع نہیں ہوئی، یہ حق شوہر کو ہوتا ہے، شوہر جب تک رہے گا، نہیں تو نہیں ہوگا، اب حقیقت میں زید ایک یا دو کا مالک ہے؟ دلیل سے لکھ کر دیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درمختار میں ہے: ونحو: اعتدي، واستبرئي رحمك، أنت واحدة، أنت حرة، اختاري، أمرك بيدك، سرحتك، فارقتك، لايحتمل السبب والرد، ففي حالة الرضاء أي غير الغضب والمذاكرة تتوقف الأقسام الثلاثة تاثيرا على النية، وفي الغضب توقف الأولان إن نوى وقع وإلا لا، وفي مذاكرة الطلاق يتوقف الأول فقط ويقع بالأخيرين وإن لم ينو إلخ. (در علی هامش الشامي ۲/۵۰۵،۵۰۴)

قال الشامي:(قوله أنت واحدة)أي طالق تطليقة واحدة، ويحتمل أنت واحدة عندي أو في ثوبك مدحا أو ذما، فإذا قال الأول فكأنه قاله، ولا اعتبار باعراب الواحدة عند عامة المشايخ وهو الأصح؛ لأن

العوام لا يميزون بين وجوهه، والخواص لا يلتزمونه في مخاطباتهم؛ بل تلك صناعتهم إلخ(شامي ۲/۵۰٤)

صورت مسئولہ میں زید نے جو تحریر لکھ کر ہندہ کے پاس بھیجی، اس میں اس نے صفت (دوسرا) کا صاف صاف تذکرہ کیا ہے؛ البتہ موصوف (یعنی طلاق) کی جگہ یہ سمجھ کر خالی رکھی ہے کہ اس جگہ طلاق کا لفظ لکھوں گا تو طلاق واقع ہوگی؛ ورنہ طلاق واقع نہ ہوگی، حالاں کہ اصولی اعتبار سے بہ طور اقتضاء النص صفت کا ذکر موصوف کے ذکر کو مستلزم ہوتا ہے؛ اس لیے یہ ایسا ہی ہے جیسے وہ اس خالی جگہ میں طلاق کا لفظ لکھ بھی دیتا، اور تحریر دھمکی کے طور پر بھیج دیتا، اُس صورت میں وقوع طلاق میں تو کسی کو تردد نہ ہوتا، اسی طرح موجودہ صورت میں بھی اس کی بیوی ہندہ پر دوسری طلاق اس وقت پڑ چکی تھی جب اس نے یہ تحریر لکھی، اور تیسری طلاق ماں باپ کے گھر جانے پر معلق کیا تھا، اور وہ جا چکی ہے؛ اس لیے وہ بھی پڑ گئی، اس طرح زید کی بیوی ہندہ پر تین طلاق واقع ہو کر وہ اس پر حرام ہو چکی ہے، شرعی حلالے کے بغیر اب زید کے لیے اس کے ساتھ دوبارہ نکاح حلال نہیں ہے۔ زید نے اپنی تحریر میں دوسرا اور تیسرا کا جو لفظ بہ طور صفت استعمال کیا ہے، اس کا موصوف طلاق ہی ہے، اس کا خود زید کو بھی اقرار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۲ رشوال ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

غلط فہمی میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے

سوال: زید کی بیوی (جمیلہ) کو پہلے ایک لڑکا ہوا، گاؤں کے رسم و رواج کے

مطابق جمیلہ سوامہینہ کرنے اس کے ماں باپ کے گھر گئی، جب جمیلہ سوامہینہ کرنے گئی تھی تب زید کے لڑکے کی عمر ۳۰ یا ۳۲ دن کی تھی، جمیلہ کے سوامہینہ کرنے جانے کے چار دن بعد جمیلہ اور اس کی ماں زید کے پاس آئے اور کہا کہ: ہم لوگ بمبئی گھومنے کے لیے جارہے ہیں، تب زید نے بمبئی جانے سے جمیلہ کو منع کیا کہ دسمبر کی ٹھنڈی ہے اور لڑکا صرف ۳۵ یا ۳۶ دن کا ہے، اتنی سخت سردی میں بچہ کو بمبئی لے جانا مناسب نہیں ہے، تب جمیلہ کی ماں نے کہا: ہم بمبئی ضرور جائیں گے، تمھیں جو کرنا ہے کرلو، کچھ بھی ہو، وہ اتنا بول کر جمیلہ کے گھر سے چلے گئے۔ زید نے دوسرے دن جمیلہ کے گھر جا کر دیکھا کہ جمیلہ اور اس کے ماں باپ نہیں، بمبئی چلے گئے، گھر پر تالا لگا ہوا تھا، تب زید نے سمجھا کہ وہ لوگ بمبئی چلے گئے ہیں، زید غصے میں آکر ایک چٹھی لکھا اور گلی کے ایک لڑکے کے ذریعے جمیلہ کے ماں باپ کے گھر روانہ کردیا، چٹھی کی تحریر ذیل میں ہے:

میری پیاری بیوی!

السلام علیکم

میرے منع کرنے کے بعد بھی تم نے میری نافرمانی کی اور بمبئی چلی گئی، اس وجہ سے میں تمھیں پہلا طلاق رجعی دیتا ہوں۔ تمھیں چاہنے والا

چٹھی ملنے کے فوراً بعد جمیلہ اور اس کی ماں اور اس کے دو تین رشتے دار زید کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ: جمیلہ بمبئی نہیں گئی ہے اور نہ ہی گاؤں سے باہر گئی تھی، تم جب گھر پر آئے تھے اور تالا لگا ہوا تھا تو ہم لوگ رشتے داری میں گئے ہوئے تھے، تب زید نے معلومات لی تو جمیلہ گاؤں میں ہی تھی، بمبئی نہیں گئی تھی، اب ایسی صورت میں پہلی طلاق رجعی واقع ہوئی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں زید کی بیوی جمیلہ پر ایک طلاق رجعی واقع ہو چکی ہے؛ اس لیے کہ زید نے طلاق کو بمبئی جانے پر معلق نہیں کیا ہے، یعنی یہ نہیں کیا کہ اگر تم بمبئی گئی ہو تو طلاق؛ بلکہ زید نے طلاق تو حتمی طور پر دے دی ہے؛ البتہ اس کی وجہ بمبئی جانا بتلایا ہے، یہ الگ بات ہے کہ یہ وجہ درست نہیں ہے۔ یہ ایسا ہے جیسا کہ کسی آدمی کو بتلایا گیا کہ آپ کی بیوی نے آپ کی والدہ کے ساتھ جھگڑا کیا اور انھیں گالیاں دیں، یہ سن کر اس کو غصہ آ گیا اور اسی بنیاد پر طلاق دے دی، بعد میں پتہ چلا کہ اطلاع غلط تھی تب بھی طلاق تو پڑ ہی گئی۔ کما ھو الظاھر فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۳ رذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

لفظ ''دوسری طلاق'' پہلی طلاق کے اقرار کو متضمن ہے

سوال: شوہر کا بیان ہے کہ: انھوں نے اپنے لڑکے محمد ریاض الدین جو اپنے کسی دوست کی تقریب میں بہ ذریعۂ ٹیکسی جا رہے تھے، اور ساتھ ہی اپنی والدہ کو بھی لے جا رہے تھے، شوہر نے منع کیا کہ آپ کو جانا ہو تو جاؤ؛ مگر اپنی والدہ کو مت لے جاؤ، وہ بہ ضد رہے کہ میں اپنی والدہ کو بھی لے جاؤں گا، شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ: آپ نہ جائیں، اگر آپ گئیں تو میں آپ کو ایک طلاق دے دوں گا؛ لیکن بیوی نہیں گئی۔

پھر چند سال کے بعد تیسرے لڑکے کی شادی کے موقع پر لڑکے کے والد نے اپنے بھائی کو شادی میں بلانے سے منع کیا، اس کے باوجود ان کو رقعہ دیا گیا اور وہ شادی میں شریک ہوئے، اور لڑکے کے والد شادی میں شریک نہیں ہوئے۔ شادی کے ۳۵ر

یوم بعد خود لڑکے نے اپنے والد سے اپنی ماضی کی غلطی یعنی والد پر حملہ کیا تھا، اس کی معافی مانگی اور والد نے معاف کر دیا، پھر معافی مانگنے کے بعد دوبارہ اپنے والد کے بھائی یعنی چاچا کے پاس جانے لگے، والد نے منع کیا کہ: آپ نے ابھی ایک گھنٹہ قبل معافی مانگی، پھر ان کے پاس جانے کو تیار ہو گئے۔ یہ گفتگو باپ کی لڑکے اور سالی کے درمیان میں ہو رہی تھی، اس پر بیوی نے کہا (دیور کی تائید کرتے ہوئے): آپ نے ابھی اپنے لڑکے کو معاف کر دیا اور حج کو جاتے وقت بھی معاف کر دیا، شوہر نے بیوی سے کہا: آپ کو نہیں معلوم، آپ اس میں دخل مت دو، آپ کو اس معاملے میں دخل دینے کی ضرورت نہیں، اگر دخل دو گی تو آپ کو نقصان ہوگا، اور پھر شوہر نے اپنی بیوی سے کہا: آپ کو دوسری طلاق دے رہا ہوں، آپ کو دوسری طلاق دے رہا ہوں، اور تیسری باقی ہے۔

بیوی کا بیان: بھاوج کہتی ہے کہ: اس موقع پر کہا: طلاق طلاق دو بار، اور کہا: تیسری باقی ہے، اس سے پہلے ایک دے چکا ہوں۔

بیٹی کا بیان: بیٹی کہتی ہے کہ: والد نے والدہ کو کہا: طلاق طلاق دو بار، تیسری باقی ہے، اس کے بعد کیا کہا؟ یاد نہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شوہر نے جب بیوی سے کہا: آپ کو دوسری طلاق دے رہا ہوں تو اس کی بیوی پر دو طلاق واقع ہوئی؛ اس لیے کہ اس کا لفظ دوسری طلاق پہلی کے اقرار کو متضمن ہے۔

ولو قال: أنت طالق غير واحدة فهي ثنتان، ولو قال: أنت طالق غير ثنتين فهي ثلاث كذا في المحيط. (عالمگیری ۳۷۲/۱)

ولو قال: أنت طالق تمام الثالث أوثالث ثلاث فهي ثلاث.
(عالمگیری ۱/۳۷۴)

اس کے بعد جب اس جملے کو دوسری مرتبہ کہا تو اس سے بھی دو واقع ہونی چاہیے تھی؛ لیکن اس کو ایک ہی کا اختیار باقی تھا؛ اس لیے وہی آخری واقع ہوگئی، جیسے کوئی آدمی اپنی بیوی کو چار طلاق دے تو تین طلاق واقع ہوجاتی ہے۔

کرر لفظ الطلاق وقع الکل (درمختار)

لہٰذا صورت مسئولہ میں عورت پر تین طلاق واقع ہوکر وہ مغلظہ ہوچکی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

محض تصور کرنے سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

سوال: خالد نے فضائلِ صدقات میں صفحہ ۴۷۹ پر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ پڑھا، یعنی عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ موتہ میں یہ فرمایا تھا کہ اگر بیوی کا خیال آجائے تو اس کو تین طلاق، تو خالد نے لفظ پڑھنے کے بعد دل میں یہ کہا کہ بیوی کو تین طلاق۔ تو کیا خالد کی بیوی پر تین طلاق پڑگئی یا نہیں؟ اور طلاق پڑی تو کتنی پڑی؟ اگر تین طلاق پڑی تو اس کے حلال ہونے کی کیا صورت ہے؟ اور خالد ابھی سفر میں ہے، اور یہ بات خالد کی بیوی کو معلوم نہیں ہے، آیا بیوی کے معلوم ہونے کے بعد عدت کے ایام شمار ہوں گے یا جب سے طلاق پڑی ہے اس وقت سے؟ اور اگر حلالہ کی صورت پڑتی ہے تو کیا جس مرد سے نکاح کیا جائے گا وطی کرنا اس کا ضروری ہوگا؟ اور یہ معاملہ

اتفاقیہ ہوگیا، بیوی سے نہ کوئی رنجش نہ لڑائی جھگڑا، کچھ بھی نہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر خالد نے یہ الفاظ زبان سے اس طرح ادا کئے کہ اس کے کانوں نے یہ آواز سنی، اور جس وقت لفظ بیوی بول رہا تھا اس کی مراد اپنی بیوی ہے تو اس کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوکر وہ اس پر حرام ہوگئی، ختم عدت کے بعد وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کرے، اور وہ دوسرا شوہر وطی کرے، اس کے بعد اس شوہر کی وفات ہو یا کسی وجہ سے طلاق دے دے، اور اس کی عدت پوری ہوجائے، تب خالد دوبارہ اس عورت سے نکاح کرسکتا ہے۔ اور اگر خالد نے یہ الفاظ زبان سے ادا نہیں کئے بلکہ دل میں صرف اس کا تصور اور خیال آیا، یا زبان سے جس وقت ادا کئے اس وقت لفظ بیوی بول کر اپنی بیوی مراد نہیں تھی؛ بلکہ صرف ان الفاظ کا تکرار ہی مقصود تھا تو اس صورت میں خالد کی بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ر ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

زبان سے بے اختیار طلاق کے الفاظ نکل جائے تو؟

سوال: زید رات کو سوتے وقت آنکھیں بند کرکے درود شریف پڑھ رہا تھا، اس وقت زید کی زبان سے اچانک چھ طلاق نکل گیا، زید نے نہ اپنی زوجہ کا نام لیا، نہ خطاب کیا، نہ اشارہ کیا، زید کو اپنی زوجہ کو طلاق دینے کی نیت نہ تھی، اچانک زبان سے یہ الفاظ نکل گئے ہیں بغیر ارادہ کے تو کیا زید کی عورت کو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید کی زوجہ اس وقت کہاں تھی؟ اس کی کوئی وضاحت سوال میں نہیں ہے، اگر اضافت معنوی کا کوئی قرینہ ہے تو طلاق واقع ہوگی، ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳؍صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

صرف دل میں طلاق دینا

سوال: زید آہستہ آواز سے سورۂ فاتحہ پڑھ رہا تھا، اس وقت زید کو تین طلاق کا وسوسہ دل ہی دل میں آیا یا زبان سے یہ الفاظ ادا ہو گئے، اس کے بارے میں زید کو شک ہو گیا ہے، زید کو ظن غالب ہے کہ دل ہی دل کے اندر وسوسہ آیا ہے تو اس صورت میں کیا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وسوسہ ہی کا درجہ ہے تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳؍صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اتنی آہستہ سے طلاق دینا کہ خود بھی نہ سن سکے

سوال: زید نے زبان سے کہہ دیا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، ان الفاظ کو اتنے آہستہ آواز سے کہا کہ خود نہیں سنا، تو زید کی عورت کو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ طلاق واقع ہونے کے لیے کیا اتنا آواز ضروری ہے جو خود سن سکے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اتنی آواز نکلی جو اس کے کانوں تک پہنچ گئی تو طلاق واقع ہوگی۔ (شامی ۱/ ۳۹۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب الطلاق البائن

''فارختی'' سے طلاق بائن واقع ہوگی

سوال: ہماری چالی میں ایک بھائی کے گھر میں گھریلو معاملات پر میاں بیوی میں جھگڑا ہوگیا، شوہر نے جھگڑے کے دوران بیوی کی زبان درازی سے غصے کے عالم میں تین سے زیادہ مرتبہ اپنی بیوی کو کہا میں نے تجھے ''فارختی'' دیا، میں نے تجھے فارختی دیا، میں نے تجھے فارختی دیا، ایسا مردوں اور عورتوں کی حاضری میں کہا۔ تو کیا اسلامی رو سے اس عورت کو فارختی ہوگئی؟ اگر اس عورت کو فارختی ہوگئی ہو اور دونوں میاں بیوی پھر سے ازدواجی زندگی گزارنا چاہیں تو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں اس عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی۔

(شامی ۲/ ۵۰۴، فتاویٰ دار العلوم مطبوعہ کراچی ۲/ ۶۱۹، فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۱۲۱)

اب اگر وہ دونوں پھر سے ازدواجی زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو پھر سے نکاح

کرلیں، حلالہ کی ضرورت نہیں، چوں کہ سابق شوہر ہی نکاح کرنا چاہتا ہے؛ اس لیے عدت کے اندر بھی کرسکتا ہے۔ (شامی ۲/ ۵۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم ذوی الحجہ ۱۴۰۷ھ

''تو چلی جا مجھے نہیں چاہیے'' کہنا

سوال: میاں بیوی کے درمیان جھگڑا ہوا، میاں نے بیوی سے کہا ''تو چلی جا، مجھے نہیں چاہیے'' کیا طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ جواب اثبات میں ہے تو کونسی طلاق؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

''تو چلی جا مجھے نہیں چاہیے'' الفاظِ کنایات میں سے ہے، اگر شوہر نے طلاق کی نیت سے کہے ہیں، تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی ورنہ نہیں۔ (شامی ۲/ ۵۰۵، فتاوی دار العلوم مکمل مدلل ۹/ ۳۷۹، ۳۸۳)

نیت تھی یا نہیں، اس سلسلہ میں شوہر کا قول اس کی قسم کے ساتھ معتبر ہوگا۔ (ایضا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

''تو دوسرا شوہر تلاش کرلینا'' لکھنا

سوال: ایک میاں بیوی کے درمیان نکاح کے کچھ ایام کے بعد ہی سے کشیدگی ہورہی تھی، اور یہاں تک نوبت آئی کہ یہ کشیدگی کبھی کبھی وطی سے مانع ہوتی تھی، اب اس شوہر نے اپنے ایک ساتھی کے اوپر خط لکھا تھا کہ میں نے میری بیوی کو خط لکھا

ہے، کہ تو دوسرا شوہر تلاش کر لینا، میں تجھے رکھنے والا نہیں ہوں اور میں دوسری شادی کر کے رہوں گا، اور اس نے کہا کہ میری نیت دھمکی کی تھی، تو کیا طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ مفصل و مدلل جواب تحریر فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں اگر شوہر کی نیت طلاق کی ہے، تو ایک طلاق بائن واقع ہوگی، ورنہ نہیں۔

ويؤيد ما في الذخيرة: اذهبي وتزوجي لا يقع إلا بالنية، وإن نوى فهي واحدة بائنة، وإن نوى الثلث فثلث. (شامی ۲/ ۵۱۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بیوی کو ''اپنے ماں باپ کے گھر چلی جا'' کہنا

سوال: عبدالرحمن نے اپنی بیوی کو یہ کہا کہ تو زیورات (کڑے اور ہنسلی) مجھے دے دے اور تو ماں باپ کے گھر چلی جا، عبدالرحمن کے دل میں طلاق کی نیت نہیں تو کیا عورت پر طلاق پڑے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر عبدالرحمن نے اپنی بیوی کو ''تو اپنے ماں باپ کے گھر چلی جا'' کہتے وقت طلاق کی نیت نہیں کی تھی تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ صفر ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

طلاق بائن اور ''تو چلی جا'' کہنا

سوال: ① طلاق بائنہ کی تعریف کیا ہے؟ اور طلاق بائنہ کب واقع ہوتی ہے؟
② شوہر کا اپنی عورت سے یہ کہنا کہ ''تو چلی جا'' تو یہ لفظ طلاق سے کنایہ ہے یا نہیں؟
③ مذکورہ جملہ اگر کنایہ ہے تو اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی سے جھگڑا ہونے کے سبب غصہ کی حالت میں کہا کہ ''تو چلی جا'' نیتِ طلاق کے بغیر، تو کیا صرف حالتِ غضب کی وجہ سے طلاق واقع ہو جائے گی یا حالتِ غضب میں نیت کا ہونا بھی ضروری ہے؟

کنایہ کا حکم نور الانوار کی عبارت کے مطابق یہ ہے: ''حكمها ان لا يجب العمل بها إلا بالنية، أي بنية المتكلم لكونها مستفسرة ا لمراد، فلا يطلق فى ''أنت بائن'' ما لم ينو نيته أو لم يكن شيء قائما مقامها كدلا لة الغضب أو مذاكرة الطلاق''.

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کنایہ کے الفاظ استعمال کرنے کی صورت میں طلاق بائن کے وقوع کے لیے دو چیزوں میں سے ایک کا ہونا کافی ہے: ① طلاق کی نیت ② یا اس کے قائم مقام کوئی دوسری چیز ہو۔ جیسے: حالتِ غضب کا ہونا یا مذاکرہ طلاق کا ہونا، اور دریافت کردہ مسئلہ میں ان دونوں میں سے ایک چیز پائی گئی یعنی حالتِ غضب اگرچہ نیتِ طلاق نہ پائی گئی تو طلاق واقع ہو جانی چاہیے یا پھر لفظ ''تو چلی جا'' غصہ کی حالت میں کہنے کی صورت میں طلاق کے وقوع کے لیے نیتِ طلاق کا ہونا بھی ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

① تا ③ ایسی طلاق جس کے بعد شوہر کو رجوع کا حق نہ رہے طلاق بائن کہلاتی

ہے، لفظ طلاق کے ساتھ کوئی ایسی صفت بڑھادی جو اس میں تاکید وشدت پیدا کرنے والی ہو تو طلاق بائن پڑتی ہے یا بائن کی تصریح کی ہو، بعض الفاظ کنایہ کو چھوڑ کر بقیہ سے بھی طلاق بائن واقع ہوتی ہے، ''تو چلی جا'' الفاظ کنایہ ہی میں سے ہے، اگر یہ لفظ طلاق کی نیت سے کہا ہے تب طلاق واقع ہوگی، حالتِ غضب کافی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/شوال ۱۴۱۷ھ

طلاق بائن کے الفاظ

سوال: طلاق بائن کن الفاظ سے ہوگی؟ اور کس موقع سے ہوگی؟ الفاظ کا اعتبار ہے یا نیت کا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

الفاظ کنایات سے طلاق بائن واقع ہوتی ہے؛ بشرطیکہ طلاق کی نیت ہو؛ البتہ اگر عرف میں وہ لفظ اسی لیے استعمال ہونے لگا ہے تو نیت کے بغیر بھی واقع ہوگی، تفصیلات مطولات میں دیکھئے، یہاں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

طلاق کے متعدد الفاظ کنائی کا حکم

سوال: سہیل کی بیوی سلمہ خانہ داری کے معاملات کو لے کر کبھی ساس سے جھگڑتی ہے، شوہر سہیل ہمیشہ صبر کی تلقین کرتا ہے؛ مگر وہ رات کو روتی رہتی ہے، بار بار سمجھانے پر بھی وہ چپ نہیں ہوتی، ایک صبح جب شوہر سہیل رات کو اس رونے پر پریشان ہوا تھا،

فجر کے بعد آ کر اپنی بیوی کے سامنے نہایت پریشانی کے عالم میں کہنے لگا کہ: تم میری خالہ کے گھر جو قریب ہی رہتی ہے چلی جاؤ! وہ تمھیں تمھارے گھر پہنچا دے گی، میری تمھاری جمے گی نہیں، تم چلی جاؤ یا میں چلا جاؤں گا؛ لیکن طلاق کی نیت بالکل نہیں تھی۔ یہ کہہ کر شوہر سلیم بھی رو پڑا اور کہا کہ: اس بچے کا بھی تم کو خیال نہیں آتا جو چھوٹا سا ہے، یہ کہنے پر بیوی بھی معافی مانگنے لگی کہ تم کہیں نہ جاؤ میں ایسا نہیں کروں گی۔

دوسری مرتبہ اسی طرح ساس کے ساتھ جھگڑا ہوا، تو بیوی سلمہ کی بہن گھر آئی تھی، جب اس کے سامنے یہ جھگڑے کی بات ساس بہو اور شوہر کی خالہ کرنے لگی، تو شوہر، سلمہ کی بہن سے حالت غضب میں کہنے لگا کہ: اس کو گھر لے جاؤ ورنہ طلاق دے دوں گا، پھر اُس مجلس میں دو تین مرتبہ یہ کہا کہ: اس کو لے جاؤ! کبھی مطلق اور کبھی اسی طرح کہ: میں خوشی سے کہتا ہوں، لے جاؤ! ایک مہینہ رکھو؛ تاکہ اس کا دماغ فریش ہو جاوے، یہ یہاں پریشان سی رہتی ہے، اس میں بھی طلاق کی نیت کسی وقت بھی نہیں تھی۔ ایک مرتبہ اسی جھگڑے سے پریشان ہو کر بیوی سے کہا حالت غضب میں: تو تیری ماں کے یہاں چلی جا، میرا پیچھا چھوڑ، اس میں بھی طلاق کی نیت بالکل نہیں تھی، ماں کے ساتھ رہ کر لڑتی رہتی ہے؛ اس لیے شوہر نے یہ کہا۔ ایک مرتبہ علاحدہ گھر کا مطالبہ کیا تو شوہر نے کہا کہ: الگ رہنا ہے تو تیری ماں کے گھر چلی جا! بیوی کے سامنے غصہ کا موڑ بناتے ہوئے یہ الفاظ کہے؛ مگر اس میں بھی طلاق کی نیت نہیں ہے۔ ان تمام صورتوں میں سے جو سب حالت غضب میں ہے، کہیں طلاق واقع ہوئی ہے؟ برائے کرم مدلل جواب تحریر فرمائیں، اور فقہ کی کتابوں میں جو تقع بدلالة الحال ہے اس کی وضاحت فرماویں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سہیل نے اپنی بیوی سلمہ کو مختلف اوقات میں جو الفاظ کہے ہیں وہ اُن الفاظ کنایات میں سے ہیں جن کو فقہا نے مایصلح ردا وجوابا میں شمار کیا ہے، اور کنایات طلاق کی اس قسم کا حکم یہ ہے کہ تینوں حالتوں (حالتِ رضا، حالتِ غضب اور حالتِ مذاکرۂ طلاق) میں ان الفاظ سے طلاق واقع ہونے کے لیے نیت ضروری ہے؛ اس لیے صورت مسئولہ میں ان الفاظ کو بولتے وقت سہیل کی نیت طلاق کی نہیں تھی، تو اس کی بیوی سلمہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی۔

درمختار میں ہے: والكنايات الثلاث مايحتمل الرد أو مايصلح للسب أو لا، فنحو: أخرجي، واذهبي، وقومي، تقنعي، تخمري، استتري، انتقلي، انطلقي، اعزلي، اغربي - من الغربة أو من الغروبة- يحتمل ردا (إلى أن قال) ففي حالة الرضا -أي غير الغضب- والمذاكرة تتوقف الأقسام الثلاثة تاثيرا على نية ... وفي الغضب تتوقف الأولان، إن نوى وقع وإلا لا؛ وفي مذاكرة الطلاق يتوقف الأول فقط.

(درمختار على هامش الشامي ۲/ ۵۰۲ تا ۵۰۵)

درمختار کی اس عبارت کی شرح میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تشریح کی ہے اس کا مطالعہ کرلیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اُملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ر رمضان ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

''یہاں نہیں رہے گی تو میرے نکاح میں نہیں'' کہنا

سوال: ایک آدمی گھر کے ایک حصہ میں اپنی فیملی کے ساتھ رہتا ہے (جوان بھائی

بہنوں میں میراث کا ہے ابھی تقسیم نہیں ہوا ہے) بعض ورثا ان کو تنگ کرتے ہیں اس لیے مذکورہ مرد کی عورت چاہتی ہے کہ دوسری جگہ جا کر رہیں مرد نے کہا تو یہاں نہیں رہے گی تو میرے نکاح میں نہیں اس کے بعد عورت کا شادی وغیرہ کے موقع پر گھر سے باہر جانا ہوا نیز دو چار روز سفر میں گھر سے باہر رہنا ہوا تو مذکورہ صورت میں طلاق ہوگی؟

اب مذکورہ مکان میں خاوند کی بہنوں نے دیوار لے لی جس کی وجہ سے بیت الخلاء بند ہو گیا جس کی وجہ سے گھر میں رہنا مشکل ہے اس لیے عورت کچھ مدت اپنے والد کے مکان پر رہی (رات دن وہیں گزارتی) ابھی تھوڑے دنوں سے عورت صبح سے رات تک خاوند کے گھر پر رہتی ہے اور رات اپنے والد کے گھر پر گزارتی ہے تو ایسی صورت میں کونسی طلاق واقع ہوگی اور کب سے ہوگی بعض حضرات نے کہا کہ طلاق ہوگئی اس لیے پھر سے نکاح کر لینا چاہیے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مستقبل میں یہ عورت اسی گھر کے دوسرے حصہ میں یا دوسرے مکان میں رہے عارضی یا مستقل تو اس وقت بھی طلاق ہوگی نکاح کے بعد اسی مکان میں دن گزارے اور رات دوسری جگہ تو کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی بھی کلام کے مفہوم ومطلب کی تعیین جس پس منظر میں وہ کلام کیا گیا ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے کی جاتی ہے صورت مسئولہ میں ورثاء کے تنگ کرنے کی وجہ سے بیوی کی طبیعت میں دوسری جگہ جا کر رہنے کی چاہت پیدا ہوئی اس سے مستقل رہائش مراد ہے اس لیے شوہر نے جب بیوی سے یہ کہا کہ تو یہاں نہیں رہے گی تو میرے نکاح

میں نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تو یہاں کی مستقل رہائش چھوڑنے کے ارادہ سے یہاں سے جائے گی تو نکاح میں نہیں رہے گی اس لیے اگر وہ عورت شادی وغیرہ کسی تقریب میں شرکت یا کسی اور ضرورت کے پیش نظر کچھ دنوں کے لیے اس گھر سے باہر رہی تو چوں کہ اس کا یہ گھر سے باہر رہنا مستقل ترک رہائش کے ارادہ سے نہیں تھا اس لیے اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی اسی طرح خاوند کی بہنوں کے دیوار لے لینے کی وجہ سے بیت الخلاء بند ہوجانے کے نتیجہ میں جب وہ اپنے والد کے مکان پر رہی اس کا ارادہ اپنے مکان کی رہائش مستقل طور پر چھوڑنے کا نہیں تھا بلکہ دل میں یہ ہے کہ جب بیت الخلاء کا انتظام ہوجائے گا دوبارہ اس میں سیٹ (منتقل) ہوجاؤں گی وہاں تک عارضی طور پر اپنے والد کے مکان پر رہی تو اس صورت میں بھی اس کی اپنے مکان کی ترک رہائش مستقل نہ ہونے کی وجہ سے اس پر طلاق واقع نہ ہوگی البتہ اگر خاوند کی بہنوں کے دیوار لے لینے والی صورت میں وہ اپنے مکان سے مستقل رہائش ترک کرنے کے ارادہ سے نکلی ہے تو اسی وقت ایک طلاق بائن واقع ہوگی تجدید نکاح کے بعد اس سابقہ جملہ کی وجہ سے دوبارہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وفي فتاوى العلامة القاسم التحقيق أن لفظ الواقف و الموصي والحالف والناذر وكل عاقد يحمل على عادته في خطابه، واللغة التي يتكلم بها وافقت لغة العرب ولغة الشارع أو لا (رسائل ابن عابدين ۱۳۳/۲)

إذا علمت ذلك ظهر لك أن قاعدة بناء الأيمان على العرف معناه أن المعتبر هو المعنى المقصود في العرف من اللفظ المسمى،وإن كان في اللغة أو في الشرع أعم من المعنى المتعارف، ولما كانت هذه القاعدة موهمة اعتبار الغرض العرفي وإن كان زائدا على اللفظ المسمى وخارجا

عن مدلوله كما في المسألة الأخيرة وكما في المسائل الأربعة التي ذكرها المصنف دفعوا ذلك الوهم بذكر القاعدة الثانية وهي بناء الأيمان على الألفاظ لاعلى الأغراض، فقولهم لاعلى الأغراض دفعوا به توهم اعتبار الغرض الزائد على اللفظ المسمى، وأرادوا بالألفاظ الألفاظ العرفية بقرينة القاعدة الأولى(رد المحتار۳/۷۹)

(وفيها) كلها (تنحل) أي تبطل (اليمين) ببطلان التعليق (إذا وجد الشرط مرة)(درمختار)(قوله أي تبطل اليمين) أي تنتهي وتتم، وإذا تمت حنث فلا يتصور الحنث ثانيا إلا بيمين أخرى لأنها غير مقتضية للعموم والتكرار لغة. (ردالمحتار۳/۵۴۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ذوالقعدہ ۱۴۲۲ھ

''تم کو جہاں جانا ہو چلی جا'' سے طلاق

سوال: میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ میرے شوہر کے ساتھ میرا کچھ جھگڑا ہو گیا تو انہوں نے مجھے یہ کہہ دیا جاؤ تم کو جہاں جانا ہو چلی جا اب میں تم سے کوئی واسطہ نہیں رکھوں گا اور پھر وہ گھر میں سے فوراً نکل گئے۔ ایسا انہوں نے دو دفعہ کہا۔ پھر چلے گئے اور میں گھر میں ہی رہی۔ پھر رات کو دیر سے آئے اور کچھ بولے بغیر اور میں نے بھی کچھ پوچھا نہیں وہ سو گئے۔ پھر میں نے بہشتی زیور میں دیکھا اور صبح کو میں نے ان سے پوچھا کہ کل شام جو تم نے بولا تھا تو تمہارے دل کا مقصد کیا تھا اور تم کیا کرنا چاہتے تھے؟ وہ بولے نہیں۔ میں نے پھر پوچھا کہ تمہارا ارادہ کیا تھا لیکن وہ بولے نہیں۔ پھر میں اب چار روز سے گھر میں نہیں رہتی جاتی ہوں لیکن رات کو ایک

بہن کے گھر چلی جاتی ہوں۔ میرا ان کا سامنا ہوا نہیں ہے۔ تو اب اس بارے میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ اور وہ تو اپنا ارادہ کسی کو بتاتے نہیں۔ اور یہ بات میں نے بھائی سے پوچھی اور تو میں کسی سے اس کا ذکر نہیں کرسکتی کیوں کہ ہر طرف یہ بات سے بدنامی ہوگی۔ اس لیے خاموش ہوں۔ تو آپ اس بارے میں مجھے جواب دیں کہ کیا کرنا چاہیے؟ میرا یہاں پر کوئی نہیں ہے؟ میرے ماں باپ، بھائی بہن سب پاکستان میں ہیں اور بیٹا بھی میرے سے الگ رہتا ہے اور کبھی نہیں آتا۔ باپ سے ملتا ہے۔ اور دوسرا بیٹا ترکیسر میں پڑھتا ہے تو میں اس گھر میں رہ سکتی ہوں یا نہیں؟ اس کا جواب جلد دیں میری طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی۔ فقط

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسؤلہ میں اگر شوہر نے یہ جملہ طلاق کی نیت سے کہا ہے تو اس سے طلاق واقع ہوگئی واقع ہونے والی یہ طلاق بائن ہے اور ایک ہی ہے اس لیے عدت کے اندر یا عدت کے بعد دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں۔ اور اگر شوہر طلاق کی نیت کا انکار کرتا ہے تو قسم کے ساتھ اس کی بات مان لی جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

”تمھاری بیٹی تمھارے منھ پر ماردوں گا“ سے طلاق نہیں ہوتی

سوال: کسی شخص نے اپنے سسرال جاکر ان سسرال والوں کو کسی وجہ سے خط لکھ کر وہاں پر ڈالا کہ اگر تم لوگوں نے فلاں تاریخ تک میری بیوی کو گھر نہیں بھیجا تو

تمھاری بیٹی تمھارے منھ پر ماردوں گا۔ حالاں کہ اس لڑکے کو طلاق دینا مراد نہیں تھا بلکہ دباؤ ڈالنا مقصود تھا کیا اس لڑکی پر طلاق واقع ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں طلاق نہیں واقع ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کنائی تین طلاق میں نیت کی تبدیلی

سوال: میاں بیوی دونوں میں ایک نزاع پیش آیا، بیوی ایک مرتبہ اپنے میکہ گئی، اب اتفاق سے وہاں ان کے رشتہ داروں میں شادی کا موقع تھا، ان کے شوہر کو شادی کی اطلاع ہوئی، تو اپنی بیوی کو لینے آئے؛ کیوں کہ انھیں یہ سب ناپسند تھا؛ لیکن میکے والوں نے بچی کو بھیجنے سے انکار کردیا اور داماد سے کہا کہ: آپ بھی رہ جایئے اور کل شادی کھانے کے بعد چلے جانا؛ لیکن شوہر نے انکار کیا کہ ابھی بھیج دو، اور اگر نہیں بھیجنا ہے تو اب بالکل بھیجنا ہی نہیں (یہ لفظ کنایۃً کہا)، اور دل میں تین طلاق کی نیت کی، اور فوراً ہی دل میں یہ بھی خیال آیا کہ نہیں، یہ اکٹھا تین طلاق تو شریعت کے خلاف ہے، جس طرح شریعت نے طریقہ بتایا ہے اسی طرح تین طلاق دینی ہے، اور یہ بھی دل میں خیال آیا، اور یہ سب کسی کو ظاہر نہیں کیا اور زبان سے بھی نہیں کہا، صرف دل میں ہی کہا، تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ کیا طلاق واقع ہوجائے گی؟ اور کتنی واقع ہوگی اور کتنے وقت میں واقع ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شوہر نے بیوی کے گھر والوں سے جب یہ کہا کہ: ''ابھی بھیج دو، اور اگر نہیں بھیجنا ہے تو اب بالکل بھیجنا ہی نہیں'' اور دل میں نیت تین طلاق کی تھی، تو اب وہ عورت شوہر پر حرام ہو چکی ہے۔

كنايته مالم يوضع له واحتمله، ولاتطلق بها إلا بنية أو دلا لة حال .... وثلاث إن نواه إلخ(تنوير الابصار متن الدر)

بعد میں فوراً نیت بدلنے سے حکم میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں عدد کی نیت میں تو کوئی تبدیلی ہوئی بھی نہیں ہے، تین کی نیت تو دونوں صورتوں میں موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ر جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

باب الاکراہ فی الطلاق

جبراً طلاق کی قسم کا حکم

سوال: اگر ہم نے کسی انسان کو زبردستی سے یہ کہلوایا کہ اگر میں اس سال میں یہاں سے بھاگ کر چلا گیا، تو میری ہونے والی بیوی کو تین طلاق، اس طرح قسم کھلائی تو قسم حانث ہو جائے گی یا نہیں؟ سامنے والے انسان کو ہم نے یہ نہیں بتلایا کہ کس جگہ جانے سے یا کس کے پاس جانے سے؟ تو یہ قسم ہے، اس بات کو ہم نے

اپنے دل میں رکھا، تو کیا قسم واقع ہوگی یا نہیں؟ اگر قسم واقع ہوگی، تو اس کا کفارہ کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جبر اور اکراہ کے ساتھ جو قسم کھلائی گئی ہے، وہ بھی منعقد ہوگئی۔

درمختار میں ہے: ولو الحالف مکرھا الخ (درمختار علی ھامش الشامی ۳/ ۵۳)

اس لیے صورتِ مسئولہ میں اگر وہ آدمی جس کو قسم کھلائی گئی تھی، وہاں سے بھاگ کر چلا گیا، تو وہ اپنی قسم میں حانث ہوگا اور اس کی ہونے والی بیوی پر طلاقِ مغلظہ واقع ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم ذوالحجۃ ۱۴۱۰ھ

جبراً تحریری طلاق

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیان شرعِ متین مسئلہ طلاق میں؟ جو زیراکس کاپی میں گجراتی زبان میں لکھا ہوا ہے۔

معاملہ کورٹ تک پہنچ چکا ہے اور ہم لوگ شریعت کی روشنی میں اس کاغذ میں جو طلاق نامہ لکھا ہے، اس کا جواب چاہتے ہیں کہ زید نے جو مسمات ہاجرہ بانو کو طلاق نامہ بھجوادیا اور اس میں تین بار لفظ طلاق، طلاق، طلاق لکھا اور پہلی بیوی کا اور اس کے باپ کا نام ودیگر تفصیل لکھی، تو عرض یہ ہے کہ اس سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ اور ہوئی تو کتنی ہوئی؟

شریعت کی روشنی میں کتابوں کے حوالہ کے ساتھ جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں، صحیح سکہ ساتھ ہو تو اچھا؛ تاکہ کورٹ میں وکیل اور جج حضرات برابر سمجھ سکیں، جواب چاہے اردو میں ہو یا گجراتی میں، مفتی صاحب کی مرضی پر ہم سب راضی ہیں۔

نوٹ: سامان کی پہنچ لڑکے والے نے اپنی مرضی سے لکھا ہے، دولہن والے اس سے بے خبر ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

طلاق نامہ میں جو الفاظ لکھے گئے ہیں، اگر شوہر نے اپنی زبان سے بھی یہ الفاظ کہے ہیں، تو اس صورت میں تو اس کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو کر وہ اس پر حرام مغلظہ ہوگئی، بغیر حلالۂ شرعی اس شوہر کے لیے اس عورت کے ساتھ نکاح درست اور جائز نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: ویقع طلاق کل زوج بالغ الخ (درمختار علی هامش الشامی ۲/ ٤٥٦) لا ینکح مطلقة من نکاح صحیح نافذ کما سنحققه بها أي بالثلاث الخ (درمختار علی ہامش الشامی ۲/ ۵۸۳)

اور اگر اس نے زبان سے یہ الفاظ نہیں کہے ہیں؛ البتہ بغیر کسی جبر و اکراہ شرعی اس نے خود لکھے ہیں، یا کسی سے لکھوائے ہیں، یا کسی کے لکھے ہوئے پر منظوری کے دستخط کئے ہیں، تب بھی اس کی عورت پر تین طلاق واقع ہو کر وہ اس پر حرام مغلظہ ہوگئی اور اگر کسی جبر و اکراہ شرعی کی وجہ سے اس نے لکھے یا دوسرے کے لکھے ہوئے پر دستخط کئے، تو اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی، جبر و اکراہ شرعی یہ ہے کہ اس کو جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دی جائے، یا اس کے کسی عضو کو تلف کرنے کی یا ضرب شدید کی دھمکی دی جائے اور دھمکی دینے والا اپنی دھمکی پر عمل کرنے کی قدرت بھی رکھتا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ

کورے اسٹامپ پیپر پر دستخط سے طلاق

سوال: میرے اور میری بیوی کے درمیان بہت عرصہ سے جھگڑا ہوتا رہتا تھا، میرا بھائی مجھے کہتا تھا کہ تو اس کو استعفی نامہ (طلاق نامہ) لکھ دے؛ لیکن میں نے اس کی بات کبھی نہیں مانی، ایک مرتبہ میرے اور میری بیوی کے درمیان بہت سخت جھگڑا ہوا، اب تو میرا بھائی اور دوسرے لوگ میرے پیچھے پڑ گئے کہ تجھے استعفی نامہ لکھنا ہی ہوگا؛ چناں چہ وہ چار اسٹامٹ پیپر لے کر آئے جو بالکل کورے تھے، اور مجھے مجبور کیا کہ اس پر انگوٹھے سے نشان کر دے، میں نے نشان کر دیا؛ لیکن زبان سے طلاق کا لفظ بالکل نہیں بولا، میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ میں نے زبان سے طلاق کا لفظ بالکل نہیں کہا، اور وہ اسٹامپ پیپر بھی بالکل کورے تھے، کیا اس صورت میں طلاق پڑ جائے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بھائی کے جبر سے کورے اسٹامپ پیپر پر دستخط کر دئے ہیں، اور زبان سے طلاق کے الفاظ نہیں بولے ہیں، تو اس سے طلاق نہیں ہوئی۔

کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع الطلاق مالم یقر أنه کتابه (شامی ۲/۴۶۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/صفر المظفر ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ڈرانے کے لیے طلاق نامہ لکھوانے سے طلاق

سوال: ایک شخص نے کاتب سے کہا کہ تم میری بیوی کے نام طلاق نامہ لکھو،

اس نے طلاق نامہ لکھا، یہ معلوم نہیں کہ کتنی طلاقیں طلاق نامے میں لکھی گئیں، (یعنی ایک، دو، تین) اس کے بعد شخصِ مذکور نے اس پرچہ پر نہ دستخط کئے، نہ پڑھا اور نہ پڑھوا کر سنا اور نہ زبان سے کچھ کہا، اور اب یہ شخص قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں نے کاتب سے طلاق لکھوا کر صرف اپنی بیوی کو ڈرانے اور دھمکانے کا ارادہ کیا ہے، بیوی کو طلاق دینے کی غرض سے بخدا ایسا نہیں کیا ہے، پھر اس طلاق نامہ کو اس شخص نے ڈاک میں ڈال دیا ہے، اب ایک ماہ کے بعد اس عمل مذکور کے یہ شخص اپنی بیوی کو لانا چاہتا ہے، اب آپ یہ مسئلہ بتائیں کہ مذکورہ صورت میں شخص مذکور کی بیوی پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اور اب بغیر تجدید نکاح اس کو لاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب شوہر کو اس بات کا اقرار ہے کہ میں نے ہی کاتب سے طلاق نامہ لکھوایا ہے، اور روانہ کیا ہے، اس کے آخر میں دستخط بھی چاہے نہ کئے ہوں، تب بھی اس کی بیوی مطلقہ ہوگئی، محض ڈرانے دھمکانے کی نیت سے یہ کام کیا، پھر بھی وقوع طلاق میں کوئی تردد نہیں ہے، طلاق نامہ میں جتنی طلاقیں لکھی گئی ہیں اس کے مطابق طلاق واقع ہوگی۔

ولو قال للكاتب: اكتب طلاق إمرأتي، كان اقرارا بالطلاق وإن لم يكتب، ولو استكتب من آخر كتابا بطلاقها، وقرأه على الزوج، فاخذه على الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها، فاتاها وقع، إن أقر الزوج أنه كتابه، أو قال للرجل: إبعث به إليها، أو قال له أكتب نسخة وابعث بها إليها وكذا كل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يمله بنفسه لا يقع الطلاق مالم يقر أنه كتابه اه (شامی؟ /٤٦٥)

أو هازلا لا يقصد حقيقة كلا مه (درمختار) (قوله لا يقصد حقيقة كلامه) بيان لمعنى الهازل وفيه قصور، ففي التحرير وشرحه: "الهزل" لغة اللعب، واصطلاحا: أن لا يراد باللفظ، ودلا لته ا لمعنى الحقيقي ولا المجازى؛ بل أريد به غيرهما، وهو مالا تصح ارادته منه، وضده الجد الخ (شامی۲/ ٤٥٩)

وكذا كونه عامدا ليس بشرط؛ حتى يقع طلاق الخاطئ، وهو الذي يريد أن يتكلم بغير الطلاق، فسبق لسانه بالطلاق، لأن الفائت بالخطأ ليس إلا القصد، وأنه ليس بشرط لوقوع الطلاق (بدائع الصنائع۳ /۱۰۰)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

زبردستی کی طلاق کا حکم

سوال: ایک شخص سے مار پیٹ کر کے اس کی بیوی کو تین طلاق جبراً دلوادی، یہ طلاق شریعت کی رو سے واقع ہوئی یا نہیں؟ اور شخص مذکور یعنی جس کو جبراً مار پیٹ کر طلاق دلوائی اس کے دو بچے بھی ہیں، اور تقریباً بیس ہزار کے زیورات بھی چھین کر لے گئے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر شوہر نے اپنی زبان سے طلاق کا تلفظ کیا ہے، تو یہ طلاق واقع ہوگئی۔

أو مكرها فإن طلاقه صحيح (درمختار) (قوله فإن طلاقه صحيح) أي طلاق المكره (شامی۲/ ٤٥٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مُکرَہ کی طلاق کا حکم

سوال: زید نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی اور عدت کے اندر رجوع کر لیا؛ لیکن بیوی نے رجعت سے انکار کرتے ہوئے نان ونفقہ کا دعویٰ کیا، اور ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں زید کو ذہنی وجسمانی اذیت پہنچانے کی دھمکی دی، زید نے ایذا رسانی سے بچنے کے لیے رائج الوقت اسٹامپ کر کے نان ونفقہ کی ادائیگی کا فیصلہ کیا؛ لیکن نئے سرے سے طلاق دینے سے انکار کر دیا۔

نان ونفقہ کی ادائیگی کے وقت قرار نامہ تیار کیا گیا جس میں کاتب نے طلاق رجعی کو طلاق مغلظہ لکھنا چاہا، زید نے شدید مخالفت کی کہ میں طلاق رجعی سے رجوع کر چکا ہوں اور نئے سرے سے طلاق نہیں دوں گا، زید کو وہاں سے ہٹا کر قرار نامہ تیار کیا گیا، جس میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی: ''زید نے اپنی بیوی کو طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی'' قرار نامہ لکھے جانے سے قبل زید کاتب وشہود (گواہ) سے کہہ چکا تھا ''میں نئے سرے سے طلاق نہیں دوں گا'' لہٰذا یہ کہتے ہوئے دستخط کر دیا، مجھ پر اس (حرام کاری) کا کوئی گناہ عائد نہیں ہوگا۔ صورتِ مسئولہ میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

امید کہ از روئے شرع وضاحت فرماتے ہوئے طلاقِ مُکرہ کی بھی وضاحت فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر زید کو قرار نامہ دستخط کرنے کے لیے جسمانی اذیت کی دھمکی دے کر مجبور کیا گیا اور وہ لوگ اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے پر قادر بھی ہیں اور زید اپنے کو اس سے

بچانے پر قادر نہیں ہے، اس لیے اس دھمکی میں آکر مجبوراً اس نے دستخط کر دیے، زبان سے یہ الفاظ نہیں کہے تب تو طلاق واقع نہیں ہوئی، ورنہ واقع ہو جائے گی۔

رجل أكره بالضرب والحبس على أن يكتب طلاق امرأته فلانة بنت فلان بن فلان فكتب امرأته فلانة بنت فلان بن فلان طالق لا تطلق امرأته؛ لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة ههنا(فتاوى قاضيخان على هامش الهندية١/ ٤٧٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/شوال ۱۴۱۸ھ

طلاقِ مکرہ

سوال: مجھ سے میرے سسرال والوں نے زبردستی طلاق لکھوائی مار پیٹ کر زبردستی، اور اُس وقت مَیں نشے میں تھا، اور مَیں نے صرف ایک بار ہی طلاق لکھی وہ بھی زبردستی لکھوائی گئی، اور اب مَیں اور میری بیوی دونوں اپنی اپنی مرضی سے اور راضی خوشی سے ساتھ میں رہنا چاہتے ہیں، اب اللہ کے فضل وکرم سے میرے اندر سے ہر بری عادت بالکل ختم ہوگئی، اب مَیں پانچ وقت کا نمازی ہوگیا ہوں اور جماعت میں جانے کا ارادہ بھی کرلیا ہوں۔ برائے مہربانی فتویٰ دیں تو میرا گھر بس جائے گا، مَیں نے طلاق نہیں دی اور نہ مَیں نے زبان سے اقرار کیا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مار پیٹ کر زبردستی آپ سے طلاق لکھوائی گئی ہے، آپ نے زبان سے طلاق کے الفاظ نہیں کہے، تو وہ طلاق واقع نہیں ہوئی، بیوی حسبِ سابق نکاح میں باقی ہے۔

وفي البحر: أن المراد الإكراه على التلفظ بالطلاق، فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لاتطلق؛لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة، ولاحاجة هنا، كذا في الخانيه.(شامي۲/۴۰۷)

اور اگر آپ نے اپنی خوشی سے بغیر زبردستی ومار پیٹ طلاق کہی ہے تو نشہ کے باوجود واقع ہوگئی؛ البتہ چوں کہ ایک ہی طلاق لکھی ہے؛ اِس لیے عدت کے اندر اندر آپ کو رجوع کرنے کا حق ہے، آپ دو گواہوں کے سامنے یہ کہہ دیں کہ: میں نے اپنی عورت کو اپنے نکاح میں باقی رکھا اور رجوع کرلیا تو عورت نکاح میں باقی رہے گی؛ البتہ آئندہ آپ کو صرف دو طلاق کا اختیار رہے گا، اور اس صورت میں اگر عدت گزر چکی ہے تو دونوں آپس کی رضامندی سے نیا نکاح کرسکتے ہیں، حلالہ کی ضرورت نہیں ہے؛ البتہ اس صورت میں بھی آئندہ آپ کو صرف دو طلاق کا ہی اختیار رہے گا۔ کما هو مصرح في كتب الفقه. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح عباس داود بسم اللہ

حلالہ کے مسائل

تین طلاق کے بعد نکاح کی صورت

سوال: خالدہ ایک فاحشہ عورت ہے، اس کی شادی زاہد سے ہوئی جس سے دو بچے بھی تولد ہوئے لیکن کچھ ہی روز کے بعد خالدہ نے اپنے شوہر زاہد کو چھوڑ کر ایک غیر مسلم سے شادی کرلی، اور کچھ ہی دن بعد زاہد کا انتقال ہوگیا، اور اپنا اور اپنے بچوں

کا نام بھی غیر مسلموں والا نام رکھ دیا، اور غیر مسلم سے شادی کے باوجود دوسرے سے زنا کرواتی رہی، اور اسی طرح سات سال گذر گئے، پھر چند مسلمانوں نے خالدہ کو سمجھایا کہ وہ فحش کام چھوڑ کر اپنے ارتداد سے توبہ کر کے کسی مسلم سے شادی کر لے، خالدہ اس بات کو مان گئی، اور اس نے ایک دوسرے شخص حامد سے شادی کر لی، لیکن اس درمیان بھی وہ اپنے زنا پر قائم رہی، حامد کو یہ بات ناگوار لگی، اس نے غصے میں آکر تین طلاقیں دے دیں، بعد میں حامد کو احساس ہوا کہ اگر وہ مرتد ہوگئی تو اس کے ساتھ اس کے دو بچے بھی مرتد ہو جائیں گے، ادھر خالدہ طلاق کے بعد پھر غیر مسلموں کے ساتھ رہنے لگی ان کے شعار کو اپنانے لگی اور نام بھی تبدیل کر لیا، اب حامد خالدہ اور دونوں بچوں کو ارتداد سے بچانے کے لیے خالدہ سے دوبارہ شادی کرنا چاہتا ہے؛ جب کہ خالدہ کا یہ حال ہے کہ وہ برابر غیروں سے زنا کرواتی ہے، تو اس کے عدت اور حلالے کی کیا صورت ہوگی جب کہ حیض برابر آتا ہے لیکن بچے نہیں ہوئے، صرف دو بچے پہلے شوہر سے ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حامد اگر خالدہ سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو چوں کہ اس کے خالدہ کو تین طلاق دینے کی وجہ سے وہ اس پر حرام ہو چکی ہے، وہ خالدہ کے ساتھ بغیر حلالہ نکاح نہیں کر سکتا حلالہ کی صورت یہ ہے کہ حامد کے طلاق دینے کے بعد اس کی عدت یعنی تین حیض گذرنے کے بعد خالدہ کے ساتھ کوئی دوسرا آدمی نکاح کرے اور وہ آدمی خالدہ کو بیوی بنا کر اپنے پاس رکھے یعنی اس کے ساتھ وطی کرے، پھر اس دوسرے شوہر کا اگر

انتقال ہوجائے یا وہ اس کو طلاق دے دے اور اس طلاق کی عدت یعنی تین حیض گذرنے کے بعد حامد کا نکاح خالدہ سے ہوسکتا ہے، یہ یاد رہے کہ جب خالدہ کا نکاح دوسرے شخص کے ساتھ کیا جائے تو اس وقت اس آدمی سے پیشگی شرط طلاق دینے کی کرلینا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲ رجب ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

طلاق کی شرط پر حلالہ

سوال: زید نے اپنی بیوی زینب کو تین طلاق دی، اب زید اسی عورت زینب کو دوسری مرتبہ اپنے نکاح میں واپس لانا چاہتا ہے، تو زید نے حلالہ کی صورت اختیار کی، اور حلالہ کی صورت اس طرح اختیار کی کہ زید نے خالد کو کہا کہ تو زینب سے شادی کرلے، اور شادی کے فوراً بعد زینب کو طلاق دیدیں، خالد نے اسی طرح کیا جس طرح زید نے کہا، تو اس صورت میں حلالہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ اگر حلالہ صحیح نہیں ہوا تو اس کی کیا صورت ہے؟ اوپر والی صورت کے مطابق زید یا خالد میں سے کون گنہ گار ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید نے جب اپنی زوجہ زینب کو تین طلاقیں دیدیں ہیں تو وہ اس پر حرام ہوگئی، اب بدون حلالہ کے زید کا نکاح زینب سے درست نہیں، حلالہ یہ ہے کہ شوہرِ اول کی عدت گزرنے کے بعد زینب کے ساتھ دوسرا مرد بلا شرطِ طلاق نکاح کرلے، اور وہ اس کے ساتھ وطی بھی کرے اس کے بعد وہ خود کسی وجہ سے طلاق دے دیوے یا اس

کا انتقال ہوجائے، تو اب عدت گزرنے کے بعد اس عورت کے ساتھ شوہرِ اول کا نکاح درست ہے، اگر شوہر ثانی نے وطی نہیں کی ہے تو وہ عورت شوہر اول کے لے حلال نہیں ہوئی، شوہر ثانی کے ساتھ طلاق کی شرط لگانا مکروہِ تحریمی ہے۔ (درمختار مع الشامی ۲/۵۸۶، ۵۸۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

طلاق کی شرط پر حلالہ

سوال: ایک مرد نے اپنی عورت کو طلاقِ مغلظہ دی، یعنی تین طلاق صاف الفاظ میں دے دی ہے، اور تقریباً طلاق کے بعد ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہے، اب وہ مرد دوبارہ اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے، اور طلاق مغلظہ کی بناء پر صرف نکاح کافی نہیں ہے؛ بلکہ حلالہ شرط ہے، تو حلالہ شرعی طور پر کس طرح ہونا چاہیے؟ کیا آج کل جو ہمارے یہاں چل پڑا ہے کہ جس سے حلالہ کروایا جاتا ہے اس کو پہلے اس سے نکاح کے لیے تیار کیا جاتا ہے، اور کہیں چھپ کر نکاح کر دیتے ہیں، اور نکاح سے پہلے اس کو تاکید بھی کی جاتی ہے کہ اس سے وطی کے بعد یا دو تین دن کے بعد طلاق دے دیں، تو اسی طرح جو ہمارے عرف میں حلالہ چل رہا ہے کر دیا جائے، اور اس کی عدت کے بعد شوہر اول سے نکاح کر دیا جائے تو وہ عورت اب شوہر اول کے لیے حلال ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر شوہر نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی تو وہ عورت شوہر پر حرام ہوگئی؛ البتہ اگر اس عورت کے ساتھ کسی دوسرے مرد نے عدت گزرنے کے بعد نکاح کیا،

اور اس کے ساتھ وطی بھی کی، اور پھر اس دوسرے شوہر کا انتقال ہو گیا یا کسی وجہ سے اس نے طلاق دیدی، تو اب عدتِ وفات یا عدت طلاق گزرنے کے بعد یہ عورت پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے، اسی کو شریعت کی اصطلاح میں حلالہ کہتے ہیں، باقی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرتے وقت پہلے سے یہ شرط ٹھہرالینا کہ تو ایک دو دن اپنے پاس رکھ کر وطی کے بعد طلاق دے دینا یہ مکروہ تحریمی (حرام کے قریب) ہے، اور حدیث پاک میں اس پر لعنت بھی آئی ہے؛ لیکن اس کے باوجود وہ عورت اس صورت میں پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی، ہاں یہ سب گنہ گار ہوں گے۔ (شامی ۲/۵۸۶، فتح القدیر ۴/۱۸۲، ۱۸۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

کوڑھ والی مطلقہ کا حلالہ

سوال: زید نے ہندہ کو بحالت غصہ تین طلاق دیدی، اس کے بعد اس کو اس فعل پر ندامت ہوئی اور اس کو دوبارہ نکاح میں لانے کے لیے علماء سے مسئلہ معلوم کیا کہ اب اس کی کیا صورت ہوگی؟ علماء نے بتلایا کہ اب حلالہ کے بغیر حلال نہ ہوگی، اور حلالہ کی صورت بتادی کہ بعد عدت دوسرے مرد سے نکاح کرلے جس میں ہمبستری شرط ہے، پھر وہ اس کو طلاق دے اور عدت گزر جانے کے بعد شوہر اول اس سے نکاح کرلے۔

مسئلہ یہ درپیش ہے کہ اس عورت کو کوڑھ اور ٹی بی کا مرض ہے، اگر اس سے حلالہ ہو تو ہمبستری دشوار ہے؛ نیز حدیث پاک کا بھی حکم ہے کہ "فر من المجزوم كفرارك من الأسد" (الحدیث)

اس کے شوہر کا بیان ہے کہ تقریباً آٹھ سال سے انہی امراض کی بناء پر میں نے اس سے ہمبستری نہیں کی ہے، اب اس کا کوئی کفیل نہیں، اس لیے محض اس کی خیر خواہی کے واسطے چاہتا ہوں کہ شرعاً کوئی گنجائش نکل آتی اور حلالہ بغیر وطی کے ہو جاتا تو اس کو دوبارہ نکاح میں لے آتا، امید کہ اس صورت کا حل تلاش کر کے جواب سے نوازیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حلالہ بغیر وطی کے درست نہیں ہے۔

لاينكح مطلقة بها أي بالثلاث حتى يطأها غيره (درمختار ملخصاً)

ثم اعلم ان اشتراط الدخول ثابت بالإجماع فلا يكفى مجرد العقد.

(شامي ٢/ ٥٨٣)

اگر اس عورت کا کوئی کفیل نہیں ہے تو یہ اس کی امداد و کفالت بغیر نکاح کے بھی کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نادرست حلالہ میں وطی کے بعد شرعی حلالہ کرنا

سوال: (۱) ایک شخص کا نام زید ہے، اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو ایسا کرے گی تو تجھ کو تین طلاق، اس کے بعد عورت نے وہی فعل کیا تو طلاق ہو گئی، اس کی نیت تین طلاق ہی کی تھی، طلاق مغلظہ پڑ گئی، زید اس عورت کو دوبارہ اپنے نکاح میں لانا چاہتا ہے، اور وہ اس بات کو بھی جانتا ہے کہ حلالہ کئے بغیر نکاح نہیں ہو سکتا، اس لیے اس نے حلالہ پر عمل کرنے کی صورت اس طور پر تجویز کی کہ ایک تیسرے شخص بکر

کو اس لیے تیار کیا کہ میں تیری (بکر) شادی اپنی بیوی زینب سے کر دیتا ہوں، پھر اس کے ساتھ تو وطی کر کے اس کو طلاق دے دینا، اس بات پر بکر راضی ہو گیا؛ لیکن ابھی اس نے عدت عورت کی گزرنے سے دو مہینہ قبل ہی بکر سے شادی کر دی، جس میں نکاح پڑھانے والا وہی شوہر اول تھا اور گواہ کوئی بھی نہیں تھے سوائے اس کی ذات کے، نکاح ہونے کے چند دن بعد شوہر ثانی (بکر) نے اس کو طلاق مغلظہ دے دی، اور شوہر ثانی کی عدت پوری ہونے سے پہلے ہی شوہر اول نے بغیر گواہوں کے نکاح پڑھوا کر زینب کو اپنے نکاح میں داخل کر لیا، تو ایسا کرنے سے کہ عدت گزرنے سے پہلے پہلے نکاح کر دینا، اور حلالہ کے بعد اس کی بھی عدت کے گزرنے سے پہلے پہلے نکاح کر لینے سے نکاح اول اور حلالہ صحیح ہوا یا نہیں؟ مع وجوہات کے تشریح فرمائیں، اور حلالہ کے بعد شوہر اول کے لیے حلال ہوئی یا نہیں؟ اور اس شوہر اول کا اپنی بیوی کے ساتھ وطی کرنا کیسا اور اس کی اولاد کا کیا حکم ہے؟ نیز بغیر گواہوں کے نکاح کرنا کیسا ہے اور اس کا کیا حکم ہے؟ اور درستگی کی کیا صورت ہے؟

(۲) اگر نہیں ہوا تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ ان کا ایک ساتھ رہنا اور وطی کرنا کیسا ہے؟

(۳) اب شوہر اول کے لیے کس طرح حلال ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) پہلے شوہر کی عدت کے دوران عورت کا جو نکاح بکر کے ساتھ ہوا وہ شرعاً درست نہیں ہوا، جب کہ گواہ بھی نہیں تھے، جب بکر کے ساتھ کیا گیا نکاح درست نہیں ہوا تو عورت شوہر اول یعنی زید کے لیے حلال ہی نہیں ہوئی، اس لیے زید کا اس کے ساتھ پھر سے کیا ہوا نکاح باطل ہے، نہ اس کے ساتھ وطی حلال ہے۔

حتی لو تزوجت رجلا نکاحا فاسداً دخل بها لاتحل للأول.

(بدائع الصنائع ۳/ ۱۸۷)

② دونوں کا میاں بیوی کی طرح ساتھ رہنا قطعاً حلال نہیں، دونوں سخت گنہ گار ہیں، زید کے لیے اس کے ساتھ وطی کرنا بھی حلال نہیں ہے، دونوں کو چاہیے کہ فوراً ایک دوسرے سے مکمل علیحدگی اختیار کرلیں، اور اپنی اس حرکت پر دل سے تائب ہوں، اور دونوں علیحدگی اختیار نہ کرتے ہوں تو برادری والوں کو چاہیے کہ دونوں میں جدائی کرائیں، اس پر بھی باز نہ آئیں تو ان کے ساتھ معاشرتی مقاطعہ کریں۔

③ دونوں میں مکمل علیحدگی ہونے کے بعد عورت عدت گزارے (اگر حیض آتا ہے تو تین حیض، اور اگر حیض نہیں آتا تو تین مہینے، اور اگر حاملہ ہے تو بچہ پیدا ہونے تک) اس کے بعد اس عورت کا کسی دوسرے مرد سے بلا کسی پیشگی شرط کے گواہوں کی موجودگی میں مہر شرعی کے ساتھ نکاح صحیح ہو، اور وہ دونوں میاں بیوی کے طور پر رہیں، وہ اس عورت سے صحبت (وطی) بھی کرے، اس کے بعد اس کا انتقال ہو یا وہ اپنی مرضی سے اس کو طلاق دے، اس کے طلاق دینے کے بعد اس کی عدت بھی پوری گزارے، (اسی طرح جیسا کہ آگے بتلایا گیا ہے) اس کے بعد زید کا نکاح اس عورت سے ہوسکتا ہے، اس کو شرعی حلالہ کہتے ہیں، یہ یاد رہے کہ اس میں دوسرے مرد کے ساتھ پہلے سے کوئی شرط کرنا کہ تو نکاح کے بعد وطی کرکے طلاق دے کر علیحدہ کرنا، ایسی شرط لگانا گناہ ہے، ایسی شرط کرنے والے اور شرط منظور کرنے والے پر حدیث میں لعنت آئی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حلالہ کی مشروع صورت

سوال: میرے بھائی نے جس کی ابھی تین سال ہوئے شادی ہوئی تھی؛ لیکن گھریلو مسائل میں کچھ ناشائستہ گفتگو ہوئی، جس میں میرے بھائی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی ہے (جب کہ میں اور میرا بھائی اور والد صاحب اور میرے بھائی کے خسر الحمدللہ عالم ہیں، اور خانقاہ اور جماعت کے کام سے وابستہ ہیں، اور معاشرہ میں کافی عزت ہے) اور دونوں میاں بیوی دوبارہ نکاح کرنے پر مُصر ہیں، ان دونوں کو والدین نے خوب سمجھایا لیکن دونوں اپنی ضد پر ہیں، اور دونوں کے والدین نے دونوں کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا مشورہ بھی دیا؛ لیکن پھر بھی وہ اپنی بات پر اڑے ہوئے ہیں اور پورا خاندان اور معاشرہ ان کی وجہ سے حیران و پریشان ہے، جس کی وجہ سے اب دونوں کے والدین نے یہ طے کیا ہے کہ حلالہ کروا کر دونوں کا نکاح پھر سے کروادیں۔ لہٰذا حسبِ ذیل امور دریافت طلب ہیں:

(۱) مذکورہ صورت میں حلالہ کروانا درست ہے؟

(۲) اگر حلالہ درست ہے تو حلالہ کا طریقہ کیا ہونا چاہیے؟

(۳) اگر حلالہ درست ہے اور کرلیں تو لعنت والی روایت کے مصداق تو نہ بنیں گے؟

اور میرے والد صاحب اور میرے بھائی کی ساس آپس میں بھائی بہن ہیں، اور دوسری طرف لڑکا اور لڑکی کا نکاح نہ کروائیں تو دونوں کے فرار ہوجانے کا خوف ہے یا کورٹ کا سہارا لے کر الٹی سیدھی بات کرکے دوبارہ مل جانے کا خوف ہے۔ لہٰذا ان چیزوں کو سامنے رکھ کر شرعاً جو بھی صورت ہو براہِ کرم جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: ''مطلقہ عورت کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرلے اور پھر اس سے طلاق یا موتِ زوج کی وجہ سے علیحدہ ہوکر پہلے زوجِ مطلّق کے لیے حلال ہوجاتی ہے، اس کا نام حلالہ ہے؛ لیکن زوجِ اول یا زوجہ یا اس کے کسی ولی کی طرف سے زوجِ ثانی سے یہ شرط کرنی کہ وہ طلاق دے دے اور زوجِ ثانی کا اس شرط کو قبول کرکے نکاح کرنا یہ حرام ہے، اس میں فریقین پر لعنت کی گئی ہے، حدیث میں جو مذکور ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ تحلیل کی شرط کرکے نکاح کرنا موجبِ لعنت ہے۔ (کفایت المفتی ۶/۳۶۱)

حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: تین طلاق کے بعد حرمتِ مغلظہ ہوکر جب جدائی ہوگئی اور عدت گذر گئی، پھر کسی نے اپنے دل میں یہ سمجھ کر کہ اس غریب کا گھر ویران ہوگیا، کیا اچھا ہو کہ اس کا گھر آباد ہوجاوے اور پریشانی دور ہوجاوے، اس عورت سے نکاح کرلیا، پھر ہمبستری کرنے کے بعد اس کو طلاق دے دی اور عدت ختم ہونے پر شوہرِ اول نے دوبارہ نکاح کرلیا تو یہ صورت شرعاً درست ہوگئی، اس میں کسی پر اعتراض نہیں ہے، اس کے بعد جو اولاد ہوگی وہ ثابت النسب ہوگی، اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے، اعتراض کی بات تو یہ ہے کہ نکاحِ ثانی میں حلالہ کی شرط لگائی جائے یہ گناہ ہے، اس کے باوجود بھی حلالہ درست ہوکر اولاد صحیح ہوگی۔

وكره تحريماً بشرط التحليل وإن حلت للأول، اما إذا اضمر اذلك لا يكره، وكان الرجل مأجورا لقصد الاصلاح قوله (اما إذا اضمرا ذلك) محترز قوله بشرط التحليل (قوله لا يكره) بل يحل له فى قولهم جميعا

قهستانی عن المضمرات (قوله لقصد الاصلاح) ای إذا کان قصده ذلك لا مجرد قضاء الشهوة ونحوها(درمختار مع الشامی۲/ ۵۸۷،۵۸۶) (بحوالہ فتاویٰ محمودیہ ۱۳/ ۲۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ جمادی الاول ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مطلقۂ مغلظہ کے نفقہ، حلالہ اور اولاد کے ساتھ رہنے کا حکم

سوال: ①ایک شخص نے اپنی بیوی کو اپنے رشتہ دار کی شادی میں جانے کے لیے بہت مجبور کیا؛ مگر عورت تیار نہیں ہوئی، آخر کار اس شخص نے بیس منٹ کا وقت تیاری کے لیے دیا، پھر بھی عورت تیار نہیں ہوئی، عورت سامنے بیٹھی تھی، اس نے تین مرتبہ طلاق دی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اب وہ شخص دوبارہ نکاح میں لینا چاہتا ہے کیا صورت ہے؟ واقعہ تقریباً ڈیڑھ ماہ پہلے ہو چکا ہے۔

②مطلقہ عورت اپنے بچوں کے ساتھ رہتی ہے، اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

③مطلقہ عورت کے ساتھ شوہر اب کہاں تک سلوک کر سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①صورت مسئولہ میں اس کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو کر وہ اپنے شوہر پر حرام ہوگئی، شرعی حلالہ کے بغیر اب اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنا درست نہیں، جس کی صورت یہ ہے کہ عدت گذر جانے کے بعد یہ عورت کسی دوسرے مرد سے بلا کسی پیشگی شرط کے نکاح کرے، اور پھر وہ مرد اس کے ساتھ صحبت بھی کرے، اس کے بعد

اس کا انتقال ہوجائے یا کسی وجہ سے وہ اس کو طلاق دے دے، اس کے بعد عدتِ وفات یا عدتِ طلاق گزارنے کے بعد اس عورت کا نکاح پہلے شوہر سے درست ہے۔

(۲) اگر وہ اپنے بچوں کے ساتھ اس طرح رہتی ہے کہ طلاق دینے والے شوہر سے کسی قسم کا میل جول یا آمنا سامنا نہیں ہوتا اور نہ اس کا اندیشہ ہے تو اس طرح وہ اپنے بچوں کے ساتھ رہ سکتی ہے۔

(۳) شوہر پر اس عورت کے عدت کا نفقہ وغیرہ واجب ہے، اور عدت کے بعد بھی اگر یہ عورت شوہر کی اولاد کی پرورش کر رہی ہے تو اس کی وجہ سے بھی معاوضہ کے طور پر نفقہ پاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

حلالہ کر کے نکاح میں آنے والی عورت کو طلاق دینا

سوال: ایک شخص عبد الغفور نامی ساکن میرج عبد الغفور کا پہلا نکاح ۱۹۸۰ء میں نعیم النساء کے ساتھ ہوا، ماشاء اللہ زندگی ۱۹۸۹ء تک بہتر طریقے پر گذاری، اور ماشاء اللہ تین فرزند تین دختر بھی موجود ہیں، پہلی بیوی نسب و جمال و مال و دین کے لحاظ سے شریف ہی شریف ہے، اس کے باوجود عبد الغفور نے ۱۹۸۹ء میں ایک عورت حسینہ نامی جو کہ اپنی شرارتوں کے سبب پہلے شوہر سے جدا ہو چکی تھی، اس کے بچے بھی ہیں، اس عورت سے ایک قاضی محمد علی جناب کی تشکیل اور نصرت سے نکاح کیا، اور قاضی محمد علی نے ہی نکاح پڑھوا کر عبد الغفور کے نکاح میں دے دیا، اس کے بعد اس

کے ساتھ چار سال گذارے، کسی رشتہ دار وغیرہ کو کچھ خبر نہیں تھی، اچانک جولائی ۱۹۹۳ء میں اس راز کا پردہ کھل گیا، اور تحقیق کے بعد چند حضرات نے عبدالغفور کو سمجھایا، تو انہوں نے طلاق نامہ لکھ دیا، اور طلاق کی وجہ بھی لکھ دی، اور تین طلاق دے دی، اس طلاق نامہ کا ترجمہ لفظ بلفظ ذیل میں موجود ہے، طلاق نامہ لکھا گیا، ۲۸/ اگست ۱۹۹۳ء شبِ شنبہ دس بجے:

اے حسینہ بیگم! میں نے آپ کے ساتھ چار سال گذارے ہیں، میں نے آپ کو اس سے پہلے بھی بتایا تھا کہ میرے گھر میں لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں، میں آپ سے جدا ہونا چاہتا ہوں، آپ نے مجھے بتایا تھا کہ اگر آپ کو تکلیف ہوتی ہے تو آپ مجھے کبھی بھی الگ کر سکتے ہیں، اس طرح بتایا تھا، اسی سبب میں آج سنیچر رات ۱۰/ بجے آپ سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتا ہوں، اس لیے یہ طلاق نامہ میں آپ کو بھیج رہا ہوں۔

اے حسینہ بیگم! میں نے تجھے طلاق دیا، اے حسینہ بیگم! میں نے تجھے طلاق دیا، اے حسینہ بیگم! میں نے تجھے طلاق دیا۔

عبدالغفور تحصیلدار، ۲۸/۸/ ۹۳

اس کے بعد اس کو الگ کیا گیا؛ لیکن چند دنوں بعد واپس اس شخص عبدالغفور نے اسی قاضیٔ اول کے نکاح میں خود عبدالغفور نے بشرطِ حلالہ دیا یعنی نکاح پڑھایا، اور خود عبدالغفور نے اپنی مطلقہ مغلظہ کو اپنی گاڑی سے شب باشی کے لیے قاضی صاحب محمد علی کے مکان پہنچا دیا، اور قاضی صاحب نے اس طرح حلالہ کر کے طلاق دے دی، پھر جب عبدالغفور کے تمام رشتہ دار اور نعیم النساء کے رشتہ داروں کو ان کی یہ خبر پہنچی تو ایک شور وجدال زور پکڑ گیا، اس کے بعد ماہِ مارچ میں رمضان کے بعد ۱۷/ مارچ کو

شوہر کے بھائی، ماں، بہن اور نعیم النساء کے بھائی، بہن مع وکیل عبدالعزیز صاحب کے ایک محفل میں جمع ہو گئے، اور انہوں نے بیٹھ کر سمجھایا، تو اس وقت عبدالغفور نے ایک عجیب انداز پر یہ کہنا شروع کیا کہ اس سے یعنی حسینہ دوسری عورت سے دو بچے ہیں، جب کہ پہلی مرتبہ کی طلاق والی مجلس میں لوگوں نے کہا تھا: کیا اس سے آپ کو بچے ہیں؟ تو اس وقت انہوں نے سب گواہوں کے سامنے شدت سے انکار کیا، اور کہا جو بچے ہیں میرے نہیں، حسینہ کے پہلے شوہر کے ہیں، اس وقت تو بالکل انکار، اور اس وقت اولاد ہونے کا اقرار ہو رہا ہے، اور اس وقت یہ بھی اقرار کیا تھا کہ میں نے نکاح کے بعد اس کا آپریشن کرایا ہے، جب دوسری مرتبہ ۱۷/ ۳/ ۹۴ کو محفل جمع ہوئی، جس میں جانبین اور ان کے بھائی بہنیں والدہ اور وکیل صاحب اور قاضی محمد علی جناب بھی موجود تھے، اس وقت صلح نامہ عبدالغفور نے اس طرح لکھوایا کہ: میرا پہلا نکاح نعیم النساء سے ہوا، اور اس کے بطن سے چھ اولاد موجود ہیں، اور ساڑھے چار سال قبل میرا دوسرا نکاح حسینہ کے ساتھ ہوا تھا، اور اس سے مجھے دو اولاد ہیں؛ لیکن چوں کہ ہم دونوں میں جنگ وجدال کا وقوع زیادہ ہونے کے سبب آج چند اشخاص معتبرہ جس میں علماء بھی مع وکیل وقاضی کے سامنے ہیں، میں نے یہ اقرار کیا کہ میرا تعلق زوجیت حسینہ کے ساتھ ایک ماہ بعد یعنی ۱۷/ اپریل کے روز ختم کیا ہوں، دوبارہ لکھتے ہیں اس تعلق زوجیت کو جو حسینہ کے ساتھ ہے رد باطل قرار دیا ہوں، پھر اس عبارت کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں یعنی ایک ماہ بعد حسینہ میری بیوی نہیں ہے، پھر سہ بارہ اس کی تفصیل اس طرح لکھواتے ہیں یعنی ۱۸/ اپریل ۱۹۹۴ء کے دن حسینہ کے ساتھ جو تعلق زوجیت ہے مذہب اسلام وشرعی احکام کے مطابق میرے

فیصلہ کے سبب خود بخود قطع ہے، پھر چوتھی بار لکھتے ہیں میرا حسینہ کا حق زوجیت تین طلاق مغلظہ کے ساتھ ثابت ہوا ہے، نیز صلح نامہ کے آخری حصہ میں لکھا ہے کہ لکھ کر دینے والا عبدالغفور ایک ماہ یعنی ۱۷/اپریل کے بعد عبدالغفور کا حسینہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، وہ اجنبی عورت ہے، تین طلاق کے ساتھ جدا ہے، اور آئندہ ہم دونوں کی یعنی نعیم النساء زوجۂ اول اور عبدالغفور کی زندگی اچھی رہے سکون کے ساتھ، اس لیے میں نے یہ طلاق نامہ صلح نامہ لکھ کر دیا ہے۔

لہٰذا اس صورت میں شرعی کیا حکم ہے؟ اور اس طرح کی حرکت کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ کہ خود حلالہ کے لیے قاضی اول کے نکاح میں دے، اور بشرطِ حلالہ اس کو طلاق لے کر پھر نکاح میں لے، پھر دوبارہ اس کو طلاق نامہ دے، تو دوسری طلاق نامہ کی طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ ہوئی تو کب سے ہوئی؟ عدت کب شمار ہوگی؟ دلائل کی روشنی میں واضح کریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شوہر اول کا اپنی مطلقہ کو بشرط حلالہ شوہر ثانی کے نکاح میں دینا (بشرطیکہ ایجاب وقبول موافق شرع شاہدین کے سامنے ہوا ہو، اور عدت ختم ہونے کے بعد ہوا ہو) مکروہِ تحریمی ہونے کی وجہ سے موجب اثم ہے؛ لیکن بایں ہمہ اگر شوہر ثانی نے بعد وطی اس عورت کو طلاق دے دی اور دوسرے شوہر کی عدت پوری کرنے کے بعد اس کے ساتھ شوہر اول نے نکاح کیا تو یہ عورت شوہر اول کے لیے حلال ہو کر اس کی منکوحہ سمجھی جائے گی، اور اس دوسرے نکاح کے بعد وہ یعنی شوہر اول عبدالغفور اس عورت کو طلاق منجز یا معلق دے گا تو واقع ہو جائے گی۔ چوں کہ یہ طلاق تحریری ہے؛ اس

لیے اگر اس نے بلا جبر واکراہ دی ہے تو حسب تعلیق ۱۷/اپریل کو تین طلاق واقع ہوگئی۔

وكره ا لتزوج للثانی تحريما، لحديث لعن المحلل والمحلل له بشرط التحليل كتزوجتك على ان احللك، وإن حلت للأول لصحة النكاح وبطلان الشرط الخ. (درمختار علی هامش الشامی ۲ /۵۸۶)

ومثله: أنت طالق شعبان أو في شعبان (درمختار) (قوله أو في شعبان) فإذا لم تكن له نية طلقت حين تغيب الشمس من آخر يوم من رجب وإن نوى آخر شعبان فهو على الخلاف،فتح. (شامی: ۲ ۴۷۸) كتب الطلاق إن مستبينا على نحو لوح وقع إن نوى وقيل مطلقا. (درمختار)

جس وقت طلاق واقع ہوگی اسی وقت سے عدت شمار ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ذوالقعدہ ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب الخلع

حق خلع اور بدل خلع

سوال: کیا عورت کو حق خلع ہے؟ کیا خاوند ہزاروں روپیہ سقوط مہر کے علاوہ لڑکی (بیوی سے) طلب کرسکتا ہے؟ جب کہ لڑکی باپ کے عیال میں زیر پرورش ہے، اور بدل خلع کہاں سے لائیگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

میاں بیوی میں ایسا اختلاف پیدا ہو چکا ہے کہ اب توافق ممکن ہو کر حقوق

زوجیت کی ادائیگی دشوار ہو چکی ہے، تو خلع کرنے کی اجازت ہے۔

ولا بأس به عند الحاجة لشقاق بعدم الوفاق (درمختار)

اگر نشوز عورت کی طرف سے ہے، تو شوہر کے لیے بدل کا مطالبہ درست ہے ورنہ مکروہ تحریمی ہے۔

وكره تحريماً أخذ شيء إن نشز، وإن نشزت لا، ولو منه النشوز ايضا. (درمختار)

پہلی صورت میں مقدارِ مہر سے زیادہ کا مطالبہ بھی درست ہے؛ البتہ نامناسب ہے۔

و لو بأكثر مماأعطا ها على الزوجة فتح و صحح الشمنى كرا هة الزيادة، و تعبير الملتقى "لا بأس به" يفيد أنها تنزيهية و به يحصل التوفيق. (درمختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ شوال المکرم ۱۴۱۳ھ

بیوی کو تنگ کرنے والے سے خلاصی کی صورت

سوال: ایک شادی شدہ عورت ہے، جس کا ایک لڑکا بھی ہے، اور اس عورت کا شوہر اس کو بہت تنگ کرتا ہے، مارتا ہے اور پریشان کرتا ہے، اس لیے لڑکی اپنے باپ کے گھر میں آکر بیٹھی ہے، اور اس کو باپ کے گھر میں ایک سال ہو گیا، اس مدت میں اس کے شوہر نے ایک دوسرا نکاح کر لیا، اب لڑکی والے پریشان ہو کر طلاق مانگ رہے ہیں؛ مگر وہ طلاق دینے سے انکار کر رہا ہے، اس صورت میں لڑکی کیا کرے؟ کیا اسی طرح اپنی زندگی غم کے گھونٹ پی پی کر گزارے یا اپنے شوہر کے گھر جا کر اپنی زندگی کو اور پریشانی میں ڈالے یا کچھ اور کرے؟ معاملہ ذرا سنگین ہے، اس لیے جلد

جواب روانہ کرنا، دعائے خیر میں اس سیاہ کار کو یاد فرمانا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر لڑکی کے لیے اپنے موجودہ شوہر کے ساتھ رہ کر زندگی گزارنا دشوار ہے، تو مناسب یہ ہے کہ بااثر ورسوخ ذمہ دار حضرات کو درمیان میں ڈال کر اپنا مہر (اگر اس کی ادائیگی باقی ہے تو اس) کے عوض میں، یا وصول کر چکی ہے تو اتنی مقدار دے کر خلع کرلے، اور عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کرے۔ لقوله تعالیٰ ﴿فلاجناح علیهما فیما افتدت به﴾ الخ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

شرابی شوہر سے خلاصی کی صورت

سوال: فریدہ اپنے شرابی شوہر سے تنگ آ کر علاحدگی اختیار کرتی ہے، اور خلع لینا بھی اس کے لیے مشکل ہے؛ کیوں کہ سماج کا سوال ہے، اور فریدہ کا شوہر بھی طلاق دینا نہیں چاہتا، ایسے نازک حالات میں فریدہ کا علاحدہ زندگی اختیار کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ صحیح ہے تو کرم اللہ کا! ورنہ اس کا نعم البدل طریقہ ارشاد فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فریدہ کا شوہر شرابی ہونے کی وجہ سے اس کے حقوق زوجیت ادا نہیں کرتا، جس کی بنا پر نباہ دشوار ہے، تو بہتر صورت یہ ہے کہ کسی طرح لالچ دے کر یا ڈرا کر شوہر سے طلاق لے لی جائے یا خلع کرلیا جائے۔ قرآن شریف میں آیا ہے: ﴿فان خفتم ان لا یقیما حدود اللہ فلاجناح علیهما فیما افتدت به﴾ اسی کو خلع کہتے

ہیں؛ لیکن اگر باوجود کوشش کے خلاصی کی کوئی صورت نہ بن سکے، تو پھر عورت اپنا مقدمہ قاضیٔ اسلام یا مسلمان حاکم اور مسلمان حاکم نہ ہونے کی صورت میں جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے، پھر تحقیق کے بعد شرعی شہادت سے جب عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہوجائے تو اس کے خاوند سے کہا جائے کہ اپنی عورت کے حقوق اداء کرو یا طلاق دو، ورنہ تفریق کردیں گے، اس کے بعد بھی اگر وہ خاوند کسی صورت پر عمل نہ کرے، تو قاضی یا مسلمان حاکم یا جماعت مسلمین ان کے درمیان تفریق کردے، یہ تفریق طلاق کے حکم میں ہوگی، اس کے بعد عدت طلاق گزار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے، اور جب تک اس طرح خلاصی حاصل کرنا ممکن نہ ہو وہاں تک عورت اپنے آپ کو شوہر کے ظلم وزیادتی سے بچانے کے لیے علاحدہ سکونت اختیار کرسکتی ہے؛ لیکن یہ طریقہ فتنہ سے خالی نہیں خاص کر اس زمانہ میں، اس لیے اوپر بتلائی گئی صورت پر ہی عمل کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۴/ جمادی الاخری ۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

خلع

(سوال): کیا عورت اپنے شوہر یعنی خاوند سے طلاق لے سکتی ہے؟

(الجواب): حامداً ومصلیاً ومسلماً

عقد نکاح ہونے کے بعد جب عورت شوہر کے نکاح میں آگئی، تو اب اس پر طلاق واقع کرنے کا اختیار مرد کو ہے، عورت کو نہیں۔

"إنما الطلاق بيد لمن أخذ بالساق".

(لامع الدراری ۳/۲٦٤ المقاصد الحسنة ۱۰۷)

البتہ اگر عورت کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ شوہر کے حقوق ادا نہیں کرسکتی، تو اس صورت میں وہ شوہر کو کچھ رقم دے کر طلاق دینے پر راضی کرلے اور شوہر اس کو منظور کرکے علیحدہ کردے، یہ درست ہے، اس کو شریعت کی اصطلاح میں ''خلع'' کہتے ہیں؛ لیکن یہ بھی شوہر کی رضامندی ومنظوری کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

زوج متعنت سے چھٹکارہ کی صورت

سوال: ایک صاحب ہیں واپی کے، انہوں نے اپنی بہن کی شادی کی وہ گورکھپور یوپی کے رہنے والے ہیں، یہ جناب آج سے چودہ سال قبل اپنی بیوی کو یہ کہہ کر گئے کہ میں گھر جاکر آتا ہوں، پھر وہاں جاکر انہوں نے دوسرا نکاح کرلیا، اور اب وہ ان کی پہلی بیوی نہ لینے آتے ہیں اور نہ طلاق دیتے ہیں، اب تک چودہ سال ہوگئے تو اب اسے طلاق کی یا علیحدگی کی کوئی صورت ہو تو بتلایئے، ان سے اب کیسے چھٹکارا پایا جاسکتا ہے؟ اس کی شکل بتلایئے، گھر والے بڑے پیچ وتاب میں ہیں، کہ اگر ان کی بچی کو طلاق مل جائے تو دوسری شادی کردیں؛ اس لیے کہ کئی مرتبہ ان کے خاوند کو بلایا گیا، پھر وہ کسی بھی قیمت پر آنے کو تیار نہیں، جواب دے کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ان سے رابطہ قائم کرکے ان کو آمادہ کرکے خلع کرلیا جائے، اگر وہ خلع کرلیں تو

عدت گزار کر نکاح ثانی کیا جاسکتا ہے، اور اگر وہ نہ طلاق دیتے ہیں نہ خلع پر آمادہ ہیں، نہ ہی نفقہ اور دیگر حقوقِ زوجیت ادا کرتے ہیں، اور لڑکی کے لیے باعزت زندگی گذارنا دشوار ہے تو لڑکی شرعی پنچایت میں اپنا معاملہ پیش کرے، وہ تحقیق کے بعد ضرورت سمجھنے پر تفریق کا فیصلہ کرسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/شوال ۱۴۱۷ھ

شوہر کا طلاق کے عوض پیسہ لینا

سوال: زید اور بکر دو سگے بھائی ہیں، دونوں کی بیویاں زلیخا اور کلثوم سگی بہنیں ہیں، چار سال پہلے زید کے لڑکے کا نکاح بکر کی لڑکی کے ساتھ ہوا، نکاح سے تین سال پہلے نسبت طے کردی تھی، اس وقت نہ بکر نے اور نہ اس کی بیوی کلثوم نے اور نہ اس کی بیٹی نے کوئی تذکرہ کیا کہ اس کا رجحان دوسرے لڑکے کی طرف ہے، حالاں کہ ماں باپ کو اس کی بھنبھناہٹ تھی؛ لیکن بیچارے یہ سمجھتے رہے کہ نکاح کردینے کے بعد شاید رجحان بدل جائے اور یکسوئی حاصل ہوجائے؛ اس لیے ان سب باتوں کو زید اور اس کی بیوی زلیخا سے پوشیدہ رکھا۔ نکاح کے بعد تین سال ازدواجی زندگی چلی، تین سال کے عرصہ میں بکر کی بیٹی نے زید کے لڑکے یعنی اپنے شوہر کے حقوق کی ادائیگی میں کافی کوتاہی برتی، مقدر سے ایک بچی بھی پیدا ہوگئی؛ مگر بکر کی بیٹی کا رجحان دوسری طرف ہی رہا، دو تین بار رنگے ہاتھوں پکڑی بھی گئی، بکر کی سخت مزاجی اور برے رویّہ سے ڈر کر اس کے شوہر یعنی زید کے لڑکے نے چشم پوشی سے کام لیا، ایک مفتی اور عالم کے مشورے سے ایک طلاق بطورِ تنبیہ اس کو دی۔ تین ماہ سے کچھ زائد کا عرصہ اس کے

باپ بکر کے گھر گزارا، بکر کی بیوی نے بڑی منت سماجت کی، خالہ کی حالتِ زار پر زید کے لڑکے کو ترس آیا، نیز زید نے بھی سوچا کہ بھائی کا رشتہ ہے۔ اُسی عالم صاحب کے مشورہ کے بعد دوبارہ مہر مقرر کر کے نکاح کروایا گیا، چند لوگوں کی دعوت بھی اس موقعہ پر زید نے کر ڈالی، آئندہ کے لیے لڑکی کو اور اس کے والدین کو اس معاملہ میں تنبیہ بھی کی گئی، دوبارہ ازدواجی زندگی شروع ہوگئی، زید تو انفرادی خاندان کا قائل ہے خصوصاً اس دور میں، اس لیے دونوں اپنے طور پر الگ مکان میں رہتے تھے۔

درمیان میں ایک بات یہ بھی عرض ہے کہ بکر کی لڑکی کے اس طرح کے رجحان کو ان لوگوں نے ''جادو ٹونہ'' اور کسی ''آسیب'' کا اثر بتایا، زید ان سب چیزوں کو زیادہ ہوا نہیں دیتا تھا، پھر بھی گاؤں میں بلا کر ایک عامل کے پاس علاج کروایا، اس نے بھی یہی وجہ بتائی اور چالیس دن تک علاج جاری رکھنے کی تاکید کی۔

بکر کی بیٹی نے اپنے (شوہر کے) گھر آ کر علاج کو ترک کر دیا، بہر حال دوسرے نکاح کے چند ماہ بعد اس نے شوہر کے عاریتاً استعمال کے لیے دیے گئے کانوں کے ٹاپس (ائیرنگ) ایک نوجوان کو اس کی کسی ضرورت پر شوہر کی غیر موجودگی میں دے دیے، وہ نوجوان دوسری بلڈنگ میں گھر کے سامنے والے مکان میں رہتا تھا، کافی دنوں کے بعد شوہر کو پتہ چلا، شوہر نے بکر سے اس کی بیٹی کی شکایت کی، بکر نے دو تین جھوٹی تاویل کر کے الٹا اپنے داماد (یعنی زید کے لڑکے) کو ڈانٹ دیا اور خود زبردستی اپنی لڑکی اور چھوٹی نواسی کو لے جا کر زید کے بڑے لڑکے کے مکان میں چھوڑ آیا، زید تو گاؤں میں اپنے مکان میں الگ رہتا ہے، جب اسے اس کی خبر ملی تو چند عزیزوں کو اس نے اس معاملہ میں ثالث بننے کے لیے آمادہ کیا، اور وہ اس طرح کہ دونوں میاں بیوی میں

طلاق کے ذریعہ تفریق کروادی جائے اور دونوں کا نکاح اپنے اپنے طور پر کردیا جائے، اب یہ گھر نہیں چل سکتا، کیوں دونوں کی زندگیوں کو خراب کیا جائے، آپس میں بیٹھ کر صلح صفائی سے اور شرعی اعتبار سے اس کی نوعیت معلوم کرکے طلاق کے ذریعہ جدائی کروادی جائے، ہاں بھائی بھائی کا بہن بہن کا رشتہ برقرار رہے، صرف اس رشتہ کو مصلحتاً توڑ دیا جائے، فی الحال یہ ''توڑ'' مناسب ہے؛ لیکن احسن طریقہ سے ہو جس کا ذکر اوپر کی سطروں میں کیا گیا۔

مگر کیا کیا جائے سماج کے ان بڑوں کا؛ جو صلح وصفائی کو ہی مانتے ہیں اور صرف جوڑ کے ہی علم بردار ہیں چاہے ان کا اصراراً کیا گیا ''جوڑ'' دو دن کے بعد زبردست ''توڑ'' کا سبب بن جائے؛ لیکن ان کا نام تو روشن ہو جائے گا کہ فلاں صدر صاحب نے اور فلاں سیکریٹری صاحب نے اور فلاں سماج سیوک نے دو میاں بیوی میں پُرامن طریقے سے صلح کروادی، واہ صاحب واہ! کتنے بڑے آدمی اور کیسے صلح پسند آدمی ہیں! مگر زید اپنے موقف پر اٹل ہی رہا، وہ اپنے لڑکے کو جان بوجھ کر کیسے کنویں میں ڈھکیل دے، چناں چہ ثالث بننے کے لیے کوئی تیار نہ ہوا، خاندان کا صرف ایک شخص تیار ہوا، انہوں نے زید کے منشا کو سمجھتے ہوئے ''توڑ'' کی کوشش کی؛ مگر محبت وصلہ رحمی والی فضا میں ویسے بھی زید کی طبیعت جھگڑالو نہیں ہے، چناں چہ بکر نے اس کا پورا فائدہ لیتے ہوئے اپنا فیصلہ سنادیا کہ میری بیٹی کو اگر طلاق دینی ہے تو ستر ہزار روپے نقد دے دو، ورنہ میں کورٹ، کچہری، پولیس، مہیلا منڈل وغیرہ میں کمپلینٹ (شکایت) کردوں گا اور اپنی بیٹی سے بھی کہہ دیا کہ: تو اس گھر سے مت نکلنا جب تک تجھے مطلوبہ رقم نہ مل جائے اور اپنے سسرال والوں کی پوزیشن سے مجھے باخبر بھی کرتے رہنا، اس ناگہانی

آفت سے زید اور اس کے گھر والے خوب پریشان رہے، انہوں نے کبھی یہ سب چیزیں دیکھی نہ تھیں۔ اس دوران ایک عالم صاحب نے زید کو یہ مشورہ دیا کہ بطورِ مدد واعانت سمجھ کر اپنے بھائی کو اس کی مطلوبہ رقم دے دو اور اس ذہنی الجھن سے نکل جاؤ، اب اتنی کثیر رقم کا انتظام بھی زید کے لڑکے کے لیے مشکل تھا، اس نے اپنی بہن کے پاس سے پچاس ہزار کا قرض لے کر اور بیس ہزار کا اپنے پاس انتظام کر کے مطلوبہ رقم ثالث کے روبرو بکر کے کہنے کے مطابق اس کے لڑکے کے حوالہ کر دی، اور قانونی پیپرس پر دستخط کروالیے۔ چناں چہ بیوی اپنی تمام چیزیں اور شوہر کی بھی چند چیزیں سامان میں باندھ کر اور چھوٹی بچی جو ڈیڑھ سال کی تھی زید کے گھر والوں کے سپرد کر کے حسبِ ہدایتِ بکر اپنے میکہ چل دی، بکر نے اس ائیرنگ کے پیسے جو تقریباً آٹھ، دس ہزار روپے بنتے ہیں اس رقم میں سے وضع نہیں کرنے دیے اور نہ ہی اس انگوٹھی کی قیمت وضع کرنے دی جو اس کی غلطی سے کہیں کھو گئی تھی، بلکہ بکر نے جذبات کی رَو میں بہہ کر یہاں تک کہہ دیا کہ میں تو تین لاکھ وصول کر سکتا تھا؛ مگر بھائی چارگی سے ستر ہزار پر ہی اکتفا کیا ہے۔

جناب مفتی صاحب کے روبرو ایک بات پیش کرنے سے رہ گئی، وہ یہ کہ پہلی طلاق کی عدت کے تین ماہ بکر نے اپنی بیٹی اور اس کی نواسی کو اپنے گھر رکھا، بعد میں جب صلح صفائی ہوئی اور نکاح ہوا تو زید نے اس کے بارے میں ذکر کیا کہ تین ماہ تک ماں بیٹی کے نان نفقہ کی رقم وہ ادا کر دے گا؛ لیکن بکر نے وہ رقم معاف کر دی اور نہیں لی، اب جو بکر نے ستر ہزار کی رقم لی ہے اس میں اس نے گذشتہ نان نفقہ کی اور نہ جانے کون کون سی رقمیں شمار کر کے جوڑ لی ہے؛ بلکہ اس رقم کو اپنی بیٹی کا حق بتایا ہے۔ زید کو اس وقت دوسرے ایک عالم صاحب نے شاید نصیحتاً فرمایا کہ: اگر تم اتنی بڑی رقم دے

دو گے تو آئندہ کے لیے دوسرے بالکل غریب لوگوں کے لیے مصیبت کھڑی ہو جائے گی، وہ لوگ اس طرح کی بیویوں کے شکنجے سے کیسے نکل سکیں گے، نیز ان بیچاروں کے گھر مطالبات کی فراہمی تک جہنم بنے رہیں گے۔

بہر حال آج اس واقعہ کو آٹھ مہینے کا عرصہ گذر چکا ہے، اللہ نے زید کے لڑکے کا نکاح متوسط اور شریف گھرانے میں کروا دیا، دونوں الحمدللہ چین وسکون سے اپنی ازدواجی زندگی بسر کر رہے ہیں، نیز بچی کو اس کی نئی ماں بڑی محبت اور ممتا سے رکھ رہی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی اپنی سگی بچی ہو، ہاں! اس واقعہ کا ردِ عمل یہ ہوا کہ دونوں کے گھر والوں میں تعلق باقی نہ رہا، کبھی کبھی زید اور اس کی بیوی کسی کی معرفت سلام بھجواتے رہتے ہیں۔ بعض اعزّہ یہ چاہتے ہیں کہ: صلح صفائی ہو جائے اور اس واقعہ کو بھلا دیا جائے؛ مگر زید کا لڑکا اور گھر کے کچھ افراد اس بات سے ناراض ہیں، ان لوگوں کا کہنا ہے کہ بکر نے جو رقم اس کے شرعی حق کے علاوہ زائد لی ہے واپس کر دے؛ مگر اس کو اپنی بیٹی کا حق بتلانے والا بکر شاید ہی واپسی پر تیار ہو۔

اب اتنا طویل مضمون لکھ کر جناب مفتی صاحب محترم کی خدمت میں تصفیہ کے لیے پیش ہے، محض اس امید پر کہ جنابِ والا شرعی اعتبار سے حل فرما کر دونوں گھرانوں کی خلش ورنجش کو رفع فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آنجناب کو اس کا بدلہ دے، اگر جادو ٹونہ کی شرعی حیثیت پر کچھ روشنی ڈال دیں تو جنابِ والا کا تبرع ہوگا، آج کل لوگوں نے اس کو ہتھیار اور بہانہ بنالیا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعتِ مطہرہ کی طرف سے جب لڑکی کی طرف سے طلاق اور جدائی کا مطالبہ

ہو اور حقوقِ زوجیت کی ادائیگی میں کوتاہی بھی لڑکی کی طرف سے ہو رہی ہو اس صورت میں لڑکی کی طرف سے معاوضہ دے کر جدائی حاصل کرنا جس کو شریعت کی اصطلاح میں ''خلع'' کہا جاتا ہے، ایک مشروع اور قرآن وحدیث سے ثابت شدہ طریقِ کار ہے اور زیادتی عورت کی طرف سے ہونے کی صورت میں جدائی کے معاوضہ میں یہ رقم جس کا نام ''بدلِ خلع'' ہے لینا شرعاً درست اور بلاتردد جائز ہے؛ لیکن شوہر اگر اپنی بیوی کو طلاق دے کر علاحدہ کرنا چاہتا ہے اور وہ بھی اس صورت میں جب کہ علیٰحدگی کی بنیاد عورت کی طرف سے حقوقِ زوجیت میں ادا کی جانے والی کوتاہی ہو، تو اس صورت میں طلاق دینے والے شوہر پر اس کے اس طلاق دینے والے عمل کے معاوضہ یا دوسرے لفظوں میں جرمانہ کے طور پر کوئی رقم واجب کرنا جیسا کہ آج کل سرکاری قانون کا ڈر بتلا کر وصول کی جاتی ہے، اور صورتِ مسئولہ میں بھی یہی ہوا ہے، شریعتِ مطہرہ میں اس کا کوئی جواز موجود نہیں، ایسی رقم کا مطالبہ شرعاً ناجائز ہے، اور ایسی رقم کا وصول کرنا چاہے فریقِ مخالف دینے کے لیے تیار ہو رشوت اور غصب کا حکم رکھتا ہے؛ اس لیے صورتِ مسئولہ میں بکر کا زید کے بیٹے سے ستر ہزار کی رقم وصول کرنا شرعاً درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۲۷/ جمادی الثانی ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

متفرقات طلاق

میاں بیوی میں تعلقات نہ ہونے کا اثر رشتۂ نکاح پر

سوال: کچھ عرصہ تک اگر شوہر اور بی بی میں کچھ بھی تعلقات نہ ہو، نہ کچھ بات چیت ہو، نہ نان نفقہ اور خرچ کی رقم دیتا ہو؛ غرض کہ کچھ بھی تعلقات نہ ہوں تو اس حالت میں شوہر اور بی بی کا رشتہ ختم ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر رشتہ ختم ہو تو کتنے عرصہ کے اندر تعلقات ختم ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں بھی دونوں کا رشتۂ نکاح ختم نہیں ہوا؛ بلکہ باقی ہے، جب تک شوہر طلاق نہ دے وہاں تک رشتہ ختم نہیں ہوسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شوہر کی اجازت کے بغیر لڑکی میکہ آگئی فریقین کیا کریں؟

سوال: ہمارے محلہ میں ایک لڑکی کی شادی ہوئے چار سال گزر گئے، ابھی تقریباً نو دس مہینے سے وہ اپنی سسرال سے اپنے میکے والدین کے پاس چلی آئی ہے، اسی عرصہ میں لڑکی کے سسرال والے لڑکی کو لینے آئے تھے؛ مگر لڑکی کے والدین اور خاندان والے لڑکی کو روانہ کرنے کے لیے منع کر رہے ہیں، اور لڑکی بھی صاف انکار کر رہی ہے، لڑکی کے والدین اور لڑکی طلاق لینے پر آمادہ ہے؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں کیا

کیا جائے؟ تفصیل سے لکھیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کا اپنے میکے چلا آنا شرعاً ممنوع ہے، شوہر کی ناراضگی کو دور کرے، اگر کسی وجہ سے دونوں کے تعلقات کشیدہ ہو گئے ہیں تو دونوں طرف کے خاندان کے بڑے لوگوں کو درمیان میں ڈال کر تعلقات درست کرنے کی سعی کی جائے، عورت کی طرف سے بلا وجہ طلاق کا مطالبہ درست نہیں ہے، تمام کوششوں کے بعد بھی اگر تعلقات سدھرنے کا امکان نہیں رہا تو لڑکی کچھ رقم دے کر شوہر سے طلاق حاصل کر سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

انسداد طلاق کے لیے کمیٹی بنانا

سوال: ہمارے گاؤں (کاکوسی) میں الحمدللہ مسجد اور مدرسہ کا نظام پورے گاؤں کے اتفاق اور اتحاد کے ساتھ چل رہا ہے، اور الحمدللہ پورا گاؤں متولی کے ساتھ جڑا ہوا ہے، اب مسجد اور مدرسہ کے امور کے علاوہ روزمرہ نئے نئے مسائل پیش آتے ہیں، من جملہ ان کے میاں بیوی کے درمیان تنازع اور طلاق کا مسئلہ ہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس دور میں عورتوں کی کثرت ہے، جس کی بناء پر طلاق کے بعد فوراً دوسری شادی ہو جاتی ہے؛ نیز بعض دفعہ کسی کی طرف سے شوہر کو اکسایا جاتا ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے، میں اپنی لڑکی سے تیرا نکاح کر دوں گا؛ نیز ماں باپ کی دخل اندازی کی وجہ سے بھی شوہر طلاق دینے پر مجبور ہو جاتا ہے؛ باوجودیکہ میاں بیوی کے

درمیان اتفاق ہے، اور بعض مرتبہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے بھی طلاق دی جاتی ہے؛ نیز اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہماری برادری کا کاروباری تعلق زیادہ تر بمبئی سے ہے، اب ہمارے نوجوان بمبئی کے ماحول اور مغربی تہذیب سے متأثر ہوکر وطن آتے ہیں تو اپنی عورتوں کو ناپسند کرتے ہیں، جس کی وجہ سے گھر میں نااتفاقیاں شروع ہوجاتی ہیں اور بگاڑ ہوتے ہوتے بسا اوقات طلاق تک کی نوبت پہونچ جاتی ہے، یا پھر عورت اپنے حقوق سے محروم اور مظلوم ہوکر زندگی بسر کرتی ہے، اس مسئلہ کے حل کے لیے سارے گھر پریشان تھے؛ چناں چہ گاؤں کے ذمہ داروں نے پورے گاؤں کے لوگوں کو جمع کرکے ایک میٹنگ کی، اور اس میں طلاق کی کثرت نہ ہو، اس کے لیے کیا کیا جائے؟ سوچا گیا، متفقہ طور پر یہ بات طے ہوئی کہ ایک کمیٹی بنائی جائے، اور جس کے گھر میں بھی میاں بیوی کے درمیان نااتفاقی کی بات پیش آئے تو وہ کمیٹی سے رجوع کرے، اب کمیٹی طرفین کی بات سن کر غور کرے اور طرفین میں سے جس کا قصور ہو اس کو سمجھائے، اور اگر شوہر کے والدین کا اس میں قصور ہے تو ان کو سمجھائے، اور جوڑ کرنے کی کوشش کرے، اور اگر ان صورتوں میں سے کسی صورت سے کام نہیں چلتا تو کمیٹی شوہر سے کہہ دیتی ہے کہ تم اپنا حق طلاق استعمال کرسکتے ہو۔

اب اگر کوئی آدمی کمیٹی سے رجوع کئے بغیر طلاق دے دے تو اس کے بارے میں کیا کیا جائے؟ پورے گاؤں کے لوگوں سے مشورہ طلب کیا گیا تو بہت سے لوگوں نے رائے دی کہ کمیٹی کو اختیار ہے چاہے پچاس ہزار کا جرمانہ لازم کرے، چاہے پچیس ہزار کا، چاہے پانچ ہزار کا، اور یہ جرمانہ چاہے مطلقہ کو دلوادے یا کسی اَور مصرف میں استعمال کرے، اس کا فیصلہ کمیٹی پر موقوف ہے، وہ جو مناسب سمجھے اقدام کرے۔

اس کے بعد پورے گاؤں کے لوگوں سے پوچھا گیا کہ کیا سب کو یہ منظور ہے؟ اگر کسی کو اختلاف ہو یا منظور نہ ہو تو وہ اپنے اختلاف کو ظاہر کردے، پورے گاؤں نے متفق علیہ اس کو منظور کرلیا، اور بارہ آدمیوں کی کمیٹی بنادی؛ چناں چہ اس کا فوری فائدہ یہ ہوا کہ دس بارہ جگہوں پر طلاق کی نوبت پہنچ چکی تھی، اور طے تھا کہ طلاق ہوجائے گی؛ لیکن الحمدللہ کمیٹی بننے سے گاؤں پر اتنا رعب پڑا کہ وہ طلاقیں رک گئیں، اور اب وہ خاندان خیر وعافیت کے ساتھ زندگی گذار رہے ہیں، اب ہم کمیٹی والوں کے لیے مسائل درپیش ہیں کہ اگر کسی نے کمیٹی کے علم میں لائے بغیر ناحق طلاق دی تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کریں کیا؟ تعزیز بالمال جائز ہے؟ یا عدت کا نان نفقہ مثلاً پندرہ سو روپیہ ہوتا ہے، اس کو بڑھا کر پانچ ہزار مطلقہ کو دلوا سکتے ہیں؟ یا دو تین سال کے لیے اس لڑکے اور اس کے والیوں پر پابندی لگائی جائے کہ اس کی شادی نہ ہو، یا اور کوئی شکل شرعاً جواز کی ہو (کہ جس کے ذریعہ سے مطلقہ اور اس کے والیوں کے آنسوؤں کو پونچھا جاسکے، اور آئندہ اس جرم کی ہمت کسی اور کو نہ ہو، اور ناحق طور پر آئندہ نئی طلاقیں نہ ہوں) تو اس کو واضح فرمائیں، اگر مجرموں کو سزا نہیں دی جاتی تو پھر طلاقوں کا دروازہ کھل جاتا ہے، اور مجبوراً مسلم عورتیں کورٹوں میں جانا شروع کردیں گی، اور شاہ بانو والے کیس کی نوعیت ہم سب کے سامنے ہے؛ لہٰذا ہماری رہبری فرمائیں۔

نوٹ: آیا ہماری اس کمیٹی کو شرعی پنچ کی حیثیت دی جاسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اسلامی اصول کا رخ یہ ہے کہ جن مرد وعورت میں اسلامی اصول کے مطابق ازدواجی تعلق قائم ہو وہ پائیدار اور عمر بھر کا رشتہ ہو، جس سے ان دونوں کی دنیا ودین بھی

درست ہو، اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد کے اعمال واخلاق بھی درست ہوں، اسی لیے نکاح کے معاملہ میں شروع سے آخر تک ہر قدم پر اسلام کی ہدایات یہ ہیں کہ اس تعلق کو تلخیوں اور رنجشوں سے پاک صاف رکھنے کی، اور اگر کبھی پیدا ہو جائے تو ان کے ازالہ کی پوری کوشش کی گئی ہے؛ لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود بعض اوقات طرفین کی زندگی کی فلاح اسی میں منحصر ہو جاتی ہے کہ یہ تعلق ختم کر دیا جائے، اس لیے اسلام نے قوانینِ نکاح کی طرح طلاق کے بھی اصول وقواعد مقرر فرمائے؛ مگر ساتھ ہی یہ ہدایات بھی دے دیں کہ طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت مبغوض ومکروہ کام ہے، جہاں تک ممکن ہو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ حدیث میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: تزوجوا ولا تطلقوا، فان الطلاق یهتز منه عرش الرحمن یعنی نکاح کرو اور طلاق نہ دو کیوں کہ طلاق سے عرشِ رحمن ہل جاتا ہے۔ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کو طلاق نہ دو بغیر کسی بدکاری کے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ان مردوں کو پسند نہیں کرتا جو صرف ذائقہ چکھنے والے ہیں، اور ان عورتوں کو پسند نہیں کرتا جو صرف ذائقہ چکھنے والی ہیں۔

(قرطبی بروایت ثعلبی)

اور دار قطنی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے زمین پر جو کچھ پیدا فرمایا ہے، ان سب میں اللہ کے نزدیک محبوب غلاموں کو آزاد کرنا ہے، اور جتنی چیزیں زمین پر پیدا کی ہیں، ان سب میں مبغوض

ومکروہ طلاق ہے۔(از قرطبی)

بہر حال اسلام نے اگر چہ طلاق کی حوصلہ افزائی نہیں کی؛ بلکہ تابمقدور اس سے روکا ہے لیکن بعض ضرورت کے مواقع میں اجازت دی، تو اس کے لیے کچھ اصول وقواعد بنا کر اجازت دی، جن کا حاصل یہ ہے کہ اس رشتۂ ازدواج کو ختم کرنا ہی ضروری ہوجائے تو وہ بھی خوب صورتی اور حسن معاملہ کے ساتھ انجام پائے، محض غصہ نکالنے اور انتقامی جذبات کا کھیل بنانے کی صورت نہ بننے پائے۔

(معارف القرآن ۸/ ۷۷ ۴، ۷۸ ۴ بحذف یسیر)

بنابریں معاملۂ طلاق میں ہونے والی بے اعتدالیوں اور حکمِ شرعی کی خلاف ورزیوں کے سدِ باب کے لیے آپ حضرات نے تمام باشندگانِ بستی کے اتفاقِ رائے سے جو کمیٹی تشکیل دی ہے یہ مستحسن اور قابلِ تعریف ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿تعاونوا علی البر والتقوی﴾ (نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں تعاون کرو) مسلمان بھائی بھی اگر حق کے خلاف یا ظلم وجور کی طرف چل رہا ہو تو ناحق اور ظلم پر اس کی بھی مدد نہ کرو؛ بلکہ اس کی کوشش کرو کہ ناحق اور ظلم سے اس کا ہاتھ روکو کیوں کہ درحقیقت یہی اس کی صحیح امداد ہے؛ تاکہ ظلم وجور سے اس کی دنیا اور آخرت تباہ نہ ہو۔

''صحیح بخاری ومسلم'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انصر أخاك ظالما أو مظلوما یعنی اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جو قرآنی تعلیم میں رنگے جا چکے تھے، انھوں نے حیرت سے پوچھا کہ یارسول اللہ! مظلوم بھائی کی امداد تو ہم سمجھ گئے؛ مگر ظالم کی امداد کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو ظلم سے روکو، یہی اس کی امداد ہے۔ (معارف القرآن ۳/ ۲۴)

بر وتقویٰ پر تعاون اور امداد کرنے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الدال علی الخیر کفاعلہ یعنی جو شخص کسی کو نیکی کا راستہ بتاوے تو اس کا ثواب ایسا ہی ہے جیسے اس نیکی کو اس نے خود کیا ہو۔ الخ (معارف القرآن ۳/۲۵)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "الجامع الصحیح" کی "کتاب الادب" میں ایک باب قائم فرمایا ہے: "باب الاخاء والحلف" اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ نے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام نقل فرمایا ہے:

قال النووي: لا حلف في الاسلام، معناه حلف التوارث وما يمنع الشرع منه، وأما المواخاة والمحالفة على طاعة الله تعالىٰ والتعاون على البر فلم ينسخ، إنما المنسوخ مايتعلق بالجاهلية اه

اس کے بعد فرماتے ہیں: ولا يبعد عندي أن يقال أن الاخاء والحلف يشمل ما اشتهر في هذا الزمان باسم كميٹی بنانا (الابواب والتراجم ٦/١١٩) یعنی میرے نزدیک "الاخاء والحلف" دورِ حاضر میں جو کمیٹی بنائی جاتی ہے اس کو بھی شامل ہے، اور جیسا کہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے معلوم ہوا کہ احکامِ خداوندی کی بجا آوری اور امورِ خیر میں تعاون اور مواخات درست ہے، اس لیے آپ حضرات کا یہ اقدام قابلِ ستائش اور شرعاً درست ہے۔

اب کمیٹی کے کام کی نوعیت باقی رہ جاتی ہے تو سوال میں اس کی جو تفصیل مذکور ہے، وہ درست ہے؛ البتہ ارکان کمیٹی کے لیے ضروری ہے کہ یہ متعین کرنے میں بڑی احتیاط برتیں کہ شوہر نے جو طلاق دی ہے، وہ شرعاً درجۂ مباح میں آتی ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں شرعی ہدایات پیش نظر ہونی چاہیے؛ نیز نفس نکاح کے لیے شریعتِ مطہرہ نے جو ہدایات دی ہیں ان سے بھی تمام باشندگان بستی کو واقف کرنا ضروری ہے، اس سے بھی بہت سے واقعاتِ طلاق کی پیش بندی ہوسکتی ہے، بعض مرتبہ والدین لڑکے یا لڑکی کی رضامندی کے بغیر دونوں کو دباؤ ڈال کر رشتۂ نکاح سے جوڑ دیتے ہیں، بالآخر یہ رشتہ بھی ٹوٹ جاتا ہے اور طلاق کی نوبت آتی ہے، آپ کے سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے طلاق دینے والی صورت کو آپ شرعاً ممنوع سمجھ رہے ہیں؛ حالاں کہ اگر لڑکی بانجھ ہے تو اس صورت میں طلاق کا مباح ہونا معلوم ہوتا ہے، ہاں یہ ضروری ہے کہ طبی معائنہ کرایا جائے کہ نقص کس میں ہے؟ وغیرہ۔

اب آخری اور بنیادی سوال یہ ہے کہ جو آدمی کمیٹی سے رجوع کئے بغیر طلاق دے دے تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ اس کے لیے مالی جرمانہ کی صورت مقرر کی گئی ہے وہ شرعاً درست نہیں۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''تعزیر بالمال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ وعند ابی یوسف یجوز التعزیر بأخذ المال للسلطان، وعندهما و باقی الائمة الثلاثة لا یجوز، کذا في فتح القدیر.(عالمگیری) اور اگرچہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے تعزیر بالمال کو جائز فرمایا ہے؛ مگر اس سے مراد یہ ہے کہ بادشاہ اس کے مال کو ایک مدت مناسبہ تک روک لے، اور جب سمجھے کہ اب زجر حاصل ہوگیا پھر واپس کردے، نہ یہ کہ بالکل خود اپنے لیے یا بیت المال کے لیے ضبط کرلے۔

ومعنی التعزیر بأخذ المال علی القول به امساك شیء من ماله عنده

مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم اليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه او لبيت المال، كما يتوهمه الظلمة اذ لا يجوز لاحد من المسلمين اخذ مال أحد بغير سبب شرعي، كذا في البحر الرائق. (عالمگیری)

پس یہ احمقانہ (مالی جرمانہ) لینا، اور اس کا مصارف مذکورہ میں یا کسی اور مصرف میں صرف کرنا جائز نہیں؛ بلکہ جن سے لیا ہے ان کو واپس دینا لازم ہے، ہاں ایسے لوگوں کے زجر اور ایسی باتوں کو بند کرنے کے لیے یہ جائز ہے کہ ایسے لوگوں کو پنچایت اور برادری سے خارج کر دیا جائے، اور جب تک وہ اس فعل سے توبہ نہ کریں ان کے ساتھ برادری کے تعلقات نہ رکھے جائیں"۔ (کفایت المفتی ۲/ ۱۶۵)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

مالی جرمانہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں، منسوخ ہے، اگر لیا ہو تو اس کی واپسی لازم ہے، انسدادِ جرائم کے لیے ارشاد، تلقین، تذکیر، تزکیۂ باطن کی ضرورت ہے؛ تاکہ دل میں خوف وخشیت پیدا ہو، جنت ودوزخ کا استحضار، قبر، قیامت، حشر، حساب کتاب، خدائے قہار کی عظمت اور اس کے انعامات کا مراقبہ لازم ہے؛ تاکہ اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کی رغبت ہو، ورنہ محض سختی سے اصلاح نہیں ہوتی، اگر ہوتی ہے تو عارضی ہوتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۱۸۴، ۱۸۵)

"مال کا جرمانہ شرعاً ناجائز ہے، اگر مجرم کے ذمہ حقوق العباد ہے، تو ان کو ادا کرے یا معاف کرائے، اور خدا کے سامنے صدقِ دل سے توبہ کرے، امید ہے کہ قصور معاف ہو جائے گا، اگر آئندہ بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو اس کو ترک تعلق کی سزا دی جائے"۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۲۱۱)

مال کا جرمانہ ناجائز ہے، احکامِ شرعیہ کی پابندی کے لیے کوئی دوسری سزا ترک تعلقات وغیرہ کی دی جائے۔ (ایضاً ۵/ ۲۲۲)

دوسری صورت جو آپ نے تجویز فرمائی ہے کہ عدت کا نان نفقہ مثلاً پندرہ سو ہوتا ہے اس کو بڑھا کر پانچ ہزار مطلقہ کو دلوانا، تو یہ بھی درست نہیں؛ اس لیے کہ جو علت تعزیر بالمال کے ممنوع ہونے کی تھی، وہی یہاں بھی موجود ہے۔ لقوله عليه الصلوٰة والسلام "لا يحل مال إمرأ مسلم امرء إلا بطيبة من نفسه" البتہ اگر شوہر یہ جانتے ہوئے کہ نفقۂ عدت کی مقدار تو پندرہ سو روپے ہی ہے اور میرے اوپر زیادہ واجب نہیں ہے، اپنی دلی رضامندی سے بلا کسی دباؤ کے پانچ ہزار دیتا ہے، تو عورت کے لیے اس کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ ایسے لوگ کتنے ہیں؟ نیز یہ چیز کمیٹی کے دائرۂ اختیار سے باہر کی ہے، جس سے یہاں بحث نہیں۔

تیسری صورت پابندیٔ نکاح والی جو دریافت فرمائی ہے، یہ بھی مزاج ومقتضائے شریعت کے خلاف ہے، احادیث میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کا واقعہ، اور آیتِ قرآنی: ﴿ولا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن﴾ الخ (البقرة) کا نزول پیش نظر رہے، مشائخِ حنفیہ تو آیتِ کریمہ میں ﴿لا تعضلوهن﴾ کو "لا تضيقوا عليهن فى التزويج" ہی کے معنی میں لیتے ہیں۔ (احكام القرآن للتهانوى ١/ ٥٣٦، احكام القرآن للجصاص ١/ ٤٠٠) جب شریعت نے اولیاء کو اس سے روکا ہے تو غیر اولیاء (جن میں کمیٹی بھی داخل ہے) کے لیے ایسا کرنا کب جائز ہوسکتا ہے؟ اس لیے آپ کے لیے ایک ہی صورت رہ جاتی ہے، اور وہ ہے سماجی بائیکاٹ کی۔

لیکن اس سلسلہ میں دو باتیں ملحوظ رہیں: پہلی یہ کہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بقول ''جماعت سے خارج کرنا ان گناہوں کے ارتکاب سے ہوتا ہے جو قطعی حرام ہیں، اور جن سے مسلمانوں کی سوسائٹی پر برا اثر پڑتا ہے''۔

(کفایت المفتی ۹/ ۹۴، ۹۵)

اس لیے طلاق دینے کی وہ صورتیں جو شرعاً حرام ہیں، ان میں تو آپ یہ سزا تجویز کر سکتے ہیں، اس کے علاوہ صورتوں میں نہیں۔

دوسری بات وہی ہے جو اوپر حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب مدظلہم کے جواب میں نقل ہو چکی (جس پر خط کھینچ دیا گیا ہے) کہ یہ سزا کے سب طریقے عارضی طور پر مفید ہوتے ہیں، اصلی علاج یہ نہیں ہے، اصلی علاج تو سماج اور معاشرہ کی ایسی تربیت واصلاح ہے کہ سماج کے ہر فرد کے اندر ایمانی روح سرایت کر جائے، اور ہر حکم خداوندی کی بجا آوری کے لیے وہ دل وجان سے تیار ہو، اس موقعہ پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد جو اسی آیتِ طلاق کی تفسیر کے ذیل میں ہے نقل کرتا ہوں:

فرماتے ہیں: قرآن کریم نے اس جگہ ایک قانون پیش فرمایا ہے کہ مطلقہ عورتوں کو اپنی مرضی کے مطابق نکاح سے روکنا جرم ہے، اس قانون کو بیان فرمانے کے بعد اس پر عمل کرنے کو سہل اور اس کے لیے عوام کے ذہنوں کو ہموار کرنے کے واسطے تین جملے ارشاد فرمائے: جن میں سے پہلے جملے میں روزِ قیامت کے حساب اور جرائم کی سزا سے ڈرا کر انسان کو اس قانون پر عمل کرنے کے لیے آمادہ فرمایا۔ دوسرے جملے میں اس قانون کی خلاف ورزی میں جو مفاسد اور انسانیت کے لیے مضرتیں ہیں، ان کو بتلا کر قانون کی پابندی کے لیے تیار کیا۔ تیسرے جملے میں یہ ارشاد فرمایا کہ تمھاری اپنی مصلحت بھی اسی میں ہے کہ خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے قانون کی پابندی کرو، اس

کے خلاف کرنے میں اگر تم کوئی مصلحت سوچتے ہو تو وہ تمھاری کوتاہ نظری اور عواقب سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ قرآن کریم کا یہ اسلوب اور طرز بیان صرف یہیں نہیں؛ تمام احکام میں جاری ہے کہ ایک قانون بتایا جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہی خدا تعالیٰ اور آخرت کے حساب وعذاب سے ڈرایا جاتا ہے، ہر قانون کے آگے پیچھے ﴿اتقوا اللہ﴾ یا ﴿ان اللہ خبیر بما تعملون﴾ ﴿ان اللہ بما تعملون بصیر﴾ وغیرہ جملے لگائے ہوئے ہیں، قرآن ساری دنیا اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے لیے ایک مکمل نظامِ حیات اور ہر شعبۂ زندگی پر حاوی قانون ہے، اس میں حدود وتعزیرات کا بھی بیان ہے؛ لیکن اس کی ادا ساری دنیا کے قانون کی کتابوں سے نرالی ہے، اس کا طرزِ بیان حاکمانہ سے زیادہ مربیانہ ہے، اس میں ہر قانون کے بیان کے ساتھ اس کی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی انسان اس قانون کی خلاف ورزی کرکے مستحقِ سزا نہ بنے، دنیا کی حکومتوں کی طرح نہیں کہ انھوں نے ایک قانون بنادیا اور شائع کردیا، جو کوئی اس قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ اپنی سزا بھگتتا ہے، اس کے علاوہ اس اسلوب قرآن اور اس کے مخصوص انداز بیان سے ایک دوررس بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کو دیکھنے سننے کے بعد انسان اس قانون کی پابندی صرف اس بناء پر نہیں کرتا کہ اگر خلاف کرے گا تو دنیا میں اس کو کوئی سزا مل جائے گی؛ بلکہ دنیا کی سزا سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور آخرت کی سزا کی فکر ہوتی ہے، اسی فکر کی بناء پر اس کا ظاہر وباطن، خفیہ وعلانیہ برابر ہوجاتا ہے، وہ کسی ایسی جگہ میں بھی قانون کی خلاف ورزی نہیں کرتا جہاں کسی ظاہری یا خفیہ پولیس کی بھی رسائی نہ ہو؛ کیوں کہ اس کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ ہر جگہ حاضر وناظر اور ذرہ ذرہ سے باخبر ہیں، یہی سبب ہے کہ قرآنی تعلیم نے جو اصولِ

معاشرہ تیار کئے ہر مسلمان اس کی پابندی کو اپنا مقصدِ حیات تصور کرتا ہے۔ قرآنی نظام حکومت کا یہی امتیاز ہے کہ اس میں ایک طرف قانون کی حدود و قیود کا ذکر ہے، تو دوسری طرف ترغیب وترہیب کے ذریعہ انسان کے اخلاق و کردار کو ایسا بلند کیا گیا کہ قانونی حدود و قیود اس کے لیے ایک طبعی چیز بن جاتی ہیں، جس کے سامنے وہ اپنے جذبات اور تمام نفسانی خواہشات کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے، دنیا کی حکومتوں اور قوموں کی تاریخ اور ان میں جرم وسزا کے واقعات پر گہری نظر ڈالیے، تو معلوم ہوگا کہ نرے قانون سے کبھی کسی قوم یا فرد کی اصلاح نہیں ہوئی، محض پولیس اور فوج سے کبھی جرائم کا انسداد نہیں ہوا، جب تک قانون کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے خوف وعظمت کا سکہ آپ کے قلب پر نہ بیٹھے، جرائم سے روکنے والی چیز دراصل خوفِ خدا اور خوفِ حساب آخرت ہے، یہ نہ ہو تو کوئی شخص کسی سے جرائم کو نہیں چھڑا سکتا۔ (معارف القرآن ۱/ ۵۷۷، ۵۷۸)

اس لیے ارکان کمیٹی اور رتمام ذمہ دار حضرات کو چاہیے کہ اسی روش پر گامزن ہوں، یہی اصل علاج ہے، علماء حضرات اس مقصد کو اپنا مشن بنائیں، اور اس کے لیے اپنے کو فارغ کریں، کبھی ضرورت پیش آئے تو تعزیری کارروائی حدود شرع کے اندر رہ کر انجام دیں، باقی محض تعزیرات والا طریقہ دیرپا نہیں ہے؛ بلکہ ایک مدت کے بعد شریعت اور ذمہ داران کے خلاف بغاوت کا علم اٹھانے کا ذریعہ ہے، اور عورتوں کی اشک شوئی بھی حقیقی طور پر نہیں ہوگی، بہت بہت تو اتنا ہوگا کہ طلاق کا سدِ باب ہوگا؛ لیکن ازدواجی زندگی کی تلخی میں اضافہ ہوگا۔

بستی والوں سے اگر یہ بات بھی منظور کرالی جائے کہ امور متنازعہ میں فیصلہ صادر کرنے کا کام بھی کمیٹی انجام دے گی، تو اس کو شرعی پنچ کا بھی درجہ حاصل ہوجائے گا،

اس صورت میں کمیٹی میں ایسے عالم کا ہونا بھی ضروری ہے جو مسائلِ فقہ کا ماہر ہونے کے ساتھ تجربہ کار بھی ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کثرت طلاق کی روک تھام کے لیے بائیکاٹ، مالی جرمانہ لینا

سوال: (۱) ہمارے گاؤں کے اکثر لوگ بمبئ میں مقیم ہیں اور ہم نے تقریباً بائیس منتخب افراد کی ایک کمیٹی بنائی ہے، جس میں دو عالم حضرات بھی ہیں، اس کمیٹی کا کام یہ ہے کہ اپنے گاؤں کے چاہے وہ گاؤں میں ہوں یا ممبئ میں مقیم ہوں، طلاق اور میاں بیوی کے آپسی رنجشوں کے متعلق جو بھی مسائل پیش آئیں، انہیں سنجیدگی سے حل کرے اور میاں بیوی میں آپسی توڑ کو حتی الامکان دونوں کی ذہن سازی کر کے بحال کرے؛ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کمیٹی کے سمجھانے کے باوجود شوہر اپنی بیوی کو بے جا طلاق دے بیٹھتا ہے اور کبھی کبھی تو ایک ساتھ تین طلاقیں دے دیتا ہے تو اس کی روک تھام کے لیے کمیٹی شوہر پر بطور تعزیر مالی جرمانہ عائد کرتی ہے، تو کیا بطور تعزیر مالی جرمانہ عائد کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

چوں کہ آج ہمارا مسلم معاشرہ مغربیت کی زد میں آ کر نت نئے فتنوں میں مبتلا ہوتا جا رہا ہے، اور اکثر طلاق کی ایک بڑی وجہ مغربیت کے دوررس اثرات بھی ہیں، اسلامی ممالک میں تو حدود و تعزیرات جیسے اسلامی قوانین نافذ کر کے بہت سے فتنوں کا سدِّ باب کیا جا سکتا ہے اور خاص طور پر بے جا طلاقوں پر کافی حد تک بندش کر کے معاشرے

کو نیک اور پاکیزہ بنایا جاسکتا ہے؛ لیکن ہندوستان میں جہاں حدود وتعزیرات جیسے اسلامی قوانین کو روبہ عمل نہیں لایا جاسکتا، ایسے ممالک میں بیجا طلاقوں پر گرفت ممکن نہیں، اور پھر ہوتا یہ ہے کہ ہندوستانی سماج میں مطلقہ عورتوں کے لیے نکاح ثانی کے بڑے مسائل پیش آتے ہیں، ایسی عورتوں سے جلدی کوئی نکاح کے لیے تیار نہیں ہوتا اور نہ ایسی عورتوں سے کوئی نکاح کرنا پسند کرتا ہے، جس کی وجہ سے ایسی عورتیں برابر پریشان رہتی ہیں اور ان کے بچے بھی باپ کا سایہ نہ ہونے کی وجہ سے تعلیم وتربیت سے یا ماں کا سایہ نہ ہونے کی وجہ سے شفقت ومحبت سے یکسر محروم رہ جاتے ہیں، اس لیے ہماری کمیٹی اپنے گاؤں والوں میں سے کسی بھی فرد کے بے جا طلاق دینے پر اس کے اوپر لاکھ، دو لاکھ روپیوں کا جرمانہ عائد کرتی ہے، اس سے ہمیں فائدہ بھی محسوس ہوا، بہت سے لوگ بلا وجہ طلاق دینے سے رک گئے ہیں، تو اس طرح تعزیر بالمال کرنا کیسا ہے؟ نیز اس مال کا مصرف کیا ہوگا؟ کیا اسے طلاق دینے والے کی مطلقہ بیوی کو دے سکتے ہیں یا غرباء ومساکین کے درمیان صرف کر سکتے ہیں؟ تعزیر بالمال اور تعزیر کی دیگر صورتوں کی تفصیل کیا ہے؟ اور تعزیر کی کن صورتوں پر ہندوستان جیسے ممالک میں عمل کیا جاسکتا ہے؟ وضاحت اور تفصیل سے دلائل کی روشنی میں نوازیں۔

(۲) اگر کوئی بے جا طلاق دے اور سمجھانے کے باوجود نہ سمجھے اور طلاق سے رجوع نہ کرے جب کہ عورت بے قصور ثابت ہو جائے، تو ایسے لوگوں کا پورے گھر سمیت سماجی بائیکاٹ کرنا اور کمیٹی کا ان کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا کہ گاؤں کا کوئی فرد ان کی شادی بیاہ اور موت میت میں نہیں جائے گا، اور ان سے کسی طرح کا باہمی ربط نہیں رکھے گا کیسا ہے؟ سماجی بائیکاٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے اور سماجی بائیکاٹ کب کیا جائے گا

اور کب تک کیا جائے گا اور بائیکاٹ کے شرعی حدود کیا ہوں گے؟ شریعت کی روشنی میں مدلل وضاحت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①② یہاں دارالافتاء میں چند سال قبل آپ ہی کی برادری کی طرف سے اسی موضوع پر استفتاء آیا تھا، اس میں کثرتِ طلاق وتنازع کی وجوہات ایسی ہی لکھی تھیں، جو آپ نے اپنے استفتاء میں تحریر فرمائی ہیں، اس کا تفصیلی ومدلل جواب حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم نے تحریر فرمایا تھا، اس کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جاتا ہے، ملاحظہ کیجئے:

اسلامی اصول کا رخ یہ ہے کہ جن مرد وعورت میں اسلامی اصول کے مطابق ازدواجی تعلق قائم ہو وہ پائیدار اور عمر بھر کا رشتہ ہو، جس سے ان دونوں کی دنیا ودین بھی درست ہو، اور ان سے پیدا ہونے والی اولاد کے اعمال واخلاق بھی درست ہوں، اسی لیے نکاح کے معاملہ میں شروع سے آخیر تک ہر قدم پر اسلام کی ہدایات یہ ہیں کہ اس تعلق کو تلخیوں اور رنجشوں سے پاک صاف رکھنے کی، اور اگر کبھی پیدا ہو جائیں تو ان کے ازالہ کی پوری کوشش کی گئی ہے؛ لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود بعض اوقات طرفین کی زندگی کی فلاح اسی میں منحصر ہو جاتی ہے کہ یہ تعلق ختم کر دیا جائے، اس لیے اسلام نے قوانینِ نکاح کی طرح طلاق کے بھی اصول وقواعد مقرر فرمائے؛ مگر ساتھ ہی یہ ہدایات بھی دے دیں کہ طلاق اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت مبغوض ومکروہ کام ہے، جہاں تک ممکن ہو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

حدیث میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا کہ حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: تزوجوا ولا تطلقوا، فان الطلاق یهتز منه عرش الرحمن یعنی نکاح کرو اور طلاق نہ دو؛ کیوں کہ طلاق سے عرشِ رحمن ہل جاتا ہے۔ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں کو طلاق نہ دو بغیر کسی بدکاری کے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ ان مردوں کو پسند نہیں کرتا جو صرف ذائقہ چکھنے والے ہیں، اور ان عورتوں کو پسند نہیں کرتا جو صرف ذائقہ چکھنے والی ہیں۔ (قرطبی بروایت ثعلبی)

اور دار قطنی نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے زمین پر جو کچھ پیدا فرمایا ہے، ان سب میں اللہ کے نزدیک محبوب غلاموں کو آزاد کرنا ہے، اور جتنی چیزیں زمین پر پیدا کی ہیں، ان سب میں مبغوض ومکروہ طلاق ہے۔ (از قرطبی)

بہر حال! اسلام نے اگرچہ طلاق کی حوصلہ افزائی نہیں کی؛ بلکہ تابمقدور اس سے روکا ہے؛ لیکن بعض ضرورت کے مواقع میں اجازت دی، تو اس کے لیے کچھ اصول وقواعد بنا کر اجازت دی، جن کا حاصل یہ ہے کہ اس رشتۂ ازدواج کو ختم کرنا ہی ضروری ہو جائے تو وہ بھی خوب صورتی اور حسن معاملہ کے ساتھ انجام پائے، محض غصہ نکالنے اور انتقامی جذبات کا کھیل بنانے کی صورت نہ بننے پائے۔

(معارف القرآن ۸/ ۴۷۷، ۴۷۸ بحذف یسیر)

بنابریں معاملۂ طلاق میں ہونے والی بے اعتدالیوں اور حکمِ شرعی کی خلاف ورزیوں کے سدِ باب کے لیے آپ حضرات نے تمام باشندگانِ بستی کے اتفاقِ رائے

سے جو کمیٹی تشکیل دی ہے یہ مستحسن اور قابلِ تعریف ہے۔ ارشاد ربانی ہے: تعاونوا علی البر والتقویٰ (نیکی اور خدا ترسی کے کاموں میں تعاون کرو) مسلمان بھائی بھی اگر حق کے خلاف یا ظلم و جور کی طرف چل رہا ہو تو ناحق اور ظلم پر اس کی بھی مدد نہ کرو؛ بلکہ اس کی کوشش کرو کہ ناحق اور ظلم سے اس کا ہاتھ روکو؛ کیوں کہ درحقیقت یہی اس کی صحیح امداد ہے؛ تاکہ ظلم و جور سے اس کی دنیا اور آخرت تباہ نہ ہو۔

(محمود الفتاوی قدیم ۴/ ۴۴۴، ۴۴۵)

اب کمیٹی کے کام کی نوعیت باقی رہ جاتی ہے تو سوال میں اس کی جو تفصیل مذکور ہے، وہ درست ہے؛ البتہ ارکان کمیٹی کے لیے ضروری ہے کہ یہ متعین کرنے میں بڑی احتیاط برتیں کہ شوہر نے جو طلاق دی ہے، وہ شرعاً درجۂ مباح میں آتی ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں شرعی ہدایات پیش نظر ہونی چاہیے؛ نیز نفس نکاح کے لیے شریعتِ مطہرہ نے جو ہدایات دی ہیں ان سے بھی تمام باشندگان بستی کو واقف کرنا ضروری ہے، اس سے بھی بہت سے واقعاتِ طلاق کی پیش بندی ہوسکتی ہے، بعض مرتبہ والدین لڑکے یا لڑکی کی رضامندی کے بغیر دونوں کو دباؤ ڈال کر رشتۂ نکاح سے جوڑ دیتے ہیں، بالآخر یہ رشتہ بھی ٹوٹ جاتا ہے اور طلاق کی نوبت آتی ہے۔ (محمود الفتاوی ۴/ ۴۴۷)

کمیٹی نے بلاوجہ شرعی طلاق دینے پر لاکھ، دو لاکھ روپیوں کا جرمانہ مقرر کیا ہے، وہ شرعاً درست نہیں۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''تعزیر بالمال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ وعند ابی یوسف یجوز التعزیر بأخذ المال للسلطان، وعندهما و باقی الائمة الثلاثة

لا يجوز، كذا في فتح القدير.(عالمگیری) اور اگرچہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے تعزیر بالمال کو جائز فرمایا ہے؛ مگر اس سے مراد یہ ہے کہ بادشاہ اس کے مال کو ایک مدت مناسبہ تک روک لے، اور جب سمجھے کہ اب زجر حاصل ہو گیا پھر واپس کر دے، نہ یہ کہ بالکل خود اپنے لیے یا بیت المال کے لیے ضبط کر لے۔

ومعنى التعزير بأخذ المال على القول به امساك شيء من ماله عنده مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم اليه، لا أن يأخذه الحاكم لنفسه او لبيت المال، كما يتوهمه الظلمة اذ لا يجوز لاحد من المسلمين اخذ مال أحد بغير سبب شرعي، كذا في البحر الرائق. (عالمگیری)

پس یہ احمقانہ (مالی جرمانہ) لینا، اور اس کا مصارف مذکورہ میں یا کسی اور مصرف میں صرف کرنا جائز نہیں؛ بلکہ جن سے لیا ہے ان کو واپس دینا لازم ہے، ہاں ایسے لوگوں کے زجر اور ایسی باتوں کو بند کرنے کے لیے یہ جائز ہے کہ ایسے لوگوں کو پنچایت اور برادری سے خارج کر دیا جائے، اور جب تک وہ اس فعل سے توبہ نہ کریں ان کے ساتھ برادری کے تعلقات نہ رکھے جائیں''۔ (کفایت المفتی ۲/ ۱۶۵)

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

مالی جرمانہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جائز نہیں، منسوخ ہے، اگر لیا ہو تو اس کی واپسی لازم ہے، انسدادِ جرائم کے لیے ارشاد، تلقین، تذکیر، تزکیۂ باطن کی ضرورت ہے؛ تاکہ دل میں خوف وخشیت پیدا ہو،، جنت ودوزخ کا استحضار، قبر، قیامت، حشر، حساب کتاب، خدائے قہار کی عظمت اور اس کے انعامات کا مراقبہ لازم ہے؛ تاکہ اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کی رغبت ہو، ورنہ محض سختی سے اصلاح نہیں

ہوتی، اگر ہوتی ہے تو عارضی ہوتی ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵ / ۱۸۴، ۱۸۵ بحوالہ محمود الفتاوی ۴ / ۴۴۸)

تین مشہور صحابہ: حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ، حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے غزوۂ تبوک میں شرکت نہیں کی تھی، جس کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کا عتاب وارد ہوا۔ ﴿وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِم اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هو التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ (التوبة:۱۱۸) ترجمہ: اور ان تینوں پر بھی (اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب ان پر یہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ ہوگئی، ان کی زندگیاں ان پر دوبھر ہوگئیں، اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ (کی پکڑ) سے خود اسی کی پناہ میں آئے بغیر کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی، تو پھر اللہ نے ان پر رحم فرمایا، تاکہ وہ آئندہ اللہ ہی سے رجوع کیا کریں۔ یقین جانو اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔ (آسان ترجمۂ قرآن ۱ / ۶۱۳)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معارف القرآن میں حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے واقعہ کو شرح وبسط اور تفصیل سے بیان فرمایا ہے، اس کے فوائد میں فائدہ نمبر ۴ میں تحریر فرماتے ہیں:

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ کسی گناہ کی سزا میں مسلمانوں کے امیر کو یہ بھی حق ہے کہ کسی شخص سے سلام وکلام قطع کر دینے کا حکم دیدے جیسے اس واقعہ میں ان تین بزرگوں کے متعلق پیش آیا۔ (معارف القرآن ۴ / ۴۸۴)

بخاری شریف کی روایت کے مطابق حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے

دونوں ساتھیوں کے ساتھ پچاس دن تک بائیکاٹ کیا گیا۔

فلبثت بعد ذلك عشر ليال حتى كملت لنا خمسون ليلة من حين نهى رسول الله ﷺ عن كلامنا(بخاری ۲/ ٦٣٦)

ہندوستان میں چوں کہ حدود شرعیہ جاری نہیں ہوسکتیں اس لیے جو مسلمان کسی سخت جرم کا ارتکاب کریں، جیسے زنا، سود خوری، شراب خوری، ترک نماز وغیرہ تو ایسے لوگوں کے ساتھ اگر عام مسلمان کچھ دنوں کے لیے بطور تنبیہ اس سے تعلقات منقطع کرلیں اور اس کو اپنے حقہ پانی میں شریک نہ کریں، بیاہ شادی میں اس کے شریک نہ ہوں تو یہ جائز ہے؛ بلکہ مستحسن ہے۔

لما فی اتحاد البصائر فی ترتیب الاشباہ والنظائر ص٩٦: یکرہ معاشرۃ من لا یصلی ولو کانت زوجۃ الا اذا کان الزوج لا یصلی لم یکرہ للمراءۃ معاشرتہ کذا فی نفقات الظہیریۃ انتہی واللہ تعالی اعلم (امداد المفتیین ۲/ ۲۲۸)

حضرت مفتی رشید صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

تعزیر کے لیے مقاطعہ جائز ہے، اس میں حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت نہیں، جرم کی نوعیت کی بھی کوئی تخصیص نہیں، اسی طرح ایام کی تحدید اور مقاطعہ میں کسی قسم کی تخصیص بھی نہیں؛ بلکہ حاکم حسب صوابدید جس قسم کے مقاطعہ کا حکم جب تک چاہے دے سکتا ہے، حاکم سے ایسی توقع نہ ہو تو پنچایت بھی مقاطعہ کا فیصلہ کرسکتی ہے، البتہ مقاطعہ کا فیصلہ خواہ حاکم کرے یا پنچایت دونوں صورتوں میں حقوق واجبہ سے متعلق حسب ذیل تفصیل ہے:

① مجرم کے ذمہ جو حقوق واجب ہیں ان کو اداء کرنے سے اس کو روکنا جائز نہیں، مثلاً جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اور نماز جنازہ وغیرہ، اسی طرح اس کی بیوی کو اس سے چار ماہ سے زیادہ مدت تک جدا رکھنا یا بیوی کو چار ماہ سے زیادہ مدت تک ہمبستری سے روکنے کا حکم کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ چار ماہ میں ایک بار صحبت کرنا بیوی کا حق واجب ہے۔

② مجرم کے دوسروں کے ذمہ جو حقوقِ واجبہ ہیں ان کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایسے حقوق جن کے وجوب میں مجرم کو کوئی اختیار نہیں جیسے اس کی نماز جنازہ اور کفنانے، دفنانے وغیرہ ان سے روکنا جائز نہیں۔

(۲) وہ حقوق جن میں خود مجرم کی طرف سے دوسروں پر ایجاب بالاختیار ہے جیسے مجرم کے سلام کا جواب اور بیوی سے طلب صحبت پر بیوی کی طرف سے اجازت، ان پر پابندی لگانا جائز ہے۔ (احسن الفتاوی ۵/۵۲۹)

قرآن وحدیث اور حضرات فقہاء کی عبارتوں سے چند امور مستفاد ہوئے:

① کسی سخت گناہ (جیسے گناہ کبیرہ) کے ارتکاب پر بائیکاٹ کیا جاسکتا ہے۔

② مجرم جب تک توبہ نہ کرے، اس وقت تک بائیکاٹ کو برقرار رکھا جاسکتا ہے۔

③ بائیکاٹ ان ہی افراد سے کیا جائے گا، جنہوں نے جرم کا ارتکاب کیا ہے، لہٰذا بے جا طلاق دینے والے کے ساتھ تو مقاطعہ کیا جائے گا؛ لیکن ایک شخص کے جرم کی پاداش میں پورے گھر سمیت سب کا بائیکاٹ کرنا درست نہیں ہے۔ ہاں! اس بے جا طلاق دینے والے گھر کے دیگر افراد اس جرم میں شریک ہوں مثلاً والدین ہی نے اپنے لڑکے کو بے جا طلاق دینے پر ابھارا جس کے نتیجہ میں لڑکے نے طلاق دے دی

تو ایسی صورت میں لڑکے کے ساتھ ساتھ اس کے والدین کے ساتھ بھی مقاطعہ کرنا جائز ہے، اور اگر گھر کے دیگر افراد اس ناجائز فعل میں شریک نہیں ہیں؛ بلکہ اس پر راضی بھی نہیں تو ایسی صورت میں تمام سے بائیکاٹ کرنا درست نہیں، لہٰذا کمیٹی کو چاہیے کہ پوری تحقیق کریں پھر بائیکاٹ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: عبدالقیوم راجکوٹی
الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بلا وجہ شرعی طلاق دینے والے کو کوڑے مارنا

سوال: بیجا تین طلاقیں دینے پر اگر کوئی مالی جرمانہ ادا نہ کرسکتا ہو تو اس پر بھری محفل میں کوڑے کی سزا لاگو کرنا کیسا ہے اور کتنے کوڑے لگائے جاسکتے ہیں؟ یا اس کے علاوہ اور کونسی سزا تجویز کی جاسکتی ہے، جس سے بے جا طلاق پر روک تھام ہوسکے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو مالی جرمانہ ادا نہ کرسکتا ہو، اس کو کوڑے کی سزا دینا درست نہیں، تعزیر کا حق حاکم کو ہے اور ہندوستان میں اسلامی حکومت نہ ہونے کی بنا پر کوئی شرعی حاکم موجود نہیں، لہٰذا عوام کو تعزیرات جاری کرنے کا حق نہیں۔ (ماخوذ از فتاوی مفتی محمود ۹/ ۱۳۲)

احسن الفتاوی میں ہے: پنچایت کسی جرم کی شرعی سزا دینے پر قادر نہیں مع ہذا اس پر حسب قدرت تغیر المنکر فرض ہے؛ نیز تأدیبی کاروائی کے لیے جرم پر شرعی نصاب شہادت ضروری نہیں؛ بلکہ قرائن قویہ کی بناء پر تأدیب شرعی جائز ہے، لہٰذا پنچایت تأدیب وتنبہ کے لیے ناتمام شہادت اور قرائن وآثار قویہ کی بناء پر بھی معاشرتی مقاطعہ کا فیصلہ کرسکتی

ہے، اگر چہ شرعی نصاب شہادت موجود نہ ہو۔ (احسن الفتاوی ۵ / ۵۱۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ظلماً طلاق پر بہ طور تعزیر بائیکاٹ کرنا

سوال: گجراتی میں چھپا ہوا اشتہار اس استفتاء کے ساتھ پیش خدمت ہے اس کے تعلق سے چند سوالات کے جوابات مطلوب ہے:

① اول یہ مقاطعہ (بائیکاٹ) صحیح ہے یا نہیں

② اگر یہ مقاطعہ صحیح ہے تو اس کی تحدید کیا ہے یعنی کب تک اس کو جاری رکھا جائے۔

③ اگر صحیح نہیں ہے تو بلا وجہ (بے قصور) طلاق دینے والے کے لیے شریعت میں کیا سزا ہے اور سزا دینے کا حق کس کو ہے؟

④ جس کا بائیکاٹ کیا گیا ہے اس سے تعلق و معاملہ رکھنے والے کا کیا حکم ہے اور وہ معاون علی الاثم سمجھا جائے گا یا نہیں؟

⑤ یہ مقاطعہ اس کے گاؤں تک محدود رکھا جائے یا دوسرے دیہات میں بھی اس کی تشہیر کی جائے؟

نوٹ: لوگوں میں مشہور ہے کہ حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری بھی اس مشورہ میں موجود تھے جس میں یہ ساری قرار دادیں ہوئیں بندہ کی تحقیق کے مطابق آپ اس میں شریک نہیں تھے البتہ بستی میں ہوں گے اس کے متعلق ضرور وضاحت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر کسی معاشرہ میں طلاق کی بہتات ہونے لگے اس کے باعث اعتدائے حدود اللہ

ہورہا ہو تو اس صورت میں طلاق پر تعزیری اقدام درست ہے یا نہیں؟ اس نوع کے ایک سوال کے جواب میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ: آج کل کے دستور طلاق میں کئی معاصی کا ارتکاب ہوتا ہے طلاق کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ پہلے اصلاح ذات البین کی کوشش کی جائے مایوسی کی صورت میں اہل صلاح سے استشارہ واستخارہ کیا جائے اس کے برعکس آج کل طلاق میں مندرجۂ ذیل معاصی کا ارتکاب لازم ہوگیا ہے:

① بدون غور وفکر جلد بازی ② اصلاح کی کوئی کوشش نہیں کی جاتی ③ خاندان کے بااثر وباصلاح اشخاص سے مشورہ نہیں لیا جاتا ④ استخارہ نہیں کیا جاتا (۵) حیض سے فراغت کا انتظار نہیں کیا جاتا ⑥ بہ یک وقت دو تین بلکہ تین ہی طلاقیں لازم سمجھی جاتی ہے ⑦ تین طلاقیں دینے کے بعد جب کوئی صورت واپسی کی نہیں ہوتی تو حلالۂ ملعونہ سے کام لیا جاتا ہے یا تو لعنت حلالہ کے بہ جائے عمر بھر لعنت زنا میں مبتلا رہتے ہیں۔

ان وجوہ کی بنا پر طلاق کا مروج دستور بلاشبہ واجب التعزیر جرم ہے حکومت پر فرض ہے کہ ایسے جرم پر عبرت ناک سزا دے حکومت کی طرف سے غفلت کی صورت میں برادری کی طرف سے مقاطعہ کی تعزیر مناسب ہے۔ (احسن الفتاویٰ)

① اگر معاشرہ میں خلاف شرع طلاق دینے کا دستور عام ہو چکا ہو اور مندرجۂ بالا معاصی کا ارتکاب ہورہا ہو تو علما اور ذمہ داران کو چاہیے کہ وعظ ونصیحت اور پمفلٹ اور رسائل اور اصلاحی مجالس کے ذریعہ لوگوں کو اس خلاف شرع دستور کی قباحتوں سے واقف کرائیں اور اس اصلاحی جدوجہد کو اتنا عام کیا جائے کہ معاشرہ کے اکثر افراد اس سلسلے میں شریعت کے احکام سے باخبر ہو جائیں اس کے بعد ان کو بتلایا جائے کہ

اب بھی اگر کوئی آدمی اس خلاف شرع دستور کے مطابق اس طرح طلاق دے گا جس کے نتیجے میں اعتدائے حدود اللہ لازم آئے تو اس کے ساتھ مقاطعہ کا معاملہ کیا جائے گا سوال میں جس اشتہار کا حوالہ دیا گیا ہے اس واقعہ میں بھی سماج کے علما اور ذمہ داروں نے طلاق کے خلاف شرع دستور کی اصلاح کے لیے مندرجۂ بالا کوششیں کی ہیں تو طلاق دینے والے کے ساتھ مقاطعہ کی شرعاً گنجائش ہے؛ لیکن صورت مسئولہ میں مقاطعہ صرف طلاق دینے والے شوہر کے ساتھ محدود نہیں بلکہ اس کے والد کے پورے خاندان کے ساتھ مقاطعہ کیا گیا ہے حالاں کہ قرآن پاک میں واضح اصول موجود ہے: ﴿ولا تزر وازرة وزر أخرىٰ﴾ بیٹے کے جرم میں باپ بلکہ باپ کے پورے خاندان کو سزا میں شریک کرنا کسی حال میں درست اور جائز نہیں۔

(۲) کسی جرم پر بہ طور تعزیر کیے جانے والے مقاطعہ کے لیے دنوں کی کوئی تعیین اور تحدید کسی نص میں وارد نہیں ہوئی بس مجرم اپنے جرم سے تائب ہو کر اپنی روش درست کر لے اتنی مدت تک مقاطعہ کیا جا سکتا ہے۔

(۳) اس کا جواب اوپر آچکا ہے۔

(۴) اگر تعلق و معاملہ رکھنے والے کا یہ اقدام مقاطعہ کو بے اثر بنا کر اصلاح کے راستوں کو مسدود کرا تا ہو تو یقیناً یہ قابل مذمت اور تعاون علی الاثم شمار ہوگا۔

(۵) اگر برادری دوسرے دیہاتوں میں بھی آباد ہے اور مقاطعہ کو وہاں تک پھیلائے بغیر وہ مؤثر نہیں ہوتا تو اس کی بھی گنجائش ہے البتہ ایک بات یاد رہے کہ آج کل عوام الناس کی طبائع میں احکام شرع سے عام بیگانگی اور عدم واقفیت نیز غفلت کا جو حال ہے اور ساتھ ہی اسلامی احکام کے شیوع اور اجرا کے معاملے میں حکومت اور

اہل حکومت کی جو معاندانہ روش ہے اس کے پیش نظر ذمہ داران کا فرض منصبی ہے کہ وہ آخرت کی باز پرس اور عنداللہ جواب دہی کا احساس رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کریں کہ یہ مقاطعہ واقعتاً احکام شرع کے معاشرہ میں نفاذ کا ذریعہ ہے یا صاحب واقعہ کے ساتھ اپنی عداوت اور غیظ نکالنے کا محض ایک ذریعہ، معاملہ ایسی ذات سے ہے جو عالم الغیب والسرائر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم بالصواب

نوٹ: مجھے قراردادوں کی تو کیا! اس واقعہ کی بھی خبر آپ کے استفتا کو پڑھ کر ہوئی اس لیے جس مجلس میں یہ قرارداد پاس ہوئی اس میں میری موجودگی والی بات محض جھوٹ اور فریب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۰ رشوال ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مطلقہ کی مالی مدد کرنا

سوال: ہمارے یہاں ایک شخص ہے جس کی تقریباً ۳۵-۴۰ سال پہلے شادی اپنی چچازاد بہن سے ہوئی تھی، اب وہ دونوں بوڑھے ہوئے ہیں، اس عورت سے ایک بچی پیدا ہونے کے بعد اس نے طلاق دے دی، اب وہ دونوں بالکل الگ ہیں، پھر اس مرد نے ایک دوسری لڑکی سے شادی کی اور اس دوسری عورت کے بھی بچے ہیں اور یہ بچے بڑے بھی ہو چکے ہیں، تو یہ بچے باپ کی پہلی عورت جس کو طلاق دے دی تھی جو حقیقت میں ان بچوں کی پھوپھی بھی لگتی ہے، مالی حالات ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے کچھ امداد کرنا چاہتے ہیں کپڑے کھانے پینے وغیرہ میں، تو کیا یہ عورت ان بچوں کی امداد کو

لے سکتی ہے جب کہ امداد باپ کی ملکیت میں سے ہے اور باپ ابھی باحیات ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس آدمی کے اپنی سابقہ بیوی کو طلاق دے دینے کی وجہ سے دونوں میں رشتۂ نکاح نہیں رہا، اور وہ عورت اس کے حق میں اجنبیہ کے حکم میں ہوگئی، اب اگر وہ عورت مالی اعتبار سے کمزور اور مدد کی محتاج ہے تو یہ آدمی اس کی مدد کرسکتا ہے جیسے دیگر غریب عورتوں کی مدد کرسکتا ہے، اور اس کی دوسری بیوی کی اولاد بھی اس کی مدد کرسکتی ہے؛ بلکہ کرنی چاہیے کہ رشتہ داری بھی ہے، لڑکے اگر باپ کی جائیداد میں سے امداد کرنا چاہتے ہیں تو باپ کی اجازت لینا ضروری ہے کہ وہ مالک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

انتقاماً طلاق نہ دینا

سوال: زید نے ہندہ سے نکاح کیا، کچھ سال ازدواجی زندگی گذارنے کے بعد نااتفاقی ہوگئی، زید نے ہندہ کو لانے کی ہر ممکن کوشش کی، ہندہ نہیں آئی، اور ہندہ نے زید پر عدالت میں مقدمہ دائر کردیا، عدالت نے ہندہ کے حق میں فیصلہ دیا، زید اپنی بیوی کو طلاق نہیں دینا چاہتا ہے، وہ رکھنا ہی چاہتا ہے، زید پر عدالت دباؤ ڈال رہی ہے کہ زید ہندہ کو طلاق دے اور مہر کی رقم بھی دے اور مہر کی رقم پر سود بھی دے، از روئے شرع کیا زید مہر کی رقم پر سود ادا کرے یا نہ کرے؟ اگر عدالت اس پر کاروائی کرے کہ سود دینا ہی ہے تو ہمارے علماء ہمارا کہاں تک ساتھ دے سکتے ہیں؟ جواب

مرحمت فرما کر عنداللہ اجر عظیم کے مستحق بنیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اسلامی تعلیمات کا اصل رخ یہ ہے کہ نکاح کا معاملہ اور معاہدہ عمر بھر کے لیے ہو، اس کے توڑنے اور ختم کرنے کی کبھی نوبت ہی نہ آئے؛ کیوں کہ اس معاملہ کے انقطاع کا اثر صرف فریقین پر نہیں پڑتا، نسل اور اولاد کی تباہی و بربادی، اور بعض اوقات خاندانوں اور قبیلوں میں فساد تک نوبت پہنچتی ہے اور پورا معاشرہ بری طرح اس سے متأثر ہوتا ہے، اس لیے جو اسباب اور وجوہ اس معاملہ کو توڑنے کا سبب بن سکتے ہیں، قرآن وسنت کی تعلیمات نے ان اسباب کو راہ سے ہٹانے کا پورا انتظام کیا ہے، زوجین کے ہر معاملہ اور ہر حال کے لیے جو ہدایتیں قرآن وسنت میں مذکور ہیں ان سب کا حاصل یہی ہے کہ یہ رشتہ ہمیشہ زیادہ سے زیادہ مستحکم ہوتا چلا جائے، ٹوٹنے نہ پائے، ناموافقت کی صورت میں اول افہام وتفہیم کی پھر زجر وتنبیہ کی ہدایتیں کی گئیں، اور اگر بات بڑھ جائے اور اس سے بھی کام نہ چلے تو خاندان ہی کے چند افراد کو حکم اور ثالث بنا کر معاملہ طے کرنے کی تعلیم دی، آیت ﴿حَكَماً مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِنْ أَهْلِهَا﴾ میں خاندان ہی کے افراد کو ثالث بنانے کا ارشاد کس قدر حکیمانہ ہے، اگر معاملہ خاندان سے باہر گیا تو بات بڑھ جانے اور دلوں میں زیادہ بعد پیدا ہوجانے کا خطرہ ہے۔

لیکن بعض اوقات ایسی صورتیں بھی پیش آتی ہیں کہ اصلاح حال کی تمام کوششیں ناکام ہوجاتی ہیں اور تعلق نکاح کے مطلوبہ ثمرات حاصل ہونے کے بجائے طرفین کا آپس میں مل کر رہنا ایک عذاب بن جاتا ہے، ایسی حالت میں اس ازدواجی تعلق کا ختم

کر دینا ہی طرفین کے لیے راحت اور سلامتی کی راہ ہو جاتی ہے، اس لیے شریعت اسلامی نے بعض دوسرے مذاہب کی طرح یہ بھی نہیں کیا کہ رشتۂ ازدواج ہر حال میں ناقابل فسخ ہی رہے؛ بلکہ طلاق اور فسخ نکاح کا قانون بنایا۔ (معارف القرآن ۱/۵۵۶)

صورت مسئولہ میں جب زید اور اس کی بیوی ہندہ کے آپسی تعلقات اس حد تک کشیدہ ہو چکے ہیں کہ ہندہ کی طرف سے عدالت میں مقدمہ دائر کرنے کی نوبت آئی، اس کے بعد بھی زید کا یہ سوچنا کہ میں طلاق نہیں دوں گا یہ ایک طرح کی انتقامی کاروائی ہے اور شریعت کی طرف سے مرد کو دیے گئے حق طلاق سے غلط فائدہ اٹھانا ہے، یہ بھی شرعاً ناپسندیدہ ہونے کے ساتھ خود زید کے حق میں بھی برا ہے، اگر عدالت کی طرف سے مہر کی اصل رقم کے ساتھ سود کی ادائیگی کا حکم بھی دیا گیا ہے، اور سود ادا نہ کرنے کی صورت میں عدالت کی طرف سے مزید سخت اقدامات کا اندیشہ ہے تو اپنی حفاظت کے لیے زید کے واسطے مزید رقم کی ادائیگی کی گنجائش ہے، اس صورت میں فریق مخالف پر اس گناہ کی ذمہ داری عائد ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

والدین کا اپنے بیٹے کو طلاق دینے پر دباؤ کیوں؟

سوال: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شوہر تو اپنی بیوی کو رکھنے کے لیے تیار ہوتا ہے؛ لیکن اس کے والدین بہو پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں اور اپنے بیٹے کو اس کی بیوی چھوڑنے پر ابھارتے ہیں، تو وہ اپنے والدین کے دباؤ میں آکر اپنی بیوی کو چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا ہے، تو کیا اس طریقہ سے والدین کے دباؤ میں آکر نا حق طلاق دینا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شوہر کے والدین کے بہو پر ظلم وزیادتی اور بیٹے کو بیوی چھوڑنے پر ابھارنے کی وجہ آپ نے نہیں لکھی، عام طور پر جہالت کی بناء پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ شوہر کے والدین کی خدمت کرنا بہو پر ضروری ہے اس میں کوتاہی ہونے پر سارے جھگڑے پیدا ہوتے ہیں، اس لیے مسئلہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ شرعاً بہو کے ذمہ شوہر کے والدین کی خدمت واجب نہیں؛ لیکن اخلاقی طور پر بہو خدمت کرے تو اس کی سعادت اور احسان ہے، اس طرح آپس کے تعلقات خوشگوار رہتے ہیں اور مکان آباد رہتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں ''ایک بات اور سمجھ لیجئے جس میں بڑی کوتاہی ہوتی ہے، وہ یہ کہ جب عورت کے ذمہ شوہر کا اور اس کی اولاد کا کھانا پکانا واجب نہیں تو شوہر کے ماں باپ اور بہن بھائی ہیں، ان کے لیے کھانا پکانا اور ان کی خدمت کرنا بطریق اولی واجب نہیں، ہمارے یہاں دستور چل پڑا ہے کہ جب بیٹے کی شادی ہوئی تو اس بیٹے کے ماں باپ یہ سمجھتے ہیں کہ بہو پر بیٹے کا حق بعد میں ہے اور ہمارا حق پہلے ہے، لہذا یہ بہو ہماری خدمت ضرور کرے، چاہے بیٹے کی خدمت کرے یا نہ کرے، اور پھر اس کے نتیجے میں ساس بہو، بھاوج اور نندوں کے جھگڑے کھڑے ہوجاتے ہیں اور ان جھگڑوں کے نتیجے میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔

خوب سمجھ لیجئے اگر والدین کو خدمت کی ضرورت ہے تو لڑکے کے ذمہ واجب ہے کہ وہ خود ان کی خدمت کرے؛ البتہ اس لڑکے کی بیوی کی سعادت مندی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے والدین کی خدمت بھی خوش دلی سے اپنی سعادت اور باعث اجر سمجھ کر

انجام دے؛ لیکن لڑکے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے والدین کی خدمت کرنے پر مجبور کرے، جب کہ وہ خوش دلی سے ان کی خدمت پر راضی نہ ہو، اور نہ والدین کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بہو کو اس بات پر مجبور کریں کہ وہ ہماری خدمت کرے، لیکن اگر وہ بہو خوش دلی سے اپنی سعادت مندی سمجھ کر اپنے شوہر کے والدین کی جتنی خدمت کرے گی انشاء اللہ اس کے اجر میں بہت اضافہ ہوگا، اس بہو کو ایسا کرنا بھی چاہیے؛ تاکہ گھر کی فضا خوش گوار رہے۔

لیکن ساتھ ہی دوسری جانب ساس، سسر اور شوہر کو بھی یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر یہ خدمت انجام دے رہی ہے تو یہ اس کا حسن سلوک ہے، اس کا حسن اخلاق ہے، اس کے ذمہ یہ خدمت فرض وواجب نہیں ہے، لہٰذا ان کو چاہیے کہ وہ بہو کی اس خدمت کی قدر کریں اور اس کا بدلہ دینے کی کوشش کریں، ان حقوق اور مسائل کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں آج گھر کے گھر برباد ہو رہے ہیں، ساس بہو کی اور بھاوج اور نندوں کی لڑائیوں نے گھر کے گھر اجاڑ دیے، یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ ان حقوق کی وہ حدود جو نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی ہیں، وہ ذہنوں میں موجود نہیں ہیں۔ (اصلاحی خطبات ۲/ ۴۱، ۴۲)

حضرات فقہاء نے یہاں تک فرمایا ہے کہ مرد کی بیوی اس کی ساس کے ساتھ رہنا پسند نہ کرے تو شرعاً اس کو علیحدہ رکھنے کا انتظام کرنا شوہر پر ضروری ہے۔

فان كان للرجل والدة أو اخت أو ولد من غيرها في منزلها، فقالت: صيرني في منزل على حدة، كان لها ذلك (فتاوى قاضيخان على هامش الهندية ۱/ ۴۲۸)

صورت مسئولہ میں والدین کے ناحق دباؤ کی وجہ سے طلاق دینا ضروری نہیں۔

فتاوی محمودیہ میں ہے: بیوی میں دینی، اخلاقی، معاشرتی کسی قسم کی خرابی نہیں اور وہ

اپنے شوہر کے والدین کو نہیں ستاتی؛ بلکہ ان کی خدمت کرتی اور ان کو خوش رکھتی ہے، ادھر شوہر کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ اگر بیوی کو طلاق دیدی بیوی کی حق تلفی ہوگی، تو ان مجموعی حالات کے پیش نظر طلاق نہیں دینی چاہیے، طلاق نہ دینے سے زید (شوہر) گنہگار نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ جدید میرٹھ ۱۸/ ۳۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیوی کو بہن کہنے کا حکم

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو غصہ اور جھگڑے اور شراب خوری میں اپنی بیوی کو بہن بہن دو مرتبہ کہہ دیا؛ لہٰذا شریعت کی رو سے کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں شوہر کے اپنی بیوی کو بہن کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی؛ البتہ بیوی کو ایسا کہنا مکروہ ہے۔

أو حذف الكاف لغا (درمختار) ومثله أن يقول لها يا بنتي أو يا أختي ونحوه اهـ (شامی ۲/ ۶۲۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ

شوہر کے ظلم کی وجہ سے طلاق کا مطالبہ کرنا

سوال: (۱) زید نے اپنی لڑکی فاطمہ کا چند سال قبل محمد اعظم کے ساتھ نکاح کرایا، نکاح کے بعد لڑکے کی والدہ نے فاطمہ کو مارا جس کی وجہ سے حمل ساقط ہوگیا، اسی طرح ایک اَور مرتبہ ہوا، پھر لڑکے کی والدہ دوسرے گھر میں منتقل ہوگئی، اب پانچ چھ

مرتبہ ایسا ہوا کہ بغیر کسی وجہ کے لڑکے کے بھائی نے فاطمہ کو مارا، یہاں تک ہوا کہ فاطمہ کو ہسپتال میں داخل کر کے خود گھر چلے، فاطمہ حاملہ تھی، فاطمہ کے گھر والوں کو پتہ چلا تو وہ فاطمہ کو اپنے گھر لے گئے، چند ایام ہی گزرے تھے کہ محمد اعظم کے گھر والوں نے دھمکی دی کہ: ہم فاطمہ کا سامان فروخت کر دیں گے، یہ خبر سن کر فاطمہ اپنے والد اور بھائیوں کو ساتھ لے کر اپنے شوہر کے گھر گئی، وہاں پر اعظم کے گھر والوں نے فاطمہ کے گھر والوں کو بہت سخت مارا یہاں تک کہ خون نکل آیا، اس دوران فاطمہ کا شوہر گھر پر نہیں تھا۔ موجودہ صورت کو سامنے رکھ کر یہ معلوم ہوا کہ فاطمہ اور اس کے گھر والے مظلوم ہیں؟ اب حالات یہاں تک پہنچے ہیں کہ دونوں کنبے میں ایک دوسرے سے بات تک نہیں کرتے، حدیث میں قطع تعلق کرنا سخت گناہ ہے، ان ہی حالات کو پیش نظر رکھ کر بتائیں اس وعید میں کون آتا ہے؟ فاطمہ تو مظلوم ہے، ظالم کے ساتھ بات نہ کرنا ہی اچھا ہے، موجودہ حالات میں کیا کرنا چاہیے؟ تفصیلی جواب مطلوب ہے۔

② موجودہ حالات کو سامنے رکھتے ہوئے بتائیں: اب چند ایام گزرے ہی تھے کہ فاطمہ کا شوہر گھر پر آ گیا، اس کو مطالبہ کیا طلاق کا، تو اس نے انکار کیا، اور خلع کرنے کو کہتے ہیں تو ایسی رقم دینے کا بولتا ہے جو لڑکی والے ادا نہیں کر سکتے، اب بتائیں کہ ہم کیا کریں؟

③ محمد اعظم نہ ہی طلاق دیتا ہے اور نہ خلع پر راضی ہوتا ہے، کہتا ہے کہ میں لڑکی کو اپنے گھر لے جاؤں گا، لڑکی کے گھر والے اس ظالمانہ حرکتوں کو دیکھتے ہوئے اب لڑکی کو اس کے ساتھ نہیں بھیجتے ہیں؛ بلکہ طلاق کا مطالبہ کرتے ہیں، لڑکے کے گھر والوں کی شرارتوں کی وجہ سے طلاق کا مطالبہ کرتے ہیں، ہر روز کا فتنہ فساد روکتے ہیں، پہلے

بھی دو تین مرتبہ فیصلہ ہوا کہ اب لڑکی کے ساتھ کوئی نہ بولے گا؛ مگر کچھ نتیجہ سامنے نہیں آیا، اب بتائیں کیا کریں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① فاطمہ کے شوہر اعظم کے لیے ضروری ہے کہ وہ فاطمہ کے لیے الگ رہائشی مکان کا نظم کرے، اس کا اپنی بیوی فاطمہ کو بار بار کے تجربے کے باوجود اپنے گھر والوں کے رحم وکرم پر چھوڑنا ظلم اور گناہ ہے۔

②③ فاطمہ کے گھر والوں کو چاہیے کہ وہ فاطمہ کی طلاق کا مطالبہ کرنے کے بہ جائے یہ مطالبہ کریں کہ: فاطمہ کا شوہر فاطمہ کو الگ مکان میں (جہاں اعظم کے رشتے داروں کا کوئی عمل دخل نہ ہو) رکھے، اگر اعظم اس حق کو ادا نہ کرے تو حق زوجیت کی ادائیگی سے قاصر ہونے کی وجہ سے خود اُس کو چاہیے کہ وہ فاطمہ کو طلاق دے کر الگ کردے۔ فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان.

اس صورت میں اُس کا خلع کے لیے رقم کا مطالبہ کرنا؛ بلکہ بڑی رقم کا مطالبہ کرنا جس کی ادائیگی سے عورت قاصر ہو، جائز وحلال نہیں ہے۔

وكره تحريما أخذ شيء، ويلحق به الإبراء عما لها عليه (إن نشز) (درمختار) (قوله وكره تحريما أخذ شيء) أي قليلا كان أو كثيرا، والحق أن الأخذ إذا كان النشوز منه حرام قطعا؛ لقوله تعالى: فلا تأخذوا منه شيئا إلخ (شامي ٦٠٩/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۵ رجمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بیوی کو خط نہ پہنچے تو بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے

سوال: طلاقِ مغلظہ میں بیوی کو اطلاع ضروری ہے یا نہیں؟ مثلاً بیوی میکہ چلی گئی اس نے لکھ کر دیا کہ ۱۵ر دن کے اندر اگر گھر نہ آئی تو طلاق؛ مگر خط نہیں پہنچا تو خط نہیں پہنچنے کی وجہ سے بیوی کو معلوم نہیں ہوا، تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اتنے ہی الفاظ لکھے ہیں جو سوال میں مذکور ہیں تو طلاق پڑ گئی، اگر اور کچھ بھی لکھا تھا تو اس تحریر کی نقل بھیج کر معلوم فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸ر شعبان ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

جھگڑے کی وجہ سے عورت کو معلّق چھوڑ دینا کیسا ہے؟

سوال: ایک عالم اور حافظ مولانا ہے، جن کی بیوی کا جھگڑا شادی کے کچھ گزر جانے کے بعد ہوا، جس میں اپنے شوہر کی طرف سے جو کپڑے پہلی رات میں پہنائے جاتے ہیں اس عورت نے ان کو کمتر سمجھ کر نہیں پہنا، اس کے بعد کئی طرح کے آپس میں جھگڑے ہوتے رہے، یہاں تک کہ اس جھگڑے کے درمیان ان کا ایک لڑکا پیدا ہو گیا؛ لیکن آج اس عالم نے اس عورت سے بالکل تعلق توڑ دیا ہے، اور یہاں تک کہ اپنے گھر سے وہ ایک برس سے چلے گئے ہیں، اگر اس عورت کو طلاق دیتے ہیں تو ان کا سماج بندھن بہت ہی کڑا ہے، اور ان کی وجہ سے ان کی بہن اسی عورت کے خاندان

میں دی ہوئی ہے، ان کی چار اولاد ہیں، تو ان عالم صاحب کو خطرہ ہے کہ میری بہن کو یہ لوگ طلاق دیں گے، اور وہ عالم صاحب اس عورت سے بالکل تعلق رکھنے کا انکار کرتے ہیں؛ کیوں کہ ان کے گھر سے بڑی بدتمیز قسم کی عورت ہے، اس کی اگلی ایک بہن کو طلاق ہوئی ہے، اور دو بہنوں کا جھگڑا ایسا ہوا کہ سامنے والے مرد اپنے حقیقی ماں باپ کو چھوڑ کر ان عورتوں کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں، اور وہ عالم صاحب اس چیز کو ناپسند کرتے ہیں، جس کی وجہ سے عورت کی طرف سے کئی مرتبہ فتنہ ہو چکا ہے، تو اس درمیاں میں عالم صاحب کونسی چیز کو اختیار کر سکتے ہیں؟ وہ عورت کے ساتھ ان کی ازدواجی زندگی گزارنا بہت ہی مشکل ہے، اگر طلاق دیتے ہیں تو تکلیف ہوتی ہے؛ اس لیے برائے کرم آپ اس بات پر غور کر کے اس کا جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عالم صاحب کو جو معاملہ درپیش ہے، اس کے دونوں پہلو اُن کے سامنے ہیں، ہر پہلو میں نقصان بھی اور فائدہ بھی ہے، اب یہ دیکھنا ہے کہ کونسے پہلو میں نقصان کم اور فائدہ زیادہ ہے؟ احقر کے نزدیک مناسب یہی ہے کہ اس عورت کے ساتھ نباہ کی سعی کی جائے، اس صورت میں لڑکے کی تربیت بھی ہو سکے گی، بہن کی ازدواجی زندگی پر جو خطرہ منڈلا رہا ہے وہ بھی دور ہو جاوے گا؛ البتہ خود کچھ باتیں اپنی طبیعت اور مزاج کے خلاف برداشت کرنا ہوں گی، اتنا مجاہدہ کر لیں۔ نباہ کے لیے اگر عورت کو علیحدہ رکھنا پڑے تو حالات والدین کے سامنے پیش فرما کر اس کی بھی ان سے اجازت لے لیں۔ اس وقت ایک سال سے گھر چھوڑ رکھا ہے، اس میں عورت کے ساتھ والدین واولاد

کے حقوق ضائع نہیں ہورہے ہیں؟ اور یہ فرار والا مزاج کہاں تک ساتھ دے گا؟ معاشرہ میں پیش آنے والی مشکلات اور دشواریوں پر سنجیدگی سے غور وفکر کرکے مناسب حل نکالنا یہی اصل طریقہ ہے، شترمرغ کی طرح ریت میں سر چھپالینے سے آیا ہوا طوفان ٹل نہیں جاتا؛ اس لیے وہ عالم صاحب اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں اور صبر وتحمل سے کام لے کر ان ذمہ داریوں کی ادائیگی کا اہتمام کریں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں وہ مقلب القلوب ہے، بیوی کی تربیت اور ذہن سازی پر بھی توجہ دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰ رذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب التفویض والتعلیق

تفویض طلاق کے بعد بھی ایقاع طلاق کا حق ہے

سوال: الحیلۃ الناجزۃ ص: ۳۸ پر لکھا ہوا ہے کہ: شوہر کو تفویض طلاق کے بعد اس تفویض سے رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا، پوچھنا یہ ہے کہ مدتِ تفویضِ طلاق کے دوران شوہر کو ایقاع طلاق کا حق رہے گا یا نہیں؟ یعنی تفویض کے بعد شوہر کسی جائز وجہ پر حسب سابق خود ہی طلاق دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تفویضِ طلاق کے بعد مدت تفویض میں شوہر کو ایقاع طلاق کا حق رہتا ہے وہ ختم نہیں ہوتا۔

في التنوير: ويقع طلاق كل زوج عاقل بالغ ولوعبدا أو مكرها أو هازلا أو سفيها أو سكران، إلخ. وفي الدر: بقي لو طلقها بائنا هل يبطل أمرها؟ إن كان التفويض منجزا نعم، وإن معلقا كإن دخلت الدار فأمرك بيدك أو موقتا لا، عمادية. إلخ قال الشامي (قوله بقي لو طلقها بائنا إلخ)قيد بالبائن؛ لأنه لو طلقها رجعيا بقي أمرها قولا واحدا إلخ (الدر المختارمع الشامي ۲/۵۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۵ر ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

ایقاع طلاق کو مشروط کرنا

سوال: ایقاعِ طلاقِ زوج کو چند شرائط کے ساتھ مشروط کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس لیے کہ اکثر شوہر بلاوجہ طلاق بول یا لکھ دیتے ہیں اور پچھتاتے ہیں، اور برا حال تو بیچاری بیوی کا ہوتا ہے، یعنی اس کا گناہ اسے برداشت کرنا پڑتا ہے؛ لہٰذا حفظ ماتقدم کے طور پر اگر بہ وقت نکاح ایسی تحریر لکھائی جائے جس میں چند شرائط اور گواہوں کا تذکرہ ہو، کہ شوہر شرط مذکور کے پائے جانے پر ہی بعد تصدیق گواہان طلاق دے سکتا ہے؛ ورنہ اس کی لفظی یا تحریری طلاق کالعدم قرار دی جائے گی، نیز کیا عورت یہ شرط لگا سکتی ہے کہ شوہر دوسرا نکاح نہیں کرے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ درست نہیں ہے، اگر ایسا کیا گیا تب بھی شوہر کا حقِ ایقاعِ طلاق مقید ومشروط نہیں ہوگا۔

لأنه نوع من الحجر، ولا يحجر حرمكلف بسفه وفسق ودين إلخ.

كما هو مبسوط في كتب الفقه من كتاب الحجر. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۵ر ذوالحجہ الحرام ۱۴۱۹ھ

سرکاری کارروائی نہ کرنے یا نکاح ثانی کرنے کی شرط پر طلاق دینا

سوال: ① زید نے اپنی زوجہ سے کہا کہ میں تم کو تین طلاق دیتا ہوں بشرطیکہ آئندہ نہ تم کوئی کارروائی کرو، نہ میں کروں گا (کارروائی سے مراد سرکاری عدالت ہے)۔

② بکر نے اپنی زوجہ سے کہا کہ میں تم کو اس شرط پر طلاق دیتا ہوں کہ تم آئندہ کسی سے نکاح ثانی کرلو، (تاکہ دربدر بھٹکنے کا اتفاق نہ ہو)۔

دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں اور اگر ہوگی تو کونسی؟ دونوں صورتوں میں شرط ومشروط دونوں ایک دوسرے کے اوپر موقوف ہے، پہلی صورت میں شرط غیر محدود ہے لہٰذا اس کو تادم حیات ماناجاسکتا ہے تو تادم حیات وہ کس صورت میں ہوگی اور کہاں رہے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسئولہ دونوں صورتوں میں مسئلہ کی نوعیت یکساں ہے، یہ مسئلہ مشائخ احناف کے درمیان مختلف فیہ ہے، بعض حضرات فوری طور پر وقوع طلاق کے قائل ہیں اور شرط کو لغو قرار دیتے ہیں، بعض حضرات صحت تعلیق کے قائل ہیں اور شوہر یا بیوی میں سے کسی ایک (جو پہلے وفات پاجائے) کے آخری لمحہ زندگی میں وقوع طلاق کے قائل ہیں،

اور بعض حضرات اس کے بھی قائل ہیں کہ اگر بیوی قسمیہ طور پر اپنے اس ارادہ کا یقین دلادے کہ میں معاملہ عدالت میں نہیں لے جاؤں گی یا دوسرا نکاح کرلوں گی تو طلاق واقع ہوگی، ورنہ نہیں۔ علامہ گازرونی نے پہلے قول کو راجح قرار دیا ہے۔

(شامی ۲/ ۵۳۶، فتاوی کاملیہ/ ۲۷)

علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: والاظهر ان التعليق صحيح، وتطلق فی آخر جزء من حياتها، وهی علی عصمته. (تقريرات الرافعی علی الشامی ۱/ ۲۲۳)

قوی یہ ہے کہ تعلیق صحیح ہے اور عورت کے آخری لمحۂ حیات میں طلاق واقع ہوگی، اس وقت نکاح باقی ہے۔

صورت مسئولہ میں پہلی صورت میں احتیاط یہ ہے کہ اس عورت کو چھوڑ دے، اور دوسری صورت میں اگر رکھنا چاہتا ہے تو درمیان عدت رجوع کرلے اور بعد انقضائے عدت تجدید نکاح کرلے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

”رمضان سے پہلے شادی نہ ہوئی تو وہ عورت میرے لیے حرام ہے“ کے الفاظ سے قسم کھانا

سوال: ایک شخص نے قسم کھائی اس بات پر کہ اس کی منگنی ایک عورت کے ساتھ ہوچکی تھی اور نکاح نہ ہوا تھا، پھر اس شخص نے چند لوگوں کی حاضری میں جذبات میں آکر قسم کھائی کہ رمضان سے پہلے اس عورت کے ساتھ اگر میری شادی نہ ہوئی تو وہ عورت میرے لیے حرام۔ جب اس لڑکی کے والدین کو خبر ہوئی تو رمضان کے ایک

دن پہلے شام کو پانچ چھ بجے صرف نکاح پڑھا دیا، اور رخصتی نہیں ہوئی اور رخصتی ایک سال کے بعد ہوئی تو وہ عورت اس لڑکے کے لیے حلال ہے یا حرام؟ مفصل حوالہ کے ساتھ برائے کرم جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں وہ عورت اس کے لیے حلال ہے اور یہ تعلیق صحیح نہیں۔

قال فی التنویر: (شرطه الملك) (كقوله لمنكوحته) (ان ذهبت فانت طالق، او الاضافة اليه) أو إن (نكحتك فانت طالق).

قال الشامی: (قوله او الاضافة اليه) بان يكون معلقا بالملك كما مثل وكقوله ان صرت زوجة لی او بسبب الملك كالنكاح ای التزوج. الخ

(شامی ۲/ ۵۳۶، ۵۳۷)

وفی الصورة المذكورة علق الطلاق بعدم التزوج فافهم وتدبر. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالحجہ ۱۴۰۶ھ

ماں کے گھر جانے پر شرطی طلاق

سوال: یوسف نے اپنی بیوی سلمہ سے کہا: ''اگر تو میری اجازت کے بغیر تیری ماں کے گھر جائے گی تو تجھے تین طلاق ہے'' جب کہ یہ بات پورے گاؤں والوں نے جان لی کہ یوسف نے اپنی بیوی کو شرطیہ طلاق پر روک رکھا ہے، لیکن شرط لگانے کے وقت کوئی شرعی گواہ نہیں ہے، بعد میں اسماعیل اور الیاس دو آدمیوں نے اس سے کہا کہ تو نے اپنی بیوی سلمہ کو کیوں روک رکھا ہے؟ اس کی ماں کے گھر ملنے جانے دے، پھر

یوسف نے کہا: کہ ہاں میں اپنی بیوی کو اپنے گھر جا کر اس کی ماں کے گھر جانے کے لیے اجازت دیتا ہوں؛ لیکن یوسف نے اپنے گھر جا کر سلمہ کو اس کی ماں کے گھر جانے کی اجازت نہیں دی، اپنے گھر جا کر خاموش رہا، اس کے بعد دوسرے دن اسماعیل والیاس دونوں پھر سے ملے، اور یوسف سے کہا کہ تو نے تیری عورت سلمہ کو اس کے ماں کے یہاں جانے کی اجازت دی؟ یوسف نے کہا کہ ہاں اجازت دے دی، اس کے بعد یوسف نے گھر جا کر اجازت نہیں دی، اور سلمہ کو مار پیٹ کرنے لگا، اور کہنے لگا میں نے طلاق کے بارے میں تجھ کو کہا، وہ دوسروں کو کیوں کہہ دیا؟ سلمہ اس وقت فوراً اپنے ماں کے گھر چلی گئی بغیر اجازت شوہر کے، تو مذکورہ صورت میں طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں یوسف کی بیوی سلمہ پر تین طلاق واقع ہو کر وہ اس کے حق میں حرام بحرمتِ مغلظہ ہوگئی۔

إنما يصح في الملك، كقوله لمنكوحة: إن زرتِ فأنت طالق، أو مضافا إليه، أي إلى الملك كان نكحتك فأنت طالق، فيقع بعده أي يقع الطلاق بعد وجود الشرط، وهو الزيارة في الأول الخ (تبيين الحقائق ۲/ ۲۳۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

''جب بھی شادی کروں تو طلاق'' کہنا

سوال: اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ جب بھی میں شادی کروں تو میری بیوی کو

طلاق ہے، پھر جب شادی کی تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ نیز اگر کوئی شخص یہ کہے جب میں شادی کروں تو میری بیوی کو طلاق، ان دونوں مسئلوں میں کیا فرق ہے؟ جواب تحریر فرمائیں؛ نیز شادی کی کیا صورت ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اردو زبان میں ''جب'' ظرف کا معنی دیتا ہے، اور ساتھ ہی یہ شرط کا فائدہ بھی دیتا ہے، بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب اپنی کتاب ''اردو قواعد'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''جب اول بمعنی جس وقت، جیسے: 'جب میں آؤں تو انہیں اطلاع کر دینا'' (۲۸۹) اور جب کے ساتھ ''بھی'' کا اضافہ کر دینے سے اس میں تاکید پیدا ہوتی ہے، یعنی معنی وہی رہتا ہے؛ البتہ اس میں زور اور قوت بڑھتی ہے، چناں چہ کتابِ مذکور میں ہے ''ہی'' کی طرح ''بھی'' انہیں الفاظ کے متصل آتا ہے، جن پر زور دینا مقصود ہوتا ہے۔ (۳۳۶) اس لیے ''جب'' اور ''جب بھی'' کا استعمال اردو زبان میں ایسا ہی جیسا ''متی'' اور ''متی ما'' کا استعمال عربی زبان میں ہوتا ہے، اور ان دونوں الفاظ کے متعلق ''کنز الدقائق'' میں تصریح ہے کہ: ''ففیها إن وجد الشرط انتهت الیمین. (کنز الدقائق)

اس کی شرح فرماتے ہوئے علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: أي في الفاظ الشرط إن وجد العلق علیه انحلت الیمین وحنث وانتهت؛ لأنها غیر مقتضیة للعموم والتکرار لغة، فبوجود الفعل مرة یتم الشرط. الخ''

(بحر الرائق، ۴/ ۱۰)

اس لیے مسئولہ دونوں صورتوں میں وہ آدمی جب شادی کرے گا اس کی بیوی پر

طلاق واقع ہوکر اس کی یمین ختم ہوجاوے گی، اب اگر ایک طلاق کی تصریح کی تھی یا مطلق طلاق بولا تھا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو حلالہ کی ضرورت نہیں، نکاح ثانی کرسکتا ہے، اور اگر تین طلاق کی تصریح کی تھی تو بغیر حلالہ نکاح ثانی نہیں کرسکتا ہے۔

شادی کی صورت یہ ہے کہ کوئی فضولی اس کا نکاح کردے، اور یہ اس کی قولاً اجازت نہ دے؛ بلکہ فعلاً اجازت دے دے، مثلاً عورت کے پاس مہر (معجّل) بھیج دے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳/۲۷۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/صفر ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جب بھی شادی کروں تو طلاق

سوال: کچھ سال پہلے ایک طالب علم نے ایک جگہ پر تراویح کی جگہ تلاش کی، جب وہ طالب علم وہاں پر پہنچا تو اس کا امتحان لیا گیا اور اس کو وہیں پر رکھنے کو کہا گیا؛ لیکن کوئی جواب نہ دیا، اب وہ طالب علم اس پس وپیش میں تھا کہ اس کو منتخب کرلیا گیا، اب وہ ایسا عہد کرتا ہے کہ اگر میں اس بقرعید تک تین روزے نہ رکھوں تو جب بھی میں شادی کروں میری بیوی کو طلاق ہے، اب یہ جب مدرسہ میں پہنچا تو روزے تو رکھے؛ لیکن اس کو تمام نہ کرسکا؛ بلکہ ایک ہی روزہ رکھ سکا، دراں حالیکہ اس کو کوئی شرعی عذر بھی نہ تھا، تو اب اس کے لیے کوئی شادی کرنے کی گنجائش ہے؟ کیا وہ شادی کرسکتا ہے؟ اگر کرسکتا ہے تو کیا اس کی بیوی کو طلاق واقع ہوجائے گی؟ اگر طلاق واقع ہوگی تو کونسی طلاق واقع ہوگی؟ جس وقت تلمیذ مذکور نے نیت کی اس وقت نہ تو اس کی شادی

ہوئی تھی اور نہ ہی اس کی منگنی ہوئی تھی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس طالب علم نے یہ عہد جو کیا تھا اگر دل دل میں ہی کیا تھا، زبان سے یہ الفاظ ادا نہیں کیے تھے، تب تو شادی کرنے سے اس کی بیوی پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور اگر زبان سے بھی یہ الفاظ ادا کیے تھے تو جب شادی کرے گا، اس کی بیوی پر ایک طلاق فوراً واقع ہوجائے گی، چوں کہ یہ طلاق دخول سے قبل واقع ہورہی ہے؛ اس لیے طلاق پڑتے ہی وہ عورت اس کے نکاح سے نکل جاوے گی، عدت نہیں ہے، اب وہ دوبارہ نکاح کرسکتا ہے، اور اس نکاح کے بعد اس کو صرف دو طلاق کا اختیار رہے گا، یعنی دو طلاق سے اس کی بیوی (پہلی طلاق کے ساتھ ملاکر) اس پر حرام بہ حرمتِ مغلظہ ہوجائے گی۔ یہ یاد رہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب کہ اس نے طلاق کے ساتھ تین کا عدد نہ کہا ہو، اگر تین کا عدد بھی ساتھ میں کہا ہے تو تین طلاق پڑ جائے گی، اور اس کے ساتھ دوبارہ نکاح بغیر شرعی حلالہ کے درست نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

وقوعِ شرط کے بعد منسوبہ پر طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال: زید اور خالد دونوں آپس میں دوست ہیں، اور دونوں کے دونوں شرابی ہیں، ایک دن دونوں آپس میں وعدہ کرتے ہیں کہ ہم نے آج ہی سے شراب کو ترک کردیا؛ لیکن کچھ دنوں کے بعد پھر سے شراب پیتے ہیں، ایسا بہت سی مرتبہ ہوتا ہے کہ

شراب پیتے ہیں اور اس کے بعد شراب کے ترک کا وعدہ کرتے ہیں، آخر ایک دن زید نے سوچا کہ طلاق کی قسم کھالوں تب جا کر میرے سے شراب ترک ہوگی، اخیر میں زید نے قسم کھالی کہ اگر میں شراب پیوں تو میری بیوی ہندہ کو طلاق، پھر کچھ دنوں کے بعد زید نے شراب پی لی، اس صورت میں کیا طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع ہوگی تو کتنی؟ اگر نہیں واقع ہوگی تو کیوں نہیں واقع ہوگی؟ مدلل جواب دیجیئے۔

نوٹ: زید کی ابھی تک شادی نہیں ہوئی تھی، ہاں منگنی ہو چکی تھی، اور جس کے ساتھ منگنی ہوئی تھی اس کو کبھی نہ دیکھا تھا، اور نہ جانتا تھا، اور نہ پہچانتا تھا، ہاں اس کا نام لوگوں سے سنا تھا کہ اس کا نام ہندہ ہے، اس کی ماں کو بھی نہیں دیکھا تھا، ہاں باپ کو دیکھا تھا صرف دو تین مرتبہ، پھر دو مہینہ کے بعد زید کی شادی اسی لڑکی ہندہ سے ہوگی۔

ہوشیار: منگنی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسی لڑکی سے شادی کرنا؛ بلکہ جانبین کو سکون ملتا ہے اس بات کا کہ لڑکی یا لڑکا ڈھونڈنا نہیں پڑے گا، ہاں جانبین کو اختیار ہے اس بات کا کہ جب چاہے منگنی توڑ سکتے ہیں، اس میں کوئی شرم کی بات نہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

درمختار میں ہے: شرطه الملك حقيقة او حكما، ولو حكما كقوله لمنكوحته أو معتدته ان ذهبت فانت طالق، أو الاضافة إليه اى الملك الحقيقى الخ (درمختار على هامش الشامى ٢/ ٥٣٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ٦/ رجب ١٤٠٨ھ

''تیرے علاوہ سے نکاح کروں تو طلاق'' کہنے کا حکم

سوال: زید نے زینب سے خدا کی قسم کھاتے ہوئے کہا کہ اگر میں نے تیرے علاوہ کسی اور سے نکاح کیا تو اسے طلاق، تو زید نے زینب کے علاوہ کسی اور سے نکاح کیا تو وہ اس کے نکاح میں باقی رہے گی یا نہیں؟ اگر باقی نہیں رہے گی تو دوسری سے نکاح کرنے کی کیا شکل ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر زید نے یہی کہا ہے جو سوال میں مذکور ہے، یعنی اگر میں نے تیرے علاوہ کسی سے نکاح کیا تو اسے طلاق، تو زید جب زینب کے علاوہ کسی اور سے نکاح کرے گا، اس عورت کو ایک طلاق واقع ہو جائے گی، اور چوں کہ یہ طلاق دخول سے پہلے واقع ہو رہی ہے، اس لیے اسی وقت وہ عورت بائن ہو جائے گی، اس کے بعد اس عورت سے یا دوسری عورت سے نکاح کر سکتا ہے۔

فيها كلها تنحل أي تبطل اليمين ببطلان التعليق إذا وجد الشرط مرة (درمختار) (قوله: تبطل اليمين) أي تنتهي وتتم وإذا تمت حنث فلا يتصور الحنث ثانياً (شامی ۲/ ۵۴۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تعلیق طلاق کے بعد اس کام کی اجازت دینے سے وقوع طلاق

سوال: زید نے اپنی زوجہ کو کہا کہ: ''اگر تو فلاں فلاں گاؤں گئی یا تیرے بچوں

میں سے کوئی گیا تو تجھے طلاق، طلاق، طلاق'' اس کے اس کلام کے بعد اس کی بیوی اور بچے اس شہر جاتے ہیں، اور طالق ان کو جانے کی اجازت دیتا ہے، تو کیا اس کی یہ اجازت طلاق کے وقوع پر اثر انداز ہوگی؟ اگر نہیں تو کیا علمائے اسلام کے پاس اس شکل سے نکلنے کا کوئی حل ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید کا اپنی زوجہ کو یہ کہنا کہ ''اگر تو فلاں فلاں گاؤں گئی یا تیرے بچوں میں سے کوئی گیا تو تجھے طلاق طلاق طلاق'' اپنی بیوی کی طلاق کو فلاں فلاں گاؤں میں اس بیوی یا اس کی اولاد میں سے کسی کے جانے پر معلق کرنا ہے، یہ تعلیق طلاق کہلاتا ہے جو بحکم یمین ہے۔

درمختار میں ہے: اليمين لغة: القوة، وشرعاً:عبارة عن عقد قوى به عزم ا لحالف على الفعل أو ا لترک فدخل التعليق فإ نه يمين شرعا

(درمختار ۳ /۴۹،۴۸)

اور اس یمین کا حکم یہ ہے کہ شرط کا تحقق ہونے پر طلاق واقع ہوجائے گی۔

وأما الحكم هذا اليمين: فحكمها واحد وهو وقوع الطلاق أو العتاق المعلق بالشرط. (بدائع الصنائع ۳ /۳۰)

اس لیے بیوی اور بچے چاہے شوہر کی اجازت سے اس شہر جائیں یا اس کی اجازت کے بغیر جائیں؛ بہر صورت اس کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوجائے گی، اس کے شوہر کے لیے طلاق مغلظہ سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دے، اس کے بعد جب عدت گذر جائے تب وہ عورت اور اس کے بچے اس

شہر کو جائیں، اس کے بعد وہ مرد اس عورت سے نکاح کر لے؛ البتہ یہ یاد رہے کہ آئندہ اب اس عورت کو صرف دو طلاق دے سکتا ہے۔

وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقا؛ لكن إن وجد في الملك طلقت وعتق وإلا لا فحيلة مَن علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة، ثم بعد العدة تدخلها، فتنحل اليمين فينكحها. (درمختار على هامش الشامية، باب التعليق ۲/ ۵۴۵،۵۴۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ جمادی الاولی ۱۴۱۲ھ

''اگر تم اپنے میکہ جاؤ گی تو سمجھ لینا'' کہنے سے طلاق

سوال: فرید نے اپنی بیوی ہندہ سے کہا: ''اگر تم اپنے میکہ جاؤ گی تو سمجھ لینا'' اور اس سے مراد طلاق تھی؛ لیکن کلمۂ شرط زبان سے ادا نہیں کیا، پھر ہندہ اپنے میکہ چلی گئی تو کیا ایسی صورت میں ہندہ کو طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

سمجھ لینا لفظ کا استعمال اردو زبان میں طلاق کے لیے نہیں ہوتا ہے، اس لیے اس کا شمار کنایات طلاق میں نہ ہونے کی وجہ سے نیت کے باوجود زید کی بیوی ہندہ پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

وماكان بالفارسية من الألفاظ مايستعمل في الطلاق وفي غيره فهو من كنايات الفارسية، فيكون حكمه حكم كنايات العربية في جميع الأحكام كذا في البدائع (فتاوى عالمگيرى ۱/ ۳۷۹)

سئل في رجل قال لزوجته: ''أنت على مانويت'' هل يقع عليها

الطلاق أم لا؟ (أجاب) لا يقع عليه الطلاق، إذ هذا اللفظ ليس من الصريح ولا من الكناية.(فتاوى خيريه ۱/ ۳۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ / رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

طالب علم کا امتحان میں ناکامی پر طلاقِ مخطوبہ کو معلق کرنا

سوال: اسکول کے چار طلبہ دسویں کلاس کا امتحان دے چکے، نتیجہ آنے سے پہلے ان میں آپس میں گفتگو ہوئی: ایک نے کہا: ہم اگر ناکام ہوئے تو کیا کریں گے؟ دوسرے نے کہا: میں ناکام ہوا تو جس لڑکی سے میری منگنی ہوئی ہے اس سے میں شادی کروں تو طلاق، باقی ساتھیوں نے کہا: لبیک ہم تیار ہیں۔ تو ان سب کی جو جو مخطوبہ ہے ان سے نکاح کرنے پر ہر ایک پر طلاق کا وقوع ہوگا؟ یا صرف صریح طلاق کا لفظ (والا جملہ) استعمال کرنے والے کی بیوی کو طلاق ہوگی؟ انہیں لڑکیوں سے نکاح کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں جس طالب علم نے صراحۃً تعلیق کا استعمال کیا اس کے حق میں تو اس تعلیق کے درست ہونے کی وجہ سے اگر وہ اپنی مخطوبہ سے نکاح کرے گا تو ایک طلاق واقع ہو جائے گی، چوں کہ عقد نکاح کے فوراً بعد اس طلاق کا وقوع ہوگا، اس لیے قبل الدخول ہونے کے وجہ سے فوراً وہ عورت اس کے نکاح سے نکل جاوے گی اور عدت نہ ہونے کی وجہ سے رجوع نہیں کر سکے گا؛ البتہ تجدید نکاح ہو سکتی ہے، اس

طالب علم کے دوسرے رفقاء کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

ویستدل علیه بما فی العالمگیریة رجل قیل له ''ایں فلانہ زن تو ہست؟'' فقال: ''ہست'' ثم قیل له: ایں زن تو سہ طلاق ہست؟ فقال: ہست، وهو یزعم أنه لم یسمع قوله سہ طلاق وإنما سمع ایں زن تو ہست قالوا لا یصدق قضاء الخ. (۱/ ۳۵۶) هذا ما عندی. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تین طلاق معلق سے بچنے کی صورت

سوال: ایک شخص نے اپنی عورت سے کہا کہ تو نے تیرے مال کی زکوٰۃ نکالنے کو کہا تو تجھ کو تین طلاق (عورت صاحبۂ نصاب ہے) کیا بھول سے ادا ہو سکتے ہیں؟ تو آپ مہربانی فرما کر کوئی مسئلہ بتائیں کہ مال عورت کے پاس رہے اور مذکورہ الفاظ سے طلاق واقع نہ ہو، مذکورہ الفاظ بغیر نیت کے غصہ سے نکل گئے تھے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شرعاً شوہر کو طلاق دینے کا اختیار ہونے کے باوجود بلاوجہ شرعی طلاق دینا سخت ناپسندیدہ اور مذموم ہے، غصہ میں بھی حدود شریعت کی پاسداری ضروری ہے، صورت مسئولہ میں آئندہ تین طلاق معلق کے وقوع سے بچنے کے لیے یہ تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے کہ شوہر بیوی کو ایسی پاکی کی حالت میں جس میں اس کے ساتھ صحبت نہ کی گئی ہو ایک طلاق دے کر چھوڑ دے یہاں تک کہ عدت گذر جائے (یعنی دوران عدت رجوع نہ کرے) اس کے بعد (جب کہ عدت گذر جانے اور حق رجوع ختم ہو جانے کی وجہ

سے عورت اس کے نکاح سے بالکلیہ نکل چکی) عورت اپنے سابق شوہر کو اپنے مال کی زکوۃ نکالنے کو کہے چوں کہ اس وقت وہ عورت شوہر کے نکاح میں نہ ہونے کی وجہ سے (وجود شرط کے باوصف) اس پر وہ تین طلاق واقع نہ ہوں گی۔

درمختار میں ہے: وتنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقاً؛ لكن إن وجد فى الملك طلقت وعتق وإلا لا،فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار أن يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها فتنحل اليمين فينكحها (در على هامش الشامى۲/ ٥٤٤، ٥٤٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شادی پر تعلیقِ طلاق کا حل

سوال: ایک شخص نے قسم کھاتے ہوئے یہ کہا کہ: ''جس عورت سے میں شادی کروں گا اسے تین طلاق'' (یہ بات اس نے تنہائی میں کہی تھی اور بعد میں اقرار کیا) اب وہ نادم ہے اور شادی کرنا چاہتا ہے، آپ کی خدمت میں گزارش یہ ہے کہ ایسے شخص کے لیے اب شادی کرنے کا کیا راستہ ہے؟ امداد الفتاویٰ ۲ / ۴۴۳ پر جو صورت لکھی ہے کہ فضولی اس شخص کا نکاح کردے اور یہ شخص اجازت بالقول سے نافذ نہ کرے؛ بلکہ اس عورت سے جا کر صحبت کرلے۔ (یعنی بالفعل نافذ کرلے) اس صورت کے علاوہ نکاح نافذ کرنے کی اور کوئی صورت ہو تو تحریر فرمائیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

آپ نے امداد الفتاویٰ کے حوالہ سے جو الفاظ نقل فرمائے ہیں بعینہ عبارت تو مجھے امداد الفتاویٰ میں نہیں ملی؛ البتہ یہ حقیقت ہے کہ اس صورت میں یہ آدمی قول سے

اجازت نہ دیتے ہوئے فعل سے اجازت دے تو نکاح درست ہوجائے گا؛ لیکن بالفعل اجازت دینے کی جو صورت آپ نے اپنے سوال میں تحریر فرمائی ہے اس کو فقہا نے مکروہ کہا ہے، اس لیے بالفعل اجازت دینے کی دوسری صورت اختیار کرے، مثلاً فضولی نے اپنے طور پر اس کا نکاح کرایا ہے، اس میں جو مہر مقرر کیا ہے وہ پورا یا اس کا کچھ حصہ بھیج دے، ایسا کرنے سے بھی نکاح نافذ ہوجائے گا۔

درمختار میں ہے: ”حلف لا يتزوج فزوّجه فضولي“ فأجاز بالقول حنث، وبالفعل ومنه الكتابة خلافاً لأبي سماعة لا يحنث، به يفتى خانية (در على هامش الرد ٣ /١٥٠)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس پر حاشیہ تحریر فرماتے ہیں:

(قوله فأجاز بالقول) كرضيت وقبلت نهر وفى الحاوى الزاهدى: لو هنّاه الناس بنكاح الفضولى فسكت فهو اجازة (قوله حنث) هذا هو المختار كما فى التبيين وعليه أكثر المشائخ والفتوىٰ عليه كما فى الخانية، وبه اندفع ما فى جامع الفصولين من أن الأصح عدمه بحر (وقوله وبالفعل) كبعث المهر أو بعضه بشرط أن يصل إليها، وقيل: الوصول ليس بشرط نهر وكتقبيلها بشهوة وجماعها؛ لكن يكره تحريما لقرب نفوذ العقد من المحرم بحر قلت: فلو بعث المهر أولا لم يكره التقبيل والجماع لحصول الإجازة قبله (قوله ومنه الكتابة) اى من الفعل ما لو أجاز بالكتابة لما فى الجامع حلف لا يكلم فلانا أولا يقول له شيئا فكتب إليه كتابا لا يحنث وذكر ابن السماعة أنه يحنث نهر (قوله وبه يفتى) مقابله ما فى جامع الفصولين من أنه لا يحنث بالقول

كما مر فكان المناسب ذكره قبل قوله وبالفعل أفاده ط (شامی ۳/ ۱۰۰)

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''اگر کوئی شخص نکاح نہ کرنے کی قسم کھائے، مثلاً اس طرح کہے کہ اگر میں نکاح کروں تو میری بیوی کو طلاق یا جب جب نکاح کروں تو میری بیوی کو طلاق، تو اس سے خلاصی کی صورت ہے کہ اس کا کوئی دوسرا دوست اس کا نکاح کسی عورت سے کردے اور اس کی طرف سے خود قبول کرلے، پھر آکر اس سے کہے کہ میں نے تمہارا نکاح فلاں عورت سے کردیا، ایک انگوٹھی بطور مہر معجّل لاؤ اور وہ انگوٹھی خاموشی سے دے دے، زبان سے کچھ نہ کہے، اور یہ انگوٹھی اس کی طرف سے اس عورت کو دے دے کہ یہ تمہارے شوہر نے بطور مہر معجّل دی ہے، پس اس طرح قسم کھانے والے کی طرف سے یہ نکاح کی فعلاً اجازت ہوگی، اور قسم کی وجہ سے اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(فتاویٰ محمودیہ ۱۱/ ۲۴۷)

اسی صورت کو ایک دوسری مثال کے ساتھ بھی حضرت فقیہ الامت نے تحریر فرمایا ہے۔ دیکھئے: فتاویٰ محمودیہ (۱۱/ ۱۷۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نکاح سے پہلے تعلیقِ طلاق

سوال: (۱) زید اپنے ماموں عبداللہ کے سامنے کہتا ہے کہ (میں قسم کھا کر کہتا ہوں اور لکھتا بھی ہوں کہ ماموں عبداللہ اور ان کے لڑکوں کے خلاف بغاوت کر کے ان کے مخالفین سے مل کر تکلیف پہنچانے کی کوشش کروں تو میری گھر والی کو تین طلاق)

پھر کچھ مدت کے بعد زید کا نکاح اس کے ماموں عبداللہ کی لڑکی مریم سے ہو گیا، جس وقت زید نے قسم کھا کر شرطیہ تین طلاق کے الفاظ کہے تھے اس وقت زید کے نکاح میں کوئی عورت نہیں تھی، زید کے نکاح ہو جانے کے بعد اس نے اپنے ماموں عبداللہ اور ان کے لڑکوں کے خلاف بغاوت کر کے ان کے مخالفین سے مل کر تکلیف پہنچانے کی پوری کوشش کی تو اب سوال یہ ہے کہ زید کی بیوی پر شرعاً تین طلاق ہوگی یا نہیں؟

② زید کے دوسرے بھائی عمر نے اپنے ماموں عبداللہ کے سامنے مذکورہ الفاظ کہے تھے کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں اور لکھتا بھی ہوں کہ ماموں عبداللہ اور ان کے لڑکوں کے خلاف بغاوت کر کے ان کے مخالفین سے مل کر تکلیف پہنچانے کی کوشش کروں تو میری گھر والی کو تین طلاق، عمر نے جس وقت یہ الفاظ کہے تھے اس وقت اس کے نکاح میں ایک عورت ہندہ نامی تھی، عمر نے کچھ مدت کے بعد ہندہ کو تنجیزاً تین طلاق دے کر اس کو علیحدہ کر دیا، ہندہ کو طلاق دی اس وقت تک مذکورہ تین طلاق کی شرط پائی نہیں گئی تھی، پھر اس کے بعد عمر نے اپنے ماموں عبداللہ کی لڑکی حبیبہ سے نکاح کیا اور حبیبہ سے نکاح کے بعد مذکورہ تین طلاق کی شرط پائی گئی، اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں حبیبہ پر شرعاً تین طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① قسم کھاتے وقت زید کی بیوی (مریم) اس کے نکاح میں نہیں تھی تو اس قسم کے خلاف کرنے سے کوئی طلاق نہیں ہوئی۔

ولا تصح اضافة الطلاق إلا أن يكون الحالف مالكاً أو يضيفه إلى ملك، والا ضافة إلى سبب الملك كا لتزوج كا لا ضافة إلى الملك

الخ. (فتاویٰ عالمگیری ۱/ ۴۲۰)

(۲) صورتِ مسئولہ میں عمر کی بیوی حبیبہ پر کوئی طلاق نہیں ہوئی؛ اس لیے کہ بوقتِ قسم وہ عمر کے نکاح میں موجود نہیں تھی۔ (حوالۂ بالا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ ذوالقعدہ ۱۴۱۸ھ

نکاح سے پہلے تعلیقِ طلاق کا حکم

سوال: ایک غیر محصن آدمی نے یوں قسم کھائی تھی کہ فلاں کام نہیں کروں گا، اگر کروں تو میری عورت کو طلاق مغلظہ۔ پھر وہ کام ہوگیا، اب اس نے ایک عورت سے نکاح کیا جس کو مسئلہ کے مطابق طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، پھر اس کو چھوڑ دیا، جماع وغیرہ کچھ نہیں کیا، اس نے دوسری عورت سے نکاح کیا، تو کیا اس سے نکاح صحیح ہوجائے گا؟ یا اس کو بھی طلاق مغلظہ واقع ہوگئی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے سوال میں ''غیر محصن آدمی'' لکھا ہے، اس سے آپ کی مراد ''غیر شادی شدہ آدمی'' ہے، اور اس نے بعینہٖ انہی الفاظ سے قسم کھائی جو سوال میں مذکور ہیں، یعنی: ''فلاں کام نہیں کروں گا، اگر کروں تو میری عورت کو طلاق مغلظہ''۔ اس کے بعد اس نے نکاح کیا اور وہ کام بھی اس سے ہوگیا، تب بھی جس عورت سے اس نے نکاح کیا تھا اس پر طلاق واقع نہیں ہوئی، اس لیے اس کو چھوڑ دینے سے وہ نکاح سے نکلی نہیں ہے؛ البتہ اگر کوئی جدید طلاق دی ہوگی تو وہ واقع ہوگئی، اسی طرح جس دوسری عورت سے نکاح کیا اس پر بھی طلاق واقع نہیں ہوئی۔ (شامی جلد دوم)

یہ یاد رہے کہ یہ حکم ان الفاظ کا ہے جو سوال میں مذکور ہیں، اگر الفاظ میں کچھ فرق ہو تو دوبارہ مسئلہ دریافت کرلیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ ۱۳/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۴ھ

جماع پر تین طلاق کو معلق کرنا

سوال: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو یہ کہا کہ اگر میں تجھ سے جماع کروں تو تجھ پر تین طلاق ہو، اب وہ آدمی کوئی حیلہ اور مخلص کا طالب ہے کہ جماع بھی کروں اور طلاق بھی نہ ہو، تو ہم نے درمختار میں دیکھا تو معلق بدخول دار کا حیلہ ملتا ہے، جیسا کہ "ردالمحتار" (دارالکتاب ۴/ ۴۶۰) میں ہے: (مطلب زوال الملك لا يبطل اليمين)

اور ایک عالم صاحب نے اس حیلہ پر قیاس کر کے یوں کہہ دیا کہ ایک طلاق بائن دے کر عدت گزارنے کے بعد پھر نکاح کرلو اس کے بعد جماع بھی کر سکتے ہو اور معلق طلاق بھی نہ پڑے گی؛ لیکن بندہ کو خلجان ہے کہ وہاں تو طلاق بائن کے بعد دخول دار یمین کھل جاتی ہے؛ لیکن صورتِ مسئولہ میں کیا ہم یمین کھلنے سے زنا کا حکم دیں گے؟ نعوذ باللہ! کیوں کہ طلاق بائن کے بعد تو ملک ختم ہو جاتی ہے، لہٰذا جناب عالی سے جو حکم ہوگا مبتلیٰ بہ کو بتلایا جائے گا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درمختار میں جو حیلہ بتلایا گیا ہے وہ آپ کی صورتِ مسئولہ میں اس لیے جاری نہیں ہو سکتا کہ صورت مسئولہ میں شوہر نے تین طلاق کو جماع پر معلق کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ حیلہ پر عمل کرتے ہوئے جب وہ اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دے، پھر عدت گذرنے کے بعد

جب وہ اس کے نکاح سے بالکل نکل جائے تو طلاقِ معلق کی شرط یعنی جماع یہاں وجود میں نہیں لائی جاسکتی، اس لیے کہ اب وہ عورت اس کے حق میں اجنبیہ بن چکنے کی وجہ سے اس کے ساتھ جماع کرنا اس کے لیے جائز نہیں رہا، عالم صاحب نے اس حیلہ کو قیاس کر کے جو تدبیر بتلائی ہے وہ یہاں پر جاری نہیں ہوسکتی، آپ کا خلجان درست ہے، یمین کھولنے کے لیے زنا والی تدبیر بتلانا یا اس کا حکم دینا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/صفر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

''اگر اس سال رخصتی نہ کرے تو طلاق'' کہنا

سوال: مجھے یہ واقعہ پیش آیا ہے کہ والدین نے میرا نکاح اٹھارہ سال پر میرے منع کرنے کے باوجود کر دیا ہے، فی الحال میرا اکیسواں سال ہے، اور بیوی کی رخصتی (خلوتِ صحیحہ) صرف ایک ہی رات ہوئی تھی، اس کے بعد بات چیت تو جاری رہی ہے؛ لیکن خلوتِ صحیحہ کا موقع نہیں دیا گیا، نہ تو ملا ہے، تو پھر ایک مرتبہ یعنی گذشتہ گرمی کے موسم میں میں نے اپنی بھابھی سے یہ کہا کہ اگر اس سال رخصتی نہ کرے تو پھر طلاق، اور یہ بات میں نے اپنی والدہ کو کہنے کا بولا تھا؛ لیکن بھابھی نے والدہ کو یہ بات نقل نہیں کی۔ تو کیا اس سے طلاق واقع ہوگی تو کتنی ہوگی؟ اور میری اس وقت کوئی طلاق کی نیت بھی نہ تھی، اور کب ہوگی فی الفور یا سال کے اختتام پر یا آئندہ گرمی کے موسم میں؟ اور رجعی ہوگی کہ مغلظہ؟ اور میری اپنی بیوی سے بات چیت اور ہنسی مذاق تو اب تک چلتی ہے، تو کیا اس سے رجعت ثابت ہو جائے گی؟ لیکن خلوتِ صحیحہ کا موقع

نہیں ملا، حضرت آپ اس کا کوئی راستہ ہو تو میرے لیے ہموار فرمائیں، اور ہمارے درمیان محبت کی دعا فرمائیں، اور ہماری اصلاح کی بھی دعا فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے جب اپنی بیوی سے متعلق اپنی بھابھی سے یہ جملہ کہا کہ: ''اگر اس سال رخصتی نہ کرے تو پھر طلاق'' تو یہ تعلیقِ طلاق ہے، اگر رخصتی کرادی گئی تو طلاق واقع نہ ہوئی، اور اگر مدت گذر جانے کے باوجود رخصتی نہ کرائی گئی تو ایک طلاقِ رجعی واقع ہوگی چاہے آپ کی طلاق کی نیت ہو یا نہ ہو، لفظ سال بول کر آپ کی مراد پورا سال تھی تو سال کے ختم ہونے پر طلاق واقع ہوگی، اور اگر آپ کی مراد وہ زمانہ یعنی موسمِ گرما جس میں عموماً نکاح رخصتی وغیرہ ہوا کرتا ہے مراد تھا تو اس زمانہ کے ختم ہونے تک رخصتی نہ ہونے سے طلاق واقع ہوگی۔ آپ سوال کے شروع میں تو لکھ رہے کہ ''بیوی کی رخصتی (خلوتِ صحیحہ) صرف ایک ہی رات ہوئی تھی'' اور آخر میں لکھ رہے ہیں کہ ''لیکن خلوتِ صحیحہ کا موقع نہیں ملا'' آپ کے ان دو کلمات میں تضاد ہے، یہ یاد رہے کہ اگر خلوت صحیحہ ہوئی ہے تب ہی طلاق رجعی واقع ہوگی؛ ورنہ طلاقِ بائن واقع ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/صفر ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

تعلیق وطلاق میں خیالات کا اعتبار نہیں

سوال: (۱) میں خیالات کا مریض ہوں شادی سے پہلے بھی خیالات آتے تھے

اور بعد میں بھی۔ میری شادی ۶/ اکتوبر ۲۰۰۲ء بروز اتوار ایک دار العلوم میں ہوئی میں اپنی بیوی کے ساتھ تمسخر کر رہا تھا اور اس کو جماع کے لیے ابھار رہا تھا کہ اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ چھوڑ نہیں رہی تھی تو میں نے غصہ میں کہا کہ مجھے چھوڑ دے میں نے یہ الفاظ اس لیے کہے تا کہ وہ تیار ہو جائے یہ الفاظ کہنے سے پہلے میرے دل میں طلاق کے بارے میں کوئی وہم وگمان بھی نہیں تھا لیکن الفاظ کہنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ طلاق کی نیت تھی یعنی الفاظ کہنے کے بعد طلاق کا خیال آیا پھر شک ہو گیا کہ طلاق کا خیال بالارادہ تھا یا بلا ارادہ تو مجھے کیا کرنا چاہیے طلاق ہو گی یا نہیں اگر ہو گی تو کیسی ہو گی؟

② ایک مرتبہ مغرب کی نماز کے بعد تعلیم کی مجلس تھی اس میں میں بیٹھا ۲۰-۲۵ منٹ بیٹھا اس کے بعد گھر کی طرف آ رہا تھا کہ دل میں خیال شروع ہو گیا خیال یہ آیا کہ اہلیہ گھر پر نہ ہو تو اس کو طلاق میں نے اس خیال کو ہر چند دفع کرنے کی کوشش کی اخیر میں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ میں اس خیال کے اوپر غالب آ گیا یا خیال میرے اوپر غالب آ گیا اب پوچھنا یہ ہے کہ اس میں بھی کچھ طلاق کا حکم ہو گا یا نہیں؟

③ مجھے اکثر مرتبہ غیر اختیاری طور پر چیزوں کے بارے میں خیالات آتے رہتے ہیں کہ اگر فلاں ایسا ہے تو میری بیوی کو طلاق، مثال کے طور پر میں ایک مرتبہ وتر واجب بعد العشاء پڑھ رہا تھا اور ہمارے یہاں مسجدوں میں (چار مسجدوں) سے ہر ایک میں عشاء کی سنتوں کے بعد تعلیم ہوتی ہے اور قبل التعلیم درود شریف پڑھتے ہیں تو نماز میں مجھے خیال آیا کہ اگر فلاں رکن کے ادا کرنے سے پہلے درود شریف پڑھے تو ایسا ویسا یا یہ کہ ایک مرتبہ سفر کے دوران ایک بچہ گاڑی میں رونے لگا پھر سو گیا میں

اس گاڑی میں تھا میرے دل میں خیال آیا کہ اگر فلاں جگہ آنے سے پہلے یہ بچہ اٹھ گیا تو ایسا ویسا ان غیر اختیاری امور میں کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی۔

② محض اس طرح کے خیالات سے نہ تو تعلیق ہوئی اور نہ طلاق

③ یہ محض خیالات ہیں جن کا کوئی اعتبار نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۴ر شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

تعلیقِ طلاق کی ایک صورت

سوال: زید کی بیوی ہندہ زید کو اپنے ماں باپ سے الگ ہو کر رہنے کو کہتی تھی، اور زید اس کے لیے بالکل تیار نہیں تھا اور سختی سے کہا: نہیں، میں ماں باپ کو نہیں چھوڑوں گا، اور ابھی اپنی مالی کیفیت ٹھیک نہیں ہے کہ ہم لوگ کہیں رہیں، تب ہندہ نے غصے میں آکر کہا کہ: میں میرے ماں باپ کے گھر چلی جاؤں گی، جب تمھاری مالی کیفیت ٹھیک ہو جائے گی تب مجھ کو بلا لینا، تو بہ طور دھمکی نیچے لکھی ہوئی تحریر زید نے اپنے لڑکے کے ہاتھ سے دیا:

عالیہ! اب اگر مجھ سے اجازت لینے یا تمھاری نانی یا رشتے دار سے ملنے ان کے گھر یا اور کہیں گئی، تو یہ سمجھ کر جانا کہ تیسرا..... ہو جائے گا، یا میں تمھیں لکھ کر بھیج دوں گا، اور الگ رہنے کی بات ہے جب تک میرے چھوٹے بھائی مزمل کی شادی نہیں ہو جائے گی،

میں الگ کسی بھی قیمت پر نہیں رہوں گا ور الگ رہنے والی بات کو میرا حلفیہ بیان سمجھنا۔

زید کے سمجھ یا علم سے خالی جگہ پر لفظ لکھے گا تو ہوگا، نہیں لکھے گا تو نہیں ہوگا، اور بیوی کے کچھ لینے سے طلاق نہیں ہوتا؛ اس لیے..... زید نے یہ بھی لکھ دیا کہ: لکھ کر بھیج دوں گا۔ ہندہ کو جب چٹھی ملی تو وہ غصہ میں آکر بولی کہ: مجھ کو چھوڑ دو یار کھو میں میرے ماں باپ کے وہاں جارہی ہوں، تب زید نے ہندہ کو اجازت دے دی کہ تم جاسکتی ہو، اجازت دینے کے الفاظ یہ ہیں: جا! جہاں تو کل جانے والی ہے آج جا، میری طرف سے کوئی منائی نہیں ہے، اب ایسی صورت میں..... واقع ہوئی ہے یا نہیں؟

اجازت ملنے کے بعد ہندہ اس کے ماں باپ کے گھر چلی گئی، تب زید کے خیر خواہ دوستوں نے زید سے پوچھا کہ: کیا تم تمھاری بیوی کو چھوڑ دیتے ہو؟ تو زید نے ان کو جواب دیا کہ: نہیں، میں چھوڑا نہیں ہوں وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ اب معاملہ ختم ہوگیا ہے، میں دوسری شادی کروں گا، میرے لیے لڑکی دیکھو۔ آٹھ یا دس دن تک یہی معاملہ چلتا رہا، زید سب کو یہی جواب دیتا رہا، بعد میں زید نے چٹھی کا فتویٰ منگوایا، تو طلاق واقع نہیں ہوتی، اب زید نے جو لوگوں کو جواب دیا اس سے..... واقع ہوئی ہے یا نہیں؟

نوٹ: زید نے لفظ کہیں نہیں بولا، صرف یہی بولا کہ وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہے، اب میں دوسری شادی کروں گا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید نے جو تحریر اپنی بیوی ہندہ کے نام لکھی ہے اس میں تیسرا..... ہوجائے گا، اس میں زید کی مراد طلاق ہے، اور صفت کا ذکر موصوف کو مستلزم ہونے کی وجہ سے اس

کی سمجھ شرعاً معتبر نہیں ہے؛ اس لیے یہ تعلیق ہوئی؛ البتہ اجازت لینے والی صورت کا استثناء کیا ہے، اس کے بعد جب ہندہ نے چٹھی ملنے پر غصہ میں کہا کہ: مجھ کو چھوڑ دو یار کھو، میں میرے باپ کے وہاں جارہی ہوں، ظاہر ہے کہ وہ اجازت لینے تو آئی نہیں تھی؛ بلکہ اپنے ماں باپ کے وہاں جانے کی اطلاع دینے آئی تھی، اور اس کے جواب میں زید نے ان الفاظ میں اجازت دی جا! (جہاں کل جانے والی ہے آج جا میری طرف سے کوئی منائی نہیں ہے) صورت مسئولہ میں یہ بات قابل غور ہے کہ، زید نے بیوی کے غصہ والے سابقہ کلمات کے جواب میں جا، مع اس تشریح کے جو بین القوسین ہے، کیا یہ اجازت ہے؟ قرائن تو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ تہدید ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جا، تو جہاں کل جانے والی ہے آج جا؛ تاکہ تجھ پر کل کی بہ جائے آج ہی طلاق پڑ جائے۔ اس مطلب پر مزید قرینہ یہ ہے کہ ہندہ کے اپنے ماں باپ کے گھر چلے جانے کے بعد جب دوستوں نے زید سے پوچھا کہ: کیا تم تمھاری بیوی کو چھوڑ دیتے ہو؟ تو اس کے جواب میں یہ کہا کہ: نہیں، میں چھوڑا نہیں ہوں وہ مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہے، اب معاملہ ختم ہو گیا ہے، میں دوسری شادی کروں گا، میرے لیے لڑکی دیکھو، یعنی چوں کہ میں نے اس کی طلاق کو اس کے بلا اجازت جانے پر معلق کیا تھا، اور اس نے ایسا ہی کیا ہے؛ اس لیے گویا اس نے خود طلاق واقع کی ہے، اور معاملہ نکاح ختم ہو چکا ہے، اگر زید کا مقصود جا (مع التشریح) سے اجازت ہی دینے کا ہوتا تو وہ ہرگز یہ نہ کہتا۔ شامی میں اجازت والے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

قال في النهر: ويشترط في إذنه لها أن تسمعه؛ وإلا لم يكن إذنا، وأن تفهمه، فلو أذن لها بالعربية ولا عهد لها بها فخرجت حنث، وأن

لاتقوم قرينة على أنه لم يرد الإذن، فلو قالها: أخرجي! أما والله لوخرجت ليخزينك الله، لايكون إذنا، صرح به محمد، وكذا لو قال لها في غضب ينوى التهديد، لم يكن إذنا؛ إذاا لمعنىٰ حينئذ: أخرجي حتىٰ تطلقي اه ملخصا. وفي البزازية: قامت للخروج، فقال: دعوها تخرج ولا نية له لم يكن إذنا إلخ.(شامي،كتاب الأيمان، باب اليمين في الدخول والخروج إلخ ٩٠/٣)

اس لیے زید کی بیوی ہندہ پر اس کے ماں باپ کے یہاں جانے سے ہی طلاق واقع ہوچکی ہے۔

صورت مسئولہ میں زید کے کلام میں عدم ارادۂ اذن کا وہ قرینہ نہ ہوتا جس کا اوپر کے جواب میں تذکرہ ہوا، اور زید یہ سمجھ کر کہ طلاق واقع ہوگئی وہ جواب دیتا رہتا جو اس نے اپنے دوستوں وغیرہ کو دیا ہے، اس صورت میں بھی قضاءً طلاق واقع ہوجاتی ہے گو دیانۃً واقع نہیں ہوتی۔

أقر بالطلاق بناءً على إفتاء المفتي ثم تبين عدم الوقوع لم يقع يعني ديانة، قنية. (درمختار)(قوله بناء على إفتاء المفتى)وفي البزازية: ظن وقوع الثلاث بإفتاء من ليس بأهل، فأقر الكاتب بصك الطلاق فكتب ثم أفتاه عالم بعدم الوقوع، له أن يعود إليها في الديانة؛ لكن القاض لايصدقه لقيام الصك، سائحاني.(شامي ٤/ ٥٢٥)

یہ جواب اگر عورت کے علم میں بھی ہے خود سن کر یا کسی عادل کی اطلاع کے نتیجے میں، تو وہ وقوع ہی پر عمل کرے گی۔

والمرأة كالقاضي إذا سمعته أو أخبرها عدل.(شامي،٤٦٨/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۷/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

طلاق ثلاثہ کی تعلیق

سوال: ایک عورت کا شادی سے قبل ایک آدمی سے غلط تعلق تھا، جب اس کی شادی ہوگئی تو اس کے شوہر نے کہہ دیا کہ اگر تو نے فلاں شخص (جس سے ناجائز تعلقات تھے) سے تنہائی میں بات چیت یا ہنسی مذاق کی تو تجھے تین طلاق، ایک دفعہ ایسا ہوا کہ وہ عورت اپنے والدین کے گھر جارہی تھی اور راستہ میں وہ مرد کھڑا تھا اس مرد نے اس عورت سے پوچھا کہ تو کہاں جارہی ہے اور اب کیوں نہیں بولتی ہے تو اس عورت نے کہا کہ میں اپنی ماں کے گھر جارہی ہوں اور اب تجھ سے نہیں بولوں گی یہ جملہ جو عورت نے منہ سے نکالا اور سختی وجھٹکے کے ساتھ نکالا تھا راستہ میں دونوں تھے اور کوئی نہیں تھا تو شرعاً طلاق کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں جس وقت اس مرد کے ساتھ عورت کی گفتگو ہوئی، اس وقت وہاں کوئی آدمی اس طرح موجود نہیں جو ان کی بات سن سکتا ہو، تو پھر شوہر نے اس عورت کی طلاق کو جس شرط پر معلق کیا ہے اس کا تحقق ہوگیا، اس لیے اس عورت پر تین طلاق واقع ہوکر وہ اپنے شوہر کے لیے حرام ہوگئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱ جمادی الاخری ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اجمالی تعلیق میں طلاق کا حکم

سوال: ایک مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو کسی سے بولے گی تو تجھ کو تین

طلاق، پھر اس عورت نے کہا کیا ماموں کے لڑکوں سے نہ بولوں یا چچا یا خالہ کے لڑکوں سے نہ بولوں تو اس کے جواب میں شوہر نے کہا نہیں دوسرے دن اس عورت نے کہا آپ بتادو کس سے نہ بولوں لیکن نہ بتایا اس معاملہ کے تقریباً چار ماہ ہو چکے وہ عورت بقدر ضرورت بہت لوگوں سے بولی، اور بعد میں معلوم ہوا کہ اس کے شوہر کے دور کے بھائی کے دو لڑکوں سے منع کیا ہوگا، قرائن سے یہ معلوم ہوا قرائن اینکہ اس کے شوہر نے ان دو لڑکوں سے بولنا بھی کم کر دیا ہے، اور یہ عورت بمبئی ان دو لڑکوں کے ساتھ گھومنے بھی گئی تھی، لہٰذا خود عورت یہ سمجھتی ہے اس کی مراد یہ دو ہوں گے، اور مجھے تین طلاق ہوگئی ہوگی، اور ساتھ میں یہ کہہ رہی ہے کہ اگر میرے شوہر سے یہ کہو تم نے مجھ (عورت) سے یہ کہا تھا تو وہ جھوٹ بولیں گے انکار کر دیں گے، کہ میں نے ایسا نہیں کہا ہے، لہٰذا مذکورہ عورت پر تین طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تعلیق میں شوہر نے جن کے ساتھ بات کرنے پر اپنی کی طلاق کو مشروط کیا ہے وہ مجہول ہیں، اس کے مصداق کی تعیین میں شوہر کی بات کا اعتبار کیا جاوے گا۔

لان کل موضع کان القول فیه قوله انما یصدق مع الیمین لا نه امین فی الاخبار عما فی ضمیره والقول قوله مع یمینه کما فی الزیلعی.

(تنقیح الفتاوی الحامدیه ۳۷/۱)

عورت کا خیال اگر یہ ہے کہ وہ دو لڑکے مراد ہوں گے تو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے شوہر کو مطلع کر دے کہ میں نے ان دو لڑکوں سے بات کی ہے اب اگر آپ کی تعلیق میں وہی مراد تھے تو مجھ پر تین طلاق واقع ہو چکی، اس پر شوہر انکار کرے اور کہے کہ وہ

مراد نہیں تھے تو عورت شوہر سے قسم لے سکتی ہے، اور جب شوہر نے قسم کھالی تو اب عورت کو چاہیے کہ اپنے خیال سے باز آجائے۔

لانه ينكر وقوع الطلاق والمرأة تدعيه والقول للمنكر الا ان تقيم المرأة بينة (ایضا۱/۴۸) والقول له بيمينه فى عدم النية ويكفى تحليفها له فى منزله فان ابى رفعته للحاكم الخ (در مختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱ جمادی الاخری ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

یمین اور طلاق وسوسے سے واقع نہیں ہوتے

سوال: جب میں عربی سوم میں تعلیم حاصل کر رہا تھا اور طلاق کے بارے میں باب چل رہا تھا اور اس میں بھی محرمات ابدیہ کا باب چل رہا تھا اور سبق میں یہ بات استاذ محترم نے بتائی کہ اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ جب جب بھی یا جب بھی وہ نکاح کرے تو عورت کو طلاق یہ بات پوری ہوئی لیکن جب گھنٹہ ختم ہوا اور سب طلبہ باہر نکلے اور میں بھی نکلا کلاس سے باہر سب الگ الگ جگہ پر کھڑے ہو گئے میں بھی ایک جگہ تنہا کھڑا رہا ابھی تازہ تازہ سبق پڑھ کر ہی کھڑے تھے کہ میرے دل میں یہ خیال آیا یا وسوسہ آیا کہ تو یہ قسم کھالے کہ جب جب بھی یا جب بھی کرے تو عورت کو طلاق یا ایسا لگتا تھا کہ شیطان دل دل میں میرے ساتھ باتیں کرتا ہے اور دل میں الفاظ طلاق کہلوا رہا تھا اور کہہ رہا تھا دل دل میں بدخیال اور یہ وسوسہ برابر آتا بھی رہا اور شیطان والا معاملہ برابر دل میں آتا ہی رہا حتیٰ کہ میں نے یہ کہہ دیا ہاں جا اتنی بات ختم ہوئی پھر جب کلاس میں گئے رات کے وقت تو صاحبِ تکرار، تکرار کرا رہے تھے تکرار میں انھوں

نے یہ بات بیان کی کہ اگر کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ جب جب بھی یا جب بھی نکاح کرے تو عورت کو طلاق تو میں نے پوچھا کہ یہ شادی شدہ کے لیے حکم ہے نا تو صاحبِ تکرار نے کہا ہاں شادی شدہ کے لیے حکم ہے تو مجھے فوراً اطمینان ہوا اس لیے کہ میں غیر شادی شدہ تھا اور اب بھی غیر شادی شدہ ہی ہوں مگر بفضل خدا شادی کا وقت قریب ہی ہے پھر اس کے بعد ایک مدت تک کچھ شک نہیں ہوا ابھی شادی کا وقت قریب ہے تو پھر دل میں یہ خلجان پیدا ہوا کہ تیرا تو یہ معاملہ ہے تو شادی کیسے کرے گا؟ لیکن میرے ساتھ جب یہ معاملہ جو اوپر بیان کیا پیش آیا تو مجھے یہ یاد نہیں رہا کہ الفاظ طلاق کو بلند آواز سے کہا تھا یا دل دل میں کہا تھا کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بلند آواز سے کہا تھا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دل دل میں ہوا ہے اور میں خیالات کا شکار ہوں اور میرے دل میں برے وسوسے آتے ہی رہتے ہیں مگر پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں حرمت مؤبدہ واقع ہو جائے گی یا نہیں اگر واقع نہیں ہوتی تو کوئی بات ہی نہیں اور اگر واقع ہو جاتی ہے تو کوئی حیلہ ہے یا نہیں تشفی بخش جواب تحریر فرما کر دل کو مسرور فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ومنها شك هل طلق أم لا لم يقع شك أنه طلق واحدة أو أكثر بنىٰ على الأقل كما ذكره الاسبيجابي(الاشباه والنظائر)قوله شك هل طلق أم لا لم يقع قا ل المصنف في فتاواه ولا اعتبار بالشك.

(شرح الحموی علی الأشباه ۱۹/۱)

ولو قال لامرأته أنت طالق واحدة أو لا أو لا شيء لا يقع شيء وقال محمد - رحمه الله تعالى - تقع واحدة رجعية ولو قال أنت طالق

أو لا أو لا شيء أو غير طالق لا يقع شيء اتفاقا كذا في الكافي. ولوقال ثلاثا أو لا قيل على الخلاف والأصح أنه لا يقع كذا في العتابية في فصل الكنايات. في نوادر ابن سماعة عن محمد - رحمه الله تعالى - إذا شك في أنه طلق واحدة أو ثلاثا فهي واحدة حتى يستيقن أو يكون أكبر ظنه على خلافه الخ(الفتاوى العالمگيريه ۳۶۳/۱)

شیطان کی طرف سے دل میں ڈالے جانے والے وسویہ یمین کے جواب میں ہاں جاز بان سے کہنے کے باوجود یمین منعقد نہیں ہوئی نیز ایک مدت گزرنے کے بعد اب یہ شک پیدا ہوتا ہے کہ الفاظ طلاق زبان سے ادا کیے تھے یا دل میں وسوسہ آیا تھا اس سے بھی یمین منعقد نہیں ہوگی اور طلاق بھی واقع نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

باب العدة

عدت کی مصلحت اور اس کے احکام

سوال: ① طلاق کی عدت اور وفات کی عدت ہر دو کی مدت بیان فرماویں؟
② عورت کے لیے طلاق کی عدت کا اجراء کب ہوتا ہے؟ نیز وفات کی عدت کب سے شروع ہوتی ہے؟
③ عورت کے لیے عدت گزارنے کے ٹھکانے (مسکن) بالترتیب بیان فرماویں

کہ اگر ایک میسر نہ ہو تو دوسرا اختیار کرے؟

④ دونوں عدتوں کے احکام یکساں ہیں یا الگ الگ؟ نیز احکام کی وضاحت فرمادیں۔

⑤ بعض علاقوں میں عورت عدت ہی نہیں گزارتی خصوصاً مطلقہ عورت کا گھر میں ٹکے رہنا امر مشکل ہو گیا ہے، جناب والا فرمائیں کہ کن کن وجوہات کی بنا پر عدت والی خاتون گھر سے باہر نکل سکتی ہے؟

⑥ آج کل جیسا ہی طلاق کا واقعہ بنا اکثر کورٹ کچہری کے چکر شروع ہو جاتے ہیں، ایسی صورت میں کیا عدت گزارتی عورت کورٹ کچہری جاسکتی ہے اور وہاں بے حجابانہ گفتگو کرسکتی ہے؟ تشریح فرمائیں۔

⑦ زید کا انتقال شنبہ کے روز ہوا؛ مگر اس کی بیوی کو جمعہ کے دن اطلاع ملی تو اب عدت کی مدت جمعہ سے شروع کی جائیگی یا شنبہ (چھ دن پہلے) سے شمار ہوگی؟

⑧ بکر اور اس کی بیوی گاؤں میں رہتے ہیں اس کے تین لڑکے مع اپنے اہل و عیال کے ممبئی میں رہتے ہیں، بکر کا انتقال ہو چکا ہے، تو اب اس کی بیوی تن تنہا گاؤں کے مکان میں عدت گزارے یا پھر اپنے لڑکوں کے پاس جا کر گذارے؟ جب کہ کچھ عزیزوں کی موجودگی میں اس نے گاؤں والے مکان میں پندرہ سولہ روز گزار لیے ہوں، اور فی الحال سب اعزہ اپنے اپنے گھر چلے گئے ہوں؟ جو عدت کے دن اس نے گاؤں میں گزارے وہ بھی عدت میں شمار ہوں گے یا ممبئی جا کر از سرِ نو عدت میں بیٹھے؟

⑨ ہندہ اور اس کے شوہر حج کے لیے ساتھ گئے ہوں، شوہر کا انتقال منیٰ میں ہو گیا۔ اب ہندہ اپنے حج کے ایام پورے کرے یا فوراً وہاں سے واپس ہو کر اپنے

وطن پہنچ کر عدت میں بیٹھ جائے؟

⑩ عائشہ ایک شہر میں رہتی ہے، دوسرے شہر سے اس کے شوہر نے طلاق نامہ بھیج دیا جس پر اسلامی تاریخ کے بجائے انگریزی تاریخ ۱۳ جون ۲۰۰۳ء تحریر تھی، وہ طلاق نامہ بہ ذریعہ ڈاک جس کی بدنظمی پوشیدہ نہیں ۹/جولائی ۲۰۰۳ء کے روز عائشہ کو موصول ہوا۔ اب وہ اپنی عدت کی مدت کب سے کب تک گزارے وضاحت فرمادیں؟

⑪ ہماری برادری میں وفات کی عدت ساڑھے چار مہینے (یعنی چار ماہ اور پندرہ دن پورے) شمار کی جاتی ہے۔ اگر کوئی عدت اس سے ایک دو روز پہلے گھر سے باہر نکلی تو اسے معیوب سمجھا جاتا ہے اور یہ مدت وفات کے کچھ روز بعد طے کرلی جاتی ہے، اور اس کے اختتام پر فاتحہ دلانا، برادری کی بعض عورتوں کا اس بیوہ کے پاس آنا اور اپنے اپنے گھر بلا کر اس کی دعوت کرنا خصوصاً میکہ والوں کا اُس دن آکر اپنے یہاں لے کر جانا، نیا دوپٹہ بیوہ خاتون کو اوڑھانا؛ کیا ان رسومات کو کرنا شرعاً ضروری ہے؟ اگر بعض رسومات خلاف شرع نہ ہوں؛ مگر برادری میں رواج پذیر ہوگئے ہوں تو آیا ان کو انجام دینے میں شرعاً کوئی قباحت ہوگی؟

⑫ بیوی کو طلاق دینے کے بعد شوہر اس کے اپنے مکان میں عدت نہ گزارنے دے کہ آج کل ایک دوسرے پر اعتماد کا فقدان ہے، شاید عورت اپنی عدت کے درمیان شوہر کے مکان پر قبضہ جمالے اور ایسے واقعات بنتے بھی ہیں، اس لیے اگر شوہر انکار کردے تو کیا وہ گنہگار ہوگا؟

⑬ عدت کے درمیان صراحۃً یا کنایۃً اگلے نکاح کا ذکر عورت سے اس کے والی وغیرہ اگر کردیں تو آیا یہ شرعاً جائز ہے یا پوری مدت گزرنے تک مطلق تذکرہ نہ کیا جائے؟

⑭ آخر میں مفتی صاحب محترم! عدت کے چند منافع و مصلحتیں ارقام فرمادیں؛ تاکہ دورِ جدید کی بعض خواتین کے قلوب مطمئن ہوجائیں جو عدت کو اپنی آزاد خیالی میں مخل اور وقت کو ضائع کرنے والا فعل بتلایا کرتی ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اگر میاں بیوی میں تنہائی اور خلوت ہو تو اس سے پہلے ہی طلاق کی نوبت آئی تو اس صورت میں عورت پر کوئی عدت واجب نہیں؛ البتہ اگر خلوت وتنہائی سے پہلے شوہر کا انتقال ہوگیا تو عدت واجب ہے، خلاصہ یہ کہ عدتِ طلاق میں، خلوت وتنہائی یا صحبت شرط ہے جب کہ عدتِ وفات میں یہ شرط نہیں۔

عورت اگر حمل سے ہے تو اس کی عدت، وضعِ حمل یعنی بچہ پیدا ہونے تک ہے چاہے عدتِ طلاق ہو یا عدتِ وفات، چاہے بچہ کی پیدائش طلاق و وفات کے فوراً بعد ہو یا ایک زمانہ گزرنے کے بعد۔ عورت اگر حمل سے نہیں ہے تو اس کی عدتِ وفات چار مہینہ دس دن ہے چاہے اس کو حیض آتا ہو یا نہ آتا ہو، اور اگر عورت حمل سے نہیں ہے اور اس پر طلاق واقع ہوئی تو اگر اس کو حیض آتا ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے، اور کم عمر ہونے کی وجہ سے یا عمر کی زیادتی کی وجہ سے حیض نہیں آتا تو اس کی عدت ۳ر مہینہ ہے۔

② طلاق کی عدت، طلاق دینے کے بعد سے فوراً شروع ہوجاتی ہے چاہے عورت کو طلاق دینے کا علم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ وفات کی عدت شوہر کی موت واقع ہوتے ہی فوراً شروع ہوجاتی ہے چاہے عورت کو شوہر کی وفات کا علم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔

③ طلاق واقع ہوتے وقت یا شوہر کی موت کے وقت جس گھر میں دونوں

رہائش پذیر تھے، اسی گھر میں عدت گذارنا ضروری ہے چاہے وہ مکان ذاتی ملک ہو یا کرایہ کا ہو، یا کسی نے عاریۃً رہنے کے لیے دیا ہو؛ البتہ اگر عدتِ وفات کرایہ کے مکان میں واجب ہوئی اور عورت اس کا کرایہ ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتی، اس کے پاس اتنا مال موجود نہیں جس سے کرایہ ادا کر سکے، تو اس صورت میں قریب تر مکان میں جہاں کی استطاعت ہو جاسکتی ہے۔ اسی طرح اگر عدتِ وفات عاریت کے مکان میں واجب ہوئی اور مالکِ مکان عدت پوری ہونے تک اس عورت کو اس مکان میں رہنے دینے پر آمادہ نہیں، تو قریب تر مکان میں منتقل ہوسکتی ہے۔ یہ صورتیں عدتِ طلاق میں پیدا نہیں ہوگی؛ اس لیے کہ عدتِ طلاق میں مکان کی ذمہ داری شوہر پر ہے۔

④ بہشتی زیور میں ہے: مسئلہ: جس عورت کو طلاق رجعی ملی ہے اس کی عدت تو فقط یہی ہے کہ اتنی مدت تک گھر سے باہر نہ نکلے، نہ کسی اَور مرد سے نکاح کرے، اس کو بناؤ سنگار وغیرہ درست ہے، اور جس کو تین طلاقیں مل گئیں یا ایک طلاقِ بائن ملی، یا اَور کسی طرح سے نکاح ٹوٹ گیا، یا مرد مر گیا؛ ان سب صورتوں کا حکم یہ ہے کہ: جب تک عدت میں رہے تب تک نہ تو گھر سے باہر نکلے، نہ اپنا دوسرا نکاح کرے نہ کچھ بناؤ سنگار کرے؛ یہ سب باتیں اس پر حرام ہیں، اس کا بناؤ سنگار نہ کرنے اور میلے کچلے رہنے کو ''سوگ'' کہتے ہیں۔

مسئلہ: جب تک عدت ختم نہ ہو، تب تک خوشبو لگانا، کپڑے بسانا، زیور گہنے پہننا، پھول پہننا، سرمہ لگانا، پان کھا کر منہ لال کرنا، مسی ملنا، سر میں تیل ڈالنا، کنگھی کرنا، مہندی لگانا، اچھے کپڑے پہننا، ریشمی اور رنگے ہوئے بہاردار کپڑے پہننا؛ یہ سب باتیں حرام ہیں، البتہ اگر بہاردار نہ ہوں تو درست ہے چاہے جیسا رنگ ہو، مطلب یہ

ہے کہ زینت کا کپڑا نہ ہو۔ (اختری بہشتی زیور، چوتھا حصہ ۳۱)

مسئلہ: سوگ کرنا اسی عورت پر واجب ہے جو بالغ ہو، نابالغ لڑکی پر واجب نہیں، اس کو یہ سب باتیں درست ہیں؛ البتہ گھر سے نکلنا اور دوسرا نکاح کرنا اس کو بھی درست نہیں۔ (حوالہ بالا)

کسی بھی طرح کی عدت کے زمانہ میں معتدہ کو پیغام نکاح بھیجنا جائز نہیں؛ البتہ وفات کی عدت گذارنے والی خاتون سے نکاح کی تعریض (نہ کہ تصریح) جائز ہے، اسی طرح وطی بالشبہ یا نکاح فاسد میں وطی کی عدت گزارنے والی خاتون جو دوسرے کی منکوحہ نہ ہو، اس سے نکاح کی تعریض جائز ہے۔ (مجموعہ قوانین اسلامی ۲۱۶)

⑤ عدت دراصل اس مدت کو کہتے ہیں جو آثارِ نکاح کے ختم ہونے کے لیے شریعت نے عورت کے واسطے مقرر کی ہے۔

وعرفها فی البدائع: باذها اجل ضرب لانقضاء مابقی من آثار النکاح. (شامی باب العدة)

اس مدت کے دوران اس عورت کے لیے شریعت مطہرہ کی طرف سے کچھ پابندیاں عائد کی گئی ہیں، انہی پابندیوں میں سے ایک یہ ہے کہ: دورانِ عدت وہ عورت عدت والے مکان سے باہر نہ نکلے، پس اگر کوئی عورت دورانِ عدت مکان سے باہر نکلتی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ عدت نہیں گذارتی؛ اس لیے کہ عدت اس مدت کا نام ہے جو مقرر کی گئی ہے، اور وہ مدت بہر حال گزر رہی ہے چاہے عورت گھر میں رہے یا گھر سے باہر نکلے۔ ہاں! اگر وہ بلا عذر شرعی باہر نکلتی ہے تو گنہگار ٹھہرتی ہے؛ لیکن اس کے باوجود وہ عدت میں ہے اور عدت گزار رہی ہے، یوں نہیں کہا جاسکتا کہ عدت نہیں

گذار رہی ہے؛ اس لیے اس صورتِ حال کو عدت نہ گزارنے سے تعبیر کرنا درست نہیں، دراصل بہت سے لوگوں کو عدت کے احکام ہی معلوم نہیں تو پھر ان پر عمل کیسے ہوگا! جو عورت طلاق کی عدت گزار رہی ہے اس کو گھر سے باہر نکلنا نہیں چاہیے، یہ اس عورت کو معلوم ہی نہیں اور اس کے اولیاء وسرپرست بھی اس مسئلہ سے ناواقف ہیں تو پھر وہ کیسے عمل کرے گی!!۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ عدت کے دوران کن کن وجوہات کی بنا پر وہ گھر سے باہر نکل سکتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عدتِ وفات میں اگر عورت کے لیے نفقہ یعنی گزر بسر کا انتظام نہیں ہے یا اس کی جائیداد کی دیکھ ریکھ رکھنے والا کوئی نہیں ہے، تو بقدر ضرورت گھر سے باہر نکل سکتی ہے؛ لیکن رات بہر صورت اسی گھر میں گذارنا ضروری ہے، یہ حکم عدتِ وفات گذارنے والی عورت کے لیے ہے، جو عورت عدتِ طلاق گذار رہی ہو چوں کہ اس کا نفقہ طلاق دینے والے شوہر پر ہے؛ اس لیے اس کے لیے یہ حکم نہیں۔ اسی طرح جائیداد کی دیکھ بھال کے لیے اس کو نکلنے کی ضرورت نہیں۔

جس مکان میں اس پر عدت واجب ہوئی وہ کرایہ کا مکان تھا اور معتدہ اس کا کرایہ ادا نہیں کرسکتی ہے، یا وہ مکان شوہر کا ترکہ بن کر وارثوں میں تقسیم ہوا اور معتدہ کا حصہ اس کی رہائش کے لیے کافی نہیں، یا جس مکان میں عدت گذارنا ضروری تھا وہ مکان منہدم ہوگیا، یا اس کے انہدام کا خطرہ پیدا ہوگیا، تو ایسی مجبوری کی صورت میں معتدہ مکان سے نکل سکتی ہے۔ اب اگر وہ معتدۂ وفات ہے تو اپنی پسند کی دوسری قریبی جگہ میں منتقل ہوجائے گی، اور معتدۂ طلاق ہے تو طلاق دینے والا شوہر ہی مکان پسند کرے اس میں منتقل ہوگی، اور یہ دوسرا مکان پہلے کے حکم میں ہوگا، یعنی اب اس دوسرے

مکان سے نکلنا اس کے لیے اسی طرح ممنوع ہوگا جیسا پہلے مکان سے نکلنا ممنوع تھا۔

معتدۂ وفات کو اگر اپنی جان یا مال یا عزت پر خطرہ ہو تو دوسرے قریبی مکان میں عدت گذار سکتی ہے۔

معتدۂ طلاق یا وفات اگر بیمار ہے اور ڈاکٹر کو گھر پر بلایا نہ جاسکتا ہو اور بیماری بھی معمولی نہیں؛ بلکہ شدید ہو تو ایسی مجبوری میں ڈاکٹر کے پاس جانا جائز ہے۔

⑥ طلاق کا واقعہ پیش آنے کے بعد کورٹ کچہری کے جو چکر شروع ہوجاتے ہیں، غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ وہ عورت کی طرف سے ہوتے ہیں، عموماً طلاق دینے والے شوہر پر کوئی الزام لگا کر اس کو پریشانی میں ڈالنا مقصود ہوتا ہے، اور اسی کے لیے یہ صورت اختیار کی جاتی ہے، جب یہ عورت کی طرف سے ہوا تو معلوم ہوا کہ اگر یہ نہ چاہتی تو اس کی نوبت نہ آتی؛ اس لیے اس کا یہ نکلنا شرعاً گناہ اور ناجائز ہے۔ ہاں اگر کورٹ کچہری کے ان چکروں میں عورت کے کسی اختیار کو دخل نہ ہو، اور حاکم کی طرف سے کچہری کی حاضری ایسی لازم قرار دی جائے کہ حاضر نہ ہونے کی صورت میں جانی یا مالی نقصان اٹھانا پڑتا ہو، تو بقدر ضرورت نکلنے کی گنجائش ہوگی۔

رہی بے حجابانہ گفتگو، تو وہ عورت کے لیے بہر حال ممنوع اور ناجائز ہے، چاہے وہ عدت گذار رہی ہو یا نہ گذار رہی ہو، پردہ کی رعایت کرتے ہوئے بھی اپنی ضرورت پوری کی جاسکتی ہے۔

⑦ عدتِ وفات کی شروعات تو شوہر کی موت سے ہی ہوجاتی ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں جب زید کا انتقال شنبہ کے روز ہوا تو عدت کی شروعات بھی اسی وقت سے ہوچکی؛ البتہ زید کی بیوہ کو اپنے شوہر کی موت کی اطلاع جمعہ کے دن یعنی چھ روز بعد

ہوئی، تو جب سے اس کو اطلاع ملی وہ عدت والی پابندیاں شروع کردے گی، اور اب تک اطلاع نہ ہونے کی وجہ سے ان پابندیوں کی جو رعایت نہ ہوسکی وہ معاف ہے۔

⑧ شوہر بکر کی موت کے وقت اس کی بیوی جس مکان میں رہتی تھی اسی میں پوری عدت گذارنا واجب ہے، صورتِ مسئولہ میں گاؤں والا مکان جس میں شوہر کی وفات کے وقت اس کی رہائش تھی، اسی مکان میں عدت کے دن پورا کرنا عورت کے لیے ضروری ہے، صرف تنہائی اس مکان کو چھوڑنے کے لیے عذر نہیں بن سکتی۔ ہاں! تنہائی کی وجہ سے جان یا عزت یا مال پر خطرہ ہو، یا اکیلی ہونے کی وجہ سے سخت وحشت ہوتی ہو، تو دوسرے کسی قریبی مکان میں عدت گذار سکتی ہے۔ عموماً دیہاتوں میں امن وامان کی فضا ہونے کی وجہ سے تنہا رہتے ہیں، جان یا عزت یا مال پر کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا، پوری بستی میں اس طرح تنہا رہنے والی بیوہ یا متروکہ عورتیں ہوتی ہی ہیں؛ اس لیے بکر کی عورت کے لیے اس مکان کو چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ بکر کے تینوں لڑکے جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ ممبئی میں رہتے ہیں، ان کو چاہیے کہ باری باری کچھ دن والدہ کے ساتھ گذارنے کی ترتیب بنائیں، اور اگر خدانخواستہ وہ ایسا کوئی نظام نہیں بناتے اور تنہائی کی وجہ سے واقعۃً جان یا عزت یا مال پر خطرہ لاحق ہے، یا اکیلی ہونے کی وجہ سے سخت وحشت (وخوف) محسوس کرتی ہے، اور گاؤں کی عورتوں میں سے بھی کوئی اس مکان میں اس کے ساتھ رہنے کے لیے تیار نہیں؛ (اس لیے کہ عام طور پر گاؤں میں ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جو اس قسم کی عدت والی یا بیمار عورت کے ساتھ رہ کر اس کے لیے انس کا سبب بنتی ہیں، اگر ایسی عورت بھی کوئی نہ ہو) تو اس صورت میں بھی بکر کی بیوہ کے لیے ضروری ہے کہ دوسرے کسی قریب مکان میں جہاں یہ صورتیں

لاحق نہ ہوں، عدت گذارے، گاؤں چھوڑ کر ممبئی جانے کی کسی حالت میں اجازت نہیں، اس کے باوجود اگر وہ گئی تو گنہگار ہوگی؛ لیکن ممبئی جا کر جس مکان میں رہائش اختیار کرے عورت کے بقیہ دن تمام پابندیوں کے ساتھ وہیں گذارے، از سر نو عدت شمار کرنے کی ضرورت نہیں۔

⑨ اگر شوہر کا گھر مکۂ مکرمہ سے مسافتِ سفر سے کم ہو تو شوہر کے گھر آ کر عدت گذارے، اور اگر مسافتِ سفر سے زیادہ ہو تو جائے اقامت ہی میں عدت پوری کرے؛ البتہ اگر قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے جائے اقامت میں عدت پورا کرنا ممکن نہ ہو تو اپنے وطن شوہر کے گھر میں پہنچ کر عدت پوری کرے۔

⑩ چوں کہ عائشہ کو اس کے شوہر نے طلاق نامہ بھیجا ہے، اور اس پر طلاق کی عدت لازم ہوئی ہے؛ اس لیے شوہر نے جس وقت طلاق نامہ لکھا اسی وقت سے عائشہ کی عدت طلاق شروع ہو چکی ہے، اگر وہ حیض والی ہے تو اس کے بعد سے جو حیض شروع ہوا وہ پہلا حیض شمار ہوگا، اس کے بعد دوسرا اور تیسرا حیض گذار کر عدت پوری ہوگی، اور اگر بڑی عمر ہونے کی وجہ سے حیض کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے تو طلاق لکھنے کے وقت سے تین مہینے عدت شمار ہوگی، اگر اسلامی مہینے کی پہلی تاریخ کو طلاق لکھی گئی تھی تو تین مہینے چاند کے حساب سے پورے کرنا ہوں گے؛ ورنہ دنوں کے حساب سے نوے دن شمار ہوں گے۔

⑪ عدتِ وفات اگر عورت حاملہ نہیں ہے تو چار مہینے دس دن ہے، اس میں کمی بیشی کی ہرگز اجازت نہیں، برادری والوں کا عدت وفات ساڑھے چار مہینے شمار کرنا اور اس سے ایک دو روز پہلے اگر عورت گھر سے باہر نکلتی ہے۔ (بہ شرطے کہ شریعت کی مقرر کردہ

عدت پوری ہو چکی ہو تو) عدت بھی وفات کے کچھ روز بعد طے کی جاتی ہے، یہ بھی صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ عدتِ وفات کی شروعات شوہر کی موت سے ہی خود بخود ہو جاتی ہے، تو وفات کے کچھ روز بعد طے کرنا کیا معنیٰ رکھتا ہے!۔

عدتِ وفات کے مقررہ دن پورے ہونے کے بعد فاتحہ دلانا یا برادری کی عورتوں کا بیوہ کے پاس آنا، اور اپنے اپنے گھر لے جانا یا نیا دوپٹہ بیوہ کو پہنانا؛ یہ تمام چیزیں رسوم کی قبیل سے ہیں جن کا چھوڑنا ضروری اور لازم ہے، ایسی رسوم کی پابندی اللہ تعالیٰ کی نگاہوں میں ناپسندیدگی اور مبغوضیت کا ذریعہ ہے، حدیث میں اس پر سخت وعید آئی ہے۔

(۱۲) جس عورت کو اس کے شوہر نے طلاق دی ہو اس کو عدت اسی مکان میں گذارنا ضروری ہے جہاں پر وہ بوقتِ طلاق اپنے خاوند کے ساتھ رہائش پذیر تھی۔ اب اگر شوہر نے طلاقِ رجعی دی ہے تب تو دونوں کے درمیان کوئی حائل اور پردہ کرنا ضروری نہیں؛ لیکن اگر شوہر نے ایک یا دو طلاق بائن دی ہے یا تین طلاقیں دی ہیں تو میاں بیوی کے درمیان کوئی حائل یعنی پردہ کرنا ضروری ہے؛ تاکہ خلوت میں دونوں کا اجتماع نہ ہو، اگر ایک مکان میں رہنے سے گناہ میں ابتلا کا اندیشہ ہو تو کوئی ایسی عورت ساتھ رہے جو دونوں کو الگ رکھنے پر قادر ہو، اگر ایسا نہ ہو سکے تو شوہر پر واجب ہے کہ عدت ختم ہونے تک اس مکان کو چھوڑ دے، کسی دوسرے مکان میں رہے، اگر اس کو اس پر مجبور نہ کیا جا سکتا ہو تو بیوی یہ مکان چھوڑ کر کسی دوسرے مکان میں عدت گذارے۔

(از: احسن الفتاویٰ)

عدتِ طلاق کے دوران عورت کے سکنیٰ کی ذمہ داری شوہر پر ہے، اس لیے شوہر کے لیے دورانِ عدت اپنے مکان سے نکالنے کی اجازت نہیں سخت گنہگار ہوگا۔

⑬ جو عورت وفات کی عدت گذار رہی ہے اس کو اگر کنایۃً واشارۃً پیغامِ نکاح دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں، مثال کے طور پر پیغام دینے والا یوں کہے کہ: کوئی مناسب عورت میسر آجائے تو میرا ارادہ نکاح کا ہے، اور اس کے جواب میں عورت یوں کہے کہ: آپ کی بات میں نے سن لی؛ لیکن صراحۃً پیغام نکاح دینا درست نہیں۔ اور جو عورت طلاق کی عدت گذار رہی ہے اس کو صراحۃً ہو یا کنایۃً پیغامِ نکاح دینا یا اگلے نکاح کا تذکرہ کرنا جائز نہیں؛ البتہ وہ شوہر جس نے طلاق دی ہے خواہ رجعی یا بائن (ایک یا دو)، اُس کے لیے عدت کے اندر ہی رجوع یا نکاح کرنے کا اختیار رہتا ہے۔

⑭ ''اسلام کا مکمل نظامِ طلاق'' نامی کتاب کے مصنف تحریر فرماتے ہیں: ''عدت کے مسائل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے طلاق کے بعد عورت کو بے سروپا نہیں چھوڑ دیا ہے؛ بلکہ اس کے لیے قوانین مرتب کئے ہیں کہ جس کا سہارا لے کر عورت اپنے ہر جائز حق کا حصول اس کی باعزت طریقہ پر کرسکتی ہے؛ کیوں کہ مرد کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ طلاق کے بعد بیوی مطلقہ کو فوراً گھر سے نہ نکالے؛ بلکہ عدت تک اس کے کھانے پینے، رہنے سہنے کے سارے انتظامات کرنا شوہر کا فرض ہوتا ہے، اگر عورت نہ رہنا چاہے جب بھی اس کو عدت کا نفقہ مہر اور اگر چاہے تو کچھ زائد ہی دے کر رخصت کرے تاکہ اس کا سرمایہ سے عورت اپنے آپ کو سہارا دے سکے حقیقت یہ ہے کہ شریعت کا یہ حکم طلاق دینے کے لیے ہے، خواہ صحیح طریقہ پر طلاق دے یا غلط طریقہ پر، ضروری اخراجات کی ادائیگی اس کے لیے فرض ہے؛ البتہ عدت مختلف قسم کی ہوتی ہے، لہٰذا اسی کے اعتبار سے اس کا نفقہ عدت واجب ہوگا، اور جو عورت بغیر ہمبستری کے مطلقہ ہوگئی ہے یعنی شادی کے بعد ہی فوراً قبل الدخول طلاق دے ڈالا گیا، تو اس

کے لیے نصف مہر ہے، اور اگر مہر متعین نہیں کیا تھا تو اس کے لیے متاع ہے۔ متاع کی تفسیر میں علما کا اگرچہ اختلاف ہے؛ مگر صحیح قول یہی ہے کہ شوہر اپنی وسعت کے مطابق اتنا دے جس سے مطلقہ خوش ہوجائے؛ البتہ شرعاً اس کی کوئی مقدار خاص متعین نہیں ہے۔ جوڑے کے سلسلہ میں مشہور ضرور ہے اور وہ بھی شوہر کے لحاظ سے دیا جائے گا۔

عدت کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مرد اگر غصہ میں نادانی کی وجہ سے کسی ایسی بات پر جس پر طلاق کا ترتب نہیں ہوتا، طلاق دے بیٹھتا ہے، تو بعد میں ندامت ہوتی ہے، چناں چہ ایک یا دو رجعی کے وقت تو عدت کے اندر اسے رجعت کا ہر وقت موقع رہتا ہے، بائن بھی ہو تو زن وشوہر اسی عدت کے ایام میں اپنے ماضی کی غلطی پر اظہارِ ندامت کرکے دوبارہ نکاح کے ساتھ رجوع کرسکتے ہیں، اگر عدت کے ایام یا اس کا وقفہ نہ ہوتا تو مرد کے لیے بھی اور عورت کے لیے بھی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا اور پھر رجوع کا کوئی موقع نہ ہوتا، اللہ کا بڑا احسان ہے کہ عدت کا وقفہ دے کر زن وشوہر کو سوچ کر باہم ملنے کا موقع دیا۔ عدت کے باب میں یہ بات بھی اہم ترین شمار کی جاتی ہے کہ عدت سے نسب کی حفاظت ہوتی ہے، شریعت نے نسب کی حفاظت کرنے اور اس کو اختلاط سے بچانے میں حد درجہ احتیاط سے کام لیا ہے؛ تاکہ اس سے صحیح اور بہترین معاشرہ تیار ہوسکے؛ کیوں کہ اس کا معاشرہ پر بھی بڑا اثر پڑتا ہے، استبراء رحم اسی نقطہ نظر کی صحیح ترجمانی ہے۔ چناں چہ تین حیض کی مقدار کا فلسفہ بھی اسی کی غمازی کرتا ہے۔ (اسلام کا مکمل نظام طلاق ۱۹۲، ۱۹۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۸/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

حاملہ کی عدت

سوال: زید بیرون ملک بغرض معاش گیا ہے، اس کی غیر موجودگی کی وجہ سے اس کی اہلیہ کے اجنبی شخص عمرو سے ناجائز تعلقات پیدا ہوئے، اور اس کے نتیجہ میں زید کی اہلیہ حاملہ ہوئی، زید کو اس بات کا علم ہوا؛ لہٰذا زید نے طلاق دیدی، اور اب عمرو اپنی ناجائز طریقہ کی حاملہ عورت سے قبل از عدت نکاح کرنا چاہتا ہے، تو شرعِ اس کی اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ جب کہ عمرو اپنی حرام کاری کے نتیجہ میں اپنے قرار شدہ نطفہ کو لفظ ہاں میں گردانتا ہے؛ نیز یہ عمل زید کے جانے کے بعد ایک طویل مدت سے ہوا ہے اور ہاں وجودِ ولدِ حرام کے بعد اسے کس کی طرف منسوب کریں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید نے جس وقت طلاق دی، اس وقت اس کی بیوی حاملہ تھی تو اس کی عدت وضعِ حمل ہے۔

لقوله تعالیٰ ﴿واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن﴾(الطلاق)

وفی حق الحامل مطلقا ولو امة او كتابية او من زنا، بان تزوج حبلى من زنا ودخل بها ثم مات او طلقها تعتد بالوضع، جواهر الفتاوىٰ وضع جميع حملها الخ (درمختار على الرد ٢/ ٦٥٦،٦٥٥)

عدت مکمل ہونے سے پہلے عمرو کا اس عورت کے ساتھ نکاح کرنا درست نہیں ہے۔

والسادس: المحرمة لحق الغير كمنكوحة الغير ومعتدته (بحر الرائق ٣ / ٩٨)

وقوعِ طلاق کے دو سال کے اندر اندر اگر بچہ پیدا ہوا تو اس کی نسبت زید کی طرف کی جائے گی، اور اگر پورے دو سال یا اس کے بعد ہوا اور زید نے طلاق بائن دی تھی

تو بچہ کی نسبت زید کی طرف نہ ہوگی، اور اگر طلاق رجعی دی تھی اور عورت نے ختمِ عدت کا اقرار نہیں کیا ہے، تو پورے دو سال یا اس کے بعد بھی بچہ کی نسبت زید کی طرف ہوگی۔ (کما فی الدر المختار علی ھامش الشامی؟/ ٦٧٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شوہر کا انتقال سابق وطن میں ہو تو عدت کہاں گزارے؟

سوال: شوہر اور اس کی اہلیہ دونوں ہر وقت بمبئی میں رہتے ہیں، ان کا سب کاروبار بمبئی میں ہے، کبھی کبھار وہ پالنپور بھی چلے جاتے ہیں، ان کا صرف پالنپور کے اندر گھر ہے، اب یہ دونوں (شوہر اہلیہ) بمبئی سے پالنپور جاتے ہیں، اور پالنپور کے اندر شوہر کا انتقال ہو جاتا ہے، تو اہلیہ عدت کہاں گزارے گی؟ عورت کو پالنپور کے اندر بہت سی دشواریاں ہیں، تب عورت عدت پالنپور میں گزارے گی یا بمبئی میں آکر گزارے گی؟ جواب کا طلب گار ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس عورت کے لیے پالنپور ہی میں عدت گزارنا ضروری ہے۔ (درمختار شامی ۲/ ٦٧٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

عدت میں نکاح وتداخلِ عدت

سوال: عبدالرحمن نے اپنی بیوی اربع خاتون کو ۳۰/ شعبان ۱۴۲٦ھ کو طلاق دی، اور مولوی عبدالمجید نے اربع خاتون کا نکاح ۱۵/ شوال ۱۴۲٦ھ کو عبداللطیف

کے ساتھ کر دیا (عدت ختم ہونے سے پہلے) تو کیا عدت پوری ہونے سے پہلے نکاح کر دینا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، دوسرے خاوند نے اگر جماع کیا ہے تو اس پر مہرِ مثل اور مہر مقرر میں سے اقل واجب ہے، اور عورت پر عدت اولیٰ کے ساتھ دوسرے خاوند کی عدت بھی ہوگی؛ مگر دونوں عدتوں میں تداخل ہوگا، عدت اولیٰ گذرنے کے بعد اگر عورت اسی خاوند سے نکاح کرنا چاہے جس سے نکاح فاسد ہوا ہے تو عدتِ ثانیہ گزرنے سے پہلے بھی ہوسکتا ہے؛ البتہ اگر کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے گی تو دونوں عدتوں کا گزارنا لازم ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۵/ ۱۸) والدلیل فیہ. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عدت میں نکاح صحیح نہیں

سوال: عبدالرحمن نے اپنی بیوی اربعہ خاتون کو ۳۰/ شعبان ۱۴۲۶ھ شبِ بدھ بعد نماز مغرب طلاق دی، اور مولوی عبدالمجید صاحب نے اربعہ خاتون کا نکاح ۲۲/ شوال ۱۴۲۶ھ شبِ جمعہ بعد نمازِ عشاء عبداللطیف کے ساتھ کر دیا (عدت پوری ہونے سے پہلے) اور عدت میں نکاح صحیح نہیں ہوتا، جناب مفتی صاحب ساٹھ فیصد میرا دل اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ مولوی عبدالمجید صاحب نے اربعہ خاتون کا نکاح ۲۲/ شوال کو پڑھایا، مولوی عبدالمجید نکاح پڑھانے کی کوئی تاریخ نہیں بتاتے ہیں، کیا شریعت

میں اس کا کوئی فیصلہ ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

طلاق کی عدت تین حیض ہے، اگر حاملہ ہو تو وضعِ حمل عدت ہے، عدت گذرنے سے پہلے نکاحِ ثانی جائز نہیں، تین حیض کم سے کم ساٹھ دن میں آسکتے ہیں، اگر عورت یہ کہے کہ میری عدت گذر چکی یعنی تین حیض آگئے اور ساٹھ روز بھی پورے ہو چکے ہیں جن میں تین حیض آنے کا احتمال بھی ہے تو شرعاً اس کا قول معتبر مان لیا جائے گا، اور نکاحِ ثانی درست ہوگا، اگر طلاق کے بعد ساٹھ دن گذر گئے؛ مگر اس کو تین حیض نہیں آئے تو یہ محض ساٹھ دن کا گذر جانا اس کی عدت کے لیے کافی نہیں، اور اس کا نکاح معتبر نہیں ہوگا، فوراً دوسرے شخص سے اس کو علیحدہ کر دیا جائے، تین حیض پورے ہونے کے بعد دوبارہ نکاح کیا جائے۔

قال الله تعالیٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ وقال الله تعالیٰ: ﴿ولا تعزموا عقدة النكاح حتى تبلغ الكتاب اجله﴾ وقال الله تعالیٰ: ﴿واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن﴾ ومن قالت انقضت عدتی بالحيض فالقول لها مع اليمين ان مضى عليها ستون يوما، عند الإمام كل حيض عشرة وكل طهر خمسة عشر درمختار كذا فی الخانية (مجمع الأنهر ۱/ ٤٧٧) (فتاویٰ محمودیہ ۱۳ / ۳۲۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱ / جمادی الاخریٰ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عدت کب شروع ہوگی؟ جہیز کے سامان کا حکم

سوال: میری لڑکی کی شادی ہوئے چار سال چھ مہینے ہو گئے ہیں، ایک لڑکا بھی ۳/ سال کا ہے، اب اس کا شوہر اس کو طلاق دینا چاہتا ہے جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ بیوی اس کو پسند نہیں ہے، باپ نے زبردستی قصداً اس کا نکاح کروایا ہے، حالاں کہ اس نے خود نکاح کے وقت اپنی مرضی سے نکاح کیا تھا اور خوش تھا، اب بھی ۹/ مہینے سے لڑکی اپنے ماں باپ کے ساتھ ہے، اور شوہر سے اس کا کچھ بھی تعلق نہیں ہے، اور بات بھی نہیں کرتا ہے تو اس لڑکی کو طلاق کے بعد عدت گزارنی ہوگی؟

اور کیا اس بچہ کا خرچ ہم لے سکتے ہیں؟ اور ہم نے سامان وغیرہ جہیز کے روپ میں دیا تھا جو انہوں نے مانگا تھا اس سامان کو استعمال کر کے توڑ دیا ہے؛ لیکن آدھا سامان ان کے پاس موجود ہے، کیا لڑکی اس کی قیمت وصول کر سکتی ہے؟ اور مہر نقد دے دی تھی۔ کیا اگر وہ کچھ بھی دینے سے انکار کرے تو ہم عدالت میں کیس کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عدت کی شروعات طلاق دینے کے بعد سے ہوا کرتی ہے چاہے طلاق دینے سے پہلے میاں بیوی کتنی ہی طویل مدت تک ایک دوسرے سے الگ رہے ہوں پھر بھی اس مدت کا شمار عدت میں نہیں ہوگا، اس لیے آپ کی بیٹی چاہے نو مہینے سے آپ کے گھر پر موجود ہے پھر بھی جب تک اس کا شوہر اس کو طلاق نہ دے وہاں تک عدت شمار نہ ہوگی۔ آپ نے اپنی بیٹی کو جہیز کے طور پر جو کچھ دیا ہے وہ آپ کی بیٹی کی ملکیت ہے، طلاق ہونے کی صورت میں جو کچھ بھی جہیز کا مال موجود ہے وہ آپ کی بیٹی واپس

لے سکتی ہے؛ البتہ جو سامان استعمال کر کے ختم ہو گیا اس کی قیمت وصول نہیں کی جا سکتی، چھوٹا بچہ جو ہے اس پر ہونے والے ضروری مصارف اور خرچ کو شوہر سے وصول کیا جا سکتا ہے، اس سلسلے میں دو غیر جانبدار آدمیوں کو بیچ میں ڈال کر ایک مقدار بطورِ صلح مقرر کر لی جائے جس کو آئندہ شوہر سے وصول کیا جاتا رہے، مقدار مقرر ہونے کے بعد اگر شوہر اس کو ادا نہیں کرتا تو بذریعۂ عدالت بھی اس کو وصول کیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بیوہ عدت کہاں گزارے؟

سوال: یہاں ایک لڑکی شادی شدہ تھی، اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہے، مرحوم کا ایک لڑکا ہے، مرحوم شوہر کے گھر آ کر فی الحال عدت گزار رہی ہے، بیوہ اپنے ماں باپ کے گھر پر عدت گذارنا چاہے تو عدت ماں باپ کے گھر گزار سکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شوہر کے انتقال کے وقت وہ بیوہ اپنے مرحوم شوہر کے ساتھ جس مکان میں رہتی تھی اسی مکان میں عدت پوری کرنا ضروری ہے، اس سے پہلے کسی دوسری جگہ چاہے وہ اس کے ماں باپ کا مکان ہی کیوں نہ ہو منتقل نہیں ہو سکتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایام عدت میں عورت کہاں رہے؟

سوال: زید نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس عورت کے نہ والدین موجود ہیں انتقال کر گئے اور نہ اس کے رشتہ دار ہیں، وہ اکیلی ہے اور زید نے اسے طلاق دے دیا تو کیا وہ عورت زید کے گھر میں پردہ کر کے رہ سکتی ہے بغیر بات کئے ہوئے عدت تک اور زید کی کمائی کھاتی رہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عدت کے ایام کا نفقہ اور سکنی زید پر ہی واجب ہے اس لیے وہ عورت ایام عدت میں زید کے گھر ہی میں رہے گی؛ البتہ اگر زید نے اس کو طلاق بائن دی ہے تو وہ عورت اجنبیہ کے حکم میں ہے (اس لیے دونوں کے درمیان آڑ اور پردہ ہونا ضروری ہے) اور اگر مکان چھوٹا ہو یا شوہر فاسق ہو تو اس درمیان شوہر کو چاہیے کہ دوسری جگہ رہے۔ (شامی ۲/۶۷۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

علاج کے ذریعہ خون جاری کر کے عدت پوری کروانا

سوال: مسئلہ یہ ہے کہ ایک عورت چار بچوں کی ماں ہے، چوتھے بچے کی ولادت پر اس کے شوہر نے ولادت ونفاس کی مدت گذرنے کے بعد طلاقِ مغلظہ دی، اور اس عورت کی عادت یہ ہے کہ ہر بچہ کی ولادت کے بعد ڈیڑھ سال تک دم حیض آتا نہیں ہے، اب اس مرتبہ بھی یہی امکان تھا، اور مدتِ عدت کی طوالت کا اندیشہ تھا، اس لیے

اس عورت کے اگلے شوہر ہی نے اس کو ڈاکٹری علاج کروایا، اور ایسی گولیاں دلوائیں کہ پہلے مہینے میں بیس دن کے بعد حیض کا خون مکمل تین رات تک آیا، پھر دوسری مرتبہ پھر گولیاں دیں، تو دوسرے بیس دن کے بعد خون آیا اور تین رات تک مستمر رہا، پھر تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی کیا کہ گولیاں دیں اور بیس دن تک خون نہیں آیا اور پھر تین دن رات خون مستمر رہا، تو اب صورتِ مذکورہ میں عورت کی مدتِ حیض پوری ہوگی یا نہیں؟ اس کے لیے نکاحِ ثانیہ کا جواز ہوگا یا عدم جواز؟ اور اس طریقے سے خون جاری کروانا حیض کے حکم میں شمار ہوگا یا نہیں؟ اور شرعاً یہ ممنوع ہے یا مباح؟ برائے کرم تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

نوٹ: نکاحِ ثانی زوجِ اول سے نہیں؛ بلکہ دوسرے سے کرنا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں اگر تینوں مرتبہ کا خون زوجِ اول کے طلاق دینے کے بعد آیا ہے، تو اس کی عدت پوری ہوگئی، اور اب اس عورت کے لیے نکاحِ ثانی کی اجازت ہے، یہ خون حیض ہی کہلائے گا، یہ ایک طریقہ کا علاج ہے جس کی شرعاً اجازت ہے۔ (ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ ۵/ ۴۰۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بعد طلاق عدت کی رقم واپس کردے تو شوہر کیا کرے؟

سوال: میں نے اپنی عورت کو آج سے تین ماہ پہلے تین طلاق دے دی، اور مہر

بھی اس کی ادا کردی، اور عدت کا خرچ وغیرہ بھی بھیج دیا تھا، اب ان لوگوں نے قریباً ایک ماہ کے اندر مہر اور عدت کی رقم واپس کردی، اب میرے سسرال والے یہ کہتے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی، اور میں یہ کہتا ہوں کہ میں نے اپنی عورت کو تین طلاق، طلاق، طلاق دے چکا ہوں، اب اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں طلاق ہوئی کہ نہیں؟ اور یہ مہر وعدت کی رقم جو واپس کردی ہے اس کا کیا کیا جائے؟ اس کا خلاصہ شرع کے موافق جواب دیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے جب اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی، تو اب وہ اس پر واقع ہوگئی، اور آپ کی بیوی آپ پر حرام ہوئی، شرعی حلالہ کے بغیر اس کے ساتھ نکاح درست نہیں، آپ کے سسرال والوں کا یہ کہنا کہ طلاق نہیں ہوئی غلط ہے، آپ نے اس کو مہر اور عدت کی رقم دے دی تو آپ کا ذمہ بری ہوگیا، اب اگر وہ رقم دوبارہ آپ کو دے رہے ہیں تو آپ کو اختیار ہے چاہے قبول کریں یا نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بذریعہ عدالت تاحیات نفقہ کا مطالبہ

سوال: (۱) اگر اوصاف احمد اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو کیا از روئے شریعت لڑکی کے والد جو حاجی اور سید ہیں، کورٹ کے ذریعہ اس کو ماہانہ وظیفہ (عمر بھر کے لیے) وصول کر سکتے ہیں؟ کیا یہ عدت اور مہر کے علاوہ رقم ان کے لیے جائز ہے؟

② حاجی صاحب سلمہ مسلم شریعت کا سہارا لے کر اپنے بیٹے کی دوسری شادی کر سکتے ہیں؟ (پہلی بیوی کی موجودگی میں) ایسی صورت میں وہی حاجی اپنی لڑکی کے لیے انڈین نیشنل کورٹ کا سہارا لیتے ہیں اور عمر بھر کے لیے وظیفہ مانگتے ہیں، یہ کتنا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② فتاوی رحیمیہ میں ہے: مطلقہ عورت عدت کے خرچ کی حقدار ہے، دوسرے نکاح یا وفات تک کا نفقہ طلب کرنے کا حق نہیں ہے، اسلامی قانون کے مقابلہ میں حکومت کو ترجیح دینا اور اس کو پسند کرنا اور اس کے مطابق نفقہ حاصل کرنا ظلم اور حرام ہے، اور ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۵/۴۰۹)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں: مطلقہ عورت کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ اگر اس کو مہر ادا نہ کی گئی ہو تو مہر ادا کی جائے، حیض آتا ہو تو تین حیض تک، حیض نہ آتا ہو تو تین ماہ تک، حاملہ ہو تو وضع حمل تک نان ونفقہ دیا جائے، اور اگر خلوت سے پہلے طلاق دے دی گئی اور مہر مقرر ہوئی ہو تو نصف مہر اور اگر مقرر نہ ہوئی ہو تو کپڑے کا ایک جوڑا دیا جائے، اس کے علاوہ نکاح ثانی کرنے یا اس کے انتقال ہونے تک شوہر پر اس کا نفقہ لازم کرنا قرآنی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے، اور حدود اللہ سے تجاوز کرنا ہے اور شوہر پر ظلم وزیادتی ہے۔ (۵/۴۱۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

عدت کے خرچ سے زیادہ لینے کا قانون

اور زنا پر جرمانہ طے کرنا تعزیر بالمال ہے؟

سوال: ① آج جہالت وضلالت کے زمانے میں یا علم ہونے کے باوجود بے عملی کے نتیجہ میں معاشرہ میں کئی طرح کی برائیاں اور فتنے ظاہر ہورہے ہیں اور ان کے سدِّ باب کے لیے ترغیبی اور تربیتی اور ہر طرح کی اسکیمیں اور پروگرام ناکافی ہو رہے ہیں، ان سب کے ہوتے ہوئے بھی معاشرہ میں ایسے گناہوں کا ارتکاب ہورہا ہے جن سے پورا معاشرہ متأثر ہوتا ہے، اور بے ایمانوں کے درمیان اہلِ ایمان کی توہین وتذلیل ہورہی ہے اور اسلام بدنام ہوتا ہے، ایسے لوگوں کا بائیکاٹ کیا جائے تو ان کے رشتہ دار یا ان جیسے حضرات ان کے ساتھ شریک ہوکر بائیکاٹ کی مخالفت کرتے ہیں، اور کوئی جماعت ایسی نہیں جو ان پر کوڑے چلاسکے، کبھی مظلوم اپنا انتقام لینے کے لیے کیس کی حد تک پہنچتے ہیں؛ پھر اس کے بعد جو خرچے اور بدنام ہونا ہے وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

اس صورتِ حال میں معاشرہ کو بچانے کے لیے قدرے جو عمل مفید ہورہا ہے وہ یہ ہے کبھی بے وجہ طلاق دینے والے سے عدت کا خرچ زیادہ لیا جاتا ہے؛ تاکہ اسے سبق ملے اور دوسروں کو عبرت ہو، یہ خرچ کبھی تین چار ہزار کے بجائے پچاس ہزار اور لاکھ تک بھی لیا جاتا ہے، عدت کے اس خرچے کو سن کر بیجا طلاق دینے والوں میں کمی ہوتی ہے۔ جواب طلب امر یہ ہے کہ:

① لڑکی والوں کا یہ خرچ لینا کیسا ہے؟ معاملہ کی اصلاح کرانے والوں کا یہ خرچ

دلانا کیسا ہے؟ اگر جواب نفی میں ہو تو کیا اس خرچ لینے کے جواز کی کوئی صورت ہے، جس سے مظلوم کی مدد ہو سکے اور ظالم کو سبق ملے، کبھی یہ خرچ شادی کے نام سے لیا جاتا ہے کہ آئندہ کی شادی کا معاملہ ہوگا جس میں خرچ کرنا پڑے گا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① نفقہ کی مقدار تو اصولِ شرع کے مطابق ہی طے کی جاسکتی ہے اور اصول کے مطابق جو مقدار نفقہ کی بنتی ہو وہی شوہر پر واجب ہے، اس سے زیادہ کا اس پر بار ڈالنا تعزیر بالمال ہی کی ایک شکل ہے جو شرعاً درست نہیں۔

تعزیر بالمال کے عدمِ جواز کے سلسلے میں تفصیلی بحث احسن الفتاویٰ ۵ / ۵۴۲ تا ۵۶۲ مستقل رسالہ ''تحریر المقال في التعزیر بالمال'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ہاں ایسے لوگوں کو بذریعۂ مقاطعہ تعزیر کی جاسکتی ہے۔ دیکھئے: احسن الفتاویٰ ۵ / ۱۹۵۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال: ② ہمارے یہاں چند روز پہلے ایک معلق طلاق کا واقعہ پیش آیا اور تعلیق پائے جانے سے طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی، اس معاملہ میں قریب تھا کہ کیس تک نوبت پیش آتی جس سے سماج اور اسلام بدنام ہوتا؛ لیکن اہلِ فکر حضرات نے اس میں پڑ کر صلح کرائی اور الحمد للہ صلح ہوگئی اور عدت کے خرچ کے طور پر لڑکی والوں نے بڑی رقم کا مطالبہ کیا اور آخر میں کمی بیشی ہوتے ہوتے ۴۵۰۰۰ / روپئے تین ماہ کی مدت میں دینا طے پایا، مذکورہ رقم طے کرتے وقت یہ بھی کہا گیا کہ عدت کا خرچ تو کم ہوتا ہے؛ لیکن آپ لڑکی پر احسان کر کے دے دو، لڑکے والوں سے مذکورہ رقم احسان کے نام پر طے کرائی گئی تو لڑکی کا یہ خرچ لینا اور دلانا کیسا ہے؟ لوگ جہالت کی وجہ سے طلاق

کے بعد ''تسریح باحسان'' کو نہ جانتے ہوں تو اس کی طرف توجہ دلائی جائے اور احسان کرایا جائے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۲) اگر لڑکے والوں نے برضا ورغبت اس رقم کو منظور کیا ہے تو اس کا لینا اور دلانا درست ہے ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال: (۳) کبھی کوئی زنا کا ارتکاب کرتا ہے اور مرتکب سے اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے بجائے سو کوڑے یا رجم یا کسی اور تعزیر کے پچیس، پچاس ہزار روپے کا جرمانہ وصول کیا جاتا ہے، جواب طلب امر یہ ہے کہ اس جرمانہ کا لینا کیسا ہے؟ عموماً ہمارے یہاں ایسے معاملے کو سلجھانے والے حضرات جرمانہ لے کے پانچ چھ سال تک اپنے پاس رکھتے ہیں اور پھر جس سے لیا ہے اسے واپس کر دیتے ہیں، یہ جرمانہ سزا کا بدل سمجھ کر لیا جائے اور کسی کارِ خیر میں استعمال کیا جائے تو کیا حکم ہے؟ چوں کہ حد جاری کرنے میں مجبوری ہے، اگر جرمانہ لینا صحیح نہ ہو تو ان جیسی برائیوں کے سدِّ باب کے لیے کوئی صورت ہو تو بتا کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۳) جیسا کہ جواب نمبر (۱) میں بتلایا گیا کہ تعزیر بالمال جائز نہیں، اس لیے یہ رقم لے کر کارِ خیر میں استعمال کرنا جائز اور درست نہیں، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایتِ جواز منقول ہے اس کے جوابات حسبِ ذیل دیے گئے ہیں:

(۱) علامہ شامی و دیگر بعض فقہاء نے اسے روایتِ ضعیفہ قرار دیا ہے، اکثر کتب

میں یہ روایتِ ضعیفہ کی تعریض ''قیل'' سے مروی ہے۔

(۲) اس روایتِ ضعیفہ کا مطلب یہ ہے کہ یُمسکھامدۃ لینزجر ثم یعیدہ الحاکم الیہ الخ...(کذا فی الشامیہ٤ /٦١، بزازیہ،بحر، مجمع وغیرہ)

بعض کتب میں فان لیس من توبتہ یصرفہ الی مایری تحریر ہے، یہ کئی وجوہ سے باطل ہے: (۱) یہ حضرت امام ابو یوسف سے منقول نہیں؛ بلکہ صاحبِ مجتبیٰ کی ذاتی رائے ہے کما یتضح من قولہ و أری ان یأخذہ الخ...

مزید تفصیل احسن الفتاویٰ ۵ / ۵۵۸ پر دیکھ لیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲ / محرم الحرام ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مطلقۂ ثلاثہ کا نفقۂ عدت اور سامان کا حکم

سوال: زید نے تین مرتبہ اپنی بیوی کو طلاق، طلاق، طلاق کہا، تو بیوی کو طلاق ہوئی یا نہیں؟ اب اگر طلاق ہوگی تو اس کی عدت کی مدت کب تک؟ اور نفقہ کا مسئلہ کتنی مدت تک اور کتنا ماہانہ ہوگا؟ اور لڑکی کو جو سامان زیور وغیرہ دیا گیا وہ اب کس کا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید نے جب اپنی بیوی کو تین طلاق دی تو وہ اس پر واقع ہوگئیں، اور وہ عورت زید پر حرام بہ حرمتِ مغلظہ ہو چکی ہے، شرعی حلالے کے بغیر زید کا نکاح اس عورت کے ساتھ درست نہیں ہے۔ اگر وہ عورت حالتِ حمل سے ہے تو اس کی عدت بچہ پیدا ہونے تک ہے، اور اگر حمل نہیں ہے تو تین حیض پورے ہونے تک ہے۔ عدت کا نفقہ شوہر

پر ہے، دونوں کی مالی حیثیت مدنظر رکھ کر دو دین دار، تجربہ کار آدمی نفقہ کی مقدار طے کریں۔ لڑکی کا جہیز کا سامان لڑکی کا ہے، اور جو سامان اور زیور وغیرہ لڑکی کو سسرال والوں کی طرف سے دیا گیا ہے اس میں عرف اور عادت کا اعتبار ہوگا، اگر عرف عاریت کا ہے تو وہ سسرال والوں کو لوٹا دیا جائے، اور اگر عرف مالک بنا کر دینے کا ہے تو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

معتدۂ وفات کے لیے بیرون ملک کا سفر

سوال: ہمارے والد کے انتقال پر ملال کے بعد ہماری والدہ محترمہ عدت شرعیہ کی پابند ہیں۔ بندہ آئندہ ہفتہ اپنے عیال سمیت جنوبی افریقہ جا رہا ہے اور یہاں ہماری ایک والدہ اور ہماری ایک بھابھی جان ہے۔ دو بچوں کے ساتھ وہ جائیں گے مگر کچھ ہی دنوں میں ہماری بھابھی جان بھی اپنے دونوں بچوں کے ساتھ جنوبی افریقہ جانے والے ہیں ان کے جانے کے بعد چوں کہ ہمارے سارے بھائی بہن بیرون ملک میں مقیم ہیں لہٰذا والدہ محترمہ تن تنہا اپنے مکان میں رہ جائیں گی جن کی نگرانی اور دیکھ بھال اور سودا لانے کے لیے رشتہ داروں کے علاوہ ان کا اپنا کوئی نہیں رہ جائے گا۔ اس کے علاوہ والدہ خود بھی اکثر بیمار رہا کرتی ہیں ان سب وجوہات کے بناء پر اپنی والدہ کو بھی جنوبی افریقہ لے جانا چاہتے ہیں مگر حدود شرعیہ میں رہ کر تو ان حالات کے بنا پر شریعت میں ایسی کوئی گنجائش ہے جس کے تحت ہم انہیں جنوبی افریقہ لے جا سکیں جہاں ان کے چار بیٹے اور دو بیٹیاں مقیم ہیں امید ہے کہ حضرت والا مندرجہ بالا استفتاء کے سلسلہ

میں شریعت کی روشنی میں مستفیض فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

معتدۂ وفات کے لیے ضروری ہے کہ جس گھر میں عدت واجب ہوئی ہے اسی میں اپنی عدت پوری کرے وہاں سے منتقل ہونے کی اجازت نہیں۔ آپ نے سوال میں جو کیفیت تحریر فرمائی ہے وہ شرعاً ایسا عذر نہیں ہے جس کی وجہ سے ان کے لیے گھر چھوڑنا جائز ہو۔

وتعتدان ای معتدة طلاق و موت فی بیت وجبت فیه ولا تخرجان منه الّا ان تخرج او ینهدم المنزل اوتخاف انهدامه اوتلف مالها ولا تجد کراء البیت ونحو ذلك من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیه.

(در مختار)

اگر آپ پانچ بھائیوں کو والدہ محترمہ کی خدمت اور سود اسلف وغیرہ کا لحاظ اور پاس ہے تو خود یا کوئی ایک اس مدت میں والدہ کے ساتھ قیام فرمائے والدہ کو اپنے ساتھ لے جا کر حکم خداوندی ﴿ولا یخرجن﴾ کی خلاف ورزی کا صریح مرتکب نہ بنائیں۔ ان کو معصیت میں ڈالنا خدمت کا تقاضہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

معتدہ کے لیے شوہر کے بھتیجے بھانجے سے پردہ کا حکم

سوال: معتدہ عدت سے پہلے اپنے شوہر کے بھتیجوں اور بھانجوں سے خوش اخلاقی سے پیش آکر بات چیت کرتی تھیں، اور خصوصاً معتدہ جب کہ مشتھاۃ میں سے بھی نہ ہوں،

ان بھتیجوں بھانجوں کو بھی ان سے خوب تعلق ہو تو کیا عدت کی حالت میں باتیں کرنا ان سے، منھ دیکھنا وغیرہ حرام ہو جاتا ہے؟ جب کہ وہ آئیں تو دوسری عورتوں کا ان کو نکال دینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اپنے مرحوم شوہر کے بھتیجوں اور بھانجوں کے ساتھ کوئی رشتہ حرمت نہیں ہے، تو ان کا حکم بھی دیگر اجنبی غیر محرم مردوں جیسا ہے، یعنی شرعی ضرورت کی صورت میں ان کے ساتھ گفتگو کر سکتی ہے، بلا ضرورت نہ کرے، اور منہ جس طرح دیگر غیر محرم کے سامنے نہیں کھول سکتی ان کے سامنے بھی نہ کھولے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱ر شوال ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

معتدہ کا سونے کے کنگن پہننا

سوال: معتدہ نے پہلے ہی سے سونے کے کنگن ہاتھ میں پہن رکھے تھے، اور خصوصاً جب کہ وہ مشتھاۃ میں سے بھی نہ ہوں تو کیا ان سے گاؤں کی عورت وغیرہ اتروالیں تو درست ہے؟ پہن رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سونے کے کنگن کا شمار بھی زینت میں ہے، اس لیے عدت کی حالت میں نہ پہنے جائیں۔ (شامی ۲/۶۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱ر شوال ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

كتاب البيوع

نقد اور ادھار خریداری کے بھاؤ میں فرق رکھنا

سوال: تاجر اپنے نقد اور ادھار خریداروں کو خوب جانتا ہے؛ اس لیے جب کوئی نقد خریدنے والا تاجر سے اشیاء کی قیمت معلوم کرتا ہے تو اس کو کم دام بتاتا ہے، اور جب ادھار خریدنے والا اشیاء کی قیمت معلوم کرتا ہے تو اس کو زیادہ دام بتلاتا ہے اور اس کو خریدار قبول بھی کرتا ہے اس طرح کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نقد ثمن کی صورت میں کمیشن

سوال: تاجر زید نے بڑی منڈی سے کرانہ کی تجارت کا مال خریدا، فروخت کرنے والا غیر مسلم ہے، اس نے زید سے کہا کہ اشیاء کی قیمت یہ ہے؛ لیکن اگر نقد رقم دو تو فیصد دو روپیہ کمیشن دیا جائے گا، زید کے لیے اس طرح کی بیع درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔ وفی البزازیة باعه علی أن یهبه من الثمن کذا لا یصح ولو علی ان یحط من ثمنه کذا جاز للحوق الحط باصل العقد دون الهبة (درمختار) (قوله للحوق الحط باصل العقد) کأنه باعه ابتداء بالقدر الباقی بعد الحط ط أي بخلاف الهبة فکان شرطا لا یقتضه العقد

وفیه نفع لاحدهما۔(شامی ۴/ ۱۸۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نقد اور ادھار کی قیمت میں فرق

سوال: چمڑا اگر نقد بیچتے ہیں تو اس کی قیمت ایک سو روپیہ میں اور اگر ادھار بیچتے ہیں مثلاً چھ ماہ کی مدت پر تو اس کی قیمت ڈیڑھ سو روپیہ ہیں، تو شرعی اعتبار سے اس طرح زیادہ قیمت لے کر بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو اس طرح کوئی جواز کی شکل نکل سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کی دو صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ بیع کے وقت ثمن کی تعیین نہیں کی؛ بلکہ مشتری سے تردید کے ساتھ کہا کہ اگر اس کی قیمت اسی وقت دو گے تو ایک سو روپیہ لوں گا اور اگر چھ ماہ بعد دو گے تو ڈیڑھ سو روپیہ لوں گا تو یہ بوجہ جہالت ثمن کے جائز نہیں۔

دوسری شکل یہ ہے کہ اول مشتری سے طے کر لیا ہو کہ نقد لیتے ہو یا ادھار، اگر اس نے نقد لینے کو کہا تب تو ایک سو روپیہ قیمت ٹھہرائی اور اگر ادھار لینے کو کہا تو ڈیڑھ سو روپیہ ٹھہرائی یہ جائز ہے۔ (امداد الفتاوی ۳/ ۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ شوال المکرم ۱۴۱۶ھ

نقد اور ادھار میں قیمت کا تفاوت

سوال: ایک شخص کا کاغذ کا دھندا ہے، تو اس کے یہاں تجارت کی یہ صورت ہوتی

ہے کہ، اگر نقد دے کر خریدنا ہے مثلاً (۵۰۰) روپیہ میں، اور اگر ادھار خریدنا ہے تو (۶۰۰) روپیہ میں، تو اس طرح تجارت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے، ؛ البتہ پہلے سے یہ معلوم ہوجانا چاہیے کہ مشتری نقد خرید رہا ہے یا ادھار؛ تاکہ بوقتِ عقد ثمن مجہول نہ رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴ر ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

وقت پر قیمت ادا نہ کرنے پر فسخِ بیع یا زیادتی وصول کرنا

سوال: میں نے مثلاً ایک مکان فروخت کیا ۵۰۰۰ میں، اس شرط پر کہ مشتری مثلاً ۳ر قسط میں اس کی قیمت مجھ کو ادا کرے گا، (اب معاملہ یہ ہوا کہ میرا انتقال ہوگیا میرے ورثاء کی طرف یہ معاملہ منتقل ہوا)؛ مگر ہوا یہ کہ مشتری نے معین مدت میں وہ قیمت ادا نہیں کی، نیز ایک ساتھ بھی ادا نہیں کی (جو طے ہوا تھا)؛ بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے مجھے وقت کے بعد ادا کی، تو کیا اب میرے لیے (یا میرے مرنے کے بعد ورثا کو) اختیار رہے گا کہ، وہ یہ کہہ کر سودا فیل کردے کہ مشتری شرط پر پورا نہیں اترا ہے؟ یا سودا تو فیل نہ کرے؛ مگر ۵۰۰۰ر کی جگہ ۸۰۰۰ر وصول کرے؟ یا اس کو شرعاً کیا کرنے کی اجازت رہے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بہ وقتِ عقد یہ شرط کی گئی تھی کہ ۳ر ماہ میں اس کی قیمت ادا نہ کی تو معاملۂ بیع

کالعدم ہوگا، اور خریدار نے مدت مقررہ میں قیمت ادا نہیں کی، تو یہ بیع فاسد ہوگی۔ (مجلۃ الاحکام ص:۷۷) لیکن اگر معاملۂ بیع کالعدم ہونے کی شرط نہیں تھی، صرف قیمت کی ادائیگی کے لیے مدت مقرر کی گئی تھی، تو اس صورت میں بیع فاسد نہیں ہوگی اور زیادہ قیمت وصول کرنے کا اختیار بھی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ادھار میں زیادہ قیمت لینا اور کسی مجبوری کا غلط فائدہ اٹھانا

سوال: ایک آدمی مجبوری میں کسی مالدار سے قرض لیتا ہے، وہ مالدار بجائے نقدی کے سرسوں دیتا ہے، جس کے بھاؤ اس وقت مثلاً ہزار روپئے فی کونٹل ہے؛ مگر وہ مالدار ایک سال کی ادھار پر پندرہ سو روپئے فی کونٹل دے رہا ہے، اور یہ طریقہ ہمارے یہاں بہت چل پڑا تو اس تجارت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر کوئی مال ادھار فروخت کیا جائے یا ادھار کی وجہ سے نقد کے مقابلہ میں قیمت زیادہ تجویز کی جائے تو شرعاً درست ہے، باقی مالدار حضرات لوگوں کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نقد رقم قرض دینے کے بجائے (کہ اس میں دی ہوئی مقدار سے زیادہ وصول کرنا سود ہے، اس لیے ایک تدبیر کے طور پر) ایسا کرنا پسندیدہ نہیں، مدار نیت پر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ
الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

کم قیمت میں ذخیرہ کر کے زیادہ قیمت پر ادھار بیچنا

سوال: زید نے ڈھائی سو روپئے کوئنٹل کی قیمت سے سو من گیہوں کا اسٹاک کیا، پھر وہ (زید مذکور) فی کوئنٹل گیہوں کو پانچ سو روپئے کی قیمت سے پانچ ماہ ادھار پر (یعنی پانچ ماہ بعد قیمت کی ادائیگی پر) لوگوں کو فروخت کرتا ہے، اور حال یہ ہے کہ لوگ یعنی مشتری بوقت معین ادا کرتا ہے اور کبھی مدت معین کے بعد قیمت ادا کرتا ہے، تو کیا زید کے لیے ایسا کام کرنا از روئے شرع درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر زید کا یہ اسٹاک کرنا اہل بستی کے لیے موجب ضرر نہیں ہے تو درست ہے، ایسے ہی اس کا فروخت کرنا بھی، اگر ادھار میں ادائیگی کا وقت متعین کر دیا گیا ہے تو درست ہے۔ (درمختار شامي ۲۸۲/ کتاب الحظر والإباحة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مبیع پر ملکیت سے پہلے بیع باطل ہے

سوال: زید اور بکر نے ایک غیر مسلم تاجر سے ولایتی کھاد مقررہ بھاؤ میں ادھار خریدا؛ لیکن تاجر کے پاس اسٹاک میں مال موجود نہیں تھا؛ اس لیے زید کو رقم دے کر کہا تم میری طرف سے وکیل ہو، فلاں دوکان سے کھاد خرید کر بکر کو دیدو، اور بکر کو رقم دے کر کہا کہ تم میری طرف سے وکیل ہو فلاں دوکان سے خرید کر زید کو دیدو، اس دوکان کا بھاؤ اس سے کم تھا جو زید و بکر سے غیر مسلم تاجر نے کہا تھا۔ سوال یہ ہے کہ شرعاً

یہ صورت زید و بکر کے لیے درست ہے، بالفرض اس غیر مسلم تاجر کی جگہ کوئی مسلمان ہو تو اس کے لیے بھی ایسا کرنے کا شرعاً جواز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس وقت سودا ہوا اس وقت مبیع بائع کی ملک میں نہیں تھی، اور یہ بیع سلم بھی نہیں ہے؛ اس لیے صورتِ مسئولہ میں بیع باطل ہے۔

(وبيع ماليس في ملكه) لبطلان بيع المعدوم. (درمختار) (قوله وبيع ماليس في ملكه) فيه أنه يشمل بيع ملك الغير بوكالة أو بدونها مع أن الأول صحيح نافذ والثاني صحيح موقوف وقد يجاب بأن المراد بيع ما سيملكه قبل ملكه له ثم رأيته كذلك في الفتح في أول فصل بيع الفضولي، وذكر أن سبب النهي في الحديث ذلك (قوله لبطلان بيع المعدوم) إذ من شرط المعقود عليه أن يكون موجوداً مالاً متقوماً مملوكاً في نفسه وأن يكون ملك البائع فيما يبيعه لنفسه وأن يكون مقدور التسليم منح. (شامي ٤/ ١١٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

وزن کیے بغیر مبیع کا استعمال

سوال: زید تاجر ہے، مسلم گاہک (مشتری) فون سے یا زبانی کہہ جاتا ہے کہ فلاں فلاں اشیاء اتنی اتنی مقدار میں مجھے چاہیے، تم تیار رکھو یا کسی کے ساتھ بھیج دو، زید نے اس کے حکم کے مطابق وہ چیزیں تیار کر کے گاہک کے گھر بھیج دی یا گاہک خود آ کر

لے گیا، گاہک نے نہ تو چیزیں دیکھیں، نہ اپنے سامنے وزن کرایا تو اس مشتری کے لیے وزن کیے بغیر ان اشیاء کا استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس صورت میں تجربہ یہ ہے کہ مشتری اور بائع کے درمیان کوئی منازعت نہیں ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست نہیں ہے۔

اشترىٰ مكيلاً بشرط الكيل حرم اى كره تحريماً بيعه وأكله حتى يكيله، وقد صرحوا بفساده وبأنه لا يقال لأكله أنه أكل حراماً لعدم التلازم كما بسطه الكمال لكونه أكل ملكه، ومثله الموزون والمعدود بشرط الوزن و العدد لاحتمال الزيادة وهي للبائع. (درمختار علیٰ هامش الشامي ٤/ ١٨٢، ١٨٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مال پر قبضہ کیے بغیر کسی دوسرے کو بیچنا درست نہیں

سوال: زید ایک بڑا تاجر ہے، عمر نے زید سے ایک ٹن اناج خریدا اور پھر بکر کے ہاتھ دس فیصد نفع لے کر اس طرح بیچ دیا کہ عمر نے زید سے کہا میں نے تجھ سے جو ایک ٹن اناج خریدا ہے وہ مال تو بکر کو پہنچا دے؛ چناں چہ زید نے وہ مال بکر کو پہنچا دیا، اب سوال یہ ہے کہ عمر نے اس مال پر نہ تو قبضہ کیا اور نہ ہی وزن کیا، تو کیا شرعاً یہ خرید وفروخت درست ہے؟

نوٹ: عمر اگر مال کا وزن کرے اور قبضہ کرے تو اخراجات اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ کم نفع پر بھی تجارت نہیں کی جاسکتی، اور اس زمانہ میں عمومی طور پر اسی طرح خرید

وفروخت ہوتی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ بیع (خرید وفروخت) درست نہیں۔

فلایصح اتفاقا الخ (درمختار) ومن اشتریٰ شیئا مما ینقل ویحول لم یجز له بیعه حتی یقبضه، لأنه علیه الصلوة والسلام نهی عن بیع مالم یقبض الخ (الهدایة: ٧٤)

اناج کے سلسلہ میں یہ مسئلہ مجمع علیہ ہے۔(تکملة فتح الملهم ١/ ٣٥٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ثمن پر قبضہ کیے بغیر وہی چیز کم قیمت میں مشتری سے خریدنا

سوال: زید نے اپنی زمین کی پیداشدہ یا خریدی ہوئی رائی اپنے پاس رکھی تھی تاکہ بھاؤ بڑھنے پر اس کو بیچے، اسی اثناء میں بکر کو نقد رقم کی ضرورت پڑی، بلاسود کے قرض نہ ملنے پر اس نے زید سے وہ رائی بازار کے عام بھاؤ اسّی روپے ایک من کے بجائے بڑھا کر سو روپے ایک من کے حساب سے ایک سال بعد قیمت ادا کرنے کے وعدہ پر خرید لی، پھر وہی رائی زید کو اسّی روپے ایک من کے حساب سے نقد قیمت میں بیچ دی اور نقد رقم لی تو کیا اس طرح معاملہ کرنا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ درست نہیں۔(تنقیح الفتاوی الحامدیة ١/ ٢٤٥)

لو باع شیئا وقبضه المشتري ولم یقبض البائع الثمن، فاشتراه

بأقل من الثمن الأول لايجوز الخ(شامي، ۱۲۸/) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک ممبر کا مکان کی تعمیر مکمل ہونے سے پہلے مکان بیچ دینا

سوال: کچھ احباب مل کر ایک ہاؤسنگ سوسائٹی بناتے ہیں، اور مشترک زمین خرید کر اس پر رہنے کے مکانات بناتے ہیں، اتنے ممبر بناتے ہیں جتنے مکانات بنانے ہوتے ہیں، اور سب سے قسط وار رقم لے کر جیسے جیسے رقم آتی ہے مکانات تعمیر کرتے جاتے ہیں، جب مکانات تیار ہوجاتے ہیں تو سب ممبران مل کر قرعہ اندازی سے مکانات تقسیم کر لیتے ہیں، جس کے قرعہ میں جس نمبر کا مکان نکلتا ہے وہ اس کا ہوجاتا ہے اور باقاعدہ اس کے نام پر کر دیا جاتا ہے؛ لیکن بعض ممبران تعمیر کے درمیان ہی اب تک ادا کردہ قیمت سے بہت زیادہ رقم پر اپنے مکان کو بیچ دیتے ہیں، تو اس طرح تعمیر کی تکمیل اور قبضہ سے قبل ہی اس مکان کو بیچ دینا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر فروخت کرنے والا یہ کہہ کر فروخت کرتا ہے کہ میں نے اپنا مکان بیچا، حالاں کہ مکان ابھی بنا نہیں ہے تو یہ بیع المعدوم ہوئی جو باطل ہے؛ البتہ اگر وہ یہ کہہ کر اس خرید شدہ زمین میں اور مکانات کا جتنا حصہ تعمیر ہو چکا اس میں میرا جتنا حصہ ہے وہ تمہیں بیچا، تو یہ بیع درست ہوگی؛ لیکن اس صورت میں دیگر شرکاء کو حقِ شفعہ حاصل ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شرعی قبضہ اور تکمیل سے پہلے نفع لے کر مکان بیچنا

سوال: عمارت بنا کر بیچنے کا پیشہ کرنے والے جن کو بلڈر کہتے ہیں، زمین خرید کر اس پر مکانات تعمیر کر کے بیچتے ہیں، مکان تیار ہونے سے پہلے وہ اس کا پلان اور نقشہ تیار کر کے نقشہ بتا کر ان میں سے خریدار کو اس کی حسبِ پسند مکان بیچتے ہیں، مکان کا مجموعی رقبہ اور کمروں کی تعداد، سائز وغیرہ تفصیلات بتا دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ فی الحال تم کو اتنی رقم دینی ہوگی اور آئندہ قسط وار، ہر قسط ہزار روپئے کے حساب سے مجموعی اتنی رقم دینا ہوگی، اور بلڈنگ تیار ہونے پر حکومت میں پاس کرا کے ہم تم کو قبضہ دے دیں گے، زید نے اس طرح کے بلڈر سے ایک مکان خریدا، چند قسطیں ادا کرنے کے بعد نفع لے کر بکر کے ہاتھ بیچ دیا، بکر نے بھی چند قسطیں ادا کر کے نفع لے کر محمود کو بیچ دیا، اور محمود نے بھی مکمل ہونے سے قبل ہی چند قسطیں ادا کر کے شاکر کے ہاتھ بیچ دیا، سوال یہ ہے کہ تکمیل اور قبضہ سے قبل اس طرح نفع لے کر بیچنا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ بیع درست نہیں ہے۔

لأنه بيع ماليس عندالإنسان، وإنما أجيز فى الاستصناع استحسانا وهذا ليس من الاستصناع، كما هو ظاهر. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عقار کی بیع میں اندیشہ ہلاکت اور قبضہ کا حکم

سوال: آج کل زمین ومکان کی خرید وفروخت میں کچھ چیزیں عام طور پر رائج ہیں:

① خریدار بیچنے والے کو کچھ پیسے بیعانہ کے طور پر دے کر سودا پکا کر لیتا ہے۔ (کیا یہ بیع "بیع العربون" ہے) اور مدت متعینہ پر باقی قیمت ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہے، اسی دوران وہ اسی مکان وزمین کو نفع لے کر کسی اور کو فروخت کر دیتا ہے، تو کیا اس طرح پوری قیمت ادا کرنے سے پہلے خریدار کا اس چیز کو نفع لے کر بیچنا جائز ہے؟ حالاں کہ اس دوران اگر کوئی اس زمین ومکان پر غاصبانہ قبضہ کر لے یا حکومت کی طرف سے کوئی پریشانی لاحق ہو جائے تو اس کا ضمان بیچنے والے کو پہونچتا ہے، تو کیا خریدار کے لیے غیر مضمون چیز کا نفع لینا جائز ہے؟

② بسا اوقات کسی بلڈنگ یا شاپنگ سینٹر میں فلیٹ یا دُکان بک کراتے ہیں، اور رقم قسط وار دینا طے ہوتی ہے، اسی دوران کہ ابھی تعمیر جاری ہے، قیمتوں کے بڑھ جانے پر وہ اسے نفع لے کر کسی اور کو یا خود بنانے والے کو بیچ دیتے ہیں، تو کیا اس طریقے سے بیچنا جائز ہے؟

③ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح فتح القدیر میں "باب بیع العقار" میں لکھا ہے کہ جہاں کہیں مبیع کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو وہاں قبضہ شرط ہے، تو کیا ہمارے زمانے میں پیش آنے والے واقعات جیسا کہ غاصبانہ قبضہ، مقدمات اور حکومت کی طرف سے زمین پر دخل اندازی کر لینا وغیرہ ہلاکت معنوی کے حکم میں آکر بیع قبل القبض کے معنی نہیں بنیں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① آپ تحریر فرماتے ہیں کہ "خریدار بیچنے والے کو کچھ پیسے بیعانہ کے طور پر دے کر سودا پکا کر لیتا ہے اور مدت متعینہ پر باقی قیمت ادا کرنے کا وعدہ کرتا ہے"۔

آپ نے بیع کی جو صورت اپنے سوال میں ذکر کی ہے، ایسی بیع کو شریعت کی اصطلاح میں مؤجل کہا جاتا ہے، اور اس کا حکم یہ ہے کہ بیع ہوتے ہی بائع کے لیے ضروری ہے کہ مبیع مشتری کے حوالہ کرے، قیمت کی وصولیابی کے لیے مبیع کو روکے رکھنا بائع کے لیے صورت مسئولہ میں درست نہیں؛ اس لیے کہ بیع کو مؤجل طور پر قبول کرکے مبیع کو روکے رکھنے کے اپنے حق کو وہ ختم کر چکا۔

المادة (٢٨٣): في بيع نسيئة ليس للبائع حق حبس المبيع؛ بل عليه أن يسلم المبيع إلى المشتري على أن يقبض الثمن وقت حلول الأجل.(درر الحكام شرح مجلة الاحكام١/ ٢٦٧)

اسی طرح اگر بیع تو نقد کی پھر مشتری کی درخواست پر بائع نے ثمن کی ادائیگی کے لیے مہلت دی تو اس صورت میں بھی قیمت کی وصولیابی کے لیے مبیع کو روکنے کا بائع کا حق ختم ہوجائے گا، اور اس کے لیے ضروری ہوگا کہ مبیع مشتری کے حوالہ کردے اور قیمت دی گئی مہلت کے مطابق وصول کرے۔

چناں چہ ”مجلۃ الاحکام“ میں ہے: إذا باع حالًّا أي معجلاً ثم أجّل البائع الثمن سقط حق حبسه المبيع وعليه حينئذ أن يسلم المبيع للمشتري على أن يقبض الثمن وقت حلول الأجل.(المادة:٢٨٤)

لأن تأجيل البائع في مابعد في حكم التأجيل ابتداء فيكون قد اسقط حقه في حبس المبيع حسب المادة الآنفة وليس له أن يحبس المبيع إلى حلول الأجل.(درر الحكام ١/٢٦٨)

اس لیے صورت مسئولہ میں جب مشتری مبیع پر قبضہ کرنے کے بعد اس کو فروخت کرے گا تو اس کے متعلق ”ربح مالم یضمن“ والا جو اشکال آپ نے کیا ہے وہ

درست نہیں، صورت مسئولہ میں خریدار نے بیچنے والے کو بیعانہ کے نام سے جو رقم دی ہے وہ جزو ثمن ہے۔

(۲) یہ بیع درست نہیں۔ (محمود الفتاوی ۲/ ۴۶۶، ۴۶۷)

(۳) علامہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے عقار میں بھی جہاں حقیقۃً ہلاک کا اندیشہ ہو مثلاً سمندر یا دریا کے قریب زمین ہے، اس بات کا اندیشہ ہے کہ سمندر اس کے اوپر آجائے اور زمین ختم ہو جائے، اور جو پہاڑی علاقے ہیں ان کی یہ صورت حال ہوتی ہے کہ کسی وقت پوری کی پوری زمین گر جائے، وہاں زمین کی ہلاکت کے اس قسم کے اندیشے ہونے کی صورت میں وہ فرماتے ہیں کہ اصل اصول لوٹ آئے گی اور اس کی بیع بھی بیع قبل القبض کی وجہ سے ناجائز ہوگی؛ لیکن غاصبانہ قبضہ اور مقدمات وغیرہ کو ''ہلاکت معنوی'' سے تعبیر کر کے ''ہلاکت واقعی'' والے ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ کے پیدا کئے ہوئے اندیشہ کے مساوی قرار دینا محل تأمل ہے؛ اس لیے کہ ان صورتوں میں کاغذات نیز حکومتی اعتبار سے شواہد موجود ہوتے ہیں، اور بینہ ہوتے ہوئے مدعی علیہ منکر کے انکار کا اعتبار نہیں کیا گیا، چناں چہ در باب وجوب زکوۃ مال ضمار کے سلسلہ میں جو تفصیلات فقہاء نے لکھی ہیں وہ دیکھی جاسکتی ہیں؛ نیز حسی قبضہ دے دینے کے بعد بھی حکومت کی دخل اندازی اور مقدمات کا خطرہ تو لگا ہوا ہے؛ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ کوئی بھی بیع درست نہ ہو، اور اس طرح کے خطرات کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے، چناں چہ غرر استحقاق کو اسی لیے غیر معتبر قرار دیا گیا ہے اس لیے کہ اس میں مبیع ہلاک نہیں ہوتی۔ دیکھیے: احکام المعاملات المالیۃ فی مذہب الحنفیۃ: ۲۹۸۔ فتح القدیر ۶/ ۵۱۳۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ رجب ۱۴۳۲ھ

بیع کے بعد مبیع پر قبضہ جمائے رکھنا

سوال: زینب اور کلثوم ۲ بہنیں راندیر کے ایک مکان میں مشترکہ مالکان ہیں، کلثوم کا انتقال ہوگیا، ان کی اولاد نے پیش کش کی کہ اولاد در اولاد سے وارث دار بڑھتے جارہے ہیں، اس مکان کا حصہ بٹ جائے تو اچھا ہے۔ زینب کے ورثاء بمبئی، حیدرآباد، مدراس سے آئے، ایک بیٹھک ہوئی، سب نے مل کر طے کیا کہ کلثوم کے وارث دار ایک قیمت جو اسی وقت طے پائی وہ لے کر ہٹ جائیں گے۔ زینب کے بچوں نے قیمت کی ادائیگی میں تاخیر کی؛ تو کلثوم کے لڑکے زید نے ایک تاریخ طے کر کے کہا: اس تاریخ تک میرے پیسے ادا نہ ہوئے تو پھر میں ویسے ہی مکان میں آجاؤں گا جیسے پہلے تھا، اس تاریخ تک ادائیگی بفضلہٖ تعالیٰ مکمل ہوگئی۔ بعد ازاں زینب کی لڑکی نے مکان کے تخلیہ میں تاخیر ہونے سے یا کوئی اَور وجہ سے زید واہلیہ کو کچھ سخت الفاظ کہے، جس پر زید برہم ہوئے، اور اپنا قبضہ پھر برقرار رکھتے ہوئے زینب کے ورثاء کو ملی ہوئی رقم واپس کرنے لگے، ورثاء زینب نے کہا: ہمیں قبضہ چاہیے، رقم نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ: زید کو یہ رقم لے کر کسی وجہ سے لوٹا کر پھر قبضہ جمانے کا حق باقی رہتا ہے یا اسے بات طے ہونے کے بعد خالی کر دینا چاہئے؟ اگر زید کو یہ محسوس ہو کہ بہت کم رقم میں اتنے سال کا قبضہ چھوڑ رہا ہوں، یا یہ کہ بات طے ہو کر ڈیڑھ سال کا عرصہ ہوا، اب آج کی مزید قیمت ملنا چاہیے، تو کیا اس کا مطالبہ ہو تو یہ بھی حق ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زینب اور کلثوم کے ورثاء کے درمیان جو معاملہ صلح ہوا ہے وہ بحکمِ بیع ہے۔

فالأول حكمه كبيع أن وقع عن مال بمال وحينئذ فتجري فيه أحكام البيع.(درمختار)

اس لیے اب زید کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ رقم لوٹا کر یک طرفہ طور پر اپنا حق اور قبضہ جمائے رکھے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ مکان خالی کر کے زینب کے ورثاء کے حوالہ کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ

ایجاب وقبول کے بعد قانونی رجسٹری سے پہلے زمین بیچنا

سوال: محمود شافعی المسلک ہے، اس نے حامد شافعی المسلک سے زمین خریدی، ایجاب وقبول ہوگیا، اور ثمن کا کچھ حصہ بھی ادا کردیا، اور زمین میں غلہ بونا بھی شروع کردیا، زمین ابھی حکومت کے قانون کے ذریعہ محمود کے نام رجسٹرڈ نہیں ہوئی تھی، زمین محمود کے نام رجسٹرڈ ہونے کے پہلے ہی محمود نے اس زمین کو خالد کو بیچ دیا، اور محمود نے حامد سے بات کر کے اس زمین کو حکومت کے قانون کے ذریعہ خالد کے نام رجسٹرڈ کرادیا، اور حامد نے دستخط بھی کردیا اب سوال یہ ہے کہ:

(۱) مسلک شافعی کے اعتبار سے یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مسلک شافعی کے اعتبار سے اس بیع کے نفع میں جو رقم محمود کو ملی ہے، حلال ہوگی یا حرام؟

(۳) مسلک حنفی کے اعتبار سے یہ بیع جائز ہے یا نہیں؟

(۴) مسلک حنفی کے اعتبار سے اس بیع کے نفع میں حاصل شدہ رقم حلال ہوگی یا حرام؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایجاب وقبول کے بعد اس میں غلہ بونا بھی شروع کر دیا، تو اب اس زمین کے محمود کی ملک میں آنے میں کوئی تردد ہی نہیں ہے، اب جو اس نے وہ زمین خالد کے ہاتھ فروخت کی بیع بالکل درست اور صحیح ہے، اور اس بیع سے حاصل شدہ نفع بھی محمود کے لیے حلال ہے، قانونی مجبوری کی وجہ سے وہ زمین محمود کے نام پر نہیں ہوئی، اس سے بیع پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ (درمختار مع الشامی جلد رابع)

مذکورہ حکم فقہ حنفی کے اعتبار سے ہے، فقہ شافعی کے اعتبار سے اس کا کیا حکم ہوگا؟ یہ شافعی المسلک مفتی سے معلوم فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نام رجسٹری کرا لینے سے ملکیت نہیں آتی

سوال: عبداللہ زید کا اکلوتا لڑکا ہے، شہر میں رہتا ہے، ماں باپ دیہات میں رہتے ہیں، زید کا شہر، دیہات دونوں جگہ سے تعلق ہے، دونوں جگہ زمین جائداد ہے۔

دیہات کی ایک زمین فروخت ہو رہی تھی، زید کے سمدھی اور لڑکے کے خسر شدید خواہش مند ہیں کہ فروخت ہونے والی زمین خرید لیں، چناں چہ وہ مسلسل اس کے خریدنے پر اصرار کرتے رہے اور زید انکار لیکن ایک بار گاؤں میں موجود تھے، زید کے سمدھی نے زمین والوں کو بلا کر اصرار کیا تھا، اس کی خریدگی پر زور لگایا، تب زید راضی ہوا، بیعانہ دے کر زمین قبضہ میں لے لی گئی، کئی سال کے بعد زید کے پیسے سے ان کے

سمدھی نے زمین کی رجسٹری کروائی، بعد میں جب دستاویز دیکھا گیا تو سمدھی نے وہ زمین زید کے لڑکے کے نام رجسٹری کرائی تھی جس پر زید ناراض ہوا اور اپنے سمدھی سے پوچھا کہ آپ نے ایسا بلا مشورہ کیوں کیا؟ تب سمدھی صاحب نے جواب میں فرمایا کہ آپ کے بعد تو آخر لڑکے کا ہی ہوگا؟ اس جواب سے زید مطمئن نہ ہوا، زمین اپنے جوت میں رکھی، اس کی فصل سے خود فائدہ اٹھاتے رہے؛ چوں کہ گھریلو ماحول سب کے ساتھ مل کر زندگی گذارنے کا تھا؛ لہٰذا سلسلہ جاری رہا، زید اور اس کے لڑکے مع بال بچوں کے شہر میں رہتے رہے، اچانک زید کا اکلوتا لڑکا بیمار ہوا اور دنیا سے رخصت ہو گیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا صرف کسی کے نام زمین کی رجسٹری کر دینے سے وہ مالک ہو جاتا ہے جب کہ اس کا قبضہ اور عمل دخل نہ ہو؟ اور کیا کسی غیر کے رجسٹری کر دینے سے اصل کی رجسٹری سمجھی جائے گی؟ اور کیا اس لڑکے کے وارثین حقدار بن سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دیہات کی وہ زمین زید نے مالک سے خود ہی خریدی یعنی سودے کا ایجاب وقبول مالک زمین کے ساتھ زید ہی نے کیا، تو زید اس زمین کا مالک بن گیا، اب ایک مدت کے بعد اس کی رجسٹری زید کے سمدھی نے زید کے بیٹے عبداللہ کے نام کرائی اور وہ بھی زید کی اجازت سے نہیں؛ بلکہ اپنی مرضی سے جس پر زید نے ناراضگی کا اظہار بھی کیا، اور اس کے بعد بھی زید نے کوئی ایسا معاملہ بخشش یا فروختگی وغیرہ کا اس زمین کے سلسلہ میں اپنے بیٹے سے نہیں کیا، تو یہ زمین زید ہی کی ہے، زید کے سمدھی کے زید

کے بیٹے عبداللہ کے نام رجسٹری کرالینے سے وہ عبداللہ کی ملکیت میں نہیں آئی۔ (ماخوذ از امداد الفتاوی ۳/۳۶، ۳۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

خرید وفروخت میں نفع کا حکم

سوال: ایک شخص نے ایک لاکھ میں مکان خریدا اور چار لاکھ میں فروخت کیا، زائد تین لاکھ جائز ہے یا ناجائز؟ واضح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شرعی طور پر خرید وفروخت ہوئی ہے تو وہ منافع جائز ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تجارت میں نفع کی کوئی حد ہے؟

سوال: تجارت میں نفع کہاں تک درست ہے؟ جب کہ ایک ہی نوع کی بعض چیزوں میں نقصان اور کم نفع بھی ہوتا ہے جو ناکافی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نفع کی مقدار کے سلسلہ میں کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گزرا؛ البتہ تاجر نے خود جس قیمت میں وہ خریدی ہے اس سے دوگنی قیمت لے کر بیچنے کو فقہا صریح ظلم و زیادتی سے تعبیر فرماتے ہیں۔

لا يسعر إلا إذا ا بوا أن يبيعوه إلا بغبن فاحش ضعف القيمة (تبيين الحقائق للزيلعي شرح كنز الدقائق:٢٨٦) إلا إذا تعدى الأرباب عن القيمة تعديا فاحشا فيسعر الخ (درمختار) (قوله تعد يا فاحشا) بينه الزيلعي وغيره بالبيع بضعف القيمة.(الشامي٥/٢٨٣)

اس سے مترشح ہوتا ہے کہ سو فیصد نفع لینا درست نہیں ہے؛ لیکن اس کے باوجود اگر اتنا نفع لیا اور مشتری نے بطیب خاطر خرید اتو بائع کے لیے حلال ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ رشوال ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کیا گاہک سے مقدمہ کے مصارف وصول کر سکتے ہیں؟

سوال: کوئی گاہک تاجر کو بقایا ادا نہیں کرتا، اب اس تاجر نے کورٹ میں مقدمہ دائر کیا اور مقدمہ میں فیصلہ یہ ہوا کہ قرض دار قرض کی رقم مع سود اور مقدمہ کے خرچ کے ادا کرے، سود تو خیر لینے کا سوال ہی نہیں ہوتا مگر سوال یہ ہے کہ گاہک کی بدمعاملگی اور خلاف عہد کی وجہ سے تاجر کو مقدمہ کا خرچ کرنا پڑا اور تکلیف اٹھانی پڑی تو مقدمہ کا خرچ گاہک سے وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب کسی کو اپنے حق کی حفاظت کے لیے بہ مجبوری نالش کرنا پڑے اور فریق مخالف کی طرف سے بالکل مخاصمانہ کاروائیوں کی وجہ سے بہت سے مصارف برداشت کرنا پڑے تو اس صورت میں خرچہ کا روپیہ لینا بہت سے علماء کے نزدیک (ومنہم

مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ) جائز ہے۔ (امداد الفتاوی ۳/ ۱۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ثمن کی وصولیابی کے مصارف خریدار سے وصول کر سکتے ہیں؟

سوال: ایک تاجر نے قرب وجوار کے دیہات کے کسی مشتری کو ایک ماہ کی مدت سے قرض مال دیا؛ لیکن مشتری نے حسب وعدہ وہ رقم ادا نہیں کی حتی کہ تاجر کو اس رقم کی وصولیابی کے لیے خریدار کے پاس کرایہ خرچ کر کے جانا پڑا بلکہ کئی بار جانا پڑا تو کیا تاجر اس خریدار سے آمد ورفت کے مصارف وصول کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مشتری کے لیے ضروری ہے کہ حسبِ وعدہ ثمن ادا کر دے؛ لیکن اس نے ادا نہیں کی اور تاجر از خود کرایہ خرچ کر کے اس کے پاس گیا تو اس کرایہ کی ذمہ داری خود تاجر پر ہے، وصولیابی کے لیے جانا تاجر کا اپنا فعل ہے اس کے مصارف وہ مشتری سے وصول نہیں کر سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قیمت کے تعین میں سیل ٹیکس شمار ہوگا؟

سوال: اس ملک میں خرید وفروخت کا معاملہ سیل VAT ٹیکس کے ساتھ ہے تو سونا چاندی کی زکوٰۃ اور مہر فاطمی کی ادائیگی کے وقت اور قربانی کا نصاب متعین کرتے وقت VAT کے ساتھ قیمت لگائی جائے گی یا بغیر VAT کے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سیل ٹیکس اگر قیمت کا جزء سمجھا جاتا ہے کہ اس کے بغیر خرید وفروخت نہیں ہوسکتی تو قیمت کے تعین میں اس کا بھی شمار ہوگا، اگر زکوٰۃ ومہر فاطمی کی ادائیگی بصورت قیمت ہورہی ہے اور قربانی کے نصاب کا تعین بصورت قیمت کیا جارہا ہے، تو قیمت کے تعین میں اس کا شمار ہوگا، اس لیے کہ قیمت کے تعین میں وہ تمام عوامل مدنظر رکھے جاتے ہیں جو اس کی کمی بیشی پر اثر انداز ہوتے ہیں؛ البتہ اگر کسی کے پاس خود سونا یا چاندی موجود ہے تو اس میں وزن کا اعتبار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

رعایتی دام سے خریدی ہوئی چیز زیادہ نفع لے کر بیچنا

سوال: ① چند افراد نے مل کر محدود افراد کی (پرائیویٹ لمیٹیڈ) تجارتی سوسائٹی بنائی، جس میں مختلف اقسام کے سامان کی خرید وفروخت ہوتی ہے، یہ سامان سوسائٹی کے ممبران ہی کو فروخت کیا جاتا ہے، تجارتی سوسائٹی کو حکومت کی طرف سے ٹیکس معاف رہتا ہے، مثلاً کسی چیز کی قیمت پندرہ روپیے ہے، اور پانچ روپے اس پر ٹیکس لگتا ہے تو اس کی قیمت بیس روپے ہوجاتی ہے، مذکورہ چیز بازار میں بائیس روپے میں بکتی ہے، مگر سوسائٹی کے رکن (ممبر) کو وہ چیز پندرہ روپے میں ہی مل جاتی ہے۔

تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ سوسائٹی کا رکن اس چیز کو جو اسے پندرہ روپے میں ملی ہے اور جو اس کی اپنی ملکیت ہے کسی اور شخص کو سترہ روپے میں بیچ سکتا ہے یا نہیں؟

② سوسائٹی مختلف کمپنیوں سے مال خریدتی ہے، ممبران کو جس مال کی ضرورت

ہوتی ہے، اس کے حصول کے لیے ضروری کاغذات اس کمپنی کے دفتر میں جمع کرنا ہوتے ہیں، اس کے بعد وہ کمپنی اس ممبر کے لیے یومیہ ضرورت کے حساب سے کوٹہ مقرر کرتی ہے، بسا اوقات مقررہ کوٹہ زائد ہوجاتا ہے، تاہم کمپنی کی طرف سے پورے سال کا کوٹہ دیا جاتا ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ کہ کمپنی سے ملنے والے مال کو جو کبھی ضرورت سے زائد بھی ہوتا ہے، اور کبھی ضرورت کے برابر بھی یہ ممبر کسی اور ضرورت مند کو فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ یہاں بھی سوسائٹی کے مال پر حکومت کی جانب سے ٹیکس معاف ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① تجارتی سوسائٹی کے ممبران کو حکومت کی طرف سے ٹیکس میں دی جانے والی رعایت کے نتیجہ میں جو چیز عام بازار میں فروخت ہونے والی اسی نوع کی چیز کے مقابلہ میں ارزاں ملی ہے، سوسائٹی کا ممبر خریدنے کے نتیجہ میں اس کا مالک ہوجاتا ہے، اس کے بعد بحیثیت مالک اس کو اپنی چیز فروخت کرنے کا شرعاً حق ہے، جس قیمت پر چاہے فروخت کرے؛ لیکن اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ اگر اس کا یہ طریقِ کار خلافِ قانون ہے تو اس میں عزت اور مال کا خطرہ ہے، نفع کے خاطر عزت اور مال کو خطرہ میں ڈالنا دانش مندی کی بات نہیں۔ (ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ: ۱۲/ ۳۴۰)

② اس کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر جواب نمبر ایک میں تحریر کیا گیا، البتہ مال کے حصول کے لیے جو ضروری کاغذات کمپنی میں جمع کرائے جاتے ہیں ان میں جھوٹ

اور فریب کا ارتکاب نہ ہو اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ایضاً

سوال: ایک تنظیم کے اراکین کو حکومت کی طرف سے ایندھن کم دام میں مہیا کیا جاتا ہے، مگر اس تنظیم کے بعض ممبران جن کی کشتیاں بند ہیں، یا جنھوں نے ایندھن منظور ہونے سے پہلے ہی اپنی کشتیاں بیچ ڈالی ہیں، یا ایندھن منظور ہونے کے بعد سال مکمل ہونے سے پہلے اپنی کشتیاں بیچ ڈالیں، اس کے باوجود یہ تینوں طرح کے ممبران حکومت کی مراعات (سہولت) کے ساتھ ایندھن حاصل کر کے اپنے طور پر دوسرے لوگوں کو زیادہ دام میں فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کی طرف سے حاصل شدہ رعایتی دام کے ذریعہ سے خرید کر آدمی مالک ہو جاتا ہے، مالک کو اپنی چیز فروخت کرنے کا حق ہے، جس قیمت پر چاہے فروخت کرے؛ لیکن اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ اگر یہ خلافِ قانون ہے تو پھر عزت اور مال کا خطرہ ہے نفع کی خاطر عزت اور مال کو خطرہ میں ڈالنا دانش مندی کی بات نہیں۔ (فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۳۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

خیار عیب بہر حال خریدنے والے کو حاصل ہے

سوال: آج تقریباً پینتیس سال سے ہم ہوگ استعمال شدہ کارٹون خرید کر اور پھر بعد میں استعمال شدہ بتلا کر اور کہہ کر بیچنے کا دھندا کرتے ہیں، یعنی سیکنڈ بتلا کر بیچتے ہیں حالاں کہ چند سال قبل جب کہ دعوت کے کام میں نہیں لگے تھے اس وقت مال بدلنے کی شرط نہیں لگاتے تھے، اب احساس ہوا تو مال بدلنے کی شرط بھی لگاتے ہیں اور جو بھی نقصان والا مال ہو تو اس کو واپس بھی لے لیتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود گاہک یعنی بیوپاری کو بتلا دیا جاتا ہے کہ جو مال آپ نے خریدا ہے اس میں اگر کوئی ڈیفکٹ ہو تو دیکھ لینا اور جو مال آپ کو نہ چلے وہ مال ہم کو واپس کر دینا، اب چاہے تو اس کے بدلہ میں دوسرا اچھا مال لے لینا یا قیمت واپس لے لینا، اب اس طرح کے معاملہ میں گاہک چھ چھ مہینہ کے بعد بھی کوئی کارٹون واپس کرتا ہے تو ہم واپس کر لیتے ہیں؛ لہٰذا اس طرح خرید وفروخت کرنا کیسا ہے؟ اور جو اس طرح سے خرید وفروخت کے معاملہ میں مال کو واپس بھی نہ لے اور قیمت بھی واپس نہ کرے تو یہ معاملہ جائز ہے یا ناجائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب کوئی آدمی کسی کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرتا ہے، اس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ فروخت ہونے والی چیز عیب سے پاک ہے؛ اس لیے اگر بعد میں معلوم ہوا کہ اس میں کوئی عیب ہے تو شرعاً خریدنے والے کو اختیار حاصل ہے کہ اگر اس کو اپنے پاس رہنے دینا چاہتا ہے تو جو قیمت ادا کی ہے اسی کے عوض رہنے دے، اور اگر واپس کرنا چاہے تو واپس کر کے اپنی پوری قیمت لوٹا لے، اس کو شریعت کی اصطلاح میں

خیارعیب کہا جاتا ہے، بیچنے والا چاہے یہ اختیار دے یا نہ دے؛ بہرحال خریدنے والے کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے؛ البتہ اس کے لیے ضروری ہے کہ خریدنے والے کے پاس جا کر اس میں کوئی نیا عیب پیدا نہ ہوا ہو۔

فقہ کی مشہور کتاب کنز الدقائق اور اس کی شرح زیلعی میں ہے:

من وجد بالمبيع عيبا أخذه بكل الثمن، أو رده، لأن مطلق العقد يقتضي السلامة من العيب فكانت السلامة كالمشروط في العقد صريحا لكونها مطلوبة عادة.(تبيين الحقائق،۴/ ۳۱)

اس لیے آپ جو معاملہ کر رہے ہیں وہ درست ہے، اور شریعت کے مطابق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خیارعیب کب ساقط ہوجاتا ہے؟

سوال: بلاعیب اور عیب کی وجہ سے بیع کے فسخ کرنے کا اختیار کب تک ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بوقتِ عقد یا قبضۂ مبیع عیب پر خریدار کو واقفیت ہو، یا عقد وقبضہ کے بعد خریدار عیب پر راضی ہوجائے، یا بائع نے ہر عیب سے براءت ظاہر کردی تھی، یا صلح کرلی تھی، یا کسی معین عیب کے متعلق خریدار نے یہ اقرار کرلیا کہ یہ عیب موجود نہیں ہے، تو ان تمام صورتوں میں خیارِ عیب ساقط ہوجاوے گا۔

قال في البحر وإلى هنا ظهر أن خيار العيب يسقط بالعلم به وقت البيع أو وقت القبض أو الرضا به بعدهما أو اشتراط البراءة من

کل عیب الخ (شامي،۴/ ۱۱۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

گڑ سے چائے خراب ہوجائے تو واپس کر سکتے ہیں؟

سوال: زید نے گڑ خریدا اور گھر جا کر چائے بنائی تو پھٹ گئی (خراب ہوگئی) تو گاہک کو اس گڑ کے واپس کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عیب وہ بات ہے جس کی وجہ سے مال فروخت شدہ کی قیمت تاجروں اور جاننے والوں کے نزدیک کم ہوجائے۔ (شامی ۴/ ۸۰) صورت مسئولہ میں بھی اگر چائے کے گڑ میں یہ بات عیب شمار ہوتی ہے، اور یہ عیب گڑ میں پہلے سے یعنی بائع کی ملک ہی میں پیدا ہوا تھا تو خریدار کو خیار عیب حاصل ہے بشرطیکہ بائع نے بوقت عقد اس کو بیان نہ کیا ہو، اور نہ ہی اس نے تمام عیوب سے برأت کی شرط کی ہو۔ (کما في کتب الفقه في باب خیار العیب) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خیار عیب: یعنی مال میں خرابی اور عیب کی وجہ سے دکان دار کو مال لوٹانے کا اختیار۔ از مرتب عفی عنہ

خریدار کی ملکیت میں دودھ خراب ہوا تو بائع ذمہ دار نہیں

سوال: ایک شخص نے ہوٹل والے سے روزانہ پچاس لیٹر دودھ پہنچانے کا چھ ماہ کا معاہدہ کیا، اور روزانہ ملازم کے ساتھ دودھ بھیجتا ہے اور خود مالک ہفتہ میں ایک

روز ہوٹل والے سے ہفتہ بھر کا حساب لینے جاتا ہے، اور اگر کسی روز دودھ خراب ہو گیا تو خریدار بائع سے کہتا ہے کہ فلاں دن کا دودھ خراب ہو گیا تھا اس کی قیمت نہیں دوں گا یا مقررہ قیمت سے کم دوں گا تو کیا از روئے شرع اس طرح کرنا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دودھ ہوٹل والے کے قبضہ میں آنے کے بعد پھٹ گیا تو اس کی ذمہ داری بائع پر نہیں ہے۔

و أما شرائط ثبوت الخيار فمنها: ثبوت العيب عندالبيع، أو بعده قبل التسليم حتى لو حدث بعد ذلك لايثبت الخيار.

(بدائع الصنائع:٣/٦٦، عالمگیری ٥/ ٢٧٥)

اس لیے ہوٹل والے کا مقررہ قیمت سے کم دینا یا قیمت ہی نہ دینا شرعاً جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کپڑے کا رنگ کچا ہونا عیب ہے یا نہیں؟

سوال: کسی تاجر نے گاہک کو ایک رنگین کپڑا فروخت کیا، رنگ کی پائیداری یا عدم پائیداری کی کوئی بات تاجر و گاہک کے درمیان میں نہیں ہوئی؛ لیکن گاہک وہ کپڑا دھونے کے بعد واپس لایا کہ اس کا رنگ کچا ہے چلا جاتا ہے، آیا گاہک کو ایسی صورت میں کپڑا واپس کرنے کا حق ہے، اور تاجر کے لیے واپس لینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر یہ چیز تجار کے عرف میں عیب سمجھی جاتی ہے تو خریدار کو دھونے سے پہلے واپس

کرنے کا حق ہے، اور دھونے کے بعد واپس تو نہیں کرسکتا؛ البتہ عیب کا نقصان وصول کرسکتا ہے۔ (شامی، باب خیار العیب ٤/ ٨٠١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ١٠/ ربیع الثانی ١٤٠٩ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عیب سے سلامتی کی شرط پر گابھن بھینس خریدنا

سوال: گابھن بھینسوں کا اس شرط پر خریدنا بیچنا، کہ تھن اور دل کا عیب نہ ہو، تو طے شدہ پوری قیمت دی جائے گی، اور اگر عیب نکل آیا، تو قیمت میں کمی کردی جائے گی، اور بعض مرتبہ واپس کردینے کی شرط بھی کی جاتی ہے، تو کیا اس طرح معاملہ کرنا شرعاً درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مبیع میں اگر کوئی عیب ہے، تو خریدار کو خیار عیب حاصل ہے، چاہے بوقت عقد مشتری نے اپنے لیے خیار عیب کی شرط لگائی ہو، یا اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا ہو۔ عیب ہر اس چیز کو کہیں گے، جس کی وجہ سے تاجروں کے نزدیک اس مبیع کی قیمت میں کمی ونقصان آتا ہو۔

ان خيار العيب يثبت بلا شرط ولا يتوقت، ولا يمنع وقوع الملك للمشتري (شامي ٤/ ٧٩) (ومن وجد بمشريه ما ينقص الثمن) ولو يسيراً جوهره (عند التجار) المراد بهم أرباب المعرفة بكل تجارة وصنعة قاله المصنف (أخذه بكل الثمن أو رده) (درمختار مع الشامی ٤/ ٨٠)

صورتِ مسئولہ میں دل کے عیوب کا ذکر ہے، اگر بھینس کے تاجروں کے یہاں

عیب شمار کیے جاتے ہیں، تو اب خریدار کو خیارِ عیب حاصل ہے؛ البتہ یہ شرط ضرور ہے کہ عیب بائع کے یہاں سے آیا ہو، مشتری کے پاس آکر پیدا نہ ہوا ہو۔

لابد للمسئلة من قيود الأول أن يكون العيب عند البائع.

(بحر الرائق٦ /٣٩)

اس لیے مذکورہ عیوب معلوم ہونے پر خریدار بھینس کو واپس کرسکتا ہے چاہے بوقت بیع ایسی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو؛ اس لیے واپسی والی شرط کے باوجود بیع درست ہوگی اور بصورتِ ظہورِ عیب واپس کرنا بھی درست ہوگا؛ البتہ مشتری قیمت میں کمی کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا یعنی اگر رکھنا ہے تو پوری قیمت ادا کرے یا پھر واپس کردے۔

أخذه بكل الثمن أورده.(درمختار علىٰ هامش الشامي٤/ ٨٠)

ہاں! اگر مشتری کے پاس آکر اس بھینس میں زیادتِ متصلہ غیر متولدہ یا منفصلہ متولدہ (مثلاً بچہ، دودھ وغیرہ) پیدا ہوئی تو اس صورت میں جانور واپس کرنے کے بجائے اس عیب کی وجہ سے قیمت میں جتنی کمی تاجروں کے عرف میں آتی ہو اتنی مقدار (قیمت میں سے) واپس لے (اگر قیمت ادا کرچکا ہے) یا کم ادا کرے (اگر ادائیگی باقی ہے)۔

حدث عيب آخر عند المشتري رجع بنقصانه وله الرد برضا البائع.

(تنوير الابصار على هامش رد المحتار٤ /٨٨،٨٩) إلا لمانع عيب أو زيادة.

(درمختار على هامش الشامي٤ /٩٠)

وحاصله أنه يمتنع الرد في موضعين في المتصلة الغير المتولدة مطلقا، وفي المنفصلة المتولدة لو بعد القبض كما في البزازية. (شامي٤/ ٩٠)

جس صورت میں قیمت میں کمی کرنے کا اختیار مشتری کو نہیں (بلکہ یا تو پوری

قیمت دے کر رکھ لے یا مبیع واپس کردے) اس صورت میں اگر بائع کچھ رقم دے کر صلح کرنے پر آمادہ ہوگیا تاکہ مشتری واپس نہ کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

وجد المشتري بمشريه عيبا و أراد الرد به فاصطلحا على أن يدفع البائع الدراهم إلى المشتري ولا يرد عليه جاز و يجعل حطا من الثمن (درمختار) (قوله الدراهم) الأولى دراهم بالتنكير.(شامي؛ /١٠٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ٨/صفر المظفر ١٤٠٩ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بیع مرابحہ، مساومہ اور تولیہ کے طور پر ہوٹل کے حصوں کی بیع

سوال: زید ایک ہوٹل دس ہزار روپے میں خریدتا ہے اور اس میں دوسروں کو شریک کرنا چاہتا ہے، تو یہ کہہ کر شریک کرتا ہے کہ:

(الف) میں نے یہ ہوٹل دس ہزار میں خریدا ہے؛ لیکن اس کو پندرہ ہزار کا قرار دے کر حصہ دار بنانا چاہتا ہوں، گویا اس ہوٹل کے سو حصے کرتا ہے تو ایک حصہ ایک سو پچاس (١٥٠) کا پڑتا ہے، جو شخص جتنے چاہے حصے لے سکتا ہے۔

(ب) زید یہ نہیں کہتا کہ ہوٹل اس کو کتنے میں پڑا ہے، صرف یہ کہتا ہے کہ ایک حصہ ایک سو پچاس (١٥٠) کا ہے، اور ایسے سو حصے ہیں حالاں کہ زید کو ایک حصہ سو میں پڑا ہے۔

(ج) زید کو یہ ہوٹل دس ہزار میں پڑا ہے؛ لیکن غلط بیانی سے کام لے کر یہ کہتا ہے کہ مجھے یہ ہوٹل پندرہ ہزار میں پڑا ہے، اس میں شریک کرنا چاہتا ہوں۔

ان تینوں صورتوں کا شرعاً جو حکم ہو بیان فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(الف) یہ بیع مرابحہ ہے جو جائز ہے۔

وشرعاً:بيع ماملكه بما قام عليه وبفضل.

(تنوير الابصارمتن در مختار على هامش رد المحتار٤ /١٧١،١٧٠)

(ب) یہ بھی جائز ہے اس کو فقہاء کی اصطلاح میں بیع مساومہ کہتے ہیں۔

(قوله ولم يذكر المساومة) هي البيع بأي ثمن كان من غير نظر إلى الثمن الأول وهي المعتادة.(شامي٤ /١٧٠)

وإن اعتبر من حيث تعلقه بالثمن أو بمقدار فهو أربعة أيضا لأنه إن كان بمثل الثمن الأول مع زيادة فمرابحة، أو بدون زيادة فتولية، أو انقص من الثمن فوضيعة، أو بدون زيادة ولا نقص فمساومة، وزاد في البحر خامسا وهو الاشتراك أى أن يشرك غيره فيما اشتراه أى بأن يبيعه نصفه مثلاً، وتركه الشارح لأنه غير خارج عن الاربعة.(شامي٤ /٣)

قوله (قوله بدون زيادة ولا نقص فمساومة) أى بدون نظر لزيادة ولانقص لمايأتى أن المساومة هي البيع بأي ثمن كان من غير نظر إلى الثمن الأول.(تقريرات الرافعي على الشامي٢ /١١٠)

(ج) اس طرح کرنا جائز نہیں ہے، اب اگر اس نے ساتھ میں یہ بھی کہا کہ مجھے جتنے میں پڑا ہے، اس حساب سے میں شریک کرتا ہوں، تو یہ بیع تولیہ ہوگی جس کا حکم یہ ہے کہ اس میں خیانت ثابت ہوجانے پر مشتری (خریدنے والا) اس مقدار خیانت کو ثمن میں سے کاٹ لے گا، اور اس نے صرف اتنا کہا کہ یہ ہوٹل مجھے پندرہ ہزار میں پڑا ہے، (حالاں کہ دس ہزار میں پڑا تھا) اور میں اس میں شریک کرنا چاہتا ہوں؛ لیکن

ساتھ میں یہ جملہ ''جتنے میں مجھے پڑا اسی حساب سے شریک کرتا ہوں'' نہیں کہا ہے تو اس صورت میں مشتری (خریدار) کو جب خیانت کا علم ہو اس کو اختیار ہے کہ اس بیع کو فسخ کردے، البتہ قیمت کم نہیں کرسکتا یعنی مقدار خیانت کو ثمن میں سے کاٹ نہیں سکتا۔

وإن خان في المرابحة فهو بالخيار إن شاء أخذ بكل الثمن وإن شاء ترك، وإن خان في التولية حطها من الثمن.(عالمگیری۳ /۱۶۲)

(فإن ظهر خيانته في مرابحة بإقراره أو برهان) على ذلك أو (بنكوله) عن اليمين (أخذه) المشتري (بكل ثمنه أو ردّه) لفوات الرضاء، (وله الحط) قدر الخيانة (في التولية) لتحقق التولية.

(درمختار على هامش الشامي٤ /١٧٤)

وقوله وحط أي أسقط قدر الخيانة من المسمىٰ وفي السراج الوهاج، وصور الخيانة في التولية إذا اشترى ثوبا بتسعة وقبضه ثم قال لآخر اشتريته بعشرة ووليتك بما اشتريته فاطلع على ذلك اهـ..... وقدمنا أنه إذا اشترىٰ متاعاً و رقمه بأكثر من ثمنه وباعه مرابحة على الرقم فإنه يجوز وقيده في المحيط بما إذا كان عند البائع أن المشتري يعلم أن الرقم غير الثمن، فأما إذا كان المشتري يعلم أن الرقم والثمن سواء فإنه يكون خيانة وله الخيار كذا فى المحيط.(البحر الرائق٦ /١٢٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ / ذوالحجۃ الحرام ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مختلف اشیاء مجموعی قیمت سے خریدنا

سوال: بعض مرتبہ گاہک دکان پر آکر چند اشیاء کا آرڈر دے جاتا ہے، تاجر ان اشیاء کو تول کر رکھ دیتا ہے گاہک آکر پوچھتا ہے کتنا پیسہ ہوا؟ تاجر مجموعی قیمت بتاتا ہے اور گاہک پیسے دے کر اپنی خریدی ہوئی چیزیں لے کر چلا جاتا ہے، اس طرح کی خرید وفروخت درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خرید وفروخت کی ایک جائز صورت

سوال: بکر کو کچھ رقم کی ضرورت پڑی تو اس نے زید سے مطالبہ کیا، زید نے اس سے کہا کہ میں نقد رقم تو تجھ کو نہیں دے سکتا؛ البتہ غلہ ادھار دے سکتا ہوں جسے تو بیچ کر نقد رقم بنا سکتا ہے؛ چناں چہ بکر نے اتفاق کر لیا، پھر زید نے عمر سے اسّی روپیہ من کے حساب سے غلہ لا کر بکر کو ایک سال کے وعدہ پر سو روپے من کے حساب سے بیچ دیا، جس کو بکر نے خرید کر بازار میں اسّی روپے من کے حساب سے بیچ دیا اور رقم اپنے استعمال میں لے آیا، تو اب مذکورہ صورت میں زید کا اس طرح بیع کرنا درست ہے یا کوئی حرج ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے بشرطیکہ زید کا تاجر سے گٹھ جوڑ نہ ہو، اور بکر بعد میں اسی تاجر سے نہ

بیچے۔(کما یفهم من الشامیة،/ ۳۱۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ڈِیلر اور بینک سے گاڑی خریدنے کی چند صورتیں

سوال: ایک شخص گاڑی خرید رہا ہے خریدتے وقت گاڑی ڈِیلر (Dealer) سے گاڑی کی قیمت طے کرتا ہے اور گاڑی ادھار لیتا ہے جس کی تین صورتیں ہیں:

مثلاً: (الف) گاڑی کی قیمت ۱۴,۶۵,۰۰۰

نقد لیتا ہے تو ڈسکاؤنٹ ۱,۲۵,۰۰۰

کل قیمت ۱۳,۴۰,۰۰۰ روپے

(ب) ادھار لیتا ہے تو ۱۴,۶۵,۰۰۰

نقد ادا کرنا ہے: ۶۵۰۰۰

باقی رہے ۱۴,۰۰,۰۰۰ روپے

یہ (۱۴,۰۰,۰۰۰) روپے چار سال کے اندر ادا کرنا طے ہوا ہے جس میں ہر مہینہ (۲۹,۱۶۷) کے چیک ابھی دے دینے ہیں۔

(ج) اگر گاڑی میں ڈسکاؤنٹ نہیں ہے اور چار سال کی ادھاری پر لیتا ہے تو گاڑی کی قیمت ۱۶,۳۳,۰۰۰ نقد ادا کرنا ہے ۶۵,۰۰۰ باقی رہے ۱۵,۶۸,۰۰۰

یہ (۱۵,۶۸,۰۰۰) چار سال کے حساب سے ہر مہینہ کے (۳۲,۶۶۷) کے اڑتالیس چیک ابھی دے دینے ہیں۔

اوپر کیے گئے تینوں معاملوں میں نقد کا ایک چیک اور قسط کا ایک چیک ڈِیلر کے

نام کا اور باقی تمام چیک بینک کے نام کے ہوتے ہیں، اور دوسری صورت میں نقد کا ایک چیک اور قسطوں کے اڑتالیس چیک رقم بھر کر بغیر نام لکھے یا تو ڈِیلر کو یا بینک کو دے دیتے ہیں، اس طرح گاڑی خرید سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے سوال میں یہ بات وضاحت طلب ہے کہ گاڑی کی خریداری کس سے کی جارہی ہے؟ یعنی یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ گاڑی بیچنے والا کون ہے؟ ڈیلر یا بینک؟ اگر گاڑی بیچنے والا ڈیلر ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بینک بیچ میں کیوں آیا؟ سارا معاملہ ڈیلر سے ہونا چاہیے، قیمت کی ادائیگی یا چیک سب کچھ ڈیلر ہی کے نام کا ہونا چاہیے جیسا کہ سوال میں لکھا گیا ہے، بینک کے نام کے چیک کیوں لکھے جارہے ہیں؟

ہم اصولی طور پر کون سا معاملہ جائز ہے اور کون سا معاملہ ناجائز ہے؟ آپ کو بتلائے دیتے ہیں آپ اس جواب کو سامنے رکھ کر ان معاملات کا حکم سمجھ لیں۔

① اگر ڈیلر ہی گاڑی کا بیچنے والا ہے چاہے نقد بیچتا ہو یا ادھار قسطوں پر، اور سارا معاملہ ڈیلر ہی سے ہورہا ہے اندر میں بینک کا کوئی دخل نہیں، اور اس صورت میں نقد گاڑی خریدنے پر ادھار کے مقابلہ میں قیمت کم طے ہوتی ہے اور ادھار خریدنے پر نقد کے مقابلہ میں قیمت زیادہ طے ہوتی ہے؛ لیکن سودا کرتے وقت یہ بات صاف کردی جاتی ہے کہ یہ سودا نقد ہے یا ادھار تو اس صورت میں یہ معاملہ شرعی اعتبار سے درست ہے۔

② اسی طرح بیچنے والا بینک ہے اور اوپر لکھی ہوئی تفصیل کے مطابق دونوں

صورتیں ہیں تو اس صورت میں بھی معاملہ جائز ہوگا۔

(۳) اور اگر بیچنے والا تو ڈیلر ہے اور بینک خریدنے والے کی طرف سے ڈیلر کو ابھی پوری قیمت ادا کر دیتا ہے، اور پھر آئندہ قسطوں کی شکل میں اپنی ادا کی ہوئی رقم کچھ زائد مقدار کے ساتھ خریدنے والے سے وصول کرتا ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بینک نے خریدنے والے کی طرف سے قیمت کی جو مقدار ادا کی، بعد میں آگے چل کر بینک وہ قیمت خریدنے والے سے سود کے ساتھ وصول کر رہا ہے چوں کہ اس میں سود دینا لازم آتا ہے؛ اس لیے شرعاً یہ معاملہ درست نہیں۔

نوٹ: عام طور پر خریداری کے وقت صرف اتنا دیکھا جاتا ہے یہ گاڑی ادھار اتنی رقم میں ملی جس کو قسطوں کی شکل میں بینک کو اتنی مدت میں ادا کرنا ہے، اور اندر میں جو کاغذات تیار ہوتے ہیں وہ اسی طرح کے ہوتے ہیں کہ ڈیلر کے پاس سے خریدنے والا گاہک ہے اور بینک خریدنے والے کی طرف سے ڈیلر کو ساری رقم ادا کر دیتا ہے، اور بعد میں اپنے اصول کے مطابق خریدار سے وہ رقم سود کے ساتھ وصول کرتا ہے اور یہ ساری کارروائی بینک جا کر نہیں ہوتی بلکہ ڈیلر کے شوروم ہی میں ایک ٹیبل بینک والے کا ہوتا ہے اور وہیں سے یہ سب کام انجام دیا جاتا ہے، جو لوگ سارے معاملہ کے اندر کی تفصیلات سے واقف ہوتے ہیں وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں، اور جو لوگ اس کاغذی کارروائی کی اندرونی تفصیلات سے واقف نہیں ہوتے ان کو پتہ نہیں چل پاتا اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ۰٪ بیاج (سود) سے گاڑی خریدی، اور پھر مفتیان کرام سے اسی طرح سوال کرتے ہیں کہ ۰٪ بیاج (سود) سے گاڑی خریدنا درست ہے کہ نہیں؟ مفتی کے سامنے جب یہ بات رکھی جاتی ہے کہ بیاج (سود) ہے ہی نہیں تو پھر وہ جائز ہونے

کا فتویٰ دیتے ہیں؛ اس لیے آپ نے سوال میں جو صورتیں لکھی ہیں اس میں آپ یہ دیکھ لیجیے کہ معاملات کے اندر میں کوئی ایسی صورت تو نہیں جس کے نتیجہ میں بینک نے گاہک کی طرف سے ڈیلر کو قیمت ادا کی ہو اور بعد میں چل کر اپنی رقم زیادتی کے ساتھ وصول کر رہا ہو، اگر ایسا ہے تو سودی معاملہ ہونے کی وجہ سے یہ جائز نہیں، چاہے اس کو کوئی سا بھی نام دیا جائے۔

اوپر جواب میں جو تین صورتیں لکھی ہیں، اس میں دوسری صورت جس میں بینک کو بیچنے والا بتلایا گیا ہے وہ ایک حکم بتلانے کی غرض سے ہے ورنہ جیسا کہ ہمارے علم میں ہے بینک خود خرید و فرخت کا معاملہ قانونی طور پر نہیں کر سکتا ہے۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/۹/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مشترکہ ملکیت میں بیع اور وصیت

سوال: کریم محمد ابن ولی محمد نے اپنی زمین اور گھر اپنی حیات ہی میں اپنے حقیقی بھائی محمد یوسف ابن ولی محمد کو کورٹ سے لکھوا کر دیدی، اس لیے کہ کریم محمد کو کوئی اولاد وغیرہ نہ تھی، نہ لڑکا، نہ لڑکی، اور کریم محمد نے بھائی سے کہا کہ زمین اور گھر میری حیات میں میرے پاس رہیں گے، اور میرے مرنے کے بعد تم لے لینا، کچھ عرصہ کے بعد کریم محمد بھائی کا انتقال ہو گیا، تو ان کی بیوی دینے کے لیے تیار نہ تھی؛ بلکہ ضائع کرنے کی کوشش کر رہی تھی، اور اس میں دو فریق ہو گئے، ایک ان کی بیوی کی طرف، ان کی بیوی کا نام نوری ہے، تو نوری بہن کا فریق اس بات کی کوشش کر رہا ہے کہ ان کے بھائی یوسف کو کچھ نہ ملے، اور ان کا بھائی یوسف اور ان کا فریق اس بات کی کوشش کر رہے تھے

کہ مجھے میرے بھائی نے اپنی زندگی میں دیا ہے؛ لہٰذا مجھے ملنا چاہئے، اور یوسف بھائی نے کورٹ میں مقدمہ کیا کہ میں اس کا بھائی ہوں، اور ہماری شریعت کے اعتبار سے میں وارث ہوں؛ لہٰذا مجھے حق ملنا چاہئے جو میرا ہے، یہ لڑائی مسلسل دو سال چلتی رہی، کوئی نتیجہ نہیں نکلا، دو سال کے بعد اس بات پر صلح ہوئی کہ شرعی اعتبار سے کریم محمد بھائی کی ملکیت وارثوں میں تقسیم کی جائے، تو یہ طے ہوا کہ شرعی اعتبار سے یوسف بھائی کے آٹھ آنی حصہ ان کے بھائی کی ملکیت میں سے ہے، اور چار آنی کریم محمد بھائی کی بیوی، اور چار آنی کریم محمد اور یوسف بھائی دونوں کی ایک بہن ہے جن کا نام رتن ہے ان کی؛ لیکن اس وقت بھی صلح کرنے والے لوگوں میں یہ بات طے ہوئی کہ ابھی بارہ آنی وارثوں کو دے دیں گے تو چار آنی ملکیت میں نوری بہن کا گذارا ہونا مشکل ہے؛ لہٰذا نوری بہن کے مرنے کے بعد اس طرح حصے کئے جائیں؛ بلکہ نوری بہن کے دیور سے لوگوں نے کہا کہ یوسف بھائی! ابھی آپ کی آٹھ آنی اپنی بھابھی نوری بہن کے پاس رہنے دو، چار آنی پر ان کا گذارا نہیں ہوگا، اور آپ کی بھابھی کے انتقال کے بعد آپ کی آٹھ آنی حصہ ہم دے دیں گے، تو یوسف بھائی نے کہا کہ ٹھیک ہے۔

اس کے بعد تین سال گذرے اور نوری بہن نے اپنی موت سے چھ ماہ پہلے پوری زمین احمد بھائی کو بیچ دی، اور خریدار احمد بھائی نے وہ کاغذات، یعنی دستاویز کسی کو ظاہر نہیں کئے، اور جب نوری بہن کا انتقال ہوا تو اس کے بعد پتہ چلا کہ نوری بہن نے زمین احمد بھائی کو بیچ دی ہے، تو پھر میں احمد بھائی سے ملا اور کہا کہ بھائی آٹھ آنی ملکیت کے ہم وارث ہیں، اور وہ آٹھ آنی نہ تو ان کو بیچنے کا حق تھا، اور نہ تم کو خریدنے کا کوئی حق تھا، ہماری آٹھ آنی ہم نے ان کو موت تک استعمال کے لیے دی تھی، تو احمد

بھائی نے کہا کہ نوری بہن نے مجھے بیچی ہے اور میں نے خریدی ہے، اور دستاویز بھی ہو چکا ہے، چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا؛ چوں کہ نیت خراب تھی، دو لاکھ کی ملکیت بیس ہزار میں خریدی تھی، اور بیس ہزار بھی ابھی دیے نہیں، اور نوری بہن مرگئی، پھر ہم نے پوری زمین احمد بھائی سے کورٹ کی مدد لے کر چھڑائی، اور اس میں پچیس ہزار روپے خرچ ہوا، اور یہ خرچہ نوری بہن نے ہمارے حصہ کی ملکیت بیچ دی جس کے نتیجہ میں ہوا، تو اس صورت میں نوری بہن کے چار آنی حصہ میں سے ہم خرچ لے سکتے ہیں؟ اور اگر لے سکتے ہیں تو کتنا لے سکتے ہیں؟ اور اس سے پہلے کہ جہاں پر صلح ہوئی وہاں تک تیس ہزار خرچہ ہوا وہ بھی ہمارے حق کے طلب میں ہی ہوا ہے، تو اس صورت میں شریعت خرچ لینے کی اجازت نوری بہن کے حصہ میں سے دیتی ہے یا نہیں؟

تنقیح:

احمد بھائی نوری بہن کے انتقال کے بعد دعویٰ کرتے ہیں کہ میں نے یہ زمین نوری بہن سے خریدی تھی، تو وضاحت طلب یہ ہے کہ اس خریداری کا کوئی شرعی ثبوت احمد بھائی کے پاس موجود ہے؟ نیز کیا احمد بھائی کو یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ پوری زمین نوری بہن کی ملک نہیں ہے؛ بلکہ اس میں دیگر ورثاء کا حصہ ہے؟ آپ سوال میں ان دونوں امور کی وضاحت فرمائیں اس کے بعد ہی آپ کے سوال کا جواب دیا جاسکے گا۔

جوابِ تنقیح:

نوری بہن نے ایک گھر اور زمین جس میں ان کا چوتھائی حصہ تھا اور تین چوتھائی دوسرے کے تھے، اولاً انھوں نے مرنے سے تین سال پہلے مدرسہ کے لیے اپنے حصہ کے وقف کی وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد اس گھر اور زمین کو مدرسہ میں

وقف دینا، پھر انھوں نے اپنے انتقال سے چھ ماہ پہلے حالت صحت وہوش میں اپنے حصہ کی اور دوسروں کے حصہ کی، یعنی پوری زمین ایک آدمی کے ہاتھ بیچ دی، اور اس مشتری کا پہلے ہی سے قبضہ تھا، وہی اس زمین کو جوتتا تھا، اور مشتری نے پیسے ادا نہیں کئے اور نوری بہن کا انتقال ہوگیا، پھر وہ پوری زمین دوسرے حصہ داروں نے کسی اور شخص کو بیچ دی، اب نوری بہن کے حصہ کی رقم مدرسہ میں وقف کے طور پر اس سے چھوڑا کر دی جاوے یا خریدار کو دی جاوے یا نوری بہن کے وارثوں کو دی جائے؟ شریعت میں اس کا جو بھی حکم ہو اس سے ہمیں آگاہ فرمادیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نوری بہن نے اپنے انتقال سے پہلے جو بیچنے کا معاملہ کیا ہے، اگر اس کا شرعی ثبوت موجود ہے، تو نوری بہن کے حصہ میں بیع درست ہوئی، اور وفات سے پہلے شئے موصیٰ بہ موصی کی ملک سے نکل چکنے کی وجہ سے وصیت باطل ہوگئی، اور دیگر شرکاء کے لیے اتنی زمین کا مشتری کی اجازت کے بغیر کسی اور شخص کو بیچنا درست نہیں ہے، اتنے حصہ کا مالک وہی مشتری ہے جس نے نوری بہن کے پاس سے اس زمین کو خریدا تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سوال: بعدہٗ عرض کہ آپ نے اس فتوے میں دو باتوں کی وضاحت چاہی تھی دونوں باتوں کی وضاحت حسبِ ذیل ہے:

پہلی بات آپ نے یہ پوچھی کہ جس کے ہاتھ نوری بائی نے زمین بیچی ہے اس کا

ثبوت کورٹ کے اعتبار سے دستاویز ہے، یعنی ایگریمنٹ ہے، اور دوسری بات وضاحت طلب یہ تھی کہ وہ خریدنے والا یعنی مشتری جانتا تھا کہ اس زمین میں دوسرے شرکاء کا حق ہے مکمل طور پر اس کو اس مذکورہ بات کا علم تھا یہ دو باتیں مکمل ہوگئیں، مزید ایک اور وضاحت آپ کے سامنے آجائے اس کی تفصیل نیچے ہے:

احمد بھائی سے زمین چھڑانے کے سلسلہ میں تیس ہزار روپیہ خرچ ہوا ہے، اس میں سے تیرہ ہزار روپیہ احمد بھائی نے نقد، دوسرے ورثاء کے پاس سے لیے، اس بات پر کہ میرا جو خرچہ ہوا ہے یعنی دستاویز کا، اور وکیل کو روکنے کا جو خرچہ ہوا ہے، آپ سب ورثاء مجھ کو خرچہ دیدو تو میں زمین واپس کردوں اور میں اپنا قبضہ زمین پر سے چھوڑ دوں اور تمھارے حوالہ کردوں، اور ان کا خرچہ جو ہوا ہے وہ تیرہ ہزار روپیہ ہے؛ چناں چہ ورثاء نے مل کر تیرہ ہزار روپیہ دیدئے اور زمین قبضہ میں لے لی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کی وضاحت سے یہ بات صاف ہوگئی کہ بوقت شراء احمد بھائی کو یہ معلوم تھا کہ اس خریدی جانے والی ملکیت میں دیگر ورثاء کا حصہ ہے، اس کے باوجود اس نے یہ معاملہ کیا اور بعد میں اس نے اپنا قبضۂ غاصبانہ باقی رکھا، اور اس کو چھڑانے کے لیے ورثاء کو مصارف برداشت کرنا پڑے تو اب یہ مصارف احمد بھائی کے پاس سے وصول کرنا جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/ ۱۲۳)

بلکہ احمد بھائی نے ورثاء سے جو تیرہ ہزار وصول کئے ان کا لینا احمد بھائی کے لیے کسی صورت میں جائز نہیں تھا، صریح حرام ہے، احمد بھائی کو چاہئے کہ وہ تیرہ ہزار واپس کریں، رہا نوری بہن کا چوتھائی حصہ اور ان کا بیچنا تو اگرچہ نوری بہن نے دیگر

ورثاء کا حصہ احمد بھائی کے ہاتھ بیچا، وہ درست نہیں تھا؛ لیکن نوری بہن کی حیثیت زیادہ سے زیادہ متسبب کی ہے جب کہ احمد بھائی مباشر ہیں، اس لیے ساری ذمہ داری احمد بھائی پر عائد ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸ / جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

فسخ بیع کا معاوضہ لینا

سوال: ایک شخص نے ۸۳ / ہزار روپے میں ایک مکان کا سودا کیا، اور کچھ رقم یعنی ایک ہزار نقد دے کر بیع کو پایۂ تکمیل کر دیا، بقیہ رقم ۸۲ / ہزار تین ماہ کا وعدہ کیا، مکان کا قبضہ بھی بقیہ رقم کی ادائیگی کے وقت طے ہوا، وقت مقررہ پر مشتری نے اس سودے کو فسخ کرنے کا کہا، بائع نے انکار کیا، تو مشتری نے بائع کو پانچ ہزار روپے دے کر بیع فسخ کی، تو یہ پانچ ہزار روپے بائع کو لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بائع کے لیے پانچ ہزار کی یہ رقم لینا جائز نہیں ہے۔

وتصح بمثل الثمن الأول وشرط الأكثر أو الأقل بلا تعيّب وجنس آخر لغو ولزمه الثمن الأول. (كنز الدقائق)

قال الإتقاني: وفي شرط الزيادة والنقصان والجنس الآخر بطل الشرط، ولم تبطل الاقالة؛ لأنها لا تبطل بالشروط الفاسدة الخ (حاشية الشلبي على الزيلعي شرح الكنز، ۷۱/) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مقررہ وقت گزر جانے پر ثمن مع سود دینے کی شرط لگانا

سوال: کپڑے کی منڈی میں خود منڈی والوں کے کچھ اصول ہوتے ہیں چوں کہ علی العموم کاروباری غیر مسلم ہوتے ہیں؛ اس لیے اصول بھی ان لوگوں کے بنائے ہوئے ہوتے ہیں جو بسا اوقات ہماری شریعت کے خلاف ہوتے ہیں، اب اگر ہم ان کے خلاف کریں تو ہمیں منڈی سے نکال دیا جائے گا اور منڈی میں ہم سے کوئی معاملہ نہ کرے گا مثلاً جب ہم مال خریدتے ہیں تو قیمت ادا کرنے میں ایک ماہ کی مہلت ملتی ہے، اب اگر ایک ماہ کے اندر اندر ادا کردیں تو کوئی سود نہیں لگایا جاتا؛ لیکن اگر کسی وجہ سے خواہ کیسی ہی شدید مجبوری کیوں نہ ہو کچھ دن مہینہ کے اوپر گزر گئے تو سود دینا پڑتا ہے اور اگر سود نہ دیں تو دوسری بار ہم سے کوئی تاجر معاملہ کرنے پر تیار نہیں ہوتا تو کیا اس طرح کی شرائط کے ساتھ بہ مجبوری خرید وفروخت کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر عقد بیع میں ایسی شرط رکھی گئی ہے تو یہ معاملہ یقیناً سودی ہوگا، اور اگر عقد میں ایسی شرط نہیں ہے تو معاملہ درست ہے، اس کے بعد اگر وہ زائد وصول کرتا ہے تو یہ ظلم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بلڈر کو دی ہوئی رقم سے زائد وصول کرنا حرام ہے

سوال: بمبئی میں ایک آدمی بلڈنگیں بنوا کر فلیٹ فروخت کرتا ہے، دس سال

پہلے اس نے اعلان کیا تھا کہ میں کئی بلڈنگیں بنانے والا ہوں جس کو بھی فلیٹ بک کرانا ہو وہ کرائے اور فلیٹ کے روپیے قسط وار ادا کرنے ہوں گے، یہ اعلان سن کر کئی لوگوں نے روپیے جمع کروا کر فلیٹ بک کرائے؛ البتہ بلڈر نے جتنی بلڈنگیں بنانے کا وعدہ کیا تھا وہ سرکاری پریشانی یا کسی اور وجہ سے بنا نہ پایا اور لوگ تو برابر قسط وار رقم جمع کروا رہے تھے، اب ان رقم جمع کروانے والوں میں سے بعض کو بلڈر نے اگریمینٹ دیے تھے اور بعض کو نہیں دیے تھے، اب آج دس سال کے بعد وہ اعلان کر رہا ہے کہ میں فلیٹ نہ دے سکوں گا؛ لہٰذا جنھوں نے اب تک رقم جمع کروائی ہے وہ اپنی رقم لے جائیں، اور جن کو میں نے اگریمنٹ دیے ہیں ان کو دی ہوئی رقم سے زائد دوں گا اور جن کو اگریمنٹ نہیں دیے ہیں ان کو اتنی ہی رقم دوں گا جتنی کہ انھوں نے جمع کروائی ہے، اب یہ لوگ احتجاج کر رہے ہیں کہ اگریمنٹ نہیں دیا تو یہ قصور بلڈر کا ہے ہمیں بھی زائد رقم چاہیے، مختصر سوال یہ کہ جب فلیٹ بک کرایا تھا تب اس کی قیمت دو لاکھ تھی اور آج دس سال کے بعد چار لاکھ ہے، اب بلڈر کسی وجہ سے فلیٹ نہ دے سکا تو دو لاکھ کے بجائے چار لاکھ دے رہا ہے، تو کیا یہ دو لاکھ زائد لینا جائز ہے؟ جب کہ خریدنے والے کو یہ بھی پتہ نہ تھا کہ فلیٹ کہاں ملنے والا تھا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جتنی رقم بلڈنگ بنانے والے کو دی تھی اس سے زیادہ رقم اس سے وصول کرنا حرام ہے، چاہے اگریمنٹ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، یہ زائد رقم سود شمار ہوگی، اور حدیث میں سود لینے اور دینے والے پر لعنت آئی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حرام ثمن والے مشتری کے ساتھ خرید وفروخت

سوال: ایک شخص کاروبار کرتا ہے، اس کے یہاں مشتری ہر قسم کے آتے ہیں، حلال کمائی والے بھی اور حرام کمائی والے، اور بائع کو یہ معلوم ہے کہ اس مشتری کی کمائی حرام ہے تو کیا اپنا یہ مال حرام ثمن والے مشتری کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور آج کل تو یہ بہت ہی ہوتا ہے، اور اگر مشتری کافر ہے ان کے یہاں تو ہر قسم کی رقم کو صحیح سمجھتے ہیں، اگر ہم اس طرح سے خرید وفروخت کرنے جاتے ہیں تو بہت ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ فتاوی رشیدیہ کتاب البیوع ۴۲۳ میں اس طرح کی بیع کو ناجائز قرار دیا ہے، اور ایسے ثمن کے استعمال کرنے کو بھی ناجائز قرار دیا ہے؛ مگر اس کے حلال کے دو حیلے لکھے ہیں جو بندہ کو برابر سمجھ میں نہیں آئے، آپ اس سوال کا جواب مفصل عنایت فرمائیں، مشکور ہوں گا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر کسی کا غالب مال یا تمام مال حرام ہے تو اپنی حلال شئ کو اس کے حرام مال کے عوض فروخت کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ کافر کے ہاتھوں فروخت کرنا درست ہے۔ امداد الفتاوی ۳/ ۲۴ میں ہے کہ جو شئ اول کے لیے باصلہ حلال ہوگی، بعدہ کسی عارض کی وجہ سے اس میں کراہت پیدا ہو جائے وہ دوسرے کے لیے حلال ہوگی، اور چوں کہ دوسری جگہ وہ عارض نہیں ہے، اس لیے وہ خبث عارضی بھی نہ ہوگا اور بیوع فاسدہ میں یہی مقصد ہے، اور جو اول کے لیے باصلہ حرام ہو وہ حرمت برابر متعدی رہے گی، جیسے بیوع باطلہ اور ربا اور رشوت۔

قيل: الخلط أو بعد الخلط بشرط الاكثرية اه

فتاوی رشیدیہ میں دو حیلے تو نہیں ملے؛ البتہ ایک ملا، اس سلسلہ میں درمختار اور شامی کی عبارت پیش کرتا ہوں جو انشاء اللہ سمجھ میں آجاوے گی۔

اكتسب حراماً، فاشترى به أو بالدراهم المغصوبة شيئاً، قال الكرخي: إن نقد قبل البيع، تصدق بالربح؛ وإلا لا، وهذا قياس، وقال أبوبكر: كلاهما سواء ولا يطيب له، وكذا لو اشترى ولم يقل بهذا الدراهم وأعطى من الدراهم.(درمختار) (قوله: اكتسب حراما الخ) توضيح المسئلة مافي التاتارخانية حيث قال: رجل اكتسب مالا من حرام ثم اشترى، فهذا على خمسة أوجه: إما إن دفع تلك الدراهم إلى البائع أولا، ثم اشترى منه بها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفعها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها، أو اشترى مطلقا ودفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم اخر ودفع تلك الدراهم قال ابونصر: يطيب له، ولا يجب عليه أن يتصدق إلا في الوجه الأول، وإليه ذهب الفقيه أبو الليث؛ لكن هذا خلاف ظاهر الرواية؛ فإنه نص في الجامع الصغير: إذا غصب ألفا، فاشترى بها جارية، وباعها بألفين، تصدق بالربح وقال الكرخي: في الوجه الأول والثاني لا يطيب، وفي الثلاث الأخير يطيب وقال أبوبكر: لا يطيب في الكل؛ لكن الفتوى الآن على قول الكرخي دفعا للحرج عن الناس اه وفي الولوالجية: وقال بعضهم لا يطيب في الوجوه كلها، وهو المختار؛ لكن الفتوى اليوم على قول الكرخي دفعا للحرج لكثرة الحرام اه وعلى هذا مشى المصنف في كتاب الغصب تبعا للدرر وغيرها. (شامی ٤/ ٢٤٤)

عبارت بالا میں جس صورت پر خط کھینچ دیا ہے، فتاوی رشیدیہ میں اسی صورت کی

طرف اشارہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ناجائز کمائی والے سے تعمیر کا اگریمنٹ ہو چکا اب کیا کرے؟

سوال: میرا ایک تین منزلہ گیسٹ ہاؤس ہے، اور اب تک ہم یہ گیسٹ ہاؤس بالکل شرعی طریقے سے سے چلا رہے ہیں، اب غور طلب بات یہ ہے کہ ہم اس تین منزلہ گیسٹ ہاؤس کو مزید تین منزلہ بڑھانے والے تھے اور سارے سرکاری اور غیر سرکاری کاغذات مکمل ہو چکے تھے؛ مگر ہماری ہوٹل کے نیچے دو دکانیں ہیں: ایک ہماری ذاتی اور دوسری ایک مسلمان کی جس میں لڑکیوں کا ناچ اور شراب کا کاروبار ہوتا ہے، چوں کہ ہماری ہوٹل کا ستون (جس پر تین منزلہ مزید عمارت تعمیر کرنی تھی) ان کی دکان کے سامنے آرہا تھا، جب ان کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے کہا کہ ہم ایسا کرتے ہیں کہ ہم دونوں مل کر پرانی تین منزلہ ہوٹل گرا دیتے ہیں بشمول میری دکان کے اور ہم نئے سرے سے چھ منزلہ ہوٹل تعمیر کریں گے جس میں دو تہہ خانہ بھی ہوں گے؛ بشرطیکہ میرے حصے کے بقدر ایک تہہ خانہ اور اتنا ہی پہلے منزلہ پر حصہ لوں گا اور تعمیر کا کل خرچ میں برداشت کروں گا (جس کا حساب دو کروڑ ستر لاکھ بنتا ہے) اب ہم سے غلطی یہ ہوگئی کہ ہم نے اس سے معاہدہ کرلیا، اور سارے کاغذات مکمل ہو گئے اور انہوں نے بیعانہ بیس لاکھ روپئے بہ شکلِ چیک دیا ہے، اور آئندہ بھی بقیہ رقم بہ شکلِ چیک ہمارے کھاتے میں جمع ہوگی، اب ہماری سمجھ میں یہ بات آئی کہ اس کا پیسہ غلط ہے، اب اگر

ہم معاہدہ منسوخ کرتے ہیں تو ہماری جگہ بھی ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے گی؛ اس لیے کہ اگریمنٹ بن چکا ہے، معاملہ عدالت میں جائے گا اور مزید پیچیدہ ہوجائے گا، نہ ہم ہوٹل بنا سکیں گے اور نہ چلا سکیں گے، اب صورتِ مسئولہ میں ہم کیا کریں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس کی کمائی جیسا کہ آپ نے سوال میں تحریر فرمایا ہے ناجائز طریقہ سے حاصل شدہ ہے تو اب آپ کے لیے اس رقم کو تعمیر میں استعمال کرنا درست نہیں، وہ آدمی اگر کسی غیر مسلم سے قرض لے کر رقم آپ کو دے تو اس سے تعمیر کی جاسکتی ہے، بعد میں وہ اس غیر مسلم کا قرض اپنی رقم سے ادا کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ رجب المرجب ۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

غلہ کی تجارت کا ایک طریقہ

سوال: ہمارے اس علاقہ میں ایک طریقہ تجارت کا ایجاد ہوا ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ اناج کے تاجر یعنی کہ دلال سے کسی اناج کا سودا کیا جاتا ہے، جب کہ اناج کی سیزن ہو اور اس کے بھاؤ کم ہوتے ہیں، اور سیزن گذرنے کے بعد اس اناج کے بھاؤ بڑھنے کی امید اور توقع ہوتی ہے، اب سیزن میں مثلاً ۵۰/ بوری گیہوں کا سودا ہوگیا اور مشتری نے خرید کر قبضہ بھی کرلیا، اب تین چار مہینے یعنی جب تک اس اناج کی قیمت اور بھاؤ نہ بڑھے وہاں تک اس اناج کی ذخیرہ اندوزی اس دلال کے یہاں کی جاتی ہے؛ لیکن اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دلال اور تاجر یہ کہتا ہے کہ

تمہارا یہ متعین اناج ہے، وہی اناج باقی نہیں رہے گا؛ بلکہ تم کو جس وقت اپنا اناج چاہئے اس وقت اسی جنس کا اناج مل جائے گا، تو کیا یہ مذکورہ صورت شرعی اعتبار سے درست ہے یا نہیں؟ کیا بعد القبض مبیع میں تبدل جائز ہے یا نہیں؟

یہاں ایک مفتی صاحب سے دریافت کرنے پر انہوں نے فرمایا کہ یہ اناج تاجر دلال کو بطور قرض دیا جائے اور پھر جب ضرورت ہو اس وقت اپنا قرض واپس لیا جائے، اس سے جواز کی گنجائش ہے؛ مگر اس میں بندہ کو شرح صدر نہیں ہوا؛ کیوں کہ قرض میں مقروض کے لیے ضروری ہے کہ شئ مقروض جتنی مقدار میں لی ہے اتنی ہی مقدار واپس کرے، اور صورت مذکورہ میں دلالوں اور تاجروں کا عام تجارت کا طریقہ یہ ہے کہ واپس دیتے وقت وہ فی من ۵۰۰/ گرام اناج وضع کر کے واپس دیتے ہیں، اور اسی کے ساتھ جو مال اپنی بوریوں میں لیتے ہیں ان بوریوں کا کرایہ بھی وضع کرتے ہیں، تو کیا تجارت کا مذکورہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مفتی صاحب نے صورت جواز کی بتلائی ہے، وہ بھی ایک صورت اس معاملہ کو درست کرنے کی ممکن ہے؛ البتہ آپ کا اشکال بھی درست ہے۔ "الأقراض تقضیٰ بأمثالها" یہ فقہ کا مسلمہ اصول ہے، اس لیے فی من پانچ سو گرام وضع کرنا جائز نہیں؛ نیز بوریوں کا کرایہ بھی وصول کرنا درست نہیں، اس لیے کہ جب قرض قرار دیا تو گویا دلال نے بوریاں اپنے استعمال میں لیں جس کا کرایہ دوسرے سے لینا جائز نہیں ہے، اگر بوریوں کا کرایہ وصول کرنا ہو تو تبدل جائز نہ ہوگا؛ نیز اس صورت میں بھی پانچ سو

گرام کا وضع کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ

بیع فسخ ہونے کی صورت میں مبیع کے بیچنے کی شرط لگانا

سوال: ایک معاملہ وقوع پذیر ہوا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک شخص نے چند فلیٹ کا سودا کیا اس شرط پر کہ ثمن کی ادائیگی قسط وار ہوگی، اس کے بعد مشتری نے حسبِ شرط ثمن قسطاً قسطاً ۷۰/ فیصد کے قریب ادا کر دیا، پھر کسی وجہ سے عقد کو فسخ کرنے کی نوبت آئی، بائع بھی فسخ کرنے پر راضی ہو گیا اور عقد کو فسخ کر دیا گیا، مشتری نے ۲/ سال تک اپنے ادا کردہ ثمن کا مطالبہ نہیں کیا، یہ سمجھ کر کہ ایک ساتھ اتنی رقم نکالنا مشکل ہے، جب دو سال کے بعد مطالبہ کیا تو بائع کہتا ہے کہ میں نے عقد اس شرط پر فسخ کیا تھا کہ فلیٹ بیچنے کی ذمہ داری تمہاری ہوگی؛ حالاں کہ فی الواقع ایسی کوئی شرط بین المتعاقدین نہیں ہوئی تھی، مشتری نے دفعِ نزاع کے لیے بائع کی بات پر عمل کرتے ہوئے ۳/ خریدار تعاقباً پیش کئے، تینوں کو بائع نے کسی نہ کسی بہانہ سے انکار کر دیا، کسی کو اصل قیمت سے زائد قیمت بتلائی اس لیے اس نے نہیں لیا، کسی کو فاسق و فاجر سمجھ کر رد کر دیا، غرض یہ کہ تینوں خریدار جو مشتری نے پیش کئے تھے ان کو اپنا فلیٹ بیچا نہیں، اور جب ثمن کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو وہ ٹال مٹول کرتا ہے، اکتا کر اور بیزار ہو کر مشتری نے ایک روز بائع سے مسجد میں گفتگو کی اس حال میں کہ بائع کا ایک رفیق اور ساتھی جو عالم بھی ہے موجود تھا کہ ہماری رقم آپ کے پاس ہے، اور آپ ادا نہیں کرتے، ٹال مٹول کرتے ہیں، یہ دین اور شریعت کے خلاف ہے، اس پر بائع نے کہا کہ دین

اتنا سستا نہیں جس کو میں چار یا پانچ لاکھ روپیوں میں درمیان میں لاؤں، اس سلسلہ میں گفتگو ہو رہی تھی کہ اس عالم نے جو اس معاملہ کی نوعیت سے پورا واقف ہے، بات دبانے کے لیے اور کاٹنے کے لیے یہ کہا کہ چلو ہم مفتی صاحب سے پوچھ لیں گے، خیر یہ بات ہوئی اور بائع نے اب تک ثمن واپس نہیں کیا ہے، اور اب بائع نے وہ فلیٹ کسی اور کو کرایہ پر دیا ہے، اس معاملہ میں حسبِ ذیل سوالات مطلوب ہیں:

① یہ شرط لگانا کہ فلیٹ بیچنے کی ذمہ داری مشتری کی ہوگی، فی الواقع یہ شرط تو نہیں طے پائی تھی؛ مگر بائع کی بات مانتے ہوئے بالفرض ہم تسلیم کر بھی لیں تو کیا یہ شرط لگانا صحیح ہے؟

② خصوصاً یہ سوال کرنا ہے کہ ایسے شخص کا کیا حکم ہے جو یوں کہے کہ دین اتنا سستا نہیں جس کو ہم چار یا پانچ لاکھ روپیوں میں لے آئیں، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص معاملات میں دین کا دخل مانتا ہی نہیں، کیا اس جملہ سے اس کے ایمان پر اثر پڑے گا؟

③ ایسے عالم کا کیا حکم ہے جو اچھی طرح جانتا ہے کہ میرا ساتھی جو ٹال مٹول کر رہا ہے وہ غلط ہے، اسی طرح اس نے یہ کہا کہ دین اتنا سستا نہیں یہ بھی ٹھیک نہیں، اس کے باوجود اپنے ساتھی کو سمجھانے اور نصیحت کرنے کے بجائے اپنے سامنے والے کی بات کو کاٹتے ہوئے یہ کہے کہ اپنے مفتی صاحب کو پوچھ لیں گے؛ حالاں کہ انہوں نے اب تک پوچھا نہیں ہے۔

④ بائع نے جو فلیٹ اجرت پر دیا ہے؛ حالاں کہ اس میں ۷۰/ فیصد مالکی مشتری کی ہے، اس فلیٹ کی اجرت کا مستحق کون ہوگا؟ بائع یا مشتری یا دونوں؟ اگر دونوں

ہیں تو پھر طریقۂ تقسیم کیا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ایسی شرط اگر لگائی بھی گئی ہے تو وہ شرطِ فاسد ہے، جس کی وجہ سے اصل معاملہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور بائع کو چاہئے کہ جو رقم مشتری نے ادا کی تھی وہ فوراً مشتری کو واپس کرے، بائع کا اس رقم کی واپسی میں ٹال مٹول کرنا اور تاخیر کرنا جائز نہیں ہے، جس وقت دونوں سودا فسخ کر رہے تھے اس وقت بھی اگر بائع نے شرط لگائی ہوتی کہ میں رقم فوراً نہیں دوں گا؛ بلکہ تھوڑی تھوڑی کر کے دوں گا یا اتنی مدت کے بعد دوں گا تب بھی اس کے لیے ضروری ہوتا کہ رقم فوراً واپس کرتا؛ چہ جائیکہ ایسی شرط بھی نہیں کی ہے، اور مشتری نے اپنی شرافت ومروت سے از خود دو سال تک رقم کا مطالبہ نہیں کیا، بائع کا یہ رویہ یقیناً ناجائز اور لائقِ ملامت ہے۔

وثمر هذا الاختلاف إذا تقايلا ولم يسميا الثمن الأول أو سميا زيادة على الثمن الأول، أو سميا جنساً آخر سوى الجنس الأول قل أو كثر أو أجلا الثمن الأول فالإقالة على الثمن الأول فى قول أبي حنيفة، وتسمية الزيادة والنقصان والأجل والجنس الآخر باطلة سواء كانت الإقالة قبل القبض أو بعدها، والمبيع منقول أو غير منقول؛ لأنها فسخ فى حق المتعاقدين والفسخ رفع العقد الخ (بدائع الصنائع/ ٣٠٦) (إلى أن قال) لأن اطلاق تسمية هذه الأشياء لا يؤثر في الإقالة؛ لأن الإقالة لا تبطلها الشروط الفاسدة.(بدائع/ ٣٠٦)

② بائع ہی سے اس جملہ کا مطلب معلوم کیا جائے، اس کے بعد ہی حکمِ شرعی

بتلایا جاسکتا ہے۔

③ اگر عالم صاحب کا مقصد بائع ومشتری کے درمیان ہونے والے نزاع اور جھگڑے کو ختم کرنا ہے، اور آگے بڑھنے سے روکنا ہے تو ان پر کوئی ملامت نہیں ہے؛ نیز ''اپنے مفتی صاحب کو پوچھ لیں گے'' بول کر عموماً یہ مراد ہوتی ہے کہ آپ حضرات مفتی صاحب سے پوچھ کر نزاع کا فیصلہ کیجئے، یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ عالم صاحب خود مفتی صاحب سے دریافت کریں گے؛ بہرحال اس معاملہ میں عالم کو الجھانا اور الزام دینا مناسب نہیں ہے۔

④ جب سودا فسخ ہوچکا تو اب فلیٹ پر مشتری کی ملکیت نہیں رہی؛ بلکہ وہ بائع کی ملکیت میں چلا گیا، اس لیے اجرت کا مالک مشتری نہیں ہے؛ بلکہ بائع ہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بیع فاسد کے ثمن کو قرض میں شمار نہیں کرسکتے

سوال: رمضان سے قبل ہم نے اپنے استعمال کے لیے لوہا خریدا ہے، جس وقت خریدا اس وقت دام مقرر کرلیا تھا، اور ابھی تک مال کی ڈیلیوری نہیں لی ہے، ڈیلیوری دس شوال کو لینے کی شرط ہے، اور دس شوال کو ہم ڈیلیوری لینے والے ہیں، سودا کرنے کے بعد اسی وقت ہم نے پانچ ہزار روپئے دئے تھے، جو مال کی کل قیمت میں شمار کیا جائے گا جو چالیس ہزار کے قریب ہوں گے، تو یکم شوال کو جو یہ مال لینے کا باقی ہے اس

کی قیمت قرض میں شمار کی جائے گی یا نہیں؟ اور پانچ ہزار روپے جو ہم نے پہلے سے دیے ہیں، اس کے لیے کیا مسئلہ ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس شرط کے ساتھ جو بیع ہوئی وہ فاسد ہے، اس لیے کہ مبیع کو مؤجل رکھنا بیع سلم ہے، اور بیع سلم میں ثمن عاقدین کے جدا ہونے سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے، جو یہاں پایا نہیں گیا، جب بیع فاسد ہوئی تو آپ پر نفسِ عقد کی وجہ سے ثمن واجب نہیں ہوا، اس لیے آپ اس مقدار رقم کو قرض میں شمار نہیں کر سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ شوال ۱۴۰۸ھ

علاقہ میں مال سپلائی کا حق فروخت کرنا

سوال: عام طور سے شہروں میں عرف چلا ہے کہ ایک مخصوص علاقہ میں ایک متعین شخص کے لیے حق حاصل ہوتا ہے کہ وہی شخص اس علاقہ میں اپنا مال تجارت سپلائی کر سکتا ہے، کسی دوسرے شخص کو اس علاقے میں مال تجارت فروخت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، اب دوسرا شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کا یہ حق تجارت اس سے خرید کر خود اس علاقے میں اپنا مال تجارت سپلائی کرے، تو کیا اگر پہلا شخص اس دوسرے شخص کو اپنا یہ حق کچھ مخصوص رقم کے بدلے بیچنا چاہے تو یہ بیع صحیح ہے یا نہیں؟ یعنی پہلے شخص کا اس پر وہ رقم لینا صحیح ہے یا نہیں؟ کیا اس بیع کو بیع حق شرب پر قیاس کرنا درست ہے؟

تنقیح:

آپ کے سوال میں ایک بات تنقیح طلب ہے، وہ یہ کہ اس متعین شخص کو ایک

مخصوص علاقہ میں مال سپلائی کرنے کا حق کس طرح حاصل ہوا ہے؟ کیا وہ کسی مخصوص کمپنی کا مال ہے جس کی سپلائی کا حق اس کمپنی نے اس آدمی کو دیا ہے؟ یا حکومتی طور پر قانوناً اس کے لیے لائسنس نکلوانا پڑتا ہے جو حکومت نے اس کو دے رکھا ہے؟ جو صورت ہو اس کی وضاحت فرمائیں۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ

جواب تنقیح:

صورت مسئولہ سابقہ میں جو حق اس شخص معین کو ملا ہے وہ عرف ناس کی وجہ سے ہے، اور یہ عرف تمام شہروں کا نہیں؛ بلکہ بعض ہی شہروں میں ہوتا ہے، اس کے علاوہ نہ اس شخص کو سرکاری لائسنس حاصل ہوتا ہے، نہ یہ وجہ ہے کہ یہ مال کسی مخصوص کمپنی کا ہے جس کی وجہ سے یہ حق حاصل ہوا ہو۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسئولہ حق کو فروخت کر کے اس کی قیمت لینا درست نہیں ہے، اور حق شرب پر اس کا قیاس اس لیے درست نہیں کہ حق شرب اعیان سے متعلق ہونے کی وجہ سے مشائخ متأخرین احناف نے اس کی بیع کو عرف کی بنیاد پر جائز قرار دیا ہے؛ لیکن سوال میں مذکور حق ایسا ہے جو کسی عینی مال سے متعلق نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اینٹ کی بیع استصناع

سوال: زید اینٹ بنانے اور فروخت کرنے کا کاروبار کرتا ہے، اب بکر زید کے پاس اینٹیں خریدنے گیا، تو زید نے کہا کہ فی الحال میرے پاس مال تیار نہیں ہے؛ لہٰذا میں دس ہزار اینٹیں دو کلو وزن کی تین سو روپے ہزار اینٹ کے حساب سے بھٹہ پکنے پر تمہارے گھر پہنچادوں گا اس کی قیمت ابھی مجھے دیدو، بکر نے پوری قیمت دیدی اور معاملہ کرلیا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہاں نہ مبیع (سامان) موجود ہے، نہ مبیع (سامان) سپرد کرنے کا متعین وقت معلوم ہے، اور نہ مبیع کا نمونہ موجود ہے ایسی صورت میں اس بیع (خرید وفروخت) کا کیا حکم ہے؟ نیز آج کل اس میں ابتلاء عام ہے؛ اس لیے ناجائز ہونے کی صورت میں جواز کی شکل کیا ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ بیع درحقیقت استصناع ہے جو درست ہے، اس میں یہ ضروری ہے کہ جس چیز کے بنانے کا آرڈر دیا جارہا ہے اس کی جنس، نوع، مقدار اور وصف معلوم ہونے کے ساتھ لوگوں میں اس چیز کو آرڈر دے کر بنوانے کا عرف ہو۔ (انظر لتفصیل احکامه البدائع الصنائع ٥/ ٤، ٣، ٢ كتاب الاستصناع) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بلڈر سے معہود مکان خریدنا

سوال: عمارت بنانے والے جن کو بلڈر کہتے ہیں، وہ خود زمین خرید کر اس پر

مکانات، دوکانات تعمیر کرا کر بیچتے ہیں، مکان تیار ہونے سے پہلے وہ اس کا پلان اور نقشہ تیار کر کے نقشہ بنا کر ان میں سے خریدار کو اس کی حسبِ پسند مکان بیچتے ہیں، مکان کا مجموعی رقبہ اور کمروں کی تعداد سائز وغیرہ تفصیلات بتا دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ فی الحال تم کو اتنی رقم دینی ہوگی، اور آئندہ قسط وار ہر قسط ہزار روپئے کے حساب سے مجموعی اتنی رقم دینی ہوگی، اور بلڈنگ تیار ہونے پر حکومت میں پاس کرا کے ہم تم کو قبضہ دے دیں گے تو کیا اس طرح بیع کرنا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس کا تعامل ہے تو یہ استصناع میں داخل ہو کر درست ہوگا۔

ومنها أن يكون مما يجرى فيه التعامل بين الناس الخ (بدائع الصنائع ۵/ ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دال کی بوری کے ساتھ بیع کرنا

سوال: بعض مرتبہ مبیع پیک ہو کر آتی ہے اور ظرف بھی معتد بہ وزن کا ہوتا ہے، مثلاً دال جس بوری میں آتی ہے وہ ایک کیلو کے لگ بھگ وزن کی بوری ہوتی ہے؛ لیکن عام طور پر بوری کا وزن وضع نہیں کیا جاتا، بلکہ مبیع کے وزن کے ساتھ بوری کا وزن بھی اسی بھاؤ میں شامل کر لیا جاتا ہے، مثلاً: انچاس کیلو دال ہے اور ایک کیلو بوری ہے تو پچاس کیلو کی دال کی بوری شمار ہو کر پورے پچاس کیلو دال کی قیمت وصول کی جاتی

ہے؛ کیوں کہ گاہک عام طور پر بوری کی قیمت الگ سے دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے، مذکورہ حال میں اس طرح کی بیع درست ہے، بڑی منڈی سے پچاس کیلو دال کی بوری آئی ہے جس میں انچاس کیلو دال اور ایک کیلو بوری کا وزن ہوا ہے تو زید تاجر کے لیے بازار کے عام عرف کے مطابق پچاس کیلو دال کے حساب سے اس بوری کا بیچنا درست ہے یا نہیں بصورتِ عدمِ جواز شرعاً کیا صورت اختیار کرنی چاہیے؟ انچاس کیلو دال اور ایک کیلو کی بوری ہے، بوری کی قیمت پانچ روپئے اور دال کی قیمت سات روپئے اگر پچاس کیلو کی قیمت لے کر گاہک کو دیتے ہیں تو وہ بخوشی لیتا ہے؛ لیکن اگر انچاس کیلو دال کی قیمت لے کر بوری کی قیمت الگ مانگتے ہیں تو گاہک ناراض ہوتا ہے، اور چلا جاتا ہے، تو ایسی صورت میں شرعاً کیسا کرنا چاہیے، کیا پچاس کی قیمت لے سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر سودا کرتے وقت یہ کہا گیا کہ: پچاس کیلو دال اتنی قیمت کے عوض آپ کے ہاتھ فروخت کی جارہی ہے، تو اس صورت میں ضروری ہے کہ بائع پورے پچاس کیلو دال مشتری کے حوالہ کرے، اور اگر بوری بائع کی ہے تو اس کی قیمت الگ وصول کر سکتا ہے، ہاں اگر یہ کہہ کر فروخت کیا کہ بوری کے ساتھ اس کا وزن پچاس کیلو ہے، جس کی مجموعی قیمت یہ ہے، تو اس صورت میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح مشتری بھی بعد میں فروخت کرے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

وصح بیع الطعام کیلا وجزافا. (تنویر الابصار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیع مجازفۃً کی ایک صورت

سوال: زید نے منڈی سے پچاس کیلو دال کی ایک بوری خریدی جس میں دال تو انچاس کیلو ہی تھی، ایک کیلو وزن تو بوریئے کا تھا؛ لیکن منڈی والے سے وہ پچاس کیلو کی قیمت سے خریدی، اب زید کے لیے اسی طرح پچاس کیلو بتا کر کسی کو بیچنا درست ہے یا نہیں؟

نوٹ: حقیقۃً بوری کا وزن کیلو سے کم وبیش ہوتا ہے؛ لیکن عرف میں وہ کیلو ہی شمار کرتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بوری کا مجموعی وزن پچاس کیلو ہے اور یہ کہہ کر بیچتا ہے کہ بوری کے ساتھ پچاس کیلو وزن ہے تو درست ہے، مناسب یہ ہے کہ بوری کی طرف اشارہ کر کے بتلادے کہ یہ بوری اس قیمت میں بیچی؛ تاکہ یہ بیع مجازفۃً ہو کر بلا تردد درست ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایضاً

سوال: زید نے منڈی سے پچاس کیلو دال کی ایک بوری خریدی، اور انچاس کیلو دال کی قیمت اور الگ سے بوری کی قیمت دی، اب زید کے لیے مشتری کو اسی طرح دال اور بوری کی قیمت الگ الگ کر کے بیچنا ضروری ہے یا مع بوری کے پچاس کیلو

کہہ کر بیچنا بھی درست ہے؟

نوٹ: حقیقۃً بوری کا وزن کیلو سے کم وبیش ہوتا ہے؛ لیکن عرف میں وہ کیلو ہی شمار کرتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وزن کا تذکرہ نہ کیا جائے پوری بوری کا سودا کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے؛ البتہ بوری کی طرف اشارہ ضرور ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تھیلی اور کاغذ مبیع میں شامل ہے

سوال: پرچورن تاجر عام طور پر اشیاء پلاسٹک کی تھیلی یا کاغذ میں لپیٹ دیتے ہیں، اور اشیاء کا وزن کرنے میں اس تھیلی یا کاغذ کو شامل کر لیتے ہیں، حالاں کہ تھیلی اور کاغذ کی قیمت ان اشیاء سے کم وبیش ہوتی ہے، اور خریدار اس کو دیکھتا بھی ہے، اور کچھ کہتا بھی نہیں ہے؛ بالفرض اگر تھیلی یا کاغذ کو وزن میں شامل نہ کرے تو گاہک اس کی قیمت دینے تیار نہیں ہوتے اور نہ چیز کی قیمت ہی بڑھا سکتے ہیں، کیوں کہ اس صورت میں گاہک کم قیمت والوں کے یہاں چلے جاتے ہیں، ایسی صورت میں تھیلی اور کاغذ کو فروخت کردہ اشیاء کے ساتھ وزن میں شامل کرنا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عرف کی وجہ سے یہی سمجھا جائے گا کہ اس مبیع موزون کا وزن مع ظرف اتنا ہوگا؛

اس لیے درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

''زائد بھاؤ'' کا عرف

سوال: زید اپنے ان گاہکوں کو جو ادھار مال خریدتے ہیں، پہچانتا ہے؛ اس لیے جب بھی وہ اشیاء کی قیمت معلوم کرتے ہیں، کچھ زیادہ قیمت بتاتا ہے، وہ گاہک اس کو قبول بھی کرتے ہیں؛ لیکن بعض مرتبہ گاہک چند چیزوں کا آرڈر دے کر چلا جاتا ہے، بھاؤ معلوم نہیں کرتا، دوبارہ آنے پر ان سب اشیاء کی قیمت مجموعی اسی زائد بھاؤ کے حساب سے گاہک کے ذمہ لکھ دیتا ہے، وہ اپنی اشیاء لے کر چل دیتا ہے تو اس طرح کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس زائد بھاؤ سے آپ کی مراد کیا ہے؟ اگر مراد سابقہ بھاؤ ہے جو اس نے پہلے بتلایا تھا اور عرفِ تجار میں یہ طریقہ رائج ومعتبر ہے تو معاملہ درست ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مزدور کو قرض نہ دینا اور اجرت طے کرنا

سوال: کھیتی کے سلسلہ کے کاموں کے لیے ایک شخص کو سال بھر کے لیے مزدور طے کیا گیا، مزدور نے کچھ رقم بطورِ قرض پیشگی مانگی، جو مالک نے نہیں دی؛ لیکن اس کی اجرت جتنی ہونی چاہیے تھی پوری پوری طے کی، اس میں شرعاً کچھ حرج تو نہیں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی حرج نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بیع وفا کی ایک صورت

سوال: زید نے اپنی کھیتی کی پیداوار رائی یا بازار سے خرید کردہ رائی بھاؤ بڑھنے پر بیچنے کے لیے رکھی تھی، اسی اثناء میں بکر کو کسی وجہ سے نقد رقم کی ضرورت ہوئی، بے سودی قرض ملا نہیں؛ اس لیے اس نے زید سے رائی ایک سال کے بعد قیمت ادا کرنے کے وعدہ سے بازار کے عام بھاؤ اسّی روپیہ بیس کلو کے بجائے ایک سو روپیہ بیس کلو کے حساب سے خریدی اور بازار میں جا کر عام بھاؤ ۸۰/ روپئے بیس کلو سے بیچ آیا، کیا زید کے لیے صورتِ مذکورہ میں زیادہ بھاؤ سے بیچنا اور بکر کے لیے اس طرح زیادہ بھاؤ میں لے کر کم بھاؤ میں بیچنا تاکہ نقد رقم حاصل ہو جائے درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے؛ لیکن خلافِ اولیٰ ہے۔ (شامی ۴/ ۳۱۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مبیع کم قیمت پر بائع ہی کو بیچنا

سوال: زید نے اپنی کھیت کی یا خرید کی ہوئی رائی اپنے پاس رکھی تھی تاکہ بھاؤ

بڑھنے پر اسی کو بیچے، اس اثناء میں بکر کو کسی وجہ سے نقد رقم کی ضرورت ہوئی بلا سود کے قرض نہ ملنے پر اس نے زید سے وہ رائی بازار کے عام بھاؤ اسّی روپئے بیس کلو کے بجائے بڑھا کر ایک سو روپئے بیس کلو کے حساب سے ایک سال کے بعد رقم ادا کرنے کے وعدہ سے خرید لی، پھر وہی رائی اسی زید کو اسّی روپئے بیس کلو کے حساب سے نقد قیمت میں بیچ دی اور نقد رقم کر لی، زید اور بکر دونوں میں سے ہر ایک کے لیے اس طرح معاملہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ درست نہیں۔

سئل فيما إذا باع زيد جاريته من عمرو بيعا باتا شرعيا بثمن قدره ثلث مأة قرش حال فی الذمة، ثم بعد ماتسلمها عمرو ومضى شهران طالب زيد عمراً بالثمن، فباعه الجارية سليمة بمأتين وخمسين قرشا ودفع عمرو لزيد خمسين قرشا بقية الثمن الذي اشتراها به من زيد فكيف الحكم؟

(الجواب):حيث باعها من البائع بأقل مما اشترىٰ قبل نقد الثمن والثمن متحد يكون البيع الثانی فاسداً، ولزيد مطالبة عمرو ببقية الثمن الاول والله أعلم الخ (تنقيح الفتاوى الحامدية ١/ ٢٥٧)

لو باع شيئا وقبضه المشتري ولم يقبض البائع الثمن فاشتراه باقل من الثمن الأول لا يجوز الخ (الشامي/ ١٢٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نقد رقم حاصل کرنے کے لیے بیع

سوال: بکر کو ایک رقم کی ضرورت تھی، زید نے اس سے کہا میں نقد رقم تو تجھ کو نہیں دے سکتا؛ البتہ غلہ ادھار دے سکتا ہوں جسے تو بیچ کر نقد رقم بنا سکتا ہے؛ چناں چہ بکر نے اتفاق کر لیا اور زید نے عمر سے اَسّی فی من کے حساب سے غلہ لا کر بکر کو ایک سال کے وعدہ سے ایک سو روپئے من کے حساب سے بیچ دیا، جس کو بکر نے خرید کر بازار میں اَسّی روپئے من کے حساب سے بیچ کر نقد رقم بنالی، کیا زید کا صورت مذکورہ میں اس طرح بیع کرنا شرعاً درست ہے یا اس میں کوئی حرج ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے بشرطیکہ زید کا تاجر سے گٹھ جوڑ نہ ہو، اور بکر بعد میں اُسی تاجر سے نہ بیچے۔ (کما یفهم من الشامیة؛ /۳۱۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دودھ کی کمی بیشی پر دائر ثمن والی بیع فاسد ہے

سوال: زید نے اس شرط پر بھینس خریدی کہ اگر بارہ لیٹر دودھ دے گی، تو سات ہزار قیمت دوں گا، اور اگر اس سے کم دودھ دے گی، تو جتنا دودھ کم ہوگا اس کے اعتبار سے قیمت کم کر کے ادا کروں گا، تو کیا اس شرط کے ساتھ بھینس کا خریدنا از روئے شرع صحیح ہے؟

نوٹ: یہ اختیار پندرہ دن کا ہے اور اس سے کم وبیش بھی رہتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں ہوئی بیع شرعاً فاسد ہے۔

(بخلاف شراءه شاة على أنها حامل أو تحلب كذا رطلا) أو يخبز كذا صاعا أو يكتب كذا قدراً فسد؛ لأنه شرط فاسد لاوصف (درمختار) (قوله فسد) أى البيع (قوله لأنه شرط فاسد) لانه شرط زيادة مجهولة لعدم العلم بها فتح أى لأن ما في البطن والضرع لا تعلم حقيقته.

(شامی٤/ ٦٦)

و لو باع شاة على أنها تحلب كذا وكذا فالبيع فاسد باتفاق الروايات الخ (واقعات المفتين: ٩٩)

بائع ومشتری دونوں میں سے ہر ایک پر واجب ہے کہ اس بیع کو فسخ کردیں، اب اگر مشتری نے مبیع پر قبضہ نہیں کیا ہے، تو ظاہر ہے، اور اگر وہ مبیع پر قبضہ کر چکا ہے اور اس کے قبضہ کے درمیان مبیع میں کوئی ایسا تغیر واقع نہیں ہوا جو فسخ سے مانع ہو، تو اس صورت میں بھی فسخ ضروری ہے۔

(ويجب على كل واحد منهما فسخه قبل القبض.....(أو بعده مادام) المبيع بحاله جوهره (درمختار) (قوله مادام المبيع بحاله) متعلق بقوله وعلى كل واحد منهما فسخه، واحترز به عما إذا عرض عليه ماتعذر به رده مما يمنع الفسخ كما يأتي بيانه (شامی٤/ ١٤٠)

فسخ کے بعد بائع کے لیے ضروری ہے کہ جو رقم اس نے قیمت کے طور پر وصول کی تھی، وہ مشتری کو لوٹا دے، اور جب تک وہ اس قیمت کو نہیں لوٹائے گا وہاں تک مشتری اس مبیع کو روک سکتا ہے، اور یہ روکے رکھنا بحکم رہن ہوگا۔

(و)بعد الفسخ (لايأخذه) بائعه (حتى يرد ثمنه) المنقود (درمختار) (قوله حتى يرد ثمنه) أى ما قبضه البائع من ثمن أو قيمة كما في الفتح (قوله المنقود) لأن المبيع مقابل به فيصير محبوسا به كالرهن فتح والمراد بالمنقود المقبوض احترازا عن الدين (شامی٤/ ١٤٣)

اس درمیان جو دودھ مشتری کے یہاں نکلا اگر وہ خود بخود ہلاک ہوا تھا تو وہ اس کا ضامن نہیں، اگر اس کے تصرف سے ہلاک ہوا تھا تو ضامن ہوگا۔

فلو منفصلة كولد أو متولد كسمن فله الفسخ ويضمنها باستهلاكها. (درمختار)

وكذا منفصلة متولدة كالولد والعقر والارش ولو هلكت هذه الزوائد في يد المشتري لايضمنها، وإن استهلكها ضمن (شامی٤ /١٤٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

گابھن بنانے کی شرط پر بیع

سوال: زید نے ایک بھینسا اس شرط پر بیچا، کہ اس کو لے جاؤ اس کو دو تین ماہ تم رکھو، اور دیکھو کہ اس سے بھینسیں برابر گابھن ہوتی ہوں، تو اس کی قیمت پانچ ہزار روپیہ، ورنہ مجھے واپس کر دینا، تو کیا یہ بیع شرعاً جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اس سلسلہ میں کوئی صراحت نہیں مل سکی؛ البتہ مختلف عباراتِ فقہیہ سے اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ صورتِ مسئولہ میں بھی بیع فاسد ہے۔

جواب نمبر ۱۰ میں منقول پہلی عبارت جس میں ہے: فسد لأنه شرط فاسد لاوصف (درمختار) (قوله لأنه شرط فاسد) لأنه شرط زيادة مجهولة لعدم العلم بها أى لأن مافي البطن و الضرع لا تعلم حقيقته.(شامی،٤/ ٦٦)

اور دوسری عبارت جس میں آگے چل کر ہے:فيكون اشتراط اللبن المحلوب أنه مجهول على خطر الوجود فاشتراطه يوجب غدرا في العقد فيوجب الفساد. (واقعات المفتيين:٩٩)

اور ''مبسوط'' میں ہے:وكذلك إن شرط أنها تحلب كذا فالبيع فاسد لأنه لا يدري لعل الشرط باطل يعني إن اشتراط مقدار من البيع ليس في وسع البائع ايجاده ولا طريق إلى معرفته فكان شرطا باطلا فيفسد به العقد. (١٣/ ٢٤)

اجرت عسب التیس کے مسئلہ میں فقہاء جو تعلیل کرتے ہیں وہاں بھی عدم قدرت علی التسلیم کا ذکر فرماتے ہیں۔

مبسوط میں ہے: وإذا استاجر فحلا لينزيه لم يجز للأثر الذي جاء به النهي عن رسول الله عن التيس، ولأن المقصود الماء ولاقيمة له وصاحب الفحل يلتزم ايفاء ما لا يقدر عليه. (١٦/ ٤٥)

''درمختار'' و''شامی'' میں ہے: لا تصح الايجار لعسب التيس، وهو نزوه على الاناث.(درمختار) (قوله لا تصح الاجارة لعسب التيس) لأنه لا يقدر عليه وهو الإحبال.(شامي٥/ ٣٨)

چوں کہ یہاں بھی گابھن بنانے کی شرط لگائی گئی ہے، جو بائع کے اختیار میں نہیں ہے؛ اس لیے شرط فاسد ہے، اس کو وصف مرغوب قرار دے کر بیع کو صحیح قرار نہیں دیا

جاسکتا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ:العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ثمن کی ادائیگی کا وقت مقرر کیے بغیر بیع

سوال:ادھار کاروبار کیا اور ادائیگی کی کوئی مدت مقرر نہیں کی، بغیر مدت کی تعیین کے اس طرح کا معاملہ کرنا، جب کہ باہم تنازع بھی نہیں ہے شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب:حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ بیع شرعاً درست نہیں۔

اعلم أن البيع بأجل مجهول لا يجوز اجماعاً الخ.(شامي،٤/ ١٣٤)

بعض متعاقدین کے مابین تنازع کا نہ ہونا علت کے منافی نہیں ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ:العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کپڑے کے تھان پر درج مقدار میں کمی بیشی کا امکان اور بیع کا حکم

سوال:کپڑے کا تاجر میلہ یا منڈی سے جو کپڑا خرید کر لاتا ہے وہ تھانوں کی شکل میں ہوتا ہے، اور تھانوں پر میٹر کی مقدار لکھی ہوتی ہے؛ لیکن چوں کہ وہ مشین کے ذریعہ سے کھینچ کر ناپا ہوتا ہے؛ اس لیے بعض کپڑے جب کھول کر دوبارہ ناپے جاتے ہیں تو لکھی ہوئی مقدار سے کم مقدار ہوتے ہیں؛ نیز منڈی کے عرف کے مطابق

پیک مال کو کھولنا اور دوبارہ پیوانا منڈی والے برداشت نہیں کرتے، تو مذکورہ تفصیل کے مطابق پیک آئے ہوئے مال کو اسی طرح پیک اتنی ہی مقدار تسلیم کر کے جو اس پر لکھی ہوئی ہے، اسی مقدار کی قیمت میں بیع کرنا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے، اور اگر خریدار یہ جانتے ہوئے کہ اس میں بیان کردہ مقدار سے کم ہے مال پر قبضہ کرے تو خیار فسخ بھی نہیں ہے، ورنہ خیار فسخ ہے۔ (مجلۃ الاحکام العدلیۃ: ۵۸)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مال تجارت میں نفع کمیشن پر لینا۔ کمیشن پر چندہ کرنا

سوال: مالِ تجارت خریدنے میں نفع بشکل کمیشن دینا لینا کیسا ہے (ایک سو روپے کا مال ایک سو بیس میں)؛ نیز چندہ وصولی پر کمیشن متعین کر کے لینا بھی واضح فرمادیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مجلسِ عقد میں بائع نے مشتری کو مقررہ ثمن سے باخبر کر دیا ہے تو معاملہ درست ہوگا؛ ورنہ نہیں۔

حتی لو باعه بربح ده یازده ای العشر بأحد عشر لم یجز؛ إلا أن یعلم بالثمن في المجلس فیخیر. (در مختار)

چندہ کی وصولیابی میں محصل کا اپنی اجرت بشکل کمیشن متعین کرنا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۰/۲۳۶، ۲۳۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ رشوال ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حکومت کی طرف سے طے شدہ نرخ سے زیادہ لینا

سوال: حکومت کی جانب سے جن اشیاء کی قیمت مقرر کی جاتی ہے، بائع کو اس قیمت سے زائد قیمت لینا کیسا ہے؟ یا ٹیکسی چلانے والے کو میٹر سے زائد رقم کو طلب کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کے مقرر کردہ نرخ سے زیادہ لینے کی صورت میں حکومت کی طرف سے قانونی کارروائی ہو کر قید و بند کا اندیشہ ہے، جس میں اپنی ہتک ہے، اور عزت کی حفاظت ضروری ہے؛ اس لیے زیادہ نہ لینا چاہیے؛ لیکن اس کے باوجود اگر آپس کی رضامندی سے زیادتی مقرر کر کے وصول کی تو یہ معاملہ شرعاً جائز ہو کر زیادتی اس کی ملک قرار پائیگی۔

یہ یاد رہے کہ ٹیکسی والا میٹر سے زیادہ اسی وقت لے سکتا ہے کہ پہلے سے زیادہ لینا سواری کے ساتھ طے کر لیا ہو، اگر پہلے سے طے نہیں کیا تھا تو اس صورت میں وہ صرف میٹر کے مطابق ہی لے سکتا ہے، زیادہ لینا جائز نہیں، اگر لے گا تو اس کی مِلک ثابت نہ ہوگی۔ (شامی ۵/ ۲۸۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ ذوالقعدۃ ۱۴۱۴ھ

ڈاکخانہ وغیرہ کی اشیاء کو زیادہ قیمت سے خرید و فروخت کرنا

سوال: ڈاکخانہ کی اشیاء خطوط وغیرہ کو تاجرین مقرر کردہ نرخ سے زیادہ قیمت سے وصول کر کے فروخت کرتے ہیں، اس طرح کی خرید و فروخت کرنا کیسا ہے؟

جب کہ ان اشیاء کی قیمت بھی حکومت مقرر کرتی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔ (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۶۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ، ۲۸/ ذوالحجہ ۱۴۱۴ھ

کسی چیز کا حکومتی قیمت سے زیادہ پر فروخت کرنا

سوال: جو خط یعنی پوسٹ کارڈ اور انتر دیشی جس پر حکومت کی جانب سے قیمت لگی ہوتی ہے اس پر نفع لے کر بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

محکمہ ڈاک کی طرف سے جاری کردہ کارڈ لفافہ وغیرہ کو اس کی مقررہ قیمت پر منافعہ لے کر فروخت کر سکتے ہیں؛ البتہ اس کے لیے حکومت کی اجازت حاصل کر لینا مناسب ہے، تاکہ بعد میں قانون کی گرفت کا خطرہ نہ رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ صفر ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ریلوے ٹکٹ، منافع لے کر بیچنا

سوال: ریلوے ٹکٹ کی قیمت ہو، اس قیمت کے اوپر ۲۰ روپیہ ۲۵ روپیہ لے سکتے ہیں؛ کیوں کہ ایک آدمی ہماری دکان سے ہم بھیجتے ہیں، وہ شخص لائن میں کھڑا رہ کر ٹکٹ لیتا ہے، یا ٹکٹ نکالنے والے سے ملاقات کر کے ایک ٹکٹ پر ۵ روپیہ یا ۱۰ روپیہ اس کو دے کر ٹکٹ خریدتا ہے، پھر وہ ٹکٹ اپنے گاہکوں کو دیتے ہیں، تو وہ لینا

دینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ ٹکٹ کسی خاص آدمی کے نام سے جاری کیا گیا ہے تو اس کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر وہ کسی خاص نام سے جاری نہیں کیا گیا ہے؛ بلکہ جس کے پاس وہ ٹکٹ ہو اس کے لیے اس ٹکٹ کے ذریعہ سفر کی اجازت ہے، تو اس صورت میں اس کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے، اور اس پر منافعہ لینا بھی درست ہے۔ (تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۶۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اقالہ کی فضیلت وحکم

سوال: ایک صاحب نے دس روپے کلو کے حساب سے بیس لاکھ کلو لوہا خریدا، خریدار نے بائع کو پچاس ہزار روپئے پیشگی دے دیے اور یہ طے ہوا کہ ایک ہفتہ کے بعد مال اٹھانا شروع کریں گے اور ایک وقت میں جتنا مال اٹھائیں گے اس کی رقم اسی وقت ادا کی جائے گی چوں کہ مال زیادہ ہے؛ اس لیے کئی قسطوں میں مال اٹھایا جانا طے ہوا، اچانک لوہے کا دام پورے ملک میں گر گیا ہے، اب اگر خریدار وہ مال لیتا ہے تو اس کو تیس لاکھ (۳۰۰۰۰۰۰) روپے کا خسارہ ہوگا، خریدار چاہتا ہے کہ پچاس ہزار کی پیشگی رقم چھوڑ دوں اور سودا فسخ کر دیا جائے مگر بائع سودا فسخ کرنے کے لیے تیار نہیں ہے، مال ابھی بائع کے گودام ہی میں رکھا ہے، خریدار کا کہنا ہے کہ اگر شریعت

کی طرف سے اجازت ملتی ہے تو میں بیع فسخ کروں گا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شرعاً بائع اور مشتری دونوں کو یہ حق حاصل ہے کہ باہمی رضامندی سے بیع کو مکمل ہوجانے کے بعد توڑ دیں۔(مجلة الاحکام:۴۹)

اسی کو شریعت کی اصطلاح میں ''اقالہ'' کہتے ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ جو آدمی اپنے سودے پر پچھتا رہا ہو اس کو جو شخص فسخ کردے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے گناہوں کو معاف کرے گا۔(درر الحکام ۱/ ۱۴۲)

صورتِ مسئولہ میں بائع کو چاہیے کہ خریدار کے مطالبہ پر اس سودے کو فسخ کرنے پر راضی ہوجائے تاکہ اس کو حدیث میں وارد شدہ فضیلت حاصل ہو؛ لیکن اگر بائع اس پر راضی نہیں تو خریدار کو یک طرفہ طور پر سودا فسخ کرنے کا اختیار نہیں، بیع کو فسخ کرنے کے لیے دونوں کی رضامندی شرط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۹/ ربیع الآخر ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

فروخت شدہ مکان کو غصب کرکے پرانی قیمت واپس کرنا

سوال: ایک آدمی نے مکان خریدا چند سال خریدنے والے کی ملکیت میں مکان رہا پھر بیچنے والا انتقال کرگیا اور اس کی زندگی میں قیمت بھی دے دی لیکن اس کے مرنے کے بعد اس کی عورت نے اس مکان کو خریدنے والے سے خالی کروایا تو کیا اس کو حق ہے یا نہیں؟ پھر دو سال بعد عورت کا بھی انتقال ہوگیا اور مرتے وقت عورت

نے اس مکان کو اپنی لڑکی کے نام پر کروایا اور اب خریدنے والا مکان مانگتا ہے لیکن لڑکی نہ کہتی ہے تو وہ خریدنے والا پرانی قیمت پر راضی نہیں ہوتا بلکہ نئی قیمت کا کہتا ہے تو اب کیا کریں پرانی قیمت دینی ہوگی یا نئی قیمت یا صلح کی کوئی شکل ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مالک مکان سے مشتری نے جب وہ مکان خریدا تو وہ مالک کی ملکیت سے نکل کر مشتری کی ملکیت میں آچکا اس کے بعد سابق مالک کی بیوی کا اس مکان کو خریدار سے خالی کروانا غصب ہے جو حرام ہے۔ ایسا کرنے سے وہ عورت مالک نہیں بنی۔ جب وہ مالک نہیں بنی تو اس کا اس مکان کو اپنی لڑکی کے نام کروانا بھی درست نہیں ہے بلکہ مزید جرم ہے۔ لڑکی کو چاہئے کہ وہ مکان مشتری کے حوالہ کردے تاکہ خود بھی گناہ سے بچے اور اپنی ماں کو بھی مؤاخذۂ آخرت سے بچا سکے ساتھ ہی لڑکی پر توبہ بھی ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/محرم الحرام ۱۴۱۴ھ

بیع میں جھوٹ وغیرہ کے مسائل

ملازم کا متعین نرخ سے زائد قیمت پر چیز بیچنا

سوال: ایک آدمی کسی تاجر کی دکان پر ملازمت کرتا ہے، تاجر کسی چیز کا نرخ متعین کردے مثلاً: ساٹھ روپیہ میں فروخت کرتا ہے، اب یہ ملازم اس کو ستر روپیہ میں فروخت کرکے دس روپیہ اپنے پاس رکھ لیتا ہے اور مالک کو ساٹھ روپیہ دیتا ہے تو کیا

اس طرح ملازم کے لیے دس روپیہ لینا جائز ہے؟ اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس ملازم کی حیثیت وکیل بالبیع کی ہے؛ اس لیے صورت مسئولہ میں اگر اس نے اس چیز کو جس کے متعلق مالک نے اس کو ساٹھ روپیہ میں بیچنے کو کہا تھا، ستر روپیہ میں بیچا تو وہ بیع درست اور صحیح ہے؛ لیکن زائد رقم دس روپیہ بھی مالک کی ملک سمجھے جائیں گے، وہ ملازم اس رقم کو اپنی جیب میں نہیں رکھ سکتا، اگر ایسا کیا تو یہ خیانت ہے۔

الوكيل إذا خالف ان خلافا الى خير فى الجنس كبع بالف درهم فباعه بألف ومأة نفذ.(درمختار على هامش الشامي، ٤/٥٥٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بغیر سامان کے صرف بل (رسید) بیچنا کیسا ہے؟

سوال: زید نے خالد سے دس ہزار کی رقم کا سامان خریدا؛ لیکن خالد نے کسی مصلحت کی وجہ سے زید کو سامان کا بل نہیں دیا، اب زید کو سرکار میں حساب پیش کرنے کے لیے بل کی ضرورت پڑی تو زید نے بکر نامی تاجر کے پاس جا کر کہا کہ میں نے خالد سے مال خریدا ہے مگر اس نے بل نہیں دیا تو کیا تم مجھے بل دے سکتے ہو؟ بکر نے کہا دوں گا مگر فی صد پانچ روپیے اس بل کے عوض دینے ہوں گے، سوال یہ ہے کہ زید کے لیے عوض دے کر بل لینا اور بکر کے لیے بغیر مال دیے ہوئے صرف بل دینے کے عوض رقم لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست نہیں ہے، فریب اور دھوکہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بی پی ایل کارڈ اور راشن کارڈ سے ناجائز فائدہ اٹھانا

سوال: ① غیر مستحق حضرات (یعنی جو سرکاری شرائط پر پورے نہ اترتے ہوں) ان کا کسی طرح سے بی پی ایل (B.P.L.) کا کارڈ بنالینا اور اس کارڈ پر ملنے والی مختلف راحتوں کا حاصل کرنا (مثلاً دواخانہ کی راحتوں کا حاصل کرنا) از روئے شرع کیسا ہے؟

② زید نے اپنا راشن کارڈ عمر کو دیا اور کہا کہ اپنے روپیوں سے مٹی کا تیل لاؤ اور پچاس روپیے مجھے دینا کیوں کہ کارڈ میرا ہے، عمر نے کل سو روپیے خرچ کیے پچاس بائع کو دیے، اور دوسرے پچاس زید کو دیے، جب کہ پانچ لیٹر تیل کی قیمت پچاس روپیے ہیں تو کیا اس طرح زید کا کارڈ دینا اور اس کے عوض پچاس روپیے لینا صحیح ہے؟ نیز اس مسئلہ کا کون سے باب کے ساتھ تعلق ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① بی، پی، ایل کارڈ کی حقیقت سے مجھے واقفیت نہیں؛ البتہ اصولی طور پر یہ جان لیں کہ حکومت کی طرف سے بعض لوگوں کو بعض مخصوص شرائط کے ساتھ جو سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں، کسی ایسے آدمی کا جو ان مخصوص شرائط پر پورا نہ اترتا ہو فائدہ اٹھانا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

(۲) راشن کارڈ کے ذریعہ حکومت کم داموں پر جو اشیاء (تیل، شکر، غلہ) مخصوص حضرات کو دیتی ہے، اس کے لیے حکومت کی طرف سے مخصوص شرائط کی پابندی کی جاتی ہے، جو آدمی ان شرائط پر پورا اترتا نہ ہو اس کے لیے اس طرح کا راشن کارڈ حاصل کر کے اس سے فائدہ اٹھانا جائز اور درست نہیں؛ نیز راشن کارڈ جس کے نام پر جاری کیا گیا ہے حکومت کی طرف سے یہ بھی پابندی ہے کہ اس کے علاوہ دوسرا کوئی شخص اس راشن کارڈ سے فائدہ اٹھا نہیں سکتا، حکومت اس کی اجازت نہیں دیتی ہے؛ اس لیے صورت مسئولہ میں زید نے اپنا راشن کارڈ عمر کو دے کر اس سے فائدہ اٹھانے کی جو اجازت دی ہے وہ درست نہیں، یہ ایک نوع کی خیانت ہے؛ نیز اس راشن کارڈ کے استعمال کے عوض میں زید کا عمر سے پچاس روپے وصول کرنا بیع حقوق کے قبیل سے ہونے کی وجہ سے درست اور جائز نہیں؛ البتہ اگر زید اس راشن کارڈ کے ذریعہ خود تیل خرید کر اسی دام میں یا اس سے زیادہ میں عمر کے ہاتھ فروخت کرے گا تو شرعاً یہ سودا درست ہو جائے گا؛ البتہ اگر حکومتی قانون کے طور پر اس طرح کرنے کی بھی اجازت نہ ہو تو زید کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ جمادی الاول ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

تمباکو کے اصلی ڈبہ میں نقلی مال فروخت کرنا

سوال: کوئی کمپنی تمباکو بناتی ہے، کمپنی کا تمباکو ڈبے سے ختم ہونے کے بعد ہم یا کوئی اپنی طرف سے زردہ بنا کر اصل کمپنی کے ڈبہ میں بھر کر پیک کر کے فروخت کرے

تو کیا جواز کی شکل یہ ہوگی؟ دوسری شکل یہ ہے کہ اصل ڈبہ میں اپنا بنایا یا کسی اور کا بنا ہوا زردہ پیک کر کے مارکٹ میں فروخت کرتے وقت دوکان دار سے بتلادیں کہ یہ ڈپلیکیٹ ہے، یعنی نقلی ہے، اس وقت کیا شکل ہوگی؟ تیسرے خالی اصلی ڈبے نقلی زردہ بنانے والے کے ہاتھ فروخت کر سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں خریدار اس ڈبہ میں بند تمباکو کو اصل کمپنی کی چیز سمجھ کر خریدتا ہے، جس میں دھوکہ ہے، اس لیے جائز نہیں ہے۔

دوسری صورت میں آپ تو دوکان دار کو مال کے نقلی ہونے سے واقف کر دیتے ہیں؛ لیکن دوکان دار اگر اس کو اصلی میں کھپائے گا تو اس کا ذریعہ آپ بنے ہیں، اس لیے یہ بھی جائز نہیں۔ ﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾۔

تیسری صورت کا بھی یہی حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ رجب ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ٹیکس سے بچنے کے لیے مبیع کی قیمت کم بتلانا

سوال: سیل ٹیکس سے متعلق:

(الف) زید نے گاہک کو مبیع بیچی اور اس پر دس ڈالر ٹیکس لیا، مثال کے طور پر ۱۰۰/ ڈالر کی چیز پر ۱۰/ ڈالر ملا کر ۱۱۰/ ڈالر لیے؛ لیکن حکومت کو ثمن ۹۰/ ڈالر بتایا، تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟

(ب) زید نے ایک لاکھ ڈالر کا مال منگوایا اور حکومت کو پچاس ہزار ڈالر بتلایا، کیا یہ شرعی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(الف) اس کا حکومت کو ثمن ۹۰/ ڈالر بتلانا جھوٹ اور دھوکہ ہے جو حرام ہے۔

(ب) یہ جھوٹ اور دھوکہ ہے جو شرعاً حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ٹیکس سے بچنے کے لیے تدبیر اختیار کرنا کیسا ہے؟

سوال: حکومت تاجروں سے مختلف قسم کے ٹیکس وصول کرنے کے لیے تاجروں کے حساب کتاب کو باقاعدہ دیکھتی ہے، تاجر لوگ ان ٹیکسوں سے بچنے کے لیے مختلف تدبیریں کرتے ہیں، شرعاً اس طرح سرکاری ٹیکسوں سے بچنے کے لیے تدبیریں کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کے ناجائز اور ظالمانہ ٹیکس سے بچنے کے لیے کوئی جائز تدبیر اختیار کرنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اپنی مصنوعات پر جاپانی مارک لگانا

سوال: زید ایک فیکٹری کا مالک ہے، اور وہ نقلی اشیاء فیکٹری میں تیار کرتا ہے مثلاً

ایک پارٹ ہے وہ اصلی اور جاپان کا ہے، اس کی قیمت پانچ سو روپئے ہے، زید بھی یہاں (ہندوستان) میں اس کے ہم مثل کمزور پارٹ تیار کرتا ہے، اور اس کو بھی پانچ سو میں فروخت کرتا ہے، اور مشتری کو اس بات کا علم ہے کہ یہ چیز حقیقت میں جاپان کی نہیں ہے اور ہندوستان کی ہی ہے، اس کے باوجود خود خریدنے والا اس چیز کو پانچ سو میں خریدتا ہے، اس کو علم اتنا ہے کہ میں جو چیز خرید رہا ہوں وہ درحقیقت اصلی چیز نہیں ہے، اور زید (بائع) یہ آشنا کر کے بھی دیتا ہے کہ یہ میری چیز اتنی مضبوط نہیں ہے، چند روز کام آئے گی، اب دریافت یہ ہے کہ زید کی یہ تجارت صحیح ہے یا نہیں؟ اور زید امسال اپنے پیسوں سے حج کو جانا چاہتا ہے، کیا جا سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر زید اپنی مصنوعات پر وہی مارک لگاتا ہے جو جاپانی مصنوعات پر لگتا ہے، تب اس کا یہ عمل ایک نوع کا دھوکہ ہے، اس لیے کہ چاہے وہ اپنے پاس سے خریدنے والوں کو یہ بتلاتا بھی ہے کہ اصلی مال نہیں ہے؛ لیکن یہ احتمال موجود ہے کہ وہ خریدار جب دوسرے آدمی کو وہ مال فروخت کرے گا تو اس کو یہ بات نہ بتلا کر اندھیرے میں رکھے، اور اس کا ذریعہ زید بنا ہے، اس لیے اس صورت میں زید کا حاصل کردہ منافعہ خبیث ہے، پاک نہیں؛ البتہ اگر زید نے جاپانی مارک استعمال نہیں کیا تو اس کے لیے وہ منافعہ درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ شعبان ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بغیر لائسنس کے منجن فروخت کا کاروبار کرنے میں رشوت دینا

سوال: بندہ نے بمبئی میں ایک مدرسہ قائم کیا ہے، کئی سالوں سے الحمدللہ قرآن پاک کی تعلیم دیتا ہوں، چوں کہ علمِ طب بھی سیکھا ہوں؛ اس لیے اسی مقام پر مریضوں کا علاج بھی کرتا ہوں، یونانی جڑی بوٹیوں کے ذریعہ ایک منجن تیار کیا ہوں جس کا پرچہ ارسالِ خدمت ہے؛ چوں کہ ہندوستان میں بغیر لائسنس کے اس کا بازار میں لانا قانونی جرم ہے اور لائسنس بنوانے کے لیے جو اسباب مثلاً ایک خاصی بڑی جگہ اور لمبی رقم درکار ہے وہ میرے پاس نہیں ہے، اب بغیر لائسنس کے اس منجن کو بازار میں فروخت کروں، اگر کوئی حکومت کا آدمی کبھی آوے اور کچھ رقم کا سوال کرے تو ایسی صورت میں کچھ رقم دے کر اس سے چھٹکارا حاصل کیا جائے، بندہ کے متعارفین میں کچھ قانون داں لوگوں کا کہنا ہے کہ اس طرح یہ کاروبار کیا جاسکتا ہے، بندہ اس باب میں متردد ہے کہ ایسا کرے یا نہ کرے، اب حضراتِ والا سے درخواست ہے کہ بندہ کی اس سلسلہ میں دینی رہنمائی اور مفید مشورہ سے نوازیں عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر آپ کا تیار کردہ منجن اصولِ طب کے اعتبار سے درست اور مفید ہے تو شرعاً آپ اس کو فروخت کر سکتے ہیں، حکومت نے بھی لائسنس وغیرہ کا جو قانون رکھا ہے اس کا مقصد بھی لوگوں کو نقصان اور فریب سے بچانے کا ہی ہے کہ ہر کس وناکس اہل وناہل اس نام سے لوگوں کی صحت ومال سے کھلواڑ نہ کرے، اسلام نے یہ بھی تعلیم دی ہے کہ ایسا کوئی کام نہ کیا جائے جس سے اپنی عزت ووقار کو ٹھیس پہنچے، بغیر لائسنس منجن

فروخت کرنے کی صورت میں حکومتی قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے یہی خطرہ ہے، اس لیے بہتر اور مناسب تو یہی ہے کہ آپ لائسنس حاصل فرمالیں، اب اگر آپ کا فارمولہ درست اور مفید ہونے کے باوصف سرکاری کارکنان لائسنس بغیر رشوت نہ دیتے ہوں تو ان کے دفعِ شر کے لیے ایسا کرنے کی گنجائش ہے۔

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له ليس برشوة يعني في حق الدافع.(شامی ۵/ ۲۷۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

رجسٹرڈ شدہ کمپنی کے لیبل سے اپنی مصنوعات فروخت کرنا

سوال: ایک شخص ایسی چیزیں تیار کرتا ہے جو اصولِ صحت کے مطابق مفید ہوتی ہیں مثلاً درد کے لیے تیل، منجن، پاؤڈر، معجون وغیرہ، اس کو بازار میں فروخت کرنے کے لیے گورنمنٹ سے رجسٹرڈ کرانا ضروری ہوتا ہے، ورنہ سرکاری قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے سرکار کی طرف سے گرفت کا اندیشہ رہتا ہے، چوں کہ اس شخص کے پاس گورنمنٹ سے رجسٹرڈ کرانے کے وسائل نہیں ہیں؛ تاہم دو صورتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

① جو کمپنیاں یہ سب چیزیں تیار کرتی ہیں اور ان کا رجسٹریشن بھی ہے۔

② کچھ ایسے ادارے ہیں جو حکومت سے رجسٹرڈ ہیں، لیکن بذات خود کوئی چیز تیار نہیں کرتے؛ بلکہ دوسروں کی تیار کردہ چیزوں پر اپنے نام کا لیبل لگا کر دے دیتے ہیں؛ البتہ یہ دونوں کمپنیاں اس طرح اپنے ادارے سے منسلک کرنے پر فوراً کچھ

فیس لیتی ہیں، پھر اس کے علاوہ بھی جب تک ان اشیاء کو فروخت کرتے رہیں گے کمپنی ماہانہ یا سالانہ وغیرہ فیس متعین کر دیتی ہے اور اسے ادا کرتے رہنا پڑتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ کہ ایسا کرنا یعنی مندرجۂ بالا شخص کے لیے ان مذکورہ بالا کمپنیوں سے ان کی شرائطِ مذکورہ کے مطابق منسلک ہونا شرعاً جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی بھی کمپنی جب اپنی دوا تیار کرتی ہے تو حکومت فنِ طب کے اصول کے لحاظ سے اسے جانچتی ہے، اگر وہ دوا حکومت کی شرائط پر پورے طور پر اترتی ہے تو حکومت کمپنی کو دوا فروشی کی اجازت دیتی ہے، بصورتِ دیگر اجازت نہیں دیتی، مفید دوائیں جب بازار میں اپنا خاص مقام اور شہرت حاصل کرنے لگیں تو سند یافتہ کمپنیوں کے نام سے غلط فائدہ اٹھایا جانے لگا یعنی جن کمپنیوں کو صارفین میں اچھی شہرت حاصل تھی ان کے نام کا غلط استعمال ہونے لگا، تو عامۃ الناس کے دھوکہ کا مسئلہ پیدا ہوا، اس وقت سے حکومت کی طرف سے دواساز کمپنیوں اور ٹریڈ مارکوں کا رجسٹریشن ہونے لگا اور تاجروں کو دوسروں کے رجسٹر کرائے ہوئے ناموں کو استعمال کرنے سے قانوناً روکا گیا۔

(ماخوذ از فقہی مقالات ۱/۲۲۰)

صورتِ مسئولہ میں آپ نے از خود اپنے تجربہ کی بنا پر جو منجن اور دفعِ درد کے لیے تیل وغیرہ تیار کیا ہے وہ حکومت کی نظر میں طبی نقطۂ نظر سے مفید ہے یا نہیں؟ اصولِ طب کے مطابق ہے یا نہیں؟ اس کی گارنٹی نہیں؛ لہٰذا حکومت سے رجسٹریشن شدہ کمپنی کے لیبل سے فروخت کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ آپ کی مصنوعات حکومت کی منظور شدہ اور

سند یافتہ ومعتمد ہیں جو سراسر جھوٹ اور فریب ہے، خود رجسٹریشن کمپنیوں کے لیے اس طرح غیر سند یافتہ کو اپنے ساتھ لاحق کرنا اور کمیشن لینا بھی قانوناً جرم ہے، لہٰذا ایسی کمپنیوں کے ساتھ منسلک ہونا اور ان کو کمیشن دے کر اپنی مصنوعات بیچنا جائز نہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اپنی کتاب ''فقہی مقالات'' میں رقم طراز ہیں:

اگر لائسنس کسی مخصوص فرد یا مخصوص کمپنی کے نام ہو اور قانون دوسری کمپنی کی طرف اس کی منتقلی کی اجازت نہ دیتا ہو تو اس لائسنس کی بیع جائز نہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں، کیوں کہ اس صورت میں لائسنس کی فروختگی سے جھوٹ اور دھوکہ لازم آئے گا، اس لیے کہ لائسنس خریدنے والا بیچنے والے ہی کے نام سے استعمال کرے گا نہ کہ اپنے نام سے، لہٰذا ایسا کرنا جائز نہ ہوگا۔ (۱/ ۲۲۳)

عن أبی هريرة أن رسول الله ﷺ مر على صبرة من طعام فأدخل يده فيها فنالت أصابعه بللاً، فقال: يا صاحب الطعام! ما هذا؟ قال: أصابته السماء يا رسول الله قال: أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس، ثم قال: من غشّ فليس منّا.

(رواه الترمذي، كتاب البيوع، باب ماجاء فی كراهة الغش في البيوع ۱/ ۲۴۵)

ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ بازار تشریف لے گئے، وہاں آپ نے دیکھا کہ ایک شخص گندم بیچ رہا ہے، آپ ﷺ اس کے قریب تشریف لے گئے اور گندم کی ڈھیری میں اپنا ہاتھ ڈال کر اس کو اوپر نیچے کیا تو یہ نظر آیا کہ اوپر تو اچھا گندم ہے اور نیچے بارش اور پانی کے اندر گیلا ہو کر خراب ہو جانے والا گندم ہے، اب دیکھنے والا

جب اوپر سے دیکھتا ہے تو اس کو نظر آتا ہے کہ گندم بہت اچھا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے اس شخص سے فرمایا: کہ تم نے یہ خراب والا گندم اوپر کیوں نہیں رکھا؛ تاکہ خریدار کو معلوم ہو جائے کہ یہ گندم ایسا ہے، وہ لینا چاہے تو لے لے، نہ لینا چاہے تو چھوڑ دے۔ اس شخص نے جواب دیا کہ یارسول اللہ! بارش کی وجہ سے کچھ گندم خراب ہو گئی تھی میں نے اس کو نیچے کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرو؛ بلکہ اس کو اوپر کر دو، اور پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ”من غشّ فلیس منّا“ جو شخص دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں یعنی جو شخص ملاوٹ کر کے دھوکہ دے کہ بظاہر تو خالص چیز بیچ رہا ہے؛ لیکن حقیقت میں اس میں کوئی دوسری چیز ملا دی گئی ہے یا بظاہر تو پوری چیز دے رہا ہے، لیکن حقیقت میں وہ اس سے کم دے رہا ہے تو یہ غش اور دھوکہ ہے اور جو شخص یہ کام کرے وہ ہم میں سے نہیں یعنی مسلمانوں میں سے نہیں ہے۔ دیکھئے! ایسے شخص کے بارے میں حضور اقدس ﷺ کتنی سخت بات فرما رہے ہیں، لہٰذا جو چیز بیچ رہے ہو اس کی حقیقت خریدار کو بتا دو کہ اس کی یہ حقیقت ہے؛ لیکن خریدار کو دھوکہ میں اور اندھیرے میں رکھنا منافقت ہے، مسلمان اور مومن کا شیوہ نہیں ہے۔

(اسلام اور جدید معاشی مسائل ۱/ ۲۴۹، ۲۵۰)

آپ نے خود استفتاء میں تحریر فرمایا ہے ”سرکاری قانون کی خلاف ورزی کی وجہ سے سرکار کی طرف سے گرفت کا اندیشہ ہے“۔ ایسا کام کرنا جس میں جان و عزت کا خطرہ ہو عقلمندی نہیں، اپنی عزت بچانا واجب ہے، اپنی عزت بچانے کے لیے قانون کی خلاف ورزی کی بھی اجازت نہ ہوگی۔ (منتخبات نظام الفتاوی، ۳/ ۲۸)

”طاعة الإمام فيما ليس بمعصية فرض“ (الدر المختار مع رد المحتار،

کتاب الجهاد،باب البغاة ٤ /٢٦٤)(معارف القرآن:٦/ ٦٢٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبدالقیوم راجکوٹی، ٢٤ /محرم الحرام ١٤٣٦ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بگڑنے سے بچانے کے لیے دودھ میں برف ڈالنا کیسا ہے؟

سوال: بمبئی میں جب بھینسوں کا دودھ نکالا جاتا ہے تو اس دودھ کو ایک بڑے برتن میں جمع کیا جاتا ہے پھر اس کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے مندرجۂ ذیل دو شکلیں اختیار کی جاتی ہیں تاکہ خراب نہ ہو:

① بعض لوگ براہِ راست دودھ میں برف ڈال دیتے ہیں تاکہ دودھ ٹھنڈا رہے خراب نہ ہو۔

② اور بعض لوگ برف کو دوسرے برتن میں بند کرکے اس برتن کو دودھ میں رکھتے ہیں تاکہ دودھ کو ٹھنڈک پہنچے اور خراب نہ ہو۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ دونوں شکلوں والے اپنے دودھ کو خالص کہہ کر پوری قیمت سے بیچتے ہیں تو کیا شرعاً اس طرح ٹھنڈا کرکے بیچنا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دودھ کی حفاظت کے لیے عام طور پر جو تدابیر اختیار کی جاتی ہیں اس قسم کی تدبیر اختیار کرنے کی اجازت ہے؛ البتہ جس صورت میں برف دودھ میں ڈالی گئی تھی اس صورت میں دودھ کو خالص کہنا ایک قسم کا دھوکہ ہے جو جائز نہیں ہے، اور مشتری (خریدار) کو معلوم ہونے کی صورت میں اگر وہ واپس کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، بشرطیکہ واپسی سے

مانع کوئی بات پیدا نہ ہوئی ہو۔ کما ھو مصرح في کتب الفقه. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مٹی کا تیل زیادہ دام سے بیچنا

سوال: ہماری دوکان میں گھاسلیٹ کا پرمٹ ہے، تو وہ کوٹا پورا نہیں پڑتا ہے، تو بلیک سے زیادہ پیسہ سے گھاسلیٹ لینا پڑتا ہے، تو میں اپنے دوست سے ایک پرمٹ لایا، اس کے پاس کوٹا زیادہ تھا، تو اس نے میری دوستی کے خاطر وہ پرمٹ کا کوٹا دیا ہے، اور اس میں بلیک کا گھاسلیٹ لیتے ہیں، اس اعتبار سے آٹھ آنہ (۵۰/ پیسہ) نفع رہتا ہے، تو وہ پچاس پیسہ کے اعتبار سے میرے پاس کچھ رقم جمع ہے، وہ کاروبار میں ڈالا نہیں ہے، اور ایسی باتیں ہمارے سامنے آئی، تو کیا میں اس نفع والی رقم جو نوکروں کو پیسہ دیا ہے، اس میں وصول کرسکتا ہوں، اور اگر یہ رقم والد صاحب یا کاروبار میں ڈال دیتا ہوں تو جو نوکروں کو پیسہ دیا ہے وہ میرے جیب سے جاتا ہے، اور نوکروں کو پالیسی کے خاطر دینا پڑتا ہے، اور بعد میں والد صاحب دینے سے انکار کرتے ہیں، تو ایسی منافع والی رقم میں لے سکتا ہوں، وضاحت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کی طرف سے جو مٹی کا تیل برائے فروخت دکاندار کو دیا جاتا ہے، اس میں اگر یہ شرط ہے کہ اتنے دام میں ہی بیچا جائے، تو اس صورت میں زیادہ دام لے کر بیچنے کی اجازت نہیں؛ اس لیے کہ یہ حکومت کے ساتھ دھوکہ ہے، اور مومن دھوکہ نہیں دیتا "المؤمن لا یَخْدَعُ ولا یُخْدَعُ" زائد رقم جن لوگوں سے آپ نے وصول کی

ہے، وہ اگر معلوم ہیں تو ان کو دیدی جائے، اگر معلوم نہیں تو اس کا صدقہ کردیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مکان فروخت کرنے کے بعد دستخط نہ کرنا

سوال: ہماری والدہ حیات ہیں، اور چار بھائی اور چار بہنیں ہیں، والد کے انتقال کے بعد وراثت تقسیم ہوچکی ہے، اب والد کے انتقال کے بعد سے چھوٹا بیٹا والدہ کے ساتھ ہی رہتا ہے، اور والدہ کا وراثت کی دکان میں حصہ ہے، اور والدہ جس مکان میں رہتی ہیں وہ مکان بڑے بھائی سے خریدا ہوا ہے، اس کی قیمت والدہ ادا کرچکی ہیں؛ لیکن مکان بڑے بھائی کے ہی نام پر ہے، والدہ نے اپنے نام پر نہیں کروایا تھا، اور بڑے بھائی اسٹامپ پیپر پر لکھ کردے چکے ہیں کہ اب اس مکان کی مالک والدہ ہیں وہ جو چاہیں کریں (چاہے اس میں رہیں یا بیچیں)، اس مکان کو خرید کو بیس برس ہوچکے ہیں، اب یہ مکان والدہ جس چھوٹے بیٹے کے ساتھ رہتی ہیں اس کو دینا چاہتی ہیں اور دکان میں والدہ کا جو حصہ ہے وہ فی سبیل اللہ کرنا چاہتی ہیں، اور دوسرے بھائی، بہنیں اپنے چھوٹے بھائی کو مکان دینے پر راضی ہیں؛ لیکن جس بھائی سے خریدا تھا وہ بھائی چاہتے ہیں اس مکان میں سے آدھا حصہ مجھے بھی دو؛ لیکن ان کو دینے سے انکار کرتی ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ جس مکان میں والدہ اپنے چھوٹے بیٹے کے ساتھ رہتی ہے، اب اس مکان کا لینٹ لوڈ اس جگہ پر نئی عمارت بنانا چاہتا ہے، والدہ یہ مکان اپنے اس چھوٹے بیٹے کے نام پر کرنا چاہتی ہے جس کے ساتھ وہ رہتی ہے، اب یہ مکان جو اپنے بڑے بیٹے سے خریدا تھا ان کے ہی نام ہے، ان سے اب دستخط چاہئے؛ لیکن وہ

دستخط کرنے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھے بھی اس میں سے آدھا حصہ دو؛ لیکن والدہ ان کو دینے سے انکار کرتی ہیں، آپ سے درخواست ہے کہ اس مسئلہ کا حل مہربانی کر کے جلد از جلد روانہ فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وہ مکان بڑا بیٹا اپنی والدہ کو فروخت کر چکا ہے تو اب اس مکان کی مالکہ والدہ ہیں، والدہ کو نام ٹرانسفر کروانے کے لیے بڑے بیٹے کے دستخط کی ضرورت ہے اور وہ انکار کرتا ہے اس کا انکار کرنا شرعاً ناجائز اور گناہ ہے، ساتھ ہی یہ معاملہ والدہ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے اس گناہ کی شدت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ محرم ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سرکاری امداد کے لیے جعلی بل دینا

سوال: حکومت چھوٹے صنعت کاروں اور دست کاروں کے لیے سلائی مشین جیسی مشینوں وغیرہ کے لیے رقم دیتی ہے؛ لیکن اس رقم لینے کے لیے رقم حاصل کرنے والے کو دوکان دار سے لے کر بھاؤ بل پیش کرنا پڑتا ہے، جتنا بھاؤ اس بھاؤ بل میں لکھا ہوتا ہے اتنی رقم ملتی ہے اس بھاؤ کو کوٹیشن کہتے ہیں، اس کوٹیشن سے حکومت بذریعہ بینک لون دیتی ہے تو اس کوٹیشن کا دینا زید تاجر کے لیے درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس صنعت کار یا دست کار نے دوکان سے مال خریدا ہے، اور دوکان دار

نے اس کا بل دیا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور اگر بھاؤ بل کا کچھ اور مطلب ہے تو اس کی وضاحت کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جعلی بل پیش کر کے حکومت سے روپئے وصول کرنا

سوال: حکومت چھوٹے صنعت کاروں کو مشین وغیرہ لینے کے لیے رقم دیتی ہے، جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ مدد چاہنے والے کو پہلے تاجر سے بھاؤ بل لے کر پیش کرنا ہوتا ہے، اس پر حکومت بینک کے ذریعہ چیک دلواتی ہے، بعض لوگ اس ترکیب سے اس چیک کو حکومت سے حاصل کرتے ہیں؛ لیکن مشین نہیں خریدتے بلکہ تاجر کو وہ چیک دے کر نقد رقم لے لیتے ہیں، تاجر بھی فیصد کچھ کم کر کے نقد رقم دیتا ہے، سوال یہ ہے کہ مدد خواہ کے لیے اس طرح سے مشین لینے کے لیے، لیے ہوئے چیک سے بجائے مشین کے رقم لینا صحیح ہے؟ نیز تاجر کا بغیر مال بیچے ہوئے چیک کو لے کر نقد روپیہ دینے کے عوض کمیشن کی رقم لینا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس میں فریب وکذب دونوں موجود ہیں، جو ناجائز اور حرام ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

زیادہ رقم کا بل بنا کر زائد رقم واپس لینا

سوال: این آر کمپنی لیمٹیڈ کے ساتھ ہمارا دھندا ہے، اور ابھی اس کا کہنا یہ ہے

کہ: مثلاً مال دو ہزار کا ہو تو تم اس کا بل ڈھائی ہزار کا بناؤ، اور ہم چیک بھی ڈھائی ہزار ہی کا دیں گے؛ لیکن بینک سے پیسے لینے کے بعد ۵۰۰ روپیہ ہم کو نقد واپس دینے ہوں گے۔ اب تک اس کی اس طریقہ پر کوئی بات نہیں تھی؛ لیکن ابھی اس نے یہ بات لکھی ہے، تو کیا اس طریقہ سے دھندا کرنا شرعی اعتبار سے درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کا مقصد کمپنی کے کارندوں کا کمپنی کے مالکین کے ساتھ خیانت اور چوری کا ہے تو آپ کے لیے اس لیے جائز نہ ہوگا کہ اس صورت میں آپ ان کے اس ناجائز کام میں معاون ثابت ہوں گے، ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾، اور اگر کوئی اور مقصد ہے، تو اس کی وضاحت فرما کر دوبارہ دریافت فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ، ۲۴ رذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۴ھ

ممنوع اور مباح اشیاء کی خرید وفروخت کے مسائل

انسان کے پاخانہ کی بیع

سوال: انسان کا پاخانہ جو سوکھ کر مٹی کی طرح کھاد ہو گیا ہو اس کی بیع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس میں مٹی کی ملاوٹ ہے تو اس کی بیع جائز ہے، ورنہ نہیں۔

ولم ينعقد بيع النحل ودود القز إلا تبعا،ولا بيع العذرخالصة بخلاف بيع السرقين والمخلوط بتراب الخ. (شامی ٤ /١١٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ذی روح کھلونے کی تجارت

سوال: ① کھلونے وغیرہ جو تفریح طبع کے لیے بنائے جاتے ہیں جس کا کاروبار دور حاضر میں کافی پھل پھول رہا ہے جن میں بعض تو خالص غیر ذی روح اشیا کی ہوتی ہیں ان کے بیع وشراء میں تو کوئی تأمل نہیں۔

② لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ ایجنسی (ہول سیل) اسی صورت میں ملتی ہے کہ ملے جلے کھلونے اپنی دکان پر فروخت کیے جائیں، نہ چاہتے ہوئے بھی صرف ایجنسی باقی رکھنے کے لیے مجبوراً ایسے کھلونے فروخت کرنا جن میں مختلف غیر ذی روح پلین، موٹر، گاڑیاں وغیرہ، اور ذی روح اشیاء مثلاً کتے، بندر، بلی، گڑیاں وغیرہ کی مماثل کھلونے ہوتے ہیں تو شرعاً یہ مخلوط کاروبار کیا حکم رکھتا ہے؟ اور حاصل شدہ منافع کا کیا حکم ہے؟

③ فقہ کی کتابوں میں شراب اور خنزیر کا تو مسلم کے لیے مال غیر متقوم ہونا مصرح ہے، تو کیا اس کا اور اوپر مذکور کاروبار کا حکم یکساں ہے؟ یا کچھ فرق ہے؟

④ متحدہ عرب امارات میں ایسے کاروبار کافی منفعت بخش ہوتے ہیں، اور خریداروں میں کچھ مسلم جب کہ اکثر غیر مسلم سیاح ہوتے ہیں تو کیا ذی روح کھلونا غیر مسلم سیاح کو فروخت کر سکتے ہیں؟

⑤ مصورین کو قیامت کے دن سخت عذاب ہونا حدیث میں مذکور ہے، تو کیا غیر ذی روح اور ذی روح کھلونے کا مخلوط کاروبار اس حدیث پاک کے عموم میں شامل ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①② کسی بھی جان دار کی تصویر بنانا سخت حرام اور گناہ کبیرہ ہے، خواہ تصویر کسی بھی قسم کی ہو، بڑی ہو یا چھوٹی۔ کپڑے، کاغذ پر بنائی جائے یا در و دیوار پر قلم سے بنائی جائے یا کیمرہ سے، اسی طرح تصویر کا پریس میں چھاپنا، مشین یا سانچے میں ڈھالنا بھی ناجائز ہے، تصویر کی خرید و فروخت حرام ہے، اس ذریعہ سے کمایا ہوا پیسہ حرام اور ناقابل انتفاع ہے۔ (احسن الفتاوی ۸/ ۴۳۷)

مصور گڑیوں، مصور کھلونوں اور مصور مٹھائیوں کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کا بنانا، بیچنا، خریدنا اور کھانا جائز نہیں، بغیر خریدے بھی کھانا جائز نہیں؛ اس لیے کہ اس میں تعاون علی المعصیۃ ہے۔ (احسن الفتاوی ۸/ ۴۳۸)

گڑیا کی یا کسی اور کھلونے کی شکل وصورت جان دار کی نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں، جان دار کی صورت بنانا اور گھر میں رکھنا منع ہے، بچوں کے لیے بھی نہ رکھیں، ایسی صورتوں کی تجارت بھی نہ کریں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۲۷۷)

ایجنسی حاصل کرنے کے لیے ذی روح کھلونوں کی خریداری کو بھی شرط قرار دیا گیا ہے جو حرام ہے؛ اس لیے یہ ایجنسی حرام کو متضمن ہونے کی وجہ سے حرام اور ناجائز ہے۔

③④ (وكذا) بطل (بيع مال غير متقوم) أى مال لا يباح الانتفاع

به، ذكره ابن الكمال وغيره فليحفظ (كالخمر) في مابين مسلمين، ومسلم وكافر (والخنزير) ..... ويدخل فيه فرس أو ثور من خزف لاستيناس الصبي لأنه لاقيمة له ولا يضمن متلفه.

(در المنتقى على هامش مجمع الانهر ٢ /٥٤)

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ سوال میں مذکور ذی روح کھلونے بھی مال غیر متقوم ہونے کی وجہ سے ان کی بیع باطل ہے؛ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غیر مسلم کے ہاتھوں بھی اس کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

⑤ جیسا کہ جواب نمبر ۱ میں لکھا جا چکا، یہ اس وعید میں داخل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱/ جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

''اے ٹو زیڈ مارکیٹنگ'' نامی کمپنی کا گاہک بننے کا حکم

سوال: (الف) ایک کمپنی ہے جس کا نام ''اے ٹو زیڈ مارکیٹنگ'' ہے یہ کمپنی اپنے بننے والے گاہک کو ۳۵۰/ روپے کی مالیت پر ایک کیڈ دیتی ہے (جس میں ضروریات زندگی مصالحاجات کی چیزیں) وغیرہ ہوتی ہیں۔

جب کوئی مثلاً زید اس کو خرید کر گاہک بنے گا تو اس کو بجائے ساڑھے تین سو روپے کے تین سو روپے ادا کرنے ہوں گے، اور وہ کیڈ زید کو سپرد کر دی جائے گی (اب زید اس کا ممبر بن گیا) اب یہ زید اس کمپنی کا گاہک بن گیا اب وہ دوسروں کو بھی اپنے ذریعہ اس کمپنی کا گاہک بنا سکتا ہے تو زید کے ذریعہ جو بھی مشتری مثلاً عمرو اس کمپنی

سے جو کیڈ خریدے گا تو اس کو بھی ساڑھے تین سو والی کیڈ تین سو میں مل جائے گی، پھر یہ زید کے واسطے سے گاہک بننے والا عمرو کمپنی سے جتنا مال خریدے گا اس پر زید کو بھی دو فیصد کمیشن ملتا جائیگا پھر ھلم جرا۔ اگر عمرو بھی اس طرح گاہک بناتا ہے تو اس کو بھی اپنے ذریعے بننے والے گاہک پر دو فیصد کمیشن ملتا رہے گا، تو قابل دریافت امر یہ ہے کہ اس طرح کی کمپنیوں میں مذکورہ طریقے سے شرکت کرنا چہ حکم دارد؟

(ب) یہی کمپنی ہمارے گاؤں میں ایک دکان شروع کر رہی ہے جس کو ''ڈپو'' کہتے ہیں کمپنی والے خود اس ڈپو میں بیچنے کے تمام سامان کیڈ وغیرہ پہنچا دیتے ہیں، اس ڈپو پر بیٹھ کر سودا کرنے والا ذمہ دار خود کمپنی کا کوئی آدمی نہ ہو بلکہ ہمارے گاؤں ہی سے مثلاً زید ہی کو اس ڈپو کا ذمہ دار، مال کا سودا کرنے والا اس شرط پر مقرر کرتا ہے کہ تیرے ہاتھ سے اس ڈپو سے جتنا مال بکے گا، جتنا سودا ریٹل میں ہوتا رہے گا اس میں سے زید کو ۱۵ / فیصد ملتے رہیں گے، تو اس ڈپو میں زید کا ذمہ دار بن کر مذکورہ شرط پر کام کرنا کیسا ہے؟

(ج) اگر صورت مذکورہ (ب) میں مثلاً زید کو ۱۵ / فیصد نہ دیا جائے تو وہ لوگ زید کو اس طرح بھی ڈپو میں رکھنے کو تیار ہیں کہ فیصد کے بجائے تجھے ہم ماہانہ دو تین ہزار بطور ملازمت کے دیتے رہیں گے، تو اس کمپنی کے ڈپو میں ملازمت کرنا کیسا ہے؟

نوٹ: اس میں اگر صورتِ جواز بن سکتی ہو تو رقم فرمادیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(الف) زید کے واسطے سے براہ راست گاہک بننے والے حضرات جتنی خریداری کریں، اس پر زید کو دو فیصد کے حساب سے کمیشن دینا بشرطیکہ یہ سلسلہ آگے جاری نہ

ہوتا ہو، یہ دلالی ہونے کی وجہ سے درست ہے، اور اگر اس کے ذریعہ بالواسطہ بننے والے گاہکوں کو بھی یہ کمیشن دیا جاتا ہو تو دلالی کا مصداق نہ ہونے کی وجہ سے درست نہیں۔

(ب) یہ طریقہ قفیز طحان کے قبیل سے ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

(ج) اگر ڈپو کا طریق کار جواب نمبر الف میں لکھی ہوئی صورت جواز کے مطابق ہو تو درست ہے؛ ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۹/ جمادی الاخری ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

گانے بھرے ہوئے کیسٹ کی تجارت جائز نہیں

سوال: ایک آدمی پان وغیرہ کی دکان چلا رہا ہے اور اس کے ساتھ بیچنے کے لیے ٹیپ ریکارڈ میں بجانے کی کیسٹ بھی رکھتا ہے جس میں گانے وغیرہ بھرے ہوئے ہوتے ہیں تو ایسی کیسٹ کا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

گانے بھرے ہوئے کیسٹ کا بیچنا اور اس کی تجارت جائز نہیں، ممنوع وحرام ہے۔ (احکام القرآن للمفتی محمد شفیع ۵ / ۱۵۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری

گانے کی کیسٹ فروخت کرنا

سوال: اگر کوئی شخص کٹلیری کی دوکان میں گانے کی کیسٹ فروخت کرتا ہے

اور گانا بجاتا ہے بیچنے کی غرض سے، تو اس کا یہ بجانا اور اس طرح سے بیچنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

گانا بجانا اور گانے کی کیسٹ فروخت کرنا حرام ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ "احکام القرآن" میں تحریر فرماتے ہیں: "الغناء المحرم إجماعاً (۱) كل غناء كان لمحض اللهو واللعب من دون غرض صحيح: ديني أو دنيوي، سواء كان لنفسه أو لغيره مع المزامير وبدونها (٤) إتخاذ الغناء وضرب الآلات مكسبة. (۳/ ۲۵۱، ۲۵۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایضاً

سوال: اگر کوئی شخص کٹلیری کی دوکان میں گانے کی کیسٹ فروخت کرتا ہے اور گانا نہیں بجاتا ہے، تو اس کا یہ بیچنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کا بھی جواب آ گیا، حرام شئ کو رواج دینا حرام ہے۔

﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (فتاویٰ محمودیہ ۶/ ۳۰۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ صفر ۱۴۱۲ھ

شراب کی خالی بوتلوں کی تجارت درست ہے؟

سوال: شراب کی خالی بوتلوں کو شراب کے کارخانہ سے خریدی ہوئی قیمت سے

زائد قیمت میں فروخت کرنا، یعنی کاروبار کرنا جب کہ کاروبار و کرنے والا نہ تو شراب پیتا ہے اور نہ اس کا کوئی شراب بنانے کا کارخانہ ہے، درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جن بوتلوں میں شراب رہ چکی ہے اس کے بعد وہ خالی ہوئیں اور پاک کرلی گئیں تو ان کو دوسرے کسی بھی کام میں استعمال کر سکتے ہیں، ان کی تجارت بھی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شراب کی بوتلوں کا کاروبار

سوال: ایک شخص شراب کے شیشے خرید کر اُن کو دھو کر صاف کر کے پھر شراب تیار کرنے والوں کو بیچتا ہے، اس شخص کا یہ کاروبار کیسا ہے؟ کیا تعاون علی الاثم میں شمار ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب وہ بوتلیں شراب ہی کے لیے خاص طور پر استعمال ہوتی ہیں، تو یہ تعاون علی الاثم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۸ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

مورتی کی تجارت جائز نہیں

سوال: زید کی ایک دوکان ہے جس میں کھانے پینے کی مختلف اشیا کی فروخت ہوتی ہے، ہندوؤں کے تہوار کے موقع پر پوجا وغیرہ کا سامان بھی بیچتا ہے، ادھر دو سال سے مورتی بھی بیچنے لگا؛ البتہ اس کی بیع صرف خاص خاص موقع پر ہی کرتا ہے، ہمیشہ نہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ: آیا زید جو الحمد للہ مسلمان ہے، اس کے لیے مورتی کی تجارت جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مورتی کی تجارت ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

گمراہ کن عقائد پر مشتمل کتابوں کی تجارت درست نہیں

سوال: دنیا میں مختلف مذاہب کے ماننے والے ہیں، ساتھ ہی مسالک مختلف ہیں، جس میں سے اسلام کے ماننے والے مسلمانوں کے عقائد میں بھی فرق ہے، بعض مسلمانوں کا عقیدہ اسلامی تعلیمات کے بالکل خلاف ہے، اب پوچھنا یہ ہے کہ کتابوں کے تاجر کے لیے فاسد العقیدہ کتابوں کی تجارت کیا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

باطل اور گمراہ کن عقائد کی ترویج واشاعت جس طرح بھی ہو معصیت اور حرام ہے، ایسے عقائد پر مشتمل کتابوں کی طباعت واشاعت اور تجارت بھی اسی حکم میں ہونے کی وجہ سے ممنوع اور ناجائز ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: ﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ (المائدۃ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الکحل کی خرید وفروخت

سوال: میری دکان میں سینٹ بکتا ہے جو عطر کی قسم ہے جس میں الکحل گرتا ہے، تو الکحل آمیز عطر استعمال کی گنجائش ہے؟ سنا ہے کہ موجودہ الکحل معدنی ہے اور خمری نہیں ہے، تو کیا یہ تحقیق صحیح ہے؟ خلاصہ یہ ہے کہ سینٹ کا لگانا اور بیچنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

الکحل اگر کشمش یا کھجور سے حاصل کی گئی ہو تو بالاتفاق نجس ہے، اور ان کے سوا کسی دوسری چیز سے بنائی گئی ہو تو شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک پاک، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نجس ہے، تحقیق سے معلوم ہوا کہ آج کل الکحل کے لیے انگور اور کھجور استعمال نہیں کی جاتی؛ لہٰذا شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق پاک ہے؛ اس لیے الکحل آمیز سینٹ کا لگانا اور بیچنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ / جمادی الاخری ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

الکحل اور کیمرہ کی خرید وفروخت

سوال: ایک صاحب کی پرفیوم (سینٹ) الکحل کے عطریات کی دکان ہے، اس میں کیمرہ وغیرہ دوسری چیزیں بھی بیچی جاتی ہیں، یہ دھندا کرنا کیسا ہے؟ اس سے حاصل شدہ نفع استعمال کرنا کیسا ہے حلال یا حرام؟ ایسے ہی جو کوئی نوکری کی غرض سے ایسی دکان پر کام کرے اس کا کیا حکم ہے؟ اور اس کمائی سے حج کرنا کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

الکحل اگر انگور کشمش یا کھجور سے حاصل کی گئی ہو تو بالاتفاق نجس ہے، اور ان کے علاوہ کسی دوسری چیز سے بنائی گئی ہو تو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک پاک اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نجس ہے، آج کل الکحل کے لیے انگور اور کھجور کا استعمال نہیں کیا جاتا؛ لہٰذا شیخین رحمہما اللہ کے قول کے مطابق پاک ہے، آج کل ضرورت وعموم بلویٰ کی رعایت کے پیش نظر قول شیخین رحمہما اللہ پر طہارت کا حکم دیا جاتا ہے، پھر بھی اہل علم وفضل کے لیے احتیاط اولیٰ ہے۔

کیمرہ جائز وناجائز دونوں کاموں میں استعمال کیا جاسکتا ہے، اس لیے اصولاً اس کی بیع درست ہے؛ لہٰذا مذکورہ فی السوال کمائی اور اس دکان میں ملازمت جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

الکحل والے سینٹ اور عطریات فروخت کرنا

سوال: ہم ایک کاروبار کرنا چاہتے ہیں، جس کا نام پرفیوم یعنی سینٹ ہے، اس میں کچھ حصہ الکحل کا ہوتا ہے، اور باقی حصہ عطریات کا ہوتا ہے، کیا یہ کاروبار کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تفصیلی جواب دیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اسپریٹ کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ یہ چیز شراب کا جوہر ہے، اس میں سے بذریعۂ

علم کیمیا خاص منشی جزء علاحدہ کرلیا جاتا ہے، اس کا نام الکحل ہے، اگر انگور یا کھجور یا منقی سے بنی ہوئی ہو تو بالاتفاق ناپاک وحرام ہے، ایک قطرہ بھی استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اور جو اسپریٹ بیر، آلو، جو، گیہوں، مہوا سے بنتی ہے، اس میں اختلاف ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ جلد ششم)

عطریات میں اس کا استعمال کرنے کے لیے کوئی شرعی مجبوری بھی نہیں ہے؛ اس لیے اس کے استعمال نیز تجارت دونوں سے بچنا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ، ۲۷/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۴ھ

الکحل والے پرفیوم فروخت کرنا

سوال: ہم نے نئی دوکان کھولی ہے، اس میں پرفیوم بیچنا چاہتے ہیں، جس میں الکحل ملا ہوا ہوتا ہے؛ تو اس کی شریعت میں گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تحقیق سے معلوم ہوا کہ آج کل اسپرٹ اور الکحل کے لیے انگور اور کھجور استعمال نہیں کی جاتی، لہٰذا شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق پاک ہے، حضرات فقہاء رحمۃ اللہ علیہم نے اگرچہ فسادِ زمان کی حکمت کی بنا پر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے؛ مگر آج کل ضرورتِ تداوی اور عمومِ بلوی کی رعایت کے پیش نظر شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر طہارت کا فتویٰ دیا جاتا ہے۔ ویسے بھی اصولِ فتویٰ کے لحاظ سے قولِ شیخین رحمۃ اللہ علیہما کو ترجیح ہوتی ہے الا لعارض (احسن الفتاویٰ ۲/ ۹۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ رجب ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

زندہ جانور وزن کر کے بیچنا

سوال: زندہ جانور کو وزن کر کے کیلو کا حساب لگا کر زندہ ہی بیچنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اصل مسئلہ یہی ہے کہ زندہ جانور کو وزن کر کے فروخت کرنا جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر وزن کرنے سے مقصود صرف قیمت کی تعیین ہو، یعنی مال کا کسی درجہ اندازہ کر کے قیمت تجویز کی جائے، تو اس کی گنجائش ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ عام طور پر لوگ خریدنے کے بعد کبھی دوبارہ نہیں تولتے، اور اگر تولیں بھی اور کچھ کم زیادہ نکلے تو اس کا حساب نہیں کرتے، یہ سب اس بات کے قرائن ہیں کہ مقصود وزن نہیں ہے، صرف اندازہ ہے قیمت کی تعیین کے لیے؛ لہٰذا اس طرح وزن کر کے اندازہ کر کے قیمت تجویز کر کے قیمت پر مدار رکھ کر اور وزن کو بعد میں کالعدم قرار دے کر زندہ جانور فروخت کرنے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مختلف مردہ جانوروں کی بیع کا حکم

سوال: اگر کوئی چیز عند المسلمین حرام ہو، مثلاً حرام مذبوح گائے وغیرہ، تو کیا اس کا بیچنا بھی حرام ہے، اگر ہمارے مسلک کے اعتبار سے حرام ہو، مثلاً مچھلی کے علاوہ کوئی دریائی جانور، تو اس کا بیچنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر گائے بطریق شرعی ذبح نہیں کی گئی تو وہ بحکم میتہ ہے، اور مردار کی بیع باطل ہے۔

بطل بيع ماليس بمال كالدم، والميتة، سوى سمك وجراد ولا فرق في حق المسلم بين التي مات حتف أنفها أو بخنق ونحوه. (درمختار٤/ ١١٢، ١١٣)

سوائے خنزیر کے زندہ سب جانوروں کی بیع کسی فائدے کے لیے درست ہے، خواہ بری ہوں یا بحری، چھوٹے ہوں یا بڑے؛ حتی کہ کتے اور چیتے اور سانپ وغیرہ کی بھی، اور مردہ ان حیوانات کی بیع درست ہے جو پاک ہیں، جیسے دریائی جانور یا حشرات غیر ذی دم، یا ذی دم بعد ذبح، ؛ کیوں کہ ذبح سے ہر جانور پاک ہوجاتا ہے، سوائے سوّر کے، تو خارجی استعمال کے لیے اس کے گوشت وغیرہ کا بیع وشراء ہوسکتا ہے۔

(رسالہ طبی ضمیمہ اختری بہشتی زیور حصہ نہم ۱۰۳)

شامی میں ہے: نقل السائحاني عن الهندية: ويجوز بيع سائر الحيوانات سوى الخنزير وهو المختار اه وعليه مشى في الهداية وغيرها. (شامى٤ / ١٢٥، ١٢٤)

والحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع مجتبى واعتمده المصنف (درمختار على هامش الشامى٤ /١٢٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مچھلی کے علاوہ بحری جانوروں کی خرید وفروخت کا حکم

سوال: مچھلی کے علاوہ بحری جانوروں کو اپنے قبضہ میں لاکر اس کی بیع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز بحری خنزیر کی بیع کے متعلق بھی تحریر فرمائیں کہ کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

بحری جانوروں میں سے مچھلی اور وہ جانور جن کی کھال اور ہڈی سے انتفاع جائز ہو اس کی بیع (فروخت) درست ہے۔ (بحر الرائق٦/ ١٨٧، شامى ٤ /٢٣٩)

خنزیر بحری کا وہی حکم ہے جو بری کا ہے۔

و لنا قوله تعالىٰ:﴿حرمت عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير﴾ من غير فصل بين البري والبحري.(بدائع الصنائع ۵/ ۳۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ٹی۔وی اور ریڈیو کی بیع کے حکم میں فرق

سوال: کیا ٹی وی کی بیع جائز ہے؟ بائع نہ اس کو دیکھتا ہے، نہ اس کو پسند کرتا ہے؛ لیکن کوئی دوسرا پیشہ نہ ہونے کی بناء پر اس کو اختیار کئے ہوئے ہے، اگر ناجائز ہے تو اور چیزیں جو شریعت میں معصیت شمار ہوتی ہیں، مثلاً: ریڈیو یا ایسا کپڑا جس سے پتلون وناجائز لباس بنتا ہے اس کی بیع بھی ناجائز ہونی چاہئے، یا درزی ان چیزوں کو سیتا ہے تو وہ بھی گویا ''تعاون علی الاثم والعدوان'' کا فعل انجام دے رہا ہے۔

المستفتی: عبد القیوم راجکوٹی، متعلم جامعہ درجۂ ششم

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ٹی وی آلاتِ لہو ولعب میں سے ہے، اس کا عمومی استعمال یہی ہے، اس لیے اس کی فروخت جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۲۹۲)

ریڈیو آلات لہو وطرب میں داخل نہیں، ناجائز طریقہ پر استعمال کرنے کا جرم ان پر عائد ہوگا جو اس کو ناجائز طور پر استعمال کرتے ہیں؛ لہٰذا اس کا فروخت کرنا مباح ہے۔ (ایضاً ۶/ ۲۶۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۸ھ

چرس، حشیش وغیرہ کا استعمال اور خرید وفروخت کا حکم

سوال: آج کل ہیروئن، چرس اور حشیش کی تشکری کی جاتی ہے، اخبارات کے بیان اور عام لوگوں کی زبان سے ان اشیاء کا منشیات میں سے ہونا سمجھ میں آتا ہے؛ کیوں کہ ان کا مواد افیون کا مواد ہے؛ البتہ تیار ہونے میں مختلف ہے، طاقت اور اسپرٹ میں بھی مختلف ہے، یہ چیزیں زیادہ تر افغانستان کے علاقہ اور پاکستان کے صوبہ سرحد میں تیار کی جاتی ہیں، اور وہاں سے ہندوستانی سرحد پار کر کے دہلی اور بمبئی پہنچائی جاتی ہیں اور پھر یہ اشیاء امریکہ وغیرہ ممالک اسمگلنگ سے بھیج دی جاتی ہیں، ان میں بعض نہایت گراں ہیں ایک تولہ کی قیمت ۸۰ / اَسّی ہزار روپئے ہیں۔

ان کا استعمال پان، سگریٹ کے ساتھ ملا کر ہوتا ہے، اور ان کی ایک مرتبہ کھانے کی مقدار رتی سے بھی کم ہے، اس سے زیادہ اگر کوئی کھالے تو مرجائے، اور ان کو رتی برابر کھانے سے شہوانی اور جنسی طاقت ابھر کر جوش میں آجاتی ہے اور اس کا اثر ایک ہفتہ تک رہتا ہے، اور بعض کا نصف ہفتہ رہتا ہے، اور ان چیزوں کے عادی شخص کا نتیجہ بہت خطرناک ہوتا ہے کہ وہ ادھیڑ عمر سے پہلے ہی کھوکھلا ہو کر مرجاتا ہے، یعنی حیات انسانی کا جوہر منی اس کے بدن سے نکل کر ختم ہوجاتا ہے۔

اس سے زیادہ ان اشیاء کی حقیقت معلوم نہیں ہے؛ لہٰذا تحقیق فرما کر ان کی خرید و فروخت اور کرایہ پر پہنچانے کا حکم بیان فرمائیں؛ نیز بعض لوگ ان اشیاء کو معروف کرایہ سے زیادہ اجرت لے کر دہلی بمبئی پہنچاتے ہیں، مثلاً بیکانیر سے دہلی یا بمبئی مال لے جانے کا عام کرایہ دس یا پندرہ ہزار روپئے ہیں، اسی طرح ایک آدمی کی اجرت ہزار یا

پانچ سو روپے ہیں؛ لیکن یہ تشکری لوگ ٹرک کا کرایہ پچاس ہزار روپے یا اس سے زائد اور آدمی کی اجرت دس ہزار یا پندرہ ہزار روپے دیتے ہیں، تو ایسے کرائے میں سے کتنا ناجائز ہے اور کتنا جائز ہے؟ یا تمام کرایہ ناجائز اور حرام ہے؟ حکم بیان فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چرس اور حشیش وغیرہ کا استعمال دور حاضر میں جس طرح ہوتا ہے وہ حرام ہے، اس لیے اس کی بیع وشراء بھی ممنوع ہوگی، اور اسی مقصد کے لیے اس کی ہیرا پھیری میں حصہ لینا بھی ممنوع ہے۔

ونقل في الأشربة عن الجوهرة حرمة أكل بنج وحشيشة وافيون؛ لكن دون حرمة الخمر الخ (درمختار) فيه أيضاً عن القهستاني عن متن البزدوي: أنه يحد بالسكر من البنج في زماننا على المفتى به اهـ وتقدم أول الطلاق عن تصحيح العلامة قاسم أنه إذا سكر من البنج والأفيون يقع زجراً وعليه الفتوى وقدمنا هناك أيضا عن الفتح أن مشائخ المذهبين من الحنفية والشافعية: اتفقوا على وقوع طلاق من غاب عقله بالحشيشة وهي ورق القنب بعد أن اختلفوا فيها قبل أن يظهر أمرها من الفساد.(شامی ۳ /۱۸۴،۱۸۱)

إذا استأجر رجلاً ليحمل له خمراً فله الأجر في قول أبي حنيفة، وقال أبويوسف ومحمد لا أجر له. (عالمگیری، ۴/۴۴۹)

یہ اجرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بقول جائز ہوگی اور صاحبین کے نزدیک درست

نہیں ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/شوال المکرم ۱۴۱۱ھ

مردار کے چمڑے کی بیع

سوال: بندہ جانور (گائے، بھینس) کے چمڑے کا بیوپاری ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ مردار کے چمڑے کی بیع وشراء کا حکم کیا ہوگا؟ واضح ہو کہ یہ کھال غیر مدبوغہ ہوتی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مردار کی خرید وفروخت کا جو حکم ہے وہی حکم مردار کی اس کھال کا بھی ہے جو غیر مدبوغہ ہو، اس لیے مردار کی غیر مدبوغہ کھال کی بیع باطل ہے۔

وبطل بيع ماليس بمال كالدم والميتة.(تنوير الأبصار ٤/ ١١٣،١١٤)

البتہ یہ یاد رہے کہ شرعاً دباغت کی دو قسمیں ہیں: حقیقی اور حکمی، حکمی دباغت کا مطلب یہ ہے کہ کھال کو دھوپ میں ڈال کر، یا کھال میں مٹی وغیرہ ڈال کر کھال کو خراب وفاسد ہونے سے محفوظ کرلیا جائے، بدائع میں ہے۔

والحكمي: أن يدبغ بالتشميس والتتريب والإلقاء في الريح.
(بدائع الصنائع ١/ ٨٦)

الدباغ ما يمنع النتن والفساد والذي يمنع على نوعين. (شامی ١/ ١٤٩)

عموماً جو لوگ مردار کی کھال نکال کر بیوپاری کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں وہ لوگ اتنا تو کر لیتے ہیں کہ دھوپ میں ڈال کر یا اس میں مٹی بھر کر اس کو بگڑنے سے محفوظ کر دیتے

کہیں، اگر ایسا ہے تو وہ بیع وشراء درست ہوگی؛ ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

گڑ، پھٹکری اور سیاہ مرچ شراب بنانے والے کے ہاتھ بیچنا

سوال: ① زید گُڑ خریدتا ہے اور پھر اس کو کسی بیوپاری کی معرفت بیچتا ہے، اور اس بیوپاری سے ایسے آدمی لے جاتے ہیں جو اس گڑ کی شراب بناتے ہیں یا کوئی شراب بنانے والا زید ہی سے لے جائے، تو کیا اس طریقے کا خرید وفروخت اور سامان کا کاروبار جائز ہے؟

② نیز زید پھٹکری بیچتا ہے جو شراب بنانے کے کام میں آتی ہے، اسی طریقے سے یہ پھٹکری دوسرے کام میں بھی آتی ہے۔

③ اسی طریقے سے سیاہ مرچ زید بیچتا ہے جو کہ شراب میں بھی استعمال ہوتی ہے اور دوسرے طریقے سے بھی استعمال ہوتی ہے، جیسا کہ آپ جانتے ہیں، تو گویا یہ سب سامان زید خرید وفروخت کے لیے اپنے دکان میں رکھ سکتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اگر وہ گڑ صرف شراب بنانے کے ہی کام آتا ہے اور کسی جائز استعمال میں نہیں آتا تب تو اس کی فروخت اعانت علی المعصیت ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہے، اور اگر دوسرے جائز کاموں میں بھی استعمال ہوتا ہے تو اس کی تجارت جائز ہے۔

② جب پھٹکری دیگر جائز کاموں میں بھی استعمال ہوتی ہے تو اس کی تجارت

جائز ہے۔

③ جواب نمبر ا کی طرح اس کا بھی حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

پوجا پاٹ کا سامان خریدنا

سوال: صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ پوجا پاٹ کے سامان مثلاً ناریل، سندر وغیرہ، اگر بتی زید بیچنے کے لیے اپنی دکان پر رکھ سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوال میں ذکر کردہ تینوں چیزیں دیگر کاموں میں بھی استعمال ہوتی ہیں، اس لیے ان کی تجارت جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

گوچن کو بیچنا

سوال: جیسا کہ ہم کو معلوم ہے کہ حلال جانور میں سات اشیاء حرام کی گئی ہیں، ان حرام کردہ اشیاء میں سے ایک پتہ بھی ہے، اب پوچھنا یہ ہے کہ اس پتہ میں سے ایک چیز نکلتی ہے جس کا نام گوچن ہے جو بڑی قیمتی چیز ہے، یہاں تک کہ سونے کے بھاؤ (قیمت) میں بکتی ہے اور دواؤں میں اس کا استعمال اکسیر ہے، اور دوسری بات کہ وہ چیز ہزاروں جانوروں میں سے کبھی ایک دو مرتبہ نکل جاتی ہے۔

نوٹ: خاص دریافت کرنے کی نوبت اس لیے پیش آئی ہے کہ وہ چیز پتہ میں سے نکلتی ہے جو حرام ہے (شرعی طور پر) تو کیا اس چیز کا بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جواب

نفی میں ہے تو اگر کسی نے اس کو بیچ کر کپڑے سلوائے ہو یا دوسرا کوئی استعمال کیا ہو تو کیا کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

گوچن کی ماہیت سے احقر ناواقف ہے، اگر وہ از قبیلِ جمادات ہے جس کو اس جانور نے کھایا تھا اور وہ اس کے پتہ میں جا کر محفوظ ہوگئی جواب بوقت ذبح نکلی تو وہ پاک ہے، اور اگر وہ مضر نہیں ہے تو بطریق اکل اس کا استعمال بھی درست ہے، اور اس کو فروخت کر کے حاصل کی گئی قیمت بھی حلال ہے، اور اگر وہ اور شئ ہے تو اس کی ماہیت بتلا کر دوبارہ دریافت فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/شوال المکرم ۱۴۱۶ھ

گوچن کی خرید وفروخت

سوال: ہم نے چند ایام پہلے گائے، بیل کے پتہ سے نکلنے والی چیز گوچن کے متعلق پوچھا تھا، کچھ تفسیر اس کی یہ ہے کہ وہ چیز (پتہ جو حرام ہے) اس میں سے بقدر ایک یا تقریباً ڈیڑھ گرام نکلتی ہے، اور جمادات کے قبیل سے ہے، اس کو اگر پیس دیا جائے تو ذرہ ذرہ ہو جاتی ہے، یہ اللہ کو معلوم ہے کہ پتہ کے اندر پیدا ہوتی ہے یا باہر سے جا کر ٹھہر جاتی ہے۔ (امید کہ تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں گے)۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ذبح کرنے سے جانور کا گوشت اور اس کے اجزاء پاک ہو جاتے ہیں، اس لیے پتہ بھی اسی حکم میں ہے، اس کی خرید وفروخت درست ہے، گوچن بھی اسی کے تابع

ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دھات کی انگوٹھی کا استعمال اور خرید وفروخت

سوال: ① لوہے کی انگوٹھی، بنگڑی، ہار اور دوسری چیزیں جو زینت کے لیے عورتیں استعمال کرتی ہیں وہ پہننا حلال ہے یا حرام؟

② ایسی نقلی چیزوں کی خرید وفروخت کرنا، اسی کو ذریعۂ معاش، دھندا بنالینا کیسا ہے؟

③ اس کی کمائی کا کیا حکم ہے؟

④ اگر کسی کا دھندا جما جمایا ہوا اچھا خاصہ چلتا ہو تو وہ کیا کرے؟ فوری طور پر تو بند نہیں کرسکتا ہے آئندہ کیا شکل اختیار کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① چاندی کے علاوہ کسی اور دھات (مثلاً: سونا، لوہا، تانبا، پیتل وغیرہ) کی انگوٹھی مرد کے لیے جائز نہیں ہے، اور سونے، چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی عورت کے لیے مکروہ ہے؛ البتہ لوہے کی وہ انگوٹھی جس پر چاندی چڑھادی گئی ہو اس کے پہننے میں حرج نہیں۔ (از فتاوی رحیمیہ ۵/ ۴۸۳-۶/ ۲۷۹، ۲۸۰)

بجز انگشتری کے دوسرا زیور حدید وصفر ونحاس ورصاص کا عورتوں کے لیے جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۴/ ۱۳۶)

② انگوٹھی کے علاوہ دیگر اشیاء کے پہننے کا جواز معلوم ہوگیا، تو اب اس کی بیع کا جواز بھی ظاہر ہے، حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انگوٹھی کی بیع میں

کراہت تنزیہی ہے۔

③ اس کی کمائی حلال ہے۔

④ اس کی ضرورت نہیں رہی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بینک کی ضبط کردہ گاڑی خریدنا

سوال: اگر کسی نے بینک کے ذریعہ گاڑی خریدی، پھر وہ مفلس ہو جاتا ہے، بینک کی رقم ادا نہیں کر سکتا تو بینک گاڑی اس سے ضبط کر لیتی ہے، اور جو رقم ادا نہیں ہوئی، اتنے پر فروخت کرتی ہے، کیا ایسی گاڑی کا خریدنا جائز ہے؟ مکانات میں بھی اس قسم کا معاملہ کیا جاتا ہے، کیا ایسے مکانات کا خریدنا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بینک کا یہ تصرف حکومت کی تائید وتوثیق سے ہے تو خریدنے کی وجہ سے ملک ثابت ہوگی؛ لیکن اس نوع کی خریداری سے احتیاط برتی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ ذوالحجہ الحرام ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جَو کے باغات شراب بنانے والے کے ہاتھ بیچنا

سوال: ہمارے یہاں عام طور پر جَو کے باغات پائے جاتے ہیں، اور عام طور پر اس سے شراب بنائی جاتی ہے، اب مسلمان مالک تو اس سے بذات خود شراب نہیں

بناتے؛ البتہ ہندوؤں سے پھلنے تک اس باغ کا سودا کر لیتے ہیں، اور مسلمان مالک کو یقین ہے کہ ہندو ضرور اس سے شراب بنائے گا تو کیا اس طرح کی بیع درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مسلمان مالک جَو کی بیع غیر مسلم کے ہاتھ بہ نیت تجارت کرتا ہے تو جائز ہے، چاہے وہ غیر مسلم اس سے شراب بناتا ہو؛ البتہ یہ یاد رہے کہ پھل آنے سے پہلے یا پھل آکر اتنا بڑا ہو جائے کہ اس کے ضیاع کا اندیشہ باقی نہ رہے، اس سے پہلے باغ کے پھلوں کی بیع درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/صفر المظفر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

گورنمنٹ کی دی ہوئی زمین خریدنا

سوال: زید کی زمین پر ایک ہندو کاشت کاری کر رہا تھا، زید کی زمین ہندو کاشت کار کے قبضہ میں حکومت نے کر دی، اب ہندو کاشت کار اس زمین کو بیچ رہا ہے، اب تیسرا شخص خالد اس کو خریدنا چاہتا ہے، بصورت مذکورہ خالد کا ہندو کاشت کار سے خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اگر خالد اس زمین کو نہیں خریدتا ہے تو کسی ہندو کے ہاتھ وہ زمین چلی جائے گی، جواب طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں شرع متین کا حکم مفصل تحریر فرمایا جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس زمین سے خود گورنمنٹ نے زید کو بے دخل کر دیا کہ ہندو کاشت کار کے

ہاتھ فروخت کیا ہے، یا اسکو دیا ہے تو اب اس ہندو کاشت کار (جو اس کا مالک ہے اس) سے اس کا خریدنا خالد کے لیے درست ہے۔ (ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۱۸۵، ۱۸۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

آتش بازی کی خرید وفروخت اور استعمال

سوال: آتش بازی کی خرید وفروخت کرنا کیسا ہے؟ اور اس کا استعمال کرنا خوشی کے موقعوں پر، مثلاً شادی بیاہ میں کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کی تجارت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۱۱۳)

اس کا استعمال اگر قمار پر مشتمل ہے تو حرام ہے؛ ورنہ مکروہ ہے۔

واللعب بالناريات (آتش بازی) وأمثالها فإنها كلها لو لم يتضمن معاصي ومنكرات لا تخلو عنها عادة، فهي فى نفسها من اللهو المجرد الذي وقع الاجماع على تحريمه أو كراهته("أحكام القرآن" للمفتي محمد شفيع، إدارة القرآن كراتشي ٣ /٢٠٢، سورة لقمان، رسالة "الناهي عن الملاهي") فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کان میں جمے ہوئے پتھروں کی خرید وفروخت

سوال: (۱) زید پتھر کی کان کا مالک ہے، عمرو نے زید کی کان میں جمے ہوئے

پتھر کا ناپ کرتے ہوئے کہا کہ میں یہ پتھر ۴۵۰۰/ میں خریدتا ہوں اور پیسے دے دیے، زید نے قبول کرتے ہوئے کہا کہ اگر میں نے یہ پتھر وقت مقررہ پر آپ کے حوالہ نہ کیا تو میں آپ کو ۶۰۰۰/ روپئے دے دوں گا، (دھیان رہے کہ ایک پتھر جو کان میں جڑا ہوا ہوتا ہے اس کو باہر آنے میں تقریباً دو، تین مہینے لگ ہی جاتے ہیں اور باہر آنے کے بعد وہی پتھر جو جمے ہوئے ہونے کی حالت میں ۴۵۰۰/ کا تھا چھ ہزار یا سات ہزار میں بکتا ہے، انہی باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے زید نے خود ہی کہا تھا کہ اگر میں نے وقت مقررہ پر آپ کے حوالہ نہ کیا تو میں آپ کو ۶۰۰۰/ روپئے دے دوں گا) تو کیا عمرو کا ۴۵۰۰/ روپئے دے کر ۶۰۰۰/ روپئے لینا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جب کہ عمرو نے ۴۵۰۰/ روپئے کے اوپر کا جو منافعہ ہے ڈیڑھ یا دو ہزار اس کو حاصل کرنے کے لیے ہی زید کو تین مہینے پہلے ۴۵۰۰/ روپئے دیے تھے۔

(۲) زید ایک پتھر کی کان کا مالک ہے، عمرو خریدار نے ۲۰/ روپئے کے حساب سے کٹ سائز کے پیسے ادا کر دیئے اور زید نے قبول کرتے ہوئے کہا کہ کان سے پتھر نکلتے ہی اس کو کٹ سائز کے اعتبار سے کٹوا کر اور اس کی ٹائلیں بنوا کر آپ کے حوالہ کر دوں گا، اب جب پتھر کان سے باہر آتا ہے تو زید بجائے اس کی ٹائلیں بنانے کے دوسرے شخص بکر کے ہاتھوں دگنی قیمت میں بیچتا ہے، (قطع نظر اس سے کہ بکر کو اس پتھر کے بکے ہوئے ہونے کا علم تھا یا نہیں) اور زید عمرو مشتری اول کو کہتا ہے کہ ۲۵/ روپئے کے اعتبار سے تمہارا حصہ رکھ کر نفع سمیت تمہیں دے دوں گا اور باقی منافعہ میں رکھ لوں گا، تو کیا زید کا مشتری اول عمرو کی اجازت سے پتھر کو بیچنا اور پراسکو یر فٹ ۵/ روپئے کا منافعہ عمرو کو دے کر باقی خود رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر بحکم شرع زید کے

لیے بقیہ منافعہ رکھنا جائز نہ ہو تو عمرو نے جو فی فٹ ۵ / روپئے کا منافعہ لیا ہے وہ اس کے لیے حلال رہے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① زید پتھر کی کان کا مالک ہے اور عمرو نے اس سے پتھر کا معاملہ کیا اس طرح کہ پتھر کا طول وعرض وغیرہ بیان کر دیا اور پتھر کان سے نکال کر سپرد کرنے کا وقت بھی بتلا دیا، مطلب یہ ہے کہ مبیع کے سلسلہ میں کوئی جہالت باقی نہ رہی، یہ بیع درست ہے۔

مبسوط سرخسی میں ہے:

وإذا احفر موضعاً من المعدن ثم باع تلك الحفرة، فإن بيعه باطل؛ لأنه باع مالا يملك، فإن تلك الحفرة لم يملكها بمجرد الحفر؛ لأن الملك إنما يثبت بالإحراز، وهو لم يحرزه، فإن احرازه فيما رفع من التراب دون ا لباقي في مكا نه، فهو كبيع صخرة من الجبل قبل أن يحرز ها ويخرجها.(المبسوط ۷/ ۱٤، ٥٦)

یعنی کسی شخص نے زمین میں کان کا کوئی حصہ کھودا، پھر اس گڑھے کو بیچا تو یہ بیع باطل ہے، اس لیے کہ اس نے غیر مملوک شئ کو بیچا، کھودنے کی وجہ سے گڑھے کا مالک نہیں بنتا، (مباح الاصل اشیاء میں) احراز کے بعد ملکیت ثابت ہوتی ہے، یہاں صورت حال یہ ہے کہ گڑھا کھودنے سے جو مٹی نکلی اس کا احراز ہوا ہے، مٹی جس جگہ سے کھودی گئی اس (کان) کا احراز نہیں ہوا ہے، پس یہ ایسا ہے جیسے پہاڑ کی چٹان کو نکالنے اور احراز کرنے سے پہلے بیچنا (یہ بیع درست نہیں)۔

مبسوط کی عبارت بالا مباح الاصل زمین میں گڑھا کھودنے کے سلسلہ میں ہے،

جب کہ صورت مسئولہ میں زید پتھر کی کان کا مالک ہے، پس عدمِ احراز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا؛ نیز پہاڑ کی چٹان کی بیع والی تشبیہ سے واضح ہوا کہ اگر پہاڑ مملوکہ ہو تو ملکیت اور احراز موجود ہونے کی وجہ سے چٹان کی بیع درست ہے، اس لیے صورت مسئولہ میں کان کے پتھروں کی بیع بلا تردد صحیح ہے۔

وكذلك أفتى قارئ الهداية بأنه يجوز بيع ماهو مغيب في الأرض كالفجل والبصل الجزرو القلقاس.(تنقيح الفتاوى الحامدية١ /٢٥١)

رہی یہ بات کہ بن دیکھے کان کے پتھر خریدنے سے بوقت تسلیم عمرو کو خیار رؤیت حاصل ہوگا یا نہیں؟ اس میں تفصیل ہے۔

سوال میں لکھا ہے ''عمرو نے کہا میں یہ پتھر ۴۵۰۰ / میں خریدتا ہوں'' یہاں عمرو نے جس پتھر کی طرف اشارہ کر کے کہا ہے کہ میں اس پتھر کو خریدتا ہوں اس سے عمرو کی مراد یہ ہے کہ نمونہ کے طور پر جو یہ پتھر رکھا ہے اس طرح کے پتھر مطلوب ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ کان سے نکلنے والے پتھر کو بوقت عقد عمرو نے نہیں دیکھا، صرف اس کا نمونہ دیکھا ہے، ایسی صورت میں کان سے پتھر نکلنے کے بعد مطلوبہ اوصاف کے مطابق ہو تو یعنی جو نمونہ بوقت بیع بتلایا تھا اس کے مطابق ہو تو ایسی صورت میں عمرو کو خیار رویت حاصل نہ ہوگا، یعنی عمرو کے لیے یہ حق نہیں کہ ان پتھروں کو دیکھنے کے بعد معاملہ کو ختم کر دے؛ بلکہ قبول کرنا ضروری ہے، مبیع اگر ایک نوع کی ہے تو اس کا کوئی حصہ دیکھ لینا کافی ہے۔

صورت بالا میں کان سے نکلنے والے پتھر دیکھے ہوئے نمونہ کے مطابق ہوں تو یوں سمجھا جائے گا گویا مبیع کے تمام اجزا کو دیکھ لیا ہے، ایسی صورت میں خیار رؤیت

حاصل نہیں ہوتا۔

عطر ہدایہ میں ہے: اگر مبیع یا اس کا نمونہ سامنے موجود نہ ہو ویسے ہی بغیر دیکھے خرید لیا تو خیار رؤیت باقی رہے گا۔ (عطر ہدایہ: ۸۲)

اس سے معلوم ہوا کہ نمونہ دیکھنے کے بعد معاملہ کرنے سے خیار رؤیت ساقط ہو جاتا ہے بشرطیکہ مبیع نمونہ کے مطابق ہو۔

اور اگر عمرو نے کان میں جمے ہوئے پتھر کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا کہ ''میں یہ پتھر ۴۵۰۰/ میں خریدتا ہوں'' یعنی جس نوع اور اوصاف کے پتھر مطلوب ہیں خارج میں ان کا وجود نہیں تھا، پتھروں کی کان کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا تو پتھر تیار ہونے کے بعد عمرو کو خیار رؤیت حاصل ہے یعنی مطلوبہ اوصاف کے مطابق پتھر نہ ہوں تو عمرو کو بیع کا معاملہ باقی رکھنے یا ختم کر دینے کا حق ہے۔

بيع ماأصله غائب وعلم وجوده يجوزوله خيار الرؤية إن شاء رده وإن شاء أخذه، وتكفى روية البعض عندهما وعليه الفتوى كما فى شرح المجمع والتنوير ومثله فى البحر.(تنقيح الفتاوى الحامدية ۱/ ۲۵۱)

یہ حکم تو نفس بیع کے سلسلہ میں ہے، بیع میں مقتضائے بیع کے خلاف کوئی شرط لگائی جائے تو بیع فاسد ہو جاتی ہے۔

صورت مسئولہ میں زید بائع کا یوں کہنا کہ ''اگر میں نے یہ پتھر وقتِ مقررہ پر آپ کے حوالہ نہ کیا تو میں بجائے ۴۵۰۰/ کے آپ کو ۶۰۰۰/ روپئے دے دوں گا'' یہ شرط فاسد ہے، مشتری کا اس میں فائدہ ہے، یہ بیع فاسد ہے، لہٰذا فسخ معاملہ کی صورت میں عمرو کا ۱۵۰۰/ زائد لینا جائز نہیں۔

(۲) زید اور عمرو کے مابین کان سے نکلنے والے پتھر کے متعلق جو معاملہ ہوا، اس میں مبیع (پتھر) کا طول وعرض طے ہو چکا تھا یعنی مبیع کے تعارف میں کسی قسم کی جہالت نہیں تھی؛ البتہ اشارہ وغیرہ کے ذریعہ سے مبیع کا تعین نہ ہوا ہو تو ایسی صورت میں زید کان سے پتھر نکلنے کے بعد بکر کو بیچ سکتا ہے، مشتریٔ اول عمرو کو بعینہٖ پہلی بار نکلنے والے پتھر دینا وعدہ کے مطابق لازم تھا، مگر وعدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پہلی بار نکلنے والے پتھر عمرو کو دینے کے بجائے بکر کے ہاتھ بیچ دیا تو یہ بیع درست ہے، مشتریٔ اول عمرو کا اس بیع سے کوئی تعلق نہیں؛ لہٰذا اس سے اجازت لینے اور منافع میں شریک کرنے کے کیا معنیٰ؟ اگر مشتریٔ اول نے زید سے منافعہ لیا ہے تو واپس کردے، لیکن یہ یاد رہے کہ مشتریٔ اول کو مبیع (پتھر) سپرد کرنے کا جو وقت بتلایا ہے اس کی پابندی زید پر لازم ہے۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ اشارہ کے ذریعہ متعین نہ کیا ہو، اور اگر کان میں جمے ہوئے پتھر کی طرف اشارہ کر کے معاملہ کیا تھا تو ایسی صورت میں مبیع متعین ہونے کی وجہ سے ان ہی پتھروں کو مشتریٔ اول کے سپرد کرنا لازم ہے، بکر کے ہاتھ دوگنا قیمت سے بیچنا جائز نہیں، مشتریٔ اول اجازت دے تو بھی بیع ثانی مشتریٔ اول کے قبضہ سے پہلے ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

إذا باع شخص ماله المنقول من آخر وقبل أن يسلمه باعه ثانيةً من شخص آخر، فإذا أجاز المشتري الأول هذا البيع فلا يصح؛ لأن هذه الإجازة عبارة عن إجازة بيع المشتري لمبيع غير مقبوض.(درر الحكام شرح مجلة الاحكام ۱/ ۲۳۷، ۲۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

البم اور فوٹو فریم بیچنا

سوال: مَیں البم اور فوٹو فریم فروخت کرتا ہوں، البم سے مراد جس کو لوگ تصویریں رکھنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، تو کیا ایسے البم جو خاص تصویریں رکھنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، اُن کا فروخت کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعت نے جاندار کی تصاویر بنانا حرام قرار دیا ہے؛ لیکن بے جان چیزوں کی تصویر بنانے کی اجازت دی ہے؛ اس لیے اگر آپ کے تیار کیے ہوئے البم کا استعمال صرف جان دار کی تصاویر میں ہی ہوسکتا ہے، تو اس کا تیار کرنا اور فروخت درست نہیں، کہ یہ اعانت علی المعصیت ہے۔ ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾

اور اگر اس کا استعمال بے جان کی تصاویر میں بھی ہوسکتا ہے، تو آپ کے لیے اس کا تیار کرنا اور فروخت کرنا درست ہے، اس صورت میں اگر کوئی اُس کو جاندار کی تصاویر میں استعمال کرتا ہے تو یہ اُس کا اپنا اختیاری فعل ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد: احمد عفی عنہ خانپوری ۲۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

پان کا ٹھیلہ کھولنا

سوال: یہ بندہ محمد اسماعیل برہان پوری ہے، اور پان پٹی (پان کا ٹھیلہ) چالو کرنے کا ارادہ ہے، اب جب پان کا ٹھیلہ چالو ہوگا تو اس میں بیڑی، سگریٹ، تمباکو،

ویمل وغیرہ بیچنا ہوگا، تو یہ پان کا ٹھیلہ کھولنا کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پان کا ٹھیلہ کھولنا جس میں تمباکو، بیڑی، سگریٹ وغیرہ کی تجارت بھی ہو جائز ہے۔

(ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۱۱۲-۱۷/ ۲۸۱)

ویمل کے اجزاء اگر تمباکو، کتھہ، چونا وغیرہ جائز و پاک اشیاء ہیں تو اس کی بھی تجارت جائز ہے، اور اگر اس کا کوئی جزء ناپاک یا ناجائز ہے تو اس کی تجارت درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۴/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

لپسٹک اور پاوڈر وغیرہ میک اپ کی تجارت کرنا

سوال: اور اس میں کوسمیٹک (میک اپ) کی چیزیں بیچنا چاہتے ہیں، جیسے سوکھا اور گیلا پاؤڈر، لپسٹک (ہونٹوں پر لگائی جانے والی لالی)، تو اس کی شریعت میں کتنی گنجائش ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لپ اسٹک کے متعلق کئی حضرات سے معلوم ہوا کہ اس میں سور کی چربی کی ملاوٹ ہوتی ہے، اگرچہ ہمیں براہ راست اس کی تحقیق نہیں ہے، اس لیے اس کے استعمال وفروخت سے احتیاط کرنا بہتر ہے، پاؤڈر کی تجارت درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ رجب ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

لکس صابن بیچنا

سوال: لکس صابن بیچنے میں شریعت میں کیا گنجائش ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لکس کے متعلق ہمیں کوئی تحقیق نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ رجب ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ویڈیو گیم کی تجارت کرنا

سوال: ویڈیو گیم جو کھیلنے کی چیز ہے (ویڈیو گیم لوگ ٹائم پاس کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں، اس میں کوئی شرط نہیں لگائی جاتی، اور اس میں بالکل مشغولی نہیں ہوتی، کہ دوسرے چیزوں میں دل نہ لگے، اور اس میں ایک گیم پورا ہونے کے لیے پندرہ سے بیس منٹ درکار ہیں؛ تو اس کا بیچنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر یہ بچوں کے کھیل کے قبیل سے ہے اور اس میں مشغولی کی وجہ سے دینی و دنیوی نقصان نہیں ہے، تو بقصد تفریح طبع بقدر ضرورت اس کی گنجائش ہے، اس کی تجارت بھی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ رجب ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

آلات لہو ولعب کی بیع

سوال: سینما، ٹی وی، وی سی آر، ویڈیو اور ڈیکس اینٹنا دیکھنا شرعی اعتبار سے مطلق جائز ہے یا ناجائز؟ یا بالقید مذکورہ اشیاء کی تجارت اور مرمت کرنا یا بنانا سیکھنا سکھانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سینما، ٹی وی، ویڈیو، وی سی آر کا آلات لہو ولعب اور مخرب اخلاق اور مروج فواحش ہونا اظہر من الشمس ہے اس لیے اس کا دیکھنا یا گھر میں پاس رکھنا اس کی مرمت کرنا وغیرہ تمام امور ناجائز اور گناہ ہیں۔

قال الله تعالى: ﴿ومن الناس من يشتري لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم و يتخذها هزوا اولئك لهم عذاب مهين﴾(لقمان)

اس موضوع پر مستقل رسائل وتصانیف موجود ہیں ان کا مطالعہ کرلیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ

چور بازار کی اشیاء کا حکم

سوال: ممبئی چور بازار میں جو اشیاء ملتی ہیں ان کا خریدنا اور استعمال کرنا اور خرید وفروخت کرنا کیسا ہے؟ ان اشیاء کے چوری کے متعلق مطلق علم نہیں ہوتا۔ تحقیق کرنے پر صحیح تحقیق نہیں ہوتی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ان چیزوں کے متعلق اگر چہ قطعی طور پر معلوم نہیں کہ وہ چوری کی ہیں؛ لیکن گمان غالب تو ہے۔ اور ایسے مواقع پر جہاں قطعی علم ممکن نہ ہو غالب گمان پر حکم کا مدار رہتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

ضبط کردہ مشین خریدنا

سوال: ہم نے ایک مشین خریدی مگر اس کا لائسنس ہمارے پاس نہیں ہے حکومت نے وہ مشین ضبط کرلی اور کہا اس کا لائسنس بتلاؤ اور مشین واپس لے لو۔ چوں کہ میرے پاس اس کا لائسنس موجود نہیں ہے اس لیے میں جا کر لے نہیں سکتا پھر حکومت اس کو بیچتی ہے کیا کوئی دوسرا اس کو خرید سکتا ہے؟ کیا شرعاً خریدنا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چوں کہ آپ اس مشین کے مالک ہیں اس لیے وہ بیع آپ کی اجازت پر موقوف ہے۔ آپ اجازت دیں گے تو درست اور نافذ ہو جائے گی ورنہ فسخ و باطل ہو جاوے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اخبار کی کوپن خریدنا ناجائز ہے

سوال: آج کل اخبار میں کوپن اسکیم آرہی ہے، روزانہ اخبار میں ایک کوپن

آتی ہے، پورے مہینہ کی جمع کر کے اخبار والوں کو دینے کی صورت میں یقینی طور پر ہر کوپن جمع کرانے والے کو پچاس، ساٹھ روپئے تک کی کوئی چیز ملتی ہے اور ان تمام امیدواروں میں ڈرا (قرعہ اندازی) کیا جاتا ہے جس میں گاڑی وغیرہ ملتی ہے، تو اس طرح سے کوپن جمع کر کے دینا اور اس میں انعام کو حاصل کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ بعض لوگوں کے یہاں پہلے سے اخبار آرہا ہے وہ خاص انعام کے لیے اخبار خریدتے نہیں ہیں تو وہ لوگ کوپن جمع کر کے انعام حاصل کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر جمع نہیں کرتے تو ویسے ہی یہ انعام ہاتھ سے چلا جاتا ہے اگر خود نہیں کرتے لیکن پڑوس والے وہ کوپن لے جاویں تو ان کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ بعض لوگ خاص انعام کی غرض سے دو تین اخبار خریدتے ہیں ان کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اخبار میں آنے والی ان کوپنوں کا اخبار والوں کی طرف سے دیے گئے فارم پر ترتیب سے چپکانے کے نتیجہ میں عموماً جاندار کی تصویر تیار ہوتی ہے، اور اس کے نتیجہ میں یہ شخص تصویر بنانے پر جو وعیدیں احادیث میں آئی ہیں ان کا مستحق ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ قیامت کے روز سب سے زیادہ سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔ ایک دوسری حدیث میں ہے اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو عمل تخلیق میں میرا مقابلہ کرنے لگا، یہ لوگ ایک دانہ یا ایک ذرہ کو پیدا کر کے دکھائیں۔ (بخاری شریف) نیز ایک اور روایت میں تصویر بنانے والے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اس طرح

کی کئی وعیدیں تصویر بنانے والوں کے متعلق آئی ہیں۔ یہ وعیدیں ہر قسم کی تصویر سے متعلق ہیں خواہ بڑی ہو یا چھوٹی کپڑے، کاغذ پر بنائی جائے یا در و دیوار پر، پھر ان وعیدوں کا مصداق فقط تصویر بنانے والا ہی نہیں؛ بلکہ علامہ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق اس کی تحسین وتصویب کرنے والا، اس کا ہمنشین، اس کے فعل پر دل سے راضی ہونے والا، اس فعل کو دیکھ کر قدرت کے باوجود نکیر نہ کرنے والا، سب شریک گناہ ہیں۔ (ماخوذ از احسن الفتاوی ۸/ ۴۱۹ تا ۴۲۲)

اب آپ فیصلہ کریں کہ اخبار والے کی طرف سے پچاس، ساٹھ روپے کی قیمت کی ملنے والی چیز آپ کے نزدیک زیادہ اہمیت رکھتی ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات؟ دنیا کے چند روپیوں کی چیز کے لیے اللہ کے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت اور قیامت کے روز ہونے والا سخت ترین عذاب خریدنا یقیناً بڑی بدبختی کی بات ہے۔

اس طرح یہ انعام حاصل کرنا یا کسی دوسرے کو یہ کوپن دیکر انعام حاصل کرنے میں مدد کرنا یہ سب ناجائز اور حرام ہے، اور جو لوگ اسی مقصد کے لیے اخبار خریدتے ہیں ان کے لیے تو وعید اور سخت ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ جمادی الاخری ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

اخبارات میں امور معاصی کا اشتہار اور اس کی آمدنی کا حکم

سوال: اسی طرح اخبار و رسائل کے متعلق بھی بتائیں، کیوں کہ اخبارات میں اشتہارات فلمی بھی ہوتا ہے۔ کیا تاجروں کی آمدنی غیر شرعی شمار ہوگی؟ اور مالکانِ اخبارات و

رسائل فلمی اشتہارات دینے کی وجہ سے گنہگار ہوں گے، حالاں کہ اشتہارات ہی کی وجہ کر آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے؛ ورنہ فلمی اشتہارات نہ دینے کی وجہ سے اخبارات کی فروخت متأثر ہوگی؛ کیوں کہ بہت سے لوگ اشتہارات کی وجہ کر وہ اخبارات ورسائل خریدتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اخبارات ورسائل میں فلمی اشتہارات دینے میں ایک طرح فواحش ومنکرات کی ترویج واشاعت میں حصہ لینا ہے، جس پر قرآن میں سخت وعید آئی ہے۔ ﴿إن الذين يحبون أن تشيع الفاحشة في الذين اٰمنوا لهم عذاب أليم في الدنيا و الاخرة﴾ (النور) ترجمہ: جولوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کی بات مسلمانوں میں چرچا ہو ان کے لیے دنیا وآخرت میں سزائے دردناک ہے۔ (معارف القرآن ۶/۳۵۶)

یہ گناہ کا کام ہونے کی وجہ سے اس کا اشتہار اخبار میں دینا یہ بھی گناہ ہے اور گناہ کے کام کا معاوضہ لینا جائز نہیں، ایسی کمائی شریعت کی نگاہ میں ناجائز اور حرام ہے۔ اگر کوئی آدمی اللہ سے ڈر کر گناہ کا کام چھوڑ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے چھٹکارے کی راہ نکال دیتے ہیں، اور اس کو ایسے طریقہ سے روزی عطا فرماتے ہیں جہاں اس کو گمان بھی نہ ہو، یہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ چناں چہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿من يتق الله يجعل له مخرجًا و يرزقه من حيث لا يحتسب ومن يتوكل على الله فهو حسبه﴾ (الطلاق) ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے نجات کی شکل نکال دیتے ہیں اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہونچاتے ہیں

جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا، اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے۔ (معارف القرآن ۸/ ۴۷۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

باب بیع الصرف والسلم

سونے چاندی کو ادھار بیچنے کی مختلف صورتوں کا حکم

سوال: ① کیا سونا چاندی کو ادھار بیچ سکتے ہیں یا نہیں اور تعیینِ اجل ضروری ہے یا نہیں؟

② یہاں جو سونا دس کیریٹ کا مروج ہے اس کا مادۂ ترکیبی اس طرح ہے: ۲۰/ پینی ویٹ (پینی وزن) سونا۔ ۲۰/ پینی ویٹ (پینی وزن) پیتل، ۶/ پینی ویٹ چاندی؛ جس کا مجموعہ ۴۶/ پینی ویٹ ہوا، اس کو ''دس کیریٹ سونا'' کہتے ہیں، اس قسم کے سونے کو ادھار بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز جس سونے کے مادۂ ترکیب میں کھوٹ غالب ہو اسے ادھار بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح ۱۲- ۱۴/ کیریٹ سونا ہو اس کی ادھار تجارت کا حکم کیا ہے؟ جو سونا دس کیریٹ کا ہوتا ہے اس کی ترکیب ہم خود کرتے ہیں کہ: اصلی سونا خرید لیتے ہیں، پھر اس میں مذکورہ بالا مقدار پیتل و چاندی ملاتے ہیں۔ بندہ کے والد صاحب کا دستور ہے کہ: دیانتاً دس کیریٹ سونے میں سونے کی مقدار ۲۰/ پینی ویٹ ہونی چاہیے؛ لیکن وہ اس سے کچھ زیادہ ہی سونا ملاتے ہیں، چناں چہ

اگر ہمارے اس دس کیریٹ سونے کو کسی دوسرے جوہری سے کسوٹی کروائی جائے تو مقدار کیریٹ بڑھ جائے گی؛ بہرحال! اس قسم کے سونے میں سونے کی ملاوٹ ۲۰ر پینی ویٹ اور چاندی ۶ر پینی ویٹ ہے اور پیتل ۲۰ر پینی ویٹ؛ گویا ثمنین کی مقدار پھر بھی زیادہ ہی رہی، اسے ادھار بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟

③ جو سونا ۱۲-۱۴-۱۸-۲۲-۲۴ کیریٹ کا ہو اُسے ادھار تجارت کرنے کے متعلق کیا مسئلہ ہوگا؟ اسی طرح چاندی جو اصلی ہو یا ملاوٹ والی، اس کی ادھار تجارت کے متعلق بھی شرعی رہنمائی فرمائیں۔

④ بعض گاہک جو یک مشت نقد خریدنے کی حیثیت نہیں رکھتے وہ یہ کرتے ہیں کہ انگوٹھی بالی (ایرن) وغیرہ پسند کر کے الگ رکھوا دیتے ہیں اور اس کی پوری مقدارِ قیمت میں سے کچھ رقم جمع کروا دیتے ہیں مثلاً قیمت ۲۰۰ر ڈالر ہیں تو اس نے ۵۰ر ڈالر جمع کروائے اور وہ چیز متعین کر دی اور دو چار قسطوں میں پوری رقم ادا کر کے وہ چیز ہم سے وصول کر لیتے ہیں آیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

پھر بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ اس نے ابھی ۱۰۰ر ڈالر جمع کروائے تھے کہ اتفاقاً اس کو کوئی ضرورت پیش آئی تو وہ گاہک متعین چیز کو خریدنے سے انکار کرتے ہیں اور جو رقم اب تک جمع کر چکا ہے اس کو واپس کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں، اگر ہم اس کے مطالبہ پر رقم لوٹا دیں تو ہمارا ظاہری نقصان یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز اس گاہک کی وجہ سے اتنے دنوں رکی رہی، ممکن ہے اور کوئی خرید لیتا یہ تو نہ اس نے خریدی، نہ کسی اور کو بیچ سکے، آیا ایسی صورت میں ہمیں اس کی جمع کردہ رقم لوٹانا ضروری ہے یا ہم اس سے کہیں کہ: یہ چیز نہ لینا ہو تو جمع کردہ رقم کے عوض کچھ اور خرید لو، کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے سوالات کا جواب دینے سے پہلے ایک وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے جس سے آپ کے سارے اشکالات دور ہو جائیں گے، دورِ حاضر میں خرید وفروخت عام طور پر کرنسی نوٹ کے ذریعہ ہوتی ہے اور کرنسی نوٹ کے متعلق یہ بات ذہن نشین رہے کہ وہ خلقتاً ثمن نہیں ہیں؛ بلکہ ثمنِ عرفی یا اصطلاحی ہیں، کتبِ فقہ میں مبیع کی ایک قسم ''بیعِ صرف'' بیان کی جاتی ہے اور بیعِ صرف کے احکام صرف خلقی اثمان (سونا چاندی) میں جاری ہوتے ہیں؛ چناں چہ بیعِ صرف کی تعریف کی گئی ہے:

والصرف شرعا بيع الثمن بالثمن جنسا بجنس أو بغير جنس كذهب بفضة والمراد بالثمن ماخلق للثمنية.(الفقه الحنفي في ثوبه الجديد،٤/ ٣١٦)

درِمختار میں ہے:هو لغة الزيادة وشرعاً بيع الثمن بالثمن؛أي ماخلق للثمنية، ومنه المصوغ جنسا بجنس أو بغير جنس كذهب بفضة.

(الدر المختار علىٰ هامش الشامية،٤/٢٦١)

اس لیے اگر سونا یا چاندی کی خرید وفروخت کرنسی نوٹوں کے ذریعہ سے ہو رہی ہے تو وہ بیعِ صرف نہیں ہے اور نہ اس میں بیعِ صرف والے شرائط کی پابندی ہے۔ اب آپ کے سوالات کے جوابات پیش خدمت ہیں:

① سونا چاندی کو ہم جنس یا ایک دوسرے کے بدلہ میں ادھار بیچنا درست نہیں اس لیے کہ اس صورت میں یہ بیعِ صرف ہے اور بیعِ صرف کے شرائط میں سے ''عدمِ تاجیل'' بھی ہے اور اگر سونا یا چاندی کو کرنسی نوٹوں کے بدلے میں ادھار بیچا جا رہا ہے تو یہ درست ہے اور تعیینِ اجل ضروری ہے؛ اس لیے کہ اس کے بغیر ادھار خرید وفروخت

فاسد ٹھہرتی ہے۔

درمختار میں ہے: وصح بثمن حال، وهو الأصل، ومؤجل إلى معلوم لئلا يفضي إلى النزاع (درمختار) (قوله لئلا يفضي إلى النزاع) تعليل لاشتراط كون الأجل معلوما؛ لأن علمه لا يفضي إلى النزاع، وأما مفهوم الشرط المذكور وهو أنه لا يصح إذا كان الأجل مجهولا فعلته كونه يفضي إلى النزاع فافهم. (شامي، ٤/٢٥)

(۲) اس کی ادھار تجارت کرنسی نوٹوں کے ذریعہ جائز اور درست ہے۔

(۳) اس کا بھی حکم حسبِ سابق ہے۔

(۴) چیز متعین کرنے کا مطلب اگر پختہ سودا ہے تو آپ کو چاہیے کہ وہ چیز قیمت کی پہلی قسط وصول کرنے کے ساتھ اس کے حوالے کردیں اور حسبِ وعدہ باقی قسطیں مقررہ اوقات پر وصول کرتے رہیں، اس صورت میں یہ ادھار سودا کہلائے گا اور اگر اس کا مقصد پختہ سودا نہیں ہے؛ بلکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ وہ جب تک پوری قیمت کا انتظام کرلے وہاں تک آپ یہ چیز اس کے لیے روکے رکھیں تو اس صورت میں آپ ان کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس مدت کے درمیان اگر کوئی گاہک اس کی خریداری چاہے گا تو ہم اس کے ہاتھ فروخت کردیں گے۔ باقی یہ درحقیقت معاملے کی چیز نہیں ہے؛ بلکہ رابطے کے قبیل سے ہے کہ دوکان دار اپنے گاہکوں کو اس طرح کی سہولتیں دے کر ان کا دل جیت کر اپنی تجارت کو فروغ دیتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ر شوال ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ہنڈی کا کاروبار کرنا کیسا ہے؟

سوال: ہنڈی کے کاروبار یعنی بیرون سے کچھ رقم غیر قانونی طور پر ہندوستان روانہ کرنا جس میں رقم زیادہ ملے، یہ کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک عوض پر قبضہ کرلیا گیا تو بوقت ضرورت یہ معاملہ درست ہے؛ لیکن قانون کی خلاف ورزی کر کے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا جائز نہیں، اپنی عزت کی حفاظت بھی شرعاً ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حوالے کا کاروبار جائز ہے؟

سوال: بعض لوگ بیرونی ملک سے حوالہ کا کاروبار کرتے ہیں کیا اس طریق سے ایک ملک سے دوسرے ملک میں ارسال رقومات جائز ہوتی ہے پھر بہ ذریعۂ بینک تبدیل کرنسی میں حرج نہیں تو شخصی طور پر کرنے میں شرعاً کیا ممانعت ہے؟ نیز اس کا حکم بیع کا ہوگا یا اجارہ کا؟ حوالہ کی صورت ونوعیت مرقوم ہوجائے تو ذرہ نوازی ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ اب سوال یہ ہے کہ کرنسی کا ادھار معاملہ کرنا جائز ہے یا نہیں جیسا کہ تاجروں اور عام لوگوں میں اس کا رواج ہے کہ وہ ایک کرنسی دوسرے شخص کو اس شرط پر دیتے ہیں کہ تم اس کے بدلے

میں اتنی مدت کے بعد فلاں ملک کی کرنسی فلاں جگہ دینا مثلاً زید عمر کو سعودی عرب میں ایک ہزار ریال دے اور یہ کہے کہ تم اس کے بدلے میں مجھے پاکستان میں چار ہزار پاکستانی روپے دے دینا تو یہ معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ معاملہ جائز ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک اثمان کی بیع میں بیع کے وقت ثمن کا عقد کرنے والے کی ملکیت میں ہونا شرط نہیں لہٰذا جب جنسین مختلف ہوں تو ادھار کرنا جائز نہیں۔ (فقہی مقالات ۱/۴۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۳/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ہنڈی کا حکم

سوال: میں ہنڈی (مسلک شافعی کے متعلق) کے ذریعہ (بتوسط ایجنٹ) روپیہ روانہ کرتا ہوں جس کی شکل یہ ہے کہ میں نے تاجر سے ادھار مال خریدا اور دو ماہ بعد قیمت دینے کا وعدہ کیا اور قیمت کی رسید (چیک) دو ماہ بعد تاریخ کی دے دی اب تاجر کو آج روپئے کی ضرورت ہے تاجر بینک میں جاتا ہے، اور یہ رسید بتاتا ہے کہ دو ماہ بعد فلاں شخص سے یہ روپئے ملنے کا وعدہ ہے؛ مگر بینک سے فی الحال روپئے طلب کرتا ہے بینک وہ چیک لے لیتی ہے اور چیک میں مثلاً دو ہزار ہیں تو بینک تاجر کو ایک ہزار سات سو دیتی ہے اور خریدار سے مقررہ تاریخ کو دو ہزار وصول کرتی ہے اس طرح بینک کو تین سو کا فائدہ ہو جاتا ہے۔ اگر یہ شکل ناجائز ہوتی ہے سود ربوا کا پہلو ہونے کی بنا پر تو یہ کیسے؟ کیوں کہ ایک ہی جنس کی چیز میں ربوا ہو تو حرام ہے اور ہنڈی سے پیسے روانہ کرنے میں کرنسی بدل

جاتی ہے۔المجموع کی عبارت:فأما يحرم فيه الربوا فينظر فيه فإن باعه بجنسه حرم فيه التفاضل فإذا اختلف هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم.(٤٥٩/٩)

دوسری شکل کے ذریعہ اس نیت کے تحت روانہ کرتا ہوں کہ جس صورت میں فائدہ ہو اس کو اختیار کرنا شرعاً جائز ہے وہ یہ کہ بینک دینار یا ریال وغیرہ کی قیمت کم دیتی ہے، اور دوسری کمپنی (مراد ہنڈی سے تعلق رکھنے والے لوگ) زیادہ دیتی ہے لہٰذا کمپنی کے ذریعہ روانہ کرتا ہوں اور اس وجہ سے بھی کہ میں جس ملک میں ہوں (یا اس کے علاوہ ایسے ملک میں ہوں) کہ وہاں کرنسی اس ملک کی کرنسی سے جس ملک میں مجھے پیسے بھیجنا ہے الگ ہے لہٰذا سود کا پہلو نہیں کیوں کہ سود تو ایک جنس کی چیزوں میں ہوتا ہے نہ کہ مختلف جنس کی چیزوں میں اگر ملکی قانون کی وجہ سے مذکورہ صورت ناجائز ہوتی ہے تو برائے مہربانی ملکی قانون کی وجہ سے ناجائز ہونے کی تشریح مع دلیل وحوالہ واضح فرمائیں۔

اگر مذکورہ بالا صورت میں حوالہ کی شکل ہے بایں وجہ جائز ہو تو کیسے؟ کیوں کہ حوالہ کے شرائط تو یہ ہیں:

كفاية الاخيار:وشرائط الحوالة أربعة رضا المحيل وقبول المحتال وكون الحق مستقرا فى الذمة واتفاق ما فى الذمةالمحيل و المحال عليه فى الجنس والنوع والحلول والتأجيل وتبرأبها ذمة المحيل.

برائے مہربانی جلد از جلد مفصل مدلل جواب مرحمت فرمائیں کیوں کہ تمام نظریں آپ کے جواب کی منتظر ہیں اور جواب مسلک شافعی کے مطابق ہو۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

آپ نے ہنڈی کی جو تعریف فرمائی ہے اس کو عربی میں قطع الکمبیالات (bils

of exchange) کہتے ہیں اس میں آپ تحریر فرماتے ہیں کہ کرنسی بدل جاتی ہے حالاں کہ کرنسی بدلتی نہیں ہے۔

وهذه المعاملة غير جائز لكونها بيع الدين من غير من عليه الدين أو لكونها مبادلة النقود بالنقود متفاضلة ومؤجلة وحرمته منصوصة فى أحاديث ربا الفضل ولكن هذه المعاملة يمكن تصحيحها بتغير طريقها وذلك أن يؤكل التاجر البنك باستيفاء دينه من المشتري ويدفع إليه أجر على ذلك ثم يستقرض منه مبلغ الكمبيالة ويأذن له أن يستوفى هذا القرض مما يقبض من المشتري بعد نضج الكمبيالة فتكون هناك معاملتان مستقلتان الأولى معاملة التوكيل با ستفياء الد ين بالأجر المعينة والثانية معاملة الاستقراض من البنك والإذن بالاستيفاء القرض من الد ين المرجوو صوله بعد نضج الكمبيا لة ولا يجوز أن يكون إحدى المعاملتين شرطا للأخر ى لئلا تكون صفقة في صفقة فتصح كلتا المعاملتين على أسس شرعية.الخ (تكمله فتح الملهم ۳۶۳/۱)

آپ کو چاہئے تھا کہ آپ جو معاملہ کرتے ہیں صرف اس کی تفصیل تحریر فرمادیتے؛ لیکن آپ نے اس کے حکم پر بھی کلام فرما کر سوال کو الجھادیا ہے، اس لیے آپ کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں یہ متعین کرنا بھی دشوار ہوگیا ہے اور اوپر جو حکم میں نے لکھا ہے وہ فقہ حنفی کے اصول پر ہے فقہ شافعی کے مطابق اس کا حکم بتلانے پر قاصر ہوں اس لیے کہ اس سلسلہ میں شافعی فقہ کی جزئیات وکلیات بھی مستحضر نہیں ہیں۔ جن صورتوں میں ملکی قانون کی وجہ سے منع کیا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر حکومت اسلامی ہے تو یہ مخالفت اولی الامر ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے اور اگر حکومت غیر اسلامی ہے تو اس

صورت میں اپنے آپ کو قانونی سزا اور رسوائی کے لیے پیش کرنا لازم آتا ہے اور نفس وعزت نفس کی حفاظت ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ریال کے عوض نو سکّے لینا

سوال: ریال کا دس کا نوٹ دے کر اس کے عوض میں نو سکے (ریال ہی کے) لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوال میں مذکور مبادلہ شرعاً جائز نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۷۷)

ثم الذي يظهر أن فلوس مملكة واحد كلها جنس واحد، و التماثل فيها تكون بالقيمة دون الوزن والعددة أما الأوراق النقدية تجرى عليها أحكام الفلوس النافقة سواء بسواء الخ (تكمله فتح الملهم ۱/۵۸۹، ۵۹۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بیرونی کرنسی زیادہ دام میں فروخت کرنا

سوال: ڈالر اور بیرونی کرنسی بلیک میں یعنی زیادہ دام میں خریدنا بیچنا کیسا ہے؟ سود تو نہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس معاملہ میں شرعاً سود تو نہیں ہے؛ البتہ قانون کی خلاف ورزی میں عزت داؤ پر لگتی ہے جو درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ

کاغذی نوٹ کی شرعی حیثیت

سوال: ہم نے جو فتوی سونا چاندی ادھار بیچنے کے مسئلہ میں استفتاء مؤرخہ..... جمعرات کو کیا تھا، ان کے حوالہ کی ضرورت ہے، لکھ کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے سابقہ استفتاء کے جواب میں یہاں سے جو تحریر گئی ہے، اس سلسلہ میں آپ ایک بات ذہن نشین رکھئے کہ کاغذی نوٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اس پر اس جواب کا مدار ہے، کاغذی نوٹ کی شرعی حیثیت کے سلسلہ میں دو قول تھے: علماء کی ایک جماعت اس طرف گئی کہ کاغذی نوٹ خود ثمن نہیں ہیں؛ بلکہ مالی دستاویز اور سند ہے، گویا وثیقۂ قرض ہے، اس کے برخلاف دوسرے فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اب یہ نوٹ بذات خود ثمن عرفی ہیں، حوالہ یا سند نہیں ہے، ہمارے اکابر دیوبند کی زمانۂ سابق میں یہی رائے تھی کہ نوٹ سند اور حوالہ ہے، اور اسی کی بنیاد پر فتوے دیے گئے، بہشتی زیور میں نوٹ کے متعلق جو مسائل ہیں ان کی بنیاد بھی یہی ہے؛ لیکن مرور زمانہ سے نوٹ کے سلسلے میں حکومتی اور استعمالی طور پر جو تبدیلیاں ہوئیں اور جو تغیرات ہوئے، ان کے پیش نظر اب اکثر حضرات علماء دوسری رائے کو زیادہ صحیح قرار دیتے ہوئے نوٹ

کو ثمن عرفی ماننے لگے ہیں، گویا اب نوٹ کی حیثیت حوالہ اور سند کی نہیں رہی، اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب (دار العلوم کراچی) کا ایک مستقل رسالہ "احکام الاوراق النقدیة" کے نام سے عربی زبان میں موجود ہے۔ "تکملہ فتح الملهم شرح صحیح مسلم" جلد اول از ۵۱۶ تا ۵۲۰ پر بھی تفصیلی بحث موجود ہے، فتاوی محمودیہ ۴ / ۱۷۳ کے حاشیہ پر بھی نوٹ کی حیثیت میں واقع شدہ تبدیلی پر متنبہ کیا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹ / محرم الحرام ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ڈالر کے ذریعہ نفع بخش تجارت

سوال: ایک آدمی مجھ سے پیسہ لے کر پاؤنڈ اور ڈالر کی تجارت کرنا چاہتا ہے، اور اس کو فی ڈالر چالیس پیسہ نفع ملتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں آپ کو پندرہ پیسے دوں گا اور میں پچیس پیسہ لوں گا، تو اس طرح کا لین دین جائز ہے یا نہیں؟ ڈالر کی تجارت کس طرح پر صحیح ہو سکتی ہے؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قانونی حدود میں رہ کر ڈالر کی خرید و فروخت کرتا ہے تو جائز ہے، قانون کے خلاف کرتا ہے تو اس میں اپنی عزت کو داؤ پر لگانا ہے جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی، منافعہ میں اگر فیصد کے حساب سے دونوں کے حصے مقرر کئے جائیں تو درست ہے۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷ / صفر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ریزگاری بیچنے کی ناجائز صورت اور اس کے جواز کی شکلیں

سوال: ریزرو بینکوں آف انڈیا RBI بینک میں سے چلّر ملتی ہے، چلّر لینے کے لیے صبح آٹھ بجے جاکر لائن لگاتے ہیں اور گیارہ بارہ بجے نمبر آتا ہے، پانچ ہزار کی یا دس ہزار کی چلّر ملتی ہے، پانچ ہزار کی چلّر ایک جولے میں آتی ہے، ایسا ایک جولا یا دو جولا ملتا ہے تو اس چلّر کو بازار میں لاکر کسی بھی ہوٹل یا کسی بھی دکان میں دیتے ہیں اور اس سے ایک جولے کی قیمت کبھی تین سو روپیہ، کبھی ساڑھے تین سو تو کبھی چار سو روپے لیتے ہیں، تو کبھی اس سے زیادہ لیتے ہیں تو یہ لینا کیسا ہے؟ آر بی آئی سے چلّر لے کر بیچنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوال میں مذکورہ صورت شرعاً جائز اور درست نہیں ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۶/ ۲۴۳)

لیکن اس صورت میں ہوٹل والوں اور دکان داروں کے لیے بڑی دشواری پیدا ہوگی؛ اس لیے کہ ان کے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ وہ بینک جاکر لائن میں لگیں اور چار پانچ گھنٹے لائن میں لگ کر ریزگاری حاصل کریں، اس لیے اگر وہ ایسا کریں کہ پانچ ہزار یا دس ہزار کے نوٹ کسی معتبر آدمی کو دے کر اپنا وکیل بنائیں، اور وہ بحیثیتِ وکیل کے اس کے ان نوٹوں کی ریزگاری بینک سے حاصل کریں، اور اپنی وکالت اور محنت کے معاوضہ کے طور پر ان سے اپنی اجرت کے طور پر (۳۰۰ یا ۳۵۰ یا ۴۰۰) روپے جو بھی پہلے سے طے کئے جائیں وصول کرے۔

والصواب أن مراده أن يكون في نفس الوكالة تعاوض كما إذا أخذ

الوكيل أجره فإنه لا يمتنع إذا الوكالة عقد جائز لا يجب على الوكيل.
(تكلمه شامی ۱۱/ ۳۶۳)

نوٹ: جواز کی ایک دوسری صورت یہ بھی ہے کہ ریزگاری فروخت کرنے والا ریزگاری کے ساتھ کوئی چھوٹی سی چیز مثلاً بسکٹ کا پیکٹ یا ماچس یا قلم وغیرہ ساتھ میں دے، اس صورت میں زائد رقم اس چیز کا معاوضہ ہوجائے گی، یہ عقد درست ہوجائے گا اور دونوں گناہ سے بچ جائیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ شوال ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

پھٹے ہوئے روپئے کم قیمت سے بیچنا

سوال: آج کل یہ جو رواج ہے کہ پھٹے ہوئے روپئے دیے جاتے ہیں اور ان کو نئے روپئے سے بدلنے کے لیے مثلاً فی روپیہ دس پیسہ لیتے ہیں یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

روپیہ کا نوٹ (چاہے نیا ہو یا پرانا) نوے پیسے کے عوض بیچنا جائز ہے۔ (کفایت المفتی ۸/ ۱۰۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیع سلم میں مبیع پر قبضہ کے بعد بیع

سوال: زید نے بکر کے ساتھ بیع سلم کا معاملہ کیا کہ میں تجھے ایک لاکھ روپئے اس وقت دیتا ہوں تو مجھے ایک لاکھ کی اینٹیں فلاں تاریخ کو دینا، معاملہ سلم کی تمام

شرائط کو سامنے رکھ کر ہوا، پھر جب اینٹیں تیار ہوگئیں تو زید نے کہا کہ یہ اینٹیں میری طرف سے کسی کو بیچ دے، تو زید کے لیے پہلے ان اینٹوں پر قبضہ شرط ہے؛ لیکن اینٹوں پر قبضہ کرنے کے لیے اس کو یعنی اینٹوں کو الگ کرنا دشوار ہے تو بکر کی مشترک اینٹوں میں سے زید کی ایک لاکھ اینٹوں کو الگ کرنے کی کیا شکل ہوگی؟ اگر مبیع کے پاس کھڑے ہوکر بل پر قبضہ کرلیا اور پھر بکر کو بیچنے کا وکیل بنایا تو صحیح ہوگا یا نہیں؟ یا پھر اینٹوں کو الگ کئے بغیر حکماً قبضہ کی کوئی شکل ہو تو وضاحت فرمائیے، زید یہ چاہتا ہے کہ میری خریدی ہوئی اینٹیں وہیں سے بیچ دوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس جگہ بکر کی اینٹیں رکھی ہوئی ہیں وہیں قریب میں کوئی جگہ زید اپنے لیے عاریت یا اجارہ کے طور پر لے لے، اس کے بعد اپنی اینٹوں کو وہاں رکھوادے تو اس کا قبضہ مکمل ہوجائے گا، پھر بکر کو وکیل بالبیع بنا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/صفر ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اینٹ میں بیع سلم اور استصناع کا حکم

سوال: ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ موسمِ برسات میں اینٹوں کے بھٹے پر رقم جمع کردیتے ہیں، اس پیشگی رقم جمع کرنے کی وجہ سے جب مال تیار ہوجاتا ہے تو بھٹے والا پیشگی رقم جمع کرنے والوں کو رعایتی قیمت پر اینٹ فروخت کردیتا ہے، مثلاً موجودہ قیمت ۷.۵ (ساڑھے سات) روپیے ہے، اور پیشگی رقم جمع کرنے والوں کو

چھ سو روپیے کے حساب سے دیتا ہے، آیا یہ بیع سلم میں داخل ہے یا نہیں؟ اور اس طرح خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟ دراصل جانبین سے فائدہ ہے، خریدار کو ابھی اینٹ کی ضرورت نہیں، ۵ رماہ میں ضرورت ہے، اس کا تو یہ فائدہ ہے کہ کم قیمت پر چیز مل جائے گی، اور بھٹے والے کا یہ فائدہ ہے کہ جب اس کے پاس روپیہ زائد ہوگا تو برسات کے زمانہ میں کوئلہ وغیرہ زائد خرید لے گا، جو بھٹہ چلنے پر اس کو موسم میں زیادہ قیمت پر ملتا ہے، وہ اس کو برسات میں ذرا کفایت سے درست قیمت پر مل جائے گا، تو ہمیں تو معلوم کرنا یہ ہے اس طرح کا معاملہ شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اینٹ میں بیع سلم درست ہے۔

ولبن بكسر الباء واٰجر بملبن معين بين صفته ومكان ضربه (درمختار)(قوله بين صفته الخ) فيه نظر فإن عبار الخلاصة ولا بأس في السلم في اللبن والأجرة الخ (شامی٤/٢٢٧)

البتہ بیع سلم کے تمام شرائط کی رعایت ضروری ہے۔ استصناع بھی ممکن ہے۔ (وكيفيته وشرائطه مبسوط في البدائع) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ رمحرم الحرام ۱۴۱۵ھ

گیہوں میں بیع سلم

سوال: خالد پچاس روپئے محمود کو اس عوض میں دیتا ہے کہ مجھے ایک کوئنٹل گیہوں چاہئے، (موسم گیہوں میں) خالد جس وقت محمود کو پچاس روپئے دیتا ہے اس وقت گیہوں

کی قیمت سو روپئے کوئنٹل ہے، اور محمود جس وقت گیہوں ادا کرے گا اس وقت گیہوں کا بھاؤ تین سو روپئے کوئنٹل ہے، کیا یہ صورت درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بیع سلم کے تمام شرائط وقیود کا لحاظ کیا گیا ہے تو یہ معاملہ درست ہوگا؛ ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ

متفرقات بیوع

جمعہ وعیدین کے خطبہ کے وقت خرید وفروخت

سوال: جمعہ اور عیدین کے خطبہ کے وقت کیا خرید وفروخت حرام ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جمعہ کی اذان اول کے بعد خرید وفروخت اور ہر ایسا کام جو نماز جمعہ کے لیے جانے سے مانع بنتا ہے ممنوع ہے، عید کا خطبہ جب ہو رہا ہو، اس وقت جو لوگ وہاں موجود ہیں ان کے لیے اس کا سننا واجب ہے؛ لیکن جو وہاں موجود نہیں ان کے لیے اپنی اپنی جگہ پر خرید وفروخت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جمعہ کی اذان کے بعد بیع کا حکم

سوال: زید کی جس شہر میں ہوٹل ہے، اس شہر میں دو مختلف مسجدوں میں، مختلف

اوقات میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، زید نے جمعہ کے وقت کاروبار بند کرنے کے بجائے ہوٹل کے آدھے ملازمین کو ایک مسجد میں جہاں ایک بجے جمعہ کی نماز ہوتی ہے نماز پڑھنے کے لیے بھیج دیا، اور جب وہ نماز پڑھ کر آئے تو کاروبار میں لگ گئے، اور بقیہ ملازمین کو دوسری مسجد میں جہاں دو بجے نماز جمعہ ہوتی ہے نماز پڑھنے کے لیے بھیج دیا تو کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے؟ دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(الف): نمازِ جمعہ کے وقت کاروبار کو جاری رکھتے ہوئے ہر ایک آدمی نمازِ جمعہ ادا کرلے یہ شرعاً درست ہے؟

(ب): اگر نمازِ جمعہ کے وقت کاروبار کو بند کرنا ضروری ہے، تو جس شہر میں مختلف مسجدوں میں مختلف اوقات میں اذانِ جمعہ ہوتی ہے، تو کونسی مسجد کی اذان کے وقت کاروبار بند کرنا ضروری ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جمعہ کی اذانِ اول کے بعد بیع وشرا (خرید وفروخت) مکروہ تحریمی ہے، ایسی بیع سے توبہ اور اس کا فسخ دیانۃً واجب ہے قضاءً نہیں، بیع فاسد قضاءً بھی واجب الفسخ ہوتی ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۱۴) اس لیے.....

(الف) نمازِ جمعہ کے وقت کاروبار کو جاری رکھتے ہوئے ہر ایک کا جمعہ پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ کاروبار کا بند رکھنا ضروری ہے۔

(ب) اس سے متعلق صریح جزئیہ اس لیے نہیں ملتا کہ پہلے زمانہ میں پورے شہر میں صرف ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا تھا لہٰذا اس کو عام نمازوں کی اذان پر قیاس کیا جائیگا، عام اذان کی اجابت باللسان میں اذان اول کا اعتبار ہے، اور اجابت بالقدم میں

اذانِ محلہ کا اعتبار ہے، اس سے ثابت ہوا کہ وجوب سعی الی الجمعہ و کراہیتِ بیع میں مسجد محلہ کی اذان معتبر ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۱۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

چٹھی کے ذریعہ رقم جمع کرنا

سوال: ایک شخص اپنے یہاں چٹھی جمع کرتا ہے، یعنی چند لوگوں کے پیسے جمع کرتا ہے، اور مہینہ ختم پر قرعہ اندازی کر کے جس کو دس ہزار روپیہ ملے؛ اس کا نام نکلنے کے باوجود بھی اس کو چٹھی ختم ہونے تک پیسے بھرتے رہنا پڑتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر وہ شخص، یعنی جو گھر گھر پھر کر اپنے یہاں پیسے جمع کرتا ہے، جب قرعہ کی باری آتی ہے تو جس کا نام قرعہ میں نکلتا ہے، تو اس کے پاس سے دو سو روپئے لے لیتا ہے، تو یہ دو سو روپئے کا لینا اس کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ معلوم کریں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

سوال میں چٹھی جمع کرنے کی نوعیت واضح نہیں فرمائی ہے، عموماً چٹھی کی یہ صورتیں خلاف شرع ہوتی ہیں، اس میں تعاون بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

باہمی تعاون کے لیے مساوی رقم جمع کر کے قرعہ اندازی کرنا

سوال: (الف) آج کل کاروبار کی نوعیت کچھ اس قسم کی بن گئی ہے، کہ معمولی رقم سے کوئی کاروبار کرنا محال سا ہو گیا ہے؛ اس لیے کم آمدنی والے لوگوں کے کاروبار

کے لیے معتد بہ رقم فراہم کرنے کے لیے کہ جس میں سود بھی نہ ہو، اور کسی ایک صاحبِ مال پر قرض کا بوجھ بھی نہ ڈالنا پڑے حسبِ ذیل صورت اختیار کی جاتی ہے جس کو ہماری عرف میں سوسائٹی کہتے ہیں، جس کا خلاصہ تو یہ ہے کہ ایک سو افراد پہلے ہر ماہ دس ہزار روپئے جمع کرتے ہیں، اور وہی رقم قرعہ اندازی سے ہر ایک ممبر کو باری باری سے ملتی رہتی ہے، اسی طرح دوسری بار پانچ پانچ ہزار روپئے کی رقم ہر ایک کو ملتی ہے؛ الغرض ہر ممبر بالاقساط پندرہ ہزار روپئے جمع کرتا ہے اور وہی پندرہ ہزار روپئے دو قسطوں میں پاتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک سو افراد مل کر باہم یہ طے کرتے ہیں کہ ہر فرد ہر ماہ کی ۲۰/ تاریخ تک ایک سو روپئے معین اشخاص کے پاس جمع کروائے گا اور اس رقم کی ۲۵/ تاریخ کو قرعہ اندازی سے جس کے نام کا قرعہ نکلے گا اس کو دے دی جائے گی، جس کے نام پہلی ہی مرتبہ قرعہ اندازی میں قرعہ نکل آیا وہ اب ہر ماہ ایک سو روپئے تو حسبِ سابق جمع کرے گا ہی؛ لیکن مزید ڈھائی سو روپئے بھی ہر ماہ بطور ادائیگی قرض جمع کرائے گا، یہ مزید ڈھائی سو روپئے کی رقم اس کو رقم لینے کے وقت سے چالیس ماہ تک جمع کرانی ہوتی ہے، اور ماہانہ ایک سو روپئے والی رقم مجموعی ۵۰ ماہ تک، اس طرح ایک سو روپئے ماہانہ کے حساب سے پچاس ماہ کے پانچ ہزار، اور ہر ماہ ڈھائی سو کے حساب سے چالیس ماہ کے دس ہزار روپئے ہر فرد کے جمع ہوتے ہیں، پچاس ماہ کے ختم ہونے تک ہر ایک کو ایک بار دس ہزار روپئے یک مشت ضرور مل جاتے ہیں اس کے بعد پانچ پانچ ہزار روپئے اسی طرح قرعہ اندازی سے ملتے رہتے ہیں شرعاً اس معاملہ کا کیا حکم ہے؟

(ب) ۲۰ تاریخ جو رقم جمع کرنے کی معینہ تاریخ ہے رقم جمع کرنے میں اس

تاریخ سے تاخیر پر یومیہ دس روپے جرمانہ لیا جاتا ہے جس کو سوسائٹی کی ضروریات مثلاً رسیدوں کی طباعت وغیرہ میں صرف کیا جاتا ہے یہ جرمانہ لینا شرعاً کیسا ہے، اور اس کا یہ مصرف شرعاً صحیح ہے یا غلط؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(الف) یہ آپسی تعاون کی ایک صورت ہے جس میں کوئی بات خلاف شرع معلوم نہیں ہوتی۔

(ب) مالی جرمانہ لینا درست نہیں ہے، جن سے لیا ہے ان کو لوٹا دیا جائے سوسائٹی کی ضروریات کے لیے بھی سب مل کر رقم نکالیں۔ فقط

نوٹ: قرض کی ادائیگی کے لیے ڈھائی سو روپیہ کی جو قسط مقرر کی گئی ہے اس میں آخری یعنی چالیسویں قسط بجائے ڈھائی سو روپے کے ڈیڑھ سو کی رکھی جائے؛ اس لیے کہ دس ہزار میں ایک سو روپے خود اس کے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ غفرلہ

ماہِ رمضان میں دن کے وقت ہندو محلہ میں ہوٹل کھلا رکھنا

سوال: زید کی ہوٹل ہندو محلہ میں ہے اور ہوٹل کے گاہک اکثر ہندوں ہیں تو ماہ رمضان میں دن میں ہوٹل کا کھلا رکھنا اور گاہکوں کو کھلانا پلانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ماہِ رمضان المبارک کے احترام کے خاطر دن کے وقت کھانے پینے کی ہوٹل بند

رکھنا ضروری ہے، کھانے پینے والے خواہ کسی بھی مذہب کے ہوں۔ (فتاوی رحیمیہ ۵/۱۹۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بیع میں چھ ماہ میں رقم ادا کرنے کی شرط

سوال: زید نے بکر سے ایک مکان ایک لاکھ روپئے میں اس شرط پر خریدا کہ چھ مہینے میں اس رقم کو ادا کر کے قبضہ لے لیا جائے گا، اور بیعانہ کے طور پر پانچ ہزار روپیہ نقد ادا کیے، مدت مقررہ پوری ہونے سے قبل سوا لاکھ روپیہ میں زید سے اس مکان کو لینے کے لیے عمر تیار ہو گیا، چناں چہ زید نے بکر سے یہ بات کر کے کہ مکان عمر کے نام کر دے، عمر سے سوا لاکھ روپیہ لے کر ایک لاکھ روپئے بکر کو دیئے، اور عمر کے نام مکان کروا دیا، کیا یہ بیع درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عقد میں جو یہ شرط لگائی ہے کہ چھ مہینے میں اس رقم کو ادا کر کے قبضہ لے لیا جائے گا، اس سے کیا مقصد ہے؟ اگر اس سے مراد یہ ہے کہ زرِ ثمن کی ادائیگی میں زید نے بکر سے چھ مہینہ کی مہلت طلب کی جو بکر نے دیدی، تو یہ سودا ادھار ہوا، اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ زید اگر چھ مہینہ میں زرِ ثمن ادا نہ کرے تو یہ عقد فسخ سمجھا جاوے گا، تو یہ خیار نقد ہوا، دونوں میں سے جو صورت بھی ہو اس کی تعیین فرمائی جائے اس کے بعد جواب دیا جاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

پولٹری فارم کے مسائل

چوزے دینے کی شرط پر انڈے دوسرے کی مرغی سے سینا

سوال: بکر نے دس انڈے زید کی مرغی کے نیچے سینے کے لیے زید کو دیے اور معاملہ یہ طے کیا کہ بچے دونوں کے نصف نصف ہوں گے یہ صورت جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ صورت درست نہیں ہے، جواز کا حیلہ یہ ہے کہ بکر آدھے انڈے زید کے ہاتھ فروخت کر کے اس کی قیمت معاف کردے۔

والحيلة في جنس هذه المسائل أن يبيع صاحب البيضة نصف البيضة وصاحب الدجاجة نصف الدجاجة من المدفوع إليه ويبرئه عن ثمن ما اشترى، فيكون الخارج بينهما كذا في المحيط.(عالمگیری ٤/ ٤٤٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

صنعت کے لیے حکومت سے سبسڈی لینا

سوال: حکومت پولٹری فارم اور اس جیسے بعض کاروبار کے لیے رعایا کو امداد دیتی ہے، جس کو سبسڈی کہتے ہیں؛ لیکن اس امداد کو حاصل کرنے کے لیے حکومت سے کچھ رقم سودی قرض کے طور پر لینی پڑتی ہے، اگر اس رقم کو جلد ہی ادا کردی جائے تو امداد کی رقم سے سود کی رقم کم رہے گی یا برابر ہوگی، مثلاً پانچ ہزار امداد حاصل کرنے کے

لیے دس ہزار روپیہ سودی قرض سے لیے اور دو مہینوں میں وہ سودی قرض مع دو ہزار سود کی رقم کے بارہ ہزار واپس کر دیے، کیا شرعاً یہ امداد حاصل کرنا جب کہ دو ہزار سود دینے کے بعد بھی تین ہزار روپئے امداد کے بچ گئے صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی نے کوئی صنعت قائم کرنے کے لیے حکومت سے نقد روپئے لیے اور حکومت نے اپنے قاعدے کے ماتحت اس میں سے ایک حصہ معاف کر دیا، اور باقی حصے کی ادائیگی کے لیے ایک مدت مقرر کر کے اس کی قسطیں بنا دیں، اور اس وصولیابی میں ان قسطوں پر کچھ اضافہ کر کے وصول کیا؛ مگر کل رقم وصولیابی کی (حکومت سے لیے گئے) اصل قرض سے زائد نہ ہوئی، تو ان قسطوں میں اصل پر جو زیادتی حکومت نے وصول کی وہ شرعی طور پر سود کی تعریف میں نہیں آتی؛ اس لیے یہ معاملہ کیا جا سکتا ہے۔ (ماخوذ از نظام الفتاویٰ ۱/۲۵۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نرخ متعین کیے بغیر انڈا فروخت کرنا

سوال: تاجر نے مرغی فارم والے کو کچھ رقم پیشگی دی تا کہ مرغی فارم والا انڈے صرف اسی تاجر کو دے کسی اور کو نہ بیچے؛ لیکن انڈوں کا نرخ (بھاؤ) طے نہیں کیا؛ بلکہ بازاری بھاؤ سے اور کبھی اس سے کچھ کم اور کبھی اس سے کچھ زیادہ بھاؤ سے لیتا رہتا ہے، شرعاً یہ بیع کیسی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

گنجائش ہے۔

ما يستجره الانسان من البياع إذا حاسبه على أثمانها بعد استهلاكها جاز استحسانا.(درمختار) وفي الشامية: ولو أعطاه الدراهم وجعل ياخذ منه كل يوم خمسة امناء، ولم يقل فى الابتداء اشتريت منك يجوز وهذا حلال وإن كا ن نيته و قت الد فع الشراء لأ نه بمجرد النية لا ينعقد البيع وان ما ينعقد الآن بالتعاطي الخ (شامی ٤/ ١٤)

البتہ یہ یاد رہے کہ پیشگی رقم دینے کی وجہ سے تاجر انڈوں کی قیمت عام رائج نرخ سے کم نہ لگاتا ہو، اگر ایسا ہے تو ناجائز ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

انڈوں کی مقدار طے کیے بغیر بیع کرنا

سوال: مشتری اور مرغی فارم والے کے درمیان انڈے کی قیمت طے ہوتی ہے؛ مگر مبیع کی مقدار طے نہیں ہوتی؛ بلکہ ایک متعین مدت تک فارم والے کے ذمہ ہوتا ہے، کہ انڈے صرف اسی تاجر کو دے، یہ معاملہ کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ ایک وعدہ ہے جس کی پابندی ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

انڈوں میں بیع سلم

سوال: خریدار اور مرغی فارم والے کے درمیان قیمت اور انڈوں کی مقدار طے ہو کر بیع ہوتی ہے؛ لیکن یہ انڈے فارم والے کو ایک مدت کے بعد دینا ہوتے

ہیں؛ بلکہ ان انڈوں کا اس وقت وجود بھی نہیں ہوتا، اس بیع کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ادائیگی کی مدت متعین ہے، اور بیع سلم کے دیگر شرائط بھی موجود ہیں تو یہ درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ جمادی الاخری ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مرغیوں کی بیع وزناً وعدداً میں تطبیق

سوال: نر مرغیوں کی بیع دو طرح مروج ہے: عدداً، وزناً۔ خردہ فروشی (رٹیل) میں عدد سے فروخت ہوتے ہیں؛ مگر تمام مرغے خردہ فروشی سے فروخت نہیں ہو پاتے، لازماً تھوک فروش تاجر سے فروخت کرنا پڑتے ہیں اور تھوک فروش تاجر وزن سے خریدتے ہیں، فارمر عدد کے حساب سے فروخت کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں، مگر وہ تاجر اپنے کسی فائدہ کی خاطر عدداً نہیں خریدتے، تو بدرجۂ مجبوری وزن سے فروخت کرنا پڑتا ہے، وزن کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بالعموم پانچ عدد مرغوں کی ٹانگیں ایک ساتھ باندھ کر خاص قسم کی ترازو کے کانٹے پر الٹا لٹکا کر تول لیا جاتا ہے، اسی سلسلہ میں مولانا سعید صاحب پالنپوری کا جواب ساتھ ہی ارسال خدمت ہے اور اسی سوال پر دارالافتاء سہارنپور کا جواب بھی ارسال خدمت ہے اور سہارنپور کے جواب میں قابلِ سوال یہ امر ہے کہ ماحول میں دیکھا جاتا ہے کہ وزناً مرغوں کی بیع مفضی الی النزاع نہیں ہوتی ہے؛ نیز اس وجہ سے بھی کہ فارم کے مرغے گوشت خوری میں مستعمل ہیں اور ایسے

جانوروں کی خرید وفروخت کے وقت بائع مشتری ان سے حاصل ہونے والے گوشت کا اندازہ لگا کر قیمت کرتے ہیں اور صورتِ مسئولہ میں وزن کرنے سے طرفین کو اطمینان حاصل ہوجاتا ہے۔ اور کیا زندہ جانور کی وزناً بیع ممنوع ہونے کی وجہ، صرف مفضی الی النزاع ہونا ہی ہے، یا اور کوئی نص وغیرہ شرع شریف میں وارد ہے؟ اور بصورتِ جواز وزن کرنے کے مذکورہ طریقہ میں کوئی قباحت ہے یا نہیں؟ اور ان دونوں جوابوں کے بارے میں جو کسی درجہ میں متضاد نظر آتے ہیں، وضاحت فرما کر رہبری فرمائیں، اللہ جل شانہ اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب مدظلہم نے جو وضاحت فرمائی ہے، اس سے دونوں جوابات میں تطبیق ہوجاتی ہے، فقہاء نے مچھلی کی بیع وزناً جائز لکھی ہے۔ (فتاویٰ عثمانی ۳/ ۹۸ تا ۱۰۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مرغیوں کی کھاد کی بیع

سوال: مرغیوں کی بیٹ مرغی خانہ میں جمع ہوتی رہتی ہے، جس کو فارمر فروخت کرتے ہیں اور وہ بطورِ کھاد کے کھیتی میں مستعمل ہے، لہٰذا مرغیوں کے کھاد کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ اس کی بیع ناجائز ہے اور شکل جواز یہ ہے کہ اس میں کوئی بھوسا وغیرہ ملا کر اس طرح سودا کیا جائے کہ میں تم سے بھوسے کی قیمت لیتا ہوں اور دوسرے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ صاحبینؒ کے قول

پر جواز کا فتویٰ ہے، لہٰذا اس بات میں قولِ فیصل تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مرغیوں کی کھاد کی بیع درست ہے۔

لا يكره؛ بل يصح بيع السرقين أي الزبل (درمختار) (قوله أي الزبل) وفي الشرنبلالية: هو رجيع ماسوى الانسان. (شامي ۹/ ۲۷۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فارمی مرغیوں کے لیے بنائی جانے والی غذاؤں کا حکم

سوال: ہمارے یہاں ملک ملاوی میں آخری تین سالوں سے ایک تنظیم گوشت اور مرغیوں کی نگرانی کا کام کر رہی ہے تاکہ عوام کو حلال گوشت اور مرغیاں مہیا ہو سکیں، ادھر چند سوالات اسی سے متعلق درپیش ہیں مہربانی فرما کر ہماری رہنمائی فرمائیں۔

جزاکم اللہ خیراً

① فارم کی مرغیاں یا فارم کی وہ گائیں جو خاص طور سے گوشت کے لیے تیار کی جاتی ہیں اگر ان کی غذا دم مسفوح سے تیار کی گئی ہو یا کسی مرے ہوئے گائے بکرے کے گوشت کا قیمہ اسی فارم کے جانوروں کے لیے بطور غذا کے استعمال کیا جائے تو اس کا کھانا شرعاً جائز ہے؟

② سور (خنزیر) کا گوشت یا اس کا خون اسی مذکورہ طریقے پر دوسرے فارم کے حلال جانوروں کو بطور غذا یومیہ دیا جائے، پھر انہی حلال جانوروں کو شرعی طریقہ پر ذبح کیا جائے تو کیا اس کا کھانا مسلمان کے لیے جائز ہے؟

③ مغربی ممالک سے آنے والی فارم کے جانوروں کی تیار غذا کا کیا حکم ہے؟
مہربانی فرما کر مع ادلۂ شرعیہ کے اس کے حکم سے نوازیں تاکہ خود بھی مطمئن ہوں اور دوسروں کو بھی قابل اطمینان جواب دے سکیں نیز کتب فقہ میں جلالہ کا جو لفظ ہے اس کی بھی تشریح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اسی قسم کے ایک سوال کے جواب میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ایسی غذا کی خرید وفروخت اور مرغیوں کو کھلانا جائز نہیں، البتہ ایسی مرغیاں حلال ہیں، گوشت کی حرمت کے لیے شرط یہ ہے کہ نجس غذا کی وجہ سے گوشت میں بدبو پیدا ہو جائے جس کا مفقود ہونا یہاں مشاہد ہے۔

قال العلامة ابن عابدين تحت(قوله وكره لحم الجلالة التي تأكل العذر): أي فقط حتى أنتن لحمها، قال في شرح الوهبانية: وفي المنتقى: الجلالة المكروهة التي اذا قربت وجدت منهارائحة فلا تؤكل ولايشرب لبنهاولايعمل عليها وتلك حالهاويكره بيعها وهبتهاوتلك حالها وذكر البقالي أن عرقها نجس اه قدمناه في الذبائح.(رد المحتار ه /۲۳۹)

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى وتحبس الجلالة حتى يذهب نتن لحمها وقدر ثلاثة أيام لدجاجة، وأربعة لشاة،وعشر لا بل وبقر على الاظهر ولو اكلت النجاسة وغيرها بحيث لم ينتن لحمها حلت كما حل أكل جدي غذي بلبن خنزيرلأن لحمه لايتغير وما غذي به يسير مستهلكاً لايبقى له أثر، وقال العلامة ابن عابدين: (قوله حلت) وعن هذا قالوا لا بأس بأكل الدجاج لأنه يخلط ولايتغيرلحمه وروي أنه

عليه الصلاةوالسلام كان يأكل الدجاجة وما روي أن الدجاجة تحبس ثلاثة أيام ثم تذبح فذلك على سبيل التنزه زيلعي(رد المحتار ه /۲۱۷)

(احسن الفتاوی ۸/ ۱۲۶)

② حوالۂ بالا میں مذکورہ عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سور کا گوشت یا خون بھی بطور غذا دیا گیا ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

③ مغربی ممالک سے آنے والی تیار غذا میں اگر دم مسفوح یا مردار اور سور کے گوشت کی ملاوٹ ہے تو اس کا خریدنا اور جانوروں کو کھلانا جائز نہیں ہے۔

جلّالہ: یہ لفظ الجلّۃ سے ماخوذ ہے، الجلّۃ مینگنی اور لید کو کہتے ہیں المعجم الوسیط میں ہے: الجلة:البعر و الروث (ص۱۳۱) جو جانور مینگنی اور پلیدی کھاتا ہو اس کو عربی زبان میں جلّالہ کہتے ہیں۔(الجلّالة) من الماشية: التي تأكل الجلة والعذرة (ص۱۳۱) قواعد الفقہ میں ہے: الجلّالة: هي التي تأكل العذرة ولا تأكل غيرها حتى انتن لحمها(ص۲۵۰) (یعنی وہ جانور جو پلیدی ہی کھاتا ہو دوسری چیز نہ کھاتا ہو یہاں تک کہ اس کے گوشت میں بدبو پیدا ہو جائے) خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء کے یہاں جلّالہ کے گوشت میں کراہت (تحریمی) کی علت صرف نجاست کھانا نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ سے اتنا تغیر پیدا ہو جائے کہ بدبو آنے لگے اسی لیے جو جانور نجاست کے ساتھ دوسری غذا بھی کھاتا ہے تو اس میں چوں کہ بدبو پیدا نہیں ہوتی اس لیے اس کا کھانا مکروہ نہیں ہے۔

بدائع میں ہے:أن الكراهة في الجلّالة لمكان التغير والنتن لالتناول النجاسة ولهذا اذا خلطت لا يكره وان وجد تناول النجاسة لأنها

لاتنتن فدل أن العبرة للنتن لا لتناول النجاسة.(۵/ ۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ جمادی الاولی ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مرغیوں کو لڑائی سے بچانے کے لیے چونچ کا حصہ کاٹنا

سوال: زندہ مرغیوں کو آپس میں لڑنے سے بچانے کے لیے ان کی چونچ کے اگلے حصہ کو کاٹ دیا جاتا ہے، بظاہر یہ حصہ سخت، بے جان ہونے کی وجہ سے تکلیف کا اندیشہ نہیں ہے، تاہم زندہ جانور کے عضو کو اس طرح کاٹنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مصلحتِ مذکورہ کے پیشِ نظر جائز ہے۔

ویجوز فصد البهائم وکیّها وکل علاج فیه منفعة لها.(درمختار علی هامش الشامی ۵/ ۲۳۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ضرورت کی وجہ سے مرغیوں کی چونچ کاٹنا

سوال: دراصل ہمارے علاقہ میں بڑے پیمانہ پر پولٹری فارم (مرغی خانہ) کا کاروبار چلتا ہے اور فارمر (مرغی خانہ کے مالک) بالعموم مولوی صاحبان ہیں، اس وجہ سے جو اشیاء مشتبہ ہیں، ان کی تحقیق کر کے جائز صورتیں اختیار کرنا چاہتے ہیں:

① من جملہ ان مسائل کے ایک مسئلہ یہ ہے کہ ضرورتاً ان کی چونچ (منقار) سال بھر کے عرصہ میں دو مرتبہ کاٹی جاتی ہے اور کاٹنے کی ضرورت اور علت یہ ہے:

(الف) کاٹنے میں خود ان کی حفاظت ہوتی ہے، کیوں کہ اگر نہ کاٹی جائے تو آپس میں لڑتی ہیں اور جہاں کسی مرغی کو ایک قطرہ بھی خون نکلا تو ساری مرغیاں مل کر اس کو مار ڈالتی ہیں، اسی طرح روزانہ مرغیاں مرتی جائیں گی؛ اس لیے چونچیں سب کی کاٹ دی جاتی ہیں؛ تاکہ لڑائی نہ کرسکیں اور یہ سب سے بڑی وجہ کاٹنے کی ہے۔

(ب) دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر نہ کاٹی جائیں تو دانہ (خوراک) بگاڑتی زیادہ ہیں اور کھاتی کم ہیں۔

(ج) ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان مرغیوں کو مخصوص قسم کا خوراک (فیڈ) کھلایا جاتا ہے، جس میں بعض باریک قسم کے پاؤڈر ان کی نشوونما اور تقویت کے لیے ملائے جاتے ہیں، تو اگر چونچیں نہ کاٹی جائیں تو فیڈ میں سے بڑے بڑے دانے کھالیں گی اور باریک پاؤڈر جو ان کے تقویت کے لیے کھلانا ضروری ہے، نہیں کھاسکتی، جس کی وجہ سے ان کے نشوونما میں کمی ہوگی، جس سے پروڈکشن (انڈوں کی پیداوار) پر غیر معمولی اثر پڑتا ہے، اور فارمر کو نقصان اٹھانا پڑے گا؛ لہٰذا اس کا شرعی حکم واضح فرمائیں۔

② چونچیں کاٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ کاٹنے کا ایک خاص برقی آلہ ہوتا ہے، جس کی بلیڈ بجلی سے گرم سرخ ہوتی ہے، جس کے نیچے دبا کر چونچ کا اوپر والا حصہ تقریباً نصف اور نیچے والا تہائی کے قریب کاٹا جاتا ہے اور کاٹتے وقت خون بھی آجاتا ہے، جس کو بند کرنے کے لیے گرم بلیڈ پر داغ دیا جاتا ہے، لہٰذا یہ طریقہ شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟ بصورت عدمِ جواز کوئی دیگر شکل جواز کی دل میں آئے تو تحریر فرما کر ممنون فرمائیں، چونچیں کاٹنے کا اور اس کا طریقہ جو مذکور ہوا، ان دونوں کا تفصیلی جواب مطلوب ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①②: جائز ہے۔

ويجوز (فصد البهائم، وكيُّها، وكل علاج فيه منفعة لها)

(درمختار على هامش الشامي ٥ /٥٣٠)

ولا بأس بقطع إلية الشاة إذا انفلتت ويمنعها اللحوق بالقطيع، يخاف عليها الذئب. (عالمگيري ٥ /٣٦١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

باب الربا

سود سے متعلق چند سوالات

سوال :① مفتی بہ قول کے مطابق سود کی تعریف کیا ہے؟

② اختلاف حالات ومکانات واوقات اور اشخاص کے سبب سود کی تعریف میں اختلاف ہے یا نہیں؟

③ سود لینے اور دینے کی حرمت میں خفت وشدت ہے یا یہ کہ لینے دینے میں دونوں کا حکم ایک ہی ہے؟

④ اختلاف جنس کے سبب مکیلات، موزونات، معدودات میں ربا کا تحقق ہوتا ہے یا نہیں؟

⑤ نقد اور نساء میں مثلاً ایک شخص نے آج دس کیلو گیہوں یا دس گرام سونا یا دس انڈے اس شرط پر ادھار دیے کہ چند دنوں کے بعد مدیون دائن کو ادا کرے گا، تو دس کیلو گیہوں کے بجائے ۱۵/کیلو یا کم وبیش یا دس گرام سونے کے بجائے ۱۲/گرام یا کم وبیش اور دس انڈے پر بجائے ۱۲/انڈے یا کم بیش دائن کو ادا کرے گا، تو ان صورتوں میں سود ہے یا نہیں؟

⑥ بینک سوسائیٹی اور کمیٹیوں وغیرہ سے جو روپیہ قرض لیا جاتا ہے، اس کو یداً بیدٍ ادا نہیں کیا جاتا؛ بلکہ کچھ مدت کے لیے قرض لیا جاتا ہے، تو اس قرض کی ادائیگی میں بینک یا سوسائٹی یا کمیٹی جو زیادتی وصول کرتی ہے، یہ سود ہے یا نہیں؟

⑦ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "الحنطة بالحنطة والشعير بالشعير والملح بالملح والفضة بالفضة والذهب بالذهب والتمر بالتمر مثلا يدا بيد والفضل ربوا" اس حدیث شریف کا کیا مطلب ہے؟

⑧ سود کی مکمل تفسیر، شرعی حکم، بدرجہ مجبوری اس کے استعمال کی اجازت کے تعلق سے اور سودی قرض لینے دینے کے تعلق سے مفصل مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

① "تنویر الابصار" میں ربوا کی تعریف یہ لکھی ہے: فضل خال عن عوض بمعيار شرعي مشروط لأحد المتعاقدين في المعاوضة.

(على هامش الشامي ٤/ ١٩٦،١٩٧)

② کہیں نظر سے نہیں گذرا۔

③ حدیث پاک میں باعتبار گناہ دونوں میں برابری بتلائی گئی ہے۔

④ علت ربوا دو امور ہیں: قدر اور جنس، جہاں دونوں موجود ہوں، وہاں کمی بیشی اور ادھار دونوں حرام ہوں گے، جہاں دونوں معدوم ہوں وہاں دونوں جائز اور جہاں ایک موجود ہو وہاں کمی بیشی جائز اور ادھار ناجائز۔ (كما هو مصرح في كتب الفقه)

⑤ جی ہاں!

⑥ وہ زیادتی سود ہے۔

⑦⑧ اس سلسلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ "مسئلہ سود" جو جواہر الفقہ جلد سوم میں ہے، مطالعہ فرمائیں۔ آپ کا سوال پورے باب الربا پر مشتمل

ہے، یہ مختصر جواب اس کا متحمل نہیں، کسی خاص جزئی کے متعلق دریافت کرنا چاہیں تو کرلیں، مکمل تفصیلات کتب فقہ میں موجود ہیں، آپ بھی عالم ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد خانپوری عفی عنہ، ۲۰ رذی الحجہ ۱۴۱۴ھ

سود کی حرمت

سوال: ① نفسِ سود لینا دینا حرام ہے یا منفعت؟

② سود جب مطلقاً حرام ہے، تو بعض صورتوں میں اس کی گنجائش کہاں سے آئی اور کس بناء پر آئی؟

③ کیا کسی کا یہ قول ہے کہ ''اگر شہر میں مستحقین زکوٰۃ نہ ہوں تو مالِ زکوٰۃ دریا میں ڈال دیا جائے''۔ اگر یہ قول ہو اور صحیح ہو تو اس پر قیاس کر کے سود کی رقم کو بھی ضائع کر دیا جائے تو کیا مضائقہ؟

④ سود کی رقم اگر سود ہی میں دی جائے تو کیا حکم ہے؟ مثلاً ایک شخص کی کچھ رقم بینک میں جمع ہے جس کا سود اس کو ملے گا، اور دوسری طرف اس نے بینک سے رقم سود پر لی ہے جس کا سود اس کو بھرنا ہے، تو پہلی رقم دوسری صورت میں دی جائے تو کیا حکم ہے؟ امید ہے کہ حضرت والا مفصل جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② سود کی حرمت منصوص اور قطعی ہے۔ ﴿حرم الربوا﴾ وغير ذلك من الآيات والأحاديث الصريحة في هذا الباب.

اصل تو یہ ہے کہ بینک میں رقم ہی نہ ڈالی جائے، کسی مجبوری کی وجہ سے جمع کرانی

پڑے تو فاضل رقم وہاں سے وصول کر کے غرباء کو دیدی جائے، اس نیت سے کہ اللہ تعالیٰ اس کے وبال سے محفوظ رکھے، اگر سرکاری محکمہ سے حاصل شدہ فاضل رقم غیر واجبی ٹیکس میں سرکار کو دیدی جائے تو یہ بھی درست ہے؛ بلکہ صدقہ سے مقدم ہے۔

(ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ)

③ ایسا کوئی قول احقر کے علم میں نہیں ہے۔

④ جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سودی قرض کس حالت میں لے سکتے ہیں؟

سوال: جب قرض لینے کی نوبت آئے تو جب بغیر سود کا کہیں بھی قرض نہیں ملتا، تو کیا مجبوری کی حالت میں سود کے ساتھ قرض لینا درست ہے یا نہیں؟ ایسی حالت ہے کہ بغیر لیے آگے کا کام ہوتا ہی نہیں تو اس حالت میں کیا کیا جائے۔؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ایسی مجبوری ہے کہ بھوک سے بے تاب ہے، کھانا نہ ملنے کی صورت میں جان کا اندیشہ ہے، اور کوئی آدمی کھلانے کے لیے یا بلا سود قرض دینے کے لیے تیار نہیں، تو ایسی صورت میں اتنا قرض سودی لینا کہ اس کے ذریعہ اپنی اور اپنے گھر والوں کی جان بچائی جاسکے، درست ہے، اس سے زیادہ جائز نہیں ہے۔ باقی آج کل لوگ اپنی تجارت بڑھانے کے لیے یا شادی بیاہ میں خرچ کرنے کے لیے سودی قرض لیتے ہیں، اس کی

قطعاً اجازت نہیں، یہ حرام ہے، شرعاً مجبوری صرف وہی ہے جو اوپر لکھی گئی کہ اس کے بغیر جان بچانا یا عضو بچانا ممکن نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد خانپوری عفی عنہ، ۲۱/ ذوالحجہ ۱۴۱۴ھ

سبسڈی حاصل کرنے کے لیے سودی قرض لینا

سوال: حکومت غریب رعایا کو بعض کاروبار کے لیے امدادی رقم دیتی ہے جس کو سبسڈی کہتے ہیں، اس امداد کو حاصل کرنے کے لیے کچھ رقم سودی قرض پر لی جاتی ہے جس کو قسطوں میں ادا کرنا ہوتا ہے، اور سود کی رقم مجموعی طور پر امدادی رقم سے زیادہ ہوتی ہے، تو شرعاً اس طرح کی امداد لینا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ صورت جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ جمادی الاخری ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سبسڈی لینا

سوال: امسال ایک سرکاری لون لی جاتی ہے، اس کو ''سبسڈی'' کہا جاتا ہے، اس میں سود ہے؛ مگر سود کم ہے، فائدہ زیادہ جیسے: کسی نے دو ہزار لیے تو اب بینک میں بارہ سو دینے کے، و یاج ایک سو جیسا دینا ہوتا ہے، مطلب لینے والے کو سات سو کا نفع ہوا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوال میں مذکورہ صورت شرعی طور پر سود کی تعریف میں نہیں آتی، مثلاً: پروجیکٹ

سے کسی نے چار ہزار روپئے کنواں بنوانے یا مکان بنوانے کے لیے نقد لیے، محکمۂ پروجیکٹ نے اپنے قاعدے کے ماتحت ایک ہزار روپئے بالکل صاف معاف کردیا، اور فقط تین ہزار قائم رکھ کر دوسال کا موقعہ دیا، پھر دوسال کے بعد چھوٹی اور لمبی قسطیں ادائیگی کے لیے متعین کی، اور اس میں ان قسطوں پر کچھ اضافہ کر کے وصول کیا؛ مگر کل وصولی چار ہزار سے زائد نہ ہوئی، تو اب قسطوں کے ساتھ جو زیادتی تھی وہ سود نہ ہوگی، اور معاملہ بھی جائز رہے گا؛ کیوں کہ مجموعی قرض چار ہزار تھا، چار ہزار پر زائد وصول نہیں کیا گیا کہ "فضل خال عن العوض الخ" یا "کل قرض جر نفعا" وغیرہ ربوا کی تعریف صادق آسکے۔ (نظام الفتاویٰ ۱/ ۲۶۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سبسڈی والی لون لینا

سوال: آدمی کے پاس کم زمین ہونے کی بناء پر اس کو حکومت کی طرف سے سبسڈی مل رہی ہے، اور اس میں لون کا لینا شرط ہے، مثال کے طور پر ۸۴۰۰/ آٹھ ہزار چار سو کی لون ملتی ہے، اس میں سے ۲۱۰۰/ دو ہزار ایک سو اس کو سبسڈی کٹ ہوجاتی ہے، اور اس میں بھی رشوت تو دینا ہوتا ہے، تین سو اس کو رشوت دینا ہوتا ہے، اور رشوت دیئے بغیر کام ہوتا نہیں، اور تین سال کے ہفتوں سے سود کے ساتھ وصول کرلی جاتی ہے، ۹۶۰/ نو سو ساٹھ روپیہ سود کے ہوجاتے ہیں، ۲۱۰۰/ دو ہزار ایک سو سبسڈی میں سے ۹۶۰/ نو سو ساٹھ روپیہ سود کے، تین سو روپیہ رشوت کے، کل ۱۲۶۰/ ایک ہزار دو سو ساٹھ روپیہ ہوجاتے ہیں، ۸۴۰/ آٹھ سو چالیس کا فائدہ ہے تو اس طرح کی

لون جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب بھی تحریر فرماویں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ شخص ضرورت مند ہے، تو ایسا کرنے کی گنجائش ہے۔ (نظام الفتاویٰ ۱/۲۵۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سبسڈی والی لون کا حکم

سوال: جو بچے اسکول میں دسویں پاس کئے ہیں ان کو اپنی سرکار دھندا کرنے کے لیے ۱۵/ ٹکا معافی کے ساتھ لون دیتی ہے؛ مگر باقی رقم بیاج کے ساتھ بھرنا پڑتی ہے مثلاً ایک لاکھ لون لیا ہو تو ۷۰/ ہزار بھرنا پڑتا ہے؛ لیکن بیاج کے ساتھ بھی بھرنے میں لاکھ تک نہیں پہنچتا ہے تو آیا یہ سرکاری بینک لون مد لے کر دھندا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں اگر کل ادائیگی مع سود کے محکمہ کے کل دیئے گئے مجموعہ کے اندر رہے تو درست ہے۔ (ماخوذ از منتخبات نظام الفتاویٰ ۲۱۸) چوں کہ اس صورت میں شرعی طور پر سود کا تحقق نہیں ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ ربیع الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مکان وغیرہ کے لیے سبسڈی والی لون

سوال: من جانب سرکار لون کی رقم ملتی ہے، مکان بنانے یا جانور وغیرہ

خریدنے کے لیے، ان میں سے دو حصے واپس کرنے پڑتے ہیں، اور ایک حصہ معاف کردیا جاتا ہے تو اس رقم کے متعلق کیا حکم ہے، لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لون کی واپس کی جانے والی کل مقدار اس کی ملنے والی مقدار کے برابر یا اس سے کم ہے تو اس کا لینا درست ہے، ورنہ سود ہے جو جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کاشت کاری کے لیے سرکار سے قرض لینا

سوال: ''میں شمشیر خان بہ مقام کرن کھیڑا'' (ضلع دھولیہ) ایک زمین دار کاشتکار آدمی ہوں۔ بفضل اللہ ۱۳۱ ر ایکڑ زمین کا مالک ہوں۔ اور اپنے پاس ذاتی ایک گاڑی ٹریکٹر بھی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ آج تک تو بندہ نے بلا اشد ضرورت کے قرض لینا غیرت نفس اور غیرت ایمانی کے خلاف سمجھا جس کا اثر علاقہ والوں پر اور غیر قوموں پر پڑا ہے کہ وہ ترچھی نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ اتنا بڑا کاروبار، کاشتکاری یہ آدمی بغیر قرض لیے کیسے کرسکتا ہے؟ حتی کہ بسا اوقات افسران نے مجھ سے براہ راست مشافہۃ یہ کہا کہ تم حکومت سے اپنے کاروبار کے آگے بڑھانے میں یا اس کو بہ حال رکھنے میں مدد طلب کرو جس کی شکل یہ ہے کہ گورمنٹ سے قرض لو اس میں تمھارا کئی ایک فائدہ ہوگا۔ ایک تو یہ کہ حکومت کی بدگمانی سے تم بچ جاؤ گے جس کا لازمی نتیجہ انکم ٹیکس کے عدم وصول یابی میں ظاہر ہوگا۔ چوں کہ وہ انکم ٹیکس لازم ہی نہیں کرے گی۔ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ تم جس مقدار میں قرض لوگے رفتہ رفتہ حکومت اسے

بالکل ہی معاف کردے گی ورنہ کم از کم نصف یا ثلث قرض تو معاف کر ہی دے گی۔ تو کیا ان تمام صورت حال کے ہوتے ہوئے شریعت مطہرہ حکومت سے قرض لینے کی گنجائش دیتی ہے؟ اور اگر اس صورت میں قرض لینے کی گنجائش ہے تو پھر یہ رشوت میں داخل ہوگا یا نہیں؟ ویسے بندہ اپنے کاروبار میں بہ وقت ضرورت قرض لیتا ہے لیکن عوام سے، حکومت سے قرض اس لیے نہیں لیتا ہوں کہ خطرہ ہے کہ یہ رشوت میں تو داخل نہیں ہے۔ اگر شریعت کی نظر میں یہ صورت حال رشوت سے پاک وصاف ہو تو بالتفصیل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت سے ملنے والا قرض اگر سودی ہے تو اس کا لینا جائز نہیں۔ سود کا لینا اور دینا دونوں حرام ہیں اور حدیث میں اس پر لعنت آئی ہے اس لیے آپ کے لیے آپ کے اپنے کاروبار کو بڑھانے یا بہ حال رکھنے کے لیے حکومت سے سودی قرض لینا جائز نہیں ہے۔ اگر وہ قرض سودی نہیں ہے بلکہ جتنی رقم بہ طور قرض ملی ہے اتنی ہی ادا کرنی پڑتی ہے یا اس سے کم کی ادائے گی آتی ہے تو وہ اس لیے درست ہے کہ سودی نہیں ہے بلکہ امداد ہے۔ لیکن یہ معاملہ بھی پہلے اہل علم کے سامنے پیش فرما کر اس کا حکم معلوم کرنے کے بعد عمل میں لائیں محض اپنی رائے سے فیصلہ نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

اپاہجوں کے لیے سبسڈی والی لون کی ایک اسکیم

سوال: گورنمنٹ نے ایک اسکیم بنائی ہے کہ اپاہجوں کو ایک لاکھ کا لون دیتی ہے

جس کو ہر ہفتہ ادا کرنے کی صورت میں چالیس ہزار روپے معاف کر دیے جاتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟ ایک معذور ساتھی کی صورت حال یہ ہے کہ اس کے والد بوڑھے ہیں اور ایک بہن ہے جو شادی کے قابل ہے وہ ساتھی اس سکیم سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت جو رقم بطور قرض دیتی ہے اگر اتنی ہی رقم یا اس سے کم رقم ادا کرنا پڑتی ہے تو یہ قرض جائز ہے اس کو سودی قرض نہیں کہا جاوے گا بلکہ حکومت کی طرف سے امداد وتعاون شمار ہوگا۔ البتہ اگر حکومت کی طرف سے حاصل شدہ رقم سے زیادہ رقم ادا کرنا پڑتی ہے تو وہ زیادتی سود ہے جس کا لینا اور دینا دونوں حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بینک کے توسط سے رکشہ خریدنا

سوال: ایک آدمی کو رکشہ خریدنا ہے؛ لیکن اس میں بینک کا وسیلہ اختیار کرنا پڑتا ہے جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے: رکشہ اگر براہ راست اپنے نام پر خریدا جائے تو مثلاً تیس (۳۰) ہزار میں ملتا ہے اور اگر بینک کے واسطے سے خریدا جائے تو ۳۲/ ہزار میں ملتا ہے، اس شکل میں رکشہ کی چوتھائی قیمت کا حصہ پیشگی اور بقیہ رقم قسط وار ادا کرنی ہوتی ہے، رکشہ بینک کے نام رہے گا اور اس میں کچھ تصرف مثلاً بیچنے کا اختیار ہم کو نہیں ملے گا؛ لیکن جو نقصان ہو اس کی تلافی خود کرنی ہوگی، بینک اس کی ذمہ دار نہیں، قسط وار رقم پوری ہونے پر رکشہ ہمارے نام پر ہوگا اور تب جا کر اس میں تصرف

کا حق بھی ملتا ہے اس صورت میں بینک کے وسیلے سے رکشہ خریدنا درست ہے یا نہیں؟ اور زائد رقم (مثلاً دو ہزار) کیا سود ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر معاملہ اس طرح کیا جائے کہ بینک کمپنی سے رکشہ خرید کر آپ کو بتیس (۳۲) ہزار میں فروخت کرے جس کی قیمت کا ایک چوتھائی آپ پہلے ادا کریں اور بقیہ رقم بالاقساط ادا کریں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (نظام الفتاوی ۱/ ۳۰۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی قرض لے کر تجارت کرنا

سوال: ایک شخص کپڑے کی تجارت کرنے کے لیے سود پر روپیہ قرض لینا چاہتا ہے، اگر سود پر رقم قرض نہ لیں تو کاروبار چل نہیں سکتا، دس ہزار کی رقم پر ماہانہ دو سو پچیس روپیہ سود ہوتا ہے، اور اگر سود پر نہ لیں؛ بلکہ کسی تاجر سے مال قرض لیں تو اس حالت میں دس ہزار کے مال پر ایک ہزار پانچ سو روپئے، قرض دینے والا تاجر زیادہ لیتا ہے؛ حالاں کہ یہی مال اگر نقد میں لیں تو اصلی قیمت پر، یعنی دس ہزار کے مال پر دس ہزار ہی لیں گے، اور اگر قرض لیں تو گیارہ ہزار پانچ سو روپئے لیتے ہیں، سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر سود پر روپیہ قرض لیں تو ماہانہ دو سو پچیس روپیہ سود لیتے ہیں، اور اگر مال قرض لیں تو دو سو پچیس کے بدلہ میں ایک ہزار پانچ سو زیادہ جاتا ہے؛ لہذا ان حالتوں میں کونسی حالت اختیار کریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود حرام ہے، سود لینے والے اور دینے والے اور سود کا رقعہ لکھنے والے اور گواہی دینے والے پر حدیث میں لعنت آئی ہے۔ لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربو وموکله وکاتبه وشاهدیه، وقال: هم سواء (مشکوٰۃ شریف ۲۴۴) اس لیے سود پر قرض لینا جائز نہیں؛ بلکہ حرام ہے، رہا تاجر کا اپنے مال پر منافعہ لینا، تو وہ سود نہیں ہے؛ بلکہ تجارت سے حاصل شدہ منافعہ ہے، اس لیے جائز اور درست ہے، ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ حلال اور جائز ہی کو اختیار کرتا ہے اور حرام وناجائز سے سخت پرہیز کرتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی لین دین کرنا

سوال: بینک ہمارے بیوپاری یونین کو قرضہ دیتی ہے؛ مگر سود کم لیتی ہے، بینک سے ہم قرض اس لیے لیتے ہیں کہ ہماری مالی حالت بہت کمزور ہے، اگر ہم قرض بینک سے نہ لے تو انکم ٹیکس والے ہمارے سے پانچ یا دس ہزار روپئے مانگتے ہیں، اگر ہم انہیں بینک کا کہے تو ہم سے بہت کم سود لیتے ہیں، محض ہم بینک کے قرض کی وجہ سے بچ جاتے ہیں، اگر ہم اس کام کو انجام نہ دے تو ہمارا کاروبار رُک جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم بیوپاری سے مال لیتے ہیں، وہ بیوپاری آٹھ یا دس دن کی سہولت دیتا ہے؛ اگر بیوپاریوں کو دو یا چار روز بعد پیسہ لیٹ پہنچا تو وہ سود کے ساتھ پیسہ وصول کرتے ہیں، بینک کے سود سے بیوپاریوں کا سود زیادہ ہوتا ہے، تو ہم اس حالت (صورت)

میں کیا کریں؟ (سنی جماعت کے علماؤں کا کہنا ہے کہ بینک سے قرضہ لینا جائز ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ: یہ اپنی اسلامی حکومت نہیں)، اپنی اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے لے سکتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کا لینا اور دینا دونوں حرام ہے، قرآن مجید میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: حرم الربوا (یعنی اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے) جو لوگ سود کھاتے ہیں ان کا یہ حشر بیان کیا گیا: ﴿الذین یأکلون الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطٰن من المس﴾ (یعنی جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے روز اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر مخبوط (پاگل) بنا دیا ہو)۔

حضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مبارک فرمان ہے کہ: دیدہ ودانستہ سود کا ایک درہم کھانا چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ (مشکوۃ ۲۴۶)

حدیث پاک میں سود لینے والے، سود دینے والے، سود کا رقعہ لکھنے والے، سود کی گواہی دینے والے سب کے اوپر لعنت آئی ہے۔ (مشکوۃ شریف)

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: سود کے ستر درجے ہیں اور ان میں سب سے ہلکا درجہ اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرنے کے برابر ہے۔ (مشکوۃ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ: سود سے اگرچہ مال بڑھتا ہے؛ مگر اس کا انجام قلت ہے۔ (مشکوۃ)

سودی کاروبار کے ذریعہ مسلمان کسی حال میں ترقی نہیں کرسکتا ہے، جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے، اس لیے آپ بالکلیہ اس کو ترک فرما کر سچے دل سے

تائب ہوجائیں، اسی میں دین ودنیا دونوں کی فلاح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷ر شعبان ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سودی قرض لے کر گاڑی خریدنا

سوال: ①ایک آدمی ہے زید، وہ کاروبار کرنا چاہتا ہے، اور اس کے پاس پیسے بھی اتنے ہیں کہ وہ کاروبار بہت ہی آسانی کے ساتھ کرسکتا ہے، مثال کے طور پر زید کارخانہ لگانا چاہتا ہے یا گاڑی خریدنا چاہتا ہے اور اس کے پاس اتنے پیسے ہیں کہ نقد دے کر خرید سکتا ہے گاڑی؛ لیکن حالت یہ ہے کہ سرکار اب اسے پریشان کرتی ہے کہ پیسے کہاں سے لائے؟ لاؤ ٹیکس، لاؤ انکم ٹیکس، لاؤ فلاں ٹیکس، لاؤ فلاں ٹیکس وغیرہ؛ غرض یہ ہے کہ وہ طرح طرح سے پریشان کرتی ہے، اور بعض مرتبہ پوری پوری رقم بھی ضبط ہوجاتی ہے، اور اگر زید سودی طریقہ سے لیتا ہے یعنی کہ بینک سے قرض لیتا ہے یا پھر جو گاڑیوں کی کمپنیاں ہیں اس سے سودی طریقے پر خریدتے ہیں، یعنی گاڑی کی کل تین لاکھ روپے قیمت ہے، اس میں ایک لاکھ روپے نقد جمع کیا، باقی دو لاکھ روپے دو سال میں جمع کرنا ہے اور یہ دو لاکھ روپے سود کے ساتھ ہے (کیوں کہ گاڑی کی اصل قیمت ڈھائی لاکھ روپے ہے) بہرحال اس طریقے سے کاروبار کرنے میں یا گاڑی خریدنے میں کوئی مغز ماری نہیں ہے، اب آنحضور والا سے ضروری بات معلوم کرنی یہ ہے کہ اب اگر مسلمان یہ سودی کاروبار کا خیال رکھتا ہے اور کاروبار نہیں کرتا ہے تو پیچھے رہ جاتا ہے، اور اگر کرتا ہے تو ہندوستان میں اس سودی لین دین سے چھٹکارا

نہیں، تو کیا زید اس حکومت میں اس طرح کا کاروبار کرسکتا ہے؟ یا مندرجہ بالا طریقے سے گاڑی خرید سکتا ہے:

② اور دوسرا ایک طریقہ یہ ہے کہ گاڑی والے جو ہیں گاڑی بیچتے ہیں، وہ اس طریقہ سے کہ اتنے دن میں اتنے روپئے کرایہ کے طور پر ادا کردینا پھر اس کے بعد یہ گاڑی تمہاری ہوجائے گی، اب ضروری بات یہ ہے کہ یہ جو روپئے ہم اتنے دن میں جمع کررہے ہیں اس کو جب جوڑتے ہیں تو اس کا بھی ٹوٹل وہیں کو پہنچتا ہے جتنا کہ سودی طریقے سے خریدنے کی صورت میں؛ البتہ یہ ہے کہ گفت وشنید کے طریقے اس میں بدل دیتے ہیں، اور مذکورہ بالا دو طریقے پر گاڑی بیچنے والا گاڑی بیچتا ہے اور خریدنے والا خریدتا ہے، تو کیا اس طریقہ پر گاڑی خرید کرسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① سود کی حرمت فروعی اور استنباطی نہیں؛ بلکہ منصوص اور قطعی ہے۔ ﴿وحرم الربوا﴾ (اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے) قرآن وحدیث میں اس پر بے شمار وعیدیں آئی ہیں: حدیث پاک میں سود کے ایک درہم کو چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت بتلایا گیا ہے۔ حدیث پاک میں سود لینے والے، سود دینے والے، سود کا رقعہ لکھنے والے، سود کی گواہی دینے والے سب پر لعنت آئی ہے اور ان سب کو نفس گناہ میں برابر قرار دیا ہے۔ حدیث میں سود کے ستر اجزاء بتلا کر سب سے ہلکا جزء اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر بتلایا گیا ہے۔

دورِ نبوت ودورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں جن مسلمانوں کو خطاب فرما کر سود حرام قرار دیا گیا اور سخت وعیدیں سنائی گئیں ان کے مالی واقتصادی حالات دورِ حاضر کے مسلمانوں

کے اقتصادی ومالی حالات سے زیادہ خراب، خستہ اور دردانگیز تھے، وہ حضرات کفار کے قرضہ میں دبے ہوتے تھے، کفار ان کا خون چوس رہے تھے، پیٹ پر پتھر باندھتے تھے، کئی کئی روز تک فاقہ کرتے تھے، بھوک کی وجہ سے غش کھا کھا کر گر جاتے تھے، دو دو تین تین مہینے گھر میں آگ نہیں سلگتی تھی، کپڑا بھی پوری تن پوشی کے لیے موجود نہیں تھا، چادر ہے تو تہبند نہیں، تہہ بند ہے تو کرتا نہیں، بچوں کو بھوکا روتا ہوا دیکھ کر تین چار دانے کھجور حاصل کرنے کے لیے یہود کی مزدوری کرنا پڑتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ازواج مطہرات کے نفقہ کے لیے اپنی جہاد میں کام آنے والی زرہ یہودی کے پاس رہن رکھنے کی نوبت آئی، اسی حال میں آپ کا وصال ہوا، ان حالات کے باوجود ان حضرات کو کفار کے مال ودولت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کو بھی منع فرمادیا گیا: ﴿ولا تمدن عينيك إلى ما معتعنا به أزواجاً منهم زهرة الحيٰوة الدنيا لنفتنهم فيه، ورزق ربك خير و أبقٰى﴾ ترجمہ: ”اور ہرگز آنکھیں اٹھا کر بھی آپ ان چیزوں کی طرف نہ دیکھیں جن سے ہم نے ان (دنیاداروں) کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لیے متمتع کر رکھا ہے کہ وہ سب کچھ محض دنیوی زندگی کی رونق ہے، اور آپ کے رب کا عطیہ ان سے بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے“۔ مال میں کفار کی حرص کو قرآن پاک نے منع فرمایا ہے؛ مگر اسی کو آج مسلمان بار بار للچائی ہوئی نظریں اٹھا کر دیکھتا ہے اور انہی کی روش پر چلتا یا چلنے کے لیے راستہ تلاش کرتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ بھی اسی منزل پر پہنچے گا جس منزل پر وہ پہنچے۔

سودی کاروبار کے ذریعہ سے نہ مسلمان کا مال ترقی کرسکتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ”إن الربوا وإن كثر، فإن عاقبته تصير إلى قل“ (یعنی

سود خواہ کتنا ہی زیادہ ہو اس کا انجام کار قلت ہے)۔

نہ مال محفوظ رہ سکتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿یمحق اللہ الربوا﴾ (یعنی اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے)۔

لہذا سودی کاروبار کو مال مسلم کی حفاظت یا ترقی کا ذریعہ تجویز کرنا نصوص قرآن وحدیث کا مقابلہ کرنا ہے، مسلمانوں کی کامیابی اور ترقی حرام وحلال کی تمیز کے بغیر مال جمع کرنے اور تجارت کو فروغ دینے میں ہرگز نہیں؛ بلکہ اس کی ترقی اور کامیابی احکام شریعت کی پابندی میں ہے، حرام اور لعنت کے کاموں سے پوری طرح پرہیز کرنے میں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۲۰۴-۲۱۱ ملخصاً)

② اگر اجارہ کا معاملہ ہے تو اس میں اجارہ کے صحیح ہونے کے لیے شرعاً جو شرائط ضروری ہیں ان کا پایا جانا ضروری ہے، اگر وہ شرائط موجود ہیں تو معاملہ درست ہوگا، آپ نے سوال میں معاملہ کی پوری تفصیل تحریر نہیں فرمائی ہے، معاملہ کی مکمل نوعیت تحریر فرما کر حکم معلوم کر لیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سود پر گاڑی خریدنا

سوال: میں ابوبکر احمد تاجر ہوں، ماربل پتھر کی دوکان ہے، کمپنیوں سے ربط ضبط ہے، گاڑی کی ضرورت پڑتی ہے، فی الوقت ہمیں گاڑی کی ضرورت ہے اور گاڑی کی قیمت ۴/ لاکھ پچاس ہزار ہے؛ مگر کمپنی والے کا کہنا ہے کہ ۴/ لاکھ پچاس ہزار کا سود دینا ہوگا جو بھی ہو، اور ہمارے پاس اتنی بڑی رقم نہیں کہ گاڑی لے سکوں، کیا میں ایسی

صورت میں تجارت کے لیے گاڑی کمپنی سے لے سکتا ہوں، اور سود دینا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن اور حدیث میں سود کے لینے اور دینے کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اس پر بڑی بڑی وعیدیں آئی ہیں، سود لینے والے، سود دینے والے، سود کا رقعہ لکھنے والے، سود کی گواہی دینے والے سب پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے، اور سب کو نفسِ گناہ میں برابر قرار دیا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: ۲۴۴)

سود کے ستّر اجزا ہیں، سب سے ہلکا جزماں سے بدفعلی کرنے کے برابر ہے۔ (مشکوٰۃ: ۲۴۶)

آپ اپنی تجارت کے لیے سود پر گاڑی لینا چاہتے ہیں یہ جائز نہیں، کہیں سے بلا سود قرض ملتا ہو تو اس سے گاڑی خریدیں، ورنہ کرایہ کی گاڑی سے اپنی ضرورت پوری کر سکتے ہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۶/ صفر المظفر ۱۴۲۴ھ

کمپنی اور بینک سے گاڑی خریدنا

سوال: آج کل عام طور پر گاڑیاں سود پر قرضہ لے کر خریدی جاتی ہیں اس کے لیے لوگ بینکوں سے قرضہ لے کر گاڑی خریدتے ہیں بینکوں کے علاوہ دوسری بعض کمپنیاں بھی ایسی ہیں جو اس کے لیے مخصوص ہیں مگر بینکوں میں اور ان کمپنیوں میں دو فرق ہیں ایک یہ کہ بینک سے ہمیں خود پیسے لے کر گاڑی بیچنے والوں کو دینا پڑتا ہے اور اس کے بالمقابل کمپنیوں کا حال یہ ہے کہ صرف ان سے یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ہمیں

گاڑی کی ضرورت ہے وہ لوگ خود گاڑی خرید کر ہمیں دیتے ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ بینک سے پیسے لینے کے بعد قرض کی ادائے گی میں جتنی تعجیل ہوگی اتنی ہی سود کی مقدار میں کمی ہوگی۔ اور جتنی ادائیگی میں تاخیر ہوگی اتنی ہی سود کی مقدار بڑھتی چلی جائے گی۔ اس کے بالمقابل کمپنیوں کا حال یہ ہے کہ وہ لوگ پہلے ہی سے بتادیتے ہیں کہ تم کو اتنی رقم بھرنا ہوگا اور اتنی مدت میں بھرنا ہوگا اور وہ بھی قسط وار ہر مہینہ اتنا اتنا بھرنا ہوگا چاہے تم مدت معینہ سے پہلے بھرو یا وقت پر بھرو رقم کی مقدار میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ تو کیا اس صورت میں کمپنیوں سے گاڑی خریدنا جائز ہوگا؟ کیوں کہ اس میں بظاہر تو صورت بیع کی نظر آتی ہے۔ کمپنی کی طرف سے گاڑی اور ہمارے طرف سے پیسے۔ اور حکومت نے بھی اپنے ذاتی پیسوں سے نقد گاڑیاں خریدنے پر پابندیاں لگا رکھی ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کمپنیوں سے گاڑی خریدنے کی جو صورت سوال میں مذکور ہے وہ شرعاً جائز اور درست ہے۔ اور اس میں شرعی اعتبار سے سود لازم نہیں آتا۔ اس کے برخلاف بینک کے ذریعہ گاڑی خریدنے میں سود کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ اس لیے بینک والی صورت چھوڑ کر جائز صورت اختیار کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اسٹیمر خریدنے کے لیے لون لینا

سوال: زید ایک ایسا آدمی ہے جو مدارس ومکاتب نیز دیگر امور دینیہ میں اپنی

کمائی سے اچھی خاصی مدد کرتا ہے، زید کا کاروبار بہت اچھا ہے، الگ اسٹیمر خریدتا ہے اور اس کو توڑواتا ہے، جس سے کافی آمدنی ہوتی ہے؛ مگر یہ اسٹیمر خریدنے کا کام بغیر بینک سے لون لیے نہیں ہو پاتا، بینک سے لون لینا ہی پڑتا ہے، بینک سے لون لینے کے بعد پھر اس کو سود ادا کرنا پڑتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ دھندا چھوڑیں جس کو کرنے کے لیے بینک سے سود لینا پڑتا ہے تو مدارس ومکاتب میں امداد سے محرومی ہوتی ہے، اور اگر لون لیتے ہیں تو اس پر سود ادا کرنا پڑتا ہے، اب ایسی صورت میں کیا طریقہ اختیار کیا جائے اس کو خوب مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کی حرمت فروعی اور استنباطی نہیں؛ بلکہ منصوص اور قطعی ہے۔ ﴿وحرّم الربو﴾ (اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے) تحریم ربوا نازل ہونے پر بقایا سود کے وصول کرنے کی بھی ممانعت کردی گئی؛ بلکہ اس کو بمنزلۂ شرط ایمان قرار دیا گیا۔ ﴿وذروا مابقي من الربوا إن كنتم مومنين﴾ (سود کا بقایا چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو)۔ جو لوگ سود لینے سے باز نہ آئیں ان کے لیے اعلان جنگ ہے: ﴿فان لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله﴾ (اگر تم نے ایسا نہ کیا یعنی سود مابقایا نہ چھوڑا تو اللہ اور رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے)۔

حدیث پاک میں سود لینے والے، دینے والے، سود کا رقعہ لکھنے والے، سود کی گواہی دینے والے سب پر لعنت آئی ہے اور سب کو گناہ میں برابر قرار دیا ہے۔ سود کے ستر اجزاء میں سب سے ہلکا جزء ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے۔ سود کا ایک درہم چھتیس دفعہ زنا کرنے سے بھی زیادہ شدید ہے۔

سود سے مال بظاہر بڑھتا ہوا نظر آوے گا؛ مگر اس کا انجام قلت ہے۔ سودی کاروبار کے ذریعہ نہ مسلمان کا مال ترقی کر سکتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: ''سود خواہ کتنا ہی زیادہ ہو اس کا انجام قلت ہے'' نہ مال محفوظ رہ سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ سود کو گھٹاتا ہے''۔ لہذا سودی کاروبار کو مال مسلم کی حفاظت یا ترقی کا ذریعہ تجویز کرنا نصوص قرآنی وحدیث کا مقابلہ کرنا ہے، مسلمان کی کامیابی اور ترقی حرام وحلال کی تمیز کے بغیر مال جمع کرنے اور تجارت کو فروغ دینے میں ہرگز نہیں؛ بلکہ اس کی ترقی وکامیابی احکام شریعت کی پابندی میں ہے، حرام ولعنت کے کاموں سے پوری طرح پرہیز کرنے میں ہے، دینی اور مذہبی اداروں کو اگر حرام مال سے چلایا جائے گا تو ان سے ایسے لوگ تیار ہوں گے جو خود بھی حرام وحلال کی تمیز سے بے بہرہ ہوں گے، اور قوم کو حرام سے روکنے کا جذبہ بھی ان میں نہیں ہوگا، اسی طرح ایسے لوگوں کو تیار کرنا ظاہر ہے کہ کوئی دینی خدمت نہیں جس سے رضائے خداوندی میسر آسکے جو مسلمان کی خلقت کا اصل مقصد ہے، الخ۔ (فتاوی محمودیہ ۴/ ۲۰۴ تا ۲۱۱ ملخصاً)

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ میرے نزدیک شک وشبہ کا ایک درہم واپس کر دینا چھ لاکھ درہم راہِ خدا میں صرف کرنے سے بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تجارت کے لیے سودی قرض

سوال: بعض لوگوں کے پاس کسی بزنس (تجارت) کے شروع کرنے کے لیے

اپنا سرمایہ موجود ہوتا ہے؛ لیکن انکم ٹیکس کی مجبوری کی وجہ سے مکمل رقم حکومت کے سامنے نہیں لاسکتے، اور اس مجبوری کی وجہ سے بینک سے سود پر قرض لینا پڑتا ہے، تو کیا صورت مذکورہ کی وجہ سے اس کی اجازت ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قانون سے بچنے کے لیے لون لینا

سوال: ایک آدمی مالدار ہے، اس کو لون لینے کی ضرورت نہیں؛ مگر بغیر لون لیے اگر کوئی بڑا کاروبار کرنے جاتا ہے تو سرکاری قانون اس کو پریشان کرتا ہے اور انکم ٹیکس والے حساب مانگتے ہیں تو آیا قانون سے بچنے کے لیے لون لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لون ایک طرح کا سودی قرض ہے اور سود کا لینا اور دینا دونوں قرآن وحدیث کے نصوص قطعیہ کی رو سے ناجائز اور حرام ہے، اس لیے اس کی اجازت نہیں ہے۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ ربیع الاولیٰ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سرکاری ٹیکس سے بچنے کے لیے سودی قرض لینا

سوال: آج کل سرکاری ٹیکسوں سے بچنے کے لیے عام طور پر بڑے تاجر کاروبار کے منافع میں بہت تھوڑا سا حصہ پکے حساب میں ظاہر کرتے ہیں، اور زیادہ

تر حصہ چھپاتے ہیں تا کہ سرکار کو ٹیکس کم ادا کرنا پڑے، اس طرح کے چھپائے ہوئے حصے کو آج کل کی اصطلاح میں بلیک (سیاہ) رقم کہتے ہیں، جس کو دوسرے لفظوں میں غیر قانونی بھی کہہ سکتے ہیں، اور پکے حساب میں ظاہر کی ہوئی رقم کو وہائیٹ (سفید) رقم کہا جاتا ہے، اس طرح کی سیاہ رقم کو سفید رقم بنانے کی کچھ صورتیں بھی ہیں جن کو کاروباری حضرات جانتے ہیں، ان میں سے ایک شکل بینک سے لون لینے کی ہے جس میں سود بھی دینا پڑتا ہے؛ لیکن دقت کم ہوتی ہے اور دیگر صورتوں میں بھی فی صد کچھ رقم تو دینی پڑتی ہے؛ لیکن دقت زیادہ ہوتی ہے۔

بینک سے لینے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مثلاً ایک لاکھ روپے کا کاروبار کرنا ہے اس کے پاس اتنی بلکہ اس سے زائد رقم موجود بھی ہے؛ لیکن سب قانونی نہیں ہے؛ اس لیے اس کو ظاہر نہیں کرسکتا؛ لہذا بینک سے رقم سود پر لیتا ہے جس کو پھر وہ مع سود ادا کردیتا ہے۔ اور بینک کے علاوہ قانونی بنانے کی شکل یہ ہے کہ مثلاً ایک تاجر کے پاس سفید رقم کافی مقدار میں موجود ہے اس سے قرض لیا جائے؛ لیکن اس صورت میں اس تاجر کو حکومت کو ٹیکس ادا کرنا ہوتا ہے؛ اس لیے یہ تاجر بھی اپنے مقروض سے فی صد کچھ رقم (سود) لیتا ہے، اور بعض بڑے تاجر تو اس کو مستقل کاروبار کے طور پر ہی کرتے ہیں۔

اب سوال طلب امر یہ ہے کہ ان دونوں قسموں کی شکلوں میں سے شرعاً جائز کون سی شکل ہے؟ بالفرض اگر دونوں کا حکم ایک ہی ہے تو بہتر کون سی شکل ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سیاہ رقم کو سفید بنانے کے لیے بینک سے یا کسی بڑے تاجر سے رقم قرض لینے کی

صورت میں سود دینا پڑتا ہے، تو ٹیکس میں چوری کر کے جو رقم بچائی تھی وہ اس راہ سے گئی، فرق صرف اتنا ہے کہ سود والی صورت اپنی پسند فرمودہ اور اختیار کردہ ہے گویا اپنی مرضی سے سود دینے کے لیے آمادہ ہوا، اور ٹیکس والی صورت اضطراری یعنی غیر اختیاری ہے جس کی وجہ سے اس کا وبال خود پر نہیں پڑتا ہے، تو پھر رقم کو سیاہ اور سفید بنانے کا مکر کرنے کے بجائے شروع ہی سے سفید بنانے کی صورت کیوں نہ اختیار کی جائے؛ اس لیے آپ نے سفید بنانے کی جو دو صورتیں تحریر فرمائی ہیں دونوں ہی ناجائز ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قسطوں پر گاڑی خریدنا

سوال: گاڑی ہفتہ پر لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کی سود کی رقم سے گاڑی خریدنا جائز نہیں، اور اگر اپنی ذاتی رقم سے خرید رہے ہیں تو پوری رقم نقد دے کر بھی خرید سکتے ہیں، اور ادھار (بشرطیکہ رقم کی ادائیگی کی مدت سودا کرتے وقت متعین کر دی گئی ہو) بھی خرید سکتے ہیں، اب اس ادھار میں ادائیگی کے لیے ہفتہ مقرر کیے گئے ہیں تو وہ بھی درست ہے؛ البتہ بینک سے لون لے کر ہفتہ پر جو گاڑی خریدی جاتی ہے اس میں چوں کہ سود دینا پڑتا ہے، اور سود کا دینا اور لینا قرآن اور حدیث کی رو سے حرام ہے، اس لیے درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ

سودی آمدنی سے دی ہوئی تنخواہ حلال نہیں

سوال: ہم کسی مکتب یا لائبریری میں دینی تعلیم دیتے ہیں، لائبریری چلانے والا تاجر ہے، مگر سودی لین دین کرتا ہے تو کیا وہ تنخواہ ہمارے لیے حلال ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر آپ کی تنخواہ سودی آمدنی سے دی جاتی ہے تو وہ حلال نہیں ورنہ حلال ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بینک کے سود کو نفع کہہ دینے سے حقیقت بدل نہیں جاتی

سوال: یہاں ایک صاحب کہتے ہیں کہ بینک سے حکومت ہم کو جو سود دیتی ہے وہ ہمارا نفع ہے؛ اس لیے کہ اگر لوگ بینک میں روپیے جمع نہ کریں تو حکومت اپنے کام نہیں کرسکتی مثلاً حکومت روڈ کا کام کرتی ہے، بڑے بڑے بریج (پل) بناتی ہے، اسی طرح بڑے بڑے کارخانے اور بلڈنگ بناتی ہے، تو حکومت بینک سے روپیہ لیتی ہے اور کام کرتی ہے گویا ہمارا روپیہ تجارت میں لگ گیا؛ اس لیے یہ پیسہ جو حکومت ہمیں سود کے نام سے دیتی ہے وہ دراصل ہمارا منافع ہے، ان صاحب کا یہ کہنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو حضرات بینک سے حاصل ہونے والے سود کو نفع کا نام دے رہے ہیں، یہ وہی نظریۂ جاہلیت ہے جس کو قرآن پاک نے ﴿إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا﴾ سے بیان

کیا ہے، نفع کا نام دینے سے سود کی حقیقت نہیں بدل جاتی، یہ سود ہی ہے اور حرام ہے اس سلسلہ میں تفصیل مطلوب ہو تو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ مسئلہ سود (جو اس موضوع پر ہے اور مفصل ہے) کا مطالعہ فرمائیں، نیز معارف القرآن میں بھی اس کی بقدر ضرورت تفصیل فرمائی گئی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

گروی رکھی ہوئی زمین سے انتفاع درست نہیں

سوال: ① زید نے احمد کے پاس اپنی زمین گروی رکھ دی، تو کیا احمد اس زمین سے فصل حاصل کر سکتا ہے یا نہیں؟

② کیا گروی رکھی ہوئی زمین سے باجازت مالک نفع حاصل کرنا سود میں داخل ہے؟

③ اگر یہ معاملہ سودی ہو گیا تو پھر اس معاملہ کو کس ترکیب سے حلال کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② انتفاع مرہون سے اگر مشروط یا معروف ہو جیسا کہ آج کل ہے اور ربوا حرام ہے، اور ربوا اذن سے حلال نہیں ہوتا۔ (امداد الفتاویٰ ۳/ ۴۵۴)

قال ط قلت: والغالب من أحوال الناس انهم انما يريدون عند الدفع الانتفاع الخ (شامی ۵/ ۳۴۳)

③ مرتہن (احمد) اس سے فصل حاصل نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مکان مرہون سے انتفاع

سوال: کسی گھر کے مالک کے کہنے کے مطابق کچھ پیسے مثال کے طور پر بیس ہزار روپئے دے کر اس کے گھر میں پانچ یا دس سال رہنا، پھر اس کے بعد یعنی مدت ختم ہونے کے بعد اپنے پیسے لے کر چھوڑنا جائز یا نہیں؟ یہاں پر اس کو ''دھناوٹ گھر'' کہتے ہیں، یعنی کوئی کرایہ نہیں، کچھ سال پیسے دے کر ٹھہرے، پھر سال گذرنے کے بعد اپنے پیسے لے کر مالک کا گھر مالک کو دے دیتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں مکان مرہون سے انتفاع ہے، جو شرعاً جائز نہیں ہے، یہ بھی سود کی ایک صورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

یونٹ ٹرسٹ میں رقم جمع کرنا

سوال: ایک دینی ادارہ ہے، یہ ادارہ ''یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا'' میں اپنی رقم رکھنا چاہتا ہے؛ تاکہ اس رقم سے حاصل ہونے والے منافع کو مدرسین کی تنخواہ کے لیے استعمال کر سکے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہمارے علم کے مطابق ''یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا'' زیادہ تر اپنی رقوم بڑی بڑی تجارتی کمپنیوں کو سود پر دیتا ہے، اس لیے اس میں رقم رکھنا؛ نیز اس کے حاصل شدہ

منافع کو مدرسین کی تنخواہ میں استعمال کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ، ۲۱/ ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حکومتی ادارہ انسٹی ٹیوٹ سے سودی قرض لینا

سوال: فائنانس انسٹیٹیوٹ کی تفسیر یہ ہے کہ حکومت کمزور طبقات کو معاشی طور پر بلند کرنے کے لیے کچھ شرائط کے ساتھ قرض رقم دیتی ہے، دراصل یہ کام مرکزی حکومت کے ماتحت ایک ادارہ کے ذریعہ کیا جاتا ہے، اس ادارہ کی صوبائی شاخیں بھی ہوتی ہیں، جو مرکز سے امداد حاصل کر کے اپنے صوبہ کے کاروبار کرنے کے خواہش مند حضرات کو حسبِ ذیل شرائط کے ساتھ قرض دیتی ہیں:

① جتنی رقم کا کاروبار کرنا ہو، اس کا ایک تہائی خود کاروبار کرنے والے کو اپنے ذاتی مال سے لگانا ہوگا۔

② جیسے جیسے وہ اپنا مال لگا کر بل پیش کرتا جائے گا، ادارہ کا آدمی اس کی تحقیق کر کے ادارہ کو رپورٹ پیش کرے گا، جس پر ادارہ لگائی ہوئی رقم کا دو تہائی حصہ دے گا۔

③ قرض لی ہوئی رقم کا طے شدہ سود ادا کرنا ہوگا۔

④ مقروضہ رقم کو بالاقساط بھی ادا کر سکتے ہیں، اور ایک ساتھ بھی ادا کر سکتے ہیں؛ جب کہ ادا کی جانے والی رقم وائٹ (جس رقم کا انکم ٹیکس حکومت کو بھر دیا ہو) ہو۔

⑤ کاروبار شروع کرنے سے دو سال تک کوئی قسط ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔

⑥ کاروبار شروع کرنے سے آٹھ سال کے اندر پوری پوری رقم مع سود ادا کرنا

ضروری ہے۔

⑦ کاروبار میں بالکلیہ نقصان آنے پر، مثلاً فسادات کے موقع پر دکان جلادی گئی یا لوٹ لی گئی یا اچانک حادثہ میں گر گئی، تو ادارہ بھی اپنے دو تہائی نقصان کا ذمہ دار ہوگا؛ مگر اس وقت جب کہ ادارہ کی رقم ادا کرنے سے پہلے نقصان آیا ہو۔

اس ادارہ سے سودی لون لینے کی وجہ مندرجۂ ذیل ہیں:

① کاروبار کو بڑھانا۔

② لون لے کر اس سے دوکان یا کارخانہ وغیرہ قائم کیا جائے تو اس میں کارندوں کی ضرورت محسوس ہوگی، تو ان کارندوں میں مسلمانوں کو لیا جائے؛ تاکہ مسلمانوں کو فائدہ پہنچے کہ ان کو ملازمت ملے گی، اور مسلمانوں کو دوسری جگہوں پر ملازمت کے لیے کفار اور حکومت بہت کم مسلمانوں کو لیتی ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کو روزینہ میں بہت تکلیف پہنچتی ہے۔

اس ادارہ سے رقم نہ لے کر اپنی ذاتی رقم جو وائٹ نہ ہو اس سے تجارت کرنے پر مندرجۂ ذیل نقصانات ہیں، اور ادارہ سے رقم لینے پر مندرجۂ ذیل فوائد ہیں:

① ذاتی غیر وائٹ رقم کو وائٹ کی جائے گی، یا وائٹ نہیں کی جائے گی۔

اگر وائٹ کی جائے گی تو اس میں کافی خرچ برداشت کرنا پڑے گا کہ ۶۰ فیصد رقم سرکار کو دینی پڑے گی، جس کی وجہ سے رقم میں بہت کمی ہو جائے گی۔

اور اگر وائٹ نہیں کی گئی تو دوکان یا کارخانہ بننے پر سرکار تفتیش کرتی ہے کہ یہ رقم کہاں سے لاکر بنایا، تفتیش کرنے پر جب دو نمبر کی رقم معلوم ہوتی ہے تو سرکار اس پر ٹیکس لگاتی ہے، مزید جرمانہ بھی لگاتی ہے اور کم از کم تین سال تک قید خانہ میں جانا پڑتا ہے۔

(۲) انکم ٹیکس اور سیل ٹیکس سے رہائی حاصل ہوتی ہے کہ تین سال تک سیل ٹیکس بھرنا نہیں پڑتا اور انکم ٹیکس بھی کچھ سال تک بھرنا نہیں پڑتا؛ لیکن اس کے بجائے سود بھرنا پڑتا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل کو سامنے رکھتے ہوئے مندرجۂ ذیل سوالات قائم ہوتے ہیں:

(۱) اس ادارہ سے اس شخص کو جس کے پاس کاروبار کرنے کے لیے رقم کا مکمل انتظام نہ ہو، اس کو سودی لون لینا کیسا ہے؟

(۲) اس ادارہ سے اس شخص کو کاروبار کرنے کے لیے جس کے پاس رقم کا مکمل انتظام ہے؛ مگر وہ رقم غیر وائٹ ہے تو ایسے شخص کو سودی لون لینا کیسا ہے؟

(۳) مذکورہ صورت میں کچھ سال تک سودی لون لینے کی وجہ سے انکم ٹیکس نہیں بھرنا پڑے گا، جس کی وجہ سے انکم ٹیکس کی رقم بچے گی، اس بچی ہوئی رقم کو قرض لی ہوئی رقم کے سود میں بھرنا کیسا ہے؟

تین نمبر سوال کی مزید تفصیل یہ ہے کہ مثلاً ہم نے اپنی وائٹ رقم سے دوکان بنائی، اب ایک سال میں جو بھی نفع ہوا تو اس میں ۶۰ فیصد کے اعتبار سے انکم ٹیکس بھرنا ہوگا، اور اگر ہم نے ادارہ سے رقم لے کر دوکان بنائی ہے، تو اس میں انکم ٹیکس معاف ہوگا؛ کیوں کہ ادارہ سے لی ہوئی رقم کا سود بھرنا پڑتا ہے۔

(۴) ایک آدمی نے فائنس انسٹیٹیوٹ سے تیس لاکھ روپے قرض لیے، پھر اس نے دوکان بنائی اور اس کو چلایا اور کافی نفع ہوا، اب ایک سال کے بعد جو کچھ نفع ہوا اس کا انکم ٹیکس سرکار میں بھرنا پڑے گا، مثلاً: دس لاکھ نفع ہوا تو پانچ لاکھ انکم ٹیکس بھرنا پڑے گا، اب وہ آدمی جس کو انکم ٹیکس بھرنے کا ہے، وہ پانچ لاکھ روپے لے کر بھرنے کے

لیے چلا، اب اس رقم میں سے چار لاکھ تو جو رقم ادارہ سے لی تھی اس کے سود میں بھر دی، اور ایک لاکھ انکم ٹیکس میں بھر دی اور سود میں بھرنے کی وجہ سے انکم ٹیکس اب پھر سے بھرنا نہیں پڑے گا، تو اس طرح جو رقم انکم ٹیکس میں جارہی تھی، وہ رقم سود میں بھر دی تو اس طرح کرنا کیسا ہے؟ جب کہ انکم ٹیکس اور سود دونوں سرکار کے پاس ہی پہنچتے ہیں۔

فائنانس انسٹیٹیوٹ اور اسی طرح کے دوسرے ادارے حکومت عوام کو فائدہ پہنچانے کے لیے بناتی ہیں کہ جس میں مسلمان اور غیر مسلمان سب برابر فائدہ اٹھا سکتے ہیں؛ مگر سود کی وجہ سے مسلمان فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہیں، تو مسلمان ان اداروں سے کس طرح فائدہ اٹھائے؛ تاکہ ترقی یافتہ ہو، اس کے لیے صحیح صورت سے آگاہ فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کی طرف سے کاروبار کے لیے جو قرض دیا جاتا ہے، اور اس کے عوض میں قرض لینے والے سے جو رقم زائد وصول کی جاتی ہے وہ سود ہی ہے، دور حاضر کی اصطلاح میں یہ تجارتی سود کہلاتا ہے، سود چاہے تجارتی ہو یا مہاجنی؛ بہر صورت حرام ہے، قرآن وحدیث کی نصوص اور اجماعِ امت سود کی ہر قسم اور ہر شعبہ کو سخت ترین حرام قرار دیتے ہیں۔

اب رہا انکم ٹیکس کی ادائیگی کا معاملہ تو اس کے خاطر سود کی ادائیگی کو ایک مسلمان کیوں اختیار کرے گا؟ جب کہ اس میں اپنی مرضی واختیار سے حرام کا ارتکاب لازم آتا ہے، اور انکم ٹیکس میں ہم پر جبر وظلم ہوتا ہے، اس لیے انکم ٹیکس کا خطرہ بتلا کر سود کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ حکومتی ترقیاتی اداروں سے فائدہ اٹھانے کے لیے ضروری

ہے کہ مسلمان متحد ہوکر اپنی آواز حکومت کے ان اداروں کو پہنچائیں، اور سود کے بجائے کاروبار میں حکومت کی شرکت والی صورت کو بطور بدل پیش فرما کر ان کے سامنے واضح کریں کہ سودی معاملہ کے بجائے شرکت والا معاملہ خود حکومت کے لیے زیادہ مفید اور نفع بخش ہے، اگر مسلمان اس طرح کے نمونے امانت و دیانت کے ساتھ پیش کر دیں تو کوئی وجہ نہیں کہ حکومت اپنے موقف پر جمی رہے؛ اس لیے بہتر اور مناسب صورت یہی ہے کہ شریعت کے احکام منصوصہ میں تاویل وتغییر کے بجائے حکومت کے سامنے سنجیدگی سے ہمارا موقف رکھا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ رجب ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بیٹی کے بینک قرض کے سود میں باپ کو ملنے والا سود دینا

سوال: ہمارے والد صاحب کے دو لاکھ روپے بینک میں ہے، جس کا سود ۹/ ہزار روپے آتا ہے، ہماری ایک اور بہن جس کا قرضہ ڈیڑھ لاکھ روپے ہیں، جس کا سالانہ ۱۲/ ہزار روپے سود بھرنا پڑتا ہے، کیا ایسی صورت میں جو ہمارے والد کا پیسہ سود کا آتا ہے ہماری بہن کے سود کے پیسے کے بدلے میں دے سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر آپ کی وہ بہن محتاج اور مستحق زکوۃ ہے تو اس کو وہ رقم دی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بینک میں کونسے اکاؤنٹ میں رقم جمع کرواسکتے ہیں؟

سوال : موجودہ دور میں بینک میں پاؤنڈ (پیسہ) کون سے اکاؤنٹ میں جمع کروانا چاہیے، حضرت مولانا مفتی محمود گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس بارے میں کیا رائے تھی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

بینک میں رقم جمع کرانے کی تین صورتیں ہیں: ① سودی کھاتا (سیونگ اکاؤنٹ) ② غیر سودی کھاتا (کرنٹ اکاؤنٹ) ③ لاکر۔ سودی کھانے میں رقم جمع کرانا حرام ہے، اس میں سود لینے کا گناہ ہوگا، جن پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے شدید ترین وعیدیں ہیں۔

کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم جمع کرانا بھی جائز نہیں؛ کیوں کہ اس میں اگرچہ سود لینے کا گناہ نہیں ہے، مگر تعاون علی الاثم کا گناہ اس میں ہے، لاکر میں جمع کرانا بھی جائز نہیں؛ کیوں کہ اگرچہ سود لینے اور تعاون علی الاثم کا گناہ نہیں ہے؛ مگر بینک کے حرام پیسے سے بنے ہوئے خانے کے استعمال کا گناہ ہے، شدید مجبوری کے وقت اس میں رقم جمع کرائی جاسکتی ہے کہ اس میں پہلی دو صورتوں کی نسبت گناہ کم ہے؛ لیکن پھر بھی استغفار لازم ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۷/ ۱۴-۱۶)

فقہ کے قاعدہ "الضرورة تتقدر بقدر الضرورة" کا بھی تقاضہ وہی ہے جو اوپر تحریر ہوا۔ سیدی ومولائی حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے مجھے

معلوم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ

بینک میں پیسہ جمع کرنا اور اس پر ملنے والے سود کے مصارف

سوال: ① بغیر کسی مجبوری کے بینک میں روپے جمع رکھنا کیسا ہے؟

② اگر کوئی مجبوری ہو تو بینک میں روپے جمع کرانا کیسا ہے؟ مجبوری کی تعریف حدود اور قیود کیا ہیں؟

③ بینک میں بہ درجۂ مجبوری روپے جمع کرانے کی اگر گنجائش ہے، تو اس پر جو سود کی رقم ملتی ہے ان کے مصارف کیا ہیں؟

④ اس علاقے میں بعض صاحبان سے سنا گیا ہے کہ: ظالمانہ سرکاری ٹیکس میں سود کی رقم استعمال کر سکتے ہیں، ظالمانہ ٹیکس کس کو کہتے ہیں؟ کیا رہائشی مکانات کے ٹیکس (house Tax)، تعلیمی ٹیکس (Edueation Tax)، آمدنی کا ٹیکس (Income Tax)، بکری ٹیکس (Seles Tax) بھی ظالمانہ ٹیکس میں داخل ہے؟ یاد رہے کہ عوام الناس کے حالات مختلف ہیں، بعضے سرمایہ دار متمول ہیں اور اتنی مالی استطاعت رکھتے ہیں کہ سود کی رقم سے کلیۃً مستغنی ہو جائیں، بعضے صاحبان متوسط درجے کے ہیں اور حکومت کی طرف سے عائد ہونے والے مختلف ٹیکس کے متحمل نہیں ہیں، اور حکومت نے بھی پچھلے کچھ سالوں میں ٹیکس کی مقدار میں نہایت زیادہ اضافہ کر رکھا ہے، اور بعضے اتنے غریب ہیں کہ رہائشی مکانات کے ٹیکس بھی مکمل ادا نہیں کر پاتے،

ان تمام حالات کو مدنظر رکھ کر شرعاً کتنی اور کیسی گنجائش نکلتی ہے؟ یہ امر قابل دریافت ہے۔ اگرچہ اصولاً واعتقاداً سود کا لین دین نص قطعی سے حرام ہے، اور سائل کا یہی عقیدہ ہے، الحمدللہ علیٰ ذلك؛ مگر چوں کہ موجودہ دور میں امت مرحومہ نہایت مختلف حالات سے گزر رہی ہے، اور عوام الناس میں عملاً واعتقاداً تغیرات مشاہدہ میں آرہے ہیں، چناں چہ آں جناب سے تفصیلی جواب مطلوب ہے۔

⑤ بعض صاحبان سود کی رقم رشوت دینے میں استعمال کرتے ہیں، سرکاری دفاتر میں رشوت گویا کہ لازمی چیز اور اس کے بغیر کام چلتا ہی نہیں، یوں تصور کیا جاتا ہے، اور تجربہ بھی اس کا شاہد ہے، تو کیا کسی جگہ رشوت دینے میں سود کی رقم استعمال کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① بینک میں رقم جمع کرانے کی تین صورتیں ہیں: ① سودی کھاتا (سیونگ اکاؤنٹ) ② غیر سودی کھاتا (کرنٹ اکاؤنٹ) ③ لاکر۔ سودی کھاتے میں رقم جمع کرانا حرام ہے، اس میں سود لینے کا گناہ ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے شدید ترین وعیدیں ہیں، علاوہ ازیں اس میں تعاون علی الاثم ہے، یہ رقم سودی کاروبار میں استعمال ہوگی۔ کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم جمع کرانا بھی جائز نہیں؛ کیوں کہ اس میں اگرچہ سود لینے کا گناہ نہیں ہے؛ مگر تعاون علی الاثم کا گناہ ہے۔ لاکر میں جمع کرانا بھی جائز نہیں؛ کیوں کہ اس میں اگرچہ سود لینے اور تعاون علی الاثم کا گناہ نہیں ہے؛ مگر بینک کے حرام پیسے سے بنے ہوئے خانے کے استعمال کا گناہ ہے، شدید مجبوری کے وقت اس میں رقم جمع کرائی جاسکتی ہے؛ لیکن پھر بھی استغفار لازم ہے۔

(احسن الفتاویٰ ۷/ ۱۴، تا ۱۶ ملخصاً)

(۲) بنیادی طور پر پانچ مصالح ہیں، جن کا حصول احکام شرعیہ کا مقصود ہے: دین، حیات وزندگی (بہ شمول عزت وآبرو)، نسل، عقل اور مال کا تحفظ؛ جو امور ان مصالح کے حصول کے لیے اس قدر ناگزیر ہو جائیں کہ اُن کے فقدان کی وجہ سے ان مصالح کے فوت ہو جانے کا یقین یا ظن غالب ہو، وہ ضرورت ہیں۔ ضرورت فقہا کے یہاں مستقل اصطلاح ہے جس میں اضطرار بھی داخل ہے، تاہم یہ اصطلاح بہ مقابلۂ اضطرار کے عام اور وسیع مفہوم کی حامل ہے۔

اباحت محظورات کے سلسلے میں ضرورت معتبرہ کے لیے شرائط ذیل ہونا ضروری ہے: (۱) ضرورت بالفعل موجود ہو، مستقبل میں پیش آنے والی ضرورتوں کا اندیشہ وخطرہ معتبر نہیں۔ (۲) کوئی جائز مقدور متبادل نہ ہو (۳) ہلاکت وضیاع کا خطرہ یقینی ہو یا مظنون بہ ظنِ غالب ہو (۴) محرمات کے استعمال سے ضرر شدید کا ازالہ یقینی اور نہ استعمال کرنے کی صورت میں اس کا وقوع یقینی ہو (۵) بہ قدر ضرورت استعمال کیا جائے۔ (۶) اس کا استعمال اس کے مساوی یا اس سے کسی بڑے مفسدہ کا سبب نہ بنے۔

(۳) بینک سود کی رقم اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے بلا نیت ثواب غربا ومساکین کی ملکیت میں دے دی جائے، جو بینک سرکار کی ملکیت ہیں ان سے حاصل شدہ سود کی رقم حکومت کی طرف سے وصول کیے جانے والے ظالمانہ ٹیکس کی ادائیگی میں بھی استعمال کی جاسکتی ہے۔

(۴) سرکاری بینک سے حاصل ہونے والی سود کی رقم حکومت کے ظالمانہ ٹیکس (یعنی غیر شرعی مطالبوں) میں دی جاسکتی ہے، شرعی مطالبوں میں یہ رقم دینا جائز نہ ہوگا، مثلاً: بجلی کا ٹیکس، پانی کا ٹیکس؛ یہ ٹیکس اس بجلی اور پانی کا معاوضہ ہے جو حکومت دیتی

ہے، میٹر جتنا بتلاتا ہے اتنا دینا پڑتا ہے۔ تعلیم کا ٹیکس بھی معاوضہ ہے، آمدنی کا ٹیکس اور بکری کا ٹیکس غیر شرعی مطالبہ ہے، مکان کا ٹیکس لینے میں اگر یہ پہلو مدنظر ہو کہ جان ومال کے تحفظ کے لیے حکومت جو انتظامات کرتی ہے، اس کی بنیاد پر وصول کیا جاتا ہے، تو اگر وہ معقول مقدار میں ہے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ بکری ٹیکس میں بھی اگر یہ پہلو مدنظر ہو کہ امن وامان کی فضا قائم رکھ کر تجارت کا موقع فراہم کیا گیا، تو اس کی بھی معقول مقدار کی گنجائش ہوگی۔

⑤ رشوت دینے والا رشوت دے کر اپنا کام نکالتا ہے، جس کا حاصل یہ ہوا کہ سود کی رقم اپنی ضرورت کی تکمیل میں استعمال ہوئی، جس کا ناجائز ہونا ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰ ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

حفاظت کے خاطر بینک میں رقم جمع کرنا

سوال: جس مکتب میں خدمت انجام دیتا ہوں، میرا ارادہ ہے کہ ہر ماہ تنخواہ میں کچھ رقم بینک میں حفاظت کی غرض سے رکھوں، جب کہ سود بالکل مقصود نہ ہو؛ تاکہ ضرورت کے وقت کام آئے، ایسے تو الگ سے حفاظت کی بہت کوشش کرتا ہوں؛ مگر حفاظت ہوتی نہیں، تو میں نے سوچا کہ بینک میں ضرور حفاظت ہوگی تو آیا بینک میں حفاظت کی غرض سے اگر پیسے جمع کروائے تو حرج ہے یا نہیں؟ ﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ کے خلاف ہوگا یا نہیں؟ مذکورہ صورت کے علاوہ بھی اگر کوئی آدمی

بینک میں پیسے جمع کروائے جب کہ سود مقصود نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک میں جو رقم جمع کرائی جاتی ہے، بینک اس رقم کو سودی قرض میں چلاتا ہے، اس لیے اصل یہ ہے کہ تعاون علی الاثم ہونے کی وجہ سے بینک میں رقم جمع کرانا منع ہے؛ لیکن اگر رقم کی حفاظت بینک میں جمع کرائے بغیر ممکن نہ ہو یا قانونی مجبوری ہو تو اس کی اجازت ہے؛ بشرطیکہ سود مقصود نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/صفر ۱۴۱۷ھ

بینک میں رقم جمع کرنا اور سود نہ لینا

سوال: میں نے انڈیا میں بینک میں اپنا کھاتہ کھولا ہے، اس شرط کے ساتھ کہ بینک سے سود کی رقم نہیں لوں گا، اس لیے کہ بینک میں کھاتہ کھولنے کے وقت اس بات کی وضاحت کرنی پڑتی ہے کہ سود لینا ہے یا نہیں؟ اب میرے احباب کا کہنا ہے کہ اگر تم یہ رقم بینک سے نہیں لوگے تو غیر مسلموں کے کام آئے گی، جس کو وہ مسلمانوں کے خلاف استعمال کریں گے، احباب کا اصرار ہے کہ تم یہ رقم بینک سے وصول کر کے کسی انتہائی غریب آدمی کو بغیر ثواب کی نیت کئے ہوئے دیدو، یا پھر کسی مدرسہ یا مسجد میں بیت الخلاء وغیرہ بنوادو، اس مذکورہ صورت میں میرے لیے بینک سے سود کی رقم لینا کیسا ہے؟ جب کہ قرآن میں حدیث میں بغیر کسی تخصیص کے سود لینے والے کے لیے سخت وعیدیں آئی ہیں، اگر اس مجبوری کے تحت سود کی رقم لیتا ہوں تو کیا خدانخواستہ میرا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوگا جن کے لیے یہ وعیدیں ہیں۔ نیز یہ رقم غرباء کو بغیر ثواب کی

نیت کئے ہوئے دی جاسکتی ہے کہ نہیں؟ مدرسہ ومسجد میں بیت الخلاء بنواسکتے ہیں کہ نہیں؟ برائے مہربانی قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا مفصل جواب عنایت فرمادیجئے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پہلے آپ یہ تحقیق فرمالیں کہ جب آپ بغیر سود کا اکاؤنٹ جاری کررہے ہیں تو اس صورت میں آپ کے اکاؤنٹ میں کیا سود کی رقم جمع ہوتی ہے؟ اور کیا وہ مسلمانوں کے خلاف استعمال ہوگی؟ آپ نے جو سوالات اٹھائے ہیں وہ بعد کے ہیں، بینک میں روپیہ سود حاصل کرنے کے لیے جمع کرانا حرام ہے، اگر کسی ضرورت سے جمع کروائے اور اس صورت میں سود ملا تو سود کی وہ رقم غرباء ومساکین کو بلا نیت ثواب محض اس کا وبال دور کرنے کی نیت سے دے دینی چاہیے، مسجد ومدرسہ کے بیت الخلاء میں اس کا استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ

بینک میں سود وصول کرنے کے لیے رقم جمع کرنا

سوال: آج کل مدارسِ اسلامیہ اور اوقافِ دینیہ کی بڑی بڑی رقوم بینکوں میں کرنٹ کھاتہ میں جمع کی جاتی ہیں اور کرنٹ کھاتہ میں جمع شدہ رقم پر بینک سے سود نہیں ملتا؛ مگر اپنی ان رقوم سے بینک والے سودی کاروبار کے ذریعہ پورا فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان رقوم کو بطورِ قرض دے کر لوگوں سے بہت زیادہ سود وصول کرتے ہیں، تو بجائے اس کے ہماری ان بڑی بڑی رقوم سے صرف بینک والے فائدہ اٹھائیں، اگر ہماری یہ رقوم بینک میں سیونگ کھاتہ میں جمع کی جائیں اور بینک سے جو سود ملے، اس سے

غریب محتاج مسلمانوں کے لیے خرچ کیا جائے، تو ہمارے ان مذہبی اداروں کی رقوم سے غریب مسلمانوں کو بھی بہت فائدہ ہوگا، تو کیا اس طرح بینک میں سیونگ کھاتہ میں پیسے جمع کرنا جائز ہے کہ نہیں؟ چوں کہ عام طور پر سیونگ میں پیسے جمع کرنا ناجائز سمجھا جارہا ہے، اور فتاویٰ کی کتابوں میں یہ مسئلہ بھی نظر سے گزرا ہے کہ بینک سے ملنے والا سود بینک میں نہ چھوڑنا چاہیے؛ بلکہ اس کو وصول کرلینا چاہیے، امید ہے کہ تفصیلی جواب سے مطلع فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لوگ بینک میں جو رقوم جمع کراتے ہیں، بینک ان رقوم کو سودی کاروبار میں لگاتی ہے، اس لیے گویا رقوم جمع کرانے والے ایک حرام کام میں بینک کی اعانت کرتے ہیں، ارشاد ربانی ہے: ﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ لہذا بینک میں روپیہ جمع کرنا جائز نہیں، خواہ سود لینے کی نیت ہو یا نہ ہو؛ لیکن اگر کسی کا روپیہ مسئلہ معلوم ہونے سے پہلے جمع ہو، یا کسی قانونی مجبوری سے جمع کردیا ہو، تو اس کا سود بینک میں نہ چھوڑے؛ بلکہ لے کر غرباء اور فقراء پر صدقہ کردے۔ (فتاویٰ دار العلوم ۲/ ۸۵۰، ۸۵۱)

کسی عمل کی برائی اس لیے دور نہیں ہوجاتی کہ اس کا مقصد اچھا ہے، کسی قانونی مجبوری کی وجہ سے اگر بینک میں رقم جمع کرانی پڑی اور اس میں ایسی صورت ممکن ہے کہ جمع کرانے والے کے کھاتہ میں سود نہ آئے، تو پھر ایسی صورت کیوں اختیار کی جائے، جس میں سود لینے کی نوبت آتی ہو؟ اعانت علی الاثم والی صورت سے احتراز ممکن نہ ہو، اس کا یہ مطلب نہیں کہ سود لینے والے جرم کا بھی ارتکاب کیا جائے، فقہ کا قاعدہ ہے: "الضرورة تتقدر بقدر الضرورة" خصوصاً جب کہ عوام کے موجودہ ذہن کی وجہ

سے یہ قوی اندیشہ ہے کہ لوگ اسی مقصد کا نام لے کر بلا ضرورت بھی بینک میں پیسہ جمع کرانے کے جرم کے مرتکب ہونے لگیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بینک میں رقم رکھنے کے جواز سے سود لینے کے جواز کا شبہ

سوال: غرباء ومساکین اور ضرورت مند کو جو سود کی رقم دی جاتی ہے، کیا وہ رقم ان کے لیے حلال ہوجاتی ہے؟ جواب بحوالہ تفصیل سے اور تشفی بخش دیں۔

مسئلۂ سود کے متعلق جو فتاوی وغیرہ شائع ہوتے ہیں، اس سے ایسا قیاس ہوتا ہے کہ جو رقم سود کے نام لی جائے اسے وہ شخص بذات خود استعمال نہ کرے؛ بلکہ غرباء ومساکین اور ضرورت مندوں میں بغیر ثواب کی نیت سے دے یا پھر مساجد وغیرہ میں بیت الخلاء کی تعمیر میں بھی استعمال کرسکتا ہے، تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ رقم کو بینک میں رکھنا اور اس کا سود لینا درست ہے؛ تاکہ اس کو غرباء ومساکین میں دیں، اس کی وضاحت فرمائیں کہ یہ طریقہ کار کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک میں جو رقم رکھی جاتی ہے اس کو وہ لوگ سود پر دیتے ہیں، اور اسی کا ایک حصہ رقم جمع کرانے والے کو بطور سود دیا جاتا ہے، اور یہ سب ناجائز وحرام ہے؛ البتہ کسی قانونی مجبوری کی وجہ سے بینک میں رقم جمع کرانا ضروری ہوگیا، تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ بینک کی طرف سے سود کے نام پر ملنے والی رقم اس کے اصل مالکین (جن سے بینک نے وصول کی تھی) دیدی جائے؛ لیکن چوں کہ رقم جمع کرانے والوں کو اس

کا علم ہوتا نہیں ہے، اور نہ بالتعیین معلوم ہوتا ہے کہ رقم جو سود کے نام سے انھیں ملی ہے وہ فلاں شخص ہی کی ہے، اس لیے یہ رقم لقطہ کے حکم میں آجاتی ہے، جس کا مالک باوجود تتبع وتلاش کے نہ ملتا ہو، اور وہ یہ کہ فقراء اور مساکین کو اس کا صدقہ کردیا جائے۔

اب درحقیقت یہ رقم مساکین کو اصل مالکین کی طرف سے مل رہی ہے، اور یہ دینے والا ان کا وکیل ہے اور اس صدقہ کا ثواب دینے والے کو نہیں؛ بلکہ اصل مالکین کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا، جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ جب اصل مالکین تک ان کی رقم پہنچانا دشوار تھا تو شریعت نے ایسا طریقہ بتلایا کہ اس کا بدل، یعنی ثواب اصل مالکین کو پہنچ جائے۔ تمام مسائل کی حقیقی تہ تک پہنچنا عوام کے لیے ضروری نہیں، اس کا شوق ہو تو مکمل علم دین حاصل کیجئے؛ ورنہ علماء جو مسائل بتلائیں ان پر یقین کرکے عمل کیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جہیز کے لیے فکس ڈپوزٹ رکھنا

سوال: ہمارے یہاں لڑکیوں کی شادی میں کچھ نقدی رقم بطور جہیز دینی پڑتی ہے، یہ رقمی جہیز نہ دیں تو ہماری لڑکی سے شادی کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں، تو اس صورت میں فکس ڈپوزٹ بعض علماء جائز قرار دیتے ہیں اور یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس طرح کی مجبوری میں جائز ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ رقم رشوت ہے اور اس علت کی وجہ سے حرام حلال نہیں ہوجاتا۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حکومت نے زبردستی قبضہ کی ہوئی زمین کی قیمت مع سود کا حکم

سوال: بمبئی کے اطراف میں لوگوں کی مملوکہ زمین گورنمنٹ زبردستی اپنے قبضہ میں لے کر عام قیمت کے مقابلہ میں بہت ہی کم قیمت مالکین کو دیتی ہے، لوگوں نے رقم نہ لے کر کافی سال تک کیس لڑا، قیمت کچھ بڑھا کر ملی، ساتھ ساتھ اتنے سالوں تک رقم گورنمنٹ کے پاس ہی پڑے رہنے کی وجہ سے اتنے سالوں کا سود کہہ کر مزید رقم حکومت لوگوں کو دیتی ہے؛ حالاں کہ ان تمام کا مجموعہ بھی عام قیمت سے کم ہی ہے، تو اس صورت میں سود کہہ کر دی جانے والی رقم لی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مذکورہ رقم لینا درست ہے، یہ شرعی طور پر سود نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ہندوستان، حربی اور سود کا حکم

سوال: عرض یہ ہے کہ دار العلوم شاہ عالم سے ایک فتویٰ منگوایا ہے، جس سے دل کو تشفی نہ ہونے کی بناء پر سوال وجواب روانہ کیا ہے، براہ کرام جلد سے جلد کتب فقہ ومعتبر کتب کے حوالہ سے اطمینان بخش جواب سے نوازیں؛ نیز ہمارے سوال کے یہی جواب ہیں جو مفتی عزیز الرحمن صاحب نے لکھ بھیجے ہیں؛ نیز کافر حربی کسے کہتے ہیں؟ اس کی بھی تشریح فرمادیں۔

دار العلوم شاہ عالم کا جواب:

① سود کھانا کسی سے جائز نہیں، ہاں کافر حربی کو روپے دے کر منافع لینا بطور مال مباح، جائز ہے، کافر حربی و مسلمان کے درمیان سود نہیں، مال مباح ہے، کتب فقہ میں ہے۔ لا ربا بين المسلم والحربي؛ لأنه مال مباح.

کتبہ: عزیز الرحمن رضوی، خادم الافتاء دار العلوم شاہ عالم احمد آباد گجرات
۴/صفر ۱۴۱۲ھ ۹۱-۹-۱۴

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

دار العلوم شاہ عالم کے مفتی اور ان کے ہم مسلک حضرات ہندوستان کو دار الحرب نہیں مانتے، اس لیے کہ ان کے اعلیٰ حضرت بریلوی صاحب کا ایک مستقل رسالہ ہے ''إعلام الاعلام بأن الهند دار الإسلام'' جس میں ہندوستان کو دار الاسلام ثابت کیا ہے؛ لیکن ساتھ ہی یہ حضرات یہاں کے کافروں کو حربی بھی مانتے ہیں، یہ تضاد تو یہ حضرات ہی دور کر سکتے ہیں، فقہی اعتبار سے اس کی کوئی گنجائش نہیں کہ ہندوستان کو دار الاسلام بھی قرار دیا جائے اور ساتھ ہی یہاں کے باشندوں کو کافر حربی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

قرض کی ادائیگی میں زیادتی سود ہے

سوال: عمر نے زید سے دو لاکھ روپئے بطور قرض لیے، اور کہا کہ میں ایک سال کے بعد دو لاکھ کے بدلے میں ڈھائی لاکھ روپئے دوں گا، تو زید کو یہ پیسے، یعنی پچاس

ہزار روپئے زائد لینا جائز ہے کہ نہیں؟ یا یہ کہتا ہے کہ میں پچاس ہزار روپئے میری طرف سے بطور ہدیہ دوں گا، تو زید کو یہ پیسے لینا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ سود ہے اس کا دینا اور لینا درست نہیں۔

"کل قرض جر نفعا فهو حرام" (شامی) عن النبی ﷺ قال: "اذا أقرض الرجل الرجل فلا يأخذ هدية" رواه البخاری فی تاريخه، هكذا فی المنتقی وعن أبی برد بن أبی موسی قال: قدمت المدينة، فلقيت عبدالله بن سلام، فقال إنك بأرض فيها الربوا فاش، فاذا كان لك على رجل حق فاهدی إليك حمل تبن أو حمل شعير أو حبل قت، فلا تأخذه؛ فإنه ربوا رواه البخاری (مشکوٰۃ ۲۴۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

قرض پر نفع سود ہے اور جائز صورت

سوال: ① زید کا بمبئی میں بھینسوں کا اصطبل ہے اور اس کو پانچ نئی بھینسیں خریدنی ہیں، اور اس کے پاس نقد پیسہ نہیں ہے؛ اس لیے اس نے عمر کو کہا، کہ تیرے پاس پیسے ہیں، تو مجھ کو ۲۵۰۰ روپیہ دے؛ تاکہ میں بھینس خریدوں اور یہ رقم ایک سال میں واپس کروں گا اور فی بھینس ایک ہزار روپیہ منافع دوں گا، سال پورا ہونے پر زید عمر کو اس کی رقم اور منافع دیتا ہے، تو شرعاً اس طرح قرض کا معاملہ کرنا صحیح ہے؟

② زید کا بمبئی میں بھینسوں کا اصطبل ہے اور اس کو پانچ نئی بھینسیں خریدنی ہیں اور اس کے پاس نقد رقم نہیں ہے؛ اس لیے اس نے عمر کو کہا کہ مجھ کو پانچ بھینسوں کی

ضرورت ہے، تو تو میرے ساتھ چل اور پانچ بھینسیں اپنے پیسوں سے خرید کر مجھے دے، اور زید نے کہا کہ تیری یہ رقم اور فی بھینس ۱۰۰۰ روپیہ منافع ایک سال میں دوں گا، تو کیا شرعاً اس طرح معاملہ کرنا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) یہ صریح سود ہے۔

(۲) اگر عمر نے اپنی رقم سے بھینس خریدی، اس کے بعد اس نے ہر بھینس پر ایک ہزار منافع لے کر زید کے ہاتھ ادھار ایک سال کے وعدہ سے فروخت کی، تو درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/صفر ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مہلت ختم ہونے کے بعد زیادتی کا مطالبہ سود اور ظلم ہے

سوال: کپڑے کی منڈی میں خود منڈی والوں کے کچھ اصول ہوتے ہیں، چوں کہ علی العموم کاروباری غیر مسلم ہوتے ہیں؛ اس لیے لامحالہ اصول بھی انھیں کے مزاج کے ہوتے ہیں، جو بسا اوقات ہماری شریعت کے مخالف ہوتے ہیں؛ لیکن اگر ہم ان کی رعایت نہ رکھیں، تو ہم کو منڈی سے نکال باہر کیا جائے گا، اور منڈی میں ہم سے کوئی معاملہ نہ کرے گا، مثلاً: جب ہم مال خریدتے ہیں تو قیمت ادا کرنے میں ایک ماہ کی مہلت ملتی ہے، ایک ماہ تک ادا کر دیں تو کوئی سود نہیں لگایا جاتا؛ لیکن اگر بالفرض کسی بھی وجہ سے خواہ کیسی ہی شدید مجبوری ہو کچھ دن مہینہ کے اوپر گزر گئے تو سود لیتے

ہیں، سود نہ دینے پر دوسری بار ہم سے کوئی تاجر معاملہ کرنے پر تیار نہیں ہوتا، تو اس طرح کی شرائط کے ساتھ ان مجبوری کی مذکورہ صورتوں میں ہم بیع وتجارت کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر عقدِ بیع میں ایسی شرط رکھی گئی ہے، تو یہ معاملہ یقیناً سودی ہوگا، اور اگر عقد میں ایسی شرط نہیں تو معاملہ درست ہے، اور اس کے بعد اگر وہ زائد وصول کرتا ہے، تو یہ ظلم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قرض ادا کرتے وقت برضاء ورغبت زائد رقم دینا

سوال: زید نے عمرو سے چار سال پہلے ۴۰/ ہزار روپئے قرض لیے اور اس رقم سے انتفاع کیا، اب جب قرض ادا کرتا ہے تو زید کی خواہش ہے کہ عمرو نے چوں کہ زید کے ساتھ اتنا بڑا احسان کیا ہے، تو زید بطور احسان کے عمرو کو قرض سے کچھ زائد رقم دینا چاہتا ہے، تو کیا زید اس طریقہ پر دے سکتا ہے، یا اور کوئی جائز شکل ہے کہ زید کم از کم عمرو کو اتنی مقدار زائد دے سکے، جس کے ذریعہ چار سال کی زکوۃ ادا ہو سکے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عمرو نے قرض دیتے وقت زائد رقم کی کوئی شرط نہیں لگائی تھی اور نہ اس کے دل میں ایسا کوئی خیال تھا؛ مگر زید اپنے طور پر برضاء ورغبت حسن ادائیگی کے طور پر زائد ادا کر رہا ہے تو یہ سود میں شمار نہیں ہوگا۔

بدائع میں ہے: هذا إذا كانت الزيادة مشروطة في القرض، فأما إذا

كانت غير مشروطة فيه ولكن المستقرض أعطاه أجودهما فلا بأس بذلك؛ لأن الربا اسم لزيادة مشروطة في العقد ولم توجد بل هذا من باب حسن القضاء، وانه أمر مندوب إليه قال النبي ﷺ: خيار الناس أحسنهم قضاء وقال النبي ﷺ: عند قضاء دين لزمه للوازن زن وارجح. (بدائع الصنائع ٧ /٣٩٥)

قال محمد فی کتاب الصرف: ان أباحنيفة كان يكره كل قرض جر منفعة، قال الكرخي: هذا إذا كانت المنفعة مشروطة في العقد؛ بأن أقرض غلة ليرد عليه صحاحا أو ما أشبه ذلك، فإن لم تكن المنفعة مشر وطة في العقد فأعطاه المستقرض أجودهما فلا بأس به. (فتاویٰ عالمگیری ٣ /٢٠٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی لون لے کر کاروبار کرنے والے کی کمائی کا حکم

سوال: زید کے بارے میں جس کو قانونی مجبوری کی بنا پر کاروبار شروع کرنے سے پہلے بینک سے لون لینا پڑا کہ ہمارے ملک (وینزویلا) کے قانون کے مطابق بڑی رقم کو قانونی بتلانے میں بڑے نقصان کا اندیشہ ہے، لہٰذا مجبوراً بینک سے لون لے کر بڑی رقم کا انتظام کیا، اب اس کاروبار سے نفع بھی ہوا، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس لون کا انٹرسٹ بھرنے کا کیا حکم ہے؟ اور اس کاروبار کے ذریعے جو نفع ملا اس کا کیا حکم ہے؟ اگر صورتِ مسئولہ میں قانونی مجبوری کے بغیر لون لیا گیا تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اور زید کے لیے اس سے توبہ کا طریقہ کیا ہوگا؟ اور کیا انٹرسٹ کی رقم سے انٹرسٹ کو ادا کرسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① امداد الفتاویٰ سے ایک سوال، جواب نقل کیا جاتا ہے، ملاحظہ ہو:

سوال: کوئی مسلمان کسی ہندو کے پاس سے کسی ضرورت کے موقع پر سودی قرض لیتا ہے اور اس سے اپنا بیوپار چلاتا ہے، یا کوئی زمین خرید تا ہے، چند دن کے بعد وہ قرضہ مع سود ادا کر دیتا ہے، اپنی باقی ماندہ ملک کو پاک ملک سمجھتا ہے اور یہ بھی اعتقاد رکھتا ہے کہ سود کے لینے سے تو خود گنہگار ہوا، مگر اس کی حرمت باقی ماندہ ملک میں سرایت نہیں کرے گی خیال کرتا ہے، کیوں کہ اس شخص نے سود دیا ہے، لیا تو نہیں۔ پس اس ملک کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اس شخص نے جو سمجھا ہے صحیح ہے۔ (امداد الفتاوی ۳/۱۶۹، ۱۷۰)

جواب بالا سے معلوم ہوا کہ اس کاروبار سے جو نفع حاصل ہوا، وہ حلال ہے، قانونی مجبوری کے بغیر لون لیا گیا ہو تب بھی اس کا حکم یہی ہوگا، توبہ کا طریقہ وہی ہے جو شریعت نے بتلایا ہے کہ اپنی اس حرکت پر دل میں ندامت اور پشیمانی ہو اور آئندہ کے لیے اس سے بچنے کا عزم ہو اور اگر اس کاروبار سے حاصل شدہ نفع کو بھی صدقہ کر دے، تو توبہ میں پختگی اور قبولیت کی زیادہ امید ہے، انٹرسٹ کی رقم سے انٹرسٹ ادا کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی کاروبار والوں کا پانی پینا

سوال: بینک یا جہاں سودی کاروبار چلتا ہو، ایسی جگہوں کا پانی یا اور کوئی چیز

استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو چیز سودی رقم سے خریدی نہ گئی ہو، اس کا استعمال درست ہے؛ لیکن پانی اگرچہ خریدا نہیں گیا؛ مگر جس ظرف میں وہ رکھا ہوا ہے وہ سودی رقم سے خریدا ہوا ہو، تو اس کو نہ پئیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم جس غریب کو دی اس کا ہدیہ لینا

سوال: زید ایک شخص ہے، اس نے بینک میں رقم رکھی تھی، اس رقم پر اس کو سود ملا، اور زید نے اس سود کی رقم کو اپنے عزیز واقارب جن کی مالی حالت کمزور ہے دیا، ان عزیز واقارب کے گھر زید اور گھر کے افراد کا آنا جانا ہوتا ہے، وہ عزیز واقارب ان سود کے پیسوں سے لایا ہوا مال کھانے کے لیے پیش کریں، یا زید کے بچوں کو کچھ اشیاء خرید کر دیں، آیا زید، اس کی بیوی اور بچوں کو ان عزیز واقارب کے گھر کھانا اور بطور تحفہ کوئی چیز پیش کریں تو قبول کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے، تو کس طرح؟ اس کو تفصیل سے بیان کریں؛ تاکہ پھر گنجائش باقی نہ رہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم خرافات پر مشتمل شادی میں دینا

سوال: بعضے حضرات سود کی رقم کو غرباء کی شادی بیاہ کے موقعہ پر دیتے ہیں، یا پھر کچھ اشیاء خرید کر دیتے ہیں، دیکھا گیا ہے کہ ان شادیوں میں بہت سے خرافات ہوتے ہیں، مثلاً ہلدی کی رسم، مہندی کی رسم، دولہا کو کپڑوں کے لیے جوڑے کی رقم، پھر کہیں بینڈ باجا، اور ریکارڈنگ بجائی جاتی ہے، اور لڑکی کی شادی ہو تو بہت سے لوگوں کو طعام پر مدعو کیا جاتا ہے وغیرہ، یہ پہلے سے تو معلوم ہوتا نہیں کہ کیا کیا رسمیں کریں گے؟ تو ایسی جگہ سود کی رقم دینا چاہیے یا نہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کے سود کی رقم اس کا وبال دور کرنے کے ارادہ سے بلا نیت ثواب فقراء و مساکین کو بطور تملیک دیدی جائے، تو دینے والا اپنی ذمہ داری سے بری ہو جاتا ہے، اس کے بعد وہ غریب، مسکین رقم کسی غلط کام میں صرف کرتا ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اس کی ذمہ داری اس صرف کرنے والے پر ہے، اگر پہلے سے معلوم ہو کہ وہ غریب مسکین غلط کاموں ہی میں صرف کرے گا تو دینے میں احتیاط برتی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بونڈز پر ملنے والی رقم اور سود کا حکم

سوال: ہمارے ملکِ وینزویلا میں (ملکی سیاسی اغراض کی وجہ سے) قانون

کے مطابق اگر ہماری ملکی کرنسی کے بدلے امریکن ڈالر لینا ہو تو قانونی طور پر زیادہ ڈالر نہیں لے سکتے، بنابریں یہ شکل اختیار کرنی پڑتی ہے کہ گورنمنٹ کو یہ لکھ کر دینا ہوتا ہے کہ ہم اس ڈالر کے ذریعے اناج غلہ خریدنا چاہتے ہیں، تو گورنمنٹ مثال کے طور پر ۵۰۔۲ / قیمت طے کرتی ہے، اور اگر ہم مشینری وغیرہ اشیاء کو ظاہر کریں تو قیمت ۵۰۔۴ / دیتی ہے، مزید برآں ہمیں جتنی مقدار (ڈالر) کی ضرورت ہے اگر اتنی ہی مقدار کی درخواست دیں، تو کبھی ہماری مطلوبہ رقم پوری منظور ہو جاتی ہے، اور کبھی اس کی آدھی مقدار منظور ہوتی ہے اور بسا اوقات کچھ بھی منظور نہیں ہوتا۔

لہٰذا ہم صورتِ مسئولہ میں بجائے ۳۰ / ہزار کے ۶۰ / ہزار لکھتے ہیں؛ تاکہ آدھی مقدار منظور کرنے پر اپنی مطلوبہ رقم مل جائے، اب مطلوبہ رقم کی منظوری کے بعد گورنمنٹ فوراً ڈالر نہیں دیتی؛ بلکہ اس کے بدلے بونڈز لینے پڑتے ہیں اور اس بونڈز کی مدت ہوتی ہے ۱۰ / سال یا ۲۰ / سال، اور اس پر ہمیں انٹرسٹ ملتا ہے جب تک ہم اس بونڈز کو کیش نہ کرالیں، اور ڈالر موصول ہوتے ہوتے کبھی تین سال بھی ہوتے ہیں، تو یہ انٹرسٹ لینا کیسا ہے؟

اور اگر زیادہ رقم کبھی منظور ہوگئی تو اس میں سے آدھی رقم مذکورہ چیز منگوانے میں خرچ کرتے ہیں اور بقیہ نصف رقم کو اپنے مصرف میں خرچ کرتے ہیں، ان تمام چیزوں کا کیا حکم ہے، اور اس انٹرسٹ سے توبہ کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بونڈز پر ملنے والا انٹرسٹ وصول کرکے بلا نیت ثواب غرباء کو بطور تملیک دے

دے، زیادہ رقم منظور ہونے کی صورت میں بقیہ رقم کو اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں، اس لیے کہ وہ آپ کی ملک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک کمپنی کا سیل ٹیکس مع سود ادا کرنے کے بعد دوسری کمپنی سے وصول کرنا

سوال: ① زید کے ذمہ کچھ سیل ٹیکس کی رقم تھی، سامنے والی کمپنی سے بل بروقت نہ آنے کی وجہ سے انہوں نے بھرنے میں تاخیر کی، آخر انتظار انتظار میں سات ماہ کا پیریڈ نکل گیا اور چوں کہ اس سے زائد سیل ٹیکس بھرنے میں گنجائش نہیں تھی، اس لیے بادل ناخواستہ دوسری کمپنی سے ملے ہوئے بل کی رقم سے وہ سیل ٹیکس مع سود کے بھر دیا، دس؛ بارہ ہزار صرف سود کی رقم بھرنی پڑی، پھر اصل کمپنی سے ان کا بل آیا تو اس پر اصل رقم کے ساتھ تاخیر کی بناء پر اس کا سود پندرہ ہزار آیا، اب کیا زید کو اس بات کی گنجائش ہے کہ وہ اپنے ادا کردہ بارہ ہزار سود والے اس بل میں ملے ہوئے پندرہ ہزار میں سے لے لے، زید کو اس سود کی رقم کے ملنے کا پہلے سے علم تھا اور اس وجہ سے وہ سیل ٹیکس بھرنے میں تاخیر کر رہا تھا؛ لیکن جب اس کے بھرنے کا وقت آ ہی گیا تو مجبوراً انہوں نے اپنے پاس سے ادا کیا تھا، ایسا نہیں کہ بل میں سود کی رقم دیکھنے سے باقی بھر آیا ہو۔

سیتہ نارائن کے نام رقم دینا

② رکشہ والوں کی یونین ہے، سال بھر میں ان کے مختلف پروگرام ہوتے ہیں،

اس میں ایک پروگرام ''سیتہ نارائن'' کی پوجا کے نام پر بھی ہوتا ہے، ایسے موقعوں پر ہر رکشہ والوں سے کچھ لے لیتے ہیں، کیا ایک مسلمان کے لیے ایسے پروگرام میں دینے کی گنجائش ملے گی؟ اور کیا یہ تعاون علی الاثم نہیں ہوگا؟ اور اگر کچھ نہ دیں تو اپنے بزنس کے لیے ان کی جانب سے نقصان کے اندیشے بھی ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اگر سرکاری قانون یہ ہے کہ سیل ٹیکس کی ادائیگی خریدار پر ہے، اگرچہ خریداروں کے مختلف ومتعدد ہونے کی وجہ سے سرکار ٹیکس دکان دار سے وصول کرتی ہے تو اس صورت میں آپ نے سامنے والی کمپنی کا بل نہ آنے کی وجہ سے جو کچھ بھرا ہے اس کی طرف سے بھرا ہے، اور تاخیر کی وجہ سے جو سود ادا کیا ہے وہ بھی اسی کی طرف سے ادا کیا ہے، اس لیے آپ اس کی طرف سے سود کے نام سے ملی ہوئی رقم سے آپ کا بھرا ہوا سود وصول کر سکتے ہیں، اور زائد رقم اس کو واپس کر دیں، اور اگر سرکاری قانون یہ ہے کہ سیل ٹیکس دکاندار پر واجب ہے تو آپ اپنا بھرا ہوا سود اس سے وصول نہیں کر سکتے۔

② اس میں رقم دینے کی مسلمان کو اجازت نہیں۔ اگر نقصان کا مطلب یہ ہے کہ بکری کم ہو جائے گی تو اس کی وجہ سے بھی ایسا کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ موقع پانے پر جانی یا مالی نقصان پہنچاتے ہیں تو جو حضرات لینے کے لیے آتے ہیں ان کو ذاتی طور پر دینے کی نیت سے دینے کی گنجائش ہے، ''سیتہ نارائن'' پوجا کے پروگرام میں دینے کی نیت نہ کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/صفر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

تجارت کی رقم دے کر مقررہ نفع لینا

سوال: زید نے کسی کو مثلاً پچاس ہزار روپئے برائے تجارت دیے اور کہا کہ تم ہمیں ہر ماہ دس ہزار روپئے دے دینا، بقیہ تمہارا ہے خواہ تجارت میں تمہیں نفع ہو یا نقصان، اور اس پر دونوں کی رضامندی سے معاملہ طے ہو گیا تو کیا یہ شکل جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ صورت جائز نہیں، ہر ماہ جو مقررہ رقم لی جائے گی وہ سود کے حکم میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم سے تجارت کر کے منافع وقف کرنا

سوال: میرے پاس میری اور میرے خاندان کی سود کی رقم جمع ہے (زیادہ تر میری ہے) یہ سود کی رقم برطانیہ میں ہماری اصل رقم جوڈ پازٹ A/C میں تھی اسے بینک نے دی ہے، بینک بھی غیر مسلم کا ہے، ہم اس رقم کو بغیر ثواب کے دینا چاہتے ہیں اور تقریباً کافی دی جا چکی ہے۔

باقی سود کی رقم کے متعلق سوال ہے کہ آیا اس رقم کو کہیں INVEST کر کے وہ تمام سود کی رقم اور اس سے مستقبل میں حاصل ہونے والا نفع دونوں وقف کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اصل سود اور اس سے حاصل ہونے والا نفع کسی کو یعنی مستحقین کو وقف کیا جا سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک سود کی رقم اس کا وبال دور کرنے کے لیے کسی بھی قسم کے ثواب کی امید رکھے بغیر غریبوں، محتاجوں کو مالک بنا کر دے دینا ضروری ہے، آپ اس رقم کو INVEST کر کے اس کا منافعہ مستحقین کے لیے وقف کرنا چاہیں تو درست نہیں، اس صورت میں شریعتِ مطہرہ کی طرف سے ایسی رقم کے سلسلہ میں آپ پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس سے آپ انحراف کرنے والے شمار ہو کر گنہگار رہوں گے؛ البتہ غرباء اور محتاج جو اس رقم کے مستحق ہیں آپ یہ رقم بطورِ تملیک ان کو دے دیں اور وہ حضرات برضا ورغبت اپنی طرف سے اس کو INVEST کریں اور پھر اس کا منافعہ ضرورت مندوں پر تقسیم کریں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں، اس صورت میں وہی اس کے INVEST کرنے والے اور منافعہ کو مستحقین پر خرچ کرنے والے سمجھے جائیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ رجب المرجب
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

خریدار کو لون دلوانے اور سودی معاملے میں بلڈر کا تعاون

سوال: میں بلڈنگ کنٹرکشن (گھر باندھ کام) کا کام کرتا ہوں تو میرے پاس دو طرح کے گاہک آتے ہیں ① مکمل نقد روپے دے کر گھر خریدتے ہیں۔ ② دوسری قسم کے گاہک سودی قرضہ لے کر گھر خریدتے ہیں، آج کے دور میں سودی قرضہ لے کر ہی زیادہ لوگ گھر خریدتے ہیں، شروع میں کچھ رقم بکینگ کے طور پر دیتے ہیں اور بقیہ رقم بینک سے لے کر دیتے رہتے ہیں، تو اس صورت میں مجھے ان گاہکوں کو میری

زمین کے کچھ ضروری کاغذات دینے پڑتے ہیں، اور بعض مرتبہ بینک میں جا کر گاہک کی طرف سے پچاس یا اسّی فیصد کام مجھے ہی کرنا پڑتا ہے، کام یہ ہوتا ہے کہ ضروری کاغذات پر ہر فریق کے دستخط وغیرہ لینا اس کی تنخواہ، کارسیٹ وغیرہ جمع کرانا، اسی طرح کچھ ضروری ایسے کام کے جس کے بغیر بینک قرضہ دیتی ہی نہیں تو اب میرے سوالات یہ ہیں:

① میری زمین کے مکانات بیچنے کے لیے یہ بینک والا کام کرنا پڑتا ہے تو یہ کام میں کرسکتا ہوں یا نہیں کرسکتا؟ نہ کرنے کی صورت میں بڑی مشکل اور پریشانی اٹھانی پڑتی ہے گھر بکتے نہیں، جس کی وجہ سے معاشی حالت تنگ دست ہوجاتی ہے اور بُرا اثر پڑتا ہے، لوگوں سے کام جاری رکھنے کے لیے غیر سودی قرضہ مانگنا پڑتا ہے، واضح رہے کہ یہ کاروبار میرے والد سے چلتا آرہا ہے۔

② یہ سوال پوچھنے سے پہلے میں نے بینک میں کام کرکے کچھ مکانات فروخت کئے ہیں تو ان کی کمائی صحیح ہے یا غلط؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① حضرت جابر رضی اللہ عنہ نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی سود لینے والے اور سود دینے والے اور سودی معاملہ کی تحریر لکھنے والے اور سودی معاملہ میں گواہ بننے والوں پر اور فرمایا کہ یہ سب اصل گناہ میں برابر ہیں۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ چوں کہ سودی معاملہ ان تمام کی باہمی اشتراک اور تعاون سے انجام پاتا ہے اور وجود میں آتا ہے، اس لیے ان میں سے ہر ایک گناہ میں شریک قرار دیا گیا۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ ۶/۵۹)

جوگاہک آپ سے مکان خریدتے ہیں، اوراس کے لیے بینک سے سودی قرضہ حاصل کرتے ہیں، ان کے لیے بینک سے سودی قرضہ حاصل کرنے کے لیے کی جانے والی کارروائی میں آپ بھی حصہ لیتے ہیں، گویا اس گناہ کے کام میں آپ نے بھی اپنا تعاون پیش کیا، اس لیے آپ بھی گنہگار ہوئے اور وعید کے مستحق ٹھہرے۔

(۲) آپ گاہکوں سے اپنے فروخت کئے ہوئے مکانات کی قیمت کے طور پر جو رقم وصول کرتے ہیں اس کو حرام کمائی نہیں کہا جاسکتا۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/محرم الحرام ۱۴۲۹ھ

سودی لون لینے والے شرکاء کے ساتھ تجارت کرنا

سوال: ایک شخص نے کمپنی کی بنیاد رکھی، پھر دوسرے شرکاء نے شرکت کی، بعض شرکاء انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے لون ''جو کہ سودی ہوتی ہے'' لیتے ہیں، بعض شرکاء سودی لون سے منع کرتے ہیں؛ لیکن لینے والے غالب رہتے ہیں، وہ لوگ لون لیتے رہتے ہیں، کیا ایسے شرکاء کے ساتھ شرکت میں تجارت جائز ہے؟ کیا سودی لون لے کر کاروبار کرنے والوں کے ساتھ بطورِ مضاربت شرکت جائز ہے؟ عام طور پر مصانع و کمپنیاں سودی لون لیتی ہیں ان کے شیئرز خریدنا شرکت ہے تو ان کمپنیوں میں مذکورہ صورت میں شرکت کے جواز کی کیا تاویل؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک سوال وجواب امداد الفتاوی سے نقل کیا جارہا ہے:

سوال: کوئی مسلمان کسی ہندو کے پاس سے کسی ضرورت کے موقع پر سودی قرض

لیتا ہے اور اس سے اپنا بیوپار چلاتا ہے یا کوئی زمین خرید تا ہے، چند دن کے بعد وہ قرضہ مع سود ادا کر دیتا ہے، اپنی باقی ماندہ ملک کو پاک سمجھتا ہے اور یہ بھی اعتقاد رکھتا ہے کہ سود کے دینے سے تو خود گنہگار ہوا؛ مگر اس کی حرمت باقی ماندہ ملک میں سرایت نہیں کرے گی، خیال کرتا ہے؛ کیوں کہ یہ شخص سود دیا ہے لیا تو نہیں، پس اس مِلک کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اس شخص نے جو سمجھا ہے صحیح ہے۔ (۳/۱۶۹-۱۷۰)

جن لوگوں کے پاس سے سودی لون لی ہے ان کی آمدنی اگر حلال اور جائز ہے تو اس کا حکم وہی ہے جو اوپر امداد الفتاوی سے نقل کیا گیا، اور اس صورت میں ان کے ساتھ شرکت اور مضاربت بھی درست ہے؛ لیکن اگر جن سے سودی لون حاصل کی گئی ہے ان کی آمدنی ہی ناجائز اور حرام ہے جیسے بینکوں سے لی جانے والی لون کا حال ہوتا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ شرکت ومضاربت درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سود کا مصرف

بینک سود کا مصرَف اور اس کے استعمال کی مختلف شکلیں

سوال: فی زمانا سود کی رقم کے مصارف جب کہ اس قسم کی رقم کی کثرت پائی جاتی ہے، اگر بیان فرمادیں تو عین نوازش ہوگی؛ کیوں کہ بعض علاقوں میں سود کی رقمیں عجیب عجیب مصارف میں استعمال ہو رہی ہیں، مثلاً:

① پیمنٹ کی ادائیگی کے لیے کسی تاجر کو بھیجنے یا اپنی ضرورت سے دوسرے شہر رقم منتقل کرنے کے لیے بینک سے ڈرافٹ بنوا کر اس کی اجرت (سروس چارج) میں سود کی رقم دینا۔

② واٹر ٹیکس جس میں اپنے ہی استعمال میں آنے والے پانی کی سپلائی پر سرکار کی طرف سے جو ٹیکس عائد کیا جاتا ہے اس ٹیکس کی ادائیگی سود کی رقم سے کرنا۔

③ انکم ٹیکس جس میں تجارت پیشہ حضرات جو ایک سال میں منافع کماتے ہیں اُن منافع پر جو ٹیکس لیا جاتا ہے اس کی ادائیگی کے لیے سود کی رقم کا استعمال۔ تاجر پیشہ حضرات اپنی صحیح اور حقیقی آمدنی کبھی بھی سرکار کو نہیں بتاتے، سنا گیا ہے کہ بعض ہندوستانی علما کی طرف سے دی گئی رخصت وجواز کی بنا پر وہ لوگ ایسا کرتے ہیں، اب جو نقلی منافع پر ٹیکس لگتا ہے اس کو بھی سود کی رقم سے دینا چاہتے ہیں۔

④ سیلس ٹیکس اور اکٹرائی (چُنگی)، اس میں بھی تاجر حضرات دو نمبر کے بل وغیرہ بنوا کر اصل مقدارِ مال پر جو ٹیکس عائد ہوتا ہے، اس سے بچ جاتے ہیں، ہاں نقلی مقدارِ مال پر جو ٹیکس عائد ہوتا ہے اس میں سود کی رقم کا استعمال کرتے ہیں۔

⑤ آفیسروں اور سرکاری ملازموں کو جو ہدایا وتحائف بطورِ رشوت دیتے ہیں ان میں سود کی رقم کا استعمال کرتے ہیں اگرچہ ان تحائف کے دینے کا منشا اپنے ہی کسی قصور وجرم سے سبک دوشی حاصل کرنا ہوتا ہے۔

⑥ اسپتالوں اور کچہریوں میں کام کرتے ملازمین کو بخشش کے طور پر سود کی رقم دے کر اپنے لیے سہولت اور آسانی مہیا کر لیتے ہیں۔

⑦ غیروں کے علاقوں میں رہتے بعض مسلم بھائی فتنہ سے بچنے کے لیے ان

کے مذہبی اور سماجی پروگراموں اور فنکشنوں میں سود کی رقم دیتے ہیں، خصوصاً گنپتی ودسہرا کے موقعوں پر۔

⑧ محلّہ کے شر پسند عناصر کے شر سے بچنے کے لیے سود کی رقم کا استعمال کرتے ہیں، اگر چہ وہ مسلمان ہی ہو اور شہر کے نام چین غنڈوں میں شمار ہوتا ہو۔

⑨ بینک میں کھاتا چلانے کو جو اخراجات (یعنی بینکس چارجیز) لگائے جاتے ہیں مثلاً چیک بک کی قیمت، پاس بک کی قیمت، اسٹیٹمنٹ کی قیمت وغیرہ، وہ بینک میں جمع شدہ رقم پر جو سود ملتا ہے، اس میں سے وضع کروالیتے ہیں۔

⑩ فکس ڈپازٹ میں کثیر رقم رکھ کر اس کے سامنے بینک کے ذریعہ کسی چیز (مثلاً مکان، گاڑی، پلاٹ وغیرہ) کی خریداری کر کے یا نقد لون کی صورت میں رقم لے کر اس فکس رکھی ہوئی ڈپازٹ پر ملنے والی سود کی رقم سے اس سود کی ادائیگی کرنا یعنی سود کی رقم سود میں چلی جائے۔

⑪ زید کے پاس سود کی رقم ہے جو اس کی ذاتی رقم پر مدت گذرنے کے بعد ملی ہے وہ بکر کو اس کی لی ہوئی بینک کی لون پر عائد ہونے والی سود کی رقم کے بدلے ادا کر دیتا ہے۔

⑫ لائٹ بل بہت زیادہ آگیا، معمول سے زائد رقم کو سود والی رقم سے ادا کر دیتے ہیں۔

⑬ تقریبات کے موقعوں پر سود کی رقم سے غریبوں کی مدد کر کے ان کو دعوت وغیرہ کے لیے رغبت دلاتے ہیں اور پھر خود بھی ان کے یہاں جا کر کھانا وغیرہ کھاتے ہیں۔

⑭ عیدِ برات یا خوشی کے موقعوں پر پوسٹ مین، ٹیلی فون مین، ٹیلی گرام مین

اور صاف صفائی کرنے والے اکثر انعام وصول کرنے آجاتے ہیں، ان کو سود کی رقم میں سے تھوڑا تھوڑا دیتے رہتے ہیں۔

⑮ اپنے گھروں اور دوکانوں، فیکٹریوں میں کام کرتے ملازمین وملازمات کو علاوہ تنخواہ کے ان کے زائد اخراجات مثلاً شادی بیاہ، بیماری، موت میت وغیرہ کے لیے سود کی رقم دیتے ہیں جس کی وجہ سے بعض مرتبہ وہ لوگ بھی معینہ کام کے سوا زائد کام کردیتے ہیں، اس طرح گھر والوں کو اور دوکان والوں کو اس کا فائدہ مل جاتا ہے۔

⑯ اجتماعی شادیوں کے موقعوں پر بعض امرا سود کی کثیر رقم منتظمین حضرات کو دیتے ہیں جس سے وہ لوگ غریب دولہا دلہن کے لیے گھر کے استعمال والی اور ذاتی استعمال میں آنے والی چیز خرید کر دیتے ہیں نیز اس رقم سے اجتماعی شادیوں کے رقعات اور ڈیکوریشن وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں، پھر ان امرا کا نام اخبار اور رسائل میں مع تصویروں کے چھپ جاتا ہے کہ فلاں سیٹھ صاحب نے اور فلاں امیر صاحب نے اور فلاں رئیس صاحب نے اتنی اتنی رقم اجتماعی شادیوں کے پروگرام کو انجام دینے کے لیے عطا کی، اس طرح سود کی رقم صحیح ٹھکانے پر لگ گئی اور نام بھی ہوگیا۔

⑰ بعض مسلم سوشل ورکر اپنی واہ واہ کروانے کو رفاہِ عام کے کاموں کے لیے سود کی رقم ڈوینٹ کرتے ہیں جس کے ذریعہ سے محلہ میں پکی سڑک کا انتظام، لائٹ کا انتظام، لائبریری کا انتظام وغیرہ کیا جاتا ہے۔

⑱ بعض بیچارے سود والی رقم سے مسجد ومدرسہ کے استنجا خانے، بیت الخلا اور غسل خانے وغیرہ بنوادیتے ہیں، نیز ان میں لوٹے، پاٹ اور بالٹی وغیرہ کا بھی ان ہی پیسوں سے انتظام کرتے ہیں حتی کہ بعض حضرات اپنی رقم سے وہاں کی ضرورت

کے لیے بلب، ٹیوب اور ہیٹر وغیرہ کا نظام کرتے ہیں۔

⑲ بعض جگہوں پر اسکول اور کالج میں تعلیم حاصل کرتے غریب گھرانے کے بالغ و نابالغ لڑکے لڑکیوں کے لیے فیس، یونیفارم اور کتابوں کے لیے سود کی رقم سے تعاون کیا جاتا ہے۔

مذکورہ صورتیں سود کی رقم استعمال کرنے کی آج کل چل رہی ہیں جو بندۂ مستفتی کے علم اور تجربہ میں آئیں، جنابِ والا کی خدمت میں عرض کردیں۔ اب جنابِ والا ان صورتوں میں جواز والی صورت کی نشاندہی فرمادیں، نیز اور بھی جائز مصارف کا ذکر فرمادیں جیسا کہ تحریر کی ابتدا میں درخواست کی گئی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کی سودی رقم اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے اور ثواب کی نیت رکھے بغیر فقرا اور مساکین کو بطورِ تملیک دے دینا ضروری ہے، یہی اس کا اصل مصرف ہے، اپنے استعمال میں لانا یا رفاہِ عام کے کاموں میں خرچ کرنا درست نہیں۔ اس رقم کے متعلق یہ اصولی اور بنیادی جواب ہے، آپ نے لوگ اس نوع کی رقم کہاں کہاں خرچ کرتے ہیں اس کو تفصیل سے لکھا ہے، مندرجۂ بالا جواب سے ان تمام صورتوں کا حکم معلوم ہوسکتا ہے، پھر بھی آپ کی تسلیٔ خاطر کے لیے ہر ایک کا الگ الگ جواب دیا جارہا ہے۔

①② یہ درست نہیں؛ اس لیے کہ ایک طریقہ سے یہ اپنے ہی استعمال میں لانا شمار ہوگا۔

③ اس سلسلہ میں حضرت مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی دامت برکاتہم تحریر

فرماتے ہیں: حکومت کے ایسے ٹیکسوں میں جن کی منفعت ٹیکس دہندہ کو نہ پہونچتی ہو اور شرعاً وہ ظالمانہ ٹیکس کے دائرہ میں آتے ہوں تو حکومتی بینک کے سود سے حکومت کو ظالمانہ ٹیکس دینا تو اصولاً جائز ہونا چاہیے؛ لیکن اول تو ٹیکسوں کی منفعت نہ پہونچنے اور پھر اس کی ٹھیک مقدار کا تعین بسا اوقات مشکل معلوم ہوتا ہے اور پھر سود کی اتنی ہی مقدار پر اکتفا اور زیادہ دشوار نظر آتا ہے۔

مزید برآں یہ کہ اس طرح کی اجازت سے سود لینے کا دروازہ کھل جانے کا خطرہ ہے؛ کیوں کہ عام تجربہ ہے کہ ایک بار کسی کام کی اجازت اگرچہ بہت سی قیود اور حدود کے ساتھ دے دی جائے تو پھر عوام ان حدود و قیود کا لحاظ کیے بغیر اس کام میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس لیے سداً للذریعہ حکومتی بینکوں سے ملے ہوئے سود کے بھی عام استعمال کی اجازت نہ دینا ہی بہتر ہے (خواہ وہ غیر شرعی ٹیکسوں کے بقدر ہی لیا گیا ہو)۔

علاوہ ازیں کہ حکومت کے بعض ٹیکس وہ ہیں جو ظاہری طور پر ظالمانہ معلوم ہوتے ہیں اگر ان کی منفعت (کبھی غیر محسوس طریقہ پر) ٹیکس دینے والے کی طرف بسا اوقات لوٹ آتی ہے، گویا اس طریقہ سے وہ ٹیکس اس خدمت کا بدل ہو جاتا ہے جو حکومت کی طرف سے ٹیکس دہندہ کی کی گئی ہے اس خدمت کے بعد سود لینا حقیقتاً وبال ہی ٹھہرے گا؛ البتہ اگر حکومت کے کسی ٹیکس کا ظالمانہ ہونا متعین ہو جائے (اور اس کے بدلے کوئی معتد بہ منفعت بھی حاصل نہ کی گئی ہو) تو اس ٹیکس کا گورنمنٹ کے ٹیکس سے ملے ہوئے سود کی رقم سے ادا کرنا اصولاً جائز معلوم ہوتا ہے، اسی طرح ظالمانہ ٹیکس کے بقدر حکومت (یا اس کے کسی ادارہ) سے قانونی طریقہ پر وصول کر لینا شرعاً درست ہونا چاہیے۔

(موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل: ۱۷۳-۱۷۴)

یہاں یہ بات یاد رہے کہ بینک کے سود کی رقم سے حکومت کے ظالمانہ ٹیکس کی ادائیگی کو جائز قرار دیا گیا ہے وہاں پر مطلق ہر بینک مراد نہیں؛ بلکہ وہی بینک مراد ہے جو حکومت کی ملک ہو، اس لیے کہ حکومتی بینکوں کے علاوہ دیگر بینکوں سے ملی ہوئی سود کی رقم کو حکومت کے ظالمانہ ٹیکس کی ادائیگی میں دینا درست نہیں۔

④ حضرت مفتی نظام الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ: اسٹیٹ بینک یا مرکزی حکومت کے اور جتنے بینک ہیں ان سے سود کی جو رقم ملے اس کو اگر مرکزی حکومت ہی کے کسی غیر شرعی ٹیکس میں دے دے تو ذمہ سے بری ہو جائے گا، جیسے: انکم ٹیکس وغیرہ اور اگر مرکزی حکومت کے ٹیکس کے علاوہ صوبائی یا میونسپل بورڈ وغیرہ کے کسی مقامی یا نجی غیر شرعی ٹیکس وغیرہ میں دے دیا جائے تو ذمہ سے بری نہ ہوگا؛ بلکہ ایسی صورت میں اس کے وبال سے بچنے کی نیت سے غربا و مساکین پر تصدّق کر دینا لازم ہوگا۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ ۳/۱۲۸)

⑤ اپنا کوئی کام نکلوانے کے لیے یا اپنے آپ کو حکومت کی کسی گرفت سے بچانے کے لیے جو رقم حکومت کے متعلقہ کارندوں کو بطورِ رشوت دی جاتی ہے اس میں بینک کی سودی رقم کا استعمال جائز نہیں ہے۔

⑥ یہ بھی درست نہیں، یہ استعمال بھی ذاتی استعمال میں شمار ہوگا۔

⑦ یہ بھی جائز نہیں۔

⑧ یہ بھی جائز نہیں۔

⑨ درست نہیں۔

⑩ فکس ڈپازٹ میں رقم رکھنے کا مقصد ہی سود حاصل کرنا ہوتا ہے جو کسی حال

میں درست اور جائز نہیں، اصالتاً تو بینک میں رقم جمع کرانا ہی جائز نہیں؛ اس لیے کہ اعانت علی المعصیۃ ہے، چند قانونی مجبوریوں کی وجہ سے اس کی اجازت دی جاتی ہے جو فکس ڈپازٹ والی صورت میں پائی نہیں جاتی، نیز اس آدمی کے پاس اپنی ذاتی رقم ہوتے ہوئے سودی قرض (لون) لینا یہ خود بہت بڑا جرم ہے اور اس طرح یہ آدمی دوہرے گناہ (سود کے لینے اور دینے) میں مبتلا ہوتا ہے۔

(۱۱) اگر بکر مستحقِ زکوٰۃ یعنی بینک کی سودی رقم کا مصرف ہے تب تو زید کے لیے خود کو بینک سے بطورِ سود ملی ہوئی رقم بکر کو دینا جائز ہے اور رقم ملنے کے بعد بکر اپنی کسی بھی ضرورت میں اس کو استعمال کرسکتا ہے؛ لیکن اگر بکر مصرفِ زکوٰۃ یعنی بینک کی سودی رقم کا حق دار نہیں ہے تو زید کے لیے بینک سے ملی ہوئی سود کی رقم بکر کو دینا جائز نہیں۔

(۱۲) لائٹ بل کی ادائیگی میں بھی بینک کی سودی رقم کا استعمال درست نہیں، اگر لائٹ بل بہت زیادہ آگیا ہو تو اس وقت جس نوع کی قانونی کاروائی کی جانی چاہیے کرے اور اس زیادتی سے اپنے آپ کو بچائے۔

(۱۳) تقریب کے موقعہ پر دعوت کی غرض سے جس غریب کو بینک کی سودی رقم دی جارہی ہے وہ اگر اس کا مصرف ہے تو اس کی اجازت ہے۔

(۱۴) مذکورہ اشخاص کو بطورِ انعام بینک کی سودی رقم دینا جائز نہیں؛ البتہ اگر یہ حضرات مصرفِ زکوٰۃ ہیں تو زبان سے انعام کا نام لے کر دینے کی گنجائش ہے۔

(۱۵) اپنے یہاں کام کرنے والے ملازم مرد اور عورتوں کو اگر وہ مصرفِ زکوٰۃ ہیں تو دینا جائز اور درست ہے؛ لیکن اس کی بنیاد پر ان سے ان کے فرضِ منصبی سے زیادہ کام لینا جائز نہیں۔

⑯ اجتماعی شادیوں کے پروگرام میں غریب دولہا دُلہن کو مالک بنا کر جو چیزیں دی جاتی ہیں اس میں اس رقم کا استعمال درست ہے؛ لیکن اجتماعی نکاح کے لیے تیار کیے جانے والے پنڈال اور اس کے ڈیکوریشن میں خرچ کرنا جائز نہیں؛ اس لیے کہ تملیک جو ضروری ہے پائی نہیں جاتی، باقی دینے والوں کا نام اخبار میں چھاپنا یہ سب نام ونمود کے علاوہ کچھ نہیں۔

⑰ جیسا کہ شروع میں بتلایا جاچکا رفاہِ عام کے کاموں میں بینک کی سودی رقم کا استعمال درست نہیں۔ ⑱ یہ بھی ناجائز ہے۔

⑲ اسکول اور کالج میں تعلیم حاصل کرنے والے لڑکے لڑکیوں کی ضرورتوں میں بطورِ تملیک استعمال کرنا درست ہے بشرطیکہ وہ مصرفِ زکوٰۃ ہوں، اور اگر وہ نابالغ ہیں اور ان کے ماں باپ مصرفِ زکوٰۃ ہیں تو ان کی ضرورتوں کے لیے بطورِ تملیک دیا جاسکتا ہے۔

شروع میں اصولی اور بنیادی بات بتلادی گئی ہے اسی کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے کونسا مصرف درست ہے اور کونسا مصرف درست نہیں اس کا فیصلہ بہ آسانی کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۴/ جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ

بینک یا پوسٹ سے ملنے والا سود اور ٹیکس میں اس کا استعمال

سوال: بینک یا پوسٹ آفس سے ملنے والی رقم لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس کا

استعمال اپنے گذارے کے لیے کر سکتے ہیں یا نہیں؟

① ہمارے یہاں سرکاری ملازم جب (عمر ہونے پر) ریٹائرڈ ہوتا ہے تو اس کو ہر ماہ پنشن (جو تنخواہ سے بہت کم ہوتا ہے) ملتا ہے، عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے دوسری ملازمت بھی نہیں کر سکتا، مجبور ہے، اور ملنے والی پنشن سے اس کا نباہ نہیں ہو سکتا ہے، ایسی صورت میں (ریٹائرڈ ہونے پر پروویڈنٹ فنڈ ملتا ہے) تو اس کی رقم کو حفاظت کی غرض سے بینک یا پوسٹ آفس میں رکھتا ہوں، تو ایسی صورت میں اس پر ملنے والی رقم (سود) کو میں اپنے لیے استعمال کر سکتا ہوں کہ نہیں؟

② بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ: ہمارا ملک دار الاسلام نہیں ہے (اسلامی قواعد نافذ نہیں ہو سکتے ہیں)؛ اس لیے ہم نے ہمارے پیسے بینک یا پوسٹ آفس میں بہ غرض حفاظت رکھے ہیں، اس پر ملنے والے سود کو اپنے لیے استعمال کر سکتے ہیں، یہ بات کیسی ہے؟

③ ایک بات یہ جاننے میں آئی ہے کہ بینک یا پوسٹ آفس میں جمع شدہ رقم پر ملنے والے سود کو آمدنی Tex اور مکان اور پانی کا Tex وغیرہ کے لیے استعمال کر سکتے ہیں، اگر یہ صحیح ہے تو ہم سود اپنے ہی لیے استعمال کر رہے ہیں! کیوں کہ آخر کار اس کے دینے سے اپنے پیسوں کا بچاؤ ہوتا ہے، تو یہ بات کیسی ہے؟

نوٹ: پوسٹ آفس میں جمع شدہ رقم سرکار سود کے کاموں میں استعمال نہیں کرتی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① بینک سود کی رقم، اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے ثواب کی نیت رکھے بغیر

فقرا اور مساکین کو بہ طور تملیک دینا ضروری ہے، اپنے استعمال میں لانے کی اجازت نہیں۔ آپ کے پاس جب تک وہ رقم موجود ہے جس کو آپ نے بہ غرض حفاظت بینک میں رکھا ہے، وہاں تک آپ شرعی فقیر اور مسکین کی تعریف میں نہیں آتے۔

(۲) سود کی حرمت مطلق ہے، کسی زمانہ اور مکان کے ساتھ خاص نہیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وحرم الربوا﴾.

(۳) حکومت کی طرف سے جو سہولتیں (پانی بجلی وغیرہ) مہیا کی جاتی ہیں اور اس کے معاوضہ میں جو رقم ٹیکس کے نام سے وصول کی جاتی ہے، اس میں بینک سود کی رقم دینا جائز نہیں؛ البتہ جو ٹیکس جبراً بلا کسی معاوضہ کے وصول کیے جاتے ہیں ان کی ادائیگی میں یہ رقم دینا اس لیے روا رکھا گیا ہے کہ، یہ حکومتی ادارہ (یعنی وہ بینک جو حکومت کی ملک ہے اس) کی طرف سے ملی ہے، اب حکومت ہی کے ناجائز مطالبہ سے بچاؤ کے لیے اس کو استعمال کرتے ہوئے اس کو لوٹایا جارہا ہے؛ اسی لیے یہ حکم ہر بینک سے حاصل ہونے والے سود کا نہیں ہے؛ بلکہ اس کا تعلق صرف ان ہی بینکوں سے ہے جو حکومت کی مملوکہ ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷ رذوالحجۃ الحرام ۱۴۲۱ھ

سودی رقم کا مصرف

سوال: غیر مسلم سرکار سے ربوا لینا دینا جائز ہے کہ نہیں؟ اور ہمارے ملک میں یہ قاعدہ جاری ہے کہ بینکوں میں روپیے رکھنے والوں کو ربوا کے طور پر روپئے دیے جاتے ہیں، تو اس کا لینا جائز ہے؟ اور اس کا خرچ کرنا اپنے ذاتی مفاد کے لیے جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کی حرمت فروعی اور استنباطی نہیں؛ بلکہ منصوص اور قطعی ہے۔ ﴿وحرَّم الربوا﴾ (اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے) سود لینے والے، سود دینے والے، سود کا رقعہ لکھنے والے، سود کی گواہی دینے والے؛ سب پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے۔

عن جابر قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا، وموكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال هم سواءة رواه مسلم (مشكوٰة: ٢٤٤)

بہتر یہ ہے کہ بینک میں روپیہ داخل نہ کیا جائے، اگر اور کوئی صورت نہ ہو تو بدرجۂ مجبوری بینک میں بھی روپیہ داخل کرنا جائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ: ۴/ ۲۰۰)

اگر بینک میں رقم جمع کی ہے، تو فاضل رقم وہاں سے وصول کر کے غرباء کو دیدی جائے اس نیت سے کہ اللہ پاک اس کے وبال سے محفوظ رکھے۔ (ایضاً ۲۰۳)

اپنے ذاتی استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم کا مصرف

سوال: جماعت المسلمین محلہ جونا بازار مجگاؤں جماعت کے کئی ہزار روپئے مختلف بینکوں میں موجود ہیں، اس رقم پر ملنے والی سود کی رقم کو مدرسہ کے کس مد میں استعمال کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بلا ضرورت اور مجبوری بنک میں رقم جمع کرانا جائز نہیں ہے، اگر کسی ضرورت یا

مجبوری کی وجہ سے اس کی نوبت آ گئی، تو اس پر سود کے نام سے جو زائد رقم حاصل ہوتی ہے تو اس کو غرباء و مساکین کو بطورِ تملیک دینا ضروری ہے، اور دیتے وقت نیت ثواب کی نہ ہو؛ بلکہ اس کے وبال کو دور کرنے کی ہو، اگر ادارہ پر حکومت نے کوئی ناجائز ٹیکس لازم کر دیا ہے تو حکومتی بینک سے حاصل شدہ اس زائد رقم کو اس ناجائز ٹیکس کی ادائیگی کے نام سے حکومت کو واپس کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شوگر فیکٹری کے سود کا حکم

سوال: میں شکر فیکٹری کا ممبر ہوں اور یہ ممبر اور شیئر بننا ضروری ہوتا ہے بایں طور کہ میں کاشت کار ہوں گنا وغیرہ کی کھیتی بھی کرتا ہوں ظاہری بات ہے اس گنے کو شکر فیکٹری میں فروخت کریں گے اب سوال یہ ہے کہ جب گنا فیکٹری میں بھیجا جاتا ہے اس وقت فیکٹری مالک اپنا کچھ فنڈ کاٹ لیتے ہیں شیئر بناتے ہیں اور پھر اس فنڈ کا پیسہ بعد میں فیکٹری مالک بھیجتے بھی ہیں لیکن یہ لکھ کر بھیجتے ہیں کہ آپ کا بیاج یہ ہے۔ تو کیا یہ رقم جو بہ نام بیاج بھیجی گئی بیاج ہی ہے؟ یا اپنی دی ہوئی رقم (فنڈ والی) کا منافع ہے؟

نوٹ: یہ بات ملحوظ رہے کہ فنڈ والی رقم تو مالک فیکٹری کے پاس جمع ہی رہتی ہے البتہ وہ اس کا سالانہ بیاج بھیجتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فنڈ کی جمع شدہ رقم پر جو سود آپ کو مل رہا ہے اس کا استعمال آپ کے لیے جائز نہیں ہے۔ وہ رقم اس کا وبال اتارنے کی غرض سے غرباء و مساکین کو بہ طور تملیک

دے دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

سودی پیسہ گٹر یوجنا میں

سوال: جو پیسہ بینکوں میں رکھا جاتا ہے، اور جو اس کا سود ملتا ہے اس کا استعمال کہاں کہاں جائز ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں دھرم پور میں نگر پنچایت کی طرف سے گاؤں کے پانی نکالنے کے لیے گٹر بنوایا جارہا ہے، جس میں ہر گھر والے سے کچھ رقم لی جارہی ہے، تو آیا بینک کا بیا جو پیسہ گٹر یوجنا میں دے سکتے ہیں کہ نہیں؟ ایک خلاصہ یہ بھی ہے کہ ایک جنرل گٹر ہوگا جس میں ہر گھر والے کا کنکشن جوڑا جائے گا، تو اپنے گھر کے باڑے سے جنرل پائپ تک اپنے راس المال میں سے خرچ ہو، اور جنرل میں بیاج یا دونوں میں بیاج چل سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی ضرورت شدیدہ کے پیشِ نظر بینک میں رکھی ہوئی رقم پر جو سود ملتا ہے اس کو اس کے وبال کو دور کرنے کی نیت سے (بلا نیت ثواب) غرباء ومساکین کو بطور تملیک دے دیا جائے، گٹر یوجنا میں یہ رقم نہ دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بینک کے سود سے نالی کا ڈھکن بنوانا

سوال: میرے گھر کے سامنے دروازے پر پانی جانے کی نالی بنائی ہوئی ہے

اس نالی کے اوپر پتھر رکھے ہوئے ہیں تو ان پتھروں کے اوپر میری گاڑی یہاں آتی ہے اور جاتی ہے جس سے وہ پتھر ٹوٹ جاتے ہیں تو وہاں پر سودی رقم سے لوہے کی جالی لگائی جائے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کے سود کی رقم سے لوکھنڈ کی وہ جالی بنوا کر پتھر کی جگہ رکھنا درست نہیں، اوپر جواب میں لکھے ہوئے مصرف میں بینک سود کی رقم دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۹/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بینک میں رقم جمع کرنا اور ملنے والا سود مدارس پر خرچ کرنا

سوال: ہمارے یہاں انگلینڈ میں کچھ مسلمان بینک یا بلڈنگ سوسائٹی (یہ بھی بینک جیسا کاروبار کرتے ہیں) میں سودی کھاتے میں اپنی رقم جمع کروا کر اس پر جو سود ملتا ہے وہ سود غریبوں، مدرسوں میں دے دیتے ہیں، کیا اس طرح سود لینا جائز ہے؟ جب کہ یہاں بنکوں میں ایسے کھاتے کھولنے کی سہولتیں بھی ہیں جن میں رقم جمع کروانے والے کو بینک سود نہیں دیتی، ایسے کھاتوں کو کرنٹ اکاؤنٹ کہتے ہیں، ان کھاتوں میں ایک سہولت یہ بھی ہے کہ رقم جمع کروانے والا کسی کو بھی نقد رقم کے بجائے چیک کی صورت میں رقم ادا کر سکتا ہے، کیا ایسی سہولت کے باوجود بھی بینک میں سود والے کھاتے یعنی اکاؤنٹ میں رقم رکھ کر اس پر سود لے کر غریبوں اور مدرسوں کو دینا جائز ہے؟ مدرسوں اور غریبوں کو سود والی رقم دینے کی وجہ سے لوگوں میں چند قباحتیں بھی پیدا ہوگئی ہیں،

مثلاً جو مسلمان بینک میں دو ہزار پونڈ جمع کرواتا ہے تو اس کو ایک سال کے بعد اس رقم پر آج کل تقریباً ۱۶۰ پونڈ سود ملتا ہے، اور اس پر مزید ۵۰ پونڈ زکوٰۃ بھی فرض ہو جاتی ہے، تو کیا وہ ایک سال میں ۲۱۰ پونڈ اس میں بہ آسانی ادا کرے گا، اگر کسی نے اتنی رقم نکال بھی دی تو پھر وہ للہ خرچ کرنے میں بخل کرے گا، اور اکثر لوگ ایسا کر بھی رہے ہیں کہ جب وہ اتنی بڑی رقم سود کی غرباء اور مدرسوں کو دیں گے تو ان کو للہ جہاں تک زکوۃ ادا کرنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ براہِ کرم اس مسئلہ پر تفصیلاً روشنی ڈالیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کی حرمت منصوص اور قطعی ہے۔ ﴿وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾ (اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا) سود کی حرمت جب نازل ہوئی اس وقت جن لوگوں کا پہلے سے باقی تھا اس کو وصول کرنے کی بھی ممانعت فرما دی گئی بلکہ اس کو شرط ایمان کے برابر قرار دیا+ ﴿وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِيْن﴾ (سود کا بقایا چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو) جو لوگ سود لینے سے باز نہ آئے ان کے لیے اعلانِ جنگ ہے۔ ﴿فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَرَسُولِهِ﴾ (اگر تم نے ایسا نہ کیا، یعنی سود کا بقایا نہ چھوڑا تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے)۔

سود خوار کے حشر کو قرآن پاک میں اس طرح بیان کیا گیا: ﴿الَّذِيْنَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلاَّ كَمَا يَقُومُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَس﴾ (جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے روز اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس بنا دیا ہو)۔

سود لینے والے، سود دینے والے، سود کا رقعہ لکھنے والے، سود کی گواہی دینے والے پر حدیث میں لعنت آئی ہے۔ لعن رسول اللہ ﷺ آکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء (مسلم)

بلاضرورتِ شدیدہ بینک میں روپیہ جمع کرانے کی اجازت نہیں ہے؛ اس لیے کہ تعاون علی الاثم ہے؛ اس لیے اولاً تو بینک میں روپیہ داخل ہی نہ کیا جائے؛ البتہ اگر رقم کی حفاظت کی کوئی اور صورت نہ ہو تو بدرجۂ مجبوری رقم جمع کرانے کی اجازت دی گئی ہے، اور شریعت کا قاعدہ ہے کہ "الضرورۃ تتقدر بقدر الضرورۃ" (جس کام کی اجازت کسی ضرورت کی وجہ سے دی گئی ہو وہ ضرورت کی حد تک ہوتی ہے) جب وہ ضرورت کرنٹ اکاؤنٹ سے پوری ہوجاتی ہے جس میں سود لینا نہیں پڑتا، تو پھر ایسا کھاتہ کیوں جاری کرایا جائے جس میں سود لینا پڑتا ہے، پھر یہ رقم غرباء ومساکین اور مدارس کو جو دی جاتی ہے اس کا مقصد تو اس کے وبال کو دور کرنا ہے نہ کہ ثواب حاصل کرنا؛ بلکہ اگر کوئی آدمی اس رقم سے ثواب کی نیت کرے تو یہ نہایت خطرناک بات ہے، جب شروع سے ہی اپنے آپ کو اس وبال سے بچانا ممکن ہے تو پھر یہ کونسی دانشمندی اور دیانت ہے کہ اس وبال کو اختیاری طور پر اپنے سر لیا جائے اور پھر اس کو دور کرنے کی تدبیر اختیار کی جائے، کوئی بھی سمجھدار آدمی اس لیے زہر نہیں کھاسکتا کہ اس کے پاس تریاق موجود ہے۔ پھر دینی اور مذہبی اداروں کو اگر حرام مال سے چلایا جائے گا تو ان سے ایسے لوگ تیار ہوکر نکلیں گے جو خود بھی حرام وحلال کی تمیز سے بے بہرہ ہوں گے اور قوم کو حرام سے روکنے کا جذبہ بھی ان میں نہیں ہوگا، اس طرح ایسے لوگوں کو تیار کرنا ظاہر ہے کہ کوئی دینی خدمت نہیں جس سے رضاءِ خداوندی میسر آسکے جو کہ

مسلمان کی خلقت کا اصل مقصد ہے؛ نیز اس میں سود کی قباحت کو لوگوں کے قلوب سے کم کرنا لازم آتا ہے جو مقاصد دین کے صریح منافی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ذوی الحجۃ الحرام ۱۴۰۷ھ

سودی رقم کا مصرف اور کسی ادارے کا اس کو لینا

سوال: ضلع کولہاپور میں ایک ادارہ قائم ہوا، ہمارے علاقہ میں سودی کاروبار بہت زیادہ ہے، اس مال سے بچتے ہوئے یہ ادارہ قائم ہوا ہے؛ لیکن بات یہ ہے کہ پھر بھی ان لوگوں کی رسیدیں کٹ رہی ہیں تو اس مال کا کیا کیا جائے؟ کیا یہ مال روم کے کرایہ کے لیے یا لائٹ بل کے لیے یا کسی اور کام میں استعمال ہوسکتا ہے؟ اگر نہیں ہوسکتا ہے تو اس مال کا استعمال کہاں اور کیسے کریں بتلادیں؟ عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کا لینا دینا قرآن اور حدیث کے نصوص سے قطعاً حرام ہے، بذریعۂ سود حاصل کی ہوئی رقم اس کے اصل مالک کو اور اس کا انتقال ہوگیا ہو تو اس کے ورثاء کو لوٹانا ضروری ہے، کسی بھی ادارہ کے لیے اس طرح کی رقم کا قبول کرنا کسی حال میں جائز اور درست نہیں، اس لیے اگر اس طرح کی رقوم وصول کرکے رسیدیں کاٹی گئی ہیں تو وہ تمام رقمیں دینے والے کو یوں کہہ کر لوٹادی جائے کہ یہ ان کے اصل مالکین کو پہنچاؤ، ادارہ کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں؛ البتہ اگر بینک سود کی رقم کسی کے پاس ہو تو وہ بلانیتِ ثواب فقراء اور مساکین کو بطور تملیک دے دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

رفاہ عام میں سود کی رقم دینے کا حکم

سوال: ہمارے استاد نے ربا کے متعلق یہ کہا کہ ربا کی رقم میں حق غربا ہے یعنی مصرف غربا ہیں لقطہ پر قیاس کرتے ہوئے کہ کوئی مستحق نہ ملے تو تصدق علی الفقراء ہے اور کبھی یہ بھی سنا کہ رفاہ عام کے کام میں بھی استعمال کر سکتے ہیں تو رفاہ عام میں استعمال کے وقت کس کو مقیس علیہ بنا کر اجازت دیتے ہیں فی الحال مجھے یاد نہ رہا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں اس روپیے کو جو بینکوں کے سود کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے مسلمانوں کے اجتماعی مقاصد میں صرف کر دینا چاہیے۔ عالمگیری میں ہے: وما أوجف المسلمون عليه من أموال أهل الحرب و بغير قتال يصرف في مصالح المسلمين الخ (۲/۴۳۵. كتاب السير ص:۴۱۸) تفصیلات کے لیے درمختار ۳/۳۴۵ اور شرح السیر الکبیر ۳/۱، ۱۷۸، ۱۲۵، ۲۲۶، ۲۲۸، ۲۲۹ عالمگیری ۲/۲۱۰ وغیرہ ملاحظہ فرمائیے۔ (مکتوبات ۲/۱۲۴)

اس پر بہ طور حاشیہ مفتی محمد سلمان صاحب زید مجدہم تحریر فرماتے ہیں: فقہ کی دیگر نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ سودی رقم کو فقرا پر صدقہ کرنا چاہیے۔ (شامی ۶/۳۸۶) اور اجتماعی مقاصد میں خرچ کرنے کا حکم ہندوستانی سود کے جواز کے حکم پر مبنی ہے جو اس وقت مفتیٰ بہ نہیں ہے۔ (فتاویٰ شیخ الاسلام ص:۱۴۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۳/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سود کی رقم رفاہ عام اور حکومتی ٹیکس میں دینا

سوال: ① سود کی رقم رفاہِ عام میں دینا درست ہے یا نہیں؟ ڈربن کے آس پاس میں حبشیوں کا علاقہ ہے، دعوت کا کام ہو رہا ہے کنواں وغیرہ بنانے کے لیے زیادہ رقم درکار ہے، للہ رقم اکثر ملنا دشوار ہوتا ہے تو اس مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے گنجائش ہے یا نہیں؟

② سود کی رقم سے حکومتی ٹیکس ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو پوری یا اتنی مقدار جتنا ظلم سمجھا جاتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① بینک کے سود کی رقم اس کے وبال سے بچنے کے لیے بلانیتِ ثواب فقراء اور مساکین کو دے دی جائے، مالک بننے کے بعد وہ جس کام میں بھی استعمال کرنا چاہیں کر سکتے ہیں، براہِ راست رفاہِ عام میں استعمال نہ کی جائے۔

② اگر بینک کی مالک حکومت ہے تو اس بینک سے حاصل شدہ سود کی رقم حکومت کے غیر واجبی ٹیکس میں ادا کرنا درست؛ بلکہ اولیٰ ہے، ورنہ جواب نمبر ۱ کے مطابق صرف کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

رفاہی کاموں میں سود کی رقم دینا جائز نہیں

سوال: جو روپیہ بینک میں رکھا جاتا ہے اس پر جو سود ملتا ہے اس کا استعمال

کہاں کہاں جائز ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں دھرم پور میں نگر پنچایت کی طرف سے گاؤں کا پانی نکالنے کے لیے گٹر بنوایا جارہا ہے جس میں ہر گھر والے سے کچھ رقم لی جارہی ہے تو کیا بینک سے ملا ہوا سود گٹر یوجنا میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟ دوسری بات یہ بھی ہے کہ ایک جنرل گٹر ہوگا جس میں ہر گھر والے کا کنکشن جوڑا جائے گا تو اپنے گھر کے باڑے سے جنرل پائپ تک اپنے روپیے سے خرچ ہو، اور جنرل میں سود کی رقم دی جائے یا دونوں میں سود کی رقم دی جائے گی تو کیا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی ضرورت شدیدہ کے پیش نظر بینک میں رکھی ہوئی رقم پر جو سود ملتا ہے اس کو اس کے وبال کو دور کرنے کی نیت سے (بلا نیت ثواب) غرباء ومساکین کو بطور تملیک دے دیا جائے، گٹر یوجنا میں یہ رقم نہ دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم، انکم ٹیکس، رشوت وغیرہ میں صرف کرنا

سوال: ① دیوالی یا New year میں سود کی رقم سے بیوپاری کو تحفہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

② دکان میں کام کرنے والے نوکروں کو چاہے وہ ہندو ہو یا مسلمان سود کی رقم سے دیوالی کا بونس (Bonus) دے سکتے ہیں؟

③ سود کی رقم سے دکان کے کسی نوکر کی یا اس کے گھر والوں کی مدد کر سکتے ہیں؟

④ سود کی رقم سے انکم ٹیکس (Incom tax) ادا کیا جاسکتا ہے؟

⑤ سود کی رقم سے حکومت کے افسر کو رشوت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

⑥ Co.Operatve Housing Socity کے بینک کے کھاتہ (Account) میں جمع سود کی رقم سے گٹروں کا کام یا گندی نالیوں کا کام کرواسکتے ہیں یا نہیں؟

⑦ سود کی رقم سے اسکول میں رشوت دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ایک بات اصولی طور پر سمجھ لیں کہ بینک سود کی رقم اپنی کسی بھی ضرورت یا فائدہ میں استعمال کرنا جائز اور درست نہیں؛ نیز رفاہِ عام کے کاموں میں بھی اس کو استعمال نہ کیا جائے، اس کا صرف ایک ہی مصرف ہے، اور وہ یہ کہ غریبوں اور مسکینوں کو بلانیتِ ثواب اس کا بوجھ دور کرنے کی غرض سے مالک بنا کر دے دیا جائے، مالک بننے کے بعد وہ حضرات جہاں چاہیں استعمال کر سکتے ہیں؛ البتہ اگر بینک گورنمنٹ کی مالکی کی ہے تو اس سے حاصل شدہ سود کی رقم گورنمنٹ کی طرف سے لاگو کئے جانے والے غیر واجبی ٹیکس میں ادا کر سکتے ہیں، جیسے کہ انکم ٹیکس؛ اس لیے سود کی رقم دیوالی وغیرہ کے موقع پر کسی بیوپاری کو تحفہ میں دینا جائز نہیں کہ یہ بھی ایک طرح سے خود ہی فائدہ اٹھانا ہوا۔

② یہ بھی درست نہیں۔

③ اگر وہ غریب اور محتاج ہے تو بطورِ امداد وہ رقم اس کو مالک بنا کر دی جاسکتی ہے؛ لیکن دی جانے والی اس رقم کے ذریعہ دباؤ ڈال کر اس سے اس کی ڈیوٹی سے زیادہ کام نہ لیا جائے۔

④ اگر جس بینک سے سود کی رقم ملی ہے وہ بینک گورنمنٹ کی ملک ہے تو اسی گورنمنٹ کی طرف سے لاگو کیا جانے والا انکم ٹیکس ادا کیا جاسکتا ہے۔

⑤ نہیں دی جاسکتی، اس لیے کہ اس طرح اس کو رشوت دے کر آپ اپنا کام نکلوا رہے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے اس رقم سے فائدہ اٹھایا۔

⑥ اوپر اس کا جواب آ گیا۔

⑦ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ ذی قعدہ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

پرائیوٹ بینک کی سودی رقم سے انکم ٹیکس ادا کرنا

سوال: میں (سید نصرت علی) اسکول میں ٹیچر کی حیثیت سے سروس کرتا ہوں، اور ہماری تنخواہ ICICI بینک میں جمع ہوتی ہے، ضرورت کے مطابق ہم اس میں سے پیسے نکالتے ہیں، ورنہ یہ تنخواہ کے پیسے اسی بینک میں جمع رہتے ہیں، کبھی کبھی دو یا تین مہینے کے اکٹھے پیسے وہی جمع رہتے ہیں، غرض یہ کہ ہمارا کھاتہ اسی بینک میں ہونے کی وجہ سے تنخواہ کے پیسے یہیں پر رہتے ہیں، مثلاً چالیس ہزار، پچاس ہزار، جو بھی رقم بینک میں رہتی ہے اس پر بینک سال میں دو مرتبہ یعنی مارچ اور ستمبر کے مہینے میں ہم کو جتنے پیسے جمع ہیں اس کے مطابق سود دیتی ہے، اور اسی تنخواہ پر جو ہم کو سال بھر میں ملی ہے گورنمنٹ مارچ کے مہینے میں ہم سے Incom Tax لیتی ہے، تو کیا ہم بینک سے ملی ہوئی سود کی کچھ رقم کو انکم ٹیکس میں بھرنے کے لیے استعمال کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کا کاروبار سودی لین دین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس میں رقم جمع کرانا ایک ناجائز کام میں تعاون کی وجہ سے درست نہیں؛ البتہ اپنے مال کی حفاظت اس کے بغیر ممکن نہ ہو یا کوئی قانونی مجبوری ہو اس صورت میں بینک میں رقم جمع رکھنے کی گنجائش دی گئی ہے؛ لیکن اس صورت میں بھی اس جمع شدہ رقم پر بینک کی طرف سے سود کے نام سے جو رقم زائد دی جارہی ہے اس کا اپنے کسی بھی کام میں لانا جائز نہیں؛ بلکہ حرام ہے، ایسی سود کی رقم غریبوں، محتاجوں کو ثواب کی نیت رکھے بغیر اور سود کا وبال اپنے سر سے ٹلانے کی غرض سے دے دی جائے، اور اگر وہ بینک جس میں رقم جمع رکھی گئی ہے سرکاری ہے تو اس صورت میں سود کے طور پر ملنے والی اس رقم کو سرکار کے کسی غیر واجبی ٹیکس (یعنی ایسا ٹیکس جس کے معاوضہ میں مستقل کوئی فائدہ حاصل ہوتا نہ ہو اس) میں ادا کرنے کی بھی گنجائش ہے، حضرات علماء نے انکم ٹیکس کو بھی اسی نوع کے ٹیکس میں شمار کیا ہے؛ لیکن جیسا کہ آپ نے سوال میں ذکر کیا، آپ نے اپنی رقم ICICI بینک میں جمع رکھوائی ہے، چوں کہ یہ بینک سرکاری ملک نہیں ہے، اس لیے اس کی طرف سے جو رقم سود کے نام سے آپ کے کھاتہ میں جمع ہو رہی ہے اس کو آپ انکم ٹیکس میں ادا نہیں کر سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حکومتی ٹیکسوں میں سودی رقم دینا

سوال: حکومت وقت کی طرف سے لگائے گئے ٹیکس: مثلاً پانی کا ٹیکس، گھر کا

ٹیکس، سڑک کا ٹیکس، قحط زدہ علاقوں میں راحت رسانی کے لیے ہنگامی ٹیکس؛ وغیرہ میں سودی رقم سے ادائیگی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کی جو رقم سرکاری محکمہ سے حاصل ہوئی ہے اس کو سرکار کی طرف سے لگائے گئے غیر واجبی ٹیکس میں ادا کرنا درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۴/ ۲۰۳)

حکومت کی طرف سے پانی پہچانے کا جو انتظام کیا جاتا ہے اس پر اگر ٹیکس لیا جاتا ہے تو اس کو غیر واجبی نہیں کہا جاسکتا، سڑک بھی اسی حکم میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اوقاف کی آمدنی کا سود اوقاف کی املاک کے ہاؤس ٹیکس میں

سوال: میں ایک مسجد کے وقف میں خدمت دے رہا ہوں، وقف کے قانون کے اعتبار سے آمدنی بینک میں رکھتے ہیں، اس آمدنی کا معتد بہ سود بینک میں جمع ہوا ہے، اب سود کی رقم کرایہ پر دیے ہوئے مسجد کی ملکیت کے وقف مکانات کے ہاؤس ٹیکس میں میونسپلٹی کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سرکاری بینک سے حاصل شدہ سود کی رقم غیر واجبی ٹیکس میں سرکار ہی کو دے دی جائے، یا پھر محتاج کو دے دی جائے۔ (فتاوی محمودیہ ۴/ ۲۰۳)

ہاؤس ٹیکس کو غیر واجبی ٹیکس میں شمار کیا جاتا ہے۔

إن الدار لا مؤنة فيها أصلا.(شامی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

کیا ہاؤس ٹیکس میں سود کی رقم دے سکتے ہیں

سوال: ہاؤس ٹیکس جو میونسپلٹی کی طرف سے لیا جاتا ہے کیا اس میں سود کی رقم دینا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے جو رقم حکومت کے بینک میں جمع رکھی گئی اور اس پر جو زائد رقم بینک نے بطور سود دی ہے اس رقم سے ہاؤس ٹیکس (جو حکومت کی طرف سے عائد کیا جاتا ہے) ادا کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

پروفیشنل ٹیکس میں سودی رقم استعمال کرنا

سوال: ہر تجارت جس کی فرم کھولی جاتی ہے اس پر حکومت پروفیشنل ٹیکس عائد کرتی ہے جس کے تحت سالانہ ۱۰۰۰ یا ۵۰۰ روپیے حکومت کو ادا کرنے پڑتے ہیں جس کا کوئی بھی فائدہ تجار کو گورنمنٹ کی طرف سے نہیں ملتا، آیا اس ٹیکس کی رقم کی جگہ سود کی رقم ادا کی جائے تو یہ روا ہوگا یا در ہے یہ ٹیکس بالکل آکٹرائے کی طرح ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پروفیشنل ٹیکس کے متعلق یہ کہنا کہ اس کا کوئی فائدہ حکومت کی طرف سے تجار کو

حاصل نہیں ہوتا سمجھ میں آنے والی بات نہیں اس ٹیکس کی ادائیگی کے نتیجے میں جب حکومت نے ان کی تاجرانہ حیثیت کو تسلیم کرلیا تو تاجر حکومت کی طرف سے ملنے والی سہولتوں کا بھی حق دار ہوجاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۵/ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ

رشوت اور این۔اے کی کاروائی میں سود کی رقم دینا

سوال: جن زمینوں میں کھیتی کی جاتی ہے، ان میں مکانات بنانے کے لیے حکومت کی طرف سے N-A کی کاروائی کرنی پڑتی ہے، جس میں حکومت اور آفیسر حضرات خوب پریشان کرتے ہیں، حکومت این۔اے کی کاروائی کے لیے رقم لیتی ہے اور آفیسر حضرات بھی رشوت مانگتے ہیں تو کیا ان دونوں جگہوں میں سود کی رقم دے سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

این۔اے کی کاروائی میں جتنی رقم قانونی طور پر حکومت وصول کرتی ہے اس میں حکومتی بینک سے ملی ہوئی سود کی رقم ادا کرسکتے ہیں؛ لیکن افسران کو دی جانے والی رشوت میں نہیں دی جاسکتی؛ اس لیے کہ اس صورت میں وہ رقم حکومت کے پاس نہیں جاتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم سے انکم ٹیکس ادا کرنا

سوال: زید احمد آباد کے میونسپل اردو اسکول میں مدرس کی حیثیت سے ملازمت

کر رہا ہے، ملازموں کو سالانہ آمدنی پر آمدنی ٹیکس (انکم ٹیکس) ادا کرنا پڑتا ہے، اس کے علاوہ گجرات سرکار کے قانون کے تحت ہر ماہ تنخواہ میں سے آمدنی کی مقدار میں ٹیکس وصول کیا جاتا ہے، جو ملازموں کی تنخواہ سے لازمی طور پر وصول کرتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ زید مندرجۂ بالا ٹیکس ادا کرنے کے لیے اپنے پاس بینک وغیرہ سے جو سودی رقم ملتی ہے، ان سودی رقموں کو ان ٹیکسوں میں ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور از روئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟ یا اپنی جائز آمدنی میں سے ان ٹیکسوں کو ادا کرنا پڑے گا؟ مطلع کیجئے، نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک میں روپیہ جمع کرانا چوں کہ اس کے سودی کاروبار میں تعاون کا ذریعہ ہے، جائز نہیں ہے؛ البتہ کسی قانونی مجبوری کی وجہ سے اس میں رقم جمع کرانی پڑی اور اس کے نتیجہ میں کچھ سود بھی ملا، تو اپنی اصل رقم سے زائد جو رقم سود کی ملی ہے، اس کو غریب ومحتاج لوگوں کو اس کا وبال دور کرنے کے ارادہ سے بلا نیت ثواب دے دی جائے، ہندوستان میں چوں کہ بینک حکومت کی ملک ہے، اس لیے صورت مذکورہ میں وصول شدہ رقم حکومت کے غیر واجبی ٹیکس میں دینا چاہے تو دے سکتا ہے، غیر واجبی ٹیکس سے مراد وہ ٹیکس ہے جس کے عوض حکومت آپ کو کوئی مخصوص فائدہ نہ پہنچاتی ہو، اگر انکم ٹیکس اور دوسرے مذکورہ ٹیکس بھی اس تعریف میں آتے ہیں تو ان میں دے سکتے ہیں؛ البتہ یہ یاد رہے کہ جو رقم آپ کو سود کے نام سے ملی ہے وہی اس میں ادا کی جاسکتی ہے، اگر حکومت تو آپ کی تنخواہ میں سے دونوں ٹیکس وصول کر لے، اور اس کے بعد آپ اس

کے معاوضہ میں بینک کا سود اپنے پاس رکھ لیں، یہ درست نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/صفر المظفر ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سود کی رقم مسجد کے طہارت خانہ میں استعمال کرنا جائز نہیں

سوال: ایک مسلمان کا روپیہ بینک میں جمع ہے، اس روپیے پر ملنے والے سود کا استعمال مسجد کے طہارت خانہ میں کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مالک کو اپنی اصل رقم سے زائد جو رقم سود کے نام سے ملی ہے وہ واجب التصدق ہے۔ اور شرع میں صدقہ جب مطلق بولا جائے تو صدقہ تملیک پر محمول ہوتا ہے، جس کا مصرف فقراء اور مساکین ہیں، تعمیری کاموں میں اس کا صرف کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ اس میں تملیک نہیں پائی جاتی۔

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ''اشباع الکلام فی مصرف الصدقة من المال الحرام'' جو فتاوی دار العلوم، امداد المفتیین میں ہے اس کا مطالعہ کرلیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سود کی رقم سے بیت الخلاء بنوانا درست نہیں

سوال: ایک بستی ہے وہاں چار پانچ گھر ہیں، یعنی وہ بستی غریب کی ہے تو اپنی

سود کی رقم سے بیت الخلاء بنا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس بستی کے لوگ آٹھ سو، ہزار تک مہینہ کماتے ہیں، اگر سود کی رقم مذکورہ مصرف میں استعمال نہیں کر سکتے تو کہاں استعمال کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کی رقم بلا نیت ثواب اس کا وبال دور کرنے کے لیے کسی محتاج فقیر، مسکین کو دے دی جائے، وہ مالک بننے کے بعد جہاں چاہے اپنی مرضی سے خرچ کر سکتا ہے آپ ابتداءً کسی بھی تعمیری کام میں نہیں لگا سکتے۔ (اشباع الکلام للمفتی محمد شفیع) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بینک سے حاصل شدہ سود سے بیت الخلاء بنانا کیسا ہے؟

سوال: بنکوں سے جو سود ملتا ہے اس سود کی رقم سے مسجد، مدرسہ یا خود کے مکان کے بیت الخلاء، غسل خانہ اور حمام وغیرہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک سے بطورِ سود حاصل ہونے والی رقم کا صدقہ کر دینا ضروری ہے، یعنی ثواب کی نیت کے بغیر کسی محتاج کو دے دی جاوے، اس کے بعد وہ اپنے طور پر جہاں چاہے استعمال کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سود کی رقم سے مسجد کا بیت الخلاء بنانا درست نہیں

سوال: زید نے سود کے پیسوں سے مسجد کا بیت الخلاء بنوایا، اب زید مسجد میں معتکف ہے تو قضائے حاجت کے لیے اس بیت الخلاء میں جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کی رقم اس کا وبال دور کرنے کی نیت سے ثواب کی امید کے بغیر کسی غریب ومحتاج کو بطورِ تملیک دی جائے۔ اس رقم سے مسجد کے بیت الخلاء کی تعمیر درست نہیں۔ (اشباع الکلام) فقط واللہ تعالیٰ أعلم وعلمه أتم وأحكم.

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم سے بیت الخلاء بنانا

سوال: ایک آدمی بہت ہی غریب ہے اور ایک دوسرا آدمی جو بڑا ہی مالدار ہے اور اس کا پیسہ بینک کے اندر ہے اور اس کا سود نکلتا ہے جو کہ بہت ہے، اب وہ چاہتا ہے کہ بینک کے اندر سے جو سود مجھ کو ملنا چاہیے، وہ میں لیتا نہیں؛ لیکن اس پیسوں کے ذریعہ سے اس غریب آدمی کے گھر پر ایک بیت الخلاء اگر بنانا جائز ہو تو بنادوں؛ تاکہ اس کی سہولت ہو جاوے اور میرے دل میں کوئی ثواب کی نیت بھی نہیں ہے، اس لیے مسئلہ کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی عذر کی وجہ سے بینک میں روپیہ جمع کیا گیا اور اس پر بینک کی طرف سے سود کے نام سے زائد رقم ملی، وہ بلا نیت ثواب کسی فقیر ومسکین کی ملک میں دے دی جائے،

اس کے بعد وہ خود اپنی جس ضرورت میں لگانا چاہے لگا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ شوال ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایضاً

سوال: آج کل جو بینک بچت میں بیاج کی رقم کا حساب چل رہا ہے، احقر اس کے لیے مسئلہ معلوم کرنا چاہتا ہے، اس پیسے کو کونسی جگہ خرچ کرنا چاہیے؟ یا یہ پیسہ بینک سے لیا جائے کہ نہ لیا جائے؟ اگر لیا جائے تو کیا یہ پیسہ کسی غریب مسلمان یا ہندو کی دوا دارو میں خرچ کر سکتے ہیں؟ یا ان کا قرض ادا کر سکتے ہیں، یا کسی غریب بیوہ عورت کی امداد کر سکتے ہیں، یا کسی غریب لڑکے لڑکی کی شادی کرا سکتے ہیں؟ یا کسی ہندو یا مسلمان کو کپڑا بنوا کر دے سکتے ہیں، یا کسی غریب مدرسہ یا مسجد کی بیت الخلاء یا غسل خانہ بنا سکتے ہیں، یا کسی کے گھر کا بیت الخلاء یا غسل خانہ بنا سکتے ہیں، یا کسی نابینا کی امداد کر سکتے ہیں، یا عوام کی پریشانی کی وجہ سے راستہ میں کنواں یا نل یا راستہ میں بارش کے پانی کی وجہ سے کیچڑ وغیرہ رہتا ہو تو اس پیسے سے یہ سب چیزیں بنا سکتے ہیں، یا کسی کا قرض ادا کر سکتے ہیں؟ اس کی عزت اور پیشہ کی وجہ سے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بلا ضرورت اور بلا عذر بینک میں رقم نہ رکھی جائے، اگر کسی عذر کی وجہ سے وہاں رقم رکھی گئی اور اس پر بینک کی طرف سے جو سود ملتا ہے، وہ بلا نیت ثواب فقراء اور مساکین کو دیدیا جائے، اس کو مسجد یا مدرسہ کے بیت الخلاء یا غسل خانہ کی تعمیر میں لگانا درست

نہیں ہے، جن فقراء اور مساکین کو یہ رقم دیدی جائے، وہ اپنی ملک میں آنے کے بعد اپنی یا دوسرے کی کسی بھی ضرورت میں لگانا چاہیں، لگا سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ شوال ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی رقم پر ملنے والے سود کا مصرف کیا ہے؟

سوال: ایک مسجد کا روپیہ بینک میں جمع ہے اس رقم پر ملنے والے سود کا کیا مصرف ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کا مصرف فقراء ومساکین ہیں، اس پر مسجد کی ملک ثابت ہی نہیں ہوتی ہے؛ البتہ اگر وہ سود حکومتی بینک سے حاصل ہوا ہے تو حکومت کی طرف سے عائد ہونے والے غیر واجبی ٹیکس کی ادائیگی میں دیا جاسکتا ہے، وہ بھی اس لیے کہ اس نام سے وہ اصل کی طرف واپس ہو رہا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مقروض آدمی کو سود کی رقم دے سکتے ہیں

سوال: ایک صاحب ملازم ہے اور ذرائعِ آمدنی ملازمت کے سوا کچھ نہیں اور وہ صاحب مقروض ہے اور بال بچوں کا خرچ بھی زیادہ ہے، تو کیا ایسے آدمی کو سود کی رقم دی جاسکتی ہے تاکہ وہ قرض ادا کرے، اور یہ سود کی رقم حکومت دے رہی ہے، وہ اس طرح کہ تقریباً آٹھ سال قبل بھینسوں کے مالکین اور حکومت کے درمیان تنازع تھا کہ

حکومت ریلوے میں بھینسوں کو بمبئی سے گجرات، اور گجرات سے بمبئی لے جانے کا کرایہ زیادہ مانگتی تھی، اور مالکین کم دینا چاہتے تھے؛ بہر حال حکومت نے زبردستی کرایہ زیادہ لیا مگر آج آٹھ سال کے بعد مالکین مقدمہ جیت گئے تو حکومت وہ زائد کرایہ جو اس نے اب تک لیا سود کے ساتھ لوٹا رہی ہے، اسی سود کے متعلق سوال ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسے آدمی کو وہ رقم بطور تملیک دے دی جائے، اس کے بعد وہ اس سے اپنا قرض ادا کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم دے کر قرض وصول کرنا

سوال: زید نے بکر کو قرضۂ حسنہ دیا تھا، عرصہ ہوا یا کچھ مدت ہوئی بکر نے رقم نہیں لوٹائی، اس اثناء میں زید کے پاس سود کی رقم آئی، بکر غریب ہے، اس لیے زید نے یہ سود کی رقم بکر کو دی، بکر نے اسی رقم کو بطور ادائیگی قرض زید کو لوٹا دیا، تو شرعاً زید کو یہ رقم لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مقروض کا سودی رقم لینا

سوال: بندہ جامع مسجد میں نائب امام ہے، میری اہلیہ کا پیٹ کا آپریشن ہوا

ڈاکٹر کے کہنے پر فوراً آپریشن کرانا پڑا جن میں ۵۰۰۰۰ کا قرض دار ہوا جن لوگوں کو پیسے دینے ہیں وہ روزانہ آکر پریشان کرتے ہیں فوراً پیسہ مانگتے ہیں بندہ کی ۲۳۰۰ روپیہ تنخواہ ہے گھر کا یہ حال ہے کہ بستر ے بھی نہیں ہیں چٹائی پر سو کر گزارا کرتے ہیں کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جس سے فوراً قرض ادا کر سکوں قرض دینے والے فوراً پیسے مانگتے ہیں ایسی صورت میں سود کے پیسے لے کر قرض ادا کر سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے سوال میں اپنی جو صورت حال تحریر فرمائی ہے اس کے پیش نظر آپ زکوۃ وصدقات کے مستحق ہے بینک کے سود کی رقم اگر کوئی آپ کو دیتا ہو تو اس کو آپ قبول کر کے اپنا قرضہ ادا کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/صفر ۱۴۲۳ھ

سود کا پیسہ سود میں دینا

سوال: زید نے سود پر ایک آدمی سے کوئی چیز خریدی یا سود پر رقم لیا ہے، زید کو کہیں سے سود کا پیسہ ملا، مثلاً زید کا بینک میں پیسہ جمع تھا، بینک سے سود کا پیسہ لے کر اس نے سامنے والے آدمی کو دے دیا، یعنی سود کا پیسہ لے کر سود میں دے دیا تو سود کا پیسہ لے کر سود میں دینا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

سود کی رقم سے سودی قرض کی ادائیگی کرنا

سوال: ایک آدمی کو قرض کی ضرورت ہے؛ لیکن اس کو کوئی قرض نہیں دیتا ہے، تو یہ آدمی مجبوراً بینک سے ۲۵/ ہزار روپئے بطور لون کے لیتا ہے، اب یہ آدمی جب ایک برس کے بعد ادا کرتا ہے، پچیس ہزار کے بجائے ۳۰/ ہزار روپئے ادا کرنا پڑتے ہیں، تو یہ آدمی پچیس ہزار حلال کمائی کے ادا کرتا ہے، اور جو پانچ ہزار سود ہوا ہے، اس کو سود کی رقم سے ادا کرتا ہے تو کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک سود کی رقم اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے فقراء ومساکین کو بلانیتِ ثواب بطور تملیک دینا ضروری ہے، چوں کہ سود ادا کرنے کی صورت میں یہ بات پائی نہیں جاتی؛ اس لیے اس کا ذمہ بری نہیں ہوا۔ یہ حکم اس وقت جب خود اس کو براہِ راست بینک سے سود ملا ہو، اور اگر یہ آدمی فقیر ومحتاج ہے اور کوئی دوسرا آدمی خود کی ملی ہوئی بینک سود کی رقم اس کو بطور تملیک دیتا ہے، تو اس کے لیے اس سے ادائیگی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سودی رقم سے کتاب خرید کر غیر مسلم کو دینا

سوال: ہمارے شہر گلبرگہ میں جامع مسجد مجلس کے تحت ایک عوامی دینی لائبریری

چلتی ہے، اس کی ترقی کے لیے رقم جمع ہوتی رہتی ہے، اس کو ہم بینک میں جمع کر دیتے ہیں، بینک ہم کو اس رقم کا سود دیتی ہے، ہمارے ارکانِ کمیٹی کی رائے یہ ہے کہ ان سودی رقم سے دینی کتابیں جن کا ترجمہ انگریزی یا ہندی یا دیگر زبان میں ہو، ان کتابوں کو خرید کر دوسرے مذہب کی لائبریری کو برائے ہدیہ دیں، اس سے صرف مقصد یہ ہے کہ کتابوں کی رقم کتابوں پر لگے اور دینِ حق کی اشاعت ہو، کیا کمیٹی کا اس طرح کرنا جائز ہے؟ لائبریری کی رقم سے دینی کتابیں جن کا ترجمہ انگریزی یا ہندی زبان میں ہو، ان کو خرید کر غیر قوم کے سنجیدہ طبقہ میں اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں بطور ہدیہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک سے حاصل شدہ سود کی رقم واجب التصدق ہونے کی وجہ سے فقراء اور مساکین کو بلا نیت ثواب، محض اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے بطورِ تملیک (مالک بنا کر) دے دی جائے، سوال میں بیان کردہ طریقہ درست نہیں۔

(اشباع الکلام امداد المفتیین ۴۵۳)

اگر ان کی طرف سے ان کو دی جانے والی ان دینی کتابوں کی بے ادبی اور توہین کا اندیشہ نہ ہو، تو دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ

مکان خالی کرنے کے لیے سودی رقم کرایہ دار کو دینا

سوال: میری اپنی میراث میں ملی ہوئی کچھ زمینیں ہیں، اور کچھ بنے ہوئے

مکانات ہیں، زمینوں پر اپنی طرف سے مکان بنا کر کچھ لوگ رہتے ہیں، وہ زمین کا کرایہ نہیں دیتے، نہ زمین خالی کرتے ہیں، اگر ان سے مطالبہ کرتے ہیں تو وہ نقدی مانگتے ہیں، جو زمین کی قیمت کے ۲۰/ فیصد ہے، مثال کے طور پر پلاٹ کی قیمت ۱۰۵۰۰/ ساڑھے دس ہزار ہے، تو اس کے مقابلے میں دو یا تین ہزار مانگتے ہیں، اسی طرح کرایہ دار مکان بھی خالی نہیں کرتے، اور کرایہ بھی نہیں دیتے، اور پیسے مانگتے ہیں، کیا انہیں دونوں قصوں میں اپنے یا دوسرے کے پاس سے سود کی رقم دے کر خالی کرا سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نہیں دے سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم سے بیٹی کی شادی کرنا

سوال: کسی غریب کی بیٹی جوان ہوگئی اور نکاح کے لیے پیسہ نہیں ہے، تو بینک سے سودی قرضہ لے سکتے ہیں، کسی مسلمان نے بہت ساری رقم بینک میں جمع کی اور آٹھ دس سال بعد وہ رقم واپس لیتا ہے تو وہ رقم کے ساتھ ڈبل رقم سود کی آتی ہے، اب اگر وہ اپنی خود کی بیٹی کی شادی کرنا چاہتا ہے تو کیا وہ سود کی رقم شادی میں دیج ران (جہیز) وغیرہ میں استعمال میں لایا جا سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سودی قرضہ لینا حرام ہے، بینک میں اگر کسی مجبوری کی وجہ سے رقم جمع کرائی تھی،

جس کا سود ملا تو سود کے نام سے ملی ہوئی اس رقم کا استعمال اس آدمی کے لیے جائز نہیں ہے؛ بلکہ اس رقم کو اس کا وبال دور کرنے کے ارادہ سے بغیر نیت ثواب کسی غریب، مسکین کو دے دے، اپنی بیٹی کی شادی میں یا اپنی کسی بھی ضرورت میں اس کو صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ / ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ

سودی رقم سے مکان بنانا

سوال: ایک عورت ذات ہے، اس کا شوہر اور اولاد وغیرہ کوئی نہیں ہے، اور وہ عورت دوسروں کے مکان پر کام کرتی ہے اور اپنا گذران کرتی ہے، اور اس عورت کا مکان بھی اس حالت میں ہے کہ وہ مکان گرنے کے قریب ہے، اور عورت بہت تنگ دست بھی ہے، تو کیا ایسی عورت کو سود کا پیسہ دینا جائز ہے کہ نہیں؟ یا عورت کو مکان بنادیں تو کیا مکان بنانا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس عورت کو بینک کے سود کی رقم بلا نیت ثواب دے سکتے ہیں، اس کو رقم کا مالک بنادیا جائے، اس کے بعد وہ عورت اس رقم کو اپنے مکان کی مرمت یا تجدید میں استعمال کرسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سود کی رقم سے کسی کا مکان بنانا

سوال: زید کا کہنا ہے میرے پاس بینک سے حاصل شدہ سودی رقم کافی ہے وہ

تو واجب التصدق ہے ہی؛ لیکن ہمارے علاقے میں ایک مولوی صاحب رہتے ہیں ان کے پاس مکان وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے؛ البتہ وہ مکان کے تعلق سے بڑے پریشان ہیں، دوسرا کوئی ذریعۂ آمدنی بھی نہیں ہے، زید کا کہنا ہے کہ میں اس سودی رقم سے بلانیت ثواب مکان باندھ کر دیدوں یا یہ ان کو پوری رقم اٹھا کر دیدوں کہ تم مکان باندھ لو یا یہ کہہ کر کہ یہ رقم ہے آپ اس رقم کو اپنی اشیاء ماکولات ومشروبات میں ہرگز استعمال نہ کریں، اسے صرف تعمیری کام میں لائیں، ابھی حال میں مولوی صاحب کی حالت بڑی خستہ ہے تو حضرت! کیا زید کا ان تینوں طرح سوچنا اور اس کا سودی روپیہ مولوی صاحب کے لیے نکال کر تعمیر میں لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ مولوی صاحب مستحقِ زکوۃ ہیں تو بینک سے حاصل شدہ سود کی رقم ان کو دینا جائز ہے، اور ان کی ملکیت میں آنے کے بعد وہ اس کو اپنی تمام ضروریات (چاہے مکان بنانا ہو یا کھانا کپڑا وغیرہ) میں استعمال کر سکتے ہیں؛ البتہ بیک وقت ان کو اتنی رقم دے دینا جس سے وہ مقدارِ نصاب کے مالک بن جائیں مکروہ ہے، اس لیے مکان والی ضرورت پورا کرنے کے لیے یہ صورت اختیار کی جاسکتی ہے کہ وہ کسی سے قرض لے کر اپنا مکان بنالیں، اس کے بعد ان کے اس قرض کی ادائیگی کے لیے بینک کی سودی رقم ان کو دے دی جائے جس سے وہ اپنا قرض ادا کردیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/صفر ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سودی رقم سے کھیل کا سامان خریدنا

سوال: اگر کوئی نوجوان مسلمان ساتھی سود کے پیسہ سے کرکٹ یا فٹ بال یا تو کھیل کے کپڑے یا کھیل کا اور سامان گیند یا بلّا وغیرہ خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر خرید سکتے ہیں تو اس سے کھیل سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کے سود کی رقم اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے بلا نیت ثواب غریب محتاج کو بطور تملیک دے دی جائے، اپنے کسی بھی قسم کے استعمال میں لانا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم خاندان کے مفلس لوگوں کو دے سکتے ہیں

سوال: سود کی رقم سے اپنے خاندان کے مفلس و نادار کی بغیر ثواب کی نیت کے مدد کر سکتے ہیں، جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کے سود کی رقم میں اس کی اجازت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم مستحق بیوہ کو دینا

سوال: ایک بیوہ عورت ہے، جس کی کیفیت یہ ہے کہ دو معصوم صغیر بچے ہیں،

کوئی کمانے والا نہیں ہے، ضعیف دادا بچوں کے حیات ہیں، اور مٹی کا اور لکڑوں کا مکان ہے، کھیتی ہے؛ مگر موسم باراں میں کام آتی ہے جب کہ بارش ہو؛ ورنہ کھیتی کچھ کام نہیں دیتی، کبھی کبھی فاقہ تک کا موقع آتا ہے، کھیت دادا کا ہے، بچوں کے والد کی کوئی ملکیت نہیں ہے، سو کیا اس بیوہ عورت کو اور بچوں کو سود کی رقم دی جاسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کے سود کی رقم اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے بلا نیت ثواب سوال میں مذکورہ بیوہ کو دی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم مدرسہ میں صرف کرنا

سوال: اگر کہیں سے سودی رقم آ گئی؛ خواہ وہ بینک کی ہو یا کسی نے دی ہو یا خود مدرسہ کا پیسہ جو مختلف مدوں کا ہوتا ہے، بینک میں جمع ہوتا ہے، اس پر جو سود آتا ہے اس کو صورت مذکورہ میں استعمال کرنا چاہیں یا مدرسہ کی دیگر ضروریات یا طلباء پر استعمال کرنا چاہیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

غریب اور نادار طلبہ کی ضروریات میں خرچ کر سکتے ہیں، مطلب یہ کہ تملیک ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قرض کی رقم مسجد میں دینا اور پھر سود سے قرض کی ادائیگی

سوال: ایک آدمی سود کا روپیہ مدرسہ یا مسجد میں دیتا ہے، اس نے یوں حیلہ کیا کہ ایک غیر مسلم سے قرض لے کر مسجد یا مدرسے میں دے دیے، اور وہ سود کے روپیہ سے قرض ادا کر دیا، کیا ایسا کر سکتے ہیں؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر کوئی آدمی کسی غیر مسلم سے قرض لے کر وہ رقم مدرسہ یا مسجد میں دیتا ہے، تو وہ درست ہے؛ لیکن اب وہ اپنا یہ قرض سود کی رقم سے ادا کرنا چاہتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ سود کو اپنی ضرورت میں استعمال کرنا ہوا، جب کہ بینک کے سود کی رقم اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے کسی غریب محتاج کو بلانیتِ ثواب بہ طورِ تملیک دے دینا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۸ رجب ۱۴۱۹ھ

سودی رقم غریب طالب علم کو دینا

سوال: بینک کا سود اگر ہم کسی غریب کو دینا چاہیں خواہ وہ رشتہ دار ہو یا نہ ہو، کیا حکم ہے؟ مثلاً اگر اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کو دے دیں تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کے سود کا مصرف فقراء ہیں، چاہے وہ اس کے رشتہ دار ہوں یا غیر ہوں، اپنے رشتہ دار فقراء کو بھی دے سکتے ہیں۔ کما ھو حکم اللقطة مصرح في

کتب الفقه. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مدرسہ کی تعمیرات کی تصویر اور اس میں سودی رقم صرف کرنا

سوال: مدرسہ کی تصویر کھینچی گئی؛ تاکہ عوام کے سامنے پیش کریں جائز ہے کہ نہیں؟ اور اجرت سودی رقم سے دینے کا کیا حکم ہے؟ اور اگر دے دی گئی ہو تو کیا کریں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مدرسہ کی تعمیرات کی تصویر اس طرح کھینچنا کہ اس میں جاندار کی تصویر نہ آنے پائے درست اور جائز ہے، اگر وہ مدرسہ کے مصالح کے پیش نظر کھینچی گئی ہے تو مدرسہ کی رقم سے اس کے مصارف ادا کر سکتے ہیں، سودی رقم کا مصرف فقراء ہیں، اس لیے اس رقم سے براہِ راست اجرت کی ادائیگی جائز نہیں ہے، اگر دیدی گئی تو دینے والے کو چاہیے کہ اتنی مقدار اپنی طرف سے اس کی تلافی میں فقراء پر صدقہ کر دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فکس ڈپازٹ کے سود سے امدادِ غرباء کے ادارے کو چندہ

سوال: میں ایک تاجر ہوں، ایک ایسوسی ایشن تاجروں کی بنائی گئی ہیں جس کا میں ممبر ہوں، اور ممبر کو ایسوسی ایشن کے لیے کچھ رقم دینی ہے، اس رقم کو ایسوسی ایشن والے (فکس ڈپازٹ) میں رکھی گئی اور اس پر جو سود کی رقم ملے گی جس سے غریب تاجر

جو اس ایسوسی ایشن کے ممبر ہیں صرف انہیں کا علاج اور ان کے بچوں کی تعلیم میں مدد کریں گے، کیا اس میں رقم دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر میں نے اس میں رقم نہ دی تو ہماری تجارت کا بائیکاٹ کریں گے جس سے تجارت کو نقصان ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ یہ کہہ کر اپنی رقم دیجئے کہ میں یہ رقم غریب تاجروں کی امداد کے لیے دیتا ہوں اس رقم کو ان کی امداد میں صرف کیا جائے، دوبارہ ضرورت ہوگی تو دوبارہ دوں گا آپ کا ذمہ بری ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

فکس ڈپازٹ کے سود سے بنی عمارت میں نماز ومکتب کا حکم

سوال: ہمارے بستی والوں کا بمبئی میں ایک روم ہے، جو ایک مدت تک گاؤں ہی کے چند حضرات کے ماتحت تھا، اس کمرہ کی آمدنی بینک میں جمع کرتے گئے، ایک بڑی رقم ہونے کے بعد وقفہ وقفہ سے تقریباً تین مرتبہ وہ رقم فکس ڈپازٹ میں ڈالی جس کی ایک بڑی رقم ہاتھ آئی، اب ان بزرگوں نے سوچا کہ اس رقم سے کوئی بڑا کام کریں جو ''جماعت المسلمین مراد پور'' کے کچھ کام آسکے، چناں چہ گاؤں ہی میں ایک شخص نے اپنی ایک زمین ''جماعت المسلمین مراد پور'' کو وقف کی تھی، اس زمین پر انھوں نے ایک دومنزلہ عمارت تعمیر کرائی، جس میں نچلے حصہ میں امام صاحب کے لیے فلیٹ، ایک روم جماعت کے سامان رکھنے کے لیے اور دو کمرہ تجارت کرنے والوں کے لیے

مختص کر دیے، جن سے بھاڑا وصول ہوتا رہے گا، اور اوپر والے حصہ میں ایک وسیع وعریض ہال بنایا جہاں گاؤں کا مدرسہ (مکتب) شروع کرنا چاہتے ہیں، اور بوقت ضرورت اس میں نمازیں بھی ادا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ چناں چہ قابلِ استفسار امور یہ ہیں کہ:

① فکس ڈپازٹ کے ذریعہ حاصل شدہ رقم کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو مکمل وضاحت درکار ہے تاکہ چند معاندین کو مطمئن کر سکیں۔

② کیا اس عمارت میں مکتب شروع کر سکتے ہیں؟ نیز گاؤں میں موجودہ مسجد (تعمیرِ نو کے خاطر) شہید کرنے پر عارضی طور پر اس ہال میں نمازیں ادا کرنا درست ہوسکتا ہے؟

③ تعمیر تقریباً مکمل ہونے کے بعد اس کا پتہ چلا کہ اس کے لیے اس نوعیت کی رقم صرف کی گئی ہے، تو آپ سے التماس ہے کہ اسلامی وفقہی نقطۂ نظر سے ہماری رہنمائی فرمائیں کہ اس تعمیر شدہ عمارت کو کیا کیا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① قرآن اور احادیث میں سود لینے اور دینے پر بڑی سخت وعیدیں آئی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کے لینے والے، اور دینے والے، اور اس کا رقعہ لکھنے والے، اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی ہے؛ نیز جانتے ہوئے سود کے ایک درہم کھانے کو چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت بتلایا گیا ہے، اس کے علاوہ بھی بہت ساری وعیدیں سود لینے اور دینے پر قرآن وحدیث میں موجود ہیں، اسی لیے سود کا لینا اور دینا سخت حرام اور کبیرہ گناہ ہے۔

بینک کا سارا کاروبار یہی ہے، یعنی وہ سود پر رقم لیتی اور دیتی ہے؛ اس لیے بینک میں رقم جمع کرانا حرام ہے، البتہ اگر قانونی مجبوری کی وجہ سے رقم جمع کرانے کی نوبت آئی تو اس کے متعلق حکم یہ ہے کہ اس پر بینک کی طرف سے جو سود ملتا ہے وہ لے کر اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے بلا نیت ثواب غرباء اور مساکین کو صدقہ کر دیا جائے، اپنے استعمال میں لانا ناجائز اور حرام ہے۔

سود حاصل کرنے کی غرض سے رقم کو بینک میں جمع کرانا نہایت خطرناک اور سخت ترین گناہ ہے، فکس ڈپازٹ کے طور پر بینک میں جو رقم رکھی جاتی ہے، اس کا مقصد بھی سود کا حاصل کرنا ہی ہوتا ہے جس کی حرمت منصوص اور قطعی ہے۔

(۲) مسلمان بچوں کو قرآن پاک اور دیگر اسلامی احکام کی تعلیم کے لیے جو عمارت بنائی جاتی ہے جس کو مکتب کے نام سے پہچانا جاتا ہے، یہ عمارت بھی خالص دینی مقصد کے لیے بنائی جانے کی وجہ سے قابل احترام اور دینی شعائر کا ایک حصہ ہے، نماز کی ادائیگی کے لیے جو عمارت تعمیر کی جائے، اس میں اگر مسجد کی نیت کی گئی ہے تب تو اس کا شعائر میں سے ہونا ظاہر و باہر ہے، اور اگر مسجد کی نیت نہیں بھی کی گئی صرف جماعت خانہ کے طور پر استعمال کی جارہی ہے، تب بھی چوں کہ نماز کے لیے مختص کی گئی ہے؛ اس لیے یہ بھی شعائر دین کا ایک حصہ ہے، ایسی عمارتیں سود کی رقم سے تعمیر کرنا کسی حال میں جائز اور درست نہیں، اور ایسی عمارت میں دینی تعلیم کے سلسلہ کو جاری کرنا یا نمازیں ادا کرنا جائز نہیں۔

(۳) ایسی رقم سے جو عمارت تعمیر کی گئی ہے، اس کو غرباء اور مساکین کے استعمال

کے لیے مختص کر دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سودی رقم سے رشوت دینا

سوال: مدرسہ کا کوئی ایسا کام جو سرکاری دفاتر سے وابستہ ہو، اور کوشش کے باوجود کافی وقت کا صرفہ ہو، مثلاً سال دو سال یا اس سے زیادہ مدت لگ جائے، اور رشوت دینے پر وہ کام جلد ہو جائے تو اگر بینک کے سود سے رشوت دے دی جائے تو کیسا ہے؟ اگر سرکاری حکام رشوت کا مطالبہ کریں تو اس صورت میں ہم کیا کریں؟ غرض مطالبہ وعدم مطالبہ کی صورت میں رشوت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اپنا حق بغیر رشوت دیئے وصول نہ ہو سکتا ہو، اسی طرح اپنی ذات سے دفع ضرر اس کے بغیر ممکن نہ ہو، تو اس صورت میں رشوت دینے کی گنجائش ہے؛ البتہ لینے والا تو اس صورت میں بھی گنہ گار ہوگا۔

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له ليس برشوة، يعنى في حق الدافع اھ (شامی ۵/ ۳۰۰)

بینک سے حاصل شدہ سودی رقم اس کے وبال کو دور کرنے کی نیت سے کسی محتاج اور فقیر کو بلا نیت ثواب دیدی جائے، یہی اس کا مصرف ہے۔

(اشباع الکلام فی مصرف صدقۃ الحرام۔ فتاوی دار العلوم امداد المفتین ۴/ ۵۳)

اس لیے رشوت میں دینے سے مصرف میں صرف نہ ہوئی سمجھی جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سود کی رقم رشوت میں دینا درست نہیں ہے

سوال: زمین میں اس کے پانی لائٹ لانے کے لیے شروع میں سرکاری فیس دینا پڑتی ہے تو سرکاری فیس دینے کے باوجود بڑے بڑے آفیسر لوگوں کو رشوت کے طور پر کچھ دینا پڑتا ہے جس کے بغیر وہ کنکشن نہیں دیتے، تو کیا میں اس رشوت میں بیاج کی رقم جو میرے پاس ہے (بینک اکاؤنٹ سے حاصل ہونے والی) وہ دے سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کی سود کی رقم اس کا وبال دور کرنے کی نیت سے کسی بھی قسم کے ثواب کی نیت کے بغیر غریبوں محتاجوں کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے، اپنے کسی بھی کام میں اس کو استعمال کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ سرکاری آفیسروں کو بجلی کا کنکشن حاصل کرنے کے لیے بطورِ رشوت دینا یہ بھی اپنی ہی ضرورت میں استعمال کرنا کہلائے گا، اس لیے کہ اس کا فائدہ آپ ہی کو پہنچ رہا ہے؛ لہٰذا یہ جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ

سود کی رقم رشوت میں دینا

سوال: ایک شخص کا روپیہ بینک میں جمع ہے، اس جمع شدہ رقم پر اس کو کچھ سود ملتا

ہے، اس شخص کو اپنے کسی معاملہ میں پولس بھی حیران کر رہی ہے، اگر ان کو بطور رشوت کچھ رقم نہیں دیتے تو وہ آبرو ریزی پر اتر آئیں گے، مذکورہ سودی رقم بطور رشوت پولیس کو دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کے سود کی رقم جیسا کہ معلوم ہے، اپنے استعمال میں لانا، اور خود انتفاع حاصل کرنا جائز نہیں ہے، اپنی آبرو ریزی کی حفاظت کے لیے پولیس آفیسر کو دینا یہ ایک نوع کا انتفاع ہے، اس لیے جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ رمحرم الحرام ۱۴۱۵ھ

جوئے کی رقم طالب علم یا غریب کو دینا

سوال: ایک آدمی جوا کھیلتا ہے، اس میں جو پیسے حاصل ہوتے ہیں اس میں سے اکثر مدرسہ کے بچوں کو دیتا ہے، اور غریب بچے ان پیسوں سے کتابیں خریدتے ہیں اور دوسری ضرورتوں میں استعمال کرتے ہیں، کیا طالب علم کا کتابیں خریدنا اور دوسری ضرورتوں میں استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جوئے میں جو رقم حاصل ہوئی ہے وہ ان ہی لوگوں کو لوٹانا ضروری ہے جن سے حاصل کی گئی ہے، اس رقم کا مدرسہ کے بچوں کو دینا اور ان کا اس سے کتابیں خریدنا درست نہیں، اسی طرح غریب بچوں کو دینا اور ان کا اس کو اپنی ضرورتوں میں استعمال

کرنا درست اور جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ظالمانہ ٹیکس ادا کرنے کی نیت سے پیسہ بینک میں رکھنا

سوال: ہم گورنمنٹ بینک میں پیسہ رکھتے ہیں اور اس کا سود ملتا ہے تو اس کا استعمال ہم مختلف قسم کے ٹیکس بھرنے میں کر سکتے ہیں یا نہیں مثلاً انکم ٹیکس سیلس ٹیکس روڈ ٹیکس ہاؤس ٹیکس پراپرٹی ٹیکس وغیرہ اس کا فتویٰ مختلف جگہوں سے منگوا چکے ہیں اور اس کا جواب ہمیں ہاں میں ملا ہے اب سوال یہ ہے کہ:

اگر کسی شخص کو بڑے پیمانہ پر ٹیکس کی رقم بھرنی ہو تو وہ اس نیت سے اپنی رقم بینک میں رکھے کہ اس کا سود (مال حرام) جو ہر سال آئے گا تو وہ مختلف قسم کے گورنمنٹ کے ٹیکس جو گورنمنٹ ہم سے جبراً وصول کرتی ہے (مال حرام) بھرنے میں دے دیا جائے گا کیا یہ جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس نیت سے بینک میں رقم رکھنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۴ رشوال ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

نواسوں کو سود کی رقم دینا

سوال: ہمارے نواسے ضرورت مند ہیں، کیا ان کو بینک کے سود کا پیسہ دے سکتا ہوں؟ جب کہ ہماری ہی پرورش میں ان کے ماں باپ بھی ہیں، اب ان کا

وراثت میں حصہ ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کا سود اگر آپ کو ملا ہے تو نواسوں کو نہیں دے سکتے، دوسرا کوئی آدمی دیتا ہے تو گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲ رمضان ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

لانچ درست کرنے کا حل

سوال: میرا ایک بڑا لانچ ہے، یہی میری جائداد ہے اور کمانے کا ذریعہ ہے، یہ نادرست ہے، اس کو درست کرنے کی لاگت کم از کم تین لاکھ کے قریب ہے، کوئی شخص قرضے کے طور پر اتنی بڑی رقم نہیں دے سکتا، کیا میں اس کے لیے کوئی شخص سے یا بینک سے سود پر رقم لے سکتا ہوں؟ اگر ایسا نہیں کرسکوں تو اس کو بیچ دینا پڑے گا؛ ورنہ جائیداد خراب ہونے کا خدشہ ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ سودی قرض لے کر لانچ درست کرائیں، اس کے بہ جائے اس کو بیچ کر جو رقم آئے اس سے دوسرا چھوٹا لانچ خرید کر اپنا کاروبار چلا سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ صفر ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

گورنمنٹ کا طے کردہ نفقہ بہ ذریعۂ سود

سوال: ① مثلاً میں نے طلاق دے دی، اور گورنمنٹ کے قانون کے مطابق سامنے والے کے مطالبے پر گورنمنٹ نے میرے اوپر عورت کے دوسرے نکاح تک نفقہ دینا ضروری قرار دیا، تو کیا اس نفقہ میں سود کی رقم یا بچہ کے نفقہ کے بہ قدر دے سکتا ہوں (جب کہ میرا بچہ بھی عورت کے پاس ہے)؟

② کیا عورت والوں کا عدت سے زائد نفقہ جو گورنمنٹ کی طرف سے ضروری قرار دیا ہے، لینا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① بینک کے سود کی رقم اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے بلانیتِ ثواب غرباء ومساکین کو بہ طورِ تملیک دینا ضروری ہے، گورنمنٹ نے آپ پر سابقہ بیوی کا جو نفقہ لازم کیا اس میں دینا جائز نہیں ہے۔ آپ کے بچہ کا نفقہ تو آپ پر مستقل واجب ہے۔

② گورنمنٹ کے قانون کا سہارا لے کر مطلقہ کے لیے عدت کے بعد کا نفقہ شوہر سابق سے وصول کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

سودی رقم کو مقدمہ سے خلاصی میں استعمال کرنا

سوال: کوئی شخص کسی سرکاری مقدمہ سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے بطور

رشوت سودی رقم دے سکتا ہے یا نہیں؟ اس بابت سودی رقم دہی کی اجازت وعدم اجازت کے بارے میں تحریری جواب مع حوالۂ کتب مفصل ومدلل تحریر فرمائیں۔ امید ہے کہ جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کے طور پر لی گئی رقم اس کے مالک کو (جس سے یہ رقم وصول کی گئی ہے) لوٹانا ضروری ہے۔ اور اگر مالک معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس کو لوٹانا ممکن نہ ہو تو فقراء پر اس کا صدقہ کر دینا ضروری ہے۔ اس نیت سے کہ اپنے آپ کو اس وبال سے نجات دلا رہا ہو۔ ثواب حاصل کرنے کی نیت نہ ہو۔ بہر حال اپنے ذاتی مقصد میں اس کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے سرکاری مقدمہ سے خلاصی حاصل کرنے کی غرض سے رشوت کے طور پر دینا بھی اپنے ذاتی مقصد میں استعمال کرنا ہے اس لیے جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/صفر المظفر ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ناجائز مطالبۂ نفقہ میں سود دینا

سوال: مطلقہ عورت کو جو عدت کے بعد نفقہ یا خرچہ (ہندوستانی گورنمنٹ کے قانون کے ماتحت) دیا جاتا ہے، جس کا مطالبہ آپ نے شرعاً ناجائز لکھا ہے، مان لو اگر کسی نے مطالبہ کیا تو کیا اس میں سود کی رقم دی جاسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک سود کی رقم اس میں دینا درست نہیں ہے، وہ رقم واجب التصدق ہے، جب تک فقراء کو نہ دی جائے وہاں تک ذمہ بری نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بینک کی سودی رقم سے زمین کا کمپاؤنڈ بنوانا

سوال: میری جائداد میں کچھ زمین ایسی بھی ہے جہاں پر میں فصل نہیں لیتا صرف جانوروں کے گھاس چارہ کے لیے وہ زمین رکھی ہے اس زمین میں گھاس وغیرہ ضائع نہ ہونے پائے جس کی بنا پر زمین کی سرحد میں کمپاؤنڈ کرنے کا ارادہ ہے تو کیا اس زمین میں سود کے پیسوں سے کمپاؤنڈ کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کی سودی رقم، اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے بلا نیت ثواب غرباء ومساکین کو بہ طور تملیک دینا ضروری ہے اپنے کسی کام میں چاہے زمین کا کمپاؤنڈ ہو اس کا استعمال کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۴/ شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سودی رقم بہ قدر ضرورت مصرف میں صرف کی جائے

سوال: زید نے کچھ روپیہ بہ طور حفاظت کے بینک میں جمع کر رکھا تھا، واپسی

کے وقت ایک اچھی خاصی رقم سود میں آئی، زید کا ایک دوست خالد بہت ہی پس ماندہ ہے، مثل مسکین کے ہے، تو کیا یہ رقم خالد کو دی جاسکتی ہے؟ اگر یہ پیسہ خالد لے لے تو کس مصرف میں خرچ کرسکتا ہے؟ تو کیا خالد اس روپیہ سے دنیوی ضرورت کو پوری کرتے ہوئے دین کے کام میں بھی لگا سکتا ہے؟ جیسے کسی مسجد یا مدرسہ یا حج کے خرچ، فطرہ میں یا بچہ یا بچی کے شادی یا اپنے والدین کی خدمت میں یا کسی بھی غریب کی مدد کرسکتا ہے؟ خالد کی حالت یہ ہے کہ بچوں کو پڑھاتا ہے، کرایہ کے مکان میں رہتا ہے، کسی بھی شکل سے آسمانی پریشانی سے کفالت ہوجاتی ہے، کیا اس کے لیے یہ رقم لے لینا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خالد اگر مستحق زکاۃ ہے تو یہ رقم خالد کو دی جاسکتی ہے؛ لیکن یک مشت اتنی رقم جو ۶۱۲ گرام ۳۵ ملی گرام چاندی کی قیمت کے برابر ہو دینا مکروہ ہے، اس سے کم دی جائے، جب وہ خالد کی ضرورتوں میں خرچ ہوجائے اس کے بعد اسی قدر دوبارہ دی جائے؛ البتہ اگر خالد مقروض ہے تو بہ قدر ادائیگی قرض دی جاسکتی ہے؛ لیکن یہ یاد رہے کہ خالد کے لیے سوال کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷ رذوالحجۃ الحرام ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بینک کے سود کی رقم کب نکالیں

سوال: بینک میں جب روپئے موجود ہوں ڈائری میں مینیجر نے جب سودی رقم

کی مقدار لکھ دی تو اس سودی رقم کو کب نکالا جائے اور کون سی رقم سے وہ مقدار نکالیں حالاں کہ روپے حفاظت کے لیے جمع کئے گئے ہوں اور مہینہ درمہینہ میں تھوڑے تھوڑے لیے جاتے ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب فقراء پر اس کا صدقہ کرنا مقصود ہو اس وقت اسی نیت سے نکالا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سودی رقم کے بہ جائے مال حلال صدقہ کرنا

سوال: سود کے روپے گھر پر الگ کئے ہوئے موجود ہیں۔ باہر جارہے تھے کوئی غریب یا مقروض ملا جیب میں سے روپیہ نکال کر دے دیے اور سود کے پیسے دینے کی نیت کرلی۔ تو کیا وہ گھر آکر سود کی رقم میں سے اتنے روپے لے سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

گھر پر الگ کئے ہوئے موجود ہیں اس کا مطلب اگر یہ ہے کہ وہی رقم بینک میں سے بطور سود ملی تھی تو جو مال سود کہہ کر دیا جائے گا بظاہر تو سود کا اطلاق اس پر آئے گا جس پر لعنت کی وعید ہے۔ اب حاصل یہ ہوگا کہ مال حلال کا صدقہ کیا اپنے پاس سے اور جو مال سود کے نام پر ڈاک خانہ یا بینک سے ملا جو شریعت کی نظر میں حرام اور موجب لعنت ہے اس کو خود کھائے، اس سے قلب سلیم اجتناب کرتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ

۱۳/۱۱۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ ۱۵/شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سود کی رقم بہ طور قرض لینا

سوال: خالد کے پاس سود کی رقم ہے، سلیم نے اس سے قرض لے کر عیدگاہ کی مرمت کرایا؛ جب کہ یہ بات قطعی طور پر معلوم ہے کہ سود کی رقم ہے، تو کیا اب اس سے قرض لے کر عیدگاہ کی مرمت کرانا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کی رقم اگر کسی معلوم ومتعین آدمی کے پاس سے بطور سود خالد نے وصول کی تھی، تو خالد کے لیے ضروری ہے کہ وہ رقم اس کے مالک کو لوٹا دے، خالد کے لیے اس کا استعمال (خود یا کسی کو قرض دے کر) جائز نہیں ہے، اور اگر وہ بینک کے سود کی رقم ہے، تو خالد کو چاہیے کہ اس کا وبال دور کرنے کی نیت سے بلا نیتِ ثواب وہ رقم کسی غریب ومحتاج کو دے دے، وہ غریب ومحتاج اس کا مالک بننے کے بعد جہاں اور جس طرح خرچ کرنا چاہے کرسکتا ہے، خالد کے لیے جائز نہیں تھا کہ وہ رقم سلیم کو قرض دیتا، اب جب کہ وہ سلیم کو وہ رقم قرض دے چکا تو اس پر سلیم کو بھی جائز نہ تھا کہ سود کی رقم اس سے قرض لیتا؛ لیکن اب جب کہ وہ رقم قرض لے چکا اور اس سے عیدگاہ کی مرمت کرائی ہے تو اتنی رقم خالد کو لوٹا دے، جب وہ اتنی مقدار دے گا تو اس کا ذمہ بری ہو کر یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے ذاتی رقم سے یہ کام کرایا ہے؛ لیکن آئندہ اس کا

اقدام ہرگز نہ کرے۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ رشوال المکرم ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بیمہ کے مسائل

جان و مال کا بیمہ کرانا

سوال: اس زمانہ میں ایک کمپنی جان و مال وغیرہ کی بالمعاوضہ حفاظت کا ذمہ لینے کا کاروبار کرتی ہے، اس کو بیمہ کمپنی کہتے ہیں، بعض اشیاء میں سرکاری قانون سے بیمہ لینا لازمی ہوتا ہے، اس کے خلاف کرنے پر اس ضروری کام کو چھوڑنا پڑتا ہے، مثلاً: ٹرک، رکشہ، ٹیکسی وغیرہ کا کچھ بیمہ، مثلاً ایک ثلث جس کو ون تھرڈ کہتے ہیں لازمی ہوتا ہے، ویسے فُل یعنی کل بیمہ بھی ہوتا ہے، ون تھرڈ میں اگر رکشہ، ٹرک یا ٹیکسی کے ذریعہ کسی دوسرے کو نقصان پہنچا تو کمپنی اس کا معاوضہ دینے کی ذمہ دار ہوتی ہے؛ لیکن خود اس رکشہ یا صاحبِ رکشہ کو ایسے ہی ٹرک، ٹیکسی یا صاحبِ ٹرک وٹیکسی کو نقصان پہنچے تو کمپنی اس کا معاوضہ دینے کی ذمہ دار نہیں ہوتی، ون تھرڈ بیمہ اگر نہ لیا جائے تو قانوناً ہم مجرم بنتے ہیں، اور اس رکشہ، ٹیکسی اور ٹرک کو چلانے نہیں دیا جاتا؛ البتہ کل بیمہ میں ہمیں اختیار ہے کہ چاہے تو لیں یا نہ لیں، ایسے ہی فسادات کے عموم کی وجہ سے بیمہ کمپنی دکان و مکان کا فسادات سے حفاظت کا بیمہ دیتی ہے، جو سرکاری طور پر لازمی نہیں ہوتا، تو مذکورہ صورتوں میں سے کن صورتوں میں شرعاً بیمہ نکلوانا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیمہ میں سود بھی ہے اور جوا بھی، یہ دونوں چیزیں شرعاً ممنوع ہیں اس لیے بیمہ بھی ممنوع ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص ایسے مقام پر اور ایسے ماحول میں ہو کہ بغیر بیمہ کرائے جان و مال کی حفاظت ہی نہ ہوسکتی ہو یا قانونی مجبوری ہو تو بیمہ کرانا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۲۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جان و مال کا بیمہ کروانا

سوال: آج کل ہندوستان میں مسلمانوں کی جان و مال محفوظ نہیں ہیں، آئے دن فسادات میں مسلمانوں کا مال لوٹا جاتا ہے، اور ان کی جانوں کو تہ تیغ کیا جاتا ہے تو کیا ایسی صورت میں جان و مال کا بیمہ (انشورنش) کیا جاسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیمہ کی حقیقت قمار اور ربوا کا مجموعہ ہے، اور دونوں چیزوں کی حرمت منصوص ہے؛ اس لیے بیمہ چاہے جان کا ہو یا مال کا ہو جائز نہیں ہے۔ کسی زمانہ میں جب کہ فسادیوں کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ جائیداد (مکان یا دکان) بیمہ شدہ ہے تو وہ اس کو نقصان نہیں پہنچاتے تھے، بعض علماء ومفتیان نے اس شرط کے ساتھ بیمہ کی اجازت دی تھی کہ بیمہ کے بعد بھی اگر وہ جائداد تباہ کردی گئی تو مالکِ بیمہ کمپنی سے ملنے والی رقم میں سے صرف اتنی رقم جو اس نے بیمہ کمپنی کو بطور پریمیم ادا کی تھی، لے کر بقیہ رقم بلانیتِ ثواب غرباء ومساکین کو

دے دے، اب جب کہ فسادیوں نے بیمہ شدہ ہو یا غیر بیمہ شدہ دونوں کو بلا تمیز وبلا تفریق تباہ کرنا شروع کر دیا ہے، دفعِ ضرر والی علت بھی باقی نہ رہی، بیمۂ املاک کی یہ گنجائش بھی بے معنیٰ ہے۔ رہا جان کا بیمہ تو وہ بہر حال ممنوع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰ر شوال ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جیون بیمہ میں ملی ہوئی رقم کا صدقہ کرنا ضروری ہے

سوال: ایک لڑکے کا انتقال ہوا، اس نے اپنی زندگی میں جیون بیمہ پالیسی اختیار کی تھی، اب اس کی موت کے بعد جیون بیمہ پاس ہوا ہے، کمپنی کی طرف سے اس کے گھر والوں کو جیون بیمہ کی رقم ملی ہے، اور اس کے گھر والے پیسہ والے مال دار ہیں؛ لہذا جیون بیمہ میں ملی ہوئی رقم کو اس کے گھر والے کہاں کہاں خرچ کر سکتے ہیں؟ واضح رہے کہ اس کے ورثاء میں ماں، باپ، بیوی اور ایک لڑکا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جان کا بیمہ ہر حالت میں حرام وناجائز ہے، اب جو رقم ملی ہے اس میں سے اتنی رقم جو اس نے بیمہ کمپنی کو ادا کی تھی وہ تو اس کے ورثاء میں (بعد ادائے دین ونفاذِ وصیت از ثلث) بقدر حصص تقسیم کر دی جائے، (یعنی کل چوبیس سہام بنا کر زوجہ کو تین، باپ کو چار، ماں کو چار اور لڑکے کو تیرہ سہام دیئے جائیں) اور جو رقم زائد ملی ہے یعنی اس کی دی ہوئی رقم سے زائد کا صدقہ کر دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جانور کا بیمہ نکلوانا ناجائز ہے

سوال: ضلع کے پیمانے پر بہت سے لوگوں نے مل کر باہمی اشتراک سے دودھ کی خرید وفروخت اور اس کاروبار کو مالہ وماعلیہ کے ساتھ ترقی دینے کے لیے ایک مشترکہ کمپنی بنائی، نظام میں سہولت کے لیے گاؤں گاؤں یا بعض چھوٹے گاؤں کے مرکزی مقام پر اس کی شاخیں بھی قائم کیں، ضلعی پیمانہ پر اور اس کی شاخوں میں کثرتِ رائے کی بنیاد پر نظام چلانے کے لیے ممبران میں سے انتخاب کر کے کمیٹیاں بنائی جاتی ہیں، ضلعی پیمانے کی بڑی کمپنی کو بڑی ڈیری اور مقامی کمپنی کو سہکاری ڈیری شاخ کہتے ہیں، آج کل ہر چیز کا بیمہ ہونے لگا ہے، جس کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ بیمہ کمپنی والے ایک مقررہ رقم ہفتہ وار وصول کر کے اس کے عوض جس چیز کا بیمہ کرایا جائے اس کی ایک معین مدت تک حفاظت کا ذمہ لیتے ہیں، اس مدت کے درمیان اگر وہ چیز ضائع ہو جائے تو بیمہ کمپنی والے اس ضائع شدہ چیز کے عوض مقرر شدہ رقم دیتے ہیں، اسی روشنی میں حسبِ ذیل سوال کا جواب مطلوب ہے، کہ بعض لوگ جانور کا بیمہ اس طرز پر نکلواتے ہیں کہ ماہانہ دس روپیہ جانور کا مالک دے گا، دس روپیہ سہکاری ڈیری شاخ اور دس روپیہ بڑی ڈیری دے گی اور یہ بیمہ ایک سال کے لیے ہوتا ہے، اگر اس سال جانور مرجاتا ہے تو بیمہ کمپنی فی جانور دو ہزار روپیہ دیتی ہے، سوال طلب امر یہ ہے کہ:

(الف) اس طرح بیمہ نکلوانا کیسا ہے؟

(ب) بالفرض اگر بیمہ نکلوایا اور جانور اس عرصہ میں مرگیا تو بیمہ کمپنی سے دو ہزار روپیہ لینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(الف) ناجائز ہے۔

(ب) اپنی ادا کردہ مقدار سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیمہ درحقیقت قمار اور ربا پر مشتمل ہے

سوال: زید اپنے گھر کا ایک قابل شخص ہے کہ بظاہر اسی کی کمائی پر اس کے اہل خانہ، والدین وغیرہ کا گزر ہے؛ نیز اس کے اور اس کے والدین کے ذمہ غیر معمولی قرض بھی ہے، جو سوال یا اشراف کا موجب ہوسکتا ہے، زید کا ایک ٹرک سے ایکسیڈنٹ ہوگیا اور اس میں زید کا انتقال ہوگیا، اب زید کے گھر والوں کے لیے سرکاری قانون سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس ٹرک کا جس بیمہ کمپنی سے ربط ہے بیمہ پاس کروانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیمہ کی اصل حقیقت قمار اور ربوٰ پر مشتمل ہے، جو ناجائز اور حرام ہے؛ البتہ اگر زید کی موت ٹرک کی ٹکر سے واقع ہوئی ہے تو ٹرک کا ڈرائیور ضامن ہوگا، اور اس سے زید کی دیت وصول کی جاسکتی ہے۔

والظاهر أن سائق السيارة ضامن لما أتلفه في الطريق سواء أتلفه من القدام أومن الخلف.(تكملة فتح الملهم: ۲/۵۴۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جیون بیمہ میں ملی ہوئی رقم کا صدقہ کرنا ضروری ہے

سوال: ایک لڑکے کا انتقال ہوا، اس نے اپنی زندگی میں جیون بیمہ پالیسی اختیار کی تھی، اب اس کی موت کے بعد جیون بیمہ پاس ہوا ہے، کمپنی کی طرف سے اس کے گھر والوں کو جیون بیمہ کی رقم ملی ہے، اور اس کے گھر والے پیسہ والے مال دار ہیں؛ لہذا جیون بیمہ میں ملی ہوئی رقم کو اس کے گھر والے کہاں کہاں خرچ کر سکتے ہیں؟ واضح رہے کہ اس کے ورثاء میں ماں، باپ، بیوی اور ایک لڑکا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جان کا بیمہ ہر حالت میں حرام وناجائز ہے، اب جو رقم ملی ہے اس میں سے اتنی رقم جو اس نے بیمہ کمپنی کو ادا کی تھی وہ تو اس کے ورثاء میں (بعد ادائے دین ونفاذِ وصیت از ثلث) بقدر حصص تقسیم کر دی جائے، (یعنی کل چوبیس سہام بنا کر زوجہ کو تین، باپ کو چار، ماں کو چار اور لڑکے کو تیرہ سہام دیے جائیں) اور جو رقم زائد ملی ہے یعنی اس کی دی ہوئی رقم سے زائد کا صدقہ کر دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایل، آئی، سی (L.I.C.) کی رکنیت لینا درست نہیں

سوال: ایک صاحب LIC کی رکنیت لیے ہوئے ہیں، یعنی انہیں ہر ماہ سات سو پینتیس روپیے کے حساب سے چھ سال تک رقم جمع کرانی ہے، جو مجموعی اعتبار سے پچاس ہزار کے قریب قریب ہوتی ہے اور جب وہ رقم نکالیں گے تو پچاس ہزار سے

بڑھ کر انہیں ستتر ہزار (۷۷۰۰۰) روپے ملیں گے تو کیا یہ زائد رقم لینا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زندگی کا بیمہ ناجائز ہے، اس میں قمار (جوا) اور سود دونوں قسم کے گناہ ہیں، اور گناہ بھی بڑے سنگین گناہ، حدیث میں سود دینے والے اور لینے والے اور سودی معاملہ لکھنے والے اور اس کے گواہ بننے والوں پر لعنت آئی ہے۔ (مشکوٰۃ)

اور ایک روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سودی معاملہ کرنے والے کو ستر قسم کے گناہ لاحق ہوتے ہیں، جن میں ادنی درجہ کا گناہ اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے کے برابر ہے، نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سود کے ایک درہم کا کھانا (اپنے استعمال میں لانا) اللہ تعالیٰ کے یہاں چھتیس مرتبہ زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ (مشکوٰۃ ۲۴۶)

جس مسلمان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ مبارک کی عظمت ووقعت ہو وہ کبھی ایسا معاملہ کرنے کی جرأت نہ کرے گا۔ (ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ ۲/۲۰۰)

اس میں جو زائد رقم ملتی ہے اس کا اپنے استعمال میں لانا حرام ہے، وہ رقم اس کا وبال دور کرنے کی غرض سے بلا نیت ثواب فقراء اور مساکین کو بطور تملیک دے دینا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیمہ کی رقم کا حکم

سوال: کسی ٹرک کا ایکسیڈنٹ ہوگیا جس کا بیمہ کرایا گیا تھا، اور اس ٹرک کا کلینر

(CLEANER) جائے حادثہ پر ہی وفات پا گیا، اب انشورنس کمپنی اس ٹرک کی بھرپائی کرتی ہے؛ نیز مرحوم کے ورثاء کو ایک معین رقم دیتی ہے، تو کیا اس رقم کا لینا مرحوم کے ورثاء کے لیے جائز ہے؟ اگر جائز ہو تو کیوں؟ اور ناجائز ہو تو کیوں؟ مفصل ومدلل؛ نیز عام فہم زبان میں جواب سے مستفیض فرمائیں، علاوہ ازیں علمائے شوافع کی تحقیق کو بھی پیش کریں تو عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیمہ میں سود اور قمار کا ارتکاب ہوتا ہے، اور دونوں بہ نص قطعی حرام ہیں، اس موضوع پر علمائے کرام کی مستقل تصانیف موجود ہیں۔ (مثلاً حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ''بیمۂ زندگی'' جو آپ کی کتاب جواہر الفقہ کا جلد دوم کا جزء بھی ہے) اس کا مطالعہ فرمالیں، اس سلسلہ میں علمائے شافعیہ کی کوئی تحقیق نظر سے نہیں گزری۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ صفر ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دکان کا بیمہ کرانا

سوال: ہمارے کپڑے کی دوکان ہے جس میں تقریباً ہمارا ذاتی مال دوڈھائی لاکھ روپئے کا بھرا رہتا ہے، یعنی: اسٹاک رہتا ہے، آج کل ماحول بڑا خراب ہوگیا، دنگے فسا کا ماحول بن گیا ہے، ہم اس مال کا بیمہ کرا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیمہ کمپنی بذات خود مکان، دوکان، کارخانہ، فیکٹری اور انسان کی جان کی حفاظت اور نگرانی نہیں کرتی، اس لیے اس معاملہ کو عقد اجارہ میں داخل کر کے اشتراط ضمان علی الاجیر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، یہ معاملہ سود اور قمار سے مرکب ہے؛ بایں وجہ اس میں سود اور قمار دونوں قسم کے گناہ ہوتے ہیں، اور گناہ بھی بڑے سنگین ہیں، جن کو حلال سمجھنا کفر ہے؛ مگر سوال میں جن خطرات کی نشان دہی کی گئی وہ بھی واقعہ ہیں، اور بیمہ کرانے کی صورت میں فسادیوں کی نظر بد سے دوکان وغیرہ کی بہ ظن غالب حفاظت ہوجاتی ہے، اس لیے قانونِ فقہ "الضرر یزال" کے پیش نظر خطرے کی چیزوں کا بیمہ کرانے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس شرط کے ساتھ کہ بیمہ کمپنی میں جو رقم جمع کرائی ہے اس سے زیادہ جو رقم ملے وہ غرباء اور محتاجوں میں بلا نیت ثواب تقسیم کردی جائے، اپنے کام میں ہرگز نہ لی جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۶/ ۱۳۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیمہ کمپنی سے کمیشن لینا

سوال: میں لائف انشورنس کا ایجنٹ ہوں، ہم کو کمپنی تنخواہ نہیں دیتی؛ بلکہ ہم جتنا کام کریں گے، اس کے حساب سے کمپنی ہمیں کمیشن دیتی ہے، تو یہ کمیشن لینا ہمارے لیے جائز ہے یا نہیں؟ تاکہ اس سے بچا جائے۔ جواب حوالہ کے ساتھ ایسا دیں کہ دل مطمئن ہوجائے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لائف انشورنس میں قمار اور سود دونوں خرابیاں لازم آتی ہیں، اس لیے وہ ناجائز اور حرام ہے، اس پر جو کمیشن ملے گا وہ بھی حرام کام میں اعانت پر مل رہا ہے، جو جائز نہیں ہے۔ ﴿وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (البقرہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ

جیون بیمہ ناجائز ہے

سوال: جیون بیمہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جان ومال کا بیمہ کرانا

سوال: لائف انشورنس کا کیا حکم ہے؟ ہم اپنی زندگی اور موٹر، کار، کمپنی وغیرہ کا بیمہ کرا سکتے ہیں؟ بعض دین دار لوگوں کا خیال ہے کہ بابری مسجد کے انہدام کے بعد ملک کے مختلف جگہوں پر مسلمانوں کے جان ومال کا زبردست نقصان ہوا اور یہ نقصان کفار اور سرکاری حکومتوں نے بالقصد کرایا، اس وجہ سے اسلامی فقہ اکیڈمی نے لائف انشورنس کو جائز قرار دیا، اور یہ نکتہ ملحوظ رکھا ہے کہ اس طرح نقصان کی بھرپائی کی بیمہ کمپنی کو اچھی خاصی رقم ادا کرنی پڑے گی، اس لیے گورنمنٹ مسلمانوں کے

جان ومال کی حفاظت پر مجبور ہوگی، اور یہ کہ اصل رقم صاحب المال کی ہوگی اور باقی فاضل رقم سود کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں غرباء پر تقسیم کردی جائے گی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

انشورنس میں سود اور قمار دونوں کا ارتکاب لازم آتا ہے اور ان دونوں کی حرمت قطعی اور منصوص ہے، اس لیے انشورنس بھی حرام اور ناجائز ہے، ایمان کا اصلی تقاضہ یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور تقدیر کا یقین رکھتے ہوئے شریعت کے منع فرمودہ امور سے مکمل اجتناب کرے، اس کے باوجود اگر یہ یقین ہے کہ ایسا کرنے سے حکومت مسلمانوں کی جان ومال کی حفاظت کرنے پر مجبور ہوگی (اگرچہ یہ بھی ایک مفروضہ بن گیا ہے) تو اس صورت میں اس شرط کے ساتھ- کہ جان یا مال کا نقصان ہونے کی صورت میں بیمہ کرانے والا صرف وہ رقم جو اس نے بیمہ پالیسی کے طور پر ادا کی ہے اپنے پاس رکھ کر اس سے زائد تمام رقم غرباء ومساکین میں بلا نیت ثواب تقسیم کردے گا- بیمہ کرائے گا تو امید ہے کہ وہ معذور سمجھا جائے اور عنداللہ ماخوذ نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ شوال ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بیمہ کے بارے میں ایک مشورہ

سوال: ہمارے ملک (جنوبی افریقہ) کی حالت ہر اعتبار سے بدتر ہوتی جارہی ہے، جان اور مال کا شدید خطرہ ہے، جن عوام نے علماء کے انشورنس کے عدمِ جواز کے

فتوی پر عمل کیا جب ان کا کوئی حادثہ ہوتا ہے نا قابلِ برداشت ہوتا ہے، متأثر ہو کر تقدیر وغیرہ پر شبہ کرنے لگے، یہاں علماء سے مسئلہ میں نظر ثانی کرنے کی عام درخواستیں مل رہی ہیں، کیا عوام کے عقائد کی حفاظت کے خاطر مندرجۂ ذیل صورت کی گنجائش ہے:

بیمہ نکالے، اگر حادثہ ہو جائے زائد رقم کی اگر ضرورت ہو تو فبہا ورنہ واجب التصدق ہے، برائے کرم رہنمائی فرمائیں۔

اور ہم کو کیا فتویٰ جمعیت کی طرف سے دینا چاہیے؟ بیمہ کا شدید تقاضہ سواریوں میں ہے مثلاً میری سواری دس ہزار رینڈ کی ہے اور دوسرے کی مثلاً نوے ہزار کی، اس کی سواری کی حفاظت کے لیے انشورنس نکالا جاتا ہے؛ ورنہ مجھے تو دس ہزار سے زیادہ رقم ادا کرنی ہوگی اس کی سواری کو نقصان کرنے کی صورت میں، اتنی رقم میں کہاں سے مہیا کروں؟ اس میں کیا راہ ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس سلسلہ میں ہمارے علماء نے جو لکھا ہے اس کو سامنے رکھ کر آپ کے ملک میں جو اربابِ افتاء ہیں وہ کوئی فیصلہ متفقہ طور پر کریں یہ زیادہ مناسب ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا رسالہ جو جواہر الفقہ میں ہے اور حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب کا رسالہ ''بینکنگ انشورنس اور سرکاری قرضے'' وغیرہ رسائل کا مطالعہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سوال: جیون بیمہ اور دکان، مکان کے بیمہ کا کیا مسئلہ ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیمہ میں سود اور قمار پایا جاتا ہے اور سود اور قمار دونوں کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، اس لیے بیمہ بھی حرام اور ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ ربیع الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ہوٹل کے بیمہ کرانے کی گنجائش

سوال: ملک کے عمومی حالات کے پیشِ نظر جب کہ اکثریت غیروں کی ہے اور تعصب کی بنیاد پر فسادات کے دوران ملکیت کو نقصان پہنچاتے ہیں، ہوٹل کا، کسی ملکیت کا بیمہ اتروانا شرعاً کیسا ہے؟ جب کہ بیمہ سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ شر پسند عناصر بیمہ بھری ہوئی ملکیت کو نقصان نہیں پہنچاتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیمہ میں سود بھی ہے اور جوا بھی، اور یہ دونوں چیزیں شرعاً ممنوع ہیں، بیمہ بھی ممنوع ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص ایسے مقام پر اور ایسے ماحول میں ہو کہ بغیر بیمہ کرائے جان و مال کی حفاظت ہی نہ ہو سکتی ہو، یا قانونی مجبوری ہو تو بیمہ کرانا درست ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۲۴۰)

یہ معاملہ سود اور قمار سے مرکب ہے، بایں وجہ اس میں سود اور قمار دونوں قسم کے گناہ ہوتے ہیں، اور گناہ بھی بڑے سنگین ہیں، جن کو حلال سمجھنا کفر ہے؛ مگر سوال میں جن خطرات کی نشان دہی کی گئی ہے وہ بھی واقعہ ہے، اور بیمہ کرا لینے کی صورت میں

فسادیوں کی نظرِ بد سے دکان وغیرہ کی بہ ظنِ غالب حفاظت ہوجاتی ہے؛ اس لیے قانون فقہی ''الضرر یزال'' کے پیشِ نظر خطرہ کی چیزوں کا بیمہ کرالینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے اس شرط کے ساتھ کہ بیمہ کمپنی میں جو رقم جمع کرائی ہے اس سے زیادہ جو رقم ہے، وہ غرباء اور محتاجوں میں بلانیت ثواب تقسیم کردی جائے، اپنے کام میں ہرگز نہ لی جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۱۳۳) والتفصیل فیہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

انشورنش میں ملنے والی رقم کا حکم

سوال: انشورنس کے ذریعہ جو کلیم لیا جاتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ اور قومی فسادات؛ نیز سیاسی نقصانات اور مزدوروں کی یونین کے ذریعہ جو نقصان ہم کو پہنچے اس کا کلیم ہم انشورنس کے ذریعہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟ مزید یہ معلوم کرنا ہے کہ قدرتی آفات یعنی سیلاب اور زلزلہ وغیرہ میں جو نقصان ہو اس کے حکم کی وضاحت بھی مطلوب ہے، جواب ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

انشورنس کے ذریعہ کلیم کر کے لی جانے والی رقم میں وہ مقدار جو بذریعہ پریمیم آج تک اس نے بیمہ کمپنی میں جمع کرائی ہے، وہ تو اس کے لیے جائز اور درست ہے، اور اس سے زائد جو مقدار اس کو حاصل ہوئی ہے اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے، اپنے استعمال میں لانا درست نہیں چاہے کلیم کسی بھی بنیاد یعنی قومی فسادات، قدرتی آفات وغیرہ پر ہوا ہو؛ البتہ اگر قومی فسادات والی صورت میں حکومت کے عملہ کی طرف سے

فسادات کی ہمت افزائی یا اس میں شرکت ہوئی ہے، اور انشورنس کمپنی بالواسطہ یا بلا واسطہ حکومت ہی سے متعلق ہے تو اس صورت میں حقیقی نقصان کے بعد جو کچھ ملے اور جو حق قانون وضابطہ میں بنایا جائے اس کے مطابق ملنے والا مال انشورنس کرانے والے کے لیے لینے کی بعض علماء کے نزدیک گنجائش ہے، بقیہ صورتوں میں صرف اپنی جمع کردہ رقم کے بقدر لینا اور استعمال کرنا جائز ہوگا؛ زائد کا نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/محرم ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بیمہ کروانا

سوال: انشورنس اس کا دوسرا نام بیمہ ہے یہ جان کا بھی اتارا جاتا ہے اور مال کا بھی اتارا جاتا ہے جائز ہے یا ناجائز؟ کیوں کہ یہاں کے مسلمانوں میں رواج عام ہو چکا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیمہ چاہے املاک کا ہو یا زندگی کا، سود اور جوے پر مشتمل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری ۱۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

زندگی کا بیمہ کرانا

سوال: زید نے چند سال قبل LIC یعنی لائف انشورنس (جیون بیما پالیسی)

کرواچکا ہے، صورت مسئلہ یہ ہے کہ: پورے بیس سال گزرنے کے بعد چالیس ہزار کے بدلے ایک لاکھ روپیے کی رقم نقد ملے گی بہ شکل منافع، اس کے لیے زید کو ہر سال ۲۶۵۲ (دو ہزار چھ سو باون) روپیے بیس سال تک ادا کرنا ہوگا؛ مگر مشکل یہ ہے کہ اب درمیان میں جیون بیمہ پالیسی ختم کرانا چاہے تو اپنے جملہ جمع کیے ہوئے رقم نقصان اٹھا کر ختم کرنا ہوگا اور اس کی ہمت نہیں، نیز ہمارے مسجد کے مولانا یہ فرما چکے ہیں کہ: لائف انشورنس کرانا جائز نہیں جو کہ موجودہ صورت کی کرائی گئی ہے، اب اگر کرواچکے ہیں تو اس کو فوری ختم کروالو، ختم کرائے جانے پر آفس میں بتلائے کہ پھر اتنا نقصان ہوگا جو کہ ناقابل برداشت ہے، نیز یہ بھی فرمایا کہ: بینک میں جو LIC کی رقم جمع ہے اس کی بھی زکوۃ ہر سال واجب الاداء ہے۔ بہر حال! ہمیں قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کا حل بتلائیں کہ ایل آئی سی کرا سکتا ہوں یا نہیں؟ اب جب کہ کرواچکا ہوں توڑ دینے کی کیا شکل؟ جب کہ میرے لیے اور ۱۲ رسال باقی ہے، نیز مدت ختم پر جو رقم ملے گی مجھ کو ہو یا کسی اَور بھائی کو، تو اس کا استعمال کیسے کریں؟ کیا اپنی ذات پر کریں یا پھر غریبوں کو دے دیں۔ یا پھر کسی مسجد یا مدرسہ کو دیں؟ میں چاہتا ہوں کہ شریعت کی روشنی میں سودی مال سے بھی بچ جاؤں، اور حرام ومشتبہ مال سے بھی احتراز ہو، اور میرا مالی خسارہ بھی نہ ہو۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زندگی کا بیمہ کرانا حرام وناجائز ہے، اور اس کی بنیاد پر جو منافع حاصل ہوتا ہے وہ سود ہے، جس کا استعمال حرام وناجائز ہے۔ آپ کے مولانا صاحب نے جو مسئلہ بتایا

ہے وہ صحیح ہے اور درست ہے، اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ اب جب کہ بیمہ کروا چکے ہیں تو اس کا حل یہی ہے کہ فوری طور پر اس کو ختم کیجیے، ختم کرنے کی صورت میں دنیوی طور پر چند روپیوں کا نقصان ہے؛ لیکن جہنم کے عذاب اور آخرت کی باز پرس سے حفاظت ہے، اس کو باقی رکھنے میں دنیوی فائدہ نظر آرہا ہے، (گو وہ بھی حقیقت میں نقصان ہے جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے)؛ لیکن آخرت کا نقصان ہے جس کی کوئی تلافی نہیں ہے۔ شریعت کی روشنی میں جو حکم تھا وہ آپ کو بتلا دیا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ر ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

افریقہ کے مخصوص حالات میں انشورنس کروانا

سوال: (۱) ہمارے ملک جنوبی افریقہ میں اس وقت لوٹ مار، قتل وغارت گیری رات دن کا ماحول بن گیا ہے بے قصور و بے گناہ لوگ ظلم وستم کا شکار رہتے ہیں۔ صاحب مال اور دولت مند دیکھتے دیکھتے فقیر بن جاتے ہیں اور نان شبینہ کے محتاج ہو جاتے ہیں۔ ایسے حالات میں کاروبار، مکان، مساجد کے انشورنس کی ہمارے دیار میں گنجائش ہے یا نہیں؟ نیز یہاں انشورنس کی کمپنیاں حکومت کی نہیں ہوتی ہیں

(۲) آج کل موٹر ہمارے دیار میں ضروریات دین میں سے ہے بس یا ریل گاڑی میں سفر کرنا کسی صورت میں خطرہ سے خالی نہیں اور پھر ہر وقت بس اور گاڑی کی سہولت میسر بھی نہیں اس لیے صاحب استطاعت کے لیے آسانی سے گاڑی خریدنے کا انتظام

ہوجاتا ہے اور رات دن موٹروں کے ٹکرانے کے حادثات ہوتے رہتے ہیں۔

حادثہ کی صورت میں دیکھا جاتا ہے کہ قصوروار کون ہے اور حاکم جسے قصوروار ٹھہراتا ہے وہ قصوروار شمار ہوتا ہے۔ اب جس موٹر کے ساتھ حادثہ ہوا ہے اس کو درست اور ٹھیک کرنے کے اخراجات قصوروار کے ذمہ ہوتے ہیں کبھی وہ خرچ لاکھوں روپئے تک ہوتا ہے۔ قصوروار نے اگر انشورنس نہ نکلوایا ہو تو اس صورت میں اس غریب کے کاروبار اور مکان تک جانے کا امکان ہے ایسے حالات میں شرعاً انشورنس کی اجازت ہمارے دیار میں ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② انشورنس اصلاً شریعت میں جائز نہیں۔ کیوں کہ انشورنس میں ایک یا ایک سے زائد محرمات کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ مروجہ انشورنس کی بعض صورتوں میں ربا، قمار، غرر جیسے متعدد محرمات پائے جاتے ہیں۔ بعض میں صرف ربا اور قمار پایا جاتا ہے۔ شریعت مطہرہ میں ربا اور قمار وغیرہ کی شدید مذمت وارد ہوئی ہے اس کے پیش نظر ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ شدید سے شدید تر حالات میں بھی ایسے معاملات اور اعمال سے بچے جن میں ربا، قمار وغیرہ کی آمیزش ہو۔ ہندوستان میں بعض علما نے اس کی گنجائش دی ہے اس کا جب آپ مطالعہ فرمائیں گے تو یہ واضح ہوجاوے گا کہ اس میں اس چیز کو بڑا دخل ہے کہ ہندوستان میں بیما کمپنی حکومت کی ملک ہے ساتھ ہی قومی فسادات کو بھڑکانے میں عموماً حکومت کی مشنری بھی معاون ہوتی ہے۔ اور درصورت اجازت اکثر حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ بیمہ کمپنی سے ملنے والے معاوضہ میں

سے صرف اتنا ہی لیا جائے جتنا یہ شخص بیمہ کمپنی کو ادا کر چکا ہے اس سے زائد مقدار غربا ومساکین پر صدقہ کرے (کما ھو مصرف المال الحرام) اور جو بعض حضرات پورا معاوضہ لینے کی اجازت دیتے ہیں وہ بھی صرف اسی صورت میں جب کہ املاک کی ہلاکت قومی فسادات میں ہوئی ہو۔

اگر اتفاقی حادثہ یا اور کسی صورت میں ہوئی ہے تو وہ بعض حضرات بھی پورا معاوضہ استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ بلکہ صرف اتنی ہی مقدار کو جائز گردانتے ہیں جتنی وہ ادا کر چکا ہے۔ ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھ کر غور فرمائیں گے تو یہ بات صاف ہو جائے گی۔ آپ نے جو سوالات اٹھائے ہیں ان میں دوسرے سوال کا تعلق تو صرف اتفاقی حادثات سے ہے۔ اور پہلے سوال میں ظلم وستم سے ہے لیکن اس میں حکومت کی مشنری کا تعاون نہیں ہے بلکہ دونوں صورت میں مالی منفعت پیش نظر ہے۔ نیز آپ نے جو صورت حال ذکر فرمائی ہے بہ نظر غائر دیکھا جائے تو اس وقت دنیا کے اکثر ممالک کا یہ حال ہے کہ ربا اور قمار کی حرمت کے احکام کو مصالح وقت کے پیش نظر ختم یا مؤخر کر دیا جائے البتہ آپ یہ سوال فرما سکتے ہیں کہ پھر اس کا حل کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپس کے تعاون وتناصر کا جو نظام اسلام نے بتلایا ہے جس کا ایک حصہ زکوۃ کے اجتماعی نظام کا قیام ہے اس کو اختیار کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جانی یا مالی خطرہ کے وقت بیمہ کروانا

سوال :①ہمارا کاروبار پٹرولیم پروڈکٹ (پٹرول سے متعلق جو تیل آتے ہیں) کا ہے اور یہ تیل وغیرہ دوسرے شہروں سے لاتے ہیں، ہماری اپنی ٹرک ہے، ہمارے ڈرائیور ٹرک لے کر جاتے ہیں اور مال لے کر آتے ہیں، وہاں سے مال لانے پر راستہ میں بہت مشکلات بسا اوقات پیش آتی ہے، مثلاً ایکسیڈنٹ وغیرہ تو کیا اس حال میں ہم اس گاڑی کا ڈرائیور کا اور مال کا انشورنش نکال سکتے ہیں؟ فرسٹ پارٹی انشورنس اس فرسٹ پارٹی انشورنس میں یہ ہوتا ہے کہ اگر خدانخواستہ کوئی ایکسیڈنٹ وغیرہ ہوجائے تو اس انشورنس کی رقم انشورنس نکالنے والے کو ملتی ہے اگر انشورنس نکال سکتے ہیں تو کیا انشورنس کی رقم ہم استعمال کر سکتے ہیں یا اور کوئی طریقہ استعمال ہے؟

②ہمارا کاروبار پٹرول سے متعلق جو تیل ہیں اس کا ہے، اور یہ تیل ہم دوسرے شہر مثلاً بروڈا، یا احمد آباد، یا واپی سے لاتے ہیں، اس میں ہم کیروسن لاتے ہیں، اور اس مال کو لانے کے بعد یعنی مال سورت پہنچ جانے کے بعد ہم اس مال کی رقم ادا کرتے ہیں، مال اس وقت ہمارا ہوتا ہے جب سورت پہنچ جاتا ہے اس طرح مال کو وہاں لانے میں آج کل راستہ میں جو مشکلات پیش آتی ہے اس کو مدنظر رکھتے ہوئے شر پسند لوگ نقصان پہنچانے کے لیے آگ لگائیں یا ایکسیڈنٹ ہوجائے، ان سب حالات میں اگر مالی یا جانی خطرہ ہو یا مال ضائع ہوجانے کا اندیشہ ہو تو کیا ان حالات میں اس مال کا انشورنس نکالا جاسکتا ہے؟ اور اگر انشورنس نکالا جاسکتا ہے تو اس انشورنس کے پیسے کا کیا کیا جاسکتا ہے؟ کیا ہم استعمال کر سکتے ہیں یا اور کوئی راستہ ہے؟

③ ہمارا کاروبار پٹرولیم پروڈکٹس کا ہے جس میں ایسا تیل وغیرہ آتا ہے جو جلد آگ پکڑ لیتا ہے، اگر اس قسم کے مال کو کہیں دوسرے شہر سے لایا جائے اور ٹرک کسی ٹرانسپورٹ والے کی ہو اور مال صرف اپنا ہو اور راستہ میں خدانخواستہ کوئی حادثہ پیش آجائے تو کیا ہم اس مال کا فرسٹ پارٹی انشورنس نکال سکتے ہیں؟ اس انشورنس کے پیسوں کا طریقہ استعمال کیا ہوگا؟

④ ہمارا کاروبار جلد آگ پکڑنے والے آئل کیروسن اور پٹرول وغیرہ کا ہے اور جس جگہ ہمارا ڈپو ہے اس کے اطراف میں تمام جھونپڑی ہے، اس ڈپو میں ہم اس کی دیوار زیادہ اونچی نہیں بنا سکتے، اس طرح ہم کو اکثر حالات کے اعتبار سے نقصان کا اندیشہ رہتا ہے، کوئی بھی کسی ناچاقی کی وجہ سے یا کسی دشمنی کی وجہ سے نقصان کے درپہ ہو تو بہت بڑے نقصان کا خطرہ ہے، تو کیا ہم ان حالات میں فرسٹ پارٹی انشورنس نکال سکتے ہیں؟ اور اگر انشورنس نکال سکتے ہیں تو برائے کرم اس انشورنس کی رقم کس طرح استعمال کریں وہ بھی براہ کرم بیان فرمادیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

انشورنس میں قمار (جوا) اور ربوا (سود) دونوں کا ارتکاب ہوتا ہے، اس لیے یہ حرام ہے، نفع اور نقصان دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور نفع حاصل کرنے یا نقصان دور کرنے کے لیے صرف وہی تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے جو شرعاً جائز ہو، بعض مواقع پر قانونی مجبوری یا دیگر عوارض کی بنا پر بعض علماء نے انشورنس کی اجازت اس شرط پر دی ہے کہ اس کے ذریعہ حاصل ہونے والی رقم میں سے صرف اتنی رقم اپنے

پاس رکھ لی جائے جو بیمہ کمپنی کو ادا کی تھی، بقیہ رقم کا صدقہ کر دینا ضروری ہے، آپ نے جو چار مسائل دریافت فرمائے ہیں ان میں کوئی ایسا عارض موجود نہیں ہے جس کی بنیاد پر بیمہ کرانے کی گنجائش ہو، نیز آپ کے دریافت کردہ چاروں مسائل میں آپ کا مقصد تو انشورنس کمپنی سے حاصل شدہ رقم کا استعمال ہے، جس کی کسی حال میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

انکم ٹیکس اور رشوت کے مسائل

چنگی اور ٹیکس شریعت کی نظر میں

سوال: آکٹرائے (چنگی) کی ادائیگی سے متعلق شرعی احکامات کیا ہیں؟ آیا اس کی ادائیگی لازمی ہے یا نہیں؟ اگر آکٹرائے کی ادائیگی لازمی ہے تو اسکا ادا نہ کرنا کس درجہ کا گناہ ہوگا؟ جو رقم بعنوان آکٹرائے ادا نہ کرنے پر پاس بچی رہتی ہے اس کا کیا حکم ہے حلال یا حرام؟ آکٹرائے میونسپلٹی اور کارپوریشن میں جاتی ہے جو شہریوں کی ضروریات اور راحت رسانی کے کام آتی ہے، مثلاً ٹیچر حضرات کی تنخواہیں، صاف صفائی، سرکاری دواخانوں میں ڈاکٹر حضرات کی تنخواہیں، دواؤں کا انتظام وغیرہ، آکٹرائے بچانے سے یہ سارے کام متاثر ہوتے ہیں، میونسپلٹی کے خزانے کو بیت المال قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حدیث پاک میں ٹیکس لینے پر وعید ہے، چنگی کو بھی عموماً اس میں شمار کیا جاتا ہے، چناں چہ فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۳۴۷ میں ہے: ''شریعت نے ٹیکس کو حرام قرار دیا ہے، اور ٹیکس وصول کرنے والے کے لیے سخت وعید ہے، اس کی دعاء بھی قبول نہیں ہوتی، آج کل چنگی کا حال بھی تقریباً ایسا ہی ہے''۔ (فتاوی محمودیہ کراچی: ۱۷/ ۱۲۰)

جو ٹیکس ظلماً وصول کئے جاتے ہیں ان کے سلسلہ میں حکم یہ ہے کہ جو آدمی اس کو اس سے بڑے ضرر ونقصان میں پڑے بغیر دفع کرسکتا ہو تو کرنا چاہیے۔

وأما المغارم الوار دة عليهم..... وأما غيره مما يو خذ ظلماً و غرامة، فمن تمكن مِن دفعه عن نفسه بالرفع إلى الحاكم الشرع أو كان له قدرة على دفعه من غير ضرر يلحقه أعظم منه فليدفع عن نفسه إذ هو خير له؛ إذ الظلم يجب اعدامه لا تقريره واحكامه. الخ

(تنقيح الفتاوى الحامدية ۲/ ۱۹۹)

البتہ ظلمی ٹیکس کی تشریح یہ کی جاتی ہے کہ اس کے معاوضہ میں ٹیکس ادا کرنے والوں کو کوئی فائدہ حکومت کی طرف سے یا ٹیکس وصول کرنے والے کی طرف سے نہ دیا جاتا ہو، آکٹرائے کے سلسلے میں آپ نے جو وضاحت سوال میں کی ہے، اس کے پیش نظر اس ٹیکس کی رقم کو اس شہر کے باشندوں کے مفادات (طبی سہولتوں، تعلیمی سہولتوں، اور دیگر شہری سہولتوں کی فراہمی) میں صرف کیا جاتا ہے تو اس صورت میں اس کو ظلمی کہنا درست نہ ہوگا؛ البتہ اس کی مقدار پر پھر بھی کلام کیا جاسکتا ہے؛ نیز اس کی عدم ادائیگی کی صورت میں عزت وآبرو کے خطرہ میں پڑنا بھی ایک حقیقت ہے؛ نیز

برسر اقتدار حکومت کے ماتحت اور ملک کا ایک شہری ہونے کے ناطے جو معاہدہ دستور کی پابندی کا کیا ہے اس کی خلاف ورزی (بصورت عدم ادائیگی) ہوتی ہے، ان وجوہات کے پیش نظر اس کی ادائیگی کا حکم ہی راجح ہونا چاہیے، اس سلسلہ میں دیگر حضرات مفتیان عظام سے رجوع فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بلیک (سیاہ) رقم کو سفید بنانے کی صورتوں کا حکم

سوال: آج کل سرکاری ٹیکسوں سے بچنے کے لیے عام طور پر بڑے تاجر کاروبار کے منافع میں بہت تھوڑا سا حصہ پکے حساب میں ظاہر کرتے ہیں، اور زیادہ تر حصہ چھپاتے ہیں، تاکہ سرکار کو ٹیکس کم ادا کرنا پڑے، اس طرح کے چھپائے ہوئے حصے کو آج کل کی اصطلاح میں بلیک (سیاہ) رقم کہتے ہیں، جس کو دوسرے لفظوں میں غیر قانونی بھی کہہ سکتے ہیں، اور پکے حساب میں ظاہر کی ہوئی رقم کو وہائیٹ (سفید) رقم کہا جاتا ہے، اس طرح کی سیاہ رقم کو سفید رقم بنانے کی کچھ صورتیں بھی ہیں، جن کو کاروباری حضرات جانتے ہیں، ان میں سے ایک شکل بینک سے لون لینے کی ہے، جس میں سود بھی دینا پڑتا ہے؛ لیکن دِقّت کم ہوتی ہے، اور دیگر صورتوں میں بھی فی صد کچھ رقم تو دینی پڑتی ہے؛ لیکن دِقّت زیادہ ہوتی ہے۔ بینک سے لینے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ، مثلاً ایک لاکھ روپیے کا کاروبار کرنا ہے، اس کے پاس اتنی بلکہ اس سے زائد رقم موجود بھی ہے؛ لیکن سب قانونی نہیں ہے؛ اس لیے اس کو ظاہر نہیں کرسکتا؛ لہذا بینک سے رقم سود پر لیتا ہے، جس کو پھر وہ مع سود ادا کردیتا ہے۔

اور بینک کے علاوہ قانونی بنانے کی شکل یہ ہے، کہ مثلاً ایک تاجر کے پاس سفید رقم کافی مقدار میں موجود ہے، اس سے قرض لیا جائے؛ لیکن اس صورت میں اس تاجر کو حکومت کو ٹیکس ادا کرنا ہوتا ہے؛ اس لیے یہ تاجر بھی اپنے مقروض سے فی صد کچھ رقم (سود) لیتا ہے، اور بعض بڑے تاجر تو اس کو مستقل کاروبار کے طور پر ہی کرتے ہیں۔

اب سوال طلب امر یہ ہے کہ ان دونوں قسموں کی شکلوں میں سے شرعاً جائز کونسی شکل ہے؟ بالفرض اگر دونوں کا حکم ایک ہی ہے تو بہتر کون سی شکل ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سیاہ رقم کو سفید بنانے کے لیے بینک سے یا کسی بڑے تاجر سے رقم قرض لینے کی صورت میں سود دینا پڑتا ہے، تو ٹیکس میں چوری کر کے جو رقم بچائی تھی وہ اس راہ سے گئی، فرق صرف اتنا ہے کہ سود والی صورت اپنی پسند فرمودہ اور اختیار کردہ ہے گویا اپنی مرضی سے سود دینے کے لیے آمادہ ہوا، اور ٹیکس والی صورت اضطراری یعنی غیر اختیاری ہے جس کی وجہ سے اس کا وبال خود پر نہیں پڑتا ہے، تو پھر رقم کو سیاہ اور سفید بنانے کا مکر کرنے کے بجائے شروع ہی سے سفید بنانے کی صورت کیوں نہ اختیار کی جائے؛ اس لیے آپ نے سفید بنانے کی جو دو صورتیں تحریر فرمائی ہیں دونوں ہی ناجائز ہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حکومتی ٹیکس سے بچنے کے لیے کمائی چھپانا

سوال: زید کی ہوٹل کی سالانہ آمدنی پچیس ہزار ہے؛ لیکن گورنمنٹ کو صرف

دس ہزار انکم بتاتا ہے، اور دس ہزار ہی کا انکم ٹیکس بھرتا ہے، تو یہ کمائی کا چھپانا اور ٹیکس کم ادا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کی طرف سے عائد کیے جانے والے ناجائز ٹیکس سے بچنے کے لیے کوئی ایسی تدبیر اختیار کرنا جس میں ذلت ورسوائی کا اندیشہ نہ ہو، درست اور جائز ہے؛ البتہ اگر اس تدبیر میں ذلیل اور بے عزت ہونے کا اندیشہ ہے، تو درست نہیں؛ اس لیے کہ خود کو ذلیل کرنا شرعاً جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سرکاری ٹیکسوں سے بچنے کی تدبیر کا حکم

سوال: حکومت تاجروں سے مختلف قسم کے ٹیکس وصول کرنے کے لیے تاجروں کے حساب کتاب کو باقاعدہ دیکھتی ہے، تاجر لوگ ان ٹیکسوں سے بچنے کے لیے مختلف تدبیریں کرتے ہیں، شرعاً اس طرح سرکاری ٹیکسوں سے بچنے کے لیے تدبیریں کرنا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کے ناجائز اور ظالمانہ ٹیکس سے بچنے کے لیے کوئی جائز تدبیر اختیار کرنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایضاً

سوال: سرکاری ٹیکسوں سے بچنے یا ان کی مقدار کم کرنے کے لیے ایک تدبیر تجاریہ بھی کرتے ہیں، کہ نفع کی رقم کو دوسرے کی بتاتے ہیں اور اس دوسرے کو اس بات پر رضامند کر لیتے ہیں کہ ہم تمہاری طرف سے اتنی رقم اپنے یہاں جمع کر لیں گے اس کو حوالہ لینا کہتے ہیں، اور دوسرے کے اس فعل کو حوالہ دینا کہتے ہیں، حوالہ دینے والا اس حوالہ دینے کے عوض کچھ رقم بھی حوالہ لینے والے سے مانگتا ہے، تو کیا اس طرح حوالہ دینے پر رقم لینا شرعاً درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسئولہ حوالہ دینے پر رقم لینا اس طرح کہ مشروط ہو درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

انکم ٹیکس سے بچنے کی چند تدابیر کا حکم

سوال: جو شخص بھی تجارت یا ملازمت یا ہنر کے ذریعہ اپنا رزق فراہم کرتا ہے، اگر اس کی سالانہ آمدنی مثلاً ۶۰/ ہزار سے زیادہ ہے تو حکومت اس کی پوری آمدنی میں سے بطور ٹیکس (Tax) کے تین فیصد لیتی ہے، اور اگر ایک لاکھ بیس ہزار سے زائد ہے تو چالیس فیصد ٹیکس وصول کرتی ہے۔ یہ شخص اگر اپنی آمدنی میں سے حکومتی شرح کے مطابق ٹیکس ادا کر دیتا ہے تب تو باقی ماندہ آمدنی وائٹ منی (White

Money) کہلاتی ہے، ورنہ وہ پوری آمدنی حکومت کی نظر میں بلیک منی (Black Money) کہلاتی ہے۔

(Tax) کی یہ شرح جو مذکور ہوئی؛ بہر حال بہت زیادہ ہے کہ ایک شخص جس نے سال بھر میں ایک لاکھ روپیہ کمایا وہ سال پورا ہوتے ہی اپنی کمائی میں سے تیس ہزار روپیہ حکومت کو دے اور خود صرف ستر ہزار خرچ کرے، اس لیے لوگ حکومت کو ٹیکس نہیں بھرتے ہیں اور بغیر ٹیکس کے آمدنی جمع کرتے ہیں، خرچ کرتے ہیں، اور پھر یہ آمدنی حکومت کی نظر میں (Black) بن جاتی ہے۔

آج ملک میں حال یہ ہے کہ جتنا روپیہ white والا بازار میں رولنگ ہوتا ہے، Black والا اس سے زیادہ ہے، اور وہ بازار میں رولنگ نہیں ہو رہا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ Black Money کو کسی بھی جگہ پر استعمال نہیں کیا جا سکتا ہے، نہ گھر بنانے میں، نہ زمین خریدنے، دکان خریدنے، سواری خریدنے وغیرہ کسی بھی تجارتی یا ایسی ذاتی ضرورت میں جس میں اس شئ کا رجسٹریشن کروانا ضروری ہوتا ہے، استعمال نہیں کیا جا سکتا ہے۔

مثلاً زید نے ایک سال میں دو لاکھ روپیہ کمایا، اور اس پر TAX ادا نہیں کیا اور اس کی بڑی ضرورت رہائش کا مکان خریدنا ہے، اب اس نے ایک مکان جس کی قیمت دو لاکھ روپیہ تھی خرید لیا، خریدنے کے بعد رجسٹریشن کروانے گیا تو وہاں انکم ٹیکس (Income Tax) والے پوچھیں گے کہ آپ یہ دو لاکھ روپیہ کہاں سے لائے؟ وہ کہے گا کہ میں نے اپنی تجارت سے کمائے ہیں، تو پھر سوال ہوگا کہ انکم ٹیکس (Income Tax) ادا کیا یا نہیں؟ اب اس کو وہاں ٹیکس (Tax) بھرنا ہوگا۔

غرض یہ کہ وہ ایسی کوئی بھی چیز خریدے گا، بیچے گا جس کے دستاویز بنتے ہیں وہ وہاں فوراً پکڑا جائے گا اور Tax ادا کرنا ہوگا، دوسرا ایک شخص ہے جس کو ایک کاروبار شروع کرنا ہے اس پورے کاروبار میں اس کو ۱۰ / لاکھ روپیہ کی ضرورت ہے، اور ۱۰ / لاکھ روپیہ اس کے پاس موجود ہے، مسئلہ صرف اتنا سا ہے ۱۰ / میں سے ۵ / White ہیں اور ۵ / Black ہیں، اور کاروبار میں صرف White لگا سکتا ہے، دوسرے نہیں، اب سوال یہ ہے کہ ان پانچ لاکھ کو کاروبار میں کیسے لگائے؟ کیا شکل کرے جو کہ Black Money ہے۔

① سب سے پہلے اور مطابقِ قانونِ حکومت شکل یہ ہے کہ وہ شخص انکم ٹیکس بیورو سے کہے کہ میرے پاس ۵ / لاکھ روپیہ Black ہیں جو Tax بنتا ہے آپ وہ لے لیں؛ تاکہ میرا باقی ماندہ روپیہ White بن جائے۔

چوں کہ White Money کی لوگوں کو بار بار ضرورت پڑتی ہے؛ اس لیے ذاتی طور پر کچھ لوگوں نے اس کو کاروبار کے طور پر اپنا لیا ہے، وہ لوگ اپنا White روپیہ لوگوں کو قرض کے طور پر دیتے ہیں اور ان کے Black سے ہاتھوں ہاتھ وصول کر لیتے ہیں اور اس سہولت کے مہیا کرانے پر کچھ نفع ۳ / فیصد یا ۵ / فیصد لیتے ہیں۔

② لہٰذا اگر وہ شخص حکومت کو Tax دینا نہیں چاہتا تو پھر کسی شخص کی طرف رجوع کرتا ہے جو اس کو White Money قرض کے طور پر دیتا ہے، وہ بلیک منی سے قرض چکا کر اس پر لینے والے کو کچھ نفع دینا ہوتا ہے جو ۳ / فیصد ہوتا ہے کبھی ۵ / فیصد ہوتا ہے۔

③ اور تیسری شکل یہ ہے کہ کسی ایسے ادارے کی طرف رجوع کرے جو قرض

مہیا کرتا ہے اور اس کے سامنے اپنی تجارت کا پورا پروجیکٹ رکھے اور بتلائے کہ ۵ / لاکھ میں نے لگا دیئے ہیں، دوسرے پانچ لاکھ کی مجھے ضرورت ہے تو وہ ادارہ اس کو سود کے ساتھ ۵ / لاکھ روپیہ قرض دے گا، اور واپس ادائیگی کی جو شرائط اور مدت دونوں کے درمیان طے ہوتی ہے اس کے مطابق وہ شخص Black کو قرض مع سود واپس کرے گا۔

شکل دو اور تین اپنانے میں اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس پانچ لاکھ پر جو Tax لگتا ہے وہ بچ جائے گا یعنی سود دینے یا نفع دینے میں جو کچھ دینا پڑے گا وہ کم ہے اور Tax زیادہ ہے۔

① دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس زیادتی اور ظلم کی حد تک کے Tax سے بچنے اور اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے شکل نمبر دو، تین استعمال کیا جاسکتی ہے؟

② شکل نمبر دو میں لیا اور دیا گیا نفع درست ہے یا نہیں؟ اور یہ نفع ہے یا سود؟

③ تیسری شکل کا استعمال کس حد تک اور کن حالات میں جائز ہے؟

واضح رہے کہ یہ دشواری تقریباً ہر کاروباری کو پیش آتی ہے، اس لیے درجِ بالا مسئلہ ذاتی مسئلہ نہیں ہے؛ بلکہ عموماً کاروبار میں پیدا ہونے والی مشکلات میں سے ایک ہے۔ لہذا گزارش یہ ہے کہ مسئلہ کو پوری تفصیل کے ساتھ واضح فرمائیں اور مراجع بھی تحریر فرمائیں تو خود بھی استفادہ کرنے میں آسانی ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① دریافت طلب دونوں صورتوں میں سود دینا ہوتا ہے، اس لیے اس کی اجازت نہیں ہے، سود کی حرمت کے نصوص قرآن وحدیث آپ کے سامنے ہیں، ٹیکس

کی بیان فرمودہ شرح کو ظلم تسلیم کیا جائے، تب بھی اس ٹیکس کی وصولیابی کے نتیجے میں جس سے ٹیکس وصول کیا جارہا ہے وہ حالتِ اضطرار میں نہیں پہنچتا کہ اس کے لیے کوئی گنجائش (جو اضطرار کی وجہ سے ملتی ہے وہ) دی جائے، ظالمانہ ٹیکس سے بچنے کے لیے کوئی تدبیر اختیار کرنا جس کے نتیجہ میں اپنی عزت کی حفاظت کے ساتھ ٹیکس سے بچاؤ ہو اس کی تو اجازت ہے؛ لیکن اب اس کو سفید بنانے کے لیے آپ کی تحریر فرمودہ صورت ۲/اور ۳/کا اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

نوٹ: آپ نے مثال کے طور پر تحریر فرمایا ہے کہ ایک شخص نے سال بھر میں ایک لاکھ روپیہ کمایا، وہ ختمِ سال پر اپنی کمائی میں سے تیس ہزار روپیہ حکومت کو دے دے، یہ درست نہیں ہے، احقر کے حساب کے مطابق دس ہزار روپیہ ہوتے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی دیکھنا ہے کہ اس ٹیکس کی ادائیگی کے نتیجہ میں اس کو جو فوائد حاصل ہورہے ہیں وہ بھی کئی ہیں، اگر حکومت کی طرف سے وہ سہولیات مہیا نہ کی جاتیں تو عام حالات میں اس کے لیے یہ رقم کمانا ناممکن یا دشوار ہوتا۔

② یہ نفع نہیں؛ بلکہ سود ہے، اس کی ایک تدبیر ممکن ہے کہ یہ رقم اس (سفید والے) کے پاس سے قرض لینے کے بجائے جو چیز خرید رہا ہے اس میں اس کو اس کی رقم کے بقدر شریک کرلے، اس کے بعد اس کے پاس سے اس کا حصہ نفع دے کر خرید لے، مثلاً دس لاکھ کا مکان خریدنا ہے، خریدار کے پاس پانچ لاکھ کی سفید ہے، اور باقی پانچ لاکھ دوسرا آدمی سے لے رہا ہے، تو یہ مکان دونوں مشترکہ طور پر دس لاکھ میں خرید لیں، اس کے بعد اس دوسرے آدمی کا آدھا حصہ جو اس مکان میں ہے جو اس نے پانچ لاکھ میں خریدا ہے، یہ اس کے پاس سے سوا پانچ لاکھ میں خرید لے، یوں اس

دوسرے آدمی کو پانچ فیصد نفع بھی ملا اور اس کا کام بھی ہو گیا۔

③ یہ صورت بھی جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر وہ ادارہ یہ چیز (مکان یا کار) خرید کر اپنا نفع لگا کر اس کو بالاقساط بیچ دے تو سود سے بچاؤ ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ / ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اپنا حق حاصل کرنے کے لیے رشوت دینا

سوال: ہوٹل کے سرکاری کام اکثر و بیشتر بغیر رشوت کے نہیں ہوتے جب کہ سرکاری عہدہ داران اکثر غیر ہوتے ہیں، اور متعصب بھی ہوتے ہیں، بغیر رشوت کے وقت پر کام نہیں ہوتا، اور بہت پریشان ہونا پڑتا ہے، ایسی مجبوری کی حالت میں رشوت دے کر کام کروانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔ لا بأس بالرشوة إذا خاف على دينه.(درمختار) (قوله إذا خاف على دينه) عبارة المجتبىٰ لمن يخاف وفيه أيضا دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له ليس برشوة يعنى فى حق الدافع.(شامی ۵/ ۳۰۰) البتہ یہ یاد رہے کہ یہ اجازت صرف اس صورت میں ہے کہ جب کہ قانونی طور پر وہ ہمارا حق ہے، اور یہ سرکاری کارندہ ہمارے لیے اس حق کی وصولیابی میں مانع بن رہا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱ / محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دوکان کا مال جانچنے والے کو رشوت دینا

سوال: کرانہ دوکان داروں کے پاس ہر مہینے حکومت کی طرف سے مقرر شدہ جن کو بھیڑ سیڑ والے کہا جاتا ہے (مال جانچنے والے) آتے ہیں، اور مال کو دیکھتے ہیں مال دیکھنے کے بعد انھیں کچھ روپے مل گئے تو ٹھیک ہے ورنہ مال کو پکڑا دیتے ہیں، چاہے دوکان دار نے مال میں ملاوٹ کی ہو یا نہ کی ہو، جھوٹ سچ کر کے وہ مال پکڑا کر دوکان بند کرا دیتے ہیں کیوں کہ اوپر تک سب انہی کے آدمی ہوتے ہیں؛ اس لیے ہماری طرف ہر گاؤں میں سب دوکان دار مل کر ان کی تنخواہ کے علاوہ کچھ روپیہ مقرر کر دیتے ہیں ان کو اس طرح پیسہ دینا کیسا ہے؟ اگر ناجائز ہے تو کوئی جواز کی شکل نکل سکتی ہے یا نہیں کیوں کہ ان کو پیسہ نہ دینے کی صورت میں تجارت بند کرنی پڑتی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

رشوت کا دینا لینا حرام ہے؛ البتہ دفع ظلم اور اپنا حق وصول کرنے کے لیے بحالت مجبوری رشوت دینے کی گنجائش ہے، اس صورت میں فقط رشوت لینے والا گنہگار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ شوال ۱۴۰۷ھ

حق وراثت یا حق جائز وصول کرنے کے لیے رشوت دینا

سوال: اپنا حق وصول کرنے کے لیے رشوت دینا صحیح ہے تو حق واجب کے لیے یا حق جائز کے لیے؟ حق واجب وحق جائز کا معیار کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لا بأس بالرشوة إذا خاف على دينه.(درمختار)(قوله إذا خاف على دينه) عبارة المجتبى: لمن يخاف وفيه أيضاً دفع المال للسلطان الجائر لرفع الظلم عن نفسه وماله ولإستخراج حق له ليس برشوة يعنى فى حق الدافع اھ (شامی۵/۲۷۲)

عبارت بالا میں ''حق'' کو کسی قید یا شرط سے مقید نہیں کیا؛ بلکہ عام رکھا ہے؛ نیز واجب اور جائز کی تقسیم تو "من عليه الحق" کے حق میں ہے، "من له الحق" کے حق میں نہیں ہے، اور رشوت "من له الحق" دے رہا ہے، اس کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ حق واجب اور حق جائز کی یہ تقسیم صورت مسئولہ میں مفقود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ذوالقعدہ ۱۴۱۸ھ

دستاویز نکالنے میں رشوت دینا

سوال: کسی آدمی کے پاس ایک زمین ہے اور اس کا دستاویز نکالنا ہے، اور اس دستاویز نکالنے کے اندر رشوت دیے بغیر کام نہیں چلتا اور وہ زمین خود ہماری ہی ہے، اور خالص اس کے دستاویز کے ہی اندر وہ رشوت طلب کرتا ہے تو کیا اس رشوت کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اپنا جائز حق اس کے بغیر حاصل نہ ہوتا ہو تو رشوت دینے کی اجازت ہے، لینے والا تو اس صورت میں بھی گنہ گار ہوگا۔ (شامی: ۵/ ۳۰۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۰۷ھ

انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے سودی قرض لینا

سوال: ایک شخص مکان لینا چاہتا ہے، اس کی کمپنی مکان لینے کے لیے روپے دے رہی ہے، کمپنی سے روپے لینے کی صورت میں انکم ٹیکس بھرنا پڑتا ہے، تو وہ آدمی ٹیکس سے بچنے کے لیے بینک سے روپے لے رہا ہے، بینک سے روپے لینے کی شکل میں ٹیکس نہیں بھرنا پڑے گا، صرف بینک کا سود بھرے گا، تو کیا بینک سے روپیہ لے کر مکان خرید سکتا ہے؟ ٹیکس زیادہ بھرنا پڑے گا اور سود کم بھرنا پڑے گا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک سے رقم سودی قرض پر لی جاتی ہے اور سود کا لینا اور دینا دونوں بہ نصِ قرآن وحدیث حرام ہے؛ اس لیے بینک سے رقم قرض لینا جائز نہیں ہے۔ انکم ٹیکس ایک قسم کا ظالمانہ ٹیکس ہے، ٹیکس ادا کر کے مظلوم بننا بہتر ہے سود ادا کر کے گنہ گار بننے کے مقابلے میں؛ اس لیے کہ مظلوم قابلِ رحم ہے، جب کہ گنہ گار موجب لعنت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱ رذی القعدہ ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

انکم ٹیکس سے بچنے کے لیے حکومتی اسکیم میں شریک ہونا

سوال: اپنی آمدنی میں سے تقریباً ۴۰٪ انکم ٹیکس دینا پڑتا ہے اسی بنا پر دنیا کا ہر تاجر اپنی تجارت کی حقیقی آمدنی حکومت کے کارندوں سے چھپاتا ہے چناں چہ جتنی آمدنی وہ حکومت کے کارندوں کو بتلا کر انکم ٹیکس بھرتا ہے یہ رقم وہائٹ کہلاتی ہے اور باقی ماندہ

رقم بلیک کی کہلاتی ہے اب کسی بھی جائداد وغیرہ کی خرید یا سفر حج وغیرہ میں وہائٹ رقم ہی لگائی جاسکتی ہے ورنہ انکم ٹیکس افسروں کی ریڈ آتی ہے اور عموماً اس ظالم ٹیکس سے بچنے کے لیے تجار حضرات کے پاس بلیک کی رقم ہی زیادہ ہوتی ہے اب گورنمنٹ نے کچھ اسکیمیں نکالی ہیں جنھیں اختیار کرنے سے انکم ٹیکس عائد ہوتا ہے بہ دیں صورت تجار اپنی وہائٹ کی رقم کی مقدار زیادہ کر سکتے ہیں جو ترقی کے لیے بے حد مفید ہے اسکیم یہ ہے کہ اگر کوئی تاجر لائف انشورنس کی ممبر شپ لیتا ہے یا NSC یا BSC جیسے اداروں میں اپنی کچھ رقم فکس ڈپازٹ کے طور پر رکھ دیتا ہے تو اس کے مندرجۂ ذیل فوائد ہیں:

① وہائٹ رقم کی زیادتی۔

② ربع العشر انکم ٹیکس عائد ہوگا جیسے ۱۰۰۰۰ کی جگہ ۴۰۰۰ یا ایک ایک لاکھ کے بہ جائے ۴۰۰۰۰ یا پھر بالکل نہ بھرنا پڑے گا۔

③ BSC یا NSC میں جمع کردہ رقم پانچ سال بعد تاجر کو واپس مل جاتی ہے نیز اس پر کچھ فی صد سود کی رقم بھی ملتی ہے یاد رہے کہ NSC اور BSC یہ حکومتی ادارے ہیں نیز حکومت تجار کی اس رقم کو اپنے مفادات میں استعمال کرتی ہے اور رومنگ بھی کرتی ہے حاصل یہ کہ اس طرح کی اسکیمیں جائز ہیں یا ان میں سے کوئی اسکیم ایسی ہے جو جائز ہو اگر تاجر سود کی رقم سے بے نیاز محض مندرجۂ بالا اول الذکر اور ثانی الذکر فائدوں کو بھی مدنظر رکھے تو کیا یہ جائز ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پہلا اور دوسرا فائدہ حاصل کرنے کے لیے سوال میں مذکور اسکیموں میں حصہ

لینے کی گنجائش ہے البتہ اس سے سود حاصل کرنے کی نیت نہ ہو اور جو سود ملے اس کو بلا نیت ثواب غرباء ومساکین کو بہ طور تملیک دے دیا جائے نیز اپنے وصیت نامہ میں بھی ان چیزوں کی تصریح کردی جائے تاکہ اس کے انتقال کے بعد ورثاء بھی اس سود کو ذاتی استعمال میں نہ لائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۵/ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ

ظالمانہ ٹیکس سے بچنے کی کوئی تدبیر اختیار کرنا

سوال: حکومت کے قانون کے مطابق مالدار یا تاجر آدمی کو سیل ٹیکس یا انکم ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ حد سے زائد ہی ہوتا ہے اب اگر کوئی آدمی اس ظالمانہ ٹیکس سے بچنے کے لیے کسی فیکٹری وغیرہ کا غلط بل چھاپ کر حکومت میں پیش کردے (حالاں کہ اس فیکٹری کا خارج میں کوئی وجود نہیں ہوتا) اور اس قسم کے بل پیش کرنے کی وجہ سے وہ حکومت کے اس ظالمانہ ٹیکس سے بچ جاتا ہے تو کیا اس طرح کرنا جائز ہے نیز پریس والے اس قسم کے بل چھاپنے کی اجرت عام اجرت سے زیادہ لیتے ہیں تو کیا پریس والوں کو ایسے بوگس بل چھاپنا اور اس پر مزید اجرت لینا (جب کہ گاہک اس اجرت کے دینے پر راضی ہے جائز ہے)؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کے ظالمانہ ٹیکس سے بچنے کے لیے حدود شرعی میں رہتے ہوئے اپنی عزت وآبرو کی حفاظت کے ساتھ کوئی تدبیر اختیار کرنا درست ہے پریس والے کو معلوم ہو کہ بوگس بل بک ہے تو اس کے چھاپنے کی اجازت نہیں پھر بھی اگر چھاپ دیا تو اس

کی اجرت جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مجبوری میں رشوت دینا

سوال: نوکری کے وقت یا دیگر سرکاری امور میں کثیر مقدار میں وہ لوگ رقم وصول کرتے ہیں، یقین رہتا ہے کہ رقم دیے بغیر کام نہیں ہوگا، تو کیا یہ "الراشي والمرتشي كلاهما في النار" کے تحت داخل ہے، جس رشوت سے حدیث پاک میں روکا گیا ہے، اس سے کیا مراد ہے؟ اسی طرح شدید سے شدید تر موقع پر قرض دہندہ اس شرط پر قرض دے کہ مقروض قرض خواہ کو اتنے روپے پر اتنے اتنے روپے زائد ادا کرے گا، جیسے آج بینک کی حالت ہے، جس میں اصل رقم ان کی لینے پر دینے کے وقت کچھ زائد ادا کرنا پڑتا ہے، دریں صورت ہماری شریعت مطہرہ کیا فیصلہ صادر کرتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اپنی جان یا مال پر ہونے والے ظلم کو دفع کرنے کے لیے یا اپنا حق واجبی حاصل کرنے کے لیے جو رقم دی جائے گی، وہ دینے والے کے حق میں رشوت نہیں کہلائے گی۔

دفع المال للسلطان الجائر لدفع الظلم عن نفسه وماله ولاستخراج حق له ليس برشو يعني في حق الدافع (شامی: ۳۰۰۵)

کوئی آدمی ایسی حالت میں ہو کہ سود پر قرض لیے بغیر جان بچانا ممکن نہ ہو تو اس کے لیے زائد رقم کی ادائیگی درست ہے؛ البتہ دینے والے کے لیے تو بہر حال حرام

ہے، اپنے کاروبار کو بڑھانے کے لیے یا تجارت کو فروغ دینے کے لیے بینک سے سودی قرض لینا جیسا کہ دور حاضر میں عام طور پر ہو رہا ہے، جائز نہیں؛ بلکہ حرام ہے۔

وفی القنیة والبغیة یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح.(الاشباہ والنظائر ۹۲)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ رذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

مختلف جائز اور ناجائز اسکیمیں

منی گروٹرس اسکیم یعنی سوال کا مہذب طریقہ

سوال: خدمت عالیہ میں ''منی گروٹرس'' نام کا رسالہ کتابچہ ارسال کیا ہے جو منی گوارس نام کی اسکیم کی ترجمانی کر رہا ہے، منی گوارس کا ترجمہ پیسوں کی بڑھوتری۔ اسکیم کی پوری تفصیلی معلومات وترتیب کتابچہ میں موجود ہے، اس سکیم سے فائدہ حاصل کرنے نہ کرنے کے بارے میں علماء دین ومفتیان کرام کیا فرماتے ہیں امید ہے کہ اسلام کے عمومی مزاج یسر وسہولت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جواب عنایت فرمائیں گے۔ اگر جواب مع دلائل عنایت فرمائیں تو عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اسلام نے اپنے ماننے والوں کو مال کے حصول کے ذرائع اور اسباب کے معاملہ میں آزاد نہیں چھوڑا، بلکہ اس سلسلہ میں بھی واضح ہدایات عطا فرما کر حصول مال کے بعض ذرائع کو ممنوع اور بعض کو مباح قرار دیا۔ شریعت کے منع فرمودہ طریقوں سے

حاصل شدہ مال کو حرام، اور شریعت کے مباح فرمودہ طریقوں سے حاصل شدہ مال کو حلال بتلایا ہے۔ ایک مومن و مسلم کو بحیثیت مومن اس کا پابند بنایا کہ وہ اپنی کمائی کے لیے حلال ہی کو طلب فرمائے ارشاد نبوی ﷺ ہے:

① طلب كسب الحلال فريضة بعد الفريضة. (مشكوٰة: ۲۴۲)

یعنی حلال کمائی کی طلب بھی ایک فریضہ ہے۔

② إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا وان الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين فقال: ﴿يأيها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحا﴾ وقال تعالى: ﴿ياأيها الذين اٰمنوا كلوا من طيبات ما رزقناكم﴾ ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء يا رب يا رب ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذى بالحرام فأنّٰى يستجاب لذلك. (مشكوٰة: ۲۴۱)

(یعنی اللہ تعالیٰ تمام عیوب اور نقائص سے پاک ہے اور ایسے مال کو قبول فرماتا ہے جو (تمام عیوب شرعیہ اور اغراض فاسدہ سے) پاک ہو اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اسی بات کا حکم دیا جو رسولوں کو دیا چناں چہ فرمایا اے رسولو! حلال و پاکیزہ کھاؤ اور نیک عمل کرو اور فرمایا اے ایمان والو! ہم نے تم کو جو حلال و پاکیزہ روزی عطا فرمائی ہے وہ کھاؤ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی طویل سفر (حج یا عمرہ یا جہاد یا طلب علم میں) کرتا ہے پراگندہ حال، غبار آلود، اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف پھیلاتا ہے (اور کہتا ہے) اے میرے پروردگار! اے میرے پروردگار! حالاں کہ اس کا کھانا حرام اور پینا حرام اور لباس حرام اور حرام غذا سے وہ پلا ہے بھلا اس کی دعا

کیسے قبول ہوگی؟)۔

اس روایت میں جہاں حلال کی ترغیب وتاکید فرمائی گئی ہے وہیں یہ بھی بتلادیا گیا کہ حرام مال سے کیا ہوا صدقہ اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں ہے۔

لا يكسب عبد مال حرام فيتصدق منه فيقبل منه ولا ينفق منه فيبارك له فيه ولا يتركه خلف ظهره إلا كان زاده إلى النار.(مشكوٰة: ٢٤٢)

یعنی کوئی بندہ مال حرام کما کر صدقہ کرتا ہے تو وہ قبول نہیں ہوتا اور اس میں سے خرچ کرتا ہے تو برکت نہیں ہوتی اور اپنے پیچھے (وراثت) چھوڑ کر جاتا ہے تو اس کے لیے جہنم کا توشہ بنتا ہے)۔

حرام مال سے پلا ہوا جسم جنت میں داخل نہیں ہوگا بلکہ وہ جہنم کا حق دار ہے۔

لا يدخل الجنة جسد غذى بالحرام(مشكوٰة: ٢٤٣)لا يدخل الجنة لحم نبت من السحت وكل لحم نبت من السحت كانت النار أولى به. (مشكوٰة: ٢٤٢)

حرام پیسوں سے خرید کر تیار کیا ہوا لباس جب تک جسم پر ہے اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی۔

من اشترىٰ ثوبابالعشرة دراهم وفيه درهم حرام لم يقبل الله تعالىٰ له صلوٰة مادام عليه.(٢٤٣)

تحصیل مال کے جن طریقوں کو شریعت میں حرام قرار دیا گیا ان میں سے ایک سوال بھی ہے۔

قال دعاني رسول الله وهو يشترط عليّ أن لا تسأل الناس شيئا، قلت: نعم.(مشكوٰة:١٦٤) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(بیعت کے لیے) بلایا اور آپ نے مجھ پر یہ شرط عائد فرمائی کہ لوگوں سے کچھ بھی نہ مانگ، میں نے اس کو قبول کیا۔

② من أصابته فاقة فأنزلها بالناس لم تسد فاقته ومن أنزلها الله أوشك الله له بالغنى الخ(۱۶۳) یعنی جس کو فاقہ پہنچا اور اس نے اپنا فاقہ لوگوں کے سامنے پیش کیا تو اس کا فاقہ بند نہ ہوگا اور جو اپنے فاقہ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو جلدی سے غنا سے نوازتا ہے۔

③مايزال الرجل يسأل الناس حتى يأتى يوم القيامة ليس فى وجهه مزعة لحم(۱۶۴) یعنی آدمی لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ قیامت کے روز ایسے حال میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر گوشت کی ایک بوٹی بھی نہ ہوگی یعنی چہرہ کی رونق ختم ہو چکی ہوگی۔

④عن قبيصة بن مخارق قال: تحملت حمالة فأتيت رسول الله ﷺ أسئله فيها فقال: أقم حتى تأتينا الصدقة فنأمر لك بها ثم قال: ياقبيصة ان المسئلة لا تحل إلا لأحد ثلا ثة ..... فما سواهن من المسئلة ياقبيصة سحت يأكلها صاحبها سحتا(۱۶۴) یعنی حضرت قبیصہ بن مخارق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بوجھ (تاوان وغیرہ) کا اپنے ذمہ رکھ لیا، اس سلسلہ میں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مدد چاہنے کے لیے حاضر ہوا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ٹھہر جاؤ کہیں سے صدقہ کا مال آجائے گا تو میں مدد کروں گا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قبیصہ سوال صرف تین آدمیوں کے لیے جائز ہے، ایک وہ شخص ہے جس نے کوئی بوجھ ضمان وغیرہ کا اپنے ذمہ رکھ لیا ہو اس کو جائز ہے کہ اتنی مقدار کا سوال کرلے

اور پھر رک جائے اس سے زیادہ کے سوال کا حق نہیں۔ دوسرا وہ شخص جس کو کوئی حادثہ پہنچ جائے جس سے سارا مال ہلاک ہو جائے (مثلاً آگ لگ جائے وغیرہ) تو اس کو جائز ہے کہ اتنی مقدار کا سوال کرلے جس سے زندگی کا سہارا ہو سکے۔ تیسرا وہ شخص ہے جس کو فاقہ گزرنے لگے حتی کہ تین آدمی اس کی قوم کے کہنے لگیں کہ اس کو فاقہ ہونے لگا تو اس کو بھی اتنی مقدار سوال کرلینا جائز ہے جس سے زندگی کا سہارا ہو جائے۔ ان تین کے علاوہ جو شخص سوال کرتا ہے وہ حرام مال کھاتا ہے۔

⑤ من سأل الناس أموالهم تكثرا فإنما يسئل جمرا فليستقل أو ليستكثر (۱۶۴) جو شخص لوگوں سے اس لیے سوال کرتا ہے کہ اپنے مال میں زیادتی کرے وہ جہنم کے انگارے مانگ رہا ہے جس کا دل چاہے تھوڑے مانگ لے یا زیادہ مانگ لے۔

⑥ لأن يأخذ أحدكم حبله فيأتي بحُزْمة حطب على ظهره فيبيعها فيكف بها وجهه خير له من أن يسأل الناس اعطوه أو منعوه۔ (۱۶۴) یعنی کوئی آدمی رسالے کر لکڑیوں کا گٹھڑ اپنی پیٹھ پر اٹھا کر لائے اور اس کو بیچ کر اپنی عزت کی حفاظت کرے (یعنی لوگوں سے سوال کرنے سے اپنے کو بچائے) یہ اس کے لیے اچھا ہے بہ نسبت اس کے کہ لوگوں سے سوال کرے (پھر ان کی مرضی کی بات ہے چاہیں) اس کو دیں یا نہ دیں۔

⑦ فما جاءك من هذا المال وأنت غير مشرف ولا سائل فخذه وما لا فلا تتبعه نفسك (۱۶۴) یعنی جب کوئی مال اس طرح آئے کہ نہ اس کا سوال کیا جائے نہ اس میں اشراف نفس ہو تو اس کو لے لو اور جو ایسا نہ ہو اس کے حصول میں

اپنی جان کو مت تھکاؤ۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے صاحب زادے عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ اشرافِ نفس کیا چیز ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ تو اپنے دل میں یہ خیال کرے کہ یہ شخص مجھے کچھ دے گا، فلاں شخص مجھے کچھ بھیجے گا، اشراف کے اصل معنی جھانکنے کے ہیں، اشرافِ نفس یہ ہے کہ نفس اس کو جھانک رہا ہو اس کی تاک میں لگا ہوا ہو، جیسا کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دل میں یہ خیال ہو کہ یہ مجھے کچھ عطا کرے گا۔

تفصیل بالا ذہن نشین ہونے کے بعد آپ نے ''منی گروٹرس'' کی جس اسکیم کے متعلق دریافت فرمایا ہے اس کی حقیقت بھی صاف ہو جاتی ہے اس پوری اسکیم کی بنیاد سوال پر ہے، یوں سمجھیے کہ سوال کے لیے ایک مہذب طریقہ گھڑ لیا گیا ہے، اگرچہ تعارفی کتابچہ میں اس کو ہدیہ کے لین دین سے تعبیر کیا گیا ہے؛ لیکن یہ محض ایک فریب ہے، بالفرض اس کو ہدیہ تسلیم بھی کر لیں تو شریعت نے اس ہدیہ کی بھی اجازت نہیں دی جس میں سوال اور اشراف ہو۔ (دیکھیے حدیث نمبر ۷) نیز ہدیہ میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ ہدیہ دینے والا حرام مال میں سے تو ہدیہ نہیں دے رہا ہے؟ مسئولہ اسکیم میں یہ کون دیکھتا ہے؟ شریعت نے حرام مال سے دیے جانے والے ہدیہ کو قبول کرنے کی اجازت نہیں دی ہے، کتب فقہ وفتاویٰ میں اس کی صراحت موجود ہے، مسلمانوں کو چاہیے (خصوصاً اہل علم کو) کہ ایسے فریب کا شکار نہ ہوں آدمی مال کی لالچ میں ایسی اسکیموں کا شکار ہو جاتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس سے ڈرایا ہے: یأتی علی الناس

زمان لایبالی المرأ ماأخذ منه أ من الحلال أم من الحرام(۲۴۱) لوگوں پر ایسا وقت آنے والا ہے کہ آدمی جو لے رہا ہے اس میں اس کی پرواہ نہیں کرے گا کہ حلال سے ہے یا حرام سے ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

آپسی تعاون کی سوسائٹی (اسکیم)

سوال: ہمارے علاقے پالن پور کے اکثر دیہات وقصبوں اور شہروں میں؛ نیز بمبئی میں بلاسودی قرض سے امداد کی مختلف شکلیں رائج ہیں، ان شکلوں کو ہمارے عرف میں سوسائٹیاں کہا جاتا ہے، ان سوسائٹیوں کو جاری کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو بلاسودی قرض ملتا ہے، جس کی ادائیگی بھی آسان ہے، جس کے سبب سے لوگ بینکوں سے سودی معاملات سے اجتناب کریں، اس کے بہت زیادہ مفید ہونے کی بناء پر کثرت سے رائج ہیں؛ چناں چہ جن کا نام قرعہ اندازی میں پہلے نکلتا ہے، تو وہ رقم لے کر کسی کاروبار میں ڈالتا ہے، جن کی بناء پر ان کی اقتصادی حالت بہتر ہوتی ہے، اور جن کا قرعہ تاخیر سے نکلتا ہے، ان کی اتنی رقم آسانی سے جمع ہوجاتی ہے۔

اس کی ایک صورت یہ رائج ہے کہ ایک متحرک شخص ننانوے اشخاص کو اس کے لیے آمادہ کرتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک شخص ہر ماہ کی کسی متعین مثلاً ۱۵/ تاریخ میں اس متحرک آدمی کے پاس پانچ پانچ سو روپئے جمع کریں اور خود وہ متحرک آدمی بھی اس میں اپنے پانچ سو روپئے جمع کرے، جس سے خود اس متحرک آدمی سمیت سب ممبروں

کی مجموعی رقم پچاس ہزار روپئے جمع ہوگئی، اس طرح ہر ماہ اتنی اتنی رقم جمع ہوتی رہے گی۔

پہلے ماہ میں جمع شدہ رقم اس متحرک ذمہ دار شخص کو بلا قرعہ اندازی قرض دینا شرط ہوتا ہے، تمام ممبران خوشی ورضامندی سے اس ذمہ دار کو یہ رقم بطورِ قرض دیتے ہیں، پھر دوسرے ماہ کی جمع شدہ رقم جب اسی متعین تاریخ میں جمع ہوجاتی ہے، تو ایک دن کے بعد مثلاً ۱۷/ تاریخ کو وہ متحرک شخص ننانوے ممبران کے ناموں کے درمیان قرعہ اندازی کرتا ہے اور جس کا نام قرعہ اندازی میں نکلتا ہے، اس کو یہ پچاس ہزار کی رقم دے دیتا ہے، اسی طرح ہر ماہ ہر ممبر خواہ اس کا قرعہ نکلا ہو یا نہ نکلا ہو، رقم جمع کرتا ہے اور اسی طرح قرعہ اندازی ہوتی رہتی ہے، جس کا قرعہ نکل جاتا ہے اس کا نام دوبارہ قرعہ اندازی میں شامل نہیں ہوتا، یہ سلسلہ آٹھ سال اور چار ماہ تک چلتا رہتا ہے، اس مدت میں سب ممبران کو پچاس ہزار رقم مل جاتی ہے، اس میں رقم جمع کرنے میں معین تاریخ پر تاخیر کرنے پر کچھ جرمانہ بھی شرط ہوتا ہے، جن کا قرعہ ابھی تک نہیں نکلا ہے، ان سے بھی فی یوم تاخیر کرنے پر دس روپئے، اور جن کا قرعہ نکل چکا ہے ان سے فی یوم تاخیر پر پچاس روپئے بطورِ جرمانہ وصول کئے جاتے ہیں، یہ جرمانہ کی رقم یہ متحرک ذمہ دار شخص اپنے ذاتی تصرف واستعمال میں لاتا ہے، پھر سوسائٹی کی مدت ختم ہونے پر وہ رقم اس ممبر کو واپس کردیتا ہے۔

① اس مذکورہ بالا شکل رائج میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ پہلے ماہ کی جمع شدہ رقم تمام ممبران بغیر قرعہ اندازی کے رضامندی سے اس ذمہ دار شخص کو دے دیتے ہیں، اس لیے کہ یہی ذمہ دار شخص تمام امور کا، مثلاً: ہر ممبر سے معین تاریخ میں وصول کرنے، قرعہ اندازی کرنے اور جس کا قرعہ نکلے، اس کو رقم دینے کا ذمہ دار ہوتا ہے،

اور یہ بات یقینی ہے کہ اگر اس کو پہلے ماہ کی جمع شدہ رقم بلا قرعہ اندازی نہ دیں؛ بلکہ اس کو بھی قرعہ کی ترتیب سے دیں، تو وہ ہرگز بلا اجرت اس سوسائٹی کو چلانے کے لیے جس کی مدت بھی آٹھ سال، چار ماہ ہے، تیار نہ ہوگا، تو کیا یہ شکل "کل قرض جر نفعا فھو ربوا" میں داخل ہوکر ناجائز وحرام ہوگی؟ یا داخل نہیں اور جائز ہے؟

(۲) اگر یہ شکل وصورت جائز ہے تو جو رقم بطورِ جرمانہ وصول کی جاتی ہے، اس کو وصول کرنا، اور رو کے رکھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ وصول کرنا جائز ہے، تو اس رقم کا ممبران کی رضامندی سے ذمہ دار شخص کو اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ جرمانہ کے طور پر وصول کردہ رقم اپنے پاس محفوظ رکھیں، تو کیا حکم ہے؟

(۳) سوسائٹی کی مذکورہ بالا صورت اگر "کل قرض جر نفعا فھو ربوا" میں داخل ہوکر یا کسی اور شرعی قباحت کے سبب ناجائز ہے، تو اس ذمہ دار شخص کو بجائے پہلے ماہ کی جمع شدہ رقم بلا قرعہ دینے کے ممبران کی طرح اس کو بھی قرعہ کی ترتیب میں شامل رکھ کر سوسائٹی بنانے کے لیے اگر یہ شکل اختیار کی جائے کہ تمام ممبران اس ذمہ دار شخص کو آٹھ سال، چار ماہ تک سوسائٹی چلانے اور ذمہ داری سنبھالنے کے عوض میں ماہانہ ایک روپیہ بطورِ اجرت کے دیں، تو ہر ماہ ننانوے روپے اس کو اجرت کے طور پر ملتے رہیں گے، اور وہ سوسائٹی چلاتا رہے گا تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ آپسی تعاون کی ایک ایسی صورت ہے، جس میں سود یا قمار لازم نہیں آتا ہے؛ بلکہ پہلے مہینہ میں تو یہ خالص اقراض ہے کہ بقیہ ننانوے ممبران متحرک شخص کو پانچ پانچ سو روپے قرض دیتے ہیں، اس کے بعد والے مہینوں میں بعض (یعنی جو قرض لے چکے

ہیں وہ) ممبر تو جس کا نام قرعہ میں نکل رہا ہے اس کو ادا کر رہے ہیں، اور وہ جس کا نام قرعہ میں نکل رہا ہے وہ اس سے تو اپنا قرض وصول کر رہا ہے، اور جن کا اب تک نہیں نکلا ان سے قرض لے رہا ہے، اور آخری مہینہ میں تمام ننانوے ممبران اس کو جو آخر میں بچ گیا ہے، قرض ادا کر رہے ہیں؛ البتہ اس سوسائٹی کے قانون میں ایک بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، وہ یہ کہ اب تک جس کا نام قرعہ میں نہیں نکلا ہے، وہ اس سے الگ ہونا چاہے، اور اس کی علیحدگی کے وقت تک جن لوگوں کو قرض مل چکا ہے ان سے اپنا حساب کتاب وصول کرنا چاہے، تو اس کا اس کو اختیار رہنا چاہیے، اگر آپ یہ اختیار اس کو نہیں دیں گے؛ بلکہ آخر تک سوسائٹی سے منسلک رہنا اس پر لازم قرار دیں گے، تو قرض میں تاجیل لازم آئے گی جو درست نہیں ہے۔ "التأجيل في القرض باطل" (شامی ٤/ ١٨٩)

① پہلے ماہ کی جمع شدہ رقم بطورِ قرض ذمہ دار آدمی کے حوالہ کر دینا "کل قرض جر نفعا" میں اس لیے داخل نہیں ہے کہ اس وقت اس نے جو وصولیابی کی، وہ سب اپنے لیے کی ہے، کوئی آدمی کسی سے قرض لینا چاہتا ہے، تو اس کے پاس آمد و رفت اور اس سے رقم کی وصولیابی وغیرہ کی زحمت برداشت کرتا ہی ہے؛ نیز قرعہ اندازی سے کسی کا حق ثابت نہیں ہوتا، اصل تو یہ ہے کہ رقم دینے والے تمام حضرات متفق ہو کر جس کے متعلق کہہ دیں کہ فلاں کو رقم قرض دی جائے، اس کو وہ رقم مل سکتی ہے، اب ذمہ دار آدمی کے متعلق (اس کی قربانی کے پیش نظر) تمام حضرات نے برضاء و رغبت اجازت دے دی ہے؛ جب کہ دیگر تمام حضرات اس حیثیت سے یکساں درجہ میں ہیں، اس لیے ان میں سے کسی کو متعین کرنے کے لیے قرعہ اندازی کی صورت اختیار کی گئی ہے؛ تاکہ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔

(۲) مالی جرمانہ درست نہیں ہے۔ لا يأخذ مال في المذهب. (درمختار مع الشامي ۳ /۱۹۵) البتہ اس زائد رقم کی ادائیگی لازم نہ رکھی جائے؛ بلکہ تاخیر والی صورت میں برضاء ورغبت وہ تاخیر کرنے والا زائد رقم دیتا ہو، تو اس کا رکھ لینا درست ہے، اس کے بعد اس کو محفوظ رکھے یا مالک کی اجازتِ مستقلہ کے بعد استعمال کرے۔

(۳) اس کے لیے الگ اجرت کے طور پر ہر ممبر ایک روپیہ دینا چاہے، تو دے سکتا ہے؛ البتہ جس مہینہ میں خود اس کے نام کا قرعہ نکلا ہو، اس مہینہ میں وہ رقم نہ دی جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ / ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

ساگوان کی کاشت پر مشتمل ایک اسکیم

سوال: شہر گجرات میں یہ اسکیم جاری ہے کہ ساگوان کی ایک کمپنی ہم سے ساڑھے آٹھ سو روپئے لے کر ساگوان کی کاشت کرتی ہے، اور پھر پندرہ سال بعد ساگوان کی فصل تیار ہو کر فروخت ہونے کے بعد - خواہ انھیں اس کاشت سے نفع ہو یا نقصان - ہمیں ایک لاکھ دس ہزار دے گی۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا اس اسکیم میں شرکت اور روپئے لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس اسکیم کی تمام تفصیلات جو ہمارے علم میں ہیں، اس کے پیش نظر اس میں شرکت یا روپئے لگانا جائز نہیں ہے، نہ یہ معاملہ بطور مزارعت درست ہے، نہ بطور بیع وغیرہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

''بیسی'' اسکیم کا ناجائز طریقہ

سوال: ایک شخص نے بیسی جمع کرنے کا کھاتہ کھولا اور اس کے پاس جمع کرنے والے بیس تیس اس سے بھی زیادہ یا اس سے بھی کم ممبر ہیں، اور کوئی بیسی ہفتہ کی ہوتی ہے اور کوئی مہینہ کی اور کوئی بیسی روز کی ہوتی ہے، اور اس کی شکل یہ ہے (مثلاً) زید نے بیسی جمع کرنے کی ذمہ داری لی، اور زید کے پاس عمرو بکر، فلاں، فلاں، فلاں تیس افراد نے تین ہزار روپئے مہینہ کی بیسی اور روزانہ سو روپئے جمع کرتا ہے اور اس جمع کرنے کی محنت ۳۰/ روپئے یا ۳۵/ روپئے لیتا ہے، اور روزانہ تیس آدمی سے دن بھر سو سو روپئے جمع کر لیتا ہے تو زید کے پاس ۳/ ہزار روپئے جمع ہو جاتے ہیں، اور زید ایک وقت مقرر اور ایک جگہ متعین کرتا ہے، اور اس وقت اور مقررہ جگہ پر سب جمع ہوتے ہیں، اور جن کو ضرورت ہوتی ہے پیسوں کی پہلے اٹھانے کی تو وہ بھی جمع ہوتے ہیں، اور زید پیسوں کی ہر اسی پکارتا ہے، ایک روپیہ سے پکارنا شروع کرتا ہے اور ایک سو، دو سو، تین سو تک پکارا تو کسی نے کہا منظور ہے، تو زید تین ہزار میں سے اپنی مقررہ رقم نکال لیتا ہے، مثلاً سو روپئے کے پیچھے پانچ روپئے، تو تین ہزار روپئے سے ۱۵۰/ روپئے کاٹ کر دو ہزار آٹھ سو پچاس روپئے میں سے دو ہزار پانچ سو پچاس روپئے منظوری کرنے والے کو دیتا ہے، اور وہ تین سو روپئے تیس ممبران کو دیتا ہے یا پھر آئندہ کل سو سو روپئے کے مہینے کے بجائے نوے نوے لیتا ہے، اور ایسا ہی معاملہ مہینہ بھر بیسی ختم ہونے تک ہوتا ہے، پھر نیا معاملہ شروع کرتے ہیں تو اب آپ سے عرض یہ ہے کہ زید کا ایسے رقم جمع کرنا اور اجرت لینا اور ہر اسی پکارنا اور عمرو بکر کا اپنی اپنی تیس ہزار کی رقم

میں سے اتنا اتنا پیسہ کم ہونا اور دوسرے ممبران کو اتنی اتنی رقم کا اضافہ ہونا، کیا ایسا کرنا سود میں بیاج میں داخل ہو کر حرام ہوگا یا کہاں تک صحیح اور درست ہے؟ وضاحت فرما کر قرآن وحدیث کے مطابق جواب دیں، اور ایسی حرکت میں اکثر مسلمان مبتلا ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ طریقہ درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک ناجائز اسکیم

سوال: ایک فرد مارکیٹ میں یہ اسکیم رائج کرتا ہے کہ اتنی متعینہ رقم بھرنے والے کو یہ چیز ملے گی، اس میں شامل ہونے والے افراد یومیہ رقم بھرتے رہتے ہیں، ایک ماہ کے بعد شامل افراد کے نام پر قرعہ اندازی کی جاتی ہے، جس (ایک) فرد کے نام قرعہ نکلے اس کو وہ معتینہ چیز دیدی جاتی ہے (حالاں کہ اس نے اس چیز کی قیمت کے برابر رقم ادا نہیں کی ہوتی ہے) باقی شامل افراد اسی طرح بدستور رقم بھرتے رہتے ہیں، جس جس فرد کے نام ایک ایک ماہ کے بعد قرعہ نکلتا ہے قرعہ کے بعد ان کو وہ چیز دیدی جاتی ہے، اس کے بعد وہ آئندہ اقساط بھرنے کا مکلف نہیں ہوتا ہے: (مثلاً) ایک فریج کی قیمت ۱۶۲۰۰/ سولہ ہزار دوسو روپیہ ہیں، اسکیم میں شامل افراد (۶۵) ہر روز ۳۰/ روپیہ کے حساب سے جمع کرتے ہیں اس طرح ہر فرد ماہانہ ۹۰۰/ جمع کراتا ہے، ماہ مکمل ہونے کے بعد ان (۶۵) افراد کے نام قرعہ ڈالا جاتا ہے، جس کے نام قرعہ نکلے گا اس کو ایک فریج جس کی قیمت ۱۶۲۰۰/ روپئے ہوتی ہے دے دیا جاتا

ہے، اس کے بعد قرعہ والا فرد رقم بھرنی بند کر دیتا ہے، (۶۴) افراد متعینہ رقم ۳۰/ روپیہ بھرتے رہتے ہیں، اسی طرح ہر ہر ماہ کے بعد کسی نہ کسی کے نام قرعہ نکلتا رہتا ہے، اٹھارہ ماہ مکمل ہونے کے بعد تمام مابقی افراد کو ایک ایک فریج دے دیا جاتا ہے، جس کی قیمت اٹھارہ ماہ میں سولہ ہزار دو سو روپئے ہوتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ جو شخص صرف ایک ماہ کے اقساط بھرنے کے بعد قرعہ اندازی کے ذریعہ اس چیز (مثلاً فریج) کا مالک بن جاتا ہے، کیا اس کے لیے یہ لینا جائز ہے؟ یہ قمار یا سود میں تو داخل نہیں؟ اس میں رقم اس امید پر جمع کی جاتی ہے کہ اگر قرعہ نکلے تو کم قیمت میں زیادہ نفع ہوگا، نہیں نکلا تو بھی حرج نہیں؛ کیوں کہ اپنی رقم تو محفوظ ہے، اسکیم بنانے والے کو یہ فائدہ ہوگا کہ وہ آخر میں یہ چیز (مثلاً فریج) ہول سیل میں خرید کرتا ہے، اور اسکیم میں شامل افراد کو مارکیٹ بھاؤ میں دے دیتا ہے، جس کی قیمت پہلے سے متعین کی گئی ہوتی ہے، گذارش یہ ہے کہ اس اسکیم کے تمام پہلوؤں پر غور فرما کر تفصیلی جواب عنایت فرمائیں، گذارش یہ ہے کہ دلائل ضرور درج فرمائیں، اگر یہ قمار یا سود ہے تو کہئے، امید کہ تفصیلی جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عقلی طور پر بیع کی چار قسمیں ہوسکتی ہیں:

(۱) ثمن اور مبیع دونوں معجّل ہوں، عموماً یہی بیع زیادہ مروج ہے۔

(۲) ثمن مؤجل ہو اور مبیع معجّل ہو۔

(۳) ثمن معجّل ہو اور مبیع مؤجل ہو۔

(۴) ثمن اور مبیع دونوں مؤجل ہوں۔

ان میں سے پہلی تین قسمیں مخصوص شرائط اور قیود کے ساتھ درست ہیں، آخری اور چوتھی قسم شرعاً جائز نہیں۔ نهى رسول الله ﷺ عن بيع الكالى بالكالى۔

سوال میں جس اسکیم کا تذکرہ ہے وہ پہلی اور دوسری قسم میں تو کسی حال میں داخل نہیں ہوسکتی، بیع کی تیسری قسم جس میں ثمن معجّل اور مبیع مؤجل ہو، اس کو فقہاء کی اصطلاح میں ''بیع سلم'' کہا جاتا ہے، بیع سلم کو فقہاء نے چند شرائط اور قیود کے ساتھ درست قرار دیا ہے، انہی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ رأس المال یعنی ثمن پر مجلس عقد ہی میں مسلم الیہ یعنی بائع کا قبضہ کرادیا جائے۔

بدائع الصنائع میں ہے: ومنها: أن يكون مقبوضاً في مجلس السلم؛ لأن المسلم فيه دين والافتراق لا عن قبض رأس المال يكون افتراقاً عن دين بدين وأنه ينهى عنه لما روى أن رسول الله ﷺ نهى عن البيع الكالي بالكالي أي النسيئة بالنسيئة. (٥/٢٠٢)

صورت مسئولہ میں مجلس عقد میں ثمن پر بائع کا قبضہ نہیں ہوتا؛ بلکہ پورا ثمن اٹھارہ ماہ میں جاکر ادا ہوتا ہے؛ نیز اس میں ایک قباحت یہ بھی ہے کہ ہر ماہ کی قرعہ اندازی میں جس کا نام نکلتا ہے اس کو مبیع دے کر اسکیم سے خارج کردیا جاتا ہے، گویا اس کو تو اتنی ہی رقم میں جو اس نے اب تک ادا کی مبیع دے دی گئی، اور چوں کہ قرعہ سے پہلے یہ معلوم نہیں کہ وہ کون ہے اس لیے اس کے حق میں ثمن مجہول ٹھہرا، اور وہ آدمی بوقت عقد مجہول ہی ہے، اور اس سے عقد میں فساد آتا ہے، یہ تاویل بھی ممکن نہیں کہ اٹھارہ ماہ پورے ہونے پر عقد یعنی ایجاب وقبول فرض کریں؛ اس لیے کہ وہاں تک اس جمع ہونے والی رقم کو بائع کے پاس امانت سمجھیں تو بائع کے لیے اس میں تصرف کرنا جائز

نہیں ہے؛ حالاں کہ ایسا نہیں ہوتا، اور اگر قرض سمجھیں تو "کل قرض جر نفعا" الخ میں داخل ہوکر ممنوع ٹھہرتا ہے۔ فتأمل وتیقظ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/شوال ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قرض کی ایک اسکیم

سوال: دس آدمی مل کر یہ طے کرتے ہیں کہ روزانہ ہم دس دس روپیہ جمع کریں گے، اور مہینہ ختم ہونے کے بعد رقعہ ڈالیں گے اور جس کا نام نکلے گا وہ ان تمام رقوم کو لے لے گا، اور پھر اس کے بعد آئندہ مہینہ ۹/آدمی کا رقعہ ڈالیں گے، اس میں دسواں آدمی شامل نہیں ہوگا؛ لیکن وہ روزانہ کی رقم برابر ادا کرتا رہے گا، اسی طرح آخر تک، تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تحریر کردہ صورت درست ہے؛ لیکن اس کو لازم نہ قرار دیا جائے، اگر کوئی ان میں سے الگ ہونا چاہے الگ ہوسکتا ہے، جس وقت وہ الگ ہو اور اپنی دی ہوئی رقم کا مطالبہ کرے، لینے والوں کے لیے اس کی ادائیگی ضروری ہوگی، اور اگر وہ خود لے چکا ہے تو جن جن کی لی ہے ادا کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک سودی اسکیم

سوال: حکومت نے ایک اسکیم بنائی ہے، جس میں ایک ہزار روپیہ جمع کرو تو وہ

پانچ سال کے بعد دو ہزار روپیہ دے گی، یہ زائد ایک ہزار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ زائد ایک ہزار کی رقم خالص سود ہے، جو حرام ہے؛ لقولہ تعالیٰ: ﴿وحرم الربوا﴾۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سود اور جوا پر مشتمل ایک اسکیم

سوال: ہمارے یہاں ایک شخص نے ایک اسکیم شروع کی ہے، جس کا خلاصہ اس طرح ہے کہ ایک شخص نے سو ممبران منتخب کئے جو دو ہزار روپئے ماہانہ جمع کرتے ہیں، اس طرح سامنے والے شخص کے پاس دو لاکھ روپئے جمع ہو جاتے ہیں، اب وہ شخص سو ممبروں کے درمیان قرعہ اندازی کے ذریعہ ایک نام چنتا ہے، اور جس شخص کا نام قرعہ میں آتا ہے اس کو ایک گاڑی دیتا ہے جس کی قیمت تقریباً چالیس ہزار روپئے ہے، اسی طرح ہر ماہ قرعہ اندازی ہوتی رہتی ہے اور قرعہ میں نام آنے والے ممبر کو ایک گاڑی دی جاتی ہے، یہ سلسلہ بیس ماہ تک چلتا ہے، اس کے بعد جو اسی ممبران رہ جاتے ہیں ان کو بھی ایک ایک گاڑی دیتا ہے۔

نوٹ: واضح رہے کہ جس شخص کا نام قرعہ میں نکل آتا ہے، اس کو پھر قسط جمع کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے، نیز یہ بھی واضح رہے کہ اس اسکیم میں تمام ممبران میں سے کسی بھی ممبر کو کسی طرح کا کوئی نقصان نہیں ہوتا: بلکہ اس کی جمع رقم کے بدلہ گاڑی ملتی ہے اور گاڑی نہ لینے کی صورت میں رقم واپس کی جاتی ہے، لیکن ایک ہزار

روپئے کاٹ کر۔ یہ بھی واضح رہے کہ سامنے والا شخص اس اسکیم کے تحت جمع رقم سے بہت کچھ کما سکتا ہے اور کما بھی رہا ہے، اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح کی اسکیم میں حصہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ اسکیم سود اور جوا کی ایک شکل ہے، اس میں حصہ لینا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اس اسکیم کی بنیادی شرط یہ ہے کہ قرعہ اندازی میں جس کا نام نکل آیا اس سے بقیہ اقساط نہیں لی جائیں گی اور نام نکلنے پر اسے چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) کے رقم کی گاڑی دی جائے گی، دوسری جانب یہ کہ رقم جمع کرانے کا مقصد اس سے زیادہ رقم کی شئ حاصل کرنا ہوتا ہے اور اسکیم نکالنے والے کی تحریک بھی یہی ہوتی ہے کہ ہر ممبر قرعہ اندازی میں حصہ لے کر نام نکلنے پر زائد رقم ادا کرے، اسی وجہ سے اس میں سود اور جوا دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں جو کہ حرام ہیں؛ نیز ایک شرط یہ بھی لکھی ہے کہ اگر گاڑی نہ لینا چاہے تو اس صورت میں اس کو جمع شدہ رقم ایک ہزار کی کمی کے ساتھ واپس کی جائے گی یہ بھی ناجائز ہے، جب کہ شرعی رو سے اس کو تمام جمع شدہ رقم واپس دی جانی چاہیے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۶/ ۲۶۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ڈیٹا سرکیولیشن کلب کا طریقۂ کار اور اسکیم کا حکم

سوال: ڈیٹا سرکیولیشن کلب کے نام سے ایک تنظیم ہے جہاں سے مفت فارم ملتے ہیں، ایک آدمی پانچ سو روپئے جمع کر کے کھاتہ کھولتا ہے، اس کو مزید تین فارم

ملتے ہیں، اب اگر اس نے محنت کر کے مزید تین ممبر بنا لیے تو اپنے پانچ سو روپے لے کر اپنے پاس رکھے اور ہزار روپے کمیٹی کو بھیج دے، وہ تین پھر مزید تین تین ممبر بنائیں الی غیر نہایہ، اب آگے جتنے ممبر بنیں گے اس پہلے والے کا مرتبہ بڑھتا جائے گا، اور سو سو روپے اس کو گھر بیٹھے ملتے رہیں گے، جب دس نمبر تک پہنچ جائے گا تو اس کو ۲۹۵۲۳۰۰ روپے ملیں گے، اور جس نے تین ممبر نہ بنائے اس کا پانچ سو روپیہ ختم، شرعی اعتبار سے کیا حکم ہے؟ اگر حرام ہے تو علت تحریر فرمائیں۔

نوٹ: کلب کا کوئی نقصان نہیں چاہے ممبر بنے یا نہ بنے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ طریقہ صریح حرام اور ناجائز ہے، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾ (النساء:۲۹) کلب جو پانچ سو روپیہ وصول کرتی ہے اس کے معاوضہ میں روپیہ دینے والے کو کیا دیتی ہے؟ لوگوں کے مال کو ہڑپ کرنے کا یہ بھی ایک مہذب طریقہ ہے، انسان کی فطرت میں حرص کا جو مادہ قدرت نے رکھا ہے اس سے فائدہ اٹھا کر دھوکہ سے مال حاصل کرنے کا سلسلہ قدیم زمانہ سے چلا آرہا ہے، سائنسی ترقی کے اس دور میں اس کی شکلیں بھی ایسی اختیار کی جانے لگیں کہ اول وہلہ میں آدمی کا ذہن اس طرف نہ جاسکے، آپ بھی اس پر غور کریں گے تو اس کی برائی خود بخود واضح ہوجائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تجارت کو فروغ دینے کی ایک ناجائز اسکیم

سوال: ایک شخص اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لیے یہ صورت اختیار کرتا ہے، کہ ایک گھڑی کی قیمت سو روپے ہے اور بازار میں بھی اسی قیمت پر ملتی ہے، اس کے واسطے پچاس ممبر بنائے گئے، دس دس روپے کی یہ اسکیم دس مہینہ چلائی جائے گی، پہلے مہینہ میں جس شخص کا نام قرعہ اندازی میں نکل آیا اس کو دس روپے میں گھڑی دے کر اس کا نام ممبری سے خارج کر دیا جائے گا، اسی طرح نو ماہ تک جس کا نام آتا جائے گا اس کو گھڑی دے کر اس کا نام ممبری سے خارج کیا جاتا رہے گا، اور اس سے روپے نہیں لیے جائیں گے، دسویں مہینہ اکتالیس اشخاص جو بچے ان کو ایک ایک گھڑی دے کر اسکیم ختم کر دی جائے گی، اس صورت میں کسی کو دس روپے میں کسی کو بیس روپے میں اور کسی کو چالیس روپے میں یہاں تک کہ کسی کو سو روپے میں گھڑی ملے گی؛ لیکن قرعہ اندازی ضروری ہوگی، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا شرعاً یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ برائے کرم مفصل و مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں بیع صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ مجلسِ عقد میں ثمن کی تعیین نہیں ہو پاتی۔ وجهالة الثمن تمنع صحة البيع.(بدائع الصنائع)

اسی لیے کوئی آدمی اس طرح کوئی چیز فروخت کرتا ہے کہ نقد لو تو اتنی قیمت اور ادھار لو تو اتنی قیمت یا ایک مہینہ کے وعدہ پر لو تو اتنی قیمت اور دو مہینہ کے وعدہ پر لو تو اتنی قیمت تو یہ بیع ناجائز ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ۳/۱۳۶)

البتہ اگر مجلس ہی میں یہ متعین ہوجائے کہ فلاں طریقہ پر لیتا ہوں اور متعاقدین اس پر راضی ہوجائیں تو جائز ہوگی۔

فإذا علم ورضي له جاز البيع لأن المانع من الجواز هو الجهالة عند العقد وقد زالت في المجلس.(بدائع الصنائع ۵/ ۱۵۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

چند سودی سرکاری اسکیمیں

سوال: محترم آج کل مسئلۂ سود خوری اپنی جگہ قابلِ غور و بحث کا موضوع ہے، اور فقہائے امت کا اس میں اختلاف ہے، (دیوبند کا ایک دینی ادارہ ہندوستان کو دارالحرب مانتا ہے، اور ہر طرح کے سود اور بینک کے ذریعہ سرمایہ کاری کی اجازت دیتا ہے، وہ فتویٰ میرے پاس ہے) پھر بھی دل و دماغ اس کو تسلیم نہیں کرتے، دنیا دار مسلمانوں کے لیے آج کل سود کوئی مسئلہ نہیں؛ کیوں کہ وہ یہ خیال رکھتے ہیں کہ:

① موجودہ سودی نظام یا سود وہ نہیں جو ۱۴۰۰ سال قبل سود کا لین دین ہوا کرتا تھا، یہ لوگ اس کو معاوضہ سمجھتے ہیں۔

② دنیا کا کوئی ملک یا بینک سود کے بغیر کام نہیں کر سکتے۔

③ دنیا کے سبھی مسلم ممالک کے بینکوں میں بھی سود کے ذریعے ہی کام ہو رہا ہے، چاہے وہ آپ کو کوئی بھی شکل دیں۔ آج کا ۵۰-۶۰ فی صدی مسلمان بینک کے سود کو غلط نہیں سمجھتا، اور کسی نہ کسی شکل میں وہ اس کو استعمال کر رہا ہے، اور کہیں نہ کہیں علما نے اجازت بھی دی ہے، جیسے پروویڈنٹ فنڈ وغیرہ وغیرہ؛ لیکن وہ مسلمان جن کے دل

میں اللہ کا خوف اور اسی کی توفیق سے وہ اس سے بچنا چاہتے ہیں، وہ کیا کریں؟

میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں، کہ اس پیچیدہ مسئلے پر علمائے کرام سنجیدگی سے حالات کے مدنظر کیوں نہیں سوچتے؟ کیوں کہ سود کی شکل جو ۱۴۰۰ سال پہلے تھی وہ آج نہیں ہے؛ کیوں کہ صرف لفظ سود یا اس کے جزوی معنیٰ کو پکڑ کر بیٹھنا مناسب نہیں ہوگا، ان کو حالات وملت کی ضرورت کے مطابق اس مسئلے کو طے کرنا، ہوگا جس طرح صدیوں پہلے ہمارے چاروں امام اور فقہا نے حالات اور وقت کی ضرورت کے مدنظر اپنی رائے بدلنی پڑی، اور اسی کے مطابق وہ ہے: لاتشتروا بآیاتي ثمنا قلیلا اس آیت کے لفظی معنیٰ کے علاوہ کئی حدیثیں موجود ہیں، تفصیل کے لیے معارف القرآن کی جلد اول ص: ۲۴۰ ملاحظہ فرمائیں۔ اسی طرح اور دوسرے مسائل جیسے بینک کی ملازمت، جائداد کا بیمہ وغیرہ ان پر بھی علما ومفتیان کی رائے بدل رہی ہے، اب میں اپنے حالات کو تحریر کر رہا ہوں؛ کیوں کہ بہت سے مسائل کا حل انفرادی حالات پر بھی منحصر ہوتا ہے:

میں او این جی سی (ONGC) محکمہ میں ملازم تھا، پچھلے سال یعنی ۱۹۹۹ء میں میں نے ۵۸ رسال کی عمر میں رٹائرمینٹ لے لیا ہے، اپنے ڈپارمینٹ سے مجھے بہت معقول رقم ملی ہے، جو ابھی تک سود کی وجہ سے کہیں Invest نہیں کی جاسکی، ایک سال سے جمع شدہ رقم ہی استعمال ہو رہی ہے، اور فی الحال کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے، ڈپارٹمنٹ سے جو بیلنس ملے گی وہ بہت حقیر رقم ہوگی اور وہ ابھی نہیں مل رہی؛ بلکہ ستمبر ۲۰۰۱ء میں ۶۰ رسال کے بعد ملے گی۔ اس کے برعکس میری ذمہ داریاں بہ دستور ہیں، اللہ نے مجھے تین لڑکیوں سے نوازا ہے، صرف ایک لڑکی کی شادی ہوئی ہے، باقی دو لڑکی کی

شادی اور پڑھائی کی ذمہ داری ابھی باقی ہے، چھوٹی لڑکی ابھی صرف ۱۲ رسال کی ہے، میری ان حالات سے آپ میری الجھنوں اور پریشانیوں کا بہ خوبی اندازہ لگا سکتے ہیں، آمدنی نہ ہونے کی صورت میں اگر خرچ بہ دستور کریں تو قارون کا خزانہ بھی ایک دن ختم ہو ہی جائے گا، اس سلسلے میں کئی مفتیوں سے رجوع کر چکا ہوں؛ لیکن تسلی بخش جواب نہیں ملا، سبھی لوگ تجارت کرنے کا مشورہ دیتے ہیں جب کہ نوکری پیشہ ہونے کی وجہ سے مجھے تجارت کا کوئی تجربہ نہیں ہے، اور موجودہ دور میں مشاہدہ یہ بتلاتا ہے کہ: ایک تاجر کو چرب زبان، چالاک اور چاک و چوبند ہونا بہت ضروری ہے، موجودہ حالات میں ایک سیدھا سادا آدمی جس کو تجارت کا کوئی تجربہ نہ ہو، مہارت سے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، تجارت میں ۱۴-۱۵ گھنٹہ درکار ہیں یعنی (Full time job)، اور میری عمر ۵۹ رسال کے قریب ہے، اور اس عمر میں ۱۴-۱۵ گھنٹہ لگانا ناممکن ہے؛ کیوں کہ صحت اور دماغ دونوں ہی کمزور ہو جاتے ہیں؛ اسی لیے سرکار ۵۸-۶۰ سال میں ریٹائیرڈ کر دیتی ہے۔ کسی کے ساتھ شرکت میں تجارت کی جائے یہ بھی ایک مشکل مسئلہ ہے اور بہت بڑا جوکھم ہے؛ کیوں کہ ہر کسی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، مشاہدہ اور تجربہ بتلاتا ہے کہ بہت کم یعنی ایک یا دو فیصدی ہی لوگ مشترکہ تجارت میں کامیاب ہوتے ہیں، ہندوستان میں ابھی تک کوئی رجسٹری بینک نہیں ہے جس سے ہم جیسے لوگ فائدہ اٹھا سکیں، اور جو ہیں وہ معاملات ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے بدنام ہیں۔

میرے ان نجی حالات کے علاوہ بھی اسی طرح کے دوسرے لوگوں کے مسائل ہیں، مثال کے طور پر میرے مالک مکان کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے، وہ بھی او این جی سی میں ملازم تھے، اور ان کی ۴ رلڑکیاں ہیں، مکان کے علاوہ اَور کوئی ذریعۂ

معاش نہیں ہے، ان کو بھی یہی فکر لاحق ہے کہ آمدنی حلال کیسے ہو؟ اور تین لڑکیوں کے فرائض کیسے انجام دیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان حالات کے پیش نظر امید کی ایک کرن دکھائی دی ہے، اور اسی سلسلے میں آپ سے جناب صلاح الدین اصلاحی اور جامع ازہر کے شیخ کی رائے کے مطابق آپ سے معلومات چاہتی تھی۔

بہر حال اب میں اس رسالے میں شائع ہوئے مسئلہ کی فوٹو کاپی بھیج رہا ہوں، میری ناقص رائے کے مطابق جناب عادل اصلاحی اور جامع ازہر کے شیخ کی رائے کو ہر مسلک کے لوگوں کو مان لینا چاہیے، مختصر طور پر میں اپنے حالات لکھ چکا ہوں اور اب میں یہ جاننا چاہتا ہوں:

① کیا سرکاری بونڈ خریدنا جائز ہوگا، جیسے کسان وِکاس پتر وغیرہ۔

② عادل اصلاحی اور شیخ جامع ازہر کی رائے کے مطابق ہمارے ہندوستانی نظام میں صرف پوسٹ آفس کی اسکیمیں (National Sarmpl) اس خانے میں آتی ہیں جو سرمایہ کاری نہیں کرتی، تو بونڈ کے علاوہ دوسری اسکیمیں جو سرمایہ کاری نہیں کرتی جائز قرار دی جاسکتی ہیں؟

③ uti کی اسکیموں میں سود نہیں ہوتا وہ ڈیویڈنڈ دیتے ہیں، ان کی کچھ اسکیموں میں پہلے سال طے شدہ ڈیویڈنڈ دیتے ہیں، اور اس کے بعد ہر سال وہ بازار کے بھاؤ کے حساب سے طے کر ڈیویڈنڈ مقرر کرتے ہیں جو گھٹتا بڑھتا رہتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کی حرمت فروعی اور استنباطی نہیں؛ بلکہ منصوص اور قطعی ہے، وحرم الربوا (اور اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام قرار دیا ہے)۔ تحریم ربوا نازل ہونے پر بقایا سود کو

وصول کرنے کی بھی ممانعت کردی گئی؛ بلکہ اس کو بہ منزلۂ شرط ایمان قرار دیا گیا۔ ﴿وذروا مابقي من الربوا إن كنتم مؤمنين﴾ یعنی سود کا بقایا چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو۔ جو لوگ سود لینے سے باز نہ آئے ان کے لیے اعلان جنگ ہے ﴿فإن لم تفعلوا فأذنوا بحرب من الله ورسوله﴾ یعنی اگر تم نے ایسا نہ کیا (سود کا بقایا نہ چھوڑا) تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ ہے۔ سود خوار کے حشر کو اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿الذين يأكلون الربوا لايقومون إلا كما يقوم الذي يتخبطه الشيطان من المس﴾ یعنی جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے روز اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو۔ سود خوار کے لیے سخت وعید ہے: ﴿يأيها الذين اٰمنوا لا تأكلوا الربوا أضعافا مضاعفة واتقوا الله لعلكم تفلحون، واتقوا النار التي أعدت للكافرين﴾ یعنی اے ایمان والو! سود در سود کر کے نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو! شاید تم فلاح پاؤ، اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن میں سب سے زیادہ خوفناک آیت مذکورۂ بالا ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو دوزخ کی آگ کی دھمکی دی ہے، جو درحقیقت کافروں کے لیے ہے، اگر مؤمنین اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز (سود) سے پرہیز کرنے میں اللہ تعالیٰ سے نہ ڈریں۔ (تفسیر مدارک)

انسان کے بدن میں جو گوشت حرام مال سے پیدا ہو وہ نار جہنم کے لائق ہے۔ سود کا ایک درہم جان بوجھ کر لینا چھتیس دفعہ زنا کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ (مشکوۃ ۲۴۶) سود لینے والے، سود دینے والے، سود کا رقعہ لکھنے والے، سود کی گواہی دینے والے؛

سب پر حدیث میں لعنت آئی ہے، اور سب کو نفس گناہ میں برابر قرار دیا ہے۔ (مشکوۃ ۲۴۶)
سود کے ستر اجزاء ہیں، سب سے ہلکا جزماں سے بدفعلی کرنے کے برابر ہے، سود سے بہ ظاہر مال بڑھتا ہوا نظر آئے گا؛ مگر اس کا انجام قلت ہے۔ (مشکوۃ ص:۲۴۶) حرمت ربوا کی آیت محکم ہے، منسوخ نہیں؛ شبہۂ ربوا سے بھی بچنے کا حکم ہے۔ (مشکوۃ ۲۴۶) مقروض اگر قرض کے دباؤ میں کوئی ہدیہ پیش کرے تو وہ ہدیہ بھی سود ہے، نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی۔ (مشکوۃ ۲۴۶) ہدیۂ مالی کے علاوہ بھی کسی اور منفعت کے قبول کرنے کی اجازت نہیں۔ (مشکوۃ ۲۴۶)

آپ کے جو حالات سوال میں درج ہیں ان کے مقابلے میں ان مسلمانوں کے حالات زیادہ دردانگیز تھے جن کو خطاب کر کے سود حرام قرار دیا گیا اور سخت وعیدیں سنائی گئیں، وہ حضرات کفار کے قرضہ میں دبے ہوئے تھے، کفار ان کا خون چوس رہے تھے، حتیٰ کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دوبارہ غلام بنانے کی دھمکی دی گئی تھی جس سے پریشان ہو کر انھوں نے مدینۂ پاک سے مخفی طور پر قرض کی ادائیگی کا انتظام ہونے تک کے لیے باہر چلے جانے کا ارادہ کر لیا تھا، وہ حضرات پیٹ پر پتھر باندھتے تھے، کئی کئی روز تک فاقہ کرتے تھے، بھوک کی وجہ سے غش غش کھا کھا کر گر جاتے تھے، دو دو تین تین مہینے تک گھر میں آگ نہیں سلگتی تھی، کپڑا بھی پوری تن پوشی کے لیے موجود نہیں تھا، چادر ہے تو تہبند نہیں، تہبند ہے تو کرتا نہیں، نکاح کے خاطر مہر میں دینے کو لوہے کی انگوٹھی تک میسر نہیں آئی، صرف ایک لنگی بدن پر تھی اسی میں آدھی لنگی مہر دینے پر آمادہ ہوئے، بچوں کو بھوکا روتا ہوا دیکھ کر کھجور کے تین چار دانے حاصل کرنے کے لیے یہود کی مزدوری کرنا پڑی، خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ازواج مطہرات کے

نفقہ کے لیے اپنی جہاد میں کام آنے والی زرہ یہودی کے پاس رہن رکھنے کی نوبت آئی، اسی حال میں آپ کا وصال ہوا۔ (از فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۲۰۴ تا ۲۰۹ ملخصا)

سودی کاروبار کے زریعہ سے نہ مسلمان کا حال ترقی کرسکتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ﴿إن الربا وإن كثر فإن عاقبته تصير إلى قلة﴾ یعنی سود خواہ کتنا ہی زیادہ ہو اس کا انجام قلت ہے۔ نہ مال محفوظ رہ سکتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے ﴿يمحق الله الربوا﴾ اللہ تعالیٰ سود کو گھٹاتے ہیں؛ لہٰذا سودی کاروبار کو مال مسلم کی حفاظت یا ترقی کا ذریعہ تجویز کرنا نصوص قرآن وحدیث کا مقابلہ کرنا ہے۔ مسلمان کی کامیابی اور ترقی حرام وحلال کی تمیز کے بغیر مال جمع کرنے اور تجارت کو فروغ دینے میں ہرگز نہیں؛ بلکہ اس کی ترقی اور کامیابی احکام شریعت کی پابندی میں ہے، حرام اور لعنت کے کاموں سے پوری طرح پرہیز کرنے میں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۲۱۱)

آپ نے جو تراشہ بھیجا ہے اس میں جو نظریہ پیش کیا گیا ہے وہ نیا نہیں ہے، پچھلے پینتالیس پچاس سال سے یہ چل رہا ہے، اور علمائے حقانی کی طرف سے اس نظریہ کے حاملین کے دلائل کا علمی تجزیہ کرکے اس کے تفصیلی جوابات بھی دیے گئے ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ (حال شیخ الاسلام پاکستان) کا ایک رسالہ اردو زبان میں ''تجارتی سود، عقل وشرع کی روشنی میں'' آج سے چالیس سال قبل لکھا گیا، اور اسی وقت شائع بھی ہو چکا ہے، اس کا مطالعہ فرمائیں۔ اس میں انھوں نے تجارتی سود (جو کسی نفع اور pvboeutiive کام کے واسطے لیے ہوئے قرض پر لیا جائے) کی حرمت کو بھی دلائل واضحہ سے ثابت کیا ہے؛ اس لیے آپ کا یہ کہنا کہ: سود کی جو شکل آج سے چودہ سو سال پہلے تھی وہ اب نہیں ہے، درست نہیں ہے۔

آپ نے اپنے سوالات میں جن سرکاری اسکیموں کا تذکرہ کیا ہے وہ تمام سودی ہیں، ان میں رقم لگانا اور اس کی آمدنی حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳ ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ایف آئی سی پریوار کا ممبر بننے کا حکم

سوال: ”ایف آئی سی پریوار“ کے نام سے جانا جاتا ہے جس کا طریقۂ کار مندرجۂ ذیل بیان کیا گیا ہے: اس کمپنی کے کاروبار میں شامل ہونے کے لیے زندگی میں صرف ایک مرتبہ ایک چیز کا خریدنا ضروری ہے، جو چیز گراہک خریدنا چاہتا ہے وہ کمپنی کی کتاب میں درج کرائی ہوئی چیزوں میں سے خرید سکتے ہیں، اس میں سے اپنی پسند کی چیز خریدی جاسکتی ہے، جو چیز کمپنی میں سے خریدار خریدی کرتا ہے تو اس کی قیمت اسے ادا کرنی ہوتی ہے، ساتھ ادا کرنا ہوتا ہے نوسو پچاس روپیہ (۹۵۰) یہ رقم یعنی ۹۵۰/ روپیہ ادا کرنے کے بعد خریدار کمپنی کا ممبر بن جاتا ہے، اور مندرجہ چیزوں کا حقدار بن جاتا ہے، اس ۹۵۰/ روپیہ میں سے کمپنی ۵۰۰/ روپیہ سروس چارج اور ویب سائٹ جو خرچ ہوتا ہے وہ لیتی ہے، مندرجہ سہولتیں ممبر بننے کے بعد ملتی ہے، پورے انڈیا میں کمپنی کے ۳۵۰ ڈپو ہے، جہاں سیمینار ہوتے ہیں وہ ممبر کے لیے مفت کٹ مفت میں ملتی ہے، جس میں چار آڈیو کیسٹ اور ایک سی ڈی ملتی ہے، گونڈ کلب ممبر بننے پر بونس مفت، چوبیس ممبر بنانے پر پینشن اسکیم کا حقدار، یہ کمپنی انڈیا کے ایکٹ کے مطابق ۱۹۵۶ء سے کام کرتی ہے، ایف آئی سی ملٹی نیٹ ورک کمپنی

مصنوعات بنانے والی کمپنی سے مصنوعات ڈائریکٹ ہول سول کے دام میں خرید کر خریدار کو بازار کی قیمت سے فروخت کرتی ہے، جو منافع ہوتا ہے اس میں سے کچھ حصہ کمپنی اپنے پاس رکھ لیتی ہے، اور باقی کا منافع کمپنی کے ممبر جو ۹۵۰/ روپیہ ادا کرنے پر بنتے ہیں اور خریدار بناتے ہیں ان کے بیچ تقسیم ہوتا ہے۔

اس طریقۂ کار سے ممبروں اور خریداروں کی ایک سائکل چلتی ہے، طریقۂ کار کی معلومات کے لیے زیروکس کاپی ساتھ میں روانہ کی جارہی ہے، خریدار کی ادائیگی والی رقم کمپنی کے بینک اکاؤنٹ میں جمع ہوتی ہے اور ہر کمپنی دوسرے کمپنیوں جس سے مصنوعات خریدتی ہے اس کی ادائیگی بھی بینک چیک کے ذریعہ کرتی ہے، ممبروں کو بھی جو رقم کمیشن کے طور پر ادا کی جاتی ہے وہ بھی بینک کے چیک کے ذریعہ انکم ٹیکس اور دوسرے تمام ٹیکس کاٹ کر ادا کرتی ہے، اس کمپنی کی خرید معلومات آپ اپنے طور پر کمپنی کے دیے گئے ویب سائٹ پر حاصل کرسکتے ہیں، کمپنی کی ویب سائٹ (.....)

آج کل کے کاروبار کے اعتبار سے جتنی بھی بڑی بڑی کمپنیاں ہیں وہ تمام ایجنسی دیتی ہیں تو ایجنسی لینے والے سے ڈپازٹ کے طور پر رقم لیتی ہیں۔ ایجنسی اگر کمپنی سے خریداری کرتی ہے تو اسی مال کے عوض نقد رقم ادا کرنی ہوتی ہے، مثال کے طور پر کیش کی ڈیلرشیپ، پیٹرول پمپ کی ڈیلرشیپ، کولڈ ڈنکس کی ڈیلرشیپ کے لیے لاکھوں روپیہ کی ڈپازٹ ادا کرنی ہوتی ہے، چاکلیٹ، بسکیٹ اور جتنی بھی مانی ہوئی کمپنیاں ہیں ان کے پاس ہزاروں کی ڈپازٹ رکھنی پڑتی ہیں، اس کے باوجود خریدار یعنی ایجنسی کو مال خریدنے پر نقد رقم کی ادائیگی کرنی ہوتی ہے۔ اس طرح ۹۵۰/ روپیہ ادا کرنے پر کمپنی کی سہولتوں کا ممبر حقدار بن جاتا ہے۔ مندرجۂ بالا کاروبار قرآن اور حدیث کے

روشنی میں کرنا کیسا ہے؟ بہت سے مسلم بھائی اس کاروبار سے جڑ چکے ہیں؛ اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس مسئلہ کا صحیح جواب جلد از جلد دیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ایک شخص جب کمپنی سے کوئی چیز اس کے مقررہ قیمت سے خریدتا ہے تو اس چیز کی قیمت کے ساتھ ساتھ مزید ۹۵۰/ روپیہ کی ادائیگی کا اس کو پابند بنایا جاتا ہے گویا خریدی ہوئی چیز کی قیمت کے ساتھ ساتھ مذکورہ رقم بھی گراہک کو ادا کرنی ہے، یہ طریقہ بیع کے ساتھ شرط کو مستلزم ہے اور اس کی ممانعت آئی ہے،

نھیٰ رسول اللہ ﷺ عن بیع وشرط

نیز نفسِ بیع کا تقاضہ تو یہ تھا کہ خریدار پر مبیع کی مقررہ ثمن ہی لازم ہوتی، جب کہ صورتِ مسئولہ میں ثمن کے علاوہ ایک اور رقم کی بھی ادائیگی کا اس کو پابند بنایا جارہا ہے جو شرعاً درست نہیں؟ پھر یہ مزید رقم جو وصول کی گئی ہے اس کے بدلہ میں جو فوائد حاصل ہونے والے ہیں وہ بھی متعین نہیں، بلکہ ان میں بھی یہ قید لگائی گئی ہے کہ چوبیس ممبر بنانے پر پینشن اسکیم کا حقدار ہوگا گونڈ کلب ممبر بننے پر بونس مفت ملے گا تو سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ پینشن اسکیم کا استحقاق زائد رقم ادا کرنے کے معاوضہ میں ہے؟ یا ممبر بنانے کا معاوضہ؟ علیٰ ھٰذا القیاس۔ بہر حال یہ طریقۂ کار شرعی اعتبار سے درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۲۸/ صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

غرباء کی امداد کے لیے جوئے کی ناجائز اسکیمیں

سوال :① کسی کی مدد و اعانت کی خاطر اس طرح کرنا کہ ۲۰۰ پاؤنڈ کی ٹکٹ دس پاؤنڈ کی ٹکٹ میں ملے گا، تو ہر ایک دس دس پاؤنڈ دیتے ہیں، پھر قرعہ اندازی ہوتی ہے، اس میں جس کا نام آتا ہے اس کو ۲۰۰ پاؤنڈ کی ٹکٹ اس کے دس پاؤنڈ کے بدلے مل جاتی ہے، باقی جو ہزاروں پاؤنڈ بچے ان کو امداد کے لیے روانہ کر دیا جاتا ہے، تو کیا یہ شکل قمار اور جوا کی نہیں ہے؟ کیا اس طرح کر کے لوگوں کی امداد کی جاسکتی ہے؟

② اسی طرح ایک کمیٹی گانے والی اور ناچنے والی کو کچھ متعین مقدار میں بلاتے اور پھر وہ گانے والی ناچتی گاتی ہے، لوگ مست ہو کر ان کو انعامی روپے دیتے ہیں، پھر کمیٹی والے اس کی متعین مقدار تو دے دیتے ہیں، باقی رقومات امداد کے لیے روانہ کر دی جاتی ہے، تو کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟ اکثر ایسا کرنے والے مسلمان ہوتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① یہ قمار ہی ہے، امداد کے لیے یہ طریقہ جائز نہیں ہے، قمار کی حرمت منصوص ہے، ایسا کیوں نہیں کیا جاتا کہ سب سے دس دس پاؤنڈ وصول فرما کر امدادی فنڈ قائم کریں کہ یہ صورت جائز ہے؛ بلکہ مستحسن ہے جب کہ صورت مسئولہ میں دوسو پاؤنڈ والا ٹکٹ ایک ہی شخص کو ملتا ہے جو بذریعہ قمار حاصل ہونے کی وجہ سے حاصل کرنے والے کے حق میں بھی حرام ہے، دیگر تمام حضرات بھی قمار کے گناہ کے مرتکب ہوئے، اور جہاں امداد بھیجی جارہی ہے ان کے حق میں بھی یہ رقم حرام ہوگئی، اور ثواب سے تمام محروم رہے۔

② یہ بھی ناجائز اور ممنوع ہے، امداد باہمی ایک خالص دینی اسلامی فریضہ تھا، اس کو بھی اس طرح منکرات اور فواحش کی اشاعت کا ذریعہ بنالیا گیا، ذرائع کی تطہیر بھی ضروری اور واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کتاب الاجاره

طویل المدت اجارہ میں کم کرایہ طے کرنا

سوال: زید نے بکر کی زمین کئی سال کا پیشگی کرایہ اس کو دے کر، اس سے رائج الوقت کرایہ سے کم کرایہ پر لی، شرعاً اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔ فالحاصل أن الأجرة لاتملك عندنا إلا بأحد معان ثلاثة: أحدها: شرط التعجيل فی نفس العقد، والثانی: التعجيل من غير شرط، والثالث: استيفاء المعقودعليه.(بدائع الصنائع ٤/٢٠٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اجرت مثل پر اضافی کرایہ ادا کرنا

سوال: دار العلوم جامعہ نذیریہ کاکوسی (جس میں تقریباً ساڑھے چار سو طلبہ مع قیام وطعام زیر تعلیم ہیں) جس زمین پر واقع ہے، وہ کاکوسی گاؤں کی مسجد ومدرسہ کے لیے وقف زمین ہے، جب کہ دار العلوم ابتدائی دور میں ۶۰ء سے لے کر ۷۲ء تک کاکوسی مکتب کے ساتھ لاحق تھا، بیرونی طلبہ کے اخراجات بھی ۷۰ء تک کاکوسی گاؤں کے احباب اٹھاتے تھے، پھر ۷۱ء سے آج تک تعلیمی وتعمیری تمام اخراجات عمومی چندہ سے انجام پا رہے ہیں، نیز مدرسے کا ٹرسٹ وشوریٰ علاقۂ پالن پور کے احباب پر مشتمل ہے جس میں کاکوسی کے احباب بھی شامل ہیں۔

اس کے بعد جگہ کی تنگی کی وجہ سے دار العلوم موجودہ زمین میں (جو گاؤں کی مسجد ومدرسہ کے لیے وقف تھی) ۷۳ء میں منتقل ہوا ۷۳ء میں دار العلوم کے ذمہ داروں نے اس زمین کے ٹرسٹیوں اور گاؤں کے ذمہ داروں سے مل کر اس زمین کا جو چار بیگھا ہے اجارہ کا معاملہ کیا، اور سالانہ دوسو روپے کرایہ طے کر کے ایک تحریر لکھ دی، مدرسے کی تحویل میں آنے سے پہلے یہ زمین چار بیگھا سالانہ نوے روپے کے کرایہ پر ایک صاحب کو دی ہوئی تھی، اس کے بعد ۹۰ء میں ۱۸ر سالوں کا کرایہ دوسو روپے کے حساب سے ادا کر کے رسید بھی حاصل کر لی، جب کہ اخیر کے سالوں میں اس جیسی زمینوں کا کرایہ بڑھ چکا؛ تھا البتہ ابتدائی سالوں میں اس جیسی زمینوں کا کرایہ دوسو سے کم تھا۔ اب سوال طلب بات یہ ہے کہ:

① ۱۸ر سالوں کا کرایہ ۲۰۰ر کے حساب سے دیا ہوا ادا ہو گیا یا اس میں اضافے کی ضرورت ہے؟

② ۱۹۹۹ء تک باقی ماندہ دس سالوں کا کرایہ طے شدہ دوسو کے حساب سے ادا کرنا ہوگا، یا موجودہ زمانے میں اس جیسی زمین کے کرایہ کے بہ قدر دیا جائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① آخر کے سالوں میں اجرت مثل میں جو اضافہ ہوا وہ بھی ادا کیا جائے۔

② اجرت مثل کے مطابق ادا کیا جائے۔ (از جواہر الفقہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ر رجب المرجب ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

پٹۂ دوامی میں اضافی کرایہ ادا کرنا

سوال: دارالعلوم جامعہ نذیریہ کاکوسی (جس میں تقریباً ساڑھے چار سو طلبہ مع قیام وطعام زیر تعلیم ہیں) جس زمین پر واقع ہے، وہ کاکوسی گاؤں کی مسجد ومدرسہ کے لیے وقف زمین ہے، جب کہ دارالعلوم ابتدائی دور میں ۱۹۶۰ء سے لے کر ۱۹۷۲ء تک کاکوسی مکتب کے ساتھ لاحق تھا، بیرونی طلبہ کے اخراجات بھی ۱۹۷۰ء تک کاکوسی گاؤں کے احباب اٹھاتے تھے، پھر ۱۹۷۱ء سے آج تک تعلیمی وتعمیری تمام اخراجات عمومی چندہ سے انجام پارہے ہیں، نیز مدرسے کا ٹرسٹ وشوریٰ علاقۂ پالن پور کے احباب پر مشتمل ہے جس میں کاکوسی کے احباب بھی شامل ہیں۔ اس کے بعد جگہ کی تنگی کی وجہ سے دارالعلوم موجودہ زمین میں (جو گاؤں کی مسجد ومدرسہ کے لیے وقف تھی) ۱۹۷۳ء میں منتقل ہوا، ۱۹۷۳ء میں دارالعلوم کے ذمہ داروں نے اس زمین کے ٹرسٹیوں اور گاؤں کے ذمہ داروں سے مل کر اس زمین کا جو چار بیگھا ہے اجارہ کا معاملہ کیا، اور سالانہ دوسو روپے کرایہ طے کر کے ایک تحریر لکھ دی۔

اب اگر ۱۹۹۹ء سے پچاس سالوں کا پیشگی کرایہ طے شدہ موجودہ کرایہ کے حساب سے ادا کر دیا جائے تو درست ہے؟ چوں کہ اس زمین پر کافی مقدار میں دارالعلوم کی عمارت بن چکی ہے، ابھی گاؤں کے ساتھ حالات بھی استوار ہیں، اگر دارالعلوم اور گاؤں کے ذمہ داروں کی رضامندی سے دوسری زمین خرید کر اس زمین کے بدلے میں کاکوسی گاؤں کو دی جائے؛ تاکہ آئندہ خطرات سے دارالعلوم محفوظ ہوجائے، نیز واقف کو بھی ثواب ملتا رہے، اگر اس کی گنجائش ہو تو ضرور تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جامعہ نذیریہ کاکوسی کے ذمہ داروں نے کاکوسی گاؤں کی مسجد ومدرسہ کے لیے وقف زمین کا عقد اجارہ جامعہ نذیریہ کے لیے پٹۂ دوامی کے طور پر کیا ہے، اس صورت کو اصطلاح فقہاء میں ''حق قرار'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اوقاف کی زمین میں چند شرائط کے ساتھ اس کی اجازت ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کرایہ دار کو اجرت مثل کی پابندی ضروری ہے، آپ اگر پچاس سال کا پیشگی کرایہ دوسو روپیے کے حساب سے ادا فرمادیں تو درست ہے، بہ شرطے کہ یہ دوسو روپیہ اس کی اجرت مثل ہو، اور آئندہ پچاس سال میں اگر اجرت مثل میں اضافہ ہوا تو اضافہ شدہ رقم بھی ادا کرنی ہوگی۔ (ماخوذ از جواہر الفقہ) فقط

نوٹ: جواہر الفقہ حصہ دوم میں ۲۹۷ تا ۳۰۸ ایک مستقل رسالہ ''قانون اسلامی بابت پٹۂ دوامی'' کے نام سے ہے، اس کا مطالعہ فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مسجد کی موقوفہ زمین کی بیع اور لمبی مدت تک کرایہ پر دینا

سوال: (۱) مدرسہ جامعہ نذیریہ میں ۳۵۰ طلباء زیر تعلیم رہتے ہیں۔ تقریبا بائیس مدرسین کرام ہیں۔ عمارت بھی کافی ہوچکی ہے۔ مسجد، دارالاقامۃ، ۲۶ کمرے، درس گاہیں، ۲۰ دارالمدرسین، مطبخ وغیرہ مکمل ہوگیا ہے۔ مذکورہ مدرسہ جس زمین پر واقع ہے وہ زمین تقریبا پچاس سال پہلے ایک صاحب نے کاکوسی گاؤں کی

مسجد کے لیے وقف کی تھی۔ ان صاحب کی بلا واسطہ یا بالواسطہ کوئی اولاد نہیں ہے۔ اس جگہ پر آج سے بائیس سال پہلے پورے علاقہ کی ضرورت کے پیش نظر پورے علاقہ میں چندہ کر کے مدرسہ کی بنیاد ڈالی گئی۔ تعمیر ہو جانے کے بعد ہمارے علاقہ کے مفتی صاحب حضرت مولانا اکبر میاں صاحب کے طرف رجوع کر کے سالانہ کرایہ دو سو روپئے طے کر دیے تھے جو آج تک مدرسہ نذیریہ گاؤں کی مسجد کو ادا کرتا ہے۔ نیز اس وقت گاؤں کی مسجد کے جو متولی صاحب ہیں وہ مدرسہ نذیریہ کے صدر ہیں۔ اور مدرسہ کے ٹرسٹ میں مذکور متولی صاحب اور چند احباب کا کوسی کے اور چند احباب پورے علاقہ میں سے ہیں۔ اب سوال طلب بات یہ ہے کہ کیا مدرسہ جامعہ نذیریہ کا کوسی گاؤں کی مسجد کی زمین (جس پر مدرسہ واقع ہے) خریدنا چاہے کیا شرعاً جائز ہے؟

(۲) عند الشرع خریدنے کی کوئی صورت جواز نہ ہونے پر اس زمین کو لمبی مدت تک معینہ کرائے پر (جس کو لیز کہا جاتا ہے) لے کر کرایا ادا کر دیا جائے تو یہ صورت عند الشرع جائز ہے؟ امید کہ حضرت والا مفصل جواب دے کر ممنون فرمائیں گے۔ مدرسہ کے جملہ حالات بہتر ہیں مزید ترقیات کے لیے دعا کی درخواست۔ فقط والسلام

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) چوں کہ وہ زمین مسجد کے لیے وقف ہے اس لیے اس کی بیع وشراء شرعاً درست نہیں ہے۔

فإذا تم ولزم لا يملك ولا يملك الخ (در مختار)

قوله (لا يملك) أي لا يكون مملوكا لصاحبه (ولا يملك) أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع و نحوه. (شامی ۳/ ۴۰۲)

(۲) کتب فقہ کو دیکھنے سے اس کی بھی اجازت معلوم نہیں ہوتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ

سرکاری قانون کا سہارا لے کر مسجد کی دکان خالی نہ کرنا

سوال: ہم ہمارے شہر کی مسجد کے پیچھے کے حصہ پر واقع دو پلاٹ (۵x۱) پر تقریباً تین ساڑھے تین سال سے بحیثیت کرایہ داری کے قابض تھے۔ حال ہی میں متولیٔ مسجد نے کہا کہ مسجد کا B.U.C. (بلڈنگ یوزرس سورٹ) پاس نہیں ہو رہا ہے۔ تو آپ مسجد کا B.U.C. پاس ہو جانے دو۔ پھر بعد میں یعنی بی یو سی پاس ہو جائیگا پھر ہم آپ کو دو پلاٹ میں سے ایک پلاٹ واپس دے دیں گے، اسی لیے ہم نے کوئی قانونی کارروائی نہیں کی، ان کے مشورہ میں دو گواہوں کے سامنے یہ بات طے ہوئی تھی کہ دو پانچ ماہ بعد جب بھی اس جگہ دکان بنے گی تو ہم دو میں سے ایک دکان ضرور آپ کو دینگے۔ ہم نے متولیٔ مسجد کے زبانی وعدہ پر بھروسہ کیا، اور کسی طرح کا قانونی سہارا (کارروائی) نہیں لیا؛ لیکن دو ماہ کے بعد مسجد کے جو دو پلاٹ چار سال سے ہمارے قبضہ میں تھے، اور ہم مسجد کے کرایہ دار تھے، اور ہم سے جو وعدہ کیا تھا اس کے مطابق ہم ایک دکان کے مستحق ہوتے ہیں یا نہیں؟ حالاں کہ ہم نے متولیٔ مسجد کو دو پلاٹوں کا قبضہ دیا ہے اور متولیٔ مسجد کے وعدہ کے مطابق ہی ہم نے قبضہ دیا تھا، اور کوئی قانونی کارروائی اختیار نہیں کی تھی۔ کیا وہ وعدہ کی خلاف ورزی کر سکتے ہیں؟ اس کا جواب عنایت فرما کر رہنمائی فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعت میں کرایہ داری کے معاملہ کو عقد اجارہ کہتے ہیں۔ اسکی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ عقد اجارہ کے وقت کرایہ داری کی مدت متعین کر دی جائے۔ مثال کے طور پر کسی آدمی نے دکان یا مکان کرایہ پر لیا، اور عقد اجارہ کے وقت مالک کے ساتھ یہ طے ہوا کہ یہ دکان یا مکان دس سال کے لیے کرایہ پر لے رہا ہوں، اس صورت میں دکان یا مکان کے مالک کے لیے اس کو دس سال سے پہلے خالی کروانا جائز نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عقد اجارہ کے وقت کرایہ داری کی مدت متعین نہیں کی گئی، بس صرف اتنا طے ہوا کہ ماہانہ اتنے کرایہ پر یہ دکان آپکو کرایہ سے دی جارہی ہے، اس صورت میں نیا مہینہ شروع ہونے پر وہ معاملہ آگے بڑھتا رہیگا؛ لیکن دکان یا مکان کا مالک اگر نیا مہینہ شروع ہونے سے پہلے کرایہ دار کو بتلادے کہ آئندہ مہینہ سے کرایہ داری کا معاملہ ختم کر رہا ہوں، آپ دکان یا مکان خالی کر دیں، اس صورت میں کرایہ دار کے لیے ضروری ہے کہ وہ نیا مہینہ شروع ہونے پر دکان یا مکان خالی کر کے مالک کے حوالہ کر دے۔

ہمارے یہاں سرکاری قانون کی وجہ سے قبضہ کی بنیاد پر کرایہ دار دکان یا مکان خالی کرنے سے انکار کرتا ہے، یہ صورت شرعی اعتبار سے ناجائز اور حرام ہے، آپ کے پاس مسجد کے دو پلاٹ کرایہ کے طور پر تھے اس کی کرایہ داری کا معاملہ بھی اوپر بتائی ہوئی دوسری صورت کے مطابق ہونے کی وجہ سے مسجد کے متولی کو حق پہنچتا ہے کہ نیا مہینہ شروع ہونے سے پہلے آپ کو آگاہ کر کے وہ پلاٹ آپ سے خالی کروا

لیں، آپ جو لکھتے ہیں ''ہم نے کوئی قانونی کارروائی نہیں کی'' یہ کوئی آپ نے احسان نہیں کیا، بلکہ شرعی اعتبار سے آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے۔ اگر آپ قانونی کارروائی کرکے اس کا قبضہ اپنے پاس روک لیتے، جیسا کہ آج کل عام طور پر لوگ کرتے ہیں، تو آپ شرعی اعتبار سے مسجد کی جگہ کے غصب کرنے والے ہوکر حرام کے مرتکب ہوتے اور آپ کا یہ اقدام آپ کی عاقبت کے لیے مہلک ثابت ہوتا۔

پلاٹ خالی کروانے کے لیے مجبوری کی وجہ سے مسجد کے متولی نے آپ کے ساتھ جو صلح کی، حقیقت تو یہ ہے کہ یہ صلح شرعی اصول کے خلاف ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں، اور اس کی بنیاد پر ایک دکان کے آپ مستحق نہیں ہوتے۔ اگر آئندہ بھی آپ کوئی قانونی کارروائی کریں گے تو اپنی عاقبت برباد کرنے والے ٹھہریں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ جمادی الاولی ۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مزدور کے لیے کھیتی کی پیداوار میں سے اجرت طے کرنا

سوال: کھیتی کی پرندوں وغیرہ سے حفاظت کے لیے ایک شخص اجرت پر رکھا جاتا ہے، اور اس کی اجرت اسی فصل کا ایک حصہ مثلاً دسواں یا پانچواں حصہ طے کیا جاتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ اجارہ فاسد ہے، اگر محافظ نے اپنا کام انجام دے دیا ہے تو وہ اجرت مثلی کا

حق دار ہوگا جو مقررہ حصہ فصل سے زیادہ نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

باپ اپنے بیٹے کو کاروبار میں اجرت پر رکھے تو جائز ہے

سوال: ① زید اور بکر دونوں نے بھیسوں کا اصطبل خریدا، زید کا لڑکا بمبئی میں اصطبل کا کاروبار سنبھالتا ہے، اور زید کا لڑکا زید کے ساتھ ہی رہتا ہے کھانا، پینا سب کچھ ساتھ میں ہے، زید کے لڑکے کو کاروبار سنبھالنے کی وجہ سے ماہانہ پندرہ سو روپیہ تنخواہ دی جاتی ہے، جو زید کا لڑکا اپنے باپ یعنی زید کو لوٹا دیتا ہے تو کیا یہ ماہانہ تنخواہ دینا درست ہے؟

② دوسرا سوال یہ ہے کہ زید کا لڑکا زید سے الگ ہے اس کا کھانا، پینا سب کچھ الگ ہے، اور زید کا لڑکا اپنی تنخواہ اپنے ہی پاس رکھتا ہے، زید باپ کو نہیں دیتا تو کیا یہ تنخواہ دینا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ اجارہ درست اور جائز ہے۔

وإن استاجر الرجل ابنه ليخدمه في بيته لم يجز ولا أجر عليه لأن خدمة الأب مستحق على الابن دينا الخ (مبسوط ١٦/٥٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قرض کی بنیاد پر اجرت کم مقرر کرنا درست نہیں

سوال: کھیتی کے کاموں کے لیے ایک شخص کو سال بھر کے لیے اجرت کو رکھا

اور اس پر کچھ رقم بطور قرض دی گئی، اب مالک نے اس کو قرض دینے کی وجہ سے اس کی اجرت کم مقرر کی، تو اس طرح قرض دینے کی وجہ سے اجرت میں کمی کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرض کی بنیاد پر اجرت میں کمی رکھنا درست نہیں ہے۔ "کل قرض جر نفعا فھو حرام" کا مصداق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مضاربت اور اجارہ کو خلط کرنا درست نہیں ہے

سوال: ایک صاحب کی ایک دکان ہے، اس نے ایک آدمی سے کہا کہ پوری رقم اور خرچ میرا اور تم صرف محنت کرو اور تجارت کرو، منافع میں پچاس فیصد نفع تمھارا ہوگا، اور ماہانہ اتنی تنخواہ بھی ہوگی تو کیا یہ معاملہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب اس کو منافع میں حصہ دیا تو اب تنخواہ مقرر کرنا درست نہیں ہے، اور اگر تنخواہ مقرر کرنا ہے تو صرف تنخواہ ہی رکھے؛ اس لیے کہ منافع میں حصہ مقرر کرنے کی صورت میں معاملہ مضاربت کا ہے اور تنخواہ مقرر کرنے کی صورت میں معاملہ اجارہ کا ہے، دونوں کو خلط کرنا درست نہیں، کوئی ایک صورت تجویز ہونی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عقد کے بغیر اصطبل چلانے والا بھائی اجرت کا حقدار نہیں

سوال: عبدالرزاق اور عمر دونوں بھائی ہیں، اپنے والد کی ملکیت تقسیم ہونے

کے بعد ہر ایک اپنے اپنے اصطبل کی دیکھ بھال کرتا تھا؛ لیکن جانوروں کو کھلانے کے لیے غلہ ساتھ خریدتے تھے، اور اس غلہ کی قیمت ادا کرنے میں دو فی صد بائع کی جانب سے ثمن میں کمی کردی جاتی ہے، یہ اس طرح تجار کا عرف ہے، اور عمر جلدی ثمن ادا کرنے کا عادی ہے، تو غلہ آنے کے بعد عمر عبدالرزاق سے اس کے حصہ کے ثمن کا مطالبہ کرتا، تو عبدالرزاق دینے میں کچھ تاخیر کرتا، جس کی وجہ سے عمر کی وجاہت پر بازار میں داغ آتا، اور وہ اس عرف سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا، اور ان ہی کے حصے کے غلہ کی ثمن کے لیے اس سے بار بار مطالبہ کرنا پڑتا تھا؛ اس لیے عمر نے تقسیم کے ایک سال بعد عبدالرزاق سے کہا کہ: آپ اپنے اصطبل کی دیکھ بھال مجھے دے دو، میں آپ کا حساب اور غلہ لانا اور دودھ پہنچانا وغیرہ سب کچھ سنبھال لوں گا، تو عبدالرزاق نے اپنی خوشی سے عمر کو پوری ذمہ داری سپرد کردی اور زبانی طور پر کوئی معاہدہ بھی نہیں ہوا تھا، اور عمر کو نہ مضاربت کے طور پر کچھ لینے کا ارادہ تھا اور نہ عمل کی اجرت لینے کا ارادہ تھا، اور ۹۳/۴/۱ سے ۹۶/۳/۳۱ تک پورے ۳ سال عمر نے عبدالرزاق کا اصطبل پوری ذمہ داری کے ساتھ سنبھالا، اور نفع کر کے بھی دیا، اور ان تین سال میں سے پہلے سال عمر عبدالرزاق کو جو نفع ہوتا گیا وہ دیتا تھا اور دستخط لیتا تھا، اور اخیر کے دو سال میں عمر نے عبدالرزاق کو ایک روپیہ بھی نہیں دیا تھا اور عبدالرزاق نے مطالبہ بھی نہیں کیا تھا، اور تین سال کے بعد عمر نے عبدالرزاق کو اس کے اصطبل کی ذمہ داری سپرد کردی، اور آپس میں حساب ملایا نہیں تھا، اور عبدالرزاق نے حساب کی جانچ بھی نہیں کی تھی۔

۳ سال کے بعد تاخیر سے جب عمر کے پاس سوسائٹی میں سے پیسے آتے گئے، تو عمر نے قسطوں میں سات لاکھ روپیے نقد اپنی اولاد کے ساتھ عبدالرزاق کے گھر پہنچائے

تھے، اس ارادہ سے کہ آخری دو سال کا نفع شاید اتنا ہوگا اور بعد میں حساب ملالیں گے، اور ان سات لاکھ روپیوں کی کوئی دستخط نہیں لی تھی، اور جب عمر نے ۲۰۰۰ء میں حساب ملایا تو معلوم ہوا کہ عمر نے ایک لاکھ تیرانوے ہزار پانچ سو سولہ روپے نفع سے زائد دیے تھے، جب عبدالرزاق سے حساب کی بات چیت ہوئی تو زبانی تنازع ہوا، جس میں عبدالرزاق اور اس کے لڑکوں نے عمر کی اہانت کی؛ اس لیے عمر اب عبدالرزاق سے زائد روپے اور تین سال کی محنت کا ثلث بھی مانگتا ہے، اور عبدالرزاق اس سات لاکھ روپے کا صاف جواب دیتا نہیں؛ بلکہ مبہم بات کرتا ہے، اور عمر کے پاس اس سات لاکھ کے بارے میں صرف اپنی اولاد شاہد ہیں؛ لہٰذا مندرجۂ ذیل سوالات کا حل مطلوب ہے:

① عمر اپنے زائد روپیوں کے ساتھ مضاربت کے طور پر ثلث کا مطالبہ کرسکتا ہے؟

② عمر ثلث کا یا عمل کی اجرت کا مستحق ہوگا یا نہیں؟

③ عمر سات لاکھ روپیوں کے بارے میں عبدالرزاق سے قرآن شریف پکڑوا سکتا ہے؟

④ عمر عبدالرزاق سے قسم لے سکتا ہے؟ اور اگر لے سکتا ہے تو کن الفاظ میں؟ آیا یہ قسم قرآن شریف ہاتھ میں رکھ کر لے سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①، ② نہیں۔

③ خالی قرآن شریف پکڑوانا شرعاً کوئی حیثیت نہیں رکھتا ہے، قرآن شریف

ہاتھ میں لے کر بات کہنے سے قسم نہیں ہوتی جب تک کہ لفظ قسم نہ کہے۔

④ عبدالرزاق اگر سات لاکھ روپیوں کی وصولیابی سے انکار کرتا ہے اور معاملہ کا تصفیہ بغیر قسم کے ممکن نہیں، تو عمر کے لیے عبدالرزاق سے اللہ تبارک وتعالیٰ کے ناموں یا صفتوں میں سے کسی کے ذریعہ قسم لینا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷ رذوالحجۃ الحرام ۱۴۲۱ھ

اجرت متعین کیے بغیر فلیٹ میں رہنا

سوال: میں نے ایک قریبی عزیز سے اس کا فلیٹ کرایہ پر لیا، کرایہ پر لینے سے قبل کرایہ متعین نہیں کیا تھا، ہم دونوں باہم کئی مرتبہ ملتے رہے؛ لیکن کرایہ کے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی، اسی طرح سولہ مہینے گذر گئے اور ہم دونوں نے بیٹھ کر حساب بے باق کر دیا ماہانہ ڈیڑھ سو کے حساب سے، اس کے بعد آگے کے کرایہ کے متعلق کوئی بات نہیں، اور میں اس مکان میں رہتا رہا یہاں تک کہ سات سال کا عرصہ گذر گیا اور پھر ہم دونوں حساب کے لیے بیٹھے، میں نے وہی پرانا کرایہ ماہانہ ڈیڑھ سو کا حساب سامنے رکھ دیا، میرے عزیز نے وہ پرانا کرایہ لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ کرایہ بڑھ گیا ہے قرب وجوار کے اس جیسے فلیٹوں کا کرایہ واقعی بڑھ گیا ہے؛ لہذا تم بھی کرایہ بڑھا کر دو، میں نے کہا جب سولہ مہینوں کا حساب کیا اس وقت تم کو کہنا تھا کہ آئندہ کرایہ اتنا ہوگا مجھ کو منظور ہوتا تو رہتا نہیں تو میں خالی کر دیتا یا بیچ میں جب کبھی تمھارے دل میں کرایہ بڑھانے کا خیال آیا مجھ کو اطلاع کرنا تھا، اس درمیان ہم پچاسوں بار ملتے رہے یا مجھ کو فون کر دینا تھا، ٹیلیفون تمھارے پاس بھی ہے اور میرے

پاس بھی؛ لیکن تم نے مجھے کسی ذریعہ سے کرایہ بڑھانے کی اطلاع نہ دی میں وہی سابقہ کرایہ دوں گا زیادہ نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا از روئے شریعت مجھے زیادہ کرایہ دینا ضروری ہے؟ پرانا کرایہ میرا عزیز لینے پر تیار نہیں اور میں زیادہ دینے پر تیار نہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شروع اجارہ سے ہی جب اجرت کا تعین نہیں ہوا تھا تو یہ اجارہ فاسد ہے، اور اس میں اجرت مثل واجب ہوگی۔

وتفسد بعدم التسمية أصلا أوبتسمية خمر أو خنزير، فان فسدت بالأخيرين بجهالةالمسمى وعدم التسمية وجب أجرالمثل، يعنى الوسط منه. (در مختار مع الشامی ۵/ ۳۳)

سولہ مہینے گذرنے کے بعد آپس میں بیٹھ کر گذشتہ مدت کا جو حساب ڈیڑھ سو کے حساب سے بے باق کیا گیا اتنی بات آئندہ کے لیے تعیین اجرت کی دلیل نہیں بن سکتی؛ اس لیے آپ جس فلیٹ میں رہتے ہیں اس جیسے فلیٹوں کا جو کرایہ اس مدت میں رہا ہو اس کے حساب سے ادائیگی ضروری ہے۔ اور آئندہ کے لیے اجرت نیز مدت اجارہ کا تعین کرلیا جائے تاکہ دونوں گناہ سے محفوظ رہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

عقدِ اجارہ کے بغیر پیشگی اجرت کے جواز کا حیلہ

سوال: یہاں مدرسہ اسلامیہ کی ملکیت کی پانچ دوکانیں موجود ہیں، اس کی کرایہ کی آمدنی سے مدرسہ اسلامیہ کے اخراجات پورے کئے جاتے ہیں، فی الحال

مدرسہ میں سات سو کے قریب طلبہ اور طالبات علم حاصل کر رہے ہیں اور سولہ استاذ ہیں، دوکانیں پرانی ہو چکی تھیں، اور یہاں کے سرکاری قانون کے موافق نئی تعمیر کرنے کی ضرورت تھی، اس لیے ٹرسٹی صاحبان نے پرانی دوکانیں توڑ دی ہیں، اب دوبارہ جو دوکانیں بنائی جائیں گی وہ بجائے پانچ کے سات دوکانیں بنے گی، پانچ دوکانیں پرانے کرایہ داروں کو دی جائیں گی، بقیہ جو دو دوکانوں میں ان کی تعمیر کے لیے پیسوں کی اشد ضرورت ہے، تو ٹرسٹی صاحبان نے مسجد کے بورڈ پر ایک ماہ کے لیے نوٹس لگائی تھی کہ جو مسلمان دوکان لینا چاہتے ہوں، وہ مدرسہ کو پیشگی امداد کے طور پر پچاس ہزار رینڈ بطور قرضہ دیں، ان کو دوکانیں دی جائے گی، اور ان کی دی ہوئی رقم دوکان کے کرایہ میں وضع کی جائے گی۔

تو اس نوٹس کے بعد دو مسلمان مدرسہ کو پیشگی امداد بطورِ قرضہ دے کر دوکان لینا چاہتے ہیں، تو اس طرح مدرسہ کے لیے پیشگی مدد لینا اور مدد کرنے والوں کو دوکانیں دے کر اس کی دی ہوئی رقم کو دوکان کے کرایہ میں وصول کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ مفصلاً جواب دے کر ممنون فرماویں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عقدِ اجارہ میں اگر مستاجر (کرایہ پر لینے والا) پیشگی کرایہ ادا کر دے، یا باہمی رضامندی سے پیشگی کرایہ ادا کرنے کی شرط کر لی جائے تو یہ درست ہے۔

اعلم أن الأجر لا يلزم بالعقد فلا يجب تسليمه به؛ بل بتعجيله أو شرطه فی الاجارة المنجزة، أما المضافة فلاتملك فيها الأجرة بشرط التعجيل اجماعاً (درمختار) (قوله لايلزم بالعقد) أی لايملك به كما عبر

فی الکنز؛ لأن العقد وقع علی المنفعة، وهی تحدث شیئا فشیئا، وشأن البدل أن یکون مقابلاً للمبدل وحیث لایمکن استیفاؤها حالا لایلزم بدلها حالا إلا إذا شرطه؛ ولو حکما بأن عجله لأنه صار ملتزما له بنفسه حینئذ وابطل المساواة التی اقتضاها العقد فصح (قوله بل بتعجیله) فی العتابیة إذا عجل الأجرة لا یملك الاسترداد، ولو کانت عینا فأعارها أو أودعها رب الدار فهو کالتعجیل، وفی المحیط لو باعه .....(قوله اوشرطه) فله المطالبة بها، وحبس المستأجر علیها، وحبس العین المؤجرة عنه، وله حق الفسخ ان لم یعجل له المستأجر، کذا فی المحیط .....(قوله ا ما المضافةالخ) أي فیکون الشرط باطلا، ولا یلزمه للحال شیء الخ(شامی ۷/)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: کرایہ پیشگی باہمی رضامندی سے وصول کرلیا جائے درست ہے۔ (کفایت المفتی ۷/۳۶۷)

اس لیے کسی موقعہ پر کرایہ دار سے پیشگی کرایہ لینے میں کوئی حرج نہیں؛ بشرطیکہ عقد اجارہ درست اور مکمل ہوجانے کے ساتھ ساتھ اجارہ منجزہ ہو، یعنی یہ اجارہ کا معاملہ فوری طور پر عمل میں آرہا ہو، آنے والے وقت پر موقوف نہ ہو؛ لیکن صورتِ مسئولہ میں جو رقم ٹرسٹیان مسجد وصول کررہے ہیں وہ پیشگی کرایہ نہیں ہے، اولاً تو اس لیے کہ خود فریقین (رقم لینے والا فریق ٹرسٹیان اور رقم دینے والا فریق دونوں مسلمان) اس کو کرایہ نہیں سمجھ رہے ہیں؛ بلکہ قرض سمجھ رہے ہیں اور کہہ بھی رہے ہیں۔ ثانیاً اس لیے کہ پیشگی کرایہ والی جو صورت شریعت میں جائز و درست ہے، اس میں اولاً تو عقدِ اجارہ ہونا چاہیے، اور ثانیاً اجارۂ منجزہ ہونا بھی ضروری ہے، اور صورتِ مسئولہ میں

سرے سے عقد اجارہ ہی نہیں ہوا ہے، اور اگر ایجاب وقبول کے ذریعہ عقد اجارہ کر بھی لیں تو وہ اجارہ شرعاً درست نہیں ہے، اس لیے کہ عین مؤجرہ (وہ چیز جو اجارہ پر دی جارہی ہے) یعنی دوکان موجود نہیں ہے؛ حالاں کہ اس کا موجود ومتعین ہونا اجارہ میں ضروری ہے، اور جب موجود ہی نہیں تو متعین کیسے ہوگی؟۔

منها: بيان محل المنفعة حتى لو قال آجرتك احدى هاتين الدارين او احد هذين العبدين، أو استأجرت احد هذين الصانعين لم يصح العقد. (فتاوى عالمگيرى ٤ /٤١١)

الحاصل جب عقدِ اجارہ نہیں ہے تو پیشگی دی جانے والی رقم کو اجرت کا نام نہیں دے سکتے، اس لیے لامحالہ یہ قرض ہے، اب جب کہ وہ قرض ہوئی تو یہ قرض بلاشرط ہوتا تو کوئی حرج نہیں تھا کہ یہ مسجد کی امداد کی ایک صورت ہے؛ لیکن صورتِ مسئولہ میں رقم دینے والے یہ دونوں مسلمان اس قرض کے ذریعہ یہ فائدہ حاصل کررہے ہیں کہ بننے والی دوکانوں کو خود کرایہ پر لینے کا معاملہ اس قرض کی وجہ سے اپنے حق میں کروارہے ہیں، جو ایک قسم کا نفع ہے جو وہ حاصل کررہے ہیں، اس لیے "کل قرض جر نفعا فهو حرام" کے تحت داخل ہوکر یہ ممنوع ٹھہرتا ہے؛ البتہ صورتِ مسئولہ میں چوں کہ مسجد کو بھی رقم کی ضرورت ہے، اور کوئی آدمی بلاشرط قرض دینے کے لیے تیار نہیں ہے تو ایسا کرلیا جائے کہ ان دونوں مسلمان کو جو دوکانیں بننے کے بعد کرایہ پر دی جانے والی ہیں، وہ جس جگہ تعمیر ہوں گی وہ جگہ متعین کرکے فی الحال ان دونوں سے جگہ کے اجارہ کا معاملہ کرلیا جائے، یعنی یوں کہہ دیا جائے کہ یہ جگہ ہم نے آپ کو ماہانہ اتنے کرایہ کے حساب سے اتنی مدت کے لیے کرایہ پر دی، اور اس جگہ کا قبضہ بھی

انہیں سپرد کردیا جائے، اب یہ عقد اجارہ مکمل و منجز ہوگیا، اور ان سے پیشگی کرایہ لینا درست ہوگیا، اس کے بعد جب اس پر دوکان تعمیر ہوجائے تو دکان کے حساب سے جتنا کرایہ بڑھانے کی ضرورت ہو بڑھادیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

پڑوسی کو تکلیف دینے والے کو مکان کرایہ پر دینا گناہ ہے

سوال: احقر بیتا کار ہنے والا ہے، ہمارے پڑوس میں ایک مولانا صاحب کا مکان ہے، جنہوں نے اپنا مکان شیعی کو کرایہ پر دے کر خود بمبئی میں قیام پذیر ہیں، اور سال بھر میں صرف ۱۵ یا ۲۰ دن کے لیے اپنے مقام پر آتے ہیں، وہ مستاجر شیعی سنیوں سے بے حد تعصب رکھنے والا ہے، اس کی نظریں بھی نہایت ہی خراب ہیں؛ نیز بسا اوقات نشہ آور اشیاء بھی استعمال کرلیتا ہے، اور نہ جانے کیا کیا بری عادتوں کا خوگر ہے، جس کی وجہ سے پڑوس کے مسلمان حضرات کو بیحد تکلیفیں ہوتی ہیں؛ نیز اس کی بری عادتوں کی وجہ سے پڑوس کے مسلمان حضرات کے لیے اپنی اپنی مستورات کی بے عزتی کا بھی خطرہ ہے، احقر نے اصل صاحب مکان سے مستاجر شیعی کی تمام بری عادتوں اور اس کی وجہ سے پڑوسیوں کی تکلیفوں کا تذکرہ بھی کیا؛ لیکن صاحب مکان کا کہنا ہے کہ مستاجر شیعی کا رویہ ہمارے ساتھ بہت اچھا ہے، اس لیے ہم ان کو خالی نہیں کروائیں گے۔

اب احقر کا سوال یہ ہے کہ ایسے صاحب مکان کے لیے شریعت کی کیا ہدایت ہے؟ کیا اس کے لیے ایسے مستاجر کو اپنا مکان کرایہ پر دینے کا پورا پورا اختیار ہے کہ

جس مستاجر کی وجہ سے تمام پڑوسیوں کو تکلیف ہو؟ یا کوئی اور ہدایت ہے؟ مدلل ومفصل جواب عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿والذ ین یؤذون ا لمؤمنین والمؤمنٰت بغیرمااکتسبوا فقد احتملوا بھتانا واثماً مبینا﴾ (الأحزاب: ٥٨)

یعنی جولوگ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بدون اس کے کہ انہوں نے کچھ (ایسا کام) کیا ہو، (جس سے وہ مستحق سزا ہوجائیں) ایذاء پہنچاتے ہیں، تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا (اپنے اوپر) بار لیتے ہیں، (یعنی اگر وہ ایذاء قولی ہے تو بہتان ہے، اور اگر فعلی ہے تو مطلق گناہ ہی ہے)۔ (معارف القرآن ٧/٢٢٦)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: مذکورہ آیت سے کسی مسلمان کو بغیر وجہ شرعی کے کسی قسم کی ایذاء اور دکھ پہنچانے کی حرمت ثابت ہوئی۔ (معارف القرآن ٧/٢٢٩)

یہ تو عام اہل ایمان کو حکم ہے، جب کہ پڑوسی کے سلسلہ میں مزید تاکید قرآن وحدیث میں وارد ہے۔ مشکوۃ میں حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ حضرت جبریل پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کے معاملہ میں مجھے برابر تاکید کرتے رہے؛ یہاں تک کے مجھے گمان ہونے لگا کہ وہ اس کو وارث قرار دیں گے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم وہ آدمی مؤمن نہیں، اللہ کی قسم وہ آدمی مؤمن نہیں، اللہ کی قسم وہ آدمی مؤمن نہیں،

پوچھا گیا کون اے اللہ کے رسول! فرمایا: وہ آدمی جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے مامون نہ ہو۔ (بخاری ومسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس کا پڑوسی اس کی ایذا رسانیوں سے مامون نہ ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ (مسلم شریف، مشکوۃ شریف ص: ۴۲۲)

صورت مسئولہ میں آپ کے پڑوسی صاحب مکان (جو خود بمبئی میں قیام پذیر ہیں) نے ایک شیعی کو جو سنیوں سے بے حد تعصب رکھنے والا ہے؛ نیز منشیات اور دیگر برائیوں کا خوگر ہے، اپنا مکان کرایہ پر دے کر پڑوسیوں پر اس کو مسلط کر دیا، ان کو چاہیے کہ ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ اس طرح کرایہ پر دینے سے کچھ رقم کا فائدہ ضرور ہوگا، اور بحیثیت مستاجر کے اس کا رویہ صاحب مکان کے ساتھ چاہے کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو، (اور ہونا ہی چاہیے، ورنہ صاحب مکان خود ہی بغیر کسی کے کہے خالی کرواتا ہے) لیکن اس کے سوال میں مذکورہ بری عادتوں کی وجہ سے پڑوسیوں کو جو ایذاء پہنچ رہی ہے اس میں یہ صاحب مکان بھی سبب بننے کی وجہ سے شرعاً شریک سمجھے جائیں گے، اور ان سے بھی اس سلسلہ میں روز قیامت پرسش ہوگی، کہیں ایسا نہ ہو کہ بفحوائے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یہ چیز جنت میں دخول اولین سے رکاوٹ بن جائے، اس لیے ان کو چاہیے کہ پڑوسیوں کو پہنچنے والی تکالیف کو مدنظر رکھتے ہوئے اس عقد اجارہ پر نظر ثانی کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ
الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

پٹے پر لی گئی زمین بحکم اجارہ ہے

سوال: زید نے ایک مزروعہ زمین ۱۹۴۰ء میں برائے کارخانہ ۹۹/سال پر پٹے سے لیا، (یعنی بیع نامہ ہوگیا) زید نے مذکورہ زمین نون ایگری کلچر (بن کھیتی) کرا کر اس میں کارخانہ ڈالا، اور خالد کو کارخانہ میں حصہ دار بنایا (زمین میں شریک نہیں بنایا) اور نون ایگری کلچر کا ٹیکس آج تک کارخانہ کے نام سے ادا کیا جارہا ہے، اور ٹیکس ''زید اینڈ کمپنی'' کے نام سے ادا کیا جاتا ہے، اچانک ۱۹۴۸ء میں زید کا انتقال ہوگیا، کچھ دنوں میں کارخانہ بند ہوگیا، اس کے بعد زید کے کاروباری حصہ دار خالد نے کارخانہ کو ایک تحریر نامہ لکھ کر عمر کو فروخت کیا، فروخت کی اطلاع مرحوم زید کے لڑکے سید ترمذی کو نہیں دی، کچھ مدت بعد جب سید کو اطلاع ملی تو اس پر اپنا حق دائر کیا، لمبی مدت گزر جانے کی وجہ سے کارخانہ کی ساری مشینیں وغیرہ عمر نے فروخت کردیں، صرف اور صرف زمین اور کچھ اینٹیں باقی ہیں، تو مذکورہ مسئلہ میں سوال طلب یہ ہے کہ:

① یہ زمین از روئے شریعت زید کے لڑکے سید کی ہے یا عمر کی؟ جب کہ عمر بھی اپنا دعویٰ کرتا ہے یہ دعویٰ کیسا ہے؟

② کارخانہ کا مال واسباب ومشینیں وغیرہ وغیرہ کا فروخت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① جو زمین پٹے پر لی گئی ہے وہ بیع نہیں ہے؛ بلکہ اجارہ ہے، اور شرعاً عقد اجارہ مستجیر یعنی زید کے انتقال کی وجہ سے ختم ہوچکا، اس لیے زمین مالک اصلی کی ہے، زید کی نہیں۔

② کارخانہ کی مشین اور دیگر اسباب اگر زید نے اپنے مال سے خریدا تھا تو وہ زید کی ملکیت تھی، جو زید کے انتقال کے بعد اس کے شرعی ورثاء کی طرف منتقل ہوگی بشرطیکہ زید پر دین محیط نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

زمین کو کرایہ پر لینا

سوال: زید نے بکر سے اس کی کاشت کی زمین ایک سال کے لیے رائج الوقت کرایہ پر لی، یہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔ وأما فی إجارة الأرض فلا بد فیها من بیان ماتستأجر له من الزراعة الخ (بدائع الصنائع: ۴/۱۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

غیر حاضری کے باوجود پوری فیس بھرنے کا قانون

سوال: ہمارے مدرسہ میں ایک قانون ہے کہ طالبات علم مدرسہ میں فیس بھر کر کھانا کھاتی ہیں، اور اگر کوئی طالبہ ایک دو دن یا زیادہ دن غیر حاضری یا اور کسی وجہ سے کھانا نہ کھائے تو اتنا واپس نہیں دیا جائے گا؛ بلکہ پورا پورا بھرنا ہوگا، یہ قانون مدرسہ کے نظام کی سہولت کے پیش نظر رکھا گیا ہے، اور داخلہ کے وقت بھی اس شرط کو پیش کر کے والدین کو مطلع کیا جاتا ہے، کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر کیا صورت اختیار کی جائے؟ کیوں کہ ایک دو کے نہ ہونے کی وجہ سے اخراجات میں کوئی کمی نہیں

آتی؛ بلکہ کھانا تو پورا پورا پکتا ہے، اور اگر بہت زیادہ دن یا پورا مہینہ غیر حاضر رہتی ہے، تو پھر اس کا حساب کر کے کاٹا جاتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

طالبہ کے کھانے پر ادارہ کو جو مصارف واقعۃً ہوتے ہیں اس کے مطابق ماہانہ خورا کی فیس رکھی گئی ہے، تو اس صورت میں جتنے دن طالبہ نے کھانا وصول نہیں کیا اور وہ اپنی غیر حاضری کی اطلاع بھی دے چکی تھی، تو اتنی رقم اس کو واپس ملنی چاہیے؛ البتہ اگر طالبہ کے والدین بہ رضا و رغبت اتنی رقم واپس نہ لیں، تو ادارہ کے لیے اس کے استعمال کی اجازت ہے؛ لیکن اگر طالبہ کے والدین محض قانونی دباؤ کی وجہ سے واپسی کا مطالبہ نہیں کرتے، ورنہ دل سے راضی نہیں ہیں، تو ادارہ کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔

اور اگر مقرر کردہ ماہانہ خورا کی فیس واقعی مصارف سے کم ہے تو درحقیقت یہ والدین کی طرف سے ایک امداد ہے، اس صورت میں طالبہ کی دو چار یوم کی غیر حاضری پر اس حصہ کی رقم کی واپسی نہ بھی ہو تو گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/۱۴ھ

قرض وصولی کا عقد اجارہ اور وصول کردہ دین سے اجرت

سوال: شہر بمبئی میں ''الف'' ٹرانسپورٹ کے بڑے ٹھیکدار ہیں، ''ب''، ''ت'' اور ''ث'' ٹرک کے مالکان ہیں اور ان کے ٹرک ''الف'' کے ٹھیکے میں بمبئی سے قریب ۵۰، ۶۰/ کلومیٹر دوری پر جواہر لال نہرو پورٹ سے مال بھر کر بمبئی میں

بہت سی کمپنیوں کو پہنچاتے ہیں، ''ب، ت اور ث'' کو اپنے ٹرکوں کا کرایہ لینے کے لیے ''الف'' کے آفس پر بمبئی میں دو یا تین بار اپنا قیمتی وقت اور روپیہ صرف کر کے جانا پڑتا ہے، پہلی بار مال کی پہنچ یعنی رسید جمع کرنے کے لیے دوسری بار اسٹیٹ مینٹ یعنی کشف الحساب جانچنے اور تاریخ پے منٹ کی معلوم کرنے کے لیے اور تیسری مرتبہ پیسہ وصول کرنے کے لیے۔

''ب، ت اور ث'' ان ٹرک مالکان میں سے ''ب'' کا اپنا چھوٹا سا ٹرانسپورٹ کا آفس جواہر لال پورٹ کے قریب ایک قصبہ میں ہے جہاں وہ خود اپنے ٹرک کرایہ پر دینے کے ساتھ ساتھ کچھ کمپنیوں میں دوسروں کے ٹرک بھی کرایہ پر کمیشن وصول کر کے چلاتے ہیں، اب ''ب'' کا ارادہ یہ ہے کہ یہاں پورٹ ہونے کی وجہ سے بہت سے ٹرک مالکان جن کے ایک یا دو ٹرک ہیں اور اکیلے ہی کام کرتے ہیں، ان کے لیے مشکل ہوتا ہے کہ ہر بار بمبئی جا کر ''الف'' سے پیسے وصول کریں، ''ب'' یہ سوچتا ہے کہ کچھ سرمایہ لگا کر ''ت'' اور ''ث'' کی طرح ٹرک مالکان کو سہولت مہیا کرے کہ وہ اپنی مال پہنچ رسید ''ب'' کے آفس پر جمع کریں اور اس سے یعنی ''ب'' سے نقد پیسہ وصول کریں، اور ''ب'' اپنی رسیدوں کے ساتھ ''ت'' اور ''ث'' کے چالان اور مال رسید ''الف'' کے آفس میں بعد میں جمع کر کے اپنے نام پر ''الف'' سے روپیہ وصول کر لے گا جو اسے ۱۵، ۲۰ / روز بعد ملے گا، اب اس کام کی اجرت، اخراجات اور سرمایہ کے منافع کے طور پر ''ب'' دوسروں سے یعنی ''ت'' اور ''ث'' سے فی ٹن چار، پانچ روپیہ وصول کرے گا، اسلامی نقطۂ نظر سے کیا ''ب'' کا یہ کمیشن اور دلال کا کام جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس معاملہ کو درست طور پر انجام دینے کی ایک صورت یہ ممکن ہے کہ ''ت'' اور ''ث'' وغیرہ ''ب'' کو ان کا دین جو ''الف'' کے ذمہ ہے اس کی وصولیابی کا وکیل بنائیں، اور وہ حضرات ''ب'' کو وکالت اور خدمت کی متعینہ اجرت ادا کریں، اس کے بعد وہ حضرات ''ب'' سے رسید کی مقدار رقم بطور قرض لیں اور اپنی طرف سے ''ب'' کو اس بات کی اجازت دے دیں کہ وہ ''الف'' سے ان کا جو دین وصول کرے گا اس میں سے اپنا یہ قرض وصول کر لے۔

الحاصل: یہاں دو معاملے الگ الگ ہونے چاہیے: ① ''الف'' سے اپنا دین وصول کرنے کا ''ب'' کو اجرت متعینہ کے ساتھ وکیل بنانا۔ ② ''ب'' سے قرض لینے کا معاملہ اور ''الف'' سے وصول شدہ دین کی رقم میں سے قرض کی رقم وصول کرنے کی اجرت؛ البتہ یہ یاد رہے کہ دونوں معاملے الگ الگ ہوں اور ان میں سے ایک معاملہ کو دوسرے کے لیے مشروط نہ قرار دیا جائے۔ (ماخوذ از تکملہ فتح الملہم ۱/ ۳۶۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کرایہ داری کے ایک معاملہ میں مدعی اور مدعی علیہ کی تعیین

سوال: اقبال کی ایک عمارت ہے، داؤد نے اقبال سے اس عمارت میں ایک دوکان دس سال کرایہ پر لی، ساڑھے چھ سال بعد داؤد دوکان فروخت کرنا چاہتے ہیں، اقبال نے داؤد کو دوکان فروخت کرنے کی اجازت دی اس شرط پر کہ داؤد ہی کرایہ کے ذمہ دار ہوں گے۔

(ب) داؤد کا دعوی ہے کہ جب اقبال نے اسے کرایہ کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا تو اس نے اقبال سے کہا تھا کہ آپ مجھے کرایہ کا ذمہ دار نہیں ٹھہرا سکتے، اس پر اقبال نے کہا تھا: سب ٹھیک ہے۔ تحکیم کمیٹی نے اقبال سے دریافت کیا کہ آپ نے داؤد کو کرایہ کی ذمہ داری سے دستبردار ٹھہراتے ہوئے کہا تھا ''سب ٹھیک ہے''۔ اقبال نے جواب دیا: مجھے معلوم نہیں؛ لہذا تحکیم کمیٹی اقبال سے انکار پر قسم نہیں لے سکی، داؤد سے شہادت لی گئی کہ اقبال نے اسے کرایہ سے دستبردار کرتے ہوئے ''سب ٹھیک ہے'' کہا تھا۔

دوسرا یہ کہ نئے کرایہ دار چار ماہ تک براہِ راست اقبال کے بینک اکاؤنٹ میں کرایہ ڈالتے تھے، ایک ماہ تاخیر ہوئی، اقبال نے داؤد سے رابطہ قائم کیا کہ وہ نئے کرایہ دار سے کرایہ وصول کرے۔ داؤد کا دعوی ہے کہ اس نے کہا کہ میرا ان لوگوں کے ساتھ تعلق نہیں، وہ آپ کے نئے کرایہ دار ہیں، اور اقبال سے یہ بھی پوچھا گیا کہ آپ نے نئے کرایہ دار سے کاغذی کاروائی کی؟ اقبال نے کہا رمضان کے بعد کروں گا۔ کاغذی کاروائی سے مراد آپس کے کرایہ کا معاملہ قانونی کاغذ میں کرلے۔

کمیٹی نے اقبال سے ان جملوں کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا مجھے معلوم نہیں؛ چوں کہ انکار بھی نہیں کیا؛ لہذا داؤد سے قسم بھی نہیں لی گئی، اور اس کے بھائی -جنہوں نے اس بات کو اسپیکر فون سے جس میں طرفین کی باتیں سنائی جاتی ہیں- نے اس پر شہادت دی؛ البتہ اقبال کا اصرار ہے کہ داؤد کرایہ کا ذمہ دار ہے، ایسی صورت میں جمعیت کی تحکیم کمیٹی کی طرف سے گذارش ہے کہ کس کے حق میں اور کس کے خلاف فیصلہ کیا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں اقبال مدعی ہے، جس کا دعوی یہ ہے کہ داؤد کو میں نے کرایہ کا ذمہ دار بنایا تھا، اور داؤد نے اس ذمہ داری کو منظور فرمایا ہے، گویا کہ داؤد کفیل ہے، اور داؤد منکر ہے؛ اس لیے شہادت پیش کرنے کی ذمہ داری اقبال پر ہے، اگر وہ شہادت پیش نہیں کرتا تو داؤد سے قسم لے کر مقدمہ فیصل کر دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بس کا کرایہ کم دینا اور جائز کہنا

سوال: ایک شخص ڈابھیل سے سملک بس میں سوار ہو کر گیا، جب سملک آنے پر ٹکٹ چیکر نے ٹکٹ کے پیسوں کا مطالبہ کیا تو ان لوگوں نے اولاً دینے سے انکار کر دیا، چیکر کے اصرار پر ۲/ روپیہ دیا اور ٹکٹ تین روپیہ ہوتی ہے، اور چیکر نے ٹکٹ بھی نہیں دیا؛ کیوں کہ ایک روپیہ کم تھا اور وہ دو روپیہ اپنے جیب میں ڈال دیا، ظاہر بات ہے کہ سرکار کا نقصان ہوا، ہمارے کہنے پر کہ آپ نے یہ کام بہت غلط کیا تو اس شخص نے ہم سے حجت کی اور کہا کہ ہم سال میں چالیس ہزار روپئے گاڑی کا روڈ ٹیکس دیتے ہیں، اس وجہ سے ہمارے لیے جائز ہے، اور یہ بھی کہتا ہے کہ میں فتویٰ دیتا ہوں کہ ایسا مال کھانا میرے لیے جائز ہے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کرایہ پر چلنے والی بس میں جب کوئی آدمی سوار ہوتا ہے تو اس کا یہ فعل عقدِ اجارہ ہے، اب وہ جہاں تک کے لیے سوار ہوا ہے اس کا جو مقررہ کرایہ (اجرت) ہے

وہ کنڈیکٹر کے ہاتھ میں دے کر ٹکٹ لینا ضروری ہے؛ تاکہ وہ رقم بس کے مالک تک پہنچ جائے، اجرت کی مقررہ مقدار سے کم رقم کنڈیکٹر کو دے کر ٹکٹ لیے بغیر سفر کرنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، دونوں گنہگار ہیں۔ اس آدمی نے اپنی اس حرکت کو درست گردانے کے لیے جو بات کہی ہے اگر افتاء کا کام مستند علماء کی زیرِ نگرانی سیکھا ہے، اور ان علماء نے ان کو فتویٰ دینے کا اہل قرار دیا ہے تب تو ٹھیک ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو ان کی یہ جرأت سابقہ حرکت سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ "عن سفيان بن عيينة، وسحنون: أجسر الناس على الفتيا أقلهم علماً". (منقول از شرح المہذب مقدمہ شرح عقود رسم المفتی: ۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ رجب ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

چشمہ سازی کے دوران ہونے والے نقصان کا تاوان کس پر؟

سوال: ایک شخص کا چشمہ کا کاروبار ہے، گاہک کا چشمہ بنانے کے دوران اس کا شیشہ یا فریم ٹوٹ گیا، تو کیا اس کا تاوان دکان والے کے ذمہ ہوگا؟ واضح رہے کہ دکان کی جو رسید بل ہے اس میں لکھ دیا گیا ہے چشمہ میں کوئی خطرے کا کام ہو تو وہ گاہک کے ذمہ ہوگا، کیا اس نوٹس کے ہونے یا نہ ہونے کا کوئی اثر نہیں پڑے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں اس کی حیثیت اجیرِ مشترک کی ہے، اس لیے اس کے عمل سے جو نقصان چشمہ کو پہنچے گا (چاہے وہ بلا ارادہ پہنچا ہو پھر بھی) وہ ضامن ہے۔

"ویضمن ما هلك بعمله الخ (درمختار) أی من غیر قصد في قول علماء نا الثلاثة الخ (شامی ٤٦/٥)

نوٹس کی وجہ سے ضمان سے بری ہونے کی صراحت کسی کتاب میں نظر نہیں آئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ رذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۴ھ

بھینس چرانے کا اجارہ اور دبلی ہوجائے تو اجرت میں کمی کرنا

سوال: سالویز فارم کے ذمہ دار نے زید کو بھینس ماہانہ دوسو روپیہ کے عوض میں پرورش کے لیے دی، کچھ ماہ کے بعد زید نے بھینس کو مالک سالویز فارم کو واپس کی، مالک سالویز فارم نے دیکھا کہ بھینس دبلی اور کمزور ہوگئی ہے، تو وہ زید کو ماہانہ دوسو روپیہ اجرت کے بجائے ماہانہ ایک سو روپیہ اجرت دیتا ہے، تو کیا شرعاً دبلا ہونے کی وجہ سے اجرت میں کمی کرنا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عقد اجارہ بھینس کی چرائی اور پرورش وغیرہ پر ہوا تھا (جو اجیر کی اختیاری چیز ہے) تو اس میں بھینس کا موٹاپن یا دبلاپن داخل نہیں ہے؛ اس لیے سالویز فارم والے کے لیے جائز نہیں ہے کہ اجرت میں کمی کرے اور اگر بوقتِ عقد شرط لگائی تھی، کہ بھینس کو موٹا کر کے واپس کرنا ہوگا، تو ظاہر ہے کہ یہ اجیر کا اختیاری فعل نہیں ہے؛ اس لیے یہ عقد ہی فاسد ہوگا۔ کما هو مقتضی شرائط الاجارة.

"بدائع الصنائع" میں ہے: ومنها أن یکون مقدور الاستیفاء حقیقة

أو شرعاً لأن العقد لا يكون وسيلة إلى المعقود بدونه.(٤/ ١٨٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/صفر المظفر ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بھینس مرنے کی وجہ سے اجرت پر اثر

سوال: سالویز فارم کے مالک نے زید کو بھینس پرورش کے لیے ماہانہ ۲۰۰ روپیہ کے عوض میں دی، بھینس زید کے وہاں مرگئی، تو سالویز فارم کا مالک کہتا ہے کہ تیری بے پرواہی کی وجہ سے مرگئی، یہ کہہ کر اجرت کم کردیتا ہے، اور بعض مرتبہ بالکل نہیں دیتا تو بھینس کے مرنے کی وجہ سے اجرت کا کم کرنا یا بالکل نہ دینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

جب بھینس پرورش کرنے والے کے پاس مرگئی، تو اب اجرت ساقط ہوگئی؛ اس لیے سالویز فارم والے کا اجرت بالکل نہ دینا درست ہے، اور کچھ دے دیتا ہے تو یہ اس کا احسان ہے۔

فهلكه قبل تسليمه يسقط الأجر، وكذا كل من لعمله أثر ومالا أثر له كجمال له الأجر كما فرغ و إن لم يسلم بحرة.(درمختار) (قوله وكذا كل من لعمله أثر) أي في أنه لو هلك فى يده لا أجر له.(شامی ٥/ ١٠)

إن المدار في وجوب الأجر على الفراغ منه لا على التسليم إلا أنه مع هذا يشترط لاستحقاقه فيما إذا كان للعمل أثر عدم هلاك العين

قبله حتى لو هلكت قبله سقط بخلاف مالم يكن له أثر الخ. (تقريرات الرافعي ۲/ ۲۵۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بھینس کے گابھن ہونے نہ ہونے میں اجرت کا فرق

سوال: (۱) بمبئی سے بھینس عام طور پر گابھن ہوکر سالویز فارم کے مالک کے پاس آتی ہیں، بعض مرتبہ کسی بھینس کے بارے میں شک ہوتا ہے کہ گابھن ہے یا نہیں؟ تو مالک سالویز فارم پرورش کرنے والے کو ایسی بھینس یہ کہہ کر دیتا ہے، کہ تم لے جاؤ اگر بھینس گابھن نکلی، تو ماہانہ ۱۰۰ روپیہ کے حساب سے اجرت دیں گے، اور اگر تمہارے یہاں آکر بھینس گابھن ہوئی، تو بچہ جننے پر بھینس کی پوری قیمت کا ثلث تم کو دیں گے، تو کیا پرورش کے لیے اس طرح شرعاً اجرت طے کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

(۲) جو بھینس خالی (گابھن نہ ہو) ہوتی ہے، ان کو پرورش کے لیے دینے کی ایک شکل یہ ہوتی ہے، کہ اس بھینس کی پرورش کرو، اور جب گابھن ہوکر بچہ دے گی، تو اس بھینس کی پوری قیمت طرفین کی رضامندی سے طے کرکے کبھی ایک ثلث، کبھی دو ثلث اور کبھی نصف قیمت، پرورش کرنے والے کو پرورش کے عوض میں دی جاتی ہے، بعض مرتبہ اس بھینس کو پرورش کرنے والا ہی قیمۃً رکھ لیتا ہے اور سالویز فارم کے ذمہ دار کو قیمت دے دیتا ہے، تو اس طرح معاملہ اور خرید وفروخت کرنا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) صورت مسئولہ میں جہالتِ اجر کی وجہ سے یہ اجارہ فاسد ہے۔

وشرطها أن تكون الأجرة والمنفعة معلومتين.(تبيين الحقائق ٥ /١٠٥)

② یہ اجارہ بھی فاسد ہے۔ کمامر. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ٢٠ /صفر المظفر ١٤٠٩ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جفتی کرانے کی اجرت

سوال: ایک شخص بھینسا (کٹرا) رکھتا ہے، اور بھینس کو جفتی کرانے کے عوض میں دو کلو تیل یا دس انڈے اس بھینسے کو کھلانے کے لیے لیتا ہے، یا ان کی قیمت لیتا ہے، تو کیا اس طرح جفتی کرانے کے عوض میں بھینسے کے لیے مذکورہ اشیاء لینا شرعاً جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ جائز نہیں ہے۔(لا تصح الإجارة لعسب التيس) وهو نزوه على الاناث.(درمختار) (قوله لا تصح الإجارة لعسب التيس) لأنه عمل لا يقدر عليه وهو الإحبال.(شامی ٥ /٣٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایضاً

سوال: ایک بستی میں صرف ایک ہندو ہی کی ملکیت میں بھینسا ہے اور وہ اجرت جفتی لیتا ہے، اور ہمیں مجبوراً دینا پڑتا ہے تو دینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر دوسری جگہ بھینس لے جانا ممکن ہو تو اس ہندو سے معاملہ نہ کرے، اور اگر ایسا

ممکن نہیں ہے تو اس ہندو سے اجارہ کا معاملہ نہ کرے؛ بلکہ بغیر عقد اجارہ اس کے احسان کے عوض خود بھی احسان کا کوئی سلوک بلا تعیین کر دے، اس سلسلہ میں دیگر حضرات علماء سے استفسار کر لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اجیر کا تنخواہ دے کر دوسرے سے کام کرانا

سوال: بمبئی سے جو بھینس سالویز ہونے کے لیے گجرات میں آتی ہے، تو سالویز فارم سنبھالنے والا آدمی بھینس کو پرورش کے لیے، کسی دوسرے آدمی کو ماہانہ سو روپئے اجرت پر دیتا ہے، اور جب تیار ہو جاتی ہے، تو بمبئی بھیج دیتا ہے تو اس طرح پرورش کے لیے دینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بھینس کے مالک نے یہ شرط لگائی کہ سالویز فارم والا خود ہی بھینس کو چرائے اور پرورش کرے تو اس صورت میں وہ دوسرے کو سپرد نہیں کر سکتا، اور اگر ایسی کوئی شرط نہیں لگائی ہے، تو وہ دوسرے کے ذریعہ بھی کام لے سکتا ہے۔

(وإذا شرط على الصانع أن يعمل بنفسه ليس له أن يستعمل غيره) لأن المعقود عليه العمل في محل بعينه فيستحق عينه كالمنفعة في محل بعينه (وإن أطلق له العمل فله أن يستأجر من يعمله) لأن المستحق عمل في ذمته ويمكن ايفاء ه بنفسه وبالاستعانة بغيره بمنزلة ايفاء الدين.(هداية كتاب الاجارة باب الاجر متى يستحق)

وإذا شرط على الصانع أن يعمل بنفسه نقل عن حميدالدين الضرير

رحمه الله هو مثل أن يقول أن تعمل بنفسك أو بيدك مثلاً.

(شرح العناية على هامش الفتح ٩/ ٧٨)

(وإذا شرط عمله بنفسه) بأن يقول له اعمل بنفسك أو بيدك (لايستعمل غيره إلا الظئر فلها استعمال غيرها) بشرط وغيره خلاصة (وإن أطلق كان له) أى للأجير أن يستاجر غيره.(درمختار على هامش الشامي ٥/ ١٢)

(قوله وإن أطلق) بأن لم يقيده بيده قال خط هذا الثوب لي أو أصبغه بدرهم مثلاً لأنه بالاطلاق رضي بوجود عمل غيره قهستاني (شامی ٥ /١٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اجرت کا کچھ حصہ بچا کر رکھنا اور دوسروں سے کام لینا

سوال: بمبئی میں بھینسوں کا مالک گجرات میں سالویز فارم والے پر بھینس بھیجتا ہے، اور دونوں میں یہ بات طے ہوتی ہے کہ سالویز فارم والا خود یا کسی دوسرے کے پرورش کے لیے ماہانہ فی بھینس ۱۵۰/ روپیہ دیوے، اب مالک سالویز فارم فی بھینس کی پرورش کی اجرت ماہانہ ۱۰۰/ روپیہ کے حساب سے دوسروں کو دیتا ہے، اور بقیہ ۵۰/ روپیہ خود لے لیتا ہے، اور بمبئی کے مالکِ بھینس کو اس بات کا علم نہیں ہوتا؛ حالاں کہ مالک سالویز فارم کو مالکِ بھینسوں کی جانب سے بھینسوں کو مختلف جگہوں پر پرورش کے لیے بھیجنا اور وقتاً فوقتاً ان کی نگرانی کرنا، اور بھینسوں کو تیار ہونے کے بعد جمع کر کے بمبئی بھیجنا وغیرہ، کی محنت کے صلہ میں الگ سے فی بھینس پر اجرت دے دی جاتی ہے، تو اس طرح سالویز فارم والے کا ۵۰/ روپیہ فی بھینس مالکِ بھینس کی

لاعلمی میں لینا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بھینس کا مالک سالویز فارم والے کے ساتھ جو معاملہ کر رہا ہے، اس کی دو صورتیں ہیں: پہلی صورت تو یہ ہے کہ بھینس کی پرورش کی ذمہ داری اور اس کام کو انجام دینے کا معاملہ وہ براہِ راست سالویز فارم والے کے ساتھ کرے اور یہ کام خود اسی کو اپنے ہاتھ سے انجام دینا ہے ایسی کوئی شرط نہ لگائے تو اس صورت میں سالویز فارم والے کو اختیار ہے چاہے وہ خود یہ کام کرے یا دوسرے سے کرائے، (جیسا کہ جوابِ سابق میں گزر چکا) اب وہ خود یہ کام انجام دے رہا ہے تو کوئی اشکال ہی نہیں ہے؛ لیکن اگر وہ اس کام کی انجام دہی کے لیے دوسرے آدمی سے معاملہ کرتا ہے اور اس کی اجرت جو طے کرتا ہے وہ اس اجرت سے کم ہے جو سالویز فارم والے کو دی جارہی ہے اور بقیہ رقم وہ خود لے لیتا ہے جس کا اصل مالک کو علم بھی نہیں ہے، تو اگر سالویز فارم والے نے دوسرے آدمی کو اجرت اپنی رقم سے ادا کی ہے اور مالک کے پاس سے آئی ہوئی پوری رقم خود رکھ لی یا بھینس کی پرورش کے کام میں تھوڑا بہت اس نے بھی حصہ لیا، (مثلاً دو چار یوم خود یہ کام کیا پھر دوسرے کو سپرد کیا) تو یہ زیادتی (مثلاً صورتِ مسئولہ میں پچاس روپیہ) اس کے لیے حلال ہے، ورنہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس زیادتی کو صدقہ کرے۔ كما يدل عليه هذه المسئلة:

ولو دفع إلى اسكاف أديماً ليقطع له خفا ويخرزه بأربعة دراهم فدفعه إلى آخر بدرهمين إن أعطاه وأداه من عنده أو عمل بعض الأعمال طابت له الزيادة وإلا يتصدق بها كذا في التتارخانية.(عالمگیری ٤/ ٥٤٠)

دوسری صورت یہ ہے کہ بھینس کے مالک نے سالویز فارم والے کو اس کا وکیل بنایا کہ تم بھینس کی پرورش کا کام دوسرے آدمی سے اتنی مقدار اجرت میں کراؤ، اور اس نے اس سے کم میں وہ کام کرایا، (مثلاً صورت مسئولہ میں ڈیڑھ سو میں کرانے کے بجائے سو میں کرایا) تو اس صورت میں سالویز فارم والے کے لیے ضروری ہے کہ بھینس کے مالک سے وہی کم مقدار جس میں اس نے دوسرے سے کام کرایا ہے وصول کرے، اور کام کرنے والے کو ادا کرے، (مثلاً صورتِ مسئولہ میں صرف سو روپئے) مؤکل (مالکِ بھینس) کی مقرر کردہ پوری مقدار وصول کر کے زیادتی اپنے پاس رکھ لینا حرام و ناجائز ہے۔

الوكيل بالاستيجار يملك الاستئجار بالدراهم والدنانير والمكيل والموزون إذا كان بغير عينه، ولا يملك الاستئجار بعرض بعينه ولا بمكيل أو موزون بعينه كذا في المحيط ولو آجرها بأكثر مما سمى له من الدراهم جاز، وكذلك الوكيل بالاستئجار مدة معلومة بدراهم مسما إذا استأجرها بأقل من ذلك كذا في المبسوط.(عالمگیری ۳/ ۶۰۲)

الوكيل إذا خالف إن خلافا إلى خير في الجنس كبع بألف درهم، فباعه بألف ومأة نفذ.(درمختار على هامش الشامي ۴/ ۵۴۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مبیع تولوانے کی اجرت بائع کے ذمہ ہے

سوال: تجارت میں بعض زیادہ وزنی اشیاء کا بذریعۂ مزدور تول کیا جاتا ہے جس کی مزدوری یعنی مزدور کی اجرت مشتری سے لی جاتی ہے، اور کبھی تاجر ایسی اشیاء کو

اپنے ملازم سے تلوا کر مشتری سے مزدوری وصول کر کے خود لے لیتا ہے، شرعاً یہ دونوں صورتیں صحیح ہیں جب کہ عرفاً مشتری کو مجبوراً یہ مزدوری دینا ہی پڑتی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مبیع کو تولوانے کی اجرت بائع کے ذمہ ہے۔

(وأجرة كيل ووزن وعد وذرع على البائع) لأنه من تمام التسليم. (درمختار) (قوله لأنه من تمام التسليم) إذ لا يتحقق تسليم المبيع إلا بكيله ووزنه ونحوه ومعلوم أن الحاجة إلى هذا إذا باع مكايلة أو موازنة ونحوه إذ لا يحتاج إلى ذلك في المجازفة الخ (شامی ٤/ ٤٦)

بائع کا یہ اجرت مشتری سے وصول کرنا ظلم ہے اور وہ گنہ گار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

درزی کا کپڑے کے ذریعہ بل وصول کرنا

سوال: ایک صاحب کا کہنا ہے کہ میں درزی ہوں، بعض حضرات کے ساتھ سلائی پہلے سے ہی طے کر لیتے ہیں؛ مگر پھر بھی وہ کم دیتا ہے، اور ہر وقت ایسا کرتا ہے تو اب یہ درزی یہ طریقہ اختیار کرتا ہے کہ بل مثلاً ۱۲۰/ بنتا ہے اس کو معلوم ہے کہ وہ ۱۰۰/ ہی دے گا تو روپیہ ۲۰/ کی کسر اس کے دیئے ہوئے کپڑے میں سے ۲۰/ کی قیمت کا کپڑا نکال کر کرتا تو یہ صورت کیسی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وصولیابی کی کوئی دوسری صورت ممکن نہ ہو تو اپنے سابقہ بل کی رقم اس طرح وصول

کرسکتا ہے؛ لیکن تازہ بل جس کے متعلق ابھی معلوم نہیں کہ وہ اس میں کٹوتی کرے گا یا نہیں؟ اس میں محض ظن وتخمین کی بنیاد پر ایسا کرنا درست نہیں ہے؛ نیز یہ بھی یاد رہے کہ اپنے دین کی جو رقم باقی ہے اتنی ہی مقدار کا کپڑا لے اس سے زیادہ ہرگز نہ لے۔

لیس لذي الحق أن يأخذ غير جنس حقه، وجوزه الشافعي وهو الأوسع.(درمختار) (قوله: وجوزه الشافعي) قدمنا في كتاب الحجر أن عدم الجواز كان في زمانهم، أما اليوم فالفتوى على الجواز.(شامی ۵/۳۰۰)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ٹیلی فون آپریٹر سے ساز باز کر کے کال ریٹ کا پیسہ کم دینا

سوال: زید کو انگلینڈ یا افریقہ وغیرہ فون کرنا ہوتا ہے، تو ٹیلیفون اکسچینج والا کچھ تعلقات کی بناء پر فون کرنے کا پیسہ نہیں لیتا ہے، اور اگر لیتا بھی ہے تو تھوڑے پیسے لیتا ہے، کیا یہ زید کے لیے اور اکسچینج والوں کے لیے جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ٹیلیفون کے محکمہ میں فون کرنے والا اس بات کا پابند ہے کہ اس کے اصول وضوابط کے مطابق کام کرے، سوال میں مذکور صورت میں وہ خیانت کا مرتکب ہوتا ہے، اس لیے دونوں کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بس اور ریلوے کے ٹکٹ فروخت کرنا

سوال : ① مسئلہ ٹکٹ اور پاس (PASS) کا ہے، جو ریلوے یا دوسرے محکمے جاری کرتے ہیں، تو کیا اس کو آپس میں منتقل کرنا درست ہے؟

(الف) جو لوگ اس انتقال کو درست کہتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ ٹکٹ یا پاس کے ہم نے جب پیسے بھر دیئے، اب ہم اس کے مالک ہیں، جہاں چاہے استعمال کریں۔

(ب) جب کہ بندہ کا خیال یہ ہے کہ: (۱) چوں کہ ان اشیاء پر باقاعدہ طور پر لکھا ہوتا ہے THIS TICKETIS NOT TRANFERABLE یعنی یہ ٹکٹ اور پاس منتقل نہیں کیا جا سکتا۔

② دوسری بات یہ ہے کہ پاس کے ساتھ ایک آئی کارڈ (شناختی کارڈ) دیا جاتا ہے، ظاہر ہے اس کا مقصد یہی ہے کہ یہ پاس دوسرا کوئی شخص استعمال نہ کرے۔

اور پھر اس انتقال میں دھوکہ بھی لازم آتا ہے، اور پکڑے جانے پر بے عزتی اور جرمانہ بھی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عقد اجارہ کے ذریعہ سے جس چیز سے فائدہ اٹھانے کا معاملہ کیا جاتا ہے، وہ فائدہ اس نوع کا ہے کہ استعمال کرنے والوں کے بدلنے سے صورت حال میں تبدیلی کا اندیشہ نہیں، تو اس میں اجرت پر دینے والے کا اجرت پر لینے والے کے ساتھ یہ قید اور شرط لگانا کہ وہی یعنی اجرت پر لینے والا ہی استعمال کرے، درست نہیں، مثلاً کسی نے اپنے

لیے مکان اجرت پر لیا، تو اسے حق حاصل ہوگا کہ کسی اور شخص کو اس میں رہنے دے۔

درمختار میں ہے: وإن قيد براكب أو لابس فخالف ضمن إذا عطبت .....ومثله فى الحكم كل مايختلف بالمستعمل كالفسطاط و فيما لاختلاف فيه بطل تقييده به، كمالوشرط سكنى واحد له أن يسكن غيره لما مر أن التقييد غير مفيد.(درعلى هامش الشامى ٤/ ٢٥)

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے: المادة:(٤٢٨) كل مالا يختلف باختلاف المستعملين فالتقييدفيه لغو مثلاً: لو استأجر أحد دارعلى أن يسكنها له أن يسكن غيره فيهايعنى أنه لواستأجرأحد داراً بشرط أن يسكنها هو، فله إيجارها من غيره، وإعارتهالاستيفاءالمنفعة التي له أن يستوفيها بموجب المادة:٤٢٦ لأن السكنى لم تكن متفاوتة فلم يعتبر ذلك القيد؛ لأنه غير مفيد.(دررالحكام شرح مجلة الأحكام ١/ ٤٦٣)

ریل اور بس وغیرہ دور حاضر کی سواریوں میں ٹکٹ خرید کر اس سے فائدہ اٹھانے کا جو اجارہ کیا جاتا ہے وہ بھی اسی اصول کے ماتحت آنے کی وجہ سے اصالۃً وہ ٹکٹ دوسرے کو فروخت کر کے اس کو اپنی جگہ بھیج دینا جائز ہے؛ مگر زیادہ داموں میں فروخت نہ کرے؛ بلکہ مثل اجر مسمی یا اس سے کم میں فروخت کرے۔ (ماخوذ از امداد الاحکام ۴/ ۴۲۳)

اس لیے اس اصول کے پیش نظر ٹرین یا بس یا ہوائی جہاز کا ٹکٹ دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا علی الاطلاق درست ہونا چاہیے؛ لیکن اس میں مندرجۂ ذیل تفصیل ہے:

ٹرین اور بس کے بعض ٹکٹ تو وہ ہوتے ہیں جو کسی معین شخص کے لیے جاری نہیں کئے جاتے، اور کسی مخصوص آدمی کے لیے نامزد نہیں ہوتے۔ اور بعض ٹکٹ وہ ہوتے ہیں جو کسی مخصوص شخص کے لیے جاری کئے جاتے ہیں اور کسی معین آدمی کے نامزد ہوتے

ہیں۔ پہلی قسم کے ٹکٹ کو فروخت کرنے میں شرعی یا قانونی کسی محظور کا ارتکاب لازم نہیں آتا، اس لیے اس میں تو کوئی حرج نہیں۔ جب کہ دوسری قسم کے ٹکٹ کسی معین شخص کے نامزد ہونے کی وجہ سے ان کو فروخت کرنے کی صورت میں جب وہ اس کو استعمال کرے گا، تو جھوٹ اور دھوکہ کا ارتکاب لازم آتا ہے، اس لیے کہ استعمال کرنے والا اپنے آپ کو اسی نامزد شخص کی حیثیت سے پیش کرے گا، اس لیے اس کا فروخت کرنا درست نہیں۔

ایک بات یاد رہے کہ پہلی قسم کے ٹکٹ بھی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا اسی وقت درست ہوگا جب کہ محکمۂ ریل اور بس کی طرف سے اس خریدنے والے کو کسی خاص بنیاد پر رعایت نہ دی گئی ہو، ورنہ اس کا فروخت کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: احمد خانپوری، ۱۴/ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

ورکروں کو قرض دے کر تنخواہ سے وصول کرنا

سوال: ہمارے بزنس کا کاروبار ہمارے والد صاحب کے ہاتھ میں ہے، اور ہم بھائی لوگوں کو الگ الگ بزنس پے بٹھادیا ہے، اور کاروبار سنبھالتے ہیں، اور ہمیں ہر مہینہ پر تنخواہ مقرر کردی ہے وہ لیتے ہیں، بزنس سے فی الحال ہم کو کوئی حصہ ملتا نہیں ہے، تو ہمیں کاروبار سنبھالنے میں بہت دشواریاں ہوتی ہیں، اس میں ایسا ہوتا ہے کہ یہ کاروبار میں نوکر یعنی ورکروں سے کام لینا ہوتا ہے، جب ان سے کام لیا جاتا ہے تو ورکر اپنی ضرورت یا کوئی کام کی وجہ سے ہم سے کچھ رقم یعنی پیسہ مانگا کرتے ہیں، تو

ان کو دینا پڑتا ہے، اگر نہیں دیویں تو کاروبار میں خلل ہوتا ہے، اور جب ہم نے رقم دے دیا، پھر وہ رقم اپنے والد صاحب سے مانگتے ہیں، تو کہتے ہیں میں نہیں جانتا تم نے دیا ہے تو تم بوجھ اٹھاؤ، میں نہیں دوں گا، اب میرے جیب سے دینا پڑی ہے، تو کیا میرے اس رقم کی وصولی کا کوئی طریقہ ہو تو وضاحت کریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ ورکروں کو رقم قرض کے طور پر دے سکتے ہیں، اور بعد میں ان کی تنخواہ سے وصول کر سکتے ہیں، اس صورت میں آپ پر بار نہیں پڑے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بٹائی پر جانور لینا اور اس کی قربانی

سوال: بٹائی پر لی ہوئی بکری سے حاصل شدہ بچہ کی بٹائی پر لینے والا شخص قربانی کر سکتا ہے کہ نہیں؟ اگر نہیں کر سکتا تو کیوں؟ مثبت ومنفی پہلو کو مبرہن فرمائیں۔ بٹائی پر معاملہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ معاملہ جائز نہیں، جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری اور شامی میں تصریح ہے، بچہ بکری کے مالک کی ملک ہے؛ اس لیے بٹائی پر لینے والے کے لیے اس کی قربانی درست نہیں ہے۔ (از فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۳۲۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/رجب ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مکانات کی کرایہ داری، ڈپازٹ اور ہاؤسنگ سوسائٹی کے مسائل

ڈپازٹ کی حیثیت اور اس کے متعلق مختلف سوالات

سوال: آج کل مکان ودوکان ڈپازٹ پر دینے کا چلن ہمہ گیر نوعیت حاصل کر چکا ہے بڑے بڑے شہروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے قصبات بھی اس رواج سے خالی نہیں ضرورت ہے کہ ان مسائل میں امت محمدیہ کے لیے شریعت مطہرہ کی روشنی میں صحیح راہ نکالی جائے تاکہ امت محمدیہ ان مسائل سے صحیح واقفیت حاصل کر کے صحیح اور حلال صورتیں اختیار کریں اور ناجائز اور ممنوع صورتوں سے باز رہیں اور اللہ جل جلالہ ہمیں دین کے تمام شعبوں میں اپنے احکامات اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرماوے۔

① ڈپازٹ کی رقم کی شرعی وعرفی حیثیت کیا ہے؟

② مالک مکان اس رقم کو مالک رقم کی صراحتاً اجازت کے بعد یا اجازت لیے بغیر عرفی اجازت سے استعمال کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

③ مالک مکان اپنا مکان ''ب'' نامی شخص کو تین سال کے لیے تین لاکھ روپے ڈپازٹ لے کر دے اور ماہانہ کرایہ معاف کر دے تو کیا یہ درست ہے جب کہ تین سال کے بعد مالک مکان کو ''ب'' نامی شخص کو تین لاکھ روپے ڈپازٹ کے طور پر لیے

ہوئے واپس کرنے ہوتے ہیں؟

④ اگر مالک مکان ''ب'' نامی شخص سے ڈپازٹ کی رقم کے ساتھ ماہانہ کرایہ پورا وصول نہ کرے بلکہ کچھ کم کرکے وصول کرے مثلاً تین ہزار روپے ماہانہ کرایہ ہو تو فقط ایک ہزار روپے ہی وصول کرے تو کیا یہ شکل صحیح ہے؟

⑤ اگر ڈپازٹ کے ساتھ ماہانہ کرائے کے بہ جائے گھر کا مینٹینس وصول کرنا جس کی شکل یہ ہے کہ ب نامی شخص کو کہہ دیا جائے کہ آپ ماہانہ کرایہ کے بہ جائے گھر کا مینٹینس ادا کرتے رہنا اور کرایہ معاف ہے البتہ گھر کا مینٹینس ۱۵۰۰/روپے ہوتا ہے یعنی معروف کرایہ سے کم ہوتا ہے کیا یہ صورت صحیح ہے یا نہیں؟

⑥ شرعاً گھر کا مینٹینس کس کے ذمہ ہوگا مالک مکان پر یا کرایہ دار پر؟

⑦ اگر گھر کے مینٹینس کے ساتھ معروف کرایہ کے بہ جائے فقط ۳۰۰-۴۰۰ روپے وصول کرے تو کیا یہ شکل صحیح ہوگی؟

⑧ ایک شخص تین لاکھ روپے ڈپازٹ لے کر دوسرے کو اگر چار لاکھ ڈپازٹ پر ہی دینا چاہے تو اس کی اجازت ہے یا نہیں؟

⑨ کرایہ پر لیا ہوا مکان دوسرے کو فقط ڈپازٹ پر ہی دیا اور کرایہ معاف کر دیا تو یہ صحیح ہے یا نہیں؟

⑩ ڈپازٹ پر لیا ہوا مکان دوسرے کو کرایہ پر دینا درست ہے یا نہیں؟

⑪ ڈپازٹ کی رقم کی زکوۃ کس پر لازم ہوگی مالک مکان پر یا مالک رقم یعنی کرایہ دار پر؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① مالک مکان کا کرایہ دار سے ڈپوزٹ کے نام سے رقم لینا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے اس کا مدار اس رقم کی حیثیت کی تعیین پر ہے اس کی شروعات تو ضمانت اور رہن کے طور پر ہوئی تھی بسا اوقات کرایہ دار مکان یا دوکان کا کرایہ باقی چھوڑ کر غائب ہو جاتا تھا اور مالک مکان کو نقصان اٹھانا پڑتا تھا اس مصیبت سے بچنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ عقد اجارہ کرتے وقت کرایہ دار سے متعینہ رقم ایڈوانس لی جانے لگی کہ خدانہ خواستہ آئندہ چل کر اگر کرایے دار کرایہ کی رقم باقی چھوڑ کر غائب ہو گیا تو اس ایڈوانس یا ڈپازٹ کے نام سے لی گئی رقم سے وہ بقایا کرایہ وصول کیا جا سکے اس صورت میں اس رقم کی حیثیت رہن کی ہو جائے گی اور شرعاً اس طرح رہن لینا دینا درست ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ولو استأجر دارا أو شيئا وأعطى بالأجر رهنا جاز إلخ (هنديه ٤٣٥/٥)

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کرایہ دار مکان کو نقصان پہنچا دیتا ہے یا بجلی وغیرہ کے اخراجات چھوڑ کر چلا جاتا ہے جو بعد میں مالک مکان کو ادا کرنے پڑتے ہیں اس مقصد کے لیے بھی کرایہ دار سے ڈپازٹ کے نام سے ایک رقم ایڈوانس وصول کی جاتی ہے گویا یہ ایک نوع کا زر ضمانت ہے جیسا کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی ہے۔ (دیکھیے آپ کے مسائل اور ان کا حل ۶/ ۱۰۴)

جہاں تک میرا اندازہ اور معلومات ہے ڈپازٹ لینے دینے کی اصل بنیاد مندرجۂ بالا دو میں سے ایک وجہ ہے بعد میں لوگوں نے جب دیکھا کہ ڈپازٹ کے نام سے وصول کی جانے والی یہ رقم مالک مکان کے پاس یوں ہی پڑی رہتی ہے کسی استعمال میں نہیں

آتی تو مالکان مکان جن کے قبضے میں یہ رقم تھی انھوں نے بلا اجازت اس رقم کو استعمال کرنا شروع کیا جب اس کا رواج عام ہونے لگا تو دینی ذہن رکھنے والے مالکان مکان کو یہ بات کھٹکی کہ مالک کی اجازت کے بغیر اس کو کیسے استعمال کیا جاسکتا ہے ایسے لوگوں نے کرایہ دار سے اجازت لینا شروع کیا اور انھوں نے بھی اجازت دینا شروع کیا کرایہ داروں میں سے کچھ لوگوں نے یہ سوچنا شروع کیا کہ ہماری اس رقم سے جو بہ طور امانت وضمانت مالک مکان کے پاس جوں کی توں محفوظ رہنی چاہیے مالک مکان ہماری اجازت سے فائدہ اٹھا رہا ہے تو ہم کیوں نہ اس کو دی جانے والی اجازت سے فائدہ اٹھائیں چناں چہ انھوں نے اس شرط پر اجازت دینا شروع کیا کہ اس اجازت کی بنیاد پر کرایہ میں کچھ کمی کر دی جائے یعنی عام طور پر اس جیسے مکان کی جو اجرت مثل ہونی چاہیے اس کے بہ جائے ڈپازٹ کے طور پر دی گئی رقم کو استعمال کرنے کے بدلے میں اجرت مثل کی مقدار میں کمی کی شرط لگائی جائے آج کل جو معاملات ہو رہے ہیں اس کی بنیاد یہی ذہنیت ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا شرعاً یہ معاملہ درست کہلایا جاسکتا ہے؟

کچھ لوگوں نے تو ڈپازٹ کی رقم خوب بڑھا کر اور اس کے استعمال کی اجازت دے کر مالک مکان سے پورا کرایہ ہی ساقط کروالیا گویا یہ صاحب اپنی رقم ایک مدت کے لیے مالک مکان کو استعمال کے لیے دے رہے ہیں اور اس کے بدلے میں اس مدت کے لیے مکان یا دوکان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں ظاہر ہے ان کی طرف سے جو رقم دی گئی ہے وہ قرض کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کے بدلے میں یہ آدمی قرض لینے والے کے مکان سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور قرض پر دی گئی رقم کے بدلے فائدہ اٹھانا سود اور حرام ہے یہ ایسا اصول ہے جو ہر عہد میں امت کے درمیان میں مقبول ومعروف رہا

ہے ضعیف سند کے ساتھ ہی سہی لیکن اسے مرفوعاً بھی روایت کیا گیا ہے اور فقہا اور علما کے درمیان اس کا متلقی بالقبول ہونا ضعیف سند کی تلافی کر دیتا ہے علاوہ ازیں متعدد صحابہ سے موقوف روایتیں مروی ہیں۔

فقہا نے بھی اس موضوع کے مختلف گوشوں پر بحث کی ہے درمختار میں حصکفی نے بہ حوالۂ خلاصہ لکھا ہے القرض بالشرط حرام والشرط لغو(الدر المختار ٥/١٦٦) قرض میں کوئی شرط لگانا حرام ہے اور شرط لغو ہے اور اشباہ کے حوالے سے لکھا ہے کل قرض جر نفعا حرام فكره للمرتهن سكنى المرهونة بإذن الراهن (الدر المختار ٥/١٦٦) ہر وہ قرض جس سے نفع حاصل کیا جائے وہ حرام ہے اسی لیے گروی لیے ہوئے مکان میں رہائش اختیار کرنا مکان والے کی اجازت سے مکروہ ہے (یعنی راہن کے لیے مقروض کی اجازت کے بغیر تو حرام ہوگا ہی اگر وہ اجازت بھی دے دے تب بھی اس مکان سے استفادہ مکروہ ہوگا) شامی نے اس پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر نفع قرض کے معاملے میں مشروط ہو تو حرام ہے اور عبداللہ بن محمد بن اسلم سمرقندی جو کبار علما سمرقند میں سے تھے ان کا قول نقل کیا ہے کہ مال مرہونہ سے انتفاع کسی صورت میں جائز نہیں اگر چہ راہن نے اسے اجازت دے دی ہو اس لیے کہ یہ سود خوری کی اجازت ہے چوں کہ وہ اپنا پورا قرض وصول کر ہی لے گا پھر یہ نفع ایک زائد شرط ہے پس یہ ربا ہے اور یہ بہت بڑی بات ہے۔ (شامی ٥/١٦٦ طبع دار الفکر)

المغنی میں ابن قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے ہر وہ قرض جس میں یہ شرط لگائی گئی ہو کہ اس میں مقروض کچھ زائد رقم ادا کرے گا وہ بلا اختلاف حرام ہے ابن المنذر نے کہا کہ اس مسئلے میں اجماع ہے کہ قرض دہندہ اگر قرض دہی کے عمل پر کسی اضافہ یا ہدیہ

کی شرط لگا کر قرض دے تو اس اضافہ کا لینا ربا ہے اور ابی بن کعب ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انھوں نے ہر اس قرض سے منع فرمایا ہے جس سے نفع حاصل کیا جائے۔ (المغنی لابن قدامہ الحنبلی ۴/ ۳۶۰)

المہذب میں رہن کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے اگر رہن میں کوئی ایسی شرط لگائی جائے جو مقتضائے عقد کے منافی ہو مثلاً یوں کہے کہ میں نے تم کو یہ شئ رہن دی لیکن یہ میرے پاس ہی رہے گی یا اگر چہ میں دین ادا نہ کروں تو بھی تم کو اسے فروخت کرنے کا اختیار نہیں ہوگا یا یہ شرط لگائی کہ مال مرہونہ کا نفع تمھارا (قرض دہندہ کا) ہوگا تو یہ شرط باطل ہے۔ (تکملۃ المہذب شرح المجموع ۱۳/ ۲۱۵)

اور شرح میں یہ جزئیہ بھی لکھا ہے کسی شخص نے کسی سے ایک ہزار گنا اس شرط پر قرض لیا کہ وہ اپنی گاڑی بہ طور رہن دے دے گا اور گاڑی کا نفع قرض دہندہ کو ملے گا تو قرض باطل ہے اس لیے کہ یہ ایسا قرض ہے جو حصول نفع کا ذریعہ بن رہا ہے۔

قرض جر منفعة.(۳/ ۲۱۸)

فقہا کی ان صراحتوں کے علاوہ حضرات صحابہ بھی اس باب میں بے حد حساس نظر آتے ہیں وہ قرض دے کر حقیر سا نفع بھی حاصل کرنے سے گریز کرتے ہیں کہ کہیں ربا میں نہ پڑ جائیں۔ چناں چہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں بہ روایت سعید بن ابی بردہ عن ابیہ ایک خاص موقع پر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے: اے عزیز تم عراق میں رہتے ہو جہاں ربا عام ہے اگر تمھارا کسی شخص پر کوئی حق ہو اور وہ تمھیں تنکہ اور جو کے برابر بھی کوئی تحفہ دے تو (یاد رکھنا کہ) یہ تحفہ ربا ہے۔

(صحیح بخاری، باب مناقب عبداللہ بن سلام)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے دس ہزار قرض لیے پھر جب حضرت ابی رضی اللہ عنہ کے باغ میں کھجور کی فصل آئی تو انھوں نے مدینہ کی نفیس ترین کھجور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہدیتاً بھیجی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ تحفہ واپس کر دیا حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پھر ابھی میں آپ کا قرض واپس کر دیتا ہوں مجھے وہ قرض نہیں چاہیے جس کی وجہ سے میں اپنے باغ کی کھجوریں آپ کو پیش نہ کر سکوں تب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے وہ تحفہ قبول کر لیا اور فرمایا کہ إنما الربا على من أراد أن يربي أو ينسئ (مصنف ابن عبدالرزاق ۱۴۲/۸) ربا اس شخص پر ہے جو اپنی رقم میں زیادتی چاہے یا (کچھ دے کر) ادائے قرض میں مہلت چاہے یعنی فضل (دی ہوئی رقم سے زائد کی واپسی) یا وقت اور مہلت کے عوض کچھ نفع (نسیئہ) دونوں صورتیں ربا کی ہیں اور حرام ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر تم نے کسی کو قرض دیا تو اس کا کوئی حقیر سے حقیر ہدیہ بھی یہاں تک کہ عاریتاً اس کی سواری بھی قبول نہ کرو۔

(مصنف عبدالرزاق ۱۸/ ۱۸۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مستفتی آیا اور اس نے پوچھا کہ میرے پڑوس میں ایک مچھیرا ہے اسے میں نے قرض دے رکھا ہے وہ کبھی کبھی مجھے مچھلی دے دیتا ہے فرمایا اس مچھلی کی قیمت کا حساب کر لو اور قرض میں منہا کر لو اگر تمھارے قرض سے زائد ہو تو اس کو واپس کر دو۔ (مصنف عبدالرزاق)

حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تم کسی ایسے شخص کے گھر جاؤ جس پر تمھارا قرض ہو اور اس کے یہاں کھانا کھاؤ تو حساب کر کے اس کی قیمت اصل قرض سے منہا کرو۔ (مصنف ۱۴۲/۸)

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ اس میں اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ اگر قرض دینے سے پہلے سے آپس میں ایک دوسرے کے یہاں آنا جانا اور ایک دوسرے کے یہاں کھانا اور پینا رہا ہو تو کوئی حرج نہیں۔ (مصنف ۸/ ۱۴۳) (بحث ونظر شمارہ ۱۶ ص: ۱۱-۱۳)

شامی میں ہے: وفي الخانية: رجل استقرض دراهم وأسكن المقرض في داره، قالوا: يجب أجر المثل على المقرض؛ لأن المستقرض إنما أسكنه في داره عوضا عن منفعة القرض لا مجانا وكذا لو أخذ المقرض من المستقرض حمارا ليستعمله إلى أن يرد عليه الدراهم اهـ وهذه كثيرة الوقوع. (شامی ٤٤٥)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: لو استقرض دراهم وسلم حماره إلى المقرض ليستعمل إلى شهرين حتى يوفيه دراهمه أو دارا ليسكنها فهو بمنزلة الإجارة الفاسدة إن استعمله فعليه أجر مثله ولا يكون رهنا. (٤٣٤/٥)

لو استقرض رجل دراهم من رجل وقال اسكن حانوتي هذا فإن لم أرد عليك دراهمك لا أطالبك بأجرة الحانوت والأجرة التي تجب عليك هبة لك فدفع المقرض الدراهم وسكن الحانوت مدة قال إن كان ذكر ترك الأجرة عليه مع استقراضه منه المال فالأجرة واجبة على المقرض يريد به أجر المثل، وإن كان ذكر ترك الأجرة قبل الاستقراض أو بعده فلا أجر على المقرض والحانوت عنده عارية وقيل الصحيح أنه يجب أجر المثل في الوجهين. كذا في المضمرات. قال فخر الدين وعليه الفتوى هكذا في الكبرى. (عالمگیری ٤/ ٥٢١)

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ڈپازٹ کی رقم کی مقدار بڑھا کر سرے سے کرایہ ہی ساقط کرواتے ہیں ان پر اجرت مثل واجب ہوتی ہے جو لوگ پورا کرایہ تو

ساقط نہیں کرواتے لیکن ڈپازٹ کی رقم کی مقدار کے مطابق کرایے میں تخفیف کراتے ہیں وہ لوگ مندرجۂ بالا تفصیلات کے مطابق قرض سے فائدہ اٹھانے والے بنتے ہیں جو درست نہیں بلکہ سود کی صورت ہو کر حرام ہے۔

ڈپازٹ کے طور پر کرایہ دار کی طرف سے ڈپازٹ کے نام سے دی جانے والی یہ رقم ودیعت وامانت نہیں کہی جاسکتی ہے اس لیے کہ ودیعت وامانت والی صورت میں مالک مکان کو اس رقم میں کسی طرح کے تصرف کا اختیار حاصل نہیں ہونا چاہیے جب کہ بہ حالت موجودہ ڈپازٹ کی رقم سے مالک مکان فائدہ اٹھاتا ہے اور اس کو اپنی تجارت اور کاروبار میں لگا کر اس میں تصرف کرتا ہے اس لیے لامحالہ اس رقم کی حیثیت قرض کی ہو جاتی ہے۔

اب آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب پیش خدمت ہے:

① یہ قرض ہے۔

② جب اس کی حیثیت قرض کی ٹھہری تو مالک مکان کے لیے اس سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔

③ یہ درست نہیں اس صورت میں ''ب'' نامی شخص پر مکان کی اجرت مثل واجب ہوئی۔

④ یہ بھی کل قرض جر نفعا فھو حرام کا مصداق ہے۔

⑤ اس صورت میں بھی ڈپازٹ کی رقم کے بدلے میں مکان استعمال کرنے کے لیے دیا ہے نمبر ۳/ہی کے حکم میں ہے۔

⑥ جس چیز پر شئ مستاجر کی بقاء موقوف ہو وہ مالک کے ذمہ ہوتی ہے اور جو بقاء

کے لیے موقوف علیہ نہ ہو وہ مستعمل کے ذمہ ہوتی ہے۔(احسن الفتاویٰ ۷)

مینٹینس کے طور پر جو رقم وصول کی جاتی ہے وہ کن کن چیزوں کا معاوضہ ہے دیکھ لیا جائے اور مندرجۂ بالا اصول کے مطابق مالک مکان اور کرایہ دار پر اس کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔

⑦ آپ کا یہ سوال واضح نہیں۔

⑧ چوں کہ یہ اجارۂ فاسدہ ہے اس لیے وہ دوسرے کو نہیں دے سکتا بلکہ پہلے اجارہ فسخ کر کے مالک کو مکان واپس کر دے۔

⑨ اس کا حکم آچکا۔

⑩ اس کا بھی حکم آچکا۔

⑪ ڈپوزٹ کی رقم کی زکوۃ چوں کہ وہ قرض ہے مالک رقم پر ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ ربیع الاول ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

کرایہ دار کا ڈپازٹ لے کر دوسرے کو مکان کرایہ پر دینا

سوال: زید نے بکر سے ماہانہ پچاس روپیہ کرایہ پر مکان لیا اور بکر کی اجازت کے بغیر عمر سے دس ہزار روپیہ ڈپازٹ لے کر پچاس روپیہ کرایہ پر ہی ایک سال کے لیے کرایہ پر دیا، زید کا بکر کے مکان کو اس طرح ڈپازٹ لے کر اسی مقدار پر کرایہ پر دینا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ڈپازٹ کی رقم اگر اس لیے لی ہے کہ وہ زید کے پاس بطورِ وثیقہ محفوظ رہے تو جائز ہے؛ لیکن زید کے لیے اس رقم میں کوئی تصرف درست اور جائز نہیں ہے، اور اگر ڈپازٹ کے نام سے رقم ہتھیانا یا اس میں تصرف کرنا مقصود ہے، تو جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

پگڑی لے کر دوکان کرایہ پر دینا

سوال: میں نے ایک دوکان خریدی ہے اور میں اس کو کرایہ پر لگانا چاہتا ہوں؛ مگر حالات ایسے چل رہے ہیں کہ کرایہ دار کچھ مہینے تک کرایہ ادا کرتا ہے، اور پھر کرایہ میں ٹال مٹول کرنا شروع کر دیتا ہے، اور بعد میں چل کر دوکان کے بارے میں اس کی نیت بگڑنے لگتی ہے، عام طور پر ایسا دیکھا گیا ہے؛ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ کرایہ دار سے کچھ موٹی رقم پیشگی لے لوں جس کو پگڑی کہا جاتا ہے، اور پگڑی دینے پر لوگ تیار بھی ہیں، چوں کہ اس کا عام رواج ہو چکا ہے، پھر اس کرایہ دار کو اختیار ہے وہ چاہے تو اپنے علاوہ کسی اَور آدمی کو یہ دوکان کرایہ پر دے کر اس سے اتنی رقم جتنی اس نے دی ہے یا اس سے زیادہ لے سکتا ہے؛ لیکن اس دوسرے کرایہ دار سے بھی جو رقم بہ طورِ کرایہ آئے گی وہ اصل دوکان مالک کے پاس ہی آئے گی یعنی اس دوکان کا مالک تو پہلی مرتبہ کرایہ پر دینے والا ہی رہے گا، تو کیا شرعاً اس طور پر کرایہ کے ساتھ پگڑی

لینا جائز ہے یا نہیں؟

یہ بات ملحوظ رہے کہ پگڑی کے طور پر جتنے بھی روپیے لیے ہیں وہ مالک دوکان کرایہ دار کو واپس نہیں کرے گا؛ بلکہ کرایہ دار کسی اور کو کرایہ پر دے کر چاہے جتنی پگڑی لینی ہو لے سکتا ہے، جیسا کہ اوپر مذکور ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

افضل بات تو یہ ہے کہ پگڑی کا لین دین نہ کیا جائے؛ لیکن جیسا کہ (حکومتی قانونِ اجارہ داری کی وجہ سے) آج کل عام مزاج اور رواج ہے، کہ بعد میں کرایہ دار مکان یا دکان پر سے قبضہ ہٹاتے نہیں ہیں، اس کی وجہ سے آپ نے سوال میں جو صورت لکھی ہے اختیار کی جاسکتی ہے، اس صورت میں بھی کرایہ دار سے جو موٹی رقم آپ ابتداءً وصول فرماتے ہیں اس کو پہلے مہینے کے کرایہ میں شمار فرمالیں، تو زیادہ مناسب رہے گا۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تدبیر کفایت المفتی (۳۳۹/۷) میں تحریر فرمائی ہے؛ البتہ یہ تدبیر صرف مالک کے حق میں کارآمد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

کیا کرایہ دار پگڑی لے کر دوسرے کو کرایہ پر دے سکتا ہے؟

سوال: زید نے بکر سے ماہانہ ایک سو روپئے کرایہ سے مکان لیا، اور محمود کو پچاس ہزار روپیہ پگڑی لے کر اسی کرایہ پر دیا، اصل مالک مکان بکر کو بھی دس ہزار روپئے

دے کر محمود کو اس مکان کا کرایہ دار بنانے پر خوش کرلیا، کیا زید کے لیے یہ معاملہ درست ہے؟ اور یہ رقم اس کے لیے حلال طیب ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ معاملہ درست نہیں ہے، اور یہ رقم زید کے لیے حلال نہیں ہے۔ (کفایت المفتی)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایضاً

سوال: زید نے بکر سے ماہانہ پچاس روپیہ پر مکان کرایہ پر لیا، عمر نے زید سے کہا تم یہ مکان مجھے کرایہ پر دیدو میں تم کو بیس ہزار روپئے دیتا ہوں اور بکر کو بھی اس بات پر خوش کرلوں گا کہ وہ مجھے اپنے مکان کا کرایہ دار تسلیم کرلے کیا زید کے لیے اس طرح اصل مالک کی رضا معلوم کیے بغیر معاملہ کرنا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جتنی مدت کے لیے زید نے بکر سے یہ مکان کرایہ پر لیا ہے اتنی مدت تک کے لیے زید کا اس مکان کو عمر کو کرایہ پر دینا درست ہے، چاہے مالک مکان راضی ہو یا نہ ہو؛ لیکن بیس ہزار کی جو رقم زید نے عمر سے لی ہے وہ درست نہیں یہ واپس کردے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کرایہ دار مکان دوسرے کو کرایہ پر دے سکتا ہے

سوال :① زید نے بکر سے ماہانہ پچاس روپیہ کرایہ پر مکان لیا، اور عمر کو بکر کی اجازت کے بغیر ماہانہ سوا سو روپئے کرایہ پر دے دیا یہ درست ہے؟

② زید نے بکر سے ماہانہ پچاس روپیہ کرایہ پر مکان لیا، اور اس میں اپنی الماری (کباٹ) لگائی، بجلی کے پنکھے لگائے، ایسی کچھ اور بھی اپنی منقول وغیر منقول اشیاء اس میں چھوڑیں اور عمر کو بکر کی اجازت کے بغیر ماہانہ دو سو روپئے کرایہ پر دے دیا اس خیال سے کہ میری اشیاء کی وجہ سے میں زائد کرایہ لے رہا ہوں، زید کا اس خیال سے زائد کرایہ لینا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①② درست ہے۔ (تصح إجارة حانوت) أی دكان (ودار بلا بيان مايعمل فيها) لصرفه للمتعارف، (و) بلا بيان (من يسكنها) فله أن يسكنها غيره بإجارة وغيرها كما سيجئ.(درمختار) (قوله فله أن يسكنها غيره) أی ولو شرط أن يسكنها وحده منفرداً الخ (شامی: ۵/۱۹)

(وفيما لا يختلف به بطل تقييده حتى لو شرط سكنى واحد له أن يسكن غيره) يعني فيما لا يختلف باختلاف المستعمل كالدور للسكنى لا يعتبر تقييده حتى إذا شرط سكنى رجل بعينه فى الدار له أن يسكن غيره لأن التقييد لا يفيد لعدم التفاوت.(تبيين الحقائق ۵/ ۱۱۶)

لیکن جو زائد کرایہ ہے، مثلاً: صورتِ مسئولہ میں پچھتر روپئے کی رقم جو بکر کو زائد ملی اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے، اس رقم کو وہ اپنے استعمال میں نہ لاوے؛ البتہ اگر

بکر نے اس مکان میں اصلاح ومرمت کے ذریعہ کسی قسم کا اضافہ کر دیا ہے جیسا کہ دوسری صورت میں ہے، تو اب وہ زائد رقم جو بکر کو حاصل ہوئی وہ استعمال کر سکتا ہے۔

ولوآجر بأكثر تصدق بالفضل إلا فى مسئلتين إذا آجرها بخلاف الجنس أو أصلح فيها شيئا.(درمختار) (قوله أو أصلح فيها شيئا) بأن جصصها أو فعل فيها مسناة وكذا كل عمل قائم لأن الزيادة بمقابلة ما زاد من عنده حملاً لأمره على الصلاح كما فى المبسوط (شامی ۵/ ۲۰)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قدیم کرایہ دار کا زیادہ کرایہ سے دوکان دینا

سوال :① زید کے پاس ایک مسجد کی دوکان کرایہ پر ہے اور زید اس کا پرانا کرایہ ۲۵ روپئے مسجد کو ہر ماہ دیتا ہے لیکن وہ مسجد کی دوکان دوسرے شخص کو ۲۵۰ ڈھائی سو روپئے کرایہ میں دے رکھا ہے یعنی کہ پیٹا بھاڑوت بنا دیا ہے۔ وہ مسجد کو صرف ۲۵ روپئے دیتا ہے اور اس دوسرے کرایہ دار سے ۲۵۰ روپئے وصول کرتا ہے تو کیا اس کا یہ عمل شریعت کی نگاہ میں جائز ہے یا نہیں؟

② زید کے پاس مسجد کی ایک دوکان برسوں سے کرایہ پر ہے اب وہ دوکان دوسرے شخص کو زید کرایہ پر دینا چاہتا ہے اور وہ زید دوسرے کرایہ دار سے ۲ لاکھ روپئے پگڑی کا وصول کرتا ہے۔ مسجد کو فائدہ صرف اتنا ہوگا کہ اس دوکان کا کرایہ بڑھ جائے گا تو کیا زید کا اس مسجد کی دوکان پر دو لاکھ روپئے پگڑی لینا کیسا ہے؟ شریعت کی نظر میں اس کا یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① پرانا کرایہ دار ہونے کی وجہ سے حکومتی قانون کا سہارا لے کر مسجد کی دوکان پر سے اپنا قبضہ نہ اٹھانا اور قدیم سے چلا آرہا کرایہ یعنی ۲۵ روپے پر ہی اکتفا کرنا جب کہ اس کی اجرت مثل بہت زیادہ ہے مزید برآں وہ دوکان دوسرے کرایہ دار کو دے کر ڈھائی سو روپے کرایہ حاصل کرنا یہ تمام امور زید کے لیے جائز نہیں ہیں۔ سخت گناہ گار ہے۔ اس پر اس دوکان کی اجرت مثل واجب ہے

② زید نے جس وقت مسجد سے وہ دوکان کرایہ پر حاصل کی تھی اس وقت پگڑی نہیں دی تھی تو اب اس کے لیے محض پرانا کرایہ دار ہونے کی بنیاد پر وہ دوکان دوسرے کرایہ دار کو دے کر اس سے پگڑی وصول کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کرایے کا مکان دوسرے شخص کو کرایہ دینے کے مسائل

سوال: (الف) زید ایک کرایہ کے مکان میں رہتا ہے، اب اس مکان کو دوسرے کو بیچ دیا، آیا یہ زید اس مکان کو مالک کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو کرایہ پر دے سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کسی کو دے دے تو کرایہ پہلے سے زیادہ آتا ہے، تو یہ زیادتی کا لینا درست ہے یا نہیں؟ اور اس مکان میں کچھ مرمت کرائی گئی ہے، تو اس مرمت کی وجہ سے زیادتی کا لینا کیسا ہے؟

(ب) اور آج کل جو پگڑی لی جاتی ہے، تو آیا یہ مکان جب کرایہ پر دیں تو

پگڑی کا لینا کیسا ہے؟ اس پگڑی کو فرنیچر کے تبادلہ میں لینا کیسا ہے؟

(ج) اب اگر کرایہ دار دوسرے کو مکان کرایہ پر دیتا ہے، اور جو پیسے آتے ہیں تو مکان مالک کو اس میں سے تین فیصد دینا پڑتا ہے، اور کرایہ دار کو یہ رقم دینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(الف) زید جب اس مکان میں کرایہ سے رہتا ہے تو وہ مالک نہیں ہے؛ اس لیے زید کو اس مکان کے بیچنے کا حق نہیں ہے، اگر زید نے وہ مکان ایک مقررہ مدت کے لیے کرایہ پر لیا ہے، مثلاً ایک سال کے لیے تو اس صورت میں زید اگر اس مدت میں اتنی ہی مدت کے لیے دوسرے آدمی کو کرایہ پر دینا چاہے تو دے سکتا ہے؛ لیکن جب وہ مدت ختم ہوگئی زید کے لیے ضروری ہے کہ مالک کو وہ مکان واپس کرے، اور اگر مدت مقرر نہیں ہوئی اور کرایہ کی ادائیگی مہینہ کے حساب سے رکھی گئی ہے تو گویا ہر مہینہ عقد اجارہ کی تجدید ہو رہی ہے، اس صورت میں مالکِ مکان مہینہ کا نوٹس دے کر مکان خالی کروا سکتا ہے؛ البتہ اگر زید نے مالک مکان کو پگڑی دے کر اس کے واپسی کے حق کو خرید لیا ہے، تو اس صورت میں مالک کرایہ دار کو مکان خالی کرنے کا عوض دیے بغیر اس سے مکان خالی نہیں کروا سکتا، جن صورتوں میں زید کے لیے دوسرے کو کرایہ پر دینا جائز ہے، وہ اتنا ہی کرایہ لے سکتا ہے جو خود ادا کرتا ہے، زیادتی اگر لی تو اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے؛ البتہ اگر اس نے مکان میں کچھ مرمت یا اضافہ کرایا ہے تو زیادتی حلال ہوگی۔

(ب) مروجہ پگڑی فرنیچر کا عوض نہیں ہے، بلکہ مالکِ مکان بحیثیت مالکِ مکان

اپنے مکان کو کرایہ دار سے واپس لینے کے حق سے دست برداری کا عوض وصول کرتا ہے، یہ رقم اس بنیاد پر درست قرار دی جائے گی۔

(ج) اگر کرایہ دار نے مالک مکان سے پگڑی دیئے بغیر حاصل کیا تھا، تو اس صورت میں اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس پر پگڑی حاصل کرے، اور اگر اس نے مالک مکان کو مروجہ پگڑی کے نام سے رقم دی تو وہ بھی لے سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ رشوال المکرم ۱۴۱۳ھ

ڈپازٹ کی شرعی حیثیت

سوال: زید نے بکر سے ماہانہ پچاس روپئے کرایہ پر مکان لیا، اور بکر کی اجازت کے بغیر عمر سے دس ہزار روپیہ ڈپازٹ لے کر اس کو ایک سال کے لیے پچاس روپیہ ماہانہ کرایہ پر دیا تو اس ڈپازٹ کی شرعاً کیا حیثیت ہے، اور زید اس رقم کو اپنے تصرف میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جتنی مدت کے لیے زید نے مکان کرایہ پر لیا ہے، اسی مدت کے اندر وہ عمر کو وہ مکان کرایہ پر دے رہا ہے تو جائز ہے۔ (کما مر سابقا) اور اگر مدت اجارہ ختم ہو چکی ہے، یا اجارہ مطلقہ ہوا تھا اور ختم ماہ پر بکر نے مکان کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا اس کے باوجود زید ملکی قوانین کا سہارا لے کر مکان پر قبضہ جمائے رہے اور عمر کو کرایہ پر دے، تو یہ صورت ناجائز اور حرام ہے؟ اوپر جواز والی صورت جو گزری اس میں اگر وہ ڈپازٹ کی رقم بطور وثیقہ لے رہا ہے تو جائز ہے؛ لیکن یہ بحکمِ رہن ہے، اس کو زید اپنے

تصرف میں نہیں لاسکتا بلکہ وہ امانت ہے[1]۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ڈپازٹ کی رقم کی زکوٰۃ کس پر ہے؟

سوال: زید نے بکر سے ماہانہ پچاس روپیہ کرایہ پر مکان لیا اور بکر کی اجازت کے بغیر عمر سے دس ہزار روپیہ ڈپازٹ لے کر اس کو ایک سال کے لیے پچاس روپیہ ماہانہ کرایہ پر دیا تو اس ڈپازٹ کی رقم کی زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب وہ رقم بحکمِ رہن ہوئی تو اس کی زکوٰۃ نہ عمر پر واجب ہے نہ زید پر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایضاً

سوال: زید خود صاحبِ مکان ہے اس نے اپنا مکان عمر کو ماہانہ پچاس روپیہ کرایہ پر اس شرط سے دیا کہ پچیس ہزار روپیہ ڈپازٹ دینا ہوگی، چناں چہ زید نے عمر سے پچیس ہزار روپے ڈپازٹ میں لیے، سوال یہ ہے کہ.....

(الف) اس طرح زید کا عمر سے کرایہ کے علاوہ ڈپازٹ کی رقم لینا کیسا ہے؟

(ب) اس رقم کو زید اپنے تصرف میں لاسکتا ہے یا نہیں؟

---

[1] فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ڈپازٹ کی رقم کو رہن کی سی حیثیت قرار دی ہے۔ ملاحظہ کیجیے: (فتاویٰ قاضی ص ۸۶، ۸۷) (از مرتب)

(ج) اس رقم کی زکوٰۃ زید پر واجب ہوگی یا عمر پر؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ڈپازٹ کی وہ رقم بحکمِ رہن ہو کر امانت ٹھہری تو زید کا اس رقم کو اپنے تصرف میں لانا درست نہیں ہے، اور اس کی زکوٰۃ نہ عمر پر ہوگی نہ زید پر۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ہوٹل کنٹراکٹ پر دیتے وقت لی گئی ڈپازٹ کی شرعی حیثیت؟

سوال: زید نے بکر کو اپنا ہوٹل کنٹراکٹ پر دیا اور بکر سے ڈپازٹ کی رقم پانچ ہزار وصول کی جو کنٹراکٹ پورا ہونے اور حساب کرنے کے وقت واپس کر دی جائے گی، سوال طلب امر یہ ہے کہ:

(الف) زید کا کنٹراکٹ کی صورت میں بکر سے ڈپازٹ کی رقم لینا کیسا ہے؟

(ب) بکر کی اس رقم کی زید کے پاس کیا نوعیت ہوگی امانت، رہن یا اور کچھ؟

(ج) زید اس رقم کو اپنے کاروبار میں استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور استعمال کرنے کی صورت میں منافع کا مالک کون ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بکر جس کو زید نے ہوٹل کنٹراکٹ پر دیا ہے اگر اجنبی شخص ہے تو اس صورت میں:

(الف) ڈپازٹ کی رقم لینے کی گنجائش ہے۔

(ب) یہ رقم رہن سمجھی جائے گی۔

(ج) جب بحکمِ رہن ہے تو اس کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔

ولواستأجر دارا أو شيئا أوأعطى بالأجر رهنا جاز.(عالمگیری ۵/۴۲۵)

چوں کہ اجنبی کو ہوٹل کنٹراکٹ پر دینا بھی بحکمِ اجارہ ہے؛ اس لیے وہاں ڈپازٹ درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ہوٹل کا کنٹراکٹ

سوال: چار شرکاء نے ایک ہوٹل تیار کیا جس کو چاروں مل کر چلاتے ہیں یا کوئی ایک چلاتا ہے، اور کچھ مدت کے بعد آپس میں جھگڑا ہوتا ہے تو سب مل کر طے کرتے ہیں کہ جو ماہانہ زیادہ رقم دے اس کو چلانے کے لیے کنٹراکٹ دیا جائے (کنٹراکٹ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ماہانہ طے شدہ منافع تمام شرکاء کو دینے کے بعد جو کچھ بچے وہ اس کا) سوال یہ ہے کہ کسی ایک شریک کا دیگر شرکاء سے اس طرح کنٹراکٹ لینا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کنٹراکٹ کی مسئولہ صورت درست نہیں بلکہ اجارۂ فاسدہ ہے، اس صورت میں کنٹراکٹ لینے والا شریک منافع میں اپنے حصۂ ملک کے بقدر شریک وحقدار ہوگا؛ البتہ اگر ایسا کریں کہ چلانے کی وجہ سے اس کا حصۂ منافع شروع ہی سے زیادہ طے کردیں مثلاً اس کی ملک تو ہوٹل میں چوتھائی ہے؛ لیکن اس کے لیے نفع میں تہائی تجویز کریں تو درست ہے۔

واذا كان الطعام بين رجلين فاستاجر أحدهما صاحبه أو حمار صاحبه

على أن يحمل نصيبه فحمل الطعام كله فلاأجرله الخ (هداية ٣ /٣٠٧)

(قوله ومع التفاضل فى المال دون الربح) أى بأن يكون لأحدهما ألف وللآخر ألفان مثلاً، واشترطا التساوي في الربح وقوله وعكسه أى بأن يتساوى المالان ويتفاضلا فى الربح لكن هذا مقيد بأن يشترط الأكثر للعامل منهما أو لأكثرهما عملاً، أما لو شرطاه للقاعد أو لأقلهما عملاً فلا يجوز كما فى البحر عن الزيلعى و الكمال قلت والظاهر أن هذا محمول على ما إذا كان العمل مشروطا على أحدهما. (شامى ٣ /٣٧٣)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بلا کرایہ ڈپازٹ لے کر فلیٹ دینا

سوال: میرے پاس ایک فلیٹ (گھر) ہے، اس کو میں صرف ایک لاکھ ڈپازٹ پر دیتا ہوں اور کرایہ وغیرہ کچھ طے نہیں کرتا، تو کیا صرف ڈپازٹ پر بغیر کرایہ مکان دینا لینا جائز ہے یا نہیں؟ یا ڈپازٹ کے ساتھ کچھ نہ کچھ کرایہ طے کرنا ضروری ہے؟ اور ڈپازٹ صاحب مکان اپنے کام میں استعمال کرے گا اور کرائے دار مکان میں رہے گا، دونوں کو یہ فائدہ ہے، جب صاحب مکان کو اپنا گھر خالی کروانا ہوگا تو وہ ڈپازٹ پورے پورے واپس کر کے اپنا مکان لے لے گا۔ زید اپنا مکان عمر کو ایک لاکھ روپیہ لے کر صرف رہنے کے لیے دیتا ہے اور زید اس رقم کو اپنے کام میں لیتا ہے، جب مکان خالی کروانا ہوگا تو زید عمر کو رقم واپس دے کر خالی کروائے گا، زید کو فائدہ یہ ہے

کہ وہ عمر کے پیسے کام میں لاتا ہے اور عمر کو مکان میں بغیر کرایہ رہنا یہ فائدہ ہے، باقی مکان کا لائٹ وغیرہ کا خرچہ عمر پر ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے جو صورت سوال میں دریافت کی ہے وہ درست نہیں ہے، ڈپازٹ کے نام سے دی گئی رقم قرض ہے اور اس کے معاوضے میں رقم دینے والا مکان یا فلیٹ سے فائدہ اٹھاتا ہے، "کل قرض جر نفعا فھو حرام" یعنی ہر وہ قرض جس کے ذریعہ قرض دینے والا فائدہ اٹھائے وہ حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قرض کے عوض بلا کرایہ مکان کی رہائش

سوال: زید کا ایک مکان ہے، اس نے بکر کو رہنے کے لیے دیا ہے؛ مگر زید نے بکر سے اس مکان میں رہنے کے لیے چالیس ہزار روپے لیے ہیں، اور زید نے بکر سے کہا کہ: تم اس مکان میں پانچ سال تک رہو، پھر جب تم مکان خالی کردو گے تو میں تمھارے چالیس ہزار روپے واپس کردوں گا، اور زید نے اس مکان کا کچھ کرایہ بھی طے نہیں کیا ہے، اور زید کو کرایہ لینا بھی نہیں ہے، تو کیا بکر کے لیے اس مکان میں رہنا جائز ہے یا نہیں؟ چوں کہ پانچ سال تک وہ بغیر کرایہ کے رہے گا، اور اس کی دی ہوئی رقم زید اس کو واپس بھی کردے گا، تو زید کا کرایہ نہ لینا اور بکر کا بغیر کرایہ کے اس مکان میں رہنا کیا سمجھا جائے گا؟ اور یہ بھی بات ہے کہ اگر بکر چالیس ہزار روپے نہیں دیتا تو زید مکان بھی رہنے کے لیے نہیں دیتا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید نے بکر سے جو چالیس ہزار کی رقم لی ہے وہ زید استعمال بھی کرے گا، یہ رقم قرض ہوئی، اور بکر گویا کہ رقم قرض دے کر زید کے مکان سے فائدہ اٹھا رہا ہے، جو حرام ہے۔ کل قرض جر نفعا فهو حرام. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ربیع الاول ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مکان کا ناجائز قبضہ چھوڑنے پر عوض لینا

سوال: زید نے بکر سے مکان کرایہ پر لیا، عمر اس مکان کو زید سے پچیس ہزار روپئے پگڑی پر لے رہا ہے، زید عمر کو قبضہ دیتے وقت اس مکان میں اپنا کچھ منقول یا غیر منقول سامان چھوڑ رہا ہے، اور کہتا ہے کہ میں یہ رقم پگڑی کی نہیں لے رہا؛ بلکہ اپنے سامان کی لے رہا ہوں، حالاں کہ وہ رقم اس سامان کی قیمت سے بہت زیادہ ہے، تو کیا زید کے لیے قبضہ چھوڑتے وقت معمولی سامان مکان میں چھوڑ کر خطیر (زیادہ) رقم لینا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ناجائز قبضہ چھوڑنے پر عوض لینا جائز نہیں ہے، اور اسی ناجائز قبضہ کی بنیاد پر دوسرے کو کرایہ پر مکان دینا بھی جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر زید نے جتنی مدت کے لیے مکان بکر سے کرایہ پر لیا ہے اتنی مدت کے لیے وہ عمر کو کرایہ پر دے رہا ہے تو درست ہے، اس صورت میں اگر وہ عمر کو یہ کہتا ہے کہ: میں اپنا فلاں سامان جو اس میں چھوڑ

رہا ہوں اس کی قیمت کے عوض تم سے یہ زائد رقم وصول کر رہا ہوں اور عمر اس کو منظور کرتا ہے، تب بھی (المعروف کالمشروط) والے اصول کے پیشِ نظر حقیقت یہ ہے کہ یہ عوض قبضہ کا ہے؛ اس لیے درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

وقتِ مقررہ پر کرایہ کے مکان کو خالی نہ کرنا غصب ہے

سوال: ہم نے ایک مکان خریدا، جس کو تقریباً پندرہ سال ہو گئے، الغرض جس کے مالک ہم ہیں، اس مکان میں ایک مسلمان کرایہ دار ہے، جو ویسے دیگر امور میں نیک ہے، اور اس کے پاس خدا کا دیا ہوا بہت کچھ ہے؛ بلکہ ضرورت سے زائد ہے، اور ہمیں اپنے رہنے سہنے میں تکلیف ہے، ہماری مجبوری و ناداری کے بعد بھی وہ صاحب کرایہ دار مکان کا قبضہ ہمیں نہیں دیتا ہے، اس کے بارے میں شریعت کے حکم کو بتائیں، امید ہے کہ وہ شخص آپ کی تحریر کو مان جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے اپنا مکان جس آدمی کو کرایہ پر دیا ہے، اگر کرایہ پر دیتے وقت دونوں کے درمیان کوئی مدت مقرر ہوئی تھی، مثلاً ایک سال یا دو سال وغیرہ، تب تو اس مدت کا لحاظ کرنا آپ کے لیے ضروری ہے، یعنی اس مقررہ مدت سے پہلے آپ اس کو خالی کرنے کا مطالبہ نہیں کر سکتے، اور اگر ایسی کوئی مدت مقرر نہیں ہوئی تھی تو ایک ماہ پہلے آپ ان کو اطلاع دے دیں کہ آئندہ ماہ سے ہمارا کرایہ کا معاملہ ختم ہے، آپ مکان خالی کر کے ہمارے حوالہ فرماویں۔ ان کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے مطالبہ پر آپ کا مکان

آپ کے حوالہ فرمادیں، اگر وہ ایسا نہیں کرتے ہیں تو شرعاً گنہگار وغاصب سمجھے جاویں گے۔ (شامی ۵/۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد خانپوری عفی عنہ، ۱۱/ ذی الحجہ ۱۴۱۴ھ

کرایہ کے مکان کی اجازتِ مرمت کے عوض مالک کا کرایہ دار سے رقم کا مطالبہ کرنا

سوال: کرایہ دار اگر مکان میں کچھ ضروری مرمت یا ترمیم کرنا چاہتا ہے تو (بلدیہ) میونسپلٹی کی اجازت کے بغیر قانوناً نہیں کرسکتا، اور میونسپلٹی مالک کی اجازت کے بغیر اجازت نہیں دیتی، مالک مکان اجازت دینے کے لیے کرایہ دار سے ایک رقم کا مطالبہ کرتا ہے، شرعاً یہ مطالبہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور یہ رقم لینا دینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کی بنیاد بھی ناجائز قبضہ پر ہے؛ اس لیے اصل تو یہ ہے کہ مدت اجارہ کے ختم پر کرایہ دار کو چاہیے کہ مکان مالک کے حوالہ کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کسی ایک ممبر سے ہاؤسنگ کے مصارف ڈبل وصول کرنا

سوال: کچھ احباب مل کر مشترک زمین خریدتے ہیں، اور اس پر رہنے کے مکانات تعمیر کرتے ہیں، جتنے مکانات بنانے ہوتے ہیں اتنے ممبر بناتے ہیں اس کو

ہاؤسنگ سوسائٹی کہتے ہیں، اور جب مکانات تعمیر ہوجاتے ہیں تو قرعہ اندازی سے تقسیم کردیے جاتے ہیں، ایسے اجتماعی مکانات کی کچھ ضروریات اجتماعی بھی ہوتی ہیں، مثلاً: زمین کی صفائی، باغیچہ کی دیکھ بھال، پانی؛ نیز سرکاری ٹیکس کی ادائیگی ان ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اور اس کی ذمہ داری سنبھالنے کے لیے ایک کمیٹی بناتے ہیں، یہ کمیٹی تمام ممبران کے لیے کچھ قوانین بھی بناتی ہے، تاکہ سب کو سہولت ہو اور کسی قسم کی تکلیف نہ ہو، اور ماہانہ کچھ رقم بھی وصول کرتی ہے، تاکہ اجتماعی ضروریات کو پورا کیا جاسکے، ایسی ایک کمیٹی نے ایک قانون ایسا بنایا کہ ہماری سوسائٹی کے ممبران میں سے کوئی اگر اپنا مکان اپنے خونی رشتہ دار کے علاوہ کسی کو کرایہ پر دے گا، تو اس سے اجتماعی خرچ اصل ممبروں سے جتنا وصول کیا جاتا ہے، اس سے ڈبل وصول کیا جائے گا، تو اس کمیٹی کا ایسا قانون بنانا اور زیادہ رقم لینا شرعاً درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وصول کی جانے والی رقم جب پیش آمدہ مصارف کی تکمیل کے لیے حاصل کی جاتی ہے، تو اس کی مقدار بھی اسی کے مطابق ہونی چاہیے، مالک کو اختیار ہے کہ وہ اپنا مکان جس کو چاہے کرایہ پر دے اجنبی کو کرایہ پر دینے کی صورت میں اس سے حصۂ مصارف دوہرا وصول کرنا سمجھ میں نہیں آیا، اگر ایسی صورت میں سرکاری ٹیکس وغیرہ میں اضافہ ہوجاتا ہو تو اس کی وضاحت فرمائی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ہاؤسنگ سوسائٹی میں مالک مکان سے نون اوکیوپیشن چارج لینا جائز ہے

سوال: بمبئی میں ایک ہاؤسنگ سوسائٹی کی ایک بلڈنگ ہے، جس میں تین سو سے زیادہ مکان مالکان اپنی ملکیت کے مکان رکھتے ہیں، اِن میں سے کچھ لوگ اپنے مکان میں خود رہنے کے بہ جائے کرایہ دار کو کرایے سے مکان دیتے ہیں۔ ہر مکان مالک سے بلڈنگ کی اجتماعی سہولیات کے اخراجات کے لیے مینٹینس (Maintenence) لیا جاتا ہے؛ البتہ جو لوگ اپنا مکان کرایے سے دیتے ہیں اُن مکان مالکان سے کچھ زائد رقم مینٹنتس میں لی جاتی ہے، جس کو ''نون اوکیوپیشن چارج'' (Non occupetion) کہتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ سرکاری قانون کے مطابق اگر ہاؤسنگ سوسائٹی میں مکان مالک خود رہنے کے بہ جائے کرایے سے مکان دیوے، تو اُس مکان کے مینٹنتس چارج کا دس فیصد اُس مکان والے سے زیادہ لیا جائے، یہ رقم اُس سوسائٹی کے اجتماعی کاموں کے اخراجات میں صرف ہوتی ہے۔

اور اگر یہ ۱۰ فیصد ''نون اوکیوپیشن چارج'' نہ لیا گیا اور متعلقہ افسران کو اِس بات کا کسی طرح پتہ چل گیا کہ یہاں کوئی کرایہ دار رہتا ہے، تو وہ سوسائٹی کی انتظامیہ کے واسطے سے اُس مکان مالک سے مینٹنتس کا چالیس فی صد زیادہ وصول کریں گے، اور یہ چالیس فی صد رقم متعلقہ سرکاری شعبے میں داخل ہوگی، سوسائٹی میں استعمال نہیں کی جاسکتی، اِس سے بچنے کی صرف ایک صورت ہے کہ سوسائٹی کی کمیٹی متعلقہ افسران کے سامنے غلط بیانی کرتی رہے کہ: یہاں کوئی کرایہ دار نہیں ہے، اور پتہ چلنے پر اُن افسران

کو رشوت دے کر معاملہ ختم کر دے، اگر اِن میں سے کوئی صورت اختیار نہیں کی گئی تو ہاؤسنگ کے شعبے کے افسران کے سامنے سوسائٹی کی کمیٹی جواب دہ ہوگی۔ اِس تفصیل کے پیش نظر چند سوالات عرض خدمت ہے:

(الف) کیا مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں کرایہ پر دینے والے مالک مکان سے نون اوکیوپیشن چارج - جو میینٹیننس سے زیادہ ہو- لینا جائز ہے؟

(ب) اگر یہ زائد چارج لینا جائز ہے تو سرکاری قانون کے مطابق میینٹیننس کا دس فی صد یا اِس سے زیادہ بھی لے سکتے ہیں؟ اور اُس کو سوسائٹی کے اجتماعی کاموں میں خرچ کر سکتے ہیں؟

(ج) اگر یہ دس فی صد چارج نہ لیا جائے اور متعلقہ افسران کو پتہ چلنے پر چالیس فی صد وصول کرنا پڑے، تو کیا کمیٹی مکان کے مالک سے وصول کر سکتی ہے جب کہ یہ چارج اُسی کے کرایے پر دینے سے اُس مکان مالک پر قانوناً عائد ہوا ہے؟

(د) اِن تمام قانونی گرفتوں سے بچنے کے لیے سرکاری افسران کو رشوت میں دی ہوئی رقم کا ذمہ دار کون ہوگا؟ چاہے وہ رقم چالیس فی صد سے بھی زیادہ ہو؟

امید ہے کہ شریعت مطہرہ کی روشنی میں اِن تمام باتوں کے جوابات ارشاد فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے سوالات کے جواب سے پہلے بہ طور تمہید چند باتیں عرض ہیں:

① حکومت اپنے شہریوں کی سہولت اور راحت رسانی اور اُن کی ضروریات کی

فراہمی کی غرض سے مختلف اسکیمیں جاری کرتی ہے، اُن ہی میں سے ایک ہاؤسنگ سوسائٹی کی اسکیم ہے، جس کا مقصد ملک کے شہریوں کو اپنی ملک کے رہائشی مکانات کی فراہمی ہے؛ چناں چہ اِسی مقصد کے لیے وہ قرض بھی دیتی ہے۔

(۲) شہریوں کی ضرورت کی فراہمی کے لیے اور اُن کی راحت رسانی کے لیے حکومت جن چیزوں کا انتظام کرتی ہے اُن میں بجلی، پانی، ڈرینج سسٹم، سڑکیں وغیرہ شامل ہیں؛ یہ وہ چیزیں ہیں کہ انفرادی طور پر اِن کا انتظام کسی فرد یا ادارے کے لیے مشکل ہوتا ہے۔ پھر حکومت کا طریقِ کار اِن سہولتوں کی فراہمی میں افراد وشخصیات اور ادارے کے لیے مختلف ہوتا ہے، مثلاً بجلی، کہ عموماً یہ حکومت کی طرف سے معاوضہ لے کر فراہم کی جاتی ہے؛ لیکن استعمال کرنے والے کے اعتبار سے اُس کی قیمت میں فرق رکھا جاتا ہے: گھریلو استعمال کے لیے اُس کی جو قیمت مقرر کی جاتی ہے وہ کاروباری اور تجارتی استعمال کے لیے مقرر کی جانے والی قیمت کے مقابلے میں کم ہوتی ہے، اِسی طرح کارخانوں اور فیکٹریوں کے استعمال میں آنے والی بجلی کی قیمت، کھیتی باڑی میں استعمال آنے والی بجلی کی قیمت کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے، عبادت گاہوں اور رفاہِ عام کے کاموں میں استعمال ہونے والی بجلی کی قیمت میں، ذاتی استعمال میں آنے والی بجلی کی قیمت کے مقابلے میں بہت زیادہ رعایت دی جاتی ہے؛ یہی حال بعض دوسری سہولتوں کا ہے جو حکومت کی طرف سے فراہم کی جاتی ہیں۔

(۳) ہاؤسنگ سوسائٹی والی اسکیم جاری کرنے سے حکومت کا مقصد یہ ہے کہ اپنے زیادہ سے زیادہ شہریوں کو اپنی ملک کے رہائشی مکانات میسر ہوں؛ اِس لیے جب حکومت کے سامنے چند افراد مل کر اِس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ: ہم پچاس یا سو افراد مل کر

مشترکہ طور پر ایک جگہ خرید کر وہاں پر رہائشی مکانات تعمیر کرنا چاہتے ہیں، اور اُس کا پورا نقشہ وغیرہ حکومت کے شرائط کے مطابق متعلقہ شعبے میں پیش کرتے ہیں، تو حکومت کی طرف سے اُن کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، اور اِس کام میں اُن کا مختلف حیثیتوں سے تعاون کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر اِسی طرح کی تعمیراتی اسکیم تجارتی غرض سے پیش کی جاتی اور اُس کو منظور کرنے کے لیے اُن سے جو فیس وصول کی جاتی ہے، اُس کے مقابلے میں ہاؤسنگ سوسائٹی کی اسکیم کی منظوری کے لیے اِتنی فیس نہیں وصول کی جاتی، یہی حال بجلی، پانی وغیرہ دیگر ضروریات کی فراہمی کا ہے۔

④ اِس طرح کی اسکیموں میں پہلے سے باقاعدہ سارے اُمور معاہدے کی شکل میں حکومت اور سوسائٹی کے درمیان طے کیے جاتے ہیں، گویا اِس سوسائٹی کا ہر ممبر حکومت کے ساتھ یہ معاہدہ کرتا ہے کہ: اِس اسکیم میں جن شرائط کے ساتھ حکومت کی طرف سے منظوری دی گئی ہے ہمیں وہ شرائط منظور ہیں، اور ہم اُن شرائط پر عمل کا عہد و پیمان کرتے ہیں۔

⑤ آپس کے معاہدے سے جو شرائط منظور کیے جاتے ہیں اسلامی تعلیمات کا تقاضہ ہے کہ اُن شرائط کو پورا کرنے کا اہتمام کیا جائے، اُن کی خلاف ورزی نہ ہو۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ ﴿وأوفوا بالعهد إن العهد كان مسئولا﴾ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: ''دسواں حکم، عہد کو پورا کرنے کی تاکید ہے۔ عہد دو طرح کے ہیں: ایک وہ جو بندے اور اللہ کے درمیان ہے، (آگے تحریر فرماتے ہیں:) دوسری قسم عہد کی وہ ہے جو انسان کسی انسان سے کرتا ہے، جس میں تمام معاہدات: سیاسی، تجارتی، معاملاتی شامل ہیں، جو افراد یا جماعتوں کے درمیان دنیا میں ہوتے

ہیں''۔(معارف القرآن ۵/۴۶۸)

آیت کریمہ ﴿وأوفوا بعهد الله إذا عاهدتم﴾(النحل) کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں: ''لفظ عہد اُن تمام معاملات ومعاہدات کو شامل ہے جن کا زبان سے التزام کیا جائے، یعنی اُس کی ذمہ داری لی جائے، خواہ اُس پر قسم کھائے یا نہ کھائے، خواہ وہ کسی کام کے کرنے سے متعلق ہو یا نہ کرنے سے۔(آگے تحریر فرماتے ہیں:) کسی سے عہد ومعاہدہ کرنے کے بعد عہد شکنی کرنا بڑا گناہ ہے''۔(معارف القرآن ۵/۳۸۳)

عن عبدالله بن عمرو قال: قال رسول الله: أربع من كان فيه كان منافقا خالصا، ومن كان فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة من النفاق حتىٰ يدعها: إذا اؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر. متفق عليه (مشكوة ص:۱۷)

⑥ ہاؤسنگ سوسائٹی کی اجتماعی ضرورتوں کے اخراجات کو پورا کرنے کے لیے جو رقم ممبران سے وصول کی جاتی ہے جس کو مینٹننس کا نام دیا گیا ہے، چوں کہ اُن کی ضرورتوں میں بعض ایسی بھی ہیں جن کے لیے حکومت کی طرف سے تعاون بھی کیا جاتا ہے، مثلاً: وہاں آنے جانے کے راستے، یا پانی کا اجتماعی نظام، وغیرہ اور جیسا کہ اوپر کے نمبرات میں بتلایا گیا، ایسے امور میں حکومت کی طرف سے رعایت بھی دی جاتی ہے، چوں کہ بہ وقتِ معاہدہ حکومت کو یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ مکانات جو تعمیر کیے جارہے ہیں اُن کو ممبران حضرات اپنی رہائشی ضرورت پوری کرنے کے لیے استعمال کریں گے، اُن کے ذریعے آمدنی حاصل کرنا یا کمانا مقصود نہیں، اُن کی اِسی درخواست کو مدنظر رکھ کر اُن سے لیے جانے والے معاوضوں میں حکومت کی طرف سے رعایت دی جاتی ہے؛

لیکن ساتھ ہی یہ وعدہ بھی لیا جاتا ہے کہ اگر کوئی ممبر اِس مکان کو اپنی رہائشی ضرورت میں استعمال کرنے کے بہ جائے کرایے پر دے گا یعنی اِس کو آمدنی کا ذریعہ بنائے گا، تو اُس سے عام طور پر لی جانے والی مینٹینس کی مقدار سے زیادہ مقدار وصول کی جائے گی، اور اُس کو بھی حکومت خود لینے کے بہ جائے ہاؤسنگ سوسائٹی کے پاس رہنے دیتی ہے، کہ وہ اِس کے ذریعے سوسائٹی کی عام ضرورتوں کو پورا کرے (کہ یہ بھی حکومت کے مقاصد میں سے ہے)، گویا زیادتی کی یہ شرط لگا کر حکومت کی طرف سے جو رعایت دی گئی تھی اُس میں کمی کر دی گئی؛ اِس لیے اِس طرح کی شرط بھی قرین قیاس ہے، اور جو آدمی اِس زیادتی کو ادا نہ کرے اُس سے بہ طور سزا چالیس فی صد وصول کیا جاتا ہے، جس کو حکومت ہی متعلقہ شعبے میں جمع کر لیتی ہے، اور یہ بھی اِس سلسلے میں کیے گئے معاہدے کا ایک حصہ ہی ہے جس کا ہر ممبر کو علم ہے۔

⑦ حکومت کی طرف سے جو مال بہ طور جرمانہ وصول کیا جاتا ہے شرعی اعتبار سے تو اُن میں سے کوئی چیز وصولنی نہیں چاہیے، اور جو حاکم اصولِ شرع کے مطابق نظامِ حکومت چلاتا ہو اُس کو چاہیے کہ اِس طرح کے جرمانوں کو ختم کرے؛ لیکن چوں کہ ہماری حکومت اسلامی حکومت نہیں، اور اِن جرمانوں کو ختم کرنا اور اِن کی ادائیگی سے انکار کرنا ہمارے اختیار اور طاقت سے باہر ہے؛ اِس لیے اگر حکومت کے قانون کے پیشِ نظر اِس کا مطالبہ کیا جائے تو اپنی عزت و آبرو اور جان کے نقصان سے حفاظت کے لیے اِس کی ادائیگی کی جا سکتی ہے۔ تنقیح الفتاوی الحامدیۃ سے ایک سوال جواب نقل کیا جاتا ہے:

(سئل) فيما إذا كان رجل ساكن بدمشق وله أملاك في قرية من قراها، وترد على القرية المزبورة غرامات متعلقة بالأبدان والأنفس،

فهل لا ينوب الرجل المذكور شيء من الغرامات المتعلقة بالأنفس؟

(الجواب)الأصل في ذلك: أنه لا يلزم أحد بشيء من ذلك شرعا، ولحاكم الشرع رفع ذلك ومنعه، فإذا لم يمكن رفع ذلك ولامنعه فما كان لحفظ الأملاك فالقسمة على قدر الملك؛ لأنها مؤنة الملك، وإن كانت لتحصين الأبدان فعلى عدد الرء وس؛ لأنها مؤنة الرأس، ولايدخل في ذلك النساء والصبيان؛ لأنه لايتعرض لهم، ولأنه لايمكن دفعها، فوجب توزيعها على حسب ذلك؛ كما ذكر هذا التعليل الخير الرملي في فتاوية ومن لم يكن ساكنا في القرية المزبورة لايمنعه من الغرامات المتعلقة بتحصين الأبدان شيء؛ لأن بدنه ليس في القرية المزبورة قال الإمام الجليل فخر الدين قاضي خان في فتاواه المشهور في كتاب القسمة: "أهل قرية غرمهم السلطان فقال بعضهم: يقسم على قدر الأملاك وقال بعضهم: يقسم على عدد الرءوس وقال الفقيه أبوجعفر: إن كانت الغرامة لتحصين الأملاك يقسم على قدر الأملاك؛ لأنها مؤنة الملك، وإن كان لتحصين الأبدان تقسم على عدد الرءوس الذين يتعرض لهم؛ لأنها مؤنة الرأس، ولاشيء من ذلك على النساء والصبيان؛ لأنه لايتعرض لهم" اهـ بحروفه. ومثله في قسمة الذخيرة والتتارخانية، وكذا في التجنيس وفتاوى الإنقروي والولوالجية والأشباه وغيرها من الكتب المعتبر النعمانية. (تنقيح الفتاوى الحامدية۲ /۱۹۹،۱۹۸)

اب آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب پیش خدمت ہیں:

(الف) مندرجۂ بالا تمہید کی روشنی میں نون او کیو پیشن چارج لینا درست ہے۔

(ب) جتنی زیادتی کا قانون ہے اُتنا ہی لیا جاسکتا ہے، اور حسبِ قانون اُس کو اجتماعی کاموں میں خرچ بھی کر سکتے ہیں۔

(ج) جی ہاں۔

(د) اِس کے لیے سرکاری افسران کو رشوت نہ دی جائے؛ اِس لیے کہ رشوت دے کر جو کچھ بھی اِن افسران کے ذریعے کروایا جارہا ہے وہ سب قانون حکومت کی خلاف ورزی ہونے کی وجہ سے جان وعزت دونوں کے لیے خطرہ ہے؛ نیز حکومت کے ساتھ کیے گئے معاہدے کی خلاف ورزی بھی ہے؛ نیز جرمانے کی ادائیگی تو ہم اپنی خوشی اور مرضی سے نہیں؛ بلکہ قانونی مجبوری کی وجہ سے کررہے ہیں، جب کہ رشوت دینا ہمارے اختیار سے ہورہا ہے؛ نیز رشوت کی وجہ سے یہ سب کالعدم بھی نہیں ہوتا؛ بلکہ وقتی طور پر افسران چشم پوشی کرلیتے ہیں، پھر جب دوسرا آدمی آئے گا دوبارہ یہی مسئلہ سر اٹھائے گا، اِس لیے رشوت ہرگز نہ دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

ممبران بلڈنگ سے لیٹ فیس لینا جائز نہیں

سوال: ایک بلڈنگ میں ۳۰۰/ سے زیادہ ممبر ہیں، جن سے ہر ماہ مینٹینس لیا جاتا ہے، رقم بلڈنگ کے اجتماعی کاموں مثلاً: لفٹ، پانی، صفائی، حفاظتی عملے کی تنخواہ، اسٹیٹ لائٹ بل، پانی کے ٹیکس اور زمین کے ٹیکس وغیرہ میں خرچ کی جاتی ہے، اگر ۳۰۰/ممبروں میں سے ۲۵۰/ممبر اپنا مینٹینس ادا کرتے ہیں اور پچاس ممبر ادا نہیں کرتے، تو ان ادا نہ کرنے والوں سے سوسائٹی کی کمیٹی تاخیر کرنے پر ''لیٹ فیس'' کے

نام سے کچھ زائد رقم لیتی ہے، کیا یہ لیٹ فیس لینا صحیح ہے؟

اگر یہ لیٹ فیس لینا صحیح نہیں ہے تو کیا یہ مینٹننس ادا نہ کرنے والے ممبروں کے لیے سوسائٹی کی اجتماعی سہولتوں سے فائدہ اٹھانا شرعاً صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لیٹ فیس درحقیقت مالی جرمانہ ہے، جس کی شرعاً اجازت نہیں۔

درمختار میں ہے: لا بأخذ مال في المذهب شامی میں ہے: قال فی الفتح: وعن أبی یوسف یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقی الأئمة لایجوز اه ومثله فی المعراج، وظاهره أن ذلك روایة ضعیفة عن أبی یوسف قال فی الشرنبلالیة: ولایفتیٰ بهذا؛ لمافیه من تسلیط الظلمة علیٰ أخذ مال الناس فیأكلونه اه (درمختار مع الشامی ۳ /۱۹۰)

البتہ مینٹیننس ادا نہ کرنے والے ممبروں سے انتظامیہ جبراً مینٹیننس وصول کرسکتی ہے۔

درمختار میں ہے: لیس لذی الحق أن یأخذ غیر جنس حقه، وجوزه الشافعی وهو الأوسع شامی میں ہے: (قوله: وجوزه الشافعی) قدمنا فی كتاب الحجر: أن عدم الجواز كان فی زمانهم، أمّا الیوم فالفتویٰ علی الجواز. (درمختار مع الشامی ۵ /۳۰۰)

اور پچھلا مینٹیننس ادا نہ کرنے پر آئندہ کے لیے اجتماعی سہولتوں سے فائدہ اٹھانے سے ان کو روک دے، اس کے باوجود ان کا ان سے فائدہ اٹھانا شرعاً جائز اور درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ /صفر المظفر ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی عفی عنہ

مینٹننس کی رقم کی مقدار اور تاخیر پر جرمانہ

سوال: ① میرا ایک فلیٹ ہے اسے میں نے ایک شخص کو کرایہ پر دیا ہے، اس بلڈنگ کے کمیٹی ممبران نے مجھ سے کہا کہ آپ کرایہ پر دے کر کمار ہے ہیں تو بلڈنگ والوں کو بھی فائدہ ہونا چاہیے، لہذا کمیٹی ممبران نے یہ طے کیا کہ جو بھی فلیٹ کرایہ پر دے گا اسے ہر ماہ ۵۰۰ / روپے کمیٹی ممبران کو دینا ہوگا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کمیٹی کا اس طرح قانون بنا کر ہر ماہ ۵۰۰ / روپے لینا جائز ہے یا نہیں؟

② میرا ایک فلیٹ ہے اس کا مینٹننس ۳۰۰۰ / ہے، ہر ماہ کی ۲۱ تاریخ تک بھرنا ہوتا ہے، اگر ادا کرنے میں تاخیر ہوگئی تو ۲ فیصد پینلٹی لگائی جاتی ہے، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ تاخیر ہونے کی وجہ سے کمیٹی ممبران کا پینلٹی لگا کر زائد رقم کا مطالبہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① بلڈنگ میں تمام فلیٹ والوں کی مشترکہ ضرورتوں کا نظم وانتظام کرنے کے لیے کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے اور ان مشترکہ ضرورتوں پر جو مصارف ہوتے ہیں وہ یہ کمیٹی مالکان فلیٹ سے مینٹننس کے نام سے وصول کرتی ہے، خود اس مینٹننس کے لیے شرعاً یہ حکم ہے کہ جو حقیقی اور واقعی مصارف ہوں ان کے مطابق ہی رقم وصول کی جائے، اس سے زیادہ وصول کرنا درست اور جائز نہیں، رہا آپ کا یہ سوال کہ آپ نے اپنا وہ فلیٹ (خود رہنے کے بجائے) دوسرے آدمی کو کرایہ پر دیا ہے، اس کرایہ میں سے کمیٹی ممبران آپ سے مطالبہ کرتے ہیں تو ان کا یہ مطالبہ شرعاً درست نہیں، حدیث

شریف میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: لا یحل مال امرئ إلا بطیب نفس منه. (مشکوٰۃ: ۲۵۵)

(۲) مینٹننس کی مقررہ رقم کی ادائیگی میں تاخیر ہونے پر کمیٹی ممبران کا جرمانہ کے طور پر اکیس فیصد مزید وصول کرنا جائز نہیں۔

درمختار میں ہے: لا بأخذ مال فی المذهب وفی الشامیة (قوله لا بأخذ مال فی المذهب) قال فی الفتح وعن ابی یوسف یجوز التعزیر للسلطان بأخذ المال، وعندهما وباقی الأئمة لا یجوز اه ومثله فی المعراج وظاهره أن ذلك روایة ضعیفة عن أبی یوسف قال فی الشرنبلالیة ولا یفتی بهذا لمافیه من تسلیط الظلمة علی أخذمال الناس الخ (درمختار مع الشامی ۳/ ۱۹۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

گیسٹ ہاؤس وغیرہ کے مسائل

گیسٹ ہاؤس کے مالک کا گاہک کے ناجائز کام پر تعاون

سوال: گیسٹ ہاؤس میں آنے والے گاہک نئی نئی عورتوں کو جو مختلف ہوتی ہیں، ان کی اہلیہ نہیں ہوتی ساتھ میں لاتے ہیں، اور روم میں قیام کرتے ہیں، زنا کاری کا عمل ہوتا ہے، اور مالک گیسٹ ہاؤس اس کو جانتا ہے؛ نیز بعض مرتبہ شراب لاکر پیتے ہیں، اور بعض مرتبہ گیسٹ ہاؤس کا نوکر باہر سے شراب لاکر دیتا ہے، اور باہر سے لڑکی وغیرہ کا انتظام کر دیتا ہے، اور یہ سب کاروبار چلانے کے لیے کیا جاتا ہے،

نہیں کرتا ہے، تو کاروبار ٹھیک نہیں چلتا ہے، تو شراب اور لڑکیاں مہیا کرنا؛ نیز گاہک ساتھ لے کر آئے تو زنا اور شراب کی اجازت دینا کیسا ہے؟ نیز گاہکوں کی چاہت کے لیے اور کاروبار ٹھیک چلے اس کے لیے ریڈیو، ٹیلیویژن، ویڈیو وغیرہ لگانا، فلمی گانے سنانا اور فلمیں وغیرہ دکھلانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ تمام امور اعانت علی المعصیت ہونے کی وجہ سے ناجائز ہیں، اور ان میں سے بعض خود معصیت ہیں۔ ﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ ﴿رب بما أنعمت علیّ فلن أکون ظهیرا للمجرمین﴾ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایضاً

سوال: اگر گیسٹ ہاؤس کا مالک مذکورہ بالا غلط چیزوں کی ممانعت کرتا ہے اور جلی حروف میں غلط چیزوں کی ممانعت کا سائن بورڈ بھی لگایا ہے، اور اگر ایسا گاہک آ بھی گیا تو اس کو سمجھا بجھا کر باہر بھی نکال دیتا ہے، اس طرح گیسٹ ہاؤس کا کاروبار کرنا شرعاً کیسا ہے؟ اگر مالک کی بے خبری میں گیسٹ ہاؤس میں غلط کام ہو جائے تو مالک گنہ گار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مالک کی طرف سے تمام قسم کی احتیاطی تدابیر کے باوجود غلط کام کسی نے کر لیا تو اس کی ذمہ داری مالک پر عائد نہیں ہوگی، اور مالک گنہ گار نہ ہوگا، ان احتیاطی تدابیر

کے ساتھ گیسٹ ہاؤس کا کاروبار درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

گیسٹ ہاؤس میں آنے والے جوڑے کے متعلق میاں بیوی یا اجنبی ہونے کا علم نہ ہو تو؟

سوال: زید ایک گیسٹ ہاؤس کا مالک ہے، اس گیسٹ ہاؤس میں قیام کے لیے مختلف لوگ عورتوں کے ساتھ آتے ہیں، صاحب گیسٹ ہاؤس کو یہ معلوم نہیں کہ یہ دونوں میاں بیوی ہیں یا نہیں، تو مالک کے لیے اس کا کرایہ وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں اگر وقتِ قیام اجرت کی تعیین کے ساتھ عقد اجارہ کیا ہے تو گیسٹ ہاؤس کے مالک کے لیے کرایہ وصول کرنا جائز ہے۔

تصح إجارة حانوت أی دکان ودار بلابیان مایعمل فیها لصرفها للمتعارف. (درمختار) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ٹی-وی پر مشتمل گیسٹ ہاؤس کی کمائی کا حکم

سوال: ایک صاحب کا بڑا گیسٹ ہاؤس (Guest House) ہے، جس میں مسافروں کو رکنے دیا جاتا ہے، ان کمروں میں ٹی وی (T.V.) بھی لگا ہوا ہے، اس چیز کے ہوتے ہوئے ایسے شخص کا یہ دھندا کرنا کیسا ہے؟

ایسے شخص کی کمائی اور مال کا کیا حکم ہے؟ نیز یہ شخص اپنا پیسہ مدرسہ میں مسجد میں دیوے تو دینا کیسا ہے؟ استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ایسے ہی اگر کسی کو معلوم ہے اور وہ چندہ لینے والے کو اس منکر فعل سے آگاہ کرے تو فتنہ کا بھی اندیشہ ہے تو جس کو یہ چیز معلوم ہے، وہ آگاہ نہ کرے اس چندہ لینے والے کو، تو اس جاننے والے کا مواخذہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس آدمی کا اپنے گیسٹ ہاؤس کے کمروں میں ٹی وی سیٹ کرنا ناجائز اور گناہ ہے، اس کو چاہیے کہ اس کو نکال دے، اور سابقہ فعل سے توبہ کرے، اس کے باوجود چوں کہ گیسٹ ہاؤس کا جو کرایہ حاصل ہوتا ہے وہ اس میں قیام ورہائش کا ہے کہ اس میں یہی منفعت مقصودہ بالاستیجار ہے، اس لیے اس کمائی کو حرام نہیں قرار دیا جاسکتا، اس کی یہ آمدنی حلال ہے؛ البتہ کراہت سے خالی نہیں، اس لیے یہی رقم مسجد میں استعمال کرنے سے احتراز مناسب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شراب بیچنے والے کو ہوٹل کرایہ پر دینا

سوال: اگر میرے پاس کوئی ہوٹل ہے، اور میرے پاس صرف کھانے کی دوکان ہے، یعنی جس کے اندر صرف چائے اور کھانا فروخت کرتا ہوں، اور دوسرا آدمی جس کو میں نے کرایہ پر دیا ہے، وہ میری اجازت سے شراب فروخت کرتا ہے، یا پھر میں نے اجازت نہیں دی اور وہ میری اجازت کے بغیر شراب فروخت کرتا ہے، تو یہ کیا اس کے لیے جائز ہے یا حرام ہے؟ اس لیے میں نے لکھا کہ ایک مولانا ہمارے

یہاں اس کو جائز قرار دیتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس میں اعانت علی المعصیت ہے، فرمانِ خداوندی ہے: ﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ (یعنی معصیت اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو) اگر اجارہ پر دینے والے کا مقصد اس معصیت ہی کا ہو، (جیسا کہ اجازت دینا اس پر دلالت کرتا ہے) تب تو یہ خود ارتکابِ معصیت اور اعانتِ معصیت میں داخل ہو کر قطعاً حرام ہے اور اگر اس کا قصد ونیت شامل نہ ہو؛ لیکن اس کو علم ہے کہ یہ شخص اس دوکان میں شراب فروخت کریگا، تو اس صورت میں یہ بیع واجارہ مکروہ ہے۔ (از جواہر الفقہ ۲/ ۴۵۵ ملخصا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شراب پینے والے غیر مسلم کو ہوٹل میں ملازم رکھنا

سوال: زید کی ہوٹل میں ایک ہندو کاریگر کام کرتا ہے، زید اس کو ڈیوٹی ختم ہونے کے بعد روزانہ روکڑا روپیہ دے دیتا ہے، اور زید کا وہ ہندو نوکر اسی روپیہ سے شراب پی کر ہوٹل میں سوتا ہے اور صبح اپنی نوکری شروع کر دیتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ زید کو دوسرا کاریگر بھی ہوٹل کے لیے نہیں ملتا ہے تو زید کیا کرے؟ اور زید اپنی ہوٹل میں خلافِ سنت کھانا کھلاتا ہے تو اس صورت میں زید کی آمدنی کا کیا حکم ہے؟ ہوٹل میں کھانے والا ہندو آتا ہے جو شریعت کا مکلف نہیں ہے، اور اگر مسلمان کھانے والا ہو تو کیا حکم ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب وہ ملازم غیر مسلم ہے تو چاہے وہ اپنی اس تنخواہ سے شراب نوشی کرتا ہو، زید پر کوئی گناہ نہیں ہے، چار پائی پر کھانا جائز ہے، زید کی آمدنی پر اس کی وجہ سے کوئی حرمت نہیں آتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کرایہ دار دکان میں شراب کا گڑ بیچتا ہو تو بھی کرایہ لینا درست ہے

سوال: اگر کوئی آدمی اپنی دکان کسی کو کرایہ پر دے، اور کرائے دار اس دکان میں شراب کا گڑ بھی بیچے تو کیا مالک مکان کے لیے کرایہ لینا درست ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے؛ اس لیے کہ دینے والے نے اس نیت سے نہیں دیا۔

لأن الإجارة على منفعة البيت ولهذا يجب الأجر بمجرد التسليم ولا معصية فيه الخ (شامی ۵/ ۲۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دلالی کے مسائل

دلال کی اجرت

سوال: بمبئی شہر میں گھروں کی دلالی ہوتی ہے، اگر کسی مکان کو فروخت کرنا ہو تو دلال کو بتانا پڑتا ہے، اور دلال کا ریٹ ہے کہ ایک لاکھ میں ایک ہزار، اگر مکان دس لاکھ کا ہو تو دس ہزار دلالی لیتا ہے۔ اور اسی طرح جو خریدار ہے اس سے بھی اتنی ہی رقم

لیتا ہے۔ کیا دوطرفہ دلالی لینا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر دونوں طرف سے دلالی لینے کا عرف ورواج ہوتو درست ہے ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، یکم صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

دلال کی اجرت

سوال: آج کل عام طور پر منڈیوں پر، غیروں کے قبضہ وتسلط کی وجہ سے کاروبار میں شرعی اصول کی رعایت نہیں رکھی جاتی، اور عموم کی وجہ سے کوئی ان اصول کی رعایت کرنا چاہے تب بھی نہیں کرسکتا، اور تمام کاروباری بھی اس کے عادی ہو جانے کی وجہ سے منازعت بھی نہیں پائی جاتی، مثلاً: ہم چھوٹے تجار کو جب بھی کوئی مال، اناج، کپڑا وغیرہ لینا ہوتو دلال کو آرڈر دینا ہوتا ہے، دلال اصل بڑے تاجر کو آرڈر دیتا ہے، وہ بڑا تاجر دلال کے آرڈر کے مطابق ہم کو مال روانہ کردیتا ہے، اور دلال کا کمیشن اس پر لگ جاتا ہے، سوال یہ ہے کہ دلال کا اس طرح بے دیکھے، بے تولے اور بغیر قبضہ کے مال روانہ کردینا ایسے ہی ہمارا اس سے اس طرح خریدنا جب کہ بڑا تاجر ہم کو براہِ راست نہیں دیتا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دلال بائع ومشتری کے درمیان معاملہ کرادیتا ہے اور اپنے کام کی اجرت

بصورتِ کمیشن وصول کرتا ہے، یہ درست ہے۔ (ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۱۷۰، شامی ۵/ ۴۴)

جو مال خریدا جاتا ہے اس کا نمونہ دیکھا جاتا ہے، اس کی قیمت بھی متعین ہوتی ہے اور مقدار بھی، گویا معاملہ بڑے تاجر اور چھوٹے تاجر کے درمیان ہوا، دلال نے دونوں کے درمیان رابطہ کا کام دیا؛ اس لیے یہ معاملہ درست ہے؛ البتہ خریدا ہوا مال نمونہ کے مطابق نہ ہو یا اس میں کوئی عیب ہو، تو مشتری کو خیار رویت یا خیار عیب حاصل ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بائع اور مشتری سے دلالی کی اجرت لینا

سوال: صاحبِ مال نے کسی دلال سے کہا کہ میرا فلاں مال ۵۰۰/ میں مثلاً بکوادے، تجھے سو روپے دلالی دی جائے گی، دوسرے آدمی نے اس مال کے متعلق کہا کہ پانچ سو میں مجھے سودا کرادے تو تجھے سو روپے دلالی دی جائے گی، بائع ومشتری دونوں کو قیمت معلوم ہے، دلال دونوں سے سو سو روپے لیتا ہے، تو اس میں کوئی قباحت تو نہیں آئے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر سودا (یعنی ایجاب وقبول) بائع ومشتری خود انجام دے رہے ہیں، دلال نے تو صرف دونوں میں رابطہ پیدا کرنے کا کام انجام دیا ہے، تو دونوں سے دلالی یعنی اجرت لے سکتا ہے، اور اگر وہ دلال کسی ایک کی طرف سے سودا کر رہا ہے تو صرف اسی سے اجرت لے سکتا ہے، اس لیے کہ اس صورت میں دلالی صرف وکالت کی اجرت

کہلائے گی، اور بیع میں کسی ایک ہی کی طرف سے وکیل بن سکتا ہے، دونوں کی طرف سے نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دلالی کے دو مسئلے

سوال: ① ہمارا بھینسوں کا اصطبل ہے، جانوروں کے لیے گھاس، دانہ دلالوں کے واسطہ سے کمپنی سے خریدا جاتا ہے، دلال دونوں طرف سے دلالی وصول کرتے ہیں، کمپنی سے جو بھی مال خریدا جاتا ہے ثمن کی ادائیگی میں چالیس دن کی مہلت ہوتی ہے، یہ کمپنی کا عام دستور ہے کمپنی مہلت ہی کے حساب سے بھاؤ طے کرتی ہے کمپنی یا دلال کے پوچھنے پر وہی بھاؤ بتایا جاتا ہے، اور اکثر خریدار چالیس دن پر ہی ثمن ادا کرتے ہیں؛ لیکن اگر کوئی خریدار نقد ثمن ادا کردے تو کمپنی کی طرف سے دلال کو اجازت ہوتی ہے کہ دو فیصد ثمن کم لے یہ بھی کمپنی کا عام دستور ہے جو معروف ہے، چناں چہ نقد ثمن ادا کرنے پر دلال اگر پورا ثمن وصول کرے تو خریدار کو اعتراض بھی ہوتا ہے، تو کیا مذکورہ صورت میں خریدار کے لیے دو فیصد ثمن کم کردینا جائز ہوگا یا نہیں؟ اور یہ رقم خریدار کے لیے حلال ہوگی یا نہیں؟

② نوٹ: بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دلال کو اندازہ ہوجاتا ہے کہ فلاں مال کی قیمت بڑھنے والی ہے تو وہ اپنے لیے کافی مقدار میں کمپنی سے مال خرید لیتا ہے، پھر جب اصطبل والے دلال کے پاس مال کا آرڈر لکھواتے ہیں تو دلال اپنا مال موجودہ بھاؤ سے خریدار کے پاس بھیج دیتا ہے؛ جب کہ دلال نے کم قیمت میں خریدا ہوتا ہے

اور اس صورت میں نقد ثمن ادا کرنے پر دو فیصد کم لیتا ہے تو کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① صورت مسئولہ میں دلال کمپنی کی طرف سے وکیل بالبیع ہے، اور نقد ثمن ادا کرنے کی صورت میں کمپنی کی ہدایت کے بموجب دو فیصد ثمن کم لینا چاہیے؛ اس لیے اگر خریدار نقد قیمت ادا کرنے کی صورت میں دو فیصد ثمن کم دیں گے تو ان کو ایسا کرنے کا حق ہے۔

② دلال کی حیثیت جب وکیل بالبیع کی ہے تو اس کے لیے کمپنی سے جس قیمت سے مال لیا ہے اس سے زیادہ قیمت وصول کرنا درست نہیں۔ ہاں اگر خریدار کو وہ یہ بتلادے کہ یہ مال میں خرید چکا ہوں، کمپنی کا وکیل ہونے کی حیثیت سے نہیں تب ایسا کرنے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مریض کو حکیم تک پہنچانے کی دلالی لینا

سوال: حکیم اور مریض دونوں غیر مسلم ہیں؛ لیکن درمیان میں ایک مسلم شخص جو مریض کو حکیم تک پہنچانے یا دونوں کے تعلقات کرانے کے؛ نیز اس ذمہ داری سے کہ مرض ٹھیک ہو ہی جائے گا، مریض سے بطورِ دلالی کے کچھ رقم: ہزار، دس ہزار اس نیت سے کہ اس رقم سے کوئی مسجد تعمیر کرے یا کسی مدرسہ کی نصرت کرے، کیا اس رقم پر دلال کی ملکیت ثابت ہوں گی یا نہیں؟ کیا اس کو مسجد کی تعمیر میں لگانا جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ ایک طرح کی سفارش ہے؛ نیز مرض سے خلاصی ہونا اور صحت حاصل ہونا

منفعتِ مقدور التسلیم نہیں ہے، اس لیے یہ رقم لینا جائز نہیں ہے۔ (ماخوذ از امداد الفتاویٰ ۳/۳۴۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مخصوص کمپنی کی دوا لکھنے یا دوسرے ڈاکٹر کے پاس بھیجنے کا کمیشن

سوال: ①ایک کمپنی انگریزی دوا بناتی ہے اور اس کا ریٹ مقرر کرتی ہے، مثلاً ''ایزی تھری مائن'' نام کی دوسو پچاس (۲۵۰) پاور کی بیس گولیوں کی قیمت ساٹھ (۶۰) روپئے مقرر کرتی ہے، دوسری کمپنی اسی نام کی اور اتنے ہی پاور کی گولیاں تیار کرتی ہے اور اس کی اسی (۸۰) روپئے قیمت مقرر کرتی ہے، دونوں کمپنی سے بنی ہوئی گولیاں ایک جیسی ہوتی ہیں، مجھے معلوم نہیں کہ دونوں میں کیا فرق ہے؛ البتہ دونوں ایک ہی مرض میں استعمال کی جاتی ہیں، اب کم ریٹ میں فروخت کرنے والی کمپنی کی طرف سے اعلان ہے: ''جو ڈاکٹر ہماری بنی ہوئی دواؤں کو مریضوں کے لیے تجویز کر کے لکھ دے، اس ڈاکٹر کو تیس فیصد، منافع یا بطور انعام کے دیا جائے گا'' وہ انعام یا منافع اس لیے دیا جاتا ہے کہ ہم نے اس کمپنی کی دوا لکھ کر دی، جس کی وجہ سے دوائیاں زیادہ فروخت ہوں گی، اور جس کمپنی کی دوائیاں مہنگی ہیں، اگر ان کی دوائیاں لکھ کر دی جائیں تو ان کی طرف سے کچھ نہیں ملتا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کم ریٹ والی کمپنی کی بنی ہوئی دواؤں کو مریضوں کے لیے لکھ کر دینا اور اس پر ملنے والے منافع استعمال کرنا میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟

نوٹ: جب دونوں کمپنی سے بنی ہوئی گولیاں ایک جیسی ہیں اور ایک ہی

مرض کے لیے ہیں تو ایک کمپنی کم قیمت میں اور دوسری زیادہ قیمت میں فروخت اس لیے کرتی ہے کہ کم قیمت میں فروخت کرنے والی کمپنی درمیان میں بہت کم واسطوں سے فروخت کرتی ہے جن کا خرچ بچ جاتا ہے، اور جو کمپنی مہنگی فروخت کرتی ہے وہ درمیان میں کئی واسطوں سے دوکان داروں تک پہنچاتی ہے؛ اس لیے وہ سارا خرچ دواؤں پر لگا کر مہنگی فروخت کرتی ہے۔

② ایک مریض میرے پاس آتا ہے، تشخیص کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس مریض کو کسی دوسرے بڑے ڈاکٹر کے پاس بھیجنا ضروری ہے؛ تاکہ کامل علاج ہو سکے، میں پرچی لکھ کر ڈاکٹر کے پاس مریض کو بھیج دیتا ہوں، اب بڑے ڈاکٹر کے پاس جتنے روپئے کا علاج ہوا اس کی تیس (۳۰) فیصد رقم بڑے ڈاکٹر کی طرف سے مجھے ملتی ہے، میری طرف سے کوئی مطالبہ نہیں ہوتا، اور یہ تیس فیصد (۳۰) فیصد رقم بڑے ڈاکٹر صاحب اپنی ہی رقم سے مجھے دیتے ہیں، کیوں کہ ایک مریض میں نے ان کی طرف بھیجا ہے، تو اب یہ ملنے والی رقم میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① دواساز کمپنی کی طرف سے اس کی بنائی ہوئی دوائی، مریض کو لکھ کر دینے کی صورت میں ڈاکٹر کو منافع میں سے جو کچھ دیا جارہا ہے وہ رشوت ہے، جس کا لینا اور دینا جائز نہیں۔

② شرعی اعتبار سے اس کا شمار بھی رشوت ہی میں ہوتا ہے، جس کا لینا آپ کے لیے جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مریض کو متعینہ دکان سے دوا لینے کا پابند کر کے دکاندار سے کمیشن لینا

سوال: زید ڈاکٹر ہے، اس کے پاس ایک مریض آیا، اس نے ایک دوا لکھی، قریب میں کئی دوا کی دکانیں ہیں؛ مگر ایک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا: وہاں سے دوا خرید لو، اس نے خرید لی، مالکِ دکان اور ڈاکٹر سے یہ بات طے ہے کہ اگر تمہارے ذریعہ سے ہماری دکان سے سو روپئے کی دوا فروخت ہوئی تو ۲۵ روپئے بطور کمیشن آپ کو دوں گا، تو کیا زید کا اس طرح کمیشن لینا جائز ہے؟ دوسری مثال ابوبکر ایک کپڑے کے کارخانے میں کشیدہ کاری یعنی ڈیزائن کا ماسٹر ہے، کارخانے سے اس کی تنخواہ مقرر ہے، اس نے ایک ڈیزائن بنائی، اس میں کلر یعنی رنگ کی ضرورت پڑتی ہے، ماسٹر نے مشورہ دیا، فلاں کمپنی کا رنگ زیادہ اچھا ہوگا، ماسٹر کے اشارے سے اسی کمپنی کا رنگ مالک کارخانہ نے خریدا، جس کی طرف ماسٹر نے اشارہ کیا تھا، جب کہ وہی رنگ دوسری کمپنیاں بھی بناتی ہیں، اب وہ فروخت کرنے سے محروم ہوگئی، ماسٹر کو اس کمپنی کی طرف سے کافی تعداد میں کمیشن کا وعدہ کیا گیا ہے، اور وعدہ کے مطابق اس کو کمیشن ملتا ہے، ماسٹر کا اس طرح دوسری کمپنیوں کو اشارہ کر کے محروم کرنا، اور کمیشن لینا جائز ہے؟ اشارہ نہ کرنے کی صورت میں مالک کارخانہ کہیں بھی خرید سکتا تھا؛ مگر ماسٹر کی وجہ سے نہیں خریدا، برائے مہربانی جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ڈاکٹر مریض کو کسی خاص دواخانہ سے دوا خریدنے کے لیے اور ڈیزائن ماسٹر کا کارخانہ دار کو کسی خاص کمپنی کا رنگ خریدنے کے لیے محض اپنی آمدنی کے لیے پابند کرنا،

ایک طرح کی خیانت ہے، اور اس پر کمیشن کے نام سے وصول کی جانے والی رقم ایک نوع کی رشوت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ رشوال المکرم ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کمیشن پر چندہ کرنا

سوال: بعض مدارس میں سفراء حضرات کو کمیشن کے طور پر چندہ وصول کرنے ارسال کر رہے ہیں، تو کیا اس طرح کمیشن کے طور پر چندہ کروانا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ طریقہ ناجائز ہے، یہ اجارہ فاسد ہے دو وجہ سے: ایک بوجہ جہالت اجر اور دوسرے اس لیے کہ اس میں اجرت عملِ اجیر سے حاصل ہوتی ہے۔

جائز صورت یہ ہے کہ ان کی تنخواہ مقرر کر دی جائے، اور یہ کہا جاوے کہ اگر ہزار روپئے لاؤ گے تو پچاس روپیہ علاوہ تنخواہ کے مزید انعام دیا جاوے گا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۳/ ۴۰۲)

اس سلسلہ میں تفصیلی فتویٰ دیکھنا چاہیں تو فتاویٰ محمودیہ: ۱۰/ ۲۳۳ تا ۲۳۶ کا مطالعہ کیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ شعبان ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

معاملۂ اجارہ میں تنخواہ اور فیصد کو جمع کرنا

سوال: ہمارے بازار میں ایسا معاملہ چلتا ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی دکان میں

ملازمت اور نوکری کرتا ہے، تو اس ملازم اور نوکر کے لیے ایک متعین تنخواہ مقرر کر دی جاتی ہے، مثلاً ۵۰۰۰؛ نیز اس ملازم اور دکان دار کے مابین یہ معاملہ بھی طے ہوتا ہے کہ یہ ملازم کوئی چیز فروخت کرے تو فروخت کردہ شے کے ثمن میں سے کچھ فیصد بھی مقرر کرتے ہیں، کبھی ایک فیصد، کبھی پندرہ فیصد بھی مقرر کرتے ہیں، تو یہ دونوں یعنی تنخواہ اور فیصد کے طور پر مقرر رقم اس ملازم کے لیے لینا جائز ہے یا نہیں؟ یا دونوں میں سے ایک مقرر کر کے کوئی ایک لی جائے؟ اگر کوئی اس طرح لیوے تو ان روپیہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عقدِ اجارہ کے صحیح ہونے کے لیے جن شرائط کا ہونا ضروری ہے ان میں ایک اہم شرط یہ ہے کہ عقدِ اجارہ میں اجرت اور اس کے وصف کا معلوم ہونا بھی ضروری ہے، یعنی جب عقدِ اجارہ ہو تو اس میں اجرت اور اس اجرت کی کیفیت معلوم ہونا شرط ہے کہ اجرت عروض (سامان) میں سے ہوگی یا مکیلی ہوگی (یعنی جسے ناپ کر دیا جائے) یا موزونی (یعنی جسے وزن کر کے دیا جائے) یہ تمام باتیں طے ہونا ضروری ہے۔ (جدید معاشی نظام میں اسلامی قانونِ اجارہ، ص ۴۴)

اگر کل اجرت یا اجرت کا بعض حصہ مجہول ہوگا تو اجارہ فاسد ہوگا۔

يشترط لصحة الإجارة أى لعدم فسادها أولاً أن تكون الأجر معلومة تماما قدراً أو نوعاً أى لا يكون شيئ منها مجهولا كلا أو بعضا لأن جهل الأجر يفضي إلى المنازعة لقوله عليه الصلوة والسلام: من استأجر أجيرا فليعطه أجره(إلى قوله) جهالة البعض: أولاً: إذا استأجر إنسان آخر للصيد بكذا قرشا فى اليوم على أن يكون الصيد بينهما

مشتركاً تكون الإجارة فاسدة، والصيد للمستأجر وللاجير أجر مثله.
(هندية)

یعنی ایک شخص نے دوسرے شخص کو شکار کرنے کے لیے کرایہ پر لیا کہ ایک دن کے شکار کے اتنے اتنے روپئے دوں گا اس شرط کے ساتھ کہ شکار دونوں میں مشترک ہوگا تو یہ اجارہ فاسد ہے، شکار کیا ہوا جانور پورا مستاجر کا ہوگا اور مزدور شکاری کے لیے اجرتِ مثل ہوگی۔ (درر الحكام شرح مجلة الاحكام، الكتاب الثانى الاجارة، الفصل الثالث فى شروط صحة الاجارة ١/ ٥٠٤،٥٠٣)

صورتِ مسؤلہ میں دوکان کی ملازمت شرعی نقطۂ نظر سے ''عقدِ اجارہ'' ہے جس میں بوقتِ عقد اجرت کا متعین ہونا ضروری ہے ملازم کی تنخواہ پانچ ہزار روپئے طے کی، دوکان کے جس کام کے لیے یہ تنخواہ طے کی گئی ہے، اسی کام کے انجام دینے پر کمیشن دیا جاتا ہے یہ ایک کام کی دو اجرت ہوئی اس میں اجرت کا کچھ حصہ (۵۰۰۰) طے ہے، کچھ حصہ (کمیشن) مجہول ہے لہذا یہ معاملہ درست نہیں۔

اجارہ فاسدہ میں اجیر اجرتِ مثل کا مستحق ہوتا ہے نہ کہ طے شدہ اجرت کا۔

حضراتِ فقہاء نے جن معاملات میں کمیشن لینے کی اجازت دی ہے اس کا مدار ضرورت یا عرف ہے، دوکان میں کام کرنے والے اجیر میں یہ دونوں امر مفقود ہیں۔

صورتِ مسؤلہ میں اجیر کے لیے کمیشن مقرر کرنے کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اجیر تن دہی سے کام کرے اور وافر مقدار میں دوکان کا مال فروخت کرے اگر یہی بات ہے تو یوں بھی شرعاً اجیر کی ذمہ داری ہے کہ مفوضہ کام یعنی عقدِ اجارہ کے ماتحت جو ذمہ داری اس پر عائد ہوئی ہے اس میں ذرہ برابری کوتاہی نہ کرے ورنہ تنخواہ حلال

نہ ہوگی، مستاجر کو بھی چاہیے کہ اجیر کو پورا پورا معاوضہ دے؛ تاکہ اس طرح کمیشن کی طرف اجیر کا میلان نہ ہو۔

عن أبی هريرة عن النبي ﷺ قال: قال الله: ثلاثة أنا خصمهم يوم القيامة رجل أعطىٰ بي ثم غدر، و رجل باع حرا فأكل ثمنه، و رجل استأجر أجيرا فاستوفى منه و لم يعطه أجره. ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ حضور اکرم ﷺ سے نقل فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں تین آدمیوں کا دشمن بنوں گا، ایک وہ شخص جو میرا نام لے کر عہد کرے اور پھر توڑ دے، دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد آدمی کو فروخت کر کے اس کی قیمت کھائی، اور ایک وہ شخص جس نے کسی مزدور کو اجرت پر لیا اس سے کام تو پورا لیا لیکن اس کو اس کی اجرت نہ دی۔ (بخاری شریف ۱/۲۹۷)

اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مزدور کو کام کی تکمیل پر پوری اجرت ادا کرنی چاہیے، اور ادا نہ کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبد القیوم راجکوٹی، ۲۷/ صفر المظفر ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری　　الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دلال کا باہم معاملہ کرا دینا اور بغیر دیکھے مال روانہ کرنا

سوال: آج کل عام طور پر منڈیوں پر غیروں کے قبضہ وتسلط کی وجہ سے کاروبار میں شرعی اصول کی رعایت نہیں رکھی جاتی، اور کوئی ان اصول کی رعایت کرنا چاہے تو بھی بہت مشکل ہوتا ہے اور تمام تجار کے عادی ہو جانے کی وجہ سے تنازع بھی نہیں ہوتا۔ مثلاً ہم چھوٹے تجار کو جب بھی کوئی مال، اناج، کپڑا وغیرہ خریدنا ہو تو دلال کو آرڈر دینا

ہوتا ہے، پھر یہ دلال بڑے تاجر کو آرڈر دیتا ہے، وہ بڑا تاجر جو دلال کے آرڈر کے مطابق ہم کو مال روانہ کر دیتا ہے، اور دلال کا کمیشن اس پر لگ جاتا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ دلال کا اس طرح بغیر دیکھے، بغیر تولے اور بغیر قبضہ کیے ہوئے مال روانہ کر دینا اور ہمارا اس طرح خریدنا درست ہے؟ واضح رہے کہ بڑے تجار براہِ راست ہمیں مال نہیں دیتے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دلال بائع (بیچنے والے) ومشتری (خریدنے والے) کے درمیان معاملہ کرا دیتا ہے، اور اپنے کام کی اجرت بصورت کمیشن وصول کرتا ہے یہ درست ہے۔ (ماخوذ از فتاوی محمودیہ: ۴/ ۱۷۰، شامی ۵/ ۴۴) جو مال خریدا جاتا ہے اس کا نمونہ دیکھا جاتا ہے اس کی قیمت بھی متعین ہوتی ہے اور مقدار بھی، گویا معاملہ بڑے تاجر اور چھوٹے تاجر کے درمیان ہوا، دلال نے دونوں کے درمیان رابطہ کا کام دیا؛ اس لیے یہ معاملہ درست ہے؛ البتہ اگر خریدا ہوا مال نمونہ کے مطابق نہ ہو یا اس میں کوئی عیب ہو تو مشتری کو خیار رویت یا خیار عیب حاصل ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نوٹ: خیار رویت: کسی چیز کو خریدنے کے بعد اسے دیکھنے پر پسند نہ آئے تو خریدار کے لیے وہ چیز لوٹانے کا اختیار ہونے کو کہتے ہیں۔

خیارِ عیب: کسی چیز کو خریدنے کے بعد اس چیز کے عیب دار ہونے کی اطلاع ہونے پر خریدار کے لیے وہ چیز لوٹانے کا اختیار ہونے کو کہتے ہیں۔ (اللباب فی شرح الکتاب) از: مرتب عفی عنہ

مسائلِ ملازمت

عربی پڑھانے کی ملازمت

سوال: کرناٹک میں حکومت کے طرف سے اہل علم اور علماء حضرات کو عربی پڑھانے کے لیے ملازمت ملتی ہے۔ صرف دو یا تین گھنٹے عربی پڑھانے کے ہوتے ہیں۔ ملازمت سے پہلے ان حضرات کا امتحان لیا جاتا ہے اور تھوڑی بہت عربی آنے پر ان کو ملازمت کے لیے لے لیتے ہیں۔ پھر ان کو ماہانہ ڈیڑھ دو ہزار روپئے تنخواہ دی جاتی ہے۔ علماء حضرات کا یہ تنخواہ لینا کیسا ہے؟ بعض بڑے بڑوں کا کہنا ہے کہ حکومت علماء کو تنخواہ دے کر خریدنا چاہتی ہے۔ یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟ اس جامعہ کے ایک فارغ شدہ عالم جو مدرسہ خیر العلوم ادگاؤں میں مدرس تھے حکومت کرناٹک کی جانب سے عربی پڑھانے کے لیے بلاوا آنے پر وہ مدرسہ چھوڑ کر عربی پڑھانے چلے گئے۔ مدرسہ چھوڑ کر ان کا جانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کی دیگر وہ ملازمتیں جن میں کسی معصیت کا ارتکاب لازم نہیں آتا جیسے وہ جائز ہیں اور ان کی تنخواہ درست ہے اسی طرح عربی پڑھانے کی ملازمت اور اس پر ملنے والی تنخواہ دونوں جائز ہیں۔ حکومت کی دیگر ملازمتوں میں کوئی یہ نہیں کہتا کہ حکومت نے ان ملازمین کو خریدا ہے۔ بلکہ اس کے باوجود وہ ملازمین آزادانہ طور پر اپنے دینی ومعاشرتی امور انجام دیتے ہیں۔ تو پھر عربی پڑھانے کی ملازمت پر ہی یہ

بات کیوں کہی جاتی ہے؟ جو عالم صاحب مدرسہ چھوڑ کر حکومت میں عربی پڑھانے چلے گئے انہوں نے یہ اقدام کن حالات میں اور کن اسباب وعوامل کی بناء پر کیا یہ جب تک خود ان کی زبانی معلوم نہ ہو جائے اس سلسلہ میں کوئی بات نہیں کہی جاسکتی۔ نیز یہ سوال خود ان کو پوچھنا چاہیے تاکہ وہ حکم شرعی جو بتلایا جائے اس پر عمل بھی کر سکیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰ / ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

بینک میں ملازمت کرنا

سوال: ہمارے یہاں بہت سے مسلم جوان پڑھے لکھے بینک میں ملازمت کرتے ہیں، وہ کہاں تک جائز ہے؟ وہ بھی معلوم کریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بنک میں سود کے لین دین کا کاروبار ہوتا ہے، حدیث پاک میں سود لینے والے اور دینے والے اور سود کا رقعہ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت آئی ہے، اس لیے بینک کی ملازمت نہیں کرنی چاہیے، گنہ گار ہوگا، دوسرے ذریعۂ معاش کے لیے کوشش کرتا رہے، جب مل جائے تو ملازمت چھوڑ دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ / رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

بینک کی کمائی کا حکم

سوال: مسلمان جو بینک میں کام کرتے ہیں ان کو سود میں سے ہی تنخواہ دی جاتی ہے تو بینک کی کمائی جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کی رقم سے حاصل شدہ تنخواہ حلال نہیں ہے، دوسرا ذریعۂ معاش تلاش کرے اور مل جانے پر اس ملازمت کو ترک کردے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیمہ کمپنی میں ملازمت کرنا اور وہاں کے ملازم کی دعوت کھانا

سوال: بیمہ کمپنی میں ملازمت کرنا کیسا ہے؟ اور ایسے شخص کے یہاں کھانا اس کی چائے وغیرہ پینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیمہ کمپنی میں ملازمت درست نہیں، دوسری جائز ملازمت کی تلاش میں رہے، مل جانے پر اس ملازمت کو چھوڑ دے۔ اگر کسی آدمی کی کُل آمدنی یہی ہے تو اس کے یہاں کھانے پینے سے احتراز ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/شوال ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سودی کاروبار پر مشتمل تنظیم میں ملازمت کرنا

سوال: زید احمد آباد شہر کی اردو اسکول میں مدرس کی حیثیت سے کام کر رہا ہے، مقامی اسکولوں کے اساتذہ کی co-operative تنظیم چلتی ہے، یہ تنظیم مدرسین کو (loan) فراہم کرتی ہے، یہ قرض مدرس کو مع سود کے قسط وار ادا کرنا پڑتا ہے، اس کا اوپریٹیو تنظیم کا نظام چلانے کے لیے آٹھ افراد پر مشتمل ایک عملہ ہے، زید اس تنظیم

میں بھی کام کرتا ہے، اسے اس کی محنت کا معاوضہ بھی دیا جاتا ہے، تنظیم کا منافع یا آمدنی خاص سود پر ہے، سوال یہ ہے کہ زید اپنی خدمت دے کر جو وہاں سے معاوضہ لیتا ہے، وہ از روئے شریعت حلال ہے کہ نہیں؟ مطلع کیجئے، نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس تنظیم کا کام سود پر قرض دینا ہی ہے، تو اس میں ملازمت کرنا اور اس سے حاصل شدہ اجرت لینا جائز نہیں ہے۔

عن جابر قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا، وموكله، وكاتبه، وشاهديه وقال: هم سواء رواه مسلم (مشكوٰة ٢٤٤) لايجوز أخذالأجر على المعاصي كالغناء، والنوح، والملاهي؛ لأن المعصية لايتصور استحقاقها بالعقد، فلا يجب عليه الأجر، وإن أعطاه الأجر وقبضه لا يحل له ويجب عليه رده على صاحبه.(مجمع الانهر ٢/ ٣٨٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ شوال ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

پولیس کی ملازمت اختیار کرنا

سوال: مسلمان پولیس کی نوکری کرسکتا ہے؟ اگر مسلمان پولیس میں نوکری کرنا چاہے تو کوئی حرج ہے شریعت میں؟ کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہر ایسی ملازمت اور نوکری جس میں شریعت کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرنا

پڑتی ہو، وہ جائز ہے، پس اگر پولیس کی نوکری بھی ایسی ہو تو جائز ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عذر کی وجہ سے غیر حاضری کی تنخواہ کاٹنا درست ہے

سوال: میں ایک مدرسہ کا مدرس ہوں، اور پوری پابندی کے ساتھ مدرسہ میں پڑھاتا ہوں، مدرسہ کی جانب سے مجھ کو پورے سال میں پندرہ یوم رخصت اتفاقیہ ملتی ہے، اور وہ ابھی باقی ہے، میرا مکان مدرسہ سے دور ہے، گھر میں دوسرا آدمی نہیں ہے، کبھی بذات خود کبھی اہلیہ یا بچے سخت بیمار ہوجاتے ہیں، اس کی دیکھ بھال میں مدرسہ کو اطلاع نہیں دے سکتا ہوں، پھر دوسرے روز اپنا معقول عذر بیان کرتا ہوں، ایسی ایسی بات ہوگئی تھی؛ اس لیے نہیں آسکا؛ مگر ہماری بات نہیں مانی جاتی اور غیر حاضر لگا کر ہماری تنخواہ کاٹ لی جاتی ہے، کیا اس طرح تنخواہ کاٹنا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ظاہر ہے کہ جب آپ کی غیر حاضری ہوئی تو ان کا تنخواہ کاٹنا اصولی طور پر درست ہے، چاہے آپ کی غیر حاضری بیماری (اپنی یا اہل وعیال) کی وجہ سے کیوں نہ ہو، اجرت کام کی ملتی ہے جب کام نہیں ہوتو اجرت کا مطالبہ نہیں کرسکتے؛ البتہ اگر اس سلسلہ میں پہلے سے کوئی معاہدہ یا شرائط ہوں تو اس کی تفصیل بتلا کر دوبارہ معلوم کرلیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ شوال المکرم ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

معلم کی اجرت میں عشر دینا

سوال: زید ہماری مسجد کا مؤذن ہے، اذان کے صلہ میں بستی والے زید کو کپڑا اور کھانا دیتے ہیں، زید مسجد میں کچھ بچوں کو پڑھاتا بھی ہے، جس کی مزدوری میں بستی والے عشر کی رقم زید کو دیتے ہیں، کیا زید کو عشر کی رقم دینا جائز ہے یا ناجائز ہے؟ اور جن لوگوں نے عشر اس بیچارے کو دے رکھا ہے، ان کا عشر ادا ہوا یا نہیں ادا ہوا؟ خوب واضح کر کے لکھیں؛ تاکہ لوگوں کو تشفی ہوئے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عشر (یعنی زمین کی پیداوار میں شریعت کی طرف سے مقرر کردہ مقدار) کو تدریس کی اجرت میں دینا جائز نہیں ہے، عشر کے مصرف وہ لوگ ہیں جو زکوۃ کے مصرف ہیں، اور زکوۃ کسی کام کے عوض میں نہیں دی جاتی؛ بلکہ ایک شرعی فریضہ کی ادائیگی کے طور پر بلاعوض دی جاتی ہے، اس لیے جنہوں نے زید کو عشر کی رقم بچوں کو پڑھانے کے عوض دی ہے ان کا عشر ادا نہیں ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تعلیم پر تنخواہ اور ثواب

سوال: شاہد کمال مدرسہ میں پڑھا کر تنخواہ لیتا ہے، حالاں کہ اللہ نے بقدر ضرورت کھانے پینے کے لیے زمین بھی دے رکھی ہے، کیا شاہد کمال کا دینی تعلیم پر اجرت لینا جائز ہے یا ناجائز؟ نیز دینی تعلیم پر اجرت لینا صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہ سے ثابت ہے یا نہیں؟ نیز دینی تعلیم پر اجرت کے لینے کے بعد اس دینی تعلیم کا اجر

عنداللہ ملے گا یا نہیں؟ اگر اجرت جائز ہے تو کس مقصد کے تحت جائز ہے؟ کتب فقہ کے حوالہ سے جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

متأخرین احناف نے تدریس کی اجرت کو جائز قرار دیا ہے، اس لیے شاہد کمال کا تدریس پر اجرت لینا جائز ہے، اگر نیت یہ ہے کہ دوسری جگہ زیادہ اجرت ملے گی تو اس کو چھوڑ دوں گا تو یہ اجرت محضہ ہے، اس پر ثواب نہیں ملے گا، اور اگر نیت یہ ہے کہ دوسری جگہ زیادہ اجرت ملے گی، تب بھی اس کو نہیں چھوڑوں گا تو ثواب ملے گا۔ (ماخوذ امداد الفتاوی ۳/ ۳۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کام نہ کر کے تنخواہ لینا حرام ہے

سوال: اگر کوئی ملازم سرکاری ملازمت کرتا ہے، ملازمت کا وقت صبح سات بجے سے شام چار بجے تک ہے، ملازم دفتر جا کر دستخط کر کے حاضری لگا کر آجاتا ہے اور ملازمت کے اوقات گھر پر گزارتا ہے اور اس وقت اگر کوئی بڑے صاحب (نگران) آجائے اور باز پرس کرے تو اپنی طبیعت ناساز بتلاتا ہے وغیرہ وغیرہ، اور جس وقت حقیقت میں بیمار ہوتا ہے تو اپنے ساتھی ملازم کو حاضری لگانے کا کہتا ہے کہ میری حاضری لگا دینا اور وہ صاحب حاضری بھی لگا دیتے ہیں اور ماہ کے آخر میں برابر تنخواہ حاصل کرتا ہے تو یہ تنخواہ لینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ تنخواہ حرام اور ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تعلیم قرآن پر اجرت

سوال: (الف) گھر گھر جا کر قرآن کی تعلیم دینا اور اس پر اجرت مقرر کرنا کیسا ہے؟
(ب) قرآن خوانی کی اجرت لینا کیسا ہے، اور اجرت طے کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(الف) تعلیم قرآن پر اجرت لینا درست ہے، چاہے اپنے گھر بیٹھ کر تعلیم دے، چاہے پڑھنے والے کے گھر جا کر تعلیم دے۔

(ب) قرآن خوانی کی اجرت جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، یکم صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

نقل فتاوی کی ذمہ داری کس پر ہے اور رجسٹر کا مالک کون؟

سوال: زید عرصہ سولہ سترہ سال سے ایک عربی مدرسہ سے وابستہ رہا، تقرر بحیثیتِ عربی مدرس کے ہوا تھا، اس کے کچھ عرصہ کے بعد زید کے فقہی ذوق اور مناسبت کو دیکھتے ہوئے صدر مدرس مدرسہ ہذا نے جو اس وقت تک خود فتاویٰ لکھتے تھے، زید سے یہ کام بھی لینا شروع کیا، اور خود مناسب رہنمائی اور مکمل دیکھ بھال اور نگرانی فرماتے رہے، کچھ دنوں کے بعد کلیۃً فتویٰ نویسی کا کام زید کو سونپ دیا، مگر مدرسہ نے دوسرا کوئی انتظام بسلسلہ نقل وغیرہ نہیں کیا، فتاویٰ مدرسہ میں اور مدرسہ کے پتے پر آتے؛ مگر اکثر زید ہی کے نام سے آتے تھے، زید نے بارہا ناقل کا مطالبہ بھی کیا؛ مگر اس مطالبے کے باوجود مستقل ناقل کا کبھی کوئی انتظام مدرسہ کی طرف سے نہیں کیا گیا، زید نے یہ

بھی کہا کہ مدرسہ استطاعت نہ رکھتا ہو تو میں الگ سے اس کام کے لیے چندہ کر کے دوں گا، پھر میری تنخواہ سے ناقل کا خرچ وضع کر لیا جایا کرے، اس پر بھی کوئی توجہ نہیں ہوئی، کئی مرتبہ انتظامیہ کے بعض لوگوں نے یہ کہا کہ یہ انتظام تو نہیں ہوسکتا، ضرورت ہے تو فتاویٰ کی فوٹو کاپی رکھ لیا کریں، ان حالات میں اپنے ریکارڈ کو باقی رکھنے کے لیے زید نے ذاتی طور پر یہ انتظام کیا کہ خود ہی جزءِ وقتی ناقل کا انتظام کرتا، اس کا مشاہرہ بھی خود دیتا، کبھی ناقل نہ ہوتا تو طلبہ سے نقل کراتا، اور بیشتر انہیں بھی کسی نہ کسی عنوان سے اپنے پاس سے اس کا معاوضہ دیتا، مدرسہ نے کبھی یہ مصارف برداشت نہیں کئے، حد تو یہ ہے رجسٹر بھی نہیں دیے گئے، مجبوراً زید نے رجسٹروں کا انتظام بھی خود ذاتی طور پر کیا، اب سوال یہ ہے کہ:

① اس صورت میں نقولِ فتاویٰ کے یہ رجسٹر کس کی ملکیت ہیں، زید ان کا مالک ہے یا مدرسہ؟

② اگر زید مالک ہے، تو کیا شرعاً اس پر یہ لازم ہے کہ مدرسہ سے علیحدگی کی صورت میں اصل رجسٹر یا ان کی نقول مدرسہ کے حوالے کردے؟

③ زید کی ذمہ داری کیا تھی صرف فتاویٰ کا جواب لکھنا، یا جواب لکھنے کے ساتھ مدرسہ کے لیے نقول کا مہیا رکھنا بھی اس پر لازم تھا، اور کیا اس کے فرائضِ منصبی میں یہ بھی شامل تھا یا کہ ذاتی اخراجات کے ساتھ مدرسہ کے لیے نقل مہیا کرتا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① جب صورتِ حال یہ ہے کہ زید نے ذاتی طور پر رجسٹر خرید کر اپنے لیے نقل محفوظ رکھنے کی غرض سے خود ہی ناقل کا انتظام کیا، اور اس کی تنخواہ بھی خود ادا کی تو اب

نقل فتاویٰ کے رجسٹر زید کی ملک ہیں۔

(۲) جب زید ان کا مالک ہے تو اب اس پر یہ لازم نہیں کہ اپنی علیحدگی کی صورت میں یہ رجسٹر مدرسہ کے حوالہ کرے، ان کی نقول حوالہ کرنے کی بھی ذمہ داری اس پر نہیں ہے؛ البتہ اگر مدرسہ ان کی نقول اپنے مصارف سے کروانا چاہے تو کرا سکتا ہے۔

(۳) جس وقت فتاویٰ نویسی کا کام زید کے حوالہ کیا گیا تھا، اس وقت زید کو اس کا پابند نہیں کیا گیا تھا کہ فتاویٰ کی نقول بھی مدرسہ کے لیے مہیا کرے، تو یہ کام اس پر لازم نہیں تھا، فرائضِ منصبی میں وہی کام داخل ہوتا ہے جس کی بوقتِ عقد تصریح کی گئی ہو، یا جس کا عرف ہو، نقولِ فتاویٰ مدرسہ کے لیے مہیا کرنے کی بوقتِ عقد تصریح نہیں کی گئی، اور اس کا عرف بھی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مخلوط مال سے تنخواہ لینا

سوال: میں یہاں یعنی پیر محمد شاہ میں خدمت انجام دے رہا ہوں، وہاں کی آمدنی کرایہ کی ہے، دوکانوں کا جو کرایہ آتا ہے وہ بینک میں جمع کر دیتے ہیں، اور پیر محمد شاہ کے منتظمین یونٹ ٹرسٹ کے شیر زکا بھی خریدتے ہیں، اب یونٹ ٹرسٹ کے شیر زکا جو ڈویڈنڈ آتا ہے وہ تمام کا تمام اس بینک میں جمع کرتے ہیں جہاں کرایہ جمع کرتے ہیں، اب یہ دونوں رقم مخلوط ہو جاتی ہے، اس مخلوط آمدنی میں سے ہر ماہ تنخواہ دیتے ہیں، آیا اس مخلوط آمدنی سے تنخواہ لینا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مخلوط مال میں اگر غلبہ حلال کا ہے تو آپ تنخواہ وصول کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱ر ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مختلف پیشے

پنڈال لگانے کا کاروبار اور اس کی کمائی

سوال: ہمارا پیشہ منڈپ پنڈال کا ہے جو شادی میں یا کسی پروگرام میں لگاتے ہیں شادی چاہے مسلم کی ہو یا غیر مسلم کی ہو تمام لوگوں کو کرایہ پر دیتے ہیں غیر مسلم کے تمام تہواروں میں بھی یہ لگاتے ہیں آیا یہ مطلقاً ناجائز ہے یا کوئی صورت جواز کی ہے کن کن صورتوں میں جائز ہے اور کن کن صورتوں میں ناجائز ہے؟ اگر کمائی حلال ہے یعنی اس سے آنے والی آمدنی تو کیا برائے تقویٰ اس کی کوئی احتیاطی شکل ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جہاں فسق وفجور کفر وشرک یا معصیت کا کام ہو رہا ہو اس کے لیے منڈپ بنانے سے اس کی رونق میں اضافہ ہوگا یہ اس کی ایک نوع کی اعانت ہے اس سے اجتناب کرنا چاہیے لقولہ تعالیٰ ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ گزارے کا دوسرا ذریعہ بھی قابو میں ہو تو اس کو ترک کر دیں۔ جائز اور مباح نیز نیکی اور بھلائی کے کاموں کے لیے منڈپ بنا کر کرایہ پر دینا جائز اور درست ہے اور وہ کمائی بلاشبہ حلال ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲ رمحرم الحرام ۱۴۲۴ھ

عملیات کی فیس لینا

سوال: عامل کا فیس متعین کر کے علاج کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اس طریقہ سے جو آمدنی ہوں گی حلال یا حرام؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عامل اگر عملیات میں خلافِ شرع امور کا ارتکاب نہیں کرتا، تو وہ اپنے اس علاج کی فیس وصول کر سکتا ہے؛ بشرطیکہ پہلے سے متعین کی گئی ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تعویذ لکھنا اور اس پر معاوضہ لینا

سوال: تعویذ لکھنا اور تعویذ پہننا اور اس پر معاوضہ لینا کیا حکم رکھتا ہے؟ کیا یہ سنت سے ثابت ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تعویذ میں قرآنی آیات یا احادیث کی دعائیں یا ان کے اعداد لکھ کر شفاء کے لیے دینا درست ہے۔

إنما تكره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب، ولا يدرى ما هو؟ ولعله يدخله سحرا وكفرا وغير ذلك، وأما ماكان من القرآن أو شيء من الدعوات لا بأس به.(رد المحتار كتاب الحضر والاباحة فصل فى اللبس ٥/ ٢٥٦)

تعویذات پر اجرت لینا بھی درست ہے؛ لیکن یہ ضروری ہے کہ عمل سے واقف ہو اور ماہر ہو، فریب کرنا جائز نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ کراچی ۲۰/ ۶۹، ۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ذی القعدہ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

جھاڑ پھونک کا معاوضہ لینا

سوال: اجرتِ جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے کے متعلق، کہ اس پر اجرت لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر لینا درست ہے تو کیا تعیینِ مفروضہ رقم درست ہے کہ نہیں؟ بعض عامل لوگ تعیین رقم کرتے ہیں کہ فلاں تعویذ کا اتنا روپیہ، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

علاج پر معاوضہ لینا جائز ہے جیسے حکیم ڈاکٹر معاوضہ لیتے ہیں، بس اتنی شرط ہے کہ واقعۃً علاج جانتا ہو، دھوکہ نہ دیتا ہو، اور علاج میں کوئی ناجائز چیز نہ ہو، جیسے شرکیہ کلمات وغیرہ۔ معاوضۂ علاج شریعت کی طرف سے متعین نہیں، طرفین کی رضامندی پر ہے۔ بغیر معاوضہ کے علاج کیا جائے تو یہ خدمتِ خلق ہے، اس کا بہت بڑا اجر وثواب ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۳۷۱)

اگر اجرت لینا چاہتا ہے تو پہلے سے تعیین ضروری ہے؛ اس لیے کہ یہ عقد اجارہ ہے، اور اس میں ضروری ہے کہ پہلے سے اجرت اور عمل دونوں کی تعیین ہو جائے، جو لوگ پہلے سے کچھ نہیں کہتے ہیں اور بعد میں مطالبہ کرتے ہیں یہ درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد خانپوری، ۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بیت الخلاء اور حمام کی اجرت اور کمائی

سوال: آج کل۔۔۔۔(شوچالیے) کا نظام ہے یعنی میونسپلٹی سے جگہ لے کر وہاں بیت الخلا حمام بنا کر کرائے پر لگانا پہلے میونسپلٹی کو پیسہ دیا جاتا ہے پھر وہ اس کی اجازت دے گی کہ بیس سال تک چلاؤ ہم کوئی کام والا مزدور رکھ کر اس سے کام کراتے ہیں یعنی لوگ قضائے حاجت وغسل کے لیے آتے ہیں ان سے پیسے لینا اور اس پر فائدہ بھی بہت ہوتا ہے کیا اس طرح کرنا صحیح ہے اس طرح کا دھندا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس طرح میونسپلٹی سے جگہ حاصل کر کے اس پر بیت الخلاء اور حمام تعمیر کروا کر ان کے استعمال کرنے والوں سے اجرت اور معاوضہ حاصل کرنا درست ہے یہ کمائی حلال ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ٹی وی ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ کی مرمت کرنا

سوال: اگر کوئی آدمی ریڈیو، ٹی وی، ٹیپ ریکارڈ کے ٹھیک کرنے کا پیشہ کرتا ہے، تو شرعی طریقے سے اس کی کمائی حرام ہوگی یا حلال؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ٹی وی کی مرمت سے حاصل شدہ کمائی حرام ہے؛ البتہ ریڈیو اور ٹیپ ریکارڈ کی

مرمت سے حاصل شدہ آمدنی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۲ر ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

بال بنانے کی دکان کھولنا

سوال: بال بنانے ہیر ڈریسر کی دکان کوئی مسلمان کرنا چاہتا ہے اور اس پر کاری گر دوسرا رکھتا ہے، تو کیا ایسی دکان کھول سکتا ہے؟ خیال رہے اس دکان پر ڈاڑھی کٹانے والے بھی آتے ہیں اور مونچھ بنانے والے بھی، غرض کہ ہر طرح کے آدمی آتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ڈاڑھی منڈانا اور ایک مشت سے کم کتروانا حرام ہے، اس لیے اس فعل کی اجرت بھی جائز نہیں؛ البتہ اس کے علاوہ دوسرے جائز طریقوں سے حاصل کردہ آمدنی حلال ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تصاویر بنانے کا کام کرنا

سوال: ایک شخص بینر میکر کا کام کرتا ہے، اس میں چھوٹی چھوٹی تصاویر بھی بنانا پڑتی ہیں، کبھی بڑی بھی بنانی پڑسکتی ہیں، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تصویر چھوٹی ہو یا بڑی اس کا بنانا ہر حال میں ناجائز اور حرام ہے، ایسا آدمی مستحق وعید ہے۔ (جواہر الفقہ ۷/ ۱۸۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فوٹو گرافی کا کاروبار

سوال: کیا اسلام میں فوٹو گرافی ممنوع ہے؟ اگر ہے تو کوئی شخص کاروباری حیثیت سے فوٹو گرافی کر رہا ہے کیا یہ کاروبار جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جاندار چیزوں کی تصویر بنانا اسلام میں حرام اور ممنوع ہے اور اس کا کاروبار بھی ناجائز اور حرام ہے۔ البتہ بے جان اشیاء (مثلاً مکان، درخت وغیرہ) کی فوٹو گرافی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

غیر مسلموں کے غیر شرعی لباس سینے کی اجرت کا کیا حکم ہے؟

سوال: اگر کوئی مسلمان درزی، ہندوؤں کے غیر شرعی کپڑے بناتا ہے تو ایسے کپڑے سینے کی اجرت لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے؛ البتہ احتیاط اولیٰ ہے۔

وفی المحیط لا یکرہ بیع الزنانیر من النصرانی والقلنسوۃ من المجوسی الخ (شامی ۵/ ۲۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

S.M.S میڈیا کمپنی اور بذریعۂ موبائل اشتہار کا معاوضہ

سوال : کچھ عرصہ قبل ایک کمپنی بنام ایس ایم ایس میڈیا، بمبئی اور دیگر بڑے شہروں میں رائج ہوئی ہے، اس کا طریقِ کام اس طرح ہے کہ یہ کمپنی بہت سی بڑی کمپنیوں سے معاہدہ کرتی ہے کہ ہم تمہاری ایڈوٹائز (اشتہار) بذریعہ SMS لوگوں کے موبائل پر کرینگے۔ اس طرح تمہارا کاروبار فروغ پائیگا؛ چناں چہ تقریباً ۲۰۰ / دوسو سے زائد کمپنیوں سے یہ معاہدہ ہے۔ اور یہ مذکورہ SMS میڈیا کمپنی ان کے اشتہار اپنے کلائنٹ کے موبائل پر SMS کر رہی ہے، پس منظر اس کا یہ ہے کہ بڑی بڑی کمپنیوں سے ایڈوٹائزنگ کے لیے بڑی بڑی شخصیات سے کروڑوں روپیہ میں اشتہار کے لیے معاہدہ ہوتا ہے اور پھر ٹی۔ وی پر دکھانے کی الگ رقم لگائی جاتی ہے۔ غرض بہت بڑی رقم اس کام میں صرف ہوتی ہے۔ لیکن اس کمپنی کی سوچ یہ ہے کہ صرف ۲۵ / فیصد لوگ ہی ٹی۔ وی پر ان کو دیکھتے ہیں؛ کیوں کہ نوجوان بوڑھے اپنے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کو ٹی۔ وی دیکھنے کا وقت کم ملتا ہے۔ برخلاف اس کے اب عام طور پر لوگوں کے پاس موبائل ہیں، جس میں بچے، لڑکے، بوڑھے؛ سب شریک ہیں، اور SMS کا عام رواج ہے، تو اس کے ذریعہ ایڈوٹائز آسان اور زیادہ لوگوں تک پیغام رسانی کا ذریعہ ہوتی ہے، لہٰذا یہ SMS میڈیا کمپنی بڑی کمپنیوں سے اس کام کی ایک بڑی رقم اجرت کے لیے لیتی ہے، اور اس کے بعد عوام میں اپنے کلائنٹ بنا کر اپنا معاملہ شروع کرتی ہے۔ اس معاملہ میں بطور رجسٹریشن بمبئی میں ۵۰۰ / پانچ سو روپیہ اور دیگر شہروں میں ۶۵۰ / ساڑھے چھ سو روپیے لیتی ہے۔ اور

ایک ماہ بعد وہ ۵۰۰ / پانچ سو روپے لوٹا دیتی ہے، اور یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ رجسٹریشن اس لیے ہے کہ قانوناً کوئی آدمی SMS بار بار کرے اور سامنے والا اس کی شکایت کرے کہ اس کے اس عمل سے مجھے تکلیف ہوتی ہے تو عدالتی کارروائی ہوسکتی ہے۔ یہ جرم سے بچنے کے لیے یہ کمپنی گویا آپ سے رجسٹریشن کے ذریعہ اجازت حاصل کرکے آپ کو اشتہار کے SMS کرتی ہے۔ یہ تین سال کا معاہدہ ہوتا ہے کہ تین سال تک آپ کو SMS آئینگے۔ اب یہ ممبر اپنا وقت اس کو پڑھنے میں لگائے گا اور ذہنی طور پر بھی کچھ الجھن ہوگی وغیرہ..... اس کے بدلہ میں یہ کمپنی جو ایک خطیر رقم ایڈوٹائز کے لیے وصول کرچکی ہے اس میں سے طے شدہ رقم مثلاً ۱۶ ماہ میں تاریخ طے کرکے دس ہزار روپیہ نفع میں سے ممبران کو دے گی، اور باقی وہ سارا نفع اپنے پاس رکھے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ شرکت جائز ہے؟ سود وغیرہ کی بات اس میں ہے تو نہیں؟ اور اس کام کے لیے ایجنٹ بنکر کمیشن کمانا کمپنی سے جائز ہے؟

نوٹ: اس کمپنی کے طریقۂ کار کے متعلق پوری تفصیل بس یہی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اولاً بنیادی طور پر یہ سمجھ لیں کہ SMS میڈیا کمپنی اگر دوسری کمپنیوں سے ان کی چیزوں کے اشتہار کا جو معاملہ کرتی ہیں، اگر وہ چیزیں جن کا اشتہار دیا جارہا ہے جائز اور مباح چیزیں ہیں کہ شرعاً ان کے استعمال میں کوئی ممانعت نہیں؛ نیز اشتہار کے لیے SMS میڈیا کمپنی جو طریقۂ کار اختیار کررہی ہے، وہ بھی شرعاً درست ہو، مثلاً اشتہار میں جاندار کی تصاویر یا کسی ایسی چیز کا استعمال جو شرعاً ممنوع ہو، نہیں کرتی تب تو SMS میڈیا کمپنی کا یہ معاملہ درست ہے۔ اور اس کے لیے اشتہار کے معاوضہ کے طور پر رقم

لینا درست ہے، ورنہ خود اس کے لیے ہی یہ رقم درست نہ رہے گی تا بدیگراں چہ رسد؟ پہلی صورت میں جو لوگ دلال اور ایجنٹ بنکر مالکین موبائل سے اجازت لینے کا کام کرتے ہیں، ان کے لیے بھی اپنی دلالی کی اجرت درست ہوگی۔ نیز موبائل کے مالکان جو ان اشتہارات کے لیے اپنے موبائل کی اسکرین کو استعمال کرنے نیز ان کو پڑھنے کی زحمت (بقول سائل) گوارا کرتے ہیں ان کے لیے بھی مقررہ اصول اجارہ کے مطابق معاوضہ لینا درست ہوگا؛ البتہ جب انہوں نے یہ عقد کرلیا تو ان کے لیے ضروری ہے کہ اس نوع کے SMS کو پڑھنے سے پہلے محو نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: احمد عفی عنہ خانپوری، یکم رمضان ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سائبر کافے اور گیم پارلر کھولنے کا شرعی حکم

سوال: (۱) سائبر کافے میں مختلف کام ہوتے ہیں:

(۱) نیٹ نو فون یعنی فون لگا کر دوسرے ممالک میں بات کی جاتی ہے۔

(۲) لڑکے لڑکی بیٹھ کر اس پر دوستی قائم کرتے ہیں۔

(۳) انٹرنیٹ لائن ہوتی ہے۔

(۴) ویب سائٹ ہوتی ہے: اچھی بھی، بری بھی۔

(۵) گانے سنے جاسکتے ہیں۔

(۶) فلم بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

دو چار کمپیوٹر فٹ کرا کر انٹرنیٹ لائن جوڑ دی جاتی ہے، پھر آنے والے آتے ہیں اور مثلاً ایک گھنٹہ کا کرایہ ۱۵ یا ۲۰ روپیے ہوتا ہے وہ دیکر آدمی اس کیبن میں جا کر جو

دیکھنا چاہے دیکھ سکتا ہے اس دوکان کو سائبر کافے کہا جاتا ہے، کیا اس کو کھول سکتے ہیں؟ اور اس سے حاصل کردہ روزی حلال ہوگی یا حرام؟

② گیم پالر کھول سکتے ہیں؟ اس میں بچوں کے کھیلنے کی گیم ہوتی ہے کمپیوٹر پر یا دوسرے مشین پر، اس میں بھی کرایہ دیکر کھیلنا ہوتا ہے کیا یہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① سائبر کافے میں وہاں پر فٹ کیے گئے کمپیوٹر سے اجرت دے کر فائدہ اٹھانے کے لیے جو لوگ آتے ہیں، ان کے متعلق اگر یہ یقین ہو کہ وہ اس کو ناجائز کام میں استعمال کریں گے مثلاً لڑکے لڑکی دوستی قائم کرنے کے لیے استعمال کریں یا گانا سننے کے لیے یا فلم دیکھنے کے لیے استعمال کیا جارہا ہے یا بری ویب سائٹ دیکھنے کے لیے استعمال کیا جارہا ہے، تو یہ معاملہ ''تعاون علی الاثم'' ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔ ارشاد خداوندی ہے: ﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾(المائدۃ)

اور اس سے حاصل کردہ آمدنی بھی خبیث (ناپاک) ہے، اور اگر یقین ہو کہ وہ اس کو جائز کام میں استعمال کریں گے مثلاً فون لگا کر جائز بات چیت یا ویب سائٹ سے جائز معلومات حاصل کرنے کے لیے وغیرہ تو یہ معاملہ درست ہے، اور اس سے حاصل کردہ آمدنی حلال اور پاک ہے، اور جہاں یقینی طور پر معلوم نہ ہو وہاں غالب گمان کو بھی یقین کا درجہ دیا جاتا ہے اور وہی حکم اس پر جاری کیا جاتا ہے۔

② گیم پارلر جس میں بچوں کے لیے ویڈیو گیم کھیلنے کا انتظام ہوتا ہے، اس کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کا جواب پڑھ لیں:

''ویڈیو گیم اور دیکھنے والوں کے مشاہدہ سے جہاں تک پتہ چلا اور حقیقت معلوم

ہوئی، یہ کھیل چند وجوہات سے شرعاً جائز نہیں:

اول: اس کھیل میں دینی اور جسمانی کوئی فائدہ مقصود نہیں ہوتا اور جو کھیل ان دونوں فائدوں سے خالی ہو وہ جائز نہیں۔

دوم: اس میں وقت اور روپیہ ضائع ہوتا ہے اور ذکر اللہ سے غافل کرنے والا ہے۔

سوم: سب سے شدید ضرر یہ ہے کہ اس کھیل کی عادت پڑنے پر چھوڑنا دشوار ہوتا ہے۔

چہارم: بعض گیم تصویر اور فوٹو پر مشتمل ہوتے ہیں جو کہ شرعاً ناجائز ہے۔

پنجم: اس کھیل سے بچوں کو اگرچہ دلی فرحت اور لذت حاصل ہوتی ہے؛ لیکن ناجائز چیزوں سے لذت حاصل کرنا بھی حرام ہے، بلکہ بعض فقہاء نے کفر تک لکھا ہے۔

علاوہ ازیں اس سے بچوں کا ذہن خراب ہوتا ہے اور اس سے بامقصد تعلیم میں خلل واقع ہوتا ہے، پھر بچوں کو پڑھائی اور دوسرے فائدہ والے کاموں میں دلچسپی نہیں رہتی وغیرہ۔

ان مذکورہ وجوہات کی بناء پر یہ کھیل باری تعالیٰ کے ارشاد کا مصداق ہے ''بعض لوگ اپنی جہالت سے کھیل تماشے اختیار کرتے ہیں اور اس میں پیسے خرچ کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو بھٹکا دیں، اور دین کی باتوں کو کھیل تماشہ بناتے ہیں، انہیں لوگوں کے لیے اہانت والا عذاب ہے'' (سورۂ لقمان آیت نمبر ۶)

حضرت حسن ﴿لھو الحدیث﴾ کے متعلق فرماتے ہیں کہ آیات مذکورہ میں لہو الحدیث سے مراد ہر وہ چیز ہے جو اللہ کی عبادت اور اس کی یاد سے ہٹانے والی ہو، مثلاً فضول لہو ولعب، فضول قصہ گوئی، ہنسی مذاق کی باتیں، واہیات مشغلے اور گانا بجانا وغیرہ، واضح رہے کہ مذکورہ آیات کا شان نزول اگرچہ خاص ہے مگر عموم الفاظ کی وجہ سے حکم

عام رہے گا یعنی جو کھیل فضول اور وقت و پیسہ ضائع کرنے والا ہے وہی آیات مذکورہ کی وعید میں داخل ہے۔ چوں کہ ویڈیو گیم میں یہ ساری قباحتیں موجود ہیں؛ اس لیے یہ گیم ناجائز ہے اس میں وقت اور پیسہ لگانا ناجائز ہے اور اس کو ترک کر دینا لازم ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۷/ ۳۳۶، ۳۳۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۴/ جمادی الاخری ۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ہوٹل کرائے پر لینا

سوال: ہم نے کھانے کی ہوٹل کرایہ پر لی ہے ہر مہینہ کا کرایہ طے کیا ہے رمضان کے مہینے میں دن کے وقت ہوٹل بند رکھتے ہیں اور رات کو کھولتے ہیں اور ہوٹل کے مالک کو پورا کرایہ دیتے ہیں اس سال پھر سے ہوٹل لینے کے لیے گئے تو ہوٹل کے مالک نے شرط رکھی کہ رمضان میں دن کے وقت تم ہوٹل بند رکھتے ہو تو نقصان ہوتا ہے اس لیے دن کے وقت ہوٹل کھلی رکھو تو ہم نے کہا کہ شریعت منع کرتی ہے، ہوٹل کے مالک نے کہ رمضان کے مہینہ میں ہوٹل ہم کو دے دو ہم دن کو کھلی رکھیں گے اور رات کو تم کھلی رکھنا یا تو پورا رمضان مہینہ ہم کو دے دو تو کیا اس شرط پر ہوٹل کو کرائے پر لے سکتے ہیں؟ شریعت کا کیا حکم ہے، ہوٹل کا مالک ایرانی شیعہ ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر رمضان المبارک کا مہینہ چھوڑ کر بقیہ گیارہ مہینوں کے لیے ہوٹل کرائے پر لینا چاہے تو لے سکتے ہیں گویا کرایہ داری کا معاملہ پورے سال کا نہ رکھتے ہوئے گیارہ

مہینہ کا رکھ سکتے ہیں اگر اس طرح کا معاملہ ایک سال میں گیارہ مہینے کے لیے کیا گیا تب تو ایک عقد (اگریمینٹ) کافی ہے اور اگر چند سالوں کے لیے کیا جارہا ہے تو جتنے سالوں کا کرنا چاہیں اتنے عقد (اگریمینٹ) کرنے ہوں گے اور اس صورت میں پہلا اگریمنٹ (عقد) تو لازم ہوگا اور اس کے بعد والے عقد (اگریمینٹ) لازم نہیں ہوں گے یعنی ہوٹل کا مالک ان کو فسخ کرنا چاہے تو اس کو اختیار ہوگا۔

والحيلة أن يعقد عقودا متفرقة كل عقد سنة بكذا، فيلزم العقد الأول؛ لأنه ناجز، لا الباقي؛ لأنه مضاف، وللمتولي فسخه (درمختار) ولينظر هل يشترط أن يعقد على كل سنة بعقد مستقل أو يكفي قوله استأجرت ثلاثين سنة بثلاثين عقدا فينوب عن تكرار العقود؟ والظاهر الأول (رد المحتار: ٥٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری ۱۸ر جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ممنوع سفر کی ویزا کی کاروائی اور اس کی اجرت

سوال: میں ٹراویلس میں کام کرتا ہوں جہاں باہر کی ویزائیں آتی ہیں، مجھ کو اس پر ایک آدمی کا ایک ہزار روپیہ ملتا ہے، اگر میں اس فن کا کوئی آدمی لاکر ایجنٹ کو دوں، اکثر ویزائیں عورتوں کی خادمہ وغیرہ کے لیے آتی ہیں، مگر میں پرہیز کرتا ہوں، اور اوروں کو منع کرتا ہوں، باہر جانے والی عورتیں اکثر اچھے گھرانے کی نہیں ہوتیں، مگر ویزا میں خادمہ وغیرہ کا کام رہتا ہے، اگر میں ان کو بھیج دوں، تو کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے؟ اگر وہ وہاں جاکر سحر کے غلط کام کرے تو کیا میں گنہگار ہوں گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ان عورتوں کا بغیر محرم وہاں جانا اور اجنبی کے پاس قیام کرنا وغیرہ تمام امور شرعاً ناجائز ہیں، اس لیے اس کاروبار کی اجازت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲ر ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

ہیرے کے کاروبار کے مسائل

ہیرے گھسنے والے کاریگر کا تہائی سے زائد مال اپنے پاس رکھ لینا خیانت ہے

سوال: ہیروں کو جب تک پالش کر کے خوشنما نہ بنایا جائے معمولی پتھر جیسے معلوم ہوتے ہیں، پالش کرنے کے لیے ایک خاص قسم کی چکی ہوتی ہے جس کو ہمارے علاقہ میں گھنٹی کہتے ہیں، ہیروں کو اس میں گھس کر خوشنما بنایا جاتا ہے، ظاہری بات ہے کہ گھسنے میں اس کا وزن ضرور کم ہوگا اور گھسنے سے اس کا برادہ بھی گرے گا، عام طور پر ہیروں کی خرید وفروخت کرنے والے تاجر اور ہوتے ہیں اور گھسنے والے مزدور دیگر ہوتے ہیں، یہ تاجر لوگ وزن کر کے ہیرے گھسنے والوں کو دیتے ہیں، اور چوں کہ گھسنے سے کافی کمی کا اندیشہ ہوتا ہے؛ اس لیے مزدوروں سے یہ مطالبہ کرتے ہیں، کہ کم از کم ایک تہائی مقدار کا مال ضرور تیار ہونا چاہیے، گھسنے والے مزدور اپنی مہارت سے وزن زیادہ کم نہیں ہونے دیتے ہیں، اور مال تہائی سے زائد مثلاً نصف کے برابر تیار کرتے ہیں؛ لیکن اصل مالک کو تو تہائی مال ہی دیتے ہیں، باقی اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، اور

تاجروں کو اس کی خبر نہیں ہونے دیتے، شرعاً مزدوروں کو ایسا کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صریح خیانت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کاریگر کا بڑی سائز کا ہیرا رکھ کر چھوٹی سائز کا ہیرا ملانا

سوال: تاجر نے ہیرا گھسنے والے کو ایک سو ہیرے وزن کر کے گھسنے کے لیے دیے، اس گھسنے والے نے گھس کر ایک سو ہیرے ہی تاجر کو واپس کیے؛ لیکن گھسنے کی وجہ سے وزن تو کم ہوگا ہی؛ اس لیے مزدور نے ایک بڑی سائز کا ہیرا اپنے پاس رکھ لیا اور چھوٹی سائز کا کم قیمت ہیرا اپنے پاس سے اس میں ملا کر تاجر کو مطمئن کر دیا، تاجر کو مزدور کے اس فعل کی قطعاً خبر نہیں اگر معلوم ہو جاتا ہے تو نزاع ہوتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ بھی خیانت اور فریب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ہیرے کا برادہ کس کی ملک ہے؟

سوال: مزدوری پر ہیرا گھسنے والا جب تاجر سے رف ہیرے لے کر خوشنما بنانے کے لیے گھستا ہے، تو اس میں سے برادہ گرتا ہے، یہ برادہ ہیروں کی پالش میں کام آتا ہے، ہیرا گھسنے والا اس برادہ کو اپنی ملک کی طرح لے لیتا ہے اور تاجر کو اس کی اطلاع ہوتی ہے؛ لیکن اس پر اس کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا، تو مزدور کے لیے یہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وہ برادہ بھی تاجر کی ملک ہے، اگر تاجر کی اجازت ورضامندی سے مزدور لیتا ہے تو درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دلال کا قیمت کم بتلانا

سوال: ہیرے کے تاجر نے دلال کو ایک کیرٹ ہیرے بیچنے کے لیے دیے اور کہا کہ اس کو کم از کم ایک ہزار روپیہ میں بیچنا؛ لیکن دلال نے اس کو بارہ سو میں بیچا؛ مگر تاجر سے بتایا کہ بڑی مشکل سے ایک ہزار میں بکے ہیں دلال کا یہ قول وفعل شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دلال تو تاجر کا وکیل ہے؛ اس لیے اس کو چاہیے کہ پوری رقم جو ہیرے کی قیمت کے طور پر ملی ہے تاجر کے حوالہ کرے، بارہ سو ملنے کے باوجود ہزار بتلانا یہ صریح خیانت ودروغ گوئی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ٹیکسی کے مسائل

مالک ٹیکسی کا مخصوص مسافت ورقم پر ٹیکسی چلانے دینا

سوال: زید نے اپنی ٹیکسی عمر کو اس شرط پر چلانے دی کہ ہر ایک سو کیلومیٹر پر

۱۶۵/روپیہ دینا ہوگا، چاہے عمر گاہکوں سے ۱۶۵/روپیہ یا زیادہ یا کم کمائے اس سے زید کو کوئی مطلب نہیں، ۱۰۰/کلومیٹر گاڑی چلنے پر ۱۶۵/روپئے دینا ہوگا اور پٹرول اور ٹیکسی کے مرمت کا کام زید کے ذمہ ہوگا، اس طرح ٹیکسی کا کنٹراکٹ پر دینا شرعاً درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ صورت درست ہے۔

منها أن يكون المعقود عليه وهو المنفعة معلوما علماً يمنع من المنازعة، فإن كان مجهولا ينظر إن كانت تلك الجهالة مفضية إلى المنازعة تمنع صحة العقد، وإلا فلا، لأن الجهالة المفضية إلى المنازعة تمنع من التسليم والتسلم فلا يحصل المقصود من العقد الخ (بدائع الصنائع ٤/ ١٧٩،١٨٠)

وكذلك استيجار السيارات ربما لا يعرف سائقها مسافة السفر ولا تتعين الأجر في بداية السفر ولكن هذه الجهالة تتحمل لكون العداد رافعا للنزاع ويتفق الراكب والسائق على أجر يدل عليها العداد فلا يقع النزاع. (تكملة فتح الملهم ١/ ٣٢٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بائع کے ذمہ سودی قرض کی ادائیگی مشتری کرسکتا ہے

سوال: زید نے چالیس ہزار کی ایک ٹیکسی خریدی جس میں بیس ہزار روپئے اپنے ذاتی ہیں، اور بیس ہزار روپیہ بینک سے سودی قرض لیا ہے، زید کچھ مہینے ٹیکسی چلانے کے بعد عمر کے ہاتھ ۳۰/ ہزار روپئے کے عوض میں بیچ رہا ہے کہ پندرہ ہزار مجھے نقد دے دو اور پندرہ ہزار بینک کے باقی ہیں وہ تم بھرتے رہنا، اور عمر جانتا ہے کہ بینک

کے پندرہ ہزار رأس المال مع سود کے زید کی طرف سے بھرنے کے ہیں تو کیا عمر اس طرح بینک میں پندرہ ہزار روپیہ بھرنے کی وجہ سے سود کے لین دین کا گنہگار ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عمر کا معاملہ جو اس نے زید کے ساتھ کیا ہے وہ سودی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ٹیکسی کی مرمت کی ذمہ داری مستاجر پر صحیح نہیں

سوال: زید نے اپنی ٹیکسی عمر کو یومیہ ۸۰/ روپیہ کے عوض ان شرائط پر چلانے کے لیے دی کہ پٹرول اور پندرہ روپیہ تک مرمت کا خرچ عمر کے ذمہ ہوگا، اور اگر مرمت کا خرچہ پندرہ روپیہ سے زائد ہوا تو زید کے ذمہ ہوگا، تو کیا از روئے شرع اس طرح ٹیکسی کو کنٹراکٹ پر دینا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مرمت کی ذمہ داری مالک یعنی زید پر ہے، اس کے مستاجر یعنی عمر کے ذمہ ڈالنے کی شرط لگانا صحیح نہیں، ایسا کرنے سے اجارہ فاسد ہوجاوے گا۔ نفقة المستأجر علی الآجر الخ (عالمگیری ۴/ ۴۵۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ٹیکس سے بچنے کے لیے سودی قرض

سوال: زید کو ۵۰/ ہزار کی کار خریدنی ہے، اور اس کے پاس اپنی ذاتی نمبر دو

(بلیک) کی رقم موجود ہے، اگر بینک کی اعانت کے بغیر خریدتا ہے تو ۵۰ / ہزار کا ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے؛ اس لیے حکومت کے ٹیکس سے بچنے کے لیے بینک سے رقم لے کر کار خریدتا ہے، اور ہر ماہ قسط وار اپنی ذاتی رقم میں سے بینک کی رقم مع سود کے ادا کر دیتا ہے، تو اس مصلحت کے ماتحت بینک سے (کیا بلا ضرورت کے وقتی طور پر) لون لینا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کار کی خریداری ضروری ہے اور صورتِ مرقومہ کے علاوہ کوئی صورت اس کی نہیں ہے تو اپنی رقم کی حفاظت اور حکومت کے ظالمانہ ٹیکس سے بچنے کی نیت سے ایسا کرنے کی گنجائش ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ٹیکسی پرمٹ (لائسنس) کا عوض لینا

سوال: ٹیکسی کا پرمٹ (لائسنس) جو گورنمنٹ کی جانب سے ٹیکسی ڈرائیور کو دیا جاتا ہے، جس پرمٹ پر ٹیکسی کاروبار کے لیے ڈالی جاسکتی ہے، پرمٹ ملا؛ لیکن ٹیکسی خریدنے کی قوت نہیں ہے؛ اس لیے دوسرے ساتھی کو جس کے پاس پیسے ہیں اس کو پرمٹ دیتا ہے، اور وہ ٹیکسی ڈالتا ہے؛ لیکن پرمٹ والا پرمٹ کا عوض سالانہ دو ہزار روپیہ لیتا ہے، تو یہ پرمٹ کا عوض لینا شرعاً کیسا ہے؟ بعض مرتبہ پرمٹ کے عوض میں ٹیکسی اور منافع میں ۲۵ / فیصد حصہ لیا جاتا ہے تو یہ شرعاً کیسا ہے؟

نوٹ: پرمٹ والے کو سالانہ آر ٹی او میں گاڑی پاس کروانے کے لیے اور پرمٹ رینیو (تجدید) کروانے کے لیے حاضر ہونا پڑتا ہے؛ نیز حادثہ اور ایکسیڈنٹ

وغیرہ کی شکل میں بھی پرمٹ والے کو حاضر ہونا پڑتا ہے، چوں کہ حکومت کے دفتر میں ٹیکسی پرمٹ والے ہی کی شمار کی جاتی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ان میں سے کوئی صورت درست نہیں ہے۔

هذه الرخصة إن كانت باسم رجل مخصوص حتى لا تسمح الحكومة لرجل آخر باستعمالها فلا شبهة فى عدم جواز بيعها، لأن بيعه يؤدي حينئذ إلى الكذب والخديعة، فان مشتوى الرخصة سيستعملها باسم البائع لا باسم نفسه ولأن الإذن إنما حصل رجل مخصوص فلا يحل له أن ينقل ذلك إلى غيره.(تكملة فتح الملهم ۱/ ۳٦٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

كتاب الشركة

شریکِ عامل عمل نہ کرے تو نفع میں زیادتی کا حق دار نہ ہوگا

سوال: زید اور عمر دو شریکوں نے مل کر اپنے اور دوسرے شریکوں کے پیسے سے تیس لاکھ میں ایک ہوٹل تیار کر کے ۱۴۰ میں سے ۴۰ حصہ نفع پر چلانا شروع کیا، ان دو چلانے والے شریکوں میں سے ایک کچھ ماہ ہوٹل چلانے میں شریک رہا، پھر وہ الگ ہو کر اپنا الگ کاروبار کرنے لگا، اور دوسرا چلانے والا شریک ہوٹل چلاتا رہا اور ۱۴۰ میں سے ۴۰ حصہ منافع لیتا رہا، پھر کچھ مدت کے بعد اس دوسرے چلانے والے شریک کی بھی اس ہوٹل پر توجہ کم ہوگئی اور حاضری نہ دینے لگا تو سب شریکوں نے مل کر اس کو ہوٹل اجارہ پر دینے کے لیے تیار کیا، بالآخر وہ تیار ہوگیا اور ہوٹل بیس ہزار ماہانہ کرایہ پر دوسرے کو دے دی؛ لیکن اس کرایہ میں سے چلانے والا شریک ۳۵۰۰ روپئے تنخواہ لیتا رہا حالاں کہ دوسرے شرکاء اس پر رضامند نہیں تھے، پھر کچھ مدت کے بعد انھوں نے تنخواہ نہیں لی، اب مدت اجارہ ختم ہوگئی ہے اور ہوٹل کو اڑتیس لاکھ میں فروخت کر دیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ:

(۱) ہوٹل چلانے والا جس نے کچھ مدت ہوٹل اجارہ پر دیدی تھی، کیا اس کو ہوٹل کی قیمت میں ہونے والے آٹھ لاکھ نفع میں سے چالیس حصہ نفع (ایک سو چالیس میں سے) لینے کا شرعاً حق ہے یا نہیں؟

(۲) ہوٹل کرایہ پر دینے کے بعد چلانے والے شریک نے ہر ماہ کچھ مدت تک جو تنخواہ وصول کی یہ تنخواہ لینا اس کا جائز ہے یا نہیں؟ عرفاً لوگ لیتے رہتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) ہوٹل چلانے والے شریک کو منافع میں ۱۴۰ حصوں میں سے ۴۰ حصے نفع

زیادہ اس کے چلانے کی وجہ سے دیا جارہا تھا، اب جب کہ ہوٹل فروخت ہوا اور ہوٹل میں لگائی گئی رقم سے زیادہ رقم وصول ہونے کی وجہ سے آٹھ لاکھ روپیہ منافعہ ہوا ہے وہ چلانے کی وجہ سے نہیں ہوا ہے، اس چلانے والے شریک کو جو چالیس حصے نفع زیادہ تجویز کیا گیا تھا اس بنیاد پر اس رقم میں وہ زیادتی وصول نہیں کرسکتا؛ اس لیے کہ یہ رقم ہوٹل چلانے کے منافعہ کے طور پر نہیں حاصل ہوئی۔

(۲) جب ہوٹل کرایہ پر دے دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ چلانے والے شریک نے کام بند کردیا گویا اب وہ ہوٹل چلا نہیں رہا ہے، جب یہ بات ہے تو چلانے کی بنیاد پر نفع میں اس کا جو زیادہ حصہ رکھا گیا تھا اس کو پانے کا وہ حق دار نہیں، نہ ہی تنخواہ کا حق دار ہے؛ اس لیے اس کا تنخواہ لینا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

چچا اور بھتیجہ میں مشترکہ کاروبار کی تقسیم

سوال: زید کا انتقال ہوا، انھوں نے اپنے پیچھے بیوی، ایک چھوٹا لڑکا، اور ایک چھوٹی لڑکی چھوڑی، زید کی بیوہ نے کچھ عدت گزار کر زید کے بھائی عمر سے شادی کرلی، دونوں بچے بھی ماں کے ساتھ رہنے لگے، لڑکا جب کام کے لائق ہوا تو اپنے چچا کا ہاتھ بٹاتا رہا اور دھیرے دھیرے پوری طرح کام میں مصروف ہوگیا، عمر نے کام کی ذمہ داری زید کے لڑکے کے حوالہ کردی اور خود اس کی نگرانی بھی کرتے رہے، سب لوگ مل کر کام کرتے تھے اور گھر کا نظام اچھی طرح چلتا رہا، اس کمائی سے زید کی لڑکی اور لڑکے دونوں کی شادی ہوئی، لڑکا پھر صاحبِ اولاد ہوا، عمر کے بھی کئی بچے، بچیاں پیدا ہوئیں

اور مشترکہ آمدنی سے سبھوں کی پرورش ہوئی اور تین لڑکیوں اور ایک لڑکے کی شادی بھی ہوگئی، اب عمر اور زید کے لڑکے کے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہوا اور دونوں ایک دوسرے سے علیحدگی چاہتے ہیں، زید مرحوم کے لڑکے کا مطالبہ ہے کہ میں کاروبار میں برابر کا شریک رہا ہوں، اس لیے کل کاروبار اور اس کی آمدنی میں برابر کا حصہ دار ہوں، اس لیے مجھے ہر چیز میں آدھا حصہ ملنا چاہیے اور عمر کا کہنا ہے کہ میں نے تمھاری اور تمھاری بہن کی پرورش کی ہے، اس لیے کاروبار اور اس کی آمدنی میں تم برابر کے حصہ دار نہیں ہو، کل آمدنی میری ہے، میں اپنی خوشی سے جو کچھ دے دوں اس میں تم کو اعتراض کا کوئی حق نہیں ہے، دربار پنچایت ہو چکی ہے؛ مگر عمر کا کہنا ہے کہ میں شرعی فیصلہ کو مانوں گا۔ دریافت کرنا یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت کے پیش نظر زید کا لڑکا از روئے شرع برابر کا حصہ دار ہوگا؟ تشفی بخش جواب تحریر فرمائیں؛ تاکہ اس کی روشنی میں فیصلہ کر کے جھگڑا مٹایا جاسکے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوال میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ زید کے لڑکے نے چچا کا ہاتھ بٹانا شروع کیا اور دھیرے دھیرے پوری طرح کام میں مصروف ہوا، تو یہ کاروبار مشترکہ سرمایہ سے شروع کیا گیا تھا، یا صرف عمر کا سرمایہ تھا، یا کوئی سرمایہ ہی نہیں تھا؛ بلکہ دونوں نے مل کر جد وجہد سے سرمایہ حاصل کیا اور اسی کو ترقی دی۔

پہلی صورت تو یہ ہے کہ زید وعمر دونوں بھائیوں کی مشترکہ املاک تھیں اور دونوں کا مشترکہ کاروبار چل رہا تھا اور زید کے انتقال کے بعد عمر نے زید کے لڑکے، لڑکی کی پرورش کی اور کاروبار میں زید کی جگہ اس کے بیٹے کو شریک کر لیا اور دونوں کام کرتے رہے، تو زید کا لڑکا آمدنی میں برابر کا شریک ہے۔

يقع كثيرا في الفلاحين ونحوهم أن أحدهم يموت، فتقوم أولاده على تركته بلا قسمة، ويعملون فيها من حرث، وزراعة، وبيع، وشراء، واستدانة، ونحو ذلك؛ وتارة يكون كبيرهم هو الذي يتولى مهماتهم، ويعملون عنده بأمره، وكل ذلك على وجه الاطلاق والتفويض؛ لكن بلا تصريح بلفظ المفاوضة، ولا بيان جميع مقتضياتها..... فإذا كان سعيهم واحداً ولم يتميز ماحصله كل واحد منهم بعمله، يكون ماجمعوه مشتركا بينهم بالسوية، وإن اختلفوا في العمل والرأي كثرة وصواباً الخ (شامي ۳ /۳۷۰)

دوسری صورت یہ ہے کہ عمر کا سرمایہ تھا اور اپنے کاروبار میں زید کے لڑکے سے وہ کام لیتا رہا، زید نے اپنے بچوں کے معاملہ میں اپنے بھائی عمر کو وصی بھی نہیں مقرر کیا تھا، لیکن محض اس لیے کہ وہ لڑکا عمر کے ساتھ رہتا تھا اور عمر ان کا نفقہ برداشت کر رہا تھا، عمر اس سے کام لیتا رہا، تو اگر وہ نفقہ جو عمر نے اس لڑکے کو زمانۂ عدمِ بلوغ میں دیا، وہ اس لڑکے سے لیے جانے والے کام کی اجرتِ مثل سے کم تھا، تو اب عمر پر اجرت مثل کی اس کمی کی تلافی ضروری ہے۔

(سئل) في يتيم استعمله زوج أمه في اعمال شتىٰ من جملتها الحرث على فدانه، والزرع في أرضه مدة سنين بلا اجارة وبلا أذن القاضي، هل له مطالبته بعد البلوغ باجرة المثل إن كان حياً، وإن كان ميتا يتبع تركته أم لا؟

(أجاب) له ذلك كالدّين كما يعلم مما ذكروه في الإجارة (فتاویٰ خیریہ ۲/۱۱۴)

سئل في يتيم استخدمه رجل مدة سنين، وكان ما يطعمه ويكسوه لا يساوي أجر مثله..... الخ وقد تقرر أنه ليس لغير الأب والجد

والوصي استعمال الصغير بلا عوض (أيضاً؟/ ١١٤)

سئل في يتيمين استعملهما قريبهما في اعمال شتى بلا إذن الحاكم ولا اجارة وكان يطعمها ويسقيهما ويعطيهما بعض الأحيان دراهم وذلك قدر أجرة مثلهما ثم بلغا وطلبا منه أجر مثلهما فهل ليس لهما ذلك حيث الحال ماذكر؟ الجواب:نعم يتيم لا أب له ولا أم أيضا استعمله أقرباء مدة في اعمال شتىٰ بلا إذن الحاكم وبلااجارة، له طلب أجر المثل بعد البلوغ إن كان مايعطونه من الكسوة والكفاية لايساوى أجر المثل بزازية. (العقود الدرية في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية؟ /١٠٩)

آگے بلوغ کے بعد اگر عمر نے زید کے لڑکے کے ساتھ کوئی عقد کیا تھا، چاہے شرکت یا مضاربت کا یا اجارہ کا، تو اس کی تفصیل معلوم ہونے پر حکم بتایا جاسکتا ہے اور اگر کوئی ایسا عقد نہیں ہوا تھا تو سب مال عمر کا ہے، اس لیے کہ اس کے سرمایہ سے حاصل ہوا ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ دونوں میں سے کسی کے پاس سرمایہ نہیں تھا؛ بلکہ دونوں نے مل جل کر محنت سے سرمایہ پیدا کیا، تو اگر زید کے لڑکے نے محض مددگار کی حیثیت سے مکمل طور پر عمر کی ماتحتی میں کام کیا ہے، تو سب کچھ عمر کا ہے اور اگر زید کے لڑکے نے اپنی مستقل حیثیت برقرار رکھتے ہوئے عمر کے ساتھ مل کر کام کیا تھا، تو اس صورت میں وہ نصف کا شریک ہے۔

(سئل): في رجل مات عن ابن كبير، وابنين صغيرين، لاعن تركة، فربّاهما الكبير ونشآ في خدمته، ومن جملة عائلته مع ابنه المقارب لهما في السن، وحصلوا جميعاً بالكسب والعمل مالا و لم يكن لهم مال، واختلفوا فيه، فالكبير يدعيه كله لنفسه، وأنهم كانوا معينين فيما له

بالعمل، وابنه يدعى ربعه بعمله، واخواه يدعيان ثلثيه بعملهما، وان ابنه لا حصة له معهما لكونه معينا والده، فماالحكم فى ذلك؟

(أجاب): إن ثبت كون ابنه واخويه عائلة عليه وأمرهم في كل ما يفعلونه إليه وهم معينون له، فالمال كله له، والقول قوله فيما لديه بيمينه، وليتق الله فالجزاء امامه وبين يديه، وان لم يكونوا بهذا الوصف؛ بل كان كل مستقلا بنفسه، واشتركوا فى الاعمال فهو بين الأربعة سوية بلا اشكال، وان كان ابنه فقط هو المعين، والإخوة الثلاثة بانفسهم مستقلون فهو بينهم اثلاثا بيقين، والحكم دائر مع علته بإجماع أهل الدين الحاملين لحكمته. (فتاویٰ خیریہ۲/ ۵۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔**

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ شعبان المعظم ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مشترکہ زمین بیچ دی شریک کیا کرے؟

سوال: عرصہ بیس سال ہوا، زید اور بکر نے مشترکہ طور پر دس بیگہ زمین کا سودا کیا، زید نے آدھا روپیہ ڈال کر زمین کا بیعانہ بکر کے نام کر دیا، تو اس کے بعد بکر نے زید کے گھر اس کے بیٹے بہو کے سر پر ہاتھ رکھ کر قرآن اٹھایا کہ میں زید کے ساتھ دھوکہ نہیں کروں گا؛ لیکن کچھ عرصہ کے بعد جب زمین دس لاکھ میں فروخت ہوگئی، تو بکر نے حصہ دینے سے صاف انکار کر دیا، پھر عرصہ پانچ سال کے بعد بکر نے اپنا مکان فروخت کرنے کا ارادہ کیا، تو زید کے داماد نے بکر کے ساتھ مکان کا سودا کیا، سودے کے موقع پر بکر نے زید کے داماد کو کہا کہ تم قرآن اٹھاؤ کہ تم یہ مکان زید کے بیٹے کو نہیں دو گے؛ جب کہ قابل ذکر بات یہ ہے کہ مکان صرف زید کے بیٹے کے لیے

ہی خریدا گیا تھا اور سارا روپیہ بھی زید کے بیٹے نے ہی ادا کیا تھا، قرآن اٹھانے کی قسم کھانے کی وجہ سے مکان کی رجسٹری زید کے داماد نے اپنی بیوی کے نام کرادی، جو عرصہ تقریباً دس سال اس کی بیوی کے نام رہی، اسی دوران زید کے داماد کے بیٹے نے گھر میں ہنگامہ شروع کر دیا کہ یہ مکان اور روپیہ تو ہمارا ہے کہ زید کے بیٹے کو مکان مت دو، ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے زید کے داماد اور اس کی بیوی نے عرصہ تین سال ہوا، زید کے بیٹے کے نام مکان کی رجسٹری کروادی، تو آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں مندرجۂ بالا مضمون کو پڑھ کر بتائیں کہ زید کے داماد نے جو قرآن کی قسم کھائی تھی، اس کو کیا کفارہ ادا کرنا پڑے گا؟ اور اس پر شرع کی کونسی حد لاگو ہوتی ہے؛ جب کہ بکر نے زید کے ساتھ زمین میں قرآن کی قسم کھا کر دھوکہ کیا اور زید کو اس کا حصہ نہیں دیا، اس بات کو مدِ نظر رکھا جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زمین جب زید اور بکر نے مشترکہ طور پر خریدی، تو اس پر ملکیت دونوں کی مشترکہ طور پر بقدر حصہ ثابت ہوئی، اب اگر بکر نے وہ زمین زید کی اجازت سے فروخت کی ہے، تو یہ بیع درست ہے اور بکر کے لیے شرعاً ضروری ہے کہ جتنا حصہ زید کا اس زمین میں تھا، یعنی آدھا، اس حصہ کی قیمت یعنی پانچ لاکھ زید کو ادا کرے، ورنہ خیانت اور غصب کا گناہ لازم آوے گا اور اگر اس بیع کو زید نے منظور نہیں رکھا تھا، تو اس صورت میں زید کے حصہ کی زمین میں بیع درست نہیں ہوئی اور زید اپنے حصہ کے بقدر یعنی آدھی زمین کا بدستور مالک ہے، رہا بکر کا قرآن اٹھانا تو اگر اس نے قرآن اٹھاتے وقت کوئی لفظ قسم کا بولا تھا، تو اب اس پر قسم کا کفارہ واجب ہو گیا اور کفارہ قسم کا یہ ہے

کہ دس مسکینوں کو صبح وشام دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلاوے یا دس مسکینوں کو متوسط درجہ کے کپڑے پہناوے اور اگر لفظ قسم کا نہ بولا تو کوئی کفارہ اس کے ذمہ نہیں۔
(فتاوی دار العلوم ۲/۲۶ ۷ امداد المفتیین)

زید کے داماد نے قرآن اٹھا کر جو بات کہی تھی، اس کا بھی یہی حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تجارت کے لیے رقم دے کر متعین نفع لینا

سوال: بمبئی میں یہ بات عام ہوتی جارہی ہے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ تم ایک ہزار روپیہ دو، میں تم کو روزانہ ۲۰ یا ۲۵ روپئے کے اندر اندر منافع دوں گا، کبھی ۲۱، تو کبھی ۲۲، تو کبھی ۲۳، تو کبھی ۲۴، تو کبھی ۲۵، تو کیا یہ کاروبار جائز ہے یا سود ہے؟ کئی لوگوں نے ہم سے پوچھا؛ لیکن ہم نے کہا کہ بھائی کسی مفتی صاحب سے معلوم کرلو تو بہتر ہے، تفصیل مع الدلائل جواب دیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی آدمی کو کاروبار کے لیے اس طرح رقم دینا کہ تم اس سے تجارت کرو، جو نفع ہوگا اس میں ہم دونوں شریک رہیں گے، اس کو شریعت کی اصطلاح میں مضاربت کہتے ہیں؛ لیکن مضاربت کے درست ہونے کے لیے کچھ شرائط ہیں: انہی شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ منافع میں دونوں کے حصے متعین ہوں، اور وہ بھی اس طرح کہ یہ حصہ سارے

نفع میں پھیلا ہوا ہو، مثلاً نصف یا ثلث وغیرہ، اگر دونوں میں سے ایک کے لیے نفع میں سے متعین رقم کی شرط کر دی گئی تو مضاربت فاسد ہوگی، صورتِ مسئولہ میں بھی ایک طرح کی تعیین ہی ہے، اس لیے یہ عقد فاسد ہے؛ بلکہ اگر نفع نہ ہو، پھر بھی اس سے رقم لی گئی، تو یہ سود گا؛ بہر حال معاملہ کی یہ صورت جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

معین نفع کی شرط لگانا درست نہیں

سوال: زید نے کپڑے کی تجارت میں مجھے شریک کیا اور طے کر لیا کہ ہر شرٹ پر آپ کو ایک روپیہ نفع دیا جائے گا اگر چہ منافع ۵/ یا سات روپیے ملے یا دس ملے یا کم ملے مگر آپ کو صرف ایک روپیہ دیا جائے گا اور نقصان بھی ہوا تو آپ کو آپ کی رقم واپس کر دی جائے گی کیا زید کی تجارت میں میرا شریک ہونا صحیح ہے؟ اور اس کا ایک روپیہ بہ طور منافع دینا صحیح ہے؟ آپ مجھے تجارت کے بارے میں سمجھائیں تا کہ حلال وحرام کی تمیز کر سکوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے جو طریقہ سوال میں لکھا ہے وہ درست نہیں آپ کو ہر شرٹ پر ایک روپیہ منافع جو دیا جائے گا وہ سود کہلائے گا ہاں اگر آپ اس کو یوں کہہ دیں کہ میری اس رقم سے آپ کپڑے کی تجارت کرو اور اس پر جو بھی نفع ہو اس میں پچاس فی صد میرا اور پچاس فی صد آپ کا یا چالیس فی صد میرا اور ساٹھ فی صد آپ کا مطلب کہ

ہونے والے نفع میں فی صد کے اعتبار سے نفع مقرر کر دیا جائے تو درست ہے چاہے نفع زیادہ ہو یا کم اور نقصان ہونے کی صورت میں پورا نقصان آپ یعنی رقم لگانے والے کا ہوگا کام کرنے والے کی محنت ضائع ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

باپ کے کارخانہ میں کام کرنے والے لڑکے کا دعویٰ شرکت

سوال: میں نے اپنے لڑکے کو ایک ہنر سکھایا، جب وہ ہنر سیکھ گیا تو میں نے ارادہ کیا کہ کارخانہ شروع کروں، چناں چہ میں نے کچھ رقم قرض لے کر کارخانہ کے لیے مشین خریدی، اور کارخانہ کی جگہ کرایہ پر لی، اور میرا لڑکا سعید کام کرنے لگا، اس وقت وہ غیر شادی شدہ تھا، اس کا کھانا پینا رہنا سہنا میرے ساتھ تھا، کارخانہ کی آمدنی میں سے آہستہ آہستہ میں نے قرض ادا کیا، اس درمیان کارخانہ میں نقصان ہوا اور کارخانہ کو رقم کی ضرورت پڑی، تو میں نے اپنے ساڑھو بھائی سے اس کا تذکرہ کیا اور کچھ رقم مانگی تو انہوں نے کہا میں رقم لگاتا ہوں؛ مگر آپ مجھے اپنے کارخانہ میں آدھا شریک بنا لیجئے، چناں چہ میں نے ان کو اپنے کارخانہ میں شریک بنالیا، اور کارخانہ میں ترقی ہوتی گئی، اور تمام قرضہ بھی ادا کر دیا گیا، اب کارخانہ کافی ترقی پر ہے، اور سرکاری قانون کے پیش نظر کارخانہ کی شرکت میں میرا بیس پیسہ اور میرے لڑکے سعید کا تیس پیسہ اور میرے ساڑھو بھائی کا پچاس پیسہ ہے، اور تین سال کے بعد میرے لڑکے سعید کی شادی ہوئی، اور شادی ہونے کے بعد وہ الگ رہنے لگا، اور اس کے بعد وہ کارخانہ سے تنخواہ لیتا تھا جو آج تک جاری ہے، اور اس کے بعد جگہ خرید کر کارخانہ منتقل کر دیا گیا، اور میرا لڑکا

سعید کہتا ہے کہ میری ہی وجہ سے کارخانہ کی بنیاد پڑی اور میں نے محنت کی اور میری ہی محنت سے کارخانہ کو ترقی ہوئی؛ لہذا کارخانہ کا آدھا حصہ میرا ہی ہے، اس کی یہ بات صحیح ہے؟ اور کیا وہ کارخانہ میں نصف حصہ کا مالک ہے یا میں مالک ہوں؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں کارخانہ میں نصف حصہ ملکیت آپ کی ہے، آپ کے صاحبزادہ محمد سعید کا دعوی مسموع نہیں ہوگا۔

"تنقيح الفتاوى الحامدية" میں ہے:

سئل في رجل ساكن في بيت أبيه في جملة عياله، وصنعتهما متحدة يعينه بتعاطي أموره ولا يعرف للابن مال سابق، فاجتمع مال بكسبه ويريد أن يختص به بدون وجه شرعي، فهل جميع ماحصله بكسبه ملك لأبيه ولا شيء له فيه؟

(الجواب) نعم! جميع ماحصله بكسبه ملك لأبيه لا شيء له فيه، حيث كان من جملة عياله والمعين في أموره وأحواله وصنعتهما متحدة ولا يعرف للابن مال سابق الخ وانظر إلى ما عللوا به المسئلة من قولهم: لأن الابن إذا كان في عيال الأب يكون معينا له فيما يصنع، فمدار الحكم على ثبوت كونه معيناً له فيه، فاعلم ذلك. (۲/ ۱۷،۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایضاً

سوال: اسی کارخانہ کی آمدنی سے مکانات خریدے گئے اور اس میں بھی کچھ

مکانات میرے نام پر ہیں اور کچھ مکانات اس کے نام پر ہیں سرکاری کاغذات میں، تو یہ سارے مکانات کس کے شمار ہوں گے؟ اس کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو مکانات خریدے گئے ہیں کس نے خریدے؟ آپ نے یا محمد سعید نے، جس نے خریدے بوقت شراء اس کی نیت اپنے لیے خریدنے کی تھی یا دوسرے کے لیے؟ اس کی تفصیلات مطلوب ہیں پھر جواب دیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

باپ کے کارخانہ سے دوسرا کارخانہ لگایا، مالک کون؟

سوال: اسی کارخانہ کی آمدنی سے میرے مشورہ سے میرے لڑکے سعید نے دوسرا کارخانہ شروع کیا اور اس میں بھی کافی ترقی ہوئی، تو اس میں بھی ہم دونوں شریک رہیں گے یا وہ تنہا یا میں اکیلا؟ اس کی بھی وضاحت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دوسرا کارخانہ جب لگایا گیا، اس وقت سعید نے وہ کس کے لیے لگایا آپ کے لیے یا اپنے لیے؟ چوں کہ لگانے والا وہ ہے، اس لیے اس کی نیت کا اعتبار ہوگا، اگر آپ کے لیے لگایا ہے تو آپ مالک ہیں، اور اپنے لیے لگایا ہے تو وہ خود مالک ہے؛ البتہ جو رقم اس میں صرف ہوئی اتنی رقم وہ آپ کو ادا کرے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باپ کی ماتحتی میں اولاد کی کمائی ہوئی ملکیت باپ کی شمار ہوگی

سوال: زید اور بکر دو بھائی ہیں، زید کو ایک لڑکا ہے اور بکر کو دو لڑکے ہیں، زید اور بکر نے اپنی کمائی سے جگہ خرید کر اس کے کچھ حصہ پر گھر بنانا شروع کیا، گھر کی تعمیر میں جو خرچ ہوا اس میں زید اور بکر کے بیٹوں نے بھی خرچ کیا، اور گھر بنانے میں جو قرض ہوا تھا اسے بھی زید اور بکر کے بیٹوں نے ادا کیا، زید اور بکر اب الگ ہونا چاہتے ہیں؛ لہذا بکر کہتا ہے کہ گھر پانچوں کی کمائی سے مکمل ہوا؛ اس لیے گھر کے پانچ حصے ہونے چاہئیں، اور زمین میری اور زید کی خریدی ہوئی ہے؛ اس لیے زمین کے دو حصے ہونے چاہئیں، تو کیا بکر کا یہ فیصلہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کاروبار میں تو اصل شرکت زید اور بکر دونوں بھائیوں کی ہے، زید کا لڑکا اپنے باپ زید کا معین ومددگار ہے اور بکر کے دونوں لڑکے اپنے باپ بکر کے معین ومددگار ہیں، اور اولاد کی باپ کی ماتحتی میں کی ہوئی کمائی باپ ہی کی شمار ہوتی ہے؛ اس لیے مکان کی تقسیم دو حصوں پر ہوگی، ایک زید کا اور دوسرا بکر کا ہوگا۔

واجاب الخير الرملي عن سوال آخر بقوله: حيث كان من جملة عياله والمعينين له في اموره واحواله، فجميع ماحصله بكده وتعبه فهو ملك خاص لا بيه لاشيء له فيه، حيث لم يكن له مال ولو اجتمع له بالكسب جملة اموال لانه في ذلك لا بيه معين الخ (تنقيح الفتاوى الحامدية ۲/ ۱۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مشترک مکان میں دروازہ نکالنے کا حق نہیں

سوال: ایک مکان جو باپ کی ملکیت میں ہے، چار بھائی مشترک طور پر اس میں رہتے ہیں، دو بھائی نیچے منزلے میں اور دو بھائی اوپر منزلے میں رہتے ہیں، اور علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں، یعنی طعام وغیرہ سب بھائیوں کا الگ الگ ہے، اور سب کا ایک ہی فیکٹری سے کمایا ہوا مال سے خرچ چلتا ہے اور اب سب کے گزرنے کا راستہ پچھّم سمت ایک ہی ہے، اور مکان جو چاروں بھائیوں کا ہے اس کی چہار دیواری بھی ہے، ایک بھائی نے پورب سمت میں ایک مکان خریدا جو اس کے متصل ہے، دونوں مکانوں میں حد فاصل صرف دیوار ہے، اس مکان کے گزرنے کا راستہ پورب سمت ہے، اب ایک بھائی جس نے دوسرا مکان خریدا ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ اس چہار دیواری میں جو دونوں مکان کا حد فاصل ہے مشترک مکان میں آنے کے لیے حد فاصل والی دیوار میں ایک دروازہ کھول لے؛ تاکہ مکان میں آنے جانے کے لیے آسانی ہوجائے؛ اس لیے کہ مشترک والے مکان میں آنے کے لیے طویل راستہ طے کرنا پڑتا ہے، اور ایک بھائی اس دروازہ کو کھولنے کے لیے رضامند نہیں ہے، تو کیا شرعاً دروازہ نکالنے کا ایک بھائی کو حق ہے؟ اگر حق ہے تو اس کو بحوالۂ کتب فقہ سپرد قلم کریں، اگر نہیں ہے تو بھی اس کا حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں دروازہ نکالنے کا حق نہیں ہے۔

وفي الخلاصة: لرجل دار ظهرها إلى سكة غير نافذة مشتركة بينه وبين غيره أراد أن يفتح بابا المختار أنه ليس له ذلك (بحر الرائق ۷/ ۳۲)

وفي التتمة: زقاق غير نافذ قد اشترى رجل في القصوى داراً فأراد أن يهدمها ويجعلها طريقا نافذاً ليس له ذلك (أيضاً)

دار لرجل بابها في سكة غير نافذة، فاشترى بجنبها داراً بابها في سكة أخرى له فتح باب لها في داره الأولى لا في سكة الأولى، وبه أفتى أبوجعفر وأبوالليث (شامی، ۴/ ۴۰۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ شوال المکرم ۱۴۱۶ھ

ایک شریک کا تنخواہ لینا

سوال: چند شرکاء مل کر برابر حصہ کی رقم نکال کر ایک مشترکہ کاروبار کرتے ہیں، اور نفع میں برابر حصہ کے شریک ہیں، اب ان شریکوں میں سے ایک یا دو شریکوں کو کاروبار چلانے کے لیے ماہوار تنخواہ کے حساب سے رکھنا درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو پھر کاروبار چلانے کی اور جائز شکل کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ان کے لیے ماہوار تنخواہ مقرر کرنا درست نہیں ہے؛ البتہ ان کے کام کے پیش نظر نفع میں ان کا حصہ زیادہ رکھا جائے۔ (شامی ۳/ ۳۷۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شریک یا اس کے بیٹے کا اجیر بننا

سوال: زید، عمر اور بکر تینوں بھینسوں کے ایک اصطبل میں شریک ہیں، بکر بمبئی میں کاروبار سنبھالتا ہے، اور عمر گجرات میں سالویز فارم، یعنی جو بھینس دودھ دینا بند

کر دیتی ہے اور گابھن ہوتی ہے، تو ایسی بھینسوں کو بمبئی سے گجرات لایا جاتا ہے، ان کی دیکھ بھال کی جاتی ہے، اور ان کو کھلایا پلایا جاتا ہے، اور جب بچہ جنتی ہیں اور جب دودھ دینا شروع کر دیتی ہیں تو واپس بمبئی میں بھیج دی جاتی ہیں، جن کو سنبھال کر تیار کرتے ہیں اور جب تیار ہو جاتی ہیں، تو عمر لڑکوں کے ذریعہ بمبئی روانہ کرتا ہے، اور اس سالویز فارم کے سنبھالنے کا ماہانہ پانچ ہزار روپیہ تنخواہ لیتا ہے، تو اپنے کاروبار سے عمر کا تنخواہ لینا شرعاً کیسا ہے؟ اگر صورتِ مسئولہ میں عمر خود تو سالویز فارم نہیں سنبھالتا ہے بلکہ اس کا لڑکا سنبھالتا ہے، تو عمر کے لڑکے کے لیے تنخواہ لینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عمر کے لیے یہ تنخواہ لینا جائز نہیں ہے۔

ولو استاجره لحمل طعام مشترك بينهما فلا اجر له لانه لا يعمل شيئا لشريكه الا ويقع بعضه لنفسه فلا يستحق الاجر (درمختار مع الشامی ۵/ ۴۱۷،۴۲)

لانه فی هذه المسئلة شريك وليس للشريك اجر علی عمله فی المشترك. (تنقيح الفتاوی الحامدية ۲/ ۱۱۹)

اگر عمر کا لڑکا یہ کام عقد اجارہ سے کرے گا تو اس کے لیے تنخواہ لینا درست اور جائز ہے۔ (کما مر فی الجواب السابق) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ صفر المظفر ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اصطبل کے ایک شریک کا اپنے بیٹے کو اجیر رکھنا

سوال: (۱) زید اور بکر دونوں نے بھینسوں کا اصطبل خریدا ہے، زید کا لڑکا بمبئی

میں اصطبل کا کاروبار سنبھالتا ہے، اور زید کا لڑکا اپنے باپ سے الگ نہیں ہے، کھانا وغیرہ سب ساتھ میں ہے، تو زید کے لڑکے کو کاروبار سنبھالنے کی وجہ سے ماہانہ پندرہ سو روپیہ تنخواہ دی جاتی ہے، تو زید کے لڑکے کے لیے ماہانہ تنخواہ لینی جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ تنخواہ کی رقم زید ہی کے پاس آتی ہے اور وہی اس کو استعمال کرتا ہے۔

② زید اور بکر دونوں نے شرکت میں ایک اصطبل خریدا اور زید کا لڑکا اصطبل کے کاروبار کو سنبھالتا ہے، جس کے عوض ماہانہ ۱۵۰۰/ روپئے تنخواہ دی جاتی ہے، اور وہ اپنے باپ سے الگ رہتا ہے، اور اسی تنخواہ سے اپنا گذران چلاتا ہے، تو اس صورت میں زید کے لڑکے کا تنخواہ لینا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①②: یہ اجارہ درست اور جائز ہے۔

وان استاجر الرجل ابنه ليخدمه فى بيته لم يجز ولا اجر عليه، لان خدمة الاب مستحق على الابن دينا وهو مطالب به عرفاً فلايأخذ عليه اجراً ويعد من العقوق ان يأخذ الولد الاجر على خدمة ابيه والعقوق حرام، وكذلك ان استأجرته الام لان خدمتها اوجب عليه فانها احوج الى ذلك واشفق عليه وان كان احدهما استأجره ليرعيه غنما او يعمل غير الخدمة جاز فان ذلك غير مستحق عليه ولا هو مطلوب فى العرف.

(مبسوط ۱۶/ ۵۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

میں جو دوں وہ لینا ہوگا، کہہ کر شرکت ختم کرنا

سوال: ۱۹۶۷ء میں برطانیہ آیا اور اپنے (cousin) چچازاد بھائی کے ساتھ

کرائے کے مکان میں رہتا تھا، چند دنوں کے بعد اس نے مجھے کہا: ارے بھائی! اگر ہم دونوں اپنی تنخواہ ساتھ میں رکھیں گے تو مستقبل میں تجارت ہو سکے گی؛ لہذا میں اپنی تنخواہ انہیں دینے لگا، اس میں سے اپنی ضرورت کے بقدر نکالتا تھا، مابقی ان کے پاس جمع ہو جاتا، اس کے بعد میں نے اپنے چند دوستوں کے ساتھ مل کر تجارت شروع کی اور چچازاد بھائی نے بھی دوسرے ایک صاحب کے ساتھ مل کر ایک چھوٹا بیوپار شروع کیا؛ مگر بتقدیر الٰہی ان کی تجارت نہ چل سکی، اس لیے ایک دن مجھے وہ راستہ میں ملے، وہیں سے مجھے اپنی اس چلتی ہوئی تجارت میں شریک کرنے کی غرض سے لے گئے، ہم لوگ ساتھ میں تجارت کرنے لگے اور اس میں بحمدہ تعالی دن بدن فروغ ملتا گیا، یہ ہماری تجارت اگرچہ بطور شرکت کے تھی؛ مگر میں ہفتہ میں دو تین پونڈ لیتا تھا اور دوسری جانب تجارت کا مکمل حساب وکتاب اپنے چچازاد بھائی کے پاس رہتا تھا، وہ ان پیسوں کو جہاں چاہے وہاں بے تحاشا فضولیات میں خرچ کیا کرتے تھے، اس طرح تقریباً دس سال تک چلتا رہا، اس کے بعد ۱۹۷۸ء میں میں نے کچھ سخت رویہ اپنایا اور حساب کے سلسلہ میں کچھ ''تو تو میں میں'' ہونے لگی تو حساب رکھنا شروع ہوا، تو ۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۸ء تک مجھے صرف جتنی خرچ کی ضرورت ہوتی اتنی ہی رقم ملتی، اور دوسری جانب وہ جس طرح اور جتنا چاہتے خرچ کرتے، اس درمیان انہوں نے اسی آمدنی سے اپنے دو بچوں کی شادی بھی کرائی (ان کا اس آمدنی کے علاوہ کوئی ذریعۂ آمدنی نہ تھا) تو ۱۹۷۸ء سے پہلے کا کوئی حساب ہی نہیں ہے، اس کے بعد جب حساب رکھنا شروع ہوا تو ہمارے مابین کئی باتوں میں کچھ بولا چالی رہتی، اسی درمیان ہمارے مابین ایک منشی کاریگر کو کام دینے کے بارے میں جھگڑا ہوا، اس کے بعد میں نے علیحدگی کا فیصلہ

کرلیا، تو انہوں نے الگ اس طرح کیا کہ انہیں (یعنی میرے چچازادبھائی کو) جو مناسب لگا وہ دے کر مجھے الگ کیا، باقاعدہ نہ کوئی حساب کیا اور نہ مکمل حساب دیا، میں نے ''اس تجارت کو مجھے دیدو'' یہ درخواست کی تو انہوں نے انکار کیا، ہم نے اپنی شرکت کے درمیان ایک زمین لے رکھی تھی، میں نے کہا: مجھے دیدو، انہوں نے انکار کیا اور میرے ہر مطالبہ کے جواب میں ان کا ایک ہی جواب تھا کہ میں تمہیں (مجھے) الگ نہیں کرتا آپ خود الگ ہو رہے ہیں، اسی لیے میں جو دوں اور جتنا دوں وہ لینا ہوگا؛ نیز انہوں نے جو رقم مجھے دینی مقرر کی تھی وہ بھی یک مشت نہ دی؛ بلکہ دس سال کے طویل عرصہ میں تھوڑی تھوڑی اسی تجارت میں کما کر دی، نیز جو زمین ہم نے شرکت کے درمیان لی تھی، اس کی رقم بھی انہوں نے علیحدگی کے بعد مجھے مکمل رقم دینے سے پہلے اس کی قیمت ادا کی، بندہ عمر میں ان سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے خاموش رہا تو جس طرح تقسیم ہونی چاہیے اس طرح انہوں نے نہ کی، ہونا یہ چاہیے تھا کہ پوری ملکیت، بیلنس وغیرہ کا آدھا حصہ ملنا چاہیے تھا مگر اس طرح نہ ہوا، اور مجھے جو جوان کے دل میں آیا وہ دیا اور وہ بھی ایک ساتھ نہیں؛ بلکہ تھوڑا تھوڑا دس سال کے طویل عرصہ میں دیا، اگر مجھے ایک ساتھ دیا ہوتا تو میں بھی اس رقم کو تجارت میں لگاتا؛ لیکن ایسا نہ ہونے کی وجہ سے میرا بڑا نقصان ہوا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان کی یہ تقسیم از روئے شرع برابر ہے؟ اگر نہیں تو پھر میں مابقی میں اپنا حق لینے کا حق دار ہوں یا نہیں؟ اگر میں حق دار ہوں تو اُس وقت کی ویلیو کے اعتبار سے یا آج کی؟

۱۹۶۷ء سے ۱۹۷۸ء تک جو ہماری آمدنی تھی اس کا کوئی حساب نہیں، تو اس کے لیے اس درمیان انہوں نے جو خرچ کیا تھا وہ بہت تھا اور میرا تھوڑا تو کیا اس کی

تلافی کی کوئی شکل ہے یا نہیں؟

میرے مطالبات کے جواب میں ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر میں نے ان کو (مجھے) حصہ کم دیا تو لیا کیوں؟ آج اتنے سالوں کے بعد کیوں مطالبہ کرتے ہو؟ حالاں کہ میں اس وقت اس لیے خاموش رہا کہ وہ مجھ سے عمر میں بڑے تھے تو کیا اس طرح خاموش رہنے سے میرا حق ساقط ہو جائے گا؟

علیحدگی سے پہلے جو جائیداد خریدی تھی وہ علیحدگی کے بعد مطالبہ کے باوجود مجھے نہ دی یا اس کی قیمت علیحدگی کے بعد مجھے جو انہوں نے دینا طے کیا، اس کو ادا کرنے سے پہلے اسی تجارت میں سے کما کر اس کی قیمت ادا کی اور بعد میں مجھے اپنا حصہ ان کا مقرر کردہ طویل عرصہ میں دیا تو کیا اس جائیداد میں میرا حصہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کا سوال ناقص ہے، پہلے آپ کو یہ بتلانا چاہیے تھا کہ آپ دونوں کے درمیان شرکت کا جو معاملہ ہوا وہ کس طرح ہوا؟ یعنی دونوں میں سے ہر ایک نے کتنا رأس المال (پونجی) لگایا؟ تجارت کس چیز کی تھی؟ دونوں کے کام کی کیا نوعیت تھی؟ منافعہ کی تقسیم کے لیے کیا طے ہوا؟ اس کے علاوہ کیا کیا شرائط آپس میں طے ہوئے؟ اگر معاہدہ (اگریمنٹ) کی کوئی نقل ہے تو وہ پیش کرتے، ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر جواب دیا جاتا، خیر اس کے باوجود آپ کے شریک نے چند باتیں ایسی کی ہیں جو اصولی طور پر درست نہیں ہیں، مثلاً ان کا یہ کہنا ہے کہ آپ خود الگ ہو رہے ہیں میں آپ کو الگ نہیں کر رہا ہوں۔ وہ الگ کریں یا آپس کی رضامندی سے علیحدگی ہوں، ہر صورت میں آپ کا حصہ آپ کو ملنا چاہیے، آپ اپنے حصہ کے حق دار ہیں، اب

جب کہ انہوں نے آپ کا حصہ نہیں دیا؛ بلکہ زبردستی روک رکھا تو وہ شرعاً غاصب ٹھہرے اور غصب میں غاصب پر ضروری ہے کہ اگر وہ چیز موجود ہو تو اس کو لوٹائے اور اگر ہلاک ہوگئی ہے تو اگر وہ مثلی ہے تو اس کا مثل لوٹائے اور اگر قیمی ہے تو غصب کے دن یعنی اُس وقت کے اعتبار سے جو قیمت ہوئی ہے وہ لوٹائے۔ (درمختار، شامی ۵/ ۱۲۸، ۱۲۹)

اس کا حساب نہیں ہے تو ان کو چاہیے کہ اس کا صحیح اندازہ لگائیں اور بصورت شک یقینی مقدار ادا کریں۔

لوكان عليه دين وشك فى قدره ينبغى لزوم اخراج القدر المتيقن، وفى البزازية من القضاء: اذا شك فيما ادعى عليه ينبغى ان يرضى خصمه ولا يحلف احترازاً عن الوقوع فى الحرام الخ (الاشباه والنظائر ٦١ مصرى)

آپ کی خاموشی سے آپ کا حق ساقط نہیں ہوگا۔

لا ينسب الى ساكت قول (وليست هذه المسئلة من المسائل المثناة من هذه القاعدة)

البتہ اگر اس درمیان آپ نے یہ اقرار کیا ہو کہ میں اپنا حق وصول کر چکا ہوں تو اب مطالبہ کا حق نہیں ہے، علیحدگی سے پہلے خریدی ہوئی جائیداد جب موجود ہے تو اس میں آپ کا حصہ بھی ہے۔ (کما مر) خصوصاً اگر وہ اقرار کرتے ہوں کہ یہ جائیداد زمانۂ شرکت کی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد: احمد خانپوری عفی عنہ، ۲۰/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

شرکاء میں سے کسی ایک کو شرکت سے الگ کرنا

سوال: چند احباب نے مل کر اجتماعی طور پر پچیس ہزار کی لاگت سے ایک ہوٹل

تیار کیا، جس میں کم وبیش حصہ کے حصہ دار، شرکاء پچیس ہزار کے اعتبار سے اپنا رأس المال ڈال کر حصہ دار بنے، اب ہوٹل چلنے لگا اور اس کا ویلیو پچاس ہزار کا ہو گیا، اب دو تین شرکاء مل کر کسی ایک شریک کا حصہ نکال رہے ہیں، اور اس کو اصلی رقم پچیس ہزار کے اعتبار سے رقم لوٹا رہے ہیں جب کہ اس وقت اس ہوٹل کا بازاری ویلیو پچاس ہزار ہے یہ شریک نکلنے پر راضی نہیں ہے؛ لیکن مجبوراً اصل رأس المال لینا پڑ رہا ہے:

(الف) اس حصہ دار کی طرف سے دیگر شرکاء کو کسی قسم کی تکلیف اور شکایت بھی نہیں ہے، ایسی صورت میں باقی شرکاء کے لیے اس کا حصہ نکال دینا کیسا ہے؟

(ب) بعض مرتبہ ایسی صورت میں ذمہ دار لوگ ہوٹل کا ویلیو لگاتے ہیں اور اس کے اعتبار سے اس کو اس کا حصہ دیتے ہیں؛ لیکن یہ لوگ بازاری ویلیو کے مقابلہ میں بہت کم ویلیو کرتے ہیں، مثلاً: چالیس ہزار بازاری ویلیو کے ہوٹل کا صرف تیس ہزار ویلیو لگاتے ہیں، تو یہ درست ہے یا نہیں؟

(ج) بعض مرتبہ یہ ذمہ دار حضرات صحیح صحیح بازاری ویلیو ہی لگاتے ہیں، اور اس شریک کا جو حصہ آتا ہے، پورا پورا حصہ اس کو دے دیتے ہیں؛ لیکن اس حصہ دار کی عدمِ رضامندی کے باوجود جبراً اس کو الگ کرتے ہیں تو یہ کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مشترکہ کاروبار کے شرکاء میں سے کوئی ایک یا متعدد عقدِ شرکت کو ختم کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

(وتبطل ایضاً) .....بفسخ احدھما ولو المال عروضاً. (درمختار ۳/ ۳۸٤)

(الف) عقد شرکت کو فسخ کرنے کے لیے تکلیف وشکایت کا ہونا ضروری نہیں ہے۔

(ب، ج) البتہ یہ خیال رہے کہ جس وقت کسی ایک شریک کے ساتھ عقدِ شرکت کو فسخ کیا گیا، اس وقت جب مالِ شرکت بشکل عروض ہوتا، تو اس الگ کیے جانے والے شریک کا حصہ اس مال میں ہے؛ اس لیے اصل تو یہی ہے کہ اس مال کو تقسیم کر کے اس کا حصہ اس کے حوالہ کیا جائے؛ البتہ اگر وہ اپنے حصہ کی قیمت لینے پر راضی ہو، تو قیمت بھی دی جاسکتی ہے، اور چوں کہ اپنے حصہ کے مال کا وہ مالک ہے؛ اس لیے قیمت وہی دینا ہوگی جس کا وہ مطالبہ کرے، ذمہ دار حضرات کی بات اس شریک پر لازم نہیں کی جاسکتی؛ اس لیے کہ درحقیقت اس کے قیمت لگانے کا مطلب یہ ہوتا ہے، کہ وہ اپنا حصہ دیگر شرکاء کو فروخت کر رہا ہے، اور بیع میں بائع کی رضامندی شرط ہے، اگر وہ راضی نہیں ہے تو دیگر شرکاء کی ملکیت اس کے حصہ پر ثابت نہ ہوگی، اور اس حصہ کا نفع ان کے لیے حلال وطیب نہ رہے گا۔

(قوله لكنه يتصدق الخ) والظاهر انه يقال مثل ذلك فيما اذا تصرف احدهما بالمال فى صور بطلان الشركة المارة فان الربح يكون للعامل ويتصدق بما ربح من مال الآخر (شامی ۳/ ۳۸۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نوکر نے اپنے ذاتی مال سے تجارت کی، نفع کا حق دار کون؟

سوال: زید ایک دُکان کا مالک ہے، اس کے یہاں ایک نوکر تھا جس کا نام بکر ہے، اور یہ بکر زید کے یہاں کام کر رہا تھا، اس بیچ زید کی ایک جگہ بالکل خالی پڑی ہوئی تھی، زید نے بکر سے کہا: تو وہ جگہ پر بیٹھ اور کاروبار شروع کر، اور زید کی نیت یہ تھی کہ جگہ کی

حفاظت ہوجائے گی اور اس (بکر) کا گھر خرچہ بھی چلے گا، مگر کوئی معاملہ طے نہیں ہوا، اور جب بکر نے اس جگہ پر بیٹھنا شروع کیا تو کچھ مال تو زید کا تھا جس کا بکر کے پاس حساب بھی ہے، اور بکر نے زید سے پوچھا کہ میں ایک اور نیا کام شروع کرنا چاہتا ہوں تو زید نے اس کی اجازت بھی دی، مگر مال سارا بکر ہی کا تھا اس میں زید کا کچھ نہیں، اور وہی جگہ پر بیٹھ کر بکر نے ایک اور کام کیا جس کا تعلق اس جگہ سے کوئی نہیں، اب بکر کو اس جگہ پر پانچ سال ہوگئے اور پانچ سال کے بعد زید کہتا ہے بکر سے کہ آج تک جو بھی تو نے کمایا اس کا مجھے حساب چاہیے، حالاں کہ کوئی معاملہ طے نہیں ہوا تھا، اور بکر کو زید سے یہ امید بھی نہیں تھی، لیکن پھر بھی بکر نے آج تک کا حساب دے دیا اور زید نے اس کے مال سے ۴۰/ فیصد وہ مال جو اس نے (بکر نے) کمایا تھا وہ بھی لیا، اور اب زید یوں کہتا ہے کہ جو تو نے اپنے گھر کا خرچہ دیا ہے وہ بھی تجھے مجھے دینے پڑیں گے، تو اس صورت میں کیا زید کو اس کے بیان سے پہلے کا کوئی حق ہے؟ اور بکر کے اوپر کیا حق نکلتا ہے؟ کیا بکر کو دینا پڑے گا؟ اور اگر دینا پڑے گا تو کتنا؟ حالاں کہ کوئی معاملہ طے نہیں ہوا تھا، اب اس صورت میں بکر پانچ سال کا حساب گھر خرچہ کا دیتا ہے تو تین لاکھ روپئے دینے پڑتے ہیں، اور اس کے پاس اتنا مال ہے نہیں، اگر دے دے گا تو بکر راستہ پر آجائے گا، خیر صحیح فیصلہ فرما کر ممنون فرمائیں۔

نوٹ: بکر سے پہلے اس جگہ پر عمر نے زید کے مال کو سنبھالا؛ مگر اس سے زید نے حساب نہیں لیا اور بکر کے اپنے مال سے زید حساب لے رہا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید نے بکر کے ساتھ کوئی معاملہ نہیں کیا تھا تو کاروبار میں جو مال بکر نے لگایا وہ مال اور اس کا نفع سب بکر کا ہے، دوسرا کاروبار جو بکر نے شروع کیا اس میں بھی چوں کہ

بکر نے اپنا ہی مال لگایا تھا، اس لیے وہ مال اور اس سے حاصل شدہ نفع بھی بکر ہی کا ہے، ان دونوں میں زید کا کوئی حق نہیں ہے؛ البتہ پہلا کاروبار جس میں زید کا مال بھی لگا تھا وہ مال اور اس مال کے نفع کا مالک زید ہے، اور بکر چوں کہ زید کے یہاں ملازم کی حیثیت سے کام کرتا تھا، اس لیے بکر نے زید کے مال میں جو کاروبار کیا ایسے کاروبار کرنے والے کو عام طور پر جو اجرت (تنخواہ) ملتی ہے اتنی تنخواہ بکر کو ملے گی، زید نے تمام کاروبار کے نفع کا چالیس فیصد بکر سے وصول کیا وہ درست نہیں ہے، بکر نے اپنے گھر کے خرچہ میں زید والی رقم (جو پہلے کاروبار میں تھی) یا اس کا نفع استعمال کیا ہے تو بکر کو چاہیے کہ وہ زید کو ادا کرے، اس کے علاوہ میں زید کا کوئی حق نہیں ہے، یہ حکم اس حقیقت کے پیش نظر ہے جو آپ نے سوال میں لکھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ملازم کی منافع میں شرکت کی حیثیت

سوال: تاجر کا ایک دوست ہے، جو ملازمت کر کے اپنا گذر بسر کر رہا ہے، تاجر نے اپنے دوست سے کہا کہ میرے پاس ایک دکان ہے، اگر تم پوری ذمہ داری لیتے ہو تو چلے آؤ، میں تم کو ماہانہ تنخواہ اور زید جو مجھے تیس فیصد دیتے ہیں اس میں سے آپ کو بیس فی صد پوری ذمہ داری کے عوض دوں گا، کیا دوست تنخواہ اور بیس فیصد منافع لے سکتا ہے؟ شرعاً اس کی اجازت ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر دوست کو بحیثیت ملازم رکھتا ہے تو صرف تنخواہ دی جاسکتی ہے، اور اگر پورا

کاروبار اس کے حوالہ کردیتا ہے تو منافع میں شرکت رکھی جاسکتی ہے، اس صورت میں تنخواہ دینا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/صفر ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حساب میں چوک کی تلافی اور شرکاء کے نفع میں کمی بیشی

سوال: (۱) ہم لوگ ایک کاروبار کرتے ہیں، کچھ سامان لاکر بارانیاں تیار کرکے فروخت کرتے ہیں، ہمیں اس کاروبار کا سالہال کا تجربہ ہے، اور یہ کاروبار موسمی ہے، پچھلے کچھ سالوں سے اس کی صورت یہ ہے: جاننے والے اعزہ اور احباب اپنی رقمیں اس کاروبار میں لگانے کے لیے ہمیں دیتے ہیں اور ہم بھی اپنا سرمایہ اس میں لگاتے ہیں، اور ہمارا یہ معاملہ ایک سال کے لیے ہوتا ہے، ہر سال جب کاروبار کا موسم ختم ہوتا ہے تب پورا حساب مکمل کرکے منافعہ تقسیم ہوکر معاملہ ختم ہوجاتا ہے، اس کے بعد نئے سال کے لیے نیا معاہدہ ہوتا ہے، اس نئے معاہدہ میں بعض وہ حضرات بھی جو اگلے سال کاروبار میں شریک رہے تھے شرکت کرتے ہیں، اور بعض نئے حضرات بھی ہوتے ہیں، سالِ گذشتہ موسم ختم ہونے پر حساب کتاب مکمل کرکے منافع تقسیم کردیئے گئے، اس کے بعد معلوم ہوا کہ بعض تاجروں کو ان کے یہاں سے لائے ہوئے کچے مال کی قیمت چکانا باقی ہے، اور بھی ایک دو چیزیں اس قسم کی چوک سے رہ گئی تھیں جس کا بعد میں احساس اور علم ہوا، ان چیزوں کو حساب میں ملانے سے معلوم ہوا کہ گزشتہ سال جو کاروبار ہوا تھا اس میں بجائے نفع کے نقصان تھا، اب جب کہ ہم منافع کے نام سے ان کو رقم دے چکے ہیں ہمارے لیے کیا صورت رہ جاتی ہے؟ شرعاً اس کا حل پیش فرمائیں۔

② اس سال نیا معاہدہ کر کے کاروبار جو شروع کیا تھا اس میں گذشتہ سالوں کے مقابلہ میں نفع کی مقدار بہت کم ہے، اور اس سال کاروبار میں رقم لگانے والوں میں ہر سال کی طرح کچھ پرانے اور کچھ نئے ہیں، نئے لوگوں نے کاروبار کی ہر سال کی معلومات اور نفع کی مقدار جو ان کے علم میں تھی اس کی بنیاد پر زیادہ نفع کی توقعات قائم کر رکھی تھی تو امسال نفع کی تقسیم میں کیا ان کی کوئی خصوصی رعایت کی جاسکتی ہے؟ یعنی پرانوں کے مقابلہ میں ان کو کچھ زیادہ حصۂ منافع دیا جائے یا معاہدہ کے مطابق نفع کی تقسیم کا جو طریقۂ کار ہر سال رہا ہے کہ ہر ایک کو اس کے سرمایہ کے بقدر نفع میں سے حصہ دیا جاتا ہے چاہے نیا ہو یا پرانا، امسال بھی اسی طریقۂ کار کے مطابق ہر ایک کو ان کے سرمائے کے بقدر حصہ دیا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اگلے سال کے کاروبار کے حساب میں بوجہ چوک جو باتیں چھوٹ گئیں اور غلط فہمی سے منافعہ سمجھ کر ہر ایک کو اس کا حصۂ منافع دے بھی دیا گیا، اس کے بعد اس چوک پر متنبہ ہونے پر دوبارہ حساب کرنے پر معلوم ہوا کہ منافعہ نہیں؛ بلکہ نقصان ہوا ہے، تو اب آپ گذشتہ سال والے تمام شرکاء کو حقیقی حساب سے آگاہ فرما کر منافع کے نام سے ان کو دی گئی رقم کی واپسی کا مطالبہ فرما سکتے ہیں۔

② آپ ہر سال کے لیے علیحدہ معاہدہ اور معاملہ کرتے ہیں تو تمام شرکاء کی حیثیت یکساں ہے، اس لیے امسال جو منافع ہوئے ہیں وہ تمام شرکاء کے درمیان ان کے سرمایہ کے مطابق تقسیم کیجئے، کوئی شریک نیا ہے اور اس نے کچھ توقعات وابستہ کی تھیں

اس بنیاد پر اس کو حصۂ منافع میں زیادہ دینا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ صفر المظفر ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شیئرز کے منافع کا حکم

سوال: شیئرز کا جو ڈیویڈنٹ (Divident) ملتا ہے اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو بلا کراہت یا کراہت کے ساتھ؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جائز کاروبار اور جائز پیداوار کرنے والی کمپنی کا شیئرز ہو تو اس کے منافع کا استعمال بلا کراہت درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

میاں بیوی کی کمائی میں ملکیت کس کی کس قدر؟

سوال: تقریباً ۲۳/ سال قبل میرا نکاح محمد حنیف منشی کے ساتھ ہوا، نکاح سے پہلے ہی سسر کا انتقال ہو گیا تھا، میرے شوہر کے تین بھائی اور والدہ محترمہ بقید حیات ہیں، میرا نکاح ہوا اس وقت ہم سب اکٹھے رہتے تھے، بعدہ میرے شوہر کے بیرون میں جانے کی وجہ سے میں بھی ان کے ساتھ ہی رہی، یعنی اولاً زامبیا میں، بعدہ یو کے انگلینڈ میں ہم دونوں نے ساتھ میں رہنا شروع کیا، بیرون چلے جانے کے بعد سسر کی جائداد کے جو مکانات تھے ان کو میرے شوہر نے دیگر بھائیوں اور والدہ کے درمیان تقسیم کر دیا، اور خود اس جائداد میں سے کچھ نہیں لیا ہے، ہر ایک بھائی اس جائداد کو

اپنے قبضہ میں لے کر اپنے اپنے طور پر اپنی تجارت اور پیشے میں لگ گئے، اور فی الحال وہ سب اپنی ذاتی زندگی گزار رہے ہیں، ہم میاں بیوی نے انگلینڈ میں سکونت اختیار کرنے کی وجہ سے سسر کی جائداد کے مکانات میں سے اپنی رضامندی سے کچھ بھی نہیں لیا، انگلینڈ میں میرے شوہر بھی کام کرتے تھے، اور میں بھی کوئی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے گھر پر کام کرتی تھی، اور ہم دونوں ایک ساتھ محنت کر کے کماتے تھے، ہم لاولد ہونے کی وجہ سے اور خرچ کرنے میں حتی الامکان میرے احتیاط اور کفایت شعاری کی بنا پر اللہ رب العزت نے ہماری کمائی میں خوب برکت نازل فرمائی، نتیجۃً ہم لوگ انڈیا میں شوہر کے بھائیوں کی وقتاً فوقتاً مدد بھی کرتے رہے ہیں، ہم دونوں کو اگر مستقبل میں انڈیا میں سکونت اختیار کرنے کی نوبت آجائے اس غرض سے ہم نے اپنی (میاں بیوی) مشترکہ کمائی سے اپنے وطن میں چند پلاٹ لے کر الگ مکان بھی تعمیر کیا ہے، مکان کا دستاویز میرے شوہر کے نام کا ہے۔

دیگر یہ کہ ہم دونوں لاولد ہیں، مستقبل میں معاشی زندگی کی فکر کرتے ہوئے ذریعۂ آمدنی کے طور پر دوسرے ایک دیہات میں چند دکانیں اور مکان خریدا ہے جو فی الحال کرایہ پر دیا ہے، مذکورہ جائداد میں سے ایک دکان کا دستاویز میرے شوہر کے نام ہے جب کہ دیگر جائداد کے دستاویز مشترکہ ہیں، جس میں میں اور میرے شوہر اور ساس کا نام بھی ہے، دوسرے ایک دیہات میں بھی ہم دونوں نے مشترکہ طور پر چند پلاٹ خریدے ہیں۔

مذکورہ بالا جائداد ہم میاں بیوی نے مشترکہ طور پر خریدی ہیں، اور یہ ہماری آزاد املاک ہیں، جن کو خریدنے میں شوہر کے بھائیوں سے ہم نے کوئی رقم نہ وصول کی ہے، اور نہ ہی کوئی رقم انہوں نے ہمیں دی ہے، مزید یہ کہ میرا نکاح ہوا تو میرے والد صاحب

نے مجھے سونے کے زیورات دیئے تھے اور شوہر نے بھی بیرون ملک جانے کے بعد مجھے زیورات بنا کر دیئے ہیں، جن کو میں خود استعمال کر کے اپنے قبضہ میں رکھتی ہوں؛ نیز عید و شادی کے خوشی کے مواقع پر میرے بھائیوں نے بھی مجھے چند زیورات بطورِ انعام دیے ہیں، وہ بھی میرے قبضہ میں ہیں۔

ہمارے ازدواجی تعلقات کو تقریباً بیس سال کا عرصہ ہوا باوجود اس کے ہم لاولد ہیں، اس لیے میرے شوہر (جو بذاتِ خود عالم ہیں، مسائلِ شریعت سے واقفیت رکھتے ہیں) نے میرے مستقبل کا خیال رکھتے ہوئے آج سے تقریباً تین سال قبل بیس ہزار پاؤنڈ کی مجھے مالک بنا کر مذکورہ رقم کا قبضہ مجھے دے دیا ہے، اس رقم کو میں نے افریقہ میں ساکن میرے بھائی کو بطورِ قرض دیا؛ لیکن اس وقت میرے بھائی نے اس رقم کو بطور قرض قبول کرنے کے بجائے تجارت میں شرکت کی غرض سے لگا دیا، اور اس بات کی اطلاع بھی اسی وقت ہم کو دے دی کہ میں نے بیس ہزار پاؤنڈ تجارت میں لگا دیئے ہیں، اور فی الحال شرکت کے طور پر تجارت جاری ہے، اور اب تک جو کچھ نفع ہوا ہے وہ بھی تجارت میں لگا ہوا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم میاں بیوی انگلینڈ میں سکونت اختیار کئے ہوئے ہیں، ہمارا پاسپورٹ بھی برٹش ہے، ہم وہاں کے شہری بن چکے ہیں، اس وجہ سے وہاں رہنے کے لیے ہم نے ایک مکان مارگیج پر لیا ہے، اس کی قسطیں بھی ہم مشترکہ کمائی سے ادا کر رہے ہیں۔

سالِ رواں میں ماہ اپریل میں میرے شوہر اپنے رشتہ داروں سے ملاقات اور دیگر سماجی تقریبات میں شرکت کی غرض سے بیس پچیس دن اقامت کے ارادے سے ہندوستان مہمان بن کر تشریف لے گئے لیکن جانے کے پانچ دن بعد ہی طبیعت

بگڑ گئی؛ یہاں تک بے ہوشی (کوما) طاری ہوگئی، شہر سورت کے ایک شفاخانے میں ان کو ایڈمیٹ کیا گیا، اس ناگہانی حادثہ پر مجھے فوری طور پر انڈیا آنا پڑا، تقریباً ایک مہینہ مسلسل بے ہوشی کے بعد دورانِ علاج معالجہ اسی مرض الوفات میں جاں بحق ہوگئے، علاج معالجہ کا مکمل خرچہ ہم لوگوں نے (میاں بیوی) نے ادا کیا۔

مذکورہ بالا تفصیل کے بعد شریعت مطہرہ کی روشنی میں مندرجۂ ذیل امور کا حل پیش فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

① میرے شوہر نے اور میں نے انگلینڈ کو اپنا وطن بنالیا ہے، اور یہاں اپنے گاؤں میں بھی ایک مکان ہے جس میں فی الحال کوئی رہتا نہیں ہے، میری ساس بھی خود میرے دیور کے مکان میں رہتی ہے، میرے دیور کے ایک ساتھ لگے ہوئے دو گھر ہیں، اور دوسرے دو دیور بھی اسی گاؤں میں اپنے اپنے مکانوں میں مستقلاً رہتے ہیں، اور ان مکانوں میں میرے شوہر کا حصہ نہیں ہے، ان مکانوں کی ملکیت میں تینوں دیور آزاد ہیں۔

میں بذاتِ خود عدت گذارنے انگلینڈ جانا چاہتی تھی؛ لیکن سسرال والوں نے جانے سے منع کر کے دیور کے گھر میں عدت گذارنے کے لیے روک لیا، دیور الحمدللہ صالح ہیں، اور میرے والدین بھی اسی دیہات کے باشندے ہیں، اور ان کا ذاتی مکان بہت کشادہ اور وسیع ہے، میری دلی خواہش والدین کے گھر عدت گذارنے کی ہے، تو کیا میں والدین کے ساتھ رہ کر عدت گذار سکتی ہوں؟ یا پھر انگلینڈ جا کر عدت گذاروں؟ واضح رہے کہ وطن میں میرے شوہر کے بنائے ہوئے مکان میں عدت گذارنے کے لیے میں نے اپنی ساس وغیرہ کو ساتھ میں رہنے کے لیے گزارش کی تو

وہ اس مکان میں جو مقفل پڑا ہوا ہے میرے ساتھ رہنے کے لیے تیار نہیں ہے، تو کیا اپنے دیور کے گھر کے بجائے اپنے والدین کے گھر عدت گذار سکتی ہوں؟ انگلینڈ میں میرا کوئی محرم نہیں ہے۔

(۲) ذکر کردہ تفصیلی حقیقت میں مذکورہ جائداد واملاک کی تقسیم کا کیا طریقہ ہوگا؟ کس کو کتنا حصہ ملے گا؟

(۳) میرے شوہر نے جو بیس ہزار پاؤنڈ مجھے دیئے ہیں اور جو نفع اس میں ہوا ہے، کیا یہ رقم مع نفع کے صرف میری ملکیت شمار ہوگی یا اس میں دیگر ورثاء کا بھی حق ہوگا؟ (مذکورہ رقم کی تفصیل اوپر بیان کر چکی ہے)

(۴) ماسبق میں بیان کردہ تفصیل کے مطابق کیا سونے کے زیورات صرف میرے ہوں گے؟ یا پھر دیگر ورثاء بھی اس میں سے حصہ پائیں گے؟

(۵) میرے والدین اور میرے بھائیوں کے ساتھ میرا پیسوں کے لین دین کا کوئی معاملہ نہیں ہے، نہ میں ان کی مقروض ہوں نہ وہ میرے مقروض ہیں، مذکورہ مسائل کا جلد از جلد حل پیش فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

گھر پر کام کر کے آپ نے جو کچھ اپنی محنت سے کمایا اس کی مالک آپ ہیں، اور شوہر نے کام کر کے جو کچھ کمایا اس کی ملکیت ان کی تھی، اور دونوں میاں بیوی اپنی کمائی کو مشترکہ طور پر جمع کرتے رہے اور اسی سرمایہ سے جائدادیں خریدیں، اب اگر دونوں کی کمائی کی مقدار معلوم ومتعین ہے تب تو ان خریدی ہوئی جائدادوں میں دونوں کا حصہ ہر ایک کی کمائی کے بقدر رہے گا، مثلاً اگر شوہر ماہانہ دوسو پاؤنڈ کماتے تھے،

اور آپ بھی گھر میں جو کام کرتی تھیں اس سے اتنی ہی آمدنی حاصل ہوتی تھی، اور دونوں رقمیں ملادی جاتی تھیں تو گویا ان رقوم سے حاصل کردہ جائداد میں دونوں کا حصہ بھی نصفا نصف رہے گا، اور اگر شوہر کی آمدنی مثلاً ماہانہ چار سو پاؤنڈ اور آپ گھر میں کام کاج کر کے ماہانہ دوسو پاؤنڈ حاصل کرتی تھیں اور دونوں رقمیں ملادی جاتی تھیں، اب اس مخلوط مشترکہ رقم سے جو جائداد حاصل کی گئی اس میں شوہر کی ملکیت دو تہائی اور آپ کی ملکیت ایک تہائی سمجھی جائے گی۔

بوقتِ نکاح آپ کو جو زیورات آپ کے والد صاحب نے دیئے تھے، اسی طرح خوشی کے مختلف مواقع پر جو زیورات آپ کے بھائیوں نے آپ کو بطورِ انعام دیے تھے، ان دونوں قسم کے زیورات کی مالک آپ تنہا ہیں، اور بیرون جانے کے بعد جو زیورات شوہر نے آپ کو بنا کر دیئے ہیں وہ اگر بطور ہدیہ دے کر آپ کو اس کا مالک بنا دیا ہے تب تو وہ بھی آپ کی ملک ہے، اور اگر بطور ہدیہ نہیں دیئے ہیں؛ بلکہ عاریت کے طور پر صرف استعمال کے لیے دیئے ہیں تو وہ شوہر کے ترکہ میں شمار ہوں گے، اور اگر ہدیہ یا عاریت میں سے کسی کی صراحت نہیں کی گئی تھی تو عرف پر مدار ہوگا، یعنی آپ کے یہاں کا عرف ہدیہ کا ہے تو ہدیہ شمار ہوں گے، اور اگر عاریت کا ہے تو عاریت شمار ہوں گے۔

آپ کے شوہر نے بیس ہزار پاؤنڈ کی جو رقم آپ کو مالک بنا کر آپ کے قبضہ میں دے دی تھی اور پھر وہ رقم آپ نے اپنے افریقہ میں مقیم بھائی کے حوالہ کی جس کو انہوں نے تجارت میں لگایا، اس رقم اور اس سے حاصل شدہ منافع کی مالک بھی آپ ہی ہیں۔ برطانیہ میں رہنے کے لیے جو مکان مارگیج پر لیا تھا اور جس کی قیمت قسطوں کی شکل میں مشترکہ کمائی سے ادا کی جاتی رہی اس کا حکم بھی اوپر بتلائی ہوئی مشترکہ کمائی

سے خرید کردہ جائداد کی طرح ہوگا۔

آپ پہلے دن سے جب دیور کے گھر میں عدت گذار رہی ہیں، اور وہاں آپ کے لیے کوئی تکلیف اور دشواری بھی نہیں تو اب آپ عدت کے بقیہ دن بھی اسی مکان میں پورے کریں۔

وإذا انتقلت لعذر يكون سكناها فى البيت الذى انتقلت إليه بمنزلة كونها فى المنزل الذى انتقلت منه فى حرمة الخروج عنه، كذا فى البدائع (عالمگیری ۱/۵۳۰)

② محمد حنیف منشی ۱۲/۳۶

میت

زوجہ	ام	اخ عینی ۳
۳	۲	۷
۹	۶	۲۱

جیسا کہ جواب نمبر ایک میں بتلایا جاچکا جو جائدادیں میاں بیوی کی مشترکہ کمائی سے خریدی گئی ہیں، ان میں دونوں کا حصہ اسی تفصیل کے مطابق - جو پہلے جواب میں لکھی گئی ہے - رہے گا، اب آپ کا جو حصہ ان جائدادوں میں ہے اس کی تو آپ تنہا مالک ہیں، اور شوہر کا جو حصہ ہے اس میں تقسیمِ میراث سے پہلے کے حقوق (یعنی ان کی تجہیز وتکفین کے درمیانی مصارف، اس کے بعد ان کے تمام قرضوں کی ادائیگی کے بعد جو بچ جائے اس کے تہائی میں ان کی وہ وصیت جو شرعی اصول وضوابط کے مطابق ہو) نافذ کرکے بقیہ جائداد کے ۳۶/حصص کرکے ان میں سے ۹/حصے آپ کو اور ۶/حصے آپ کے شوہر کی والدہ کو، اور بقیہ ۲۱/حصص میں سے سات سات تینوں

بھائیوں میں سے ہر ایک کو ملے گا۔

③ اس کا جواب شروع میں آچکا ہے۔

④ اس کا جواب بھی شروع میں آچکا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ رجب ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

چند بھائیوں نے باہم مل کر کمپنی کا سرمایہ بڑھایا مالک کون؟

سوال: یادعلی سب سے چھوٹے اور یونس علی ان سے بڑے بھائی تھے، ان دونوں سے بڑے تین اور بھائی تھے، جو پہلے سے ہی بمبئی میں اپنا ذاتی کاروبار کر رہے تھے، پھر یادعلی نے بھی بمبئی آکر اپنا ذاتی چندی کا کاروبار شروع کیا، کئی سال میں انہوں نے اس سے اپنی تین ذاتی جگہیں خریدیں، جن میں ایک مکان اور دو دکان تھیں، پھر یادعلی کے سات آٹھ سال بعد یونس بھی بمبئی آگئے، سب سے بڑے بھائی نذیر نے یادعلی سے کہا کہ یونس کو اپنے ساتھ رکھ لو تو یادعلی نے کہا کہ آپ کہتے ہیں تو ٹھیک ہے؛ لیکن میری جو تین جگہیں ذاتی ہیں ان کا کیا؟ جس پر نذیر نے کہا کہ یادعلی ابھی یہ بات رہنے دو بعد میں دیکھا جائے گا، اس طرح صرف بڑے بھائی کے کہنے پر بغیر کچھ طے کئے یادعلی نے یونس کو اپنے ساتھ رکھ لیا، واضح ہو کہ یہ کاروبار، اس میں لگا مکمل سرمایہ اور یہ تین جگہیں یادعلی کی ذاتی ہیں، جب کہ یونس کا کوئی سرمایہ نہ لگا تھا، یادعلی کے تمام بچوں کی پیدائش بمبئی کی ہے، کچھ سالوں میں جب ایک اور مکان کا انتظام ہو گیا، تو یونس کے بال بچے بھی بمبئی آگئے، جیسے جیسے کاروبار بڑھتا گیا ضرورت کے مطابق مختلف رہائشی و کاروباری جگہیں لی جاتی رہیں، لڑکے جوں جوں بڑے ہوتے گئے، انہیں مختلف کاروبار سے لگایا جاتا رہا،

جن کو ضرورت کے حساب سے ایک یا ایک سے زائد لڑکے سنبھالتے رہے؛ لیکن سب کی تمام چھوٹی بڑی ضروریات وگھریلو اخراجات پہلے والی چندی کی بنیادی کمپنی سے ہی پورے کئے جاتے تھے، واضح ہو کہ دونوں بھائیوں میں سے کسی نے بھی اپنی پوری زندگی میں کبھی کسی لڑکے کو نہ بانٹ کر دیا اور نہ ہی الگ کیا؛ بلکہ تمام کمپنیاں پہلے والے بنیادی کمپنی کی ہی شاخیں (Group of companies) تھیں، ان واقعات کو کم وبیش ۵۰ / سالوں کا عرصہ لگا۔

تقریباً پانچ سال قبل یونس انتقال کر گئے، اس کے بعد ان کے لڑکوں نے بٹوارے کا مطالبہ کیا، یادعلی کے کافی سمجھانے پر جب نہ مانے تو یادعلی نے حامی بھر لی، فریقین کی باہمی رضامندی سے درمیان میں یونس اور یادعلی کے بڑے بھائی حاجی نصیب اللہ اور ان کے لڑکوں شفیق اور رفیق کو بطورِ ثالث رکھا گیا، سب لڑکوں سے ان کے کاروباری حساب منگوائے گئے، تمام رہائشی وکاروباری جگہوں کی مالیت طے ہو گئیں، سب لڑکوں نے اپنے کاروباری حساب پیش کئے؛ لیکن طفیل ابن یونس نے اپنے کاروبار کے حساب میں قرض پیش کیا۔

اس کاروبار کی تفصیل یوں ہے کہ اب سے تقریباً بیس پچیس سال پہلے یادعلی نے اپنے شروع والے بنیادی چندی والے کاروبار کو جاری رکھتے ہوئے اگلا جو پہلا کام شروع کیا وہ یہ امپورٹ مال کا کاروبار تھا، اس میں یادعلی نے اپنی مدد کے لیے تین لڑکوں عزیز بن یادعلی، طفیل بن یونس اور عتیق بن یادعلی کو بھی ساتھ رکھا، یہ کاروبار کافی منافع بخش تھا، جس کی وجہ سے آگے چل کر زیادہ تر جائدادیں لی گئیں، کچھ سال بعد یہی کاروبار یادعلی نے اپنے ایک بھتیجے شفیق بن نصیب اللہ کی شراکت میں شروع کیا،

جس میں سرمایہ تو دونوں کا تھا؛ لیکن جگہ یادعلی کی ہی استعمال ہوتی تھی، نفع دونوں میں آدھا آدھا تقسیم ہوتا تھا، جس کی تصدیق شفیق بھی کرتے ہیں، جب مذکورہ بالا تین لڑکے کام کو اچھی طرح سنبھال چکے تو یادعلی وہ کام ان کے ذمہ چھوڑ کر پھر سے اپنا پورا وقت اور دھیان اپنے پہلے والے چندی کے کام پر دینے لگے، (اس درمیان اس چندی کے بنیادی کاروبار کے حساب کتاب ولین دین یونس کے ذمہ رہے، اور یہ ذمہ داری ان کے انتقال تک ان ہی پر رہی) دونوں بھائیوں یعنی یادعلی اور یونس کا گھرانہ کافی بڑا تھا، اس لیے صرف دو کاروبار نا کافی تھے، خود کی جگہیں بھی ہوگئی تھیں، اور شفیق کی شراکت والا امپورٹ والا کاروبار بھی جم چکا تھا، تو پہلے عزیز بن یادعلی کو وہاں سے نکال کر بعد میں ایک نئے گورنمنٹ کے کام سے لگایا گیا، (اس نئے گورنمنٹ کے کاروبار کی پوری ذمہ داری اکیلے عزیز پر ڈالی گئی، اس نئی کمپنی میں بھی شفیق اور طفیل اپنے امپورٹ والے کام کرتے تھے؛ لیکن سب مشترکہ ہونے کی وجہ سے عزیز اپنے گورنمنٹ کے کاروبار سے ہی ان دونوں کے دفتری اخراجات پورے کرتے تھے) پھر دوسرا کاروبار شروع کرنے کی غرض سے عتیق ابن یادعلی کو بھی وہاں سے نکال کر (یعقوب بن یونس کے ساتھ ایم برادری کے ایک) نئے کاروبار سے لگایا گیا، اس طرح شفیق کی شراکت میں جاری وساری یادعلی کے امپورٹ مال والے اس کاروبار کی ذمہ داری طفیل ابن یونس پر آگئی، جس میں سرمایہ کے علاوہ یادعلی نے اپنے ہاتھ کی وصولی بھی طفیل کے ذمہ کردی، اس طرح یادعلی کے نمائندہ کی حیثیت سے طفیل اس کاروبار کو شفیق کی شراکت داری میں سنبھالنے لگا، اس کی تصدیق شفیق یوں کرتے ہیں کہ طفیل اس کاروبار میں یادعلی چچا کے گھر کے فرد کی طرح میرے ساتھ ہے، چچا اور طفیل کو میں الگ نہیں، ایک ہی مانتا ہوں، طفیل چچا

کو حساب بھی دیتا تھا اور کاروبار میں جو بھی نفع ہوگا اس میں چچا بھی حصہ دار ہیں، طفیل کا کہنا ہے کہ چچا کے بعد میں اور شفیق بھی نفع آدھا آدھا بانٹتے تھے، بعد میں اس کام کے لیے اسی کاروبار سے مشترکہ ایک جگہ بھی لی گئی، یادعلی کے پڑوسیوں کو وہ جگہ بیچنی تھی، اور اس کاروبار کے لیے ضرورت بھی تھی، لہذا یادعلی نے ہی سودا کیا اور وہ جگہ شفیق کے علاوہ (زبیر ابن یونس اور عتیق بن یادعلی) کے مشترکہ نام سے خریدی گئی، واضح ہو کہ اس میں طفیل کا نام نہیں ہے، بٹوارے سے کچھ ماہ قبل اسی کاروبار سے جب شفیق نے اپنے لیے ایک فلیٹ خریدا تو طفیل نے بھی چچا یادعلی سے اجازت ومشورہ کیا کہ شفیق بھائی نے فلیٹ لیا ہے، اسی کے ساتھ لگا فلیٹ میں نے بھی اکٹھا سودا کرلیا؛ تاکہ اس طرح میں بھی شفیق کے برابر رقم اس کاروبار سے اٹھا سکوں گا، اور اپنا ایک فلیٹ بھی ہوجائے گا، بہر حال تب سے اب تک یہ کاروبار جاری ہے اور وہی دونوں (شفیق اور طفیل) سنبھال رہے ہیں، اس کاروبار میں شفیق ابن نصیب اللہ: ان..... پہلے ان کے اور اب بعد میں طفیل کے شراکت دار رہے، اور یہی شفیق اب اس (یادعلی اور یونس والے) بٹوارے میں ثالث بھی ہیں، بٹوارے میں طفیل نے اسی کاروبار کا حساب اس طرح پیش کیا کہ: ''کل ایک کروڑ چالیس لاکھ روپیوں کے قرض میں آدھا شفیق کا اور آدھا خود کا، ۷۰ / لاکھ اور دیگر ۱۵ / لاکھ'' اس طرح اپنے حصہ کا کل ۸۵ / لاکھ کا قرض طفیل نے بتایا، اتنا بڑا قرض اس نے اچانک بٹوارے میں بتایا، اس کے پہلے تک بتانا تو دور کی بات یادعلی اور خاندان کے کسی فرد کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا؛ حتی کہ نصیب اللہ اور رفیق (ثالث) بھی چونک پڑے؛ جب کہ ابھی کچھ ماہ قبل ہی اسی کاروبار سے شفیق اور طفیل نے اپنے لیے دو فلیٹ بھی خریدے، اور ان دونوں کے

لڑکے لندن اور کینڈا میں لاکھوں روپے کی خرچ سے زیر تعلیم ہیں، ان دونوں نے ناسک میں ابھی ابھی کروڑوں روپے کا ایک پروجیکٹ بھی لگایا (جس کا طفیل کے حساب میں ذکر تک نہ تھا) ان تمام باتوں کا طفیل کوئی جواب نہ دے کر مطالبہ کرنے لگا کہ اس قرض کے عوض اس کا فلیٹ اس کاروبار کا مال اور وصولی کو بٹوارے سے الگ رکھا جائے، یا دعلی نے کہا کہ مذکورہ چیزیں بٹوارے سے الگ نہ رکھی جائیں گی؛ بلکہ قرض خواہ کو سامنے لایا جائے، ایک نیا ثالث تحقیق کرے، پھر شفیق طفیل اور یادعلی اپنے حصے کی رقم ثالث کو دیں، اور ثالث تحقیق کے بعد اپنے ہاتھوں سے قرض خواہ کی ادائیگی کرے؛ لیکن طفیل اس پر راضی نہ ہوا، اس کاروبار کی کوئی قانونی لکھا پڑھی اور بہی کھاتے نہیں ہوئے ہیں، اور چوں کہ یہی طفیل اور اس کے دیگر بھائی بقیہ دوسرے کاروبار اور جگہوں میں قانونی حصہ دار ہیں، اس لیے اس نے اپنا مطالبہ نہ ماننے کی وجہ سے بٹوارے کی تمام دوسری کاروائیاں بھی روک دی۔

اس بٹوارے کے معاملات کو ساڑھے تین چار سال ہو چکے ہیں، اب تک اس کے قرض کا تنازعہ چل ہی رہا تھا، کہ اب طفیل نے خود کے الگ ہونے کا دعویٰ کیا ہے کہ ''میں الگ ہوں، میرے والد اور چچا (یادعلی) کا اس امپورٹ والے کاروبار سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، اس لیے میرا فلیٹ اور اس کاروبار کا مال اور وصولی اس بٹوارے میں شامل نہیں ہوگی'' جب کہ طفیل نے ایک موقع پر عزیز بن یادعلی کو یہ پیشکش بھی کی تھی کہ ''مذکورہ فلیٹ اصل بٹوارے کے حساب سے چھوڑ دو تو شفیق (ثالث اور اس کے موجودہ شراکت دار) اپنے بھائیوں اور دوسرے کسی کو بھی بتائے بغیر خفیہ طور پر میں اس کی مالیت کا حصہ تمہیں دے دوں گا'' اس پیشکش کو عزیز نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ جو

بھی ہوگا سب کے سامنے ہوگا، یادعلی کا کہنا ہے کہ ”پہلے قرض بتا کر اور اب خود کو الگ کہہ کر طفیل اپنے فلیٹ اور کاروباری مال اور وصولی کو بچانا چاہتا ہے، اگر خود کو الگ سمجھتا تھا تو آج تک اس نے، اس کے والد نے، اس کے بھائیوں نے حتی کہ شفیق نے بھی کبھی اس کی وضاحت کیوں نہیں کی؟ وضاحت تو دور اگر میرے وہم وگمان میں بھی آتا کہ وہ خود کو الگ تصور کرتا ہے تو دوسرے لڑکوں کی طرح چندی کے بنیادی کاروبار سے جانے والے اس کے تمام اخراجات فوراً روک کر اس سے وضاحت طلب کرتا اور نہ صرف اس سے؛ بلکہ تمام لڑکوں سے بھی ان کے حساب کتاب منگوا کر سب کو شرعاً الگ کر دیتا؛ کیوں کہ طفیل کوئی خاص نہیں تھا؛ بلکہ تمام لڑکے ایک مانند تھے، اور پھر میں خود یہ کاروبار نہ چھوڑتا، اگر وہ الگ ہوتا تو نہ بٹوارے میں حساب دیتا، نہ اس حساب کے قرض میں مجھ سے میرے حصہ کا مطالبہ پچھلے تین سال سے اب تک کرتا، نہ وہ ہماری دوسری بقیہ جگہوں اور کمپنیوں میں قانونی حصہ دار ہوتا، اور ان کمپنیوں سے اس کے نام کے انکم ٹیکس وغیرہ نہ ادا کئے جاتے، اور نہ ہی امپورٹ والے کاروبار سے خریدی ہوئی جگہ میں میرے کسی لڑکے کا نام ہوتا، اور بٹوارے کے بعد تک بھی وہ ہمارے لیے ہوئے فلیٹ میں بھی نہ رہتا“۔

(۲) یونس کے بمبئی آنے سے پہلے یہاں یادعلی کی جو تین ذاتی جگہیں تھیں وہ بھی اس بٹوارے میں شامل ہوں گی یا نہیں؟

(۳) بقیہ دوسرے کاروبار جو اس بنیادی چندی کے کاروبار ہی کی بدولت اور اسی کی مختلف شاخیں تھیں ان میں یادعلی اور یونس کی کیا حیثیت رہی؟

(۴) شفیق کی شراکت والا امپورٹ کاروبار جس کو طفیل سنبھال رہا تھا، اس کے

مال، وصول اور اس سے خریدے گئے فلیٹ کو کیا طفیل بٹوارے سے الگ رکھنے کا مطالبہ کرسکتا ہے؟ (جب کہ اس نے بٹوارے میں سب کی طرح حساب بھی دیا، اور اس حساب کے قرض میں یادعلی کے حصہ کا تقاضہ اب تک کررہا تھا)

⑤ امپورٹ والے مشترکہ کاروبار کے قرض کی بابت طفیل نے یادعلی کو آخر تک اندھیرے میں رکھا اور عین بٹوارے کے وقت بتایا، از روئے شرع کیا یہ قرض مانا جائے گا یا نہیں؟ اگر ہو تو کیا اس قرض میں یادعلی بھی حصہ دار ہوں گے؟

⑥ مرحوم یونس کے وارثین میں پانچ لڑکوں کے علاوہ دو لڑکیاں اور ایک بیوہ ہیں، موجودہ بٹوارے میں ان کے حصۂ شرعی کیا ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوال کے شروع میں لکھا گیا ہے کہ ''یہ کاروبار، اس میں لگا مکمل سرمایہ اور یہ تین جگہیں یادعلی کی ذاتی ہیں جب کہ یونس کا کوئی سرمایہ نہ لگا تھا'' اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کاروبار میں لگا ہوا مکمل سرمایہ یادعلی کی ملک تھا، جگہیں بھی اسی کی تھیں، اس نے اپنے بھائی یونس کو اپنے جاری وساری کاروبار میں اپنے ساتھ لگا دیا، اور دونوں مل کر کاروبار کرنے لگے، جس وقت اس کاروبار میں یادعلی نے اپنے بھائی یونس کو اپنے ساتھ لگایا کسی کاروبار میں شرکت کے لیے شرعی اعتبار سے جو کارروائی ہونی چاہیے نہیں ہوئی یعنی کوئی نقد سرمایہ دونوں نے اپنی طرف سے نکال کر شروع سے کاروبار میں لگایا ہوا ایسا نہیں ہوا؛ نیز جو کاروبار چل رہا تھا یونس کے آنے پر یادعلی نے اس کاروبار کے نصف یا کسی حصے کو الگ کر کے بطریقِ ہبہ یا الگ کئے بغیر بطریقِ بیع یونس کو مالک بنایا ہو ایسی کوئی صورت پیش نہیں آئی، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل سرمایہ

اور جگہ اور کاروبار کی ملکیت یادعلی کی ہونے کی وجہ سے وہی اس کا مالک رہا، اور بھائی یونس جو اپنے آپ کو ایک شریک سمجھ کر اس کاروبار میں حصہ لے کر محنت کرتا رہا شرعی اعتبار سے سرمایہ میں ملک نہ ہونے کی وجہ سے اس کو کاروبار میں شریک قرار دینے کی اصول شرع کے مطابق کوئی صورت نہیں، چوں کہ آگے بھی جو کچھ اضافہ ہوا وہ اسی اصلی سرمایہ میں ہوا ہے، اس لیے اس کاروبار سے پیدا شدہ تمام جائدادوں کا مالک یادعلی ہی سمجھا جائے گا، اور یادعلی کی اولاد جن کو کمپنی سے اخراجات دیئے جاتے رہے، اور اپنے باپ کی ماتحتی میں وہ سب کام کرتے رہے ان کی بھی اس میں کوئی ملکیت نہیں؛ بلکہ وہ باپ کے تابع ہونے کی وجہ سے سب کچھ یادعلی ہی کا سمجھا جائے گا، اور یونس کی اولاد جو اپنے باپ کی طرح اس کاروبار کے کام کاج میں جڑتی گئی، ان کی بھی ان جائدادوں میں کوئی ملکیت نہیں ہوگی؛ البتہ یونس نے پہلے دن سے لے کر آج تک اس کاروبار کے اندر جو محنت کی ہے، اس طرح کی محنت کرنے پر جو اجرت مثل ہوسکتی ہے اس کا وہ حق دار ہوگا، اور یہی حکم یونس کی اولاد کی محنت کا بھی ہے کہ ان کو بھی اس طرح کے کام کی جو اجرت مثل ہوسکتی ہے وہ دی جائے گی۔

(۲) اوپر والے جواب میں بتادیا گیا کہ وہ تین جگہیں بھی یادعلی کی ملک ہیں۔

(۳) اس کا جواب بھی اوپر آچکا۔

(۴) امپورٹ والا کاروبار یادعلی نے اپنے بھتیجے شفیق کی شراکت میں شروع کیا؛ کیوں کہ شروع ہی سے دونوں نے اس میں سرمایہ لگایا، اس لیے یہ کاروبار سرمایہ کے مطابق یادعلی اور شفیق کے درمیان مشترک سمجھا جائے گا، اور جن لڑکوں کو یادعلی نے اس کاروبار کو سنبھالنے کے لیے شفیق کے ساتھ لگایا وہ یادعلی کے نمائندے سمجھے جائیں گے،

اور آخر میں طفیل بن یونس یا دعلی کی طرف سے اس کاروبار میں نمائندہ رہا، اس لیے جیسا کہ شروع جواب میں بتلایا گیا یہ بھی یادعلی ہی کی ملک ہے۔

⑤ امپورٹ والے مشترکہ کاروبار کے قرض کے متعلق طفیل نے جو دعویٰ کیا وہ محض اس کے کہنے کی بنیاد پر تسلیم نہیں کیا جاسکتا، خصوصاً جب کہ اس کا یہ دعویٰ اس وقت سامنے آیا جب اس سے حساب کا مطالبہ کیا گیا، اور اس سے پہلے ایسے مواقع آئے کہ اگر اس طرح کا کوئی قرض کاروبار میں ہوتا تو عرفاً اس کا تذکرہ ضرور آتا، پھر بھی طفیل نے اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا، اس کا یہ دعویٰ ظاہر کے خلاف ہونے کی وجہ سے بلا شرعی گواہوں کے قابلِ تسلیم نہیں۔

⑥ شروع جواب میں جو تفصیل آچکی اس کے مطابق یونس کے حصے میں جو کچھ آئے گا اس کو چھیانوے حصوں میں تقسیم کرکے یونس کی بیوہ کو بارہ حصے، اور ہر لڑکی کو سات حصے اور ہر لڑکے کو چودہ حصے دیئے جائیں گے۔

اس جواب کی بنیاد جن فقہی اصولوں پر ہے وہ حسبِ ذیل عبارات میں دیکھے جاسکتے ہیں:

شركة العقد عبارة عن عقد شركة بين اثنين أو اكثر على كونه رأس المال والربح مشتركا بينهم بما أنه قد شرط أن يكون رأس المال والربح مشتركا، فتخرج من التعريف المضاربة التى فيها الربح المشترك ورأس المال غير مشترك، كما أنه تخرج البضاعة التى لم يكن ربحها مشتركا. (الطحطاوى) (درر الحكام المادة: ١٣٤٢، ٣/ ٣٥٧)

وركنها: الايجاب والقبول، وهو أن يقول أحدهما شاركتك فى كذا وكذا، ويقول الآخر قبلت (هدايه اولين٦٢٤، درمختار مع الشامى٤/ ٣٠٥)

وإذا وقع الايجاب والقبول على وجه المشروع تنعقد الشركة وتتم (درر الحكام٣ /٣٥٩)

لايصح عقد الشركة على الأموال التى ليست معدودة من النقود كالعروض والعقار اى لا يجوز أن يكون هذه رأس المال للشركة، لا يصح عقد شركة المفاوضة والعنان على الأموال التى ليست معدودة من النقود كالعروض والعقار(٣/ ٣٧٥،٣٧٤)

يشترط أن يكون رأس المال من قبيل النقود. (درر الحكام٣ /٣٧٢)

إذا كان المال الذى هو من قبيل العروض والعقار ملكا لأحد فإذا باع نصفه لآخر فلهما أن يعقدا الشركة على مالهما المشترك هذا (ردالمحتار، درر الحكام٣ /٣٧٥)

يجب فى شركة الأموال أن يكون لجميع الشركاء رأس المال (٢/ ٣٨٦)

والربح فى الشركة الفاسدة بقدر المال ولا عبرة بشرط الفضل، قوله الربح الخ حاصله ان الشركة الفاسدة اما بدون مال أو له مال أو به من الجانبين أو من أحدهما فحكم الاولى ان الربح فيها للعامل كما علمت، والثانية بقدر المال، ولم يذكر أن لأحد هم اجرا؛ لأنه لا اجر للشريك فى العمل المشترك كما ذكروه فى قفيز الطحان، والثالثة لرب المال وللآخر اجر مثله (درمختار مع الشامى٤ /٣٢٦)

(سئل) فى أحد شركاء العنان إذا ادعى الخسران وكان الظاهر يكذبه فهل لا يقبل قوله؟(الجواب) نعم(العقود الدريه فى تنقيح الفتاوى الحامدية ١ /٩٥)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ٦/ رمضان ١٤٢٢ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مشترکہ دکان سے گھریلو خرچہ

سوال: میرے والد کا انتقال ۲۵ ردسمبر ۱۹۹۵ء میں ہوا، تب رمضان کا مہینہ تھا، رمضان کے بعد میں درجۂ مشکوۃ شریف گیا، دوسرے دو بھائی دکان سنبھالتے تھے، اور میں تعلیم حاصل کرتا تھا، میں دکان پر صرف جمعہ کو اور مدرسہ کی تعطیلات میں وقت دیتا تھا، اور کبھی کبھی شام کی چھٹی کے بعد؛ لیکن دورۂ حدیث میں صرف جمعہ اور تعطیلات میں وقت دیا، اور دونوں بھائی مجھے خرچ کے طور پر ماہانہ اٹھارہ سو روپے اور گھر کا کرایہ ایک ہزار روپے اور اس کے علاوہ لائٹ بل وغیرہ دیتے تھے، اس طرح دو سال کا وقت گذرا، والد صاحب کے انتقال کے بعد دکان کرایہ کی تھی؛ مگر تقریباً دو لاکھ کا مال تھا، جب والد صاحب کا انتقال ہوا تو کیا ورثہ کی تقسیم کے وقت وہ خرچ جو مجھ پر کیا تھا اس کو میرے حصے سے نفی کیا جائے گا، یعنی کاٹ لیا جائے گا یا نہیں؟ میں سب سے چھوٹا تھا اور والد صاحب نے مجھ کو مولوی کلاس میں ڈالا تھا، والد صاحب کے انتقال کے بعد مجھ کو مدرسہ سے اٹھا لینے کی بہت کوشش کی تھی؛ لیکن میں نے نہیں چھوڑا، اب یہ مسئلہ درپیش ہے؛ لہٰذا جواب عطا فرما کر مشکور فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے اپنے سوال میں اس کی وضاحت نہیں فرمائی کہ جو بھائی دکان سنبھالتے تھے ان کے گھریلو مصارف کہاں سے حاصل کئے جاتے تھے، اگر ان کے مصارف بھی دکان کی آمدنی سے وصول کئے جاتے تھے اور آپ کو بھی اسی میں سے دیا جاتا تھا تو اگرچہ دونوں کے مصارف میں کمی بیشی ہو پھر بھی عرف کے پیشِ نظر بوقتِ تقسیم صرف آپ پر کیے

جانے والے مصارف کاٹے نہیں جائیں گے، اور اگر آپس میں یہ فیصلہ ہوا ہو کہ ہر ایک اپنے گھریلو مصارف کے لیے جو رقم دکان سے لے گا وہ بعد میں بوقتِ تقسیم اس کے حساب میں سے وضع ہوگی، تو اس صورت میں صرف آپ ہی کے مصارف نہیں؛ بلکہ ہر ایک کے مصارف اس کے حساب میں وضع کئے جائیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تین برادر کی علیحدگی اور کاروبار کے منافع میں شرکت کا مسئلہ

سوال: (۱) ہم تین بھائی ہیں: جنید، عبید اور اسعد، تینوں ساتھ میں تجارت کرتے تھے، جس میں پولیس والوں کی وردی تیار کرنے کا کام اور اس کے علاوہ پولیس والوں کی ضروریات کی تمام چیزیں اور ہوزیری وغیرہ کا کاروبار تھا، جنید دکان پر بیٹھتے تھے اور شہر سے باہر بھروچ وغیرہ جا کر وردی کا آرڈر لاتے تھے، عبید صرف شہر سے باہر جا کر بلساڑ، نوساری، سورت ضلع وغیرہ سے وردی کا آرڈر لاتے تھے، دکان پر وقت نہیں دیتے تھے، اور اسعد صرف دکان سنبھالتے تھے، دریں اثناء ہم تینوں کے الگ ہونے کا ارادہ ہوا، لہذا ۱۵/ فروری کو دکان کے تمام مال کا اسٹاک گن لیا، اور ہم تینوں الگ ہو گئے؛ مگر چیزوں کی اور روپیوں کی تقسیم نہیں ہوئی تھی، ۱۵/ فروری کے بعد جنید اور اسعد نے دکان سنبھالی، دکان ذاتی تھی جس کی قیمت اندازاً پندرہ لاکھ روپے ہے، اور اس میں تقریباً پونے چار لاکھ کا مال تھا، جس میں سے تقریباً ۵۰/ ہزار روپے کا مال اور پینتیس ہزار روپے عبید کے پاس تھے جس کو لے کر انہوں نے ڈھائی مہینہ تجارت جاری رکھی، اور ہم نے بھی دکان پر تجارت جاری رکھی؛ لہذا ایک مئی کو کس بھائی کو کیا ملے گا

اس کا فیصلہ ہوگیا، تو عبید کا کہنا ہے کہ میرے حصہ کی دکان اور مال جس سے تم نے (جنید اور اسعد نے) تجارت کر کے منافع حاصل کیا ہے اس میں میرا بھی حصہ ہے چاہے میں دکان پر نہیں آیا تھا تو ان کو کتنا فیصد منافع دینا ہوگا؟ جواب عنایت فرمائیں۔ ۱۵/فروری کو الگ ہوتے وقت یہ شرط نہیں ہوئی تھی کہ مجھے منافع دینا ہوگا؛ لہٰذا جواب عطا فرما کر مشکور فرمائیں۔

تعمیری کام میں لگائی گئی رقم کو منافع کے ساتھ وصول کرنا

سوال :② آج سے تقریباً سات سال قبل ہمارے نئے مکان کا تعمیری کام شروع ہوا تھا، جس میں روپئے گھٹ جانے کی وجہ سے جنید اور عبید دونوں نے ستائیس ستائیس ہزار روپئے نقد دیئے تھے جو دکان پر قرض تھے، یہ ان دونوں کی قربانی تھی، جس کے مقابلے میں میری (اسعد) کی قربانی یہ رہی ہے کہ میں ۴۵۰/مربع فٹ میں سات سال تک رہا، اور جنید اور عبید دونوں بھائی ۷۰۰/مربع فٹ میں رہے، ۴۵۰/مربع فٹ کا کرایہ اندازاً پندرہ سو روپئے ہوگا اور سات سو مربع فٹ کا کرایہ اندازاً دو ہزار دو سو روپئے ہوگا، اب مسئلہ یہ ہے کہ الگ ہونے کے درمیان ستائیس ستائیس ہزار دونوں بھائی کو دکان سے دینے ہیں؛ مگر دونوں کا کہنا ہے کہ ہم کو نفع کے ساتھ وہ روپئے دو جب کہ نفع کی کوئی شرط نہیں ہوئی تھی کیوں کہ تعمیری کام میں روپئے لگائے تھے، لہٰذا آپ مذکورہ دونوں مسئلہ کا جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① آپ تینوں بھائیوں نے الگ ہونے کا جو فیصلہ کیا اس سے آپ حضرات کی

مراد کیا تھی؟ اگر علیحدگی کا مقصد کام کی سہولت تھی یعنی ایک بھائی بیرون کا کام سنبھالے اور اس کی پوری عملی ذمہ داری اسی پر ہے، اور باقی دو بھائی مقامی کام سنبھالیں اور اس کی پوری عملی ذمہ داری دونوں پر ہے، تب تو یہ بٹوارہ صرف کام کا ہے کاروبار کا نہیں، اس صورت میں ہر فریق دوسرے کے منافع میں حصہ دار ہے، اور اگر بٹوارہ کا مقصد کام کی عملی سہولت نہیں؛ بلکہ ہر ایک کا کاروبار الگ رہے یہ تھا تب ایک فریق دوسرے کے منافع میں حصہ دار نہیں ہوگا۔

② جو رقم دونوں بھائیوں نے مکان کی تعمیر میں اپنی طرف سے بطور قرض لگائی، اس کی وصول یابی کا مطالبہ منافع کے ساتھ درست نہیں، وہ تو ایک طرح کا سود ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مرحوم والد کے قرض کی ادائیگی پر مکان کی ملکیت کا دعوی

سوال: والد صاحب نے اپنی حیاتی میں ایک مکان صرف ہم دو بھائیوں کے لیے 1992 میں تعمیر کروایا تھا، اس مکان کی تعمیر کے بعد والد صاحب سخت بیمار رہتے تھے، اور صاحبِ فراش ہونے کی وجہ سے دستخط بھی نہیں کر پاتے تھے، اور اس وجہ سے ان کا انگوٹھا لگوانا پڑتا تھا، میں اپنے دو بچوں کے ساتھ اس مکان میں رہتا تھا، اس دوران چھوٹے بھائی کی شادی ہونے پر وہ بھی رات سونے اس مکان آتا تھا، والد صاحب کی اس صورت حال میں میری بڑی بہن جو شادی شدہ ہے، اس نے اور چھوٹے بھائی نے یہ کہنا شروع کیا کہ اس مکان کو تعمیر کرتے وقت والد صاحب کو اسّی

ہزار کا قرض ہوا ہے، اور والد صاحب کی صحت خراب ہے، اس لیے یہ قرض دونوں بھائی ادا کریں، چوں کہ میں والد صاحب کی دکان میں معمولی تنخواہ پر کام کرتا تھا، اس وجہ سے میں نے کہا کہ اتنی رقم فوری طور پر میں کہاں سے لاؤں؟ اس کے بعد پھر بڑی بہن اور چھوٹے بھائی نے یہ بات کہی کہ اگر تم قرض ادا نہیں کرتے تو میں یعنی کہ چھوٹا بھائی قرض ادا کر دیتا ہے تو اس صورت میں مکان اس کا ہو جائے گا، میں نے اس بات پر اعتراض جتایا تو یہ کہا گیا کہ اس مکان کو فروخت کر دیا جائے، اس صورت میں تمہیں مکان خالی کرنا ہوگا، اور میں نے مکان خالی کر دیا، صورتِ حال یہ ہے کہ مکان فروخت نہیں کیا گیا؛ بلکہ ایک خط دیا گیا کہ میں یعنی چھوٹے بھائی نے والد صاحب نے جو مکان ہم دو بھائیوں کے لیے تعمیر کیا تھا اس کا قرض دو ہزار آٹھ سو اسّی پاؤنڈ یعنی تقریباً (ڈھائی لاکھ روپے) ادا کر دیے، پہلی صورت میں قرض اَسّی ہزار کہا گیا اور مکان خالی کروایا گیا، اور بعد میں والد کے انتقال کے کافی وقت کے بعد ڈھائی لاکھ کا خط رکھا گیا، ان ساری باتوں میں والد صاحب کا کوئی دخل نہیں رہا، والد صاحب کی میں تقریباً روزانہ ملاقات لیتا تھا؛ مگر والد صاحب نے اس سلسلہ کی کوئی بات نہ تو مجھ سے کہی، اور نہ کسی اور بہن کو کہی، اور والد صاحب نے کبھی مکان کے قرض کی ادائیگی کی یا فروخت کرنے کی بات نہیں کہی۔

کیا اس صورت میں اگر میں قرض ادا کر دوں یا چھوٹا بھائی ادا کر دے تو مکان کا مالک کہلوائے گا؟ اس بات پر شرعی حکم کیا ہے؟

قریباً دو سال ہوئے بڑی بہن بغیر اجازت اس مکان میں رہ رہی ہے، کیا جو مکان دو بھائیوں کے لیے تعمیر کیا ہو اس مکان میں بڑی بہن کا اس طرح رہنا درست ہے؟

مجھے چھوٹا بھائی مکان پر سے حق چھوڑ دینے کو کہہ رہا ہے، اس کے عوض میں مکان جب تعمیر کیا گیا یعنی آج سے پندرہ سال قبل کی قیمت دینا چاہتا ہے؛ مگر مجھے مکان میں رہنے کا حق چاہیے، جس مقصد کے لیے والد صاحب نے مکان تعمیر کروایا تھا، اس پر شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس مکان کے متعلق سوال کیا جارہا ہے، اس کے متعلق اتنی بات تو مسلم ہے کہ والد صاحب کی ملکیت ہے، اب اس کی تعمیر میں والد صاحب کو اگر قرضہ ہوا ہے تو اس کی ادائیگی کے متعلق اولاد میں سے کسی ایک کا یہ کہنا کہ اس کو دونوں بھائی ادا کریں صحیح نہیں، ہاں والد صاحب خود اس کی ادائیگی کے لیے بیٹوں سے تعاون کے خواہاں ہوں تو ان کی سعادت ہے کہ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق اس بار سے سبک دوشی میں والد صاحب کا تعاون کریں، اور جو بھی تعاون کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے اس حسنِ سلوک پر دنیا اور آخرت میں بہترین بدلہ عطا فرمائیں گے، اور اگر والد صاحب خود تو تعاون کی کوئی درخواست نہیں کرتے؛ بلکہ اولاد میں سے ایک یعنی صورتِ مسئولہ میں بڑی بہن اگر یہ کہے کہ فلاں بیٹا اگر قرض ادا کردے تو مکان اس کا ہوجائے گا یہ بھی درست نہیں، مکان کی ملکیت والد کی تھی، اس کے متعلق اس طرح کا فیصلہ بھی وہی کرسکتے ہیں، اولاد میں سے کسی کو اپنے طور پر ایسا فیصلہ کرنے کا شرعاً اختیار نہیں، اور اگر ان کے ایسا کہنے پر چھوٹے بیٹے نے قرضہ ادا بھی کردیا تب بھی ایسا کرنے سے وہ اس مکان کا مالک نہیں بنا؛ نیز قرض کی ادائیگی کے سلسلہ میں صرف ایک بیٹے کا اس طرح کی تحریر دے دینا کہ اس کا قرضہ جو اتنی مقدار میں ہے میں نے ادا کردیا شرعی اعتبار

سے ثبوت کے لیے کافی نہیں؛ بلکہ اولاً تو شرعاً اس قرضے کا ثبوت شہادتِ شرعیہ سے ہونا چاہیے، پھر ثانوی درجہ میں اس کی ادائیگی کا ثبوت بھی شہادتِ شرعیہ سے ہونا ضروری ہے، اور یہ دونوں چیزیں ہو بھی جائیں تب بھی قرضہ ادا کرنے والا بیٹا تنہا اس مکان کا مالک نہیں بنتا؛ بلکہ اس مکان اور اس کے علاوہ والد صاحب کا جو بھی ترکہ ہے، اس کے مجموعہ میں سے یہ رقم وضع کی جائے گی اس کے بعد ہی ورثاء میں ترکہ کی تقسیم ہوگی جیسا کہ شریعت کا اصول ہے؛ نیز قرضہ کی ادائیگی کا دعویٰ کرنے والے بھائی کی باتوں میں بھی تضاد ہے؛ نیز اس مکان میں والد صاحب کے تمام ورثاء کا حقِ وراثت ہونے کی وجہ سے تنہا کسی ایک وارث کا اس پر قابض رہنا اور دوسرے ورثاء کو ان کے حقِ وراثت سے محروم رکھنا شرعاً درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ / ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دواخانوں میں شرکتِ اعمال کی انوکھی ایک صورت

سوال: احمد آباد شہر میں عبداللہ بھائی کا ایک دواخانہ ہے، وہ دواخانہ مکمل عبداللہ بھائی چلاتے تھے، پھر انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی شریف بھائی کو دواخانہ میں اجیر کی حیثیت سے رکھا، ایک مدت تک جب ان کے پاس رہ کر کام کرتے رہے تو کام سیکھتے رہے، اور ایک وقت پر شریف بھائی بھی اس لائن سے ماہر ہو گئے؛ چناں چہ عبداللہ بھائی نے انہیں تنخواہ سے بڑھا کر شریک کی حیثیت پر لے لیا اور جوں جوں عبداللہ بھائی کے دوسرے مشاغل بڑھتے گئے ویسے ان کا دواخانہ پر پہنچنا کم ہوتا گیا، اور ایک وقت وہ آیا کہ مکمل ذمہ داری شریف بھائی کے حوالے ہو گئی اور عبداللہ بھائی کا آنا بند ہو گیا؛

نیز شریف بھائی کے علاوہ اور لوگ بھی اس دواخانہ میں کام کرتے تھے جیسے جیسے وہ لوگ سیکھتے گئے اور ماہر بنتے گئے تو ہمت رکھنے والوں کو الگ الگ مقام پر دواخانہ لگا کر سیٹ کئے، گویا یہ تمام دواخانے عبداللہ بھائی کی وجاہت اور ان کی سرٹی سے شروع ہوئے اور چلے؛ لیکن ان دواخانوں کا شرعی حکم سمجھنے میں الجھن ہے، اس لیے آنجناب کے سامنے ان تمام دواخانوں کی الگ الگ پوزیشن پیش کرتے ہیں، برائے کرام ان کے حکم کی وضاحت فرمائیں گے، اور اگر کسی دواخانے کا حکم ناجائز ہونے کا ہے تو علت ذکر فرما کر اصلاح کا مشورہ بھی عنایت فرمائیں گے۔

① نمبر ایک پر اوپر ذکر کردہ دواخانہ ہے، جس کو شریف بھائی چلا رہے ہیں؛ نیز عبداللہ بھائی کا ایک بچہ اپنے چچا کے ساتھ کام میں شریک رہتا ہے، اور اگر عبداللہ بھائی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ بھی دواخانہ میں پہنچتے ہیں؛ نیز گھر پر بھی کوئی مریض پہنچے تو وہ عبداللہ بھائی سنبھالتے ہیں اور پیسے دواخانہ میں دیتے ہیں۔

شریف بھائی کی اس ذمہ داری پر چالیس فیصد حصہ طے کیا اور عبداللہ بھائی کا ساٹھ فیصد حصہ۔

نوٹ: عبداللہ بھائی کا حصہ ساٹھ فیصد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دواخانہ کی جگہ ان کی ملک ہے۔

② دوسرے نمبر پر پالڈی کا دواخانہ ہے، اس دواخانے کے کام کی مکمل ذمہ داری ایوب بھائی کی ہے؛ البتہ عبداللہ بھائی کبھی پالڈی جاوے تو ضرورت محسوس ہونے پر کام بھی کرتے ہیں۔

اس دواخانہ کے مکان کے یہی دو صاحب عبداللہ بھائی اور ایوب بھائی مالک ہیں،

اسی طرح اس کے نفع، نقصان میں بھی دونوں کا برابر سرابر حصہ ہے۔

نوٹ: ایوب بھائی کا ذاتی اسکوٹر ہے؟ اگر وزٹ کے لیے جاتے ہیں تو ایک کلومیٹر کا ایک روپیہ لیتے ہیں، تو شرکت کی یہ شکل درست ہے یا نہیں؟

③ تیسرے نمبر پر کالو پور کا دواخانہ ہے، اس دواخانہ کے کام کی مکمل ذمہ داری ایوب بھائی کی طرف سے ان کے بھائی عبدالقیوم پر ہے، اور دواخانے کی جملہ ضروریات اوپر ذکر کئے ہوئے پالڈی کے دواخانہ سے بغیر کسی حساب کے پوری کی جاتی ہے، اور دواخانہ کا مکان کرائے کا ہے؛ البتہ رہنے کا مکان ذاتی ہے جس میں دونوں برابر شریک ہیں، اس دواخانہ کے نفع ونقصان میں ۷۰ / فیصد حصہ ایوب بھائی کا ہے اور ۳۰ / فیصد حصہ عبداللہ بھائی کا ہے، تو یہ شرکت صحیح ہے یا نہیں؟

④ چوتھے نمبر پر جمال پور شہر کا دواخانہ ہے، اس دواخانے کے کام کی مکمل ذمہ داری عبدالسلام بھائی کی ہے، اور مہینہ میں ایک دفعہ عبداللہ بھائی بھی جاتے ہیں؛ نیز فوری ضرورت پر بھی عبداللہ بھائی وہاں پہنچتے ہیں، دواخانے کا مکان عبداللہ بھائی اور شریف بھائی کا ہے، حصہ دونوں کا برابر ہے۔

اور دواخانے کے نفع، نقصان میں عبدالسلام بھائی کا ۵۰ / فیصد حصہ ہے، اور ۵۰ / فیصد حصہ دونوں بھائیوں کا ہے۔ (۲۵ / فیصد عبداللہ بھائی کا اور ۲۵ / فیصد شریف بھائی کا) یہ صورت شرکت کی درست ہے یا نہیں؟

⑤ پانچویں نمبر کا دواخانہ گومتی پور کا ہے، اس دواخانہ کی ذمہ داری ہاشم بھائی کی ہے، دواخانہ کے مکان میں ۶۰ / فیصد حصہ شریف بھائی کا ہے اور ۹ / فیصد حصہ ہاشم بھائی کا ہے اور دواخانے کا فرنیچر ہاشم بھائی کا ہے۔

اس کے نفع نقصان میں ۵۰ / فیصد حصہ ہاشم بھائی کا ہے اور ۵۰ / فیصد حصہ شریف بھائی کا ہے، کیا یہ شرکت از روئے شریعت صحیح ہے یا نہیں؟

⑥ ان جملہ دواخانوں کا ایک مشترکہ سوال یہ ہے کہ شریکین میں سے کسی ایک کی وفات پر کیا حکم ہوگا؟ اور یہ شرکتیں اگر صحیح ہیں تو شریکین میں سے کسی کو فسخ کرنے کا اختیار رہے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① تا ⑤ شریعت میں شرکت کی ایک قسم شرکتِ اعمال بھی ہے ''جس میں شرکت قائم کرنے والے دو اجیر اس بات کی شرکت قائم کرتے ہیں کہ گاہک کی طرف سے جو کام کرنے کو کہا جائے گا اسے وہ قبول کریں گے، اس کا عہد کریں گے، اس کا التزام کریں گے، چاہے اس شرکت میں ان کے حصے مساوی ہوں یا کم وبیش ہوں یعنی چاہے انہوں نے آپس میں برابر کام کرنے کا عہد کرلیا ہو یا ایک ثلث کام ایک سے متعلق اور دو ثلث دوسرے کے ذمہ ہو''۔ (مجلۃ الاحکام العدلیہ ۳۱۲، ۳۱۳)

''منافع کی تقسیم شرکاء میں اس شرط کے مطابق ہوگی جو انہوں نے کرلی ہو، اگر برابر تقسیم کی شرط ہو تو برابر تقسیم کی جائے گی اور اگر کم وبیش مثلاً ایک ثلث، دو ثلث کی شرط ہو تو ویسی ہی تقسیم ہوگی''۔ (ایضاً ۳۱۳، ۳۱۴)

اگر شرط یہ ہو کہ کام تو برابر کریں گے؛ مگر حصہ کی تقسیم کم وبیش ہوگی تو یہ شرط جائز ہوگی۔ (۳۱۴)

دونوں شریک کام کی ذمہ داری میں شریک ہونے کی بناء پر اجرت کے مستحق ہوتے ہیں، اس لیے ایک شریک نے کام کیا اور دوسرا کام نہ کرسکا مثلاً بیمار پڑ گیا یا

کہیں چلا گیا یا آرام یعنی بیٹھ گیا تو منافع اور اجرت ان کی شرطوں کے بموجب ہی تقسیم ہوگی۔ (ایضاً)

اگر دو اشخاص شرکتِ اعمال بایں طور پر قائم کریں کہ دکان ایک کی ہو اور آلات واوزار دوسرے کے تو یہ بھی صحیح ہے۔ (ایضاً)

اگر دو اشخاص ایسی شرکتِ صنائع قائم کریں کہ دکان ایک کی اور کام دوسرا کرے گا تو یہ بھی صحیح ہے۔ (ایضاً)

وأما شركة الأعمال فهى كالخياطين والصباغين أو أحدهما خياط والآخر صباغ أو اسكاف يشتركان من غير مال على أن يتقبلا الأعمال فيكون الكسب بينهما فيجوز ذلك كذا فى المضمرات. (عالمگیری ۲/ ۳۴۸)

وإن شرطا التفاضل فى العمل والأجر بأن قالا على أحدهما الثلثان من العمل وعلى الآخر الثلث والاجر والوضعية بينهما على قدر ذلك فهى شركة عنان. (ایضاً)

وإن عمل أحدهما دون الآخر فالكسب بينهما نصفين سواء كانت عنانا أو مفاوضة، فإن شرط التفاضل فى الربح حال ما تقبلا جاز، وإن كان أحدهما أكثر عملا من الآخر (ایضاً/ ۳۴۹)

وعن أبي يوسف إذا مرض أحد الشريكين أو سافر أو بطل فعمل الآخر كان الأجر بينهما. (ایضاً)

ولو شرطا العمل نصفين والمال اثلاثا جاز استحسانا (ایضاً)

ولو شرطا اكثر الربح لأدناهما عملا فالأصح الجواز.(أیضاً/ ۳۳۰)

قصاران لأحدهما أداة القصارة وللآخر بيت، اشتركا على أن

يعملا بأداة هذا فى بيت هذا على أن الكسب بينهما نصفان كان ذلك جائزا، وكذلك الصناعة والخياطون والصباغون؛ لأن الأجرهنا بدل عن العمل لا عن الآلة، وقد صارالعمل مضموناً عليهما فكان بدله لهما وكان أحدهما معينا للآخر بنصف الآلة والآخر معينا له بنصف الدكان (بدائع الصنائع ٦ /٦٤)

عباراتِ منقولہ بالا سے معلوم ہوا کہ سوال ۱ تا ٦ میں دریافت فرمودہ تمام شرکتیں شرعاً درست ہیں۔

⑥ شریکین میں سے کسی ایک کی وفات سے شرکت خود بخود ختم ہوجائے گی، اس لیے کہ اس کا مدار وکالت پر ہے اور موت سے وکالت ختم ہوجاتی ہے۔

وتبطل الشركة بموت أحدهما علم به الشريك أو لا (عالمگیری۲/ ۳۳۰)

شریکین میں جو بھی اس شرکت کو فسخ اور ختم کرنا چاہے کرسکتا ہے؛ البتہ دوسرے شریک کو اطلاع کرنا ضروری ہے۔

ولو لم يمت؛ لكن فسخ أحدهما الشركة ولم يعلم شريكه لا تنفسخ الشركة (ایضاً)

اگر شرکاء تین ہیں، ان میں سے ایک کی وفات ہوئی تو اس متوفی کے حق میں شرکت ختم ہوگئی، جو زندہ ہے ان کے درمیان شرکت باقی ہے۔

ولو كان الشركاء ثلاثة مات واحد منهم حتى انفسخت الشركة فى حقه لا تنفسخ فى حق الباقين (أيضاً/ ۳۳۶،۳۳۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ / ذوالقعدہ ۱۴۱۸ھ

شرکتِ فاسدہ کی ایک صورت

سوال: زید نے عمر کو تیس ہزار روپے دیے، عمر اس سے ایک آٹو رکشا خریدتا ہے اور خالد کو کرایہ پر دیتا ہے، خالد سے وہ روزانہ ۱۰۰ / روپے لیتا ہے اس میں سے عمر ۶۰ / روپے اپنے پاس رکھتا ہے اور ۴۰ / روپے زید کو دیتا ہے، اس طرح مہینہ میں زید کو ۱۲۰۰ / روپے ملتے ہیں، کاروبار کی شکل ہے اس کی چند شرطیں ہیں:

(۱) جنوری اور جولائی دو ماہ میں زید کو ۱۲۰۰ / روپے نہیں ملتے ہیں۔

(۲) اگر بہت زیادہ خرچ ہو تو وہ زید کو رکشا لوٹا دیتا ہے۔

(۳) اس کے علاوہ جو بھی خرچ ہو وہ عمرو کے ذمہ ہے۔

(۴) ایک سال تک کا یہ قرار ہوتا ہے، ایک سال کے بعد ہم کو وہ رکشا اگر ہم چاہیں تو مل سکتی ہے؛ البتہ ۳۰۰۰۰ / روپے نہیں مل سکتے۔

تو کیا یہ کاروبار صحیح ہے؟ اور زید کو ہر ماہ ۱۲۰۰ / روپے لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں اگر زید نے عمرو کو تیس ہزار روپے دے کر زید کے لیے رکشا خریدنے کا وکیل بنایا ہے۔ (جیسا کہ کاروبار کی شرط نمبر ۲ سے معلوم ہوتا ہے) تو اس رکشا کا روزانہ کا جو کرایہ آتا ہے (سو روپے) اس کا مالک زید ہے، جنوری اور جولائی میں بھی اگر کرایہ کا معاملہ جاری ہے تو اس کرایہ کا مالک زید ہی ہے، اس رکشا کی مرمت اور بقاء میں جو مصارف بھی ہو (چاہے کم یا زیادہ) ان تمام کا ذمہ دار زید ہے، سال کے بعد رکشا جس کنڈیشن میں بھی ہو اس کا مالک زید ہے، عمر کے لیے روزانہ آنے والے

کرایہ میں جو ساٹھ روپیے طے ہوئے ہیں وہ درست نہیں؛ بلکہ عام طور پر اجرت پر ایسا کام کرنے والے کو جو اجرت ملتی ہو اتنی اجرت عمر کو ملے گی، بشرطیکہ وہ ساٹھ روپیے یومیہ سے زیادہ نہ ہو، خلاصہ یہ ہے کہ یہ کاروبار شرعاً درست اور جائز نہیں؛ بلکہ شرکتِ فاسدہ ہے جس کا ختم کرنا دونوں پر لازم ہے۔

دفع دابته الى رجل يوجرها على ان الاجر بينهما فالشركة فاسدة، والاجر لصاحب الدابة وللآجر اجر مثله، وكذا السفينة والبيت الخ اهـ. (العقودالدرية لتنقيح الفتاوى الحامدية ١ /٢٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شرکتِ فاسدہ کی ایک صورت

سوال: (۱) زید نے عمر و بکر اور خالد کے ساتھ مل کر ایک ہوٹل خریدا، قیمت چاروں نے کم وبیش نکالی، اور زید نے محنت کرنے کی ذمہ داری بھی لی اس طرح کہ اس کو محنت کے اعتبار سے ۲۰ رفی صد شرکت بھی ملے گی، اُس وقت غلط طریقہ یہ چل رہا تھا کہ محنت کرنے والا جب تک مکمل رأس المال کے بہ قدر نفع کما کر ہوٹل کے مالکان کو نہ دے دے، تب تک وہ اپنے نفع کا حق دار نہیں ہوگا اور جب رأس المال مکمل کما چکے تو اب وہ ہوٹل کے رأس المال میں اور نفع میں ۲۰ رپیسہ کا شریک ہو جائے گا، اگر ہوٹل اس کے بعد بیچا بھی جائے تو جو قیمت آئے گی اس میں ۲۰ رفی صد زید بھی شریک ہوگا، اصل میں بھی اور نفع میں بھی (اگر چہ یہ صورت شرعاً صحیح نہیں ہے)، شرکا نے زید کو اس طرح محنت کا شریک بنایا (جب کہ زید کی کچھ رقم خریدنے میں لگی ہے)، زید نے پانچ سال تک اصل قیمت کے بہ قدر نفع اپنے شرکا کو کما کر دے دیا، تب تک زید نے محنت کے عوض

ایک پیسہ نہیں لیا، جب کہ اس نے شرکا کو یاد دلایا کہ میں شرعاً محنت کرنے کی وجہ سے روزِ اول سے نفع میں شریک ہوں؛ لیکن شرکا نے اس قدیم رواج کا حوالہ دیا، زید نے دوبارہ یہ بات نہیں کہی، تو کیا اب زید پانچ سال کے بعد قدیم رواج (غلط) کے مطابق اصل اور نفع دونوں میں ۲۰ رفی صد کا شریک بن گیا؟ اگر ہوٹل بیچا جائے تو کل قیمت میں سے ۲۰ رفی صد کا شریک زید محنت کی وجہ سے ہوگا؟ شرکاء تو اسی طرح سمجھ رہے ہیں، نیز زید نے پانچ سال تک ۲۰ رفی صد نفع نہیں لیا ہے۔

② اصل ہوٹل کے شرکاء میں سے ایک شریک نے محنت کی ذمہ داری لی ہے اور وہ بھی اوپر ذکر کی گئی صورت سے، تو اب پانچ سال کے بعد یہ ایک شریک جو اصل میں بھی شریک ہے اور محنت کا ذمہ دار بھی ہے، وہ خود وہاں پر ۶ رگھنٹہ حاضری دے کر کام کرتا ہے، تو کیا وہ تنخواہ لے سکتا ہے؟ شرکاء محنت کا حصہ بڑھانے پر راضی نہیں ہیں، اگر دوسرا کوئی مینیجر رکھا جائے تو اس کو کافی رقم اور تنخواہ دینی پڑتی ہے، تب جا کر وہ مکمل توجہ دے گا، اور یہ شریک بہ نفسِ نفیس حاضری دے کر ایک ملازم کے بہ قدر کام بھی کرتا ہے اور ذمہ داری بھی سنبھالتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①(والربح في الشركة الفاسدة بقدر المال،ولاعبرة بشرط الفضل) (درمختار)(قوله والربح الخ)حاصله أن الشركة الفاسدة إما بدون مال أو به من الجانبين أو من أحدهما فحكم الأولى أن الربح فيها للعامل كما علمت، والثانية بقدر المال، ولم يذكر أن لأحدهم أجرا؛ لأنه لا أجر للشريك في العمل بالمشترك كما ذكروه في قفيز الطحان،والثالثة لرب

المال وللآخر أجر مثله. (شامی ۳۸۳/۳ کوئٹہ)

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں زید کو اپنے سرمایہ کے بہ قدر نفع ملے گا، پہلے پانچ سالوں میں بھی اور بعد کے سالوں میں بھی؛ اس لیے کہ یہ شرکت فاسدہ ہے۔

(۲) جیسا کہ اوپر کے جواب میں بتلایا گیا کہ یہ شرکت فاسدہ ہے، اس کا حکم بھی اوپر آچکا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴ر رجب ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

شرکت فاسدہ کی ایک صورت

سوال: میرے والد صاحب کے ساتھ رہتے ہوئے میں نے ایک ہنر سیکھی۔ سیکھ لینے کے بعد میں نے ایک کارخانہ کی بنیاد ڈالی اس کارخانہ کو چالو کرنے کے لیے کل رأس المال تقریباً بیس ہزار روپئے لگے جس میں سے چار سے پانچ ہزار روپیہ والد صاحب نے کسی سے قرض لیا اور باقی رقم تقریباً ۱۵ سے ۱۶ ہزار بینک سے قرض لیا، تھوڑا عرصہ گذرنے کے بعد میں نے ایک ایسی چیز بنانی شروع کی مگر اس کے لیے ہمارے پاس رقم نہیں تھی تو میں نے ایک مارواڑی سے نفع میں بھاگیدار بنا کر بیس ہزار روپئے لاکر میں نے اسے کارخانہ میں لگائی۔ جب اس مارواڑی نے دیکھا کہ تین چار مہینہ ہو گئے لیکن نفع ہاتھ میں نہیں آرہا ہے تو اس نے اپنے پیسوں کا تقاضہ کیا اور کہا کہ مجھے میرے پیسے واپس دے، دو مجھے تمہارے ساتھ بھاگیداری میں نہیں رہنا ہے۔ اور ہمارے پاس پیسے تو نہیں تھے کہ ہم اس کو اس کی یہ رقم واپس کر دیں۔

تو والد صاحب نے ان کے ساڑھو بھائی سے بات کی اور کچھ رقم مانگی تا کہ اس مارواڑی کا قرضہ ادا کردے، لیکن انہوں نے قرض دینے سے پہلے مجھ سے ملنا چاہا اور جب میری میرے خالو سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھے پوچھا کہ یہ قرض کیسے ہو گیا؟ اور کارخانہ کی ابھی کیا نوعیت ہے تو میں نے مارواڑی والی ساری باتیں بتائیں اور کارخانہ کی نوعیت کے بارے میں بتایا کہ جو میں نے لائن شروع کی ہے اس کا مستقبل بہتر لگ رہا ہے، تو انہوں نے والد صاحب سے کہا کہ جو رقم تم مجھ سے قرض مانگ رہے ہو اگر رقم تم کو مل جائے تو تمہارا نظام ہو جائے گا تو میں نے کہا نہیں وہ رقم تو مارواڑی کو ادا کرنی پڑے گی اور کارخانہ کو آگے چلانے کے لیے اور بھی رقم کی ضرورت پڑے گی۔ تو میں نے ان کو کارخانہ کو چلانے کے لیے جو رقم بتائی تو انہوں نے کہا اگر یہ رقم بھی تم کو مل جائے تو آگے چل کر تم کو کارخانہ چلانے کے لیے کی کوئی تکلیف ہو گی؟ کیوں کہ اس کارخانہ کو آگے بڑھانے کے لیے بہت زیادہ رقم کی ضرورت پڑے گی تو تم کیوں نہیں کسی کو اپنا بھگیدار بنا لیتے۔ تب والد صاحب نے کہا ایسی حالت میں کون بھاگیدار بنے گا جب کہ کارخانہ کی حالت نازک ہے۔ تو ہمارے والد صاحب کے ساڑھو بھائی نے کہا کہ آپ کو اعتراض نہ ہو تو میں آپ کے ساتھ بھاگیداری کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تو ہم سے بھاگیدای کرنے کی بات منظور کر لی اور کارخانہ کا حساب کتاب کرنے کے بعد مشین اور جو سامان تھا سب کی قیمت تقریبا پچیس سے چالیس ہزار روپیہ ہوئی اور اسی قیمت پر کارخانہ خرید لیا اور بینک اور مارواڑی کا جو قرضہ تھا وہ ادا کرنے کی ذمہ داری انہوں نے لے لی۔ اور انہوں نے مارواڑی کو بلا کر کہہ دیا کہ کارخانہ کو میں نے خرید لیا ہے، اور تمہارے پیسے ادا کرنے کی ذمہ داری میری ہے۔ اور اس کو تین چار مہینہ کے اندر

پیسے واپس دینے کا وعدہ کیا اور بینک کے تین چار مہینہ کے ہفتے پیسے نہ ہونے کی وجہ سے بھر نہیں سکے تھے وہ انہوں نے بھر دیے۔ اور باقی کی رقم انہوں نے اس کے وقت کے مطابق بھرنے کی ذمہ داری اٹھالی۔ اور اب میری اور میرے والد صاحب کی ذمہ داری مارواڑی اور بینک کے قرضہ سے ختم ہوگئی۔ اور ہم کو اس قرض سے نجات مل گئی۔ اب اس کارخانہ میں جو حصہ داری کی گئی وہ میری محنت اور ان کی رقم اور حصہ داری آدھی آدھی طے ہوئی۔ میں محنت کا مکلف اور وہ رقم لگانے کے اب تک میں والد صاحب کے ساتھ رہتا تھا اور میری عمر ۲۲ سال کی تھی اور میری شادی نہیں ہوئی تھی۔ بھاگیداری کرنے کے بعد میں اس کارخانہ میں لگ گیا اور والد صاحب جو ٹیکسی چلانے کے کاروبار میں لگے ہوئے تھے اس میں لگ گئے۔ والد صاحب کو کارخانہ کے بارے میں کوئی تجربہ تھا نہ انہوں نے کوئی محنت کی، بھاگیداری کرنے سے لے کر شادی کرنے تک میں میرے خالو کے جو میرے والد صاحب کے ساڑھو بھائی کے ساتھ رہتا تھا انہیں کے گھر پر کھانا پینا کرتا تھا۔ جب میری شادی ہوئی تو شادی کا قرضہ اسی کارخانہ سے اٹھا کر کیا گیا۔ چوں کہ والد صاحب جو ٹیکسی چلاتے تھے اس میں سے اتنی آمدنی نہیں ہوئی تھی۔ اور جب بھی گھر میں ان کو پیسوں کی ضرورت پڑتی تھی تو بہ طور قرض ساڑھو بھائی سے لے جاتے تھے۔ بھاگیداری کر کے سات آٹھ مہینہ کے بعد کام کرنے والوں کی بدمعاشی کی وجہ سے کارخانہ میں کچھ نقصان ہوا۔ اب کارخانہ کو آگے چلانے کے لیے ہمارے خالو کے پاس بھی پیسے نہیں تھے۔ تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ ہم دونوں اپنے اپنے حصہ میں سے پانچ پانچ پیسا کم کر کے دس پیسا حصہ بیچ دیوے۔ اور جو رقم آئے اس سے کارخانہ کو آگے بڑھائے۔ جس کے لیے میں تیار ہوا تو انہوں نے شرط لگائی کہ اس

بات کا کسی سے بھی اظہار نہ کرنا۔ جب تک میں نہ کہوں خفیہ رکھنا۔ اس بات کو جاننے والا میں میرے خالو جس کو حصہ دیا گیا وہ۔ اس کے بعد کارخانہ میں ترقی ہونے لگی۔ اور تقریباً ڈھائی تین سال کے بعد جب اتنا منافع ہو گیا جو انہوں نے لگایا تھا تو انہوں نے وہ رقم نکال لی اور جب میں نے ان سے کہا کہ آپ اپنی لگائی رقم کارخانہ میں نکال رہیں ہیں وہ میری سمجھ میں نہیں آتا کیوں کہ میری محنت برقرار رہی اور آپ کی رقم نکل گئی جب کہ مجھے اس عرصہ کے اندر نہ تنخواہ ملی اور نہ کوئی معاوضہ۔ تو انہوں نے مجھے ایک ہزار روپیہ مہینہ کے حساب سے تنخواہ دیا جو تقریباً تیس پینتیس ہزار روپئے ہوتی ہے۔ جس کو انہوں نے اس عرصہ میں جو والد صاحب نے قرض اٹھایا تھا وہ کاٹ لیا۔ اس کارخانہ میں دو حصہ دار وہ تھے جنہوں نے رقم لگائی تھی اور اس میں دس دس پیسہ کے حصہ دار تھے۔ مگر وہ کارخانہ کے کسی بھی کام میں حصہ نہیں لیتے تھے۔ اور نہ وہ محنت کرتے تھے۔ میں اور خالو دونوں اس کارخانہ کو سنبھالتے تھے۔ ہم دونوں نے مل کر یہ طے کیا کہ ہم اس کارخانہ سے ماہانہ بہ طور تنخواہ لیتے رہیں گے۔ کیوں کہ ہم دونوں محنت کرتے تھے اور کوئی حصہ دار محنت نہیں کرتا تھا۔ اس وقت جو اس کارخانہ کا اگریمنٹ بنایا تھا اس میں آدھا حصہ میرے نام پر تھا اور آدھا میرے خالو کے نام پر تھا۔ دوسرے کسی بھی بھاگیدار کا نام اگریمنٹ میں نہیں تھا۔ جب کارکانہ میں منافع بڑھنے لگا تو ٹیکس بچانے کی خاطر ہم نے اگریمنٹ میں بیس پیسا حصہ والد صاحب کے نام اور بیس پیسا حصہ ہمارے خالو کے لڑکے کے نام پر لکھوایا۔ اگریمنٹ بنانے کا منشا صرف ٹیکس بچانے کے لیے تھا اب اس مسئلہ کے بارے میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کہ اس کارکانہ میں حصہ دار کون ہوگا میں یا میرے والد صاحب؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کا جو معاملہ آپ کے خالو کے ساتھ ہوا ہے وہ شرعی اعتبار سے نہ تو شرکت ہے اور نہ ہی مضاربت۔ اس لیے کہ شرکت ومضاربت دونوں میں رأس المال (سرمایہ) کا نقد ہونا شرط ہے چناں چہ شرکت ومضاربت ایسے اموال پر نہیں ہوسکتی جن کا شمار نقد میں نہیں ہے۔

ولا تصح مفاوضة و عنان بغير النقدين والفلوس النافقة والتبر والنقرة إن جرى التعامل بهما (در مختار) قوله بغير النقدين فلاتصحان بالعرض ولا بالمكيل و الموزون الخ (شامی۳ /۳۷۳) وشرطها(ای المضاربة) كون رأس المال من الاثمان كما مر فی الشركة (درمختار علی هامش الشامی ٤ /٥٣٩)

کارخانہ جب آپ کے خالو نے خرید لیا تو اس کے مالک وہی ہیں۔ کارخانہ کی ملکیت پر آپ کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس کارخانہ کو چلانے کی ذمہ داری آپ پر ڈالی گئی۔ اور آپ نے اس کو قبول فرمایا تو آپ اجیر ہوئے۔ اب اس کی آمدنی میں آپ کا آدھا حصہ آپ کے لیے مقرر ہوا تو چوں کہ یہ اجرت مجہول ہونے کے ساتھ ساتھ اجیر کے عمل سے پیدا شدہ ہے اس لیے یہ عقد اجارہ بھی شرعاً فاسد ہوا۔

والاجرة فی الاجارات معتبرة بالثمن فی البياعات لان كل واحد من العقدين معاوضة المال بالمال فما يصلح ثمنا فی البياعات يصلح اجرة فی الاجارات وما لا فلا وهو ان تكون الاجرة مالا متقوما معلوما (بدائع الصنائع ٤/ ١٩٣) ومنها ان لا ينتفع الاجير بماله فان كان ينتفع به لم يجز الخ. (بدائع ٤ /١٩٢)

اجارہ فاسدہ کا حکم یہ ہے کہ اجیر کو اجرت مثل دی جاتی ہے اس لیے صورت

مسئولہ میں آپ کو بھی آپ کے کام (کارخانہ چلانے سنبھالنے وغیرہ) کا معاوضہ اتنا ملے گا جتنا عام طور پر ایسے کام کا دیا جاتا ہے۔

وحکم الاول وھو الفاسد وجوب اجر المثل (در مختار) (قولہ وجوب اجر المثل) ای اجر شخص مماثل لہ فی ذلك العمل والاعتبار فیہ لزمان الاستیجار ومکانہ من جنس الدراھم والدنانیر الخ (شامی ۵/ ۳۱)

خالو صاحب نے آپ کو جو تنخواہ دی وہ اگر اتنی تھی جو عام طور پر اس کام کے لیے ہوا کرتی ہے تو اتنی مدت کی اجرت مثل تو آپ حاصل کر چکے البتہ اس کے بعد سے لے کر اب تک یا جب تک کام کیا وہاں تک کی اسی طرح یعنی عام طور پر اس کام کے لیے جو ہوا کرتی ہے آپ لینے کے حق دار ہیں باقی کارخانہ میں حصہ دار نہ تو آپ ہیں اور نہ آپ کے والد صاحب بلکہ اس کی ملکیت خالو صاحب کی ہے البتہ بعد میں جن لوگوں نے رقم دے کر کارخانہ کا کوئی حصہ خریدا ہے اتنے حق کے وہ لوگ مالک ہیں (کما ھو ظاھر) آپ کا یہ معاملہ شروع ہی سے اصول واحکام شریعت کے خلاف چلتا رہا اور درمیان میں بھی یہی صورت پیش آئی مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ کوئی بھی کاروبار شروع کرنے سے پہلے ہی اس کا حکم شرعی معلوم کر لے تاکہ شریعت کی خلاف ورزی کا مرتکب نہ ہونا پڑے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳ / جمادی الاخری ۱۴۱۴ھ

ہوٹل چلانے کی شرائط میں شرکت، مضاربت اور اجارہ کے امکانات

سوال: (۱) زید ایک زمین ایک ہزار روپے میں خریدتا ہے، اس پر پانچ ہزار خرچ کر کے ایک ہوٹل تیار کرتا ہے اور بکر کو حسبِ ذیل شرائط پر چلانے کے لیے دیتا ہے:

شرط نمبر (۱): تم کو اس ہوٹل کے چلانے کے عوض ہوٹل کی ملک اور منافع میں ایک چوتھائی حصہ کا شریک بنایا جاتا ہے۔

شرط نمبر (۲): تمھارے حصہ کا نفع ہماری کل لاگت، یعنی زمین کی قیمت اور اوپر کی لاگت وصول ہونے کے بعد دیا جائے گا۔

شرط نمبر (۳): اس حصہ کے علاوہ تم کو ہر ماہ دوسو روپئے تنخواہ ملے گی جو ہماری رقم وصول ہونے کے بعد تم کو ملتی رہے گی۔

شرط نمبر (۴): اگر ہوٹل میں نقصان آیا تو اس نقصان میں بھی تم اپنے حصہ کے بقدر آج سے ہی شریک ہوں گے۔

(الف): سوال طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کا معاملہ شرعاً درست ہے؟ بالفرض اگر صحیح نہیں تو کس علت کی بنیاد پر تا کہ اس علت کو دور کرنے کی کوشش کر کے صحیح کیا جا سکے۔

(ب): بکر کے لیے حصہ اور تنخواہ دونوں لینا صحیح ہے؟

(۲): زید نے عمارت کرایہ پر لے کر پانچ ہزار کی رقم لگا کر ایک ہوٹل بنایا اور بکر کو حسبِ ذیل شرائط پر چلانے کے لیے دیا:

شرط نمبر (۱): تم کو اس ہوٹل کے چلانے کے عوض ہوٹل کی ملک اور منافع میں ایک چوتھائی حصہ کا شریک بنایا جاتا ہے۔

شرط نمبر (۲): آج سے ہی تم ہوٹل کے نفع نقصان دونوں میں شریک ہو۔

شرط نمبر (۳): اس حصہ کے علاوہ تم کو ہر ماہ دوسو روپئے تنخواہ ملے گی جو ہماری رقم وصول ہونے کے بعد بھی تم کو ملتی رہے گی۔

شرط نمبر (۴): تمہارے حصہ کا نفع جس کے تم پہلے ہی روز سے شریک ہو، ہماری

کل لاگت یعنی زمین کی قیمت اور اوپر کی لاگت وصول ہونے کے بعد تم کو دیا جائے گا۔

(الف): سوال طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کا معاملہ شرعاً درست ہے؟ بالفرض اگر صحیح نہیں ہے تو کس علت کی بنیاد پر تا کہ اس علت کے دور کرنے کی کوشش کر کے صحیح کیا جا سکے۔

(ب): بکر کے لیے حصہ اور تنخواہ دونوں لینا صحیح ہے؟

③ ایک سات منزلہ عمارت ہے جس کی ہر منزل کا مالک الگ ہے؛ البتہ زمین تمام منزل والوں کی مشترک ہے جس کو آج کی اصطلاح میں پاٹنرشپ کہتے ہیں، زید نے اس میں پورا گراؤنڈ فلور یعنی زمین والی عمارت پانچ ہزار میں خرید لی، اور اس پر پانچ ہزار روپے خرچ کر کے ہوٹل تیار کیا، اور بکر کو حسبِ ذیل شرائط پر چلانے کے لیے دیتا ہے:

شرط نمبر (۱): تم کو اس ہوٹل چلانے کے عوض ہوٹل کی ملک اور منافع میں ایک چوتھائی حصہ کا شریک بنایا جاتا ہے۔

شرط نمبر (۲): تمہارے حصہ کا نفع ہماری کل لاگت یعنی زمین کی قیمت اور اوپر کی لاگت وصول ہونے کے بعد دیا جائے گا۔

شرط نمبر (۳): اس حصہ کے علاوہ تم کو ہر ماہ دوسو روپے تنخواہ ملے گی جو ہماری رقم وصول ہونے کے بعد بھی تم کو ملتی رہے گی۔

شرط نمبر (۴): اگر ہوٹل میں نقصان آیا تو اس نقصان میں بھی تم اپنے حصہ کے بقدر آج سے ہی شریک ہوں گے۔

(الف): سوال طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کا معاملہ شرعاً درست ہے؟ بالفرض اگر صحیح نہیں ہے تو کس علت کی بنیاد پر تا کہ اس علت کو دور کرنے کی کوشش

کر کے صحیح کیا جا سکے۔

(ب): بکر کے لیے حصہ اور تنخواہ دونوں لینا صحیح ہے؟

دار الافتاء مدرسہ عربیہ دار العلوم چھاپی، ضلع: بناس کانٹھا، شمالی گجرات

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① صورتِ مسئولہ میں اولاً یہ طے ہونا چاہیے کہ ہوٹل کے مالک زید نے ہوٹل چلانے والے بکر کے ساتھ جو معاملہ کیا ہے شرعاً اس کو کیا حیثیت دی جائے، اس نوع کے معاملات کو شرکت، مضاربت یا اجارہ میں سے کسی ایک صورت پر محمول کرنے کے امکانات پر غور کیا جا سکتا ہے، ہم ہر صورت پر الگ الگ کلام کریں گے۔

پہلی صورت شرکت کی ہے؛ چناں چہ اربابِ معاملہ بھی اس کو یہی عنوان دے رہے ہیں؛ لیکن شرعی حیثیت سے اس معاملہ کو شرکت قرار دینے میں کئی محذورات لازم آتے ہیں: شرکتِ عقود میں رأس المال کا از قبیلِ اثمان ہونا ضروری ہے۔ چناں چہ شرکت کے شرائط جواز پر کلام کرتے ہوئے علامہ ابو بکر کاسانی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

منها: ان يكون رأس المال من الاثمان المطلقة، وهي التي لا تتعين بالتعيين في المفاوضات على كل حال، وهي الدراهم والدنانير عنانا كانت الشركة او مفاوضة عند عامة العلماء، فلا تصح الشركة فى العروض.

(بدائع الصنائع ٦/ ٥٩)

''درمختار'' میں ہے: (ولا تصح مفاوضة وعنان) ذكر فيهما المال والا فهما تقبل ووجوه (بغير النقدين والفلوس النافقة والتبر والنقرة) اي ذهب وفضة لم يضربا (ان جرى) مجرى النقود (التعامل بهما) والا فكعروض (وصحت بعرض) هو المتاع غير النقدين ويحرك قاموس

(ان باع كل منهما نصف عرضه بنصف عرض الآخر ثم عقداها) مفاوضة او عنانا، وهذه حيلة لصحتها بالعروض وهذا ان تساويا قيمة وان تفاوتا باع صاحب الاقل بقدر ما تثبت به الشركة ابن كمال فقوله بنصف عرض الآخر اتفاقي. (درمختار ۳/ ۳۷۲)

(قوله بغير النقدين) فلا تصحان بالعرض ولا بالمكيل والموزون والعدد المتقارب قبل الخلط بجنسه، واما بعده فكذلك فى ظاهر الرواية فيكون المخلوط شركة ملك وهو قول الثانى، وقال محمد شركة عقد واثر الخلاف يظهر فى استحقاق المشروط من الربح، واجمعوا انها عند اختلاف الجنس لا تنعقد نهر (شامی ۳ /۳۷۲)

صورت مسئولہ میں ہوٹل کا مکان اور دیگر تمام ساز وسامان از قبیلِ اعیان ہے؛ اس لیے مالک کے ساتھ چلانے والے کا معاملہ شرکتِ عقد کا نہیں ہوتا؛ نیز ہوٹل چلانے والے کی طرف سے بطور رأس المال (اثمان کے علاوہ بھی) کوئی چیز پیش نہیں کی گئی کہ ہم بطورِ حیلہ بھی شرکت تجویز کرسکیں، پہلی شرط کے مطابق ہوٹل کے مالک کا صرف کہہ دینا کہ: اس ہوٹل کو چلانے کے عوض ہم ہوٹل کی ملک میں تمہیں شریک کرلیتے ہیں، ظاہر ہے کہ صرف اتنا کہہ دینے سے بکر ہوٹل کی ملک میں شریک نہیں بن جاتا؛ اس لیے کہ ملک کے لیے سبب ملک کا ہونا ضروری ہے، یہاں سبب ملک کیا ہے؟ بیع تو ہے نہیں؛ اس لیے کہ بکر نے کوئی ثمن لینا اپنے ذمہ منظور نہیں کیا ہے اور ایجاب وقبول بھی پایا نہیں گیا، ہبہ بھی نہیں کہہ سکتے؛ اس لیے کہ اس صورت میں ہبۃ المشاع لازم آتا ہے جو درست نہیں، ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہوٹل چلانے کی محنت کا عوض ہے، تو گویا یہ اجرت ہوئی، تو اگرچہ ہوٹل کا ایک ربع اجرت بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

كل مايصلح ثمنا اي بدلا فى البيع صلح اجرة لانها ثمن المنفعة (درمختار)(قوله بدلا فى البيع) فدخل فيه الاعيان فانها تصلح بدلا فى المقايضة فتصلح اجرة (شامی ٥/ ٣)

لیکن ہم نے اس معاملہ کو شرکت مانا ہے اجارہ نہیں، دوسری شرط میں ہوٹل چلانے والے کے حصۂ نفع کو زمین کی قیمت اور اوپر کی لاگت وصول ہونے کے بعد دینا قرار پایا ہے، اگر ہم اس کو شریک مانتے ہیں تو جب سے منافع شروع ہوں اسی وقت سے حصہ بھی ملنا چاہیے جیسا کہ چوتھی شرط میں نقصان میں اول روز سے شریک قرار دیا ہے۔ تیسری شرط میں اس کے لیے تنخواہ تجویز کی گئی ہے، یہ بھی عقد شرکت کے منافی شرط ہے۔

(وتفسد باشتراط دراهم مسماة من الربح لاحدهما) لقطع الشركة كما مر (درمختار على هامش الشامی ٣ /٣٧٦)

نیز بحیثیت شریک کے وہ بھی مالک ہے اور اس کے لیے تنخواہ تجویز کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ہی آدمی مستاجر بھی ہے، اور اجیر بھی، حالاں کہ وہ جس چیز پر محنت کر رہا ہے اس میں اس کی بھی ملک ہے، تو اس کے لیے اجرت لینا جائز نہیں۔ ''ہدایہ'' میں ہے:

واذا كان الطعام بين رجلين فاستاجر احدهما صاحبه او حمار صاحبه على ان يحمل نصيبه فحمل الطعام كله فلا اجر له ولان مامن جزء يحمله الا وهو شريك فيه فيكون عاملا لنفسه فلا يتحقق التسليم. (هدايه ٣/ ٣٠٧)

دوسری صورت مضاربت کی ہے تو اس میں بھی رأس المال کا از قبیل اثمان ہونا ضروری ہے جو صورت مسئولہ میں نہیں ہے۔

واما الذي يرجع الى رأس المال فانواع: (منها) ان يكون رأس المال

من الدراهم أو الدنانيرعند عامة العلماء فلاتجوز المضاربة بالعروض.
(بدائع الصنائع ٦/ ٨٢ كتاب المضاربة)

(وشرطها) امور سبعة: (كون رأس المال من الاثمان) كما مر فى الشركة (درمختار) (قوله من الاثمان) اي الدراهم والدنانير، فلو من العروض فباعها مضاربة نقودا انقلبت مضاربة واستحق المشروط كما فى الجواهر.
(شامى ٤/ ٥٣٩)

البتہ اگر مالک نے چلانے والے سے یہ کہا کہ موجودہ سامان کو فروخت کر کے اس کی قیمت سے تجارت کرو تو اس کو مضاربت پر محمول کرنا درست ہوگا؛ لیکن اس صورت میں بھی ہوٹل کی ملک راس المال میں تو نہیں ہے؛ مگر منافع میں ایک چوتھائی کی شرکت کی شرط کی جاسکتی ہے، راس المال میں شرکت کو مشروط قرار دینے سے مضاربت فاسد ہوجاتی ہے۔

وفى المتن ايماء الى ان المشروط للمضارب انما يكون من الربح حتى لو شرط من راس المال او منه ومن الربح فسدت كما فى الخزانة وعليه تعريف المضاربة (تكمله شامى ٢ /٢٢٣)

اور جس وقت سے منافع کا تحقق ہوگا اسی وقت سے ایک چوتھائی اس کو ملے گا اور چوتھی شرط کے مطابق اس پر نقصان کی ذمہ داری عائد نہیں کی جاسکتی؛ اس لیے کہ عقدِ مضاربت میں نقصان اولاً منافع پر اور پھر راس المال پر عائد ہوتا ہے۔

''درمختار'' میں ہے: وماهلك من مال المضاربة يصرف الى الربح لانه تبع فان زاد الهالك على الربح لم يضمن ولو فاسدة من عمله لانه امين (در مختار) (قوله لانه امين) علة لعدم الضمان، ويقبل قوله فى الهلاك وان لم يعلم ذلك كما يقبل فى الوديعةفتح (تكملة الشامى ٢/ ٢٤٣)

نیز تیسری شرط کے مطابق چلانے والے کے لیے ماہانہ دوسو روپیہ کی تنخواہ تجویز کرنا درست نہیں ہے، اس کا حصہ منافع میں چوتھائی سے زیادہ رکھ سکتے ہیں۔

وفی البحر: الرابع: ان یکون الربح بینهما شائعا کالنصف والثلث لا سهما معینا یقطع الشرکة، کمائة درهم او مع النصف عشرة اه ط اي لاحتمال ان لا یحصل من الربح الا مقدار ما شرط له واذا انتفی الشرکة فی الربح لا تتحقق المضاربة لانها جوزت بخلاف القیاس بالنص بطریق الشرکة فی الربح فیقتصر علی مورد النص. (تکملة الشامی ۲/ ۲۲۳،۲۲۲)

تیسری صورت اجارہ کی ہے، صورتِ مسئولہ میں اس پر محمول کرنے کی گنجائش بھی نہیں ہے؛ اس لیے کہ اجارہ میں ایسی چیز کو اجرت کے طور پر مقرر کرنا جو اجیر کے عمل سے وجود میں آتی ہو درست نہیں ہے، قفیز طحان والی صورت ہو جاتی ہے۔

''ہدایہ'' میں ہے: (ومن دفع الی حائك غزلا لینسجه بالنصف فله اجر مثله وکذا اذا استاجر حمارا یحمل طعاما بقفیز منه فالاجارة فاسدة) لانه جعل الاجر بعض ما یخرج من عمله فیصیر فی معنی قفیز الطحان، وقد نهی النبی ﷺ عنه وهو ان یستاجر ثورا لیطحن له حنطة بقفیز من دقیقه وهذا اصل کبیر یعرف به فساد کثیر من الاجارات لا سیما فی دیارنا، والمعنی فیه ان المستاجر عاجز عن تسلیم الاجر وهو بعض المنسوج او المحمول اذ حصوله بفعل الاجیر فلا یعد هو قادراً بقدرة غیره (هدایه باب الاجارة الفاسدة ۳/۳۰۵، تکملة فتح القدیر ۹ /۱۰۹،۱۰۸)

چوں کہ صورتِ مسئولہ میں منافع جو چلانے والے کے عمل سے پیدا ہوتے ہیں اس کے چوتھائی کو اجرت ٹھہرایا گیا ہے جو قفیز طحان کے حکم میں ہے؛ نیز اجارہ میں

اجیر کو اجرت کا استحقاق حاصل ہونے کی بنیاد عمل وتسلیم نفس پر ہے، مالک کو اپنے ہوٹل میں نفع ہو یا نقصان اور ہوٹل میں تجارتی نقصان کی ذمہ داری بھی اس پر نہیں ڈالی جاسکتی؛ اس لیے یہ معاملہ شرعاً درست نہیں ہے دونوں کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اس معاملہ کو ختم کرکے اس سے باز آجائیں۔

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ بکر کے لیے حصہ منافع اور تنخواہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ تو مندرجۂ بالا تفصیل سے یہ بھی واضح ہو چکا کہ جب یہ معاملہ شرعاً درست نہیں ہوا تو منافع میں حصہ لینے کی گنجائش نہیں رہی؛ اس لیے کہ منافع میں حصہ ملنا موقوف ہے شرکت یا مضاربت کے صحیح ہونے پر، اور صورتِ مسئولہ میں دونوں میں سے کوئی صورت درست نہیں بنتی۔

چناں چہ شرکت کے متعلق درمختار میں ہے:(والربح فی الشرکة الفاسدة بقدر المال، ولا عبرة بشرط الفضل) فلو کل المال لاحدهما فللآخر اجر مثله کما لو دفع دابته لرجل لیؤجرها والاجر بینهما فالشرکة فاسدة والربح للمالك وللآخر اجر مثله(درمختار)

(قوله والربح الخ) حاصل ان الشرکة الفاسدة اما بدون مال او به من الجانبین او من احدهما، فحکم الاولیٰ ان الربح فیها للعامل کما علمت، والثانیة بقدر المال ولم یذکر ان لاحدهم اجرا لانه لا اجر للشریك فی العمل بالمشترك کما ذکروه فی قفیز الطحان، والثالثة لرب المال وللآخر اجر مثله (قوله فالشرکة فاسدة) لانه فی معنی بع منافع دابتی لیکون الاجر بیننا فیکون کله لصاحب الدابة لان العاقد عقد العقد علی ملك صاحبه بامره وللعاقد اجرة مثله لانه لم یرض ان یعمل مجانا فتح(شامی ۳/ ۳۸۳)

مضاربت کے متعلق درمختار میں اورتکملہ شامی میں ہے:(وکون الربح بینهما شائعا) فلو عین قدراً فسدت (وکون نصیب کل منهما معلوماً) عند العقد ومن شرطها کون نصیب المضارب من الربح حتی لو شرط له من راس المال او منه و من الربح فسدت. (درمختار)

(فلوعین قدراً فسدت) لقطعه الشرکة فی الربح واذا فسدت فله اجر مثله لا یجاوز عن المشروط عند ابی یوسف لرضاه به اذا کان المسمی معلوماً، اما لوکان مجهولا کماهنا او لم یوجد ربح لا یقال رضی بالقدر المشروط زیادة عن حصته من الربح لانه لم یرض بها الا مع نصف الربح وهو معدوم فالمسمی غیر معلوم فیجب اجر المثل بالغاً ما بلغ، وقد یجاب بان هذا العقد لما کان فاسدا کان ما سمی فیه محظورا فقطع النظر عما هو موجب المضاربة وعول علی ماعین معه علی انه اجر مثل فی اجارة لا موجب مضاربة الخ (تکملة الشامی ۲/ ۲۲۳)

اس لیے صورتِ مسئولہ میں بکر ہر حال میں اجرت مثل کا حق دار ہے۔

②③ جواب نمبر ۱ میں جو تفصیل مذکور ہوئی ہے وہی حکم یہاں بھی ہے، عمارت کرایہ پر لی ہو یا سات منزلہ عمارت کا گراؤنڈ فلور خریدا ہو اس سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سوال: ④ زید نے ایک زمین ہوٹل کے لیے خرید کی یا کرایہ پر لی اور اپنے تخمینہ سے اس کو پچاس ہزار کی شمار کر کے اس میں حسبِ ذیل شرائط کے ساتھ حصہ دار بنائے:

شرط نمبر(۱): ہوٹل کا نظام میں خود سنبھالوں گا۔

شرط نمبر(۲): اس نظام کے سنبھالنے کے عوض ماہانہ دوسو روپیہ/ ۲۰۰ تنخواہ لوں گا۔

شرط نمبر(۳): تنخواہ کے علاوہ سنبھالنے کے عوض میں آج ہی سے اس کی ملک وکاروبار میں ایک چوتھائی نفع نقصان کا حصہ دار رہوں گا۔

شرط نمبر(۴): اس چوتھائی حصہ کے منافع پچاس ہزار لاگت وصول ہونے کے بعد لوں گا۔

نوٹ: پچاس ہزار تخمینہ سے کم میں ہوٹل تیار ہونے پر بقیہ رقم حصہ داروں کو حسبِ حصہ واپس کردی جاتی اور پچاس ہزار سے زائد لگنے پر حصہ داروں سے حسبِ حصہ مزید رقم لی جاتی ہے۔

جواب طلب امر یہ ہے کہ:

(الف) اس طرح کاروبار کرنا صحیح ہے؟ بالفرض اگر صحیح نہیں ہے تو کس علت کی بنیاد پر؟ تاکہ اس علت کو دور کرنے کی کوشش کرکے صحیح کیا جاسکے۔

(ب): زید کے لیے تنخواہ اور حصہ دونوں بیک وقت لینا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۴) صورت مسئولہ میں ابھی تک ہوٹل تیار نہیں ہوا ہے، اس سے پہلے ہی حصہ دار بنائے جارہے ہیں، یعنی ان کو ہوٹل کا ایک مخصوص حصہ بیچ کر ملکیت میں شریک کیا جارہا ہے اس میں جہاں مبیع معدوم ہے دوسری طرف ثمن بھی مجہول ہے۔

''تنویر الابصار'' میں ہے: بطل بیع ما لیس بمال کالدم والمیتۃ والی والبیع به والمعدوم کبیع حق التعلی (تنویر الابصار)

آگے صاحبِ درمختار فرماتے ہیں: ای علو سقط لانه معدوم ومنه بیع اصله غائب کجزور اوبعضه معدوم کورد وياسمين ورق فرصاد (درمختار)

علامہ شامی فرماتے ہیں: (قوله کورد وياسمين) فانه يخرج بالتدريج ط (شامی ٤/ ١١٢، ١١٣)

ظاہر ہے کہ جب کہ ابھی تک ہوٹل تیار ہو کر مکمل نہیں ہوا تو وہ بتدریج وجود میں آرہا ہے تو اس میں یہی علت پائی گئی؛ اس لیے یہ بیع معدوم ہونے کی وجہ سے باطل ہے، اور بیع باطل کسی حال میں مفید ملک نہیں ہے۔

حكم الفاسد انه يفيد الملك بالقبض والباطل لا يفيده اصلا (شامی ٤/ ١١١)

جب حصہ داروں کی ملک ہی ثابت نہیں ہوئی تو آگے کی شرطوں پر تفصیلی کلام کرنے کی ضرورت نہیں رہی؛ نیز جواب ۱ میں معاملہ کی اس نوعیت پر بھی کلام آچکا ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال: ⑤ زید نے مع شرکاء رقم خرچ کر کے ایک ہوٹل تیار کیا اور بکر کو حسبِ ذیل شرائط پر چلانے کے لیے دیا:

شرط نمبر (۱): تم کو اس ہوٹل کے چلانے کے عوض ہوٹل کی ملک اور منافع میں ایک چوتھائی حصہ کا شریک بنایا جاتا ہے۔

شرط نمبر (۲): آج سے ہی تم ہوٹل کے نفع نقصان دونوں میں شریک ہو۔

شرط نمبر (۳): تمہارے حصہ کا نفع جس کے تم پہلے ہی روز سے شریک ہو ہماری کل لاگت، یعنی زمین کی قیمت اور اوپر کی لاگت وصول ہونے کے بعد تم کو دیا جائے گا۔

صورت مذکورہ میں بکر اس ہوٹل کو بجائے خود چلانے کے عمر کو ماہانہ تنخواہ اور سالانہ

پانچ ہزار روپیہ کے معاوضہ میں چلانے پر دیتا ہے، اور نگرانی کرتا رہتا ہے، یہ سالانہ دی جانے والی رقم بکر اپنے جیب سے دیتا ہے اور کبھی اجتماعی منافع میں سے دیتا ہے اور اجتماعی منافع میں سے دینے کی صورت میں شرکاء کو بعض مرتبہ تو اطلاع ہوتی ہے اور شرکاء خاموش رہتے ہیں، کیوں کہ رقم والے حصہ دار بولنے سے ڈرتے ہیں، کہیں ہمارا حصہ نکال نہ دیا جائے، اور بعض مرتبہ بالکل ہی اطلاع نہیں ہوتی، اور زید اجتماعی منافع میں سے وہ رقم دیتا رہتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ: (الف) اس طرح معاملہ شرعاً درست ہے؟

(ب) بکر کا عمر کو اپنے جیب سے سالانہ رقم دے کر ہوٹل چلانے دینا صحیح ہے؟

(ج) بکر عمر کو شرکاء سے چھپا کر اجتماعی منافع میں سے سالانہ پانچ ہزار دیتا ہے جب کہ اس کا حصہ تو چلانے کی ذمہ داری کا ہے کیا یہ صحیح ہے؟

(د) بکر کا عمر کو شرکاء سے چھپا کر اجتماعی منافع میں سے سالانہ پانچ ہزار دینا کیسا ہے؟

(ھ) بکر عمر کو سالانہ رقم اجتماعی منافع میں سے اس طرح دیتا ہے، کہ شرکاء کو علم ہوتا ہے تو خاموش رہتے ہیں؛ لیکن دل سے ناراض رہتے ہیں، اس صورت میں بکر کا اس طرح کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

⑤ جیسا کہ جواب نمبر ۱ میں تفصیلی طور پر بتلایا گیا کہ زید اور بکر کے درمیان ہونے والا یہ معاملہ شرکت صحیحہ یا مضاربتِ صحیحہ یا اجارہ صحیحہ تینوں میں سے کسی پر بھی محمول نہیں کیا جاسکتا؛ بلکہ غیر درست اور فاسد ہے، معاملۂ فاسدہ میں شریک یا مضارب یا اجیر اگر کام کرتا ہے تو اجرت مثل کا حق دار ہوتا ہے مقررہ نفع یا تنخواہ کا نہیں۔ صورت

مسئولہ میں بکر نے کوئی کام نہیں کیا ہے؛ اس لیے وہ اجرت مثل کا بھی حق دار نہیں، رہا عمر، تو اس کے ساتھ ہوٹل کے مالکوں نے کوئی معاملہ نہیں کیا ہے؛ اس لیے عمر کی اجرت کی ذمہ داری مالکین پر عائد نہیں ہوتی؛ البتہ وہ اپنی مقررہ اجرت بکر سے وصول کرلے اور بکر پر اس کی ادائیگی اپنی طرف سے ضروری ہے، ہوٹل کے منافع سے دینا اس کے لیے جائز نہیں ہے اگر اس نے منافع ہوٹل میں سے دیا ہے تو ضامن ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ہوٹل کے چلانے میں دوسرا کام نہ کرنے کی شرط

سوال: ⑥ زید کو پانچواں حصہ منافع میں سے دے کر ہوٹل چلانے کی ذمہ داری اس شرط پر دی گئی کہ اس ہوٹل کے علاوہ اور دوسرے کسی کاروبار کی ذمہ داری تم نہیں لے سکتے؛ لیکن اس کے قبول کرنے کے باوجود وہ دوسری ذمہ داری لیتا ہے تو یہ کیسا ہے؟ آیا مذکورہ صورت میں زید اپنے پورے حصہ کا حق دار ہوگا؟

بعض مرتبہ مالک حضرات ذمہ دار کے ساتھ معاملہ کرتے وقت یہ شرط ذکر نہیں کرتے، کہ تم دوسری ذمہ داری نہیں لے سکتے، اور یہ ذمہ دار دوسری ذمہ داری لیتا ہے، تو شرعاً اس صورت میں ایسا کرنے کا کیا حکم ہے؟ اور بعض مرتبہ ذمہ دار مالکوں سے واضح طور پر یہ بات کرتا ہے، کہ میں تمہارے ہوٹل چلانے کا ذمہ دار ہوں، چاہے میں اپنی ذات سے حاضر رہوں یا نہ رہوں، اس سے تم کو کوئی مطلب نہیں، اور پھر دوسری ذمہ داریاں لیتا ہے تو یہ کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں زید کو ہوٹل چلانے کی ذمہ داری سپرد کی گئی ہے، اس کا مطلب

اگر یہ ہے کہ فرنیچر اور مال وسامان واشیائے خوردنی وغیرہ کے ساتھ تیار کر کے اس کے حوالہ کیا گیا ہے، تو اس کا جواب تو تفصیل سے نمبر ۱ر میں آچکا ہے، اور اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ زید کو رقم دی گئی کہ وہ اس کے ذریعہ سے ہوٹل کا کاروبار کرے، اور جو منافع ہوں گے ان میں سے پانچواں حصہ زید کا ہے، تو یہ معاملہ مضاربت کا ہے، اس معاملۂ مضاربت میں مضارب پر ایک شرط عائد کی جارہی ہے، کہ وہ صرف ان حضرات کا کاروبار کرے، اور کوئی کاروبار اس زمانہ میں نہ کرے، تو اس سلسلہ میں کوئی صریح جزئیہ مجھے نہیں ملا؛ البتہ ''فتاویٰ عالمگیری'' میں ایک اصول وضابطہ اس باب میں ذکر کیا گیا ہے، اس سے اس کا حکم معلوم ہوسکتا ہے۔

الباب السادس فيما يشترط على المضارب من الشروط: الاصل ان رب المال متى شرط على المضارب شرطا فى المضاربة ان كان شرطا لرب المال فيه فائدة، فانه يصح ويجب على المضارب مراعاته والوفاء به واذا لم يف به صار مخالفا وعاملا بغير امره، وان كان شرطا لا فائدة فيه لرب المال فانه لا يصح ويجعل كالمسكوت عنه كذا فى المحيط ان خص له رب المال التصرف فى بلد بعينه او فى سلعة بعينها تتقيدبه ولم يجز له ان يتجاوز ذلك، وكذا ليس له ان يدفعه بضاعة الى من يخرجها من تلك البلدة، فان اخرج الى غير ذلك البلد فاشترىٰ ضمن وكان ذلك له وله ربحه وعليه وضيعته الخ.(فتاوىٰ عالمگيرى ٤/ ٢٩٧)

''درمختار'' میں ہے: لان المضاربة تقبل التقييد المفيد ولو بعد العقد ما لم يصر المال عرضا لانه حينئذ لايملك عزله فلايملك تخصيصه كما سيجيء، قيدنا بالمفيد لان غير المفيد لايعتبر اصلا كنهيه عن

بيع الحال، واما المفيد فى الجملة كسوق من مصر فان صرح بالنهي صح والا لا (فان فعل ضمن) بالمخالفة (وكان ذلك الشراء له) (درمختار) (قوله الشراء له) وله ربحه وعليه خسرانه ولكن يتصدق بالربح عندهما وعند ابي يوسف يطيب له (شامی ٤/ ٥٤٢)

صورتِ مسئولہ میں مالکین کی طرف سے لگائی گئی یہ شرط کہ ''اس کے ساتھ تم دوسرے کاروبار نہیں کرسکتے'' فی الجملہ مفید ہے؛ اس لیے اس صورت میں زید پر ضروری ہے کہ اس شرط کی پابندی کے ساتھ کاروبار کرے؛ لیکن اگر اس نے شرط کی پابندی نہیں کی تو اس کا حکم یہ ہے کہ زید اس رقم کا جو اس کو ہوٹل چلانے کے لیے دی گئی تھی ضامن ہے، چناں چہ وہ اتنی رقم مالکین کو ادا کرے، اور جو کچھ خریدا اور کاروبار کیا وہ سب زید کا ہے، اس میں نفع ہوا تو اس کا (سب کا) مالک بھی وہ ہے، اور نقصان ہوا تو اس کی ذمہ داری بھی اسی پر ہے؛ البتہ اس کو چاہیے کہ اس منافع کو صدقہ کردے، یہ طرفین (امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ) کا مسلک ہے، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے لیے اس منافع سے انتفاع درست ہے، اگر مالکین نے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی تو اس صورت میں زید نے جس طرح ان حضرات کے ساتھ عقد مضاربت کیا ہے اسی طرح دیگر حضرات سے بھی کرنا چاہے تو کرسکتا ہے؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ دونوں کاروبار الگ الگ چلائے دونوں کو مخلوط نہیں کرسکتا، ہاں اگر دونوں عقد مضاربت کے مالکین حضرات نے اختیارِ کلی دیتے ہوئے اس کو اپنی صواب دید کے مطابق ہوٹل کا کاروبار چلانے کا مجاز بنادیا ہے، تو اس صورت میں مخلوط بھی کرسکتا ہے۔

ونوع لا يملكه بمطلق العقد ويملكه اذا قيل له اعمل برأيك،

وهو ما يحتمل ان يلحق فيلحق به عند وجود الدلالة، وذلك مثل دفع المال مضاربة او شركة الى غيره وخلط مال المضاربة بماله او بمال غيره (عالمگیری ٤ /٢٩٢، شامی ٤ /٥٤١)

ہوٹل چلانے کا یہ معاملہ اگر بطریق مضاربت ہے، تو یہ صورت جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مشترکہ تجارت سے ہبہ کرنا، کارخانہ، پلاٹس اور زیورات بنانا

سوال: بکر کا اپنے بھائی سے ۱۹۸۲ء میں مشترکہ کاروبار کا معاہدہ ہوا تھا، ان دونوں کے مشترکہ کاروبار سے کاروبار کیا جائے گا، اور جب بھی تقسیم ہوگی ۹ / بھائیوں میں مساوی طور سے تقسیم ہوگی، یعنی میرے دو بیٹے اور میرے بھائی کے ۷ / بیٹے، اس وقت میرے نصف حصے میں دو بیٹے، اور میرے بھائی کے نصف حصے میں ۷ / بیٹے، اس طرح تمام املاک ۹ / بھائیوں میں تقسیم ہوگی، حقیقۃً اس وقت میرا نقصان تھا پھر بھی میرے بھتیجوں کے کہنے پر میں نے اس معاہدے کو تسلیم کرلیا، مفتی اسمٰعیل نے اس بات کی تصدیق میرے دو بیٹوں کی موجودگی میں میری بیوی سے (جس وقت وہ انڈیا آئی تھی) کی تھی؛ لیکن اب میرے دو بھتیجے اس معاہدے سے انکار کررہے ہیں، اور مشترکہ کاروبار سے جو کمائی ہوئی اس سے ۱۰ / کارخانے اور دیگر پلاٹس خریدے، جو اپنی بیوی اور بیٹوں کے نام کرکے اسے اپنی ذاتی ملکیت بتارہے ہیں۔

نوٹ: ۱۹۸۲ء سے اس مشترکہ کاروبار میں میرے دو بیٹے بھی برابر کے شریک ہیں۔

① مشترکہ کاروبار سے بنائے ہوئے تمام کارخانے، پلاٹس اور زیورات کس کے ہیں؟

② کیا اکیلا فریق دوسرے فریق کی اجازت کے بغیر کوئی کارخانہ اپنے بیٹے کو ہبہ کرسکتا ہے جب کہ کاروبار مشترکہ ہو؟

③ کیا گمراہ کن احوال بیان کرکے نیز حقائق کی پردہ پوشی کرکے فتویٰ منگانا جائز ہے؟ شریعت کی روشنی میں جواب دیجیے۔

نوٹ: ابراھیم اور عبدالعزیز آپس میں اس مضمون پر متفق ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① مشترکہ کاروبار کی کمائی سے بنائے گئے کارخانے، پلاٹس اور زیورات اصل کاروبار کی طرح سب کی مشترکہ ملکیت سمجھے جائیں گے۔

② مشترکہ چیز کے مالکین میں سے کوئی ایک وہ پوری چیز دوسرے شرکاء کی اجازت کے بغیر ہبہ نہیں کرسکتا، البتہ اگر وہ قابلِ تقسیم ہے تو تقسیم کرکے اپنا حصہ الگ کرواکر بطورِ ہبہ قبضہ کے ساتھ دوسرے کو دے سکتا ہے۔

③ غلط حقائق پیش کرکے فتویٰ لینا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

شرکاء کا منافع سے دوسری دوکان خریدنا

سوال: چند شرکاء نے مل کر ایک دوکان شروع کی اس میں جو منافع حاصل

ہوئے ہیں وہ ایک ذمہ دار کے پاس جمع رہتے ہیں، سال دوسال کے بعد وہ ذمہ دار اپنے شرکاء سے کہتا ہے کہ دولاکھ روپئے کی رقم منافع سے جمع ہوئی ہے، میرا ارادہ ہے کہ اس سے ہم دوسری دوکان خرید لیں، اس پر سب رضامند ہو گئے، اور جس شریک کا جتنا حصہ پہلی دوکان میں تھا اسی حساب سے دوسری دوکان میں بھی حصہ رکھ کر دوسری دوکان خرید لی، شرعاً یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ صورت شرعاً درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

منافع سے خریدی گئی دوکان کے منافع میں کمی وبیشی

سوال: چند شرکاء کی ایک دوکان ہے، اس میں حاصل شدہ نفع کی رقم ذمہ دار کے پاس جمع رہتی ہے، کچھ مدت کے بعد وہ ذمہ دار کہتا ہے کہ اپنی دوکان میں اتنا نفع ہوا ہے جس کی اتنی رقم میرے پاس جمع ہے، میری رائے ہے کہ اس سے ہم دوسری دوکان خرید لیں؛ لیکن حصے پہلی دوکان کی طرح نہ رہیں گے، بلکہ کم وبیش ہوں گے، اور رقم سب اس میں لگ جائے گی کچھ واپس نہ ملے گی، سوال یہ ہے کہ جب منافع کی جو رقم اس نئی دوکان کے خریدنے میں صرف کی جارہی ہے، اس میں ہر حصہ دار کا متعین حصہ ہے، تو اس دوسری دوکان میں حصہ میں کم وبیش کرنا درست ہے، بعض شرکاء ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں، جو دل سے اس بات پر رضامند نہیں ہوتے؛ لیکن ڈرتے ہیں کہ اگر اس ذمہ دار کی مرضی کے خلاف کچھ کہا تو ہم کو شریک نہ کیا جائے گا؛

اس لیے مصلحۃً خاموش رہتے ہیں، یا صراحۃً دل کی بات کے خلاف اپنی خوشی ظاہر کرتے ہیں، لہٰذا اس طرح کی شرکت سے نئی دوکان خریدنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حصے کم وبیش ہونے کا مطلب اگر یہ ہے کہ ملکیت میں تو حصے بقدرِ مال ہوں؛ لیکن منافع میں کم وبیش ہوں، تو اگر تمام شرکاء پر عمل کی شرط رکھی گئی ہے، یا جس کے لیے منافع میں زیادہ حصہ تجویز کیا گیا ہے اس پر عمل کی شرط رکھی گئی ہے، تو درست ہے، اور اگر وہ شخص جس کا منافع میں زیادہ حصہ تجویز کیا گیا ہے، اس پر کوئی عمل شرط نہیں کیا گیا، یا اس کا مشروط عمل، دیگر شریک کے مقابلہ میں کم ہے، تو یہ درست نہیں ہے۔

(قوله ومع التفاضل فی المال دون الربح) ای بان یکون لاحدهما الف وللآخر الفان مثلاً، واشترطا التساوی فی الربح وقوله وعکسه ای بان یتساوی المالان ویتفاضلا فی الربح لکن هذا مقید بان یشترط الاکثر للعامل منهما او لاکثرهما عملاً اما لو شرطاه للقاعد او لاقلهما عملاً فلا یجوز کما فی البحر عن الزیلعی و الکمال قلت والظاهران هذا محمول علی ما اذا کان العمل مشروطا علی احدهما (شامی ۳/ ۳۷۳) والتفصیل فیه. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

پالنے کے لیے دی گئی بکری میں شرکت کا حیلہ

سوال: مسئلہ کی صورت یہ ہے، مثلاً: زید بکر کو ایک بکری پالنے کے لیے دیتا ہے دراں حالیکہ بکری کی قیمت بھی اسی وقت دوسو روپیہ متعین کر دیتا ہے، اور اس میں شرط

یہ ہوتی ہے کہ اس میں جو بھی منافع ہوگا اس منافع میں زید اور بکر نصف نصف حصہ دار ہوں گے، اب چند ایام کے بعد بکری بچہ دیتی ہے، اب اس وقت بکری کی قیمت پانچ سو روپیہ ہوجاتی ہے، اب بکری کی اصل قیمت دوسو روپیہ زید کو دے کر تین سو روپیہ میں نصف نصف زید اور بکر تقسیم کرتے ہیں، یہ تقسیم کرنا کیسا ہے جائز ہے یا نہیں؟

اور اسی طرح (مذکورہ بالا) شرط پر بکری وغیرہ کو پالنے کے لیے دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر ناجائز ہے تو اس کے جائز ہونے کے لیے کوئی حیلہ ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ طریقہ درست نہیں ہے؛ البتہ نصف بکری زید بکر کو فروخت کردے اور قیمت معاف کردے تو وہ نصف کا شریک ہوجائے گا، نصف بکری اس کی ہوگی، اور دودھ، بکری، بچے سب نصفا نصفی ہوں گے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۲۶۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شرکاء کی اجازت کے بغیر منافع میں تصرف درست نہیں

سوال: ہوٹل میں حاصل شدہ منافع جو ہزاروں کی رقم ہوتی ہے ذمہ دار شخص کے پاس رہتی ہے، وہ ذمہ دار اس کو فوراً تقسیم نہیں کرتا اور جب تک تقسیم نہیں کرتا تو اس رقم کو اپنے تصرف میں لاتا ہے، کبھی اس تصرف کی اجازت شرکاء سے لیتا ہے اور کبھی بلا اجازت کرتا ہے تو کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے؟

نوٹ: شرکاء کے درمیان پہلے سے تقسیم کا وقت مقرر ہوتا ہے اور تصرف کرنے والا (ذمہ دار) مقررہ وقت پر وہ رقم پیش بھی کردیتا ہے، یعنی تقسیم سے پہلے یہ

تصرف کرتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ذمہ دار یعنی ہوٹل چلانے والے کی حیثیت اجیر کی ہے یا مضارب کی، دونوں صورتوں میں وہ منافع والی رقم کو بلا اجازتِ شرکاء اپنے تصرف میں نہیں لاسکتا؛ اس لیے کہ وہ رقم اس کے پاس امانت ہے۔ کماھو مصرح فی کتب الحنفیۃ. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شرکاء میں سے کسی کا انتقال ہو تو بقیہ شرکاء کیا کریں؟

سوال: چار شرکاء میں سے ایک شریک کا انتقال ہو گیا اب.....

(الف) اس کے حصہ کو وارثینِ مرحوم کی طرف کس طرح منتقل کیا جائے۔

(ب) اگر حیات شرکاء مرحوم کا حصہ شرکت سے نکالنا چاہتے ہیں تو شرعاً ایسا کر سکتے ہیں؟ اس کی شکل کیا ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شرکاء میں سے ایک کے انتقال سے اس کے ساتھ جو شرکت عقد تھی وہ ختم ہو چکی، موجود شرکاء کی شرکت باقی ہے۔

(وتبطل الشركة) اى شركة (بموت احدهما) علم الآخر اولا لأنه عزل حكمي (درمختار) (قوله اى شركة العقد) اما شركة الملك فلاتبطل فلو كانوا ثلاثة فمات احدهم حتى انفسخت فى حقه لا تنفسخ فى حق

الباقین (شامی ۳/ ۳۸٤)

جب مرنے والے شریک کے حق میں شرکت خود بخود ختم ہو چکی تو اب بقیہ شرکاء کے لیے ضروری ہو گیا کہ جب تک اس کا حصہ الگ نہ کرلیں اپنی تجارت آگے نہ بڑھائیں اس کے لیے وہی طریقہ اختیار کرنا ہوگا جو کتب فقہ میں کتاب القسمۃ میں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مرحوم شریک کے حصے میں تصرف کرنا

سوال: ایک مشترک ہوٹل کا ذمہ دار زید ہے، جس کے اصل شرکاء میں سے بعض کا انتقال ہونے کی وجہ سے نابالغ اولاد حصہ دار ہوئے ہیں، زید ہوٹل میں سے مہمانوں کو کھلاتا ہے، للہ چندہ دیتا ہے، نفلی قربانی کرتا ہے، تو زید کے لیے شرعاً یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس شریک کا انتقال ہو گیا اس کی شرکت موت کی وجہ سے ختم ہو چکی۔

(وتبطل الشركة) اى شركة العقد (بموت احدهما) علم الآخر او لا (درمختار) (قوله اى شركة العقد) اما شركة الملك فلا تبطل، وقول الدرر وتبطل الشركة مطلقاً فالاطلاق فيه بالنظر للمفاوضة والعنان ط قلت: والمراد ان شركة الملك لا تبطل اى لا يبطل الاشتراك فيها بل يبقى المال مشتركا بين الحى وورثة الميت كما كان والا فلا، يخفى ان شركة الميت مع الحى بطلت بموته تامل (شامى ۳/ ۳۸٤)

اب جو تصرفات زید نے کیے ہیں اس کی ذمہ داری اس پر عائد ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ہوٹل چلانے والے کا چندہ دینا یا مہمانوں کو مفت کھلانا

سوال: ہوٹل کا ذمہ دار شخص ہوٹل میں مہمانوں کو مفت کھانا کھلاتا ہے اور چندہ والوں کو للہ کے مد سے چندہ دیتا ہے، مذکورہ چیزیں کبھی شرکاء کی اجازت سے دیتا ہے اور کبھی بلا اجازت، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شرکاء کی اجازت سے ہے تو درست ہے، اور اگر بلا اجازت ہے تو وہ خود ذمہ دار ہے یعنی اس پر ضمان واجب ہے۔

والاصل ان التصرفات فی المضاربة ثلاثة اقسام: قسم هو من باب المضاربة وتوابعها فيملكه من غيران يقول له اعمل ما بدا لك كالتوكيل بالبيع والشراء الخ (شامی ٤/ ٥٤١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ محرام الحرام ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مشترک رقم سے چندہ دینا درست نہیں ہے

سوال: زید کا کاروبار ایک غیر مسلم ہندو کے ساتھ شرکت میں ہے، دونوں اپنے مذہب کے لیے چندہ لینے آنے والوں کو مشترک رقم میں سے ایک دوسرے کی

رضامندی کی وجہ سے چندہ دیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ اس طرح مسلمان کا اپنی کمائی غیروں کے مذہب میں استعمال کے لیے دینا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست نہیں، دونوں کو چاہیے کہ اپنے اپنے حساب میں سے دیں۔ (امداد الفتاویٰ ۱۲۹/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سودی قرض لینے والے کے ساتھ عقدِ شرکت

سوال: دو آدمیوں نے مشترکہ کاروبار کیا، جن میں سے ایک حصہ دار نے اپنی حلال کمائی لگائی، اور دوسرے نے بینک سے سود پر رقم لے کر کاروبار میں لگائی، اس حصہ دار میں شریک اول کے لیے جس نے اپنی حلال کمائی کاروبار میں لگائی، کمائی درست ہے یا نہیں؟ نیز اس طرح کے شریک کے ساتھ شریکِ اول کے لیے حصہ داری کرنا درست ہے یا نہیں جب کہ دونوں مسلم ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس نے اپنی حلال کمائی کاروبار میں لگائی، اس کے لیے اپنے حصہ کے منافع درست ہیں؛ لیکن اس قسم کی شرکت سے احتراز لازم ہے۔

کما یفهم من الدر المختار وحاشیة رد المحتار للعلامة الشامی تحت قول الدر (و) انما (طاب للبائع ما ربح) فی الثمن الی ان قال الحرمة تتعدد

مع العلم بها الخ (الدر المختار على هامش الشامى ٤ /١٤٤،١٤٦) وتحت قوله: والبيوع الفاسدة فكلها من الربا، فيجب رد عين الربا لو قائما (٤/ ١٩٦،١٩٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایضاً

سوال: زید کا ایک دوست غیر مسلم مسمیٰ رمیش ہے، زید اپنے دوست رمیش کے ساتھ شرکت میں کاروبار کرنا چاہتا ہے؛ لیکن رمیش کے پاس رقم نہیں ہے؛ اس لیے وہ بینک سے سودی قرض پر رقم لاکر لگاتا ہے، زید کے لیے یہ حصہ داری جائز ہے، یعنی غیر مسلم سود پر رقم لاکر مسلمان کے ساتھ شرکت میں کاروبار کرنا چاہے تو زید مسلم کے لیے یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اس کا بھی وہی حکم ہے؛ البتہ اس میں شناعت کم ہوگی۔

لان مسئلة خطاب الكفار بفروع الشريعة مختلف فيه. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک بڑے خاندان کی مشترکہ جائداد کی تقسیم

سوال: ایک ماں باپ کی چار اولادیں ہیں: ① غلام رسول ② علی رضا ③ منظور احمد ④ ایوب احمد۔ یہ چاروں بھائی مشترکہ طور پر رہتے ہیں، رہائش اور کھانا پینا ایک ساتھ ہے، آبائی پیشہ زراعت ہے، اس کے علاوہ چاروں بھائی مختلف

کاموں میں لگے ہیں۔

① علی رضا پہلے سلائی (ٹیلرنگ) کا کام کرتے تھے، اور گھر میں مالک وہی تھے، لین دین ہر طرح کا انہیں کے ذمہ تھا۔

② غلام رسول بڑے بھائی ہیں وہ ڈرائیوری کا کام کرتے تھے، اس کے علاوہ دو بھائی منظور احمد وایوب احمد تعلیم حاصل کر رہے تھے، ایوب احمد نے کچھ دنوں بعد تعلیمی سلسلہ ختم کر دیا، اور منظور احمد کا تعلیمی سلسلہ جاری رہا، اور انہوں نے علی گڑھ سے ایم کام (M.COM) کیا، اور ایوب احمد آبائی پیشہ (زراعت) میں لگ گئے، کچھ دنوں بعد علی رضا ٹیلرنگ کے کام میں مسقط چلے گئے، اور وہ مدت تک مسقط میں تھے، اور غلام رسول ۷۷/۳/۱۰ کو دبئ گئے اور وہ ۸۴/۱/۱۵ تک ڈرائیوری کے کام میں دبئ رہے اس دوران بمبئ میں دو دکانیں خریدی گئیں، جن میں سے ایک دکان چھ لاکھ کی بک گئی ہے، اور ایک موجود ہے، منظور احمد ۱۹۸۰ء میں سعودی عرب گئے، اور اپنے دو بھائیوں (علی رضا وغلام رسول جو بالترتیب مسقط ودبئ چھوڑ کر گھر آچکے تھے) کو سعودی عرب بلا لیا، اور منظور احمد نے اپنے بیوی بچوں کو بھی سعودی بلا لیا، وہاں سعودی میں تینوں بھائی کمانے اور مشترکہ طور پر گھر پر چھوٹے بھائی ایوب احمد کو روپیہ بھیجنے لگے، یہ سلسلہ چلتا رہا، اور باہم کوئی نااتفاقی نہیں ہوئی، اور سارے معاملات مشترکہ نظام کے تحت چلتے رہے، کچھ دنوں بعد تینوں پردیسی بھائیوں: ① علی رضا ② غلام رسول ③ منظور احمد نے آپس میں یہ طے کیا کہ سعودی عرب کی آمدنی اور کمائی کا کوئی بھروسہ نہیں ہے، لہذا علی رضا کو انڈیا وطن بھیج دیا جائے، وہاں وہ ہمارے تعاون سے کوئی مشترکہ کاروبار شروع کریں، چناں چہ مذکورہ پروگرام کے مطابق علی رضا ہندوستان

آ کر سورت گئے، اور کافی جدو جہد کے بعد سورت میں نواب باڑی میں انہوں نے ڈیڑھ لاکھ کی پگڑی پر نواب سے ایک دکان خرید لی، اور تار واڑی سورت میں رہائش کے لیے ایک مکان خریدا اور رہنے لگے، دکان پر علی رضا اور چھوٹے بھائی ایوب احمد کام کرنے لگے، کچھ دنوں بعد ایک اور مکان نواب باڑی کے سامنے مسجد میں ڈیڑھ لاکھ کی پگڑی پر خریدا گیا، جو ایوب احمد کے نام ہے اور آج بھی ہے، یہ جائیداد خریدنے کے بعد علی رضا نے اپنے چھوٹے لڑکے شفیق احمد کو سورت بلا لیا، جو مشترکہ کاروبار میں لگ کر محنت کرنے لگا۔

چاروں بھائیوں کی اولاد کی تفصیل:

① غلام رسول کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے، دونوں کی شادیاں مشترکہ ملکیت سے ہوئی۔

② علی رضا کے چار اولادیں ہیں، تین لڑکے اور ایک لڑکی، ان کے دو لڑکوں شکیل احمد جس نے بی اے تک تعلیم حاصل کی ہے، اور شفیق احمد جو سورت کے کاروبار میں شریک ہے، ان دونوں کی شادیاں ہو چکی ہیں، مشترکہ ملکیت سے، علی رضا کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی ابھی چھوٹے ہیں، غیر شادی شدہ ہیں۔

③ منظور احمد کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں کل چار اولادیں ہیں، جن میں ایک لڑکی کی مشترکہ ملکیت سے شادی ہو چکی ہے، بقیہ دو لڑکے اور ایک لڑکی ابھی زیرِ تعلیم ہیں۔

④ ایوب احمد کے سات لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں، جس میں سے صرف ایک کی مشترکہ ملکیت سے شادی ہوئی ہے، بقیہ چھ لڑکے اور تین لڑکیاں غیر شادی شدہ ہیں۔

غلام رسول کا ایک لڑکا اور علی رضا کا ایک لڑکا دونوں ہم عمر ہیں، دونوں الٰہ آباد

میں ایک ساتھ پڑھتے تھے، انٹر تک پڑھنے کے بعد غلام رسول کا لڑکا تعلیم ترک کر کے سعودی عرب چلا گیا، اور اپنے والد و چچا کے ساتھ مشترکہ کاروبار میں لگ گیا، اس کے بعد علی رضا کا لڑکا بھی دو سال مزید الٰہ آباد تعلیم حاصل کرنے کے بعد سورت آ گیا، اور مشترکہ کاروبار میں شریک ہو گیا۔

ایوب احمد کے لڑکے شہنواز کو بھی غلام رسول و منظور نے سعودی عرب بلا لیا، وہ بھی تین سال تک وہاں مشترکہ کاروبار میں مصروف رہا۔

اسی طرح ۹۷/۱۲/۳۰ تک سبھی امور و معاملات مشترکہ تھے، اور سب بھائیوں اور ان کی اولادوں نے مل جل کر محنت کی اور کام کیا، یہ الگ بات ہے کہ کسی بھائی اور اس کی اولاد نے کم محنت کی کسی نے زیادہ کی، جیسا کہ عموماً مشترکہ خاندانی نظام میں ہوتا ہے۔

۳۰/دسمبر ۱۹۹۷ء کو جب ہمارے یہاں تقسیم (بٹوارہ) ہوئی تو تمام جائیداد میں شفیق احمد ولد علی رضا کو مساوی حصہ دیا گیا اور دلیل یہ دی گئی کہ چوں کہ وہ سورت میں بہت دنوں سے اپنے باپ کے ساتھ محنت میں شریک ہے اس لیے ان کا حق بنتا ہے، اور ستم بالائے ستم یہ کہ وہ جائیدادیں جو سورت میں شفیق احمد کے آنے اور شریک محنت ہونے سے پہلے خریدی گئی تھیں، اس میں بھی اس کو حصہ دیا گیا، مثلاً سورت میں شفیق احمد سے پہلے اسی ہزار کا ایک مکان ڈیڑھ لاکھ کی ایک دکان اور ڈیڑھ لاکھ کا ایک مکان خریدا گیا تھا بعد میں اسی ہزار والا مکان تین لاکھ میں بیچ کر شفیق احمد (بھتیجہ) کے نام ایک فلیٹ خریدا گیا۔

بمبئی میں ایک دکان چھ لاکھ میں بیچی گئی اس پیسہ سے بارہ لوم لگایا گیا، اس میں بھی مذکورہ بھتیجہ کا حصہ لگا دیا گیا، (۱۲ لوم کو بارہ لاکھ کی ملکیت مان کر بھتیجہ کا حصہ لگا)۔

تو از راہِ کرم مفتی صاحب یہ بتائیں کہ شرعاً کیا بھتیجہ کا حصہ لگانا صحیح ہے، اور اگر ایک بھتیجہ کا حصہ لگتا ہے تو کیا دوسرے بھتیجوں کا حصہ نہیں لگے گا، جنہوں نے کم یا زیادہ اپنی بساط بھر مشترکہ کاروبار میں محنت کی ہے۔

اور کیا یہ صحیح ہوگا کہ مذکورہ بھتیجہ شفیق احمد ولد علی رضا کو اس جائیداد میں بھی حصہ ملے گا جو اس کے کاروبار میں شریک ہونے سے پہلے خالص چاروں بھائیوں کی محنت کی کمائی ہے، اور جس سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ جس کی تفصیل میں نے اوپر بیان کی ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بھی واضح فرمادیں کہ مشترکہ ملکیت کے زمانہ میں جو چیزیں گھر میں گرہستی کی بنائی جاتی ہیں، مثلاً کباٹ، پلنگ، رضائی، فرنیچر، ٹیلی فون ۳/عدد وغیرہ اس کی تقسیم کیسے ہو؟

اور جو دکان بھائی کے ذمہ ہے اس میں بہت سی کمپنیوں کی ایجنسیاں ہیں، جس میں انہوں نے ڈپازٹ (زرِضمانت جمع کیا ہے) تو کیا اس زرِضمانت کی تقسیم نہ ہوگی، کمپنیوں کا اصول ہے کہ وہ سال میں مال کی خریداری کے حساب سے کمیشن دیتی ہیں، اس کا بٹوارہ کیسے کیا جائے۔

نوٹ: غلام رسول بڑے بھائی کا ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۷ء تک بینک آف بڑودہ میں ایک اکاؤنٹ تھا، جس کی پاس بک چھوٹے بھای ایوب احمد کے پاس تھی۔ وہی اس میں پیسہ جمع کرتے اور نکالتے تھے، غلام رسول کھاتہ کھلنے کے سال ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۷ء تک نہ اس بینک میں گئے نہ حساب کتاب کی تفصیل صحیح طور پر انہیں معلوم تھی۔ ۳۰/دسمبر ۱۹۹۷ء کو بٹوارہ کے تقریباً چار ماہ بعد غلام رسول کے مانگنے پر ایوب احمد نے جب پاس بک غلام رسول کو دیا تو اس میں سے ۲۵/اپریل ۱۹۸۸ء سے اپریل ۱۹۹۷ء

تک کوئی پیسہ نہیں نکالا گیا تھا، اور اس میں ایک لاکھ چورانوے ہزار (۱۹۴۰۰۰) موجود تھا، اس بارہ میں ایوب احمد کے علاوہ دوسرے دو بھائی کو علم نہیں تھا، اب جاننے کے بعد تمام بھائیوں کا کہنا ہے کہ اس میں بھی سب کو حصہ دیا جائے جب کہ دوسرے بھائیوں نے اپنے بینک بیلنس کی پوزیشن صاف نہیں کی ہے، اور نہ اس کا بٹوارہ کیا ہے، تو کیا تنہا غلام رسول کے بینک بیلنس کی تقسیم شرعاً منصفانہ ہوگی؟ شرعی حکم کیا ہے؟ وضاحت کے ساتھ بیان فرما کر ممنون فرمائیں اور ہمارے خلجان کو دور فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق اگرچہ شرکتِ عقد کا تحقق نہیں ہوتا ہے، لیکن جب یہ چاروں بھائی مشترکہ کاروبار کرتے رہے تو اب بٹوارہ میں چاروں کو مساوی حصہ ملے گا، علی رضا کا بیٹا شفیق احمد چوں کہ باپ علی رضا کے ساتھ ان کی عیالداری میں کام کرتا رہا، اس لیے اس کی الگ حیثیت شمار نہ ہوگی، بلکہ وہ اپنے باپ علی رضا کے تابع اور اس کا معین ومددگار شمار ہوگا، اس لیے اس مشترک جائیداد میں اس کو الگ سے مساوی حصہ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

كذا لو اجتمع إخوة يعملون في تركة أبيهم ونما المال فهو بينهم سويةً ولو اختلفوا في العمل والرأى اه وقدمنا أن هذا ليس شركة مفاوضة ما لم يصرحا بلفظها أو بمقتضياتها مع استيفاء شروطها ثم هذا في غير الابن مع أبيه لما في القنية الأب وابنه يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شيء فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله لكونه معينا له.

يقع كثيرا فى الفلاحين و نحوهم أن أحدهم يموت فتقوم أولاده على تركته بلا قسمة ويعملون فيها من حرث و زراعة و بيع وشراء واستدانة

و نحو ذلك، وتارة يكون كبيرهم هو الذي يتولى مهماتهم ويعملون عنده بأمره وكل ذلك على وجه الاطلاق (إلى أن قال) فإذا كان سعيهم واحدا ولم يتميز ما حصله كل واحد منهم بعمله يكون ما جمعوه مشتركاً بينهم بالسوية وإن اختلفوا في العمل والرأى كثرةً وصواباً الخ (شامی ۳/۳۷۰)

جو چیزیں مشترکہ کاروبار سے خریدی گئیں وہ بھی مشترک شمار ہوں گی، ان کی قیمت لگا کر تقسیم کا عمل کیا جائے۔

زرِ ضمانت جب واپس ملے گا اس وقت اس کی تقسیم کی جائے گی، دکان بھائی کے ذمہ ہونے کا مطلب اگر یہ ہے کہ ان کے حصہ میں گئی ہے تو اس دکان کی خریداری پر ملنے والے کمیشن کے حق دار وہ ہیں۔

غلام رسول کے اکاؤنٹ میں جمع رقم مشترکہ کاروبار سے حاصل شدہ ہے، اس کی بھی تقسیم کی جائے، اگر دوسرے بھائیوں کے بھی اسی طرح کے اکاؤنٹ ہیں، اور ان میں مشترکہ کاروبار سے حاصل شدہ رقم ہے تو انہیں چاہیے کہ وہ بھی اس کا اظہار کریں اور اس کی بھی تقسیم کریں ورنہ خیانت کے مرتکب کہلائیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سہکاری منڈلی اور دودھ کی بیع وغیرہ کے مسائل

سودی کاروبار کرنے والی سہکاری منڈلی میں شرکت

سوال: آج کل دیہاتوں میں بہت سے لوگ تھوڑی تھوڑی رقم جمع کر کے

کاروبار کے لیے ایک مشترکہ کمیٹی اجتماعی پیمانے پر بناتے ہیں اس کو سہکاری منڈلی کہتے ہیں، یہ منڈلی اہلِ دیہات کی کاشت وغیرہ کی ضروری اشیاء کی تجارت کرتی ہے؛ نیز سود پر نقد روپئے بھی قرض دیتی ہے، زراعت کا مال، سامان ادھار بھی مل جاتا ہے، (جس پر سود بھی دینا ہوتا ہے) سال کے ختم پر حساب کرکے نفع کی رقم ممبران کو تقسیم کردی جاتی ہے، سود میں حاصل شدہ رقم بھی نفع ہی میں شمار کی جاتی ہے، اس رقم کا جو ممبران (شیئرز ہولڈر) میں تقسیم کی جاتی ہے ڈیویڈنڈ نام رکھتے ہیں، جواب طلب امر یہ ہے کہ اس میں حصہ لینا شرعاً کیسا ہے، اس کا ممبر بننا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب یہ کمپنی لوگوں کو سود پر نقد روپئے قرض دیتی ہے، اور ادھار فروخت ہونے والے سامانِ زراعت پر بھی سود لیتی ہے، تو اس میں شرکت نہ کی جائے۔ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دودھ سہکاری منڈلی میں شرکت

سوال: گاؤں کے کچھ لوگ مل کر ایک کمپنی بناتے ہیں، جس کو سرکار میں رجسٹر بھی کرالیتے ہیں، اس کو دودھ سہکاری منڈلی کہتے ہیں، اور دودھ کی خرید وفروخت کا حسبِ ذیل طریقہ پر کاروبار کرتے ہیں:

دیہات والوں سے دودھ خریدتے ہیں اور ضلع کی بڑی ڈیری کو بیچ دیتے ہیں اس بیع میں حاصل شدہ نفع کی رقم کو بینک میں جمع کردیا جاتا ہے، بینک اس میں حسبِ

ضابطہ سود بھی جمع کرتی رہتی ہے، اور سال کے ختم پر حاصل شدہ نفع اس پر حاصل شدہ سود کی رقم کو ممبران میں تقسیم کر دیا جاتا ہے، اسی میں سے کچھ رقم منڈلی کے ہاتھ دودھ بیچنے والے غیر ممبر لوگوں کو بھی دیا جاتا ہے جس کا نام بھاؤ کی زیادتی رکھتے ہیں، اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ:

(الف) اس طرح کا کاروبار کرنا مسلمانوں کے لیے درست ہے؟

(ب) اس کے ممبر بننے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

(ج) اس منڈلی کے ہاتھ دودھ بیچنا جس کے کاروبار کی تفصیل کی گئی ہے شرعاً کیسا ہے؟

(د) اگر منڈلی کے ہاتھ دودھ فروخت کیا تو بھاؤ کی زیادتی کے نام دی گئی مذکور الصدر رقم کا لینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کمپنی کا کاروبار سود کا نہیں ہے؛ البتہ اس نے جو رقم بینک میں جمع کرائی، اور اس پر بینک کی طرف سے سود ملا، اس کی جتنی مقدار ممبر کے حصہ میں آئی ممبر کو چاہیے کہ اس کا صدقہ کر دے۔

(الف، ب) جب یہ کاروبار سودی نہیں ہے تو درست ہے، اور اس کی ممبری بھی درست ہے۔

(ج) اس کے ہاتھ دودھ بیچنا درست ہے۔

(د) کمپنی کے مالکان اپنی خوشی اور مرضی سے یہ رقم دے رہے ہیں تو لینا درست

ہے، یہ ان کی طرف سے انعام وعطیہ سمجھا جاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ جمادی الاخری ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دودھ کے فیٹ پر قیمت کا دارومدار

سوال: آج کل دودھ کی بیع عموماً اس طرح پر ہوتی ہے کہ خریدار جو عام طور پر سہکاری منڈلی ہوتی ہے، دودھ کے مالک لیٹر کے حساب سے ناپ کر، اس طرح سے نرخ مقرر کر کے دودھ لیتے ہیں کہ ہم تمہارے دودھ کو آلات کے ذریعہ سے جانچیں گے جس دودھ میں چربی کا حصہ (فیٹ) جتنا زیادہ ہوگا اس کا فی لیٹر بھاؤ اتنا ہی زیادہ ہوگا، مثلاً: اگر چھ فیٹ کا دودھ ہے تو فی لیٹر تین روپئے، اور سات فیٹ کا دودھ ہے تو فی لیٹر چار روپئے کے حساب سے، اسی طرح اگر چار فیٹ کا دودھ ہے تو دو روپئے فی لیٹر بھاؤ گنا جائے گا، بعد میں کبھی تو اس خریدار کے پاس دودھ موجود ہوتا ہے اسی وقت آلات سے دودھ کے فیٹ معلوم کر لیے جاتے ہیں، اور کبھی یہ خریدار ہر ایک کے دودھ کی مقدار ممتاز طریقہ سے الگ الگ فیٹ معلوم کرنے کے لیے رکھ کر بقیہ دودھ بڑی منڈلی کو بیچ دیتا ہے، اور وہ خرید کر لے کر چلے بھی جاتے ہیں، اس کے بعد اس دودھ کے فیٹ معلوم کیے جاتے ہیں، مذکورہ طریقہ پر بیع کرنا شرعاً درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس مجلس میں دودھ کی فروخت ہو رہی ہے، اسی مجلس میں بذریعۂ آلات دودھ کے فیٹ معلوم کر کے اس کی قیمت متعین کر دی جاتی ہے تو یہ معاملہ شرعاً درست ہے،

ورنہ قیمت کی جہالت کی وجہ سے بیع فاسد ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کوآپریٹیو سوسائٹیاں کسانوں کی وکیل ہیں

سوال: اس وقت کھیتی کا عام رواج تو گنّے کا ہے یا پھر کیلے کا، اس کے فروخت کا طریقہ یہ ہے کہ تاجر کیلے کو کاٹ کر لے جاتا ہے اور پھر سوسائٹی کی طرف سے جو قیمت طے ہو وہ ادا کی جاتی ہے، قیمت کی ادائیگی کا یہی طریقہ ہمارے یہاں مروج ہے چاہے کیلے کسی کمپنی کو دیے جائے یا پھر پرائیویٹ، آیا اس طرح کی بیع مفضی الی الفساد تو نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہمارے یہاں ''کوآپریٹیو سوسائٹیاں'' جو بنائی جاتی ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ چند کسان (ایک گاؤں یا تحصیل یا ضلع وغیرہ کے) مل کر ایک ادارہ قائم کرتے ہیں اور تمام ممبران اپنی کھیتی کی پیداوار (گنّا، کپاس، کیلے وغیرہ) ایک جگہ جمع کرتے ہیں، اور گنّے وغیرہ سے اس کا رس نکال کر اس کی شکر تیار کرتے ہیں اور آخر میں وہ شکر فروخت کی جاتی ہے اور گنّے کی کٹائی سے لے کر شکر فروخت ہونے تک کے مختلف مراحل میں جو مصارف ہوئے وہ تمام مصارف وضع کر کے بقیہ رقم ہر ایک کو اس کے گنّے کی مقدار کے بموجب تقسیم کر دی جاتی ہے، اس طرح کسان کو اپنی پیداوار کا معقول معاوضہ ملتا ہے، اور کسان تاجروں کے استحصال سے محفوظ رہتا ہے، اب گنے کی کٹائی سے شکر فروخت ہونے تک کا زمانہ طویل ہوتا ہے، اس درمیان کسان کو اپنی ضروریات کے

لیے رقم کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کو اس کے مال کے بقدر رقم علی الحساب دی جاتی ہے، آخر میں جب شکر فروخت ہوتی ہے اس کو قیمت طے کرنے سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس وقت ہر ایک کے حصہ میں اس کے مال کے بقدر جو رقم آتی ہے اس میں سے درمیان میں لی گئی رقم کاٹ لی جاتی ہے، اس لیے یہاں ثمن مجہول نہیں ہے اور یہ معاملہ درست ہے۔

''سوسائٹیاں'' خود کسانوں کے بنائے ہوئے ادارے ہیں، اور ان کے کارندے کسانوں کے وکیل ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ صفر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سہکاری منڈلی میں شرکت اور سہکاری ڈیری کا حکم

سوال: اجتماعی معاشی ترقی کے لیے باہم تعاون کا ایک طریقہ یہ ہے، کہ بہت سے لوگ اپنی اپنی رقم جمع کر کے ممبران میں سے منتخب ایک کمیٹی بناتے ہیں اس کو ہمارے علاقہ میں سہکاری منڈلی کہتے ہیں، یہ سہکاری منڈلی لوگوں کو بینک کے مانند سودی قرض بھی دیتی ہے، تجارت وغیرہ بھی کرتی ہے؛ لہٰذا کاشت کار اپنی مختلف اغراض کے لیے اور خود کاشت کے لیے بھی اس منڈلی سے قرض لیتا ہے، منڈلی جب کاشت کے لیے قرض دیتی ہے تو اس کے لیے کچھ شرائط بھی ہوتے ہیں مثلاً ① سود دینا ہوگا۔ ② فصل کا بیمہ کروانا ہوگا وغیرہ۔ بیمہ کی حقیقت یہ ہے کہ بیمہ کمپنی والے فصل کی حفاظت کی ذمہ داری اس طرح پر لیتے ہیں کہ کاشت کار کو ایک مقررہ رقم بالاقساط ''ہفتہ وار'' ایک مدت تک بیمہ کمپنی والوں کو دینا ہوتی ہے، اور بیمہ کمپنی والے اس لی ہوئی رقم کے عوض اس بات کی ذمہ داری لیتے ہیں کہ آسمانی یا زمینی کسی بھی بلا سے اگر کاشت ضائع ہو

تو بیمہ کمپنی والے کاشت کار کو مقرر رقم دیں گے، عموماً اس مقرر رقم کی مقدار کاشت کار کی ادا کی ہوئی رقم سے زیادہ ہوتی ہے، سوال طلب امر یہ ہے کہ.....

(الف) کاشت کار کے لیے اس طرح منڈلی سے قرض لینا صحیح ہے؟

(ب) اگر اس طرح قرض لے لیا اور فصل ضائع ہوگئی تو بیمہ کمپنی سے اپنی ادا کردہ رقم کی مقدار سے زیادہ رقم لینا درست ہے؟

(ج) بالفرض اگر بیمہ کمپنی والے کاشت کار کی جمع کردہ رقم سے کم مقدار رقم دیں تو لینا صحیح ہے؟

(د) اس طرح کی منڈلی قائم کرنا یا اس کا ممبر بننا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(الف) جائز نہیں۔

(ب، ج) جتنی رقم ادا کی ہے اتنی مقدار یا اس سے کم وصول کر سکتا ہے، زائد نہیں۔

(د) جب اس میں معاملات سود پر مبنی ہیں تو اس کا قیام اور اس میں شرکت دونوں ممنوع ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سہکاری منڈلی سے سودی قرض لینا حرام ہے

سوال: بعض لوگ سہکاری منڈلی سے جانور کے لیے لون لیتے ہیں یعنی سودی قرض جو سہکاری منڈلی مقروض سے مع سود قسط وار وصول کرتی ہے، اس طرح لون لینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ناجائز اور حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سہکاری منڈلی سے غیر سودی قرض لینا

سوال: سہکاری منڈلی جانور خریدنے کے لیے بعض مرتبہ بلاسود قرض دیتی ہے، تو اس طرح سہکاری منڈلی سے بلاسود قرض لینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرض میں دی جانے والی رقم اگر شرکاء کے سرمایہ کی ہے، تو بوقتِ ضرورت گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شیئرز کے مسائل

کمپنی کے شیئرز خریدنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین، شرعِ متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں جسے شیئر مارکیٹ کا کاروبار کہا جاتا ہے، اور جس کا طریقہ مندرجۂ ذیل ہے:

کوئی بھی کاروبار کرنے کے لیے بائع ومشتری، خرید وفروخت کرنے والے کو نفع ونقصان دونوں کا ذمہ دار بننا پڑتا ہے، بعینہٖ یہی صورت شیئرز ''حصص'' کے خرید و

فروخت کرنے والے کی ہوتی ہے، کسی بھی کمپنی کا شیئر دار جس طرح نفع حاصل کرتا ہے ویسے ہی کبھی نقصان بھی برداشت کرتا ہے، ہم یہاں آگے چل کر شیئر کی شکلوں سے بھی آگاہ کریں گے، یہ بھی آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ شیئر مارکیٹ دو طرح کے ہوتے ہیں:

① پرائمری مارکیٹ۔ ② سکنڈری مارکیٹ۔

① پرائمری مارکیٹ وہ ہے جس میں نئی کمپنیاں اور موجودہ کمپنیاں عوام کو براہِ راست شیئر الاٹ کرتی ہیں۔

② سکنڈری مارکیٹ یعنی ساتھ ہی موجودہ کمپنیوں کے شیئرز کی خرید وفروخت اسٹاک اکسچینج (جو ایک مرکز ہے اس) کی معرفت سے کیا جاسکتا ہے۔

شیئر مارکیٹ میں ایک فریق پیسہ لگاتا ہے تو دوسرے فریق کی محنت ہوتی ہے، اور نفع ہوتا ہے تو دونوں فریق آپس میں تقسیم کرتے ہیں، اور اگر نقصان ہوتا ہے تو دونوں برداشت کرتے ہیں۔

شیئرز کے کاروبار بڑے اعلیٰ پیمانہ کے ہوتے ہیں، ان کے بڑے منصوبے ہوتے ہیں، کسی بھی بڑے پروجیکٹ کو چلانے کے لیے سب سے پہلے بڑی رقومات کی ضرورت پڑتی ہے، اس کے لیے زیادہ معاونین کی ضرورت ہے جو عقلی ومالی طور پر اس کے ممد ومعاون ہوں۔ مثال کے طور پر پانچ آدمی مل کر ایک پروجیکٹ چلانے کے لیے آگے بڑھے آپس میں صلاح ومشورہ کیا کہ ہمیں ایک ٹیپ رکارڈ بنانے کا کارخانہ ڈالنا چاہیے، حساب کیا تو اس میں کل صرفہ ۱۰/ کروڑ لگ رہا ہے جو ایک بڑی رقم ہے ان لوگوں نے بڑی جدوجہد کی، دوستوں سے، احباب سے، کچھ ادھر ادھر سے کر کرا کر بڑی مشکل سے ایک کروڑ روپے جمع کر پائے کمپنی کھولنے میں سامان تیار

کرنے میں ۱۰/کروڑ کی لاگت لگ رہی ہے، ابھی نو کروڑ اور چاہیے کیوں کہ ایک کروڑ سے تو ان کی کمپنی نہیں چلے گی، پروجیکٹ تیار نہیں ہو پائیں گے، اب یہ پانچ آدمی جو بورڈ آف ڈائریکٹر کہلائیں گے جو اس کمپنی کے بانی کہلائیں گے یہ لوگ حکومت کی اجازت سے بنی اقتصادی تنظیمیں ہیں، جیسے: آئی ڈی بی آئی، آئی سی آئی سی آئی، آئی سی ایف سی، ایس سی آئی، سی آئی، ان کے پاس پہنچیں گے اور ان سے رابطہ قائم کریں گے ان سے کہیں گے کہ صاحب ہم ایک پروجیکٹ چلانا چاہتے ہیں ہمیں نو کروڑ روپیوں کی ضرورت ہے ہم ایک ٹیپ رکارڈ بنانے کی کمپنی ڈالنا چاہتے ہیں اس میں آپ ہماری مدد کیجیے یا تو نو کروڑ ہمیں قرض دیں یا آپ بھی کمپنی میں ہمارے ساتھ حصہ دار بن جائیں نفع ونقصان دونوں میں شریک رہیں، اگر نفع ہوگا تو نفع میں شرکت آپ کی ہوگی، اگر خدانخواستہ نقصان ہوا تو ہمارے ساتھ ساتھ آپ کو نقصان برداشت کرنا پڑے گا، یہ بات فائنٹس کمپنیوں سے ہوگی جو حکومت کی اجازت سے عمل میں آئی ہیں۔ اب وہ اقتصادی تنظیم ان پانچ آدمیوں کے حالات کا تنقیدی جائزہ لے گی کہ یہ لوگ اتنا بڑا پروجیکٹ چلانا چاہتے ہیں، ان میں اس کی صلاحیت ہے بھی کہ نہیں؟ یہ آگے چل کر اپنے مہم میں کامیاب ہو بھی سکتے ہیں کہ نہیں؟ ان کے ماضی میں کیا حالات رہے ہیں، مستقبل میں کامیابی کے آثار ہیں بھی کہ نہیں؟ ان ساری باتوں کا جائزہ لیں گے موازنہ کریں گے اگر وہ مطمئن ہو گئے، تب پیسے دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے، یا تو قرض کی شکل میں دیں یا ان لوگوں سے شیئر خریدیں؛ لیکن وہ قرض دیں یا شیئر خریدیں وہ نو کروڑ روپے نہیں دیں گے، بہت زیادہ سے زیادہ تعاون کر سکتے ہیں تو چار کروڑ روپے دینے کو تیار ہوں گے، یا دو کروڑ قرض دیں اور دو کروڑ کا شیئر خرید لیں

یا بہت کریں گے تو تین کروڑ قرض دیدیں، ایک کروڑ کا شیئر خرید لیں، یہ ناممکن بات ہے کہ پورا کا پورا نو کروڑ قرض دے دیں، اس طرح سے کر کے پانچ کروڑ جمع ہو گئے ایک کروڑ ڈائرکٹروں کے پاس سے اور چار کروڑ کمپنیوں سے، اب بھی پانچ کروڑ کی مزید ضرورت ہے کیوں کہ یہ جمع شدہ رقم اس پروجیکٹ کی بنیادی چیزوں میں ہی صرف ہوجائے گی، کچھ تعمیر میں خرچ ہوجائے گی اور کچھ مشینوں اور اس کے پارٹس خریدنے میں صرف ہوجائے گی وغیرہ وغیرہ۔ اگر یہ پیسہ ان سب چیزوں میں صرف کر دیا جاتا ہے تب بھی یہ لوگ اصل مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے۔ ٹیپ رکارڈ تیار کرنے کے لیے کچے مال کی ضرورت ہے اس میں اور ایسی چیزوں کی ضرورت ہے جس کے نہ ہونے سے یہ ٹیپ رکارڈ کلی طور پر تیار نہ ہو سکے گا، اب ان سے جو انتظام ہونا تھا وہ ہو گیا، جو مد ملنی تھی مل گئی پھر بھی ان کا پروجیکٹ تیار نہیں ہو رہا ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ یہ لوگ کہیں اور سے پیسے کا انتظام کریں تب حکومت کی اجازت سے بنی ایجنسی سیبی (SEBI) کے پاس جا کر اپنا معاملہ پیش کریں گے کہ: صاحب ہمیں باقی ماندہ پانچ کروڑ روپے عوام سے لینے کی اجازت دی جائے، سیبی (SEBI) ان کو اجازت دے دے گی کہ آپ اپنا پروجیکٹ چلانے کے لیے عوام سے مدد لے سکتے ہیں، اب اس کے لیے طریقۂ کار یہ ہوگا کہ یہ لوگ عوام کو اپنی کمپنی کا حصہ دار بنائیں گے اور ان کو شیئر دیں گے، اگر ۱۰/ روپے کا ایک شیئر ہے (شیئر کے معنی حصہ کے) تو پچاس لاکھ شیئرز بازار میں جاری کر دیئے جائیں گے، اس کا بذریعۂ اخبار اعلان کر دیا جائے گا، ۱۰ کے حساب سے پچاس لاکھ شیئرز کے پانچ کروڑ جمع ہو جائیں گے، فارم جاری کر دیا جائے گا، بینکوں کے نام دے دیے جائیں گے، وقت متعین کر دیا جائے گا کہ

تین روز کے اندر فلاں فلاں بینکوں میں اپنے اپنے پیسے جمع کرادیں جن کو شیئر خریدنا ہے، شیئر کے فارم پر بینکوں کے نام ہوں گے، اور طے شدہ تاریخیں ہوں گی ساتھ میں یہ بھی اعلان ہوجائے گا کہ مقررہ وقت سے قبل یا بعد میں کوئی فارم قابل قبول نہ ہوگا، فارم کے ساتھ ہی اس کے پروسپیکٹر ہوں گے، یعنی کس طرح کا پروجیکٹ ہے کون لوگ اس کے ڈائرکٹر ہیں، ان کے مؤسسین کی کیا اہمیت ہے؟ یہ کمپنی کیا بنارہی ہے، اس کے آگے کیا امکانات ہیں؟ کیوں کہ ہندوستان کے لوگ جب اس میں پیسے لگائیں گے تو اس کی پوری جان کاری چاہیں گے، بہت سوچ سمجھ کر اس میں قدم بڑھائیں گے، اس بارے میں جاننے والوں سے معلوم کریں گے یہاں تک کہ مطمئن ہوجائیں، شیئر دار یہ بھی جاننا چاہیں گے کہ ان ڈائرکٹروں کی ماضی میں کیسا کارگزاریاں رہی ہیں، اگر پہلے کوئی اور اشیاء بنانے کا کام کرتے تھے تو اب اس بڑے پروجیکٹ میں کامیاب ہوسکتے ہیں؛ اس لیے ان سے منافع کی امید کی جاسکتی ہے، شیئر خریدنے والا یہ بھی دیکھے گا کہ اگر یہ منافع بخش کمپنی چلانے جارہے ہیں تو اس کا منافع صحیح طور پر تقسیم کرسکتے ہیں کہ نہیں، وہ ہمارے ساتھ کیسا سلوک کریں گے؟ جب ان سب باتوں کی صحیح طور پر تصدیق ہوجائے گی، یعنی سب سے پہلے ان کی حیثیت، ان کا کیریکٹر، ان کے معاملات، ان کے ماضی حال کے حالات دیکھیں گے۔

دوسری چیز یہ دیکھی جائے گی کہ یہ جو چیز بنارہے ہیں اس کی مارکیٹ میں وقعت ہے؟ بازار میں اس کی مانگ ہے کہ نہیں، پھر اس کا تناسب کیا ہے؟ بازار میں کتنے کی ضرورت ہے اور کتنا بنارہے ہیں، پھر اس چیز کی باہر ملکوں میں کیا وقعت ہے، وہاں کتنی مانگ ہے؟ کیوں کہ جب یہ باہر ملکوں میں جائے گا تو اس کے زیادہ منافع کے امکانات ہیں،

ایک یہ کہ ایکسپورٹ والے مال پر ٹیکس بھی نہیں ہے، ایسی چیزوں میں زیادہ منافع کے امکانات ہیں، ایک امپورٹ سبسٹیٹیوٹ کہتے ہیں، یعنی جو چیز پہلے باہر بنا کرتی تھی اور ہندوستان میں آکر فروخت ہوتی تھی اب وہ ہندوستان میں بننے لگی اور یہاں بن کر یہیں فروخت ہوگی، یعنی پہلے وہ چیز ۱۰۰ / ڈالر میں آئی تھی جو یہاں تین ہزار میں پڑتی ہے، اب یہاں وہ چیز ایک ہزار میں نکل رہی ہے جو پندرہ سو کی بکے گی، دو ہزار کی بکے گی تو اس میں ہزار، پانچ سو کا فائدہ ہونے کا امکان ہے، اور چوں کہ پہلے سے کم میں مل رہی ہے تو اس میں زیادہ مارجن ہے، یہ سب کھلنے والی کمپنی کی مفید شکلیں ہیں۔

اور تیسرا یہ کہ ہندوستان میں بن کر ہندوستان میں ہی فروخت ہو تو اب دیکھا جائے گا کہ اس چیز کی کل ضرورت کتنی ہے اور کونسی کمپنیاں ہیں جو اسے تیار کر رہی ہیں، اور کس مقدار میں بنا رہی ہیں۔

فرض کیجیے کہ معلوم کرنے پر ہم نے تخمینہ نکالا کہ کل کمپنیاں مل کر ۷۰ / لاکھ پونٹ تیار کر رہی ہیں، اور مارکیٹ میں ضرورت ہے ایک کروڑ کی، اس کا مطلب ہے کہ ۳۰ / لاکھ پونٹ کی اور ضرورت ہے، تو اس میں فائدہ ہے اور اگر اس کے برخلاف ہے تو اس میں پیسہ لگانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، تو انویسٹر (جو پیسہ لگا رہا ہے) یہ سب چیزیں دیکھے گا اور یہ بھی دیکھے گا کہ آگے یہ کمپنی کتنا منافع دے سکتی ہے، اس منافع کے حساب سے آدمی طے کرے گا اور پھر اس کے بعد کسی فیصلہ پر پہنچے گا۔ کمپنی نے اپنی پوری جان کاری فارم کے ساتھ دے دی ہے، اپنا پروسپیکٹس دے دیا ہے اب اس کے بعد انویسٹر فیصلہ کن قدم آگے بڑھائے گا چوں کہ اس کے مؤسسین صحیح ہیں، اس کے ڈائرکٹرس بھی صحیح ہیں، کل ملا کر یہ پروجیکٹ قابل اطمینان ہے کمپنی کے سارے احوال

لوگوں پر پھیل گئے کہ یہ کمپنی جو چیز تیار کرے گی وہ مارکیٹ میں فروخت ہوجائے گی، اور منافع اچھا ہوگا اور کسی طرح کا کوئی خدشہ لاحق نہ ہوگا، اب ہوسکتا ہے کہ ہندوستان کے سرمایہ دار حضرات اس کی طرف متوجہ ہوں اور سپلائی کردیں۔ مقررہ مدت میں متعین شدہ بنکوں میں جو ہندوستان میں تقریباً ۳۰، ۳۵ ہیں، اپنے پیسے جمع کرنے شروع کردیں۔ فارم تو بہت زیادہ چھپوادیئے؛ مگر ان کو ضرورت تھی صرف پانچ کروڑ کی لوگوں نے دیکھا کہ یہ کمپنی بہت اچھی ہے، اس سے منافع کے امکانات زیادہ ہیں، کثیر تعداد میں لوگوں نے اپنی رقمیں جمع کرادیں، اور جب سارے بنکوں کا حساب کیا گیا تو پانچ کروڑ کے بجائے پچاس کروڑ آگئے، ضرورت ہے صرف پانچ کروڑ کی، اب تو عجیب معاملہ ہوگیا ہے پہلے پیسے ہی نہیں تھے اب پیسے ہی پیسے ہوگئے، تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم سارے پیسوں کا پروجیکٹ تیار کردیں، پروجیکٹ تو دس کروڑ کا ہی رہے گا، باقی رقم ہم انویسٹر کو معذرت کے ساتھ واپس کردیں گے، اور بذریعۂ ڈرافٹ چیک ان کے پاس رقمیں بھیج دی جائیں گی، اب جن لوگوں کا فارم اور سرمایہ روک لیا گیا ہے وہ کمپنی کے شیئر ہولڈر کہلائیں گے کیوں کہ انھوں نے ۱۰، ۱۰ روپے کے سو شیئر خرید لیے ہیں، یعنی ایک ہزار کا شیئر خرید لیا ہے یہ لوگ کمپنی کے حصہ دار ہوگئے کمپنی میں ان کا حصہ ہوگیا اور وہ اپنے حصہ کے کما حقہ مالک بن گئے، انھیں یہ بھی حق ہے کہ یہ اپنا شیئر کسی دوسرے آدمی کو فروخت کردیں یا اس کو برقرار رکھیں کیوں کہ شیئرز اِن کی ملکیت میں آگئے ہیں انھیں اپنے شیئرز کی خرید وفروخت میں کمپنی کی طرف سے کلی طور پر اجازت ہے۔

مثال سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے: آپ یوں سمجھیں کہ اپلائی کرنے والوں

میں عمر اور بکر بھی تھے، عمر کی اپلائی منظور ہوگئی اور بکر کی درخواست رد کردی گئی وغیرہ وغیرہ، اب بکر نے دیکھا کہ یہ کمپنی بہت اچھی ہے آگے چل کر اس کے منافع کے امکانات بہت زیادہ ہیں، جن کی اپلائی منظور کرلی گئی ہے انھیں منافع بہت ہوگا، تو ہم کیوں نہ عمر کے شیئرز خرید لیں، بکر صاحب عمر صاحب کے پاس پہنچے کہ صاحب آپ نے جو ۱۰/ روپے کے حساب سے ۱۰۰/شیئر ایک ہزار میں خریدے ہیں، آپ ہمیں ۱۲/ روپے میں دیدیں دو روپے منافع کے ساتھ، اب چوں کہ اس کمپنی کے بارے میں عمر صاحب کو جان کاری تھی کہ آگے چل کر اس سے زیادہ منافع ہاتھ آسکتا ہے؛ اس لیے انھوں نے صاف انکار کردیا کہ نہیں صاحب ہم اپنا شیئر دو روپے منافع پر بھی دینے کو تیار نہیں ہیں، ایک تیسرے صاحب زید کو معلوم ہوا کہ عمر کی اپلائی منظور ہوگئی وہ آئے اور کہنے لگے کہ: صاحب ہمیں اپنا شیئر ۱۵/ روپے کے حساب سے دیدیجیے؛ مگر عمر صاحب اپنا شیئر ابھی بھی نہیں بیچتے ہیں، عمر صاحب کے بارے میں ایک چوتھے شخص خالد کو معلوم ہوا وہ آکر بولے کہ: عمر صاحب آپ اپنا حصہ ہمیں ۲۵/ روپے کے حساب سے فروخت کردیں عمر صاحب نے دیکھا کہ چند دنوں میں ۱۵/سو کا منافع حاصل ہو رہا ہے، لاؤ بیچ ڈالوں، اور عمر صاحب اپنا شیئرز (حصص) فروخت کردیتے ہیں، ابھی کمپنی کا پروجیکٹ شاید شروع بھی نہیں ہوا ہوگا اور شیئر کا منافع ابھی سے ملنا شروع ہوگیا، توجہ طلب امر یہ ہے کہ بائع اپنی مملوکہ شئ کو فروخت کرسکتا ہے چوں کہ کمپنی سے ملے ہوئے شیئرز پر اس کا حق ہے وہ اس کا مالک ہے؛ اس لیے اس میں کلی طور پر تصرف جائز ہے، یہاں تک کہ ایک شیئر دار کو اتنا حق بھی حاصل ہے کہ اگر اس کی اکثریت ہم خیال ہے تو کمپنی کے ڈائرکٹر کو بھی بدل سکتے ہیں، پس اس طرح شیئر مارکیٹ میں نفع ہوتا ہے۔

اس کے برعکس دوسری صورت یہ ہے کہ عمر کو بعد میں پتہ چلا کہ یہ کمپنی آگے چل کر فیل ہوسکتی ہے یا منافع کے امکانات زیادہ نہیں ہیں اس کو آگے کی توقعات بہت کم ہیں، تو اس نے بکر سے کہا کہ: صاحب ہمارے شیئرز ۱۱ / روپے میں لے لیں، میں فروخت کرنے کے لیے تیار ہوں۔ کمپنی کے بارے میں بکر صاحب کو بھی معلومات تھیں کہ یہ کمپنی آگے چل کر کوئی خاص ترقی نہیں کرے گی، زیادہ منافع نہیں مل سکتا، اگر ہے بھی تو بہت کم ہے، بکر صاحب نے کہا کہ: میں ۹ / روپے میں آپ کا شیئر خرید سکتا ہوں، یہاں ایک روپیہ کے حساب سے ۱۰۰ / روپے کا نقصان عمر صاحب کو ہو رہا ہے؛ اس لیے ان سے اپنا شیئر فروخت نہ کر سکے، خالد صاحب کے پاس گئے اور اپنا شیئر فروخت کرنے کی بات کی تو خالد صاحب نے کہا کہ میں ۵۰ / ۹ (نو روپے پچاس پیسے) میں آپ کے شیئر خرید سکتا ہوں، اور عمر صاحب نے پچاس پیسے کے نقصان سے ان کے ہاتھ فروخت کر دیئے، اس طرح سے عمر صاحب کو شیئر مارکیٹ کی دنیا میں ۵۰ / روپے کا نقصان ہوا، تو شیئر مارکیٹ میں نفع ہوتا ہے اور نقصان بھی۔ جہاں نفع ہوتا ہے وہیں آئے دن نقصان بھی برداشت کرنا پڑتا ہے؛ لہذا شیئر دار نفع و نقصان دونوں کا مالک ہوتا ہے۔

سکنڈری مارکیٹ:

ہم بتا چکے ہیں کہ پرائمری مارکیٹ میں نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی ہوتا ہے، اور یہ کیسے ہوتا ہے یہ بھی بتا چکے ہیں؛ نیز آپ ان کی مختلف شکلوں کو ذہن نشین کر چکے ہیں۔ ہم اس کو تمثیلی طور پر بھی آگے بتائیں گے کہ شیئر دار آپس میں اپنے شیئر کی خرید و فروخت کیسے کرتے ہیں، اور وہاں ایک صورت میں عمر کو پندرہ سو کا منافع ہوا تھا، اور دوسری صورت میں عمر صاحب کو پچاس روپے کا نقصان برداشت کرنا پڑا تھا۔

یہ سب صورتیں اس وقت ممکن ہیں جب کہ بائع اور مشتری ایک دوسرے سے متعارف ہوں؛ لیکن سکنڈری مارکیٹ میں بسا اوقات ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کمپنی نے پچاس لاکھ کا شیئر الاٹ کردیا، اور پورے ہندوستان میں اس کی تشہیر ہوگئی اور ہندوستان کے مختلف مقامات کے باشندوں نے خرید لیا، تو اب اس صورت میں شیئر ہولڈر کے بارے میں جانکاری غیر ممکن ہے یہاں تک کہ زید، عمر، بکر کسی کو بھی پتہ نہیں کہ اس کمپنی کے شیئر کن کن لوگوں نے خریدے ہیں، تو اس چیز کو ریگولیٹ کرنے کے لیے، اس کا نظم وانتظام کرنے کے لیے حکومت کی طرف سے اسٹاک اکسچینج کا قیام عمل میں آیا، وہاں کچھ لوگوں کو حکومت نے لائسنس دیا، جنھیں کارڈ کہا جاتا ہے کہ وہ لوگ انویسٹر کی جانب سے کاروبار کرسکتے ہیں، یعنی اسٹاک اکسچینج میں جاکر ہر آدمی کاروبار نہیں کرسکتا کیوں کہ یہ پتہ نہیں لگ سکتا ہے کہ عمر صاحب کا جو شیئر آیا ہے یہ انھیں کی ملکیت ہے یا کوئی دوسرا اس کا مالک ہے، جہاں ۸۰ / ۹۰ کروڑ کی آبادی ہے وہاں بلا واسطہ ایک دوسرے کو پہچاننا بہت مشکل ہے، تو اس کا طریقۂ کار حکومت نے یہ نکالا ہے کہ اسٹاک اکسچینج میں جو کارڈ ہولڈرز ہیں، جو لائسنس ہولڈر ہیں وہاں کی زبان میں انھیں بروکر کہا جاتا ہے، اگر کسی صاحب کے پاس کوئی شیئر ہے اور وہ فروخت کرنا چاہتے ہیں تو انھیں ان بروکرز سے رابطہ قائم کرنا ہوگا۔ فرض کیجیے ہمارے نام کوئی شیئر ہے اور ہم بمبئی اسٹاک اکسچینج کی معرفت فروخت کرنا چاہتے ہیں تو اب وہاں کے جو بروکرز ہیں ان سے تعلق کرنا ہوگا کہ صاحب ہمارے شیئر فروخت کرادیں، مثلاً ہمارے پاس ریلائنس کمپنی کے ۱۰۰ / شیئر ہیں، ہم اس کو فروخت کرنا چاہتے ہیں، یہ بات ہم بروکر سے کہیں گے، وہ بروکر ہم سے واقف ہوگا، ہمارے پچھلے بیک گراونڈ

سے جان کاری رکھتا ہوگا، اس کو یہ بات معلوم ہوگی کہ اس شیئر کے مالک یہی ہو سکتے ہیں تب وہ جا کے آگے کام کرے گا، اسٹاک اکسچینج کا جہاں کاروبار ہوتا ہے اسے ٹریڈنگ رنگ کہا جاتا ہے، وہاں کا وقت متعین ہے اس متعین وقت میں اس رنگ میں پہنچے گا، اور بروکر یہ کوشش کرے گا کہ ریلائنس کے شیئر کو فروخت کر دے، اسی طرح ممکن ہے مدراس کے کسی صاحب نے بروکر سے کہا ہو کہ ہمارے لیے ریلائنس کے ۱۰۰/شیئر خرید دیجیے، تو اس کا بروکر بھی اس رنگ کے اندر موجود ہوگا، اور دونوں آپس میں سودا کر لیں گے، ہمارا بروکر ہماری جانب سے کاروبار کرے گا، اور مدراس کا بروکر ان کی جانب سے کاروبار کرے گا۔ فرض کریں کہ ہمارے بروکر نے ۲۷۰/روپے میں ہمارا ریلائنس کا شیئر فروخت کر دیا اور دوسرے بروکر نے خرید لیا، ہم اپنے بروکر کے ذریعہ اپنے سرٹیفکیٹ اسٹاک اکسچینج میں پہنچا دیں گے، اور دوسرا بروکر اسی اسٹاک اکسچینج کی معرفت سرٹیفکیٹ حاصل کرے گا، اسٹاک اکسچینج اس بروکر سے پیسے لے کر ہمارے بروکر کو دے دے گا، اس طرح ہمارا بروکر شیئر کے پیسے لے کر ہم تک پہونچا دے گا اور دوسرا بروکر شیئرز لے کر دوسرے ہولڈر تک پہنچا دے گا، اس طرح یہ کاروبار مکمل ہو جائے گا، اس صورت میں بھی نفع و نقصان ہو سکتا ہے۔

مثلاً خالد نے جس کمپنی کا شیئر ۲۵/روپے میں خریدا تھا، اور اخبار کے ذریعہ یا کسی بھی ذرائع ابلاغ سے پتہ چلا کہ حکومت نے اس کمپنی کے ٹیکس میں کمی کر دی ہے ٹیکس پہلے بیس فیصد تھا اب دس فیصد کر دیا ہے، ٹیکس کی کمی سے منافع کے امکانات زیادہ بڑھ جاتے ہیں، اب اس کمپنی کے شیئر کے خریدار بڑھ جائیں گے، یعنی ۲۵/کا شیئر ۳۰/میں بکے گا، ۳۵/میں بکے گا، خریدار زیادہ ہو جائیں گے اور فروخت

کرنے والے کم ہوں گے؛ لہذا خالد صاحب نے اپنے علاقہ کے بروکر سے کہا کہ صاحب ہمارا شیئر فروخت کرادیں، اور خالد کا شیئر ۳۵/ روپے میں کسی بروکر نے خرید لیا ہے اس طرح خالد کو ۱۰/ روپے منافع کے حساب سے ۱۰۰ شیئر میں ایک ہزار کا منافع ہوگیا، تو یہ صورت نفع کی ہے، اور اس کے برعکس اخبارات کے ذریعہ پتہ چلا کہ اس کمپنی کے مقابلہ میں کوئی اور بڑی کمپنی آرہی ہے جس کے پروجیکٹ بڑے ہیں اور زیادہ مقدار میں مال تیار کرے گی لہذا اس میں فائدہ کے امکانات زیادہ ہیں، اب اس کمپنی کے جو شیئر دار ہیں وہ اپنے شیئر فروخت کرنا شروع کردیں گے، اس صورت میں فروخت کرنے والے زیادہ ہوں گے اور خریدنے والے کم، اس لحاظ سے اس کمپنی کے شیئر کی قیمت گھٹ جائے گی۔ مثال کے طور پر جس کے شیئر ۲۵/ روپے کے تھے، اب ۲۰/ روپے کے ہوجائیں گے، اور خالد بھی اپنے شیئرز کو اپنے بروکر کے ذریعہ اسٹاک اکسچینج کی معرفت ۲۰/ روپے میں فروخت کردے، اس لحاظ سے پانچ روپے فی شیئر کے حساب سے سو شیئر میں پانچ سو روپئے کا نقصان ہوجائے گا، تو اسٹاک اکسچینج کی معرفت کاروبار میں بھی نفع ونقصان ہوتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کے کاروبار میں جس کو شیئر مارکیٹ کہا جاتا ہے شامل ہونا کیسا ہے؟ اس طرح کے کاروبار کرسکتے ہیں کہ نہیں؟

ازراہِ کرم مدلل جواب مرحمت فرمانے کی زحمت گوارہ فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی کمپنی کے شیئرز ابتداء میں جاری ہورہے ہوں اس وقت ان کو ایک شرط کے ساتھ لینا جائز ہے، وہ یہ کہ وہ کمپنی کوئی حرام کاروبار شروع نہ کررہی ہو؛ اس لیے اگر

کسی حرام کاروبار کے لیے وہ کمپنی قائم کی جارہی ہے تو اس کمپنی کے شیئرز لینا کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ کمپنی جب مکمل طور پر قائم ہوچکی اور ایک مرتبہ اس کمپنی کے تمام شیئرز سبسکرائب ہوگئے اس کے بعد جب اس کمپنی کے شیئرز کا اسٹاک مارکیٹ میں لین دین ہوگا وہ حقیقی معنی میں شیئرز کی خرید وفروخت ہے؛ اس لیے جو آدمی اسٹاک مارکیٹ سے شیئرز خریدنا چاہتا ہے اس کے لیے یہ سودا چار شرائط کے ساتھ درست ہوگا۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ کمپنی حرام کاروبار میں ملوث نہ ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اس کمپنی کے تمام اثاثے اور املاک سیال اثاثوں یعنی نقد رقم کی شکل میں نہ ہوں، بلکہ اس کمپنی نے منجمد اثاثے حاصل کرلیے ہوں، مثلاً: بلڈنگ بنالی ہو، یا زمین خرید لی ہو، لہذا اگر اس کمپنی کا کوئی فکسڈ اثاثہ وجود میں نہیں آیا تو اس صورت میں اس کمپنی کے شیئرز کو اس کی لکھی ہوئی قیمت (فیکس ویلیو) سے کم یا زیادہ میں فروخت کرنا جائز نہیں بلکہ برابر سرابر خریدنا ضروری ہے؛ اس لیے کہ جتنے لوگوں نے اس کمپنی میں اشتراک کیا ہے ان کی اشتراک کردہ رقم سے ابھی تک کوئی سامان نہیں خریدا گیا اور نہ اس سے کوئی بلڈنگ بنائی گئی، نہ کوئی مشین خریدی گئی اور نہ ہی کوئی اور اثاثہ وجود میں آیا، بلکہ ابھی تک وہ تمام پیسے نقد کی صورت میں ہیں، تو اس صورت میں دس روپے کا شیئر دس روپے ہی کی نمائندگی کررہا ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے دس روپے کا نوٹ دس روپے کی نمائندگی کرتا ہے، لہذا جب دس روپے کا شیئر دس روپے ہی کی نمائندگی کررہا ہے تو اس صورت میں اس کو گیارہ روپے میں یا نو روپے میں خریدنا یا فروخت کرنا جائز نہیں؛ لیکن اگر کمپنی کے کچھ اثاثے منجمد شکل میں ہیں تو اس صورت میں دس روپے کے اس شیئر کو کمی یا زیادتی پر فروخت کرنا جائز ہے؛ لیکن اگر کسی وقت

نقد رقم اور واجب الوصول قرضہ دس روپیے سے زیادہ ہوجائے تو اس صورت میں دونوں مجموعی مقدار سے کچھ زیادہ میں وہ شیئر فروخت ہوسکتا ہے اس سے کم میں نہیں۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ شیئر ہولڈر اس کمپنی کے اندر سودی کاروبار کے خلاف آواز ضرور اٹھائے اگرچہ اس کی آواز مسترد ہوجائے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ جب منافع تقسیم ہو تو وہ شخص آمدنی کی تفصیلات سے یہ معلوم کرلے کہ آمدنی کا کتنا فیصد حصہ سودی ڈپازٹ سے حاصل ہوا ہے، تو اب یہ شخص اپنے نفع میں سے اتنی مقدار بلانیت ثواب صدقہ کردے۔ (اس سلسلہ میں کچھ تفصیلات امداد الفتاوی، فقہی مقالات وغیرہ میں موجود ہے) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ

بینک اور کارخانہ کے شیئر لینا

سوال: بینک کے شیئر لینا کیسا ہے؟ اور کارخانہ سے جو شیئر حاصل کیے جاتے ہیں ان کا حکم کیا ہے؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کے شیئر لینے کے بارے میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ''امداد الفتاوی'' میں تحریر فرماتے ہیں: واقعات اور احکام میں غور کرنے سے حقیقت اس معاملہ میں یہ معلوم ہوتی ہے کہ جو لوگ ایسے بینک میں روپیہ جمع کرتے ہیں وہ اس دکان دار کے شریک، یعنی بینک کے حصہ دار نہیں بلکہ اس دکان دار کو قرض دیتے ہیں اور وہ اس قرض پر سود دیتا ہے۔ (امداد الفتاوی ۳/ ۴۸۷)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ سود ملتا ہے جو شریعت میں حرام ہے لہٰذا بینک سے شیئر لینا جائز نہیں۔

کارخانہ کے شیئر لینے کے بارے میں ''امداد الفتاویٰ'' میں ہے کہ: ''حقیقت اس معاملہ کی شرکت ہے یعنی متعدد حصہ دار اپنا سرمایہ جمع کر کے تجارت کرتے ہیں اور جو اس سے نفع ہوتا ہے وہ باہم تقسیم کرتے ہیں۔ الخ۔ اور کارکنان کمپنی تمام کاروبار میں ان حصہ داروں کے وکیل ہیں۔ اھ'' (امداد الفتاوی ۳/۴۹۰)

اس لیے اگر وہ کمپنی جائز کاروبار کرتی ہے تو اس کارخانے کا شیئر لینا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی کاروبار کرنے والی کمپنی کے شیئرز خریدنا

سوال: ①بڑی بڑی کمپنیوں کے شیئرز (حصے) لوگ خریدتے ہیں، کمپنی کاروبار کرتی ہے اور حکومت سے لون بھی لیتی ہے جس کا سود بھی ادا کرتی ہے، بعض دفعہ کمپنی خود بھی دوسروں کو سود پر رقم قرض دیتی ہے، تو کیا ایسی کمپنیوں سے شیئرز لینا شرعاً درست ہے؟

②ایک کمپنی ایسی ہے جو کاروبار کرتی ہے؛ لیکن سود پر رقم قرض نہیں دیتی؛ البتہ سال بھر ہر ماہ جو نفع حاصل ہوتا ہے اس کو بینک میں جمع کر دیتی ہے، سال کے ختم پر وہ رقم جس میں سود بھی شامل ہوتا ہے حصہ داروں کو تقسیم کر دی جاتی ہے، تو ایسی کمپنی کے ممبر بننا شرعاً درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② جن کمپنیوں کا ذریعۂ آمدنی ہی سود ہے یعنی اس کا منافعہ سود ہی سے حاصل ہوتا ہے تو ایسی کمپنیوں کے حصص خریدنا درست نہیں ہے؛ لیکن اگر اس کا ذریعۂ آمدنی سود نہیں ہے؛ بلکہ پیداوار یا اجرت ہے؛ لیکن اس میں کچھ معاملات سودی بھی ہوجاتے ہیں، تو اس کے منافع میں حرمت نہ ہوگی، جب کہ کمپنی قائم کرنے والے کافر ہوں؛ البتہ کفار کی کمپنیوں میں شرکت خود مکروہ ہے، جیسا کہ مبسوط کے قول سے معلوم ہوا۔ اگر مسلمانوں کی کمپنیاں بھی سودی لین دین کرتی ہوں جیسا کہ آج کل غالب یہی ہے، تو کفار کی کمپنیوں کی شرکت، مسلم کمپنیوں کی شرکت سے اہون ہے۔ (ماخوذ از امداد الفتاویٰ ۳/۴۹۷) والبسط فیه. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شیئرز کی خرید وفروخت کرنا

سوال: شیر بازاری میں شرکت درست ہے یا نہیں؟ عرف میں یہ بھی تجارت گردانا جاتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جائز اشیاء بنانے والی کمپنی (مثلاً کپڑا، بجلی، موٹر) کے شیر خریدنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ شوال ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

لمیٹیڈ کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت

سوال: آج کل جو بھی لمیٹیڈ کمپنی خواہ وہ صنعتی ہو تجارتی ہو یا کاروباری ہو، اور ساتھ ہی وہ جائز چیزیں بناتی ہو یا خرید وفروخت کرتی ہو، تو اس کے شیئرز کی خرید وفروخت کس حد تک جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جائز اشیاء بنانے والی اور جائز اشیاء کی تجارت کرنے والی کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی لین میں ملوث جائز اشیاء بنانے والی کمپنی کے شیئر

سوال: یہ یاد رہے کہ لمیٹیڈ کمپنی بینک سے سودی لین دین بھی کرتی ہے اور ساتھ عوام کے بھی روپے شیئرز کے ذریعہ حاصل کرتی ہے، اور خود کمپنی سرمایہ بھی اس میں ہوتا ہے تو اس طرح کی capital والی کمپنی جس میں سودی لین دین کم وبیش وجود میں آجاتا ہو تو اس کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو ایسے خرید وفروخت سے ہونے والی آمدنی میں کچھ کراہت بھی ہوسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شیئر ہولڈر کمپنی کے ذمہ داران کو مطلع کردے کہ وہ سودی معاملہ نہ کریں، اس

طرح وہ اپنے آپ کو اس کی ذمہ داری سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سودی قرض لینے والی کمپنی کے شیئرز خریدنا

سوال: ایک کمپنی ایک کروڑ روپئے کے سرمایہ سے کارخانہ چلاتی ہے، جس میں بیس یا پچیس لاکھ کے شیئرز نکالتی ہے، اور باقی روپیہ بینک سے قرض لیتی ہے، شیئر والوں کی رقم چند سالوں میں دس گنی ہوجاتی ہے، یہ رقم لینا صاحب شیئر کے لیے جائز ہے یا نہیں؟ اور خود استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس کارخانہ کی پیداوار جائز اشیاء کی ہے، اور وہ کمپنی سود لیتی نہیں ہے تو صاحب شیئرز کے لیے اس رقم کا استعمال درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کمپنی کے شیئرز خریدنا

سوال: کچھ کمپنی کے شیئر (share) ملتے ہیں، خرید سکتے ہیں یا نہیں؟ کمپنی خود سودی قرض بینک سے لیتی ہو، سود کا لین دین ہوتا ہے، ایسی کمپنی کے شیئرز خریدنے میں قباحت ہے؟ نیز ایسے خرید کے دام اچھے ملنے پر فروخت کرنا یہ تجارت کیسی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جائز اشیاء بنانے والی کمپنی کے شیئرز خریدنا اور خریدنے کے بعد منافع لے کر فروخت کرنا جائز ہے، اور ناجائز اشیاء (مثلاً شراب، ٹی وی وغیرہ) بنانے والی کمپنی یا سود لے کر کمائی کرنے والی کمپنی کے شیئرز خریدنا جائز نہیں ہے، کمپنی نے حکومت سے سودی قرض لیا ہے، اس میں اس کے ذمہ داروں کو سود ادا کرنا ہوتا ہے، اس میں اگر شیئر ہولڈر، ذمہ داران کمپنی کو یہ بتلادیں کہ آپ ایسا نہ کریں (اگرچہ وہ اس پر عمل کرنے والے نہیں ہیں) تو اس کی ذمہ داری سے شیئر ہولڈر بری ہوجائے گا، اس لیے احتیاط اس میں ہے کہ قدیم کمپنیاں جن کو اب سودی قرض لینا نہیں پڑتا، ان کے شیئر خریدنے پر اکتفاء کرے۔ (کما یستفاد من امداد الفتاوی ۳/۴۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ربیع الاولی ۱۴۱۲ھ

کمپنی کے شیئرز کی خرید وفروخت

سوال: (۱) کوئی بھی کمپنی جو حلال کام کرتی ہے اس کا شیئرز خریدنا اور بیچنا جب کہ اس کمپنی کے نقصان اور نفع میں ہم برابر کے شریک ہیں، کیسا ہے؟

(۲) اگر کسی نے سونا وچاندی خرید کر پورا پیسہ ادا کردیا، اور کاغذ پر دستخط بھی کردیا، تو کیا وہ شخص کمپیوٹر کے ذریعہ خرید کر کاغذی حق حاصل کرنے کے بعد عین سونا وچاندی کو قبضہ کئے بغیر فروخت کرسکتا ہے یا نہیں؟ کیا حقیقی قبضہ ضروری ہے؟

(۳) تانبا، پیتل، المونیم، گڑ، شکر اور ہلدی؛ وغیرہ خرید کر پورا پیسہ دیکر کاغذی حق بذریعہ کمپیوٹر لیکر خریدنا اور بیچنا یا تجارت کرنا کیسا ہے؟ جب کہ وہ نفع اور نقصان میں

برابر شریک ہیں؛ نیز اشیاء منقولہ کی خرید وفروخت قبضہ کیے بغیر درست ہے یا نہیں؟ کیا اس میں بھی حقیقی قبضہ ضروری ہے یا حکمی قبضہ کافی ہے؟ اسی کاروبار کے بارے میں لوگوں کو مشورہ دینا کہ کون شیئر کہاں خریدنا ہے اور کہاں فروخت کرنا ہے تاکہ فائدہ ہو شرعاً کیا حکم ہے؟

④ معلوم ہوا کہ ہر شیئر کمپنی کو بطور سیکورٹی گورنمنٹ میں رقم جمع کروانی پڑتی ہے، اور اس پر سود بھی ملتا ہے تو کیا رقم جمع کرنا اور سود لینا درست ہے یا نہیں؟

⑤ میں نے شیئر کے کاروبار کے لیے اپنا ویب سائٹ تیار کروایا ہے، اخباروں میں اس کا اشتہار آتا ہے، اس وجہ سے لوگ مجھ سے رابطہ قائم کر کے مشورہ لیتے ہیں اور اس کا مجھے معاوضہ ملتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اگر کمپنی کا اصل کاروبار حلال ہے؛ مگر اس کے ساتھ ضمنی طور پر سودی لین دین بھی کرتی ہے، مثلاً بینک میں پیسہ رکھ کر سود بھی حاصل کرتی ہے، اور اسے حلال نفع میں شامل کرتی ہے (آج کل شاید ہی کوئی کمپنی اس سے محفوظ ہو) تو ایسی کمپنی نے ابتداءً جو شیئرز جاری کیے انہیں دو شرطوں سے خریدنا جائز ہے:

[۱] شیئرز خرید کر اس کمپنی کا حصہ دار (شیئر ہولڈر) چوں کہ اس سودی معاملہ میں کمپنی کا معاون ومددگار بن رہا ہے، اور اس کا پیسہ بھی اس گناہ میں استعمال ہو رہا ہے، لہٰذا اس پر واجب ہے کہ اپنی استطاعت کے بقدر اس کمپنی کے شرکاء کے سالانہ اجلاس میں سود کے خلاف آواز ضرور اٹھائے یا کم از کم ہر مرتبہ کے اجلاس میں ایک بار اس بات کا اظہار ضرور کرے کہ وہ اس سودی معاملہ پر راضی نہیں، یا ای میل کے ذریعہ سے کمپنی

کو خط لکھا کرے کہ کمپنی سودی لین دین یکسر ختم کردے، اگرچہ اس کی رائے اور آواز پر کان نہ دھرا جائے؛ مگر یہ اپنا فرض ادا کرتا رہے۔

[۲] شیئرز ہولڈر کمپنی کے ویب سائٹ پر انکم اسٹیٹمینٹ کے ذریعہ یہ جاننے کی کوشش کرے کہ اس کمپنی نے کل نفع میں سے کتنے فیصد سود کی مد میں حاصل کیا ہے؟ چناں چہ شیئر ہولڈر نفع وصول کرنے کے بعد اپنے حصہ کے تناسب سے اپنے نفع میں سے سودی نفع کے بقدر رقم فقراء پر بلانیت ثواب صدقہ کردے، اگر سودی نفع کی مقدار کے بارے میں تحقیق وجستجو کے باوجود بھی علم نہ ہوسکے، تو اندازہ سے رائے قائم کرے اور جتنی مقدار کا گمان غالب ہو، وہ صدقہ کردے۔

یہ شرائط تو اس شخص کے بارے میں تھیں جو کمپنی کی طرف سے جاری کردہ شیئرز اس سے براہ راست لے کر گھر بیٹھے نفع حاصل کرنا چاہتا ہو؛ البتہ جب کمپنی ایک مرتبہ تمام شیئرز جاری کردے، اور اب کوئی شخص ان کی خرید وفروخت کے ذریعہ نفع کمانا چاہتا ہے تو اس کاروبار کے جواز کے لیے مزید تین شرطیں ہیں:

[۱] کمپنی نے شیئرز کے ذریعہ حاصل ہونے والی رقم سے کچھ خام مال یا عمارت وغیرہ خرید لی ہو، یعنی کمپنی کے کچھ منجمد اثاثے وجود میں آچکے ہوں، کل اثاثے محض نقد (کرنسی) کی صورت میں نہ ہوں، بصورت دیگر شیئرز کی اصل قیمت پر خرید وفروخت تو جائز ہوگی، کمی بیشی پر نہیں؛ نیز شیئرز کی قیمت پر قبضہ بھی اس مجلس میں ضروری ہوگا، ادھار پر معاملہ جائز نہ ہوگا۔

[۲] شیئرز سرٹیفکٹ پر قبضہ ہوچکا ہو یا کسی بھی طرح یقینی طور پر شیئرز ہولڈر کی بقدر حصص ملکیت کمپنی میں ثابت ہوچکی ہو، جس کی علامت یہ ہے کہ کمپنی کو اگر بالفرض

نقصان ہوا تو اس نقصان کا ضمان قانوناً شیئرز ہولڈر پر بھی آتا ہو، چناں چہ شیئرز پر حقیقۃً قبضہ کے بغیر یا یقینی طور پر ملکیت ثابت ہوئے بغیر انہیں آگے بیچنا جائز نہیں۔

بعض حضرات کا شیئرز کی خرید وفروخت سے متعلق پورے معاملہ میں درحقیقت خریدنا اور بیچنا بالکل مقصود ہی نہیں ہوتا، ان کے پیش نظر سرٹیفکٹ وصول کرنا ہوتا ہی نہیں، اور نہ ہی یہ حضرات سرٹیفکٹ وصول کرتے ہیں؛ بلکہ محض زبانی کلامی اس پوری کارروائی سے مقصد انتہاء اور نتیجہ کے اعتبار سے فرق برابر کرنا ہوتا ہے، تو یہ صورت بھی جوا اور سٹہ بازی ہونے کی وجہ سے بالکل حرام ہے۔

[۳] سپاٹ سیل کرے، شارٹ سیل، فارورڈ اور فیوچر سیل اور ہیجنگ جائز نہیں۔

(جدید معاملات کے شرعی احکام ۱/۱۰۶ تا ۱۰۸)

②③ سونا، چاندی، تانبا، پیتل، المونیم، گڑ، شکر اور ہلدی وغیرہ اشیائے منقولہ میں سے ہیں، اس لیے اس پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو بیچنا درست نہیں۔

القاعدة أنه اذا اشترى شخص منقولاً؛ فانه يشترط ليصح بيعه اياه، ان يكون قبضه، فان لم يكن قبضه فلا يصح بيعه اياه، ودليل ذلك:

(۱) ماروى ان النبي ﷺ نهى عن بيع مالم يقبض، والنهى يوجب فساد المنهى عنه

(۲) ولانه بيع فيه غرر الانفساخ بهلاك المعقود عليه، لانه اذا هلك المعقود عليه قبل القبض يبطل البيع الاول، فينفسخ الثانى، لانه بناه على الاول، وقد نهى رسول الله ﷺ عن بيع فيه غرر.(احكام المعاملات المالية فى المذهب الحنفى ۲۹۱،۲۹۰)

ومن اشترى شيأ فلا يجوزله ان يبيعه قبل ان يقبضه..... والكلام

فی بیع المبیع قبل القبض فی فصول: احدھافی الطعام، فانّه لیس لمشتری الطعام ان یبیعه قبل ان یقبضه؛ لما روی ان النبی ﷺ نھی عن بیع الطعام قبل ان یقبض، وکذلك ماسوی الطعام من المنقولات لا یجوز بیعه قبل القبض عندنا (المبسوط للسرخسی ۱۳ /۹۰،۱۰)

قبضہ خود کرے یا اپنے وکیل کے ذریعہ سے کرے تو بھی معتبر ہے؛ البتہ آپ نے اپنے سوال میں حکمی قبضہ کا جو لفظ استعمال کیا ہے اس سے آپ کی مراد کیا ہے؟ جب تک وہ واضح نہ ہو جائے، جواب مشکل ہے۔

جس صورت میں قبضہ کیے بغیر فروخت کرنے کی وجہ سے بیع درست نہیں ہوتی، اس صورت میں ایسی بیوعات کے سلسلہ میں تعاون کرنا بھی درست نہیں۔

④ اس کا جواب نمبر ا میں آچکا ہے۔

⑤ جائز شیئروں کی خرید وفروخت کے سلسلہ میں لوگوں کو مشورہ دینا اور اس پر معاوضہ حاصل کرنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کتاب المضاربت

معاملۂ مضاربت اور اجارہ میں خلط ملط

سوال: ایک صاحب کی ایک دکان ہے، اس نے ایک صاحب کو منافع میں حصہ دیا کہ سب کچھ رقم وخرچ میرا، تم محنت کرو اور تجارت کرو، منافع میں پچاس فیصد تمھارا حصہ ہے، اور ماہانہ اتنی تنخواہ ہے، تو کیا یہ جائز ہے؟ اور اگر حصہ دے رقم میں، یعنی محنت کرنے والے کو کہے کہ میں تمھیں حصہ دکان میں دوں گا تو کیا جواز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب اس کو منافع میں حصہ دیا تو اب تنخواہ مقرر کرنا درست نہیں ہے، اگر تنخواہ مقرر کرنا ہے تو صرف تنخواہ ہی رکھے، اس لیے کہ منافع میں حصہ مقرر کرنے کی صورت میں معاملہ مضاربت کا ہے، اور تنخواہ مقرر کرنے کی صورت میں معاملہ اجارہ کا ہے، دونوں کو خلط کرنا درست نہیں ہے، کوئی ایک صورت تجویز ہونی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سونے میں عقدِ مضاربت

سوال: میں ایک شخص باہر ملک سے ہندوستان کے شخص کو سونا بغرض تجارت بھیج رہا ہوں، اس شرط پر کہ دونوں نفع میں برابر کے شریک رہیں گے، بالفرض اگر راستہ میں کچھ نقصان ہو جائے، تو بھیجنے والا اس کا ذمہ دار ہے، کیا یہ تجارت صحیح ہے؟ اور ایسا پیسہ کیا مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ بھیجنے والے کا مال اور جس کو بھیجا ہے اس کی صرف محنت ہے، مدلل ومفصل جواب تحریر فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسا معاملہ جس میں ایک جانب سے مال ہو اور دوسری جانب سے محنت ہو، اس کو فقہی اصطلاح میں ''مضاربت'' کہتے ہیں۔

المضاربة: عقد يقع على الشركة بمال من أحد الجانبين، ومراده الشركة في الربح، وهو يستحق بالمال من أحد الجانبين، والعمل من الجانب الآخر الخ (هدايه ٣ /٢٤١)

مضاربت کے صحیح ہونے کے چند شرائط ہیں: جن میں سے ایک شرط یہ ہے کہ راس المال اثمان کے قبیل سے ہو۔

وشرطها أمور سبعة: كون راس المال من الاثمان كما مر في الشركة (درمختار) قوله من الاثمان أي الدراهم والدنانير (شامی ٤ /٥٣٩)

ہدایہ میں ہے: ولا تصح إلا بالمال الذي تصح به الشركة الخ (٣ /٢٤٢)

سونے اور چاندی کے ٹکڑے (بسکٹ) اگر دراہم ودنانیر کی طرح رائج ہوں، تو وہ عقد مضاربت میں راس المال بن سکتے ہیں، ورنہ نہیں۔

ولا يجوز الشركة بما سوىٰ ذلك إلا أن يتعامل الناس بالتبر والنقرة الخ (هدايه ٢/ ٦٢٨)

چوں کہ دورِ حاضر میں سونے چاندی کے ٹکڑوں کا بطورِ دراہم ودنانیر رواج نہیں ہے، اس لیے ان میں راس المال مضاربت کی شرط نہیں پائی جاتی، اس لیے ان میں مضاربت درست نہیں ہوگی۔

ہدایہ میں ہے: إلا أن الأول أصح؛ لأنها وإن خلقت للتجارة في

الأصل لكن الثمنية تختص بالضرب المخصوص الخ (۲/ ۶۲۸)

بنابریں یہ معاملہ درست نہیں ہے؛ البتہ اگر سونے کا مالک دوسرے آدمی کو اپنا ملازم رکھ لے، اس کے بعد اس سے یہ کام لے، تو درست ہے، اس صورت میں اس کی تنخواہ مقرر کرنا ہوگا، کام کرنے والا اس مقرر تنخواہ کا حق دار ہوگا؛ لیکن اگر یہ کام سرکاری قانون کے خلاف ہے اور اس کے ارتکاب میں اپنی عزت کو داؤ پر لگانا ہے اور ایسا کام جس میں آبرو داؤ پر لگتی ہو، اس کی شریعت اجازت نہیں دیتی، اس لیے کہ عزت وآبرو کی حفاظت بھی مسلمان کا فریضہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عقدِ مضاربت میں رب المال کے لیے سیل پر نفع کا دارومدار

سوال: عابد کا ایک پرنٹنگ پریس ہے، اسی سے اس کا کاروبار چل رہا ہے؛ چوں کہ عابد کو اپنا پریسی کاروبار جاری رکھنے کے لیے مزید روپیوں کی ضرورت درپیش ہے، جس سے وہ بذاتِ خود مجبور ہے؛ چناں چہ اس نے اپنے ایک دوست محمود سے ذکر کرتے ہوئے کہا کہ چوں کہ تم صاحبِ حیثیت ہو؛ اس لیے بہتر ہوگا کہ تم مجھے ۵/ لاکھ روپئے دیدو؛ تاکہ میں انہیں اپنے کاروبار میں لگادوں، اس سے تمہارا بھی بھلا ہوگا؛ بایں طور کہ ہر ماہ جتنا مال کا سیل ہوگا اس سیل میں سے چار فیصد میں (عابد) تمہیں (محمود) دوں گا۔

معلوم ہو کہ سیل کی مقدار مقرر نہیں ہے، کبھی بڑھتی ہے اور گھٹ جاتی ہے، اسی حساب سے محمود کے حصے میں کمی بیشی ہوتی رہے گی؛ لیکن سیل چار فیصد رہے گا، اور یہ

بھی معلوم رہے کہ شرحِ منافع بہ نسبت سیل کے یکساں نہیں ہے، یعنی یہ کہ منافع کبھی دس فیصد سیل کا اور کبھی پندرہ فیصد سیل کا ہوگا اور کبھی دو فیصد بھی ہوسکتا ہے۔

مذکورہ بالا صورت میں محمود کو اپنے پانچ لاکھ روپیوں پر سیل کے اعتبار سے، یعنی بیع پر چار فیصد پرینٹنگ پریس کے مالک عابد سے لینا جائز ہے یا نہیں؟

معلوم رہے کہ نقصان کا احتمال اس کاروبار میں بہت کم ہے؛ نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ طرفین یعنی عابد اور محمود سودی کاروبار کے قطعاً قائل نہیں ہیں، اس خوف سے کہ مذکورہ بالا باہمی معاملہ خدانخواستہ کہیں سودی انداز کا نہ ہو، اس لیے مؤدبانہ درخواست ہے کہ جلد جواب سے نوازیں، بڑی عنایت ونوازش ہوگی، اور کاروباری حضرات کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوگا؛ کیوں کہ یہی خواہش ہے کہ حلال روزی نصیب ہو اور حرام سے ممکن طور پر اجتناب واحتراز۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں عابد ومحمود کے درمیان جو معاملہ ہوا اس کو مضاربت پر محمول کیا جاسکتا ہے؛ لیکن محمود کے لیے جو مقدار متعین کی گئی اس کی بنیاد نفع پر نہیں؛ بلکہ سیل پر ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ سیل ہونے کے باوجود نفع حاصل نہ ہو، (یا محمود کے لیے مقرر کی گئی مقدار سے کم ہوا) پھر بھی محمود کو چار فیصد ملے گا، اور یہ درست نہیں ہے؛ نیز اگر نقصان ہوا تو اس کی ذمہ داری مضارب (عابد) پر عائد ہورہی ہے؛ حالاں کہ مضاربت میں اگر نقصان ہو تو وہ اولاً نفع (پہلے سے موجود ہو تو اس) میں سے وضع ہوتا ہے، اور پھر رأس المال میں سے، مضارب پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی؛ جب کہ صورتِ مسئولہ میں رقم دینے والے (محمود) پر کسی حال میں نقصان کی ذمہ داری نہیں آرہی ہے،

یہ وہی سرمایہ دارانہ ذہن ہے جو دورِ حاضر میں عام ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا، بنظرِ انصاف غور فرمائیں کہ رقم دینے والا جو رقم دے رہا ہے دو حال سے خالی نہیں:

(الف): کیا اس رقم سے مستقرض کی اعانت مقصود ہے؟

(ب): یا اس کے منافع میں شرکت مقصود ہے؟ اگر پہلی صورت ہے تو اس کو چاہیے کہ مستقرض سے صرف اپنا مال (قرض دی ہوئی رقم) وصول کرے، اس سے زیادہ نہ لے، اور اگر دوسری صورت مقصود ہے تو انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ تجارت کے خطرات میں بھی اس کے ساتھ شریک رہے، اور جب نفع ہو تب ہی لے، یہاں تو رقم دینے والا سیل میں سے ایک مقررہ مقدار وصول کرتا ہے، اور خود ہر قسم کے خطرہ سے محفوظ ہے، یہی تو سود ہے، رہی یہ بات کہ اس کاروبار میں نقصان کا احتمال کم ہے، اس سے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا، اس لیے کہ کم سہی؛ لیکن احتمال تو موجود ہے، بصورتِ نقصان رب المال تو محفوظ ہی رہا، اس لیے یہ صورت جائز نہیں؛ ہاں اس کے جواز کی صورت یہ ہے کہ محمود عابد کو یہ کہہ کر رقم دے کہ اس رقم سے کاروبار کرو، جو نفع ہو اس میں ہم نصفا نصف ہوں گے، یا میرا ایک تہائی تمہارا دو تہائی رہے گا، الحاصل اس رقم سے ہونے والے منافعہ میں کچھ فیصد محمود کا اور کچھ فیصد عابد کے لیے طے کیا گیا تب یہ عقد درست ہے۔ (بدائع الصنائع، تکملہ فتح الملہم) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ صفر المظفر ۱۴۰۸ھ

مضاربت کی ایک صورت

سوال: ایک تاجر کی دکان کے بازو میں ایک دکان فروخت ہو رہی تھی، تاجر نے اپنے متعلقین میں سے زید کو کہا کہ آپ کے پاس روپے کی سہولت ہو تو یہ جگہ خرید لو،

دکان چلانے کی ذمہ داری میری رہے گی (یعنی کاروبار کرنے کی)، تاجر کے کہنے پر زید نے دکان خرید لی اور چابی تاجر کے حوالہ کردی ہے، اور کہا ہے کہ آپ اس میں جو کاروبار کرنا چاہیں وہ کرسکتے ہیں، ہم کو کوئی اعتراض نہیں ہے، دکان میں جو بھی کاروبار کرانا چاہو کرا سکتے ہو، اس کی ساری رقم زید ادا کرے گا افتتاح تک، دکان سنبھالنے کی ذمہ داری کے عوض میں تاجر کو نفع کے روپئے میں سے تیس فیصد اور زید کو ستر فی صد ملے گا، یہ زبانی طے ہوا ہے، یہ بات کا خلاصہ نہیں ہوا ہے کہ نقصان کس کے ذمہ رہے گا؟ اگر تاجر صرف منافع میں ہی شریک رہنا چاہے اور نقصان میں نہیں تو شرعاً یہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک آدمی کا روپیہ اور دوسرے کی محنت؛ اور نفع میں دونوں شریک؛ اس نوع کی تجارت کو شرعاً مضاربت کہا جاتا ہے، اس میں بصورتِ منافعہ دونوں طے شدہ حصوں کے مطابق نفع میں شریک رہیں گے؛ لیکن نقصان کی صورت میں ذمہ داری صرف صاحب مال (یعنی زید) پر عائد ہوتی ہے، تاجر پر اگر نقصان میں شرکت کی شرط لگائی تو یہ معاملہ فاسد ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/صفر ۱۴۱۸ھ

کاروبار میں سے تنخواہ کی رقم وضع کرنا

سوال: ایک صاحب کاروبار کرتے ہیں، کارخانہ چلاتے ہیں، ان کا کاروبار سیزن کا ہے، اپنے سرمایہ کے ساتھ ساتھ دوسروں کو رقمیں لے کر شریک کرتے ہیں، سیزن ختم ہونے پر حساب کرکے منافع تقسیم کرتے ہیں، بندہ سے انہوں نے اس سلسلہ

کا تذکرہ کیا اور منافع کی تقسیم اور اندازہ بتایا، بندہ نے 11-5-94 کو پچاس ہزار روپیہ دیا، انہوں نے دوڈھائی مہینے میں ۴۱۵۰/ منافع دیا، پھر دوبارہ اگلے سال کے لیے اور پچاس ملا کر ایک لاکھ پورا کیا، دوسرا سال کا منافع 11-7-95 کو ۱۳۲۴۰/ روپیہ دیا جو انہوں نے اندازہ ہر سال کا بتایا اس سے کم تھا، اس مرتبہ منافع کم ہوا انہوں نے بتایا، بندہ نے اور رشتہ داروں سے رقمیں لے کر ان کو دی، وہ کہا کرتے تھے کہ اور انتظام ہو تو گنجائش ہے، تقریباً پانچ لاکھ پانچ ہزار رقم لگی، 1995-96 میں انہوں نے حساب کر کے بہت تھوڑا منافع بتایا، پھر 1996-97 کا حساب کر کے پچھلے سال نفع کی بجائے نقصان بتلایا اور اس سال کا منافع بالکل نہ کے برابر بتلا کر ''اب ہم کاروبار بند کرتے ہیں'' کہہ کر گذشتہ سال کا نقصان وصول کر کے پانچ لاکھ پانچ ہزار کے بجائے ۴۹۹۵۵۰/ کا حساب کا پرچہ دے کر جماعت میں چلے گئے، رقم بھی نہیں لوٹائی، حساب کے پرچے میں انہوں نے جو حساب پیش کیا اس میں نقصان والے سال انہوں نے ڈھائی لاکھ روپیہ تنخواہ کے نام سے اٹھایا، اور آخر سال ڈیڑھ لاکھ روپیہ تنخواہ کے نام سے اٹھایا، اور سارے شریکوں سے نقصان وصول کیا، کیا اس طرح شرکت والے کاروبار میں اس طرح تنخواہ کے نام سے شریکوں کے علم کے بغیر اٹھانا جائز ہے؟ اور حساب ختم کر کے رقم بھی نہیں لوٹائی، اور جو لوٹائی وہ بھی دو قسطوں میں تقریباً تین ماہ بعد، اس تاخیر کی وجہ سے بندہ کو کافی نقصان ہوا، اب آپ سے عاجزانہ درخواست ہے کہ اس معاملے میں ہم کیا کریں؟ اور اس شخص کو ہماری رقم لوٹانا چاہیے اور جو تنخواہ کے نام پر رقم لی ہے وہ تمام شریکوں کو ان کی رقموں کے اعتبار سے ادا کرنا چاہیے، معلوم ہوتا ہے کہ ہر سال تنخواہ کے نام سے اٹھاتے ہوں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر آپ نے رقم مضاربت پر دی تھی یعنی جو تجارت یا کاروبار وہ کریں گے اس میں رقم آپ کی اور محنت ان کی ہوگی تو اس صورت میں منافعہ میں ان کو جو حصہ مل رہا ہے وہ ان کی محنت کا معاوضہ ہے وہ اپنی محنت پر بطور معاوضہ تنخواہ نہیں لے سکتے ہیں، اس لیے انہوں نے جو حساب والے پرچہ میں تنخواہ کی مد میں جو رقم لگائی ہے وہ خود انہوں نے لی ہے تو ان کو ایسا کرنے کا حق نہیں تھا، اور اگر تنخواہ کے مد میں لگائی ہوئی رقم خود انہوں نے نہیں لی ہے بلکہ اس کاروبار میں جن کاریگروں اور مزدوروں کو کام پر لگایا ان کو ادا کی ہے تو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔

شامی میں ہے: (قوله والاستيجار) اى استيجار العمال للاعمال والمنازل لحفظ الأموال والسفن والدواب (٤/٤٨٥)

کاروبار میں جو نقصان ہوا پہلے اس کو منافع سے وضع کیا جائے اور اس کے بعد بھی نقصان بچ رہتا ہے تو وہ رأس المال یعنی جو پونجی لگائی گئی تھی اس میں سے وضع کیا جاوے گا۔

وما هلك من مال المضاربة يصرف إلى الربح؛ لأنه تبع، فإن زاد الهالك على الربح لم يضمن (درمختار ٤/ ٥٤٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ہوٹل کے مشترک منافع سے بخشش دینا

سوال: زید کو شرکاء نے اپنا ہوٹل اس طرح چلانے کے لیے دیا کہ تم کو منافع میں سے چلانے کا خمس، یعنی پانچواں حصہ دیں گے، زید نے اس ہوٹل کو چلانے کے لیے

بکر کو ملازم رکھا، بکر اپنی نگرانی میں ہوٹل چلاتا ہے، اور زید کا اس کی ذمہ داری میں ہاتھ بٹاتا ہے، بکر کی ماہانہ تنخواہ جس کی مقدار اس قسم کے ملازمین کے عام معیار کی ہے؛ لیکن زید بکر کو سالانہ اس کی حسن کارکردگی کے انعام کے عنوان سے ہوٹل کے مشترک منافع سے ایک رقم بخشش کرتا ہے جب کہ عام طور پر زید کے مانند ذمہ داری لینے والے لوگ انعامی رقم مشترک منافع کی رقم سے نہیں دیا کرتے، بلکہ اپنی ذاتی منافع کی رقم سے دیتے ہیں، جس کی اطلاع بعض مرتبہ شرکاء کو زید کرتا ہے، اور بعض مرتبہ اطلاع بھی نہیں کرتا، اطلاع کرنے کی صورت میں بعض مرتبہ شرکاء رضامند ہوتے ہیں، اور بعض مرتبہ مجبوری کے درجہ میں رضامند ہونا پڑتا ہے، ان صورتوں میں زید کا مشترک منافع میں سے بخشش دینا کیسا ہے؟ بالخصوص شرکاء کی عدمِ رضامندی کی صورت میں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر زید کو مالکین نے بطورِ عقد مضاربت ہوٹل کا کاروبار سپرد کیا ہے تو اس صورت میں زید اس کاروبار کے لیے کسی کو ملازم رکھنا چاہے تو رکھ سکتا ہے۔

ویملك (ای المضارب) الایداع والرهن والارتهان والاجارة والاستیجار(درمختار) (قوله الاستیجار) ای استیجار العمال والاعمال والمنازل لحفظ ا لاموال والسفن والدواب (شامی ٤ /٥٤١)

البتہ اس صورت میں زید ملازم کو اس کے کام کی وہ اجرت جو عموماً اس قسم کے ملازمین کو دی جاتی ہے، دے سکتا ہے، اس سے زائد رقم جو انعام کے نام سے دی جاتی ہے، مال مضاربت میں سے نہیں دے سکتا، اسی طرح مشترکہ منافع میں سے بھی بلا اجازت ورضامندی شرکاء نہیں دے سکتا، اگر دیا تو وہ خود اس کا ضامن ہے، شرکاء کی وہ اجازت

جو بلا رضامندی دل ہو وہ معتبر نہیں ہے۔ لقوله عليه السلام: لا يحل مال امرئ مسلم الا بطيب نفسه (مسند للامام احمد) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک مضارب کو زائد رقم دے کر معزول کرنا اور دوسرے کو ملازم بنا دینا

سوال :(۱) زید اور عمر دونوں نے مل کر ایک دکان خریدی، اور اس میں تقریباً پندرہ شرکاء کو کم وبیش حصوں کے ساتھ شریک کیا، پھر سب نے مل کر زید کو ذمہ دار بنا دیا۔

اب کچھ عرصہ کے بعد عمر چوری کرنے میں پکڑا گیا، زید نے اپنے شرکاء میں جو زیادہ حصوں کے مالک تھے، ان سے مشورہ لے کر (معمولاً اس سے پہلے بھی دکان کے متعلق اہم کام میں جن سے مشورہ کیا کرتا تھا) عمر کو نکال دیا، اب عمر یہ کہتا ہے کہ میرے حصہ کی رقم پانچ لاکھ روپئے ہیں، اب آپ مجھے ساڑھے سات لاکھ (ڈھائی لاکھ زیادہ) دو گے تو ہی میں نکلوں گا، ورنہ میں نہیں نکلوں گا اس لیے کہ میں نے بھی دکان میں محنت کی ہے، اب عمر کے نہ نکلنے پر اور زیادہ چوری اور خسارے کا پختہ یقین ہے، تو زید نے زیادہ رقم مشورہ سے دے کر اسے نکال دیا (اس لیے کہ عمر نے دکان جمانے میں کافی محنت بھی کی تھی)۔

اب سوال یہ ہے کہ از روئے شرع زیادہ دی ہوئی رقم کے نقصان پر تمام شرکاء حصہ دار ہوں گے یا نہیں؟ زیادہ شرکاء کا کہنا ہے کہ اچھا ہوا نکال دیا، جب کہ بعض کا کہنا ہے کہ یہ نقصان ہمیں نہیں ملنا چاہیے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں اگر مستقبل میں عمر کی خیانت کی وجہ سے نقصان پہنچنے کا غالب گمان، بلکہ یقین ہو، اور قانونی اعتبار سے عمر کو شرکت سے الگ کرنا اس کی رضا مندی کے بغیر ممکن نہیں، اور عمر نے علیحدگی کے لیے اپنی رضامندی کو مزید ڈھائی لاکھ وصول کرنے پر موقوف رکھا ہے، اس لیے بدرجۂ مجبوری دکان کو مستقبل میں پیش آنے والے نقصان سے بچانے کے لیے زید نے عمر کو ڈھائی لاکھ روپے مزید دے کر اس کو الگ کیا ہے، تو یہ رقم تمام شرکاء پر بقدر حصص تقسیم ہوگی گویا کہ یہ تمام نقصان تمام کو بھگتنا ہوگا؛ البتہ عمر کے حق میں یہ رقم لینا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

درمختار میں ہے: وفی الإختیار دفع المضارب شیئا للعاشر لیکف عنه ضمن، لانه لیس من امور التجارة لکن صرح فی مجمع الفتاوی بعدم الضمان فی زماننا، قال وکذا الوصی لانهمایقصدان الاصلاح (درمختار)

علامہ شامیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(قوله:لکن صرح فی مجمع الفتاوی) نقل فی المنح عنه مانصه، قال الشیخ الامام الاجل وکان شیخنا یقول: الجواب فی زماننا بخلاف هذا ولاضمان علی المضارب فیما یعطی من مال المضاربة لسلطان طمع فیه وقصدأخذه بطریق الغصب، وکذا الوصی اذا صانع فی مال الیتیم لأنهما یقصد ان الاصلاح بهذه المصانعة، فلو لم یفعل أخذ المصانع جمیع المال فدفع البعض لإحراز مابقی من جملة الحفظ فی زماننا، والامین فیمایرجع الی الحفظ لایکون ضامنا فأما فی زمانهم فکانت القوة لسلاطین العدل انتهی مختصرا ویؤخذمن هذا انه اذا دفع من مال

نفسه يكون متبرعاً فيضيع عليه مادفع الا اذا أشهد عند الدفع انه يرجع ويحرر، قال الرحمتی لايضمن فی زماننا لغلبة أهل الظلم والرشوة اذا كانت لدفع الضرر عن نفسه، وعن رب المال كانت جائزة للدافع ماذونا فيها عادة من المالك وان حرمت على الآخذانتهى (قوله لانهما يقصدان الاصلاح) أى فی هذه الرشوة فدفع البعض لاحراز ما بقی من جملة الحفظ والأمين فيما يرجع للحفظ لايكون ضامنامنح (تكملة رد المحتارمع الدر المختار ۲/ ۲۵٤،۲۵۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ٦/صفر المظفر ۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

مضارب کو معاملۂ مضاربت سے معزول کر کے ملازم بنانا

سوال :(۲) صورت مسئولہ میں ایک بات اور پوچھنی ہے، وہ یہ ہے کہ: زید کاروبار میں پہلے مضارب تھا، جب چوری کا واقعہ ہوا، اس وقت سب شرکاء نے مل کر اسے ملازم بنادیا تھا، تو اس صورت میں شرعاً کوئی فرق ہوگا؟

(۳) سب شرکاء نے مل کر زید کو مضارب بنایا تھا اب کاروبار چالو ہونے کی ہی حالت میں سب نے مل کر زبانی طور پر زید کو مضاربت سے ختم کر کے ملازم بنادیا، تو اس طریقہ سے مضاربت ختم ہوسکتی ہے؟ اب اگر ختم نہیں ہوئی تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۲) کاروبار کو مستقبل میں پیش آنے والے نقصان سے بچانے کے لیے زید نے عمر کو جو رقم دی، وہ تمام شرکاء کو بقدر حصص تقسیم ہونے کی بنیاد مضارب کی امین والی حیثیت

ہے، جیسا کہ پہلے دیے گئے جواب میں منقول عبارتوں میں اس کی صراحت ہے، زید کو اگر بحیثیت ملازم کاروبار کا ذمہ دار بنایا گیا ہے، اس صورت میں بھی اس کی حیثیت اجیر خاص ہونے کی وجہ سے امین ہی کی ہے، اس لیے حکم میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

③ اگر ارباب اموال مضارب کو دوران مضاربت معزول کرنا چاہیں، تو کر سکتے ہیں؛ لیکن جب تک مضارب کو اپنے معزول ہونے کا علم نہیں ہوگا، وہاں تک وہ مضارب ہی رہے گا، اور اس کا عمل مضاربت میں شمار ہوگا۔

فان عزل رب المال ولم يعلم بعزله حتى اشترى وباع فتصرفه جائز، وان علم بعزله والمال عروض فله ان يبيعها ولا يمنعه العزل من ذلك. (هدايه ۲/ ۲۵۰،۲۴۹)

لیکن اب کاروبار چالو نہیں رکھا جا سکتا، بلکہ مضاربت کا حساب کر کے اسے اس طرح ختم کیا جائے گا کہ مضاربت کے تمام سامان کو بیچ کر سرمایہ نقد کی صورت میں لایا جائے گا، مضاربت کے جو قرضے اور وصول کرنے کی رقوم لوگوں کے ذمہ ہیں وہ وصول کیے جائیں گے، اور یہ کام مضارب کرے گا۔

واذا افترقا وفى المال ديون وقدربح المضارب فيه، أجبره الحاكم على اقتضاء الديون. (هدايه ۳ /۲۵۰)

نیز مضارب اور ارباب اموال نے کاروبار کے دوران جو نفع علی الحساب وصول کیا تھا، اسے بھی شمار کیا جائے گا، اور جب کل سرمایہ حاصل ہو جائے گا، تو اس میں سے ارباب اموال کا رأس المال الگ کیا جائے گا، بقیہ رقم نفع کہلائے گی، اور یہ نفع مضارب اور ارباب اموال میں مقرر شرط کے مطابق تقسیم ہوگا، اگر کچھ بھی رقم باقی نہ بچی تو مضارب کو کچھ نہ ملے گا، اور اگر رأس المال کی رقم بھی پوری نہ ہوئی، تو کاروبار کے دوران

دونوں نے جو علی الحساب نفع وصول کیا تھا، وہ واپس لے کر رأس المال میں ملایا جائے گا، اور اگر رأس المال کی مقدار مکمل ہو کر کچھ رقم باقی بچ گئی، تو اس کو نفع قرار دے کر حسب شرط تقسیم کر لیا جائے گا، ورنہ مضارب کو کچھ نہیں ملے گا۔

وماهلك من مال المضاربة فهومن الربح دون رأس المال، فان زاد الهالك على الربح فلاضمان على المضارب، وان كانايقتسمان الربح والمضاربة بحالها ثم هلك المال بعضه أوكله ترادا الربح حتى يستوفى رب المال رأس المال، واذا استوفى رأس المال فان فضل شئ كان بينهما، وان نقص فلاضمان على المضارب لمابينا. (هدايه ٣ /٢٥١،٢٥٠)

اور جب تک کہ یہ پورا عمل مکمل نہ ہو، وہاں تک اس کاروبار کے حق میں حکماً عقد مضاربت باقی رہے گا، اس لیے کاروبار کو چالو رکھتے ہوئے اس کو ملازم بنا دینا درست نہیں، بلکہ جس روز اس کی مضاربت ختم کی گئی اور اس کو باخبر بھی کر دیا گیا اسی وقت سے چالو کاروبار کو سمیٹنا ضروری ہے؛ تاکہ ختم شدہ مضاربت کا حساب کتاب درست ہو۔

وان علم بعزله والمال عروض فله ان يبيعها و لا يمنعه العزل من ذلك .....وعلى هذا موت رب المال فى بيع العروض ونحوها (هدايه ٣ /٢٥٠)

اور حاشیہ ہدایہ میں ہے: قوله وعلى هذا اشارة الى قوله لايمنعه العزل من ذلك يعنى لاينعزل المضارب بالعزل الحكمى اذا كان المال عروضا بل يبيعها بعدم العزل كمالاينعزل بالعزل القصدى فى تلك الصورة، لان عدم عمل العزل فيهالئلا يلزم ابطال حق المضارب ولاتفاوت فى ذلك بين ذينك العزلين (حاشية ٣ /٢٥٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

مضارب کے پاس رب المال کی رقم امانت ہے

سوال: فی زماننا مالکِ رقم (کیپٹیل پارٹنر) اکثر کسی بھی فرد یا فریق پر اعتماد کرتے ہوئے تجارت کے لیے رقم مہیا کرتا ہے، تو وہ فرد یا فریق اپنا محنتانہ وصول کرتے ہیں؛ لیکن مالکِ رقم کے نفع کے بارے میں ذرا بھی نہیں سوچتے؛ بلکہ یوں کہتے ہیں: مضاربت میں تو نقصان مالکِ رقم کا ہی ہوتا ہے، چناں چہ آج کل تجارت کے شعبے میں اکثر ایسے حالات پیش آرہے ہیں کہ مالکِ رقم کو نفع ملنا تو درکنار، اس کی اصل رقم کو بھی خطرہ لاحق ہوجاتا ہے، اگرچہ منافع اخراجات کی مدکثیر ہونے کے سبب مخفی رہتے ہیں، یعنی مطلق خسارہ نہیں ہوتا؛ لیکن پھر بھی بعض واقعات میں نصف رقم، بعض میں ایک تہائی اور بعض میں صرف چوتھائی رقم اس فرد یا فریق سے وصول ہو پاتی ہے، اور بعض اوقات میں پوری پوری رقم ہی ڈوب گئی۔

اب جناب مفتی صاحب کے سامنے یہ معاملہ پیش ہے کہ: شرعاً مضاربت کی کونسی صورت میں پورا نقصان مالکِ رقم کا ہوتا ہے؟ اور محنت کرنے والے فرد یا فریق پر نقصان کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی؟

دوسرا معاملہ آں جناب کی خدمت میں پیش ہے کہ: شرعاً مضاربت کی ایسی صورتیں تحریر فرمائیں جن سے مالکِ رقم کی رقم محفوظ رہے اور وہ منافع سے باقاعدہ مستفید ہوتا رہے۔ اگر ان صورتوں کو مثالوں سے واضح فرماویں تو احسان بالائے احسان ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مضارب کے پاس رب المال کی رقم امانت سمجھی جاتی ہے، اور عقدِ مضاربت کا

پورا مدار امانت و دیانت پر ہے، بہ قول آپ کے: جب مضارب کو رأس المال کی حفاظت کی کوئی پرواہ نہیں رہتی تو پھر امانت کہاں رہی! بلکہ اگر مضارب کی طرف سے کسی کوتاہی کا صدور ہوجائے تو اس پر ضمان واجب ہوتا ہے۔

مضاربت کا باب بڑا وسیع ہے؛ اس لیے آپ اس کے جس جز کے متعلق دریافت کرنا چاہیں اس کی تعیین فرما کر پوچھ لیں۔

دوسری بات یہ یاد رہے کہ: عقدِ مضاربت میں مضارِب الگ سے اپنا مختتانہ وصول نہیں کرسکتا؛ بلکہ منافع میں اس کے لیے جو حصہ مقرر کیا گیا ہے وہی اس کا مختتانہ ہے، اگر منافع کم ہوں گے تو لازمی طور پر اس کا مختتانہ بھی کم ہوجائے گا؛ اس لیے آپ کا یہ لکھنا کہ: وہ اپنا مختتانہ لے کر مطمئن ہوجاتا ہے اور منافع کی پرواہ نہیں کرتا درست نہیں۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/۸/۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

غیر مسلم کے ساتھ عقدِ مضاربت کرنا

سوال: اگر کسی مسلمان نے غیر مسلم کو اپنی رقم دی اور کہا کہ تو تجارت کر، اور جو کچھ نفع ہو اس نفع میں پچھتر پیسے مسلم کے اور پچیس پیسے غیر مسلم کے، تو ایسی تجارت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ معاملہ اصطلاحِ فقہاء میں مضاربت کہلاتا ہے، اگر دیگر شرائط مضاربت پائی

جاتی ہوں تو درست ہے؛ البتہ غیر مسلم کے ساتھ یہ معاملہ کرنا کراہت سے خالی نہیں؛ اس لیے کہ وہ حرام وحلال میں تمیز نہیں کرتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱ رذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

كتاب الوكالة

وکیل بالشراء کا موکل مدیون پر ظلم در ظلم کرنا

سوال: محمد مرشد نے اپنے ماموں زاد نانا سے یہ کہا کہ مجھے آپ ایک پاور لوم مشین دلا دیں، تو ہم بھی اچھی طرح سے روزی روٹی حاصل کر سکیں، اس وقت مرشد کے نانا نے یہ کہا کہ تم اگر اپنا گھر اپنے والد سے میرے بندھک کرا دو، اس کے عوض مشین میں جو بھی رقم لگے گی، میں دے دوں گا، تم سب بھائی بہن مل جل کر کام کرو گے اور دھیرے دھیرے مشین کی رقم وصول دیتے رہو گے، مرشد نے یہ الفاظ اپنے باپ محمد علی جان کو بتائے، وہ تیار ہو گئے؛ لہٰذا علی جان اور مرشد نانا حبیب الرحمن سے گفت وشنید کے بعد یہ طے ہوا کہ مشین تم اپنے سے دیکھ بھال کر لو گے، میں صرف مشین میں جتنی رقم لگے گی، دے دوں گا، بدلے میں تم اپنا گھر میرے نام بندھک کے طور پر لکھ دو؛ تاکہ کل آئندہ دن تمھارا لڑکا کسی طرح کی عیاری نہ کر سکے اور ان کے دل میں چور ہو کہ وہ پیسہ جلد وصول دینے کی کوشش کرے، محمد علی جان نے حاجی حبیب الرحمن کی ساری باتوں اور شرائطوں کو منظور کر لیا اور گھر لکھنے پر تیار ہو گئے اور کچہری جا کر حاجی صاحب کو اپنے گھر کا قبالہ دے دیا اور ان کے یقین پر ان کے بنائے ہوئے کاغذات پر دستخط کر دیئے، اس وقت محمد علی جان کو اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ کاغذات پر کیا الفاظ تحریر کئے گئے ہیں؛ چوں کہ انہیں حاجی صاحب پر یقین واعتماد تھا اور قریبی رشتہ داری بھی تھی، لیکن دستخط کرنے کے بعد حاجی صاحب نے کچہری میں بتایا کہ مبلغ دو ہزار روپئے کا قبالہ شرطیہ کر آیا ہوں، جس کی مدت سات سال ہے اور ساتھ ہی مشین تلاش کرنے کی ہدایت دی، دس بارہ دنوں بعد ایک مشین مرشد نے دیکھا اور حاجی صاحب

سے کہا کہ فلاں جگہ مشین ہے، جس کی قیمت پانچ ہزار روپئے ہے اور انہیں پسند بھی ہے اور یہی مشین کو خریدنا ہے؛ لہذا حاجی صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے، کل سویرے مشین خرید لیا جائے گا، لہذا دوسری صبح مرشد اپنے بھائیوں مع حاجی صاحب کے مشین والے کے گھر پہونچ گئے، بیل گاڑی بھی ساتھ لے گئے تھے، واضح رہے کہ مشین والے کو حاجی صاحب نے کتنی رقم دی یا اس مشین کی بابت خرید وفروخت کی کوئی دستاویز محمد مرشد یا محمد علی جان کو نہ ملا، دو ماہ کی مدت تک میں مشین چالو ہوگئی، اس درمیان محمد مرشد نے حاجی صاحب سے حسب ضرورت خورہ کر کے تقریباً دو ہزار روپئے لیے، تب حاجی حبیب الرحمن نے محمد مرشد سے کہا کہ تمھارے سر کل ملا کر میرے سات ہزار روپئے قرض ہو گئے ہیں، حاجی صاحب نے دانستہ طور پر کہا کہ فی ہزار پچیس روپئے کے حساب سے ایک سو پچہتر روپئے ماہانہ بنتا ہے، سو ہم لیں گے، مرشد نے عاجزی کی، تو ایک سو پچاس روپئے ماہانہ پر بات طے ہوئی اور اسی وقت حاجی صاحب نے ایک کاغذ مشین کے کرایہ کا لکھ کر مرشد کو دیا اور کہا کہ اپنے باپ سے دستخط کرادو، لہذا مرشد نے دستخط کروائے اور کہا کہ یہ رقم مشین کا کرایہ رہے گی، ہوسکتا ہے ایسا نہ کرنے سے یہ رقم سود میں شمار ہوجاوے، اس دور میں حاجی صاحب بھی مشین پر مشین لے کر کپڑا تیار کرواتے تھے، یہی کاروبار اس کا ابھی بھی ہے؛ لہذا مرشد نے بھی اسی شکل کو اختیار کیا اور حاجی صاحب سے سوت وغیرہ لے کر کام کرنے لگا؛ مگر مرشد نے فائدہ نہ دیکھ کر بار بار کوشش کی کہ یہی کام مہاجن سے سوت لے کر کیا جائے، لیکن حاجی صاحب نے کاروباری چکڈن میں مرشد کو ایک ہزار روپئے مزید قرض دار بنا دیا، ایک دن مرشد دوسرے کے مہاض سے سوت لے آیا، اس نے کاروبار کو

دوسرے سرے سے چلانا چاہا، حاجی صاحب کو خبر ہوئی اور آدھمکے، غصے سے لال سے ہوتے ہوئے صاف لفظوں میں یہ بات کہی کہ تم دوسرے کا کام نہیں کر سکتے، چوں کہ یہ لوم میرا ہے، یہ لوم میں نے اپنے نام خریدا ہے اور تمہیں صرف کرایہ پر دیا ہے، تمھیں کام بھی صرف میرا ہی کرنا ہوگا، مرشد اور ان کے گھر والے غم کھا گئے اور پھر حاجی صاحب کے یہی کام کو جاری رکھا، حاجی صاحب ہر ماہ پابندی کے ساتھ مرشد کے حساب میں سے کرائے کی رقم نقد ایک سو پچاس روپئے کاٹ لیا کرتے تھے، مرشد پھر بھی اس کوشش میں لگا رہا کہ کسی طرح اس چکڈن سے آزاد ہو جاویں، جس کا تذکرہ مرشد حاجی صاحب سے برابر کرتا رہا، تب حاجی صاحب نے مشورہ دیا کہ تمھارے گھر کے بغل میں جو تھوڑی سی زمین خالی پڑی ہے، وہ میرے نام کر دو تو اس کے بدلے میں میں کچھ رقم دے دوں گا، تم بازار سے یہی سوت وغیرہ لے کر نقدی کے طور پر میرے اپنے کاروبار کو چلاؤ، پھر مرشد نے یہ بات اپنے والد محمد علی جان کو بتائی، علی جان کی ایک بار پھر حاجی صاحب سے گفت وشنید ہوئی، حاجی صاحب نے برجستہ یہ جملہ کہا تھا کہ تمھارا ایک انچ زمین ہم نہیں لیں گے، گھر تو میرے نام کر ہی چکے ہو، اس کی مدت سات سال کی ہے اور ساڑھے تین سال کا وقت گزر چکا ہے، اس زمین کو بھی میرے نام لکھ دو، کچھ رقم دے دوں گا نقدی کے طور پر، ہر کام کرو اور اسی مدت میں پیسے وصول کرنے کی کوشش کرو؛ لہذا محمد علی جان نے کچہری جا کر اس کاغذات پر بھی دستخط کر دیے، پھر بھی دلاسہ دیتے ہوئے حاجی صاحب نے کہا کہ تمھاری زمین سے مجھے کسی طرح کی کوئی لالچ نہیں اور اس وقت سوت اور تھوڑی رقم ملا کر کل تقریبا ایک ہزار چھ سو روپئے حاجی صاحب نے مرشد کو دیئے، دو ماہ کے بعد حاجی صاحب

آئے اور مشین کا کرایہ طلب کیا، مرشد نے مہلت مانگی کہ ایک ہفتہ کے بعد کرایہ دے دوں گا، اس پر حاجی صاحب فحش کلامی پر اتر آئے، اور غصے میں آکر یہ کہہ دیا کہ میرا لوم (مشین) بند کردو، مرشد کو بھی غصہ لگا، اس نے مشین کو جھنجھوڑ کر چھوڑ دیا، اس وقت سے تقریباً ۶/ سال مشین یونہی بند پڑی رہی اور حاجی صاحب بھی پھر کبھی کرایہ لینے دوبارہ نہیں آئے، لیکن محلے کے لوگوں کے پوچھنے پر حاجی صاحب نے یہ الفاظ کہہ دیے کہ مرشد کے یہاں میرا روپیہ دودھ نہیں گھی پی رہا ہے، پھر تقریباً ۶/ برس بعد پھر حاجی صاحب اس مشین کو دیکھنے پہنچے، اور خاص اسی وقت محلے کے ایک شخص نے حاجی صاحب سے پوچھ لیا کہ کیا یہ مشین بیچنے کا؟ حاجی صاحب نے فوراً کہا، ہاں! پوچھنے پر قیمت دس ہزار روپئے کہہ دیئے، اس شخص نے منظور کرلیا، اور حاجی صاحب نے مرشد کو کہا کہ مشین اس شخص کو اکھاڑ کر دے دو، مرشد نے مشین اکھاڑ کر اس شخص کے حوالے کردیا، دوسال بعد پھر مرشد نے پانچ ہزار روپئے اپنے ساتھ لے کر حاجی حبیب الرحمن کے گھر جاکر مؤدبانہ انداز میں کہا کہ میں پانچ ہزار روپئے لایا ہوں، آپ میرا حساب دیکھ کر مجھے بتائیں کہ کیا ہے؟ تاکہ آپس میں لین دین رفع دفع ہوجائے؛ مگر اس نے حساب نہ دکھایا اور نہ ہی رقم طلب کی، صرف یہ کہہ کر ٹال گئے کہ تم حساب کیا دیکھو گے، تمھارے اوپر بہت پیسہ ہوگیا، بارہ سال کا تو مجھے صرف کرایہ کی رقم چاہیے، مرشد لوٹ آئے، پھر تقریباً ایک سال بعد مرشد اس کی ماں اور بھائیوں کے ساتھ نقد دس ہزار روپئے لے کر پھر حاجی صاحب کے پاس گئے اور مرشد کی ماں نے حاجی صاحب کے پیر پکڑ کر التجاء کی اور کہا کہ ماموں! یہ میرے بچے اتنی سی رقم لائے ہیں، انہیں لے لیجئے اور میرے مکان، کاغذات وغیرہ اسے رفع دفع کردیں، یہ سب بھی تو آپ ہی

کے بچے ہیں، یہ لوگ کہاں بھٹکیں گے، مگر حالات برعکس ہوئے، ترس کھانے کے بجائے حاجی صاحب نے مرشد کی ماں کو بڑی بری طرح پھٹکارا اور کھلے الفاظ میں مندرجۂ ذیل الفاظ برجستہ طور پر کہے ''وہ زمین میری ہے اور وہ گھر بھی میرا ہے، اب اگر تم اس گھر اور زمین کو لوٹانا چاہتے ہو، تو اس گھر اور زمین کی کل قیمت ستر ہزار روپئے دینا ہوگا'' یہ الفاظ سن کر مرشد اور ان کی والدہ اپنے گھر واپس آ گئے، ساری باتیں درج کر دی گئی ہیں اور مفتیان شرع متین سے پرزور گزارش ہے کہ ان باتوں کو اچھی طرح مطالعہ کرتے ہوئے جواب از بحوالۂ کتب دیں گے، عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں مالکِ مشین سے خریداری کا جو معاملہ ہوا، اس میں حاجی حبیب الرحمن کی حیثیت وکیل بالشراء کی ہے، انھوں نے اس مشین کی جو قیمت ادا کی، وہ رقم ان کا محمد مرشد اور اس کے والد پر دین ہے، جس کی وصولیابی کا ان (حاجی) کو حق ہے۔

وفي الدرر من الوكالة للوكيل بالشراء الرجوع بالثمن على آمره، إذا فعل ما أمر به، سواء دفعه أي الثمن إلى بائعه أو لا اهـ (تنقيح الفتاوى الحامدية ١/ ٣٦٧)

لیکن اس معاملہ کے بعد مشین پر ملکیت حاجی حبیب الرحمن کی نہیں؛ بلکہ محمد مرشد اور اس کے والد کی ثابت ہوئی۔

والملك يثبت للمؤكل ابتداء في الأصح (درمختار مع الشامي ٤ /٤٤٧)

حاجی حبیب الرحمن کا محمد مرشد سے یہ کہنا کہ کل ملا کر میرے سات ہزار روپیہ قرض ہو گئے ہیں، یہ خود ان کی طرف سے صحیح اقرار ہے کہ مشین کی قیمت جو حاجی نے ادا کی ہے، وہ محمد مرشد کی طرف سے ادا کی ہے؛ نیز اس سے پہلے جو باتیں اور معاملات ہوئے،

وہ بھی اس کے واضح قرائن ہیں، حاجی کا محمد مرشد کے مکان کو بند ھک رکھنا، یہ بھی اسی کا ایک قرینہ ہے، اس لیے اس کے بعد حاجی حبیب الرحمن کا محمد مرشد کے پاس سے مشین کے کرایہ کے نام سے ماہانہ ڈیڑھ سو روپیہ وصول کرنا صریح سود ہے، جو حرام ہے، کرایہ کا نام دینے سے حکم بدلتا نہیں ہے، حاجی کے لیے ضروری ہے کہ کرایہ کے نام سے جتنی رقم اب تک وصول کی ہے، وہ محمد مرشد کو واپس کرے۔

(قوله فيجب رد عين الربا لو قائما، لا رد ضمانه الخ) يعني أنما يجب رد ضمانه لو استهلكه (شامی ٤ /١٩٧)

ایک مدت کے بعد حاجی حبیب الرحمن کا اسی مشین کے متعلق یہ دعویٰ کہ یہ مشین میری ہے، تمہیں صرف کرایہ پر دیا ہے، درست نہیں اور نہ تو حاجی حبیب الرحمن کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ مشین کسی کے ہاتھ فروخت کرے؛ لیکن اس کے باوجود حاجی نے محلہ کے ایک آدمی کو دس ہزار میں مشین فروخت کی، ان کا یہ تصرف فضولی کے تصرف کے حکم میں ہے، اگر محمد مرشد نے اس بیع کو بغیر جبر و اکراہ کے منظور کر لیا ہے، تو بیع درست ہوگئی۔

وقف بيع مال الغير لو الغير بالغا عاقلا فلو صغيرا أو مجنونا لم ينعقد أصلا الخ (شامي مع درمختار٤ /١٥٢)

اور دس ہزار کی رقم کا مالک محمد مرشد ہے، حاجی حبیب الرحمن کے لیے ان دس ہزار کو وصول کر کے اپنے پاس رکھ لینا جائز نہیں تھا؛ بلکہ حرام ہے، اب جب کہ وہ رقم حاجی حبیب الرحمن نے خود رکھ لی، تو وہ محمد مرشد کا حاجی کے اوپر دین ہے، جس کی ادائیگی حاجی پر ضروری ہے، اب صورت حال یہ ہوگئی کہ حاجی کا کچھ دین محمد مرشد کے اوپر تھا، یعنی پانچ ہزار مشین کی رقم، دو ہزار اس کے علاوہ، ایک ہزار اس کے بعد اور ایک ہزار

چھ سو بالکل آخری (جو زمین بندھک دے کر لیے تھے) کل ملا کر یہ رقم نو ہزار چھ سو روپئے ہوئی، اس کے بالمقابل محمد مرشد کا کچھ دین حاجی حبیب الرحمن کے ذمہ ہے، یعنی دس ہزار جو حاجی نے مشین خریدنے والے محلہ کے آدمی سے وصول کر کے خود رکھ لیے، جو محمد مرشد کا حق تھا اور مشین کے کرایہ کے نام سے اب تک جتنی رقم حاجی عبد الرحمٰن نے محمد مرشد سے وصول کی ہے، وہ بھی حاجی کے ذمہ محمد مرشد کا دین ہے، دونوں کا حساب کرنے سے نتیجہ میں محمد مرشد کا حق حاجی حبیب الرحمن پر نکلتا ہے، اس لیے کہ حاجی حبیب الرحمن کی کل رقم جو محمد مرشد پر ہے، جس کی مقدار نو ہزار چھ سو ہوتی ہے، وہ تو مشین کی دوسری مرتبہ فروخت میں حاصل شدہ دین میں سے ہی وصول ہو جاتی ہے اور چار سو روپئے پھر بھی محمد مرشد کا حق باقی رہتا ہے، اور کرایہ کے نام سے اب تک جتنی رقم محمد مرشد سے حاجی حبیب الرحمن نے وصول کی ہے، ان سب کا لوٹانا حاجی حبیب الرحمن پر لازم ہے؛ نیز اب حاجی حبیب الرحمن کے لیے محمد مرشد کی زمین اور مکان کو بندھک کے نام سے اپنے پاس روکے رکھنا ہرگز ہرگز جائز نہیں؛ بلکہ صریح ظلم ہے، حاجی حبیب الرحمن پر لازم ہے کہ پہلی فرصت میں مکان اور زمین محمد مرشد اور اس کے والد کے حوالہ کرے، (اور والد نہ ہوں تو دیگر ورثاء ان کے قائم مقام ہیں) اگر تاخیر یا ٹال مٹول کریں گے، تو سخت گنہ گار ہوں گے اور ظالم وغاصب شمار ہوں گے۔

باقی رہا حبیب الرحمن کا ستر ہزار کا مطالبہ تو یہ ظلم در ظلم ہے: ﴿فسيعلم الذين ظلموا أي منقلب ينقلبون﴾ حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "من أخذ شبرا من الأرض ظلما فإنه يطوقه يوم القيٰمة من سبع أرضين" (مشکوٰۃ: ۲۵۴) یعنی جو آدمی کسی کی ایک بالشت زمین بھی رکھ لے گا، تو اس کو قیامت کے روز سات

زمین کا طوق پہنایا جائے گا۔ (اعاذنا اللہ منہا) جماعتِ مسلمین کو بھی چاہیے کہ ظالم سے مظلوم کا حق دلانے میں مظلوم کی بھرپور مدد کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/شوال المکرم ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

وکیل مؤکل کے خلاف تصرف کا خود ذمہ دار ہے

سوال: ہمارے والد صاحب نے جو کاروبار ہمیں سونپا ہے، وہ ایسا ہے کہ سب کام ورکروں یعنی نوکروں سے لیا جاتا ہے اور ان سے پالیسی رکھنا پڑتا ہے، ایسا نہیں کرتے تو کام رک جاتا ہے، اور کاروبار میں خلل ہوتا ہے، اور دیتے ہیں تو والد صاحب وہ رقم واپس ہم کو دینے سے انکار کرتے ہیں، تو میں کیا کروں؟ ایسے ورکروں کو دی ہوئی رقم کاروبار سے وصول کرسکتا ہوں؟ آپ اس کے متعلق شرعی رو سے وضاحت کریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

والد صاحب کی طرف سے آپ جو کاروبار کررہے ہیں، اس میں آپ ان کے وکیل ہیں، اور وکیل کو اسی تصرف کا اختیار ہوتا ہے جس کی مؤکل اس کو اجازت دے، اس لیے جب والد صاحب کی طرف سے ورکروں کو دینے کی اجازت نہیں ہے، اور آپ نے دی تو اس کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوگی، آپ کاروبار میں سے وہ رقم وصول نہیں کرسکتے۔ (ہدایہ ۲/۲۳۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/صفر المظفر ۱۴۰۸ھ

کارڈرائیور کا تاجر سے پارٹس خریدنا اور مالک کا قیمت ادا کرنا

سوال: زید ٹریکٹر وغیرہ کے پارٹس (پرزوں) کا تاجر ہے عمر اس سے کہتا ہے کہ میری موٹر فلاں نمبر کی بکر ڈرائیور چلاتا ہے اگر کبھی وہ پارٹس وغیرہ لینے آئے تو دے دینا قیمت میں ادا کروں گا، اتفاق سے چند دن کے بعد عمر کی موٹر خراب ہوئی بکر ڈرائیور اس کو میکینک کے پاس لے گیا، میکینک نے کہا فلاں فلاں اشیاء کی ضرورت ہے، بکر زید کی دوکان سے وہ اشیاء خرید لایا، عمر نے چند روز کے بعد زید سے معلوم کیا کہ بکر کتنی قیمت کا سامان لے گیا، زید نے بتایا کہ ایک ہزار ایک روپیہ کا، عمر نے وہ قیمت ادا کردی، سوال یہ ہے کہ اس طرح معاملہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب بکر وہ اشیاء لینے آوے اس وقت اس کو ان اشیاء کی قیمت بتلادے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

كتاب المزارعة

ایک کی زمین دوسرے کا بیج کھاد

سوال: زید نے اپنی زمین بکر کو اس طرح کاشت کے لیے دی کہ پانی، کھاد، بیج سب کچھ بکر کے ذمہ رہے گا اور زید کو اس کی زمین کے عوض پیداوار کا ایک تہائی حصہ دیا جائے گا یہ معاملہ شرعاً صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔

ومنها: ان تكون الارض من جانب، والباقى كله من جانب، وهذا ايضاً جائز لان العامل يصير مستأجراً للارض لاغير، ببعض الخارج الذى هو نماء ملكه وهو البذر. (بدائع الصنائع ٦ /١٧٩)

اگر مزارع بلاشرط اپنی خوشی سے یہ امور انجام دیتا ہے تو درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

صاحب زمین کا بیج، کھاد اور عامل کی محنت

سوال: صاحبِ زمین زید نے بکر سے اس طرح معاملہ کیا کہ بیج، کھاد، زمین سب کچھ زید کے ذمہ رہے گا، بکر کی تو صرف محنت ہوگی اور بکر کو محنت کے عوض پانچواں یا چھٹہ حصہ طے شدہ دیا جائے گا شرعاً اس طرح معاملہ کرنا کیسا ہے؟

نوٹ: اس صورت میں زید بکر سے کھیتی کے کام کے علاوہ مثلاً جانوروں کی نگرانی، گھاس کاٹنا وغیرہ جیسے کام بھی کراتا ہے، اور کھیتی کے کام میں زید خود بھی بکر کا ساتھ دیتا ہے، اور یہ بات بہ طیب خاطر عرف عام کی وجہ سے کی جاتی ہے، شریعت کی

رو سے یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔ ان تكون الارض والبذر والبقر والآلة من جانب والعمل من جانب، وهذا جائز؛ لان صاحب الارض يصير مستأجرا للعامل لاغير، ليعمل له فى ارضه ببعض الخارج الذى هو نماء ملكه وهو البذر (بدائع الصنائع ٦ /١٧٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

صاحبِ زمین اور عامل کی شرکت بیج وغیرہ میں

سوال: زید صاحب زمین ہے، بکر سے اس نے اس طرح معاملہ کیا کہ تیری صرف محنت، اور بیج، کھاد، پانی وغیرہ سب میں ہم دونوں کا آدھا آدھا حصہ اور پیداوار میں سے بھی ہر ایک کا آدھا آدھا حصہ، زید صاحبِ زمین کا بکر سے اس طرح کل اخراجات میں بکر کو آدھے حصہ کا ذمہ دار ٹھہرا کر پیداوار میں آدھے حصہ کا شریک کرنا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ صورت درست نہیں ہے۔

ومنها: ان يشترط فى عقد المزارعة ان يكون بعض البذر من قبل احدهما والبعض من قبل الآخر وهذا لا يجوز، لان كل واحد منهما يصير مستأجرا صاحبه فى قدر بذره فيجتمع استيجار الأرض والعمل من جانب واحد وانه مفسد (بدائع الصنائع ٦/ ١٨٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ١٠/ ربیع الثانی ١٤٠٩ھ الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک کی زمین دوسرے کا پانی تیسرے کی محنت

سوال: زید کا پانی، بکر کی زمین، عمر کی محنت، پیداوار میں سب برابر کے شریک شرعاً یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ درست نہیں ہے۔

ومنها: ان يشترك جماعة من احدهم الارض ومن الآخر البقر ومن الآخر البذر ومن الرابع العمل، وهذا لا يجوز ايضاً لما مر وفى عين هذا ورد الخبر بالفساد الخ (بدائع الصنائع ٦ /١٧٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

صاحبِ زمین کا سب کچھ دوسرے کا پانی کے عوض پیداوار لینا

سوال: زید صاحبِ زمین خود محنت کرتا ہے اور کھاد، بیج وغیرہ کے اخراجات بھی خود ہی اٹھاتا ہے؛ البتہ پانی بکر سے لیتا ہے اور پانی کے عوض پیداوار کا معین حصہ، مثلاً: ثلث دینا طے کرتا ہے، اس طرح پانی کے عوض میں پیداوار میں سے معین حصہ دینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں پانی کی قیمت کے طور پر پیداوار کا معین حصہ دیتا ہے یعنی ثمن مجہول ہے جو درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

صاحبِ زمین کا سب کچھ دوسرے کا پانی کے عوض قیمت لینا

سوال: زید صاحب زمین خود محنت کرتا ہے کھاد، بیج وغیرہ کے اخراجات بھی خود ہی برداشت کرتا ہے اور بکر سے قیمۃً پانی لیتا ہے، یعنی پانی کے عوض اس فصل کا غلہ نہیں، بلکہ روپئے دیتا ہے، اس طرح قیمۃً پانی خریدنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بکر اگر پانی اپنی مشین سے نکال کر اپنے قبضہ میں لاکر زید کی زمین میں پہنچاتا ہے تو یہ معاملہ درست ہے، ورنہ درست نہیں ہے۔

المیاہ اربعۃ انواع: الاول: الماء الذی یکون فی الاوانی والظروف .....اما الاول فھو مملوك لصاحبه لاحق لاحد فیه، لان الماء وان کان مباحا فی الاصل لکن المباح یملك بالاستیلاء اذالم یکن مملوکا لغیره الخ (بدائع الصنائع ٦/ ١٨٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ١٠/ ربیع الثانی ١٤٠٩ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مزارع کو گھاس میں حصہ نہ دینا

سوال: صاحبِ زمین زید نے بکر سے محنت کے عوض نصف پر معاملہ کیا؛ لیکن بکر کو صرف پیدا شدہ غلہ میں سے نصف حصہ دیا گیا، گھاس میں سے نصف حصہ نہیں دیا گیا تو شرعاً اس طرح فقط غلہ میں سے نصف حصہ دینا اور گھاس میں سے نہ دینا جب کہ آج کل گھاس کی بھی خاصی قیمت ہوگئی ہے کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہے، اور بوقتِ عقد یہ شرط کی گئی کہ غلہ اور بھوسہ دونوں میں آدھا آدھا حصہ رہے گا، تو یہ معاملہ درست ہے، اور حسبِ شرط بھوسہ کا آدھا حصہ مزارع کو ملے گا، اور اگر بیج مالک زمین کی طرف سے ہے اور بوقت عقد یہ شرط کی گئی ہے کہ غلہ میں آدھا آدھا حصہ اور بھوسہ مالک زمین (جس کا بیج بھی ہے وہ) لے گا تو یہ بھی درست ہے، اور شرط پر عمل ہوگا، اور بوقت عقد بھوسہ کے متعلق کوئی تصریح نہیں کی گئی ہے، تو عرف اگر یہ ہے کہ بھوسہ میں بھی حصہ ملتا ہے، تو مالک زمین کو چاہیے کہ بھوسہ میں آدھا حصہ مزارع کو دے، اور اگر عرف نہیں ہے تو جس کا بیج ہے بھوسہ اسی کا سمجھا جائے گا۔ (تفصیل المسئلة فی الدر المختار والشامی ٥ /١٩٥،١٩٤وتقریرات الرافعی علی الشامی ٢ /٣٠٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مزدوروں کو اجرت کے بجائے غلہ یا گھاس دینا

سوال: کھیت میں فصل تیار ہونے پر کاٹنے کے لیے جو مزدور لائے جاتے ہیں عموماً وہ اپنی مزدوری نقد روپیوں کی صورت میں لینے پر تیار نہیں ہوتے، بلکہ مزدوری میں غلہ طلب کرتے ہیں، چناں چہ بعض مرتبہ غلہ ہی مزدوری میں طے کیا جاتا ہے کہ مثلاً چالیس کیلو غلہ دیا جائے گا شرعاً یہ صورت کیسی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس کھیت میں وہ مزدور کاٹ رہے ہیں اسی سے نکلنے والا غلہ اجرت میں طے کیا گیا

تو یہ اجارہ فاسد ہے، یہ قفیز طحان والی صورت ہے جو ممنوع ہے۔ اور اگر مطلق چالیس کیلو غلہ بطور اجرت مقرر کیا گیا اور ضروری نہیں قرار دیا گیا کہ یہی غلہ جو اس کھیت سے نکلے گا وہ دینا ہے، تو اجارہ درست ہے، بعد میں مالک کو اختیار ہے، چاہے اسی غلہ میں سے دے، چاہے دوسرا کوئی غلہ دے؛ البتہ یہ یاد رہے کہ غلہ کی جنس اور نوع وغیرہ متعین ہونی چاہیے۔ (درمختار مع الشامی ۵/ ۳۹، ۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ　　الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ غفرلہ

مزدور کو اسی کے کام سے اجرت دینا

سوال: کھیت میں فصل تیار ہونے پر کاٹنے والے مزدوروں کو مزدوری میں غلہ مع گھاس دیا جاتا ہے، جس میں غلہ کتنا ہے اور گھاس کتنی ہے، مقدار کی تعیین نہیں ہوتی، شرعاً یہ معاملہ درست ہے یا نہیں؟

ایضاً

سوال: کھیت میں فصل تیار ہونے پر کاٹنے والے مزدوروں کو صرف گھاس دی جاتی ہے، اس طرح کہ مزدور اس بات پر رضامند ہوتے ہیں کہ کھیت کاٹ کر گھاس ہم لے لیں گے، اور رائی وغیرہ فصل مالک زمین وغیرہ کو دے دیں گے، شرعاً اس طرح کا معاملہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دونوں صورتوں میں اجارہ فاسد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کھیت کے محافظ کو اجرت میں غلہ دینا

سوال: فصل کی پرندوں وغیرہ سے حفاظت کے لیے ایک شخص اجرت پر رکھا جاتا ہے، اور اجرت میں اس کو بیس تیس کیلو مقرر مقدار میں غلہ دینا طے کیا جاتا ہے، یہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اسی فصل کا غلہ اجرت میں مقرر کیا گیا ہے تو اجارہ فاسد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حصہ کی تعیین کے بغیر مزارعت کا معاملہ

سوال: زید نے عبدالکریم کو بیس ہزار روپیہ قرض دیے اور عبدالکریم کی زمین اس بات پر کھیتی کرنے کے لیے لی کہ پیداوار میں سے کچھ تم کو بھی دوں گا، کچھ کی تعیین نہیں کی گئی، بلا تعیین کچھ حصہ پر کسی کی زمین کو کھیتی کرنے کے لینا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ درست نہیں ہے۔

ومنها: ان يكون ذلك البعض من الخارج معلوم القدر من النصف والثلث والربع ونحوه، لان ترك التقدير يؤدى الى الجهالة المفضية الى المنازعة، ولهذا شرط بيان مقدار الاجرة فى الاجارات كذا هذا (بدائع الصنائع ٦/ ١٧٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

رشوت دے کر نہر کا پانی کھیت کو پلانا

سوال :① سرکاری نہر سے زمین داروں کو فی بیگہ اجرت پر پانی دیا جاتا ہے، بعض لوگ حکام کو رشوت دے کر تیس بیگہ زمین کو پانی پلاتے ہیں اور صرف بیس بیگہ کی اجرت دیتے ہیں، شرعاً یہ درست ہے؟

② بکر نے سرکاری نہر سے جب کہ زید کی زمین کو پانی دیا جارہا تھا، حکام کو رشوت دے کر اپنی زمین کو بھی پانی پلایا، جس کی کوئی اجرت سرکار کو نہیں دی، یہ جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② یہ دونوں صورتیں ناجائز ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سرکاری نہر سے گاؤں کا تالاب بھرنا

سوال :سرکاری نہر سے چراکر یا زبردستی گاؤں والے اپنے گاؤں کا تالاب بھر لیتے ہیں اور اس پانی سے پورا گاؤں فائدہ اٹھاتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کی گنجائش ہے؛ اس لیے کہ یہ پانی پینے پلانے (جانوروں اور انسانوں کے) لیے لیا جاتا ہے۔

(والشفة: شرب بنی آدم، والبهائم) بالشفاه، (ولكل حقها فی كل ماء لم يحرز باناء) (در مختار) (قوله بالشفاه) هذا اصله، والمراد استعمال بنی آدم لدفع العطش، او للطبخ، او الوضوء، او الغسل، او غسل الثياب

ونحوها كما فى المبسوط والمراد به فى حق البهائم الاستعمال للعطش ونحوه مما يناسبها افاده القهستانى الخ (شامى ٥ / ٣١١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ / ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عقدِ مزارعت میں یوریا کھاد کی شرط لگانا

سوال: مسبوطِ سرخسی میں مزارعت کے بارے میں سرقین (دیسی کھاد) کی شرط مزارع پر کرنے کو مفسدِ عقد قرار دیا ہے، خواہ بیج مزارع کی طرف سے ہو یا رب الارض کی طرف سے، اور سرقین ڈالنے کی شرط رب الارض پر کرنے کو اس صورت میں مفسدِ عقد قرار دیا ہے جب کہ بیج مزارع کی طرف سے ہو، اور اگر بیج رب الارض ہی کی طرف سے ہو تو اس شرط کو جائز کہا ہے۔ (مبسوط للسرخسی باب الشروط اللتی تفسد المزارعة ٢٣ / ٨١،٨٢) لیکن ہمارے زمانے میں انگریزی کھاد (ڈی۔اے۔پی یوریا) کا رواج بھی عام ہے، اور لوگ اس کا شرعی حکم بکثرت دریافت کرتے رہتے ہیں؛ چوں کہ یہ انگریزی کھاد حادث ہے، اس لیے اس کا حکم صراحۃً کسی کتاب میں نہیں ملتا ہے، مسبوط میں دیسی کھاد کی شرط لگانے کے بارے میں جو تفصیل اوپر ذکر کی گئی ہے، اس میں پہلی تین صورتوں میں مزارعت کے فساد کا حکم لگانے کے ساتھ ساتھ اس کی علت بھی بیان کی ہے، اور چوتھی صورت میں صحتِ مزارعت کا حکم لگانے کے ساتھ وجہِ صحت بھی بیان فرمائی ہے، مزارع پر القاءِ سرقین کی شرط کو فاسد قرار دینے کی علت یہ بیان فرمائی ہے۔ لأنه إن شرط ذلك على العامل فقد شرط عليه ما تبقى منفعته فى الارض بعد مضى مدة المزارعة، وشرط عليه اتلاف عين

مال لا يقتضيه عقد المزارعة، وذلك مفسد للعقد. یہ علت اس صورت میں بیان فرمائی ہے جب کہ بیج بھی عامل کی طرف سے ہو، اور اگر بیج رب الارض کی طرف سے ہو تو مزارع پر سرقین کی شرط کو فاسد قرار دینے کی علت یہ بیان فرمائی ہے۔ لأنهما شرطا على العامل ماتبقى منفعته بعد مضى مدة المزارعة.

تنقیح: پہلی صورت میں فساد کی دو علتیں بیان فرمائی ہے، جن میں سے ہر ایک فساد کی مستقل علت ہے کہ ان میں سے ایک علت کا پایا جانا بھی فساد کے لیے کافی ہے۔ اور دوسری صورت میں فساد کی ایک علت کو بیان کیا ہے اور ایک کو (پڑھنے والے کی فہم پر اعتماد کرتے ہوئے) چھوڑ دیا ہے؛ کیوں کہ دونوں صورتوں کا ذکر پہلے کیا ہے، اور دوسری صورت کو بعد میں ذکر کیا ہے؛ لہذا ان دونوں علتوں میں بیان کردہ دو علتوں میں سے ایک علت کا پایا جانا حکم بالفساد کے لیے کافی ہوگا، اور انگریزی دونوں کھادوں میں یہ علت فساد "شرط عليه اتلاف عين مال لا يقتضيه عقد المزارعة" پائی جاتی ہے؛ لہذا سرقین کی شرط کی طرح انگریزی دونوں کھادوں کی شرط مزارع پر کرنا مفسدِ عقد ہونا چاہیے یا نہیں؟

اور سرقین کی شرط رب الارض پر کرنے کو فاسد قرار دینے کی وجہ (جب کہ بیج عامل کا ہو) یہ ذکر کی ہے۔ لأن هذا من عمل الزراعة فاشتراطه على رب الارض يكون مفسدا للعقد.

تنقیح: یہ علت بھی انگریزی دونوں کھادوں پر صادق آتی ہے، تو کیا اس صورت میں رب الارض پر انگریزی دونوں کھادوں کی شرط لگانا بھی مفسد عقد ہوگا یا نہیں؟

اور سرقین کی شرط رب الارض پر کرنا اس صورت میں جائز بتلایا ہے جب کہ بیج

بھی رب الارض کا ہو اور جواز کی علت یہ بیان فرمائی ہے: لأن القاء السرقین والعذرة فی الارض یکون قبل الزراعة وقبل الکراب ایضاً، وان لزم العقد فی جانب صاحب البذر عند القاء البذر فی الارض فکانه استاجر ہ للعمل بنصف الخارج بعد ما فرغ من القاء العذرة والسرقین .

تنقیح: یہ علت انگریزی دونوں کھادوں پر صادق نہیں آتی؛ کیوں کہ ڈی۔ اے۔ پی۔ تو بیج کے ساتھ زمین میں داخل کیا جاتا ہے (زراعت سے پہلے نہیں ڈالا جاتا) اور یوریا کھیتی کے اگنے کے بعد ڈالا جاتا ہے جب صحت کی علت ان کھادوں میں نہیں پائی جاتی تو پھر ان کو شرط لگانے کا کیا حکم ہوگا؟ اور کس علت کی بناء پر؟

② آج کل کھیتی کے اگنے کے بعد مختلف قسم کے مضر حشرات الارض سے کھیتی کی حفاظت کے لیے پاؤڈر بھی ڈالا جاتا ہے، مزارعت کی صورت میں یہ پاؤڈر ڈالنے کی شرط عامل پر کرنا کیسا ہے؟

فقہاء نے کھیتی کی حفاظت مزارع پر قرار دی ہے، تو کیا مزارع پر لازم ہوگا کہ اپنے پیسوں سے پاؤڈر خرید کر ڈالے؟ اور پاؤڈر کے خرچ کی ذمہ داری دونوں پر کرنا کیسا ہے؟ اور اگر یہ شرط رب الارض پر کی جائے تو کیا حکم ہوگا؟

المستفتی: محمد آدم بھیلونی خادم شعبۂ افتاء جامعہ نذیریہ کاکوسی گجرات

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① سوال میں اٹھائے گئے نکات پر بحث کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عقدِ مزارعت سے متعلق چند اصولی باتوں پر ایک نظر ڈال لی جائے:

[۱] وہ تمام کام جن کا تعلق عملِ مزارعت سے ہے، یعنی اصلاح زرع کے لیے وہ

ضروری سمجھے جاتے ہیں ان کی ذمہ داری مزارع پر ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے:ومنها: ان كل ماكان من عمل المزارعة مما يحتاج الزرع اليه لاصلاحه فعلى المزارع؛ لان العقد تناوله، وقد بيناه (بدائع الصنائع ٦/ ١٨٢)

عالمگیری میں ہے: واما احكامها: منها: ان كل ماكان من عمل الزراعة مما يحتاج الزرع اليه لاصلاحه فعلى المزارع (عالمگیری ٥/ ٢٣٧)

[٢] اگر مالک زمین نے مزارع پر کسی ایسے کام کی شرط لگائی جس کا اثر اور جس کی منفعت مدت زراعت کے بعد بھی باقی رہتی ہے، تو ایسی شرط مفسدِ عقدِ مزارعت ہے، مثلاً کھیت کے لیے دیوار یا باڑ لگانا یا نئی نہر کھودنا یا کھاد ڈالنا وغیرہ۔

بدائع الصنائع میں ہے:ومنها: ان يشترط صاحب الارض على المزارع عملا يبقى اثره ومنفعته بعد مدة المزارعة، كبناء الحائط والسرقند واستحداث حفر النهر ورفع المسناة ونحو ذلك مما يبقى اثره ومنفعته الى ما بعد انقضاء المدة؛ لانه شرط لا يقتضيه العقد (بدائع الصنائع ٦ /١٨١)

[٣] کوئی ایسا کام جو عمل مزارعت کے قبیل سے نہیں ہے، اس کی شرط مزارع یا مالک میں سے کسی ایک پر لگانا بھی مفسد عقد ہے۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:وفى الاصل اذا شرطا فى المزارعة على المزارع او على رب الارض ماليس من اعمال المزارعة يفسد المزارعة (٤ /١٩٢)

اس موقعہ پر صاحب خلاصۃ الفتاویٰ نے اس کی بھی تصریح فرمادی ہے کہ کونسا کام اعمالِ مزارعت کے قبیل سے ہے اور کون سا نہیں ہے؟ فرماتے ہیں:

وعمل المزارعة ماينبت وينمى فى الخارج، ومالا ينبت ولا ينمى

فی الخارج فهو لیس من اعمال المزارعة (٤/ ١٩٢)

یعنی وہ کام جو پیداوار کو اگانے یا اس کو بڑھانے میں دخیل ومؤثر ہے وہ عمل مزارعت سے تعلق رکھتا ہے، اور جو اس قسم کا نہیں ہے وہ اعمالِ مزارعت میں سے نہیں ہے۔

[۴] عقد مزارعت میں یہ ضروری ہے کہ زمین عامل کے حوالے اس طرح کردی جائے کہ اس میں مالکِ زمین کا کوئی عمل دخل نہ رہے، اسی لیے مالک زمین پر کام کی شرط لگانا مفسد عقد مزارعت ہے؛ اس لیے کہ اس قسم کی شرط مزارع کی طرف تخلیہ وتسلیم ارض سے مانع ہوگی۔

بدائع میں ہے: ومنها: ان تكون الارض مسلمة الى العامل مخلاة، وهو: ان يوجد من صاحب الارض التخلية بين الارض وبين العامل حتى لو شرط العمل على رب الارض لا تصح المزارعة لانعدام التخلية، فكذا اذا اشترط فيه عملهما فيمنع التخلية جميعا لما قلنا، ولهذا لو شرط رب الارض الخ (٦/ ١٧٨)

[۵] بیج اور عملِ زراعت کے علاوہ دیگر تمام مصارف دونوں کے ذمہ بقدرِ حصص مشترکہ طور پر واجب ہیں۔

بدائع میں ہے: ومنها: ان كل ما كان من باب النفقة على الزرع من السرقين وقلع الحشاوة ونحو ذلك فعليهما على قدر حقهما، وكذلك الحصاد والحمل الى البيدر والدياس وتذريته لما ذكرنا ان ذلك ليس من عمل المزارعة حتى يختص به المزارع (٦/ ١٨٢، عالمگیری ٥/ ٢٣٧)

[٦] عقد مزارعت میں جس کی طرف سے بیج ہوتا ہے (چاہے مالک زمین ہو یا مزارع) اس پر نفس ایجاب وقبول سے یہ عقد لازم نہیں ہوجاتا؛ چناں چہ اس کے بعد

بھی اگر وہ بیج ڈالنے سے پہلے پہلے اس عقد سے کنارہ کشی اختیار کرے تو اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا، جب کہ اس کے مقابل پر نفس ایجاب وقبول سے ہی عقد لازم ہوجاتا ہے، اور اب اس کے لیے بلا عذر شرعی کنارہ کشی اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔

ومنها: إن هذا العقد غير لازم فى جانب صاحب البذر، لازم فى جانب صاحبه، لو امتنع بعد ما عقد عقد المزارعة على الصحة، وقال لا اريد زراعة الارض له ذلك سواء كان له عذر او لم يكن، ولو امتنع صاحبه ليس له ذلك الا من عذر (بدائع ٦ /١٨٢)

اس کے بعد چوں کہ سوال میں زیرِ بحث یہ ہے کہ کھاد کی ذمہ داری جب مالک یا مزارع میں سے کسی ایک پر متعین طور پر ڈالی جائے تو کیا حکم ہے؟ اس موقعہ پر اس کی تنقیح ضروری ہے کہ اس ذمہ داری میں دو امر آتے ہیں: ایک کھاد کی مالیت، اور دوسرا اس کھاد کو زمین میں ڈالنے کا عمل، اور کتبِ فقہ کی عبارتوں کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کھاد کی مالیت سے قطعِ نظر صرف کھاد زمین میں ڈالنے کے عمل کی ذمہ داری بھی اگر مزارع پر مشروط کی گئی تو عقد مزارعت فاسد ہوجاتا ہے۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے: وفى الفتاوىٰ النسفي: لو شرط القاء السرقين فى المزارعة والمعاملة يفسد العقد، ولو لم يشترط لا يلزم العامل، فالحيلة ان يستاجر على اصلاح المسنيات وحفر الانهار والقاء السرقين باجرة يسيرة غير مشروطة فى العقد، ونقل السرقين عن البذرة ونواحيها ان كان متفاوتا؛ ولكن تفاوت ذلك قليل (٤/ ١٩٣)

دیکھئے یہاں القاء سرقین کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو عمل پر دلالت کرتا ہے؛ نیز آگے چل کر جو حیلہ بتلایا ہے اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ صرف عمل مراد

ہے، اس لیے کہ اجارہ منافع میں ہوتا ہے اعیان میں نہیں ہوتا، اور مالیت سرقین اگر مراد ہو تو وہ از قبیل اعیان ہونے کی وجہ سے اجارہ ہی درست نہ ہوگا، اس لیے لامحالہ القاء سرقین کا عمل مراد لینا ہوگا، اسی طرح اوپر اصولی باتوں کے ضمن میں نمبر ۲ پر بدائع کی عبارت ہم نقل کر آئے، اس میں تصریح ہے کہ "ان یشترط صاحب الارض علی المزارع عملا یبقی اثرہ ومنفعتہ" الخ اور اس کی مثال میں جو امور ذکر کئے گئے ہیں ان میں بناء حائط، رفعِ مسناۃ، ساتھ ساتھ السرقین کو بھی شامل کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہاں کھاد کی مالیت والی حیثیت کو نہیں؛ بلکہ اس کی عمل والی حیثیت کو ملحوظ رکھا ہے؛ نیز مبسوط کے زیرِ بحث مسئلہ میں جہاں اس عقد فاسد کا حکم بیان کیا ہے، وہاں بھی ان دونوں حیثیتوں کا الگ الگ لحاظ فرما کر حکم جاری کیا ہے۔ ولصاحب الارض اجر مثل ارضہ واجر مثل عملہ فیما عمل من ذلك، وقیمة سرقینہ ان کا ن ذلك من قبلہ.

دیکھئے یہاں صاحب ارض کے عمل القاء سرقین کی اجرت الگ اور مالیت سرقین کی قیمت الگ دلائی گئی، جس سے ان دونوں کے الگ الگ ہونے کا پتہ چلتا ہے، اس لیے ضروری ہو گیا کہ شرط سرقین میں ان دونوں امور کا لحاظ کرتے ہوئے فیصلہ صادر کیا جائے۔

اب آپ کے اٹھائے ہوئے نکات کو دیکھتے ہیں، شرط سرقین میں اگر اس کی مالیت والی حیثیت کو دیکھا جائے تو اس شرط سے عقد مزارعت فاسد ہو جاوے گا؛ اس لیے کہ عقد مزارعت میں جتنے بھی مصارف آتے ہیں، ان کی ذمہ داری دونوں پر بقدر حصص مشترکہ طور پر ہے، جیسا کہ اصولی باتوں کے ذیل میں نمبر ۵ پر گزر چکا، اور قیمت سرقین کو متعین طور پر دونوں میں سے کسی ایک پر ڈالنا مقتضاءِ عقد کے خلاف ہے۔ اب اگر

یہ اشکال ہو کہ پھر چاروں صورتوں میں عقد فاسد ہو جانا چاہیے؛ حالاں کہ ایک صورت (شرطِ سرقین علی رب الارض اور بذر من قبلہ) میں جواز وصحت کی تصریح موجود ہے، تو اس کا جواب خود دلیل میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے اور آخر میں ہم انشاء اللہ اس پر بحث کریں گے۔

اور اگر شرط سرقین میں اس کی عملی حیثیت کو دیکھا جاوے تو اس صورت میں بھی یہ شرط عقد مزارعت کے حق میں مفسد ثابت ہوگی، مالک کے حق میں تو اس لیے کہ یہ عمل مزارعت کے قبیل کی چیز ہے، اور اصول نمبر ۴ کے مطابق اس قسم کی شرط جو مزارع کی طرف تخلیہ وتسلیم ارض سے مانع ہو مفسد عقد ہے، اور مزارع پر یہ شرط لگانا اس لیے مفسد ہے کہ یہ ایک ایسا عمل ہے جو اعمال مزارعت کے قبیل سے ہونے کے باوجود، اس کا اثر اور اس کی منفعت مدت مزارعت کے ختم کے بعد بھی باقی رہتی ہے، اور اصول نمبر ۲ کے مطابق یہ بھی مفسد ہے۔

انگریزی کھاد اور دیسی کھاد میں مالیت والے پہلو کو مدنظر رکھا جائے تو دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اور عمل والے پہلو کے اعتبار سے دونوں میں صریح فرق موجود ہے، اور وہ بھی دو طریقہ سے: پہلا تو یہ کہ دیسی کھاد ڈالنے والے عمل کا اثر اور اس کی منفعت مدت مزارعت کے ختم کے بعد بھی باقی رہتی ہے؛ چناں چہ دیسی کھاد ہر سال اور ہر فصل کے لیے ڈالنا نہیں پڑتا؛ بلکہ عموماً ایک یا دو سال کے فاصلے سے ڈالا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ کھاد ڈالنے کے بعد اس کا اثر اور اس کی منفعت دو تین سال تک باقی رہتی ہے، جب کہ انگریزی کھاد ہر فصل کے لیے ڈالا جاتا ہے، اگلی فصل میں کھاد ڈالنے کا جو عمل ہوا تھا بعد والی فصل تک بھی اس کا اثر باقی نہیں رہتا، تو گویا شرطِ سرقین مزارع

پر لگانے کی صورت میں اس کے عملی پہلو کی وجہ سے جو فساد آتا تھا، اس کی علت یہاں موجود نہیں ہے، دوسرا فرق وہ جس کی آپ نے سوال میں نشان دہی فرمائی ہے۔

اس تفصیل کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات پیشِ خدمت ہیں، انگریزی کھاد میں:

(الف) مزارع پر شرط سرقین لگانے کا مطلب اگر یہ ہو کہ مالیت بھی اس کی اور عمل القاء کی ذمہ داری بھی اس پر، تو ظاہر ہے کہ پہلی حیثیت کا تقاضہ یہی ہے کہ عقد مزارعت فاسد ہوجائے۔ شرط عليه اتلاف عين مال لايقتضيه عقد المزارعة وذلك مفسد للعقد. چاہے بیج مزارع کی طرف سے ہو یا مالک کی طرف سے۔

البتہ اس کی عملی حیثیت کے اعتبار سے فساد نہیں آوے گا گویا "فقد شرط عليه ماتبقى منفعته فى الارض بعد مضى مدة المزارعة" والی علت مفقود ہے، نتیجہ یہ نکلا کہ اگر عقد مزارعت کے اصول کے مطابق کھاد کے مصارف تو مالک و مزارع دونوں کے بقدر حصص برداشت کئے؛ لیکن عمل القاء کی ذمہ داری مزارع پر مشروط کی گئی تو اس سے عقد فاسد نہیں ہوگا۔

تنبیہ: فتاویٰ عالمگیری میں ہے: اذا شرط رب الارض والبذر من المزارع ان يسرقنها، قيل: تفسد المزارعة عند المتقدمين ولا تفسد عند المتأخرين، والفتوىٰ على قول المتأخرين، قاله الخجندى وعزيز ابن ابى سعيد كذا فى جواهر الاخلاطى (عالمگیری ٥ /٢٤٤)

اور خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے: وحكى عن القاضى الامام عبدالواحد انه قال ان شرط (اى السرقين) على المزارع جاز ايهما كان البذر الخ (خلاصة الفتاوىٰ ٤ /١٩٢، عالمگیری ٥/ ٢٤٤)

احقر کے خیال میں عالمگیری میں مزارع پر عمل سرقین کی شرط کو غیر مفسد قرار دینا مفتیٰ بہ بتلایا ہے، تو اگر اس کو عمل القاء پر محمول فرمائیں تو انگریزی کھاد میں متقدمین ومتأخرین دونوں کے قول پر عمل ہو جاوے گا۔

(ب) مالک پر شرط سرقین کی صورت میں اگر بیج بھی اس کی طرف سے ہو تو جائز بتلایا ہے، اور اس کی علت بتلائی ہے:

وهذا لان القاء السرقين والعذرة فى الارض يكون قبل الزراعة وقبل الكراب ايضاً وان لزوم العقد فى جانب صاحب البذر عند القاء البذر فى الارض فكانه استاجره للعمل بنصف الخارج بعد مافرغ من القاء العذرة والسرقين.

اس تعلیل کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ صورت اس لیے جائز ہوئی کہ (مالک کے ذمہ بیج ہے اور اصول نمبر ٦ کے مطابق صاحب بذر پر قبل القاء بذر محض ایجاب وقبول سے عقد لازم نہیں ہوتا) صاحب زمین پر عقد لازم ہو اس سے پہلے پہلے وہ عمل سرقین سے فارغ ہو چکا ہے، تو گویا تسلیم وتخلیہ ارض الی المزارع میں کھاد والی شرط سے کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی، اور صحت مزارعت کے لیے جس قسم کا تخلیہ ارض ضروری ہے وہ لزوم عقد کے وقت حاصل ہے، کیوں کہ وہ عمل سرقین سے اس سے قبل ہی فارغ ہو چکا ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ یہ تعلیل دیسی کھاد کی صورت میں درست ہے، اور انگریزی کھاد چوں کہ بیج کے ساتھ یا بعد میں ڈالا جاتا ہے تو وہاں یہ تعلیل درست نہیں ہو پاتی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزی کھاد میں یہ جواز والی صورت باقی نہیں رہے گی جیسا کہ اگر بیج مزارع کی طرف سے ہو، اور شرط سرقین مالک پر لگائی جاوے تو وہ اس لیے ناجائز

ہوتا ہے کہ یہ عمل زراعت میں سے ہے، اور عمل زراعت کے قبیل کی کوئی چیز مالک پر مشروط کرنا مانع عن التخلیہ ہونے کی وجہ سے مفسد عقد ہے، (دیکھئے اصول نمبر ۴) اسی لیے صاحبِ مبسوط نے اس کی تعلیل میں فرمایا ہے: ان شرط علی رب الارض فذلك بمنزلة شرط الكراب، والثنيان عليه لان هذا من عمل الزراعة فاشتراطه على رب الارض يكون مفسدا للعقد.

اور اس سے پہلے شرط کراب وثنیان کے ذیل میں وہ خود تصریح فرما چکے ہیں:

واشترط على رب الارض كرابها او الكراب والثنيان فان كان البذر من العامل فالمزارعة فاسدة؛ لان العقد فى جانب الارض يلزم بنفسه، وموجبه التخلية بين الارض والمزارع، واشتراط الكراب والثنيان عليه يفوت موجب العقد فيفسد به العقد، ثم الكراب من عمل الزراعة واشتراط بعض عمل الزراعة على رب الارض مفسدا للعقد. الخ

اور یہ سب بحث شرط سرقین کی عملی حیثیت سے ہوئی، اور مالیت والی حیثیت کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ عقد فاسد ہو۔

(۲) مضر حشرات الارض سے کھیتی کو بچانے کے لیے ڈالے جانے والے پاؤڈر کی ذمہ داری بھی مالک ومزارع پر بقدر حصص مشترکہ طور پر آتی ہے، اس لیے کہ یہ از قبیل مصارف ہے، اور اصول نمبر ۵ کے مطابق مصارف دونوں پر بقدر حصص مشترک ہیں؛ البتہ اس کو کھیتی میں ڈالنے کی ذمہ داری مزارع پر ہونی چاہیے، دونوں میں سے ایک پر اس کو مشروط کرنا مفسد عقد ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

هذا مافهمت من عبارات الكتب الفقهية، فان كان صوابا فمن الله

تعالی، وان کان غیر ذلك فمنی ومن الشیطان فقط واللہ تعالیٰ أعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم محرم الحرام ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مرتہن کا خود مرہون زمین کم اجرت پر کرایہ سے لینا

سوال: زید نے عبداللہ کو دس ہزار روپیہ قرض دیے اور اس کی زمین رہن رکھ لی، پھر عبداللہ سے وہی زمین، رائج کرایہ سے بہت کم کرایہ پر، کھیتی کرنے کے لیے لی، شرعاً اس طرح کا معاملہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں زید نے جب اس مرہونہ زمین کو اجرت پر کاشت کرنے کے لیے لیا تو اگر قبضہ کی تجدید ہوئی تھی تو نفس عقد اجارہ سے سابقہ عقد رہن باطل ہو گیا، اور اگر قبضہ کی تجدید نہیں ہوئی تھی تو یہ اجارہ فاسدہ ہے؛ اس لیے نفس عقد اجارہ سے سابقہ عقد رھن ابھی باطل نہیں ہوا ہے؛ البتہ جب اس پر اتنا زمانہ گزرا جس میں اجرت مثل کا کچھ حصہ واجب ہو جاتا ہے، تب عقد رہن باطل ہو گیا۔

واما الاجارة فالمستاجر ان کان هو الراهن فهی باطلة، وکانت بمنزلة مااذا اعارمنه او اودعه وان کان هو المرتهن وجدد القبض للاجارة أو أجنبیا بمباشرة احدهما العقد باذن الآخر بطل الرهن الخ (شامی ۵/ ۳۶۳)

وفی البزازیة وان استاجرها المرتهن فاسدا ووصل الیها ومضی زمان بمقدار ما یجب فیه شیء من الاجرة بطل الرهن اھ (شامی ۵/ ۳٦٤)

لیکن چوں کہ یہ بات یقینی ہے کہ اجرت میں یہ رعایت قرض کی وجہ سے ہے؛

اس لیے ناجائز ہے، اور "کل قرض جر نفعا" کے کلیہ میں داخل ہے، اگر عقد رہن میں مشروط ہے تب تو ظاہر ہی ہے، اور اگر مشروط بھی نہ ہو؛ لیکن چوں کہ متعارف ہے؛ اس لیے حسب قاعدہ "المعروف کالمشروط" کے بھی ناجائز ہے۔ (امداد الفتاوی ۱۳/۴۵۹ بتغیر یسیر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مرھون زمین سے انتفاع

سوال: زید نے بکر کو پانچ ہزار روپیہ قرض دیئے اور اس کی زمین رھن (گروی) رکھ لی، اور بکر سے کہا کہ تیری زمین میں میں کھیتی کروں گا؛ لیکن کچھ دوں گا نہیں، زید کے لیے یہ معاملہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

انتفاع مرھون سے اگر مشروط یا معروف ہو جیسا کہ آج کل ہے، ربا حرام ہے، اور ربا اذن سے حلال نہیں ہوتا۔ الخ (امداد الفتاوی ۳/۴۵۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مزارعتِ فاسدہ کی ایک صورت

سوال: بکر ایک ایکڑ زمین کا مالک ہے جس میں زمین کی سالانہ پیداوار تقریباً بیس من فصل ہوتی ہے، اب بکر اپنی زمین خالد کو اس شرط پر دیتا ہے کہ تم ہم کو دس من سالانہ فصل ادا کرو گے خواہ تم کو زیادہ ہو یا کم (فصل اگانے کے تمام اخراجات خالد ہی کو برداشت کرنے پڑیں گے) نیز سال میں کبھی فصل زیادہ ہوتی ہے اور کبھی کم ہوتی

ہے، تو بکر کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ مزارعت درست نہیں ہے؛ بلکہ فاسد ہے، اس صورت میں خالد بکر کو اس کی زمین کی اجرت مثل ادا کرے گا۔ (کذا فی کتب الفقہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مقروض کی زمین معمولی حصہ پر لینا

سوال: زید نے عبدالرحمن کو پانچ ہزار روپیہ قرض دیے اور عبدالرحمن کی زمین بہت کم حصہ پر مثلاً: عشر دسویں حصہ پر بونے کے لیے لی، شرعاً اس طرح قرض کی وجہ سے مقروض سے اس کی زمین کم حصہ پر بونے کے لیے لینا کیا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ رعایت بھی قرض کی وجہ سے ہے؛ اس لیے ناجائز ہے اور "کل قرض جر نفعا" کے کلیہ میں داخل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قرض دے کر نفع لینا

سوال: (۱) زید نے بکر کو ایک معقول رقم؛ اس لیے دی تاکہ وہ آلو کی کاشت کرے اور فصل تیار ہونے پر زید کو اس کی مکمل رقم واپس کردے، اور بقیہ میں سے اخراجات

نکالنے کے بعد اگر نفع ہوا ہے تو نصف نصف کریں گے، اور اگر نقصان ہوا ہے تو اس کے بھی نصف نصف کے دونوں ذمہ دار رہیں گے، تو شرعاً اس طرح معاملہ کرنا کیسا ہے؟

(۲) زید نے بکر کو آلو کی کاشت کے لیے ایک رقم اس شرط پر دی کہ زید فصل تیار ہونے پر اپنی پوری رقم واپس لینے کے بعد بقیہ حصہ میں نفع میں بکر کے ساتھ برابر کا شریک ہوگا؛ لیکن خدانخواستہ نقصان ہوا تو وہ صرف بکر کے ذمہ ہوگا، زید نقصان میں بکر کا شریک نہ ہوگا، کیا شرعاً اس طرح صرف نفع میں زید کا اپنی رقم کی وجہ سے بکر کے ساتھ شریک ہونا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ دونوں صورتیں نہ تو مضاربت میں داخل ہیں، اور نہ مزارعت میں؛ بلکہ درحقیقت زید بکر کو قرض دے کر نفع حاصل کر رہا ہے جو خالص ربا ہے جو حرام اور ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

آلو کا ایک پودا اکھیڑ کر پورے کھیت کے آلو کی بیع

سوال: آلو پودے کے نیچے زیرِ زمین لگتے ہیں، آلو پودے کے نیچے لگ گئے ہیں اس بات کو ایک پودا اکھاڑ کر معلوم کر لیا جاتا ہے، اور اسی وقت مشتری مالک سے آلو کا بھاؤ طے کر کے خرید لیتا ہے، حالاں کہ اس وقت آلو کی مقدار معلوم نہیں ہوتی ہے، اس بیع سے بائع کل پیداوار مشتری کو دینا اور مشتری کل پیداوار لینا اپنے ذمہ ضروری سمجھتا ہے، کیا شرعاً یہ بیع درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ بیع درست ہے۔

صح الشراء والبيع لما لم يرياه، والاشارة اليه اي المبيع اوالى مكانه شرط الجواز الخ (در مختار على هامش الشامى ٤ /٧٠)

ولو اشترى شيئا مغيبا فى الارض كالبصل والثوم والجزر وما اشبهه لم يكن بروية بعضه مختاراً وهو على خياره مالم ير جميعه وهذا عند ابى حنيفة رحمه الله، وعندهما اذا قلع شيئا منه يستدل به على الباقى ورضى به سقط خياره، كذا فى السراج الوهاج وعامة المشائخ رحمهم الله تعالىٰ قالوا: لم يذكر هذه المسئلة فى ظاهر الرواية وانما ذكرها فى الامالى عن ابى يوسف رحمه الله تعالىٰ انه قال: ان كان المغيب فى الارض مما يكال او يوزن بعد القلع كالثوم والجزر والبصل فقلع المشترى شيئا باذن البائع او قلع البائع ان كان المقلوع مما يدخل تحت الكيل او الوزن اذا رأي المقلوع ورضى به لزم البيع فى الكل، وتكون رؤية البعض كرؤية الكل اذا وجد الباقى كذلك، وان كان المقلوع شيئاً يسيراً لا يدخل تحت الوزن لا يبطل خياره، هذا اذا قلع البائع او قلع المشترى باذن البائع، فان قلع المشترى منه شيئا بغير اذن البائع ان كان المقلوع شيئا له ثمن لزمه البيع فى الكل رضى به اولم يرض كذا فى فتاوىٰ قاضيخان وجد فى ناحية اخرى؛ من الارض اقل منها او لم يجد فيها شيئا كذا فى المحيط، وان كان المقلوع قليلا لا ثمن له لا يبطل خياره، والفتوىٰ فى هذه المسائل على قول ابى يوسف رحمه الله تعالىٰ كذا فى فتاوىٰ

قاضیخان (عالمگیری ۳/ ٦٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ / ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد غفرلہ

ایضاً

سوال: ایک دو پودے اکھاڑ کر یہ معلوم کرلیا جاتا ہے کہ اب آلو بڑے ہو گئے ہیں، اور اس وقت بھاؤ طے کر کے خریدار کل ہونے والی پیداوار کو جس کی مقدار بھی معلوم نہیں خرید لیتا ہے، اور مالک بیچ دیتا ہے، یہ خرید و فروخت شرعاً صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔ (کمامر فی السابق) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ / ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد غفرلہ

جوار کی فصل کاٹنے کا وقت مقرر کیے بغیر فصل کی بیع

سوال: ① جوار کی فصل تیار ہو کر کھیت میں کھڑی ہے، زید نے جانوروں کو کھلانے کے لیے اس کو خرید لیا اور کھیت سے کاٹ کر لیجانے کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں کیا شرعاً اس بیع کا کیا حکم ہے؟

گنا کاٹنے کی تاریخ طے کیے بغیر بیع

سوال: ② گنے کی فصل جو کھیت میں کھڑی تھی خریدار نے خریدی اور گنا کاٹ

کرلے بجانے کی کوئی تاریخ طے نہیں کی، تو یہ بیع درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) (۲) درست ہے۔

وان کان بحیث ینتفع به ولو علفا للدواب فالبیع جائز باتفاق اهل المذهب اذاباع بشرط القطع او مطلقا (شامی ٤/ ٤٢)

البتہ بائع کے مطالبہ پر مشتری کے لیے فوری طور پر کاٹ لینا ضروری ہے۔

ویقطعها المشتری فی الحال جبرا علیه (درمختار) (قوله ویقطعها المشتری) ای اذا طلب البائع تفریغ ملکه (شامی ٤/ ١٤٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

پھل آنے سے پہلے ان کی بیع

سوال: (۱) زید باغ کا مالک ہے اور آم، پپیتا، لیموں وغیرہ درخت پر لگنے سے قبل ہی بیچ دیتا ہے، شرعاً اس بیع کا کیا حکم ہے؟

سوال: (۲) بکر باغ والوں سے کئی کئی سالوں کے پھل آم، پپیتا وغیرہ پہلے سے خرید لیتا ہے، بکر کے لیے اس طرح بیع کرنا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) (۲) یہ دونوں بیع درست نہیں ہیں۔

اما قبل الظهور فلایصح اتفاقا (درمختار)

(قوله اما قبل الظهور) أشار الى ان البروز بمعنى الظهور، والمراد به انفراک الزهر عنها وانعقادها ثمرة وان صغرت (شامی ٤/ ٤١)

اما مسئلة بيع الثمار فى حد ذاتها فان لهذا البيع صورا مختلفة: (الاولى): ان تباع الثمار قبل ظهورها وهذالم يقل بجوازه احد سواء جرى به التعامل اولا الخ (تكمله فتح الملهم ١/ ٣٩٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خودرو گھاس بیچنا جائز نہیں

سوال: زید نے اپنے کھیت کی خودرو گھاس بکر کو بغیر کاٹے ہوئے بیچ دی، کیا یہ بیع درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

درست نہیں ہے۔

ثم الكلام فى الكلأ على اوجه: اعمها مانبت فى موضع غير مملوك لاحد، فالناس شركاء فى الرعى والاحتشاش منه كالشركة فى ماء البحار، واخص منه وهو مانبت فى ارض مملوكة بلاانبات صاحبها وهو كذلك الخ (شامی ٥/ ٣١٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ غفرلہ

چراگاہ کا اجارہ درست نہیں ہے

سوال: زید سے بکر نے اپنی بکریاں چرانے کے لیے اس کے کھیت کی خودرو گھاس

اس طرح خریدی کہ بکریاں وہیں کھیت میں آکر چرا کریں گی، یہ جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ بھی درست نہیں ہے۔

لان الاجارة واقعة على استهلاك العين وسيأتي التصريح بأنه لا يصح اجارة المراعى (شامي ٤/ ١١٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

لچکا گھاس اگنے سے پہلے اس کی بیع

سوال: ① لچکا ایک قسم کی گھاس ہے، اور جانوروں کو کھلائی جاتی ہے، اس کی باقاعدہ کاشت کی جاتی ہے، یہ گھاس کاٹنے کے بعد بھی بڑھتی رہتی ہے، زید نے اپنے کھیت میں لچکا کی کاشت کی اور بکر کو دو ہزار میں اس طرح پر بیچ دی کہ جب تک گھاس ہوتی رہے تم اس کو لیتے رہو میں پانی پلاتا رہوں گا، یہ بیع درست ہے؟

ایضاً

سوال: ② زید نے اپنے کھیت میں لچکا گھاس کی کاشت کی اور بکر کو ایک ہزار میں کھڑی فصل کی صورت میں اس طرح بیچ دی کہ دو مہینوں تک اس کو کاٹتے رہو، میں پانی پلاتا رہوں گا، یہ گھاس دو تین بار کاٹنے پر بھی بڑھتی رہتی ہے، بیع کی یہ صورت جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دونوں صورتوں میں بیع جائز نہیں۔ لان فيه بيع المعدوم، والشرط الفاسد.

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ / ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کھیت بٹائی پر دینا

سوال: کھیت بٹائی پر دینا کیسا ہے؟ اس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ صاحبِ کھیت دوسرے کو کھیت بونے کے لیے دیتا ہے، اور دونوں اس کی پیداوار میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بٹائی پر کھیت دینا بایں طور کہ زمین ایک آدمی کی اور بیج محنت اور بیل اور آلات وغیرہ دوسرے آدمی کے اور جو پیداوار ہو وہ دونوں میں بقدرِ حصص مثلاً نصفا نصف یا ایک کی تہائی دوسرے کی دو تہائی طے کی جاوے تو درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ / جمادی الاخری ۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

خودرو جڑی بوٹی اور درخت دوسرے کی زمین سے لینا

سوال: بہت سے خودرو بیل بوٹے، پودے، علاوہ ازیں بڑے درخت جن کی ڈالیاں، پتیاں، پھول، پھل، جڑی؛ ہومیو پیتھک وایلو پیتھک دواؤں اور دیگر چیزوں کی بناوٹ میں کام آتی ہیں، ان چیزوں کی خاصیتوں کا جاننے والا ہی اس کی افادیت سمجھتا ہے، ورنہ ہر کوئی شخص ان چیزوں کی خاصیتوں سے واقف نہیں رہتا، یہ چیزیں

سرکاری وغیر سرکاری یعنی کسی کی ملکیت والی زمین پر بھی اگتی ہیں، مالک چوں کہ ان چیزوں کی خاصیت وافادیت سے واقف نہیں رہتا، اس لیے اس کو ان چیزوں سے کوئی سروکار نہیں رہتا کہ سڑے، گلے، ضائع ہوجائے، کوئی اکھاڑ کر توڑ کر لے جاوے، کوئی پرواہ نہیں؛ لہذا ان چیزوں کی خاصیت وافادیت سے واقف شخص ایسی چیزیں مالک کی اجازت حاصل کئے بغیر تجارت یا ادویات میں استعمال کرتے ہوئے نفع حاصل کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ان میں سے جو چیزیں گھاس کی جنس سے ہیں، انہیں تو مالک کی اجازت کے بغیر لینا جائز ہے، اور جو درخت کے قبیل سے ہیں، وہ اگر کسی کی مملوکہ زمین میں ہیں تو مالک کی اجازت لی جائے، اور اگر سرکاری زمین میں ہیں تو سرکار کی طرف سے اس کے لینے پر پابندی نہیں ہے، تو لینا جائز ہے؛ ورنہ بغیر اجازت لینا درست نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۱۹۵، ۱۹۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

قانونِ مزارعت کے سہارے کرایہ کی زمین اپنے نام کرلینا

سوال: ہمارے یہاں ایک صاحب تقریباً پچاس سال سے جنوب افریقہ میں مقیم ہے، اپنا ملک ہندوستان چھوڑنے سے پہلے انھوں نے اپنی کھیتی کی زمین اپنے دیہاتی مسلم بھائی کو استعمال بہ ذریعۂ پیسہ سالانہ کرایے پر دی ہوئی تھی۔ زبانی شرط یہ تھی کہ جب وہ چاہے ایک سال کی اطلاع دے کر واپس لے سکتے ہیں۔ کچھ سال پہلے

زمین کے مالک نے سوچا کہ وہ زمین بیچ دیں، دو خریداروں نے جس میں سے ایک جنوب افریقہ میں رہتے ہیں اور ایک برطانیہ میں رہتے ہیں، دونوں نے ایک لاکھ روپیے خریدی کے لیے پیش کیے، اور دونوں نے بتایا کہ وہ مالک کتنے میں بیچنا چاہتے ہیں؟ وہ زیادہ بھی دینا چاہتے تھے، زمین کے مالک نے ایک لندن میں رہنے والے ان کے رشتے دار- جو ہندوستان جارہے تھے- بہ ذریعۂ خط ان کی زمین کے لیے اس آدمی جن کے پاس اُن کی زمین تھی اس سے گفتگو کے لیے کام دیا، اس آدمی نے دیہات میں جاکر اس آدمی کو بتایا کہ زمین کے مالک زمین بیچنا چاہتے ہیں، وہ چاہے قیمت بتائے، کتنے میں خریدنا چاہتے ہیں؟ اس آدمی نے بتایا کہ: وہ ۳۵/ ہزار سے زیادہ نہیں دے سکتے، جب وہ لندن والے آدمی نے بتایا کہ: دو آدمی ایک لاکھ سے زیادہ دینے کے لیے تیار ہیں، تو انھوں نے جواب دیا کہ یہ کوئی اَور آدمی خریدے گا نہیں؛ کیوں کہ وہ سب زمین انھوں نے اپنے نام پر رجسٹر کرادیا ہے، بتایا کہ حکومتِ ہند کے قانون نے انھیں مجبور کیا تھا؛ اس لیے اس کو اپنے نام پر کرایا، وہ لندن والا آدمی حکومت ہند کی آفس دہلی میں گیا اور قانون کی تحقیق کی، پتہ چلا کہ: اگر کوئی زمین کا مالک غیرِ ملک میں پانچ سال سے زیادہ رہتا ہے تو زمین جس کے قبضے میں ہے وہ اپنے نام پر کرواسکتا ہے، اور اگر اصل مالک لینا چاہے اور زمین کا قبضہ دار نہ چھوڑے تو وہ لے نہیں سکتا۔ اس لندن والے آدمی نے پوچھا کہ: کیا حکومت ہند کی آفس سے کوئی خط ونوٹس وغیرہ ان کسانوں کو بھیجا تھا، کہ وہ غیر ملک میں رہنے والے کی زمین اپنے نام پر کروالے؟ حکومتِ ہند کی آفس والوں نے بتایا کہ: ہم نے ایسے خط ونوٹس کسی کسانوں کو نہیں بھیجا، اگر ان کسانوں نے اپنے نام پر کروالیا تو وہ ان کی مرضی سے کیا، حکومت نے

مجبور نہیں کیا تھا، اس لندن والے آدمی نے پوچھا کہ: وہ اگر اصل مالک کو زمین دے دے تو کیا حکومت کو کوئی اعتراض ہے؟ جواب ملا: نہیں، وہ لندن والا آدمی پھر اس دیہات میں آیا اور اس کسان کو قانون سمجھایا، تو انھوں نے بتایا: وہ زمین نہیں چھوڑیں گے، وہ آدمی پھر لندن چلا گیا۔ چند وقت کے بعد بہت ہی جلد وہ کسان افریقہ گیا اور زمین کے مالک سے گفتگو ہوئی، اس وقت جو افریقہ کا خریدار تھا وہ بھی حاضر ہوا، ہند کے اس کسان نے بتایا کہ: میں زیادہ سے زیادہ پچھتر ہزار دے سکتا ہوں، تو افریقہ والے خریدار نے بتایا کہ: میں ایک لاکھ دینے کے لیے تیار ہوں، تو وہ کسان نے بتایا کہ: میں کسی اور کو چاہے وہ کتنا ہی پیسہ دے زمین نہیں چھوڑوں گا، مجبوراً اس بیچارے کو فقط ۷۵ ر ہزار میں دینا پڑا، اب یہ زمین کے لیے قانونِ اسلام کیا سکھاتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کے قانون سے فائدہ اٹھا کر اس طرح سوال میں مندرجہ طریقہ سے کسی مسلمان کی زمین کو اپنے نام رجسٹر کروالینا، اور پھر اسی رجسٹری کی بنیاد پر اس زمین کی اصل قیمت جو عام طور پر مل سکتی ہے اس سے کم میں خریدنے پر اصرار کرنا، شرعاً گناہ ہے، اس کسان کو چاہیے کہ جو مقدار کم دی اس کی تلافی کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ ر رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

كتاب الوقف

اوقاف کا حکم

سوال :①: جس ملک میں بیت المال موجود نہیں، وہاں مسلم اوقاف اس کے قائم مقام ہیں یا نہیں؟ اور یہ حکم اوقاف کے لیے بھی ہے یا نہیں جب کہ دونوں کا مقصد ایک ہے۔

فاسق کی تولیت

سوال :②: فاسق وفاجر حکومت کی طرف سے مسلط شدہ متولیان کی تولیت مسلم اداروں کے لیے کیا حکم رکھتی ہے، جب کہ متولی صاحبان بھی فاسق وفاجر ہوں۔

لا یجوز تولیة الفاسق مع إمکان تولیة البر (ابن تیمیة ۱/۱۵۰) "إذا وسد الأمر إلی غیر أهله فانتظر الساعة" (بخاری ۱/۱۴) (من علامات القیامة مشکوة ۴۷۰)

جب بڑے کام نااہلوں کے سپرد کئے جائیں اور سردار قوم فاسق ہوں۔

ان امور کے پیش نظر فساق وفجار متولیان کی تولیت کا کیا حکم ہے جس کو دین سے کچھ ہی نسبت نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اوقاف کے متعلق ضروری ہے کہ واقف نے جس مقصد کے لیے وقف کیا ہے اس کی رعایت کی جائے، شرائط وقف کے خلاف تصرف درست نہیں ہے۔ لأن شرط الواقف کنص الشارع.

② اہل علم وفضل وصلاح وتدین کی موجودگی میں بے علم وعمل اور فاسق وفاجر تولیت کے اہل نہیں ہو سکتے اور فاسق وفاجر کو تولیت سونپنا گناہ ہے، اہل محلہ اگر کسی کی

تولیت پر متفق ہو جائیں تو وہ درست ہے۔

أهل المسجد لو اتفقوا على نصب رجل متوليا لمصالح المسجد فعند المتقدمين يصح؛ ولكن الأفضل كونه بإذن القاضي (شامی ۳/ ۴۴۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

موقوفہ زمین میں تصرف

سوال: مسجد کے لیے وقف کردہ زمین گاؤں والے اپنے مسجد کے امام کے لیے وقف کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کر دیا تو یہ وقف صحیح بھی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

جو زمین مسجد کے لیے وقف ہو چکی ہے، اب ضروری ہے کہ واقف نے جس مقصد کے لیے وقف کیا ہے اسی میں اس کا استعمال ہو، گاؤں والے اس میں ترمیم وتغییر نہیں کر سکتے۔ ''شرط الواقف كنص الشارع'' فقہاء کے یہاں مسلّم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

موقوفہ زمین کی بیع کرنا

سوال: لوگ مسجد یا مدرسہ میں اپنی زمین (کھیت) وقف کرتے ہیں؛ تاکہ اس کی آمدنی ادارہ کے کام آسکے، اب آج کل کے حالات میں زمین اگر کسی کو بٹوارہ پر دیتے ہیں، تو اس سے برائے نام آمدنی ہوتی ہے، کوئی خاص آمدنی نہیں ہوتی، ادھر

زمینوں کی قیمتیں بہت بڑھ گئی ہیں، جس کی وجہ سے معمولی زمین کے بھی بہت اچھے نرخ مل رہے ہیں، کیا ایسی کوئی گنجائش ہے کہ وقف شدہ زمین کو فروخت کر کے اس رقم سے آمدنی کا کوئی اور مستقل ذریعہ بنایا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر واقف نے بوقتِ وقف اس زمین میں تبدیلی کرنے کا اختیار اپنے لیے یا (بعد میں آنے والے) کسی اور کے لیے رکھا ہے، تب تو اس کی تجویز کردہ شرط کے مطابق تبدیلی درست ہے، اور اگر اس نے ایسی کوئی شرط نہیں رکھی اور موقوفہ زمین بالکلیہ ناقابل انتفاع نہیں بنی؛ بلکہ اس میں سے آمدنی ہوتی ہے، اگرچہ اس کے بدل سے زیادہ آمدنی متوقع ہے، تو اس صورت میں مختار قول کے بموجب اس زمین کو فروخت کر کے آمدنی کا کوئی دوسرا مستقل ذریعہ بنانا درست نہیں ہے؛ البتہ اگر اسی زمین سے ہونے والی آمدنی اتنی قلیل ہے کہ اس زمین پر ہونے والے مصارف کے لیے بھی کافی نہیں ہے، تو چند شرائط کے ساتھ اس میں تبدیلی درست ہے۔

اعلم ان الاستبدال على ثلاثة وجوه:الأول: أن يشرطه الواقف لنفسه او لغيره أو لنفسه وغيره فالاستبدال فيه جائز على الصحيح، وقيل: اتفاقا والثاني: أن لا يشرطه سواء شرط عدمه أو سكت؛ لكن صار بحيث لا ينتفع به بالكلية، بأن لا يحصل منه شيء أصلا، أو لا يفي بمؤنته فهو ايضاً جائز على الأصح، إذا كان بإذن القاضي، ورأيه المصلحة فيه والثالث: أن لا يشرطه أيضاً؛ ولكن فيه نفع في الجملة، وبدله خير منه ريعاً ونفعاً، وهذا لا يجوز استبداله على الاصح المختار، كذا حرره العلامة قنالي زاده في رسالته "الموضوعة الاستبدال اطنب فيها عليه الاستدلال"

وهو مأخوذ من الفتح أيضاً (شامي ٣ /٤٢٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/صفر المظفر ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

وقف کی بنجر زمین بیچنا

سوال: ایک دیہات میں مسجد و مدرسہ ہے، اور اس کو ایک زمین (کھیت) وقف کیا ہے، اس مسجد کی جو زمین ہے، ایک مدت تک تو اس میں کھیتی کرتے رہے، اور اس سے آمدنی آتی رہی؛ مگر ابھی چند سال سے کوئی اس کی صحیح دیکھ بھال کرنے والا نہیں ہے، اس لیے بالکل بنجر پڑی ہے، اب متولیانِ مسجد یہ چاہتے ہیں کہ اس زمین کو فروخت کردیں، اور اس کا جو عوض آوے اس کا مکان کسی قصبہ یا شہر میں خرید لیں، اور وہ کرایہ پر دیں، تو امید ہے کہ اس صورت میں مسجد کو نفع ہوگا کہ اس کی آمدنی حاصل ہوگی، جو واقف کا اصل مقصد بھی تھا اور مسجد کا اور زمین کا نقصان بھی نہیں ہے، تو اس زمین کا فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کہ عقار کے بدلہ میں عقار بھی ہوجائے گی، اور فروخت کرنا جائز نہ ہو تو پھر اس صورت میں مسجد کو خسارہ (آمدنی نہ میسر ہوگی اس لیے) بھی ہوگا، اور واقف کو جو ثواب کی امید- جو دوسری صورت میں ہے- اس سے محروم ہوگا، براہِ کرم جواب بالدلائل تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر واقف نے بوقتِ وقف اس زمین میں تبدیلی کرنے کا اختیار اپنے لیے یا (بعد میں آنے والے) کسی اور کے لیے رکھا ہے، تب تو اس کی تجویز کردہ شرط کے

مطابق تبدیلی درست ہے، اور اگر اس نے ایسی کوئی شرط نہیں رکھی تو موقوفہ زمین بالکلیہ ناقابل انتفاع نہیں بنی؛ بلکہ اس میں سے آمدنی ہوسکتی ہے، اگرچہ اس کے بدل سے زیادہ آمدنی متوقع ہے، تو اس صورت میں مختار قول کے بموجب اس زمین کو فروخت کرکے آمدنی کا کوئی دوسرا مستقل ذریعہ بنانا درست نہیں ہے؛ البتہ اگر اس زمین سے ہونے والی آمدنی اتنی قلیل ہو کہ اس پر ہونے والے مصارف کے لیے بھی ناکافی ہے تو چند شرائط کے ساتھ اس میں تبدیلی درست ہے، آپ کے سوال سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ صورت میں اس زمین کی کماحقہ دیکھ بھال نہ ہونے کی وجہ سے بنجر پڑی ہے، یہ زمین کا قصور نہیں ہے؛ بلکہ متولیان کی کوتاہی ہے، اس لیے یہ تبدیلی کے لیے وجہ جواز نہیں بن سکتا۔

اعلم أن الاستبدال علی ثلاثة وجوه الخ (شامی ۳ / ٤٢٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ / ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

چندہ کرکے خریدی ہوئی زمین فروخت کرنا

سوال: لندن مرکز کے لیے ہم نے سولہ سے اٹھارہ ایکڑ کی زمین لی تھی، جس کی اکثر رقم قرض لی تھی، کچھ لوگوں نے للہ رقم بھی پیش کی تھی، پھر چودہ لاکھ پاؤنڈ سے زمین خرید لی، اس میں آٹھ سے دس لاکھ قرض لیا تھا، باقی لوگوں نے ڈونیشن (Donation) دیا تھا، اور یہ زمین پلاننگ (Plannig) کی اجازت کے بغیر خرید لی تھی، اس زمین کے اوپر کئی سال تک کیمیکل (Chemical) کی فیکٹری (Factory) کا کام ہوتا تھا اور اس لیے زمین میں کیمیکل کے زہریلے اثرات موجود ہیں اور جس سے خریدی تھی

زمین اس نے اوپر سے مٹی ڈال کر کیمیکل کو چھپا دیا تھا؛ لیکن کیمیکل کے زہریلے اثرات باقی ہیں، اور دو الیکٹرک (Electric) کے مین لائین کے تار اور ستون تھے، اور زمین کے اندر دو بڑے نالے (گٹر) گندے پانی کے ہیں، اور زمین ایسی ہے کہ بجلی کے ستون کے دونوں طرف پچاس پچاس فٹ تک کچھ نہیں کر سکتے، اور اس میں مسجد بنانے کے لیے اجازت لیں گے تو کیمیکل کے لیے انشورنش (Insurance) کرانا پڑے گا، اور پلاننگ والوں کے شرائط میں یہ بھی ہے کہ پل بنانا پڑے گا، جس کا تقریباً دو ملین کا خرچہ ہے، اور اگر انشورنش نہ کرائے تو اگر کسی کو کیمیکل کے زہریلے اثرات لگ جائے یا بیمار ہو جائے یا مر جائے تو سارے پیسے ٹرسٹی کو دینا پڑے گا اگر وہ کلیم کرے تو؟ یہ سارے حالات نظام الدین کے بزرگوں کے سامنے رکھے ہیں اور یہ بھی کہ پلاننگ کی اجازت مل سکتی ہے؛ لیکن ان سارے شرائط کے ساتھ، نظام الدین کے بزرگوں نے یہ مشورہ دیا ہے کہ زمین کو بیچ دیا جائے اور اس کے بدلے میں کوئی دوسری تیار عمارت خرید لے تو اس حالت میں زمین بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ اس زمین کو کسی نے وقف نہیں کیا؛ البتہ لوگوں نے ڈونیشن دیا تھا اور لوگوں سے قرض لیا اور بھی قرض دینا باقی ہے، اور جس نے للہ ڈونیشن دیا اور دوسری جگہ خریدیں گے تو اسی سے دوسری جگہ خریدیں گے، اگر وہ نہ چاہیں تو اس کو رقم واپس کریں گے، امید ہے کہ آپ ہمیں اس کا جواب مرحمت فرمائیں گے۔ کیا مرکز کے لیے انشورنش کرانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو زمین یا عمارت چندہ کر کے بنائی گئی ہو یا خریدی گئی ہو وہ ابھی وقف نہیں ہوئی، جب تک اس کو وقف نہ کر دیا جائے، اس لیے صورت مسئلہ میں آپ اس زمین کو

فروخت کر کے دوسری زمین خریدنا چاہیں تو خرید سکتے ہیں۔ (ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۲۱۵)

المتولی إذا اشتریٰ من غلة الوقف حانوتاً أو داراً أو مستغلا آخر جاز؛ لأن هذا من مصالح المسجد، فإذا أراد المتولی أن یبیع ما اشتریٰ وباع اختلفوا فیه، قال بعضهم: لا یجوز هذا البیع؛ لأن هذا صار من أوقاف المسجد، وقال بعضهم: یجوز هذا البیع، وهو الصحیح؛ لأن المشتری لم یذکر شیئا من شرائط الوقف فلایکون ما اشتریٰ من جملة أوقاف المسجد (فتاویٰ قاضیخان علی هامش الفتاویٰ الهندیة ۳ /۲۹۷)

انشورنش میں سود اور قمار دونوں کا ارتکاب لازم آتا ہے اس لیے وہ جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر قانونی مجبوری کے پیشِ نظر دفع ضرر کے لیے کیا تو امید ہے کہ مواخذہ نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ شوال ۱۴۱۸ھ

درگاہ کے ڈبہ کی رقوم کا مصرف

سوال: ایک بزرگ کی درگاہ میں مزار کے پاس نذرانہ درگاہِ خواجہ رحمۃ اللہ علیہ کے ڈبے ہیں، عقیدت مند ان ڈبوں میں نذرانے ڈالتے ہیں، کیا:

① یہ نذرانہ تحفہ ہے یا صدقہ؟

② کیا سجادہ نشین درگاہ جو ایک سید ہیں، ان نذرانوں کے ڈبوں کی رقم ذاتی خرچ میں استعمال کر سکتے ہیں؟

③ کیا صدقہ سید کے لیے جائز ہے؟

④ کیا نذرانہ کے ڈبوں کی رقم اس درگاہ کے غریب خادموں کو- جو سید نہیں ہیں-

تقسیم کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر یہ رقم بطورِ نذر مزار پر چڑھائی گئی ہے، تو کسی جگہ بھی اس کا استعمال جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ غیر اللہ کے نام کی نذر حرام ہے، اور اس چیز کا استعمال بھی حرام ہے جس کی نذر کی گئی ہو۔

واعلم أن النذر الذي يقع للاموات من اكثر العوام، وما يؤخذ من الدراهم، والشمع، والزيت، ونحوها إلى ضرائح الاولياء الكرام، تقربا إليهم فهو بالاجماع باطل وحرام الخ (درمختار علی هامش الشامی ۲/۱۳۹)

اور اگر نذر تو اللہ تعالیٰ کے نام کی ہے اور اس کو کسی بزرگ کے مزار کے پاس مقیم فقراء اور مساکین پر صرف کرتا ہے، تو اس صورت میں اس رقم کا استعمال صرف فقراء ومساکین کے لیے (بشرطیکہ وہ بنو ہاشم میں سے نہ ہوں) درست ہوگا۔

اللّٰهم إلا ان قال يا الله إني نذرت لك إن شفيت مريضي، أو رددت غائبي، أو قضيت حاجتي أن اطعم الفقراء الذين بباب السيدة نفيسة او الامام الشافعي الخ (شامی ۲/ ۱۳۹)

جس کی صورت یہ ہے کہ وہ آدمی یوں کہے کہ: اے اللہ اگر تو نے میرے فلانے (بیٹا یا اور کوئی عزیز) بیمار کو تندرست فرمادیا، یا میرا فلاں کام کردیا، تو میں فلاں بزرگ کے مزار کے پاس- جو فقراء ومساکین مقیم ہیں- ان کو کھانا کھلاؤں گا، یا ان کو اتنی رقم دوں گا؛ لیکن دورِ حاضر میں عموماً عوام اپنی جہالت اور دین سے ناواقفیت کی وجہ سے رقوم اور دیگر اشیاء کو مزار پر ہی چڑھاتے ہیں، جیسا کہ صاحبِ درمختار نے صراحت فرمائی ہے۔

وقد ابتلى الناس بذلك ولاسيما في هذه الاعصار (درمختارعلى هامش الشامى ۴/ ۱۳۹)

اس لیے ان کا استعمال کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے۔ اگر ڈبے پر لکھ دیا جائے کہ یہ رقم سجادہ نشین کے ہدیہ کے لیے ہے، یا درگاہ میں مقیم فقراء کے صدقہ یا ہدیہ کے لیے، تو اس صورت میں اس پر جو مد تحریر ہے، اس میں اس کا استعمال ہوسکتا ہے۔

(۲) جواب نمبر ایک میں اس کی وضاحت ہوچکی ہے۔

(۳) صدقاتِ واجبہ (مثلاً زکوٰۃ، صدقۂ فطر، کفاراتِ نذر وغیرہ) سید کے لیے جائز نہیں؛ البتہ صدقاتِ نافلہ سید کے لیے بھی جائز ہے۔

وجازت التطوعات من الصدقات وغلة الأوقاف لهم أي لبني هاشم الخ (درمختار) أقول: نقل في البحر عن عدة كتب: أن النفل جائز لهم إجماعا، وذكر أنه المذهب الخ (شامى ۴/ ۷۳)

(۴) اس کی وضاحت بھی جواب نمبر ایک میں آچکی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جنازہ کے چندے کی باقی رقم کو کیا کرے؟

سوال: ہم نے جنازہ لانے کے لیے چندہ جمع کیا تو پانچ ہزار روپیہ جمع ہوا، تو دو ہزار روپیہ کا جنازہ ملا، باقی تین ہزار روپیہ بچ گیا، تو اب وہ تین ہزار روپیہ کا سامان مسجد میں لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ یا وہ روپیہ کسی کام میں خرچ کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک خاص مقصد، یعنی جنازہ لانے کے لیے رقم جمع کی گئی ہے، اس لیے جو رقم

بچے، وہ بقدر حصص معطین پر لوٹادی جائے، یا ان کی اجازت سے دوسرے کام میں صرف کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

چندہ میں دینے کے لیے دی گئی رقم کا اپنی ذات پر استعمال

سوال: اگر کسی صاحب نے یا گاؤں کے چند ذمہ داروں نے کچھ رقم للہ دی کسی امام صاحب کو، اور وکیل بنایا کہ جہاں ضرورت ہو آپ اس رقم کو چندہ میں دیتے رہیں، اب امام صاحب خود مقروض ہیں، اور کوئی آمدنی ذرائع نہیں ہے، تو کیا وہ للہ رقم کو اپنی ضروریات میں لاسکتے ہیں؟ اور اگر امام صاحب گاؤں والوں کے سامنے اظہار بھی کرے تو یہ مناسب نہیں معلوم ہوتا، تو کیا جواز کی کوئی شکل ہے کہ نہیں؟ اور اگر حوالہ بھی دیدیں تو زیادہ مناسب ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر امام صاحب کو صرف اتنا کہا گیا ہے کہ آپ یہ رقم مواقع ضرورت میں صرف فرمائیں، یا ان کو اختیار دیا ہے تو اس صورت میں اپنے اوپر خرچ کرسکتا ہے؛ لیکن اگر چندہ میں دینے کا لفظ کہا گیا ہے تو اس صورت میں اپنے اوپر خرچ نہیں کرسکتا، اس لیے کہ ہمارے عرف میں چندہ میں دینے کا مطلب اپنے اوپر خرچ کرنا نہیں ہے۔

وللوكيل بدفع الزكوٰة أن يدفعها إلى ولد نفسه كبيراً كان أو صغيراً وإلى امرأته إذا كانوا محاويج، ولا يجوز أن يمسك لنفسه شيئا، اه إلا إذا قال: ضعها حيث شئت، فله أن يمسكها لنفسه، كذا في الولوالجية

(البحر الرائق ۲ /۲۲۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بلڈنگ کا صرف تیسرا منزلہ وقف کرنا

سوال: شہر بھیونڈی ضلع تھانہ میں تین بتی کے مقام پر ہماری ایک پرانی بلڈنگ ہے، جس کو ہم توڑ کر نئی طرح سے شاپنگ سینٹر بنا رہے ہیں، جو گراؤنڈ فلور اور دوسرے دو منزلہ تک رہے گا، اس کے بعد تیسرے اور چوتھے منزلہ پر ہم مدرسہ اور نماز کے اہتمام کے لیے جگہ وقف کر رہے ہیں، اب اس معاملہ میں ہم آپ سے شرعی طور پر اس بات کا فتویٰ چاہتے ہیں؛ لہذا آپ سے گذارش ہے کہ اس میں آپ ہماری رہنمائی کریں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں آپ کا دوسرے اور تیسرے منزلہ کو مدرسہ اور نماز کے اہتمام کے لیے وقف کرنا درست ہے، یہ یاد رہے کہ وہ جگہ مسجد شرعی نہیں کہلائے گی۔

وعلى هـذا فينبغي أن يستثنى من أرض الوقف ما إذا كانت معدة للاحتكار لأن البناء يبقى فيها كما إذا كان وقف البناء على جهة وقف الأرض، فإنه لا مطالب لنقضه، والظاهر أن هذا وجه جواز وقفه، إذا كان متعارفاً، ولهذا أجاز واقف بناء تظهره على النهر العام الخ (شامی ۳/ ۴۲۸)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ / رمضان المبارک ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

وقف بورڈ کی آمدنی کا مصرف

سوال: پنجاب وقف بورڈ کے عہدے داران اور افسران سے تحقیق کے بعد یہ واضح ہو گیا ہے کہ وقف بورڈ کو قبرستان سے نوے فی صد اور مساجد وغیرہ سے دس فیصد آمد ہوتی ہے، اور اس آمد سے مساجد کو امداد اور ائمہ کو تنخواہیں دی جاتی ہیں، تو کیا یہ بروئے شریعت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قبرستان کی وہ آمدنی اولاً خود ان کی ضروریات میں استعمال کی جائے، اس کے بعد زائد آمدنی سوال میں مذکور مدات میں استعمال کی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کمیٹی کا وقف کے مال کو معاف کرنا جائز نہیں

سوال: جناب عبدالرحیم صاحب مدرسہ کے مہتمم اور مسجد کے متولی اور کمیٹی کے صدر ہیں ان کے پاس امور مذکورہ مدات کا روپیہ بطور امانت رکھا ہوا تھا، و نیز مدرسہ کی اراضی و مسجد کی دوکانوں کا کرایہ بھی انہیں کی تحویل میں رہتا تھا، موصوف کو حالات نے کچھ ایسا آدبوچا کہ مذکورہ تمام مدات کا پیسہ وہ اپنی روزمرہ کی خانگی ضروریات میں صرف کر چکے، اب ان کے پاس بظاہر کوئی حیلہ وسیلہ نظر نہیں آرہا ہے، اس پیسے کی ادائیگی کی کوئی صورت کا، الحاصل موصوف اتنے مقروض ہیں کہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ زکوۃ کے مستحق ہیں تو یہ بیجا نہ ہوگا، اصل محط سوال یہ ہے کہ مدرسہ یا مسجد یا اوقاف سے

متعلق کوئی کمیٹی موصوف کو معاف کرنا چاہے تو کیا شرعی اعتبار سے کمیٹی معاف کرنے کی مجاز ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کمیٹی اوقاف یا مسجد ومدرسہ کی اراضی کی مالک نہیں ہے، وہ تو محض نظم وانتظام چلانے یا اس کے لیے مشورہ دینے کی مجاز ہے، اس لیے کمیٹی کو جناب عبدالرحیم صاحب کو معاف کرنے کا شرعاً کوئی اختیار نہیں ہے اور اگر کمیٹی معاف کر بھی دے تو اس کے معاف کرنے سے جناب عبدالرحیم صاحب شرعاً بریٔ الذمہ نہیں ہوں گے؛ بلکہ اس صورت میں کمیٹی والے بھی ان کے اس گناہ میں شریک سمجھے جائیں گے، کمیٹی والے اپنے مال اور روپیہ سے جناب عبدالرحیم صاحب کی امداد فرما کر ان کو اس مخمصہ سے نجات دلا سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ رجب ۱۴۱۳ھ

وقف دوکان کا دائمی کرایہ داری کا ایگریمنٹ

سوال: مسجد کی تین دوکان ہیں، وہ تین دوکانیں کرایہ پر دی ہیں، ایک دوکان کا کرایہ دوسو پچاس روپئے ہیں، دوکان دیئے ہوئے تین چار سال ہوئے، اب کمیٹی نے فی دوکان دوسو روپئے کرایہ بڑھایا ہے، ایک دوکان کا کرایہ چارسو پچاس روپئے ہوا، کرایہ دار کہتے ہیں کہ اب ہمیں ایگریمنٹ لکھ دو کہ دوکانوں کا کرایہ ہمیشہ کے لیے چارسو پچاس روپئے رہے گا، اب کبھی بھی نہیں بڑھے گا، تو کیا مسجد کی دوکانوں کا ہمیشہ کے لیے ایگریمنٹ لکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ کرایہ داروں سے ایک دوکان کا ڈپوزٹ

سولہ ہزار روپے لیے ہیں، تین دوکان کا اڑتالیس ہزار روپے لیے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دوکانیں مسجد کی ہیں جو وقف ہیں، کمیٹی اس وقف کے نظم کو سنبھال رہی ہے، کمیٹی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ کوئی ایسا اقدام نہ کرے جو وقف کے حق میں نقصان دہ ہو، ظاہر ہے کہ وقت گزرنے پر اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے، اور کرایہ پر چلنے والی املاک کا کرایہ بھی بڑھتا رہتا ہے، اب اگر کمیٹی ایسا ایگریمنٹ کردے کہ ہمیشہ یہی کرایہ رہے گا، تو وقف کے حق میں نقصان دہ ہونے کی وجہ سے کمیٹی اس معاہدہ کی مجاز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عیدگاہ کی اینٹ گھر میں لگانے کی تلافی، چھوٹے گاؤں میں عیدگاہ بنادی تو کیا کرے؟

سوال: زید کے مرحوم نانا نے دیہات میں عیدگاہ بنوائی تھی، بعدہ گاؤں والوں نے ازسرنو بنوانے کی نیت سے توڑ دی، اور زید نے عیدگاہ کی اینٹ اپنے گھر میں لگالی، زید کا اس اینٹ کو اپنے گھر میں لگالینا جائز ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو پھر زید آخرت کے وبال سے بچنے کے لیے کونسی صورت اختیار کرے؟ اور عیدگاہ کے بنوانے کے سلسلہ میں عوام الناس کے درمیان اختلاف ہوگیا ہے، اس لیے آپ رائے دیں کہ عیدگاہ ہم لوگ دیہات میں بنوائیں یا نہ بنوائیں؟ نیز اس کے بنوانے میں چندہ دینے

سے ثواب ہوگا یا نہیں ہوگا؟ اور اگر عیدگاہ نہ بنوائی جائے تو اس زمین کا مالک زید ہوگا یا نہیں؟ اگر مالک نہ ہوگا تو اس زمین کو بیچ کر مدرسہ کے مصرف میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ نیز عیدگاہ کی اینٹ کو مسجد یا مدرسہ میں لگالینا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید کا اس اینٹ کو اپنے مکان میں لگانا جائز نہیں ہے، اب جب کہ وہ لگا چکا ہے تو اس کی تلافی کی صورت یہ ہے کہ اپنی اس حرکت سے توبہ کرے، اور اس اینٹ کی جو قیمت آج کی ریٹ سے ہے وہ عیدگاہ میں دیدے۔

چھوٹے گاؤں میں عید کی نماز درست نہیں، اس لیے عیدگاہ کی ضرورت بھی نہیں ہے؛ لیکن جب ایک شخص عیدگاہ بنوا چکا ہے تو وہ جگہ اس کے لیے وقف ہوچکی ہے، اس لیے اب اس کی حفاظت کی جائے، مستقبل میں جب اس کی ضرورت پڑے گی اس وقت اس کو کام میں لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مدرسہ کی وقف عمارت میں بالغ لڑکیوں کو اسکولی تعلیم

سوال: (۱) انگلینڈ میں رہنے والے مسلمانوں کا سرکاری اسکولوں سے الگ اپنا نظام قائم کرکے اپنی جوان لڑکیوں کو مروجہ اسکول کی تعلیم دلانے کا شرعی حکم کیا ہے؟

(۲) جو عمارت مدرسہ اور دینی تعلیم کے لیے وقف ہے ایسی عمارت میں لڑکیوں کو اسکول کی تعلیم دینا جائز ہے یا ناجائز؟

(۳) اگر مدرسہ کی وقف عمارت اسکول کے لیے استعمال کرنا جائز ہو تو اس کے

جواز کی کیا کیا شرائط ہیں؟

④ مذکورہ مدرسہ کی عمارت بوجہ پرانی ہونے کے اگر جدید تعمیر کی جائے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ اس میں لڑکیوں کے لیے اسکول بھی ہوگی تو ایسی تعمیر کے لیے جو مسجد و مدرسہ کے لیے رقم جمع ہے اس کے استعمال کرنے کا اور جدید اور مزید چندہ دینے اور وصول کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟ مذکور تعمیر کے لیے مسجد مدرسہ کے ممبران پر کچھ رقم مقرر کر کے لینے کا شرعی حکم کیا ہے؟

⑤ اگر عام مسلمان لڑکیوں کے لیے مروجہ اسکول کی تعلیم ناجائز ہو تو ان کے لیے جائز اور مفید تعلیم کی کیا صورت اختیار کی جائے جس سے ان کے دین وحیاء کی حفاظت کے ساتھ ان کو دنیوی ضروری علم بھی حاصل ہو سکے؟

⑥ کچھ زمین ہے؛ جس پر کچھ بوسیدہ گیرج (GARAGE) قائم ہیں، مسجد اور مدرسہ کے لیے وقف ہیں، اس زمین پر نئی عمارت قائم کی جائے جو کرائے پر دی جائے اور وہ کرایہ مسجد و مدرسہ میں استعمال کیا جائے، یہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① مروجہ اسکول کی تعلیم جب حکومت کے قائم کردہ اسکولوں میں دی جاتی ہے تو اس مقصد کے لیے خود مسلمان اپنا الگ نظام کیوں قائم کر رہے ہیں؟ اس کا پس منظر تفصیل سے بتلائیں، مسلمان لڑکیوں کو مروجہ اسکول کی تعلیم دلانے کی تفصیلی بحث فتاویٰ رحیمیہ اردو اول از ۲۱ تا ۳۰ ملاحظہ فرمالیں۔

②③ اسلام میں وقف کے لیے خصوصی احکام ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وقف جس مقصد کے لیے قائم کیا گیا ہو اس کے علاوہ میں اس کا استعمال درست نہیں ہے۔

④ وقف کی عمارت بوسیدہ ہونے کی وجہ سے اگر نئی تعمیر کی جائے تب بھی اس کا حکم وہی رہتا ہے جو اصل وقف کا تھا۔

⑤ اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''اصلاحِ انقلابِ امت'' حصہ دوم ۴۶ تا ۴۸ میں جو تفصیل تحریر فرمائی ہے ملاحظہ فرمالیں۔

⑥ اگر مسجد و مدرسہ کے لیے وقف زمین کا مقصد اس کی آمدنی کا مسجد و مدرسہ میں استعمال ہے تو اس میں عمارت تعمیر کر کے کسی بھی جائز کام کے لیے کرایہ پر دی جاسکتی ہے، اور اس کرایہ کا استعمال مسجد و مدرسہ میں درست ہے، ناجائز کام کے لیے کرایہ پر نہ دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

اراضی وقف کو رفاہِ عام کے لیے دینا

سوال: سانحہ 1947 کے بعد پنجاب وقف بورڈ کے ماتحت (زیرنگرانی) تخمیناً ۲۵/ پچیس ہزار بیگہ سے زائد اراضی ہے، یہ اراضی وہ ہے جس پر متولیان وملازمینِ وقف بورڈ اپنا قبضہ وتصرف بتلاتے ہیں، اور بہت سی اراضی ایسی بھی ہیں جس کا خود ارکانِ بورڈ کو بھی علم نہیں ہے، تو ایسی صورتِ حال میں جب کہ بورڈ کے پاس کافی وسیع ترین اراضی ہے اور بظاہرِ حال طویل عرصے تک بھی اتنی کثیر اراضی کو نہ مساجد بنایا جاسکتا ہے، نہ مقابر کے کام میں لایا جاسکتا ہے، اور اگر عیدگاہ بھی بنائیں گے تو آخر کتنی اراضی میں بنا سکیں گے؟ اور بورڈ کو اتنی اراضی کا تحفظ بھی مشکل اور دشوار ہے، اور بورڈ کا پیسہ بہت سے بینکوں میں پڑا ہوا سڑ رہا ہے جس کے سود ہی سود کو لیا جائے تو وہ

بھی اراکینِ بورڈ استعمال وخرچ کرنے سے عاجز وقاصر ہیں، اور ادھر صورت حال اور ماحول یہ بنا ہوا ہے کہ کہیں بورڈ کی اراضی پر سکھوں نے ناجائز اور غاصبانہ قبضہ کر کے گرودوارے بنا رکھے ہیں، کہیں ہندوؤں نے مندر بنا رکھے ہیں، خانقاہوں کی زمین پر غیروں کا قبضہ ہے، اور ہم مسلم برادری اپنی اقلیت اور طاقت کی کمی، حالات کی ناہمواری اور روپئے پیسے کی ناداری کی وجہ سے خصوصاً جب کہ برسر اقتدار حکومت کا مخالفانہ رویہ ہے کہ اگر بورڈ کی اراضی کا کوئی مقدمہ عدالت میں چلا جاتا ہے تو وہاں سالہا سال شنوائی تک نہیں ہوتی، اور مسلمانوں کی بات کی طرف دھیان دینے کے لیے کوئی تیار تک نہیں، اور یہاں کے گاؤں اور دیہات کا ماحول اتنا نازک ہے کہ نماز واذان پڑھنے پر ان کو ڈرایا اور دھمکایا جاتا ہے، اور یہ الفاظ کہے جاتے ہیں کہ ان سوروں کو ہم نے 1947 میں یہاں سے نکال دیا تھا، یہ پھر یہاں آ گئے اور مساجد کا آزاد کرنا تو کجا بعض جگہوں پر آزادئ مساجد کا نام لینا بھی جرم ہے، تو ایسے نازک ماحول میں وقف بورڈ کے اراکین اگر کچھ اراضی مساجد بنانے کے لیے یا جہاں دو چار گھر مسلمانوں کے ہیں اور ان کو قبرستان کی حاجت ہے تو قبرستان کے لیے اور کہیں دینی تعلیم گاہ کی ضرورت ہے تو مدرسہ کے لیے، کہیں اسلامیہ اسکول کی ضرورت ہے تو اس کے لیے اور کہیں مخصوص عصری تعلیم شروع کرنے کی حاجت ہے اور کہیں اہلِ اسلام اور مسلمانوں کے گھر بسانے کی ضرورت ہے اس کے لیے؛ تاکہ مسلمانوں کی آبادی سے ویران مساجد کچھ نہ کچھ آباد ہو جائیں، اور ان میں پھر سے اللہ اللہ کی صدائیں آنی شروع ہو جائیں، اور اللہ کے یہ بے آباد گھر پھر آباد ہو جائیں، اراکینِ بورڈ کی یہ کوشش رہی ہے اور رہے گی کہ جس طرح سے بھی ہو مساجد، مقابر، عیدگاہیں، خانقاہیں اور دینی درسگاہیں اہلِ اسلام

کے ذریعے سے آباد ہوسکیں، ہوجائیں، اس کی حتی الامکان کوشش جاری رکھی جائے تو ایسی صورتِ حال میں بعض جگہوں پر اراضی مذکورہ میں سے معمولی قطعہ اراضی مذکورہ بالا مدات میں دینی پڑ جاتی ہے، تو معلوم کرنا یہ ہے کہ ایسے نازک ترین حالات میں کیا اراکینِ بورڈ کو شرعی اعتبار سے اجازت ہے کہ وہ رفاہِ عوام الناس کے لیے کچھ اراضی بورڈ میں سے دے دیا کرے؛ تاکہ اہلِ اسلام کسی طرح سے بھی آباد ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے پنجاب وقف بورڈ کے زیرِ نگران اراضی کی جو تفصیل لکھی ہے، اس کے پیشِ نظر اگر اراکین بورڈ ان اراضی میں سے کچھ اراضی کو مسجد بنانے کے لیے یا جہاں قبرستان کی حاجت ہے وہاں قبرستان کے لیے یا جہاں تعلیم کی ضرورت وہاں تعلیم گاہ بنانے کے لیے دینا چاہیں تو اس کی گنجائش ہے؛ البتہ اگر اس بات کا اہتمام ہو کہ جہاں مسجد بنانے کے لیے اراضی کی ضرورت ہے وہاں ایسی زمین جو مسجد ہی کے لیے وقف تھی دی جائے، اور جہاں قبرستان کی ضرورت ہے وہاں ایسی زمین جو پہلے قبرستان تھی، یا قبرستان کے لیے وقف تھی دی جائے تو زیادہ مناسب ہے، اسی طرح کہیں اہلِ اسلام اور مسلمانوں کے گھر بسانے کی ضرورت ہے؛ تاکہ ان کی آبادی سے ویران مساجد کچھ نہ کچھ آباد ہوجائیں تو اس کے لیے بھی زمین دی جاسکتی ہے؛ البتہ جن لوگوں کو زمین گھر بنانے کے لیے دی جائے ان کو اس زمین کا مالک نہ بنایا جائے؛ بلکہ ایک معینہ مقدار میں کرایہ متعین کرکے کرایہ پر دی جائے، اور کرایہ کی اس رقم کو مقاصدِ وقف میں استعمال کیا جائے۔

عینی شرح بخاری میں ہے: فان قلت: هل يجوزان تبنى المساجد على

قبور المسلمين قلت: قال ابن القاسم: لو ان مقبرة من مقابرالمسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجداً لم ار بذلك بأساً و ذلك لان المقابر وقف من او قاف المسلمين لدفن موتاه، لا يجوز لأحد ان يملكها، فاذا درست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها الى المسجد؛ لان المسجد ايضا وقف من اوقاف المسلمين لا يجوز تملكه لأحدالخ (عینی شرح بخاری ٤/ ١٧٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ٦/ ذی القعدہ ١٤٢٧ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

موقوفہ زمین فروخت کرکے اس سے کوئی دوسری چیز خریدنا

سوال: مدرسہ کی موقوفہ زمین ہے، ابھی فی الوقت اس کا جائے وقوع آبادی کے درمیان میں ہے، اور اس موقوفہ زمین کے اطراف وجوانب کی آبادی والے غیر مسلم بہت نقصان پہنچاتے ہیں، اور آہستہ آہستہ اس موقوفہ زمین کو غصب کرلینے کی کوشش میں ہیں، (اور زمین کا کچھ حصہ انہوں نے ہڑپ بھی کرلیا ہے) اور مزید اس علاقہ میں خنزیروں کی کثرت کی وجہ سے یہ خنزیر بھی کھیتی کو نقصان پہنچاتے ہیں، ان چند وجوہات کی بناء پر اس زمین کو کوئی کاشت کار اجارہ پر لینے کے لیے تیار نہیں ہے، اور زمین یوں ہی بے کار پڑی رہتی ہے، تو کیا اس موقوفہ زمین کو فروخت کرکے مدرسہ کی مستقل آمدنی کے لیے کوئی دوسری چیز اس موقوفہ زمین کی قیمت سے خرید سکتے ہیں یا بنا سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی آدمی نے کوئی زمین یا مکان وغیرہ وقف کیا ہو اور وقف نامہ میں بوقت ضرورت

اس کو بیچ کر اس کی جگہ پر دوسری جائداد لینے کے سلسلہ میں کوئی شرط نہ کی ہو تو ان حالات میں اس کو بیچ کر دوسری جائداد لینا جائز نہیں؛ البتہ اگر وہ زمین یا مکان کسی بھی کام کے نہ رہیں تو جماعت مسلمین کے مشورہ سے دوسرا مکان خریدا جاسکتا ہے، اور اگر زمین یا مکان کارآمد تو ہے اور اس کی آمدنی بھی ہے؛ لیکن کم ہے تو مفتی بہ قول کے مطابق اس کو بیچ کر اس کی جگہ پر دوسری جائداد خریدنا جائز نہیں۔ (مسلم گجرات فتاویٰ سنگرہ ۴/۳۱۶)

صورتِ مسئولہ میں وہ زمین کھیتی کے لائق تو ہے؛ البتہ اس کی حفاظت کی ضرورت ہے، متولیان کو چاہیے کہ اس کی حفاظت کا معقول انتظام کریں، مثلاً اس کو چہار دیواری کے ذریعہ گھیر لیا جائے؛ تاکہ کسی کو اس پر ناجائز قبضہ کرنے کا موقع نہ ملے، اور جانور بھی اس میں کی جانے والی کاشت کو نقصان نہ پہنچا سکیں، بہر حال بصورت موجودہ اس کو فروخت کرنے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

موقوفہ زمین کو فروخت کرنا

سوال: کچھ برس پہلے میں نے اپنی ملکیت کی زمین قریب تین ایکڑ اور ایک لاکھ روپیہ نقد گاؤں کی جمعہ مسجد میں زمین پر دینی ادارہ بنانے کے لیے اعلان کیا تھا، اور اس زمین پر مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری سے بنیاد بھی ڈلوادیا تھا، اس کے بعد میرے مرحوم بھائی کے طرف سے پچاس ہزار روپیہ دینے کا اعلان کیا تھا، اب گاؤں کے ایک صاحب اتنی ہی زمین دے رہے ہیں، مدرسہ کے لیے اور جلدی ہی کام شروع کردیں گے، اور مجھے وہی رقم اس مدرسہ میں لگانے کے لیے کہہ رہے ہیں، تو

اس کا شرعی جواز کیا ہے مطلع فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے اپنی مملوکہ تین ایکڑ زمین دینی ادارہ بنانے کے لیے وقف کردی اور جامع مسجد میں اس کا اعلان عام بھی کردیا، اور اس کی بنیاد بھی ڈلوادی تو اب وہ زمین وقف ہوگئی اب اس زمین کو اس کے علاوہ دوسرے کام میں استعمال کرنا درست نہیں ہے اور وقف ہوجانے کی وجہ سے اب اس کا فروخت کرنا وغیرہ بھی درست نہیں اب آپ اس زمین کے مالک نہیں رہے، آپ نے جس رقم کا اعلان کیا ہے چوں کہ ابھی تک وہ رقم لگی نہیں ہے اس لیے اگر آپ اس رقم کو دوسرے کام میں لگانا چاہیں تو وہاں بھی لگا سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کے لیے موقوفہ زمین کی بیع کا حکم

سوال: ایک مسجد کی وقف زمین ہے، واقف کی منشاء یہی تھی کہ اس کی آمدنی مصالح مسجد میں خرچ ہو؛ لیکن آج اس کی آمدنی نہیں کے برابر ہے، موجودہ متولیان وٹرسٹیان مسجد، دین دار، ایماندار اور عوام کے معتمد حضرات ہیں، وہ یہ چاہتے ہیں کہ اس زمین کو فروخت کرکے مسجد کے لیے کوئی مستقل آمدنی کا ذریعہ کی کوئی صورت نکالی جائے، مثلاً بلڈنگ بنادی جائے جس کا کرایہ وغیرہ مصالح مسجد میں کام آوے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ

① آیا ان حضرات کو شرعاً اس کی اجازت ہوگی کہ وہ اس وقف زمین کو فروخت کر کے مسجد کے لیے مستقل کوئی آمدنی کا ذریعہ بنادے؟

② اس وقف زمین کو فروخت کرنا جائز ہونے کی صورت میں ہر کوئی اس کو خرید سکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً ارباب مدرسہ برائے مدرسہ ذمہ داران سوسائٹی برائے سوسائٹی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اگر زمین کے وقف کرنے والوں نے بوقت وقف اس قسم کی تبدیلی کی شرط کی ہے تب تو صورت مسئولہ میں وہ تبدیلی درست ہے، اور اگر واقفین نے بوقت وقف تبدیلی کی شرط نہیں کی ہے؛ لیکن وقف زمین ایسی حالت میں پہنچ چکی ہے کہ اس سے کوئی پیداوار ہی نہیں ہوتی ہے یا ہوتی ہے؛ لیکن اتنی قلیل کہ خود اس زمین پر ہونے والے مصارف کے لیے بھی کافی نہیں ہے تو اس صورت میں قاضی مسلمین اگر اس کی تبدیلی کو ہی قرین مصلحت قرار دیتا ہے تو درست ہے، موجودہ زمانہ میں جب کہ قاضی نہیں ہے تو جماعت مسلمین جس میں دیانت دار اور معاملہ فہم علماء بھی ہوں اس کا فیصلہ کریں، صرف متولیان حضرات کا فیصلہ کافی نہ سمجھا جائے۔

اعلم ان الاستبدال علی ثلاثة وجوه الاول ان یشرطه الواقف لنفسه او لغیره او لنفسه وغیره فالاستبدال فیه جائز علی الصحیح وقیل اتفاقا والثانی ان لایشترطه سواء شرط عدمه او سکت لکن صار بحیث لا ینتفع به بالکلیه بان لا یحصل منه شیء اصلا او لا یفی بمؤنته فهو ایضا جائز علی الاصح اذ اکان باذن القاضی ورایه المصلحة فیه. (شامی ۴۴۴/۳)

مندرجہ بالا تفصیل کے مطابق اگر اس کی فروختگی کا فیصلہ ہو تو یہ ضروری ہے کہ نقصان کے ساتھ نہ بیچی جائے، بلکہ اس قسم کی زمین کا جو ریٹ ہے اس سے زیادہ میں بیچی جائے، اور اس حاصل شدہ رقم سے مسجد کے لیے مستقل دائمی ذریعہ آمدنی کا نظم کیا جائے۔ (كما صرح بذلك العلامة الشامي ٣/ ٤٢٥)

② ایسے آدمی کے ہاتھ بیچنا جن کے حق میں اس کی گواہی قبول نہیں ہوتی، متولیان کے لیے جائز نہیں ہے، مثلاً اپنے بیٹے کے ہاتھ فروخت کرنا درست نہیں ہے۔ (حوالہ سابق) ارباب مدرسہ برائے مدرسہ اور ذمہ داران سوسائٹی برائے سوسائٹی خریدنا چاہیں تو اگر شرائط بالا کے مطابق فروخت کا فیصلہ کیا گیا ہے تو یہ حضرات بھی خرید سکتے ہیں؛ لیکن اس صورت میں یہ اشکال باقی رہ جاتا ہے کہ اگر وہ زمین مسجد کے لیے بیکار ہو چکی تھی تو مدرسہ والے اس کو مدرسہ کے لیے کیوں کارآمد سمجھ رہے ہیں؟ سوسائٹی والے اس کو سوسائٹی کے لیے کیوں کارآمد سمجھ رہے ہیں؟ جب کہ مدرسہ اور سوسائٹی بھی عوامی اور (عموماً) وقف ادارے ہیں، وہ بات جس کی وجہ سے یہ حضرات اس زمین کو مدرسہ یا سوسائٹی کے لیے مفید سمجھ کر خرید رہے ہیں مسجد کے حق میں کیوں نہیں پائی جاتی، میرے نزدیک مناسب یہ ہے کہ تین چار معاملہ فہم اور تجربہ کار علماء (جس میں ایک مسند افتاء پر فائز مفتی ہو) کو اس جگہ کا معائنہ کروا کر اور مقامی دیندار حضرات سے ان کے ذریعہ تحقیق کروا کر کوئی فیصلہ کیا جائے، اور جو کچھ کارروائی ہو اس کو تحریری طور پر ضبط کر لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹ رجب ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دوسرے ٹرسٹ کا موقوفہ مکان کو بغیر کرایہ کے استعمال کرنا

سوال: واپی جامع مسجد کا مستقل ٹرسٹ ہے، اس ٹرسٹ کے تحت ہی واپی جامع مسجد اور قبرستان وغیرہ کی دیکھ بھال اور انتظام وانصرام ہوتا ہے، واپی جامع مسجد ٹرسٹ کے تحت ہی چند سال پہلے درجۂ حفظ کا قیام عمل میں آیا تھا، اور طلباء کے قیام کا انتظام جامع مسجد ٹرسٹ کی ہی عمارت میں جو جامع مسجد سے متصل ہے کیا گیا، اور کئی سال سے طلبائے درجۂ حفظ کے قیام وطعام کا نظم جامع مسجد ٹرسٹ ہی کرتا رہا، ادھر چند سالوں سے درجۂ حفظ کا ٹرسٹ الگ بنالیا گیا ہے، اور درجۂ حفظ کا سارا انتظام وہ ٹرسٹ ہی کرتا ہے، جامع مسجد ٹرسٹ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، درجۂ حفظ ٹرسٹ باجود جامع مسجد ٹرسٹ کی عمارت استعمال کرنے کے جامع مسجد کو کوئی کرایہ وغیرہ بھی نہیں دیتا ہے۔ تو کیا ایسی صورت میں درجۂ حفظ ٹرسٹ کا جامع مسجد ٹرسٹ کی عمارت کا استعمال کرنا درست یا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جامع مسجد ٹرسٹ کی جس عمارت میں درجۂ حفظ کے طلبہ کا قیام اور تعلیم وغیرہ کا سلسلہ جاری ہے، ٹرسٹ کی وہ عمارت ٹرسٹ کے مقاصد اور اغراض کے لیے تعمیر کی گئی تھی، اور اس میں یہ سلسلہ اس لیے جاری تھا کہ جامع مسجد ٹرسٹ اس سلسلہ کو جاری کئے ہوئے تھا، اور اب جب کہ جامع مسجد ٹرسٹ اس سے الگ ہو چکا ہے اور اس کے لیے الگ ٹرسٹ وجود میں آیا ہے، تو اب مناسب یہی ہے کہ وہ الگ ٹرسٹ اپنے اس مقصد اور سلسلہ کے لیے مستقل جگہ کا انتظام کرے یا اگر کسی وجہ سے یہ نہیں ہوسکتا تو

جب تک جامع مسجد ٹرسٹ کی عمارت کو استعمال کرتا رہے اس وقت تک اس کو باقاعدہ کرایہ ادا کرے؛ اس لیے کہ کسی ایک ٹرسٹ کے لیے دوسرے ٹرسٹ کی چیز کا استعمال جب کہ واقف نے اس کی تصریح نہ کی ہو درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ رجب المرجب ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

تبدیلیٔ وقف میں واقف کی اجازت کب معتبر ہے؟

سوال: ایک صاحبِ خیر کی جانب سے ہمارے مدرسہ میں دو مکان وقف ہوئے ہیں، ان دونوں کی حالت ایسی ہے کہ دونوں ایک ساتھ ملے ہوئے ہیں، ان میں سے ایک تو بالکل رہائش کے قابل نہیں ہے، اور دوسرے میں بھی بارش وغیرہ میں کثرت سے پانی ٹپکنے کی شکایت ہوتی ہے، اب اگر نا قابل رہائش مکان توڑنے جاتے ہیں تو ساتھ والا بھی ٹوٹ جاتا ہے، اور نئے سرے سے تعمیر کر کے قابل انتفاع بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو کرایہ پر دینے کی صورت میں پندرہ یا سولہ سال میں تو صرف تعمیر کے اخراجات کی وصولیابی ہوتی ہے، لہٰذا ان دونوں مکانوں کو فروخت کر کے حاصل شدہ رقم سے احاطۂ مدرسہ میں ہی مکان تعمیر کر لیں؛ تاکہ ضرورتِ رہائشِ اساتذہ کی تکمیل ہو سکے، واقف حیات ہے اور واقف کی جانب سے مذکورہ تبدیلی کی اجازت بھی ہے تو کیا از روئے شرع اس طرح زیادہ منتفع بنانے کی غرض سے تبدیلی کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں واقف نے اگر بوقتِ وقف تبدیلی کی اجازت نہیں دی تھی

اب جب کہ ضرورت پیش آئی وہ اجازت دے رہا ہے تو شرعاً اس کی یہ اجازت معتبر نہیں، بوقت وقف جو اجازت دی گئی ہو اسی کا شریعت میں اعتبار کیا جاتا ہے، اس لیے اربابِ مدرسہ کے لیے ان دونوں مکانوں کو فروخت کرنا جائز نہیں، نئی تعمیر کے لیے خود واقف سے امداد حاصل کی جائے یا دیگر مخیر حضرات کو پوری صورت سے آگاہ کر کے ان سے مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ ربیع الآخر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

ایک بلڈنگ تین جگہوں میں وقف

سوال: موضع کھیتیہ میں ایک شخص نے اپنی بلڈنگ تین جگہوں میں وقف کی یا ایک بلڈنگ تین کے درمیان وقف کی ہے، کھیتیہ بیت المال کھیتیہ قبرستان اور کھیتیہ سے قریب آٹھ دس میل کے فاصلہ پر ''میلن'' ایک جگہ ہے جہاں مسجد نہیں، عبادت خانہ جماعت خانہ ہے اس میں ایک حصہ..... اب اس بلڈنگ کی قیمت سب نے مل کر ساٹھ ہزار طے کی ہے، اب کھیتیہ والے میلن والوں کو یہ کہتے ہیں کہ یا تو آپ چالیس ہزار دے دو اور پوری بلڈنگ لے لو یا ہم بیس ہزار دے دیتے ہیں ہمیں بلڈنگ کے مالک بنا دو، مالک یعنی ہمارے یہ دو حصوں میں ملا دو..... یا میلن والوں کا کہنا ہے کہ کھیتی والوں کا ایک کھیت ہے اس کا مطالبہ کرتے ہیں اس حصہ کے عوض تو اس قسم کا تبادلہ اگر کریں تو از روئے شرع جائز ہے کہ نہیں؟ بیت المال کی تفصیل ابھی نہیں پوچھی ہے، اگر بیت المال سے مراد مسجد کی رقم ہے تو کیا حکم ہے؟ وہ بھی تحریر فرمادیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وقف میں تبدیلی جائز نہیں ہے۔

واذا صح الوقف لم يجز بيعه ولا تمليكه (هدايه ٢ /٦٤٠)

فاذا تم ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن ولا يقسم (درمختار على هامش الشامى ٣ /٣٦٧)

بیت المال سے وہی مراد ہوگا جو وہاں کے عرف میں اس لفظ سے مراد لیا جاتا ہے؛ بہرحال جو بھی ہو تبدیلی بالکل جائز نہیں ہے بلکہ اس بلڈنگ کو تین الگ حصوں میں تقسیم کرنا بھی جائز نہیں ہے، صرف اس کی آمدنی تین حصوں میں تقسیم کی جائے۔

كماهو ظاهر من عبارة الدر وصرح ايضاً بعد ذلك. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/صفر المظفر ۱۴۰۷ھ

مشترکہ جائداد کیسے وقف کی جائے؟

سوال: ہمارے یہاں ایک خاندان کی جائداد ہندوستان میں ہے، وہ ایک مدرسہ کو وقف کرنا چاہتے ہیں، یہ جائداد موجودہ ورثاء کے دادا کی تھی؛ مگر تمام ورثاء کا پتہ لگانا بہت دشوار ہے؛ لہٰذا وقف کرنے کی کیا صورت اختیار کی جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب تک کہ تمام ورثا کی تعیین وتشخیص ہوکر ہر ایک کا حصۂ وراثت اس کو نہ دے دیا جائے، وہاں تک اس کا وقف ممکن نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

موقوفہ زمین میں مسجد بنانا

سوال: ہمارے گاؤں کھریاسنہ میں ایک حاجی صاحب حاجی غلام رسول بن راج محمد شیلیہ نے اپنا ایک مملوک کھیت قبرستان کے لیے وقف کا ارادہ کیا، اور اس کا دستاویز بنانے کے لیے کورٹ میں چلے، اور ان کے ہمراہ دو صاحب اَور تھے، اِن دو میں سے ایک صاحب ٹرسٹی بھی تھے، اس نے ان کو مشورہ دیا کہ: آپ وہ کھیت خالص قبرستان کے لیے وقف مت کرو؛ بلکہ وقف کو عام رکھو، کہ وہ کھیت گاؤں والے چاہیں تو قبرستان بنانے کے لیے استعمال کریں، یا اگر چاہیں تو اس کو مسجد یا مدرسے میں استعمال کریں، یعنی مسجد بنانے یا مدرسہ کے لیے مکان وغیرہ بنانے میں استعمال کریں، یا اس کھیت میں فلیٹ بنا کر بیچ ڈالیں اور قبرستان دوسری جگہ بنادیں اور وہ قیمت مسجد ومدرسہ کے مصارف میں استعمال ہووے، خلاصہ یہ کہ جیسا گاؤں کا فائدہ ہوگا اس طرح وہ کھیت ٹرسٹ استعمال کرے گا۔ یہ بات اس ٹرسٹی نے کہی تو یہ بات وقف کرنے والے کو پسند آئی اور اس کو قبول کرلیا، اور اسی طریقے پر وقف کیا یعنی وقف عام رکھا، کہ جہاں چاہے وہاں یہ کھیت استعمال کرسکتے ہو۔ فی الحال وہ کھیت قبرستان بنایا گیا ہے اور ابھی تک وہ قبرستان ہی ہے؛ لیکن ابھی چند سالوں سے گاؤں والوں کو مسجد بنانے کی ضرورت پیش آئی، تو لوگوں میں آپس میں چرچا ہوئی کہ قبرستان کے ایک حصے میں جہاں سامان رکھنے کے لیے مکان بنایا ہوا ہے وہاں ہی مسجد بنادو، اور وقتاً فوقتاً اس کا چرچا ہوتا رہتا ہے، اس کے بعد قبرستان کے شمالی حصے میں بالکل متصل ایک دوسرا کھیت خریدنے کا لوگوں نے ارادہ کیا، اور وہ کھیت خرید بھی لیا؛ لیکن وہ کھیت خریدنے کے لیے لوگوں نے جو خریدنے والے تھے، انھوں نے ایک صاحب کے پاس پیسے مانگے، تو اس نے کہا کہ

میں پیسے تو دوں؛ مگر اس شرط کے ساتھ کہ مسجد قبرستان کے اس حصے میں بنی چاہیے، یعنی وہ حصے میں جس کا تذکرہ کیا گیا، جہاں سامان رکھنے کا مکان بنا ہوا ہے، تو وہ پیسے لینے کے لیے جانے والوں نے اس صاحب سے کہا کہ: ٹھیک ہے مسجد اسی حصے میں بنے گی، اور قبرستان اس نئے خریدے جانے والے کھیت میں رہے گا، پھر وہ کھیت خرید لیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس کھیت میں جو حاجی غلام رسول نے وقف کیا ہے، جو فی الحال قبرستان ہے، اس کے جنوبی حصے میں مسجد بناویں اور قبرستان اِس نئے خریدے ہوئے کھیت میں بناویں، تو یہ ہمارا فیصلہ اور اس طریقے پر مسجد بنانا از روئے شرع کیسا ہے؟ ہم جتنی زمین مسجد بنانے کے لیے قبرستان میں سے لیں گے اس سے زیادہ زمین قبرستان کے لیے اِس نئے کھیت میں سے دیں گے، اور جتنی قبریں بنی ہے وہاں تک دیوار کر دیں گے، اور اس کے سامنے شمالی جانب کھیت کو اس میں شامل کر دیں گے، اور جنوبی حصہ مسجد کے لیے ہوگا۔ مثلاً اس کا نقشہ یہ ہے:

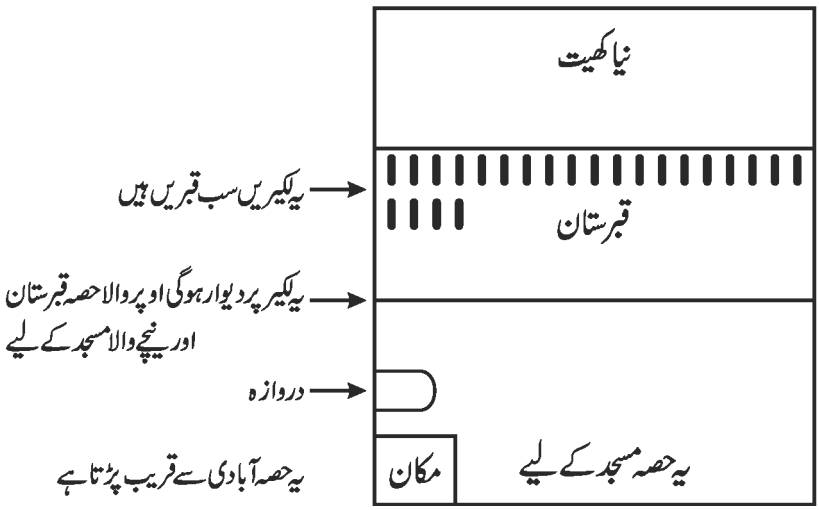

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے سوال میں وقف کرنے کا تذکرہ کیا ہے جب کہ دستاویز میں وقف کی تصریح نہیں ہے؛ بلکہ ہبہ کے الفاظ مرقوم ہیں؛ اس لیے اگر حاجی غلام رسول صاحب نے زبانی بھی یہی الفاظ کہے تھے تب تو گاؤں کے حنفی سنی مشائخ مومن جماعت کے ذمہ داروں کو اختیار ہے کہ وہ اس زمین کے جنوبی حصے میں مسجد تعمیر کریں؛ البتہ اس صورت میں ان کو چاہیے کہ وہ اس جگہ کے مسجد کے لیے وقف کی تصریح کریں، اور آئندہ یہ جگہ ہمیشہ کے لیے مسجد رہے گی، اس کے بعد اس میں کوئی دوسرا تصرف درست نہ ہوگا۔ اور اگر زبانی طور پر حاجی غلام رسول صاحب نے وقف کے الفاظ کہے تھے، اور ساتھ ہی ذمہ دارانِ جماعتِ ہذا کو اختیار دیا تھا کہ وہ پوری زمین یا اس کا کوئی حصہ مسجد، مدرسہ، قبرستان جس کے لیے چاہیں خاص فرمالیں، تو اس صورت میں بھی وہ حضرات اس زمین کے جنوبی حصے میں مسجد بنا سکتے ہیں، اور اس صورت میں ان کو اس جگہ کے مسجد کے لیے وقف ہونے کی تصریح کی ضرورت نہیں؛ اس لیے کہ خود مالک اس کی صراحت کر چکے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۱ر جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

باب احکام المساجد

مسجد کا تیسرا منزلہ مسجد ہی ہے

سوال: مسجد کے عین حصے کے تیسرے منزلے کی چھت پر مردہ کو غسل دینا،

کھیل کود کرنا، مرغیاں پالنا، عورتوں کا ہر وقت اس پر رہنا، مہمان آویں تو اسے مہمان خانہ بنانا اور کیا اس پر اعتکاف کیا جاسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد اوپر نیچے سب مسجد ہی ہے، جیسا احترام نیچے والے حصے کا کیا جاتا ہے ویسا ہی احترام اور ادب اوپر والے حصہ کا ضروری ہے، اس میں اعتکاف بھی درست ہے، اس کو گھر کی طرح استعمال کرنا یا اس کے ادب واحترام کے خلاف کام کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

درمیانِ عمارت میں نماز کے لیے مخصوص حصہ مسجد ہے یا نہ؟

سوال: (۱) مارکیٹ میں ایک عمارت ہے، جس میں ہوٹل، آفس، دکانیں وغیرہ ہیں، بعد میں اس عمارت کا بیچ والا حصہ بطور نماز خاص کرلیا گیا، اور اس میں کافی عرصہ سے نماز پنجگانہ وصلوٰۃ الجمعہ امام علی الاجرۃ کے ذریعہ ادا کی جارہی ہے، تو کیا یہ حصہ جس کے نیچے اوپر دکانیں اور آفس ہیں، شرعی مسجد کے حکم میں ہے، اور کیا اس میں اعتکاف درست ہے؟ جب کہ مسجد وہ کہلاتی ہے جو ثریا سے لیکر تحت الثری تک صرف نماز ہی کے لیے ہو۔

(۲) اگر یہ حصہ مسجد حقیقی ہے تو جیسا کہ ترمذی شریف جلد اول میں ہے کہ جس مسجد میں باقاعدہ پنج وقتہ نماز امام کی موجودگی میں ادا کی جارہی ہو، اس میں دوبارہ جماعت مکروہ ہے مگر یہاں دو جماعتیں ہورہی ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① عمارت کا بیچ کا حصہ جس کو نماز کے لیے خاص کرلیا گیا ہے اور اس کے اوپر نیچے دکانیں اور آفس ہیں جس وقت عمارت کے اس درمیانی حصہ کو نماز کے لیے خاص کرلیا گیا اس وقت شروع ہی سے اس حصہ کے اوپر اور نیچے واقع دکانیں اور دفاتر مسجد کے لیے وقف ہیں تب تو یہ حصہ شرعی مسجد کہلائے گا اور اگر وہ دکانیں اور دفاتر مسجد کے لیے وقف نہیں بلکہ کسی اور کی ملک ہیں تو یہ جگہ جس کو نماز کے لیے خاص کرلیا گیا ہے شرعی مسجد نہیں کہلائے گی۔

يؤخذ من التعليل أن محل عدم كونه مسجدا فيما إذا لم يكن وقفا على مصالح المسجد وبه صرح في الإسعاف فقال وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كانا وقفا عليه صار مسجدا اھ شرنبلالية (شامی ۴۰۶/۳)

اور جس صورت میں وہ شرعی مسجد قرار نہیں پاتی اس میں اعتکاف درست نہیں۔

② شرعی مسجد قرار پانے کی صورت میں جماعتِ ثانیہ مکروہ ہے ورنہ اجازت ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷ر صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بالائی حصہ میں مسجد، نیچے مکان، دوکان وغیرہ

سوال: ایک شخص کا مکان ایک مسجد کے نیچے کے حصہ میں ہے، اس کے مکان کے لوازمات، مثلاً حمام، بیت الخلاء اور دیگر ضروریات بھی اسی جگہ پورے ہوتے ہیں،

بعض علماء کا کہنا ہے کہ اوپر کے حصہ کے مسجد ہونے سے نیچے کا حصہ خود بخود مسجد میں شامل ہوجاتا ہے، اور اس بناء پر اس شخص کا اس جگہ پر قیام جائز نہیں، اب سوال یہ ہے کہ کیا ان علماء کرام کا یہ کہنا درست ہے؟ پھر یہ بات بھی قابلِ توجہ رہے کہ اگر بنانے والوں نے اس تحتانی حصہ کو بھی مسجد ہونے کی نیت کی ہو تو کیا حکم ہے؟ اور اگر نیت نہ کی ہو تو کیا خود بخود مسجد میں شامل ہوجائے گا؟ اور اگر بنانے والوں کی نیت کا علم نہ ہو تو کیا حکم ہے؟ کیا "من العرش الی تحت الثری" مسجد ہوجائے گا؟ درخواست ہے کہ مسئلہ کو مع التحقیق والتفصیل اور کتب کے حوالوں کے ساتھ نیز عبارتوں کے ساتھ تحریر فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کے اوپر آسمان تک اور نیچے زمین کی انتہاء تک سب کا سب قیامت تک کے لیے مسجد ہے۔

درمختار میں ہے: وکرہ تحریما الوطء فوقه والبول والتغوط؛ لأنه مسجد الی عنان السماء (درمختار)

علامہ شامی رحمہ اللہ علیہ اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (قوله الی عنان السماء) بفتح العین، وکذا الی تحت الثریٰ کما فی البیری عن الاسبیجابی (شامی ۱/ ۶۸۵)

اس کے (تحتانی یا فوقانی) کسی حصہ کو کرایہ پر دے کر ذریعۂ آمدنی بنانا یا سامان بھرنے کے لیے استعمال کرنا یا رہائش کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔

ولا یجوز اخذ الاجرة منه، ولا ان یجعل شیئا منه مستغلا ولاسکنیٰ بزازیة (درمختار) (قوله ولا ان یجعل الخ) هذا ابتداء عبارة البزازیة والمراد

بالمستغل أن يوجر منه شئ لأجل عمارته وبالسكنىٰ محلها وعبارة البزازية على مافى البحر، ولا مسكناً، وقد رد فى الفتح مابحثه فى الخلاصة من انه لو احتاج المسجد الى نفقة توجر قطعة منه بقدر ماينفق عليه، بانه غير صحيح، قلت: وبهذا علم ايضا حرمة احداث الخلوات فى المساجد كالتى فى رواق المسجد الاموى، ولاسيما مايترتب على ذلك من تقذير المسجد بسبب الطبخ والغسل ونحوه ورأيت تاليفا مستقلا فى المنع من ذلك (شامى ٣/ ٤٠٦)

البتہ اگر کوئی مسجد (ابتداء ہی سے) اس طرح بنائی جائے کہ نیچے دکانیں یا تہ خانہ وغیرہ بنا کر ان کی چھت پر مسجد کا صحن یا مسجد کی کوئی عمارت ہے، تو یہ اس شرط پر جائز ہے کہ نیچے کی دکانیں مسجد کی طرح وقف ہوں، اور ان کی آمدنی مسجد کے مصالح میں صرف ہوں، اور اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ مسجد کی چھت پر کوئی مکان بغرض مصالح مسجد بنا دیا جائے، ان دونوں صورتوں میں اس مسجد کی مسجدیت میں کوئی خلل نہ آئے گا؛ چناں چہ فتاویٰ شامی میں بحوالۂ اسعاف نقل کیا ہے: وبه صرح فى الاسعاف، فقال: واذا كان السرداب او العلو لمصالح المسجد، أو كان وقفا عليه صار مسجداً یعنی اگر مسجد کے نیچے کا تہ خانہ یا اوپر کا بالا خانہ مسجد ہی کے سامان وغیرہ رکھنے کے لیے ہو یا مسجد پر وقف ہو، یعنی اس کی آمدنی مسجد میں صرف ہوتی ہو تو یہ مسجد ہو جائے گی، اس صورت میں نیچے کی دکانیں اور اوپر کا مکان وغیرہ مسجد میں داخل نہ ہوگا، اور اسی بناء پر ان کا کرایہ پر دینا، ان میں تجارت کرنا، غسل کی حاجت والے آدمی اور حیض ونفاس والی عورت کا ان میں داخل ہونا وغیرہ سب جائز ہوگا؛ لیکن

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ صورت صرف اسی وقت ہوسکتی ہے کہ مسجد بنانے کے وقت اول ہی بنانے والے نے اوپر کے مکان یا نیچے کے تہ خانہ یا دکان وغیرہ کو مسجد سے علیحدہ کر کے کرایہ پر دینے، اور اس کو مسجد پر وقف کرنے کی نیت کرلی ہو، ورنہ اگر اول مسجد بنادی گئی پھر بعد میں اس کے نیچے کوئی دکان یا اوپر کرایہ کے لیے مکان بنانا، ہرگز جائز نہیں؛ کیوں کہ مسجد کے اوپر آسمان تک اور نیچے زمین کی انتہاء تک سب کا سب قیامت تک کے لیے مسجد ہے، اس میں کسی جزء کو اب مسجد سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ (منية الساجد فی آداب المساجد للمفتی محمد شفیع ص:۲۳)

چناں چہ درمختار میں ہے: واذا جعل تحته سردابا لمصالحه، أي المسجد جاز، كمسجد القدس، ولو جعل لغيرها أو جعل فوقه بيتا، وجعل باب المسجد إلى طريق، وعزله عن ملكه لا يكون مسجدا، وله بيعه ويورث عنه خلافاً لهما، كما لوجعل وسط داره مسجدا واذن للصلوٰة فيه حيث لا يكون مسجدا؛ إلا اذا شرط الطريق زيلعي. (درمختار)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (قوله أوجعل فوقه بيتا الخ) ظاهره أنه لافرق بين ان يكون البيت للمسجد، أو لا الا انه يوخذ من التعليل ان محل عدم كونه مسجدا فيما اذا لم يكن وقفا على مصالح المسجد، وبه صرح فی الاسعاف فقال: واذا كان السرداب او العلو لمصالح المسجد او كانا وقفاعليه صار مسجدا، اه شرنبلالية قال فی البحر:حاصله ان شرط كونه مسجدا ان يكون سفله وعلوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ ﴿وان المساجد لله﴾ بخلاف ما إذا كان السرداب والعلو موقوفا لمصالح المسجد، فهو كسرداب بيت المقدس، هذا هو

ظاهر الرواية، وهناك روايات ضعيفة مذكورة فى الهداية اه (شامی ۳/۴۰۶)

اسی طرح اگر امام کے لیے مسجد کے اوپر یا نیچے مکان بنادیا گیا، تو اگر ابتدا ہی سے ایسا کیا تو درست ہے ورنہ نہیں۔

درمختار میں ہے: لوبنى فوقه بيتا للامام لا يضر؛ لانه من المصالح، اما لو تمت المسجدية، ثم اراد البناء منع، ولوقال عنيت ذلك لم يصدق تاتارخانية فاذا كان هذا فى الواقف، فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد. (درمختار)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (قوله اما لوتمت المسجدية) اى بالقول على المفتى به، أو بالصلوٰة فيه على قولهما ط وعبارة التاتارخانية: وان كان حين بناه خلى بينه وبين الناس ثم جاء بعد ذلك بيني لا يترك اه (شامی ۳ /۴۰۶)

اور یہ بھی یاد رہے کہ اگر یہ مکان مسجد کی آمدنی یا امام مسجد کی رہائش کے لیے بنایا گیا ہے، تو بہ شرائطِ بالا اس لیے جائز ہے کہ وہ مصالح مسجد کے لیے وقف ہے، اور اگر دونوں میں سے کوئی صورت نہیں؛ بلکہ واقف نے اپنی رہائش کے لیے اس کو رکھا ہے، یا مصالح مسجد کے علاوہ اور کسی مقصد کے لیے رکھا ہے، تو اس صورت میں وہ مسجد شرعی نہیں کہلائیگی، جیسا کہ منقولہ بالا عبارت (خطِ کشیدہ) سے ظاہر ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں وہ مکان مسجد کی مصالح کے لیے وقف ہے، اور وہ شخص جو اس میں سکونت پذیر ہے، وہ امام مسجد ہے یا اجنبی آدمی ہے؛ لیکن کرایہ ادا کرتا ہے اور وہ کرایہ مسجد پر خرچ ہوتا ہے، اور ساتھ ہی مسجد کی ابتدائے بناء سے واقف نے اس مکان کے لیے یہ نیت کی تھی، تب تو اس کا اس میں رہنا درست ہے ورنہ نہیں، اور اگر واقف کی نیت کا

علم نہ ہو تو احتیاطاً اس میں سکونت کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

مسجد کی جدید تعمیر میں نچلے حصے میں دوکان بنانا

سوال: ہمارے شہر کی جامع مسجد بہت پرانی اور خستہ ہونے کی بناء پر شہید کر کے جدید تعمیر کرنی ہے اور ہمارا ارادہ ہے کہ اس کو وسیع کرنا اور مسجد کی بنیاد بلند کر کے جماعت خانہ کے نیچے تک گھر چھوڑ کر قبلہ رخ دیوار چودہ فٹ پیچھے لینا جس میں ایک صف کی پوری جگہ جس میں محراب و منبر بھی داخل ہے دکان میں استعمال ہوتی ہے باقی نچلا حصہ پورا کھلا رہے گا اور اوپر دو منزلہ مسجد رہے گی اور نیچے قبلہ رخ دکانیں اور دکان کا راستہ بھی باہر ہی ہوگا تو کیا اس صورت میں مسجد کی آمدنی کے لیے قبلہ رخ نیچے محراب کی دیواروں کو لگ کر دکانیں بنانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ جانب قبلہ جو نیا حصہ داخل مسجد کرنا چاہتے ہیں چوں کہ شروع ہی سے اس کے نیچے دکان (جس کی آمدنی مسجد ہی میں استعمال ہوگی) بنا رہے ہیں تو یہ درست ہے۔ لیکن آپ کی اس اسکیم میں ایک خرابی ہے وہ یہ کہ مسجد کا اصل جماعت خانہ جو نیچے تھا آپ اس کو یوں ہی کھلا چھوڑ دیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس میں نماز کے لیے جماعت نہ ہوگی۔ اور لوگ اس کو آمد و رفت کے لیے نیز دیگر ایسے امور کے لیے استعمال کریں گے جس میں آداب مسجد کی خلاف ورزی ہوگی۔ حالاں کہ وہ بھی مسجد ہے بلکہ اصل مسجد ہے۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ اصل جماعت خانہ اسی کو بنایا جائے۔ البتہ جب مجمع زیادہ ہو

تو وہ اوپر نماز کے لیے چلا جائے۔ اور امام نیچے ہی کھڑا رہے۔ اوپر کا اضافہ شدہ حصہ بھی خالی ہی رہے اور جب مجمع بہت زیادہ ہو کہ چاروں طرف جگہ کی قلت ہو اس وقت اس اضافہ شدہ حصہ میں (اوپر کی منزل میں) امام نماز پڑھائے۔ الحاصل آخری مجبوری میں یہ صورت اختیار کی جائے جس کی ضرورت عموماً جمعہ یا عیدین میں پیش آسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجدِ قدیم وجدید کے ذریعہ توسیع مسجد کی ایک صورت

سوال: ایک مسئلہ کی صورت پیش آرہی ہے، شک وشبہ پیدا ہو رہا ہے، برائے مہربانی شریعت میں اس کا حکم کیا ہے بتایئے؟
معلومات کے لیے نقشہ دکھایا گیا ہے؟

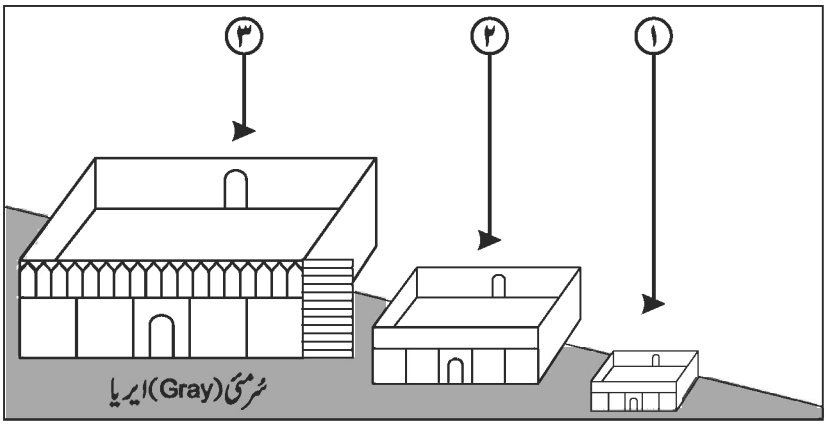

① نقشہ میں سُرمئی (Gray) رنگ سے بنائی ہوئی جگہ کالونی (Colony) میں مسجد بنانے کے لیے ایک مسلم نے وقف کی ہے۔

② نمبر ۱ میں جو بتایا گیا ہے کالونی تعمیر کرتے وقت تعمیر کا سامان رکھنے کے لیے مسجد کی جگہ میں ایک شیڈ یعنی کمرہ بنایا گیا جس میں سیمنٹ وغیرہ رکھا کرتے تھے۔

③ کالونی کی تعمیر کا کام ختم ہوتے ہی اس شیڈ میں جماعت کے ساتھ نمازیں شروع کیں۔

④ پھر وہ جگہ چھوٹی ہونے لگی، اس لیے چندہ جمع کر کے مسجد بنائی جو ۲ر میں بتائی گئی ہے، اس میں جمعہ، تراویح اور رمضان کا اعتکاف بھی شروع کیا، اور ۱ر والی جگہ مؤذن کو رہنے کے لیے دے دی گئی، یہ دونوں مسجد کی وقف کی ہوئی جگہ پر ہیں۔

⑤ اس کے بازو میں اب تیسری ایک عمارت مسجد کر کے بتا رہے ہیں، جو ۳ر میں بتائی گئی ہے، جو آدھی مسجد کی وقف کردہ جگہ پر اور آدھی خریدی ہوئی جگہ پر تعمیر کی جارہی ہے، یہ دوسری آدھی جگہ وقف بھی نہیں ہے اور N.A. نہ ہونے کی وجہ سے Construction کی اجازت سرکار کی طرف سے نہیں ہے، ۲ر اور ۳ر کے بیچ میں اوپر چڑھنے کے لیے سیڑھیاں بنی ہیں، وہ نقشہ میں بتائی گئی ہیں، ۲ر میں نماز پڑھنا بند کر کے ۳ر میں نماز پڑھنا شروع کیے تو مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

اور ۲ر جو اصل مسجد ہے بند کر سکتے ہیں یا نہیں؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ۲ر جو اصل مسجد ہے اور نئی عمارت سے ۱۲/ فٹ کے فاصلے پر ہے اس پر چھت ڈال کر دونوں کو ملا دیں اور نیچے خالی رکھیں؛ تاکہ اوپر سے وہ مسجد اور نئی مسجد ایک ہو جائے، آیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ درمیان کا زمینی حصہ خالی رہے گا کسی بھی

ضرورت کے لیے استعمال ہوسکتا ہے۔

جو اصل مسجد ہے ۲ رُوالی اب تک ہر شخص مسجد سمجھ رہا ہے، اور مسجد ہی کی طرح نماز پنج وقتہ امام کے تقرر کے ساتھ باجماعت اور نماز جمعہ، تراویح، اعتکاف وغیرہ ہوتا رہا ہے، اب نئی تعمیر کی وجہ سے کچھ لوگ کہنے لگے ہیں کہ یہ مسجد نہیں تھی، کیا اس تاویل کی وجہ سے یہ مسجد کے حکم سے نکل جائے گی؟ اس کا حل مرحمت فرمایا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک وسیع جگہ جو مالک نے مسجد بنانے کے لیے وقف کی ہے، اس کا مقصد موجودہ عرف کے پیش نظر یہ تھا کہ اس میں سے جتنی جگہ پر تعمیر کی جائے اور اس تعمیر کا جتنا حصہ جماعت خانہ یعنی نماز باجماعت کے لیے مخصوص کیا جائے وہ مسجد شرعی رہے، اور بقیہ حصہ مسجد کے تابع رہے اور آئندہ حسبِ ضرورت مسجد شرعی میں اضافہ بھی اس زمین سے کیا جاسکتا ہے، اب اس زمین میں سب سے پہلے جو شیڈ تیار کیا گیا تھا اس کا مقصد تعمیرِ مسجد نہیں تھا؛ بلکہ کالونی کی تعمیر کے زمانہ میں تعمیر کا سامان وغیرہ رکھنا تھا، اور کالونی کا تعمیری کام مکمل ہونے پر اس مسقّف جگہ میں نماز باجماعت وقتی طور پر شروع کردی گئی، منتظمین کا مقصد اس جگہ کو مسجد شرعی کی شکل دینا نہیں تھا، اس کے بعد باقاعدہ تعمیر مسجد کے نام سے چندہ کرکے نمبر دو والی عمارت بہ نیتِ مسجد تعمیر کی گئی، اور لوگ بھی اس کو مسجد ہی سمجھتے رہے اور اس کے ساتھ مسجد ہی جیسا معاملہ کرتے رہے، اب جب کہ وہ جگہ تنگ پڑی، تیسری عمارت تیار کی جارہی ہے، نمبر دو والی عمارت جب بہ نیتِ مسجد تعمیر کی گئی تھی تو اب یہ تاقیامت مسجد ہی رہے گی، اور مسجد کے حکم سے نکلے گی نہیں، اگر وہ مصلیوں کے لیے تنگ پڑتی تھی تو منتظمین کو چاہیے تھا کہ اس کے برابر میں الگ

عمارت بنانے کے بجائے اس کو کشادہ اور وسیع کر دیتے۔

نمبر دو والی اس عمارت کو خالی چھوڑ دینا درست نہیں ہے، تیسرے نمبر والی عمارت میں اگر مسجد کی نیت کر لی گئی ہے اور آدھا خریدا ہوا حصہ خریدنے کے بعد وقف کر دیا گیا ہے یا لوگوں کے چندہ سے مسجد کے لیے ہی خریدا گیا تو یہ عمارت بھی مسجد بن گئی ہے، اب دونوں عمارتوں کو ملا کر ایک کر دیا جائے اور درمیانی حصہ کو بھی شامل کر لیا جائے، صرف چھت ڈال دینا کافی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

فوقانی حصہ کو چھوڑ کر تحتانی مسجد میں اضافہ

سوال: ①عرض یہ ہے کہ آج سے تقریباً اٹھارہ بیس سال قبل ڈیوزبری (یو۔کے) میں دعوت وتبلیغ کی نیت سے ایک مسجد تعمیر کی اور مسجد کے دائیں بائیں سمت میں مختلف کمرے اور وضو خانہ وغیرہ تعمیر کرائے، پھر اسی وقت تحتانی مسجد کے اوپر ایک وسیع ہال تعمیر کر لیا گیا، اس ہال کا رقبہ تحتانی کمروں اور وضو خانہ کو بھی حاوی اور شامل ہے، فوقانی ہال کی تعمیر کے وقت فوقانی ہال کے صرف اسی حصہ میں مسجد کی نیت کی جو تحتانی مسجد کے محاذی ہے، اور فوقانی ہال کے مسجد والے اس درمیانی حصہ کے دائیں بائیں اور پیچھے والی جگہ کے بارے میں خارج مسجد کی نیت کی۔

اب اجتماعات اور عیدین وغیرہ کے موقع پر مصلیوں کی کثرت تعداد کی بناء پر فوقانی مسجد (فوقانی ہال) میں نماز باجماعت ہوتی ہے اور مصلیوں کی صفیں دائیں

بائیں جہت میں خارج مسجد میں بھی بھر جاتی ہیں، اس لیے اب متولی صاحبان فوقانی ہال کے خارج مسجد حصہ کو نیت کر کے داخل وشاملِ مسجد قرار دینے کا خیال کر رہے ہیں؛ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ تحتانی مسجد کے دائیں بائیں واقع کمروں اور وضوخانہ وغیرہ کو داخلِ مسجد قرار دیئے بغیر صرف فوقانی ہال کے دائیں بائیں والے خارجِ مسجد حصہ کو مسجد کی نیت کر کے شامل وداخلِ مسجد قرار دینے کی شرعاً گنجائش ہے یا نہیں؟

(۲) موجودہ پوزیشن میں جب کہ فوقانی مسجد (فوقانی ہال) کے دائیں بائیں خارجِ مسجد والے حصے میں جو مقتدی کھڑا رہے گا اس کو مسجد کی نمازِ باجماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟ اور اس حصے میں اعتکاف درست ہے یا نہیں؟

(۳) کسی مسجد کا فوقانی حصہ تحتانی مسجد کے دوگنا بڑا ہے اجتماعات اور جمعہ کے علاوہ دیگر اوقات میں تو ہمیشہ تحتانی مسجد ہی میں نماز باجماعت ہوتی ہے؛ مگر جمعہ اور اجتماعات کے موقع پر فوقانی مسجد میں نماز باجماعت پڑھنا کیسا ہے؟

بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ چوں کہ مسجد میں تحتانی حصہ ہی اصل مسجد ہوتا ہے؛ اس لیے امام تحتانی مسجد ہی میں کھڑا ہو کر امامت کرائے، تحتانی مسجد میں جتنے مصلیوں کی گنجائش ہو وہ نیچے نماز پڑھیں، بقیہ زائد مجمع فوقانی مسجد میں چلا جائے تحتانی مسجد کے بجائے فوقانی مسجد میں جماعت کرنا غیر مناسب اور خلافِ اولیٰ ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا ازدحام کے موقع پر فوقانی مسجد میں نماز باجماعت بایں طور پڑھنا کہ امام بھی فوقانی مسجد ہی میں کھڑا رہے کیا بلا کراہت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) تحتانی مسجد کے دائیں بائیں واقع کمرے اور وضوخانہ وغیرہ تمام جگہیں

مسجد کے لیے وقف ہیں تو ایسا کر سکتے ہیں۔ (امداد الفتاویٰ جلد دوم از ۷۰۵ تا ۷۰۹، البلاغ کراچی ماہ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ پر شائع شدہ ایک فتویٰ از ۴۵ تا ۴۷)

② موجودہ پوزیشن میں سب سے پہلے تو مسجد والے حصہ میں صف بندی کی جائے، جب تک وہ حصہ مکمل نہ بھر جائے وہاں تک دائیں بائیں کھڑے نہ ہوں۔ (ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۵۰)

صفوف کے اتصال کی صورت میں دائیں بائیں کھڑے رہنے والے کو نماز باجماعت کا ثواب بھی ملے گا؛ البتہ وہ حصہ داخلِ مسجد نہ ہونے کی وجہ سے اس میں اعتکاف درست نہیں ہے۔

③ نچلی منزل کو چھوڑ کر بالائی منزل میں جماعت کرنا مسجد کی اصل وضع اور امت کے متوارث تعامل کے خلاف؛ نیز نچلی منزل کا جماعت سے خالی رہنا مسجد کے احترام کے خلاف ہے؛ البتہ بعذرِ حبس (یا بصورتِ مسئولہ کثرتِ مصلین) وغیرہ جائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۳/ ۲۸۷، آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲/ ۲۵۶، فتاویٰ محمودیہ ۱۸/ ۱۵۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

پڑوس کی زمین مالک کی اجازت کے بغیر مسجد میں شامل کرنا

سوال: ہمارے یہاں ایک مسجد ہے، مسجد کے قریب ہماری کھلی زمین ہے، برسوں سے وہ زمین کھلی ہے، پڑوس کی مسجد شہید کر کے ٹرسٹیوں نے نئی مسجد بنائی تو اس کھلی زمین کو مالکِ زمین کی اجازت کے بغیر جو تقریباً سترہ سو اسکیر فٹ ہے مسجد میں شامل کر لی، ہم کچھ کورٹ کاروائی کریں اس سے پہلے ٹرسٹی منائی حکم پر کیوٹیٹ لے آئے،

اور مسجد میں اس کھلی جگہ کو زبردستی شامل کرلی اور اس میں نماز بھی شروع کردی، ہم نے اس پر منائی حکم لاکر انہیں روکا، منع کیا؛ مگر نہیں مانے اور کہتے ہیں کہ ہم دین کے لیے جیل بھی جائیں گے تو اب سوال یہ ہوتا ہے کہ:

① ٹرسٹیوں کا اس طرح سے کسی کی زمین کو بغیر اجازت کے مسجد میں شامل کرنا جائز ہے؟

② کیا زبردستی کسی کی زمین کو مسجد میں شامل کرسکتے ہیں؟

③ کیا ایسی جگہ میں جو زبردستی بغیر اجازت کے لے کر مسجد میں شامل کی اس میں نماز پڑھنا جائز ہے؟ کیا نماز صحیح ہوگی؟

④ کیا ایسا کرنے والے ٹرسٹی گنہگار رہوں گے یا نہیں؟

⑤ کیا ایسے ٹرسٹی شرعاً مسجد میں ٹرسٹی رہنے کے قابل ہیں؟

⑥ ایسا کام کرنا یہ دین کا کام کہلائے گا؟ کیا ایسا کہنا کہ ہم دین کے لیے قید خانہ بھی جائیں گے یہ صحیح ہے؟ کیا دین میں کسی کی زمین یا کوئی چیز زبردستی لے کر مسجد ومدرسہ میں شامل کرنا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے اپنے سوالات میں جو باتیں پیش فرمائی ہیں وہ اگر درست اور صحیح ہیں تو آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب حسبِ ذیل ہیں:

① اگر واقعۃً وہ زمین آپ کی ملکیت ہے، اس پر آپ کے پاس شرعی ثبوت موجود ہے تو ٹرسٹیان کا اس زمین کو اس طرح بلا اجازتِ مالک مسجد میں شامل کرلینا ناجائز ہے۔

② نہیں۔

③ اس طرح بغیر اجازتِ مالک اس جگہ کو مسجد میں شامل کر لینے کی وجہ سے وہ جگہ مسجد نہیں بنی، یہ غصب ہے، اور بدونِ اذنِ مالک اس میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ (کذا فی الشامیة قبیل باب الاذان ۱ /۲۸۱)

④ جی ہاں! ایسا کرنے سے وہ گنہگار ہوں گے۔

⑤ وقف میں غیر شرعی تصرف کا ثبوت ہو تو متولی مستحقِ عزل ہے۔

وینزع وجوبا بزازیة لو الواقف در فغیره بالأولیٰ غیر مأمون أو عاجزا أو ظهربه فسق (در مختار علی هامش الشامیة ۳ /۴۲۱)

⑥ نہیں، فعلِ مذکور کے متعلق ایسا کہنا بھی صحیح نہیں ہے۔

نوٹ: ① آپ نے جس زمین کے متعلق دریافت فرمایا ہے، اس کے متعلق یہ تحقیق فرمالیں کہ وہ مسجد کے لیے وقف نہیں ہے! ممکن ہے آپ کے آباء واجداد نے اس کو بھی مسجد کے لیے وقف کر دیا ہو؛ لیکن سرکاری کاغذات میں اندراج کی نوبت نہ آئی ہو؛ تاکہ آپ بھی نادانستہ طور پر وقف جائیداد پر دعویٰ کرنے کے گناہ میں مبتلا نہ ہوں۔

② اس نزاع کو دونوں فریق آپس میں بیٹھ کر شرع کے مطابق فیصلہ کریں یہ زیادہ مناسب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جانب غرب میں واقع دکانوں پر توسیع مسجد

سوال: ہمارے بڑودہ شہر کے بالکل وسط میں ایسے علاقے ہیں، جس کے چاروں طرف بازار ہیں، سامنے عدالت (نیائے مندر) کی شاندار پرشکوہ عمارت ہے اور

اطراف سے شہر میں آنے والی بسوں کا بس اسٹینڈ بھی اسی کے قریب ہے، بستی اور ٹرافک سے ایسے بھرپور علاقہ میں ''کھجوری مسجد'' نامی ایک تاریخی مسجد واقع ہے، مذکورہ مسجد کے چاروں طرف مسجد کی مملوکہ زمین پر دکانیں ہیں، جو سالہا سال سے کرایہ پر دی ہوئی ہیں، حکومت کے حالیہ قوانین کی رو سے مسجد کی توسیع کے لیے ان دکانوں کا قبضہ مسجد کو حاصل ہونا دشوار؛ بلکہ ناممکن ہے، جائے وقوع کی درج بالا خصوصیات کی وجہ سے نمازیوں کی کثرت تعداد کے پیش نظر موجودہ مسجد بالکل ناکافی ہونے اور آج سے بیس سال قبل کے فرقہ وارانہ فساد میں اس کو کافی نقصان پہنچنے؛ نیز اس کی عمارت نہایت بوسیدہ ہوجانے کی بناء پر، مسجد عرصۂ دراز سے ازسرِ نو تعمیر طلب تھی، قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے اس کی تعمیرِ نو مؤخر ہوتی رہی؛ لیکن اب بحمداللہ بڑودہ کارپوریشن نے اس کی تعمیرِ نو کی اجازت دیدی ہے؛ چناں چہ تعمیری کام شروع ہوچکا ہے، موجودہ مسجد مصلیوں کی تعداد کی بہ نسبت نہایت تنگ ہے اور اس میں ہوا اور روشنی وغیرہ کا راستہ نہ ہونے کی وجہ سے اس میں کافی حبس رہتا ہے، اور تاریکی بھی رہتی ہے، دکانوں سمیت مسجد کی مملوکہ زمین کا مجموعی ایریا (علاقہ) پانچ ہزار اسکورفٹ ہے، جس میں سے صرف بارہ سو اسکورفٹ ایریا (علاقہ) پر مسجد واقع ہے اور باقی اڑتیس سو اسکورفٹ ایریا (علاقہ) پر دکانیں ہیں، جس پر کرایہ دار قابض ہیں، مصلیوں کی تعداد کے اعتبار سے موجودہ مسجد کی چارگنی توسیع اشد ضروری ہے۔

مسجد کی دکانیں مسجد کی ملکیت ہونے کے باوجود ناممکن الحصول ہونے کی وجہ سے تحتانی مسجد کی توسیع بالکل ناممکن ہے، اب توسیع کی صرف ایک صورت یہ ہے کہ مذکورہ مسجد کے اوپر ایک منزلہ تعمیر کرلیا جائے اور مسجد سے ملحقہ دکانوں کی چھت والا حصہ

فوقانی مسجد میں شامل اور داخلِ مسجد کرلیا جائے، بایں طور تحتانی مسجد کے بجائے فوقانی مسجد کی یہ توسیع بقدرِ کفایت وضرورت ممکن ہے، پھر فوقانی مسجد کی یہ توسیع جانبِ شرق میں ممکن نہیں، جب کہ جانبِ غرب (سمت قبلہ) ہی میں ممکن ہے؛ نیز کما حقہ دائیں وبائیں جانب بھی ممکن نہیں، اب مسجد کی انتظامیہ کمیٹی نے جانبِ غرب ہی میں فوقانی مسجد کی تعمیر کا پلان ونقشہ تیار کیا ہے، تعمیر مکمل ہونے کے بعد مسجد کے تحتانی اور فوقانی دونوں منزلے پنج گانہ نماز باجماعت میں استعمال ہوں گے، تحتانی مسجد کا استعمال موقوف اور بند نہیں کیا جائے گا، اب پنج گانہ نماز باجماعت میں امام کے تحتانی مسجد میں امامت کے لیے کھڑے رہنے کی صورت میں فوقانی مسجد کی جانب غرب توسیع شدہ حصہ میں واقع صفوف کا، تقدم علی الامام ہونا لازم آتا ہے، جو جائز نہیں، علاوہ ازیں توسیع کا اصل مقصد ہی فوت ہوجاتا ہے، لہٰذا اب درج ذیل امور دریافت طلب ہیں:

① جانبِ غرب دکانوں کی چھت پر واقع فوقانی مسجد کا توسیع شدہ حصہ، صحتِ اعتکاف وغیرہ دیگر احکام مساجد کے اعتبار سے مسجد شرعی ہے یا نہیں؟ کیوں کہ بعض حضرات کو درج ذیل عبارت: وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجدا، ينقطع حق العبد عنه لقوله تعالىٰ ﴿وان المساجد لله﴾ بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفا لمصالح المسجد، فإنه يجوز إذ لا ملك فيه لأحد؛ بل هو من تتميم مصالح المسجد، فهو كسرداب مسجد بيت المقدس، هذا هو ظاهر المذهب، وهناك روايات ضعيفة مذكورة في الهداية.(البحر الرائق كتاب الوقف باب احكام المساجد ٥/٢٧١، رد المحتار احكام المساجد مطبوعه نعمانيه ديوبند ٣/٣٧٠، رد المحتار كتاب الوقف احكام المساجد٣/٤٠٦ مكتبه رشيديه) کی وجہ سے، مذکور مسجد فوقانی کے دکانوں پر توسیع شدہ حصہ کو عدم انقطاع

حق عبد کی بنیاد پر مسجد شرعی قرار دینے میں تامل ہے۔

(۲) اگر مسجد فوقانی کا مذکور توسیع شدہ حصہ مسجد شرعی نہ ہو، تو اشکال یہ ہے کہ بناءِ ابتداء (اولین تعمیر) کے وقت شروط مذکورہ فی کتب الفقہ کی رعایت کے ساتھ، تحتانی حصۂ مسجد میں کرایہ کی دکانیں وغیرہ بنانا جائز ہے اور فوقانی حصہ ''مسجدِ شرعی'' ہوگا؛ حالاں کہ یہاں بھی دکانوں والے تحتانی حصہ کے ساتھ بالکلیہ انقطاع حق عبد نہیں ہے، لہٰذا بناء ابتدائی اور بناء ثانی کی توسیع مسجد فوقانی میں وجہ فرق کیا ہے؟

(۳) اگر مسجدِ فوقانی کا مذکورہ توسیع شدہ حصہ ''مسجدِ شرعی'' ہو، تو مذکورہ بالا حالات میں مفتیٔ اعظم ہند حضرت العلامہ مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درج ذیل فتوی کی بنیاد پر، امام کو تحتانی مسجد کے بجائے فوقانی مسجد کے جانب غرب توسیع شدہ حصہ کے اندر، فرض نماز باجماعت میں کھڑا ہونا جائز ہے یا نہیں؟

نقل فتوی حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ:

سوال: مسجد کی چھت پر نماز باجماعت جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مسجد کی چھت پر نماز کی جماعت جائز ہے اور اگر گرمی وغیرہ کے عذر کی وجہ سے ہو، تو کسی قسم کی کراہت بھی نہیں؛ البتہ بلا عذر ہو تو اس بناء پر کہ جماعت کی اصلی جگہ نیچے کا درجہ اور محراب ہے، اوپر جماعت کرنا خلافِ اولیٰ ہے۔ واللہ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

جواب: (از مولوی حبیب المرسلین نائب مفتی) تشریح اس کی یہ ہے کہ اگر گرمی کی ایسی شدت ہو کہ خشوع وخضوع قائم نہ رہے، تو مسجد کی چھت پر نماز باجماعت، وسنن ونوافل پڑھنے بھی مکروہ نہ ہوں گے اور اگر اس قسم کی شدت کی گرمی نہ ہوگی، تو

مسجد کی چھت پر نماز باجماعت وغیرہ مکروہ ہوگی۔

''فتاوی عالمگیری'' میں ہے: الصعود على كل سطح مسجد مكروه، وهذا إذا اشتدت الحر يكره أن يصلوا بالجماعة فوقه، إلا إذا ضاق المسجد فحينئذ لا يكره الصعود على سطحه للضرورة كذا في الغرائب (۵/ ۳۵۶)

فقط حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی (کفایت المفتی ۳/ ۱۵۵)

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

① ② صورتِ مسئولہ میں مسجد کی توسیع جانبِ غرب میں درست ہے، اب عدمِ انقطاعِ حقِ عبد کا جو اشکال رہ جاتا ہے، اس کا جواب تو یہ ہے کہ یہ صورت جب ہوتی، جب کہ وہ دکانیں مسجد کی ملک نہ ہوتیں؛ حالاں کہ صورتِ مسئولہ میں ان کی ملکیت مسجد کی ہی ہے، ان کا کرایہ بھی مسجد ہی کو مل رہا ہے، ملکی قانون کی وجہ سے باوجود ملک کے ان دکانداروں کو وہاں سے ہٹانا مشکل ہے، عبارت مذکورہ فی السوال میں صراحت ہے: بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفا لمصالح المسجد فإنه يجوز إذ لا ملك فيه لأحد.

صورتِ مسئولہ میں بھی جو دکان دار قابض ہیں، ان کی ملک نہیں ہے؛ بلکہ ملک تو مسجد کی ہی ہے اور قانونی طور پر بھی ان دکانداروں کی حیثیت کرایہ دار کی ہے اور مواقع ضرورت میں فقہاء نے بھی گنجائش دی ہے۔

''فتح القدیر'' میں ہے: بخلاف ما إذا كان السرداب أو العلو موقوفاً لصاحب المسجد، فإنه يجوز إذ لا ملك فيه لأحد؛ بل هو من تتميم مصالح المسجد فهو كسرداب مسجد بيت القدس، هذا هو ظاهر

المذهب وروي عن أبي حنيفة أنه إذا جعل السفل مسجداً دون العلو جاز، لأنه يتأبد، بخلاف العلو، وهذا تعليل للحكم لوجود الشرط، فإن التابيد شرط وهو مع المقتضى، وإنما يثبت الحكم معهما مع عدم المانع، وهو تعلق حق واحد، وعن محمد عكسه لأن المسجد معظم، وهو تعليل بحكم الشيء وهو متوقف على وجوده وعن أبي يوسف أنه جوز ذلك في الأولين لما دخل بغداد ورأى ضيق الأماكن، وكذا عن محمد لما دخل الري وهذا تعليل صحيح لأنه تعليل بالضرورة. (٦/٢٣٥،٢٣٤)

دیکھئے! فتح القدیر کی اس عبارت میں صرف فوقانی منزل کی مسجدیت کو درست قرار دینے والی روایت کی تائید فرمائی ہے؛ حالاں کہ اس میں تحتانی حصہ ملک مسجد نہیں ہے، اس وقت کی یہ بحث ہے جب کہ صورتِ مسئولہ میں تحتانی حصہ پر ملکیت مسجد کی ہی ہے، صرف قبضہ نہیں ہے؛ البتہ اعتکاف کے لیے مناسب یہ ہے کہ قدیم مسجد والے حصہ میں کیا جائے، تاکہ احتیاط پر عمل ہوجائے۔

③ ضرورت کے پیش نظر جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: نیچے کے دکانداروں کو تاکید کی جائے کہ حرمتِ مسجد کے خلاف کوئی کام اس میں نہ کریں۔ فقط

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی توسیع اور چند سوالات

سوال: ہمارے محلہ کی مسجد کا جماعت خانہ چھوٹا ہے جس میں ایک صف میں

پندرہ مقتدی رہتے ہیں ایسی تین صف ہوتی ہے جمعہ میں صحن پر دو صفیں اور ہو جاتی ہیں جس کی گنجائش ہے مگر عیدین اور رمضان المبارک میں تراویح میں تکلیف ہوتی ہے صحن کے کنارہ پر دو مزار شریف بھی ہیں مسجد کے قبلے کی طرف ایک مکان مسجد کا ہے جس میں کرایہ دار تھا ابھی اس کا قبضہ مسجد ہی کے متولیان کے پاس خالی ہے جس کی وجہ سے آمدنی کم ہوگئی ہے محلے کے کچھ حضرات قبلہ رخ جو مکان ہے اس کی طرف جماعت خانہ بڑھانے کو کہتے ہیں مگر قریب ایک یا دو صف زیادہ ہوگی اور بہت کم مقتدی بڑھیں گے قریب ۲۵-۳۰ مقتدی زیادہ آسکیں گے لیکن محلہ کے زیادہ حضرات پرانے جماعت خانہ اور صحن کے مزار شریف کے حصہ کو چھوڑ کر ایک منزل اوپر بڑھانا چاہتے ہیں جس کی وجہ سے جماعت خانہ کو قبلہ رخ بڑھانے سے زیادہ مقتدی کی گنجائش ہو جائے گی صحن کے اوپر بھی پہلی منزل کی چھت آجائے گی تو اس صحن میں نماز جنازہ ہوگی یا نہیں؟ اس کا جواب مطلوب ہے۔

محلہ کے زیادہ تر حضرات کا کہنا ہے کہ قبلہ کی طرف مسجد کا جو مکان ہے اس پر اپارٹمنٹ بنا کر مسجد کی آمدنی بڑھائی جائے اور محلہ کے جن حضرات کو رہنے کی تکلیف ہے اس کو دور کیا جائے ابھی مسجد کی آمدنی کم ہونے کی وجہ سے بہت تکلیف ہوتی ہے امام صاحب اور مؤذن صاحب کی تنخواہ بھی بڑھا سکیں اور بجلی کے بل کی کمی کو بھی پورا کر سکیں اور قرض حسنہ لینا نہ پڑے۔

جماعت خانہ پرانا توڑنے پر جو سامان پرانا نکلے گا اس کو فروخت کر سکتے ہیں؟ اور مٹی اور ملبے کو کہاں رکھنا پڑے گا؟ فروخت کیے ہوئے سامان کی رقم جماعت خانہ میں استعمال لے سکیں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کے قبلہ رخ جو مکان ہے وہ اگر قدیم زمانہ سے اصل مالکان مکان کی طرف سے اس مکان کی آمدنی مسجد کے مصارف میں استعمال کرنے کے لیے وقف کیا گیا تھا تب تو اس پر اپارٹمنٹ بنا کر مسجد کی آمدنی کو بڑھایا جائے تاکہ یہ مکان جس مقصد کے لیے وقف ہوا ہے اس میں اس کا استعمال ہو اس لیے کہ واقف کی شرائط کی پابندی ضروری اور لازم ہے۔ شرط الواقف کنص الشارع قاعدة مسلمة عند الفقهاء.

اور اگر وہ مکان مسجد کی آمدنی سے خریدا گیا تھا تو اب اس جگہ پر مسجد کی توسیع کی بھی اجازت ہے اور اس کو باقی رکھتے ہوئے اپارٹمنٹ بنانے کی بھی اجازت ہے محلہ والے آپس کے مشورہ سے جو شکل اختیار کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔

مسجد کی توسیع کرتے ہوئے اوپر کی طرف ایک منزلہ بڑھانے کی صورت میں نیچے جتنا حصہ مسجد شرعی میں داخل تھا اوپر کا بھی وہی حصہ اس مقدار میں مسجد شرعی کہلائے گا صحن مسجد اگر مسجد شرعی میں پہلے سے داخل نہیں تو اب تعمیر کے بعد بھی اس کے اوپر والا حصہ مسجد میں داخل نہیں سمجھا جائے گا اور اس صورت میں وہاں پر نماز جنازہ درست ہے جب کہ پہلی والی صورت میں یعنی اس کے داخل مسجد شرعی ہونے کی صورت میں اس جگہ پر نماز جنازہ درست نہیں۔

جماعت خانہ توڑنے کی صورت میں اس کا ٹوٹا ہوا سامان فروخت کرنے سے جو قیمت حاصل ہو اس کو جماعت خانہ کی نئی تعمیر میں استعمال کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

احاطۂ مسجد میں طہارت خانہ

سوال: مسجد کے طہارت خانہ و بیت الخلاء باہر مسجد سے الگ تھے اب اس خیال سے کہ باہر آنے جانے والے لوگ پریشان کرتے ہیں تو اب اس طہارت خانہ اور بیت الخلاء کو مسجد کی چہار دیواری صحن میں لینا ہے اور وہ بالکل مسجد یعنی جماعت خانہ کے سامنے ہی آتے ہیں تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

طہارت خانہ کو مسجد کی چہار دیواری (احاطہ) میں لیا جاسکتا ہے یہ خیال رہے کہ وہ مسجد کی قبلہ والی جانب میں نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی توسیع کے لیے دوکان منہدم کرنا

سوال: مسجد کے احاطے میں ایک دکان ہے تو، اس کو مسجد میں شامل کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ سوال واضح نہیں ہے، اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ مسجد کی توسیع کی ضرورت درپیش ہے، تو دکان ختم کرکے اس حصۂ زمین کو مسجد شرعی میں داخل کرسکتے ہیں یا نہیں؟ تو اگر یہ جگہ مسجد کی رقم سے خریدی گئی تھی تو اجازت ہے، اور اگر کسی آدمی نے یہ

جگہ مسجد کی آمدنی کے لیے وقف کی تھی تو اجازت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳؍ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مسجد کی جگہ کو کسی اور کام میں استعمال کرنا جائز نہیں

سوال: ہمارے گاؤں میں آج سے ۳۰؍سال پہلے دو مسلم بھائیوں نے اپنی ذاتی زمین گاؤں رسول پور کی سنی حنفی جماعت کو مسجد کے نام سے وقف کی تھی، پھر گاؤں والوں نے اور صاحبِ وقف سب مل کر اس جگہ کے اردگرد چاردیواری کر کے اس زمین میں سے ۳۲x۳۲ کی جگہ متعین کر کے مسجد کے حرم یعنی جماعت خانہ طے کیا تھا، یعنی مسجد کے حرم کی نیت کر کے زمین کے اندر سے زمین کے باہر تک تعمیری کام بھی کر دیا تھا جو ابھی تک موجود اور قبلے کی سمت بھی ہے؛ لیکن اس وقت مسجد کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے پوری مسجد نہیں بنائی تھی، پھر ایک مرتبہ گاؤں کے چار ساتھیوں نے اس جگہ میں اذان اور اقامت کے ساتھ ایک فرض نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کی تھی، ایک جگہ تو ایسی ہے اور یہ جگہ سرکاری دفتر میں بھی مسجد کے نام سے رجسٹر ہو چکی ہے، اور اب جب مسجد بنانے کی ضرورت پیش آئی تو ایک جگہ اَور ہے، وہ بھی ایک صاحب نے وقف کی تھی اور مطلقاً وقف کی تھی، کسی کی نیت کر کے وقف نہیں کی تھی یعنی مدرسہ، مسجد وغیرہ کی نیت نہیں کی تھی، اور وہ جگہ مین سڑک پر ہے، اور مسجد کے نام سے جو جگہ وقف ہے وہ اس کے سامنے والی گلی میں ہے، یعنی دو جگہ کے درمیان ۱۰۰؍میٹر کا تقریباً فاصلہ ہے، اور وہ دونوں جگہ مسلمانوں کی آبادی ہے؛ لیکن مین سڑک پر مسجد بنانے میں لوگوں کو زیادہ سہولت ہے، اکثر لوگوں کی رائے یہ ہے کہ

مسجد مین سڑک پر جو جگہ ہے وہاں بنائی جائے، اور مسجد کے نام سے جو جگہ ہے وہاں کوئی اَور چیز یعنی مدرسہ یا مدرسین کے گھر بنائے جائیں، اور چند لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ شکل جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ جو جگہ مسجد کے نام سے وقف ہو چکی ہے اور مسجد کا حرم کا حصہ طے ہو گیا، اور ایک فرض نماز اذان واقامت کے ساتھ ادا ہو چکی ہے، اب شرعاً وہاں مسجد ہی بنانا جائز ہے، کوئی اَور چیز بنانا جائز نہیں ہے۔

اب شریعت کی روشنی میں آپ ارشاد فرمائیں کیا کیا جائے؟ اگر جو جگہ مسجد کے نام سے وقف ہے وہاں مسجد نہ بنائی جائے؛ بلکہ کوئی اور مدرسہ وغیرہ بنایا جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو جگہ مسجد کے لیے وقف ہو چکی اس میں تعمیر بھی شروع ہو چکی، اور واقف کی اجازت سے اس میں نماز باجماعت بھی ادا کی جا چکی، تو اب یہ جگہ مسجد بن چکی ہے، اب اس جگہ کو مسجد کے علاوہ کسی اور کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: ويزول ملكه عن المسجد والمصلي بالفعل، وبقوله جعلته مسجدا عند الثاني، وشرط محمد والإمام الصلاة فيه بجماعة، وقيل: يكفي واحد، وجعله في الخانية ظاهر الرواية (درمختار)(قوله ويزول ملكه عن المسجد إلخ)اعلم أن المسجد يخالف سائر الأوقاف في عدم اشتراط التسليم إلى المتولي عند محمد، وفي منع الشيوع عند أبي يوسف، وفي خروجه عن ملك الواقف عند الإمام، وإن لم يحكم به حاكم كما في الدر إلخ (شامي ٢/٤٠٤)

ولو خرب ماحوله واستغنىٰ عنه يبقىٰ مسجدا عند الإمام، والثاني أبدا إلىٰ قيام الساعة (درمختار)فلايعود ميراثا ولايجوز نقله ونقل ماله إلىٰ مسجد اٰخر، سواء كانوا يصلون فيه أو لا، وهو الفتوىٰ (شامي ٤٠٦/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۶ / رجب ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مسجد کے تہہ خانہ میں کمرے بنا کر کرایہ پر دینا

سوال: ہم لوگ پرانی مسجد کو شہید کر کے نئے نام سے بنا رہے ہیں اور ہماری مسجد کی کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے، تو ہمارا ارادہ ہے کہ جماعت خانہ کے نیچے دو تین روم (کمرہ) بنا کر کے کرایہ سے دیں، تو کیا ہم جماعت خانہ کے نیچے یہ بنا سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

جس جگہ نیچے کمرہ بنا رہے ہیں، وہاں پہلے جماعت خانہ موجود تھا، تو اب نئی تعمیر میں ایسا کرنا جائز نہیں ہے، اگر بنالیا، تو اس کو کرایہ پر دینا جائز نہیں ہے۔

أما لوتمت المسجدية ثم أراد البناء منع، ولو قال عنيت ذلك لم تصدق تاتارخانية فإذا كان هذا في الوقف، فكيف يغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد، ولا يجوز أخذ الأجرة منه، ولا أن يجعل شيئا منه مستغلا، ولاسكنى بزازية (درمختار على هامش الشامي ٤٠٦/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱ / ذوالقعدہ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کا تہہ خانہ کرایہ پر دینا

سوال: ہماری مسجد جواب تک ٹن شیڈ کی تھی، اب آر سی سی کی بن رہی ہے، اس کے نیچے تہہ خانے بنائے ہوئے ہیں، محلے کے کچھ لوگوں کا ارادہ ہے کہ وہ تہہ خانے کسی اسکول کو کرایہ پر دے کر مسجد کی آمدنی کا ذریعہ بنالیں، فی الوقت ایک تہہ خانہ میں جماعت ہو رہی ہے چند ماہ تک اوپر جماعت خانہ تعمیر ہونے تک، اور ایک تہہ خانہ میں مال یعنی سمینٹ وغیرہ رکھا ہوا ہے، تو کیا تہہ خانوں کو کرایہ پر دے کر آمدنی کا ذریعہ بنا سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں ان تہہ خانوں کو کرایہ پر دے کر آمدنی کا ذریعہ بنانا جائز نہیں ہے، آپ کی مسجد جب ٹین شیڈ کی بن کر اس میں نماز کا سلسلہ شروع ہوا تھا، اسی وقت سے اس کی مسجدیت مکمل ہو چکی تھی، اب جب کہ آپ حضرات آر سی سی والی تجدید فرما رہے ہیں اس میں اس نوع کا کوئی بھی تصرف کرنا جائز نہیں ہے، اب تو ان تہہ خانوں کو بھی نماز ہی کے لیے استعمال کیجئے، یا شدید ضرورت کے وقت اس میں مسجد ہی کا کوئی سامان (صفیں، قالین) وغیرہ رکھ سکتے ہیں۔ (منیۃ الساجد فی آداب المساجد) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کے تہ خانے میں حفظ کلاس جاری کرنا

سوال: ہمارے گاؤں میں مسجد کے نیچے تہ خانہ ہے جس کو تعمیر جدید سے پہلے اصل مسجد کی جگہ جماعت خانہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ اب تعمیر جدید کے بعد اسی کے اوپر جماعت خانہ بنایا ہے اور اصل جماعت خانہ بالکل غیر مستعمل ہے۔ کبھی

بھی اس میں نماز نہیں ہوتی۔ اب اس جگہ کچھ سامان رکھا رہتا ہے اور باقی جگہ ویران ہے اس کی صفائی بھی نہیں ہوتی۔ ارادہ یہ ہے کہ اس تہ خانہ میں شعبۂ حفظ قرآن جاری کیا جائے جس میں پڑھنے والے طلباء ۱۱، ۱۲، ۱۳ سال کی عمر کے ہوں گے۔ نیز مدرس صاحب معاوضہ لے کر پڑھائیں گے اس صورت میں تہ خانہ کی صفائی بھی ہوگی اور یہ استعمال بغیر کرایہ کے ہوگا۔ نیز اس صورت میں تہ خانہ بالکل آباد رہے گا۔ عرض یہ ہے کہ اگر کوئی گنجائش ہو کہ تہ خانہ کو اس شعبہ کے لیے استعمال کرے تو ضرور بالضرور تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اصل تو یہ ہے کہ اس حصہ کو مسجد کے طور پر استعمال کرتے ہوئے اسی میں نماز با جماعت کا اہتمام کیا جائے۔ لیکن اگر ذمہ دار حضرات ایسا نہیں کر رہے ہیں اور بے کار پڑا رہنے کی وجہ سے اس کی صفائی بھی کما حقہ نہیں ہو پاتی اور اپ اس کو آباد کرنے کی غرض سے اس میں شعبۂ حفظ قرآن شروع کرنا چاہتے ہیں اور پڑھنے والے بچے بھی اتنے بڑے ہیں کہ آداب مسجد کی رعایت کر سکتے ہیں تو دریں صورت اس میں حفظ قرآن کا بندوبست کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کا حصہ اسکول میں دینا

سوال: ہمارے محلہ کی مسجد کے شمالی جانب لگ بھگ دس بارہ ہاتھ جگہ خالی ہے، اور یہ جگہ مسجد ہی کی ہے، اس کے بعد روڈ لگ جاتا ہے، اور مسجد کے مشرقی جانب

متصلاً نمازیوں کے لیے مسجد، اسکول اور پیشاب خانہ میں آنے جانے کا راستہ ہے، اور مسجد کی جنوبی دیوار سے لگے ہوئے جنوب کی طرف مسجد کی دوسری عمارت ہے، جو فی الوقت اردو اسکول ہے، جس کا سرکار کرایہ دیتی ہے، یا دینے والی ہے، اس اسکول میں مسلمان عورت ٹیچر ہے، اور اسکول کے اندر آمد ورفت کا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے کسی بھی جانب، سوائے یہ ہے کہ مسجد کے سامنے ہی سے آمد ورفت کرے جس راستہ سے نمازی آمد ورفت کرتے ہیں، اور الحمدللہ مسجد میں جماعتیں بھی آتی جاتی ہیں، اور اسکول کے سامنے ہی سے پیشاب پاخانہ کی گذرگاہ ہے، جس سے کبھی کبھار عورتوں پر نظر پڑ جاتی ہے، اور فی الوقت نمازیوں کی زیادتی کی وجہ سے مسجد بھی ناکافی ہے، اور ساتھ ساتھ مسجد کی آمدنی اسکول کے کرایہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے، تو اراکینِ مسجد نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اسکول کو مسجد کے شمالی جانب جو جگہ خالی ہے اس جگہ لایا جائے، اور اسکول کا کچھ حصہ مسجد کے اندر آئیگا، یعنی مسجد کی شمالی دیوار توڑ کر تھوڑا سا جنوب کی طرف دیوار مسجد قائم کی جائے گی، اور مسجد کی جنوبی دیوار توڑ دی جائے گی؛ تاکہ اسکول کو مسجد بنالیا جائے، اور اسکول روڈ کے کنارے آجائے، اور بے پردگی سے بچ جائے، اور مسجد فی الوقت کافی ہوجائے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مندرجۂ ذیل مجبوریوں کے پیش نظر (نماز کے لیے مسجد ناکافی، مسلمان عورت ٹیچر کی بے پردگی) کیا مسجد کا کچھ حصہ اسکول میں اور اسکول کا کچھ حصہ مسجد میں دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو جگہ ایک مرتبہ شرعی مسجد بن گئی، وہ اب ہمیشہ تاقیامت مسجد ہی رہے گی، اس کو

کسی دوسرے کام میں استعمال کرنا جائز نہیں۔

ولو خرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجداً عند الإمام، والثاني أبدا إلى قيام الساعة، وبه يفتى حاوي القدسي. (درمختار على هامش الشامية ٣/ ٤٠٦)

اس لیے صورتِ مسئولہ میں مسجد کا کوئی بھی حصہ اسکول میں دینے کی ہرگز اجازت نہیں؛ البتہ اگر مسجد میں تنگی پڑتی ہے، تو اسکول کا کوئی حصہ نکال کر مسجد میں داخل کرنے کی اجازت ہے؛ بلکہ اگر وہ اسکول مسجد کی زمین میں ہے تو مسجد کی توسیع کرلی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی جگہ میں دیگر تعمیرات جائز نہیں

سوال: تقسیم ہند سے پہلے ایک مسجد جو غیر مسلموں کے قبضے میں تھی کو وقف بورڈ نے ان غیر مسلموں کو الاٹ کر دیا، صرف ایک صف کی جگہ چھوڑ دی گئی، جس میں نہ تو منبر کی جگہ ہے اور نہ امام کے کھڑے ہونے کی جگہ، ان غیر مسلموں نے مسجد کے صحن اور متعلقہ اراضی پر شوروم تعمیر کرلیا، اس تعمیر کی وجہ سے مسجد کا پچھلا حصہ کالعدم ہو رہا تھا، جس پر جالندھر کے مسلمان وقف بورڈ اور سردار دیدار سنگھ کے خلاف کھڑے ہو گئے، نوبت خون خرابہ آ گئی، اخیر میں سمجھوتا ہوا کہ شوروم جو کہ مسجد کے صحن میں تعمیر ہے اس کے اوپر مسجد بنادی جائے اور پچھلا حصہ جو کہ مسجد کے لیے ناکافی تھا سردار دیدار سنگھ کے حوالہ کر دیا جائے، مسجد کی تعمیر اس کی بنیاد جو پہلے تھی اور اینٹ وغیرہ جو سابقہ مسجد کی ہے تعمیر کر دی گئی۔ شریعت کی روشنی میں مسجد درست ہے یا نہیں؟ اور اس میں نماز ادا

کی جائے یا نہیں؟ اور اگر مسجد اور نماز درست نہ ہو تو پھر اس عمارت کو جو مسجد کے لیے تعمیر کی گئی ہے کس کام میں استعمال کی جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وقف بورڈ کی تشکیل اس لیے کی گئی ہے کہ وہ اوقاف مسلمین کی حفاظت کرے، جن اوقاف یا مساجد پر ناجائز قبضے کئے گئے ہیں ان کو قانون اور حکومت کے تعاون سے دور کرے، صورت مسئولہ میں وقف بورڈ کا مقبوضہ مسجد کو غیر مسلموں کے نام الاٹ کر دینا شرعاً وقانوناً درست نہیں، جو جگہ ایک مرتبہ مسجد بن گئی وہ تا قیامت مسجد ہی رہے گی اس کا استعمال مسجد کے علاوہ دوسرے کام میں مسلم یا غیر مسلم کسی کے لیے بھی درست نہیں، اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسا کوئی سمجھوتہ جس سے اس پر ناجائز قبضہ باقی رہتا ہو یا اس کو قانونی جواز فراہم ہوتا ہو تسلیم نہ کریں، اور مسجد والی تمام جگہ کی رہائی کا اپنا مطالبہ جاری رکھیں، اس کے لیے قانونی چارہ جوئی کا سلسلہ جاری رہے، چوں کہ یہ مسجد پہلے ہی سے مسجد شرعی تھی اس لیے مسجد کی موجودہ عمارت میں نماز بھی درست ہے اور نماز پڑھنے سے مسجد ہی کی فضیلت حاصل ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰ رجب ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد میں چوری سے بجلی چلانے اور نماز پڑھنے کا حکم

سوال: مسجد کے اندر بجلی کا جلانا بغیر میٹر کے بغیر حکومت کی اجازت کے، کیسا ہے؟ اور اس مسجد میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ اور اب تک اس میں جو نماز پڑھی ہے، اور اس

بجلی سے جو فائدہ اٹھایا اس کا کیا حکم ہے؟ اس کا جواب درج کریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کی اجازت اور میٹر کے بغیر بجلی کا استعمال گناہ ہے، اور سرقہ ہے، خصوصاً مسجد جو اللہ کا گھر ہے اس میں اس فعلِ بد کی قباحت مزید بڑھ جاتی ہے کہ: "إن اللہ طیب لا یقبل إلا الطیب" (مسلم ۱/ ۳۲۶) جو حضرات اس حرکت کے مرتکب ہیں، ان کو سختی کے ساتھ اس سے باز رکھا جائے، اب تک جو بجلی اس طرح استعمال کی ہے، اس کا عوض حکومت کے اس محکمہ میں ادا کر دیا جائے، نماز جو پڑھی ہے وہ ادا ہوگئی، اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ صفر ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی بجلی کا استعمال کب تک کرے؟

سوال: مسجد میں اگر کوئی مسافر رات گزارا کرے تو سوتے وقت پنکھا استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟ یا اور کوئی شخص کا تلاوت یا ذکر وغیرہ پڑھنے کے لیے رات کو بہت دیر تک لائٹ وغیرہ استعمال کرنا کیسا ہے؟ لائٹ وغیرہ استعمال کرنے کی کیا مقدار ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز کے لیے جب تک روشنی رہنے کا معمول ہے اس وقت تک اس روشنی میں قرآن شریف اور وظیفہ وغیرہ پڑھنا بلاشبہ درست ہے، اور اس کے بعد یعنی جب روشنی گل کر دی جاتی ہو اس وقت لائٹ بل دینے والے کی اجازت سے روشنی کرنا، اور اس میں قرآن

شریف وغیرہ پڑھنا درست ہے، بلا اجازت نہیں پڑھنا چاہیے۔ (فتاویٰ محمودیہ جدید ۱۵/ ۲۳۸)
البتہ اگر وہاں کا دستور اس کی اجازت دیتا ہو تو درست ہے، پنکھے کا بھی یہی حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد میں زائد از ضرورت روشنی استعمال کرنا

سوال: بہت سی مسجدوں میں ضرورت سے زائد روشنی کا اہتمام کیا جاتا ہے، اور اگر کوئی شرط کے ساتھ مسجد میں کچھ وقف کرے فلاں جگہ میں استعمال کرنا ہے تو کیا شرط کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کا مال وقف ہے، ضرورت سے زیادہ یا بلا ضرورت اس کا استعمال جائز اور درست نہیں، چناں چہ ضرورت سے زائد روشنی کا اہتمام بھی درست نہیں۔ اگر کسی نے کوئی چیز کسی خاص شرط کے ساتھ مسجد میں وقف کی تو اس کی اس شرط کی رعایت (بہ شرطے کہ حدودِ شرع میں ہو) ضروری ہے، اور اسی کے مطابق اس چیز کو استعمال کیا جائے گا، اس کی خلاف ورزی جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ

مسجد کے لیے دی گئی زمین فروخت کرنا

سوال: ①ایک شخص نے مسجد کے لیے زمین وقف کی یا عطیہ دیا، متولیان

مسجد اس زمین کو (ضرورۃً مثلاً تعمیر جدید کے لیے رقم فراہمی کے لیے) فروخت کرنا چاہتے ہیں، یا کسی کو بلاثمن دینا چاہتے ہوں تو ان کے لیے فروخت کرنا یا بطور عطیہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

② نیز مدرسہ کو ایک دارالاساتذہ کی سخت ضرورت درپیش ہے، اور مذکورہ بالا زمین مدرسہ سے بالکل متصل واقع ہے، تو آیا مدرسہ اسے خرید کر وہاں اپنی عمارت تعمیر کرسکتا ہے یا نہیں؟

③ نیز اگر واقف یا معطی بقید حیات ہے وہ ضرورت کے پیش نظر اپنے سابق قول (یعنی وقف ہو یا عطیہ) سے رجوع کر کے مدرسہ کے لیے مذکورہ زمین کا وقف یا عطیہ یا بیع بالثمن کرے تو آیا وہ اس کا مجاز ہے یا نہیں؟ استفتاء کے تمام سوالات کا جواب وافی اور شافی عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اگر مالک زمین نے وہ زمین مسجد کے لیے وقف کی ہے، تو متولیان مسجد کے لیے اس کو فروخت کرنا یا کسی کو بطور عطیہ دینا جائز نہیں ہے۔

فإذا تم ولزم لا يملك، ولا يملك، ولا يعار، ولا يرهن (درمختار) (قوله لا يملك) أي لا يكون مملوكا لصاحبه، ولا يملك: أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه الخ (شامی ۳/۴۰۲)

البتہ اگر وقف نہیں کی ہے؛ بلکہ بطور عطیہ مسجد کو دی ہے تو متولیان مسجد ضرورتِ مسجد کے لیے اس کو فروخت کرنا چاہیں تو فروخت کرسکتے ہیں، لیکن کسی کو بطورِ عطیہ نہیں دے سکتے۔ لأن تصرف القيم منوط بالمصلحة، وليس من المصلحة

اعطاءه بلا عوض .

(۲) اگر وہ زمین مسجد کو عطیہ کے طور پر ملی ہے، اور متولیان مسجد ضرورت مسجد کے پیش نظر فروخت کر رہے ہیں تو مدرسہ اس زمین کو خرید سکتا ہے، اور اگر وقف ہے تو نہیں خرید سکتا۔

(۳) اگر وہ آدمی اس زمین کو مسجد کے لیے وقف کر چکا ہے، تو اب اس کو حق نہیں کہ وہ اس سے رجوع کر کے وہ زمین مدرسہ کے لیے وقف کرے؛ البتہ اگر وہ زمین مسجد کو بطور عطیہ دی ہے تو مسجد سے خرید کر مدرسہ کو دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ غفرلہ

مسجد کی ضرورت کے لیے وقف زمین کی بیع کرنا

سوال : بکر کا باپ سالم مسجد کا متولی ہے، اور مسجد کی زمین کو سالم بیچ کر وضو خانہ اور صحن بنوانا چاہتا ہے، بعض لوگوں کو اعتراض ہے کہ یہ زمین نہ بیچ کر چندہ ہی سے یہ کام کر لیا جائے اور مسجد کی زمین کو باقی رکھا جائے، جب کہ سالم کو ضد ہے کہ نہیں، ہم مسجد کی زمین کے مالک ہیں، اور مسجد کو وضو خانہ کی ضرورت ہے، اس لیے مسجد کی زمین بیچ کر بنوائیں گے، جواب طلب امر اینکہ متولیٔ مسجد وقف شدہ جائداد کا مالک ہوگا یا نہیں ہوگا؟ اور اگر ہوگا تو پھر اپنی ہی رائے سے زمین بیچ سکتا ہے یا تمام بستی والوں کی رائے کا بھی دخل ہے؟ شافی جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

متولی موقوفہ زمین کا مالک نہیں ہے؛ بلکہ شریعت کے حکم کے مطابق نظم وانتظام کرنا یہ اس کی ذمہ داری ہے، اس لیے سالم کا یہ دعوی کہ ہم مالک ہیں درست نہیں ہے، مسجد میں وقف شدہ زمین کو بیچنا جائز نہیں ہے، اگر بیچا بھی تو یہ بیع باطل ہے، جس نے خریدا ہوگا وہ اس کا مالک نہیں ہوگا؛ بلکہ زمین مسجد ہی کی رہے گی، سالم گنہ گار ہوگا، لوگوں کا کہنا درست ہے کہ وضو خانہ چندہ کی رقم سے تیار کیا جائے، مسجد کی وقف زمین بیچ کر نہیں۔ اگر سالم اس پر تیار نہ ہو تو اس کو تولیت سے ہٹا کر کسی دیندار مسائل شرع سے واقف کار آدمی کو متولی مقرر کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کا وقف مکان فروخت کرنا

سوال: محلہ میں مسجد کا ایک مکان تین رخ کا تھا جس میں ایک کرایہ دار تھا متولیان نے مکان کو محلہ والوں کے مشورہ کے بغیر اپنی مرضی سے ایک بلڈر سے طے کر کے کرایہ دار کو ۵/لاکھ ۵۰/ہزار دے کر قبضہ میں لے لیا اگر محلہ والوں کی ایک میٹنگ رکھ کر مشورہ کرتے تو یہ رقم مسجد کو قرض حسنہ مل سکتی تھی بلڈر نے اس مکان کی قیمت بارہ لاکھ ۵۰/ہزار طے کی اتنی زمین ہمارے محلے میں ۱۸/لاکھ کی ہوتی ہے بلڈر نے ۵/لاکھ ۵۰/ہزار کرایہ دار کو دینے کے بعد قریب کے محلہ میں تین فلیٹ دیے ہیں جس کے دو فلیٹ کا کرایہ ۲۲۰۰ (بائیس سو روپیے) آتے ہیں تیسرے فلیٹ کا کرایہ دار کرایہ نہیں دیتا اس کا کہنا ہے کہ میں نے بلڈر کو ایک لاکھ روپیے دیے

ہیں جو آپ مجھے دے دو تو میں آپ کو فلیٹ کا قبضہ دے دوں گا فلیٹ کے ابھی دستاویز باقی ہے اس کو ملے پانچ سال ہو گئے ابھی تینوں متولی صاحبان استعفاد ینا چاہتے ہیں تو محلہ والوں کا کہنا ہے کہ جو ایک فلیٹ کا کرایہ پانچ سال سے نہیں مل رہا ہے جس کا ماہانہ ایک ہزار کے حساب سے ۵ رسال کے ساٹھ ہزار روپیے ہوں گے تو متولی صاحب ادا کر دے اگر متولی صاحبان یہ رقم نہ دیں گے تو یہ نقصان مسجد کو ہوتا ہے محلہ والوں کا کہنا ہے کہ ابھی تک فلیٹ کے دستاویز بھی نہیں ہوئے ہیں اور فلیٹ محلہ میں بھی نہیں ہے تو آپ نے جتنی قیمت میں یہ فلیٹ لیے تھے وہ قیمت مسجد میں دے دو ۱۶ رسال سے متولی صاحبان نے محلہ والوں کی کبھی بھی میٹنگ رکھی نہ تھی اور نہ کبھی مشورہ کیا تھا اور ہر کام اپنی مرضی سے ہی کرتے تھے اور ابھی تک ۱۶ رسال کا حساب محلہ والوں کو بھی نہیں بتایا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کا وہ مکان جو کرایہ دار کو رقم دے کر خالی کروایا گیا اگر مسجد کے لیے وقف کیا گیا تھا تو متولی حضرات کا اس مکان کو بلڈر کے ہاتھوں فروخت کرنا درست اور جائز نہیں۔

فإذا تم ولزم لايملك، ولايملك، ولايعار، ولايرهن (درمختار) (قوله لايملك) أي لايكون مملوكا لصاحبه، ولايملك: أي لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه الخ (شامی ۳ /۴۰۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۷ رجمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

کیا صحن مسجد کا حصہ ہے؟

سوال: جماعت خانہ اور صحنِ مسجد کا حکم یکساں ہے یا کچھ فرق ہے؟ ہمارے محلہ کی مسجد اور دوسری چند مساجد میں عموماً ایسا ہوتا ہے کہ گرمیوں میں عصر، مغرب، عشاء کی نماز صحن میں ہوتی ہے جیسا کہ اس وقت تراویح مع نماز عشاء صحن میں ہو رہی ہے، ایسی صورت میں جماعتِ ثانیہ کی کراہیت اور اعتکاف کی صحت و بطلان کا حکم کیا ہوگا؟ اگر حکم میں فرق ہے، تو پھر جماعت خانہ کی طرح صحن مسجد کے فروخت وہبہ وغیرہ کا عدم جواز کیوں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صحن مسجد کا اطلاق دو معنوں پر کیا جاتا ہے: اول مسجد کے اس غیر مسقّف حصہ کو صحن کہتے ہیں جو مہیا للصلوٰۃ تو ہوتا ہے، یعنی: نماز و جماعت ادا کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے؛ لیکن بغیر چھت کے کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ دوم اس حصہ کو بھی صحن کہہ دیتے ہیں جو موضع مہیا للصلوٰۃ کے مسقّف اور غیر مسقّف حصہ کے بعد خالی زمین یا فرش کی صورت میں چھوڑ دیا جاتا ہے؛ مگر وہ نماز و جماعت ادا کرنے کے لیے نہیں بنایا جاتا۔ پہلے معنی کے لحاظ سے صحن تو مسجد کا ہی ایک حصہ ہے، اور اس کے احکام مسجد کے احکام ہیں۔ اور دوسرے معنی کے لحاظ سے صحن ایک علیحدہ چیز ہے، یعنی: اگرچہ وہ مسجد کے ساتھ وقف ہونے میں شامل ہے؛ مگر مسجد کے احکام اس کے لیے ثابت نہیں۔ (کفایت المفتی ۳/۱۵۶ بحذف یسیر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

صحنِ مسجد میں گھومنا

سوال: مسجد کے صحن میں گھومنا ذکر کرتے ہوئے یا ایسے ہی تفریح کے لیے کیسا ہے؟ کیا مسجد میں یا مسجد کے صحن میں اس طرح گھومنا کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تفریح وچہل قدمی کے طور پر مسجد میں گھومنا درست نہیں ہے، احترام مسجد کے خلاف ہے، صحن اگر مسجد میں داخل ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے، ورنہ درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ جدید ۱۵/ ۲۰۵، ۲۰۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی حفاظت میں لڑنا مرنا

سوال: ایک مسجد ہے، اس پر غیر مسلم قبضہ کرنا چاہتے ہیں، مسلم اگر اس کی حفاظت کرنا چاہیں، تو ان کے کافی تعداد میں شہید ہوجانے کا یقین ہے، ایسی صورت میں مسجد کی حفاظت کی جائے، یا مسجد سے دست بردار ہوجائیں؟ زید کہتا ہے کہ ابن ماجہ میں حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان کا خون کعبہ سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔ اسی طرح فقہ کی کتابوں میں بھی بوقتِ ضرورت مسجد کو دوسری جگہ منتقل کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اس لیے مذکورہ مسجد سے دست بردار ہونا مناسب ہے؟ زید کی بات شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جواب دے کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس مسجد کی صیانت سب مسلمانوں پر فرض ہے؛ مگر لڑنا مرنا ہرگز درست نہیں ہے، حسب قاعدہ سرکاری طور سے سرکار کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ۳/۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ذوقعدہ ۱۴۱۰ھ

ایک مسجد کی رقم دوسری مسجد میں استعمال کرنا

سوال: کیا ایک مسجد کا پیسہ دوسری مسجد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک مسجد کی رقم دوسری مسجد میں استعمال نہیں کی جاسکتی؛ البتہ اگر کسی مسجد کی آمدنی اتنی زیادہ ہے جو اس کی ضروریات سے زائد ہے، اور آئندہ بھی اس کو اس کی ضرورت نہیں ہے، تو اس صورت میں زائد رقم قریب کی مسجد میں استعمال کرنے کی گنجائش ہے، صورتِ واقعہ تفصیل سے لکھ کر اس سلسلہ میں حکم دریافت کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک مسجد کا سامان دوسری مسجد میں منتقل کرسکتے ہیں؟

سوال: ایک مسجد کے سامان کو دوسرے مسجد میں منتقل کرسکتے ہیں یا نہیں؟ یا بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر بیچیں گے تو کافر ومشرک کو بیچ سکتے ہیں؟ مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کا سامان اگر ایسا ہے کہ مستقبل میں بھی مسجد کے کام آسکتا ہے، تو اس کو محفوظ رکھ کر بوقت ضرورت مسجد میں لگایا جائے، اور اگر وہ مسجد کے کام کا نہیں ہے، تو اس کو فروخت کر کے، اس کی قیمت اسی مسجد کی تعمیر اور دیگر ضروریات میں خرچ کی جائے؛ البتہ اگر سامان بیچنے کی ضرورت پیش آئے، تو متولی کو چاہیے کہ بستی یا محلہ والوں کی اجازت لے کر فروخت کرے، انفرادی طور پر ایسا نہ کرے۔ (شامی)

اگر کافر ومشرک اس کو ایسی جگہ استعمال کرنا چاہتا ہے، جہاں بے ادبی ہوتی ہو (مثلاً پاخانہ یا پیشاب خانہ میں) تو اس کے ہاتھ فروخت نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ صفر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی رقم کا استعمال

سوال: میں مسجد کا متولی ہوں اور کچھ رقم مسجد کی میرے ہی نام بینک میں جمع ہے تو بہ وقت ضرورت میں مسجد والی رقم اپنے کام میں بہ طور قرض لاسکتا ہوں یا نہیں چوں کہ بینک سے قرض لینے میں رشوت والی شکل ہوجاتی ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کی رقم آپ کے پاس امانت ہے آپ اس کو اپنے ذاتی استعمال میں نہیں لے سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

مسجد کے پترے بیچ کر اس کی قیمت مسجد میں لگانا

سوال: ہمارے گاؤں میں قدیم زمانہ کی مسجد تھی، کچی اینٹ کی بنی ہوئی، زیادہ بارش ہونے کے کارن (وجہ) شہید ہوگئی، بصورت مسجد کی کچی دیوار تھی، اوپر چھاپرا تھا، چھاپرے کے اوپر پترے تھے، ہم نے دوبارہ مسجد بنانا شروع کیا پتھر کی، یعنی پکی، خرچے کے قلت کے کارن ہم نے پترے کچھ بیچ ڈالے، قیمت ان کی مسجد کے کام میں صرف کی، مسجد بڑی تھی، پترے چھوٹے تھے، اوپر آنہیں سکے، اس کارن سے ہم نے بیچے، جس جائے پہلے مسجد تھی، اسی جائے بنانا شروع کی، اس پترے کی قیمت مسجد میں لگانا جائز یا ناجائز؟ جناب محترم یہ مسئلہ صحیح کر کے لکھ کے بھیجنا کوئی علماءِ کرام بولتے ہیں کہ مسجد کی کوئی چیز بیچنا منع ہے، ہم نے تو مسجد بنائی ہے، یہ مسئلہ کتابوں کا حوالہ دے کر لکھ کر بھیجنا، ہمارے یہاں اعتراض چلتا ہے مسئلہ کا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ پترے دوبارہ اس مسجد میں لگائے نہیں جاسکتے تھے، اس لیے ان کو بیچ کر اس کی قیمت مسجد میں لگائی تو جائز ہے۔

فعلی هذا یباع النقض في موضعین عند تعذر عوده، وعند خوف هلاکه (شامی ۳/ ۴۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ ربیع الآخر ۱۴۰۸ھ

قدیم مسجد کے پترے فروخت کرنا

سوال: ہمارے گاؤں میں ایک بہت ہی پرانی مسجد تھی، موسم برسات میں وہ

مسجد شہید ہوگئی، پھر اسی جگہ پر نئی مسجد بنانے کا کام شروع کیا، دوران تعمیر رقم کی قلت ہوگئی تو پرانی مسجد کی چھت پر جو پترے تھے، وہ ایک غیر مسلم کے ہاتھ فروخت کردیے گئے، تو یہ فروخت کرنا شرعاً جائز ہے؟ اس رقم کو مسجد کی تعمیر میں صرف کرنا جائز ہے؟ اور اگر نہیں تو اس رقم کا کیا کیا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ پترے نئی مسجد میں کام نہیں آسکتے تھے اور بیکار پڑے تھے، تو اس صورت میں اہل محلہ اور اہل بستی کی اجازت سے ان کا فروخت کرنا درست ہے، اب اس کی قیمت سے نئی مسجد کی تعمیر میں کام آنے والی کوئی چیز مثلاً پتھر، سمینٹ وغیرہ خریدنے کی اجازت ہے۔ (ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۱۰۴، ۱۰۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قدیم مصلّوں کا نیلام کرنا

سوال: ہمارے یہاں مسجد میں کئی زمانہ سے پرانے مصلے مسجد میں پڑے ہوئے ہیں، اور یہ مصلے ضرورت سے زائد ہیں، زیادہ وقت پڑے رہنے سے خراب ہوجانے کا خطرہ ہے، تو اس صورت میں عام مقتدیوں کے بیچ میں ہراجی سے فروخت کرکے اس کی قیمت مسجد ہی کے کاموں میں خرچ کی جائے، تو شریعت کی رو سے کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر آئندہ بھی اس کی ضرورت مسجد کو پیش نہیں ہوگی، تو اس کو مناسب دام پر فروخت

کر کے اس کی قیمت مسجد میں استعمال کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ جمادی الاخری ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی زمین پر مدرسہ تعمیر کرنا

سوال: مسجد کی پروپرٹی (جائداد) میں دینی مدرسہ (جہاں حفظ وعالمیت کی تعلیم ہو) تعمیر کرانا کیسا ہے کیا مسجد کی پروپرٹی کی جگہ مدرسے کی تعمیر کے لیے استعمال کر سکتے ہیں کیا ٹرسٹیان سے اجازت کافی ہے یا پورے گاؤں والوں کا اتفاق ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کی وہ جائیداد جس میں مدرسہ تعمیر کرنے سے متعلق آپ دریافت فرمارہے ہیں اگر مسجد کے لیے وقف ہے تو واقف نے مسجد کے جس کام کے لیے وقف کیا ہے اسی میں اس کو استعمال کرنے کی اجازت ہے اس کے علاوہ کسی اور کام میں استعمال کرنا جائز اور درست نہیں البتہ اگر وقف کرنے والے نے وہ جائیداد کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی کو مسجد میں استعمال کرنے کے لیے کہا تھا تو اس صورت میں اگر مسجد کے ذمہ داران اس جائیداد پر مکان تعمیر کر کے وہ مدرسہ کو بہ طور کرایہ دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں اور اگر وہ جائیداد مسجد کی رقم سے خریدی گئی ہے اور خریدنے کے بعد بھی اس کو وقف نہیں کیا گیا ہے تو اس صورت میں اگر متولیان مسجد اس جائیداد کو مدرسے کے ہاتھ فروخت کرنا مسجد کے لیے نفع بخش سمجھتے ہیں تو بیچنے کی اجازت ہے اور اگر خریدنے کے بعد اس کو باقاعدہ وقف کیا گیا تھا تو بیچنے کی اجازت نہیں بہر حال جائیداد مسجد کی

ہونے کی وجہ سے مدرسے کے لیے اس کا استعمال بلا معاوضہ درست نہیں اور متولیان مسجد کو بھی ایسی اجازت دینے کی گنجائش نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۱ رشوال ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مسجد کی زمین میں مدرسہ اور مختلف مدات کی رقوم کا مصرف

سوال: دیہات (گوٹا) کے مسلمانوں کے پاس ایک زمین تقریباً آدھا ایکڑ مسجد کے لیے تھی، وہاں کے مسلمانوں کی جماعت نے باہم اتفاق رائے سے معتبر صاحبان کی ایک ٹرسٹ کمیٹی قائم کی، اب اس کمیٹی کی نگرانی میں بنام ''جامعہ عربیہ ابراہیمیہ دار العلوم'' کا کام شروع ہوگا۔ اب اس ریز روز مین کو کمپاونڈ کرنا، پانی کے لیے بورنگ مارنا، حوض کی تعمیر، تعلیم وتعلم، درس وتدریس کے لیے جدا جدا کمرے، فرنیچر، اساتذۂ کرام کے لیے قیام گاہیں، ویتیم ونادار طلباؤں کے لیے قیام وطعام کا انتظام، ادارہ سے منسلک ومتعلق خادموں کے لیے قیام گاہیں، اسی احاطہ کے اندر ایک چھوٹی سی مسجد۔

(الف) مندرجۂ بالا کام پورا کرنے کے لیے صدقہ، فطرہ، خیرات، زکوٰۃ، ہدیہ، عطیہ، تحفہ، چرمِ قربانی وغیرہ مدات سے وصول ہونے والی رقومات خرچ کرنا درست ہے یا نہیں؟

(ب) اساتذۂ کرام ودیگر خادموں کی تنخواہیں، یتیم ونادار طلباؤں کا خرچ مندرجۂ بالا صورت سے وصول شدہ رقومات سے دے سکتے ہیں یا نہیں؟

طالب علموں سے کوئی فیس لی نہیں جاتی؛ البتہ دینی تعلیم کی ضرورت محسوس کرنے والے چند حضرات نے ہر ماہ حتی المقدور امداد کرنے کا اظہار کیا ہے؛ لیکن امداد کرنے

والوں کی تعداد قلیل ہے، ماہانہ وصولی کم اور خرچ زیادہ، برائے کرم آسان زبان میں مفصل جواب دیں تاکہ بآسانی سمجھ میں آجائے اور ادارہ صحیح، درست اور جائز طریقہ سے قائم ہو، عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زمین کے متعلق سوال میں یہ تو لکھا گیا کہ وہ ''مسجد کے لیے تھی''، لیکن اس کی تصریح نہیں کی گئی کہ مسجد کے لیے کیسے ہوئی؟ یعنی مسجد کی کسی ضرورت کے لیے ان لوگوں نے خریدا تھا، یا اس کی آمدنی مسجد میں خرچ کی جائے اس مقصد کے لیے اصل مالک نے مسجد کے لیے وقف کیا تھا، اگر دوسری صورت ہے تو اب اس میں مدرسہ بنانا درست نہیں؛ بلکہ واقف نے جس مقصد کے لیے وقف کیا ہے اسی کے مطابق اس کا نظم ونسق ضروری ہے۔

فان شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع (شامی ۳ /۳۹۰)

شرط الواقف كنص الشارع. (درمختار على هامش الشامی ۳ /٤٥٦)

اور اگر مسجد کی ضرورت کے لیے خریدا گیا تھا، اور اب مسجد کو ضرورت نہیں رہی، تو اگر مسجد کی رقم سے خریدا گیا تھا تو اس کی قیمت مسجد کے حساب میں داخل کرنا ضروری ہے۔

اشترى المتولى بمال الوقف دارا للوقف، لا تلحق بالمنازل الموقوفة، ويجوز بيعها فى الاصح. (درمختار) قال العلامة الشامى قلت: وفى التاترخانية والمختار انه يجوز بيعها ان احتاجوا اليه (شامی ۳ /٤٤٥)

زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ وچرمِ قربانی وصدقۃ الفطر اور اس جیسی واجب التملیک رقومات کو ''صرف ان ضروریات پر خرچ کیا جائے جن کا تعلق فقراء وطلباء سے ہے، مثلاً ان کا طعام ولباس، دواء وعلاج، ان کی رہائشی ضرورتیں، ان کے لیے کتابوں کی

خریداری وغیرہ''۔(فتاویٰ دار العلوم مطبوعہ کراچی ۲/۱۰۸۶)

اور جو رقوم دینے والے کی طرف سے کوئی خاص مد متعین کر کے دی جائیں، مثلاً کمرہ کی تعمیر، یا استاذ کی تنخواہ یا کوئی خاص فرنیچر خریدنے کے لیے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ ان کو دینے والے کی ہدایت اور منشاء کے مطابق خرچ کرنا لازم ہے۔(نظام الفتاویٰ ۱/۹۴)

اور جو رقوم عطیہ یا ہدیہ وتحفہ کے طور پر ملیں ان کو کمیٹی نے جو ضابطہ اس کے خرچ کا حدودِ شرع میں رہتے ہوئے مقرر فرمایا ہے، اس کے مطابق خرچ کرے۔(نظام الفتاویٰ ۱/۹۶)

یہ رقمیں تعمیری کاموں میں، فرنیچر کی خریداری میں، مدرسین وخدام کی تنخواہوں میں، طلبہ کی ضروریات میں؛ الغرض مدرسہ کی تمام ضروریات (جو کمیٹی نے حدودِ شرع میں متعین فرمائی ہیں ان) میں خرچ کر سکتے ہیں، نمبر اول کی رقومات (جو واجب التملیک ہیں ان) کو بغیر تملیکِ شرعی کے تعمیری کاموں اور مدرسین وخدام کی تنخواہوں میں استعمال کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کے مکانات کے کرایہ کا مصرف

سوال: بعض جگہ مسجد کی طرف سے جو کوارٹر یا روم کرایہ پر دیے جاتے ہیں، اب اس سے حاصل شدہ رقم کا کیا مصرف ہے، کیا اس سے مدرس کی تنخواہ دی جاسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوارٹر یا روم مسجد کی آبادکاری کے لیے ہیں تو وہ رقم مسجد کی آبادکاری میں استعمال

کی جائے، اور اگر مؤذن یا امام کی تنخواہ کے لیے ہیں تو وہ رقم مؤذن یا امام کی تنخواہ میں استعمال کی جائے، مدرس کی تنخواہ میں نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ر ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

للہ مد کے علاوہ مسجد کو ہونے والی دیگر آمدنی کا مصرف

سوال: چند سال پہلے مسجد کی للہ رقم اور دیگر آمدنی (بزنس اکاؤنٹ) کو ایک ہی اکاؤنٹ میں جمع کرتے تھے، بعد میں ایک مفتی صاحب کے کہنے پر دونوں اکاؤنٹ کو جدا کر دیا گیا، للہ رقم کا اکاؤنٹ جس کو مسجد کے اکاؤنٹ کا نام دے دیا گیا، اور بزنس اکاؤنٹ جس کو مسجد والوں نے مدرسہ کا اکاؤنٹ کا نام دے دیا، ان کو الگ الگ کر دیا گیا۔ اب مسئلہ اس دوسرے اکاؤنٹ کے متعلق ہے:

(۱) اس دوسرے اکاؤنٹ میں دیگر اخراجات (تجارت) کی آمدنی آتی ہے، جیسے کفن دفن، میت کو غسل دینا، شادی بیاہ کی تقریب، فوٹو کاپی کا مشین چلانا، کتب خانہ، برتن، فون وغیرہ؛ کیا اس رقم سے علما کی آمد پر اُن کو کھانا کھلانا، مدرسہ میں پڑھنے والے طلبا کو انعام دینا، ممتحن حضرات کو کھانا کھلانا اور ساتھ میں کمیٹی والے بھی کھاتے ہیں، درست ہے یا نہیں؟ اسی طرح غیر مسلم جن میں اسکول و کالج کے طلبا آتے ہیں اور ہم ان کو ٹھنڈا (ڈرنک) پلاتے ہیں، اور حکومت کے آدمی پولیس وغیرہ جن کو ہم بلاتے ہیں اور ان کو کھانا بھی کھلایا جاتا ہے، اور ایسے موقع پر مسجد کا فائدہ بھی ہوتا ہے، تو اس دوسرے اکاؤنٹ سے رقم لینا درست ہے یا نہیں؟

مسجد کے پارک میں جلنے والی بجلی مسجد سے لینا

سوال :(۲) مسجد کا کار پارک ہے اس میں گاڑی لے کر آنے والے مقتدیوں کے لیے (ان کی سہولت کے لیے) بجلی جلائی جاتی ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

مسجد کی دکان میں جلنے والی بجلی کے مصارف کس مد سے؟

سوال :(۳) مسجد کی ایک دکان ہے جو مسجد ہی کے احاطے میں ہے، اس میں مسجد کی بجلی استعمال ہوتی ہے، اور ساتھ ساتھ میت کو غسل دینے کے لیے گرم پانی کے لیے مسجد کا گیس اور بجلی استعمال ہوتی ہے، تو اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) بزنس اکاؤنٹ میں سے سوال میں مذکور مصارف لیے جاسکتے ہیں؛ لیکن آپ کی زبانی گفتگو سے معلوم ہوا تھا کہ برتن اور فوٹو کاپی مشین وغیرہ بعض اشیا (جن کی آمدنی بزنس اکاؤنٹ میں ڈالتے ہیں) آپ نے اصالۃً مسجد کی رقم سے خریدی تھیں، آپ نے آئندہ کے لیے اکاؤنٹ تو الگ کر دیا؛ لیکن ان اشیا کی قیمت مسجد اکاؤنٹ میں جمع نہیں کی ہے، ممبران سے جو رقم آپ حضرات وصول فرماتے ہیں وہ ان کی اجازت لے کر الگ جمع رکھیں، اور پھر اس میں سے ان اشیا کی قیمت مسجد اکاؤنٹ میں جمع کر دیں، جیسا کہ آپ کو زبانی سمجھایا گیا ہے۔

(۲) مسجد کے لیے رقم دینے والے جانتے ہیں کہ یہ بھی ضروریات مسجد میں سے ہے؛ اس لیے عرفاً اس کی اجازت ہے۔

③ دکان میں استعمال ہونے والی بجلی کے مصارف دکان کی آمدنی میں سے مسجد کو دیے جائیں۔ غسلِ میت کے لیے استعمال ہونے والی بجلی اور گیس کے مصارف بزنس اکاؤنٹ میں سے مسجد اکاؤنٹ میں ڈالے جائیں۔

نوٹ: آپ نے بزنس اکاؤنٹ کو مدرسہ کے اکاؤنٹ کا نام دیا ہے، اس میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ جو رقم خالص مدرسہ کے لیے دی جائے اس کو مدرسہ کے علاوہ کسی کام میں استعمال نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳ ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ورزش کے لیے مسجد کی بجلی کا استعمال

سوال: ایک میدان ہے اس کے آس پاس چند گھر اور ایک مسجد ہے۔ اور اس میدان میں چند لڑکے ورزش کرتے ہیں اور ان کو لائٹ کی ضرورت ہے۔ ہر چند کوشش کی کہ آس پاس کے گھر والے لائٹ دے دیں مگر ناکافی ہوئی بعد میں مسجد کے ذمہ دار حضرات سے بات چیت کی تو وہ لائٹ دینے پر راضی ہو گئے۔ اور وہ لڑکے کچھ رقم لائٹ دینے کے عوض بہ طور لائٹ بل کے دینا چاہتے ہیں۔ اور وہ لڑکے آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کئے کہ ہر ایک لڑکا ۵ روپئے ہر ماہ لائٹ بل کے نکالیں اور ان پیسوں کو جمع کر کے مسجد میں دے دیں اور ان لڑکوں میں بہت سے ابھی نابالغ ہیں مگر ان کے والدین کو یہ بات معلوم بھی ہے کہ ہمارے لڑکے ورزش کرنے کے لیے جاتے ہیں اور ان کو اتنی رقم لائٹ بل کے لیے دینا پڑتا ہے اور والدین وہ رقم دینے کے لیے راضی

بھی ہیں مگر والدین وہ رقم خود مسجد کے ذمہ داروں کو نہیں دیتے بلکہ ان نابالغ لڑکوں کے ساتھ بھجواتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح مسجد سے لائٹ لینا اور اس طرح بچوں کا پیسے لے کر مسجد میں دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اصل تو یہ ہے کہ اس کے لیے روشنی کا انتظام خود کرلیں مسجد کی بجلی استعمال نہ کریں۔ حد تو یہ ہے کہ مسجد میں بتی جلانے کا جو وقت مقرر ہے اس کے علاوہ دیگر اوقات میں قرآن کی تلاوت یا دینی کتابوں کے مطالعہ کے لیے بھی مسجد کی بتی استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے: "هل يجوز ان يدرس الكتاب بسراج المسجد؟ والجواب فيه انه ان كان موضوعا للصلوة فلا بأس به وان وضع لا للصلوة فان فرغوا من الصلاة و ذهبوا فان اخر الى ثلث الليل لا بأس به وان اخر اكثر من ثلث الليل ليس له ذلك". (٥/٣٢٢)

البتہ مسجد ان بچوں کو معاوضہ لے کر بجلی دیتی ہے اور اس میں مسجد کا فائدہ ہے اور ان کو بجلی دینے میں اس وقت یا آئندہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں ہے تو ذمہ داران مسجد کے لیے اس کی گنجائش ہے۔ معاوضہ کی رقم حقیقت میں تو بچوں کے ماں باپ ہی ادا کر رہے ہیں انہیں کا مال ہے بچے صرف واسطہ بن رہے ہیں۔ اس لیے اس رقم کی وصول یابی میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مکتب کا خرچ لینا

سوال :④ برمنگھم انجمن اسلام کے نام سے چندہ کر کے ایک مکان خریدا تھا، جس کا مقصد یہ تھا کہ وہاں پنج وقتہ نماز اور چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لیے مکتب چلایا جائے، اس ادارہ کے ماتحت مسجد صدام حسین کے تعمیر ہونے کے بعد نماز وہاں ادا ہونے لگی، اور مکتب اس پرانے مکان میں چلتا تھا۔ مکتب کا مطلب یہ ہے کہ بچے روزانہ شام کو اسکول سے فارغ ہو کر ڈھائی گھنٹے ابتدائی تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور ان سے معمولی فیس ہفتے میں ڈیڑھ دو پاؤنڈ لیا جاتا ہے، اور اگر فیس کا اضافہ کیا جائے تو والدین کے لیے دشوار ہوتا ہے، بچوں کی جو فیس آتی ہے اس سے مکتب کا خرچ یعنی مدرس کی تنخواہ، بجلی، گیس، پانی وغیرہ پورا نہیں ہوتا ہے؛ لہٰذا اس خرچ کو پورا کرنے کے لیے اس ادارہ کے ماتحت بجنس اکاؤنٹ سے مکتب کا خرچ پورا کرتے ہیں، تو کیا بجنس اکاؤنٹ سے مکتب کا خرچ پورا کر سکتے ہیں؟

⑤ اس پرانے مکان میں مستورات کی تبلیغی تعلیم ہوتی ہے، اور جو عورتیں قرآن پڑھی ہوئی نہیں ہیں ان کو قرآن شریف پڑھایا جاتا ہے، اور یہ پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ فی سبیل اللہ ہوتا ہے، کہ متعلمات سے فیس نہیں لی جاتی اور معلمات تنخواہ نہیں لیتیں؛ لہٰذا مذکورہ عورتیں یہ مکان استعمال کر سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

④ بزنس اکاؤنٹ سے مکتب کا بقیہ خرچ پورا کیا جا سکتا ہے۔

⑤ یہ استعمال بھی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

احاطۂ مسجد کے مختلف حصوں کے نام اور حدود ممتاز کرنے کا حق

سوال :① مسجد کسے کہتے ہیں؟ احاطۂ مسجد کے مختلف حصوں کو الگ الگ ناموں سے موسوم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً جماعت خانہ، صحن مسجد، متعلقاتِ مسجد، مسجد شرعی، داخل مسجد، خارج مسجد وغیرہ۔ اگر کیا جاسکتا ہے تو احکام مسجد کے پیش نظر داخل مسجد کی حدود کو متعین کرنا، وہاں کوئی علامت، اسٹیکر، کالی یا ہری پٹی کے ذریعہ نشان دہی کرنا کیسا ہے؟

② مساجد میں صحن اور فناء بھی ہوتا ہے؟ صحن اور فناء کسے کہیں گے؟ اور دونوں ایک ہی ہیں یا علاحدہ علاحدہ؟ دونوں کا حکم کیا ہے؟ اور کبھی کسی حالت میں یہ مسجد سے خارج ہوتے ہیں یا نہیں؟

③ احاطۂ مسجد میں شامل تمام حصوں کے ممتاز کرنے کی ذمہ داری یا اختیار کس کو ہے؟ واقف مسجد یا بانیٔ مسجد کو یا متولیان مسجد کو؟ بانی و واقف کے انتقال کے بعد متولیان مسجد حدود متعین کرسکتے ہیں یا نہیں؟

④ مسجد کے نام پر وصول کیا گیا چندہ متعلقات مسجد پر خرچ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

⑤ مسجد میں داخل ہونے کی دعا اور اعتکاف کی نیت کہاں سے کی جائے گی؟

⑥ ہمارے شہر مالیگاؤں کے چند علماء بشمول مفتیان کرام شہر کی تمام مساجد کا

سروے کر کے مساجد کی حدود کو ممتاز کرنے کا کام کرنا چاہ رہے ہیں؛ تاکہ معتکفین کو لاحق پریشانی کا خاتمہ ہو اور دیگر احکام مسجد کی بجا آوری اور مسجد کی حرمت کا لحاظ ہو سکے، ان کا یہ اقدام کہاں تک درست ہے؟ ضروری ہے یا نہیں؟ اور یہ کام واقفین مسجد و بانیین مسجد کی عدم موجودگی کی صورت میں موجودہ ٹرسٹیان و انتظامیہ سے گفت وشنید کر کے کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری نوراللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: ''مسجد ایسی جگہ، ایسی زمین اور ایسے مکان کا نام ہے، جس کو کسی مسلمان نے اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت، فرض نماز ادا کرنے کے لیے وقف کر دیا ہو، اس پر عمارت اور تعمیر، در و دیوار اور چھت یا چھپر کا ہونا شرط نہیں، مذہب حنفی کی معروف و معتبر مستند کتاب ''طحطاوی، شرح درمختار'' میں ہے۔ واعلم انه لایشترط فی تحقق کونه مسجداً البناء یعنی جان لو کہ مسجد کے تحقق (مسجد قرار دیے جانے) کے لیے بناء (تعمیر) ہونا شرط نہیں۔ (طحطاوی ۲/۵۳۶) (قاضیخان ۴/۷۱۲)

جگہ زیادہ ہو تو مسجد کے دو حصے ہوتے ہیں، ایک عمارت والا، دوسرا خالی، عمارت والی جگہ میں موسم باراں و سرما میں نماز پڑھی جاتی ہے، جس کو مسجد شتوی اور جماعت خانہ سے تعبیر کرتے ہیں، بلا عمارت کی جگہ میں موسم گرما میں نماز پڑھی جاتی ہے، جس کو مسجد صیفی اور صحن مسجد سے تعبیر کرتے ہیں، جس طرح بارش اور سردی کے موسم میں جماعت خانہ میں نماز باجماعت ہوتی ہے، اسی طرح گرمی میں صحن مسجد میں نماز باجماعت پڑھی جاتی ہے، یہ دونوں حصے مسجد میں شامل ہیں۔ فقہ حنفی کی مشہور و معتبر اور

مستند کتاب شامی میں ہے: وان کان للمسجد موضعان مسجد شتوی، أومسجد صیفی. (۱/ ٦٧١)

اس عبارت میں گرمی وسردی دونوں موسم کی مسجد کا ذکر ہے، اور دونوں کو مسجد ہی کہا گیا ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ۲/ ۱۵۸)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: مسجد کے دو حصے ہوتے ہیں، ایک تو وہ حصہ جو مہیا للصلوۃ یعنی ادائے نماز وعبادت کی غرض سے بنایا جاتا یا معین کیا جاتا ہے، دوسرا وہ حصہ جو پہلے حصہ (مہیا للصلوۃ) سے خارج؛ مگر احاطۂ مسجد یا فناء مسجد میں شامل ہوتا ہے، ان دونوں حصوں کے احکام جدا جدا ہیں، پہلے حصہ میں ناپاک (جنابت والے انسان اور حیض ونفاس والی عورت) کا داخل ہونا حرام ہے، اور اس میں نماز پڑھنے والے کو مسجد کا ثواب ملتا ہے، اس میں بیع وشراء ناجائز ہے، معتکف کو اس حصہ کے اندر رہنا لازم ہے، یہ حصہ اوپر آسمان تک اور نیچے تحت الثری تک مسجد کا حکم رکھتا ہے، دوسرے حصے میں جو مہیا للصلوۃ سے خارج ہے، ناپاک آدمی داخل ہوسکتا ہے، اس میں نماز پڑھنے والے کو مسجد کا ثواب نہیں ملتا، اس میں بیع وشراء حرام نہیں ہے، معتکف اس حصہ میں بغیر عذر شرعی چلا جائے، تو اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے، اور اس کا یہ حکم نہیں کہ اوپر آسمان تک اور نیچے تحت الثری تک مسجد کے احکام جاری کئے جائیں۔ (کفایت المفتی ۳/ ۱۵۵)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: کسی جگہ کے مسجد ہونے کے لیے یہ باتیں ضروری ہیں:

(۱) واقف نے (جو صحیح طور پر زمین کا مالک تھا اور وقف کرنے کا اختیار شرعی رکھتا تھا) اس کو مسجدیت کے لیے وقف کیا ہو، خواہ وہ زمین خالی عن العمارۃ ہو یا عمارت بھی ہو۔

(۲) اس کو اپنی ملک سے ایسی طرح پر علاحدہ کر دیا ہو کہ کسی دوسرے شخص کا یا خود واقف کا کوئی حق متعلق نہ رہے۔ (۳) وقف کر کے اس کو متولی کے سپرد کر دیا ہو یا واقف کی اجازت سے اس میں ایک مرتبہ بھی نماز با جماعت ہو گئی ہو۔

جس زمین یا عمارت میں یہ باتیں متحقق ہو جائیں وہ مسجد ہو جائے گی، ان میں سے پہلی بات یعنی مسجدیت کے لیے وقف کرنا واقف کی نیت سے متعلق ہے، اگر نیت کی تصریح موجود ہو تب تو کوئی اشکال ہی نہیں؛ لیکن اگر تصریح نہ ہو تو پھر قرائن سے اس کی نوعیت متعین کی جاسکتی ہے۔ (کفایت المفتی ۳/۱۶۹)

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک وقت میں مسجد میں نالی، لوٹا، حوض، کنواں، نل، پانی، غسل خانہ، کھڑکی، پنکھا، بجلی وغیرہ کسی چیز کا انتظام نہیں تھا، مسجد کی چھت بھی ایسی تھی کہ دھوپ بھی بارش بھی اس میں کو آتی تھی، غرض بہت سادہ جگہ تھی، اس پر دری اور چٹائی بھی نہیں تھی، یہ سب چیزیں آہستہ آہستہ مسجد سے متعلق کی جاتی رہی ہیں؛ حتی کہ بعض علاقوں میں مہمان خانہ بھی مسجد سے متعلق ہوتا ہے، وہاں بستر ے رہتے ہیں، امام اور مؤذن کے رہنے کے لیے کمرہ بھی ہوتا ہے، بعض جگہ مدرسہ بھی ہوتا ہے، جس میں بچے تعلیم پاتے ہیں، بعض جگہ پیشاب خانہ اور بیت الخلاء بھی نمازیوں کی سہولت کے لیے ہوتا ہے، خاص کر بڑے شہروں میں جہاں بکثرت باہر کے آدمی زیادہ آتے ہوں، اگر ضرورت رفع کرنے کی جگہ وہاں نہ ہو تو ان کو بڑی دشواری ہوتی ہے، اگر باہر کے آدمی زیادہ نہ آتے ہوں؛ بلکہ عامۃً مقامی آدمی نماز پڑھتے ہوں، جن کو اللہ نے گھر دیا ہے، اور وہاں سب ضرورت کی چیزیں موجود ہیں، تو پھر محض شان وشوکت دکھانے کے لیے

ایسی چیزیں مسجد سے متعلق جگہ میں نہ بنائی جائیں''۔(فتاویٰ محمودیہ کراچی ۱۴/۵۴۱-۵۴۲)

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''صحن مسجد کا اطلاق دو معنوں پر کیا جاتا ہے: اول مسجد کے اس غیر مسقّف حصہ کو صحن کہتے ہیں جو مہیا للصلوۃ تو ہوتا ہے، یعنی نماز و جماعت ادا کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے؛ لیکن بغیر چھت کے کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ دوم اس حصہ کو بھی صحن کہہ دیا جاتا ہے، جو موضع مہیا للصلوۃ کے مسقّف اور غیر مسقّف حصہ کے بعد خالی زمین یا فرش کی صورت میں چھوڑ دیا جاتا ہے؛ مگر وہ نماز و جماعت ادا کرنے کے لیے نہیں بنایا جاتا۔

پہلے معنی کے لحاظ سے تو صحن مسجد کا ہی ایک حصہ ہے، اور اس کے احکام مسجد کے احکام ہیں، اس میں حوض اور نالی وغیرہ بنانا جائز نہیں؛ کیوں کہ جو جگہ ایک مرتبہ مسجد ہو جائے اور اس کو نماز کے لیے مخصوص کر دیا جائے، پھر اس کو کسی دوسرے کام میں نہیں لا سکتے، اور دوسرے معنی کے لحاظ سے صحن ایک علاحدہ چیز ہے، یعنی اگرچہ وہ مسجد کے ساتھ وقف ہونے میں شامل ہے؛ مگر مسجد کے احکام اس کے لیے ثابت نہیں، اس میں جوتیاں پہن کر جانا، جنابت کی حالت میں گزرنا جائز ہے، مسجد کی توسیع کی ضرورت سے اس کو مسجد میں شامل کر لینا یا اس میں حوض اور وضو کی نالی بنا لینا جائز ہے، اگر وہ مسجد میں ایک مرتبہ شامل کر لیا جائے گا، تو پھر وہ مسجد کے حکم میں ہو جائے گا، اسی صحن بالمعنی الثانی کے کسی ایسے گوشے میں جو نفس مسجد سے دور ہو، پائخانہ بنا لینا بھی جائز ہے؛ بشرطیکہ اس کی بدبو مسجد تک نہ پہنچے، مسجد کو منہدم کر کے صحن بنا لینا بالمعنی الاول جائز ہے، اور مسجد کو صحن بالمعنی الثانی بنانا جائز ہے۔(۳/۱۵۶-۱۵۷)

اکابر کی کتب فتاوی سے نقل کئے گئے اقتباسات بالا سے معلوم ہوا کہ احاطۂ مسجد

کے مختلف حصوں کو مختلف ناموں سے موسوم کیا جاسکتا ہے، چوں کہ بعض احکام کے اعتبار سے ان کے مختلف حصوں میں فرق کیا جاتا ہے، اس لیے ایسا کرنا ضروری ہے اور ایک حصہ کو دوسرے سے ممتاز کرنے کے لیے کسی علامت کے ذریعہ نشاندہی کی جاسکتی ہے۔

(۲) جواب نمبر ۱ کے اخیر میں کفایت المفتی سے اقتباس اوپر نقل کیا گیا ہے، اس میں اس کا جواب آچکا۔

(۳) کوئی آدمی اگر تعمیر مسجد کے لیے اپنا قطعۂ زمین وقف کر کے اپنی ذاتی رقم سے مسجد تعمیر کر رہا ہے، تب تو ان تمام حصوں کی تعیین اور تمیز کا اختیار اسی کو ہے، اور اگر کسی نے مسجد کے لیے قطعۂ زمین وقف کر کے تعمیر مسجد کا کام متولیان مسجد کے حوالہ کر دیا کہ وہ اپنی صواب دید سے جس طرح چاہیں مسجد تعمیر کریں، اس صورت میں یہ اختیار ان کو حاصل ہوگا۔

رہی بات بانی وواقف کے انتقال کے بعد متولیان مسجد کا حدود کو متعین کرنا، تو چوں کہ ایک جگہ جب ایک مرتبہ شرعی مسجد بن چکی تو وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، اس کو مسجدیت سے خارج کرنے کا کسی کو اختیار نہیں، اس لیے بانی وواقف کے انتقال کے بعد متولیان مسجد کو یہ اختیار تو نہیں کہ بانی وواقف نے احاطۂ مسجد کے جس حصہ کو مسجد شرعی قرار دیا ہے اس میں کوئی تغیر وتبدل کر سکیں؛ البتہ احاطۂ مسجد کے دیگر حصے جن کا تعلق مصالح مسجد سے ہے، ان میں زمانہ اور نمازیوں کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے تغیر وتبدل کریں اس کا ان کو اختیار ہے، مثلاً: ایک مدت کے بعد نمازیوں کی کثرت کے پیش نظر مسجد میں توسیع کی ضرورت محسوس کی گئی، اس صورت میں اگر

متولیان مسجد احاطۂ مسجد کا وہ حصہ جہاں بانی وواقف نے وضوخانہ یا طہارت خانہ بنوایا تھا، ان کو ختم کر کے مسجد شرعی میں شامل کرلیں، یا اسی طرح کا کوئی تصرف کرنے کا متولیان مسجد کو اختیار ہے۔

④ اگر چندہ دینے والوں کا اذن صراحۃً یا دلالۃً موجود ہے تو جائز ہے، ورنہ ناجائز۔ (احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۵۴)

آج کل جیسا کہ دستور ہے کہ مسجد کے لیے جس وقت چندہ کی اپیل کی جاتی ہے اس وقت مسجد کا پورا نقشہ کہ اس میں کیا کیا چیزیں بنائی جائیں گی، لوگوں کو بتلایا جاتا ہے، اگر ایسا کیا گیا ہے، تو نقشہ میں جن جن چیزوں کے بنانے کا تذکرہ ہے اس چندہ سے وہ بنائی جاسکتی ہیں۔

⑤ احاطۂ مسجد میں جو حصہ مسجد شرعی کے طور پر مخصوص کیا گیا ہے، اس میں داخل ہوتے وقت دعا پڑھی جائے، اور اعتکاف کی نیت کی جائے۔

⑥ جیسا کہ اوپر کے جوابات سے معلوم ہوا کہ احاطۂ مسجد میں واقع مختلف حصوں کے احکام الگ الگ ہیں، اور ان احکام شرعیہ کا لحاظ اور اس کی رعایت اسی وقت ممکن ہے، جب کہ یہ سب حصے الگ الگ طور پر ممتاز کر دیے جائیں، اس لیے ان حضرات علماء اور مفتیان کرام کا یہ ارادہ قابل تحسین ہے؛ البتہ اس کے لیے موجود ٹرسٹیان اور انتظامیہ سے گفت وشنید کر کے ان کو اعتماد میں لینا ضروری ہے؛ تاکہ کوئی فتنہ نہ ہو؛ نیز اس کام کی انجام دہی میں احکام شرعیہ کو پوری احتیاط کے ساتھ ملحوظ رکھا جائے، خصوصاً واقفین مسجد اور بانیین مسجد کی عدم موجودگی میں کوئی ایسا حصہ جس کے مسجد شرعی کا جز ہونے کے قرائن موجود ہوں یا امکان ہو، اس کو خارج مسجد قرار نہ دیا جائے۔

وعلی هذا القیاس. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/محرم الحرام ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح عبد القیوم راجکوٹی

مسجد میں لڑکیوں کو تعلیم دینا

سوال: مدرسہ کے لیے کوئی اور جگہ نہ ہونے کی وجہ سے مدرسہ، مسجد کے جماعت خانہ ہی میں چلتا ہے، لہذا اس صورت میں لڑکیوں کو کتنی سال کی عمر تک مسجد میں تعلیم دے سکتے ہیں؟ اور بالغ لڑکیوں کا کیا حکم ہے؟ اور جماعت خانہ میں مدرسہ چلانے میں کچھ حرج ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو شخص مصالحِ مسجد کے لیے مثلاً: حفاظت مسجد کے لیے یا دوسری جگہ نہ ہونے کی وجہ سے مجبوراً مسجد میں بیٹھ کر تعلیم دے اس کو جائز ہے، اور محض پیشہ بنا کر مسجد میں بیٹھنا اور تعلیم دینا ناجائز ہے، اور احترام مسجد کے خلاف ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۶/۱۸۶)

بالغ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے عورت مقرر کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بقیۃ باب المساجد

میوزک والی گھڑی کا مسجد میں استعمال

سوال: میوزک (موسیقی) بجنے والی گھڑی مسجد میں لگا سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس گھڑی میں یہ نظم ہوتا ہے کہ آپ میوزک کی آواز بند کرنا چاہیں تو بند کر سکتے ہیں، اس لیے اس آواز کو بند کر کے مسجد میں اس کا استعمال درست ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ جمادی الاولی ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سودی ادارہ کو مسجد کی ملکیت کرایہ پر دینا

سوال: جامع مسجد مہاڈ کی ایک وسیع ملکیت ہے، جس میں مختلف دکانیں ہیں، جس کی معقول آمدنی سے مسجد کا خرچ پورا کیا جاتا ہے، عمارت کی ایک جگہ خالی ہو رہی ہے جو کوآپریٹو کریڈٹ سوسائٹی کے لیے کرایہ پر مانگ رہے ہیں، کیا یہ جگہ ہم ایسی سوسائٹی کو کرایہ پر دے سکتے ہیں جس کا نظام سودی بنیاد پر منحصر ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سودی لین دین کرنے والے ادارہ کو مکان کرایہ پر دینا تعاون علی الاثم کے مترادف ہے، اور قرآن کریم میں تعاون علی الاثم (گناہ میں مدد کرنے) کی ممانعت آئی ہے،

ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ گناہ اور زیادتی کے کاموں میں معاونت مت کرو؛ لہذا اس کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم کا استعمال مسجد میں

سوال: کیا سودی کاروبار سے آنے والا کرایہ ہم مسجد کے لیے استعمال کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو ہم اور دوسرے کسی کام میں استعمال کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سود کی رقم کا استعمال مسجد اور اس کے متعلقات میں جائز نہیں ہے، اس کے اصلی مالکان کو لوٹا دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سودی رقم مسجد کے بیت الخلاء میں لگانا

سوال: مسجد کے بیت الخلاء اور طہارت خانہ میں سود کی رقم لگا سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسا ہرگز نہ کرے، یہ جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بینک میں مکان گروی رکھ کر حاصل کردہ رقم سے مسجد کی تعمیر

سوال: ① یہاں پر برطانیہ میں یہ ایک عام رواج ہوتا جا رہا ہے کہ جب نئی

مسجد تعمیر کرتے ہیں، تو عوام اپنا مکان بینک میں گروی رکھتے ہیں، اور اس پیسوں سے مسجد تعمیر کرواتے ہیں، اور بعد میں جو مسجد کے پیسے آتے ہیں اس سے مکان کا اور اس کے اوپر جو بینک کا سود لگتا ہے، سود اور مکان کا پیسہ دونوں مسجد کے پیسوں سے دیا جاتا ہے، مکان والا نہیں دیتا، تو اس طرح پر مسجد بنوانا جائز ہے یا نہیں؟

② بعض جگہ پر اس طرح مسجد تعمیر کروا چکے ہیں تو ان کا کیا حکم ہے؟

③ پانچ وقت کی نماز کے لیے مکان موجود ہے جس میں نماز برابر ہو رہی ہے، تو ایسی حالت میں ایسے پیسوں سے مسجد بنوانا چاہیے یا نہیں؟

④ اگر ضرورت ہے؛ لیکن اتنی شدید ضرورت نہیں ہے، تو ایسی حالت میں ایسے پیسوں سے مسجد بنوانا چاہیے یا نہیں؟

⑤ اور اگر شدید ضرورت ہے تو ایسی حالت میں ایسے پیسوں سے مسجد بنوانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① سود لینے والے، سود دینے والے، سود کا رقعہ لکھنے والے اور سود کی گواہی دینے والے سب پر حدیث شریف میں لعنت آئی ہے، اور سب کو نفس گناہ میں برابر قرار دیا گیا ہے: لعن رسول الله ﷺ آكل الربوا، وموكله، وكاتبه، وشاهديه، وقال: هم سواء رواه مسلم (مشكوة: ٢٤٤) ظاہر ہے کہ بینک میں مکان گروی رکھ کر جو قرض حاصل کیا جاتا ہے اس پر بھی سود دینا پڑتا ہے، اس طرح وہ لوگ ایک حرام قطعی کے مرتکب ہوتے ہیں، بعد میں جب وہ قرض مسجد کے پیسوں سے ادا کیا جاتا ہے تو قرض سے زائد جو رقم سود کے نام سے ادا کی گئی اس کا ضمان ان ذمہ داروں

پر ہے، جنہوں نے مسجد کی رقم میں سے وہ زائد مقدار ادا کی ہے، ان کو چاہیے کہ وہ لوگ اتنی رقم مسجد کو بطور ضمان ادا کریں، اس طریقہ سے مسجد بنوانا جائز نہیں ہے۔

② چوں کہ اصل رقم جو صاحبِ مکان نے بینک سے حاصل کی وہ قرض تھی اور پھر اس نے اپنی طرف سے یہ رقم مسجد کو قرض دی ہے، اس لیے طریق کار غلط اور ممنوع ہونے کے باوجود اس کا مسجد کو یہ قرض دینا درست تھا، اور اس رقم سے بنی ہوئی یہ مسجد مسجد شرعی ہے؛ لیکن صاحب مکان اور دیگر ذمہ داران گنہ گار ہیں، ان کو چاہیے کہ توبہ کریں۔ (ماخوذ از امداد الفتاوی ۳/ ۱۷۰، واز فتاوی محمودیہ ۶/ ۲۰۷)

③ ④ ⑤ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ ربیع الآخر ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

درخت کے نادرست اجارہ کی آمدنی مسجد میں استعمال کرنا

سوال: سنت جماعت کی زمین کے اندر کھجور کے درخت ہیں اور کھجور کے درخت ایک غیر مسلم کو کرایہ پر دئے ہیں، اور وہ قیمت مسجد کے اندر جمع ہے تو اب وہ پیسے کو استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر اس کو استعمال کر سکتے ہیں تو کونسے کام میں؟ اب رہی بات کہ کرائے پر دینے سے مراد یہ ہے کہ اس سے تاڑی نکالتے ہیں، تو وہ تاڑی کی قیمت لے کر اس کو استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درخت کا اس نوع کا اجارہ درست نہیں ہے، اس آمدنی کو مسجد میں استعمال کرنا

جائز نہیں ہے، وہ رقم اس کے مالکین کو واپس کردی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حلال وحرام مخلوط رقم مسجد میں لگانے کا حیلہ

سوال: ایک گاؤں میں مسجد تعمیر ہورہی ہے، اور تعمیری کام آدھا ہوگیا اور آدھا باقی ہے، اور ایک شخص جن کی حلال کمائی میں ایک ربع یا اس سے کم یا زیادہ سود ملا ہوا ہے، (بیاج ملا ہوا ہے) اور سب جانتے ہیں اس کے اس کام کو، اور وہ آدمی باقی کام مسجد کا پورا کرنا چاہتا ہے اپنے پیسے سے، اور لوگ اس کو اس کام سے روکتے ہیں تو کیا اس کا پیسہ مسجد کے لیے استعمال کرنا درست ہے یا لوگوں کا منع کرنا درست ہے؟ شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس کی حلال کمائی میں حرام مخلوط ہے اور حلال غالب ہے حرام مغلوب ہے، تو اگر وہ شخص اس رقم کو مسجد میں استعمال کرنا چاہے تو گنجائش ہے؛ لیکن مناسب یہ ہے کہ وہ آدمی اپنی یہ رقم کسی کو ہبہ کردے، اس کے بعد وہ شخص موہوب لہ اس رقم کو مسجد میں لگائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد میں حرام مال لگانا

سوال: سود اور جوے شراب یا مٹکا یا اس قسم کی اور چیزیں جو شریعت مطہرہ

نے حرام قرار دی ہیں اس روپئے سے مسجد میں بیت الخلاء یا طہارت خانہ یا غسل خانہ یا وضو خانہ بنا سکتے ہیں؟ تفصیل سے نوازیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ناجائز آمدنی خواہ سود کے ذریعہ سے حاصل کی ہو، خواہ اور کسی ذریعہ سے، مسجد میں لگانا درست نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۴۶۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ صفر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی چیزیں مسجد کے باہر لے جانا

سوال: ① مسجد کی ہر چیز وقف ہوتی ہے جو مسجد ہی کے اندر استعمال کی جاسکتی ہے، جیسے قرآن مجید اور دیگر دینی ومعلوماتی کتابیں، مسجد کے جملہ سامانوں کو مسجد ہی میں استعمال واستفادہ کر سکتے ہیں یا ذمہ دارانِ مسجد سے اجازت لینی ضروری ہے؟ مسجد کے باہر کوئی سامان مثلاً قرآن مجید بغرضِ تلاوت، دکان یا مکان یا اسپتال میں لے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح دینی کتابوں یا دیگر سامان؟

② علاوہ ازیں مسجد کے پانی کو اندرونِ مسجد ہی پینے یا وضو واستنجاء میں استعمال کر سکتے ہیں؛ لیکن اگر کوئی شخص مسافر ہے اور قریب میں مسجد ہے، وہ مسافر راستہ میں پانی پینے کے لیے مسجد سے لے جانا چاہتا ہے؛ لیکن خادمانِ مسجد سختی سے منع کرتے ہیں کہ پانی باہر نہ لے جائیں؛ مگر بہت سے لوگ ضد پر اتر جاتے ہیں کہ پینے کے لیے پانی لے جاسکتے ہیں۔ حاصلِ کلام یہ کہ کیا ذمہ دارانِ مسجد کو یہ اختیار ہے کہ مسجد کے

سامان اور دیگر چیزوں کو کھلے عام یا ڈھکے چھپے باہر لے جانے کی اجازت دیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① جو قرآن مجید اور دینی کتابیں وغیرہ کسی خاص مسجد کے لیے وقف کئے گئے ہوں ان کو اس مسجد سے نکال دوسری جگہ (دوکان، مکان، اسپتال وغیرہ) لے جانے کی اجازت نہیں، اسی مسجد میں بیٹھ کر ان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

(ماخوذ از: فتاوی محمودیہ ۱۲/۲۹۶)

② پینے کے لیے یا وضو، استنجاء کے لیے پانی کا جو انتظام مساجد میں کیا جاتا ہے اس پانی کو مسجد کے باہر لے جانا جائز نہیں، مسجد میں رہتے ہوئے اس کو ان مقاصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ذمہ دارانِ مسجد (خواہ وہ متولیان مسجد ہوں یا خادمانِ مساجد) ان کو شرعی طور پر اختیار نہیں ہے کہ وہ اس پانی کو باہر لے جانے کی اجازت دیں، اگر وہ اجازت دیں گے تب بھی اس کا لے جانا درست نہ ہوگا، اور اجازت دینے والا غیر شرعی تصرف کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳ر جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ

مسجد کو رہائش گاہ بنانا اور اس کی اشیاء استعمال کرنا

سوال: ہمارے گاؤں کڑودرا میں باہر کے لوگ بستے ہیں جن میں کارخانہ والے بھی ہیں، مزدور بھی ہیں، ان میں سے بعض رات کو یا دن میں مسجد یا صحن میں روزانہ سوتے ہیں، اور نہانے وغیرہ کے لیے مسجد کا غسل خانہ مسجد کا پانی، مسجد کی ڈول استعمال کرتے ہیں، کپڑے وغیرہ دھوکر مسجد کے صحن میں پھیلاتے ہیں، اس کے متعلق

کیا حکم ہے؟ مسجد کے صحن میں ایسے لوگوں کا سونا کیسا ہے؟ جو جماعت ملنے کی نیت سے یا نماز قضا ہونے کے ڈر سے سوتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مستقلاً مسجد کو مکان بنانا اور وہاں رہائش اختیار کرنا نہیں چاہیے، یہ مکروہ اور احترام مسجد کے خلاف ہے؛ لیکن اگر کسی پر نیند کا غلبہ ہو یا اس کی جماعت ترک ہوتی یا نماز قضاء ہو جاتی ہے اور مسجد میں سونے سے نماز باجماعت کی پابندی نصیب ہوتی ہے، یا تہجد کی توفیق ہوتی ہے یا مسجد کی حفاظت مقصود ہے یا کوئی اور دینی ضرورت ہے جو بغیر مسجد میں سوئے حاصل نہیں ہوتی، تو اس کے لیے بھی اجازت ہے۔

(فتاوی محمودیہ ۱/۴۸۰)

مسجد میں غسل خانہ عموماً مسافرین کی ضرورت یا امام ومؤذن کے لیے بنایا جاتا ہے، ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے اس کا استعمال درست نہیں ہے، اسی طرح مسجد کے صحن میں کپڑے دھوکر پھیلانا احترام مسجد کے خلاف ہے، مسجد کے ڈول، رسی کا استعمال نماز کے علاوہ محلہ کے باشندوں کی ضرورتوں میں درست نہیں ہے؛ ہاں اگر ڈول رسی دینے والے نے عام اجازت دی ہو تو درست ہے۔ (ایضاً ۶/۱۶۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

وضوخانہ میں کپڑے دھونا اور غسل کرنا

سوال: وضوخانہ جو صحن میں ہے وہاں کپڑے دھونا اور غسل کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وضوخانہ وضو کرنے کے لیے بنایا جاتا ہے، کپڑے دھونے اور غسل کرنے کے لیے نہیں، اس لیے اس نوع کے استعمال کی اجازت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کے کمرہ میں ٹی، وی رکھنا

سوال: جو شخص مسجد کے روم میں کرایہ پر رہتا ہو اور وہ صاحب اراکین کمیٹی بھی ہو، اور وہ صاحب اس مسجد والے روم میں رہتا ہے؛ لیکن بدنصیبی یہ ہے کہ ٹیلی ویژن رکھتا ہے اور حد تو یہ ہوگئی کہ بوقت اذان وصلوۃ بھی اس کو بند نہیں کرتا ہے، اور اس کو برطرف ہونے کو کہا جاتا ہے تو انکار کرتا ہے تو حضرت اقدس ایسے شخص کے متعلق کیا کیا جائے؟ اور ایسے مسجد والے روم میں اس طرح کے آلاتِ لہو ولعب رکھنا کیسا ہے؟ کیا اس گناہ میں جملہ اہلِ مسجد مرتکبِ معصیت ہوں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کے کمرہ میں ٹی-وی رکھنا اور چلانا، بوقتِ اذان ونماز بھی اس حرکتِ شنیعہ کو جاری رکھنا بہت بڑا گناہ ہے۔ ایسا آدمی اس لائق نہیں کہ اس کی رکنیت باقی رکھی جائے، تمام ذمہ داران اور مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کو باز رکھیں اور باز نہ رہتا ہو تو مسجد کے اس روم سے اس کو ہٹانے کی ہر ممکن سعی کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/شعبان ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی دوکان میں ٹی وی رکھنا

سوال: اور اسی طرح مسجد کی دوکان کے کرایہ داروں میں سے ایک آدمی اپنی دوکان میں ٹی وی رکھتا ہے، تو اس طرح رکھنا درست ہے؟ کیا اس میں مسجد کی بے حرمتی نہیں ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دکانیں اگر احاطۂ مسجد میں ہیں تو اس میں ٹی وی رکھنے والے سے باز پرس ہونی چاہیے، اور نہ ماننے پر اس کے ساتھ عقد اجارہ جاری نہ رکھا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۲/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

مسجد کی دیوار پر بیٹھ کر سیاسی گفتگو کرنا

سوال: ہمارے یہاں ایک مسجد ہے اس کی وہ دیوار جس سے مسجد کی حد بندی ہوتی ہے، یعنی اس کے بعد مسجد کا حصہ نہیں رہتا، اسی دیوار کے اندر الماری نما خانے چپل جوتا وغیرہ رکھنے کے لیے بنائے گئے ہیں، دریافت طلب مسئلہ یہ کہ: آیا اس دیوار پر بیٹھ کر سیاسی یا کسی قسم کی بات چیت کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وہ دیوار بھی مسجد کا جزء ہے؛ اس لیے اس پر بیٹھ کر سیاسی وغیرہ گفتگو کرنا احترام اور تعظیم مسجد کے خلاف ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مسجد کے تابع برآمدے میں کھانا پکانا اور کھانا

سوال: ہمارے یہاں شہر کولہاپور میں مسلمانوں کا جو عام قبرستان ہے، اس سے متصل ایک جانب میں مسجد ہے، جس کا نام ہی قبرستان مسجد ہے، پہلے یہ مسجد قدرے چھوٹی تھی، اب بعد توسیع شہر کی تقریباً سب سے بڑی مسجد کہلاتی ہے، اس توسیع میں چند ایک پرانی قبریں بھی مسجد کی حد میں آ گئی ہیں؛ نیز مسجد سے بالکل ہی متصل قبرستان کا جو حصہ تھا جہاں قبریں موجود تھیں ان کو زمین دوز کر کے اس پر پختہ فرش ڈال دیا گیا ہے، اس پختہ فرش والے حصہ کو چھوڑ کر بقیہ پورے قبرستان میں تدفین ہوتی ہے، جس جگہ پختہ فرش ڈال دیا گیا ہے، اس کا کچھ حصہ صلوۃ جنازہ پڑھنے کے لیے باقاعدہ متعین کیا گیا ہے، کچھ حصہ آمد و رفت میں مستعمل ہوتا ہے اور کچھ حصہ ویسے ہی خالی ہے، شہر کی سب سے بڑی مسجد ہونے کی بناء پر وقتاً فوقتاً اس میں مختلف تبلیغی جوڑ اور اجتماعات ہوتے رہتے ہیں؛ نیز دیگر اصلاحی پروگرام بھی ہوتے ہیں؛ لیکن اجتماعات کے موقعہ پر پختہ فرش والے اس خالی حصہ کو کھانا پکانے اور کھانا کھانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح قبرستان کی جگہ میں کھانا پکانا اور کھانا کھانا درست ہے، جب کہ اندر قبریں بھی ہیں؛ نیز جگہ کی تنگی اور شہر میں کسی دوسری ایسی بڑی مسجد کا نہ ہونا جہاں سہولت سے اجتماع ہو سکے یہ عذر کس حد تک قابل قبول ہوگا؟ برائے کرم مفصل تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوال میں پیش کی گئی تفصیل کے مطابق اس حصہ کو پختہ فرش ڈال کر قبرستان سے علیحدہ کر دیا گیا ہے، اور مسجد کی عمارت کے تابع قرار دے دیا گیا ہے، تو اب وہاں پر بوقت ضرورت کھانا پکانے اور کھانے میں شرعاً کوئی اشکال نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

مسجد میں غیر مسلم کا قیام کرنا

سوال: مسجد میں کسی غیر قوم کے آدمی کا تجارت کی لائن سے مسجد میں پانچ دن یا اس سے زیادہ قیام رہتا ہو، مسجد میں کسی بھی حصہ میں رہتا ہو یا مسجد میں آتا جاتا رہتا ہو، وہ طہارت کر کے پاک نہیں رہتے اس کے لیے مسجد میں قیام کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کے اندر غیر مسلم کو قیام کی اجازت نہیں ہے؛ البتہ اگر مسجد سے الگ مسجد کی آمدنی کے لیے کمرے بنائے گئے ہوں، ان میں کوئی غیر مسلم قیام کرتا ہے تو یہ احترام مسجد کے خلاف نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۵/ جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کے مکان میں ہم بستری کرنا

سوال: مسجد کے کسی بھی کونہ میں مکان ہو، یعنی مسجد کے حصہ میں ہو یا مسجد کی

دیوار سے الگ ہو، اس مکان میں بیوی سے ہم بستری کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مکان اگر مسجد شرعی سے الگ ہے جیسے امام ومؤذن کی رہائش کے لیے بعض مساجد کے احاطہ میں ہوتا ہے، تو اس میں بیوی سے ہم بستری درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کے بیت الخلاء کو مخصوص لوگوں کا ہی استعمال کرنا

سوال: مارکیٹ میں ایک مسجد ہے، لوگ دور دور سے یہاں آتے ہیں، دوکان داروں کا گھر مسجد سے بہت دور ہے، لوگوں کی تکلیف کو دیکھتے ہوئے ایک شخص نے مسجد میں ایک بیت الخلاء بنوایا، پر مسجد کے ایک ٹرسٹی نے اس کو تالا لگا کر رکھا ہے، اور خود کو یا اس کے جان پہچان والے کو جب ضرورت ہوتی ہے تو چابی دی جاتی ہے، پر عام آدمی کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

جب ٹرسٹی سے کہا جاتا ہے کہ آپ نماز کے اوقات میں بیت الخلاء کا تالا کھلا رکھیں، تو کہتے ہیں: ''یہ بیت الخلاء سب کے لیے نہیں'' اگر نماز کے اوقات میں کھلی رکھتے ہیں تو بیت الخلاء میں گندگی ہونے کا اندیشہ ہے۔

جس شخص کے پاس اس بیت الخلاء کی چابی ہے، وہ کبھی کبھی نماز پڑھتے ہیں، اکثر فلم دیکھنے چلے جاتے ہیں اور کئی لوگ طہارت خانے میں پاخانہ کر دیتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بنانے والے نے جب وہ بیت الخلاء مسجد میں نماز کے لیے آنے والے مصلیوں کی سہولت اوران کی ضرورت پوری کرنے کے لیے بنایا ہے، تواب کسی ٹرسٹی کا اس پر تالا لگا کر اس بیت الخلاء کو اپنے اور اپنے جان پہچان والوں کے استعمال کے لیے مخصوص کر لینا شرعًا جائز نہیں؛ بلکہ یہ ایک قسم کی خیانت ہے، ان کو چاہیے کہ نماز کے اوقات میں تالا کھول دیا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ العبد احمد خانپوری، ۱۳ر جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مسجد کے بیت الخلاء کے استعمال پر رقم مقرر کرنا

سوال: ایک مسجد میں دو بیت الخلاء ہیں، اور وہ کسی مسافر کے لیے یا جماعت وغیرہ کے لیے ہے تو ان بیت الخلاء کو عوام الناس استعمال کرتے رہتے ہیں، اور ایک گھنٹہ بھی خالی نہیں رہتا اور ہمہ وقت نمبر رہتے ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میونسپلٹی کی سنڈاس ہے، اور کثیر تعداد میں بے نمازی نمبر لگائے کھڑے رہتے ہیں، اور کئی دفعہ اس میں قفل لگایا گیا؛ لیکن ان کو توڑ کر پھینک دیتے ہیں، تو ہم یعنی اہل کمیٹی ایسا کرنا چاہتے ہیں کہ کسی ایک آدمی کو بیت الخلاء کے پاس رقم جمع کرنے کو کھڑا کریں اور اس آدمی کو مزدوری دے کر یا پھر اسی رقم میں ثلث یا ربع دے کر باقی مسجد کے امام اور مؤذن اور صفائی کرنے والے کو دی جائے، تو ہمارا ایسا کرنا درست ہے یا پھر کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد سے ملحق جگہ میں بیت الخلاء عموماً نمازیوں کی سہولت کے لیے اور انہی کے استعمال کے لیے بنائے جاتے ہیں، اس لیے غیر نمازیوں کے لیے ان کا استعمال کرنا درست اور جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر صورت حال وہ ہے جو سوال میں بتلائی گئی، تو اگر آپ حضرات مسجد کے بیت الخلاء کے استعمال پر کچھ رقم بطور اجرت لینا چاہیں تو اس کی گنجائش ہے؛ البتہ اس صورت میں جو حقیقی نمازی ہیں ان کو بھی اجرت دینا پڑے گی، حالاں کہ بیت الخلاء ان کے مفت استعمال کے لیے ہی بنائے گئے ہیں، اس لیے رقم مقرر کرنا بھی زحمت سے خالی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

استنجاء خانہ کو تالا لگانا

سوال: پیشاب خانہ سود کی رقم سے بنا ہے، غیر اوقات نماز میں تالا لگانا کیسا ہے؟ اور استنجاء کے لیے پانی وضو خانہ کی ٹنکی سے لینا پڑتا ہے، غیر مصلی اس کا استعمال کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کے احترام اور نظم ونسق کے لیے غیر اوقات نماز میں استنجاء خانہ کو تالا لگا سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد میں لالٹین کا استعمال

سوال: مسجد میں لالٹین کی شکل میں کیروسن (مٹی کا تیل) استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مٹی کے تیل میں بدبو ہوتی ہے اور بدبودار چیز کا مسجد میں لے جانا منع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کو رنگین بلب سے سجانا

سوال: ایک صاحب اپنی طرف سے مسجد کو سجانے کے لیے چھوٹی چھوٹی رنگین بلب وغیرہ لگانے کا ارادہ کرتے ہیں، مگر ان کا ارادہ مسجد کے بجلی کا استعمال کرنا نہیں ہے؛ بلکہ اس سجانے میں جو بجلی وغیرہ صرف ہوتا ہے، وہ ایک دوسرے صاحب کی جانب سے ہے (یعنی مسجد کے رقم میں سے کچھ بھی خرچ کرنا نہیں چاہتے) تو کیا اس طرح مسجد کو سجانا جائز ہے یا ناجائز؟ (صرف تہوار وغیرہ خوشی کے موقع پر)۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عید وشبِ برأت وغیرہ موقع پر بجلی کے قمقموں سے مسجد کی سجاوٹ کی ممانعت کئی وجوہ سے ہے: مسجد کی بجلی کا استعمال کرنا، ان وجوہات میں سے ایک وجہ ہے، اب اگر کوئی بلب بھی اپنی طرف سے دیتا ہے اور بجلی کا خرچہ بھی دیتا ہے، تو اس سے صرف ممانعت کی ایک وجہ دور ہوئی، لیکن ممانعت کی دیگر وجوہات تو اپنی جگہ پر قائم ہیں،

جن میں سے ایک بڑی اور اہم وجہ ہنود وغیرہ غیر مسلم کے تہواروں کے ساتھ مشابہت ہے کہ وہ دیوالی یا کرسمس کے موقعہ پر اپنی عبادت گاہوں کو اسی طرح سجاتے ہیں، ساتھ ہی اسراف بھی ہے، اس لیے آپ نے جو تدبیر لکھی ہے، اس کے بعد بھی جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے چند اعلانات

سوال: مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اہم چیزوں کا اعلان کیا جا سکتا ہے؟ مثلاً فلاں جگہ شکر اور مٹی کا تیل مل رہا ہے یا بکری وغیرہ کھو گئی ہے یا فلاں کی موت واقع ہو گئی، فلاں کے گھر میں قرآن خوانی ہے وغیرہ وغیرہ؛ ہمارے گاؤں کی مسجدوں میں ایسا اعلان کیا جاتا ہے، بعض مسجد میں ایک اعلان پر دو روپیہ لیتے ہیں اور بعض جگہ للہ ہوتا ہے، کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے اس نوع کے اعلانات مناسب نہیں ہیں، اس سے مسجد کی حرمت پر بھی زد پڑتی ہے، نماز جنازہ کا اعلان یا افطار وسحر کا اعلان کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے دینی ودنیوی امور کا اعلان کرنا

سوال: مسجدوں کے نام لاؤڈ اسپیکر فقط اذان کے لیے وقف شدہ ہوتا ہے لیکن

عموماً اسی لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ میت اور دیگر مواقع میں دنیوی اغراض کے لیے اعلان پورے گاؤں میں، شہروں میں کیا جاتا ہے تو مذکورہ عمل وقف کردہ لاؤڈ اسپیکر سے کیا جاتا ہے، جواز وعدم جواز کا حکم ارشاد فرمائیں، اور اگر اجرت لے کر مذکورہ عمل کریں تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مساجد میں جو آلۂ مکبر الصوت لگایا جاتا ہے اس کا اصل مقصود تو اذان ہے؛ مگر ضمناً وہ دینی کام جو مفاد عامہ سے متعلق ہیں ان کے اعلان کی بھی گنجائش ہے، مثلاً کسی میت کا اعلان کرنا؛ تاکہ لوگ نماز جنازہ میں شرکت کرسکیں یا رویت ہلال کا اعلان کرنا یا عید کی نماز کے وقت کا اعلان کرنا یا کسی اہم دینی پروگرام کی اطلاع دینا وغیرہ؛ رہے وہ کام جو دینی نہیں ہے؛ بلکہ دنیوی معاملات ہیں اور ان کا اعلان بلا معاوضہ کیا جاتا ہے یا مسجد کے مفاد کے لیے کوئی معاوضہ لے کر اعلان کیا جاتا ہے یا مسجد کے لیے موصول ہونے والے چندہ کا اعلان کیا جاتا ہے تو اس کے بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ اگر اعلان کی جگہ مسجد کے اندر ہے یا لاؤڈ اسپیکر کے ہارن (HORN) مسجد پر یا مسجد کے میناروں میں فٹ ہیں تو یہ اعلان جائز نہیں ہے..... البتہ اگر اعلان کرنے کا مائک مسجد سے باہر کسی حجرہ میں ہو اور اس کے ہارن بھی مسجد سے علیحدہ فٹ شدہ ہوں تو پھر اس قسم کے اعلان کی گنجائش ہے؛ بشرطیکہ لوگوں کے لیے تشویش کا باعث نہ ہو اور خیرات کرنے والوں میں ریاء ونمود کا اندیشہ نہ ہو۔ (آداب اذان واقامت ۱۵۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد میں دنیوی امور کا اعلان

سوال: مساجد وعیدگاہ میں نماز سے قبل یا نماز کے بعد اردو اسکول میں داخلہ کا اور امتحان کا اعلان ہوتا ہے، ساتھ ہی آنکھ کے ڈاکٹر کی طرف سے پورے پتہ کے ساتھ یہ اعلان ہوتا ہے کہ فلاں آنکھ کا ڈاکٹر فلاں جگہ مفت آنکھ کا آپریشن کریں گے وغیرہ وغیرہ؛ اس سے ڈاکٹر کا اشتہار مقصود ہوتا ہے، مسجدوں میں ایسا اعلان کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس قسم کے اعلانات مسجد میں درست نہیں ہے۔ "لأن المساجد لم تبن لها". البتہ مسجد سے باہر یعنی احاطۂ مسجد کے دروازے پر کئے جاسکتے ہیں، عیدگاہ میں بھی احتیاط یہی ہے کہ اعلان نہ کئے جائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

غیر موقوفہ مسجد میں نماز درست ہے

سوال: کسی نے اپنی ملکیت سے مسجد بنوائی اور اس مسجد کو وقف نہیں کیا، ایسی صورت میں اس مسجد میں جماعت سے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مسجد کی نیت سے تعمیر کرائی اور لوگوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدی تو یہی وقف ہے، باقی رہا جماعت سے نماز کا درست ہونا تو اس کے لیے مسجد ہونا شرط نہیں ہے، مملوکہ زمین میں مالک کی اجازت سے جماعت سے نماز پڑھی جائے تو وہ

نماز بھی درست ہوجاتی ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ:العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کی بجلی مدرسہ میں اور مدرسہ کی بجلی مسجد میں استعمال کرنا

سوال :مسجد کی لائٹ مدرسہ میں، اور مدرسہ کی لائٹ مسجد میں استعمال کر سکتے ہیں؟ اسی طرح مسجد کی رقم سے مدرسہ کا لائٹ بل اور اس کا برعکس کیا بھر سکتے ہیں؟

الجواب :حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب دونوں اوقاف الگ الگ ہوں تو ایک کا استعمال دوسرے میں درست نہیں ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ:العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مدرسہ کے لیے مسجد کی دیوار میں تصرف کرنا

سوال :ایک مسجد ہے اور اس کے متصل بغل میں وقف زمین ہے، اب بوجہ ضرورت اس وقف زمین میں مدرسہ کے لیے حجرہ بنانے کی کی ضرورت ہے، تو اس حجرہ بنانے کے لیے لوہے کی ہینگل یا بیم یا لکڑی وغیرہ کا جو مکان پر مضبوطی کے لیے رکھا جاتا ہے، اس کو مسجد کی دیوار میں سوراخ بنا کر لگانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب :حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ تصرف شرعاً جائز نہیں۔ ولا یوضع الجذع علی جدار المسجد وإن کان من أوقافه (شامی)(فتاوی محمودیہ ۱/۵۰۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ:العبد احمد عفی عنہ خانپوری

امورِ مسجد میں کسی کا روپیہ نہ لینا

سوال :① ہمارے یہاں پر ایک مالدار قوم ہے، جب وہ کوئی مسجد بناتے ہیں تو سب محلہ والوں کا روپیہ نہیں لیتے ہیں، صرف اپنے لوگوں کا ہی لیتے ہیں، اور مسجد بنانے کے بعد بھی اگر محلہ کا کوئی شخص ثواب کی نیت سے مسجد میں کوئی پنکھا وغیرہ لگانا چاہے تو بھی فوراً انکار کرتے ہیں، اور اپنی قوم والوں سے ہی لیتے ہیں، ان کا یہ فعل شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جب کہ لوگوں میں اس کام کی وجہ سے تعصب پیدا ہوتا جارہا ہے، اور یہ لوگ اگر دین کی دعوت بھی محلہ والوں کو دیتے ہیں تو کبھی وہ قبول نہیں کرتے کہ تم مسجد میں ہمارا روپیہ کیوں نہیں لیتے ہیں؟ قرآن وحدیث سے اس برادری کا اس طرح سے مسجد بنانا اور دوسروں کا روپیہ نہ لینا کیسا ہے؟

② اس طرح کی مسجد میں نماز ادا کرنے سے مسجد کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

③ مذکورہ برادری کے لوگ جس مسجد کو اپنے روپیہ سے بناتے ہیں اس کے احاطہ میں جنازہ کی نماز بھی ادا نہیں کرتے، اور نہ ہی دوسرے لوگوں کو ادا کرنے دیتے ہیں، اور اپنی میت کو لے کر دوسرے لوگوں کی مسجد میں جاتے ہیں وہاں پر ادا کرتے ہیں؛ جب کہ ہر مسجد کے احاطہ میں پڑھنا درست ہے، ان کا یہ طریقہ شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی ایک شخص یا ایک جماعت اپنی ہی رقم سے مسجد تعمیر کرے اور کسی مصلحتِ دینی یا مصلحتِ انتظامی کے پیش نظر دوسروں کا روپیہ قبول نہ کرے اس کا ان کو اختیار ہے، اسی طرح دوسرے آدمی کی کوئی چیز یا اس کا چندہ کسی ایسی ہی مصلحت کے پیش نظر قبول

نہ کرے اس کا اختیار ہے؛ البتہ دینی یا انتظامی مصلحت کے بغیر محض اپنی شان اور آن قائم رکھنے کے لیے ایسا کرنا درست نہیں۔ الأمور بمقاصدها، لكل امرأ مانوى.

(۲) ضرور ملے گا۔

(۳) ان کا یہ طریقہ شرعاً درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک مسجد میں دو محراب بنانا

سوال: جگتیال کے نئے بس اسٹینڈ کے قریب ایک مختصر مسجد ۳۰×۲۱ کی بنائی گئی تھی، جس کی آدھی اراضی پر مغربی حصہ میں چوں کہ راستہ مع ملگیات تعمیر کی گئی ہیں جو مسجد کی انتظامی امور کے لیے ہیں، موجودہ مسجد پنجگانہ آدھی اراضی پر مبنی ہے جو نمازِ جمعہ کے لیے ناکافی ہے، اس لیے اوپر کی چھت کو مسجد کی شکل دے کر اوپر منزل میں امام جمعہ کے لیے مزید ایک محراب بنایا جارہا ہے؛ لیکن لوگوں کو اعتراض اس بات کا ہے کہ ایک مسجد میں دو محراب کیسے تعمیر ہوں گے، اگر موجودہ محراب پر اکتفاء کرلیا گیا تو اوپر کی چھت جو ۴۴ فٹ کی ہے صرف ۲۰ فٹ استعمال میں آئے گی، اگر امام اوپری منزل کی چھت پر جو ملکیات پر ہے زیرِ تعمیر محراب میں رہے گا تو اوپر کی تمام کی تمام چھت اور نیچے والی پنج گانہ نماز والی مسجد بھی جمعہ کے دن استعمال میں آسکتی ہے، کیا ایسا کرسکتے ہیں؟ اوپر کی منزل میں محراب دوم بنایا جانا جائز ہے؟ کیا اوپر جمعہ کی نماز امام کے پیچھے محرابِ دوم اور محرابِ اول (جو پنجگانہ کے استعمال میں ہے) کے

سامنے نماز پڑھ سکتے ہیں؟ اوپر امام ایک ہی رہے گا، نیچے والی مسجد میں صرف مصلی رہیں گے۔ مسئلے کی شرعی حیثیت معلوم فرمائیے گا کہ عام اعتراض ختم ہو۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک مسجد میں دو محراب بنانا شرعاً ممنوع نہیں ہے، مسجد نبوی (علی صاحبہ الصلاۃ والسلام) میں آج بھی تین محراب موجود ہیں، جو حضرات وہاں کی زیارت کا شرف حاصل کر چکے ہیں وہ اس کی شہادت دے سکتے ہیں؛ البتہ نیچے کے حصہ میں ملکیات (مسجد کی آمدنی کے لیے کمرے) ہوں اور اوپر مسجد ہو یہ اس وقت درست ہے جب کہ یہ صورت مسجد کی ابتدائی تعمیر ووقف کے وقت سے اختیار کی گئی ہو ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ

چھڑی اور وہیل چیئر لے کر مسجد میں آنا

سوال: میں بیمار انسان ہوں، بڑی مشکل سے چل پھر سکتا ہوں، اب مجھے مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں کچھ دشواری ہو رہی ہے؛ کیوں کہ میں چھڑی (جو دونوں ہاتھ میں پکڑی جاتی ہے وہ میں) استعمال کرتا ہوں اور کبھی کبھی وہیل چیئر کے بغیر نہیں جا سکتا، اور دوسری بات یہ کہ میں چھڑی اور وہیل چیئر لے کر کبھی روڈ پر یا کوئی اور جگہ نہیں جاتا تھا، APOIMMENT وغیرہ ہاسپٹل کی ہوتی ہیں، تو میں اپنی گاڑی میں رکھ کر لے جاتا ہوں، صرف اور صرف میں راستہ پار کرتا ہوں، اور مسجد جاتا ہوں اتنا ہی میں پیدل چلتا ہوں، اب میں آپ سے ہر مسئلے کا الگ الگ جواب

طلب کرتا ہوں:

① انڈیا یا پاکستان یا بنگلہ دیش اور لندن کے بیچ اتنا فرق ہے کہ وہاں یعنی انڈیا وغیرہ میں سؤر کتا وغیرہ ناپاک جانوروں کی آمدورفت ہوتی ہے، پھر بھی اس کے باوجود مفتی اور عالم لوگ جو اپنے انڈیا یا پاکستان اور بنگلہ دیش وغیرہ سے یہاں لندن میں آتے ہیں اور وہ اسی چھڑی سے یہاں STREET میں اور روڈ پر چلتے ہیں، اور اسی چھڑی کے ساتھ مسجد میں نماز کے لیے جاتے ہیں اور کلیکشن یا تقریر کے لیے بھی چھڑی کے ساتھ مسجد میں آتے ہیں، مثال کے طور پر مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے یا بیٹے وہ ابھی دنیا سے چل بسے ہیں، ان کو میں نے خود اپنی آنکھوں سے اور یہاں مسجد کی کمیٹی والوں نے جہاں جہاں ان کی تقریر رکھی تھیں وہ اسی چھڑی جس سے وہ باہر چلتے تھے، مسجد کے اندر کھڑے ہو کر منبر کے پاس چھڑی ہاتھ میں لے کر تقریر کرتے رہتے تھے، اور بھی عالم اور مفتی میں نے دیکھے ہیں کہ جس چھڑی کو وہ باہر لے کر چلتے ہیں اسی چھڑی کو وہ مسجد میں بھی لے کر جاتے ہیں تو کیا وہ لوگ غلط ہے یا کسی مسئلہ کے تحت وہ چھڑی مسجد کے اندر لاتے ہیں۔

② میں ایک معذور آدمی ہوں میری کمر کی (back) ڈیسکین ختم ہو چکی ہے، اور مجھے جوڑوں کا درد بھی ہے، اور شوگر وغیرہ بھی ہے، دوسرا میرا گھٹنوں کے دو دو تین تین آپریشن ہو چکے ہیں اور میں بغیر چھڑی (جو ہاتھوں میں پکڑی جاتی ہے) کے نہیں چل سکتا۔

میں نے گورنمنٹ سے جھگڑا کر کے مسجد کے سامنے مکان لیا؛ کیوں کہ میں مسجد سے دور نہیں ہو سکتا، میں نے مسجد کے سامنے گھر لیا اب مجھے صرف راستہ پار کرنا پڑتا

ہے، ایک بات میں پہلے تحریر کر دیتا ہوں کہ آپ مسئلہ بتانے سے پہلے اس کو یاد رکھنا کہ مسجد کے دروازے سے لے کر جہاں نماز پڑھنے کی حدود شروع ہوتی ہے اس سے پہلے تیس یا چالیس فٹ لمبا فاصلہ ہے، جہاں سے کارپیٹ بچھا ہوا ہے، اور تیس یا چالیس فٹ کارپیٹ پر چلنے سے چھڑی وہیل چیئر کے نیچے کچھ غبار باقی رہتا ہے؟ یاد رہے کہ اس کنٹری میں سب روڈ پکے ہیں، کوئی جگہ کچی نہیں ہے، جہاں گرد وغبار کا مسئلہ باقی رہے، میں اس رمضان میں عمرہ کے لیے گیا، پورا رمضان شریف حرمین شریفین میں گذرا، وہاں میں چھڑی اور وہیل چیئر استعمال کرتا رہا، اور کتنی بار وہاں کی پولیس مجھے میری وہیل چیئر کے ساتھ نماز کی جگہ یعنی حرم شریف میں کارپیٹ کے اوپر جا کر کھڑا کر دیتی اور کہتی کہ یہاں نماز پڑھو، صرف میں نہیں؛ کئی لوگ وہیل چیئر پر نماز پڑھتے تھے، وہاں کسی نے بھی نہیں روکا کہ تو وہیل چیئر پر نماز نہیں پڑھ سکتا، میں تقریباً ہر سال حرمین شریفین جاتا ہوں میں اس سال واپس آیا تو مجھے تکلیف زیادہ ہوگئی جس کی بنا پر چھڑی کے سہارے چلنا بھی مشکل ہوگیا، پھر مجھے میری اہلیہ نے کہا کہ میں تمہیں وہیل چیئر پر مسجد میں چھوڑ آیا کروں گی، میری اہلیہ مجھے مسجد کے باہر وہیل چیئر پر چھوڑ آتی، اس کے آگے مسجد کے اندر میں خود چلا کر لے جاتا یا مسجد کے نمازی مجھے مدد کرتے اور اندر لے جاتے، اس کے اوپر انہوں نے مجھے روکا کہ آپ وہیل چیئر مت لاؤ؛ کیوں کہ مسجد کا کارپیٹ گندا ہوتا ہے اور اس سے پہلے مجھے چھڑی سے بھی روکا گیا تھا کہ چھڑی اندر مت لاؤ کارپیٹ گندا ہوتا ہے، یہ یاد رہے کہ پہلے تحریر کر چکا ہوں کہ نماز کی جگہ پر پہنچنے سے پہلے تیس چالیس فٹ کارپیٹ پر چل کر آنا پڑتا ہے۔

میں نے ان سے کہا کہ آپ مجھے روکتے ہو کہ چھڑی کیوں لاتا ہے اور وہیل چیئر؟

آپ بتائیں کہ آپ کے سامنے کتنے مفتی اور عالم آتے ہیں اور ساتھ ہی یہ مثال دی کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور بیٹے بھی چھڑی کے ساتھ مسجد کے اندر جاتے ہیں، اور تقریریں کرتے ہیں، کچھ مفتی اور عالم کلیکشن کرتے ہیں تو کیا وہ غلط ہے؟ تو ان کو کیوں نہیں روکتے؟ اور ان سے کیوں نہیں پوچھتے کہ یہ گندی چیز آپ کیوں لاتے ہیں؟ تو اس کے اوپر کمیٹی کے ایک منیجر نے جواب دیا کہ ہم ان کو نہیں مانتے، پھر میں نے ان سے کہا کہ تیس یا چالیس فٹ کارپیٹ پر چلنے کے بعد نماز کی جگہ پر پہنچتے ہیں تو اس وقت تک چھڑی یا وہیل چیئر پر کیا باقی رہ سکتا ہے، پھر بھی مجھے روکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ہاتھ کا عصا یا چھڑی جس کے ذریعہ چلتے وقت زمین پر ٹیک لگایا جاتا ہے اگر زمین خشک ہے تو وہ چھڑی پاک ہے، اس کو مسجد میں لایا جاسکتا ہے، اور اس طرح کوئی معذور آدمی چھڑی کے سہارے چل کر مسجد میں آیا ہو تو اس کو منع کرنا درست نہیں؛ البتہ اگر چھڑی کے نچلے سرے پر غبار لگا ہوا ہو اور اس کی وجہ سے مسجد کے فرش کے خراب اور میلا ہونے کا اندیشہ ہو تو مناسب ہے کہ اس کو صاف کرلیا جائے، منتظمینِ مسجد کا اس طرح کی پابندی عائد کرنا ایک طرح کا غلو ہے جو شرعاً پسندیدہ نہیں۔

② اور یہی حکم وہیل چیئر کا بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ذی القعدہ ۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

کمیٹی کا دوسرے کے پلاٹ پر گندا پانی بہانا

سوال: شہر برہان پور میں ایک وقف نوری مسجد ہے، جس کی جائداد زمین ہے، اس زمین پر پچاس ساٹھ مکان ہیں، اور ان مکانوں میں سے ایک مکان نگر پالیکا کی پکی نالی پر بنایا گیا ہے، اور نالی بند کردی گئی ہے، اور نالی کا گندہ پانی میرے پلاٹ پر آرہا ہے جس کی وجہ سے مجھے مکان بنانے میں تکلیف ہورہی ہے، میں نے مسجد کے سکریٹری سید سلطان میر کو بتایا تو انہوں نے کئی بار نگر پالیکا کی نالی جو بند تھی چالو کردی، پھر کرایہ دار مکان کو تالا لگا کر شہر بھیونڈی چلا گیا، پھر سید سلطان میر نے استعفیٰ رکھ دیا، پھر نئی کمیٹی بنی تو میں نے مسجد کے صدر محمد قصائی سے کہا آپ نالی پر سے مکان ہٹالو تو انہوں نے انکار کردیا اور مجھ سے کہا کہ مسجد کا نقصان ہوجائے گا، میں مسجد کا نقصان نہیں کروں گا، آپ اپنے پلاٹ کے دو ٹکڑے کرڈالو اور نالی اپنے پلاٹ پر سے بہنے دو، اور وقف بورڈ کا فیصلہ میرے حق میں ہے کہ اقبال انصاری کی تکلیف دور کردو؛ مگر وہ ماننے کو تیار نہیں ہے، میں نے پریشان ہوکر عدالت میں کیس کردیا اور میں کیس میں جیت گیا، عدالت کے آدمی دو تین مرتبہ آئے اور مکان توڑ کر نالی چالو کرکے چلے گئے؛ مگر مسجد کے صدر محمد قصائی اور محلہ کے کچھ مسلمانوں نے مل کر نالی بند کردی ہے، اور پھر وہ نالی کا گندہ پانی میرے پلاٹ پر سے بہہ رہا ہے۔

اس واقعہ کے بعد نئی کمیٹی بنی تو میں پھر مسجد کے صدر ارشاد پہلوان کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ جو نالی کا گندہ پانی میرے پلاٹ پر سے بہہ رہا ہے اس کو روکو تو انہوں نے اور محمد قصائی نے انکار کردیا، اوپر کے واقعہ سے چند سوالات میرے ذہن

کو پریشان کررہے ہیں:

① اوپر واقعہ میں جو مسجد کے ذمہ دار کررہے ہیں، کیا اس میں مسجد کی ترقی ہے؟

② مسجد کی ترقی کے لیے کسی کا مکان نہ بننے دینے میں یا اس کی حبائداد کو نقصان پہنچانے میں شریعتِ اسلام کا کیا حکم ہے؟

③ مسجد کے ذمہ دار یا جو مسلمان بھی اس طرح کسی کا حق مار کر مسجد کی ترقی کریں کیا وہ لوگ گنہگار ہیں؟

④ مسجد کے پچاس ساٹھ مکان کی نالی پندرہ بیس فٹ والے مسجد کے مکان پر بند کر کے میرے ایک سو تیس ایک سو چالیس کے پلاٹ پر سے نالی نکالنا کیسا ہے؟

⑤ جب غصب کی ہوئی زمین پر نماز نہیں پڑھ سکتے تو کیا یہ مسجد مکانوں کی نالی (جگہ ہونے کے باوجود) میرے پلاٹ پر سے بہا سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① سوال میں مذکور واقعہ میں ذمہ داران مسجد نے نگر پالیگا کی پکی نالی پر مکان بنا کر نالی کو بند کر دیا جس کے نتیجہ میں نالی کا گندہ پانی آپ کے پلاٹ پر آرہا ہے اور اس کی وجہ سے آپ اپنا مکان نہیں بنا سکتے، ذمہ داران مسجد کا یہ اقدام شرعاً ناجائز اور حرام ہے، خصوصاً جب کہ یہ معاملہ عدالت میں بھی پیش کیا گیا اور عدالت نے نالی کو دوبارہ چالو کرنے کا حکم دے کر دو تین مرتبہ آدمی بھیج کر نالی توڑ کر چالو بھی کروائی، اس کے باوجود ذمہ داران مسجد نے اس کو بند کروا کر گندے پانی کو آپ کے پلاٹ میں بہانے کا سلسلہ پھر شروع کر دیا، یہ سب شرعاً ہرگز جائز نہیں اور اس اقدام کو مسجد کا فائدہ سمجھنا اور اس سے باز آنے کو مسجد کا نقصان تصور کرنا قرآن وحدیث کی تعلیمات

کے سراسر خلاف ہے۔

(۲) یہ ہرگز جائز نہیں۔　　(۳) یقیناوہ سب گنہگار رہیں۔

(۴) یہ جائز نہیں۔　　(۵) نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/صفر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

مسجد کا متولی معاوضہ لے سکتا ہے؟

سوال: ایک شخص مسجد کا متولی ہے وہ پرائیوٹ میں سروس بھی کرتا ہے، اور مسجد کا متولی بھی ہے، اس کو مسجد کی آمدنی میں سے معاوضہ لینا کیسا ہے؟ از روئے شرع جواب عنایت فرمائیں مدلل حوالہ کے ساتھ۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وقف کرنے والے نے وقف کی آمدنی میں سے کچھ مقرر کیا ہے تو متولی اتنی مقدار لے سکتا ہے، اور اگر وقف کرنے والے نے کچھ مقرر نہیں کیا؛ لیکن قاضی شرعی نے اس کے عمل پر اجرت مثل مقرر فرمائی ہے، تو وہ لے سکتا ہے، زائد مقرر فرمائی ہے تو زیادتی لینا درست نہیں، اور اگر اس کو قاضی شرعی نے متولی بنایا ہے، اور عرف میں ایسا کام معاوضہ لے کر کیا جاتا ہے تو اجرت مثل لے سکتا ہے؛ بشرطیکہ کام انجام دیتا ہو، ورنہ اس کے لیے معاوضہ لینا جائز نہیں۔(تنقيح الفتاوي الحامدية ۱/ ۸۰۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کے ممبران کا امام صاحب کو علیحدہ کرنا

سوال: مثلاً زید نام کر کے ایک صاحب ہیں، جو ہمارے یہاں مرکزی مسجد میں امامت کرتے ہیں، جس کا تقرر ابتداء میں محض بغرض امامت ہوا تھا، تقریباً دو سال تک اچھے طریقہ سے رہے؛ لیکن اس مدت کے بعد مطالبہ کیا کہ اتنی تنخواہ میں گزارا مشکل ہے، اس لیے مجھے اجازت دیں کہ قرآن شریف وقاعدے و پارے وغیرہ فروخت کروں؛ لیکن اس نے آہستہ آہستہ دوگنا نفع لینا شروع کر دیا، اور اس طرح دہلی سے نقلی چپل لا کر بیچنی شروع کر دی، اور کہا کہ یہ اصلی پاکستانی ہے؛ لیکن حقیقت میں وہ پاکستان کا مال نہیں ہے، اس طرح لوگوں کے ساتھ غداری کا معاملہ کرنا، اور اسی طرح یونانی دواخانہ کی تمام دوائیاں رکھی ہیں جو گھروں میں جا کر فروخت کرتا ہے، اور اسی طرح بازار سے چادریں ولنگیاں وکپڑے لا کر فروخت کرنا، اور اسی طرح گھروں میں جا کر چائے، پتی وسگریٹ فروخت کرنا، اور اسی طرح سینٹ وغیرہ، اور اسی طرح تعویذ گنڈے وغیرہ عورتوں کو دینا مردوں کی عدم موجودگی میں، اور گھر میں جا کر ٹیوشن پڑھانا، اور اسی طرح علاقہ کے مدرسہ کے رسید بکیں رکھی ہیں، جس کا ماہ رمضان میں چندہ کرتا ہے، اسی طرح دوسروں کو سپرد کر دیتا ہے کہ ۴۰ یا ۶۰ پرسنٹ آپ کو دے دوں گا، اور اسی طرح دو ماہ قبل مسجد کے ممبران نے ایک میٹنگ بلائی تھی، جس میں یہ طے کیا تھا اور تحریر بھی دی تھی کہ آئندہ آپ کو یہ دھندے کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے، اس وقت اس نے تمام شرائط منظور کر لیے تھے؛ لیکن فی الحال وہ اپنی سابقہ رفتار پر جاری وساری ہے، ان تمام حرکتوں کے باوجود بعض مقتدی حضرات تو کہتے ہیں کہ

اپنے کو نماز سے مقصد ہے، اور بعض تو ان کے پیچھے بالکل نماز پڑھتے ہی نہیں ہیں، لہٰذا ان وجوہات کے پیش نظر جواب تحریر کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شرائط اجارہ کی پابندی نہ کرنے پر مسجد کے ممبران امام صاحب کو علاحدہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کی ضرورت کے لیے دیے ہوئے قرض کا مطالبہ مسجد کی کمیٹی سے کرے یا اس سے جس کو قرض دیا تھا؟

سوال: بندہ نے ایک مسجد کی تعمیر میں کچھ خاصی رقم لگائی تھی، جس کی صورت مختصراً یہ ہوئی کہ ایک ڈاکٹر صاحب نے کولہاپور سے تقریباً ساٹھ کلومیٹر دور واقع ایک شہر کراڈ میں ایک مسجد بنانے کا ذمہ لیا تھا، یہ ڈاکٹر شخص کہتا تھا کہ میں سعودی کا باشندہ ہوں، مکہ مکرمہ میں رہتا ہوں، اور وہاں میرا بزنس ہے، یہاں ہندوستان میں کیرلا صوبہ میں فی الحال رہتا ہوں، وغیرہ؛ غرض کراڈ شہر میں ایک چھوٹی سی مسجد تہہ خانہ میں تھی، اسی نے اس کو عالیشان بنانے کا ذمہ لیا، اور یہ شرط لگائی کہ جب تک میں مسجد مکمل کر کے حوالے نہ کروں کوئی مقامی آدمی دخل اندازی نہیں کرے گا، مقامی حضرات نے منظور کر لیا، اور باقاعدہ تحریری طور پر لکھ کر بھی دیا، مسجد کا کام شروع ہوا، وہ کیرلا سے پیسے وغیرہ بھی روانہ کرتا رہا، امام کی تنخواہ، لائٹ بل اور دیگر تمام اخراجات کا بندوبست کرتا

رہا، ایک اچھی خاصی رقم صرف کی، اسی دوران اس کی جان پہچان مقامی باشندوں سے ہوئی، اور میں کولہاپور میں رہتا تھا مجھ سے بھی ہوئی، وہ شخص بڑا متدین، چرب زبان اور ہوشیار تھا، ہر ایک اس کی بات پر بھروسہ کرتا، سب کو بڑی امیدیں دلاتا کہ تمہارا مکان بھی عمدہ تعمیر کردوں گا وغیرہ وغیرہ؛ ایک مرتبہ وہ بندہ کے مکان بھی آیا، یہاں رہا اور کہنے لگا کہ پچیس ہزار روپیہ ہوتو ذرا دے دو، امام کی تنخواہ اور مزدوروں کی اجرت دینی ہے، وہاں کیرلا جاتے ہی آپ کے اکاؤنٹ میں جمع کردوں گا، چوں کہ جان پہچان بھی اچھی خاصی ہوگئی تھی، اور وہ خود بھی مسجد کے لیے پیسے روانہ کررہا تھا، مسجد کا کام شروع تھا، اس لیے شک وشبہ کا کوئی موقع نہیں تھا، ایک ماہ گذر گیا؛ لیکن اس نے قرضہ ادا نہیں کیا، فون پر بات چیت ہوتی رہی، وہ کہتا کہ آج کل میں روانہ کردوں گا، ذرا سعودی سے پیسے آنے میں کچھ رکاوٹ پیش آرہی ہے، پھر ایک مرتبہ آیا اور کہا کہ ابھی پیسوں کا انتظام نہیں ہوا، انشاء اللہ عنقریب آجائیں گے، لندن سے پیسے آرہے ہیں وغیرہ وغیرہ، یہ آدمی بہت سے بیرون ممالک فون بھی کرتا اور ادھر سے بھی فون آتے، غرض شک کی کوئی گنجائش نہیں تھی، لوگوں کا اتنا معتمد تھا کہ اس کے خلاف کوئی سوچ بھی نہ سکتا تھا، پھر کہنے لگا کہ مسجد کے لیے کچھ سامان وغیرہ کی ضرورت ہے، امام کی تنخواہ رکی ہوئی ہے؛ نیز مزدوری وغیرہ بھی دینی ہے، اگر کہیں سے پانچ لاکھ روپے کا انتظام ہوجاوے تو بہت اچھا ہوگا، میں جاتے ہی پیسے روانہ کردوں گا، اعتماد کی وجہ سے اس کو مارکیٹ سے اسٹیل وغیرہ دلایا گیا، اور نقد رقم بھی دی گئی، یہ سامان بندہ کی ہی ذمہ داری پر دلایا گیا، جانے کے بعد پھر ایک مدت اس نے پیسے نہیں بھیجے؛ گذشتہ رمضان میں پھر آیا، اس سے بندہ نے پوچھا کہ پیسے لے آئے ہو؟ تو اس نے کہا نہیں، اب لندن

جارہا ہوں، وہاں سے روانہ کردوں گا، بندے نے کہا کہ آپ جارہے ہو، میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ تم کو میں نے اتنے روپئے دیے، اور تمہارے کہنے پر میں نے اپنی ذمہ داری پر سامان بھی فراہم کیا، تو اس نے پانچ لاکھ کا چیک لکھ دیا، اور کہا میں لندن جاکر پیسے روانہ کردوں گا، تم اس چیک کے ذریعہ میرے اکاؤنٹ سے لے لینا، غرض اب وہ جو گیا تو اس کا کوئی پتہ نہیں، نہ فون پر رابطہ ہوتا ہے، نہ پیسے ہی ملے، چیک بھی بینک میں پاس نہیں ہوا، چوں کہ دستخط جعلی اور بناوٹی تھی، اب مسئلہ دریافت طلب یہ ہے کہ اس نے واپسی کے وعدہ پر مجھ سے اتنی رقم لی جو کل ساڑھے چار لاکھ روپئے اور آٹھ تولہ سونا ہے، اور مسجد ہی میں میری رقم استعمال ہوئی ہے جو وہاں کے مقامی باشندوں کو بھی معلوم ہے، اب اس کے بعد وہاں کی مقامی جماعت متولیان اور ٹرسٹ حضرات سے میں ان سے پیسوں کا مطالبہ ہوں؛ لہٰذا میرے لیے اپنے روپیوں کی بازیابی کی کیا شکل ہوگی؟ اس وقت میں خود پریشان اور ناگفتہ بہ حالات کا شکار ہوں، لہٰذا برائے کرم جواب عنایت فرمائیں کہ ایک شخص کا قرضہ جو اس آدمی نے مسجد کے نام پر لیا اور مسجد ہی میں استعمال بھی کیا، اب اس کے لاپتہ ہونے کے بعد موجودہ ٹرسٹ اور متولیان مسجد کی ذمہ داری ہے یا نہیں کہ وہ مسجد کا قرضہ کسی بھی طرح ادا کریں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے ڈاکٹر صاحب کو جو رقم قرض مسجد کی مختلف ضرورتوں (امام کی تنخواہ، مزدوری کی اجرت، تعمیری سامان وغیرہ) کے لیے دی اور اس نے یہ ساری رقم مسجد کی ضرورتوں میں ہی خرچ کی، اس کے باوجود آپ اپنی اس رقم کا مطالبہ موجودہ ٹرسٹ اور متولیان سے نہیں کرسکتے، اور نہ ہی ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس قرضہ کی ادائیگی

کسی طرح کرائیں، آپ تو اپنی رقوم کا مطالبہ جس کو آپ نے بطور قرض دی تھی اسی یعنی ڈاکٹر عبداللطیف صاحب ہی سے کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ / ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

دینی امور کے لیے مسجد میں چندہ کرنا اور چندہ کنندگان کے ساتھ سلوک

سوال: ایک قریہ ہے اس میں مسجد مدرسہ کچھ نہیں تھا، صرف جماعت کبھی آجاتی تھی؛ لیکن صرف دو گھنٹہ ظہر میں سب کو جمع کر کے بیان کر کے چلے جاتے کیوں کہ ٹھہرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا، اس گاؤں میں محنت کر کے مسجد اور مدرسہ بنایا ۱۹ / سال محنت کر کے تیار ہوا اور بچے دینی تعلیم سے فیضیاب ہو رہے ہیں، عرض یہ ہے کہ:

① بہت سی جگہ باہر لندن افریقہ کی امداد پر سنگ مرمر کی مسجد اور مدرسہ بنالیا ہے؛ لیکن اور سفیروں کے لیے اعلان کی ممانعت کر رکھی ہے تو ان کے لیے لندن افریقہ کی طرف سے انتظام ہو چکا ہے، دوسری غریب بستیاں جو ہیں ان کے لیے اعلان کی پابندی ہے کیا یہ صحیح ہے؟ اور اگر اسی طرح ہر جگہ پابندی ہو جائے تو یہ غریب بستیاں کیا کریں گی اور ان کے بچے ویران ہو جائیں گے۔

② ایک سفیر کو مسجد کے ذمہ دار نے اعلان کی اجازت تو دی؛ لیکن صرف اتنا ہی کہ فلاں مدرسہ کے لیے چندے کے لیے آیا ہوں امداد فرماویں تو اس سفیر نے عرض کیا کہ صرف دو منٹ کا موقع دیں تو منع کر دیا تو خیر اتنا ہی کہہ کر باہر بیٹھ گئے تو صرف پانچ

روپے ہوئے، دو دن کے بعد دوسرے سفیر نے تعلقات کی نسبت پر اجازت لی تو دو تین منٹ کا وقت دیا تو یہ دو تین منٹ میں ان سفیر صاحب گاؤں کے حالات بتا کر بیٹھ گئے تو ان کے چندے میں ۱۲/ سو روپے ہوئے تو تھوڑی وضاحت سے مدرسہ کا فائدہ ہوتا ہو تو کیا دو تین منٹ کا وقت نہیں دینا چاہیے جب کہ اور کوئی سفیر بھی نہیں۔

③ حدیث شریف میں سنا ہے کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں تو کیا ایسی غریب بستی کے مسلمان بچوں کی دینی تعلیم کے لیے کوئی حق ہوگا یا نہیں؟

④ ایک گاؤں میں بہت عالی شان مسجد بنی لندن کی امداد پر؛ لیکن ایک سفیر کو اعلان کی بھی اجازت نہ دی، اور نہ کوئی کھانے کا نظم، اور نہ گاؤں میں کوئی ہوٹل، اور گاؤں کے سب بنگلے والے ہیں، موذن کو کہہ دیا ہے کہ کسی کو چندے کا اعلان کرنے نہیں دینا تو وہ سفیر تین بجے گاؤں سے بھوکے ہی روانہ ہوئے، کیا یہ ایمان کی شان ہے یہ سب سفیر گجرات ہی کے ہیں اور گجرات ہی کی یہ کیفیت ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① تا ③ ایک مسجد کو شہید کر کے وسیع کیا جا رہا تھا، خود اس مسجد کے لیے اسی مسجد میں چندہ کیے جانے سے متعلق کیے گئے سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت مولانا مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: بہتر اور مناسب صورت یہ ہے کہ مسجد سے باہر چندہ کیا جائے یا مسجد میں کسی بورڈ پر چندہ کی اپیل (درخواست) لکھ دی جائے؛ البتہ اگر اس طرح چندہ کرنے سے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوتی ہو، اور مسجد میں جمعہ کے دن چندہ کرنے سے مسجد کا زیادہ فائدہ ہوتا ہو تو اس شرط کے ساتھ برائے مسجد مسجد میں چندہ کرنے کی گنجائش ہے کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو،

ان کی گردن نہ پھاندے، نمازی کے سامنے سے نہ گزرے، مسجد میں شور وشغب نہ ہو، مسجد کے احترام کے خلاف کام نہ ہو، اور لوگوں کے سامنے کسی کو شرم اور غیرت میں ڈال کر زبردستی چندہ وصول نہ کیا جائے، ان شرائط کی رعایت ضروری ہے اگر ان کی رعایت نہ ہو سکے تو مسجد میں چندہ نہ کیا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۹/۲۳۹)

مسجد میں مدرسہ کے لیے کیے جانے والے چندہ سے متعلق کیے گئے سوال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: عام حالات میں مسجد میں مدارس کے لیے چندہ نہ کرنا چاہیے، مسجد میں شور وغل ہوگا، نمازیوں کو خلل ہوگا، مسجد کی بے احترامی ہوگی، لہٰذا مسجد میں چندہ نہ کیا جائے؛ البتہ اگر کوئی خاص حالت ہو مسجد میں شور وغل نہ ہو، نمازیوں کو تکلیف اور خلل نہ ہو تو گنجائش ہے۔ (۹/۲۴۰)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: دینی ضرورت کے لیے مسجد میں چندہ کرنا، مرحباً اور سبحان اللہ کہنا درست ہے مگر نمازیوں کی نماز میں خلل وتشویش نہ ہونے پائے۔
(فتاویٰ محمودیہ کراچی ۱۵/۲۷۳)

مسجد میں چندہ کرنے کے متعلق تمام مفتیان کرام کا یہی جواب ہے جو اوپر نقل کیا گیا۔ آپ نے سفیر کے ساتھ کیے گئے جس سلوک کا اپنے سوال میں تذکرہ کیا ہے، اگر ان کا مقصد احترام مسجد کو باقی رکھنا اور آدابِ مسجد کی رعایت کروانا ہے تو ان کا یہ رویہ درست ہے؛ البتہ جیسا کہ آپ نے لکھا کہ دوسرے سفیر کو زیادہ وقت دیا گیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ آداب مسجد کی رعایت مقصود نہیں بلکہ ترجیحی سلوک پیشِ نظر ہے، اس صورت میں ان کا یہ رویہ قابلِ مذمت ہے، ویسے مسلمانوں کے اجتماعی امور مساجد، مدارس وغیرہ کے لیے لوگوں کا اپنے مسلمان بھائیوں کے پاس تعاون حاصل

کرنے کے لیے جانا، اوران سے امداد کی اپیل کرنا ہمارے سلسلہ کے اکابر کے یہاں معمول بہ رہا ہے، کسی علاقہ یا بستی والوں کا اس طریق کار پر پابندی لگانا گویا ان دینی سلسلوں کو بند کرنا ہے جو اپنے انجام کے اعتبار سے نہایت خطرناک ہے؛ اس لیے جو لوگ اس طرح کی فکر اور ذہنیت لیے ہوئے ہیں وہ اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہیں، اور اپنے اس طرز عمل سے ایسے لوگ ملت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت اور صحیح سمجھ عطا فرمائے۔

④ جو اجنبی مسافر کسی بستی میں اپنی ذاتی ضرورت یا مسلمانوں کی دینی اجتماعی ضرورت کے لیے پہنچتا ہے، اس کی میزبانی اور خاطر تواضع قدیم زمانہ سے مسلمانوں خصوصاً شرفاء کا معمول رہا ہے، یہ اسلامی تعلیم بھی ہے، اس کے برخلاف کسی دینی مدرسہ کی ضرورتوں کے لیے تعاون حاصل کرنے کے لیے گئے ہوئے شخص کو جس کو سفیر کے نام سے جانا جاتا ہے، بستی کی مسجد میں اعلان سے روکنا اور مسجد کے اس حصہ میں جہاں دین کی نسبت پر آنے والے حضرات قیام کرتے ہیں اس کو قیام کرنے سے روکنا اور بستی چھوٹی ہونے کی وجہ سے آنے والے کے لیے اپنا پیسہ خرچ کر کے کھانے پینے کا نظم کرنا دشوار ہونے کے باوجود اس کی میزبانی اور مسافر کے حق کی ادائیگی سے بستی والوں کا غفلت برتنا یقیناً قابل مذمت اور اسلام نے جن پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی ہے اس کے سراسر خلاف اور مروت کے بھی منافی ہے، ایسے لوگوں کو اپنے طرز عمل پر نظرِ ثانی کر کے اس کی جلد از جلد اصلاح کرنی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

انتظامیہ کی جانب سے مسجد میں وعظ اور چندہ کرنے سے روکنا

سوال: برطانیہ میں تقریباً ۲۵/ لاکھ مسلمان آباد ہیں اور ہر شہر میں جہاں مسلمان رہتے ہیں آبادی کے تناسب سے ایک یا کئی مساجد ہیں اور بفضل اللہ مسجدیں سال بھر نمازیوں سے آباد رہتی ہیں، رمضان المبارک میں اکثر مسجدوں میں تراویح میں قرآن کریم ختم کیا جاتا ہے، مسلمانوں کا بڑا طبقہ ماہ مبارک میں اپنی زکوٰۃ کا حساب کرکے اسے ادا کرتا ہے، ماہ مبارک میں ہندو پاک اور مختلف مدارس عربیہ اور جامعات کے سفراء فراہمیٔ مالیات کے لیے چندہ کی غرض سے برطانیہ آتے ہیں، پچھلے کئی سالوں سے برطانیہ کی مساجد میں چندہ کے فراہمی کا یہ طریقہ ہے کہ سفیر مسجد میں عموماً بعد نماز عصر یا تراویح اپنے مدرسہ کے تعارف کے ساتھ مختصر اعلان کرتا ہے اور مسجد سے باہر مقرر جگہ پر کپڑا بچھا رہتا ہے جس پر مختلف کارڈز زکوٰۃ، صدقہ، فطرہ، امداد، تعاون وغیرہ لکھ کر رکھ دیتا ہے، نماز سے فارغ ہوکر نمازی مسجد سے نکلتے ہوئے حسب توفیق اپنی طرف سے زکوٰۃ، صدقہ، خیرات وغیرہ جس مد میں جو دینا چاہتا ہے رکھ دیتا ہے، آخر میں مجموعی رقم جوڑ کر سفیر ایک رسید بنا کر مسجد کے ذمہ دار کو لکھ دیتا ہے، اور الحمد للہ اس طرح مدارس کی بہترین امداد ہوجاتی ہے، اور اس طرح سفراء سردی میں گھر گھر لوگوں کے دروازے کے چکر لگانے کی مشقت سے بچ جاتے ہیں اور مدارس عربیہ کا خاصا بجٹ پورا ہوجاتا ہے۔

فراہمیٔ چندہ کے اس طریقہ پر بعض مساجد کی انتظامیہ نے پابندی لگادی کہ مسجد میں اعلان کرکے چندہ نہیں ہوگا، گھر گھر پھر کر چندہ کرو، اور اس پابندی میں بعض جگہ

کے ائمۂ مساجد اور علماء نے بھی اس کی تائید کی اور وجہ یہ بتائی کہ بعض چندہ دینے والے غلط ہوتے ہیں، سوال طلب امور یہ ہیں:

(۱) مدارس عربیہ اور جامعات کے چندہ کے لیے مذکورہ طریقہ پر مساجد میں اعلان کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) بعض غلط چندوں کی وجہ سے صحیح معتبر اور معروف مدارس کو بھی چندہ سے روکنا یہ شرعاً جائز ہے؟ جب کہ غیر معروف چندہ کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔

(۳) مدارس عربیہ اور مساجد اور دوسرے دینی اور خیر کے کاموں کے لیے مساجد میں چندہ کرنے کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

(۴) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبوک کے موقع پر اور صاحب مشکوٰۃ نے کتاب العلم میں صحیح مسلم کی یہ روایت نقل کی ہے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قبیلۂ مضر آیا، ان کی فاقہ زدی کو دیکھ کر آپ نے چندہ کے لیے اعلان کیا اور یہ اعلان مسجد نبوی ہی میں ہوا، پھر اس سے روکنا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟

(۵) اس طرح مدارس و مساجد اور امور دین کے لیے مسجد میں چندہ کی فراہمی سے انتظامیہ یا کسی اور کو روکنے کا اسے شرعاً حق حاصل ہے؟

(۶) مسجد کی انتظامیہ یا کوئی دوسرا رمضان میں تو نہ روکے البتہ رمضان کے علاوہ اور مہینوں میں روکنے کا اسے شرعاً حق حاصل ہوسکتا ہے؟

(۷) بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس طرح چندہ مخلصانہ ہے؛ کیوں کہ نہ دینے والے کو شرم وحیا کی وجہ سے کم وبیش دینے کا سوال ہے نہ لینے والے کو، پتہ نہیں کس نے کیا ڈالا، نہ کسی کی جیب سے کوئی نکالتا ہے۔

⑧ اسلام میں مسجد کمیٹی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا اسے شرعاً حق پہونچتا ہے کہ وہ مسجد میں جسے چاہیں دینی بیان سے روک دیں؟ کیا اسے شرعاً یہ جائز ہے کہ وہ کسی کو کسی دینی کام یا عبادت، اعتکاف سے اس لیے روک دے کہ وہ برطانیہ میں سعودی عرب کے فیصلے پر رمضان وعید نہیں کرتا؟ نیز جو عالم مسجد کا سالانہ ممبر نہ ہو اسے مسجد میں دین کی بات کرنے سے روکنا کمیٹی کو شرعاً جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد میں چندہ مانگنے یا اس کی ترغیب دینے یا سائلوں کو صدقات خیرات دینے کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے: اگر شق صفوف نہ ہو، مرور بین یدی المصلی نہ ہو، تشویش علی المصلین نہ ہو، حاجت ضروریہ ہو تو درست ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۲/ ۷۵۳ مطبوعہ دیوبند)

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: امور دینیہ مثل مدارس وانجمن کے لیے چندہ کرنا مساجد میں ممنوع نہیں ہے، جب کہ نماز اور خطبہ کے وقت نہ ہو اور کسی نمازی کو اس میں تشویش وایذاء نہ ہو۔ (فتاویٰ دار العلوم [عزیز الفتاوی] ۱/ ۲۱۱)

آپ نے برطانیہ میں چندہ کی جو صورت اپنے سوال میں لکھی ہے، اس میں مذکورہ بالا تمام شرائط کی رعایت کی گئی ہے؛ اس لیے چندہ کا اعلان جائز اور درست ہے۔

② غلط چندہ کرنے والوں کا تجزیہ وتفتیش ممکن ہونے کی صورت میں، صحیح اور معتبر ومشہور مدارس کو بھی چندہ سے روکنا مناسب نہیں ہے۔

③ جائز ہے جب کہ شرائط مذکورہ بالا کا لحاظ کیا جاتا ہو، ورنہ درست نہیں ہے۔

④ تا ⑥ مسجد کی انتظامیہ دیانتداری کے ساتھ یہ سمجھتی ہے کہ مسجد میں چندہ کا یہ

سلسلہ شرعی شرائط پر پورا نہیں اترتا اور اس کی وجہ سے مسجد کا وقار و عظمت مجروح ہو رہے ہیں تو اس کو ایسے چندہ پر بندش لگانے کا حق ہے، اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ انتظامیہ کے اس فیصلہ سے کسی کو اختلاف ہو؛ اس لیے کہ ہر ایک کا انداز فکر یکساں نہیں ہوتا؛ لیکن اس کو یہ حق نہیں ہے کہ اس کی نیت پر شبہ کرے "لأن النية امر باطني" اور نہ یہ حق ہے کہ اس کے کام میں رکاوٹ ڈالے؛ لیکن اگر مسجد کی انتظامیہ کا یہ اقدام اور فیصلہ غیر شرعی عوامل کی بنیاد پر ہے تو عند اللہ وہ مسئول و ماخوذ ہوگی۔

⑦ اس کا جواب نمبر ایک میں آچکا ہے۔

⑧ آج کل دینی بیان کے نام سے جو باتیں مسجد میں کہی جاتی ہیں، ان میں بھی بعض مرتبہ بیان و تقریر کے لیے شریعت کی طرف سے مقرر کردہ حدود و شروط کی رعایت نہیں کی جاتی؛ اس لیے اس سلسلہ میں مسجد کی انتظامیہ حدود شرع میں رہ کر کوئی ضابطہ بنائے، تو اس کی اجازت ہے اور اس ضابطہ کی خلاف ورزی کرنے والے کو بیان سے روک دے تو اس کی بھی اجازت ہے؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ ایسا ضابطہ ماہر مفتیان کرام سے رجوع و مشورہ کے بعد ہی بنایا جائے، انتظامیہ کے وہ اراکین جو حدود شرع سے کما حقہ واقف نہ ہوں وہ اپنے من مانے طریقہ سے کوئی ضابطہ مقرر نہ کریں؛ ورنہ ﴿ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه وسعىٰ فى خرابها﴾ کے مصداق بن جائیں گے۔

کسی مسجد میں نفس اعتکاف سے اس لیے روکنا کہ وہ برطانیہ میں سعودی عرب کے فیصلہ پر رمضان و عید نہیں کرتا، شرعاً جائز نہیں ہے؛ بلکہ آیت مذکورہ بالا کا مصداق ہے؛ البتہ اگر کوئی دوسری وجہ روکنے کی ہے، تو اس کی تفصیل بیان کر کے حکم معلوم کیا

جائے، جو عالم مسجد کا سالانہ ممبر نہیں ہے اس کو مسجد میں دینی بات کرنے سے (جب کہ اس کی وہ بات حدود شرع کے مطابق ہو) محض اس لیے روکنا کہ وہ ممبر نہیں ہے حدود شرع سے تجاوز ہے جو درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املأہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد میں چندہ کرنا

سوال: جمعہ کے روز جماعت خانے میں ہی چندہ کیا جاتا ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بہتر اور مناسب صورت یہ ہے کہ: مسجد سے باہر چندہ کیا جائے، یا مسجد میں کسی بورڈ پر چندہ کی اپیل (درخواست) لکھ دی جائے؛ البتہ اس طرح چندہ کرنے سے خاطر خواہ کامیابی نہ ہوتی ہو تو اور مسجد میں جمعہ کے دن چندہ کرنے سے مسجد کا زیادہ فائدہ ہوتا ہو، تو اس شرط کے ساتھ برائے مسجد مسجد میں چندہ کرنے کی گنجائش ہے کہ: نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، ان کی گردن نہ پھاندے، نمازی کے سامنے سے نہ گزرے، مسجد میں شور وشغب نہ ہو، مسجد کے احترام کے خلاف کام نہ ہو، اور لوگوں کے سامنے کسی کو شرم اور غیرت میں ڈال کر زبردستی چندہ وصول نہ کیا جائے۔ ان شرائط کی رعایت ضروری ہے، اگر ان کی رعایت نہ ہو سکے تو مسجد میں چندہ نہ کیا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۹/۲۳۸، ۲۳۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

امام کی تنخواہ کے لیے مسجد میں چندہ کرنا

سوال: مسجد کے امام صاحب کے لیے مسجد میں اعلان کر کے تنخواہ وصول کرنا کیسا ہے؟ صحیح ہے یا نہیں، اور امام کو حکم کرنے والا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ طریقہ منصبِ امامت کے احترام کے خلاف ہے، اسی طرح امام صاحب کو اس طرح حکم کرنا جس طرح اپنے کسی ملازم کو یا نوکر کو کیا جاتا ہے درست نہیں، ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ر جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد جدید کی تعمیر قدیم بنیاد پر

سوال: صوبہ مہاراشٹر ضلع امراوتی مقام مورسی محلہ پیپل پورہ کی مسجد جس کی تعمیر تقریباً سات آٹھ سال قبل پرانے دیواروں کے نشانات پر رکھی ہے؛ لیکن فی الحال ٹائل بیٹھانے کی غرض سے مسجد کو ناپا گیا جس کے نتیجہ میں قبلہ کا رخ بھی دیکھا گیا جو صحیح نہیں ہے، بلکہ قبلہ کا رخ جاننے کا جو آلہ ہے اس کے مطابق جنوب کے جانب نو فٹ کا فرق ہے، جس کی پوری کیفیت حسبِ ذیل نقشہ سے آپ کو معلوم ہو جائے گی۔

اس مسجد کی عمارت تقریباً دو لاکھ کے خرچ سے تعمیر کی ہوئی ہے، جس کو یہاں کے مصلیوں کے حالات کے مطابق قبلہ کا رخ درست کرنے کے لیے توڑ بھی نہیں سکتے

اور اگر مسجد کو توڑے بغیر مسجد ہی کے اندر صفیں ترچھی کر کے قبلہ کا رخ درست کیا جائے، تو اس صورت میں دو خرابی ہے، ایک یہ ہے کہ اس صورت میں صرف کامل دو ہی صفیں ہوتی ہیں، باوجود کہ اس میں فی الحال چار صفیں کامل ہو رہی ہیں۔

دوسری خرابی دونوں صورتوں میں (صفیں ترچھی کرنے اور مسجد کو توڑنے کی صورت میں) اور یہ ہی سب سے بڑی خرابی ہے، وہ یہ کہ مسلمانوں کے درمیان فتنہ اور جھگڑے کا اور دو گروہ ہو جانے کا بہت زیادہ بلکہ فتنہ کا تو یقین ہی ہے، دوسری بات یہ کہ یہ مسجد پورے تعلقہ کا مرکز کہلاتی ہے؛ لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ جماعت کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے، تفصیلی جواب عنایت فرمائیں عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سمت قبلہ کی تعیین اور بنائے مسجد میں سنت سلف صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے آج تک یہ ہے کہ جس بلدہ میں مساجدِ قدیمہ مسلمانوں کی تعمیر کردہ موجود ہوں، ان کا اتباع کیا جائے، ایسے مقامات میں آلات رصدیہ اور قواعدِ ریاضیہ کی تدقیق میں پڑنا سنت کے خلاف اور نامناسب اور باعثِ تشویش ہے۔

(جواہر الفقہ ۱/ ۲۵۲، رسالہ تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال)

اس لیے آپ کی موجودہ مسجد کی جدید تعمیر جس کی بنیاد قدیم مسجد کی دیواروں پر رکھی گئی ہے وہی طریق سلف کے مطابق ہے، اس میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کی توسیع میں قبرستان کی جگہ شامل کرنا

سوال: گذشتہ سال زلزلہ کی بناء پر جامع مسجد بگیالال شہید ہوگئی، اب دوبارہ اس کی توسیع کے ساتھ پلان بنایا ہے، مسئلہ یہ درپیش ہے کہ مین سڑک کی طرف بجانبِ جنوب تھوڑی سی جگہ قبرستان کی آرہی ہے، مسجد کی خوبصورتی کو باقی رکھنے کے لیے اس جگہ کا احاطہ مسجد میں لینا ضروری ہے، جس پر تقریباً سات فٹ کی بلندی پر چھت اصل مسجد کی ہوگی، لہٰذا گزارش یہ ہے کہ شریعت کی روشنی میں فتویٰ صادر فرمائیں کہ پرانی قبرستان کی جگہ میں دو پلر نکال کر اس کے اوپر والی جگہ کو مسجد میں شامل کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ قبرستان پرانا اور وقف ہے اور اب وہاں مردے دفن نہیں ہوتے اور وہاں مسجد بنانا مناسب ہے تو مسلمانوں کے باہم مشورے سے مسجد بنانا درست ہے۔ کذا فی العینی شرح البخاری. (ماخوذ از فتاوی محمودیہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/صفر ۱۴۲۸ھ

مساجد میں آیاتِ قرآنیہ کے کتبات لکھنا

سوال: شاہان مغل اور مسلم حکمرانوں کے عہدِ حکومت میں تعمیر شدہ اکثر مساجد میں آیاتِ قرآنیہ کے کتبات مختلف خطوط میں فنِ خطاطی کے عمدہ شاہکار کے طور پر لکھے گئے ہیں؛ نیز حرمِ مکی وحرمِ نبوی میں بھی یہ کتبات ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں، کسی مسجد میں آیاتِ قرآنیہ کے کتبات نقش کرنے میں شرعی اعتبار سے کوئی قباحت یا حرج

تونہیں ہے؟ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کی دیوار پر آیاتِ قرآنیہ تحریر کرنے میں مآل کے اعتبار سے بے ادبی کا احتمال ہے، اس لیے اس کی اجازت نہیں۔

فتاوی رحیمیہ میں ہے: بے ادبی کے احتمال کی وجہ سے فقہاء اجازت نہیں دیتے۔ (۱۰/ ۲۴۳)

قال فی البحر: وكذا يكره كتابة الرقاع وإلصاقها بالأبواب لما فيه من الإهانة وفيه عن النهاية: ليس بمستحسن كتابة القرآن على المحاريب والجدران لما يُخاف من سقوط الكتابة وأن توطأ الخ.

(طحطاوی علی الدر ۱/ ۴۴۰، شامی ۱/ ۶۶۳، عالمگیریة ۵/ ۳۲۳)

رہا شاہانِ مغل اور مسلم حکمرانوں کا عمل اور حرمِ مکی ونبوی میں لکھے ہوئے کتبات کا معاملہ، تو اولاً یہ کہ بادشاہوں اور حکمرانوں کا عمل حجتِ شرعیہ نہیں۔

ثانیاً وہ کتبات قرآن وحدیث کی روشنی میں نہیں لکھے گئے، جیسے ۶۷۸ھ میں حضرت نبی کریم ﷺ کی قبرِ مبارک پر گنبد بنایا گیا، علماء نے منع بھی کیا؛ مگر ان کی شنوائی نہیں ہوئی، علاوہ ازیں حرمین شریفین میں اور امور بھی خلافِ شرع ہوئے اور ہوتے ہیں، انہیں سند کے طور پر پیش نہیں کیا جاسکتا، آج کل سعودیہ میں وقف بورڈ کے ماتحت جو نئی مساجد تعمیر ہوتی ہیں ان میں آیاتِ قرآنیہ نہیں لکھی جاتیں، وہاں کے علمائے حق کا فتوی بھی عدمِ جواز کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: عبدالقیوم راجکوٹی

الجواب صحیح۔ العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۶/ ۵/ ۱۴۱۹ھ

شیعہ کے عقائد کی ترویج والا طغرا مسجد میں لگانا

سوال: گلبرگہ شہر میں ایک جامع مسجد بیچ شہر میں واقع ہے، جہاں دور دور سے مسلمان جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے آتے ہیں، مسجد کے عین پیشانی، یعنی ممبر کے اوپر ایک طغرا چند سال پہلے بڑے ہی تکرار و جھگڑے کے بعد کچھ لوگوں نے جو نمازوں کے پابند نہیں ہیں، علم دین سے واقف نہیں ہیں، لگوایا تھا، مسجد کمیٹی جن کا مسلک سنت وحدیث ہے، جھگڑے کو طول نہ دینے کے لیے طغرا لگانے کی اجازت دی تھی، اب کچھ دنوں سے اس جگہ کی جہاں طغرا لگایا گیا تھا صفائی ہو رہی ہے، صفائی کے دوران اس طغرا کو نکال دیا گیا ہے، اب اکثر مصلیان مسجد اور دوسرے اہل سنت والجماعت اس طغرا کو دوبارہ لگوانے سے منع کر رہے ہیں؛ جب کہ جو لوگ پہلے طغرا لگوا گئے تھے، وہ بہ ضد ہیں کہ طغرا لگایا جائے؛ ورنہ وہ جھگڑا کرنے والے ہیں۔

طغرا کی تفصیل یہ ہے: طغرا کے بیچ میں کلمہ طیبہ لکھا گیا ہے، اور اس کے بیچ میں کعبۃ اللہ و مسجد نبوی کی فوٹو ہے، دائیں جانب اوپر کے کونہ میں اللہ، بائیں جانب اوپر کے کونہ میں محمد، دائیں جانب نیچے کے کونہ میں علی وحسن، اور بائیں جانب نیچے کے کونہ میں فاطمہ وحسین لکھا ہوا ہے۔

وہ مصلیان جو طغرا کو دوبارہ نہیں لگوانا چاہتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ:

① طغرا میں کلمہ طیبہ کے علاوہ شیعی پنج تن کے نام ہیں، شیعہ صرف انہیں پانچ کو پاک مانتے ہیں، دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم شیعوں کے نزدیک پاک نہیں۔

② پنج تن پاک کا تصور غیر اسلامی ہے، اس لیے کہ شیعہ ان پانچ کو معصوم مانتے

ہیں، جب کہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے ہمارے رسول محمد ﷺ خاتم النبیین کے علاوہ خاتم المعصومین بھی ہیں، حضور ﷺ کے بعد کسی اور امتی کو معصوم ماننا رسالت میں شرک ہے۔

(۳) اہل سنت و جماعت حضرات حضرت محمد ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، وحضرت علی رضی اللہ عنہ کو حسب ترتیب افضل مانتے ہیں؛ جب کہ شیعہ حضرات حضرت محمد ﷺ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو افضل مانتے ہیں جو اس طغرا میں ظاہر ہے۔

(۴) اہل سنت و جماعت قرآن کی روشنی میں امہات المومنین رضی اللہ عنہن ہی کو اہل بیت مانتے ہیں، اس کے بعد حضرت محمد ﷺ کے سب ہی بیٹیوں، نواسوں اور قرابت داروں و نیز جن کو حضور ﷺ نے اہل بیت کہا ہے، انہیں بھی اہل بیت مانتے ہیں؛ جب کہ شیعہ حضرات صرف اور صرف بی بی فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم ہی کو اہل بیت مانتے ہیں جو اس طغرا سے ظاہر ہے۔

ایسی صورت میں کیا اہل سنت و جماعت کے مسلک کی مسجد جامع میں ایسا طغرا لگایا جاسکتا ہے؟ اگر نہیں لگایا جاسکتا تو کیوں؟ و نیز مصلیان مسجد جن چار مذکورہ عقائد کی بناء پر طغرا لگانے سے روک رہے ہیں کیا یہ عمل درست ہے؟ ہوسکتا ہے کہ آپ کا فتوی مل جانے تک طغرا لگ جائے، اور لگ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟ اور اگر یہ طے ہو کہ اس طغرا سے بی بی فاطمہ حضرت علی، حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما کا نام نکال دیا جائے، صرف کلمہ طیبہ و کعبہ و مسجد نبوی کا فوٹو رکھا جائے تو کیا ایسی صورت میں طغرا لگایا جاسکتا ہے؟ قرآن و حدیث و مسلک اہل سنت و جماعت کی روشنی میں فتوی صادر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوال میں مذکور طغرا سے فرقۂ شیعہ کے عقائد کی تائید وترویج ہونا صاف اور بدیہی امر ہے، اس قسم کا طغرا اہل سنت کی مسجد میں ہرگز نہ لگنا چاہیے، اور اس کے نہ لگانے کے سلسلے میں جو چار وجوہات سوال میں مذکور ہیں وہ تمام درست اور صحیح ہیں، اگر یہ لگ گیا تو اس کے جن اجزاء سے عقائد شیعہ کی تائید ہوتی ہے، ان کو نکال دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قرآنی آیات مسجد میں لگانے میں آپسی نزاع

سوال: ① اگر کسی مسجد میں ایسی تختی دیوار میں فٹ کی جائے جس میں قرآنی آیت اس طرح لکھی گئی ہو:

واذ یرفع ابراھیم القواعد:　و:　ومن بعدی اسمہ احمد

تو اس مسئلہ میں مفتیان کرام کیا فرماتے ہیں جس میں آیتیں کاٹی گئی ہیں۔

② اگر کوئی شخص مسجد میں ایسی تختی لگاتا ہے اور اس تختی کو دیوار پر فٹ کر دیا جاتا ہے جس میں آیت قرآنی کو کاٹ کر لکھا گیا ہے، اور وہ آیت یہ ہے:

"واذ یرفع ابراھیم القواعد:　و:　ومن بعدی اسمہ احمد"

اور اس طرح آیتوں کو لگانے کی وجہ یہ ہے کہ ایک گاؤں میں ایک پرانی مسجد تھی، جس کی تعمیر کرنے والے کا اسم گرامی ابراہیم تھا، اور اس گاؤں کی مسجد کی بنیاد ابراہیم

نامی شخص نے رکھی تھی اور اس کے بعد تنگی کی وجہ سے اس مسجد کو شہید کیا گیا اور نئی مسجد بنائی گئی، اور نئی مسجد کی تعمیر چندہ کی رقم سے ہوئی اور پرانی مسجد کی بھی، اور نئی مسجد تعمیر ہوئی تھی اس وقت ایک شخص جس کا اسم گرامی احمد ہے وہ تمام کام کی دیکھ بھال کرتے تھے اور پوری تعمیر چندہ کی رقم سے ہوئی، اس مسجد کی تعمیر ختم ہونے پر ایک تختی لائی گئی جس میں اوپر والی آیتیں لکھی ہوئی تھیں اور وہ تختی اختلاف کے دوران میں ہی فٹ کر دی گئی، تو بعض لوگوں نے کہا کہ تختی لگانے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا یعنی احمد اور آپ کے باپ کا یعنی ابراہیم کا نام ظاہر کرنا مقصود ہے، اس کے بعد پھر اختلاف ہوئے اور بعض لوگوں نے تحریک چلائی کہ تختی نکال دی جائے، اس میں قرآن کی آیتوں کو کاٹا گیا ہے اور ایسا کام شرعاً ناجائز ہے؛ بلکہ بعض لوگوں نے تختی لگانے والے کو برا بھلا کہا، اور بعض نے کہا کہ نگرانی کی ہے انہوں نے اور مسجد بنائی؛ ورنہ یہ کام دوسرا کون انجام دیتا ہے؛ اس وجہ سے ان کو یہ تختی لگانے کا حق ہے۔ اس دوران میں ایک دوسرا اختلاف ہوا کہ وہ صاحب یعنی احمد ایک دوسری تختی لائے اور وہ تختی صدر گیٹ پر لگائی اس پر لکھا ہوا تھا: مسجد کا نام یعنی مسجد ابراہیم، اور یہ تختی بھی اس آدمی نے بلا مشورہ لگائی جس میں گاؤں والوں کا اختلاف ہے، اور جب اس آدمی کو کہا جاتا ہے کہ آپ کے ابا کے نام سے مسجد کا نام رکھا گیا ہے اور مسجد کا نام رکھنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں؛ اس وجہ سے کہ اس گاؤں میں ایک ہی مسجد ہے تو وہ شخص طرح طرح کی دلیل پیش کرتا ہے، مثلاً وہ کہتا ہے کہ مسجد کا نام ابراہیم اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ یہ دین وایمان دین حنیف ہے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے، اور یہ دونوں تختی ابھی لگائی ہوئی ہے، صرف ایک جماعت افتاء کے فتوی کا انتظار کرتی ہے اور یہ بات فی الحال فتوی پر رکھی گئی ہے، انشاء اللہ

فتوی آتے ہی جو بھی آئے گا فتوی میں کتاب اللہ اور سنت رسول، اجماع اور قیاس کی روشنی میں، عمل کیا جائے گا، اور اگر کوئی جماعت اس فتوی کو نہ مانے اور ٹھکرا دے تو کیا رائے اختیار کی جائے؛ اس لیے کہ اس سے پہلے بعض مفتیان کرام کے فتوی کو ٹھکرایا گیا ہے، اسی وجہ سے اس فتوی میں ہر بات کو اہمیت دی جائے اور تفصیلاً آخری فتوی بیان کریں؛ تاکہ پھر دوسرے دار الافتاء میں فتوی بھیجنے کی نوبت نہ آئے اور مخالفین ٹھنڈے پڑ جائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اگر آیت کا ایک حصہ لے کر تختی پر اس طرح لکھا گیا ہے جیسا کہ آپ نے سوال میں نقل فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ آیت پوری نہیں لکھی گئی ہے؛ بلکہ اس کا صرف بقدر ضرورت حصہ لیا گیا ہے تو ایسا کرنا جائز ہے، احادیث وآثار اور کتب سلف میں اس کے بے شمار نظائر موجود ہیں۔ کما لا یخفی علی من له ممارسة بکتب الحدیث وغیرها.

② قرآنی آیات وغیرہ کو مسجد کی دیوار پر لکھنا یا تختی میں کندہ کرا کر دیوار میں جڑنا مناسب نہیں ہے۔

لا ینبغی الکتابة علی جدرانه (درمختار) و فی الشامیة: أي خوفاً من أن یسقط و توطا بحر عن النهایة (شامی ۱/۶۹۰)

تعارف کے لیے مسجد کا کوئی مناسب نام رکھنے کی اجازت ہے، آپ نے سوال میں جو تفصیل تحریر فرمائی ہے اس سے مترشح ہوتا ہے کہ لوگوں نے ان دونوں امور کو آپسی عداوت اور کینہ کے اظہار کا بہانہ بنا لیا ہے، مسلمانوں کے آپس کے اختلاف اور نزاع

پر حدیث میں بڑی وعید آئی ہے، اس لیے فریقین کو چاہیے کہ اس چیز کو بنیاد بنا کر جھگڑا اور نزاع پیدا کر کے اپنے دین وایمان کو خراب نہ کریں، کوئی بھی ایک فریق اپنے اصرار سے باز آجائے تو یہ نزاع بآسانی ختم ہوسکتا ہے یا تو تعمیر کی نگرانی کرنے والے صاحب اس تختی کو نکال دیں یا لوگ اس کے نکالنے پر اصرار نہ کریں، یا اپنے علاقہ کے معتمد علیہ علماء کو دونوں فریق فیصل تسلیم کر کے ان کی ہدایت پر عمل کریں، اس نوع کے جھگڑے کے ماحول میں فتوی حاصل کرنا بھی قطع نزاع نہیں کرتا، ہر فریق اپنے اپنے انداز میں مفتی کے سامنے حقائق پیش کر کے جواب حاصل کر کے فریق مقابل کو خاموش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مسجد کا سامان ذاتی کام میں استعمال کرنا

سوال: اگر میں نے مسجد میں سے کچھ سامان یا روپیہ وغیرہ اپنے خرچ کرنے کے لیے لایا، یعنی سامان استعمال کرنے کے لیے لایا اور پھر کام ہونے کے بعد واپس رکھ دیا تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کا سامان یا روپیہ ذاتی کام میں استعمال کرنا ناجائز ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ جدید ۱۲۵/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کا پانی امام اپنی ضروریات میں استعمال کرسکتا ہے؟

سوال : مسجد کا پانی امام اپنی ضروریات، مثلاً کپڑے وغیرہ دھونے، غسل کرنے کے لیے استعمال کرسکتا ہے؟ یادرہے کہ یہ پانی گاؤں کی واٹر ورکس سے آتا ہے، اوراس کا پیسہ بھی مسجد کے مال میں سے دیا جاتا ہے۔

الجواب : حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگرامام کی رہائش احاطۂ مسجد کے اس کمرہ میں ہے جواس کے لیے بنایا گیا ہے، تووہ پانی کا استعمال غسل وغیرہ کے لیے کرسکتا ہے۔ (کفایت المفتی ۶/ ۴۴۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ

ذاتی ضرورت کے لیے مسجد کی بجلی کا استعمال

سوال : مسجد کی بجلی کا استعمال خاص اپنی ضرورت میں کرسکتے ہیں کیا اس سلسلہ میں متولی مسجد کو اجازت دینے نہ دینے کا اختیار ہے؟ خاص اپنی ضرورت سے مراد مثلاً مسجد میں کسی عالم کا وعظ ریکارڈ کرنے کے لیے مسجد کی بجلی کا استعمال کرنا۔ نیز مسجد سے باہر اپنی کسی ضرورت کے لیے مسجد کی بجلی کا استعمال ہے۔ بجلی کی استعمال کی شکل میں لائٹ بل ادا کرنے کی کیا شکل ہونی چاہیے کیا اندازے سے ادا کرنا صحیح ہے؟

الجواب : حامداً ومصلیاً ومسلماً

اپنی خالص ذاتی ضرورت کے لیے (جس کا تعلق مسجد میں ادا کی جانے والی کسی

عبادت سے نہ ہو) مسجد کی بجلی کا استعمال درست نہیں ہے۔ اس میں متولی مسجد کی اجازت وعدم اجازت کا بھی اعتبار نہیں۔ البتہ اگر عرف عام ہو جائے کہ مسجد میں عالم کا وعظ ہوتے وقت ریکارڈنگ کرنے والے مسجد کی بجلی استعمال کرتے ہوں مسجد میں چندہ دینے والے اس چیز سے واقف ہوں اور منتظمین مسجد بھی اس کی اجازت دیتے ہوں تو جس قدر عرف ہو اتنی مقدار استعمال کی جاسکتی ہے لیکن اس صورت میں استعمال کرنے والے کو چاہیے کہ اندازہ کر کے اتنی رقم لائٹ بل کے مد میں داخل کرادے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ رجب المرجب ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سوسائٹی کی زمین پر مسجد کا بور بنانا

اور اس کا پانی مسجد اور سوسائٹی میں استعمال کرنا

سوال: ہماری پاکیزہ سوسائٹی میں انسٹھ (۵۹) فلیٹ ہیں، سب اونر (onar) ہیں، اور سوسائٹی میں ۱۵، ۲۰ گھر شیعہ حضرات کے ہیں، اور کچھ گھر محبین حضرات کے ہیں، باقی گھر دیوبندی حضرات کے ہیں، سوسائٹی سے لگ کر کچھ جھونپڑے خرید کر دیوبند کے مسلک کی مسجد بنائی، جس کا نام پاکیزہ مسجد ہے، سوسائٹی کی کمیٹی الگ ہے اور مسجد کا ٹرسٹ الگ ہے، سوسائٹی اور مسجد دونوں کو ایک دوسرے سے کچھ لینا دینا نہیں ہے؛ کیوں کہ مسجد دیوبندی مسلک کی ہے، اور سوسائٹی کا چیئرمین شیعہ ہے، اور سکریٹری سنی جماعت سے تعلق رکھتا ہے، کئی سال تک مسجد میں پانی ہماری سوسائٹی

سے دیا گیا ہے؛ لیکن اس کی اجازت سوسائٹی کے ممبروں سے نہیں لی ہے، تین سال پہلے ایک ممبر نے سکریٹری سے مل کر کہا کہ میرے والد کے نام سے پانی کا ایک بور کرنا ہے اور وہ بور سوسائٹی کی زمین پر ہے، تو کیا اس جگہ پر بور ہوسکتا ہے؟ اور کوئی اجازت نہیں، کوئی خلاصہ نہیں سوسائٹی والوں سے، اور اس بور کا پانی مسجد میں استعمال ہوتا ہے، کیا یہ جائز ہے؟ دوسری بات یہ ہے کہ مسجد کی پانی کی لائن پاس ہوئی ہے اور اس کا پانی مسجد میں پینے کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور کچھ پانی سوسائٹی میں دیا جاتا ہے، مسجد کا پانی سوسائٹی میں دینا جائز ہے؟ اور بور کے پانی کا لائٹ بل سوسائٹی بھر رہی ہے اور چیئر مین جو شیعہ ہے، سکریٹری سے کئی بار کہہ چکا ہے کہ اس کا لائٹ بل سوسائٹی کیوں بھرے؟ لیکن سکریٹری صاحب سنتے ہی نہیں ہیں، اور سوسائٹی میں رہنے والے مختلف حضرات ناراض ہیں، سکریٹری صاحب اور جس ممبر نے بور کروایا ہے وہ دونوں مسجد کے ٹرسٹی بھی ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ ہم مسجد کی پانی کی لائن کا جو پانی سوسائٹی کو دے رہے ہیں اس کے عوض بورنگ کا پانی ہم مسجد میں استعمال کر رہے ہیں، کیا ان کا یہ حیلہ درست ہے یا نہیں؟

① پاکیزہ سوسائٹی میں اس کے ممبروں کی اجازت کے بغیر مسجد کے پانی کا بور کیا گیا ہے، کیا یہ جائز ہے؟

② اس بور کے لائٹ بل کی بھرپائی سوسائٹی کے سکریٹری - جو مسجد کے ٹرسٹی بھی ہے - سوسائٹی پر ڈالتے ہیں، کیا یہ جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① زمین کے اندر پانی کے جو قدرتی ذخائر ہیں وہ کسی کی ملک نہیں، ان کو حاصل

کر کے فائدہ اٹھانے کی سب کو اجازت ہے، اب اگر وہ پانی بور کر کے حاصل کیا گیا تو اس کو حاصل کرنے کے لیے سوسائٹی کے ممبران کی اجازت لینا ضروری نہیں؛ البتہ سوسائٹی کی وہ مشترکہ زمین جس میں بور کیا گیا ہے وہ اس بور کی وجہ سے اتنی زیادہ مشغول ہوتی ہے کہ لوگوں کو اس سے آنے جانے یا عام انتفاع میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، تب تو دیگر ممبران کو اعتراض کا حق ہے ورنہ نہیں۔ (درر الحکام شرح مجلۃ الحکام ۳/ ۲۷۰، ۲۷۱)

② بور کے لائٹ بل کی ادائیگی سوسائٹی کے مشترکہ سرمایہ سے نہ کی جائے؛ بلکہ اس کے لیے الگ انتظام کیا جائے؛ البتہ مسجد کے پانی کی جو لائن پاس ہوتی ہے اس میں سے کچھ حصہ سوسائٹی میں دیا جاتا ہے، اگر پانی کی اس لائن سے پانی حاصل کرنے پر مصارف آتے ہیں، اور وہ مصارف مسجد ادا کرتی ہے تو اس صورت میں جتنا پانی سوسائٹی کو دیا جاتا ہے، اس کے حصہ کے مصارف سوسائٹی سے وصول کئے جائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

مدرسہ کا پانی مسجد میں استعمال کرنا

سوال: کیا مدرسہ کا پانی مسجد کے مقتدی حضرات استعمال کر سکتے ہیں؟ یعنی مسجد میں پانی کی قلت ہے، چوں کہ مدرسہ اور مسجد تھوڑی سی قریب قریب ہے، ایک صاحب سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ چوں کہ مدرسہ میں زکوۃ کا مال ہے استعمال نہیں کر سکتے؛ لیکن اگر کرایہ دے کر کہ مہینہ میں اتنی اتنی رقم پانی کے استعمال کے عوض

مدرسہ میں ادا کردی جائے تو کیا اس طرح پانی کا مسئلہ حل کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مدرسہ کے کنویں میں زائد پانی موجود ہے تو مسجد والے اپنی مشین لگا کر وہ پانی مسجد میں لا سکتے ہیں، اس صورت میں مسجد والوں کے لیے کرایہ کی ادائیگی کا بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا؛ البتہ اگر مدرسہ اپنی مشین کے ذریعہ پانی نکال کر مسجد کو دے رہا ہے تو وہ اس کی قیمت وصول کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کے پانی کا بے جا استعمال

سوال: مسجد کا وضو خانہ جس کے نل صحن میں بھی ہیں اور خارج از صحن بھی ہیں، باہر جو نل لگے ہوئے ہیں ان میں سے غیر مسلم اور غیر مصلی پینے کے لیے لے جاتے ہیں، گاڑیاں دھونے لے جاتے ہیں، اور وہیں پر صبح وشام کارخانہ والے اپنا ہاتھ منہ دھوتے ہیں جب کہ بور مسجد کا ہے، اور بل بھی مسجد کے پیسوں سے دیا جاتا ہے، تو کیا اس طرح غیر قوم اور غیر مصلی پانی کا استعمال کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وہ نل مسجد کی رقم سے لگائے گئے ہیں، تو ضروریات نماز کے علاوہ استعمال نہ کیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۶/۱۶۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کے پانی کی بیع

سوال: مسجد میں پانی کی بورنگ ہے، جس کی بجلی اور مرمت کا خرچ مسجد اٹھاتی ہے، اس بورنگ کا پانی غیر مسلموں کو شادیوں میں ۳/ روپئے فی ڈرم کے حساب سے فروخت کیا جاتا ہے، کیا یہ پیسہ مسجد یا مدرسہ کے کاموں میں لیا جاسکتا ہے؟ (اس بورنگ سے سبھی قوم کے لوگ بھی پانی خریدتے ہیں)۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب پانی نکال کر فروخت کیا جاتا ہے تو یہ بیع درست ہے، اور یہ رقم مسجد ہی کی ہے اور مسجد ہی کے کام میں استعمال کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد کے کنویں سے محلہ والوں کا پانی لینا

سوال: جو کنواں یا جو بورویل مسجد کے لیے تیار کیا گیا ہو اس میں سے پانی کی تنگی کے وقت گاؤں والوں کو پانی دے سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بہ وقتِ ضرورت مسجد کے کنویں سے محلے والوں کو پانی لینے کی گنجائش ہے؛ لیکن اس کی عادت بنانے میں بدنظمی کا اندیشہ ہے؛ اس لیے احتیاط ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۲/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

غیر مسلم کی رقم مسجد میں لینا

سوال: مسجد میں غیر مسلم کی رقم یا اور کوئی چیز استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ان کے نزدیک یہ رقم وغیرہ مسجد میں دینا ثواب کا کام ہے تو درست ہے، ورنہ نہیں، پہلی صورت میں اگر کوئی خارجی امر مانع ہو، مثلاً: کسی فتنہ کا اندیشہ ہو یا وہ لوگ بعد میں ملکیت کا دعویٰ کریں یا مسلمانوں پر احسان رکھیں یا دباؤ ڈالیں، مستقبل میں ان کی طرف سے مندر میں رقم دینے کا مطالبہ ہو تو قبول نہ کیا جائے تو پھر براہِ راست روپیہ وغیرہ ان سے نہ لیا جائے، اگر وہ دینا چاہیں تو کسی مسلمان کی ملک کر دیں اور پھر وہ مسلمان مسجد میں دے دے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/۴۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسجد و مدرسہ میں غیر مسلم کی مشکوک رقم استعمال کرنا

سوال: مسجد و مدرسہ کے کسی بھی کام میں غیر مسلم کا پیسہ لگانا جائز ہے؟ جو کہ مشکوک ہے بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مشکوک اور مشتبہ مال مسلم کا ہو یا غیر مسلم کا مسجد و مدرسہ میں اس کو استعمال نہ کیا جائے۔ اگر اس کی جائز کمائی ہے اور وہ باعث اجر وثواب اور کار خیر سمجھ کر مسجد یا مدرسہ وغیرہ میں رقم دے رہا ہے اور اس کی اس رقم کو لینے میں فی الحال یا مستقبل میں کوئی

اندیشہ (مثلا یہ کہ کل کو وہ لوگ مندر کے لیے رقم کا مطالبہ کریں وغیرہ) نہیں ہے تو اس کو لے کر استعمال کر سکتے ہیں۔ بہتر صورت یہ ہے کہ اس کو کہہ دیا جائے کہ آپ اپنی رقم فلاں مسلمان کو دے کر اس کو مالک بنا دیجئے وہ اس رقم کو اپنی طرف سے مسجد یا مدرسہ میں لگائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

افطاری اور مسجد کی تعمیر میں کافر کی رقم قبول کرنا

سوال: ہمارے شہر کی مسجد کے امام صاحب نے ماہِ رمضان میں وعظ کے دوران یہ کہا کہ روزہ افطاری میں کافر کا پیسہ لگ سکتا ہے، اور ہم لوگوں نے افطار کیا بھی ہے، کیا یہ جائز ہے؟ دلیل انہوں نے یہ دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی عورت کی دعوت قبول کی تھی، اور مسجد کی تعمیر میں کافروں کا پیسہ لگ سکتا ہے؛ کیوں کہ خانۂ کعبہ میں کافروں کے پیسوں سے تعمیر ہوئی، کیا یہ دونوں باتیں جائز ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

امام صاحب کی دونوں باتیں درست ہیں؛ البتہ کافر کی کمائی حلال طریقہ سے ہونی چاہیے، سود وغیرہ حرام کی نہ ہو، حرام کی کمائی مسلمان کی بھی ہے تو وہ جائز نہیں ہے، مسجد کی تعمیر میں اگر کافر کی رقم حلال کی ہے اور اس کے قبول کرنے میں آئندہ کوئی اندیشہ نہیں ہے تو قبول کر سکتے ہیں، آئندہ اندیشہ کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں چل کر وہ احسان جتلائے گا یا مندر کی تعمیر کے لیے مسلمانوں سے رقم مانگے گا، اگر ایسا ہے تو اس

کی رقم قبول نہ کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/شوال ۱۴۱۸ھ

میونسپلٹی اور غیر مسلم کی زمین پر مسجد

سوال: مسجد کے بازو میں میونسپلٹی کی زمین ہے، یا اور کوئی زمین جو میونسپلٹی کے قبضہ کی ہے اس کو مسجد کے لیے لینا چاہتے ہیں، تو کیا بغیر قیمت لیے ہوئے میونسپلٹی اس کو مسجد کے لیے وقف کردے، تو کرسکتی ہے؟ اور اس زمین پر مسجد بنا سکتے ہیں؟ یا مسجد کی آمدنی کے لیے کچھ کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں؟

غیر مسلم اگر اپنی کوئی زمین مسجد بنانے کے لیے خوشی سے دینا چاہے، تو اس کو لے کر مسجد بنا سکتے ہیں؟ اس کی کیا شکل ہوگی؟ از روئے شرع جواب سے نوازا جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

غیر مسلم کے وقف کے لیے شرط ہے کہ کسی ایسے کام کے لیے وقف ہو جو قواعد اسلامیہ کے اعتبار سے بھی ثواب کا کام ہو، اور اس کافر کے اعتقاد میں بھی ثواب ہو، جب یہ دونوں شرطیں پائی جائیں تو کافر کا وقف صحیح ہے؛ ورنہ نہیں، مثلاً فقراء ومساکین کی خدمت تمام مذہب میں ثواب سمجھی جاتی ہے، اس لیے کوئی کافر کسی مذہب کا ہو اگر اس کام کے لیے وقف کرے تو وقف صحیح ہوجائے گا، لہٰذا اگر کوئی غیر مسلم بہ نیت ثواب مسجد بنادے، اور اس کا اعتقاد یہ ہو کہ مسجد بنانے سے ثواب ملے گا، تو یہ مسجد تمام احکام میں مسجد شرعی ہوگئی۔

میونسپلٹی کی طرف سے جگہ دی جاتی ہے اس میں چوں کہ اعتقاد ثواب نہ ہونے کا

شبہ ضرور ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ مسلمان اس جگہ پر قبضہ کر کے اپنی طرف سے مسجد بنادیں؛ تاکہ وقف کی صحت میں شبہ نہ رہے۔ (فتاویٰ دار العلوم امداد المفتیین ۲/ ۷۹۷ مع تغییر یسیر)

غیر مسلم کی زمین مسجد کے لیے لینے میں اگر کوئی خارجی امر مانع نہ ہو، مثلاً کسی فتنہ کا اندیشہ ہو یا وہ لوگ بعد میں ملکیت کا دعوی کریں، یا مسلمانوں پر احسان رکھیں یا دباؤ ڈالیں تو پھر براہِ راست ان سے زمین نہ لی جائے، اگر وہ دینا چاہیں تو کسی مسلمان کی ملک کر دیں، اور پھر وہ مسلمان مسجد میں دیدے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۴۷۰ مع تغییر یسیر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ ذوالقعدہ ۱۴۱۱ھ

ارض مغصوبہ پر مسجد مدرسہ بنانے کا حکم

سوال: ایک بنجر زمین ہے، جس کا بظاہر کوئی دعوے دار نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی مالک ہے، ایسی زمین کے اوپر چند نوجوان قبضہ کر کے اس پر مسجد یا مدرسہ بنانا چاہتے ہیں، تو کیا ایسی زمین پر مسجد یا مدرسہ بنانے کی اجازت ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کا وقف ہونا ضروری ہے، اور وقف اس وقت درست ہے جب کہ ملکیت ہو، قابض نوجوان مالک نہیں ہیں، اس لیے وہ مسجد نہیں بن سکتی، مدرسہ کے لیے بھی غصب زمین کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر وہ زمین سرکاری ہو، اور سرکاری طور پر اس طرح کا قبضہ تسلیم کر کے اس کا کرایہ لگایا جاتا ہے، تو اس کا استعمال مدرسہ کے طور پر درست ہوگا، اور اس میں نماز بھی درست ہو جاوے گی؛ اگر چہ مسجد نہیں

کہلاسکتی ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی مرمت کے نام رقم منظور کروا کر عیدگاہ میں لگانا

سوال: میری بستی کے ایک غیر مسلم سرپنچ صاحب اپنے سیاسی مفاد کے خاطر مسجد کی مرمت کے نام سے حکومت کو درخواست دے کر ۲۵/ہزار روپیے منظور کرواتے ہیں، جب کہ ہماری مسجد نئی تعمیر شدہ ہے، اور ہماری طرف سے کسی نے ان کو رقم منظور کرانے کے لیے نہیں کہا، اب وہ اس رقم سے عیدگاہ کی زمین میں بور کروانا چاہتے ہیں اور کچھ عیدگاہ کی حد بندی کروانا چاہتے ہیں، اور یہ کہہ رہے ہیں کہ میں یہ کام کرواؤں گا تو میری ایک یادگار رہے گی، کہ میرے سرپنچ رہنے کے زمانے میں عیدگاہ میں یہ کام ہوا ہے، کیا اس رقم سے عیدگاہ کی حد بندی اور عیدگاہ میں بورڈ لوانے کی ان کو اجازت دینا درست ہے یا نہیں؟ شرعی اعتبار سے ایسی رقم کا استعمال کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پچیس ہزار کی وہ رقم جب عیدگاہ کے لیے منظور ہی نہیں ہوئی ہے تو اس رقم سے عیدگاہ کی حد بندی اور اس میں بورڈ لوانا شرعاً درست نہیں ہے، اس کو ایسا کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۵/ذی القعدہ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

کھانا کھلانے اور مسجد کی توسیع میں تقابل کے وقت ترجیح

سوال: ایک صاحب بڑی رقم خرچ کر کے اللہ کے نام پر کھانا پکا کر مہمانوں، رشتے داروں، دوست واحباب، غریبوں، یتیموں، بیواوں، مسکینوں، ناداروں کو کھانا کھلا کر اس کا ثواب والدین کی روح کو پہنچانا چاہتے ہیں؛ لیکن اس وقت اس شہر میں ایک مسجد کی توسیع وتعمیر کا کام تیزی سے جاری ہے؛ تاکہ کام جلد از جلد پورا ہو، کام بڑا ہے اور اس کے لیے بڑی رقم کی ضرورت ہے، اسلام دشمن فرقہ پرست اس کام کو بند کرانے میں کوشاں ہیں، اس تعمیری کام کے مسلمان ذمہ داروں نے اللہ کے بھروسے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر کام پورا کرنے کا پکا ارادہ کیا ہے، دعا ہے: اللہ ان کی نصرت فرمائے، آمین۔ فرقہ پرست آج تک کامیاب ہوئے نہیں، اور آئندہ بھی ناکام ہی رہیں گے ان شاء اللہ۔ کھانا کھلا کر والدین کی روح کو ثواب پہنچایا جائے یا وہی رقم اس مسجد کی توسیع وتعمیر میں صرف کی جائے؟ کس کام کو کرنے سے مقصد پورا ہوگا؟ کھانا کھلانے سے یا تعمیر میں خرچ کرنے سے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کھانا پکوا کر غریبوں، محتاجوں، یتیموں، بیواوں وغیرہ کو کھلانا موجبِ اجر اور باعثِ ثواب ہے، احادیث میں اس کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، اور اس کارِ خیر سے حاصل شدہ ثواب دوسرے کو بخشنا چاہے تو اس کی بھی اجازت وفضیلت ہے۔ مسجد کی تعمیر وتوسیع میں حصہ لینا بھی موجبِ اجر اور باعث ثواب ہے، اور اس حیثیت سے کہ مسجد ایک زمانے تک باقی رہنے والی ہے اور اس وقت تک جتنے بھی لوگ اس

میں نماز پڑھیں گے تعمیر وتوسیع میں حصہ لینے والے کو ثواب برابر ملتا رہے گا، یہ ثواب صدقۂ جاریہ ہے، خصوصاً جب کہ بہ حالت موجودہ اس کی شدید ضرورت ہے، جہتِ ثواب اس میں بڑھ جاتی ہے، اس اعتبار سے اس کارِ خیر کو پہلی صورت پر فوقیت حاصل ہے، اور ایصال ثواب کرنے والے کا مقصد اس دوسری صورت میں پہلے کے مقابلے میں زیادہ کامل ومکمل طریقے پر حاصل ہوگا۔ یہ تفصیل ان صاحب کے سامنے رکھی جائے اور کوئی جبر، دباؤ، شرم میں ڈالے بغیر وہ بہ رضا ورغبت دوسری صورت اختیار کرتے ہوئے اس کے لیے رقم دیں تو قبول کرلی جائے، اور ان پر کوئی تنقید یا گرفت نہ کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۵/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

مسجد اور مدرسے کے چندے سے تنخواہ دینا

سوال: مسجد یا مدرسے کے لیے جو چندہ کیا جاتا ہے اس میں سے اگر امام صاحب یا امامِ تراویح کو تنخواہ دی جائے تو درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کے لیے کیا جانے والا چندہ اگر صرف تعمیر کے لیے ہے تو اس میں سے امام کی تنخواہ دینا درست نہیں، اور اگر مسجد کی تمام ضروریات کے لیے ہے تو اس میں سے امام کی تنخواہ دے سکتے ہیں۔ تراویح پڑھانے پر اجرت کا لینا اور دینا دونوں منع ہے۔ یہی حکم مدرسے کے چندے کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۲/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

قیامِ مدرسہ کی نیت سے خریدی ہوئی زمین بیچ کر مسجد بنانا

سوال: زید نے ایک زمین اپنی ذاتی رقم سے ایک مدرسہ قائم کرنے کی نیت سے خریدی، اور چند معتبر لوگوں کے نام پر اس زمین کی خریداری کی؛ مگر کچھ حالات ایسے پیش آئے کہ مدرسہ بنانے کی نوبت نہ آسکی، اس کے بعد زید نے متولیوں کے مشورہ سے یہ طے کیا کہ: اس زمین کو فروخت کر کے اس رقم سے مسجد بنوادی جائے، چناں چہ اس زمین کو بکر نے ۴۵ ہزار روپے میں خرید لیا اور دس ہزار روپیہ بھی ادا کر دیے۔ واضح رہے کہ بکر بھی متولیوں میں سے ایک متولی ہے، باقی رقم ادا کرنے کے لیے بکر نے زید سے کہا کہ: پہلے تمام متولیوں کی اجازت کے دستخط شدہ کاغذ لاؤ؛ تاکہ آگے کوئی قانونی دقت پیش نہ آئے، زید نے متولیوں کے دستخط شدہ کاغذ کو پیش نہیں کیا، جس کی وجہ سے بکر نے رقم بھی نہیں دی، کچھ عرصہ کے بعد زید نے بکر سے کہا کہ: زمین کی قیمتیں بڑھ رہی ہے؛ اس لیے میں ۴۵ ہزار میں نہیں دوں گا، تو زید اور بکر نے ایک ثالث کی موجودگی میں مزید دس ہزار روپیہ کا قیمت میں اضافہ کر دیا، اور ۵۵ ہزار روپیہ طے ہوئے، اس کے بعد بکر نے زید سے پھر کہا کہ: تمام متولیوں کے دستخط لیجیے مگر زید نے دستخط لا کر نہیں دیے، اس کے بعد زید نے بکر کو اطلاع دیے بغیر وہ زمین دوسری جگہ بیچ دی، اور اس رقم سے مسجد بنوادی، بعد میں زید نے اس واقعہ کی اطلاع بکر کو دی، بکر نے زید سے کہا کہ: میرے دس ہزار روپیہ واپس کر دو؛ لہٰذا زید نے دو سال کے بعد دس ہزار روپیہ بکر کو واپس کر دیے، ایک عرصہ گزر جانے کے بعد بکر کو معلوم ہوا کہ زید نے پوری زمین نہیں بیچی تھی؛ بلکہ ایک حصہ ویسے ہی بغیر فروخت کیا ہوا موجود ہے،

اور وہ بغیر فروخت کیا ہوا حصہ بکر کے اور خالد کے (جو کہ متولی بھی ہے) نام سے قانونی طور پر مندرج ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ زمین کا وہ غیر فروخت کیا ہوا حصہ کس کی ملکیت میں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید نے مدرسے کی نیت سے زمین خریدنے کے بعد اس کو مدرسہ کے لیے وقف بھی کر دیا تھا، تب تو وہ زمین مدرسہ کے لیے وقف ہو چکنے کی وجہ سے اس کا فروخت کرنا درست نہیں ہوا؛ اس لیے کہ وقف کی بیع باطل ہے، اور اگر خریدنے کے بعد ابھی تک وقف نہیں کیا تھا اور بکر کو فروخت کی، تو یہ بیع درست ہو کر اس زمین کا مالک بکر ہو چکا، اب زید کے لیے اس زمین کو دوسری جگہ بیچنا جائز نہیں تھا، پھر بھی جب اس نے وہ بیچ دی تو اس کا یہ بیچنا بکر کی اجازت پر موقوف تھا، اگر بکر نے اجازت دے دی تھی تو وہ بیع مکمل ہوگئی؛ لیکن اس کی قیمت جو اس فروخت سے حاصل ہوئی اس کا حق دار بکر ہے، زید نہیں؛ اس لیے زید کا اس رقم سے مسجد بنوانا درست نہیں تھا، اب جب کہ وہ اس رقم کو مسجد بنوانے میں لگا چکا تو وہ اتنی رقم اپنی جیب سے بکر کو ادا کرے؛ البتہ اس میں سے اپنی وہ رقم جو بکر پر باقی ہے وضع کر سکتا ہے، اور اب جب کہ یہ معلوم ہوا کہ اس زمین کا ایک حصہ فروخت نہیں ہوا تھا تو اس حصے کا مالک اب بھی بکر ہی ہے، زید نہیں، زید کو چاہیے کہ وہ زمین بکر کے حوالے کر دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷ رشوال المکرم ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

قدیم عیدگاہ میں ملکیت کا دعویٰ

سوال: ایسی عیدگاہ جس کی ملکیت کا مسلمانوں کے پاس تحریری کوئی ثبوت نہیں ہے، سوائے اس کے کہ مسلمان یہاں پر برسوں سے نماز عیدین ادا کرتے آرہے ہیں، ایک اہل ہنود جس کی یہاں عیدگاہ کے ہر چہار سمت زراعتی زمین ہے، دعویٰ کرتا ہے کہ: عیدگاہ کی زمین میری ہے، ہمارے باپ دادا نے مسلمانوں کو صرف عیدین کی نماز پڑھنے کی اجازت دے رکھی ہے؛ اس لیے ہم بھی عیدین کی نماز سے نہیں روکتے ہیں؛ مگر زمین کی ملکیت ہماری ہی رہے گی۔

نوٹ: عیدگاہ کی موجودہ جگہ نمازیوں کے لیے ناکافی ہورہی ہے، بہ ایں مجبوری اہل ہنود کی زراعتی زمین پر بھی صف بندی کرنی پڑتی ہے، فصل ہونے کی صورت میں نماز ادا کرنے اور جانے آنے سے فصل کا نقصان بھی ہورہا ہے، جس کی وجہ سے کبھی بھی عین نماز کے وقت ادائیگیٔ نماز میں خلل پیدا ہوسکتا ہے۔ ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے عیدگاہ کی شرعی حیثیت کی مکمل وضاحت فرمائیں۔

نیز یہ بھی بتائیں کہ اس عیدگاہ کی زمین کو جس کا مدعی غیر مسلم ہے، اس کو سپرد کرکے دوسری جگہ عیدگاہ بنالینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسلمان جب اس پر برسوں سے عید کی نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں، اور وہ جگہ عیدگاہ کے نام سے مشہور ہے اور قبضہ بھی مسلمانوں کا ہے، تو پھر اہل ہنود کا یہ دعویٰ کہ یہ زمین میری ہے بغیر ثبوت کے قابل قبول نہیں ہے، اپنی ملکیت کا ثبوت پیش کرنا اس

کی ذمہ داری ہے، مسلمانوں کے لیے تو اس کا بہ طور عیدگاہ استعمال ہونا اور قبضہ یہی کافی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱ رشوال المکرم ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

عیدگاہ کی زمین میں اسپتال وغیرہ بنانا

سوال: ایک شہر میں عیدگاہ ہے جہاں عیدین کے علاوہ کوئی نماز نہیں پڑھی جاتی، یہ جگہ کل پچیس ہزار اسکویر فٹ ہے، جس میں سے درمیان میں ۲۵×۲۵ فٹ تعمیر شدہ ہے، باقی میدان ہے، اس عیدگاہ پر حکومت کی نظر ہے، چاہتی ہے کہ کھیل کود کا میدان یا گارڈن بنادے، ذمہ دارانِ حکومت یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم تمہیں نماز ادا کرنے دیں گے؛ مگر یہ ان کا صرف وعدہ ہی وعدہ ہے، اس عیدگاہ کے تین ذمہ دار (متولی) ہیں اس صورت حال میں متولی حضرات چاہتے ہیں کہ دیگر چار مسلمان ٹرسٹی بنا کر کل سات افراد کی کمیٹی بنائیں اور اہلِ خیر مسلمان کا تعاون لے کر حکومت کے قبضہ کرنے سے قبل رفاہِ عام کے لیے مسلم دواخانہ کھول دے، تحتانی حصہ خالی چھوڑ دیا جائے اور ستونوں پر عمارت اوپر کے حصہ میں ہو، نیچے گاڑیاں پارک ہو اور عیدین میں نماز بھی پڑھی جاسکے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

① کیا عیدگاہ بھی مساجد کے حکم میں ہے؟

② (بصورت اثبات) مجبوری کے سبب اس کو دواخانہ میں تبدیل کردیں تو جائز ہے؟

③ متولی حضرات بغیر قیمت لیے تبدیل کرکے رفاہِ عام کے لیے دے دیں تو

شرعاً گنہگار تو نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عیدگاہ کی یہ زمین اگر عیدگاہ کے لیے وقف کی گئی ہے تو اس میں دواخانہ کھولنا یا اور کسی کام میں (چاہے وہ رفاہِ عام کا ہی کیوں نہ ہو) استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ اور اگر یہ زمین وقف نہیں ہے؛ بلکہ حکومت کی طرف سے عید کی نماز کے لیے دی گئی (جیسا کہ بہت سی جگہوں پر اس قسم کی عیدگاہ ہوتی ہے) تو اس کے اوپر کے حصہ میں ہسپتال بنایا جاسکتا ہے، اور نیچے کھلا رہنے دیا جائے؛ تاکہ نماز عید کے لیے استعمال ہوسکے، اس صورت میں اس کے اوپر ہسپتال بنانے سے متولی حضرات گنہگار نہیں ہوں گے۔ وقف والی صورت میں اس کے چاروں طرف دیوار وغیرہ قائم کرکے اس کی حفاظت کا ایسا بندوبست کرنا کہ حکومت کھیل کا میدان یا گارڈن نہ بنا سکے ضروری ہے، بصورت غفلت متولی حضرات گنہگار رہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰ر جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی رقم مدرسہ کے کاروبار یا دیگر امور میں استعمال کرنا

سوال: کیا مسجد کا پیسہ مدرسہ کے کاروبار یا دیگر مدرسہ کی ضروریات میں استعمال کرسکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً اساتذہ کی تنخواہ وغیرہ میں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نہیں۔ وإن اختلف أحدهما بأن بنى رجلان مسجدين أو رجل

مسجد ومدرسة ووقف عليهما أوقافا لا يجوز له ذلك (درمختار على هامش الشامی ۴۰۸/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کی کتابیں دینی ادارے میں دینا

سوال: ہماری مسجد جو کہ ایک دیہات میں واقع ہے ایک صاحب نے تفسیر حقانی کا مکمل ایک سیٹ رکھا ہے مگر اس کو کوئی پڑھنے والا نہیں ہے۔ جب سے رکھی ہے آج تک بالحلف یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کو کسی نے پڑھا نہیں ہے اب ان صاحب کا ارادہ یہ ہے کہ اسے کسی دینی ادارہ میں دینا چاہیے۔ جہاں اس کا صحیح مصرف مل جائے۔ تو اب اس کی کیا شکلیں ہو سکتی ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جن صاحب نے مسجد میں وہ سیٹ پڑھنے کے لیے رکھا تھا وہ خود اگر صورت مسئولہ میں اس کو وہاں سے ہٹا کر کسی ادارہ میں (جہاں اس سے استفادہ ہو) رکھنا چاہیں تو رکھ سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ ۲۵/ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک مد کی رقم دوسرے مد میں استعمال کرنا

سوال: شرع کے رو سے مسجد کے احاطے میں امام مسجد یا ٹرسٹ کے عہدے

داران اوران کے اہل وعیال اور فیملی کے لیے مناسب آرائشی وآرام دہ رہائش کی تعمیر اور ایسی تعمیر پر مسجد کے ٹرسٹ کے فنڈ سے اخراجات کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اِن تمام امور کا مدار واقف کی اجازت پر ہے، اگر اس نے اجازت دی ہے تو درست ہے؛ ورنہ نہیں، جو فنڈ جس کام کے لیے دینے والے نے دیا ہے اسی مد میں استعمال کیا جائے، دوسرے مد میں اس کا استعمال جائز نہیں ہے، یہاں تک کہ جو رقم امام کی تنخواہ کے لیے دی گئی ہو اس کا مؤذن کی تنخواہ میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ذی القعدہ ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

تنخواہ دار مدرس کا مسجد میں درس دینا

سوال: جامعہ ہذا میں طلبہ کی تربیت کے لیے نفلی اعتکاف میں بیٹھنے کا نظام ہے، ہر جماعت دس روز کے اعتکاف میں بیٹھتی ہے، میمنی مسجد کے بیرونی حصہ میں مسجد کی نیت نہیں ہے، مہتمم صاحب نے بتایا ہے کہ وہ مسجد سے خارج ہے، تو کیا نفلی اعتکاف کو عذر بنا کر تنخواہ دار مدرس کے لیے اندرونِ مسجد درس دینا صحیح ہے؟ جب کہ بلا عذر تنخواہ دار مدرس کے لیے مسجد میں پڑھانا فتاویٰ محمودیہ (۱۸/۱۳۸) فتاویٰ رحیمیہ (۵/۲۰۳) سے مکروہ اور احسن الفتاویٰ (۶/۴۵۸) سے ناجائز سمجھ میں آرہا ہے، اور اگر نفلی اعتکاف کو عذر مان کر مسجد میں پڑھانا جائز ہو تو بہتر کیا ہے؟ برائے کرم مدلل

جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تنخواہ دار مدرس کا مسجد میں بیٹھ کر درس دینا- جیسا کہ آپ نے سوال میں لکھا ہے- مکروہ ہے؛ البتہ یہ صورت ممکن ہے کہ مدرس مسجد کے اُس حصہ میں جو خارجِ مسجد ہے بیٹھ کر درس دے، اور طلبہ اندرونِ مسجد بیٹھ کر درس سنیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/۸/۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ضرورت پوری ہونے کے بعد بھی جبراً چندہ وصول کرنا

سوال: ① یہاں مسلمانوں کی ایک تنظیم نے مل کر ایک قطعہ زمین خرید کر اس پر بنیادی مسجد تعمیر کرنے کا پروگرام بنایا اور ممبر سے ایک سو پونڈ چندہ لینا مقرر کیا چناں چہ بہت سے لوگوں نے یہ رقم پوری بہ یک وقت دے دی بعضوں نے تھوڑا تھوڑا کر کے پوری رقم دے دی بعضوں کی تھوڑی بہت رقم آئی کچھ باقی رہی اور بعضوں نے بالکل نہیں دی اسی درمیان میں ایک صاحب خیر نے تعمیر مسجد کے لیے بقیہ جو رقم درکار تھی وہ سب اپنی طرف سے دے دی اور مسجد تعمیر ہوگئی اب جن لوگوں نے صرف بنیادی مسجد کی تعمیر کے لیے سو پونڈ دینے کا وعدہ کیا تھا اور کسی وجہ سے وہ رقم ادا نہیں کر سکتے تھے ان لوگوں سے جماعت کے ذمہ دار حضرات نے بقیہ رقم وصول کرنے کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا جن لوگوں نے سو پونڈ دینے کا وعدہ کیا تھا وہ رقم دینے سے انکار کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو صرف تعمیر مسجد کے لیے رقم دینے کا وعدہ کیا تھا وہ تو تعمیر

ہو چکی صاحب خیر نے بقیہ رقم دے دی تھی اب وہ مصرف رہا نہیں اس لیے اب وہ رقم نہیں دیں گے۔

سوال دریافت طلب یہ ہے کہ جماعت کے ذمہ دار حضرات جبراً اس رقم کے وصول کرنے کا مطالبہ کر سکتے ہیں؟ اور جن لوگوں نے سو پونڈ دینے کا وعدہ کیا تھا اب بھی ان کو وہ وعدہ پورا کرنا ضروری ہے جب کہ مصرف رہا نہیں؟ جماعت کے ذمہ دار حضرات نے جبراً ان سے رقم وصول کر لی تو چندہ دہندگاں کی اجازت اور خوش نودی کے بغیر یہ رقم کسی اور مد میں استعمال کی جا سکتی ہے؟

(۲) مسجد سے متصل بالکل سامنے ایک شراب خانہ برائے فروخت رکھا گیا جماعت کے منتظمین حضرات نے ضرورت کے پیش نظر اس کو خریدنے کا فیصلہ کیا اور ہر ممبر سے دو سو پونڈ چندہ لینا طے کیا بہت سے ممبران نے یہ رقم ادا کی بعضوں نے تھوڑی تھوڑی کر کے پوری رقم دے دی اور بعضوں نے نہیں دی اسی دوران میں ایک صاحب خیر نے شراب خانہ خریدنے کے لیے بقیہ جو رقم درکار تھی وہ سب اپنی طرف سے دے دی اور شراب خانہ خریدا جا چکا اب جن لوگوں نے صرف شراب خانہ خریدنے کی غرض سے رقم دینے کا وعدہ کیا تھا اور وہ کسی وجہ سے رقم ادا نہیں کر سکتے تھے جماعت کے ذمہ دار حضرات نے ان سے وہ رقم وصول کرنے کا مطالبہ شروع کر دیا جن لوگوں نے رقم دینے کا وعدہ کیا تھا وہ رقم دینے سے انکار کرتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو صرف شراب خانہ خریدنے کی غرض سے رقم دینے کا وعدہ کیا تھا اور وہ تو خریدا جا چکا صاحب خیر نے خریداری کی بقیہ رقم ادا کر دی اب ہم کیوں دیں۔

اب سوال دریافت طلب یہ ہے کہ جماعت کے ذمہ دار حضرات جبراً ان سے رقم

وصول کرنے کا مطالبہ کر سکتے ہیں اور جن لوگوں نے رقم دینے کا وعدہ کیا تھا کیا اب ان کو وہ وعدہ پورا کرنا ضروری ہے جب کہ وہ مصرف رہا نہیں؟ امید ہے کہ تسلی بخش جواب دے ممنون فرماویں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ایک مخصوص اور متعین مسجد کی تعمیر کے لیے چندہ دینے کا جو وعدہ کیا تھا وہ مسجد کسی صاحب خیر کی اعانت سے تعمیر ہو چکی تو اب اس عمل کے نہ رہنے کی وجہ سے وعدہ کرنے والے حضرات شرعاً ایفائے وعدہ کے مکلف نہیں رہے اب ذمہ داران مسجد کا ان سے ایفائے وعدہ کا مطالبہ درست نہیں اور ان کا جبراً اس رقم کو وصول کرنا اور دوسرے مصرف میں استعمال کرنا جائز نہیں۔ لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیبة من نفسه (سنن الدار قطني ۲۵۳)

② صورت مسئولہ میں بھی جبراً وصول کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷ محرم الحرام ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مسجد کی دکانیں کرایہ پر مع ڈپازٹ دینا

سوال: ہماری مسجد کے برآمدے میں ردکانیں بہ غرض آمدنی تعمیر کی گئیں ہیں جن کو بہ طور اجارہ کے دینا چاہتے ہیں تو کیا عرف عام کے مطابق ڈپوزٹ لے کر اور کرایہ طے کر کے عقد اجارہ کرنا صحیح ہے یا نہیں اور کرایے میں قلت و کثرت سے صحت وفساد پر اثر پڑے گا یا نہیں اور مذکورہ بالا شکل رہن میں داخل ہے تو کیسے؟ اور نہیں ہے

تو پھر اس عقد کو شرعی اصولوں کی میزان میں کیا مفہوم کیا جانا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ماہانہ کرایہ طے کر کے عقد اجارہ پر دیا جاسکتا ہے ڈپازٹ لینے کا مقصد یہ ہے کہ کرایہ دار بسا اوقات مکان کو نقصان پہنچا دیتا ہے بعض اوقات بجلی گیس وغیرہ کے واجبات چھوڑ کر چلا جاتا ہے جو مالک مکان کو ادا کرنے پڑتے ہیں اس کے لیے کرایہ دار سے زرضمانت (ڈپازٹ) رکھوایا جاتا ہے ورنہ اگر پورا اعتماد ہو تو زرضمانت کی ضرورت نہ رہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۶/ ۱۴۰)

ڈپازٹ کی رقم امانت ہوتی ہے اس کا استعمال کرنا درست نہیں البتہ اگر مالک اجازت دے دے تو استعمال کرنا درست ہے لیکن اس صورت میں یہ قرض کہلائے گا اور اس کی وجہ سے کرایہ کی مقدار میں کمی رکھی گئی ہو تو جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

غیر مسلم کا مسجد میں سیاسی امور کے خاطر آنا

سوال: یہاں برطانیہ میں بفضلہٖ تعالیٰ اکثر جگہوں میں مساجد تعمیر ہو رہی ہیں، تعمیری کام مکمل ہو جانے اور مسجد کے باقاعدہ افتتاح کے بعد غیر مسلم مرد اور عورت مسجد دیکھنے کے لیے آتے ہیں، مسجد کے جماعت خانہ میں بھی گھوم پھر کر دیکھتے ہیں، اسی طرح یہاں الیکشن اور انتخابات کے موقع پر کسی پارٹی کا غیر مسلم امیدوار جمعہ کے روز بعد نماز جمعہ مسجد کے جماعت خانہ میں ممبر کے قریب کھڑے ہو کر اپنی پارٹی کی

پالیسی وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے، اور اس کے بعد لوگوں سے اپنے حق میں ووٹ کی اپیل کرتا ہے۔

اسی طرح یہاں ایک مسجد میں جماعت خانہ سے ملحق ایک کمرہ ہے جس میں جماعت خانہ کی طرح صفیں بچھی ہوئی ہیں، اس کمرہ میں باہر سے آنے والی جماعتیں ٹھہرتی ہیں، کھانا وغیرہ بھی اسی کمرہ میں بیٹھ کر کھاتی ہیں، اس کمرہ کے دو دروازے ایسے ہیں جس میں سے ایک دروازہ مسجد کے جماعت خانہ کی طرف کھلتا ہے، اور دوسرا دروازہ مسجد کے صحن کی طرف کھلتا ہے، جس وقت نمازی زیادہ ہوتے ہیں اس وقت اس کمرہ میں بھی مصلی باجماعت نماز پڑھتے ہیں، اس کمرہ میں منتظمینِ مسجد عیدالاضحیٰ یا کسی اور اسلامی تہوار کی مناسبت سے جلسہ منعقد کرتے ہیں جس میں مقامی مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم سیاسی لیڈران اور غیر مسلم قوموں کے سربراہوں کو دعوت دے کر بلاتے ہیں، اب یہ غیر مسلم کبھی اس دروازہ سے جو جماعت خانہ کی طرف پڑتا ہے جماعت خانہ میں سے گزرتے ہوئے باہر جاتے ہیں، یہ غیر مسلم مرد اور عورت کس حال میں ہوتے ہیں معلوم نہیں؟

کیا غیر مسلم مرد اور عورت مسجد میں جماعت خانہ میں آسکتے ہیں؟ جب کہ کتبِ فقہ میں جنبی اور حائضہ کے لیے مسجد میں آنے کی ممانعت آئی ہے، آیا یہ حکم صرف مسلمانوں کے لیے خاص ہے یا بلا کسی قید مسلم وغیر مسلم سب کے لیے یکساں ہے؟

آج کل یہاں غیر مسلموں کو مسجد میں بلانے کا رواج عام ہوتا چلا جارہا ہے؛ جب کہ یہاں اس قسم کے جلسہ منعقد کرنے کے لیے کرایہ پر ہال بآسانی مل سکتے ہیں، اس لیے مفصل جواب مطلوب ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فقہ حنفی کے بموجب غیر مسلم کا مسجد میں داخلہ درست ہے، چاہے وہ حالتِ جنابت میں ہی کیوں نہ ہو۔

درمختار میں ہے: وجاز دخول الذمي مسجدا مطلقاً الخ وفی الشامية:(قوله: وجاز دخول الذمي مسجدا) ولو جنبا كما فی الأشباه، وفی الهندية عن التتمة: يكره للمسلم الدخول فی البيعة والكنيسة، وإنما يكره من حيث أنه مجمع الشياطين لا من حيث أنه ليس له حق الدخول اهوانظر هل المستأمن ورسول اهل الحرب مثله ومقتضى ا ستدلالهم على ا لجواز بإنزال رسول اللهﷺ وفد ثقيف في المسجد جوازه ويحرر ط(شامی ٥/ ٢٧٤)

البتہ الیکشن اور انتخابات کے موقعہ پر مسجد کو سیاسی پلیٹ فارم کے طور پر استعمال کرنا چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم درست نہیں؛ اس لیے کہ مسجدیں دنیوی الیکشنوں کے لیے نہیں بنائی گئیں، ایسے کام مسجد میں نہ کئے جائیں، جو ایسا کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ (فتاوی محمودیہ ١٥/ ١٨٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ٨/ صفر ١٤١٨ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تبلیغ کے لیے کافر کو مسجد میں بلانا

سوال: کافر کے لیے مسجد میں آنے کا کیا حکم ہے؟ اگر تبلیغ کی نیت سے ان کو مسجد میں بلایا جائے تو کیسا ہے؟ کیا مرد و عورت اس میں برابر ہیں؟ ہمارے یہاں

ایک صاحب کافر مردوں اور عورتوں کو مسجد میں بلا کر تبلیغ کرتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حنفیہ کے نزدیک کسی مقصد خیر کے لیے کافر کو مسجد میں داخل ہونے کی اجازت ہے؛ البتہ بلا ضرورت شدیدہ ایسا نہ کرنے دیا جائے، تبلیغ اگر بیرون مسجد کما حقہ ممکن نہ ہو تو اس کے لیے ان کو مسجد میں دعوت دی جاسکتی ہے؛ البتہ آداب مسجد کی رعایت ضروری ہوگی۔

و قال أصحابنا: يجوز للذمي دخول سائر المساجد. (أحكام القرآن للجصاص ٣ /٨٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مظالم کے خلاف احتجاج میں مسجد کو مقفل کرنا

سوال: کیا کسی مسجد کے امام ومتولی کے لیے شرعاً یہ جائز ہے کہ حکومت کے مظالم کے خلاف احتجاج کرنے کی غرض سے شہر کی جامع مسجد کو مقفل کردے اور عام مسلمانوں کو اس میں جمعہ اور جماعات کے قیام سے روک دے؟ کیا یہ فعل قرآن پاک کی آیت ﴿ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه وسعى فى خرابها﴾ کے تحت نہیں آتا؟ نیز اپنی مرضی کے مطابق قرآن پاک کی اس صریح نص کے خلاف فتویٰ حاصل کرنے کے لیے مفتیان کرام پر جبر وزیادتی کرنا، اور انھیں مرعوب کرکے فتویٰ حاصل کرنا روا ہے؟ ایسے امام ومتولی اور ان کے حامیوں کا از روئے شرع کیا حکم ہے؟ مدلل جواب تحریر فرما کر مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کی جائے اور

اجر وثواب حاصل کیا جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کے مظالم کے خلاف احتجاج کرنے کی غرض سے مسجد کو مقفل کرنا اور عوام مسلمین کو اس میں جمعہ وجماعات کے قیام سے روکنا جائز نہیں، یہ فعل آیت کریمہ ﴿ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر فیها اسمه وسعی فی خرابها﴾ میں داخل ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ''دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مسجد میں ذکر ونماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز وحرام ہیں، ان میں سے ایک صورت تو یہ کھلی ہوئی ہے ہی کہ کسی کو مسجد میں جانے سے یا وہاں نماز وتلاوت سے صراحۃ روکا جائے''۔ (معارف القرآن ۱/۲۹۹)

تفسیر قرطبی میں ہے: وعلی الجملة فتعطیل المساجد عن الصلاة واظهار شعائر الاسلام فیها خراب لها (۲/۷۷) مساجد کو نماز اور اس میں شعائر اسلام کے اظہار سے معطل کر دینا اس کو ویران کرنا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں صراحت فرمائی ہے کہ نماز باجماعت نماز جمعہ بھی شعائر میں داخل ہے وہ فرماتے ہیں: ''وشعائر دراصل جمع شعیرہ ست یا جمع شعارہ است بہ معنی علامت وشعائر اللہ، درعرف دین مکانات واز منہ وعلامات واوقات عبادت را گویند، اما مکانات عبادت پس مثل کعبہ و عرفہ مزدلفہ و جمار ثلاثہ وصفا ومروہ ومنی وجمیع مساجد اند۔ واما از منہ پس مثل رمضان و اشہر حرم وعید الفطر وعید الاضحیٰ وجمعہ وایام تشریق اند۔ واما علامات پس مثل اذان

واقامت وختنہ ونماز بجماعت ونمازِ جمعہ ونماز عیدین اند''۔ (تفسیر فتح العزیز ۷۳۴)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ آیت بالا کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

''ازیں آیت معلوم می شود کہ ہر کہ مسجد را از ذکر ونماز معطل سازد وسعی در خرابی صوری یا معنوی آں کند ظالم ترین مردم است''۔ (۵۵۹) (یعنی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو آدمی مسجد کو ذکر اور نماز سے معطل کردے اور اس کی ظاہری یا باطنی ویرانی کے درپے ہو وہ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ ظالم ہے)۔

آگے مزید تحریر فرماتے ہیں: ''دوم آں کہ ہر کہ از ذکر خدا مانع شود ومردم را از اقامت دین وشعائر شرع بوجہے از وجوہ باز دارد دریں وعید شدید داخل است، ہر مسلمان را ازیں امر احتراز تام باید نمود واز مقدمات ودواعی واسباب قریبہ وبعیدہ ایں کار احتیاط تمام باید کرد''۔ (۵۵۹)

(یعنی جو شخص بھی ذکر خدا سے مانع بنے اور لوگوں کو دین اور شعائر شریعت کے قائم کرنے سے کسی نوع سے بھی باز رکھے اس شدید وعید میں داخل ہے، ہر مسلمان کو اس حرکت سے مکمل احتراز کرنا چاہیے اس کے قریبی اور دور کے اسباب اور دواعی اور مقدمات سے کامل احتیاط کرنا چاہیے)۔

جب اس فعل کا ناجائز وحرام ہونا ثابت ہو چکا تو اس کے لیے مفتیان کرام پر جبر وزیادتی کر کے جواز کا فتویٰ حاصل کرنے کی سعی بھی نہایت درجہ مذموم ہے، ایسے آدمی کو چاہیے کہ اپنی اس حرکت سے باز آجائے اور سچے دل سے توبہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/شوال ۱۴۰۷ھ

آدابِ مسجد

سوال: مسجد کے بیت الخلاء میں نمازی و بے نمازی دونوں بیت الخلاء جاسکتے ہیں یا صرف نمازی آدمی جاسکتا ہے؟ اور اسی طرح نماز کے وقت میں جاسکتا ہے یا نماز کے وقت کے علاوہ بھی جاسکتا ہے؟ اور اسی طرح مسجد میں سونا کیسا ہے؟ اور معتکف کے لیے شرعی مسجد کہاں تک شمار ہوگی؟ اور اسی طرح ایک آدمی جمعہ کے دن سنت پڑھ رہا ہے، اور امام صاحب نے بیان شروع کردیا تو کیا اس طرح بیان کرنا صحیح ہے؟ کیا اس آدمی کو دخل نہیں ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد کا بیت الخلاء نمازیوں کی ضرورت کے لیے بنایا جاتا ہے؛ اس لیے بے نمازیوں کے لیے اس کا استعمال درست نہیں ہے۔ اگر آپ کے یہاں کا عرف اوقات نماز کے علاوہ بھی بیت الخلاء کھلا رکھنے کا ہے، تو اس وقت بھی استعمال کرسکتے ہیں۔ شرعی مسجد کی تحدید بانیٔ مسجد کی نیت کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر بیان کے لیے پہلے سے اعلان ہوچکا ہے اور وقت بھی مقرر کیا جاچکا ہے، تو نمازیوں کو اس کا خیال رکھ کر نماز شروع کرنا چاہیے؛ ورنہ بیان کرنے والے کے لیے نمازی کا خیال کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۲/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

نمازیوں کے ہوتے ہوئے مسجد میں تقریر وتفسیر کرنا

سوال: آج کل جو مساجد میں نمازیوں کے مشغول نماز ہوتے ہوئے تقریر

تفسیر یا دینی مذاکرات جورائج ہورہے ہیں، جس سے نمازیوں کو اپنی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے تو کیا ایسا کرنا ازروئے شرع شریف جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مساجد کی اصل بنا تو فرض نمازوں کی باجماعت ادائیگی کے لیے ہوتی ہے، البتہ بعض امور کو اس کے تابع قرار دے کر ان کی انجام دہی کی بھی اجازت دی گئی ہے، انہیں میں نوافل، ذکر، تدریس، تعلیم، اور تبلیغ بھی ہیں۔

ان المسجد انما بنی للمکتوبة وتوابعها کنافلة وذکر وتدریس علم الخ (در مختار علی هامش الشامی ۶۵۳/۱)

تمام امور کے لیے شریعت مطہرہ نے دو دو آداب بتلائے ہیں، جن کی رعایت ہر ایک پر لازم قرار دی گئی ہے، سنن ونوافل کی ادائیگی کے سلسلے میں اعلیٰ بات تو یہ ہے کہ وہ گھر پر پڑھی جائیں؛ لیکن دور حاضر کی مصروفیات وموانع کے پیش نظر گھر پر پڑھنے کی صورت میں فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو مسجد میں پڑھ لینا چاہیے۔ (کما هو مصرح فی کتب الفقه) اس لیے تقریر وتفسیر یا دینی مذاکرات کرنے والوں کو چاہیے کہ نمازیوں کی اکثریت جب تک فارغ نہ ہو اپنا کام شروع نہ کریں، اس کے بعد بھی کچھ حضرات جو طویل نوافل کے عادی ہوں ان کو چاہیے کہ وہ مسجد کے ایک حصہ میں جا کر اپنا معمول انجام دیں، اور تعلیم وتفسیر والوں کو چاہیے کہ دوسرے حصہ میں وہ اپنا کام کریں، تاکہ ایک کو دوسرے سے شکایت نہ ہو، ورنہ مساجد بھی لڑائی جھگڑوں کی آماجگاہ بن جائے گی۔ (اعاذ نا الله منها)

خلاصہ یہ کہ دونوں فریق اگر سمجھ داری اور دوسرے کی رعایت اور شرعی حدود کا

خیال رکھیں گے تو انشاء اللہ کوئی نزاعی صورت پیدا نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ رجب ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد کے سنگ مرمر کے ٹکڑے گھر میں استعمال کرنا

سوال: ہمارے یہاں ایک نئی مسجد تعمیر کی گئی، اور اس میں سنگ مرمر استعمال کیے گئے، اور سنگ مرمر کے ٹکڑے مسجد کے مکمل تعمیر کرنے کے بعد بچ گئے، تو اب کوئی شخص ان بچے ہوئے ٹکڑوں کو اپنے گھر کی تعمیرات میں مسجد کے متولیان کی اجازت کے ساتھ استعمال کرنا چاہتا ہے، تو کیا اس شخص کو بچے ہوئے ٹکڑے گھر کی تعمیرات میں استعمال کرنا جائز ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو اس کی جواز کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ان بچے ہوئے ٹکڑوں کو قیمت دے کر خرید کر مکان میں استعمال کیا جا سکتا ہے، مفت نہ دیے جاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

قدیم مسجد کی تعمیر نو کے دوران نماز واذان جاری نہ رکھنا

سوال: ہمارے محلہ میں ایک قدیم مسجد ہے نمازیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر انتظامیہ نے پرانی مسجد کو شہید کر کے تعمیر نو کا ارادہ کیا ہے اور اذان ونماز باجماعت کا انتظام سو قدم کی دوری پر کیا ہے دریافت طلب امر یہ ہے کہ دوران تعمیر

پرانی مسجد کی جگہ پر اذان ونماز باجماعت کا اہتمام نہ کیا جائے تو کیا اس صورت میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تعمیر کے زمانے میں مسجد میں اذان اور نماز موقوف کر دینا بالکل مناسب نہیں ہے وقت پر اذان بھی ہونی چاہیے اور جماعت بھی چاہے مختصر ہی سہی جماعت خانہ میں یا احاطۂ مسجد میں جہاں ممکن ہو جماعت کی جائے جن نمازیوں کی اس مسجد میں گنجائش نہ ہو وہ کسی مکان کے بہ جائے دوسری مسجد میں جا کر نماز باجماعت ادا کریں وہاں جماعت ومسجد دونوں کا ثواب ملے گا البتہ اگر شہر میں دوسری مسجد نہ ہو یا ہو مگر بہت دور ہو تو کسی مکان میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں تنہا نہ پڑھیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۹/۲۲۷، ۲۲۸)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۵/ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مسجد کے خراب نلوں کو درست نہ کرنے کا ذمہ دار کون؟

سوال: مسجد کے وضو خانے کے کئی نل اور پائپ خراب کئی روز سے ہیں، مسجد میں روزانہ کئی لوگ نماز کے لیے آتے ہیں، پھر بھی ٹرسٹی، پیش امام، مؤذن، نمازی اس بات پر توجہ (نہیں) دیتے ہیں، پیش امام صاحب سے اس بات کی شکایت کی گئی تو وہ کہتے ہیں، یہ کام.... صاحب کا اور جب... صاحب سے بات کرو تو کہتے ہیں: وقت آنے پر کام ہوگا، یہ بات کو کئی مہینے گذر گئے، جب کہ مسجد مارکیٹ میں ہے۔

مسجد کی آمدنی بھی اچھی ہے، پھر اس گناہ کا ذمہ دار کون؟ نمازی، پیش امام یا ٹرسٹی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وضوخانے کے خراب شدہ نلوں کی درستگی اور خراب شدہ پائپوں کی مرمت یہ وہ امور ہیں جن کا تعلق نظم وانتظام سے ہے، اور نظم وانتظام ٹرسٹی کی ذمہ داری ہے؛ لہٰذا طویل زمانہ تک ان خراب شدہ نلوں اور پائپوں کو درست نہ کرنے کی وجہ سے عنداللہ ٹرسٹی گنہگار اور ماخوذ ہوں گے، اور اگر ٹرسٹی نے اس نوع کے کاموں کی انجام دہی کے لیے مستقل آدمی (تنخواہ دے کر یا بلاتنخواہ) مقرر کیا ہے تو وہ آدمی گنہگار ہوگا، اور اس آدمی کے کام کی نگرانی میں کوتاہی کرنے کی وجہ سے ٹرسٹی بھی گناہ میں شریک قرار دیا جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ العبد احمد خانپوری، ۱۳ر جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مسجد میں مجلس ذکر اور اس میں عورتوں کی شرکت

سوال: ہمارے دیار میں ہماری جماعت کے مشہور عالم، عارف اور اہل اللہ جن کا فیض ہندو پاک، انگلینڈ اور بہت سے ممالک میں جاری ہے، کہ ایک مجاز عالم نے ان کی اجازت سے ذکر کا حلقہ قائم کیا، ہر ہفتہ مسجد میں جب کہ وہ نمازیوں سے اور تلاوت کرنے والوں سے خالی ہو، مردوں کے لیے ذکر کا حلقہ قائم کرتے ہیں، اور مسجد سے کافی فاصلہ پر ایک مدرسہ میں مستورات جمع ہوتی ہیں، مائکروفون کے ذریعہ ان کو ذکر کی تلقین کی جاتی ہے، الحمدللہ اس سے مردوں اور عورتوں میں دین کی طرف

رجحان بڑھ رہا ہے، اور نفع کی صورت پیدا ہو رہی ہے، اگر یہ مرد اور عورتیں گھروں پر ہوتی تو اپنا قیمتی وقت ٹیلی ویژن، ویڈیو اور ایسے خرافات میں ضائع کرتیں۔ بہت سے علما حضرات اس طریقۂ ذکر (مسجد و مدرسہ میں مردوں، عورتوں کے اجتماع کا) کی ہمت افزائی نہیں کرتے۔ اسی طرح ایک اَور مجلسِ ذکر مسجد میں جب کہ وہ نمازیوں اور تلاوت کرنے والوں سے خالی ہو، مسلمانوں کے افادہ کی نیت سے شروع ہونے والی ہے، جس میں ایک عالم مختصر بیان کریں گے، اس کے بعد ختم خواجگان ہوگا، (حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں جس طرح ہوتا تھا، پھر ذکر ہوگا اور بعد میں اجتماعی دعا ہوگی۔ حضرت والا سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ: مذکورہ بالا مجلس کے انعقاد میں شرعاً کوئی قباحت ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ذکر بالجہر بلا اختلاف جائز؛ بلکہ مستحب ہے؛ البتہ کسی عارض کی وجہ سے ممنوع ہوگا، مثلاً نمازیوں یا تلاوت کرنے والوں کو اذیت ہو یا ریا کا خوف ہو؛ تو ایسی حالت میں آہستہ ذکر کرنا چاہیے۔ (فتاوی محمودیہ ۳۹/۶)

اجمع العلماء سلفا وخلفا على استحباب ذكر الله تعالى جماعة فى المساجد وغيرها من غير نكير؛ الا ان يشوش جهرهم بالذكر على نائم او مصل او قارئ قران كما هو مقرر فى كتب الفقه. (طحطاوى على المراقى ١٧٤)

البتہ عورتوں کو ایک مکان میں جمع کر کے اس طرح تلقین ذکر کرنا اور ان کا اجتماعی ذکر کرنا، عورتوں کے سلسلہ میں فقہا کی طرف سے دی گئی ہدایات کے خلاف ہے، جب عورتوں کو فرائض کی جماعت میں حاضری کی اجازت نہیں دی گئی ہے، تو یہ

اس سے بڑھ کر تو نہیں ہے؟ مشائخ کے یہاں ذکر کے واسطے جو حلقہ قائم کیا جاتا ہے وہ ان کے مریدین اور منتسبین کے لیے ہوتا ہے، اس کی حیثیت افادۂ عام وعوام کی نہیں ہوتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ر جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسجد میں بلند آواز سے تلاوت وغیرہ

سوال: مسجد میں بآواز بلند درود یا قرآن پاک یا کوئی اور وظیفہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بآواز بلند پڑھنے سے اگر نمازی وغیرہ کو تشویش لاحق ہوتی ہو تو اجازت نہیں ہے ورنہ پڑھ سکتے ہیں۔ (شامی ۱/ ۴۸۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دو مسجدوں کا چندہ مخلوط ہو جائے تو کیا کریں؟

سوال: ۳۰ر تاریخ کو عبد الغفار عباس پورہ مرحوم کے سوم کے موقع پر چندہ کیا گیا، جس میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی بھی کثیر تعداد تھی، مردوں کے اندر ایک مسجد کے لیے چندہ اکھٹا کیا گیا؛ جب کہ عورتیں ایک مقامی مسجد کے پاس بیٹھی تھیں، ان میں مقامی مسجد کو دکھلا کر چندہ اکھٹا کیا گیا، بھول سے دونوں طرف کا چندہ اکھٹا کر کے

غیر مقامی مسجد کو دے دیا گیا، اس رقم کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ مردوں میں کتنا ہوا، عورتوں میں کتنا ہوا، آپ مسئلہ کے حل کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب سے مستفیض فرمائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں جب یہ معلوم نہیں کہ عورتوں میں کتنا چندہ ہوا اور مردوں میں کتنا ہوا؟ اور نہ یہ معلوم ہے کہ کس کی مقدار زیادہ تھی اور کس کی کم تھی؟ تو اس صورت میں مجموعی چندہ میں سے نصف مقامی مسجد کا اور نصف غیر مقامی مسجد کا قرار دیا جائے گا، اس لیے غیر مقامی مسجد کو جو مجموعی رقم دی گئی تھی اس میں نصف واپس لے کر مقامی مسجد کے حوالہ کی جائے۔

(وماحصله احدهما فله وماحصلاه معا فلهما) نصفين ان لم يعلم ما لكل (درمختار) قوله (وماحصلاه معا) يعنى ثم خلطاه الخ (شامی ۳/۳۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲ رجب ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب أحكام المدارس

صحتِ قرآن کے لیے نورانی قاعدہ اور نورانی استاذ

سوال: ① کیا قرآن شریف کی صحت ضروری ہے؟ یا نورانی قاعدہ پڑھنا ضروری ہے؟

② کیا قرآن شریف کے صحت کے لیے ''نورانی قاعدہ'' ہی پڑھنا، پڑھانا فرض یا واجب ہے؟ یا اور کسی قاعدہ سے بھی قرآن شریف کی صحت کروائی جاسکتی ہے؟

③ مکتب کے اساتذہ کے تقرر کے لیے یہ شرط لگانا کہ ''نورانی قاعدہ'' پڑھا ہوا ہونا چاہیے اور وہ بھی کسی مخصوص درس گاہ ہی سے، کیا اس طرح کی شرط لگانا جائز ہے؟ آج کل مکاتب میں علماء کی تقرری کے لیے یہ شرط عام ہورہی ہے کہ ''نورانی قاعدہ'' ایک مخصوص درس گاہ ہی سے پڑھا ہوا ہونا چاہیے، باوجودیکہ وہ عالم صاحب اپنی مادر علمی میں ''نورانی قاعدہ'' پڑھ چکے ہوتے ہیں، پھر بھی انھیں اس درس گاہ میں داخلہ لینے پر مجبور کرتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟

④ کیا نورانی قاعدہ (جو غیر ذی روح ہے) قرآن شریف کی صحت کا واحد ذریعہ ہے یا استاذ محترم صاحب (جو ذی روح ہیں) سے قرآن شریف کی صحت کرا سکتے ہیں؟

نوٹ: نورانی قاعدہ کا ہم احترام کرتے ہیں اور اس کو مفید جانتے ہیں اور اس کو داخل نصاب کرنے میں ہمیں کوئی اعتراض بھی نہیں ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①② حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رحیمیہ میں تحریر فرماتے ہیں: قرآن کو صحت اور تجوید کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے، تجوید کلام الٰہی سے جدا نہیں ہوسکتی، اگر قرآن مجید سے تجوید جدا ہوگئی تو قرآن مجید اپنی اصلی ہیئت پر باقی نہیں رہے گا، اور اس طرح بے قاعدہ پڑھنے والا گنہ گار ہوگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: رب تال للقرآن والقرآن یلعنه: کتنے لوگ قرآن کو اس طرح پڑھتے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے، اسی لیے امام القراءۃ والتجوید علامہ جزری رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں:

والا خذ بالتجوید حتم لازم		من لم یجود القرآن اثم
لانه به الاله انزلا		وهکذا منه الینا وصلا

یعنی تجوید کا حاصل کرنا اور قرآن کو تجوید کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے جس نے بے قاعدہ اور خلاف تجوید پڑھا وہ گنہ گار ہے؛ اس لیے کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید کو تجوید کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور اسی طرح تجوید کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے۔ لہٰذا قرآن کو تجوید اور قراءت کے ساتھ پڑھا جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۴/ ۲۵۳)

اصولی طور پر یہ بات ذہن نشین رہے کہ مختلف علوم وفنون کی تعلیم کے لیے جو کتابیں تالیف وتصنیف کی جاتی ہیں ان کی حیثیت محض ایک آلہ اور وسیلہ کی ہے، وہ خود مقصود نہیں، مقصود تو وہ علم اور فن ہوتا ہے جس کی تعلیم کے لیے یہ کتاب تصنیف کی گئی ہے، مدارس ومکاتب کے نصابوں میں جو کتابیں تجویز کی جاتی ہیں اس کا بھی مقصود دراصل علم وفن کی تعلیم ہوتا ہے جس کے لیے وہ کتاب ترتیب دی گئی ہے مثلاً فقہ کی تعلیم کے لیے ہمارے مدارس میں قدوری پڑھائی جاتی ہے، ظاہر ہے یہ کتاب بحیثیت کتاب کے مقصود ومطلوب نہیں، بلکہ اس سے مقصود علم فقہ کو حاصل کرنا ہے، اب اگر کسی مدرسہ کے منتظمین وذمہ داران اپنے نصاب میں قدوری کی جگہ پر کوئی اور کتاب علم فقہ کی تجویز کریں تو اس حیثیت سے کہ اس کتاب سے بھی علمِ فقہ اسی طرح حاصل ہوسکتا ہے جس طرح قدوری سے تو ان کے اس فیصلہ پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ دورِ حاضر میں بڑے بڑے جامعات میں علوم وفنون کی تعلیم کا جو طریقہ رائج ہے اس میں تو بطور نصاب کسی خاص کتاب کی کوئی تعیین نہیں کی جاتی ہے بلکہ جو فن سکھلایا

جارہا ہے اس کے مباحث متعین کر کے استاذ کو اس کی تعلیم وتدریس کا پابند کیا جاتا ہے اور یہ بات اس کی صواب دید پر چھوڑ دی جاتی ہے کہ وہ چاہے تو اس فن کی کسی کتاب کو سامنے رکھ کر ان مباحث کو پڑھاوے، چاہے تو اپنے طور پر کوئی مقالہ تیار کر کے اس کے ذریعہ سے تدریسی فرائض انجام دے۔

صحت کے ساتھ قرآن پاک کی تعلیم وتدریس کے سلسلہ میں بھی یہی اصول کار فرما ہے کہ مقصود قرآن پاک کو صحت کے ساتھ پڑھنا ہے، چاہے اس کے لیے جونا طریقہ اختیار کیا جائے؛ اس لیے کسی بھی آدمی کا یہ دعویٰ تو درست نہیں کہ قرآن شریف کی صحت کے لیے نورانی قاعدہ کا پڑھنا، پڑھانا ضروری یا فرض وواجب کا درجہ رکھتا ہے، کیا جن ملکوں میں صحت کے ساتھ قرآن کی تعلیم کا تو نظم ہے؛ لیکن نورانی قاعدہ نہیں پڑھایا جاتا ان کو گنہ گار قرار دیا جائے گا؟ ظاہر ہے کوئی بھی آدمی یہ حکم نہیں لگا سکتا؛ اس لیے یہ بات اپنی جگہ پر یقینی ہے کہ مقصودِ اصلی قرآن پاک کی صحت ہے جس طرح بھی حاصل ہو وہ طریقہ قرآن کی تعلیم وتدریس کے لیے اختیار کیا جائے چاہے وہ نورانی قاعدہ کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں۔

③ اب رہا آپ کا یہ سوال کہ مکتب کے اساتذہ کے تقرر کے لیے نورانی قاعدہ کا پڑھا ہوا ہونا اور وہ بھی کسی مخصوص درس گاہ سے کس حد تک جائز ہے؟ تو دراصل اس کا تعلق انتظامی امور سے ہے چوں کہ مکتب میں بچوں کو قرآن کی تعلیم دینے کے لیے کسی کا تقرر یہ شرعاً عقد اجارہ ہے، اور عقد اجارہ میں مستأجر اپنے جس کام کی انجام دہی کے لیے اجیر کو مقرر کر رہا ہے اس کام کو باحسن وجوہ انجام دینے کی جس میں بھی صلاحیت ہوگی اسی کو اس کے لیے منتخب کرے گا، اب اگر اس کا اپنا تجربہ یہ ہے کہ جو

آدمی فلانی درس گاہ سے نورانی قاعدہ پڑھا ہوا ہو وہ اس کام کو عمدہ طریقہ سے انجام دیتا ہے تو شرعاً منتظم کے لیے کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے یہاں قرآن کی تعلیم کے فرائض انجام دینے کے لیے ایسے آدمی کا انتخاب کرے، یہ ایسا ہی ہے جیسے کسی درس گاہ میں علیا کی کتابیں پڑھانے کے لیے اس درس گاہ کے منتظمین یہ شرط لگائیں کہ ہم اس کام کے لیے اسی کو تجویز کریں گے جس کے پاس عالم کی سند ہو اور وہ بھی دار العلوم دیوبند سے حاصل کی ہوئی، اب اگر ان کی اس تجویز پر کوئی آدمی یہ سوال کرے کہ اگر کسی شخص نے کسی مدرسہ میں داخلہ لیے بغیر خانگی طور پر کسی ماہر عالم سے علم حاصل کیا ہے اور علیا کی کتابوں کی تدریس کے لیے جو صلاحیت اور استعداد مطلوب ہے وہ اس کو حاصل ہے آپ حضرات کیوں اس کو اپنے یہاں نہیں رکھتے اور کیوں یہ ضروری قرار دیتے ہیں کہ اس کے پاس عالم کی سند ہی ہو اور وہ بھی دار العلوم دیوبند ہی سے حاصل کی ہو۔ ظاہر ہے چوں کہ یہ ایک انتظامی معاملہ ہے؛ اس لیے معترض کے اعتراض کو کوئی اہمیت نہیں دی جائے گی اور نہ ہی اس سلسلہ میں جواز وعدم جواز کی بحث کو چھیڑا جائے گا ہاں ان منتظمین سے یہ بات ضرور کہی جاسکتی ہے کہ آپ کا مقصود علیا کی کتابوں کی تدریس ہے اور یہ مقصود آپ کی لگائی ہوئی شرط کے بغیر بھی حاصل ہو رہا ہے تو آپ کو اس پر اصرار نہیں کرنا چاہیے، اور خاص کر علم کے میدان میں اس طرح کی شرطیں تعصب وتحزب کو جنم دیتی ہیں، اور اہلِ علم کی جماعت میں اس کی وجہ سے افتراق وتشتت کی بنیاد پڑتی ہے علم تو ایسی اکائی ہے جس میں کوئی تقسیم نہیں۔

آگے آپ نے سوال میں تحریر فرمایا ہے ”وہ عالم صاحب اپنے مادر علمی میں نورانی قاعدہ پڑھ چکے ہوتے ہیں پھر بھی انھیں اس درس گاہ میں داخلہ لینے پر مجبور کرتے ہیں“

تو اگر وہ عالم صاحب اس طریق تدریس کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں جو اس مخصوص درس گاہ میں نورانی قاعدہ پڑھنے سے مطلوب ہے تو پھر اس طرح ان کو مجبور کرنا فضول اور لغو ہے، اور اگر اپنی مادرِ علمی میں نورانی قاعدہ پڑھنے کے بعد بھی ان میں وہ صلاحیت پیدا نہیں ہوئی ہے تو پھر خود ان عالم صاحب کو چاہیے کہ اپنے اندر اس صلاحیت کو پیدا کرنے کے لیے حضرات منتظمین کی بات کو مان لیں ورنہ معذرت کر دیں کہ میں آپ کے یہاں تدریسی خدمات انجام نہیں دے سکتا، ظاہر ہے اس طرح کی معذرت کے بعد ان کو منتظمین مجبور نہیں کریں گے؛ اس لیے یہ مسئلہ جواز اور عدمِ جواز کا نہیں بلکہ خالص انتظامی معاملہ ہے۔

④ جیسا کہ اوپر کی تمہید میں بتلایا جا چکا ہے کہ نورانی قاعدہ یا اور کوئی دوسرا قاعدہ بذاتِ خود مقصود نہیں بلکہ قرآن کی صحت مطلوب ہے؛ البتہ اگر استاذ جس مدرسہ میں تدریسی فرائض انجام دے رہے ہیں اس کے نصاب میں نورانی قاعدہ داخل ہے تو وہاں پر استاذ محترم کا یہ اصرار کہ میں آپ کے بچوں کو قرآن شریف صحت سے پڑھنا سکھا دینے کا ضامن ہوں نورانی قاعدہ کا مطالبہ مجھ سے نہ کیا جائے کہاں تک درست اور بامعنی ہے؟ وہ ہر آدمی سمجھ سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

مہتمم کے اوصافِ مطلوبہ

سوال: ایک شخص ذاتی داؤد ٹرسٹ کے نام سے مدرسہ چلانا چاہے اور پھر اعلان

ببانگِ دہل کہ مدرسہ کا بارمع طعام وقیام داؤدٹرسٹ برداشت کرے گا؛ البتہ اگر فی سبیل اللہ کوئی دینا چاہے تو قبول کیا جائے گا ورنہ ہم کسی سے چندہ طلب نہیں کریں گے؛ مگر تاسیس ۱۹۸۱ء سال سے ۱۹۸۷ء تک حصر ہو کر عوام الناس سے چندہ لیتے رہے اب تو ۸۶/۸۷ء سال سے خود بانیٔ مدرسہ ابراہیم اور ان کے خدامین؛ نیز خصوصیت سے امیرِ تبلیغ تلوجہ چندہ وصول کرنے کے لیے بیرون پہنچتے رہے حالاں کہ مدرسہ کے لیے بظاہر نہ املاک اور نہ جائداد وقف میں ہے؛ بلکہ داؤدٹرسٹ کتنے لاکھ اور کتنی جائداد کا مالک بنایا گیا ہے، وہ بھی خدائے برتر کو اور انہیں کو علم ہو؛ البتہ ٹرسٹ عدم رجسٹری کی تحقیق مصدقہ شخص معتبر سے موصول ہوئی پھر مزید برآنکہ تختۂ سیاہ پر افتتاح سے آج تک زیرِ اہتمام داؤدٹرسٹ کا نام آویزاں ہے، درسگاہ کرایہ کی عمارت میں ہے، تاسیس جدیدہ کی جگہ دیگر شخص نے زبانی وقف کی ہے، پھر حال اینکہ بانیٔ مدرسہ اور ان کے اپنے ہی دو یا تین چنیدہ ممبران علوم دینیہ سے بالکل ہی نابلد ہیں، یہ کیفیات ہوتے ہوئے بھی بانیٔ مدرسہ ابراہیم نہ علماءِ دین اور نہ بزرگانِ دین کی سرپرستی کی ضرورت محسوس کرے اور نہ مجلسِ شوریٰ اور نہ منتظمہ کمیٹی کو قبول کرے؛ بلکہ اپنے ہی تسلط کا خواہاں ہے تو ایسی ناقابل اعتبار کیفیات کو دیکھتے ہوئے ایک فرد واضح سخن محترم محمد حسین (عرفِ عام محمد سیٹھ) بول بیٹھے ابراہیم یہ کیا ماجرا ہے؟ تم سے میں نے وقتِ اجرا ہی جب سوال کیا کہ ''تم اتنا بڑا کام جو آج کا چھوٹا کل کا بڑا'' اکیلے کیسے تحمل کر پاؤ گے تو تمہاری طرف سے یہ جواب رہا کہ (ہمارے مل سے) یعنی رائس میل کا سالانہ منافع خرچ میں لگادیں گے اور ہم کسی سے مدد طلب نہیں کریں گے اب منافع کی کیا گیارنٹی؟ پھر آپ منافع کے اکیلے مالک تو نہیں بہت چند ہیں، پھر وقت منافع پر ہی بر

قرار ہے یہ کس عمل پر؟ اس لیے کہ زمانہ کے ساتھ جوار بھاٹا ضرور ہے حال اینکہ آپ کا داؤد ٹرسٹ اس مختصر سی تعداد پندرہ یا پچیس افراد کے طعام وقیام اور مدرسہ کی دیگر ضروریات کا بارا گر برداشت نہ کر سکے تو یہ ٹرسٹ کتنا اونچا ہوگا؟ اور پھر اونچا مکان پھیکا پکوان کے مترادف قول وفعل میں یہ امتیاز کیا معنیٰ؟ گویا مدرسہ ہر اعتبار سے سادہ لوح عوام الناس کا محتاج احسان ہے تو کیا مذکورہ بالا متضاد بیان اور ناقص ٹرسٹ کے باوجود ایسا شخص از روئے شریعت مدرسہ چلانے اور چندہ وصولی کا مجاز ہے یا نہیں؟

برائے کرم مدارسِ دینیہ کے ناگفتہ بہ حالات اور نااہل چند ٹکوں کے مولوی صاحبان کو پیش نظر رکھتے ہوئے مفصل جواب مع مہر ثبت کر کے ارسال فرمائیں تا کہ ایسے متضاد بیان دے کر مدرسہ چلانے والوں پر روک لگ جائے؛ اس لیے کہ ٹرسٹ رجسٹری کے لیے گورنمنٹ بزرگی کا تو سرٹیفکٹ نہیں طلب کرتی؛ البتہ شرط ہے کہ قوانین کا پابند ہو۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ٹرسٹ کا معنیٰ ہے وقف، وقف کا لغوی ترجمہ ہے روکے رکھنا، اور شریعت کی اصطلاح میں ھو حبسھا (ای العین) علی حکم ملك اللہ تعالیٰ وصرف منفعتھا علی من احب. (درمختار) ''کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں دیتے ہوئے اس کے منافع کو صرف کرنا (موقوف علیہم پر)'' اس کے شرائط وارکان ہیں جس کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔ سوال میں مذکور تفصیلات سے مترشح ہوتا ہے کہ داؤد ٹرسٹ قائم کرنے والے نے اپنی کسی ملکیت کو وقف نہیں کیا ہے پھر یہ ٹرسٹ کیسا؟ ہاں اگر اس شخص نے اپنی کسی ملکیت کو وقف کر کے اس کے منافع آمدنی سے مدرسہ چلانے کا

ارادہ کیا ہوتا تو اس ٹرسٹ کی گنجائش تھی، پھر جب انھوں نے یہ اعلان اور دعویٰ کیا تھا کہ ہم کسی سے چندہ طلب نہیں کریں گے تو انہیں اپنے اس دعویٰ پر قائم رہنا چاہیے تھا، ارشاد ربانی: ﴿یأیھاالذین آمنوا لم تقولون مالاتفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: مالاتفعلون کے ظاہری معنی تو یہ ہیں کہ جو کام تمھیں کرنا نہیں ہے اس کا دعویٰ کیوں کرتے ہو، جس سے ایسے کام کے دعویٰ کی ممانعت تو واضح ہو ہی گئی جس کو کرنے کا عزم وارادہ ہی انسان کے دل میں نہ ہو کیوں کہ یہ تو محض ایک جھوٹا دعویٰ ہے نام ونمود وغیرہ کے لیے ہوسکتا ہے؛ مگر ظاہر ہے کہ شانِ نزول کے واقعہ میں جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے مذاکرہ کیا وہ ایسے نہ تھے کہ دل میں کچھ کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو اور دعویٰ کریں؛ اس لیے اس کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ اگرچہ دل میں عزم اور ارادہ کام کرنے کا ہو پھر بھی اپنے نفس پر بھروسہ کرکے دعویٰ کرنا کہ ہم فلاں کام کریں گے شانِ عبدیت کے خلاف ہے، اول تو اس کے کہنے ہی کی کیا ضرورت ہے؟ جب موقع ملے کر گزرنا چاہیے اور کسی مصلحت سے کہنا بھی پڑے تو اس کو ان شاء اللہ کے ساتھ مقید کردے تو پھر وہ دعویٰ نہیں رہے گا۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ ایسے کام کا دعویٰ کرنا جس کے کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو اور اس کو کرنا ہی نہ ہو تو گناہِ کبیرہ اور اللہ کی سخت ناراضگی کا سبب ہے، ﴿کبر مقتا عند اللہ﴾ کا مصداق یہی ہے، اور جہاں یہ صورت نہ ہو بلکہ ارادہ کرنے کا ہو وہاں بھی اپنی قوت وقدرت پر بھروسہ کرکے دعویٰ کرنا ممنوع ومکروہ ہے۔

(معارف القرآن ۸/ ۴۲۴)

رہا ایک دینی مدرسہ کا انتظام واہتمام تو ظاہر ہے اس کے حق دار حاملینِ قرآن اور پابند شریعت لوگ ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد کہ مسلمانوں کی رہنمائی وہی کرسکتا ہے جس کی زندگی پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا نمونہ ہو، اور حضرت حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ امت کا اتفاق ہے کہ عالم باعمل مسلمان سیادت وقیادت کا اہل ہے اگر ایسا شخص میسر نہ ہو تو یہ منصب مجبوراً دو شخصوں میں سے ایک کے سپرد کیا جائے گا، عالم فاسق یعنی عالم بے عمل کو، جاہل متقی یعنی بے علم باعمل کو۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۱۶۴)

صرف مالدار ہونے یا امداد کرنے کی بناء پر انسان اہل نہیں ہوسکتا، حضرت مولانا عبدالحی کفلیتوی سورتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گو مہتمم مدارس دولت مند ہیں دنیا کے نشیب وفراز کو بخوبی جانتے ہیں؛ لیکن جب انہوں نے نہ مدارس اسلامیہ دیکھے ہوں، نہ ان کے قوانین انتظام سے کسی طرح واقف ہوں، بھلا بتلایئے بدون مشورہ مدرسین بالاستقلال مدارس کا کیسے انتظام کرسکتے ہیں؟ ایسے انتظام کا آخر کار یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ مدرسہ میں کچھ ایسی بدنظمی ہوجاتی ہے کہ ترقی علوم کے جتنے باب ہیں سب مسدود ہوجاتے ہیں۔ (سوانح علوم اسلامیہ ۳۸)

خلاصۂ کلام یہ کہ متولی اور مہتمم عالم باعمل ہونا چاہیے، اگر ایسا میسر نہ ہوسکے تو صوم وصلوٰۃ کا پابند، امانت دار، مسائلِ وقف کا جاننے والا، خوش اخلاق اور رحم دل، منصف مزاج، علم دوست، اہل علم کی تعظیم وتکریم کرنے والا ہو جس میں یہ صفات زیادہ ہوں اس کو متولی ومہتمم بنانا چاہیے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۱۶۵، ۱۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۰۷ھ

تارکِ صلوٰۃ متولی و مہتمم کو برطرف کرنا

سوال: صدر مسجد و مدرسہ اگر تارکِ صلوٰۃ ہے تو اس کو برطرف کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

کوئی دوسرا مانع موجود نہ ہو تو برطرف کیا جاسکتا ہے، بہتر یہ ہے کہ ''متولی اور مہتمم عالم باعمل ہونا چاہیے، اگر ایسا میسر نہ ہوسکے تو صوم وصلوٰۃ کا پابند ہو، امانت دار، مسائلِ وقف کا جاننے والا، خوش اخلاق، اور رحم دل، منصف مزاج، علم دوست، اہل علم کی تعظیم وتکریم کرنے والا ہو، جس میں یہ صفات زیادہ ہوں اسی کو متولی و مہتمم بنانا چاہیے''۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/۱۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

متولی کیسا ہو؟

سوال: ① آندھرا پردیش ضلع چتور میں ایک قصبہ پیلر شریف ہے، قصبہ ھذا میں ایک مدرسہ بنام ''نور الہدیٰ'' ۱۴/ سال سے دینی خدمات انجام دے رہا ہے، اور مدرسہ ھذا کے معلمین و متعلمین کے اخراجات بیرونی چندہ سے پورے ہوتے ہیں، قصبہ والوں پر کوئی بوجھ نہیں ہے..... باوجود اس کے یہاں کے جامع مسجد کے متولی جناب خواجہ اویس قرنی صاحب قصبہ کے لوگوں کو اس بات پر برانگیختہ کررہے ہیں، کہ اس مدرسہ سے ہمیں کوئی دنیوی فائدہ نہیں ہورہا ہے، یعنی اتنے سال سے یہ مدرسہ چل رہا ہے؛ لیکن مدرسہ میں بچت کچھ بھی نہیں ہے؛ لہٰذا مدرسہ کو ختم کردیا جائے،

ایسے شخص کے بارے میں علماءِ دین کیا حکم فرماتے ہیں؟

(۲) گیارہویں شریف میں ایک بیوہ عورت نجم النساء نامی نے کسی دوسرے کے ذریعہ سے گیارہ روپئے برائے میلاد شریف متولی مذکور کو بھیجا، دوسرے روز یہ عورت متولی کے گھر دریافت کرنے گئی کہ میں نے جو رقم بھیجی تھی ملی یا نہیں؟ تو فوراً متولی صاحب نے اس عورت کو چھینال لونڈی وغیرہ برا بھلا کہہ کر گلے میں ہاتھ ڈال کر دروازے سے باہر ڈھکیل دیا۔

(۳) اس قصبہ میں تقریباً سات سال سے جناب سالار صاحب بطور اذنی (المعلن) مقرر ہیں، یہ متولی مذکور صاحب جب متولی بنے ہیں، چار مرتبہ سالار صاحب کو اذنی کے عہدے سے برطرف کیا، بار بار برطرف کرنے کے بعد اذنی نے متولی کے نام ایک عریضہ لکھ کر دیا کہ اس طریقہ سے میری بے عزتی کیوں کر رہے ہو؟ تو متولی نے کہا کہ جو چاہوں کر سکتا ہوں، میں چیف منسٹر کا عہدہ والا ہوں، اس واقعہ کے بعد جماعت والوں نے یہ طے کیا کہ جامع مسجد کمیٹی کی ایک جماعت مقرر کی، اور متولی کو اطلاع دی کہ تمام حسابات کتاب، نکاح اور جماعت کا پیسہ، بیت المال کا پیسہ، مسجد میں جماعت کے حوالے کر دو، جماعت والے کے طے شدہ فیصلہ کے بعد متولی صاحب نے جماعت والوں کو مختلف قسم سے غصہ کی آگ بجھانے کے لیے برے برے القاب سے بدنام کیا۔

نوٹ: یہ متولی صرف دو ماہ سے بنائے گئے ہیں، اور اسی دو ماہ کے اندر انھوں نے یہ سارے فسادات برپا کئے ہیں، اب علمائے دین غور وفکر فرما کر یہ فرمائیں کہ جامع مسجد کے متولی کیسے ہونے چاہیے؟ ان کے اخلاق وعادات واعمال

کیسے ہونے چاہیے؟ نیز اس قصبہ میں مسلم آبادی تقریباً ۵۰۰۰ / پانچ ہزار ہے، ان تمام چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ فرمائیں کہ اس کا ذمہ دار کیسا ہونا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

متولی، عالم باعمل ہونا چاہیے، اگر ایسا میسر نہ ہو سکے تو صوم وصلوۃ کا پابند، امانت دار، مسائل وقف کا جاننے والا، خوش اخلاق اور رحم دل، منصف مزاج، علم دوست، اہل علم کی تعظیم وتکریم کرنے والا ہو، جس میں یہ صفات زیادہ ہوں اسی کو متولی بنانا چاہیے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۱۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ جمادی الاخری ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دینی اداروں میں ہونے والی کوتاہیوں کا ذمہ دار کون؟

سوال: ایک مسئلہ عرض خدمت ہے وہ یہ ہے کہ آج کل اکثر دینی مدارس میں تعلیم کی کمزوری کی شکایت کی جاتی ہے، اور اس کا سارا الزام مدرسین کے سر پر ڈالا جاتا ہے کیا یہ ٹھیک ہے؟ کیا انتظامیہ اس کی ذمہ دار نہیں ہے؟ یقیناً مدرسین کی بھی بہت سی کوتاہیاں ہیں؛ لیکن بندہ کے نزدیک بچند وجوہ منتظمین اس کے اہم ذمہ دار ہیں جو حسبِ ذیل ہیں۔

(الف) اکثر وبیشتر مدارس میں ایسے مدرس کا انتخاب کیا جاتا ہے جو اس درجہ کے مناسب نہیں ہے بلکہ صرف اور صرف سفارشات پر تقرر ہوتا ہے حالاں کہ آج دنیوی اداروں کے اندر ایک چھوٹے سے کارکن کو جو رکھا جاتا ہے تو اس پر بھی ان کو سندوں

کی ضرورت ہوتی ہے، کیا ہمارے مدارس میں کسی سند کی ضرورت نہیں ہے؟ اکثر مدرسین ایسے ہوتے ہیں مثلاً درجہ تجوید کا مدرس ہے اور اس کے پاس تجوید کی سند ہی نہیں ہے، یا پھر دینیات اور قرآن مجید ناظرہ کا مدرس ہے اور مؤذن بھی ہے، اور حالت یہ ہے کہ وہ صحیح اذان بھی نہیں دے سکتا، اور اس کو مدرس بنایا جاتا ہے، آیا یہ تو بتایئے جو اذان صحیح نہ دے سکے وہ قرآن مجید کو کیا پڑھائے گا پھر اگر تعلیم کی کمزوری ہے تو مدرس کے سر کیوں؟ ایک مکتب میں ایک ایک مدرس کے سر ۵۰، ۵۰ بچے ہیں اور وقت ہے صرف دو گھنٹہ تو کیا یہ قوم کے بچوں کے ساتھ کھلواڑ نہیں ہے؟ اور دینی تعلیم کا مذاق نہیں؟ بہت سے مدارس اور جامعات میں صرف اور صرف جو مدرس کا تقرر ہوتا ہے وہ سفارشات ہی ہوتی ہیں، اور اپنا آدمی رکھا جاتا ہے چاہے کتنا ہی نااہل ہو، وہاں ذرہ بھر استعداد اور قابلیت کو مدِ نظر نہیں رکھا جاتا کیا، اس کو مدرسین کی کوتاہی کہہ سکتے ہیں؟ ایسے حالات میں تعلیمی کمزوری کا واویلا کرنا اور سارا الزام مدرسین کے سر دینا یہ کہاں تک صحیح ہے؟ اور یہ سب صرف اور صرف اس لیے کیا جاتا ہے کہ یا تو تنخواہ کم دینی پڑے یا پھر مدرس سر نہ اٹھاویں یہ کہاں کے انصاف کی بات ہے؟ حضرت والا کے سامنے تو یہ حالات اور بھی بہت واضح ہیں؛ لہٰذا ان حالات میں مدرسین، منتظمین کی کیا ذمہ داری ہے اس کو خوب وضاحت سے تحریر فرمائیں۔

(ب) بسا اوقات مدرسین کے ساتھ منتظمین کی ان بن یا پھر مدرس کی کسی غلطی پر اس کو رسوا کر کے مدرسہ سے علاحدہ کرنا کیا کہیں یہ طریقہ ثابت ہے؟ آخر مدرس بھی انسان ہے کیا کوئی ایسی صورت نہیں ہے کہ مدرس کی غلطی پر اس کو محبت، بھائی چارگی اور اس کی کوتاہیوں کی ستر پوشی کر کے اس کو راہِ راست پر لانے کی فکر کی جائے، کیا شریعت

اس مسئلہ میں بالکل خاموش ہے؟ آخر یہ سب اس لیے ہوتا ہے کہ اہل مدارس نے مدرسین کو خادم دین نہیں سمجھا بلکہ ان کو ایک عام نوکر تصور کیا جاتا ہے لہٰذا جیسا نوکر کے ساتھ سلوک کرتے ہیں، اسی طرح مدرسین کے ساتھ کیا جاتا ہے؛ نیز مدرسین کی غربت اور کمزوری کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے لہٰذا اب علماء اور بزرگان دین اور مفتیانِ کرام کی ذمہ داری بنتی ہے کہ اس کی شرعی حیثیت کو لوگوں کے سامنے بیان کیا جائے، اور سر جوڑ کر اس کی فکر کی جائے اس کی صحیح رہنمائی شریعت کی روشنی میں بیان کی جائے تاکہ مدارس کا بگاڑ ختم ہو، حضرت بات یہ ہے کہ کسی پر نہ کوئی حملہ ہے نہ کسی پر کوئی نشان لگایا ہے، صرف اور صرف اپنے ایک دلی احساس کا اظہار ہے جو ہم علماء کی ذمہ داری ہے، امید ہے کہ حضرت والا اس پر خوب کھل کر شریعت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(الف) ﴿ إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ''اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں، جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں عزل ونصب کے اختیارات ہیں، ان کے لیے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کردیں جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور ہر عہدہ کے لیے اپنے دائرۂ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔

پوری اہلیت والا سب شرائط کا جامع کوئی نہ ملے تو موجودہ لوگوں میں قابلیت اور امانت داری کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اس کو ترجیح دی جائے۔

ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی اور تعلق کی مد میں بغیر اہلیت معلوم کیے ہوئے دیدیا اس پر اللہ کی لعنت ہے، نہ اس کا فرض مقبول ہے، نہ نفل یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہوجائے۔ (جمع الفوائد ۳۲۵)

بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا حالاں کہ اس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لیے اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے، تو اس نے اللہ کی خیانت کی اور رسول اللہ ﷺ اور سب مسلمانوں کی، آج جہاں نظامِ حکومت کی ابتری نظر آتی ہے وہ سب اس قرآنی تعلیم کو نظر انداز کردینے کا نتیجہ ہے کہ تعلقات اور سفارشوں اور رشتوں سے عہدے تقسیم کیے جاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نااہل اور ناقابل لوگ عہدوں پر قابض ہوکر خلق خدا کو پریشان کرتے ہیں، اور سارا نظامِ حکومت برباد ہوجاتا ہے اسی لیے آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة۔ یعنی جب دیکھو کہ کاموں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے سپرد کردی گئی جو اس کام کے اہل اور قابل نہیں تو (اب اس فساد کا کوئی علاج نہیں) قیامت کا انتظار کرو۔ یہ ہدایت صحیح بخاری کتاب العلم میں ہے"۔ (معارف القرآن ۲/ ۴۴۷، ۴۴۶)

مشہور مؤرخ اور محدث علامہ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "سیر اعلام النبلاء" میں حضرت ابو بردہ ابن ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے کہ یزید ابن المہلب جب خراسان کے حاکم مقرر ہوئے تو انھوں نے لوگوں سے کہا کہ مجھے کوئی ایسا آدمی بتلاؤ جس میں تمام خوبیاں موجود ہوں تو حضرت ابو بردہ اشعری رضی اللہ عنہ

کی نشان دہی کی گئی جب وہ تشریف لائے تو ان کو بہت فائق پایا، پھر جب ان سے گفتگو کی تو ان کے باطنی حالات ظاہر سے بھی بہتر پائے تو ان سے کہا کہ میں نے آپ کو فلاں فلاں کام کی ذمہ داری سونپی تو حضرت ابو بردہ نے معذرت چاہی؛ لیکن یزید نے معذرت قبول کرنے سے انکار کیا، اس پر حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے امیر! میں آپ کو وہ بات سناتا ہوں جو میرے ابا نے مجھے بتلائی انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو آدمی کوئی ایسی ذمہ داری قبول کرے جس کے متعلق اس کو بخوبی معلوم ہے کہ وہ اس ذمہ داری کو انجام دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس کو چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے الخ۔ (۳۴۵/۴)

مندرجۂ بالا دونوں مضامین سے یہ ثابت ہوا کہ منتظمین کا کسی ایسے آدمی کو تدریس کی ذمہ داری سونپنا جو اس کا اہل نہیں ایک قسم کی خیانت ہے، اور جس کو یہ ذمہ داری سونپی جارہی ہے اس کا یہ جانتے ہوئے کہ میں اس کا اہل نہیں اس کو قبول کرنا اپنے آپ کو جہنم کے لیے پیش کرنا ہے۔

البتہ آپ کے سوال میں تضاد ہے ایک طرف آپ لکھ رہے ہیں کہ نااہل کو مدرس بنادیا جاتا ہے جس میں تدریسی ذمہ داری کو انجام دینے کی بالکل صلاحیت نہیں ہوتی۔ دوسری طرف اس پر تعلیمی کمزوری کا الزام عائد کیا جاتا ہے تو اس کو بھی آپ درست قرار نہیں دیتے۔

(ب) آپ جس مرض کی شکایت کررہے ہیں وہ نیا نہیں بلکہ پرانا ہے، حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا عبدالحی کفلیتوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: ''یہاں کے لوگ مدرسین کو جیسے بظاہر خادم سمجھتے ہیں

ویسے ہی ان کو حقیقت میں بھی خادم سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ ان پر جابرانہ حکومت کی جاتی ہے جیسے ادنیٰ نوکر پر ایسی حالت میں مدرسین سے مدارس کی ترقی کی امید رکھنا کس قدر تعجب خیز امر ہے، اور آئندہ کس امید پر آدمی کو علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوسکتا ہے"۔ (سوانح علوم اسلامیہ ۳۸)

یہ سب کچھ ہورہا ہے روزمرہ کے نئے نئے قانون بنا کر تنگ کیا جاتا ہے، ایام تعطیلات میں تنگی، رخصت دینے میں سختی کا برتاؤ، خوشامد کرنے والوں سے درگزر کا سلوک، جو خوشامد نہ کرے ان سے سختی کا برتاؤ، نیک نامی خوشامد پر موقوف ہے، ملاحظہ فرمائیں:

علامہ کفلیتوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یہاں کے لوگوں کے طبائع میں مادہ خوشامد طلبی کا اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ باوجودیکہ علماء نہایت بزرگ خیال کیے جاتے ہیں تاہم ان کی تعظیم اور ان کے ساتھ سلوک کرنا ان کی خوشامد پر موقوف ہے؛ لیکن جو لوگ دور دراز ملک کا سفر بغرض تحصیل علوم کرتے ہیں اور دولت علوم سے مالا مال ہوکر آتے ہیں، اور دولت علم پر قانع ہوکے خوشامد سے پہلو تہی کرتے ہیں تو ان کی تعظیم تو درکنار ہے ان کو تنگ کرنے کے لیے اس قدر اسباب فراہم کیے جاتے ہیں کہ ان کے جس قدر خیالات علومِ اسلامیہ کی ترقی کی بابت ہوتے ہیں وہ سب خاک میں مل جاتے ہیں۔ (۳۸)

اور فرماتے ہیں: مدرسین کی نیک نامی اور بدنامی یہاں صرف خوشامد اور عدم خوشامد پر مبنی ہے مدرس کو کتنا ہی لائق ہو اور پڑھانے میں گو کیسی ہی جان فشانی کرتا ہو؛ لیکن جب تک خوشامد نہ ہوگی نہ اس کے مشاہرہ میں ترقی ہوسکتی ہے، نہ نیک نامی کا اسے تمغہ مل سکتا ہے۔ (سوانح علوم اسلامیہ ۳۸)

بے علم وعمل فاسقوں کو ایسے معزز عہدے سپرد کرنے میں ان کی تعظیم لازم آتی ہے حالاں کہ فاسق واجب الاہانت ہے تعظیم کا مستحق نہیں۔ (شامی ۱/ ۵۲۳)

حاملین قرآن کو جہال وفاسقوں کی ماتحتی اور تابع داری کرنے سے ان کی توہین وتذلیل لازم آتی ہے، جیسے مردوں کا عورتوں کی ماتحتی اور تابع داری میں رہنا تذلیل سمجھا جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے: اذا كان أمراءكم شراركم، واغنياءكم بخلاءكم، وامورکم الى نسائكم فبطن الارض خير لكم من ظهرها. (مشكوٰة ٤٥٩) یعنی جب تمھارے سردار فاسق ہوں، اور تمھارے دولت مند بخیل ہوں، اور تمھارے کام عورتوں کے کہنے پر ہوتے ہوں، تب تمھارے لیے زمین کا پیٹ (دفن ہوجانا) بہتر ہے اس کی پشت (جینے) سے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''اكرموا حملة القرآن فمن اكرمهم فقد اكرمنى'' (الجامع الصغير للامام الحافظ السيوطى ١/ ٤٥) یعنی حاملین قرآن کی تعظیم کرو، بے شک جنھوں نے ان کی عزت کی اس نے میری عزت کی۔

ایک اور حدیث میں ہے: حامل القرآن حامل راية الاسلام، من اكرمه فقد اكرم الله، ومن اهانه فعليه لعنة الله. (الجامع الصغير للسيوطى ١ /١٢٢) یعنی حاملین قرآن اسلام کے علم بردار ہیں، جس نے ان کی تعظیم کی اس نے خدا کی تعظیم کی، اور جس نے ان کی تذلیل کی اس پر خدا کی لعنت ہے۔

جب متولی ومہتمم وغیرہ نااہل ہوں گے تو ان کے ماتحت ائمہ ومؤذنین اور مدرسین حضرات بھی نااہل ہوں گے، وہ ان علماء کی قدر نہ کرسکیں گے، جو غیرت منداور خوددار

ہوں نتیجہ یہ ہوگا کہ جو علماء اہل ہوں گے وہ بددل ہو کر الگ ہو جائیں گے، نااہل پڑے رہ جائیں گے جس سے ادارہ کے کاموں میں ابتری ہوگی، نہ تعلیم ہو سکے گی، نہ کوئی تبلیغی کام ہو سکے گا جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/۱۶۶ تا ۱۶۸)

مدرس کی کسی غلطی پر اس کو رسوا کر کے مدرسہ سے علاحدہ کرنا نہایت کمینہ و قابل مذمت حرکت ہے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''قرآن کریم کا ارشاد ہے: ﴿ولا تجسسوا﴾ کسی کے پوشیدہ عیوب کو تلاش مت کرو۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جو زبان سے مسلمان ہو گئے مگر ان کے دلوں تک ایمان نہیں پہونچا وہ سن لیں کہ مسلمانوں کو ایذا نہ پہونچاؤ، ان کے پوشیدہ عیوب کے پیچھے مت پڑو، ان کو گذشتہ عیوب پر عار نہ دلاؤ کیوں کہ جو شخص کسی مسلمان بھائی کے عیوب ڈھونڈتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو ڈھونڈنے لگتے ہیں، اور جس کے عیوب اللہ تعالیٰ ڈھونڈیں قریب ہے کہ اس کو رسوا کر دیں گے اگرچہ وہ اپنے بند مکان میں مستور ہو۔ (ترمذی، الجمع الفوائد ۲/۱۶۱)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ بیت اللہ پر نظر ڈالی اور فرمایا اے بیت اللہ تیری شان کتنی بلند ہے اور تیری عزت کتنی بڑی ہے اور مومن کی عزت اور حرمت اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ بڑی ہے۔ (ترمذی، جمع الفوائد)

اور حدیث میں ہے کہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے، نہ اس پر عیب لگاوے، اور جو شخص اپنے کسی بھائی کے کام میں لگے اللہ تعالیٰ اس کے کام میں لگ جاتے ہیں، اور جو شخص کسی مسلمان کو مصیبت و تکلیف سے نکالے اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کی مصیبتوں سے نکال دیں گے، اور جو شخص کسی مسلمان کے عیب چھپائے اللہ

تعالیٰ قیامت کے روز اس کے عیوب چھپائیں گے۔ (ترمذی وقال حسن صحیح غریب اززواجر)

آج کل یہ کبیرہ گناہ بھی وبا کی طرح عام ہوگیا ہے عوام وخواص سب اس میں مبتلا ہوگئے، لوگوں کے پوشیدہ عیوب کی تلاش اور کوئی بات مل جاوے تو اس کا چرچا کرنا رسوا کرنا عادت میں داخل ہوگیا، کسی کو دھیان بھی نہیں ہوتا کہ ہم نے اس میں کوئی گناہ کیا اور یہ وہ بے لذت گناہ ہے کہ اس میں کسی کا کوئی دنیوی فائدہ نہیں اور عمر بھر نہ کرے تو کوئی نقصان نہیں مگر بے حسی اور بدمذاقی سے بہت سے لوگوں کو اسی میں ذائقہ ولذت محسوس ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچائے۔ آمین۔ (گناہ بے لذت ۱۱، ۱۲)

اصل تو یہ ہے کہ کسی مدرس سے ہونے والی غلطی ایسی ہے جس سے مدرسہ کے نظام میں کوئی خلل واقع نہ ہو، نیز طلباء کے اخلاقیات پر کوئی غلط اثر مرتب نہ ہو تو محبت اور رواداری کے ساتھ اس کو اس غلطی سے آگاہ کرکے اس کی اصلاح کی طرف متوجہ کیا جائے اس کی ذمہ داری اور مقام کا احساس دلا کر اس کی اصلاح کی پوری کوشش کی جائے، اس کے باوجود اگر وہ اس سے باز نہ آئے اور مزید چشم پوشی مدرسہ کے لیے مضر ہو تو بأحسن وجوہ اس کو علاحدہ کیا جائے، نکاح جیسے پاکیزہ رشتہ میں اصل یہ ہے کہ طرفین آپسی حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کریں اور جب کسی طرح اس کا امکان باقی نہ رہے تو بھلے طریقے سے علاحدگی اختیار کرلے اسی کو قرآن پاک میں ﴿فامساك بمعروف اوتسريح باحسان﴾ سے تعبیر کیا گیا ہے یہی اصول یہاں بھی جاری ہونا چاہیے، مشکل یہ ہے کہ آپ نے اپنے سوال میں مدرسین کے ساتھ کی جانے والی بدسلوکی کا تو تذکرہ کیا ہے؛ لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی مدرسہ کے ذمہ دار منتظمین اوپر بتلائے ہوئے طریقہ کے مطابق اصلاح کی تدابیر اختیار کرچکنے کے بعد جب علاحدگی

والے پہلو کو اختیار کرتے ہیں تو علاحدہ ہونے کے بعد مدرس کی طرف سے ناظم مدرسہ کے خلاف مستقل ایک پروپیگنڈہ محاذ کھول دیا جاتا ہے اور وہ ساری باتیں جو اصلاح کے خاطر ناظم کی طرف سے چھپائی گئی تھی اس سے غلط فائدہ اٹھا کر عوام میں یہ بات پھیلائی جاتی ہے کہ میرا کوئی قصور نہیں ہے مجھے بلاوجہ محض ذاتی عداوت کی بنیاد پر علاحدہ کیا گیا، اب یہ چیز اتنی عام ہونے لگی ہے کہ اس کے نتیجہ میں عوام میں ناظم کے خلاف غم وغصہ کی لہر پھیل جاتی ہے اور وہ نظام مدرسہ کی تبدیلی کی تحریک اختیار کر لیتی ہے، اور اچھا خاصہ چلتا ہوا مدرسہ تعلیمی اور انتظامی خلفشار کا شکار ہو جاتا ہے یہ محض خیالی چیز نہیں بلکہ واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں، اور اسی طرح کے پیش آنے والے بعد کے سنگین حالات سے نمٹنے کی غرض سے منتظمین حضرات مدرس کو پہلے ہی بدنام کر کے علاحدہ کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے جرائم چھپا کر عوام میں انتظامیہ کے خلاف کوئی غلط پروپیگنڈہ کرنے کے قابل نہ رہے یہ سب باتیں حقیقت میں فریقین میں امانت ودیانت کی قلت اور فقدان کا نتیجہ ہیں اسی لیے ضرورت اس کی ہے کہ دونوں فریق اپنے مقام ومنصب کی اہمیت محسوس کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں امانت ودیانت کے تقاضوں کو پورا کریں۔

حدیث پاک میں عورت کے متعلق نبی کریم ﷺ کا ارشاد موجود ہے: ''المرأة كالضلع ان اقمتها كسرتها وان استمتعت بها استمتعت بها وفيها عوج'' (بخاری؟/ ۷۷۹) یعنی عورت کا حال پسلی کی طرح ہے کہ اس کی کجی کے باوجود اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو تو اٹھالو ورنہ اگر سیدھا کرنے جاؤ گے تو ٹوٹ جائے گی۔ مطلب کہ عورت کے مزاج میں قدرتی طور پر کجی ہے وہ ایک فطری وصف ہونے کی وجہ سے

کوئی آدمی بالکل ختم کرنا چاہے تو یہ ممکن نہیں؛ البتہ اصلاح کی کوشش جاری رکھے اور اس فطری کجی کے نتیجہ میں پیش آنے والی تکالیف اور پریشانیوں پر صبر سے کام لے۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فیض الباری میں فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ اگر کسی نظام میں کوئی خلل اور کمزوری ہو اور اس کی اصلاح کرنے میں اس نظام کے بالکلیہ ختم ہوجانے کا اندیشہ ہو تو مناسب ہے کہ اس کی اس کمزوری کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھایا جائے اور اس کو چھیڑا نہ جائے، اور اگر کسی کے لیے ایسا کرنا دشوار ہے تو اس کے حق میں اس کو خیر باد کہنا بہتر ہے۔ (فیض الباری ۴/۳۰۱)

آج کل مدارس عربیہ ہی کیا جتنے بھی ادارے دین یا دنیا کا کوئی کام کر رہے ہیں ان کا یہی حال ہے ہر ایک میں کوئی نہ کوئی نقص اور کمی ضرور ہے، اب اس کی اصلاح کا طریقۂ کار یہ نہیں کہ اس کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کو لوگوں میں پھیلایا جائے بلکہ اپنی حیثیت مقام اور مرتبہ کے مطابق اس کی درستگی کے لیے جو کچھ کیا جاسکتا ہو اس میں دریغ نہ کریں اور اس کے ساتھ اپنی وابستگی باقی رکھیں؛ لیکن اگر باوجود اپنی مخلصانہ مساعی کے اس کی درستگی کی کوئی توقع نہ رہے تو نہایت خاموشی اور شرافت کے ساتھ اس سے اپنی وابستگی ختم کردے؛ لیکن مشکل یہ ہے کہ مذکورہ طریقۂ کار اختیار کرنے کے بجائے عام طور پر اس سے وابستہ حضرات اس ادارہ یا مدرسہ کے عیوب اور کمزوریوں کو درست کرنے کی کوشش تو کیا کرتے ان عیوب کے حوالے سے اس ادارہ یا مدرسہ کو عوام مسلمین میں بدنام کرکے مارِ آستین ثابت ہوتے ہیں اور وقت آنے پر علاحدگی کے بعد کھلم کھلا میدان میں آکر اس ادارے کو ختم کرنے کے لیے پورا زور لگاتے ہیں۔ فالی اللہ

المشتکیٰ. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

دستور کے خلاف ممبرِ مدرسہ کا انتخاب کرنا

سوال: دار العلوم حسینیہ آکولہ کے ٹرسٹ کے دستور کے دفعہ تین حصہ (H) میں یہ لکھا ہے کہ: مجلسِ شوریٰ نئے ممبر کا انتخاب عوام میں سے کرے گی، اور سرپرستوں کی اجازت کے بعد ہی اسے ممبر بنایا جائے گا، مذکورہ دستور کے خلاف دار العلوم حسینیہ کے سات اراکینِ شوریٰ نے سرپرستوں اور بانی و مہتمم صاحب کی اجازت کے بغیر نئے ممبر کا انتخاب کیا، تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ مفصل مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب ٹرسٹ کے دستور میں نئے ممبر کے انتخاب کے لیے سرپرستان کی اجازت کو شرط قرار دیا گیا ہے، تو اب ان کی اجازت کے بغیر جس نئے ممبر کا انتخاب عمل میں آیا ہے، وہ معتبر نہیں ہے۔

فإن شرائط الواقف معتبرة اذا لم تخالف الشرع. (شامی ۳/۳۹۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ربیع الثانی ۱۴۰۸ھ

بانیٔ مدرسہ کا ممبران کو رکنیت سے معزول کرنا

سوال: مہتمم دار العلوم حسینیہ آکولہ مولانا ابوالحسن زید مجدہ و مدظلہ نے شہر آکولہ

میں دار العلوم حسینیہ کی بنیاد ڈالی، مدرسہ کی مجلسِ شوریٰ کے لیے بذاتِ خود ممبران کو منتخب فرمایا، ناچاقی کی بنا پر تین ممبران نے ممبری کی ذمہ داری سے سبک دوشی کا بذریعہ اشتہار اعلان کرتے ہوئے استعفیٰ دیا، تھوڑے عرصے کے بعد رجوع بھی کرلیا؛ لیکن مدیر ومہتمم صاحب نے کچھ عرصے کے بعد ہی پانچ ممبران کے علیحدگی کا فیصلہ کردیا، اس میں یہ تین ممبران جن کے سابق استعفیٰ نامے موجود تھے، اور ان کے علاوہ دو ممبران کو اس ذمہ داری سے اخراج کے فیصلہ کی خبر کورٹ چیریٹی کمشنر کو دی، اس طریقے سے کہ ان تین ممبران کے سابق استعفیٰ نامے اور بقیہ دو کے نام اس استعفیٰ نامے میں لکھ دیے گئے، مقابلین کو جب کورٹ میں اس عرضی کے داخلہ کی خبر ہوئی، تو ان حضرات نے کورٹ چیریٹی کمشنر سے کہا کہ ہم نے استعفیٰ نہیں دیا، یہ مصنوعی استعفیٰ نامے ہیں، کورٹ نے فیصلہ روک دیا۔

سوال یہ ہے کہ اس معاملہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ جب کہ ان ممبران کے اخراج میں مدرسہ کے کئی مصالح مرعی ہیں، اور ممبران کو مولانا ہی نے منتخب کیا تھا، اور ساتھ ہی ساتھ مدرسہ کے بانی وروح رواں ہیں، مدرسہ کو اس کے زمانۂ طفولیت کی کمزوریوں اور مصیبتوں سے شبابیت تک پہونچانے میں مولانا نے اپنی جان کی بازی لگادی، اور اس صحراء ویراں نما کو چمنستان وگلستان علم وگل سے لہلہاتا ہوا بنانے والے مولانا موصوف ہی کی ذات ہے۔ وہ شعر کا پورا مصداق بنا کر دکھایا۔

صحراء میں جہاں رکھتے ہیں قدم		کھلتا ہے وہیں پر ایک چمن

جواب مدلل ومفصل عنایت فرمائیں تو عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بانیٔ مدرسہ نے جس طرح اپنے اختیار سے اراکین کا تقرر کیا تھا، اور ان کا وہ تقرر درست تھا، اسی طرح جب وہ اپنے اختیار سے ان کو (قصور و بلا قصور) اس رکنیت سے معزول کریں تو ان کا یہ اقدامِ عزل بھی درست ہے، بانی کو بحیثیتِ بانی یہ اختیار حاصل ہے، اس معاملہ میں ممبران کو بانی کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا حق حاصل نہیں ہے۔

ولا یة نصب القیم إلی الوقف ثم لوصیه لقیامه مقامه (درمختار) (قوله ولایة نصب القیم الی الواقف) قال فی البحر: قدمنا ان الولایة للواقف ثابتة مدة حیاته وان لم یشترطها، وان له عزل المتولی الخ. (شامي ٣ /٤٤٨)

للواقف عزل الناظر مطلقاً به یفتیٰ (درمختار) (قوله للواقف عزل الناظر مطلقا) ای سواء کان بجنحة او لا وسواء کان شرط له العزل او لا (شامی ٣ /٤٥٢) بخلاف الواقف، فان له عزل القیم وان لم یشرطه والقیم لا یملکه (شامی ٣ /٤٥١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ٢٠ /صفر المظفر ١٤٠٨ھ

مدرسہ کی جائداد بیچ کر سودی کاروبار میں لگا کر سود سے اسکول چلانا

سوال: ہمارے آبائی قصبہ (ہندوستان) میں تقریباً سو سال قبل (موجودہ پاکستان) کے ضلع ہزارہ سے آئے ہوئے ایک بزرگ - جو جید عالم اور متقی تھے - کے ایماء پر قصبہ والوں نے ایک دینی درسگاہ کی بنیاد ان کی سرپرستی میں رکھی، قصبہ کے بڑوں نے جنوبی افریقہ کے قصبے کے ان باشندوں کی جنھوں نے جنوبی افریقہ کو اپنا وطن بنالیا تھا، اس کی اطلاع دے کر چندہ کے لیے لکھا، مقامی باشندوں نے ایک خطیر رقم

جمع کر کے ایک جائداد مدرسہ کے اخراجات کے لیے خرید لی۔ پہلی ہی جماعت درس نظامی سے فارغ ہوئی تھی کہ وبائی مرض پھیلا، اور اس بزرگ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا، ان کے بعد کوئی عالم مدرسہ کو جاری رکھ سکے ایسا نہیں ملا، تو مدرسہ نے اسکول کی شکل اختیار کر لی، آج وہ عالی شان اسکول کی شکل میں موجود ہے۔ مدرسہ کی موجود عمارت کو فروخت کر کے اس کا سرمایہ سودی کاروبار کرنے والے ادارہ میں لگا دیا، اس وقت سود سے بڑی اچھی آمدنی ہوتی ہے جو ہندوستان کے اسکول پر خرچ ہوتی ہے، پڑھانے والے ٹیچروں کو اور علماء کی تنخواہ سود کی آمدنی سے دی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل امور دریافت طلب ہیں:

(۱) مدرسہ کی جائداد کو فروخت کر کے اسکول پر خرچ کرنا جائز ہے؟

(۲) جائداد کی آمدنی کو سود کے کاروبار میں لگانا جائز ہے؟

(۳) جن لوگوں نے جائداد کو فروخت کر کے رقم سودی کاروبار میں لگائی، ان کا یہ عمل ٹھیک تھا؟

(۴) کیا عند اللہ جن ٹرسٹیوں نے مدرسہ کی رقم کو اسکول پر خرچ کیا اور کر رہے ہیں، مواخذہ ہوگا یا نہیں؟

(۵) اگر مواخذہ ہوگا تو نوعیت کیا ہوگی؟

(۶) موجودہ ٹرسٹیان بھی اسی روش پر قائم رہے، تو وہ بھی عند اللہ ماخوذ ہوں گے یا نہیں؟

(۷) ایسی کسی تنظیم کا ممبر بننا جو سودی کاروبار میں تنظیم کا سرمایہ لگائے، جائز ہے یا نہیں؟ کئی سال سے قصبے میں دینی درسگاہ قائم ہو چکی ہے۔

(۸) سنینِ سابقہ میں جو کارروائی شریعت مقدسہ کے خلاف ہوئی، اس کی

اصلاح کی کیا صورت ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) جو جائداد مدرسے کے اخراجات کے لیے چندہ کی رقم سے خریدی گئی تھی، اگر خریدنے کے بعد اس جائداد کو باقاعدہ وقف بھی کیا گیا تھا، تو اس کی بیع شرعاً باطل ہے، اور اگر وقف نہیں کیا گیا تھا تب بھی چوں کہ یہ جائداد مدرسہ کے اخراجات کے لیے خریدی گئی تھی؛ اس لیے اس کی آمدنی کو اسکول پر خرچ کرنا جائز نہیں۔

(۲) سودی کاروبار میں سرمایہ لگانا کسی حال میں جائز نہیں، چاہے وہ سرمایہ ذاتی ہو یا مدرسہ کا۔

(۳) جائداد کو فروخت کرکے اس کی رقم سودی کاروبار میں لگانا حرام اور ناجائز تھا اور ہے۔

(۴) مدرسہ کی رقم کو اسکول پر خرچ کرنا جائز نہیں، جو لوگ ایسا کر رہے ہیں وہ عنداللہ مجرم ہیں، اور اپنی اس حرکت کی وجہ سے تولیت کے اہل نہیں رہے، ساتھ ہی انھوں نے جتنی رقم مدرسہ کی اسکول پر خرچ کی ہے شرعاً وہ اس کے ضامن ہیں۔

(۵) اوپر نمبر ۴ر میں اس کا جواب آچکا۔

(۶) موجودہ ٹرسٹی بھی حقیقتِ حال سے واقف ہوتے ہوئے یہ کام کر رہے ہیں، تو ان کے لیے بھی وہ حکم ہے جو نمبر ۴ر میں بتلایا گیا۔

نوٹ: آپ نے تمہید میں جو تفصیل لکھی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ، مدرسہ کی جائداد کو فروخت کرنے سے جو رقم حاصل ہوئی تھی خود اس رقم کو اسکول پر خرچ نہیں کیا جارہا ہے؛ بلکہ وہ رقم تو سودی کاروبار کرنے والے ادارہ میں جمع ہے؛

البتہ جو سود آرہا ہے اس کو اسکول پر خرچ کیا جارہا ہے؛ اس لیے یہ کہنا درست نہیں کہ مدرسہ کی رقم اسکول پر خرچ کی گئی؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں یہ تمام تصرفات شرعاً ناجائز اور حرام ہونے اور ان کا ارتکاب کرنے والے ٹرسٹیوں کے عنداللہ مجرم اور گنہ گار ہونے کے باوجود ضمان والا حکم ان ٹرسٹیوں پر لاگو نہیں پڑے گا؛ بلکہ جو رقم (جائداد کی قیمت والی) سودی ادارہ میں جمع ہے اس کو وہاں سے نکلوا کر دوبارہ کوئی جائداد خریدی جائے، اور اس کی آمدنی کو مدرسہ کے اخراجات میں خرچ کیا جاوے۔

⑦ سودی کاروبار میں حصہ لینا (چاہے وہ کسی تنظیم کی ممبری کی شکل میں ہو یا انفرادی حیثیت سے)، شرعاً ناجائز اور موجب وعید ہے۔

اس سوال میں آپ کا یہ جملہ ''کئی سال سے قصبہ میں دینی درسگاہ قائم ہوچکی ہے'' سمجھ میں نہیں آیا؛ نیز اس جملہ سے آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں یہ بھی سمجھ میں نہیں آیا۔

⑧ اوپر جواب نمبر ۶ کے آخر میں جو نوٹ لکھا گیا ہے، اس میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مدرسہ کے کمپاؤنڈ میں کمپیوٹر کلاس اور شفاخانہ بنانا

سوال: ایک ادارہ جو مدتِ دراز سے دینی تعلیم (نصاب عالم وفاضل) کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلیم کی خدمت انجام دے رہا ہے، طلبہ، مدرسین اور اسٹاف کے جملہ سہولیات کے ساتھ ساتھ درسگاہیں، اسکول اور دیگر متعلقاتِ ادارہ ساری

ضروریات بحمداللہ فراہم ہوچکی ہیں۔اب اربابِ انتظام کا ارادہ ہے کہ اس قطعۂ اراضی میں طلبہ کے لیے کمپیوٹر کلاس جاری کیا جائے؛ تاکہ طلبا کو دینی تعلیم کے ساتھ مزید دنیوی ہنر حاصل کرنے کا موقع فراہم ہوجائے،مزید براں ایک شفاء خانہ بہ شکلِ اسپتال اراضیٔ مدرسہ میں تعمیر کرنے کا ارادہ ہے،جس سے مقصد طلبہ،مدرسین اور اسٹافِ مدرسہ کے علاج ومعالجہ کے ساتھ ساتھ عوام المسلمین کو بھی استفادہ کا موقع فراہم کرنا ہے،تو کیا مذکورہ بالا مقاصد کے پیش نظر کمپیوٹر کلاس اور شفاخانہ مدرسے کے کمپاؤنڈ میں بنانے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وہ قطعۂ اراضی اگر وقف ہے اور واقف نے جہتِ وقف متعین کررکھی ہے،تو اس کے علاوہ دوسری جہت میں اس کا استعمال درست اور جائز نہیں ہے۔

لأن شرط الواقف كنص الشارع.

اور اگر وہ وقف عام ہے کہ مدرسہ کی انتظامیہ مدرسے کی جس ضرورت میں استعمال کرنا چاہے اس کو اختیار دیا گیا ہے،یا وہ زمین مدرسے کی چندہ کی رقم سے خریدی گئی ہے،تو طلبۂ مدرسہ کے لیے اس میں کمپیوٹر کلاس جاری کیا جاسکتا ہے،اور ایسا شفاخانہ جس کی خدمات طلبۂ مدرسہ اور مدرسین اور عملۂ مدرسہ تک محدود ہوں،تعمیر کیا جاسکتا ہے،عوام مسلمین کو اس میں استفادہ کا موقع دینا درست نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مدرسے کے لیے خریدی ہوئی زمین بیچ کر دوسری زمین خریدنا

سوال: الجامعۃ الاسلامیہ دار العلوم لنکاشایر، یو کے (بولٹن) ۱۹۹۳ء میں وجود میں آیا، جس کی عمارت میں ایک ہسپتال تھا، عوام الناس سے پوری رقم ۷۵۵۰۰۰۰ (پچہتر لاکھ پچاس ہزار) قرضِ حسنہ کے طور پر لے کر یہ ہسپتال خریدا گیا، حالات نے کروٹ بدلی اور اس جگہ کی قیمت ۳۷۰۰۰۰۰ (سینتیس لاکھ) اس وقت مارکیٹ میں آرہی ہے، اراکینِ مدرسہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس جگہ کو بیچ کر کوئی دوسری جگہ خریدی جائے، مذکورہ بلڈنگ پر ابھی تک دس فی صد سے کم قرضِ حسنہ باقی ہے جو ادا کرنا ہے؛ بلکہ دوسرے عوارضات بھی درپیش ہیں، مثلاً مقامی بلدیہ کی طرف سے متعصّبانہ رویہ، نیز مقامی لوگوں کی طرف سے طلبا اور اساتذہ کے لیے متنفرانہ رویہ، جس کے نتیجہ میں مدرسہ اُن تمام کاموں کے کرنے میں مشکلات کا شکار ہے، جن کا پورا کرنا نہ صرف قانونی لحاظ سے ضروری ہے؛ بلکہ انسانی ہمدردی کے اعتبار سے بھی ضروری ہے، مثلاً کھیلنے کے لیے میدان وغیرہ، اسی طرح مسجد و مدرسہ کی توسیع کا مسئلہ بھی درختوں کی کثرت کی وجہ سے متنازع فیہ بنا ہوا ہے (یہاں درختوں کو کاٹنے کی اجازت مشروط ہوتی ہے) ایسے حالات میں کیا ہم دار العلوم کی موجودہ اور مذکورہ بلڈنگ کو بیچ کر دوسری جگہ خرید سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مدرسہ کے لیے خرید کردہ اُس عمارت اور جگہ کو بعد میں باقاعدہ وقف کر دیا گیا تھا، تو اب اس کو بیچ کر دوسری جگہ خریدنا جائز نہیں ہے، اور اگر مدرسہ کی غرض سے خرید فرما کر تعلیمی سلسلہ شروع کر دیا گیا تھا؛ لیکن باقاعدہ وقف نہیں کیا گیا تھا تو مصالحِ

مدرسہ کے پیشِ نظر اس کو فروخت کر کے دوسری مناسب جگہ خریدی جاسکتی ہے۔ (ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۲۱۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ رجب ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مدرسہ کو قیمتاً زمین بیچ کر بعد میں تبادلہ میں زمین پر دعوی کرنا

سوال: زید نے (ایک مدرسہ عربیہ کے ناظم مہتمم) ایک قطعہ اراضی ۱۳/ سوگز کی واقع لب سڑک مدرسہ عربیہ کے نام ۱۹۶۸ء میں بیع کی، اور اس کی قیمت وصول کرلی، اسی دوران زید نے موہن وغیرہ سے ایک قطعہ اراضی مدرسہ عربیہ کے نام خریدا، (بدل میں اپنی صحرائی جائیداد موہن وغیرہ کو بیع کی) جس سے مدرسہ ومسجد تعمیر ہوچکے ہیں، پھر ایک قطعہ اراضی مدرسہ عربیہ کے نام سے ۱۹۷۲ء میں خریدا، اور اس میں مدرسہ نے اپنی تعمیر بھی کی، ناظم کی ہی فراہم کردہ ہیں، انہیں کا اقرار ہے کہ ۱۹۷۲ء والی جائیداد کی آمدنی ۱۹۸۱ء تک میں مدرسہ کو دیتا رہا، بعد میں میں خود رکھتا رہا، اس پلاٹ کو لکڑی کی تال والے کو کرایہ پر دے رکھا تھا، جو آمدنی اس اراضی سے ہوئی وہ ۱۹۸۱ء تک مدرسہ عربیہ کو ملتی رہی اس قطعہ اراضی میں سے ۱۹۸۱ء میں زید نے ۵۵۰/ گز اراضی واقع لبِ سڑک اپنے لڑکوں کے نام بیع کردی، اور اس میں ۱۱/ دکانیں تعمیر کرلیں، باقی اراضی مدرسہ عربیہ کے نام ہی رہی۔

بعد ازاں اعتراض ہوا کہ مدرسہ عربیہ کی جائیداد کو زید نے اپنے لڑکوں کے نام کیوں بیع کیا؟ اور چند افراد نے غبن کا مقدمہ دائر کردیا، اس سے متأثر ہوکر زید نے

ایک خصوصی میٹنگ قصبہ ودیہات کی اگست ۱۹۸۷ء میں منعقد کی، جس میں زید نے اعلان کیا: جس وقت میں نے اپنی ۱۳/سوگز اراضی مدرسہ عربیہ کے نام بیع کی تھی، میری نیت اراضی کے بدلہ اراضی لینے کی تھی، اوراب تو میں نے ۵۵۰/گز اراضی ہی لی ہے، میں نے تو اپنی صحرائی جائیداد بھی مدرسہ کی تعمیر اور ترقی کے لیے فروخت کردی ہے، میری مذکورہ بالا جائیداد میں تقریباً ۳۰/دکانیں تعمیر ہوئیں۔

زید نے جس وقت پہلی اراضی مدرسہ عربیہ کے نام بیع کی، اس وقت نہ تو کوئی تحریر مدرسہ ہذا کو دی کہ میں بعد میں اراضی کے بدلہ اراضی لوں گا، اور نہ ہی کوئی اعلان کیا، اور نہ ہی کوئی گواہ، نہ ہی زید نے ۱۹۸۱ء میں اراضی کو اپنے لڑکوں کے نام بیع کرنے سے قبل کوئی عمومی اعلان کیا کہ میں اراضی کے بدلہ اراضی لے رہا ہوں۔

میٹنگ مذکورہ میں موجودہ افراد نے زید کی نیت کا اعتبار اور خدمت کا اعتراف کرتے ہوئے، زید نے جو اراضی مدرسہ عربیہ کی اپنے لڑکوں کے نام بیع کی تھی، اس کو زید کے لڑکوں کے نام پر ہی رہنے کی رضامندی ظاہر کی، اور مدعیان پر دباؤ دے کر مقدمہ واپس کرانے کی ذمہ داری قبول کی۔

① کیا شرعی حیثیت سے مدرسہ عربیہ کی ملکیت مذکورہ بالا اراضی میں ہوگئی؟

② خرید وفروخت کے بعد نیت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے؟

③ ناظم یا عوام کو مدرسہ کی اس مملوکہ موقوفہ جائیداد فروخت کرنے کا شرعی جواز ہے؟

④ کیا خصوصی میٹنگ میں موجودہ اقرار رضامندی کی کوئی شرعی حیثیت ہے؟ اگر نہیں ہے تو اس کی تلافی کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① جو اراضی مدرسہ کے لیے خریدی گئی اس میں مدرسہ کی ملکیت ثابت ہوگئی۔

والملك يثبت للمؤكل ابتداءً في الاصح. (درمختار مع الشامی ٤/٤٤٧)

② بوقتِ بیع جو ثمن مقرر کیا گیا وہی ثمن ٹھہرے گا، اور اس میں بائع کی ملکیت ثابت ہو چکی۔

(قوله وحكمه ثبوت الملك) أي في البدلين لكل منهما في بدل (شامی، ٦/) بعد میں بائع کا یہ دعویٰ کہ ''میری نیت اراضی کے بدلہ اراضی لینے کی تھی'' اس کا اعتبار نہیں ہے۔

اولاً تو اس لیے کہ جو چیز بطورِ ثمن طے کی جائے وہی ثمن ٹھہرتی ہے، اور صورتِ مسئولہ میں ۱۹۶۸ء میں بائع نے جو اراضی مدرسہ کے نام بیع کی تھی اس کے ثمن میں اراضی کو مقرر نہیں کیا گیا تھا؛ بلکہ نقد ثمن تھا جس کو بائع وصول کر چکا ہے۔

ثانیاً اس لیے کہ بائع (مدرسہ کی) جس اراضی کو اپنی اراضی کا ثمن قرار دینے کا مدعی ہے، وہ اراضی بوقتِ بیع مدرسہ کی ملکیت میں نہیں تھی، اس لیے کہ بائع نے اپنی اراضی مدرسہ کو ۱۹۶۸ء میں فروخت کی ہے، اور مدرسہ کی جس اراضی کے ثمن ہونے کا مدعی ہے وہ اراضی مدرسہ کی ملک میں ۱۹۷۲ء میں آئی۔

وبيع ماليس فی ملكه لبطلان بيع المعدوم وماله خطر العدم (درمختار)

(قوله وبيع ماليس فی ملكه) فيه انه يشمل بيع ملك الغير بوكالة أو بدونها؛ مع أن الأول صحيح نافذ، والثانی صحيح موقوف، وقد يجاب بأن المراد بيع ماسيملكه قبل ملكه له، ثم رأيته كذلك في الفتح في

أول فصل بيع الفضولي، وذكر أن سبب النهي في الحديث ذلك (شامی، ۴ / ۱۱۸)

نیز ایسی نیت کا اعتبار کر لینے کا حاصل یہ ہوا کہ سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا؛ اس لیے کہ مثلاً ایک آدمی نے مدرسہ کو اینٹیں فروخت کیں، اور اس کی قیمت وصول کر لی، اس کے بعد ایک مدت گزرنے پر وہ یہ دعویٰ کرنے لگے کہ میری نیت تو ان اینٹوں کے عوض مدرسہ کا فلاں قطعۂ اراضی لینے کی تھی تو کیا اس کی اس نیت کا اعتبار کر لیا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ جواب نفی میں ہے۔

③ جو اراضی یا جائیداد اس کے مالک نے ابتداءً وقف کی ہو، اس کا بیچنا جائز اور درست نہیں۔

" فإذا تم، ولزم، لا يملك ولا يملك (درمختار) (قوله لا يملك) اى لا يكون مملوكا لصاحبه، ولا يملك اى لا يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه". (شامی ۳ /۴۰۲)

البتہ جو وقف کی ضرورت کے لیے خریدی گئی تھی، اس کو بوقتِ ضرورت و مصلحت متولیٔ وقف بیچنا چاہے تو اس کی بیع کے درست ہونے کا بھی قول موجود ہے۔

اشترى المتولى بمال الوقف دارا للوقف، لاتلحق بالمنازل الموقوفة، ويجوز بيعها في الأصح؛ لأن للزومه كلاما كثيراً، ولم يوجد ههنا. (درمختار) (قوله يجوز بيعها في الأصح) في البزازية بعد ذكر ما تقدم: وذكر أبواالليث في الاستحسان: يصير وقفا، وهذا صريح في أنه المختاراه رملى قلت: وفي التاتارخانية: والمختار أنه يجوز بيعها إن احتاجوا إليه. (شامی ۳ /۴۴۵)

④ جب یہ معلوم ہو چکا کہ ایسی نیت کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں تو پھر میٹنگ میں موجود حضرات کی رضامندی سے کیسے کام چلے گا؟ اس کی تلافی کی صورت یہ ہے کہ

جن حضرات نے اس میٹنگ میں شریک ہوکر رضامندی کا اظہار فرما کر اتفاق ظاہر کیا تھا، وہ اپنی ناراضگی کا اعلان کردیں، اور اپنے اس فعل سے تائب ہوں، اسی طرح جن حضرات نے مقدمہ واپس کھینچوانے کی ذمہ داری قبول فرمائی تھی، وہ اپنی اس ذمہ داری سے دست کش ہوجائیں اور تائب ہوں؛ اس لیے کہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

ذاتی زمین میں مدرسہ تعمیر کیا، مالک کون؟

سوال: ایک شخص عثمان اور ان کی اہلیہ ان سے تین اولاد: دو لڑکے اور ایک لڑکی، تینوں کی شادیاں ہوچکی ہیں، بڑا لڑکا زید، چھوٹا لڑکا بکر، زید نے اپنے والد سے ایک مرتبہ کہا کہ ہم ایک انگریزی مدرسہ شروع کرنا چاہتے ہیں، بیوی پڑھی لکھی ہے اور گھر میں ایسا کوئی خاص کام یا مصروفیت نہیں ہے، لہٰذا ہمیں کچھ کمروں کی ضرورت ہوگی مدرسہ چلانے کے لیے، باقی اوقات میں گھر کا کام بھی ہوگا، والد عثمان نے جواب دیا کہ اگر تمہیں اتنی ہی خواہش ہے تو بیوی کو کسی مدرسہ میں نوکری کرادو، گھر میں مدرسہ کھولنے کی ضرورت نہیں؛ مگر زید نے ایک دن مدرسہ قائم کرنے کی غرض سے ایک سوسائٹی بنائی اور قانوناً رجسٹریشن کرائے، سوسائٹی بنانے کے لیے کم از کم سات اشخاص چاہیے تھے تو زید نے اپنے ایک رشتہ کے ماموں کو صدر (president) خالد کو نائب صدر (vice president) چھوٹے بھائی بکر کو معتمد اور بہنوئی کو خزانچی، نسبتی بھائی یعنی بیوی کے بھائی کو رکن اور ایک صاحب جو کوئی قریبی رشتہ دار نہیں ہیں رکن اور ایک

ماموں کے خسر صاحب کورکن، متعلقہ دفتر آفس کو تحریر میں دیا جاتا ہے کہ اس سوسائٹی کے ممبروں میں کوئی بھی ایک دوسرے کا رشتہ دار نہیں ہے اور نہ ہی کوئی خونی رشتہ ہے، اور نہ متعلقہ آفس والے اس سوسائٹی کو تسلیم کریں گے، زید کا یہ کہنا ہے کہ یہ مدرسہ قوم کی خدمت اور فلاح و بہبود کی غرض پر قائم کیا گیا ہے، شروع میں کچھ سال کسی سے کوئی امداد نہیں لی گئی؛ مگر اب پچھلے کچھ سالوں میں بطور امداد روپئے وصول کئے جاتے ہیں، اور اکثریت اس میں ایسے لوگوں کے بچوں کو داخلہ دیا جاتا ہے جو ان کی مطالبہ رقم کو ادا کریں، شاذ و نادر کوئی ہوں جنہیں بغیر امداد لیے داخلہ دیا جاتا ہے، مدرسہ میں جتنے بھی تقررات ہوئے ہیں تمام کے تمام زید اور ان کی اہلیہ نے کئے ہیں کہ شروع میں تین چار سال سوسائٹی کے کچھ ارکان انٹرویو لینے کے لیے شرکت کرتے تھے جو برائے نام حاضر ہوتے تھے، اب تو زید کو کسی رکن کے شرکت کی یا اس کے دستخط کی کوئی ضرورت نہیں ہے، جب بھی ارکان میں سے کسی کو دستخط کی ضرورت ہوتی ہے زید خود کر لیتے ہیں، زید کی اہلیہ بھی مدرسہ میں بطور استانی کی حیثیت سے کام کرتی ہے، دراصل سب کچھ زید کی اہلیہ کے اشارے پر کام ہوتا ہے وہ جس کو چاہتی ہے تقرر کرتی ہے، جس کو چاہتی ہے نکال دیتی ہے، جب ارکان نے بھی یہ سارا تماشہ دیکھ لیا تو خاموشی اختیار کر لی، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ زید اور ان کی اہلیہ کو بھی اتنا ہی چاہیے تھا، اب اسی سال ۱۹۹۲ء سے ہشتم کی جماعت شروع ہوگئی، اشتہار سے ایسا پتہ چلتا ہے کہ اس جماعت کی تعلیم بھی مخلوط ہوگی، یعنی لڑکے اور لڑکیاں دونوں ایک جماعت میں بیٹھ کر تعلیم حاصل کریں گے، یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ ہمارے اس شہر گلبرگہ میں سے پرانا انگریزی مدرسہ جس کو (انگریزی) مجوسی چلاتے ہیں، جن کا اہم مقصد ہی یہ ہے کہ ہر

قوم و مذہب کے ماننے والے ان کی تقلید کریں، اس مجوسیوں کے مدرسہ میں کچھ سال قبل بہت ہی شرمناک واقعات کہئے یا حادثات ہوئے، اس طرح لڑکے اور لڑکیوں کا بیت الخلاء جانے کے بہانہ جماعت سے جانا اور پھر انسانیت سے گری ہوئی حرکتوں اور ناپاک اعمال میں ملوث ہونا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان مجوسیوں کو غیرت اور شرم محسوس ہوئی، اور انہوں نے اس بات کا فیصلہ کر دیا کہ اب ہم ہمارے مدرسہ میں صرف لڑکیوں کا داخلہ کریں گے اور لڑکوں کا داخلہ کیا جائے گا؛ مگر لڑکے صرف پنجم یعنی پانچویں جماعت تک پڑھ پائیں گے، اس کے بعد اس مدرسہ سے دوسرے مدرسہ کو جانا ہوگا، اور اس پر وہ لوگ سختی سے عمل کر رہے ہیں۔

عثمان بھائی کی جائیداد تین حصوں میں ہے جیسا کہ نقشہ میں بتایا گیا ہے، خاندان کے تمام افراد ''ت'' حصہ میں رہتے ہیں، مدرسہ شروع کرتے وقت زید کا مطالبہ تھا کہ (ب) کا حصہ دیا جائے، اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں رہے گی، والد عثمان نے ناراضگی کے ساتھ ہاں کہہ دیا، اور آگے یوں کہہ دیا کہ آئندہ اور ضرورت محسوس ہوگی تو اس سے اندیشہ ہوتا ہے کہ تم جائیداد پر اس طرح اپنا قبضہ جمانا چاہتے ہیں، مدرسہ شروع کرنے کے کچھ سال بعد واقعی زید اور ان کی اہلیہ کو مزید کمروں کی ضرورت ہوئی، اور (ب) حصہ کی جگہ ناکافی ہونے لگی تو انہوں نے (الف) کے حصہ میں رہنے والے کرایہ داروں کو خالی کرانا شروع کیا، اس دوران میں والد عثمان پر بیماری کا ایک بہت ہی شدید حملہ ہوا، اور اس وقت سے آج تک ذہنی توازن ٹھیک نہیں ہے، اور نہ ہی کچھ یاد رہتا ہے، اس کے بعد زید نے ایک دن یوں کہا کہ (الف) کے حصہ کو توڑ کر وہاں پر نئی تعمیر کریں گے، اس بات کا مشورہ زید نے اپنی والدہ سے اور بھائی بکر سے کیا،

اور کہا کہ اس طرح مکان بھی اچھا بن جائے گا، اور کل کے روز خالی بھی کریں گے تو دوسرے کرایہ دار آسانی سے آجائیں گے، اور کرایہ بھی معقول ملے گا تو دونوں نے بھی فرداً فرداً تسلیم کرلیا، اسی اثناء میں کچھ زمین خریدی گئی، اور زید نے بذات خود کہا کہ یہ مدرسہ کی جگہ ہے اور یہاں مدرسہ قائم کریں گے، جو زمین خریدی گئی اس کے کاغذات مدرسہ یا سوسائٹی کے نام پر نہیں ہے؛ بلکہ زید نے اپنی اہلیہ کے ایک بھائی کے نام پر کاغذات بنالیے ہیں، پھر کچھ عرصہ بعد مزید تعمیر شروع کرنا چاہتے تھے، اس وقت زید نے یوں کہا کہ تعمیر پر جو کچھ خرچ ہورہا ہے اس کا میں نے پورا حساب رکھا ہے؛ تاکہ کل کے روز ایسی کوئی ضرورت پیش آئی تو پیش کرسکوں، جب یہ الفاظ چھوٹے بھائی بکر نے سنے تو زید سے کہا کہ مزید تعمیر نہ کریں، چوں کہ اس کا حق نہ تم کو ہے، نہ مجھ کو؛ مگر زید نے اس پر عمل نہیں کیا؛ بلکہ یوں کہا کہ اب تعمیر کا سامان آچکا ہے، اب کچھ نہیں کرسکتے، دوسری بات یہ کہ جو جگہ مدرسہ کے لیے خریدی گئی ہے وہاں راستہ ٹھیک نہیں ہے، اگر وہاں مدرسہ منتقل کیا گیا تو کوئی داخلہ نہیں کرائیں گے، اور ہوسکتا ہے کہ جو داخلہ ہوئے ہیں وہ بھی دوسرے مدرسوں کو چلے جائیں وغیرہ، اس مدرسہ کی سوسائٹی کے بعض ارکان نے کہا کہ ہمارے نام سوسائٹی سے نکال دیجئے، کسی اور کو بنایئے یا کچھ بھی کریئے، زید کہتے تو ہیں، ٹھیک نکال دیں گے؛ مگر آج تک اس پر عمل نہیں ہوا۔

اس سوسائٹی کے اصولوں میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ خواہش مند حضرات کوئی اس سوسائٹی کی فلاح وبہبود کے لیے رکن بننا چاہیں تو مقرر کردہ فیس دے کر رکن بن سکتے ہیں؛ مگر دس سال کے عرصہ میں آج تک مزید رکن کا بھی اضافہ نہیں ہوا، اور اب

یہ بات کہی جاتی ہے کہ سوسائٹی کو بدل کر اب ٹرسٹ بنائیں گے؛ تاکہ کسی کو مداخلت کا موقع نہ ملے، اس سال یعنی ۱۹۹۲ء سے جماعت ہشتم شروع کرنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ہمارے مدرسہ کے لڑکے اور لڑکیاں کامیاب ہوکر جب ہشتم میں داخلہ کی غرض سے دوسرے مدرسہ کو رجوع ہوتے ہیں، تو انہیں آسانی سے داخلہ نہیں ملتا، اگر ہم خود دہم جماعت تک جماعتیں رکھیں گے تو طلبہ وطالبات اس پریشانی سے محفوظ رہ سکیں گے، ذیل میں کچھ سوالات ہیں ان کے جوابات شرعی احکام اور بہتر ہوگا حوالہ کے ساتھ دیں۔

زید کا والد عثمان کی مرضی کے خلاف مدرسہ شروع کرنا، اور پھر پہلے جن کمروں کا تذکرہ ہوا تھا اس سے مزید کمروں کو مدرسہ کے استعمال میں لانا، اور پھر (الف) حصہ کی جدید تعمیر کرنا کیسا ہے؟ اور اس کا بھی صحیح علم زید کے سوا اور کسی کو نہیں ہے، (مراد ارکان) ہے کہ اس تعمیر میں روپیہ پیسہ کہاں کہاں سے لے کر لگایا گیا ہے؟

کیا زید اور ان کی اہلیہ کو کوئی حق ہے کہ تمام ارکان کو نظر انداز کر کے مدرسہ وہ اپنی مرضی کے موافق چلائیں؟

ایسے حالات میں جملہ ارکان کی کیا ذمہ داری ہے؟ تمام ارکان خاموشی اختیار کئے ہیں، کیا ان ارکان سے کل قیامت کے دن اس بارے میں مواخذہ نہ ہوگا؟

جدید تعمیر جو ہوئی وہ جائیداد کس کی کہلائے گی؟ زید کا یہ کہنا کہ اب مجھے سہولت ہے اور اب میں تعمیر کرسکتا ہوں، جب بھی تقسیم کا مسئلہ آئے گا میرے حصہ میں کچھ نہ کچھ تو آئے گا، جب کہ زید کو اس بات کا بھی علم ہے کہ جس جگہ تعمیر کی گئی وہ حصہ والد عثمان اپنی لڑکی کو دینے کا ارادہ رکھتے ہیں، زید کا اس طرح عمل کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مکان اور زمین زید کے باپ عثمان کی ملک ہے، تو زید نے اس میں جو کچھ تعمیرات کرائی ہیں، وہ اگر عثمان کی اجازت سے ہے تو یہ عاریت شمار ہوگی، اور اس کے احکام جاری ہوں گے۔ مدرسہ شروع کرنے سے پہلے اس کے لیے جو دستور العمل انہوں نے وضع کیا تھا اگر اس میں کوئی خلاف شرع چیز نہیں ہے تو وہ اس دستور کے پابند ہیں، اس کے خلاف نہیں کر سکتے۔ اگر اراکین کے اعتماد کی بنیاد پر عوام نے زید پر اعتماد کیا ہے تو ان اراکین کے لیے خاموشی درست نہیں ہے؛ بلکہ ان کو چاہیے کہ عوام کے سامنے صحیح صورت حال واضح کر دیں۔ زمین تو زید کے والد عثمان کی ہے اور تعمیر مدرسہ کی ملک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ

مدرسہ کی زمین بیچنا

سوال: مدرسہ ہذا کی زمین جس پر مدرسہ قائم ہے، چند سال قبل چندہ کر کے خریدی گئی تھی، اور اس سے مقصد یہ تھا کہ یہ زمین خالصۃً للہ اشاعتِ دین یعنی تعلیم وتبلیغ ودینی مقاصد کے لیے ہی خریدی تھی، درمیان میں اس زمین کا ناپ کروایا یعنی طول وعرض (لمبائی چوڑائی) کی پیائش کی تو پڑوسیوں میں ایک بیگھے کے قریب زمین نکلی، اس پر پڑوسیوں کا قبضہ ہے، اس میں سے نصف زمین پر ایک پڑوسی قابض ہے، چھوٹا سا اس کا مکان، دکان کا ڈھانچہ کھڑا ہے، وہ پڑوسی اس مقبوضہ زمین کو مدرسہ کے حوالہ کرنا چاہتا ہے، اس کا کہنا یہ ہے کہ اس مقبوضہ زمین کی قیمت لے لی جائے اور

مدرسہ دست بردار ہو جائے، اور وہ پڑوسی کہتا ہے کہ میں نے ایک عالم سے پوچھا ہے کہ مدرسہ کی زمین فروخت ہو سکتی ہے، مسجد کی زمین فروخت نہیں ہو سکتی ہے۔

لہٰذا سوال یہ ہے کہ ہم ذمہ دارانِ مدرسہ اس پڑوسی کے بقول مدرسہ کی مقبوضہ زمین کی قیمت لے کر اس پڑوسی کو بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

''فتاویٰ محمودیہ'' میں ہے: جو عمارت چندہ کر کے بنائی گئی ہو وہ ابھی وقف نہیں ہوئی جب تک اس کو وقف نہ کر دیا جائے۔ (۱۲/ ۲۱۵)

اس لیے آپ نے جو زمین دینی مقاصد کے لیے خریدی تھی اس کو اگر باقاعدہ وقف بھی کر چکے ہیں تب تو پڑوسی کے قبضہ میں جتنی زمین ہے اس سے اس کی قیمت لے کر مدرسہ کا اس زمین سے دست بردار ہو جانا جائز اور درست نہیں، اور اگر باقاعدہ وقف نہیں کیا گیا تو درست اور جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مدرسہ کی جگہ فروخت کرنا

سوال: ایک جگہ ہے جسے مدرسہ کے نام سے لیا گیا اور اس میں تقریباً تین سال بچوں کی تعلیم ہوئی بعد ازاں مدرسہ بند ہو گیا اور اب بند پڑا ہے ممبران مدرسہ اس زمین کو بیچنا چاہتے ہیں تو اس کا بیچنا جائز ہے اگر جائز ہے تو اس زمین سے حاصل شدہ رقم کو کیسے استعمال کریں نیز خریدنے والا اس جگہ کو رہائش کے طور پر استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس جگہ کو خریدنے کے بعد مدرسہ کے لیے وقف کیا گیا تھا تو اس کا بیچنا جائز نہیں اور اگر اس کو وقف نہیں کیا گیا بلکہ وقف کیے بغیر مدرسہ کے استعمال میں لایا گیا تو اب اس کو فروخت کرنا اور دوسرے آدمی کا اس کو خرید کر اپنی ضروریات میں استعمال کرنا درست ہے اس صورت میں اس کو فروخت کرنے سے جو رقم آئی ہے وہ دوسری جگہ مدرسہ ہی کے قیام کے لیے استعمال کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۰ رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مکتب اور مدرسے کی زمین کا تبادلہ کرنا یا اجارہ پر دینا

سوال: دارالعلوم جامعہ..... کی درسگاہ کے آگے کے حصہ میں مکتب کی زمین ہے، اب سوال یہ ہے کہ سامنے کے مکتب کی زمین دارالعلوم میں دے دیں، اور ڈیڑھ گنی زمین اس کے عوض پیچھے کے حصہ میں دارالعلوم کی زمین مکتب میں دے دی جائے، تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہے؟

شقِ دوم یہ ہے کہ: مکتب کی اتنی زمین جو دارالعلوم میں دی جارہی ہے سالانہ اس کا کرایہ طے کرلیا جائے، اور اہلِ مکتب کو سالانہ کرایہ دے دیا جائے، ھکذا مکتب اتنا کرایہ سالانہ جامعہ زکریا کو دے دے۔ ہر دو شق میں کونسی صورت جواز کی ہے اور کونسی عدم جواز کی ہے؟ وضاحت فرما کر مشکور ہوں۔

نوٹ: مکتب کی زمین سڑک سے متصل ہے، اور جامعہ زکریا کی درسگاہ میں

جانے کے لیے درمیان میں مکتب کی زمین پڑتی ہے، اور مکتب کی زمین کے چاروں طرف جامعہ زکریا کی زمین ہے، نیز دارالعلوم جامعہ زکریا اور مکتب دونوں کی زمین وقف ہیں، اور دونوں کے ذمہ داران بھی علاحدہ ہیں، دارالعلوم ڈیوڑھی (ڈیڑھ گنی) زمین اس لیے دے رہا ہے کہ مکتب کی زمین لبِ سڑک ہونے کی بنا پر قیمتی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دونوں زمینیں چوں کہ وقف ہیں، اس لیے ان کو فروخت کرنا یا آپس میں تبادلہ کرنا درست نہیں ہے۔ سوال میں اس بات کی تصریح نہیں ہے کہ واقف نے وہ زمین کس کام کے لیے وقف کی ہے، اگر مدرسہ یا مکتب کے واسطے عمارت بنانے کے لیے وقف کی ہے تو کرایہ پر دینا بھی درست نہیں ہے، اور اگر کرایہ پر دے کر اس کی آمدنی مدرسہ یا مکتب پر خرچ کرنے کے لیے وقف کی ہے تو ایسی زمین کا جو کرایہ عام طور پر آسکتا ہے اتنی مقدار پر کرایہ پر دی جاسکتی ہے؛ البتہ اس کا خیال رہے کہ کرایہ داری کا معاملہ بیک وقت لمبے عرصہ کے لیے نہ کیا جائے؛ بلکہ تین سال کے لیے کیا جائے اور ہر تین سال پر کرایہ داری کے معاملہ کی تجدید کی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ رشوال ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اسکول کی بلڈنگ دارالعلوم کو فروخت کر کے دوبارہ قبضہ کر لینا

سوال: ایک ٹرسٹ جو پرائمری اور نرسری اسکول گلاسگو میں چلا رہا تھا ان سے نہ چل سکنے کی بنا پر اس نے دوسرے ٹرسٹ کو بیچا، دوسرے ٹرسٹ نے دارالعلوم چلانے

کے لیے (جو فی الحال دو مدرسہ چلا رہا ہے) شریعت کے مطابق اس اسکول کی بلڈنگ کو خریدا؛ تاکہ اس میں قرآن کے حافظ و عالم بنانے کی تعلیم دی جائے جس میں تقریباً تیس لڑکے اور پندرہ لڑکیاں زیرِ تعلیم تھیں، دار العلوم کے ٹرسٹ نے واقف سے قرضۂ حسنہ اور چندہ اس شرط پر لیا تھا کہ اس میں دار العلوم چلایا جائے گا، پھر اس کے ذریعہ سے اس کی اصل رقم کی ادائیگی کے ساتھ اس کی ضرورتوں کے لیے خرچہ کیا گیا، جس میں زیادہ رقم قرضۂ حسنہ سے لی گئی، تقریباً ایک سال کے بعد سابقہ ٹرسٹ نے دار العلوم کی بلڈنگ اور اس کی تمام اشیا پر زبردستی قبضہ کیا اور دار العلوم کی تعلیم ختم کر دی۔

اس صورت میں مندرجۂ ذیل سوالوں کے جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرمائیں:

① کیا سابقہ ٹرسٹ دار العلوم کے ٹرسٹ کو اصل رقم ادا کرنے کے ذمہ دار ہے یا نہیں؟

② دار العلوم کی بلڈنگ اور اس کے لوازمات پر جو اخراجات ہوئے ہیں سابقہ ٹرسٹ یہ اخراجات دار العلوم کے ٹرسٹ کو ادا کرنے کے ذمہ دار ہے یا نہیں؟

③ واقف نے دار العلوم کے ٹرسٹ کو چندہ دیتے وقت دار العلوم چلانے کی شرط کی تھی کہ آپ اس چندہ سے دار العلوم چلائیں گے تو کیا سابقہ ٹرسٹ (جس نے زبردستی قبضہ کیا ہے) وہ اس چندہ کی رقم اور وقف کی اشیاء کو اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا دار العلوم کے ٹرسٹ کو واپس کر دیں؛ تاکہ دار العلوم کا ٹرسٹ دار العلوم کی بلڈنگ خرید کر واقف کی رقم کو واقف کی شرط کے مطابق استعمال کر سکے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اسکول کی جس بلڈنگ کے متعلق آپ نے سوال کیا ہے جس میں پہلے والا ٹرسٹ پرائمری اور نرسری اسکول چلا رہا تھا اور ان سے وہ نہ چل سکنے کی بنا پر دوسرے ٹرسٹ کو وہ بلڈنگ فروخت کی، اس بلڈنگ سے متعلق آپ نے سوال میں وضاحت نہیں کی ہے یعنی یہ نہیں بتلایا گیا کہ وہ بلڈنگ اسکول چلانے کے لیے وقف تھی یا سابق ٹرسٹ نے بلا وقفیت کے کسی سے خریدا تھا یا بنایا تھا۔ اگر وہ بلڈنگ اسکول چلانے کے لیے وقف کی گئی تھی تو سابقہ ٹرسٹ کا اس بلڈنگ کو دوسرے ٹرسٹ کے ہاتھ فروخت کرنا ہی صحیح نہیں ہوا؛ بلکہ یہ بیع شرعاً باطل ہے جیسا کہ شامی: ۳/ ۴۳۱ میں اس کی صراحت ہے، اور اگر وہ بلڈنگ مذکورہ بالا مقصد کے لیے وقف نہیں کی گئی تھی؛ بلکہ سابقہ ٹرسٹ نے اس مقصد کے لیے اس کو خریدا تھا یا تعمیر کیا تھا تو اس صورت میں اس کا اس بلڈنگ کو دوسرے ٹرسٹ کے ہاتھوں فروخت کرنا درست تھا۔ اب اس کے بعد اس سابقہ ٹرسٹ کا اس بلڈنگ اور اس کی تمام اشیا پر زبردستی قبضہ کرنا درست اور جائز نہیں؛ بلکہ اگر دوسرے ٹرسٹ نے اس بلڈنگ کو خریدنے کے بعد دار العلوم چلانے کے لیے وقف کیا ہے تب تو خود وہ دوسرا ٹرسٹ بھی اس بلڈنگ کو نہ فروخت کر سکتا ہے، نہ کسی اور غرض کے لیے اس کو استعمال کر سکتا ہے؛ بلکہ اس بلڈنگ میں دار العلوم ہی چلانا ضروری ہے۔ آپ کے سوالات کے جوابات تفصیلِ بالا سے بخوبی معلوم ہو جاتے ہیں، اس کے باوجود نمبر وار جواب پیشِ خدمت ہیں:

(۱) اگر دوسرے ٹرسٹ نے اس بلڈنگ کو دار العلوم کے لیے وقف نہیں کیا تو اس صورت میں بھی سابقہ ٹرسٹ کا زبردستی اس پر قبضہ کرنا غصب کے حکم میں ہے، ہاں!

دوسرے ٹرسٹ سے باقاعدہ وہ قیمت دے کر جو آپس میں طے ہو اس کو خرید سکتا ہے۔

② جس صورت میں فروخت کرنا درست بتلایا گیا ہے اس صورت میں دار العلوم ٹرسٹ اپنے تمام اخراجات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے قیمت متعین کر سکتا ہے۔

③ چندہ کی رقم جس مقصد کے لیے دی گئی ہے، دینے والے کی اجازت کے بغیر دوسرے کام میں اس کا استعمال جائز نہیں، اسی طرح وقف کی اشیا بھی جس مقصد کے لیے وقف کی گئی ہیں اس کے علاوہ دوسرے مقصد میں ان کا استعمال جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۲۸/صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ایک مدرسہ کے صدر کی طالبات کے ساتھ ناجائز حرکتیں

سوال: مسلم لڑکیوں کے لیے ایک خالص اور اعلیٰ دینی تعلیم کی درس گاہ ہے، ادارۂ مذکور کے صدر اور ایک طالبہ کے مابین ایک واقعہ ظہور میں آیا:

اور اس واقعہ کی اطلاع صدر موصوف کے بھتیجے نے مدرسہ کے ارکان کو بہم پہنچائی اور تحقیقات کا مطالبہ کیا؛ چوں کہ صدر صاحب کے بھتیجے بھی ادارۂ ہذا کے ذمہ دار رکن ہیں، اس لیے ان کی اطلاع اور مطالبہ کے مطابق اراکین نے واقعہ کی تحقیق و تفتیش کی، اس سلسلے میں چند باتوں کا استفسار مقصود ہے:

مذکورہ طالبہ نے شہر کے ائمۂ مساجد اور علماء؛ نیز ادارہ کے بعض ارکان کے روبرو حلفیہ بیان دیا کہ ۱۶/اکتوبر ۱۹۸۷ء مطابق ۱۲/صفر دوپہر میں کھانا کھانے کے

بعد پرہیزی کھانے کی چٹ لکھوانے کے لیے میں اور ایک طالبہ دونوں ساتھ میں آفس گئیں، میں نے صدر صاحب سے کہا کہ پرہیزی کھانے کی چٹ لکھ دیجیے، تو انھوں نے کہا کہ ''بیٹھ ابھی لکھ کر دیتا ہوں'' ہم دونوں کھڑی رہ گئیں، تو صدر صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھ کو بٹھا دیا، اور ساتھ والی سے کہا تم جاؤ، وہ چلی گئی، تو صدر صاحب نے اٹھ کر آفس کے دونوں دروازے خود بند کئے، اور لائٹ بھی بند کر دی، پھر میرے دونوں ہاتھوں کو پکڑ کر اپنے سے چمٹا لیا، اور میرے چیخنے پر میرا منہ ہاتھ سے دبا دیا، اور مجھے زبردستی لٹا دیا، اور کہا کہ اگر چلائے گی تو مدرسہ سے خارج کر دوں گا، پھر اس کے بعد میری شلوار اور اپنا پائجامہ اتارا، اور میرے سینے کو ہاتھ لگایا اور زور سے دبایا، اور اپنے قابو میں کر کے خود کا ڈال دیا، میں چیخنے لگی، تو اپنی ٹوپی میرے منہ میں ٹھونس دی، اور مجھ سے پوچھنے لگے کہ تم کو مزہ آ رہا ہے؟ اور خبردار کرتے ہوئے کہ کسی کو ہرگز نہ بتانا، اگر کسی سے بھی بتایا تو مدرسہ سے خارج کر دوں گا، پھر یہ کہتے ہوئے کہ میں تم کو پیار کرتا ہوں بوسہ لیا اور میرے سینے پر کاٹا بھی، کچھ دیر کے بعد اچانک دروازہ کھلا اور میں نے دیکھا کہ میرے ساتھ آنے والی لڑکی عائشہ دروازہ پر کھڑی ہے، اس وقت میں اپنی شلوار باندھ رہی تھی اور صدر ننگے تھے، اسی دن منگل کو مجھے اپنے ساتھ کھانے کے لیے صدر صاحب نے کہا؛ لیکن میں روتی ہوئی سیدھی حفظ کلاس میں چلی گئی، بدھ کے روز مجھ کو پھر بلایا؛ لیکن میں نے جانے سے انکار کر دیا، مجھے اپنے سینے اور شرمگاہ پر درد بڑھا تو مجھ کو کلاس کی دو طالبات نے کمرے تک پہونچایا، مجھے روتا دیکھ کر کچھ لڑکیوں نے میرے چچا کو اطلاع دی، تو انھوں نے مجھ سے رونے کی وجہ پوچھی، تو میں نے ساری بات ان کو بتا دی۔

دیکھنے والی لڑکی اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ میں فاطمہ کے ساتھ آفس گئی تھی، صدر صاحب نے اس کو روک لیا، اور مجھے واپس بھیج دیا، میں اپنی کلاس میں چلی گئی؛ لیکن تھوڑی دیر کے بعد پانی پینے کے لیے آفس گئی تو دروازہ بند تھا، میں نے دھکا دیا تو دروازہ کھل گیا، میں نے دیکھا کہ صدر صاحب بیٹھے ہوئے ہیں، اور ان کا پائجامہ کھلا ہوا ہے، اور فاطمہ اپنی شلوار باندھ رہی ہے، یہ منظر دیکھ کر پانی پینے کے بجائے فوراً سامنے والی کلاس میں چلی گئی، صدر صاحب نے فاطمہ کو دوسرے دروازے سے بھیج دیا، اور صالحہ کے ذریعے مجھ کو بلوایا، اور مجھے ڈانٹتے ہوئے باز و والی کرسی پر بٹھایا، اس وقت میرے ساتھ شمع بھی تھی، اس کو یہ کہا کہ مجھے اس سے ایک بات کہنا ہے، تم جاؤ، حکم پا کر نہ چاہنے کے باوجود اس کو جانا پڑا، پھر مجھ سے پوچھا کہ تو نے کیا کیا دیکھا ہے؟ میں نے جو کچھ دیکھا تھا بتا دیا، سننے کے بعد مجھے سخت تاکید کی کہ کسی سے ہرگز ہرگز کچھ نہ کہنا، پھر دوسرے دن بدھ کو مجھے بلا کر پوچھا کہ کسی کو کچھ بتایا تو نہیں، میں نے انکار میں جواب دیا اور بہانہ کر کے وہاں سے چلی آئی۔ واضح رہے کہ آفس سے متعلق سارے کام صرف صبح کے وقت ہوتے ہیں، دوپہر میں آفس بند رہتا ہے؛ لیکن صدر موصوف کا یہ معمول تھا کہ اپنی دوپہر روزانہ آفس میں گزارتے تھے، اور کسی کو اس وقت آفس میں رہنے یا آنے جانے کی قطعاً اجازت نہ تھی، صدر صاحب کسی بھی لڑکی کو کھانے کے بہانے آفس میں بلا لیا کرتے تھے، اور دروازہ بند کر کے مطلوبہ لڑکی کے ساتھ دوپہر گزارتے تھے، اور آفس کے اردگرد کرفیو لگا رہتا تھا؛ نیز مدرسہ کا ٹائم صبح نو بجے شروع ہوتا ہے؛ لیکن صدر صاحب صبح سات بجے ہی مدرسہ پہونچ جاتے تھے اور ایک مقررہ لڑکی روزانہ بند آفس میں ان کے ساتھ اتنا وقت گزارا کرتی تھی،

اور دوپہر میں مدرسہ کا ٹائم تین بجے شروع ہوتا ہے، تو روزانہ کا معمول تھا کہ تین بجے کے بعد جب ساری طالبات دارالاقامہ سے اپنی اپنی کلاسوں میں منتقل ہوجاتی تھیں، تو دارالاقامہ میں رہنے والی ایک معلمہ کے ساتھ چھٹی تک کا وقت گزارا کرتے تھے، اس وقت دارالاقامہ میں کرفیو رہتا تھا، کسی فرد کو آنے کی اجازت نہیں تھی، اور صدر موصوف اور معلمہ موصوفہ کے علاوہ وہاں کوئی تیسرا نہیں ہوتا تھا؛ نیز صدر موصوف عملی طور پر ادارۂ ہذا کے مختار کل اور حاکم مطلق تھے، جب اور جس لڑکی کو جہاں چاہتے تھے بلا لیتے تھے، اور جب تک چاہتے اپنے پاس روکے رکھتے، اور جب اور جس کو چاہتے خارج کردیتے، اور جسے چاہتے داخل کرلیتے، اپنے طور پر جو حکم چاہتے نافذ کردیتے، کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں تھی، حکم عدولی یا اعتراض پر اخراج کی سزا جاری کردیتے، واقعہ مذکورہ کے ظہور کے بعد ہمت کرکے بہت سی طالبات نے ظاہر کیا کہ صدر صاحب دوپہر میں جب کبھی ہم کو بلاتے تو اپنے پاس بٹھا کر ہمارے سینے پر عطر ملتے، اور اس بہانے دست درازی کیا کرتے تھے؛ نیز اس واقعہ کے فوراً بعد کاریگر کو بلوا کر دروازہ درست کرایا؛ تاکہ دھکا دینے سے کھل نہ سکے، یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ صدر موصوف کی بیوی نہیں ہیں، انتقال کرچکی ہیں، اس حادثہ کے پانچویں یا چھٹے دن صدر موصوف اور ان کے متعلقین نے ان کے قول کے مطابق دو غیر سرکاری لیڈی ڈاکٹروں سے پہلی بار معائنہ کرایا پھر بارہویں روز دوبارہ معائنہ کروایا، ان ڈاکٹروں نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ لڑکی کا پردۂ بکارت باقی ہے، اور جو جھلی جماع کی وجہ سے اپنی اصل وضع سے ہٹ جاتی ہے وہ علی حالہ باقی ہے۔

مذکورہ حالات وحقائق کے پیشِ نظر دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) لڑکی کے بیان اور دیکھنے والی طالبہ کی گواہی سے صدر موصوف پر زنا کا حکم لگ سکتا ہے یا نہیں؟

(۲) اجنبیات کے ساتھ صدر موصوف کا خلوت کرنا اور انہیں ہاتھ لگانا، سینے پر عطر ملنا شرعاً جرم ہے یا نہیں؟

(۳) زنا کے سلسلے میں شریعت نے چار مردوں کی عینی شہادت آیا حدِ زنا نفاذ کے لیے ضروری رکھی ہے یا مطلق ثبوتِ زنا کے لیے؟

(۴) صرف عورتوں کی شہادت سے کسی پر زنا کا جرم لگ سکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ وہاں کسی مرد کے آنے جانے کی گنجائش نہیں؟

(۵) کیا زنا کے ثبوت کے لیے شرعاً پردۂ بکارت کا زائل ہونا ضروری ہے؟

(۶) کیا اس سلسلے میں ڈاکٹری رپورٹ - جو کئی دنوں بعد حاصل کی گئی - معتبر ہوگی؟ اور کیا اس رپورٹ کو کسی شرعی فیصلہ کی بنیاد بنایا جا سکتا ہے؟

(۷) کیا صدر موصوف کو لڑکیوں کے مدرسہ کا صدر باقی رکھنا چاہیے؟ اور ایسے شخص کا مدرسۂ مذکورہ میں آنا جانا، اور طالبات و معلمات سے بے پردہ بے تکلف خلط ملط رکھنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) (۳) (۴) لڑکی کے بیان اور دیکھنے والی طالبہ کی شہادت کی بنیاد پر زنا کا حکم نہیں لگ سکتا، ثبوتِ زنا کا ایک معنی تو یہ ہے کہ فعلِ زنا کا خارج میں وجود و تحقق ہو، تو اس کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے کہ آدمی اس کا مرتکب ہو، اس لیے کہ یہ فعل حسی ہے اور فعلِ حسی کا وجود و تحقق نفسِ ایقاع و ایجادِ فعل سے ہو جاتا ہے، اس کے لیے یہ بھی

ضروری نہیں ہے کہ کسی نے دیکھا ہو، اور دیکھنے والا اس کی شہادت بھی دے بلکہ اگر کسی آدمی نے اس فعلِ قبیح کا ارتکاب کیا، اور کسی نے نہیں دیکھا یا دیکھنے والوں نے دیکھا؛ لیکن انھوں نے اس کی پردہ پوشی کرتے ہوئے یا اور کسی اور وجہ سے شہادت نہیں دی، پھر بھی وہ شخص زانی اور گنہ گار ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اس گناہ سے سچی پکی توبہ کرے۔

ثبوتِ زنا کا دوسرا معنی یہ ہے کہ حاکم یا لوگوں کے نزدیک وہ زانی قرار دیا جائے، دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ اس پر زنا کا حکم لگایا جائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ مرد ہی گواہ ہوں، اس باب میں عورتوں کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا گیا؛ نیز چار مردوں کا ہونا ضروری قرار دیا، چار سے کم کی گواہی کا اعتبار نہیں، اس کے علاوہ دیگر شرائط بھی ہیں جو کتبِ فقہ میں مفصل مذکور ہیں، مندرجۂ ذیل عباراتِ فقہیہ سے یہ باتیں بخوبی ثابت ہوجاتی ہیں۔

درمختار میں ہے: ویثبت بشهادة أربعة رجال في مجلس واحد، فلو جاؤا متفرقين حُدُّوْا، بلفظ الزنا لا مجرد لفظ الوطأ والجماع وظاهر الدرر أن ما يفيد معنى الزنا يقوم مقامه (درمختار على هامش الشامى ٣ /١٥٦)

اس کے بعض الفاظ کی تشریح فرماتے ہوئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

(قوله ويثبت) اى الزنا عند القاضي، إما ثبوته في نفسه فبايجاد الانسان له؛ لأنه فعل حسى،نهر (قوله رجال) لأنه لامدخل لشهادة النساء فى الحدود، وقيد بذلك من ادخال التاء فى العدد كما هو الواقع فى النصوص، (قوله فلو جاؤا متفرقين حدوا) اى حد القذف، ولو جاؤا فرادىٰ وقعدوا مقعد الشهود، و قام إلى القاضي وا حد بعد وا حد،

قبلت شهادتهم، وان كانوا خارج المسجد حدوا جميعاً، بحر عن الظهيرية الخ. (شامی ۳ /۱۵۶)

ہدایہ میں ہے: وان نقص عدد الشهود عن اربعة حُدُّوْا؛ لأنهم قذفة اذ لاحسبة عند نقصان العدد وخروج الشهادة عن القذف باعتبارها. (هدايه)

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح فرماتے ہیں: (قوله وإن نقص عدد الشهود عن اربعة) بان كانوا ثلاثة فأقل حدوا حد القذف، يعنى اذا طلب المشهود عليه بالزنا ذلك؛ لأنه حقه فتوقف على طلبه وهذه اجماعية لقوله تعالىٰ ﴿والذين يرمون﴾ الخ (فتح القدير ٥/ ٢٨٩)

درِمختار کے باب التعزیر میں ہے: ادعى سرقة على شخص وعجز عن اثباتها لا يعزر بخلاف دعوى الزنا؛ فانه اذا لم يثبت يحد لما مر.

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس پر حاشیہ تحریر فرماتے ہیں: (قوله لمامر) اى قبيل هذا الباب من انه مندوب للدر أى مامور بالستر، فاذا لم يقدر على اثباته كان مخالفا للأمر، وذكرنا الفرق فيما تقدم بورود النص على جلده اذا لم يأت بأربعة شهداء (شامی ۳ /۲۰۴)

اس موقعہ پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کلام (جو انھوں نے معارف القرآن میں فرمایا ہے) فائدہ سے خالی نہیں، فرماتے ہیں:

''زنا چوں کہ سارے جرائم سے زیادہ معاشرہ میں بگاڑ اور فساد کا ذریعہ ہے، اس لیے اس کی سزا شریعتِ اسلام نے دوسرے سب جرائم سے زیادہ سخت رکھی ہے، اس لیے عدل وانصاف کا تقاضہ تھا کہ اس معاملہ کے ثبوت کو بڑی اہمیت دی جائے،

بغیر شرعی ثبوت کے کوئی کسی مرد یا عورت پر زنا کا الزام یا تہمت لگانے کی جرأت نہ کرے، اس لیے شریعتِ اسلام نے بغیر ثبوت شرعی کے جس کا نصاب چار مرد گواہ عادل ہونا ہے، اگر کوئی کسی پر تہمت صریح زنا کی لگائے تو اس تہمت لگانے کو بھی شدید جرم قرار دیا، اور اس جرم پر بھی حد شرعی اسّی کوڑے مقرر کی، جس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ کسی شخص پر زنا کا الزام کوئی شخص اسی وقت لگانے کی جرأت کرے گا جب کہ اس کے اس فعلِ خبیث کو خود اپنی آنکھ سے دیکھا بھی اور صرف اتنا ہی نہیں؛ بلکہ اس کو یہ یقین ہو کہ میرے ساتھ اور تین مردوں نے دیکھا ہے، اور وہ گواہی دیں گے؛ کیوں کہ اگر دوسرے گواہ ہی نہیں یا چار سے کم ہیں، یا ان کے گواہی میں شبہ ہے، تو اکیلا یہ شخص گواہی دے کر تہمتِ زنا کی سزا کا مستحق بننا کسی حال میں گوارا نہ کرے گا، رہا یہ معاملہ کہ جب زنا کی شہادت کے لیے ایسی کڑی شرطیں لگادی گئیں تو مجرموں کو کھلی چھٹی مل گئی، نہ کسی کو شہادت کی جرأت ہوگی، نہ کبھی ثبوتِ شرعی بہم پہنچے گا، نہ ایسے مجرم کبھی سزا یاب ہوسکیں گے؛ مگر یہ خیال اس لیے غلط ہے کہ زنا کی حد شرعی، یعنی سو کوڑے یا رجم وسنگساری کی سزا دینے کے لیے تو یہ شرطیں ہیں؛ لیکن دو غیر محرم مرد وعورت کو یکجا قابلِ اعتراض حالت میں یا بے حیائی کی باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر اس کی شہادت دینے پر کوئی پابندی نہیں، اور ایسے تمام امور جو زنا کے مقدمات ہوتے ہیں یہ بھی شرعاً قابلِ سزا جرم ہیں؛ لیکن حدِ شرعی کی سزا نہیں؛ بلکہ تعزیری سزا قاضی یا حاکم کی صوابدید کے مطابق کوڑے لگانے کی دی جاتی ہے، اس لیے جس شخص نے دو مرد وعورت کو زنا میں مبتلا دیکھا؛ مگر دوسرے گواہ نہیں ہیں، تو صریح زنا کے الفاظ سے تو شہادت نہ دے مگر بے حجابانہ اختلاط کی گواہی دے سکتا ہے، اور حاکم، قاضی اس پر تعزیری سزا بعد ثبوت

جرم جاری کرسکتا ہے''۔(معارف القرآن ۶/ ۳۵۳، ۳۵۴)

بہرحال نصوصِ فقہیہ سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ شریعت نے ثبوتِ زنا کے لیے شہادت یا اقرار کو ضروری قرار دیا ہے، اور شہادت وہی کہلاتی ہے جو مجلسِ قضاء میں ہو، اور اس میں تمام شرائطِ ضروریہ موجود ہوں۔

⑤ اگر کسی مرد عورت کے متعلق چار شرعی گواہوں نے زنا کی شہادت دی، اور عورت باکرہ ہے، یعنی اس کا پردۂ بکارت زائل نہیں ہوا ہے، تو اس صورت میں ان دونوں مرد عورت پر حدِ زنا جاری نہیں ہوگی، اور گواہوں پر حد قذف بھی جاری نہ ہوگی۔

اس مسئلہ کی تعلیل کرتے ہوئے صاحبِ ہدایہ رقمطراز ہیں: لأن الزنا لا يتحقق مع بقاء البكارة، یعنی پردۂ بکارت کے ہوتے ہوئے زنا کا تحقق نہیں ہوسکتا ہے، اس تعلیل سے تو یہی مستفاد ہوتا ہے کہ شرعاً ثبوتِ زنا کے لیے پردۂ بکارت کا زائل ہونا شرط ہے؛ البتہ شارحِ ہدایہ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقعہ پر جو تفصیل فرمائی ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ازالۂ بکارت میں مبالغہ نہ ہو تو بکارت عود کر آئی ہو؛ بہرحال اس پر سب متفق ہیں کہ ثبوتِ زنا نہیں ہوگا۔(فتح القدیر ۵/ ۲۸۸)

⑥ اگر ایک آزاد مسلمان عادل عورت یہ کہے کہ فلاں عورت باکرہ ہے، تو اس کو تسلیم کرلیا جائے گا؛ البتہ اگر دو عورتیں ہوں تو یہ زیادہ احتیاط کی بات ہے۔

درمختار میں ہے: والبكارة، وعيوب النساء فيما لا يطلع عليه الرجال امرأة حرة مسلمة والثنتان احوط (درمختار علی هامش الشامی ۸/ ۴۱۳)

ایک دوسرے مقام پر ہے: فان قالت امرأة ثقة والثنتان احوط هي بكر (درمختار)

اس کی شرح فرماتے ہوئے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

(قوله ثقة) يشير الى ما فى كافى الحاكم من اشتراط عدالتها تأمل (قوله والثنتان احوط) وفى البدائع اوثق، وفى الاسبيجابى افضل بحر (شامی ۲/ ٦٤٧)

اس میں مدت کی کوئی تحدید وتعیین نہیں ہے۔

② جس طرح اصول، عقائد، توحید، رسالت، آخرت تمام انبیاء علیہم السلام کی شرائع میں مشترک اور متفق علیہ چلے آرہے ہیں، اسی طرح عام معاصی اور فواحش ومنکرات ہر شریعت ومذہب میں حرام قرار دئے گئے ہیں؛ لیکن شرائعِ سابقہ میں ان کے اسباب وذرائع کو مطلقاً حرام نہیں کیا گیا تھا، جب تک کہ ان کے ذریعہ کوئی جرم واقع نہ ہوجائے، شریعتِ محمدیہ (علیٰ صاحبها الصلاة والسلام) چوں کہ قیامت تک رہنے والی شریعت تھی، اس لیے اس کی حفاظت کا منجانب اللہ خاص اہتمام یہ کیا گیا کہ جرائم ومعاصی تو حرام تھے ہی، ان اسباب وذرائع کو بھی حرام قرار دے دیا گیا جو عادتِ غالبہ کے طور پر ان جرائم تک پہونچانے والے ہیں، مثلاً شراب نوشی کو حرام کیا گیا، تو شراب کے بنانے، بیچنے، خریدنے، اور کسی کو دینے کو بھی حرام قرار دے دیا گیا۔ سود کو حرام کرنا تھا تو سود سے ملتے جلتے معاملات کو بھی ناجائز کردیا گیا، اسی لیے حضراتِ فقہاء نے تمام معاملاتِ فاسدہ سے حاصل ہونے والے نفع کو سود کی طرح مالِ خبیث قرار دیا۔ شرک وبت پرستی کو قرآن نے ظلمِ عظیم اور ناقابلِ معافی جرم قرار دیا تو اس کے اسباب ذرائع پر بھی کڑی پابندی لگادی، آفتاب کے طلوع وغروب اور وسط میں ہونے کے اوقات میں چوں کہ مشرکین آفتاب کی پرستش کرتے تھے، ان

اوقات میں نماز پڑھی جاتی تو آفتاب پرستوں کے ساتھ ایک طرح کی مشابہت ہوجاتی، پھر یہ مشابہت کے وقت خود شرک میں مبتلا ہونے کا سبب بن سکتی تھی، اس لیے شریعت نے ان اوقات میں نماز اور سجدہ کو بھی حرام وناجائز کردیا، بتوں کے مجسمات اور تصویریں چوں کہ بت پرستی کا قریبی ذریعہ تھیں، اس لیے بت تراشی اور تصویر سازی کو حرام اور ان کے استعمال کو ناجائز کردیا گیا، اسی طرح جب کہ شریعت نے زنا کو حرام قرار دیا تو اس کے تمام اسبابِ قریبہ اور ذرائع کو بھی محرمات میں داخل کردیا، کسی اجنبی عورت یا امرد پر شہوت سے نظر ڈالنے کو آنکھوں کا زنا قرار دیا، اس کا کلام سننے کو کانوں کا، اس کے چھونے کو ہاتھوں کا، اس کے لیے جدوجہد میں چلنے کو پاؤں کا زنا فرمایا جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے۔ (معارف القرآن ۷/ ۲۰۵، ۲۰۶)

یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ شریعتِ اسلام نے جن کاموں کو گناہ کا سبب قریب درجۂ اول قرار دے کر حرام کردیا، اس حکمِ حرمت کے بعد وہ سب کے لیے مطلقاً حرام ہے، خواہ ابتدائے گناہ کا سبب بنے یا نہ بنے، اب وہ خود ایک حکمِ شرعی ہے جس کی مخالفت حرام ہے۔ (معارف القرآن ۷/ ۲۰۷)

اجنبی عورت کے ساتھ خلوت حرام ہے، چاہے عورت تنہا ہو یا متعدد، حدیث پاک میں اس کی صراحۃً ممانعت آئی ہے۔ طبرانی میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"اياك والخلوة بالنساء، فوالذي نفسي بيده ماخلا رجل بإمرأة الا دخل الشيطان بينهما، وليزحم رجل خنزيراً متلطخا او حمأة خير له من أن يزحم منكبه منكب امرأة لاتحل له". (كنز العمال ٥/ ٣٢٢)

یعنی عورتوں کے ساتھ خلوت سے بچو! پس قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کوئی مرد جب کسی (اجنبی) عورت سے خلوت کرتا ہے، تو شیطان ان کے درمیان داخل ہو جاتا ہے، اور کوئی مرد کسی مٹی میں آئے ہوئے یا کیچڑ میں لت پت سور سے ٹکرائے یہ بہتر ہے اس کے لیے اس سے کہ اس کا کندھا کسی ایسی عورت کے کندھے سے رگڑے جو اس کے لیے حلال نہیں۔

ایک دوسری روایت میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''لا یخلونّ رجل بامرة، فان الشیطان ثالثهما'' (کنز العمال ۱۵/ ۳۲۳ بحوالۂ طبرانی) یعنی کوئی مرد کسی (اجنبی) عورت سے خلوت ہرگز نہ کرے کہ ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔

ابوعبداللہ حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو اپنی کتاب مستدرک ۱/ ۱۱۴ میں لیا ہے، اور آخر میں فرماتے ہیں: ''صحیح علی شرط الشیخین''، علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تائید فرمائی ہے۔ (من هامش الکنز)

ترمذی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''لاتلجوا علی المغیبات، فان الشیطان یجری من احدکم مجری الدم، قلنا: ومنك؟ قال: ومني ولکن الله اعانني علیه فاسلم'' (ترمذی کتاب الرضاع باب ۱۷، ۱/ ۱۴۰) یعنی جن عورتوں کے مرد موجود نہیں ان کے پاس داخل نہ ہو؛ اس لیے کہ شیطان تمھاری (رگ و پے میں) خون کی طرح جاری وساری ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اور آپ ﷺ کے بھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بھی؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے اس کے مقابلہ میں، اس لیے میں محفوظ رہتا ہوں۔

اس روایت کے بعد بھی کیا کوئی اپنے بارے میں گارنٹی دے سکتا ہے؟

مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"الا لا یبیتن رجل عند امرأة في بیت إلا أن یکون ناکحا او ذا محرم" (مسلم شریف کتاب السلام باب تحریم الخلوة بالاجنبیة والدخول علیها ۲ /۲۱۵) سنو! کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ ایک مکان میں رات نہ گزارے؛ مگر یہ کہ اس کا شوہر ہو یا محرم ہو۔

مسلم شریف ہی میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ناقل ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز منبر پر خطبہ دیا جس میں ارشاد فرمایا: "لا یدخلن رجل بعد یومی هذا علی مغیبة الا ومعه رجل او اثنان" (مسلم ۲ /۲۱۶) (آج کے بعد کوئی مرد ایسی عورت جس کا مرد نہ ہو اس کے پاس داخل نہ ہو؛ مگر یہ کہ اس کے ساتھ ایک یا دو مرد اور ہوں)۔ یہ روایت مسندِ احمد ۲ /۱۸۶، ۲ /۱۷۱ پر بھی موجود ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مقامِ جابیہ میں اپنا مشہور خطبہ جو دیا اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا کہ: "لا یخلون احدکم بإمرأة فان الشیطان ثالثهما" (مسند احمد ۱/۱۸) (تم میں سے کوئی کسی (اجنبی) عورت کے ساتھ خلوت نہ کرے؛ اس لیے کہ ان میں تیسرا شیطان ہے)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "من قعد علی فراش مغیبة، قیض الله له یوم القیامة ثعباناً" (مسند احمد ۵/۳۰۰) یعنی جو آدمی کسی ایسی عورت کے بستر پر بیٹھا جس کا مرد موجود نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ اس پر قیامت کے روز ایک اژدہا مسلط فرمائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ناقل ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "مثل الذی یجلس علی فراش المغیبة مثل الذی ینهشه اسود من اساود یوم القیامة" (کنز العمال ۳۲۲/۵، مجمع الزوائد للهیثمی ۲۵۸/۶) یعنی اس آدمی کی مثال جو کسی ایسی عورت جس کا مرد نہ ہو کے بستر پر بیٹھتا ہے، اس شخص کی طرح ہے جس کو قیامت کے اژدہوں میں سے کوئی اژدہا ڈس رہا ہو۔

یہ چند احادیث بطورِ نمونہ پیش کی ہیں، ورنہ اس کے علاوہ بھی ایک بڑا ذخیرہ اس موضوع پر موجود ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ اجنبیات سے خلوت حرام و ناجائز ہے۔

حضراتِ فقہاء نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے، فقہ حنفی کی مشہور و متداول کتاب ہدایہ میں ہے: ولهذا تحرم الخلوة بالاجنبية وان كان معها غيرها. (هدايه ۲۶۳/۲) (اجنبی عورت کے ساتھ خلوت حرام ہے چاہے وہاں دوسری عورت بھی موجود ہو)۔

درمختار میں ہے: وفی الاشباه: الخلوة بالاجنبية حرام (درمختار علی هامش الشامی ۲۶۰/۵) (یعنی اجنبی عورت کے ساتھ خلوت حرام ہے)۔

شامی میں "منية المفتی" کے حوالے سے نقل کیا ہے: الخلوة بالاجنبية مكروهة وان كانت معها اخریٰ كراهة تحريم (شامی ۲۶۰/۵) یعنی اجنبیہ عورت کے ساتھ خلوت مکروہ تحریمی ہے چاہے وہاں دوسری عورت موجود ہو۔

علامہ ابن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الزواجر عن اقتراف الكبائر" میں خلوت بالاجنبیہ کو کبائر میں شمار کیا ہے۔ (الزواجر ۲/۲)

اجنبیات کو چھونا اور ہاتھ لگانا بھی ناجائز و حرام ہے، حدیث پاک میں اس کو ہاتھ

کا زنا قرار دیا گیا ہے: ''والید زناها البطش''۔

ایک روایت میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے: ''لان یطعن فی رأس احدکم بمخیط من حدید خیرله من ان یمس امرأة لا تحل له'' (کنز العمال ۳۲۸/۵) (کسی کے سر پر لوہے کی سوئی چبھوئی جائے، یہ اس کے لیے بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ کسی ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے) علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی طبرانی کے حوالہ سے اس روایت کو نقل فرما کر اس کی تصحیح فرمائی ہے۔ (الزواجر ۲/۲)

ہدایہ میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد منقول ہے: ''من مس کف امرأة لیس منها بسبیل، وضع علی کفه جمر یوم القیامة'' (هدایه ٤/٤٤٢) (جس نے کسی ایسی عورت کا ہاتھ چھو یا جو اس کے لیے حلال نہیں ہے، اس کے ہاتھ پر روزِ قیامت آگ کے انگارے رکھے جائیں گے)۔

فقہاء نے اجنبیہ کے ہاتھ اور چہرے (جس کو بعض صورتوں میں دیکھنے کی اجازت ہے) کے چھونے کو صراحۃً ناجائز وحرام لکھا ہے۔

ہدایہ میں ہے: لا یحل له ان یمس وجهها ولا کفها وان کان یأمن الشهوة. (هدایه ٤/٤٤٢) (مرد کے لیے اجنبی عورت کے چہرہ اور ہاتھ کا چھونا جائز نہیں ہے چاہے شہوت کا اندیشہ نہ ہو)

درمختار میں ہے: فلا یحل مس وجهها وکفها وإن امن الشهوة (درمختار علی هامش الشامی ۲۶۰/۵)

بلکہ اجنبی عورت کے ہاتھ اور چہرے کے دیکھنے میں شہوت کا اندیشہ ہو تو وہ بھی

حرام ہے۔

درمختار میں ہے: فحل النظر مقید بعدم الشهوة والا فحرام (درمختار علی هامش الشامی ۵/۲۶۱)

اور آگے تو یہاں تک فرمایا ہے: وهذا فی زمانهم، واما فی زماننا فمنع من الشابة، قهستانی وغیره (درمختار) یعنی ہمارے زمانہ میں تو نوجوان عورت کے چہرہ اور ہاتھ (ہتھیلی) کو دیکھنا مطلقاً ممنوع ہے، (چاہے شہوت کا اندیشہ ہو یا نہ ہو)۔

صاحبِ درمختار نے یہ بات علامہ قہستانی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمائی ہے، جن کی وفات ۹۵۰ھ یا ۹۶۲ھ میں ہوئی ہے، گویا ساڑھے چار سو سال پہلے فرمایا جارہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں الخ، اب ہمارے اس دور میں کیا کہا جائے گا؟

جب ہتھیلی وغیرہ کو صرف چھونے کا یہ حکم ہے تو سینے پر عطر ملنے کی حرمت میں کس کو کلام ہوسکتا ہے؟ خصوصاً جب کہ خوشبو ان چیزوں میں سے ہے جو خواہشاتِ نفسانی میں ہیجان پیدا کرنے والی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ میں جو عورتیں مسجد نبوی میں حاضری دیتی تھیں، ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تاکید فرمائی تھی کہ خوشبو لگا کر نہ آئیں: عن زینب امرأة عبدالله قالت: قال لنا رسول الله ﷺ: اذا شهدت احداکن المسجد فلا تمس طیباً (مسلم ۱/۱۸۳)

حدیث پاک میں ایسی عورت کو جو خوشبو لگا کر (مردوں کی) مجلس پر گزرتی ہے زانیہ قرار دیا گیا ہے: "کل عین زانیة والمرأة اذا استعطرت فمرت بالمجلس فهی کذا وکذا یعنی زانیة". (اسلام کا نظامِ عصمت وعفت ۲۳۲ بحوالہ تفسیر ابن کثیر ۳/۲۸۶)

⑦ صدارت ایک منصب ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کو اس منصب پر فائز کیا جارہا ہے، وہ علمی اور عملی اعتبار سے اس ذمہ داری کا اہل ہے، اور عہدے ومنصب جتنے بھی ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں، جس کے امین وہ حضرات ہیں جن کے ہاتھ میں عزل ونصب کے اختیارات ہیں، ارشاد ربانی: ﴿ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامٰنٰت الی اھلھا﴾ (یعنی اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے مستحقین کو پہنچایا کرو) کی تفسیر فرماتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ:

''اس حکم کا مخاطب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عام مسلمان ہوں، اور یہ بھی احتمال ہے کہ خاص امراء وحکام مخاطب ہوں، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ہر وہ شخص مخاطب ہے جو کسی امانت کا امین ہے، اس میں عوام بھی داخل ہیں اور حکام بھی، حاصل اس ارشاد کا یہ ہے کہ جس کے ہاتھ میں کوئی امانت ہے اس پر لازم ہے کہ یہ امانت اس کے اہل ومستحق کو پہونچادے۔'' (معارف القرآن ۲/۴۴۶)

آگے فرماتے ہیں: ''اس جگہ یہ بات غور طلب ہے کہ قرآنِ حکیم نے لفظ امانت بصیغۂ جمع استعمال فرمایا، جس میں اشارہ ہے کہ امانت صرف یہی نہیں کہ کسی کا کوئی مال کسی کے پاس رکھا ہو، جس کو عام طور پر امانت کہا اور سمجھا جاتا ہے؛ بلکہ امانت کی کچھ اور قسمیں بھی ہیں، جو واقعہ اس آیت کے نزول کا ابھی ذکر کیا گیا خود اس میں بھی کوئی مالی امانت نہیں، بیت اللہ کی کنجی کوئی خاص مال نہ تھا؛ بلکہ یہ کنجی خدمتِ بیت اللہ کے ایک عہدہ کی نشانی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں، جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں عزل ونصب

کے اختیارات ہیں، ان کے لیے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کردیں جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے۔'' (معارف القرآن ۲/۴۴۶)

اس کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے: ''اذا وسد الامر الی غیر اهله فانتظر الساعة''. (بخاری، کتاب العلم) یعنی جب دیکھو کہ کاموں کی ذمہ داری ایسے لوگوں کے سپرد کردی گئی جو اس کام کے اہل اور قابل نہیں، تو (اس فساد کا کوئی علاج نہیں) قیامت کا انتظار کرو۔

اس حدیث کی تشریح فرماتے ہوئے علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جب معاملات نااہلوں کے سپرد کئے جائیں، تو قیامت کا انتظار کرنا چاہیے، ضیاعِ امانت اس طرح ہوگا کہ لوگ جسے اہل سمجھ کر کوئی امانت سپرد کریں گے وہ واقع میں اہل نہ ہوگا، لامحالہ وہ امانت کا حق ادا نہیں کرے گا، ایسے لوگ خدماتِ مفوضہ میں خیانت شروع کریں گے کیوں کہ وہ تو اس خدمت کے لائق ہی نہیں تھے، جیسا کہ آج کل ہورہا ہے، اہلیت نہیں دیکھی جاتی؛ بلکہ اغراض وسفارشات پر دارومدار ہوگیا ہے، اور اہلیت ہر شعبہ کی اس کے مناسب ہوتی ہے، مثلاً محدث وہ نہیں جس کی صرف تقریر عمدہ ہو؛ بلکہ حدیث کا اہل وہ ہوسکتا ہے جس میں دیانت اور علم دونوں ہوں۔''

(فضل الباری ۱/۵۶۶)

مندرجۂ بالا حقائق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ذمہ دار حضرات کو چاہیے کہ صدر موصوف کے سلسلہ میں فیصلہ کرلیں۔ البتہ اس موقعہ پر ذمہ دار حضرات کو اس پر غور کرنا ضروری ہے کہ صدر موصوف کی جگہ کسی اور شخص کو اس منصب پر مقرر کیا گیا، تو اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ اس کو بھی اس نوع کے ابتلاءات پیش نہیں آئیں گے؟

اس لیے لڑکیوں کے مدرسہ کی موجودہ جوصورت قائم کی گئی ہے، احقر کے خیال میں تو وہی شریعت کے مقرر فرمودہ اصول وہدایات کے خلاف ہے، حضرات فقہاء نے عورتوں کو نماز کی جماعتوں اور عیدین اور مجالسِ وعظ میں جانے سے منع کیا ہے، اور کتبِ فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ عورت کے لیے مجالسِ وعظ اور جماعتِ نماز اور عیدین میں جانا مکروہ تحریمی ہے، جو حرام کے قریب ہے، اس حکمِ فقہی کی دلیل یہ حدیث ہے جو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے:

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: لو ادرك رسول الله ﷺ ماا حدث النساء، لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنی اسرائیل، فقلت لعمرة: او منعهن، قالت: نعم. (بخاری شریف)

اس حدیث سے نہایت صاف طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہی عورتوں کی حالت ایسی ہوگئی تھی کہ ان کا گھروں سے نکلنا اور جماعتوں میں جانا سببِ فتنہ تھا، اور اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر اکابر صحابیات عورتوں کو جماعت میں آنے سے منع کرتے تھے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری شرحِ بخاری میں فرماتے ہیں: قلت: هذا الكلام من عائشة بعد زمن يسير جدا بعد النبی ﷺ، واما اليوم فنعوذ بالله من ذلك، فلا يرخص فی خروجهن مطلقاً للعيد وغيره (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ کے بہت تھوڑے دنوں بعد کا ہے، اور آج کل تو خدا کی پناہ! پس مطلقاً عورتوں کو عید اور غیر عید میں جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی)۔ جب کہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں یہ فرماتے ہیں کہ آج کل

کی عورتوں کے حالات سے خدا کی پناہ! تو پھر ہمارے اس زمانہ پندرہویں صدی کی عورتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے؟۔

بحر الرائق، عینی شرحِ کنز، درمختار وغیرہ کتبِ فقہ میں صراحۃً یہ ہے کہ عورتوں کو مجالسِ وعظ میں جانا مکروہ اور ناجائز ہے؛ نیز یہ کہ عورتوں کا گھر میں سے نکلنا اور جماعتوں میں شریک ہونا موجبِ فتنہ ہے، اور ممانعت کا حکم اس فتنہ سے بچنے کے لیے ہے۔'' (کفایت المفتی ۵/۳۹۱ تا ۳۹۷ بحذف وتغیر)

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ پر تفصیلی بحث فرما کر تحریر فرمایا ہے کہ: ''اس سے صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے نفسِ خروج کو موجبِ فساد سمجھ کر گھر سے نکلنے کو ہی منع فرمایا۔'' (کفایت المفتی ۵/۳۹۹)

آگے اسی بحث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب عورتوں کو مجالس وعظ میں جانا ناجائز ہے، تو ان کے لیے وعظ و پند کا دروازہ ہی بند ہو گیا، تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ نہیں، وعظ و پند کا دروازہ اب بھی مفتوح ہے، بند نہیں ہوا؛ لیکن شرط یہ ہے کہ شرعی طریقہ سے وہ اس پر کاربند ہوں، اور وہ طریقہ یہ ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں واعظ عالم متقی کو بلا کر وعظ سن لیا کریں؛ مگر اس میں یہ شرط لازمی ہے کہ عورتیں صرف اسی گھر کی ہوں یا اس کے آس پاس اتنے قریب مکانوں کی ہوں کہ ان کا مکانِ وعظ میں آنا گویا خروج عن المکان ہی نہ ہو۔ الخ (کفایت المفتی ۵/۴۰۶)

مزید تفصیل مطلوب ہو تو کفایت المفتی ۵/۳۹۱ تا ۴۳۱ کا مطالعہ فرمالیں۔

جب عورتوں کے لیے جماعتِ نماز، عیدین، مجلسِ وعظ وغیرہ کے لیے خروج عن المکان کی اجازت نہیں دی گئی؛ حالاں کہ یہ سب کام چند ساعتوں کے لیے ہیں، تو پھر

ان کو ایک طویل مدت کے لیے ایسی جگہ چھوڑ دینا، جہاں نہ محرم موجود، نہ شوہر، اس کی گنجائش شرعاً کیسے ہوسکتی ہے؟ بہرحال ادارۂ ہذا کے ذمہ دار حضرات کو چاہیے کہ اس پر سنجیدگی سے غور فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ جمادی الاول ۱۴۰۸ھ

صدقہ کا جانور ہلاک ہوتو ذمہ دار کون؟

اور ارباب مدارس کی حیثیت

سوال: امت مسلمہ کے غریب پروری، یتیم پروری کا جذبہ رکھنے والے اصحابِ جود وکرم اپنے صدقات کے مصارف میں سے بہترین مصرف احصار فی سبیل اللہ پر صرف کرنے کی غرض سے ہمارے مدرسہ میں ارسال فرماتے ہیں، اور ہم من جانب طلبہ وکیل بن کر ان کو وصول کرتے ہیں، اور حسب ضرورت طلباء پر صرف کرتے ہیں، آنے والے صدقات میں بکرا وغیرہ جاندار بھی ہوتے ہیں، ہم ذبح کی ترتیب میں آمد کی ترتیب کا لحاظ رکھتے ہیں، اور ذبح میں کثرت کے باوجود کبھی ایسا ہوگیا کہ اس کے ذبح کی نوبت آنے سے پہلی کسی وجہ سے وہ اپنی موت مرگیا، تو اب سوال یہ ہے کہ مصدق اور مصرف کے درمیان، وکیل من جانبِ مصرف کے پاس، مصرف پر صرف ہونے سے پہلے، مالِ صدقہ بغیر کسی تعدی کے، باوجود مکمل نگرانی وحفاظت کے اسباب اختیار کرنے کے ہلاک ہوجائے تو کیا مصدق کا صدقہ ادا ہوجائے گا یا نہیں؟ اگر ادا نہ ہوا تو اس کی ادائیگی کی از روئے شرع کیا صورت ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ارباب انتظام کے طلبہ کی طرف سے وکیل ہونے والی صورت پر ہمارے بعض اکابر کو اشکال رہا ہے، اس لیے مناسب یہ ہے کہ ان کو مصدق کا وکیل مان کر صدقہ کے نام سے جو جانور آوے اس کی تملیک کرا کر مدرسہ میں داخل کیا جاوے؛ تاکہ تملیک ہوتے ہی مصدق کا صدقہ ادا ہو جائے، اور اس کو صدقہ کا ثواب بھی مل جاوے، اور اب یہ جانور مدرسہ کی ملک ہو کر مدرسہ کے اور اموال کی طرح ارباب مدرسہ کی حفاظت میں رہے گا، اب اگر اس درمیان ان کی کسی تعدی کے بغیر اپنی موت مر جائے تو ان پر کوئی ضمان بھی نہیں، اور مصدق کا صدقہ تو پہلے ہی ادا ہو چکا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ذیلی اداروں اور مساجد کے عطیات میں بڑے ادارے والوں کا حد تجاوزی کرنا

سوال: (۱) آج کل جو مروج ہے مسجد و مدرسہ کی درسگاہوں کے لیے جو بڑے بڑے ادارے ہیں اور ان کے اوپر اہل خیر حضرات وعوام الناس اعتماد کر کے اسے تعمیری کام کے لیے کثیر رقم ان بڑے بڑے ادارے میں جمع کرا دیتے ہیں، اور ان ادارے والوں کے پاس تعمیری کام کے لیے مدد حاصل کرنے کے لیے جب جاتے ہیں تو یہ کہہ کر فائل جمع کرتے ہیں کہ مدرسہ کے ضروری کاغذات وزمینی دستاویزات جمع کرائے اور ساتھ ہی تعمیری کام کا تخمینہ لگا کر مثلاً دو درسگاہوں کے لیے آٹھ لاکھ روپیہ کا بجٹ بنا کر فائل جمع کر لیتے ہیں، جب ان کے پاس فائل جمع کرنے والے امداد کی

غرض سے جاتے ہیں تو اولاً ٹال مٹول کرتے ہیں کہ ہنوز بجٹ پاس نہیں ہے، اور جب زیادہ تقاضہ کرتے ہیں تو منظور شدہ رقم میں سے صرف ایک لاکھ روپیہ کی منظوری دے کر یہ کہہ کر واپس کر دیتے ہیں کہ آپ کا کام کسی سے قرض لے کر پورا کرالیں، بعد میں آپ کو منظور شدہ رقم ادا کر دی جائے گی، لیکن کام پورا ہونے کے بعد جب منظور شدہ رقم کا تقاضہ کرتے ہیں تو یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ آپ لیٹ آئے، اس لیے اس رقم کو دوسری جگہوں کے مدارس میں لگا دی گئی..... آیا یہ رقم جو ہمارے مدرسہ کے لیے منظور ہوئی کیا دیگر جگہوں کے مساجد و مدارس میں لگانے کا جواز ہے یا نہیں؟

② اسی طرح دیگر جو بڑے مدارس ہیں، جن پر عوام الناس کا اعتماد ہے، ان کے پاس کثیر رقم جمع کراتے ہیں، اور یہ ادارے والے ان رقموں کو ایسی جگہ پر لگاتے ہیں جہاں کے لوگ خود خوشحال ہیں، وہ خود کفیل ہو سکتے ہیں؛ جب کہ ان رقموں کی مستحق صرف بنجر بستیاں ہیں، اور بہت سی جگہ پر مسجد کا کام یہ کہہ کر شروع کرا دیتے ہیں کہ ''کرسی تک بستی والوں کی طرف سے کام کیا جائے، اس کے بعد ہم اس کو مکمل کر دیں گے'' اس کی فائل جمع کرا لیتے ہیں؛ مگر وقت پر منظور شدہ رقم نہ ملنے پر کام ادھورا رہ جاتا ہے یا بستی کے ایک دو حضرات دوسروں سے قرض لے کر پورا کروا دیتے ہیں، کیا اس کا بھی شرعی اعتبار سے کوئی جواز ہے یا نہیں؟ لہٰذا حضرت والا اس سلسلہ میں قرآن حدیث کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرما کر تفصیلی جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① آپ کے سوال کا پس منظر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بعض بڑے ادارے جو مختلف جگہوں پر حسب ضرورت مکاتب، مدارس، مساجد وغیرہ کا مسلمانوں کی عام دینی ضرورتوں

کے لیے انتظام کرتے ہیں، ان اداروں کی سابقہ خدمات اور کارکردگی کی وجہ سے اہل خیر اور اہل ثروت حضرات ان پر اعتماد کرتے ہوئے جہاں اس طرح کے تعمیری کاموں کی ضرورت ہوتی ہے اس میں استعمال کرنے کے لیے رقمیں حوالہ کرتے ہیں، اور ان ہی کی طرف سے فراہم کی گئی معلومات اور رپورٹ پر اعتماد کرکے اس نوع کے کاموں کو ان کے ذریعہ انجام دلواتے ہیں، مثال کے طور پر کسی دیہات میں مکتب کے لیے عمارت کی تعمیر کی ضرورت ہے تو اس دیہات کے ذمہ دار حضرات اگر کسی صاحب ثروت مخیّر مسلمان کے پاس مکتب کی تعمیر کے لیے درخواست لے کر جاتے ہیں، تو وہ اس سلسلہ میں براہِ راست ان سے معاملہ کرنے اور ان کے ہاتھ میں رقم دے کر اس کام کو کروانے کے بجائے اس بڑے ادارے کے ذمہ دار کے ہاتھ میں رقم دیتے ہیں کہ آپ اپنے آدمیوں یا اپنے اعتماد پر یہ کام کروالیں، چوں کہ خود اس صاحب ثروت مخیّر مسلمان کے پاس اتنا وقت نہیں کہ وہ اس دیہات میں جا کر تحقیق کرے کہ واقعۃً وہاں پر مکتب کی تعمیر کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اور وہاں کے جو ذمہ دار اس ضرورت کو لے کر اس کے پاس پہنچے ہیں وہ واقعۃً قابل اعتماد ہیں یا نہیں؟ یہ بھی اس کو معلوم نہیں؛ اس لیے وہ حضرات اس طرح کے ادارہ کے ذمہ داروں پر اعتماد کرتے ہوئے سارا معاملہ ان کے حوالہ کردیتے ہیں، چناں چہ اس ادارہ کا قیام ہی اس نوع کے اغراض ومقاصد کے لیے ہونے کی وجہ سے وہ اپنے آدمیوں کے ذریعہ سب امور کی تحقیق کرواکر اس صاحب ثروت مخیّر کو یہ رپورٹ پیش کرتے ہیں کہ واقعۃً وہاں پر تعمیر مکتب کی ضرورت ہے، اور وہاں کے جو ذمہ دار حضرات اس کام کی درخواست لے کر آپ کے پاس پہنچے تھے وہ قابل اعتماد ہیں، اور اس بستی کے لوگ بھی ان کی امانت ودیانت پر مطمئن ہیں،

اس کے بعد وہ صاحب ثروت اس مکتب کی تعمیر پر آنے والے مصارف اپنی طرف سے اس ادارہ کو یہ کہہ کر دے دیتا ہے کہ آپ اپنے واسطہ سے یہ کام انجام دلوائیں، یا پھر وعدہ کرتا ہے کہ میں اتنی مدت میں یہ رقم ادارہ کو پہنچادوں گا، ادارہ اپنی نگرانی میں یہ کام کروادے اور اس کے بعد ادارہ کی طرف سے اس دیہات کے ذمہ داروں کو کام شروع کرنے کی ہدایت مل جاتی ہے، اور ابتدائی کام کے لیے جتنی رقم مطلوب ہوتی ہے ان کے حوالہ کی جاتی ہے، پھر اس کے انجام پانے پر اس تعمیری کام کے دیگر مراحل کو اسی طرح مرحلہ وار آگے بڑھا کر کام کو مکمل کیا جاتا ہے، اس ادارہ کی اس نوع کی کارکردگی اور اب تک کیے گئے کاموں کی روئیداد کو دیکھ کر آئندہ کے لیے اسی کو ایسے کاموں کی انجام دہی کے لیے ترجیح دی جاتی ہے، اور بہت سے لوگ جو مسجد یا مکتب یا اور کوئی اس نوع کا رفاہِ عام اور ثواب جاریہ کا کام کروانا چاہتے ہیں وہ از خود ان ادارہ والوں کو پیش کش کرتے ہیں کہ میرا ارادہ اتنی رقم میں ایک مسجد یا مکتب بنوانے کا ہے، آپ دیکھ لیں، کوئی موزوں جگہ ہو تو بتلائیں میں رقم پیش کردوں گا، اور اس ادارہ کی اسی عمدہ ساکھ کی وجہ سے جن علاقوں میں مکتب، مدرسہ، یا مسجد کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ علاقہ والے اپنی اقتصادی کمزوری کی وجہ سے از خود یہ کام نہیں کرواسکتے، وہ بھی اس ادارہ کے ذمہ داروں کے پاس جاکر اپنی ضرورت پیش کرتے ہیں، اور وہ ذمہ داران سے اس سلسلہ کی معلومات بشکل فائل حاصل کرتے ہیں، اور بہت سی مرتبہ تو ان کے پاس صاحب ثروت مخیّر کی طرف سے کی گئی پیش کش کی بنیاد پر فوری طور پر اس کام کی انجام دہی کا آرڈر جاری کردیتے ہیں، اور بعض مرتبہ یہ کہہ کر فائل جمع کرلیتے ہیں کہ ہمارے پاس اس نوع کی کوئی پیش کش تو ہے نہیں، آپ یہ فائل جمع کروادیں، ہم

صاحب ثروت مخیّر حضرات کے سامنے اس کو پیش کریں گے، اگر وہ اس کام کی ذمہ داری قبول کریں گے تو آپ کو اطلاع دیں گے، چناں چہ اس کے بعد واقعۃً اس ادارہ کے ذمہ داران ان اہل ثروت مخیّر حضرات کو جو ان کے رابطہ میں ہیں اس سے باخبر کر کے ان کو اسی کام کی ذمہ داری قبول کرنے کی درخواست کرتے ہیں، اور وہ مخیّر حضرات بھی ادارہ کی اس سفارش کو قبول فرما کر اس کام کی ذمہ داری لے لیتے ہیں، اور فائل میں جو تخمینہ اس کام کے لیے پیش کیا گیا ہے اتنی رقم ادارہ والوں کو حوالہ کر دیتے ہیں، اور پھر ادارہ والے مرحلہ وار یہ کام انجام دلواتے ہیں، اور کبھی کسی صاحب ثروت مخیّر کی طرف سے اس کام کی منظوری ملے بغیر ہی ادارہ والے اس امر پر کہ کوئی مل جائے گا ان فائل والوں کو کام شروع کرنے کی کچھ رقم دے کر یہ کہہ کر منظوری دیتے ہیں کہ آپ لوگ قرض لے کر کام پورا کروالیں، بعد میں اس کی ادائیگی کرادی جائے گی؛ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ادارہ والوں کی کوشش کے باوجود بھی کوئی صاحب ثروت مخیّر اس کام کی ذمہ داری قبول کرنے والا ملتا نہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس دیہات والوں نے ادارہ کی یقین دہانی پر قرض لے کر جو کام کرایا تھا اس قرض کی ادائیگی باقی رہ جاتی ہے، اور ذمہ دار حضرات پریشانی اور تشویش کا شکار ہوتے ہیں۔

اب آپ کے سوال کا جواب پیش خدمت ہے:

اگر آپ نے اپنے یہاں مسجد یا مکتب یا مدرسہ کی درسگاہ بنوانے کے لیے بڑے ادارہ کے ذمہ داروں کے پاس ان کے کہنے پر درخواست کی شکل میں جو فائل جمع کرائی ہے، اگر ان ادارہ والوں نے واقعۃً آپ کی جمع کردہ اسی فائل کو کسی صاحب ثروت مخیّر کے سامنے پیش کر کے اس کام کی ذمہ داری اس سے قبول کروا کر تخمینہ شدہ پوری

رقم اس سے حاصل کرلی ہے، تو اب اس ادارہ والوں کے لیے جائز نہیں کہ اس رقم کو کسی اور جگہ لگائیں؛ اس لیے کہ اس صورت میں صاحب ثروت مخیّر مسلمان نے ایک مخصوص کام (یعنی آپ کے یہاں مسجد یا مکتب بنانے) میں استعمال کرنے کے لیے یہ رقم ادارہ والوں کو دی تھی، اور وہ وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں، اور وکیل کے لیے مؤکل کی طرف سے متعین کردہ جگہ کے علاوہ دوسری جگہ میں یہ رقم استعمال کرنا جائز نہیں۔

اسی طرح اگر ادارہ والوں کے پاس پہلے سے کسی صاحب ثروت کی طرف سے پیش کش تھی، اور آپ کی فائل ادارہ والوں کے پاس پہنچنے پر ادارہ والوں نے آپ کے یہاں ہونے والے کام کو اسی پیش کش کی وجہ سے منظور کرلیا اور اس کی شروعات بھی ہوگئی، تو اب ادارہ والے بقیہ رقم دوسری جگہ استعمال نہیں کرسکتے؛ اس لیے کہ اگرچہ صاحب ثروت کی طرف سے ابتداءً آپ کے یہاں ہونے والے کام کی تعیین نہیں کی گئی تھی؛ بلکہ ادارہ والوں کو اس طرح کا کام کسی بھی جگہ انجام دینے کا اختیار دیا گیا تھا؛ لیکن جب ادارہ والوں نے اس دیئے گئے اختیار کی بنیاد پر آپ کے یہاں کے تعمیری کام کو منظور کرکے کام کی شروعات بھی کرادی اور رقم کا کچھ حصہ اس میں استعمال بھی ہوگیا، تو اب ضروری ہوگیا کہ وہ رقم پوری اسی کام میں صرف ہو؛ اس لیے کہ صاحب ثروت نے یہ رقم صرف ایک کام کے لیے دی تھی، کئی کاموں میں تھوڑا تھوڑا استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی، اور جب خود ادارہ والوں نے آپ کے یہاں ہونے والے تعمیری کام کو اس رقم کے ذریعہ شروع کرادیا تو اب بقیہ رقم دوسری جگہ استعمال کرنے کا ان کے لیے جواز باقی نہیں رہا۔ اور اگر ادارہ والوں نے کسی صاحب ثروت کی پیشگی یا بعد کی منظوری کے بغیر ہی آپ کو کچھ رقم اپنی طرف سے دے کر یہ کہہ کر کام شروع کرادیا کہ

کام شروع کردو، آئندہ قرض لے کر پورا کرو، بعد میں اس کی ادائیگی کے لیے سعی کردی جائے گی، اس صورت میں اگر بعد میں کوئی صاحب ثروت مخیّر مل گیا جس نے اس کام کے لیے ذمہ داری قبول کرلی تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر گذر چکا، اور اگر بعد میں بھی باوجود کوشش کے کوئی ذمہ داری لینے والا نہیں ملا تو ادارہ والے شرعاً معذور ہیں۔

بہر حال اس صورت میں جہاں کا کام ہے ان لوگوں کو چاہیے کہ بلاوجہ محض بدگمانی کی بنیاد پر ادارہ والوں کو بدنام نہ کریں، اور ادارہ والوں کو بھی چاہیے کہ اس طرح کے کاموں میں جب تک کہ وعدہ کے پورا ہونے کا یقین یا غالب گمان نہ ہو وہاں تک وعدہ نہ کریں، اور اگر وعدہ کرنا ہے تو پوری صورت حال سے ان کو آگاہ کردیں۔

(۲) اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ اگر صاحب ثروت مخیّر کی طرف سے کسی خاص جگہ یا علاقہ کے لیے رقم دی گئی ہے، تو اس کے علاوہ میں اس کو استعمال کرنا جائز نہیں، اور اگر ایسا نہیں ہے؛ بلکہ رقم دینے والے نے کسی علاقہ یا جگہ کی تعین کیے بغیر مطلقاً یہ رقم یہ کہہ کردی ہے کہ آپ کو جہاں مناسب معلوم ہو وہاں مسجد یا مکتب وغیرہ تعمیر کرائیں، تو اس صورت میں ادارہ والوں کو اختیار رہے گا وہ جہاں مناسب سمجھیں یہ کام کرواسکتے ہیں، چاہے وہاں کے لوگ خوش حال ہوں یا خستہ حال، علی الاطلاق آئی ہوئی رقم کے معاملہ میں ادارہ والوں کو اس بات کا پابند کرنا کہ بنجر بستیوں ہی میں مسجد یا مکتب تعمیر کرائیں، درست نہیں، بہت سی مرتبہ بنجر بستی میں جہاں کے لوگ خستہ حال ہیں، مسجد تعمیر کروائی جاتی ہے؛ لیکن وہ مسجد بنجر رہتی ہے، نمازیوں سے آباد نہیں ہوتی، اور ایسے علاقہ میں جہاں کے لوگ خوش حال ہیں مسجد تعمیر کرائی جاتی ہے وہ مسجد نمازیوں سے اور مسجد والے اعمال سے آباد رہتی ہے، اس لیے ''بنجر بستیاں ہر حال

میں تعمیر مسجد کی حق دار ہیں'' یہ جملہ علی الاطلاق درست نہیں، آپ نے سوال میں باقی جو نکات اٹھائے ہیں ان کا جواب شروع میں آچکا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مالِ مدرسہ میں خورد برد کرنے والے پر ضمان اور اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا حق

سوال: ①مسئلہ کی تفصیل اس طرح ہے کہ ۱۹۹۹ء میں ایک عالم دین جس سے ہمارا تعارف تبلیغی کام کی وجہ سے تبلیغی مرکز میں آتے جاتے ہوا تھا، ان صاحب نے بیرون ملک ایک مدرسہ تعلیم الاسلام بنام سیف اللہ شروع کیا، اور ہمارے ایک ساتھی طاہر بھائی کے ذریعہ مالی تعاون کی درخواست کی، ان صاحب پر اعتماد کرتے ہوئے ہمارے مخیر ساتھیوں نے مدرسہ ہذا کے تمام اخراجات کو اپنے ذمہ لیا، جس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ ماہانہ ۱۲ تا ۱۳ ہزار دراہم تمام ذمہ دارانِ مدرسہ دیتے تھے، اور بچوں کی ماہانہ فیس جو تقریباً ۲۰/ ہزار دراہم تھی، اس سے مدرسہ ہذا کے جمیع اخراجات پورے ہوتے تھے، جس میں مدرسہ کا کرایہ، تمام معلمین کی تنخواہیں، اور ڈرائیور کی تنخواہ، اور دیگر اخراجات شامل تھے، اور ہم ذمہ دارانِ مدرسہ ہذا نے یہ طے کیا تھا کہ مدرسہ ہذا کے تعلق سے کوئی چندہ وغیرہ نہیں کیا جائے گا، اور یہ بات مولانا مذکور کے علم میں تھی کہ چندہ وغیرہ مدرسہ کے سلسلہ میں نہیں ہوگا؛ لیکن حال ہی میں معلوم ہوا کہ مولانا نے مدرسہ کے مختلف مدمیں کئی افراد سے چندہ جمع کیا ہے، تفتیش کرنے پر مولانا نے اولاً انکار کیا؛ لیکن جب ذمہ داروں کا دباؤ پڑا تو مولانا نے اقرار کیا کہ ہاں میں

نے چندہ جمع کیا ہے، ان کے اقرار پر ذمہ داروں نے جب اور تحقیق شروع کی، تو پتہ چلا کہ اب تک انہوں نے صرف ۴/ افراد سے ۱۳ تا ۱۶/ لاکھ دراہم وصول کئے ہیں، اس کے علاوہ مدرسہ ہذا کے لیے نئی بس کی ضرورت ہوئی تو اس سلسلہ میں انہوں نے دو یا تین لوگوں سے پوری موٹر بس کی رقم وصول کی، اور بچوں کی فیس جو ماہانہ تقریباً بیس ہزار دراہم ہے، اس کو انہوں نے کسی مہینہ میں چھ ہزار، کسی مہینہ میں سات ہزار دراہم ہی ظاہر کی، باقی کا ان کے پاس حساب بھی نہیں ہے اور نہ ہی ثبوت ہے، مگر اب تحریری طور پر قبول کرلیا ہے کہ میں نے یہ سب رقوم وصول کی ہیں، اور اس کے علاوہ خاص خاص جان پہچان والوں سے ۴ تا ۵ کروڑ ہندوستانی روپئے وصول کئے، اس کا بھی تحریری طور پر اقرار کیا ہے، جب استفسار کیا گیا کہ یہ سب رقمیں کہاں خرچ ہوئیں؟ تو انہوں نے بتایا کہ دو کروڑ روپئے ہندوستان کے مختلف مکاتب اور مساجد میں لگائے ہیں، جس کی اطلاع ذمہ دارانِ مدرسہ کو نہیں ہے، جس کا کوئی ٹھوس ثبوت ان کے پاس نہیں ہے، اور مزید تحقیق پر انہوں نے اپنی ذاتی ملکیت کا اقرار بھی کیا، وہ اس طرح سے کہ اپنے علاقہ میں دو عالیشان بنگلے اور پلاٹ اور ایک نہایت ہی عالیشان مکان، اور لڑکیوں کا مدرسہ، جو ان کے ہی نام پر ہے، وقف شدہ نہیں ہے اور اس کے علاوہ اپنے اہل وعیال کو بار بار بلانا، اور زیورات وغیرہ کی خریداری، شامل ہے، جس کا تحریری طور پر ان کا اقرار نامہ ہمارے پاس موجود ہے، انہی ساری بنیادوں پر مولانا کو مدرسہ سے علیحدہ کردیا گیا ہے، اور جب جب تحقیق کی جاتی ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ میں اپنی آخرت کے لیے سچ سچ کہوں گا، اور پھر دوسرے تیسرے دن ایک نئی چوری سامنے آتی ہے، اور ذمہ داروں کے دباؤ پر اب تک صرف ایک لاکھ دراہم لوٹائے

ہیں، اور یہ کہہ رہے ہیں کہ مکان فروخت کر کے جو رقم حاصل ہوگی وہ دے دوں گا، باقی مجھے معاف کر دیا جائے۔

ان تمام مذکورہ بالا صورتوں میں ہماری رائے ہے کہ ان کے خلاف قانونی کاروائی کی جائے؛ مگر یہ خوف دامن گیر ہوتا ہے کہ کہیں ہم ایک عالمِ دین کی پردہ دری کے گناہ کے مرتکب تو نہیں ہو جائیں گے، اور یہاں کے سخت قوانین سے بھی ڈر لگتا ہے کہ کہیں ہمیشہ کے لیے حوالات کے حوالہ نہ ہو جائیں، یا قطع ید کے قانون کی زد میں نہ آ جائیں، اور بصورت دیگر یہ خوف بھی لاحق ہوتا ہے کہ اگر ہم نے کوئی کاروائی نہیں کی اور یوں ہی معاف کر دیا - جس کا ہمیں حق بھی نہیں ہے - تو جن لوگوں نے مدرسہ کا تعاون ہمارے اعتماد پر کیا ہے ان تمام کی رقوم کے بارے میں کل قیامت کے دن ہم جواب دہ نہ ہو جائیں، ایسے سنگین حالات کے پیش نظر شریعت وسنت کی روشنی میں ہماری رہنمائی فرمائیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اور مولانا مذکور کس سلوک کے مستحق ہیں؟ تفصیل کے ساتھ تسلی بخش جواب مرحمت فرمائیں۔

(۲) مدرسہ ہذا کی رقم سے جو انہوں نے اپنے علاقہ میں لڑکیوں کا مدرسہ بنا رکھا ہے، جس میں کافی رقم خرچ کی ہے، اور بجائے وقف کے اپنی ذاتی ملکیت میں لے رکھی ہے، اگر یہ عمارت ہمارے قبضہ میں آ جائے، جیسا کہ انہوں نے تحریری طور پر ہمیں اشارہ کیا ہے، تو کیا ذمہ داران مدرسہ اس کو فروخت کر کے اس کی رقم مدرسہ سیف اللہ میں لگا سکتے ہیں؟ یا مذکورہ بالا مدرسہ کو وقف کر کے نئے انتظامیہ کے ماتحت چلا سکتے ہیں؟ یا اس کے علاوہ شرعاً کیا صورت اختیار کی جائے؟ تشفی بخش جواب تحریر فرمائیں۔

(۳) ماہانہ طلبہ کی فیس تو تقریباً ۲۰/ ہزار دراہم آ ہی جاتی تھی، جس کو کم وبیش

۵/۶/۷ ہزار ہی کی آمدنی بتاتے تھے، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تقریباً دس سال سے ہر ماہ ۱۵/۱۶ ہزار دراہم کی چوری بھول کر نہیں؛ بلکہ جان بوجھ کر کی ہے، یہ رقوم تو وہ ہیں جو کھلم کھلا سامنے آگئی ہیں، مگر وہ رقوم جو بہت سارے لوگوں نے ذمہ داران مدرسہ کے اعتماد پر دی ہیں ان رقموں کے لیے کیا کیا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① وہاں مقیم بچوں کی تعلیم کے لیے مدرسہ سیف اللہ کے نام سے جو مدرسہ مولوی صاحب نے شروع کیا اور اس میں تعاون کے لیے انہوں نے آپ کے ایک ساتھی طاہر بھائی نامی سے درخواست کی، ان کی اس درخواست پر آپ چند ساتھیوں نے مذکورہ مدرسہ کے تمام اخراجات اپنے ذمہ لیے، جن میں بچوں کی ماہانہ فیس کے علاوہ بقیہ مصارف آپ حضرات برداشت کرتے رہے، جس میں مدرسہ سے متعلق تمام مصارف شامل تھے، آپ حضرات نے مدرسہ کی ذمہ داری لیتے ہوئے یہ بھی طے کیا تھا کہ اس مدرسہ کے تعلق سے کوئی چندہ نہیں کیا جائے گا، جس کو مولانا مذکور نے بھی عملاً تسلیم کیا تھا؛ لیکن ماضی قریب میں جو انکشاف ہوا، اس کے مطابق مولانا مذکور نے مدرسہ کے مختلف مدات کے لیے کئی افراد سے چندہ حاصل کیا، جس کی تفصیل سوال میں مذکور ہے، اگر یہ چندہ، دینے والوں نے مدرسہ سیف اللہ ہی کے لیے مولانا کو دیا تھا، اور انہوں نے ان رقوم کو جن مدات کے لیے وہ دی گئی تھیں، ان میں خرچ کرنے کے بجائے اپنی ذات کے لیے استعمال کیا، چاہے پلاٹ کی خریدی کی شکل میں ہو، یا مکانات کی تعمیر کی شکل میں ہو، یا ان رقوم سے ہندوستان کے مختلف مدارس ومساجد کی امداد کی، یا اپنے علاقہ میں لڑکیوں کا مدرسہ قائم کیا، ان کے یہ تمام تصرفات غیر شرعی ہیں، یعنی یہ

رقوم جن مدات میں خرچ کرنے کے لیے دی گئی تھیں، ان میں خرچ نہ کرتے ہوئے مذکور جگہوں پر خرچ کیا، چاہے مدارس ومساجد کی امداد ہی میں کیوں نہ ہو، بہر حال شرعی اعتبار سے وہ ان تمام رقوم کے ضامن ہیں، جن کی وصولیابی آپ ان سے مدرسہ سیف اللہ کے لیے کر سکتے ہیں؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ ان رقوم کا ثبوت خود ان کے اقرار سے ہو، یا ان کے خلاف شرعی گواہ قائم ہوں، محض گمان یا سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر ضمان وصول کرنا درست نہیں، اگر آپ کو اس بات کا یقین یا غالب گمان ہے کہ ان کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر کے آپ ان سے ان رقوم کا ضمان وصول کر سکتے ہیں تو شرعاً اس کی بھی اجازت ہے، اس میں کسی کی پردہ دری کے گناہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رہے کہ مدرسہ کے نظم وانتظام کے سلسلہ میں مولانا مذکور پر آپ حضرات نے آنکھ بند کر کے جو اعتماد کر لیا، اور باوجود یہ جاننے اور سمجھنے کے کہ اس مدرسہ کے نظم ونسق کے سلسلہ میں لوگ آپ پر اعتماد رکھتے ہیں، آپ نے اس طرح کی خیانت کے امکانات سے صرف نظر کرتے ہوئے، جس نوع کی نگرانی کرنی چاہیے، اس سے غفلت برتی، یہ آپ حضرات کی طرف سے بھی ایک نوع کی کوتاہی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب کسی کو کسی جگہ کا حاکم یا مالیات وغیرہ کا ذمہ دار مقرر کرتے تھے تو اس کی پوری تفتیش، تحقیق اور نگرانی فرماتے تھے؛ حالاں کہ وہاں جن حضرات کو یہ ذمہ داری سپرد کی جاتی تھی وہ صحابہ رضی اللہ عنہم بلکہ بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم ہوتے تھے، پھر بھی ان کی وہ اونچی حیثیت ان کی نگرانی کے باب میں مانع نہیں بنی، خاص کر جب کہ مولانا مذکور بچوں سے حاصل ہونے والی فیس کے معاملہ میں آپ کو یہ اطلاع دیتے تھے کہ ماہانہ فیس بجائے بیس ہزار کے پانچ چھ یا سات ہزار وصول ہوئی، تو کیا ان بچوں کے

اولیاء سے آپ نے نہیں پوچھا کہ آپ یہ فیس کیوں ادا نہیں کرتے ہیں؟ اگر آپ نے اس معاملہ میں احتیاط برتی ہوتی، اور اپنی ذمہ داری کا وہ احساس جو اِس وقت آپ کو دامنگیر ہے اُس وقت بھی دامن گیر ہوتا تو کیا اس کی نوبت آتی؟

یہ یاد رہے جیسا آپ بھی سمجھ رہے ہیں اس رقم کو معاف کرنے کا یا اس ضمان سے مولانا مذکور کو بری کر دینے کا شرعاً آپ کو کوئی اختیار نہیں؛ اس لیے آپ کے لیے ہر وہ طریقہ اپنانا ضروری ہے، جس کے متعلق آپ کو یقین یا غالب گمان ہو کہ آپ اس کو اپنا کر ضمان وصول کر سکیں گے۔

باقی رہی تعزیری شکلیں، وہ آپ کی صواب دید پر موقوف ہیں، اس کا ہمارے فتوی سے کوئی تعلق نہیں ہے؛ البتہ آئندہ کے لیے یہ بات یاد رہے کہ اس قسم کے اداروں کا نظم ونسق شفافیت کے ساتھ چلانے کے لیے ضروری ہے کہ خود اس جگہ پر جہاں یہ ادارہ چل رہا ہے بصورت اعلان اس کے چلائے جانے کی شکلیں آویزاں کر دی جائیں، نیز وہیں یہ بھی بتا دیا جائے کہ اس ادارہ کا کسی بھی نوع کا تعاون فلاں فلاں حضرات کے توسط کے بغیر نہ کیا جائے، بصورت دیگر اگر رقم میں کوئی خورد برد ہوئی تو ادارہ اس کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

(۲) اپنے علاقہ میں لڑکیوں کا مدرسہ جو اس رقم سے انہوں نے بنایا ہے؛ چوں کہ ان کو یہ رقم وہاں استعمال کرنے کا حق اور اختیار نہیں تھا، اس کے باوجود انہوں نے استعمال کی، تو ایسا کر کے رقم دینے والے کی طرف سے ان کو جس کام میں خرچ کرنے کا وکیل بنایا تھا، اس کے خلاف دوسرے کام میں خرچ کرنے سے ان کی وکالت باطل ہو کر اس رقم کا ضمان ان پر واجب ہوا، اگر یہ عمارت آپ کے قبضہ میں آجائے تو آپ اس

کو فروخت کر کے اس سے حاصل شدہ رقم کو مدرسہ سیف اللہ کا جو ضمان مولانا مذکور پر واجب ہے، اس میں شمار کر سکتے ہیں؛ لیکن لڑکیوں کے مدرسہ کو وقف کر کے نئی انتظامیہ کے ماتحت چلانے کا آپ کو اختیار نہیں۔

ہاں! آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ اس مدرسہ کی عمارت اور جگہ وغیرہ کی موجودہ قیمت کسی ماہر امانت دار کے ذریعہ تجویز کر کے وہ رقم آپ ذمہ داران حضرات، مدرسہ سیف اللہ میں جمع کرادیں، پھر اس صورت میں اس لڑکیوں کے مدرسہ کے آپ حضرات مالک ومختار ہوں گے، چاہیں تو اس کو بیچ کر رقم اپنے پاس رکھ لیں، یا وقف کر کے نئی انتظامیہ کے حوالہ کریں۔

③ طلبہ کی فیس کے نام سے آئی ہوئی رقم میں بھی مولانا مذکور نے جو خورد برد کیا ہے، اس کا بھی وہی حکم ہے جو اوپر گذرا، اس لیے کہ فیس کی اس رقم کا حق دار بھی مدرسہ سیف اللہ ہی تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ جمادی الاخری ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

مدرسہ کی زمین میں دفن کرنا

سوال: میرے دادا نے اپنی زندگی میں اپنی جائیداد میں سے کچھ حصہ وقف کر کے اس میں ایک مدرسہ قائم کیا تھا، دادا کے زمانہ کے بعد جب والد صاحب مدرسہ کے متولی بنے تو مدرسہ کی توسیع کے لیے مدرسہ کے احاطہ سے لگی ہوئی تھوڑی زمین والد صاحب نے خرید کر مدرسہ سے جوڑ دی، اس زمین کے خریدنے میں والد صاحب نے

کچھ اپنی ذاتی رقم بھی لگائی اور کچھ مدرسہ ہی کی رقم تھی، اور جب جب مدرسہ کو پیسوں کی ضرورت ہوتی والد صاحب اپنا مال اس کے لیے خرچ کرتے رہتے تھے، مثلاً مدرسہ کی آمدنی کے لیے عمارتیں والد صاحب نے بنوائیں اور اپنا مال مدرسہ پر لگاتے وقت کوئی خاص نیت والد صاحب نہیں کرتے تھے، یعنی قرض کے طور پر دے رہا ہوں یا مدرسہ کے لیے للہ دے رہا ہوں، ایسی کوئی خاص نیت نہیں تھی، جب ضرورت پڑی خرچ کر دیا، اب جب والد صاحب کی والدہ یعنی میری دادی کا انتقال ہوا تو والد صاحب نے ان کی قبر اس زمین میں بنوائی جس زمین کو خرید کر والد صاحب نے مدرسہ سے جوڑ دیا تھا، اس سلسلہ میں والد صاحب نے کسی مفتی سے اجازت بھی لی تھی، تو کیا اس طرح مدرسہ کے لیے موقوفہ زمین میں دفنا سکتے ہیں؟ اور آئندہ کسی کو والد صاحب کی اجازت سے اس زمین میں دفنا سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے والد محترم نے جو زمین اپنی ذاتی اور مدرسہ کی رقم سے خریدی ہے اور مدرسہ سے جوڑی اس کو جب تک باقاعدہ وقف نہ کیا جائے (یعنی زبان سے ایسے الفاظ نہ کہے جائیں جو وقف پر دلالت کرنے والے ہوں) وہاں تک وہ وقف نہ ہوگی، مصالح مدرسہ کا تقاضہ ہے کہ اسے اب وقف کر دیا جائے۔ (ماخوذ از فتاوی محمودیہ کراچی ۱۵/۵۷۹)

لیکن وقف نہ ہونے کے باوجود چوں کہ وہ زمین مدرسہ کی رقم سے خریدی گئی ہے اور اپنی رقم بھی مدرسہ کے لیے صرف کی ہے، اس لیے اس میں دادی صاحبہ کی تدفین کا عمل صحیح نہیں ہے، آئندہ بھی اس میں کسی کو دفن نہ کیا جائے؛ البتہ جب تک باقاعدہ وقف نہ ہو اس کے فروخت کی گنجائش ہے، اس لیے جس جگہ دادی صاحبہ کی

تدفین عمل میں آئی ہے اتنی جگہ والد صاحب مدرسہ سے خرید کر مدرسہ کے احاطہ سے اس کو علیحدہ کرلیں، اور اس رقم کو مدرسہ کی ضروریات میں صرف فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بداطوار لڑکوں کے باپ کی جائداد مدرسہ کے لیے قبول کرنا

سوال: زید کی دو بیویاں اور چار لڑکے اور چھ لڑکیاں ہیں، سب ہی شادی شدہ ہیں، اور لڑکے برسر روزگار ہیں؛ مگر کچھ کماتے ہیں وہ شراب نوشی و کباب خوری اور جوا وغیرہ میں لٹا دیتے ہیں، حال ہی کی بات ہے کہ زید کا ۴۵/ تولہ سونا گھر سے چوری سے اٹھالیا ہے، اور جو اسٹہ میں داؤ پر چڑھا دیا، تقریباً دو لاکھ روپئے سونے کی قیمت کا کوئی حساب نہیں دیا، مع ہذا زید کو قتل کی دھمکیاں دیتے ہیں کہ جائیداد و مکان و دوکان یا تو تقسیم کرکے ہمارے حوالہ کرو؛ ورنہ موقع لگنے پر تجھے قتل کردیں گے، زید کو یقینی طور سے معلوم ہے کہ یہ چیزیں ان کے حوالہ کی اور برباد ہوئی، زید بیچارہ بعد نماز عشاء اپنے کمرہ کا کنڈا بند کرلیتا ہے، اور تمام رات خوف کی وجہ سے کھولتا تک نہیں، صبح ہونے پر باہر نکلتا ہے، تو ایسی صورت حال میں زید یہ چاہتا ہے کہ میں اپنی کل املاک جیتے جی صحت و تندرستی کے زمانہ ہی میں کسی کار خیر میں صرف کرجاؤں، ذمہ داران مدرسہ کے پاس آکر بار بار کہتا ہے کہ میں اپنی زمین مدرسہ کو وقف کرتا ہوں، اراکین مدرسہ کا اس کی بات کی طرف چنداں التفات نہ دینے کی شکل میں وہ یہ بھی کہہ رہا ہے کہ اگر آپ

حضرات املاک مذکورہ کو لیتے ہوئے ڈرتے ہو تو میں گُردوارہ کو دیتا ہوں، مجھے کسی بھی حال میں یہ جائیداد اپنے پاس نہیں رکھنی ہے، اور نہ ہی ورثاء مذکورین کے حوالہ کرنی ہے، ہمیں معلوم کرنا یہ ہے کہ ہم ارباب مدرسہ اس طرح کی اراضی شرعی طور سے لینے کے حق دار ثابت ہوں گے یا نہیں؟ یا اس کو یہ جواب دے دیں کہ جہاں تیرا جی چاہے وہاں دے دے ہم نہیں لیتے۔

واضح رہے شخص مذکور پاگل بھی نہیں ہے، صحت مند، ہٹا کٹا باہوش وحواس ہے، دوسرے لوگ بطور گواہی اس کی تصدیق بھی کر رہے ہیں کہ واقعۃً جتنا شخص مذکور کہتا ہے وہ کم، اس سے کہیں زیادہ اس کے اہل خانہ سے اس کو پریشانی وخطرہ ہے، صورت مذکور میں ہمیں مسئلہ بتائیں کہ یہ زمین وغیرہ مدرسہ لے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اصل مالک کو یہ اختیار ہے کہ اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں اپنی ملک میں جس نوع کا چاہے تصرف کرے، بیع، ہبہ، صدقہ، وقف سب کچھ کر سکتا ہے، اگر اولاد شریر ہو اور باپ کو خیال ہو کہ میرے بعد تمام جائیداد خدا کی نافرمانی میں صرف کرے گی، تو بہتر یہ ہے کہ اپنی زندگی اور صحت میں اس جائیداد کو مصارف خیر میں صرف کر دے۔ (فتاوی محمودیہ ۵/ ۶۴)

اس لیے صورت مسئولہ میں اراکین مدرسہ اس زمین وغیرہ کو مدرسہ کے لیے قبول کر سکتے ہیں؛ البتہ اگر اس کے قبول کرنے میں ان کو اندیشہ ہے کہ شخص مذکور کی اولاد مدرسہ کو ضرر پہنچائے گی تو مفاد اور مصالح مدرسہ کے پیش نظر ان کو انکار کی بھی

اجازت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ / ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مدارس میں نعتیہ مسابقہ کا انعقاد

اور اس میں امرد لڑکوں کا نعت وغیرہ پڑھنا

سوال: مدرسہ میں نعتیہ مسابقہ کے انعقاد کا مسئلہ ہے، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ باذوق طلبہ باذوق اساتذۂ کرام کی نگرانی میں اہتمام کے ساتھ نعتیں اور نظمیں یاد کرتے ہیں، اور ہر نعت ونظم کو اس کے مناسب لب ولہجہ وانداز میں پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، پھر حسب مشورہ ایک مسابقہ کی مجلس کا انعقاد ہوتا ہے، جس میں اساتذۂ کرام اور تمام چھوٹے بڑے طلبہ اور مقامی احباب سامعین کی حیثیت سے شریک ہوتے ہیں، حکم وغیرہ کے فرائض انجام دینے کے لیے باہر سے شعراء کرام بھی مدعو کئے جاتے ہیں، پھر مساہمین اپنی ترتیب سے مائک پر آکر اپنی یاد کردہ نعت یا نظم شعراء کے انداز میں بہترین لب ولہجہ اور آواز میں پیش کرتے ہیں، مساہمین میں بہت سے نابالغ اور امرد بھی ہوتے ہیں، جن کی آواز میں دوسروں کے بالمقابل عموماً کشش زیادہ ہوتی ہے، بعضوں کی نعت ونظم کے عمدہ مضمون یا بہترین آواز پر مجمع کی طرف سے داد کی آواز بھی بلند ہوتی ہے، جس سے محفل پر مشاعرہ کا پورا رنگ چڑھ جاتا ہے، ''مکرر ارشاد''، ''دوبارہ ارشاد'' کی آوازیں بھی آتی ہیں، اسٹیج پر بیٹھے ہوئے مؤقر اساتذۂ کرام کے سامنے طلبہ بلند آواز میں پڑھنے والے کو داد سے نوازتے ہیں، روپیوں کی شکل میں

انعام بھی دیتے ہیں، اخیر میں اسی مجلس یا دوسری مجلس میں باہر سے آئے ہوئے شعراء کرام بھی اپنا کلام سناتے ہیں جو پروگرام کا دلچسپ حصہ ہوتا ہے، اس طرح سے دو تین گھنٹوں کی مجلس کا انعقاد ہوتا ہے، تمام مساہمین کی ہمت افزائی کے لیے مدرسہ کی طرف سے نقد کی شکل میں انعامات بھی دیئے جاتے ہیں؛ بلکہ ان میں ممتاز طلبہ کو خصوصی انعامات سے بھی نوازا جاتا ہے اور مقصد ہمت افزائی ہی ہوتا ہے، اب دریافت طلب امور یہ ہیں کہ:

① مدرسہ میں اس طرح نعتیہ مسابقہ کا انعقاد شرعاً صحیح اور اپنے اسلاف کی روایات سے ہم آہنگ ہے یا نہیں؟

② نعت ونظم کا ترنم کے ساتھ پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس ترنم اور لب ولہجہ کی مشق کا شرعاً کیا حکم ہے؟ ذمہ دار علماء کا کہنا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی شان میں نعت کہنا یا مطلقاً اشعار پڑھنا، گنگنانا یہ ایک انسانی فطرت ہے اور اس کا نتیجہ ہے کہ مجلسوں اور جلسوں میں اشعار پڑھے جاتے ہیں، اب اگر ہم صحیح اشعار پڑھنے کی ترغیب نہ دیں یا لب ولہجہ صحیح کرانے کی کوشش نہ کریں تو بہت سے ایسے اشعار طلبہ پڑھتے ہیں جو معنی کے اعتبار سے کفر وشرک تک پہنچا دیتے ہیں یا جن میں بے جا مبالغوں کی بھرمار ہوتی ہیں اور اس طرح غلط چیز رواج پذیر ہوتی ہے؛ لہٰذا طالب علمی کے زمانہ میں صحیح مشق کرانے سے اس قسم کی غلط باتوں سے بچا جا سکتا ہے، تو کیا ذمہ داروں کی اس دلیل کو مسابقۂ نظم ونعت کے انعقاد کے لیے قبول کیا جا سکتا ہے؟

③ ایسے مجمع کے لیے نابالغ امرد سے ترنم میں نعت ونظم کا سننا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اس وقت مجمع کی نیت آپ ﷺ کی شان میں نعتیہ اشعار سننا ہوتا ہے،

امرد ہونے کی وجہ سے اس بچہ کی آواز سے تلذذ مقصود نہیں ہوتا۔

④ کیا جلسوں میں نعت وغیرہ پڑھنے کے لیے نابالغ امرد کو مشق کرانے کی گنجائش ہے؟ جب کہ بڑے ہونے کے بعد مشق کرانے میں دشواری ہوتی ہے۔

⑤ جس طرح قرآن کریم کی مشق کرا کے چھوٹے بچوں سے مسابقوں میں سنا جاتا ہے اور انعامات وغیرہ سے ان کی ہمت افزائی کر کے دوسروں کو شوق دلایا جاتا ہے، کیا نعتیہ مسابقہ میں بھی چھوٹے بچوں سے اس طرح نعت وغیرہ سننے کی گنجائش ہے؟ امید کہ ان تمام باتوں کا وضاحت اور حوالوں کے ساتھ جواب دے کر ممنون فرمائیں گے، واضح رہے کہ یہ مسابقہ مسجد میں منعقد نہیں ہوتا؛ بلکہ ایک ہال میں ہوتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اشعار کی تعریف اور مذمت کے بارے میں روایات مختلف آئی ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ممنوع اور برا ہے؛ لیکن قول فیصل بھی ایک حدیث میں خود ہی وارد ہو گیا ہے کہ نفس شعر میں کچھ بھلائی یا برائی نہیں ہے، مضمون صحیح اور مفید ہے تو شعر اچھی چیز ہے، اور مضمون جھوٹ یا غیر مفید چیز ہے تو جو حکم اس مضمون کا ہے وہی حکم شعر کا بھی ہے، یعنی جس درجہ میں وہ مذموم، ناجائز، یا حرام یا مکروہ یا خلاف اولی ہے اسی درجہ میں شعر بھی ہے؛ لیکن بہتر ہونے کی صورت میں بھی اس میں انہماک اور کثرت سے مشغولی ممنوع ہے۔ (خصائل نبوی ۱۳۱)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں اشعار نعتیہ پڑھنا اور معجزات وکمالات کا بیان اشعار میں کرنا جائز؛ بلکہ موجب ثواب اور خیر وبرکت ہے، اور متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے؛ البتہ یہ ضروری ہے کہ ایسے معجزات اور مضامین بیان کیے جائیں جو صحیح

روایات سے ثابت ہوں، من گھڑت قصے بیان کرنا جائز نہیں۔ (احسن الفتاوی ۸/ ۱۴۶)

جن اشعار میں اللہ تعالی کی حمد وثناء، اس کا ذکر اور نبی کریم ﷺ کا تذکرہ یا آپ ﷺ کی مدح کی گئی ہو ایسے اشعار شرعاً مندوب اور مستحسن ہیں، حضور اکرم ﷺ کے سامنے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس نوع کے اشعار پڑھتے تھے اور حضور ﷺ اس کو پسند فرماتے تھے۔ تفسیر قرطبی میں ہے:

فاما ما تضمن ذكر الله و حمده و الثناء عليه فذلك مندوب إليه كقول القائل:

الحمد لله العلى المنان		صار الثريد فى رؤوس العيدان

أو ذكر رسول الله ﷺ أو مدحه كقول العباس

من قبلها طبت و فى مس		تودع حيث يخصف ا لورق

فقال له النبي ﷺ: لا يفضض الله فاك (۱۳/ ۱۴۶)

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا حضور ﷺ کی طرف سے مفاخرہ کرنا اور حضور ﷺ کا ان کے لیے "اللهم أيده بروح القدس" کے الفاظ سے دعا کرنا معروف ہے، حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ جو مشہور شاعر تھے، اور فتح مکہ کے موقعہ پر جن کا خون ہدر کیا گیا تھا، بعد میں مدینہ منورہ حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے، اور آپ کی مدح میں قصیدہ کہا جو "بانت سعاد" کے نام سے مشہور ہے، اور حضور اکرم ﷺ نے اس سے خوش ہو کر اپنی چادر عنایت فرمائی، اور دور صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک علما اور اکابر برابر حضور اکرم ﷺ کی شان میں نعتیہ اور مدحیہ اشعار کہتے چلے آئے۔ ان تمام باتوں سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی شان میں حدود اور اصول اور

شرع میں رہ کر اشعار کہنا اور سننا دونوں جائز؛ بلکہ مستحسن ہے۔

اشعار سننے کے سلسلہ میں جو حدود فقہاء نے ذکر فرمائے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اشعار سنانے والا پوری عمر کا آدمی ہو، کم سن نہ ہو، عورت نہ ہو۔

آپ نے نعتیہ مسابقہ کے انعقاد کے سلسلہ میں جو دریافت فرمایا ہے اور اس کی جو تفصیل لکھی ہے اس میں بہت سی باتیں قابل اعتراض ہیں، مثلاً: شرکت کرنے والوں میں بہت سے نابالغ اور امرد ہوتے ہیں؛ نیز محفل پر مشاعرہ کا رنگ چڑھ جانا وغیرہ؛ نیز ایک بات یہ بھی قابل غور ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی شان میں مدحیہ اشعار اگرچہ مستحسن اور پسندیدہ ہیں؛ لیکن یہ ان اعمال مقصودہ میں سے نہیں جس کی ترویج اور حوصلہ افزائی کے لیے مسابقہ منعقد کیا جائے۔ اب آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب پیش ہیں۔

① جیسا کہ اوپر بتلایا جاچکا مسابقہ کا انعقاد شرعاً درست نہیں کہا جاسکتا، نہ ہی اسلاف کی روایت سے ہم آہنگ۔

② نعت و نظم کا ترنم کے ساتھ پڑھنا مشروط طور پر جائز ہے، اس کے لیے انفرادی طور پر لب ولہجہ درست کرنے کے لیے کوئی کوشش کر رہا ہے تو وہ موجب عتاب نہیں؛ لیکن اس کو عام شکل دینا اسلاف کی روایت کے خلاف ہے۔ قائلین جواز کا یہ کہنا کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو غلط چیزیں رواج پاجاتی ہیں اس لیے قابل قبول نہیں کہ درست مضامین والے اشعار سے طلبہ کو واقف کرنے کے لیے مسابقہ کیا ضروری ہے؟ ان کے پاس جو ذخیرہ موجود ہے اس کو دیکھ کر جانچ لیا جائے یا کچھ منتخب نعت و نظم کا مجموعہ تیار کر کے ان کے حوالے کر دیں۔

(۳) یہ بالکل جائز نہیں۔

(۴) اگر وہ خوب رو ہے تو درست نہیں۔

(۵) اس کا حکم اوپر آچکا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مدرسہ بورڈ کے پہلو سے ابھرتے ہوئے چند سوالات کے جوابات نبض شناس علماء کی تحریر کی روشنی میں

سوال: اسلاف کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آج سے تقریباً چالیس پچاس سال پہلے مدارس کے دربان اور جاروب کش بھی ولی ہوا کرتے تھے، جو طلبہ ظاہری تعلیم سے فارغ ہوتے تھے وہ صاحب نسبت، متقی، پرہیز گار اور متدین بھی ہوتے تھے۔

مگر جب سے مدارس میں دنیادار اہل ثروت کا دخل ہوا، اور مدارس میں سرکاری امداد لی جانے لگی، مدارس کا حال بد سے بدتر ہوتا گیا، عجیب وغریب بیماریاں پیدا ہوگئیں، مثلاً جھوٹ گوئی اور رشوت کا لینا دینا عام ہوگیا، زہد وورع کا دور دور تک پتہ نہیں، بالخصوص جن مدارس کو سرکار کی طرف سے ایڈ مل گیا ہے، اس کے سلسلہ میں بہت سارے سوالات ناچیز اور ''صدیق'' لائبریری سے منسلک کئی علماء کے ذہن میں ابھرتے ہیں۔

لہٰذا ان سوالوں کے جواب پر اپنے خیالات وتاثرات ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔

(۱) کیا مدرسہ بورڈ مدارس کی آزادی کو سلب کرنے کی سازش ہے؟

(۲) کیا آج حکومت مدارس کو امریکی ایجنڈے پر عمل کرانا چاہتی ہے؟

(۳) ہماری حکومت کو مدارس کی اس قدر فکر لاحق کیوں ہوگئی ہے؟

(۴) صرف مسلمانوں کے دینی مراکز کو حکومت اپنے ذمہ لینا چاہتی ہے، اور دوسرے مذاہب کے مراکز کو نظر انداز کر رہی ہے، ایسا کیوں؟

(۵) مدرسہ میں صرف ۴ / فیصد مسلم بچے زیر تعلیم ہوتے ہیں، جو کبھی سرکار کا بوجھ نہیں بنتے اور نہ بننا چاہتے ہیں، پھر بھی حکومت ۹۶ / فیصد کی فکر چھوڑ کر انہی ۴ / فیصد کی فکر کیوں کرتی ہے، آخر کیا راز ہے؟

(۶) کیا ہندوستان میں دین کے تحفظ اور اردو زبان کو باقی رکھنے کے لیے مدارس کا بورڈ سے ملحق ہونا ضروری ہے؟

(۷) کیا مدرسہ بورڈ میں قرآن وحدیث وفقہ کی کتابیں نکال کر زمانے کے تقاضوں کے مطابق کتابیں پڑھائی جائیں گی؟

(۸) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سرکاری ملازمت میں تبدیل ہوجانے کے بعد مدارس عربیہ میں کسی تقدیس و پاکیزگی اور تقوی وطہارت کے باقی رہنے کا سوال ہی باقی نہیں رہ جاتا، کیا یہ سچ ہے؟ اگر یہ سچ ہے تو ایسا کیوں؟

(۹) کیا ہندوستان کی حکومت ذرائع آمدنی میں حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں رکھتی؟ اگر نہیں تو پھر اس سے تنخواہ لینا کیسا ہے؟

(۱۰) مدرسہ بورڈ سے ملحق حضرات کی امامت کے بارے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں علماء حق کیا فرماتے ہیں؟

(۱۱) مدرسہ بورڈ میں زکوۃ، فطرہ، چرم قربانی، صدقہ وغیرہ دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۱۲) کیا حکومت ہند کی اس میں کوئی پالیسی ہے کہ ہمارے غیر مسلم بھائیوں نے

بھی مدرسہ قائم کرنا شروع کر دیا ہے، آخر اس میں کیا راز ہے؟

⑬ بورڈ کے لیے سب سے پہلے رجسٹریشن کرانا پڑتا ہے، جس میں کچھ نہ کچھ رشوت دی جاتی ہے، اور جھوٹ لکھا اور بولا جاتا ہے۔

⑭ مدرسہ کو بورڈ سے ملحق کرنے کے لیے چند شرائط ہوتی ہیں: جیسے بچوں کا کم از کم ۳۰۰/ سے ۵۰۰/ تک ہونا، اور کم سے کم پانچ کمروں کا ہونا، بچوں کے کھیل کود کے لیے میدان کا ہونا، جس میں اکثر مدارس والوں کو جھوٹ لکھنے اور رشوت دینے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔

⑮ مدرسہ؛ بورڈ سے جب ملحق ہو جاتا ہے تو ہمیشہ سرکار کی طرف سے کوئی نہ کوئی چیک کرنے والے آتے ہیں، مدرسہ سرکار کے ضابطہ کے مطابق ہونے پر بھی اہل مدرسہ کو کئی کئی ہزار روپئے آنے والے افسروں کو رشوت دینی پڑتی ہے۔

⑯ مدرسہ کے ہر درجہ میں بچوں کی حاضری ہوتی ہے، اور حاضری رجسٹر چیک بھی ہوتا ہے، جس میں اکثر ان بچوں کا نام بھی ہوتا ہے جو نہ مدرسہ میں پڑھتے ہیں اور نہ ہی مدرسہ میں موجود ہوتے ہیں اور نہ بورڈ کا امتحان دیتے ہیں؛ بلکہ ان بچوں کو اپنے داخلہ کی خبر بھی نہیں رہتی، کیا یہ از روئے شریعت مشروع ہے؟

⑰ مدرسہ بورڈ کے بچوں کو سرکار کی طرف سے وظیفہ ملتا ہے، جس کو مدرسہ کے ذمہ دار بچوں کے درمیان تقسیم کرتے ہیں، مگر سرکار کی طرف سے جتنی رقم آتی ہے اس میں سے تھوڑی ہی رقم تقسیم ہوتی ہے، پھر کوئی نہ کوئی کام دکھا کر مدرسہ والے رکھ لیتے ہیں، اور جتنی رقم سرکار کی طرف سے آئی ہوئی ہے ہر طالب علم سے اتنی ہی رقم کا دستخط کرایا جاتا ہے، کیا یہ ذمہ داران مدرسہ کے لیے جائز ہے؟

⑱ مدرسہ میں تمام طلباء کے کھانے کے لیے چاول وغیرہ آتا ہے، جو تمام طلباء کو نہیں ملتا، بعض کو ملتا ہے، اور بعض کو نہیں ملتا، اور بہت سے ایسے مدارس ہیں جہاں طلبہ کے طعام کا کوئی نظم ہی نہیں ہوتا اور سارا غلہ ذمہ دار حضرات رکھ لیتے ہیں۔

⑲ مدرسہ بورڈ میں وہی شخص ملازم ہوسکتا ہے جو منشی، معلم، عالم، فاضل کا امتحان دیا ہو، اس کے لیے امتحان سے پہلے نہ کوئی پڑھائی ہوتی ہے، اور نہ ہی کوئی مدرس ان کتابوں کو کبھی پڑھاتا ہے؛ بلکہ یہ کہہ لیجیے کہ نہ ہی اس کے لیے کوئی درسگاہ ہوتی ہے اور نہ کلاس، بس چھوٹے چھوٹے بورڈ پر منشی، معلم، عالم وغیرہ لکھ کر دروازوں پر لٹکا دیا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب سرکاری درس گاہیں ہیں، اور بعض جگہوں پر حفظ کی درسگاہ کے دروازے پر یہ بورڈ لگا ہوا مل جاتا ہے، اور امتحان دینے والا خواہ حفظ قرآن، یا انگریزی، یا اور کسی زبان کا پڑھنے والا ہو، مسلم ہو یا غیر مسلم اس سے کچھ مطلب نہیں، بڑی آسانی سے امتحان دیتا ہے، کیوں کہ امتحان گاہ میں چیٹ لکھ کر سوالوں کو حل کرایا جاتا ہے، یا پھر گائیڈ کے ذریعہ مدد کی جاتی ہے۔

⑳ امتحان کے موقعہ سے افسر امتحان گاہ میں حاضر ہوتا ہے، حاضر ہونے سے پہلے ہی نگران، بچوں کو خبر کر دیتے ہیں، بچے اپنی اپنی گائیڈ، یا چیٹ کو امتحان گاہ سے باہر کسی جگہ یا پھر بیت الخلاء وغیرہ میں مناسب وغیر مناسب کی تمیز کیے بغیر کہیں بھی ڈال دیتے ہیں، جب کہ چیٹ یا گائیڈ میں قرآن کی آیات اور احادیث بھی لکھی ہوئی ہوتی ہیں، کیا بورڈ کے امتحان کے لیے یہ سب جائز ہے؟

㉑ بورڈ کا امتحان دینے والے کو اکثر آٹھ یا دس پاس ہونے کی مارسیٹ فارم پر لگانی ہوتی ہے، جس میں اکثر مارسیٹ فرضی ہوتی ہے، جو سرکاری جرم ہے۔

(۲۲) ہندوستان میں مسلمانوں کی زبان بول کر اردو ٹیچر سرکاری محکموں میں رکھے جاتے ہیں، کیا آپ نے غور کیا ہے کہ کتنے مسلمان رکھے جاتے ہیں، اکثر ہمارے ہندو بھائی ملتے ہیں، اب تو مدرسہ بورڈ کے بابو (منشی) ہمارے ہندو بھائی ہی ہوتے ہیں، کیا مدرسہ انہی حضرات سے چلے گا؟

(۲۳) کیا اردو اسلام کی زبان ہے؟ کیا اردو زبان کی حفاظت ہم پر فرض ہے؟

(۲۴) مدرسہ بورڈ میں جہاں پر قرآن وحدیث کی تعلیم دی جاتی ہے، جہاں صرف مسلمان ہی کے بچے زیر تعلیم ہوتے ہیں، وہاں پر ہندو مذاہب کی عبادت (تہوار) کی بھی چھٹیاں منائی جاتی ہیں، جب کہ مسلم تہوار کی چھٹی کم ہوتی ہے، بورڈ کی اس ناانصافی پر سرکار کی کوئی توجہ نہیں ہے۔

(۲۵) جب کسی مدرسہ کو ایڈ حاصل ہوجاتا ہے تو وہ جن اساتذہ کو اپنے مدرسہ میں مدرس رکھتے ہیں، ان سے ذمہ داران مدرسہ لاکھ، دو لاکھ روپئے رشوت لیتے ہیں، کیا ذمہ داران مدرسہ کے لیے ایسا کرنا جائز ہے؟ اور مدرسہ کو ضرورت ہو یا نہ ہو، مدرسین سے زکوۃ وفطرہ کا چندہ کرایا جاتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مدرسہ بورڈ کی حقیقت سمجھنے سے پہلے مدرسہ کسے کہتے ہیں، مدرسہ کے سرپرست کیسے ہوں؟ اس کے ذرائع اخراجات کیا ہوں؟ ان تمام امور کو سمجھنا ضروری ہے۔

مدرسہ پڑھنے، پڑھانے کی جگہ کو کہتے ہیں، ایران وہندو پاکستان میں عموماً لوگ دینی رسائل (کتب) اور بالغوں کے پڑھنے کی جگہ کو مدرسہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

(اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ۲۰/ ۱۵۴)

دور حاضر کے دینی مدارس اور موجودہ زمانہ کی درسگاہوں کی مثال عہد نبوت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں اصحاب صفہ کی زندگی ہے۔ (فتاوی محمودیہ کراچی ۱۵/ ۴۵۲)

''شوریٰ کی شرعی حیثیت'' نامی کتاب میں ہے:

ہندوستان کے عربی مدارس۔ جن کی بنیاد اسلامی حکومت کے ختم ہونے کے بعد عوامی چندہ پر رکھی گئی ہے۔ بالکل نئی نوعیت کے حامل ہیں، یہ مدارس اپنے مقصد تاسیس اور مقاصد عظمیٰ کے لحاظ سے اسلام کے تحفظ کے قلعے اور دعوت وتبلیغ کے مراکز ہیں، طریق کار کے لحاظ سے یہ دینی اور مذہبی تعلیم گاہ ہیں۔ (شوری کی شرعی حیثیت ص: ۳۶۰)

مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب (جامعہ اسلامیہ راولپنڈی رحمۃ اللہ علیہ) ''دینی مدارس کا مزاج'' نامی مضمون کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

صدیوں سے دینی مدارس قائم ہیں اور اپنے مقاصد کی تکمیل میں مصروف ہیں، دین کی جو بہاریں آج نظر آرہی ہیں وہ ان دینی مراکز کی برکات ہیں، حکومتی تعاون سے الگ تھلگ اپنے مزاج کے مطابق خاموشی سے اپنے کام میں یہ ادارے مگن ہیں۔

مدارس کی نشأۃ ثانیہ کا آغاز اب سے ایک سو چالیس سال قبل محرم ۱۲۸۳ھ میں دار العلوم دیوبند اور پھر رجب ۱۲۸۳ھ میں مظاہر علوم سہارنپور سے ہوا، نشأۃ ثانیہ کے اس دور سے آج تک مدارس بڑے بحرانوں سے دوچار رہے، مگر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے غیروں کی بے پناہ سازشوں کے باوجود اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہیں، اربابِ مدارس اور علماء کرام کی مساعی اپنی جگہ اہم ہیں؛ لیکن اصحاب خیر مسلمانوں کا تعاون بھی انتہائی قابل رشک ہے، اسی لیے مدارس کبھی حکومتی تعاون کے دست نگر نہیں رہے، ارباب مدارس کے سامنے بانیٔ دار العلوم دیوبند قاسم العلوم و

الخیرات حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ آٹھ اصول ہیں جو آج بھی دار العلوم دیوبند کے کتب خانہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے لکھے ہوئے محفوظ ہیں، ان میں سے ایک اصول نمبر ۸ یہ ہے کہ:

''اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں تب تک یہ مدرسہ ان شاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا، اور اگر کوئی آمدنی اس کی یقینی حاصل ہوگئی جیسے جاگیر، کارخانۂ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجاء- جو سرمایۂ رجوع الی اللہ ہے- ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہوجائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہوجائے گا''۔ القصہ آمدنی اور تعمیر میں ایک قسم کی بے سروسامانی رہے۔ (تاریخ دار العلوم ص ۱۰۶)

دار العلوم دیوبند کے بارے میں مشہور مؤرخ شیخ محمد اکرام اپنی کتاب ''موج کوثر'' میں لکھتے ہیں کہ: ''دار العلوم دیوبند کی ابتداء نہایت معمولی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کے کرم اور بانیوں کی حسن نیت سے جلد ہی اس نے ترقی شروع کردی'' آگے لکھتے ہیں کہ ''دیوبند کا قیام جنگ آزادی کے بیس پچیس سال بعد ہوا، لیکن جلد ہی اس نے قوم کے تعلیمی نظام میں معزز جگہ حاصل کرلی، اور آج قدیم طرز کی اسلامی درس گاہوں میں سب سے زیادہ اس کی ترقی کی وجہ یہ ہے کہ اس کا بیج اچھا تھا اور اچھے ہاتھوں سے بویا گیا تھا''۔ (ماہنامہ البلاغ کراچی، ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مارچ ۲۰۱۱ء ص: ۳۷، ۳۸)

قاری صاحب موصوف نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے جس دستور العمل (اصول ہشت گانہ) کا حوالہ دیا ہے، اس کی چوتھی اور ساتویں دفعہ یہ ہے:

[۴] یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین باہم متفق المشرب ہوں۔ الخ۔

[۷] سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

(تاریخ دار العلوم دیوبند ۱ / ۱۵۴)

مدرسہ کے سرپرست دیندار و پرہیزگار، خدا ترس ہوں اور مدرسہ کی کامیابی و ترقی کے خواہاں ہوں، امانت داری کا وصف علی وجہ الاتم ان میں پایا جاتا ہو، اموال مدرسہ میں حد درجہ محتاط ہوں، حریص و لالچی نہ ہوں، مداہنت سے کوسوں دور ہوں، اساتذۂ مدرسہ کے ساتھ اعزاز و احترام کا معاملہ کریں، ان کو دیگر ملازمین اور نوکروں کی طرح نہ سمجھیں، اساتذۂ مدرسہ کے ساتھ خوش اخلاقی اور ملنساری سے پیش آئیں۔

آج کل مدارس سے علمائے ربانی پیدا نہ ہونے کا اہم سبب یہ ہے کہ حرام اور مشتبہ مال سے بچنے کا اہتمام نہیں، حرام ایک ایسی خطرناک چیز ہے جو دین کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔

پاکیزہ اور حلال غذا کھانے پر اور مشتبہ اور حرام سے بچنے پر شریعت مطہرہ نے خوب زور دیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

إن الله طيب لا يقبل الا طيباً، وإن الله أمر المؤمنين بما أمر به المرسلين، فقال:﴿يايها الرسل كلوا من الطيبات واعملوا صالحاً﴾ و قال تعالىٰ: ﴿يايها الذين اٰمنوا كلوا من طيبات ما رزقنكم﴾ ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء يقول: يا ربّ ياربّ و مطعمه حرام و مشربه حرام و ملبسه حرام و غذى بالحرام فانّ يستجاب لذٰلك رواه مسلم (مشكوٰة ص: ۲۴۱)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ (تمام کمی اور عیوب سے) پاک ہے، اس پاک ذات کی بارگاہ میں صرف

وہی (صدقات واعمال) مقبول ہوتے ہیں جو (شرعی عیوب اور نیت کے فساد سے) پاک ہوں، (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ نے جس چیز (یعنی حلال مال کھانے اور اچھے اعمال) کا حکم اپنے رسولوں کو دیا ہے اسی چیز کا حکم تمام مؤمنوں کو بھی دیا ہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحاً﴾ (یعنی اے رسولو! حلال روزی کھاؤ اور اچھے اعمال کرو)۔ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿یایھا الذین اٰمنوا کلوا من طیبات ما رزقنکم﴾ (یعنی اے مؤمنو! تم صرف وہی پاک وحلال رزق کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا کیا ہے) پھر آپ ﷺ نے (بطور مثال) ایک شخص کا حال ذکر کیا کہ وہ طول طویل سفر اختیار کرتا ہے، پراگندہ بال اور غبار آلودہ، وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب! اے میرے رب (یعنی وہ اپنے مقاصد کے لیے دعاء مانگتا ہے) حالاں کہ کھانا اس کا حرام، لباس اس کا حرام، (شروع سے اب تک) پرورش اس کی حرام ہی (غذاؤں سے) ہوئی، پھر کیونکر اس کی دعاء قبول کی جائے۔ (مسلم) (مظاہر حق جدید: ۳/ ۴۳۰، ۴۳۱)

استفتاء میں آپ نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ ''پہلے مدارس کے دربان اور جاروب کش بھی ولی ہوا کرتے تھے؛ مگر جب سے مدارس میں دنیا دار اہل ثروت کا دخل ہوا اور مدارس میں سرکاری امداد لی جانے لگی، مدارس کا حال بد سے بدتر ہوتا گیا''۔

بالکل صحیح ہے، یہ ساری خرابیاں مدارس میں آنے والے مخلوط مال کی کرشمہ سازی ہے، ایک وقت وہ تھا لوگ خالص حلال وطیب مال مدارس میں دیتے تھے تو اس کا ثمرہ پاکیزہ نفوس کی شکل میں ظاہر ہوتا تھا، اور اب ہر طرح کا مال آتا ہے، چندہ دینے والے کو حلال وحرام کی تمیز نہیں اور ارباب مدارس بھی اس باب میں غفلت برتتے

ہیں، ''ھل من مزید'' ہر سفیر کا نعرہ ہے، اس لیے اس کا ثمرہ بھی ویسا پاتے ہیں۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا سبق آموز ایک ملفوظ نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ ناقل ہیں، فرماتے ہیں: ایک مرتبہ بندہ حاضر تھا، آپ نے سر اٹھایا اور فرمایا: مولوی عاشق الٰہی! ایک بات کہوں، ہم نے اپنے بڑوں سے سنا ہے کہ ہندوستان میں علم کی اتنی کمی تھی کہ دور کیوں جاؤ، خود ہمارے اضلاع میں بھی جنازہ کی نماز پڑھانے والا مشکل سے ملتا تھا، اور آج علم کی کثرت کا یہ حال ہے کہ شہر تو شہر کوئی قصبہ؛ بلکہ شاید کوئی گاؤں بھی ایسا نہ ہو جہاں کوئی مولوی نہ مل جائے، اس کے بعد ذرا دوسرا پہلو دیکھو کہ غدر کا زمانہ گذرے کچھ مدت نہیں ہوئی کہ ابھی اس کے دیکھنے والے بھی زندہ ہیں، اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ پھانسی گڑی ہوئی تھی اور ان ناکردہ مظلوموں کا پرّ ابندھا ہوا تھا جن کو پھانسی کا حکم دیا جا چکا تھا، وہ لوگ آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ایک نعش کو اتارا جا رہا ہے اور دوسرے زندہ کو چڑھایا جا رہا ہے، اس طرح موت ان کی نظر کے سامنے تھی اور ان کو عین الیقین تھا کہ چند منٹ بعد میرا شمار مردوں میں ہوا چاہتا ہے، بایں ہمہ کوئی جھوٹوں بھی ان کے متعلق ضعفِ ایمان کا یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ کسی بچہ نے بھی موت سے ڈر کر اسلام سے انحراف یا تبدیل مذہب کا خیال کیا ہو، باوجود قلت علم اور غلبۂ جہالت کے ان کا ایمان اتنا پختہ تھا کہ مرنا قبول تھا مگر مذہب پر حرف آنا قبول نہ تھا، اور آج بایں کثرت علم ضعفِ ایمان کا یہ حال ہے کہ ذرا ڈنڈے کے خوف یا دو پیسہ؛ بلکہ دو حرف انگریزی کے عطیہ کی طمع دلا کر جو چاہے کہلا لو اور جو چاہے کرا لو۔ عجیب بات ہے کہ قلت علم کے وقت ایمان میں اتنی قوت اور کثرت علم کے زمانہ میں ایمان کی اتنی کمزوری!! اس کے بعد فرمایا:

سچ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ ایک جگہ علامت قیامت کو بیان کیا علم کا کم ہونا۔ اور دوسری جگہ فرمایا کہ قیامت کے قریب علم زیادہ ہو جائے گا۔ اہل باطن نے بغیر دیکھے نورِ فراست سے تطبیق دی تھی، مگر ہم بدنصیبوں نے اس وقت کو آنکھوں سے دیکھ لیا کہ صورت علم کثیر ہوگئی مگر حقیقت علم قلیل ہوگئی اور یہی خاص علامت ہے قرب قیامت کی۔

ایک مرتبہ ایسے ہی فکر سے افاقہ پا کر فرمانے لگے: مولوی عاشق الٰہی! میں غور کیا کرتا ہوں ابھی چند سال ہوئے چندوں میں اتنی قلت تھی کہ دو دو چار چار پیسے بھی قدر کے ساتھ لیے جاتے تھے اور مدرسین وطلبہ کو چھپر کے سایہ میں بیٹھنا بھی نعمت معلوم ہوتا تھا، بایں ہمہ علماء ایسے تیار ہوتے تھے کہ باید وشاید۔ آج انھیں روکھی سوکھی کھا کر پڑھنے والوں کی بدولت دین کا ماہتاب چمک رہا ہے، اور اب چندوں کا یہ حال ہے کہ ریاستوں سے ہزار ہا روپیہ مقرر ہے اور امراء ومتمول تاجروں سے کثیر کثیر رقمیں آتی ہیں؛ مگر نہ علم میں وہ برکت ہے، نہ حال اور عمل میں وہ اخلاص، مدارس کو دیکھو تو تعمیرات زائدہ میں ترقی اور عالی شان عمارتوں کی بھرمار، طلبہ کو دیکھو تو ہر طرح، امراء جیسے باورچی خانے اور اس پر بھی ان کو شکایت اور اعتراض، آہ! زمانہ ہی پلٹ گیا، ظاہر داری ہر جگہ بڑھ گئی اور بطن واندروں ہر چیز کا جاتا رہا، آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ پہلے جو نتیجہ پیسوں میں نکلا وہ آج ہزاروں روپے میں بھی نہیں نکلتا؟ ذرا سکوت فرما کر خود ارشاد فرمایا کہ: میرے خیال میں اس کی وجہ یہ آتی ہے کہ اس زمانہ میں حلت، حرمت کا اہتمام مسلمانوں کے قلوب سے جاتا رہا، اور حب مال نے چرلیا کہ روپیہ کمانے کی فکر میں حدود شرعیہ کا تذکرہ بھی لوگوں کو ناگوار گزرنے لگا ہے؛ اس لیے پہلے جو کچھ مدرسوں میں آتا تھا اگرچہ مقدار میں قلیل ہوتا تھا، مگر حلال خالص اور محنت وریاضت کا کمایا ہوا بابرکت آتا تھا؛

لہٰذا اس کے ثمرات بھی شیریں اور بابرکت مرتب ہوتے تھے، اور آج گو مقدار میں کثیر آتا ہے مگر اس میں اکثر حصہ وہ ہوتا ہے جس میں شریعت کے جواز وعدم جواز کا لحاظ نہیں رکھا گیا؛ لہٰذا وہ یہاں آکر بھی یا مٹی میں ملائے جانے کے قابل ہوتا ہے، اور فضول تعمیرات میں خرچ ہوجاتا ہے یا زوائد امور میں صرف ہوجاتا ہے، چھٹ چھٹا کر جو حلال بچتا ہے وہ مد تعلیم میں صرف ہوتا ہے؛ مگر وہ اقل قلیل ہے؛ لہٰذا علم مورث عمل کا ثمرہ بھی اقل قلیل۔ صدق اللہ العلی العظیم ﴿الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات﴾

حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اے لوگو! میں تمہارے مصارف دیکھ کر مداخل کا پتہ چلا لیتا ہوں، کہ تمہارا پیسہ حرام جگہ صرف ہوتا دیکھتا ہوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ ضرور حرام طریق سے حاصل ہوا تھا، لہٰذا ''مال حرام بود بجائے حرام رفت''۔ اور مباح جگہ صرف ہوتا دیکھتا ہوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ جائز صورت سے کمایا گیا تھا، اور اگر خاص اہل اللہ پر یا عین خوشنودی خدا کے مواقع پر خرچ ہوتا دیکھتا ہوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ صرف اباحت ہی نہیں؛ بلکہ طاعت ورضاء حق کے ساتھ حاصل کیا ہوا تھا، پس جیسا بیج ویسا درخت اور جیسا تخم ویسا اس کا پھل۔ عوام شکایت تو کرتے ہیں کہ اب علماء ایسے کیوں نہیں جیسے پہلے تھے؟ مگر اس پر غور نہیں کرتے کہ ان کا کمایا ہوا پیسہ- جو مدرسوں میں آتا ہے- ویسا خالص اور پاک نہیں ہے، جیسا ان کے بزرگوں اور اسلاف کا تھا، وہ اپنا کسب مال اللہ کی مرضی کے موافق کریں اور اس کو طلبہ کی خورد ونوش بناویں، تو پھر علماء پہلے سے دیندار محتاط اور مخلص اللہ والے خاشع وخاضع تیار ہونے کیا دشوار ہیں۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۱۶۸ تا ۱۷۱)

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دینی مدارس پر آفت آرہی ہے، یہ سب خرابی ایسے ویسے پیسے کی ہے، پہلے ایسا ویسا پیسہ نہیں تھا، حلال واخلاص کی کمائی تھی، اس کے اثرات اچھے ہوتے تھے، اور اب وہ بات نہیں؛ اس لیے فتنے رونما ہورہے ہیں۔ (ملفوظات فقیہ الامت قسط ۴/ ۴۴)

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

''یہ مدرسے دنیا میں جہنم ہیں اور آخرت میں جنت، اگر اللہ کے لیے کھولے ہیں تو دنیا میں تو حالات ومصائب آئیں گے، اس لیے یہ دنیا میں جہنم ہیں، مگر آخرت میں اس کی برکت سے بڑے بڑے درجات ملیں گے، اور اگر دنیا طلبی کے لیے ہیں تو یہ آخرت میں وبال اور دنیا میں جنت''۔ (رسائل المرغوب ۲۳۵)

حضرت مولانا قاری سید محمد صدیق صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''اب تو لوگوں نے اپنی جیب بھرنے اور پیٹ پالنے کے لیے مدارس اور مکاتب کھول رکھے ہیں، ہر شخص اپنی دوا اینٹ کی مسجد علیحدہ بنائے ہوئے ہے اور شہروں میں جاجا کر چندہ کرکے اپنی کوٹھیاں بنانی ہیں، ان کی نگرانی یا محاسبہ کرنے والا تو کوئی ہے نہیں، خدا کا خوف بھی نہیں، من مانی جو چاہتے ہیں کرتے ہیں''۔ (ایضاً)

سطور بالا میں ذکر کردہ امور اور اقوالِ علماء پر مدرسہ بورڈ کی حقیقت اور اس سلسلہ میں علماء کے موقف کو جانچئے، ہمارے اکابر نے دینی مدارس کے جو اصول و ضوابط تیار کئے ہیں اور اس کی روشنی میں ہم اپنی منزل کی جس سمت میں گامزن ہیں اس میں اور حکومت کے فارمولہ ومزعومہ مدرسہ بورڈ کے درمیان کوئی جوڑ ہی نہیں۔

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی		ایں راہ کہ تو می روی بترکستان است

ماہنامہ ''معارف قاسم جدید دہلی'' میں مدرسہ بورڈ کے متعلق ہمارے علماء کے متعدد مضامین شائع ہوئے ہیں، اس کے چند اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں، اس کے مطالعہ سے قیام مدرسہ بورڈ کے حقائق اور ملک کے لیڈران کے عزائم بآسانی سمجھ میں آجائیں گے۔ مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

منفی سوچ کے حامل افراد میں سرکاری افسران اعلیٰ کے خیالات ہیں کہ مدارس میں امن وشانتی نہیں، تشدد کی تعلیم دی جاتی ہے، اس لیے اس کے بنیادی ڈھانچہ میں تبدیلی ناگزیر ہے، اس خاص سوچ اور سازش کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے ملک کے لیڈران مرکزی مدرسہ بورڈ بنانا چاہتے ہیں؛ تاکہ ان کا یہ مشن بہر صورت کامیاب ہوجائے، بدقسمتی یہ ہے کہ اس وقت بھی چند ''میر جعفر'' کی حمایت انہیں حاصل ہے، جن کے کاندھے پر بندوق رکھ کر یہ ایک تیر سے دو نشانہ لگانا چاہتے ہیں، مسلمانوں کو اعلیٰ تعلیم کی ڈگر پر لانے کے لیے ان کی نظر میں مدارس میں تبدیلی وقت کا سب سے اہم ترین تقاضہ ہے جس کے بغیر مسلم بچوں کی تعلیمی پسماندگی دور نہیں ہوسکتی، اس کوشش کے پیچھے سچائی یہی ہے کہ مدارس کی روح کو کسی بھی طرح سے ختم کردیا جائے؛ تاکہ یہاں کے دینی مدارس کا بھی وہی حشر ہو جو ان ممالک میں ہوا جہاں حکومت کی مداخلت یا سرکاری بورڈ قائم ہیں۔ (معارف قاسم جدید اداریہ، ص: ۳، ۴، نومبر/دسمبر ۲۰۰۹ء)

حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم عنوان ''مرکزی مدرسہ بورڈ ایکٹ ۲۰۰۸ اپنی دفعات کے آئینہ'' کے ذیل میں رقم طراز ہیں:

مدرسہ بورڈ کے قانون کے مسودہ کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس قانون کے بنانے والے حکومت کے لیے مدارس اسلامیہ کے اندر

دخل اندازی کا راستہ ہموار کر رہے ہیں؛ تاکہ مدارس کی آزادی سلب ہو جائے، ان کے نظام تعلیم اور نصاب تعلیم دونوں حکومت کے رحم وکرم پر رہیں۔

مولانا مدنی آگے تحریر فرماتے ہیں:

''مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مرکزی مدرسہ بورڈ ایکٹ ۲۰۰۸ء کے مضمرات کو بھی سامنے لایا جائے؛ تاکہ اس کا ہر پہلو واضح ہو جائے۔

مرکزی مدرسہ بورڈ ایکٹ کے صفحہ ۶ پر ''بورڈ کی ترکیب'' کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ بورڈ حسب ذیل افراد پر مشتمل ہوگا:

(۱) ایک معروف مسلم مذہبی اسکالر دیوبندی مکتبِ فکر کا۔

(۲) ایک معروف مسلم مذہبی اسکالر بریلوی مکتبِ فکر کا۔

(۳) ایک معروف مسلم مذہبی اسکالر اہل حدیث مکتبِ فکر کا۔

(۴) ایک معروف مسلم مذہبی اسکالر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کا۔

(۵) ایک معروف مسلم مذہبی اسکالر شیعہ مسلک کا۔

(۶) ایک معروف مسلم مذہبی اسکالر داؤدی بوہرہ فرقہ کا۔

(۷) ایک معروف مسلم مذہبی اسکالر روایتی مدرسہ تعلیم کے میدان کا۔

(۸) ایک معروف مسلم مذہبی اسکالر خاتون۔

(۹) ایک معروف مسلم مذہبی اسکالر انسانیت نواز۔

(۱۰) نفاذ کے وقت کسی بھی قانون کے تحت قائم شدہ کسی یونیورسٹی، شعبۂ عربی یا اسلامک اسٹڈیز کا سربراہ جس کی تقرری مرکزی حکومت کی طرف سے کی جائے گی۔

اسی ترتیب کے ساتھ دس افراد کا مجموعہ ''مدرسہ'' بورڈ کہلائے گا۔

اس مذکورہ بالا تحریر کے بموجب یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ دیوبندی مکتبِ فکر کے مدرسے ہندوستان ہی میں نوے فیصد ہیں، ان نوّے فیصد مدرسوں کے نظامِ تعلیم، نصابِ تعلیم، مسائل ومشاکل اوران کی ترجمانی کے لیے بورڈ میں صرف ایک آدمی اور وہ بھی گورنمنٹ کا قائم کردہ نمائندہ، کیا اربابِ مدارس اور مسلمانوں کو مطمئن کر سکے گا''؟۔ (ایضاً ص:۳۱، ۳۲)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں: ''مجوزہ مرکزی مدرسہ بورڈ کے پیچھے وہی عالمی سازش کارفرما ہے جس کے ذریعہ مصر، الجزائر اور ترکی میں مدارس کا حال خراب کیا گیا تھا''۔ (ایضاً ص:۴۵)

حضرت اقدس مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم (صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ) تحریر فرماتے ہیں:

''مرکزی مدرسہ بورڈ مدارس کی روح کے خلاف اور ہمارے لیے مضر ہے''۔

(ایضاً ص:۴۴)

مولانا سید محمود مدنی دامت برکاتہم (رکن پارلیمنٹ راجیہ سبھا) کا موقف یہ ہے کہ:

''مرکزی مدرسہ بورڈ کا قیام حکومت کا شوشہ ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ وہ عملاً مسلمانوں کی ترقی، تعلیم اور فلاح وبہبود کے لیے غیر سنجیدہ ہے، بورڈ سے ملحق مدارس کا رزلٹ اچھا نہیں ہے، جن ریاستوں میں بورڈ کے مدارس کام کر رہے ہیں ایک بھی ایسا مدرسہ نہیں ہے جسے نمونہ اور آئیڈیل کے طور پر پیش کیا جا سکے، ان مدرسوں میں نہ اساتذہ ہیں نہ تعلیم، صرف بورڈ ہی بورڈ ہے''۔ (ایضاً ص ۴۷، ۴۸)

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ (جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا)

تحریر فرماتے ہیں:

''گورنمنٹ کی طرف سے مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام کی مسلمانان ہند کی تمام تنظیموں، اداروں اور قابل ذکر شخصیتوں نے مخالفت کی ہے، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، جمعیۃ علمائے ہند، جماعت اسلامی ہند، آل انڈیا ملی کونسل، دارالعلوم دیوبند، مسلم مجلسِ مشاورت وغیرہ سبھوں نے بہ اتفاق رائے اس کی مخالفت کی ہے، اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ گورنمنٹ کی مداور اس کی مداخلت مدارس کے بنیادی کردار کو متاثر کر دے گی''۔ (ایضاً ص:۴۹)

بورڈ کے متعلق ملک کے نبض شناس وحساس اہل علم اور دانشوران قوم۔جن کی حالات پر گہری نظر ہے۔کی مذکورہ تصریح کے بعد مزید کسی تبصرہ کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اس تمہید کے بعد بالترتیب آپ کے سوالات کے جوابات لکھے جاتے ہیں:

① جی ہاں! حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: ''ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے، اس نے مسلمانوں کو دستور میں تعلیم اور مذہبی حقوق کی آزادی دی ہے کہ اگر کوئی ہمارے مذہبی حقوق پر براہ راست یا بالواسطہ حملہ کرتا ہے تو مسلم پرسنل لاء بورڈ اس کی مخالفت کرے گا''۔ (ایضاً ص ۴۴)

حضرت مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

''مرکزی مدرسہ بورڈ کے قانون کے مسودہ کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس قانون کے بنانے والے حکومت کے لیے مدارس اسلامیہ کے اندر دخل اندازی کا راستہ ہموار کر رہے ہیں تاکہ مدارس کی آزادی سلب ہو جائے''۔ (ایضاً ص ۴۴)

② جی ہاں! مگر بالواسطہ طور پر، مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی زید مجدہم نے مرکزی مدرسہ بورڈ کے قیام کو صیہونی سازش قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس کے پیچھے اسرائیل کا دماغ کام کر رہا ہے۔ (ایضاً ص:۵۰)

③ تا ⑤ آپ کیا! بڑے بڑے علماء کے لیے بھی یہ ایک سوالیہ نشان ہے۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب مدظلہ (مہتمم دار العلوم وقف دیوبند) فرماتے ہیں:

''مرکزی مدرسہ بورڈ کے بارے میں خواہ کتنا ہی غور وفکر کریں، یہ بات ناقابل فہم ہی رہتی ہے کہ آخر ۹۶/ فیصد تعلیم سے محروم مسلم بچوں کو نظر انداز کر کے ''وزارت برائے فروغ انسانی وسائل'' کی نظر عنایت صرف ۴/ فیصد طلبہ و وابستگان مدارس دینیہ پر ہی کیوں؟'' (ایضاً ۴۳)

مولانا سید محمود مدنی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

''اگر سرکار سنجیدہ ہے تو ۹۶/ فیصد بچوں کی تعلیم وترقی کے لیے کیا کر رہی ہے؟''

⑥ ضروری تو کیا ہوتا! ضرر رساں ہے جیسا کہ مولانا سید محمد رابع صاحب دامت برکاتہم نے تصریح فرمادی ہے۔

⑦ جی ہاں! مولانا بدر الدین اجمل قاسمی زید مجدہم (رکن پارلیمنٹ-لوک سبھا) نے مدارس کو بورڈ کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا، انہوں نے وضاحت کی کہ اول تو اس طرح سے مدارس کے نظام میں حکومت کی مداخلت ہوگی اور حکومت اپنے انداز سے چلائے گی، مدارس کے نصاب میں تبدیلی کا سب سے برا نتیجہ یہ ہوگا کہ دینی تعلیم کی طرف طلبہ کا رجحان کم ہو جائے گا، اور وہ عصری تعلیم میں ہی الجھ کر رہ جائیں گے۔ (ایضاً)

⑧ سچ ہے، عیاں راچہ بیاں۔

بزرگوں کی مذکورہ بالا تصریح کے بعد بھی کیا آپ کو ایسا ہونے میں شک وشبہ ہے؟ اگر ہے تو کیوں؟

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم		چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

⑨⑩ حکومت کے ذرائع آمدنی کیا ہیں؟ اس کی تفصیل کے بعد جواب ممکن ہے، محض شک کی بنیاد پر کسی چیز کو ناجائز وحرام کہنا درست نہیں۔

⑪ اگر واقعۃً اس مدرسہ میں دستور کے مطابق دینی تعلیم کا سلسلہ جاری ہو تو ان رقوم کے دینے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر ایسا نہیں ہے جیسا کہ آپ نے ''مدرسہ بورڈ مسائل کی روشنی'' میں نمبر ۴، ۸ میں لکھا ہے تو پھر ایسے مدرسہ میں یہ رقوم نہ دی جائے۔

⑫ پتہ نہیں، یہ راز تو حکومت کے رازداروں ہی سے معلوم ہوسکتا ہے۔

ع　رموز مملکت خویش خسرواں دانند

⑬ تا ⑮ جھوٹ بولنا، رشوت لینا دینا حرام ہے۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: ''اپنا حق (تجارت یا ملازمت وغیرہ) وصول کرنے کے لیے اگر مجبوراً رشوت دی جائے تو امید ہے کہ رشوت دینے والا گناہ سے بچ جائے، رشوت لینے والے پر ہی وبال رہے گا''۔ (فتاویٰ محمودیہ کراچی ۱۸/۴۵۶)

سرکاری ضابطہ کے مطابق مدرسہ نہ ہونے کی صورت میں رشوت دینا بھی ناجائز ہے۔

(۱) الرشوة المحرمة على الآخذ و المعطى كالرشوة التى تعطى للقاضى ليحكم له و يأثم المعطى فى اعطاء الرشوة على ذلك الوجه و لو كان محقاً فى دعواه، و يأثم القاضى إذا حكم لذلك الرجل بناء على

الرشوة التی أخذها ولو کان الراشی محقاً فی دعواه و یکون ملعوناً.

(۲)الرشوة المحرمة علی الآخذ و غیر المحرمة علی الدافع کما لو دفع أحد رشوة لأحد لخوفه علی نفسه أو ماله أو دفع أحد لآخر رشوة لتحققه طمعه فی ماله و بقصد تخلیص بعض ماله منه فاخذ الرشوة من طرف الآخذ حرام و ممنوع (الولوالجیه) ولکن لیس محرما أعطاؤها.

(درر الحکام شرح مجلة الاحکام٤/ ٥٣٦)

⑯ یہ جھوٹ اور دھوکہ بازی ہے جو حرام ہے۔ فتاویٰ محمودیہ میں ایسے ہی سرکار سے ملحق مدرسہ کے بارے میں لکھا ہے: ''اگر الحاق کی شرائط موجود نہیں، غلط بیانی کر کے شرائطِ الحاق موجودہ ظاہر کر کے الحاق کیا گیا ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا نہیں کیا جاتا، صرف دفتری خانہ پری کر کے بتلایا جاتا ہے کہ تقاضوں کو پورا کر دیا گیا اور اس طور پر امداد حاصل کی جاتی ہے تو یہ زور و خداع ہے''۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۵/ ۵۹۱)

⑰ ⑱ جب وہ وظیفہ طلبہ کے نام پر آتا ہے تو پورا پورا وظیفہ طلبہ کو دینا ضروری ہے، کچھ دینا باقی مدرسہ میں رکھ لینا، اور جتنی رقم دی ہے اس سے زائد پر دستخط کروانا یہ سب کام ناجائز ہیں، یہی حکم چاول وغلہ کا ہے۔

⑲ ⑳ یہ سب شرائط الحاق کے خلاف ہیں، آیات قرآنیہ واحادیث اور لکھی ہوئی چیز کو بیت الخلاء میں پھینک دینا نہایت ہی شنیع حرکت وناجائز ہے۔

㉑ شرعی بھی جرم ہے، ایسی فرضی مارسیٹ لگانا دھوکہ ہے۔

㉒ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے دستور العمل میں گزر چکا کہ:

''یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین باہم متفق المشرب ہوں'' صورت مسئولہ میں ہندو منشی بھائی متفق المشرب کیا ہوتے متفق المذہب بھی نہیں۔

(۲۳) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ نے اردو کی اہمیت کے بارے میں طویل فتوی تحریر فرمایا ہے، اس کے اخیر میں تحریر فرماتے ہیں:

تفریع علی التفریع: اس انتاج کے بعد معلوم ہو گیا کہ اس وقت اردو زبان کی حفاظت دین کی حفاظت ہے، اس بناء پر یہ حفاظت حسب استطاعت طاعت اور واجب ہوگی، اور باوجود قدرت کے اس میں غفلت اور سستی کرنا معصیت اور موجب مواخذۂ آخرت ہوگا۔ واللہ أعلم و ھذا ماحضرنی الآن و لعل اللہ یحدث بعد ذلك أمرا رسالہ درجۂ اردو تمام شد۔ (النور، ۱۰/شعبان ۵۸ھ، امداد الفتاوی ۴/۶۵۵)

حضرت کا یہ فتوی بہتّر (۷۲) سال پہلے کا ہے، بعد کے دور میں اسلامی علوم کا بہت بڑا حصہ اردو زبان میں منتقل ہو چکا ہے، اس لیے اردو زبان کی حفاظت کی اہمیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

(۲۴) نظام مدرسہ میں سرکار کی دخل اندازی ہی کا یہ نتیجہ ہے، اسی لیے دانشورانِ قوم مدرسہ بورڈ کے خلاف ہیں جیسا کہ گزرا۔

(۲۵) رشوت لے کر مدرس کا تقرر کرنا جائز نہیں۔ عقد اجارہ میں اگر چندہ کرنا مشروط ہے تو اس تقاضۂ عقد کے مطابق شرعی حدود میں رہ کر عمل کرنا ضروری ہے۔

اخیر میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی چشم کشا تحریر نقل کی جاتی ہے جس میں حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بتلایا ہے کہ دینی مدارس کے فضلاء قابل رشک اسلامی معاشرہ وجود میں لانے کا ذریعہ ہوئے اور جن ملکوں میں مدارس کو حکومت نے اپنی تحویل میں لے لیا ہے وہاں مدارس کی روح ختم ہو کر عیاشی اور مادہ پرستی نے جگہ لے لی ہے، ملاحظہ کیجئے:

دینی مدارس اوران کا فائدہ:

یہ علوم آخرت کی درس گاہیں اوران سے پیدا ہونے والے حاملینِ علومِ انبیاء علمائے حق، حکومت کے عدمِ تعاون یا عوام کی سرد مہری کی وجہ سے مذکورہ بالا قابلِ رشک اسلامی معاشرہ کی تشکیل میں اگر کامیاب نہ بھی ہوں؛ تب بھی ان کے دم قدم کا اتنا فائدہ ضرور ہوگا کہ معاشرہ کے فسق وفجور میں گرفتار افراد قانونِ الٰہی اور احکامِ شرعیہ کی خلاف ورزی، سود خوری، شراب نوشی حتی کہ زنا کاری اور فحاشی کے باوجود خود کو گنہگار عنداللہ مجرم ضرور سمجھتے رہیں گے، اور کسی نہ کسی وقت خدا کے سامنے گناہوں کی مغفرت کے لیے ان کے ہاتھ ضرور اٹھتے رہیں گے، بالکل ہی خدا ناشناس درندے اور جانور نہ بنیں گے اور اس خدا شناسی اور اعترافِ گناہ کی بدولت - اگرچہ صرف دل ہی سے ہو - عام عذابِ الٰہی، خدائی قہر اور الٰہی انتقام کا نشانہ نہ بنیں گے، ارشاد ہے:

﴿وما كان الله ليعذبهم وهم يستغفرون﴾ ترجمہ: اللہ سے یہ بعید ہے کہ وہ تو اللہ سے مغفرت کی دعائیں کر رہے ہوں، اور اللہ ان کو عذاب (آسمانی) میں گرفتار کردے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمانی قوت اور اسلامی روح اگرچہ فسق وفجور کی وجہ سے کتنی ہی مضمحل اور کمزور ہو جائے باقی ضرور رہتی ہے، اور آڑے وقت ضرور کام آتی ہے، علاوہ ازیں چوں کہ ان علماءِ دین اور حاملینِ علومِ آخرت کی عمر کا وہ حصہ جو فطری طور پر دنیوی علوم، صنعت وحرفت اور ان کے علاوہ دنیوی وسائلِ معاش کے سیکھنے اور حاصل کرنے کا ہوتا ہے انہی علومِ دینیہ کی درس گاہوں اور علومِ دینیہ کے حاصل کرنے میں گذر جاتا ہے، اس کے بعد وہ دنیوی اعتبار سے کسی مصرف کے نہیں رہتے، اس لیے

قدرتی طور پر ان کی معاشی زندگی دین اور دینی خدمات سے وابستہ ہو جاتی ہے، خواہ درس وتدریسِ علومِ دینیہ کی صورت میں ہو، خواہ وعظ وتبلیغ کی صورت میں، خواہ مؤذنی، امامت وخطابت کی شکل میں ہو یا مکاتبِ قرآنِ کریم میں حفظ یا ناظرہ قرآنِ کریم کی تعلیم کی شکل میں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم اور اس کے معاشرہ میں ان لوگوں کی بدولت کم از کم دین کا شعور اور خدا پرستی کا احساس ضرور بیدار اور باقی رہتا ہے؛ بلکہ قوم کی اکثریت انفرادی طور پر ضرور دیندار اور احکامِ شرعیہ کی بڑی حد تک پابند رہتی ہے، حرام وحلال، طاعت ومعصیت، عذاب وثواب کی تمیز اور کسی نہ کسی درجہ میں خوفِ خدا اور خوفِ آخرت ضرور باقی رہتا ہے اور اس کے نمایاں اثرات محفوظ رہتے ہیں اور کسی کسی وقت اس کے برکات ضرور ظاہر ہوتے ہیں۔

اس کے برعکس جن اسلامی ملکوں میں ان آزاد عربی مدارس ومکاتب کا وجود حکومت کے زور سے بالکل ختم کر دیا گیا ہے اور ملک کے تمام مدارس ومکاتب کو دنیوی تعلیم کی درس گاہوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے، امامت وخطابت، وعظ وتبلیغ اور درس وتدریس کو حکومت کے کنٹرول میں لے لیا گیا ہے، ان ملکوں میں علومِ قرآن وحدیث وفقہ و اصولِ فقہ کے سوتے بالکل خشک ہو چکے ہیں اور اس کے نتیجہ میں نری عیش پرستی کے تسلط کی وجہ سے ایمانی قوت اور دینی روح اور خدا پرستی کا احساس اور چرچا بالکل ہی ختم ہو چکا ہے یا ختم ہوتا جا رہا ہے، اسلام کی جگہ قومیت نے لے لی ہے، خدا کی جگہ مادی ترقیات پر قابض طاغوتی طاقتوں نے لے لی ہے، قانونِ الٰہی کی جگہ انسانی ساختہ پرداختہ استعماری یا اشتراکی قوانین نے، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی جگہ مغربی تہذیب اور اس کے لوازمات موسیقی رقص وسرور، غنا، عریانی، فحاشی اور جذبات کو

برانگیختہ اور مشتعل کرنے والی فلموں، ڈراموں اور نام نہاد ثقافتی پروگراموں نے لے لی ہے، اور عام طور پر پوری قومیں خصوصاً نوجوان نسلیں شب و روز ریڈیو پر موسیقی کے نغمے اور دھنیں سننے اور ٹیلی ویژنوں پر عریاں مناظر دیکھنے اور پھر اپنی نجی صحبتوں، مجلسوں یا خلوتوں میں قدِ آدم آئینوں کے سامنے اس فحاشی اور جنسی آوارگی کی ریہرسل (مشق) اور عملی تجربے کرنے میں مصروف ہے۔ العیاذ باللہ (بصائر وعبر، ۱/۲۶۵، ۲۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبد القیوم راجکوٹی

الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری　　الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قوانینِ مدرسہ کی خلاف ورزی پر ترکِ کلام کرنا

سوال: بندہ نے شروع سال میں مدرسہ میں داخلہ لیا دورۂ حدیث کے لیے، تو داخلہ کے لیے فارم لیا اور بھی ساتھیوں نے فارم لیا، اور اس فارم میں لکھا تھا کہ دورہ والوں کو بھی عشاء کے بعد پڑھنا ایک گھنٹہ ضروری ہے، اور اس سے پہلے عشاء کے بعد پڑھنا واجب وضروری نہ تھا، تو سب ساتھیوں نے کہا کہ ہم کو فارم بھرنا نہیں ہے، بندہ بھی مجبور تھا، اکیلا برہانپور کا تھا، اور مجھ کو کہہ دیا کہ تجھ کو مہتمم صاحب کے سامنے کچھ نہیں کہنا ہے، بندہ خاموش رہا اور بندہ نے بھی فارم نہیں بھرا؛ اس لیے کہ اگر بھر دیوے تو یہ ایک وعدہ ہو جاتا ہے اور وعدہ خلافی مومن کی شان نہیں ہے، مومن کے لیے زیبا نہیں دیتا ہے؛ بہر حال آدھا دن ایسے ہی گذر گیا اور پھر وہی بڑے بڑے طالب علم اٹھے اور انہوں نے فارم بھر دیا اور بندہ نے سب کے آخر میں فارم بھرا؛ تاکہ کسی کو یہ

بولنے کا موقع نہ ملے کہ اسماعیل نے پہلے فارم بھرا، یا اسماعیل نے فارم بھرنے کو کہا، پھر سب ہی ساتھیوں نے فارم بھر دیا، پھر جب پڑھنے کا بورڈ لگا کہ سب کو عشاء کے بعد پڑھنے کو بیٹھنا ہے تو دورۂ حدیث کے تمام ساتھیوں میں سے کوئی نہ بیٹھا علاوہ اس بندہ کے، اور پھر دوسرے دن سے سب بڑوں بڑوں نے قطعِ تعلق وکلام کر دیا، اور بندہ جو پڑھنے بیٹھا اس لیے کہ قوم کا پیسہ لگتا ہے کہ بچے پڑھیں، اگر ہم نہ پڑھیں تو قوم کا پیسہ ضائع بے کار جاتا ہے اور آخرت میں اس پر بھی مواخذہ ہوگا، اور دوسرا نہ بیٹھنے میں وعدہ خلافی ہوتی ہے (جو فارم میں وعدہ کیا تھا) اور حدیث میں وعدہ خلافی منافق کی علامت بتائی گئی ہے (اگرچہ نفاق عملی ہے) تو ان سے بندہ نے بھی قطع تعلق کر لیا ہے کہ سب نے حدیث پڑھنے پر اور واجب فرض کو ادا کرنے پر ترکِ کلام کیا ہے تو بندہ نے ان سے حدیث نہ پڑھنے پر اور واجب ادا نہ کرنے پر ترک کلام کر دیا ہے، اور یہ نمونہ بندہ کے ذہن میں آتا ہے، حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے بلال رحمۃ اللہ علیہ سے ترکِ کلام کیا جب کہ بلال رحمۃ اللہ علیہ کا کلام حدیث کے ساتھ معارض تھا، اور ایک نمونہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا واقعہ حدیث میں مشہور ہے، یہ ایک راز ہے بندہ اور آپ کے درمیان، اس سے مقصد یہ ہے کہ کیا میرا ان سے ترکِ کلام کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ کیا آخرت میں بندہ کا اس پر مواخذہ ہوگا؟ کیا جو حدیث میں وعید آئی ہے بندہ اس میں شامل ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر آپ اسی نیت سے ان کے ساتھ ترکِ کلام کر رہے ہیں (واللہ تعالیٰ عالم

بسرائر الحال) تو اس کی اجازت ہے؛ ورنہ اگر نیت یہ ہے کہ انہوں نے مجھ سے ترکِ کلام کیا ہے اس لیے میں بھی کرلوں تو یہ جائز نہیں ہے، پہلی صورت میں بھی ان کی فہمائش اور ان کو اس حرکتِ ممنوعہ سے باز رکھنے کی سعی آپ پر ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حاضری کے لیے کارڈ سسٹم پر بعض اساتذہ کی ناراضگی

سوال: ہم لوگ ابھی تک ادارہ کے احاطہ میں رہتے تھے یعنی قیام تھا، ابھی ادارہ سے باہر ہیں تو اس سے پہلے حاضری کے لیے رجسٹر کا نظام تھا اور ابھی ادارہ کی طرف سے کارڈ سسٹم شروع کیا ہے، جس کا مقصد صرف اتنا ہے کہ کوئی بھی ٹرسٹی اردو جانتا نہیں ہے، تو وہ جب جائزہ لینے آئے تو کارڈ کے ذریعہ حاضری کا جائزہ انگریزی میں لے سکے، اس لیے اس کارڈ کا نظام شروع کیا گیا ہے، جس پر ادارہ کے دینیات پڑھانے والے اساتذۂ کرام کو ناراضگی ہے، اور ان کی یہ مانگ ہے کہ کارڈ ہٹا دیا جائے، تو ٹرسٹی صاحب جاننا چاہتے ہیں کہ کارڈ لینے سے شرع کی رو سے کوئی پکڑ ہوگی؟ یہاں یہ بھی لکھنا ضروری سمجھا جاتا ہے کہ ادارہ میں کام کرنے والے تقریباً پچاس، ساٹھ لوگوں کے کارڈ بنے ہوئے ہیں اور اس پر کسی بھی اسٹاف کے فرد کو کسی قسم کی بے عزتی یا کسی بھی قسم کا اعتراض نہیں، اور دینیات کے اساتذۂ کرام کو اعتراض ہے؛ لیکن کس چیز پر ہے؟ ان کو کارڈ رکھنے سے نقصان یا تکلیف ہوسکتی ہے؟ یہ پوچھنے پر بتانے کو تیار نہیں ہیں،

اوران کا فیصلہ یہ ہے کہ کارڈ ہٹادیا جائے، تو براہِ کرم شریعت کی رو سے رہنمائی فرمائیں۔

نیز استاذ بھی ایک طرح سے ملازم ہیں، کارڈ میں ان کی حاضری، غیر حاضری، ہفتہ واری چھٹی، نصف دن کی حاضری یعنی سی ایل وغیرہ کارڈ میں لکھا جاتا ہے، جس طرح عام ملازمین کا بھی لکھا جاتا ہے، تو اردو نہیں جاننے کی بنیاد پر کارڈ کے ذریعہ سے ان چیزوں کا ریکارڈ انگریزی میں ماہواری ہم دیکھ سکتے ہیں، اور اس کو ہمارے عام ملازمین کی حاضری کے نام رجسٹر یا کتاب جو انتظامیہ دفتر سے ہے اس سے ہر ایک کا ریکارڈ دیکھا جاتا ہے، اور اساتذۂ کرام بھی باہر سے خدمت کے لیے آتے ہیں جس طرح اور ملازمین آتے ہیں اس لیے یہ حاضری کارڈ سب کے لیے بناتے ہیں، براہِ کرم جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہر تعلیمی یا غیر تعلیمی ادارہ میں کام کرنے والے حضرات کو اس ادارہ کی طرف سے دیے جانے والے حقوق اور تنخواہ وغیرہ کا مدار کام کے لیے دی جانے والی حاضری یا غیر حاضری پر ہوتا ہے، اس لیے ہر ادارہ میں اپنے کارکنان اور ملازمین کی حاضری یا غیر حاضری معلوم کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، زمانۂ سابق میں اس مقصد کے لیے کوئی رجسٹر وغیرہ نہیں ہوتا تھا؛ بلکہ کام کرنے والے حضرات خود ہی اس نوع کی تفصیلات پیش کردیتے تھے اور وہ قبول کرلی جاتی تھی؛ لیکن اداروں کا دائرۂ کار وسیع ہوتا گیا، اور ملازمین وکارکنان کی دیانت کا معیار بھی کم ہوتا چلا گیا، تو باقاعدہ حاضری وغیر حاضری کا طریقہ اختیار کیا گیا؛ لیکن اس پر بھی ملازم یا کارکن کے دستخط نہیں لیے جاتے تھے؛ بلکہ ایک مقررہ شخص کارکنان میں سے حاضر وغیر حاضر معلوم کرکے اس کی خانہ پُری کر

دیتا تھا، اس طریقِ کار میں بھی کوئی ایسی صورت نہیں تھی جو بوقتِ انکار اس پر حجت بنے، اس لیے ان حاضری رجسٹروں میں دستخط والا طریقہ جاری ہوا، اس کے بعد مزید سہولت؛ نیز دیگر مقاصد کے پیشِ نظر کارڈ والا طریقہ جاری ہوا؛ لیکن یہ طریقِ کار تعلیمی اداروں خصوصاً دینی تعلیم کے اداروں میں ابھی تک بہت کم رائج ہے، اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ بعض دینی تعلیمی اداروں میں قدیم طریق بھی رائج ہے، بعض میں رجسٹر والا طریقِ کار بھی ہے؛ لیکن دستخط نہیں لیے جاتے، بعض میں دستخط بھی لیے جاتے ہیں، آپ کے ادارہ میں اگر ادارہ کے اربابِ نظم وانتظام نے کارڈ سسٹم جاری کیا ہے اور ان کی نیت محض سہولتِ کار ہے، کارکنان واساتذہ پر بدگمانی نہیں ہے تو حضراتِ اساتذہ کو اس پر ناراض ہونے کی ضرورت نہیں ہے، خصوصاً جب کہ وہ اپنی اس ناراضگی کی معقول وجہ پیش کرنے سے قاصر بھی ہیں، اور اگر ان کے پاس کوئی معقول وجہ ہے تو وہ پیش کریں؛ تاکہ اربابِ حل وعقد اس پر غور وخوض فرما کر اس کے ازالہ کی سعی فرمائیں۔ حضراتِ اساتذہ کی ناراضگی اگر اس لیے ہو کہ ہمیں اور دیگر عام ملازمین کو ایک درجہ میں ڈال دیا، تو اگرچہ یہ بات رجسٹر والی صورت میں بھی تھی؛ لیکن اس سے قطع نظر ان کی ناراضگی کے ازالہ کی ایک صورت یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اساتذہ حضرات کے لیے استعمال ہونے والے کارڈ کا رنگ دوسرے شعبے والوں سے ممتاز ہو، درجات کا امتیاز ظاہر کرنے کے لیے اختلافِ الوان والا طریق کار بہت سے شعبوں میں رائج ہے، اور مقبول بھی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

خدّامِ دین کے لیے مشعلِ راہ

سوال: چند لوگوں نے ایک ایسی جگہ مدرسہ وعبادت گاہ کا قیام کیا، جہاں اس قسم کا کوئی انتظام اس بستی میں پہلے نہ تھا، ہوتا بھی کیسے کہ بستی کفر والحاد میں ڈوبی ہوئی تھی، بابری مسجد کے شہید ہونے کے بعد فساد برپا ہوئے، یہ علاقہ اس کی زد میں آیا، غیروں کی یہ بستی شدہ شدہ کر کے خالی ہوگئی اور الحمدللہ یہ بستی غالباً ایک ہزار گھروں پر مشتمل مسلمانوں کی آبادی والی ہوگئی، پانچ سال سے یہ بستی اسی طرح آباد ہے۔

مشورہ کر کے اس بات کا آغاز بانس، بلّی اور چٹائی کی چھت اور پلاسٹک کا پردہ لگا کر گجرات ہاؤسنگ بورڈ کی کھلی زمین میں کیا گیا ہے، ہماری جانکاری کے اعتبار سے یہ جگہ کالونی والوں کی سماجی سرگرمیاں: شادی، کھیل کود، وعظ واجتماع کے لیے رکھی جاتی ہے۔ آج اس میدان کے ایک چھوٹے سے حصہ میں جسے خیمہ کہا جاسکتا ہے، پانچ وقتوں کی نماز اور تقریباً ڈیڑھ سو بچے دینی تعلیم عربی حاصل کر رہے ہیں، ایک عالم کو یہاں متعین کر دیا گیا ہے جن کے اخراجات کا نظم چندے سے کیا جارہا ہے، اور اس طرح سو ڈیڑھ سو گھروں میں دینی فیضان ہو رہا ہے۔

گجرات ہاؤسنگ بورڈ اور عدالت سے اس معاملہ کے لیے انصاف مانگا جارہا ہے اور اجازت طلب کی جارہی ہے۔ کیا اور کسی صورت میں اس کا استعمال جائز ہے؟

کچھ ناپسند حضرات مدرسہ اور عبادت گاہ کو غیر مستحکم اور اسے نیست ونابود کرنے پر تلے ہوئے ہیں، فرماتے ہیں کہ اس کی کیا ضرورت ہے؟ گاہے گاہے نت نئے اعتراضات نکال کر لاتے ہیں، اور عوام کو برابر ورغلاتے رہتے ہیں؛ جب کہ یہ

حضرات نہ ہی اقتصادی اور نہ ہی کسی اور قسم کی امدادی معاونت کرتے ہیں، یا اس خیمہ نما عبادت گاہ میں نماز ادا کرنے آتے ہیں گویا صرف اور صرف اعتراض کرنا ہی ان کا مشغلہ بن کر رہ گیا ہے۔

اس کام کو فروغ اور پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ایک کمیٹی کی تشکیل دی جا چکی ہے، کبھی کمیٹی کے حضرات پر ملکیت بنانے کا بہتان لگاتے ہیں، کبھی لوگوں کو جمع کر کے ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور کمیٹی کے رجسٹرڈ بائلوز کی نقل مانگتے ہیں، کمیٹی والے اسے اس لیے بتانا نہیں چاہتے ہیں کہ عدالت میں مقدمہ دائر ہے جس کے بتا دینے سے معاملہ کی صورت خراب ہونے کا پورا اندیشہ ہے، ایک دو حضرات نے تو صاحبِ معاملہ کو جان سے مار ڈالنے کی، اغواء کروا دینے، علاقہ چھوڑ دینے کی دھمکی دی اور دلوائی ہے۔

ایسے پیچیدہ اور نازک حالات میں صاحبِ معاملہ کو کیا کرنا چاہیے کہ جس سے اللہ کی اس سرزمین پر ایک اچھا کارِ خیر رونما ہو سکے اور امت فیضیاب ہو سکے؟ لہٰذا آپ حضرات سے قرآن وحدیث کی روشنی میں رہنمائی فرمانے کی گزارش ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو دین کی خدمت کی توفیق مرحمت ہو، اور بندگان خدا کو ان کے دینی امور میں مدد پہنچانے کے لیے اس کو چن لیا جائے یہ اس کی سعادت اور خوش بختی کی علامت ہے، حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ کا مبارک ارشاد ہے: "خیر الناس من ینفع الناس" یعنی لوگوں میں بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کو

فائدہ پہنچائے، جو آدمی جس نوع کا فائدہ لوگوں کو پہنچاتا ہے اس کی فضیلت بھی اسی نوع کی ہوگی، دنیا کے مقابلے میں دین کی اہمیت اور افضلیت واضح اور مسلم ہے تو جو آدمی لوگوں کو دین میں فائدہ پہنچاتا اور مدد کرتا ہے اس کا مقام ومرتبہ بھی اسی مناسبت سے بلند وبالا ہے۔

نیز قدیم زمانے سے یہ طریقہ چلا آرہا ہے کہ دین کا کام کرنے والوں کو مختلف طریقوں سے ستایا جاتا رہا اور تکلیفیں اور ایذائیں پہنچائی جاتی رہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے: "أشد الناس بلاء الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل" (یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے، پھر جو آدمی جتنا ان کے نقشِ قدم پر چلتا ہے اسی مناسبت سے وہ آزمایا جاتا ہے) اس لیے صاحبِ معاملہ کو اس دینی خدمت کی انجام دہی پر مختلف طریقوں سے تکالیف پہنچائی جارہی ہیں تو ان کو ہمت نہیں ہارنی چاہیے؛ بلکہ جم کر کام کرنا چاہیے، موت کا ایک وقت مقرر ہے اس سے پہلے آسکتی ہے نہ اس کے بعد، اگر دین کی راہ میں موت آجائے تو شہادت ہے؛ بہر حال صاحب معاملہ اپنا کام جاری رکھیں، اللہ تعالیٰ کی مدد آئے گی، ایک بات کا خیال رہے کہ ان مخالفین سے انتقام لینے کا ہرگز ہرگز ارادہ نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مدرسین کو مدرسہ سے کھانا دینے کی صورت

سوال: ہمارے مدرسہ فضل الرب واقع جودھ پور میں کھانا صرف طلبہ کو دیا جاتا

ہے، مدرسین وملازمین کو نہیں دیا جاتا، مدرسین وملازمین کو تنخواہ بھی صرف امدادی رقم سے ادا ہوتی ہے، صدقاتِ واجبہ، زکوۃ، فطرہ وغیرہ اور اسی طرح صدقۂ واجبہ کی صورت میں مدرسہ میں آنے والے بکرے اور ان کا گوشت یہ تمام چیزیں طلباء ہی پر طعام وغیرہ کی شکل میں تقسیم کی جاتی ہیں، جس سے ملازمین ومدرسین کو یا تو کھانا خود بنانا پڑتا ہے یا ہوٹل وغیرہ میں کھانا پڑتا ہے، اور ان کے لیے یہ بڑی پریشانی کا سبب بنتا ہے، ان حالات میں ہندوستان کے دینی مدارس کی طرح ملازمین ومدرسین کو مدرسہ کی جانب سے فیس یا بلا فیس طعام دینے کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟ جو بھی صورت ہو قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کی وضاحت فرمائیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مدرسہ والے زکوۃ صدقات واجبہ وغیرہ کی صورت میں آنے والی رقوم اور اشیاء کی تملیک کرانے کے بعد ان کو استعمال میں لاتے ہیں جیسا کہ عامتاً مدارس عربیہ میں ہوتا ہے تب تو مدرسہ میں تیار ہونے والا کھانا اساتذہ وملازمین کو فیس لے کر یا بلا فیس دیا جاسکتا ہے، اور اگر ان کی تملیک نہیں کی جاتی ہے؛ بلکہ براہِ راست استعمال میں آتی ہے تو یہ کھانا فیس لے کر یا بلا فیس مدرسین وملازمین اور غیر مستحق طلبہ کو دینا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مدرس کی عدمِ موجودگی میں مکان پر کھانا لے جانا

سوال :① مدارسِ عربیہ دینیہ میں تعلیم دینے والے علماءِ کرام کا تقرر مع طعام وقیام ہوتا ہے، زید وعمر جس ادارہ میں مدرس ہیں، اس میں ایسا عمل ہے کہ بکر اور خالد اپنے طور پر مع اہل وعیال مدرسہ سے باہر کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں، اور کچھ مدرسین اپنے ذاتی مکان میں مع پریوار رہتے ہیں، بکر اور خالد اور دیگر مدرسین جو اپنے ذاتی مکان یا کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں، اپنا اپنا طعام اپنے گھر لے جاتے ہیں؛ لیکن مدرسین حضرات وقتاً فوقتاً کبھی مدرسہ کے کام سے اور کبھی اپنے ذاتی کام سے سفر میں ہوتے ہیں، سفر کے ایام میں بھی مدرسہ کے مطبخ سے طعام مکان پر بچے لے جاتے ہیں، جب کہ مدرس کی حاضری نہیں ہے تو کیا یہ طعام کا مدرسہ سے لے جانا از روئے شریعت صحیح ہے یا جائز نہیں ہے؟

مدارس کی تشہیر کا حکم

سوال :② آج کل مدارس عربیہ دینیہ اسلامیہ میں اس قدر تشہیر ہو رہی ہے، الامان الحفیظ۔ جس طرح سے اسکولوں اور کالجوں میں ہوتا ہے کہ ہمارے ادارے میں طلباء اتنی تعداد میں ہیں، اور تمام طالب علموں کا طعام من جانب مدرسہ ہے، اتنے حافظ، اتنے قاری، اتنے فارغ ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ؛ جب کہ دینی تعلیم خالص للہ ہے۔ اس قسم کی تشہیر جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① طعام کو اجرت کا ایک حصہ قرار دینا اصل مذہب کے اعتبار سے تو درست ہی نہیں تھا؛ لیکن متأخرین فقہاء نے عرف وعادات کے پیش نظر اس کی اجازت دی ہے، جب کہ نفسِ اجازت ہی کے لیے عرف وعادات کو بنیاد قرار دیا گیا تو ضمنی امور میں بھی اس کو مبنیٰ قرار دیں گے، اس لیے اگر مدرس کے زمانۂ سفر میں طعام لے جانے کا عرف ہے تو یہ بھی درست ہوگا ورنہ نہیں۔

يفسدها كجهالة مأجور أو أجرة أو مدة أو عمل، وكشرط طعام عبد وعلف دابة (درمختار)

(قوله كشرط طعام عبد وعلف دابة) فى الظهيرية: استأجر عبدا أو دابة على أن يكون علفها على المستأجر ذكر فى الكتاب أنه لا يجوز، وقال الفقيه ابوالليث: فى الدابة نأخذ بقول المتقدمين، أما فى زماننا فالعبد يأكل من مال المستأجر عادة اه قال الحموى: فيصح اشتراطه الخ(شامی ۹/ ۳۲)

② "الأمور بمقاصدها" فقہ کا مسلمہ ضابطہ ہے، اگر احوال وکوائف کے اظہار کا مقصد چندہ دہندگان کو اس بات کا اطمینان دلانا ہے کہ ان کی رقوم مصرفِ صحیح میں استعمال ہو رہی ہیں، یا لوگوں کو مدرسہ کی امداد کی طرف متوجہ کرنا ہے وغیر ذلک؛ اور اس اظہار میں بھی مبالغہ آرائی اور دروغ بیانی سے کام نہیں لیا جا رہا ہے تو اس کے جائز ہونے میں کیا شبہ ہے؟ اور اگر اس کا مقصد شہرت اور ریا ہے تو اس کا ناجائز ہونا ظاہر ہے، یہ دونوں امور قلب سے متعلق ہیں، اس لیے کسی خاص فرد کے متعلق کوئی

خصوصی حکم لگانا دشوار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مدارس کے سفراء کا لوگوں سے ہدایا وصول کرنا

سوال: حضرت شیخ نے فضائل صدقات ۲/ ۳۳۸ میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک صاحب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات کی وصولیابی کے لیے بھیجا، وہ صاحب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یہ مال صدقات ہیں اور بعض مال ان کو ہدیہ میں ملا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے سامنے وعظ فرمایا اور تنبیہ فرمائی کہ لوگوں کو صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا جاتا ہے اور ہدیہ لے کر آتے ہیں، کیا ان کے مکانوں پر رہتے تو لوگ ان کو دیتے، یہ بات مدرسہ کے سفراء پر ملحق ہوتی ہے؟ مدرسہ کے سفراء چندہ کے لیے دوسرے ممالک جاتے ہیں اور ان کو ہدایا بھی ملتے ہیں، یہ ہدایا ان کے لیے لینا جائز ہے یا نہیں؟ تحقیق فرما کر ممنون فرمائیں، تکلیف معاف فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مدرسہ کے سفیر کو زکوۃ کے وصول کرنے والے عاملین پر قیاس کرنا صحیح نہیں، عامل زکوۃ کا مصرف ہے گو وہ غنی ہو۔ لقوله تعالى: والعاملين عليها قال المرغيناني: ولهذا يأخذ وإن كان غنيا (هداية ۱/ ۱۸۵) جب کہ سفیر غنی ہو تو زکوۃ کا مصرف نہیں۔ نیز عامل حکومتِ اسلامیہ میں زکوۃ وصول کرنے پر اور مزکی (صاحبِ مال) اس کو زکاۃ دینے پر مامور ہوتا ہے، یعنی مزکی کے لیے لابدی اور ضروری ہوتا ہے کہ عامل ہی کو

زکوۃ سپرد کرے، اس کے علاوہ مزکی کسی اور کو نہیں دے سکتا، نہ خود کسی مصرف میں صرف کرسکتا ہے۔

عامل کو حسبِ ضرورت بیت المال سے تنخواہ دی جاتی ہے، جب کہ سفیر میں ایسا نہیں ہے۔ عامل کے لیے قبولِ ہدیہ کی ممانعت اس وقت ہے جب کہ رشوت کا شبہ ہو، مثلاً ایک شخص کبھی ہدیہ دینے کا عادی نہیں تھا، وہ عامل کو اس عہدہ پر فائز ہونے کے بعد ہدیہ دے رہا ہے، ظاہر ہے کہ ایسے ہدایا کی وجہ سے عامل زکوۃ کی وصولیابی میں نرم پہلو اختیار کرے گا۔

ومن طبيعة البشر أنه يلين لمن يهدي إليه هدية (تكملة فتح الملهم ٣ /٣١٠)

جب کہ سفیرِ مدرسہ چندہ کی وصولیابی میں نرم پہلو اختیار کرنے کے بجائے ذرا زوردار اپیل اور مطالبہ کرے تو شاید کوئی بھی چندہ نہ دے گا؛ بلکہ عموماً مزکی سفیر کو اپنا احسان مند تصور کرتا ہے۔ وھو لا یخفیٰ.

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عامل اور سفیر میں بڑا فرق ہے؛ لہٰذا سفیر مدرسہ کو ہدایا دینے والے حضرات اپنے ذاتی تعلق وتعارف کی وجہ سے جو ہدایا دیتے ہیں، ان کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں، ایسے ہدایا سفیر کی ملک ہیں، تاہم تقوی یہی ہے کہ ایسی رقوم بھی مدرسہ میں جمع کرادے، انشاء اللہ مدرسہ میں دینے کا ثواب بھی ملے گا۔

آپ نے سوال میں جس حدیث شریف کی نشاندہی فرمائی، اس کی شرح میں شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

أما من تبين منه أنه لا يهدي إليه إلاحبا لذاته ولا يبتغي بذلك إلا وجه الله، فالظاهر أنه لا يدخل في وعيد هذا الحديث إن شاء الله

تعالى وبما أن مثل هؤلاء المخلصين قلة نادرة، والنفاق ربما يتزيا بزي الإخلاص، فالاجتناب في جميع الأحوال أولى وأسلم (أيضا)

ہمارے اکابر کا تقوی درباب اموالِ مدارس معروف ومشہور ہے، اس سلسلہ کے کئی واقعات ہیں، مشتے از خروارے کے طور پر صرف ایک واقعہ تحریر کرتا ہوں، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

مولانا احمد علی کا تقویٰ:

حضرت اقدس شیخ المشائخ مولانا الحاج احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ بخاری، ترمذی وغیرہ کتبِ حدیث کے محشی اور مشہور عالم ومحدث ہیں، جب مظاہر علوم کی قدیم تعمیر کے چندہ کے سلسلہ میں کلکتہ تشریف لے گئے- کہ مولانا کا وہاں اکثر قیام رہا ہے اور وہاں کے لوگوں سے وسیع تعلقات تھے- تو مولانا مرحوم نے سفر سے واپسی پر اپنے آمدورفت کا مفصل حساب مدرسہ میں داخل کیا تو وہ رجسٹر میں (حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ) نے خود پڑھا، اس میں ایک جگہ لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے کے لیے گیا تھا؛ اگرچہ وہاں چندہ خوب ہوا؛ لیکن میرے سفر کی نیت دوست سے ملنے کی تھی، اس لیے وہاں کی آمدورفت کا اتنا کرایہ آمدورفت سے وضع کرلیا جائے۔ (اکابر کا تقوی، فصل سوم، ص ۳۴)

یہ ہے محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کا تقوی! جب کہ سفرائے مدارس کا حال یہ ہے کہ اموالِ مدارس میں بہت کم احتیاط کرتے ہیں، مثلاً کسی نے دعوت کی، اس کے باوجود اس وقت کے کھانے کا خرچ مدرسہ سے وصول کیا جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ وهو أظهر

وأسفر علی السفراء. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبد القیوم راجکوٹی، ۲۳/شوال ۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری　　الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

طلبہ کے والدین کی طرف سے استاد صاحب کو ہدیہ

سوال: (۱) ایک حافظ صاحب درجۂ حفظ پڑھا رہے ہیں ان کے پاس جو طلبہ حفظ کر رہے ہیں ان کے والدین جب اپنے بچوں سے ملنے آتے ہیں تو حافظ صاحب کو بھی بہ طور ہدیہ روپیہ وغیرہ دیتے ہیں ان روپیوں کا حافظ صاحب کے لیے لینا کیسا ہے؟

(۲) ایک حافظ صاحب درجۂ حفظ پڑھا رہے ہیں ان کے پاس جو طلبہ حفظ مکمل کرتے ہیں تو ان کے والدین قرآن مجید کے حفظ مکمل کی دعا پر ایک ڈریس (جوڑا) یا دیگر سامان بہ طور ہدیہ دیتے ہیں (جیسا کہ اکثر مدارس میں یہ رواج ہے) وہ لینا کیسا ہے اگر لے رہا ہے تو کیا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) (۲) حافظ صاحب کے پاس پڑھنے والے بچوں کے والدین کی طرف سے عام دنوں میں بہ طور ہدیہ کوئی چیز یا رقم حافظ صاحب کو دی جاتی ہے اسی طرح بچوں کی حفظ کی تکمیل پر کپڑے کا جوڑا یا اور کوئی چیز بہ طور ہدیہ دی جاتی ہے اس کا لینا حافظ صاحب کے لیے جائز اور درست ہے البتہ اس ہدیہ کے حصول کے لیے اندرونی تحریک نہیں کی جانی چاہیے والدین کی طرف سے بہ رضا و رغبت اور مکمل خوش دلی سے یہ ہدیہ ملا ہو اگر اندرونی کسی تحریک کے ذریعہ ناخوش دلی کے باوجود والدین کو اس

ہدیہ کے لیے آمادہ کیا گیا ہو تو اس کا لینا درست نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: لا یحل مال امرإ مسلم إلا بطیبة من نفسه. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

طلباء کی تعزیر کی حد

سوال: شرعی تعزیر کی کیا حد ہے؟ (وہ تعزیر جو طلباء کی کی جاتی ہے)۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وان وجب ضرب ابن عشر علیها بید لا بخشبة، لحدیث "مروا اولادکم بالصلوٰة؛ وهم ابناء سبع، واضربوهم علیها وهم ابناء عشر" (درمختار) (قوله بید) ای ولا یجاوز الثلاث، وکذلك المعلم لیس له ان یجاوزها، قال علیه الصلوٰة والسلام لمرداس المعلم "ایاك ان تضرب فوق الثلاث، فانك اذا ضربت فوق الثلاث اقتص الله منك" اه اسمعیل عن أحکام الصغار للاستروشنی وظاهره انه لا یضرب بالعصا فی غیر الصلوٰة ایضاً (قوله لا بخشبة) ای عصا ومقتضی قوله بید ان یراد بالخشبة ماهو الاعم منها ومن السوط افاده ط (شامی ۱/ ۴۰۸)

عبارتِ منقولہ سے امرِ مسئول عنہ کا حکم بالتفصیل معلوم ہوگیا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۵۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

طلباء سے مالی جرمانہ لینا

سوال: مدرسہ میں اگر طلباء قانون کی خلاف ورزی کریں تو کیا ان سے فائن (جرمانہ) پیسوں میں وصول کرنا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو اس کو مدرسہ کے اخراجات میں صرف کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مال کی صورت میں جرمانہ عائد کرنا شرعاً درست نہیں۔

والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال (شامی ۳ /۱۹۵)

اور جرمانہ کے طور پر لی ہوئی رقم مدرسہ کے اخراجات میں صرف کرنا جائز نہیں۔

"لقوله عليه الصلوة والسلام: "لايحل مال إمرأ مسلم إلا بطيبة من نفسه" (مشكوة ۲۵۵)

اگر کوئی رقم مالی جرمانہ کے نام سے لے کر رکھ لی جائے؛ تاکہ وہ طالب علم قانون کی خلاف ورزی سے باز رہے اور بعد میں اس کو لوٹا دی جائے تو اس کی گنجائش ہے؛ لیکن اس صورت میں بھی اس کی مرضی کے بغیر اخراجات مدرسہ میں صرف کرنا درست نہیں؛ بلکہ اس کو واپس کی جائے۔

وقيل: يجوز، ومنعاه: أن يمسكه مدة لينزجر، ثم يعيده له، فإن أيس من توبة صرفه إلى مايرى. (درمختار ۶ /۱۰۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ /صفر ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جرمانہ کی رقم کا مدرسہ میں استعمال

سوال: اگر کسی ادارہ میں طلباء کے کسی جرم کی وجہ سے ان پر جرمانہ عائد کیا جائے، تو کیا یہ جرمانہ لے کر اس کو مدرسہ کے کسی مصرف میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر طالب علم نے مالی نقصان پہنچایا ہے، تو اس کا تاوان وصول کیا جاسکتا ہے، اور اگر اس کے علاوہ کوئی جرم ہے تو اگر مال لے کر کچھ مدت تک روکے رکھا، اور پھر واپس کیا تو اس کی گنجائش ایک روایت کے مطابق ہے؛ لیکن اس کو استعمال کرنا جائز نہیں۔

لا بأ خذ مال فی ا لمذهب "بحر" وفيه عن البزازية وقيل يجوز، ومعناه ان يمسكه مدة لينزجر ثم يعيده له، فان ايس من توبته صرفه الى مايرىٰ (درمختار) (قوله فيه الخ) اى فى البحر حيث قال: وافاد فى البزازية ان معنى التعزير بأخذ المال على القول به امساك شىء من ماله عند مدة؛ لينزجر ثم يعيده الحاكم اليه، لا ان ياخذه الحاكم لنفسه او لبيت المال الخ (شامی ۳ /۱۹۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

طلبہ کے ناجائز لباس کو پھاڑنا ناجائز اور موجبِ ضمان ہے

سوال: ایک مسئلہ عرضِ خدمت ہے امید ہے کہ آنجناب والا اس کا مدلل جواب تحریر فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے:

صورتِ مسئلہ یہ ہے کہ ہم چند افراد ایک ادارے کے مدرسین ہیں اور طلبہ کرام

کی اصلاح وتربیت کا نظم ونسق بھی ہمارے ذمہ کر دیا گیا ہے، اصلاح وتربیت کے سلسلہ میں ایک مسئلہ ہمیں یہ درپیش ہے کہ عزیز طلبہ کرام مہمانانِ رسول غیر شرعی لباس زیب تن کرتے ہیں مثلاً پتلون پہنتے ہیں یا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے لٹکاتے ہیں؛ لہٰذا ہم نے مکرر اعلان تختۂ سیاہ پر تحریر کیا کہ کوئی بھی طالب علم آئندہ ٹخنوں سے نیچے اپنا پاجامہ نہ لٹکائے ورنہ ضرورت سے زائد مقدار کو قطع کر کے شریعت کے حکم کے موافق کرنے پر مجبور ہوں گے اور ایک ہفتہ کی مہلت دی گئی پھر ہفتہ کے بعد ہم نے طلبہ کا جائزہ لیا اور جس کا پاجامہ ٹخنوں سے نیچے پایا اسے اس انداز سے کاٹ دیا گیا کہ اس کی اصلاح ہو سکے اور وہ پاجامہ پہننے کے قابل رہے اور اسبال ازار کی وعید سے محفوظ رہے اور آئندہ اس فعل شنیع سے باز رہے، اسی طرح جس طالب علم کے بال غیر شرعی پائے تو اس کو شرعی طور پر کٹوانے پر از راہ تربیت مجبور کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ایک عالم دین کا کہنا ہے کہ اس طرح پاجامہ کاٹنا شرعی اعتبار سے ناجائز ہے کیوں کہ اس میں تضییع مال غیر ہے جو بلا اذن غیر ناجائز ہے تو کیا اس عالم دین کا کہنا صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو پھر آنجناب والا ہی کوئی ایسا طریقہ ارشاد فرمائیں جس پر ہم عمل کر کے طلبہ کرام کو اس مذموم حرکت سے محفوظ رکھ سکیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''آداب الصالحین'' میں احتساب یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے متعلق تفصیلی احکام بیان فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ''جاننا چاہیے کہ احتساب کے بھی مدارج ہیں؛ اس لیے کہ مقصود اصلی احتساب سے یہ ہے کہ معصیت کے صدور کو روکا جائے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی

ناراضگی اور غضب کا موجب نہ بنے، تو اگر صرف پند ونصیحت ہی سے کام چل جائے اور انسان برائی سے باز آجائے تو جنگ وجدال کی ضرورت ہی نہیں''۔

(اسوۃ الصالحین ترجمہ آداب الصالحین ۲۵۴)

آگے تحریر فرماتے ہیں: پانچواں درجہ کا احتساب یہ ہے کہ منکر کو ہاتھ سے مٹا دے مثلاً باجہ واجہ ہے تو اس کو توڑ ڈالے، شراب ہے تو اس کو گرادے اور اگر کوئی مرد ریشمی کپڑا پہنے ہوئے ہے تو اس کے بدن سے اتار دے یا کوئی شخص کسی کا گھر غصب کر کے اس میں رہ رہا ہے تو ہاتھ پکڑ کر اس کو اس سے نکال دے یا کوئی جنبی شخص مسجد میں ہے اور نرمی سے کہنے سے نہیں نکل رہا ہے تو دھکا دے کر اس کو باہر کردے، اور یہ صورت انہیں گناہوں میں ہوسکتی ہے جو زبان اور دل کے علاوہ ہیں باقی جو معاصی کہ زبان ودل سے متعلق ہیں ان کا ہاتھ سے ختم کرنا ممکن نہیں۔

(ادب) اور اگر ان مذکورہ بالا صورتوں میں سے کسی میں بغیر ہاتھ کے استعمال کیے ہوئے صرف زبان سے ہی کام چل جائے تو پھر ہاتھ کے استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور چاہیے کہ ان حالات میں بھی بغیر ضرورت کے کچھ نہ کرے اور حد اعتدال سے تو ہرگز تجاوز نہ کرے پس کہیں کسی جگہ نکالنا ہو تو داڑھی پکڑ کر یا اس کی ٹانگ کھینچ کر باہر نہ کرے جب کہ ہاتھ پکڑ کر باہر کرنا ممکن ہو تو اسی طرح سے اس کے ریشمی کپڑے پھاڑ نہ ڈالے بلکہ بند اور بٹن کھول کر بدن سے اتار دے اور کھیل کی چیزیں مثلاً باجہ وغیرہ کو جلا نہ دے بلکہ توڑ دینا کافی ہے اسی طرح شراب کا گرادینا کافی ہے اس کے برتن توڑنے کی ضرورت نہیں۔ (ایضاً ۲۶۱)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں اس درجہ (یعنی احتساب کا پانچواں درجہ)

کے دو ادب ہیں: پہلا ادب یہ ہے کہ جس پر نکیر کی جارہی ہے اس کو فعل منہی عنہ سے باز رکھنے سے جب تک عاجز نہ ہو اپنے ہاتھ سے تغییر منکر نہ کرے پس اگر غصب کی ہوئی زمین میں سے نکلنے کے لیے اس کو چلا کر یا مسجد میں سے نکلنے کے لیے اس کو نکلنے کا پابند بنا کر نکالنا ممکن ہے تو دھکا دے کر یا کھینچ کر نہ نکالے یا خود اس کے ہاتھ سے شراب بہانا اور آلات لہو ولعب توڑنا ممکن ہو، اسی طرح ریشمی کپڑے کے بند خود اس کے ہاتھ سے کھلوانا ممکن ہو تو محتسب اپنے ہاتھ سے یہ کام انجام نہ دے۔

.....دوسرا ادب یہ ہے کہ تغییر منکر میں بقدرِ ضرورت پر اکتفاء کرے مثلاً اگر ریشمی کپڑا پہنے ہوئے ہے اور اس کو بند کھول کر اس کے جسم سے اتارنا ممکن ہے تو کپڑا پھاڑے نہیں، چناں چہ اگر قدر ضرورت سے آگے بڑھے گا تو اس پر ضمان لازم آوے گا۔

الدرجة الخامسة: التغيير بالید وذلك ككسر الملاهی واراقة الخمر وخلع الحرير من رأسه وعن بدنه (احياء العلوم ٢/٦٩٠)

وفی هذه الدرجة ادبان: احدهما: ان لا يباشر بيده التغيير مالم يعجز عن تكليف المحتسب عليه ذلك فاذا امكنه ان يكلفه المشی فی الخروج عن الارض المغصوبة والمسجد فلا ينبغی ان يدفعه او يجره واذا قدر علی ان يكلفه اراقة الخمر وكسر الملاهی وحل دروز ثوب الحرير فلا ينبغی ان يباشر ذلك بنفسه فان فی الوقوف علی حد الكسر نوع عسر فاذا لم يتعاط بنفسه ذلك كفی الاجتهاد فيه وتولاه من لا حجر عليه فی فعله.

الثانی: ان يقتصر فی طريق التغيير علی القدر المحتاج اليه وهو ان لا ياخذ بلحيته فی الاخراج ولا برجله اذا قدر علی جره بيده فان

زيادة الاذى فيه مستغنى عنه وان لا يمزق ثوب الحرير بل يحل دروزه فقط، ولا يحرق الملاهي والصليب الذى اظهره النصارى بل يبطل صلاحيتها للفساد بالكسر، وحد الكسر ان يصير الى حالة تحتاج فى استئناف اصلاحه الى تعب يساوى تعب الاستئناف من الخشب ابتداء وفى اراقة الخمور يتوقّى كسر الاوانى ان وجد اليه سبيلا فان لم يقدر عليها إلّا بِأن يرمى ظروفها بحجر فله ذلك وسقطت قيمة الظرف وتقومه بسبب الخمر اذ صار حائلا بينه وبين الوصول الى اراقة الخمر ولو ستر الخمر ببدنه لكنا نقصد بدنه بالجرح والضرب لنتوصل الى اراقة الخمر فاذا لا تزيد حرمة ملكه فى الظروف على حرمة نفسه ولوكان الخمر فى قوارير ضيقة الرؤس ولو اشتغل باراقتها طال الزمان وادركه الفساق ومنعوه فله كسرها فهذا عذر وان كان لا يحذر ظفرالفساق به ومنعهم ولكن كان يضيع فى زمانه وتتعطل عليه اشغاله فله ان يكسرها فليس عليه ان يضيع منفعة بدنه وغرضه من اشغاله لاجل ظروف الخمر وحيث كانت الاراقة متيسرة بلا كسر فكسره لزمه الضمان. (احياء العلوم ۲/ ۲۹۱،۲۹۰)

صورت مسئولہ میں طلبہ سے ان پائجاموں اور پتلونوں کو اتروانا ممکن ہے تو اس کو پھاڑنا جائز نہیں ورنہ ضمان لازم آوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: وجوبِ ضمان والا حکم امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے پیش کیا گیا ہے اس پر یہ اشکال نہ ہو کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تو شافعی المسلک ہیں؛ اس لیے کہ احیاء العلوم کی شرح اتحاف میں علامہ سید مرتضی زبیدی نے بھی احیاء العلوم میں بیان فرمودہ اس

حکم پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ جمادی الاخری ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

تنخواہ سے متعلق مسائل

امام ومدرس کی ماہانہ تنخواہ کی مقدار

سوال: امام ومدرس حضرات کی کم ازکم ماہانہ تنخواہ کتنی رکھنی ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اصل مذہب یہ ہے کہ کسی طاعتِ مقصودہ پر اجرت لینا جائز نہیں؛ مگر جس طاعت میں دوام یا پابندی کی ضرورت ہے، اور وہ شعارِ دین میں سے ہے کہ ان کے بند ہونے سے اخلال دین لازم آوے گا، اور ویسے کسی کو مہلت نہیں، ایسے امور کو اس کلیہ سے مستثنیٰ کر دیا ہے، امامت اور تدریس قرآن وفقہ بھی انہی امور میں سے ہیں۔ (شامی ۵/۳۸)

جب ایک شخص تمام امور سے کنارہ کش ہو کر اپنے آپ کو امامت اور تدریسِ قرآن وفقہ میں مشغول کئے ہوئے ہیں، تو مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ اس کی ضروریات زندگی کی کفالت کریں، اور کم ازکم اس کو اتنی تنخواہ دیں کہ جس سے اس کی ذات اور اس کے اہل وعیال (جن کا نفقہ اس پر واجب ہے) کا گزران ہو سکے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

آغازِ سال میں مستعفی مدرس تعطیل کی تنخواہ کا حق دار ہے؟

سوال: ایک مدرس مدرسہ سے ۱۰/شوال (مدرسہ کھلتے وقت) کو کسی معقول وجہ سے مستعفی ہو، جس نے گذشتہ پورا سال خدمت دی ہے، ایسا مدرس تعطیل کلاں (تعطیلات شعبان) کے مشاہرہ کا حق دار ہوتا ہے؟ براہِ کرم حوالہ سمیت تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بوقت تقرری مدرس یا مدرسہ کے دستور میں اس سلسلہ میں کوئی صراحت ہو تو اس کے مطابق عمل ہوگا؛ ورنہ اصولاً وہ مدرس ایام تعطیل کی تنخواہ نہیں پاسکتا۔ (کما یستفاد من امداد الفتاوی ۳/۳۴۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/شوال المکرم ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

علیحدگی اختیار کرنے والے مدرس کے لیے تعطیل کی تنخواہ لینا

سوال: ایک مولوی صاحب مدرسہ میں درس وتدریس کا کام کررہے ہیں، شوال سے شعبان تک کام کیا ہے اسی درمیان مدرسہ کی جانب سے آپس میں تناؤ ہوگیا، اب وہ کہتا ہے میں شعبان کی تعطیل کے بعد اس مدرسہ میں قطعاً نہیں آؤں گا، تعطیلات کی تنخواہ دوسرے اساتذہ کو ملی، وہ بھی گئے اور انہوں نے بھی لی، تو ایک صاحب نے کہا یہ تنخواہ تمہارے لیے لینا جائز نہیں؛ کیوں کہ آپ آئندہ آنے والے نہیں ہیں، تو اب

وہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ میں نے جو گیارہ مہینہ کام کیا ہے اس کی تنخواہ لے رہا ہوں اور یہ میرا حق ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس سلسلہ میں اس مدرسہ کا جو قانون ہے اس کے مطابق عمل ہوگا، یعنی اگر علیحدگی اختیار کرنے والے مدرس کو ایام تعطیلات کی تنخواہ دیئے جانے کا معمول ہے تو ان کے لیے بھی لینا درست ہے؛ ورنہ درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

معزول مدرس تعطیلات کی تنخواہ کا مستحق ہے یا نہیں؟

سوال: دینی درسگاہ میں سے شعبان میں چار مدرسوں کو علیحدہ کر دیا، شوال میں ان کو واپس مدرس وتدریس کے لیے لانا نہیں ہے، دو ماہ تعطیلات رمضان کی تنخواہ کے از روئے شرع مستحق ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مدرسین کی تقرری کے وقت ان کے ساتھ جو شرائط کئے گئے ہیں، ان کے موافق عمل کیا جائے، اگر تصریحاً شرائط نہیں کئے گئے؛ لیکن مدرسہ کے قواعد مدون ومعروف ہیں تو وہ بھی مثل مشروط کے ہوں گے، اور اگر نہ مصرح ہیں اور نہ معروف تو دوسرے مدارس اسلامیہ میں جو معروف ہیں ان کا اتباع کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ صفر المظفر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مستعفی مدرس تعطیلِ کلاں کی تنخواہ کا استحقاق نہیں رکھتا

سوال: میں نے اس سال جامعہ.....میں پڑھایا، میرا تقرر ۱۳ رشوال کو ہوا، اور ۱۲ یا ۱۳ شعبان کو مدرسے کے کچھ حالات کی وجہ سے طبیعت نہ لگنے کی وجہ سے میں نے استعفا دے دیا، اور میں نے مولانا.....صاحب کو کہا کہ: مجھے شعبان کی تنخواہ دے دو، تو انھوں نے کہا کہ: فی الحال پیسہ نہیں ہے؛ اس لیے بعد میں دوں گا، اس وقت مولانا نے مجھے کہا کہ: آپ کا استعفا قبول ہے؛ مگر مدرسہ کا اصول یہ ہے کہ اگر آپ استعفا دو تو مدرسے والوں کو آپ ایک مہینہ پہلے اطلاع کر دو، اور ایک ماہ کی تنخواہ مدرسے میں روک دو، اور اگر ہم آپ کو استعفا دیں تو ہم آپ کو ایک ماہ پہلے اطلاع کر دیں گے، اور ایک ماہ کی تنخواہ ایڈوانس دیں گے، یہ اصول ہے؛ مگر اس اصول کے باوجود بھی اقرار کیا تھا کہ تنخواہ دوں گا، اس کے بعد میں لینے کے لیے گیا تو پھر منع کیا، اور واپس اس اصول کی بات کی، حالاں کہ حضرت! یہ اصول مدرسے میں کسی کو معلوم بھی نہیں، اور نہ مجھ کو معلوم ہے اور نہ مجھے مولانا نے کبھی کہا، اب حضرت! سوال یہ ہے کہ مجھے شریعت کی طرف سے حق ملتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں مسئلہ کیا ہے؟ تا کہ میں اپنا حق لوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عموماً دینی مدارس کا ہمارے اطراف میں تعامل معروف یہ ہے کہ ختم سال ماہ شعبان کی جس تاریخ کو بھی فراغت ہو، اس تاریخ کی تنخواہ تو بوجہِ کارکردگی لازم ہوتی ہے، اس کے بعد تعطیل کلاں ہوتی ہے، اس تعطیل (بقیہ شعبان، کامل رمضان، ابتداء

شوال) کی تنخواہ کا استحقاق اس شرط پر ہوتا ہے کہ ملازم بعد التعطیل حاضر ہوکر کام میں مشغول ہوجائے، اگر ملازم حاضر نہ ہو بلکہ ملازمت ختم کردے تو استحقاق نہیں ہوتا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۲۲۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۸/رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

علیحدگی کے وقت ایک ماہ کی مزید تنخواہ اور عارضی تقرر کا دورانیہ

سوال: (۱) میں نومبر ۱۹۹۷ء میں استاذ حفظ القرآن تھا، مدرسہ کا نام ہے (دار العلوم المدنیہ امریکہ میں واقع ہے) میں مستعدی سے اسی طرح خدمت انجام دے رہا تھا جیسا میں نے کام شروع کیا تھا، اس وقت ہمارا کوئی معاہدہ ان کے ساتھ نہیں ہوا تھا، تقریباً اٹھارہ مہینے کے بعد انہوں نے شکایت کی کہ آپ کا طرز تشفی بخش نہیں ہے، تقریباً دو مہینے کے بعد دوبارہ انہوں نے تنبیہ کی کہ آپ ٹھیک سے بچوں کو تعلیم نہیں دے رہے ہیں، (خدمت اچھی طرح انجام نہیں دے رہے ہیں) اس کے بعد میں نے صدر مدرس سے خود بات کی کہ اگر آپ کو ہماری پڑھائی سے اطمینان نہیں ہے تو ایک مہینہ پہلے ہمیں اطلاع کردیں؛ تاکہ میں پہلے سے اپنا انتظام کردوں، یہاں امریکہ میں ملازمت اور انتظامیہ کا معاہدہ بھی ہے، صدر مدرس نے کہا کہ اخراج کی تو آپ بات نہ کریں خیال بھی نہ کریں، سوچیں بھی نہیں، یہ تو بہت دور کی بات ہے، اس کے بعد ایک ہفتہ کے بعد مہینہ پورا ہونے سے پہلے ہی بغیر اطلاع دیے ہوئے ملازمت سے دستبردار کردیا، اخراج کردیا، میں نے کہا کہ مجھے ایک مہینے کی تنخواہ ادا کردیں؛ تاکہ اس مہینے کا میرا گذارہ ہوجائے؛ کیوں کہ ملازمت سے اخراج کے بعد چھ ہفتہ کے

بعد حکومت کی طرف سے (AllowNCE) ملنا شروع ہوتا ہے، تو آپ سے گزارش ہے کہ شرع کی رو سے تنخواہ ادا کرنی چاہیے یا نہیں؟ آپ اس کی وضاحت فرمائیں۔

(۲) ہمارے ادارہ دار العلوم المدنیہ میں قانون ہے کہ جب تک ملازمت کی مدت ایک سال نہ ہو جائے یا آپ نے ایک سال تک خدمت نہ دی ہو، کسی تعطیل کی تنخواہ ادا نہیں کرتے، مثال کے طور پر عید الاضحیٰ، ششماہی امتحان کے بعد کی چھٹی یا رمضان المبارک کی تعطیل ہو؛ لیکن جب آدمی ملازمت شروع کرتا ہے اس وقت اس کی وضاحت نہیں کرتے یا نہیں ہوتی، جب تنخواہ دینے کا وقت ہوتا ہے اس وقت جب تنخواہ کم ہوتی ہے تو پوچھنے پر بتاتے ہیں: (آپ جدید ہیں، ایک سال نہیں گزرا اور لوگ ایک سال پرانے ہیں، آپ کو تعطیل کی تنخواہ نہیں ملے گی۔) تو شرعی رو سے یہ کیسا ہے؟

نوٹ: اس ملک کا قانون ہے کہ تین ماہ کے بعد آپ کو تعطیل کی تنخواہ دیں گے، یہ لوگ طلباء سے سالانہ ۳/ ہزار ڈالر وصول کرتے ہیں، تعطیل میں ان کی فیس کم نہیں کی جاتی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) عمومی مدارس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر مہتمم علیحدہ کرنا چاہے تو ایک ماہ پیشتر اطلاع کر دیں کہ یکم ذی القعدہ سے مثلاً آپ سبکدوش ہیں، اگر ایسا نہیں کیا؛ بلکہ فوری طور پر علیحدہ کیا تو ایک ماہ کی تنخواہ مزید دے کر علیحدہ کیا جا سکتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/ ۱۴۴)

آپ کے معاملہ میں جب آپ نے صدر مدرس سے خود بات کی کہ اگر ان کا ارادہ آپ کو علیحدہ کرنے کا ہو تو ایک ماہ قبل آپ کو اطلاع دیں؛ تاکہ آپ اپنا انتظام کر سکیں،

اور صدر مدرس صاحب نے اطمینان بھی دلایا، اس کے باوجود آپ کو اس گفتگو کے ایک ہفتہ بعد فوری طور پر علیحدہ کر دیا گیا تو اہل مدرسہ کو چاہیے کہ آپ کو ایک ماہ کی تنخواہ ادا کریں۔

(۲) عارضی تقرر جو ایک سال کے لیے ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ سال پورا ہونے پر عقد اجارہ خود بخود ختم ہو جاوے گا، ایسے مدرس کی علیحدگی کے لیے مستقل اطلاع کی ضرورت نہیں ہے، اور ختم سال کے بعد جب تک فریقین از سر نو عقد اجارہ نہیں کریں گے وہاں تک مستقبل کے لیے یہ ملازم نہیں سمجھا جاوے گا؛ لیکن جب تک سال پورا نہیں ہوا عقد اجارہ باقی ہونے کی وجہ سے اس کی ملازمت جاری ہے؛ اس لیے درمیان سال میں ہونے والی تعطیلات (مثلاً عید الاضحیٰ، ششماہی، جمعہ وغیرہ) کی تنخواہ مدارس عربیہ کے عام دستور کی وجہ سے دی جانی چاہیے۔ "لأن المعروف کالمشروط" البتہ اگر بوقت تقرری اس کو بتلا دیا گیا تھا کہ ایام تعطیلات (جن میں کام نہیں ہوتا ان) کی تنخواہ نہیں دی جائے گی تو نہ دینا درست ہے۔

اس نوع کی تمام باتوں کی وضاحت وتصریح بوقتِ تقرری ضروری ہے؛ ورنہ اجارہ فاسد ہو کر فریقین گنہگار رہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ریلیف کے کاموں میں حصہ لینے والے مہتمم کا تنخواہ لینا اور فون استعمال کرنا کیسا ہے؟

سوال: چند ماہ قبل علاقہ کچھ ودیگر جگہوں میں زلزلہ کی وجہ سے شدید تباہ کاری

ہوئی اور اس زلزلہ کی وجہ سے بہت سی مساجد و مکاتب اور لوگوں کے کثیر مکانات گر گئے، ان مساجد و مکاتب کی دوبارہ تعمیر یا مرمت اور تباہ حال لوگوں کی مدد کے لیے مختلف علاقوں سے چندہ کیا گیا، پھر مشورہ سے پانچ حضرات کو ان مساجد و مکاتب کی تعمیر یا مرمت اور ریلیف کاموں کے لیے ذمہ دار بنایا گیا، ان پانچ میں بندہ کا نام بھی شامل ہے، چناں چہ اب ان تمام امور کی دیکھ بھال اور اس کے متعلق مختلف مشوروں اور میٹنگوں میں شرکت کے لیے مجھ کو بھی جانا پڑتا ہے، جس کی بناء پر مدرسہ سے غیر حاضر رہنا پڑتا ہے اور نیز مدرسہ میں حاضری کے اوقات میں ان ریلیف کے امور کے لیے مدرسہ کا فون بھی استعمال ہوتا ہے تو کیا بندہ کے لیے ان ریلیف وغیرہ کے کاموں کے لیے غیر حاضری کے ایام کی تنخواہ لینا مدرسہ سے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح مدرسہ کے فون کو ان امور کے لیے استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک عرصہ تک مدرسہ کا نظم ونسق بحسن وخوبی چلانے اور کار اہتمام بہ امانت ودیانت سنبھالنے کے نتیجہ میں مہتمم مدرسہ کو اپنے علاقہ اور اس کے اطراف وجوانب میں جو اعتماد حاصل ہوتا ہے اس کے پیش نظر اس علاقہ کے دینی وملی اور عوامی ورفاہی کاموں میں بھی حصہ لینا ناگزیر اور ضروری ہوجاتا ہے جو مدرسہ کے مفاد ہی میں سمجھا جاتا ہے، سوال میں مذکور آپ کی مصروفیت اور مدرسہ سے غیر حاضری اسی نوع کی ہے، اگر آپ کی اس غیر حاضری سے مدرسہ کے نظم وضبط میں کوئی خلل اور نقص نہیں آتا تو غیر حاضری کے ان ایام کی تنخواہ لینا آپ کے لیے درست ہے؛ البتہ فون کے استعمال میں احتیاط

ضروری ہے، خود یا کسی صاحب خیر کے ذریعہ اتنی رقم مدرسہ میں داخل فرمادیا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

صاحب فراش استاذ کے لیے تنخواہ لینا

سوال: ایک استاذ الحدیث جنہوں نے مدرسہ میں تقریباً ۲۸/ سال درس بخاری شریف وترمذی شریف پڑھانے کی خدمت انجام دی، بعدہ دوران خدمت بیمار ہوجانے کی بنا پر گھر تشریف لے گئے، اور جب طبیعت میں قدرے افاقہ ہوا تو دوبارہ ذمہ داران مدرسہ تبرکاً پڑھانے کے لیے واپس لے آئے، الحمدللہ آنے کے بعد طبیعت میں راحت ہونے کی بناء پر صرف درس بخاری شریف انجام دیتے تھے؛ مگر پھر ابھی ابھی دوبارہ طبیعت ناساز ہونے کی بنا پر صاحب فراش ہیں، جس کی بنا پر کما حقہ خدمت انجام نہیں دے سکتے، اس صورت میں ذمہ داران مدرسہ مدرسہ سے تنخواہ دیوے تو استاذ محترم کے لیے تنخواہ لینا کیسا ہے؟ لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مدرسہ میں ان کے قیام سے مدرسہ میں نفع ہو، مثلاً ان کے اثر سے مدرسہ کا نظم وضبط قائم رہتا ہو اور ان کی تجربہ کارانہ رائے سے کارکنوں کو روشنی ملتی ہو، اور ان کی صحبت سے اصلاح وتربیت ہو تو مدرسہ میں قیام بھی درست ہے اور تنخواہ کی بھی گنجائش ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۸/ ۲۶۳)

جب بغیر پڑھائے نفس قیام کے مندرجۂ بالا طور پر نافع ومفید ہونے کی صورت میں تنخواہ کی گنجائش ہے تو اگر فوائد مذکورہ کے ساتھ طبیعت بحال ہونے کی حالت میں تدریسی خدمت بھی مقدور بھر انجام دیتے ہیں تو مدرسہ کی طرف سے دی جانے والی تنخواہ لینا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

صدقہ کی رقم سے تنخواہ دینا

سوال: کیا صدقہ کی رقم معلموں ومؤذنوں کو بطور تنخواہ دی جاسکتی ہے؟ کسی بھی طریقہ سے جائز ہے؟ اور اسی طرح للہ رقم ان کاموں میں دی جاسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صدقہ میں تملیک بلاعوض ضروری ہوتی ہے؛ جب کہ تنخواہ اس کی محنت کا عوض ہے، اس لیے صدقہ کی رقم کو تنخواہ میں دینا جائز نہیں ہے۔ للہ اور عطیات کی رقم کو تنخواہ میں دینا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جن دنوں میں ملازمت نہ کی اس کی اجرت لینا کیسا ہے؟

سوال: میں ایک جگہ مدرسہ میں ملازمت کررہا ہوں، شروع میں اپنے اوقات کی پابندی کرتا رہا؛ مگر آج کل اپنے اوقات کی پابندی نہیں کررہا ہوں، لوگوں نے اس بات کو خوب اچھالا کہ اس کا اجرت لینا صحیح نہیں، اجرت حرام ہے، کیا یہ بات صحیح ہے تو

عمل کرنا ہے، جو اجرت حاصل ہو چکی ہے اس کے بارے میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ آخرت کے مواخذہ سے مجھے بری ہونا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کو جو تنخواہ اور اجرت مل رہی ہے وہ مدرسہ میں آپ کے لیے متعین کئے گئے کام کے گھنٹوں اور اوقات کا معاوضہ ہے، اب اگر آپ اوقات کی پابندی نہیں کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ پر کام کے جو اوقات متعین ہیں ان میں آپ نے کمی کی جب کہ آپ اپنی تنخواہ پوری وصول کر رہے ہیں جو تمام اوقات کا معاوضہ ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے جن اوقات میں کام نہیں کیا اس کی بھی آپ نے اجرت وصول کی جو آپ کے لیے جائز نہیں، اس لیے جن لوگوں نے آپ پر یہ الزام لگایا کہ اجرت حرام ہے یہ الزام فی الجملہ درست ہے، اب اگر آپ کے یہاں اصول یہ ہو کہ ایک گھنٹہ غیر حاضری کرنے پر پورے دن کی غیر حاضری شمار ہوگی تو اس صورت میں آپ نے جتنے اوقات میں کام نہیں کیا ان کا حساب جوڑ کر اپنے یہاں کے اصول کے مطابق اس وصول کی ہوئی اجرت کو مدرسہ میں لوٹا دیں، اور آئندہ ایسا ہونے کی صورت میں اتنی اجرت (تنخواہ) کٹوا دیا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ ذی القعدۃ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ایامِ تعطیل کی تنخواہ لینا

سوال: (۱) میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں امامت کرتا ہوں اور گاؤں کا

مکتب پڑھاتا ہوں اور رمضان شریف میں تراویح پڑھاتا ہوں، پھر رمضان کے بعد پندرہ دن کے لیے گھر جاتا ہوں اور بقرہ عید کے موقع پر ۸ / دن گھر جاتا ہوں، کیا میں وہ ۱۵ / دن کی چھٹی جس میں گھر جاتا ہوں اس کی تنخواہ وصول کرسکتا ہوں، اگر وہ خوشی سے دے دے تو میں لے سکتا ہوں؟ اس کا جواب عنایت فرمائیں۔

② مجھے مہینے میں تین دن کی چھٹی رہتی ہے؛ میں لیتا نہیں، مدرسہ اور امامت جاری رہتی ہے تو کیا میں تین دن کی تنخواہ طلب کرسکتا ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① آپ کے لیے تعطیل کے ایام کی تنخواہ لینا درست ہے۔

② آپ کی مراد تین دن کی تنخواہ طلب کرنے سے کیا ہے؟ اس لیے کہ آپ کو پورے مہینے کی تنخواہ تو ملتی ہے، اگر آپ کی مراد مزید تین دن کی تنخواہ کا مطالبہ ہے تو یہ درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۲ / محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

ایامِ تعطیل کی تنخواہ وضع کرنا

سوال: بندہ ایک ادارہ میں بحیثیت مدرس عرصہ سے کام کررہا ہے، ادارہ کا قانون ہے کہ کچھ ایام رخصت مع شہریہ دی جاتی ہے، گزشتہ ماہ ستمبر ۱۹۹۴ء میں جو طاعون کی بیماری پھیلی تھی اس میں ذمہ دارِ مدرسہ کے حکم سے ایک ہفتہ مدرسہ بند رہا، اس کے بعد مدرسہ حسبِ دستور جاری ہوگیا، اب سال کے آخر میں پورے سال کی رخصت جب شمار کی گئی تو اس رخصت (یعنی طاعون کی وجہ سے جو مدرسہ بند رہا) کو

ان ایام میں شامل کرلیا گیا جن ایام کی رخصت مع شہریہ دی جاتی ہے، اب اس رخصت کو ملانے کی وجہ سے استحقاق رخصت سے زیادہ رخصت کے ایام ہو گئے، اب یہ ایک ہفتہ جو تعطیل ذمہ دار ہی کے حکم سے رہی اس کا شہریہ بھی ہمارے صدر مدرس نے وضع کرلیا، کہنے پر جواب ملا: ''میں کچھ نہیں جانتا'' تو دریافت طلب یہ ہے کہ کیا شریعت کی رو سے شہریہ وضع کرنے کا حق ذمہ دار یا صدر مدرس کو ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اصل تو یہ ہے کہ آدمی جتنے دن کام کرے اتنے ہی ایام کی تنخواہ پاوے، جس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ جمعہ اور تعطیلات کی تنخواہ نہ پاوے؛ لیکن تبرعاً ان ایام کی تنخواہ بھی دی جاتی ہے، اسی تبرع کی ایک نوع یہ بھی ہے کہ کچھ ایام کی رخصت مع تنخواہ دی جاتی ہے، اب اگر ذمہ دارانِ مدرسہ نے طاعون کے زمانہ میں دی گئی رخصت کی وجہ سے مع تنخواہ دی جانے والی رخصت کا تبرع ختم کردیا، تو اس پر ان سے نزاع نہ کیا جائے، ویسے ذمہ داران کو چاہیے تھا کہ جب طاعون کی رخصت دی جارہی تھی اس وقت حضرات مدرسین کو مطلع کردیتے کہ اس کی وجہ سے آپ کے ساتھ تبرع والا معاملہ نہیں کیا جاوے گا؛ تاکہ وہ حضرات وضعِ تنخواہ کی وجہ سے پیش آنے والی اچانک مصیبت سے محفوظ رہتے، ذمہ داران کو اپنی اس کوتاہی پر معذرت خواہی کرنے کی ضرورت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ رشوال ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کیا تعطیلات کی تنخواہ ضروری ہے؟

سوال: ذمہ داران مدرسہ اپنے معلمین کرام کو تعطیلات کی تنخواہیں نہیں دیتے ہیں، کیا تعطیلات مدرسہ کی تنخواہ معلمین کو دینا جائز نہیں ہے، نیز دار العلوم کا اس معاملہ میں کیا رویہ ہے؟ مطلع فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ذمہ داران مدرسہ کو تعطیلات کی تنخواہ دینا چاہیے، اور ایام رخصت میں بھی کچھ ایام کی دے دیا کریں تو مناسب ہے، اس کی حد مقرر کر دی جائے، دار العلوم میں بھی غالباً یہی معمول ہے، اس کی حد معلوم نہیں، آپ وہاں سے معلوم فرما سکتے ہیں، اس جگہ ایک بات ذہن نشین رہے، کہ مدرسہ کی طرف سے جن ایام میں کام بند رہتا ہے، ان کو تعطیلات کہا جاتا ہے، اور مدرس یا معلم اپنی ضرورت یا بیماری کی وجہ سے اجازت لے کر کام بند رکھتا ہے ان کو ایام رخصت کہا جاتا ہے، اور بلا اجازت کام بند رکھتا ہے ان کو غیر حاضری سے تعبیر کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ر صفر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تعطیلات کی تنخواہ چندہ کی رقم سے بغیر اجازت منتظمین کے حاصل کرنا

سوال: مدرسہ محمدیہ کے ناظم جناب حاجی فخر الدین صاحب نے اپنے مدرسہ

کے لیے ۴ رمئی ۱۹۹۲ء کو ایک معلم کا تقرر فرمایا، اور جو بھی تنخواہ طے کی گئی تھی، اس کے مطابق ۴ رجون ۱۹۹۲ء کو معلم کو تنخواہ بھی عنایت کی، معلم صاحب نے تنخواہ لینے کے بعد اپنے وطن جانے کی رخصت لی، اور اپنے گھر روانہ ہو گئے، معلم صاحب کے گھر جانے کے بعد، ذمہ داران مدرسہ، خصوصاً ناظم مدرسہ نے ان معلم کے برطرفی کا فیصلہ کر کے معلم صاحب کو بذریعہ ٹیلی گرام یہ خبر پہنچادی، کہ آپ کو ۱۵ رجون ۱۹۹۲ء کو مدرسہ سے برطرف کر دیا گیا ہے آپ تشریف نہ لائیں، اور وہ خبر معلم صاحب کو موصول بھی ہوگئی، معلم صاحب اپنے وطن سے ایک تحریر روانہ کرتے ہیں، کہ ذمہ داران مدرسہ نے ۱۵ رجون ۱۹۹۲ء کو مجھ کو مدرسہ سے برطرف کیا ہے، مسئلہ کے رو مجھ کو ۵ رجون سے ۱۵ رجون تک کی تعطیلات کی تنخواہ ملنی چاہیے، اور چوں کہ میں مدرسہ میں مقیم تھا اسی دوران ایک صاحب خیر نے مدرسہ کے لیے میرے پاس دوسو تیس روپئے عطیہ دیا تھا، میں اسی رقم کو اپنی تنخواہ کے عوض لے رہا ہوں، اور یہ میرے لیے جائز ہے، آپ بتلائیے کہ اس طرح مدرسہ کو دی گئی رقم، ذمہ داران مدرسہ کو اس کی اطلاع کئے بغیر، اپنے اختیار سے معلم صاحب کا اپنی تنخواہ کے عوض روک لینا جائز ہے یا ناجائز؟ جب کہ مدرسہ کے ذمہ دار نے تقرر سے پہلے انھیں بتلادیا تھا، کہ مدرسہ میں تعطیلات کی تنخواہ نہیں دی جائے گی، اور تعطیلات مدرسہ کی تنخواہیں نہ دینے کا معمول اس مدرسہ میں کئی سالوں سے چل رہا ہے، معلم صاحب کا یہ فعل کیسا ہے، مدرسہ کی یہ رقم بغیر اجازت لینا ان کے لیے جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بوقت تقرر جب ان معلم صاحب کے ساتھ یہ شرط ہو چکی تھی کہ ایام رخصت کی

تنخواہ نہیں ملے گی، اور اس مدرسہ کا یہی معمول بھی ہے؛ تو اب وہ معلم صاحب ایام رخصت کی تنخواہ کے حق دار نہیں ہیں، جب استحقاق نہیں تو ان کا مدرسہ کو دی گئی عطیہ کی رقم سے اس نام سے وصول کرنا بھی جائز نہیں ہے، نیز جب یہ معاملہ ہوا، تب اس عطیہ کی اطلاع دینا بھی ان معلم صاحب کی دیانت وامانت کو مخدوش کرتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ رصفر ۱۴۱۳ھ

متفرقات وقف

نابالغ کے چندہ کا حکم

سوال: نابالغ بچوں سے چندہ لے کر تقریب منانا کیسا ہے؛ جب کہ اسی پیسہ کا آیا ہوا سامان انہیں پر صرف ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تقریب کے واسطے نابالغ سے چندہ لینا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

صاحب مال سے چندہ میں اضافے کی ترغیب

سوال: سال کا اختتام: ۲۷ رمضان المبارک ہدیہ کی رقم وصولی کا کام شروع

ہوتا ہے۔ اور صاحب مال سے گذارش کرتے ہیں ذرا سمجھ کر رقم بڑھائی جائے ایسی ترغیب کی بات کہی جاتی ہے۔ تو ایسا کہنا درست ہے؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

محض ترغیب وتحریض کے طور پر یہ عرض کرنا کہ آپ نے سابق میں جو مقدار عنایت فرمائی تھی اس میں اضافہ فرمائیں کوئی حرج کی بات نہیں ہے یہ از بس ضروری ہے کہ اس پر جبر نہ ہونے پائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ ۲۲/ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

زبردستی سے چندہ لینا

سوال: لوگوں سے زبردستی روپیہ جمع کر کے دینی جلسہ کرنا کیسا ہے؟ کیا شریعت اسلام اس کی اجازت دیتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ جائز نہیں ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "لا یحل مال إمرئ مسلم إلا بطیب نفسه" (مسند امام احمد) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

غریبوں کی امداد کی غرض سے چندہ کر کے کسی ادارہ میں لگانا

سوال: خدمتِ عالی میں گزارش یہ ہے کہ حکومتِ ہند کی جانب سے منظور شدہ

ایک عوامی ادارہ ہے، جس کا نام ''یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا'' ہے، یہ ادارہ عوام کے فائدہ کے لیے وجود میں آیا ہے، یہ ادارہ عوام سے ان کا سرمایہ لے کر اس کو مختلف قسم کے کاروبار میں لگاتا ہے، پھر اس سرمایہ سے جو آمدنی ہوتی ہے اس میں سے ہر سال مالک کے سرمایہ پر کچھ فیصدی نفع طے کر کے اس کو سالانہ نفع تقسیم کرتا ہے۔

یہ بات واضح رہے کہ ادارہ کے منتظمین سرمایہ داروں کا سرمایہ جن کاروبار میں لگاتے ہیں، ان میں سے اکثر میں سودی طریقہ پر لگاتے ہیں، اور ان کاروبار سے حاصل ہونے والا نفع شرعاً سود ہی ہوتا ہے، جیسا کہ کچھ سرمایہ کمپنیوں کے پریفرنس شیئرز، اور ڈیبنچر شیئرز میں لگاتے ہیں، اور کچھ سرمایہ سرکاری بینکوں کی فکس ڈپازٹس اور بونڈس میں لگاتے ہیں، اور کچھ سرمایہ سرکاری سودی سرٹیفکٹ اور وِکاس پتروں میں لگاتے ہیں، بیمہ کا کاروبار بھی ہوتا ہے، اگر کوئی شخص غریبوں اور محتاجوں کی مدد کے لیے آمدنی کے ذرائع کھڑے کرنے کی غرض سے لوگوں سے چندہ کر کے سرمایہ جمع کرے، اور اس چندہ کی رقم کو آمدنی حاصل کرنے کے لیے مذکورہ ادارہ ''یونٹ ٹرسٹ آف انڈیا'' میں لگائے، اور یونٹ ٹرسٹ سے جو نفع حاصل ہو اس کو محتاجوں میں تقسیم کرے، تو سوال یہ ہے کہ اس غرض سے چندہ کرنا، پھر اس کو مذکورہ یونٹ ٹرسٹ میں لگا کر اس سے نفع حاصل کرنا، پھر نفع کی رقم سے غریبوں کی مدد کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوال میں مذکورہ غرض سے چندہ کرنا درست ہے؛ (البتہ اس چندہ میں ایسی رقم وصول نہ کی جائے جس میں شرعی طور پر تملیک ضروری ہے، مثلاً: زکوٰۃ وغیرہ، اس لیے

کہ ایسی رقم سے ذرائع آمدنی قائم نہیں کئے جاسکتے) اور اس چندہ سے حاصل شدہ رقم سے جائز ذرائع آمدنی قائم کئے جاسکتے ہیں، یونٹ ٹرسٹ سے حاصل ہونے والا نفع حسبِ تصریح سوال سود ہے، تو اس میں یہ رقم لگانا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم رجب المرجب ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اسکول اور مدرسہ کے نام سے چندہ ہوا اس پر کس کا حق ہے؟

سوال: ایک مسئلہ درپیش ہے، جس کی تفصیل مندرجۂ ذیل ہے:

یہاں پر پاکستانی مسلمانوں نے ۱۹۷۹ء میں ایک مدرسہ ''تعلیم القرآن'' کے نام سے بنایا، مساجد میں جگہ کی کمی اور بعض دوسرے حالات میں اس کی بے حد ضرورت تھی، چناں چہ تبلیغی ساتھیوں نے بزرگوں سے مشورہ کرکے مدرسہ کے لیے ایک مکان خریدا، جس کا چندہ کمیٹی نے باہر سے بھی کیا، اس کمیٹی کا ذمہ دار میں تھا، تقریباً دو سال بعد اسی مدرسہ کے مکان میں ہی پرائیویٹ لڑکیوں کا اسکول بھی شروع کیا گیا، مکان بہت چھوٹا تھا جس کی وجہ سے ہمیں پریشانی تھی، چناں چہ کچھ عرصہ کے بعد اس مکان کو فروخت کرکے دو بڑے مکان خرید لیے، اس مکان کی جو رقم ملی وہ بھی اور مزید چندہ اور قرض حسنہ لے کر مکان خرید لیے گئے، اب جو چندہ ہوا وہ اسکول و مدرسہ دونوں کے نام کا ہوا۔

چند سال بعد میری غیر موجودگی میں بعض وجوہات کی بناء پر پوری کمیٹی تبدیل ہوگئی، جب میں واپس آیا تو نئی کمیٹی کے اجلاس میں گیا، میں نے ان سے مدرسہ کے بارے

میں کہا: اس کے ذمہ دار چندان والدین کو بنادیں جن کے بچے پڑھتے ہیں؛ کیوں کہ آپ کے بچے مساجد میں پڑھتے ہیں، آپ اسکول کا انتظام اپنے پاس رکھیں، شاید کل مدرسہ سے آپ کی دل چسپی نہ رہے، ان حالات میں مدرسہ بنایا گیا؛ لیکن افسوس کہ مدرسہ کئی حالات سے گذر کر بند ہوگیا، لوگ ہمیں آکر پوچھتے رہے، آخر کار تنگ آکر مدرسہ کے لیے نئی جگہ لے لی، جہاں اب تین استاذ پڑھاتے ہیں، یہ مدرسہ لیے ہوئے بھی ایک سال سے زائد عرصہ ہوگیا، اب جو مدرسہ چل رہا ہے اس کی کمیٹی کے افراد اکثر وہی ہیں جنہوں نے پہلے مدرسہ بنایا تھا، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا پہلے جو مدرسہ کا مکان تھا وہ مکان یا رقم دوسرے کام آسکتی ہے؟ جب کہ وہ خالص قرآنی مدرسہ کی رقم تھی، لڑکیوں کے اسکول کی اہمیت اپنی جگہ بھی موجود ہے، اگر ایسا نہیں ہوسکتا تو کیا اسکول کمیٹی اس کی ذمہ دار ہے کہ وہ مدرسہ کی رقم ان لوگوں کے حوالے کردے جن کا مدرسہ تھا، اور وہ اب بھی مدرسہ چلا رہے ہیں، اور ان پر قرض بھی ہے، اگر اسکول کمیٹی ایسا نہیں کرتی تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بعد میں جو مکان لیے گئے ان کی خریداری میں جو رقم سابق مدرسہ کی لگی وہ اور بعد میں جو چندہ اسکول و مدرسہ دونوں کے نام سے ہوا اس کی نصف رقم، دونوں مجموعی رقم مدرسہ کا حق ہے، اس لیے اسکول کمیٹی اتنا حصہ مدرسہ والوں کو ادا کرے، اسکول کمیٹی کی یہ ذمہ داری ہے، اگر ان پر قرض ہے تو یہ بھی اس قرض میں شامل فرما کر اس کی ادائیگی کی سعی کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۶ھ

کمیشن پر چندہ کرنا

سوال: مدارس سے جو حضرات چندہ وصول کرنے جاتے ہیں ان کو دوگنی تنخواہ دی جاتی ہے، ایک ماہ میں جو ۲۵/ ہزار لے کر آوے اس کو بھی ماہانہ تنخواہ ملتی ہے اور جو ایک لاکھ لیکر آوے اس کو بھی وہی ماہانہ تنخواہ ملتی ہے؛ لہٰذا جو جس قدر زیادہ لاوے اس کو اس قدر تنخواہ کے علاوہ بطور بخشش رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟ مثلاً ۴۰/ ہزار پر ۵۰۰/ سو روپے، ۶۰/ ہزار پر ایک ۱۰۰۰ روپے، ۸۰/ ہزار پر ۲۰۰۰/ دو ہزار روپئے، اور ایک لاکھ پر ۳۰۰۰/ تین ہزار روپئے، اگر جائز نہیں ہے تو پھر جواز کی کیا صورت ہوگی جس سے چندہ میں جانے والا محنت اور شوق سے کام کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ کا ایک جواب پیش خدمت ہے: ”مدارس میں کمیشن پر سفراء سے جو معاملہ رائج ہے وہ جائز نہیں ہوتا، بعض صورتوں میں یہ اجارہ باطل ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں فاسد ہوتا ہے۔ اس کا جائز اور سفیر و مدرسہ دونوں کے لیے سودمند یہ طریقہ ہوتا ہے کہ اس کام کے لیے سفیر کی ایک تنخواہ مقرر کردی جائے خواہ خشک یا خوراکی کے ساتھ۔ اور جس علاقہ میں بھیجنا ہو اس علاقہ کے سابقہ اصول کے مطابق یہ کہہ دیا جائے کہ اگر آپ کی وصولی اس مقدار سے نہیں بڑھے گی تو آپ کو انعام نہیں ملے گا، ہاں اگر مقررہ مقدار سے زیادہ وصول ہو تو انعام اس طرح ملے گا کہ آپ اپنی کل وصولی مدرسہ پر بھیجتے رہیں اور مدرسہ اس کو اپنے خزانہ میں رکھتا جائے گا، پھر جب آپ کام ختم کرکے آجائیں گے اور حساب وصول

کریں گے تو اس وقت مقررہ مقدار سے زائد میں اتنا فیصد (جو مناسب وموزون ہو) آپ کو انعام دیا جائے گا۔ اس طریقۂ کار سے سفراء کی ہمت بھی بڑھتی رہے گی اور مدرسہ کو بھی فائدہ پہونچے گا اور کوئی شرعی قباحت بھی نہ ہوگی۔ (منتخبات نظام الفتاوی ۱/۳۲۶، شائع کردہ اسلامک فقہ اکیڈمی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ظہرانہ، عشائیہ وغیرہ طریقوں سے اسلامی اداروں کا چندہ

سوال: موجودہ حالات میں اسلامی اداروں: مساجد، مکاتب، اور اسلامک اسکول وغیرہ میں اپنے اخراجات کو مہیا کرنے، نیز اپنے تعمیری وترقی کے منصوبوں کو بروئے کار لانے میں اقتصادی ومالی فراہمی میں دقتوں کا سامنا ہوتا ہے، ان اسباب کی فراہمی کے لیے مختلف طریقے اختیار کئے جارہے ہیں جن میں سے بعض طریقے وہ ہیں جو ماضی قریب تک کے اسلافِ کرام کی زندگیوں میں؛ نیز ان کے اداروں میں ڈھونڈھنے سے بھی نظر نہیں آتے، یہ وہ طریقے ہیں جو انگریزی تمدن سے ماخوذ ومستفاد ہیں، مثلاً: ظہرانہ (دوپہر کا کھانا) یا عشائیہ (شام کا کھانا) یا باربکیو (barbecue) وغیرہ، اشیائے طعام کو بیچنے کا طریقۂ کار یہ ہے کہ پہلے ان کے لیے پیشگی ٹکٹ بیچ دیا جاتا ہے یا موقع پر ہی ان اشیاء کو خرید لیا جاتا ہے، اور جن حضرات نے ٹکٹ خریدا ہوتا ہے وہ ٹکٹ دے کر کھانا وصول کر لیتے ہیں، ان مواقع پر ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ بہت سے احباب خام اشیائے خورد وطعام مثلاً مرغیاں، اناج وغیرہ بطور ہدیہ پیش کرتے ہیں، پھر ان چیزوں کو پکا کر بیچ دیا جاتا ہے اور اس طریقے سے حاصل شدہ

آمدنی کو مذکورہ بالا اسلامی اداروں وغیرہ کے منصوبوں میں صرف کیا جاتا ہے۔

اس مناسبت سے آپ مدظلکم کی خدمت میں چند سوالات ارسال کر رہے ہیں:

① کیا کوئی اسلامی ادارہ اپنے اقتصادی و مالی تعاون حاصل کرنے کے لیے مذکورہ طریقے کو اختیار کر سکتا ہے؟

② کیا مذکورہ طریقے کو ہمارے اسلاف کرام کے طریق کار سے مناسبت ہے؟

③ نبی اکرم ﷺ، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا چندہ فراہم کرنے کا کیا طریقہ تھا؟

④ اگر کوئی اسلامی ادارہ مذکورہ طریقہ پر چندہ فراہم کرے تو مسلمانوں کو اس کا تعاون کرنا درست ہے؟

براہِ کرم جواب عنایت فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔ بینوا وتوجروا۔

سائل: محمود دانا غفرلہ، بار بے ڈوس

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دینی اداروں کے لیے چندہ کرنے سے اصل مقصد ادارہ کی ضرورت کا پورا کرنا اور تعاون ہے، ضرورت اور تعاون کی یہ شکلیں، صورتیں مختلف زمانوں میں مختلف ہو سکتی ہیں، بعینہٖ اسی شکل وصورت کو نصوص میں یا اسلاف کی زندگی میں تلاش کرنا بے جا ہے، اس کو ایک مثال سے سمجھ لیجئے:

کفار سے مقابلہ کے لیے تیاری کے احکام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وأعدّوا لهم ما استطعتم من قوّة و من رباط الخيل ترهبون به عدوّ الله و عدوّكم﴾ (الأنفال)

ترجمہ: اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطہ جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر۔

اگر کوئی کہے کہ آیت کریمہ میں ایٹمی قوت، ٹینک اور لڑاکا طیارہ کا ذکر نہیں؛ لہٰذا ان آلات جدیدہ کے ذریعہ کفار سے مقابلہ کرنا نصوص اور اسلاف کے طریقہ کے خلاف اور طریقۂ کفار کے مشابہ ہے، تو اس کی یہ بات کس حد تک درست ہے؟ آپ خود ہی فیصلہ فرمالیں، بالکل اسی طرح دینی اداروں کے تعاون وتناصر کی مختلف شکلیں وصورتیں ہیں، یعنی اسلاف کے زمانہ میں چندہ کی وہ بعینہٖ شکل نہ ہو مگر فی نفسہ وہ شکل جائز ہو، اس میں امر غیر شرعی کا ارتکاب لازم نہ آتا ہو تو اس کو جائز کہا جائے گا۔ اس کی چند مثالیں:

① غلہ اسکیم: طویل زمانہ سے دینی اداروں میں یہ دستور چلا آرہا ہے کہ قرب و جوار کے دیہات میں جا کر غلہ کا چندہ کیا جاتا ہے اسی پر کئی اداروں کا گزران ہے، خُود امّ المدارس دار العلوم دیوبند میں طویل زمانہ سے چندہ فراہمی کی یہ اسکیم جاری ہے۔

تاریخ دار العلوم میں ہے:

اسی کے ساتھ دار العلوم میں ایک نئی اسکیم کا آغاز کیا گیا، یعنی دار العلوم کی جانب سے فصلِ ربیع کے موقع پر قرب وجوار کے مسلمان زمینداروں اور کاشتکاروں کا ایک نمائندہ اجتماع بلایا گیا، جس نے متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ دار العلوم کی امداد واعانت میں وہ کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے، اس کی یہ صورت تجویز کی گئی کہ دار العلوم کی سال بھر کی ضرورت کے لیے پانچ ہزار من غلے کی فراہمی کاشتکاروں اور زمین داروں کی جانب سے ہونی چاہیے، چناں چہ اس پر عمل شروع کر دیا گیا اور باوجود یہ کہ پہلے سے کام کا تجربہ نہ تھا اور ادھر فصل کٹنے کا زمانہ ٹھیک رمضان المبارک کا مہینہ تھا؛ مگر اس کے

باوجود ساڑھے تین ہزار من غلہ فراہم ہوگیا، اگرچہ غلے کی یہ مقدار مطلوبہ ضرورت سے کم تھی؛ تاہم اس سے دارالعلوم کو اس نازک اور ہوش رُبا گرانی کے زمانے میں بڑی تقویت پہنچی، اللہ تعالیٰ اس نیک کام کرنے والوں کے اموال میں خیر و برکت عطا فرمائے، غلے کی فراہمی کا یہ سلسلہ تا حال جاری ہے اور اب اس میں میرٹھ ڈویژون کے اضلاع کے علاوہ بجنور اور ہریانہ کا علاقہ بھی شامل ہوگیا ہے۔

(۲) جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے ابتدائی دور میں چندہ کی یہ شکل اختیار کی گئی کہ گاؤں میں ہر گھر میں ایک ہنڈیا رکھ دی گئی کہ عورتیں جب اپنے گھر کی روٹی پکانے کے لیے بیٹھیں تو ایک مٹھی آٹا اس ہنڈیا میں بھی ڈال دیا کریں۔ (تاریخ جامعہ)

(۳) مجلس دعوۃ الحق ہردوئی اور اس کی ماتحتی میں چلنے والے مکاتب کے چندہ کے لیے حضرت مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئی رحمۃ اللہ علیہ نے چٹکی کا طریقہ اختیار کر رکھا تھا جو آج بھی بے شمار مکاتب میں جاری ہے، جس کی صورت تقریباً وہی ہے جو مدرسہ تعلیم الدین ڈابھیل کے چندہ کے متعلق سطور بالا میں گزری۔

آج بھی بعض جگہوں میں مساجد کی معاونت کا یہ سلسلہ جاری ہے کہ مسجد کے پھل، ناریل وغیرہ کو نیلام کیا جاتا ہے اور لوگ برضاء و رغبت اس کو عام قیمت سے زیادہ پر خریدتے ہیں جس میں پیش نظر اور اصل مقصد مسجد کا تعاون ہوتا ہے۔

یہ چند مثالیں اس لیے لکھی ہیں؛ تاکہ اندازہ ہو کہ ادارہ کی معاونت کی مختلف شکلیں ہیں جن کو ہمارے اسلاف نے اختیار کر رکھا ہے۔

اس تمہید کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں:

(۱) سوال میں ذکر کردہ طریقے اختیار کر سکتے ہیں، اس میں انگریزی تمدن کی

بو یا مشابہت نہیں، اگر آپ کو ان طریقوں میں صورۃً انگریزی تمدن سے مشابہت کا شبہ ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اعتقادات اور عبادات میں تشبہ بالکفار کفر ہے، اور مذہبی رسوم میں ناجائز اور حرام ہے، فطری امور میں مشابہت جائز ہے، اور عادات میں مشابہت کے متعلق تفصیل ہے، جس کا حکم آگے آرہا ہے۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تصنیف ''سیرۃ المصطفیٰ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

تشبہ بالکفار اعتقادات اور عبادات میں کفر ہے، اور مذہبی رسومات میں حرام ہے، جیسا کہ نصاریٰ کی طرح سینے پر صلیب لٹکانا اور ہنود کی طرح زنار باندھ لینا یا پیشانی پر قشقہ لگالینا، ایسا تشبہ بلاشبہ حرام ہے، جس میں اندیشۂ کفر ہے، اس لیے کہ علی الاعلان شعائرِ کفر کا اختیار کرنا اس کے رضاء قلبی کی علامت ہے۔

اور تشبہ کی یہ قسمِ ثانی اگرچہ قسم اول سے درجہ میں ذرا کم ہے؛ مگر پیشاب اور پاخانہ میں فرق ہونے سے کیا کوئی پیشاب کا پینا گوارا کرے گا؟ ہرگز نہیں۔ اور عبادات اور مذہبی رسومات اور عیدین میں کفار کی مشابہت کی ممانعت اشارات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ وکثیرہ سے ثابت ہے جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''اقتضاء الصراط المستقیم'' میں بالتفصیل ان تمام آیات اور روایات کو بیان کیا ہے۔

اور معاشرہ اور عادات اور قومی شعائر میں تشبہ مکروہ تحریمی ہے، مثلاً کسی قوم کا وہ مخصوص لباس استعمال کرنا جو خاص ان ہی کی طرف منسوب ہو اور اس کا استعمال کرنے والا اسی قوم کا ایک فرد سمجھا جانے لگے، جیسے: نصرانی ٹوپی یعنی ہیٹ، اور ہندوانہ دھوتی، اور جوگیانہ جوتی، یہ سب ناجائز اور ممنوع ہے اور تشبہ میں داخل ہے بالخصوص جب کہ

بطور تفاخر یا انگریزوں کی وضع بنانے کی نیت سے پہنی جائے تو اور بھی زیادہ گناہ ہے، جوگیوں اور پنڈتوں کی وضع قطع اختیار کرنے کا جو حکم ہے وہی انگریزی وضع قطع اختیار کرنے کا حکم ہے۔

اور علی ہذا کافروں کی زبان اور ان کے لب ولہجہ اور طرز کلام کو اس لیے اختیار کرنا کہ ہم بھی انگریزوں کے مشابہ بن جائیں اور ان کے زمرہ میں داخل ہو جائیں تو بلا شبہ یہ ممنوع ہوگا، ہاں؛ اگر انگریزی زبان سیکھنے سے انگریزوں کی مشابہت مقصود نہ ہو؛ بلکہ محض زبان سیکھنا مقصود ہو کہ کافروں کی غرض سے آگاہ ہو جائیں اور ان سے تجارتی اور دنیاوی امور میں خط وکتابت کر سکیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

جیسے کوئی ہندی اور سنسکرت اس لیے سیکھے کہ ہندؤوں اور پنڈتوں کی مشابہت ہو جائے اور ہندو مجھے اپنا وطنی بھائی سمجھیں اور اپنے زمرہ میں مجھے شمار کریں تو بلا شبہ اس نیت سے ہندی زبان سیکھنا ممنوع ہوگا، اور اگر فقط یہ غرض ہو کہ ہندؤوں کی غرض سے آگاہی ہو جائے اور ان کے خطوط پڑھ لیا کریں تو ایسی صورت میں ہندی زبان سیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور ایجادات اور انتظامات اور اسلحہ اور سامان جنگ میں غیر قوموں کے طریقہ لے لینا جائز ہے، جیسے: توپ اور بندوق اور ہوائی جہاز اور موٹر اور مشین گن وغیرہ وغیرہ، یہ درحقیقت تشبہ بھی نہیں ہے، شریعت اسلامیہ نے ایجادات کے طریقے نہیں بتلائے، ایجادات اور صنعت اور حرفت کو لوگوں کی عقل اور تجربہ اور ضرورت پر چھوڑ دیا؛ البتہ اس کے احکام بتلا دئے کہ کونسی صنعت اور حرفت جائز ہے؟ اور کس حد تک جائز ہے؟ اور کس طریق سے اس کا استعمال جائز ہے؟ اسلام میں مقاصد کی تعلیم ہے،

غیر مقاصد کی تعلیم نہیں۔ طبیب جوتا بنانے کی ترکیب نہیں بتاتا اور نہیں سکھاتا، ہاں؛ یہ بتلاتا ہے کہ جوتا اس طرح مت سلوانا کہ اس کی میخیں ابھری ہوئی ہوں جس سے پیر زخمی ہو جائے۔ اسی طرح اسلام ایجادات نہیں سکھاتا، ہاں یہ بتلاتا ہے کہ ایجاد ایسی نہ ہو کہ جس سے تمہارے دین میں خلل آجائے یا جان کا خطرہ ہو، یہ ان ایجادات کا حکم ہے کہ جن کا بدل مسلمانوں کے پاس نہیں۔ اور جو ایجادات ایسی ہو کہ جس کا بدل مسلمانوں کے یہاں بھی موجود ہو تو اس میں تشبہ مکروہ ہے، جیسے: حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فارسی کمان کے استعمال سے منع فرمایا، اس لیے کہ اس کا بدل مسلمانوں کے پاس عربی کمان موجود تھی اور دونوں کی منفعت برابر تھی، صرف ساخت کا فرق تھا۔ اسلام میں تعصب نہیں؛ غیرت ہے، پس جو چیز مسلمان کے پاس بھی ہے اور کفار کے پاس بھی ہے تو صرف وضع قطع کا فرق ہے تو ایسی صورت میں اسلام نے تشبہ بالکفار سے منع کیا ہے کہ اس میں علاوہ گناہ کے ایک بے غیرتی تو یہ ہے کہ بلا وجہ اور بلا ضرورت اپنے کو دوسری قوموں کا محتاج اور تابع بنائیں؛ مگر آج کل مسلمانوں میں غیرت نہیں رہی کہ یہ اپنے گھر سے بے خبر ہو کر؛ بلکہ یوں کہیے کہ اپنے گھر کو آگ لگا کر دوسروں کی عادات اور معاشرت کا اتباع کرنے لگے۔ ہاں؛ نئی ایجادات اور جدید اسلحہ کا بدل مسلمانوں کے پاس موجود نہیں، مسلمانوں کے لیے ان نئی ایجادات اور جدید اسلحہ کا استعمال اپنی ضرورت اور راحت اور دفع حاجت کے لیے جائز ہے؛ مگر شرط یہ ہے کہ اس کے استعمال سے نیت اور ارادہ کافروں کی مشابہت کا نہ ہو، محض اپنے فائدہ کے لیے جدید اسلحہ اور نئی ایجادات کا استعمال شرعاً جائز ہے، مگر تشبہ بالکفار کے ارادہ اور نیت سے ان کے استعمال کو شریعت پسند نہیں کرتی۔ (سیرت مصطفیٰ: ۳/۳۹۹)

امداد الاحکام میں ہے:

تشبہ بالکفار کی چند صورتیں ہیں:

① فطری امور میں مشابہت، مثلاً کھانا، پینا، چلنا، پھرنا، سونا، لیٹنا، صفائی رکھنا وغیرہ؛ یہ مشابہت حرام نہیں۔

قال فی الدر: فإن التشبه بهم لا يكره فی كل شئ؛ بل فی المذموم وفيما يقصد به التشبه كما فی البحر اه قال الشامی تحت قوله لا يكره فی كل شئ:فانا ناكل ونشرب كما يفعلون اه(٦٥٢/١)

② عادات میں مشابہت، مثلاً: جس ہیئت سے وہ کھانا کھاتے ہیں اسی ہیئت سے کھانا یا لباس اس وضع پر پہننا، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ہماری کوئی خاص وضع پہلے سے ہو اور کفار نے بھی اس کو اختیار کر لیا ہو خواہ ہمارا اتباع کر کے یا ویسے ہی، اس صورت میں یہ مشابہت اتفاقیہ ہے اور اگر ہماری وضع پہلے سے جدا ہو اور اس کو چھوڑ کر ہم کفار کی وضع اختیار کریں یہ ناجائز ہے، اگر ان کی مشابہت کا قصد بھی ہے تب تو کراہت تحریمی ہے، اور اگر مشابہت کا قصد نہیں ہے؛ بلکہ اس لباس و وضع کو کسی اور مصلحت سے اختیار کیا گیا ہے تو اس صورت میں تشبہ کا گناہ نہ ہوگا، مگر چوں کہ تشبہ کی صورت ہے اس لیے کراہت تنزیہی سے خالی نہیں۔

قال هشام: رأيت على ابى يوسف نعلين مخسوفين بمسامير، فقلت: أترى بهذا الحديد بأساً؟ قال: لا، قلت: فسفيان وثور بن يزيد كَرِهَا ذلك؛ لأن فيه تشبهاً بالرهبان فقال: إن رسول الله كان يلبس النعال التى لها شعرة وانها من لباس الرهبان فقد اشار إلى أن صورة المشابهةفيما تعلق به صلاح العباد لايضر فان الارض مما لا يمكن

قطع المسافة البعيدة فيها إلا بهذا النوع اه قلت: وفعله عليه السلام محمول على بيان الجواز اذا كان بدون القصد

ترجمہ: ہشام کہتے ہیں کہ میں نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے پیروں میں (لوہے کی) کیل لگی ہوئی جوتیاں دیکھیں تو میں نے دریافت کیا کہ کیا آپ اس لوہے (کے استعمال) میں کوئی حرج سمجھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، میں نے عرض کیا کہ سفیان اور ثور بن یزید تو اس کو مکروہ کہتے ہیں کیوں کہ اس میں راہبوں کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو بالوں والی جوتیاں پہنتے تھے، حالاں کہ وہ بھی تو راہبوں کی پوشش ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے اشارۃً یہ بات بتلادی کہ جن چیزوں سے لوگوں کا فائدہ اور بھلائی وابستہ ہو ان میں صورۃً تشبہ مضر نہیں ہے، اور زمین کی مسافت کو طے کرنے کے لیے تو یہ طریقہ ناگزیر ہے۔ اھ۔

میں کہتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک (تشبہ کا) قصد وارادہ نہ ہونے کی صورت میں (تشبہ) کے جواز کے بیان پر محمول ہے۔

مگر چوں کہ آج کل عوام جواز کے لیے بہانے ڈھونڈتے ہیں، ان کا قصد تشبہ ہی کا ہوتا ہے؛ اس لیے اکثر احتیاط کے لیے عادات میں بھی تشبہ سے منع کیا جاتا ہے خواہ تشبہ کا قصد ہو یا نہ ہو۔

③ ان امور میں تشبہ جو کفار کا مذہبی شعار یا دینی رسم اور قومی رواج ہے جیسے زنار وغیرہ پہننا یا مجوس کی خاص ٹوپی جو ان کے مذہب کا شعار ہے، اس میں تشبہ حرام؛ بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے، عالمگیریہ وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ (امداد الاحکام ۱/۲۸۶)

مذکورہ بالا تفصیل کو مدنظر رکھ کر تجزیہ کیجئے کہ:

ظہرانہ یا عشائیہ یا باربکیو کا طریقۂ کار کفار کے مذکورہ طریقوں میں سے کسی سے بھی مشابہت نہیں رکھتا۔

اگر بالفرض وہ کفار بھی اپنے مذہبی یا قومی اور رفاہی امور کی انجام دہی میں یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں تو ان کے ساتھ صرف یہ صورۃً مشابہت ہے اور صورۃً مشابہت ہو جانے میں اگر نیت درست ہو تو مضر نہیں جیسا کہ امداد الاحکام کی مذکورہ عبارت میں یہ جملہ گزرا۔ فقد أشار إلى أن صور المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لا يضر. یعنی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ کفار سے صورۃً مشابہت ہونے میں بندوں کے مصالح وابستہ ہوں تو اسے اختیار کرنا دینی اعتبار سے مضر نہیں، اس کی گنجائش ہے۔

گویا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے معاشرہ کے بے شمار مسائل کو حل کر دیا، اگر صورۃً بھی کفار سے مشابہت کو ممنوع قرار دیا جائے تو بڑا حرج لاحق ہوگا اور اس سے بچنا بظاہر ناممکن ہے، چند مثالیں ملاحظہ کریں:

① کفار شادی کے موقع پر یا کسی اور تقریب کے وقت اپنے مندوبین کے لیے ظہرانہ یا عشائیہ کا انتظام بڑی بڑی ہوٹلوں میں کرتے ہیں، تو کیا کوئی مسلمان اپنی کسی تقریب میں اس طرح کرے تو صورۃً مشابہت کی وجہ سے اسے ممنوع قرار دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں۔

② کفار اپنے مذہبی امور کی انجام دہی کے لیے گھر گھر جا کر چندہ کرتے ہیں اور مستقل فنڈ قائم کر کے مذہبی امور کو انجام دیتے ہیں، تو کیا کوئی ادارہ یا کوئی مسلم، دینی

امور کی انجام دہی کے لیے گھر گھر جا کر چندہ کرے تو ناجائز کہا جائے گا؟ بالکل نہیں۔

③ غیر مسلم اپنے مخصوص رسائل، لٹریچرس وغیرہ کے ذریعہ سماجی امور کی انجام دہی کے لیے فنڈ کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس بنیاد پر بڑی بڑی رقوم جمع کرتے ہیں، تو کیا کوئی دینی ادارہ ملی وسماجی امور کے لیے چندہ کی اپیل کرے تو کفار سے مشابہت کی وجہ سے اسے حرام کہا جائے گا؟ نہیں اور بالکل نہیں۔

② مذکورہ بالا طریقہ اختیار کرنے سے ہمارے اسلاف کے طریقۂ کار کی خلاف ورزی لازم نہیں آتی۔ سیرۃ المصطفیٰ کی عبارت میں یہ جملہ گزر چکا کہ ''اسلام میں مقاصد کی تعلیم ہے، غیر مقاصد کی تعلیم نہیں''۔ یعنی وسائل کی تعلیم اسلام کے مقاصد میں داخل نہیں، مثلاً شریعت کا حکم ہے: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلاً﴾ ترجمہ: ''اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی''۔

لہٰذا جو بھی ''زاد اور راحلہ'' پر قدرت رکھتا ہو (دیگر شرائط کے ساتھ) اس پر حج فرض ہے، اب فریضہ کی انجام دہی کے لیے کونسا طریقۂ کار اختیار کرے، پیدل چل کر جائے، یا بائی روڈ گاڑی پر جائے، یا آبی جہاز سے جائے، یا ہوائی جہاز سے جائے، شریعت نے اس کی پابندی لازم نہیں کی، جس کے لیے جو صورت اختیار کرنا ممکن ہو کرے۔

ہمارے اسلاف کے دور میں دینی اداروں کی امداد کے جو مناسب طریقے ان کے لیے آسان تھے انہوں نے اختیار کیے، ہمارے دور میں دینی مفاد جس میں زیادہ ہوگا، ہم اختیار کریں گے، یہ نہیں کہ انہوں نے جو طریقے اختیار کر رکھے تھے اس سے

سر مو انحراف کیے بغیر ہم بھی وہی مخصوص طریقہ مخصوص صورت وشکل کے ساتھ اختیار کریں گے تو ہی ان کی اتباع کا حق ادا ہوگا، اس مخصوص صورت کی بجائے دوسری مناسب صورت کو اختیار کرنا اکابر کے طریقہ کے خلاف ہے، یہ کہنا ایک نوع کا جمود ہے۔

خود حضرات اکابر نے اپنے طرزِ عمل سے یہ بتلادیا ہے کہ ادارہ کی معاونت کا طریقہ مناسبِ زمانہ اختیار کرنا چاہیے، اس کی ایک مثال اکابر ہی کے کلام سے پیش کی جاتی ہے۔

ابوداؤد شریف میں ہے: عن أيوب عن عطاء قال: اَشْهدُ عَلٰى ابن عباس وشهد ابن عباس على رسول الله ﷺ أنه خرج يوم فطر فصلى ثم خطب ثم اتى النساء و معه بلال، قال ابن كثير: أكبر علم شعبة فأمرهن بالصدقه فجعلن يلقين ..... عن ابن عباس بمعناه قال: فظن أنه لم يسمع النساء فمشى إليهن وبلال معه فوعظهن وأمرهن بالصدقة فكانت المرأة تلقى القرط والخاتم فى ثوب بلال (ابوداؤد:١٦٢)

"الدر المنضود" میں اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے:

مضمون حدیث یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نماز (عید) کے بعد خطبہ اولاً مردوں کو دیا، عورتیں عیدگاہ میں چوں کہ علیحدہ اور ایک طرف تھیں، وہاں تک خطبہ کی آواز نہیں پہنچتی تھی؛ اس لیے آپ ﷺ مردوں کی جگہ سے منتقل ہوکر جس جانب عورتیں تھیں وہاں تشریف لے گئے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ (آپ کے خادم) ساتھ تھے، آپ ﷺ ان کے سہارے چل رہے تھے، آپ ﷺ تو خطبہ دینے میں مشغول تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کپڑا اچھار رکھا تھا (کیوں کہ آپ ﷺ خطبہ میں صدقہ کی ترغیب بھی دیتے تھے) عورتیں اس میں اپنے پہننے کے زیور، کان کی بالی، ہاتھ اور پاؤں کی انگوٹھی، غرضیکہ جس

کے پاس جو تھا وہ اس کپڑے پر ڈال رہی تھی۔ ہمارے شیخ (حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ) فرمایا کرتے تھے کہ اہل مدارس جلسوں میں جو چندہ کرتے ہیں اس کی اصل یہ حدیث ہے۔ (الدر المنضود ۲/ ۴۵۷)

دیکھئے: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں عورتوں نے فقراء کے لیے جو صدقہ دیا تھا اس کو دور حاضر کے مدارس کے اجلاس میں کیے جانے والے چندہ کی اصل قرار دیا جا رہا ہے؛ حالاں کہ صورۃً بچند وجوہ دونوں میں فرق ہے:

فرق اول: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کا چندہ عید کے روز کیا گیا تھا، مدارس کے اجلاس عموماً شعبان میں منعقد ہوتے ہیں، اس میں چندہ کیا جاتا ہے۔

فرق ثانی: دور نبوت کا چندہ عورتوں سے مخصوص اجلاس میں کیا گیا تھا، دور حاضر کے اجلاس میں مردوں سے چندہ کیا جاتا ہے۔

فرق ثالث: دور نبوت میں چندہ کی جنس عورتوں کے زیورات، کان کی بالیاں، انگوٹھیاں وغیرہ تھیں، یہ سونا یا چاندی کی جنس سے تھے، دور حاضر کے اجلاس کا چندہ عموماً نقود یا اناج وغیرہ کی اجناس پر مشتمل ہے۔

بایں ہمہ دور نبوت کے چندہ کو دورِ حاضر کے چندہ کی اصل قرار دیا جا رہا ہے۔

اکابر کا یہ عمل بتلا رہا ہے کہ چندہ کی نوعیت شکل وصورت زمان ومکان کے اعتبار سے الگ الگ ہوا کرتی ہے۔

آپ نے استفتاء میں تحریر فرمایا ہے: ''ٹکٹ دے کر کھانا وصول کرتے ہیں'' یہ طریقہ بھی ہمارے اکابر کے طریقہ کے مناسب ہے۔

۱۳۳۹ھ میں ام المدارس دار العلوم دیوبند کے منصب اہتمام کے لیے حکیم الاسلام

حضرت قاری محمد طیب صاحب کا انتخاب عمل میں آیا، اس کے بعد متعدد اصلاحیں عمل میں لائی گئیں، منجملہ ان کے کھانے کے ٹکٹ ہیں۔

تاریخ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

قواعد داخلہ کی طرح تقسیم طعام میں بھی مناسب اصلاح عمل میں لائی گئی، اب تک یہ طریقہ رائج تھا کہ طلباء مقررہ وقت پر مطبخ میں پہونچ جاتے تھے اور کیف ماتفق اپنا اپنا کھانا لے آتے تھے، اس میں ازدحام کے علاوہ ایک بڑا نقص یہ بھی تھا کہ یہ پتہ چلنا دشوار ہوتا تھا کہ کس طالب علم نے کھانا نہیں لیا یا کسی نے دومرتبہ تو نہیں لے لیا، یہ بات محض مقسّم طعام کی قوتِ یادداشت پر منحصر تھی، اس طریقے کو منظم بنانے کے لیے ایلمونیم کے مدوّر ٹکٹ بنوائے گئے، یہ ٹکٹ صبح وشام کے لیے علیٰحدہ علیٰحدہ ہیں، ٹکٹوں پر صبح یا شام کے الفاظ کی صراحت کے علاوہ اختلاف رنگ کے ذریعے بھی ان کو ممتاز کردیا گیا ہے، ٹکٹوں پر نمبر کندہ ہیں، اور ہر نمبر کے دو ٹکٹ ہوتے ہیں، مطبخ کے رجسٹر میں طلباء کے نام درج ہوتے ہیں اور رجسٹر میں جس نمبر پر نام لکھا ہوتا ہے، وہی نمبر اس طالب علم کے ٹکٹ کا ہوتا ہے، ٹکٹ داخل کرنے پر اگلے وقت کے لیے اسی نمبر کا دوسرا ٹکٹ دے دیا جاتا ہے، مقسّم ٹکٹ کو دیکھ کر کھانا حوالے کردیتا ہے، اس طریقے سے جہاں طلباء کے لیے راحت وسہولت پیدا ہوگئی ہے، وہیں تقسیم میں بھی ضبط ونظم قائم ہوجانے کے سبب سے دوبارہ کھانا لے سکنے کا اندیشہ باقی نہیں رہا، اس کے علاوہ تقسیم طعام میں اگر کوئی طالب علم غیر حاضر ہو تو بسہولت اس کا پتہ چل جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ ایک ہزار طلباء کو گھنٹے بھر میں بآسانی کھانا تقسیم ہوجاتا ہے۔

(تاریخ دارالعلوم دیوبند ۱/ ۲۸۳، ۲۸۴)

ہندوستان میں جب تک تبلیغی اجتماعات بڑے پیمانہ پر ہوتے رہے، اکابر کی رائے ومشورہ کے بعد اجتماعات کے تمام امور طے ہوتے تھے، اس میں بھی کھانا کھانے کے لیے ٹکٹ بنانے کا معمول رہا ہے، اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

آپ نے لکھا ہے: ''ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ بہت سے احباب خام اشیائے خورد وطعام مثلاً مرغیاں، اناج وغیرہ بطور ہدیہ پیش کرتے ہیں'' بطور چندہ خام اشیاء لینا اور دینا حدیث شریف سے ثابت ہے، مشکوۃ شریف کی ایک حدیث مظاہر حق سے نقل کی جاتی ہے:

حضرت جریر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ دوپہر کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر تھے کہ کچھ لوگ - جو برہنہ جسم تھے اور (اپنے ستر چھپانے کے لیے) کمبل یا عباء لپیٹے ہوئے تھے اور گلے میں تلواریں لٹکائے ہوئے تھے- آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے، ان میں کے اکثر لوگ؛ بلکہ وہ سب ہی قبیلۂ مضر کے تھے، (ان لوگوں کو دیکھ کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں پر فاقہ کا بھی اثر دیکھا تھا (جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت رنج ہوا) چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (مجلس سے اٹھ کر) اپنے حجرۂ مبارک میں تشریف لے گئے (تاکہ ان لوگوں کی مدد کرنے کے لیے کچھ مل جائے تو لاکر دے دیں؛ مگر جب تلاش کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے حجرہ میں کچھ نہیں مل سکا تو) پھر باہر آگئے (اتنے میں ظہر کا یا جمعہ کا وقت ہوگیا) لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تو انھوں نے اذان دی، اور تکبیر کہی، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ چکے تو (منبر شریف پر کھڑے ہوئے اور) خطبہ ارشاد فرمایا: (اس خطبہ میں پہلے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت ﴿یایھا

الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة﴾ آخر آیت ﴿ان الله كان عليكم رقيبا﴾ تک پڑھی، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی جو سورۂ حشر میں ہے: ﴿اتقوا الله و لتنظر نفس ما قدمت لغد﴾ (اور پھر فرمایا) ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اگر استطاعت رکھتا ہے تو اپنے دینار میں سے، اپنے درہم میں سے، اپنے کپڑوں میں سے، اپنے گیہوں کے پیمانہ میں سے، اور اپنی کھجوروں کے پیمانہ میں سے (ان مفلوک الحال اور فاقہ زدہ لوگوں کی مدد کے لیے) خیرات کرے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا (جو شخص جو کچھ بھی رکھتا ہو اسی کے بقدر خیرات کرے اور لاکر یہاں دے) اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ (آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر) ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے (دینار یا درہم سے) بھری ہوئی (اتنی وزن دار) تھیلی لاکر پیش کی کہ (اس کے بوجھ سے) ان کا ہاتھ تھک جانے کے قریب تھا؛ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ تھک گیا تھا، پھر ایک کے بعد ایک جو لوگوں نے لالا کر جمع کرنا شروع کیا تو میں نے دیکھا کہ (وہاں) کھانے پینے کی اشیاء اور کپڑوں کے دو (بڑے بڑے) ڈھیر لگ گئے اور پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ اقدس دیکھا جو (خوشی کے مارے) ایسا چمک رہا تھا جیسے سونا چڑھائی ہوئی چیز، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص کہ اسلام میں اچھا طریق رائج کرے تو اس کو اس (اچھے طریق کے رائج کرنے) کا بھی ثواب ملے گا اور ہر اس شخص کے ثواب کے بقدر بھی (مزید ثواب ملے گا) جو اس کے بعد اس اچھے طریق پر عمل کرے گا جب کہ ان عمل کرنے والوں کے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوگی، اور جو شخص کہ اسلام میں کسی برے طریق کو رائج کرے تو اس کو اس (برے طریق کے رائج کرنے) کا بھی گناہ ہوگا اور

ہر اس شخص کے گناہ کے بقدر (مزید) گناہ بھی ہوگا جو اس کے بعد اس برے طریق پر چلے گا جب کہ ان (برے طریق پر چلنے والوں) کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ (مسلم)
(مظاہر حق جدید ۱/ ۲۶۷، ۲۶۸)

حدیث شریف کے الفاظ "من طعام" کی تشریح میں شارح مشکوۃ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: (من طعام) الظاهر أنه هنا حبوب، و لعل الاقتصار عليه من غير ذكر النقود لغلبته یعنی طعام سے مراد (کچا) اناج ہے، اور راوی نے طعام کے ذکر پر اکتفا اس لیے فرمایا کہ نقود کے بالمقابل غلہ زیادہ تھا۔ (مرقاۃ ۱/ ۲۷۷)

ملاحظہ کیجئے: طعام (خام اشیاء) کو بطور چندہ لینا اور دینا حدیث شریف سے ثابت ہے۔

اسی طرح مرغی صدقہ وہدیہ میں دینا بھی حدیث شریف سے ثابت ہے۔

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: إذا كان يوم الجمعة وقفت الملٰئكة على باب المسجد يكتبون الأول فالأول و مثل المهجّر كمثل الذى يهدى بدنة ثم كالذى يهدى بقرة ثم كبشا ثم دجاجة (الحديث)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازہ پر تعینات ہو جاتے ہیں اور (نماز جمعہ کے لیے) اول وقت آنے والے پہلے شخص کا نام لکھتے ہیں، پھر اس کے بعد جو پہلے آتا ہے اس کا نام لکھتے ہیں، (اور اس طرح یکے بعد دیگرے اول وقت آنے والوں کے نام لکھے جاتے ہیں) اور اول وقت آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو قربانی کے لیے اونٹ مکہ بھیجے، پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال اس شخص کی سی

ہے جو قربانی کے لیے دنبہ یعنی مینڈھا مکہ بھیجے، پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مرغی صدقہ میں دے۔ (مشکوۃ ص: ۱۲۲، ترجمہ از مظاہر حق جدید ۲/ ۲۷۹)

حدیث بالا میں اس بات کا اشارہ ہے کہ مرغی چندہ میں دی جاسکتی ہے اور اس پر مستقل ثواب کا وعدہ ہے۔

③ سطور بالا میں بتلادیا۔

④ بلاریب و دغدغہ درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبدالقیوم راجکوٹی، ۱۸/ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری　　الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سنیچر کی تعطیل میں یہود سے تشبہ ہے

سوال: ہمارے یہاں دینی مکتبوں میں پچھلے چند سالوں سے جمعہ کو تعلیم جاری رکھی جاتی ہے، اور بجائے جمعہ کے سنیچر کو تعطیل رکھی جاتی ہے، ایسا کرنے میں بچوں کی حاضری زیادہ رہتی ہے، یہ عذر پیش کیا جاتا ہے، آیا ذمہ داروں کا یہ فعل یعنی سنیچر کو تعطیل تشبہ بالیہود ہے یا نہیں؟ اس کو باقی رکھنا چاہیے یا بدل دینا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شنبہ کی تعطیل یہ یہودیوں کا مذہبی شعار ہے، اس لیے ہمارے دینی مدارس میں شنبہ کو تعطیل کرنے سے ان کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے، اور یوم یہود کی تعظیم کو بھی مستلزم ہے، اس لیے اس کو بدل کر حسبِ سابق یومِ جمعہ کو تعطیل کی جائے۔ (ماخوذ از امداد

الفتاویٰ ۴/ ۲۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۸/ جمادی الاخری ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عاریتاً دی ہوئی کتابوں کی فیس وصول کرنا

سوال: مدرسے کے کتب خانے سے بچوں کو شروع سال میں جب کتابیں دی جائیں تو ان سے کتابوں کی فیس وصول کرنا کیسا ہے؟ مثلاً عربی اول کی سب کتابیں ایک بچے کو دیں اور بیس روپیے بہ طور فیس وصول، کیے اور یہ رقم کتب کی جلد وغیرہ ضروریات میں استعمال کی جاتی ہے، فتاویٰ ہندیہ شامی اور محمودیہ کی عبارتوں سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے۔

ولو استأجر كتبا ليقرأ فيها شعرا كان أو فقها أوغير ذلك لا يجوز ولا أجر له وإن قرأ (عالمگیری ٤٤٩٤،باب:١٦)(فتاویٰ محمودیہ/ ۲۵۹)

بعض ساتھیوں سے سنا ہے کہ کئی مدارس میں اس طرح فیس وصول کی جاتی ہے، اور کتب خانے والے دارالافتاء سے رابطہ قائم کر کے ہی کرتے ہوں گے؛ اس لیے خلجان ہے کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی جزئیہ جواز پر دال ہو۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسا کوئی جزئیہ جو جواز پر دلالت کرتا ہو میری نظر سے نہیں گزرا، جن مدارس میں اس قسم کی فیس وصول کی جاتی ہے وہاں کے ذمہ داران سے ہی معلوم فرمالیں۔ اگر اس میں اُس کی تعدی کو دخل ہے تو قیمت یا نقصان وصول کیا جاسکتا ہے ورنہ نہیں۔

والعارية أمانة، إن هلكت من غير تعد لم يضمنها (عالمگیری:۲۶۳٤)
ترک حفظ یا مدت عاریت ختم ہونے کے بعد بھی واپس نہ کرنا، یا اہل مدرسہ نے کتاب کی واپسی کا مطالبہ کیا پھر بھی واپس نہ کیا، اس صورت میں بھی ضمان لیا جاسکتا ہے۔(تفصیل دیکھیے بدائع الصنائع ۶/۲۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

چھوٹی بات پر عہدے سے نکال دینا

سوال: متولیان کرام اور دار العلوم کے مہتمم صاحب حفاظ کرام اور علمائے کرام کو گری ہوئی نظر سے دیکھ کر ایک چھوٹی سی بات پر ان کو اپنے عہدے سے نکال کر اپنے اداروں سے خارج کر دیتے ہیں، تو کیا ان لوگوں سے کتنے مہینے کا معاوضہ لے سکتے ہیں؟ اگر خدانہ خواستہ خادموں کو معاوضہ نہیں دیا تو خادم گورنمنٹ کا سہارا لے سکتا ہے یا نہیں؟ شرعی قانون اس کے بارے میں کیا ہے؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تحقیر کا معاملہ کسی کے ساتھ جائز نہیں ہے، حسب امرأ من الشر أن يحقر أخاه (الحدیث) چہ جائیکہ علما وحفاظ کے ساتھ؛ لیکن اس کے باوجود علما وحفاظ کے لیے بھی ضروری ہے کہ حدود شریعت کے مطابق اقدام کریں، کسی کے ساتھ جذبۂ انتقام میں شریعت کے خلاف کرنے کی ہرگز اجازت نہیں، خاص کر اہل علم کے لیے تو یہ بڑا عیب ہے۔ لا يجرمنكم شنآن قوم على أن لا تعدلوا، اعدلوا هو أقرب

للتقویٰ (القرآن) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ رجب المرجب ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مدرسہ کے وقت میں استاذ کا تلاوت یا مطالعہ کرنا

سوال: پڑھانے کا وقت ۷ بجے سے ۱۰ ہے ۷ سے آدھ گھنٹہ بچوں کو یاد کرنے کا موقع دیتے ہیں پھر اسباق کی سماعت کرتے ہیں تو کیا اس آدھ گھنٹہ میں تلاوت مطالعہ وغیرہ کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بچوں کو یاد کرنے کا موقع دیا گیا ہے اس کی نگرانی بھی ضروری ہوتی ہے، اگر استاذ کی تلاوت یا مطالعۂ کتاب میں مشغولی کی وجہ سے اس نگرانی میں کوئی فرق نہیں آتا تو گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مدرسہ کے استاذ کو خنزیر کہنا

سوال: درسہ عربیہ وصیت العلوم گوکاک میں یہ پیش آیا، مدرسے میں سارے استاذ مل کر فجر ۹ بجے ناشتہ کر رہے تھے، ناشتہ میں چوہا کی مینگنی آ گیا، اس کو نکال کر رکھ دیا، ناشتہ کے بعد اساتذہ بول دیا ہے کہ: خالہ (باورچی) کو یہ چیز بتادو، میں اس کو بچوں کے ہاتھ میں دیا، بچے خالہ کو دیا، خالہ بولی: یہ مینگنی کس کو آیا ہے؟ بچے استاذ

صاحب کا نام بتادیا، تو خالہ استاذ صاحب کو کہتی ہے: کون کالا (سور؟) یعنی خنزیر کا لفظ حافظ قرآن کو بول دی، یہ لفظ چار پانچ استاذ سن کر خاموش ہو گئے، یہ استاذوں کا خاموش ہونا کیسا ہے؟ اور مدرسہ کے تمام ذمہ دار بھی خاموش ہو گئے ہیں، ان پر بھی کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسلمان کو گالی دینا فسق ہے، وسباب المؤمن فسوق (الحدیث) اور سور کہنا ہرگز جائز نہیں ہے، خاص کر ایک دینی مدرسہ میں تعلیم دینے والے استاذ کو ایسا لفظ کہنا حد درجہ محرومی کی دلیل ہے؛ اس لیے واجب ہے کہ استاذ سے ان الفاظ کی معافی طلب کرے، اور آئندہ کے لیے توبہ کرے، اور عہد کرے کہ کبھی ایسے الفاظ نہیں کہے گی۔ مدرسہ کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ اس عورت کو سمجھا کر استاذ سے معافی منگوالیں۔ (ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۵/۱۵۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/رجب ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مدارس میں قرآن خوانی

سوال: درسوں میں کسی کے انتقال کے وقت ایصالِ ثواب کے لیے قرآن خوانی کرائی جاتی ہے، تمام طلبہ کو ایک جگہ جمع کر کے گھنٹہ آدھ گھنٹہ قرآن پڑھایا جاتا ہے، پھر کوئی استاذ یا ذمہ دار طلبہ کے سامنے اس مرحوم کا تعارف، اس کے کچھ محاسن وغیرہ بیان کر کے اس کے لیے اس موقع پر پڑھے ہوئے قرآن کا ایصالِ ثواب کرنے کی اپیل کرتا ہے، پھر کوئی استاذ دعا کرا دیتے ہیں اور سب آمین کہہ دیتے ہیں۔

اسی طرح بعض جگہوں پر سال کے شروع میں تعلیم کے آغاز کے موقع پر بھی تبرکاً قرآن خوانی کرائی جاتی ہے، اس میں بھی تمام طلبہ کو مکلف کیا جاتا ہے؛ بلکہ اساتذہ کو باضابطہ اطلاع کر کے شرکت کی دعوت دی جاتی ہے، عدم شرکت کو ذمہ داران حضرات برا سمجھتے ہیں، یہ باتیں ہر قرآن خوانی میں ہوتی ہے، تو اس طرح طلبہ واساتذہ کو پابند کر کے اجتماعی قرآن خوانی کرنا اور ایصالِ ثواب کرنا کس حد تک صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فی نفسہٖ قرآنِ کریم کی تلاوت ایصالِ ثواب کے لیے یا خیر وبرکت کے لیے بلاشبہ بہت اہمیت رکھتی ہے؛ مگر آج کل اسے لوگوں نے رسم بنالیا ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۱/ ۳۶۲) اگر تاریخ یا دن کی تعیین کے بغیر اور بلا کسی التزام کے کچھ لوگ مل کر قرآنِ پاک کی تلاوت کر کے اس کا ثواب کسی مرنے والے کو بخش دیں، تو اس کی اجازت ہے بہ شرطے کہ اس کو ضروری قرار نہ دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ رجب ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مدرسہ کی چرائی ہوئی چیز کی تلافی

سوال: زمانۂ طالب علمی میں میں نے ایک چیز کی چوری کی تھی اب وہ گم یا تلف ہوگئی ہے توبہ کر چکا ہوں تو کیا صورت ہوگی کہ دار العلوم میں رسوائی بھی نہ ہو اور شئ مذکور بھی دار العلوم کو مل جائے کیا اس کی قیمت ادا کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ مثلی چیز تھی تو اس کا مثل ورنہ اس کی قیمت مدرسہ میں داخل کروادیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مدرسے کا وقف بورڈ سے امداد لینا

سوال: رکاری وقف بورڈ سے اسلامی مدرسہ میں کسی طرح کی امداد شروع کروائی جائے تعمیری ہو یا مدرسوں کی تنخواہ ہو تو اس بارے میں سرکاری وقف بورڈ کی امداد شروع کروانا کیسا ہے اور یہ رقم مدرسہ میں استعمال کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وقف بورڈ کو اوقاف کے ذریعہ سے حاصل ہونے والی آمدنی کا مصرف اسلامی مدارس کی تعمیر یا مدرسین کی تنخواہ تجویز کیا گیا تھا تو یہ استعمال درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مدرسے میں غیر مسلم کی رقم لینا

سوال: مدرسہ مذکور کے طلبا کو کھلانے کے لیے ایک کافر کی طرف سے دوسو روپئے موصول ہوئے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کافر کی طرف سے احسان جتلانے یا اور کوئی غلط فائدہ اٹھانے کا اندیشہ نہ ہو تو قبول کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/رجب ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مدرسہ میں غیر مسلم کے چندہ کا مصرف

سوال: بعض مرتبہ بعض غیر مسلم مدرسہ میں چندہ دیتے ہیں اب اس کو مدرسہ میں کس مصرف میں استعمال کیا جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس سے کسی خاص مصرف کی تعیین نہیں کی ہے تو مدرسہ کے کسی بھی مصرف میں استعمال کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

طالب علم کو حافظ بنانے کے لیے دی گئی رقم کے استعمال کا طریقہ

سوال: ایک آدمی نے ۵۰۰۰ روپئے دیا کہ زید کو حافظ بنانا ہے؛ لہٰذا یہ رقم زید کے اوپر خرچ کی جائے، چناں چہ مدرسہ والوں نے زید کی خوراکی میں پورے پیسے کو کاٹ لیا تو کیا یہ صحیح ہے؟ صحیح صورت کیا ہوگی؟ کس طرح سے اس آدمی کی دی ہوئی رقم زید پر استعمال کی جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید کی خوراکی فیس اور دیگر اخراجات پر وہ رقم صرف کی جائے گی، بہتر یہ ہے کہ خرچ کرنے کے طریقے کی وضاحت رقم دینے والے کے سامنے کردی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مکاتب کے اساتذہ کا جماعت میں جانا

سوال: ہمارے شہر میں ماشاء اللہ جماعت تبلیغ (عرف دعوت) کا کام بڑے پیمانے پر ہوتا ہے، چناں چہ شہر کی بارہ تیرہ مسجدوں میں سے گیارہ مسجدوں میں جماعتیں آتی جاتی رہتی ہیں، تقریباً تمام مسجدوں کے ائمہ حضرات بھی۔ جن میں اکثر علمائے کرام ہیں۔ اس کام میں لگے ہوئے ہیں، مسجدوں میں اس کے بارے میں بات چیت، بیانات، تعلیم وغیرہ ہوتی رہتی ہے، شہر سے چار مہینے اور چلّے کی جماعتیں اکثر نکلتی رہتی ہیں، مسجدوں کے ائمہ حضرات کے ذمہ امامت کے علاوہ بچوں کو دونوں وقت پڑھانا بھی ہے، اکثر علاقے کے مکاتب میں بچوں بچیوں کی تعداد کے تناسب کے لحاظ سے اساتذۂ کرام کی تعداد کم ہے، مثلاً مکتب میں ساٹھ ستر بچوں پر ایک استاذِ محترم اور بعض میں ایک سو اسّی بچوں پر تین اساتذۂ کرام، ان میں سے ایک رخصت پر یا بیمار، اسکول کے لحاظ سے دو وقت (صبح دوپہر) مکاتب چلائے جاتے ہیں، اکثر مسجدوں کے ائمہ حضرات مہینے میں تین دن جماعت میں جاتے رہتے ہیں، چلّہ بھی ہر سال ترتیباً لگاتے

ہیں، بعض مرتبہ خود ائمہ حضرات ہی کو شوق اور جانے کا ولولہ پیدا ہوتا ہے، بعض مرتبہ اہلِ محلّہ تشکیل کر کے امام صاحبان کو ترغیب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ: مولانا صاحب! آپ کے جانے کی وجہ سے پندرہ بیس ساتھی تیار ہو جائیں گے، اور ان ساتھیوں کو آپ کی محبت میسر آئے گی۔ اس طرح امام صاحبان بادلِ ناخواستہ تیار بھی ہو جاتے ہیں، مالی مشکلات کا حل بھی کسی صاحبِ خیر کی برکت سے ہو جاتا ہے، چناں چہ شہر کی مسجد جامع کے امامِ محترم ہفتہ عشرہ پہلے چار مہینے کی جماعت میں چلے گئے، حالاں کہ چھ آٹھ ماہ قبل آپ محترم چلّہ لگا کر واپس ہوئے تھے، اس مرتبہ پھر جانے کی ہمت اور توکّل بتلایا جاتا ہے۔

ایسی صورتِ حال میں بعض غیر متعصب قسم کے احباب کو تشویش ہونے لگی ہے اور ان کے دماغوں میں چند سوالات پیدا ہونے لگے ہیں کہ کیا امامت کرنا دین کا کام نہیں؟ کیا بچوں کو قرآنِ پاک کی تعلیم دینا دین کا کام نہیں؟ ان معصوموں کو اسلامی معاشرہ کے آداب اور وقتی دعائیں سکھلانا دین کا کام نہیں؟ کیا مسجد میں بعد نماز تصحیحِ اذان واقامت اور کلامِ پاک صحیح کرانا کارِ دین نہیں؟ بیانات کے موقعوں پر اصلاحی بیان کرنا اور معاشرت ومعاملات کی باتیں عوام کو بتلانا دین کا کام نہیں؟ کسی مسئلہ پوچھنے والے کو مسئلہ بتلانا یا اپنے سے بڑوں کی طرف رجوع فرما کر مسئلہ کی تحقیق کر کے مسائل کی تشفی کرنا دین کا کام نہیں؟ ان باتوں کے علاوہ مصلیان کا امام سے مانوس ہونا اور طلبا کا اپنے استاذ سے مانوس ہونا جو مستقل مدتِ قیام کے بعد ہی رونما ہوتا ہے اور انتفاع کے لیے بے حد ضروری ہے، ایسی صورت میں بیرونِ شہر جا کر دعوت کا کام کرنا یا اپنے مقام پر رہ کر دعوت کا کام بصورتِ تعلیم وتعلّم یا درس وتدریس یا تصنیف وتالیف

یا تربیت وتزکیہ کرنا یعنی ہر دو میں سے فی زمانا کونسی صورت وشکل انسب، افضل اور اقدم سمجھی جائے گی؟

جنابِ والا چوں کہ قوم کے ثقہ اہلِ علم حضرات میں سے ہیں؛ لہٰذا جناب ہی ہم لوگوں کی رہبری فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے، واھدنا إلیٰ سواء الصراط۔ امید ہے کہ سوال کرنے کی بدسلیقی اور بے ڈھنگے پن کو معاف فرما کر جواب عنایت فرمائیں گے۔ فقط والسلام

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

تبلیغی جماعت کا اصل مقصد دین کی طلب کا عام کرنا ہے، جس سے مدارس کو طلبہ بھی کثرت سے ملتے رہے اور خانقاہوں کو ذاکرین بھی کثرت سے ملے اور ہر مسلمان کے دل میں دین کی اہمیت پیدا ہو۔ اہلِ مدارس اور اہلِ خانقاہ حضرات کو حسبِ موقعہ تبلیغی جماعتوں کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے، اگر ان میں کوتاہی اور خلافِ اصول چیزیں دیکھیں تو خیر خواہی اور ہمدردی سے ان کو نصیحت کریں، اصلاح فرمائیں اور جماعتوں کے ذمہ ضروری ہے کہ خانقاہوں اور مدارس کا پورا احترام کریں اور اپنی اصلاح کے لیے ان حضرات سے مشورہ لیں اور ان کی ہدایات کو دل وجان سے قبول کریں، ان کو ہرگز ہرگز یہ دعوت نہ دیں کہ یہ حضرات اپنے دینی مشاغل کو ترک کردیں، مدارس اور خانقاہوں کو بند کرکے تبلیغ کے ساتھ نکل کھڑے ہوں، دینی مدارس کا قیام از حد ضروری ہے، ورنہ صحیح علما پیدا ہونے بند ہوجائیں گے اور دین جاہلوں کے ہاتھ میں جاکر کھلونا

بن جائے گا۔ خانقاہوں کا قیام بھی ضروری ہے؛ اس لیے کہ محض کتابیں پڑھنے سے عامتاً تزکیۂ نفس نہیں ہوتا اور بغیر اخلاقِ رذیلہ کی اصلاح کے اخلاص پیدا نہیں ہوتا جو کہ روح ہے جمیع اعمالِ صالحہ کی، تمام اعمال بغیر اخلاص کے ایسے ہیں جیسے بے جان ڈھانچہ ہوتا ہے، اخلاص اکابر اہل اللہ کی صحبت اور ان کی ہدایات پر عمل کی برکت سے حاصل ہوتا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/ ۴۱۷-۴۱۸)

وہ علما حضرات جو مسلمان بچوں کو دینی تعلیم دینے میں مشغول ہیں ان کا تبلیغ میں اس طرح جانا کہ جس کے نتیجہ میں بچوں کی تعلیم کا نظام مختل ہو جائے درست نہیں، جو حضرات رضا کارانہ طور پر بلا معاوضہ اس نوع کی خدمت انجام دیتے ہوں ان کے لیے بھی اس طرح کرنا درست نہیں تو جو حضرات باقاعدہ عقدِ اجارہ کر کے معاوضہ لے کر یہ خدمت انجام دیتے ہیں ان کے حق میں تو عقدِ اجارہ کے نتیجے میں ان پر عائد ذمہ داری کا نہ ادا کرنا بھی لازم آتا ہے جس کی شرعاً اجازت نہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں: یہ اصولِ تبلیغ کے بھی خلاف ہے یعنی علم چھوڑ کر تبلیغ میں جانا غلط ہے؛ البتہ تعطیل اور فارغ اوقات میں جانا بہتر ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/ ۱۱۵)

اس سلسلہ میں پہلے بھی یہاں دریافت کیا جا چکا ہے جو ماہنامہ ''الاصلاح'' (گجراتی) کے ماہ فروری اور ماہ مارچ ۲۰۰۱ء دو شماروں میں چھپ چکا ہے، اس کو دیکھ لیں، ان شاء اللہ باعثِ تشفی و تسلی ہوگا، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۱۵/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

باب مایتعلق بالمقابر

قدیم قبرستان میں سائیکل کی دوکان کھولنا

سوال: ہمارے یہاں عرصۂ دراز سے بہت ہی پرانا قبرستان ہے، حالیہ وہ قبرستان قطعاً بند ہو چکا ہے، فی الحال ایک مسلمان نے اس پر اپنا قبضہ جمار کھا ہے، اس کو ہموار کرتے ہوئے سائیکل کی دوکان کھول رکھی ہے، اور اس کی آمدنی وہ خود اپنے استعمال میں لا رہا ہے، تو مذکورہ آمدنی کو اپنے استعمال میں لانے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ قبرستان موقوفہ ہے، یعنی اس جگہ کو قبروں کے لیے وقف کیا گیا تھا، تو اب اس پر اس طرح قابض ہو جانا، اور اس جگہ کو دوسرے کام میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اور وہ آمدنی بھی حلال نہیں ہے، اور اگر وہ قبرستان مملوکہ زمین میں تھا، تو اس کے مالک کو اختیار ہے کہ اس کو استعمال کرے، اور قبریں ایک دم پرانی ہو چکی ہیں، ان کے مردے گل سڑ کر ختم ہو چکے ہیں، تو مالکِ زمین اس میں دکان بھی بنا سکتا ہے، اور کرایہ پر بھی دے سکتا ہے۔ (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ۱/۲۴۶)

اور وہ قبرستان موقوفہ یا مملوکہ نہیں؛ بلکہ سرکاری زمین ہے تو سرکار کی اجازت سے اس میں تصرف کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/محرم الحرام ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قبرستان کو اسکوٹر رکھنے کی جگہ بنانا

سوال: ہمارے محلہ میں قبرستان بند ہوئے کو (۳۰/۳۵) سال ہوئے ہیں، اس قبرستان کے (۱۰/۱۲) مالک ہیں، ان میں سے ایک نے قبروں کو توڑ کر سپاٹ کر دیا، اور وہاں پر اسکوٹر اسٹینڈ بنایا ہے، اس کو آٹھ سال ہوئے ہیں، غیر مذہب عورت یہ اسکوٹر لگاتی ہے، وہ کمائی جائز ہے یا جائز نہیں؟ ساری کمائی اکیلا کھاتا ہے، کسی بھائی بند کو نہیں دیتا، وہی جگہ پر پرانی شاہی مسجد ہے ''وہ ہماری مسجد ہے''۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر یہ قبرستان وقف شدہ ہے تو ایسا کرنا جائز نہیں، کرنے والا گنہگار ہے، اور تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ اس قبرستان کی حفاظت کا بندوبست کریں۔ (عالمگیری ۲/۴۷۲، ۴۷۱) اور اگر کسی کی ملک ہے تو دیکھا جائے گا اگر اتنا زمانہ گزر چکا ہے کہ اندر کا مردہ گل سڑ کر مٹی ہو گیا ہے، تو اس میں کھیتی کرنا، تعمیر کرنا وغیرہ درست ہے، ورنہ نہیں۔

(تبیین الحقائق ۱/۲۴۶)

مسجد کسی کی ملک نہیں ہوتی وہ اللہ کی ملک ہے، اس کو بند کر دینا اور مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے سے روکنا حرام اور ناجائز ہے، اس پر بڑی وعید آئی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قبرستان میں مسجد بنانا

سوال: ہم گاؤں والے پرانی مسجد شہید کر کے نئی اور بڑی مسجد تعمیر کرنا چاہتے

ہیں، مگر جس طرف کی جگہ مسجد میں لینا چاہتے ہیں وہاں پر پچاس سے سو سال تک کی پرانی قبریں ہیں، اور دوسری طرف سے بھی جگہ مسجد میں لینے کی کوئی گنجائش نہیں، زید کہتا ہے کہ قبریں پرانی ہیں، اس لیے ان قبروں کی جگہ کھدائی کر کے وہ مٹی اور انسانی عضو قبرستان میں ہی دوسری جگہ دفن کر کے اور قبر کی جگہ کو مسجد میں شامل کر کے نئی مسجد تعمیر کریں، بکر کہتا ہے کہ قبریں پرانی ہو یا نئی قبرستان میں قبر پر یا قبر کی کھدائی کر کے مٹی اور انسانی عضو دوسری جگہ دفن کرنا اور مسجد تعمیر کرنا کسی حدیث سے ثابت نہیں؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان اور قبروں پر نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ براہِ کرم زید اور بکر کی تکرار کا خلاصہ قرآن وحدیث اور شافعی مسلک سے دیجئے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس جانب مسجد میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں وہاں قبریں ہیں، اور آپ کے سوال سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قبرستان کا ایک حصہ ہے، اب اگر اس جگہ کو مسجد میں داخل فرمائیں گے تو اس صورت میں مسجد کا قبرستان کے درمیان ہونا لازم آوے گا، اور قبرستان کے درمیان مسجد بنانا مکروہ ہے۔ علامہ بدرالدین زرکشی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یکره بناء المساجد بین المقابر؛ لأنه نهي عن الصلوٰة في المقبرة، وقد صح: لا تتخذوا قبري مسجدا قال صاحب المغني: وقد روی قتادة أن أنس مرّ علی مقبرة وهم یبنون فیها مسجدا، فقال أنس: کان یکره أن یبنی مسجد فی وسط القبور (اعلام الساجد باحکام المساجد:۳۵٦)

اور اس حصہ میں نماز بھی مکروہ ہوگی۔

"تحفة المحتاج" میں ہے:

ويكره تنزيها أيضا الصلوٰة في الحمام... (المقبرة) بتثليث الباء (الطاهرة) لغير الانبياءؑ بأن لم يتحقق نبشها أو تحقق وفرش عليها حائل (والله أعلم) للخبر السابق مع خبر مسلم لاتتخذوا القبور مساجد أي أنها كم عن ذلك وصح خبر لاتجلسوا على القبور، ولا تصلوا إليها، وعلته محاذاته للنجاسة سواء ماتحته أو أمامه أو بجانبه، نص عليه في الأم، ومن ثم لم تفترق الكراهة بين المنبوشة بحائل وغيرها، ولا بين المقبرة القديمة والجديدة، بأن دفن فيها أول ميت بل لو دفن ميت بمسجد كان كذلك، وتنفى الكراهة حيث لا محاذاة وإن كان فيها لبعد الموتى عنه عرفا (٢/١٦٧ على الهامش)

''شرح مہذب'' میں ہے: أما حكم المسئلة فإن تحقق أن المقبرة منبوشة لم تصح صلوٰته فيها بلاخلاف، إذا لم يسبط تحته شيء، وإن تحقق عدم نبشها صحت بلاخلاف، وهي مكروهة كراهة تنزيه إلخ (٣/١٥٨)

اور اگر قبرستان کی وہ زمین وقف شدہ ہے، یعنی دفن اموات کے لیے وقف کی گئی ہے، تو اب اس میں مسجد بنانے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ زمین جس مقصد کے لیے وقف کی گئی ہے، اس کے علاوہ دوسرے کام میں اس کا استعمال کیا جارہا ہے، اور یہ جائز نہیں ہے۔

''تحفة المحتاج'' میں ہے: وفی الا نوار: لیس للإمام إذا اندرست مقبرة و لم یبق بها ا ثر، عارتها للزرا عة، أي مثلاً، وصرف غلتها للمصالح، وحمل على الموقوفة الخ (٦/٢٨٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ملحوظہ: ہمارے دارالافتاء سے فقہ حنفی کے مطابق جوابات دیے جاتے ہیں، آپ

کی طلب پر کتب شافعیہ سے جواب دیا گیا ہے، کسی شافعی مفتی کی تصدیق کے بعد ہی اس کو عمل میں لائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قبرستان خریدنے میں مرزائی کو شریک کرنا

سوال: ہمارے یہاں ایک برادری ہے جس میں ایک صاحب مرزائی ہیں، قبرستان کے لیے جگہ خریدنی ہے، کیا مرزائی کو قبرستان کے خریدنے میں شریک کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یعنی رقم لی جاسکتی ہے یا نہیں؟ علاوہ ازیں مسلمانوں کے قبرستان میں مرزائی کی تدفین عمل میں آسکتی ہے یا نہیں؟ علاوہ ازیں بمطابق رقم کچھ حصہ علیحدہ کرلیا جاوے؛ لیکن قطعۂ اراضی ایک ہی ہے، اس علیحدہ اراضی میں بھی تدفین ہوسکتی ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مطلوب ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قادیانی مرزائی عقیدہ رکھنے والا شخص کافر ومرتد اور زندیق ہے، ان پر مرتدین کے احکام جاری ہوتے ہیں، مسلمانوں کو ان سے مکمل قطع تعلق کرنا چاہیے، لہٰذا قبرستان کے خریدنے میں ہرگز ہرگز کسی مرزائی کو شریک نہ کیا جائے؛ نیز مسلمانوں کے قبرستان میں مرزائی (جو غیر مسلم ہے) کو دفن کرنا بھی جائز نہیں، قطعۂ اراضی ایک رکھ کر علیحدہ حصہ میں تدفین کی بھی اجازت نہ دی جائے، کیا کسی غیر مسلم کو اس طرح کی اجازت دینا مسلمانوں گوارا کریں گے؟ ہرگز نہیں! اس لیے کہ ایسا کرنے میں مسلمانوں کو دھوکہ

ہوگا، اور وہ اسے مسلمان سمجھ کر اس کی قبر پر فاتحہ پڑھیں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ / ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۶ھ

موقوفہ قبرستان میں تدفین کے لیے ڈونیشن لینا جائز نہیں

سوال: شہر وشارم میں الحمد للہ ایک ہی جماعت اور ایک ہی قبرستان ہے۔ قبرستان کی زمین کو ایک نیک پارسا خاتون مرحومہ نے وقف کیا ہے، تقریباً یہاں ہر میت کے ذمہ داروں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ قبرستان کے اول حصہ میں ہی یا اس سے پہلے دفن شدہ والد، والدہ، خاوند وغیرہ کی قبر کے پاس میں ہی میت کو دفن کی جائے۔ جس کی وجہ سے انتظام میں الجھن اور کبھی کبھی نزع اور جھگڑے کی صورت بھی پیش آجاتی ہے۔

اس الجھن وجھگڑے سے چھٹکارہ پانے کے لیے قبرستان میں تین ترتیب قائم کر کے تدفین کے لیے بلڈنگ ڈونیشن کے نام سے رقم حاصل کی گئی، اور چوتھی ترتیب بلا ڈونیشن لیے بھی تدفین کی جاتی ہے، کبھی بھی کسی کو کسی ترتیب میں دفن کرنے پر زبردستی نہیں کی گئی۔

یہ صورت جماعت کے انتظامی اقدامات میں سے ایک کارروائی تھی، نہ کہ میت کے گھر سے میت کے دن رقم اینٹھنے کا حربہ، اس طرح سے انتظام کرنے پر ساری الجھنیں دفع اور ختم ہوگئی۔

اب سوال یہ ہے کہ اس طرح سے قبرستان میں جھگڑے سے بچاؤ اور احتراز کی خاطر بلڈنگ ڈونیشن اور بلا بلڈنگ ڈونیشن ترتیب قائم کر سکتے ہیں؟

اور اگر قائم کر سکتے ہیں تو اس وصول شدہ رقم کو بلڈنگ میں (جماعت کی رہائشی

مکانات ودکانات) میں صرف کر سکتے ہیں؟ اس رقم کا مصرف کیا ہے؟
ازراہِ کرم شریعت مطہرہ کی روشنی میں جواب بالصواب سے نواز کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو زمین تدفین کے واسطہ وقف کی گئی، اس میں مردوں کو دفن کرنے کے لیے جو شرائط واقف نے تجویز فرمائی ہیں، یعنی کسی خاص جماعت یا قوم کے لیے ان کی رعایت کرتے ہوئے ان مردوں کو دفن کرنے کے واسطے، ان سے کسی قسم کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہیں، آپ نے انتظام میں پیش آمدہ الجھن کو دور کرنے کے لیے ڈونیشن کی جو شکل تجویز فرمائی ہے، وہ درست نہیں، اس قبرستان کے نظم وانتظام کو برقرار رکھنے کے لیے واقف نے جن حضرات کو متولی مقرر کیا ہے، ان کے نظم وانتظام سے متعلق ہدایت پر عمل کرنا مردوں کے اولیاء کے لیے ضروری ہے، اس لیے آپ اپنے تولیت والے اختیارات کی بنیاد پر جو طریقہ نظم وانتظام کو برقرار رکھنے کے لیے اختیار کرنا چاہیں، اس کو آپسی مشورہ سے طے کر کے منظور فرمالیں، اور لوگوں کو بھی چاہیے کہ ان ہدایات کا لحاظ کریں، باقی رہا اس کے لیے ڈونیشن والا طریقہ، تو شرعاً اس کی اجازت نہیں، یہ ایک نوع کی رشوت ہے، جب یہ درست ہی نہیں، تو اب مصرف کا سوال فضول ہے، اس نوع کی رقمیں جن سے وصول کی گئی ہیں ان کو واپس کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: احمد خانپوری، ۱۵/ شوال المکرم ۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

پرانی قبروں کی بوسیدہ ہڈیوں کے لیے علیحدہ گڑھا نہ کھودا جائے

سوال: بمبئی میں جامع مسجد ٹرسٹ کے ماتحت ایک بڑا قبرستان ہے، جس میں ایک جگہ وہاں کے لوگوں نے ایسی لاوارث نعشوں کی تدفین کے لیے مقرر کی ہے جو حادثات کا شکار ہوجاتے ہیں، اور تجہیز وتکفین کے اعتبار سے ان کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہوتا؛ مگر چوں کہ متعدد مرتبہ ایسا ہونے کی وجہ سے پرانی نعش کا ڈھانچہ اور ہڈیاں ویسے ہی قبروں میں ملتی ہیں، جو دوسری میت کی تدفین کے لیے مانع بنتی ہے؛ نیز وہ ڈھانچے انتہائی کمزور ہوتے ہیں کہ ہاتھ لگاتے ہی فوراً ٹوٹ بھی جاتے ہیں، بہرحال اس کی وجہ سے ان لوگوں نے قریب ہی ایک بڑا گھڑھا کھودرکھا ہے،، جس میں ایسے پرانے ڈھانچے اور ہڈیاں اٹھا کر ڈال دیتے ہیں؛ تاکہ آنے والی میت کی تدفین میں آسانی رہے، پھر اس گھڑھے کو مٹی وغیرہ ڈال کر بند کردیا جاتا ہے، تو اس طرح ڈھانچوں اور ہڈیوں کا اپنی جگہ سے منتقل کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: اگر قبرستان بہت پرانا ہو، وہاں میت موجود نہیں؛ بلکہ مٹی ہوچکی ہو اس کو کھود کر وہاں دوسری میت کو دفن کرنا درست ہے، اگر پرانی میت کے کچھ نا تمام اجزاء، کوئی ہڈی وغیرہ نکلے تو اس کو اسی قبر میں ایک طرف کو دفن کردیں، باہر نکال کر نہ پھینکیں۔ (۹/۹۶)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

اگر قبر اتنی پرانی ہوجائے کہ میت بالکل مٹی بن جائے تو اس قبر میں دوسری میت

کو دفن کرنا درست ہے، ورنہ بلاضرورت ایسا کرنا منع ہے، اور بوقتِ ضرورت جائز ہے، اور ایسی حالت میں جب میت کی ہڈیاں وغیرہ کچھ قبر میں موجود ہوں تو وہ ایک طرف علیحدہ (اسی) قبر میں رکھ دی جائیں۔ (۹/۹۷)

لا يدفن اثنان فی قبر إلا لضرورة، وهذا فی الابتداء وكذا بعده، قال فی الفتح: ولا يحفر قبر لدفن آخر إلا ان بلی الأول فلم يبقى له عظم، إلا أن لا يوجد فتضم عظام الأول ويجعل بينهما حاجز من تراب الخ (درمختارمع الشامي ٦٥٩/١)

شامی میں اس سے آگے حلیہ کے حوالہ سے لکھا ہے:

وخصوصاً ان كان فيها ميت لم يبل، وما يفعله جهلة الحفارين من نبش القبور التی لم تبل اربابها وادخال أجانب عليهم فهو من المنكر الظاهر..... وادخال البعض على البعض قبل البلاء مع مافيه من هتك حرمة الميت الأول، وتفريق اجزائه فالحذر من ذلك ..... فالاولى اناطه الجواز بالبلاء إذ لا يمكن ان يعد لكل ميت قبر لا يدفن فيه غيره الخ (درمختار مع الشامي ٦٥٩/١)

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ جب تک پہلی میت کے اپنی قبر میں مٹی ہوجانے کا گمانِ غالب نہ ہو وہاں تک اس قبر کو نہ کھولا جائے؛ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ میت کے اپنی قبر میں مٹی ہوجانے کے گمانِ غالب کے بعد کھولا گیا اور اس میں سے اس میت کی ہڈیاں نکلیں تو ان ہڈیوں کو اس قبر میں سے نکالا نہ جائے؛ بلکہ اسی قبر میں ایک کنارہ پر حفاظت سے رکھ دیا جائے، اور اس کے اور میت کے درمیان مٹی ڈال کر آڑ کردی جائے، اس لیے آپ نے اپنے سوال میں الگ گڑھا کھودنے کی جو صورت بیان کی

ہے وہ درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ ربیع الاول ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

قبرستان کی زمین کا تبادلہ

سوال: ہمارے یہاں قبرستان کی ایک قطعۂ اراضی ہے جس میں تدفین نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ سالہا سال وہ کرائے پر دی ہوئی تھی، جس میں کرائے دار کھیتی کرتے تھے، ابھی دو سال سے کرایہ دار سے وہ زمین واپس لے لی ہے، اس وقت وہ زمین ویسے ہی پڑی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ قبرستان کی پوری مملوکہ زمین کے درمیانی حصہ بجانب جنوب جو ہائی اسکول کی مملوکہ زمین ہے، اس میں اسکول کی انتظامیہ اسکول بنانا چاہتی ہے، اسکول کی زمین میں داخل ہونے کے لیے جنوب کی طرف راستہ موجود ہے؛ لیکن کچھ طویل ہونے کی وجہ سے اسکول کی انتظامیہ قبرستان سے راستہ لینا چاہتی ہے، جس سے ظاہر ہے کہ قبرستان کی زمین کا اور مزید نقصان ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ راستہ شمال کی طرف سے طلب کر رہے ہیں؛ نیز اسکول کی تعمیر ہونے سے قبرستان کی زمین دو حصوں میں تقسیم ہوجاتی ہے، اب دوسری تجویز انتظامیہ کی طرف سے یہ ہے کہ زمین کا تبادلہ کرلیا جائے یعنی اسکول کی زمین جو درمیان میں جنوب کی سمت واقع ہے اس کا قبرستان کی مشرقی جانب واقع زمین سے تبادلہ کرلیا جائے، اس صورت میں دو فائدے ہیں: اول یہ ہے کہ قبرستان کی پوری زمین ایک ہوکر اس کا احاطہ کرلینا آسان ہوجائے گا۔ ثانیا: اسکول کو مشرقی جانب سے راستہ بھی دوسرے کی

ملکیت سے ملنا آسان ہوگا اور قبرستان کی زمین محفوظ ہوجائے گی، تو اب دریافت طلب یہ ہے کہ عدم تبادلہ کی صورت میں قبرستان موقوفہ زمین میں سے برائے اسکول راستہ جو تقریباً پندرہ سوفٹ ہوتا ہے دیا جاسکتا ہے؟ ثانی صورت میں تبادلہ کرکے قبرستان کی زمین کو ٹکڑے ہونے سے بچا کر ایک طرف کرکے محفوظ کرلینے کی غرض سے تبادلہ کرلیا جائے تو کیا استبدال کے شرائط میں مذکورہ صورت داخل ہوسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے سوال میں الفاظ متضاد استعمال ہوئے ہیں، قبرستان کو مملوکہ لکھا اور موقوفہ بھی، اگر قبرستان کی زمین وقف شدہ ہے کسی کی ذاتی ملک نہیں ہے تو اس کا تبادلہ جائز نہیں ہے۔ کما ھو مصرح فی کتب الفقہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ذوالقعدہ ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

قبرستان کی موقوفہ زمین کو فروخت کرنا

سوال: (۱) زید نے قبرستان کو کچھ زمیں وقف کی؛ لیکن زید نے وہ کچھ عرصہ گذرنے پر زمین کو فروخت کردیا، اور اس زمین کے روپئے سے اسی قبرستان میں نمازِ جنازہ کے لیے مسجد بنوائی ہے، تو کیا زید کے لیے یہ زمین فروخت کرنا اور قبرستان میں مسجد بنانا کیسا ہے؟

(۲) زید نے قبرستان کی زمین کو فروخت کیا، تو زید اس روپئے کو گاؤں کی مسجد میں لگا سکتا ہے یا نہیں؟ یا پورا روپیہ قبرستان ہی میں صرف کرے؟

③ زید اس کے روپئے سے قبرستان میں دو تین دوکانیں بنوانا چاہتا ہے، تو اس روپئے سے دوکان بنوانا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① زمین جب قبرستان کے لیے وقف کی گئی تو اس کو فروخت کرنا درست نہیں ہے، وہ بیع باطل ہے: إن بيع الوقف باطل ولو غير مسجد (شامی:۱۱۷٤) اس کو چاہیے کہ جس کے ہاتھ وہ زمین فروخت کی گئی ہے اس سے زمین واپس لے کر قبرستان کے لیے حوالہ کرے، جو روپیہ بطور ثمن ملا اس کا وہ ضامن ہے، اب اتنا روپیہ زمین خریدنے والے کو اپنی جیب سے ادا کرے۔

② قبرستان کی وقف کردہ زمین کا فروخت کرنا درست نہیں۔

③ نمبر ایک میں جواب آ گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۲۳ر محرم الحرام ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس بسم اللہ عفی عنہ

موقوفہ قبرستان کے پھلوں کا مفت میں استعمال

سوال: ایسی جائیداد موقوفہ جس کے بارے میں معلوم نہ ہو کہ ہمارے باپ، دادا نے قبرستان کے لیے دیا ہے یا نہیں؟ اور اس کی اولاد بھی یہ بات کہہ رہی ہو کہ ہمیں معلوم نہیں کہ ہم لوگوں کے باپ نے وقف کیا یا نہیں کیا؟ جب کہ ہمارے قبرستان میں کچھ درخت ہے، جس کو باپ دادا کی اولاد نے لے رکھا ہے، اور اس میں مُردے بھی دفن ہوتے ہیں، اور اس درخت کا پھل بھی وہ لوگ کھاتے ہیں، جواب

طلب امر ایں کہ ایسے قبرستان میں مُردے کو دفن کرنا از روئے شرع جائز ہے یا ناجائز؟ اور وہ درخت قبرستان کا ہوگا یا ان لوگوں کا جن کے باپ دادا نے دیا ہے؟ تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قبرستان کی موقوفہ جائیداد کے پھلدار درخت کے پھلوں کو بیچ کر اس کی آمدنی قبرستان پر خرچ کی جائے، باپ دادا کی اولاد کا ان پھلوں کو مفت استعمال کرنا جائز نہیں ہے، جب وہ قبرستان وقف ہے تو اس میں مُردوں کو دفن کرنا شرعاً درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قبرستان کی گھاس کاٹنا

سوال: قبرستان میں قبروں کے اوپر جو گھانس قد آدم کی مقدار بڑی بڑی فضلہ، بے کار اگتی اس کو آگ لگا کر جلانا کیسا ہے؟ یا کسی مشین کے ذریعہ کاٹنا کیسا ہے؟ آیا ایسی گھانس کو قبروں پر چھوڑے رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب وہ سوکھ جائے تو اس کو کٹوا کر صاف کر لیا جائے آگ لگا کر نہیں۔ اور جب تک وہ ہری ہو اس کو کاٹا نہ جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

قبرستان کی گھاس کاٹنا

سوال: ① قبرستان کی ہری گھاس کافی لمبی ہوتی ہے، اگر اس کو نہ کاٹا جائے تو اتنی لمبی ہوجاتی ہے کہ بسا اوقات اس میں چلنا قبر کا تلاش کرنا مشکل ہوجاتا ہے، اور کبھی سانپ بچھو کا ڈر رہتا ہے، اگر اس کے سوکھنے کا انتظار کیا جائے تو بسا اوقات سڑ جاتی ہے اور جنگل جیسا ہوجاتا ہے اور غیر قوم کے کاٹ کر لے جانے کا بھی اندیشہ رہتا ہے؛ جب کہ کمیٹی کے لیے اس کی حفاظت بھی مشکل ہے تو کیا قبرستان کی گھاس نیلام کرسکتے ہیں؟

② کیا مستعمل قبرستان کو مدت متعینہ کے لیے کرایہ پر دیا جاسکتا ہے؛ تاکہ کرایہ پر لینے والا ہری گھاس کاٹ کر اپنے طور پر فروخت کرے، تاہم وہ عہد کرتا ہے کہ قبر کے اوپر جو ہری گھاس ہوگی اس کو نہ کاٹیں گے، اور اس کے بازو اور دیگر سب ہی جگہ کی کاٹیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① بلا محنت اور آبیاری کے قدرتاً خودرو گھاس مباح الاصل ہوتی ہے، ہر ایک اس سے نفع اٹھا سکتا ہے، کسی کی ملکیت اس پر نہیں ہوتی، جب تک کاٹ کر قبضہ میں نہ لے لے اس کو بیچ نہیں سکتے، اسی طرح قبرستان کی گھاس بھی مباح الاصل ہے، کسی کی ملک نہیں کہ بیچ سکیں، ہاں کاٹ لینے کے بعد بیچ سکتے ہیں؛ مگر قبرستان کی سبز گھاس کاٹنا منع ہے؛ کیوں کہ مردے اس کی تسبیح کے فوائد سے محروم ہوجاتے ہیں، ہاں خشک گھاس کاٹنے کی ممانعت نہیں۔

نورالایضاح میں ہے: ”وقلع الحشیش والشجر من المقبرة، ولا بأس بقلع الیابس منها“ (۱۴۲) یعنی قبرستان کی سبز گھاس اکھیڑنا اور درخت کو کاٹنا مکروہ ہے، اور ہر دو خشک ہو گئے ہوں تو مکروہ نہیں۔

اگر قبرستان میں راستہ بنانے اور صفائی کی ضرورت سے قبروں کو چھوڑ کر اس کے اردگرد کی گھاس جو پانی سے سڑ رہی ہے کاٹ دی جائے تو مضائقہ نہیں؛ مگر مردوں کے مذکورہ بالا فائدہ کے پیش نظر نہ کاٹنا ہی افضل ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۱۸۸، ۱۸۹ ملخصا)

② قبرستان اگر مسلمانوں مردوں کی تدفین کے لیے وقف ہے تو اس کو کرایہ پر دینا درست نہیں ہے، نیز مستعمل قبرستان کو کرایہ پر دینے سے کیا مقصد ہے؟ اگر اس لیے دیا جارہا ہے کہ کرایہ پر لینے والا اس کی ہری گھاس کاٹ کر فروخت کرلے تو یہ مقصد تو بغیر اس کے بھی حاصل ہے جیسا کہ جواب نمبر ایک میں واضح کیا جاچکا کہ ہری گھاس جو خودرو ہے مباح الاصل ہے، اور اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ کرایہ پر لینے والے کے علاوہ اور اشخاص کو اس گھاس سے روکا جائے تو کرایہ پر لینے کے باجود ان کو روکنا مباح الاصل ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہے؛ بلکہ جو گھاس محنت اور آبیاری کے ذریعہ تیار کی گئی ہے اس کو بھی زمین کرایہ پر لینے کی بنیاد پر حاصل کرنا درست نہیں جب تک کہ مستقل طور پر اس کو فروخت نہ کیا جائے؛ اس لیے کہ زمین کرایہ پر لینے سے اس کے منافع حاصل کئے جاسکتے ہیں؛ جب کہ گھاس منافع کے قبیل سے نہیں؛ بلکہ اعیان کے قبیل سے ہے۔

شامی میں ہے: الاجارة إذا وقعت على العين لا تصح، فلا تجوز على استئجار الآجام والحياض لصيد السمك او رفع القصب وقطع

الحطب أو لسقی ارضها أو لغنمه منها، وكذا اجار المرعیٰ الخ(۴۴/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/صفر المظفر ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قبرستان کے درخت اور گھاس وغیرہ کاٹنا

سوال: قبرستان کے درخت کو کاٹ سکتے ہیں یا نہیں؟ اور ایسے ہی گھاس وغیرہ فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قبرستان کے درخت کا کاٹنا مکروہ ہے۔

وقلع الحشیش والشجر من المقبرة (نور الایضاح) قبر کی سبز گھاس کاٹنا ممنوع ہے، سوکھی گھاس کاٹنے کے بعد فروخت کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد خانپوری، ۲۳/محرم الحرام ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس بسم اللہ عفی عنہ

قبرستان کی زمین میں تعمیر، کھیتی وغیرہ جائز نہیں

سوال: زمین کے مالک تین ہیں، یعنی تھوڑی سی زمین ہے اس میں زید، عمر، بکر تینوں کی ملکیت ہے، اور ان تینوں نے اس زمین کو وقف کر دی مسجد کو، وہ زمین ایسی ہے کہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ زمین پہلے قبرستان تھی، آج بھی ایک سو تیرہ سالہ عورت موجود ہے وہ بھی یہی کہتی ہے کہ میں بھی یہی سنتی ہوں کہ یہ قبرستان تھی؛ لیکن اس عورت

نے اور آج تک کسی فرد انسان نے اس زمین پر دفن ہوتے کسی کو دیکھا نہیں اور نہ قبر کے نشانات ہیں، ظاہری طور پر، اور یہ تھوڑی زمین ہے اور دائیں بائیں دوسروں کی زمین ہے کیا ایسی صورت میں جب کہ سنا جاتا ہے کہ قبرستان تھی تو اس زمین کو وقف کرنا جائز ہے؟

اور کیا مسجد کی آمدنی کے لیے اس زمین پر کمرہ بنا کر کرایہ پر دے سکتے ہیں یا ایسے ہی مسجد کا کمرہ بنوا سکتے ہیں؟ اگر ناجائز ہے تو کیا قلت جگہ کی وجہ سے دینی ادارہ قائم کیا جاسکتا ہے (ضرورۃً) اس سلسلہ میں صحیح اور بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قبرستان کی زمین اگر مملوکہ ہو اور اس کی قبریں اتنی پرانی ہوگئیں ہیں کہ ان کا نام ونشان مٹ چکا ہے، اور ان میں کے مردے بھی مٹی ہو چکے ہیں تو اس میں تعمیر اور کھیتی وغیرہ سب مالک کے لیے اور مالک کی اجازت ورضامندی سے دوسروں کے لیے جائز ہے۔

ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ فی قبرہ وزرعہ والبناء علیہ، کذا فی التبیین (عالمگیری:۱/۱۶۷، تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق:۱/۲۴۶)

اور اگر وہ مملوک نہیں ہے وقف ہے (قبرستان کے لیے وقف ہے) تو چاہے تقادمِ زمان کی وجہ سے وہاں قبروں کا نام ونشان باقی نہ رہا ہو اور لوگوں نے دفن کرنا چھوڑ دیا ہو پھر بھی اس کی وقفیت باطل نہیں ہوگی اور اس کو دفن کے علاوہ دیگر کام مثلاً تعمیر، کھیتی وغیرہ میں استعمال کرنا درست نہیں۔

عالمگیری میں ہے: وسئل ھو ایضا عن المقبرۃ فی القریٰ اذا اندرست ولم یبق فیھا اثر الموتیٰ لاالعظم ولا غیرہ ھل یجوز زرعھا واستغلالھا؟

قال: لا، ولهاحكم المقبرة كذا فى المحيط وفى هامشه قوله لا هذا لاينافى ماقاله الزيلعى فى باب الجنائز من ان الميت اذا بلى وصار ترابا جاز زرعه والبناء عليه اه لان المانع هنا كون المحل موقوفا على الدفن فلايجوز استعماله فى غيره فليتأمل وليحرر(۴۷۱/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/صفر المظفر ۱۴۰۷ھ

فسادات کی خبر نہ دینے اور مندر کی تعمیر میں مدد کرنے والے کی قبرستان میں تدفین

سوال: ① چند سال قبل ہمارے گاؤں میں ہندو مسلم فساد ہوا فساد ہونے سے چند روز قبل ایک شخص کو اس بات کا علم تھا باوجود اس نے اپنی قوم کو بتایا نہیں۔

② اسی شخص نے مسلم محلے میں مندر تعمیر کرنے کی اجازت دی، مندر کے پچھواڑے ایک جگہ ہندو قوم بیچنا چاہتی تھی اور اس روپیوں سے مندر تعمیر کیا جانے والا تھا جماعت کی میٹنگ میں تجویز اتفاق رائے سے منظور کی گئی مگر چند مہینوں کے بعد اسی شخص یعنی یونس میاں ساٹھ لیکر نے کچھ روپیوں کی خاطر وہ جگہ مسلم بھائی کو بیچنے لینے کہا جو گاؤں میں ''ہندو مسلم'' فساد کا باعث بن سکتا ہے۔

ہم اس شخص پر فتوی چاہتے ہیں کہ ایسے شخص کو مرنے کے بعد مسلمانوں کے قبرستان میں دفنانا جائز ہے یا نہیں؟ جواب جلد دیجئے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اس کی یہ حرکت یقینا بڑی شنیع ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے وہ کافر نہیں ہوجاتا۔

قال الشیخ الامام ابو محمد بن عبد اللہ فی کتاب القواعد اذا اردت معرفة الفرق بین الصغیرة والکبیرة فاعرض مفسدة الذنوب علی مفاسد الکبائر المنصوص علیها، فان نقصت عن اقل مفاسد الکبائر فهی من الصغائر، وان ساوت ادنی مفاسد الکبائر او ربت علیه فهی من الکبائر ... الی ان قال ... وکذالك لو دل الکفار علی عورات المسلمین مع علمه انهم سیستأصلون بدلالته ویسبون حرمهم واطفالهم ویغنمون اموالهم فان نسبته الی هذه المفاسد اعظم من تولیه یوم الزحف بغیر عذر مع کونه من الکبائر (فتح الملهم ۱/ ۲۵۱)

اس آدمی کو چاہیے کہ توبہ کرے، استغفار کرے۔

② اس کا بھی یہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہوا، محض اتنی بات پر اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے سے منع نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ویصلی علی کل برو فاجر اذا مات علی الایمان للاجماع ولقوله علیه الصلوٰة والسلام: لاتدعواالصلوٰة علی من مات من اهل القبلة (شرح العقائد للنسفی ۱۱۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد خانپوری

مسلمانوں کے قبرستان میں شیعہ کی تدفین

سوال: ایک شیعہ فرقہ سے تعلق رکھنے والے کی میت اہل سنت والجماعت کی مسجد میں نماز جنازہ کے لیے لائی گئی، شیعہ فرقہ سے تعلق رکھنے والوں نے اپنے ہی امام کو آگے بڑھا کر نماز جنازہ پڑھی نماز جنازہ اہل اسلام کے عقائد سے علیحدہ تھی اور

اس شیعہ میت کو اہل سنت والجماعت کے قبرستان میں دفنایا گیا اور تدفین بھی شیعہ پر ہوئی کیا شیعہ میت کی نماز جنازہ اہل سنت والجماعت کی مسجد میں شیعہ طریقوں پر ہو سکتی ہے اور کیا؟ شیعہ میت اہل سنت والجماعت کے قبرستان میں شیعہ طریقوں پر دفنائی جاسکتی ہے معلوم کروائیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسجد جماعت میں نماز جنازہ مکروہ ہے چاہے اہل سنت والجماعت کی میت کیوں نہ ہو۔ (امداد الاحکام ۱/ ۳۶۸) شیعہ اثنا عشریہ رافضیہ کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے، اس فرقہ کے کسی فرد کی میت اہل سنت والجماعت کے قبرستان میں دفن نہیں کی جاسکتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مسلم قبرستان میں داودی بوہروں کی تدفین

قبرستان ہال میں نماز پڑھنا۔ غیر مسلم کی نعش کی تغسیل وتکفین

سوال: (۱) راندیر میں ایک بہت بڑا قدیم قبرستان ہے جس میں کافی سالوں سے لوگوں نے کسی کو آج تک دفنایا نہیں ہے، کافی پرانی قبروں کے صرف نشان نظر آتے ہیں؛ لیکن اب الحمد للہ اس میں چند احباب نے مل کر بہت بڑا کام کیا ہے، اور لوگوں نے دفن کا سلسلہ از سر نو شروع بھی کیا ہے؛ لیکن کچھ بوہرہ قوم کے لوگ آئے

تھے، ان کا کہنا یہ ہے کہ: ہم لوگ جو ملا آتا ہے اس کو مانتے ہیں؛ لیکن عقائد سب دینی ہیں، جو ایک شیعہ کے ہوتے ہیں، صرف ملا کو نہ ماننے کی وجہ سے ان کو کسی بھی (ان کے) قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت نہیں دیتے، ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر آپ ہم کو ایک کونے میں جگہ دے دیں تو ہم دفن کر دیں گے؛ ورنہ مجبوری میں کوئی بھی دفن کرنے نہیں دے گا تو ہم کو جلانا پڑے گا، تو کیا ہم ان کو اجازت دے سکتے ہیں؟

(۲) قبرستان میں ہم نے ایک بہت بڑا ہال بنایا ہے، محض اس وجہ سے کہ اس میں جنازہ پڑھائی جاسکے، تو اس جگہ دیگر کوئی نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

(۳) سورت شہر میں ایک کمیٹی بنائی جس کا نام ہے کفن کمیٹی، اس کمیٹی میں اگر کوئی غیر مسلم کی لاش آئی تو ہم کیا اس کو غسل دے کر کفن پہنا کر جلانے کے لیے لے جاسکتے ہیں، یا سامنے ہو کر ان کی لاش لینے کے لیے جاسکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) وہ قدیم قبرستان جس میں تدفینِ اموات کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیا گیا ہے اگر وقف ہے تو اس پر وقف کے احکام جاری ہوں گے، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اگر وہ مسلمانوں کے اموات کی تدفین کے لیے وقف ہے تو اس میں کسی ایسے میت کی تدفین جو مسلمان نہیں ہے، درست اور جائز نہیں ہے۔ داؤدی بوہروں کے عقائد میں بہت سی ایسی باتیں موجود ہیں جن کی رو سے علمائے اہل سنت نے ان کی تکفیر کی ہے، ان لوگوں کو چاہیے کہ اپنے مردوں کی تدفین کے لیے کوئی زمین مستقل خریدیں، اس میں آپ بھی ان کی مدد کر سکتے ہیں۔

(۲) اگر وہ ہال دیواروں سے بند ہے اور سامنے کوئی قبر (نماز پڑھنے کی صورت

میں) نہیں آتی ہے، تو اس میں دوسری نماز بھی درست ہے؛ لیکن جب کہ اس کی تعمیر نماز جنازہ کے لیے ہوئی ہے تو اس کا مستقل استعمال نماز جنازہ ہی کے لیے ہو، یہ مناسب ہے، گاہے کوئی دوسری نماز پڑھ لی تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

(۳) عمدۃ الفقہ میں ہے: کافر مرد کے لیے مسلمانوں پر غسل کفن دفن فرض نہیں ہے؛ اس لیے کہ غسل میت کی تعظیم اور بزرگی کے لیے واجب ہوا ہے، اور کافر اس کا اہل نہیں ہے؛ لیکن اگر ضرورت ہو، مثلاً کوئی مسلمان اس کا رشتے دار ہو اور اس کا کوئی ہم مذہب نہ ہو، یا وہ نہ لے جائے اور یہ مسلمان بہ وجہِ قرابت غسل وکفن ودفن کرے تو جائز ہے؛ مگر غسل وکفن ودفن میں کسی امر میں سنت کا طریقہ نہ برتے، یعنی نہ اس کو وضو کرائے اور نہ خطمی یا صابون وغیرہ سے صاف کرے، نہ دائیں طرف سے شروع کرے اور نہ کافور وخوشبو وغیرہ اس کے بدن میں ملا جائے، اور نہ نہانے میں عدد کا لحاظ کرے؛ بلکہ نجس کپڑے کو دھونے کی طرح غسل دے اور اس پر پانی بہادے، یہ غسل اس کی طہارت کے لیے نہیں ہوگا..... اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر تنگ گڈھے میں دبادیں، اور اگر اس کے ہم مذہب موجود ہوں اور وہ اس کو لے جائیں تو مسلمان اس کو ہاتھ نہ لگائے۔ (۲/ ۴۹۳)

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے لیے کافر کی لاش کی تجہیز وتکفین دو شرطوں کے ساتھ درست ہے: پہلی شرط تو یہ ہے کہ اس کے ہم مذہب موجود نہ ہوں، دوسری شرط یہ ہے کہ اس کا رشتہ دار ہو، اگر دونوں میں سے ایک شرط بھی مفقود ہے تو درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۰/ ذی القعدہ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

قبر کی حد بندی کرنا

سوال: ایک شخص اس کے والد کی قبر کے چاروں طرف پتھر کے سیل سے حد بندی کرنا چاہتا ہے، یعنی پتھر کے چار کھمبے چار طرف سے لگانا چاہتا ہے، کیا اس کے لیے اس کی گنجائش ہوگی؟ کیا اس طرح کرنے سے قبر کی زمین کو روکنا لازم نہیں آئے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر قبرستان وقف کا ہے تو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۸ رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ

قبرستان میں نماز جنازہ کے لیے ایک جگہ متعین کر لینا

سوال: ''یوکے'' میں ایک قبرستان خریدا ہے جو مسلمانوں کی ملکیت کا ہے، اس قبرستان میں اس سے قبل عیسائی لوگ دفن ہوتے تھے، وہاں کے دستور کے موافق ۲۵ سال پورے ہونے پر ایک قبر پر دوسری قبر بناتے ہیں، مسلمانوں نے جب عیسائی لوگوں کا یہ قبرستان خریدا اس کے بعد پورے قبرستان کی مٹی کو بلڈوزر کے ذریعہ کھود کر دوسری جگہ منقول کر دیا گیا، اور دوسری نئی مٹی سے اس قبرستان کو پاٹ دیا گیا ہے، اس قبرستان کے باہر کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں پر صلوۃ جنازہ ادا ہو سکے، صلوۃ جنازہ راستہ پر ادا کرنے کی صورت میں راستہ سے گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے؛ اس لیے مسلمان چاہتے ہیں کہ مذکورہ قبرستان کی مملوکہ زمین پر صلوۃ جنازہ ادا کریں، تو اس پر صلوۃ جنازہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں، قبرستان کی جگہ پر صلوۃ جنازہ پڑھنے کے لیے مستقل جگہ بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب یہ جگہ مسلمانوں کی مملوکہ ہے اور پہلے وہاں پر جو عیسائی مردے دفن ہوتے تھے ان کے آثار ونشانات بھی مٹا دیے گئے ہیں؛ تو اس کے ایک کونہ میں (قبروں سے الگ) نماز جنازہ کے لیے جگہ بنا سکتے ہیں؛ البتہ اس کے قبلہ رخ دیوار بنالی جائے؛ تاکہ سامنے کوئی قبر نہ رہے۔

وتکرہ الصلوۃ فی المقبرۃ؛ الاان یکون فیھا موضع اعد للصلوۃ لانجاسۃ فیہ ولا قذارۃ (طحطاوی علی مراقی الفلاح ۱۹۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قدیم قبر پر راستہ بنانا یا اس میں دوسری میت کو دفن کرنا

سوال: ہمارے ٹرسٹ کے زیرِ اہتمام ایک قبرستان ہے، جس میں کئی سالوں سے تدفین کے فرائض برابر انجام پا رہے ہیں۔

چوں کہ مذکورہ قبرستان میں میت بے ترتیبی سے تدفین ہو رہی ہیں اس لیے ٹرسٹ اس کو منظّم طریقے سے تجدید کاری کر رہی ہے؛ تاکہ قبروں کی حرمت بھی باقی رہے اور عوام کے لیے راستے اور لائٹ کا معقول انتظام ہو، جس سے قبرستان کے انتظامات بھی بہ حسن وخوبی انجام پا سکے۔

درپیش مسئلہ یہ ہے کہ تجدید کاری میں کچھ پکّی قبریں یا ایسی جگہ جہاں میت تدفین کی ہوئی ہیں راستہ میں حائل ہو رہی ہیں۔

① جاننا یہ ہے کہ آیا ایسی جگہیں جہاں میت تدفین کی گئی ہے اگر بیچ راستہ میں آرہی ہو تو کیا اس پر راستہ بنایا جاسکتا ہے؟ کیوں کہ لوگوں کی راحت کے لیے راستہ کا معقول مناسب انتظام کرنا بھی نہایت اہم ضروری ہے۔

② تدفین کی کتنی مدت گذرنے کے بعد دوسری میت اسی جگہ تدفین کی جانی چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① سوال میں مذکور مقصد کے لیے راستہ بنانا درست ہے، اگر قبریں اتنی پرانی ہیں کہ صرف ان کے نشانات موجود ہیں؛ لیکن میت مٹی بن چکی ہے تو ان پر راستہ بنایا جاسکتا ہے؛ لیکن اگر وہاں کسی بزرگ کا مزار ہے جس کی وجہ سے اس جگہ راستہ بنانے سے فتنہ کا اندیشہ ہو تو اس کا لحاظ ضروری ہے۔

② میتِ اول کی تدفین کے بعد اس پر اتنا زمانہ گذر جائے کہ وہ خاک ہوجائے تو اس کی قبر میں دوسرے کو دفن کرنا جائز ہے، اس کے لیے کسی مدت کی تحدید نہیں، میت اور مقام اور موسم کے اعتبار سے ماہرین اندازہ لگا سکتے ہیں۔ (ماخوذ از احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۴۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

كتاب الهبة

مرض الموت کی تعریف اور ہبہ

سوال: ① ایک شخص چند سالوں پہلے درخت پر سے گر گیا تھا جس کی وجہ سے اس کی کمر کی رگ دب گئی اور کمر کے نیچے کا سارا حصہ شل ہو گیا اب وہ شخص کافی علاج ومعالجہ کے بعد بھی بالکل ویسا ہی ہے کوئی فائدہ نظر نہیں آرہا ہے اور چلنے سے بالکل قاصر ہے البتہ سائیکل کے سہارے سے وہ چلت پھرت کرتا ہے آج بھی نچلا حصہ بالکل شل ہے ظاہر میں بالکل تندرست معلوم ہوتا ہے اور کمر کے اوپر کے اعضا بالکل صحیح سالم ہیں اب وہ شخص ایسی حالت میں انتقال کر جائے تو یہ مرض اس کے لیے مرض الموت شمار ہوگا یا نہیں نیز مرض الموت کی تعریف تحریر فرمائیں۔

② مذکورہ شخص کی ایک بیوی اور ایک نابالغ بچی ہے وہ اپنی ملکیت ان دونوں کو یا ایک کو ہبہ کرنا چاہے تو صحیح ہے یا نہیں؟

③ مذکورہ شخص کی کچھ زمین ایسی بھی ہے جو اس کے بھائیوں کے مابین مشترک ہے اب اگر وہ شخص مشترکہ زمین میں سے اپنا حصہ اپنی بچی یا بیوی کو ہبہ کرے یا بیچ دے تو صحیح ہے یا نہیں نیز بیع کی صورت میں بھائی حق شفعہ کے مدعی ہوں گے یا نہیں خلاصہ یہ کہ یہ بیع قبل التقسیم ہے کیا بیع کی یہ صورت صحیح ہے یا نہیں اگر جواب نفی میں ہے تو جواز کی کوئی صورت نکل سکتی ہو تو تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①(من غالب حاله الهلاك بمرض أو غيره بأن أضناه مرض عجز به عن إقامة مصالحه خارج البيت) هو الأصح(درمختار مع الشامي) (قوله

عجز به إلخ) فلو قدر على إقامة مصالحه في البيت كالوضوء والقيام إلى الخلاء لايكون فارا وفسره في الهداية بأن يكون صاحب فراش وهو أن لا يقوم بحوائجه كما يعتاد الأصحاء وهذا أضيق من الأول لأن كونه ذا فراش يقتضي اعتبار العجز عن مصالحه في البيت فلو قدر عليها فيه لا يكون فارا وصححه في الفتح حيث قال: فأما إذا أمكنه القيام بها في البيت لا في خارجه فالصحيح أنه صحيح. اهـ أقول: ومقتضى هذا كله أنه لو كان مريضا مرضا يغلب منه الهلاك لكنه لم يعجزه من مصالحه كما يكون في ابتداء المرض لايكون فارا. وفي نور العين. قال أبو الليث: كونه صاحب فراش ليس بشرط لكونه مريضا مرض الموت بل العبرة للغلبة لو الغالب من هذا المرض الموت فهو مرض الموت وإن كان يخرج من البيت، وبه كان يفتي الصدر الشهيد ثم نقل عن صاحب المحيط أنه ذكر محمد في الأصل مسائل تدل على أن الشرط خوف الهلاك غالبا لا كونه صاحب فراش اهـ ويأتي تمامه(شامی ۲/۵٦٤)

عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ ایسی بیماری جو عام طور پر آدمی کو موت تک پہنچا دیتی ہو مرض الموت کہلاتی ہے سوال میں اس آدمی کے مرض کی جو کیفیت بیان کی گئی ہے اس کی وہ بیماری ایک خاص اور کیفیت پر آ کر رک گئی ہے اور پچھلے چند سالوں سے وہ اسی حالت میں ہے اس لیے یہ مرض الموت نہیں کہلائے گی چناں چہ درمختار میں ہے:

والمقعد والمفلوج والمسلول إذا تطاول ولم يقعده في الفراش كالصحيح ثم رمز شح: حد التطاول سنة. انتهى(درمختار)(قوله ثم رمز شح) أي شين وحاء وهو رمز لشمس الأئمة الحلواني وفي الهندية عن التمرتاشي: وفسر أصحابنا التطاول بالسنة، فإذا بقي على هذه العلة سنة فتصرفه

بعدها كتصرفه في حال صحته اهأي ما لم يتغير حاله كما علمت. (شامي ٥٦٥/٢) (وفي القنية إلخ) قال ح: أخذا مماتقدم عن الهندية أن هذا لاينافي ما قبله لأن ازد ياده إلى السنة فقط اهولا يخفى ما فيه وفي الهندية أيضا: المقعد والمفلوج مادام يزداد ما به كالمريض فإن صار قديما ولم يزد فهو كالصحيح في الطلاق وغيره كذا في الكافي، وبه أخذ بعض المشايخ، وبه كان يفتي الصدر الشهيد حسام الأئمة والصدر الكبير برهان الأئمة، وفسر أصحابنا إلى آخر ما مر قلت: وحاصله أنه إن صار قديما بأن تطاول سنة ولم يحصل فيه ازدياد فهو صحيح، أما لو مات حالة الازدياد الواقع قبل التطاول أو بعده فهو مريض. (شامي ٥٦٥/٢)

اس لیے اگر اسی حالت میں اس کا انتقال ہوجائے تو اس کو مرض الموت نہیں کہا جائے گا البتہ اگر موت سے پہلے اس حالت میں تغیر واقع ہوا اور شخص مذکور کی اس بیماری میں اضافہ معلوم ہو تو اضافہ کے بعد کی حالت مرض الموت قرار دی جائے گی جیسا کہ عبارات بالا میں صراحت موجود ہے۔

(۲) اگر اس کی نیت اس ہبہ سے دوسرے ورثا کو نقصان پہنچانے کی نہیں ہے تو اس کا ہبہ اگر شرعی شرائط کے مطابق ہے تو صحیح ہوگا اور یہ شخص گنہگار بھی نہیں ہوگا اور اگر اس کی نیت دیگر ورثا کو محروم کرنے کی ہو تو اس صورت میں اگر یہ ہبہ شرعی شرائط کے مطابق ہے تو معتبر اور صحیح تو ہوجائے گا لیکن یہ شخص گنہگار ہوگا۔

(۳) مشترکہ قابل تقسیم جائداد کا ہبہ تقسیم سے پہلے درست نہیں البتہ اس کی بیع درست ہے لیکن شرکائے جائداد کو حق شفعہ ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۹ رذی الحجہ ۱۴۲۳ھ

اپنی حیات میں لڑکوں کو مکان ہبہ کرنا

سوال: زید کے دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے، بحمد اللہ تینوں بچوں کی شادی ہو چکی ہے، لڑکی کو سسرال والوں کی جانب سے رہنے کے لیے ایک مکان (فلیٹ) ملا ہے، جس میں مع اہل وعیال رہتے ہیں۔ زید کے دونوں لڑکے ملازمت کرتے ہیں اور زید کی ملکیت میں تین مکان (فلیٹ) ہیں، زید کی دلی خواہش ہے کہ دونوں لڑکوں کو ایک ایک مکان ہبہ کر دیا جائے؛ تاکہ دونوں کے لیے رہنے کا نظم ہو جائے، شرعاً دونوں لڑکوں کو ہبہ کرنا کیسا ہے؟ اور ہبہ کرنے کی کیا صورت اختیار کی جاوے، اس کو تحریر فرمائیں، عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اپنے لڑکوں کی رہائشی ضرورت پوری کرنے کی نیت سے اور دوسری اولاد کو ضرر اور نقصان پہنچانے کے ارادہ نہ رکھتے ہوئے اگر زید ایسا کرنا چاہے تو شرعاً اس کی اجازت ہے؛ البتہ اگر اللہ تعالیٰ نے وسعت دی ہو تو نقد یا اور کسی طریقہ سے لڑکی کو بھی اس کے برابر دے دے تو مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۱۷/ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

زندگی میں جائیداد اپنی اولاد میں کمی بیشی کے ساتھ تقسیم کرنا

سوال: ایک ساٹھ سالہ بیوہ ہے جو صحت منداور تندرست ہے، وہ اپنی تمام

جائداد اپنی حیاتی میں اپنے پانچ لڑکے اور دو لڑکیوں میں قبضہ کے ساتھ تقسیم کرنا چاہتی ہے؛ البتہ کسی کو اس کی مالی حالت خراب ہونے کی وجہ سے زیادہ دینا چاہتی ہے اور کسی کو کم تو کیا وہ اس طرح کر سکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تفریق اور ترجیح بلا وجہ شرعی گناہ ہے، یعنی ایک کو نقصان پہنچانا مقصود ہو اور دوسرے کو نفع پہنچانا مقصود ہو، اور کوئی وجہ شرعی اس نفع اور نقصان کی نہ ہو تو ایسا کرنا گناہ ہے، تاہم ایسا کرنے سے ہبہ صحیح ہو جائے گا، یعنی جس کو کم ملا ہے اس کو شرعاً حق نہیں ہے کہ زیادہ والے سے نزاع کرے، اور اگر کوئی وجہ شرعی ہے۔ مثلاً یہ کہ جس کو زیادہ دیتی ہے وہ صالح اور دیندار ہے اور اسی وجہ سے اس کو زیادہ دیتی ہے، اور جس کو کم دیتی ہے وہ بدچلن اور غیر متدین ہے اور اسی وجہ سے اس کو کم دیتی ہے تو ایسا کرنا گناہ نہیں بلکہ جائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۶۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اگر زندگی میں ہی مال تقسیم کرنا ہو تو تمام کو یکساں دے

سوال: باپ اپنی حیاتی میں ہی سب تقسیم کرنا چاہتا ہے اور اپنے پاس کچھ نہیں رکھتا تو پھر وراثت کا سوال رہتا ہے یا نہیں؟ ترکہ تو ورثہ ہی میں تقسیم ہوتا ہے، اگر کسی باپ کے چھ بیٹے اور ایک بیٹی ہو اور ماں بھی حیات ہو اور اپنی زندگی میں ہی تقسیم کرنا چاہتا ہو تو اس صورت میں تقسیم کیسے کرے؟ اور اس کا کیا نام رہے گا پھر میراث رہے گی یا نہیں؟ اور باپ نے اب تک بیٹی کو جو دیا ہے وہ شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آدمی اپنی وفات کے بعد جو مال اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے جس کو اصطلاح شرع میں ترکہ کہتے ہیں، وہ اگر حقوق العباد سے فارغ ہو تو اس میں وراثت جاری ہوگی، اب اگر کسی آدمی نے اپنی زندگی ہی میں اپنا مال تقسیم کر دیا اور بوقتِ وفات اس کی ملک میں کچھ بھی نہیں تو پھر وراثت جاری ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، زندگی میں اگر تقسیم کرنا چاہتا ہے تو بیٹا، بیٹی میں تفریق نہ کرے بلکہ ہر ایک کو یکساں دے۔ اس صورت میں باپ بیٹی کو اب تک جو کچھ دے چکا ہے اس کو بھی شمار میں لے۔ (شامی) (فتاویٰ رحیمیہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اولاد کے ہبہ میں برابری ضروری ہے

سوال: غفران کے باپ عمران خان نے اپنے چار پوتوں کو دس دس گنٹھا زمین لکھ دی، ایک پوتے کی پیدائش بعد میں ہوئی، اب غفران خان یہ چاہتے ہیں کہ وہ اپنے چھوٹے بچے عبدالرحمن کو دس گنٹھا لکھ دیں؛ تاکہ سارے بھائی برابر ہو جائیں، جواب طلب امر ایں کہ غفران خان کا عبدالرحمن کو دس گنٹھا زمین لکھ دینا جائز ہے یا ناجائز؟ نیز دو لڑکیاں بھی ہیں: زینب وصفیہ۔ پھر جواب طلب امر ایں کہ عبدالرحمن کو دس گنٹھا لکھنے کی صورت میں باپ اپنی بیٹیوں کو کتنی زمین لکھے، پانچ پانچ گنٹھا یا دس دس گنٹھا؟ کیوں کہ باپ زندہ ہے اور بچوں کو باپ کے اس فعل پر اعتراض بھی ہے، یہ کہتے ہوئے کہ ہم لوگوں کو بھی دس دس گنٹھا ملنا چاہیے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

باپ کے لیے مناسب یہ ہے کہ ہبہ اور عطیہ میں اپنی تمام اولاد کے ساتھ برابری کا معاملہ رکھے، ایک کو دینا اور دوسروں کو محروم رکھنا یا لڑکوں کو دینا اور لڑکیوں کو محروم رکھنا گناہ ہے، اس کے باوجود اگر اس نے کسی ایک کو کچھ دے کر اس کا قبضہ بھی دے دیا تو جس کو وہ دیا گیا ہے، وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ شعبان المعظم ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اولاد کو مال ہبہ کرنے میں کمی بیشی کرنا

سوال: باپ زید کے چار لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں نیز ابھی زید کا باپ عمر زندہ ہے لہٰذا عمر نے اپنے چار پوتوں کو ایک ایک بیگھا زمین لکھ دی اس کے بعد زید کو ایک اور لڑکا ہوا دراں حالیکہ ابھی عمر زندہ تھا لیکن عمر نے اپنے اس پوتے کے نام سے زمین نہیں لکھی یہاں تک کہ انتقال ہو گیا اب زید جو باپ ہے وہ چاہتا ہے کہ اس چھوٹے لڑکے کو اپنے نام کی زمین میں سے ایک بیگھا لکھ دے تاکہ سب لڑکوں کے نام سے ایک ایک بیگھا ہو جائے اس نیت سے نہیں کہ چار لڑکوں کو حصہ کم ملے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا زید ایسا کر سکتا ہے دراں حالیکہ مذکورہ چار لڑکوں میں بعض راضی ہیں اور بعض ناراض ہیں اگر زید ایسا کرے تو کیا عند اللہ مجرم نہیں ہوگا اگر مسئلہ مذکورہ کا جواب اثبات میں ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ کیا زید کو اپنی مذکورہ دو لڑکیوں کے نام سے بھی اتنی زمین لکھنی ضروری ہے حال یہ کہ ان دونوں لڑکیوں کی شادی مالدار

گھرانے میں کردی ہے اور وہ خوشحال بھی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مذکورہ میں زید ایسا کرسکتا ہے اور گنہگار نہیں اور لڑکیوں کو زمین دینا ضروری نہیں ہے۔

ان الوالد ان وهب لاحد ابنائه هبة اكثر من غيره اتفاقا او بسبب علمه او عمله او بره بالوالدين من غير ان يقصد بذلك اضرارا لأخرين ولا الجور عليهم كان جائزا على قول الجمهور (تكملة فتح الملهم ۷۱۲)

البتہ یہ یاد رہے کہ زمین کا صرف نام پر کردینا کافی نہیں بلکہ ہر ایک کو دی جانے والی زمین الگ کرکے اس کے قبضہ میں دی گئی تب ھبہ درست ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اپنی ساری جائداد اولاد میں تقسیم کرنا

سوال: سلیم اور اس کی زوجہ ریحانہ دونوں باحیات ہیں، ان کی تین اولاد ہیں، (دو لڑکے اور ایک لڑکی) یہ چاہتے ہیں کہ اپنی تمام ملکیت کو اپنی اولاد کے درمیان اپنی حیات میں ہی تقسیم کردیں، تو اس کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وراثت کے اصول کو سامنے رکھ کر تقسیم کی جائے گی، جب کہ بعض کا کہنا ہے زندگی ہی میں وراثت کے اصول کا نفاذ نہ ہوگا؛ بلکہ والدین اگر اپنی زندگی میں برابر تقسیم کریں یا کمی زیادتی کے ساتھ، تو کیا حکم رکھتا ہے؟ والدین بھی کچھ اپنے پاس رکھ سکتے

ہیں کہ نہیں، بہر حال بحکم شرعی جو بھی حکم ہو آپ اس کی وضاحت مدلل طور پر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آدمی جب تک زندہ ہے، اپنی جائداد اور مملوکات کا خود مالک اور مختار ہے، اس میں ورثا کا کوئی حق نہیں ہے، وراثت موت کے بعد جاری ہوتی ہے، اور اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو جو کچھ دے گا وہ واشت نہیں؛ بلکہ ھبہ ہے، اور ہبہ وعطیہ کے سلسلے میں شریعت مطہرہ کی تاکید یہ ہے کہ عطیہ میں تمام اولاد (چاہے لڑکا ہو یا لڑکی) کے ساتھ یکساں معاملہ کرے، کسی ایک کو دینا اور دوسرے کو محروم رکھنا، یا ایک کو کم اور دوسرے کو زیادہ دینا بلا وجہ شرعی مکروہ ہے، اس لیے سلیم اگر اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو اپنی جائیداد دینا چاہتا ہے تو لڑکا اور لڑکی دونوں کو یکساں دے کمی بیشی نہ کرے؛ البتہ کسی شرعی بنیاد پر کمی بیشی کی اجازت ہے، اپنے لیے اپنی ضرورت اور گذر بسر کے بقدر رکھ لینا چاہیے؛ تاکہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

لڑکوں کو جائیداد دینے کے بعد واپس لینا

سوال: حاجی عبدالرحیم محمد حسین کے چار لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، آج سے تقریباً ۲۲/ سال قبل چاروں بھائیوں کو زمین ومکان وپوری جائداد تقسیم کر کے لڑکوں کو دے دی، اور لڑکیوں کے لیے زمین ومکان کے حصوں کے بجائے نقد رقم مقرر کر دی کہ ایک بہن کو چاروں بھائی مل کر ایک ایک ہزار روپئے دیدیں، زمین کے چار حصے الگ کر کے ہر ایک لڑکے کو بخشش وقبضہ کل اختیار سپرد کر دیا تھا؛ لیکن جس وقت ۲۲/ سال

پہلے تقسیم کی، اس وقت چھوٹے بھائی عبدالرحمن مدرسہ میں پڑھتے تھے اور شادی بھی نہ ہوئی تھی؛ اس وجہ سے چھوٹے بھائی عبدالرحمن کے حصہ کی زمین والد صاحب نے اپنی تحویل میں رکھی تھی، بعد میں وہ بھی تقریباً ۲۰/ سال پہلے چھوٹے بھائی کے قبضہ اور اختیار میں کردی؛ الغرض سالہا سال سے والد محترم نے اپنی کل جائیداد تقسیم کردی، اور والد ووالدہ کے لیے ایک ہزار روپے ۲۰/ من اناج، گھی، دودھ وغیرہ کل سالانہ خرچ طے کردیا جس کو سب لڑکے ادا کرتے رہے، اب جب کہ مہنگواری کی بناء پر نقد رقم دودھ وغیرہ بڑھادیا ہے، والد کی زمین چار جگہوں میں تقسیم تھی، عمدہ ہلکی مختلف قسم کی تھی، ان چار جگہوں میں سے ایک جگہ جس کا نام ڈبھاڑ والی ہے، وہ زمین اس وقت ایسے موقع پر تھی کہ وہاں چوری وغیرہ کا خطرہ تھا، اور زمین قیام گاہ سے بہت دور اور اس زمین میں کنواں وغیرہ بھی نہ تھا، اور زمین بھی ناہموار وناقابل کاشت ہونے کی وجہ سے کوئی بھی بھائی اس حصہ کو لینے کے لیے تیار نہ ہوتا تھا، اب والد صاحب نے چھوٹے بھائی عبدالرحمن کے حصہ کی زمین خود مانگ کر لے لی کہ یہ حصہ چھوٹے کا ہے، اور جو زمین ڈبھاڑ والی تھی جس کو لینے کے لیے کوئی بھائی تیار نہ ہوتا تھا تو والد صاحب نے کہا کہ ان حصوں کو میں جس کو دوں گا ان کو وہاں جانا ہوگا، تو والد صاحب نے عبدالمجید بھائی کو بوڑھی کا آدھا حصہ اور ڈبھاڑ والی کا آدھا حصہ، ساتھ میں بوڑھی کا ایک مکان سپرد کردیا، اور قبضہ تک دے دیا، تقسیم کے وقت عبدالمجید بھائی کے گنے کی کھیتی میں سے کوئی حصہ نہیں دیا تھا جو چاروں کے حصہ میں تھی، اس بناء پر ان کے حصہ میں مکان کردیا تھا، اور ابراہیم بھائی کو بوڑھی کا آدھا حصہ اور ڈبھاڑ والی کا آدھا حصہ سپرد کردیا، اب جب کہ ڈبھاڑ والی زمین میں کنواں کا خرچ کیا اور زمین کو ہموار کرکے اس میں کافی خرچ

کر چکے اور کھیتی کے قابل بنائی، اب والد صاحب نے جو مکان عبد المجید بھائی کو دیا تھا وہ بھی لے لیا، اور بوڑھی کی زمین میں سے وقتاً فوقتاً تھوڑی تھوڑی زمین نکال کے عبد الرحمن بھائی کو دیتے جاتے ہیں، خرچ کے تین چار سال کے بعد والد صاحب نے کہا کہ ان دونوں حصوں میں سے کچھ زمین عبد الرحمن کو اب بھی دینا چاہتا ہوں، تم راضی ہو جاؤ تو دونوں بھائی نے انکار کیا کہ ہمارے پاس زمین عبد الرحمن سے کچھ زیادہ ہے؛ لیکن یہ زیادتی آپ نے ہمیں اس لیے دی ہے کہ ہماری اس زمین میں سب طرح کا خرچ تھا اور قابلِ کاشت نہیں تھی، اور کوئی جانے کے لیے تیار نہیں تھا، اور آپ نے ہم سے دیتے وقت کہا تھا کہ تم لے لو، تم کو اس سے زیادہ دیتا ہوں خرچ کی بناء پر اور پھر میں واپس نہیں لوں گا، پھر بھی والد صاحب دونوں کی ناراضگی پر زمین نکال کے عبد الرحمن کو دیتے جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ تمھارے پاس زیادہ ہے، تو دونوں نے کہا کہ ایسا ہو تو ہماری زمین عبد الرحمن کو دو، اور ان کی زمین ہمیں دو، اور ہم نے جو خرچ کیا ہے وہ ہمیں مل جائے تو بھی والد صاحب انکار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ وہ کہاں سے لاوے اور ان دونوں بھائیوں کی بات ٹھکرا دی، جب رشتہ داروں کو شکوہ کیا تو سب کے کہنے پر انھوں نے کہا کہ اب میں مزید نہیں نکالوں گا، اور تمھارے سب کے نام پر کر دیتا ہوں، پھر سرکاری کاغذات ہوئے جس میں عبد الرحمن کے پاس جو ابتداء حصہ تھا وہ ان کے نام پر کر دیا، اور باقی میں تین بھائیوں کو نند میں رکھ کر اپنے نام پر رکھی، بعد میں لڑکوں نے کہا کہ یہ ناانصافی کیوں ہوئی؟ تو جواباً کہا کہ میں ہوں نا، اس میں سے تمھارے پاس سے کون لے لے گا، مجھ پر اعتبار رکھو؛ لیکن پھر بھی زمین نکالنا چاہتے ہیں، جس میں دونوں بھائی خلاف ہیں، دونوں بھائی اولاً تقسیم پر جانا چاہتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ہمیں جو زمین

اولاً دی اس کے بعد آپ نے جو نکالی ہے، یہ سب ناجائز ہے، اور عبدالرحمن کا لینا بھی درست نہیں ہے آپ کا اس طرح نکالتے جانا بھی۔ تو اب کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

باپ نے جب اپنی پوری جائیداد (زمین ومکان) تقسیم کر کے اپنے لڑکوں کو دے دی اور اس پر لڑکوں کا قبضہ بھی مکمل ہو چکا، اب اس کے بعد باپ اس کو ان کے پاس سے واپس لینا چاہتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے، اب واپس لینے کا باپ کو حق نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: (ويمنع الرجوع فيها) حروف (دمع خزقه) (والقاف القرابة، فلو وهب لذي رحم محرم منه) نسبا (ولو ذميا او مستأمنا لا يرجع) (درمختار مع الشامي ٤/٥٧٨)

البتہ اگر باپ (واھب) اور بیٹا (موھوب لہ) دونوں مل جل کر واپسی پر متفق ہو جائیں تو جائز ہوگا۔

(اتفقا) الواهب الموهوب له (على) الرجوع في (موضع لا يصح) رجوعه من المواضع السبعة السابقة (كالهبة لقرابته جاز) هذا الاتفاق منهما (درمختار مع الشامي: ٤/٥٧٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/صفر المظفر ۱۴۰۸ھ

مشترک چیز کا ہبہ کیا یا قانونی مجبوری سے بخشش پتر لکھا یا رقم کو سونے میں تبدیل کر دیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: (۱) کیا کوئی شے جب کہ دو لوگوں میں مشترک ہو، تو کیا اسے کوئی ایک

اکیلا فریق بغیر دوسرے فریق کی اجازت کے وہ کسی کو ہبہ کرسکتا ہے؟ زید کا کہنا ہے کہ میرے والد نے ۲۲/ سال قبل مجھے فلاں فلاں شے ہبہ کردی تھی، جب کہ وہ خود اس بات کا اقراری ہے کہ وہ تمام اموال اس کے چچا اور اس کے والد کا مشترکہ مال ہے، صورت مسئلہ میں قابلِ توضیح تین امور ہیں:

اول: ہبہ واقع ہوا یا نہیں اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

دوم: اگر ہبہ نہیں ہوا تو اس مال کو اس کے اصل حق دار کی جانب لوٹایا جائے گا یا نہیں؟

سوم: وہ رقم جو اس جائیداد کے ذریعہ ۲۲/ سال کے عرصے میں کمائی گئی ہے اس کا کیا کیا جائے گا؟

(۲) مزید یہ کہ کیا کسی قانونی مجبوری کے تحت بخشش پتر لکھنے سے وہ شرعی طور پر ہبہ مانا جائے گا، دراں حالیکہ لکھنے والا حیات ہو اور اس کا کہنا ہو کہ میری ایسی کوئی نیت نہیں تھی صرف قانونی مجبوری کے تحت ایسا کیا گیا، مزید براں یہ کہ وہ اکیلا اس کا حق دار نہ ہو بلکہ وہ شے اس کے اور اس کے بھائی کے درمیان مشترک ہو؟

(۳) اگر قانونی کاروائی کے ڈر سے کوئی شخص سونا بنا کر اپنی املاک اپنی بیوی کے پاس رکھے، اور بعد میں تقسیم کرنا چاہے تو کیا وہ اس تقسیم کا حق دار نہیں؟

نیز میرے دونوں بیٹے گمراہ کن احوال بیان کرکے؛ نیز حقائق کی پردہ پوشی کرکے فتویٰ طلب کرتے ہیں، کیا انہیں اس طرح فتوے طلب کرنے چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) مشترکہ چیز میں اپنے دوسرے شریک کے حصہ کو اس کی اجازت کے بغیر ہبہ نہیں کیا جاسکتا، خود اپنا حصہ بھی اگر وہ چیز قابل تقسیم ہے تو تقسیم سے پہلے ہبہ کرنا

درست نہیں، اور اگر کیا تو وہ معتبر نہیں، اگر دوسرے کی چیز کسی کو ہبہ کر دی گئی تو ہبہ درست نہ ہونے کی وجہ سے شے موہوب پر موھوب لہ کی ملکیت ثابت نہیں ہوئی، وہ چیز اصل مالک کو حوالہ کرنا ضروری ہے، اس جائیداد کے ذریعہ سے جو رقم کمائی گئی ہے اس کی تفصیل جب تک معلوم نہ ہو وہاں تک اس کا حکم بتلایا نہیں جاسکتا۔

(۲) اگر کسی قانونی مجبوری کی وجہ سے کسی آدمی نے اپنی جائیداد کا بخشش پتر کسی کے نام کا لکھ دیا؛ لیکن باقاعدہ ہبہ کر کے وہ چیز اس کی ملک اور قبضہ میں نہیں دی گئی تو محض بخشش پتر لکھنے کی وجہ سے وہ دوسرا آدمی جس کے نام کا بخشش پتر لکھا گیا ہے اس کا مالک نہیں بن جاتا، خصوصاً جب کہ وہ چیز مشترکہ ہو۔

(۳) اگر کسی آدمی نے قانونی مجبوری یا اور کسی مصلحت کے پیش نظر اپنے پاس جمع رقم کا سونا خرید کر یا اپنی جائیداد فروخت کر کے اس سے حاصل شدہ قیمت سے سونا خرید کر اپنی بیوی کے پاس امانت کے طور پر رکھا، تو ایسا کرنے سے وہ بیوی اس کی مالک نہیں بن جاتی بلکہ وہ شخص ہی اس کا مالک ہے بعد میں وہ اپنے اس مملوکہ سونے میں جس قسم کا تصرف کرنا چاہے کرسکتا ہے، چاہے تقسیم کرے، چاہے فروخت کرے، چاہے صدقہ کرے اس کو اختیار ہے۔

آپ کے بیٹوں کا گمراہ کن احوال بیان کر کے اور حقائق کی پردہ پوشی کر کے فتویٰ طلب کرنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۸/ ربیع الاول ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ہبہ میں قبضہ کا حکم اور حدیث "لا تصح الهبة الا مقبوضة" کی تحقیق

سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو آدھا گھر ہبہ کرلیا، یہ ہبہ سچ مچ تھا، ایجاب وقبول بھی ہوا اور گواہ بھی موجود تھے، واہب، موہوب لہ اور شاہدین؛ سب نے ہبہ نامہ پر دست خط کر لیے؛ لیکن مکان میں شوہر کا سامان موجود ہے۔ فقہ حنفی کی رو سے یہ ہبہ صحیح نہیں ہے؛ لیکن حضرات مفتیان کرام کی خدمت میں گذارش یہ ہے کہ، امور ذیل مدنظر ہوں:

① اس طرح کا ہبہ متعارف ہے، بہت سے لوگوں نے اس طرح کا ہبہ کیا ہے۔

② بڑا مکان بنگلے کا خالی کرنا اور سب قیمتی سامان: فرنیچر (میز، کرسیاں، سوفہ وغیرہ) گھریلو مشینیں (appliances) وغیرہ باہر نکالنا، یا دوسرا مکان کرایے پر لے کر عارضی طور سے سامان کو اس میں جمع کرنا، پھر بیوی کی اجازت سے سارا سامان مکان مذکور میں واپس لے آنا، جس میں بہت خرچہ تکلیف اور کافی وقت صرف ہوگا، یہ سب باتیں مشکل ہے۔

سامان کے نکالنے باہر جمع کرنے دوسری جگہ تلاش کرنے اور پھر پہلے گھر میں لوٹا لینے میں جو واقعی حرج اور دقت ہے، ان سب کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

تخلیہ یہاں محض برائے نام ہوگا، چوں کہ بیوی خوب جانتی ہے کہ سامان اسی گھر واپس لایا جائے گا۔

③ سامان بہت اور بیش قیمت کا ہے، اگر مکان بڑا ہو تو فرنیچر اور گھریلو مشینی

آلات وغیرہ کبھی لاکھوں روپے کی قیمت کے آتے ہیں۔

④ سامان منتقل کرنے میں ہزاروں روپے خرچ کرنے پڑیں گے۔

⑤ خالی کرنے اور لوٹا لینے میں نازک سامان ٹوٹ جائے گا، یہ بات کثیر الوقوع ہے۔

⑥ خالی کرنے میں بیوی اور مکان کے سب رہنے والوں کو بڑی دقت اور پریشانی کا سامنا ہوگا، چوں کہ سب گھر والے سامان، فرنیچر، اسٹو، فریج وغیرہ ذاتی استعمال میں لاتے ہیں۔

اس تخلیہ وتسلیم سے سب گھر والوں کو دوسرا مکان عارضی طور پر کافی کرایے میں لینا پڑے گا، اور اس دوران میں دار موہوبہ کے خالی کرنے اور پھر پُر کرنے میں سامان بالکل الٹا سیدھا رکھا جائے گا۔

⑦ بیوی (موہوب لہا) کا اصرار ہے کہ سامان باہر نہ نکالا جائے، طیبِ خاطر سے سامان مکان میں رہنے دینے کی اجازت دیتی ہے؛ کیوں کہ اسے خود روزمرہ کے کام کے لیے سامان کی ضرورت ہے۔

⑧ یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ مکان کوئی معمولی مکان دو چار پائیوں اور چند برتن والا کا نہیں ہے، ایک بڑا بنگلہ ہے جس میں کتب خانہ کئی لاکھ روپے کی کتابوں پر مشتمل ہے، ساری کتابیں اور دفتر کے سامان نکالنے سے شوہر کے کام میں بڑا خلل واقع ہوگا، جب کہ اسے روزانہ اپنے کتب خانے میں طرح طرح کے کام میں مصروفیت رہتی ہے، ساری کتابیں اور دفتری سامان نکالنے میں بھی ایک آدھ ہفتہ لگ جائے گا، بہت کچھ گڑبڑ ہوگی، اس کا سارا کام درہم برہم ہوجائے گا تاوقتیکہ سامان دفتر اپنی اصلی جگہ لوٹایا جائے، اور کتب خانے کی از سرنو ترتیب دی جائے جو ہفتوں تک کا کام ہے۔

ان واقعی مشکلات اور دشواریوں کی بنا پر کیا مالکی و حنبلی مذہب کے موافق فتویٰ صادر کرنا جائز ہوگا؟ کہ ہبۂ مذکورہ تام ہوگیا، ان دو مذہبوں میں ہبہ کی صحت کے لیے قبضہ ضروری نہیں ہے۔

مزید براں امور ذیل بھی ذہن نشین رہیں:

① البنایہ میں تصریح ہے کہ، جس حدیث سے احناف قبضے کی شرط پر استدلال کرتے ہیں وہ حدیث منکر اور بے اصل ہے۔

② مسئلۂ مسئول عنہا میں واقعی حرج ہے۔

③ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد کہ: میرا ارادہ تھا کہ ایک رسالہ احکام معاملات میں ایسا لکھوں کہ جن معاملات میں عوام مبتلا ہیں اگر وہ صورتیں کسی مذہب میں بھی جائز ہوں تو اس کی اجازت دے دوں؛ تاکہ مسلمانوں کا فعل کسی طرح سے صحیح ہو سکے۔ مَیں نے احتیاطاً اس کے بارے میں حضرت مولانا گنگوہی سے بھی دریافت کیا کہ: ایسے مسائل میں دوسرے مذہب پر فتویٰ دینا جائز ہے یا نہیں؟ تو حضرت نے بھی اجازت دے دی۔ مولانا بہت پختہ حنفی تھے۔

④ ضرورت کے وقت دوسرے مذہب کے موافق فتویٰ دینا عام قاعدہ ہے۔

⑤ ترکی کتاب ''دررالحکام'' میں یہ جزئیہ ملتا ہے:

لو وهب أحد داره المشغولة بأمتعته، أو مزرعته المشغولة يزرعه، أو تصدق بهما عليه وأشهد على ذلك كان ذلك صحيحاً.(دررالحکام ۳۹۰/۲)

لیکن اس مسئلہ کا پتہ کسی دوسری کتاب میں ہمیں نہیں ملا، اس بنا پر اس کا ماخذ ہمارے علم میں نہیں ہے۔ بینوا توجروا

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فقہ حنفی میں ہبہ کے صحیح ہونے اور مکمل ہونے کی شرائط میں ایک اہم شرط یہ ہے کہ شئ موہوب غیر موہوب کے ساتھ مشغول نہ ہو، یعنی ایسی اشیاء سے خالی ہو جو ہبہ نہیں کی گئی ہیں، مثلاً وہ گھر ہبہ کیا جس میں واہب کا سامان بھرا ہوا ہے، یا کرایہ دار بسا ہوا ہے تو یہ ہبہ صحیح نہ ہوگا۔ (مجموعۂ قوانین اسلامی: ۲۳۴، ۲۳۵)

صورت مسئولہ میں شوہر نے اپنی بیوی کو اپنا آدھا گھر اس طور پر ہبہ کیا ہوا ہو کہ حدود متعین کر دی ہو اور موہوب آدھے مکان کو سامان سے خالی کر کے بیوی کو شرعی قبضہ دے دیا ہو تو یہ ہبہ صحیح ہے، اور اگر موہوب حصہ میں شوہر کا سامان موجود ہے تو حنفی فقہ کی رو سے یہ ہبہ صحیح نہیں۔

(ومن وهب شقصا مشاعا فالهبة فاسد) لما ذكرنا، (فان قسمه و سلمه جاز) لان تمامه بالقبض وعنده لا شيوع (هدايه اخيرين: ۲۸۸)

رجل وهب دارا فيها متاع الواهب او جوالق او جرابا فيها طعام الواهب وسلم لا يجوز؛ لان الموهوب مشغول بما ليس بهبة.

(فتاوى قاضى خان على هامش الفتاوى العالمكيرية ۳/۲۶۸)

آپ نے جن وجوہ کے پیش نظر حنبلی و مالکی مسلک کے مطابق فتویٰ صادر کرنے کی گنجائش طلب فرمائی ہے، صحیح نہیں۔ حضرات فقہاء نے دفعِ حرج کے لیے جن خاص حالات میں دوسرے امام کے مسلک پر عمل اور فتوے کی اجازت دی ہے، جس کی نظیریں کتب فقہ میں موجود ہیں، صورت مسئولہ اس قبیل سے نہیں ہے۔

آپ نے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ نقل فرمایا ہے، اس کا حوالہ تحریر نہیں فرمایا، حضرت کے اس ملفوظ میں قید ہے ”جن معاملات میں عوام مبتلاء

ہے'' اس کا مفہوم ہے ابتلائے عام ہو، اور ہر کس وناکس کو اس امر سے واسطہ پڑتا ہو، اور فقہ حنفی میں اس کا کوئی حل نہ ہو تو ایسے شدید ابتلاء میں دوسرے امام کے مسلک پر فتویٰ کی گنجائش ہے۔ ملاحظہ کیجئے! حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

اور ضرورت شدیدہ اور ابتلائے عام کے وقت حنفیہ کے نزدیک دوسرے ائمہ کے مذہب کو اختیار کر کے اس پر فتویٰ دے دینا بھی جائز ہے؛ لیکن عوام کو خود اپنی رائے سے جس مسئلہ میں چاہیں ایسا کر لینے کی اجازت نہیں؛ بلکہ بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

وذلك لما صرح به العلامة الشامی فی رسالة ''شرح المنظومة فی رسم المفتی'' وقد مر نصه فی تمهید هذه الرسالة

اور اس زمانہ میں احتیاط اس طرح ہو سکتی ہے کہ، جب تک محقق ومتدین علمائے کرام میں سے متعدد حضرات کسی مسئلہ میں ضرورت کا تحقق تسلیم کر کے دوسرے امام کے مذہب پر فتویٰ نہ دیں اُس وقت تک ہرگز اپنے امام کے مذہب کو نہ چھوڑے؛ کیوں کہ مذہب غیر کو لینے کے لیے یہ شرط ہے کہ، اتباع ہویٰ کی بناء پر نہ ہو؛ بلکہ ضرورت داعیہ کی وجہ سے ہو، اور ضرورت وہی معتبر ہے جس کو علمائے اہل بصیرت ضرورت سمجھیں۔ اور نیز یہ بھی ضروری ہے کہ فتویٰ دینے والا ایسا شخص ہو جس نے کسی ماہر استاذ سے فن کو حاصل کیا ہو، اور اہل بصیرت اس کی فقہ میں مہارت تامہ حاصل ہونے پر شہادت دیتے ہوں۔

لما قال الشامی فی عقود رسم المفتی: فان المتقدمین شرطوا فی المفتی الاجتهاد، وهذا مفقود فی زماننا، فلا أقل من أن یشترط فیه معرفة المسائل بشروطها وقیودها التی کثیرا ما یسقطونها ولا یصرحون بها

اعتمادا علیٰ فهم المتفقه، وكذا لا بد من معرفة عرف زمانه واحوال اهله والتخريج فی ذلك علیٰ استاذ ماهر (ص٤٦بحواله:الحيلة الناجزة ٤٥، ٤٦)

ہبہ بلاقبض میں ابتلائے عام نہیں، اگر ابتلائے عام ہوتا تو ہمارے اکابر کے فتاویٰ میں ضرور تصریح ہوتی، اور بلاقبضہ ہبہ تام ہونے پر فتویٰ ہوتا؛ لیکن اکابر علماء میں کسی نے اس پر فتویٰ دیا ہو یہ بات ہمارے علم میں نہیں، خود حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ملاحظہ کیجیے:

سوال (۴۹۶): بروقتِ تعمیر اور مکان تیار ہونے کے بعد حاجی صاحب مرحوم نے بہت دفعہ کہا کہ: یہ مکان مسماۃ زوجہ ثانیہ کے لیے بنوایا گیا ہے، اور اسی وجہ سے چار سو روپیہ کا زیور مسماۃ مذکورہ کا حاجی صاحب نے فروخت کر کے اس میں لگایا، آیا اس مکان کی میراث جاری ہوگی اور سب وارثوں میں تقسیم ہوگا یا مسماۃ کا ہوگا؟

الجواب: اگر اس کو ہبہ مان لیا جاوے تو ہبہ اس وقت صحیح ہوسکتا ہے جب ہبہ کرنے والا بالکل اس مکان کو اپنی چیزوں سے خالی کر کے موہوب لہا کو قبضہ کرادے۔ اگر ایسا ہوا ہے تو بعد اقامت شہود ہبہ صحیح ہوگا؛ ورنہ نہیں۔

فی الدر المختار: وتتم الهبة بالقبض الكامل ولو الموهوب شاغلا بملك الواهب،لا مشغولا به (الیٰ قوله) فلو وهب جرابا فيه طعام الواهب، او دارا فيها متاع، او دابة عليها سرجه وسلمها كذلك لا تصح وبعكسه تصح

اور زیور اس میں لگانا غایۃ مافی الباب قرینہ ہبہ کا ہوگا؛ مگر ہبہ میں جو شرط ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے جیسا اوپر بیان ہوا۔ پس جب تک ہبہ صحیح نہ ہوگا وہ زیور بطور

احسان کے زوجہ کی طرف سے سمجھا جاوے گا۔(امداد الفتاویٰ ۳/۴۶۹)

نیز ملاحظہ کیجیے: امداد المفتین ۲/۸۸۵۔ کفایت المفتی ۸/۱۷۲، ۱۷۴۔ عزیز الفتاویٰ ۱/۶۴۱ تا ۶۴۴۔ فتاویٰ محمودیہ ۱۶/۴۷۰۔ فتاویٰ رحیمیہ ۱۰/۲۶۳۔ احسن الفتاویٰ ۷/۲۵۳۔ امداد الاحکام ۴/۲۹۔ فتاویٰ مفتی محمود ۹/۹۱، ۹۲، ۲۶۵۔ کتاب الفتاویٰ ۶/۳۲۔

مذکورہ تمام کتب فتاویٰ میں ہبہ تام ہونے کے لیے قبضہ ضروری بتایا ہے۔

آپ نے لکھا ہے: البنایہ میں تصریح ہے کہ جس حدیث سے احناف قبضہ کی شرط پر استدلال کرتے ہیں وہ حدیث منکر اور بے اصل ہے۔

آپ نے ناقص حوالہ دیا ہے، جہاں مذکورہ بات لکھی ہے وہاں آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے استدلال کو احسن کہا ہے۔

البنایہ شرح ہدایہ کی عبارت حسب ذیل ہے:

ولنا قولهن: "لا تجوز الهبة الا مقبوضة" هذا حديث منكر، لا اصل له والعجب من الكاكى حيث يقول قبل هذا الحديث: "غير مرفوع؛ بل قول على وعمر ولم يبين ذلك"، وليس كذلك؛ بل هذا الذى ذكره المصنف قول ابراهيم النخعى، رواه عبد الرزاق فى مصنفه، وقال: اخبرنا سفيان الثورى عن منصور عن ابراهيم قال: "لا يجوز الهبة حتىٰ تقبض، والصدقة يجوز قبل ان تقبض" واما قول عمر فهو ما رواه البيهقى من حديث يزيد بن زريع، نا سعيد عن قتادة عن يحيىٰ بن يعمر عن ابى موسىٰ قال عمر بن الخطاب: لا محال ميراث ما لم يقبض والاحسن ان يستدل علىٰ اشتراط القبض فى الهبة بما اخرجه البيهقى من حديث

عبدالله بن وهب اباما لك ويونس وغيرهما، ان ابن شهاب اخبرهم عن عروة عن عائشة: أن أبابكر نحلها جداد عشرين وسقا من مال بالغابة، فلما حضرت الوفاة قال: والله يا بنية! ما من الناس احد احب الى بعدى منك، ولا اعز على فقراء بعدى منك، والا انى كنت نحلت من مالى جداد عشرين وسقا، فلو كنت جددته وجزته كان لك ذلك، وانما هو اخوك واختاك، فاقتسموه على كتاب الله عزوجل الحديث وكذا رواه الطحاوى فى شرح الآثار، وقال: حدثنا يونس اخبرنا ابن وهب أن مالكا حدثه الى آخره فهذا ادل دليل على اشتراط القبض، وبه استدل فى المبسوط واصحاب الشافعى فى كتبهم، قوله: "نحلها" اى وهب لها، والجداد بكسر الجيم من: جددت الشئ اجده بالضم جدا قطعته، وروى جاد عشرين وسقا، قال الخطابى: الجاد بمعنىٰ المجدود، فاعل بمعنىٰ مفعول؛ والوسق ستون صاعا؛ والغابة بالغين المعجمة وبعد الالف باء موحدة محققة، وهو موضع مشهور بالمدينة وفى رواية من ماله بالعالية، وهو ايضا موضع بالمدينة (عينى شرح ہداية ۵۸۶/۳)

اعلاء السنن میں بارہ آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم نقل کئے ہیں، جس سے صحیح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ہبہ قبضہ کے بغیر صحیح نہیں ہوتا۔ أقول: الآثار المذكورة تدل على أن الهبة لا يصح الا مقبوضة، والدلالة ظاهرة لا تحتاج الى التقرير (اعلاء السنن ۷۱/۱۶)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث شریف لا تجوز الهبة الا مقبوضة کو بے اصل کہا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام فقہاء و محدثین کے نزدیک بے اصل ہو؛ اس لیے کہ احادیث کی تصحیح و تضعیف ایک اجتہادی معاملہ ہے، جس میں علماء کی آراء مختلف ہو سکتی ہیں۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی متقدم کو ایک حدیث بالکل صحیح سند سے پہنچی؛ لیکن ان کے بعد کے لوگ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ بعد کے لوگوں کی یہ تضعیف متقدم پر حجت نہیں ہوسکتی۔ (ماخوذ از درس ترمذی ۱/ ۸۳)

اس لیے یہ ضروری نہیں کہ، جس حدیث کے بارے میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے منکر اور بے اصل کہا وہ پہلے زمانہ میں بھی بے اصل ہو۔ اسی حدیث کو لے لیجیے، علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ (م ۸۵۵ھ)، جو نوویں صدی کے عالم ہیں، انہوں نے اس کو بے اصل قرار دیا ہے، جب کہ علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۹۰ھ) جو پانچویں صدی کے فقیہ ہیں، صاحب ہدایہ (م ۵۹۳ھ) جو چھٹی صدی کے فقیہ ہیں، ان دونوں حضرات نے حدیث لا تجوز الهبة الا مقبوضة سے ہی قبضہ ضروری ہونے پر استدلال کیا ہے۔

مبسوط سرخسی کی عبارت یہ ہے: وحجتنا فی ذلك ماروی عن النبي ﷺ: لاتجوز الهبة، معناه لا يثبت الحكم وهو الملك. (مبسوط سرخسی ۱۲/ ۵۸)

ہدایہ میں ہے: تصح بالا يجاب والقبول والقبض (الى قوله:) ولنا قولهن: لا تجوز الهبة الا مقبوضة (هداية اخيرين: ۲۸۵،۲۸۶)

ایک اور جگہ باب نكاح الرقيق میں ایک مسئلہ کے تحت تحریر فرمایا:

ان الهبة من شرطها القبض بالنص.

لفظ ''نص'' کے ذیل میں حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:

اى قوله ﷺ: لا تصح الهبة الا مقبوضة عناية (هدايه اولين، ۳۴۴)

اس لیے بہت ممکن ہے کہ، بعد کے دور میں کسی متہم راوی یا کسی اور سقم کی وجہ سے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بے اصل کہا ہو۔ بالخصوص آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے جب مضمون

حدیث کی پوری تائید ہورہی ہے؛ اس لیے اس حدیث کو بے اصل نہیں کہا جاسکتا۔

مصنف عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ میں سند وحدیث کا مضمون یہ ہے:

عبدالرزاق عن معمرعن الثوری عن منصورعن ابراهيم قال: الهبة لا تجوزحتیٰ تقبض (مصنف عبدالرزاق ۱۰۷/۹)

سند میں ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے مراد ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ ہیں، ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں، ان کے اقوال حنفیہ کے نزدیک حجت ہیں بشرطیکہ کسی صحابی کے قول کے معارض نہ ہو۔ بعض مسائل میں حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے اقوال کو اقوالِ صحابہ پر ترجیح دی ہے؛ اس لیے کہ وہ اقاویل درحقیقت ابرہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے نہیں ہوتے؛ بلکہ دیگر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہوتے ہیں۔

اعلاء السنن میں ہے: اختار ابوحنيفة محجة ابراهيم وصارالزم الناس به وبأقرانه، فاذا وجد فی المسئلة قولا عنه لايخالفه قول صحابی ونحوه اختار قول ابراهيم، وترك به القياس واحتج به، كما لا يخفیٰ على من طالع "الآثار" لمحمد رحمه الله، وما ذلك الا لكون اقواله فی الاكثر منسوبة الیٰ احد من السلف صريحا او ايماء؛ بل ربما احتج ابوحنيفة بقول ابراهيم مع وجود قول بعض الصحابة علیٰ خلافه، وذلك فيما علم الامام ان قول ابراهيم فيه هو قول عبدالله اوعمر اوعلی، وليس برأی منه، وبالجملة فيكون قول ابراهيم حجة وان لم يصرح به اصحابنا؛ ولكن صنيعهم يدل عليه (مقدمة اعلاء السنن:۸٤)

متقدمین ومتأخرین حنفیہ کی تمام کتب فقہ میں ہبہ تام ہونے میں قبضہ کو ضروری قرار دیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے: جامع الصغیر مع نافع الصغیر ۴۳۵، موطا امام محمد ۳۵۰،

زیادات ۴/ ۱۱۴۲، قدوری ۱۳۵، ہدایہ اخیرین ۲۸۳، شرح وقایہ ۳/ ۲۷۹، تبیین الحقائق ۵/ ۹۱، ملتقی الابحر مع شرحہ ۲/ ۳۵۳۔

خلاصہ یہ ہے کہ، ہبہ میں قبضہ کا ضروری ہونا نص یعنی حدیث رسول اللہ ﷺ اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ جو امر نص سے ثابت ہو اس کو حرج کی وجہ سے چھوڑا نہیں جاسکتا، جب کہ زیر بحث مسئلہ میں تو حرج بھی درپیش نہیں۔

وفی الاشباہ ایضا: الفائدۃ الثالثۃ: المشقۃ والحرج، انما یعتبران فی موضع لا نص فیہ، اما مع النص بخلافہ فلا (رسائل ابن عابدین: ۲/ ۱۱۵)

آپ نے سامان ہٹانے کے سلسلہ میں جو دشواریاں تحریر فرمائی ہیں، اس کا حل یہ ہے کہ مکان سے جو سامان نکالنا دشوار ہے اس کے ساتھ ہبہ کردیں، یعنی آپ مکان کا جو حصہ بیوی کو ہبہ کرنا چاہتے ہیں اس حصہ میں جو سامان ہے اس کے ساتھ ہبہ کرکے اتنا حصہ مع سامان کے بیوی کے قبضہ میں دے دیں، بیوی مالک بن جانے کے بعد معمولی قیمت سے سامان آپ کو بیچ دے اور سامان پر قبضہ کے لیے تخلیہ کرادیں؛ بایں طور کہ آپ سامان پر قبضہ کرنا چاہیں تو بآسانی کرلیں، کوئی رکاوٹ نہ ہو، ایجاب وقبول اور تخلیہ کے بعد آپ سامان کے مالک بن جائیں گے اور سامان پر قبضہ بھی ہوچکا، پھر اس سامان کو بیوی سے اس مکان میں رکھنے کی اجازت لے لیں، یا سامان بیوی کو عاریۃً دے دیں، نمبر ۷ کے مطابق بیوی کو اس کی ضرورت بھی ہے؛ اس لیے یہ کام اَور زیادہ آسان ہے۔

درر الحکام میں ہے: المسألۃ الرابعۃ عشرۃ: ھبۃ الشاغل جائزۃ، یعنی لو وھب احد مالہ الشاغل ملکہ جاز؛ لان المظروف یشغل الظرف

فلا يشغل المظروف (الحموی)

مثلاً لو وهب الواهب ما فی داره من اشياء لاحد وسلمها مع الدار له صح ذلك، كذلك لو وهب كل ما فی مكتبته من الكتب لابنه وسلمها مع المكتبة وقبض الاخر الكتب والمكتبة تمت الهبة (علی آفندی)

لو وهب دارا بما فيها من المتاع او وهبه الجوالق بما فيها من المتاع وسلمها الى الموهوب له ثم استحق المتاع فالهبة تامة فی الدار والجوالق؛ لان يد الواهب كانت ثابتة علی الدار والمتاع جميعا حقيقة، فصح تسلمه (الطحطاوی)(درر الحكام شرح المجلة الاحكام،۲ /۳۹٤)

دوسری صورت یہ ہے کہ، وہ آدھا مکان بیوی کو فروخت کردیں، بیع صرف مکان کی کی جائے سامان کی نہیں، بعدۂ سامان کے ساتھ اتنا حصہ بیوی کو سپرد کردیں پھر مکان کا ثمن بیوی کو معاف کردیں، اس صورت میں مکان پر بیوی کا قبضہ ملکاً ہوگا اور سامان پر امانۃً۔

وفي فتاوىٰ أبي الليث: اذا باع دارا وسلمها الى المشتري وفيها متاع قليل للبائع لايصح التسليم حتى يسلمها اليه فارغة، فان اذن البائع للمشتري بقبض الدار والمتاع صح التسليم؛ لأن المتاع صار وديعة عند المشتري، كذا في الذخيرة (فتاویٰ عالمگیری۳/۱۷)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: مشترک کا ہبہ جائز نہیں؛ لہٰذا وہ جس کو دینا چاہتے ہوں زبانی فروخت کردیں اور وہ زبانی قبول کرلے، پھر زرِ ثمن زبانی معاف کردے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۳۶۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبد القیوم راجکوٹی، ۲۸/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ حانپوری

سودی آمدنی والے کا ہدیہ لینا

سوال: ایک آدمی کا سودی کاروبار ہے، اس نے کسی کو کپڑا ہدیہ دیا، تو اس کپڑے کو استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس کی تمام یا اکثر آمدنی سودی ہے، تو یہ ہدیہ لینا درست نہیں ہے؛ البتہ اگر وہ یہ بتلاتا ہے کہ یہ کپڑا حلال طریقہ سے حاصل کیا ہوا ہے، تو لے سکتے ہیں، اور اگر اس کی اکثر آمدنی حلال ہے، تو لینا جائز ہے؛ البتہ اگر معلوم ہو جائے کہ یہ کپڑا حرام طریقہ سے حاصل کیا ہوا ہے، تو لینا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۶/ ۴۸۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مشترک دکان کے منافع کا ہبہ درست نہیں

سوال: (۱) زید نامی ایک شخص ہے، اس کے پانچ لڑکے اور سات لڑکیاں ہیں، اور زید کے پاس ایک دوکان میں نو آنہ حصہ ہے، اور ایک طبیلہ اور طبیلے کی ضروریات مثلاً جیپ، گاڑیاں اور ٹرک ہے، اور اس کے علاوہ دوسرا بھی سامان موجود ہے، زید نے اپنی حیات ہی میں بڑے لڑکے کے سامنے یہ کہا تھا کہ دوکان کے نو آنہ میں سے ایک آنہ رفیقہ نامی لڑکی کو بخشش کر رہا ہوں، اور بقیہ آٹھ آنے پانچوں لڑکوں کو بخشش کر رہا ہوں، یہ کہنے کے بعد سالانہ نفع جو دوکان کا آتا تھا، اس میں رفیقہ نامی لڑکی کے حصے کی رقم رفیقہ کی الگ فہرست بنا کر اس میں نقل کرتے تھے، اور لڑکوں کا نفع خود زید استعمال کرتے تھے اور اس طرح دو سال تک کیا، تیسرے سال کے درمیان میں زید

کا انتقال ہو گیا، زید کے انتقال کے وقت دوکان حکومت کے کاغذات میں زید ہی کے نام تھی، آیا باقی لڑکیاں اس دکان میں وراثت کی مستحق رہے گی یا نہیں؟

(۲) زید نے طبیلے کے متعلق چوتھے نمبر کے لڑکے کے سامنے یہ کہا تھا: کہ یہ طبیلہ پانچوں لڑکوں کو بخشش کرتا ہوں، اس کے بعد سالانہ نفع لڑکوں کے درمیان تقسیم کرتے تھے، اور یہ طبیلہ زید کے نام پر حکومت کے کاغذات میں نہیں تھا، تو یہ طبیلے میں لڑکیاں وراثت کی حقدار ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو طبیلے کی ضروریات، مثلاً جیپ گاڑیاں اور ٹرک - جو سامان اور دودھ غیرہ کے منتقل کرنے کے لیے ہے- اس کا کیا حکم ہے مندرجۂ ذیل کے جوابات مطلوب ہیں؟

(۱) زبانی کہہ دینے سے ہبہ صحیح ہوسکتا ہے؟

(۲) لڑکی کے منافع کی رقم الگ فہرست میں درج کر دینے سے وہ لڑکی کی ملکیت مانی جائے گی یا نہیں؟

(۳) لڑکوں کا نفع زید خود استعمال کرتے تھے تو کیا اب وہ نفع ہر ایک کا رہے گا یا اس میں بھی وراثت جاری ہوگی؟

(۴) جس دکان کے حصوں کو پانچ لڑکے اور ایک لڑکی کے درمیان ہبہ کر دیا ہے، وہ زید کے انتقال کے وقت سرکاری کاغذات میں زید کے ہی نام پر تھی، اب اس دکان میں وراثت جاری ہوگی؟ بقیہ لڑکیوں کے درمیان میراث جاری ہوگی یا نہیں؟

(۵) طبیلہ کے ضروریات میں سے ٹرک اور جیپ، گاڑیاں ہیں، جو طبیلے ہی کی ضروریات کے لیے رکھے جاتے ہیں، تو ان چیزوں کو مستقل ملکیت مانیں گے یا طبیلہ کے تابع؟

⑥ قبضہ کا مفہوم کیا ہے؟ مندرجہ بالا امور کے جوابات مع حوالہ عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دوکان میں زید کا حصہ نو آنہ ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ دوکان مشترک ہے، اور مشترک چیز جو قابلِ تقسیم ہو اس کا ہبہ قبل تقسیم جائز نہیں ہے۔

درمختار میں شرائط صحتِ ہبہ کے ذیل میں ہے: وشرائط صحتها فی الموهوب: ان يكون مقبوضا غير مشاع الخ (درمختار) (قوله مشاع) اى فيما يقسم كما ياتى (شامي٤/٥٦٧)

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں: لانها لاتتم بالقبض فيما يقسم، ولو وهبه لشريكه او لأجنبي لعدم تصور القبض الكامل كما فى عامة الكتب، فكان هو المذهب (درمختار) (قوله فى عامة الكتب) وصرح به الزيلعي وصاحب البحر، منح (شامي:٤/٥٧٠)

عالمگیری میں ہے: ولا تصح فى مشاع يقسم، ويبقى منتفعا به قبل القسمة وبعدها هكذا فى الكافى (٤/٣٦٧) هبه المشاع فيما يحتمل القسمة لاتجوز، سواء كانت من شريكه، أو من غير شريكه (عالمگیری ٤/ ٣٧٨) ما من جزء من المشاع وان دق إلا وللشريك فيه ملك، فلا تصح هبته ولو من الشريك؛ لان القبض الكامل فيه لا يتصور (شامي٤/٥٧١)

طبیلہ پانچوں لڑکوں کو مشترکہ طور پر ہبہ کیا تو یہ بھی درست نہ ہوا۔

درمختار میں ہے: وهب اثنان دارا لواحد صح لعدم الشيوع، وبقلبه لكبيرين لا عنده؛ للشيوع فيما يحتمل القسمة (درمختار) (قوله وبقلبه) وهو هبة واحد من اثنين الخ (شامي٤/٥٧٣)

جب دونوں صورتوں میں ہبہ درست وصحیح نہ ہوا، تو اب یہ دونوں چیز اور ان کے متعلقات بوقت وفات زید ہی کی ملک ہیں، اور زید کی متروکہ دیگر املاک کی طرح ان دونوں میں بھی وراثت جاری ہوگی اور اس کے تمام شرعی ورثاء کو اس میں حقِ وراثت حاصل ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

ہبہ میں بیوی کو محروم کرنا

سوال: ایک آدمی اپنی زندگی میں ہی مال کو اولاد کے درمیان تقسیم کر دیتا ہے، اور مذکر ومؤنث دونوں کو برابر دیتا ہے قبل الموت کو عطیہ شمار کر کے؛ لیکن اپنی بیوی کو کچھ بھی نہیں دیتا ہے، تو اس طریقہ سے بیوی کو محروم کرنا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس کا مقصد بیوی کو محروم کرنا ہے تو گنہ گار ہوگا۔

قال رسول اللہ ﷺ: من قطع ميراث وارثه، قطع الله ميراثه من الجنة يوم القيٰمة رواه ابن ماجة (مشكوٰة:٢٦٦)

عن رسول اللہ ﷺ: قال إن الرجل ليعمل والمرأة بطاعة الله ستين سنة، ثم يحضرهما الموت فيضاران في الوصية فتجب لهما النار.
(مشكوٰة:٢٦٥)

(فيضاران فى الوصية) من المضارة أي يوصلان الضرر إلى الوارث بسبب الوصية للاجنبي باكثر من الثلث، أو بأن يهب جميع ماله لواحد من الورثة كيلا يرث وارث آخر من ماله شيئا فهذا مكروه، وفرار عن

حكم الله تعالىٰ، ذكره إبن الملك، وفيه أنه لايحصل بهما ضرر لأحد اللّٰهم إلا أن يقال معناه فيقصدان الضرر (مرقاة ٦/١٨٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیوی کو مکان ہبہ کرنا

سوال: ابوبکر کے دو لڑکے عمر و عثمان اور ایک لڑکی ام کلثوم اور بیوی ہے، تینوں اولاد شادی شدہ ہیں، ابوبکر کے پاس چار مکان ہیں، دو مکان تقریباً چار چار لاکھ روپے کے ہیں، مذکورہ دونوں مکان اپنے دونوں لڑکوں کو یعنی عمر و عثمان کو ہبہ کر کے مالک بنا دیا ہے، اور ایک مکان جو تقریباً ڈیڑھ لاکھ کا ہے یہ مکان اپنی لڑکی ام کلثوم کو ہبہ کر دیا ہے، اور ایک مکان جس میں خود رہتا ہے جو تقریباً پانچ لاکھ کا ہے، یہ مکان اپنی بیوی کو ہبہ کرنا چاہتا ہے تو جواب طلب امر یہ ہے کہ اس طرح ہبہ کرنا از روئے شرع جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں ابوبکر جس مکان میں رہتا ہے وہ مکان اگر اپنی بیوی کو ہبہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، اس کی نیت کسی کو نقصان پہنچانے کی نہ ہو؛ البتہ اتنا یاد رہے کہ شرعاً ہبہ کے تام اور مکمل ہونے کے لیے قبضہ شرط ہے، اس لیے اس مکان پر سے اپنا قبضہ ختم کر کے بیوی کے قبضہ میں جب تک نہیں دے گا وہاں تک ہبہ تام ہو کر بیوی کی ملکیت اس پر ثابت نہیں ہوگی، اور خود جب تک اس مکان میں رہ رہا ہے اس وقت تک اس کا قبضہ اس پر سے ختم ہوا سمجھا نہیں جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ رجب ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مدرس کو حسن سلوک کا ہدیہ اور مسجد میں تعلیم کی اجرت

سوال: زید مدرس ہے اور امام بھی، صبح مدرسہ میں بچے پڑھاتا ہے، جس کی تنخواہ ملتی ہے، محلہ کے ایک صاحب کا ایک لڑکا مدرسہ کے وقت میں پڑھنے نہیں آسکتا، لہٰذا ان صاحب نے زید سے کہا میرے بچے کو پڑھانے کا انتظام کریں، زید نے کہا مغرب بعد مسجد میں بھیج دیجئے، میں پڑھادوں گا، اب زید نے پڑھانا شروع کیا، پندرہ دنوں بعد لڑکے کے والد نے زید کو کچھ رقم دی، جس کو لینے سے زید نے انکار کیا؛ لیکن انھوں نے یہ کہہ کر دی کہ اپنے بچوں کو کھلا دینا، اب وہ ہر مہینہ وہ رقم دیتے ہیں، لیکن چند روز پہلے ایک صاحب نے کہا کہ مسجد میں ٹیوشن پڑھانا جائز نہیں ہے، آپ بتائیں، اس طرح پڑھانے پر جو رقم ملتی ہے اس کا لینا میرے لیے جائز ہے کہ نہیں؟ اگر جائز نہیں تو آج تک رقم لی ہے، اس کا لوٹانا ضروری ہے؟ شرعی حکم بتا کر ممنون فرمائیں؛ تاکہ ناجائز رقم سے حفاظت ہو۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ عقد اجارہ نہیں، اس لیے بچہ کے والد کی طرف سے دی جانے والی رقم اجرت نہیں؛ بلکہ حسنِ سلوک ہے، لہٰذا مسجد میں پڑھا بھی سکتے ہیں، اجرت لے کر مسجد میں پڑھانا درست نہیں ہے؛ لیکن اس صورت میں بھی اجرت حلال ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۶/۴۵۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ہبۂ مشاع میں موہوب لہم کو تقسیم کا وکیل بنا دینا

سوال: ایک شخص نے ۲۵/ بیگہ زمین پانچ آدمیوں کے قبضہ میں دے کر کہا کہ تم آپس میں مل کر برابر تقسیم کر کے لے لو، اور موہوب لہم نے کچھ مدت بعد اس زمین کو تقسیم کیا اور ہر ایک نے اپنا حصہ لے لیا، اور واہب کو بھی اطلاع دی کہ ہم نے آپس میں تقسیم کر کے زمین لے لی ہے، اب سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں ہبہ مشاع ہونے کی وجہ سے ہبہ کے تام وصحیح نہ ہونے کا حکم ہوگا؟ جیسا کہ درمختار میں ہے: لا تتم بالقبض فيما يقسم ولو لشريكه، فإن قسمه وسلمه صح، ولو سلمه شائعاً لا يملكه فلا ينفذ تصرفه فيه (كتاب الهبة، ۵۷۰/۴) یا علامہ شامی کی تشریح: (فإن قسمه) أي الواهب بنفسه أو نائبه أو أمر الموهوب له بأن يقسم مع شريكه كل ذلك تتم به الهبة، كما هو ظاهر لمن عنده أدنى فقه، تأمل رملي (شامی، كتاب الهبة ايضاً) کے تحت داخل ہو کر ہبہ کے تام وصحیح ہونے کا حکم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اس آدمی نے جب موہوب لہم کو تقسیم کا وکیل بنا دیا تھا اور اسی اختیار کی بنیاد پر موہوب لہم نے اس زمین کو تقسیم کر کے قبضہ کر لیا اور واہب کو اطلاع دے دی اور واہب نے اس کو منظوری دے دی، تو اب یہ ہبہ بعد تقسیم درست اور تام ہو گیا۔

سئل عمر النسفي عمن أمر أولاده أن يقتسموا أرضه التي في ناحية كذا بينهم وأراد به التمليك، فاقتسموها وتراضوا على ذلك، هل يثبت لهم الملك أم يحتاج إلى أن يقول لهم الأب: ملكتكم هذه الأراضي،

أو يقول لكل واحد منهم: ملكتك هذا النصيب المفرز؟ فقال: لا، وسئل عنها الحسن: فقال: لا يثبت لهم الملك إلا بالقسمة (تكمله ردالمحتار ۲/۲۵۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ثبوتِ ہبہ کے لیے غیر مسلم کی شہادت

سوال: بھائیوں کا ایک مکان ہے، باپ کے وصال ہونے کے بعد ایک بھائی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ باپ نے صرف مجھ تنہا پر ہی پورا مکان ہبہ کر دیا ہے اور اس پر غیر مسلم گواہ بھی پیش کر رہا ہے؛ لیکن لکھی طور پر کوئی چیز نہیں ہے، صرف زبانی یہ کہہ رہا ہے، اور اسی بنا پر یہی بھائی پورے مکان پر قبضہ جمائے رکھا ہے، باقی بھائیوں کو حق مانگنے پر دینے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تو مجھ تنہا پر ہبہ کیا ہوا ہے، اب مسئلہ زیر طلب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں دونوں کے دونوں غیر مسلم گواہ معتبر ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں ہبہ کے مدعی بھائی کا دعوائے ہبہ دو غیر مسلم کی شہادت سے ثابت نہیں ہوگا۔

لقوله تعالیٰ ﴿لن يجعل الله للكافرين على المومنين سبيلا﴾ وقال فى الهداية: ولا بد فى ذلك كله من العدالة، اما العدالة فلقوله ﴿ممن ترضون من الشهداء﴾ والمرضى من الشاهد هو العدل ولقوله ﴿واشهدوا ذوى عدل منكم﴾ ولأن العدالة هى المعينه للصدق الخ (هداية ۳/۱۵۶)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ

قبضہ سے پہلے بچھڑیوں کا ہبہ

سوال: زید نے اپنی بھینس کی یک سالہ چار بچھڑیاں اس شرط پر دی ہے کہ فریق ثانی بچہ جننے تک اس کی پرورش کرے، اور جب بچہ جنے تو دونوں فریق اس کی قیمت طے کریں گے اور طے شدہ قیمت کا نصف ایک فریق دوسرے کو دے کر بھینس لے گا۔ اب زید نے اپنے چار لڑکوں کو ایک ایک بچھڑا ہبہ میں دے دیا کہ فلاں لڑکا فلاں کو اور فلاں لڑکا فلاں کو نصف قیمت دے کر جانور لے لے، اور ہر ایک لڑکے نے اپنا حصہ متعین کر دیا؛ لیکن ایک لڑکے نے سوچا کہ یہ صورت صحیح نہیں اور وہ پریشان ہے اور فریقِ ثانی کو اس کی مزدوری دے کر چھڑانا چاہتا ہے مگر فریقِ ثانی اس پر راضی نہیں اور اس بات پر مصر ہے کہ جب جانور بڑا ہوگا تب اس کی قیمت طے کریں گے، مذکورہ مسئلہ میں کیا کیا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید کی بچھڑیاں بوقتِ ہبہ زید کے قبضہ میں نہیں ہیں؛ بلکہ فریقِ ثانی جس کی پرورش میں وہ دی گئی ہیں اس کے قبضہ میں ہیں اور شرعاً ہبہ تام ہونے کے لیے ضروری ہے کہ ہبہ شدہ چیز موہوب لہ کے قبضہ میں دے دی جائے، اس لیے صورت مسئولہ میں زید کا یہ ہبہ تام نہیں ہوا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ رجب ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ادائے قرض میں ہدیۃً زائد رقم دینا

سوال: عمر نے زید سے دو لاکھ روپے بطور قرض لیے اور کہا کہ میں ایک سال کے بعد دو لاکھ کے بدلے میں ڈھائی لاکھ دوں گا، اور کہتا ہے کہ یہ رقم میں اپنی طرف سے بطور ہدیہ دوں گا تو کیا زید کے لیے یہ زائد رقم (پچاس ہزار روپے) لینا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ سود ہے اس کا دینا اور لینا درست نہیں۔

كل قرض جر نفعا فهو حرام (شامي) عن النبي ﷺ قال: اذا أقرض الرجل فلا ياخذ هدية (رواه البخاري في تاريخه، هكذا في المنتقى)

وعن ابي برد بن ابي موسى قال: قدمت المدينة فلقيت عبدالله بن سلام فقال: انك بارض فيها الربوا فاش، فاذا كان لك على رجل حق، فاهدى اليك حمل تبن او حمل شعيرا و حبل قت فلاتا خذ ه، فانه الربوا (رواه البخاري مشكوة شريف:ص،٢٤٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تعلیم قرآن پر ہدیہ لینا

سوال: ہم بچوں کو قرآن شریف اور دینی تعلیم دیتے ہیں اور کوئی معاوضہ نہیں لیتے؛ لیکن ان کے والدین محبت سے ہمیں کوئی تحفہ دیں تو ہمیں تحفہ قبول کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور بچوں کو تعلیم دینے سے پہلے ہماری اور ان کی کوئی جان پہچان نہیں تھی تو اس صورت میں ہمیں ان کا تحفہ قبول کرنا چاہیے یا لوٹا دینا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن سکھلانے اور دینی تعلیم دینے کا معاوضہ لینا جائز ہے، تو ہدیہ لینے میں کیا حرج ہے!؛ البتہ نابالغ بچہ کا ہدیہ لینا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ناظرہ قرآن ختم پر ہدیہ کا لین دین

سوال: میں ایک مکتب کا مدرس ہوں وہاں یہ رواج ہے کہ جونسا بچہ بچی قرآن شریف ختم کرتا ہے وہ استاذ کو ہدیہ دیتا ہے کوئی کپڑے کے جوڑے کی شکل میں کوئی کلو آدھ کلو حلوہ وغیرہ کی شکل میں اور کوئی کھوپرا وغیرہ کی شکل میں ان کا لینا کیسا ہے ان کا اور ان کے والدین کا یہ کہنا ہے یہ تو ایک یادگار رہے اس لیے دیتے ہیں بعض لوگ اس دن دعوت بھی کرتے ہیں تو استاذ قبول کرسکتا ہے استاذ انکار کرے تو اس کے گھر والی کو دے جاتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ ہدیہ نابالغ کے مال میں سے ہے تو چاہے اس کے ولی کی اجازت سے ہو اس کا لینا درست نہیں اگر ولی اپنے مال میں سے دے رہا ہے اور اس ہدیہ دینے میں کسی رسم یا رواج کی پابندی مقصود نہیں اور دینے والا دلی رضامندی سے دے رہا ہے تو اس کو قبول کرسکتے ہیں اور اگر رسوم ورواج کی وجہ سے دے رہا ہے یا نہ دینے کی صورت میں طعن وتشنیع کا اندیشہ ہے اس لیے باوجود دل نہ چاہنے کے دے رہا ہے تو

اس کو قبول نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کیا ممتحن اور سفیرِ مدرسہ ہدیہ لے سکتا ہے؟

سوال: مدرسہ کی جانب سے بندہ بہ طور ممتحن ایک ادارے میں گیا، ادارے والوں نے ایک سو روپیہ ہدیہ میں دیا، اب مناسب و بہتر کیا صورت ہے؟ آیا وہ ہدیہ بندہ اپنی ضرورت میں استعمال کرے یا مدرسے میں جمع کرادے۔ نیز برائے چندہ بیرون جانا ہوتا ہے، کچھ احباب بندہ کو خاص تعلق و رشتے داری کی وجہ سے ہدیہ میں رقم، گھڑی، قلم، کپڑا وغیرہ دیتے ہیں، اس سلسلے میں از روئے شرع بہتر و مناسب کیا صورت ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اگر امتحان کے لیے آپ کو مدرسہ کی طرف سے بھیجا گیا تھا اور جہاں امتحان کے لیے گئے تھے، ان کی طرف سے ملنے والے ہدیہ کو قبول کرنے کی اجازت بھی دی گئی تھی، تب تو آپ اس کو اپنی ضرورت میں استعمال فرمالیں؛ ورنہ مدرسہ میں داخل کرادیں۔ بیرون ملک چندے کے لیے جانے کی صورت میں وہاں موجود اپنے رشتے داروں اور احباب کی طرف سے ذاتی تعلق کی بنیاد پر جو ہدیہ ملتا ہے، اس کو اپنے استعمال میں لاسکتے ہیں، کوئی حرج کی بات نہیں، اس میں رشوت کا احتمال بھی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰ رمضان ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

اولاد میں بخشش کی صورت میں شادی کا خرچ وضع کرنا

سوال: ایک آدمی ہے چاند بھائی جن کے پانچ لڑکے اور تین لڑکی ہیں اب وہ اپنی حیاتی میں اپنی ملکیت میں سے بچوں کو وراثت تقسیم کرنا چاہتا ہے۔ چاند بھائی کے پاس پونے دس لاکھ روپئے کی ملکیت ہے اب وراثت میں ہر ایک کو کتنا کتنا روپیہ ملے گا؟ پانچ لڑکوں کو کتنے روپئے اور تین لڑکیوں کو کتنے روپئے ملیں گے اور چاند بھائی کی بیوی کو کتنے روپئے ملیں گے؟ کیوں کہ بچے بہت جھگڑا کرتے ہیں۔ ساتھ میں رہتے ہیں اب باپ چاہتے ہیں وراثت دے کر سب بچوں کو الگ کردیں۔ پھر بچے اپنے آپ کما کر کھائیں گے۔ اب باپ وراثت تقسیم کریں گے تو جن بچوں کی شادی باپ نے اپنے پیسوں میں سے کروائی ہے وہ وراثت تقسیم کرتے وقت شادی شدہ بچوں سے شادی کا خرچ کاٹ کر دیوے یا پوری وراثت دیوے؟ آپ کا جواب آنے کے بعد وراثت تقسیم کر کے بچوں کو باپ الگ کردیں گے۔ باپ کی حیاتی میں وراثت تقسیم ہوتی ہے؟ اگر باپ اپنی حیاتی میں پوری وراثت دے دیوے اور پھر باپ کا چند دنوں کے بعد انتقال ہوگیا تو کیا پھر باپ کی ملکیت میں سے وراثت ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آدمی اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے وہ وراثت نہیں بلکہ ھبہ اور بخشش ہے۔ اس لیے چاند بھائی اپنی زندگی میں جو کچھ دے رہے ہیں اس کو وراثت کہنا درست نہیں ہے۔ یہ عطیہ ہے۔ اگر وہ ایسا کرنا چاہتے ہیں تو اپنی ملکیت وجائداد میں سے اپنی ذاتی ضرورت کے مطابق اپنے لیے نکال لے اس کے بعد جو بچا ہے

اس میں سے آٹھواں حصہ بیوی کو دے اس کے بعد تمام جائداد واملاک کے آٹھ حصے کر کے اپنے پانچ لڑکوں اور تین لڑکیوں کو متساوی طور پر اس طرح دے کہ جس کو دے رہا ہے وہ الگ کر کے اس کے قبضہ میں دے دے صرف زبانی یا تحریر پر لکھ کر دینے سے اگر قبضہ نہیں کرایا ہے تو کام نہیں چلے گا۔ جن بچوں کی شادی کرادی ہے اس وقت ان کو جو دیا تھا موجودہ تقسیم کے وقت غیر شادی شدہ بچوں کو اتنی مقدار زیادہ دیجئے۔ تاکہ برابری قائم رہے۔ اس تقسیم اور عطیہ کے بعد بھی جب چاند بھائی کی وفات ہوگی اس وقت ان کی ذاتی ملکیت میں جو کچھ ہوگا اس میں اس وقت موجود تمام ورثاء کو حق وراثت حاصل ہوگا۔ (شامی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ جمادی الاخری ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک زمین کی بخشش کا مسئلہ

دادی کی ماں: مجد الدین بی

دو لڑکیاں: (۱) ہماری دادی (۲) سارابی یعنی دادی کی بہن

سوال: ہماری دادی کی ماں کی زمین تھی۔ وہ زمین گروی دوسروں کو دی تھی۔ وہ زمین ہمارے دادا نے اپنے پیسے دے کر چھڑالی۔ ہماری دادی کی بہن سارابی نام والی کے شوہر کا انتقال ہوا۔ جب ان کی اولاد چھوٹی تھی تو ہمارے دادا نے سارابی اور ان کی ماں یعنی دادا کی ساس اور سارابی کے بچوں کو اپنے گھر لے کر آئے۔ سارابی کے بچوں کی پرورش کر کے ان کی شادیاں تک کئے۔ یہ دیکھ کر ہماری دادی کی ماں یعنی دادا کی

ساس نے اپنی زمین اپنے داماد یعنی ہمارے دادا کے قبضہ میں دے کر دادا کے نام کیا اور یہ وصیت کی کہ اس میں میری دونوں لڑکیوں کا کوئی حصہ نہیں۔ یہ زمین میں نے داماد کو دے دی۔ اس کے بعد دادی کی ماں کا انتقال ہوا۔ اور ہماری دادی کا بھی انتقال ہوا۔ ہماری پھوپھو کا نکاح ہمارے دادا نے سارابی کے لڑکے سے کر دئے۔ یہ دوسرے بچوں کی شادیاں ہونے کے باوجود ہمارا گھر چھوڑنے کو تیار نہیں تھے۔ ہمارے دادا وغیرہ کو بہت تکلیف دینے لگے۔ اواس زمین میں ہمارا حصہ آتا ہے کہ کے جھگڑا کرنے لگے، ہماری ماں نے بچے کی قسم دے کر مجبوراً ہمارے دادا کو اپنی زمین میں سارابی کو حصہ دینے پر آمادہ کیا۔ اس کے بعد وہ زمین جس کو کاشت کے لیے دئے تھے وہ اس پر قابض ہو گیا۔ سرکاری دفتر میں اس کا نام یعنی کاشت کار کا نام لکھ دیا گیا۔ وہ زمین کاشت کار چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا کیوں کہ وہ زمین ۲۵ سے ۳۰ سال تک کاشت کرتا رہا۔ ہمارے دادا اور سارابی نے اس زمین پر روپیہ نکالا اور ہمارے دادا اور چچا نے وہ زمین چھڑوانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کاشت کار نے نہیں چھوڑی۔

اس کے بعد ہمارے دادا اور سارابی کا انتقال ہوا۔ اس سے پہلے یعنی سارابی کا ایک لڑکا پولس تھا بمبئی میں۔ اس کو کہا گیا کہ پیسے وغیرہ دے کر کوشش کر کے وہ زمین چھڑوالو؛ لیکن اس نے کہا کہ مجھے وہ زمین نہیں چاہیے۔ اس طرح وہ زمین کاشت کار کے قبضہ میں رہی۔ دس سال پہلے ہم نے کوشش کر کے اس زمین پر جو کاشت کرتا تھا اس کے قبضہ میں سے ہم نے پیسے وغیرہ دے کر چھڑایا۔ اس کے دو سال بعد سارابی کا لڑکا جو بمبئی میں پولس تھا وہ اپنا دوبارہ زمین میں حصہ مانگنے لگا۔ تو ہم نے کہا جو بھی ہمارا خرچ ہے وہ دے کر اور ہمارے گھر میں آکر مشورہ کر کے یہ کام کریں گے۔ ایسا ہم

نے دوسروں کے ذریعہ پیغام پہنچایا، لیکن وہ نہیں مانا۔ اور کورٹ میں کیس داخل کیا ہے۔ براہ مہربانی آپ ہم کو بتلائیں کہ وہ اس کے حق دار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کی دادی کی ماں نے جب وہ زمین آپ کے دادا صاحب کو دے دی، ہبہ کر دی، قبضہ بھی سونپ دیا اور آنے والی نسلوں کو کوئی شک وشبہ نہ رہے اس لیے اپنی وصیت میں بھی یہ کہہ گئی کہ میں یہ زمین اپنے داماد کو دے چکی ہوں۔ اس میں میری لڑکیوں کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس زمین پر آپ کے دادا کی ملکیت ہو چکی تھی۔ بعد میں سارابی کے لڑکے کا اس زمین میں اپنا حق طلب کرنا درست نہیں ہے۔ وہ پوری زمین آپ کے دادا ہی کی تھی۔ البتہ اگر آپ کی والدہ صاحبہ کے اصرار سے آپ کے دادا نے اس زمین سے کوئی حصہ الگ کر کے سارابی کی اولاد کو بطور ہدیہ دیا ہے۔ اور اس حصہ پر ان کا قبضہ بھی کرا دیا تھا تو اتنی مقدار ان کی ہو جائے گی۔ اور اگر قبضہ نہیں کرا دیا تھا بلکہ زمین کاشت کار کے ہی قبضہ میں رہی تھی اور اب آپ نے کوشش کر کے پیسہ وغیرہ دے کر کاشت کار کا قبضہ چھڑایا ہے تب تو یہ زمین آپ کے دادا ہی کی شمار ہوگی۔ اور ان کے ورثاء کی ملک سمجھی جائے گی۔ اس کے باوجود اگر تمام ورثاء (بشرطیکہ سب عاقل وبالغ ہوں) وہ حصہ سارابی کے لڑکے کو بہ رضا ورغبت دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔ لیکن سارابی کا لڑکا زبردستی اپنا حق کہہ کر نہیں لے سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

امام، مؤذن اور مدرسین کو ہدیہ دینے کے لیے چندہ کرنا

سوال: مدرسہ کے مدرسین و امام و مؤذن وغیرہ کو سال پورا ہونے پر متولیان مسجد و مدرسہ بستی کے خواص و عوام سے چندہ جمع کر کے ہدیہ کی شکل میں دیتے ہیں۔ امام صاحب خود بھی مدرسہ کی خدمت انجام دیتے ہیں اس طرح کرنا از روئے شرع صحیح ہوگا یا نہیں؟ بعض افراد کہتے ہیں جائز نہیں ہے اس میں تراویح کے لیے چندہ کرنا از روئے شریعت منع ہے یہ بات معلوم ہے۔

نوٹ: مدرسین کے لیے ہدیہ جو آپ کی مرضی ہو اس اطلاع سے چندہ کیا جاتا ہے۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

امام و مؤذن نیز مدرسین مدرسہ کو ہدیہ کے نام سے کچھ پیش کرنے کی غرض سے مقامی عوام و خواص سے چندہ کرنا شرعاً جائز ہے۔ البتہ اس میں چندہ کے حدود کی رعایت ضرور کی جائے۔ یعنی دینے والے پر جبر نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شادی کے موقع پر ہدیہ دینا

سوال: شادی کے موقع پر ولیمہ کے وقت جب مہمان کھانے سے فارغ ہوتے ہیں تو ھدیۃً کچھ رقم یا سامان ایک کاتب جو ٹیبل پر قلم کاغذ لے کر بیٹھا رہتا ہے دیتے ہیں جسے وہ لکھ لیتا ہے اور وہ ہدیہ میزبان کو بعد میں دے دیا جاتا ہے، جس سے

بیچارے میزبان کا ولیمہ کا کچھ خرچ باورچی وغیرہ کی اجرت وغیرہ ادا ہوجاتی ہے، تو اس کے متعلق کیا حکم ہے لینا دینا درست ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کی حیثیت بجز رسم ورواج کے کچھ نہیں، بسا اوقات برادری کے زور یا رسوائی کے خوف سے دیا جاتا ہے، نیز اس میں غیر مسلموں کے ساتھ تشبہ بھی ہے، اس لیے ناجائز ہے۔ لا یحل مال امرإ مسلم الا بطیب نفس منه، رواه البیهقی (مشکوۃ:۲۵۵) اگر کوئی آدمی ریاکاری، نام نمود وغیرہ سے بچکر چپکے سے بطور اعانت دیتا ہے، تو شرعاً درست بلکہ مستحسن ہے۔ (ماخوذ از فتاوی محمودیہ:۸/۲۸۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ

كتاب الغصب الضمان

کسی کی زمین غصب کر لینا

سوال: ایک شخص کی زمین چار کٹھہ ہے، اور ایک زمانہ سے چار کٹھہ پر اس کا قبضہ بھی ہے؛ مگر نیا نقشہ میں زمین کا کچھ حصہ کٹ کر دوسرے کی ملکیت ہوگئی ہے، اور وہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ زمین اصلاً کسی اور کی ہے، جو میرے حصہ میں آگئی ہے، تو جس کے حصہ میں زمین چلی گئی ہے وہ لڑائی جھگڑا کر کے نقشہ کے مطابق زمین لینا چاہتا ہے، تو شرعاً کیسا ہے؟ جب کہ شہادت اور دلیل سے ثابت ہے کہ جس کا قبضہ ہے، اس کی زمین ہے؛ مگر وہ مانتا نہیں ہے، نقشہ پر عمل کرانا چاہتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نئے نقشہ میں کچھ حصہ زمین چلے جانے سے شرعاً اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی؛ اگر وہ صرف اسی بنیاد پر زمین پر قبضہ کرنا چاہتا ہے تو شرعاً غاصب کہلائے گا، ایسے آدمی کے لیے بڑی سخت وعید حدیثِ پاک میں موجود ہے: قال رسول اللہ ﷺ من أخذ شبراً من الأرض ظلماً فإنه يطوقه يوم القيمة من سبع أرضين متفق عليه (مشکوۃ شریف: ۲۵۴) ترجمہ: اگر کسی نے کسی کی ایک بالشت بھر زمین بھی ظلماً لے لی تو قیامت کے دن وہ زمین نیچے سات زمینوں کے ساتھ اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالی جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ رشوال المکرم ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مستعمل چپل کا ضمان

سوال: ایک شخص نے دوسرے شخص کے چپل بلا اجازت لیے اور اس نے گم کردیے، تو کیا وہ چپل کا مالک اس شخص سے اس کا بدلہ لے سکتا ہے؟ اور اس شخص نے بھی اپنے چپل استعمال کئے ہیں، تو کتنی مقدار میں دوسرے شخص سے بدلہ لے سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں چپل کا مالک اس دوسرے آدمی سے اپنے چپل کی قیمت وصول کرسکتا ہے؛ لیکن چوں کہ جس وقت اس آدمی نے وہ چپل لیے، اس وقت وہ نئے نہیں تھے؛ بلکہ مستعمل تھے، اس لیے ایسے مستعمل چپل کی جو قیمت بازار میں ہوسکتی ہے، وہ اس کے پاس سے وصول کرے۔ (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ۲/۵۱۹۔ مادہ:۷۸۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کرایہ کے برتن ٹوٹنے پر ضمان

سوال: ہم کرائے پر کھانے کے برتن پلیٹ وغیرہ دیتے ہیں، پلیٹ ٹوٹ جانے میں کیا قیمت پرانی لگائی جائے گی یا نئی؟ ہمیں خریدنا پڑتا ہے، نئی قیمت پر جس سے تجارت میں خسارہ آتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کرائے پر دی گئی چیز کرائے پر لینے والے کے ہاتھ میں امانت ہے، اگر اس کی

طرف سے کسی بھی قسم کی تعدی اور زیادتی کے بغیر ہلاک ہوجائے، تو اس پر اس کا ضمان واجب نہیں ہے۔

البتہ اگر اس کی تعدی اور زیادتی کے نتیجہ میں ہلاک ہوئی تو ضمان واجب ہوگا، اور اس وقت (یعنی جب وہ ہلاک ہوئی) اس کی جو قیمت ہوگی وہ وصول کی جائے گی، یہ یاد رہے کہ وہ چیز اگر مستعمل تھی، تو مستعمل کی جو قیمت موجودہ نرخ سے ہوگی، وہی وصول کی جاسکتی ہے، جدید کی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مودَع کے ترکہ سے ودیعت کا ضمان

سوال: ایک معمر بڑی بی (خاتون) نے بندہ کی اہلیہ صاحبہ کے پاس اپنی کچھ چیزیں بطورِ امانت رکھی تھیں، جو کئی سال ان کے پاس محفوظ رکھیں رہیں، اس دوران میں وہ ان چیزوں کو کبھی لے گئی اور کبھی پھر رکھ گئی، اور یہ میرے علم میں بھی تھا کہ فلاں بڑی بی (خاتون) کی کچھ چیزیں میری اہلیہ صاحبہ کے پاس امانت رکھیں ہیں؛ چوں کہ ان بڑی بی خاتون کا میری اہلیہ صاحبہ کے پاس آنا جانا تھا، علاوہ ازیں ایک بار میری اہلیہ صاحبہ نے مجھ سے تذکرہ کیا تھا کہ فلاں کی کچھ چیزیں میرے پاس امانت رکھی ہیں، یہاں تک کہ ایک دفعہ اس خاتون نے میری اہلیہ صاحبہ سے اپنی چیزوں کو طلب کیا اور دیکھا اور پھر کہا ابھی رکھ لو پھر لے جاؤں گی، چناں چہ انھوں نے پھر ان چیزوں کو بدستِ خود اپنی صندوق میں بحفاظت رکھ دیا تھا، اور مجھ سے بھی بتایا کہ ''فلاں کی چیزیں میں یہاں صندوق میں رکھ رہی ہوں'' اس کے چند روز بعد پھر ان کی علالت

میں شدت پیدا ہوئی، چوں کہ وہ عرصہ کئی سال سے ایک مرض مہلک میں مبتلا تھیں؛ غرض ان کا انتقال ہوگیا، اور انھوں نے انتقال سے قبل اپنی حالت ہوش وحواس میں ضروری امور کے متعلق اور جوان کے اوپر کسی کا مطالبہ دین وغیرہ تھا اس کے متعلق ہمیں وصیت اور تاکید کی؛ لیکن ان چیزوں کے متعلق کوئی ذکر نہیں کیا، اور نہ ہمیں وہ یاد آئیں، ان کے انتقال کے بعد ایک روز ان چیزوں کا خیال آیا کہ شاید وہ لے گئی ہوں گی، اس وقت وہ بڑی بی خاتون باہر گئی ہوئی تھی، ان کے انتقال کے ڈیڑھ دو مہینے بعد وہ آئیں، تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ تم وہ چیزیں تو لے گئیں تھیں، اس نے کہا نہیں وہ تو انھیں کے پاس تھیں، میں نے اس وقت بھی صندوق کھول کر نہیں دیکھا، اور ان سے کہہ دیا کہ اچھا تو لے جانا، اس خیال سے کہ جب وہ نہیں لے گئی تو وہ صندوق میں محفوظ ہی ہیں، چند روز کے بعد وہ اپنی چیزیں لینے آئیں تو میں نے بغیر کسی تأمل کے اپنی اہلیہ کا صندوق کھولا تو اس میں وہ چیزیں نہیں ملیں، تمام گھر میں اور صندوق، بکسوں میں تلاش کیں؛ لیکن کوئی سراغ ان کا نہیں ملا، اور میں حیران ہوگیا کہ بڑی بی چیزیں نہیں لے گئیں تو اس میں سے کہاں گئیں؟ اگرچہ سرقہ بھی ممکن ہے لیکن مشکل ہے؛ کیوں کہ وہ صندوق ایک مکان کے اندر دوسرے مکان میں محفوظ ہے؛ بہرحال وہ چیزیں غائب اور ضائع ہوگئیں، اور میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کو بڑی بی لے گئی یا نہیں، اس لیے آنجناب مندرجۂ بالا بیان پر غور فرما کر اور مندرجۂ ذیل امور پر بھی نظر فرما کر خدا اور رسول کا جو فیصلہ ہو تحریر فرمائیں، آپ کا عین کرم ہوگا۔

① میری اہلیہ مرحومہ نے ان چیزوں کی اپنی بقدر امکان حفاظت فرمائی، اور سب کو معلوم ہے کہ دیانت دار تھیں۔

② نیز ان چیزوں کو میری اہلیہ مرحومہ نے میرے حوالہ اور سپرد نہیں کیا، اور نہ ہی بڑی بی (خاتون) نے میرے حوالہ اور سپرد کیا؛ البتہ میری اہلیہ ان کو میرے علم میں لے آئیں تھیں۔

③ نیز ان چیزوں کو نہ ہی میری آنکھوں نے دیکھا کہ وہ کیا کیا چیزیں ہیں؟ اور کتنی ہیں؟ اور کیسی ہیں؟ میرا تعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں رہا کہ میرے علم میں تھا کہ فلاں کی چیزیں میری اہلیہ کے پاس رکھیں ہیں۔

④ نیز میں خدا کو حاضر اور ناظر سمجھ کر بحلف اقرار وعہد کرتا ہوں کہ واللہ باللہ مجھے اس بڑی بی (خاتون) کی چیزوں کا قطعاً کوئی علم نہیں ہے، اور نہ میرے پاس ہیں، اور اگر میں سارق یا خائن ہوں تو اللہ کے یہاں دین دار ہوں گا۔

⑤ ان جملہ امور کی وضاحت کے بعد اگر میں ہی ان چیزوں کا ذمہ دار ہوں اور اس کا تاوان میرے ذمہ واجب ہے، تو میں حتی الامکان اس کو ادا کروں گا، اور خدا کے یہاں اس کا داد خواہ ہوں گا، اس لیے عرضِ خدمت ہے کہ اس مسئلہ صورت مذکورہ کے متعلق خدا، رسول کا جو حکم اور فیصلہ ہو اس کو بغیر خوف لامۃ لائم بیان فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں بڑی بی کی ان چیزوں کا تاوان آپ پر واجب نہیں ہے؛ البتہ آپ کی اہلیہ مرحومہ کے ترکہ سے ان چیزوں کا تاوان ادا کیا جائے گا۔

درمختار میں ہے: ومنه أي من المنع ظلماً موته أي موت المودع مجهلا، فإنه يضمن فتصير دينا في تركته إلا إذا علم أن وارثه يعلمها فلا ضمان (درمختار) ومعنى موته مجهل: أن لا يبين حال الأمانة كما في الاشباه الشامي، ٤/٥٥٢)

آپ کی اہلیہ نے جب ان اشیاء کی تفصیل سے آپ کو آگاہ نہیں کیا اور نہ آپ کو تفصیل معلوم تھی، تو گویا مودَع (آپ کی اہلیہ) کی وفات ایسی حالت میں ہوئی کہ اس نے ودیعت سے ناواقف رکھا، اس لیے مودَع کے ترکہ میں سے ودیعت کا ضمان ادا کیا جاوے گا، آپ کی اہلیہ نے آپ کو جو اجمالی اطلاع دی تھی وہ کافی نہیں، جب کہ آپ خود اقرار فرماتے ہیں کہ آپ کی آنکھوں نے ان اشیاء کو دیکھا نہیں، اور وہ کیا کیا اور کتنی ہیں؟ یہ بھی آپ کو معلوم نہیں۔

وفي نور العين: لو مات المودَع مجهلا ضمن، يعني لو مات ولم يبين حال الودية اما إذا عرفها الوارث والمودع يعلم أنه يعرف فمات لم يضمن، فلو قال الوارث أنا علمتها وأنكر الطالب لو فسرها بأن كانت كذا وكذا وقد هلكت صدق لكونها عنده(تكملة شامي:٢/٢٦٨) قال سيدي الوالد رحمه الله تعالىٰ في تنقيحه في جواب سوال: والذي تحرر من كلامهم، ان المودع إن اوصى بالوديعة في مرض موته، ثم مات ولم توجد فلا ضمان في تركته، وإن لم يوص فلا يخلو إما ان يعرفها الورثة او لا، فان عرفوها وصدقهم صاحبها على المعرفة، ولم توجد لا ضمان في التركة، وإن لم يعرفوها وقت موته فلا يخلو اما ان تكون موجود او لا، فان كانت موجود وثبت أنها وديعة، إما ببينة أو اقرار الورثة أخذها صاحبها، ولا يتوهم أنه في هذه الحالة مات مجهلا، فصارت دينا فيشارك اصحاب الديون صاحبها؛ لان هذا عند عدم وجودها، أما عند قيامها فلا شك أن صاحبها احق بها، فان لم توجد فحينئذ هي دين في التركة وصاحبها كسائر غرماء الصحة، وان وجد

بعضها وفقد بعضها فان كان مات مجهلا اخذ صاحبها الموجود ورجع بالمفقود في التركة، وإلا أخذ الموجود فقط، وان مات وصارت دينا فان كانت من ذوات الامثال وجب مثلها وإلا فقيمتها فعليك بحفظ هذا التحرير والله سبحانه وتعالىٰ اعلم (تكملة شامي ۲/۲۶۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ جمادی الاخری ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نشہ کرنے والے کا مال رضامندی کے بغیر اس کی اولاد کو دینا

سوال: میرا بھائی عبداللہ جن کی عمر ۴۵/ سال ہے، ان کے چار لڑکے ہیں، جس میں ۳ شادی شدہ صاحب عیال ہیں، اور چوتھا لڑکا جوان ہے؛ لیکن شادی نہیں ہوئی، عنقریب ہوجائے گی، بھائی عبداللہ کو ۲۵/ سال سے نشہ کرنے کی عادت ہے، ویسے باہوش وحواس ہیں؛ لیکن نشہ زیادہ کرتے ہیں، کبھی ایک ماہ اچھے ہوجاتے ہیں، اور پھر نشہ کرنے کا دورہ پڑتا ہے، میرے بھائی کا کاروبار کا حساب میرے پاس ہے، اور بہت کنٹرول سے خرچ بھی دیتا ہوں، اس لیے کہ زیادہ دوں گا تو لہو لعب میں اڑا دیں گے، تو بچوں کے لیے کمی ہوجائے گی، بمبئی میں میرے بھائی کا ایک روم تھا، اور تھوڑی اور جگہ تھی جسے فروخت کرکے وطن میں اپنے لیے گھر بنانا چاہتے ہیں، یہ رقم جو جائداد فروخت کرنے پر آئی میرے پاس ہے، چاروں لڑکوں میں سے چھوٹے دو لڑکے کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں اور نوکری کرکے زندگی بسر کرتے ہیں، جب کہ دو بڑے لڑکے وطن میں رہتے ہیں، چاروں لڑکوں میں سے کسی کے پاس اپنا خود کا گھر نہیں ہے، اور اب بھائی کے پاس بھی گھر نہیں ہے، اور وہ بھائی فی الحال ہمارے

گھر میں مقیم ہیں، دو بڑے لڑکے تقاضہ شدت سے کرتے ہیں کہ ہمیں گھر بنانا ہے، اس لیے باپ کے روپیوں میں سے ہمیں رقم دو، اور ساتھ میں گاؤں کے رشتے داروں کو ملا کر بہت زیادہ دباؤ ڈالتے ہیں، بھائی کے کہنے کے مطابق لڑکوں کا رویہ چوں کہ میرے ساتھ اچھا نہیں ہے، اس لیے میری ملکیت میں سے ایک پیسہ بھی ان لڑکوں کو مت دینا بغیر میری اجازت کے، یہاں پر ایک مولوی صاحب سے میں نے بات کی تھی تو ان کا کہنا ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر ایک پیسہ آپ کسی کو نہیں دے سکتے؛ یہاں تک کہ مالک کے لڑکے ہی کیوں نہ ہو، تمھارے بھائی کی عادتیں بھلے خراب ہوں یہ ان کا ذاتی فعل اور ان کے اعمال ہیں، رہا شریعت کا مسئلہ تو آپ ان کا خرچ بھی نہیں روک سکتے جو جائز ہو ان کی زندگی کے معیار کے مطابق، اور گھر بھی ان کا دینا ہوگا، اگر تمھیں لڑکوں پر رحم آتا ہو تو اپنی جیب میں سے قرض دو یا کچھ بھی کرو؛ لیکن صاحب ملکیت کی اجازت کے بغیر آپ ایک پیسہ بھی نہیں دے سکتے، کیوں کہ آپ اس جائداد کے امین ہیں، ورنہ آپ گنہگار ہوں گے، اب سوال یہ ہے کہ لڑکوں کا روپیوں کے بارے میں مطالبہ اور اصرار شرعاً صحیح ہے؟ اور لڑکوں کے لیے دوسرے رشتہ داروں کا مجھ پر دباؤ ڈالنا شرعاً کیسا ہے؟ مزید برآں برائے کرم یہ بھی مشورہ دیں کہ میں ان حالات میں کیا رویہ اختیار کروں؟ ایک طرف لڑکوں کا مسئلہ ہے، اور دوسری طرف امانت کا سوال ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مولوی صاحب نے آپ کو جو مسئلہ بتلایا ہے وہ بالکل درست ہے، لڑکوں کا آپ سے مطالبہ شرعاً درست نہیں ہے، اور لڑکوں کے اس مطالبہ پر دیگر رشتہ داروں کا آپ

پر دباؤ ڈالنا ناجائز وحرام ہے، اگر آپ نے ان کے دباؤ میں آ کر اس رقم میں سے کچھ بھی بلا اجازت مالک اس کے لڑکوں کو دیدیا تو آپ گنہگار ہوں گے، اور آپ پر ضمان بھی واجب ہوگا، اگر آپ ان حالات میں امانت کا تقاضا پورا کرنے سے قاصر ہوں تو وہ امانت مالک کے حوالہ فرمادیں، اور اپنے ذاتی مال میں سے ان لڑکوں کی مدد کر سکتے ہوں تو کریں، ورنہ ان کے لیے دعاء پر اکتفاء فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

پارسل اگر ضائع ہوگیا تو نقصان کا ذمہ دار کون؟

سوال: تاجر نے خریدار کی طلب پر بذریعۂ ٹرانسپورٹ مال روانہ کیا، راستہ میں مال ضائع ہوگیا تو اس نقصان کو تاجر برداشت کرے گا یا خریدار؟ اگر آج کل کے عرف کے مطابق تاجر کے ذمہ نقصان آتا ہو تو مشتری کے لیے تاجر سے اس نقصان کا وصول کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو مال ڈاک یا ریل وغیرہ (مثلاً ٹرانسپورٹ) کے ذریعہ سے روانہ کیا جائے وہ اس کے قبضہ میں سمجھا جائے گا جس نے یہ حکم دیا ہو، پس اگر خریدار نے لکھا کہ فلاں مال ریل یا ڈاک یا ٹرانسپورٹ میں بھیج دو اور ضائع ہوگیا، بائع ذمہ دار نہیں، اس نے گویا مشتری کے وکیل (یعنی ڈاک یا ریل یا ٹرانسپورٹ) کے حوالہ کر دیا، اور اگر اس کا یہ حکم نہ تھا، بائع نے خود بھیجا تو نہ یہ روانگی تسلیم مبیع ہے، نہ مشتری (خریدار)

ذمہ دار۔(عطر ہدایہ ۱۰۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قاصد سے رقم ضائع ہوئی تو ذمہ دار کون؟

سوال: (الف) اگر کسی کو ضرورت ہو تو ہم لوگ روپیوں (رقم) لین دین کا کام (یعنی حوالہ کا کام) کرتے ہیں، جس میں ضرورت مند کو بینک کے ذریعے یا ہاتھوں ہاتھ رقم پہنچائی جاتی ہے؛ چناں چہ اسی طرح اس شخص کے ساتھ ۹۵۰۰۰ / پچانوے ہزار ڈالر سے کچھ اوپر رقم کا لین دین کا معاملہ دبئی میں ہوا، ہمارا آدمی وہاں موجود نہ ہونے کی وجہ سے رقم لینے والے نے یعنی ضرورت مند نے اپنا آدمی بھیجا کہ میرے آدمی کو آپ رقم دیدو وہ میرے اکاؤنٹ میں جمع کردے گا، اس شخص کے کہنے کے مطابق وہ پوری پوری رقم ہم نے اس شخص کے آدمی کو دیدی، جب وہ آدمی اس کے سیٹھ کے اکاؤنٹ (بینک اکاؤنٹ) میں جمع کروانے گیا تو اس آدمی کے کہنے کے مطابق بینک بند ہو چکا تھا اس آدمی نے اپنے سیٹھ کو فون کے ذریعہ خبر دی کہ بینک بند ہو چکا ہے اب اس رقم کا کیا کرنا ہے؟ سیٹھ نے اپنے اس آدمی کو شام میں دوبارہ بینک کھلنے پر واپس بینک جا کر وہ رقم کو اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرنے کو کہا اس کے بعد وہ رقم بینک میں جمع نہ ہوئی؛ بلکہ اس آدمی نے کہا کہ جب میں دوبارہ بینک میں رقم لے کر جارہا تھا اس وقت راستہ میں ایک مرسڈیز کار والے نے مجھے لوٹ لیا اور وہ آدمی دبئی چھوڑ کر ہندوستان آگیا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ۹۵۰۰۰ / ڈالر سے زائد رقم ہم اس سیٹھ کہ جس کے آدمی کو ہم نے دی تھی اس سے وہ پوری پوری رقم واپس لینے کے

حق دار ہیں کہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے رقم مطالبہ کرنے والے شخص یعنی (سیٹھ) کے قاصد (یعنی اس کی طرف سے رقم وصول کرنے کے لیے بھیجے گئے شخص) کے ہاتھ میں ۹۵۰۰۰ / ڈالر دے دیے، اس کے بعد اس آدمی کے پاس سے وہ رقم لوٹ لی گئی تو یہ رقم اس سیٹھ کی ہلاک ہوئی سمجھی جائے گی، اور آپ اس سیٹھ کے پاس ۹۵۰۰۰ / ڈالر وصول کرنے کے شرعاً حق دار ہیں، مطلب کہ وہ قاصد سیٹھ کا بھیجا ہوا ہونے کی وجہ سے آپ کا اس کے ہاتھ میں رقم کا دینا ایسا ہی ہے جیسے کہ سیٹھ کے ہاتھ میں دی ہوتی اور اس کے ہاتھ سے لوٹ لی جاتی۔

لو ارسل المدين دينه الى الدائن وقبل الوصول اليه تلف فى يد الرسول فان كان رسول المدين، يتلف من مال المدين، وان كا ن رسول الدائن، يتلف من مال الدائن، ويبرأ المدين من الدين (مجلة الاحكام ماده: ١٤٣٤)

واذا تلف الدين الذى ارسله المدين الى الدائن مع رسول وتلف فى يد الرسول قبل ان يصل اليه فاذا كان الرسول رسول المدين، تلف من مال المدين، لان قبض هذا لا يقوم مقام قبض الدائن وتعود خسارته الى المدين ويلزم المدين ان يؤدى الى الدائن الدين، واذا وقع التلف فى يد الرسول بلاتعد ولاتقصير فلايلزمه شىء انظر الى الفقرة الاخيرة من المادة الآنفة: اما اذا تلف بتعد او تقصير ضمن المدين الرسول انظر المادة (از: ٧٨٧)

واذا كان رسول الدائن يتلف من مال الدائن، لان قبض هذا قائم

مقام قبض الدائن بناء علیه یبرأ المدین من الدین ولا یلزم الرسول ضمان اذا کان التلف الذی حصل فی یده بلاتعد ولا تقصیر، اما اذا کان التلف بتعدیه او تقصیره ضمنه الرسول للدائن.

(درر الحکام شرح مجلة الاحکام ۳/ ۵۸۶)

اب اگر قاصد کے ہاتھ سے اس رقم کے چلے جانے میں اس قاصد کی کسی کوتاہی کو دخل نہ ہو تو سیٹھ اس سے وصول نہیں کرسکتا، اور اگر اس میں اس کی کوتاہی کو دخل ہے تو سیٹھ یہ رقم قاصد سے وصول کرسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ ۵/ ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

دوسرے کے لیے دی گئی رقم اپنی ضرورت میں خرچ کرنا

سوال: احقر کے ساتھ احقر کا ایک بھائی رہتا ہے جس کی عمر ۱۱/ سال ہے، اور ہم دونوں کا میری والدہ خرچ اٹھاتی ہیں، بندہ یہ پوچھنا چاہتا ہے کہ ہم دونوں ایک مدرسہ میں پڑھتے تھے، وہاں کے مہتمم صاحب نے ایک مرتبہ دونوں کو ۵۰۰/ روپئے دیئے تھے اس تفصیل کے ساتھ کہ دونوں کا آدھا آدھا ہے، اس کی رقم میرے پاس تھی، میں نے اس میں سے کچھ تو اس کی والدہ کو دے دی اور کچھ اس کی ضروریات میں صرف کردی اور کچھ اپنی ضروریات میں خرچ کردی، بندہ پوچھنا چاہتا ہے کہ جو رقم میں نے اپنی ضروریات میں خرچ کی ہے اور جو اس کی والدہ کو دی ہے وہ دونوں مجھ کو ہی لوٹانی ہوگی یا فقط جو میں نے اپنی ضروریات میں صرف کی ہے؟ اور اس کی والدہ رقم لوٹائے یا نہیں؟ اگر رقم لوٹائے تو کس کو دے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ آپ نے جو رقم اپنے استعمال میں لی ہے اس کا تو لوٹانا آپ پر ضروری ہے، اور جو رقم اس کی والدہ کو دی تھی وہ اگر یہ کہہ کر دی تھی کہ یہ آپ کے بچہ کی رقم ہے جو آپ کی تحویل میں دے رہا ہوں تب تو آپ کا ذمہ بری ہوگیا، اور اگر ایسی کوئی صراحت نہیں فرمائی تھی؛ بلکہ اس کی والدہ کو دے دی، جس سے وہ یہ سمجھی کہ آپ اس کو دے رہے ہیں اور اس نے وہ خرچ کر دی تو اب اس کی واپسی کی بھی ذمہ داری آپ پر ہے، اور اس نے خرچ نہیں کی؛ بلکہ ابھی تک وہ رقم اس کے پاس موجود ہے تو آپ واپس لے لیجئے اور مالک کے حوالہ کیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

گراج کے باہر گاڑی چوری ہوگئی تو ضامن کون؟

سوال: زید نے اپنی سواری عمر کو درست کرنے کے لیے دی، رات تک عمر نے سواری درست نہیں کی، زید نے اپنی سواری کو بند کر کے عمر کے جائے کار (گراج) کے باہر چھوڑا، عمر کے پاس اندر رکھنے کی جگہ نہیں تھی، زید اپنی سواری کو گھر لے جا کر واپس بھی لاسکتا تھا، رات کو عمر کے جائے کار کے باہر سے زید کی سواری چوری ہوگئی، اس سواری کا کون ضامن ہے زید یا عمر؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں زید نے اپنی سواری درست نہ ہونے کی وجہ سے واپس لے لی تھی، یعنی عقدِ اجارہ فسخ کرلیا اور اپنے قبضے میں لینے کے بعد عمر کے گیرج (موٹر

خانہ) کے باہر رکھی اور چوری ہوگئی، عمر پر اس کا کوئی ضمان نہیں ہے، اور اگر زید نے اپنی سواری واپس نہیں لی تھی، بلکہ گیرج میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے عمر کے کہنے سے گیرج کے باہر بند کر کے رکھی، وہ جگہ محفوظ جگہ تھی، وہاں سے کسی کے اٹھا لینے کا اندیشہ بھی نہیں تھا، اس صورت میں بھی عمر پر ضمان نہیں۔

لأن المتاع أمانة في يده، والأمانةإذا هلكت بغير تعدّ لم يضمنها، كما هو مصرح في كتب الفقه

اور اگر وہ محفوظ جگہ نہیں تھی، پھر بھی عمر نے باہر رکھوائی تو حفاظت میں کوتاہی کی وجہ سے عمر پر ضمان لازم ہے۔

وفی البدائع: لا يضمن عنده ما هلك بغير صنعه قبل العمل أو بعده، لأنه أمانة في يده، وهو القياس وقالا: يضمن (إلى قوله) وبقولهما يفتى لتغير أحوال الناس، وبه يحصل صيانة أموالهم اه لأنه إذا علم أنه لا يضمن ربما يدعي أنه سُرق أو ضاع من يده (شامي:٦/٦٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبد القیوم راجکوٹی
الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

زکوۃ وصدقات کی رقم چوری ہوتو ذمہ داروں پر ضمان کا حکم

سوال: ہمارے یہاں کی مقامی مسجد میں رمضان کے بعد ایک چوری کا حادثہ پیش آیا جس میں مسجد کے مقفل شدہ دفتر میں چھپا کر رکھی ہوئی رقم غائب کر دی گئی، یہ رقم زلزلہ میں مبتلا افراد کے لیے جمع کی گئی تھی اور اس میں زکوۃ اور صدقۂ فطر کی بھی رقم

تھی، دفتر کے دروازے پر توڑ کر داخلہ کے کوئی نشان نہ تھے، مسجد میں جمع رقم ہمیشہ دفتر میں رہی ہے اور یہ پہلا ایسا واقعہ پیش آیا ہے، دروازہ پر تالا تھا اور رقم چھپا کر رکھی گئی تھی، اس حادثہ کے بعد مقامی مفتیانِ کرام سے استفتاء کے بعد یہ معلوم ہوا کہ زکوۃ اور صدقۂ فطر کی رقم ہونے کی وجہ سے یہ اعلان ضروری ہے کہ جس نے بھی اس میں اپنی اس طرح کی رقم جمع کی ہو وہ پھر سے اپنی زکوۃ نکالے، یہ اعلان حسبِ ہدایت کر دیا گیا، اس کے بعد ایک نوجوان نے اپنے طور پر یہ فتویٰ شیخ عبداللہ الجدئی سے پوچھا۔ جو المجلس الفقہی الاروبی کے رکن ہیں؛ مگر حنفی عالم نہیں۔ انھوں نے یہ جواب دیا کہ زکوۃ مالِ متعین میں مالک پر ایک ہی مرتبہ واجب ہے؛ اس لیے مذکورہ صورت میں زکوۃ دوبارہ نہیں نکالنی ہوگی، چوں کہ عامۃ الناس نے ذمہ داران مسجد کو یہ رقم آگے دینے کو سپرد کر دی اور وکیل یا مصرفِ زکوۃ میں رقم دینے سے وہ ادا ہو جاتی ہے۔ ہاں! ذمہ دارانِ مسجد نے رقم کو بینک میں جمع نہ کرائی، اس میں غفلت کی بنا پر وہ ضامن ہوں گے۔ تفصیل طلب امور حسب ذیل ہیں:

① ہماری مسجد حنفی المسلک ہے اس کے مطابق شیخ کا یہ فتویٰ صحیح ہے؟

② کیا ذمہ دارانِ مسجد کی حیثیت وکیل کی ہے؟ اور کیا غفلت کی بنا پر وہ ضامن ہوں گے؟ جب کہ مسجد میں جمع رقم ہمیشہ دفتر میں رہی ہے اور دروازہ پر تالا تھا اور رقم چھپا کر رکھی گئی تھی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مقامی مسجد کے ذمہ داران نے زلزلہ میں مبتلا افراد کے لیے جو رقم جمع کی تھی اس میں زکوۃ اور صدقۂ فطر کی رقم بھی تھی، ان رقوم میں مسجد کے ذمہ داروں کی حیثیت وکیل

کی ہے، گویا وہ ذمہ دار حضرات مالکانِ اموال کی طرف سے ان کی زکوۃ یا صدقۂ فطر یا عطیات کی رقوم کو ان کے مصارف تک پہنچانے کا کام کرتے ہیں۔ آدمی کسی کام کے لیے وکیل بنایا جائے اور اس کی انجام دہی کے لیے جو مال اس کے حوالے کیا جاتا ہے وہ مال وکیل کے قبضہ میں امانت کی حیثیت رکھتا ہے اور شرعاً امانت کا حکم یہ ہے کہ وکیل نے یا جس کے پاس امانت ہے اس نے اس کی حفاظت میں اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی؛ بلکہ عام طور پر جس طرح اس کی حفاظت کی جاتی ہے اور آدمی اپنے مال کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح اس نے اس کی حفاظت کی، اس درمیان وہ مال ضائع ہو گیا مثلاً چوری ہو گیا یا آگ لگنے کی وجہ سے جل گیا تو وہ شخص اس مال کا ضامن نہیں۔

صورتِ مسئولہ میں مقامی مسجد کے ذمہ داروں نے جو رقمیں لوگوں سے وصول کیں، ان میں ذمہ دارانِ مسجد کی حیثیت وکیل ہونے کی وجہ سے امانت دار کی ہے اور ذمہ داروں نے وہ رقم حفاظت کے ساتھ مقفل شدہ دفتر میں چھپا کر رکھی تھی، گویا ان کی طرف سے جس طرح اپنے مال کی حفاظت کا بندوبست کیا جاتا ہے ویسا ہی بندوبست اس جمع شدہ رقم کے لیے کیا گیا تھا اور چوروں نے آکر ان رقوم پر ہاتھ صاف کر لیا تو اس میں ذمہ دارانِ مسجد پر کوئی ضمان نہیں اور وہ گنہ گار بھی نہیں؛ البتہ زکوۃ اور صدقۂ فطر کی وہ رقمیں مستحقین تک نہیں پہنچیں؛ اس لیے دینے والوں کی زکوۃ اور صدقۂ فطر ادا نہیں ہوا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی آدمی زکوۃ کا حساب کر کے زکوۃ کی واجب شدہ مقدار الگ کر کے اپنے گھر میں رکھے اور چوری ہو جائے یا جیب میں لے کر مستحقین کو دینے جا رہا تھا اور جیب کٹ جائے، بہر حال زکوۃ اور صدقۂ فطر ادا نہ ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنی زکوۃ اور صدقۂ فطر دوبارہ نکال کر مستحقین تک پہنچائیں، ذمہ دار

حضرات اس کا اعلان کریں اور اوپر جو مسئلہ بتایا گیا اس سے لوگوں کو واقف کر دیں، ان کی ذمہ داری پوری ہو جائے گی۔ اس کے بعد بھی خدانہ کرے کوئی شخص ذمہ دار حضرات پر خیانت کا الزام عائد کرے تو صبر اور تحمل سے کام لیں، الجھنے کی ضرورت نہیں، امید ہے اتنی تفصیل سے آپ کے دونوں سوالات کے جوابات حل ہو گئے ہوں گے۔

الأمانة غير مضمونة يعني على تقدير هلاكها أو ضياعها بدون صنع الأمين وتقصيره ولا يلزم الضمان يعني اذا هلكت الأمانة أو فقدت أو طرأ نقصان على قيمتها في يد الأمين بدون صنعه وتعديه وتقصيره في الحفظ لا يلزم الضمان على الأمين المذكور سواء أهلكت بسبب ممكن التحرز منه كالسرقة أم بسبب غير ممكن التحرز منه كالحريق الغالب وسواء أهلك مال الأمين مع الأمانة المذكورة أم لم يهلك سواء أشرط الضمان أم لم يشرط.

(راجع شرح المادة ٨٣.درر الحكام شرح مجلة الأحكام ٤/٢٠٢)

الوكالة المال الذي قبضه الوكيل والرسول من جهة الوكالة ومن جهة الرسالة أمانة في يدهما. (راجع المادة ١٤٦٣، أيضاً ٤/٢٠٣)

المادة ١٤٦٣: المال الذي قبضه الوكيل بالبيع والشراء وايفاء الدين واستيفائه وقبض العين من جهة الوكالة في حكم الوديعة في يده فاذا تلف بلا تعد ولا تقصير لا يلزم الضمان والمال الذي في يد الرسول من جهة الرسالة أيضا في حكم الوديعة.(أيضاً ٣/٥٨٢)

آپ نے شیخ عبداللہ الجدئی کے جس جواب کا سوال میں تذکرہ کیا ہے وہ اگر تحریری شکل میں ہے تو اس کی نقل اس سوال کے ہمراہ بھیجی جاتی تو اس کو دیکھ کر پتہ چلتا کہ ان کے جواب کی بنیاد کن دلائل پر ہے۔ باقی جواب کا جو خلاصہ آپ نے نقل

کیا ہے جس میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ زکوۃ مالِ متعین میں مالک پر ایک ہی مرتبہ واجب ہے اس کا تو کون انکار کرسکتا ہے؛ لیکن جب تک کہ زکوۃ کی وہ رقم مصرفِ زکوۃ یا اس کے وکیل کے قبضہ میں نہیں جاتی وہاں تک زکوۃ ادا نہیں ہوسکتی۔ صورتِ مسئولہ میں ذمہ دارانِ مسجد مصرفِ زکوۃ کے وکیل نہیں؛ بلکہ اربابِ اموال کے وکیل ہیں اور ان کے ہاتھ سے مال کا ضائع ہونا ایسا ہی ہے جیسا خود اربابِ اموال کے ہاتھ سے اتنی مقدار ضائع ہوتی اور جیسا کہ اوپر جواب میں مثال دے کر بتلایا جاچکا کہ اس صورت میں مصرفِ زکوۃ کے قبضہ میں مالِ زکوۃ نہ پہنچنے کی وجہ سے زکوۃ ادا ہوئی نہیں۔

دوسرا اشکال اس جواب میں یہ بھی ہے کہ ایک طرف تو شیخ یہ کہہ رہے ہیں کہ زکوۃ ادا ہوگئی اور دوسری طرف وہ ذمہ دارانِ مسجد کو ضامن قرار دے رہے ہیں، جب ان کے بقول زکوۃ ادا ہوچکی ہے تو ذمہ داران مسجد کو ضامن قرار دینا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟

نوٹ: آپ نے سوال میں جو صورتِ واقعہ ذکر کی ہے اس میں ایک جملہ ہے ''دفتر کے دروازہ پر توڑ کر داخلہ کے کوئی نشان نہ تھے'' اس سے اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ اس رقم کے چوری ہونے کا کوئی قرینہ نہیں پایا گیا تو اس صورت میں بات صاف نہیں ہوتی، اگر توڑ کر داخل ہونے کے نشان کے نہ پائے جانے کے علاوہ اور کوئی قرینہ بھی اس حادثہ کے چوری کا حادثہ ہونے کا موجود نہیں تو اس صورت میں ذمہ دارانِ مسجد یا جس کے پاس دفتر کی چابی رہتی ہے اس پر خیانت یا غفلت کا الزام بھی عائد ہوسکتا ہے اور اس صورت میں ضمان بھی واجب ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبد القیوم راجکوٹی، ۷/ جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری　　الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کیشیَر کی رکھی ہوئی رقم نہ پائی تو کیا اس پر ضمان ہے؟

سوال: ہمارے یہاں ایک دوکان میں کیشیَر (cashir) تھا وہ حسبِ معمول روزانہ شام کو جب دوکان بند ہونے کا وقت ہوتا ہے پورے دن کا پیسہ تجوری میں رکھتا تھا، اسی دکان کے دوسرے تین کیشیَر بھی اپنے اپنے پیسے رکھتے تھے، اسی طرح ایک روز شام کو اس کیشیَر نے اس دکان کا پورا پیسہ تقریباً ۵۰۰۰۰ (پچاس) ہزار تجوری میں رکھ کر بند کیا؛ مگر دوسرے دن صبح میں جب تجوری کو کھولا گیا تو مذکورہ بالا کیشیَر کے پیسے موجود نہیں تھے، وہ کیشیَر یہ کہتا ہے کہ اس نے حسبِ معمول پیسے اس میں رکھے تھے مگر کوئی گواہ نہیں ہے، اور شک تو یہی ہے کہ اس نے ہی لیا ہے، اگر دکان دار چاہے تو پولیس کے ذریعہ دباؤ ڈال کر اس کے گھر والوں سے پیسے وصول کر سکتا ہے؛ مگر کوئی گواہ بھی نہیں ہے اور وہ کیشیَر کسی حال میں قبول بھی نہیں کرتا ہے تو کیا اس حال میں اس کے گھر والوں پر پولیس کے ذریعہ دباؤ ڈال کر پیسے وصول کر سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کیشیَر کے قبضہ میں دکان کی رقم امانت کی حیثیت رکھتی ہے، اور امانت کے سلسلہ میں امین کی بات اس کی قسم کے ساتھ مان لی جاتی ہے، صورتِ مسئولہ میں وہ کیشیَر جب یہ کہتا ہے کہ میں نے حسبِ معمول تجوری میں پیسے رکھے تھے تو اس سلسلہ میں قسم کے ساتھ اس کی بات ماننی ہوگی۔

الأجير الخاص أمين، فلا يضمن المال الهالك بيده بغير صنعه الخ (مجلة الاحكام، مادة:٦١٠)

المستأجر فيه أمانة فی يد الأجير (درر الحكام ۲/ ۲۳٦)
الامين يصدق بمينه فی براءة ذمته الخ (مجلة الاحكام ۲۱/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ، ۱۱/صفر المظفر ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

چُرائی ہوئی رقم کا حق واپس کرنے کی صورت

سوال: آج سے قریب چالیس برس پہلے کی بات ہے، اس وقت میری عمر صرف پندرہ برس رہی ہوگی، میں اپنے گاؤں کی مسجد میں نماز پڑھنے جایا کرتا تھا، تب ایک بار میں نے مسجد کی طاق سے کچھ چُھوٹے پیسہ میرے خیال سے دو تین آنہ ہوگا چرا کر دوکان سے کچھ لے کر کھا گیا، اب اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے تو رات دن یہ وہم دل میں رہتا ہے کہ اللہ مجھے کیسے معاف کریں گے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اس رقم کا مالک اگر معلوم ہے تو اس کو یا وہ مر گیا ہے تو اس کے ورثاء کو وہ رقم پہنچا دی جائے، اور مالک معلوم نہیں ہے، آپ اتنی رقم کا صدقہ اس کے مالک کی طرف سے کر دیجئے، امید ہے کہ اس طرح اس کا حق ادا ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بلڈنگ گرنے سے پڑوس کے مکان کو نقصان پہنچنے کا مطالبہ

سوال: بندہ شہر احمد آباد کے جوہا پورہ علاقہ میں رہتا ہے، بندہ کا ایک نیا مکان

ہے، سال گذشتہ اس سے متصل ایک نئی عمارت کئی منزلہ تعمیر ہوئی، وہ عمارت تعمیری لائن کے لوگوں کا کہنا ہے کہ بقدر ضرورت سیمینٹ اور لوہا استعمال نہ کرنے کی وجہ سے ۲۶/جنوری کے زلزلہ میں ایک دم سے گر گئی، اور وہ ہمارے مکان پر گری، اس کی تیزی سے گرنے اور بہت بوجھ کی وجہ سے ہمارا مکان کافی متأثر ہوا، ناقابل استعمال ہو گیا اور تقریباً دس لاکھ روپئے کا نقصان ہے، اس زلزلہ میں ہماری جیسی کسی عمارت کو نقصان نہیں ہوا، تعمیری لائن والوں کا کہنا ہے کہ اس عمارت کے گرنے سے نقصان ہوا ہے اور یہ بڑی بلڈنگ اپنی کمزور تعمیر کی وجہ سے گری ہے تو کیا میں اپنے مکان کے نقصان کی ادائیگی کا مطالبہ اس بلڈنگ والے سے شرعاً کر سکتا ہوں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زلزلہ کی وجہ سے گرنے والی اس عمارت کی وجہ سے آپ کے مکان کو جو نقصان ہوا آپ کو شرعاً اس کے مطالبہ کا حق نہیں ہے۔

هدم بيت نفسه فانهدم به بيت جاره لم يضمن؛ إذ لم يتعد.
(جامع الفصولين ۲/۸۳)

الأصل: كل موضع كان للواضع حق الوضع فيه برئ على كل حال الخ (أيضاً ۲/۸۸)

أوقد ناراً فاحترقت دار جاره لم يضمن، لو أوقد ناراً يوقد مثلها (شح) لم يضمن مطلقاً (أيضاً ۲/ ۸۹)

مر بنار فی ملكه أو ملك غيره فاحرقت ثوبا بشرارة وقعت منها، قال محمد بن الفضل: ضمن إذ لم يتخلل بين حمل النار والوقوع على الثوب واسطة ليكون مضافا إليه؛ حتى لو هبت الريح وألقتها فی

الثوب لم یضمن؛ إذ لم یضف إلیه(أیضاً ۲ /۸۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱ / ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

دوٹور س والے کی مشترکہ رقم ضائع ہوگئی تو ضمان کس پر ہے؟

سوال: زید اور عبداللہ دونوں بھی حج ٹور چلاتے ہیں، دونوں نے مل کر یہ طے کیا ہے کہ: اپنے اپنے حجاج خود حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اور ہر ایک اپنے حجاج کا رقم کا اور نفع نقصان کا خود ذمہ دار ہوگا، کسی قسم کی کوئی شراکت نہ ہوگی؛ البتہ ایک دوسرے کی معاونت حسب موقع کریں گے۔ چوں کہ عبداللہ کی اپنی آفس تھی اور زید کی کوئی آفس نہ تھی؛ اس لیے دونوں حجاج کرام کی رقمیں عبداللہ کے پاس جمع ہوتی رہی، زید کے حجاج کی رقم زید وصول کر کے عبداللہ کے پاس جمع کرتا رہا، اور ایک دوسرے کی معلومات کے حجاج کی ٹکٹ، ویزا بازار وغیرہ کے لیے اس میں سے خرچ ہوتے رہے، عبداللہ مکہ کی ہوٹل کی بکنگ کے لیے ایک ہفتہ قبل مکہ روانہ ہوگیا، اس کی غیر موجودگی میں زید نے سارے کام انجام دیے، اور واضح حساب کے ساتھ دونوں کے حجاج کی بقیہ رقم لے کر مکہ پہنچا، اور دونوں کی ملی جلی رقم بغیر کسی معاہدہ کے عبداللہ کے پاس جمع کروادی، اتفاق سے منیٰ میں عبداللہ کو احساس ہوا کہ منیٰ میں جو پرس لے گئے تھے اس میں رقم نہیں ہیں؛ لیکن پھر یاد کرنے پر خود اسے معلوم ہوا کہ مکہ میں پوری رکھ کر آیا ہے، مکہ واپس ہونے پر نہ عبداللہ نے زید کی رقم واپس کی اور نہ زید نے اس کا مطالبہ کیا؛ البتہ زید نے مزید ایک رقم ۵۰۰۰ ریال کی بہ طور حفاظت کے

عبداللہ کے پاس رکھوائی تھی وہ واپس لے لی، اور عبداللہ نے اس کے پاس موجودہ دیگر حاجیوں کی جمع کردہ امانتیں انھیں لوٹادی، اور دونوں کے حجاج کی بقیہ رقم بہ طور خرچ کے عبداللہ کے پاس ہی باقی رہی۔ مدینہ جانے سے دوروز قبل عبداللہ نے خود ہی زید کو یاد دلایا کہ تمھارے حجاج کی ۳۲۰۰ر ڈالر جو دوسرے ٹور والے کو ادا کرنے تھے، وہ رقم مجھ سے لے کر ادا کردو؛ لیکن زید نے بتایا کہ اس کو یہ رقم مدینہ میں چاہیے؛ اس لیے مدینہ میں دینا۔ اس کے بعد زید ہوٹل بکنگ کرنے کے لیے مدینہ دوروز قبل ہی چلا گیا، اور عبداللہ دودن بعد حجاج کے ساتھ مدینہ پہنچا۔ مدینہ میں دوروز تک پرس میں سے پیسے نکالنے کی ضرورت پیش نہ آئی، اور پرس بڑے بیگ میں تالا کے ساتھ رکھا ہوا تھا، اور اس کی عبداللہ کو کوئی خبر نہیں کہ بیگ میں پرس ہے یا نہیں؛ البتہ بڑے بیگ کو تالا لگا کر ہوا دیکھ کر مطمئن ہو رہا، دودن بعد جب پیسوں کی ضرورت پڑی تو بیگ کھولا، تو اس میں پرس موجود نہیں تھا، زید اور عبداللہ نے بہت کوشش کی؛ لیکن پرس کا پتہ نہ چل سکا، پرس میں جتنی رقم زید کی تھی اس سے تقریباً دوگنی رقم خود عبداللہ کی تھی، عبداللہ نے مدینہ میں ایک حاجی سے بہ طور قرض لے کر وہاں کی ہوٹل کے اور زید کے ایک حاجی کو رقم ۱۶۰۰ر ڈالر ادا کردیے، جب کہ زید کے دوسرے حاجی کے ۱۶۰۰ر ڈالر دینے کے باقی رہے۔ زید کا کہنا ہے کہ اس پوری رقم کا ذمہ دار عبداللہ ہے، اور عبداللہ کا کہنا ہے کہ اس نے شروع سے بہ طور معاونت کے بغیر کسی معاہدہ اور ذمہ داری کے اس کی رقم کا حساب بھی رکھا اور حفاظت بھی کی؛ اس لیے زید کو بھی اس میں بوجھ اٹھانا چاہیے؛ لہٰذا اس مسئلے میں رہبری فرمائیں کہ شریعت کے رو سے دونوں پر رقم ادا کرنے کے بارے میں ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عبداللہ کے پاس زید کی جو رقم تھی وہ بہ طور امانت تھی اور عبداللہ نے اس کی حفاظت کے لیے وہ صورت اختیار کی جو عرف وعادت میں اپنے مال کی حفاظت کے لیے کی جاتی ہے، اس کے بعد بھی وہ ضائع ہوگئی تو اب عبداللہ پر زید کی اس رقم کا کوئی ضمان نہیں ہے، زید عبداللہ سے اس کا ضمان وصول نہیں کرسکتا۔

وللمودع حفظها بنفسه وعياله كما له.... وعن محمد:أن حفظها بمن يحفظ ماله كوكيله ومأذونه وشريكه معاوضة وعنانا جاز، وعليه الفتوىٰ، ابن ملك واعتمده ابن الكمال وغيره، وأقره المصنف.

(درمختار مع الشامي ٥/٦٦٤)

ذكرالإمام التمرتاشى والإمام الحلواني عن محمد: المودع دفع الوديعة إلىٰ وكيله وهو ليس في عياله، أو دفع إلىٰ أمين من أمنائه ممن يثق به في ماله وليس في عياله أنه لايضمن ؛لأنه لما كان موثوقا به في ماله فكذا في الوديعة .ثم قال:وعليه الفتوىٰ، كذا في النهاية(عالمگيري ٤/٣٤٠،٣٣٩)

زید کے ایک حاجی کی رقم ۱۶۰۰ رڈالر جو عبداللہ نے ادا کردیے، اگر وہ بھی گم شدہ پرس میں تھی تو عبداللہ پر اس کا ضمان نہ ہونے کی وجہ سے یہ ادائیگی ضروری نہیں تھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ایکسیڈنٹ کی رقم کا مصرف

سوال: ہمارے یہاں سے قریب ایک گاؤں میں ایک آدمی کی ۸ رسالہ لڑکی کا

ایک گاڑی کے ساتھ ایکسیڈنٹ ہوگیا، اور ایکسیڈنٹ کرنے والا آدمی ہندو تھا، تو اس نے لڑکی کے علاج ومعالجہ کے لیے اس کے والد کو ۸/ ہزار روپیے دیے، پھر لڑکی کا انتقال ہوگیا، تو اب لڑکی کے والد صاحب کا کہنا ہے کہ: جو رقم اس ہندو نے دی تھی وہ رقم لڑکی کے ایصال ثواب کے لیے کسی مسجد میں یا وضوخانے میں یا پیشاب خانہ بنانے میں استعمال ہوجائے، تو اس رقم کا ایسی جگہ خرچ کرنا صحیح ہے؟ اگر صحیح ہو تو کس نیت سے استعمال کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو رقم علاج ومعالجہ کے لیے والد کو دی گئی ہے، ایکسیڈنٹ کرنے والے نے لڑکی کے والد کو اس کا مالک بنادیا ہے، تو اب اس والد کو اختیار ہے کہ اپنے استعمال میں لائے یا لڑکی کے ایصال ثواب کے لیے کسی کار خیر میں دے دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ صفر ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بیرون سے بھیجی گئی رقم میں بھائیوں کا تصرف

سوال: زید اپنے ماموں کے وسیلہ سے انگلینڈ میں رہائش پذیر ہوا، بعد ازاں ماموں کا خرچہ بھی واپس کیا، اس دوران جو مزدوری کی وہ اپنے بھائی صاحبان کے نام پاکستان بھیجی، بھائیوں نے اس رقم کے ذریعہ اپنے والد کے نام زمینیں، پلاٹ، مکان، وغیرہ خریدے اور تعمیرات مکانات کی۔ اب سوال اس بات کا ہے کہ: زید کی کمائی ہوئی رقم سے جو مکانات اور زمینیں خریدی گئیں ہیں، اس میں اس کے بھائی صاحبان بھی

شراکت دار ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید نے اپنے بھائیوں کے نام جو رقم بھیجی وہ اگر ان کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر بھیجی تھی تو اس رقم کے مالک بھائی صاحبان ہیں، اور اگر ان کو وکیل بنا کر کسی خاص مصرف میں صَرف کرنے کے لیے بھیجی تھی اور ان لوگوں نے اس کے مطابق زمین خریدی، تب تو اس پر ملکیت زید کی ہے، اور اگر ان بھائیوں نے زید کی مرضی کے خلاف اپنے طور پر زمین خریدی تو اس زمین پر بھائیوں کی ملکیت ہوگی، اور جو رقم انہوں نے صَرف کی اس کے وہ ضامن ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

كتاب الأيمان والنذور

حلال چیز کو حرام کرنے سے یمین منعقد ہو جاتی ہے

سوال: اگر آپس کے کچھ معاملات کی وجہ سے کسی نے اپنے اوپر کسی جائز چیز کو حرام کرلیا مثلاً یہ کہا کہ آج سے یہ مسجد ہمارے لیے اور ہمارے خاندان کے لیے حرام ہے، تو یہ یمین کہلائے گی کہ نہیں؟ کہنے والا شخص انتقال کر گیا ہے بچوں پر وہ چیز حرام ہوئی کہ نہیں بچے اور خاندان والے جانا چاہتے ہیں، تو کونسی شکل اختیار کریں نیز کہنے والا شخص انتقال کر گیا ہے وہ اس یمین سے کیسے بری ہو سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ یمین ہے۔ لما تقرر ان تحریم الحلال یمین (درمختار)

صورت مسئولہ میں بچوں اور خاندان والوں کے لیے جانے میں کوئی حرج نہیں، کہنے والے کے انتقال کر جانے سے اس کی برأت کا بھی اب کوئی سوال نہیں پیدا ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ رجب ۱۴۱۳ھ

منت کی نماز میں دو کی بجائے چار رکعت پڑھنا

سوال: کسی نے منت مانی کہ فلاں کام کے بعد دو رکعت نفل پڑھوں گا، اور کام کے بعد اس نے بجائے دو کے چار رکعت پڑھ لی، تو اس کے ذمہ سے ساقط ہوئی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کا ذمہ بری ہو جائے گا۔ (کما یستفاد من الشامی ۱/ ۶۹۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

لڑکے کی منت میں لڑکی پیدا ہوئی تو کیا حکم ہے؟

سوال: میری لڑکی کا تین بار بچہ پیدا ہو کر انتقال کر گیا، تب میں نے صبح شام اللہ سے بہت دعا کی کہ اے اللہ میری بچی کو ایک بیٹا دے کر اس کی زندگی میں خوشیاں دے دے، تو میں پانچ روزہ رکھوں گا، اللہ کے کرم سے ڈیڑھ سال پہلے اللہ نے ایک لڑکی دی، اب میں اپنا وعدہ پورا کروں؛ کیوں کہ میں نے لڑکا مانگا تھا، اللہ نے لڑکی دی، بڑا کرم ہے اس کا اور آپ سے جواب کی امید کرتا ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے جس شرط پر اپنی منت کو معلق کیا تھا وہ شرط تو پائی نہیں گئی؛ اس لیے کہ لڑکا پیدا نہیں ہوا، اس لیے آپ پر پانچ روزے واجب نہیں ہوئے، اس کے باوجود شکرانے کے طور پر آپ روزہ رکھنا چاہیں تو رکھ سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ صفر المظفر ۱۴۱۳ھ

نذر کا مصرف مسلمان فقیر ہے

سوال: نذر مانی تھی کہ فلاں کام ہو جائے تو اتنے پیسے دوں گا صدقہ، اب کام پورا ہوا تو وہ پیسے مسلمان فقیر کو دے یا کافر کو دے؟ اور للہ سے مراد صدقۂ نافلہ ہے یا دوسری چیز مراد ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نذر کا پورا کرنا واجب ہے، اس لیے اس کا شمار صدقات واجبہ میں ہونے کی وجہ سے مسلمان فقیر کو دینا ضروری ہے، للہ کا اطلاق عرف میں صدقۂ نافلہ اور عطیہ دونوں

پر ہوتا ہے، حسب قرائن مراد متعین ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نذر کی چیز میں تبدیلی کی چند صورتیں

سوال: ہمارے یہاں جب کوئی شخص کسی خطرناک حادثہ یا خطرناک بیماری سے نجات پاتا ہے تو اس طرح نذر مانتا ہے کہ میں جان کے بدلہ میں جان دوں گا یعنی بکری ذبح کر کے غریبوں کو کھلاؤں گا۔

① اب شخصِ مذکور بکری ذبح کر کے کھلانے کے بجائے بکری کی رقم کسی دینی مدرسہ میں دے کر مدرسہ والوں کو وکیل بنانا چاہتا ہے کہ اس رقم سے بکری خرید کر اس کا گوشت طلباء کو کھلا دو، کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟

② مدرسہ کے منتظمین بکری کی اس قیمت کو مدرسہ کی دوسری ضروریات میں استعمال کر سکتے ہیں؟

③ اگر دوسری ضروریات میں استعمال نہیں کر سکتے ہیں تو کیا وہ گوشت مستحقِ زکوۃ اور غیر مستحقِ زکوۃ طلبہ سب کھا سکتے ہیں؟ اگر غیر مستحقِ زکوۃ طلبہ نہیں کھا سکتے ہیں تو ایسے گوشت کو کھلانے کی شکل کیا ہونی چاہیے؛ چوں کہ یہاں سب کا کھانا ایک ساتھ تیار کیا جاتا ہے۔

④ کیا بکری کی رقم کسی غریب لڑکی کی شادی کی ضرورت میں استعمال کی جا سکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① وکیل بنانا درست ہے۔

العبادة المالية كزكوة وكفارة تقبل النيابة عن المكلف مطلقاً عند القدرة والعجز (درمختار على هامش الشامية۲/ ۲۵۸،۲۵۷)

(۲) وکیل اس بات کا پابند ہے کہ جس کا وکیل بنایا گیا اس کے خلاف نہ کرے۔

(۳) غیر مستحق کو کھلانا درست نہیں ہے، مستحق کو مالک بنا کر وہ اپنی مرضی سے تمام کو کھلا سکتا ہے۔

(۴) منت ماننے والا بکری کی قیمت کا صدقہ کر سکتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۷۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قسم سے نکلنے کی صورت اور اس کا کفارہ

سوال: زید کی بہن کا اس کے سسرال والوں سے جھگڑا ہوا ہے، سسرال والوں سے جھگڑا ہونے کی وجہ زید کی بہن کی نند ہے، اب زید نے اپنی بہن کو قسم دی کہ اگر تو اپنی نند کے گھر گئی تو میرا منہ نہ دیکھے گی، زید قسم دینے کے بعد اب بہت پچھتا رہا ہے، اور قسم اتارنا چاہتا ہے، اب اسے کیا کرنا ہوگا کہ بہن کو دی ہوئی قسم اتر جائے، اور بہن اپنی نند کے گھر آجا سکے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

زید نے اپنی بہن کو جو قسم دی ہے اس میں اگر جواب کے طور پر بہن نے اس کی بات کو قبول کرتے ہوئے یوں کہا ہو کہ میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اگر اپنی نند کے گھر گئی تو تمہارا منہ نہ دیکھوں گی، تو ایسا کہنے سے زید کی بہن پر قسم لاگو ہو چکی ہے، اب اگر وہ

قسم اتارنا چاہتی ہے تو اپنی نند کے گھر چلی جائے، اس کے بعد اپنے بھائی زید کا منہ بھی دیکھ لے، اور پھر اپنی قسم کا کفارہ ادا کردے، قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو دووقت کھانا کھلا دے یا دس مسکینوں کو کپڑا جو ان کی ستر پوشی کے لیے کافی ہو؛ دے، اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو مسلسل تین روزے رکھے۔

اور اگر زید کے اپنی بہن کو قسم دینے کے باوجود اس کی بہن نے اس کے جواب میں اس کی بات قبول کرتے ہوئے اوپر لکھے ہوئے کے مطابق قسم کے الفاظ نہ کہے ہوں تو اس صورت میں کچھ بھی لازم نہیں آتا؛ اس لیے کہ ایسا کہنے سے قسم نہیں ہوتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ ذی القعدۃ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

قسم کا کفارہ

سوال: اگر کوئی آدمی قسم کھاتا ہے کہ اگر میری شادی فلاں جگہ نہ ہوئی تو میں شادی نہیں کراوں گا، اور دوسری جگہ شادی کرالی تو اس قسم کا کفارہ کیا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس نے یہ کہا تھا کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر میری شادی الخ یا یوں کہا تھا کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر میری شادی الخ تو ان دونوں صورتوں میں وہ دوسری جگہ شادی کرنے سے اپنی قسم میں حانث ہوگیا، اور اس پر کفارہ واجب ہوگیا۔ (شامی ۳/۵۹) کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو صبح وشام دووقت پیٹ بھر کر کھانا کھلا دے یا دس مسکینوں کو

ہر ایک کو ایک جوڑا کپڑا دے، اگر خود غریب اور مسکین ہونے کی وجہ کھانا کھلانے یا کپڑا دینے کی طاقت نہیں ہے تو تین دن مسلسل روزے رکھے۔ (شامی ۳/۲۶، ۶۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ رجب ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بچہ کی پیدائش پر بھیک مانگ کر کپڑا پہنانے کی منت

سوال: ایک شخص نے منت مانی کہ اگر فلاں کے یہاں لڑکا ہوگا تو میں مانگ کر کپڑا پہناؤں گی اور پہلے وہی کپڑا بدن پر ہوگا جو مانگ کر لیا جائے بھیک مانگ کر کپڑا پہناؤں گی تو ایسی منت جائز ہے یا نہیں اگر مان لی تو اس کا پورا کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسی نذر (منت) شرعاً درست نہیں اس لیے اس کو پورا کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

روزے کی منت کو حالت سفر کے ساتھ مقید کرنا

سوال: کسی شخص نے روزے کی منت مانی اور اس کو سفر کے دنوں کے ساتھ معلق کر دیا اور وہ سفر کی حالت میں روزہ رکھے ہوا تھا اور اتفاقاً کوئی دوست مل گیا اس نے اس کو کھانے پر مجبور کیا تو شہر کے حدود میں داخل ہونے کے بعد اس نے کھانا کھالیا تو کیا

اب وہ روزہ کی قضا کرے یا نہیں نیز سفر کی حالت میں روزہ کی نیت کرنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نذر میں کسی حالت کی تعیین کرنے سے اس کی پابندی لازم نہیں اس کے بغیر بھی نذر ادا ہو جائے گی۔

(والنذر) من اعتكاف أو حج أو صلاة أو صيام أو غيرها (غير المعلق) ولو معينا (لا يختص بزمان ومكان ودرهم وفقير) فلو نذر التصدق... فلو عين شهرا للاعتكاف أو صوم فعجل قبله عنه صح.

(درمختار مع الشامی ۲ /۱۳۷)

اس لیے صورت مسئولہ میں منت کو سفر کے دنوں کے ساتھ مقید کرنے کے باوجود منت کے یہ روزے سفر کے علاوہ یعنی اقامت کے دنوں میں ادا کرنے سے بھی ادا ہو جائیں گے نیز صورت مسئولہ میں روزہ رکھنے کے بعد کھا لینے کی وجہ سے وہ گنہگار ہوا اور اس روزے کی قضا ضروری ہے سفر کی حالت میں بھی روزہ رکھنا درست ہے سفر کی حالت روزہ کے منافی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۴ / جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

قرآن ہاتھ میں لے کر کوئی بات کہنے سے قسم منعقد نہیں ہوتی

سوال: ایک آدمی اگر قرآن کریم پکڑ کر اس طرح اقرار کرے کہ اس کے بعد اگر میں نے یہ کام کیا تو خدا تعالیٰ میری سور کی شکل بن جائے، اور میں اندھی بن جاؤں، اور میرے خاندان کو اللہ تعالیٰ مٹا دے، اس طرح زبان درازی کرے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس طرح قرآن کریم ہاتھ میں لے کر سوال میں مذکور کلمات بولنے سے قسم نہیں ہوگی؛ اس لیے اگر اس نے وہ کام کرلیا ہے تو اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہے؛ لیکن اپنے لیے اس نوع کے بددعائیہ کلمات اپنی ہی زبان سے نکالنا یہ مومن کا شیوہ اور طریقہ نہیں، اس سے توبہ اور استغفار کرے اور صدقہ خیرات کرکے ان مصائب سے بچنے کے لیے دعا کا اہتمام کرے، اور آئندہ اس قسم کی حرکتوں سے باز رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ر ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ

کاروبار سے نفع کی رقم میں نذر ماننا

سوال: ایک صاحب کاروبار میں یہ نیت کرتے ہیں کہ اتنے کا مال فروخت ہوا اس پر اتنی رقم نکال کر اپنے عزیزوں، دوستوں اور اپنے اکابر کی خدمت کرے گا شرعاً اس رقم کی حیثیت کیا ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر صیغۂ نذر زبان سے کہا ہے تو وہ رقم نذر کی ہے اعزہ واحباب واکابر میں جو فقیر ہیں ان کو ہی دے سکتے ہیں اور اگر صرف دل میں نیت ہے زبان سے کچھ کہا نہیں تو پھر غنی وفقیر سب کو دے سکتے ہیں۔ اگر حصول ثواب کے لیے دے رہا ہے تو صدقۂ نافلہ ہے اگر دی جانے والی شخصیت کی رضا مقصود ہے تو ہدیہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

كتاب اللقطة

لقطہ کی تشہیر کا طریقہ

سوال :① میرے والد محترم سرکاری بس اسٹیشن میں آفیسر ہیں، ایک دن جب میں آفس گیا تو میز پر ''تفسیر خازن جلد نمبر ایک'' کو دیکھا معلومات حاصل کرنے سے پتہ چلا کہ بالکاڈ سے مالاپرم (جہاں مسلمان اور علماء زیادہ ہیں) تک جانے والی بس سے یہ ملی تھی، مزید بتایا گیا کہ آپ کو اس سے فائدہ ہوگا اس لیے ہم نے اس کو یہاں رکھا ہے، والد صاحب اس کو گھر لے آئے یہ لقطہ ملنے کے بعد سے لے کر ابھی تک چار ماہ گزر چکے۔

مذہب شافعی میں مفتی بہ قول یہ ہے کہ: اگر چہ لقطہ کو بغرض حفاظت اٹھایا جائے تب بھی اعلان ضروری ہے۔ مغنی المحتاج ۲ /۵۰۹ میں ہے:

''ومنه اخذ لقطة للحفظ ابدا... فهى امانة... ولم يوجب الاكثرون منه الا صحاب التعريف، والحالة هذه وهى أخذاللقطة للحفظ ابدا؛ لان التبرع إنماأوجبه لماجعل له التملك بعده، ورجح الامام والغزالى وغيرهما وجوبه، وهذا هو المعتمدكماصححه المصنف فى شرح مسلم، وقال فى زيادة الروضة أنه الاقوى المختار''۔

اور تعریف تو ایک سال ہے۔ مغنی ۲/ ۵۱۰ میں ہے: ثم يعرفها فى الاسواق وفى ابواب المساجد عند خروج الناس ونحوهامن المجامع والمحافل ومحال الرجال ومناخ الأسفار... سنة أى منه يوم التعريف...على العادة يعرف اولاً كل يوم طرفى النهارثم كل يوم مرة ثم كل أسبوع

پھر اس کو حقیر میں بھی کیسے شمار کریں گے؛ کیوں کہ مغنی ۲ / ۵۱۲ میں ہے:

والاصح أن الحقیرأی القلیل والمتمول، ولایقدر شیءفی الاصح؛ بل ھومایغلب علی الظن، أن فاقدہ لایکثر أسفہ علیہ، ولایطول طلبہ لہ غالباً... لایعرف سنۃ؛ بل زمنایظن أنہ فاقدہ یعرض عنہ غالباً.

اس میں حقیر کی جو تعریف ہے اس میں اس کتاب کو شامل کرنا مشکل ہے؛ کیوں کہ فاقد کا افسوس کبھی بھی ختم نہیں ہوسکتا ہے کیوں کہ اگر وہ چیز اس کی ملکیت میں ہے تو وہ صرف اس جلد کو خرید نہیں سکتا؛ بلکہ پورا سیٹ خریدنا ہوگا اور اگر کسی سے عاریۃً لیا تھا، تو مسئلہ اور پیچیدہ ہوجاتا ہے۔

جب حال یہ ہے تو پھر اعلان کی کیا صورت اختیار کی جائے؟ اگر کوئی وسائلِ اعلان کا سہارا لیا جائے، تو اس کو خرچہ بہت زیادہ ہوگا، تو اب ہم کیا کریں؟ حضرت والا سے مسلک حنفی کے مطابق رہنمائی کی امید ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اعلان کا طریقہ جیسا کہ کتب فقہ میں مصرح ہے، یہ ہے ایسی جگہیں جہاں لوگ جمع ہوتے ہوں، جیسے کہ بازار یا نمازوں کے بعد مسجد کے سامنے کا حصہ یا دور حاضر میں ہوٹل اور ریسٹورنٹ وغیرہ جگہوں پر اعلان کیا جائے، اسی طرح چھوٹے سے پوسٹر کی شکل میں چھپوا کر مسجد کے دروازوں اور عام جگہوں پر چپکا دیا جائے، اخبار میں دینا چاہے، تو دیا جاسکتا ہے؛ لیکن ضروری نہیں، آپ نے خرچہ کے متعلق جو لکھا ہے وہ اخباروں میں دینے کی صورت میں تو زیادہ آسکتا ہے؛ لیکن چھوٹے پمفلٹ کی شکل میں چھپوانے میں زیادہ مصارف نہیں ہوں گے؛ نیز چوں کہ یہ کتاب بس میں سے ملی ہے، اس لیے سرکاری بس کے تمام اسٹیشنوں پر بھی یہ پوسٹر لگوا دیا جائے خاص کر اس

علاقہ میں جہاں سے یہ کتاب ملی ہے، تو انشاء اللہ ذمہ بری ہوجائے گا۔

درمختار میں ہے: وعرف أی نادی علیها حیث وجدها وفی المجامع الی ان علم ان صاحبها لا یطلبها.

اس پر شامی میں ہے: (قوله وفی المجامع) أی محلات الاجتماع کالأسواق وابواب المساجد بحر وکبیوت القهوات فی زماننا.

(درمختار مع الشامي ۳/۳۵۰)

''الفقہ الاسلامی'' میں ہے: والأولی کتابة اعلانات والصاقها علی ابواب المساجد وغیرها فتحققت الغایة المطلوبة من التعریف، وقد أصبح هذا مألوفا فی عصرنا کما یمکن التعریف بالجرائد والصحف الیومیة (الفقه الإسلامي وأدلته ۶/ ۴۸۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مدفون خزانہ کا استعمال

سوال: اگر زمین میں مدفون خزانہ نکلے تو اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر خزانہ کسی کی مملوکہ زمین سے درآمد ہوا ہے، تو اس کو دیدیا جائے، ورنہ جس کو ملا ہے وہ اس کو استعمال کرسکتا ہے؛ بشرطیکہ اس پر اہل اسلام کی علامت نہ ہو، اگر اہل اسلام کی علامت ہے تو وہ لقطہ کے حکم میں ہے، جس کا اعلان کرکے مالک تک یا اس کے ورثاء تک پہنچانا ضروری ہے۔ (درمختار شامی ۲/ ۵۱، ۵۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ٹرانسپورٹ کا لاپتہ مال بحکم لقطہ ہے

سوال: ایک آدمی ٹرانسپورٹ سے مال بھیجتا ہے غلط پتہ پر، اب جس ٹرانسپورٹ آفس پر وہ مال آتا ہے کوئی اس کا چھڑانے والا نہیں ہوتا، بھیجنے والے کا پتہ بھی صحیح نہیں ہوتا، اگر اس کو بھیجا جائے تو کہاں بھیجا جائے؟ اس لیے وہ مال پڑا پڑا خراب ہو جاتا ہے، بہت مرتبہ سڑ جاتا ہے جس کی وجہ سے پھینکنے کی نوبت آجاتی ہے، کیا ایسے مال کو جس کے مالک کا یا چھڑانے والے کا بالکل پتہ نہ ہو، کسی غریب یا مدرسہ وغیرہ میں دے سکتے ہیں؟ برائے کرم جلد سے جلد جواب سے نوازیں۔

نوٹ: مذکورہ بالا مال کو فروخت کر کے اس کو اپنے استعمال میں لے سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ مال لقطہ کے حکم میں ہے، اس لیے مقامی اخبارات میں اشتہار دے کر مالک کا پتہ چلانے کی بھی سعی کر لی جائے، اس کے بعد بھی مالک نہ ملے تو کسی غریب کو یا مدرسہ میں دے دیا جائے، اگر اس کو فروخت کیا ہے تو اس کی قیمت بھی غرباء ہی کو دے دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

رقم وزیور کا لقطہ

سوال: راستے میں پڑی ہوئی رقم یا زیور ملے اسے استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

راستہ میں پڑی ہوئی رقم یا زیور کو اس کے مالک تک پہنچانے کی نیت سے اٹھائیں تو درست ہے، اپنے استعمال کی نیت سے اٹھانا جائز نہیں ہے، اور جب مالک تک پہنچانے کی نیت سے اٹھایا تب اس کے مالک کی تلاش اور جستجو ضروری ہے، لوگوں کے مجمعوں میں، بازاروں میں، مساجد کے دروازوں پر اس کا اعلان کرتا رہے، جب اس کے مالک کے ملنے کی طرف سے مایوسی ہوجائے اور غالب گمان ہوجائے کہ اس کے مالک نے بھی اس کی تلاش چھوڑ دی ہوگی تب کسی غریب ومحتاج کو اس کا صدقہ (مالک کی طرف سے) کردے، اور خود اگر محتاج ہو تو اس کے لیے بھی اس وقت استعمال درست ہوجاتا ہے؛ لیکن مالک مل جائے اور وہ اپنی رقم یا زیور کا مطالبہ کرے تو اس کا بدل ادا کرنا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دودھ کی خالی بوتل مالک کو نہ دے سکے تو کیا کرے؟

سوال: ایک مسافر گاڑی میں سفر کر رہا ہے، ایک اسٹیشن پر دودھ وغیرہ کی بوتل خریدی اور قیمت ادا کردی؛ لیکن ابھی بوتل اس کے پاس تھی کہ گاڑی چلنے لگی اب کوئی صورت بوتل کو مالک تک پہنچانے کی نہیں ہے تو اب اس بوتل کا کیا کرے؟ خود استعمال کرے یا غریب کو دے دے؟ دوسری صورت یہ ہے کہ دودھ کی قیمت دو روپے ہیں مسافر نے دودھ والے کو پانچ روپے دیے اور گاڑی چل دی، اب بوتل مسافر کے

پاس تھی اور دودھ والے سے تین روپے لینے باقی ہے تو کیا یہ تین روپے بوتل کی قیمت بن سکتے ہیں؟ حالاں کہ بیع کا رکن ایجاب وقبول ندارد۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خود یا کسی دوسرے کے ذریعہ سے مالک تک اس کا پہنچانا ضروری ہے، گاڑی کا چل دینا عذر نہیں ہے؛ البتہ بعد میں بھی مالک نہ ملا تو یہ لقطہ کے حکم میں ہوگی، خود اگر غریب ہے تو استعمال کرسکتا ہے ورنہ صدقہ کردے البتہ بعد میں مالک مل جانے پر اس نے صدقہ کو منظور رکھا تب ٹھیک ورنہ قیمت ادا کرنی ہوگی۔ (شامی ۳/۳۵۱)

دوسری صورت کا بھی یہی حکم ہے البتہ اس صورت میں مالک کے مل جانے پر اس سے اپنا بقیہ روپیہ وصول کرسکتا ہے۔ (شامی ۳/۳۵۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سونے کا لقطہ ملا کیا کرے؟

سوال: سونے کی ایک چیز بازار میں بھیڑ بھاڑ میں پڑی ملی، میں نے اس کو کچھ دنوں کے بعد سونار کے ہاتھ بیچ دیا، اب اس رقم کو کس استعمال میں لایا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کی ذمہ داری تھی کہ اس چیز کے مالک کو تلاش کرکے وہ چیز اس تک پہنچانے کی کوشش کرتے، اگر تلاش کرتے کرتے اتنی مدت گزر گئی کہ مالک کے ملنے کی طرف سے مایوسی ہوگئی، تو وہ چیز کسی غریب کو بہ طور صدقہ دے دیتے۔ صورت مسئولہ میں

جب آپ نے اس کو بیچ دیا تو اس کی قیمت کا صدقہ کر دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ رصفر المظفر ۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

قرض خواہ کے نہ ملنے کی صورت میں قرض کی ادائیگی

سوال: (۱) میں کچھ عرصہ پہلے سعودی عرب میں کام کرتا تھا اس وقت ایک دوکان دار سے لین دین کا معاملہ کیا گیا تھا چناں چہ اس کا کچھ قرضہ مجھ پر تھا پھر میں انڈیا واپس آ گیا دوبارہ جب سعودی عرب جانا ہوا تو اس دوکان کا اور دوکان دار کا کچھ پتہ نہیں، کوشش کے باوجود بھی اس کا پتہ لگا نہیں اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ اس قرضہ کو کس طرح ادا کرے کیا کسی کار خیر میں یہ روپیہ خرچ کرنے سے قرضہ کی تلافی ہو جائے گی کیا یہ رقم فساد کے مظلومین کو دے سکتے ہیں؟

(۲) جس وقت یہ معاملہ ہوا تھا ریال کا بھاؤ کم تھا آج کئی گنا ہے تو کس حساب سے رقم دینی چاہیے اس وقت کا حساب معتبر ہوگا یا آج کا حساب لگایا جائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) اگر باوجود جستجو اور تلاش کے وہ دوکان دار نہیں ملا تو اب اگر آپ اتنی رقم اس کی طرف سے بہ طور صدقہ فقراء اور مساکین کو دے دیں گے تو امید ہے کہ آپ کا ذمہ بری ہو جائے فساد کے مظلومین اگر مستحق زکوۃ ہیں تو ان کو بھی دی جا سکتی ہے۔

(۲) آپ پر اصالۃً یہ ضروری ہے کہ اتنے ریال ہی فقیر کو دیں اور اگر ان کے بہ جائے روپیے دینا چاہتے ہیں تو جس روز فقیر کو روپیے دیے جا رہے ہیں اس روز ریال

کا جو بھاؤ ہو اس کے مطابق دیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، یکم شعبان المعظم ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سفر میں غلطی سے دوسرے کا سامان ساتھ آجائے تو کیا حکم؟

سوال: زید نامی شخص حیدرآباد سے سفر کر رہا ہے معہ اپنے کثیر سامان کے، جب وہ سورت اترا تو اسی کا ایک دوست اس کے سامان کے اتارنے کی مدد کرنے لگا، ان سامان کے ساتھ اس دوست نے کسی دوسرے پاسنجر کا سامان اسی کا سمجھ کر غلطی سے اتار دیا اور ٹرین چلی گئی، معلوم نہیں ہے کہ اس سامان کا مالک کون ہے؟ وہ کہاں رہتا ہے؟ تو اب اس سامان کا کیا کیا جائے؟ اور اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر پہونچانا ہو تو ذمہ دار کون ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دورانِ سفر جو لوگ ٹرین میں ساتھ تھے، ان کا پتہ معلوم ہو تو ان سے تحقیق کر لی جائے، ورنہ اب وہ سامان لقطہ کے حکم میں ہے یعنی کسی غریب محتاج آدمی کو بطور صدقہ دے دیا جائے، جس نے وہ سامان اتارا ہے اس کی ذمہ داری ہے کہ مالک کا پتہ معلوم کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰ رشوال المکرم ۱۴۱۳ھ

لقطہ کا حکم اور سرکاری نیلامی میں اس کو خریدنے کا حکم

سوال: میں نے ایک گودام خریدا، مالکِ گودام کا کچھ مال پڑا تھا، اس سے ہم

بے خبر ہیں کہ وہ کہاں ہے، حکومت کا قانون ہے کہ تین سال تک انتظار کیا جائے، پھر جس نے گودام خریدا ہے، اس کے اختیار میں ہوتا ہے، چاہے تو استعمال کرے یا بیچ کر قیمت لے لے، شریعت اس بارے میں کیا کہتی ہے کہ ہم بیچ کر قیمت استعمال کر سکتے ہیں؟ اگر ہم بیچ کر قیمت غریب کو دے دیں، تو اسی طریقے سے اگر ایسی گودام کا مال ہے کیا ہم اس کو خرید سکتے ہیں؟ جب کہ معلوم ہے کہ یہ مسئلہ اوپری طریقے والا ہے، مال پڑا تھا، جس نے خریدا وہ تین سال بعد بیچ رہا ہے اور قیمت بھی بڑی آسانی والی، کیا ہم ایسا مال خرید سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مالک کا پتہ نہ چلے کہ وہ کون ہے، تب وہ لقطہ (گری پڑی چیز جو راستہ وغیرہ سے ملتی ہے اس) کے حکم میں ہے، یعنی ایک مدت تک تلاش وجستجو کے بعد اس کا مال صدقہ کر دیا جائے، اس نیت سے کہ اس صدقہ کا ثواب اس مالک کو ملے، اور خود غریب ہو تو وہ خود بھی استعمال کر سکتا ہے۔ بعد میں جب مالک مل آئے تو اس کو بتلا دیا جائے، اگر وہ اس صدقہ کو منظور کر لے تو ٹھیک، ورنہ اس کو اس مال کی قیمت ادا کرنا ہوگی، اور اگر مالک معلوم ہے، تو اس کو تلاش کرنا، اور اس کا پتہ چلانا، آپ پر ضروری ہے، آپ اپنے گھر بیٹھے رہیں، اور یہ سوچیں کہ وہ خود آ کر لے جائے گا، یہ خیال درست نہیں، جب وہ مل جائے اس کو دے دیا جائے، اور اگر اس کا انتقال ہو گیا تو اس کے ورثا کو دے دیا جائے، ایسے گودام کا مال نہ خریدا جائے؛ البتہ اگر حکومت خود فروخت کرتی ہو تو خریدنے کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

كتاب الاضحية والصيد والذبائح

قربانی اور زکوٰۃ کا نصاب

سوال: قربانی کے لیے کتنا مال ہونا ضروری ہے؟ کیا زکوٰۃ کی مقدار یا اس سے کم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اپنی حوائجِ اصلیہ اور دَین کو چھوڑ کر بقدرِ نصاب مال اگر موجود ہے تو قربانی واجب ہے، زکوٰۃ میں بھی یہی نصاب ہے؛ البتہ اس میں نامی ہونا ضروری ہے، جب کہ قربانی کے لیے نمو کی قید نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قربانی کس پر واجب ہے؟

سوال: قربانی کس پر واجب ہے؟ جو عورت صاحبِ نصاب نہ ہو؛ لیکن اس کے پاس ضرورت سے زائد برتن کپڑے اور چارپائی وغیرہ ہو اور غیر مستعمل ہو تو اس کے اوپر قربانی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وہ مسلمان مقیم جو دوسو درہم (ساڑھے باون تولہ چاندی) یا اس کے برابر قیمت کے ایسے سامان کا مالک ہو جو اس کی حاجاتِ اصلیہ (رہائش کا مکان، پہننے کے کپڑے اور ضروری سامان وغیرہ) سے زائد ہو وہ اس حالت میں ایام قربانی کو پالے تو اس پر قربانی واجب ہوگی۔ (درمختار شامی ۵/۲۱۹)

اس عورت کے پاس ضرورت سے زائد جو اشیاء موجود ہے ان کی قیمت اگر بقدرِ

نصاب ہوتو اس پر قربانی واجب ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قربانی کس پر واجب ہے؟

سوال: پارسال زید نے قرض لے کر کاروبار شروع کیا اسی وقت یہ نیت بھی کرلی تھی کہ میں آئندہ سال بقرعید کو قربانی کروں گا اس نیت کے مطابق وہ امسال قربانی کرنا چاہتا ہے تھوڑا سا قرض باقی ہے، اب تک اس نے جانور خریدا نہیں ہے اس صورت میں شریعت مطہرہ کا حکم کیا ہے؟ اگر وہ کرے تو نفل ہوگی یا واجب ادا ہوگا۔ بلا تاخیر جلد از جلد جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر زید کے پاس اس کی ضروریات زندگی اور قرض کی ادائیگی کے علاوہ اتنا سامان موجود ہے جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہوتی ہے، یا اتنی رقم نقد موجود ہے، یا اتنی چاندی موجود ہے یا ساڑھے سات تولہ سونا موجود ہے تو اس پر قربانی واجب ہے ورنہ قربانی تو پھر بھی کرسکتا ہے؛ البتہ نفل ہوگی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ذوالقعدہ ۱۴۰۷ھ

قربانی کس پر واجب ہے؟

سوال: اگر کوئی آدمی صاحب نصاب نہیں ہے تو اس پر قربانی فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو مسلمان اتنا مالدار ہو کہ اس پر زکوۃ واجب ہو یا اس پر زکوۃ تو واجب نہیں؛

لیکن ضروری اسباب سے زائد اتنی قیمت کا مال واسباب ہے جتنی قیمت پر زکوۃ واجب ہوتو اس پر قربانی واجب ہے، چاہے وہ تجارت کا مال ہو یا تجارت کا نہ ہو، اور چاہے سال پورا گذر چکا ہو یا نہ گذرا ہو۔ مذکورہ بالا نصاب قربانی اور صدقۂ فطر کا ہے، اگر کسی کے پاس یہ بھی نہیں تو اس پر قربانی واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ / جمادی الاخریٰ ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مقروض پر قربانی

سوال: میرے پاس پچاس ہزار روپیہ قرض ہے، وہ قرض ادا نہیں ہوا ہے، اور میں مہینہ میں ایک ہزار روپیہ کماتا ہوں، تو میرے اوپر قربانی کرنا اور زکوۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ پر جو قرض ہے، وہ اور آپ کی دیگر حوائجِ اصلیہ کو وضع کرنے کے بعد اگر آپ کے پاس اتنی رقم بچ جاتی ہے جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی ہے، اور اس پر ایک سال بھی گزر چکا ہے تو آپ پر زکوۃ واجب ہے، اور اگر اس پر سال نہیں گزرا تو زکوۃ واجب نہیں؛ البتہ قربانی دونوں صورتوں میں واجب ہے، اور اگر اتنی رقم جو ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر نہیں پہنچتی، اور دوسرا کوئی زائد از ضرورت سامان بھی آپ کے پاس موجود نہیں ہے تو قربانی بھی واجب نہیں۔ (شامی جلد دوم) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مرحوم کے لیے قربانی کی چند صورتیں

سوال: زید بدنہ یعنی بڑے جانور کی قربانی کرتا ہے اور اس میں اپنے مرحوم والد اور آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایصال ثواب کی غرض سے اپنی طرف سے دو حصہ رکھتا ہے اور ایصالِ ثواب کی نیت کرتا ہے، تو شرعاً یہ صورت جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

میت کی طرف سے اور میت کے لیے قربانی کر سکتے ہیں اور اس کی چند صورتیں ہیں:

① میت نے وصیت کی ہو کہ میرے مال میں سے میری طرف سے قربانی کر دینا اور وصیت کے مطابق اس کے مال میں سے قربانی کرے تو جائز ہے؛ مگر قربانی کا تمام گوشت وغیرہ حقداروں کو (جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں) صدقہ کر دینا واجب ہے۔

شامی میں ہے: (وعن میت) أي ضحى عن میت وارثه بأمره، الزمه بالتصدق بها، وعدم الأكل منها (۲۹۳/۵)

② میت نے وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، ان کے عزیز واقارب یا احباب اپنے پیسوں سے نفل قربانی کر دیں تو درست ہے، اور اس کا گوشت امیر وغریب سب کھا سکتے ہیں۔

وإن تبرع بها عنه له الأكل؛ لأنه يقع على ملك الذابح والثواب للميت (شامي ۲۳۹/۵)

③ اپنے مال سے اور نام سے نفل قربانی کر کے اس کا ثواب ایک یا ایک سے زائد میت کو بخش دے، تو وہ بھی درست ہے اور اس کا گوشت بھی امیر وغریب سب

کھا سکتے ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/۸۶)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مستقل ایک حصہ رکھ کر اس کی قربانی درست ہے اور اس میں ایصالِ ثواب کی نیت بھی درست ہے۔

والأصل أن كل من أتى بعبادة ماله جعل ثوابها لغيره (درمختار) قوله (لغيره) أي من الأحياء، والاموات بحر عن البدائع قلت: وشمل اطلاق الغير النبي، و لم أر من صرح بذلك من أئمتنا، وفيه نزاع طويل لغيرهم، والذي رجحه الإمام السبكي وعامة المتاخرين منهم الجواز، كما بسطناه آخر الجنائز (شامي ۲/۲۵۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ذوقعدہ ۱۴۱۰ھ

نفقہ کے بقدر زمین کے مالک پر قربانی نہیں

سوال: ایک شخص کے پاس اتنے روپئے تو نہیں ہیں، جن سے قربانی واجب ہو؛ لیکن زمین اس کے پاس اتنی ہے کہ اگر فروخت کردے تو صاحبِ نصاب ہوجائے، تو ایسے شخص کے لیے قربانی کا کیا حکم ہے؟ جب کہ زمین کی پیداوار ہی ذریعہ معاش ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زمین کی پیداوار صرف اتنی ہے جو اس کے اور اس کے اہل وعیال کے نفقہ کے لیے کافی ہے یا کم ہے تو اس پر قربانی (محض اس زمین کی وجہ سے) واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

سونا چاندی اور زمین کے مالک پر قربانی

سوال: ایک آدمی کے پاس زمین ہے، مال بھی ہے لیکن چاندی سونا نہیں۔ گذارے کے قابل اناج وغیرہ ہے تو اس پر قربانی ہے یا نہیں؟ ایک عورت منکوحہ ہے اور اس کی اپنی ملکیت میں سونا چاندی ہے جو ساڑھے باون تولہ کے برابر ہے دوسری چیزیں نہیں۔ تو اس پر قربانی ہے؟ یا چاندی سونا نہیں مگر اپنے باپ کے یہاں سے چھ یا سات جوڑے کپڑوں کے اور برتن لاتی ہے تو اس پر قربانی ہے؟ اور ایک گھر میں پانچ آدمی ہیں اور پانچوں کماتے ہیں لیکن زمین وغیرہ باپ کے نام پر ہے اور چار بھائیوں میں سے ایک بھائی ڈرائیور ہے، ایک مولوی ہے، دو کھیتی کرتے ہیں اور کوئی الگ نہیں تو سب پر قربانی ہے یا صرف باپ پر ہے اور اگر سب الگ الگ ہو گئے باپ نے زمین تقسیم بھی کر دی ہے تو سب پر ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کے پاس جو مال ہے اگر وہ حاجت اصلیہ سے زائد ہے اور اس کی قیمت نصاب کے بقدر ہے تو اس پر قربانی واجب ہے۔

علی کل مسلم ذی نصاب فاضل عن حاجته الاصلية وان لم ينم و به تحرم الصدقة و تجب الاضحية.(تنوير الابصار)

اس عورت پر قربانی واجب ہے، اگر ان زائد کپڑوں اور برتنوں کی قیمت بقدر نصاب ہے تو اس عورت پر قربانی واجب ہوگی ورنہ نہیں۔ ان بھائیوں میں سے ہر ایک کی ملک میں حاجت اصلیہ سے زائد بقدر نصاب مال ہے تو ہر ایک پر قربانی واجب

ہوگی یہی حکم باپ کا بھی ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/محرم الحرام ۱۴۱۴ھ

مشترکہ کاروبار میں قربانی کس پر واجب ہوگی؟

سوال: ہم چار بھائی ہیں، سارے شادی شدہ ہیں، اور ایک ہی دوکان پر بیٹھتے ہیں، ہماری تقریباً تین لاکھ پر زکوٰۃ، یعنی ساڑھے سات ہزار روپیہ زکوٰۃ نکلتی ہے، ہمارا کاروبار بھی شامل میں ہے اور کھانا پینا بھی شامل میں ہے، ہم پر کتنی قربانی واجب ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دوکان میں جو چار بھائی شریک ہیں، ان میں سے ہر ایک کا حصہ دوکان میں اتنا ہو جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہوتی ہو، تو ہر ایک پر زکوٰۃ واجب ہے، اور ہر ایک پر قربانی بھی واجب ہے۔(فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۳۱۳۔امداد الفتاویٰ ۲/ ۵۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قربانی اور گوشت کا حکم

سوال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں؟ کیا بغیر وصیت کے قربانی کر سکتے ہیں؟ اس کے گوشت کا کیا حکم ہے؟ بعض لوگ اللہ کے نام سے قربانی کرتے ہیں تو بتاؤ یہ کرنا کیسا ہوگا؟ کیا کوئی غیر مسلم اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو کھانا حلال ہوگا؟ کیا قربانی کا گوشت کافر کو دے سکتے ہیں؟ جب کہ یہ اللہ رب العزت کی

جانب سے مسلمانوں کی ضیافت ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں، اور بغیر وصیت کے بھی میت کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے، ان دونوں قربانیوں کے گوشت کا بھی یہی حکم ہے جو اپنی قربانی کے گوشت کا ہے، قربانی تو اللہ کے نام سے ہی ہوتی ہے؛ اس لیے کہ یہ بھی ایک عبادت ہے، اور یہ عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے، ذبح کرنے والا مسلم یا کتابی ہونا ضروری ہے، وہ غیر مسلم جو کتابی نہ ہو اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے، چاہے وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرے، غیر مسلم ذمی کو قربانی کا گوشت دینا جائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۴۳۴) یہ اجازت غیر مسلم ذمی کے حق میں تبعاً للمسلم دی گئی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

متعدد احباب کا متعدد اصحاب کے لیے قربانی کرنا

سوال: یہاں کچھ احباب مل کر ایک رقم جمع کرتے ہیں، ان کا ایک امیر ہوتا ہے، وہ یہ طے کرتا ہے کہ ۱۲۵/ رانڈ کا ایک حصہ مقرر کیا جائے، اس میں سے پچیس رانڈ حق خدمت اور اخراجات کے ہوں گے، پھر جو رقم جمع ہوتی ہے ہر سال اس رقم سے ایک سو چالیس قربانی کرتے ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خلفائے اربعہ، امہات المؤمنین، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، صوفیائے کرام، ائمۂ مجتہدین، ائمۂ محدثین اور اپنے مرحوم اکابر کی طرف سے قربانی کرتے ہیں، خصوصاً ان علاقوں میں جہاں مسلمان

غرباء کی آبادی ہے، کیا یہ طریقہ صحیح ہے؟ اور ان قربانی میں حصہ لینے والوں کو اجر وثواب ملے گا؟ اور اس نفل قربانی کا اجر وثواب کیا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہمارے بعض اکابر کے فتاویٰ سے اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے: فتاویٰ محمودیہ ۱۴/ ۳۳۹، ۳۳۶۔ ۲/ ۲۸۸۔ فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۹۰۔ امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۷۴، ۵۷۳۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مرحوم کی طرف سے قربانی انفراداً

سوال: زید نام کا ایک شخص انتقال کر گیا اور اس کے پیچھے بیٹے اپنے مرحوم باپ کی طرف سے بغیر وصیت کے قربانی کرنا چاہتے ہیں حالاں کہ مرتے وقت زید نے قربانی کی وصیت نہیں کی تھی تو ان کا قربانی کرنا اپنے مرحوم باپ کی طرف سے صحیح ہے یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو مرحوم کے ورثاء اس قربانی سے گوشت کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر میت نے وصیت نہیں کی ہے تو ورثہ پر میت کی طرف سے قربانی کرنا واجب نہیں ہے، پھر بھی اگر کوئی وارث بالغ ہو اور اپنے روپئے سے حصہ لے کر یا پورا جانور خرید کر میت کو ثواب پہنچائے تو شرعاً درست ہے، اور اس کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی دے سکتا ہے۔ (شامی ۵/ ۲۲۹)

یہ یاد رہے کہ تمام بیٹے مجموعی طور پر ایک حصہ یا جانور خرید کر باپ کی طرف سے نہیں کر سکتے، ہر ایک یا کوئی ایک انفرادی طور پر کر سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ذوالقعدہ ۱۴۰۷ھ

بڑے جانور کی قربانی پورے گھر کی طرف سے

سوال: قربانی گھر کے ۷/ افراد پر واجب ہے، تو کیا ایک جانور لا کر قربانی کرنے سے سب کی طرف سے قربانی ہو جائے گی؟ اور بیٹوں کے مال میں قربانی واجب ہے؛ مگر باپ کا مال نہیں ہے، تو باپ کی قربانی واجب ہے یا نہیں؟ بیٹوں کا مال باپ کا ہو سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جن پر قربانی واجب ہے وہ سب مل کر جانور خریدیں یا کسی ایک کو خریداری کا وکیل بنا کر خریدیں، تو ادا ہو جائے گی۔ باپ اگر صاحب نصاب نہیں ہے تو چاہے اس کے بیٹے صاحب نصاب ہوں، باپ پر قربانی واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

پورے خاندان کی طرف سے ایک بکرے کی قربانی

سوال: کیا احناف کے یہاں ایک بکرا پورے خاندان کی طرف سے قربانی کے لیے کافی نہیں ہے؟ جب کہ اس بارے میں حدیثیں موجود ہیں؛ چناں چہ ترمذی، ابن ماجہ، موطا امام مالک، میں ہے: حضرت عطاء بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے سنا، کہتے تھے: ہم قربانی کرتے تھے، ایک بکرا

اپنے اور اپنے تمام گھر والوں کی طرف سے، بعد اس کے فخر سمجھ کر ہر ایک کی طرف سے ایک ایک بکرا قربانی کرنا شروع کیا۔ ابوداؤد میں ہے: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بقرعید کے دن عیدگاہ میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ پڑھ چکے، ایک مینڈھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا، آپ نے اپنے ہاتھ سے اسے ذبح کیا، اور فرمایا "بسم اللہ، اللہ اکبر" یہ میری طرف سے ہے، اور میری امت میں اس شخص کی طرف سے جس نے قربانی نہیں کی۔ مسلم کی روایت میں بھی یہ الفاظ ہیں: ایک مینڈھا پکڑ کر لٹایا، اور فرمایا: محمد اور محمد کی آل کی طرف سے۔ ہماری کونسی دلیل ہے جس کی بناء پر ہم ایک مینڈھا پر ایک قربانی کر سکتے ہیں؟ کیا روایتیں صحیح ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو آدمی صاحبِ نصاب واستطاعت ہو، اس پر اپنی قربانی ضروری ہے، اس پر یہ لازم نہیں کہ وہ اپنی اولاد یا اپنی بیوی، یا دیگر اہلِ خانہ کی طرف سے قربانی کرے، حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی روایت کا یہی مطلب ہے کہ جو غنی اور صاحبِ نصاب ہوتا تھا، وہ اپنی اولادِ صغار اور اہلِ بیت کی طرف سے مستقل قربانی نہیں کرتا تھا؛ یہاں تک کہ لوگ فخر ومباہات کے طور پر سب اہلِ بیت کی طرف سے مستقل قربانی کرنے لگے؛ حالاں کہ اس کی ضرورت نہیں تھی؛ اس لیے کہ ان پر وجوب بھی نہیں، اس روایت سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اگر دیگر اہلِ خانہ بھی غنی ہوں، اور صاحبِ نصاب ہوں تب بھی ایک بکری سب کی طرف سے کافی ہوجاوے گی؛ چناں چہ حضرت ابوسریمہ رضی اللہ عنہ کی روایت جو ابن ماجہ میں موجود ہے، اس سے بھی اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے، وہ

فرماتے ہیں: ”حملني أهلي على الجفاء بعد ما علمت من السنة كان أهل البيت يضحون بالشاة والشاتين، والآن يخلنا جيراننا“ دیکھئے: اس روایت میں الشاۃ کے ساتھ شاتین بھی وارد ہے، اگر یہ بطریقِ اشتراک تھا، تو ایک بکری سے زیادہ کی ضرورت بالکل نہیں تھی، لیکن چوں کہ وجوب کا مبنیٰ یسار ہے جو گھر کے ذمہ دار کو حاصل ہوتا ہے، اور عموماً گھر کا ذمہ دار ایک یا کبھی دو ہوتے ہیں، اس لیے اہل بیت واحد ایک اور دو بکری کی قربانی کرتے تھے، اور دیگر خورد و کلاں کی طرف سے نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ بعد میں یہ چیز فخر و مباہات کے طور پر چل پڑی۔

دوسرا واقعہ جو آپ نے نقل فرمایا ہے، اس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں تو یہ الفاظ ہیں: ”اللّٰهم هذا عني وعمن لم يضح من امتي“ (اے اللہ یہ میری طرف سے، اور میری امت میں سے جو قربانی نہ کر پائے اس کی طرف سے) اور حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے: ”اللّٰهم هذا عن امتي جميعا لمن شهدلك بالتوحيد وشهد لي بالبلاغ“ (اے اللہ یہ میری تمام امت جو تیری وحدانیت اور میری رسالت کی مقر ہو، اس کی طرف سے) اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قربانی کے ثواب میں سب کو شریک کر لیا گیا، یعنی کوئی آدمی اگر خود قربانی کرے اور اس کے ثواب میں اپنے علاوہ دوسرے کو بھی شامل کر لے، (چاہے وہ دوسرا ایک فرد ہو یا متعدد افراد ہوں) تو یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی جائز ہے، باقی اگر اس کا مطلب یہ لیا جائے جو آپ سمجھ رہے ہیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ قربانی (بہ روایت ابو رافع رضی اللہ عنہ) تمام امت محمدیہ کی طرف سے کافی ہوگئی، اور اس کے بعد کسی امتی کو قربانی دینے کی ضرورت ہی نہیں، گویا قربانی کا باب ہی شریعت میں نہیں رہے گا؛ حالاں کہ کوئی بھی

یہ مطلب نہیں سمجھتا، اور اگر یہی مطلب ہوتا تو آپ ﷺ کے اس قربانی کر دینے کے بعد امت میں قربانی کا طریقہ رائج ہی نہ ہوتا؛ حالاں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کے بعد بھی برابر قربانی دیتے رہے، دلائلِ احناف تو وہ بھی کتبِ مطولہ میں مذکور ہیں، ایک دو نقل کر دیتا ہوں؛ لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتلا دوں کہ کسی مقلد کو دلیل کا مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے، کیا آپ نے تمام مسائلِ دین کے دلائل پر واقفیت حاصل فرمالی؟ اگر نہیں تو پھر کیوں ان مباحثوں میں الجھتے ہیں؟ دین کی ناقص معلومات کے ساتھ یہ روش آپ کی دینداری کے لیے مضر ہوگی۔ بہرحال وہ روایات بھی ملاحظہ فرمالیں:

عن ابي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من كان له سعة ولم يضح، فلا يقربن مصلانا

عن ابن عباس أن النبي ﷺ أتاه رجل، فقال: إن على بدنة وأنا موسر، ولا أجدها،فاشتريها فأمره النبي ﷺأن يبتاع سبع شياه فيذبحن.

عن جابرقال: أمرنا رسول الله ﷺ أن نشترك في الإبل والبقر كل سبعة منا في بدنة؛ لما ثبت أن النبي ﷺعدل البدنة بسبع شياه، ثم جعل البدنة عن سبعة أنفس، ثبت من كلا الأمرين أن الشاة عن واحد كما لا يخفى، فثبت من النصوص كون الشاة عن واحد من دون حاجة إلى القياس (اعلاء السنن ۲۰۷/۱۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بکرے کی قربانی میں شرکت پر مشتمل ایک مباحثہ کا جواب

سوال: کیا ایک بکرا یا بھیڑ پر گھر کے کل آدمیوں کی طرف سے قربانی کی جاسکتی

ہے؟ زید شافعی کہتا ہے سات آدمی کی طرف سے ایک بیل یا گائے اور ایک آدمی کی طرف سے ایک بکرا قربانی کرنا درست ہے، گھر کے کل آدمیوں کی ایک بکرا یا بھیڑ میں شرکت ناجائز اور غلط ہے، عمر کہتا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قربانی سنت ہے، اور ایک بکرا گھر کے کل آدمیوں کی طرف سے کافی ہے۔ "کتاب الأم" ۲/ ۱۸۷ پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ہی لکھا ہے۔ اور امام نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ "روضة الطالبين" ۲/ ۱۹۸ پر لکھتے ہیں کہ ایک شخص اپنے تمام گھر والوں کی طرف سے ایک بکرا قربانی کرے تو کافی ہوگی اور یہی مطلب ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا، شافعی مسلک سے زید اور عمر کے تکرار کا تفصیل سے جواب دیجئے۔

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

"شرح المهذب" اور "تحفة المحتاج بشرح المنهاج مع حاشيه" عبدالحمید کی "كتاب الاضحية" کا مطالعہ کرنے سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک در باب قربانی احقر جو سمجھا ہے، پہلے وہ عرض کرتا ہوں، اس کے بعد زید وعمر کے مباحثہ پر لکھوں گا، انشاء اللہ۔

اصل مسئلہ سے پہلے بطورِ تمہید ایک بات سمجھئے کہ جس طرح فرض کی دو قسمیں ہیں: فرض عین اور فرض کفایہ؛ اسی طرح سنت کی بھی دو قسم ہیں: سنت عین اور سنت کفایہ۔ فرض عین کا مطلب یہ ہے کہ شخصی طور پر ہر آدمی پر اس کی ادائیگی ضروری ہے، گویا اس کام کا ہر ایک کی طرف سے وجود میں آنا ضروری ہے، مثلاً: پنج وقتہ نمازیں فرض عین ہیں، اب ہر شخص (جو مکلف ہو) کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس کو انجام دے؛ جب کہ فرض کفایہ میں مقصود اس کام کا وجود میں آنا ہے، چاہے تمام حضرات

(جن سے اس کا مطالبہ کیا گیا ہے) اس کو انجام دیں یا ان میں سے ایک فرد اس کو انجام دے، مثلاً: نماز جنازہ، کہ مطالبہ تو سب سے لیا گیا ہے، لیکن اگر ایک فرد بھی نماز جنازہ پڑھ لے گا تو شریعت کا مقصود حاصل ہو جاوے گا؛ البتہ ثواب تو صرف اسی کو ملے گا، جس نے نماز پڑھی ہے، لیکن ذمہ داری سب سے ساقط ہو جائے گی، اور اگر سب پڑھیں گے، تو اس صورت میں بھی شریعت کا مقصود حاصل ہو جاوے گا اور ثواب سب کو ملے گا اور کسی نے نہیں پڑھی، تو شریعت کا مقصود فوت ہو جاوے گا، جس کی وجہ سے سب گنہ گار ٹھہریں گے۔ سنت کی دونوں قسموں کو بھی اسی طرح سمجھئے کہ سنتِ عین میں ہر ایک سے مطالبہ ہے کہ اس سنت کو ادا کرے، اب اگر ایک یا بعض افراد اس کو ادا کریں گے، تو باقی افراد پر مطالبۂ سنت باقی رہے گا؛ جب کہ سنت کفایہ میں اگر ایک یا بعض افراد نے ادا کر دیا، تو اصل سنت ادا ہو گئی؛ لیکن ثواب صرف اسی کو ملے گا، جس نے ادا کی ہے، علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مہذب ۴ / ۵۹۴ میں جہاں سلام وغیرہ کے مسائل ذکر کئے ہیں، وہاں اس کی تفصیل فرمائی ہے۔

تمہید مذکورۂ بالا کے بعد اب ہمارا اصل مسئلہ سمجھئے: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک گھر والوں پر قربانی سنت کفایہ ہے، چناں چہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ ''شرح مہذب'' میں فرماتے ہیں: قال أصحابنا: التضحية سنة على الكفاية في حق أهل البيت الواحد الخ (۳۸٤/۸) جس کا مطلب یہ ہوا کہ گھر کے تمام افراد پر سنت ہے، گویا ادائے سنت کے مطالبہ میں تمام شریک ہیں، اب اگر تمام افراد الگ الگ قربانی کریں گے، تو ہر ایک سنت کی ادائیگی کرنے والا سمجھا جاوے گا، لیکن اگر گھر کے تمام افراد میں سے ہر ایک نے قربانی نہیں کی؛ بلکہ کسی فرد واحد نے قربانی کی، تو اس

صورت میں تمام پر سے مطالبہ ساقط ہو گیا، لیکن سنت کا ثواب تو صرف اسی آدمی کو ملے گا، جس نے قربانی کی ہے، اور قربانی ادا صرف اسی کی طرف سے ہوئی، جس نے کی ہے۔

چناں چہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فإذا ضحى حصل سنة التضحية في حقهم، قال الرافعي: الشاة الواحدة لا يضحى بها إلا عن واحد؛ لكن إذا ضحى بها واحد من أهل بيت، تأتي الشعار، والسنة لجميعهم، قال: وعلى هذا حمل ماروي أن النبي ﷺ ضحى بكبشين، قال: اللّٰهم تقبل من محمد، و آل محمد قال: وكما أن الفرض ينقسم إلى فرض عين وفرض كفاية، فقد ذكر الأصحاب أن التضحية كذلك، وإن التضحية مسنونة لكل أهل بيت، هذا كلام الرافعي الخ (شرح مهذب ۳۸٤/۸)

"تحفة المحتاج" میں ہے: ومعنى كونها سنة كفاية مع كونها تسن لكل منهم سقوط الطلب بفعل الغير لا حصول الثواب لمن لم يفعل كصلاة الجنازة (۳٤٥/۹)

اس کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے محشی رقمطراز ہیں: (قوله سقوط الطلب بفعل الغير) يحتمل أن المراد أصل الطلب، لا الطلب على الاطلاق؛ حتى لو فعلها كل ولو على الترتيب وقعت أضحية وأثيب (۳٤٥/۹)

لیکن اس کے باوجود ایک بکری کی قربانی ایک آدمی کی طرف سے ہوگی، زیادہ کی طرف سے نہیں۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: تجزئ الشاة عن واحد، ولا تجزئ عن أكثر من واحد؛ لكن إذا ضحى بها واحد من أهل البيت تأدى الشعار في حق جميعهم الخ (شرح المهذب ۳۹۷/۸)

"تحفہ" میں ہے: وتجزئ الشاة الضائنة والماعزة عن واحد فقط اتفاقاً لا عن أكثر (تحفة المحتاج ۳۴۹/۹)

اب زید وعمر کی گفتگو کی طرف توجہ دیجئے: زید کا کہنا کہ ایک آدمی کی طرف سے ایک بکرا قربانی کرنا درست ہے، گھر کے کل آدمیوں کی ایک بکرا یا بھیڑ میں شرکت ناجائز اور غلط ہے، اپنی جگہ بالکل درست ہے۔ اس کے بالمقابل عمر کا یہ فرمانا کہ ایک بکرا گھر کے کل آدمیوں کی طرف سے کافی ہے، اس کا مطلب اگر یہ لیا جائے کہ اس سے سنت کفایہ ادا ہو جاوے گی، تو یہ بھی درست ہے۔ اور اگر اس کا مطلب یہ لیا جاوے کہ ایک بکرے میں تمام کی شرکت جائز و درست ہے، تو اس صورت میں غلط ہوگا، اور چوں کہ عمر کا یہ کلام زید کے کلام کے جواب میں ہے، اور زید کے کلام میں شرکت کا مسئلہ چھیڑا گیا ہے، اس لیے عمر کے کلام میں بھی شرکت والا مطلب ہی لیا جاوے گا، اور اس کے کلام کی تغلیط کی جاوے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قربانی کے لیے سینگ دار دنبہ بہتر ہے یا بے سینگ کا دنبہ؟

سوال: قربانی میں سینگ دار دنبہ بہتر ہے یا بے سینگ کا دنبہ بہتر ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو دنبہ زیادہ قیمت والا ہو وہ کم قیمت والے کے مقابلے میں بہتر ہے اور اگر قیمت کے اعتبار سے برابر ہوں تو جس میں گوشت زیادہ ہو وہ بہتر ہے۔ (عالمگیری ۲۹۹/۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۳ رشوال ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

سینگ ٹوٹے جانور کی قربانی

سوال: دریافت یہ کرنا ہے کہ سینگ کتنا ٹوٹا ہوا ہو تو اس کی قربانی درست ہے؟ ہم نے بہشتی زیور کی حصہ ۳ رصفحہ نمبر ۱۳۱ رمسئلہ ۲۴ پر دیکھا تو اس میں تحریر ہے کہ: سینگ اگر پیدائشی نہ ہو اور اگر ہو تو ٹوٹ گئے ہو بہ شرطے کہ جڑ سے نہ ٹوٹے ہو تو اس کی قربانی درست ہے، تو سینگ کے متعلق اس کے ٹوٹنے کی کسی مقدار کی تعیین ہے؟ اگر کسی مقدار کی تعیین ہے تو کتنی ٹوٹی ہوگی تو قربانی درست ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس جانور کے سینگ نہ ہوں یا ٹوٹ گئے ہوں، یا اوپر کا خول اتر گیا ہو اس کی قربانی درست ہے؛ البتہ سینگ جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں یا اکھڑ گئے ہوں اور چوٹ کا اثر دماغ تک پہنچ گیا ہو تو ایسے جانور کی قربانی درست نہیں ہے۔

عالمگیری میں ہے: ویجوز بالجماء التي لا قرن لها، وكذا مكسورة القرن كذا في الكافي، وإن بلغ الكسر المشاش لا يجزيه. والمشاش: رؤس العظام مثل الركبتين والمرفقين كذا في البدائع (عالمگیری ۵/ ۲۹۷)

شامی میں ہے: فإن بلغ الكسر إلى المخ لم يجز (شامي ۵/ ۲۲۷)

بدائع کی عبارت میں (جو عالمگیری اور شامی میں ہے) تصریح ہے کہ: مانعِ جواز وہ شکستگی ہے جو مشاش تک پہنچی ہیں، اور مشاش ہڈیوں کے سروں کو کہتے ہیں جیسے گھٹنے

اور کہنیوں کے جوڑ (یہاں رؤس العظام سے مراد دماغ کی ہڈی کا سرا ہے)، اس سے کم شکستگی مانع جواز نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ اردو ۶/۱۶۱، ۱۶۲)

مزید تفصیل کے لیے فتاویٰ رحیمیہ (۶/۱۶۲) کا مطالعہ فرمائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۹/ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

خنثیٰ جانور کی قربانی اور اس کا کھانا

سوال: ماکول اللحم جانوروں میں جو جانور خنثی ہوتا ہے اس کی قربانی اور اسی طرح عام حالت میں ذبح کر کے کھانا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ماکول اللحم جانور اگر خنثی ہو تو اس کو ذبح کر کے کھانا جائز ہے، اس کی قربانی جائز نہیں بشرطیکہ وہ خنثی مشکل ہو۔

ولا بالخنثى لان لحمها لاينضج شرح وهبانية (درمختار) قوله (لان لحمها لا ينضج) من باب سمع، وبهذا التعليل اندفع ما اورده ابن وهبان من انها لا تخلو اما ان تكون ذكرا او انثى وعلى كل تجوز (شامي ۵/۲۰۳)

اگر کسی نے اتفاقاً خنثی جانور کی قربانی کر لی اور اس کا گوشت اچھی طرح پک گیا تو وہ قربانی صحیح ہو جائے گی۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۵۷۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خنزیر کے دودھ سے پلے ہوئے جانور کی قربانی

سوال: اگر بکری کا بچہ کسی خنزیر کا دودھ پی لے اور اس کے دودھ سے اس بچے کی

پرورش ہوئی ہے تو کیا ایسے بچوں کی قربانی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یعنی جب کہ وہ بچہ ایک سال کا ہو جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسے بچے کو چند روز باندھ دیا جائے اور چارہ کھلا دیا جائے اس کے بعد اس کی قربانی کی جاسکتی ہے۔

الجدی اذا کان یربی بلبن الا تان والخنزیر ان اعتلف ایاما فلا باس لانه بمنزلة الجلالة، والجلالة اذا حبست ایاما فعلفت لا باس بها فکذا هذا، کذا فی الفتاوی الکبریٰ (عالمگیری ۲۹۰/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فاسد بیع کے ذریعہ خریدی گئی گائے کی قربانی

سوال: زید اور بکر نے ایک گائے خریدی سالم سے، اور گائے کی قربانی ان دونوں نے کردی، بعدہ علم ہوا کہ زید و بکر کا بیع کرنا فاسد ہے، تو آیا زید اور بکر کی قربانی درست ہوگی یا نہیں؟ مع حوالہ کتب جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں زید اور بکر کی قربانی درست ہوگئی۔

ولو اشتریٰ شاة بیعا فاسدا، فقبضها، فضحی بها، جاز؛ لأنه یملکها بالقبض (بدائع الصنائع ۷۷/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/صفر المظفر ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بیع فاسد والے جانور کی قربانی کا حکم

سوال: ایک شخص قربانی کا جانور اس طرح خریدتا ہے، بائع سے کہتا ہے کہ: تم میری طرف سے قربانی کر دینا، جتنا گوشت ہو اس کے ساٹھ روپے قیمت کے حساب سے پیسے لے لینا، آیا اس طرح قربانی ادا ہو جائے گی یا نہیں؟ یا یہ صرف گوشت خریدنا کہلائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس جانور میں سے کتنا گوشت نکلے گا یہ بوقتِ عقد معلوم نہیں ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بوقت عقد ثمن مجہول ہے، اس لیے یہ بیع فاسد ہوئی۔ (لجهالة الثمن كما هو مقرر في الفقه) اس کے بعد مشتری نے تو قبضہ کیا نہیں ہے، اور بائع کو ذبح کے لیے کہہ رہا ہے، اس صورت میں اس کے امر کے بعد بھی بائع کے لیے ذبح درست نہیں ہے۔

فإن الامر وهو المشتري لا يصح اعتاقه بنفسه ولا يجوز له الطحن والذبح؛ لكن الظاهر أن المأمور وهو البائع في مسئلة الطحن والذبح لا يجوز له أيضا. (شامی ۴/۱۴۱) اس لیے قربانی ادا نہیں ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ رمحرم الحرام ۱۴۱۵ھ

بٹائی پر دیے گئے جانور کی قربانی

سوال: بٹائی پر دی ہوئی بکری کے بچے کی قربانی بٹائی پر لینے والا شخص کر سکتا ہے یا نہیں؟ نیز بکری کے مالک کے لیے کیا حکم ہے؟ مسئلہ کے مالہ وماعلیہ پر روشنی ڈالیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مالک کر سکتا ہے، بٹائی پر لینے والا کرے گا تو قربانی درست نہ ہوگی۔ (فتاوی رحیمیہ

۱۷۹/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ رذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

چوری کیا ہوا جانور خرید کر قربانی کرنا

سوال: قصداً سارق سے مسروقہ جانور خرید کر قربانی کرنا کیسا ہے، بعد قربانی کے علم ہوا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ رذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

ایک سال سے کم بالغ بکرے کی قربانی

سوال: ایک بکرا ہے جس کی عمر ایک سال سے کم ہے؛ لیکن وہ بالغ ہے (اتنی عمر میں بکری کو اس سے حمل ٹھہر جاتا ہے) تو کیا ایسے بکرے کی قربانی کرنا صحیح ہے؟ اثبات یا نفی میں جواب مع الدلیل مطلوب ہے، عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسے بکرے کی قربانی درست نہیں ہے، پورے سال کا ہونا ضروری ہے۔

لا يجوز الجذع من المعز وغيره بلا خلاف، كما في القهستاني (شامي ٥/٢٢٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/صفر ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جانور کی عمر میں قمری تاریخ معتبر ہوگی یا شمسی؟

سوال: قربانی کے جانوروں میں ایک سال، دوسال، پانچ سال کی قید قمری تاریخ سے معتبر ہے یا شمسی سے، یوم ووقت کی کمی کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قمری سنین کا اعتبار ہوگا، اور کمی (چاہے ایک دن کی ہو اس) کی گنجائش نہیں ہے؛ البتہ دنبہ سال سے کم ہے؛ لیکن اپنی فربہی کی وجہ سے دیکھنے میں ایک سال کا معلوم ہوتا ہے تو اس کی درست ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ر ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

جانور کی عمر کے سلسلے میں کس کی بات معتبر ہوگی؟

سوال: جانوروں کے سال کی کمی زیادتی میں بائع ومشتری کے مابین کس کا قول معتبر ہے، مشکوک جانور کی قربانی ایسی حالت میں کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مشتری کو مالک کی بات پر اعتماد نہ ہو تو نہیں کرسکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ر ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

کتے نے کاٹ لیا ہو ایسی گائے کی قربانی

سوال: اگر کسی گائے کو کتے نے کاٹ لیا ہو، اور ایک سال گزر گیا ہو اور زخم بالکل مندمل ہو چکا ہو، آیا ایسی گائے کی قربانی جائز ہے؟ اور اگر جائز ہے تو اس کا

گوشت کھانے کے کام میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ مفصل جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کتے کا کاٹ لینا ان عیوب میں سے نہیں ہے جن کی بناء پر جانور قربانی کے لائق نہیں رہتا، اس لیے سوال میں مذکور گائے کی قربانی، بشرطیکہ کوئی دوسرا عیب مانع عن الاضحیۃ نہ ہو تو بلا تردد درست ہے؛ نیز جب اس کا زخم مندمل ہو کر سال بھر گزر گیا ہے تو اس کے گوشت میں بھی کوئی مضر مادہ موجود نہیں ہے اس لیے اس کے کھانے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ (ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۳۹۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مینڈھا، بھیڑ اور دنبہ کی جنس ایک ہے یا الگ الگ؟

سوال: تین جانور کے نام ہیں: مینڈھا، بھیڑ، دنبہ۔ گجراتی از اردو ڈکشنری میں تینوں کا معنی یہ لکھا ہے مینڈھا (گھیٹا)، بھیڑ (گھیٹی)، دنبہ (موٹی اور بھاری دم والا مینڈھا) فتاوی رحیمیہ جلد ثالث، اختری بہشتی زیور میں پہلے دو کے بارے میں قربانی کے لیے مکمل ایک سال کا ہونا ضروری لکھا ہے، فتاوی شامی کتاب الاضحیۃ میں بھی مکمل ایک سال کا ہونا ضروری لکھا ہے؛ جب کہ تیسرے کے بارے میں چھ ماہ سے زیادہ کا ہو اور سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو اس کی قربانی کو جائز لکھا ہے، اگرچہ بہشتی زیور میں پہلے دو کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ میں تو ایک سال سے کم ہونے پر ناجائز کہتا ہوں لیکن حکمتاً منع بھی نہیں کرتا ہوں۔ (بہشتی زیور)

حضرت پیری وسیدی وسندی مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی محمودیہ جلد ۴ میں فتاوی شامی کی کتاب الاضحیہ میں حکم پہلے دو کے بارے میں ایک سال سے کم ہونے پر عدم جواز کا لکھا ہے؛ جب کہ کتاب الزکوۃ میں "الضان من المعز" کی عبارت سے مینڈھا اور دنبہ کے ایک ہونے پر استدلال کر کے تینوں کا حکم برابر لکھا ہے، آخر اس باب میں قول فیصل کیا ہے؟ کیا یہ تینوں جنس کے اعتبار سے ایک ہیں یا الگ الگ؟ اور قربانی کے باب میں تینوں کا حکم ایک ہے یا مفتی عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم کے فیصلے کے مطابق الگ الگ؟ جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

میں اس مسئلہ میں جو سمجھا ہوں اس کا خلاصہ پیش کرتا ہوں، عربی زبان میں چار الفاظ استعمال ہوتے ہیں: معز، ضأن، غنم، شاة

"معز" کا ترجمہ اردو زبان میں بکری (مذکر ومؤنث)۔ اور "ضأن" کا ترجمہ اردو زبان میں مینڈھا یا دنبہ (مذکر ومؤنث) کریں گے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلا بال والا جانور ہے اور دوسرا اون والا جانور ہے، دوسرے کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک چکتی والا، دوسرا بغیر چکتی کا، غنم اور شاۃ عربی زبان میں معز اور ضأن دونوں پر بولا جاتا ہے بلکہ شاۃ کا اطلاق معز اور ضان کے علاوہ بقر ونعام وغیرہ پر بھی ہوتا ہے۔

المعز... خلاف الضأن من الغنم فالمعز ذوات الشعور منها، والضأن ذوات الصوف (تاج العروس ٨٢/٤ بحذف)

والضأن: خلاف المعز من الغنم، ضأن (ایضاً:٢٩٢/٩) ومنه حديث شفيق مثل قراء هذا الزمان كمثل غنم ضوائن ذات صوف عجاف (ایضا)

الشاة: الواحدة من الغنم تكون للذكر والانثى أويكون من الضأن والمعز والظباء والبقر والنعام وحمر الوحش (تاج العروس ۳۹۵/۹)

الضأن ذو الصوف من الغنم (المعجم الوسيط:۵۳۲)

المعز: ذو الشعر من الغنم خلاف الضأن (ايضا:۸۷۷)

الشاة: الواحدة من الضأن والمعز والظباء والبقر والنعام الخ (ايضاً: ۵۰۱)

الغنم: القطيع من المعز والضأن لا واحد له من لفظه (ايضاً:٦٦٤)

کتب فقہ میں ''جذع من الضأن'' کی قربانی کو درست قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ اتنا فربہ ہو کہ سال بھر والوں میں چھوڑ دیا جائے تو دور سے تمیز ممکن نہ ہو۔

وصح الجذع ذو ستة اشهر من الضأن ان كان بحيث لو خلط بالثنايا لا يمكن التمييز من بُعْد (درمختار على هامش الشامي ۲۲۶/۵)

اس میں ضان کی قید لگائی اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ ''جذع من المعز'' یعنی بکری کی قسم ہو (چاہے مذکر ہو یا مؤنث) تو اس کی قربانی درست نہیں ہے، چناں چہ تمام ہی کتابوں میں صراحۃً لکھا ہے کہ بکرا یا بکری پورے سال بھر کے ہوں تب ہی اس کی قربانی درست ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔ جذع کی تشریح میں فقہاء احناف تحریر فرماتے ہیں کہ جس پر سال کا اکثر حصہ گذر چکا ہو؛ لیکن اس کی مراد کی تعین میں اختلاف ہے: (۱) صاحب محیط فرماتے ہیں: کہ جو آٹھویں مہینہ میں داخل ہو چکا ہو۔ (۲) خزانہ میں ہے کہ جس پر چھ ماہ سے اوپر کی مدت گذر چکی ہو۔ (۳) اور زعفرانی لکھتے ہیں کہ سات ماہ کا ہو۔ (۴): اور انہی سے آٹھ یا نو ماہ کا قول بھی منقول ہے، چوں کہ قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ نے خزانہ والا قول ہی ذکر کیا ہے اس لیے اسی کو ترجیح ہے۔

(قوله صح الجذع) بفتحتين، قهستاني (قوله ذو ستة اشهر) كذا

فی الهدایة، وفسره فی شرح الملتقی: شرعاً بما اتی علیه أکثر الحول عند الأکثر، قال القهستانی: وفسر الاکثر فی المحیط بما دخل فی الشهر الثامن، وفی الخزانة: بما اتی علیه ستةأشهر وشیء، وذکر الزعفرانی: أنه ابن سبعة وعنه ثمانیة أوتسعة و مادونه حمل اھ قلت: واقتصر فی الخانیة علی مافی الخزانة الخ (شامي:٥/٢٢٦)

الحاصل ضأن اگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر والے ہم جنسوں میں چھوڑ دیا جائے تو کچھ فرق معلوم نہ ہو تو چھ ماہ سے اوپر کی عمر کا ہونے کی صورت میں اس کی قربانی درست ہونے پر اتفاق ہے۔

اب آگے بڑھنے سے پہلے ایک وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ عربی زبان میں ''ضأن'' اون والے جانور کو کہتے ہیں (بال والے کو نہیں) اس میں دو قسم کے جانور ہوتے ہیں ایک وہ جس کو پیچھے دم کے پاس گول چکتی ہوتی ہے جس کو عربی زبان میں ''إلیة'' کہتے ہیں، دوسرا وہ جس کو پیچھے دم کے پاس گول چکتی نہیں ہوتی، پہلی قسم ''ذوات الإلیة'' کہلاتی ہے، دوسری قسم ''غیر ذوات الإلیة'' کہلاتی ہے۔ حدیث پاک میں ''جذع من الضأن'' کی قربانی کی اجازت ہے، اور لغت میں ضأن کا اطلاق ذوات الصوف (اون والے) پر ہوتا ہے جیسا کہ اوپر تاج العروس اور معجم الوسیط کے حوالوں سے آچکا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کتاب الزکوۃ میں طحطاوی کے حوالے سے قہستانی کی جو عبارت نقل فرمائی ہے اس میں اس کی تصریح ہے، چناں چہ ''باب زکوٰة الغنم'' میں درمختار کی عبارت ضأناً اور معزاً کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: والضأن

ماكان من ذوات الصوف والمعز من ذوات الشعر، قهستانی۔(شامي۲/۲۰)

اس لیے بربنائے لغت ذوات الصوف کے جذع کی قربانی درست ہونی چاہیے چاہے وہ ذوات الإلية (چکتی والے) ہوں یا غیر ذوات الإلية (بغیر چکتی کے) ہوں۔

فقہاء نے بھی عام طور پر ضأن کی تشریح ذوات الصوف سے کی ہے۔ شامی کی کتاب الزکوۃ کی عبارت ابھی گذر چکی، بحر الرائق میں معراج کے حوالہ سے یہی لکھا ہے: وفی المعراج الضأن جمع ضائن کرکب جمع راکب من ذوات الصوف(بحر الرائق:۲/۲۳۳)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق بھی یہی ہے، جیسا کہ اختری بہشتی زیور ۳/۳۹ کے حاشیہ میں مرقوم ہے، حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق بھی یہی ہے۔ (دیکھئے کفایت المفتی ۸/۱۹۱، ۱۹۲)

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب اجراڑوی رحمۃ اللہ علیہ (مفتی مظاہر العلوم) کی تحقیق بھی یہی ہے جیسا کہ انہوں نے بہشتی زیور کے حاشیہ میں تحریر فرمایا ہے۔ (دیکھئے اختری بہشتی زیور ۳/۳۹ حاشیہ نمبر ۴)

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ (مفتی اعظم دار العلوم دیوبند) کی تحقیق بھی یہی ہے۔ دیکھئے: فتاوی دار العلوم عزیز الفتاوی ۱/۷۱۸۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی مدظلہم کی تحقیق بھی یہی ہے، دیکھئے: احسن الفتاوی ۷/۵۲۳، ۵۲۴۔ حضرت مولانا حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو شامی کتاب الاضحیہ کی عبارت (قوم من الضأن) هو ماله الية(شامي۵/۲۲۶) سے جو شبہ ہوا ہے اس کا جواب مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم نے احسن الفتاوی (۷/۵۲۳) میں دیا

ہے۔اور خود علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد جو لکھا ہے: قيد به؛ لانه لا يجوز الجزع من المعز وغيره (شامي٥/٢٢٦) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر لفظ ضأن کا وہ معنی مراد ہے جو معز کے مقابلہ میں ہے، اور معز کا اطلاق ذوات الشعر پر ہوتا ہے تو اس کا مقابل ضأن اس جگہ ذوات الصوف کے معنی میں ہے چاہے ذوات الالیۃ ہو یا غیر ذوات الالیۃ، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شامی کی عبارت سے پیدا ہونے والا شبہ دور کرنے کی کوشش فرمائی ہے۔اردو زبان میں عام طور پر بھیڑ کا لفظ غیر ذوات الالیۃ پر اور دنبہ کا لفظ ذوات الالیۃ پر بولا جاتا ہے، مینڈھا کا لفظ غیر ذوات الالیۃ مذکر مؤنث سینگ والے پر بولا جاتا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: حضرت مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آپ نے اپنے سوال میں عدم جواز کی جو نسبت فرمائی ہے باوجود جستجو کے میری نظر سے نہیں گذری؛ بلکہ حضرت قدس سرہ تو یہ تحریر فرماتے ہیں کہ: بھیڑ کی قربانی - ''جب کہ اس کی عمر سال بھر سے کم ہو'' ناجائز ہونا میری کس عبارت سے معلوم ہوا، اس کو بھیج دیجئے''۔(فتاوی محمودیہ ۴/۳۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دنبہ اور بھیڑ میں فرق

سوال: قربانی کے جانوروں میں دنبہ اور بھیڑ، تو بھیڑ کو گجراتی میں کونسے نام سے موسوم اور یاد کیا جاتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اون والا جانور دو قسم کا ہوتا ہے: ایک وہ جس کو چکتی ہوتی ہے، اس کو عموماً اردو میں دنبہ کہتے ہیں، دوسرا وہ جس کو چکتی نہیں ہوتی اس کو اردو میں بھیڑ کہتے ہیں، گجراتی میں ان دونوں کے لیے کا ''گھیٹا'' کا لفظ بولا جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ر ذوالحجۃ الحرام ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

غیر مملوک گھومنے پھرنے والے جانور کی قربانی

سوال: جو جانور مثلاً گائے، بیل وغیرہ روڈ پر گھومتی رہتی ہے، اور خود چرتی ہے اور اس کو کوئی چراتا نہیں، اب آپ سے دریافت یہ ہے کہ اس کا مالک کون ہوگا؟ ہمارے یہاں بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ چوں کہ وہ خود چرتی ہے اور اس کی کوئی دیکھ ریکھ نہیں کرتا، اس لیے اس کا کوئی مالک نہیں، اس لیے اس کو پکڑ سکتے ہیں اور خود مالک بن سکتے ہیں، تو کیا اس شخص کا یہ کہنا درست ہے؟ اور اگر اس جانور کی قربانی کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر اس جانور کو فروخت کرے اور لینے والا اس جانور کی قربانی کرے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے، جب کہ اس کو جانور کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو؟ اور معلوم ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسا جانور لقطہ کے حکم میں ہے، اس کا مالک تلاش کر کے اسی تک پہنچانا ضروری ہے، اگر باوجود تلاش اور جستجو اور اخبارات میں اشتہار دینے کے اس کا مالک نہ ملے

اور یہ یقین ہو جائے کہ اب اس کو کوئی لینے کے لیے نہیں آئے گا، اس صورت میں مالک کی طرف سے کسی غریب، محتاج کو بطورِ صدقہ دے دیا جائے، خود استعمال کرنا یا کسی کے ہاتھ فروخت کرنا درست نہیں، اگر ایسے جانور کی خود قربانی کر لی یا پانے والے نے کسی کے ہاتھ فروخت کر دیا اور اس نے قربانی کی تو یہ قربانی شرعاً درست اور معتبر نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم محرم الحرام ۱۴۲۷ھ

قربانی کا جانور بدلنا

سوال: اگر صاحب نصاب نے ایک جانور بنیت اضحیہ خریدا تو کیا اسی جانور کی قربانی واجب ہے؟ اور اگر اس کی جگہ دوسرے جانور کی قربانی کر دے تو گناہ کا مرتکب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دوسرے جانور کی قربانی کر سکتا ہے؛ البتہ اگر دوسرا جانور قیمت میں پہلے جانور سے کم ہے تو دونوں کی قیمت کا فرق صدقہ کر دے۔ (احسن الفتاویٰ ۷/ ۴۸۸ سے ماخوذ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قربانی کے بکرے کو بڑے جانور سے بدلنا

سوال: زید اپنے وطن اقامت میں مقیم ہے۔ وہ صاحب نصاب ہے۔ اس نے ایک بکرا قربانی کے لیے پال رکھا ہے لیکن اب زید چند وجوہ کی بناء پر عید الاضحیٰ

اپنے وطن اصلی میں کرنا چاہتا ہے اور وطن اصلی اتنا دور ہے کہ وہاں یہ جانور جانا بڑا مشکل ہے تو کیا زید یہاں پر اس بکرے کو جو اس نے پال رکھا ہے فروخت کر سکتا ہے؟ اور اسی رقم سے اپنے وطن اصلی میں جا کر بڑا جانور (گائے، بھینس وغیرہ) خرید کر اس میں سے ایک حصہ اپنا فرض ادا کر کے باقی چھ حصوں میں عقیقہ یا نفلی قربانی کر سکتا ہے تو کیا یہ صورت جائز ہوگی؟ اور اس کی قربانی درست ہوگی؟

نوٹ: (بڑا جانور بدرجہ مجبوری خریدنا ہے کیوں کہ زید کے وطن میں بکرا، بکری کی قلت کی بنا پر وہاں وہ گراں ہوتا ہے)۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اپنے ذمہ اس کو نذر مان کر واجب نہیں کیا تو محض قربانی کی نیت سے پالنے کی وجہ سے اس کی قربانی متعین طور پر واجب نہیں ہوئی۔ بلکہ وہ اس کا مالک ہے اس کے لیے جائز ہے کہ اس کو فروخت کر کے عمدہ بڑا جانور خریدے جس میں سات آدمی شریک ہو کر اپنا واجب ادا کر سکیں (فتاوی محمودیہ: ۱۴/ ۳۴۳) اسی طرح باقی چھ حصوں میں عقیقہ یا نفلی قربانی کی نیت بھی کر سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قربانی کے جانور کے بال کاٹنا

سوال: قربانی کے جانور کے بدن پر بڑے بال ہوں، تو جانور کی تندرستی کے لیے بال چھیل سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کی اجازت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

قربانی کے شرکاء گوشت کس طرح تقسیم کریں؟

سوال: یہاں قربانی کے دنوں میں قربانی کے گوشت کے سلسلے میں یہ طریقہ رائج ہے کہ قربانی کے بڑے جانور کے ساتوں شرکاء اپنی رضامندی سے یہ کہتے ہیں: آپس میں جو شریک اپنے لیے جتنا چاہے اتنا لے لیوے اور باقی تمام صدقہ کر دیا جائے، تو کیا اِس طریقے پر صدقہ اور تقسیم کرنا درست ہے یا نہیں؟

نیز ایک ہی فیملی کے سات شرکاء ہو، اس وقت بھی تقسیم ضروری ہے یا بہ قدر ضرورت چار پانچ کیلو گوشت لے کر باقی کو صدقہ کرنا درست ہے یا نہیں؟

اور اگر ایک فیملی کے چار شریک ہوں اور باقی اجنبی ہوں، تو اس صورت میں برابر سرابر سات حصے کرنا ضروری ہے؟ یا ایک جانب چار وزن کر کے الگ کر دیا جائے اور باقی تینوں کو وزن کر کے علاحدہ کر دیا جائے، یہ طریقہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تقسیم ضروری نہیں ہے؛ لیکن اگر شرکاء آپس میں تقسیم کرنا چاہیں تو وزن کر کے برابر کرنا ضروری ہے، اندازہ اور تخمین سے درست نہیں۔

ایک خاندان کے تمام شرکاء ہونے کی صورت میں بہ قدر ضرورت رکھ کر بقیہ کا

صدقہ کردینا درست ہے۔ مناسب یہ ہے کہ تقسیم اندازہ سے کرنا چاہتے ہو تو ساتھ سر، پائے اور کھال کو بھی ملالیں؛ تاکہ درست ہوجائے۔

ویقسم اللحم وزنا لاجزافا؛ إلا إذا ضم معه من الأكارع والجلد صرفا للجنس لخلاف جنسه (درمختار) (قوله: ويقسم اللحم) انظر هل هذه القسمة متعينة أو لا؟ حتىٰ لو اشترىٰ لنفسه ولزوجته وأولاده الكبار بدنة ولم يقسموها تجزيهم أو لا؟ والظاهر أنها لاتشترط؛ لأن المقصود منها الإراقة وقد حصلت.....وحاصله أن المراد بيان شرط القسمة إن فعلت، لا أنها شرط إلخ(شامي ۳۲۳/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/شعبان ۱۴۱۲ھ

مشترک قربانی کا گوشت کس طرح تقسیم کرے؟

سوال: گائے کی قربانی جو مشترک ہے، اس کے حصوں کی تقسیم میں وزن کرکے حصہ علیحدہ کرنا ضروری ہے؟ کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مشترک ہی رکھ کر استعمال یا تقسیم کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں، اور اگر تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو تول کر برابر کرنا ضروری ہے، تاکہ ربوا لازم نہ آئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ذوالقعدہ ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

خود کی قربانی میں گوشت تولنے کی ضرورت نہیں

سوال: زید نے اپنی طرف سے قربانی کی اور گوشت کی تقسیم بغیر ناپ تول کے

اندازے سے کرتا ہے، تو اندازے سے تقسیم کرے یا ناپ کر کرے؟ قربانی کے جانور میں دوسرا شریک بھی نہیں ہے، بکر کہتا ہے کہ بغیر ناپ تول کے صحیح نہیں ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب اس قربانی میں کوئی شریک نہیں تو زید جس طرح چاہے گوشت کی تقسیم کر سکتا ہے، ناپ تول کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ ذوالقعدۃ ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کافروں کو قربانی کا گوشت دینا

سوال: قربانی کا گوشت کافروں کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر دیا تو قربانی صحیح ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی واقعی مصلحت ہو تو دے سکتے ہیں؛ مگر بہتر نہیں ہے، کیوں کہ مسلمانوں میں غرباء کی کمی نہیں ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ۶/ ۱۶۵) قربانی کی صحت گوشت کی تقسیم پر موقوف نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قربانی کے جانور کے کسی عضو کو فروخت کرنا

سوال: اگر بکرے کی سری کو بطور کھانے کے نہ لینے کے لیے تیار ہو تو کیا اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت کو صدقہ کر دے تو کوئی حرج تو نہیں؟ جیسے چرمِ قربانی کو

فروخت کر کے اس کی رقم کو فقراء پر خیرات کیا جاتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مناسب تو یہ ہے کہ کسی کو دے دیا جائے، اس کے بعد چاہے وہ شخص کھانے میں استعمال کرے، چاہے فروخت کرے، لیکن اگر مالک نے خود فروخت کیا تو قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔

ومفاده صحة البيع مع الكراهة وعن الثاني باطل لأنه كالوقف مجتبى (درمختار) (قوله ومفاده صحة البيع) هو قول أبي حنيفة ومحمد بدائع لقيام الملك والقدر على التسليم هداية (قوله مع الكراهة) للحديث الآتي. (شامي ۲۳۱/۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ رمحرم الحرام ۱۴۱۵ھ

ذبح سے پہلے قربانی کی کھال فروخت کرنا

سوال: ایک شخص نے قربانی کا جانور خریدا، قصائی نے فروخت کرتے وقت کہا کہ: تم سے معمولی قیمت لے رہا ہوں، پانچ سو روپے کی تو اس کی کھال ہے، مشتری نے کہا: ٹھیک ہے، پانچ سو روپے کی کھال تمہاری ہوگئی، یہ لو باقی رقم۔ معلوم کرنا یہ ہے کہ ایسی صورت میں قربانی درست ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ معلوم کرنا ہے کہ زندہ جانور کی کھال کی اس طرح بیع کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جانور کی بیع کے لیے جو ایجاب وقبول ہوا، اس کے مکمل ہونے کے بعد اس آدمی نے کھال کا سودا کیا، اور وہ رقم جانور کی قیمت میں سے وضع کر کے بقیہ رقم ادا کی،

بہر حال جانور کی بیع درست ہونے کی وجہ سے قربانی تو ادا ہوگئی، اور ذبح سے پہلے قربانی کی کھال کی بیع ناجائز ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۴/۳۴۶)

اور پانچ سو کی جو رقم اس نے قیمتِ جانور میں سے وضع کی تھی چوں کہ وہ چرمِ قربانی کے عوض کے طور پر تھی، اس لیے اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔

فإن بيع اللحم أو الجلد به أى بمستهلك أو بدراهم تصدق بثمنه. (درمختار على هامش الشامي ۲۳۱/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ رمحرم الحرام ۱۴۱۵ھ

چرمِ قربانی کو مکاتب یا مدارس کی تعمیر میں خرچ کرنا

سوال: ① ہمارے شہر کے اکثر بیشتر مکاتب اور مساجد رمضان میں للہ چندے سے وہ بھی گودھرہ ہی میں چندہ کر کے چلاتے ہیں، اور قریب قریب ہر محلے میں مدرسہ مکتب ہے، اسی میں کا ہمارا مدرسہ فیض عام آٹھ مدرس، دو مسجدوں کے امام اور خدام وغیرہ ہے، خرچہ زیادہ ہے، کبھی تعمیری کام ہوتا ہے تو لوگ دیتے ہیں؛ لیکن بطیب خاطر بہت کم، تو سوال یہ ہے کہ: چرم قربانی کو اراکین مدرسہ کچھ قیمت یا آدھی قیمت سے خرید لیں، بازاری قیمت نہ ہو، اور جو نفع ہو اس کو تعمیر میں لگایا جاوے؟

② یا آپ کے ذہن میں کوئی ایسی شکل ہو وہ تحریر فرمائیں جس سے مکاتب کی تعمیر بھی ہو، اور چرم قربانی جائز جگہ استعمال ہو۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①② چرمِ قربانی اگر مالک یا اس کے وکیل نے فروخت کر دیا تو اس کی قیمت کا فقراء ومساکین پر تصدق واجب ہے، وہ رقم تعمیر یا مدرسین کی تنخواہ میں خرچ کرنا

جائز نہیں۔(کما ھو مصرح فی کتب الفقه)آپ نے جو تدبیر اراکینِ مدرسہ کے ہاتھ کم یا نصف قیمت پر فروخت کرنے کی لکھی ہے اس میں بھی بعض صورتوں میں اشکال رہ جاتا ہے؛ اس لیے مناسب صورت یہ ہے کہ لوگ اپنی قربانی کی کھال اراکین مدرسہ میں کسی کو بعینہٖ دے دیں، چاہے وہ غنی ہو، پھر وہ غنی بہ طریقِ وکیل نہیں؛ بلکہ بہ طریقِ مالک اس کو فروخت کر کے اس کی قیمت اپنی طرف سے تعمیرِ مدرسہ یا تنخواہِ مدرسین کے لے دے؛ البتہ اس تدبیر کی صحت کے لیے حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے دو شرطیں تحریر فرمائی ہیں جو ان ہی کے الفاظ میں یہ ہیں:

''سو اس کی صحت کے لیے دو شرطیں ہیں: اول یہ کہ دینے والے اسی کو مالک بنانے کی نیت سے دیں، ایسا نہ ہو کہ ایک بار اس طریق کے مشتہر کرنے کو کافی سمجھا جائے؛ کیوں کہ جب تک دینے والے لفظی تصریح نہ کریں کہ ہم خاص تمہیں کو دیتے ہیں، تم مالک ہو، اس وقت تک ظاہر اور غالب عوام کی حالت سے یہی ہے کہ وہ بہ نیت مدرسہ میں صَرف کرنے کے دیں گے، اور اس صورت میں وہ غنی مالک نہ ہوگا؛ بلکہ وکیل ہوگا، جس کی بیع بمنزلہ صاحبِ قربانی کی ہوگی اور پھر تصدق واجب ہوگا، جس کی وجہ سے بجز طلبائے غرباء کے دوسرے مصارفِ مندرجۂ سوال میں صَرف کرنا درست نہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ: مالک بھی حقیقۃً بنایا جاوے، صرف حیلہ نہ ہو، جس کی علامت اور امتحان یہ ہے کہ اگر غنی اس کو بیع کر کے اپنے خاص حوائج میں خرچ کرے تو اہلِ عطا کو ناگوار اور گراں نہ ہو، اور اس کی شکایت وخدمت یا دل میں اس سے کدورت وانقباض نہ کریں؛ اور اگر ان دو شرطوں میں سے ایک بھی مفقود ہوگی تو وہ غنی مالک نہ ہوگا؛ بلکہ وکیل ہوگا جس کا حکم بضمنِ بیانِ شرطِ اول گذر چکا ہے۔ خوب

سمجھ لیا جاوے، اور مدرسہ چلانے کی ضرورت سے نامشروع افعال کسی طرح مشروع ومباح نہیں ہوسکتے''۔ (امداد الفتاویٰ ۳/ ۵۳۳، ۵۳۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱ رذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

چرمِ قربانی کی قیمت مسجد میں استعمال کرنا

سوال: کیا متولی کا چرمِ قربانی کی قیمت کو مسجد کے کام، مثلاً مسجد کی مرمت، لائٹ وغیرہ میں خرچ کرنا جائز ہوگا؟ باحوالہ بالتفصیل جواب سے نوازیں کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

متولی کو جو کھال دی گئی ہے، اگر بطورِ وکالت ہے، (جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے) تب تو متولی اس کی قیمت کو مسجد کے کسی بھی کام میں خرچ نہیں کرسکتا؛ بلکہ اس قیمت کا غریب کو دینا واجب ہے، اور اگر بطورِ تملیک ہے، تب متولی اس کی قیمت کا خود مالک ومختار ہے، چاہے اپنی کسی ضرورت میں استعمال کرے اور اگر چاہے مسجد کے کسی کام میں یا اور کوئی کارِ خیر میں لگائے، یہ کھال متولی کو بطورِ تملیک دی گئی ہے، اس کی علامت یہ ہے کہ متولی اگر اس کی قیمت خود اپنے استعمال میں لائے، تب بھی اس پر اعتراض نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/ ذوالحجہ ۱۴۱۰ھ

چرمِ قربانی کا مصرف

سوال: ادارہ ہر سال اپنی مالی حالت بہتر بنانے کے لیے چرمِ قربانی جمع کرتا

ہے، اس چرم قربانی کو فروخت کرنے پر حاصل ہونے والی رقم کو کس طرح استعمال کیا جائے؟ اطلاعاً عرض ہے کہ اس ادارہ میں کوئی غریب یا یتیم بچہ نہیں ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چرمِ قربانی کے فروخت سے حاصل شدہ رقم غرباء ومساکین (یعنی مستحقین زکوٰۃ) کو بطورِ تملیک دیدی جائے، یا اگر ادارہ میں کوئی ایسا شعبہ ہو جس کے ذریعہ غرباء ومصیبت زدہ لوگوں کی امداد کی جاتی ہو، تو اس کام میں لگائیں، مثلاً غریب بیمار کی دوائیاں خریدنے میں، غریب بیوہ عورت کی امداد میں وغیرہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ صفر ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

چرمِ قربانی کا مصرف

سوال: ① چرم قربانی کے مصرف کیا کیا ہیں؟
② کیا متولی، امام، مؤذن کو دینا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② قربانی کی کھال امیر، فقیر سب کو دینی جائز ہے، اس کے لیے فقیر ہونا شرط نہیں؛ لیکن اگر فروخت کردی ہے، تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا، یعنی غریب کو دینا واجب ہے، قربانی کی کھال کو خود اپنے کام میں لانا، یعنی ڈول (مصلیٰ) وغیرہ بنانا بھی جائز ہے، مگر کھال یا اس کی قیمت کو کسی اجرت میں دینا درست نہیں، امام (یا مؤذن) عام طور پر اس کو اپنی اجرت میں شمار کرتے ہیں؛ لہٰذا ان کو بھی درست نہیں؛ البتہ اگر

امام کی تنخواہ مستقل ہو اور کھال اس کو نہ دی جاتی ہو، پھر اس کو کوئی دیدے، تو درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۳۳۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

چرمِ قربانی کا مصرف

سوال: ① ہمارے محلہ کے مدرسہ میں گاؤں کے لڑکے پڑھتے ہیں، باہر کے طالب علم نہیں ہیں، جن کو کھانا پینا دیا جائے۔

② ہمارے محلہ کے اکثر لڑکے کویت کے سفری ہیں، یہ لڑکے ہر ماہ مدرسین کی تنخواہ کویت سے بھیجتے ہیں، اس کے علاوہ مدرسہ کی چند دکانیں ہیں، اور دو مکان مدرسہ کے نباہنے کے لیے۔

③ ہمارے محلہ میں لوگ اکثر صاحبِ نصاب وخوش حال ہیں۔

④ ہمارے مدرسہ کی کمیٹی کے کچھ ممبران محلہ کی قربانی کی کھالوں کو جمع کر کے بیچ کر اس کی قیمت کو حیلہ کر کے اپنی مرضی کے موافق خرچ کرتے ہیں، اور کمیٹی کے کچھ ممبران اس حیلہ کو ناپسند کرتے ہیں۔

⑤ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ قربانی کی کھالوں کی قیمت میں تملیک شرط ہے، اور یہ قیمت غربا ومساکین کا حق ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قربانی کی کھال قربانی دینے والا اپنے استعمال میں لانا چاہے، مثلاً: اس کا ڈول بنایا یا مصلیٰ بنایا اور کسی کام میں استعمال کیا تو درست ہے، اسی طرح کسی دوسرے کو

دیا، اور اس نے اپنے کام میں استعمال کیا، تو یہ بھی درست ہے؛ لیکن اگر قربانی دینے والے یا اس کے وکیل نے وہ کھال بیچ دی، تو اب اس سے جو رقم حاصل ہوئی اس کا صدقہ کردینا ضروری ہے، جس میں تملیک شرط ہے، اس رقم کو مدرسین کی تنخواہ میں استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ (درمختار مع شامی ۵/ ۲۳۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ذوالقعدہ الحرام ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

چرم قربانی کا مصرف

سوال: قربانی کے چمڑے کا روپیہ مسجد کی تعمیر میں یا فرش مسجد بنا سکتے ہیں؟ اس کا جواب باصواب مدلل عنایت فرمائیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر قربانی کی کھال آپ یا دیگر حضرات متولی مسجد کی ملک کردیں، پھر ان کو فروخت کرکے متولی نے مسجد میں صرف کردیا تو درست ہے اور اگر بغیر تملیک کے ان کو فروخت کرکے قیمت تعمیر مسجد میں خرچ کی گئی، تو یہ صورت ناجائز ہے، ایسی صورت میں ان قیمتوں کا صدقہ کرنا لازم ہے، چرم قربانی کو اگر فروخت کردیا جائے، تو قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہوتا ہے اور اس قیمت کو مسجد میں صرف کرنا درست نہیں ہوتا؛ ہاں اگر صاحب قربانی خود (یا اس کا نائب ووکیل) فروخت نہ کرے؛ بلکہ کسی دوسرے کو مالک بنادے، تو وہ فروخت کرکے جہاں چاہے، قیمت صرف کرسکتا ہے۔ (از فتاوی محمودیہ ۴/ ۳۳۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ ذوقعدہ ۱۴۱۰ھ

چرمِ قربانی وغیرہ کی قیمت تعمیرِ مسجد وغیرہ میں صرف کرنا

سوال: چرمِ قربانی کو محلہ میں جمع کر کے اس کو فروخت کر کے تعمیرِ مسجد کرنا جائز ہے؟ فرش جماعت خانہ کے باہر والا حصہ کو بنانا اس پیسے سے جائز ہے؟ کیا مسجد کی تعمیر کرنا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چرمِ قربانی کو جب فروخت کر دیا گیا، تو اس کی رقم کا صدقہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے، اس لیے اس رقم سے مسجد یا فرش مسجد کی تعمیر درست نہیں؛ البتہ اگر وہ رقم کسی محتاج فقیر کو دے کر اس کو مالک بنا دیا گیا، اور اس نے اپنی مرضی سے بلا کسی جبر کے وہ رقم تعمیرِ مسجد یا فرشِ مسجد میں استعمال کے لیے دی تو درست ہے۔ (درمختار مع شامی ۵/۲۳۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

چرم قربانی سے تعمیر مسجد و مدرسہ

سوال: ہمارے علاقہ (مہاراشٹر) کے ایک دیہات میں جماعت کے لوگوں نے ارادہ کیا ہے کہ دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی جائے، اور ایک شخص نے ارادہ کیا ہے کہ میں زمین دوں گا جب کہ ابھی مدرسہ کی بنیاد ہے، نہ طلبہ ہیں اور نہ ہی زمین قبضہ میں ہے، اس سے قبل کہ مدرسہ قائم ہو جائے صرف ارادہ کی بنیاد پر بموقعہ عیدالاضحیٰ متولی یا کسی اور شخص کا اس طرح اعلان کرنا کہ ہم مدرسہ کی بنیاد رکھنے والے ہیں، جس میں

حافظ وقاری اور علماء پیدا ہوں گے، اس لیے تمام گاؤں والے حضرات اپنے اپنے چرم قربانی ہمارے پاس لاکر دے دیں، کسی اور جگہ صرف نہ کریں؛ کیوں کہ ہمیں مدرسہ رجسٹریشن کروانا ہے؛ نیز مدرسہ کی زمین مدرسہ کے نام کروانے کے لیے اور زمین کے احاطہ کے لیے اور تعمیر مدرسہ کے لیے صرف کرنا ہے، اس لیے چرم قربانی ہمارے پاس لاکر جمع کردیں، کیا یہ صحیح ہے؟ علاوہ ازیں کیا رقومات چرم قربانی سے تنخواہ ملازمین ومدرسین دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی کو چرم قربانی دینے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ جس کو دیا جارہا ہے وہ چاہے تو اس کھال کو اپنے استعمال میں لائے یا اس کو بیچ کر اس کی قیمت اپنے استعمال میں لائے یا جہاں چاہے صرف کرے، تعمیر مسجد یا مدرسہ میں بھی وہ اس کو خرچ کرسکتا ہے؛ اس لیے کہ وہ خود اس کا مالک ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو چرم قربانی کے فروخت کرنے کا وکیل بنا کر اس کی قیمت فقراء پر صرف کرنے کے لیے کہا جائے، اس صورت میں چرم قربانی کی قیمت کو صدقہ کرنا ضروری ہونے کی وجہ سے وہ شخص جس کو چرم قربانی دی گئی ہے وہ رقم ان فقراء کو ہی دے گا، اس صورت میں وہ رقم تعمیر مسجد یا مدرسہ میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔ مدارس عربیہ کے ذمہ داروں کی طرف سے چرم قربانی کے سلسلہ میں جو اپیل کی جاتی ہے، اور اس کی بنیاد پر انہیں جو چرم قربانی دیئے جاتے ہیں، وہاں یہی دوسری صورت ہوتی ہے کہ دینے والوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ذمہ داران مدرسہ چرم قربانی فروخت کرکے اس کی رقم طلبہ پر خرچ کریں، اس لیے صورت مسئولہ میں جب مدرسہ کا اور طلبہ کا وجود نہیں ہے، تو ان حضرات کی طرف سے

چرم قربانی کی اپیل فضول ہے؛ لیکن اس کے باوجود اگر دینے والے مسائل سے واقف ہیں، اور وہ پہلی صورت کو مدنظر رکھ کر خود ذمہ دار حضرات کو چرم قربانی کا مالک بنادیتے ہیں، تو ان حضرات کا لینا درست ہے؛ البتہ اس صورت میں اگر یہ ذمہ دار حضرات اپنی ذاتی ضروریات میں چرم قربانی کی رقم صرف کریں گے تو دینے والوں کو کسی قسم کے اعتراض کا حق نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

طلبہ پر چرم قربانی کی رقم صرف کرنا

سوال: ایک کمیٹی ناظرہ تعلیم کا مدرسہ چلاتی ہے جس میں کچھ طلباء وطالبات قرآن ناظرہ سیکھنے آتے ہیں اور دو استاذ مقرر ہیں۔ کمیٹی نے بقرعید کے موقع پر لوگوں کے گھروں سے چرم وصول کئے مدرسہ کے استعمال کی غرض سے بعد میں معلوم ہوا کہ مسئلہ کی رو سے اس طرح محض تنخواہ کے لیے استعمال نہیں کر سکتے۔ تو اب کمیٹی یہ جاننا چاہتی ہے کہ اس جمع شدہ رقم کو کس طرح مدرسہ کے مصرف میں لائے؟ یا پھر اس رقم کو کہاں ادا کرے اور کیسے استعمال کرے تاکہ غلط مصرف سے نجات مل سکے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس رقم کے حق دار غرباء ومساکین ہیں۔ پڑھنے آنے والے طلباء وطالبات میں غرباء کے بچے ہوں تو اس رقم سے ان کا لباس تیار کرا کر ان کو دیا جاسکتا ہے یا ان کے علاوہ کہیں بھی کسی غریب محتاج کو دے دینے سے کمیٹی کا ذمہ بری ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

چرمِ قربانی کی نقد وادھار قیمت میں کمی بیشی

سوال: ہمارے علاقہ میں چرم خریدنے والوں اور فروخت والوں کے درمیان چرم کے سلسلہ میں بیع وشراء کی ایک نئی صورت جاری ہے، وہ یہ کہ چرم خریدنے والا کہتا ہے اگر آپ چرم کی نقد قیمت اس وقت چاہتے ہیں تو ایک کھال کے بدلہ میں نوے روپئے ملیں گے، اور اگر ادھار چھ ماہ کی مدت سے دیں گے تو ایک کھال کے بدلہ میں ایک سوبیس روپئے ملیں گے، تو کیا اس طرح ادھار نقد کے مقابلہ میں زائد تیس روپئے لینا اور ادھار معاملہ کرنا حلال ہے یا حرام؟ اس لیے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ "کل قرض جر نفعاً فهو ربا" أو كما قال عليه السلام اس حدیث کے تحت یہ زائد تیس روپئے سود تو نہیں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بوقت بیع چرم قربانی موجود ہے تو اس کو نقد نوے روپئے میں فروخت کرنا یا خریدنا جائز ہے، اسی طرح ادھار کی قیمت نقد سے زیادہ یعنی ایک سوبیس مقرر کرنا بھی جائز ہے؛ البتہ معاملہ ہونے سے پہلے یہ طے ہوجانا چاہیے کہ بیع نقد ہے یا ادھار، اگر یہ طے نہیں کیا تو بیع فاسد ہوگی، یعنی پہلے مشتری سے یہ طے کرلیا کہ نقد لیتے ہو یا ادھار، اگر اس نے نقد لینے کو کہا تب ایک روپیہ ٹھہرائی، اور ادھار لینے کو کہا تو ستر آنے ٹھہرائے، یہ جائز ہے۔ (امداد الفتاوی ۳/ ۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

چرمِ قربانی میں شرط لگانا

سوال: ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے کہ میں میری کھال تجھ کو دیتا ہوں، تو لے اور تو اس کو تعمیر مسجد و مدرسہ میں صرف کر، تو کیا اس طرح کا حیلہ شریعت میں جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کا جواب آگے آچکا ہے، اس کے ساتھ تعمیر مسجد یا مدسہ میں صرف کرنے کی شرط لگانا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ / ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

چرمِ قربانی کی رقم خود وکیل نے استعمال کرلی

سوال: اگر ایسے غریب نے جو خود زکوۃ و چرم قربانی کا مستحق تھا زکوۃ و چرم قربانی کا پیسہ وصول کیا اس ارادہ سے کہ دوسرے غرباء وفقراء پر خرچ کردے گا، خود استعمال کرنے کا ارادہ نہیں تھا؛ لیکن چندہ کرنے کے بعد وہ خود ہی استعمال کر گیا تو سوال یہ ہے کہ اتنا پیسہ دوسرے غرباء پر بطور جرمانہ اسے بھرنا پڑے گا یا اس کا استعمال کرنا درست ہو گیا؟ گنہگار تو نہیں ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس نے چرمِ قربانی کا پیسہ یہ کہہ کر وصول کیا کہ فلاں مدرسہ کے طلبہ پر صرف کروں گا یا فقراء کی فلاں جماعت پر صرف کروں گا، اس صورت میں اگر وہ رقم اس نے خود رکھ لی تو اس پر ضمان واجب ہے اور ضمان کی وہ رقم اب ان طلباء یا فقراء پر

صرف نہ کرے؛ بلکہ دینے والے کو واپس کرے؛ اس لیے کہ اس صورت میں وہ وکیل ہے اور وکیل اگر حدود وکالت سے تجاوز کرے تو ضامن ہوتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

چرم قربانی فروخت کر کے قیمت تنخواہ وغیرہ میں صرف کرنا

سوال: ہمارے یہاں پورے شہر کی قربانی کی کھالیں اہل انجمن لے لیتے ہیں پھر شہر کے مکاتبِ قرآنیہ کے مدرسین واساتذہ کی تنخواہیں اسی طرح عیدگاہ، قبرستان کی صفائی ستھرائی اور مرمت وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں، کیا یہ شکل درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اہل انجمن جو قربانی کرنے والوں کے پاس سے قربانی کے جانوروں کی کھالیں وصول کرتے ہیں، وہ ان کھالوں کے نظم وانتظام میں قربانی کرنے والوں کے وکیل ہیں، اب اگر وہ ان کھالوں کو فروخت کر کے ان کی قیمت حاصل کرتے ہیں تو ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس رقم کو زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کے مصرف میں خرچ کریں یعنی غربا اور مساکین کو بطورِ تملیک دے کر مالک بنادیں۔ اس کے بعد وہ حضرات چاہیں تو اپنی مرضی اور اختیار سے سوال میں ذکر کردہ کاموں میں استعمال کر سکتے ہیں، اس رقم کو بلا تملیک براہ راست ان کاموں میں استعمال کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عالمِ دین کا قربانی کی کھالیں مانگنا

سوال: ہمارے محلہ میں ایک عالم دین صاحب ہیں جو صاحب مال ہیں، اور

ان کے مکانات بھی ہیں، اوران کا کرایہ بھی آتا ہے، دیگر اولاد بھی عالم ہے، آیا ایسا عالم دین قربانی کی کھالیں محلہ والوں کے پاس سے وصول کرسکتا ہے یا نہیں؟

اوراپنی ذات کو دینے کا اعلان مسجد یا بیرون مسجد کرسکتا ہے یا نہیں؟ حالاں کہ وہ صاحب مال ہیں، برائے مہربانی اس مسئلہ کا جواب جلد از جلد مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قربانی کا گوشت جن لوگوں کو دینا درست ہے ان لوگوں کو قربانی کی کھال بھی دینا درست ہے؛ البتہ جس طرح گوشت معاوضہ اورحق الخدمت کے طور پر دینا درست نہیں، اسی طرح کھال بھی معاوضہ اورحق الخدمت کے طور پر دینا درست نہیں ہے، اگر وہ عالم صاحب معاوضہ یا حق الخدمت کے طور پر مانگ رہے ہوں تو نہیں دینا چاہیے؛ البتہ بلا معاوضہ یا بغیر حق الخدمت دینے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن ان کو سوال کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس پر بڑی وعیدیں آئی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۶ھ

قربانی کی کھال پڑی پڑی بگڑ گئی

سوال: قربانی کے جانور کی کھال کسی کو نہ دی، نہ اپنے استعمال میں لایا بلکہ پڑی پڑی بگڑ گئی تو اب کیا کرے؟ کیا کھال کی قیمت صدقہ کرنی ہوگی یا کچھ نہ دینا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کچھ بھی لازم نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ

قربانی میں بیوی کے نام کے ساتھ باپ کا نام لگے گا یا شوہر کا؟

سوال: عورت کے نام قربانی ہے تو عورت کے ساتھ باپ کا نام لگے گا مثلاً سعیدہ بنت خالد یا شوہر کا نام لگے گا مثلاً سعیدہ زوجہ زید؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی کا بھی لگا سکتے ہیں، مقصد تعیین ہے جو بہر صورت حاصل ہے، یہ تعیین اگر کسی کا نام لگائے بغیر بھی حاصل ہوتی ہو تو اس کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اپنی قربانی نہ کی ہو ایسے شافعی کا مرحوم والدین کی جانب سے قربانی کرنا

درج ذیل مسائل کا جواب مسلک شافعی کے مطابق دیجئے:

سوال: ① میرے والدین نے مجھ کو قربانی کرنے کی وصیت کی ہے، اس کے مطابق میں صرف مرحومین والدین کی جانب سے قربانی کرنا چاہتا ہوں، اور میں نے ابھی تک اپنی جانب سے قربانی نہیں دی ہے؛ لہٰذا میں اپنے والدین کی جانب سے قربانی دے سکتا ہوں یا نہیں؟ اور اس طرح کی قربانی دینا شرعاً درست ہوگی یا نہیں؟

② فلان ابن فلان اپنے مرحومین والدین کی جانب سے قربانی دینا چاہتا ہے؛ حالاں کہ اس کے والدین نے وصیت نہیں کی ہے کہ وہ ان کی جانب سے قربانی کریں، اور اس فلاں ابن فلان نے اپنی جانب سے ابھی تک قربانی تو نہیں کی ہے؛

مگر وہ اپنی جانب سے صرف اپنے مرحومین والدین کی جانب سے قربانی کرنا چاہتا ہے لہٰذا شرعاً وہ قربانی دے سکتا ہے کیا؟

③ ایک شخص کی اولاد صاحبِ استطاعت ہے، اور وہ اولاً اپنے والدین کی جانب سے قربانی کرنا چاہتے ہیں، (اور والدین حیات نہیں) مگر اس شخص کی اولاد نے ابھی تک اپنی جانب سے قربانی تو نہیں کی ہے، تو اس صورتِ مسئولہ میں یہ اولاد ایسے والدین کے لیے قربانی کا انتظام کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور ان کی قربانی نہ ہوتے ہوئے ان کا اپنے والدین کی جانب سے قربانی دینا شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ یاد رہے کہ ہمارے دارالافتاء سے فقہ حنفی کے مطابق فتاویٰ صادر کئے جاتے ہیں، ہم فقہ شافعی کے مطابق فتاوی نہ تو صادر کرتے ہیں اور نہ ہمیں فقہ شافعی کی کتابوں سے مزاولت ہے، اس لیے آپ کے لیے مناسب یہی ہے کہ کسی شافعی المسلک مفتی سے حکم معلوم کریں؛ البتہ آپ کی سہولت کے پیشِ نظر شرح المہذب (علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ) سے آپ کی دریافت کردہ باتوں کا جواب تحریر ہے، کسی شافعی المسلک مفتی سے تصدیق کئے بغیر اس کو آخری نہ سمجھیں۔

① میت کی طرف سے قربانی کرنا جب کہ اس کی وصیت میت نے کی ہے بلا تردد درست ہے، اس لیے جب آپ کے والدین نے وصیت فرمائی ہے تو آپ کا ان کی طرف سے قربانی کرنا صحیح ہے۔

واما التضحية عن الميت فقد اطلق ابوالحسن البعادى جوازها؛ لانها ضرب من الصدقة، والصدقة تصح عن الميت وتنفعه وتصل

اليه بالاجماع، وقال صاحب العدة والبغوى: لا تصح التضحية عن الميت؛ إلا ان يوصى بها، وبه قطع الرافعى فى المجرد (شرح المهذب ٨/٤٠٦)

رہا آپ کا اپنی ذات کا معاملہ تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خوشحال پر قربانی واجب نہیں ہے؛ بلکہ سنتِ مؤکدہ ہے، اور وہ بھی علی الکفایہ ہے، یعنی ایک گھرانے والوں میں سے ایک فرد نے قربانی کردی تو سب کی سنت ادا ہوگئی۔

قال اصحابنا: التضحية سنة على الكفاية فى حق اهل البيت الواحد، فاذا ضحى احدهم حصل سنة التضحية فى حقهم، قال الرافعى: الشاة الواحدة لا يضحى بها الا عن واحد؛ لكن اذا ضحى بها واحد من اهل بيت تأتى الشعار والسنة لجميعهم الخ (شرح المهذب ٨/٣٨٤)

② جب ان صاحب کے والدین نے وصیت نہیں کی ہے، تو ان کے لیے مناسب یہی ہے کہ بجائے والدین کی طرف سے قربانی کرنے کے اپنی طرف سے کرے، اس لیے کہ میت کی طرف سے وصیت نہ ہونے کی صورت میں اس کی طرف سے قربانی درست ہونے کے مسئلہ میں مشائخِ شافعیہ کا اختلاف ہے، ابوالحسن بعادی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست ہے، اور صاحبِ عدۃ رحمۃ اللہ علیہ وعلامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست نہیں ہے، اور علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (عبارتِ منقولہ بالا) اس لیے اختلافی بات میں پڑنے کے بجائے ایسا کام کیوں نہ کریں جو سب کے نزدیک درست ہو، اور وہ اپنی طرف سے قربانی کرنا ہے۔

③ اگر اولاد نے یہ قربانی والدین سے اجازت لیے بغیر ان کی طرف سے کی تو والدین کی طرف سے نہیں ہوئی۔

ولو ضحى عن غيره بغير اذنه لم يقع عنه (شرح المهذب٨/٤٠٦)

جب والدین کی طرف سے نہیں ہوئی تو خود قربانی کرنے والے کی طرف سے ہوئی یا نہیں؟ تو یہ اختلافی مسئلہ ہے، بعض مشائخ کہتے ہیں کہ اگر وہ جانور نذر کے ذریعہ متعین کرلیا گیا تھا تو خود قربانی کرنے والے کی طرف سے ہوئی، ورنہ نہیں، اور بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ بہرصورت قربانی کرنے والے کی طرف سے ہوگئی۔

قال اصحابنا واذا ضحى عن غيره بغير اذنه فان كانت الشاة معينة بالنذر وقعت عن المضحى، والا فلا، كذا قاله صاحب العدة وآخرون، واطلق الشيخ ابراهيم المروزى انّها تقع عن المضحى.

(شرح المهذب ٨ /٤٠٧،٤٠٦)

اس لیے اگر اولاد والدین کی طرف سے قربانی کرنا چاہتی ہے تو ان کی اجازت لے کر کرے، ورنہ اپنی طرف سے کرے کہ اس صورت میں بھی سنت سب کی طرف سے ادا ہوجاتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سابق سالوں کی قربانی کس طرح کریں؟

سوال: اگر کسی کے ذمہ چند سال مثلاً سات یا چھ سال کی قربانی باقی ہو تو سوال یہ ہے کہ ایک گائے کی قیمت صدقہ کرنے سے سات سال والے کا فریضہ اور گائے کی چھ حصہ کی قیمت صدقہ کرنے سے چھ سال والے کا فریضہ ساقط ہوجائے گا یا ہر سال کے بدلہ میں ایک بکری کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہر سال کے بدلہ ایک درمیانی قسم کی بھیڑ یا بکری کی قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے، بڑے جانور کے ساتویں حصہ یا اس کی قیمت سے بھی کام چلے گا۔ (از کفایت المفتی ۸/ ۲۳۱، فتاویٰ محمودیہ ۱۴/ ۳۴۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

گائے کی قیمت میں وقتِ ادا کا اعتبار ہے

سوال: گائے یا بکری میں سے جس کی قیمت واجب ہو کس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا وقتِ وجوب یا وقتِ ادا کا؟ یا آدمی کی حالت کو مدنظر رکھا جائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صراحت کہیں دیکھی نہیں، اصول کا تقاضہ یہ ہے کہ وقتِ ادا کا اعتبار کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قربانی سے باقی رقم کا مصرف

سوال: ایک صاحب نے اشتہار دیا جو صاحب قربانی کرنا چاہیں ہم پر رقم بھیج دیں ہم قربانی کریں گے نیت یہ کی کہ جو رقم زائد ہوگی وہ میرا حق اس رقم سے ضرورت مندوں کو بلاسود قرض دوں گا اسی طرح بلاسود قرض کا سلسلہ چلتا رہے گا اپنی ذات میں صرف نہیں کروں گا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اشتہار دینے والے صاحب درحقیقت قربانی والوں کے وکیل ہیں اس لیے ان

کے واسطے ضروری ہے کہ بچی ہوئی رقم مالکین کو واپس کریں البتہ مالکین نے یہ کہہ دیا ہو کہ اگر کچھ رقم بچ جائے تو وہ آپ کی ہے تو اس صورت میں وہ صاحب اس میں اپنی مرضی سے تصرف کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

غائب شخص کی طرف سے بدون اجازت قربانی کرنا

سوال: زید صاحب نصاب ہے، وہ اپنی جانب سے اور اپنے اہل وعیال کی جانب سے قربانی کیا کرتا تھا، فی الوقت اس کے پاس اس کے چند بچے یہاں موجود ہیں، اور چند بچے بیرونِ ملک رہائش اختیار کر چکے ہیں، وہ اپنی قربانی اپنے گھر کرتے ہیں، اور یہ دوسرے باقی ماندہ عیال کی جانب سے یہاں کرتا ہے، اب اگر یہ ان کی جانب سے (جو بیرون ملک رہائش پذیر ہیں) قربانی کرنا چاہے تو اس کو ان کی اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟ اور یہ ذبیحہ جو ہوگا وہ فرض کی جانب سے ہوگا یا نفل ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قربانی کا جانور غائب کی ملک ہو، اس کی طرف سے اس کی قربانی اس کے امر سے بلا تردد درست ہے، بغیر امر کے بھی استحساناً درست ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص اپنا جانور کسی دوسرے کی طرف سے قربانی کر دے بغیر حصول ملک بذریعۂ ہبہ وغیرہ، تو اس سے قربانی اس کی ادا نہیں ہوگی۔ یہ تفصیل اس کی قربانی میں ہے جس پر قربانی واجب ہے، اگر محض ثواب پہنچانا مقصود ہو تو ہر شخص اپنا جانور قربان کر کے جس کو

چاہے ثواب پہنچا سکتا ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۱/ ۳۲۸، ۳۲۹ ملخصا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ

کیا حاجی کے ذمہ عیدالاضحیٰ کی بھی قربانی واجب ہے؟

سوال: حاجی لوگ تو حج میں قربانی کرتے ہیں، تو اس کے لیے وہی قربانی کافی ہے کہ دوسری قربانی گھر میں بھی اولاد کے ذریعہ کرائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایام نحر میں اگر وہ مقیم اور صاحب نصاب ہوں تو عیدالاضحیٰ والی قربانی واجب ہے، اور اگر وہ ان ایام میں مسافر ہوں تو واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ

حاجی پر قربانی ہے یا نہیں؟

سوال: حاجی حج کو گئے تو وہاں حج کی قربانی طواف زیارت سے پہلے کرتے ہیں۔ لیکن حاجی کے مال کی قربانی وطن میں کرنی ہوگی یا نہیں کہ حاجی مکہ میں دس کو گئے ہیں اور ستائیس تک مکہ میں رہے پھر عرفات میں گئے، منی میں گئے، مزدلفہ میں گئے پھر مکہ میں طواف زیارت کے لیے آئے تو اس حالت میں قربانی مال کی ہوگی یا نہیں؟ دوسری صورت یہ کہ دس کو مکہ میں گئے پھر آٹھ دن مدینہ گئے اور واپس آکر حج کیا تو ان دونوں صورتوں میں حاجی پر قربانی ہے یا نہیں؟ یا وہ مسافر ہوگا عرفات، مزدلفہ، منی مکہ میں ہے یا الگ ہے۔ ہمارے یہاں حاجی دونوں صورتوں میں قربانی کرواتے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟ یعنی مال کی قربانی کے بارے میں بات ہے کیا وہ مسافر ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حاجی اگر مسافر ہے تو اس پر اضحیہ واجب نہیں ہوتا اگرچہ غنی ہو مگر جو بسبب اقامت مکہ کے مسافر نہیں رہا بلکہ مقیم ہو گیا تو بہ شرط غنی ہونے کے اس پر اضحیہ یعنی قربانی بھی واجب ہے۔ (زبدۃ المناسک ۲/۱۲۹) دس (انگریزی ماہ کی) تاریخ کو مکہ جا کر وہیں قیام رہا اور ستائیس تاریخ کو منیٰ عرفات جانا ہوا تو مکہ مکرمہ میں حاجی کا قیام پندرہ یوم سے زیادہ ہونے کی وجہ سے مقیم بن گیا اب اگر وہ غنی بھی ہے تو اس پر اضحیہ (عید الاضحیٰ) کی قربانی واجب ہے۔ دوسری صورت میں اگر مدینہ منورہ سے آنے کے بعد مکہ مکرمہ میں پندرہ یوم قیام نہیں رہا تو اس پر اضحیہ واجب نہیں اس لیے کہ وہ مسافر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/محرم الحرام ۱۴۱۴ھ

عورت کا شوہر سے چھپ کر زکوٰۃ، قربانی کرنا

سوال: کیا بیوی شوہر کی چوری سے زکوٰۃ اور قربانی دے سکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیوی اگر اپنے مال میں سے زکوٰۃ ادا کر رہی ہے یا قربانی دے رہی ہے تو اس میں شوہر سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں، اس کا یہ تصرف اپنے مال میں ہونے کی وجہ سے شوہر کی اجازت پر موقوف نہیں؛ البتہ اس کو بتلا دینا مناسب ہے، تاکہ غلط فہمی کا باعث نہ ہو، اور اگر شوہر کے مال میں سے دے رہی ہے تو ایسا کرنا جائز نہیں، پھر بھی اس کی قربانی اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور شوہر کی اتنی رقم کا تاوان عورت پر باقی

رہے گا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۱۵/محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

باب الصید والذبائح

جنگل کے جانوروں کا شکار کرنا

سوال: جنگل میں رہنے والے جانور جیسے ہرن، نیل گائے اور خرگوش وغیرہ کا شکار کن حالات میں جائز ہے؟ شریعت نے کون کون سی شرائط عائد کی ہیں؟ کیا ان جانوروں کا شوقیہ شکار شریعت میں درست ہے؟ اکثر یہ جانور چارہ اور پانی کی تلاش میں بھٹکتے رہتے ہیں، چر رہے ہوتے ہیں یا پانی پی رہے ہوتے ہیں یا پھر ماں کے ساتھ بچے بھی ہوتے ہیں، ان حالات میں شکاری تاک کر شکار کر لیتے ہیں، شریعت و سنت کی روشنی میں مفصل جواب سے آگاہ کریں؛ تاکہ دینی رہنمائی ہو سکے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شکار کرنا-خواہ حلال جانور کا ہو خواہ حرام جانور کا-شرعًا مباح اور درست ہے؛ جب کہ اس سے شکاری کی مشروع غرض حاصل ہوتی ہو، مثلاً حلال جانور کا گوشت حاصل کرنا مقصود ہو، یا کسی جانور کے پر یا بال یا کھال یا سینگ یا ہڈی وغیرہ کوئی چیز مطلوب ہو، یا مثلاً دفعِ اذیت ہی مقصود ہو، جیسے بعض آدمی بعض اوقات بندر یا بھیڑیے کا شکار کرتے ہیں۔ اگر صرف لہو ولعب اور اضاعتِ وقت مقصود ہو تو ناجائز ہے۔

وحل اصطياد ما يؤكل لحمه وما لا يؤكل؛ لقوله تعالىٰ: واذا حللتم فاصطادوا، مطلقًا من غير قيد بالمأكول اذ الصيد لا يختص بالماكول، ولأن اصطياده سبب الانتفاع بجلده أو ريشه أو شعره أو الاستدفاع بشره، وكل ذلك مشروع اهـ زيلعي ٦ / ٦١ الصيد مباح أشباه ص / ٢٥ والبسط في فتح الباري ٩ / ٥٢١ (فتاویٰ محمودیہ ۶/ ۳۱۹، ۳۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ العبد احمد خانپوری، ۱۳ر جمادی الاخری ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

شرعی ذبیحہ کسے کہتے ہیں؟

سوال: عیسائیوں کا ذبیحہ جس پر وہ کسی کا نام نہیں لیتے نہ خدا کا اور نہ کسی اور کا اور ذبح میں حلقوم نہیں کاٹتے اسے اہل کتاب کا ذبیحہ کہہ سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ذبیحۂ شرعی کے لیے تین شرائط ہیں۔ ۱) ذابح کا مسلمان یا کتابی ہونا۔ ۲) بوقت ذبح اللہ کا نام لینا۔ ۳) شرعی طریق پر حلقوم (سانس کی نالی) مری (کھانے کی نالی) اور خون کی دونوں رگیں کاٹ دینا ان میں سے کوئی ایک نہ پائی جائے تو وہ شرعی ذبیحہ نہیں ہے۔ اگر بوقت ذبح اللہ کا نام عمداً چھوڑا گیا ہے تو وہ ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

(قوله تارك التسمية عمدا) بالجر عطفا على وثني اى ولا تحل ذبيحة من تعمد ترك التسمية مسلما او كتابيا (شامي ٥/٢١٠)

عروق ذبح جن کو ذبح شرعی میں کاٹنا ضروری ہے چار ہیں حلقوم یعنی سانس کی نالی، مری یعنی کھانا پانی کی نالی، اور خون کی دو رگیں جن کو عربی میں ودجان کہا جاتا

ہے اب اگر کسی آدمی نے ان چار میں سے تین کو کاٹا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جانور حلال ہوجاتا ہے۔

و عروقه الحلقوم كله او وسطه او اعلاه او اسفله وهو مجرى النفس على الصحيح وا لمرئى هو مجرى الطعام والشراب والود جان مجرى الدم وحل المذبوح بقطع اى ثلاث منها اذ للاكثر حكم الكل.

(در مختار على هامش الشامي ٥/٢٠٧)

فالحاصل ان عند ابى حنيفة و محمد اذا قطع ثلاثا اى ثلاث كان يحل. (تقريرات الرافعي ٢/٣٠٣)

فان قطع كل الاربعة حلت الذبيحة وان قطع اكثرها فكذالك عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ قالا لا بد من قطع الحلقوم و المرئى و احد الودجين و الصحيح قول ابى حنيفة لان للاكثر حكم الكل كذا فى المضمرات (فتاوى عالمگيرى ٥ /٢٨٧)

عیسائی اگر بہ وقت ذبح عمداً اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے تو ان کا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شیعہ، بوہری اور عیسائی کے ذبیحہ کا حکم

سوال: شیعہ بوہری اور عیسائی کا ذبیحہ حلال ہے؟ ہے تو کس وجہ سے اور نہیں ہے تو کس بنیاد پر؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اثناعشری شیعہ تحریف قرآن کے قائل ہیں، تین چار کے سوا باقی تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر ومرتد سمجھتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد گیارہ بزرگوں کو معصوم، مفترض الطاعۃ اور انبیاء کرام علیہم السلام سے افضل سمجھتے ہیں، اور یہ تمام عقائد ان کے مذہب کی معتبر اور مستند کتابوں میں موجود ہیں، اور ظاہر ہے کہ جو لوگ ایسے عقائد رکھتے ہوں وہ مسلمان نہیں، نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے، نہ ان کا جنازہ جائز ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل ۴/ ۲۱۸)

بوہری بھی تحریف کے قائل ہیں اور جمہور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کرتے ہیں، اس لیے ان کا بھی یہی حکم ہے، عیسائی اگر صحیح معنی میں اپنے مذہب کا ماننے والا ہے، آج کل کے عیسائی کی طرح دہریہ نہیں ہے؛ نیز اسلام چھوڑ کر عیسائی نہیں بنا ہے۔ (یعنی مرتد نہیں ہے) اور اللہ کا نام لے کر ذبح کرتا ہے اور اپنے ہاتھ سے ذبح کرتا ہے تو اس کا ذبیحہ حلال ہے؛ ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نومسلم کا ختنہ اور اس کا ذبیحہ

سوال: اگر کوئی غیر مسلم مسلمان بن گیا، پکا نمازی بن گیا اور مبلغ بھی بن گیا لیکن اس کی مسلمانی نہ کروائی تو اس آدمی کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے کیا اس کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا کھا سکتے ہیں اس کے ساتھ بیٹھ کر کھا سکتے ہیں کیا ایسے آدمی کو مسلمان کہیں گے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ختنہ (مسلمانی) اسلام کا شعار ہے جب وہ آدمی دل سے اسلام قبول کر چکا پکا نمازی اور مبلغ بھی بن گیا تو اس کو چاہیے کہ ختنہ بھی کروالے لیکن اس کے باوجود اس کا ذبح کیا ہوا جانور اگر اس نے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا ہے تو حلال ہے اور اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا بھی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۷/رجب المرجب ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم

سوال: ایڈنبرہ میں ایک مسجد عرب کی ہے ان کے امام صاحب لوگوں کو بتلاتے ہیں کہ اہل کتاب کا ذبیحہ ہر حال میں کھانا درست ہے چناں چہ وہ لوگ انگریزوں سے ان کا ذبیحہ کھاتے ہیں تو اہل کتاب کا ذبیحہ ہر حال میں حلال ہے یا کوئی قید ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن وسنت کی تصریحات کے مطابق اہل کتاب سے مراد صرف یہود ونصاریٰ ہیں، یہود ونصاریٰ میں وہ لوگ داخل نہیں جو مذہباً دہریئے ہیں، خدا اور رسول اور آخرت کے قائل ہی نہیں، جیسے آج کل یورپ کے بہت سے قومی عیسائیوں کا حال ہے، کہ محض قومی طور پر وہ مسیحی یا عیسائی کہلاتے ہیں؛ مگر وہ خدا کے وجود کے قائل نہیں، پھر کسی رسول وپیغمبر کے کیا قائل ہوتے، ہاں جو لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل اور حضرت عیسیٰؑ کو نبی، اور تورات وانجیل کو اللہ کی کتاب مانتے ہیں، وہ اہل

کتاب میں داخل ہیں۔ (جواہر الفقہ ۲/ ۳۷۴)

خلاصہ یہ کہ وہ انگریز اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے مذہب پر قائم ہے، دہریہ یا منکر خدا نہیں ہے، اور ساتھ وہ غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح نہیں کرتا، اور جانور کو باقاعدہ ذبح کرتا ہے، چوٹ مار کر ہلاک نہیں کرتا، تو اس کا ذبیحہ حلال ہے۔

(ماخوذ از معارف القرآن جلد سوم)

اس سلسلہ میں رسالہ اسلامی ذبیحہ جواہر الفقہ جلد دوم اور فتاوی رحیمیہ ۶/ ۱۷۳ تا ۱۷۸ کا مطالعہ فرمالیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شوافع کے نزدیک ذبح کے شرائط

سوال: مذہب شافعی میں ذبح کے صحیح ہونے میں کیا شرائط ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سانس کی نلی اور کھانے کی نلی کا کٹنا ضروری ہے، اور دونوں رگ گردن کا کٹنا مسنون ہے۔

قد ذکرنا ان مذهبنا اشتراط قطع الحلقوم والمری بکمالها وان الودجین سنة (شرح مهذب ۹/ ۹۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ جمادی الاخری ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مشینی ذبیحہ کا حکم

سوال :(۱) امریکہ میں مرغوں کو کاٹنے کے لیے بڑے بڑے پلانٹ ہیں، جن میں مرغے آٹومیٹک کٹتے ہیں اور صاف ہوتے ہیں، اسی قسم کے ایک پلانٹ سے ایک مسلمان مرغے ذبح کرواتا ہے، اور اس پلانٹ کی تفصیل یہ ہے یہ پلانٹ بہت بڑا پلانٹ ہے، رات دن اس میں مرغے بڑی تیز رفتاری کے ساتھ کٹتے ہیں، یہ مرغے ایک لائن پر الٹے لٹکے ہوئے آتے ہیں اور ایک خاص مقام پر پہنچ کر ایک خودکار مدور چھری سے (جو دائرے کی شکل میں چلتی ہے) ذبح ہوتے ہیں، یعنی ان کا گلا یا اکثر کٹ جاتا ہے اور آگے جا کر خودکار طریقہ سے صاف بھی ہو جاتے ہیں، جب مسلمان مرغ ذبح کرنے کو جاتا ہے، تو فرق یہ ہوتا ہے کہ وہ علامت اور نشانی کے لیے ایک جگہ کپڑا باندھ لیتا ہے؛ تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس نشانی کے بعد جو مرغ آرہے ہیں، وہ مسلمان کے ہیں، اور دوسرے مرغوں سے اختلاط نہ ہو، نشانی لگانے کے بعد اس آلے پر ہاتھ رکھ کر جس میں خودکار چھری لگی ہوئی ہے، بسم اللہ اللہ اکبر پڑھتا ہے اور بڑی تیزی سے مرغ ذبح ہوتے ہیں، بسا اوقات ہر مرغ پر پورا فقرہ بسم اللہ اللہ اکبر کا نہیں پڑھ سکتا، لیکن اگر بسم اللہ کو ایک مرغ پر اور اللہ اکبر کو دوسرے پر تصور کیا جائے، تو پھر ہر ایک پر پورا ہو جاتا ہے، یہاں کے دو علماء نے (جو دیوبند، ندوہ اور ازہر کے فارغ ہیں) اس پلانٹ کا معائنہ کیا اور اس کو جائز اور حلال قرار دیا ہے، ان میں ایک فاضل کی رپورٹ - جو انگریزی میں ہے - مع اردو ترجمہ کے استفتاء کے ساتھ منسلک ہے، اس کے علاوہ مفتی محمد فرید صاحب مفتی دار العلوم حقانیہ نے اس ذبح

کو کراہت کے ساتھ جائز قرار دیا ہے؛ البتہ بنوری ٹاؤن دار العلوم کراچی تعلیم القرآن پنڈی اور جامعہ اشرفیہ نے ذبح شرعی نہ ہونے کا فتویٰ دیا، جن کے نقول استفتاء کے ساتھ منسلک ہیں، اس تفصیل کے بعد کیا اس ذبیحہ کو اسلامی ذبح قرار دیا جاسکتا ہے؟

② کیا ذبح اسلامی کے لیے مسلمان یا اہل کتاب ہونے، تسمیہ پڑھنے اور چھری وغیرہ سے مطلوبہ رگیں (مری، حلقوم، ودجین) کاٹنے کے علاوہ، ذابح کا عمل بھی شرط ہے، اگر شرط ہے، تو کیا گھر سے ذبح کے لیے تیار ہوکر چلنا، گاڑی چلا کر جانا اور اس آلے پر ہاتھ رکھنا جس میں خودکار چھری لگی ہوئی ہے، کو عمل ذبح قرار دیا جاسکتا ہے، واضح رہے کہ مشین کا بٹن چلانے کے لیے خود پلانٹ والے دباتے ہیں۔

③ ذبح اختیاری میں تسمیہ مذبوح پر مطلوب ہے نہ کہ آلہ پر، تو اس صورت میں مذبوح پر تو تسمیہ پڑھ لیا جاتا ہے؛ البتہ کاٹنے والی مشین ہے، نہ کہ انسان کے ہاتھ۔

④ فرض کیا جائے کہ ایک چھری مشین سے چلتی ہے یا نصب ہے، اس پر مسلمان مرغ کو پکڑ کر ذبح کرلے تو جائز ہوگا یا نہیں؟ بظاہر تو جائز ہے، اگر یہ جائز ہے تو مندرجۂ بالا مسئلہ کو اس پر کیوں قیاس نہیں کیا جاسکتا؟

آپ حضرات سے گزارش ہے کہ غور وخوض کے بعد جلد جواب عنایت فرمائیں؛ کیوں کہ لوگوں میں اختلاف ہے، بعض کھاتے ہیں بعض نہیں کھاتے، کیا کراہت کے ساتھ اس کا کھانا صحیح ہے؟ اور کراہت سے کون سی کراہت مراد ہے؟

نوٹ: کارخانے کے بارے میں یا اس مسئلہ کے بارے میں مزید وضاحت کی ضرورت ہو، تو براہِ کرم ضرور مطلع فرمادیں، تفصیلات بھیج دی جائیں گی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① یہ ذبح شرعی نہیں ہے۔

② ذبح اختیاری میں ذابح کا فعل (اپنے ہاتھ سے گلا کاٹنا) اور اس کی تحریک کا مؤثر ہونا شرط ہے، صورتِ مسئولہ میں مشینی چھری کو چلانے والی اور جانور کا گلا کاٹنے والی برقی لہر ہے، نہ کہ مسلمان کے ہاتھ کی قوتِ محرکہ اور یہ گلا کاٹنا برقی قوت اور مشین کا فعل ہے، نہ کہ مسلمان کے ہاتھ کی قوتِ محرکہ، باقی اس مسلمان کا گھر سے تیار ہوکر جانا وغیرہ افعال اس کا عمل ضرور ہیں، لیکن عملِ ذبح نہیں ہیں۔

③ صرف مذبوح پر تسمیہ تو کافی نہیں، کیا کوئی مجوسی جانور ذبح کررہا ہو اور کوئی مسلمان اس جانور کو پکڑے ہوئے تسمیہ پڑھ رہا ہے، تو وہ کافی ہوگا؟ ظاہر ہے جواب نفی میں ہے، اس لیے اگرچہ مذبوح پر تسمیہ پڑھا گیا، مگر عمل ذبح مجوسی نے کیا ہے۔
(ھندیہ ۵/۲۸۷)

④ مشین سے چلنے والی چھری پر آپ نے جو صورت فرض کی ہے، وہی فاسد ہے اور آپ کا قیاس بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مرغی کو مشین سے ذبح کرنے پر ایک سوال

سوال: مرغی کو ذبح کرنے کے بعد مرغی کا پر نکالنے کے لیے مشین چینل کے ذریعہ اِک ایسے ٹب سے گزارتے ہیں جس میں چاروں طرف باون سے اٹھاون ڈگری

گرم پانی کے فوارے لگے ہوتے ہیں، اس گرم پانی کے فوارے سے بیس یا تیس سیکنڈ میں مرغی کو تر بتر کر دیتے ہیں۔ واضح ہو کہ پانی کا درجۂ حرارت بتانے کے لیے ایک الیکٹرک گھڑی لگی ہوئی ہے جو درجۂ حرارت بتاتی رہتی ہے۔ نیز سوڈگری درجۂ حرارت پر پانی کھولنے لگتا ہے، پھر وہ بھیگی ہوئی مرغی ایک دوسری مشین میں جاتی ہے، جہاں اس کے سارے پَر مشین نکال دیتی ہے، پھر آگے جا کر بذریعۂ مشین اس کی گردن کٹ جاتی ہے، پھر مشین چینل کے ذریعہ مرغی آگے بڑھ جاتی ہے، جہاں تین آدمی کھڑے رہتے ہیں جو مرغی کے پیٹ کی آلائش بذریعۂ مشین نکال دیتے ہیں۔

دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ بالا میں اس گوشت کا کھانا حلال ہے کہ نہیں؟ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ مرغی کی اندرونی آلائش کا بیس سے تیس سیکنڈ تک باون سے اٹھاون ڈگری گرم پانی سے تر بتر کرنے میں گوشت پر کچھ اثر نہیں پڑتا، نہ ہی کسی قسم کی بو آتی ہے، کمپنی کے ڈاکٹروں کے کہنے پر یقین نہ کرتے ہوئے ہم نے دو متدیّن اور متشرع اور صوم وصلوٰۃ کے پابند مسلم ڈاکٹروں سے رجوع کیا، چناں چہ ان دونوں ڈاکٹروں نے ذبح کی ہوئی دو مرغیاں ہم لوگوں کے سامنے اسٹو پر پانی کھولا کر اس میں تیس سیکنڈ تک رکھا، اور تیس سیکنڈ کے بعد اسٹو پر کھولائے ہوئے پانی سے باہر نکالا اور پیٹ چاک کر کے آلائش کو باہر نکالا؛ مگر جب گوشت کو دھو کر دیکھا تو معمولی گرم تھا، اور سونگھ کر دیکھا تو مرغی کے اندرونی غلاظت کا اثر اور کسی قسم کی بو نہیں پائی گئی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: اگر

کھولتے ہوئے پانی میں مرغی ڈالی اور اتنی دیر اس کے اندر رکھی کہ اس کے پیٹ کی نجاست گوشت میں سرایت کر جانے کا ظنِ غالب ہو تو یہ نجس ہوگئی اور اس کے پاک کرنے کا بھی کوئی طریقہ نہیں؛ البتہ پانی گرم ہو مگر کھول نہ رہا ہو اور مرغی اس میں بہت دیر تک نہیں رکھی یا کھولتے پانی میں ڈال کر فوراً نکال لی تو اس کا گوشت ناپاک نہ ہوگا۔

قال في شرح التنوير: ويطهر لحم طبخ بخمر بغلي وتبريد ثلاثاً، وكذا دجاجة ملقاة حالة على الماء للنتف قبل شقها، فتح. وفي التنجيس: حنط طبخت في خمر لاتطهر أبدا، به يفتى. وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: (قوله وكذا دجاجة إلخ) قال في الفتح إنها لاتطهر أبدا، لكن على قول أبي يوسف تطهر، والعلة والله أعلم تشربها النجاسة بواسطة الغليان، وعليه اشتهر أن اللحم السميط بمصر نجس، لٰكن العلة المذكورة لاتثبت ما لم يمكث اللحم بعد الغليان زماناً يقع في مثله التشرب والدخول في باطن اللحم، وكل منهما غير متحقق في السميط حيث لايصل إلىٰ حد الغليان، ولايترك فيه إلا مقدار ما تصل الحرارة إلىٰ ظاهر الجلد لتنحل مسام الصوف؛ بل لو ترك يمنع انقلاع الشعر، فالأولىٰ في السمط أن يطهر بالغسل ثلاثًا، فإنهم لايتحرسون فيه عن النجس، وقد قال شرف الأئمة بهٰذا في الدجاجة والكرش والسميط اهـ وأقره في البحر.(رد المحتار ۱/ ۳۰۹)(احسن الفتاویٰ ۲/ ۹۶، ۹۷)

مندرجۂ بالا شامی کی عبارت میں نجاست کی علّت گوشت میں نجاست سرایت کر جانے کا ظنِ غالب ہے، صورتِ مسئولہ میں جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے ''نجاست سرایت نہیں کرتی'' تو وہ گوشت پاک اور حلال ہے۔ چناں چہ حضرت

مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہم مرغیوں کے ذبح کے لیے سلاٹر ہاؤس میں استعمال کیے جانے والے اس طریقہ پر بحث کرتے ہوئے اس پر وارد ہونے والے اشکال کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

قد يتشكل بعض الناس من هذا الطريق أن هذا الغطس في الماء الحار إنما يقع قبل أن تخرج النجاسات من بطن الدجاج فربما تسرى هذا النجاسات إلىٰ لحم الحيوان بفضل الغليان، وقد ذكر الفقهاء أن مثل هذا الحيوان لا يحل أبدا، جاء في الدر المختار:"وكذا دجاجة ملقا حالة على الماء المنتف قبل شقها" وقال ابن عابدين تحته:"قال في الفتح: إنما لا تطهر أبدا، لٰكن على قول أبي يوسف تطهر والعلة -والله أعلم- تشربها النجاسة بواسطة الغليان، ولٰكن هذا الإشكال غير وارد في مسئلتنا؛ لأن درجة الحرارة في هذا الماء لا تبلغ إلىٰ نقط الغليان، حيث تكون أقل بكثير من مائة درجة (منوية) ثم بقاء الدجاج في هذا الماء الحار لا يجوز دقائق معدودة لا تكفي لتشرب اللحم النجاسة، والفقهاء الذين قالوا بنجاسة الدجاج إنما قالو ذٰلك إذا كان الماء بلغ إلىٰ درجة الغليان ويبقىٰ فيه الدجاج مدة تكفي لتشريب اللحم النجاسة، قال ابن عابدين رحمه الله بعد بيان المسئلة المذكورة وعليه اشتهر أن اللحم السميط بمصر نجس، لٰكن العلة المذكورة لا تثبت ما لم يمكث اللحم بعد الغليان زمانا يقع في مثله التشرب والدخول في باطن اللحم، وكل منهما غير متحقق في السميط حيث لا يصل إلىٰ حد الغليان ولا يترك فيه إلا مقدار ما تصل الحرارة إلىٰ ظاهر الجلد

لتنحل مسام الصوف بل لو ترك يمنع انقلاع الشعر، وهذا ينطبق تماماً على هذا الماء الحار الذي تمر من خلاله الدجاج في هذا الجهاز، وقد أدخلت يدي في الماء فلم يكن محرقا فضلامن كونه بلغ إلىٰ حد الغليان. (أحكام الذبائح: ٥١- ٥٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

مشین پر مرغیوں کو ذبح کرنے کا طریقہ

سوال: .....میں ایک فیکٹری ہے جس میں ہزاروں مرغیاں ذبح ہوتی ہیں، صاف صفائی وغیرہ کا معقول انتظام ہے، چند علما کا ایک وفد فیکٹری میں بغرضِ معائنہ گیا تھا، اس وفد میں احقر بھی شریک تھا، تمام کام مشینوں سے انجام دیے جاتے ہیں، میں نے دیکھا کہ ایک مشینی چینل میں مرغیوں کے پر باندھ کر الٹا لٹکا دیا جاتا ہے، چینل چلتی ہوئی آگے جاتی ہے، جہاں ایک باریش مسلمان ذبح کے لیے تیار کھڑا رہتا ہے، وہ بسم اللہ اکبر کہتے ہوئے مرغی کے گلے پر چھری پھیرتا ہے، اسی طرح یکے بعد دیگرے مرغیوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے اور ذبح کی جاتی رہتی ہیں۔ دریافت طلب یہ ہے کہ اس طرح مرغی کا ذبیحہ حلال اور جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی مدظلہم تحریر فرماتے ہیں: اگر حلق پر چھری چلانے کا عمل انسانی ہاتھ سے انجام پاتا ہو بقیہ کام مثلاً کھال الگ کرنا، گوشت کے پارچہ بنانا وغیرہ مشین سے انجام دیے جاتے ہوں اور حلق پر چھری چلانے والا

مسلمان (یا صحیح معنی میں کتابی یہودی جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھے تو ایسا جانور حلال ہوگا، اگر کوئی دوسرا مانعِ شرعی نہ ہو تو اسے کھانا درست ہوگا۔

(موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل: ۱۲۶)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم مشینی طریقہ پر مرغیوں کو ذبح کرنے کے طریقے میں شرعی طور پر جو خلل اور قابلِ اعتراض امور ہیں ان کی اصلاح کی ہدایت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

عدم استخدام السكين الدوار، وإقامة أشخاص مسلمين أو من أهل الكتاب يتناوبون في ذبح الدجاجات التي --- أمامهم وذٰلك بأيديهم، ومع تسمية الله تعالىٰ على كل دجاجة وقد ذكرت طريقة التفصيلي وأن ذٰلك معمول به في عدة مذابح كبير طلب من أصحابها المسلمون ذٰلك، ولا يقلل ذٰلك من كمية الإنتاج. (أحكام الذبائح: ٥٣- ٥٤)

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ۵ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

حلال جانور کی سات چیزیں کھانا منع ہے

سوال: مرغا، مرغی کی کون کون سی چیزیں شرعاً کھانا جائز نہیں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سات چیز حلال جانور کی کھانا منع ہیں: ذکر، فرجِ مادہ، مثانہ، غدود، حرام مغز جو پشت کے مہرے میں ہوتا ہے، خصیہ، پتہ، مرارہ جو کلیجی میں تلخ پانی کا ظرف ہے، اور خون سائل قطعی حرام ہے۔ باقی سب اشیاء کو حلال لکھا ہے مگر بعض روایات میں

کڑوے کی کراہت لکھتے ہیں اور کراہت تنزیہیہ پر حمل کرتے ہیں۔ (فتاوی رشیدیہ، ۲/۹۹)
فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ صفر المظفر ۱۴۰۷ھ

حلال جانوروں کی کونسی سات چیزیں حرام ہیں؟

سوال: غدہ (جسے اردو میں غدود کہا جاتا ہے) ماکول اللحم جانور کے ۷/ اجزائے محرمہ میں یہ بھی داخل ہے، اگرچہ اس کی حرمت بطور کراہیتِ تحریمی کے ہے۔ فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی صاحب نور اللہ مرقدہ کا فتوی یوں لکھا ہے کہ: ''جس سالن کے ساتھ ناجائز عضو کو ملا کر پکایا ہے وہ سالن بھی ناپاک ہوگیا''۔ (فتاوی محمودیہ، باب الذبائح، ۱۷/۳۰۱) احقر اور دیگر اقرباء کے مکان میں تو مرغی وغیرہ کو پکانے سے پہلے غدود کو نکالنے کا الحمد اللہ اہتمام رہتا ہے۔ البتہ تشویش کی بات وہاں پیدا ہوتی ہے جب کہ کسی کے یہاں کھانے کی دعوت ہو، کہ اکثر لوگ ناواقفیت کی وجہ سے غدود کو نکالتے نہیں تو کیا ایسی صورت میں جب کہ وہ غدود نہیں نکالا جاتا ہے، سالن ناپاک ہوجائے گا؟ اور دعوت قبول کرنے سے انکار کردیا جائے؟ امید ہے کہ حضرت والا اس کا حل ارشاد فرما کر تشویش کو دور فرمادیں گے۔

احقر الوریٰ: محمد سعید متالا غفرلہ

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حلال جانوروں کے اعضائے سبعہ کو کتبِ فقہ میں مکروہ لکھا ہے، اس میں سے ایک ''غدۃ'' بھی ہے جس کا ترجمہ ''غدود'' سے کرتے ہیں، اس سے مراد وہ گانٹھ ہے جو

جانور کے جسم میں کھال اور گوشت کے درمیان پیدا ہوجاتی ہے۔ درمختار کے اخیر میں مسائل شتی (قبل کتاب الفرائض) میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ ''کرہ تحریما، وقیل: تنزیھا، والأول أوجه، من الشاة سبع: الحیاء، والخصیة، والغدة، والمثانة، المرارة، والدم المسفوح، والذکر الخ'' اس کی تشریح میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (قوله والغدة) بضم الغین المعجمة: کل عقدة فی الجسد اطاف بها شحم، وکل قطعة صلبة بین العصب ولا تکون فی البطن کما فی القاموس.

(شامی ۱۰ /۴۷۸ زکریا)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: خون جم کر گٹھلی کی صورت ہوجاتی ہے اس کو ''غدۃ'' کہتے ہیں وہی اردو میں ''غدود'' کہلاتا ہے۔ (۱۷/ ۲۹۷)

مصباح اللغات میں ہے: گوشت کا سخت ٹکڑا جو مرض کی وجہ سے کھال اور گوشت کے درمیان پیدا ہوجاتا ہے۔ (۵۹۲) فیروز اللغات میں ہے: غدود: جسم کے اندر کی گانٹھ، گلٹی عربی میں ''غدۃ''۔ (۶۸۸)

آپ کو اشکال اس لیے ہوا کہ آپ غدود سے حرام مغز سمجھے؛ حالاں کہ وہ مراد نہیں ہے، دراصل گجراتی زبان کی اصطلاح ہے، گجراتی میں حرام مغز کو ''غدود'' کہتے ہیں اردو میں نہیں۔ (کمامر)

عام کتبِ فقہ میں اعضائے سبعہ کی تفصیل میں یہی سات اعضاء لکھے جاتے ہیں، چناں چہ درمختار کے مسائل شتی میں (کمامر)

ملتقی الابحر میں انہی سات کا تذکرہ ہے:

ویکرہ من الشاة: الحیا والخصیة والمثانة والذکر والغدة والمرارة

والدم المسفوح (ملتقى الأبحر ۲ / ۳٤۱، مسائل شتیٰ)

بدائع الصنائع ۵ / ۶۱، عالمگیری ۵ / ۲۹۰ اور کنز الدقائق مع الزیلعی ۶ / ۲۲۶ میں بھی انہی سات کا تذکرہ ہے۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلاء السنن میں مستقل باب اس مقصد کے لیے قائم فرمایا: "باب ما یکرہ من الحیوان المزکی" عن مجاهد قال: کره رسول الله ﷺ من الشاة سبعا: المرارة، والمثانة، والغدة، والحیاء، والذکر، والأنثیین، والدم وکان رسول الله ﷺ یحب من الشاة مقدمها أخرجه محمد فی کتاب الآثار (ص۱۱۶)

اس کے حاشیہ پر فرماتے ہیں: "قال العبد الضعیف: والحدیث اخرجه الطبرانی فی الأوسط عن ابن عمر، والبیهقی عن مجاهد مرسلاً وعنه عن ابن عباس موصولا کما فی العزیزی (۳/۱۷۱) الخ (اعلاء السنن ۱۷/۱۳۰)

صاحب بدائع نے مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا اثر بطور دلیل ذکر کیا ہے، اس میں بھی انہیں سات اعضاء کا تذکرہ ہے۔ مطلب کہ ان میں حرام مغز کا تذکرہ نہیں ہے؛ اسی لیے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب تو تحریر فرماتے ہیں حرام مغز نہ حرام ہے نہ مکروہ، یوں ہی بے چارہ بدنام ہو گیا۔ (کفایت المفتی ۸ / ۲۶۲)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عموماً اس کی کراہت کی شہرت ہے وہ کیسے ہوئی؟ تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ طحطاوی علی الدر المختار میں مسائل شتی میں درمختار کی مذکورہ بالا عبارت کی شرح میں علامہ طحطاوی فرماتے ہیں: "وزید نخاع الصلب" (٤/ ۳۶۰) یعنی حرام مغز کا بھی (ان اعضائے مکروہہ میں) اضافہ کیا گیا ہے، اور حضرت مولانا

رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو اعضائے مکروہہ میں شمار کیا ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ میں ہے: الجواب: سات چیز حلال جانور کی کھانی منع ہیں: ذکر، فرج مادۃ، مثانہ، غدود، حرام مغز جو پشت کے مہرہ میں ہوتا ہے، خصیہ، پتہ، مرارہ جو کلیجی میں تلخ پانی کا ظرف ہے اور خون سائل قطعی حرام ہے، باقی سب اشیاء کو حلال لکھا ہے؛ مگر بعض روایات میں گردے کی کراہت لکھتے ہیں اور کراہت تنزیہہ پر حمل کرتے ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ کتب خانہ رحیمیہ دہلی ۴/ ۹۹)

تنبیہ: فتاوی رشیدیہ کا یہی جواب (مع سوال) فتاوی رحیمیہ ۲/ ۲۲۳ میں نقل کیا گیا ہے، فتاوی رحیمیہ کے شروع کے ایڈیشن میں اسی طرح عبارت نقل کی گئی ہے، یعنی غدود اور حرام مغز کو مستقل ذکر کیا ہے؛ لیکن بعد کے ایڈیشنوں میں کسی نے ان اشیا کے ناموں پر نمبر لگائے ہیں غدود پر نمبر ۴ لگا کر اس کے بعد ''یعنی'' لفظ کا اضافہ کیا ہے، یہ تصرف کس نے کیا؟ اور صاحب فتاوی کی اجازت سے کیا؟ یہ معلوم نہیں ہے؛ البتہ اس میں ہمارے گجراتی زبان والی اصطلاح کی کارفرمائی صاف نظر آتی ہے۔ اھ

فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۳۵۸ میں حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب نے مجمع الانہر، طحطاوی علی الدر اور زیلعی شرح کنز کی عبارات نقل فرما کر تحریر فرمایا ہے کہ ''عبارات بالا سے معلوم ہوا کہ آٹھ چیزیں ممنوع ہیں، ایک حرام ہے اور باقی مکروہ تحریمی ہیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے اس سلسلہ میں پوچھا گیا۔ سوال وجواب نقل کرتا ہوں:

سوال: حلال جانور کا حرام مغز کھانا درست ہے یا نہیں؟ فقہ حنفیہ کی کتب میں سات چیزیں حلال جانور کی حرام لکھتے ہیں، ان میں حرام مغز کی حرمت کا کہیں ذکر نہیں؛

مگر حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم ص ۶۸ میں حرام بتاتے ہیں مگر حوالہ نہ دارد، اس لیے حضرات علماء سے برائے اطمینانِ قلب حوالہ مطلوب ہے۔

الجواب: احقر کو بھی باوجود بہت تلاش کے اس کا کوئی حوالہ نہیں ملا (۱) ممکن ہے کہ حضرت مولانا نے اس نص قرآنی سے استدلال فرمایا ہو جس کو حرمت کے بارے میں فقہاء نے بطور قاعدۂ کلیہ استعمال کیا ہے، یعنی قولہ تعالیٰ ﴿یحرم علیکم الخبائث﴾ ضب کی حرمت میں حنفیہ نے اس آیت سے بھی استدلال کیا ہے (کما صرح به الشامی فی الذبائح ۵ /۲۱۲) اور یہ ظاہر ہے کہ حرام مغز ایک ایسی چیز ہے کہ طبیعت سلیمہ کو اس سے نفرت اور استقذار لازم ہے؛ بہرحال جب تک کتب مذہب میں اس کی حرمت کی تصریح نہ ملے (۲) حنفی کے لیے حرمت میں تامل کی گنجائش ہے، اور عمل میں احتیاط یہی ہے کہ ترک کیا جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

(فتاوی دار العلوم (امداد المفتیین) دار الاشاعت کراچی ۲ /۹۷۰، ۹۷۱)

بعد میں اس فتوے پر خود حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا حاشیہ ہے (۱) بعد میں محترم مولانا سعید احمد صاحب (مفتی مظاہر العلوم سہارنپور) مدظلہم نے نظر فرمائی تو اس کا حوالہ انہوں نے بتلادیا بعینہ درج ذیل "صرح به الطحطاوی علی الدر ۵/۳۶ حیث قال: وزید نخاع الصلب" محمد شفیع عفی عنہ ۱۰/صفر ۱۳۶۶ھ

(۲) چوں کہ اب تصریح مل گئی جیسا کہ حاشیہ نمبر ایک صفحہ ماقبل میں ذکر کی گئی ہے لہٰذا حکم حرمت کا کرنا چاہیے۔ ۱۲ ش۔

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سات ہی چیزوں کا تذکرہ فرمایا ہے ان میں حرام مغز کا شمار نہیں ہے۔ (دیکھئے آپ کے مسائل اور ان کا حل

۴/۲۵۵)احسن الفتاویٰ ۷/۴۰۶ میں بھی اشیائے سبعہ میں حرام مغز کا شمار نہیں ہے۔

اشیائے سبعہ کی کراہت کے سلسلہ میں صاحب درمختار نے دو قول نقل کئے ہیں:

"کره تحریما، وقیل: تنزیها، والأول أوجه" تحریم والے قول کو راجح بھی بتلایا ہے، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:(قوله وقيل: تنزيها) قائله صاحب القنية، فإنه ذكر أن الذكر أو الغدة لو طبخ فى المرقة لاتكره المرقة، وكراهة هذه الأشياء كراهة تنزية لا تحريماه واختار فى الوهبانية ما فى القنية، و قال: ان فيه فا ئدتين: ا حداهما ان الكرا هة تنزيهة، والأخرىٰ أ نه لايكره أكل المرقة واللحماه نقله عنه ابن الشحنة فى شرحه واقره (قوله والأول أوجه) لما قدمناه من استدلال الإمام بالآية وأيضا فكلام صاحب القنية لايعارض ظاهر المتون وكلام البدائع (شامي ۱۰/۴۸۷)

شرح منظومہ ابن وھبان میں ہے:

وفى غدود والأنثيين مثانة، حيا ذكر ثم المرارة تزبر، كراهة تنزية وقيل بحرمة،لأن الدم المسفوح معها مقرر(شرح منظومة ابن وهبان۱۰۵)

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ اعضائے سبعہ کی کراہت میں دو قول ہیں:(۱) تحریم۔(۲) تنزیہہ۔ اگرچہ عام فقہاء ومشائخ نے تحریم والا قول اختیار کیا ہے؛ لیکن تنزیہ والا قول علامہ ابن وہبان نے منظومہ میں اختیار کیا ہے اور علامہ ابن الشحنہ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے؛ نیز علامہ شامی نے صاحب قنیہ کے کلام کو اس پایہ کا نہیں بتلایا کہ وہ متون اور بدائع کا معارض بن سکے، لیکن متون اور بدائع میں حرام مغز کا تذکرہ نہیں ہے، اس کا ذکر صرف طحطاوی علی الدر میں ہے اور وہ بھی صیغۂ تمریض یعنی "زید"

کے ساتھ، تو اگر حرام مغز کی کراہت کو تنزیہ پر محمول کیا جائے خصوصاً جب کہ عوام الناس کا اس میں ابتلاء ہے اور اس میں بعینہ حرام مغز کھانے سے احتیاط کرتے ہوئے صرف سالن اور شوربہ کی اجازت دی جائے تو کیا حرج ہے؟۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ذبح کے بعد مرغی کے پَر جھلسنے سے مرغی ناپاک نہیں ہوگی

سوال: مرغی کو ذبح کے بعد پیٹ چاک کرنے سے پہلے گرم پانی میں جوش دینے سے نجاست اور غلاظت دور کئے بغیر مرغی ناپاک ہوجاتی ہے، اس قسم کا مسئلہ فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۹۶ پر طحطاوی کے حوالہ سے منقول ہے؛ نیز فتاوی محمودیہ ۵/ ۱۵۹ پر شامی کے حوالہ سے بھی (درست نہیں ہے) اس قسم کا فتویٰ ہے، ہمارے یہاں اس قسم کا مسئلہ اٹھا ہے جو عام طور سے یہاں رائج ہے کہ مرغی ذبح کے بعد اس کی روئیں ہاتھ سے صاف کرنے کے بعد پھر آگ میں (بقیہ روئیں جو ہاتھ سے صاف کرتے وقت رہ جاتی ہیں) تھوڑی دیر جلاتے ہیں، فتاوی محمودیہ ۵/ ۱۵۹ پر بھی اس قسم کا مسئلہ ہے؛ لیکن مزید وضاحت کی غرض سے آنجناب کو تکلیف دے رہا ہوں، امید ہے اطمینان پیدا کریں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مرغی وغیرہ پرندوں کو ذبح کرکے سرد ہونے کے بعد بڑے بڑے پر اکھاڑ کر جو چھوٹے چھوٹے پر جسم پر رہ جاتے ہیں ان کو جھلس لیا جاتا ہے، (جیسا کہ ہمارے دیار میں رواج ہے) اس کا حکم یہ ہے کہ اس جھلسنے سے مذبوح ناپاک نہیں ہوگا، اس لیے کہ

یہ جھلسنا معمولی ہوتا ہے، جس کا اثر صرف چمڑی تک رہتا ہے، اندر نجاست تک اس کا اثر نہیں پہنچتا اور جوش دادہ مرغی کے ناپاک ہوجانے کی جو علت تشرّبِ نجاست بیان کی گئی ہے، وہ یہاں مفقود ہے، اس لیے وہ پرندہ پاک اور حلال ہے۔ (حاشیہ امداد الفتاویٰ ۱/ ۱۳۸ از مفتی سعید مدظلہم) فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۱۵۹ میں دوسری صورت کو جو حلال و درست بتلایا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے۔

جوش دادہ مرغی کا مسئلہ شامی میں موجود ہے: وكذا دجاجة ملقاة حاله على الماء للنتف قبل شقها فتح(درمختار) قوله (وكذا دجاجة الخ) قال في الفتح: إنها لا تطهر أبداً؛ لكن على قول أبي يوسف تطهر، والعلة والله أعلم تشربها النجاسة بواسط الغليان الخ (شامی ۱/ ۲۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ذبح کے بعد گرم پانی میں ڈالے ہوئے مرغ کا کیا حکم ہے؟

سوال: آج کل عام طور پر مرغ ذبح کرنے کے بعد اسے گرم پانی میں ڈالتے ہیں تاکہ اس کے پَر آسانی سے نکل آئیں اور بعض مرتبہ آگ پر جھلسایا جاتا ہے، تو کیا اس طرح کرنے سے گوشت ناپاک ہوجائے گا، اگر گوشت ناپاک ہوجاتا ہو تو کیا گرم پانی میں تین مرتبہ دھونے سے وہ پاک ہوجائے گا؟ آج بالعموم بڑے شہروں کی تمام ہوٹلوں میں ذبح کے بعد گرم پانی میں ڈالی ہوئی مرغیاں ہی ہوتی ہیں، اور وہ حضرات جن کا گھر بار بمبئی میں نہیں ہے، وہ ہوٹل ہی میں کھانا کھاتے ہیں تو کیا عام ابتلاء کی وجہ سے کچھ رعایت ہوسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر کھولتے ہوئے پانی میں مرغی ڈالی اور اتنی دیر اس کے اندر رکھی کہ اس کی پیٹ کی نجاست گوشت میں سرایت کر جانے کا ظن غالب ہو، تو یہ نجس ہوگی اور اس کے پاک کرنے کا بھی کوئی طریقہ نہیں؛ البتہ اگر پانی گرم ہو مگر کھول نہ رہا ہو اور مرغی اس میں بہت دیر تک نہیں رکھی یا کھولتے پانی میں ڈال کر فوراً نکالی تو اس کا گوشت ناپاک نہ ہوگا۔ (احسن الفتاوی ۲/ ۹۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کتے کی کاٹی ہوئی مرغی حلال ہے؟

سوال: کسی مرغی کو کتے نے پکڑ لیا ہو اور مرنے سے پہلے پہلے ذبح کر دی تو اس کا کھانا کیسا ہے؟ اور جس جگہ سے پکڑا ہے اس جگہ کو دھو کر کھانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے، جہاں کتے کا منہ لگا ہے اس کو دھو لیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱ رذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب العقیقة

عقیقہ میں ولیمہ کا حصہ

سوال: ہمارے یہاں شادی ہے اور ہم اپنے بچوں کا (دو لڑکوں کا) عقیقہ کرنا

چاہتے ہیں، ہمارا ارادہ عقیقہ میں بڑا جانور ذبح کرنے کا ہے؛ لیکن پورے سات حصے عقیقہ کے نہیں، صرف چار حصے ہیں، بڑا جانور ذبح کر کے چار حصے عقیقے کے نکال کر بقیہ تین حصے جو عقیقہ کے نہیں وہ شادی کے کھانے میں استعمال کریں، تو کیا ایسا کر سکتے ہیں؟ اور کیا عقیقہ میں اس طرح جانور ذبح کرنا (کہ چار حصے عقیقہ کے ہوں، اور تین نہ ہوں) کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ولیمہ مسنونہ ہے، تو عقیقہ کے جانور میں ولیمہ کا حصہ رکھا جا سکتا ہے، اور اس کی وجہ سے عقیقہ باطل نہیں ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۳۱۳ سے ماخوذ) اگر محض گوشت خوری کی نیت سے بقیہ حصے رکھے ہیں تو عقیقہ باطل ہو جاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بڑے جانور میں دو کا عقیقہ

سوال: یا دو لڑکوں کی طرف سے پورا (بڑا) جانور ذبح کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بڑے جانور میں دو بچوں کا عقیقہ درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۳۲۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قربانی میں عقیقہ کا حصہ

سوال: بالغ ہونے سے قبل قربانی کر سکتے ہیں جب کہ اس کا عقیقہ نہیں ہوا

ہے؟ کیا بلوغ کے بعد عقیقہ کر سکتے ہیں؟ گائے، بیل اور اونٹ پر کتنے بچوں کا عقیقہ ہوگا؟ کیا اس کا حکم قربانی کی طرح ہے؟ اگر قربانی کے دنوں میں کسی نے گائے ذبح کرنے کا ارادہ کیا، اس میں اس کے تین حصے ہوں، باقی کی جانب سے عقیقہ ہوسکتا ہے؟ کیا عقیقہ کے گوشت کے تقسیم کا حکم قربانی کے گوشت کی طرح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نابالغ کی طرف سے اس کا باپ اپنے مال میں سے قربانی کرے یہ مستحب ہے، واجب نہیں ہے۔ (شامی ۵/ ۲۲۲) قربانی کا درست ہونا عقیقہ ہونے پر موقوف نہیں ہے، اس کا عقیقہ نہ ہوا ہو تب بھی اس کی طرف سے قربانی درست ہے، بلوغ کے بعد بھی عقیقہ کیا جاسکتا ہے، بڑے جانور میں سات حصے عقیقہ کے بھی رکھے جاسکتے ہیں، قربانی کے جانور میں عقیقہ کے حصہ کی نیت بھی کر سکتے ہیں، یعنی مثلاً: تین حصے قربانی کے ہیں اور بقیہ چار حصوں میں عقیقہ کی نیت کریں، یہ بھی درست ہے، عقیقہ کے گوشت کی تقسیم کا وہی حکم ہے جو قربانی کے گوشت کا ہے۔ (احکام عقیقہ مالابدمنہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک ہی جانور میں قربانی اور عقیقہ کرنا

سوال: کیا جائز ہے ایک جانور پر قربانی وعقیقہ بیک وقت کرنا؟ اگر جائز ہے تو عام فہم زبان میں جواب مع الدلیل مطلوب ہے، عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بڑے جانور میں جس میں شرکت کی اجازت شریعت کی طرف سے ملی ہوئی

ہے، (مثلاً: اونٹ یا گائے میں) اگر شریک ہونے والے حضرات میں سے ایک نے قربانی کی نیت کی ہے، اور دوسرے نے عقیقہ کی نیت کی ہے تو درست ہے، اس لیے کہ ان تمام کا مقصود اللہ تعالیٰ کا تقرب ہے، اگرچہ جہتیں مختلف ہیں، قربانی بھی تقرب الی اللہ کی غرض سے کی جاتی ہے، اور عقیقہ بھی اسی مقصد کے لیے ہوتا ہے۔

بدائع الصنائع میں ہے: إن الجهات وإن اختلفت صورة فهي في المعنى واحد؛ لأن المقصود من الكل التقرب إلى الله عز شانه، وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد وُلِد له من قبل، لأن ذلك جهة التقرب إلى الله عزشانه بالشكر على ما أنعم عليه من الولد (۵/۷۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/صفر ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

انتقال کئے ہوئے بچہ کا عقیقہ

سوال: ایسا چھوٹا بچہ جو پیدا ہونے کے دو چار دن بعد ہی یعنی سات دن کے پہلے انتقال کر گیا، اس کا عقیقہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ یعنی سنت، مستحب، جائز ناجائز وغیرہ، اور بصورتِ جواز عقیقہ کے لیے کونسا دن منتخب کیا جائے؟ کیوں کہ عام طور پر عقیقوں میں ساتویں دن کا لحاظ کیا جاتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عقیقہ مستحب ہے، ساتویں روز عقیقہ کیا جائے۔

شامی میں ہے: يستحب لمن ولد له ولد، أن يسميه يوم اسبوعه،

ویحلق رأسه، ویتصدق عند الأئمة الثلاثة بزنة شعره فضة أو ذهبا، ثم یعق عند الحلق عقیقة الخ. (شامي ۲۳٦/٥)

بچہ پیدا ہونے کے بعد ایک دو دن میں انتقال کر جائے تب بھی اس کا عقیقہ کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ عقیقہ قبول ہوگا۔ (کتاب المجموع للنووی ۸/۴۴۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایضاً

سوال: جو لڑکا سات دن کے بعد ہفتہ دو ہفتے مہینہ دو مہینے یا سالوں کے بعد؛ حتی کہ بلوغ کے بعد انتقال کر گیا اور اس کا عقیقہ نہ ہوا ہو، اس کا عقیقہ کرنا کیسا ہے؟ یعنی سنت، مستحب، جائز ناجائز وغیرہ کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کا بھی عقیقہ ہوسکتا ہے۔ (ایضاً) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/شعبان ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بذریعۂ گوشت عقیقہ کرنا

سوال: زید اپنے نو پوتوں کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے، جس میں زید کو اٹھارہ بکروں کی ضرورت ہے، زید نے عمر نامی گوشت فروش سے کہا کہ میرے یہاں پوتوں کا عقیقہ ہے، تم مجھے اٹھارہ بکروں کا گوشت کس حساب سے دوگے؟ عمر نامی گوشت فروش نے

کہا کہ کھال، منڈی، پائے کے علاوہ میں آپ کو اٹھارہ بکروں کا گوشت پچھتر روپے فی کیلو کے حساب سے دوں گا، زید نے کہا کہ ہمارے یہاں عقیقہ ہے، بایں وجہ ہمیں گوشت کے ساتھ کھال، پائے، منڈی سب چاہیے، عمر نے کہا کہ اس صورت میں جب کہ آپ کو گوشت کے ساتھ کھال، منڈی، پائے سب چاہیے تو سو روپے فی کیلو کے حساب سے اٹھارہ بکروں کا گوشت کھال، منڈی، پائے سمیت دوں گا؛ لیکن کھال منڈی پائے کا وزن نہیں ہوگا، صرف گوشت کا وزن ہوگا سو روپے فی کیلو کے حساب سے، دریافت طلب بات یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں عقیقہ کی ادائیگی ہوجائے گی یا نہیں؟ اور عقیقہ یا قربانی میں بعد الذبح جانور کی قیمت صورت مسئولہ کے اعتبار سے طے اور اداء کی جاسکتی ہے کہ نہیں؟ اس سلسلہ میں شریعت کا موقف مدلل واضح فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

نوٹ: عمر اٹھارہ بکروں کو عقیقہ کی نیت سے خرید لے گا اور عقیقہ ہی کی نیت سے ذبح وغیرہ ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں زید نے عمر نامی گوشت فروش کے ساتھ معاملۂ بیع گوشت کا کیا ہے؛ بکروں کا نہیں، چناں چہ اس کے الفاظ یہ ہیں ''تم مجھے اٹھارہ بکروں کا گوشت کس حساب سے دوگے؟''

اولاً: گوشت کی بیع اس طرح درست نہیں ہے، اسی طرح کھال، منڈی، پائے کی بیع درست نہیں ہے۔

ولو باع الجلد والكرش قبل الذبح لا يجوز، فان ذبح بعد ذلك

ونزع الجلد والكرش وسلم لا ينقلب العقد جائزا، كذا فى الذخيرة.
(عالمگیری ۱۲۹/۳)

ثانیاً: عقیقہ جانور کا ہوتا ہے، گوشت کا نہیں؛ اس لیے کہ عقیقہ میں اراقۂ دم مطلوب ہے، گوشت مقصد نہیں ہے۔ اور اگر صورت مسئولہ میں یہ فرض کرلیا جائے کہ معاملۂ بیع بکروں کا ہے اور گوشت کا تذکرہ تو تعیین قیمت کے لیے کیا گیا ہے تب بھی یہ درست نہیں، اس لیے کہ بوقت عقد یہ معلوم نہیں ہے کہ بکرے میں کتنا کیلو گوشت ہے؟ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بوقت عقد ثمن مجہول رہے گا، اور جہالت ثمن مفسد بیع ہے، اور یہ چیز صحت عقیقہ سے مانع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عقیقہ میں نام لینا ضروری نہیں

سوال: جس کی طرف سے عقیقہ کیا جارہا ہو اس کا نام لینا دعا پڑھتے وقت ضروری ہے؟ کیا بغیر نام لیے ہوئے جانور ذبح کرتے وقت دل سے نیت کرلینا کہ فلاں کی طرف سے عقیقہ ہورہا ہے کافی نہ ہوگا؟ نیز ذبح کے وقت صاحب عقیقہ کا وہاں موجود رہنا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس کی طرف سے عقیقہ کیا جارہا ہے اس کا نام لینا ضروری نہیں ہے صرف نیت کرلینا بھی کافی ہے۔ البتہ اگر عقیقہ کرنے والا باپ یہ دعا پڑھے تو اچھا ہے: "اللّٰھم ھذا عقیقة ابنی فلان دمھا بدمه ولحمھا بلحمه و عظمھا بعظمه

وجلدها بجلده وشعرها بشعره اللهم اجعلها فداء لابنی من النار".

(مالابدمنہ رسالہ عقیقہ)

بوقت ذبح عقیقہ کرنے والے باپ کا وہاں موجود ہونا اچھا ہے ضروری نہیں۔

لان العقيقة كالاضحية كما صرح به الفقهاء۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عقیقہ کے گوشت کے مستحقین

سوال: عقیقہ کے گوشت کے کون لوگ مستحق ہیں؟ بعض علاقوں میں گوشت شادی میں کھلا دیا جاتا ہے۔ اور بعض علاقوں میں اجتماع میں وہ گوشت استعمال کیا جاتا ہے مگر ساتھ ساتھ کھانے کا پیسہ لیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ پیسہ گوشت کا نہیں بلکہ مرچ وغیرہ جو سامان گوشت میں ڈالے جاتے ہیں ان کا وصول کیا جاتا ہے۔ اور گوشت بغیر پیسے کے تو کیا اس طرح کی تاویل درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مستحب است کہ سر جانور عقیقہ بہ حجام و یک ران بہ قابلہ یعنی دائی جنائی و یک ثلث گوشت بہ فقراء بدہند و باقی خود خورند یا بہ اعزا یا احباب تقسیم نمایند (یعنی) مستحب ہے کہ عقیقہ کے جانور کی سری حجام اور ایک ران دائی جنائی کو اور ایک تہائی گوشت فقراء کو دے دیں اور باقی خود کھائیں یا رشتہ داروں یا دوستوں میں تقسیم فرمادیں۔ (حوالہ بالا) جس کھانے کا پیسہ لیا جاتا ہو اس میں عقیقہ کا گوشت استعمال کرنا درست نہیں۔

قیمت تو پورے کھانے کی وصول کی جاتی ہے یہ تاویل درست نہیں ہے۔ایک مرتبہ تجربہ کے طور پر صرف مرچ مصالحہ ہی دیں کیا لوگ کافی سمجھیں گے؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عقیقہ اور اس کے گوشت کا حکم

سوال: زید کو ایک لڑکی ہوئی وہ اپنی لڑکی کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے اور عقیقے کے لیے لڑکی کے واسطے صرف ایک بکرا ہے، اور زید چاہتا ہے کہ میں تین بکرا کروں چوں کہ قبیلہ اور خاندان بہت بڑا ہے اس لیے ایک بکرا سے کام نہیں چلتا اب مسئلہ طلب یہ ہے کہ تینوں بکرے یا دو بکرے عقیقے کے ہی نام سے ہوگی یا علیحدہ علیحدہ اور اگر علیحدہ ہے تو پھر کس نیت سے کرنی چاہیے؟ خیرات کی نیت سے یا کھانے کی نیت سے؟ اور اگر خیرات کی نیت سے کریں تو پھر وہ حق غریبوں کا ہوتا ہے، اس لیے ذرا تفصیل سے وضاحت فرمادیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکری یا بکرا ذبح کیا جاتا ہے، اگر چاہے تو گائے یا اونٹ (بڑا جانور) بھی ذبح کرسکتا ہے، خاندان کے تمام ہی افراد کو گوشت پہنچانا یا تمام کی دعوت کرنا ضروری نہیں ہے، بہتر یہ ہے کہ جانور میں سے جو گوشت نکلے اس کا ایک تہائی اپنے گھر کے لیے رکھے ایک تہائی رشتہ داروں کے گھر بھیجے اور ایک تہائی غربا اور مساکین کو دے عقیقہ میں نام آوری مقصود نہیں ہونی چاہیے حکم شریعت کی بجا آوری

پیش نظر ہو، اس لیے سادہ طریقہ سے ایک بکرا ذبح کر کے عقیقہ کی فضیلت حاصل کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ رجب ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مرحوم اولاد اور بالغ اولاد کا عقیقہ کرنا

سوال: مرنے والی اولاد کی طرف سے عقیقہ کر سکتے ہیں؟ اگر کوئی بلوغ کو پہنچا مگر کیا نہیں، ہم چاہتے ہیں اس کی طرف سے عقیقہ کریں، تو کیا اس کی طرف سے عقیقہ کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

گنجائش دی گئی ہے، استحباب ثابت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ رذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تبلیغی اجتماع میں عقیقہ کا گوشت دے کر ٹکٹ کم قیمت میں دینا

سوال: چھوٹے بڑے تبلیغی اجتماعات میں کھانے کا ٹکٹ قیمتاً ہوتا ہے، اور اس میں ذمہ دار حضرات اگر عقیقہ کا گوشت مل گیا تو ٹکٹ کی قیمت کم رکھتے ہیں، تو کیا اس طرح سے عقیقہ کا گوشت استعمال کر سکتے ہیں؟ مثلاً اگر ایک وقت کا کھانا دس روپے کا ہوتا ہے، اگر اس میں عقیقہ کا گوشت مل گیا تو دو تین روپے ٹکٹ پر کم کر دیتے ہیں، تو از روئے شرع اس کی صحیح شکل کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کھانے کا جو ٹکٹ ہوتا ہے، عرف اور معاملہ کے اعتبار سے وہی پورے کھانے کی قیمت سمجھا جاتا ہے، اگرچہ دام رعایتی انداز سے مقرر ہوتے ہیں، پھر بھی معاملہ یہی ہوتا ہے کہ جو کھانا دیا جارہا ہے اس کی یہ قیمت ہے۔ جب معاملہ کی نوعیت یہ ہے تو عقیقہ کا گوشت استعمال کرنے کی صورت میں گویا اس کی بھی قیمت وصول کی گئی؛ اس لیے براہِ راست عقیقہ کا گوشت استعمال کرنے سے احتراز کرتے ہوئے عقیقہ کا وہ گوشت منتظمین میں سے ایک دو افراد کو شخصی طور پر دیا جائے، اس کے بعد وہ حضرات اپنی طرف سے وہ گوشت برائے استعمال دیں، یا معمولی قیمت میں فروخت فرما کر بعد میں وہ قیمت بھی اسی میں استعمال کے لیے دے دیں، یا خود رکھ لیں، یا معاف کردیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کیا عقیقہ کی نیت سے عقیقہ واجب ہوجاتا ہے؟

سوال: عقیقے کی نیت کرنے سے عقیقہ کا جانور واجب ہوجاتا ہے؟ اس کی بھی وضاحت کریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عقیقہ کی نیت کرنے سے وہ واجب نہیں ہوجاتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

قربانی کی نیت سے پالے ہوئے جانور کا عقیقہ کرنا

سوال: والدہ محترمہ ایک خصی بنیتِ قربانی پال رکھتی ہیں، اب مذکورہ خصی کا عقیقہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

محض نیت کی وجہ سے ضروری نہیں ہوگیا، اس کا عقیقہ بھی ہوسکتا ہے۔ (ایضاً ۲/ ۸۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

ولیمہ میں قربانی یا عقیقہ کا گوشت کھلانا

سوال: شادیوں کے مواقع پر بطور ولیمہ قربانی یا عقیقہ کا گوشت کھلانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چوں کہ بوقت نکاح عموماً دعوت کھانے والے ہدیہ بھی پیش کرتے ہیں؛ بلکہ بعض مقامات پر ضروری سمجھا جاتا ہے، اب اگر اس میں قربانی یا عقیقہ کا گوشت کھلایا گیا، تو اس پر عوض کا شبہ ہوتا ہے، اس لیے ایسے مواقع پر احتراز ضروری ہے، ورنہ فی نفسہٖ جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

كتاب القضاء والقصاص

ایک فریق کی عدمِ موجودگی میں دوسرے فریق کی بات سننا

سوال: زید ایک ادارہ کا زندگی بھر (Life long) ٹرسٹی ہے، ادارہ نے زید کو چندہ وصول کرنے پر بعوض اجرت متعینہ ماہانہ مقرر کیا، چندہ دینے والے زید کے سامنے بحیثیت ٹرسٹی اور چندہ وصول کرنے والے ادارہ کے متعلق چند اشکالات کرتے ہیں اور اطمینان بخش جوابات طلب کرتے ہیں، زید نے دوسرے ٹرسٹیوں کے سامنے چندہ دینے والوں کے اشکالات کو پیش کیا اور جواب دینے کی درخواست کی؛ تاکہ چندہ دینے والوں کو مطمئن کیا جائے، جب دوسرے ٹرسٹیوں نے جواب دینے کی طرف توجہ اور دھیان نہیں دیا تو زید نے وہی اشکالات لکھ کر ٹرسٹیوں کو پیش کیا، اس پر ٹرسٹی حضرات ناراض ہو گئے اور خط واپس لینے کو کہا، جب زید جواب دینے پر مصر ہوا تب ٹرسٹیوں نے جواب دینے کے لیے زید کی موجودگی میں اشکالات پڑھنے اور اس پر غور کرنے کی تقریباً تین مجلسیں قائم کیں، آخری مجلس میں زید نے دوسرے ٹرسٹیوں سے گذشتہ مجلس کی ذکر کردہ باتوں کا اختصار (Minutis) طلب کیا، زید کو ٹرسٹیوں کے اشکالات پر صحیح طور سے غور کرنے پر اور ان کے طریقۂ کار پر اطمینان نہیں ہوا، اور وہ مجلس سے نکل گیا، اس ادارہ کے دستور العمل میں ایک دستور یہ ہے کہ اگر کسی ٹرسٹی کا عمل اور طریقہ ادارہ کے حق میں مضر ہے تو اس کو معزول کیا جاسکتا ہے، لہٰذا ٹرسٹیوں نے زید کو ٹرسٹی سے معزول کیا، ٹرسٹی کے عہدہ سے معزول کرنے سے قبل زید کو بتایا گیا کہ جب تک یہ آپس کا نزاع اور اشکالات کے جوابات نہ دیئے جائیں، آپ تین ماہ تک چندہ وصول نہیں کر سکتے، زید کو جب ٹرسٹی کے عہدہ سے معزول ہونے کی اطلاع

ملی تو اس نے فیصلہ سے نا اتفاقی کا اظہار کیا، اور چوں کہ اس ادارہ کے دستور العمل میں ایک دستور یہ ہے کہ اگر ادارہ کے متعلق کوئی نزاع ہو تو جمعیۃ العلماء حکم ہوں گے، ان کا فیصلہ آخری اور نافذ ہوگا، جب یہ نزاع کچہری میں پہنچا، جج نے دستور العمل کے مطابق جمعیۃ العلماء کی طرف نزاع سلجھانے کے لیے محول کیا، جمعیت نے دونوں فریق کو آنے کا وقت دیا، ایک فریق یعنی مدعی زید آیا اور مدعی علیہ یعنی دوسرے ٹرسٹی نہیں آئے، نہ آنے کا عذر یہ تھا کہ وہ جمعیت کی غیر طرف داری کو تسلیم نہیں کرتے، جمعیت کے احباب حضرات میں سے تین احباب تو مدعی علیہ ہی کے منتخب کئے ہوئے تھے، جمعیت کے احباب نے اس ادارہ کے دستور العمل کے مطابق مدعی کی باتیں سنیں اور دو آدمی جو اس ادارہ کے اس وقت کے ٹرسٹی تھے اور جو شرعی شہادت کے لوازمات کو پورا کئے ہوئے تھے، ان کی شہادت سنی، اور مختلف سوالات بھی کئے، ان کے جوابات بھی زید مدعی کے الزامات سے ملتے جلتے ہی تھے، ان گواہوں کا کہنا ہے کہ زید کا طریقہ یعنی اشکالات کا لکھ کر ٹرسٹیوں کے سامنے پیش کرنا، چندہ دینے والوں کو کہہ دینا، یہ سب ادارہ کے حق میں مفید تھا؛ کیوں کہ ان کو بھی ادارہ کے متعلق کافی خلجان تھا، اب زید مدعی کے چند سوالات پیش ہیں:

① ان کو دوبارہ ٹرسٹی بنایا جائے؟

② پچھلے سالوں کا چندہ وصول کرنے کی اجرت دی جائے؟ ان کا دعویٰ ہے کہ ادارہ کے مفاد کے خاطر ایک کام کرنے گیا اور نوکری اسی وجہ سے چھوٹ گئی۔

③ مدعی زید کے وکیل کا خرچہ زید کا تھا، دعویٰ ہے کہ مدعی علیہ نے اس کو بلا وجہ اس خرچہ میں ڈالا، لہٰذا مدعی علیہ اس پورا خرچہ کا ذمہ دار ہے۔

سوال یہ ہے کہ ایک فریق کی عدم موجودگی میں دوسرے فریق کی بات سننا صحیح تھا یا نہیں؟ اگر صحیح تھا تو زید مدعی کے مذکورہ مطالبات میں سے کونسے مطالبہ کا فیصلہ دیا جائے؟ برائے کرم ہر سوال کا جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک فریق کی عدم موجودگی میں دوسرے فریق کی بات سن کر فیصلہ تو نہیں دیا جاسکتا؛ البتہ ایک مقدمہ کے حقائق سے واقفیت حاصل کرنے کی غرض سے اگر دوسرے فریق کی بات سن بھی لی تو یہ کوئی گناہ نہیں ہے، مدعی علیہم نے جب جمعیۃ العلماء کے فیصلہ کنندگان کے سامنے حاضر ہونے سے انکار کردیا تو جمعیت کے پاس قوتِ نافذہ تو ہے نہیں، اس لیے ذمہ دارانِ جمعیت کو چاہیے کہ حکومت کے جس جج نے یہ نزاع جمعیت کی طرف محول کیا ہے، اس کے پاس مقدمہ کے کاغذات اس ریمارک کے ساتھ بھیج دے کہ ایک فریق (مدعی علیہم) حاضری سے انکار کرتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ کرنا

سوال: جناب عالی ہمارے یہاں دو جماعتوں میں اختلاف ہے، وقت کا ایک چودھری (پردھان حاکم) ایک جماعت کی سن کر دوسری جماعت کے کسی فرد کی شکل دیکھے بغیر ایک طرفہ فیصلہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتائیں کہ ایسا فیصلہ چودھری (پردھان حاکم) جائز کررہا ہے یا ناجائز؟ ایسے چودھری (پردھان

حاکم) کو ماننا جائز ہے یا نہیں، اور ایسے چودھری (پردھان حاکم) کی بات پر عمل کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فیصلہ کا طریقہ یہ ہے کہ مدعی اور مدعی علیہ دونوں حاکم کے سامنے پیش ہوں، اور دونوں کی سننے کے بعد حاکم اپنا فیصلہ صادر کرے، اصول شرعی کے خلاف صادر شدہ فیصلہ درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۳۰ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک پلاٹ کے تنازع میں کس کی بات معتبر ہے؟

سوال: ڈاکٹر صاحب کی خالہ زاد بہن کے شوہر کا نام سمیع اللہ ہے، خالہ زاد بہن کا نام کوثر، ڈاکٹر صاحب کی سگی بہن کا نام رانی ہے، خالہ زاد بہن کوثر کا اب انتقال ہو چکا ہے، سمیع اللہ کا کہنا ہے کہ اس نے پلاٹ بہن رانی کی شراکت سے خریدا تھا، شراکت میں آدھے حصے کی قیمت اٹھارہ ہزار ریال ادا کی تھی، یہ شراکت ۱۹۸۴ء میں ہوئی تھی، بھائی سمیع اللہ کا کہنا ہے کہ اس نے ڈاکٹر صاحب سے دس ہزار ریال کی رقم قرض حسنہ کے طور پر لی تھی، ڈاکٹر صاحب کے پاس اس کی تحریر ہے، اور اس پر بھائی سمیع اللہ کے دستخط ہیں، ڈاکٹر کے ایک چھوٹے بھائی کا بیان ہے کہ انہوں نے اس تحریر کو ڈاکٹر صاحب کے پاس دیکھا اور پڑھا تھا، بھائی سمیع اللہ کا کہنا ہے کہ ۱۹۹۴ء میں انہوں نے پلاٹ کے حصہ کی رقم ۱۸/ ہزار ریال ادا کی تھی، اور ۱۹۹۹ء میں وہ صرف دس

ہزار ریال میں کیسے بیچ سکتے ہیں؟ کیوں کہ قیمت خرید سے بہت کم ہے، ڈاکٹر صاحب کی بہن رانی نے یہ پورا پلاٹ ۲۰۰۴ء یا ۲۰۰۵ء کے شروع میں اچھی قیمت پر بیچ دیا، اور سمیع اللہ کو ان کے حصہ کا ۸۰ رفیصد ادا کر دیا یعنی فروخت کرنے کے بعد رقم کا ۸۰ رفیصد جو سمیع اللہ کا حصہ بنتا تھا وہ دے دیا، بھائی سمیع اللہ نے ڈاکٹر صاحب کو دس ہزار ریال واپس کر دیئے ہیں، ڈاکٹر صاحب مطالبہ کر رہے ہیں کہ ان کو منافع میں آدھا حصہ ملنا چاہیے، اس لیے کہ یہ پلاٹ آدھا حصہ دس ہزار ریال میں میں نے خریدا تھا، ڈاکٹر صاحب کی تحریر چار صفحوں پر مشتمل اس وضاحت کے ہمراہ ہے، پلاٹ کی قیمت ڈاکٹر صاحب نے پہلے دس ہزار ریال لکھے اور دوسری جگہ پر مزید دو ہزار ریال لکھے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیمتِ خرید طے نہیں ہوئی، اس کو لکھا بھی نہیں گیا، اور اس پر گواہ بھی نہیں ہیں، ڈاکٹر صاحب اپنی بہن رانی سے خفا ہیں کہ پلاٹ کو فروخت کرنے کے بعد منافع کا آدھا حصہ ڈاکٹر صاحب کو ملنا چاہیے، ڈاکٹر صاحب کی بہن رانی کا کہنا ہے کہ منافع کی آدھی رقم کا حصہ دار سمیع اللہ ہے، جواب تحریر فرمائیں کہ بیع منعقد ہوئی؟ مزید ڈاکٹر صاحب کی بہن رانی کی ذمہ داری بھی تحریر فرمائیں کہ پلاٹ بیچنے کی رقم کا حصہ صرف شریک کو ادا کرنا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے سوال کے طور پر جو تحریر بھیجی ہے، اس میں متنازع فیہ معاملہ سے متعلق ایک فریق یعنی ڈاکٹر صاحب کے کسی کے نام لکھے گئے طویل خط کے اس معاملہ سے متعلق چند اقتباسات کی زیراکس ہے، اس سلسلے میں دوسرے فریق سمیع اللہ کی اپنی کوئی تحریر سوال میں موجود نہیں، ہاں اس کے بیان کا ضروری حصہ مزید معلومات کے

نام سے منسلک کئے گئے الگ الگ کاغذ پر موجود ہے، بہر حال دونوں فریق یعنی ڈاکٹر صاحب اور سمیع اللہ صاحب کی باتوں سے اتنا تو صاف طور پر معلوم ہوا کہ جس پلاٹ کے حصہ کی ملکیت کے متعلق دونوں میں نزاع ہے، وہ اصالۃً سمیع اللہ نے ڈاکٹر صاحب کی بہن رانی کی شراکت میں خریدا تھا، خود ڈاکٹر صاحب بھی اس حصہ پر سمیع اللہ کی ملکیت کو تسلیم کرنے کے بعد آگے اس بات کے مدعی ہیں کہ انہوں نے پلاٹ کا یہ حصہ سمیع اللہ سے خریدا، بہر حال ابتداءً اس حصۂ پلاٹ پر سمیع اللہ کی ملکیت ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کا اس کو خریدنا اور سمیع اللہ کا اس حصۂ پلاٹ کو ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ بیچنا متنازع فیہ ہے، چوں کہ ڈاکٹر صاحب مدعی ہیں؛ اس لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اس دعوی کے ثبوت میں شرعی شاہد پیش کریں، اگر وہ شہادتِ شرعیہ سے اپنے دعوی کو مزین کرتے ہیں تب تو ان کی بات مانی جائے گی ورنہ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ

گاہک سے مقدمہ کا خرچہ وصول کرنا

سوال: کوئی گاہک تاجر کو بقایا قرضہ ادا نہیں کرتا، اس تاجر نے کورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا، اور مقدمہ میں فیصلہ یہ ہوا کہ قرض دار قرضہ کی رقم، مع سود اور مقدمہ کے خرچ کے، ادا کر دے، تو سود تو خیر لینے کا کوئی سوال نہیں ہوتا؛ مگر سوال یہ ہے کہ گاہک کی بدمعاملگی اور خلاف عہدی کی وجہ سے تاجر کو مقدمہ میں خرچ کرنا پڑا اور تکلیف اٹھانی پڑی تو مقدمہ کا خرچ گاہک سے وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب کسی کو اپنے حق کی حفاظت کے لیے بجبوری نالش کرنا پڑے اور فریق مخالف کی طرف سے بالکل مخاصمانہ کارروائیوں کی وجہ سے بہت سے مصارف برداشت کرنا پڑیں، تو اس صورت میں خرچہ کا روپیہ لینا، بہت سے علماء کے نزدیک (ومنھم مولانا رشید احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) جائز ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/ ۱۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک ملک کا دوسرے پر حملہ اور مختلف قسم کے نقصانات کے معاوضے

سوال: اگست ۱۹۹۰ء میں عراق نے کویت پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کیا، اور اسے عراق کا انیسواں صوبہ قرار دیا، کویت کی کرنسی کو عراق کی کرنسی کے ہم پلہ قرار دیا۔

اس دوران کویت میں مختلف ممالک کے لوگ تجارت، ملازمت وغیرہ کرتے تھے، ان میں بعضوں کی اچھی خاصی تجارت تھی یا ملازمت بہت ہی اچھی تھی تو اس جنگ کے سبب یا تو ان کی تجارت اور املاک مکمل یا اکثر ضائع ہوگئی یا ان کی ملازمت چلی گئی۔

دنیا کے ۲۸/ ملکوں نے مل کر امریکہ کی قیادت میں عراق پر شدید حملہ کے بعد کویت کو عراق کے قبضہ سے چھڑایا اور عراق کو شکست ہوئی، نتیجۃً عراق کو اقوامِ متحدہ اور امریکہ کی جو شرط ہوا سے ماننا پڑا، منجملہ ان شرائط میں سے ایک شرط یہ تھی کہ اس جنگ میں امریکہ یا کسی بھی ملک کا یا کسی بھی فرد کا جاہے وہ کسی بھی ملک کا باشندہ ہو،

اس کا جو بھی نقصان ہو اس نقصان کا مکمل جرمانہ عراق سے وصول کیا جائے گا، اور اس شرط کے مطابق امریکہ/ اقوامِ متحدہ نے عراق کے تیل کے کنوؤں کا مکمل کنٹرول اپنے پاس رکھا، اقوامِ متحدہ جہاں کہے وہیں بیچنا ہوگا، اس تیل کو بیچ کر اس نقصان کا انجبار کیا جائے گا، اور عراق کو اس کی ضرورت کے مطابق رقم ملے گی، جب مکمل انجبار ہو جائے گا تو ان کنوؤں سے اپنے کنٹرول سے دست بردار ہو جائے گا۔

اس کے بعد امریکہ نے ان ممالک میں جہاں کے لوگ کویت میں مقیم تھے، ان ملکوں میں وہاں کی حکومت کے ذریعہ ان حضرات کے درمیان کچھ فارم تقسیم کئے، اس میں جس کا جو بھی نقصان ہو اس کی تفصیل لکھ کر اس ملک میں طے کردہ محکمہ تک پہنچائی گئی، ہمارے علم کے مطابق تین قسم کے فارم تقسیم ہوئے:

(۱) A فارم۔ (۲) C فارم۔ (۳) D فارم۔

A فارم: اس فارم میں جو لوگ وہاں مقیم تھے ان کی اپنے نام وغیرہ کی تفصیل مندرج کرنی تھی، اس فارم والوں کے لیے امریکہ/ اقوامِ متحدہ نے ایک رقم ہی طے کر دی ہے کہ جو لوگ وہاں مقیم تھے ان کو اتنی رقم ہر حال میں دی جائے گی۔

D'C فارم: اس فارم میں وہاں جو لوگ مقیم تھے ان کے مالی نقصان یا ذہنی کوفت کی بناء پر یا ملازمت چلی جانے کی بناء پر ایک مدت تک بے کار رہنے کا جو بھی کلیم/ مقدمہ کرنا ہو اس فارم میں مندرج کیا جاتا۔

اس موقع پر جہاں لوگوں نے اپنے نقصان کی تفصیل لکھی وہیں پر اپنے نقصان سے کئی گناہ زیادہ اکثر لوگوں نے لکھا، اس کے بعد جب یہ فارم امریکہ اور اقوامِ متحدہ کے پاس پہنچے تو اس نے جس نے جتنا نقصان لکھوایا تھا وہ مکمل منظور فرما کر (ہندوستان

کا) حکومتِ ہند کو سپرد کر دیا، جو جستہ جستہ ہر ایک بینک کے قوانین کے مطابق مل جائے گا، اس موقع پر مندرجۂ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں امید ہے کہ اس کا حل از روئے شرع مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

① ایک مسلم اگر کسی دوسرے مسلم ملک پر حملہ کر کے اس پر غلبہ پا کر قبضہ کر لے تو کیا قابض اس مقبوضہ ملک کا مالک ہوگا یا غاصب؟

② قابض ملک سے مقبوضہ ملک کا یا وہاں کے ملکی یا غیر ملکی باشندوں کا جو مالی نقصان ہوا چاہے اس کی فوج نے یا دوسروں نے جو وہاں مقیم تھے انہوں نے لوٹا ہو یا وہ مالکان غیر ملکی اپنی املاک اپنے ملک مثلاً ہندوستان سفر کی مشقت کی بناء پر وہاں چھوڑ کر چلے آئے، تو اب اس کا مالی جرمانہ اس سے یعنی عراق سے لے سکتے ہیں یا نہیں؟

③ بعض حضرات نے C اور D فارم کے مطابق اپنا نقصان بہت لکھوایا ہے؛ حالاں کہ ان کا نقصان اس سے بہت کم ہوا ہے یا بالکل ہوا ہی نہیں تو ایسے لوگ ان پیسوں کو لے سکتے ہیں یا نہیں؟

نوٹ: اگر ان پیسوں کو مسترد کر دیں، تب بھی یہ رقم بظاہر واپس پہنچنے والی نہیں؛ بلکہ مقامی ذمہ دار یا ملکی ذمہ داروں کی نذر ہو جائے گی تو اس کا حل کیا ہے؟

④ کیا اپنے مالی نقصان کے برابر رقم لے سکتے ہیں؟

⑤ اگر لے سکتے ہوں تو اپنے نقصان سے زائد رقم کا کیا مصرف ہوگا؟ اور اگر نہیں لے سکتے تو پھر اس رقم کا مصرف کیا ہوگا؟

⑥ بعض حضرات نے اس موقع پر جو ذہنی کوفت اور پریشانی ہوئی اس کا بھی مقدمہ کر کے اس کا تاوان لکھوایا ہے تو کیا اس معاوضہ کو لے سکتے ہیں؟

⑦ جنگ سے پہلے کویتی دینار کی ہندوستان میں زرتبادلہ کی شرح ۷۵ / فیصد روپئے تھی؛ لیکن عراق کے قبضہ کے بعد اس کا نرخ ۵ / یا دس روپئے تک ہوگیا، بہت سے لوگوں کے پاس وہ کرنسی موجود تھی؛ مگر اپنی ضرورت کی وجہ سے انہوں نے اسی شرح پر بیچ دی تو یہ زرِتبادلہ کا جو نقصان انہیں برداشت کرنا پڑا ہے مالی نقصان میں محسوب کیا جائے گا؟

⑧ بعضوں کی تنخواہ بہت زائد تھی دوبارہ جنگ کے بعد میں یا تو وہ ملازمت نہ رہی یا ملازمت تو رہی؛ مگر شرحِ تنخواہ وہ نہ رہی؛ بلکہ اس سے کم ہوئی تو کیا وہ لوگ اپنی تنخواہ اور ملازمت کے بدلہ کوئی مالی معاوضہ لے سکتے ہیں؟

⑨ بعض لوگ آج تک دوبارہ وہاں نہیں جاسکے تو کیا انہوں نے جو کلیم کیا ہے جس میں اپنے نقصان سے زائد رقم لکھی ہے اس میں سے آج تک کی تنخواہ کے حساب سے رقم لے سکتے ہیں؟

⑩ وہ حضرات جو وہاں گئے تھے وہ تقریباً لاکھ روپے ویزا کے خرچ کر کے گئے تھے، ان میں سے بعض حضرات تو ابھی پہنچے تھے، ایک دو دن یا ہفتہ عشرہ یا مہینہ دو مہینہ ہوئے تھے؛ غرض کہ اپنی ویزا سے فائدہ ابھی اٹھا بھی نہ پائے تھے تو کیا اسے مالی نقصان میں شمار کیا جائے گا؟

⑪ بعض حضرات کو وہاں گئے ہوئے کئی سال ہوئے تھے، اور بہت کچھ کمایا بھی، کیا وہ حضرات ویزا کا خرچ لے سکتے ہیں؟

⑫ بعض حضرات ان کو جو رقم ملنے والی ہے اس میں سے کچھ حصہ مدارس میں دینا چاہتے ہیں، کیا مدارس اس رقم کو لے سکتے ہیں؟ کس مصرف میں؟

(۱۳) اگر از روئے شرع پیسہ نہ لے سکتے ہوں؛ بلکہ صدقہ کرنا ہو تو بعض وہ حضرات جن کو پیسے ملنے والے ہیں وہ خود ہی بہت مقروض ہیں تو کیا وہ اپنے قرض کے بقدر رقم لے سکتے ہیں؟

(۱۴) معلوم ہوا کہ یہ ساری رقم اقوامِ متحدہ نے حکومتِ ہند کو آج سے تین سال قبل ادا کر دی ہے، اور ان تین سالہ مدت کا سود بھی حکومت ہند ادا کر رہی ہے تو اس سلسلہ میں سوال یہ ہے کہ حکومتِ ہند جو سود دے رہی ہے اس رقم کو ہم سود قرار دیں گے یا پراویڈنٹ فنڈ کی طرح ہوگا؟

(۱۵) اقوامِ متحدہ نے بھی وہ رقم مع سود ادا کی ہے یعنی جنگ کے بعد جتنے بھی سالوں کے بعد حکومتِ ہند کو سپرد کی وہ سود کے ساتھ دی ہے تو اس کا حل کیا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کتبِ فقہ میں ایک مسلمان ملک دوسرے ملک پر حملہ آور ہو کر اس پر وقتاً بعض ومسلط ہو جائے اور بعد میں اس کا یہ قبضہ اور تسلط بہ زور وقوت ختم کر لیا جائے، اس کے بعد حملہ آور ملک سے جان ومال کے ضمان کا مسئلہ صراحتاً مذکور نہیں ہے؛ البتہ کفار کے تسلط وقبضہ کی صورت میں جان ومال کے ضمان کا مسئلہ اور اسی طرح باغیوں کے تسلط وقبضہ کی صورت میں جان ومال کے ضمان کا مسئلہ صراحتاً مذکور ہے، اور اس کی جو علت بتلائی گئی ہے اس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کا حکم بھی معلوم ہو سکتا ہے، اسی سلسلہ کی عباراتِ فقہیہ نقل کی جاتی ہیں:

(۱) وإذا قتل رجل من أهل العدل باغيا فأنه يرثه فإن قتله الباغي، وقال: قد كنت على حق وأنا الأن على حق ورثه، وإن قال قتلته وأنا

أعلم انی علی الباطل لم یرثه وهذا عند أبي حنیفه ومحمد، وقال ابویوسف: لا یرث الباغی فی الوجهین وهو قول الشافعی.

وأصله أن العادل إذا اتلف نفس الباغی أو ماله لا یضمن ولا یأثم؛ لأنه مامور بقتالهم دفعا لشرهم، والباغی إذا قتل العادل لا یجب الضمان عندنا ویأثم، وقال الشافعی فی القدیم أنه یجب، وعلی هذا الخلاف إذا تاب المرتد وقد اتلف نفسا أو مالا.

له: انه اتلف مالا معصوما أو قتل نفسا معصومة فیجب الضمان اعتبارا بما قبل المنعة ولنا:اجماع الصحابة رواه الزهری، ولأنه أتلف عن تأویل فاسد والفاسد منه ملحق بالصحیح إذا ضمت إلیه المنعة فی حق الدفع کما فی منعة أهل الحرب وتأویلهم، وهذا لأن الأحکام لابد فیها من الالزام أو الالتزام، ولاالتزام لاعتقاد الإباحة عن تأویل ولاالزام لعدم الولایة لوجود المنعة، والولایة باقیة قبل المنعة وعند عدم التأویل ثبت الالتزام اعتقادا بخلاف الإثم لأنه لا منعة فی حق الشارع الخ.(هدایه اولین:۶۱۰، ۶۱۱)

فتح القدیر کے حوالے عبارت بالا کے بعض اجزاء کی تشریح پیش کی جاتی ہے:

(وأصله) أي أصل هذا الخلاف فی (أن العادل إذا اتلف نفس الباغی أو ماله لا یضمن) عندنا (ولا یأثم لأنه مامور بقتالهم دفعا لشرهم) وهذا بالاتفاق، (والباغی إذا قتل العادل) بعد قیام منعتهم وشوکتهم (لا یجب الضمان) علیه (عندنا) وبه قال احمد والشافعی فی قوله الجدید، ولو قتله قبل ذلك اقتص منه اتفاقا، وکذا یضمنون المال (وقال الشافعی فی القدیم یضمن) وبه قال مالك...

والحاصل: أن نفى الضمان منوط بالمنعة مع التأويل، فلو تجرد المنعة عن التأويل كقوم غلبوا على أهل بلدة فقتلوا واستهلكوا الأموال بلاتأويل ثم ظهر عليهم أخذوا بجميع ذلك، ولو انفرد التأويل عن المنعة بأن انفرد واحد أو اثنان فقتلوا وأخذوا عن تأويل ضمنوا إذا تابوا أو قدر عليهم.(فتح القدير٤/٤١٤)

(٢) وأما بيان حكم اصابة الدماء والأموال من الطائفتين، فنقول: لا خلاف فى أن العادل إذا أصاب من أهل البغى من دم أو جراحه أو مال استهلكه انه لا ضمان عليه، وأما الباغى إذا اصاب شيئا من ذلك من أهل العدل فقد اختلفوا فيه:

قال: اصحابنا أن ذلك موضوع الخ(بدائع الصنائع:١٤١/٧) والمعنى فى المسئلة ما نبّه عليه الصحابة وهو أن لهم فى الاستحلال تأويلا فى الجملة وإن كان فاسداً؛ لكن لهم منعة والتأويل الفاسد عند قيام المنعة يكفى لرفع الضمان كتأويل أهل الحرب. (ايضاً)

(٣) وأصله أن ما تلف بين أهل العدل والبغى من نفس أو مال فلا ضمان فيه على واحد من الفريقين؛ لكن يأثم الباغى، وقال الشافعى فى القديم يجب على الباغى ضمان النفس والمال، وفى الجديد لاضمان عليه اهـ.(حاشية الشلبى على تبيين الحقائق ٣٩٥/٣)

(٤) وما أتلف أهل البغى من أموالنا ودمائنا حالة الحرب فإنهم لا يضمنون إذا تابوا وزالت منعتهم وكذلك ما أتلف المرتدون من أموالنا ودمائنا حالة الحرب فإنهم لا يضمنون إذا اسلموا وما أتلفوا قبل القتال من أموالنا ودمائنا إذا كان لهم منعة لا يضمنون؛ ولكن

ماكان قائما يرد على أصحابه إذا تابوا، وإن اعتقدوا تملكها بتأويلهم الفاسد وقد اتصل بهذا التأويل منعة، وكذلك أهل العدل لا يضمنون ما اصابوا من دمائهم واموالهم الخ(فتاوى عالمگیری۲/۲۸٤)

(٥) قلت: فتحصل من هذا كله: أن أهل البغي إذا كانوا كثيرين ذوي منعة وتحيزوا لقتالنا معتقدين حله بتأويل سقط عنهم ضمان ما اتلفوا من دم أو مال دون ماكان قائما ويضمنون كل ذلك إذا كانوا قليلين لا منعة لهم أو قبل تحيزهم أو بعد تفريق جمعهم الخ. (شامي ۳/۳٤۲)

عباراتِ بالا سے امورِ ذیل مستفاد ومعلوم ہوئے:

① کفار کو بذریعۂ لشکر وفوج اگر قوت وشوکت حاصل ہے اور وہ اہلِ اسلام پر حملہ کریں اور ان کے اس حملہ کے نتیجہ میں جان ومال کی تباہی واقع ہو تو بعد میں جب ان پر اہلِ اسلام کو غلبہ حاصل ہو، اس وقت کفار سے ہلاک شدہ جان ومال وجائیداد کا ضمان ونقصان نہیں لیا جائے گا۔ (دیکھئے عبارت ۱، ۲)

② باغیوں کو بھی اگر لشکر وفوج واسلحہ کے ذریعہ قوت وشوکت حاصل ہے، اور وہ اہل عدل وحق پر حملہ آور ہوں تو ان کا بھی یہی حکم ہے۔ (دیکھئے عبارت بالا ۱، ۲، ۳، ۴، ۵)

③ مذکورہ بالا دونوں احکام کی علت یہ بیان کی گئی ہے کہ حملہ آور فریق اپنے اس اقدام (حملہ) کو مبنی برحق سمجھ کر ایسا کر رہا ہے چاہے اس کے اس گمان کی بنیاد کمزور اور باطل ہے؛ لیکن جب وہ لشکر وفوج اور اسلحہ سے لیس ہونے کی وجہ سے اس کو قوت وشوکت حاصل ہے تو ان پر ضمان واجب نہیں ہوگا۔

عراق نے کویت پر جو حملہ کیا اس کا یہ اقدام درست تھا یا غلط؟ اس بحث میں الجھے بغیر اتنی بات تو مسلم ہے کہ بذریعۂ لشکر وفوج واسلحہ اس کو قوت وشوکت حاصل

ہونے کے ساتھ وہ خود اپنے اس اقدام کو مبنی برحق سمجھ رہا تھا، اس لیے اس جنگ میں ہلاک شدہ جان و مال و جائیداد وغیرہ کا ضمان اس پر واجب نہیں ہے۔

آپ کے مرسلہ سوالات کی بنیاد ہی ضمان کی وصولیابی پر ہے، جب ضمان ہی واجب نہیں تو تمام سوالات کی بنیاد ہی ڈھے گئی، علاوہ ازیں سوالات کے ضمن میں مندرج بعض نقصانات وہ ہیں جن کا کوئی مالی ضمان یا تاوان نقصان کنندہ پر نہیں آتا مثلاً کسی کی ملازمت کا چلا جانا یا ذہنی کوفت ہونا یا کرنسی کی قیمت گر جانے سے اس کا معاوضہ کم ملنا، کسی کا یہاں سے ویزا لے کر مصارفِ سفر برداشت کر کے وہاں پہنچنا اور وہاں ان حالات کے پیش آنے سے اس کا اپنے ویزا ٹکٹ وغیرہ پر کئے گئے مصارف سے کما حقہ یا بالکلیہ فائدہ اٹھانہ پانا وغیرہ ان تمام امور پر لیا جانے والا تاوان صرف مالی جرمانہ ہے، اور اسلام میں تعزیر بالمال جائز نہیں ہے، اس سلسلہ کے نصوصِ قرآن وحدیث وفقہ آپ پر مخفی نہیں، اس لیے اس کو پیش کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔

درمختار معہ شامی کتاب الحدود باب التعزیر ۳/ ۱۹۵، بحر الرائق ۵ /۴۱، زیلعی شرح کنز ۳/ ۲۰۸ معہ حاشیہ شلبی۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

''تعزیر بالمال باتفاقِ ائمۂ اربعہ رحمہم اللہ ناجائز ہے''۔ (احسن الفتاویٰ ۵/ ۵۶۲)

رقم کی واپسی کی صورت میں اس کے نہ پہنچنے کا جو شبہ آپ نے ظاہر فرمایا ہے اس کا علاج تو بہت سہل ہے، آپ پہلے عراقی سفارت خانہ سے رابطہ قائم فرما کر اپنے عزم وارادہ کا اظہار کیجئے کہ ہم بایں وجوہ یہ رقم واپس کرنا چاہتے ہیں؛ اس لیے کیا صورت اختیار کریں؟ اس کے جواب میں جو تدبیر وصورت بتلائی جائے اس پر اطمینان ہونے

کی صورت میں اس کے مطابق عمل کیجئے؛ ورنہ براہِ راست حکومتِ عراق سے بھی رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے، دورِ حاضر میں یہ کام دشوار نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قتل کا موجب

سوال: مجھ سے ایک مسلم کا قتل ہوگیا، اب اس کی تلافی کے لیے کیا شکل ہے؟ تاوان دینا ہوگا تو وہ کیا ہے؟ اور خطا وعمد کے کیا احکام ہیں؟ اور غیر مسلم کے قتل میں کیا ہے؟ تمام سوالات کے جواب دے کر ہمارے اوپر احسان فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر قتل عمد ہے تو اس میں قصاص واجب ہے؛ البتہ اگر مقتول کے اولیاء دیت لے کر قصاص چھوڑ دیں تو قصاص سے نجات مل سکتی ہے، قتل خطا اگر ہے تو اس میں دیت کے ساتھ کفارہ بھی واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

خلافِ قانون تیز رفتاری سے کسی کی موت اور دیت کا حکم

سوال: زید اپنے دوست کے ساتھ سواری تیز چلانے میں مقابلہ کر رہا تھا، سواری بہت تیز چلی اور زید کے قبضہ سے باہر تھی سواری الٹ گئی اور شدید نقصان ہوا، زید کے ساتھ سواری میں عمر تھا اس حادثہ میں اس کا انتقال ہوا، عمر کی بیوی ہندہ- زید

سے جو باحیات ہے- دیت کا مطالبہ کر رہی ہے، برائے کرم بتائیں کہ یہاں جنوبی افریقہ میں دیت کے متعلق کیا مسئلہ ہے؟ نیز یہ قتلِ شبہِ عمد ہے یا خطا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں زید نے اپنی کار کی رفتار ٹریفک قوانین کے خلاف زیادہ رکھی جس کے نتیجہ میں یہ حادثہ پیش آیا اور عمر کی موت واقع ہوئی تو زید اس کا ذمہ دار ہے، اور اس پر عمر کی دیت واجب ہے۔

فإن كان سائق السيارة متعديا فى سيره بمخالفة قواعد المرور مثل أن يسوق السيارة بسرعة غير معتادة في مثل ذلك المكان أو لم يلتزم بخطه فى الشارع وما إلى ذلك من قواعد المرور الأخرى فلاخفاء فى كونه ضامنا؛ لأن الضرر إنما نشأ بتعديه والمتعدى ضامن فى كل حال.

(بحوث فى قضايا فقهية معاصرة:٣١١)

یہ قتلِ خطا کی صورت ہے؛ اس لیے اس میں دیت اور کفارۂ قتل واجب ہونے کے ساتھ گناہ بھی ہے، جس سے توبہ لازم ہے۔

وموجبه الكفارة والدية على العاقلة والإثم دون إثم القتل.

(درمختار على هامش الشامي٥/٣٤٣)

دیت اگر سونے کی صورت میں ادا کی جارہی ہے تو دس ہزار درہم ہوگی، اور کفارہ میں مسلسل دو ماہ کے روزے رکھنا ضروری ہے۔

ألف دينارمن الذهب أو عشرة آلاف درهم الورق، وكفارتها عتق قن مؤمن فإن عجز عنه صام شهرين ولاء ولا اطعام فيهما. (تنوير الابصار)

زید اگر اہلِ عجم میں سے ہے تو دیت اس کے مال میں واجب ہوگی اور تین سال میں اس کی ادائیگی کی جائے گی۔ ولا عاقلة للعجم وبه جزم فی الدرر، قاله المصنف لعدم تناصرهم ..... قلت: وحيث لا قبيلة ولا تناصر فالدية فی ماله(درمختار علی هامش الشامي:٥/٤١١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کسی پر چوری کا الزام لگانا

سوال: ایک عالم صاحب کے تین بیل کی چوری ہوگئی، کافی جستجو کے بعد صحیح چور کی شناخت اور شرعی گواہ کے ساتھ سراغ نہ لگ سکا، اب عالم صاحب نے گاؤں کے چودھران وممبران مدرسہ سے مطالبہ کیا کہ مجھے بیل چاہیے، ممبران مدرسہ نے ایسے دو آدمی ان میں سے اول کا نام اسحاق میاں اور دوسرے کا نام احمد میاں کے سر تھوپا کہ تم چوری کرتے تھے، جہاں سے ہو عالم صاحب کی بیل لاکر دو؛ ورنہ تم دونوں کو سزا اور جرمانہ عائد کیا جائے گا، مذکورہ دونوں آدمی صحیح معنی میں پہلے چوری کرتے تھے، اب چند سال سے تائب ہوگئے ہیں، اور یہ دونوں آدمی لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں، یہی نہیں بلکہ قرآن اٹھا کر کہتے ہیں کہ ہم جانتے بھی نہیں کہ کون لے گیا، چہ جائیکہ عالم صاحب کی بیل چرانا؛ لیکن ممبران کمیٹی اور عالم صاحب نے ان دونوں کی باتوں کا اعتبار نہیں کیا، صرف شبہ کی بنیاد پر زبردستی ان دونوں سے بیل کی قیمت وصول کی، واضح ہو کہ تینوں بیل کی قیمت پانچ ہزار، اور ان دونوں سے جرمانہ سمیت لگا کر دس ہزار لیا گیا، اب سوال یہ ہے کہ اس طرح دباؤ ڈال کر ایک غریب انسان سے ظلماً روپیہ وصول کرنا

جائز ہے؟ وہ بھی زیادتی کے ساتھ، اگر جائز ہے تو کس بنیاد پر؟ جب کہ مذکورہ دونوں آدمی بیل چُرانے سے منکر ہیں، قرآن وحدیث، فقہ وفتاوی کے عربی حوالجات مع مفصل جواب دیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی کے خلاف لگائے گئے الزام کے ثبوت پر یا تو شرعی گواہ موجود ہوں، اور وہ شرعی طریقہ سے گواہی دیں، یا جس پر الزام عائد کیا گیا ہے وہ خود اس کا اقرار کرے، یا مسئلہ جب شرعی قاضی کے سامنے پیش ہو اور مدعی گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو اور مدعی علیہ سے یمین کا مطالبہ کرے اور مدعی علیہ یمین سے انکار کرے، مذکورہ تین صورتوں کے علاوہ اور کوئی صورت شرعاً نہیں ہے، صورتِ مسئولہ میں عالم صاحب اور ممبران کمیٹی کا سوال میں مذکور دونوں آدمیوں سے بیل کی قیمت اور جرمانہ وصول کرنا شرعاً درست نہیں ہے، صریح ظلم اور ناجائز ہے، ان کو چاہیے کہ وصول شدہ رقم اصل مالکان کو واپس کردیں، اور اپنی اس شنیع حرکت پر ان سے معافی بھی مانگیں؛ ورنہ کل روز قیامت کا محاسبہ بڑا سخت ہوگا۔﴿فسیعلم الذین ظلمو ای منقلب ینقلبون﴾ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مرحوم والد کے قرض کی معافی کا دعویٰ

سوال: زید (ابن) کے ذمہ عمر (والد) کا قرض ہے، عمر کے انتقال پر زید کے

بھائی بہن بہ طور میراث زید سے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کر رہے ہیں، زید کا دعویٰ ہے کہ والد صاحب نے ان کی حیات میں معاف کر دیا، زید کی والدہ کو عمر نے یہ بات اپنی حیات میں کہی، والدہ اب یہ خبر ورثاء کو دے رہی ہے، کیا والدہ کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید دعویٰ کرتا ہے کہ والد صاحب نے اپنی زندگی میں مجھے دیا ہوا قرض معاف کر دیا تھا، اور اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں اپنی والدہ کو پیش کرتا ہے، جو یہ کہتی ہے کہ عمر (والد زید) نے یہ بات (زید کو دیے گئے قرض کی معافی کی) مجھے اپنی زندگی میں کہی تھی، تو یہ زید کے دعویٰ کے ثبوت کے لیے کافی نہیں ہے۔

ونصابها لغيرهما من الحقوق سواء كان الحق مالا أوغيره كنكاح .....رجلان أو رجل وامرأتان.(درمختار علی هامش الشامية ٤/٤١٣) (لاتقبل الشهادة) الفرع لأصله وبالعكس(تنوير الأبصار)

البتہ اس صورت میں اگر زید کے بھائی بہن، زید کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کرتے اور زید قرض کی معافی کے اپنے دعوے پر ثبوت شرعی پیش نہیں کر سکا، تو زید کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے بھائی بہن سے قسم لے، اگر وہ قسم کھا کر یہ کہتے ہیں کہ زید پر والد کا جو قرض تھا وہ انھوں نے معاف نہیں کیا، تو زید کو چاہیے کہ ان کے حصہ کا قرض ادا کر دے۔ اگر بھائی بہن کو والدہ کی خبر کی صداقت کا غالب گمان ہے تو ان کو قسم نہیں کھانا چاہیے، اسی طرح زید کے دعویٰ کی صداقت کا غالب گمان ہے تو بھی قسم نہ کھائیں اور اپنا مطالبہ ترک کر دیں، اور اگر بھائی بہن کا غالب گمان یہ ہے کہ زید اپنے دعوے میں جھوٹا ہے تو قسم کھانے کی گنجائش ہے۔

وفي البزازية من القضاء: إذا شك فيما يدعىٰ عليه ينبغي أن يرضىٰ خصمه ولا يحلف، احترازا عن الوقوع في الحرام، وإن أبىٰ خصمه إلا حلفه إن كان أكبر رأيه أن المدعي حق لا يحلف،وإن كان أكبر رأيه أنه مبطل ساغ له الحلف. انتهىٰ (الأشباه والنظائر ص:٦١٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۵ ررجب ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

چوری کا ایک مسئلہ

سوال: احتشام الحق جس کی عمر ساڑھے تیرہ سال کی ہے اور نویں کلاس پڑھتا ہے اس کی دوستی ایک دوسرے ہم جماعتی طالب علم مسمی محمد اکرام ولد ماسٹر محمد شریف کے ساتھ ہوگئی اسی نسبت سے گھر میں آمد ورفت شروع ہوگئی کچھ ہی عرصہ بعد محمد اکرم کے والد نے احتشام الحق پر یہ الزام لگایا کہ میرے مکان سے تم نے ایک ہزار روپیہ چوری کیا ہے اسی الزام کی خاطر بغیر گواہوں کے بہ جائے احتشام کے والد یا متعلقہ اساتذہ کو خبر دینے کے اپنے مکان میں بلا کر کمرہ کی چٹخنی بند کر کے زدوکوب کیا اور ایک تحریر لکھوائی جس کو دینے سے ماسٹر محمد شریف فی الحال کتراتا ہے احتشام الحق کا کتابوں والا بیگ بھی چھین لیا کہ جب تم میرا ایک ہزار روپیہ دوگے تب ہی اپنی کتابیں لیتے جانا۔

تحریر میں بچہ اتنا بتلاتا ہے کہ یہ لکھوایا کہ اگر تم یہاں سے بھاگ جاؤ یا تم خودکشی کرلو یا کچھ بھی ہوجائے تب بھی میں ایک ہزار کی رقم تمھارے والد سے وصول کرلوں گا چند دنوں بعد پھر راستے سے احتشام الحق کو یوں کہا کہ تمھارا پڑھائی کا نقصان ہوتا ہے اپنا کتابوں والا بیگ لیتے جاؤ جب گھر میں داخل ہوا تو مزید دھمکی اور مار پٹائی

دوبارہ شروع کی بچہ کی دوسری مرتبہ سائیکل بھی ضبط کرلی۔

واضح رہے کہ بچہ کو اپنے ہم جماعتی ساتھی محمد اکرم کے ساتھ رہنے کی بنا پر مکان میں موجود ٹی وی کی بھی عادت ہوگئی تھی جس کی وجہ سے یہ پورا قصہ اپنے والدین سے پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا تاکہ ٹی وی دیکھنے کے الزام میں والد مجھے نہ مارے اور موصوف ماسٹر صاحب سے مار کھاتا رہا اور نہ ہی ماسٹر نے چوری ہونے کی بنا پر بچہ کے والد کو خبر دی مقامی پنچایت میں مقدمہ رکھا بات اس پر رک جاتی ہے کہ بچہ کو قسم آتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ماسٹر محمد شریف کے پاس اپنے دعویٰ کے ثبوت میں شرعی گواہ موجود ہیں تو پنچایت اس کے مطابق شرعی طریقے سے فیصلہ کرے اور اگر ان کے پاس شرعی گواہ موجود نہیں اور احتشام الحق جس پر چوری کا الزام لگایا گیا ہے بالغ ہے تو اس پر قسم عائد ہوتی ہے اور اگر وہ بالغ نہیں تو اس پر قسم عائد نہیں ہوتی پنچایت اس صورت میں مقدمہ خارج کردے اور ماسٹر محمد شریف کو آئندہ بچہ کی مار پٹائی کی اجازت ہرگز نہ دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۵ رمضان المبارک ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

زنا کا ثبوت اور تعزیری کارروائی۔ فوٹو حجت شرعیہ نہیں

سوال: (۱) بیانات کی روشنی میں لڑکا اور لڑکی کے اقرار یا گواہوں کے بیانات سے زنا کا ثبوت ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ثبوت ہوتا ہے تو موجودہ ہندوستان میں زنا کی

سزا کیا ہے اور اگر زنا کا ثبوت نہیں ہوتا ہے تو کیا گواہوں کے بیان سے لڑکا اور لڑکی کے باہمی تعلقات سے فحش و بے حیائی کا ثبوت ملتا ہے؟ اگر جماعت مسلمین فحش و بے حیائی کے سد باب کے لیے تعزیری کاروائی کرنا چاہیں تو کیا یہ حق جماعت مسلمین (پنچائت) کو پہنچتا ہے اگر جواب اثبات میں ہے تو موجودہ حالت میں مؤثر تعزیری کاروائی کیا ہوسکتی ہے؟

(۲) اگر پنچایت لڑکے کے ولی کی ناراضگی کے باوجود دباؤ ڈال کر دونوں کا نکاح کردیں تو یہ حق پنچائت کو شرعاً حاصل ہے؟ کیا تعزیر میں یہ صورت بھی آسکتی ہے؟

(۳) اگر مذکورہ لڑکی کو کوئی شخص زانیہ کہہ دے تو ایسا شخص شرعاً قاذف کہلائے گا؟ اور اس صورت میں ہمارے ملک میں قاذف کی سزا کیا ہوسکتی ہے؟

(۴) کچھ لوگوں نے لڑکا اور لڑکی کی فوٹو برآمد کیا ہے۔ فوٹو میں لڑکا لڑکی کے کاندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے ہے۔ فوٹو شرعاً حجت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو گواہوں کے بیانات کے لیے مؤید ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ہر پہلو کے دلائل کو بھی تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) زنا کا ثبوت کسی کے کہنے سے نہیں ہوتا۔

و یثبت بشهادة اربعة رجال فی مجلس واحد فلو جاؤوا متفرقین حدوا بلفظ الزنا لا مجرد لفظ الوطء والجماع ویثبت ایضا باقراره صریحا صاحیا ولم یکذبه الاخر الخ (در مختار علی هامش الشامیة ۱۵۶،۱۵۸/۳)

بے حیائی کا ثبوت بھی گواہوں کے بیان سے نہیں ہوتا البتہ لڑکی کے بیان میں مس حرام، خلوت حرام وغیرہ کا اقرار ہے لیکن لڑکا انکار کرتا ہے اس لیے بغیر شہادت

لڑکے پر الزام قائم نہیں ہوسکتا اور تعزیری کاروائی کا نشانہ بھی صورت مسئولہ میں لڑکا ہی ہے۔ فحش و بے حیائی کے ارتکاب پر تعزیری کاروائی کی جاسکتی ہے۔

وعزر كل مرتكب منكر الخ هذاهو الاصل فى وجوب التعزير كما فى البحر عن شرح الطحاوى و ذكر فى البحر ان الحاصل وجوبه باجماع الامة لكل مرتكب معصية ليس فيها حد مقدر كنظر محرم ومس محرم و خلو محرم الخ(شامي:٣/١٩٩،البحر الرائق:٥/٤٦)

تعزیری کاروائی کی دو حالتیں ہیں پہلی عین اس حالت میں جب کہ کوئی شخص قبیحہ میں ملوث ہو اس تعزیری کاروائی کا ہر مسلمان کو حق ہے۔ اور یہ اس وقت نہی عن المنکر کہلائے گی۔ دوسری یہ کہ آدمی اس قبیحہ سے فارغ ہو چکا ہو۔ اب تعزیری کاروائی کرنے کا حق صرف حاکم کو ہے۔

ولم يذكر المصنف من يقيمه قالوا لكل مسلم اقامته حال مباشرة المعصية اما بعد الفراغ منها فليس ذالك لغيرالحاكم الخ (بحر الرائق ٥/٤٥)

جماعت مسلمین کو تعزیری کاروائی کرنے کا حق پہنچتا ہے یا نہیں اس سلسلہ میں کوئی صراحت کتب فقہ میں نظر سے نہیں گذری۔ البتہ بائیکاٹ والی کاروائی کی اجازت ہمارے اکابر کے کلام میں موجود ہے اور یہ ایک مؤثر اقدام بھی ہوسکتا ہے۔

② اگر لڑکا اس نکاح کو منظور کر لیتا ہے تو شرعاً نکاح صحیح اور نافذ ہو جائے گا چاہے لڑکے کا ولی ناراض ہی ہو۔ البتہ اس اقدام کو تعزیر میں داخل کرنا اس لیے سمجھ میں نہیں آتا کہ تعزیر مجرم کی ہوتی ہے اور لڑکا اس کا مقر نہیں ثانیاً وہ مقر ہو تو پنچایت کا یہ اقدام اس کے حق میں سزا نہیں بلکہ عین خواہش قرار دیا جائے گا۔ (کما هو الظاهر)

③ مذکورہ لڑکی کو زانیہ کہنے والا قاذف ہے لیکن ہمارے ملک میں حد قذف کے اجراء کا سوال نہیں اس لیے کہ اجرائے حدود امام المسلمین کا حق ہے۔

اما الذی یعم الحدود کلها فهو الامامة وهو ان یکون المقیم للحد هو الامام او من ولاه الامام (بدائع ۷/ ۵۷)

④ فوٹو حجت شرعیہ نہیں اس لیے کہ اس میں تزویر ممکن ہے ویسے بھی حجت شرعیہ شہادت اور اقرار میں منحصر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ صفر المظفر ۱۴۱۴ھ

اجیر کی گواہی مستاجر کے حق میں درست نہیں

سوال: ① بیع نامہ پر مشتری کے ملازمین کے دستخط بطور گواہ ہیں، اور محکمہ مال اس بیع نامہ کے مطابق مشتری کے وارثان کے نام انتقال کیا ہے۔

② متوفی شخص کے دو برادران تھے جو زندہ، اس نے بھی اپنا نصف حصہ مشتری بالا کو فروخت کیا ہے۔

نوٹ: عدالتِ محکمہ مال نے درست جان کر دونوں بائعوں کا اسٹامپ تسلیم کیا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ملازمین کی حیثیت اجیر خاص کی ہے، تو ان کی شہادت مستاجر کے حق میں قابل قبول نہیں ہے۔

أما الاجیر الوحد وهو الذی استأجره میاومة أو مشاهرة أو مسانهة بأجرة معلومة لاتقبل استحساناً کذا في الخلاصة (عالمگیری ۳/ ۴۷۰)

② برادران کا اپنے حصہ میں تصرف بیع درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ شوال المکرم ۱۴۱۳ھ

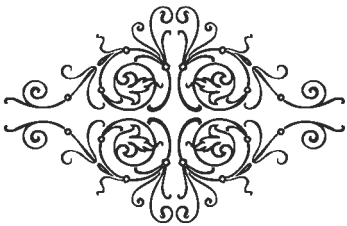

كتاب الحظر والاباحة

لباس اور زینت کے مسائل

علما کی ٹوپی کی انگریز کی ٹوپی سے مشابہت اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمامہ

سوال: بعض لوگ اصرار کے طور پر کہتے ہیں کہ آج کل جو علماء لمبی ٹوپی پہنے ہوئے ہوتے ہیں یہ انگریز کی ٹوپی ہے، مسلمان کو یہ ٹوپی نہیں پہننا چاہیے، اس کا تسلی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول زیادہ تر عمامہ پر رہا یا ٹوپی پر، اور ٹوپی لمبی یا گول اور عمامہ کا رنگ اور مقدارِ مسنونہ سے مطلع فرماویں توعین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

انگریز عموماً ہیٹ کا استعمال کرتے ہیں، کسی انگریز کو علماء پہنتے ہیں ایسی ٹوپی پہنتے نہیں دیکھا گیا، یہ امر مشاہد اور بدیہی ہے اس کا انکار مکابرہ ہے؛ بلکہ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ٹوپی کو بطور سترہ استعمال فرمایا ہے۔ اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ لمبی ہوگی ورنہ سترہ کا کام کیسے دے سکتی ہے؟

وكان ربما نزع قلنسوته فجعلها سترة بين يديه وهو يصلي (الدعامة:٣٦)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمامہ ٹوپی کے ساتھ (یعنی نیچے ٹوپی اور اوپر عمامہ) استعمال فرماتے تھے، بغیر ٹوپی کے صرف عمامہ اور بغیر عمامہ کے صرف ٹوپی کا استعمال بھی ثابت ہے۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ "زاد المعاد فی هدی خير العباد" میں رقم طراز ہیں:

كانت له عمامة تسمى السحاب كساها عليا فكان يلبسها و يلبس

تحتها القلنسوة وكان يلبس القلنسوة بغير عمامة ويلبس العمامة بغير قلنسوة. (۱/۷۰مطبوعه محمديه)

البتہ آپ ﷺ نے عمامہ ٹوپی کے ساتھ استعمال فرمانے کی تاکید فرمائی ہے۔

اخرج ابوداؤد والترمذی والطبرانی فی الکبیر عن رکانة بن عبدیزید مرفوعاً "فرق مابیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس" ولفظ روایة الترمذی "ان فرق" الخ بزیادة ان فی اوله. (الدعامة:۳۵)

البتہ اس کے بعض راوی متکلم فیہ ہیں؛ اس لیے یہ روایت ضعیف ہے۔ (کما فصله في الدعامة نقلا عن الترمذی والسخاوی)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ولا بأس بلبس القلانس وقد صح انه ﷺ کان یلبسها. (۳۳/۵)

ٹوپی کی گولائی یا لمبائی کے سلسلہ میں کوئی صراحت نہیں دیکھی؛ البتہ بعض ضعیف روایتوں سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ٹوپیاں اس طرح کی بنی ہوئی تھیں کہ سر کے ساتھ لگی چپکی رہتی تھیں۔

اخرج ابن عساکر عن عائشة قالت: کان رسول الله ﷺ یلبس قلنسوة بیضاء لاطئة. واخرج الدمیاطی عنها ایضاً قالت: کانت له کمة بیضاء بطحاء.(الدعامة:۴۰)

واخرج الترمذی عن ابی کبشة الانماری قال: کانت کمام اصحاب رسول الله بطحاً.... بطحا معناه منبطحة و غیر منتصبة ای لاصقة بالرأس غیر مرتفعة. (ایضاً:۴۱)

آپ ﷺ سے سیاہ عمامہ پہننا بسند صحیح ثابت ہے، اور ابوداؤد کی ایک روایت

میں زرد رنگ کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ (ایضاً ۸۶، ۹۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفید عمامہ پہننا صحیح روایتوں سے ثابت نہیں ہے؛ لیکن سفید لباس کے سلسلہ میں جو قولی روایات ہیں ان کے پیشِ نظر علماء نے سفید عمامہ کو افضل بتلایا ہے۔ (ایضاً ۸۳)

عمامہ کے طول وعرض کے سلسلہ میں روایتیں درجۂ ثبوت کو نہیں پہنچی ہیں۔

وقال فی شرح المواهب: مانصه قال الحافظ فی فتاواه: لا يحضرنی فی طول عمامة النبي ﷺ قدر محدود. وقد سئل عنه الحافظ عبدالغنی فلم يذكر شيئا وقال السيوطی لم يثبت فی مقدارها حديث (ایضاً ۸۱)

وفی الفتاوی الحديثية لابن حجر المكی لم يثبت فی طولها وعرضها شی ء الخ.(حاشية بذل المجهود ۱۶/۴۰۰ طبع بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۰۶ھ

عورت کا شرعی لباس

سوال: عورت کا شرعی لباس جو حضور اصلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تھا، کیا تھا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورت ایسا لباس پہنے جو اس کے تمام بدن کو ڈھانپتا ہو اور غیروں کے ساتھ تشبہ لازم نہ آتا ہو، یہی لباس اس کے حق میں شرعی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عورتوں کے لیے کلی والا کرتہ پہننا کیسا ہے؟

سوال: عورتوں کا لباس جو چاک کھلی ہوتی ہے لیکن ستر پوشی مکمل ہوتی ہے، گھیر

زیادہ ہوتا ہے، اور بالکل ڈھیلا ڈھالا لباس ہوتا ہے، تو کیا یہ جائز ہے؟ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ کلی والے بند لباس سنت ہے، اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ مردہ کا کفن کلی والا منع ہے، تو زندہ کا پہننا کیسے ثابت ہوا؟ تو کیا ان کا سنت کہنا صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

لباس کے متعلق کسی خاص وضع اور تراش کی شریعت نے پابندی نہیں لگائی؛ البتہ خواتین کے لباس کی حدود مقرر کی ہیں، ان سے تجاوز نہیں ہونا چاہیے، پس جو لباس ان شرعی حدود میں ہوگا وہ شرعی لباس کہلائے گا، ورنہ خلافِ شرع ہوگا، وہ حدود یہ ہیں:

(الف) خواتین کا لباس اتنا چھوٹا، باریک یا چست نہ ہو کہ جس سے ان کی جسمانی ساخت واعضاء ظاہر ہو جائیں جسے چھپانا واجب ہے؛ بلکہ ان کا لباس ایسا ہونا ضروری ہے کہ جس سے مکمل طور پر ستر پوشی ہو۔

(ب) خواتین لباس میں کافروں اور فاسقوں کی نقالی اور تشبہ اختیار نہ کریں۔

(ج) خواتین مردانہ لباس نہ پہنیں الخ۔

(عورت کے لباس اور پردہ کے شرعی احکام ۲۰، ۲۱)

اس لیے آپ نے اپنے سوال میں جس لباس کے متعلق دریافت کیا ہے وہ جائز اور شرعی لباس ہے۔

مردہ کا کفن تو سلا ہوا ہوتا ہی نہیں، اس لیے اس میں کلی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عورتوں کے لیے ساڑی پہننا کیسا ہے؟

سوال: ساؤتھ انڈیا جیسے: کرناٹک، تامل ناڈو، کیرالا ان ملکوں میں عورتوں کے ساڑی پہننے کا رواج ہے، ساڑی کے ساتھ کرتا پہننے سے ستر بالکل چھپ جاتا ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں ساڑی پہننا کیسا ہے؟ اور خیر القرون میں صحابی عورتوں کا لباس کیسا تھا؟ آگاہ فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس علاقہ میں ساڑی غیر مسلم عورتوں کا مخصوص لباس نہ ہو؛ بلکہ مسلمان عورتیں بھی ساڑی پہنتی ہوں وہاں ساڑی پہننا جائز ہے؛ بشرطیکہ ستر کھلا نہ رہتا ہو، صحابیہ عورتوں کا لباس کرتا یا چادر ہوتا تھا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ساڑی پہننا

سوال: اور اس وقت دیکھا گیا کہ دیہات میں عورتیں ساڑی پہنتی ہیں، اور برقع ہوتا ہی نہیں ہے، تو کیا مسلمان عورتوں کو ساڑی پہننا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کس صورت میں جائز ہے، خلاصہ لکھیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جہاں مسلمان عورتوں کے اپنے لباس میں ساڑی داخل ہو، وہاں جائز ہے، جہاں مسلمانوں میں ساڑی مروج نہ ہو، صرف غیر مسلم عورتوں کے لباس میں داخل ہو

وہاں مکروہ ہے۔ (کفایت المفتی ۹/۱۶۱)

یاد رہے کہ یہ حکم اس ساڑھی کا ہے جو پورے جسم کو ساتر ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

لبس السواد جائز

سوال: ماتقولون أيها العلماء العظام في المسئلة الآتية؟

فإن رجلاً من أهل العرب يقول: فإن العمامة السوداء والمنديل كلاهما مكروه في الإسلام؛ لأن الشيعة كثيراً يستعملون اللباس السوداء، خاصة في العشرة الأولىٰ من المحرم، وذلك شعارلهم، وبذلك أفتوا أهل العرب بكراهتيهما، ويستدلون بقوله عليه السلام: "من تشبه بقوم فهومنهم"۔

فأجاب أحد من علماء العجم:

وهما كيف يكرهان في الإسلام؟ وأهل العرب كيف يحكمون بكراهيتهما؟ لأن النبي عليه الصلوة والسلام قد استعمل العمامة السوداء، في ذلك أحاديث كثيرة موجودة على إباحته، كما أخرج الترمذي (باب ما جاء في العمامة السوداء) حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبدالرحمن بن مهدي عن حماد ابن سلمة عن أبي الزبير عن جابر قال: دخل النبي ﷺ مكة يوم الفتح وعليه عمامة سوداء، وفي الباب عن عمرو ابن حريث وابن عباس وركانة وحديث جابرا حديث حسن صحيح. (۲۰۷/۱)

فكيف يكرهون هما مع وجود الدلائل الكثيرة على إباحته؟ وإن أساس مذهب الشيعة وأصولهم مبني على شهواتهم الباطلة وعقائدهم الفاسدة، وبذلك أفتوا جميع علماء العجم والعرب على كفرهم. فأجيبوا بالوضاحة؟ وبينوا شق الحق؟ فلكم الأجر عند الله أجراعظيماً.

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

عند علمائنا الحنفية لبس السواد جائز؛ بل مندوب قال النسفي في الكنز: ندب لبس السواد وارسال ذنب العمامة بين الكتفين إلى وسط الظهر.اهـ. واستدل عليه شارحه الزيلعي: لأن محمدا ذكر في "السير الكبير" في باب الغنائم: حديثاً يدل على أن لبس السواد مستحب (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق للزيلعي٦/٤٤٨)

وفي الدر المختار: ندب لبس السواد الخ، قال محشيه العلامة إبن عابدين الشامي:(قوله: وندب لبس السواد) لأن محمدا الخ، فذكر عبارة الزيلعي بتمامها. (شامي٥/٥٣٣)

قال القاري في شرح الشمائل فى شرح حديث جابر: دخل رسول الله ﷺ مكة يوم الفتح وعليه عمامة سوداء واستدل بعض العلماء بهذا الحديث على جواز لبس السوداء.(جمع الوسائل في شرح الشمائل١/١٦٥)

وقال بعد سطر: وفي شرح الزيلعي عن علماء أنه يسن لبس السواد لحديث فيه السيوطي جزء اً في لبس السواد وذكر فيه أحاديثا وآثاراً (١/١٦٦)

وقال أيضاً وقد لبس السواد جماعة كعلي يوم قتل عثمان و غيره كالحسن كان يخطب بثياب سواد وعمامة سوداء أو عصابة سوداء،

وا بن ا لزبير كان يخطب بعما مة سوداء ومعاو ية فإ نه لبس عما مة سوداء وجبة سوداء وعصابة سوداء وعبدالله ا بن حذاء وعمار كان يخطب كل جمعة بالكو فة و هو أمير ها وعليه عما مة سوداء وا بن المسيب كان يلبسها في العيدين وابن عباس كان يعتم بها. (١٦٦/١)

ما رأيت فتوى أهل العرب في هذا الباب، لو فرض أنهم أفتوا بذلك فلعلهم على مسلك الإمام أحمد بن حنبل لأنه كان يكره السواد لكونه شعار الظلمة في وقته كما في (اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية:٤٠)

نعم ينبغي أن يحترز عن لبس السواد في العشرة الأولى من المحرم فى بلاد فيها الشيعة وأما في غيرها من البلاد التي لا أثرلهم فيها فلا بأس به. فقط والله تعالىٰ أعلم.

كتبه: العبد احمد عفى عنه خانفورى، غرة ربيع الاول ١٤١٧ھ

الجواب صحيح: عباس داؤد بسم الله عفى عنه

راجستھان میں رائج چند زیورات کا حکم

سوال :① ہمارے یہاں مغربی راجستھان میں تمام مسلم سندھی برادری کی عورتیں اپنے دونوں پیروں میں ایک مخصوص قسم کا زیور پہنتی ہیں، اور یہ زیور ہمارے یہاں رائج ہے، عالم، صالح، جاہل ہر ایک کے گھر میں پہنا جاتا ہے، ہم اس کو اپنی زبان میں ''کڑی'' کہتے ہیں، یہ شوہر کی جانب سے بیوی کو منگنی کے بعد یا شادی کے وقت پہنایا جاتا ہے، اور یہ شوہر کی ملکیت سمجھا جاتا ہے اور اس زیور کو ٹخنوں کے اوپر پہنا جاتا ہے، اور چاندی کا بنایا جاتا ہے، اس کی شکل کھلے حلقے کی طرح ہے، جس کی درمیانی شکل ہلال کی طرح ہے، اور ہر دونوں سروں پر نصف گول دائرہ ہے جن کے

ملانے پر مکمل گول ماہِ کامل بن جاتا ہے، اور یہ ۴۰، ۴۵ تولہ سے لے کر ۷۰، ۸۰ تولہ وزنی بنایا جاتا ہے، اس زیور کے اندر مندرجۂ ذیل خصوصیتیں پائی جاتی ہیں جن کی بناء پر استفتاء کیا گیا ہے۔

(۱) شوہر یا شوہر کے اہل پر اس قدر دباؤ ہے کہ اس کو مجبوراً رسم ورواج کے مطابق یہ زیور بنانا پڑتا ہے، یعنی بے حد پابندی ہے۔

(۲) یہ زیور ہمارے یہاں کے ہندوؤں میں سے اعلیٰ قوم جیسے راجپوت، وشنوئی، جاٹ وغیرہ اکثر قدیم زمانہ سے پہنتے چلے آرہے ہیں، اور ان کے یہاں بھی یہ زیور رسماً ضروری ہے، اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ راجپوتانہ راج اور حکومت میں راجپوت قوم گھٹیا اور نیچ قوم کو یہ زیور نہیں پہننے دیتے تھے، اور اپنے اعلیٰ قوم کے لیے اور سندھی اعلیٰ قوم کے لیے مخصوص سمجھتے تھے، اور اب یہ بات خصوصیت والی نہیں ہے، ہر قسم کی قوم پہنتی ہے اور ہماری مسلم سندھی برادری ہے، یہ رواج انہی راجپوتوں سے سیکھا ہے؛ جب کہ سندھی مسلم کی مختلف برادریاں ہیں، ان میں اکثر کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ وہ راجپوت قوم سے نکل کر مسلمان ہوئے ہیں، اور یہی بات ہمارا نسب محفوظ کرنے والی پیشوا قوم بھاٹ بھی کہتی ہیں، اور یہی بات قرینۂ قیاس ہے کہ ہم نے انہی سے یہ رواج لیا ہے، جیسا کہ ہندوستانی مسلم ہندوانہ رسم ورواج سے متأثر ہوئے ہیں، چہ جائے کہ مسلم سندھی برادری یا دوسری مسلم برادری کا یہ رواج ہو، اور ہندوؤں میں خاص کر راجپوتانہ میں جہاں اس حکومت تک راجپوتوں کی مکمل راٹھوڑی رہی ہے، اور اثر ورسوخ رہا ہے ناممکن ہے، اور اس کا تاریخی ثبوت بھی نہیں ملتا ہے، اور یہی بھاٹ، ہندو راجپوت اور مسلم راجپوت کا نسب نامہ برابر لکھتے ہیں؛ نیز یہ بات

اور واضح ہو جاتی ہے کہ ہم اپنے آبائی راجپوتوں کی رسم کے مطابق عمل کر رہے ہیں کہ جو سندھی مسلم نہیں ہے، جیسے تیلی قوم اور چیڑ وغیرہ، وہ ہمارے یہاں یہ زیور نہیں پہنتے ہیں، اور نہ ہی ان کو راجپوت مسلمان کہا جاتا ہے۔

(۳) ہمارے معاشرے میں یہ زیور قرض لے کر؛ بلکہ بعض مرتبہ سودی قرض لے کر بنانا پڑتا ہے۔

(۴) ہمارے معاشرے میں اس زیور کے بالکل اتارنے پر شوہر کے مرنے اور بیوی کے بیوہ ہونے کی بدشگونی لیتے ہیں، جیسا کہ ہمارے یہاں کے ہندوؤں میں بھی ہے، اور چوں کہ یہ زیور شوہر کے مرنے کے بعد ہی اتارا جاتا ہے، اس لیے یہ بدشگونی لیتے ہیں۔

(۵) اس زیور کو شادی کے وقت بری کے ساتھ دکھلا کر پیش کیا جاتا ہے، اور عورتیں پہن کر بعض مرتبہ فخر کرتی ہیں۔

(۶) اور یہ زیور چوں کہ ٹخنے کے اوپر پہنتی ہیں، اس لیے کشف ستر یعنی بے پردگی ہوتی ہے، بعض عورتیں تو ایسے لباس پہنتی ہیں کہ وہ ٹخنوں کے اوپر ہی رہتا ہے، ایسی عادت ہے۔

(۷) یہ زیور شوہر یا شوہر کے اہل کی جانب سے دیا جاتا ہے، اور شادی کے بعد وہ شوہر ہی کی ملکیت سمجھی جاتی ہے؛ لیکن ملکیت کے باوجود بیوی کے پیر سے کڑی ہمیشہ کے لیے نکال نہیں سکتا ہے؛ البتہ کمی بیشی کر سکتا ہے، اب اگر یہ پہنانے کا احسان ہے، تو اس احسان کے کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور پہنانا پڑتا ہے۔

(۸) اس زیور کے بارے میں کسی عالم نے ابھی تک کوئی واضح حکم نہیں لگایا ہے

کہ یہ ناجائز ہے یا جائز ہے، حرام ہے یا مکروہ؛ البتہ ہمارے معاشرے میں عالم، صالح، جاہل ہر قسم کا آدمی اپنی بیوی کو پہناتا ہے، اور اس رواج پر عمل کرتا ہے، اور غالب گمان ہے کہ واضح حکم آنے کے بعد بھی لوگ کرتے رہیں گے اور پہنانے پر برقرار رہیں گے، اس اصرار اور برقراری کا کیا حکم ہے؟ یہ ہے ہمارے معاشرے میں پہنا جانے والا زیور ''کڑی'' اتنی ساری خصوصیات والا ہے؛ لہٰذا کس علت اور اصول کی بناء پر کیا حکم لگے گا؟ واضح طور پر بیان فرمائیں؛ نیز یہ زیور کڑی اتنا عام ولابدی ہے کہ ''اشر بوا حبھا'' کا معاملہ ہے، اس کے چھڑانے کی کوشش بڑی بدنامی کا باعث ہے، اس لیے کیا کوئی جواز کی صوت نکل سکتی ہے؟ اور وہ شکل ایسی ہو کہ اس میں رسم ورواج کا اتباع نہ ہو اور کوئی قباحت بھی نہ پائی جائے۔ اور بعض لوگوں نے ایک شبہ ظاہر کیا کہ کڑی مذکورہ زیور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں پہنا جاتا تھا، کیا یہ صحیح بات ہے؟ اگر ثبوت بالفرض ہے تو اب ان حالات میں ان خصوصیات کے ساتھ اس زیور کا کیا حکم ہے؟

② ہمارے یہاں بعض مسلمان قوم کی عورتیں گول گول بیر کی شکل میں ایک زیور پہنتی ہیں، جس کو راجستھانی زبان میں ''بوریو'' کہتے ہیں، یہ بھی چاندی کا بنایا جاتا ہے، اور جس قوم وبرادری میں یہ رائج ہے وہ اس کو رسم ورواج کے مطابق بناتے ہیں؛ البتہ آہستہ آہستہ کافی مسلم برادریوں سے چھوٹ گیا ہے اور معیوب سمجھا جاتا ہے، یہ بھی شوہر کی طرف سے بیوی کو دیا جاتا ہے، اور منگنی یا شادی کے وقت دینا ضروری ہے، اس کو پہن کر نماز پڑھنا دشوار ہے؛ کیوں کہ وہ سر کے مانگ میں گوندھ کر پیشانی پر رکھا جاتا ہے، یہی زیور ''بوریو'' اکثر ہندو برادریوں میں رسم ورواج کے مطابق ضرور دیا جاتا ہے، اور بعض ہندوؤں کے یہاں ''بوریو'' کی جگہ ''ٹیکا'' پہنا

جاتا ہے، تو اس کا صریح حکم بیان فرما کر ممنون فرمائیں۔

③ اسی طرح ناک میں پہننے کے لیے دو قسم کے زیور ''لونگ''، اور اس سے چھوٹی چیز ''حلکی'' ماں کی جانب سے بیٹی کو شادی کے وقت دینا ضروری ہے، یہی رسم ورواج ہے، اور یہ شوہر کے مرنے تک پہنے گی، اس کے بعد اتارنا ضروری ہے، یہ دونوں زیور ''لونگ اور حلکی'' سونے کے بنائے جاتے ہیں، یہ بھی بنوانا ضروری ہے، ورنہ لعن طعن اور ملامت کے ذریعہ مجبور کیا جاتا ہے، یہ بھی ہمارے یہاں کے تمام ہندوؤں میں- جو یہاں کے باشندے ہیں- رائج ہے، اور رسماً ضروری ہے، اس کا بھی وضاحت کے ساتھ حکم بیان فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

④ اور ایک زیور ''ہنسلی'' جو تمام پسلیوں سے اونچی اور چھوٹی پسلی کی شکل میں اسی پر پہنی جاتی ہے، اسی لیے اس زیور کا نام ''ہنسلی'' رکھ دیا گیا ہے، یہ بھی چاندی کا بنایا جاتا ہے، اور گلے کے اندر اعلیٰ پسلی پر پہنی جاتی ہے، اور یہ بھی شوہر رسم ورواج کے مطابق یا شوہر کی اہل کی جانب سے لانی ضروری ہے؛ البتہ بعض آدمی نیک طبقے وغیرہ کے ہوں تو لانے میں مطالبہ نہیں کرتے، اور جہاں لانا ضروری ہے وہاں چاہے مانگ کر لائے، پھر تھوڑے دنوں کے بعد یہ اتار کر ذاتی لائے، یا بھاری ہو تو گلے میں چاہے نہ ڈالے؛ لیکن ضرور لانا ہے، اس زیور کو شادی کے بعد عام طور سے نہیں پہنتی ہیں، اصل اس کی یہ ہے کہ یہ منگنی کی علامت ہے اور یہی چیز ہمارے یہاں کے ہندوؤں میں ہے، اس کا بھی واضح حکم بیان فرمائیں۔

⑤ ہمارے معاشرے میں ''کڈی'' ''کلیہ'' اور بعض برادریوں میں ''بوریو'' اور تمام برادریوں میں ''لونگ'' یا ''حلکی'' اور اکثر میں ''ہنسلی'' ضروری سمجھ کر پہنتے ہیں اور

پہنانا بھی ضروری ہے، بالکل اسی طرح یہی زیوات مذکورہ ہندو اقوام میں رسماً ضروری ہیں۔

ان زیورات کے علاوہ بہت سے زیور ایسے ہیں جو ہندو بھی پہنتے ہیں اور ہماری قوم میں بھی پہنے جاتے ہیں؛ لیکن ضروری کسی کے یہاں بھی نہیں ہے، گنجائش پر ہے، تو ایسے زیورات کا کیا حکم ہے؟ مثلاً ایسے زیورات: بازو بند، کنگن، کڑوا یا، چمکچوڑی، دُڑی، کاتریا، چوڑے وغیرہ یہ سب ہاتھ میں پہنے جاتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟ اسی طرح انگلیوں اور ہتھیلیوں میں ہتھوکلا، اور گلے میں تمنیا سونے کا، اور کنٹھلا، مادلیا چاندی کے ہوتے ہیں، اور کان میں بالیاں، پیتے، لچھیاں، جھونبڑ، جھٹیلے وغیرہ۔

الحاصل: ہمارے معاشرے میں اس معاملہ میں ہندو معاشرہ سے فرق اور دوری نہیں ہے، رہن سہن ملتا جلتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ قدیم زمانے سے آج تک اسلامی معاشرہ میں کس وضع اور کونسی شکل وصورت کے زیورات رائج تھے؟ اور شریعت مطہرہ کونسے زیور جائز قرار دیتی ہے؟

کیا کان کی بالی، کنگن، ہار، انگوٹھی، پازیب پہننا جائز ہے؟ اور ان کا دورِ نبوی میں ہونے کا ثبوت ملتا ہے؟

نیز تشبہ مع الکفار کا کیا معیار ہے؟ زیورات میں تشبہ مانع ہے یا نہیں ہے؟ تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① جو لباس کفار یا فساق یا مردوں کے ساتھ مخصوص ہو عورتوں کو استعمال کرنا ناجائز ہے، جو مشترک ہے، اس کا استعمال جائز ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۶/ ۳۷۴)

آپ نے سوال میں تصریح فرمائی ہے کہ ''اب یہ بات خصوصیت والی نہیں ہے،

ہر قسم کی قوم پہنتی ہے'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیور کفار کا قومی یا مذہبی شعار نہیں ہے، اس لیے اس کا پہننا درست ہے، باقی اس سلسلہ میں دوسرے جو امور آپ نے تحریر فرمائے ہیں، وہ سب قابل اصلاح ہیں۔ (مثلاً شوہر یا اس کے اہل پر اس کے بنانے کی پابندی وغیرہ)۔

② اگر وہ زیور ایسا ہو کہ اس کو پہن کر سجدہ صحیح طریقہ سے نہ ہوسکتا ہو، تو اس کا پہننا جائز نہیں ہے۔

③ بحیثیت زیور اس کا استعمال جائز ہے، رسم کی پابندی ممنوع ہے۔

④ اس کا حکم بھی نمبر تین کی طرح ہے، محض ہندوؤں میں اس کا استعمال تشبہ کے لیے کافی نہیں ہے، جب تک کہ ان کی خصوصیت یا ان کا قومی یا مذہبی شعار نہ ہو۔

⑤ زیور ہو یا دوسرا لباس، ہر ایک کے سلسلہ میں شریعت کا ضابطہ وہی ہے جو شروع جواب میں ذکر کیا گیا ہے، شریعت نے زیور کی کسی مخصوص وضع کی تعیین نہیں فرمائی ہے، ہر زمانہ میں رائج زیور کی شرط مذکور کے ساتھ اجازت دی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴/ شوال المکرم ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عورت کے لیے مانگ نکالنا کیسا ہے؟

سوال: عورت اپنے بال کس انداز سے رکھے؟ بیچ کی مانگ نکال کر بالوں کے دو حصے الگ الگ کرسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورت کے لیے بھی مانگ نکالنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مہندی لگانا

سوال: مرد اور عورت دونوں کا مہندی لگانا جائز ہے یا نہیں؟ بعض مردوں کو ہاتھوں اور پیروں کے نیچے شادی کے موقع پر دیکھا تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہاتھ اور پاؤں پر مہندی لگانا عورت کے لیے جائز ہے، مرد کے لیے نہیں۔

لا ينبغي أن يخضب يد الصبي الذكر ورجله؛ إلا عند الحاجة، ويجوز ذلك للنساء كذا في الينابيع. (عالمگیری ۵/۳۵۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

باہر جانے کے لیے کالا خضاب کرنا

سوال: ایک آدمی ڈاڑھی کا کالا خضاب اس وجہ سے کرتا ہے کہ باہر ملک جانے کی اجازت ملے، ادھیڑ عمر کا ہے اگر کالا خضاب نہیں کرے گا تو بوڑھا معلوم ہوگا، اور باہر جانے کی اجازت نہیں ملے گی، کیا ایسا شخص کالا خضاب کر سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سیاہ خضاب مکروہ ہے۔ ویکرہ بالسواد. (درمختار علی ھامش الشامی ۵/۲۹۹)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سیاہ خضاب لگانا مکروہ ہے

سوال: بازار میں مختلف قسم کے سفید بالوں کو رنگنے کی مختلف چیزیں ملتی ہیں، جن میں مہندیاں تو عام ہیں، البتہ کچھ کلر بھی دستیاب ہیں، جن کلروں میں سے بعض پر لکھا ہوا ہوتا ہے ڈارک بلیک (۱۲ نمبر) اور بعض کلروں پر لکھا ہوا ہوتا ہے ڈراک براؤن (۳۰ نمبر) وغیرہ، ان کلروں میں سے ڈراک براؤن (۳۰ نمبر) والے خضاب کے جواز کے متعلق ڈابھیل کے ایک قاری صاحب نے حضرت مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم کے حوالہ سے یہ بات کہی کہ اس کو لگا سکتے ہیں، اور یہ بات پھیلتی ہوئی مختلف علاقوں تک پہنچ گئی ہے، اور کچھ افراد نے اس کو لگانا بھی شروع کر دیا ہے، دراصل یہ ایک کمپنی کے دو پیسٹ (سفید، ڈراک اور براؤن) ہیں، جنہیں ہم پلہ ملا کر کنگھی سے بالوں میں لگانا ہوتا ہے، اور دس منٹ چھوڑے رکھنا ہے، دس منٹ کے بعد وہ اپنا سیاہی نما اثر چھوڑتا ہے، کیا یہ خضاب لگانا جائز ہے؟ حالاں کہ اس کمپنی کا دعویٰ ہے، نیز تجربہ کاروں کا تجربہ بھی ہے کہ:

(۱) یہ پیسٹ صرف دس منٹ ہی میں بالوں کو رنگین کر دیتا ہے، ہم نے اس کلر کو ہاتھ پر لگا کر تجربہ کیا تو معلوم ہوا کہ اس کا جرم نہیں بنتا۔

(۲) اگر یہ کلر کپڑے یا رومال پر لگ جاتا ہے تو وہ اپنا گہرا دھبہ چھوڑ دیتا ہے جو بمشکل نکلتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

① کیا یہ کلر لگانا ہر کسی کے لیے ہر حال میں جائز ہے؟

② کیا سیاہ کلر لگانے والوں کو اور ڈائی کروانے والوں کو اس کلر کی طرف رہنمائی کر سکتے ہیں؟

③ کیا اس کلر کے جواز کی صورت میں ڈائی کرنے والوں کے لیے ڈائی کے جواز کی راہ تو ہموار نہیں ہو جائے گی؟

④ کیا یہ کلر سیاہ خضاب کے حکم میں داخل ہوگا؟

ملحوظہ: اس کلر کے اجزائے ترکیبیہ معلوم کرنے کے لیے بعینہٖ یہ کلر پیشِ خدمت ہے۔

امید ہے کہ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر امت کی رہبری فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بالوں کو رنگنے کے لیے مختلف اشیاء ہیں، جیسے مہندی، ہیر ڈائی، رنگ وغیرہ، جس چیز کے استعمال کے نتیجہ میں بال کا رنگ کالا ہو جاتا ہو اس کا استعمال ناجائز ہے، کالے رنگ کے علاوہ جیسے بھورا، سرخ، زرد، سبز یا مائل بہ سرخی ہو جائے تو استعمال کی اجازت ہے، بشرطیکہ وہ رنگ تہ دار نہ ہو، اور پانی پہنچنے سے مانع بھی نہ ہو، اگر اس کے استعمال کے نتیجہ میں تہ جم جاتی ہو یعنی پَرت چڑھ جاتی ہو جیسے آئل پینٹ اور نیل پالش وغیرہ سے پرت چڑھ جاتی ہے تو وضوء، غسل درست نہ ہوگا۔

(ولا یضُرُّ بقاءُ أثر) کلون وریح.(درمختار مع رد المحتار، باب الأنجاس، ۵۳۷/۱)

وقیل ان صلباً منع وھو الأصح(در مختار) قال الشامي:صرح به فی

شرح المنية:وقال لامتناع نفوذ الماء مع عدم الوضوء والحرج.
(رد المحتار، مطلب فی أبحاث الغسل، زکریا ۲۸۹/۱)

بالوں میں سیاہ رنگ کا خضاب لگانا جائز نہیں، حدیث شریف میں اس پر سخت سے سخت وعید آئی ہے۔

فتاویٰ رحیمیہ سے ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: سر کے بال جوانی میں سفید ہوجائیں تو سیاہ خضاب لگانا کیسا ہے؟

الجواب: سیاہ خضاب لگانا سخت گناہ ہے، احادیث میں اس پر وعید آئی ہے، ایک حدیث میں ہے:

عن ابن عباس رضی الله عنهما عن النبی ﷺ قال:یکون قوم فی آخر الزمان یخضبون بهذا السواد کحواصل الحمام لا یجدون رائحة الجنة. رواه أبوداؤد (مشکوة:۳۸۲)

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آخری زمانہ میں کچھ لوگ ہوں گے جو سیاہ خضاب لگائیں گے، جیسے کبوتر کا سینہ، ان لوگوں کو جنّت کی خوشبو بھی نصیب نہ ہوگی۔

دوسری حدیث میں ہے:

عن جابر قال أتی النبی ﷺ بأبی قحافة یوم الفتح ورأسه ولحیته کالثُّغامة بَیاضاً وقال النبی ﷺ:غیّرواهذا بشئ واجتنبوا السواد.(أیضاً)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں: کہ فتحِ مکہ کے دن ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں لایا گیا، ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال ثُغامہ کے مانند بالکل سفید تھے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اس سفیدی کو کسی چیز سے

بدل دو، اور سیاہ خضاب سے احتراز کرو۔

اس حدیث میں سیاہ خضاب سے بچنے کا صراحتاً امر فرمایا ہے، لہٰذا اس سے بالکل احتراز کیا جائے، اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۵/ ۴۸۷)

فتاوی رشیدیہ میں ہے:

بالوں کو خضاب کرنا کسی چیز سے سوائے سیاہ کے سب قسم درست ہے۔

(تالیفاتِ رشیدیہ ص/ ۴۸۲)

باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ میں ہیں: مسلمان کو مہندی لگانا درست ہے، مگر سیاہ خضاب کرنا منع ہے۔ (باقیاتِ فتاویٰ رشیدیہ ص/ ۳۷۸)

امداد الفتاویٰ میں ہے:

سوال: بعض ایسے اشخاص جن کے عقد میں نوعمر اور جوان عورتیں ہیں محض بخیالِ رغبتِ زوجہ سیاہ خضاب کرتے ہیں، یہ فعل اُن کے لیے کیسا ہے؟ اگر ممنوع ہے تو ایسے لوگوں کو رغبتِ زوجہ کے لیے کونسی تدبیرِ شرعی کرنی چاہیے؟

الجواب: اگر یہ مصلحت قابلِ تحصیل ہوتی تو خضابِ اسود کے ممنوع ہونے کے پھر کوئی معنی ہی نہ ہوتے۔ (تتمۂ ثانیہ: ۵۳، امداد الفتاوی ۴/ ۲۱۴، ۲۱۵)

سوال: خضاب لگانا کیسا ہے؟

الجواب: خضاب سرخ بالاتفاق جائز؛ بلکہ مستحب ہے، اور سیاہ خضاب جہاد میں ہیبتِ دشمن کے لیے بھی جائز ہے، اور محض زینت کے واسطے مختلف فیہ ہے، عامۂ مشائخ کا قول کراہت ہے، اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے جائز رکھا ہے، لیکن احتیاط اور راجح نہ کرنا ہے۔

اتفق المشايخ أن الخضاب فی حق الرجال بالحُمْرة سُنّةٌ وانه من سيماه المسلمين وعلاماتِهم وأما الخضابُ بالسّواد فمن فعل ذلك من الغُزاة لِيكون أُهيب فی عين العدُوِّ فهو محمودٌ منه،اتفق عليه المشايخُ ومن فعل ذلك لِيزيّن نفسَه للنساء أو لِيحبب نفسه اليهن فذلك مكروهٌ، وعليه عامَّةُ المشايخ،وبعضُهم جَوَّزُواذ لك من غيركرا هةٍ، ورُوِی عن أبي يوسف أنه قال: كما يُعجِبُنی أن تَتَزَيَّنَ لی يُعجِبُها أن أتَزَيَّن لها. كذا فی الذخيرة.(عالمگیری٤/١٣٩، امداد الفتاوی٤/٢١٤،٢١٣)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ضعیف یا مؤول ہے۔(امداد الاحکام ۴/۳۴۸)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: صحیح روایات ہوتے ہوئے ضعیف یا مؤول روایت پر عمل کرنا بلا ضرورتِ شرعیہ ناجائز ہے۔

قدَّمْنا أن الواجبَ على المفتی المقلِّدِ أن يأ خُذ من الأقوالِ والرواياتِ ما صَحَّحَها أصحابُ الترجيح .وأما ما يُوجدُ فی كُتُب الفقه من أقوالٍ وروا ياتٍ ضعيفةٍ صرّح أ صحابُ الترجيح بضعفها أو علِم ضعفها بعباراتهم ضِمناً والتزاماً فلايجوز العملُ عليها والافتاءُ بها.

(أصول الافتاء وآدابه:١٩٧)

امداد الاحکام میں ہے: فتویٰ اسی پر ہے کہ سیاہ خضاب جائز نہیں۔(۴/۳۴۷)

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے:

سوال: عمر نے اپنی زوجہ کے مرنے کے بعد ایک بیوہ پچیس سالہ سے عقدِ ثانی کیا، اب وہ عورت اصرار کرتی ہے کہ تم اپنی ڈاڑھی کو سیاہ خضاب لگاؤ، ایسی حالت میں عمر کو سیاہ خضاب لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شامی میں ذخیرہ سے نقل کیا ہے کہ عورتوں (کو خوش کرنے) کے لیے سیاہ خضاب کرنا مکروہ ہے۔

وان ليزيّن نفسه للنساء فمكروه،وعليه عامّة المشايخ، وبعضهم جوّزه بلا كراهةٍ، ورُوِى عن أبي يوسف أنه قال: كما يعجِبُني أن تتزيَّن لى يعجبُها أن أتزيَّن لها. (رد المحتار،كتاب الحظر والاباحة،فصل فى البيع ٥١٨/٩، فتاوىٰ دارا لعلوم ديوبند٢٤٢/١٦، فتاوىٰ حقانيه ٤١٢/٢)

آپ کے مسائل اور اُن کا حل میں ہے: بالوں کو کالا کرنا ناجائز ہے، مرد کے لیے بھی اور عورت کے لیے بھی، خواہ کسی دوائی سے کرے۔ (۳۸۰/۸)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے کالے خضاب کی تفصیل کرتے ہوئے خلاصہ کے طور پر لکھا ہے:

والحقُ أن أحاديثَ المنع عن السواد واضحةٌ مطلقةٌ وليس فيها ما يَخُصُّها بارادة الغَشِّ والخَداع، ولذلك اختار عامّةُ المشايخ المنعَ. قال فى العالمگيرية: ومن فعل ذلك ليزيّن نفسه للنساء وليحبب نفسه اليهن فذلك مكروه،وعليه عامّة المشايخ، ومثله فى رد المحتار، وهو الذى اختاره والدى فى جواهر الفقه عملاً بالاحتياط.

(تكملة فتح الملهم، باب استحباب خضاب الشيب بصُفْر أو حُمْر، وتحريمُه بالسواد٨٩/٤)

یعنی کالے خضاب کی ممانعت والی احادیث واضح اور مطلق ہیں، ان میں تخصیص (قصدِ خدع وغیرہ کے ذریعہ سے) کرنے کی کوئی وجہ نہیں، اسی وجہ سے اکثر مشائخ نے کالے خضاب کو ممنوع قرار دیا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: جو شخص اپنے آپ کو عورتوں کے لیے مزیّن اور محبوب بنانے کے لیے کالا خضاب استعمال کرے تو یہ مکروہ

ہے۔ عام مشائخ اسی کے قائل ہیں، ردالمحتار میں بھی اسی قول کو مختار قرار دیا گیا ہے۔ یہ وہی بات ہے جس کو میرے والد ماجد (حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ) نے احتیاطاً اختیار فرمایا ہے۔ انتہیٰ۔

ملحوظہ: تصریحِ بالا سے معلوم ہوا کہ ممانعت کا حکم جوان، بوڑھوں سب کو شامل ہے، جوان کے حق میں یہ کہنا کہ سفید بال ہونا ایک عیب ہے، اور ازالۂ عیب شرعاً جائز ہے، یہ بھی مطلق احادیث میں ایک نوع کی تخصیص ہے۔

جواہر الفقہ میں ہے: کیسے ہوسکتا ہے کہ حدیث کی ممانعت اور سخت وعید کے باوجود یہ حضرات (صحابہ رضی اللہ عنہم) اس کے خلاف کرتے؛ اسی لیے احتیاط عمل اور فتویٰ میں یہی ہے کہ خالص سیاہ خضاب غیر غازی کے لیے مکروہ ہے۔ (جواہر الفقہ ۷/۱۷۰)

آپ نے استفتاء کے ساتھ دو کلر بھیجے ہیں اور لکھا ہے اس خضاب کے جواز کے متعلق ڈابھیل کے ایک قاری صاحب نے حضرت مفتی (احمد خانپوری) صاحب دامت برکاتہم کے حوالہ سے یہ بات کہی ہے کہ اس کو لگا سکتے ہیں۔ انتہی بلفظہٖ۔

مذکورہ دونوں امر کی تفصیل یہ ہے:

① مرسلہ استفتاء حضرت مفتی صاحب مدظلہم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو حضرت نے فرمایا:

''مجھے یاد نہیں کسی نے پوچھا ہو اور یہ بھی فرمایا کہ کالے خضاب کے جواز کا میں کیسے فتویٰ دے سکتا ہوں؟ جب کہ اس کی ممانعت واضح اور صریح ہے۔''

اور یہ بات بالکل واقعی اور محقّق ہے، حضرت نے اس موضوع پر گجراتی اور اردو میں کئی جوابات تحریر فرمائے ہیں، سارے جوابات میں کالے خضاب کو ناجائز لکھا ہے۔

دیکھیے: مطبوعہ محمود الفتاویٰ گجراتی (۲/ ۴۸۷)۔ محمود الفتاویٰ جلدِ ششم میں ہے:

سوال: مسئلہ یہ ہے کہ بال بہت چھوٹی سی عمر میں سفید ہونا شروع ہو گئے تھے، جب میری شادی ہوئی تھی تب بھی میں بالوں میں سیاہ خضاب لگاتا تھا، شادی کے بعد میں تبلیغی جماعت میں گیا تھا، اس کے بعد میں نے سنت طریقے پر ڈاڑھی رکھ لی، یہ بات رخصتی سے پہلے کی ہے، میری بیوی نے کہا تھا: کہ ڈاڑھی مت رکھو، لیکن میں نے کہا تھا: کہ میں ڈاڑھی نہیں نکال سکتا ہوں، پھر اس نے کچھ نہیں کہا، لیکن رخصتی کے بعد اس نے کہا: کہ تمہارے بال جلد سے جلد سے سفید ہو جاتے ہیں، تم اس طرح کرو کہ سیاہ خضاب لگایا کرو، کیوں کہ یہاں کینیڈا میں دو، تین بار اس طرح ہوا کہ ہم شاپنگ کرنے گئے تو وہاں دکان دار ہمارے رشتہ کو غلط سمجھے، اس وقت مجھے بھی اور بیوی کو بھی شرمندگی ہوئی، اس کے بعد سے میں مسلسل سیاہ خضاب لگاتا ہوں، کیوں کہ میری عمر ۳۳/ سال ہے اور بیوی کی عمر ۲۷/ سال ہے، میں آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ سیاہ خضاب لگا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور خضاب لگانے سے غسل ہوتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: حدیث میں سیاہ خضاب لگانے کی ممانعت آئی ہے، اس لیے سیاہ خضاب کو علماء نے مکروہِ تحریمی قرار دیا ہے، آپ اگر خضاب لگانا چاہتے ہیں تو سیاہ کے علاوہ استعمال کر سکتے ہیں، اگر خضاب لگانے کی وجہ سے صرف بالوں کا رنگ بدلا ہے تو اس خضاب کے ہوتے ہوئے بھی غسل اور وضو درست ہے، اور اگر ایسا خضاب لگایا جس کی وجہ سے صرف رنگ نہیں بدلا؛ بلکہ بالوں پر اس خضاب کی پَرت چڑھ گئی تو غسل اور وضو درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کئی سال سے حضرت مفتی صاحب دامت فیوضہم کی سورت: نشاط کالونی، مسجدِ

انوار میں سنیچر کے روز ریاض الصالحین کے درس کی مجلس جاری ہے۔

ریاض الصالحین کی حدیث شریف ''واجتنبوا السواد''(رواہ مسلم)''سیاہ رنگ سے بچو'' کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب مدظلہم فرماتے ہیں:

آج کل ''کالی مہندی'' کے نام سے ایک خضاب آتا ہے، اس کو بنانے والے بھی عجیب ہیں کہ اس کو نام ہی ''مہندی'' دے دیا؛ تاکہ کسی کو زیادہ تحقیق کی ضرورت ہی پیش نہ آئے، اور سب یہی سمجھیں کہ مہندی ہے، حالاں کہ وہ ایک کیمیکل ہے جس کو ''کالی مہندی'' کا صرف نام دے دیا ہے۔ اس کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر وہ واقعتاً مہندی ہو اور اس سے رنگ کالا آتا ہو تب بھی اس کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔

آج کل بالوں کو رنگنے کے لیے ہیر ڈائی آتی ہے، اس سے بھی اگر صرف رنگ آتا ہے، جیسے مہندی کا رنگ آتا ہے تو اس میں بھی کالے کو چھوڑ کر باقی رنگ جیسے بھورا، سرخ رنگ کو استعمال کرنے کی اجازت ہے؛ بشرطیکہ وہ صرف رنگ ہی ہو، یعنی اس کو لگانے سے رنگ ہی آتا ہو؛ لیکن اگر وہ اتنا گاڑھا ہو جس کی وجہ سے بالوں پر پَرت چڑھ جاتی ہو، جیسے آئل پینٹ میں ہوتا ہے تو اس صورت میں پھر وضو اور غسل درست نہیں ہوگا، جیسے عورتیں نیل پالش لگاتی ہیں جس میں ناخن پر باقاعدہ پڑ جم جاتا ہے تو اس صورت میں نہ ان کا غسل ہوگا اور نہ وضو ہوگا؛ بلکہ خدانخواستہ اگر ایسی حالت میں انتقال ہو گیا تو ناخنوں پر نیل پالش لگی ہوئی ہونے کی وجہ سے ان کا غسل بھی نہیں ہوگا، اور جب غسل نہیں ہوگا تو نماز بھی نہیں ہوگی، اس لیے کہ مردہ کو جب تک غسل نہ دیا جائے اس پر نماز پڑھانا جائز نہیں ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ عورتوں کے ناخنوں پر اگر نیل پالش لگی ہوئی ہو تو اس کو کُھرچا جائے، اگر کُھرچا نہیں جائے گا ان کا

غسل ہی درست نہیں ہوگا، لہٰذا اس سے بچنے کی ضرورت ہے۔

نبیٔ کریم ﷺ نے سیاہ خضاب سے منع فرمایا، ابوداود شریف میں روایت ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بعض لوگ ایسا خضاب استعمال کریں گے جیسے کبوتر کے پوٹے ہوتے ہیں، وہ لوگ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھیں گے۔ کبوتر کے پورے جسم کا رنگ تو الگ ہوتا ہے، لیکن گلے کے نیچے کے حصہ کا رنگ سیاہ ہوتا ہے، اسی لیے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ کالا خضاب استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ (حدیث کے اصلاحی مضامین ۱۴ / ۹۳، ۹۴)

لہٰذا یہ بات دوٹوک کہی جاتی ہے کہ جامعہ ڈابھیل کے دارالافتاء سے کسی نے کالے خضاب کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا، اگر کوئی مفتی صاحب کی طرف غلط نسبت کرکے خالص کالا خضاب استعمال کرتا ہے تو اس کے فعل کا وہ خود ذمہ دار ہے۔

(۲) مرسلہ کلر کے استعمال کی ہدایات میں بہ زبان ہندی لکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

(۱) آسان اور زود اثر طریقہ: مردوں کے بالوں کے موافق خاص تیار کی گئی کنگھی کے اوپر (Non drip cream) ''نان ڈریپ کریم'' لگا کر بالوں میں کنگی کریں، دس منٹ میں سفید بالوں کو کالا کردے۔

(۲) فطری رنگ کا نکھار: اس کی نئی ترکیب آپ کو دیتی ہے ایسا فطری رنگ جو آپ کے سفید بالوں میں گھل کر کامل طور پر سیاہ رنگ کی تہ چڑھ جاتی ہے، ایسا جاندار رنگ جو زیادہ وقت تک آپ کے بالوں کا ساتھ دیتا ہے۔ (ترجمہ پورا ہوا)

تصریحِ بالا کے مطابق اس کلر میں کوئی اور شرعی قباحت نہ ہو تو بھی دو وجہ سے اس کا استعمال ناجائز ہے:

(۱) اس سے بال کالے ہوجاتے ہیں۔ جس کے عدمِ جواز کے دلائل سطورِ بالا میں گذر چکے۔

(۲) اس کے استعمال کے نتیجہ میں بالوں میں تہ جم جاتی ہے جو پانی پہنچنے سے مانع ہے، لہٰذا وضو اور غسلِ جنابت صحیح نہ ہوگا۔

آپ کے استفتاء میں قائم کردہ سوالات کے جوابات حسبِ ذیل ہیں:

① اس کے استعمال سے بال سیاہ ہوجاتے ہیں، لہٰذا ناجائز ہے۔

② سیاہ کلر لگانا مکروہ اور ناجائز ہے، لہٰذا اس کی طرف رہنمائی کرنا بھی ناجائز ہے۔ ﴿ولا تعاونوا علی الا ثم والعدوان﴾ (المائدۃ) ترجمہ: اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو۔ (آسان ترجمۂ قرآن ۱/ ۳۲۳)

③ سوال مبہم ہے۔

④ سطورِ بالا میں کمپنی کی ہدایات پر تبصرہ آچکا، اس کا جواب واضح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہٗ: العبد عبد القیوم راجکوٹی، ۱۶/ جمادی الثانی ۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

کالی مہندی لگانا

سوال: موجودہ زمانہ میں مختلف قسم کی بالوں کو کالا کرنے والی دوائیں نکلی ہیں، ان میں ایک کالی مہندی ہے، اس کو لگانے کا کیا حکم ہے؟ آیا اس کے لگانے کی وجہ سے اس مہندی کی ہلکی پرت بالوں پر جمع ہوجاتی ہے، جو پانی کے بالوں تک پہنچنے سے

مانع ہوتی ہے، مسح کرتے وقت، ایسے ہی غسل کرتے وقت، تو اس قسم کی مہندی لگا کر نماز پڑھنے والے شخص کا وضو وغسلِ جنابت صحیح ہوا یا نہیں؟ اور فی نفسہ اس کے استعمال کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس کے لگانے سے واقعی طور پر ایسی پرت چڑھ جاتی ہے جس کے نتیجہ میں پانی بالوں تک نہیں پہنچ پاتا تو اس کے لگے ہوئے ہونے کی حالت میں اس آدمی کا وضو اور غسل جنابت درست نہیں ہوگا۔

ویشترط لتصحیح الوضوء زوال ما یبعد ایصال المیاہ.(درمختار)

اور جب یہ پانی کے بدن تک پہنچنے سے مانع ہے، اور اس کے نتیجہ میں وضو یا غسل درست نہیں ہوتا تو اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ ۲۷ رذوالقعدۃ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مردوں عورتوں کے لیے مہندی کا استعمال

سوال: ① عورتوں کے لیے مہندی کا استعمال (معروف مہندی جو سرخ ہوتی ہے) کیسا ہے؟ اور مرد کے لیے سر اور داڑھی پر لگانا آیا سنت ہے یا کوئی اور درجہ ہے؟
② لڑکوں کو ہاتھ اور پیر پر استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① عورتوں کے لیے مہندی کا استعمال ہاتھ پاؤں میں جائز؛ بلکہ مطلوب ہے،

حدیث پاک میں ایسی عورت کو تنبیہ فرمائی گئی ہے جس کی ہتھیلیاں مہندی سے رنگی ہوئی نہیں تھیں۔

عن عائشة أن ہند بنت عقبة قالت: یا نبی اللہ! بایعنی، قال: لاأبایعك حتی تغیری کفیك کأنهما کفا سبع.(أبو داؤد شریف:۲/۵۷٤)

مردوں کے لیے سرخ خضاب، خالص مہندی کا یا کچھ سیاہی مائل جس میں کتم شامل کیا جاتا ہے، مسنون ہے، سیاہ خضاب مکروہ ہے۔

اتفق المشایخ رحمهم اللہ تعالیٰ أن الخضاب في حق الرجال بالحمرة سنة وأنه من سیماء المسلمین وعلاماتهم وأما الخضاب بالسواد .... من فعل ذلك لیزین نفسه للنساء ولیحبب نفسه إلیهن فذلك مکروه. (عالمگیری ۵/۳۵۹)

② بچوں میں لڑکوں کے ہاتھ پاؤں کو مہندی سے رنگنا مکروہ ہے۔

ولا ینبغی أن یخضب یدی الصبی الذکر ورجله. (عالمگیری ۵/ ۳۵۹)

شامی میں ہے: ویکره للإنسان أن یخضب ید یه ورجلیه وکذا الصبی؛ إلا لحاجة بناية ولا بأس للنساء.(۵/ ۲۵۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ ۲۷/ذوالقعدۃ ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جانگیہ پہننا

سوال: جانگیہ پہننا کیسا ہے؟ جس کو انگریزی میں (underwear) کہتے ہیں، ایک مفتی صاحب نے کہا ''کفایہ'' نام کی ایک کتاب ہے جس میں اس کے

بارے میں یوں لکھا ہے کہ یہ پہننا ناجائز اور حرام ہے، اور اس بارے میں وہ حدیث بھی بیان کرتے ہیں کہ شرمگاہ کو آزاد رکھو کہ اس سے قوت باہ میں اضافہ ہوتا ہے، اور اس زمانے کے اندر کسی کو یوں کہا جائے کہ نہ پہنو تو یوں کہتے ہیں کہ ہم تو حفاظت کے لیے پہنتے ہیں، تو کیا اس کی حفاظت کی اور کوئی صورت ہے؟ اور وہ صورت جائز ہے؟ اور کیا یہ اس طرح سے جانگیہ (انڈرویر) پہننا آپ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے؟ اور سنت کیا ہے؟ اور کیا اس کے پہننے سے نماز صحیح ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آں حضرت ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا انڈرویر پہننا ثابت نہیں ہے، کوئی آدمی اپنی ضرورت کے پیش نظر پہننا چاہے تو شرعاً اجازت ہے، اور اس کی وجہ سے نماز میں کراہت نہیں آتی، مفتی صاحب کی جو بات آپ نے تحریر فرمائی اس کا مکمل حوالہ تحریر فرمائیں تو اس سلسلہ میں کچھ بتلایا جاسکتا ہے۔

شریعت نے تو ستر عورت کا مکلف بنایا ہے، جب پائجامہ یا لنگی کے ذریعہ ستر عورت حاصل ہے تو اس کے بعد ضروری نہیں کہ انڈرویر بھی ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

چڈی پہننا کیسا ہے؟

سوال: اس زمانہ میں مرد لوگ پائجامہ کے اندر چڈی انڈرویر پہنتے ہیں، کیا یہ دور صحابہ میں ہوتا تھا، تو آج کے زمانہ میں اس کو پہننا کیسا ہے؟ جائز یا ناجائز؟ اور اگر جائز ہے تو اولیٰ کیا ہے اور سنت کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صحابہ رضی اللہ عنہم کے لباس میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا، ضرورت کے وقت پہننا جائز ہے، سنت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سونے کا دانت لگانا

سوال: سونے کا دانت لگانا مرد اور عورت کے لیے شریعت میں جائز ہے نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس کی ضرورت چاندی کے دانت سے پوری ہوجاتی ہے، تو سونے کا دانت نہ لگانے میں ہی احتیاط ہے؛ البتہ ائمۂ احناف میں اس مسئلہ میں اختلاف ہونے کی وجہ سے گنجائش ہے۔

وفي التاتارخانية: وعلى هذا الاختلاف إذا جدع أنفه أو أذنه أو سقط سنه، فأراد أن يتخذ سنا آخر فعند الإمام يتخذ ذلك من الفضة فقط، وعند محمد من الذهب أيضاً.(شامي٥/ ٢٥٦)(امداد الفتاوی ۴/ ۱۳۸)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مرد کے لیے چاندی اور لوہے وغیرہ کی انگوٹھی کا استعمال

سوال: مرد کے لیے کتنے گرام چاندی پہننا جائز ہے؟ اور لوہے اور پیتل وغیرہ

کی انگوٹھی مرد اور عورت کے لیے جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مرد کے لیے بطور زیور سونے اور چاندی کا استعمال ممنوع ہے؛ البتہ چاندی کی انگوٹھی اگر ایک درہم یا اس سے کم وزن کی ہے تو اس کا استعمال جائز ہے۔

لایتحلی الرجل بذهب وفضة مطلقاً إلا بخاتم ومنطقة وحلية السيف منها أي الفضة.(درمختار)(قوله: منها) أي الفضة لا من الذهب درر وفي الحاوي القدسي: إلا الخاتم قدر درهم. (شامي٥/٢٥٣)

ایک درہم کا وزن نئے اوزان کے اعتبار سے تین گرام ۱۷۱/ ملی گرام ہوتا ہے۔ لوہے پیتل کی انگوٹھی کا استعمال مرد وعورت کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔

ولا يتختم بغيرها كحجر.(درمختار)التختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء.(شامي:٥/٢٥٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

انگوٹھی کا استعمال

سوال: ① اگر دو انگوٹھی کی چاندی مل کر ساڑھے چار گرام سے کم ہو تو دو انگوٹھی پہننا جائز ہے یا نہیں؟

② مرد کے لیے دو انگوٹھی پہننا کیسا ہے؟ جب ہر انگوٹھی کا وزن ساڑھے چار گرام سے کم ہو؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② قدیم زمانہ میں انگوٹھی مہر لگانے کی ضرورت کے پیشِ نظر استعمال کی

جاتی تھی، چناں چہ حضرت نبی کریم ﷺ نے بھی اس مقصد کے لیے انگوٹھی بنوائی، اس لیے وہ اربابِ مناصب جن کو مہر لگانے کی ضرورت پیش آتی ہے، مثلاً: قاضی، مفتی، حاکم وغیرہ ان کے حق میں انگوٹھی کا استعمال بہتر اور مسنون قرار دیا گیا ہے؛ لیکن جن حضرات کو اس کی ضرورت پیش نہیں آتی ان کے لیے انگوٹھی کا استعمال بعض مشائخ نے مکروہ اور خلافِ اولیٰ بتلایا؛ اگرچہ بہت سے مشائخ نے اجازت دی ہے؛ لیکن ان کے نزدیک بھی عدمِ استعمال بہتر اور پسندیدہ ہے، ہمارے زمانے میں اب انگوٹھی کا استعمال مہر کی ضرورت میں نہیں ہوتا؛ بلکہ اس کے لیے مستقل مہریں بننے لگی ہیں، اب انگوٹھی صرف زینت کے لیے استعمال کی جاتی ہے، اس لیے اس کا حکم عدمِ اولیت کا ہی ہے؛ نیز جو انگوٹھی استعمال کی جائے، اس کے لیے تحدید کردی گئی ہے کہ اس کا وزن ایک مثقال سے کم ہو، گویا انگوٹھی کے طور پر اتنی مقدار چاندی کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ دو انگوٹھیاں استعمال کرنا درست نہیں ہونا چاہیے، اگرچہ یہ جزئیہ کسی کتاب میں صراحتاً نہیں ملا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سونے کی ملمّع شدہ گھڑی استعمال کرنا اور سونے کا دانت لگوانا

سوال: راڈو (rado) گھڑی کا پہننا جائز ہے یا نہیں، اس لیے کہ اس میں سونے کا پانی چڑھا ہوا ہوتا ہے، اور بعض کہتے ہیں: سونا بھی کچھ مقدار میں مستعمل ہوتا ہے۔ اسی طرح جو سونے کا دانت لگایا جاتا ہے تو کیا یہ بھی مردوں کے لیے جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سونے چاندی کا پانی چڑھی ہوئی گھڑی پہننا جائز ہے؛ البتہ احتیاط اولیٰ ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ) اور اگر خالص سونا ہے تو درست وجائز نہیں ہے۔ اور کسی چیز کا دانت بنوانے میں بدبو کا اندیشہ ہے تو اجازت ہے؛ ورنہ نہیں، آجکل مصنوعی دانت کا رواج ہے؛ اس لیے سونے کا نہ بنوائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

چاندی یا دوسرے دھات کی انگوٹھی پہننا

سوال: کتابوں میں پڑھا ہے چاندی کی انگوٹھی پہننا درست ہے تو وزن و مقدار کے حساب سے کتنے گرام تک پہن سکتے ہیں؟ نیز کوئی دوسری دھات کی انگوٹھی بھی پہن سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مرد کو صرف چاندی کی انگوٹھی ساڑھے تین ماشہ کی مقدار تک درست ہے، اس کے علاوہ کسی دھات کی انگوٹھی مرد کے لیے درست نہیں۔ کذا فی الدر المختار (فتاویٰ محمودیہ ۱۱/ ۲۴۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

گھڑی اور چشمہ پر گولڈ پلیٹنگ کا استعمال

سوال: گھڑی یا چشمہ پر گولڈ پلیٹنگ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر سونے کا پترا چڑھایا گیا ہے تو اس کا استعمال جائز نہیں ہے، اور صرف پانی چڑھایا گیا ہو جو مستقلاً جدا نہ کیا جاسکتا ہو تو گنجائش ہے، اجتناب پھر بھی ورع ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۳۲۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ رجب ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

میوزک والی گھڑی پہننا

سوال: میوزک والی گھڑی جو دیوار پر لگاتے ہیں، یا جو ہاتھ میں میوزک والی پہنتے ہیں، اور جو آدھے گھنٹے یا ایک گھنٹے پر بولتی ہے تو ایسی گھڑی دیوار پر لگانا یا ہاتھ میں پہننا جائز ہے یا نہیں؟ آپ حوالہ کے ساتھ لکھ کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

میوزک سننا جائز نہیں ہے، اس لیے ایسی گھڑی جس میں گھنٹہ بجنے سے پہلے میوزک بجتا ہو، استعمال کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔

وفي البزازية: استماع صوت الملاهي كضرب قصب، ونحوه حرام، لقوله عليه السلام: استماع الملاهي معصية، والجلوس عليها فسق، والتلذذ بها كفر. أي بالنعمة، فصرف الجوارح إلى غير ماخلق

لأجله كفر بالنعمة، لا شكر فالواجب كل الواجب. الخ (شامي ٥/٢٤٦)

البتہ اگر اس میں کوئی تدبیر عمل میں لاکر میوزک کی آواز کو بند کر دیا جائے تو اس صورت میں بلا تردد استعمال درست ہے، یہ یاد رہے کہ گھنٹہ یا الارم کی آواز اور میوزک کی آواز میں فرق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ / رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

خالص سونا یا سونے کی ملمع کردہ گھڑی اور چشمہ کی فریم استعمال کرنا

سوال: مرد حضرات سونے کی ملمع کاری (سونے کا پانی چڑھا ہوا) کی ہوئی فریم گھڑی وغیرہ پہن سکتے ہیں یا خالص سونے کی فریم (چشمہ) یا گھڑی وغیرہ پہن سکتے ہیں یا اگر صرف سونے کے رنگ کی مشابہت کی فریم یا گھڑی پہنی جاسکتی ہے جس کا کچھ دنوں کے استعمال کے بعد رنگ اتر جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سونے کی گھڑی یا چشمہ کی فریم کا استعمال جائز نہیں اور اگر صرف اس کا پانی چڑھایا گیا ہے جس کو مستقلاً جدا نہ کیا جاسکتا ہو تو گنجائش ہے بچنا پھر بھی بہتر ہے۔ (ماخوذ از فتاویٰ محمودیہ ۱۲/۳۲۶) اور اگر گھڑی یا فریم کا رنگ سونے کے مشابہ ہے تو اس کا پہننا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۴ / شوال ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

کرتے میں سونے کے بٹن لگانا

سوال: مردوں کے لیے ایسے بٹن کرتے میں پہننا جس پر سونے کا پانی ہو شرعاً اجازت ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بٹن کرتے میں گندھے ہوئے ہیں تو یہ کرتے کے تابع ہو کر جائز ہے چاہے خالص سونے کے بنے ہوئے ہوں۔ لا بأس بازرار الديباج او الذهب (در مختار) اگر الگ بنے ہوئے ہیں اور کرتے میں لگاتے ہیں جیسا کہ آج کل عموماً ہوتا ہے تو اگر سونے کے ہیں تو جائز نہیں (فتاوی محمودیہ ۱۴/ ۳۶۰)

اور اگر سونے کا صرف پانی چڑھایا گیا ہو جس کو مستقلا جدا نہ کیا جا سکتا ہو تو گنجائش ہے اجتناب پھر بھی ورع ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۳۲۶ ماخوذ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عورتوں کا پیروں پر مہندی لگانا

سوال: عورتوں کے لیے پیروں پر مہندی لگانے کی اجازت ہے یا نہیں؟ بہ حوالہ جواب کی زحمت لیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اجازت ہے۔ ویجوز ذلك للنساء (فتاوی عالمگیری ۳۰۹۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ

لالی لگانا

سوال: اور لپ اسٹیک (لالی) لگانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ لپ اسٹک ایسا ہو کہ اس کے استعمال سے ایسی تہہ نہ جم جاتی ہو کہ جس کے ہوتے ہوئے وضو اور فرض غسل میں جسم تک پانی نہ پہنچتا ہو بلکہ اس کے ہوتے ہوئے بھی وضو اور فرض غسل میں جلد تک پانی اچھی طرح پہنچ جاتا ہو اور حلال و پاک چیزوں سے بنا ہوا ہو تو اس کا استعمال جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری ۱۸ر جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عورت کا کلائی پنڈلی کے بال صاف کرنا

سوال: اور بدن کے بال یعنی ہاتھ پیر وغیرہ کے نکالنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورتوں کے لیے کلائیوں اور پنڈلیوں کے بالوں کو صاف کرنا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری ۱۸ر جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

نیل پالش لگانا

سوال: ایام حیض میں ناخن پر نیل پالش لگائی جاتی ہے کیا یہ جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نیل پالش کے استعمال کے نتیجے میں ناخنوں پر ایسی تہہ جم جاتی ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے ناخن تک پانی پہنچتا نہیں ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے وضو اور غسل نہیں ہوتا اور جب وضو اور فرض غسل نہیں ہوگا تو وہ عورت پاک نہیں ہوگی اور اس کی نماز بھی ادا نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری ۱۸ر جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

آئی برو بنوانا اور چہرے کے بارک بال صاف کرنا

سوال: عورتوں کو منہ پر مردوں کو جس طرح مونچھ ہوتی ہے اور ڈاڑھی ہوتی ہے ویسے ہی مونچھ کی جگہ روآنٹی (بال) اور ڈاڑھی کی جگہ روآنٹی (بال) کان کے پاس ہوتے ہیں، اور دونوں ابروؤں (بھوؤں) کے کنارے یا درمیان کی طرف سے اوپر ستر کے بال تک یعنی پیشانی کے آزو باز و دونوں طرف جو روآنٹی (بال) ہوتی ہے تو ان کا نکال سکتے ہیں؟ عورتوں کے رشتہ کے لیے اگر نکال سکتے ہیں تو ہم نے سنا ہے کہ ابرو کے بال کو سر کھا کروانا یعنی ابرو بنوانا حرام ہے، تو پھر پیشانی کے آزو باز و والی روآنٹی (بال) کو نکالتے وقت اگر ابرو کا تھوڑا بال بھی نکالا یا نکل گیا تو حرام نہیں؟۔

پھر تین طرح سے نکالا جاتا ہے: (۱) ویکس، جس میں بال کھینچ کر نکالا جاتا ہے،

(۲) ڈوری سے نکالا جاتا ہے اور (۳) الیکٹرک کرنٹ سے نکالا جاتا ہے جس میں داغ ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔ اور پہلی دو طرح میں نکالنے کے بعد پھر روآنٹی ہوتی ہے اور پھر اس کو نکالنا پڑتا ہے اس طرح بار بار کرنا پڑتا ہے، اور تیسری طرح میں صرف ایک مرتبہ کرنا پڑتا ہے، پھر دوسری بار روآنٹی نہیں ہوتی؛ لیکن یہ تب کیا جاسکتا ہے جب ایک یا دو یا تین یا ایسے ہی کچھ کم بال ہو، ورنہ زیادہ بال میں نہیں کیا جاسکتا، تو پھر کونسی طرح کرنا چاہیے؟ اگر کرنا چاہے تو آپ مشورہ دیجیے؛ کیوں کہ جس آپا نے میرے پاس یہ مسئلہ دریافت کروانے کے لیے کہا ہے وہ چاہتی ہے کہ ڈوری سے کرے اگر کرسکتے ہوں تو، اور کیا تینوں طرح میں سے کس طرح سے بھی کرنے سے اللہ کی بناوٹ میں تبدیلی ہوتی ہے؟ تو کیا ایسا کرسکتے ہیں؟ مجھ کو کوئی راستہ مناسب نہیں سمجھائیے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے سوال کے حل کے لیے کتاب میں سے پوری عبارت پیش کی جاتی ہے: ”آج کل خواتین بھوؤں کو خوبصورت شکل دینے کے لیے آئی برو (Eye brow) کے آس پاس چند بال نوچ لیتی ہیں، اس طرح بھنویں خوبصورتی سے گول لکیر سی بن جاتی ہیں، مقصد اس سے محض خوبصورتی اور زینت ہے؛ لیکن ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں، کیوں کہ جسم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی امانت ہے، جس میں شرعی اور فطری ضرورت کے بغیر خود ساختہ تبدیلی درست نہیں ہے، اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے خوبصورتی کے لیے دانتوں کے درمیان فصل پیدا کرنے اور جسم کو گودنے یا گدوانے کو ناجائز، موجبِ لعنت اور اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تغیر قرار دیا ہے، اور خواتین کو اپنے جسم سے

بال نوچنے کی ممانعت فرمائی ہے، چناں چہ ابرو کے بال نوچ کر باریک سی لکیر بنالینا اور دونوں بھوؤں کے درمیان فاصلہ کرنا جیسا کہ آج کل اس کا عام فیشن ہے سراسر ناجائز ہے۔ (مشکوٰۃ شریف: ۳۸۱)

شوہر کی خوش دلی کے لیے بھی ایسا کرنا جائز نہیں؛ البتہ ابرو کے بال اگر بہت بڑھ گئے ہوں تو ان کو کتر کر یا کتروا کر کسی قدر کم کرنا بلاشبہ جائز ہے۔ چہرے کے بال اور روئیں جو پیشانی اور منہ پر ہوتے ہیں ان کو اگر نوچ کر نکالا جائے تو چوں کہ اس میں اپنے جسم کو بلاوجہ اذیت دینا ہے، اس لیے نوچ کر نکالنا مناسب نہیں؛ البتہ اگر کسی پاوڈر وغیرہ کے ذریعہ صاف کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے۔

بعض عورتوں کے چہرے پر ڈاڑھی مونچھ نکل آتی ہیں تو اس کو صاف کرنا نہ صرف جائز بلکہ افضل اور بہتر ہے؛ البتہ ان زائد بالوں کو بھی نوچ کر نکالنے میں چوں کہ بلاوجہ اپنے جسم کو اذیت دینا ہے اس لیے نوچ کر نکالنا مناسب نہیں، کسی پاؤڈر وغیرہ کے ذریعہ صاف کیا جائے تو درست ہے، اگر کسی عورت کے ہونٹوں کے اوپر بال آگئے ہوں تو انہیں زائل اور صاف کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں؛ بلکہ انہیں دور کرنا عورت کے حق میں افضل اور مستحب ہے۔ (فتاویٰ شامی ۶/ ۳۷۳)

البتہ ان زائد بالوں کو نوچ کر نکالنے میں چوں کہ بلاوجہ جسم کو اذیت دینا ہے؛ اس لیے نوچ کر نکالنا مناسب نہیں، کسی پاؤڈر وغیرہ کے ذریعہ صاف کرنا چاہیے۔

(عورت کے لیے بناؤ سنگار کے شرعی احکام ۲۴-۳۴)

جن صورتوں میں بالوں کا نکالنا درست اور جائز قرار دیا گیا ہے ان صورتوں میں بالوں کو نکالنے کے لیے ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس میں جسم کے بال نکالے

جارہے ہیں اس کو کم سے کم اذیت وتکلیف ہو؛ اس لیے کہ علاج ومعالجہ کے سلسلہ میں شریعتِ مطہرہ کی طرف سے جو ہدایات دی گئی ہیں ان میں اسی اصول کو مدِ نظر رکھا گیا ہے، اس لیے بالوں کے دور کرنے کے لیے استرہ یا لیزر یا پاوڈر کا استعمال مناسب ہے۔ آپ نے سوال میں جو تین طریقے لکھے ہیں ان میں تیسرا طریقہ الیکٹرک کرنٹ والا تو شرعاً درست نہیں، اس قسم کے علاج سے بھی حدیث میں ممانعت آئی ہے الّا یہ کہ کوئی شرعی مجبوری ہو اور پہلے دو طریقے بھی اذیت پہونچانے والے ہیں؛ اس لیے ان سے بھی بچنا مناسب ہے، پھر بھی شرعاً اس کی گنجائش ضرور ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مختلف دھاتوں کے زیور اور انگوٹھی پہننا

سوال: ایلومینیم، پیتل اور (سونے چاندی کے علاوہ) دوسری کسی بھی دھات کی چوڑیاں، انگوٹھی اور کان میں پہننا جائز ہے، اور ان تمام چیزوں کو پہن کر نماز پڑھ سکتے ہیں؟ اور یہ سنا گیا کہ یہ جہنمیوں کا زیور ہے، کیا صحیح ہے؟ خارج نماز پہن سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورتوں کے لیے سونے چاندی کے علاوہ کسی اور دھات کی انگوٹھی مکروہ ہے؛ البتہ لوہے کی وہ انگوٹھی جس پر چاندی چڑھادی گئی ہو اس کے پہننے میں حرج نہیں۔

(فتاویٰ رحیمیہ ۶/۲۸۰)

حدیث پاک میں لوہے کی انگوٹھی کو جہنمیوں کا زیور کہا گیا ہے۔ (ابوداود شریف)

مختلف دھاتوں سے بنے ہوئے زیورات مثلاً چوڑیاں، ایرنگ وغیرہ عورتوں کے لیے درست ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۴۲۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۳/ذی القعدہ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بھنویں بنوانا

سوال: آج کل عورتیں دین داری کا دعویٰ کرتی ہیں اور بھنویں بنواتی ہیں اس کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے اور حدیث کی روشنی میں کیا عذاب ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آج کل خواتین بھنوؤں کو خوب صورت شکل دینے کے لیے آئی برو کے آس پاس کے چند بال نوچ لیتی ہیں اس طرح بھویں خوب صورتی سے مناسب لکیر سی بن جاتی ہیں مقصد اس سے محض خوب صورتی اور زینت ہے لیکن ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں کیوں کہ جسم اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی امانت ہے جس میں کسی شرعی اور فطری ضرورت کے بغیر خود ساختہ تبدیلی درست نہیں ہے اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب صورتی کے لیے دانتوں کے درمیان فصل پیدا کرنے اور جسم کو گودنے اور گودوانے کو ناجائز موجب لعنت اور اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تغییر قرار دیا ہے اور خواتین کو اپنے جسم سے بال نوچنے کی ممانعت فرمائی ہے چناں چہ ابروؤں کے بال نوچ کر باریک سی لکیر بنالینا اور دونوں بھوؤں کے درمیان فاصلہ کرنا جیسا کہ آج کل اس کا نام فیشن ہے سراسر ناجائز ہے۔ (مشکوۃ شریف ص:۳۸۱) شوہر کی خوش دلی کے لیے بھی ایسا کرنا جائز

نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری ۱۸ر جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مرد وعورت کے لباس اور ادارے کے یونیفارم کے بارے میں چند سوالات

سوال: (۱) مردوں اور عورتوں کے لیے کس قسم کے لباس پہننا جائز ہیں؟ لباس کا رنگ کیسا ہونا چاہیے؟

(۲) نابالغ لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے کس قسم کے لباس پہننا جائز ہیں؟

(۳) مسلم ادارہ کے ماتحت چلتی اسکول میں طلبۂ کرام کو کس قسم کے لباس پہننا چاہیے؟

(۴) اسکول کا مقرر شدہ یونیفارم پہننا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) بغیر کسی کی کوئی صلاح اور مشورہ کے مدرسے کے مدرسین کوئی لباس طے کریں، تو آیا یہ لباس پہن کر آنا کیسا ہے؟ تاکید کریں تو کیا حکم ہے؟

(۶) ایک ہی رنگ کے کپڑے مدرسے میں پہن کر آنا کیسا ہے؟ اس کے لیے مدرس تاکید کرسکتا ہے؟

(۷) ٹائی اور چڈی، نیز اِن شرٹ کر کے بچوں کو اسکول میں بھیجنا جائز ہے؟

(۸) مدرسہ (مکتب) کے ٹرسٹی حضرات کیسے ہونا چاہیں؟

(۹) کس قسم کا لباس پہننا سنت ہے؟

(۱۰) ٹخنوں سے نیچے پاجامہ پہننے والوں کے لیے کیا حکم ہے؟

(۱۱) مستورات کو زیبائش کے لیے کون کون سی چیزیں پہننا جائز ہیں؟

(۱۲) مستورات کے دوپٹے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

(۱۳) ٹرسٹی، صدر اور ارکانِ کمیٹی کے مشورہ کے بغیر مدرسے کے بارے میں کسی بھی قسم کا کوئی بھی فیصلہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) ایسا لباس جو فساق وفجار کا شعار نہ ہو، پہننا جائز ہے، زعفرانی زرد یا سرخ یا عصفور میں رنگا ہوا لباس مرد نہ پہنے، اس کے علاوہ دیگر رنگ ناجائز نہیں۔ (تنویر الابصار)

(۲) جواب ۱ر کے مطابق

(۳) ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ لباس میں شرعی حدود کی رعایت کرے، چاہے وہ کسی ادارہ میں ہو۔

(۴) اگر وہ شرعی حدود میں ہے تو پہن سکتے ہیں۔

(۵) کون طے کرتا ہے؟ اس کی وضاحت کیجیے، انتظامیہ شرعی حدود میں رہ کر طے کرے تو جائز ہے۔

(۶) تربیت کی نسبت سے ایسی تاکید کرنا درست ہے۔

(۷) ٹائی غیروں کا شعار ہے، اس سے بچنا ضروری ہے۔ چڈی غیر ساتر ہے، اس لیے جائز نہیں۔

(۸) فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۱۵۷، ۳/ ۱۶۴، ۲/ ۱۶۴ کا مطالعہ کیجیے، تفصیل موجود ہے۔

(۹) جو سنت سے ثابت ہو۔

(۱۰) یہ گناہ ہے، اس پر سخت وعید ہے۔

(۱۱) جو لباس مخصوص ہے مردوں کے ساتھ اس کا عورتوں کو پہننا ناجائز ہے، جو کفار یا فساق کا شعار ہے وہ سب امور منع ہیں، اِس اصول کو پیش نظر رکھ کر حکم معلوم ہوسکتا ہے۔

(۱۲) ان کا دوپٹہ ساتر ہونا چاہیے۔

(۱۳) یہ انتظامی امور ہیں، نظم مدرسہ کے قیام کے لیے جو اصول مقرر کیے گئے ہیں ان کے مطابق انتظام چلایا جائے؛ البتہ شرعی حدود کی رعایت ہر ایک کے لیے ضروری ہے۔ فقط

نوٹ: آپ نے استفتاء رجسٹر A-D سے بھیجنے کا اہتمام کیا؛ لیکن جواب کے لیے ٹکٹ یا جوابی لفافہ نہیں بھیجا جو آپ کا دینی اور اخلاقی فریضہ تھا، غالباً دوسروں پر اعتراض کے جوش میں اپنا فرض منصبی چوک گئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلائے۔ آمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۸ رجب ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مسائلِ حجاب

پردہ کا طریقہ

سوال: ایڈنبرہ (سکاٹ لینڈ) کے لوگ سوال کرتے ہیں کہ ہماری عورتیں کپڑے پہنتی ہیں اور اوپر سے نیچے تک ٹھنڈی کا گرم کوٹ کی طرح پہنتی ہیں، اور

منہ پر دوسرا کپڑا ڈال لیتی ہیں تو کیا اس طرح پردہ ہو جائے گا کہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ضرورت کے موقعہ پر جب عورت کو گھر سے باہر جانا پڑے، تو اس وقت کسی برقعہ یا لمبی چادر کو سر سے پیر تک اوڑھ کر نکلنے کا حکم ہے، جس میں بدن کا کوئی حصہ ظاہر نہ ہوں، یہ سورۂ احزاب کی آیت سے ثابت ہے: ﴿یایها النبی قل لازواجك وبنتك ونساء المومنین یدنین علیهن من جلابیبهن﴾ یعنی اے نبی آپ اپنی ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کو اور عام مسلمانوں کی عورتوں کو حکم دیں کہ اپنی جلباب استعمال کریں، جلباب اس لمبی چادر کو کہتے ہیں جس میں عورتیں سر سے پیر تک مستور ہو جائے (روی ذلك عن ابن عباس) ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے استعمال جلباب کی یہ صورت نقل کی ہے کہ سر سے پاؤں تک اس میں لپٹی ہوئی ہو، اور چہرہ اور ناک بھی اس سے مستور ہو، صرف ایک آنکھ راستہ دیکھنے کے لیے کھلی ہو۔ (از معارف القرآن جلد ہفتم) سوال میں مذکورہ کوٹ سے اگر یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے تو اس کوٹ کے ساتھ منہ اور چہرہ چھپانے کے کپڑے کے استعمال سے اس حکم کی تعمیل ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کیا موجودہ برقعہ شرعی پردہ نہیں ہے؟

سوال: بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عورتیں لمبا کوٹ پہن کر منہ کھلا باہر نکل سکتی

ہے، یہ ادنی درجہ کا پردہ ہے، اور نیز یہ کہتے ہیں کہ ھندوستان میں جو کالا برقع مکمل ہوتا ہے، وہ کوئی شرعی نہیں ہے؛ بلکہ رواجی ہے قرآن میں چادر کا لفظ آیا ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں پردہ کی شکل اور کونسی ھیئت ہے؟ واضح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن پاک میں لفظ جلابیب آیا ہے، یہ جلباب کی جمع ہے، جو ایک خاص لمبی چادر کو کہا جاتا ہے، اس لیے آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی ضرورت کی بنا پر گھر سے نکلنا پڑے؛ تو لمبی چادر سے تمام بدن چھپا کر نکلیں، اور اس چادر کو سر کے اوپر سے لٹکا کر چہرہ بھی چھپا کر چلیں، موجودہ زمانہ میں جو برقعہ رائج ہے، اس سے یہ مقصد مکمل حاصل ہوجاتا ہے، اس لیے وہ اسی حکم میں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عورت کا چہرہ پردہ کا حکم رکھتا ہے

سوال: عورت کے لیے جب وہ مکان سے باہر جائے یا غیر محرم کے سامنے آئے تو چہرہ چھپانے کا کیا حکم ہے؟ معارف القرآن میں جو کچھ مکتوب ہے، اس سے بات صاف نہیں ہوتی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورت کا چہرہ نماز میں پردہ کا حکم نہیں رکھتا؛ مگر غیر محرموں کے سامنے آنے جانے میں پردہ کا حکم رکھتا ہے؛ کیوں کہ چہرہ ہی اصل شئ ہے جو جاذب نظر اور مہیج

جذبات ہے۔(کفایت المفتی ۵/۳۸۸)

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين رجال؛ لا لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة(درمختار على هامش الشامي ۱/۲۹۹ كتاب الصلوٰة، باب شروط الصلوة)

وأما في زماننا فمنع من الشابة قهستاني وغيره (درمختار) (قوله: وأما في زماننا فمنع من الشابة) لا لأنه عورة؛ بل لخوف الفتنة، كما قدمه في شروط الصلوٰة (شامي ۵/۲۶۱، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دینی مجالس وغیرہ میں عورتوں کی شرکت کا حکم

سوال: آج کل یہاں برطانیہ میں عورتوں کو مساجد میں بلانے کا رواج عام ہوتا جارہا ہے، تراویح میں ختم قرآن کے موقعہ پر، مدرسہ کے سالانہ اجلاس کے موقعہ پر، اسی طرح کسی عالم کے وعظ و بیان کے موقعہ پر باقاعدہ اعلان کرکے مسجد میں عورتوں کو بلایا جاتا ہے اور انہیں صحن مسجد میں یا مسجد کے احاطہ میں کسی کمرے میں بٹھلایا جاتا ہے، اکثر عورتیں شوق وذوق سے شریک ہوکر اس میں حصہ لیتی ہیں، یہاں عورتوں کی عام حالت کچھ اس طرح سے ہے کہ ان کا چہرہ کھلا ہوتا ہے، عمدہ لباس زیب تن اور وہ بھی ایسا کہ اس میں سے جسم کی ساخت اور بناوٹ جھلکتی ہے، بعضوں کے چہرے پر نقاب ہوتا ہے اور بعض خواتین فیشنی برقعہ پہنتی ہیں وہ ایسا چست ہوتا ہے کہ اس میں سے جسم کی ساخت جھلکتی ہے، عورتوں کی نظر راستہ چلتے ہوئے لوگوں پر نہ صرف پڑتی ہے بلکہ وہ راہ گزروں کو خوب اچھی طرح دیکھتی ہوئی جاتی ہیں، اگر کوئی جاننے والا ہوتا

ہے تو اس سے سلام علیک کہہ کر خیر خبر بھی دریافت کر لیتی ہیں، اسی طرح راستہ سے گزرنے والے بھی عورتوں کو دیکھتے ہوئے گزرتے ہیں، یہاں اکثر و بیشتر مساجد میں آلۂ نشر لگا ہوا ہے جس کے ذریعہ مساجد میں ہونے والے تمام پروگرام اذان نماز خطبۂ جمعہ وعیدین تراویح علماء کرام کے بیانات وغیرہ نشر کیے جاتے ہیں، اور ان تمام پروگراموں کو سننے کے لیے تقریباً ہر گھر میں ریڈیو (ریسیور) بھی موجود ہے جس کے ذریعہ مساجد سے نشر ہونے والے تمام پروگرام گھر میں بیٹھے ہوئے سنے جاسکتے ہیں، اس کے علاوہ لوگ ٹیپ رکارڈ لے کر مساجد میں آتے ہیں اور مساجد میں ہونے والے پروگرام رکارڈ کر لیتے ہیں، کیا ان تمام سہولتوں کے باوجود پروگراموں میں شریک ہونے کے لیے اس پُرفتن اور بے حیائی کے زمانہ میں عورتوں کو مساجد میں بلانا یا عورتوں کو ان پروگراموں میں شرکت کے لیے مساجد میں جانا شرعاً جائز ہے؟ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہاں عورتیں عام طور پر ان کے شوہر کی عدم موجودگی میں جب کہ وہ کام پر ہوتے ہیں بچوں کو اسکول، مدرسہ لے کر آتی جاتی ہیں، بازار سے سودا خرید کر لاتی ہے، شادی بیاہ کے موقع پر دعوت میں شریک ہونے کے لیے ہال میں جاتی ہیں، تو کیا دین کی باتیں سننے کے لیے مسجد میں نہیں جاسکتیں؟ اسی طرح بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ہندو پاک میں سیکڑوں مکاتب و مدارس ہیں، وہاں بھی ہر سال انعامی جلسے ہوتے ہیں، اسی طرح بکثرت دار العلوم ہیں جن میں ختم بخاری شریف کی تقریب منعقد ہوتی ہے، دعا کا اہتمام ہوتا ہے، فارغین طلباء کی دستار بندی ہوتی ہے، علماء کرام کے بیانات مساجد و مدارس اور دار العلوم میں ہوتے ہی رہتے ہیں وہاں کیوں عورتوں کو مدعو نہیں کیا جاتا؟ کیا وہاں عورتوں کو دین کی باتیں سننے کی ضرورت نہیں؟ جب کہ وہاں یہاں کی

طرح سہولتیں بھی نہیں؟ امید ہے کہ مندرجۂ بالا تمام حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تسلی بخش جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ عورتوں کے مجالس وعظ میں جانے سے متعلق پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''عورتوں کو فقہاءِ حنفیہ نے نماز کی جماعتوں اور عیدین اور مجالس وعظ میں جانے سے منع کیا ہے، اور کتب فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ عورتوں کے لیے مجالس وعظ اور جماعت نماز اور عیدین میں جانا مکروہ تحریمی ہے جو حرام کے قریب ہے، اور اس حکم فقہی کی دلیل یہ حدیث ہے جو بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے:

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: لو أدرك رسول الله ﷺ ما احدث النساء لمنعهن المسجد، كما منعت نساء بنی اسرائیل، فقلت لعمر او منعن، قالت: نعم. (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ اگر عورتوں کی یہ حرکات جو انھوں نے اب اختیار کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرماتے تو انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں تھیں، راوی کہتا ہے کہ میں نے عمرہ سے پوچھا کہ کیا بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں تھیں؟ انھوں نے فرمایا ہاں۔ انتہیٰ۔

اس حدیث سے نہایت صاف طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں ہی عورتوں کی حالت ایسی ہوگئی تھی کہ ان کا گھروں سے نکلنا اور جماعتوں

میں جانا سبب فتنہ تھا، اور اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و دیگر اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین عورتوں کو جماعت میں آنے سے منع کرتے تھے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت میں جس میں عورتوں کا زمانۂ رسالت پناہی میں عیدین میں جانا مذکور ہے، تحریر فرماتے ہیں:

قال العلماء: كان هذا فى زمنه ﷺ وأما اليوم فلا تخرج الشابة ذات الهيء، ولهذا قالت عائشة رضى الله تعالىٰ عنها: لو رأى رسول الله ﷺ ما احدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنى اسرائيل، قلت: هذا الكلام من عائشة بعد زمن يسير جدا بعد النبى ﷺ وأما اليوم فنعوذ بالله من ذلك فلا يرخص فى خروجهن مطلقا للعيد وغيره. (عينى شرح بخارى).

ترجمہ: علماء نے فرمایا کہ عورتوں کا عیدین میں جانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں؛ اس لیے تھا کہ وہ زمانہ خیر و برکت کا تھا، اور فتنہ کا خوف نہ تھا، اور آج کل جوان خوب صورت خوش وضع ہرگز نہ جائیں، اور اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عورتوں کی یہ حرکات ملاحظہ فرماتے تو ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئیں تھیں۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ فرمانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ مبارک کے بہت تھوڑے دنوں کے بعد کا ہے، اور آج کل تو خدا کی پناہ! پس مطلقاً عورتوں کو عید اور غیر عید میں جانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ انتہیٰ۔

(من المؤلف) جب کہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ میں یوں فرماتے ہیں کہ آج

کل کی عورتوں کے حالات سے خدا کی پناہ، تو پھر ہمارے اس زمانہ میں چودھویں صدی کی عورتوں کا تو ذکر ہی کیا ہے؟

(از احقر احمد) حضرت مفتی اعظم صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ بات آج سے نوے سال قبل فرمارہے ہیں، جب کہ ٹی، وی کے نتیجہ میں بے حیائی کا وہ سیلاب بھی آیا نہیں تھا جس نے اس وقت سب کو اپنا شکار بنا رکھا ہے تو پھر اس زمانہ کی عورتوں کا حال تو ناقابل بیان ہے۔ فقط۔

اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:

و مذهب أصحابنا ما ذكر صاحب البدائع أجمعوا على أنهم لا يرخص للشابة الخروج فى العيدين والجمعة وشىء من الصلاة لقوله تعالىٰ:(وقرن فى بيوتكن) ولأن خروجهن سبب للفتنة، وأما العجائز فيرخص لهن الخروج فى العيدين، ولاخلاف أن الفضل أن لا يخرجن فى صلاة. (عينى شرح بخارى، بدائع ١/ ٢٧٥)

ترجمہ: ہمارے اصحاب یعنی حنفیہ کا مذہب وہ ہے جو صاحب بدائع نے ذکر کیا ہے کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جوان عورت کو عیدین و جمعہ بلکہ کسی نماز میں جانے کی اجازت نہیں بوجہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿وقرن فى بيوتكن﴾ کے اور اس لیے کہ عورتوں کا گھر سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے، ہاں بڑھیا عیدین کے لیے جاسکتی ہے، اور اس میں خلاف نہیں کہ افضل بڑھیوں کے لیے بھی یہی ہے کہ کسی نماز کے لیے نہ نکلیں۔ انتہیٰ۔

اور بدائع میں ہے: ولا يباح للشواب منهن الخروج الى الجماعات

بدليل ماروى عن عمر انه نهى الشواب عن الخروج، ولأن خروجهن إلى الجماعة سبب للفتنة، والفتنة حرام وما أدى الى الحرام فهو حرام. (بدائع ۱/۱۵۷)

یعنی جوان عورتوں کا جماعتوں میں جانا مباح نہیں اس روایت کی دلیل سے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے جوان عورتوں کو نکلنے سے منع فرمادیا تھا اور اس لیے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے، اور فتنہ حرام ہے، اور جو چیز حرام کی طرف پہنچائے وہ بھی حرام ہوتی ہے۔ انتہیٰ۔

اور فتاویٰ ہندیہ معروف بہ ''عالمگیری'' میں ہے: والفتوىٰ اليوم على الكراهة فى كل الصلوات لظهور الفساد كذا فى الكافى (فتاوی عالمگیری ۱/ ۹۳) یعنی اس زمانہ میں فتویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں جانا مکروہ ہے کیوں کہ ظہورِ فساد کا زمانہ ہے۔

اور بدائع میں ہے: وأما المرأة فلأنها مشغولة بخدمة الزوج ممنوعة عن الخروج الى محافل الرجال لكون الخروج سببا للفتنة، ولهذا لا جماعة عليهن ولا جمعة عليهن أيضا (۱/ ۲۵۸)

عورت کا حکم یہ ہے کہ وہ خاوند کی خدمت میں (شرعاً) لگائی گئی ہے اور مردوں کی مجلسوں میں جانے سے (شرعاً) روکی گئی ہے کیوں کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے اور اسی لیے عورتوں پر جماعت اور جمعہ نہیں ہے۔

(من المؤلف) ان تمام عبارتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورتوں کو نماز پنج گانہ، عیدین اور جمعہ کی جماعتوں میں جانا مکروہ تحریمی ہے اور گھروں سے ان کے نکلنے ہی میں فتنہ ہے، اور یہ ممانعت حضرت عمر، حضرت عائشہ، عروہ بن زبیر، قاسم، یحییٰ

بن سعد انصاری، امام مالک اور ابو یوسف (رضی اللہ عنہم) وغیرہم سے منقول ہے، اور ائمۂ حنفیہ کا بالاتفاق یہی مذہب ہے جیسا کہ عینی اور بدائع کی عبارت سے واضح ہے۔

باوجود یہ کہ نماز پنج گانہ اور عیدین اور جمعہ کی جماعتوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عورتیں جاتیں اور شریک ہوتی تھیں، اور یہ جماعتیں فرائض کی جماعتیں ہیں، اور شعار اسلام میں سے ہیں مگر اختلاف زمانہ اور تغیر حالات کی وجہ سے صحابۂ کرام اور ائمۂ عظام نے عورتوں کو ان جماعتوں سے روک دیا اور ائمۂ حنفیہ نے بالاتفاق عورتوں کو جماعت میں جانے کو مکروہ فرمادیا، تو اس سے ہر سمجھ دار شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب فرائض کی جماعتوں کا یہ حکم ہے تو وعظ کی مجلسوں میں جانا عورتوں کو کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا، اول تو آج کل وعظ کی اکثر مجلسیں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ عورتیں تو عورتیں مردوں کو بھی ان میں جانا جائز نہیں، اس وجہ سے کہ اکثر واعظ نام کے مولوی ہوتے ہیں، دو چار اردو کے قصے کہانیوں کی کتابیں دیکھی اور واعظ بن گئے، پھر ان کے وعظ میں سوائے قصے کہانیوں، جھوٹیں سچی روایتوں، من گھڑت باتوں کے اور کیا ہوگا؟ سو ایسے وعظ میں کسی کو بھی جانا جائز نہیں اور بعض واعظ مولوی بھی ہیں؛ لیکن چوں کہ وعظ سے ان کا مقصود دنیا کمانا ہے اور عوام کو خوش کرنا اور اپنا معتقد بنانا؛ اس لیے وہ بھی عام پسند باتوں کے بیان کرنے میں ہی اپنا فائدہ سمجھتے ہیں، اور عوام کو خوش کرنے کے لیے صرف قصے کہانیوں پر وعظ کو ختم کردیتے ہیں، مجلس وعظ کی گرمی کے لیے اولیاء کرام کے کچھ فرضی واقعات سنادیے، کچھ بے سند موضوع روایات بیان کردیں اور اپنا الو سیدھا کرلیا ایسے مولویوں کے وعظ میں بھی جانا مفید نہیں، اور کسی مرد عورت کو ان کے وعظ میں جانا جائز نہیں۔

رہے وہ صرف معدودے چند علماء جو فی الواقع عالم بھی ہیں اور وعظ سے ان کا مقصود بھی تعلیمِ دین اور تبلیغ مذہب اور اشاعت اسلام ہے، دنیا طلبی انہیں مقصود نہیں، ان کا وعظ رطب و یابس قصوں، جھوٹی سچی روایتوں سے خالی اور پاک ہوتا ہے تو ایسے وعظ میں صرف مردوں کو حاضر ہونا جائز ہے عورتوں کو نہیں، کیوں کہ جب فرائض کی جماعتوں میں عورتوں کا جانا مکروہ اور ناجائز ہے تو مجلس وعظ میں جانا بدرجۂ اولی مکروہ اور ناجائز ہوگا؛ چناں چہ فقہائے کرام نے اس کی تصریح فرمادی ہے، اور متعدد معتبر فتاویٰ فقہاء حنفیہ میں یہ مضمون بصراحت موجود ہے جو ناظرین کے اطمینان کے لیے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

ولا یحضرن الجماعات لقوله تعالیٰ: ﴿وقرن فی بیوتکن﴾ وقال ﷺ: صلاتها فی قعر بیتها افضل من صلاتها من دارها، وصلاتها فی صحن دارها افضل من صلاتها فی مسجدها، و بیوتهن خیر لهن الی قوله قال المصنف فی الکافی: والفتویٰ الیوم علی الکراهة فی الصلاة کلها لظهور الفساد ومتی کره حضور المسجد للصلاة فلأن یکره حضور مجالس الوعظ خصوصا عند هؤلاء الجهال الذین تحلوا بحلیة العلماء أولی ذکره فخر الاسلام. (البحر الرائق ۱/ ۳۸۰)

ترجمہ: اور عورتیں جماعتوں میں نہ جائیں بوجہ ارشاد باری تعالیٰ ﴿وقرن فی بیوتکن﴾ کے، اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورت کی نماز کوٹھڑی کے اندر اس نماز سے اچھی ہے جو گھر کے صحن میں ہو، اور صحن کی نماز اس نماز سے اچھی ہے جو مسجد میں ہو، اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہے الی قولہ مصنف یعنی صاحب کنز الدقائق نے ''کافی'' میں فرمایا کہ آج کل فتویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں جانا

مکروہ ہے بوجہ ظہورِ فساد کے، اور جب کہ مسجد میں نماز کے لیے جانا مکروہ ہوا تو وعظ کی مجلسوں میں جانا اور بالخصوص ان جاہل واعظوں کی مجلسوں میں جنھوں نے علماء کی سی صورتیں بنا رکھی ہیں بدرجۂ اولیٰ مکروہ ہے، یہ فخر الاسلام نے ذکر کیا ہے۔ انتہیٰ۔

اور علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ ''شرح کنز'' میں تحریر فرماتے ہیں: ولا یحضرن ای النساء سواء کن شواب او عجائز الجماعات لظهور الفساد، وعند ابی حنیفة للعجوز ان تخرج فی الفجر والمغرب والعشاء، وعندهما فی الکل، وبه قالت الثلاثة، والفتویٰ علی المنع فی الکل، فلذلك أطلق المصنف ویدخل فی قوله الجماعات الجمعة و الاعیاد والاستسقاء ومجالس الوعظ ولا سیما عند الجهال الذین تحلوا بحلیة العلماء وقصدهم الشهوات وتحصیل الدنیا. (عینی شرح کنز:۳۹)

ترجمہ: یعنی عورتیں خواہ جوان ہوں یا بوڑھیاں جماعتوں میں نہ جائیں کیوں کہ ظہورِ فساد کا زمانہ ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بوڑھیوں کے لیے فجر اور مغرب اور عشاء میں جانے کی اجازت مروی ہے، اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہ سے تمام نمازوں میں جانے کی، اور اسی کے ائمۂ ثلاثہ قائل ہیں، اور آج کل فتویٰ اس پر ہے کہ تمام نمازوں میں جانا جوان عورتوں اور بوڑھیوں دونوں کو منع ہے، اور مصنف کے قول الجماعات میں جمعہ اور عیدین اور استسقاء اور وعظ کی مجلسیں بھی داخل ہیں بالخصوص ان جاہل واعظوں کی مجلسیں جو علماء جیسی صورتیں بنا لیتے ہیں اور مقصود ان کا خواہشات نفسانی کو پورا کرنا اور دنیا کمانا ہے۔

اور ''الدر المختار'' میں ہے: (ویکره حضورهن الجماعة) ولو لجمعة وعید ووعظ (مطلقا) ولو عجوزا لیلا (علی المذهب) المفتی به لفساد

الزمان. (فی التنویر وشرحہ۲/۳۰۷)

یعنی عورتوں کا جماعت میں جانا خواہ جماعت جمعہ کی ہو یا عید کی یا وعظ کی مکروہ ہے خواہ جانے والی بوڑھی عورت ہو یا رات کو جائے مذہبِ مفتی بہ کی بنا پر اور یہ حکم بوجہ ظہور فسادِ زمانہ کے ہے۔ انتہیٰ۔

(من المؤلف) بحر الرائق، عینی شرح کنز الدقائق اور درالمختار کی عبارتوں سے صراحۃً یہ بات ثابت ہوگئی کہ عورتوں کو مجالس وعظ میں جانا مکروہ اور ناجائز ہے، اور بالخصوص ایسے واعظوں کی مجلسوں میں جن کا مقصود دنیا کمانا ہے یعنی اگر واعظ جاہل یا دنیا کمانے والا ہو تو اس کی مجلس میں تو قطعاً ناجائز ہے، اس میں تو کلام ہی نہیں، عالموں اور اچھے واعظوں کی مجلس وعظ میں جانا بھی فسادِ زمانہ کی وجہ سے مکروہ اور ناجائز ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ''مرقات شرح مشکوۃ'' میں تحریر فرماتے ہیں: ویمکن حمل النھی علی عجائز متطیبات او متزینات او علی شواب و لو فی ثیاب بذلتھن لوجود الفتنۃ فی خروجھن علی قیاس کراھۃ خروجھن الی المساجد. (مرقات۱/۴۷۰)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں کو زیارت قبور سے جو منع فرمایا ہے تو اس ممانعت کو ان بوڑھیوں پر جو خوشبو لگا کر نکلیں یا زینت کر کے نکلیں، یا جوان عورتوں پر خواہ وہ معمولی لباس میں نکلیں محمول کر سکتے ہیں کیوں کہ ان کے گھر سے نکلنے میں ہی فتنہ ہے، اور یہ ممانعت ان کے مسجدوں میں جانے کی کراہت پر قیاس کی جاتی ہے۔ انتہیٰ۔

(من المؤلف) اس عبارت سے اور اسی طرح پہلی عبارتوں سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوگئی کہ عورتوں کا گھر میں سے نکلنا اور جماعتوں میں شریک ہونا

موجبِ فتنہ ہے اور ممانعت کا حکم اس فتنہ سے بچنے کے لیے ہے، زیارت قبور، جمعہ، عیدین، وعظ، استسقاء سب اسی حکم میں داخل ہیں، اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جوان عورتیں خواہ بناؤ سنگار کر کے نکلیں یا معمولی حالت میں؛ بہر حال ان کا نکلنا ناجائز ہے، اور اگرچہ بعض روایتوں سے بوڑھیوں کے لیے نماز فجر ومغرب وعشاء میں جانا بشرطیکہ زینت اور بناؤ سنگار کر کے نہ جائیں جائز معلوم ہوتا ہے؛ لیکن قول مفتی بہ یہ ہے کہ بوڑھیوں کو جانا بھی جائز نہیں جیسا کہ علامہ عینی کی ''شرح کنز'' میں اور ''درالمختار'' کی عبارت سے بصراحت ثابت ہوتا ہے، اور جب کہ ان عوارض کا لحاظ کیا جائے جو سوال میں مذکور ہیں کہ مجلس وعظ میں خوش الحانی سے اشعار پڑھے جاتے ہیں اور مضامین عشقیہ کے اشعار سنائے جاتے ہیں تو ایسے وعظ میں عورتوں کے جانے کا حکم ایسا نہیں ہے جس میں کسی ذی علم کو کچھ بھی تردد اور تامل ہو سکے۔

عن انس رضی الله عنه قال: كان للنبي ﷺ حاد يقال له: انجشة وكان حسن الصوت، فقال له النبي ﷺ: رويدك يا انجشة! لا تكسر القوارير، قال قتادة: يعني ضعفة النساء. متفق عليه.(مشكوٰة:٤١٠)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حُدی خواں تھا اس کا نام انجشہ تھا، اور وہ خوش آواز تھا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے انجشہ! ٹھیرو کہیں شیشیاں نہ توڑ دینا، قتادہ فرماتے ہیں: شیشیوں سے آپ کی مراد عورتیں ہیں۔ انتہیٰ۔

اس پر مولانا شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: أمر رسول الله ﷺ انجشة أن يغض من صوته الحسن وخاف الفتنة عليهن من

حُداه لأن يقع من قلوبهن موقعا لضعف عزائمهن سرعة تأثرهن.
(لمعات كذا فی حاشية المشكوٰة)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے انجشہ کو حکم فرمایا کہ اپنی آواز کو پست کردے، اور آپ ﷺ کو خوف ہوا کہ کہیں یہ عورتوں کے دلوں میں کھُب نہ جاوے اور فتنہ واقع ہو کیوں کہ عورتوں کا استقلال کمزور ہوتا ہے اور ان کے دلوں میں ایسی باتوں کا اثر بہت جلد ہوتا ہے۔

(من المؤلف) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے ایک خوش آواز شخص کو زور سے شعر پڑھنے سے صرف اس لیے منع فرمادیا کہ عورتیں ساتھ تھیں، اور اندیشہ تھا کہ اس کی خوش آوازی کی وجہ سے عورتوں کے دلوں میں کسی قسم کی بدخیالی پیدا ہوجائے اور اس کی خوش آوازی سے متأثر ہوکر فتنہ میں پڑ جائیں۔

پس جب کہ آپ ﷺ کو اپنے زمانے کی عورتوں پر جو ہر طرح آں حضرت ﷺ کے فیض سے مشرف تھیں، یہ اندیشہ ہوا کہ خوش آوازی سے وہ بگڑ نہ جائیں تو پھر آج کل کی عورتوں کا کیا ٹھکانہ ہے، پس جس طرح مردوں کے لیے غیر محرم کا گانا سننا حرام ہے، اسی طرح عورتوں کو مردوں کا گانا سننا حرام ہے، اور کسی طرح عورتوں کو ایسے وعظ میں جانا جائز نہیں جہاں خوش آوازی سے اشعار پڑھے جاتے ہوں اور گایا جاتا ہو۔

رہا یہ امر کہ مجالس وعظ میں اگر عورتوں کے لیے کسی خاص طرف ــــ پردے کا انتظام کردیا جائے تو پھر عورتوں کو وعظ میں جانا جائز ہے یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا ہی مکروہ ہے، اور اس نکلنے میں ہی چوں کہ فتنے کا احتمال ہے؛ اس لیے اکثر فقہاء نے خروج کو ہی ناجائز قرار دیا ہے کیوں کہ جب عورتوں کے

لیے جماعت نماز یا وعظ وغیرہ کے لیے گھر سے نکلنے کی اجازت ہو جائے، اور وہ نکلنے لگیں تو اب ہر وقت اس کی تحقیقات کرنا بہت مشکل ہے کہ آیا وہ مسجد میں ہی گئی اور وعظ میں ہی حاضر ہوئی یا اور کہیں چلی گئی، اور گھر آ کر نماز یا وعظ کا بہانہ کر دیا، نیز فقہاء کا یہ حکم کہ عورتوں کو جماعات نماز و وعظ و جمعہ وعیدین میں جانا ناجائز ہے کیوں کہ یہ باعث فساد ہے صراحۃً ان روایات سے معلوم ہو چکا جو اوپر لکھی گئی ہیں، اب غور طلب امر یہ ہے کہ اسباب فتنہ کیا ہیں؟

(۱) عورت گھر سے نماز یا وعظ کے بہانے سے نکلے اور اپنی خباثت نفسانی سے کسی اور جگہ چلی جائے اور گھر والے یہ سمجھیں کہ نماز و وعظ میں گئی ہے۔

(۲) جماعت نماز و مجلس وعظ میں جا کر مردوں کی نظریں اس پر پڑیں گی اور اس لیے اندیشہ ہے کہ کسی غیر مرد کا کسی عورت سے ناجائز تعلق نہ ہو جائے۔

(۳) عورت کی نظر غیر مردوں پر پڑے گی اور اس لیے احتمال ہے کہ عورت کا کسی غیر مرد پر دل آ جائے اور نتیجہ برا ہو۔

یہ تین احتمال ہیں، ان میں سے پہلا احتمال تو اس طرح رفع نہیں ہو سکتا کہ مجلس وعظ میں ان کے لیے پردے کا انتظام کر دیا جائے کیوں کہ فتنہ کا احتمال تو نفس خروج عن الدار کو لازم ہے۔۔۔ بلکہ اس کا علاج اگر ہے تو یہ ہے کہ عورت کے گھر سے نکلنے کے وقت سے اس کی واپسی تک کوئی معتبر شخص جو اس کی حرکات و سکنات کو دیکھتا رہے اس کے ساتھ رہے، اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی نہیں کرتا اور نہ اس قدر نگہداشت ان تمام عورتوں کی ہو سکتی ہے جو بصورت نماز یا وعظ میں جانے لگیں گی، اور یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے عورتوں کو جانے ہی سے منع کیا ان کی نظر زیادہ تر اسی احتمال پر تھی اور عورتوں

کے حالات بھی اس کے مقتضی ہیں، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے یہ الفاظ "ماا حدث النساء" بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کیوں کہ انھوں نے بدنیتی پیدا کرنے اور ٹٹی کی اوٹ شکار کھیلنے کی نسبت عورتوں کی جانب کی ہے، اور روایت "یتخذنه دغلا" کا مفہوم بھی یہی ہے یعنی اگر عورتوں کو اجازت خروج عن الدار کی دے دی جائے گی تو وہ اسے اچھا خاصہ بہانہ بنالیں گی اور اس کی آڑ میں اپنی خواہشیں پوری کریں گی، ورنہ اگر اس احتمال کی رعایت فقہاء کو مدِ نظر نہ ہوتی تو یہ بات آسان بھی تھی کہ مساجد میں عورتوں کی نماز کے لیے پردے کی جگہ بنادی جاتی اور عورتوں کو جماعت میں شرکت اور وعظ کی مجلس میں حاضری سے فقہاء منع نہ کرتے؛ لیکن کسی فقیہ نے کسی کتاب میں یہ ترکیب نہیں لکھی کہ مسجد میں عورتوں کے لیے ایک پردے کی جگہ بنادو اور ان کو جماعت میں آنے دو، اس سے صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے نفس خروج کو موجب فساد سمجھ کر گھر سے نکلنے کو ہی منع فرمادیا اور اسی وجہ سے اکثر فقہاء کی عبارت میں اس مقام پر خروج کے ہی لفظوں سے اس مسئلہ کو ذکر بھی کیا گیا ہے۔

نیز مندرجۂ ذیل حدیث سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔

عن ابن مسعود رضی الله عنه عن النبي ﷺ قال: المرأة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان.(رواه الترمذی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت سرتاپا پردہ کی چیز ہے، جہاں وہ گھر سے نکلی اور شیطان اس کی تاک میں لگا۔ انتہیٰ۔

یہاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے گھر سے نکلنے ہی کو محل فتنہ قرار دیا، اور فرمایا کہ شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے کہ خود اسے بہکا کر کسی نامناسب جگہ لے

جائے یا کسی مرد کو بہکا کر اس عورت کی طرف لے آئے اور فتنہ برپا کر دے، اور اس روایت پر مکرر نظر ڈالیے جو بحر الرائق کی عبارت میں ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کی اس نماز کو جو کوٹھری کے اندر پڑھے صحن کی نماز سے بہتر، اور اس نماز کو جو صحن مکان میں پڑھے مسجد کی نماز سے بہتر فرمایا ہے یہ کیوں؟ صرف اس لیے کہ عورت اپنے مکان اور اپنے حیزِ استتار واطمینان سے جس قدر دور ہوتی جائے گی اسی قدر احتمال فتنہ قوی ہوتا جائے گا، اسی لیے اخیر میں احتمال آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "وبیوتھن خیر لھن" فرمادیا یعنی ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہے، پس ثابت ہو گیا کہ عورتوں کا گھر سے نکلنا ہی محلِ فتنہ ہے؛ اس لیے مجلسِ وعظ میں پردے کی جگہ مقرر کرنا کچھ مفید نہیں، اور نہ اس کا جواز پر کچھ اثر ہے ورنہ لازم ہے کہ مساجد میں پردہ کی جگہ مقرر کر کے ان کو نمازوں میں حاضر ہونے اور جماعت میں شریک ہونے کی اجازت بھی دے دی جائے اور یہ کسی کتاب سے ثابت نہیں۔

اب دوسرے احتمال پر نظر ڈالیے کہ غیر مردوں کی نظریں عورتوں پر پڑیں گی سو اگرچہ بظاہر یہ وہم ہوسکتا ہے کہ مجلسِ وعظ میں پردے کا انتظام کر دینے کی صورت میں یہ احتمال مرتفع ہو جاتا ہے؛ لیکن حقیقت شناس خوب جانتے ہیں کہ مجلسِ وعظ کا پردہ اس احتمال کو بھی رفع نہیں کر سکتا، اکثر ایسی بے احتیاطیاں عمل میں آتی ہیں کہ غیر مردوں کی نظر عورتوں پر پڑ جاتی ہیں، اور ایسے مجمعوں میں شریک ہونے والے حضرات اس کی تصدیق کرتے ہیں، اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ مجلس وعظ کا پردہ عورتوں پر غیر مردوں کی نظر پڑنے سے مانع ہوتا ہے تاہم تیسرا احتمال کہ عورتوں کی نظر مردوں پر پڑے اس پردے سے کسی طرح مرتفع نہیں ہوتا، عورتیں پردے میں سے تمام مجلس کے لوگوں کو

جھانکتی تاکتی ہیں، اور آج کل کی عورتوں میں یہ مرض ایسا عام ہے کہ شاید دو چار فیصد عورتیں ہی اس سے مستثنیٰ ہوں تو ہوں ورنہ اتنی بھی نہیں، پس یہ احتمال فتنہ اس پردے سے جو مجلسِ وعظ میں عورتوں کے لیے کیا جاتا ہے کسی طرح مرتفع نہیں ہوتا بلکہ حقیقت پوچھیے تو یہ پردہ کرنا اصل میں عورتوں کو غیر مردوں کے تاکنے جھانکنے کا موقع دینا ہے، اس بات سے کوئی شخص واقف کار بروئے ایمان وانصاف انکار نہیں کرسکتا، اور یاد رہے کہ جس طرح مردوں کو غیر عورتوں پر نظر ڈالنا حرام ہے اسی طرح عورتوں کو غیر مردوں کا دیکھنا حرام ہے، اس کے لیے حدیث ذیل ملاحظہ ہو:

عن ام سلمة رضی الله عنها أنها كانت عند رسول الله ﷺ وميمونة اذاقبل ابن ام مكتوم فدخل عليه فقال رسول الله ﷺ احتجبا منه، فقلت: يا رسول الله! اليس هو اعمى لا يبصرنا، فقال رسول الله ﷺ: افعميا وان أنتما ألستما تبصرانه. (رواه احمد والترمذی وابوداؤد كذافی المشكوٰة)

ترجمہ: ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میمونہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا دونوں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھیں کہ عبداللہ بن ام مکتوم نے جو نابینا تھے آنے کا ارادہ کیا، آپ نے ان دونوں بیبیوں سے فرمایا کہ پردہ کرو! ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو نابینا ہیں ہمیں نہیں دیکھیں گے، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں تو نابینا نہیں ہو تم تو انھیں دیکھو گی۔

اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہو گیا کہ عورت کو بھی غیر مرد پر نظر ڈالنا حرام ہے، جب ہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں بیبیوں کو پردہ کرنے کا حکم دیا۔

وكان اصحاب النبی ﷺ يَسُدُّون الثقب والكوى فی الحيطان

لئلا تطلع النساء على الرجال ورأى معاذ امرأته تطلع فى كوة فضربها فينبغى للرجل ان يفعل كذلك ويمنع امرأته عن مثل ذلك.(مجالس ابرار: ٥٦٣)

اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کا یہ طریقہ تھا کہ دیواروں کے سوراخ بند کردیا کرتے تھے تاکہ عورتیں مردوں کو نہ جھانکیں اور حضرت معاذ ﷺ نے اپنی بیوی کو دیکھا کہ ایک جھروکے سے جھانک رہی تھی تو ان کو مارا، پس مردوں کو چاہیے کہ ایسا ہی کریں اور اپنی بی بی کو ایسی باتوں سے روکیں۔

پس واضح طور سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ مجلس وعظ کا پردہ کچھ مفید نہیں، اور اس برائے نام رسمی پردے سے فتنہ کے احتمال مرتفع نہیں ہوتے بالخصوص احتمال نمبر ۱ ر ایک کے رفع کرنے میں تو اس کو کچھ دخل نہیں حالاں کہ اصل الاصول وہی ہے، اور احتمال نمبر ۲ ر بھی بنظر بے احتیاطی اس پردے سے مرتفع نہیں ہوتا، اور احتمال سوم عورتوں کے حالات اور عادات کو دیکھتے ہوئے قطعاً اس پردے سے مرتفع نہیں ہوتا، پس اب ناظرین خود ہی انصاف کرلیں کہ اس پردے کا جواز پر کیا اثر ہوسکتا ہے؟

(کفایت المفتی ۵/۳۹۱تا۴۰۱)

حضرت مفتی اعظم نور اللہ مرقدہ کے مندرجۂ بالا مضمون میں آپ کے سوال میں اٹھائے گئے تمام نکات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا، اس کے بعد بھی اگر یہ لوگ تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر یا مکتب کے سالانہ انعامی اجلاس کے موقع پر یا کسی عالم کے وعظ و بیان کے موقع پر عورتوں کو مساجد میں بلانے پر اصرار کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان حضرات کو قرآن وحدیث میں موجود حکم شرعی پر عمل کرنے کے بجائے فتنہ انگیزی میں زیادہ دل چسپی ہے، ویسے بھی اس پُرفتن زمانے میں عورتوں کی

بے پردگی، بے حیائی اور عریانی کے نتیجہ میں جو خرابیاں معاشرہ میں پھیل چکی ہیں وہ کیا کم ہیں؟ جو دین وایمان کے نام پر ان کو اور زیادہ ان خرابیوں کو پھیلانے کا موقع فراہم کیا جائے۔ فالی اللہ المشتکی. قوم کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور فتنوں کے ان دروازوں کو مزید کھولنے کے بجائے جو کھل چکے ہیں ان کو بند کرنے کی تدابیر اختیار کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ / جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

نماز پنج گانہ اور مجلسِ وعظ وغیرہ میں عورتوں کی شرکت کا حکم

سوال: عورت بغیر محرم کے کہاں تک جاسکتی ہے؟ کتنی کیلومیٹر دور تک جاسکتی ہے؟ ابھی جو اجتماعات محلات میں ہوتے ہیں، تو کیا اپنے ہی محلے میں عورتیں بغیر محرم کے پردہ کی پابندی کے ساتھ جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور جن عورتوں کے نمبرات اجتماعات میں لگتے ہیں، اور بعض دفعہ دور کے محلات میں نمبرات لگتے ہیں، اور دو تین عورتیں ساتھ رہتی ہیں تو کیا یہ عورتیں بغیر محرم کے جاسکتی ہیں یا نہیں؟ ہمارے گھر کے بالکل ہی سامنے روزانہ کی تعلیم ہوتی ہے جس میں حدیث، مسنون دعا، مخرج کی ادائیگی کی مشق کرائی جاتی ہے، تو کیا ہم اپنے کام کاج کو آگے پیچھے کر کے وہاں جاسکتے ہیں یا نہیں؟

میرا سوال یہ ہے کہ میرے گھر میں میرے سسر محلے کے اجتماعات اور روزانہ کی تعلیم کے لیے منع کرتے ہیں، اور میرے شوہر کی اجازت ہے۔ مجھے کس کی اطاعت کرنی چاہیے؟ سسر کے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ، وہ یہ کہتے ہیں کہ: عورت بغیر محرم

کے ایک محلے سے دوسرے محلے میں بھی نہیں جاسکتی۔اب آپ اس کا تفصیلی جواب دیجئے کہ جو عورتیں دین کا کام کررہی ہیں، اور جو اس میں جاتی ہیں، اور جو محلات میں اجتماعات ہوتے ہیں، تو وہ ہونا چاہیے یا نہیں؟ اور ہم جو حج کے لیے مکہ شریف جاتے ہیں، تو کیا طواف بغیر محرم کے کرسکتے ہیں؟ اور کیا مسجد حرام میں بغیر محرم کے ہر نماز کے وقت جاسکتے ہیں، اور اسی طرح مدینہ منورہ میں بھی کرسکتے ہیں؟ اور مسجد نبوی میں تو عورتوں کا الگ مقام ہے، تو کیا اگر مسجد نبوی کے دروازے پر ہمیں محرم چھوڑ دے اور پھر وقت مقررہ پر لینے بھی آئے، تو کیا ہم مسجد نبوی میں جاسکتے ہیں، یا پھر گھر میں ہی صلوۃ وسلام پڑھے؟ اور جیٹھ کا لڑکا محرم ہے یا نہیں؟ اور عورت پردہ کی پابندی کے ساتھ اور محرم کے ساتھ اپنے ہی شہر میں یا دوسرے شہر میں گھومنے کی غرض سے جاسکتی ہے یا نہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورتوں کو فقہائے حنفیہ نے نماز کی جماعتوں اور عیدین اور مجالس وعظ میں جانے سے منع کیا ہے، اور کتبِ فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ عورتوں کے لیے مجالس وعظ اور جماعت نماز اور عیدین میں جانا مکروہ تحریمی ہے، جو حرام کے قریب ہے، اور اس حکم فقہی کی دلیل یہ حدیث ہے جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے۔

عن عائشة رضی الله عنها قالت لو ادرك رسول الله ﷺ ماحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نسآء بنی اسرائيل فقلت لعمر او منعن قالت نعم.(بخاری شریف)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ: اگر عورتوں کی یہ

حرکات جوانہوں نے اب اختیار کی ہیں رسول اللہ ﷺ ملاحظہ فرماتے، تو انہیں مسجدوں میں آنے سے روک دیتے جیسے کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے عمرہ سے پوچھا کہ کہا بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں؟ انھوں نے فرمایا: ہاں۔ انتہیٰ

اس حدیث سے نہایت صاف طور پر یہ بات معلوم ہوگئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی عورتوں کی حالت ایسی ہوگئی تھی کہ ان کا گھروں سے نکلنا اور جماعتوں میں جانا سب فتنہ تھا، اور اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم عورتوں کو جماعت میں آنے سے منع کرتے تھے۔

''بدائع'' میں ہے: لا یباح للشواب منهن الخروج الی الجماعات بدلیل ماروی عن عمر انه نهی الشواب عن الخروج ولان خروجهن إلی الجماعة سبب للفتنة والفتنة حرام وما ادی الی الحرام فهو حرام (بدائع الصنائع ۱/ ۵۷)

یعنی جوان عورتوں کا جماعتوں میں جانا مباح نہیں اس روایت کی دلیل سے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے جوان عورتوں کو نکلنے سے منع فرمادیا تھا، اور اس لیے کہ عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے، اور فتنہ حرام ہے، اور جو چیز فتنہ کی طرف پہنچائے وہ بھی حرام ہوتی ہے۔ انتہیٰ

اور ''فتاوی ہندیہ'' معروف ''فتاوی عالمگیری'' میں ہے: والفتوی الیوم علی الکراهة فی کل الصلوات لظهور الفساد کذا فی الکافی. (فتاوی عالمگیری: ۱ ۹۳) یعنی اس زمانہ میں فتوی اس پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں جانا مکروہ ہے؛ کیوں کہ ظہور فساد کا زمانہ ہے۔

ان تمام عبارتوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عورتوں کو نماز پنجگانہ، عیدین اور جمعہ کی جماعتوں میں جانا مکروہ تحریمی ہے، اور گھروں سے ان کے نکلنے میں ہی فتنہ ہے، اور یہ ممانعت حضرت عمر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرھم سے منقول ہے، اور ائمہ حنفیہ رحمہ اللہ علیہم کا بالاتفاق یہی مذہب ہے، باوجود یہ کہ نماز پنجگانہ اور عیدین اور جمعہ کی جماعتوں میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں جاتی اور شریک ہوتی تھیں، اور یہ جماعتیں فرائض کی جماعتیں ہیں، اور شعائر اسلام میں سے ہے؛ مگر اختلافِ زمانہ اور تغیرِ حالات کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ عظام رحمہ اللہ علیہم نے عورتوں کو ان جماعتوں سے روک دیا، اور ائمہ حنفیہ رحمہ اللہ علیہم نے بالاتفاق عورتوں کے جماعت میں جانے کو مکروہ فرمادیا، تو اس سے ہر سمجھ دار شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ جب فرائض کی جماعتوں کا یہ حکم ہے تو وعظ کی مجلسوں میں جانا عورتوں کو کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا؛ چناں چہ فقہائے کرام رحمہ اللہ علیہم نے اس کی تصریح فرمادی ہے۔ البحر الرائق میں ہے: والفتوى اليوم على الكراهة فى الصلاة كلها لظهور الفساد ومتى كره حضور المسجد للصلوة فلأن يكره حضور مجالس الوعظ اولىٰ ذكره فخر الاسلام (البحر الرائق: ۱/۳۸۰) یعنی آج کل فتوی اس پر ہے کہ عورتوں کا تمام نمازوں میں جانا مکروہ بوجہ ظہور فساد کے اور جب کہ مسجد میں نماز کے لیے جانا مکروہ ہے تو وعظ کی مجلسوں میں جانا بدرجۂ اولیٰ مکروہ ہے، یہ فخر الاسلام نے ذکر کیا۔ اور علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ شرح کنز میں تحریر فرماتے ہیں: فالفتوى اليوم على المنع فى الكل و يدخل فى قوله الجماعات الجمع والاعياد والاستسقاء ومجالس الوعظ. (عينى شرح كنز ۳۹) یعنی آج کل فتویٰ اس پر ہے کہ تمام نمازوں (کی جماعتوں) میں جانا جوان عورتوں اور بوڑھیوں

دونوں کو منع ہے، اور مصنف کے قول الجماعات میں جمعہ اور عیدین اور استسقاء اور وعظ کی مجلسیں بھی داخل ہیں۔ اور درمختار میں ہے: ویکرہ حضور ھن الجماعۃ ولو لجمعۃ وعید ووعظ مطلقاً ولو عجوزاً لیلاً علی المذھب المفتی بہ لفساد الزمان. (درمختار) یعنی عورتوں کا جماعت میں جانا خواہ جماعت جمعہ کی ہو یا عید کی یا وعظ کی مکروہ ہے، اور خواہ جانے والی بوڑھی عورت ہو اور رات کو جائے مذہبِ مفتی بہ کی بنا پر، اور یہ حکم بوجہِ ظہورِ فسادِ زمانہ کے ہے۔

''البحر الرائق''، ''عینی شرح کنز الدقائق'' اور ''درمختار'' کی عبارتوں سے صراحۃً یہ بات ثابت ہوگئی کہ عورتوں کو مجالس وعظ میں جانا مکروہ اور ناجائز ہے۔ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب عورتوں کو مجالس وعظ میں جانا ناجائز ہے تو ان کے لیے وعظ و پند کا دروازہ بھی بند ہو گیا، تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ: نہیں، وعظ و پند کا دروازہ اب بھی مفتوح ہے، بند نہیں ہوا؛ لیکن شرط یہ ہے کہ شرعی طریقہ سے وہ اس پر کار بند ہو، اور وہ طریقہ یہ ہے کہ گھروں میں واعظ عالم مفتی کو بلا کر وعظ سن لیا کریں؛ مگر اس میں یہ شرط لازمی ہے کہ عورتیں صرف اسی گھر کی ہوں یا اس کے آس پاس اتنے قریب مکانوں کی ہو کہ ان کا مکان وعظ میں آنا گویا خروج عن المکان ہی نہ ہو۔ (کفایت المفتی ۵/۳۹۱ تا ۴۰۶ ملخصاً)

تفصیل بالا سے یہ بات سمجھ میں آچکی ہوگی کہ اگر اجتماع اپنے ہی گھر یا اپنی بلڈنگ یا اپنے ہی محلہ میں ہے تو پردہ کے مکمل اہتمام کے ساتھ جاسکتی ہے؛ ورنہ نہیں، محلہ میں ہونے والے اجتماعات میں اسی محلہ کی عورتیں آتی ہیں تو حرج نہیں ہے۔

''عورتوں کے لیے ایسے ہجوم کے وقت طواف کرنا جائز نہیں جس میں مردوں کے ساتھ جسم لگنے کا اندیشہ ہو، دوسرے اوقات میں بھی مردوں سے باہر کی طرف

مطاف کے کنارے کے قریب طواف کریں، عورتوں کے لیے مسجد نبوی اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے اپنے مکان میں پڑھنا زیادہ ثواب ہے۔ (احسن الفتاوی ۴/ ۵۶۷)

جیٹھ، دیور اور ان کے لڑکے محرم نہیں ہیں، اپنے خاوند کے یا کسی محرم کے ساتھ عورت بہ غرض سیر برقع کے ساتھ باہر جاسکتی ہے۔ (کفایت المفتی ۵/ ۴۳۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عورتوں کے لیے اصلاحی وانعامی اجلاس منعقد کرنا

سوال: خدمتِ عالیہ میں یہ ہے کہ دینی اصلاحی اور تبلیغی لائن سے دنیا بھر میں کام ہو رہا ہے، مردوں کے ساتھ مستورات بھی اپنے محرموں کے ساتھ ساتھ آتی ہیں مردوں کا قیام مسجد میں اور مستورات کا کسی کے مکان میں رہتا ہے جہاں فضائل اعمال کی تعلیم اور اصلاحی بیان ہوتا ہے، جماعت میں جڑنے اور اپنی اصلاح کے لیے باہر نکلنے کی ترغیب دی جاتی ہے اسی طرح مستورات میں بھی پروگرام مکان میں ہوتا ہے، مقامی عورتیں شریک ہوتی ہیں بعض خواتین حجاب اور برقعہ میں ہوتی ہیں اور بعض اپنے عام لباس میں سر پر دوپٹہ ڈالے ہوئے، عورتوں کی نظریں راہ گزروں پر قصداً یا غیر ارادی طور پر پڑتی ہوں گی، اسی طرح مردوں کی بھی جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے خیر علماء سے سنا ہے کہ عورتوں کو نماز کے لیے مسجد میں جانے کی اجازت نہیں ہے، سوال دریافت طلب یہ ہے کہ اس قسم کا اصلاحی پروگرام جس میں فضائل اعمال کی تعلیم ہوتی ہو اصلاحی بیان ہوتے ہوں جس میں صرف مستورات ہی بیان کرنے والی ہوں اور

مستورات ہی سننے والی ہوں یہ پروگرام مسجد کے احاطہ میں کسی وسیع کمرے میں یا صحن مسجد میں رکھا جائے تو شرعاً اس کی اجازت ہے؟ اسی طرح مدرسہ کے سالانہ انعامی اجلاس کے موقع پر مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے والی طالبات کو اردو عربی اور انگریزی میں نظمیں، تقریر اور مکالمے یاد کرائے جاتے ہیں ان طالبات کی ہمت افزائی کے لیے اس قسم کا پروگرام احاطۂ مسجد میں کسی وسیع کمرے یا صحن مسجد میں رکھا جائے اور صرف مستورات کو ہی مدعو کیا جائے تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہے؟ امید ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب مرحمت فرما کر ممنون فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: دین سیکھنا مردوں اور عورتوں سب کے ذمہ ضروری ہے، عورت کے لیے اگر ہر مکان میں ان کے شوہر، باپ، بھائی وغیرہ دین سیکھنے کا انتظام کردیں تو پھر کہیں جانے کی ضرورت نہیں؛ لیکن جب اس کا انتظام نہ ہو تو ان کے اجتماع کو منع نہ کیا جائے؛ البتہ اس کا اہتمام کیا جائے کہ پردہ کا پورا انتظام ہو، بلامحرم کے عورتیں سفر نہ کریں، تقریر میں ان کی آواز نامحرموں تک نہ پہنچے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی عورتوں کا اجتماع فرمایا اور اس میں خود تشریف لے جا کر دین سکھایا ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۱۱۶)

البتہ آنے والی عورتوں کو پردہ اور حجاب کی پابندیوں کا لحاظ کرتے ہوئے آنے کی تاکید کی جائے، چناں چہ حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ ایک اور جگہ پر تحریر فرماتے ہیں: شریعت نے عورتوں کو پردہ کی بہت تاکید فرمائی ہے ایک حدیث میں

ارشاد ہے کہ عورت چھپانے کی چیز ہے، جب وہ مکان سے باہر نکلتی ہے تو شیطان جھانکتا ہے، ایک حدیث میں ہے میں نے اپنے بعض مردوں کے حق میں عورتوں سے زیادہ مضر کوئی فتنہ نہیں چھوڑا، ایک حدیث میں ہے کہ جو عورت خوشبو لگا کر مردوں کے قریب سے گزرتی ہے وہ ایسی ہے یعنی بدکاری کی دعوت دینے والی ہے، ایک حدیث میں ہے کہ نظر شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے جو سیدھا دل پر جا کر لگتا ہے؛ اس لیے بلاضرورت عورت کا مکان سے نکلنا منع ہے اگرچہ وہ پردہ کے ساتھ نکلے، ضرورت پر جب کہ بغیر مکان سے نکلے کام نہ چلے تو میلے کچیلے کپڑے پہن کر پردہ کے ساتھ نکلنے کی گنجائش ہے، اس طرح کہ مہکتی خوشبو نہ ہو کوئی چیز جاذب نظر نہ ہو، پھر ضرورت پوری ہونے پر فوراً واپس آجائے، دین سیکھنے اور مسائل معلوم ہونے کا مکان پر اگر انتظام نہ ہو سکے تو دینی ضرورت کے خاطر بھی پردہ کے ساتھ نکل سکتی ہے، ضرورت کی چیز کوئی لانے والا نہ ہو مثلاً پانی وغیرہ تب بھی اس طرح نکل سکتی ہے۔ الحاصل تفریح وسیر کے لیے شہریوں کی ملاقات کے لیے، خوش طبعی کی محفلوں کے لیے، رسمی جلسوں کے لیے نکلنے کی اجازت نہیں، بے پردہ نکلنا تو ہر صورت میں ناجائز ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ۱۷/ ۳۲۷، ۳۲۸)

حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں: نوعمر لڑکیوں کا اسی طرح جلسہ کرنا بظاہر ان کی تعلیمی ترقی اور غیر تعلیم یافتہ مستورات میں تعلیمی ترغیب کا ذریعہ بھی ہے، ان کو معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں مافی الضمیر کے ادا کرنے کا سلیقہ بھی پیدا ہوتا ہے، تقریر کی مشق بھی ہوتی ہے مگر ساتھ ہی اس میں فتنے بھی ہوتے ہیں خاص کر جب مرد بھی لاؤڈ اسپیکر پر ان کی تقریر، مکالمے سنتے ہوں اور دل چسپی لیتے ہوں اور نظمیں

بھی ترنم کے ساتھ پڑھی جاتی ہوں، اگر چھوٹی بچیاں ہوں تو ان میں فتنہ نہیں، بڑی لڑکیوں کا حال دوسرا ہے ان کو اس طرح نہ تعلیم دی جائے، نہ تقریر کرائی جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۴ / ۱۲۲ ملخصا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ / رجب المرجب ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

نوکر سے پردہ

سوال: اگر کسی کے وہاں کوئی نوکر رکھا ہو صرف اس لیے کہ جب بھی چاہے اس سے کام لے سکتے ہیں، تو اس گھر کی عورتیں پردہ رکھیں گی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہر غیر محرم سے پردہ ضروری ہے، چاہے وہ گھر کے کام کاج کے لیے رکھا ہوا نوکر ہی کیوں نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک گھر میں رہنے والے نامحرم رشتے داروں سے پردہ

سوال: چچا، ماموں، پھوپھی یا خالہ کے لڑکے لڑکیوں میں اگر باہم عمروں کا کافی فرق ہو، ایک کی دوسرے کے ہاتھوں میں پرورش ہوئی ہو، خاندان کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہنا پڑتا ہو، اور ایک دوسرے کو دیکھ کر شہوت ابھرنے کا ڈر بھی نہ ہو، یا چچی، ممانی، خالو، پھوپھا یا ایسے سسرالی رشتہ دار ہوں جہاں اندیشۂ شہوت نہ پایا جاتا ہو تو کس طرح کی احتیاط سے شرعی پردے کا مقصد حاصل ہو سکتا ہے؟

دوسرے دیور، بھابھی یا سالی، بہنوئی، نندوئی وغیرہ کے معاملے میں یا دوسرے ایسے رشتوں میں جہاں شر کا بھی خطرہ ہو پردے کا حکمِ شرعی کیا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسی حالت میں عورتوں کو گھر میں احتیاط سے رہنا اور حتی الامکان کھلے منہ سامنے ہونے سے بچنا لازم ہے، امکانی کوشش کرلیں اور مجبوری سے احیاناً سامنا ہوجائے تو صفائی قلب کی حالت میں اس کی معافی کی امید ہوسکتی ہے۔ (کفایت المفتی ۵/۳۹۱)

لیکن صفائی قلب کے نہ ہونے اور شر کا خطرہ ہونے کی صورت میں علیحدہ رہائش کا انتظام ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ

گھر کے ملازم سے بھی پردہ ہے!

سوال: (۱) ایک آدمی نے اپنی بیٹی کو ایک عالم کے نکاح میں دی ہے، نکاح سے قبل اس عالم نے پردہ کی شرط رکھی تھی، ہم نے منظور کیا، عورت نے یہ سمجھا کہ باہر نکلتے وقت پردہ کرنا ہوگا جیسا کہ یہاں کا عرف ہے، نکاح ہوگیا، رخصتی ہوگئی، اب ان کا یہ اصرار ہے کہ گھر میں ملازم مرد سے بھی پردہ کیا جائے، عالم کی والدہ اور بہن کے گھر میں مرد ملازم ہے، اس کو نکالنے کے لیے یہ لوگ تیار نہیں ہیں، عورت کو مجبور کیا جارہا ہے کہ کھانا پکاتے وقت بھی خادم سے پردہ کیا جائے تو کیا مرد عورت کو گھر میں پردہ کے لیے اور کھانا پکاتے وقت مجبور کرسکتا ہے؟ عورت انکار کرتی ہے، شریعت کا اس

میں کیا حکم ہے؟ عورت کو پکاتے وقت پردہ برقع پہننے سے پھوڑے پھنسیاں بھی نکل آتی ہیں، اس لیے مجبوری کا اظہار کرتی ہے۔

(۲) مرد نے اپنا قیام علیحدہ گھر میں کرلیا وہاں عورت خادمہ ہے، کافرہ، کیا ان سے بھی پردہ کرنا ہوگا؟

عورت اپنے میکہ جاتی ہے، وہاں مرد ملازم ہے، شوہر مجبور کرتا ہے کہ وہاں گھر میں بھی پردہ کیا جاوے، میکہ میں خادمہ عورت کا ملنا دشوار ہے، عورت نے مجبوری کا اظہار کیا، اب مرد نے کہا یا تو پردہ کرو ورنہ میرا ساتھ چھوڑ دو، عورت نے کہا کہ میکہ میں احتیاط کروں گی؛ مگر وعدہ نہیں؛ کیوں کہ گھر میں ملازم مرد ہے اور بارہا آمنا سامنا ہوجاتا ہے؛ مگر مرد اس کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں اور طلاق کی تلوار لٹکائے رہتا ہے؛ کیوں کہ کبھی کبھی میکہ میں قیام لمبا کرنا پڑتا ہے بچہ کی ولادت وغیرہ کے وقت، تب یہ مجبوری پیش آجاتی ہے، اب یہ مرد عورت سے کہتا ہے کہ: اپنے والد سے مشورہ کرلو اور دو باتوں میں سے ایک اختیار کرلو، میکہ میں بھی گھر میں بھی: پردہ یا طلاق۔ ایسی مجبوری میں شریعتِ مطہرہ میں کوئی گنجائش ہے یا اس کی کوئی متبادل صورت ہے؟ احناف کے علاوہ شوافع اور حنابلہ اور مالکیہ کیا کہتے ہیں؟

(۳) عورت کی مجبوری کی وجہ سے عذر، دوسری طرف طلاق، ان دونوں میں اشد جرم وگناہ کونسا؟ عورت صوم وصلوۃ کی پابند ہے؛ مگر یہ ایک مسئلہ ہے اس کی وجہ سے طلاق تک نوبت پہنچتی ہے، کیا فقہاء نے کوئی گنجائش نکالی ہے جس کی رو سے یہ نکاح ٹک جائے اور زوجین میں تفریق نہ ہو؟ امید ہے کہ حوالوں کے ساتھ جواب دیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① تا ③ سوائے محارم کے اور رشتہ داروں سے پردہ کرنا ضروری ہے، پردہ سے مراد یہ ہے کہ عورت کا بدن غیر محرم نہ دیکھے۔ دیکھئے: کفایت المفتی ۵ / ۳۸۹۔

پردہ کا یہ حکم شوہر کی شرط پر موقوف نہیں، شوہر نے بوقتِ نکاح پردہ سے رہنے کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو، شریعت کا ایک حکم ہونے کی حیثیت سے عورت کے لیے اس کی پابندی ضروری ہے، اور پردہ والے اس شرعی حکم کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے معروف برقعہ پہننا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ مقصود جیسا کہ اوپر بتلا دیا گیا یہ ہے کہ عورت کا بدن غیر محرم نہ دیکھے، اگر یہ مقصد معروف برقعہ اوڑھے بغیر چادر یا اور کسی کپڑے کے استعمال سے حاصل ہو جاتا ہے تو درست ہے، اس لیے عورت کے لیے ضروری ہے کہ شوہر کے گھر میں رہے یا میکہ میں رہے، ہر حال میں اس حکم شرعی کو پورا کرنے کا اہتمام کرے۔

شوہر کی والدہ اور بہن کے گھر میں مرد ملازم ہے اور اس کو نکالنے کے لیے یہ لوگ تیار نہیں ہیں، اور شوہر بیوی کو مجبور کر رہا ہے کہ کھانا پکاتے وقت بھی خادم سے پردہ کیا جائے تو سوال یہ ہے کہ کیا وہ مرد ملازم کھانا پکاتے وقت بھی باورچی خانہ میں موجود رہتا ہے؟ اگر ایسا ہے، تو اس صورت میں بھی عورت کے لیے ضروری ہے کہ اپنے آپ کو اس کے سامنے بے پردہ نہ کرے؛ البتہ شریعتِ مطہرہ نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ اس کو ایسے مکان میں رکھا جائے جس میں شوہر کے اقارب نہ ہوں، اس لیے اس صورت میں عورت شوہر سے یہ مطالبہ کر سکتی ہے کہ آپ کی والدہ اور بہن کے گھر میں مرد ملازم ہونے کی وجہ سے میں شریعتِ مطہرہ کے پردہ والے حکم کو کما حقہ بجا

نہیں لا پاتی، اس لیے آپ میری رہائش کے لیے الگ مکان کا انتظام کریں، جہاں نہ تو آپ کی والدہ اور بہن ہو اور نہ مرد ملازم، اور ایسا مطالبہ کرنے میں عورت حق بجانب ہوگی۔ (ماخوذ از کفایت المفتی ۵/ ۳۸۹)

پردہ کے سلسلہ میں جو حکم شرعی ہے وہ قرآن وحدیث کے نصوصِ صریحہ سے ثابت ہے، اس کی خلاف ورزی کی شرعاً کوئی گنجائش نہیں، دیگر فقہی مذاہب میں بھی یہی حکم ہے، ہمارا معاشرہ چوں کہ بے پردگی کا عادی ہو چکا ہے اور اسی بے پردگی کے ماحول میں بچیاں پرورش پا کر بڑی ہوتی ہیں، اس لیے ان کو شریعت کے پردہ والے حکموں کے تقاضوں کو پورا کرنا ناممکن یا مشکل معلوم ہوتا ہے، حالاں کہ شریعت کسی ایسی چیز کا حکم نہیں دیتی جس پر عمل ممکن نہ ہو ﴿لا یکلف اللہ نفسا إلا ما وسعها﴾ اس لیے باپ کو چاہیے کہ اپنی بیٹی کو حکمِ شرعی پر عمل کرنے کے لیے آمادہ کرے، اور ساتھ ہی اس کے لیے اس حکمِ شرعی پر عمل کرنے میں آسانی ہو اس کے لیے ممکنہ تدبیر اختیار کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ ذی الحجہ ۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ
الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

عورتوں کی آواز ٹیپ میں سننا

سوال: عورتوں کی آواز ٹیپ میں سننا، چاہے وہ تلاوت قرآن ہو، یا مدح رسول ہو، یا تقاریر ہو اور عورتوں کا آنا مجلس عامہ میں، کیا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ٹیپ میں عورت کی آواز سننا، چاہے تلاوت قرآن پاک ہو یا مدح رسول یا تقریر، ایسا ہی ہے جیسا کہ براہِ راست عورت کی زبان سے سننا، چاہے پردہ کے ساتھ ہو اور یہ جائز نہیں۔ لأنه اسماع صوت المرأة بلا ضرورة شرعية.

(ماخوذ از امداد الفتاویٰ ۴/۲۰۰)

عورتوں کو فقہائے حنفیہ نے نماز کی جماعتوں اور عیدین اور مجالس وعظ میں جانے سے منع کیا ہے، اور کتبِ فقہ میں اس کی تصریح ہے کہ عورتوں کے لیے مجالسِ وعظ اور جماعتِ نماز اور عیدین میں جانا مکروہ تحریمی ہے، جو حرام کے قریب ہے۔ (کفایت المفتی ۵/۹۱ ۳ واتفصیل فیہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

منسوبہ لڑکی سے خط وکتابت

سوال: ایک لڑکے کی نسبت ایک لڑکی کے ساتھ طے ہو چکی ہے، لڑکا اس نسبت کے ہو جانے کے بعد تحصیلِ علم کے لیے بیرونِ ملک چلا گیا، فراغت کے بعد شادی کا ارادہ ہے، شادی سے پہلے تحصیلِ علم کے دوران اس لڑکی سے خط وکتابت جائز ہے یا نہیں؟ اس کے خطوط زیادہ تر پند ونصائح پر مشتمل ہوتے ہیں، خط نہ لکھنے کی صورت میں لڑکی کی طرف سے نسبت ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے، کیا اس نسبت کو باقی رکھنے کے لیے خط وکتابت جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نسبت طے ہو چکنے کے بعد بھی جب تک نکاح نہیں ہوا ہے وہ لڑکی اس لڑکے

کے حق میں اجنبیہ ہے، اور جو حکم اجنبیہ کا ہے وہی اس لڑکی پر بھی جاری ہوگا، خط وکتابت چاہے پند ونصائح پر مشتمل ہو فتنہ اور استلذاذ سے خالی نہیں ہے، اور حضرات فقہاء رحمۃ اللہ علیہ نے مرد کے حق میں عورت (اجنبیہ) کے جھوٹے کو اور عورت کے حق میں مرد کے جھوٹے کو مکروہ لکھا ہے۔

درمختار میں ہے: یکرہ للمرأۃ سؤر الرجل وسؤرھا لہ. (در علی ھامش الرد ۳۰۲/۱) اَوَ امرأۃ؟ نعم، یکرہ سؤر ھا للرجل کعکسہ للا ستلذاذ، واستعمال ریق الغیر وھو لا یجوز، مجتبیٰ.(در علی ھامش الرد ۱۶۳/۱)

(قولہ نعم یکرہ سؤرھا الخ) ای فی الشرب لا فی الطھارۃ، بحر. قال الرملی: ویجب تقییدہ بغیر الزوجۃ والمحارم.(شامی ۱۶۳/۱)

مخطوبہ کو دیکھنے کی شریعت نے جو اجازت دی ہے، وہ بھی ضرورت کی وجہ سے خلافِ قیاس ہے، جو اپنی حد تک محدود رہے گی، اسی لیے اگر ایک مرتبہ دیکھ چکا ہے تو دوسری مرتبہ حرام ہے۔

وتقیید الاستثناء بماکان لحاجۃ انہ لو اکتفی بالنظر إلیھا بمرۃ حرم الزائد؛ لانہ ابیح لضرورۃ فیتقید بھا.(شامی ۲۶۲/۵)

سوال میں مذکور اندیشہ کی وجہ سے ممنوع شرعی کا ارتکاب جائز قرار نہیں دیا جاسکتا، اس کا آسان علاج یہ ہے کہ عقدِ نکاح کرلیا جائے چاہے رخصتی نہ ہو، اس صورت میں اختیار بھی لڑکے کے ہاتھ میں رہے گا، اور خط وکتابت بھی جائز؛ بلکہ مستحسن ہوجاوے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بقیۃ باب الحجاب

بے پردہ عورتیں کیا زانیہ کے مانند ہیں؟

سوال: گاؤں کی مسجد کا امام اپنی دینی تقریر کے درمیان پردہ کا حکم ذکر کرتے ہوئے کہے کہ جو عورتیں بے پردہ بازاروں میں نکلتی ہیں وہ ویشیاں (رنڈیاں) ہیں، اور ان کے گھر کے لوگ کافر ہیں، کیا یہ الزام کسی حدیث یا فتویٰ سے ثابت ہے؟ کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خلفاء راشدین، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمۂ اربعہ رحمۃ اللہ علیہ نے بے پردہ عورتوں کے لیے کبھی ایسی ذلیل مثال دی تھی، اگر یہ مثال جو امام کی من گھڑت اور بے بنیاد ہے، تو ایسے امام کے ساتھ کیا سلوک کریں؟ کیا ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عن أبي موسىٰ قال: قال رسول الله ﷺ: كل عين زانية، وإن المرأة إذا استعطرت فمرت بالمجلس فهي كذا وكذا، يعني زانية رواه الترمذي ولأبي داؤد والنسائي نحوه. (مشكوة: ٩٦)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ: جو آنکھ (اجنبی عورت کو شہوت سے دیکھے وہ) زنا کرنے والی ہے، اور بے شک عورت جس وقت خوشبو لگاتی ہے پھر (مردوں کی) مجلس کے پاس سے گذرتی ہے (جس کے نتیجہ میں لوگ اس کو دیکھتے ہیں) وہ عورت ایسی ایسی ہے یعنی زنا کرنے والی

ہے۔(مشکوۃ شریف ۹۶ بحوالہ ترمذی شریف)

اس روایت کی تشریح میں شارح مشکوۃ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو تفصیل فرمائی ہے اس میں تحریر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کو زانیہ اس لیے فرمایا کہ اس نے خوشبو کے ذریعہ مردوں کی شہوت کو بھڑکایا اور ان کو اپنی طرف دیکھنے پر آمادہ کیا، اور یہ آنکھ کا زنا ہے اور اس عورت نے اپنی اس حرکت سے اس کو اپنی طرف جو مائل کیا، اور اس کے دل میں شہوانی خیالات کو برانگیختہ کیا، تو اس طرح وہ اس کے آنکھ کے زنا کا باعث بنی، اس طرح وہ بھی زانیہ ہوئی۔(مرقاۃ ۳/۵۸)

اس عورت کا خوشبو لگا کر مردوں کے پاس سے گذرنا بے پردگی کی ایک صورت ہے چاہے برقعہ پہنے ہوئے ہو، اب اگر کوئی عورت مکمل بے پردگی کے ساتھ بازار میں جائے تو کیا وہ اس تمثیل کی مصداق نہ ٹھہرے گی؟۔

امام صاحب کو چاہیے کہ نصیحت اور وعظ میں ایسا انداز اختیار نہ کریں جس کے نتیجہ میں لوگ متوحش اور متنفر ہوں، اور لوگوں کو بھی چاہیے کہ کسی واقعی خرابی اور معصیت پر امام صاحب اپنے وعظ میں تنبیہ فرمائیں تو اس کی وجہ سے امام صاحب کے پیچھے نہ پڑ جائیں؛ بلکہ اپنی کوتاہی کی اصلاح کی فکر کریں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عورتوں کا کمانے کے لیے فیکٹری میں جانا

سوال: میرے شوہر کئی سالوں سے بے روزگار ہیں، اور گورنمنٹ ہمیں جو خرچ دیتی ہے، وہ پورا نہیں ہوتا، وہ بہت کم ہوتا ہے، اور ہمارے گھر میں میرے

علاوہ میری تین بیٹیاں اور ایک بہو ہیں، ہم اگر گھر پر سلائی کا کام کریں تو بھی ملتا ہے، اور اگر پاس پاس فیکٹریاں ہیں جہاں سب عورتیں سلائی کا کام کرتی ہیں وہاں جائیں تو بھی کرسکتی ہیں؛ مگر میرے شوہر کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے، آپ سے گذارش ہے کہ آپ بتلائیں کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ کیوں کہ اس وقت ہم دو ہزار پونڈ سے زائد رقم کے مقروض ہیں، وہ کہاں سے ادا ہو؟ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورتوں کو قرآن پاک میں باری تعالیٰ نے حکم دیا ہے: ﴿وقرن في بيوتكن﴾ (اپنے گھروں میں رہو) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "إذا خرجت المرأة استشرفها الشيطان". (ترمذي) یعنی عورت جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کو تاک لیتا ہے۔ (اور اس طرح اس کو مسلمانوں میں برائی پھیلانے کا ذریعہ بناتا ہے) صحیح ابن خزیمہ وابن حبان میں یہ الفاظ بھی ہیں: "وأقرب ماتكون من وجه ربها وهي في قعر بيتها". یعنی عورت اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب کہ وہ اپنے گھر کے بیچ میں مستور ہو۔ (از معارف القرآن ۷/ ۲۱۵، ۲۱۶)

عورتوں کا گھروں سے نکلنا فتنہ کا سبب ہے، اسی لیے عورتوں کو کسی بھی نماز کے واسطے مسجد جانے کی اجازت نہیں دی گئی؛ حالاں کہ مسجد میں جماعت کی نماز کی شریعت میں بڑی تاکید آئی ہے؛ لیکن فقہاء نے عورتوں کو اس سے منع فرمایا ہے، اس لیے آپ نہ خود جائیں اور نہ اپنی بہو بیٹیوں کو فیکٹری میں جانے کی اجازت دیں، حکومت جو دیتی ہے اور گھر رہ کر سلائی کے کام سے جو یافت ہوجاتی ہے، اسی پر کفایت شعاری

سے گذر اوقات فرمائیں، اپنی ضرورت کو کچھ محدود فرمائیں اور قرض کی ادائیگی کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی رہیں، وہ مسبب الاسباب ہیں، ہر نماز کے بعد سات مرتبہ اس دعا کا اہتمام کریں: "اللّٰهم اكفني بحلالك عن حرامك، وأغنني بفضلك عمن سواك". اگر پہاڑ کے برابر بھی قرضہ ہوگا تو انشاء اللہ ادا ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۱۱ھ

ولادت کے بعد ستر والے حصہ کی مالش کرانا

سوال: اس علاقہ میں زچگی کے بعد چند ایام کوئی عورت زچہ کی مالش کرتی ہے، بین السرۃ والرکبۃ بھی بغیر ستر کے مالش کی جاتی ہے، اس کی گنجائش ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بطور علاج ہے، تو گنجائش ہے، دوسری عورتیں نہ دیکھیں، اور مالش کرنے والی بھی حتی الامکان غض بصر سے کام لے۔ لأن نظر الجنس إلى الجنس أخف. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عورت کے لیے ڈاکٹر کے ذریعہ دانت کی صفائی کرانا

سوال: اگر عورت کے دانت کالے داغ کی وجہ سے بدنما ہوں، تو غیر مسلم مرد ڈاکٹر کے ذریعہ اس کی صفائی اور پھر اس پر خول چڑھانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چوں کہ یہ معالجہ برائے زینت ہے، اس لیے غیر محرم کے ہاتھوں درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عورتوں کا آپس میں مصافحہ کرنا

سوال: عورتوں کو عورتوں کے ساتھ مصافحہ نہیں کرنا چاہیے، یہ ایک عالم کا قول ہے، کیا مصافحہ کی مشروعیت صرف مردوں کے لیے ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مصافحہ کے سلسلہ میں جو نصوص وارد ہوئے ہیں وہ دیگر احکام شرعیہ میں وارد شدہ نصوص کی طرح عام ہی ہیں؛ اس لیے مصافحہ کا یہ حکم مردوں کے ساتھ مخصوص نہیں؛ بلکہ عورتوں کو بھی شامل ہے، جو عالم صاحب تخصیص کے مدعی ہیں ان پر دلیل تخصیص ضروری ہے؛ نیز مصافحہ کو حدیث پاک میں تتمۂ سلام فرمایا گیا ہے، ترمذی شریف میں ابن مسعود کی روایت ہے: من تمام التحية الأخذ باليد. (باب ما جاء فی المصافحة ۹۷/۲) اس حدیث کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ مصافحہ مردوں کے ساتھ مخصوص نہ ہو؛ اس لیے کہ سلام کا حکم مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی شامل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عورتوں کا بغیر محرم کے سفر کرنا

سوال: چند عورتیں اپنے محرموں کے ساتھ سفر کر رہی ہو، اور سفر بھی سفر شرعی کی

مسافت کا ہو، تو کیا ان عورتوں کے ساتھ کوئی دوسری عورت بغیر محرم کے سفر کرسکتی ہے؟ اور فتنہ سے امن بھی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی عورت سفر شرعی بغیر شوہر یا بغیر محرم کے نہیں کرسکتی ہے۔ فأفاد هذا كله ان النسوة الثقات لاتكفى الخ (البحر الرائق ۲/ ۳۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

خسر کے بھائی اور شوہر کے ماموں سے پردہ ہے

سوال: عورت کو اپنے خسر کے بھائی اور شوہر کے ماموں سے پردہ ضروری ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں لوگ کہتے ہیں کہ تقویٰ کی رو سے ان سے پردہ کا حکم ہے؛ البتہ فتوی کے اعتبار سے ان کے سامنے بغیر پردہ کے آنا جائز ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورت کے لیے خسر کا بھائی اور شوہر کا ماموں (بشرطیکہ کوئی دوسرا رشتۂ حرمت موجود نہ ہو) محارم میں سے نہیں ہیں، اس لیے ان سے پردہ کرنا شرعاً ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مسلم اسکول کا قیام اور اس میں عورتوں کے تقرر کا مسئلہ

سوال: سرکاری اسکولوں کے حالاتِ بد (تعلیماً واخلاقاً) کے پیشِ نظر ایک

مسلم اسکول کا قیام عمل میں آیا، جس کا نظام حتی الوسع اس طرح کا ہے کہ مسلم طلبہ کے عقائد کے ساتھ ساتھ ان کے اخلاق کی بھی نگرانی کی جائے اور لباس بھی اسلامی ہو، اور آٹھویں، نویں، دسویں کلاس میں ضروری مسائلِ فقہیہ داخلِ نصاب ہیں، قیامِ اسکول کے یہ چند مقاصد ہیں علاوہ پختہ نظامِ تعلیم کے۔

حضرت! قابل دریافت امر یہ ہے کہ درجۂ اطفال کا قیام بھی عمل میں آیا ہے، جس میں تین سال کے بچوں کا داخلہ ہوگا اور اس درجۂ اطفال کی چنداں ضرورت نہیں، اس کے نہ ہونے سے کوئی ناقابلِ برداشت نقصان نہیں، درجۂ اطفال میں تین، چار سال کے لڑکوں کی تربیت کے لیے سند درکار ہے، اس کو اکثر عورتیں حاصل کئے رہتی ہیں، شعبۂ تعلیم کے ماہرین کا نظریہ بھی یہی ہے کہ اس درجہ کے لیے عورتیں زیادہ موزوں ہیں، اور ایک سے سات کلاس تک بھی عورتوں کا تقرر ہوتا ہے، اور مسلمان بھی اس کی موزونیت کے قائل ہیں۔

① اگر کوئی معلمہ تمام شرعی حدود کے ساتھ تعلیم دے تو جواز اپنی جگہ پر؛ مگر مسلمان اربابِ حل وعقد کا دنیوی تعلیمی نظام میں عورتوں کی ضرورت کا محسوس کرنا عورتوں کو اعلیٰ دنیوی تعلیم دلانے کے مرادف ہے، جس کے مفاسد اظہر من الشمس ہیں؛ اس لیے فی زماننا شرعی حدود کو قائم رکھتے ہوئے دنیوی تعلیم حاصل کرنے کے لیے اسکول کا فقدان ہے، تو کیا مسلمانوں کو صورتِ مذکورہ میں پابند عورتوں کے میسر ہوتے ہوئے اس اقدام سے رک جانا چاہیے یا پھر انسداد کی حاجت نہیں۔

② ضرورتِ شدیدہ نہ ہوتے ہوئے حجاب کی پابندی نہ کرنے والی عورتوں کو ملازمت کے لیے مقرر کرنا نظریۂ اسلام کی حمایت ہے یا مخالفت؟

③ دنیوی تعلیم کی ضرورت بالفرض مسلم مردوں سے پوری نہ ہو تو غیر مسلم مردوں سے پوری کر لینا چاہیے یا مسلم عورتیں اس کے لیے زیادہ موزوں ہیں؟

④ نظام مسلمانوں کے اختیار میں ہوتے ہوئے بے حجاب عورتوں کا انٹرویو؛ بغیر حجاب کے اہتمام کے لینا جائز ہے؟

⑤ درجۂ اطفال (بال واڑی) میں صرف طلبہ کو حروف کی شناخت اور عدد کی شناخت کروائی جاتی ہے؛ لہٰذا اربابِ حل وعقد نے ان آلات کے لیے جن کے ذریعہ ان طلبہ کو تعلیم دی جائے گی اور ان کو مانوس کرنے کے لیے کھلونے کا نظم کیا ہے، اور اس میں ۲۵/ ہزار صَرف کرنے کا ارادہ کیا ہے، یہ اقدام مسلم کے لیے کہاں تک صحیح ہے اس درجۂ اطفال کی ضرورت پیش نظر رکھتے ہوئے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اصل جواب سے پہلے یہ بات قابلِ تنقیح ہے کہ اس طرح کے الگ اسکول قائم کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ تو جیسا کہ آپ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ سرکاری اسکولوں کے حالاتِ بد کے پیش نظر یہ اقدام کیا گیا ہے؛ البتہ آپ نے ان حالاتِ بد کی وضاحت بین القوسین کرتے ہوئے صرف تعلیمی اور اخلاقی انحطاط کا تذکرہ کیا؛ لیکن موجودہ حکومتوں نے ہندو احیاء پرستی کے نظریہ کے ماتحت جو تعلیمی پالیسی اپنائی ہے اس میں صرف اتنا ہی بگاڑ نہیں ہے؛ بلکہ مسلمان بچوں کو ہندو مذہب، ہندوانہ تہذیب وثقافت سے رنگنے کا سلسلہ جس قوت سے شروع کیا گیا ہے وہ کسی صاحبِ نظر سے مخفی نہیں، ان حالات میں مسلم اسکولوں کے قیام سے سب سے بڑا فائدہ جو ہوگا وہ اس سیلاب پر روک لگانے کا ہے، دوسری چیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان اسکولوں میں ایسی

مسلم خواتین معلمات کا مہیا اور میسر ہونا جو مکمل طور پر حجابِ شرعی کے تقاضوں کو پورا کرتی ہوں ناممکن تو نہیں؛ لیکن دشوار ضرور ہے، مدارسِ عربیہ (للبنات) کو ایسی معلمات کم ہی میسر آتی ہیں تو بیچارے یہ اسکول والے کہاں سے لائیں گے؟ (یہ یاد رہے کہ صرف برقعہ اوڑھ لینا یہ حجاب شرعی کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا ہے) اس لیے ایسے مواقع میں "إذا ابتليت ببليتين فاختر أهونهما" والے اصول پر ہی عمل ہوتا ہے؛ نیز جہاں عام مسلم معاشرہ اور سماج میں شرعی پردہ کا رواج نہیں ہے وہاں اسکول کے لیے شرعی پردہ والی استانی مہیا کرنے کا مطالبہ اسکول کی انتظامیہ سے کرنا کہاں تک قرینِ انصاف ہے؟ اس لیے میرے نزدیک ان تمام مشکلات واشکالات کا حل تو یہ ہے کہ اولاً یہ فیصلہ کیا جائے کہ کیا ایسے اسکول کی ضرورت ہے؟ اگر ہے تو پھر اس کے قیام کے لیے ایسے افراد کو تجویز کیا جائے جو اسکول کی افادیت کے ساتھ ساتھ اس کے قیام میں زیادہ سے زیادہ شرعی تقاضوں اور اصولوں کی رعایت کرنے والے ہوں، اور بقیہ امور کو ان کی دیانت وامانت پر چھوڑ دیا جائے، ایسا نہیں کہ ایک ایک جزئیہ میں ان کا تعاقب کیا جائے، اب آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب پیش خدمت ہیں:

① اگر درجۂ اطفال کے نہ ہونے سے جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے ناقابل برداشت نقصان نہیں ہے تو کیا نفسِ نقصان کو آپ تسلیم کرتے ہیں؟ اگر ایسا ہے اور انتظامیہ اس نقصان سے بچاؤ کے لیے دیانۃً اس کا قیام ضروری سمجھتی ہے تو اس کو چاہیے کہ اس کے لیے بہتر سے بہتر اور زیادہ سے زیادہ شریعت کی پابندی کا اہتمام کرنے والی عورت جو اس لائن میں میسر آسکتی ہے اس کے تقرر کی سعی کرے۔

② بلاضرورت تو پابند اور باحجاب کا مقرر کرنا بھی درست نہیں ہے؛ بلکہ خیانت ہے۔

③ تمہید میں ذکر کردہ امور کا تقاضہ یہ ہے کہ غیر مسلم مردوں کے مقابلہ میں مسلم عورتیں لائق ترجیح ہیں۔

④ آپ صرف انٹرویو ہی میں حجاب کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں؟

⑤ اگر اس کی ضرورت ہے تو رقم دینے والوں سے اس کی وضاحت کر کے رقم لی جائے تو صرف کر سکتے ہیں، اور بلا ضرورت ایک پائی بھی درست نہیں ہے؛ بلکہ خیانت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/صفر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عورت ٹیچرنگ کر سکتی ہے؟

سوال: کیا عورت ٹیچرنگ کر سکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عورت لڑکیوں کو یا چھوٹے بچوں کو تعلیم دے سکتی ہے، اور اگر بڑے لڑکوں کو حجاب کے شرائط کا لحاظ کرتے ہوئے تعلیم دے اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو اس کی گنجائش ہے؛ البتہ تعلیم جائز امور کی ہونی چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

موجودہ دور میں لڑکیوں کے مدارس کا حکم

سوال: علمائے دین اور مفتیان شرعِ متین سے دریافت کرنا ہے کہ آج کل

کے مروجہ مدارس البنات شریعت کی پاک روشنی میں جائز ہیں یا نہیں؟ مسئلہ ہذا اس وجہ سے پیشِ خدمت ہے کہ بندہ کی ناقص نگاہ میں مزاجِ شریعت کے مخالف اس وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خیر القرون ہی سے اجتماعِ نساء للصلوٰۃ کو بوجہ خطرۂ فتنہ روکا گیا، ۱۴۰۰ سال کے بعد یہ فتنہ بدرجہ اولی بلکہ یقینی ہوگا، تو اس پر قیاس کرتے ہوئے یوں کہا جاسکتا ہے کہ جب وقت قلیل کے لیے بوجہ اندیشۂ فتنہ اجتماع کی ممانعت ہے، تو وقتِ طویل کے لیے بدرجہ اولی ممانعت ہوگی، نیز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قاعدہ بیان فرمایا کہ کسی چیز میں جب نفع موہوم ہو اور خطرہ یقینی ہو تو وہ چیز حرام ہو جاتی ہے؛ لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ اس مروجہ شکل میں نفع موہوم نہیں ہے؛ بلکہ یقینی ہے، تو خطرہ بھی اس زمانہ میں خاص طور پر یقینی ہے، اور قاعدہ ہے کہ جب اباحت اور محظور جمع ہو جائیں تو محظور کو ترجیح دی جاتی ہے، لہٰذا جائز نہ ہونا چاہیے، نیز بہت سی بالغ اور نابالغ لڑکیاں مسافتِ سفر سے زیادہ مقدار طے کر کے آتی ہیں، تو سوال ہے کہ بغیر محرم کے ان کا قیام ان دار الاقامات میں جائز ہوگا یا نہیں؟ نیز بہت سی لڑکیاں اپنے گھر رہ کر ضروری تعلیم حاصل کر سکتی ہیں، لہٰذا اپنے والدین، بھائی بہنوں کو چھوڑ کر گھر سے نکلنا بغیر ضرورت کے شرعاً کیسا ہے؟ ہاں جن لڑکیوں کی تعلیم کی فرض مقدار گھر پر پوری نہیں ہو سکتی، تو ان کے نکلنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ لیکن یہ گنجائش مطلق نہیں رہے گی؛ بلکہ مقید رہے گی، اس قاعدہ کی وجہ سے "الضرورۃ تتقدر بقدر الضرورۃ" لہٰذا ان مدارس البنات میں فرض مقدار سے زائد دورۂ حدیث تک نصابِ درس کا ہونا صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس کے لیے لڑکیوں کو روکنا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم سے درخواست ہے کہ مسئلہ ہذا کی

پوری وضاحت بیان فرمائیں، اور ادلۂ شرعیہ کو بھی بیان فرما کر اپنی فقاہت سے دل کے تمام سوالات کو رفع کر کے مسئلہ کو الم نشرح فرمائیں گے اور شکریہ کا موقع دیں گے، عین نوازش ہوگی۔ بینوا توجروا فجزاکم اللہ أحسن الجزاء.

إذا ما اعتز ذو علم بعلم		فعلم الفقه أولى باعتزاز
فكم طيب يفوح ولا كمسك		وكم طير يطير ولا كباز

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

باسمہ تعالیٰ محترمی زید احترامہ

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے جن امور کی نشاندہی فرمائی ہے، انہی امور کی وجہ سے مدارس البنات کے قیام پر احقر کو بھی تأمل رہا، اور اب تک اطمینان نہیں ہوا، اپنے بعض اکابر کے سامنے ان باتوں کو پیش بھی کیا، تو انہوں نے آخری علت کی بنیاد پر گنجائش دی، نیز اب جب کہ مسلمانوں میں عام رجحان لڑکیوں کو اسکول، کالج میں بھیجنے کا پیدا ہو چکا ہے اور اس کی وجہ سے وہ غیروں کی شکار ہو کر اسلام سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتی ہیں تو اس کے سدِ باب کے لیے مدارس البنات کا قیام اہون البلیتین شمار کیا جا سکتا ہے۔ فقط والسلام

العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲ر محرم ۱۴۱۴ھ

عورتوں کو کمیٹی کا ممبر بنانا

سوال: (۱) عورت کو اسلامی ادارے مثلاً مسجد، مدرسہ، اسلامی اسکول میں

بحیثیت بورڈ ممبر منتخب کرنا کیسا ہے؟ منتخب شدہ بورڈ ممبر مرد اور عورت کا بلا حجاب ملنا، میٹنگ کرنا کیسا ہے؟

② اسلامی اسکول میں مہتمم (پرنسپل) کا عورتوں اور مردوں کو ایک کمرہ میں جمع کر کے بلا حجاب دینی تعلیم یا درس، تقریر کرنا کیسا ہے؟ کیا سب شرکت کرنے والے گنہگار ہوں گے یا مہتمم (پرنسپل)؟

③ اگر شرعاً عورت کا انتخاب جائز نہیں پھر بھی اسلامی ادارے میں منتخب کر لیا گیا، اور عورت کو ہٹانا مشکل ہو گیا تو سوال یہ ہے کہ

(الف) اس عورت کا منتخب ہونا قبول کر لیا جائے، اور گناہ صرف انتخاب کرنے والے کو ملے،

(ب) کیا احتجاجاً دوسرے ممبران استیفاء (استعفاء) دیں،

(ت) یا کوئی اور صورت اختیار کی جائے۔

عورتوں کی خلافت وقیادت

سوال: ④ پاکستان میں بے نظیر بھٹو وزیر اعظم بنی، اس کے بارے میں ہمارے علماء کی کیا رائے تھی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ایسے امور میں جن کا تعلق عورتوں سے ہو، بوقتِ ضرورت گاہے گاہے عورتوں سے مشورہ لیا جا سکتا ہے، اور اس سلسلہ میں حدیبیہ کے موقع پر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ لینے (کما فی القاصد الحسنہ: ۲۴۶) اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حضرت

حفصہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ لینے (کمافی الشامی علی الدر ۲/ ۴۳۲) سے استدلال کیا جاسکتا ہے، اور علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کے لیے یہ بھی شرط لگائی ہے کہ وہ عورت صاحب فضل وکمال ہو، (کمافی المقاصد)۔ لیکن کسی عورت کو بورڈ کا ممبر بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو مستقلاً یہ حیثیت دی جارہی ہے جس کے نتیجہ میں اس عورت کا مردوں کے ساتھ اختلاط لازم آوے گا، جو مقاصد شرع کے صراحۃً خلاف ہے، اور یہ چیز فتنہ کا بھی باعث ہے، وہ تمام کام جن کی انجام دہی میں یہ محذور لازم آتا ہو، شریعت نے عورت کے لیے درست قرار نہیں دیے۔

لأن النساء أمرن بالقرار في البيوت فكان مبنى حالهن على الستر. (شامي ۱/۴۰۵) وفى الأشباه من أحكام الأنثى اختار فى المساير جواز كونها نبيةً لا رسولة. (درمختار)(قوله بناء حالهن على الستر) اى والرسول يحتاج إلى مخالطة الذكور بالتعليم وإقامة الحجج عليهم وغير ذلك مما لا يكون إلا من الذكور.(شامي/٤/٣٩٦)

وأما اذان المرأة لأن المؤذن يستحب له أن يشهر نفسه ويؤذن على المكان العالى ويرفع صوته، والمرأة منهية عن ذلك كله. (زيلعى ۱/۹۴)

(۲) بلا حجاب مل کر بیٹھنا ممنوع ہے، اس لیے تمام شرکاء گنہگار ہوں گے؛ البتہ مہتمم کو دوہرا گناہ ہوگا کہ خود شریک ہونے کے علاوہ تمام ممبران کے اس طرح بلا حجاب مل کر بیٹھنے کا ذریعہ اور داعی بنا۔

(۳) اس کو روکنے کی ممکنہ تدبیر اختیار کرنا ضروری ہے۔

(۴) ہمارے موجودہ اکابر میں سے ایک فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن

صاحب گنگوہی دامت برکاتہم ومدت فیوضہم (مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند) کا ایک تفصیلی فتوی اس موضوع پر فتاوی محمودیہ جلد دہم (از ۱۲۱ تا ۱۳۱) میں بعنوان عورت کی خلافت وامامت موجود ہے، اس کا مطالعہ فرمالیں، ان کی رائے کا خلاصہ عدم جواز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ شوال المکرم ۱۴۱۳ھ

کسبِ معاش کے لیے عورت کا نکلنا

سوال: یہاں کینڈا میں کسی کی تنخواہ بہت زیادہ ہوتی ہے اور کسی کی کم، میری تنخواہ بہت کم ہے، ۹۰۰/ڈالر مجھے ملتے ہیں، ۲۰۰/ڈالر بچے کو گورنمنٹ کی طرف سے ملتے ہیں، جس میں ۷۰۰/ڈالر گھر کا کرایہ ادا کرنا ہوتا ہے، ۱۰۰/ڈالر میں کام پر جانے کا کرایہ میں خرچ ہوجاتا ہے، باقی پیسہ سے گھر کا خرچ چلانا بہت مشکل ہوتا ہے، کیا اس صورت میں بیوی کام پر جاسکتی ہے کہ نہیں؟ کیوں کہ میرے ساتھ جو ایک صاحب کام کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عورت کا کام پر جانا حرام ہے، کیا اسلام میں عورت کا کام پر جانا منع ہے؟ اور دوسری صورت یہ ہے کہ یہاں پر اگر کسی کی تنخواہ کم ہو تو یہاں کی گورنمنٹ مدد کرتی ہے، کیا اس صورت میں مدد لے سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعت اسلامیہ نے عورت کی کفالت کی ذمہ داری شادی سے پہلے اس کے باپ پر اور شادی کے بعد شوہر پر ڈالی ہے، اور عورت کو اس کی اجازت نہیں دی کہ وہ شدید ضرورت کے بغیر گھر سے نکلے؛ لہٰذا کسبِ معاش کے لیے عورت کا نکلنا جائز

نہیں ہے۔(فقہی مقالات ۱/۲۴۸)

تنخواہ کم ہونے کی صورت میں گورنمنٹ جو مدد کرتی ہے اگر آپ ان شرائط پر پورے اترتے ہیں تو آپ کے لیے بھی اس مدد کا حاصل کرنا ان شرائط کی رعایت کے ساتھ درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/صفر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عورت کا پردہ کے ساتھ اسکوٹر چلانا

سوال: کسی لڑکی کا یا کسی عورت کا پردہ کے ساتھ اسکوٹر چلانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پردہ کے حکم شرعی کا مقصود اصلی یہ ہے کہ غیر محرم اجنبی لوگوں کی نگاہوں سے عورت اور اس کے محاسن مستور رہیں، اگر کوئی عورت برقعہ پہن کر اسکوٹر چلاتی ہے تب بھی کما حقہ پردہ حاصل نہیں ہوتا اور حکم پردہ کا مقصد اصلی بھی فوت ہو جاتا ہے، اس کا اسکوٹر چلانا ہی مردوں کو اپنی طرف دعوت نظارہ دینے کے لیے کافی ہے، جب کہ شریعت مطہرہ نے بجنے والا زیور پہننے سے بھی عورت کو منع کیا ہے، خوشبو لگا کر نکلنے والی عورت کو زانیہ قرار دیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دینی پروگرام میں شرکت سے بے پردہ عورتوں کو روکنا

سوال: ہمارے یہاں ہر ہفتہ عورتوں کے لیے بیان وغیرہ دینی پروگرام رہتا

ہے، اس پروگرام میں دو قسم کی عورتیں شریک ہوتی ہیں:

① وہ عورتیں جو ایسے دینی پروگرام کے لیے پورے حجاب کے ساتھ چہرہ چھپا کر گھر سے نکلتی ہیں۔ ② وہ عورتیں جو ایسے پروگرام کے لیے گھر سے نکلتی ہیں؛ مگر چہرہ چھپا ہوا نہیں ہوتا۔ کیا ان دونوں قسم کی عورتوں کے لیے ایسے دینی پروگرام کے لیے گھر سے نکلنا جائز ہے؟ اگر دونوں قسموں کے لیے یا ایک کے لیے جائز نہیں ہے تو پروگرام کا انتظام کرنے والوں کے لیے ان کو روکنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پروگرام کا انتظام کرنے والوں کو چاہیے کہ اس پروگرام میں شرکت کرنے والی عورتوں کو تمام شرعی ہدایات کی رعایت کرتے ہوئے اس پروگرام میں شریک ہونے کی تاکید کریں، اس کے بعد بھی اگر کوئی عورت ان شرعی ہدایتوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پروگرام میں شریک ہوگی تو اس کی ذمہ داری پروگرام کا انتظام کرنے والوں پر نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بڑی عمر میں بھی ماموں زاد بہن سے پردہ ہے

سوال: میری عمر ۴۳ رسال کی ہے، میرے ماموں کی بیٹی ۶۲ رسال کی ہے اور وہ بچپن سے یتیم ہے، اور ہماری والدہ کے پاس رہتے آئی ہے، اور ہم لوگ آٹھ بھائی بہن ہیں اور میں سب سے چھوٹا ہوں، ہماری ماموں زاد بہن نے ہمارے سب سے بڑے بھائی سے لے کر میرے تک سب کی پرورش کرنے میں مدد کی ہے،

یہاں تک کہ ہمارا پیشاب پاخانہ بھی دھویا ہے، تو کیا اب اس عمر میں انھیں مجھ سے اور مجھے ان سے پردہ کرنا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے ماموں کی بیٹی آپ کے لیے نامحرم ہے؛ اس لیے اس سے پردہ ضروری ہے، عمر بڑی ہوجانے کی وجہ سے پردہ کا حکم ختم نہیں ہوجاتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بہو سے پردہ ضروری نہیں

سوال: کیا میری بہو سے پردہ کرنا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بہو محرم ہے؛ اس لیے پردہ ضروری نہیں ہے؛ البتہ اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو کرنا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

شوہر کے لڑکے سوتیلی ماں کے حق میں محرم ہیں

سوال: ① ایک شخص کی پہلی بیوی انتقال کرگئی ہے، اس کے دو بیٹے ہیں، باپ نے دوسری شادی کی ہے، دوسری بیوی کے کوئی اولاد نہیں ہے، اب بچوں کا باپ بھی انتقال کرگیا ہے، تو کیا یہ دونوں لڑکے اپنی سوتیلی ماں کے محرم ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

② مثلاً کسی شخص نے دو شادیاں کی ہے، اور دونوں بیویوں کو اولاد میں لڑکے ہیں، باپ کی حیاتی میں یا باپ کے وصال کے بعد ایک بیوی کے بچے دوسری بیوی کے محرم شرعاً ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① جی ہاں! صورت مسئولہ میں یہ دونوں لڑکے اپنی سوتیلی ماں کے محرم ہیں۔

درمختار شامی میں ہے: وزوجة أصله وفرعه مطلقا ولوبعيدا، دخل بها أو لا. (درمختار) (قوله وزوجة أصله وفرعه) لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تنكحوا ما نكح آباؤكم﴾، وقوله تعالىٰ: ﴿وحلائل أبنائكم الذين من أصلابكم﴾ إلخ (۳۰۲/۲)

② صورت مسئولہ میں اس آدمی کی دونوں بیویوں کی اولاد جو اس آدمی سے ہے، اپنی سوتیلی ماں کے حق میں محرم ہیں۔ (حوالۂ بالا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

تصویر کشی اور متعلقہ مسائل

تصویر کشی کا حکم

سوال: فی الشرع تصویر کشی کا کیا حکم ہے؟ اگر کسی ایسی جگہ یا مدرسہ کی تصویر لی گئی جہاں صف میں بالغ اور نابالغ دونوں موجود ہوں، اور وہ تصویر اس جگہ یا مدرسہ کے مفاد میں ہو، مثلاً اس کا فوٹو بنوا کر عوام الناس کے سامنے پیش کرنا ہے؛ تاکہ ان کی

توجہات مدرسہ کی طرف ہو؛ نیز ساتھ میں مدرسہ کی تصویر بھی ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تصویر کشی اور تصویر سازی کسی جاندار کی کسی حال میں جائز نہیں، صرف غیر ذی روح بے جان چیزوں کی تصاویر بنا سکتے ہیں۔ (جواہر الفقہ ۳/۲۰۸، ۲۰۹) صرف مکان یا مدرسہ کی تصویر لی جائے، جانداروں کی تصویر نہ لیں، عذر مسئول فی السوال شرعاً معتبر نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ذی روح کی تصویر

سوال: غیر ذی روح کی تصویر کشی کا کیا حکم ہے؟ اور غیر ذی روح کی تصویر کے ساتھ ذی روح کی بھی تصویر ایسے طریقہ سے لی جائے کہ ذی روح کی تصویر اور شکل وصورت نمایاں نہ ہو، مثلاً دور سے تصویر کھینچی جائے اور بالغوں اور نابالغوں کو مدرسہ کی عمارت کے سامنے کھڑا کر دیا تو ایسی صورت میں شکلوں اور صورتوں کی شناخت نہیں کی جاسکتی کیا حکم ہے؟ اور اجرت سودی رقم سے دینا چاہیں تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ صورت بھی جائز نہیں ہے، جاندار کی تصویر بنانے اور فوٹو لینے کی اجرت لینا دونوں ناجائز ہیں۔ (جواہر الفقہ ۳/۲۳۷) سودی رقم سے بھی جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کشیدہ کاری میں جاندار کی تصویر بنانا

سوال: یہ ہمارا ریگستان علاقہ ایک پسماندہ علاقہ ہے، ابھی سرکار نے کشیدہ کاری کا کام شروع کروایا ہے فلاح کے لیے جس کو عموماً مسلم خواتین جانتی ہیں اور دستی کام ہونے کی وجہ سے وہ ماہر بھی ہیں اور ذریعہ معاش بھی اکثروں کا کشیدہ کاری ہے، مسئول مطلوب اب تک اس میں کئی قسم کے آئٹم ہوتے ہیں، جس میں ہاتھی کی شکل، اونٹ، سور وغیرہ جو پلاسٹک کے لیے کٹائے ہوتے ہیں، وہ ان کو کپڑے پر گوٹھے کر لیتی، چاروں طرف سے کشیدہ کر کے پھر اس پر ستارو کانچ کی ٹکیہ وغیرہ لگا دیتی ہیں؛ تاکہ وہ شتر دار ہو جائے اور ایسا ہی آڈر ہوتا ہے تو یہ کسب بت گری میں تو نہیں آتا؟ جو حکم ہو از روئے شریعت کے، مرقوم فرماویں، اللہ تعالیٰ آپ کو مزید علم کے فیوض و برکات وانوارات سے نوازے، وفلاح دارین عنایت فرمائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی جاندار کی تصویر بنانا چاہے چھوٹی ہو یا بڑی، کشیدہ کاری کی شکل میں ہو یا پینٹ کے ذریعہ؛ بہر حال حرام ہے۔

واعلم: أن فعل التصوير حرام مطلقاً- أي تصوير الحيوان- سواء كانت صغيرة أو كبيرة، مجسمة أو سطحة، ممتهنة أو موقر. (فيض الباری ٤/٣٨٣،٣٨٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کعبہ کے فوٹو میں انسانوں کی تصویر ہو تو رکھنا کیسا ہے؟

سوال: اکثر کعبہ شریف کے فوٹو فریم ہو کر جس میں انسانوں کی بھی صاف تصویریں نظر آتی ہیں، لوگ اس کو خرید کر مسجدوں میں لگاتے ہیں، تو کیا یہ اس حدیث کی خلاف ورزی نہیں ہے جس میں حضور ﷺ نے جاندار کی تصویر لگانے سے منع فرمایا ہے، مدلل مع حوالہ کے جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ان انسانی تصویروں کے اعضاء بھی نمایاں ہیں تو ان کا لگانا جائز نہیں۔

ولا یکرہ (إلیٰ قولہ) أو کانت صغیرۃ لا تتبین تفاصیل أعضائھا للناظر قائما، وھي علی الأرض، ذکرہ الحلبي. (درمختار علی ھامش الشامي ۱/۶۷۹)

اور اس صورت میں نماز بھی مکروہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قبر کی تصویر لینا

سوال: قبرستان میں جا کر فوٹو کھینچ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صرف قبر کی تصویر لی جا سکتی ہے۔ (جواہر الفقہ ۳/۲۰۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کعبۃ اللہ کی تصاویر والی چٹائیوں پر قدم پڑنے سے بے حرمتی کا وہم

سوال: ایک شہر کی ایک سوسائٹی میں مسجد میں مصلیوں کے واسطے نماز کیلئے جو چٹائیاں بچھائی گئی ہیں ان میں کعبۃ اللہ کی تصویریں ہیں، ایک چٹائی پر تقریباً بیس تصویریں ہیں۔ ایسی چٹائیاں پانچ اور ہیں، اس حساب سے تقریباً سو تصویریں بنتی ہیں جب مسجد میں داخل ہوتے ہیں تو کعبۃ اللہ کی تصویریں ہی تصویریں نظر آتی ہیں، نمازی آتے ہیں اور ہفتہ واری اجتماع ہوتا ہے، اسی طرح جماعتیں آتی رہتی ہیں، ان تمام کے قدم کعبۃ اللہ کی تصویروں پر پڑتے ہیں بظاہر بے ادبی اور بے حرمتی کا خیال آتا ہے جس سے طبیعت پر بوجھ پڑتا ہے، اسی جذبہ کے تحت ایک آدھ مرتبہ ذمہ داروں سے بات کی مگر جواب یہ ملا کہ جائز ہے یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ جواب طلب امر یہ ہے جائز تو ہے مگر کعبۃ اللہ کی بے حرمتی تو نہیں؟ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مکی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں سنا ہے کہ کالے رنگ کی جوتیاں اس لیے استعمال نہیں فرماتے تھے کہ کعبۃ اللہ کا غلاف کالا ہوتا ہے تو مذکورہ چٹائیاں بچھانا مناسب ہے کہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بچھا کر استعمال کی جانے والی چیزوں میں سے جائے نماز ایک ایسی چیز ہے جس کا ادب احترام کیا جاتا ہے، گویا اس کو جائے نماز قرار دینا اس کے قابل تعظیم ہونے کی علامت ہے، اس لیے اس پر اگر کعبۃ اللہ کی تصویر بنی ہوئی ہو چاہے سجدہ کی جگہ پر

ہو یا جہاں پاؤں رکھے جاتے ہیں وہاں ہو، دونوں صورتوں میں اس تصویر کی اہانت نہیں۔

ہدایہ کی شرح ''فتح القدیر'' میں ہے: وجه ما فی الأصل ان المصلی:ای السجادة التی یصلی علیها معظم فوضع الصورة فیه تعظیم لها حیثما کانت منه، بخلاف وضعها علی البساط الذی لم یعد للصلاة.

(فتح القدیر مع العنایة۱/ ٤١٤، ٤١٥)

''عنایہ'' شرح ہدایہ میں ہے: وجه ما فی الأصل ما ذکره ان المصلی الیه معظم بلفظ المفعول فیهما،ومعنا ه ان البساط الذی اعد لصلاة معظم من بین سائر البسط،فاذا کان فیه صورة کان نوع تعظیم لها ونحن امر نا باهانتها فلا ینبغی ان یکون فی المصلی مطلقا سجد علیها او لم یسجد (عنایه مع فتح القدیر ١/٤١٥)

اگر کوئی آدمی نماز کے ارادے سے اس جائے نماز پر بیٹھتا ہے تو چاہے بیٹھنے کے دوران کعبۃ اللہ کی تصویر اس کے نیچے آتی ہو، پھر بھی وہ اس کی توہین اور بے حرمتی شمار نہیں ہوگی۔ جیسے کوئی آدمی خود کعبۃ اللہ میں جا کر نماز پڑھے تو یہ اس کی بے ادبی اور توہین نہیں ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ سے کعبۃ اللہ میں نماز پڑھنا اور خطبہ دینے کے لیے کعبۃ اللہ کے دروازہ پر کھڑا ہونا ثابت ہے، تو جب اصل کعبہ کے ساتھ یہ معاملہ درست ہے تو اس کی تصویر کے ساتھ اس معاملہ کو بے ادبی پر کیوں محمول کیا جائے؟

سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نسبت فرما کر آپ نے جو واقعہ ذکر کیا ہے مجھے اس کی تحقیق نہیں۔ بالفرض اگر وہ صحیح اور ثابت بھی ہو تو یہ ان کا ایک حال ہے جس کا دوسروں کو پابند نہیں بنایا جا سکتا، آپ خود بتلائیں کیا آپ نے کبھی سیاہ

رنگ کی جوتیاں استعمال نہیں کیں؟ اس لیے آپ کی طبیعت پر پڑنے والا بوجھ آپ کا ایک حال ہے دوسرے حضرات کو اس کی وجہ سے شریعت کی دی ہوئی سہولت و رخصت سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ رجب المرجب ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ڈیجیٹل فوٹوگرافی تصویر سازی کے حکم میں ہے

سوال: میں کمپیوٹر پر فوٹوگرافی، فوٹو مکسنگ (photomixingphotography) کرتا ہوں۔ جو فوٹوگرافر ہوتے ہیں وہ فوٹو کھینچ کر لاتے ہیں، اور ہمیں دیتے ہیں اور ہم لوگ اسے mixing کرتے ہیں، یعنی کمپیوٹر پر تین یا چار فوٹو جو الگ الگ ہوتے ہیں، انہیں ایک ہی سین (picture) میں لا کر mix کرتے ہیں جسے ہم digital mixing کہتے ہیں، اور کوئی پرانا whiteblack فوٹو ہوتا ہے اسے colour میں بناتے ہیں، کیا یہ کام شرعاً جائز ہے؟ کیا یہ کام چھوڑ دینا چاہیے یا نہیں؟ اور جس مشین سے فوٹو نکلتا ہے اس مشین کو operating یعنی اس پر کام کرنا یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟ دراصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم فوٹو نہیں کھینچتے تو کیا یہ تصویر سازی ہوگی؟ یہ جائز ہے یا ناجائز؟ یہ کام میں اکیلے نہیں مجھ جیسے کئی مسلمان کرتے ہیں، کیا یہ ان کے لیے ٹھیک ہے؟ کیا اس میں ان کا مال شرعاً حلال ہوگا یا حرام؟ بہت سے مسلمان فوٹوگرافی کرتے ہیں، فوٹو کھینچتے ہیں، کھینچواتے ہیں، آپ فوٹوگرافی جو آج کل مسلمان کر رہا ہے اس کے بارے میں تفصیل سے لکھ کر بتائیے چاہے وہ کیمرہ سے ہو یا

کمپیوٹر سے۔

اور میرے لیے تو یہ بہت پیچیدہ اور سنجیدہ معاملہ ہو گیا ہے، مجھے اس کام کے سوا دوسرا اور کچھ نہیں آتا، اور میری اس فلڈ میں پہچان بہت ہے اور کمائی بھی، اور اگر میں دوسرا کام ڈھونڈتا ہوں تو مجھے دوسرے کام میں جمتے وقت لگے گا اور مجھے اتنی آمدنی بھی نہیں ہوگی، اگر میں کام چھوڑ کر دوسرا کام سیکھوں یا کروں تو میرے سر پر چار لوگوں کی ذمہ داری ہے جن کی ذمہ داری مجھ پر ہے میری بیوی، نانی اور دو بچے ہیں۔

رہا ایجوکیشن کا سوال تو میں بارہویں ناکامیاب ہوں، کمپیوٹر کا کوئی Diploma ہاتھ نہیں ہے، میں ایک غریب گھر سے ہوں، مجھے یہ جو P.D.T کا کام کالج کرتے وقت کام کرتے کرتے حاصل ہوا، اب آپ بتائیے کہ میں کیا کروں؟ اگر یہ میری مجبوری ہے تو میری آخرت کا کیا ہوگا، اور اگر اس گناہ کو گناہ سمجھ کر کروں تو میرا حشر کیا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث میں تصاویر کی حرمت کو بیان فرمایا ہے۔ ایک روایت میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے سخت عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی مشابہت کرتے ہیں (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(ماخوذ از آپ کے مسائل اور ان کا حل ۷/۷۸)

آپ کا یہ کام یعنی ڈجیٹل فوٹو گرافی یہ بھی تصویر سازی ہی کی ایک قسم ہے؛ اس

لیے شرعاً حرام اور ناجائز ہے، اس کے ذریعہ حاصل کی ہوئی آمدنی بھی حلال نہیں، آپ کو چاہیے کہ کوئی دوسرا ذریعۂ معاش جو حلال ہو اس آدمی کی طرح تلاش کریں جس کے پاس کوئی ذریعۂ معاش نہیں ہوتا، اور اس کے حاصل ہونے پر موجودہ ذریعۂ معاش کو چھوڑ دیں، اور جب تک دوسرا ذریعۂ معاش نہ ملے اور اس کو اختیار نہ کرلیں وہاں تک موجودہ ذریعۂ معاش کو حرام سمجھتے ہوئے استغفار اور توبہ کا اہتمام جاری رکھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ تعلیم دینا کیسا ہے؟

سوال: ویڈیو پر کوئی آدمی دنیوی تعلیم دیتا ہے جیسا کہ آج کل قریوں (گاؤں) میں رہنے والے لڑکوں کو حکومت ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ تعلیم دیتی ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کالج میں یہ پروفیسر یا لکچرر پڑھاتا ہے اور اس کے سبق کو سننے کے لیے چند آدمی بیٹھتے ہیں، اور ادھر ویڈیو کیسٹ میں پورا اتار لیا جاتا ہے پھر قریوں میں ان کیسٹوں کو بھیج کر طلبہ کو پڑھایا جاتا ہے تو کیا اس طرح پڑھنا، پڑھانا درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر یہ عمل فوٹو کے ذریعہ ہو اور فوٹو ذی روح کا ہو تو اس کا بنانا، دکھانا وغیرہ حرام اور ناجائز ہے، اور اگر یہ عمل فوٹو کے ذریعہ سے نہیں بلکہ صرف عکس کے ذریعہ سے ہوتا ہے تو جو چیزیں اس میں سنائی دے رہی ہیں یا نظر آرہی ہے اگر ان کا دیکھنا یا سننا بغیر

اس کے بھی جائز ہے تو اس میں بھی جائز ہوگا ورنہ نہیں۔ (ماخوذ از منتخبات نظام الفتاوی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

یہود و نصاریٰ کا مذہبی نشان

سوال: یہود و نصاریٰ کا مذہبی نشان کیا ہے؟ اس کی نشان دہی فرما کر بندہ کو ممنون و مشکور فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

یہود و نصاریٰ کا مذہبی نشان کیا ہے اس کی کوئی تصریح ہمارے فتاویٰ کی کتابوں میں نظر سے نہیں گزری؛ البتہ دیگر معلومات کی بنیاد پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ نصاریٰ صلیب کو اور یہود شش کونہ والے ستارے کو مذہبی نشان کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

گھر میں تصویر اور کلمۂ طیبہ کو جاندار کی صورت میں بنانا

سوال: ایک قریبی رشتہ دار کے گھر میں ایسی تصویر لگی ہوئی ہے جس میں ایک عورت بچے کو گود میں لے کر قرآن شریف پڑھا رہی ہے، اور وہ تصویر دیوار پر لگی ہوئی ہے، اس گھر میں نماز پڑھتے ہیں، تو کیا نماز صحیح ہوگی؟ وہ لوگ نماز ہو جاتی ہے کہتے ہیں، اور دوسری تصویر ایسی ہے جو لا الہ یعنی کلمۂ طیبہ اور دیگر الفاظ کے ذریعے تصویر بنا کر اس کو حالتِ تشہد میں بٹھایا ہے، تو یہ تصویر لگی ہوئی ہونے کی صورت میں نماز

ہوتی ہے یا نہیں؟ یہ بات بھی میری سمجھ میں نہیں آئی اور ان کو کس طرح سمجھایا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تصویر کا گھر میں لگانا حرام ہے، جس گھر میں تصویر لگی ہو اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے، اس لیے وہ تصویر قرآن گود میں لیے ہوئے عورت کی ہو تب بھی حرام ہی ہے۔

جس کمرہ میں وہ تصویر ہے اس میں نماز مکروہ ہے، اب اگر سامنے ہے تو اس میں کراہت زیادہ ہے۔

کلمۂ طیبہ کو جاندار کی تصویر کی صورت میں بنانا یہ اس کلمہ کی توہین ہے، اس میں کفر کا اندیشہ ہے، توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ شوال ۱۴۱۷ھ

اخبار میں تصویر شائع کرنا

سوال: تصویر کشی اور اس کی اشاعت کی شریعت میں کیا قباحت ہے؟ مثال کے طور پر کسی اخبار نے کسی حادثہ کی خبر شائع کی اور اس میں اپنے وفد یا جماعت کی تصویر بھی جلی طور پر شائع کی، اور حال یہ ہے کہ وہ اخبار ہفت روزہ ہے اور ایک عالم کی ادارت میں نکلتا ہے، اور اس کی اشاعت ایک نام نہاد مشن کے پلیٹ فارم سے ہوتی ہے، تو کیا ایسی شکل میں تصویر کشی اور پھر اس کی اشاعت کا شرعی جواز حاصل ہے یا ناجائز ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جاندار کی تصویر کھینچنا اور اس کو اخبار میں شائع کرنا دونوں امور اسلام میں حرام ہیں۔

عن عبدالله قال: سمعت النبي ﷺ يقول: أشد الناس عذاباً يوم القيامة المصورون.(بخاری) عن عبدالله بن عمر أن رسول الله ﷺ قال: إن الذين يصنعون هذه الصور يعذبون يوم القيامة، يقال لهم أحيوا ما خلقتم. (بخاری)

جاء رجل إلى ابن عباس رضى الله عنهما فقال: إنى أصور هذه الصور فافتنى فيها، فقال له: أدن منى ثم اعادها فدنا منه فوضع يده على رأسه، فقال: أنبئك بما سمعت رسول الله ﷺ يقول: كل مصور فى النار، يجعل له بكل صورة نفس فتعذبه فى جهنم، وقال: إن كنت لابد فاعلا فاصنع الشجر ومالا نفس له.(مسلم)

مسئلۂ تصویر کے بارے میں جمہور امت کا اجماع اور ائمۂ اربعہ کا مذہب شرح بخاری ''عمدۃ القاری'' میں بالفاظ ذیل منقول ہے:

وفى التوضيح: قال أصحابنا وغيرهم: تصوير صور الحيوان حرام أشدالتحريم وهو من الكبائر سواء صنعه لما لم يمتهن أو لغيره فحرام لكل حال لأن فيه مضاها بخلق الله، وسواء كان فى ثوب أو بساط أو دينار أودرهم أو فلس أو إناء أو حائط وأما ما ليس فيه صور حيوان كالشجر ونحوه فليس بحرام الخ.(عمدة القارى؟ ٤/٧٠) (بحوالہ جواہر الفقہ ۳/۲۰۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

فلم بندی والے دینی پروگرام میں شرکت کرنا

سوال: بعض مرتبہ دینی پروگراموں کے لیے اسٹیج سجایا جاتا ہے، جس میں مشائخ علمائے کرام شریک ہوتے ہیں، اور اس میں فوٹو کیمرہ اور ویڈیو کیمرہ کے ذریعہ فلم بندی ہوتی ہے، شریک ہونے کا کیا حکم ہے؟ ملحوظ رہے کہ علمائے کرام کی جانب سے کوئی مزاحمت یا ممانعت یا ادنیٰ سی ناگواری بھی مشاہد نہیں ہوتی، جس سے سیدھی سادی عوام کو جواز کا وہم ہوتا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس پروگرام کی فلم بندی بہ ذریعۂ کیمرہ یا ویڈیو کی جارہی ہے، اس میں شرکت ناجائز اور حرام ہے۔ علما اور مشایخ کے لیے اس کی شناعت اَور زیادہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اَملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ر رمضان ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ویڈیو کیسٹ بنانے کا حکم

سوال: (۱) ویڈیو کیسیٹ بنانا کیسا ہے؟

(۲) ایک آدمی نے مدرسہ کی تعمیرات میں پیسا صرف کیا۔ گاڑی بھی دیا۔ اب وہ چاہتا ہے کہ مدرسہ کے عمارت کا فوٹو بچوں کے ساتھ کھینچے تو کیا حکم ہے؟ جب کہ مدرسہ کے مدرسین نے بچوں کے ساتھ فوٹو لینے کو منع کیا ہے۔ اور کہا کہ اگر چاہیں تو عمارت کا فوٹو لے سکتے ہیں براہ کرم مفصل جواب سے نوازیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① جاندار کا ویڈیو کیسیٹ بنانا جائز نہیں ہے۔

② جان دار کی تصویر حرام ہے۔ جن صاحب نے مدرسہ کی امداد فرمائی ہے ان کو بتلایا جائے آپ نے مدرسہ کی جو امداد فرمائی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے ہے، اسی اللہ تعالیٰ کے پاک رسول ﷺ نے تصویر سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ تصویر سے بچیں۔ نبی کریم ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ، "لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق" (جس کام کے کرنے میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم آتی ہو ایسے کام میں کسی مخلوق کی بات نہیں مانی جائے گی) صحیح بخاری شریف میں ارشاد نبوی ہے، "ان اشد الناس عذابا یوم القیامة المصورون" (سب سے زیادہ سخت عذاب میں قیامت کے روز تصویر بنانے والے ہوں گے) ایک اور ارشاد ہے، "ان الّذین یصنعون هذه الصور یعذبون یوم القیامة یقال لهم احیوا ما خلقتم" (بخاری شریف) (یہ لوگ جو تصاویر بناتے ہیں قیامت کے روز ان کو عذاب دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ جو صورت تم نے پیدا کی ہے اس میں جان بھی ڈال دو) آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ "ان الملائکة لا تدخل بیتا فیه الصور" یعنی اس مکان میں فرشتے داخل نہیں ہوتے جس میں تصاویر ہوں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ رجب المرجب ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

تصویر، ٹی وی اور موسیقی کا حکم

سوال: مہربانی فرما کر بندہ کہ یہ چند سوالات کو قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل فرما کر واضح کر کے جواب فرمائیں اور شریعت کا کیا حکم ہے اس کے بارے میں؟

① فوٹو کے بارے میں؟

② میوزک کے بارے میں؟

③ ٹیلی ویژن کے بارے میں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① تصویر کی حرمت منصوص ہے اس کے مفصل احکام کے لیے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا رسالہ ''التصویر لاحکام التصویر'' جو ''جواہر الفقہ حصہ سوم'' میں ۱۶۷، تا ۲۴۲ موجود ہے، اس کا مطالعہ فرمالیجئے۔

② موسیقی حرام ہے بحیثیت علم وفن اس کا سیکھنا بھی حرام ہے۔ (درمختار مع الشامی ۱/ ۳۴) اس کا سننا بھی حرام ہے اور بجانا بھی۔ (درمختار مع الشامی ۵/ ۲۴۶) اس سلسلہ میں تفصیل مطلوب ہو تو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ کشف العناء عن وصف الغناء کا مطالعہ کیجئے یہ رسالہ احکام القرآن للتھانوی جلد ثالث کے ۲۰۳ سے شروع ہوتا ہے۔

③ ٹی وی تصویر اور موسیقی کا مجموعہ ہے، اس کا استعمال ناجائز ہے، اس موضوع پر بھی مستقل مضامین اور مقالات موجود ہیں، اس کا مطالعہ فرمالیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ضبط تولید اور متعلقہ مسائل

نسبندی حرام ہے

سوال: نسبندی کے بارے میں تفصیلاً حکم قرآن وحدیث کی روشنی میں فرمائیں، اس طرح اس میں جو مسلمان ڈاکٹر آپریشن کرتے ہیں کیا ان کا یہ کام آخرت میں قابل مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ تسلی بخش جواب عطا فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خصی ہونا اولاد سے محرومی اور بے زاری اور کفران نعمت ہے یہ فعل نصاً حرام بھی ہے، حدیث میں ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے معصیت سے بچنے اور دنیاداری سے بے فکر ہوکر خدا کی عبادت میں مشغول رہنے کے مقصد سے خصی ہونے کی خواہش ظاہر کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہیں دی، اور قرآن شریف کی آیت تلاوت فرمائی: ﴿یایھا الذین اٰمنوالا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم ولاتعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین﴾ (بخاری ۷۵۹/۲) اس سے معلوم ہوا کہ خصی ہونا یعنی قطع نسل کا عمل بہ نص قرآنی حرام ہے اور حدود اللہ سے تجاوز ہے؛ لہٰذا یہ عمل بالاتفاق حرام ہے۔

(عینی شرح بخاری)

اور فقہا نے بھی لکھا ہے: اما خصاء الآدمی فحرام. (درمختار علی الشامي ۵/ ۲۷۵)

یعنی انسان کا خصی ہونا حرام ہے۔

آیت قرآنی ﴿لاتقتلوا اولادکم خشیة املاق﴾ الخ کے ذیل میں

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کے اس ارشاد سے اس معاملہ پر بھی روشنی پڑتی ہے جس میں آج کی دنیا گرفتار ہے کہ کثرت آبادی کے خوف سے ضبط تولید اور منصوبہ بندی کو رواج دے رہی ہے، اس کی بنیاد بھی اسی جاہلانہ فلسفہ پر ہے کہ رزق کا ذمہ دار اپنے آپ کو سمجھ لیا گیا ہے، یہ معاملہ قتل اولاد کے برابر گناہ نہ سہی مگر اس کے مذموم ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ (معارف القرآن ۵ / ۴۹۳)

جب اس فعل کا ناجائز وحرام ہونا معلوم ہو گیا تو کسی مسلمان ڈاکٹر کے لیے اس کا ارتکاب جائز نہیں۔ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ / شوال ۱۴۰۷ھ

بچہ کی برابر پرورش نہ کرنے کے خوف سے عزل کرنا

سوال: میں پچیس سالہ شادی شدہ عورت ہوں، شادی کا دوسرا مہینہ چل رہا ہے، سسرال میں ہم آٹھ لوگ B/10 کے روم میں رہتے ہیں، بمبئی میں میں گریجویٹ ٹیچر ہوں، کانوینٹ سے پڑھی ہوں، دین میں بہت دلچسپی رکھتی ہوں؛ جہاں تک خدا توفیق دے، عمل کرنے کی کوشش کرتی ہوں اور دنیا کی لائن سے بھی جائز حدود تک میں واقف ہوں، مجھے بڑا کٹھن مسئلہ درپیش ہے، امید ہے کہ آپ اپنے فتویٰ سے میری تسکین فرمائیں گے۔

میرے گھر والے ''بستی'' کے ہیں، بھوجپوری زبان استعمال کرتے ہیں، گھر کا ماحول نہ دین کے لائن سے قابل برداشت ہے، نہ دنیا کے لائن سے ڈھنگ ہے جینے کا، صرف میرے شوہر جو کمپیوٹر انجینئر ہیں ٹھیک ہیں، جس گھٹیا ماحول میں ہم رہ رہے

ہیں، وہ بھی بچوں کی پرورش کے لیے بالکل صحت مند نہیں، دور تک کوئی مسجد نہیں ہے، وہاں کے مسلم اذان سننے کو ترس جاتے ہیں۔ دوسری بات: دوسرا مکان لینے کے لیے ابھی وقت نہیں ہے کیوں کہ نیا بزنس ہے میرے شوہر کا، دو سے تین سال تو نیا گھر اچھے علاقے میں لینے کو لگ جائیں گے اور اس ماحول میں- جو جاہلانہ ہے- میں اپنی اولاد کی پرورش نہیں کرسکوں گی، اپنے ڈھنگ سے دین و دنیا کے میل میں ان کی پرورش نہ کر پاؤں گی، اس لیے میں چاہتی ہوں کہ دو سال تک بچہ نہ ہونے دوں، بعد میں سوچ لیں گے، میں نوکری پیشہ عورت ہوں، اگر بچہ فوراً ہو گیا، تو وہ گھر کے ماحول میں رنگے گا، جو میں بالکل برداشت نہ کرسکوں گی، زبان بھی بھوجپوری سیکھ لے گا، بتائیے! میں اس مسئلہ کو کیسے حل کروں، میں بہت پریشان رہتی ہوں، دن رات اس بارے میں سوچتی ہوں، مجھے برائے کرم مہربانی! کوئی میرے حق میں ٹھیک فتوی دے کر تسکین فرمائیں اور بچوں میں فاصلہ رکھنا ایسی حالت میں کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں آپ کے شوہر آپ کی اجازت سے عزل کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں، عزل کا مطلب یہ ہے کہ جماع میں انزال کے وقت عضو مخصوص کو باہر نکال لیں، جس کی وجہ سے انزال باہر ہو۔ (درمختار ۲/۱۱/۴، ۴۱۲ کوئٹہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ضبطِ تولید شریعت کی نظر میں

سوال: آج کل سائنسی ترقی کی بناء پر ضبط تولید کے لیے عورتیں اپنی شرمگاہ

میں کوئی خاص چیز جو رسی کے طرح ہوتی ہے، لگا لیتی ہیں، پھر جماع کرنے سے حمل نہیں ٹھہرتا ہے، پھر دو سال میں جب چاہتی ہیں نکال لیتی ہیں، پھر حمل ٹھہرنے لگتا ہے، ایسا کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل قرار نہ پائے، جیسے آج کل دنیا میں ضبط تولید کے نام سے اس کی سینکڑوں صورتیں رائج ہوگئی ہیں، اس کو بھی رسول اللہ ﷺ نے "وأد خفي" فرمایا ہے، یعنی خفیہ طور سے بچہ کو زندہ درگور کر دینا۔ (كما رواه مسلم عن حذافه بنت وهب) اور بعض دوسری روایات میں جو عزل یعنی ایسی تدبیر کرنا کہ نطفہ رحم میں نہ جائے، اس پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے سکوت یا عدم ممانعت منقول ہے، وہ ضرورت کے موقع کے ساتھ مخصوص ہے، وہ بھی اس طرح کہ ہمیشہ کے لیے قطع نسل کی صورت نہ بنے۔ (مظہری) (معارف القرآن ۸ / ۶۸۳) ضرورت کی تعیین کے سلسلہ میں اپنی رائے پر عمل نہ کرے؛ بلکہ وجہ ضرورت ظاہر کر کے سوال کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ / ذوالقعدہ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ضبطِ تولید کا حکم

سوال: توالد وتناسل کو بند کرنے کے لیے عزل کا طریقہ مشروع ہے، کیا اس کے علاوہ عصرِ حاضر میں دائمی طور پر آپریشن کرانا، یا عارضی طور پر جدید طور طریقہ

استعمال کرنا بلا عذر کے جیسے نرودھ یا گولی کا استعمال کیسا ہے؟ اگر کسی عورت نے کرالیا دائمی آپریشن، تو اس کی تلافی کی صورت کیا ہوسکتی ہے؟ فیملی پلاننگ کب جائز ہے؟ اور عذر کب شمار ہوگا؟ جواب سے ممنون ومشکور فرمائیں تو عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ضرورت محسوس ہو تو بحالتِ عذر جب تک عذر باقی ہے، چند دن کے لیے ضبطِ حمل کی تدبیر ومعالجہ کرسکتے ہیں؛ لیکن بدون شرعی عذر کے بچہ دانی نکال کر دائماً اولاد سے محروم ہونے کی کوشش کفرانِ نعمت ہے۔

اگر عورت کی صحت خراب ہونے کی وجہ سے اس میں حمل برداشت کرنے کی قوت نہ رہی ہو، اور جان کا خطرہ ہو اور آپریشن کے بغیر چارۂ کار نہ ہو، اور اس کی اجازت مسلمان دیندار حکیم حاذق یا مسلمان دیندار تجربہ کار ڈاکٹر دیتا ہو تو آپریشن کرا سکتے ہیں۔ (از فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۲۳۴) عزل یا جدید طریقوں میں سے کوئی ایسا طریقہ جس کے نتیجہ میں نطفہ رحم میں نہ جائے، ضرورت کے مواقع کے ساتھ مخصوص ہے، وہ بھی اس طرح کہ ہمیشہ کے لیے قطع نسل کی صورت نہ بنے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بذریعۂ آپریشن بچہ دانی نکال دینا

سوال: ہندہ زوجۂ زید کو تقریباً ڈیڑھ دو سال سے دم حیض بند تھا، علاج کے بعد وقتاً فوقتاً آتا رہا ہے، وہی شکایت کھڑی ہونے پر اطباء سے رجوع کیا گیا، ان کا کہنا یہ

ہے کہ بچہ دانی میں گانٹھ ہونے کی وجہ سے خون کا راستہ بند ہو گیا ہے، اس کا آپریشن کرنا ضروری ہے، ساتھ ہی ساتھ بچہ دانی نکلوانے کا بھی مشورہ دیا ہے، بتاتے ہیں اس وقت بائیں طرف گانٹھ ہے، آئندہ دائیں طرف ہونے کا امکان قوی ہے، اور یہ گانٹھ عرصہ کے بعد کینسر کا اثر بھی پیدا کر سکتی ہے، گانٹھ کی وجہ سے رحم دانی کا منہ کشادہ ہو گیا ہے، اس لیے استقرارِ حمل منہ بند نہ ہونے کی وجہ سے مشکل ہے، ڈاکٹروں نے زید سے خطاب کرتے ہوئے بتایا کے پہلے ہم گانٹھ نکالیں گے، پھر آپ کو رحم دانی کی حالت اور اس کی پوزیشن بتلائیں گے، آپ کو اگر تشفی ہو گی اور آپ حکم دیں گے تو ہم رحم دانی نکالیں گے، ورنہ آپ کی رائے پر چھوڑ دیں گے، تو دریں صورت از روئے شرع شریف زید کے لیے کیا حکم ہو گا؟ کیا زید ہندہ کی رحم دانی بھی نکلوانے پر آمادہ ہو جائے، یا پھر صرف گانٹھ کا آپریشن کرنے پر اکتفاء کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

موجودہ صورتِ حال میں صرف احتمال ہے، اس لیے صرف گانٹھ کا آپریشن کرنے پر اکتفا کریں، آئندہ چل کر اگر واقعی جان کا خطرہ لاحق ہو اور بذریعۂ آپریشن بچہ دانی نکالے بغیر چارۂ کار نہ ہو اور اس کی اجازت مسلمان دین دار حکیم حاذق، یا مسلمان دین دار تجربہ کار ڈاکٹر دیتا ہو، تو آپریشن کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کمزوری کی وجہ سے مانعِ حمل طریقہ کا استعمال

سوال: عورت بہت کمزور ہوگئی ہے، بچوں کی صحیح پرورش بھی نہیں کرسکتی، یا بچوں کی ولادت سے بہت زیادہ کمزوری آجاتی ہے، یا نطفہ ٹھہرنے کے بعد تین چار ماہ تک کچھ کھانا پینا مشکل ہوجاتا ہے، جس کے نتیجے میں خون کی کمی واقع ہوجاتی ہے، ان تمام وجوہات کی وجہ سے عورت اگر آپریشن کرلے جس کی وجہ سے ولادت کا سلسلہ منقطع ہوجاتا ہے، درست ہے یا غیر درست؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پرورش کی ذمہ داری عورت پر نہیں ہے، اگر وہ کمزوری کی وجہ سے نہیں کرپاتی تو باپ کو چاہیے کہ دایا کا نظم کرے، رہی کمزوری جو ولادت کے بعد آتی ہے تو یہ مرحلہ ہر عورت کو پیش آتا ہے؛ البتہ کمزوری اتنی زیادہ ہو جو مہلک ثابت ہوسکتی ہے، تو آپریشن نہ کرائے، وقتی طور پر مانعِ حمل طریقہ استعمال میں لاوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/شعبان ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

حصول اولاد کے لیے رحم میں کیپسول رکھنا

سوال: اگر کوئی آدمی اس دور کے اندر جو دوائیں نکلی ہیں، کہ عورت کے پیٹ میں یا پھر بچہ دانی کے اندر اس طرح کا کیپسول رکھ دیا جاتا ہے، تو اس دوا کے اثر سے بچہ پیدا ہوتا ہے، تو اس طرح کا بچہ پیدا کرنا کیسا ہے؟ حرام کا ہوگا یا حلال؟ اس طرح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ دوا ایسی ہے، جس کی وجہ سے عورت کے رحم کی قوتِ تولید اور صلاحیتِ استقرارِ حمل کو تقویت پہنچتی ہے، باقی بچہ تو اس عورت کے شوہر کے نطفہ سے ہی پیدا ہوتا ہے، تب تو اس دوا کا استعمال درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور اگر یہ بات نہیں ہے؛ بلکہ کوئی دوسری صورت ہے، تو وہ کیا صورت ہے؟ اس کی تفصیل تحریر فرما کر حکم معلوم فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ، ۲۶/ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حصول ولد کے لیے مادۂ منویہ شرم گاہ میں رکھوانا

سوال: اگر کوئی آدمی اپنی عورت کی شرمگاہ میں اس لیے گولی رکھتا ہے کہ اس کی عورت بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، مرد بھی برابر ہے؛ لیکن اس کی منی کے اندر وہ جراثیم نہیں جن سے بچہ پیدا ہوتا ہے، اور ڈاکٹروں نے انکار کر دیا ہے کہ اب چاہے کتنی ہی دوا کراؤ؛ لیکن وہ جراثیم تمہاری منی کے اندر پیدا نہیں ہوں گے، اس صورت کے اندر ڈاکٹر لوگ کسی دوسرے کی منی لے کر اپنی عورت کی شرمگاہ کے اندر یا پھر بچہ دانی میں رکھتے ہیں، اور اگر اس سے بچہ پیدا ہوا تو وہ بچہ حرام کا ہوگا یا حلال کا؟ اور اس طرح کا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اس سوال کا جواب مدلل اور تفصیل کے ساتھ مع حوالات کے جلد از جلد تحریر کیجئے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

غیر شوہر کا مادۂ منویہ لے کر اپنی بیوی کی بچہ دانی میں ڈاکٹروں سے رکھوانا حرام اور ناجائز ہے، زنا کو شریعت نے اسی لیے حرام ٹھہرایا کہ اس میں اختلاط اور اشتباہ نسب ہے، جو صورتِ مذکورہ میں پایا جاتا ہے؛ بلکہ خود شوہر کا مادۂ منویہ بھی اگر ڈاکٹروں کے ذریعہ اس کی بیوی کے رحم میں رکھوایا جائے، تو یہ بھی حرام اور ناجائز ہے؛ اس لیے کہ سترِ عورت فرض ہے، عورت کی شرمگاہ عورت غلیظہ ہے، شرمگاہ کے بالائی حصہ کو بلاوجہ شرعی دوسرے کے لیے دیکھنا جائز نہیں ہے، تو اندرونی حصہ کو دیکھنا اور شرمگاہ کو چھونا کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ میاں بیوی سخت گنہگار ہوں گے اور شوہر از روئے حدیث دیوث بنے گا اور جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا۔ (مشکوۃ ۲/ ۳۱۸ باب بیان الخمر)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عزل کی شرعی حیثیت

سوال: عزل کا حکم کیا ہے؟ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم عزل کیا کرتے تھے اور قرآن کا نزول ہو رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شدت کے ساتھ ممانعت تو ثابت نہیں؛ البتہ اشارۃً معلوم ہوتا ہے، پھر ناجائز کیوں ہے؟ کو پرٹی اور اس قسم کے دیگر ذرائع سے اگر ایک مدت تک افزائش نسل کو روک دیا جائے تو علماء منع کیوں کرتے ہیں، جب کہ اس زمانہ میں عورتوں کی صحت اور قوت کیسی رہ گئی ہے وہ بین ہے؟ اور ہر سال یا سوا سال بعد دوسرے بچہ کی پیدائش پر اول بچے کی نہ تو جسمانی پرورش صحیح طرح ہوسکتی ہے اور نہ

ہی اخلاقی تربیت صحیح ڈھنگ سے ہو پاتی ہے۔ ''اسلام میں حلال وحرام'' کتاب میں عزل کو جائز لکھا ہے، یہ کتاب عربی میں ہے اس کا ترجمہ مرکزی مکتبۂ اسلامی سے شائع ہو چکا ہے، دلائل سے اس میں یہ مسئلہ ثابت کیا گیا ہے، مصنف کا نام اس وقت یاد نہیں آ رہا ہے اور کتاب بھی موجود نہیں، ہمارے یہاں قاسمی مفتی جواز کا فتویٰ دیتے ہیں؛ مگر میرے بعض متعلقین کو اصرار ہے کہ عزل ناجائز ہے، بالتفصیل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عزل مکروہ ہے اور احادیث سے بھی کراہت کی تائید ہوتی ہے، سوال میں آپ کا جملہ ''البتہ اشارۃً معلوم ہوتا ہے'' کا کیا مطلب ہے؟ جواز معلوم ہوتا ہے یا عدم جواز؟ آپ نے بات مبہم رکھی ہے، جب عزل کو ''وأد خفی'' بتلایا گیا ہے؛ نیز آپ ﷺ کا ارشاد: ''مامن نسمة كائنة إلى يوم القيامة إلا هى كائنة'' (بخاری ۲/۷۸٤) کیا اس کی لغویت وکراہت ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں؟ آج کل جس نظریہ کے ماتحت افزائش نسل کو روکنے کے اسباب ووسائل اختیار کئے جارہے ہیں وہ نظریہ صراحتاً قرآن وحدیث کی تعلیمات کے خلاف اور شریعت مطہرہ سے متصادم ہے، آپ نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے وہ میری نظر سے نہیں گذری، اس موضوع پر علمائے حق کی طرف سے بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

طالب علم کے لیے عزل کرنا

سوال: عزل اور ضبط تولید مطلقا جائز ہے یا اس کے بھی کچھ شرائط ہیں تو وہ کیا ہیں؟ اگر شادی شدہ طالب علم ضبط تولید کرنا چاہے اس بناء پر کہ اس کو تعلیم میں حرج ہوگا تو کیا اس کے لیے گنجائش ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بوقت ضرورت عزل یا اسکے قائم مقام تدبیر اختیار کرنے کی اجازت ہے، آج کل عیش پرستوں نے اس کو فیشن بنالیا ہے، اس کی اجازت نہیں ہے۔ (از فتاوی رحیمیہ ۲/۲۴۶)

دور حاضر میں نفس نکاح ہی تعلیم کے لیے حارج ہے، اس لیے جو آدمی حقیقی معنی میں طلب علم کی مصروفیت چاہتا ہو، اس کو چاہیے کہ نکاح کو فراغت تک مؤخر کرے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ضبطِ تولید

سوال: زید کی بیوی ہندہ کو چار اولاد ہوئیں، ان میں سے صرف ایک ولادت نارمل ہوئی اور بقیہ تین ولادتیں بذریعۂ آپریشن ہوئیں، تیسرے آپریشن کے بعد غیر مسلم ماہر لیڈی ڈاکٹر نے کہا کہ اب اگر تم حاملہ ہوئی تو جان کا خطرہ ہے، تو ایسے طریقے اختیار کرو کہ حمل ہی نہ ٹھہرے، تو اب زید کیا کرے، اس غیر مسلم لیڈی ڈاکٹر کی بات مانے یا جو مقدر میں ہوگا اس پر عمل کرتے ہوئے احتیاط نہ کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی ماہر مسلم ڈاکٹر بھی اس کی تائید کرتا ہو تو ایسے طریقے اختیار کرنا جس سے وقتی طور پر حمل نہ ٹھہرے اس کی اجازت ہے؛ البتہ ایسا آپریشن جو قوت تولید کو ختم کرنے والا ہو کرانے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

غلط نظریہ سے ضبط تولید کا آپریشن کرانا

سوال: بہت سے لوگ اس وجہ سے کہ بچے زیادہ ہوں گے تو کیسے پرورش ہوگی؟ کیسے پالیں گے؟ کیسے پڑھائیں گے؟ کہاں سے خرچ لاویں گے؟ حالاں کہ روزی کا مسئلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، صرف اس وجہ سے یہ لوگ بیوی کا آپریشن کروادیتے ہیں، اور تقدیر پر ایمان رکھنا ضروری ہے، تو ان لوگوں کی نماز، روزہ قبول ہے یا نہیں؟ ایمان پختہ ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس نظریہ سے آپریشن کرانا حرام ہے، ایمان کی کمزوری کی بات ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ضبط تولید کا آپریشن کرانے پر رقم لینا

سوال: زمانۂ حال میں رواج چل رہا ہے کہ کسی عورت کو تین یا چار بچے پیدا

ہونے کے بعد آپریشن کر لیتے ہیں، اور آپریشن کرنے کے بعد سرکار کی طرف سے کچھ رقم دی جاتی ہے یا برتن دیے جاتے ہیں تو یہ آپریشن کرانا اور رقم لینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ آپریشن کرانا اور اس پر رقم لینا دونوں ناجائز اور حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ربیع الآخر ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بچہ کی پیدائش کی تکلیف کے ڈر سے بچہ دانی نکلوانا

سوال: میرے گھر میں تین بچوں کی پیدائش ہوئی؛ مگر ابھی چوتھے بچے کی پیدائش کے وقت عورت کو بڑی تکلیف ہوئی اور ڈاکٹر نے بتایا کہ بچہ دانی میں پیپ ہو جاتا ہے، اور پوری بچہ دانی باہر آجاتی ہے، تو حضرت اس کے لیے کوئی مسئلہ ہو تو برائے کرم تجویز فرما کر جواب ارسال فرمائیں بڑی مہربانی ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایسی وقتی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں جن کے نتیجہ میں وقتی طور پر حمل نہ ٹھہرے، جب تک عورت کو موجودہ کمزوری اور مرض ہے وہاں تک اس پر عمل کر سکتے ہیں؛ لیکن دائمی طور پر ولادت وحمل کا سلسلہ ختم کر دینا درست نہیں ہے، حمل میں تکلیف تو ہر ایک عورت کو ہوتی ہی ہے، قرآن مجید میں باری تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے: ﴿حملته أمه كرها ووضعته كرها﴾ اس حمل کی تکالیف سے گھبرا کر بچہ دانی نکلوانے کی اجازت نہیں ہے، آج کل ڈاکٹر بھی حکومتی ہدایات کے ماتحت معمولی اعذار میں بھی بچہ دانی

نکال دینے کا مشورہ دیتے ہیں، اس لیے ان کے اس نوع کے مشوروں سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ محرم الحرام ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حمل ٹھہرنے پر طعنہ دینے کی وجہ سے اسقاط کرنا

سوال: ① زید کی بیوی کو چار ماہ قبل بچہ پیدا ہوا، آٹھ دن قبل دوسرا حمل ٹھہرا جس کی وجہ سے زید کی والدہ اور اس کی بہنیں زید کی بیوی کو طعنہ دیتے ہیں کہ صرف کھانے اور جننے کے لیے آئی ہو، اس کی وجہ سے زید کی بیوی پریشان ہے تو اس کی وجہ سے زید کی بیوی کو حمل کا اسقاط کروانا جائز ہے؟

② دو بچوں کے درمیان فاصلہ نہ رہنے کی وجہ سے پہلے بچہ کی صحت پر اثر پڑتا ہے، اس کی کامل نگہداشت والدہ نہیں کرسکتی ہے؛ نیز اس عورت کو پورے گھر کا کام کرنا پڑتا ہے وہ تنہا ہی کام کرنے والی ہے، دوسرے حمل کے فوراً ٹھہرنے کی وجہ سے گھر کا کام کاج مشکل ہوجاتا ہے، تو کیا ان اعذار کی بناء پر مانعِ حمل اسباب کا استعمال درست رہے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ساس اور نندوں کے طعنہ کی وجہ سے حمل کا اسقاط کرانا درست نہیں ہے، کسی عورت کو حمل ٹھہرنا اور زیادہ بچے پیدا ہونا اس کے حق میں کوئی عیب نہیں ہے؛ بلکہ خوبی کی بات ہے۔ حدیث پاک میں زیادہ بچے دینے والی عورت سے نکاح کرنے کی

ترغیب آئی ہے، اس لیے ساس اور نندوں کا حمل ٹھہرنے پر طعنہ دینا جائز نہیں ہے، ان کو چاہیے کہ اپنی اس حرکت سے توبہ کریں اور طعنہ دے کر زید کی بیوی کو جو تکلیف پہنچائی ہے معافی مانگ کر اس کی تلافی کریں۔

② پہلے بچہ کی صحت برقرار رکھنے کی غرض سے دوسرے حمل اور پہلے بچہ کے درمیان مناسب فاصلہ رکھنے کے لیے مانعِ حمل تدبیر (عزل، کنڈوم وغیرہ) کو اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دو بچوں میں فاصلہ رکھنے کے لیے مانع حمل تدبیر اختیار کرنا

سوال: ایک بہن کی شادی کو تین سال ہوئے ہیں اور اس بہن کو چار بچے ہو گئے ہیں، پہلا اس کا حمل گر گیا تھا، دوسری بچی پیدا ہونے کے بعد اس کا انتقال ہو گیا، اور تیسری بچی پیدا ہوئی اور اب چھوٹا بچہ پندرہ بیس دن کا ہے اور وہ عورت بچے پیدا ہونے کی وجہ سے کمزوری بھی محسوس کرتی ہے تو آپ سے یہ پوچھنا تھا کہ اب آئندہ بچوں میں وقفہ رہے اس کے لیے کچھ علاج کر سکتی ہے؟ اس کے شوہر کو کسی مولانا نے بمبئی میں یہ جواب دیا تھا کہ گناہ ہے اور کوئی علاج نہیں کر سکتے، آپ اس کا جواب تحریری دیں اور اسٹیمپ کے ساتھ دے تو بہت بہتر رہے گا، اور اگر علاج کر سکتی ہے تو کتنے عرصہ کے لیے کر سکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ایک بچہ پیدا ہونے کے بعد دوسرا بچہ پیدا ہونے کے درمیان اس غرض سے فاصلہ رکھنے کے لیے استقرارِ حمل روکنے کی تدابیر اختیار کرنا کہ پہلے بچہ اور اس کی ماں کو جسمانی نقصان سے بچایا جاسکے درست اور جائز ہے؛ البتہ یہ تدبیر عارضی اور وقتی ہونی چاہیے، دائمی اور مستقل نہ ہو، اور اس تدبیر کو صرف اتنے وقت کے لیے عمل میں لایا جائے جتنے وقت سے مذکورۂ بالا ضرورت پوری ہوجاتی ہو۔ (ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ ۲/۲۴۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/صفر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مانعِ حمل آپریشن کرانا

سوال: میرے ایک دوست کی عورت کو تین بچے آپریشن سے پیدا ہوچکے ہیں، ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اب اگر چوتھا حمل رہ گیا تو عورت کی جان کا خطرہ ہے، اب آپریشن سے بھی بچے کو نکالنے کی گنجائش نہیں ہے؛ لہٰذا اب اس عورت کو ایسے آپریشن کی ضرورت ہے جس کی وجہ سے آئندہ حمل قرار نہ پائے، برائے مہربانی مفتی صاحب مندرجۂ بالا مسئلے کا حل تحریر فرمائیں تاکہ اس عورت کا مانعِ حمل آپریشن کروادیا جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسلمان، دین دار، ماہر ڈاکٹر یا طبیب کی رائے یہ ہے کہ آئندہ حمل قرار پانے میں عورت کی جان جاسکتی ہے تو اولاً تو منعِ حمل کے لیے وقتی اور ہنگامی تدابیر

اختیار کی جائیں، اس کے باوجود خطرہ باقی ہو تو مانعِ حمل آپریشن کی بھی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ رجب ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مانعِ حمل تدابیر اختیار کرنا

سوال: کسی عورت کو بچہ ہونے کی صورت میں بہت زیادہ کمزوری ہو جانے کا خدشہ ہو، اور ڈاکٹر بھی مشورہ دے کہ اب اولاد پیدا ہونے سے خطرہ ہوگا تو ایسی صورت میں کیا عورت نس بندی کا آپریشن کرا سکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حمل اور ولادت میں تکلیف تو ہوتی ہی ہے ﴿حملته امه كرها ووضعته كرها﴾ اس لیے ان کی وجہ سے ولادت کا سلسلہ منقطع نہ کیا جائے، آج کل ڈاکٹر بھی ڈرا دیتے ہیں اور آپریشن کا مشورہ دیتے ہیں؛ البتہ عورت کو نا قابلِ تحمل نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے تو مسلمان، دیندار، ماہر طبیب کے مشورہ سے وقتی مانعِ حمل تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

منعِ حمل کے لیے تدبیر اختیار کرنا

سوال: آج کل بذریعۂ دوا یا کوئی آلہ (ڈاکٹری یا دایہ) کے ذریعہ حمل روکنے کا عام رواج ہے، مسلمانوں کے لیے درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کونسی صورت اختیار

کی جائے جس سے مسلمان رک جائیں، جب کہ اس میں کثیر آبادی شریک ہو؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فیملی پلاننگ کا نظریہ اسلامی تعلیمات اور اسلامی رواج کے سراسر خلاف ہے، اس نظریہ کے تحت مانع حمل ذرائع کا استعمال بھی جائز نہیں ہے۔ اس موضوع پر علماء کے مستقل رسائل موجود ہیں، ان کا مطالعہ کیا جائے۔

مسلمانوں کو خلاف شرع امور کے ارتکاب سے بچانے کے لیے ضروری ہے کہ ان میں علمِ دین کی اشاعت فرما کر ان کو دین کے احکام ومسائل سے روشناس کیا جائے، اس پر عمل کی فضا عام ہو اس کے لیے اجتماعی اور انفرادی محنت کی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ رشوال ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بچوں میں فاصلہ کے لیے کوپرٹی کا استعمال

سوال: آج کل جس عورت کو ایک سال میں بچہ ہوتا ہے اور جلدی جلدی بچہ ہوتا ہے، اس کے لیے تین سال کا فاصلہ کرنے کے لیے کچھ ڈاکٹری علاج کیا جاتا ہے، جس کو کوپرٹی (Copprty) کہتے ہیں، یا اسی طرح بچہ روکنے کے لیے گولیاں کھائی جاتی ہیں، کیا ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل قرار نہ پائے اس کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے "وأد خفي" فرمایا ہے، یعنی: خفیہ طور پر بچہ کو زندہ درگور کرنا۔ (کمارواہ مسلم) اور بعض دوسری روایات میں عزل یعنی: ایسی تدبیر اختیار کرنا کہ نطفہ رحم میں نہ جائے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سکوت یا عدم ممانعت منقول ہے، وہ ضرورت کے مواقع کے ساتھ مخصوص ہے، وہ بھی اس طرح کہ ہمیشہ کے لیے قطع نسل کی صورت نہ بنے، دوسرے بچہ کا حمل ٹھہر جانے کے نتیجہ میں ماں کا دودھ منقطع ہو جاتا ہے اور پہلے بچہ کے لیے ہلاکت کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ بچہ کے باپ میں اس کی استطاعت نہیں ہے کہ اس کے دودھ کا بندوبست کر سکے، اس صورت میں دو ولادتوں میں فاصلہ کرنے کے لیے کوپرٹی کے استعمال کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

وقتی طور پر منع حمل کی کوئی ترکیب اختیار کرنا

سوال: ایک صاحب کو سات بچے ہیں بڑے بچے کی پیدائش ۱۹۸۱ء میں ہوئی، اور سب سے چھوٹے بچے کی گذشتہ شعبان میں اس طرح ۸۱ء سے آج تک سات بچے پیدا ہوئے، اس طرح مسلسل بچوں کی پیدائش سے پرورش میں بڑی دقت پیش آتی ہے، فی الحال تین بچوں کو دودھ کی بوتل دینی پڑتی ہے، اگرچہ دو بچے بوتل کے ساتھ اناج وغیرہ بھی لیتے ہیں، بعد حمل عموماً دودھ کم ہوتا ہے، لہٰذا بچے کمزور پیدا ہوتے ہیں، عزل کے لیے عورت کی قلبی اجازت نہیں ہے اپنے شوہر کو خوش رکھنے کے لیے دے دیتی ہے صورت مسئلہ میں دو حملوں میں فاصلہ کے لیے کوپرٹی

وغیرہ لگوا سکتے ہیں (اس کے لگے رہنے تک حمل نہیں ٹھہرتا) کیا یہ صورت جائز ہے اگر جائز ہے تو کتنی مدت تک کے لیے جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں عزل کی اجازت ہے، کوپر ٹی سے اگر وقتی طور پر حمل نہ ٹھہرتا ہو تو وہ بھی عزل کے حکم میں ہے، بشرطے کہ اس کے لگانے کے لیے اجنبی کی مدد نہ لینا پڑے؛ لیکن چوں کہ یہ کام ڈاکٹر ہی کرتا ہے اس لیے درست نہیں؛ البتہ اگر شوہر خود یہ کام انجام دے سکتا ہے ہو تو اجازت ہے، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایام حمل میں عوارض پیش آتے ہی ہیں

سوال: اگر کسی عورت کو حمل قرار پاتے ہی طبیعت بگڑ جاتی ہو کبھی پیٹ میں درد ہوتا ہو اور کبھی سر میں درد ہوتا ہو؛ الغرض ایام حمل کے پورے دن تکلیف ہی میں گزرتے ہوں اور معاً ضعف اور کمزوری بھی بہت بڑھ جاتی ہو تو ایسی عورت کے لیے شرعاً آپریشن کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زمانۂ حمل میں عورت کو اس قسم کے عوارض پیش آتے ہی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عزل کے تعویذ کا استعمال

سوال: زید اپنی بیوی کی حد درجہ جسمانی کمزوری کی وجہ سے عزل کرنا چاہتا ہے، کیا عزل کرنا جائز ہے؟ یا عزل کرنے کے لیے صحبت کے وقت نرود (ربڑ کی تھیلی) کا استعمال کرتا ہے، یہ چیز جائز ہے یا نہیں؟ اس کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر کے مشورہ سے مانعِ حمل گولیاں بھی استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ عزل کے لیے ہی تعویذ کا استعمال جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیوی کی حد درجہ جسمانی کمزوری کے پیش نظر وقتی طور پر مانع حمل تدبیریں اختیار کرنا، جن میں عزل یا نرودھ کا استعمال یا مانع حمل گولیوں کا استعمال بھی ہے، جائز ہے۔ تعویذ بھی اس مقصد کے لیے کارگر ہو تو استعمال کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ رصفر المظفر ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

اسقاط حمل سے متعلق اخلاطی کے قول سے دھوکہ نہ کھائیں

سوال: فقہ کی کتابیں دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اسقاط حمل چار مہینے سے پہلے عذر کی وجہ سے جائز ہے، اور چار مہینے کے بعد کسی حال میں بھی جائز نہیں؛ لیکن فتاویٰ ہندیہ میں جواہر الاخلاطی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ: مطلقاً اسقاط حمل جائز ہے، اور اس پر "وعلیہ الفتویٰ" بھی کہا، ہندیہ کی عبارت یہ ہے:

العلاج لإسقاط الولد إذا استبان خلقه كالشعر والظفر ونحوهما لا يجوز،وإن كان غير مستبين الخلق يجوز؛ وأما في زماننا يجوز علىٰ كل حال، وعليه الفتوىٰ كذا في جواهر الأخلاطي.(فتاوىٰ هنديه ٥/ ٣٥٦، باب:١٨)

اور ہدایہ(۲/۲۹۲) کتاب النکاح کے حاشیہ نمبر۹/ پر بھی یہی لکھا ہے، حالاں کہ ہمارے بزرگوں میں سے کسی نے اس پر فتویٰ دیا ہو نظر سے نہیں گزرا، تو کیا اس زمانے میں اس پر فتویٰ دیا جاسکتا ہے؟ اگر نہیں دیا جاسکتا تو مذکورہ عبارت کا کیا جواب دیا جاسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

کسی قول کے متعلق کسی کتاب میں علیہ الفتویٰ کہنا یہ اس کی ترجیح و تصحیح ہے، اور ترجیح وتصحیح اسی کی قابل قبول اور معتبر ہوگی جو اس کا اہل ہو، یعنی ترجیح دینے والا عالم فقہا کے اس طبقے سے تعلق رکھتا ہو جو ترجیح وتصحیح کی اہلیت رکھتے ہیں۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ نویسی کے اس اصول کی صراحت اپنی کتاب ''شرح عقود رسم المفتی'' میں فرمائی ہے:

اعلم بأن الواجب اتباع ما ترجيحه عن أهله قد علما (ص:٢٥)
وقوله عن أهله أي أهل الترجيح إشارة إلىٰ أنه لا يكتفي بترجيح أي عالم كان إلخ.(ص:٢٧)

صورت مسئولہ میں فتاویٰ عالمگیری میں جواہر الاخلاطی کے حوالے سے جو ترجیح نقل کی گئی ہے، اس میں تلاش بسیار کے باوجود نہ یہ معلوم ہوسکا کہ اخلاطی کون ہیں؟ اور نہ ان کی کتاب جواہر کا پتہ چل سکا؛ اس لیے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ غالباً اسی لیے علامہ شامی نے باوجود اس کے کہ اس مسئلہ پر اپنے مشہور حاشیہ ''ردالمحتار''

المعروف بہ شامی میں تین مقامات پر بحث کی ہے؛ لیکن اس قول کی طرف معمولی اشارہ بھی نہیں کیا۔ بحر الرائق کے حاشیہ منحۃ الخالق (۳/۲۱۵) میں بھی کوئی ادنیٰ اشارہ اس قول کی طرف نہیں کیا ہے۔ درمختار کی شرح طحطاوی میں بھی دو مقام (۲/۷۶، ۷۷۔ ۴/۲۱۲) پر یہ مسئلہ ہے؛ لیکن یہ قول نقل نہیں کیا ہے؛ اس لیے عالمگیری کی اس عبارت سے دھوکہ نہ کھائیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابر میں سے کسی نے اس پر فتویٰ نہیں دیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ رمحرم الحرام ۱۴۲۰ھ

اسقاط حمل کرنا کس صورت میں جائز ہے؟

سوال: ایک عورت کو کسی زخم سے بدن میں کسی جگہ زہر ہو گیا، وہ عورت حاملہ ہے ڈاکٹر مشورہ دے رہے ہیں کہ حمل کو ضائع کر دیا جائے ورنہ عورت کے لیے ہلاکت ہے، اس میں کیا کیا جائے؟ حمل گرا دیا جائے اگر عورت کے ہلاکت کا خدشہ نہ ہو خالص بچہ کو پیدائش کے بعد تکلیف ہو گئی ایسی صورت میں علماء دین کیا کہتے ہیں؟ بچہ ضائع کیا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مشورہ دینے والا ڈاکٹر مسلمان متدین اور ماہر فن ہے اور حمل ایک سو بیس دن سے کم کا ہے یعنی اس کے اعضاء وغیرہ نہیں بنے ہیں تو عورت کی ہلاکت کے اندیشہ کی صورت میں اس حمل کو ضائع کرنے کی اجازت ہے، شرائط بالا میں سے کسی بھی ایک کے مفقود ہونے کی صورت میں اجازت نہیں ہے۔ (درمختار شامی ۵/ ۳۰۴، ۳۰۵)

پیدائش کے بعد بچہ کی تکلیف کے اندیشہ کی صورت میں اجازت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲ رجب ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اولاد کے خوف یا لذت اندوزی کے لیے اسقاط حمل

سوال: اگر حمل ٹھہر گیا اور اس کو گرا دینا اولاد کے خوف سے ہو یا لذت اٹھانے کی غرض سے ہو، دونوں حالت میں گرا دینا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دونوں بنیادوں پر اسقاطِ حمل کی اجازت نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ رشوال المکرم ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

منع حمل کی تدابیر میں نس بندی کا حکم

سوال: زید کی تقریباً ۱۱ رسال پہلے ہندہ سے شادی ہوئی، شادی کے دو سال کے بعد ہندہ کو ایک بچی ہوئی، بچی کی پیدائش کے بعد ہندہ کی حمل کی تھیلی پیٹ میں باہر آ گئی جس کا آپریشن کیا گیا؛ مگر وہ کامیاب نہ رہا، مسلسل دس سال علاج کرانے کے بعد بھی ہندہ کو اس مرض سے راحت نہ مل سکی، حالاں کہ دوران علاج دس سال کے عرصے میں ہندہ کو تین اولاد ہوئی، جن میں ایک کا انتقال ولادت کے دو دن بعد ہو گیا، دوران علاج بھی اور فی الوقت بھی ہندہ کو بہت زیادہ تکلیف رہتی، اب ہندہ کے اندر برداشت

کرنے کی طاقت نہیں، حمل کی تھیلی پیٹ میں باہر آجانے کے سبب ہندہ کو دوسرے امراض بواسیر وغیرہ لاحق ہورہے ہیں، اب ایسی صورت میں تمام ہی اسپیلشٹ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ ہندہ کی نس بندی کردی جائے، یا پھر تمام ہی آلات سمیت حمل کی تھیلی کو آپریشن کے ذریعے نکال کر باہر کردیا جائے۔ مذکورہ صورت میں کیا زید ہندہ کا علاج ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر ایسا کر بھی لے تو کیا شرعاً درست ہوگا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں بتلا کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اسی نوع کے ایک سوال کے جواب میں حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: ”جب کمزوری اور طبیعت کی خرابی کی وجہ سے حمل کی قراری دشوار ہے، حمل برداشت نہیں ہوسکتا تو اولاً ایسا علاج کیا جائے کہ کچھ عرصہ تک استقرار حمل نہ ہو یعنی حمل نہ ٹھہرے، پھر اگر یہ وقتی تدبیر مفید ثابت نہ ہو تو بالآخر مسلمان، دین دار، حاذق حکیم یا مسلمان دین دار تجربہ کار ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق آپریشن کرانا جائز ہے، اس بارے میں غیر مسلم ڈاکٹر یا حکیم کی صلاح (مشورہ) غیر معتبر ہے“۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۳/۲۱۵، ۲۱۶) یہ یاد رہے کہ نس بندی مرد کی ہوتی ہے عورت کی نہیں۔ صورت مسئولہ میں ہندہ کے شوہر کی نس بندی جائز نہیں ہے؛ البتہ شرائط بالا کے ساتھ ہندہ کے لیے وقتی مانع حمل علاج وتدبیر درست ہے، اور اس کے غیر مؤثر ہونے کی صورت میں دائمی تدبیر بھی کی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸ر صفر ۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مجبوری میں مانع حمل دوائی استعمال کرنا

سوال: ① نرودھ کا استعمال کرنا کیسا ہے جب کہ اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرے؟
② لبس (عورت کی بچہ دانی کو بندھوانا) تو کیا یہ کرواسکتے ہیں؟ اور یہ دونوں مسئلے پر عمل اس وقت کا ہے جب کہ ایک بچہ موجود ہے، اور ایک کے ہوتے ہوئے دوسرے کی تربیت اچھی طرح نہیں ہوتی، یا دوسرے کی تربیت نہیں ہوتی، تو اس مسئلہ کو برائے کرم مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ② اقتصادی حالت اور عسرت وتنگدستی یا خاندانی منصوبہ بندی کی طور پر کسی بھی مانعِ حمل (عارضہ یا دائمی) چیز کا اختیار کرنا درست نہیں ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر بے اعتمادی اور مقصدِ مشروعیتِ نکاح سے فرار ہے، جو شرعاً جائز نہیں ہے، بیوی کی بیماری اور استقرارِ حمل کی صورت میں اس کی ہلاکت کے خوف سے عارضی مانعِ حمل تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے؛ البتہ دائمی کی اس صورت میں بھی اجازت نہیں ہے، تربیت سے آپ کی مراد کیا ہے؟ اس کی وضاحت کیجئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵ رشوال المکرم ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

عذر کی وجہ سے مانع حمل دوائی استعمال کرنا

سوال: دو اولاد کے مابین فاصلہ اگر فاصلہ کرتے ہیں تو بچہ کی تربیت اور اس کی دیکھ بھال اچھی طرح ہوتی ہے اس لیے ایک بچہ کی پیدائش کے بعد مانع حمل دوائی کا

استعمال کرتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر واضح طور پر یہ ثابت ہوجائے کہ جلد جلد کی ولادت بچہ کی صحت اور تربیت پر غیر معمولی طور پر اثر انداز ہوتی ہے تو اس طرح دو بچوں کی پیدائش میں فاصلہ کرنے کے لیے عارضی طور پر دوائی کے استعمال کی گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بیوی کو حمل گرانے کی دھمکی

سوال: ایک شخص اپنی بیوی کو دھمکی دیتا ہے کہ گولی کھا کر حمل گرادے ورنہ تجھ کو قتل کردوں گا یا طلاق دے دوں گا ایسی حالت میں حمل گرا سکتی ہے؟ بعض کہتے ہیں حمل ٹھہرتا ہے۔ بچہ کی شکل اختیار ہونے سے پہلے حمل گرا سکتے ہیں۔ یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر شوہر کی یہ دھمکی واقعی ہے تو اگر حمل چار ماہ کا نہیں ہوا ہے تو اس کو گرا سکتی ہے۔

ویکرہ ان تسقي لاسقاط حملها و جاز لعذر (درمختار) وقوله (جاز لعذر) كالمرضعة اذا ظهر بها الحبل وانقطع لبنها و ليس لابى الصبى الخ (شامي ٥/٣٠٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ ربیع الاول ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ڈاڑھی اور خصائل فطرت کے مسائل

داڑھی کی شرعی حیثیت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین مسائل ذیل میں کہ:

① داڑھی کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

② آیا ہر مسلمان کے لیے داڑھی رکھنا سنت ہے یا واجب؟

③ اگر کوئی داڑھی منڈوائے تو اس کا یہ فعل حرام ہے یا ناجائز یا اور کچھ؟

④ اگر کسی کو سرکاری سروس میں مثلاً پولس، فوج وغیرہ میں داڑھی رکھنے سے روکا جائے تو کیا یہ مداخلت فی الدین نہیں ہے؟

تمام مذکورہ سوالات کے باحوالہ جوابات مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور وعندالناس مشکور ہوں۔

سائل: معزالدین احمد، مباحثِ فقہیہ جمعیت علماء ہند

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مفتیٔ گجرات حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری نوراللہ مرقدہ نے آپ کے سوال میں اٹھائے ہوئے تمام نکات کا تفصیلی جواب دیا ہے اسی کی جستہ جستہ عبارتیں پیش کی جاتی ہیں:

مردوں کے لیے ڈاڑھی رکھنا واجب ہے، اور اس کی مقدار شرعی ایک قبضہ یعنی ایک مشت ہے، ڈاڑھی رکھنا تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متفقہ سنت مستمرہ ہے،

اسلامی اور قومی شعار ہے، شرافت اور بزرگی کی علامت ہے، چھوٹے اور بڑے میں امتیاز وفرق کرنے والی ہے، اسی سے مردانہ شکل کی تکمیل اور صورت نورانی ہوتی ہے، آنحضور ﷺ کا دائمی عمل ہے، اور حضور ﷺ نے اسے فطرت سے تعبیر فرمایا ہے، اور آپ نے اپنی امت کو ڈاڑھی رکھنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے؛ لہٰذا ڈاڑھی رکھنا واجب اور ضروری ہے منڈانا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اس پر امت کا اجماع ہے۔

حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم ﷺ کا ارشاد نقل فرماتی ہیں: عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية الخ(مسلم :۱۲۹ باب خصال الفطرة، كتاب الطهارة) یعنی دس چیزیں فطرت میں سے ہیں: ① مونچھوں کا کتروانا۔ ② ڈاڑھی بڑھانا الخ

اس حدیث میں جو کہ نہایت قوی ہے دس چیزوں کو جن میں سے ڈاڑھی کا بڑھانا اور مونچھوں کا کتروانا بھی ہے فطرت بتلایا ہے، اور فطرت عرفِ شرع میں ان امور کو کہا جاتا ہے جو کہ تمام انبیاء اور رسل کی معمول بہ اور متفق علیہ سنت ہو اور ہم کو ان پر عمل کرنے کا حکم ہو۔

صاحب مجمع البحار اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں: عشر من الفطرة اى من السنة اى سنن الانبياء عليهم السلام التى امرنا بالاقتداء بهم فيها. ك. اى من السنة القديمة التى اختارها الانبياء عليهم السلام واتفقت عليها الشرائع فكأنها امر جبلى فطروا عليه. یعنی دس چیزیں فطرت یعنی سنت میں سے ہیں یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ان سنتوں میں سے جن کی اقتداء کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ ﴿اولئك الذين هدى الله فبهداهم

اقتدہ﴾ یعنی اس سنتِ قدیمہ میں سے جس کو انبیاء علیہم السلام نے اختیار فرمایا اور اس پر تمام شرائع متفق ہیں گویا کہ وہ امر جبلی ہے جس پر انبیاء علیہم السلام کو پیدا کیا گیا ہے۔ (مجمع البحار ۴/۱۵۵ فطر)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں: قالوا ومعناه انها من سنن الانبياء صلوات الله وسلامه عليهم یعنی فطرت کے معنی یہ ہیں کہ وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں میں سے ہے۔ (نووی شرح مسلم ۱/۱۲۸) اس حدیث سے صاف ظاہر ہوگیا کہ ڈاڑھی بڑھانے کا حکم تمام شریعتوں میں تھا اور یہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت رہی ہے۔

دوسری حدیث میں ہے: عن ابن عمر قال: قال النبی ﷺ خالفوا المشركين اوفروا اللحى واحفوا الشوارب وفى رواية انهكوا الشوارب واعفوا اللحى متفق عليه. (مشکوٰۃ شریف: ۳۸۰ باب الترجل)

یعنی مشرکین کی مخالفت کرو مونچھیں پست کرو (چھوٹی کرو) اور ڈاڑھی کو معاف رکھو۔ (یعنی اسے نہ کاٹو) اور ایک حدیث میں ہے: ارخوا اللحى ڈاڑھی لٹکاؤ۔ ان احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم صیغۂ امر کے ساتھ ڈاڑھی رکھنے کا حکم فرمارہے ہیں، اور امر حقیقت میں وجوب کے لیے ہوتا ہے، نیز ڈاڑھی منڈانے میں کفار، اناث (عورتیں) اور مخنثوں کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہے جس کا ناجائز اور حرام ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ من تشبه بقوم فهو منهم (ابوداؤد شریف) ایک حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں: اللہ لعنت کرتے ہیں ان مردوں پر (جو ڈاڑھی منڈا کر یا زنانہ لباس پہن کر) عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور

ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔(مشکوٰۃ شریف:۳۸۰)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے ان مردوں پر جو مخنث بنتے ہیں، اور اسی طرح ان عورتوں پر (جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں) اور فرمایا انہیں اپنے گھروں سے نکال دو۔

عن ابن عباس قال: لعن النبی ﷺ المخنثین من الرجال والمترجلات من النساء وقال اخرجوهم من بیوتکم. (مشکوٰۃ:۳۸۰)

مالابدمنہ میں ہے: مرد را تشبہ بہ زنان وزن را تشبہ بہ مردان و مسلم را تشبہ بہ کفار وفساق حرام است یعنی مرد کو عورتوں کی مشابہت اختیار کرنا اور عورت کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے۔(مالابدمنہ ص:۱۳۱)

لہٰذا کفار وفساق کی مشابہت اختیار کرنے سے بچنا ضروری ہے۔

مفسرین نے "ولآمرنهم فلیغیرن خلق الله" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ڈاڑھی منڈانا بھی تغییر خلق اللہ ہے یعنی اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑنا ہے۔(بیان القرآن ۱۵۹ پارہ ۵ حاشیہ)(ترجمۂ شیخ الہند ۱۲۷ تفسیر حقانی ۳/۲۲۹ پارہ ۵ سورۂ نساء)

اور بالاتفاق تغییر خلق اللہ حرام ہے۔ شیطان لعین نے یہ کہا تھا کہ میں خدا کے بندوں کو حکم دوں گا کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بگاڑیں، معلوم ہوا کہ جو لوگ ڈاڑھی منڈا کر اپنی فطری صورت بگاڑتے ہیں وہ شیطان لعین کے حکم کی تعمیل اور اس کی مرضی کا کام کرتے ہیں اور جو لوگ شیطان مردود کے فرماں بردار ہیں وہ بڑے ہی خسارے میں ہیں۔ ارشاد خداوندی میں ہے: ﴿ومن یتخذ الشیطان ولیا من دون الله فقد خسر خسرانا مبینا﴾ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا

رفیق بناوے گا وہ صریح نقصان میں پڑے گا۔

تفسیر روح البیان میں ہے: حلق اللحية قبيح بل مثلة وحرام وكما ان حلق شعر الرأس فى حق المرأة مثلة منهى عنهاوتفويت للزينة كذلك حلق اللحية مثلة فى حق الرجال وتشبه بالنساء منهى عنه وتفويت للزينة قال الفقهاء اللحية فى وقتها جمال وفى حلقها تفويت للزينة على الكمال ومن تسبيح الملائكة سبحان من زين الرجال باللُّحىٰ وزين النساء بالذوائب.

(روح البيان:۲۲۲،تحت الآية واذا ابتلى ابراهيم ربه بكلمات فاتمهن)

یعنی ڈاڑھی منڈانا قبیح ہے بلکہ مثلہ اور حرام ہے جس طرح عورت اگر اپنے سر کے بال منڈادے تو یہ مثلہ ہے جو ممنوع ہے اور اس سے عورت کی زینت ختم ہوجاتی ہے، اسی طرح مرد اگر ڈاڑھی منڈادے تو یہ بھی مثلہ ہے اور اس سے مردانہ شان ختم ہوجاتی ہے، فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ڈاڑھی اپنے وقت میں جمال ہے اور اس کو منڈادینا زینت کو ختم کرنا ہے اور ملائکہ کی تسبیح ہے، ''سبحان.....'': پاک ہے وہ ذات جس نے مردوں کو ڈاڑھی سے زینت بخشی اور عورتوں کو لٹوں اور چوٹیوں سے۔

ہدایہ میں ہے: لان حلق الشعر فى حقها مثلة كحلق اللحية فى حق الرجال.(هدايه ۲۳۵/۱، باب الاحرام كتاب الحج، هكذا فى الجوهر النيرة ۱۶۷/۱ كتاب الحج)

یعنی عورت کا سر کا بال منڈانا مثلہ ہے جس طرح مرد کا ڈاڑھی منڈانا مثلہ ہے۔

ڈاڑھی منڈانا قوم لوط کی ہلاکت کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، درمنثور میں ہے قوم لوط دس برے کاموں کی وجہ سے ہلاک کی گئی ان میں سے ایک ڈاڑھی منڈانا بھی ہے۔ واخرج اسحاق بن بشير والخطيب وابن عساكر عن الحسن

قال:قال رسول الله ﷺعشر خصال عملتها قوم لوط بها اهلكوا وتزيدها امتي نجلة اتيان الرجل بعضها بعضا الى قوله وقص اللحية وطول الشارب الخ.(درمنثور٤/٣٢٤،الانبياء پاره:١٧ تحت الآية ولوطا آتيناه حكما وعلما الخ)

جب کسریٰ کے دو قاصد ڈاڑھی منڈائے اور مونچھیں بڑھائے ہوئے حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے تو آپ ان کی یہ صورت دیکھ کر کبیدہ خاطر ہوئے پوچھا کہ ایسی صورت بنانے کا تم کو کس نے حکم دیا ہے؟ کہنے لگے ہمارے رب کسریٰ نے،آپ نے فرمایا: لكن امرني ربي ان احفي شاربي واعفي لحيتي یعنی لیکن میرے رب نے تو مجھے داڑھی بڑھانے اور مونچھیں پست کرنے کا حکم دیا ہے۔(طبقات ابن سعد جلد اول بحوالہ ڈاڑھی کا وجوب مصنفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ)

بڑی عبرت کا مقام ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب کافر کو ایسی حالت میں دیکھا تو اس ہیئت وصورت کو ناپسند فرماتے ہوئے نفرت کا اظہار کیا،اور ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام لیوا ہو کر اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے دعوی دار بن کر یہ شنیع حرکت کریں! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس سے کتنی تکلیف ہوتی ہوگی۔

رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا میرے بعد قریب ہے کہ تیری زندگی دراز ہو لوگوں کو خبر دینا کہ جو شخص اپنی ڈاڑھی میں گرہ لگائے یا ڈاڑھی چڑھائے یا تانت کا قلادہ ڈالے یا گوبر اور ہڈی سے استنجاء کرے تو محمد اس سے بری ہیں۔

مشکوۃ شریف میں ہے: عن رويفع بن ثابت قال: قال لي رسول الله ﷺ يارويفع لعل الحيوة ستطول بك بعدي فاخبر الناس ان من عقد

لحيته او تقلدوترا او استنجى برجيع دابة او عظم فان محمدا منه برئ رواه ابو داؤد. (مشكوٰة شريف:٤٣ باب آداب الخلاء)

جب ڈاڑھی لٹکانے کے بجائے چڑھانے پر یہ وعید ہے تو منڈانے اور شرعی مقدار (قبضہ) سے کم کرنے پر کیا وعید ہوگی؟ (ملخص از فتاوی رحیمیہ ٦/٢٣٦تا٢٤٢)

صاحب درمختار تحریر فرماتے ہیں: واما الاخذ منها وهى دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة و مخنثة الرجال فلم يبحه احد واخذ كلها فعل هنود الهند ومجوس الاعاجم.(درمختار مع الشامي٢/١٥٥)

ترجمہ: اور ڈاڑھی میں سے لینا اس حال میں کہ وہ مشت سے کم رہ جائے جیسا کہ بعض مغربی اور مخنث کرتے ہیں، پس اس کو کسی نے مباح نہیں کہا اور کل کا منڈانا ہند کے کفار کا فعل ہے اور عجم کے مجوسیوں کا طریقہ ہے۔ كذا فى فتح القدير

(غاية الاوطار ١/٥٢٤،باب ما يفسد الصوم ومالا يفسده)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں: قوله لم يبحه احد نص فى الاجماع.(بوادر النوادر٢/٤٤٣) یعنی صاحب درمختار (وفتح القدیر) کا قول "لم يبحه احد" ڈاڑھی منڈانے اور کٹوانے کی حرمت پر اجماع کی صریح دلیل ہے۔

تنقیح الفتاوی الحامدیۃ میں ہے: وقال العلائى فى كتاب الصوم قبيل فصل العوارض ان الاخذ من اللحية وهى دون القبضة كمايفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال لم يبحه احد، وأخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الاعاجم فحيث ادمن على فعل هذا المحرم يفسق وان لم يكن ممن يستخفونه ولا يعدونه قادحا للعدالة والمروء.(تنقيح الفتاوى الحامدية ١/٣٥١)

خلاصہ یہ ہے کہ ایک مشت سے کم ڈاڑھی رکھنے کو کسی نے مباح قرار نہیں دیا۔

علامہ محمود خطاب لکھتے ہیں: فلذلك كان حلق اللحية محرما عند ائمة المسلمين المجتهدين ابى حنيفة ومالك والشافعى وغيرهم.(المنهل١/١٨٦) (بحوالہ ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں) یعنی اسی وجہ سے تمام ائمۂ مجتہدین جیسے امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد وغیرھم رحمہم اللہ کے نزدیک ڈاڑھی منڈانا حرام ہے۔

فیض الباری شرح البخاری میں ہے: واما قطع مادون ذلك فحرام اجماعا بين الائمة رحمهم الله(٤/ ٣٨٠) ڈاڑھی اس طرح کاٹنا کہ قبضہ سے کم رہ جائے باتفاقِ ائمہ حرام ہے۔

نصاب الاحتساب میں ہے: مسئله:هل يجوزحلق اللحية كمايفعله الجوالقيون؟ الجواب: لا يجوز ذكره فى كراهية التجنيس والمزيد وفى جنايات الهداية، وقال عليه السلام احفوا الشوارب و اعفوا اللحى اى قصوا الشوارب واتركوا اللحى ولاتحلقوها ولاتقطعوها ولاتنقصوها فى القدرالمسنون وهى القبضة. (نصاب الاحتساب ١٥،١٤قلمى باب ٦)

ترجمہ: مسئلہ: ڈاڑھی منڈانا جائز ہے یا نہیں؟ الجواب: التجنیس والمزید کی کتاب الکراہیۃ اور ہدایہ کے باب الجنایات میں مذکور ہے کہ (ڈاڑھی منڈانا) جائز نہیں ہے، آں حضرت ﷺ نے فرمایا اپنی مونچھوں کو چھوٹا کرواور ڈاڑھیوں کو گھنی کرواور اسے اپنے حال پر چھوڑ دواور مقدار مسنون سے کم نہ کرواور وہ ایک قبضہ ہے۔

مالابدمنہ میں ہے: تراشیدن ریش بیش از قبضہ حرام است یعنی ڈاڑھی منڈانا اور ایک قبضہ سے کم رکھنا حرام ہے۔ (مالابدمنہ:١٣٠)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: حلق کردن لحیہ حرام است، وروش افرنج وھنود است، وگذاشتن آن بقدر قبضہ واجب است، واورا سنت گویند بمعنی طریقۂ مسلوک در دین است یا بہ جہت آں کہ ثبوت آں بہ سنت است چناں کہ نماز عید را سنت گفتہ اند۔ یعنی ڈاڑھی منڈانا حرام ہے اور اہل مغرب اور ھندوؤں کا طریقہ ہے ڈاڑھی ایک مشت رکھنا واجب ہے، اور اس کو سنت اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ یہ دین میں طریقۂ مسلوکہ ہے یا؛ اس لیے سنت کہا جاتا ہے کہ یہ سنت سے ثابت ہے چناں چہ نماز عید کو (اسی معنی کے اعتبار سے) سنت کہا جاتا ہے۔ (حالاں کہ وہ واجب ہے) (اشعۃ اللمعات ۱/ ۲۱۲، فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۲۴۴ تا ۲۴۶)

مذکورہ بالا تفصیل میں آپ کے سوالات کے جوابات آچکے ہیں پھر بھی سہولت کی غرض سے نمبروار جواب دیا جاتا ہے۔

① ② مردوں کے لیے ڈاڑھی رکھنا واجب ہے اور اس کی مقدار شرعی ایک قبضہ یعنی ایک مشت ہے، ڈاڑھی رکھنا تمام انبیاء علیہم السلام کی متفقہ سنت مستمرہ ہے، اسلامی اور قومی شعار ہے۔

③ ڈاڑھی منڈانا حرام ہے۔

④ یقیناً یہ مداخلت فی الدین ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

بالوں کی تراش وخراش کی حدود اور قزع کی تشریح

سوال: بہت سے لوگ اپنے سر کے بال اس طرح کٹواتے ہیں کہ سر کے پیچھے

کے حصہ اور دونوں کانوں کے اوپر والے حصہ کے بال چھوٹے کرواتے ہیں، اور ''مقدم رأس'' سر کے آگے والے حصہ کے بال بڑے رکھتے ہیں، ایسے بال کٹوانے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اگر جائز ہے تب تو کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، اور اگر شرعاً کوئی قباحت ہے تو کس قسم کی؟ گناہ صغیرہ یا کبیرہ؟ اگر گناہِ صغیرہ ہے تو بار بار کے ارتکاب سے کیا یہ کبیرہ بن سکتا ہے؟

مسلم شریف میں حدیث ہے: عن ابن عمر ان النبی ﷺ رأی صبیا قد حلق بعض رأسه وترك بعضه فنهاهم عن ذلك، وقال: احلقوا كله او اتركوا كله. (رواه مسلم) اس حدیث سے بعض راس کا حلق اور بعض کا ترک ہی مراد ہے یا بعض کا قصر اور بعض کا ترک بھی اس میں شامل ہے وہ صورت جو اوپر مذکور ہے۔

مدارس دینیہ کے طلباء بھی ایسے بال کٹوانے کے عادی ہوتے ہیں اور کٹواتے ہیں ایسے بال کٹوانے میں شرعاً قباحت ہو اور ان بال کٹوانے کی اجرت اگر مدرسہ ادا کرتا ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ مدلل ومفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بالوں کی تراش وخراش کے سلسلہ میں ایک تو طریق سنت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس طریقہ سے بال رکھے تھے اس کے مطابق بال رکھے جائیں۔ دوسرا طریقہ ممنوع ومکروہ ہے اس کی دو صورتیں ہیں: ایک قزع والا طریقہ ہے جس کی ممانعت کی حدیث میں صراحت موجود ہے، دوسرا وہ طریقہ جس میں دیگر اقوام کی مخصوص وضع کی مشابہت لازم آتی ہو۔

آپ ﷺ کے مبارک بالوں کی تین صورتیں حدیث میں آتی ہیں: کبھی کندھوں

تک دراز ہوتے تھے اس کو جُمَّہ کہتے ہیں، کبھی کانوں کی لو تک ہوتے تھے اس کو وَفرہ کہتے ہیں، اور کبھی کبھی اس کے بین بین ہوتے تھے اس کو لِمَّہ کہتے ہیں۔

(شرح سفر السعادة:٤٩٣)

ممنوع ومکروہ میں جو دو صورتیں آتی ہیں ان میں سے ایک قزع ہے، قزع کی تشریح کرتے ہوئے صاحبِ مجمع البحار رقمطراز ہیں: انه نهى عن القزع هو ان يحلق رأس الصبي ويترك منه مواضع متفرقة تشبيها بقزع السحاب (مجمع بحار الانوار:٣/٢٦٧) یعنی نبی کریم ﷺ نے قزع سے ممانعت فرمائی ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ بچے کے سر کو مونڈا جائے، اور اس کے مختلف ومتفرق مواضع پر بال چھوڑ دیے جائیں اس کو قزع نام قزع السحاب سے مشابہ ہونے کی وجہ سے دیا گیا۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: القزع بفتح القاف وا لزاء و بالعين المهملة وهو جمع قزعة، وهى القطعة من السحاب وسمى شعر الرأس اذا حلق بعضه قزعاً تشبيها بالسحاب المتفرق.(عمدة القارى شرح صحيح البخارى٢٢/٥٨) یعنی قزع (قاف وزائے مفتوحہ اور عین مہملہ سے) قزعۃ کی جمع ہے، قزع لغت میں بادل کی ٹکڑی کو کہتے ہیں، سر کے بالوں کو جب کہ کچھ حصہ مونڈا جائے اور کچھ حصہ چھوڑ دیا جائے تو اسی لیے قزع کہتے ہیں کہ جب آسمان پر بادل کی مختلف ٹکڑیاں ہوں تو آسمان کا کچھ حصہ صاف اور کچھ حصہ سیاہ نظر آتا ہے۔

اس کی حکمت بیان فرماتے ہوئے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: فان قلت: ما الحكمة فى النهى عن القزع؟ قلت: تشويه الخلقة، وقيل زى اليهود، وقيل زى اهل الشر والدعار (ایضاً٢٢/٥٨) یعنی اس میں مثلہ کی شکل

ہوجاتی ہے، اور بعضوں نے اس کی علت بیان فرمائی ہے کہ یہ یہود کا فیشن ہے، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ اہل شر وفساد کا طریقہ ہے۔

اس کے حکم کے سلسلہ میں علامہ محمد بن طاہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اجمعوا علی کراھته اذا کان فی موا ضع متفر قة الا ان یکون لمداواة، لا نه من عادة الکفر ولقباحة صورة.(مجمع بحارالانوار٤/ ٢٦٧) یعنی اس کی کراہت پر اجماع ہے جب کہ متفرق مواضع میں ہو، البتہ بغرض علاج اس کی اجازت ہے، کراہت اس لیے کہ یہ کفار کا طریقہ ہے اور اس میں صورت بھی بگڑتی ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی کراہت کی تصریح فرمائی ہے: ویکره القزع وهو ان یحلق البعض ویترك البعض.(شامي ٥/ ٢٨٩)

اگر حلق شدہ حصہ ایک طرف ہو اور بال بھی ایک طرف ہوں (یعنی متفرق مواضع میں ہو) جیسا کہ انگریزی بال ہوتے ہیں تو یہ بھی قزع میں داخل ہوکر مکروہِ تحریمی ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: القزع فی اللغة:حلق بعض الرأس وترك بعضهم فهو مکروه تحریماً کیف ماکان لاطلاق النهی عنه.(حاشیه لامع الدراري ١٠/ ١٠)

بالوں کی دوسری ممنوع صورت وہ ہے جس میں اغیار کی مشابہت لازم آتی ہو: من تشبه بقوم فهو منهم الحدیث کی وجہ سے چناں چہ انگریزی بالوں کی ممانعت کی وجہ یہی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: انگریزی بال بنا بر تشبہ مکروہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ٥/ ١٤٩)

تشبہ کے سلسلہ میں یہ یاد رہے کہ ''عادات میں مشابہت مثلاً جس ہیئت سے وہ کھانا کھاتے ہیں اسی ہیئت سے کھانا یا لباس ان کی وضع پر پہننا، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ہماری کوئی خاص وضع پہلے سے ہو اور کفار نے بھی اس کو اختیار کرلیا ہو خواہ ہمارا اتباع کر کے یا ویسے ہی، اس صورت میں مشابہت اتفاقیہ ہے، اور اگر ہماری وضع پہلے سے جدا ہو اور اس کو چھوڑ کر ہم کفار کی وضع اختیار کریں یہ ناجائز ہے، اگر ان کی مشابہت کا قصد بھی ہے تب تو کراہت تحریمی ہے، اور اگر مشابہت کا قصد نہیں ہے بلکہ اس لباس و وضع کو کسی اور مصلحت سے اختیار کیا گیا ہے تو اس صورت میں تشبہ کا گناہ نہ ہوگا مگر چوں کہ تشبہ کی صورت ہے؛ اس لیے کراہت تنزیہی سے خالی نہیں۔

قال هشام: رأيت على ابى يوسف نعلين مخسوفين بمسامير، فقلت اترى بهذا الحديد بأسا؟ قال: لا، قلت: فسفيان وثور بن يزيد كرها ذلك لان فيه تشبها بالرهبان، فقال: ان رسول الله ﷺ كان يلبس النعال التى لها شعر وانها من لباس الرهبان فقد اشار الى ان صورة المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لا يضر، فان الارض مما لا يمكن قطع المسافة البعيدة فيها الا بهذا النوع اه قلت وفعله عليه السلام محمول على بيان الجواز اذا كان بدون القصد.

مگر چوں کہ آج کل عوام جواز کے لیے بہانے ڈھونڈتے ہیں ان کا قصد تشبہ ہی کا ہوتا ہے؛ اس لیے اکثر احتیاط کے لیے عادات میں بھی تشبہ سے منع کیا جاتا ہے خواہ تشبہ کا قصد ہو یا نہ ہو۔ (امداد الاحکام ۱/ ۱۹۴)

اب اتنی بات رہ گئی کہ سوال میں مذکورہ صورت قزع کا مصداق ہے یا نہیں؟ تو

عام طور پر قزع کی جو تعریف کتب حدیث وفقہ میں لکھی گئی ہے: حلق البعض وترك البعض اور پھر قزع کی جو وجہ تسمیہ شروحِ حدیث میں مذکور ہے: تشبیها بقزع السحاب اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ قزع کا مصداق ہو۔

لیکن حضرت قاری مولانا محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اسی طرح سر کا کچھ منڈانا اور کچھ چھوڑ دینا (جس کو قزع کہتے ہیں) ممنوع قرار دیا گیا ہے کہ اس میں مثلہ کی سی شکل ہو جاتی ہے، اس میں ماضی وحال کی قومیں مختلف ہیئتوں کے ساتھ مبتلاء ہوئی ہیں، اور یہ ان کا شعار قرار دیا گیا ہے گذشتہ دورِ تمدن میں وسطِ سر کا کچھ حصہ منڈا کر جو گرد بال چھوڑ دیے جاتے تھے اور آج کے عہدِ زینت میں قدامت کے برعکس سر کا پچھلا حصہ اور کانوں کے اوپر کا دو طرفہ منڈایا یا کترایا جاتا ہے تاکہ سر کا بالائی اور وسطانی حصہ بلند اور چوڑا دکھلائی دے، اس طرزِ عمل کے حامل طبقوں سے بھی تشبہ منقطع کرنے کا حدیث نبوی میں ارشاد فرمایا گیا ہے: نهى رسول الله ﷺ عن القزع. رسول اللہ ﷺ نے قزع سے (جس کی تفسیر ابھی عرض کی گئی) منع فرمایا ہے۔ (التشبه فی الاسلام ۱/۱۳۹)

اس لیے طلبہ علومِ نبویہ کو جو طبقۂ علماء کا ایک جز ہیں اس ہیئت سے احتراز لازم ہے اور منتظمین مدرسہ کو بھی چاہیے کہ طلبہ کو اس کی اجازت نہ دیں۔

اس سلسلہ میں دیگر حضرات مفتیان سے بھی رجوع فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ریش بچہ کا حکم

سوال: ہونٹوں کے نیچے کے بال یعنی ڈاڑھی کے اوپر کے بال کا کیا حکم ہے؟ کیا اسے کاٹ سکتے ہیں؟ دوسری بات یہ ہے کہ گنجان ڈاڑھی کے نیچے (زیادہ نیچے) کے بال جو حلق کے قریب کے بال ہوتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟ امید ہے بیان فرما کر مطمئن فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ریش بچہ کے جانبین لب زیریں کے بال منڈوانے کو فقہاء نے بدعت لکھا ہے۔ (بہشتی زیور حصہ ۱۱ ص ۷۴ مدنی) حلق کے بال منڈوانا نہ چاہیے؛ مگر ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ (ایضاً) حلق کے بالوں کا چنوانا اور منڈوانا شرعاً درست ہے، نہ منڈوانا بہتر ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۸ / ۲۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ڈاڑھی کتروانا

سوال: ڈاڑھی ایک بالشت سے کم کتروانا کیا جائز ہے؟ کتنی لمبی ڈاڑھی رکھنا واجب ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ڈاڑھی قبضہ سے کم کرنا حرام ہے؛ بلکہ یہ دوسرے کبیرہ گناہوں سے بھی بدتر ہے، اس لیے کہ اس کے علانیہ ہونے کی وجہ سے اس میں دینِ اسلام کی کھلی توہین ہے اور

اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے بغاوت کا اظہار و اعلان ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۳/ ۲۶۰)

ڈاڑھی ایک مشت تک بڑھنے دینا واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ صفر المظفر ۱۴۱۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مختون کی ختنہ

سوال: میرے ایک دوست کا لڑکا ہے، وہ قدرتی طور پر ختنہ شدہ ہے، ختنہ سنتِ ابراہیم ہے، کرنا ضروری ہے؛ مگر وہ چیز ہی نہیں جو کاٹی جاتی ہے، ہر طرح ختنہ شدہ ہے، اب اس کے لیے کیا مسئلہ ہے؟ آپ کا مشورہ کیا ہے؟ لکھئے، کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس بچہ کی سپاری اتنی کھلی ہوئی ہے کہ دیکھنے والا اس کو ختنہ شدہ سمجھتا ہے اور اب مزید کھال کاٹنا اس کے لیے باعثِ تکلیف والم ہے تو ختنہ کی ضرورت نہیں ہے۔

درمختار میں ہے: صبي حشفته ظاهر بحيث لو رآه انسان ظنه مختونا ولا تقطع جلد ذكره الا بتشديد آلمه ترك على حاله. (درمختار على هامش الشامي ۵/۵۲۹، ۵۳۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

نومسلم کے ختنہ کی اہمیت

سوال: ایک آدمی کو ایمان لا کر تقریباً سات آٹھ مہینہ ہو گئے ہیں، اور وہ جماعت

میں چلہ جا کر بھی آیا ہے، اور پنج وقتہ نمازیں بھی ادا کر رہا ہے، اور ایک وقت کی نماز بھی فوت نہیں کرتا اور وہ بالغ بھی ہے، اب مسئلہ اس کی ختنہ کرنے کے بارے میں ہے کہ ختنہ کرے یا نہیں؟ اور ختنہ کرنا سنت ہے اور ستر کا چھپانا فرض ہے، اور ستر کو دیکھنا دکھانا حرام ہے، اور سنت کے خاطر ایک فرض چھوڑا جا سکتا ہے کیا؟ اور بعض مسلمان کو اس کے ایمان میں تردد ہے، بعض مسلمان کہتے ہیں کہ اس کی ختنہ کرنا ضروری ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ کلمۂ لا الہ اللہ محمد رسول اللہ کہہ کر ایمان میں داخل ہو گیا اور شریعت کے احکام کی پابندی کر رہا ہے، تو ختنہ کرنا ہے یا نہیں، اس میں کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جو ابتداء ہی سے مسلمان ہے، اس کے لیے ختنہ کی اتنی اہمیت نہیں جتنی نو مسلم کے لیے ہوتی ہے، نو مسلم کے ستر عورت کے مقابلہ میں اس کی ختنہ زیادہ اہمیت رکھتی ہے، ختنہ شعائر اسلام اور اس کے خصائص میں سے ہے، اور خاص اسلامی علامت ہے جس کا نو مسلم میں ہونا ضروری ہے، اس میں اس کی صداقت اور استقامت کی دلیل بھی ہے، اور ختنہ دین اسلام پر ثابت قدم رہنے میں معین ہے، اس لیے نو مسلم کی ختنہ کرانی ضروری ہے، ختنہ کا وہ مخصوص مقام جس کا کھولنا ضروری ہے، اس کے علاوہ دوسری جگہ چھپائے ہوئے رکھے اور ختنہ کرنے والا جہاں تک ممکن ہو نظر اور ہاتھ بچا کر کام لے، ہاں اگر نو مسلم بے حد ضعیف اور کمزور ہو کہ ختنہ کی تاب نہ لا سکے تو پھر ختنہ لازم نہیں۔ (فتاوی رحیمیہ: ۱/ ۴۴، ۴۵ مختصراً) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نومسلم کی ختنہ کی اہمیت

سوال: ہمارے یہاں ایک آدمی نیا مسلمان بنا ہے؛ لیکن اس کا ابھی تک ختنہ نہیں ہوا، مقامی لوگوں نے اس کو ختنہ کے لیے کہا، تو کہتا ہے کہ ہمارے پیر نے منع کیا ہے۔ دوسری بات کہ اس کا کھانا پینا، رہنا سہنا اس کے بال بچوں کے ساتھ ہے اور وہ سب غیر مسلم ہیں، حال ہی میں اس نے اپنے لڑکے کی شادی ہندو مذہب میں کروائی، وہ آدمی نماز کے لیے مسجد میں آتا ہے، یہاں کے مقتدی لوگ اس سے کتراتے ہیں، تو اسلام لانے کے بعد ختنہ نہ کرانا کیسا ہے؟ اور اس نئے مسلمان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کے مسجد میں آنے سے یہ ڈر ہے کہ مقتدی کم ہو جائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو ابتدا ہی سے مسلمان ہے، اس کے لیے ختنہ کی اتنی اہمیت نہیں جتنی نومسلم کے لیے ہوتی ہے، ختنہ شعائر اسلام اور اس کے خصائص میں سے ہے، خاص اسلامی علامت ہے جس کا نومسلم میں ہونا ضروری ہے، اس میں اس کی صداقت اور استقامت کی دلیل بھی ہے، اور ختنہ دین اسلام پر ثابت قدم رہنے میں معین ہے، اس لیے نومسلم کی ختنہ کرانی ضروری ہے۔ (فتاوی رحیمیہ ۱/ ۴۴)

اس آدمی کا یہ کہنا کہ ہمارے پیر نے منع کیا ہے اس کی جہالت اور احکام اسلامی سے ناواقفیت کی دلیل ہے، اس کا اسلام لانے کے بعد اپنی غیر مسلم بیوی سے تعلق قائم رکھنا یہ بھی شرعاً حرام ہے؛ بہر حال اس کو احکام اسلامی سے واقف کیا جائے، اس کے مسجد میں آنے پر پابندی لگانا تو مناسب نہیں ہے؛ البتہ اس کے اصلاح حال کی

طرف توجہ کی ضرورت ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹ / ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ختنہ کے متعلق چند سوالات

سوال: ① ہماری شریعت اسلام میں ختنہ سے متعلق کیا احکام ہیں؟
② کیا ختنہ کرنا، کرانا اور کروانا لازمی اور ضروری ہے، اگر ہے تو کیوں؟
③ ایک نومسلم جوان ختنہ کرانے سے ہچکچا رہا ہے اس کا کیا کیا جائے؟
④ اب اسے مسلم بیوی سے ایک نرینہ اولاد بھی ہوئی ہے، اس کا ختنہ کرانے سے وہ پس وپیش کر رہا ہے، کہتا ہے کہ مجھے بتا دو قرآن اور حدیث سے کہ ختنہ کرانا لازمی ضروری یا فرض ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ختنہ شعائر اسلام اور اس کی خصائص میں سے ہے، اور خاص اسلامی علامت ہے، جس کا نومسلم میں ہونا ضروری ہے، اس میں اس کی صداقت اور استقامت کی دلیل بھی ہے، اور ختنہ دین اسلام پر ثابت قدم رہنے میں معین ہے، اس لیے نومسلم کی ختنہ کرانی ضروری ہے، ختنہ کا مخصوص مقام جس کا کھولنا ضروری ہے اس کے علاوہ دوسری جگہ چھپائے رکھے، اور ختنہ کرنے والا جہاں تک ممکن ہو نظر اور ہاتھ بچا کر کام لے۔

مجموعۂ فتاویٰ میں ہے ''وکافر یکہ مسلمان شدہ ختنہ اش باید کرد'' درخزانۃ الروایات می آرد: فی الذخیرۃ: ان المسلم یختن مالم تبلغ، فاذا بلغ لم یختن؛ لأن

ستر عورة البالغ فرض،والختان سنة؛ فلايترك الفرض للسنة، والكافر اذا اسلم يختن بالإتفاق لمخالفته دين الإسلام وهو بالغ. (۹۶/۳) یعنی کافر مسلمان ہوتو اس کی ختنہ کی جائے، کافر مسلمان ہوجائے تو بالاتفاق اس کی ختنہ کا حکم ہے؛ اس لیے کہ وہ بالغ ہونے کے باوجود دین اسلام کی مخالفت کررہا تھا (اور جب مخالفت ترک کرنا چاہتا ہے تو پوری طرح چھوڑنا اسی وقت کہلائے گا جب کہ خلاف اسلام کوئی ظاہری علامت بھی باقی نہ رہے)، جیسے یہودی اسلام لائے تو شریعت اسلامی کے ساتھ شریعت موسوی کا دامن بھی چھوڑنا نہیں چاہتے تھے، مثلاً ہفتہ کی تعظیم کرنا، اور اونٹ کا گوشت (حلال اعتقاد رکھتے ہوئے) نہ کھانا، یہ خیالات اسلام کو پسند نہ آئے، اور آیت نازل ہوئی ﴿یایها الذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافة﴾ (البقرة) (اے ایمان والو، اسلام میں کامل طریقہ سے (ظاہر و باطن دونوں طریقوں سے) داخل ہوجاؤ، یعنی خلاف اسلام کوئی بات تم میں موجود نہ ہونی چاہیے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۱/ ۴۴، ۴۵)

لہٰذا اس نومسلم کو چاہیے کہ خود بھی ختنہ کرائے اور بچے کی بھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ شوال ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

موئے زیرِ ناف، بغل اور ناخن کتنے دن میں کاٹنا چاہیے؟

سوال: زیرِ ناف، بغل کے بال اور ناک کے بال اور ناخن کتنے دن میں ایک بار نکالنا سنت ہے؛ اگر کوئی آدمی ہر جمعہ کو نکالتا ہے تو اس کا یہ فعل صحیح ہے؟ اور اگر کوئی آدمی ہر جمعہ کو نکالنے کو کہتا ہے تو اس کا دوسرے آدمی مذاق اڑاتے ہیں اور عیب سمجھتے

ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

''فتاویٰ رحیمیہ'' میں ہے کہ: افضل یہ ہے کہ ہر ہفتہ بالخصوص جمعہ کے دن صفائی حاصل کرے، یعنی ناخن مونچھ درست کرے اور زیرِ ناف اور بغل کے بال کی صفائی کے بعد غسل کرے، زیرِ ناف اور بغل کے بال کی پاکیزگی ہر ہفتہ نہ کرسکے تو پندرہ بیس دن میں کرے، انتہائی مدت چالیس دن ہے، چالیس روز گذر جائیں اور صفائی حاصل نہ کرے تو گنہگار ہوگا۔

شامی میں ہے: (و) يستحب (حلق عانته وتنظيف بدنه بالاغتسال في كل أسبوع مر) والأفضل يوم الجمعة و جاز في كل خمسة عشر وكره تركه وراء الأربعين (قوله وكره تركه) أي تحريما لقول المجتبىٰ: ولا عذر فما وراء الأربعين ويستحق الوعيد (در مختار مع الشامي: ٥/ ٣٥٨) عن ابن عمر أن النبي ﷺ كان يأخذ أظفاره ويحفي شاربه كل جمعة ويحلق العانة في عشرين يوما وينتف الابط في أربعين يوما. یعنی ایک حدیث میں ہے کہ آں حضرت ﷺ ہر جمعہ کو ناخن اور مونچھ درست فرماتے اور بیسویں روز زیرِ ناف اور چالیسویں روز بغل کے بال صاف کرتے تھے۔

(التعليق الصبيح ٤/ ٤٠٥) (فتاویٰ رحیمیہ ٢/ ٢٣٩)

اوپر کی عبارت سے معلوم ہوا کہ ہر جمعہ کو ناخن اور مونچھ نیز بغل اور زیرِ ناف کے بال کی صفائی کرنے کو عیب سمجھنا حکمِ شرع سے جہالت اور ناواقفیت کی علامت ہے، ان کو چاہیے کہ اپنی اس حرکت سے توبہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری، ٢/ محرم الحرام ١٤٢٤ھ

بال رکھنا سنت ہے یا منڈوانا؟

سوال: کیا سر منڈوانا سنت ہے یا بال رکھنا سنت ہے؟ حالاں کہ آپ ﷺ نے دونوں کام کئے ہیں؛ مگر سر تو منڈوایا صرف حج کے موقع پر ہی، اور بال پوری زندگی رکھے ہیں، تو اچھی کیا بات ہے؟ بعض علماء سر منڈوانے کو کہتے ہیں کہ اس سے اچھا کٹوانا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عام عادت مبارکہ بال رکھنے کی تھی، منڈوانا بہت کم ثابت ہے، بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ منڈواتے تھے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/۱۴۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

زیرِ ناف بال صاف کرنے کی حد

سوال: زیر ناف بالوں کے صاف کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس کی مقدار کیا ہے؟ کسی مولوی نے کہا کہ زیر ناف سے ضروری نہیں؛ بلکہ جہاں سے ران شروع ہوتی ہے وہاں سے ضروری ہے، آپ فیصلہ کیجئے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زیر ناف ہی سے شروع کریں گے۔

(قوله: ويستحب حلق عانته) قال في الهداية: ويبتدى من تحت السرة. (شامي ۶/۲۸۸، كتاب الحظر والإباحة) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

موئے زیر ناف کی حد

سوال: موئے زیر ناف کاٹنے کی طولاً وعرضاً مقدار کیا ہے؟ کیا مقعد کے بال کاٹنا ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ناف کے نیچے سے ہی اس کی صفائی شروع ہوگی۔

ویبتدئ في حلق العانة من تحت السرة.(عالمگیری ۵/۳۸۰)

"عانة" کا اطلاق آگے اور پیچھے کی شرمگاہوں پر اگنے والے بالوں پر ہوتا ہے، اس لیے دونوں کا مونڈنا مستحب ہے۔ علامہ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ نے "إتحاف السادة المتقين" میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں ۵۰ ملخصا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

موئے زیر ناف کا ازالہ بذریعۂ صابن وغیرہ

سوال: بعض اشیاء یا بعض صابون کے لگانے سے موئے زیر ناف اگتے نہیں، تو کیا ان اشیاء کا استعمال کرنا صحیح ہے؟ کیا یہ خلاف سنت نہیں ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

موئے زیر ناف کے ازالہ کے لیے صابن کا استعمال یا دیگر اس نوع کی اشیاء کا استعمال جواز ازالہ کا کام کرتی ہوں درست ہے۔

ولو عالج بالنور في العانة يجوز (عالمگیری ۵/۳۸۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۲ھ

لڑکی زیر ناف بال کس چیز سے صاف کرے؟

سوال: ایک غیر شادی شدہ لڑکی ہے، عمر اکیس سال ہے، کیا لڑکیاں اپنی شرم گاہ کے بالوں کو استرے سے یعنی لیز ربلیٹ سے صاف کر سکتی ہیں یا نہیں؟ اور اگر صاف نہیں کرے گی تو اس کی نماز ہوگی یا نہیں؟ بہت سی لڑکیوں نے یہ بات پوچھی ہے، جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کر سکتی ہے؛ مگر مناسب نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۸۶/۵)

عورتوں کے لیے مناسب یہ ہے کہ پاؤڈر کریم سے یہ بال صاف کریں، ان بالوں کی صفائی ہر ہفتہ میں ایک بار کرنا افضل ہے، اور اس کے لیے جمعہ کا دن بہتر ہے، اور پندرہ دن میں ایک بار کرنا بھی جائز ہے، چالیس دن سے زیادہ تک صفائی نہ کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ (درمختار) لیکن اس کے باوجود اس کی نماز درست ہو جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

عورتیں موئے زیر ناف کس سے صاف کریں؟

سوال: عورتوں کو زیرِ ناف بال نکالنے کے لیے کونسی چیز استعمال کرنا ٹھیک ہے؟ کیا عورتیں ریزر استعمال کر سکتی ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

موئے زیرِ ناف دور کرنے کے لیے عورتوں کو چونا، پاؤڈر، صابن وغیرہ استعمال کرنے کا حکم ہے، لوہے کا استعمال ان کے لیے پسندیدہ نہیں، مگر گناہ بھی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ، ۲۷ رمحرم الحرام ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس بسم اللہ

گلے اور گالوں کے بال مونڈنا

سوال: ڈاڑھی کی تحدید گلے کی جانب کہاں تک ہے؟ ایسے ہی گالوں پر جو بال اگے ہیں، اس کو کاٹنا جائز ہے یا نہیں؟ جس کو عموماً لوگ چہرہ بنانے سے تعبیر کرتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ولا يحلق شعر حلقه وعن أبي يوسف لا بأس بذلك، ولا بأس بأخذ الحاجبين وشعر وجهه مالم يشبه بالمخنث. (عالمگیری ۵/۳۸۰)

اس سے معلوم ہوا کہ حلق کے بالوں کو نہیں مونڈنا چاہیے؛ البتہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اجازت دیتے ہیں۔ رخسار کے بالوں کو مونڈنا، یعنی خط بنوانا شرعاً درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۸/ ۲۹۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ختنہ کا جدید طریقہ جائز ہے

سوال: ''انجمن فلاح المسلمین'' شہر ''دانڈیلی'' ریاست ''کرناٹک'' کا ایک

سرگرم ادارہ ہے، مستقل دینی ودنیاوی خدمات میں سرگرم ہے، انجمن فلاح المسلمین دانڈیلی شہر کی تمام مساجد کا سرپرست ادارہ ہے، تعمیری کاموں کے علاوہ دانڈیلی کے مسلمان بھائیوں کے مسائل، مساجد کے مسائل حل کرنے کی کوشش کرتا آرہا ہے، ساتھ میں فلاحی کام بھی انجام دیتا آرہا ہے، جیسے ختنہ کیمپ، حج کیمپ، غریب لڑکیوں کی شادی میں امداد اور ضرورت مندوں کو طبی امداد دیتا آرہا ہے۔ پچھلے دنوں (۱/مئی ۲۰۱۴) کو شہر دانڈیلی اور اس کے اطراف واکناف کے بچوں کے لیے ختنہ کیمپ رکھا گیا۔ ختنہ کا کام ڈاکٹر جاوید جگدال، ایم بی بی ایس نے کیا، جو ایک دینی کام سے وابستہ شخص ہے، ختنہ کی سرجری کے لیے انہوں نے Bipolar Cautery Circumcision Method طریقہ استعمال کیا، اس میں مشین سے سامنے کے حصے کی چمڑی کو الگ کیا جاتا ہے۔ چند افراد نے اس طریقے کو غیر شرعی کہا اور میڈیا میں لاکر انجمن کو بدنام کرنے کی کوشش کررہے ہیں، ہم آپ سے گذارش کرتے ہیں کہ اس تعلق سے آپ کا فتوی شریعت کی روشنی میں بھیجیں، آیا یہ طریقہ شریعت کے دائرہ میں ہے یا نہیں؟ تاکہ انجمن اور عوام دونوں مطمئن ہوسکے!

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

طب جدید کے تجربات نے سرجری کے میدان میں نئے نئے باب کھولے ہیں، مذہبِ اسلام ایسے تجربات کا خیر مقدم کرتا ہے، بشرطیکہ وہ کسی حکم شرعی سے متعارض نہ ہو، اسی سلسلہ کی ایک کڑی ختنہ کی سرجری کا سوال میں ذکر کردہ طریقہ ہے، حضراتِ فقہاء کے کلام میں اس کا حکم صراحۃً اس لیے نہیں پایا جاتا کہ ان کے زمانہ میں یہ متصور نہیں تھا؛ لیکن کلامِ فقہاء میں ایسی نظیریں ضرور ہیں کہ شریعت کا ایک حکم انجام دینے

میں ایک طریقہ مشقت آمیز ہو اور دوسرا سہل، تو شریعت آسان طریقہ اختیار کرنے سے نہیں روکتی، اصل مقصود حکمِ شرعی پر عمل کرنا ہے، نہ کہ متعین اسباب وآلات اختیار کرنا، مثلاً زیرِ ناف کے بالوں کو صاف کرنا ضروری ہے، یہ حکم مرد وعورت دونوں کو شامل ہے، حدیث شریف میں ان بالوں کے لیے ''حلق'' (منڈنا) یا ''استحداد'' (لوہا استعمال کرنا) کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، اس حکمِ شرعی کی بجا آوری کے لیے کوئی ان بالوں کو اُکھاڑے، یا کریم کے ذریعہ زائل کرے تو اسے ناجائز نہیں کہا جائے گا، ان بالوں کو کترنا، اُکھاڑنا، چونا اور صابون وغیرہ کے ذریعہ صاف کرنا جائز ہے، ان اسباب کے اختیار کرنے میں افضل اور غیر افضل کا فرق ہوسکتا ہے؛ لیکن جواز میں کسی کو کلام نہیں۔ وبأي شيء أزاله صاحبه فلا بأس؛ لأن المقصود إزالته. (المغني ۸۶/۱) یعنی زیرِ ناف کے بال جس سے بھی صاف کرنا چاہے، اس کی گنجائش ہے، کیوں کہ مقصود ان کا ازالہ ہے۔ (ڈاڑھی اور انبیاء کی سنتیں، ص/۴۰)

اسی طرح ختنہ کو سمجھ لیجئے! کہ مقصود زائد چمڑی زائل کرنا اور حشفہ (سپاری) کو کھولنا ہے، زائد چمڑی زائل کرنے کا جو بھی مناسب طریقہ اختیار کیا جائے اس کی گنجائش ہے، جب تک جدید ٹیکنولوجی ایجاد نہیں ہوئی تھی اُسترے اور قینچی سے ختنہ کیا جاتا رہا۔

سوال میں ذکر کردہ طریقہ نو ایجاد ہے، اس طریقہ کی آپ نے وضاحت نہیں کی، استفتاء کی عبارت انگریزی میں ہے، بندہ اس سے ناواقف ہے، ایک ماہر ڈاکٹر سے معلوم کیا تو بتلایا کہ اس طریقہ میں الیکٹرونک مشین سے ختنہ کی چمڑی کو داغ دیا جاتا ہے، بچہ کو کم سے کم تکلیف ہوتی ہے، اور جائے ختنہ بہت جلد مندمل ہوجاتی ہے، اگر یہی صورتِ حال ہے تو ختنہ کا یہ نو ایجاد طریقہ اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

ہوسکتا ہے معترضین حضرات کو چمڑی کے داغنے پر یا الیکٹرونک آلہ کی وجہ سے اشکال ہو کہ اس میں داغنا اور گرم چیز کا استعمال لازم آتا ہے جو ایک تکلیف دہ امر ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کے ضرورت کے وقت اس کی گنجائش ہے، کتبِ فقہ میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، نمونہ کے طور پر ایک مثال پیش کی جاتی ہے، فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے: چور کا دایاں ہاتھ کلائی کے جوڑ سے کاٹا جائے اور داغ دیا جائے؛ کیوں کہ اگر داغا نہ جائے تو خون زیادہ بہنے سے ہلاکت کا اندیشہ ہے، اور حد (ہاتھ کاٹنا) تنبیہ کے لیے ہوتی ہے، ہلاک کرنے کے لیے نہیں ہوتی۔

ہدایہ کی عبارت ہے: ویقطع یمین السارق من الزند و یحسم (إلی قوله) وقد صح أن النبي ﷺ أمر بقطع يد السارق من الزند والحسم لقوله: واحسموه، ولأنه لو لم يحسم يفضي إلى التلف، والحد زاجر، لا متلف. (هدايه اولين: ص: ٥٤٧)

ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں لکھا ہے: یہ داغنا واجب ہے۔

و قول المصنف: (لأ نه لو لم يحسم يفضي إلى التلف) يقتضي وجوبه. (فتح القديره/٣٨)

ہدایہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ ہاتھ کو داغنا حدیث شریف سے ثابت ہے، اس نوع کی احادیث اور آثارِ صحابہ نصب الرایہ (٤/٣٧١) میں مذکور ہیں۔

لہٰذا آپ کا ادارہ ''ختنہ کیمپ'' کے ذریعہ جو خدمت انجام دے رہا ہے، بلا تردد جائز ہے، اس طریقہ کو غیر شرعی کہنا اور میڈیا میں لاکر ادارہ کو بدنام کرنے کی کوشش کرنا خود غیر شرعی اور حرام ہے، قرآن وحدیث میں اس پر سخت وعیدیں وارد ہوئی

ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد عبدالقیوم راجکوٹی ۶ / ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ
الجواب صحیح: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

غیر عاقل بالغ کے موئے زیر ناف کیسے کاٹے جائے؟

سوال: میرا بھائی بالغ ہو چکا ہے اور وہ غیر عاقل ہے تو اس کے موئے زیر ناف اور موئے بغل کون کاٹے، اور کس کا کاٹنا اچھا ہے، کیا والد کا کاٹنا اچھا ہے، یا میرا، یا میری والدہ کا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مناسب یہ ہے کہ پاؤڈر یا صابون استعمال کر کے اس کے موئے زیر ناف صاف کئے جائیں، اگر وہ خود صابون استعمال کر سکتا ہے تو اسی سے کرایا جائے، ورنہ کوئی بھی کر سکتا ہے؛ البتہ نگاہیں بچا کر کرے۔

ولو عالج بالنور فی العانة یجوز، حلق عانته بیده وحلق الحجام جائز ان غمض بصره.(عالمگیری)

بغل ستر میں نہیں ہے؛ اس لیے کوئی بھی موئے بغل لے سکتا ہے، اس میں غض بصر ضروری نہیں ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

موبائل کے متعلق مسائل

موبائل کی رنگ میں ''اللہ اکبر'' فٹ کرنا

سوال: کیا موبائل کی رنگ ٹون میں بجائے رنگ کے صدائے اللہ اکبر فٹ کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اللہ اکبر کی آواز والی ''ڈوربیل'' کے سلسلہ میں پوچھے گئے سوال کے جواب میں فتاویٰ رحیمیہ میں لکھا ہے۔ ''اس بیل کا استعمال جائز نہیں، اس میں اللہ عزوجل کے مبارک اور بے حد قابل عظمت نام کو کسی کو اپنے آنے کی خبر دینے یا کسی کو بلانے کے لیے استعمال کرنا لازم آتا ہے، اور یہ جائز نہیں گناہ کا کام ہے، اس کے اس طرح استعمال کرنے میں اللہ تعالیٰ کے پاک اور مبارک نام کی توہین ہے، لہٰذا گھر پر یا آفس میں اسے استعمال نہ کیا جائے، اللہ کا مبارک نام خالص ذکر الٰہی کی نیت اور ارادہ سے لینا چاہیے، اپنی کوئی دنیوی غرض پوری کرنے کے لیے اس مبارک نام کو استعمال کرنا بہت ہی نامناسب اور ایمانی غیرت کے منافی ہے''۔ (۱۰/۳۳۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۲۱/ جمادی الاولی ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

موبائل کھلا (آن) رکھ کر مسجد میں آنا

سوال: بہت سے حضرات مسجد میں فرض نماز کے وقت بھی موبائل سوئچ آف

نہیں کرتے، جس کی وجہ سے دوران نماز موبائل کی گھنٹی (جو میوزک ٹون میں بھی ہوتی ہے) بجتی رہتی ہے اس صورت حال کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نماز کے اوقات میں مسجد میں کوئی بھی ایسا فعل جو مصلیوں کی نماز میں مخل ہو جائز نہیں ہے اگرچہ وہ دینی کام کیوں نہ ہو۔ مثلاً نماز کے وقت جہراً تلاوت یا ذکر کرنا، باآواز بلند کتاب پڑھنا وغیرہ افعال، امور دین اور کارہائے ثواب ہیں پھر بھی؛ اس لیے ناجائز ہیں کہ ان سے مصلیوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے، آپ سوچ سکتے ہیں کہ دوران نماز مذکورہ امورِ دین اور کارہائے ثواب کی بھی اجازت نہیں دی گئی تو پھر نماز باجماعت جاری ہونے کی حالت میں کسی کے موبائل سے بلند آواز میں میوزک بجنے لگے اس کی گنجائش کیسے ہوسکتی ہے؟

خصوصاً اس لیے بھی کہ احادیث پاک میں میوزک کے بارے میں سخت وعیدیں مذکور ہیں۔ زمین میں دھنسا دینے، اور انسانی چہرے مسخ کر دیے جانے تک کی سخت وعیدیں اس برے فعل پر وارد ہوئی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بعثت کا اہم مقصد راگ اور باجوں کو ختم کرنے کا ذکر کیا ہو، ایسی حالت میں کسی امتی کا اپنی جیب میں ایسے آلہ کو کھلا (on) رکھتے ہوئے مسجد میں آنا اور نماز میں شامل ہونا پھر اس گھنٹی کی وجہ سے پوری مسجد کے مصلیوں کی نماز کے خراب ہونے کا اندیشہ لاحق ہو تو پھر یہ فعل کتنا برا اور قابلِ مذمت ہے یہ سمجھا جا سکتا ہے؛ لہٰذا جو حضرات اس طرح دانستہ یا نادانستہ نمازیں خراب کرنے کے گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں انھیں خوب غور وفکر کرنا چاہیے کہ وہ حضرات اس طرح مسجد میں آکر اپنی عاقبت سنوار رہے ہیں یا برباد کر رہے ہیں؟

مصلی کے سامنے سے گزرنے کی ممانعت جو حدیث پاک میں مذکور ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ سامنے سے گزرنے کی وجہ سے مصلی کا دھیان نماز سے ہٹ جاتا ہے نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

عن بشر بن سعد قال: ارسلنی ابوجهم الی زید بن خالد أسأله عن المار بین یدی المصلی، فقال: لویعلم المار بین یدی المصلی ماذا علیه لکان أن یقوم أربعین خریفا خیرا له من ان یمر بین یدیه.

ترجمہ: نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو اگر معلوم ہو جائے کہ یہ کتنا بڑا گناہ ہے تو چالیس سال وہاں کھڑا رہنا اسے گزر جانے کے مقابلہ میں آسان معلوم ہو۔ (کشف النقاب ۵/۳۰۱)

عن یزید بن نمران قال: رأیت رجلا مقعدا فقال: مررت بین یدی النبی ﷺ وانا علی حمار وهو یصلی فقال: اللهم اقطع اثره، فما مشیت علیها.

ترجمہ: یزید ابن نمران فرماتے ہیں کہ میں نے ایک اپاہج آدمی کو دیکھا جس نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نماز ادا فرما رہے تھے، اور میں گدھے پر سوار آپ ﷺ کے سامنے سے گزر گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! اس کے نشان قدم کو ختم کر دے میں اسی وقت سے چلنے سے عاجز ہوں۔ (۵/۳۰۰)

رجل من اهل الطائف قال: جاء کلب والنبی ﷺ یصلی بالناس صلاة العصر لیمر بین ایدیهم فقال: رجل من القوم اللهم احبسه، فمات الکلب فلما انصرف النبی ﷺ قال: ایکم دعا علیه؟ قال الرجل: أنا یا رسول الله! فقال النبی ﷺ: لو دعا علی امة من الامم

لا استجیب له.

ترجمہ: ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ عصر کی نماز میں امامت فرمارہے تھے، اس درمیان میں ایک کتا آیا جو سامنے سے گزرنا چاہتا تھا نمازیوں میں کوئی بول پڑا کہ اے اللہ! اسے روک دے، چناں چہ وہ کتا وہیں مرگیا، نماز سے فارغ ہوکر نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کس نے اس کے لیے بددعا کی تھی؟ ایک صاحب نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں نے، حضور ﷺ نے اس پر فرمایا کہ اگر ایک پوری قوم کے لیے بددعا کی جاتی تو وہ بھی قبول ہوجاتی۔ (۵/۳۰۰)

مذکورہ احادیث پر غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے، ایک آدمی مصلی کے سامنے سے خاموش گزر جاتا ہے پھر بھی اس کے لیے اتنی سخت وعیدیں ہیں، کیوں کہ اس طرح گزرنے سے بھی مصلی کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے تو پھر جو حضرات اپنا موبائل کھلا (آن) رکھ کر نماز میں شامل ہوتے ہیں اور پھر دوران نماز ان کا موبائل شیطانی آواز یعنی میوزک بجا کر پوری مسجد کے مصلیوں کی نماز میں خلل انداز ہوتا ہے تو ایسے آدمی کو کیا کچھ نہیں کرنا چاہیے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ کے کسی بندے کی زبان سے کوئی بددعا نکل جائے اور ایسے آدمی کی ہلاکت کا سبب بن جائے۔

دنیا کے تمام شاہی درباروں اور عدالتوں کے خاص خاص آداب مقرر ہوتے ہیں، جن کو ہر شخص جانتا ہے چوں کہ مسجد تمام بادشاہوں کے پیدا کرنے والے کا عظیم الشان دربار ہے؛ اس لیے اس کے بھی کچھ آداب ہیں، جو اس دربار کے ناظم یعنی نبی کریم ﷺ نے ہم کو سکھائے ہیں، ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ ان کو معلوم کرکے ان کے موافق چلنے کی کوشش کرے۔ (آداب المساجد ۲۶)

بعض بزرگان سلف سے نقل کیا جاتا ہے کہ جب وہ مسجد کے دروازے پر پہنچتے تھے تو بوجہ خوف ان کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ لوگ جب دنیا کے کسی حاکم کے دربار میں جاتے ہیں، تو ان پر اس کا رعب چھا جاتا ہے اور ڈرتے ہیں کہ کوئی بات عدالت کے آداب اور حاکم کی شان کے خلاف نہ ہو جائے، تو کیا میں احکم الحاکمین کے دربار کی اتنی بھی وقعت نہ کروں جتنی ایک ادنی حاکم کی کی جاتی ہے، اس خوف سے میرا رنگ زرد ہو جاتا ہے کہ کہیں اس دربار کی شان کے خلاف کوئی بات صادر نہ ہو جائے۔ (آداب المساجد ۳۰)

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نماز میں تھے ایک شخص آیا جو کچھ لیے ہوئے تھا اس کو صف کے آگے ڈال دیا اور خود نماز میں شریک ہو گیا (جیسا کہ آج کل عموماً کیا جاتا ہے) فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس کو سزا دی کہ تو نے نمازیوں کو تشویش میں ڈالا۔ (کتاب الاعتصام للشاطبی)

اس حکایت کو نقل فرمانے کے بعد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں کہ: اس سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کو نمازیوں کے آگے اس طرح ڈالنا یا اٹھانا کہ ان کی توجہ اس کی طرف پھر جائے برا ہے؛ لیکن اگر بضرورتِ حفاظت اپنے ضروری سامان کو آہستہ سے اس طرح سامنے رکھ دے کہ نمازیوں کو تشویش نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔ (آداب المساجد ۴۰)

مذکورہ واقعہ میں اس شخص نے اپنا سامان آہستہ رکھنے کے بجائے ڈال دیا جس کی آواز سے مصلیوں کی نماز میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی بنیاد پر اس کو سزا دی۔

جو حضرات اپنا موبائل کھلا (آن) رکھ کر مسجد میں آتے ہیں اور دورانِ نماز ان کا موبائل بجنے لگتا ہے تو اس سے مسجد میں موجود تمام مصلیوں کی نماز میں جو شدید خلل واقع ہوتا ہے اس سے کوئی ناواقف نہیں ایسا شخص کتنی سخت سزا کا مستحق ہوگا یہ سوچا جاسکتا ہے۔

اگر موبائل کا رنگ ٹون سادہ گھنٹی کی آواز میں ہو تو اس کی برائی کا اندازہ بھی نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے ہوسکتا ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''سفر کے ایسے رفقاء (اور قافلہ) جن کے ساتھ کتا یا گھنٹی ہو فرشتے ان کے ہمراہ نہیں چلتے'' (مسلم شریف) ایک اور حدیث میں ہے ''گھنٹی شیطان کی بانسری ہے''۔ (ابوداؤد)

گھنٹی کی آواز جس میں کوئی کشش نہیں ہوتی اس کے بارے میں بھی نبی کریم ﷺ کے یہ ارشادات ہوں تو پھر آج کل موبائل میں جس قسم کے ٹونس عام ہو رہے ہیں، اس سے تو میوزک جیسی حرام چیز کی ترویج اور اشاعت ہو رہی ہے، قرآن کریم کی سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ شیطان کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ﴿واستفزز من استطعت منهم بصوتك﴾ ''تو اپنی آواز کے ذریعہ جس کو چاہے بہکالے''۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اس آیت میں شیطانی آواز سے گانا بجانا مراد ہے، امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اے ابلیس! تو انھیں کھیل، تماشوں اور گانے بجانے کے ساتھ مغلوب کر، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس آیت میں ہر وہ آواز مراد ہے جو اللہ کی نافرمانی کی طرف دعوت دے یہی قول حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور اسی کو ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار فرمایا ہے۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اسی کے ذیل میں فرماتے ہیں: اور سب کو معلوم ہے کہ

معصیت کی طرف دعوت دینے والوں میں گانا بجانا سب سے بڑھ کر ہے، اسی وجہ سے ''شیطان کی آواز'' کی تفسیر اس کے ساتھ کی گئی۔ (احسن الفتاویٰ ۸/ ۳۸۱)

بخاری شریف میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''میری امت میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور راگ باجوں کو حلال قرار دیں گے''۔

آج کل موبائل کے مختلف ٹون کے معاملہ میں جس طرح کی غفلت اور چشم پوشی کرتے ہیں اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس طرح کے ٹون کو حلال سمجھتے ہیں۔

مسند احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں روایت ہے حضرت نافع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو راہ چلتے ایک گدڑریے کی بانسری کی آواز سنائی دی تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں اور راستہ سے ایک طرف ہٹ کر چلنے لگے، اور مجھ سے بار بار پوچھتے کیا بانسری کی آواز تمھیں سنائی دے رہی ہے؟ میں جواب دیتا جی ہاں! اسی طرح انگلیاں کانوں میں دیے چلتے رہے حتی کہ میں نے کہا: اب آواز نہیں آرہی ہے تب انگلیاں کانوں سے ہٹائیں اور راستہ چلنے لگے پھر فرمایا: ایک بار حضور ﷺ کے ساتھ بھی بعینہ یہی واقعہ پیش آیا تو آپ ﷺ نے بھی کانوں میں انگلیاں دے لیں اور یہی عمل فرمایا۔ (احسن الفتاویٰ ۸/ ۳۸۳)

سوچنے کا مقام ہے کہ آپ ﷺ نے جس شیطانی آواز کو لمحہ بھر سننا گوارا نہ فرمایا، آج آپ ﷺ کے نام لیوا اس پر اس درجہ فریفتہ ہیں کہ انھیں لمحہ بھر اس کی جدائی گوارہ نہیں، نماز کے لیے مسجد میں آتے ہیں تو اس وقت بھی موبائل کھلا رکھ کر مسجد جیسے مقدس مقام کو اس طرح کی شیطانی آواز کے ذریعہ خراب کرنے کی حرکت کر بیٹھتے ہیں۔

نماز کے لیے مسجد میں آنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی تمام تر دنیاوی مصروفیات سے منقطع ہوکر مقررہ وقت تک اللہ کے دربار میں حاضر ہوکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا رشتہ استوار کرے، اسی لیے ہر وہ کام جو نماز سے توجہ ہٹانے والا ہو جائز نہیں ہے، کسی کو اگر قضائے حاجت کا تقاضا ہو تو اس حال میں نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی اور بحکمِ حدیث ممنوع ہے کیوں کہ ایسی حالت میں نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص ظاہری حالت میں تو نیت کرکے اللہ تعالیٰ کے سامنے دست بستہ کھڑا ہے مگر در حقیقت اس کا دل اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ نہیں۔

اسی طرح نماز کی ادائیگی کے لیے جو پیشگی تیاریاں شریعت نے لازم قرار دی ہیں، اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ انسان جب ادائیگی فرض کے لیے کھڑا ہو تو مکمل طور پر نماز میں مگن ہوجائے، اور اسی لیے فرض نماز سے قبل کچھ سنتیں بھی رکھی گئیں؛ تاکہ سنت کے ذریعہ یک گونہ تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم ہوجائے اور اس کے بعد فرض نماز اس حالت میں ادا ہو کہ اس کا دل تمام علائق سے مکمل طور پر منقطع ہوکر اللہ کی جانب متوجہ ہو چکا ہو۔

اس اہتمام کا تقاضا یہ تھا کہ موبائل کو اپنے ساتھ مسجد میں ہی نہ لایا جائے؛ لیکن اگر یہ حکم دیا جائے تو ایسے آدمی کو دشواری لاحق ہوجاتی جو سفر میں ہو یا جو گھر سے دیگر ضرورت سے موبائل لے کر نکلا ہو چناں چہ بند (آف) حالت میں تو موبائل مسجد میں لے جانا ممنوع نہیں؛ لیکن کھلا (آن) موبائل مسجد میں لے جانا نماز کے لیے مسجد میں جانے کے مقصد کے بالکل خلاف ہے؛ لہٰذا موبائل استعمال کرنے والے تمام حضرات کے لیے ضروری ہے کہ مسجد میں داخل ہونے سے پہلے اپنا موبائل بند کرلیں، اور جو

حضرات عمداً موبائل کھلا (آن) رکھ کر مسجد میں آتے ہیں وہ گنہ گار اور قابلِ مذمت ہیں۔

اگر کوئی شخص پہلے سے موبائل بند کرنا بھول گیا، اور دورانِ نماز گھنٹی بجنے لگی تو عملِ کثیر کے بغیر گھنٹی بند کرنا ممکن ہو تو بند کر دی جائے؛ لیکن اگر اس کے لیے عمل کثیر کا ارتکاب کیا گیا تو اس طرح موبائل بند کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

عملِ کثیر کسے کہتے ہیں؟ اس بارے میں راجح قول یہ ہے کہ ہر وہ کام جس کے کرنے والے کو دور سے دیکھنے والا شخص سمجھے کہ یہ شخص نماز میں نہیں وہ عملِ کثیر ہے، اور اگر وہ حرکت اتنی زیادہ نہ ہو تو عمل قلیل ہے، جس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/۲/ ۱۴۲۶ھ

موبائل سے متعلق چند اہم مسائل

سوال: بندہ موبائل کے مسائل کو کتابی شکل میں جمع کر رہا ہے اور آپ سے بھی عرض کیا تھا کہ آپ بھی اپنے فتاوی موبائل سے متعلق عطا فرمائیں تو آپ نے دو مسئلے عطا فرمائے تھے، اب گزارش یہ ہے کہ مندرجہ ذیل سوالوں کی کتاب میں کمی محسوس ہو رہی ہے؛ اس لیے آپ کرم فرما کر مندرجہ سوالوں کے جوابات جلد عطا فرمائیں تا کہ کتاب بقرعید کی تعطیل تک تیار ہو کر منظر عام پر آسکے۔

① مدرس اور ٹیچر کا مدرسہ یا اسکول کے اوقات میں موبائل سے بات چیت کرنا کیسا ہے؟

② مدرسہ کے طلباء کا موبائل استعمال کرنا۔

③ کنواری لڑکی کا موبائل استعمال کرنا جب کہ وہ عشق میں غیر محرم سے بات کرتی رہتی ہے۔

④ موبائل کے ذریعہ قبرستان میں بات چیت کرنا۔

⑤ موبائل کی جوابی رِنگ میں عورت کی آواز رکھنا۔

⑥ موبائل کی اسکرین پر جاندار کی تصویر یا کسی عورت کی تصویر رکھنا کیسا ہے؟

⑦ اسکرین پر لفظ اللہ یا آیات یا حدیث یا کلمہ لکھے ہوئے موبائل کو لے کر بیت الخلاء میں جانا شرعاً کیسا ہے؟

⑧ موبائل کی ٹون یا جوابی رنگ ٹون میں "السلام علیکم" رکھنا کیا حکم رکھتا ہے؟

⑨ موبائل پر نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو کیا ایسی کوئی شکل ہے جس میں موبائل پر نکاح جائز ہو؟

⑩ موبائل پر چاند کی گواہی لی جاسکتی ہے یا نہیں؟

⑪ موبائل پر چاند کی خبر قبول کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

⑫ موبائل میں رنگ ٹون کس طرح کی رکھنی چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① مدرس اور ٹیچر کے حق میں مدرسہ یا اسکول کے اوقات امانت ہیں؛ اس لیے کہ عقدِ اجارہ کے ذریعہ انھوں نے اپنے ان اوقات کو مدرسہ یا اسکول کے ہاتھ فروخت کردیا ہے، گویا وہ خود اس کے مالک نہیں ہیں، اس کے بعد مدرسہ یا اسکول

نے اوقات میں جو تدریسی یا غیر تدریسی خدمت ان کے حوالہ کی ہے اس کی ان اوقات میں انجام دہی کے لیے خود انھی پر اعتماد کیا، اب اگر وہ ان اوقات میں موبائل سے بات چیت کریں گے تو گویا انھوں نے ان اوقات کے مدرسہ یا اسکول کی ہدایت کے مطابق استعمال کرنے میں ان پر کیے گئے اعتماد کی خلاف ورزی کر کے خیانت کا ارتکاب کیا جو درست نہیں؛ اس لیے ان حضرات کو ان اوقات میں اپنا موبائل بند ہی رکھنا چاہیے تاکہ گفتگو کی نوبت نہ آئے۔

(۲) طلباء کے لیے موبائل کا استعمال ان کی یکسوئی (جو حصول علم کے لیے ضروری ہے اس) میں مخل ہونے کے ساتھ اسراف بھی ہے یہ تو اس وقت جب وہ احتیاط کے ساتھ اس کو استعمال کرتے ہوں، ورنہ جیسا کہ دستور ہے بہت ساری خرابیوں کا باعث ہونے کی وجہ سے درست نہیں۔

(۳) کنواری لڑکی کا بذریعہ موبائل غیر محرم سے عشقیہ گفتگو کرنا حرام اور ناجائز ہے، نیز بہ نصِ حدیث زبان کا زنا ہے۔

(۴) موبائل کے ذریعہ قبرستان میں ضروری بات چیت کی جاسکتی ہے۔

(۵) عورت کی آواز اگرچہ مفتی بہ قول کے مطابق ستر نہیں؛ لیکن اجنبیہ کی آواز عموماً سننے والے کے دل میں وساوس اور خواہشات پیدا کرتی ہے؛ اس لیے جوابی رنگ میں عورت کی آواز رکھنا درست نہیں۔

(۶) اس کا حرام ہونا بالکل ظاہر ہے۔

(۷) جب اسکرین پر لفظ اللہ یا آیات قرآنی یا حدیث یا کلمہ لکھا ہوا ہو تو ایسے موبائل کو جیب میں اس طرح لے کر بیت الخلاء میں جانا کہ وہ تحریر اندر چھپی ہوئی ہو

اس کی اجازت ہے، اور اندر جانے کے بعد بھی اس کو جیب سے نکالا نہ جائے، ورنہ درست نہیں۔

⑧ اس کی گنجائش ہے؛ لیکن احتیاطی طور پر نہ رکھنا زیادہ مناسب ہے۔

⑨ نکاح میں چوں کہ ایجاب وقبول ہوتا ہے اور دونوں کا ایک مجلس میں ہونا ضروری ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اس ایجاب وقبول کو بیک وقت دونوں گواہ بھی سن رہے ہوں اور یہ سب باتیں موبائل پر دشوار ہیں؛ اس لیے درست نہیں؛ البتہ اگر لڑکا یا لڑکی بذریعہ موبائل کسی کو اپنا وکیل بالنکاح بناوے اور پھر وہ وکیل مجلس نکاح میں ان کی طرف سے ایجاب وقبول کرے تو درست ہوسکتا ہے۔

⑩ ⑪ موبائل بھی فون ہی کی ایک قسم ہے؛ اس لیے جو حکم ٹیلی فون کا ہے وہی حکم اس مسئلہ میں موبائل کا بھی ہے۔

⑫ سادہ رنگ ٹون ہو، یعنی اس میں کسی قسم کی موسیقی یا گانا وغیرہ کا انداز نہ ہو، جیسے عام طور پر ٹیلی فون کی گھنٹی ہوا کرتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۶/ ذی القعدہ ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

باب العلاج والتداوی

بیماری کی وجہ سے پلاسٹک سرجری کروانا

سوال: ایک شخص کے ناک میں ایسی تکلیف ہے کہ جس کی وجہ سے اس کو نزلہ، زکام بہت جلدی ہوجاتا ہے، ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ پلاسٹک سرجری کروالینے کے

بعد وہ تکلیف دور ہوسکتی ہے، نیز پلاسٹک سرجری سے خوبصورتی بھی مقصود ہے، تو کیا وہ شخص پلاسٹک سرجری کرا سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خوبصورتی اور زینت کے لیے پلاسٹک سرجری کی اجازت نہیں ہے۔ البتہ نزلہ زکام کی تکلیف مستقل ہو اور سرجری سے دور ہوسکتی ہو تو اس کی اجازت ہے، یہ فیصلہ مبتلی بہ کی دیانت پر ہے کہ وہ حقیقۃً کس مقصد کے لیے سرجری کروا رہا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک انسان کا گردہ دوسرے کو لگانا

سوال: حافظ زید صاحب کی کڈنی کا مسئلہ اٹکا ہوا ہے، تین مفتیان کرام کے سامنے ہم نے فتویٰ رکھا تھا، تینوں مفتیان کرام نے اجازت دی تھی، حافظ صاحب کی ڈیڑھ سال سے کڈنی خراب ہے، ڈایالسس ہفتہ میں تین مرتبہ ہوتا ہے، عمر ستائیس سال ہے، دو بچیاں ہیں، ڈاکٹروں سے مشورہ لیا تھا ان کا کہنا ہے کہ کڈنی بدلنے سے آپ کو راحت مل سکتی ہے اور بہت علاج کیا؛ لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا، صرف ڈایالسس سے وقتی فائدہ ہوتا ہے اسی لیے کڈنی بدلنے کا آپ سے مسئلہ پوچھتے ہیں آپ جو بھی فتویٰ دیں گے ان شاء اللہ اس پر ضرور عمل کریں گے، اور کڈنی دینے والے رشتہ دار ہیں اور وہ اپنی خوشی سے کڈنی دیتے ہیں اور کوئی لالچ نہیں ہے، اور ایک مفتی صاحب

سے ہم نے مسئلہ پوچھا تھا انھوں نے اجازت نہیں دی تھی اور جن مفتیان کرام سے ہم نے فتویٰ پوچھا تو وہ فتویٰ کو کاغذ پر لکھ کر نہیں دیتے؛ بلکہ وہ زبانی فتویٰ دیتے ہیں اسی لیے بڑے بھائی ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، آپ جو بھی فتویٰ دیں تو کاغذ پر لکھ کر دیویں تو آپ کا شکریہ ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

انسان اپنے بدن یا کسی عضو کا مالک نہیں ہے کہ اس میں آزادانہ تصرف کر سکے، اسی بنا پر اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنا کوئی عضو کسی دوسرے شخص کو قیمتاً یا بلا قیمت دے دے، اور اس کی بہت سی نظائر کتب فقہ میں ہیں۔ فتاوی قاضی خان میں ہے:

مضطر لم يجد ميتة وخاف الهلاك فقال له رجل: اقطع يدى وكلها، او قال اقطع منى قطعة فكلها لا يسعه ان يفعل ذلك ولا يصح امره به كما لا يسع للمضطر ان يقطع قطعة من لحم نفسه فيأكل.

(فتاویٰ قاضی خان:۳٦٥، کتاب الحظر والاباحة)

یعنی کوئی شخص حالتِ اضطرار میں ہے، اور بھوک کی وجہ سے اس کو اپنی جان کی ہلاکت کا اندیشہ ہے، اور مردار جانور تک نہیں ہے کہ اس کا گوشت کھا کر اپنی جان بچائے، اس حالت میں کسی شخص نے پیش کش کی کہ تم میرا ہاتھ کاٹ کر کھالو، یا یوں کہا کہ کسی جگہ سے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹ کر کھالو تو اس مضطر کے لیے اس شخص کا ہاتھ یا گوشت کاٹ کر کھانا جائز نہیں ہے، اور کسی شخص کو اس طرح کی پیش کش کرنا بھی صحیح نہیں ہے (اس لیے کہ وہ خود اپنے ہاتھ یا اپنے بدن کے گوشت پوست کا مالک نہیں ہے) جس طرح خود مضطر کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے بدن میں سے گوشت کاٹ کر کھائے۔

یہی وجہ کہ اسلام میں خودکشی حرام ہے؛ اس لیے کہ کوئی شخص اپنی روح کا مالک نہیں ہے کہ اسے ضائع کردے، لہٰذا کسی زندہ یا مردہ انسان کا گردہ آپریشن کرکے نکال کر دوسرے انسان کے جسم میں لگانا جائز نہیں ہے۔ الاشباہ والنظائر میں "الضرر لا یزال بالضرر" ضرر کو ضرر سے دفع نہ کیا جائے۔ (الاشباہ ص ۱۰۹)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: الانتفاع باجزاء الآدمی لم یجز قیل للنجاسة وقیل للکرامة هو الصحیح، کذا فی جواهر الاخلاطی. "یعنی انسان کے کسی جز سے انتفاع جائز نہیں ہے، انتفاع کے عدم جواز کی علت یا تو نجاست ہے یا کرامت واحترام، صحیح کرامت واحترام کو علت قرار دینا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: ﴿ولقد کرمنا بنی آدم﴾ (الإسراء) تحقیق کہ عزت دی ہم نے اولادِ آدم کو۔

(فتاوی عالمگیری ۲۳۶/۶ مطبوعه کانپور)

حدیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اللہ کی لعنت ہے واصلہ اور مستوصلہ پر (واصلہ: وہ عورت ہے جو دوسرے کے بال عورتوں کے بالوں میں لگاتی ہے تاکہ سر کے بال زیادہ اور لمبے معلوم ہوں۔ مستوصلہ: وہ عورت جو اپنے بالوں میں دوسرے کے بال لگوائے)۔

مشکوٰۃ شریف میں بحوالۂ بخاری ومسلم حدیث ہے: عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال: لعن الله الواصلة والمستوصلة (مشکوٰۃشریف: ص: ۳۸۱ باب الترجل)

شامی میں ہے: وفی الاختیار ووصل الشعر بشعر الآدمی حرام، سواء کان شعرها او شعر غیرها لقوله ﷺ لعن الله الواصلة والمستوصلة الخ (شامی ۳۲۸/۹، کتاب الحظر والاباحة، فصل فی النظر واللمس) "یعنی کسی دوسری عورت کے

بال اپنے بالوں میں جوڑنا حرام ہے، چاہے خود اس کے بال ہوں یا کسی دوسری عورت کے بال ہوں، حضور ﷺ کے اس فرمان "لعن الله الواصلة والمستوصلة" الخ کی بنا پر۔

صورتِ مسئولہ میں شخص مذکور حافظ زید کے لیے جائز نہیں کہ اپنے رشتہ دار سے گردہ لے کر اپنے جسم میں لگوائے۔

آج کل کی تحقیق کے اعتبار سے نفع ہوتا ہو تو اس سے انکار نہیں مگر ﴿اثمهما اكبر من نفعهما﴾ کے اصول پر ناجائز ہی ہوگا، نیز اس طریقہ میں انسانیت کی توہین بھی ہے، کہ اگر یہ طریقہ چل پڑا تو انسانی اعضاء "بکری کا مال" بن جائیں گے اور یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ جس کا گردہ لیا جائے گا اس کی صحت اور زندگی خطرہ میں پڑے گی اور جس کو گردہ دیا جائے گا اس کی صحت یقینی نہیں ہے، اللہ ہی سے شفاء کی امید رکھیں، دوا اور علاج کے ساتھ دعاؤں کا بھی خصوصی اہتمام رکھیں، صدقہ وخیرات بھی حسبِ حیثیت کریں کہ صدقہ بلاؤں کو دور کرتا ہے، اللہ کو منظور ہوگا تو ان شاء اللہ ضرور شفاء عطا فرمائے گا، قضائے الٰہی پر راضی رہیں، اور ہر حال میں اس کا شکر ادا کرتے رہیں۔ (فتاوی رحیمیہ ۶/۲۸۶ تا ۲۸۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

انسانی اعضاء کا ہبہ

سوال: یہ تو آپ کو معلوم ہوگا ہی کہ انسان کے اعضاء ہبہ کئے جاسکتے ہیں۔ جب بھی کسی مریض کو کسی عضو کے ڈالنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی موہوبہ اعضاء

میں سے ڈال دیتے ہیں۔ عام طور پر یہ ہبہ کرنے والے کافر ہوتے ہیں۔ کیا کسی مریض کو اس کی گنجائش ہوسکتی ہے کہ اس موہوبہ اعضاء میں سے کسی عضو کو ڈلوادے؟ جیسے ایک مریض ہے اس کی آنکھ کی روشنی قریب الختم ہے تو کیا وہ موہوبہ آنکھ ڈلوا سکتا ہے؟ مولانا برہان الدین سنبھلی کے جدید مسائل سے تو ناجائز معلوم ہوتا ہے آپ سے مزید اطمینان قلب کے لیے سوال کر رہا ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی فوت شدہ آدمی اگر اپنا دل، جگر، آنکھ وغیرہ دوسرے انسان کے جسم میں لگانے کے لیے دے گیا ہو پھر بھی دوسرے آدمی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے جسم میں ایسا کوئی عضو لگائے۔ (ماخوذ از فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۴۳۳، ۱۴/ ۴۲۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ ۱۵/ شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اعضائے انسانی کا ہبہ اور اس کی وصیت

سوال: برطانیہ میں انگریز قوم اپنے اعضاء کو حیات میں، اور مرنے سے قبل وصیت نامہ میں ہسپتال والے کو ہدیہ کر جاتے ہیں، اس طرح ہسپتال میں یہ اعضاء موجود ہوتے ہیں، اب ایک مسلمان بیمار پڑتا ہے، اور ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ فقط دوسرے کے عضو کو لے کر جان بچ سکتی ہے، مثال کے طور پر گردہ، کہ یہ گردہ ہسپتال میں پہلے سے میسر ہے، اور ادھر انسان بیمار ہے، تو کیا ایسی حالت میں اس عضو کا استعمال درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی فوت شدہ انسان کا جگر آنکھ، دل، وغیرہ دوسرے انسان کے جسم میں نہیں لگا سکتے، اگر کوئی آدمی ایسی وصیت کرتا ہے جیسا کہ سوال میں درج ہے تو یہ وصیت کرنا جائز نہیں ہے، اور وہ نا قابل نفاذ ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۱۲/ ۴۳۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، جمادی الاخری ۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حیض بند ہونے کی عمر، حصول اولاد کے لیے معالجہ ہو نہ کہ مبالغہ

سوال: شادی کو دس سال ہوئے، اس دوران میں اولاد نہ ہونے پر مختلف دوا ومعالجہ کیا جاتا رہا، چھ سال کے عرصہ کے بعد ایک اولاد مردہ حالت میں بذریعۂ آپریشن (سیزر) کے ذریعہ ہوئی، اس کے بعد سے اب تک یعنی ۴، ۵ سال تک بیوی کی ماہواری بند ہے، مختلف ماہر طب کی خدمات میں بھی لے گیا، جدید مشینوں کے ذریعہ Clearing کر کے ماہواری کو جاری کیا گیا، پھر بھی بند ہے، بہت سارے دوا علاج مختلف قسم کے دعاء، تعویذ کا بھی اہتمام کیا گیا، اس دوران میں میاں بیوی میں آپس میں رنجش نفرت وغیرہ بھی ہوا کرتی تھی، دوا معالجہ اور تعویذ ودعا پر بھی خاطر خواہ افاقہ نہیں ہوا، اس صورت مسئولہ میں جب کہ بیوی کی عمر بہ مشکل ۳۰/ سال ہے، دس سال کے عرصہ میں اولاد کے لیے دعا، اولاد کا مردہ حالت میں آپریشن (سیزر) کے ذریعہ اور اس کے بعد سے اب تک یعنی چار پانچ سال تک بیوی کو ماہواری کا بند ہونا، مختلف دوا معالجہ کے بعد بھی افاقہ نہیں ہوا، اس کا شرعی حل کیا ہے؟ کیا کرنا

چاہیے؟ عام طور پر عورتوں میں ماہواری کی مدت پچاس سے پچپن سال تک ہے، حصول اولاد کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عموماً عورتوں کو پچپن سال کی عمر کے بعد حیض کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے، اس لیے فقہاء نے اس عمر کو سن ایاس (یعنی حیض کا سلسلہ بند ہونے کی عمر) قرار دیا ہے؛ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی عورت کو اس کے بعد حیض نہیں آسکتا؛ بلکہ جہاں سن ایاس کی یہ مقدار فقہاء نے لکھی ہے، وہیں یہ مسئلہ بھی موجود ہے، کہ اس عمر کے بعد بھی عورت کو اگر خون آئے اور اس کا رنگ خالص خون کا رنگ ہو، یعنی خوب سرخ یا سیاہ ہو تو وہ حیض شمار ہوگا۔

ومارأته بعدهاأی المدة المذكورة فليس بحيض فی ظاهرا لمذهب إلا اذا كان دما خالصاً (درمختار) أی كالأسود، والأحمر القانی درر. (شامي ۱/۲۲۲)

اسی طرح ہوسکتا ہے کہ کسی عورت کے حیض کا سلسلہ اس مقررہ مدت سے پہلے بند ہو جائے، صورت مسئولہ میں بھی اگرچہ عورت کی عمر تیس سال ہے، پھر بھی یہ ممکن ہے کہ حیض نہ آوے، اس لیے کہ حیض کے بند ہونے کے مختلف طبعی اسباب ہوا کرتے ہیں، خاص کر کے صورت مسئولہ میں جب اس عورت کو مردہ بچہ بذریعہ آپریشن پیدا ہوا ایسی صورتوں میں بعض مرتبہ حیض کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، اس لیے شرعی اعتبار سے جب تک اس کو باقاعدہ شرعی اصول کے مطابق خون نہ آوے، وہاں تک اس پر حائضہ کا حکم جاری نہ ہوگا؛ نیز شرعی اعتبار سے یہ بھی ضروری نہیں کہ علاج معالجہ کر کے حیض کو جاری کرنے کی کوشش کی جائے۔

رہا حصول اولاد کا مسئلہ تو یہ کوئی ضروری نہیں کہ ہر عورت کو بچہ پیدا ہی ہو، اس سلسلہ میں قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا صاف صاف ارشاد موجود ہے: ﴿لله ملك السموت والارض يخلق مايشاء، يهب لمن يشاء اناثا، ويهب لمن يشاء الذكور، او يزوجهم ذكرا نا وانا ثا، ويجعل من يشاء عقيما، ا نه عليم قدير﴾ ترجمہ: اللہ ہی کی ہے (سب) سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے؛ (چناں چہ) جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے، یا ان کو (جس کے لیے چاہے) جمع کر دیتا ہے (کہ) بیٹے بھی (دیتا ہے) اور بیٹیاں بھی، اور جس کو چاہے بے اولاد رکھتا ہے، بے شک وہ بڑا جاننے والا بڑی قدرت والا ہے۔ (معارف القرآن ۷/۱۱۷)

اس کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

''انسان کی تخلیق میں کسی کے ارادہ واختیار؛ بلکہ علم وخبر کا بھی کوئی دخل نہیں اور کسی کا دخل تو کیا ہوتا، انسان کے ماں باپ جو اس کی تخلیق کا ظاہری سبب بنتے ہیں، خود ان کے ارادے اور اختیار کا بھی بچہ کی تخلیق میں کوئی دخل نہیں، تخلیق میں دخل ہونا تو دور کی بات، بچہ کی ولادت سے پہلے ماں کو بھی کچھ خبر نہیں ہوتی کہ اس کے پیٹ میں کیا، کیسا اور کس طرح بن رہا ہے؟ یہ صرف حق تعالیٰ کا کام ہے کہ کسی کو اولاد لڑکیاں دے دیتا ہے، کسی کو نرینہ اولاد لڑکے بخش دیتا ہے، کسی کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں عطا فرما دیتا ہے، اور کسی کو بالکل بانجھ کر دیتا ہے کہ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوتی۔ (معارف القرآن ۷/۱۱۷، ۱۱۲)

جب اولاد کا دینا اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیار میں رکھا ہے، تو اس کے حصول کے لیے شرعی حدود میں رہ کر اعتدال کی راہ چلتے ہوئے جو تدبیریں اختیار کی جاسکتی ہیں، ان کو اپنانے میں تو کوئی حرج نہیں، اور اس کے بعد بھی ضروری نہیں کہ اولاد پیدا ہی ہو، جیسے دنیا کے دوسرے کاموں میں اسباب کا جو حال ہے کہ اس کو اختیار کیا جاتا ہے؛ لیکن بعض مرتبہ اس پر مطلوبہ نتیجہ مرتب ہوتا ہے، اور بعض مرتبہ نہیں ہوتا؛ اس لیے کہ ان اسباب کے اندر بھی تاثیر ڈالنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، وہ چاہے تو ان میں تاثیر ڈال کر مطلوبہ نتیجہ پیدا کردے ورنہ نہیں، اس لیے آپ بھی حصول اولاد کے لیے اسباب اختیار کرنے میں مبالغہ اور غلو سے کام نہ لیں، اور بقدر ضرورت بطریق اعتدال علاج معالجہ اور دعا کا اہتمام کرنے کے باوجود اولاد نہیں ہوئی تو اب اللہ کے اس فیصلہ پر دل سے راضی رہیں، اولاد نہ ہونے میں بھی اللہ تعالیٰ کی بے شمار حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿عسى ان تكرهوا شيئاً وهو خير لكم، وعسى ان تحبوا شيئاً وهو شر لكم، والله يعلم وانتم لا تعلمون﴾ (البقرة:٢١٦) یعنی یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی بات کو برا سمجھو، اور (واقع میں) وہ تمہارے حق میں خیر (اور مصلحت) ہو، اور یہ (بھی) ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور (واقع میں) وہ تمہارے حق میں (باعث) خرابی (کا) ہو، اور (ہر شئ کی حقیقت حال کو) اللہ تعالیٰ جانتے ہیں، اور تم (پورا پورا) نہیں جانتے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

دوا کے ذریعہ حیض رکوانا

سوال: ① عورت کو حج کے دوران حیض جاری ہوجانے سے کافی پریشانی ہو جاتی ہے، سمجھتی ہے کہ مبارک جگہ کی عظیم عبادات، طواف وغیرہ سے میں محروم ہوگئی، اس سلسلہ میں ایک دیندار ڈاکٹر صاحب سے معلوم ہوا کہ ایک دو ماہ کے لیے اگر دوا کے ذریعہ حیض رکوالیا جائے تو صحت کے لیے نقصان دہ نہیں ہے، اور یورپ کی عورتیں چھٹیوں کے دوران ٹیبلیٹ کھا کر حیض رکوالیتی ہیں، یہ رواج ان میں عام ہے، تو کیا اس طرح حج کے لیے حیض رکوانے کی شرعی اعتبار سے اجازت ہے؟

② حیض کی وجہ سے اگر کسی عورت کو طوافِ زیارت کرنے کا موقع نہ مل سکا اور اپنے وطن واپس آگئی تو اس کا حج ادا ہوجائے گا؟ آنجناب کو معلوم ہے کہ ہوائی جہاز کی بکنگ سعودی عرب میں آگے پیچھے کرانا ایک مشکل مرحلہ ہے، اس صورت میں عورت کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اگر عورت کے لیے مانعِ حیض دوا کا استعمال مضر نہ ہو، عورت اسے برداشت کرسکتی ہو اور اس کا تجربہ بھی ہو تو مانعِ حیض دوا استعمال کی جاسکتی ہے۔ (از فتاوی رحیمیہ ۸/۲۷۹)

② عورت حیض کی حالت میں ہو تو وہ طوافِ زیارت کے سوا حج کا ہر عمل ادا کرسکتی ہے، حیض سے پاک ہوکر طوافِ زیارت کرلینا چاہیے، اور اگر اس عذر کی وجہ سے طوافِ زیارت بارہویں ذی الحجہ کے بعد کرے تو اس پر دم بھی لازم نہ ہوگا۔

(معلم الحجاج ص ۱۹۶)

جب تک طوافِ زیارت نہیں کرے گی، حج مکمل نہ ہوگا اور اپنے شوہر کے لیے حلال بھی نہ ہوگی، اس صورت میں دوبارہ پورا حج کرنا ضروری نہیں ہے، اسے چاہیے کہ عمرہ کا احرام باندھ کر جائے اور عمرہ سے فارغ ہوکر طوافِ زیارت کرلے۔ (فتاوی رحیمیہ ۹/۱۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بلڈ بینک میں خون لینا دینا از روئے فقہ حنفی وشافعی

سوال: آج کل جو بلڈ بینک (Blood Bank) کے نام سے ایک اسکیم چل رہی ہے، جس میں ہوتا یہ ہے کہ اگر ایک دو بوتل ہم خون دیں تو ہمیں ایک سرٹیفکیٹ ملتا ہے، جس کے بل بوتے پر جب بھی ہمیں خون کی ضرورت پڑے اور جتنے بھی خون کی ضرورت پڑے بروقت مل سکتا ہے، اس بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا یہ خون دینا جائز ہے؟ اسی طرح کیا لینا جائز ہے؟ (اگر ہوسکے تو مسلکِ شافعی پر جواب دیں تو عین کرم ہوگا۔)

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی انسان کا خون بضرورتِ مرض دوسرے انسان کے بدن میں پہنچانا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تفصیلی روشنی ڈالی ہے (بقدرِ ضرورت عبارت پیش کرتا ہوں) چناں چہ فرماتے ہیں:

اصل حکم تو یہ ہے کہ خون نجاست غلیظہ ہے، اور نجاست کا استعمال خارجِ بدن میں بھی حرام ہے، داخلِ بدن میں بدرجۂ اولیٰ حرام ہے۔ کما صرح به في الدر

المختار ورد المحتار من فصل الأنجاس.

اس کے علاوہ انسانی خون انسان کا جزء ہے، اور اجزاء انسانی کا استعمال کرنا مطلقاً حرام ہے۔

''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے: الانتفاع بأجزاء الآدمي لم يجز، قيل: للنجاسته، وقيل: للكرامته، وهو الصحيح. كذا في جواهر الاخلاطي.

یعنی آدمی کے کسی جزء کا استعمال جائز نہیں، اور اس کی وجہ اور علت میں دو قول ہیں: بعض نے فرمایا کہ ناپاک ہونے کی وجہ سے، اور بعض نے فرمایا کہ شرافت اور تکریم کی وجہ سے۔

پہلی وجہ کی بنا پر تو انسانی اجزاء میں سے صرف وہی چیز حرام ہوگی جو نجس ہو، جیسے: خون، یا جیسے: بدن کا کٹا ہوا ٹکڑا، یا کھال وغیرہ؛ اور دوسری وجہ کا اثر یہ ہوگا کہ جو چیزیں نجس نہیں، مثلاً: ناخن، بال وغیرہ ان کا استعمال بھی جائز نہیں ہوگا، اور ''عالمگیری'' میں یہ دونوں وجہ ذکر کرکے دوسری ہی وجہ کو صحیح قرار دیا ہے، اور عام فقہاء نے اسی کو اختیار کیا ہے، اسی لیے انسان کے بالوں سے کوئی چیز بنا کر استعمال کرنے کو بھی ناجائز قرار دیا ہے۔

آگے مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''عالمگیری'' کے حوالہ سے ایک جزئیہ نقل کیا ہے:

مضطر لم يجد ميتة وخاف الهلاك، فقال له رجل: إقطع يدي وكُلْها، اوقال: اقطع مني قطعة وكلها، لايسعه ان يفعل ذلك ولا يصح امره به.

(اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں) یہ جزئیہ فقہیہ بالکل مسئلۂ زیرِ بحث کی نظیر ہے کہ ایک انسان کی جان بچانے کے لیے کوئی انسان اپنے بدن کا خون اپنی مرضی سے

دینا چاہتا ہے؛ مگر اس کو مذکورہ تصریح کی انسانی جزء ہونے کی وجہ سے جائز نہیں، یہ حکم تو اصل مسئلہ کا ہے؛ لیکن علاج ودواء کے لیے بعض فقہاء نے خاص اضطرار کی حالت میں حرام چیزوں کے استعمال کی اجازت دی ہے، درمختار شامی وغیرہ میں اسی پر فتویٰ دیا گیا ہے، شرط یہ ہے کہ کسی مسلمان ڈاکٹر یا طبیب کی تجویز سے یہ معلوم ہو کہ اس حرام چیز کے سواء کوئی دوسرا علاج ممکن نہیں، اور اس کے استعمال سے بغالب ظن تندرستی کی امید ہے۔ (شامی آخر باب المیاہ قبل فصل فی البیر)

اس فتویٰ پر بھی ''عالمگیری'' کی مذکورہ تصریح سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ انسانی خون کو دوسری حرام چیزوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن ''عالمگیری'' کی مذکورہ تصریح میں ایک ایسے عضو انسانی کا ذکر ہے جس کے قطع کرنے سے اس انسان کو نہایت سخت تکلیف پہنچے گی، جس سے بعض اوقات اس کی جان کا بھی خطرہ ہوسکتا ہے، اور خون لینے کا جو طریقہ رائج ہے، اس سے انسان کو کوئی ایسی تکلیف لاحق نہیں ہوتی، معمولی کمزوری ہوتی ہے، جو چند روز کے علاج سے دفع ہوجاتی ہے، اس فرق کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ بطورِ علاج ودواء ایسے حالات میں جب کہ کسی مسلمان ڈاکٹر یا طبیب کے کہنے کے مطابق اور کوئی دوا کارگر نہ ہو، اور خون دینے سے جان بچنے کی قوی امید ہو تو صرف ایسے حالات میں خون دے کر علاج کیا جاسکتا ہے۔ (آلات جدیدہ ص/۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱)

یہ تو بوقتِ ضرورت واضطرار خون لینے دینے کا حکم ہوا، اب آپ کا سوال رہ جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ فقہ کا قاعدہ ہے کہ ''الضرورة تتقدر بقدر الضرورة'' حالتِ ضرورت واضطرار کا حکم اسی حالت تک محدود رہتا ہے، اور صورتِ مسئولہ میں اضطراری حالت پیدا نہیں ہوئی، اس لیے خون دینا جائز نہیں ہے، مستقبل میں ہمیں بھی ضرورت

پیش آسکتی ہے، یہ احتمال اضطراری حالت کو ثابت نہیں کرسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مندرجۂ بالا تفصیل فقہ حنفی کے مطابق تھی، فقہ شافعی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشائخِ شافعیہ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شرح المہذب'' میں: ومن اضطر إلى أكل الميتة أو لحم الخنزير، فله أن يأكل منه مايسد به الرمق الخ کے ماتحت تفصیلی بحث فرمائی ہے۔ (دیکھئے جلد تاسع از ص ۳۹ تا ص ۵۳) اس کی چند عبارتیں تحریر کرتا ہوں:

وإن اضطر ووجد آدميا ميتا جاز له أكله؛ لأن حرمة الحي آكد من حرمة الميت، وإن وجد مرتدا أو من وجب قتله في الزنا جاز له أن يأكله؛ لأن قتله مستحق، وإن اضطر ولم يجد شيئا فهل يجوز له أن يقطع شيئا من بدنه ويأكله؟ فيه وجهان: (قال) ابواسحٰق: يجوز؛ لأنه إحياء نفس بعضو فجاز كما يجوز أن يقطع عضواً إذا وقعت فيه الآكلة لاحياء نفسه، ومن اصحابنا قال: لا يجوز؛ لانه إذا قطع عضوا منه كان المخافة عليه اكثر.(ص٤١)

اجمعت الأمة على أن المضطر إذا لم يجد طاهرا يجوز له أكل النجاسات كالميتة، والدم، ولحم الخنزير، ومافى معناها.(ص٤٢،٤١)

قال اصحابنا: يباح لمضطر ان يأكل من الميتة مايسد الرمق بلاخلاف، ولا يباح له الزياد على الشبع بلا خلاف، وفيحل الشبع قولان مشهوران.(ص٤٢)

قال اصحابنا: المحرم الذي يحتاج المضطر إلى تناوله ضربان: مسكر، وغيره، اما المسكر: فسنذكره ان شاء الله تعالىٰ بعد انقضاء

هذه المسائل حيث ذكره المصنف بعد هذا. واما غير المسكر فيباح جميعه مالم يكن فيه اتلاف معصوم، فيجوز للمضطر أكل الميتة، والدم، ولحم الخنزير، وشرب البول، وغير ذلك من النجاسات؛ ويجوز له قتل الحربي والمرتد وأكلهما بلا خلاف.(٤٣،٤٤)

لواراد المضطر أن يقطع قطعة من نفسه من فخذه او غيرها لياكلها، فان كان الخوف منه كالخوف فى ترك الاكل او اشد حرم القطع بلاخلاف، وصرح به امام الحرمين وغيره؛ والا ففيه وجهان مشهوران ذكرهما المصنف بدليلهما، اصحهما جوازه، وهو قول ابن سريج وابى اسحق المروزى. والثانى لا يجوز، اختاره ابوعلى الطبرى، وصححه الرافعى فى المحرر، والصحيح الاول، وممن صححه الرافعى فى الشرح والنسخ: واذا جوزناه فشرطه ان لايجد شيئا غيره فان وجد حرم القطع بلاخلاف، ولا يجوز ان يقطع لنفسه من معصوم غيره بلاخلاف، وليس للغير ان يقطع من اعضائه شيئا ليدفعه الى المضطر بلاخلاف صرح به امام الحرمين والاصحاب.(٤٥)

قال اصحابنا وانما يجوز التداوى بالنجاسة اذا لم يجد طاهراً يقوم مقامها، فإن وجده حرمت النجاسات بلاخلاف، وعليه يحمل حديث "ان الله لم يجعل شفاء كم فيما حرم عليكم" فهو حرام عند وجود غيره، وليس حراماً اذا لم يجد غيره، قال اصحابنا: وانما يجوز ذلك اذا كان المتداوى عارفا بالطب يعرف انه لا يقوم غير هذا مقامه، او اخبره بذلك طبيب مسلم عدل ويكفى طبيب واحد صرح به البغوى. (٥٠،٥١)

و قال البيهقي: هذان الحديثان ان صحا حملا على النهي عن

التداوي بالمسكر وعلى التداوي بالحرام من غير ضرورة.(۵۳)

مندرجۂ بالا تمام عبارتوں سے صاف مستفاد ہوتا ہے کہ صورتِ مسئولہ میں ضرورت واضطرار کی حالت نہ ہونے کی وجہ سے بلڈ بینک میں خون دینا جائز نہیں ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: فقہ شافعی کے مطابق دیے گئے جواب پر کسی شافعی مفتی کی تصدیق کے بعد ہی اعتماد کریں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ / ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

انجکشن کے ذریعہ جانور سے دودھ اور بچہ حاصل کرنا

سوال: ہمارے یہاں گائے اور بھینس کو نر سے جفتی نہیں کرواتے؛ بلکہ انجکشن کے ذریعہ سے منی کا نطفہ مادہ کی رحمدانی میں پہنچادیا جاتا ہے، تو اس کا دودھ پینا؛ نیز پیدا ہونے والے بچہ کا ذبح کرکے اس کا کھانا کیسا ہے؟ امید ہے جلد از جلد جواب مرحمت فرمائیں گے، اور پہلے والے سوال کا تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کا دودھ پاک اور حلال ہے۔(ماخوذ از فتاوی محمودیہ ۶ / ۳۴۷)

اس کا ذبح کرکے کھانا بھی درست ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ / رجب ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

انجکشن لگا کر دودھ دوہنا

سوال: اصطبل میں بعض مرتبہ جب بھینسوں کو دوہنے کے لیے بیٹھتے ہیں، تو تھنوں میں دودھ نہیں لاتی، تب انجکشن لگا کر دودھ دوہا جاتا ہے تو کیا یہ صحیح ہے؟ کیوں کہ اگر دوہا نہ جائے اور یونہی چھوڑ دیا جائے، تو بھینس کے تھن اور بھینس کے خراب ہونے کا خطرہ ہے جس کی وجہ سے مالک اصطبل کا نقصان ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے۔ (کما یفہم من الفتاوی المحمودیہ ۶/۲۱۸) یکرہ استقصاء فی حلب البھیمۃ اذا کان مضرا بھا لقلۃ العلف ویکرہ ترک الحلب ایضاً. (عالمگیری ۱/۵۷۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

افیون کے ذریعہ بھینس کا علاج کرنا

سوال: بعض بھینسوں کے دل میں بیماری ہوتی ہے، (یعنی رحم دانی اور اس کے ملحق حصہ کو باہر نکال دیتی ہے) تو اس صورت میں افیون فرج داخل میں رکھا جاتا ہے، جس کے نشہ کی وجہ سے یہ بیماری ختم ہوجاتی ہے، اور بعض بیماریوں میں افیون کھلایا جاتا ہے جب کہ دوسری دوائیاں بھی موجود ہیں، تو کیا اس طرح افیون سے علاج کرنا شرعاً درست ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فرج میں افیون رکھ کر علاج درست ہے، اور کھلانے کی صورت میں اگر اتنی مقدار ہے جو نشہ آور ہے، تو دیگر دوائیوں کی موجودگی میں اس سے احتراز کرنا چاہیے۔

(ماخوذ از کفایت المفتی ۹/۱۱۵)

وهكذا يقول فى غيره من الاشياء الجامدة المضرة فى العقل اوغيره يحرم تناول القدر المضر منها دون القليل النافع لان حرمتها ليست لعينها بل لضررها، وفى اول طلاق البحر: من غاب عقله بالبنج والافيون يقع طلاقه اذا استعمله للهو، وادخال الافات، قصداً لكونه معصيةً، وان كان للتداوى فلا لعدمها كذا فى فتح القدير وهو صريح فى حرمة البنج والافيون لاللدواء وفى البزازية والتعليل ينادى بحرمته لاللدواء.اھ كلام البحر وجعل فى النهر هذاالتفصيل هوالحق. (شامی ۵/۳۲۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

انجکشن لگا کر گابھن کرنا

سوال: بعض مرتبہ بھینس گابھن نہیں ہوتی تو انجکشن لگا کر اسے گابھن ہونے پر آمادہ کیا جاتا ہے، اور گابھن بھی ہوجاتی ہے تو کیا اس طرح گابھن ہونے پر آمادہ کرنا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

غیر فطری طریقہ ہے جو کراہت سے خالی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/صفر المظفر ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مریض کو خون دینا

سوال: ایک آدمی دوسرے آدمی کو اپنا خون دینا چاہتا ہے، کیا اس کے لیے یہ جائز ہے؟ اور اس کے جواز کی کوئی صورت نکل سکتی ہے؟ اسی طرح خون کی بینک میں خون دینا شرعی نقطۂ نظر سے کیسا ہے؟ مفصل ومدلل جواب عنایت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مریض کو خون دینے کے حکم میں یہ تفصیل ہے:

(الف) جب خون دینے کی ضرورت ہو، یعنی: کسی مریض کی ہلاکت کا خطرہ ہو اور ماہر ڈاکٹر کی نظر میں اس کی جان بچنے کا اس کے سوا کوئی راستہ نہ ہو، تو خون دینا جائز ہے۔

(ب) جب ماہر ڈاکٹر کی نظر میں خون دینے کی حاجت ہو، یعنی مریض کی ہلاکت کا خطرہ تو نہ ہو؛ لیکن ماہر ڈاکٹر کی نظر میں خون دیئے بغیر صحت کا امکان نہ ہو، اس وقت بھی خون دینا جائز ہے۔

(ج) جب خون نہ دینے کی گنجائش ہے[1]؛ مگر اس سے اجتناب بہتر ہے۔ کما فی الهندية: وإن قال الطبيب: يتعجل شفائك فيه وجهان. (۳۰۰/۵)

(د) خون دینے سے محض منفعت یا زینت مقصود ہو، یعنی: جب ہلاکت یا مرض کی طوالت کا اندیشہ نہ ہو؛ بلکہ محض قوت بڑھانا یا حسن میں اضافہ کرنا مقصود ہو، تو ایسی صورت میں خون دینا ہرگز جائز نہیں۔ (جواہر الفقہ ۲/ ۳۸)

---

[1] جواہر الفقہ میں عبارت اسی طرح ہے؛ مگر یہاں یوں ہونا چاہیے ''خون دینے کی گنجائش ہے؛ مگر الخ'' (مرتب)

بینک میں خون جمع کرانا قبل از وقت ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔ وما أبیح للضرورة یتقدر بقدرھا. حضرت مفتی نظام الدین صاحب نے اس کی جازت دی ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ

کھیت کو نقصان پہنچانے والی گائے کو انجکشن دے کر مارنا

سوال: ایک گائے ہے جو تقریباً چھ سال سے پریشان کرتی ہے اور کھیت میں جو کچھ بھی بوتے ہیں اس کو کھا جاتی ہے، بالکل سناٹے میں آتی ہے اور کئی کئی بیگھے کو صاف کر دیتی ہے، اور اگر اس کو مار کر کئی میل دور چھوڑ آتے ہیں تو پھر سے پندرہ بیس گائیوں کو اپنے ساتھ لے کر آجاتی ہے، اور اس گائے کا مالک بھی نظر نہیں آتا ہے، پتہ نہیں اس کا مالک بھی ہے یا نہیں ہے؟ مکمل چھ سال سے یہ ایسا کرتی ہے تو کیا اس کو کوئی اس قسم کا انجکشن لگا دیا جاوے جس کی وجہ سے وہ مر جائے اور پھر سکون مل جائے؟ کیا اس قسم کی حرکت میں کوئی شرعی ممانعت ہے یا نہیں؟ اگر ممانعت ہے تو پھر ہم کیا کریں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چند یوم آپ اس گائے کو باندھ لیں، اس کا مالک ہے یا نہیں؟ معلوم ہو جائے گا، اس سلسلہ میں کوئی صریح جزئیہ نظر سے نہیں گذرا، درمختار میں بلی اگر نقصان پہنچاتی ہو تو اس کو ذبح کر دینے کی اجازت لکھی ہے، اور علامہ شامی نے ''کلب عقور'' کو بھی اس کے مثل قرار دیا ہے، درمختار کے اخیر میں مسائل شتی میں یہ مسئلہ ہے، دوسرے علماء

سے تحقیق فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نوٹ: یہ جواب لکھ چکنے کے بعد ''تنقیح الفتاوی الحامدیہ'' میں ''قتل وحرق جراد'' کے سلسلہ میں ایک بحث نظر سے گذری، جس سے صورت مسئولہ میں گائے ذبح کردینے کا جواز معلوم ہوتا ہے؛ البتہ آپ کے علاقہ میں اس کا ذبح بہت بڑا جرم سمجھا جاتا ہے، اور ذبح کی صورت میں آپ اور عوام مسلمین کی جان ومال کو خطرۂ شدیدہ لاحق ہوسکتا ہے؛ اس لیے انجکشن دے کر ختم کردینے کی بھی گنجائش ہے۔ ''تنقیح الفتاوی الحامدیہ'' کی وہ عبارت پیش خدمت ہے۔

ورأيت فى شرح العلائى على التنوير من شتى الفرائض نقلا عن المبتغى بالمعجمة: أنه يكره حرق جراد وقملة وعقرب، ولا بأس باحراق حطب فيه نمل. اهـ. قال فى التنوير ايضا من المحل المزبور: ويجوز فصد البهائم وكيّها وكل علاج فيه منفعة لها، وجاز قتل مايضر منها ككلب عقور وهر ويذبحها ذبحا، قال العلائى: ولا يضربها؛ لأنه لا يفيد، ولا يحرقها.اهـ. قال فى المصباح: والبهيمة كل ذوات اربع من دواب البر والبحر وكل حيوان لا يميز فهوبهيمة. اهـ. فمقتضاه أن يقال للجراد بهيمة؛ لأنه حيوان لا يميز، وأنه يجوز قتله بما سوى الاحراق إن أضر، وفى جواهر الفتاوى من آخر الباب السادس من الجنايات قال: ملك الملوك لما سئل عن قتل الزنبور والحشرات المؤذية كالكلب وغيره هل يجوز؟ قال: يجب قتل الآدمى المؤذى فضلا عن غيره إذا كان مؤذيا. اهـ. قال العلامة الخيرالرملى فى حاشية المنح من باب التعزير قوله: والحشرات المؤذية قيد بها لأن ما لا يؤذى من الحيوانات لا يجوز

قتله، قال فی التتارخانية نقلا عن المحيط: يكره أن يقتل ما لا يؤذيه. اهـ. والمراد بالكراهة كراهة التحريم؛ لأنها إذا أطلقت فی بابها يراد بها ذلك.اهـ. كلام الخير الرملی، وقال العلائی فی شرح التنوير من باب التعزير: وأفتى الناصحی بوجوب قتل كل مؤذ اهـ. وأفتى العلامة ابن حجر الشافعی بأنه إذا لم يمكن دفعه إلا بالحرق جاز، وعبارته فی التحفة: وقضية جواز قلی وشیّ الجراد حل حرقه مطلقا؛ لكن قال القاضی يدفع عن نحو زرع بالأخف فإن لم يندفع إلا بالحرق جاز.اهـ. وفی شرح العباب قال القاضی حسين: يجوز حرق النمل الصغير كالجراد إذا عم أرضا ولم يمكن اندفاعه إلا بالحرق. اهـ. وقال العلامة الرملی فی شرح المنهاج: ولو تضرر بجراد أو نمل دفع كالصائل فإن تعين إحراقه طريقا لدفعه جاز.اهـ. وفی كتاب مطلوب المؤمنين من كتب أئمتنا الحنفية للشيخ بدر الدين بن تاج بن عبد الرحيم اللاهوری من فصل فی إحراق وقتل الحيوانات: اختلف الناس فی قتل الجراد، قال بعضهم: لا يجوز قتله، وقال أهل الفقه كلهم لا بأس بقتله، فأما من كره قتله قال: لأنه خلق من خلق الله يأكل من رزق الله تعالیٰ، ولا يجری عليه القلم، وأما من قال لا بأس به فلأن فی تركه إفساد الاموال، وقد رخص النبی ﷺ قتل المسلم إذا أراد أخذ ماله، فالجراد إذا أراد افساد ماله فهو أولی أن يجوز قتله، ألا ترى! أنهم اتفقوا أنه يجوز قتل الحية والعقرب لأنهما يؤذيان الإنسان وكذلك الجراد، كذا فی بستان أبی الليث. اهـ. فصريح عبارة هذين الإمامين أنه إذا تعين إحراقه طريقا لدفعه جاز إحراقه عند السادة الشافعية رضی الله تعالیٰ عنهم (تنقيح الفتاوی الحامدية ٢/٣٦٢)

دیگر اہل علم سے بھی رجوع فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

موذی جانور کو زہریلا انجکشن دینا

سوال: ایسا جانور گائے وغیرہ مریل ہو، اس کے بدن میں بہت زیادہ زخم ہو، زخم سے بدبو پھوٹتی ہو اور مسلم ڈاکٹر کے بیان کے مطابق اس کا صحت یاب ہونا ناممکن ہو تو کیا مسلم ڈاکٹر کے لیے جائز ہے کہ اس کو زہریلے انجکشن کے ذریعہ مار دے؟ جب کہ اس کے غیر مسلم مالک ذبح کر کے دفن کرنا مذہباً غلط جانتے ہیں، اور انجکشن پر اصرار کرتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

في العالمگیریة: الحمار إذا مرض ولا ینتفع به، فلا باس بأن یذبح، فیستراح منه کذا في الفتاوی العتابیة(۳۶۱/۵)

زہر دے کر مارنے کی ممانعت کے سلسلہ میں کوئی صریح جزئیہ نہیں دیکھا، اس لیے اصولی طور پر تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے؛ البتہ صورت مسئولہ میں زہریلا انجکشن دے کر مارنے میں غیر مسلم کے مذہبی نظریہ کی توثیق ہوتی ہے، اس لیے مسلم ڈاکٹر کے لیے اس سے احتراز مناسب ہے، پھر بھی اگر لوگوں کو راحت پہنچانے کی نیت سے ایسا کرے گا تو امید ہے کہ مواخذہ نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کھیتی کی حفاظت کے لیے مرغیاں مارنے کی دوا کا استعمال

سوال: ایک شخص اپنی کاشت والی زمین میں پورے محلہ میں اعلان کر کے مرغی کو مارنے والی دوا رکھتا ہے؛ تاکہ اپنے پیداوار کو نقصان سے بچا سکے تو یہ دوا رکھنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مرغیاں پیداوار میں واقعی بڑا نقصان پہونچاتی ہیں، اوران کو روکنے کے لیے اور کوئی تدبیر کارگر نہیں ہے، تو اپنی زمین میں اس قسم کی دوا رکھ لینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ (اس سلسلہ میں دیگر حضراتِ مفتیان سے بھی رجوع فرمالیں۔) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵ رشوال المکرم ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دمہ کے علاج (دمہ کیمپ) میں غیر شرعی امور کا ارتکاب

سوال: شہر مالیگاؤں میں کئی سالوں سے دمہ کیمپ کے نام سے جڑی بوٹیوں کے ذریعہ علاج کیا جاتا ہے، جس میں مرد وزن کی بڑی تعداد بطور مریض شریک ہوتی ہے، جس کا لازمہ یہ ہے کہ مریض کو رات بھر جگایا جاتا ہے، جس کے لیے یعنی مریض کو جگانے کی کوشش میں ہذل گو، مزاحیہ شعراء، مسکری آئیٹم پیش کرنے والا کامیڈین (جو اپنے دیگر پروگراموں میں آخرت کا مذاق بھی اڑا چکا ہے) کی مدد لی جاتی ہے، نیز ان اوقات میں مرد وزن کا اختلاط بھی ہوتا ہے، مذکورہ باتوں کو سامنے رکھ کر یہ

بتائیں کہ کیا یہ علاج شرعاً درست ہے؟ بالفرض اگر مجرب بھی ہو تو ان تمام باتوں کو خصوصی طور سے اختلاط کو سامنے رکھ کر اس بارے میں شرع کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جڑی بوٹیوں کے ذریعہ کسی بیماری کا علاج درست ہے، اور اگر علاج میں کسی بیمار کو رات بھر جگانا معالج کی رائے میں ضروری ہو تو وہ بھی درست ہے؛ لیکن علاج کے لیے مرد وزن کا اختلاط کسی طرح جائز نہیں، بیماروں کو رات بھر جگانے کے لیے غیر شرعی طریقہ اختیار کرنا درست نہیں، اگر مسئولہ طریقِ علاج کو ان غیر شرعی امور سے جدا نہیں کیا گیا تو پورا علاج ناجائز ٹھہرے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خنزیر کی ہڈی کا بطورِ دوا استعمال کرنا

سوال: ایک شخص کے کافی تعداد میں جسم میں مرض برص ہے اور بہت علاج ومعالجہ کر چکا؛ لیکن سب بے سود رہا، آخر میں ایک طبیب حاذق نے یہ نسخہ بتایا جس میں عظمِ خنزیر کا ملاوٹ کرنا پڑتا ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں خنزیر کی ہڈی استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خنزیر نجس العین اور حرام ہے، اس کی ہڈی کا بطور دوا استعمال درست نہیں ہے، اگر جان یا کسی عضو کے تلف وہلاک کا اندیشہ لاحق ہو اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا علاج کارگر نہ ہو تو اس کی گنجائش ہے؛ لیکن مرض برص میں چوں کہ جان یا عضو کے تلف

ہونے کا اندیشہ نہیں ہے، اس لیے اس کے علاج ومعالجہ میں اس کی اجازت نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/محرم الحرام ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

پولیو ڈروپ پلانے کا حکم

سوال: حکومت ہند کی طرف سے پورے ہندوستان میں بستی بستی اور گھر گھر جا کر پانچ سال کے اندر کے سارے بچوں کو پولیو کا ڈروپ پلاتے ہیں، اور اس کی خاص وجہ فالج سے حفاظت ہو یہ بتائی جاتی ہے، اور یہ خدمت انجام دینے والے ڈاکٹروں کے پاس بہت سارے مدارس کالج اور علماء کے جواز کے فتوے یا تحریریں ہیں جو میں آپ کے لیے بھیج رہا ہوں، اس کی روشنی میں بتادیں کہ یہ ڈروپ ہم اپنے بچوں کو پلاوے یا نہیں؟ سوال لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اتنی ساری تحریروں کے بعد بھی کچھ لوگ اس کو ناجائز یہودیوں کی چال، دشمنوں کا حربہ، مسلم نسل کشی سے تعبیر کرتے ہیں، اور اپنے بچوں کو نہیں پلاتے، آپ سے یہ درخواست ہے کہ آپ جائز ناجائز ہونے کو بتاویں؛ تاکہ عمل کرنا آسان ہو۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پولیو ڈروپ اگر جائز اور حلال چیزوں سے تیار کی جاتی ہے اور اس کا استعمال مضر اور نقصان دہ بھی نہیں ہے؛ بلکہ پولیو کی بیماری سے حفاظت کا ذریعہ ہے تو بچوں کو پلانا جائز اور درست ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس سے احتیاط ضروری ہے، ہمیں

ذاتی طور پر اس کے اجزائے ترکیبیہ کی کوئی تحقیق نہیں ہے، مسلم نسل کشی والی بات اس لیے بھی محل نظر ہے کہ یہ ڈروپ صرف مسلمانوں بچوں ہی کو نہیں پلائے جاتے؛ بلکہ ہر جگہ تمام اہل مذاہب اور مختلف اقوام کے بچوں کو پلائے جاتے ہیں، باقی اندرونی حقیقت کا حال ہمیں معلوم نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ رمضان المبارک ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

اوہام وشکوک کے دفعیہ کے لیے حکیم کی حکمتِ عملی

سوال: ایک حکیم صاحب مریض کی کیفیت تحقیق کر کے ایک نسخہ تحریر کرتے ہیں کہ یہ نسخہ آپ کی بیماری کو دفع کرنے والا ہے؛ چناں چہ وہ مریض اس نسخہ کو استعمال کرتا ہے اور چند روز بعد واپس آ کر حکیم سے کہتا ہے کہ مجھے شفاء نہیں ہوتی تو حکیم قرینہ سے یہ معلوم کر لیتا ہے کہ اس میں کوئی بیماری ایسی بڑی نہیں ہے، اس کے اندر اوہام وشکوک زیادہ ہیں، اس کے اوہام وشکوک کے دفعیہ کے لیے حکیم کہہ دیتا ہے کہ اس میں ہر قسم کی دوائیاں موجود ہیں اس کو استعمال کرو شفاء ہوگی یا مریض حکیم صاحب سے کہتا ہے کہ میرے اندر یہ مرض ہے تو حکیم کہتا ہے کہ جاؤ دواء کھاؤ اس دوائی میں اس مرض کی دواء بھی ہے، محض اس کے وہم دور کرنے کے لیے کہتا ہے یا حکیم وہ دوائی رکھ لیتا ہے، واپس وہی دوائی دیتا ہے یا اس قسم کی دوائی دیتا ہے، کہتا ہے کہ میں نے دوا بدل دی، اس سے آپ کے تمام امراض ختم ہو جائیں گے؛ نیز حکیم صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ میں یہ حکمت مریض کو دھوکا دینے کے لیے نہیں کی ہے؛ بلکہ اس کا وہم دور

کرنے کے لیے ایسا کیا ہے؛ نیز حکیم صاحب کا کہنا ہے کہ میں نے ایسا کر کے کئی اوہام پرست مریضوں کو درست کیا ہے اور ان کے وہم وشک کو دور کیا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ حکیم صاحب کا اس طرح دفعِ وہم کے لیے کہنا کہاں تک شرعاً درست ہے؟ اور حکیم کا حکمت میں حیلہ کہاں تک درست ہے؟ کیا حکیم ایسی حکمت کر سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مریض کے واقعی مرض کی دوائی دینے کے ساتھ اس کے اوہام وشکوک کے دفعیہ کے لیے مذکور فی السوال تدابیر اختیار کرتا ہے تو اس کی اجازت ہے؛ بشرطیکہ صریح کذب کا ارتکاب نہ کرے؛ بلکہ مجاز وتوریہ سے کام لیتا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

پستانوں کو ابھارنے کے لیے علاج کرنا

سوال: پستانوں کے عدم ابھار کو دور کرنے کے لیے (یعنی پستانوں کو بڑھانے کے لیے) انجکشن یا دوائی یا کوئی ٹیوب (کریم) وغیرہ استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قدرتی طور پر عمر کے لحاظ سے عورت کے پستانوں میں جس قدر ابھار ہونا چاہیے، اس قدر ابھار کا نہ ہونا ایک نوع کا مرض ہے، اگر طبی اعتبار سے اس کے لیے کوئی علاج (انجکشن یا دوائی یا کریم وغیرہ) ممکن ہو تو اس کی اجازت ہے۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸ر صفر المظفر ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

حرام چیز سے علاج کرنا

سوال: اگر کسی آدمی کو دمہ (دم) کی بیماری ہے، اور معالج نے اس کو کہا کہ تم چالیس دن تک گدھی کا دودھ پیو، تو آپ اس کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہیں؟ کیا ضرورت کے موقع پر دودھ پینا جائز ہے یا ناجائز؟ برائے کرم اس کا جواب تفصیل سے لکھئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر دیندار تجربہ کار معالج تجویز کرے کہ یہی علاج ہے، اور کوئی علاج نافع نہیں، تو درست ہے۔ (فتاوی محمودیہ: ۱۳/ ۴۴۰، ۴۴۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ر ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

باب الأكل والشرب

کھانے کی ابتداء اور انتہاء نمکین سے

سوال: قبل الطعام اور بعد الطعام میٹھی چیز کھانا عند الشرع کیسا ہے؟ کھانے

سے پہلے اور کھانے کے بعد نمک چاٹنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میٹھا مرغوب تھا اس کی تصریح روایاتِ حدیث میں موجود ہے؛ لیکن قبل الطعام یا بعد الطعام میٹھا استعمال کرنے کے متعلق کوئی تصریح نظر سے نہیں گزری۔ عالمگیری میں نمکین چیز سے ابتداء کرنے اور نمکین پر ختم کرنے کو سنت لکھا ہے۔ (۵/۳۳۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کھانے سے پہلے اور بعد میں نمکین یا میٹھی چیز کھانا

سوال: کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد نمک یا کوئی میٹھی چیز کھانے کا ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

فتاوی عالمگیری میں ہے: من السنة أن يبدأ بالملح ويختم بالملح، كذا في الخلاصة. (۵/۳۳۷) (نمکین چیز سے کھانے کی ابتداء کرنا اور نمکین پر ختم کرنا مستحب ہے)۔

البتہ اس سلسلہ میں جو روایت نقل کی جاتی ہے کہ ''اس میں ستر بیماریوں کی شفاء ہے'' اس کو علامہ ابن الجوزی نے موضوع بتلایا ہے، تفصیل کے لیے احیاء العلوم کی شرح اتحاف السادۃ ۵/ ۲۱۸ اور ۲۶۴، ۲۶۵، ملاحظہ کریں۔

میٹھے کے سلسلہ میں کوئی روایت نظر سے نہیں گذری۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

پھاڑ کھانے والی مچھلی حلال ہے

سوال: بعض قسم کی مچھلیاں جس کو انگریزی میں shark کہتے ہیں، پھاڑ کھانے والی ہوتی ہیں؛ حتی کہ بعض مرتبہ انسان کو بھی چیر کر کھا جاتی ہیں ان کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مچھلی کی تمام انواع واقسام حلال ہیں۔

وحل الجراد وأنواع السمك بلا ذكوة.(تنوير الأبصار ۳۳/۹ مطبوعه زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

جھینگا کھانا

سوال: جھینگا کھانا کیسا ہے؟ اس پر بھی روشنی ڈالیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حنفیہ کے نزدیک دریائی جانوروں میں سے صرف مچھلی جائز ہے اور کوئی جانور جائز نہیں، جھینگا مچھلی اگر مچھلی ہی کی کوئی قسم ہے تو وہ جائز ہے جیسا کہ علامہ دمیری شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حیوۃ الحیوان ۱ ۷ ۳ میں لکھا ہے اور اسی سے تتمہ ثالثہ امداد الفتاویٰ ۵۰ میں نقل کیا ہے، اگر یہ مچھلی کی قسم نہیں بلکہ کوئی اور جانور ہے اور محض نام جھینگا مچھلی مشہور ہو گیا ہے تو یہ جائز نہیں جیسا کہ فتاویٰ رشیدیہ ۲ / ۱۲۲ میں ہے، مجموعہ فتاوی مولانا عبدالحی ۲ / ۱۱۰ میں دونوں قول نقل کیے ہیں، حمادیہ کی عبارت نقل کی ہے: الدود الذي يقال له جهينگا حرام عند بعض العلماء لأنه لا يشبه السمك، فإنها

يباح عندنا من صيدالبحر أنواع السمك و هذا لايكون كذلك وقال بعضهم حلال لأنه يسمى باسم السمك.اھ ۳/ ۱۰۴اور ۱۰۷ میں بھی دونوں قول نقل کیے ہیں۔تذکرۃ الخلیل ۲۰۰ میں عدم جواز کا فتویٰ ہے، یہی راجح ہے؛ نیز جب کہ اس میں حرمت کا قول بھی ہے تو اس سے اجتناب ہی بہتر ہے: لقوله عليه السلام دع مايريبك إلى مالا يريبك الحديث. (فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۱۲۴)

مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم فرماتے ہیں ''احقر نے علم الحیوان کے ماہرین سے اس کی تحقیق کی تو وہ سب اس بات پر متفق نظر آئے کہ جھینگا مچھلی نہیں ہے اور دونوں کے درمیان وہ نسبت ہے جو شیر اور بلی کے درمیان پائی جاتی ہے، مچھلی کی جو تعریف علم الحیوانات کی کتابوں میں مرقوم ہے اس کی رو سے بھی جھینگا مچھلی کے مصداق میں داخل نہیں ہوتا۔(درس ترمذی ۱/ ۲۸۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ: العبد احمد عفی عنہ، یکم محرم الحرام ۱۴۰۸ھ

جھینگا کھانا اور مکروہ کی تعریف وحکم

سوال: ① جھینگے کا شمار مکروہ کی کس قسم میں ہوتا ہے؟ اور امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک جھینگا کھانا کیسا ہے؟ اور چاروں اماموں کا جھینگا، کیکڑا، ماکلی اور دیگر مشکوک مچھلیوں کے متعلق کیا کہنا (رائے) ہے اور مشکوک مچھلیوں کے نام بتائیے؟

② مکروہ اور مکروہ کی قسم کے متعلق تفصیل لکھیئے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سمندری جانوروں میں صرف مچھلی کا

کھانا جائز ہے، مچھلی کے علاوہ دیگر سمندری جانوروں کا کھانا درست نہیں، علمائے احناف میں اس بات میں اختلاف ہے کہ جھینگا مچھلی کی قسم میں سے ہے یا الگ کوئی سمندری جانور ہے؟ جن حضرات علمائے کرام نے اس کو مچھلی کی قسم قرار دیا ہے وہ اس کے کھانے کی اجازت دیتے ہیں، اور جو حضرات علمائے کرام اس کو مچھلی کی قسم نہ مانتے ہوئے الگ سمندری جانور قرار دیتے ہیں وہ اس کو کھانے کی اجازت نہیں دیتے۔ رہا کیکڑا تو وہ احناف کے نزدیک کھانا درست نہیں؛ اس لیے کہ یہ مچھلی کی قسم میں سے نہیں۔ ماکلی کیا چیز ہے؟ وہ میں نہیں جانتا۔ دیگر حضراتِ ائمۂ مجتہدین کا اس سلسلہ میں کیا مسلک ہے؟ وہ ان کے مفتیانِ کرام سے معلوم کرلیں۔

(۲) مکروہ وہ ہے جس میں ممانعت تو وارد ہے؛ لیکن جواز کی دلیل بھی پائی جاتی ہے، اس کی دو قسمیں ہیں: مکروہِ تنزیہی جس کے نہ کرنے میں ثواب ہو اور کرنے میں عذاب نہ ہو اور یہ جواز کے دائرہ میں ہے، اور کراہتِ طبعی رکھتا ہے اور سنتِ غیر مؤکدہ کے بالمقابل ہے۔ دوسرا مکروہ تحریمی یہ قریب حرام کے ہے اور یہ دلیل ظنی سے ثابت ہوتا ہے؛ اگرچہ اشد ضرورت میں یہ بھی جائز ہے، اور یہ واجب کے بالمقابل ہے، پس اس کا انکار کرنے والا فاسق اور بغیر عذر کرنے والا گنہگار اور عذاب کا مستحق ہوگا۔ (عمدۃ الفقہ ۱/ ۹۰، ۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ رمضان ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

جائفل استعمال کرنا

سوال: جائفل کا کیا حکم ہے؟ کیا کھانے میں بہ طور ذائقہ کے اس کا استعمال صحیح

ہے؟ یا مطلق حرام ہے؟ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہشتی زیور کے حصہ: ۱۱ میں لکھا ہے، اتنی مقدار استعمال درست ہے کہ نشہ نہ پیدا ہو مگر اس پر ایک صاحب کا اصرار ہے کہ مطلق حرام ہے۔ براہ کرم دیگر کتب متداولہ سے باحوالہ اس کا حکم فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جائفل کی اتنی مقدار جس میں نشہ پیدا نہ ہو درست ہے۔ علامہ شامی نے صاحب درمختار کے قول، "و کذا تحرم جوزة الطیب" پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

فهذا كله نظائره يحرم استعمال القدر المسكر منه دون القليل كما قدمناه" (شامی ۶/۳۴۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بانگڑا مچھلی اور جھینگے کا حکم

سوال: بانگڈا (مچھلی) کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور ایک بات یہ ہے بازاروں میں بکتی ہیں چھوٹی مچھلیاں (جس کو جھینگہ کہتے ہیں) کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بانگڈا مچھلی کیا ہے، میں نہیں سمجھا، اگر یہ کوئی مچھلی ہی کی قسم ہے تو اس کو کھانا درست ہے، اور اگر کوئی اور دریائی مخلوق ہے تو کھانا درست نہیں، مقامی علماء سے دریافت فرمالیں۔ جھینگا مچھلی کے سلسلہ میں علماء کا اختلاف ہے، اس لیے کوئی کھاتا

ہے تو اس کو روکا نہ جائے؛ البتہ نہ کھانے میں احتیاط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ جمادی الاخری ۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مچھلی کے علاوہ اور کون کونسے بحری جانور حلال ہیں؟

سوال: مچھلی کے علاوہ سمندر کی اور کون کون سی چیز کھانا اسلام میں حلال ہے؟ اور کونسی چیز کھانا مکروہ ہے؟ اور کون سی چیز کھانا حرام ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سمندری جانوروں میں سے صرف مچھلی اپنے تمام انواع کے ساتھ حلال ہے، باقی کوئی جانور حلال نہیں، مچھلی اگر اپنی موت مرکر پانی پر الٹی تیرنے لگے تو اس کا کھانا بھی حلال نہیں ہے۔ ولا یحل حیوان مائي إلا السمك الخ (درمختار شامی ۲۱۵/۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ، ۲۷/ محرم الحرام ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس بسم اللہ

پرساد کا حکم

سوال: کیا پرساد کھا سکتے ہیں جب کہ نیت صرف مٹھائی کھانے کی ہو؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بتوں کے نام پر چڑھایا ہوا کھانا یا مٹھائی جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ
العبد احمد خانپوری، ۱۵/ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

سگریٹ نوشی کا حکم

سوال: سگریٹ پینے کے مندرجۂ ذیل نقصانات ہیں:

① ہر سال تقریباً ایک لاکھ پندرہ ہزار (۱۱۵۰۰۰) اموات کا سبب اسموکنگ بتایا جاتا ہے۔

② اسموکنگ کی وجہ سے دل کے امراض جیسے کینسر جیسا موذی اور سانس کے امراض ہوجاتے ہیں، اسی طرح سانس، دمہ، برنکائٹس بھی ہوتے ہیں۔

③ سگریٹ کے دھنویں سے دوسروں کو بھی نقصان پہونچتا ہے، اور انہیں بھی امراض لاحق ہوتے ہیں، جیسے لنگ کینسر، کورونری وغیرہ۔

④ سگریٹ کے تمباکو میں ہزاروں کیمیکل ہیں مثلاً تاز، یکزین، کاربن، مونوکسائنڈ، امونیہ، فورمالدھائڈ، ہائڈوجن، اکرولین وغیرہ ان میں سے ۶۰ کیمیکل ایسے ہیں جو کینسر کا سبب ہوسکتا ہے۔

⑤ اسموکنگ میں عادت کا نشہ ہے، کہ ایک مرتبہ عادت ہوجانے پر اس کے بغیر چین نہیں رہتا۔

⑥ اس میں اسراف بھی بہت ہی زیادہ ہے، انگلینڈ میں ایک پاکٹ سگریٹ جس میں ۲۰ سگریٹ ہوتی ہے، وہ دو پاؤنڈ کی ہوتی ہے، اس کے حساب سے دن میں جو ۵ پیتے ہیں اس کا ماہانہ خرچ 15.77 پونڈ اور سالانہ خرچ 189.28 اور جو ۲۰ پیتا ہے، اس کا ماہانہ خرچ 63.09 اور سالانہ خرچ 757.12 ہوتا ہے۔

⑦ ایک سروے کے مطابق روزانہ ۵۰۰ بچے نو ۹ سال سے ۱۵ کی عمر والے

اسموکنگ کی کوشش کرتے ہیں، اور تقریباً ساڑھے سات لاکھ بچے ۱۸ سے کم عمر والے عادی ہوجاتے ہیں۔

⑧ برطانیہ کے ۱۹۹۰ کے سروے رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ۱۲۰ر لاکھ افراد ۱۶ سال سے بڑے سگریٹ پیتے ہیں، یعنی تین بڑوں میں سے ایک سگریٹ نوشی کرتا ہے۔

قرآن کریم کی آیات واحادیث کریمہ کی روشنی میں اور فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں مفصل جواب سے مشرف فرمائیں، کہ ہم اس مسئلہ کو اردو، انگریزی اور دیگر زبانوں میں کتابچہ کی شکل میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہمارے اکابر کے یہاں اس کے استعمال پر کراہت تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہی کا حکم راجح ہے، اس سلسلہ میں ایک تفصیلی فتوی حضرت اقدس مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب دامت برکاتہم کا فتاویٰ رحیمیہ جلد دوم از صفحہ ۲۴۲ تا صفحہ ۲۴۵ مذکور ہے، اس میں ہمارے اکابر کے فتاویٰ بھی منقول ہیں۔

اس موضوع پر حضرت مولانا عبدالحئ صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مستقل رسالہ "ترویح الجنان بتشریح حکم شرب الدخان" کے نام سے عربی زبان میں ساٹھ صفحات کا ہے، جس میں واقعات وحکایات بھی مذکور ہیں۔ آپ کتابچہ شائع کرنا چاہتے ہیں؛ تو اس کا ضرور مطالعہ فرمائیں، اس وقت احقر پابہ رکاب ہے، اس لیے تفصیلی جواب سے قاصر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷ر شعبان ۱۴۱۶ھ

مزار پر چڑھائی ہوئی چیزیں کھانا

سوال: درگاہ پر سے پتیسہ وغیرہ کو کھانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درگاہ پر چڑھائی جانے والی چیزوں کا استعمال حرام ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/۳۱۷)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بن بلائے دعوت میں شرکت

سوال: ہمارے ایک عزیز بن بلائے شادی کی دعوتوں میں شرکت کرتے ہیں ایسے بڑے گھرانے کی شادیوں میں جہاں کھانا کم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ میزبان کی رسوائی ہو، ان کا کہنا ہے کہ یہ اسلامی گناہ نہیں بلکہ سماجی واخلاقی بدتمیزی ہے اور خدا تعالیٰ اس طرح کی بدتمیزی پر پرسش نہیں کریں گے کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حدیث شریف میں ایک واقعہ ہے کہ ایک انصاری صحابی جن کی کنیت ابوشعیب تھی، انھوں نے اپنے ایک گوشت کا کاروبار کرنے والے غلام سے کہا کہ تم میرے لیے پانچ آدمیوں کے لیے کھانا تیار کرو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دینا چاہتا ہوں؛ چناں چہ وہ کھانا تیار کیا گیا پھر وہ صحابی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو

دعوت پیش کی اس موقع پر ایک آدمی (جس کو دعوت نہیں دی گئی تھی) ان حضرات کے ساتھ ہولیا اس پر نبی کریم ﷺ نے دعوت دینے والے صحابی سے فرمایا کہ اے ابو شعیب ایک آدمی (مزید بغیر دعوت) ہمارے ساتھ آگیا ہے تم چاہو تو اس کو اجازت دو، اور اگر چاہو تو چھوڑ دو (یعنی اجازت نہ دو) اس پر حضرت ابو شعیب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں ان کو اجازت دیتا ہوں۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ: ۲۷۸)

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے مشکوٰۃ کے مشہور شارح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

هذا تصريح منه ﷺ على أنه لا يجوز لأحد أن يدخل دار غيره إلا بإذنه، ولا للضيف أن يدعو أحدا بغير إذن المضيف، قال النووي: ويستحب للضيف أن يستأذن له... الخ (مرقاة ٦/٢٥٤)

یعنی آپ ﷺ کا ان صحابی سے اس آدمی کے لیے اجازت طلب کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ کسی کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر دعوت میں شریک ہو، اور خود مہمان کے لیے بھی درست نہیں کہ میزبان کی اجازت کے بغیر کسی کو اپنے ساتھ لے.....الخ۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے وہ عزیز جو شادی کی دعوتوں میں بن بلائے شریک ہوجاتے ہیں ان کا یہ عمل درست نہیں۔ مشکوٰۃ شریف میں سنن ابوداود کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت منقول ہے کہ جو آدمی کسی کے یہاں دعوت میں بغیر بلائے گیا تو چور بن کر داخل ہوا اور لٹیرا بن کر نکلا۔ (مشکوٰۃ ۲۷۸)

اس لیے آپ کے اس عزیز کا اپنے اس عمل کو گناہ نہ سمجھنا درست نہیں، ان کو

چاہیے کہ آئندہ ایسی حرکت سے باز رہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

حرام کمائی والے کی دعوت قبول کرنا

سوال: تبلیغی جماعتوں کی اکثر شہروں میں یا گاؤں میں بہت سے لوگ دعوتیں کرتے ہیں، جن میں سے بہت سوں کی آمدنی سود، جوا، شراب کی ہوتی ہے، یا اکثر کمائی مالِ حرام کی ہوتی ہے، اور جماعت اس دعوت دینے والے کا حال نہیں جانتی کہ اس کا کیا کاروبار ہے؟ اس صورت میں اگر دعوت قبول نہیں کرتے تو حدیث کی خلاف ورزی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعوت کو قبول کرو؛ نیز دعوت دینے والا بھی ناراض ہوتا ہے، اور اگر قبول کرتے ہیں تو پہلی بات یہ ہے کہ دعوت دینے والے کی کمائی معلوم نہیں، اور اگر معلوم ہو جائے جیسا کہ فی الحال اکثر سودی کاروبار ہے، اور مالِ حرام کے کھانے سے عبادت قبول نہیں ہوتی؛ لہٰذا ان دونوں صورتوں کو پیش نظر رکھ کر مدلل مع حوالے کے جواب تحریر فرمائیں، عین کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دعوت قبول کرنے کا استحباب کسی مانع شرعی نہ ہونے کے ساتھ مشروط ہے، اس لیے اگر دعوت کرنے والے کی تمام آمدنی یا اکثر حرام ہے تو دعوت قبول نہ کرے؛ البتہ ایسا آدمی کسی حلال ذریعہ سے حاصل کئے ہوئے مال سے دعوت کرتا ہے تو دعوت قبول کی جاسکتی ہے، مانع شرعی ہونے کی صورت میں دعوت قبول نہ کرنے سے

حدیث کی خلاف ورزی نہیں ہوتی، اور داعی کی ناراضگی کی پرواہ بھی اس صورت میں نہ کی جائے۔ ''لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق''(مشکوۃ:۳۲۱) معلوم نہ ہونے کی صورت میں بلاوجہ شبہ کرنا درست نہیں ہے، اور اگر شبہ کی کوئی وجہ موجود ہے تو دریافت کیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حلت وحرمت میں اغلب کا اعتبار ہے

سوال: زید کے پاس آمدنی کا تقریباً ایک تہائی مال ناجائز کاروبار، مثلاً افیون، ہیروئن، حشیش اور شراب کی خرید وفروخت سے یا ان چیزوں کو کرایہ پر منتقل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

دوسرا شخص وہ ہے کہ مذکورہ دھندوں سے اس کی آمدنی کا نصف تو حرام اور نصف حلال ہے۔

تیسرا وہ شخص ہے کہ اس کی آمدنی مذکورہ اشیاء سے تقریباً دو تہائی ہے، اور صرف ایک تہائی حلال ہے۔

چوتھا وہ شخص ہے کہ اس کے بارے میں یقینی طور پر معلوم ہے کہ اس کا ذریعۂ آمدنی جائز اور ناجائز دونوں ہیں؛ لیکن یہ معلوم نہیں کہ ناجائز آمدنی کتنی ہے؟ اور جائز آمدنی کتنی ہے؟ تو ان تمام صورتوں میں دعوت میں شرکت اور چندہ وغیرہ کے وصول کرنے کا کیا حکم ہے؟ سب صورتوں کا حکم یکساں ہے یا کسی صورت میں تفصیل ہے؟

واضح فرمائیں، اس قسم کے لوگوں کے بارے میں خاص طور پر جن علاقوں میں اس طرح کا کاروبار بہت زیادہ ہوتا ہے، ان علاقے میں چندہ لینے والوں خصوصاً ان علاقوں کے اہل مدارس پر چندہ لینے کے لیے کیا ضروری ہے کہ تفتیش وتحقیق کے بعد چندہ لیں؟ یا خاموشی کے ساتھ بغیر کسی تحقیق کئے تمام افراد سے لیا جائے، اگر ایسے لوگوں کی رقم دینی فنڈ، مثلاً مسجد، مدرسہ وغیرہ میں جمع ہو تو کیا کیا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس میں غالب کا اعتبار ہے، اگر حلال غالب ہے تو حلال ہے، اور اگر حرام غالب ہے یا دونوں متساوی ہیں تو حرام ہے۔ (امداد الفتاوی ۴/ ۱۴۸، ۱۴۹) البتہ غالب حرام ہونے کی صورت میں وہ شخص حلال میں سے دیتا ہے تو لینا جائز ہے، اور غالب حلال ہونے کی صورت میں وہ حرام میں سے دیتا ہے تو جائز نہیں۔

أهدى إلى رجل شيئا أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس؛ إلا أن يعلمه بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغي أن لا يقبل الهدية، ولا يأكل الطعام؛ إلا أن يخبره بأنه حلال ورثه أو استقرضه من رجل كذا في الينابيع. (عالمگیری ۵/ ۳۴۲)

جب یہ معلوم نہ ہو کہ غالب کیا ہے تو تحقیق کر لی جائے، اور تحقیق ممکن نہ ہو تو حالت اضطرار میں تحری پر عمل کرے، اور حالت اختیار میں قبول نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ذوالقعدہ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

فاسق اور حرام کمائی والے کی دعوت کھانا

سوال: کیا ڈاڑھی کٹانے والے اور ڈاڑھی کاٹنے والے مسلمان کے یہاں اور حرام طریقے سے کمانے والے کے یہاں اور بے نمازی کے یہاں اگر اس نے دعوت کی کھانے کی تو کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ڈاڑھی کاٹنا یا کٹوانا اگر ایک مشت سے کم ہے تو حرام ہے، اور اس کا مرتکب فاسق ہے، اور چوں کہ یہ علانیہ معصیت ہے اس لیے وہ فاسق معلن ہوا، لہٰذا اس کی دعوت قبول نہیں کرنی چاہیے۔ لا یجیب دعوة الفاسق المعلن؛ لیعلم أنه غیر راض لفسقه. پھر بھی اگر اس کا مال حرام نہیں ہے تو اس کا کھانا حلال ہے۔

وفي الروضة: یجیب دعوة الفاسق والورع أن لا یجیبه.(عالمگیری ۵/۳۴۳)

بے نمازی بھی اسی حکم میں آجاتا ہے۔

رہا وہ شخص جس کی کمائی حرام ہے، اس کی اکثر کمائی حرام ہے، تو اس کی دعوت کھانا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر وہ خالص حلال مال سے دعوت دے رہا ہے تو کھا سکتے ہیں۔ (عالمگیری ۵/ ۳۴۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حرام پیشہ ترک کرنے والے کی چیز لینا

سوال: (۱) ہمارے گاؤں میں ایک حاجی صاحب ہیں، وہ فی الحال بہت نیک وعبادت گذار ہیں؛ لیکن پہلے ان کا پیشہ بہت ناپاک تھا، پیشہ یہ تھا کہ وہ عورتوں کو

رکھتے تھے اور ان سے پیسے کماتے تھے۔ (جس کو فی زمانہ رنڈی بازار سے تعبیر کرتے ہیں) اب جب کہ انہوں نے یہ پیشہ بالکل چھوڑ دیا، اور ان کا پیشہ فی الحال ہوٹل وگاڑیوں کا ہے، اور وہ بڑے سخی بھی ہیں، تو وہ اگر کوئی چیز دیوے تو کیا اس کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ ظاہر ہے کہ یہ دھندا اور پیشہ ان ہی ناپاک رقم سے ہوا ہوگا جو پہلے رنڈیوں کے ذریعہ حاصل کرتے تھے، تشفی بخش جواب مرحمت فرمائیں مع حوالہ عطا فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① جن لوگوں سے وہ رقم حاصل کی گئی تھی، اگر وہ معلوم ومتعین ہیں تو اتنی رقم کا ضمان انہیں ادا کر دیا جائے، اور اگر وہ معلوم ومتعین نہیں تو اتنی رقم کا ان کی طرف سے صدقہ کر دیا جائے، ساتھ ہی ساتھ توبہ واستغفار کا اہتمام کرے، تو امید کہ وہ اس ذمہ داری سے بری ہوکر موجودہ تجارت ٹھیک ہوجائے۔

إذا تصرف في المغصوب أو الوديعة وربح فهو على وجوه: إما أن يكون مما يتعين بالتعيين كالعروض أو لا يتعين، كالنقدين إلى أن قال واختار بعضهم الفتوى على قول الكرخي في زماننا لكثرة الحرام الخ

(تبيين الحقائق للزيلعي ٥ /٢٢٦)

وفي البزازية: وقول الكرخي عليه الفتوى الخ (شامی ٥/١٣٣)

صورت مسئولہ میں ان کی دی ہوئی چیز لینے کی اجازت ہے، اگرچہ تقوی یہ ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایضاً

سوال: ②وہی حاجی صاحب سے جب پوچھا گیا پیشہ کے بارے میں، تو جواب میں انہوں نے کہا کہ: ہاں! پہلے میرا پیشہ ایسا ناپاک تھا؛ لیکن اس کو میں نے چھوڑ دیا، پھر میں ایک مرتبہ گاڑی بھر کر باہر سے، یعنی دوسرے ملک سے مال لایا، اور خدا نے اس میں کامیابی عطا فرمائی، اور پھر اسی مال کو بیچ کر یہ ہوٹل وغیرہ کا پیشہ شروع کیا، تو کیا ان کی اس بات پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی چیزوں کو استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

③جب کہ ہمارا پورا گاؤں ان کی چیزوں کو بخوشی حاصل کرتا ہے، اور استعمال کرتا ہے؛ لیکن ہمارے دو تین گھر اس سے محفوظ ہیں، اور وہ حاجی صاحب ہم سے بدظن بھی ہیں کہ کیوں ہماری کوئی چیز یہ لیتے نہیں، تو کیا ایسی صورت میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں مجبوری شمار کر کے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

②ان کی موجودہ حالت دینداری اور عدالت کی ہے، تو ان کی بات پر اعتماد کرنا چاہیے، خواہ مخواہ کے شبہات میں پڑنا اور ایک دین دار آدمی پر عدم اعتبار مناسب نہیں ہے۔

③جواب نمبر دو کے مطابق ان کی اشیاء استعمال کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، خلاف احتیاط بھی نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ذوالقعدہ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دعوت میں دوست کو شریک کر دیا تو کیا حکم ہے؟

سوال: مجھے ایک جگہ ولیمہ کی دعوت تھی، شادی کی دعوت کے ساتھ ولیمہ کی دعوت تھی، اس میں لکھا رہتا ہے تم، تمھارے رشتہ دار اور دوستوں کو دعوت ہے، میرا ایک دوست ہے جب کہ اس کو دعوت نہ تھی؛ مگر مجھے دعوت تھی، میں اسے لے کر دعوت میں گیا جہاں اس نے کھانا کھایا؛ حالاں کہ اس کو دعوت نہ تھی تو کیا اس پر کوئی گناہ ہے؟ اگر گناہ ہے تو کیا کھائے ہوئے کا صدقہ کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دعوت دینے والے کی طرف سے اگر آپ کو اس بات کی اجازت تھی کہ آپ اپنے دوست کو بھی ساتھ لیتے جاویں، تو اس صورت میں دوست کو لے جانا بغیر دعوت نہیں، اس لیے گناہ نہیں ہے، نہ توبہ کی ضرورت ہے نہ کفارہ کی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

لوٹ کھسوٹ کا مال جائز نہیں

سوال: مسلم اور غیر مسلم میں لوٹ گھسوٹ عام ہوگئی، دونوں فریق ایک دوسرے کے مال لیتا ہے، تو کیا یہ جائز ہوگا مسلمانوں کے لیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسلمان کے لیے لوٹ کھسوٹ کا مال کسی حال میں جائز نہیں ہے، چاہے وہ مسلمان کا ہو یا غیر مسلم کا۔

"من انتهب فليس منا" (ترمذي ۱/ ۲۸۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ہوائی جہاز کا گوشت اور سبزی وغیرہ کھانا

سوال: بہشتی زیور حصہ: ۳، باب نمبر: ۳۴، مسئلہ: ۷ کے اندر ذیل کا مسئلہ بیان کیا ہے: جو گوشت ہندو بیچتا ہے، اور یوں کہتا ہے کہ میں نے مسلمان سے ذبح کرایا ہے، تو اس سے مول کر کھانا درست نہیں؛ البتہ جس وقت سے مسلمان نے ذبح کیا اگر اسی وقت سے کوئی مسلمان برابر بیٹھا دیکھ رہا ہے، یا وہ جانے لگا تو دوسرا کوئی اس کی جگہ بیٹھ گیا، تب درست ہے۔ تو اصل عرض یہ کرنا ہے کہ ہوائی جہاز میں کام کرنے والے زیادہ تو ہندو ہی ہوتے ہیں، کھانا وہی تقسیم کرتے ہیں، تو ان کا کھانا کیسا ہے؟ تفصیلی جواب دے کر ممنون و مشکور فرماویں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہ گوشت ہے تو نہیں کھانا چاہیے، اور اگر کھانے کی کوئی ایسی چیز ہے جس کا تعلق ذبیحہ سے نہیں ہے، مثلاً سبزی یا چاول، روٹی وغیرہ تو اگر برتن پاک ہیں، یا ان کی ناپاکی کا علم نہ ہو تو کھا سکتے ہیں، اور اگر یہ علم ہو کہ برتن ان کے ناپاک ہیں تو کھانا درست نہیں۔

قال محمد: ويكره الأكل والشرب فى أواني المشركين قبل الغسل، ومع هذا لو أكل أو شرب فيها قبل الغسل جاز، ولا يكون آكلا ولا شاربا حراما، وهذا إذا لم يعلم بنجاسة الأواني، فأما إذا

علم فإنه لا یجوز. (فتاویٰ عالمگیری ۳۴۷/۵)(فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۱۷۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ذوالقعدہ ۱۴۰۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کھانا کھانے کے درجات کی شرعی حیثیت

سوال: ایک مولانا صاحب نے طعام کے متعلق کھانے میں دو فرض بتائے ہیں:

(الف) بھوک سے مرجانے کا ظن غالب ہو تو کھانا کھانا فرض ہے، مطلب یہ ہے کہ ایسی بھوک کہ نہ کھائے تو مرجائے تو ایسے وقت کھانا کھانا فرض ہے۔

(ب) دوسرا فرض کھانا حلال کا ہو کہ آج سٹہ مٹکا، جوا، لاٹری، کرکٹ، سود کا لین دین، کسی غیر کے نام کا کھانا یہ سب حرام ہے، تو حلال کا کھانا ہونا فرض ہے۔ ان مولوی صاحب نے ثبوت میں ''فتاوی عالمگیری'' اور ''فضائل صدقات'' کو پیش کیا ہے؛ مگر ان مولوی صاحب کے پاس نہ کوئی کتاب ہے، اور نہ کسی مدرسہ کا ثبوت ہے اس لیے ہم کو آپ کی طرف رجوع کرنا پڑا، اور آپ کو زحمت دینی پڑی، اور وہ بھی اس لیے کہ ہم کو جماعتوں کو لے کر جانا ہوتا ہے، اور ساتھیوں کو کھانے پینے اور سونے کے آداب بتلانے ہوتے ہیں، اور ان سب باتوں کی ذمہ داری ہمارے سر پر ہوتی ہے کہ کہیں حرام کا لقمہ ان ساتھیوں کے پیٹ میں نہ جائے، اور کہیں ہم غلطی نہ کر جائیں؛ لہٰذا یہ سب فرض ہو یا پھر شرط؟ یہ آپ فیصلہ کریں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

''فتاوی عالمگیری'' میں کھانے کے کئی درجات لکھے ہیں: پہلا درجہ فرض ہے،

اور وہ یہ ہے کہ اتنا کھاوے کہ ہلاکت اور موت نہ آوے، اب اگر اس نے کھانا پینا چھوڑ دیا؛ یہاں تک کہ مر گیا تو وہ گہنگار ہے۔ دوسرا درجہ ثواب کا ہے، اور وہ یہ کہ اتنا کھاوے کہ نماز کھڑا رہ کر ادا کر سکے، اور آسانی سے روزہ رکھ سکے۔ تیسرا درجہ مباح اور جائز کا ہے، اور وہ یہ کہ دوسرے درجہ پر اتنی زیادتی کرے کہ پیٹ بھر جائے، اور بدن کی قوت میں اضافہ ہو اس میں نہ ثواب ہے، اور نہ گناہ، اور اس میں روز قیامت معمولی محاسبہ ہوگا؛ بشرطیکہ کھانا حلال ہو۔ چوتھا درجہ حرام کا ہے اور وہ پیٹ بھر سے زیادہ کھانا ہے؛ البتہ اس کے ذریعہ اس کا ارادہ کل کے روزہ میں قوت حاصل کرنا ہے، یا اس کا مقصد یہ ہے کہ مہمان شرمندہ نہ ہو، تو پیٹ بھر کر سے زیادہ کھانے میں گناہ نہیں۔

أماالأكل فعلى مراتب: فرض: وهو ماياندفع به الهلاك، فإن ترك الأكل والشرب؛ حتى هلك فقد عصى ومأجور عليه: وهومازاد عليه ليتمكن من الصلاة قائما، ويسهل عليه الصوم. ومباح: وهومازاد على ذلك إلى الشبع لتزداد قوة البدن، ولاأجر فيه ولاوزر، ويحاسب عليه حسابا يسيرا إن كان من حل. وحرام: وهو الأكل فوق الشبع إلا إذا قصد به التقوّي على صوم الغد أو لئلايستحي الضيف فلا بأس بأكله فوق الشبع. (٣٣٦/٥)

رہا کھانے کا حلال ہونا تو اس کا ضروری اور فرض ہونا ایک ایسی واضح چیز ہے کہ اس پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں، پھر بھی چند احادیث پیش کی جاتی ہیں:

مشکوۃ میں مسلم شریف کے حوالہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ پاک ہے، اور پاک (مال یعنی

حلال) ہی کو قبول کرتا ہے، اور بیشک اللہ نے مؤمنین کو اس چیز کا حکم دیا ہے جس کا رسولوں کو حکم دیا؛ چناں چہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿یاأیھاالرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا﴾ اور باری تعالیٰ نے فرمایا: ﴿یاأیھاالذین آمنوا کلوا من طیبات مارزقناکم﴾ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے آدمی کا تذکرہ فرمایا جو ایک طویل سفر میں ہے اور اس کی وجہ سے اس کے بال بکھرے ہوئے اور کپڑے میلے کچیلے ہیں، اپنے دونوں ہاتھوں کو آسمان کی طرف پھیلا کر دعا کرتا ہے، حال یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام ہے، اور اس کا پینا حرام ہے، اور اس کا لباس حرام ہے، اور حرام غذا سے اس کی پرورش ہوئی ہے، بھلا اس کی دعا کیسے قبول ہوگی؟ (مشکوۃ ۲۴۱)

نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس گوشت کی پرورش حرام سے ہوئی وہ جنت میں نہیں جائے گا، اور ہر وہ گوشت جس کی پرورش حرام سے ہوئی جہنم اس کی زیادہ حقدار ہے۔ (مشکوۃ ۲۴۲)

نیز حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حلال کمائی کا حاصل کرنا یہ بھی ایک فریضہ ہے۔ (مشکوۃ ۲۴۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم محرم الحرام ۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

بیوی کا دودھ پی لیا

سوال: اگر کسی مرد نے شادی کے بعد اپنی بیوی کا دودھ پیا، کیا اس کا نکاح باقی رہے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مدتِ رضاعت یعنی دوسال کی عمر کے اندر اندر کوئی بچہ کسی عورت کا دودھ پی لے، تو حرمتِ رضاعت ثابت ہوتی ہے، صورتِ مسئولہ میں جب وہ شادی شدہ مرد مدتِ رضاعت یعنی دوسال کی عمر سے تجاوز کر چکا ہے، تو اب اپنی بیوی کا دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی، اس لیے نکاح باقی رہے گا۔

درمختار میں ہے: مصّ رجل ثدي زوجته لم تحرم.

(درمختار علی هامش الشامي ۴۴۹/۲)

البتہ اس کا اس طرح اپنی بیوی کے دودھ کو پینا جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قرعہ اندازی کی دعوت

سوال: چند دوستوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ ہم رقعہ ڈالتے ہیں، جس کا بھی نام نکلے گا وہ سب کو فلاں چیز کھلائے گا، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نام نکلنے کے بعد بھی اس پر کھلانا ضروری نہیں ہے، رقعہ سے پہلے جس طرح وہ اپنی مرضی اور خوش دلی سے کھلا سکتا تھا، اس کے بعد بھی مرضی وخوش دلی سے کھلا سکتا ہے، مطلب یہ ہے کہ رقعہ کی وجہ سے اس پر لازم نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فٹ پاتھ پر کھانا

سوال: فٹ پاتھ پے بیٹھ کر تجارت کرنے والا چائے یا ناشتہ بیٹھ کر کھا سکتا ہے یا نہیں؟ یعنی لوگوں کے سامنے بازار میں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کھا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاخری ۱۴۱۲ھ

زبردستی کی دعوت اور طلبہ میں دعوت کا رائج طریقہ کا حکم

سوال: ایک طالب علم کا کہنا ہے کہ بخیل انسان کے اوپر دعوت وغیرہ معاملات میں زبردستی سے پیسے لینا جائز ہے؟ کیا یہ صحیح ہے؟ جواب مع دلیل کے مطلوب ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی مسلمان کا مال اس کی طیب خاطر کے بغیر لینا جائز نہیں ہے؛ بلکہ حرام ہے، آج کل طلبہ میں دعوت کا جو طریقہ رائج ہے کہ جماعت کے تمام طلبہ سے رقم وصول کرتے ہیں، اس کو عار دلاتے ہیں، نہ دینے والے یا کم دینے والے کا استہزاء کرتے ہیں یا تنقید کرتے ہیں، اور بھی مختلف طریقوں سے جبر کرتے ہیں، یہ تمام امور شرعاً ناجائز وحرام ہیں، ایسی دعوت سے احتراز لازم ہے، بادل ناخواستہ دی ہوئی رقم حلال نہیں ہے، نبی کریم ﷺ کا مبارک ارشاد ہے: "لا یحل مال امرئ مسلم إلا بطیب نفسه". (مسند للإمام أحمد) جو صاحب اس طریقہ سے لینے کو جائز کہتے ہیں

وہ اپنے دین پر بڑا خطرہ مول لے رہے ہیں، شریعت کی حرام کردہ چیز کو حلال کہنا موجبِ کفر ہے، اس قسم کے جملوں سے توبہ لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بغیر ہڈی کا گوشت کھانا

سوال: بغیر ہڈی کا گوشت کھانا کیا مکروہ ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حرام کمائی والے کے یہاں کھانا

سوال: جوا، شراب وویڈیو، ٹی وی، کیسٹ کا دھندا کرنے والے کے گھر کا کھانا کھانا حلال ہے یا حرام؟ واضح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جوا، شراب کی آمدنی حرام ہے، اور حرام کمائی سے تیار شدہ کھانا جائز نہیں ہے، اگر اس آدمی کے پاس دوسرا کوئی ذریعہ حلال کمائی کا ہو اور وہ اس حلال کمائی سے کھانا کھلائے، تو اس کا کھانا جائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نکاح میں لڑکی والوں نے روپیہ لیا ہو ایسی دعوت میں شرکت

سوال: نکاح میں لڑکی والوں سے متعین کر کے روپیہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر

کسی نے لیا، تو اس کے ولیمہ میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم ذوالقعدہ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

غدود (حرام مغز) کھانا

سوال: حلال جانور کی کون کون سی چیزیں کھانا جائز ہے؟ بعض لوگوں سے ایسا سنا ہے کہ جانور کا غدود کھانا حرام ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

غدود یعنی حرام مغز کھانا مکروہ تحریمی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سینما گھر کے قریب خورد ونوش کی کینٹن

سوال: سینما گھر جہاں فلمیں دکھائی جاتی ہیں، اور اس گھر میں صرف فلم دیکھنے والے ہی لوگوں کی آمد ورفت ہوتی ہے، ان کے علاوہ اور لوگ نہیں آتے، اس گھر میں فلمیں دیکھنے آنے والے لوگوں کے لیے خورد ونوش کی اشیاء فروخت کرنے کے لیے کینٹن بنانا اور چائے اور کھانے پینے کی چیزیں بیچ کر منافع کمانا از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چائے اور خورد ونوش کی اشیاء بیچنے والے کا تعلق براہِ راست فلم دیکھنے یا دکھانے

سے نہیں، اور سببِ قریب کے درجہ میں بھی نہیں ہے؛ اس لیے ضوابط واصول فقہ کے پیشِ نظر یہ کینٹن والا کاروبار جائز ہے؛ البتہ محل وقوع کے پیش نظر مناسب یہی ہے کہ اس سے بچا جائے۔ وإن أردت التفصيل في هذه المسئلة فعليك برسالة المفتي محمد شفيع رحمه الله تعالىٰ المسماة بـ "تفصيل الكلام في مسئلة الإعانة على الحرام" من جواهر الفقه ۲/۴۵۱۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

جس دعوت میں ناچ گانا ہو اس میں شرکت

سوال: کسی شخص نے دعوت دی، اور اس کے یہاں ناچ گانا ہے تو اس کی دعوت قبول کریں گے یا نہیں؟ اس کی دعوت کو قبول کرنا کیسا ہے؟ اس کے متعلق قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اگر پہلے سے معلوم ہے کہ وہاں ناچ گانا ہے، تو اس کی دعوت میں شرکت جائز نہیں۔

وإن علم أولا باللعب، لا يحضر أصلا سواء كان ممن يقتدى به أولا. (درمختار)

البتہ اگر اس کو یہ یقین ہو کہ میرے جانے سے میرے احترام میں ناچ گانا بند کردیں گے، تو اس کو چاہیے کہ شرکت کرلے۔

(قوله لا يحضر أصلا) إلا إذا علم أنهم يتركون ذلك احتراما له،

فعلیه أن یذهب.(شامی ۶/۴۰۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بینک کے ملازم کی دعوت قبول کرنا

سوال: ہمارے یہاں بہ نفسِ نفیس ایک دن ساتھ کھانا کھاتے ہیں جس میں بینک سروس کرنے والوں کا کھانا ہوتا ہے، اور دیگر کاروبار کرنے والے بھی اپنا کھانا ساتھ لاتے ہیں اور شریک ہوتے ہیں، تو کیا اس طرح کھانا صحیح ہے؟ بینک میں سروس کرنے والے ساتھ ہوتے ہیں اس سے فرق پڑے گا یا نہیں؟

نیز جماعتیں وغیرہ آتی ہیں تو بینک میں سروس کرنے والے انھیں دعوت بھی دیتے ہیں، تو اگر ان لوگوں کا کھانا درست نہ ہو تو جماعت والوں کو بتلانا ضروری ہے یا نہیں؟ اور کیا تدبیر کی جاوے جس سے ان لوگوں کے مال سے خلاصی ہو؟ کیوں کہ اگر ان کو صراحتاً بتلاتے ہیں تو یہ بینک میں سروس کرنے والے جو ابھی ابھی دینی کام میں لگے ہیں، وہ کٹ جائیں گے تو کیا تدبیر اختیار کریں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بینک کا کاروبار سودی لین دین کا ہوتا ہے، اس کی ساری آمدنی اسی پر موقوف ہے، بینک میں ملازمت اسی کاروبار میں تعاون ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾، بینک کی ملازمت سے حاصل شدہ تنخواہ خبیث ہے؛ اس لیے اس کے ذریعہ سے تیار کیا ہوا کھانا درست

نہیں۔آپ اپنے ساتھ دو تین آدمیوں کا کھانا لے جائیں، اور جب سب مل کر کھانے لگیں اس وقت آپ اپنے گھر سے لائے ہوئے کھانے ہی میں سے کھاتے رہیں، یا اس مشترکہ کھانے میں شرکت سے معذوری ظاہر کردیں۔

جس کی آمدنی خبیث اور ناجائز ہو اس کی دعوت کھانا شرعاً درست نہیں، بینک ملازم کو بتلادیا جائے کہ آپ کی آمدنی خبیث ہونے کی وجہ سے آپ کی دعوت قبول نہیں کی جاسکتی، اس کے باوجود اگر اس کو اصرار ہے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ کوئی آدمی اس کو اتنی رقم ہدیہ میں دے، یا وہ کسی کے پاس سے بہ طور قرض اتنی رقم لے کر اس سے دعوت کا سامان خرید کر دعوت کرلے، اس صورت میں اس کی یہ دعوت قبول کی جاسکتی ہے۔ایسے آدمی کو چاہیے کہ اپنے لیے آمدنی کا کوئی حلال ذریعہ بھی سائڈ بزنس کے طور پر رکھے؛ تاکہ ایسی دشواری پیش نہ آئے، ویسے بھی اس کے لیے ضروری ہے کہ کوئی حلال ذریعۂ آمدنی کی تلاش میں رہے، اور وہ ملنے پر اِس ملازمت کو ترک کردے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

اُملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹؍رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ

کھیل کود اور آلات لہو ولعب

عصر حاضر میں رائج کھیلوں اور لہو ولعب کا حکم

سوال: مسلمانوں کا کھیلوں (Sports) میں مشغول ومصروف ہونا عام ہو رہا ہے اس کے متعلق حسب ذیل سوالات ہیں:

① اگر کسی کھیل میں کوئی ناجائز اور خلاف شرع امر کا ارتکاب نہ ہوتا ہو تو وہ جائز ہے یا نہیں؟

② کیا مذکورہ کھیل میں (جو غیر شرعی امور پر مشتمل نہ ہو) ورزش کا مقصود ہونا ضروری ہے یا تفریح کے طور پر بھی کر سکتے ہیں؟ (صورت جواز میں)

③ اگر فی نفسہ جائز ہو تو کیا مالی منفعت کے لیے اس میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز اس کو کسب معاش کا ذریعہ بنانا کیسا ہے؟

④ بعض حضرات اس کو تشبہ بالغیر اور لایعنی فرما کر مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟

⑤ جواز وعدم جواز کے علاوہ اولویت وعدم اولویت، منفعت ومضرت کے اعتبار سے بھی اس مسئلہ کے متعلق آراء سے مشرف فرمائیں۔

⑥ جائز کھیلوں میں جو لوگ منہمک رہتے ہیں ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

⑦ ان کھیلوں کی تماشائی (spectate) کا کیا حکم ہے؟ نیز ریڈیو پر اس کی کومینٹری (commentary) سننا یا ٹیلیویژن پر اس کو دیکھنا جب کہ اسی وقت کھیلا جاتا ہو live transmission کیسا ہے؟

مفصل جواب بحوالۂ کتب عنایت فرمائیں، بے حد امتنان ہوگا۔

نوٹ: کھیلوں سے خاص طور پر کرکٹ فٹ بال ٹینس (Tennis) اور عمومی لحاظ سے سب کھیل مراد ہیں۔

محمد الیاس بن یوسف پٹیل غفرلہٗ

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سب سے پہلے یہ بات ذہن نشیں رہے کہ کھیل کے سلسلہ میں دورِ حاضر کے نظریہ اور اسلامی نظریہ میں بنیادی اختلاف ہے، دورِ حاضر میں کھیل برائے کھیل اور کھیل بحیثیت ایک فن والا نظریہ رائج ہے، جب کہ اسلام نہ تو کھیل برائے کھیل کا قائل ہے، اور نہ ہی اس کی نئی حیثیت کو تسلیم کرتا ہے، دورِ حاضر کے نظریہ کے اعتبار سے کھیل مقصود بنتا ہے جب کہ اسلام کسی بھی ایسی صورت کی اجازت نہیں دیتا جس میں کھیل کو مقصود قرار دیا گیا ہو۔ قرآن پاک میں کھیل کا تذکرہ عموماً مذمت کے انداز میں کیا گیا ہے، آپ پورے قرآن مجید کا مطالعہ فرمائیے، لہو ولعب کے الفاظ کا استعمال موقع مذمت میں کیا گیا ہے۔

﴿وما الحيوة الدنيا إلا لعب و لهو﴾(الانعام: ۳۲)

اور نہیں ہے زندگانی دنیا کی مگر کھیل اور جی بہلانا۔ (معارف القرآن ۳/ ۳۰۵)

﴿وما هذه الحيوة الدنيا إلا لهو ولعب﴾ (العنكبوت: ٦٤)

اور یہ دنیا کا جینا تو بس جی بہلانا اور کھیل ہے۔ (معارف ۶/ ۷۱۱)

﴿إنما الحيوة الدنيا لعب ولهو﴾(محمد: ٣٦)

یہ دنیا کا جینا تو کھیل ہے اور تماشہ۔ (معارف ۸/ ۴۵)

﴿اعلموا أنماالحيوة الدنيا لعب ولهو﴾(الحديد: ٢٠)

جان رکھو کہ دنیا کی زندگانی یہی ہے کھیل اور تماشہ۔ (ایضاً ۸/ ۳۱۳)

﴿فذرهم يخوضواويلعبواحتى يلٰقوايومهم الذي يوعدون﴾

(الزخرف: ٨٣)

سو چھوڑ دے ان کو کہ باتیں بنائیں اور کھیلا کریں یہاں تک کہ مل جائیں اپنے اس دن سے جس کا ان سے وعدہ ہے۔ (ایضاً ۸/ ۵۵۱)

﴿ولئن سألتهم ليقولن إنما كنا نخوض ونلعب﴾ (التوبہ:٦٥)

اور اگر تو ان سے پوچھے تو کہیں گے ہم تو بات چیت کرتے تھے اور دل لگی۔

(ایضاً ۴/ ۴۱۴)

﴿قل الله ثم ذرهم في خوضهم يلعبون﴾(الأنعام: ٩١)

پھر چھوڑ دے ان کو اپنے خرافات میں کھیلتے رہیں (ایضاً ۳/ ۳۹۰)

﴿فويل يومئذٍ للمكذبين الذين هم في خوض يلعبون﴾(الطور:١٢)

سو خرابی اس دن جھٹلانے والوں کو جو باتیں بناتے ہیں کھیلتے ہوئے۔ (ایضاً ۸/ ۱۷۴)

﴿وإذا ناديتم إلى الصلوة اتخذوها هزواً ولعباً﴾ (المائدة:٥٨)

اور جب تم پکارتے ہو نماز کے لیے تو وہ ٹھہراتے ہیں اس کو ہنسی اور کھیل۔ (ایضاً ۳/ ۱۶۷)

﴿ومن الناس من يشتري لهو الحديث﴾ (لقمان: ٦)

اور ایک وہ لوگ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے۔ (۷/ ۱۷)

﴿قل ما عند الله خير من اللهو﴾(الجمعة:١١)

تو کہہ جو اللہ کے پاس ہے سو بہتر ہے تماشہ سے۔ (ایضاً ۸/ ۴۳۹)

وغير ذلك من الآيات

البتہ بعض وہ کھیل جو صورۃً کھیل ہیں؛ لیکن اپنے دینی و دنیوی فوائد کے پیش نظر مقاصدِ شرع کے حصول میں مانع بننے کے بجائے اس کے حق میں مدد و معاون ہیں ان کی یہ کہہ کر اجازت دی گئی ہے کہ اپنے انجام اور مقصود کے اعتبار سے اس کا کھیل والا پہلو مغلوب ہو کر ایسا دب گیا کہ اب وہ کھیل نہ رہا بلکہ مقاصدِ شرع کے حصول کا ذریعہ

بن گیا، چاہے اپنی ظاہری شکل وصورت کی وجہ سے اس کو کھیل کا نام دیا جائے۔ سنن أبوداؤد وترمذی وغیرہ میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کی نشاندہی فرمائی گئی ہے: لیس من اللھو ثلاث: تأدیب الرجل فرسه وملاعبته أهله ورمیه بقوسه ونبله.(نصب الرایة٤/٣٧٣) ”تین چیزیں کھیل میں سے نہیں ہیں، آدمی کا اپنے گھوڑے کو سدھانا اور اس کا اپنے اہل کے ساتھ دل لگی کرنا اور اپنے تیر وکمان سے تیر چلانا“۔

اس کے برخلاف عصر حاضر میں کھیلوں کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے اس کی نوعیت یہ ہے کہ کھیل کو بحیثیت کھیل ہی خصوصی اہمیت دی جارہی ہے اس کو ایک فن کے طور پر معراج کمال پر پہنچانے کے لیے ہر نوع کے اسباب اختیار کیے جارہے ہیں، اس کے نام کی مستقل وزارت قائم ہے، ملکی بجٹ میں اس کے لیے مستقل حصہ الگ رکھا جاتا ہے، اس کے لیے الگ بورڈ قائم کیے جاتے ہیں، اس نام سے ممالک سے روابط قائم کیے جاتے ہیں اس کے لیے نظامہائے سفر طے ہوتے ہیں (وغیر ذلك من الخرافات) بلکہ اس کے ورزش ہونے کا پہلو جو خالص دنیوی طور پر بھی تمام کھیلوں میں قدرِ مشترک ہونا چاہیے وہ بھی ایسا نظر انداز کیا جارہا ہے کہ وہ نہ کھیلنے والوں کے پیش نظر ہوتا ہے، نہ دیکھنے والوں کے، نہ اس کی حوصلہ افزائی کرنے والوں کے۔

اسلام نے تجارت کو نہ صرف جائز اور مباح قرار دیا بلکہ اس کی ترغیب یہ کہہ کر دی گئی کہ ”تسعة أعشار الرزق“ (روزی کے دس حصوں میں سے نو حصے) اس میں رکھے گئے ہیں؛ لیکن جب اس میں بھی لہو کا پہلو شامل ہوا اور عین اس وقت جب کہ لوگ اپنی بنیادی ضروریات کے فقدان کی وجہ سے پریشان تھے اور اسی کے خاطر

بوقت خطبہ دوڑ پڑے تو ﴿وإذا رأوا تجارة أو لهوا انفضوا إليها﴾ (الجمعة: ۱۱) ''اور جب دیکھیں سودا بکتا یا کچھ تماشہ متفرق ہو جائیں اس کی طرف''۔ (معارف القرآن ۴۳۹/۸) نازل فرما کر ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی گئی جن کی شان میں ﴿رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله وإقام الصلوة﴾ (النور: ۳۷) ''وہ مرد کہ نہیں غافل ہوتے سودا کرنے میں اور نہ بیچنے میں اللہ کی یاد سے اور نماز قائم رکھنے سے'' (معارف ۴۱۸/۶) وارد ہوا ہے۔

بھلا جب تجارت کے ساتھ اس کی معمولی آمیزش کو جو وقتی حالات وضروریات کی وجہ سے ذکر اللہ سے غفلت کا باعث بنی اسلام برداشت نہیں کرتا تو اس کو مستقل ایک ذریعۂ معاش کی حیثیت سے اختیار کرنے کی تو کیسے اجازت دے گا جس کے نتیجہ میں نہ صرف وہ شخص جو کھیل کو ذریعۂ معاش بنائے ہوئے ہے بلکہ کلمہ پڑھنے والوں کے ایک بڑے طبقہ کو عین نماز جمعہ کے وقت ٹی وی اور کھیل کے میدان پر مشغول رکھتا ہے، شارجہ ٹورنامنٹ کے مناظر ایک صاحب ایمان کی غیرت ایمانی کو چیلنج دینے کے لیے کافی ہیں۔

موجودہ تہذیب وتمدن نے کھیلوں کو جو درجہ دیا ہے اس کے نتیجہ میں دورِ حاضر کے کھیلوں کے ساتھ لوگوں کا معاملہ بھی یکسر بدل چکا ہے، ایک زمانہ تھا کہ عرب میں شعر وشاعری کا انہماک اس حد تک ہو چکا تھا کہ بعض لوگوں نے اس کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا، جس کے نتیجہ میں وہ افراد اپنے مقصد زندگی سے دور و بے خبر اپنے فرائضِ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے لگے تو حضور اکرم ﷺ نے اس انہماک کو یہ فرما کر ممنوع قرار دیا کہ لأن يمتلئ جوف أحدكم قيحاً خير له من أن

يمتلي شعراً لأن يمتلي جوف الرجل قيحاً حتى يريه خيراً من أن يمتلي شعراً (بخاري؟/ ۹۰۹) یعنی کسی آدمی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے اور پیپ اس کو کھا کر ختم کردے یہ اچھا ہے بنسبت اس کے کہ اس کے سینے میں شعر بھرے ہوئے ہوں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر یہ باب قائم فرما کر "باب ما يكره أن يكون الغالب على الإنسان الشعرحتى يصده عن ذكر الله والعلم والقرآن" (یہ باب اس بات کے ناجائز ہونے میں کہ آدمی پر شعر اتنا غالب آجائے کہ اس کو اللہ کی یاد اور علمی مشاغل اور قرآن سے روک دے) اس پر تنبیہ فرمائی کہ شعر کے متعلق یہ وعید اس وقت ہے جب کہ وہ انسان کے دل ودماغ پر ایسا حاوی ہوجائے کہ اس کے نتیجہ میں وہ آدمی یاد الٰہی، تحصیل علم وقرآن سے غافل ہوجائے ورنہ اسی شعر کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے "إن من الشعر حكمة" (بخاري؟/ ۹۰۸) (یعنی بعض اشعار حکمت والے ہوتے ہیں)۔

بعض کھیلوں کی حدیث میں جو ممانعت آئی ہے اس کی وجہ بھی شراح نے یہی بتلائی ہے کہ اس کے بعض دنیوی فوائد کے باوجود اس کی خاصیت یہ ہے کہ آدمی جب اس میں لگتا ہے تو وہ کھیل آدمی کو اپنی طرف ایسا کھینچ لیتا ہے کہ بالآخر وہ شخص اسی کھیل کی نذر ہوجاتا ہے اور وہ کھیل اپنے کھیلنے والوں کے دل ودماغ پر ایسا حاوی ہوجاتا ہے کہ وہ لوگ اپنے مقاصد زندگی سے دور اور اپنے فرائض منصبی سے غافل ہوجاتے ہیں، مثلاً شطرنج کی جو ممانعت آئی ہے اس کی علت یہی بتلائی گئی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أو الإكثار من المسليات بحيث يفضي إلى إهمال أمر المعاش

والمعاد كالمزامير والشطرنج و الصيد و اقتناء الحمام ونحوها.
(حجة الله البالغة ۱/۴۹)

ومنها الاشتغال بالمسليات وهي ما يسلى النفس عن هم آخرته ودنياه و يضيع الأوقات كالمعازف و الشطرنج واللعب بالحمام واللعب بتحريش البهائم و نحوها فإن الإنسان إذا اشتغل بهذه الأشياء لها عن طعامه وشرابه وحاجته و ربما كان حاقناً و لا يقوم للبول فإن جرى الرسم بالاشتغال بها صار الناس كلاً على المدينة و لم يتوجهوا إلى إصلاح نفوسهم. (حجة الله البالغة۲/۱۹۲)

تفریحات میں اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ امور معاش وآخرت سے غافل ہو جاتے ہیں مثلاً مزامیر شطرنج، شکار اور کبوتر بازی وغیرہ (مترجم:۱/۱۳۱) ان میں سے ہے ایک یہ کہ بے غم کرنے والی چیزوں میں مشغول رہیں جو کہ اسے آخرت اور دنیا سے بے فکر بنا دیتی ہیں، اوقات کو ضائع کرتی ہیں مثلاً باجے، شطرنج، کبوتر بازی اور چوپایوں کو لڑانا وغیرہ، جب انسان ان چیزوں میں مشغول ہو جاتا ہے تو کھانے پینے اور ضروری کاموں سے بھی غافل ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اسے پیشاب کی حاجت ہوتی ہے مگر نہیں اٹھتا، اگر ان کاموں کی رسم چل پڑے تو یہ لوگ شہر پر بوجھ بن جائیں گے اور اصلاح نفس کی طرف توجہ بھی نہیں کریں گے۔ (مترجم ۲/۴۹۲)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ حضرت علامہ انور شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے درس بخاری شریف میں نقل فرمایا ہے: شعر، شکار اور شطرنج ایسی بدترین چیزیں ہیں کہ انسان جب ان میں مشغول ہوتا ہے تو وہ ذکر اللہ، نماز وغیرہ سے غافل ہو جاتا ہے۔

قال مولانا: إن الشعر والشطرنج والاصطياد من أقبح الأشياء لأن

الإنسان يشتغل بها فيغفل عن ذكرالله وعن الصلاة. (فيض الباری ٣٩٧/٤)
"حضرت مولانا (شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ شعر اور شطرنج اور شکار بدترین چیزیں ہیں اس لیے کہ آدمی جب ان میں مشغول ہوتا ہے تو اللہ تعالی کے ذکر اور نماز سے غافل ہوجاتا ہے"۔

دورِ حاضر میں ایک تو کھیل کے معاملہ میں نظریاتی جو تبدیلی آئی ہے اس کی وجہ سے اور ساتھ ہی ساتھ عصر حاضر کے معروف کھیل (کرکٹ، فٹ بال وغیرہ) جن علاقوں میں رائج ہیں وہاں کے باشندوں کا ان میں انہماک جس نوع کا ہے اس کی بنیاد پر کہنا پڑیگا کہ یہ کھیل ان علاقوں کے لوگوں کے دل ودماغ پر ایسے حاوی ہیں کہ ان کی مشغولیت ان لوگوں کے حق میں غفلت عن ذکر اللہ اور فرائض منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کا باعث ہے۔ کون نہیں جانتا کہ ہندوستان و پاکستان و دیگر ممالک میں کرکٹ کے ساتھ اور مغربی یوروپ میں فٹ بال کے ساتھ، بعض دیگر یوروپی ممالک میں رگبی کے ساتھ اور امریکہ میں ٹینس کے ساتھ جو تعلق ہے وہ مذکورہ بالا نوعیت سے بھی بڑھ کر ہے، جس کے نتیجہ میں صرف اتنا ہی نہیں کہ ان کی مشغولیت وقت اور مال کا ضیاع ہو بلکہ یہی تعلق بہت سی مرتبہ آپسی ٹکراؤ اور فسادات کا باعث ہوتا ہے اور قرآن پاک میں خمر ومیسر کے جو مفاسد بیان فرمائے ہیں: ﴿إنما يريد الشيطان أن يوقع بينكم العداوة والبغضاء في الخمر والميسر﴾ (المائدة:٩١) "شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ ڈالے تم میں دشمنی اور بیر بذریعۂ شراب اور جوئے کے" (معارف القرآن) وہ ان کھیلوں پر صادق آتے جارہے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ

"الناهي عن الملاهي" نامی ہے جو "أحكام القرآن للتهانوی" (۱۸۶/۳تا۲۰۲) میں ایک جز کے طور پر شامل ہے اس میں تمام آیات قرآنیہ اور روایات حدیث وفقہ پر کلام فرما کر آخر میں جو خلاصہ اور ضابطہ تحریر فرمایا ہے وہ انہی کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں:

فالضابطة في هذاالباب عند مشائخنا الحنفية المستفادة من أصولهم وأقوالهم المذكورة آنفا: إن اللهو المجرد الذي لا طائل تحته وليس له غرض صحيح مفيد في المعاش ولا المعاد حرام أو مكروه تحريماً وهذا أمر مجمع عليه في الأمة، متفق عليه بين الأئمة وما كان فيه غرض ومصلحة دينية أو دنيويةفإن ورد النهي عنه من الكتاب أو السنة كان حراماً أو مكروهاً تحريمياً، وألغت تلك المصلحة والغرض لمعارضتها النهي المأثورة حكماً، بأن ضرره أعظم من نفعه، وليس من الضرورات أن يكون كل غرض ونفع يكتسبه الإنسان جائزاً مبا حاً كيف؟ والشئ إذا غلب شره على خيره وضرره على نفعه عد من المضرات عند العقلاء قطعاً وإلا فلا شئ من السموم و المهلكات لا يكون فيه نفع ما و فائدة ولكن لما غلب ضرره على نفعه عدوه من المضرات، فكذلك لما ورد الشرع بالنهي عنه مع ما فيه من بعض الفوائد والمنافع علمنا أن ضرره أعظم من نفعه وألغيت تلك المنافع والمصالح في جنب ما يتولد منه من المضار والمفاسد، ألا ترى فيه قوله عز وجل (فيهما إثم كبير ومنافع للناس وإثمهما أكبر من نفعهما) فلم ينكر القرآن العزيز المنافع المود عة فيها، ولكن ورد على أسلوب الحكيم حيث وضع المنافع والمضار في ميزان الحكمة وغلب غالبها وهذا أيضاً متفق

علیه بین الأئمة غیر أنه لم یثبت بعض النهي عند بعضهم فجوزه و رخص عنه وثبت عند غیره فحرمه وکرهه، وذلك کالشطرنج فإن النهي الوارد فیه المتکلم فیه من جهة الروایة والنقل، فثبت عند الحنفیة وعامة الفقهاء فکرهوه، ولم یثبت عند ابن المسیب وابن المغفل وفي روایة: عندالشافعي أیضاً فأباحوهوأمَّا مالم یرد فیه النهي عن الشارع وفائدة ومصلحة للناس فهو بالنظر الفقهي علی نوعین: الأول: ماشهدت التجربة بأن ضرره أعظم من نفعه، ومفاسده أغلب علی منافعه، وأنه من اشتغل به ألهاه عن ذکر الله وحده وعن الصلوات والمساجد التحق ذلك بالمنهي عنه لاشتراك العلة فکان حراماً أو مکروهاً والثاني: ما لیس کذلك فهو أیضاً إن اشتغل به بنیة التلهي والتلاعب فهو مکروه، وإن اشتغل به لتحصیل تلك المنفعة وبنیة استجلاب المصلحة فهو مباح، بل قد یرتقي إلی درجة الاستحباب أو أعظم منه و فذلك الکلام أن اللهو علی أنواع:

لهو مجرَّد،

ولهو فیه نفع وفائدة ولکن ورد الشرع بالنهي عنه،

ولهو فیه فائدة ولم یرد فیهالشرع نهي صریح عنه ولکنه ثبت بالتجربة أنه یکون ضرره أعظم من نفعه ملتحق بالمنهي عنه،

ولهو فیه فائدة ولم یرد الشرع بتحریمه ولم یغلب علی نفعه ضرره، ولکن یشتغل فیه بقصد التلهي،

ولهو فیه فائدة مقصودة ولم یرد الشرع بتحریمه ولیس فیه مفسدة دینیة واشتغل به علی غرض صحیح لتحصیل الفائدة المطلوبة لابقصد التلهي.

فهذه خمسة أنواع لا جائز فيها إلا الأخير ا لخامس فهو أيضاً ليس من إباحة اللهو في شئ، بل إباحة ما كان لهواً صورة ثم خرج عن اللهوية بقصد صالح وغرض صحيح فلم يبق لهواً.

(أحكام القرآن للتهانوي ۱۹۹/۳تا۲۰۱)

ہمارے مشائخ حنفیہ کے اصول اور مذکورہ اقوال سے جو ضابطہ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے: لہوِ محض جس کا کوئی دینی یا دنیوی فائدہ اور کوئی صحیح، مفید غرض نہ ہو وہ حرام یا مکروہ تحریمی ہے اور یہ بات امت میں مجمع علیہ اور ائمہ کے درمیان متفق علیہ ہے۔ اور جس میں کوئی دینی یا دنیوی فائدہ اور غرض ہو اگر قرآن وحدیث میں اس سے ممانعت آئی ہے تو وہ بھی حرام یا مکروہ ہوگا اور اس کا وہ فائدہ اور غرض شریعت میں وارد شدہ ممانعت کے مقابلہ میں کالعدم سمجھے جائیں گے بایں طور کے اس کا نقصان فائدہ سے بڑا ہے اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ انسان جس فائدہ اور غرض کو حاصل کرنا چاہے وہ جائز ومباح ہی ہو حالاں کہ کسی چیز کی برائی اس کی بھلائی پر اور اس کا نقصان اس کے فائدے پر غالب ہو تو عقلاء کے نزدیک بھی مضر ہی شمار ہوتی ہے ورنہ تو مہلک اور زہریلی اشیاء میں سے کوئی بھی ایسی نہیں ہے جس میں کوئی فائدہ نہ ہو؛ لیکن جب اس کا ضرر اس کے نفع پر غالب ہے تو عقلاء نے اس کا شمار مضر اشیاء میں کرلیا، اسی طرح جب شریعت میں اس کھیل کی ممانعت وارد ہوئی تو اس کے بعض فوائد ومنافع کے باوجود ہم نے اس کے ضرر کو اس کے نفع سے بڑا سمجھا اور اس سے ہونے والے نقصانات ومفاسد کے مقابلہ میں وہ فوائد ومنافع کالعدم قرار دیے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فيهما إثم كبير و منافع للناس وإثمهما اكبر من نفعهما﴾

ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو اور انکا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدے سے''۔(معارف القرآن، اول)

دیکھئے! قرآن کریم نے اس میں موجود منافع کی نفی نہیں کی؛ لیکن حکیمانہ انداز میں اس کے منافع اور نقصانات کو حکمت کے ترازو میں رکھ کر ان میں جو غالب تھا اس کو غالب بتلادیا، اور یہ بھی ائمۂ اربعہ کے درمیان متفق علیہ بات ہے۔ البتہ بعض ائمہ کے نزدیک بعض کھیلوں کی ممانعت ثابت نہیں، اس لیے انہوں نے ان کو جائز قرار دے کر اس کی اجازت دے دی اور بعض کے نزدیک ان کی ممانعت ثابت ہے اس لیے انہوں نے اس کو حرام اور مکروہ گردانا مثلاً شطرنج کہ اس کے بارے میں وارد شدہ ممانعت روایت وثبوت کے اعتبار سے مختلف فیہ ہے، چناں چہ حنفیہ اور عام فقہاء کے نزدیک وہ ثابت ہے؛ اس لیے انہوں نے اس کو مکروہ کہا اور سعید بن مسیب اور ابن مغفل کے نزدیک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت کے مطابق وہ ممانعت ثابت نہیں اس لیے انہوں نے اس کو جائز قرار دیا البتہ صاحب شریعت کی طرف سے جن کے متعلق صراحتاً ممانعت نہیں آئی اور اس میں لوگوں کا فائدہ اور مصلحت ہے تو فقہی اصول کے اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہیں:

پہلی: تجربہ جس کے متعلق شہادت دیتا ہو کہ اس کا نقصان اس کے نفع سے بڑا اور اس کے مفاسد اس کے منافع پر غالب ہیں اور جو آدمی اس میں مشغول ہوتا ہے اس کو وہ اللہ تعالی کی یاد سے غافل کر کے نماز ومساجد سے روکتا ہے وہ بھی اشتراک علت کے پیش نظر ممنوع کے ساتھ ملحق قرار دے کر حرام ومکروہ ہوگا۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس میں یہ بات نہ ہو اس میں بھی اگر لہو ولعب کی غرض سے مشغول ہوتا ہے تو وہ

بھی مکروہ ہے، اور اگر اس میں اس منفعت کی تحصیل کے لیے اور فوائد کے حصول کی غرض سے مشغول ہوتا ہے تو وہ جائز ومباح ہے؛ بلکہ کبھی استحباب یا اس کے اوپر کے درجہ تک پہنچ سکتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کھیل کی چند اقسام ہیں: ① لہو محض۔ ② وہ کھیل جسمیں فائدہ بھی ہے نقصان بھی؛ لیکن شریعت میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ ③ وہ کھیل جس میں فائدہ تو ہے اور شریعت میں اس کی صریح ممانعت بھی نہیں آئی؛ لیکن تجربہ سے اس کا ضرر اس کے نفع سے زیادہ ہونا ثابت ہو چکا ہو وہ بھی ممنوع کے حکم میں ہے۔ ④ ایسے کھیل جن میں فائدہ ہے اور شریعت میں اس کی صریح ممانعت بھی نہیں آئی اور اس کا ضرر بھی اس کے نفع سے زیادہ نہیں؛ لیکن ان میں محض بنیت لہو مشغول ہوتا ہے۔ ⑤ ایسے کھیل جن میں منفعت مقصودہ ہے اور شریعت میں اس کی صریح ممانعت بھی نہیں آئی اور ان میں کوئی دینی نقصان بھی نہیں ہے اور ان میں مطلوبہ فائدہ حاصل کرنے کی غرض صحیح سے مشغول ہوتا ہے، بغرض لہو نہیں۔ ان پنج گانہ اقسام میں سے آخری پانچویں قسم کے علاوہ کوئی جائز نہیں ہے وہ بھی لہو کے جواز کی قبیل سے نہیں ہے بلکہ ایسی چیز مباح کی جارہی ہے جو صورۃً لہو ہے؛ لیکن نیت صالحہ اور غرض صحیح کی وجہ سے وہ لہو نہیں رہا۔ (احکام القران)

آپ کے قائم فرمودہ اکثر سوالات (۱۔۲۔۴۔۵۔۶) کے جوابات عبارات بالا میں آگئے ہیں، اب یہ سوال کہ اس کو کسب معاش کا ذریعہ بنانا، تو ظاہر ہے کہ کھیل کر تو آدمی پیٹ بھر نہیں سکتا۔ اس میں اجارہ ہی کرنا ہوگا، اب وہ کس بات پر اجارہ منعقد کرے گا۔ معقود علیہ مجہول ہے، اس لیے کہ کھلاڑی کے عمل کو ضبط کرنا مشکل ہے وقت

کی تعیین بھی دشوار ہے اس لیے کہ کبھی مقررہ وقت سے پہلے ہی معاملہ ختم ہوجاتا ہے۔ نیز فقہاء نے تصریح فرمائی ہے "ولا لأجل المعاصی مثل الغناء والنوح والملاهی" (درمختار) (اور گناہ کے کاموں کے لیے اجارہ درست نہیں ہے مثلاً گانا، نوحہ کرنا اور کھیل) اور اگر مقصود تماشائیوں کی تفریح ہے تو یہ غیر مقدور التسلیم ہے، کما عللوا فی عسب التیس (شامی ۶/۳۸) (گابھن کرانے کی اجرت کے ممنوع ہونے کی جو علت بتلائی گئی ہے)؛ اس لیے اس کو کسب معاش کا ذریعہ قرار دینا شرعاً درست نہیں ہے، خصوصاً جب کہ اس کی بنیاد دورِ حاضر کا وہ نظریہ ہو جو شروع جواب میں گزر چکا ہے۔

آپ نے آخری سوال میں جو دریافت فرمایا ہے اس کی حیثیت بھی اب صاف ہوچکی جب کہ خود کھیل کے سلسلہ میں حکم معلوم ہوچکا، خود میدان میں جاکر اس کو دیکھنا تو آج کل وہاں جو خرافات ہوتے ہیں سب کو معلوم ہیں۔ نیز جن صورتوں میں وہ کھیل ممنوع ہوگا اس کا دیکھنا بھی ناجائز ہوگا، اور کھیل کی آخری صورت جو جائز ہے کون اس کو دیکھنے جاتا ہے؟ جب میدان پر تماشہ بینی کا یہ حکم ہے تو ٹی وی پر بطریقۂ اولی ممنوع ہے اسی وقت وہ شائع ہورہا ہو تب بھی وہ تصویر ہی کا حکم رکھتا ہے اس لیے اس میں قباحت بڑھ جاتی ہے کومینٹری میں بھی ضیاع وقت کے ساتھ دورِ حاضر کے نظریۂ کھیل کی حوصلہ افزائی کے سوا کچھ نہیں اس لیے وہ بھی ممنوع ہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ

الجواب صحیح۔ ماشاء اللہ! بہت عمدہ اور قابل عمل جواب ہے اس کی خوب اشاعت کی جائے، احقر کا بھی اس کے متعلق ایک جواب فتاوی رحیمیہ ہفتم ص ۲۷۵ تا ۲۸۰

پر موجود ہے۔ مناسب معلوم ہو تو اسے بھی شامل فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

احقر الانام سید عبد الرحیم لاجپوری غفرلہ، ۲۳/ ذی قعدۃ الحرام ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

فتویٰ حضرت مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ (صاحب فتاوی رحیمیہ)

سوال: ایک امام صاحب کو کرکٹ کھیلنے کا بہت شوق ہے اور کافی انہماک رکھتے ہیں۔ میچ کی کومینٹری بڑے شوق سے سنتے ہیں ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا کیسا ہے؟ بحوالۂ کتب جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا.

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درمختار میں ہے: (و) کرہ (کل لھو) لقولہ علیہ السلام کل لھو المسلم حرام إلا ثلاثة ملاعبته أهله وتأديبه لفرسه ومناضلته بقوسه (درمختار)

ہر کھیل مکروہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ مسلمان کا ہر کھیل حرام ہے سوائے تین کے، آدمی کا اپنے اہل سے کھیلنا اور گھوڑے کو سدھانا اور تیر اندازی کرنا۔

شامی میں ہے:

(و قوله وكره كل لهو) أي كل لعب وعبث إلى قوله والتصفيق وضرب الأوتار فإنها كلها مكروهة لأنها زي الكفار (درمختارو شامی، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع، ۳۴۸/۵، ۳۴۷)

یعنی لہو سے مراد ہر کھیل اور عبث کام ہیں۔

شامی میں ایک اور جگہ ہے: وفي القهستاني عن الملتقط من لعب بالصولجان يريد الفروسية يجوز في الجواهر قد جاء الأثر في رخصة المصارعة لتحصيل القدر على المقاتلة دون التلهي فإنه مكروه.

(شامی، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع ۳۵۵/۵)

قہستانی میں ملتقط کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جو آدمی صولجان سے اس لیے کھیلتا ہے کہ اس کے ذریعہ ہی گھوڑے سواری میں مہارت حاصل ہو تو جائز ہے اور الجواہر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حدیث میں اکھاڑے کی اجازت آئی ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے دشمنوں کے مقابلہ پر قدرت حاصل کی جائے البتہ محض لہو کے طور پر ہو تو مکروہ ہے۔

''ہدایہ اخیرین'' میں ہے: ویکرہ اللعب بالشطرنج والنرد والأربعة عشر وکل لھولأنه إن قامر بھا فالمیسر حرام بالنص وھواسم لکل قمار وإن لم یقامربھا فھوعبث ولھووقال علیه الصلاة والسلام لھو المؤمن باطل إلا ا لثلاث تأدیبه لفرسه ومنا ضلته عن قوسه وملاعبته مع أھلہ ثم إن قامر به (أي بالشطرنج) تسقط عدا لته وإن لم یقامر لاتسقط لأنه متأول فیه(ھدایه اخیرین ص:٤٥٩)

شطرنج اور نرد اور چوسر اور ہر لہو کے ذریعہ کھیلنا مکروہ ہے اس لیے کہ اس میں بازی لگاتا ہے تو میسر حرام ہے اور میسر ہر قسم کے جوئے کو کہتے ہیں اور اگر بازی نہیں لگاتا ہے تو یہ عبث اور لغو ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ مومن کا ہر کھیل لغو اور باطل ہے سوائے تین باتوں کے، اس کا اپنے گھوڑے کو سدھانا، تیر اندازی اور اپنے اہل کے ساتھ دل لگی کرنا۔

خلاصۂ تفاسیر میں ہے: کھیل سے اگر وہ سب امور مراد لیے جائیں جو محض دل خوش کرنے کے لیے ہوتے ہیں اور ان میں کوئی دینی یا دنیوی نفع نہیں تو حرام باعتبار اضاعت وقت کے ہے اور یہ حرام بجائے ترک اولی کے ہے اور اگر وہ کھیل مراد لیے جائیں جن میں جوا یا کسی اور قسم کی شرعی ممانعت ہو یا ایسی محویت غالب ہو کہ آدمی تدبیر معاش وفکر سے بے پرواہ یا معطل رہے جس طرح کنکوہ یا کبوتر وغیرہ میں آدمی محو

اور خود فراموش ہو جاتا ہے تو ان کے حرام یا مکروہ ہونے میں کچھ تردد نہیں۔
(خلاصۂ تفاسیر ۱/۱۵۶، ۱۵۷)

نیز فرماتے ہیں: ہر ایسا کھیل جس میں ہار جیت ہو قمار میں داخل ہے اور نص قرآن سے حرام ہے۔ (خلاصۂ تفاسیر ۱/۱۵۶ تحت آیة یسئلونك عن الخمر والمیسر پارہ:۲)

مذکورہ حوالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ:

① ایسے کھیل جس میں قمار جوا کی صورت ہو وہ بالکل حرام ہے، جیسا کہ ہدایہ اخیرین اور خلاصۃ التفاسیر کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

② ایسا کھیل جس میں کوئی دینی، دنیوی نفع نہیں ہے وہ بھی اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اس میں قیمتی وقت کو ضائع کرنا ہے جیسا کہ خلاصۃ التفاسیر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

③ اور ایسا کھیل جس میں قمار نہ ہو اور اس میں دینی یا دنیوی نفع ہو اس کی گنجائش ہے جیسا کہ قہستانی کی عبارت سے جسے شامی نے نقل کیا ہے مفہوم ہوتا ہے؛ لیکن یہ گنجائش اس شرط کے ساتھ ہے کہ اس میں کوئی ناجائز اور خلاف شرع عمل نہ ہو، چناں چہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

(ب) جس کھیل سے دینی یا دنیوی کوئی فائدہ معتد بہا مقصود ہو وہ جائز ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی امر خلاف شرع ملا ہوا نہ ہو اور منجملہ امور خلاف شرع کے تشبہ بالکفار بھی ہے۔

(ج) جس کھیل سے کوئی فائدہ دینی یا دنیوی مقصود ہو؛ لیکن اس میں کوئی ناجائز اور خلاف شرع امر مل جائے تو وہ بھی ناجائز ہوتا ہے جیسے تیر اندازی، گھوڑ دوڑ وغیرہ

جب کہ اس میں قمار کی صورت پیدا ہو جائے، دونوں طرف سے کچھ مال کی شرط لگائی جائے تو وہ بھی ناجائز ہو جاتی ہے (فتاوی دار العلوم قدیم ۷، ۸/ ۲۸۵، امداد المفتیین)

موجودہ زمانہ میں کرکٹ ایک ایسا کھیل بن گیا ہے کہ عموماً اس میں خلاف شرع امور پائے جاتے ہیں، نمازوں کا قضا کر دینا، اس پر ہار جیت اور قمار کھیلنا، فجار، فساق اور غافل قسم کے لوگوں کا اسے اختیار کرنا۔ غفلت کی حد یہ ہو چکی ہے کہ دن تو دن، اب تو راتوں میں بھی اس میں انہماک رہتا ہے۔ کرکٹ کے وقت نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کا میدان میں جمع ہونا اور نہ معلوم کون کون سی اخلاقی اور شرعی خرابیاں اس میں آچکی ہیں، اور تجربہ ہے کہ جس قدر اس کا شوق اور انہماک بڑھتا ہے غفلت میں اسی قدر اضافہ ہوتا رہتا ہے، رات دن بس اسی کی فکر سوار رہتی ہے حتی کہ مسجد میں آنے کے بعد وضو کرتے ہوئے وضو سے فارغ ہو کر اور بہت سے شوقین تو جماعت خانہ میں بھی اسی کے چرچے میں مشغول رہتے ہیں، حد یہ ہے کہ اگر کسی موقع میں رمضان المبارک میں تراویح کے وقت میچ کی کومینٹری آرہی ہو تو اس کے بہت سے شوقین تو اس پر تراویح قربان کر دیتے ہیں، اور جو شوقین مسجد میں آئے ہیں ان کی توجہ اور دھیان بس اسی طرف، ترویحہ میں تسبیح پڑھنے کے بجائے یہی فکر سوار رہتی ہے کہ میچ کا حال معلوم کیا جائے، ہار جیت پر پٹاخے پھوڑے جاتے ہیں جس میں غیر قوم سے مشابہت کے ساتھ ساتھ اضاعت مال بھی ہے اور بسا اوقات یہ حرکت قومی فساد کا سبب بن جاتی ہے، اور مسلمانوں کا جانی و مالی نقصان بھی ہوتا ہے۔ ان تمام حالات کو دیکھتے ہوئے ایسے کھیل کو اب کس طرح جائز کہا جا سکتا ہے؟

چناں چہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں: آج کل چوں

کہ عموماً یہ شرائط (جس کا بیان فتاوی دار العلوم کے حوالہ سے مذکور ہوا) موجودہ کھیلوں (ٹینس، فٹ بال، کرکٹ) میں موجود نہیں ہیں اس لیے ناجائز کہا جاتا ہے۔

(فتاوی دار العلوم قدیم ۷، ۸/ ۲۸۵ امداد المفتیین)

لہٰذا ایسا شخص جو امامت کے عظیم منصب پر فائز ہو اس کو اس قسم کے بدنام اور بے کار لغو کھیل میں مشغول ہونا، اس سے دل چسپی رکھنا، کومینٹری سننا، قطعاً اس کے شایان شان نہیں، غافلوں کے ساتھ تشبہ بھی لازم آتا ہے اور لوگوں کی نظروں میں امام کا وقار بھی کم ہو جاتا ہے۔ اور اگر ورزش اور بدن کی تقویت مقصود ہو تو دوسرے جائز طریقے اختیار کیے جائیں، اگر کوئی شخص کرکٹ میں اس قدر منہمک رہتا ہو کہ نماز قضا ہو جائے اور جماعت فوت ہوتی ہو تو پھر ایسا کھیل بالکل ناجائز اور موجب فسق ہوگا اور ایسے شخص کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا۔

کبیری میں ہے: "وفيه إشارة الى أنهم لو قدموا فاسقاً يأثمون بناءً على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم" (كبيرى ص:٤٧٩ فصل في الإمامة) وقت خدا تعالی کی بہت بڑی نعمت ہے اس کی جتنی قدر کی جائے کم ہے ایسے بے کار اور لغو کھیل میں مشغول ہونے یا کومینٹری سننے سے آخرت کا کونسا فائدہ ہوگا؟ بلکہ خسارہ ہی خسارہ ہے۔ اللہ کے ذکر سے غافل کرنے والی چیز ہے اور جو چیز انسان کو اللہ سے اور اس کے مقصد حیات سے غافل کر دے وہ منحوس اور بے کار ہے۔ حدیث میں ہے:

"من حسن إسلام المرء تركه مالا يعنيه" (ترمذي ٢ /٥٥ باب ماجاء من تكلم بالكلمة ليضحك الناس) (ترجمہ) انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ اس بات کو چھوڑ دے جس سے اس کو کوئی فائدہ مقصود نہ ہو قیامت کے روز عمر اور خاص کر اپنی جوانی

کے زمانہ کا جواب دینا ہوگا، کہ اسے کن کاموں میں خرچ کیا۔

حدیث میں ہے:"عن ابن مسعود عن النبی ﷺ قال: لا تزول قدما ابن آدم یوم القیمة من عند ربه حتی یسأل عن خمس،عن عمره فیما افناه، وعن شبابه فیما ابلاه، و عن ماله من این اکتسبه و فیما انفقه و ماذا عمل فیما علم" (ترمذی شریف ۲/٦٤،باب ماجاء في شأن الحساب والقصاص)

(ترجمہ) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابن آدم کے دونوں قدم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس سے نہیں ہٹ سکیں گے جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال نہ ہو: ① اس کی عمر کے متعلق کہ کن کاموں میں اسے ختم کی ② اس کی جوانی کے متعلق کہ کن مشغلوں میں اسے خرچ کی ③ اس کے مال کے متعلق کہ کہاں سے مال حاصل کیا ④ اور کن کاموں میں مال خرچ کیا ⑤ اور اپنے علم پر کتنا عمل کیا۔

لہٰذا جو وقت ملا ہے اسے بہت بڑا قیمتی سرمایہ سمجھے اور بڑی ذمہ داری اور فکر کے ساتھ موت اور آخرت کی تیاری میں خرچ کرے، بے کار اور لغو کاموں میں ضائع نہ کرے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے بڑے پتہ کی بات کہی ہے:

جز یاد دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است		جز سر عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

یاد الٰہی کے علاوہ کسی اور چیز میں مشغول ہونا عمر ضائع کرنا ہے، عشقِ الٰہی کے سوا جو کچھ کیا جائے بے کار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاوی رحیمیہ ۷/۲۷۵ تا ۲۸۰)

ویڈیو گیم کے کلب قائم کرنا جائز نہیں

سوال: ویڈیو گیم جس میں پیسے ڈال کر وہ گیم کھیلا جاتا ہے، اس کی نوعیت یہ

ہے کہ اس ویڈیو گیم میں سامنے ٹی وی رہتی ہے اور اس کے سامنے ایک اس کو ٹرنما آلہ رہتا ہے جس پر بیٹھ کر وہ گیم کھیلا جاتا ہے اور جس طرح اسکوٹر کی تیزی بڑھائی جاتی ہے یا کم کی جاتی ہے بعینہ اس میں وہ ساری چیزیں ہوتی ہیں پھر وہ اسکوٹر پر بیٹھ کر پیسے ڈالتے ہیں، پیسے ڈالنے کے بعد اس ٹی وی میں تصویریں آتی ہیں گاڑیوں کی، پھر کھیلنے والا جتنی تیزی سے بچا کر گاڑی کو چلائے گا اتنے زیادہ اسے نمبرات ملتے ہیں، پس یہ کھیل کھیلنا یا اس کے کلب قائم کرنا بطور تجارت، شریعت کے نقطۂ نظر سے کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے سوال میں پوری تفصیل تحریر نہیں فرمائی بلکہ صرف آخر میں اتنا کہہ دیا ہے کہ ''اتنے زیادہ اسے نمبرات ملتے ہیں'' اس کے بعد کیا ہوتا ہے وہ نہیں بتلایا، اگر ان نمبرات کی بنیاد پر رقم بھی ملتی ہے تو یہ قمار کی صورت ہے جو حرام ہے، اور اگر رقم نہیں ملتی تو صرف ایک کھیل ہے؛ لیکن ایسا کھیل ہے جو ان کھیلوں کے معیار پر پورا نہیں اترتا جس کی شریعت نے اجازت دی ہے اس لیے یہ بھی ناجائز ہے، اس کے کلب قائم کر کے اس کو ذریعۂ معاش بنانا بھی جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

فٹ بال کھیلنا

سوال: ورزش کی نیت سے فٹ بال یا اس جیسا کھیل کھیلنا کیسا ہے؟

نوٹ: برائے کرم حوالجات شامل کرنے کی کوشش فرمائیں، آپ کی بہت بڑی مہربانی ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ورزش مقصود ہو اور اس میں مشغولی کے نتیجہ میں نماز اور دیگر فرائض سے غفلت نہ ہوتی ہو، تو گنجائش ہے۔

فالظاهرأنه إن قصد به التمرن والتقوى على الشجاعة لا بأس به.
(شامی ۵/۲۸۶)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب فرماتے ہیں: کھیل خواہ گیند کا ہو یا کوئی دوسرا، اگر اس سے محض کھیل اور لہو ولعب مقصود ہے تو مکروہ ہے، اور اگر تفریح طبع یا دفع کسل یا تحصیل قوت مقصود ہے تو جائز ہے؛ بشرطیکہ کسی ممنوع شرعی پر مشتمل نہ ہو۔ (فتاوی دار العلوم امداد المفتیین ۲/۱۰۰۰ مطبوعہ کراچی) إن شئت التفصيل فارجع إليه. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۱۱ھ

کرکٹ، کبڈی کھیل کا شرعی حکم

سوال: کرکٹ اور کبڈی کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اس کھیل میں ستر کھلا ہوا ہوتا ہے؛ نیز اس میں علمائے کرام بھی شریک ہوتے ہیں، لہٰذا اس سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دور حاضر میں کھیل کے معاملہ میں نظریاتی تبدیلی جو آئی ہے، اس کی وجہ سے اور ساتھ ہی ساتھ عصرِ حاضر کے معروف کھیل (کرکٹ وغیرہ) جن علاقوں میں رائج ہیں،

وہاں کے باشندوں کا ان میں انہماک جس نوع کا ہے، اس کی بنیاد پر یہ کہنا پڑے گا کہ یہ کھیل ان علاقوں کے لوگوں کے دل ودماغ پر ایسے حاوی ہیں کہ ان میں مشغولیت ان لوگوں کے حق میں غفلت عن ذکر اللہ اور فرائضِ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی کا باعث ہے، ہندوستان و پاکستان وغیرہ ممالک میں کرکٹ کے ساتھ جو تعلق ہے، وہ مذکورہ بالا نوعیت سے بھی بڑھ کر ہے، اس لیے کرکٹ کھیلنا ناجائز ہے۔ ستر کھول کر کھیلنا اور شنیع ہے۔

کبڈی اگر ورزش اور جہاد کی مشق کے لیے ہو، اس میں ستر نہ کھلے؛ نیز اس کی وجہ سے نماز میں تاخیر نہ ہو، اور بھی کوئی چیز خلافِ شرع نہ ہو تو درست ہے۔ ستر کھول کر کبڈی کھیلنا بھی ناجائز ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۵/ ۱۲۸، ۱۲/ ۷۵، ۳، ۱۴/ ۱۲۳)

آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ ''اس میں علماء بھی شریک ہوتے ہیں'' یہ یاد رکھئے کہ ناجائز کام کسی کے کرنے سے جائز نہیں ہوتا، بعضے بے عمل عالم نماز تک ترک کر دیتے ہیں، آپ کو ان کے اس غلط فعل پر یہ خیال نہ آیا کہ نماز کا ترک کرنا جائز ہوگا، پھر کرکٹ وغیرہ کے بارے میں علماء کے اس فعل کو بطور حجت کیوں پیش کیا؟ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: عبدالقیوم راجکوٹی

پتنگ کی رسم

سوال: تمام جگہ پتنگ کی رسم ہے، کیا مسلمان کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ناجائز ہے۔ (احکام القرآن للتھانوی ۳/ ۲۰۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

لکھوٹی، پتہ اور کرکٹ کھیلنا

سوال: لکھوٹی اور کرکٹ اور پتہ وغیرہ شرطوں کے ساتھ کھیل سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس سے وقت بیکار ضائع ہوتا ہے، اور اب تو وقت کی بات الگ رہی، نماز چھوڑی جاتی، سب کھیل کھیلنا جس میں نماز ضائع ہوتی ہے کیسا ہے؟ حضرت تمام مسئلوں کے جواب واضح عنایت فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ناجائز اور حرام ہے، قمار (جوا) کی حرمت منصوص ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۸/ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کرکٹ اور فٹ بال کھیلنا

سوال: اگر شرعی احکام کی پابندی اور نماز وغیرہ کا اہتمام کیا جائے تو انٹرنیشنل اور آئی-پی-ایل میچ میں شریک ہو کر کرکیٹ کھیلنے کے بارے میں اصول شرعیہ جواز فراہم کرتے ہیں یا نہیں؟ اور اس پر ملنے والی آمدنی کے سلسلہ میں حکم شرعی کیا ہے؟ نیز فی زماننا کرکٹ کو تشبہ بالکفار کا مصداق قرار دیا جائے گا یا نہیں، جب کہ یہ ان کی خصوصیت اور شعار باقی نہیں رہا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کرکٹ کی ممانعت کی بنیاد صرف تشبہ بالکفار ہی نہیں ہے، اس سلسلہ میں احقر کا ایک تفصیلی جواب محمود الفتاویٰ میں مطبوع ہے، بغور ملاحظہ فرمالیں۔

جولوگ انٹرنیشنل اور آئی - پی - ایل میچ میں شریک ہوکر کرکٹ کھیلتے ہیں وہ بطور اجرت ہوتا ہے، جیسا کہ سب کو معلوم ہے، اور کرکٹ کو عقد اجارہ میں معقود علیہ قرار دینے کے سلسلہ میں محمود الفتاوی میں لکھا ہے کہ ''کھیل کر تو آدمی پیٹ بھر نہیں سکتا، اس میں اجارہ ہی کرنا ہوگا، اب وہ کس بات پر اجارہ منعقد کرے گا؟ معقود علیہ مجہول ہے، اس لیے کہ کھلاڑی کے عمل کو ضبط کرنا مشکل ہے، وقت کی تعیین بھی دشوار ہے، اس لیے کہ کبھی مقررہ وقت سے پہلے ہی معاملہ ختم ہوجاتا ہے؛ نیز فقہاء نے تصریح فرمائی ہے: ولا لاجل المعاصی مثل الغناء والنوح والملاهی (درمختار) (اور گناہ کے کاموں کے لیے اجارہ درست نہیں، مثلاً گانا، نوحہ کرنا اور کھیل) اور اگر مقصود تماشائیوں کی تفریح ہے تو یہ غیر مقدور التسلیم ہے؛ کما عللوا فی عسب التیس (شامی ۹/ ۳۸) (گابھن کرانے کی اجرت کے ممنوع ہونے کی جو علت بتلائی گئی ہے) اس لیے اس کو کسب معاش کا ذریعہ قرار دینا شرعاً درست نہیں''۔ (محمود الفتاوی)

اور جس طرح تشبہ بالکفار ممنوع اور ناجائز ہے، اسی طرح تشبہ بالفساق والفجار بھی ممنوع اور ناجائز ہے جو اس میں پایا جاتا ہے۔

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: موجودہ زمانہ میں کرکٹ ایک ایسا کھیل بن گیا ہے کہ عموماً اس میں خلاف شرع امور پائے جاتے ہیں: نمازوں کا قضا کردینا، اس پر ہار جیت اور قمار کھیلنا، فساق وفجار اور غافل قسم کے لوگوں کا اسے اختیار کرنا۔ غفلت کی حد یہ ہوچکی ہے کہ دن تو دن اب تو راتوں میں بھی اس میں انہماک رہتا ہے، کرکٹ کے میچ کے وقت نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کا میدان میں جمع ہونا، اور نہ معلوم کون کون سی اخلاقی اور شرعی خرابیاں اس میں آچکی ہیں، اور

تجربہ ہے کہ جس قدر اس کا شوق اور انہماک بڑھتا ہے غفلت میں اسی قدر اضافہ ہوتا رہتا ہے، رات دن بس اسی کی فکر سوار رہتی ہے؛ حتی کہ مسجد میں آنے کے بعد وضو کرتے ہوئے، وضو سے فارغ ہوکر اور بہت سے شوقین تو جماعت خانہ میں بھی اسی کے چرچہ میں مشغول رہتے ہیں، حد یہ ہے کہ اگر کسی موقع میں رمضان المبارک میں تراویح کے وقت میچ کی کومینٹری آرہی ہو تو اس کے بہت سے شوقین تو اس پر تراویح قربان کردیتے ہیں، اور جو شوقین مسجد میں آتے ہیں ان کی توجہ اور دھیان بس اسی طرف، تراویح میں تسبیح پڑھنے کے بجائے یہی فکر سوار رہتی ہے کہ میچ کا حال معلوم کیا جائے، ہار جیت پر پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں، جس میں غیر قوم سے مشابہت کے ساتھ ساتھ اضاعت مال بھی ہے اور بسا اوقات یہ حرکت قومی فساد کا سبب بن جاتی ہے، اور مسلمانوں کا جانی ومالی نقصان بھی ہوتا ہے، ان تمام حالات کو دیکھتے ہوئے ایسے کھیل کو اب کس طرح جائز کہا جاسکتا ہے؟ (فتاوی رحیمیہ ۷/۲۷۷، ۲۷۸)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ورزش کی نیت سے فٹ بال کھیلنے کے جواز اور عدم جواز کے متعلق پوچھا گیا، جس کا انہوں نے تفصیلی جواب دیا ہے اور جواب میں کرکٹ کا بھی حکم بتلادیا ہے، وہ نقل کیا جاتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

ورزش کی دو قسمیں ہیں: ① جس کا تعلق براہ راست جہاد سے ہو، اس کے جواز کے لیے یہ شرط ہے کہ مقام ایسا منتخب کیا جائے، جس میں جہاد کی مشق کرنے سے گرد ونواح میں کسی قسم کا جانی یا مالی نقصان پہنچنے کا خطرہ نہ ہو، خود ورزش کرنے والوں کا خطرہ سے محفوظ ہونا ضروری نہیں، اگر کوئی مر بھی گیا تو شہید ہوگا۔

② جس کا براہ راست جہاد کی تربیت سے تعلق نہیں، ایسی ورزش تحفظ صحت اور دینی ودنیوی امور میں معین ہونے کی وجہ سے فی نفسہٖ جائز؛ بلکہ کسی قدر ضروری ہے؛ مگر اس کے لیے یہ شرائط ہیں:

① شرط مذکور یعنی گردونواح میں کسی قسم کے جانی ومالی نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔

② خود ورزش کرنے والے کو یا اس کے ساتھ شرکاء میں سے کسی کو کسی قسم کے جسمانی یا مالی نقصان یا ایذا پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔

③ اس میں ورزش کے مفہوم پر کھیل کود، لہو ولعب اور تماشا کا پہلو غالب نہ ہو۔

قال رسول اللہ ﷺ کل شئ یلھو بہ، الرجل با طل الا رمیہ بقوسہ وتأدیبہ فرسہ وملاعبتہ امرأتہ فانھن من الحق رواہ الترمذی(مشکوۃ ۲/۳۳۷)

عن سعید بن الجبیر أن قریبا لعبداللہ بن المغفل خذف، قال: فنھاہ، و قال ان رسول اللہ ﷺ نھی عن الخذف، و قال انھا لاتصید صیدا ولاتنکأ عدوا؛ ولکنھا تکسر السن وتفقأ العین، قال: فعاد، فقال: احدثك ان رسول اللہ ﷺ نھی عنہ ثم تخذف لا اکلمك ابدا.

(صحیح مسلم۲/ ۱۵۲)

گیند اور فٹ بال:

یہ درج ذیل فسادات کی بنا پر جائز نہیں:

① اس میں کھیل کے شرکاء کو سخت جسمانی نقصان پہنچتا ہے، اس کی بے شمار مثالیں ہیں، بعض کی ٹانگیں ٹوٹنا اور بعض کے پیٹ میں چوٹ لگنے سے برلب مرگ ہوجانا ہم نے خود دیکھا ہے۔

② قریب سے گذرنے والوں کو نقصان پہنچتا ہے، بعض کی آنکھیں پھوٹنے اور

بعض کے چہرے مسخ ہونے کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، اس شیطانی تماشے کے نواح میں شارع عام پر کوئی انسان؛ بلکہ کوئی حیوان بھی اطمینان سے نہیں گذر سکتا۔

③ مالی نقصان، جب یہ کسی عمارت کے قریب کھیلتے ہیں تو کتنے لوگوں کے مکانوں کی کھڑکیاں توڑ دیتے ہیں، اس کے بے شمار واقعات ہیں، دو بار تو ہمارے ساتھ یہ حادثہ ہو چکا ہے۔

④ بسا اوقات دنگا وفساد: اس شیطانی گولے کے مالی، جسمانی، جانی اور دینی وایمانی نقصانات پوری دنیا میں مسلم، ہر شخص کے مشاہد، بدیہی؛ بلکہ روز روشن کی طرح اجلی البدیہیات سے ہیں، مجھے گوشہ نشینی کے باوجود اس شیطانی حرکت کی جن تباہ کاریوں کا مشاہدہ اور یقینی علم ہے، خیال تھا کہ ان میں سے مثال کے طور پر چشم عبرت کے لیے چند واقعات لکھ دوں؛ مگر اس سے دو امر مانع ہوئے:

① ان کی فہرست بہت طویل ہے اور اگر انتخاب کروں تو کیسے؟ کیوں کہ ایک سے بڑھ کر ایک۔

② ایسی حقیقت بدیہیہ کی مثالیں لکھنا اس کو نظری یا غیر ظاہر قرار دینے کے مترادف ہے۔

اس مہلک شیطانی گولے کی تباہ کاریاں اللہ کی نافرمانیوں پر عذاب ہے، ﴿ولنذیقنهم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر لعلهم یرجعون﴾ پھر ایسے عذاب الیم کو بچشم خود دیکھنے؛ بلکہ اپنی جان پر بیتنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ان دشمنوں کو عبرت وہدایت کی توفیق نہ ملنا عذاب پر عذاب۔ ﴿ضعف الحیوة وضعف الممات﴾

نفس وشیطان کے بندوں پر عذاب الٰہی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان کو اپنے دنیوی نفع ونقصان کا بھی ہوش نہیں رہتا۔ ﴿نسوا اللہ فانسٰھم انفسھم﴾

③ اس میں ورزش کے مفہوم پر تماشے کا مفہوم غالب ہے، اس پر دلائل:

① کسی ورزش کو پوری دنیا میں کوئی کھیل نہیں کہتا، پہلوان ورزشیں کرتے ہیں، ڈاکٹر مختلف امراض کے لیے ورزشیں بتاتے ہیں، کوئی بھی اس کو کھیل نہیں کہتا، گیند اور فٹ بال کو کوئی بھی ورزش نہیں کہتا، کھیل کہتے ہیں۔

② ورزش کو دیکھنے کے لیے دوسرے لوگ جمع نہیں ہوتے، کوئی ایک آدمی چلا گیا تو ایک الگ بات ہے، فٹ بال کو دیکھنے بہت لوگ آتے ہیں، مولوی لوگ بھی آتے ہیں، ایک شخص نے صرف فٹ بال کا مقابلہ دیکھنے کے لیے نیا ٹی-وی خریدا اور گھر والوں سے یوں جھوٹ بولا اور یوں فریب دیا کہ فٹ بال کا مقابلہ دیکھنے کے لیے ٹی-وی کے جواز کا میں نے فلاں سے فتوی لیا ہے۔ مجھ پر افتراء باندھا کہ اس نے جواز کا فتوی دیا ہے۔

④ فٹ بال وغیرہ کے مقابلہ کو دیکھنے کے لیے لوگ ٹی-وی پر گھنٹوں بیٹھے رہتے ہیں، کسی ورزش کو دکھانے کے لیے کسی حکومت میں کسی ملک میں کوئی نظم نہیں۔

⑤ ورزش میں کوئی شخص ایسا مگن نہیں ہوتا کہ ضرورت سے زائد کرتا ہی چلا جائے، وقت متعین ہوتا ہے: آدھا گھنٹہ، گھنٹہ، جب وقت گذر جاتا ہے تو پھر اس کا شوق نہیں رہتا۔ اس شیطانی دھندے کا حال یہ ہے کہ اگر شروع کیا تو ہوش نہیں رہتا، کھیلتے ہی چلے جاتے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ ورزش نہیں؛ بلکہ کھیل تماشا ہے۔

(احسن الفتاوی ۸/ ۲۵۸ تا ۲۶۱)

مندرجۂ بالا دونوں تحریریں اپنے وقت کے اکابر اہل فتوی کی ہیں، جن کا شمار اکابر اہل اللہ میں بھی ہے، اس کا بغور مطالعہ کریں اور اپنا جائزہ لیں، بات دراصل یہ ہے کہ کرکٹ کی محبت ایسی رچ بس گئی ہے کہ اس کو چھوڑنے کے لیے طبائع آمادہ نہیں ہوتیں، اس کو جائز بنانے کے لیے نئی نئی تاویلیں کرکے سوالات کیے جاتے ہیں، جو دراصل اس کھیل کے ساتھ عشق ومحبت کی وجہ سے قلوب میں پیدا شدہ زیغ کا اثر ہے، اللہ تعالیٰ ہی اس مخمصہ سے امت مسلمہ کو نجات عطا فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/صفر المظفر ۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

کیرم بورڈ کھیلنے کا حکم

سوال: کیرم بوڈ اسی طرح لوڈو وغیرہ اس قسم کا کھیل جو عام طور سے شرط یا بلا شرط سے کھیلتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ کھیل درست نہیں ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ذ والقعدہ ۱۴۱۵ھ

شرط کے ساتھ ہولی بال کھیلنا

سوال: ہولی بال ۱۲/افراد مل کر کھیلتے ہیں، اور اسی طرح شرط لگاتے ہیں کہ جو ہار جائے گا وہ چھ سو ڈالیمن یا میٹھائی منگائے، اور ان کو جیتنے والا اور ہارنے والا سب مل کر کھاتے پیتے ہیں؛ لہٰذا یہ شرط جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ بھی ناجائز ہے، قمار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶/ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ

انتفاع بالحرام اور انقلابِ ماہیت

سینٹ کا استعمال

سوال: آج کل بازار میں جو پرفیومس (سینٹ) ملتا ہے اس کو استعمال کرنا کیسا ہے؟ اور اس کو لگا کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ تفصیل سے جواب عنایت فرمائیں عین نوازش ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آج کل باہر ممالک سے بنے ہوئے مختلف قسم کے پرفیومس سینٹ اور عطر وغیرہ آتے ہیں، ان میں الکحل (Alcohol) یعنی اسپریٹ بھی شامل ہوتا ہے، تو ان کا استعمال جائز ہونے یا نہ ہونے کے متعلق شرعی حکم میں کچھ تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ الکحل اگر انگور یا کھجور کے شراب سے بنا ہوا ہو تو وہ ناپاک ہے، اس لیے اس کا استعمال جائز نہیں، اور اگر وہ انگور یا کھجور کے علاوہ کسی اور پاک چیز کی شراب سے بنا ہوا ہو تو وہ پاک ہے اور اس کا خارجی استعمال شرعاً جائز ہے، اور آج کل پرفیومس میں جو الکحل استعمال ہوتا ہے وہ عموماً کھجور یا انگور کی شراب سے بنا ہوا نہیں ہوتا؛ بلکہ دوسری مختلف قسم کی چیزیں مثلاً: مکئی، جوار، گندم، بیر، آلو، چاول یا پٹرول وغیرہ سے

بنا ہوا ہوتا ہے، لہٰذا ایسا پرفیومس شرعاً ناپاک نہیں، اور اس کے لگانے سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا، اس لیے اس کا استعمال جائز ہے اور اگر کسی نے ایسا پرفیومس کپڑے پر لگا کر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز ادا ہوگئی، لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

(عورت کے لیے بناؤ سنگار کے شرعی احکام ص/ ۵۷، ۵۸)

حکم الکحول المسکرة: فانها ان اتخذت من العنب او التمر فلاسبیل الی حلتها او طهارتها، وان اتخذت من غیرهما فالامر فیها سهل علی مذهب ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ وان معظم الکحول التی تستعمل الیوم فی الادویة والعطور وغیرها لا تتخذ من العنب اوالتمر انما تتخذ من الحبوب او القشور او البترول وغیره کما ذکرنا فی باب بیع الخمر من کتاب البیوع وحینئذ هناك فسحة فی الاخذ بقول ابی حنیفة عند عموم البلویٰ (تکمله فتح الملهم ۳/ ۶۰۸)

بہشتی زیور میں ہے: ''اسپریٹ اگر عنب (انگور) وزبیب (منقیٰ) ورطب (تر کھجور) وتمر (خشک کھجور) سے حاصل نہ کی گئی ہو تو اس میں گنجائش ہے للاختلاف، ورنہ گنجائش نہیں للاتفاق''۔ (اختری بہشتی زیور ۹/ ۱۰۲)

احسن الفتاویٰ میں ہے: ''تحقیق سے معلوم ہوا کہ آج کل اسپریٹ اور الکحل کے لیے انگور اور کھجور استعمال نہیں کی جاتی، لہٰذا شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق پاک ہے۔ حضراتِ فقہاء رحمۃ اللہ علیہم نے اگرچہ فسادِ زمان کی حکمت کی بناء پر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو مفتی بہ قرار دیا ہے، مگر آج کل ضرورتِ تداوی وعموم بلوی کی رعایت کے پیش نظر شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر طہارت کا فتویٰ دیا جاتا ہے، ویسے بھی اصولِ فتویٰ کے لحاظ سے قولِ شیخین رحمۃ اللہ علیہما کو ترجیح ہوتی ہے، الا لعارض''۔ (احسن الفتاویٰ ۲/ ۹۵)

حضرت مفتی نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتیٔ دار العلوم دیوبند نے بھی اس سلسلہ میں ایک تفصیلی جواب دیتے ہوئے آخر میں اس کے استعمال اور خرید وفروخت اور تجارت کی اجازت دی ہے۔ دیکھیے: (فتاوی نظامیہ ۱/۴۳۸)

مفتیٔ گجرات حضرت مولانا مفتی اسماعیل بسم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فتاویٰ سنگرہ میں اجازت دی ہے۔ دیکھیے: فتاویٰ سنگرہ گجراتی ۲/ ۸۵۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱/ ۱۴۲۵۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

جلیٹین پاک ہے یا ناپاک؟ (انقلاب ماہیت کی تفصیل)

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته

بعد! الموضوع: طلب فتوى ومعلومات عن مادة الجيلاتين

نحييكم نحن الهيئة الوطنية لتوثيق ا لحلال من أ هل السنة والجما عة منضم الى عضويتنا ا كثر من عشرين رابطة غذائية على نطاق البلاد، عملنا رسمى يفيد المسلمين فى البلاد، بتوثيقنا للحلال مما يتناوله المسلمون من الطعام.

المشكلة التى تواجهنا الآن تنحصر فى ماد الجيلاتين المستعملة فى الحلويات ومشتقات الألبان حيث مصدرها الحيوانات المذبوحة ذبحا غير اسلامى وعليه نرفع لسماحتكم الأسئلة التالية آملين فى رايكم وارشاداتكم حسب مايريد من راي أهل السنة والجماعة سلمكم الله:

(۱) هل الجيلاتين المشتق من لحم أو عظام الخنزير مسموح باستعماله من جانب المسلمين؟

(۲)هل حلال ذلك الجيلاتين الماخوذمن الأبقار غير المذبوحةعلى الشريعة"مشبور"؟

(۳) هل هناك خلاف بين المذاهب الأربعة فى مسألة مثل الجيلاتين المصنع من ماد حرام؟

(٤) هناك بعض العلماء رأيهم كالآتي: (الف) نظر الحدوث "تبديل الماهيات" أو "انقلاب الحقائق" فان البنود ا لحرام تصبح حلالاً هل هذا الراي مقبولاًمن أي مذاهب الأربعة؟

(ب) هل هناك أية شروط مسبقة لتطبيق الراى أعلاه وهل من الممكن تطبيقه على وجه العموم؟

(ج) بعض العلماء يقرون أن السبب الحقيقي فى تطبيق هذا المبدأ هو ورطة أو حالة العامة الاصطلاح الا نجليزي لها هوPUBLIC PREDICAMENT وليس الطهار بمعنى أنه لو لم يوجد ظرف "حالة العامة" هذا فان الأمر يصبح غير مقبول فى هذه الحالة.

(٥) هل هناك تفسير من جانبكم أو تعريف لما يوصف بحالة أو ورطة العامة؟

وختاماً نتقدم بتحيتنا وتقديرنا سائلين الله تعالىٰ بقائكم والاخوة زملائكم العلماء فخرا للاسلام والمسلمينوالسلام عليكم ورحمة الله وبركاته

أخوكم في الله:الشيخ /محمد سعيد نافلاخى

هيئةالتوثيق الوطنية على الحلال ①

① ترجمہ: موضوع: جیلیٹین (GILLETINE) سے متعلق معلومات اور فتویٰ طلب کرنا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کا سوال عربی میں ہے جس کا تقاضا یہ تھا کہ میں بھی عربی میں جواب تحریر

بعد سلام مسنون ہم اہل سنت والجماعت کی ایک کمیٹی ہے، جو "الهيئة الوطنية لتوثيق الحلال" کے نام سے موسوم ہے، ملکی پیمانہ پر ۲۰ سے زائد غذائی تنظیموں کی ہماری کمیٹی میں رکنیت ہے، ہم کچھ مطعومات کی "الحلال" کہہ کر توثیق کرتے ہیں اور ہمارا یہ عمل سرکاری اور رسمی ہوتا ہے، جس سے ملک کے مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔

ابھی فی الحال کے gilletine کے بارے میں مشکل درپیش ہے، جس کو میٹھی اور دودھ سے بنی ہوئی چیزوں میں استعمال کیا جاتا ہے چوں کہ gilletine کا ماخذ وہ جانور ہیں جنھیں غیر اسلامی طریقہ سے ذبح کیا جاتا ہے۔

لہٰذا آپ کی خدمت میں چند سوالات پیش کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ اہل سنت والجماعت کے مسلک کے مطابق اپنی رائے اور ارشادات سے نوازیں گے۔

① جو gilletine خنزیر کے گوشت یا ہڈیوں سے بنایا گیا ہو اس کے استعمال کرنے کی مسلمانوں کو گنجائش ہے؟

② کیا غیر شرعی مذبوحہ گایوں سے بنایا ہوا gilletine حلال ہے یا مشبوہ یعنی مشکوک؟

③ کیا حرام مادہ سے بنے ہوئے gilletine کے بارے میں مذاہب اربعہ میں کسی امام کا کچھ اختلاف ہے؟

④ یہاں کچھ علماء کی آراء حسب ذیل ہیں:

(الف) بعض حضرات کا کہنا ہے کہ تبدیلِ ماہیات یا انقلاب حقائق والے قانون سے حرام شے بھی حلال ہو جاتی ہے، کیا یہ رائے مذاہب اربعہ میں کسی امام کے یہاں مقبول ہے؟

(ب) کیا مذکورہ رائے پر عمل کرنے کے لیے کچھ شرائط کا پہلے پایا جانا ضروری ہے؟ یا علی وجہ العموم اس پر عمل کرنا ممکن ہے؟

(ج) بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ مذکورہ قانون پر عمل کرنے کے لیے سبب حقیقی عموم بلوئی ہے جسے انگریزی اصطلاح میں PUBLIC PRADICAMENT کہتے ہیں؛ لہٰذا جس صورت میں حالۃ العامۃ یا عموم بلوئی نہ پایا جائے وہاں انقلاب حقائق سے حلت کی رائے غیر مقبول ہوگی۔

⑤ کیا آپ بھی ورطۃ العامہ اور عموم بلوئی کی تعریف کر کے اس سلسلہ میں کچھ وضاحت فرمائیں گے؟

اخیر میں باری تعالیٰ سے آپ کی بقاء کا سوال کرتے ہوئے ہم اور ہمارے علماء بھائی سلام پیش کرتے ہیں اور شکریہ ادا کرتے ہیں۔ فقط والسلام

آپ کا بھائی: شیخ محمد سعید نافلاخی

کرتا لیکن عادت نہ ہونے کی وجہ سے میرے لیے اردو میں جواب دینا زیادہ آسان ہے؛ چناں چہ اردو میں ہی جواب لکھ رہا ہوں۔

پہلے ایک بات اصولی طور پر پیش کرتا ہوں: مطہرات یعنی جن چیزوں اور طریقوں سے ناپاک چیز کو پاک کیا جاتا ہے، ان میں بعض تو متفق علیہ ہیں، مثلاً: پانی، اور بعض مختلف فیہ ہیں، یعنی اس کے مطہر ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے، اسی قبیل سے انقلابِ عین یا انقلابِ ماہیت ہے، حنفیہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انقلاب حقیقت اور استحالۂ عین سے نجاست وطہارت کا حکم بدل جاتا ہے، جب کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نہیں بدلتا۔

بدائع الصنائع میں ہے: ان النجاسة اذا تغيرت بمضى الزمان او تبدلت اوصافها تصير شيئا آخر عند محمد فيكون طاهرا، وعند ابى يوسف لا يصير شيئا آخر فيكون نجسا وعلى هذا الاصل مسائل بينهما منها: الكلب اذا وقع فى الملاحة والجمد والعذرة اذا احرقت بالنار وصارت رمادا، و طين البالوعة اذا جف و ذهب اثره والنجاسة اذا دفنت فى الارض و ذهب اثرها بمرور الزمان، وجه قول ابى يوسف ان اجزاء النجاسة قائمة فلا تثبت طهارة مع بقاء العين النجسة والقياس فى الخمر اذا تخلل ان لا يطهر لكن عرفناه نصا بخلاف القياس بخلاف جلد الميتة فان عين الجلد طاهر وانما النجس ما عليه من الرطوبات وانها تزول بالدباغ، وجه قول محمد ان النجاسة لما استحالت او تبدلت اوصافها ومعانيها خرجت عن كونها نجاسة لانها اسم لذات موصوفة فتنعدم بانعدام الوصف وصارت كالخمر اذا تخللت. (بدائع ۸۵/۱)

شامی کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہیں:

(قوله لانقلاب العين) علة للكل وهذا قول محمد وذكر معه فى الذخيرة والمحيط ابا حنيفة حلية قال فى الفتح وكثير من المشائخ اختاروه وهو المختار لان الشرع رتب وصف نجاسة على تلك الحقيقة وتنتفى الحقيقة بانتفاع بعض الاجزاء مفهومها فكيف بالكل، فان الملح غير العظم واللحم فاذا صار ملحا ترتب حكم الملح ونظيره فى الشرع النطفة نجسة وتصير علقة وهى نجسة وتصير مضغة فتطهر، والعصير طاهر فيصير خمرا فينجس ويصير خلا فيطهر فعرفناان استحالة العين تستتبع زوال الوصف المرتب عليهااھ (شامی ۲۳۹/۱)

اس مسئلہ میں فتوی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے؛ البتہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر ایک بحث وتحقیق فرمائی ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر مشائخ نے جو فتوی دیا ہے اس کی علت عموم بلوی ہے؛ چناں چہ اس سلسلہ میں انھوں نے مجتبیٰ کی یہ عبارت نقل فرمائی:

وعبارة المجتبى جعل الدهن النجس فى صابون يفتى بطهارته لانه تغير والتغير يطهر عند محمد وبه يفتى للبلوىٰ اھ (شامی ۲۳۱/۱)

اس کے بعد آگے فرماتے ہیں:

ثم اعلم ان العلة عند محمد هى التغير و انقلاب الحقيقة وانه يفتى به للبلوى كما علم مما مر و مقتضاه عدم اختصاص ذلك الحكم بالصابون فيد خل فيه كل ماكان فيه تغير وانقلاب حقيقة وكان فيه

بلویٰ عامة فيقال كذلك فى الدبس المطبوخ اذا كان زبيبه متنجسا ولاسيما ان الفار يدخله فيبول ويبعر فيه وقد يموت فيه الخ (شامی ۱/۲۳۱)

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ علتِ طہارت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک انقلابِ ماہیت ہے، اور اس پر فتوی عموم بلویٰ کی وجہ سے دیا گیا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ حکم (ناپاک تیل سے بنائے گئے صابون کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس میں وہ تمام صورتیں (چیزیں) داخل ہیں جن میں انقلابِ ماہیت ہوا ہو اور عموم بلوی بھی ہو۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بحث وتحقیق کا مطلب یہ ہوا کہ اگر انقلاب ماہیت تو ہے لیکن عموم بلوی نہیں ہے، تو وہاں حکمِ طہارت جاری نہیں ہوگا، اسی چیز کو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے:

''اب غور طلب امر یہ ہے کہ کیا انقلاب عین طہارت کی علت ہے یا عموم بلویٰ، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا فیصلہ فرمایا ہے کہ اصل علت عموم بلویٰ ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے درمختار کے قول والا لزم نجاسة خبز فى سائر الامصار پر تحریر فرمایا ہے:

وظاهره ان العلة الضرورة وصريح الدرر وغيرها ان العلة هى انقلاب العين كمايأتى لكن قدمناعن المجتبى ان العلةهذه وان الفتوىٰ على هذا القول للبلوىٰ فمفاده ان عموم البلوىٰ علة اختيار القول بالطهارة المعللة بانقلاب العين الخ''۔ (فتاوی خلیلیہ فتاوی مظاہر العلوم ۱/۱۱، شامی رشیدیہ ۱/۲۳۹)

لیکن اس کا مطلب کوئی آدمی یہ نہ نکالے کہ جہاں صرف عموم بلویٰ ہو لیکن انقلاب ماہیت نہ ہو پھر بھی حکم طہارت جاری ہوگا، اس لیے کہ اصولِ افتاء میں یہ بات مسلم ہے کہ عموم بلویٰ کسی ایسے قول کے لیے جو ائمۂ مذہب سے منقول ہو وجہ ترجیح

تصحیح بن سکتا ہے لیکن جو بات ائمۂ مذہب سے منقول ہی نہ ہو، اس کو گھڑنے کی عموم بلویٰ کی وجہ سے اجازت نہیں ہے، اس تفصیل سے آپ کے چوتھے سوال میں علماء کے دو گروہ کے دو نظریے پیش کر کے جو نکات اٹھائے گئے ہیں ان کا حل بھی نکل آیا۔

استحالۂ عین کی وجہ سے نجاست پر طہارت کا حکم لگانے میں جتنی وسعت حنفیہ کے یہاں ہے، دیگر مذاہب فقہیہ میں نہیں ہے۔ ''الفقہ الاسلامی وادلتہ'' کی عبارت سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے:

الاستحالة: اى تحول العين النجسة بنفسها او بواسطة كصيرورة دم الغزال مسكا، وكالخمر اذا تخللت بنفسها، اوبتخليلها بوا سطة، والميتة اذا صارت ملحا، او الكلب اذا وقع فى ملاحة، والروث اذا صار بالاحراق رمادا، والزيت المتنجس بجعله صابونا، وطين البالوعة اذا جف وذهب اثره، والنجاسة اذا دفنت فى الارض وذهب اثرها بمرور الزمان، وهذا عمل بقول الامام محمد خلافا لابى يوسف، لان النجاسة اذا استحالت وتبدلت اوصافها ومعانيها خرجت عن كونها نجاسة، لانها اسم لذات موصوفة، فتنعدم بانعدام الوصف، وصارت كالخمر اذا تخللت باتفاق المذاهب.

وتطهر الخمر ودنّها (وعاؤها) اذا تخللت بنفسها او بنقلها من ظل الى شمس او بالعكس عند غير الحنفية؛ لان نجاستها بسبب شدتها المسكرة قد زالت، من غير نجاسة خلفتها، كما تطهر الخمر اذا خللت عند المالكية، ولا تطهر عند الشافعية والحنابلة بتخليلها بالعلاج كالبصل والخبز الحار، لان الشى ء المطروح يتنجس بملاقاتها اما غير ذلك فهو نجس، فلا تطهر نجاسة با ستحالة ولا بنار، فرماد الروث

النجس: نجس، والصابون المعمول من زيت نجس، ودخان النجاسة وغبارها نجس، وما تصاعد من بخار ماء نجس الى جسم صقيل او غيره نجس، والتراب المجبول بروث حمار او بغل ونحوه مما لا يؤكل لحمه نجس ولو احترق كالخزف، ولو وقع كلب فى ملّاحة فصار ملحا، او فى صبانة فصار صابونا فهو نجس؛ لكن استثنى المالكية على المشهور رماد النجس ودخانه، فقالوا بطهارته على المعتمدة.

وقيد الحنابلة طهار الخمر بنقلها من مكان لآخر بحالة غيرقصد التخليل، فان قصد تخليلها بنقلها لم تطهر لانه يحرم تخليلها فلاتترتب عليه الطهارة وقال الشافعية: لا يطهر شيء من النجاسات بالاستحالة الا ثلاثة اشياء: الخمر مع انائها اذا صارت خلا بنفسها، والجلد (غير جلد الكلب والخنزير) المتنجس بالموت يطهر ظاهره وباطنه بالدبغ، وما صار حيوانا كالميتة اذا صارت دودا لحدوث الحياة (۱/ ۱۰۱،۱۰۰)

انقلاب حقیقت سے کیا مراد ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجۂ ذیل تحریر مفید ہے:

انقلاب حقیقت سے مراد یہ ہے کہ وہ شے فی نفسہ اپنی حقیقت چھوڑ کر کسی دوسری حقیقت میں متبدل ہو جائے، جیسے: شراب سرکہ ہو جائے یا خون مشک بن جائے یا نطفہ گوشت کا لوتھڑا وغیرہ وغیرہ، کہ ان صورتوں میں شراب نے فی نفسہ اپنی حقیقت خمریہ اور خون نے اپنی حقیقت دمویہ اور نطفہ نے اپنی حقیقت منویہ چھوڑ دی اور دوسری حقیقت میں متبدل ہو گئے، حقیقت بدل جانے کا حکم اس وقت دیا جا سکتا ہے کہ حقیقتِ اُولیٰ منقلبہ کے آثار مختصہ اس میں باقی نہ رہیں، جیسا کہ امثلۂ مذکورہ میں پایا

جاتا ہے کہ سرکہ بن جانے کے بعد شراب کے آثار مختصہ بالکل زائل ہوجاتے ہیں۔

بعض آثار کا زائل ہوجانا یا بوجہ قلت آثار کا محسوس نہ ہونا موجبِ انقلاب نہیں، جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے، کہ اگر آٹے میں کچھ شراب ملا کر گوندھ لیا جائے اور روٹی پکائی جائے تو وہ روٹی ناپاک ہے، یا گھڑے دو گھڑے پانی میں تولہ دو تولہ شراب یا پیشاب مل جائے تو پانی ناپاک ہے؛ حالاں کہ روٹی یا پانی میں اس قلیل المقدار شراب کا کوئی اثر محسوس نہ ہوگا لیکن چوں کہ شراب نے ان صورتوں میں فی نفسہ اپنی حقیقت نہیں چھوڑی ہے اس لیے ناپاکی کا حکم باقی ہے اور محسوس نہ ہونا بوجہ قلت اجزاء کے ہے چوں کہ شراب کے اجزاء کم تھے اور آٹے کے زیادہ اس لیے وہ روٹی میں محسوس نہیں ہوئے، پس یہ اختلاط ہے نہ کہ انقلاب، اسی طرح حقیقتِ منقلبہ کی بعض کیفیاتِ غیر مختصہ کا باقی رہنا مانع انقلاب نہیں، جیسے: شراب کے سرکہ بن جانے کے بعد بھی اس کی رقت باقی رہتی ہے کیوں کہ رقت حقیقتِ خمریہ کے ساتھ اور دسومت حقیقتِ دھنیہ کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ پس انقلابِ عین کی وجہ سے تبدیل احکام کا حکم کرتے وقت بہت غور و احتیاط سے کام لینا ضروری ہے، کیوں کہ بسا اوقات انقلاب و اختلاط میں اشتباہ پیش آجاتا ہے اور انقلاب کو اختلاط یا اختلاط کو انقلاب سمجھ لیا جاتا ہے۔ (کفایت المفتی ۲/ ۲۸۴)

اب آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب پیش کرتا ہوں۔

① اگر کیمیاوی عمل کے نتیجہ میں اس کی ماہیت بدل جاتی ہے، بایں طور کہ مکمل طور پر انقلابِ حقیقت ہوجاتا ہے تو اس کا استعمال درست ہے، ورنہ نہیں، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں:

ان كان العنصر المستخلص من الخنزير تستحيل ماهيته بعملية كيمياوية بحيث تنقلب حقيقته تماما، زالت حرمته ونجاسته، وان لم تنقلب حقيقته بقى على حرمته ونجاسته، لان انقلاب الحقيقة مؤثر فى زوال الطهار والحرمة عند الحنفية (بحوث فى قضايافقهيه معاصر: ٣٤١)

② اس کا بھی وہی حکم ہے جو نمبر ایک میں گذرا۔

③ جواب کے شروع میں اس کی تفصیل آچکی ہے۔

④ الف، ب، ج، اس کی تفصیل بھی شروع میں آچکی ہے۔

⑤ عموم بلویٰ کی مراد سمجھنے کے لیے عبارتِ ذیل مفید ہوگی۔

يراد بقول الفقهاء "ما تعم به البلوىٰ" تلك الامور التى يتعذر او يتعسر التحرز منها بحيث يصعب على المرأ التخلص او الابتعاد عنه، وهذا السبب من اسباب التخفيف مظهر واضح من مظاهر التسامح واليسر فى الاحكام الشرعية خصوصا فى العبادات، والطهارات من النجاسات، وله امثلة كثيرة:

فيقال مثلاً لطين الشارع ممّا تعم به البلوىٰ، او المياه التى قد تنزل من الميازيب امورا تعم بها البلوىٰ، او سقوط زرق الطيور او العصافير او بول مثلها على الثياب حين تنشر او تعم على المساجد ومطاف الكعبة المشرفة وآثار النجاسة عسر زوالها وغبار الشوارع ودخان النجاسة ونحو ذلك.

وكخلاصته وعموم البلوىٰ يظهر فى موضعين:

الاول: مسيس الحاجة فى عموم الاحوال بحيث يعسر الاستفناد عنه الا بمشقة زائدة.

الثانی: شیوع الوقوع والتلبس بحیث یعسر علی المکلف الاحتراز عنه او الانفکاف منه الا بمشقة زائد، فنی الموضع الاول ابتلاء بمسیس الحاجة، وفی الموضع الثانی ابتلاء بمشقة الدفع.

الدلائل لاستنباط احکام عموم البلوٰی:

ویستنبط احکام عموم البلوٰی من الاحادیث وآثار الصحابة واقوال التابعین کما هي مصرحة فی کتب الفقه واصوله

منها: کما جاء ان رسول الله ﷺ قال فی الهرة: "انها لیست بنجس انها من الطوافین علیکم والطوافات". رواه الخمسة، وقال الترمذی: حدیث حسن صحیح، ووصفها بالطوافین والطوافات للدلالة علی کثرة الابتلاء بها.

ومنها: عن عمر قال: کانت الکلاب تبول وتقبل وتدبر زمان رسول الله ﷺ فی المسجد، فلم یکونوا یرشون شیئا من ذلك اخرجه البخاری، وابوداؤد والترمذی

ومنها: خرج عمر بن الخطاب وعمرو بن العاص فی رکب حتی وردوا حوضا فقال عمرو بن العاص لصاحب الحوض: یا صاحب الحوض! هل ترد حوضك السباع؟ فقال عمر بن الخطاب: یا صاحب الحوض! لاتخبرنا فانا نرد علی السباع وترد علینا کما فی المنتقیٰ شرح المؤطا للباجی (۶۴/۱)

وفیه ان ورودها لم یعتبر، لان مالایمکن الاحتراز عنه فمعفو عنه.

فبعد ملاحظة تلك النصوص والآثار وامثالها ممّا یتعلق بتقریر اصل عموم البلوٰی یقرر ان الامر اذا عمت به البلوٰی فان للشارع

فیه نظرا یبتنی علی شدة الحاجة الیه او مشقة التحرز منه، ومن هنا قالوا: "ان عمت بلیته خفت قضیته" و "ان الا مر اذا ضاق اتسع" کما فی الاشباه والنظائر لابن نجیم (۱۱۷/۱)

القاعدة الرابعة: ولیتنبه ههنا ان عموم البلوىٰ یعتبر فیما لا نص له واما فی موضع النص فلا اعتبار له کما فی بول الآدمی، فان البلوىٰ فیه اعم ولکن لااعتبار له فیه (المصباح فی رسم المفتی ۲/ ۲۲،۲۳،۲۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/محرم الحرام ۱۴۲۰ھ

پرفیوم (الکحل) کا استعمال

سوال: پرفیوم۔جس میں الکحل ہو۔ کا استعمال بدن کپڑے وغیرہ پر ہوتا ہے جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح اس کی خرید وفروخت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اسپرٹ اگر انگور، کشمش یا کھجور سے حاصل کی گئی ہو تو بالاتفاق نجس ہے، اور ان کے سوا کسی دوسری چیز سے بنائی گئی ہے تو شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک پاک اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نجس ہے، تحقیق سے معلوم ہوا کہ آج کل اسپرٹ اور الکحل کے لیے انگور اور کھجور نہیں استعمال کی جاتی؛ لہٰذا شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے قول پر طہارت کا فتوی دیا جاتا ہے الخ۔ (احسن الفتاوی: ۲/ ۹۵)

حضرت مفتی نظام الدین صاحب مدظلہم تحریر فرماتے ہیں: اب الکحل سائنٹیفک طریقہ سے بننے لگی ہے کہ وہ شراب نہیں رہتی؛ بلکہ سرکہ (خل) کے حکم میں ہوجاتی ہے،

اس لیے جب تک دلائل شرعیہ سے یہ یقین نہ ہوجائے کہ الکحل وہی شراب کا جوہر یا تلچھٹ ہے اس وقت تک اس کے ناپاک وحرام ہونے کا اور اس کے دوا میں استعمال کی ممانعت یا عدم جواز کا حکم نہیں دے سکتے، اور نہ استعمال کے بعد یا جسم پر لگنے کے بعد تطہیر کا حکم دینا ضروری کہہ سکتے ہیں؛ البتہ تقوی الگ بات ہوگی، اور تقاضائے احتیاط کہا جائے گا نہ کہ فتوی۔ (منتخبات نظام الفتاوی ۱/ ۳۹۶)

اگر پرفیوم میں ملانے کے بعد الکحل کی حقیقت وماہیت باقی نہیں رہتی؛ بلکہ ختم ہوجاتی ہے تو اس صورت میں تمام ائمہ کے نزدیک بالاتفاق اس کا استعمال جائز ہے؛ اس لیے کہ شراب جب سرکہ میں تبدیل ہوجائے اس وقت تمام ائمہ کے نزدیک حقیقت وماہیت کی تبدیلی کی وجہ سے اس کا استعمال جائز ہے۔ (ماخوذ از فقہی مقالات ۱/ ۲۵۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اسپرٹ کا استعمال

سوال: آج کل جو سینٹ الکحل کی ملاوٹ کا چل رہا ہے وہ خوشبو کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اسپرٹ ناپاک ہے، تو وہ سینٹ جس میں یہ اسپرٹ ہو وہ بھی ناپاک ہے اور اس کا استعمال ممنوع ہے۔ (فتاوی محمودیہ ۵/ ۱۸۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

الکحل کا استعمال

سوال: الکحل کا استعمال اسپرے میں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

الکحل اگر انگور، کشمش یا کھجور سے حاصل کی گئی ہے تو بالاتفاق ناپاک ہے، اور ان کے سوا کسی دوسری چیز سے بنائی گئی ہو تو شیخین کے نزدیک پاک اور امام محمد کے نزدیک ناپاک ہے، اگر پہلی قسم سے ہے تو اس کا استعمال اسپرے میں جائز نہیں ہے، اور اگر دوسری قسم سے ہے تو گنجائش ہے؛ مگر احتیاط اولیٰ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

گوبر گیس کا استعمال

سوال: انسانوں اور جانوروں کے بیت الخلا کی بھاپ سے گیس تیار کر کے کھانا بنانا یا لائٹ، پنکھے، کولر، فریج وغیرہ کے استعمال میں لانا کیسا ہے؟ اگر صرف انسانوں کے بیت الخلا یا صرف جانور کے بیت الخلا یا دونوں کے مجموعہ سے تیار کر کے استعمال میں لایا جائے تو ان تینوں صورتوں میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

گیس بن جانے میں ماہیت بدل جاتی ہے، اور جب کہ اوپلے (چھانے) سے گوبر کی صورت میں جلا کر کھانا پکایا جاتا ہے تو اس میں (گیس میں) نادرست ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اور فقہاء کا انسانی پیٹ سے نکلنے والی ہوا (گیس) کو پاک کہنا

اس گیس کے پاک ہونے کی واضح دلیل ہے۔

مراقی الفلاح میں ہے: وإنما قيدناه من (نجس) لأن الريح طاهر على الصحيح، والاستنجاء منه بدعة (مراقي الفلاح مع طحطاوي: ٢٥) (فتاوی رحیمیہ ٦/٣٣٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سینٹ کا استعمال

سوال: اسپریٹ جو انجکشن لگانے سے پہلے لگائی جاتی ہے، ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اس میں شراب کا حصہ ہوتا ہے اور سینٹ بنانے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جو کپڑوں پر لگایا جاتا ہے اور لوگ نشہ کے طور پر پیتے ہیں اور سینٹ بنانے کے لیے جو استعمال ہوتا ہے اس میں شراب کا حصہ جتنا ہوتا ہے، اتنا اعلیٰ سینٹ تیار ہوتا ہے اور دوسرے کاموں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، تو اس کا خریدنا اور فروخت کرنا اور سینٹ بنا کر فروخت کرنا کیسا ہے اور کپڑوں پر لگانا کیسا ہے؟

اسپریٹ کی دوسری قسم جس کا نام جَیسُوْل ہے، ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اس میں شراب کا حصہ نہیں ہوتا ہے اور ڈاکٹر اس کو کم استعمال کرتے ہیں اور دوسرے کاموں میں بھی استعمال کم ہوتا ہے اور وہ کیمیکل سے بنایا جاتا ہے اور اس سے بھی سینٹ بنایا جاتا ہے، جو کم دام سے فروخت کیا جاتا ہے، تو اس کا فروخت کرنا اور خریدنا اور سینٹ بنا کر فروخت کرنا اور کپڑوں پر لگانا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اسپریٹ اگر انگور، کشمش یا کھجور سے حاصل کی گئی ہو، تو بالاتفاق نجس ہے اور ان

کے سوا کسی دوسری چیز سے بنائی گئی ہو، تو شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک پاک اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نجس ہے، تحقیق سے معلوم ہوا کہ آج کل اسپریٹ اور الکحل کے لیے انگور اور کھجور استعمال نہیں کی جاتی، لہٰذا شیخین رحمۃ اللہ علیہما کے قول کے مطابق پاک ہے، حضرات فقہاء رحمۃ اللہ علیہم نے اگرچہ فسادِ زمان کی حکمت کی بنا پر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو مفتیٰ بہ قرار دیا ہے؛ مگر آج کل ضرورت تداوی اور عموم بلویٰ کی رعایت کے پیشِ نظر شیخین کے قول پر طہارت کا فتویٰ دیا جاتا ہے، ویسے بھی اصولِ فتویٰ کے لحاظ سے قول شیخینِ کو ترجیح ہوتی ہے، الا لعارض۔ (احسن الفتاویٰ ۲/ ۹۵)

سینٹ میں جب تک ناپاکی کا یقین یا ظن غالب نہ ہو، اس کا استعمال جائز ہے، اور یقین یا ظنِ غالب ناپاکی کا ہوجائے، تو جائز نہ ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۱۸۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ذوقعدہ ۱۴۱۰ھ

کولگیٹ وغیرہ میں حرام چربی کی آمیزش

سوال: کیا کولگیٹ، (Colget) لائف بائے صابن، چائنا گھاس، جیلی؛ کیا اس کا استعمال کرسکتے ہیں جیسا کہ بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس میں کسی جنگلی جانور کی چربی کا استعمال ہوتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مذکورہ اشیاء میں جنگلی جانور کی چربی کی ملاوٹ کا مجھے علم نہیں ہے، اگر شرعی طریقہ سے ان اشیاء میں جنگلی جانور کی چربی کی ملاوٹ ثابت ہوجائے اور وہ جانور حرام ہے

یا حلال ہے؛ لیکن غیر مذبوحہ ہے، تو اس صورت میں ان کا استعمال جائز نہ ہوگا؛ لیکن بلا تحقیق حرام کہنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کولگیٹ میں خنزیر کی چربی کی آمیزش

سوال: کثرت سے سننے میں آتا ہے، کولگیٹ میں خنزیر کی چربی کا استعمال ہوتا ہے، تو اس کا استعمال جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہمارے سننے میں تو ایسی کوئی بات نہیں آئی، باقی اگر کسی کو اس میں خنزیر کی چربی ڈالے جانے کا یقین یا ظن غالب ہو، تو اس کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ ذوالحجۃ ۱۴۱۰ھ

مردار جانور کے بال، ہڈی وغیرہ پاک اور حلال ہیں یا نہیں؟

سوال: میتہ کے وہ اجزاء جو پاک ہوتے ہیں جیسے بال، ہڈی، جلد مدبوغ وغیرہ وہ حلال ہوتے ہیں یا نہیں اور اس میں مأکول اللحم اور غیر مأکول اللحم کا فرق ہے یا نہیں؟

یہ تو اصل سوال ہے لیکن اس کا پس منظر بھی بتا دیتا ہوں، وہ یہ کہ جہاں تک مجھے معلوم ہے اور فقہاء کے کلام سے جو میں سمجھا ہوں وہ یہ کہ طاہر ہونا الگ ہے اور حلال للأکل ہونا الگ ہے۔ مذبوحہ جانور کے بال وغیرہ پاک بھی ہیں اور حلال بھی۔ میتہ

مأکول اللحم کے اس قسم کے اجزاء جن میں حیات حلول نہیں کرتی وہ پاک ہیں؛ لیکن حنفیہ کے راجح قول کی بنا پر حلال نہیں ہے، غیر مأ کول اللحم کے اجزاء بالاتفاق حرام ہیں؛ اگر چہ وہ بھی پاک ہیں۔ اس مسئلہ میں جلد مدبوغ کے بارے میں صریح جزئیہ شامی، البحر الرائق اور مجموعۃ الفتاوی میں ملا؛ لیکن بال اور ہڈی کے بارے میں نہیں ملا، میرا خیال یہی تھا کہ بال وغیرہ کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے۔

لیکن تردد کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک مفتی صاحب (جنوبی افریقہ والے) نے یہ فتوی دیا ہے۔ ''میتہ کے بال، ہڈی اور ان سے بننے والی تمام اشیاء حلال ہیں''۔ میں نے ان کی خدمت میں البحر الرائق والی یہ عبارت پیش کی۔ واذا کان جلد مالا یؤکل کالحمار فإنه لا یجوز أکله إجماعاً. (بحر ۱/ ۱۰٤)

اور یہ بھی سوال پوچھا کہ کتے کے بال اور ہڈی کھانا حلال ہے یا نہیں؟ تو جواب میں یہی فرمایا: کتے کے بال اور ہڈی بھی پاک اور حلال ہے۔ اور طہارت کے بارے میں جو عبارات کتبِ فقہ میں ہیں وہ تحریر فرمائیں، لیکن مجھے تسلی نہیں ہوئی اس لیے آپ سے رہنمائی کا طالب ہوں۔

اصل سوال اور جواب چوں کہ انگریزی میں تھا اس لیے اس کا مفہوم نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے، نیز میرا مقصد اپنی اصلاح ہے، اگر آپ کا جواب میرے موافق رہا تب بھی میرا ارادہ ان کی خدمت میں ارسال کرنے کا نہیں ہے إلاّ یہ کہ آپ کا حکم یا مشورہ ہو۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مردار کے بال ہڈیاں، کھر اور سینگ پاک ہیں یعنی ان اشیاء سے انتفاع جائز ہے؛ لیکن ان چیزوں کا کھانا جائز نہیں، پاک ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس چیز کا

کھانا بھی جائز ہو، فقہاء نے ضابطہ تحریر فرمایا ہے: ہر نجس چیز حرام ہے؛ لیکن ہر حرام چیز نجس نہیں، مثلاً گدھے کا گوشت کھانا حرام ہے؛ لیکن گدھے پر سوار ہونا، اس پر سامان لادنا وغیرہ جائز ہے، اسی طرح مٹی کا کھانا حرام ہے؛ مگر اس کا استعمال تعمیرات وغیرہ میں جائز ہے اور مٹی پاک بھی ہے۔

''سعایہ'' میں ہے: قد اجتمعت الأمة المحمدية على ان كل نجس فهو حرام كذا قرره الرازى فى تفسيره وغيره من المفسرين، واما انه ليس كل حرام نجساً فلأن كثيراً من الأشياء حرام أكلها فى الشرع ولم يحكم بنجاستها كالحمار فإن أكله حرام لأحاديث وردت بذلك وليس بنجس وإلا احرم استعماله و الركوب عليه مع ان النبى ﷺ واصحابه ركبوا عليه كما هو فى الأخبار مأثور وفى كتب السير مبسوط، و قال فى الهداية فى باب الماء الذى يجوز به الوضوء وما لا يجوز به: الحرمة ليست من ضرورتها النجاسة كالطين الخ (سعاية ۱/۲۲۶)

حدیث شریف سے بھی مردار کے اجزاء کے کھانے کی حرمت ثابت ہے۔

عن عبدالله بن عباس قال تصدق على مولا لميمونة بشاة فماتت فمر بها رسول الله ﷺ فقال: هلا اخذتم اهابها فدبغتموه فانتفعتم به، فقالوا: انها ميتة، فقال: انما حرم اكلها. متفق عليه

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کی ہوئی ایک لونڈی کو کسی نے ایک بکری خیرات میں دی تھی اور وہ مرگئی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر اس پر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ سے) فرمایا کہ تم نے اس کی کھال کو کیوں نہیں لے لیا کہ پھر اس کو دباغت دے کر اس سے فائدہ

اٹھاتے (یہ سن کر) صحابہ بولے: وہ تو مردار ہے؟ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مردار کا صرف کھانا حرام قرار دیا گیا ہے۔ بخاری ومسلم۔

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی جانور کی جو چیزیں اس کے ذبیحہ کی صورت میں کھائی جاتی ہیں اور جن کا کھانا حلال ہے وہ تو اس کے بغیر ذبح مرجانے (مردار) کی صورت میں حرام ہوجاتی ہیں؛ لیکن ان کے علاوہ دوسری باقی چیزیں جیسے دباغت دیا ہوا چمڑا، دانت، بال، سینگ اور ہڈیاں وغیرہ ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے، ان کی خرید وفروخت بھی کی جاسکتی ہے اور ان کو کام میں بھی لایا جاسکتا ہے۔ (مظاہر حق جدید ۴/۴۵۵)

اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح السنۃ کے حوالہ سے صاف لکھا ہے کہ مردار کے بال، دانت، سینگ وغیرہ سے کھانے کے علاوہ دیگر منافع حاصل کرسکتے ہیں۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت یہ ہے:

فی شرح السنة فیه دلیل لمن ذهب الی أن ما عدا لمأکول غیر محرم الانتفاع کالشعر والسنة والقرن ونحوه. (مرقاة المفاتیح ۱/۷۱)

لہٰذا صورت مسئولہ میں مردار کے بال، ہڈی، دباغت دی ہوئی کھال وغیرہ کھانا جائز نہیں، مردار ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم عدم جواز میں دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں مردار بکری کا ذکر ہے، بکری ماکول اللحم کے قبیل سے ہے اس کے باوجود اس کے مذکورہ اعضاء کو کھانا جائز نہیں جیسا کہ مرقاۃ کی عبارت میں مصرح ہے، تو اسی سے غیر ماکول اللحم جانور کے اعضاء کا حکم معلوم ہوگیا کہ اس کے بھی یہ اجزاء کھانا جائز نہیں۔

مجموعۃ الفتاوی میں ہے:

سوال: مردہ حیوان کی کھال کھانا کیسا ہے؟ اور یہ جو متعارف ہے کہ بکری کا سر مع کھال کے بھونتے ہیں اور اس کا شوربا کھاتے ہیں، جائز ہے یا نہیں؟

جواب: مردہ جانور کی کھال کھانا اگرچہ مدبوغ ہو اور درندوں کی کھال اگرچہ مذبوح ہو جائز نہیں ہے؛ لیکن مذبوح بکری کی کھال کا کھانا جائز ہے، زیلعی میں ہے: جاز بیع لحوم السباع و شحومها و جلودها بعد الذكاة كجلود الميتة بعد الدباغ حتى يجوز بيعها و الانتفاع بها غير الاكل لطهارتها بالذكاة درندوں کا گوشت، چربی اور کھال ذبح کرنے کے بعد بیچنا درست ہے، جس طرح مردے کی کھال کو دباغت کے بعد؛ حتی کہ اس کی بیع اور اس کے کھانے کے سوا دوسری قسم کے منافع حاصل کرنا درست ہے، کیوں کہ وہ ذبح کرنے سے طاہر ہو جاتا ہے۔

اور منح الغفار میں ہے: ويباع جلد الميتة و ينتفع به لطهارته بعد الدبغ بغير الاكل؛ فانه لا يجوز اكله؛ وان كان طاهراً قال فى السراج الوهاج: مسألة جلد الميتة بعد الدباغ هل يجوز اكله اذا كان من حيوان ماكول اللحم؟ قال: بعضهم نعم! لانه طاهر كجلد الشاة المذكاة، و قال بعضهم: لا يجوز اكله و هو الصحيح.

مردے کی کھال بیچی جا سکتی ہے اور اس سے نفع حاصل کیا جا سکتا ہے، کیوں کہ وہ دباغت کے بعد طاہر ہے؛ البتہ اس کو کھانا درست نہیں ہے۔ سراج وہاج میں ہے: مسئلہ: مردہ کی کھال کا دباغت کے بعد کھانا درست ہے یا نہیں جب کہ مردہ حیوانات ماکولات اللحم سے ہو؟ بعضوں کے نزدیک درست ہے کیوں کہ وہ طاہر ہے ذبح کی

ہوئی بکری کی کھال کی طرح، اور بعضوں کے نزدیک درست نہیں ہے اور یہی صحیح ہے۔

اور ہدایہ میں ہے: ثم ما یمنع النتن و الفساد فھو دباغ وان کانت تشمیساً او تتریباً جو چیز بدبودار اور خراب نہ ہونے دے وہی دباغت ہے چاہے دھوپ میں رکھ کر ہو یا مٹی مل کر۔ (مجموعۃ الفتاوی ۲/ ۳۰۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ جمادی الثانی ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

کولگیٹ کا استعمال جائز ہے؟

سوال: کولگیٹ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ قول فیصل کیا ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

اس کے اجزائے ترکیبیہ کیا ہیں؟ اس پر اس کے استعمال کے جواز وعدم جواز کا مدار ہے، اس کے اجزائے ترکیبیہ کے سلسلہ میں ہمارے پاس مستند ذریعہ سے حاصل شدہ معلومات نہیں ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۷/ شعبان ۱۴۱۶ھ

لکس صابون کا استعمال کرنا

سوال: انڈیا کا لکس صابون استعمال کرنا کیسا ہے؟ جائز ہے یا مکروہ ہے یا حرام ہے؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

ہمیں تحقیق نہیں ہے کہ لکس صابون کن اجزا سے تیار ہوتا ہے؟ آپ اس کے

اجزا ترکیبیہ کی تفصیل وتحقیق پیش فرما کر مکرر دریافت فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱ر ذوالقعدہ ۱۴۱۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

پرفیوم کا حکم

سوال: بندے کو اسپرے (پرفیوم) کے متعلق دریافت کرنا ہے کہ بندہ جو اسپرے لگاتا ہے اس کی خوشبو تقریباً ایک دو دن رہتی ہے، اور بندہ جو جو اسپرے لگاتا ہے اس کے نام یہ ہے: ھَیوک، لومین،، ون مین شو، فال، ریکسونا، لہٰذا بندہ کے لیے اسپرے لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ جو اسپرے استعمال کرتے ہیں اس میں اگر ایسا الکحل ملایا جاتا ہے جو خمورِ اربعہ سے بنا ہے تو اس کو استعمال کرنا درست نہیں، ورنہ گنجائش ہے۔ (از منتخبات نظام الفتاویٰ ۱/۳۸۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۱۷/ صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

اجزائے خنزیر سے تیار شدہ انجکشن کا حکم

سوال: یہاں برطانیہ میں سرکاری سرجری میں چھوٹے بچوں کو حفظِ ماتقدم کے طور پر کہ بچوں کی مستقبل میں ہاتھ، پیر کی معذوری، اپاہج وغیرہ ہونے سے حفاظت رہے "ویکسن" نامی انجکشن دیا جاتا ہے، وہ انجکشن جن جن چیزوں سے تیار کیا جاتا

ہے اس میں سوّر کے اجزا بھی ڈالے جاتے ہیں؛ مگر مسلمان ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ: ان تمام اجزا کو آگ پر اتنا پکایا جاتا ہے کہ سوّر کے اجزا یا تو بالکل ختم ہو جاتے ہیں، یا تھوڑا سا حصّہ باقی رہتا ہے تو کیا اس طرح کا تیار شدہ انجکشن مسلمان بچوں کو لگانے کی شرعاً اجازت ہے؟ اگر سوّر کے اجزا کی ماہیت بالکل تبدیل ہو چکی ہو تو کیا حکم ہے؟ اور اگر سوّر کے اجزا کچھ باقی رہتے ہوں تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سوّر نجس العین ہے اس کے کسی بھی جز کا استعمال جائز نہیں، صورتِ مسئولہ میں اس انجکشن میں اگر سوّر کے اجزا شامل کیے جاتے ہیں اور اس کی ماہیت بدل جاتی ہے تو استعمال کی اجازت ہوگی؛ لیکن جب تک ماہیت کی تبدیلی کا یقین نہ ہو وہاں تک استعمال نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۱۹/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح عباس داؤد بسم اللہ

حرام اشیاء سے بنے ہوئے صابون کا حکم

سوال: خنزیر کی چربی یا شراب کسی چیز کے بنانے میں استعمال ہوتا ہو جیسے صابون وغیرہ اور بننے کے بعد ان دونوں کی شکل بدل جاتی ہو تو کیا وہ بنی ہوئی شی پاک ہو جائے گی یا بننے کے بعد بھی ناپاک رہے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صابون میں اگر خنزیر کی چربی استعمال کی گئی ہو تو کیا وہ صابن پاک ہے؟ اور اس

کا استعمال درست ہے؟ یہ مسئلہ خود ہمارے اکابر کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کو ناپاک ہی قرار دیتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے فتاوی مظاہر العلوم ۱ / ۹ تا ۲۲)۔ شراب اگر سرکہ سے بدل جائے تو وہ سرکہ پاک ہے، اور اس کا استعمال درست ہے۔

"ومنها الاستحالة: تخلل الخمر فی خابیة جدیدة طهرت بالاتفاق" (عالمگیری ٤٤١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳ رمحرم الحرام ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

سرکاری چوری یا عوامی خیانت سے متعلق مسائل

بجلی چوری کرنے کے مختلف حیلے اور ان کا حکم شرعی

سوال: بجلی (الیکٹرک) آج گویا انسانی زندگی کا جزء لاینفک بن گئی ہے، اور انسانی ضروریات کا ایک ایسا ذریعہ ہے جس سے جدا ہو کر رہنا ممکن نہیں، حکومت یا حکومت کی ماتحتی میں کام کرنے والی کمپنیاں بجلی بناتی؛ نیز اسے دوسری جگہوں پر بھیجتی ہیں، بجلی حاصل کرنے کے لیے ضروری دستاویز کے ساتھ درخواست دینی پڑتی ہے، اور بجلی کمپنی اپنے مقرر کردہ اصول ڈپازٹ، لائن فیس، وغیرہ وصول کر کے متعین شروط منوا کر گاہک کو بجلی کا کنکشن دے دیتی ہے، بجلی کے استعمال کے حساب کے لیے میٹر

لگایا جاتا ہے گھر کے استعمال، کسی کاروبار میں استعمال اور عام استعمال کرنے میں باعتبار یونٹ کے مقاصد کے مختلف ہونے سے الگ الگ قیمت ہوتی ہے۔

بہت سے گاہک بجلی کے بڑے بل سے بچنے کے لیے بجلی چوری کی مختلف صورتیں اپناتے ہیں، بجلی کی چوری قانوناً جرم شمار ہوتا ہے، اور اگر کوئی اس جرم میں گرفتار ہوتا ہے تو اس سے ایک بڑی رقم جرمانہ کے طور پر لی جاتی ہے، اور اگر بجلی کا چوری ہونا یقیناً معلوم ہو جائے تو بجلی کمپنی مقدمہ بھی دائر کر دیتی ہے، اور اخبارات میں بھی بجلی چوری کرنے والے کا نام شائع کیا جاتا ہے اور جرمانہ کی رقم اگر متعینہ مدت میں مجرم ادا نہ کرے تو بجلی کنکشن کاٹ دیا جاتا ہے۔

بجلی چوری کرنے میں گاہک جو مختلف صورتیں اپناتے ہیں ان میں سے بعض حسبِ ذیل ہیں:

① بلاواسطہ بجلی کے جو تار لگے ہوئے ہیں ان پر تار ڈال کر بجلی حاصل کرنا۔

② بجلی میٹر پر لگے ہوئے سیل (لاک) کو ایک خاص طریقہ سے کھول کر اندر سے میٹر کی موجودہ سسٹم میں تبدیلی کر کے میٹر کو آہستہ چلانا۔

③ بجلی کا میٹر کھول کر نمبرات کو پیچھے چلانا (ریورس کرنا)۔

④ بجلی کمپنی کے سروس تار میں سے بالا ہی بالا (بائی پاس) چوری کر کے بجلی حاصل کرنا۔

⑤ میٹر کے کانچ میں سے پتلی پٹی اندر ڈال کر میٹر کو بند رکھنا۔

⑥ پرانے میٹر پر مضبوط مقناطیس رکھ کر میٹر بند کرنا۔

⑦ میٹر پر وزنی چیز رکھ کر یا میٹر کو ٹیڑھا یا الٹا کر کے میٹر کو بند رکھنا یا آہستہ کرنا۔

⑧ جدید ریموٹ کنٹرول سے میٹر کو ہاتھ لگائے بغیر پیچھے کرنا (ریورس کرنا)۔

غرض کہ صورت کوئی بھی اپنائی جائے مگر ان سب کا ماحصل یہی ہے کہ کسی طرح بل کم آئے، قانونی طور پر مذکورہ تمام صورتیں سزا یا جرمانہ کو واجب کرنے والی ہیں، اب موجودہ صورت حال میں حسبِ ذیل سوالات کے جوابات شریعت کی روشنی میں دے کر ممنون فرمائیں تاکہ مسلم سماج کو اس کے مطابق عمل کرنے پر آمادہ کیا جائے۔

① بجلی کمپنی قیمت زیادہ لیتی ہے، خاموشی سے قیمت میں اضافہ کر دیتی ہے مختلف طریقے اپناتی ہے، ناقص اور تیز پھرنے والے میٹر رکھتی ہے، کچھ نہ کرنے کے باوجود میٹر میں نقص نکال کر جرمانہ عائد کرتی ہے وغیرہ وغیرہ، طرح طرح کے بہانوں کا عذر نکال کر لوگ بجلی چوری کرتے ہیں تو ایسے اعذار اگر واقعۃً سچے ہوں تو کیا بجلی کی چوری کرنا جائز ہے؟

② بجلی لائن میں غیر قانونی طور پر چوری کرنے والے کے ذمہ کمپنی ایک بڑی رقم جرمانہ کی عائد کرتی ہے جس سے انسان کی بے عزتی ہوتی ہے اور وقار مجروح ہوتا ہے تو اس طرح سے ایک مسلمان کو اپنی عزت داؤ پر لگانا جائز ہے؟

③ بجلی چوری کرنے میں بعض بجلی کام کو جاننے والے حضرات تعاون کرتے ہیں تو بجلی چوری کرنے میں معاون بننے والے کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

④ بجلی کمپنی کی طرف سے وقتاً فوقتاً بجلی کی چوری کو روکنے کے مقصد سے گاہکوں کے بجلی میٹر کی اچانک جانچ کی جاتی ہے، اس جانچ کرنے والی جماعت پر بہت سی مرتبہ لوگوں کی طرف سے حملہ کیا جاتا ہے، اور جانچ کو روکنے کی کوششیں کی جاتی ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ ”فلانے محلہ میں جایئے وہاں کیوں نہیں جاتے، فرقہ وارانہ رویہ اپناتے

ہو میٹر خراب رکھتے ہو قیمت زیادہ لیتے ہو..... وغیرہ وغیرہ'' تو کیا اس طرح جانچ کورو کنا جائز ہے؟

⑤ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے ہاں بجلی کا زیادہ استعمال ہوتا ہے وہی بجلی چوری کرنے پر آمادہ ہوتے ہیں، گھر میں بجلی کا استعمال زیادہ ہوگا تو بجلی کے بل کا زیادہ آنا قرین قیاس ہے، اس میں بجلی کمپنی کو زیادہ نقصان ہوتا ہے اس کے باوجود باضابطہ گاہکوں سے وصول کیا جاسکے ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کیوں کہ بجلی کمپنی کے پاس نقصان کی کمی کو پورا کرنے کے لیے قیمت میں اضافہ کے علاوہ کوئی صورت نہیں ہوتی تو کیا اس صورت میں بجلی کی چوری کرنا دوسروں کی حق تلفی شمار ہوگی؟

⑥ ایمان دار گاہک عامۃً اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ بجلی کا بے جا استعمال نہ ہو، بجلی چوری کرنے والے گاہک آزادانہ استعمال کرتے ہیں، یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بجلی چوری کرنے والے پکانے کے لیے بھی الیکٹرک چولہے کا استعمال کرتے ہیں یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ اگر ان کو بجلی چوری کرنے کا موقع نہ ملے تو اس طرح کی ہائی پاور والی اشیاء کا استعمال یہ حضرات خوب احتیاط سے کرنے لگیں، اور بجلی چوری کرنے کا ایک بہت برا پہلو یہ بھی ہے کہ ''ہمیں کہاں بل بھرنا پڑتا ہے؟'' ایسی غیر معقول وجوہات کو آڑ بنا کر بھی بہت سارے گاہک اس کا بے جا استعمال کرتے ہیں، بجلی کمپنی والوں کو اس میں دوگنا نقصان ہوتا ہے کیوں کہ بجلی کے بیچنے کا بجلی کمپنی والوں کو کوئی نفع نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کے برخلاف بجلی کمپنی والے ''بجلی بچاؤ'' کا اعلان کرتے ہیں اور حتی الامکان بجلی کا کم سے کم استعمال کرنے کی گاہکوں کو ہدایات اور مشورے دیے جاتے ہیں، تو اس طرح سوچ کر بجلی کا آزادانہ استعمال کرنے

والے شخص کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا اللہ کی نعمت کی ناقدری نہیں ہے؟

⑦ بجلی کمپنی کے قوانین کے بموجب بجلی کنکشن حاصل کرتے وقت اپنا استعمال کتنا رہے گا؟ اس کی تفصیل فارم میں درج کرنی ہوتی ہے اور اسی کے مطابق ڈپازٹ وصول کی جاتی ہے، اگر آپ زیادہ استعمال لکھیں تو زیادہ ڈپازٹ بھرنی پڑتی ہے، بجلی کمپنی کے قوانین کے موافق مانگی گئی بجلی سے زیادہ استعمال کرنا جرم شمار ہو کر جرمانہ لازم ہونے کا ذریعہ بنتی ہے، چاہے اس بجلی کو استعمال کرنے میں کوئی غیر قانونی طریقہ نہ اختیار کرے اور تحمل سے زیادہ بوجھ پڑنے کے باعث بجلی کمپنی کو لاکھوں روپے ڈپازٹ کا نقصان بھگتنا پڑتا ہے، اور ٹیکنیکل کا ٹرانسفرمر کی طاقت، کیبل کے تحمل وغیرہ امور کا پروگرام بنانے میں مشکلات پیدا ہوتی ہیں، مشینیں ہائی وولٹیج اور تحمل سے زیادہ بوجھ کی بنا پر جل جایا کرتی ہیں، وولٹیج آہستہ ہونے کی وجہ سے تمام حضرات کو تکلیف ہوتی ہے گاہکوں کی یہ دلیل ہوتی ہے کہ ہم جتنا چاہے بوجھ ڈالیں بجلی کی چوری تو نہیں کرتے، میٹر تو اتنا استعمال کرنا بتلا ہی دیتا ہے پھر گناہ کس بات کا؟ تو کیا قاعدہ کے موافق ڈپازٹ اور فیس (چارج) ادا کیے بغیر مزید بوجھ ڈال کر بجلی کا استعمال کرنے کی شرعاً گنجائش ہے؟

⑧ بجلی چوری کے مجرمین پکڑے جانے پر جرمانہ سے بری ہونے کے لیے خوب ہاتھ پیر مارتے ہیں، اور کمپنی کے ملازم کو رشوت دے کر جرمانہ سے بچنے کی کوششیں کرتے ہیں، تو جرمانہ سے بچنے کے لیے رشوت دینا جائز ہے؟ رشوت لے کر گاہک کو بجلی چوری کا جرمانہ نہ عائد کرنے والے یا کم جرمانہ عائد کرنے والے ملازم کے متعلق شرعی کیا حکم ہے؟ کیا وہ خائن شمار ہوگا؟

⑨ بجلی کی چوری ثابت ہوجائے تو بجلی کمپنی چاہے گا ہک تین سال سے چوری کررہا ہو، یا تین دن سے چوری کررہا ہو، تین مہینہ سے چوری کرنا شمار کرتی ہے، اس کے بعد آخری تین ماہ کا استعمال دیکھا جاتا ہے اور گا ہک کے استعمال میں آنے والی اشیاء کو دیکھ کر اندازلگالیا جاتا ہے کہ اتنی چیزوں کے استعمال پر تین ماہ میں کتنا بل آسکتا ہے اور گا ہک کا میٹر کتنا بتارہا ہے؟ جو فرق ہوگا اسے چوری میں شمار کیا جائے گا، اس کے بعد چوری کے ہر یونٹ کی قیمت عام قیمت سے تقریباً ڈھائی گنا زیادہ کرکے جرمانہ کا بل دیا جاتا ہے، ان حالات میں اس شخص کی جو تین ماہ سے کم مثلاً ۱۰، ۱۵ دن سے استعمال کررہا ہے مخالفت کا اندیشہ ہے تو ایسا گا ہک جرمانہ کی رقم نہ بھرے تو اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

بجلی روزمرہ کی زندگی کے ساتھ لازمی ایک ضرورت کی چیز بن چکی ہے، مذکورہ بالا سوالات کے جوابات مسلم معاشرہ کو شریعت کی روشنی میں ملنے از حد ضروری ہے، کیوں کہ مسلم معاشرہ میں لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد بجلی چوری کے جرم میں مبتلا ہیں، ایک ضلع کے ایک گاؤں میں مسلم معاشرہ بجلی چوری کرنے کے سلسلہ میں اتنا بدنام ہوچکا ہے کہ کئی مسلم علاقوں میں بارہ بارہ گھنٹوں تک بجلی کاٹ دی جاتی ہے، ٹرانسفرمر بھی ہٹادیا جاتا ہے، بجلی جانچ کرنے والی جماعت پولس کی حفاظت کے بغیر داخل نہیں ہوسکتی، لوگ اسے ''قومی تعصب'' سے بدنام کرتے ہیں مگر ان مسلم علاقوں میں ایک بہت بڑی مقدار میں لوگوں کا بجلی کی چوری کرنا ایک تلخ حقیقت ہے جس کا انکار نہیں ہوسکتا تو بجلی کی چوری کرنا کہاں تک جائز ہے؟

اس کا جواب مذکورہ بالا سوالات کی روشنی میں دے کر ممنون فرمائیں اللہ تعالیٰ

آپ کو اس کا بہترین بدلہ نصیب فرمائے۔ سوال بہت طویل ہو چکا ہے معاف فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چوری اسلام میں بہت ہی سخت گناہ کا کام ہے، اور شریعت میں اس کے متعلق سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں، جس طرح کسی کی ذاتی ملکیت میں سے چوری کرنا گناہ ہے اسی طرح ملک اور قوم کی مشترکہ چیز میں سے چوری کرنا بھی گناہ کا کام ہے بلکہ کئی حیثیت سے یہ چوری زیادہ سنگین ہو جاتی ہے کیوں کہ ایک آدمی سے معاف کرانا تو ممکن بھی ہے؛ جب کہ پوری قوم سے معاف کرانے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے۔

(ماخوذ از آپ کے مسائل اور ان کا حل ۸/ ۲۸۴، ۲۸۵)

آدمی کسی بھی ملک میں رہتا ہو اور کوئی بھی حالت ہو مسلمان کو حرام کاموں سے بچنا واجب ہے، قرآن اور حدیث سے چوری کی حرمت ثابت ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے حرام ہونے پر پوری امت کا اتفاق بھی ہے، اس حرام کو حلال کرنے کی شکلیں اختیار کرنا مسلمان کا کام نہیں ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان جہاں کہیں بھی ہو، احکام اسلام کا پابند ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان ۲۲۲، ۲۲۳)

اسی طرح سے خیانت اور غصب نیز بغاوت بھی شرعاً سخت گناہ کا کام ہے، اس سے بچنا مسلمان کے لیے واجب ہے۔

اب آپ کے سوالات کے جوابات ترتیب وار دیے جاتے ہیں:

① سوال میں مذکور وجوہات اور بہانوں کو عذر بنا کر بجلی کی چوری کرنا جائز نہیں ہے، سوال میں مذکور اعذار اگر واقعۃً سچے ہوں تو اس کے لیے سرکاری اور قانونی رو سے جو کاروائی ہو سکتی ہو کی جاوے، کورٹ یا گاہک سرکشا منڈل (گاہک کے پیچیدہ

مسائل حل کرنے کا ادارہ) وغیرہ جس طریقہ سے بھی اس کا حل ہو سکے اس کی اجازت ہے مگر بجلی کی چوری کرنا جائز نہیں ہے۔

ابتدائے اسلام میں جانوروں نیز دیگر اموال کی زکوۃ وصول کرنے کے لیے حکومت کی طرف سے آدمی مقرر کیے جاتے تھے وہ بعض مرتبہ واجب شدہ زکوٰۃ سے زائد وصول کرتے تھے، تو اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ زکوٰۃ وصول کرنے والے ہم پر ظلم کرتے ہیں، (یعنی جتنی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس سے زائد وصول کرتے ہیں) تو کیا ہم ہمارے مال میں سے اتنا مال چھپا سکتے ہیں جتنی مقدار میں وہ ہمارے پاس زائد وصول کرتے ہیں تو نبی کریم ﷺ نے جواب ارشاد فرمایا کہ ''نہیں''۔

وعن بشير بن الخصاصية قال: قلنا ان اهل الصدقة يعتدون علينا افنكتم من اموالنا بقدر ما يعتدون؟ قال: لا. رواه ابو داؤد

(مشکوٰۃ ص/۱۵۷)

② ایک مسلمان کے لیے ایسا کام کرنا جس سے اس کی عزت داؤ پر لگے جائز نہیں ہے، شرعی حدود میں رہ کر اپنی عزت کی حفاظت کرنا ضروری ہے۔

③ اس طرح سے بجلی چوری کرنے میں کسی مسلمان الیکٹریشن (الیکٹرک کام جاننے والا) کا معاون بننا شرعاً گناہ کا کام ہے، قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ولا تعاونوا على الاثم والعدوان﴾ ترجمہ: گناہ اور نافرمانی کے کاموں میں معاون نہ بنو۔

④ اس طرح سے جانچ کو روکنا بھی شرعاً سخت گناہ ہے۔

⑤ جی ہاں! سوال میں مذکور نظریہ کے موافق بجلی چوری کرنا دوسروں کی حق تلفی شمار ہوگی۔

⑥ واقعۃً سوال میں مذکور حرکت کرنے والے اشخاص شرعاً سزا کے مستحق ہیں۔

وضو جیسی عبادت میں پانی کو زیادہ استعمال کرنا (مثلاً وضو میں اعضاء مغسولہ میں سے کسی عضو کو تین بار سے زائد دھونا وغیرہ) شرعاً مکروہ تحریمی ہے، جب کہ پانی اپنا ذاتی ہو چاہے نہر کے کنارہ ہی کیوں نہ ہو؟ (جیسا کہ ابن ماجہ شریف کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے قریب سے گزر رہے تھے وہ وضو فرما رہے تھے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ فضول خرچی کیسی؟ تو انھوں نے دریافت کیا کہ کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا جی ہاں! چاہے آپ جاری نہر پر وضو کر رہے ہوں) اور اگر وہ پانی وقف کا ہو تو اسے ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ (درمختار شامی ۱/ ۹۷، ۹۸)

اس سے زیادہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے قوم کی ملکیت کی چیز چوری کر کے استعمال کرنا کتنا سخت گناہ کا کام ہے۔

⑦ بجلی کمپنی سے کنکشن لیتے وقت کمپنی کی طرف سے جو شرطیں مقرر کی گئی ہیں ان کی پابندی کرنا ضروری ہے، یہ ایک طرح کا عہد و پیمان ہے اور عہد و پیمان کو نبھانا اسلامی احکام کے بموجب ضروری اور فرض ہے، عہد شکنی کرنا کبیرہ گناہ ہونے کے ساتھ ساتھ منافق کی نشانی بھی بتلائی گئی ہے، بجلی کمپنی کے پاس سے مانگے گئے بوجھ سے زیادہ بوجھ کا استعمال کرنے سے بجلی کمپنی کو ڈپازٹ کے نقصان کے ساتھ ساتھ اور کئی نقصانات ہوتے ہیں جن کی تفصیل آپ نے سوال میں درج کی ہے، شرعاً یہ

تمام باتیں گناہ اور قابل مذمت ہیں، گاہکوں کی طرف سے دی جانے والی دلیل صحیح نہیں ہے، گناہ کا ارتکاب بجلی چوری میں منحصر نہیں ہے، صورت مسئولہ میں اگرچہ میٹر پورے استعمال کو بتادیتا ہے جس کی وجہ سے بجلی کی چوری کا گناہ تو نہیں ہوتا مگر بجلی کمپنی کو سوال میں درج کیے گئے نقصانات پہونچانے کے گناہ کے ساتھ ساتھ عہد شکنی کا کبیرہ گناہ بھی عائد ہوتا ہے، ویسے بھی کسی چیز کو اس کے استعمال کے صحیح طریقہ کو چھوڑ کر غلط طریقہ سے استعمال کرنا جس کے نتیجہ میں وہ چیز خراب ہوجائے اپنی ذاتی ملکیت ہونے کے باوجود شرعاً ممنوع ہے تو اگر وہ چیز دوسرے کی خصوصاً عوامی ملک ہو تو یہ ممانعت اشد ہوجاتی ہے۔ حدیث شریف میں چمڑے کے مشکیزہ کا منہ موڑ کر اس سے پانی پینے کی ممانعت آئی ہے، اس کی وجوہات بتلاتے ہوئے شراحِ حدیث نے ایک وجہ یہ بھی بتلائی ہے کہ اس طرح سے مشکیزہ کا منہ موڑ کر پانی پینے سے کچھ ہی مدت میں وہ ٹوٹ جاتا ہے اور پھر وہ مشکیزہ استعمال کے قابل نہیں رہتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ طریقہ چیز کو خراب کرنے والا ہے، اس وجہ سے ایسا طریقہ اپنانے سے روکا گیا۔ (بخاری شریف ص/۸۴۱ نیز حاشیہ) کئی احادیث میں ایک جانور پر تین یا اس سے زیادہ آدمیوں کے سوار ہونے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، اس کی وجہ یہ لکھی گئی ہے کہ یہ ممانعت اس وقت ہے جب کہ وہ جانور تین یا اس سے زائد کا تحمل نہ کرسکتا ہو جس کا مطلب یہ ہوا کہ کسی بھی چیز سے اس کے تحمل سے باہر کام لینا چاہے وہ غیر ذی روح ہو یا جانور ہو شریعت اسے پسند نہیں کرتی۔

⑧ بجلی چوری کرنے والا مجرم گاہک اپنے پر لازم ہونے والے جرمانہ سے بچنے کے لیے کمپنی ملازم کو رشوت دیتا ہے تو یہ سخت گناہ کا کام ہے، اور ملازم کا بھی

رشوت لے کر اس شخص کو سزا سے بچا لینا اپنی ذمہ داری کے ادا کرنے میں ایک طرح کی خیانت ہے۔

⑨ گاہک نے آج تک جو بجلی چوری کی ہے اس کی رقم ادا کرنا اس کے لیے ضروری ہے، بجلی چوری کرنے کی صورت میں اس طرح سے رقم وصول کی جائے گی اس کی وضاحت بجلی کمپنی کی طرف سے ہوجانے کے باوجود گاہک کا بجلی چوری کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بجلی کمپنی کی طرف سے متعین کردہ اس طریقہ پر رضامند ہے اس کے باوجود اگر وہ رقم ادا نہیں کرے گا تو وعدہ خلافی ہوگی۔

اخیر میں آپ نے مسلم معاشرہ کے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد کا اس گناہ میں مبتلا ہونے کے متعلق جو تلخ حقیقت لکھی ہے، اور اس کی وجہ سے اسلام اور اسلامی احکام کی جو غلط شبیہ غیر مسلموں کے سامنے آتی ہے، اس سے نبی کریم ﷺ کی پاکیزہ تعلیمات اور اسلامی شکل وصورت جس طرح سے بدنام ہو رہی ہے، اور اس سے جو نقصان پہنچ رہا ہے اس کا تو بس صرف اندازہ ہی لگایا جاسکتا ہے، ہمارے یہ کام اور ہماری یہ بدعنوانیاں ہی اسلام کے مخالفین اور دشمنوں کو تقویت پہنچا رہی ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/۸/ ۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

پڑوسی کی لائٹ بجلی استعمال کرنا

سوال: ایک شخص اپنے پڑوسی کی لائٹ بجلی کو اس کی اجازت سے استعمال کرتا ہے تو کیا اس شخص کے لیے اس روشنی سے فائدہ اٹھانا جائز ہے؟ اور کیا کرایہ دینے اور نہ دینے کی صورت میں حکم بدل سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پڑوسی کی اجازت سے اس کی لائٹ بجلی استعمال کرنا درست ہے؛ البتہ اگر کرایہ سے استعمال کرتا ہے تو عقد اجارہ کے تمام شرائط کا لحاظ ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بجلی کا میٹر بند کروانا

سوال: زید وائرمین ہے، لوگ اپنے گھر کام کی غرض سے لے جاتے ہیں، اس میں بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنے گھر لے جانے کے بعد کہتے ہیں زید صاحب آج کل بجلی کا چارج (Bill) بہت زیادہ آتا ہے تو ایسی ترکیب اختیار کی جائے جس سے رقم بتانے والی مشین بند ہو جائے، تو پہلے تو زید صاحب کے لیے کیا اس مشین کا بند کرنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس معاملے میں زید صاحب کے لیے کیا حکم ہے؟ مگر زید صاحب جب بند کرنے سے انکار کرتے ہیں اور اس سے بحث کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ حکومت بھی ہمیں کیا حق دیتی ہے تو کیا ان کی اس دلیل کی وجہ سے ان کے لیے مشین بند کروانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بجلی کا استعمال بتلانے والی مشین یعنی میٹر کو بند کرنا؛ تاکہ اس کے نتیجہ میں استعمال شدہ بجلی کی مقدار کم نظر آئے، اور واجب الاداء رقم کم ہو جائے یہ چوری اور دھوکہ بازی ہے، زید کے لیے اس مشین کو بند کر کے چوری اور دھوکہ بازی کے اس فعل میں مدد اور تعاون کرنا جائز نہیں۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ یعنی گناہ اور نافرمانی کے کاموں میں مدد مت کرو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بند میٹر والے کا بجلی چولہا جلانا

سوال: بجلی سے جلنے والا چولہا (Electric Sigdi) جلانا کیسا ہے؟ جب کہ میٹر بند ہے، مگر ۶۰/ یونٹ کا بل بنتا ہے، جو ۱۲۰/ آتا ہے، میٹر خراب ہے، قریب ۵/ سال سے بند ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر قانونی طور پر یہ بات طے شدہ ہے کہ میٹر بند ہونے کی صورت میں ساٹھ یونٹ کا ہی بل بنتا ہے چاہے کتنی ہی بجلی استعمال کی ہو تب تو بجلی کا چولہا استعمال کیا جاسکتا ہے، اور اگر ساٹھ یونٹ کا بل اس لیے بنتا ہے کہ سابقہ (یعنی میٹر خراب ہونے سے قبل) استعمال اوسطاً اتنا ہی ہوتا تھا، اور اُس وقت آپ بجلی کا چولہا استعمال نہیں کرتے تھے تو اب بھی استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بجلی کی چوری کرنا

سوال: زید نے ریشم کے کتان کا ایک کارخانہ لگایا جس پر دس لاکھ روپیہ خرچ ہوئے، ان دس لاکھ میں آدھے سے زیادہ مبلغ قرض لیا ہوا ہے، اس کارخانہ میں ماہانہ

تقریباً پچاس ہزار روپیوں کا کام ہوتا ہے، جس میں پچیس ہزار روپیہ ملازمین کی مزدوری میں خرچ ہوتے ہیں، اور تقریباً پچیس ہزار روپیہ بجلی کرنٹ بل دینی پڑتی ہے، مالک کارخانہ کو کچھ نہیں بچتا یا تھوڑا بچتا ہے جس سے اس کے گھر کا گذارہ ہوسکتا ہے؛ لیکن کارخانے پر جو قرضہ ہے اس کو ادا نہیں کرسکتا، اور وقت ضرورت کارخانے کی مرمت نہیں کرسکتا، اس لیے یہاں عام طور پر (الکٹرک) بجلی کے میٹروں میں کچھ گڑبڑ کرا دیتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ میٹر بجلی کی خرچ کی صحیح مقدار نہیں بتلاتا؛ بلکہ کم بتلاتا ہے، میٹر اس طرح گڑبڑ کرانے کے بعد بجلی کی بل ادائیگی سے جو روپیہ بچتا ہے اس سے مالک کارخانہ اپنا قرض بھی ادا کرتا ہے، اور کارخانے کی مرمت بھی، گویا یہی کمائی ہے۔

(۱) اگر زید الکٹرک میٹر میں کچھ گڑبڑ نہیں کرتا بلکہ بجلی کی صحیح مقدار جو میٹر بتلائے ادا کردیتا ہے تو خود کو کچھ نہیں بچتا، اور قرضہ جو کارخانہ قائم کرنے کے لیے لیا تھا ادا نہیں کرسکتا اور وقت ضرورت کارخانے کی مرمت بھی نہیں ہوسکتی ہے۔

(۲) زید اگر کارخانہ کو کرایہ پر دیتا ہے تب بھی مشکل یہ ہے کہ کرایہ دار الکٹرک میٹر میں گڑبڑ کرا کر بچائے گا اور اس کے بغیر چارہ نہیں، اگر کسی وقت محکمے کا خصوصی عملہ میٹروں کے معائنے کے لیے آگیا اور اس نے گرفت کرلی تو کرایہ دار بچ جائے گا زید جو کارخانہ کا مالک ہے پھنس جائے گا۔

(۳) زید یہ کارخانہ بیس سال سے چلا رہا ہے، اگر وہ آج الکٹرک بل پوری پوری ادا کرتا ہے تو حکومت کے جانب سے بیس سال پہلے سے حساب لگوا کر سابقہ بل کی باقی رقم ادا کرنے کے لیے مجبور کیا جاتا ہے جو لاکھوں روپیہ ہوتی ہے اتنی رقم اس کے پاس نہیں بلکہ وہ قرض دار ہے۔

④ محکمے کے تمام افسران یہی چاہتے ہیں کہ کرنٹ کے میٹروں میں گڑبڑ کا یہ سلسلہ جاری رہے تاکہ رشوت کے طور پر انہیں ماہانہ رقم ملتی رہے، رشوت حاصل کرنے میں محکمے کے چھوٹے بڑے تمام افسر شامل ہوتے ہیں۔

⑤ زید اگر صحیح حساب الکٹرک بل پوری ادا کر دیتا ہے تب بھی رشوت نہ ملنے کی وجہ سے محکمے کے افسران بار بار اس کارخانے پر چھاپے مار کر پریشان کرتے ہیں، اور مختلف قسم کے جرمانے عائد کرتے رہتے ہیں۔

⑥ محکمے کے پاس صحیح میٹر بھی نہیں اور وہ صحیح میٹر رکھنا بھی نہیں چاہتے ہیں، چوں کہ عوام میٹروں میں گڑبڑ کروا کر فائدہ اٹھاتے ہیں، اس لیے خراب میٹروں کی شکایت بھی نہیں کرتے اگر کوئی صحیح میٹر رکھنا بھی چاہے تب بھی نہیں ملتا، جب حکومت دیکھتی ہے کہ بجلی کی پوری رقم وصول نہیں ہو رہی ہے، تو بجلی کی قیمت میں بار بار اضافہ کرتی رہتی ہے۔

⑦ صوبہ کرناٹک میں یہ ریشم کا کاروبار کرنے والے اکثر مسلمان ہیں، اس لیے حکومت موقع پا کر بلکہ سخت قانون بنا کر خصوصاً مسلمان کارخانے والوں اور تاجروں کو مجبور کرتی رہتی ہے، اور یہاں عموماً ہر کارخانہ دار کرنٹ کی بل پوری ادا نہ کر کے بچت کرتا ہے، اور فائدہ اٹھاتا ہے، ان تمام حالات میں زید اکیلے کا اس پر عمل کرنا یعنی کرنٹ کی بل پوری ادا کرنے پر عمل کرنا نفع سے محرومی اور نقصان کا باعث ہوتی ہے، ان حالات میں شریعت مطہرہ کیا حکم دیتی ہے، بیان فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کی بجلی بنانے والی کمپنی سے بجلی حاصل کرنے کا جو معاملہ کیا جاتا ہے وہ

اپنی مرضی پر ہے، جبری نہیں ہے، یعنی اگر آپ چاہیں تو حکومت سے بجلی حاصل نہ کریں بجلی حکومت کی ملک ہے، وہ اپنی چیز کا دام اپنی مرضی کے مطابق لے سکتی ہے اگر آپ کو یہ بجلی گراں معلوم ہو تو آپ کو نہ لینے کا اختیار ہے لیکن سوال میں مذکورہ طریقے اختیار کرنا یہ خیانت اور فریب ہے، جو جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲ رجب ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

چوری کی بجلی سے فائدہ اٹھانا

سوال: میرے والد صاحب بجلی کی چوری کرتے ہیں، میں نے ان کو منع کیا اور بارہا منع کیا؛ لیکن وہ تب بھی نہیں مانتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو بہت ہی بل آتا ہے، یعنی وہ اسے مکمل بند نہیں رکھتے ہیں؛ بلکہ کچھ دنوں میٹر چالو بھی رکھتے ہیں؛ لیکن اب انھوں نے یہ حیلہ نکالا ہے کہ، ہمارے جو دو کرایہ دار ہیں ان کو میرے والد صاحب نے کہہ دیا کہ: اب سے تم اس میٹر کے ذمہ دار ہو، چاہے تم چالو رکھو یا بند رکھو، میں تم کو ہر دو مہینے پر ۶۰ روپیہ دے دوں گا، میں نے اپنے والد صاحب کو کہہ دیا کہ: چاہے تم پہلے جس طرح کرتے تھے ایسا کرو یا کسی دوسرے کو ذمہ دار بناؤ، بہر دوصورت آپ اس کے ذمہ دار ہو، اللہ کے یہاں آپ کی پکڑ ہوگی۔ تو میں اب پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ: میں ان کو برائی سے روکتا ہوں؛ لیکن پھر بھی وہ نہیں مانتے تو کیا اب میں اس کا ذمہ دار رہوں گا؟ اور یہ کہ میں اس بجلی سے کوئی فائدہ اٹھا سکتا ہوں مثلاً میں اس بجلی سے کپڑوں کو پریس کر سکتا ہوں؟ اور پھر اس کو پہن کر نماز پڑھ سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے جب ان کو آگاہ کر دیا پھر بھی وہ عمل نہیں کرتے تو آپ کا ذمہ بری ہو گیا؛ البتہ ان کے حق میں دعا کرتے رہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کو گناہ سے بچائے۔ آپ کے لیے ایسی بجلی کا استعمال درست نہیں ہے؛ ورنہ آپ بھی گناہ میں شریک ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۲/ ذوالحجۃ الحرام ۱۴۱۹ھ

بجلی کا بل کم آنے کی تدبیر درست نہیں

سوال: جی ای بی یعنی گجرات الیکٹرک بورڈ کی طرف سے گھروں میں بجلی کا جو کنکشن دیا جارہا ہے، اس کے میٹروں کی رفتار زیادہ تیز ہوتی ہے، خصوصاً نئے لگائے جانے والے میٹروں کی رفتار تو حد سے زیادہ تیز ہے، کہ پرانے میٹر کے مقابلے میں نئے میٹر ڈیڑھ گنا یا اس سے کچھ کم پھرتے ہوں گے، اور بجلی کا جو بل ہوتا ہے اس میں صرف بجلی کا بل ہی نہیں ہوتا؛ بلکہ اس میں مختلف چیزیں بڑھا کر اصلی بل سے ساڑھے تین گنا زیادہ کر دیتے ہیں، آپ کے سامنے ایک بل کا نمونہ پیش کرتے ہیں جس میں چالیس یونٹ استعمال ہوئے ہیں، اس میں اصلی بل تو ۲۶/ روپے ۸۰/ پیسے ہیں، جس پر ۵۰/ روپے فیوئل چارج کے نام سے بڑھاتے ہیں، اور بجلی بیچنے پر ٹیکس کے نام سے ۲/ روپے ۳۰/ پیسے بڑھاتے ہیں، اور وِدُھوت شولک کے نام سے ۱۹/ روپے ۲۰/ پیسے بڑھاتے ہیں، جس سے کل ملا کر ۹۸/ روپے ۳۰/ پیسے ہو گئے، اس میں اصل بجلی کا بل ۲۶/ روپے ۸۰/ پیسے ہے، اور باقی الگ الگ قسم کا ٹیکس ہے،

توصورت مذکورہ میں دریافت طلب بات یہ ہے کہ: ان زائد ٹیکسوں کے بہ قدر میٹر بل کم آوے اس کے لیے کوئی چال چلنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ر محرم الحرام ۱۴۲۰ھ

انکم ٹیکس کے انتقام میں بجلی کی چوری کرنا

سوال: اگر حکومت کسی سے انکم ٹیکس لے رہی ہے تو وہ شخص کسی دوسرے طریقے سے حکومت کو نقصان پہنچا سکتا ہے، کہ جس سے وہ اپنا انکم ٹیکس وصول کر سکے، مثلاً کوئی شخص اپنے گھر کا یا دوسرے کے گھر کا بجلی کا میٹر بند کر دے، یا اسی طرح کسی دوسرے طریقہ سے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ طریقہ جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ر جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

حکومت سے بجلی لینے میں دروغ بیانی

سوال: ایک شخص پانی کی بورنگ لگائے یا کنواں کھودے، اور اس پر موٹر لگائے اور میٹر بھی لگائے، اور نام دیتا ہے کہ موٹر یا میٹر کھیت کے لیے یا باغ کو پانی دینے کے لیے چاہیے؛ مگر اس کو کھیت اور باغ کے لیے استعمال نہیں کرتا؛ بلکہ اپنے گھر کے لیے

وہ پانی استعمال کرتا ہے، اور وہی پانی مسجد کے لیے بھی دیتا ہے۔ اسی طرح دوسرا شخص ہے، وہ بھی اسی نام پر لیتا ہے اور کھیت باغ کے لیے بھی استعمال کرتا ہے اور گھر میں بھی استعمال کرتا ہے، اور مسجد کے لیے وہ پانی دیتا ہے، حالاں کہ حکومت ان اشخاص سے انکم ٹیکس بھی نہیں لیتی ہے، اور اگر حکومت انکم ٹیکس وصول کرے تو کیا حکم ہے؟ تو دونوں اشخاص کا کیا حکم ہے؟ اس طرح پانی کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت یا بجلی بنانے والی کمپنی سے جو کنکشن لیا جاتا ہے وہ دراصل اس بجلی کی خریداری کا معاملہ ہے، اس میں جو شرائط آپس میں طے ہوں اس کی پابندی ضروری ہے، کذب ودروغ بیانی کر کے اس طرح بجلی استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

زیادہ بل آنے پر میٹر کی مقدار کم کرنا

سوال: ایک شخص کا میٹر ہے جس پر وہ پانی کی موٹر ایک گھنٹہ چلاتا ہے، تو اس پر سو روپے بل آتا ہے، اور دوسرا شخص بھی اپنے میٹر پر موٹر چلاتا ہے تو اس کا دو سو روپے بل آتا ہے، حالاں کہ دونوں کی موٹریں بھی ایک جیسی ہیں اور میٹر بھی ایک ہی جیسے، تو کیا جس کا میٹر تیز چلتا ہے تو کیا اتنی مقدار بند کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بند کرنا تو درست نہیں؛ البتہ قانونی طور پر درخواست دے کر اس کو محکمہ والوں کے ذریعے ٹھیک کرا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

بغیر ٹکٹ کے سفر کرنا

سوال: اگر کوئی آدمی ہندوستان کے اندر ریل گاڑی کے اندر بغیر ٹکٹ کے سفر کرے، تو کیا اللہ کے نزدیک کوئی گناہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ جائز نہیں۔ (ماخوذ از امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۵۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بلا کرایہ کیے گئے سفر کی تلافی

سوال: کسی انسان نے ٹرین میں سفر کیا بغیر ٹکٹ کے، اور وہ اس کا جرمانہ ادا کرنا چاہتا ہے تو اس صورت میں یہ ہے کہ جس سال سفر کیا تھا اس کے مطابق جرمانہ ادا کرنا پڑے گا یا فی الحال کے مطابق؟ اور اس جرمانہ کے ادا کرنے کی کوئی آسان صورت لکھ دیں تو بہت احسان ہوگا آپ کا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے جب سفر کیا تھا اس زمانے میں اس سفر کا جو کرایہ ہوتا تھا اتنی رقم کا ریل

کا ٹکٹ خرید کر بغیر سفر کیے وہ ٹکٹ پھاڑ دیں، تو آپ کا ذمہ بری ہو جاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

حکومت سے سرٹیفکٹ حاصل کرنے کے خاطر اسکول کے طلباء کی حاضری میں تاویل

سوال: ہمارا ایک اسکول ہے جس کو گورنمنٹ پرمیشن (اجازت) سے کھولا گیا ہے، لیکن گورنمنٹ کا صرف پرمیشن ہے، کوئی مالی امداد یا کسی بھی طرح کی کوئی مدد نہیں لی جاتی، اسکول میں نصاب گورنمنٹ کا چلتا ہے اور کچھ اپنی کتابیں بھی، گورنمنٹ کے قاعدہ کے مطابق اسکول کا وقت ۱۱ / سے سوا پانچ (سوا چھ گھنٹہ) ہے، لیکن ہمارے یہاں پڑھنے والے جتنے طلباء ہیں چوں کہ سب کے سب درجات حفظ میں زیر تعلیم ہیں، ان کی رعایت کرتے ہوئے ہم اس کو صرف سوا دو گھنٹہ چلاتے ہیں، اس کے بعد طلباء اپنے اپنے درجہ میں پڑھائی میں مشغول ہو جاتے ہیں: ① لیکن گورنمنٹ کاغذات میں پورا وقت لکھا جاتا ہے۔ ② بعض طلباء دوسرے ادارہ میں چلے گئے، یا اردو جماعت میں چلے گئے، یا کسی وجہ سے نہیں آسکے، حاضری رجسٹر میں ان کی بھی حاضری لگائی جاتی ہے۔ ③ بعض مرتبہ اسکول چلتا ہے لیکن گورنمنٹ ریکارڈ میں چھٹی بتانا پڑتا ہے اور کبھی اسکول نہیں چلتا لیکن رجسٹر میں چلتا لکھا جاتا ہے، ان سب کے باوجود بلحاظ کیفیت بچے پڑھائی میں ان اداروں سے اچھے ہیں الحمد للہ! جہاں پورا وقت پڑھائی

ہوتی ہے، اگر صحیح لکھیں تو آگے پرمیشن ملنا مشکل ہوگا، تو ایسا کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے جو تین باتیں لکھی ہیں ان میں سے پہلی کی تو یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ طلباء پورے وقت میں تعلیمی کام میں مصروف رہتے ہیں، اور جس تعلیم میں مصروف رہتے ہیں اصولی طور پر اس تعلیم کے بھی نصاب میں داخل رکھنے کی قانوناً اجازت ہے۔ دوسری بات میں جو طلباء اردو پڑھتے ہیں ان کے حق میں بھی یہ تاویل ممکن ہے لیکن جو طلباء حاضری نہیں دیتے ان کے حق میں کوئی تاویل ممکن نہیں۔ تیسری بات میں اسکول جاری رکھنے کے باوجود ریکارڈ میں چھٹی بتلانے کی یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ چھٹی ہونے کے باوجود رضا کارانہ طور پر تعلیم جاری ہے لیکن اسکول بند رکھ کر جاری بتلانے کی کوئی تاویل سمجھ میں نہیں آتی۔

آپ حضرات جب حکومت سے مالی امداد حاصل نہیں کرتے ہیں تو آپ کا مقصد صرف ان موضوعات کی تعلیم ہے جن کا بچوں کو سکھلانا ضروری ہے، مثلاً زبان، حساب، جغرافیہ وغیرہ تو اس کے لیے کیا یہ ضروری ہے حکومت سے پرمیشن لیا جائے؟ اس کے بغیر بھی آپ یہ کام کرسکتے ہیں، پھر کیوں ان غلط کاریوں میں اپنے آپ کو ملوث کرتے ہیں؟ زیادہ سے زیادہ اتنا ہی فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ حکومت سے سرٹیفکٹ مل جائے، ﴿واثمهما اكبر من نفعهما﴾ شریعت کا قانون ہے کہ فائدہ حاصل کرنے کے بجائے خرابی سے دور رہنا اور برائی سے بچنا ضروری ہے۔

الاشباہ والنظائر میں ہے: قاعدة خامسة: وهي درء المفاسد أولى من

جلب المصالح فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة قدم دفع المفسدة غالبا؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمامورات.(۹۰ مطبوعه بیروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بی پی ایل کارڈ سے فائدہ اٹھانا

سوال: غیر مستحق حضرات (یعنی جو سرکاری شرائط پر پورے نہ اترتے ہوں) ان کا کسی طرح سے بی پی ایل (BPL) کارڈ بنالینا اور اس کارڈ پر ملنے والی مختلف راحتوں کا حاصل کرنا (مثلاً دواخانہ کی راحتوں کا حاصل کرنا) از روئے شرع کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بی پی ایل کارڈ کی حقیقت سے مجھے واقفیت نہیں؛ البتہ اصولی طور پر یہ جان لیں کہ حکومت کی طرف سے بعض لوگوں کو بعض مخصوص شرائط کے ساتھ جو سہولتیں بہم پہنچائی جاتی ہیں، کسی ایسے آدمی کا جو ان مخصوص شرائط پر پورا نہ اترتا ہو، فائدہ اٹھانا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دھوکہ بازی سے سرکاری راحت حاصل کرنا حرام ہے

سوال: ایک انسان کے پاس اپنی آمدنی سے اپنا گزارا ہوتا ہے، پھر ایک اسکیم ہے کہ سرکاری راحت یعنی سبسڈی مل رہی ہے، اس میں رشوت دینا ہوتا ہے، یعنی کم آمدنی بتا کر رشوت دے کر اس سبسڈی کو حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ ایک طرح کی دھوکہ بازی ہے کہ اپنی آمدنی کم بتلا کر ناحق طریقہ سے اپنے آپ کو مستحقِ امداد ثابت کیا جائے، یہ حرام ہے؛ مزید برآں اپنے اس فریب اور دھوکہ بازی کو درست ظاہر کرنے کے لیے رشوت کا بھی ارتکاب کیا جارہا ہے، وہ بھی حرام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

غلط طریقے سے فون کر کے سرکاری ظلم کا معاوضہ وصول کرنا

سوال: بلیک میں فون کرنے کی حاصل شدہ کمائی کا کیا حکم ہے؟ جس کی شکل یہ ہے کہ ٹیلی فون ایکسچینج سے بعض لوگ لائن کاٹ کر دوسروں کو فون کرنے کے لیے دے دیتے ہیں، جس کی وجہ سے بات کرنے کا بل دوسرے پر یا حکومت پر جاتا ہے، ان کو اپنا ذاتی کچھ لگانا نہیں پڑتا ہے، وہ لوگ تقریباً ۱۰۰۰/ روپئے کا بل جو صحیح طور پر S.T.D سے کیا جائے اس کا ۲۰۰/ یا ۳۰۰/ روپئے لے کر کام کر دیتے ہیں، اور اس کے لیے وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حکومت ہمارا نقصان کرتی ہے، اس لیے ہم بھی حکومت کا نقصان کریں، اور مسلمانوں سے تو ان کو دشمنی ہی ہے؛ اس لیے ان کو اس طرح نقصان پہنچا کر کھوکھلا کیا جائے، کس حد تک صحیح ہے؟ نیز اس سے حاصل ہونے والی کمائی شرعاً کیسی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بلیک میں اس طرح فون کرنا اور اس کو ذریعۂ معاش بنانا جائز نہیں ہے، اس سے

حاصل شدہ کمائی حرام ہے، اس قسم کا دھندا کرنے والا آدمی جو دلیل پیش کرتا ہے اس سے تفصیل معلوم کی جائے کہ حکومت ان کا کیا نقصان کرتی ہے؟ اور وہ اپنی اس حرکت سے اپنے اس نقصان کا معاوضہ کس طرح وصول کر رہا ہے؟ دونوں کی تفصیل معلوم ہونے پر اس کے متعلق کچھ عرض کیا جاسکتا ہے، یہ یاد رہے کہ حکومت کے کسی کارندہ کا کوئی ایسا اقدام جو کسی کے لیے مضر ہو وہ خود غیر قانونی اور ظلم ہے، جو قانوناً قابل مواخذہ ہے، اس کی ذمہ داری حکومت پر ڈالنا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سرکاری ملازم کا خرچ سے زائد رقم وصول کرنا

سوال: سرکاری ملازم کو آفس کے کام کے لیے مرکزی آفس یا پھر دوسرے مقامات جانا ہوتا ہے، کام کے لحاظ سے کبھی کچھ روز قیام بھی کرنا پڑتا ہے، آنے جانے کا خرچ اور کھانے پینے کے اخراجات حکومت سے ملتے ہیں، مگر جب کبھی قیام کرنا ہوتا ہے، تو جو اخراجات حکومت سے ملتے ہیں وہ ناکافی ہوتے ہیں، اور پھر یہ کہ پہلے ملازم کو اپنے ذاتی پیسے خرچ کرنے ہوتے ہیں، اس کے بعد پھر وہ پیسے ملتے ہیں، جو پیسے زائد خرچ ہوتے ہیں، وہ ملازم کو وصول کرنے کا حقدار نہیں ہوتا، بجائے اس کے ایسی صورت میں اگر ملازم حقیقتاً دوسرے درجہ میں سفر کرے، اور بتائے یہ کہ میں نے پہلے درجہ میں سفر کیا ہے، تو اس طرح وہ زائد رقم خرچ کی ہوئی حاصل کرسکتا ہے، اگر اس طرح وہ رقم لے تو اس ملازم کے جو قطعی اخراجات ہوئے تھے، اس سے یہ رقم زائد ہوجاتی ہے، تو ایسی صورت میں ملازم کیا کرے؟ کہ اپنا نقصان برداشت کرے یا

دوسرے درجہ میں سفر کر کے پہلے درجہ میں سفر کرنا بتلا کر رقم حاصل کرے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جھوٹ اور فریب کا ارتکاب کئے بغیر جو رقم حاصل ہوسکتی ہے، وہ حاصل کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰ ربیع الاول ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

آداب معاشرت

خاندانی معاشرت، باہمی حقوق

اور مشترکہ رہائش میں پیش آنے والے مسائل

سوال: بندہ کافی الجھنوں اور اختلافات کا شکار ہے، جس کی کچھ حقیقت آپ کے سامنے پیش کر کے کچھ سوالات عرض کر رہا ہے آپ تسلی بخش جوابات سے نوازیں۔

میری شادی ہونے کو کچھ مہینہ ہی گزرے ہیں؛ لیکن شادی کے کچھ ایام کے بعد میری والدہ اور میری بیوی کا آپس میں کچھ باتوں کی بناء پر ٹکراؤ شروع ہو گیا ہے (گھریلو مسائل مثلاً کھانا، کپڑے وغیرہ) میری والدہ ہر بات پر میری بیوی کو ٹوکتی رہتی ہیں، جس کی بناء پر ہم دونوں تنگ آ گئے ہیں، میرے والد صاحب نے میری والدہ کو بارہا سمجھایا؛ لیکن والدہ ماننے کو تیار نہیں ہیں، اور میری بیوی نے ایک مرتبہ میری عدم موجودگی میں غلط قدم اٹھانے کا ارادہ بھی کیا تھا اور کچھ حرکت کر بھی چکی تھی (گولیاں

کھا کر خودکشی کرنے کی)؛ لیکن میرے سمجھانے کی بنا پر وہ اس حرکت سے باز آ گئی، اور آپس کا یہ ٹکراؤ میں اپنے والد صاحب کے سامنے چار مہینہ تک پیش کرتا رہا، پھر جب رمضان کا مہینہ آیا تو میرے والد صاحب کے کہنے کی بناء پر میں نے اپنی بیوی کو کچھ ایام کے لیے میرے سسرال/ یا میکے بھیج دیا، جب گھر پر پہنچی تو ان کے والدین نے ان کی نازک حالت کو دیکھ کر یہ فیصلہ کرلیا کہ ہم اپنی لڑکی کو آپ کے گھر نہیں بھیجیں گے، جب تک آپ اور آپ کی بیوی دونوں آپ کے والدین سے جدا نہ رہیں، اور ابھی تک میری بیوی اورنگ آباد میں ہے، پھر والد صاحب نے رمضان کے بعد ایک مہینہ کے لیے مجھے اپنی رفیقۂ حیات کے پاس بھیجا، ابھی تک میں اورنگ آباد ہی میں ہوں، میرے والدین مجھ پر اصرار کررہے ہیں کہ آپ اپنی بیوی کو لیکر گھر آجائیں؛ لیکن والدہ کی کچھ شدید غلطیوں کی بناء پر میں گھر آنے کو منع کررہا ہوں اور ابھی فی الحال میں اورنگ آباد میں اپنے ایک بھائی کے یہاں مقیم ہوں، اور سسرال والے بھی اپنی لڑکی بھیجنے کو اس وقت تک تیار نہیں ہیں جب تک میرے والدین مجھے الگ نہ رہنے دیویں، تو اب اس سلسلہ میں کچھ امور دریافت کررہا ہوں۔

① لڑکے کا حق والدین پر کیا ہے؟ اور بہو کا حق ساس اور خسر پر کیا ہے؟

② میری والدہ اور میری بیوی کے آپس میں نہ بننے کی وجہ سے میں اپنے والدین سے الگ رہنا چاہتا ہوں تو میں رہ سکتا ہوں یا نہیں؟ اور مجھے امید ہے کہ الگ رہنے کی صورت میں آپس کی محبت بڑھے گی۔

③ میرے والد صاحب کا یہ کہنا کہ الگ رہنے کی صورت میں ہماری عزت پر دھبہ پڑتا ہے، تو کیا کرنا چاہیے؟

④ میرے والد صاحب کا یہ جملہ استعمال کرنا کہ لڑکی والوں کو دب کر رہنا پڑتا ہے، کچھ نہیں کہہ سکتے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟

⑤ میری والدہ میری بیوی پر جھوٹی جھوٹی تہمتیں لگا کر پریشان کرتی ہیں، ان کا یہ رویہ کہاں تک صحیح ہے؟

⑥ آپسی ٹکراؤ کی بناء پر میری والدہ نے مجھ سے بارہا کہا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو، تو والدہ کے کہنے پر اپنی بیوی کو طلاق دینا کیسا ہے؟ اور بیوی کو طلاق کن کن امور کی بناء پر دینا جائز ہے اور کن کن امور کی بناء پر نا جائز ہے؟

⑦ میری والدہ اس موقع پر میرے لیے بددعائیہ جملے استعمال کرتی ہیں تو یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اور کیا اس موقعہ پر ان کی بددعاء میرے حق میں قبول ہوگی؟

⑧ والدین کے جمائے ہوئے کچھ کاروبار ہیں، میرے الگ ہونے کی صورت میں مجھے اس میں سے کچھ نہ دیویں تو یہ صحیح ہے یا نہیں؟ حالاں کہ سارے بھائیوں کو ماہانہ خرچ بھی دیتے ہیں اور کاروبار میں ان کے حصہ طے کر دیے ہیں تو انصاف کیا ہے؟ دوسری بات یہ کہ اگر وہ اپنی زندگی میں مجھے کچھ نہ دیویں؛ لیکن ان کے مرنے کے بعد اس کاروبار میں میرا حق وراثت لگے گا یا نہیں؟

⑨ ساس کا اپنی بہو کے بیمار ہونے پر یہ جملے استعمال کرنا (کہ یہ تیرے گناہوں کی سزا ہے) کیسا ہے؟

⑩ میری والدہ اپنے گھر والوں کو تابع کرنے کے لیے پانی وغیرہ پڑھا کر پلاتی ہیں؛ تاکہ ہم ان کی طرف داری کرنا شروع کر دیں، اور ان کی ہر بات پر لبیک کہنا شروع کر دیں، حقیقت کچھ ایسی ہی ہوئی کہ والد صاحب اور جن بھائی، بہنوں نے یہ

پانی پیا وہ ان کے ہو گئے، اور ان کی ہر بات پر لبیک کہنا شروع کر دیا اور ناحق طرفداری شروع کر دی، تو میری والدہ کا یہ فعل صحیح ہے یا نہیں؟ براہ کرم آپ یہ بھی بتا دیں کہ تعویذ کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس طرح کے تعویذ بنا کر دینا اور لینا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے سوالات کے الگ الگ جوابات دینے سے پہلے دین کی ایک اصولی تعلیم اور ہدایت پیش کی جاتی ہے، اس کو ذہن نشین کر لیں:

شریعت میں ہر شخص کو اس بات پر متوجہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے فرائض ادا کرے، حقوق کے مطالبہ پر زور نہیں دیا گیا ہے، آج کی دنیا حقوق کے مطالبہ کی دنیا ہے، ہر شخص اپنا حق مانگ رہا ہے، اور اس کے لیے مطالبہ کر رہا ہے، تحریکیں چلا رہا ہے، مظاہرے کر رہا ہے، ہڑتال کر رہا ہے گویا کہ اپنا حق مانگنے اور اپنے حق کا مطالبہ کرنے کے لیے دنیا بھر کی کوششیں کی جا رہی ہیں اور اس کے لیے باقاعدہ انجمنیں قائم کی جا رہی ہیں، جن کا نام ''انجمنِ تحفظ حقوق فلاں'' رکھا جاتا ہے؛ لیکن آج ''ادائیگی فرض'' کے لیے کوئی انجمن موجود نہیں، کسی بھی شخص کو اس بات کی فکر نہیں ہے کہ جو فرائض میرے ذمہ عائد ہیں وہ ادا کر رہا ہوں یا نہیں؟ مزدور کہتا ہے کہ مجھے میرا حق ملنا چاہیے، سرمایہ دار کہتا ہے کہ مجھے میرا حق ملنا چاہیے؛ لیکن دونوں میں سے کسی کو یہ فکر نہیں ہے کہ میں اپنا فریضہ کیسے ادا کروں، مرد کہتا ہے کہ مجھے میرے حقوق ملنے چاہئیں، اور عورت کہتی ہے کہ مجھے میرے حقوق ملنے چاہئیں، اور اس کے لیے کوشش اور جدوجہد جاری ہے، لڑائی ٹھنی ہوئی ہے، جنگ جاری ہے؛ لیکن کوئی خدا کا بندہ یہ نہیں سوچتا کہ جو فرائض میرے ذمہ عائد ہو رہے ہیں وہ میں ادا کر رہا ہوں یا نہیں؟

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض کی ادائیگی کی طرف توجہ کرے۔ اگر ہر شخص اپنے فرائض ادا کرنے لگے تو سب کے حقوق ادا ہو جائیں، اگر مزدور اپنے فرائض ادا کر دے تو سرمایہ دار اور مالک کے حقوق ادا ہو گئے، اگر سرمایہ دار اور آجر اپنے فرائض ادا کر دے تو مزدور کے حقوق ادا ہو گئے۔ شوہر اگر اپنے فرائض ادا کرے تو بیوی کا حق ادا ہو گیا، اور اگر بیوی اپنے فرائض ادا کرے تو شوہر کا حق ادا ہو گیا۔ شریعت کا اصل مطالبہ یہی ہے کہ تم اپنے فرائض ادا کرنے کی فکر کرو۔

آج ہمارے زمانے میں عجیب الٹی گنگا بہنی شروع ہو گئی ہے کہ جب کوئی شخص اصلاح کا جھنڈا اٹھاتا ہے تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ دوسرا شخص اپنی اصلاح کا آغاز کرے، اپنی فکر نہیں کہ میرے اندر بھی کچھ کوتاہی ہے، میں بھی غلطی کا شکار ہوں، میں اس کی فکر کروں حالاں کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ ﴿یأیها الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذااهتدیتم﴾ (المائدۃ/۱۰۵) اے ایمان والو! اپنے آپ کی فکر کرو کہ تمہارے ذمہ کیا فرائض ہیں؟ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے تم سے کیا مطالبات ہیں؟ شریعت، دیانت، امانت، اور اخلاق کے تم سے کیا مطالبات ہیں؟ ان مطالبات کو بجالاؤ، دوسرا شخص اگر گمراہی میں مبتلا ہے اور اپنے فرائض انجام نہیں دے رہا ہے تو اس کا نقصان تمہارے اوپر نہیں ہوگا بشرطیکہ تم اپنے فرائض صحیح طور سے انجام دے رہے ہو۔

حضور ﷺ کی تعلیم کی بات دیکھئے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں لوگوں سے زکوۃ وصول کرنے کے لیے عامل جایا کرتے تھے، جو لوگوں سے زکوۃ وصول

کرتے تھے، اور اس زمانے میں زیادہ تر مال مویشیوں یعنی اونٹ، بکریاں، گائے وغیرہ کی شکل میں ہوتا تھا۔ آنحضرت ﷺ جب عاملوں کو بھیجتے تو ان کو ایک ہدایت نامہ عطا فرماتے کہ تمہیں وہاں جا کر کیا طریقہ اختیار کرنا ہے؟ اس ہدایت نامہ میں یہ بھی تحریر فرماتے کہ: ''لاجلب ولاجنب فی زکاۃ ولاتؤخذ زکوتھم إلا دورھم'' (ابوداؤد کتاب الزکوۃ، باب أین تصدق الأموال، ح: ۱۵۹۱) یعنی تم خود لوگوں کے گھروں پر جا کر زکوۃ وصول کرنا، ایسا مت کرنا کہ تم ایک جگہ پر بیٹھ جاؤ اور لوگوں کو اس بات کی تکلیف دو کہ وہ زکوۃ کا مال تمہارے پاس لا کر دیں، اور یہ بھی ہدایت فرماتے کہ المعتدي فی الصدقة کمانعھا (ابوداؤد، کتاب الزکوۃ، باب زکوۃ السائمۃ، ح:۱۵۸۵) یعنی جو شخص زکوۃ وصول کرنے میں زیادتی کر رہا ہے، مثلاً جتنی زکوۃ واجب تھی مقدار میں اس سے زیادہ وصول کر رہا ہے، یا کیفیت میں زیادہ وصول کر رہا ہے اس کے بارے میں فرمایا کہ ایسا شخص بھی اتنا ہی گنہگار ہے جتنا زکوۃ نہ دینے والا گنہگار ہے، لہٰذا ایک طرف عاملوں کو تو یہ تاکید کی جا رہی ہے کہ تم لوگوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ اور جتنی زکوۃ واجب ہوتی ہے اس سے ایک ذرہ بھی زیادہ وصول نہ کرو، اگر ایسا کرو گے تو قیامت کے دن تمہاری پکڑ ہوگی۔

دوسری طرف جن لوگوں کے پاس زکوۃ وصول کرنے کے لیے ان عاملوں کو بھیجا جا رہا تھا ان سے خطاب کر کے فرمایا ''إذا جاءکم المصدق فلایفارقنکم إلا عن رضی'' (ترمذی، کتاب الزکوۃ، باب ماجاء فی رضی المصدق ح:٦٤٧) یعنی تمہارے پاس زکوۃ وصول کرنے والے آئیں گے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم سے ناراض ہو کر جائیں۔ تمہارا فرض ہے کہ تم ان کو راضی کرو اور کوئی ایسی غلطی نہ کرو جس سے وہ ناراض ہو جائیں،

کیوں کہ درحقیقت وہ میرے فرستادہ اور میرے نمائندہ ہیں، اور ان کو ناراض کرنا گویا مجھے ناراض کرنا ہے لہٰذا عاملین کو یہ تاکید فرمائی کہ تم کسی کے ساتھ زیادتی نہ کرو۔ اور زکوۃ دینے والوں کو یہ تاکید فرمائی کہ جب عاملین تمھارے پاس آئیں تو وہ تم سے راضی ہوکر جائیں۔ ہر ایک کو اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی کا احساس دلایا جارہا ہے۔ آپ ﷺ نے زکوۃ دینے والوں کو یہ نہیں فرمایا کہ تم سب مل کر ایک تحریک چلاؤ کہ یہ جو عاملین زکوۃ وصول کرنے کے لیے آرہے ہیں وہ ہمارے حقوق پامال نہ کریں، اس کے لیے انجمن قائم کرو؛ اس لیے کہ یہ ایک لڑائی کا ذریعہ بن جاتا۔

شریعت میں سارا زور اس بات پر ہے کہ ہر شخص اپنے فرائض کی نگہداشت کرے، فرائض کو بجالانے کی فکر کرے، اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک ایک عمل کا جواب دینا ہے۔ اس کی فکر کرے کہ میں اللہ کے سامنے ٹھیک ٹھیک جواب دے سکوں گا یا نہیں؟ دین کا سارا فلسفہ یہ ہے، یہ نہیں کہ ہر شخص دوسروں سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا رہے، اور اپنے فرائض کی ادائیگی سے غافل رہے۔ (اصلاحی خطبات ۲/ ۶۳ تا ۶۵)

حضور اکرم ﷺ نے صالح معاشرہ کے قیام کے لیے امت کی جو رہنمائی فرمائی ہے وہ ایسی واضح اور مکمل ہے کہ اگر اس کو پورے پورا عملی جامہ پہنانے کا اہتمام کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ ایک صالح اور معیاری معاشرہ قائم ہوگا بلکہ کسی کو کسی سے شکایت کا کوئی موقع نہیں رہیگا، آج کل لوگوں نے لینے اور دینے کے پیمانے الگ الگ بنا رکھے ہیں، اور یہی مزاج سارے فساد کی جڑ ہے۔ مثال کے طور پر جب بیٹے کا نکاح کرواکر بہو گھر لائی جاتی ہے تو بیٹے کے ماں باپ یہ سمجھتے ہیں کہ بہو پر بیٹے کا حق بعد میں ہے اور ہمارا حق پہلے ہے؛ لہٰذا یہ بہو بیٹے کی خدمت کرے یا نہ کرے

ہماری خدمت ضرور کرے، بیٹے کی اطاعت کرے یا نہ کرے، ہماری اطاعت ضرور کرے؛ حالاں کہ ان کا یہ نظریہ ہی بنیادی طور پر غلط اور اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے، پھر مزید طرّہ یہ ہے کہ یہی ماں باپ اپنی بیٹی کا نکاح کروا کر دوسرے کے گھر بھیجتے ہیں اس وقت ان کی سوچ یہ نہیں ہوتی، وہاں تو ان کی بھی دلی تمنا اور خواہش بلکہ اس کے لیے سرتوڑ کوشش یہ ہوتی ہے کہ ہمارا داماد اپنی بیوی یعنی ہماری بیٹی کو لیکر الگ گھر آباد کرے، جہاں ہماری بیٹی کو اپنے ساس، سسر کی خدمت نہ کرنا پڑے؛ حالاں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه" (تم میں سے کوئی آدمی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لیے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے) اپنی اغراض اور مفادات ہی کو بنیاد قرار دے کر ہر آدمی دوسرے کے ساتھ پیش آتا ہے، اللہ تبارک وتعالی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکامات دیے ہیں اور طریقہ بتلایا ہے، اس کو بنیادی حیثیت دینے کے لیے کوئی تیار نہیں، مزید برآں رسم ورواج نے لوگوں کے دل ودماغ پر ایسا تسلط جمارکھا ہے کہ اچھے اچھے دیندار لوگ بھی اس کے سامنے سپر ڈال دیتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ قدم قدم پر شریعت مطہرہ کے معاشرتی احکام وہدایات کی خلاف ورزی میں کوئی باک محسوس نہیں کیا جاتا۔

اس تمہید کے بعد آپ کے سوالات کے جوابات پیش ہیں:

① حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ "حقوق الاسلام" میں اولاد کے حقوق کے عنوان کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں "جس طرح ماں باپ کے حقوق اولاد پر ہیں اسی طرح ماں باپ پر اولاد کے حقوق ہیں، وہ یہ ہیں: ① نیک بخت عورت سے نکاح کرنا

تا کہ اچھی اولاد پیدا ہو۔ ② بچپن میں محبت کے ساتھ ان کی پرورش کرنا کہ اولاد کو پیار کرنے کی بھی فضیلت آئی ہے؛ بالخصوص لڑکیوں سے دل تنگ نہ ہونا، ان کی پرورش کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے، اگر انا کا دودھ پلانا پڑے تو خلیق اور دیندار انا تلاش کرنا کہ دودھ کا اثر بچہ کے اخلاق میں آتا ہے ③ ان کو علم دین وادب سکھلانا ④ جب نکاح کے قابل ہوں انکا نکاح کر دینا، اگر لڑکی کا شوہر مرجائے تو نکاح ثانی ہونے تک اس کو اپنے گھر آرام سے رکھنا، اس کے مصارف ضروریہ کا برداشت کرنا''۔ (اصلاحی نصاب/ ۴۳۳)

سسرالی عزیزوں کے حقوق کے عنوان کے ماتحت اسی رسالہ میں لکھا ہے ''قرآن مجید میں حق تعالیٰ نے نسب کے ساتھ علاقۂ مصاہرہ کو بھی ذکر فرمایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ساس، سسر اور سالے و بہنوئی اور داماد اور بہو اور ربیب یعنی بیوی کی پہلی اولاد کا بھی حق کسی قدر ہوتا ہے؛ اس لیے ان تعلقات میں بھی رعایت احسان واخلاق کے کسی قدر خصوصیت کے ساتھ رکھنا چاہیے۔ (اصلاحی نصاب/ ۴۳۶)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتھم فرماتے ہیں:

ایک بات اور سمجھ لیجیے جس میں بڑی کوتاہی ہوتی ہے وہ یہ کہ جب عورت کے ذمہ شوہر کا اور اس کی اولاد کا کھانا پکانا واجب نہیں، تو شوہر کے جو ماں باپ اور بہن بھائی ہیں ان کے لیے کھانا پکانا اور ان کی خدمت کرنا بطریقۂ اولی واجب نہیں۔ ہمارے یہاں یہ دستور چل پڑا ہے کہ جب بیٹے کی شادی ہوئی تو اس بیٹے کے ماں باپ یہ سمجھتے ہیں کہ بہو پر بیٹے کا حق بعد میں ہے اور ہمارا حق پہلے ہے، لہٰذا یہ بہو ہماری خدمت ضرور کرے چاہے بیٹے کی خدمت کرے یا نہ کرے، اور پھر اس کے

نتیجہ میں ساس، بہو، بھاوج اور نندوں کے جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جھگڑوں کے نتیجہ میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔

خوب سمجھ لیجیے اگر والدین کو خدمت کی ضرورت ہے تو لڑکے کے ذمہ واجب ہے کہ وہ خود ان کی خدمت کرے، البتہ اس لڑکے کی بیوی کی سعادت مندی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے والدین کی خدمت بھی خوش دلی سے اپنی سعادت اور باعث اجر سمجھ کر انجام دے؛ لیکن لڑکے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے والدین کی خدمت کرنے پر مجبور کرے جب کہ وہ خوش دلی سے ان کی خدمت پر راضی نہ ہو، اور نہ والدین کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بہو کو اس بات پر مجبور کریں کہ وہ ہماری خدمت کرے؛ لیکن اگر وہ بہو خوش دلی سے اپنی سعادت مندی سمجھ کر اپنے شوہر کے والدین کی جتنی خدمت کرے گی انشاء اللہ اس کے اجر میں بہت اضافہ ہوگا، اس بہو کو ایسا کرنا بھی چاہیے تاکہ گھر کی فضاء خوش گوار رہے؛ لیکن ساتھ ہی دوسری جانب ساس، سسر اور شوہر کو بھی یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر یہ خدمت انجام دے رہی ہے تو یہ اس کا حسن سلوک ہے، اس کا حسن اخلاق ہے، اس کے ذمہ یہ خدمت فرض و واجب نہیں ہے۔ لہٰذا ان کو چاہیے کہ وہ بہو کی اس خدمت کی قدر کریں اور اس کا بدلہ دینے کی کوشش کریں، ان حقوق اور مسائل کو نہ سمجھنے کے نتیجہ میں آج گھر کے گھر برباد ہو رہے ہیں، ساس بہو کی اور بھاوج اور نندوں کی لڑائیوں نے گھر کے گھر اجاڑ دیے، یہ سب کچھ اس لیے ہو رہا ہے کہ ان حقوق کی وہ حدود جو نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی ہیں وہ ذہنوں میں موجود نہیں ہیں۔ (اصلاحی خطبات ۲/۴۱، ۴۲)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ''بعضے آدمی اس کو بڑی سعادت مندی

سمجھتے ہیں کہ بی بی کو اپنی ماں کا محکوم ومغلوب بنا کر رکھیں، اور اس کی بدولت بیبیوں پر بڑے بڑے ظلم ہوتے ہیں، سو سمجھ لینا چاہیے کہ بی بی پر فرض نہیں کہ ساس کی خدمت کیا کرے، تم سعادت مند ہو خود خدمت کرو، خدمت کے لیے نوکر لاؤ"۔

(اصلاح انقلاب امت ۲/ ۱۸۸)

(۲) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں "اور نفقہ ہی کا ایک جزو بی بی کو رہنے کے لیے گھر دینا ہے، اس کے متعلق ایک عام غلطی میں اکثر مرد مبتلا ہیں کہ جداگانہ گھر دینا اپنے ذمہ واجب نہیں سمجھتے، بس اپنے عزیزوں میں عورت کو لا ڈالتے ہیں، سو اس میں حکم یہ ہے کہ اگر شامل رہنے پر عورت بخوشی راضی ہو تب تو خیر ورنہ اگر وہ سب سے جدا رہنا چاہے تو مرد پر اس کا انتظام واجب ہے، اور یہاں بھی راضی ہونے کے معنی وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے، یعنی طیب خاطر سے راضی ہو، حتی کہ اگر مرد کو قرائن قویہ سے معلوم ہو جائے کہ وہ جدا رہنا چاہتی ہے مگر زبان سے اس کی درخواست نہ کر سکے تب بھی مرد کو شامل رکھنا جائز نہیں، البتہ اتنی گنجائش ہے کہ اگر پورا گھر جدا نہ دے سکے تو بڑے گھر میں سے ایک کوٹھری یا کمرہ ایسا دینا کہ اس کی ضروریات کو کافی ہو سکے اور اس میں اپنا مال واسباب مقفل کر کے (تالا وغیرہ لگا کر) رکھ سکے، اور آزادی کے ساتھ اپنے میاں کے ساتھ تنہائی میں بیٹھ اٹھ سکے، بات چیت کر سکے، یہ واجب کے ادا کرنے کے لیے کافی ہوگا۔

اور آج کل کے طبائع وواقعات کا مقتضاء تو یہ ہے کہ اگر عورت شامل رہنے پر راضی بھی ہو اور جدا رہنے سے سب اعزہ (رشتہ دار) ناخوش بھی ہوں تب بھی مصلحت یہی ہے کہ جدا ہی رکھے، اس میں ہزاروں مفاسد کا انسداد (ہزاروں خرابیوں کی روک

تھام) ہے، اور گو اس میں چند روز کے لیے عزیزوں کا ناک منہ چڑھے گا مگر اس کی مصلحتیں جب مشاہد ہوں گی سب خوش ہو جائیں گے، خصوصاً چولہا تو ضرور ہی علیحدہ ہونا چاہیے، زیادہ تر آگ اس چولہے ہی سے بھڑکتی ہے۔

فقہا نے یہاں تک فرمایا ہے کہ مرد کی اگر پہلی بیوی سے کچھ اولاد ہو، دوسری بی بی کو اس کے ساتھ بھی شامل رہنے پر مجبور نہیں کر سکتا، اور آج کل واقعات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بالخصوص دوسری اولاد کے ساتھ شامل رہنا بڑے بڑے فسادوں کی جڑ ہے کہ دوسرے عزیزوں کے ساتھ اتنا فساد نہیں ہوتا۔ (اصلاح انقلاب امت ۲/ ۱۸۷، ۱۸۸)

حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ''اگر بیوی مالدار ہو تو اسے الگ مکان دینا واجب ہے، متوسط درجہ کی ہو تو اسی مکان میں ایک مستقل کمرہ کے علاوہ باورچی خانہ، غسل خانہ، اور بیت الخلاء بھی مستقل ہونا ضروری ہے، مسکین ہو تو صرف ایک کمرہ کافی ہے، باورچی خانہ، غسل خانہ اور بیت الخلاء مشترک ہوں تو مضائقہ نہیں۔ (احسن الفتاوی ۵/ ۴۷۶)

③ شریعت کی ہدایت اور حکم پر عمل کرنے میں آدمی کی عزت بڑھتی ہے، آپ کے والد صاحب کا اس کو اپنی عزت پر دھبہ پڑنے سے تعبیر کرنا درست نہیں، ممکن ہے ان کو یہ خیال ہو کہ علیحدہ کرنے کی صورت میں لوگ یہ سوچیں گے کہ بہو کے ساتھ ظلم و زیادتی کا معاملہ ہوا ہوگا؛ اس لیے علیحدگی کی نوبت آئی اور عموماً لوگ بھی اس طرح کی قیاس آرائیاں کرتے ہیں، اس کا حل یہ ہے کہ والد صاحب خود ہی آپ دونوں کو علیحدہ رہنے کا فیصلہ کریں اور علیحدگی کے بعد بھی آپ میاں بیوی کی طرف سے کوئی ایسی بات جو لوگوں کی مندرجۂ بالا غلط قیاس آرائیوں کی تائید کرتی ہو پیش

نہیں آنی چاہیے، آپ والد صاحب کو اس کا اطمینان دلائیں۔

④ ان کا یہ جملہ غیر اسلامی تہذیب کی پیداوار ہے۔

⑤ جھوٹی تہمت لگانا گناہ کبیرہ ہے، اس سے توبہ لازم ہے، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو شخص کسی مسلمان پر ایسی بات لگائے جو اس میں نہ ہو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخیوں کے لہو اور پیپ کے جمع ہونے کی جگہ رہنے کو دیں گے، یہاں تک کہ اپنے کہے سے باز آئے اور توبہ کرے۔ (اختری بہشتی زیور ساتواں حصہ/ ۳۸)

⑥ فتاوی رشیدیہ سے ایک سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: اگر والدین نفسانیت سے یا بوجہ اپنی اطاعت نہ کرنے کے طلاق زوجہ کو کہیں نہ بوجہ عذر شرعی کے تو پسر کو طلاق دینا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: طلاق دے دینا چاہیے وہ خواہ کیسے ہی کہیں۔ (تالیفات رشیدیہ/ ۲۲۴)

فتاوی دار العلوم (عزیز الفتاوی مکمل مبوب) سے حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب کا ایک فتوی نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: زید اپنے بیٹے عمر کو کہتا ہے کہ تو اپنی زوجہ منکوحہ ہندہ کو طلاق دیدے پس اس صورت میں اگر ہندہ صالحہ ہے یا فاجرہ ہے، بہر حال کیا حکم ہے زید کو طلاق دینا باپ کے کہنے سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: وعن ابن عمر قال كانت تحتي امرأ احبها وكان عمر يكرهها فقال لي طلقها فابيت فاتى عمر رسول الله ﷺ فذكر ذلك له، فقال له رسول الله ﷺ: طلقها (رواه الترمذي وابو داؤد)

قال في اللمعات قوله طلقها ان كان الحق في جانب الوالدين

فطلاقها واجب للزوم العقوق، وان كان فی جانب المرأ فان طلقها لرضا الوالدين فهوجائز ...الخ

حدیث مذکور سے واضح ہے کہ باپ کے حکم کو مقدم سمجھے اور عورت کو طلاق دے دے۔ اور صاحب لمعات کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ عورت اگر واقع میں فاجرہ، بدزبان وغیرہ ہے اور باپ حق پر ہے تو طلاق اس صورت میں واجب ہے ورنہ جائز وافضل ہے۔ (۱/ ۱۵۳، ۱۵۴)

⑦ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ "معارف القرآن" میں تحریر فرماتے ہیں "دعائے خیر اور اچھی دعاء کے متعلق تو حق تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ اکثر جلد قبول کر لیتے ہیں اور کبھی کسی حکمت و مصلحت سے قبول نہ ہونا اس کے منافی نہیں، مگر جو انسان کبھی اپنی نادانی سے اور کبھی کسی غصہ اور رنج سے اپنے لیے یا اپنے اہل وعیال کے لیے بددعا کر بیٹھتا ہے یا انکار آخرت کی بناء پر عذاب کو کھیل سمجھ کر اپنے لیے دعوت دیتا ہے اس کو فوراً قبول نہیں کرتے بلکہ مہلت دیتے ہیں تاکہ منکر کو غور وفکر کر کے اپنے انکار سے باز آنے کا موقع ملے اور اگر کسی وقت رنج وغصہ یا دل تنگی کے سبب بددعاء کر بیٹھا ہے تو اس کو اس کی مہلت مل جائے کہ اپنے بھلے برے کو دیکھے اور انجام پر نظر ڈال کر اس سے باز آجائے۔

امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ بروایت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ اور بخاری رحمۃ اللہ علیہ و مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بروایت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ نقل کیا ہے کہ اس جگہ بددعاء سے مراد یہ ہے کہ بعض اوقات کوئی انسان غصہ کی حالت میں اپنی اولاد یا مال و دولت کے تباہ ہونے کی بددعاء کر بیٹھتا یا ان چیزوں پر لعنت کے الفاظ کہہ ڈالتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے ایسی

دعا قبول کرنے میں جلدی نہیں فرماتے۔ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اللہ جل شانہ سے دعاء کی ہے کہ وہ کسی دوست عزیز کی بددعاء اس کے دوست عزیز کے متعلق قبول نہ فرماویں۔ اور شہر بن حوشب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ جو فرشتے انسانوں کی حاجت روائی پر مقرر ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ان کو یہ ہدایت کر رکھی ہے کہ میرا بندہ جو رنج وغصہ میں کچھ بات کہے اس کو نہ لکھو۔ (قرطبی)

اس کے باوجود بعض اوقات کوئی قبولیت کی گھڑی آتی ہے جس میں انسان کی زبان سے جو بات نکلے فوراً قبول ہو جاتی ہے؛ اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی اولاد اور مال کے لیے کبھی بددعاء نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ وہ وقت قبولیت دعا کا ہو اور یہ بددعا فوراً قبول ہو جائے (اور تمہیں بعد میں پچھتانا پڑے) صحیح مسلم میں یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے غزوۂ بواط کے واقعہ کے تحت نقل کی گئی ہے۔

ان سب روایات کا حاصل یہ ہے کہ آیت مذکورہ کا اصل خطاب اگرچہ منکرین آخرت اور ان کے فوری مطالبۂ عذاب سے متعلق ہے؛ لیکن اس کے عموم میں وہ مسلمان بھی داخل ہیں جو کسی رنج وغصہ کی وجہ سے اپنے یا اپنے مال واولاد کے لیے بد دعا کر بیٹھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی عادت اس کے فضل وکرم کی وجہ سے دونوں کے ساتھ یہی ہے کہ ایسی بددعاؤں کو فوراً نافذ نہیں فرماتے تاکہ انسان کو سوچنے اور غور کرنے کا موقع مل جائے۔ (۴/۵۱۷)

⑧ والدین اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو جو کچھ دیتے ہیں اس کی حیثیت ہبہ اور بخشش کی ہے، اور اس کے لیے شرعی حکم یہ ہے کہ اس میں تمام اولاد کے ساتھ برابر کا

سلوک کیا جائے، کسی کو دینا اور کسی کو نہ دینا یا کسی کو زیادہ دینا اور کسی کو کم دینا نامناسب ہے، البتہ اولاد میں سے کسی کی نیکی یا اس کی خدمت واطاعت یا اس کی احتیاج کے پیش نظر زیادہ دے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

والدین میں سے کوئی اپنے انتقال کے وقت اپنی ملک میں جو کچھ چھوڑ کر جاتا ہے اس میں ان کی تمام اولاد کو حق وراثت ملتا ہے ان میں کی کوئی اولاد اپنی نافرمانی یا والدین کی ان سے ناراضگی کی وجہ سے حق وراثت سے محروم نہیں ہوتی۔

نوٹ: آپ کو حق وراثت کا تو فکر لگا ہے؛ لیکن آخرت میں والدین کی ناراضگی کی وجہ سے جو معاملہ پیش آنے والا ہے اس کا فکر نہیں۔

⑨ قرآن پاک میں باری تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وما اصابكم من مصيبة فبما كسبت ايديكم ويعفو عن كثير﴾ (اور جو پڑے تم پر کوئی سختی سو وہ بدلہ ہے اس کا جو کمایا تمہارے ہاتھوں نے اور معاف کرتا ہے بہت سے گناہ)۔

⑩ کیا واقعۃً آپ نے اس طرح کرتے ہوئے والدہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟ یا آپ کے پاس اس کا کوئی شرعی ثبوت ہے؟ اگر نہیں تو یہ ایک بہتان ہے جو آپ والدہ پر لگا رہے ہیں اور بہت ہی ناشائستہ قسم کی بدگمانی ہے جو والدہ کے ساتھ کی جارہی ہے، اسی طرح کا الزام وہ بھی اپنی بہو وغیرہ پر لگا سکتے ہیں، اور یہی وہ بدگمانیاں ہیں جس نے آپ کی ازدواجی زندگی کو بے چین کر رکھا ہے، والدین کے اولاد پر بڑے حقوق ہیں اور ان کی فرماں برداری اور خدمت کے سلسلہ میں قرآن وحدیث میں بڑی تاکید آئی ہے، والدین خواہ کیسے ہی برے ہوں ان کی بے ادبی وگستاخی نہ کی جائے، والدین اگر ماریں، پیٹیں، گالی گلوچ کریں، برا بھلا کہیں یا طعن

وتشنیع کرتے رہیں، تو ان کی ایذاؤں کو برداشت کیا جائے اور ان کو الٹ کر جواب نہ دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: احمد خانپوری، ۱۰/ جمادی الاولی ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ　الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

بیوہ عورت شادی کرلے تو جنت میں کس کو ملے گی؟

سوال: زید نے ایک بیوہ عورت سے شادی کی، تو انتقال کے بعد جنت میں وہ عورت کس زوج کی رفاقت میں ہوگی؟ زوجِ اول کی رفاقت میں یا زوج ثانی (زید) کی رفاقت میں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جس عورت نے دنیا میں متعدد شوہر کئے ہیں، اس کے متعلق علماء کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ اخیر شوہر کو ملے گی۔ دوسرا یہ کہ اس کو اختیار دیا جائے گا جس کو وہ پسند کرے گی، اس کو ملے گی۔

اختلف الناس في المرأة إذا كان لها زوجان في الدنيا لأيهما تكون في الآخرة؟ قال بعضهم: تكون لآخرهما، وقال بعضهم: تخير فتختار أيهما شاء ت، وقد جاء في الاثر مايؤيد قول كلا الفريقين: أما من قال هي لآخرهما فقد ذهب إلى ما روي عن معاوية بن أبي سفيان أنه خطب أم الدرداء، فأتتْ وقالت: سمعت أبا الدرداء يحدث عن النبي ﷺ أنه قال: المرأ لآخر زوجها في الآخر، وقال إني أردت أن تكون زوجتي في الآخر، فلا تتزوجي بعدي وأما من قال بأنها تخير فذهب إلى ماروي

عن أم حبيبة زوج النبي ﷺ أنها سألت النبي ﷺ، فقالت يارسول الله! المرأ منا ربما يكون لها زوجان لأيهما تكون في الآخرة؟ قال: تخير فتختار أحسنهما خلقاً معها، ثم قال عليه السلام: ذهب حسن الخلق بخير الدنيا والآخرة اه "بستان الفقه" أبي الليث السمرقندي ۱۵۱ (فتاویٰ محمودیہ ۸/۳۲۱، ۳۲۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/صفر ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دنیا کی عورت جنت میں ساتھ ہوگی

سوال: کیا دنیا کی عورتیں بھی جنت میں ملے گی؟ اگر وہ عورتیں جنت میں چلی جائے جن کے شوہروں کے لیے جہنم لاگو ہو تو کیا وہ دوسرے کی عورتیں بنے گی، یا ان کا مقام کوئی دوسرا ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر ان کی وفات ایمان پر ہوئی ہے تو وہ بھی جنت میں اپنے جنتی شوہر کے ساتھ رہے گی، اور جنت کی حوروں کی سردار ہوگی۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۳۴۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۸/شوال ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بیوی کو راضی رکھے یا ماں کو؟

سوال: اگر شوہر کی عدم موجودگی میں اس کی بیوی سے شوہر کی ماں زیادہ کام

لیتی ہے اور بغیر قصور کے اس کو برا بھلا کہتی ہے اور کبھی اس طرح ہوتا ہے کہ شریعت سے جائز نہیں اس طرح کے واقعات بھی ہوتے ہیں اور اس کا شوہر سب کچھ سنتا ہے؛ لیکن اگر وہ اپنی ماں کو روکنے جاتا ہے تو اس کے اوپر سب آجاتا ہے، یعنی اس کی ماں کہتی ہے کہ تو اس کا ہو گیا ہے، میری بات نہیں مانتا ہے، ماں کو ناراض کرنا یہ بھی اس کو پسند نہیں، تو اب وہ اس کا شوہر اس طرح کے حالات سامنے ہو تو کیا کریں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو امر شرعاً ناجائز ہو، اور ماں باپ اس کا حکم کریں تب بھی ان کی اطاعت جائز نہیں۔ (تعدیل حقوق الوالدین، رسالہ امداد الفتاویٰ ۴/ ۴۸۴)

ایسی باتیں احکام شرع سے ناواقفیت اور جہالت کی وجہ سے پیش آتی ہیں، شوہر کو چاہیے کہ اپنے والدین کو ان سے خوب واقف کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ماں کے کہنے پر بیوی کو طلاق دینا

سوال: زید کی شادی کو تقریباً چار سال ہو رہے ہیں، اور زید بلساڑ میں ایک مدرسہ میں مدرس ہے، اور جب سے شادی ہوئی ہے اس وقت سے کبھی بیک وقت چار چھ ماہ ساتھ میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا ہے، صرف سال میں ایک مرتبہ رمضان المبارک میں ایک ماہ کے لیے جانا ہوتا ہے، اور باقی ایام مدرسہ پر گذرتے ہیں، زید کی بیوی اور ماں دونوں وطن میں ساتھ رہتے ہیں، ساتھ رہنے کی وجہ سے کبھی کبھی گھریلو معاملات میں تکرار بھی ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے ماں ہمیشہ ناراض رہتی ہے، ماں کا

کہنا ہے کہ یہ میرا کہنا نہیں مانتی ہے، اور دوسرے یہ کہ ایک مرتبہ بلا اجازت کے بغیر کسی محرم کے سسرال سے میکہ بھی چلی گئی تھی، اس لیے ماں اور بھی زیادہ ناراض ہوئی ہیں، اب ماں کا کہنا ہے کہ ایسی عورت ساتھ میں رکھنے کے قابل نہیں ہے، اس لیے اس کو علیحدہ کردو یا پھر مجھ سے علیحدہ ہو جاؤ، اب زید پریشان ہے کہ کیا کرے، اور میاں بیوی میں کوئی شکر رنجی نہیں رہتی ہے، لڑکی پڑھی لکھی بھی نہیں ہے؛ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید بیوی کو علیحدہ کرے یا ماں کی ناراضگی اختیار کرے، شریعت مطہرہ کی رو سے مفصل اور مدلل جواب تحریر فرمائیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورت مسئولہ میں ماں کے کہنے کی وجہ سے زید پر اپنی بیوی کو طلاق دینا واجب نہیں ہے، اپنی بیوی کو الگ نہ کرنے کی وجہ سے وہ گنہ گار نہیں ہوگا، مناسب یہ ہے کہ زید اپنی بیوی کو اپنے ساتھ رکھے، اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ تعدیل حقوق والدین نامی ہے اس کا مطالعہ فرمائیں، اختری بہشتی زیور کے اخیر میں بطور ضمیمہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۸ ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

شوہر کا پسندیدہ لباس پہننا

سوال: ایک آدمی ہے، اس نے شادی کی، اب وہ چاہتا ہے کہ میری بات مانے اور اس طرح کا میری بیوی لباس پہنے جو کہ مجھ کو پسند ہے، چاہے اس کو پسند نہیں

اور وہ بھی صرف مجھ کو دکھلانے کے لیے پہنتی ہے؛ لیکن اس طرح کا لباس پہننے سے شوہر کے ماں باپ لڑکی کو یعنی کہ اس شخص کی بیوی کو برا بھلا کہتے ہیں، تو اس کے لیے مسئلہ کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شوہر جس وضع قطع کا لباس اپنی بیوی کو پہنانا چاہتا ہے، اگر وہ جائز ہے تو بیوی اس وضع کا لباس شوہر کو خوش کرنے کے لیے پہنے، یہ شرعاً مستحسن اور مطلوب ہے، شوہر کو چاہیے کہ بیوی کو اس نوع کا لباس پہنانے سے پہلے اپنے والدین کو حقیقت مسئلہ سے آگاہ کر کے بتلائے کہ میرے حکم سے یہ اس لباس کو پہن رہی ہے؛ تاکہ وہ اس کو برا بھلا نہ کہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مظلومہ بیوی کو ماں کے ساتھ رکھنا

سوال: اگر کوئی شخص کی بیوی کے اوپر اس کے گھر والے ظلم کرتے ہو، یعنی شوہر کے گھر والے، اور یہ سب شوہر کو پسند نہیں، اس وجہ سے وہ شوہر اپنے گھر ایک سال کے بعد جاتا ہے، یعنی زیادہ نہیں جاتا ہے، اس لیے کہ اگر جائے گا تو پھر اس شوہر کی ماں اس کی بیوی سے کچھ زیادتی کرے گی اور اس سے برداشت نہیں ہوگا اور یہ آدمی بول پڑے گا، پھر ماں اور بیٹے کے درمیان ان بن ہوگی، اس لیے یہ شخص ایک ایک سال کے بعد جاتا ہے، تو کیا اس طرح کے اس کے جانے میں کوئی خرابی لازم آسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اپنی بیوی کو اس طرح ظلم کے لیے ظالم کے حوالہ چھوڑ دینا جائز نہیں، اگر شوہر جانتا ہے کہ واقعۃً بیوی پر ظلم ہو رہا ہے تو اس کو چاہیے کہ اس کو اپنے ساتھ رکھے، یا الگ مکان کا نظم کرے؛ البتہ اگر بیوی از خود ان مظالم کو برضاء ورغبت برداشت کر کے ان کے ساتھ رہنے کو تیار ہے، تو اس صورت میں شوہر گنہ گار نہ ہوگا۔ (ہدایہ ۲/۴۴۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۳/ رمضان المبارک ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بیوی سے دو سال دور رہنا

سوال: اگر کوئی آدمی شادی کرے، اس کے بعد وہ ایک سال کے بعد گھر آیا، پھر آیا، آہستہ آہستہ گھر کے ماحول اور دوسرے رشتہ داروں کے ماحول نے اس کا دماغ تنگ کر دیا، مطلب کہ اس کا گھر پر رہنا بھاری ہو گیا، اس کی بیوی بھی اس میں شامل ہے، اب اس نے سوچا کہ اب میں گھر پر دو سال کے بعد آؤں گا اور دو مہینے رہ کر چلا جاؤں گا، اس کے اندر میاں بیوی کے حقوق رہ جاتے ہیں، تو کوئی خرابی لازم آئے گی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شوہر اپنی عورت کی رضا اور اجازت کے بغیر چار ماہ سے زائد جدا نہ رہے۔

ویجب أن لا یبلغ له مدة الإیلاء إلا برضاها، وطیب نفسها به.

(شامی ۳/۵۴۷)

امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رات کے وقت مدینہ طیبہ کی گلیوں میں (گلی کوچوں میں) گشت لگاتے تھے، کہ ایک مکان سے جوان عورت کی آواز سنائی دی، وہ فراق شوہر میں شعر پڑھ رہی تھی:

فوالله لولا الله تخشى عواقبه		لزحزح من هذا السرير جوانبه

یعنی قسم بخدا! اگر مجھ کو خوف خدا نہ ہوتا، تو آج چارپائی کی چولیں ہلتی ہوئی ہوتیں۔

آپ رضی اللہ عنہ نے وجہ دریافت کی، تو کہنے لگی کہ کافی عرصہ ہوا، میرا شوہر جہاد میں گیا ہے، اس کے فراق میں یہ شعر پڑھ رہی تھی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ محزون ہوئے، گھر آکر اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ عورت شوہر کے بغیر کتنی مدت تک صبر کرسکتی ہے؟ عرض کیا کہ چار ماہ؛ چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمان جاری کیا کہ، ''شادی شدہ فوجی کو چار ماہ ہونے پر اپنے گھر جانے کی اجازت دے دی جائے''۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۳/ ۱۲۴، ۱۲۵) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ذوقعدہ ۱۴۱۰ھ

تنگ مکان میں صحبت کی باریاں

سوال: ہمارے دو لڑکے ہیں، دونوں لڑکے کی شادی ہو چکی ہے، کافی عرصہ ہو چکا ہے، قریباً دس سال ہو چکے ہوں گے، ہمارے مکان میں ایک بڑا روم اور چھوٹا سا کمرہ ہے ان میں دونوں لڑکے کی باری ہے، ایک ہفتہ پہلا والا لڑکا چھوٹے کمرہ میں سوتا ہے، پھر دوسرا ہفتہ دوسرا لڑکا اسی طرح پھر تیسرا ہفتہ پہلا لڑکا چوتھا ہفتہ دوسرا لڑکا، ہمارے گھر میں اسی طرح دونوں لڑکے سوتے ہیں؛ لیکن مجھے اپنی بیوی سے صحبت

کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس کا مسئلہ کیسے حل ہوسکتا ہے؟ اور قیامت کے دن ہم میاں بیوی کی پوچھ ہوسکتی ہے یا نہیں؟ بیوی کا حق ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ (ہماری باری ہفتہ کے اعتبار سے ٹھیک ہے یا نہیں؟)

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیوی سے اتنی مقدار میں صحبت کرنا واجب ہے کہ وہ بغیر صحبت کے بے چین ہوکر معصیت میں مبتلاء ہونے سے محفوظ رہے، اور یہ چیز صحت وقوت، عمر اور طبیعت کے اعتبار سے مختلف ہے، بعض خلفائے راشدین نے زائد سے زائد چار ماہ کا اندازہ کیا ہے کہ اتنی مدت میں صحبت کا اہتمام وانتظام رکھے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۷/۳۲۹)

آپ نے اپنے مکان کی تنگی کے پیشِ نظر اپنے دونوں بیٹوں کے لیے جو ترتیب اختیار کی ہے اس میں ترمیم کرکے آپ میاں بی بی کے لیے بھی ایک ہفتہ چھوٹے کمرہ کا قیام تجویز فرمالیں تو شرعاً اس کی اجازت ہے، اور کوئی قباحت بھی نہیں، ویسے اس ترتیب کو بجائے ہفتہ واری رکھنے کے یومیہ بھی رکھا جاسکتا ہے؛ تاکہ طویل انتظار کی نوبت نہ آوے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

والدین کی فرماں برداری اور گھر والوں سے حسن سلوک

سوال: ایک ایسا شخص ہے جو اپنے والدین بیوی بچوں سے بداخلاقی سے پیش آتا ہے والدین کی نافرمانی اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آتا ہے تلخ انداز سے والدین سے گفتگو کرتا ہے اور بیوی بچوں کو کم وقت دیتا ہے اور دوستوں کو طویل وقت

دیتا ہے اور ان کے ساتھ اچھے انداز و کردار سے ان سے پیش آتا ہے اور گھر کے افراد سے اکثر بلا وجہ ناراض رہتا ہے تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

والدین کی نافرمانی اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آنا نیز تلخ انداز سے گفتگو کرنا بہت سخت اور کبیرہ گناہ ہے قرآن پاک میں ان کے ساتھ نرمی سے پیش آنے اور ان کی اطاعت وفرماں برداری کا حکم آیا ہے باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا﴾

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے والدین کے ادب واحترام اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو اپنی عبادت کے ساتھ ملا کر واجب فرمایا ہے جیسا کہ سورۂ لقمان میں اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو ملا کر لازم فرمایا ہے ﴿أن اشكر لي ولوالديك﴾ (یعنی میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ کی عبادت کے بعد والدین کی اطاعت سب سے اہم اور اللہ تعالیٰ کے شکر کی طرح والدین کا شکر گذار ہونا واجب ہے صحیح بخاری کی یہ حدیث بھی اس پر شاہد ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب عمل کیا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ نماز اپنے وقت (مستحب) میں اس نے پھر دریافت کیا کہ اس کے بعد کونسا عمل سب

سے زیادہ محبوب ہے تو آپ نے فرمایا والدین کے ساتھ اچھا سلوک۔ (قرطبی)

① مسند احمد ترمذی ابن ماجہ مستدرک حاکم میں بسند صحیح حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے اب تمھیں اختیار ہے کہ اس کی حفاظت کرو یا ضائع کردو۔ (مظہری)

② اور جامع ترمذی و مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے اور حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی باپ کی ناراضی میں۔

③ ابن ماجہ نے بہ روایت حضرت ابولبابہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا اولاد پر ماں باپ کا کیا حق ہے آپ نے فرمایا کہ وہ دونوں ہی تیری جنت اور دوزخ ہیں مطلب یہ ہے کہ ان کی اطاعت وخدمت جنت میں لے جاتی ہے اور ان کی بے ادبی اور ناراضی دوزخ میں۔

④ بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن عساکر نے بہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے لیے اپنے ماں باپ کا فرماں بردار رہا اس کے لیے جنت کے دروازے کھلے رہیں گے اور جو ان کا نافرمان ہوا اس کے لیے جہنم کے دروازے کھلے رہیں گے اور اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک ہی تھا تو ایک دروازہ جنت یا دوزخ کا کھلا رہے گا اس پر ایک شخص نے سوال کیا کہ (یہ جہنم کی وعید) کیا اس صورت میں بھی ہے کہ ماں باپ نے اس شخص پر ظلم کیا ہو تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا وإن ظلما وإن ظلما وإن ظلما یعنی ماں باپ کی نافرمانی اور ان کو ایذا رسانی پر جہنم کی وعید ہے خواہ ماں باپ نے ہی لڑکے پر

ظلم کیا ہو جس کا حاصل یہ ہے کہ اولاد کو ماں باپ سے انتقام لینے کا حق نہیں کہ انھوں نے ظلم کیا تو یہ بھی ان کی خدمت واطاعت سے ہاتھ کھینچ لیں۔ (معارف القرآن ۵/۴۵۱، ۴۵۲)

والدین کی خدمت واطاعت سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے معارف القرآن (۵/۴۵۲ تا ۴۵۷) کا مطالعہ فرمالیں۔

ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت پندرہ کام کرے گی تو وہ آزمائش اور بلا میں گرفتار ہوگی ان پندرہ چیزوں میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی اپنے دوست واحباب کے ساتھ تو بھلائی اور احسان کا سلوک کرے اور باپ کے ساتھ بے رحمی اور بدسلوکی سے پیش آئے۔

(ترمذی ۲/۴۴)

بیوی بچوں کے ساتھ بھی حسن سلوک ضروری ہے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے خیرکم خیرکم لأهله وأنا خیرکم لأهلي (سنن الترمذي ۳۸۹۰) (ترجمہ: تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آتا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے زیادہ اچھی طرح پیش آتا ہوں) ایسا آدمی جو گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک نہ کرے قابل ملامت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ ربیع الثانی ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

والدین کی تیمارداری میں کوتاہیوں سے متعلق چند سوالات

سوال: راقم کی والدہ کا انتقال ۹/ مئی ۱۹۹۴ء کو ہوا، اس سلسلہ میں اپنے

اشکالات کو کتاب وسنت کی روشنی میں رفع کرنا چاہتا ہوں، امید ہے کہ اطمینان بخش جواب مرحمت فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں گے۔

① والدہ کی مرضی کے علی الرغم انہیں میں نے اسپتال میں اگرچہ روبہ صحت ہونے ہی کی نیت سے شریک کروایا تھا، ساتھ ہی تیمارداری سے متعلق اپنی سہولت بھی پیش نظر تھی، وہاں گولی کے ردعمل (Reaction) سے طبیعت مزید بگڑ گئی، اس کے بعد ایک دوسرے اسپتال میں طبیعت نسبتاً بہتر ہوئی؛ لیکن آخر وقت میں اچانک مکمل ازالۂ مرض ہی کی غرض سے میں نے پھر طبیب بدل دیا، کیا میرا یہ عمل قابل مواخذہ ہے؟

② شریکِ دواخانہ کرنے کے بعد طبیعت بہتر ہونے کی بجائے بدتر ہوتی گئی، جس سے انہیں پہلے سے بھی زیادہ جسمانی تکلیف رہی، کیا راقم اس سلسلہ میں ایذا رساں قرار پائے گا؟

③ کیا طبیب کے مشورہ پر دی گئی ناقابلِ برداشت یا مضر دوا کے لیے تیماردار ذمہ دار ہے؟

④ کیا ادویہ کے ناقابل برداشت یا مضر ہونے کے باعث یا پھر کسی مستقل یا وقتی غم کے باعث موت اپنے وقت سے پہلے آسکتی ہے؟ یا ناقص غذا کے استعمال کو قبل از وقت موت کا سبب قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر ایسا ممکن ہے تو کیا تیماردار یا غیر ارادی طور پر رنج پہنچانے والا قاتل تصور ہوگا؟

⑤ بیماری کے دوران اور ادویہ کے ردعمل کے بعد ازالہ کی غرض سے یعنی ازالۂ مرض کی غرض سے پہنچائی گئی ممکنہ راحت باعتبار تغذیہ وباعتبار آرام جسمانی شرعاً کسی مقام کی حامل ہے یا نہیں؟ ایسے وقت میں جب کہ مریض راحت کے ادراک سے

عاری ہے یا عالم نزع میں ہو، اس وقت پہنچائی گئی راحت کسی مقام کی حامل ہے یا نہیں؟ دورانِ بیماری پہنچائی گئی راحت صحت مندی کے دور کی بے اعتنائی کا کفارہ ثابت ہوکر عنداللہ شرفِ قبولیت پاسکتی ہے یا نہیں؟

⑥ آخر وقت یقیناً ایک رنج والدہ کو مجھ سے پہنچا ہے، وہ یہ کہ میں نے ان کے انتقال سے چند ماہ قبل اپنے چھوٹے بھائی کو مکان سے علاحدہ کردیا؛ اس لیے کہ اس نے روزگار کے یقینی ذریعہ کو اختیار کرنے سے انکار کردیا، اور غیر یقینی ذریعہ پر اکتفاء کرنے کا اظہار کیا، میں نے یہ اقدام چار ماہ کی بے روزگاری برداشت کرنے کے بعد اضطراراً کیا؛ البتہ والدہ سے گھر پر آکر ملنے کی اجازت دی، قیام وطعام کی اجازت نہیں دی، واضح رہے کہ میری معاشی پوزیشن مستحکم ہوتی تو میں یہ اقدام قطعی نہیں کرتا، مجبوراً کیے گیے میرے اس اقدام سے اگر والدہ کو رنج پہنچا ہے، تو کیا میں کسی قسم کے مواخذہ سے بری نہیں ہوسکوں گا؟

⑦ میں اس بات کا اعتراف کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ والدہ کی مطلوب خدمت سے قاصر رہا، ان کے اکثر منشاء کی تکمیل نہیں ہو پائی، مرض الموت کے حملہ سے قبل ایک آنکھ کا آپریشن وقت پر نہیں کروا پایا، اب صحت یابی کے بعد ارادہ تھا؛ لیکن ارادہ کی تکمیل کا موقع ہی نہیں ملا، تیمارداری کے دوران بھی یقینی طور پر چڑچڑاہٹ کے باعث میری زبان سے انہیں تکلیف پہنچی ہوگی؛ لیکن محض شفقت کے باعث انہوں نے اظہار نہیں کیا، اس لیے ان کی نافرمانی، منشاء کی عدم تکمیل، خدمات میں کوتاہی، دل آزاری کے ازالہ کی ممکنہ صورتیں بالتفصیل بتلائیں تو مناسب ہوگا۔

⑧ کیا عالم برزخ میں ازالہ کی کوششوں کا والدہ کو ادراک کروایا جانا یقینی ہے؟

اور انہیں ان سے دنیا ہی کی طرح مسرت حاصل ہوگی؟ کیا دنیا ہی کی طرح وہ میرے ان اعمال کی بنیاد پر خفگی کے دور ہونے اور رضامند ہونے کا اظہار کریں گی؟

⑨ والدہ کے تعلق سے مجھ سے جو کچھ کوتاہیاں ہوئیں، ان کا مجھے بار بار خیال آرہا ہے، خیالات کا آنا تو رک نہیں سکتا؛ البتہ اس سلسلہ میں شرعی نقطۂ نظر سے اپنے دل کو کیا کہہ کر مطمئن کیا جاسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① صورت مسئولہ میں مواخذہ کا مدار نیت پر ہے، جب کہ آپ کی اصل نیت ان کو جلد صحت یاب کرانے کی تھی، اگرچہ ضمناً تیمارداری کی سہولت بھی مدنظر ہو تب تو مواخذہ نہیں ہے۔

② آپ ایذا رساں نہیں ہیں۔

③ اگر تیماردار کو اس دوائی کی ضرر رسانی کا علم نہیں ہے، تو صورت مسئولہ میں ذمہ دار نہیں ہے۔

④ موت اپنے وقت مقررہ پر ہی آتی ہے، اس میں تقدم وتأخر نہیں ہوتا۔

⑤ چاہے مریض اس راحت کے ادراک سے عاری ہو پھر بھی عنداللہ راحت پہنچانے والے کا یہ عمل موجب اجر ہے، اور سابقہ بے اعتنائی کی تلافی بھی کرسکتا ہے۔

⑥ بھائی کے ساتھ کیا گیا یہ معاملہ اس کے اعتبار سے معقول ضرور ہے؛ لیکن اگر اس پر والدہ رنجیدہ ہوئی تھیں تو اس کی تلافی ضروری تھی۔

⑦ ان کے لیے دعائے مغفرت، مختلف نیکیوں (مثلاً نفل نماز، نفل روزہ، صدقہ، تلاوتِ کلامِ پاک، حج، غرباء ومساکین کو کھانا کھلانا وغیرہ کا) ثواب ان کو

پہنچانا، ان کی سہیلیوں اور ملنے والوں کے ساتھ حسنِ سلوک (آپ کے بھائی بہنوں کے ساتھ اس نیت سے حسنِ سلوک کہ یہ اپنی ماں کی اولاد ہے یہ بھی اس میں داخل ہے)، ہر جمعہ کو ان کی قبر کی زیارت وغیرہ بھی۔ آپ اس سلسلہ میں فضائل صدقات حصہ اول ۲۰۵ تا ۲۰۷ حدیث نمبر ۱۴ اور اس کی تشریح کا مطالعہ فرمائیں، ان شاء اللہ تعالیٰ مفید ثابت ہوگا۔

⑧ بعض روایت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عالم برزخ میں ان کو اس کا ادراک کروایا جاتا ہے، اور وہ اس پر خوش بھی ہوتے ہیں۔

⑨ نمبر ۷ میں ذکر کردہ امور کا اہتمام کیجئے، انشاء اللہ تعالیٰ طمانینت بھی حاصل ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹ رذی الحجہ ۱۴۱۴ھ

ہمشیرہ سے صلہ رحمی پر والدین کا قطع رحمی پر اصرار

سوال: حضرت چند مسئلہ قرآن وحدیث کی روشنی میں دریافت کرنا چاہتا ہوں، مجھے امید ہے کہ آپ مجھے تسلی بخش جواب دو گے۔ آج سے چند سال قبل یعنی انیس سو ستاسی ۱۹۸۷ء ہمارے گھر میں رشتہ کی بات چلی تھی یعنی بڑی ہمشیرہ کی رشتہ کی بات۔ میری ہمشیرہ حافظ قرآن ہے۔ اور والد صاحب اور والدہ صاحبہ کی یہ خواہش تھی کہ ہمشیرہ کی شادی کسی حافظ قرآن سے ہونی چاہیے یا دین دار نمازی سے۔ لیکن میرے والد صاحب کے بڑے بھائی ہیں ان کا ایک لڑکا تھا وہ ان دنوں میں یونیورسٹی میں تعلیم پذیر تھا وہ ہمارے گھر میں آتا جاتا تھا کبھی کبھی والد صاحب ان کو لے آتے تھے۔

کیوں کہ تایا جان وغیرہ پاکستان میں تھے۔ میرے تایا جان کا لڑکا میری ہمشیرہ کو پسند کرتا تھا اور ہمشیرہ بھی ان کو پسند کرتی تھیں۔ والد صاحب اس رشتہ سے خوش نہ تھے۔ ہمارے دوسرے قریب کے رشتہ دار اس رشتہ پر راضی تھے۔ بہر حال بات چلتی رہی۔ تایا جان پاکستان سے آئے تو انہوں نے ہمارے گھر آ کر رشتہ مانگا۔ لیکن والدین نے یہ رشتہ نہیں دیا۔ بات کافی حد تک بڑھ گئی۔ میں نے اپنی ہمشیرہ کو بھی سمجھایا کہ تم تایا جان کے لڑکے کو بھول جاؤ اور والدین کی بات مان لو لیکن وہ نہیں مانی۔ اور کہتی تھی کہ میں شادی اسی کے ساتھ کروں گی۔ اگر میری شادی کسی اور کے ساتھ کر دی تو میں خود مر جاؤں گی یا اس کو مار دوں گی۔ میں نے پھر آخر میں والدین کو سمجھایا کہ آپ ہمشیرہ کی شادی کر دو جہاں وہ کہتی ہے۔ والدین مجھ پر ناراض ہو گئے۔ ایک دن اس لڑکے کو خبر ملی کہ یہ رشتہ نہیں ہو رہا ہے۔ تو اس نے بہت سی گولیاں کھائیں اس کو پھر اچانک ہسپتال لے جانا پڑا اللہ نے اس کو بچا لیا۔ بات چلتی رہی۔ میں پھر دو ماہ کے لیے اللہ کے راستے میں چلا گیا۔ میں جماعت میں رہا۔ میرے بعد جیسا کہ میں نے سنا اپنے بھائیوں سے کہ میرے والد صاحب نے میری ہمشیرہ کو بہت مارا کہ تم اس رشتہ سے انکار کرو۔ لیکن وہ نہیں مانی۔ پھر میرا ایک بھائی دوڑتا ہوا تایا جان کے گھر گیا جو کہ بڑے تایا سے چھوٹے ہیں اور ان سے کہا کہ والد صاحب ہمشیرہ کو بہت مار رہے ہیں تو وہ دوڑتے ہوئے آئے اور والد صاحب کو سمجھایا کہ تم لڑکی کو مت مارو لیکن والد صاحب نے کہا کہ تم لڑکی کو اپنے گھر لے جاؤ۔ تایا جان پھر ہمشیرہ کو اپنے گھر لے گئے اور اس کو وہاں سمجھایا۔ لیکن وہ کہتی تھی کہ میں دوبارہ گھر نہیں جاؤں گی کیوں کہ مجھے خطرہ ہے کہ مجھے جان سے مار ڈالیں گے۔ تایا جان نے گھر میں پیغام بھجوایا کہ تم آ کر

لڑکی کو لے جاؤ لیکن وہ کہتے تھے ہمیں نہیں چاہیے۔ اور ہمشیرہ بھی گھر آنے کو تیار نہیں تھی۔ پھر ایک دو ہفتہ کے بعد تایا جان نے ہمشیرہ کی شادی اسی لڑکے سے کر دی یہ سارے حالات میرے بعد میں ہوئے۔ واللہ اس میں میرا کوئی ہاتھ نہیں تھا اب اس واقعہ کو چھ سال ہو گئے ہیں میرے والدین ہمشیرہ کو نہیں ملتے۔ اور نہ ہی اپنے دو بھائیوں کو جنہوں نے یہ رشتہ کروایا۔ والدین کہتے ہیں وہ ہمارے دشمن ہیں انہوں نے ہماری عزت پر ڈاکہ مارا یعنی ہماری عزت لوٹی۔ اب بات یہ ہے کہ ہم اپنی ہمشیرہ کو ملتے ہیں ہم چار بھائی اور ایک بہن ان کو ملتے ہیں۔ اب والدین یہ کہتے ہیں کہ تم یعنی ہم والدین کی نافرمانی کرتے ہیں اور حدیث سناتے ہیں جو والدین کی نافرمانی کرے گا ان کی اولاد بھی آگے جا کر ان کی نافرمانی کرے گی۔ والدین اسی بات پر ہمیں بددعا دیتے ہیں کہ خدا تم کو سکون نہیں دے گا وغیرہ وغیرہ۔ والدین کہتے ہیں کہ وہ ہمارے دشمن ہیں اور تم ان کو ملتے ہو یعنی ہمشیرہ کو ہم ملتے ہیں یہ والدین کی نافرمانی ہے اور کبیرہ گناہ ہے۔ جو کہ خدا معاف نہیں کرے گا اب میں آپ سے یہ سوال دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ہم اس معاملے میں نافرمانی کر رہے ہیں؟ کیا یہ گناہ کبیرہ ہے؟ اور اس خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر کہتا ہوں ہمشیرہ کی شادی میں میرا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ بلکہ میں تبلیغی جماعت میں گیا ہوا تھا اور ہمشیرہ کے رشتہ کے معاملہ میں میں نے ہمشیرہ کو بھی سمجھایا تھا اور والدین کو بھی۔ آپ مجھے قرآن و حدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ واضح بیان کر دیں۔ یہ ناچیز آپ کا شکر گذار ہوگا۔ فقط والسلام۔

آخری بات جس کے ساتھ ہمشیرہ کی شادی ہوئی ہے وہ لڑکا پانچ وقت کا نمازی نہیں ہے۔ نمازیں پڑھتا ہے لیکن پوری پابندی نہیں کرتا ہے۔ اور کیا والد صاحب کی

جائداد میں ہمشیرہ کا بھی حصہ ہے۔ کیوں کہ والدین ان سے بالکل ہی نہیں ملتے۔ اس کا جواب جلد دیں۔ جزاک اللہ

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قرآن مجید اور حدیث شریف میں والدین کے ساتھ حسن سلوک ان کی اطاعت وفرماں برداری اور ان کی خدمت وشکر گذاری کی بڑی تاکید آئی ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے والدین کے ادب واحترام اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کو اپنی عبادت کے ساتھ ملا کر واجب فرمایا ہے۔﴿وقضی ربّك الّا تعبدوا الّا ایّاہ و بالوالدین احسانا﴾ (تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی عبادت مت کرو اور اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو) سورۂ لقمان میں اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو ملا کر لازم فرمایا ہے ﴿أن اشکر لی ولوالدیك﴾ (میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا بھی) والدین کی نافرمانی ان کے ساتھ بے ادبی اور گستاخی پر احادیث میں بڑی وعیدیں آئی ہیں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''وہ دونوں (ماں باپ) تیری جنت ہیں یا دوزخ'' مطلب یہ کہ ان کی اطاعت وخدمت جنت میں لے جاتی ہے۔ اور ان کی بے ادبی اور گستاخی دوزخ میں۔ البتہ شریعت میں تمام احکام کے لیے کچھ حدود وقیود مقرر ہیں۔ والدین کی اطاعت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کے لیے بھی شریعت میں حدود مقرر فرمائے ہیں۔ چناں چہ اس پر علماء اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ والدین کی اطاعت صرف جائز کاموں میں واجب ہے۔ ناجائز یا گناہ کے کام میں اطاعت واجب تو کیا جائز بھی نہیں۔ لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق (یعنی خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز

نہیں)۔(معارف القرآن ۵/۴۵۶)

شریعت میں صلہ رحمی کی تاکید اور اس کا حکم موجود ہے۔اور قطع رحمی کو حرام قرار دیا گیا ہے۔اور صلہ رحمی کا ادنی درجہ علماء نے یہ لکھا ہے کہ سلام وکلام کا معاملہ رکھے۔آپ بھائیوں کا اپنی ہمشیرہ سے یہ تعلق باقی رکھنا عین صلہ رحمی کا تقاضہ ہے۔اور والدین کی طرف سے اس کے ساتھ قطع تعلق کا مطالبہ قطع رحمی ہے۔جس کی شریعت میں اجازت نہیں۔اس لیے اس معاملہ میں آپ پر ضروری نہیں ہے کہ آپ والدین کے بات پر عمل کریں۔اور والدین کا یہ مطالبہ پورا کرنے پر آپ والدین کے نافرمان شمار نہیں ہوں گے۔والدین کو خود بھی چاہیے کہ وہ آپ سے ایسا مطالبہ نہ کریں۔لیکن احکام شریعت سے ناواقفیت کی بناء پر اگر وہ ایسا کر رہے ہیں تو آپ ان کے اس غلط مطالبہ کو تو پورا نہ کریں لیکن اس کے باوجود ان کے ساتھ حسن سلوک، ادب اور اطاعت سے پیش آئیں۔اور ان کی اس زیادتی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے رہیں ساتھ ہی ان کے لیے دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالی اس معاملہ میں ان کو عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

آپ کی ہمشیرہ سے والدین کی اس ناراضگی کے باوجود اگر والدین میں سے کسی کی وفات ہوجائے تو بہ حیثیت بیٹی کے آپ کی ہمشیرہ کو بھی ان کے ترکہ میں حصۂ وراثت ملے گا بلکہ اگر والدین یہ وصیت کر جائیں کہ اس کو حصہ میراث نہ دیا جائے تب بھی وہ حق دار ہوگی۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ذکر، دعا، سلام وغیرہ کے مسائل

کسی کے نام محمد پر درود شریف کی علامت لگانا

سوال: اگر کوئی آدمی اپنا نام محمد رکھے اور اس کے اوپر اس طرح لگا سکتا ہے؟ حالاں کہ ''محمد ﷺ'' اس طرح جب وہ لکھے گا اس وقت اس کے دل میں یہ نیت ہے کہ میں محمد کا غلام ہوں، بذات خود نہیں ہوں، تو اس کا نام محمد ہونے کے ناطے اس کے اوپر اس طرح کا محمد کا ''ص'' رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب لفظ محمد اس آدمی کے لیے بطورِ علم استعمال ہو رہا ہے، تو اس پر درود شریف کی علامت کے طور پر استعمال ہونے والا ''ص'' لگانا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

لفظ ''علیہ السلام'' کا استعمال غیر نبی کے لیے

سوال: لفظ ''علیہ السلام'' انبیاء علیہم السلام کے علاوہ بھی کسی پر بولا جا سکتا ہے جیسے حسن علیہ السلام، اگر ایسا لفظ بولا اور لکھا جاتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟ جیسا کہ تاریخِ اسلام مولانا نجیب اکبر میں موصوف نے کئی جگہ حسن اور حسین کو علیہ السلام صراحۃً لکھا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

''صلوۃ'' کا لفظ اصالۃً انبیاء کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، دوسرے کے لیے ضمناً وتبعاً کر سکتے ہیں جب کہ سلام کا صیغہ اصالۃ بھی غیرِ نبی کے لیے کیا جا سکتا ہے، صحیح بخاری اور سنن ابی داؤد میں غیر نبی کے لیے استعمال ہوا ہے، تفصیلی بحث فتاویٰ محمودیہ جلد اول از ۳۹۸ تا ۴۰۷ دیکھ لی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲/ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کلمۂ ترضی کا استعمال ائمۂ اربعہ پر

سوال: ائمۂ اربعہ کو ''رضی اللہ عنہم'' لکھنا، کیا یہ صحیح ہے؟ جب کہ بڑی بڑی کتابوں میں موجود ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کلمۂ ترضی کا استعمال ائمہ کے حق میں بھی درست ہے۔ (درمختار علی ھامش الشامی ۵/۵۳۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ، ۲۶/ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کلمۂ ترضی وترحم کا استعمال

سوال: رضی اللہ عنہ یہ صحابہ کے ساتھ خاص ہے، پھر بعض جگہ ائمہ اربعہ کے نام کے ساتھ کیوں لکھا جاتا ہے؟ یہ کسی امام کے نام کے ساتھ لکھے تو کیا مطلب ہوگا؟ کیا

وہی مطلب ہوگا جو صحابہ کے ساتھ خاص ہے؟ سمجھایئے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مستحب یہ ہے کہ صحابہ کے لیے کلمۂ ترضی، اور تابعین ودیگر صلحاء وعلماء کے لیے کلمۂ ترحم استعمال کرے؛ لیکن اس کے برعکس صورت بھی جائز ہے۔

وكذا يجوز عكسه؛ الترحم للصحابة، والترضى للتابعين ومن بعدهم (در مختار على هامش الشامي ۵۳۲/۱)

آپ کا کلمۂ ترضی کو صحابہ کے لیے مخصوص سمجھنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

درود تاج اور درود لکھی کا ورد

سوال: ہمارے علمائے دین درود تاج اور درودِ لکھی سے کیوں منع کرتے ہیں؟ اچھا اس میں کیا خرابی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درود تاج میں حضور ﷺ کے لیے دافع البلاء، والوبا، والقحط، والمرض، والالم کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، جو موہمِ شرک ہیں، اور عوام میں مفسدہ کا باعث ہیں، اس لیے قابل اجتناب واحتراز ہے، سرورِ کائنات ﷺ کی خدمت اقدس میں درود بھیجنے کے لیے دوسرے صحیح درود شریف بہت ہیں، ان کو ہی پڑھا جائے۔ (خیر الفتاویٰ ۳۳۸/۱)

درودِ لکھی کے متعلق جو فضائل بیان کئے جاتے ہیں، وہ سب بے بنیاد ہیں، صحیح حدیثوں میں درود شریف کے جو صیغے آتے ہیں، ان کو چھوڑنا اور اس درود میں بہت

کچھ ثواب کی امید رکھنا اور اس کا ورد کرنا گمراہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ

ذاکرین کے مجمع میں زور سے تلاوت کرنا

سوال: صبح کی نماز کے بعد اکثر لوگ ذکر اللہ میں بیٹھتے ہیں جو خاموشی سے ذکر کرتے ہیں، ایسی جگہ پر اگر کوئی شخص زور سے قرآن شریف پڑھے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر وہاں کوئی نماز میں مشغول نہیں ہے تو درمیانی جہر سے پڑھ سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سوئے ہوئے شخص کے پاس زور سے تلاوت کرنا

سوال: ایک صاحب سو رہے ہوں اور دوسرے صاحب زور سے قرآن شریف پڑھیں تو نیند اڑ جاتی ہے، ایسی حالت میں قرأت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سونے کے اوقات میں جب لوگ اپنے گھروں میں سو رہے ہوں، اس وقت کسی کا اتنی زور سے قرآن مجید کی تلاوت کرنا کہ ان کی نیند میں خلل ہو درست نہیں ہے۔ (ردالمحتار علی الدر المختار ۱/ ۴۸۸ کوئٹہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

بوری شیعہ کو سلام کرنا

سوال: کیا بوری شیعہ اسلام سے خارج ہیں؟ کیوں؟ کیا ان کو سلام کر سکتے ہیں؟ اگر وہ سلام کریں تو اس کا کیا جواب دیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شیعوں کے بہت فرقے ہیں، بعض کافر ہیں، مثلاً جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی الوہیت یا حلول کا اعتقاد رکھتے ہیں، یا غلط فی الوحی یا افک عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یا قرآن مجید میں کمی زیادتی کے قائل ہیں۔ (کفایت المفتی ۱/۲۸۶)

چوں کہ مذکورہ تمام صورتوں میں نصوصِ قطعیہ متواترہ کی تکذیب لازم آتی ہے، اس لیے تکفیر کی جاتی ہے، ان لوگوں کو سلام نہیں کرنا چاہیے، اگر یہ لوگ سلام کریں تو جواب میں "وعلیکم" کہہ دیا جائے۔ یا "ھداك الله" کہہ دینا چاہیے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/۲۲۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ہر سلام کے ساتھ مصافحہ کرنا

سوال: ایک شخص سے روزانہ دن میں پانچ مرتبہ ملاقات ہوتی ہو، اور وہ ہر دفعہ سلام کے ساتھ مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھاوے، تو اس طرح ہر دفعہ مصافحہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حدیث پاک میں مصافحہ کی بڑی فضیلت آئی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"مامن مسلمين يلتقيان فيتصافحان الا غفر لهما قبل ان يتفرقا" (ابوداؤد شریف) جب دو مسلمان مل کر باہم مصافحہ کریں، تو ان کے جدا ہونے سے پہلے ہی ان کی مغفرت ہوجاتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ باہم ملاقات کے وقت سلام کے بعد مصافحہ مسنون ومستحب ہے۔ چناں چہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ "کتاب الاذکار" میں فرماتے ہیں: اعلم انها سنة مجمع عليها عند التلاقي (الاذکار:۲۳۶)

بوقتِ ملاقات مصافحہ کا مسنون ہونا متفق علیہ ہے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فان محل المصافحة المشروعة اول الملاقاة (مرقات شرح مشکوۃ ۵۷۵/۴) مشروع مصافحہ کا محل شروع ملاقات کا وقت ہے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا جب تم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم لوگوں سے مصافحہ فرماتے تھے؟ تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: مالقيته قط الا صافحني (ابوداؤد کتاب الادب باب فی المعانقة) میں نے جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے مصافحہ فرمایا؛ چناں چہ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اعلم ان هذه المصافحة مستحبة عند كل لقاء (الاذکار:۲۳۷) کہ ہر ملاقات کے وقت مصافحہ مستحب ہے، اس لیے اگر کوئی شخص ہر ملاقات کے وقت سلام کے ساتھ مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے تو اس کے ساتھ مصافحہ کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ البتہ اس کو ضروری اور لازم نہ سمجھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ذکر وتلاوت میں مشغول شخص کو سلام ومصافحہ کرنا

سوال: جماعت خانہ میں کوئی شخص ذکر، تلاوت یا تسبیح وغیرہ میں مشغول ہو اس کو سلام کرنا اور مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھانا کیسا ہے؟

نوٹ: ہمارے امام صاحب ہمیشہ جواباً ہر نماز سے پہلے یا کبھی نماز کے بعد ایک شخص سے مصافحہ کیا کرتے ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو شخص مسجد میں ذکر، تلاوت یا تسبیح میں مشغول ہو اس کو سلام ومصافحہ نہ کیا جائے، مکروہ ہے۔

درمختار میں ہے: سلامك مكروه على من ستسمع ومن بعد ما ابدئ يسنّ ويشرع مصل وتال، ذاكر، ومحدث (درمختار)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: (قوله سلامك مكروه) ظاهره التحريم ط (شامی ۱/۴۰۵) یعنی اس قسم کے لوگوں کو سلام کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

آگے چل کر فرماتے ہیں يأثم بالسلام على المشغولين بالخطبة او الصلوٰة او قراءة القرآن (۱/۴۰۶) جو حضرات نماز خطبہ یا تلاوت قرآن میں مشغول ہوں ان کو سلام کرنے سے گناہ ہوتا ہے۔

اور آگے چل کر یہ بھی لکھا ہے کہ: اگر کسی نے ان کو سلام کیا تو ان پر جواب لازم نہیں ہے: يكره السلام على المصلى والقارى وا لجالس للقضاء او

البحث فی الفقه او التخلی، و لو سلم علیهم لا یجب علیهم ا لرد؛ لانهم في غير محله اه ومفاده ان كل محل لا يشرع فيه السلام لا يجب رده الخ (شامی۱/۴۰۷)

نوٹ میں تحریر کردہ عبارت سے آپ کا کیا مقصد ہے؟ اس کی وضاحت کے بعد جواب دیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/شعبان المعظم ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

شر پسند اور جن سے جواب کی توقع نہ ہو ایسوں کو سلام کرنا

سوال: (۱) بعض لوگ سلام کا جواب دیتے ہوئے نظر نہیں آتے، اور وہ اس قابل بھی نہیں کہ ان کو سمجھایا جاوے تو کیا ایسے لوگوں کو سلام نہ کروں؛ تاکہ وہ ترک جواب سلام کے گناہ سے محفوظ رہیں؟

(۲) بعض لوگ ایسے شریر ہوتے ہیں کہ اگر ان کو سلام کروں تو قریب ہو کر شر پہنچائیں گے تو کیا ان کے شر سے بچنے کے لیے دور سے بغیر ان کو دیکھے اور سلام کئے گذر جایا کروں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وفی النهر عن صدرا لدین الغزی:

سلامك مكروه على من ستسمع		ومن بعد ما أبدئ يسن ويشرع
مصل وتال ذاكر ومحدث		خطيب ومن يصغى إليهم ويسمع

مکرر فقه جالس لقضائه		ومن بحثوا فی الفقدعهم لينفعوا
مؤذن ايضا أو مقيم مدرس		كذا الاجنبيات الفتيات امنع
ولعاب شطرنج وشبه بخلقهم		ومن هو مع اهل له يتمتع
ودع كافرا ايضا ومكشوف عورة		ومن هو فی حال التغوط اشنع
ودع آكلا إلا إذا كنت جائعا		وتعلم منه انه ليس يمنع

وفی الشامية تحت قوله(مدرس)

وزدعدزندق وشيخ ممازح		ولاغ وكذاب لكذب يشيع
ومن ينظر النسوان فی السوق عامدا		ومن دا به سب الانام ويردع
ومن جلسوا فی مسجد لصلاتهم		وتسبيحهم هذا عن البعض يسمع
ولا تنس من لبی هنالك صرحوا		فكن عارفا ياصاح تحظی وترفع

(درمختار مع الشامی زکریا۲/۳۷۳تا۳۷۵)

مندرجہ بالا عبارت میں ایسے آدمیوں کی فہرست دی گئی ہے جن کو سلام نہیں کرنا چاہیے، ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی خاص مشغولی کی وجہ سے سلام کا جواب نہیں دے سکتے، بعض وہ ہیں جو کسی ناشائستہ حالت میں ہیں کہ اس حالت میں ان کو سلام کرنا مناسب نہیں؛ بہر حال آپ جس صورت حال سے دوچار ہیں اس میں اگر آپ ان لوگوں کو جو آپ کے سلام کا جواب نہیں دیتے اس لیے سلام نہ کریں کہ وہ لوگ ترک جواب سلام کے گناہ سے محفوظ رہیں تو اس کی گنجائش ہے، اور اس کی دوسری صورت یہ بھی ہے کہ چوں کہ سلام کا جواب سلام

کرنے والے کے حق کے طور پر واجب کیا گیا ہے اور اسی لیے اس کے ترک پر گناہ ہے، اگر آپ سلام کرنے کے ساتھ ساتھ یہ نیت کرلیں کہ اگر اس نے جواب دے دیا تو اس کا احسان ہے ورنہ میری طرف سے کوئی مطالبہ نہیں۔

(۲) ایسوں کو بھی سلام نہ کرنے کی گنجائش ہے جیسا کہ عبارت بالا سے معلوم ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیک وقت دو آدمی ایک دوسرے کو سلام کرے تو جواب کون دے؟

سوال: ایک وقت میں دونوں آدمیوں نے (آمنے سامنے) سلام کیا تو اس کے سلام کا جواب دینا واجب ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دونوں پر جواب دینا واجب ہے۔

قال العلامة ابن عابدين عن التاتارخانية: فإن سلما معا يرد كل واحدة (ردالمحتار ۲۶۷/) (ماخوذ از احسن الفتاوی ۹/ ۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا

سوال: ایک ہاتھ سے مصافحہ کو سنت قرار دے کر دو ہاتھ سے بدعت کہتے ہیں، اور بخاری میں جو "أخذ باليدين" آیا ہے، فرماتے ہیں اس سے ایک ہاتھ کا مصافحہ ثابت ہے دو ہاتھ کا نہیں، اس کی مدلل تشریح چاہیے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک جامع فتویٰ پیش کرتا ہوں: ''مصافحہ دو ہاتھ سے مسنون ہے، اور غیر مقلدین جس حدیث کو پیش کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو ہاتھ سے مصافحہ فرمایا، تب ہی تو صحابی کا ہاتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان ہو گیا، اور صحابی نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا ہو، یہ حدیث اس بارے میں قطعی نہیں ہے؛ اس لیے کہ جب دونوں طرف سے دونوں ہاتھ سے مصافحہ ہوگا تو لامحالہ ایک ہاتھ دو ہاتھوں کے درمیان ہوگا، اور یہاں صحابی تحدیث بالنعمۃ کے طور پر اپنی سعادت مندی بیان فرمارہے ہیں کہ میرا ایک ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان تھا، یہ بتلانا مقصود نہیں ہے کہ میں نے ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا، اور صحابہ سے یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو مصافحہ کے لیے دونوں ہاتھ بڑھائیں، اور صحابی ایک ہاتھ سے مصافحہ کریں۔ (ایسی بے ادبی و بے تہذیبی تو غیر مقلدین ہی کر سکتے ہیں) اور اس کی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کا ایک اثر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کا نقل فرمایا ہے اور اس کے بعد اسی اثر سے مصافحہ کے دو ہاتھ سے ہونے پر استدلال فرمایا ہے، اور ساتھ ساتھ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کا عمل بھی پیش کیا کہ انھوں نے محدث کبیر امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے دو ہاتھ سے مصافحہ فرمایا، اگر ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ مسنون ہوتا تو یہ حضرات محدثین ضرور اس پر نکیر فرماتے۔ ملاحظہ ہو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''باب المصافحة'' قال ابن مسعود: علمني رسول الله ﷺ التشهد وكفي بين كفيه حضرت عبداللہ بن

مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشہد کی تعلیم فرمائی اس حالت میں کہ میرا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان تھا۔ (خیال رہے کہ یہ تعلیم کا موقعہ ہے، جس طرح بیعت کے وقت ہوتا ہے) اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب باندھا ہے "باب الأخذ باليدين" (دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کرنا) اور اس کے ثبوت میں ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا یہی اثر اور حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ کا عمل پیش کیا ہے، فرماتے ہیں:

"باب الأخذ باليدين" وصافح حماد بن زيد ابن مبارك بيديه، حدثنا أبونعيم، قال: حدثنا سيف بن سليمان، قال: سمعت مجاهدا يقول: حدثني عبدالله بن مخبرة أبومعمر، قال: سمعت ابن مسعود يقول: علمني النبي ﷺ وكفي بين كفيه التشهد كما يعلمني السور (بخاری ۹۲۶/۲)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اس طرز سے بین طور پر ثابت ہوا کہ مصافحہ دونوں ہاتھوں سے ہو۔

شامی میں ہے: والسنة أن تكون بكلتا يديه (درمختار والشامی ۳۳۶/۵)

مجالس الابرار میں ہے: والسنة فيها ان تكون بكلتا اليدين۔

مصافحہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں سے ہو۔ (مجالس الابرار ۲۹۸م ۵۰)

ابوالحسنات علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں (یہاں بغرضِ اختصار فارسی عبارت حذف کر کے صرف ترجمہ لکھا جاتا ہے): تمام فقہاء دو ہاتھ سے مصافحہ کرنے کو مسنون کہتے ہیں۔ مجالس الابرار میں ہے: "والسنة ان تكون بكلتا يديه" مصافحہ کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ سے ہو۔ انتہی۔

"درمختار" اور "جامع الرموز" میں بھی ایسا ہی ہے، حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، قال: قال رسول اللہ ﷺ: اذا تصافح المسلمان الخ۔ جب دو مسلمان مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے ہاتھوں کے علیحدہ ہونے سے پہلے ان کے گناہوں کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ انتہی۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مصافحہ دو ہاتھ سے ہونا چاہیے اس لیے کہ اگر ایک ہاتھ سے مصافحہ ہوتا تو حدیث میں لفظ "اکفھما" (اکف کف کی جمع ہے جس کے معنی ہیں ہاتھوں) کی جگہ "کفاھما" ہوتا، اور اس کی دلیل صحیح بخاری کی وہ تعلیق ہے جو "باب الأخذ بالیدین" میں ہے "وصافح حماد بن زید ابن المبارك بیدیه" حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ انتہی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تابعین کے دور میں بھی یہی طریقہ مروج تھا، اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کا ذکر جو بخاری میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھ کو نبی ﷺ نے سورت قرآن کی تعلیم کی طرح تشہد یعنی التحیات للہ الخ کی تعلیم دی اس حال میں کہ میرا ہاتھ آپ ﷺ کے دونوں مبارک ہاتھوں کے درمیان تھا، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مذکورہ مصافحہ ملاقات کے وقت ہونے والا مسنون مصافحہ نہ تھا؛ بلکہ یہ تعلیم کے لیے تھا، کیوں کہ اکابر کسی خاص چیز کی تعلیم کے اہتمام کے لیے اپنے چھوٹوں کا ایک یا دونوں ہاتھ پکڑ کر تعلیم دیا کرتے ہیں، اور اگر اس مصافحہ کو ملاقات کا تسلیم کرلیا جائے تو اس کا ثبوت آنحضرت ﷺ کے دونوں مبارک ہاتھوں سے ہو رہا ہے، اور ابن مسعود کی جانب سے فقط ایک ہاتھ کا ہونا یقینی اور قطعی نہیں ہے؛ بلکہ دونوں ہاتھوں سے ہونے کا امکان ہے، کیوں کہ "کف" واحد کے لیے نہیں؛ بلکہ

جنس کے معنی میں ہے، اور اسی طرح لفظ "ید" کا استعمال محاورات عرب، آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ میں بمعنی جنس ثابت ہے، تو اس صورت میں لفظ "ید" ایک او ردو ہاتھ کو متضمن اور شامل ہوگا، اور اکثر مقامات میں دو ید کے موقعہ پر لفظ ید آیا ہے، اس اعتبار سے جس حدیث میں اخذ بالید وارد ہے، اس کی مراد ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا نہیں؛ بلکہ وہاں دونوں صورتوں کا احتمال ہے کہ ایک ہاتھ سے ہو یا دو ہاتھ سے؛ البتہ اگر کسی جگہ حدیث صحیح اور صریح سے یہ بات معلوم ہو کہ ایک ہاتھ سے مصافحہ مسنون ہے، تو فقہاء کے اقوال کو چھوڑنا پڑے گا، اور اس تصریح صریح کے بغیر فقہاء کے اقوال پر عمل کرنا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی اردو مبوب ص ۱۱۷ مطبوعہ پاکستان)

اس حدیث کے متعلق محدثِ جلیل حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ تذکرۃ الخلیل میں ہے: ایک بار آپ ٹونک تشریف لے گئے، اور بندہ ہمراہ تھا، چند اہلِ حدیث ملنے آئے، اور ایک ہاتھ سے مصافحہ کیا، حضرت نے حسبِ عادت دونوں ہاتھ بڑھائے اور مسکرا کر فرمایا کہ مصافحہ اس طرح ہونا چاہیے، وہ بولے حدیث میں ہے صحابی کہتے ہیں: "وكان يدي في يد يه ﷺ" میرا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ہاتھوں میں تھا، آپ نے بے ساختہ فرمایا، پھر متبع سنت (نبوی) ہم ہوئے یا تم؟ (تذکرۃ الخلیل ص ۲۰۴) لہٰذا مصافحہ دو ہاتھ سے ہی مسنون ہے نہ کہ ایک ہاتھ سے۔ فقط۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۳۰۸ تا ۳۱۳)

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ثم المصافحة باليد الواحدة من شعار أهل الباطل في زماننا، فلاينبغي التشبه بهم بترك

ماھو المتوارث المتعارف بین المسلمین (یعنی ہمارے زمانہ میں ایک ہاتھ سے مصافحہ اہلِ باطل کا شعار بن چکا ہے؛ اس لیے جو طریقہ مسلمانوں میں بطریقِ توارث معروف ہے، اس کو چھوڑ کر اہلِ باطل کا تشبہ اختیار کرنا درست نہیں) (اعلاء السنن ۱۷/ ۴۳۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الاول ۱۴۰۸ھ

دورانِ تلاوت یا دورانِ طہارت ان شاء اللہ کہنا کیسا ہے؟

سوال: قرآن پاک کی تلاوت کے دوران اگر یہ یاد آئے کہ فلاں کام کروں گا یا انشاء اللہ خدا یہ کام کروادے گا، اس کے لیے انشاء اللہ کہاں استعمال کریں؟ تلاوت کے دوران ہی یا جہاں رکنے کی جگہ آئے تب؟ اور اگر طہارت خانے اور غسل خانے کے دوران جب یاد آئے تو کیا وہاں انشاء اللہ کہہ سکتا ہوں یا باہر آنے کے بعد کہنا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اصل تو یہ ہے کہ تلاوتِ قرآن کے دوران دوسری باتوں کی طرف دھیان نہ دے؛ لیکن اگر غیر اختیاری طور پر ایسی صورت پیش آجائے تو دوران تلاوت لفظ انشاء اللہ نہ کہیں؛ بلکہ رکنے کی جگہ آئے تب کہیں، غسل خانہ اور نجاست کے مقام میں انشاء اللہ زبان سے کہنا درست نہیں دل میں تصور کر سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

"یرحمك الله" کے جواب میں "یھدیکم الله" کہنا

سوال: "یرحمك الله" کے جواب میں "یھدیکم الله" کہنا واجب ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

شادی کے کارڈ پر ۷۸۶ لکھنا

سوال: ۷۸۶ لکھ کر اس سے مراد بسم اللہ لیتے ہیں، اور اکثر شادی کارڈ پر لکھتے ہیں تو یہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ کوئی شرعی چیز نہیں ہے، اور اس طرح عدد لکھ دینے سے خط کے شروع میں بسم اللہ لکھنے کا حق ادا ہوا نہیں سمجھا جاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

تسبیحات سے گناہ کا معاف ہونا

سوال: بزرگان دین صبح اور شام جو تسبیح بتاتے ہیں اس میں ایک استغفار ہوتا ہے: "استغفر اللہ ربي ..... وأتوب إليه" تک جو پڑھنا ہے، اس سے گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں یا کبیرہ؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر پچھلے گناہوں پر ندامت اور آئندہ اس کا ارتکاب نہ کرنے کے عزم کے ساتھ استغفار کرے گا، تو یہ توبہ ہونے کی وجہ سے صغیرہ، کبیرہ دونوں معاف

ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۳ / رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

خودکشی کرنے والے کے لیے دعائے مغفرت

سوال: اگر کوئی دین سے واقف شخص خودکشی کرے، اس کے بعد اس کے اقارب اور متعلقین اس کے لیے دعائے مغفرت کریں تو کیا اس شخص کی مغفرت ہوجائے گی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

خودکشی کرنا گناہِ کبیرہ ہے، اور اس پر بہت سخت وعید آئی ہے؛ لیکن اس گناہ کی وجہ سے وہ آدمی ایمان اسلام سے نکلتا نہیں ہے، اس لیے اس کے اعزہ واقارب اس کے واسطے دعائے مغفرت کرسکتے ہیں؛ بلکہ ان کو ایسا کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کی کریم ذات سے امید ہے کہ وہ مرنے والے کی مغفرت فرمادے؛ ورنہ وہ آدمی اپنے گناہوں کی سزا پاکر آخر میں جنت میں جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۶ / جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

كتاب السياسة

کیا ہندوستان دارالحرب ہے؟

سوال: ہندوستان دارالامن ہے یا دارالحرب؟ اگر دارالحرب ہے تو اس کی وجوہات لکھیں، اور اگر دارالامن ہے تو اس کی وجہ لکھیں، اتنا ضرور ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کو امن نہیں ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دارالحرب کی تعریف وشروط میں ائمہ کے اقوال وعلماء کے فتاویٰ مختلف ہیں:

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دور میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا ہے، جیسا کہ ''فتاوی عزیزی'' اور ''صراط مستقیم'' میں مذکور ہے، مولانا عبدالحی لکھنوی اور نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالاسلام مانا ہے، جیسا کہ ان کے فتاوی میں ہے۔

جن اسباب کی بناء پر دارالحرب قرار دیا گیا، وہ اِس وقت پہلے سے زیادہ قوت کے ساتھ موجود ہیں، جن اسباب کی وجہ سے دارالاسلام مانا گیا تھا وہ بھی مفقود نہیں ہوئے۔ (ہاں بعض خطے ضرور ایسے ہوگئے ہیں کہ دارالاسلام ہونے کے اسباب وہاں قطعاً مفقود ہیں؛ لیکن مجموعی ہند کی یہ حالت نہیں الخ) (فتاوی محمودیہ ۵/ ۳۴۷، ۳۴۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ شوال المکرم ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ہندوستان میں نظامِ قضاء کے اجراء کا شرعی حکم

سوال: سلطنتِ اسلامیہ کے زوال سے ملتِ اسلامیہ ہند گوناں گوں شرعی مسائل سے دوچار ہوئی، سامراجی دورِ سیاہ نے اہلِ اسلام کو صرف مادی وسائل سے ہی محروم نہیں کیا بلکہ بتدریج ہر اس نظام کو ختم کیا جس سے وابستہ رہ کر مسلمان اپنی اجتماعیت برقرار رکھ سکتے تھے، اور وہ آپسی نزاع وجدال سے بلند ہو کر شاہراہِ ترقی پر گامزن ہو سکتے تھے، الحاصل مسلمانانِ ہند کو اپنے مذہب سے بے گانہ بنانے، اور سامراجی نظام کا غلام بنانے کی ہر تدبیر روبہ عمل لائی گئی، اسلامی نظامِ تعلیم کو ختم کیا گیا، اسلامی قانون عدالتوں سے مٹایا گیا، اس مذموم افرنگی سازش میں جن اسلامی اقدار کی پامالی ہوئی ان میں اسلامی نظامِ قضا خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

اربابِ فقہ وبصیرت پر یہ بات مخفی نہیں کہ اسلامی معاشرہ میں نظامِ قضا کا وجود انتہائی اہم اور ضروری ہے، کیوں کہ مسلمانوں کی زندگی میں روزمرہ ایسے مسائل کا پیش آنا ناگزیر ہے جن کے تصفیہ کے لیے قضاءِ قاضی کی ضرورت پیش آتی ہے، جن کا حل قاضی شرع کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے بغیر قضائے قاضی وہ مسائل معرض تعویق میں پڑے رہتے ہیں فقہاءِ اسلام نے بسط وتفصیل کے ساتھ ان مسائل کو منضبط کر دیا ہے جن میں قضاءِ قاضی کی احتیاج ہوتی ہے۔

نظام قضاء کی اس ضرورت واہمیت سے اکابر علماءِ ہند کبھی غافل نہ رہے بلکہ اس مشکل کے حل کے لیے برابر کوشاں رہے ''شریعت ایکٹ'' ''قانون انفساخ نکاح مسلمین بل'' وغیرہ اسی سلسلۂ جدوجہد کی کڑی ہے، حضرات اکابر نے آزادی سے قبل

اور آزادی کے بعد حکومتوں سے مسلم قاضیوں کی تقرری کے لیے برابر کوشش جاری رکھی؛ چناں چہ جمعیتِ علماءِ ہند کے اکابر؛ نیز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبدالکریم گمتھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مسلم قاضی بل'' کے نام سے ایک مسودہ قانون ترتیب دے کر ۱۹۴۱ء میں اسمبلی میں پیش کرایا پھر ۱۹۵۲ء میں آزاد ہند کے پارلیمنٹ میں جمعیتِ علماءِ ہند نے محمد احمد کاظمی صاحب کے توسط سے دوبارہ قاضی بل پیش کرایا، اب ایک بار پھر جمعیت علماء ہند کے صدر نائب امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی مدظلہ ایم، پی نے جنوری ۱۹۸۹ء میں پارلیمنٹ میں قاضی بل پیش کرنے کا جرات مند اقدام کیا ہے۔ (خدا ان اکابر کی ان کوشش کو بار آور کرے۔ آمین) حکومتوں کی سرد مہری، بے توجہی بلکہ اسلام دشمنی سے اب تک یہ مساعی بار آور نہ ہوسکیں؛ لیکن حضرات علماء نے ان پر انحصار بھی نہیں کیا بلکہ اسلامی معاشرے کی اس ضرورت کو کسی نہ کسی حد تک پورا کیا، علماءِ امت کے ایک طبقہ نے فقہ مالکیہ کے مطابق جماعت مسلمین (شرعی پنچایت) کو قاضی کے قائم مقام بنا کر اس ضرورت کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیا جب کہ ایک دوسرے طبقہ نے تراضی مسلمین سے قضاۃ کے تقرر کو مسئلہ کا فقہی حل سمجھ کر نظامِ امارت وقضاء قائم فرمایا، آج بھی یہ دونوں طریقے ہندوستان میں جاری ہیں؛ لیکن ایک مقصد کے لیے دو جدا جدا عنوانوں سے کام کرنے کے بجائے اگر ایک طریقِ کار پر اتفاق کر کے کام کیا جائے تو امت اسلامیہ ہند کی اجتماعی شیرازہ بندی مؤثر طور پر ہوسکتی ہے، اور نظام کو وسیع، ہمہ گیر اور مؤثر بنایا جاسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں ادارہ مباحثِ فقہیہ جمعیتِ علماء ہند کے ذمہ داران نے مناسب سمجھا کہ مسئلہ کی تنقیح کر کے کسی اتفاقی فیصلہ تک پہنچنے کی سعی کی جائے؛ اس لیے چند سوالات جواب وتحقیق کے

لیے پیشِ خدمت ہیں، سوالات کا مقصد تحدید و پابندی نہیں بلکہ مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لانا ہے، اگر کوئی اہم سوال مزید آپ کے ذہن میں ہو تو اس کو بھی شاملِ سوال فرما کر مدلل و مفصل مقالہ تحریر فرمائیں، ادارہ مباحثِ فقہیہ جمیعت علماء ہند کا دوسرا فقہی اجتماع ان شاء اللہ عن قریب اس عنوان پر ہوگا، جواب میں یہ بات ملحوظ رہے کہ سوال ہندوستان اور اس جیسے غیر اسلامی سلطنتوں کے متعلق ہے جہاں اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کو حاصل ہے اور مسلم حکام و قضاۃ موجود نہیں۔

① ہندوستان اور اس جیسے غیر اسلامی ممالک میں جہاں اقتدارِ اعلیٰ غیر مسلموں کو حاصل ہے، کیا مسلموں پر اپنے نزاعی مسائل کے تصفیہ کے لیے اسلامی نظامِ قضاء قائم کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

② قضاء کی حقیقت، قاضی شرع کی تعریف اور قضاء کے ارکان و شرائط کیا ہیں؟

الف: قضاء کی تعریف میں ''الزام'' سے الزام حسی مراد ہے یا الزام معنوی؟

ب: اگر الزام حسی مراد ہے تو کیا اس کے بغیر قضاء شرعی کا تصور ممکن نہیں؟ اور کیا اس قید کا اعتبار حالتِ اختیار اور حالتِ احتیاج میں یکساں ہوگا خواہ دار الاسلام ہو یا غیر دار الاسلام، خواہ قاضی کو من جانب والی کلی اختیارات مفوض ہو یا جزوی؟

ج: اگر الزام سے الزام معنوی مراد ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا قوتِ نافذہ کے بغیر قضاء کے معنی متحقق ہو سکتے ہیں، پھر مفتی کے فتویٰ اور قاضی کے فیصلہ میں حدِ فاصل کیا ہوگی؟

③ قاضی کے حلقۂ عمل اور دائرہ اختیار میں کس طرح کے مسائل داخل ہوں گے؟ کیا کسی سبب دائرۂ اختیار میں تحدید ہو سکتی ہے؟ اگر قاضی کا حلقۂ عمل ان مسائل تک

محدود ہو جن میں بظاہر قوتِ عسکری کی ضرورت نہیں تو کیا پھر بھی قوتِ قاہرہ شرط ہوگی؟

④ ہندوستان اور اس جیسے غیر اسلامی ممالک میں قاضی کا تقرر کن طریقوں پر شرعاً درست قرار دیا جاسکتا ہے؟ جب کہ ظاہر ہے کہ دار الاسلام میں خلیفۃ المسلمین یا اس کے ولاۃ وحکام قضاۃ کا تقرر کرتے ہیں۔

الف: غیر مسلم حکومت اگر مسلم قاضی مقرر کرے تو کیا شرعاً وہ قاضی ہو جائے گا؟ اگر نہیں تو "یجوز تقلد القضاۃ من السلطان العادل او الجائر ولو کان کافرا" (درمختار) اور "الاسلام لیس بشرط ای فی السلطان الذی یقلد". (فتاویٰ عالمگیری) وغیرہ جزئیات فقہیہ کا کیا مطلب ہے؟

اگر وہ شرعاً قاضی ہو جاتا ہے تو کیا ولایت کافر علی المسلم کا الزام نہ آئے گا؟ نیز کیا والی کافر کی تقلید کافی ہے یا تراضی مسلمین بھی ضروری ہے؟

ب: اگر غیر مسلم حکومت کی طرف سے مسلم قضاۃ کا تقرر نہ ہو اور اس ملک کے مسلمان اپنے نظم شرعی اور اجتماعی امور کے قیام وبقاء کے لیے کوئی امیر منتخب کرلیں (جیسا کہ ہندوستانی مسلمانوں نے اپنا امیر الہند منتخب کر کے نظامِ امارت قائم کرلیا ہے) تو کیا یہ امیر اور اس کے متعین کردہ صوبائی امراء شرعاً قاضی مقرر کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو فقہاءِ کرام کی "واذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منه کماهو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبة فی بلاد المغرب الآن، وبلنسة، وبلاد الحبشة واقروّا المسلمین عندهم علی مال یوخذ منهم یجب علیهم ان یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا، فیولی قاضیا او یکون هو الذی یقضی بینهم" (فتح القدیر) جیسی

تصریحات کا کیا مطلب ہے؟

اور اگر ان امراء کے تقرر سے شرعاً قاضی ہو جاتا ہے تو کیوں کر؟ جب کہ ظاہر ہے قوتِ قاہرہ حاصل نہ ہوگی۔

ج: غیر اسلامی ممالک میں اگر مسلمان باہمی تراضی سے قاضی کا تقرر کریں تو کیا شرعاً وہ قاضی ہوگا یا نہیں؟ بصورتِ نفی "یصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین" (شامی) کا کیا مطلب ہے؟ قاضی جمعہ مراد ہے یا مطلق قاضی، اگر قاضی جمعہ مراد ہے تو کیا اقامتِ جمعہ کے لیے قاضی کا ہونا شرط ہے؟ اور اگر مطلق قاضی مراد ہے تو کیا یہاں قوت شرط نہ ہوگی؟

اگر تراضی مسلمین سے قاضی ہو جاتا ہے تو "واذا اجتمع اهل بلد على رجل وجعلوه قاضيا يقضي فيما بينهم لا يصير قاضيا" (فتاویٰ عالمگیری) جیسی فقہی جزئیات کا محمل کیا ہوگا؟

⑤ فقہ حنفی میں قوتِ قاہرہ ومنفذہ کے بغیر اگر قاضی شرع ہونے کی گنجائش نکلتی ہے تو کیا پھر بھی فقہ مالکی کے مطابق جماعت مسلمین کا طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت رہتی ہے؟

⑥ ایک مقام پر متعدد قاضی ہو سکتے ہیں یا صرف ایک؟ متعدد قاضی ہونے کی صورت میں اگر اختلاف کی صورت پیش آئے تو فیصلہ کی کیا صورت ہوگی؟ بینوا توجروا ان شاء الله اجرا عظيما

المستفتی: معز الدین احمد غفرلہ
خادم ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو اس بات کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولی الامر کی اطاعت کریں، اور اپنے آپسی نزاعات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹائیں۔ ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا أَطِيْعُوا اللهَ وَأَطِيْعُواْ الرَّسُولَ وَأُولِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيْلاً﴾ (النساء:٥٩)

نیز یہ بھی ضروری اور لازم قرار دیا گیا کہ اپنے نزاعی معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فیصل جان کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلوں کو دل وجان سے تسلیم کرلیں ﴿فَلاَ وَرَبِّكَ لاَيُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لاَ يَجِدُواْ فِيْ أَنفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُواْ تَسْلِيْماً﴾ (النساء:٦٥)

حضرات مفسرین نے تصریح فرمائی ہے کہ اس ارشادِ ربانی پر عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ مبارک کے ساتھ مخصوص نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعتِ مطہرہ کا فیصلہ خود آپ کا فیصلہ ہے۔

جولوگ اپنے نزاعی معاملات میں شریعتِ مطہرہ کو چھوڑ کر دیگر قوانین کی طرف رجوع کرتے ہیں اس کو شیطان کا اتباع قرار دیا گیا، اور اس کے مرتکبین کو صاف لفظوں میں منافق، فاسق، ظالم بلکہ کافر تک بتلایا گیا۔

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُواْ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيْدُونَ أَن يَتَحَاكَمُواْ إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُواْ أَن يَكْفُرُواْ

بِه وَيُرِيْدُ الشَّيْطَانُ أن يُضِلَّهمْ ضَلاَلاً بَعِيْداً، وَإِذَا قِيْلَ لَهمْ تَعَالَوْاْ إِلَى مَا أَنزَلَ الله وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِيْنَ يَصُدُّونَ عَنكَ صُدُوداً﴾

(النساء: ٦٠،٦١)

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ الله فَأُوْلٰـئِكَ هُمُ الْفَاسِقُون﴾(المائدہ:٤٧)

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ الله فَأُوْلٰـئِكَ هُمُ الظَّالِمُون﴾(المائدہ:٤٥)

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللهُ فَأُوْلٰـئِكَ هُمُ الْكَافِرُون﴾(المائدہ:٤٤)

چناں چہ صاف صاف یہ حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی شریعت کا اتباع کیا جائے، اس کے علاوہ کسی کا بھی اتباع نہ کیا جائے۔

﴿اتَّبِعُواْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلاَ تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِ أَوْلِيَاء﴾

(الاعراف ٣)

ایسا نظام جس کے ذریعہ لوگوں کے آپسی نزاعات کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق دیا جائے اسی کا نام نظام قضاء ہے۔

والقضاء هو الحكم بين الناس بالحق والحكم بما انزل الله عزوجل (بدائع الصنائع ٧ /٢)

اور اسلامی نظامِ قضاء کا اجراء اور قیام اہم اور ضروری واجبات میں سے ہے۔

''بدائع'' میں ہے: كان نصب القاضى لاقامة الفرض فكان فرضا ضرورة (٧ /٢)

''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے: نصب القاضى فرض كذا فى البدائع وهو من اهم امور المسلمين واقوىٰ واوجب عليهم(٣/ ٣٠٨)

نظامِ قضاء بھی اسلام کے اجتماعی نظام کی ایک شاخ ہے؛ اس لیے نظام قضاء

کے اجراء کے لیے نظام امارت وخلافت کا قیام ضروری ہے چناں چہ اس سلسلہ میں اصل یہ ہے کہ تمام مسلمان اجتماعی زندگی گزارنے کے مکلف ہیں، انتشار اور تشتت کی زندگی اسلامی نقطۂ نظر سے ناجائز ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللهِ جَمِيْعاً وَلاَ تَفَرَّقُوا﴾ (البقرہ:۱۰۳)

نبیٔ کریم ﷺ فرماتے ہیں: ان الشیطان ذئب الانسان کذئب الغنم، یأخذ الشاذة والقاصیة والناحیة، وایاکم والشعاب، وعلیکم بالجماعة والعامة رواہ احمد (عن معاذ بن جبل، مشکوٰۃ ۳۱)

عن ابی ذر قال: قال رسول اللہ ﷺ : من فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه رواہ احمد وابو داؤد. (ایضاً)

قال النبی ﷺ: اٰمرکم بخمس: بالجماعة، والسمع، والطاعة، والهجرة، والجهاد فی سبیل اللہ؛ وانه من خرج من الجماعة قید شبر فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه الا ان یراجع، ومن دعا بدعوی الجاهلیة فهو من جثی جهنم وإن صام وصلی وزعم انه مسلم رواہ احمد والترمذی (مشکوٰۃ:۳۲۱)

عن ابی هریرة قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من خرج من الطاعة وفارق الجماعة فمات مات میتة جاهلیة الخ رواہ مسلم (مشکوٰۃ:۳۱۹)

اور یہ ظاہر اور بدیہی ہے کہ اجتماعی زندگی کا تصور بغیر امیر کے ممکن نہیں ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام تمام مسلمانوں کو اس بات کا مکلف بناتا ہے کہ وہ اپنے لیے ایک امیر یا امام منتخب فرمائیں، اور اسی کی امارت میں اپنے تمام امور انجام دیں۔

خلیفۂ راشد سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد: لا اسلام الا بجماعة، ولا جماعة

الا بامارۃ، ولا امارۃ الا بطاعۃ (جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر۲/۶۲) یعنی اسلام جماعتی زندگی کے بغیر نہیں، اور جماعتی زندگی کا تحقق بغیر امیر کے نہیں، اور اطاعت وفرمان برداری کے بغیر امیر مفید نہیں ہے۔

اسی نوع کے ایک سوال کے جواب میں مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: مسلمانوں پر پہلا اہم اور مقدم فرض یہ ہے کہ وہ مسلمان والی مقرر کریں، کیوں کہ بغیر والی مسلم کے بہت سی اسلامی ضروریات پوری نہیں ہوتیں۔ ثم الاجماع علی ان نصب الامام واجب، والمذھب انہ یجب علی الخلق (شرح العقائد:۱۱۰) اس بات پر اجماع ہے کہ امام مقرر کرنا فرض ہے، اور مذہب اہل سنت کا یہ ہے کہ امام مقرر کرنا مخلوق (مسلمانوں) پر فرض ہے الخ۔ (کفایت المفتی ۲/۲۱۶)

جن ممالک میں مسلمان بااختیار ہیں اور اقتدار اعلیٰ ان کے ہاتھوں میں ہے، ان کے لیے اس بات کے ضروری ہونے میں کہ وہ اپنے میں سے کسی کو امیر وامام مقرر کریں اور اسلامی نظام حکومت کے تحت زندگی گزاریں کوئی اختلاف بھی نہیں؛ لیکن ہندوستان اور اس جیسے وہ غیر اسلامی ممالک جہاں اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کو حاصل ہے، ایسے مقامات میں بھی اسلامی ضابطہ کے مطابق ایک امیر منتخب کر کے اس کے ماتحت جماعتی زندگی گزارنا اور اپنے نزاعی مسائل کے تصفیہ کے لیے اسلامی نظامِ قضاء قائم کرنا ضروری ہونے پر بھی حضرات فقہاء رحمہم اللہ علیہم کی تصریحات موجود ہیں۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فتح القدیر میں فرماتے ہیں: اذا لم یکن سلطان ولا مَن یجوز التقلد منہ کما فی بعض بلاد المسلمین غلب علیھم

الكفار كقرطبة فى بلاد المغرب الآن، وبلنسية، وبلاد الحبشة، اقروّا المسلمين عندهم على مال يوخذ منهم يجب عليهم ان يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا، فيولى قاضيا او يكون هو الذى يقضى بينهم

(فتح القدير ٧/٢٦٤)

ترجمہ: جب بادشاہ نہ ہو اور نہ ہی کوئی ایسی شخصیت جس کی طرف سے عہدۂ قضاء کا قبول کرنا درست ہوتا ہے۔ جیسا کہ بعض ان مسلم علاقوں میں جن پر کفار کا تسلط ہو چکا ہے مثلاً قرطبہ اور بلنسہ اور بلاد حبشہ کہ کفار نے مسلمانوں سے کچھ رقم لے کر یہاں رہنے کی ان کو اجازت دے رکھی ہے، ایسی صورت میں مسلمانوں پر واجب ہے کہ اپنے اندر سے کسی ایک شخص پر متفق ہو کر اس کو اپنا امیر و والی مقرر فرمائیں، پھر وہ امیر ہی قاضی مقرر کرے گا یا خود ہی مسلمانوں کے معاملات کا فیصلہ کرے گا۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''فتح القدیر'' کی مندرجۂ بالا عبارت ''النهر الفائق'' کے حوالہ سے نقل فرما کر صاحب نہر کا تبصرہ بھی نقل فرمایا ہے: وهذا هو الذى تطمئن النفس اليه فليعتمدة نهر (شامى ٤/٣٤٢)

البتہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب نہر کے کلام میں ''هذا'' کا مصداق دوسرا مسئلہ قرار دیا ہے۔ والاشار بقوله هذا الى ما افاده كلام الفتح من عدم صحة تقلد القضاء من كافر على خلاف مامر عن التتارخانيه (شامى ٤/٣٤٢)

لیکن علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تعیینِ مصداق کو علامہ عبدالقادر رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تسلیم نہیں فرمایا ہے۔ دیکھئے: (تقریرات الرافعی ٢/١٩١)

بہر حال مندرجۂ بالا فقہی تصریح سے یہ ثابت ہوا کہ ہندوستان جیسے ممالک میں

جب تمام مسلمان متفقہ طور پر، یا وہاں کے علماء اور اہل حل وعقد مل کر کسی ایک شخص کو والی اور امیر منتخب کرلیں، تو اب وہ امیر کسی کو قاضی مقرر فرما کر نظامِ قضاء کا اجراء کرے گو یا اس امیر کی طرف سے تفویضِ قضاء درست ہوگی۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اور اگر مسلمان حاکم نہ ہووے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ جو شخص امانت دار اور دیانت دار ہو اس کو رئیس مقرر کردیویں؛ تاکہ اس رئیس کی اجازت سے اس کے سامنے نماز جمعہ وعیدین قائم کی جائے، اور جس نابالغ کا ولی نہ ہو اس کا نکاح کیا جاوے، اور لاوارث مال اور یتیموں کی حفاظت کی جاوے، اور جب کسی میت کے ترکہ کی تقسیم میں نزاع ہو تو ترکہ اس میت کے وارثوں میں ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے"۔ (فتاویٰ عزیزی اردو ۱/ ۷۰)

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے مجموعۃ الفتاویٰ میں ایک تفصیلی جواب شیخ یوسف کا تحریر فرمودہ ہے، جس پر حضرت مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی تصدیق وتصحیح ہے اس میں ہے:

اما الوالی والقاضی المتفق علیه فی بلاد الغلبة فهل یملك تزویج الصغار الأیتام؟ فلم اره صریحا؛ لکن ظاهر مامر من أنه یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی وا حد منهم یجعلو نه وا لیا فیولی قا ضیا او یکون هو الذی یقضی بینهم انه یملکه (مجموعة الفتاویٰ مولانا عبدالحی علی هامش خلاصة الفتاویٰ ۴/ ۸)

رہا وہ والی اور قاضی جس پر اہل بلدہ کا اتفاق ہوجائے ان علاقوں میں جن پر کفار کا غلبہ ہے، کیا اس کو چھوٹے یتیم بچوں کا نکاح کرانے کا اختیار ہے یا نہیں؟ اس

کے متعلق میں نے صراحت نہیں دیکھی؛ لیکن پہلے جو عبارت یجب علی المسلمین الخ گزر چکی اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس والی کو یہ حق حاصل ہے۔

لیکن اگر کسی علاقہ یا شہر کے مسلمان کسی شخص کو اپنا والی یا امیر منتخب کرنے پر متفق نہیں ہو سکے مگر وہاں کے ارباب حل وعقد کسی شخص کو قاضی مقرر کرنے پر اتفاق کر لیتے ہیں، تو یہ بھی درست ہوگا، اور اس طرح یہ شخص قاضی قرار پا جائے گا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے معراج الدرایہ کے حوالہ سے ایک طویل عبارت نقل فرمائی ہے، جس کا آخری ٹکڑا صراحت کرتا ہے کہ عوام مسلمین کی طرف سے کی گئی قاضی کی یہ تقرری درست ہے۔

فلو الولا کفارا یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیھم ان یلتمسوا والیا مسلما (شامی ۱/۵۹۰)

اس کی وجہ بھی ظاہر ہے، وہ یہ کہ اگر چہ قاضی کی تقرری کا اصل طریقہ (جیسا کہ اوپر ہم بتلا چکے ہیں) یہی تھا کہ اولاً تمام مسلمان متفق ہو کر یا اہل حل وعقد مل کر کسی ایک شخص کو اپنا والی اور امیر مقرر کرتے، اور اس کے بعد اس والی یا امیر کی طرف سے قضاۃ کا تقرر عمل میں آتا؛ لیکن جب ایسا نہ ہو سکا، تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے نظام قضاء بھی معطل ہو کر رہ جائے، اگر امیر پر تو اتفاق نہ ہو سکا؛ لیکن قاضی پر اتفاق ہو سکتا ہے تو کم از کم اسی فریضہ کو قائم کر لیا جائے، اور امیر مقرر کرنے والے فریضہ کو بھی قائم کرنے کی سعی جاری رہے جیسا کہ شامی کی مندرجۂ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے، اس تفصیل سے عالمگیری کی اس عبارت سے پیدا ہونے والا اشکال بھی رفع ہو جاتا ہے۔

عالمگیری میں ہے:اذا اجتمع اهل بلدة على رجل وجعلوه قاضيا يقضى فيما بينهم لا يصير قاضيا، ولوا اجتمعوا على رجل وعقدوا معه عقد السلطنة أو عقد الخلافة يصير خليفة و سلطانا كذا فى المحيط (۳۱۵/۳)

اس لیے کہ یہ صورت اس وقت ہے جب کہ مسلمانوں کا امیر اور حاکم موجود ہو، اور مسلمان اس کی موجودگی میں کسی شخص کو قاضی مقرر کریں، ظاہر ہے کہ جب امیر اور حاکم موجود ہے تو تقرر قضاۃ یہ اس کا منصب اور اس کے اختیارات میں سے ہے اس کی موجودگی میں عوام مسلمین کا یہ اقدام (یعنی تقرر قضاۃ) انتشار اور افتراق کا باعث ہوگا جس سے بچنے کے لیے ہی امیر کا انتخاب عمل میں آیا تھا، نیز جب اس ذمہ داری کو انجام دینے والی شخصیت موجود ہے تو عوام مسلمین کو کیا ضرورت پیش آئی جو اس میں دخل دیں گویا اس صورت میں ان کا یہ اقدام موجبِ انتشار ہونے کے ساتھ ساتھ بے ضرورت بھی ہے؛ چناں چہ عالمگیری کی اسی عبارت میں دوسرا جزء:ولو اجتمعوا على رجل وعقدوا معه عقد السلطنة أو عقد الخلافة يصير خليفة وسلطانا اس کا قرینہ ہے؛ اس لیے کہ عوام مسلمین کا کسی کی خلافت و امارت پر متفق ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ خلیفہ اور امیر موجود نہیں ہے، اگر ہوتا تو اس کی ضرورت بھی پیش نہ آتی، اور چوں کہ یہ کام تو عوام مسلمین ہی کو انجام دینا ہے؛ اس لیے ان کا یہ اقدام ضرورت کی بنیاد پر ہونے کے ساتھ ساتھ برمحل بھی ہے کہ انہی کا حق ہے۔ اس کا دوسرا قرینہ یہ بھی ہے کہ یہی مسئلہ فتاویٰ بزازیہ اور خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے اور دونوں جگہ پر ضرورت کی قید کے ساتھ مقید ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:اجتمع اهل البلدة وقدموا رجلا على القضاء

لا یصح لعدم الضرورۃ، و ان مات سلطانھم واجتمعوا علی سلطنۃ رجل جاز للضرورۃ (فتاوی بزازیہ علی ھامش الھندیہ ۵/۱۳۰)

خلاصۃ الفتاوی میں ہے: اجمتع اھل بلدۃ و قلدوا القضاء لرجل لا یجوز ولا یصیر قاضیا، و لو اجتمعوا وجعلوا الرجل سلطانا یصح لان فیہ ضرورۃ ولا ضرورۃ فی الاول (خلاصۃ الفتاوی ٤ /٢)

چناں چہ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے بعینہ یہی توجیہ فرمائی ہے۔ درمختار کی عبارت: ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولوکافراً الخ کی شرح فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

(قولہ ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر) ای الظالم، وھذا ظاھر فی اختصاص تولیۃ القضاء بالسلطان ونحوہ کالخلیفۃ حتی لو اجتمع اھل بلدۃ علی تولیۃ واحد القضاء لم یصح بخلاف مالو ولوا سلطانا بعد موت سلطانھم کما فی البزازیۃ نھر وتمامہ فیہ، قلت: وھذا حیث لاضرورۃ والافلھم تولیۃ القاضی ایضا کما یأتی بعدہ (شامی ٤/ ٣٤٢)

اور اس کے بعد فتح القدیر کی وہ عبارت نقل فرمائی ہے جو ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔

اس پوری تفصیل سے عالمگیری والے اس جزئیہ سے پیدا ہونے والا اشکال رفع ہو کر اس کا صحیح محمل بھی متعین ہو گیا؛ اس لیے عالمگیری کی اس عبارت سے امیر و حاکم نہ ہونے کی صورت میں عوام مسلمین کی طرف سے تقرر قضاۃ کی عدم صحت پر استدلال درست نہیں ہے۔

مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کفایت المفتی میں تحریر فرماتے ہیں: قاضی بنانے کا حق مسلمان حاکم کو ہے، اور مسلمان حاکم نہ ہو تو

مسلمانوں کی جماعت کو، اگر غیر مسلم حاکم کسی کو بشرط رضامندیٔ جماعتِ مسلمین قاضی بنادے تو یہ بھی درست ہے۔ (کفایت المفتی ۲/۲۲۲)

عوامِ مسلمین کی طرف سے کی جانے والی قاضی کی تقرری کے سلسلہ میں جو تفصیل پیش کی گئی اس کے بعد اب مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں رہتی؛ لیکن چوں کہ یہ مسئلہ بعض حضرات کے لیے غلط فہمی اور الجھن کا باعث بنا ہے؛ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ فقہ کا ایک دوسرا مسئلہ بھی اس موقعہ پر پیشِ نظر رہے۔ نماز جمعہ کی صحت اور انعقاد کے شرائط میں سے حنفیہ کے نزدیک ایک شرط سلطان بھی ہے، چناں چہ تمام کتب احناف میں جہاں جمعہ کے شرائطِ صحت بیان کیے جاتے ہیں وہاں اس کا بھی بیان ہوتا ہے؛ لیکن بعد میں جا کر اس شرط کے سلسلہ میں جو انداز اختیار کیا گیا ہے اس سے بھی فقہ کا ہر ایک طالب علم بخوبی واقف ہے، اس کا صرف ایک نمونہ پیش کرتا ہوں، در مختار میں اسی شرط پر کلام کرتے کرتے بہ تدریج آخر میں یہ فرمایا ہے: ونصب العامة الخطيب غير معتبر مع وجود من ذكر، اما مع عدمهم فيجوز للضرورة اور اس کی شرح فرماتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (قوله فيجوز للضرورة) ومثله مالو منع السلطان اهل مصر ان يجمعوا اضرارا وتعنتا فلهم ان يجمعوا على رجل يصلى بهم الجمعة (شامی ۱/۵۹۰)

ترجمہ: اسی طرح اگر بادشاہِ وقت محض تعنت اور ہٹ دھرمی کے طور پر کسی شہر والوں کو نماز جمعہ قائم کرنے سے منع کر دے پھر بھی ان لوگوں کو چاہیے کہ وہ ایک آدمی پر متفق ہو جائیں جو ان کو نماز جمعہ پڑھائے۔

دیکھا آپ نے کہ باوجود بادشاہِ وقت کے امتناعی حکم کے عوام مسلمین کو اقامتِ

جمعہ کی اجازت دی گئی۔

شامی کے حاشیہ پر ہے:نقل شیخنا عن عقد اللآلی: انه لو تعذر الاستیذان من السلطان کما فی هذا الزمان من عدم التفات السلاطین لمثل تلك الامور فاجتمعت الناس علی شخص لیصلی بهم جاز (حاشیۂ شامی ۱/۵۹۰)

ترجمہ: ہمارے شیخ نے عقد اللآلی سے نقل کیا ہے کہ اگر بادشاہِ وقت سے (اقامت جمعہ کے لیے) اجازت لینا دشوار ہو جائے جیسا کہ ہمارے زمانہ میں شاہانِ وقت کی دینی بے توجہی کی وجہ سے یہ صورتِ حال پیدا ہو چکی ہے، تو اس صورت میں اگر لوگ کسی ایک شخص پر متفق ہو جائیں جو ان کو نماز جمعہ پڑھائے تو جائز اور درست ہے۔

دیکھئے صورتِ مذکورہ میں بادشاہِ وقت موجود ہونے کے باوصف محض اس لیے کہ اس کی دینی امور میں غفلت و بے التفاتی کی وجہ سے اس سے رابطہ قائم کرنا اور اجازت لینا دشوار ہو گیا ہے عوام مسلمین کو اقامت جمعہ کی اجازت دے دی گئی آخر ایسا کیوں ہوا؟ وجہ ظاہر ہے کہ جمعہ جو جامع الجماعات ہے، اور اس موقعہ پر دیگر فرائض کے مقابلہ میں بڑا اجتماع ہوتا ہے، ایسے موقعہ پر سربراہی کے لیے مختلف قسم کے طالع آزما اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور یہ چیزیں ملت کی شیرازہ بندی کے لیے ایک خطرہ ثابت ہوتی ہے، اس کی پیش بندی کے لیے شریعتِ مطہرہ نے بادشاہِ وقت یا اس کے نائب و مقرر کردہ شخصیت کی موجودگی ضروری قرار دی؛ لیکن اگر مسلمانوں کی بدقسمتی سے بادشاہِ وقت اپنی دین سے دوری کی وجہ سے ان امور میں کوئی دل چسپی ہی نہیں لیتا کہ نہ خود آتا ہے، نہ کسی کو اس کام کے لیے مقرر کرتا ہے، اور اس کے ساتھ اپنے اردگرد ایسا حصار بنا رکھا ہے کہ اس کی اجازت حاصل کرنے کے لیے اس

کے ساتھ رابطہ بھی دشوار ہو چکا ہے، تو کیا اس کی وجہ سے دین کے اس اہم فریضہ یعنی جمعہ کو چھوڑ دیا جائے؟ ہرگز نہیں۔ شامی کے حاشیہ پر جو مسئلہ عقد اللآلی کے حوالہ سے مذکور ہے اس کا مطلب یہی ہے۔

② لغت میں لفظ قضاء مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے:

[۱] فیصلہ کرنا، حکم جاری کرنا، حکم دینا۔ ﴿وقضی ربك الا تعبدوا الا اياه﴾(الاسراء:۲۳) ﴿وانذرهم يوم الحسرة اذ قضي الامر﴾ (مریم:۳۹) ﴿وقضی بينهم بالحق﴾ (الزمر:۷۵) ﴿فاقض ماانت قاض﴾(طه:۷۲)

[۲] فارغ ہونا، ادا کرنا۔ ﴿فاذا قضيتم مناسككم﴾(البقرة:۲۰۰)﴿فاذا قضيتم الصلوٰة﴾(النساء:۱۰۳) ﴿فاذا قضيت الصلوٰة﴾(الجمعه:۱۰)

[۳] ہلاک (مرجانا، مارڈالنا)۔ ﴿فوكزه موسى فقضى عليه﴾ (القصص:۱۹) ﴿ونادوا يامالك ليقض علينا ربك﴾(الزخرف:۷۷)

[۴] پورا کرنا، گزرنا۔ ﴿ولاتعجل بالقرآن من قبل ان يقضى اليك وحيه﴾ (طه:۱۱٤)﴿ايما الاجلين قضيت فلا عدوان علي﴾ (القصص:۲۸) ﴿فلما قضى موسى الاجل وسارباهله﴾(القصص:۲۹) ﴿قضى الامر الذى فيه تستفتيان﴾(يوسف:٤١)

[۵] بنانا۔ ﴿فقضاهن سبع سمٰوات﴾(فصلت ۱۲)

[٦] مقدر کرنا۔ ﴿واذا قضى امرا فانما يقول له كن فيكون﴾ (البقرة:۱۱۷)

صاحبِ بحر الرائق علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وحاصله ان يستعمل لغة: بمعنى الحكم، والفراغ، والهلاك، والاداء، والانهاء،

والمضی، والصنع، والتقدیرۃ(بحر الرائق:۲۷۷/۶)

اصطلاحِ فقہاء میں مختلف انداز سے اس کی تعریف کی گئی ہے اگرچہ بحیثیت مفہوم وہ تمام تعریفیں قریب قریب ہیں۔علامہ ابن فرحون رحمۃ اللہ علیہ نے ابن راشد کے حوالہ سے "تبصرۃ الحکام" میں یہ تعریف لکھی ہے۔ القضاء: الاخبار عن حکم شرعی علی سبیل الالزام(۱/۸) کسی حکمِ شرعی کی بطریق الزام خبر دینا؛ چناں چہ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں بہت مختصر طور پر اتنا ہی تحریر فرمایا ہے۔ وفی الشرع یراد به الالزام(۲۵۲/۷)

علامہ ابوبکر کاسانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: القضاء هو الحکم بین الناس بالحق والحکم بما انزل الله عز وجل(بدائع الصنائع ۲/۷) لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کے حکم اور حق کے مطابق فیصلہ کرنا۔

شیخ قاضی ابن الشحنہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وفی الشرع یرادبالقضاء فصل الخصومات وقطع المنازعات(لسان الحکام علی هامش معین الحکام ۳) خصومات کا فیصلہ کرنے اور نزاعات کو ختم کرنے کا نام قضاء ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: وفی الشرع قول ملزم یصدر عن ولایة عامة کذا فی خزانة المفتین(۳۰۶/۳) ایسا قول ملزم جو ولایتِ عامہ کی بنیاد پر صادر ہوا ہو۔

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے بحر الرائق میں کئی تعریفوں کو جمع فرمادیا ہے:

الثانی معناه شرعا: فعرفه فی فتح القدیربالالزام، وفی المحیط بفصل الخصومات وقطع المنازعات، وفی البدائع الحکم بین الناس بالحق وهو الثابت عندالله تعالیٰ من حکم الحادثة ..... وعرفه

العلامة قاسم بانه انشاء الزام فی مسائل الاجتهاد المتقاربة فیما یقع فیه النزاع لمصالح الدنیا.....الخ (بحر الرائق٦/ ٢٧٧)

قضاء کے ارکان حسبِ تصریح قاضی ابوالحسن علاء الدین علی بن خلیل طرابلسی رحمۃ اللہ علیہ کل چھ ہیں: الباب الخامس فی ارکان القضاء، و هی ستة: القاضی، والمقضی به، والمقضی له، والمقضی فیه، والمقضی علیه، وکیفیة القضاء. (معین الحکام:١٤)

ان تمام ارکان میں سے ہر ایک کے متعلق بڑی تفصیلات ہیں جو اس موضوع پر تصنیف شدہ کتبِ فقہ میں موجود ہیں، جن کی اس مضمون میں گنجائش نہیں، معین الحکام، لسان الحکام، تبصرۃ الحکام میں یہ تمام چیزیں دیکھی جاسکتی ہیں، اردو زبان میں قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب مدظلہ کی کتاب ''اسلامی عدالت'' بڑی جامع اور بے نظیر ہے۔

(الف) قضاء کی تعریف میں جو الزام مذکور ہے اس سے الزام معنوی مراد ہے؛ لیکن یہ الزام معنوی اسی وقت حاصل ہوگا جب کہ قاضی کو تمکن وقدرت حاصل ہو۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فکون الرجل امیرا وقاضیا ووالیا وغیر ذلك من الامور التی مبناها علی القدر والسلطان متی حصل مایحصل به من القدرة والسلطان حصلت والافلا، اذ المقصود بها عمل اعمال لاتحصل الا بقدرة فمتی حصلت القدرة التی بها یمکن تلك الاعمال کانت حاصلة والا فلا وهذا کون الرجل راعیا للماشیة متی سلمت الیه بحیث یقدر ان یرعاها کان راعیا لها والا فلاعمل الا بقدرة علیه فمن لم یحصل له القدر علی العمل لم یکن عاملا، والقدر علی سیاسة الناس اما بطاعتهم له واما بقهره لهم فمتی صار قادراً علی سیاستهم

بطاعتهم او بقهره فهو ذو سلطان مطاع اذ أمر بطاعة الله.
(منهاج السنة ۱/ ۱٤۱، ۱٤۲)

خود امیر اور والی کے متعلق اس نوع کی صراحت موجود ہے۔

فان بايع الناس الامام ولم ينفذ حكمه فيهم لعجزه عن قهرهم لا يصير اماما(درمختار باب البغاة على هامش الشامی ۳/ ۳٤۰)

(ب) نمبر الف میں جواب آ گیا ہے۔

(ج) الزام معنوی کی تشریح وہی ہے جو قاضی مجاہد الاسلام صاحب نے فرمائی ہے کہ ''شریعت امر محکوم بہ کو محکوم علیہ پر لازم تسلیم کر لیتی ہے، مثلاً قاضی نے ہندہ کا نکاح زید سے فسخ کر دیا تو شریعت یہ تسلیم کر لے گی کہ ہندہ زید کی بیوی نہیں رہی، اسی طرح زید نے بکر پر ایک ہزار روپیہ کا دعویٰ کیا، بکر نے انکار کیا، شہادتوں سے زید کا دعویٰ صحیح ثابت ہوا، قاضی نے ایک ہزار روپیہ بکر کے ذمہ واجب الاداء قرار دیتے ہوئے اسے اس دین کی ادائیگی کا حکم دیا، ایسی صورت میں شریعت ایک ہزار روپیہ کی ادائیگی بکر کے ذمہ لازم تسلیم کر لے گی، اسی طرح قاضی کے سامنے یہ دعویٰ آیا کہ زید نے عمر کو قتل کر دیا قاضی کے نزدیک زید کا قاتل ہونا ثابت ہو گیا اور اس نے قصاص کا حکم دے دیا، اب شریعت زید کو واجب القتل تسلیم کر لے گی۔ غرض یہ کہ حکم شریعت کی وجہ سے کسی شئ کا لازم قرار پا جانا الزام معنوی ہے، قاضی کے حکم کی تعریف میں جو الزام مذکور ہے اس سے مراد الزام معنوی ہے الزام حسی نہیں۔ (اسلامی عدالت ۱/ ۱٦۷)

قال القرافی: حقيقة الحكم انشاء الزام او اطلاق فالالزام كما اذا حكم بلزوم الصداق او النفقة او الشفعة ونحو ذلك فالحكم بالالزام هو الحكم، واما الزام الحس من الترسيم والحبس فليس بحكم لان

الحاکم قد یعجز عن ذلك وقدیکون الحکم ایضا بعدم الالزام وذلك اذا کان ماحکم به هو عدم الالزام....الخ(معین الحکام:۷)

''الزام معنوی'' کی حقیقت سمجھنے کے لیے فقہ کے ایک دوسرے مسئلہ کو پیشِ نظر رکھنا مفید ہوگا، نکاح میں ولی کو صغیر یا صغیرہ پر ولایتِ الزام حاصل ہے جس کو ولایتِ اجبار سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔(دیکھئے: ہدایہ کتاب النکاح باب الاولیاء، اور فتح القدیر ۳/۲۷۶، ۲۷۷)

اس اجبار کی تشریح حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں:

و معنی الاجبار نفاذ النکاح علیها بدون رضاها، دون جبر ها علی النکاح.(فیض الباری،۴/۲۸۷)

فقہ کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہاں الزام حسی مراد نہیں ہے بلکہ الزام معنوی ہی مراد ہے، احقر نے یہ نظیر صرف الزام معنوی کی حقیقت واضح کرنے کے لیے پیش کی ہے۔

③ جوابِ سابق میں عرض کر چکا ہوں کہ جب تمکن وقدرت حاصل ہوگی تب ہی الزام معنوی کا بھی تحقق ہوگا ورنہ نہیں؛ اس لیے کہ قضاء کی تعریف "قول ملزم یصدر عن ولایة عامة" ہے اور ولایت کا تحقق ہونے کے لیے حسبِ تصریح ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ: اما بطاعتهم له واما بقهره لهم یعنی عوام الناس کی طرف سے رضا کارانہ اطاعت یا حاکم کی طرف سے قہر وغلبہ ہونا چاہیے، اسی لیے صاحب درمختار نے باوجود لوگوں کے بیعت ہونے کے اگر اس کا حکم اس کے عجز کی وجہ سے جاری نہیں ہوتا تو صاف فرمایا: لایصیر اماما کمامر.

مفتی کا فتویٰ ولایتِ عامہ کی بنیاد پر صادر نہیں ہوتا جب کہ قاضی کا فیصلہ ولایتِ

عامہ کی بنیاد پر صادر ہوگا، اسی لیے مفتی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ حاکم یا عوام مسلمین کی طرف سے اس کو منصب افتاء پر مقرر کیا جائے اس کے بغیر بھی (اگر اس میں اہلیت ہے تو) اس کا فتویٰ دینا درست ہے جب کہ قاضی اپنے طور پر منصب قضاء پر متمکن نہیں ہوسکتا جب تک کہ حاکم یا عوام مسلمین کی طرف سے اس کو اس پر فائز نہ کیا جائے۔

④ اس پر تفصیلی بحث جواب نمبر ایک میں گزر چکی ہے۔

غیر مسلم حکومت اگر مسلمانوں کے مطالبہ پر کوئی مسلمان قاضی مقرر کردے اس طرح کہ اس کو تنفیذ احکام کا اختیار ہو اور مسائل شرعیہ کے موافق فیصلہ کرنے سے روکا نہ جائے تو یہ درست ہے، اور اس پر ہمارے تمام اکابر (اصحاب دیوبند وسہارنپور وتھانہ بھون) کا اتفاق ہے، اور اگر حکومت از خود مقرر کرتی ہے اور اس پر مسلمان راضی ہیں تب بھی یہ تقرری درست ہوگی اور ولایتِ کافر علی المسلم کا الزام مسلمانوں کے مطالبہ یا تراضی کے بعد باقی نہیں رہے گا۔

(ب) و (ج) کا جواب شروع میں آچکا ہے۔

⑤ قوتِ قاہرہ کے بغیر بھی عوام مسلمین کی طرف سے رضا کارانہ اطاعت کی صورت میں قاضی کی صورت ممکن ہے۔ کما مر۔ اور جماعت مسلمین کی جو تفصیلات "الحیلة الناجزة" میں مذکور ہیں اس پر تو آج کل شرعی پنچایتوں میں بھی عمل نہیں ہوتا۔

⑥ جواب / ۵ میں مذکورہ صورت میں وہ تعدد جو موجب خلفشار ہو، نہیں ہوگا؛ ورنہ ضرور خلفشار ہوگا انتشار ہوگا اور ایسا کہ نوبت آپسی قتال کی آوے گی۔ اعاذنا الله تعالیٰ من الشقاق والقتال والله الهادی الی سواء السبیل. فقط والله تعالیٰ اعلم، ان کان صوابا فمن الله تعالیٰ وان کان غیر ذلك

فمنی ومن الشیطان.

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ربیع الآخر ۱۴۱۲ھ

ہندوستان کے حالاتِ حاضرہ میں مساجد کی حفاظت

فرقہ وارانہ فسادات میں تحمل یا مقابلہ

ووٹ اور بیمہ کے شرعی احکام

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ کرام مندرجۂ ذیل مسائل وسوالات کے بارے میں:

فرقہ پرست: ہمارے ملک ہندوستان میں آج کل فرقہ وارانہ فسادات نہایت منظم سازشوں کے تحت ملک کے ہر حصہ میں عام طور پر نیز اقتصادیات سے مضبوط مسلمانوں کے علاقہ میں خاص طور پر کرائے جارہے ہیں، غیر مسلم فرقہ پرست تنظیمیں محض مسلم دشمنی کی بناء پر دن رات سرگرداں مسلمانوں کے درپئے آزار ہیں، خواہ کسی کا آپس کے لین دین کا جھگڑا ہو یا جواری شرابی کا ہو، غیر مسلم عوام کا پولس کے ساتھ ٹکراؤ ہو، ہر صورت میں جھگڑے کا رخ آناً فاناً عام مسلمانوں کی طرف موڑ دیا جاتا ہے اور بلا امتیاز ہر اس شخص کو جو مسلمان کہلاتا ہو ہر طرح کا جانی، مالی نقصان پہونچانا دھرم کا کام سمجھا جارہا ہے، دکانیں لوٹ کر آگ لگادی جاتی ہے اور جو مسلمان نرغے میں آجائے بلا تأمل قتل کردیا جاتا ہے، مساجد اور مقابر کا انہدام اور بے حرمتی کرنے کو ''کرتوے کا پالن'' (فرض کی ادائیگی) تصور کیا جارہا ہے، جگہ جگہ دیواروں اور سڑکوں

پر جلی حروف میں اشتعال انگیز اور ذلت آمیز نعرے لکھ کر فخر محسوس کیا جارہا ہے، جلسہ جلوسوں میں مسلمانوں کی غیرت کو للکارا جاتا ہے بسوں اور ٹرینوں میں دل خراش فقرے کسے جاتے ہیں، جیسے ہندی و ہندو و ہندوستان، مسلمان جائیں پاکستان یا قبرستان۔ ہندوستان میں رہنا ہوگا تو وندے ماترم کہنا ہوگا۔

ہفت روزہ نئی دنیا اخبار ۱۹ تا ۲۶ / اکتوبر میں وشو ہندو پریشد کے صدر کا انٹرویو شائع ہوا ہے جس میں موصوف نے زہر افشانی کرتے ہوئے لبوں کو حرکت دی ''ہندوستان کی کسی بھی مسجد کو کھودو تو ایک مندر ملے گا'' نیز ''ہندوستان میں اگر عزت دینا ہوگا تو سب سے پہلے ہندو دھرم کو عزت دینا ہوگا، بعد میں ہم کسی کی عزت کریں گے''۔

نئی دنیا کے اگلے شمارہ میں (۲۷ تا ۲ / نومبر) رام جنم بھومی مکتی سمیتی کے صدر نے کہا کہ ''رام مندر کا مرکزی مقام اس جگہ پر ہوگا جہاں رام مورتی رکھی ہے''۔

واضح ہو کہ یہ مورتی بابری مسجد کے منبر پر رکھی ہوئی ہے، ملک کی ایک زیریں عدالت کے ایماء پر ۱۹۸۲ء میں بابری مسجد کو مندر کے روپ میں تبدیل کر دیا تھا اور کھلم کھلا پوجا پاٹھ جاری ہے، مزید یہ کہ بابری مسجد کو منہدم کر کے رام مندر تعمیر کرنے کا منصوبہ علانیہ طور پر بنایا گیا ہے، ریڈیو بی بی سی نے بھی اپنے ایک نشریہ میں اس کی تصدیق کی ہے، اخبارات میں اعلانات شائع ہو رہے ہیں کہ ۹ / نومبر کو رام مندر کا سنگِ بنیاد رکھنے کے نام پر اس غیر قانونی کارروائی کو عملی جامہ پہنایا جائے گا جس کی رو سے بابری مسجد اور اس کے بعد نہ جانے کتنی مساجد کو منہدم کرنے کا منصوبہ ہے۔

۵ / اکتوبر گجراتی روزنامہ سندیش میں بھی اس قسم کی دھمکی دی گئی ہے کہ ۹ / نومبر سے پہلے پہلے ہم کو بنیاد رکھنے کے لیے جگہ خالی نہ دی گئی تو ہم اپنی جدوجہد شروع

کردیں گے ہندوستان کو ہندوراشٹر کے نام سے پکارا جانے لگا ہے، اور دلی ریلوے اسٹیشن پر ایک بورڈ آویزاں کیا گیا ہے جس کے اوپر تحریر ہے ''ہندوراشٹر کی راجدھانی دلی میں آپ کا ہاردک سواگت''۔

پولیس: پولیس کی موجودگی میں فسادات کے دوران لوٹ مار، قتل وغارت گری کا بازار پوری طرح گرم رہتا ہے، مسلم علاقوں میں کرفیو نافذ کرکے فسادی طبقہ کو من مانی کرنے کی کھلی چھوٹ دی جاتی ہے؛ بلکہ بعض اوقات پولس خود لوٹ مار اور مسلمانوں کو گھروں سے نکال کر اذیت رسانی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہے ۱۹۸۷ء میں ہاشم پورہ ملیانہ (میرٹھ) کا نہایت اندوہناک لرزہ خیز اور ظلم وتشدد کی زندہ مثال ہے، جس میں پی اے سی کے بہادر جوانوں نے شب خون مار کر بہت سے بے گناہ مسلمانوں کو گولی کا نشانہ بنا کر نہر میں ڈال دیا تھا، پالن پور گجرات کے حالیہ فساد میں پولس کی موجودگی میں بلکہ پولس کی سرپرستی میں آتش زنی کرتے ہوئے راقم الحروف نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، فسادی لوگ چابک دستی سے تخریب کاری میں مشغول تھے، اور شہر کے رکھوالے فسادیوں کو روکنے کی بجائے راستہ روک کر کھڑے ہوئے تھے اور نہایت ہوش یاری سے لوگوں کو پہچان کر جانے کی اجازت دے رہے تھے کہ کہیں اچانک آکر کوئی فسادیوں پر حملہ نہ کردے، دکانیں جل رہی تھیں؛ لیکن پولس کا دھیان دوسری جانب تھا، آگ لگنے سے پہلے ہی دو پولس والے بس اسٹینڈ کی چھت پر چڑھ کر تماشہ دیکھ رہے تھے، پولس اگر دھیان دیتی تو آگ بجھانے والے عملہ کو بلا کر کروڑوں روپیہ کے ہونے والے نقصان کو بچا سکتی تھی۔

عدلیہ: عدالت نے مطلقہ عورت کے ساتھ ہمدردی جتا کر مسلمانوں کے ساتھ

جس بے دردی کا ثبوت دیا ہے محتاجِ بیان نہیں، بابری مسجد رام جنم بھومی کا تنازعہ جس کے نتیجہ میں آج پورا ملک آگ اور خون کے سمندر میں ڈوب چکا ہے ملک کی ایک عدالت ہی کی کرم فرمائیوں کا ثمرہ ہے، طویل عرصہ سے عدالت میں تصفیہ طلب کیس کو پسِ پشت ڈال کر جس کے بارے میں مسلمان چیخ چیخ کر تھک گئے ہیں کہ ''بابری مسجد تنازعہ کو دستاویز کی بنیاد پر طے کر دیا جائے، مسلمان عدالت کے فیصلہ کا احترام کریں گے'' تاہم عدالت نے ۱۹۸۲ء میں غیر مسلم فرقہ پرستوں کے لیے تالا کھولنے کی اجازت دے کر مسلمانوں کو انصاف سے محروم کر دیا، حال میں بھی جب کہ غیر قانونی طور پر رام مندر کے سیلا یانس کے خلاف اسٹے آرڈر حاصل کرنا چاہا تو ہائی کورٹ نے صاف انکار کر دیا۔

حکومت: حکومت نہ صرف یہ کہ فرقہ پرستوں کے خلاف قدم نہیں اٹھاتی بلکہ پولیس کی طرف سے کیے جانے والے مظالم وتشدد کا بھی سد باب نہیں کرتی، ہاشم پورہ ملیانہ (میرٹھ) میں پولس کے ذریعہ کیے جانے والے قتل عام کی تحقیقات کمیٹی گیان پرکاش کمیشن کی رپورٹ کی روشنی میں پی اے سی قصوروار ثابت ہو چکی ہے؛ لیکن کسی کے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہیں کی گئی اور کمیشن کی رپورٹ کو بھی شائع نہیں کیا گیا۔

البتہ مسٹر راجیو گاندھی نے اتنا احسان مسلمانوں پر ضرور کیا کہ کامن سول کوڈ بل پیش کر کے مسلم برادران وطن کو خبردار کر دیا کہ میری ذہنیت بھی ملک کے ان فرقہ پرستوں سے مختلف نہیں ہے جو ہندوستان کو ہندو راشٹر بنانا چاہتے ہیں، اور اگر ہے! تو کیا دلی ریلوے اسٹیشن پر لٹکنے والا بورڈ جس میں دلی کو ہندو راشٹر کی راجدھانی لکھا گیا ہے راجیو جی کو نظر نہیں آیا؟ گجرات، راجستھان، مدھیہ پردیش، یوپی و بہار میں

رام شیلا پوجن کے نتیجہ میں ہونے والے فسادات، بابری مسجد کی طرف سے برتی جانے والی سرد مہری کیا ہندوستان کے دستور اساسی کے مطابق ہیں؟

مسلمانوں کے مسائل: ① موجودہ حالات میں جب کہ ہر طرف سے مسلمانوں کے اوپر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں، مسلمان انصاف اور حکومت کی حفاظت سے محروم ہو چکا ہے، اپنی جان، مال، عزت، آبرو اور مساجد وغیرہ کی حفاظت کے لیے کیا صورت اختیار کرے بالخصوص بابری مسجد کی حفاظت چوں کہ صرف بابری مسجد تک ہی یہ نوعیت محدود نہیں ہے، متھرا کی عیدگاہ اور اس کے بعد بال ٹھاکرے کے الفاظ ہندوستان کی جس مسجد کو بھی کھودو تو ایک مندر ملے گا قابل غور ہیں۔

② ایسے حالات میں تحمل و برداشت کرنا صبر کہلائے گا یا بزدلی؟

③ ہندوستان کی موجودہ سیاسی پارٹیوں میں سے کوئی بھی پارٹی مسلمانوں کی خیر خواہ ثابت نہیں ہوئی؛ لہذا کسی ایک پارٹی کو جو نسبتاً اچھی ہو ووٹ دینا ضروری ہے؟ کیا ووٹ دینے اور نہ دینے میں کچھ گناہ ہے؟

④ فساد بھڑک جانے کے ڈر سے یا بھڑک جانے کے بعد مسلمانوں میں سے اگر کوئی جان بچا کر بھاگے تو گنہ گار ہوں گے یا نہیں؟

⑤ مسلمانوں کو درپیش حالات میں جب کہ تمام بیمہ کمپنیاں غیر مسلموں کی ہیں اور نقصان ہو جانے کے نتیجہ میں بیمہ کمپنیوں کو دینا پڑے گا تو ممکن ہے آتش زنی جیسی وارداتوں میں کچھ کمی واقع ہو جائے؛ لہٰذا اسکیم اختیار کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اپنی جان و مال اور عزت و آبرو؛ نیز مساجد وغیرہ کی حفاظت وصیانت سب

پر ضروری ہے، اور اس کے لیے ہر وہ طریقہ اختیار کرنا ضروری ہے جو مفید اور کارگر معلوم ہو، ظاہر ہے کہ اس باب میں کسی متعین طریقِ کار کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ بالیقین یہ کارگر اور مفید ہے، کسی ایک طریقِ کار کے متعلق اگر کسی فرد یا جماعت کو غلبۂ ظن حاصل ہے کہ یہ مفید ہے تو اس کے اختیار کرنے کی وہ پابند ہے، اور اس پر کاربند ہونے کی صورت میں مستحق اجر بھی، مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ مسلمانوں کی دوسری جماعتیں بھی اس طریقِ کار کو مفید اور کارگر ہونے کا یقین رکھیں، جو جماعت اس طریقِ کار پر یقین نہیں رکھتی وہ اگر اس میں شریک نہ ہو تو اسے نہ مجبور کیا جاسکتا ہے اور نہ اسے ملامت کی جاسکتی ہے۔

آزادیٔ ملک سے پہلے ایک زمانہ میں لاہور کی مسجد شہید گنج کا مسئلہ موضوع بحث بنا ہوا تھا، اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مفتیٔ اعظم ہند) کے مجموعہ فتاوی میں کئی فتاوی موجود ہیں چند اقتباسات پیش کرتا ہوں:

(۱) اس سوال کا تو ایک ہی جواب ہے کہ مسجد قیامت تک مسجد ہے اور مسلمانوں کو اپنی استطاعت کے موافق اس کی تحصیل کے لیے کوشش کرنا چاہیے اور استطاعت کے مدارج مختلف ہیں۔ (کفایت المفتی ۹/ ۲۸۲، ۲۸۳)

(۲) مسجد کی واگذار کے لیے جدوجہد کرنا اور قابل عمل متحدہ نتیجہ بخش ذرائع سے اسے واگذاری کرانا مسلمانوں کا مذہبی اور شرعی وظیفہ ہے۔ (ایضاً ۹/ ۲۸۵)

(۳) مسجد کی واپسی کے ذرائع اور جدوجہد کے متعلق میں صرف اسی قدر عرض کرسکتا ہوں کہ جو افراد اور جماعتیں خلوص کے ساتھ مسجد کی واگذاری کے لیے سعی کریں گی وہ عنداللہ ماجور ہوں گی، بظاہر اسبابِ کامیابی کی سبیل ایک ہی ہے کہ

مسلمان متحد ہو کر کام کریں جب تک آپس میں نفاق وشقاق اور ایک دوسرے پر سب وشتم کا سلسلہ جاری ہے کامیابی مشکل ہے۔ (ایضاً ۹/ ۲۸۰)

④ مسجد شہید گنج کی واپسی کے سلسلہ میں آئینی طریق پر حصہ لینا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے یہ صورت بھی (ایک مخصوص صورت جس کا سوال میں تذکرہ ہے۔ احمد) بسا اوقات اختیار کرنی ہوتی ہے اس کے لیے رہبر ورہنما موقعہ شناسی سے حکم دیتا ہے، اور اس کا اتباع کرنا ہی اصلح وانفع ہوتا ہے۔ (ایضاً ۹/ ۲۸۰)

⑤ اگر مسلم لیگ کوئی ایسا ذریعہ تجویز کرے کہ اس میں قید وبند یا جان جاتے رہنے کا بھی خطرہ ہو اور وہ اسے حصول مسجد کے لیے بظن غالب یا بدرجۂ یقین مفید سمجھے تو مسلم لیگ کی اس رائے سے اتفاق رکھنے والوں کے لیے اس پر عمل کرنا جائز اور ان کے لیے موجبِ اجر ہوگا، اور اگر اس سلسلہ میں وہ مرجائیں گے تو شہید ہوں گے؛ لیکن انہیں یہ حق نہ ہوگا کہ جو مسلمان اس ذریعہ کو حصولِ مسجد کے لیے مفید نہیں سمجھتے تو ان کو بھی شرکت پر مجبور کریں یا عدم شرکت کی بنا پر لعن طعن کریں۔ (ایضاً ۹/ ۲۸۳)

شیخ المشائخ امام ربانی حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس نوع کا ایک سوال کیا گیا تھا فتاویٰ رشیدیہ سے پورا سوال جواب پیش کرتا ہوں:

سوال: یہاں چار کوس پر ایک موضع میں ایک مسجد خام کہنہ ہے، اس کو ایک کافر شہید کرا کر بت خانہ بنوانا چاہتا ہے تو حضور مسلمانوں پر اس کا روکنا فرض ہے یا نہیں؟ مستحب ہے؟ اور اس کافر کا مقابلہ کرنا یا اس میں لڑ کر شہید ہو جانا فرض ہے یا مستحب؟ غرض یہ ہے کہ کس درجہ مسلمان اس کافر خبیث ظالم کا مقابلہ کریں؟

الجواب: اس مسجد کی صیانت سب مسلمانوں پر فرض ہے مگر لڑنا، مرنا ہر گز

درست نہیں ہے، حسبِ قاعدہ سرکاری طور سے سرکار کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔
(فتاوی رشیدیہ قدیم ۳/۲۰)

② عدمِ استطاعت کی حد تک پہنچ جانے کے بعد خاموش رہنے کی رخصت ہے اور عدم استطاعت کی حد تک مسئلہ پہنچا یا نہیں؟ اس میں اختلافِ رائے ممکن ہے اور اختلافِ رائے پر طرقِ عمل کا اختلاف بھی لازم ہے۔ (کفایت المفتی ۹/۲۸۳)

③ جس شخص کے متعلق یہ توقع ہو کہ وہ صحیح خدمت کرے گا، نفع پہونچائے گا، حقوق دلوائے گا، ظلم کو روکے گا اس کو ووٹ دیا جائے، جس پارٹی کے متعلق یہ توقع ہو اس پارٹی کو ووٹ دیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵/۱۶۷)

اگر نفع ہو یعنی دین کی، قوم کی، ملک کی صحیح خدمت مظنون ہو تو درست ہے۔
(ایضاً ۵/۳۴۱)

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر مسلمانوں کے ووٹ سے کسی سیاسی مجلس کا انتخاب کیا جائے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ امور سیاسیہ میں جو شخص ماہر اور مسلمانوں کا خیر خواہ اور ان کے حقوق کی حفاظت کا اہل ہو اس کو ووٹ دیں۔
(کفایت المفتی ۹/۳۷۴)

فقہ کا قاعدہ ہے: "لوکان احدھما اعظم ضررا من الآخر فان الاشد یزال بالاخف"۔ (الاشباہ والنظائر ۸۸) نیز "اذا تعارض مفسدتان روعی اعظمھما ضررا بارتکاب اخفھما" (ایضاً ۸۹)

اگر مسلمانوں کے ووٹ نہ دینے کی صورت میں اندیشہ ہے کہ وہ پارٹی برسر اقتدار آجائے گی جو مسلمانوں کے لیے زیادہ مضر اور نقصان دہ ہے تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اس کے ضرر کو دور کرنے کی نیت سے دوسری پارٹی کو ووٹ دیں۔

④ فرقہ وارانہ فسادات میں بلوائیوں کا حملہ اگرچہ باقاعدہ جہاد نہیں ہے؛ لیکن مسلمانوں کی غیرت اجازت نہیں دیتی کہ وہ مقابلہ سے کنارہ کشی اختیار کریں بلکہ اگر بلوائی دو چند یا اس سے کم ہیں اور مسلمانوں کے پاس ہتھیار بھی ہیں تو ہرگز نہ بھاگیں مقابلہ کریں اور اگر بلوائی دو چند سے بھی زیادہ ہیں یا مسلمانوں کے پاس ہتھیار نہیں ہیں تو جان بچانے کی تدبیر اختیار کریں خواہ مقابلہ کر کے ہو یا دوسری صورت سے ہو۔

ان کان عدد المسلمین نصف عدد المشرکین. (فتاویٰ عالمگیری ۲/ ۱۹۳)

(فتاویٰ محمودیہ ۵/ ۱۶۱)

⑤ بیمہ میں سود بھی ہے اور جوا بھی، یہ دونوں چیزیں شرعاً ممنوع ہیں؛ اس لیے بیمہ بھی ممنوع ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص ایسے مقام پر اور ایسے ماحول میں ہو کہ بغیر بیمہ کرائے جان و مال کی حفاظت ہی نہ ہو سکتی ہو یا قانونی مجبوری ہو تو بیمہ کرانا درست ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۲۴۰)

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے فتاویٰ رحیمیہ ۶ / ۱۳۲ تا ۱۳۵ کا مطالعہ بھی فرمالیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۶ / ربیع الآخر ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ظلم کے وقت متحد ہو کر آئینی چارہ جوئی ہی حل ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین مسائل ذیل کے بارے میں کہ:

① ایسا جمہوری ملک جس میں غیر مسلموں کی حکومت ہو اور اس میں مسلمان

ایک بڑی اقلیت کی حیثیت سے رہتے ہوں، اور بنیادی وقانونی طور پر مسلمانوں کی دیگر اہل مذاہب کی طرح کھلے طور پر اپنے مذہب پر چلنے اور اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت کرنے کا بھی حق حاصل ہو؛ لیکن عملی اعتبار سے اس ملک کے غیر مسلموں کی اکثریت نے اس کے خلاف عمل شروع کر دیا ہو، اور یقینی طور پر حکومت (یا اکثر عہدہ داران اور حاکمانِ وقت نے بھی) ان کو کھلی چھوٹ دے رکھی ہو؛ بلکہ در پردہ ان کا تعاون بھی کیا ہو، اور ان کو واضح اور پختہ ثبوتِ جرائم مل جانے کے باوجود بھی کوئی بھاری سبق آموز سزا نہ دی ہو، اور اس طرح کی ناپاک سازشوں کا سیکڑوں بار سیکڑوں شہروں اور قصبات ودیہات میں مشاہدہ کیا جا چکا ہے، تو کیا ایسی نازک صورت میں بھی مسلمان خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہیں اور کیا صرف حکومت سے احتجاج اور مطالبات کر کے (جن کی حیثیت پاگل کی بڑ سے زیادہ نہیں) یا چند کاغذی تجاویز اور میمورنڈم پیش کر کے رہنمایانِ اسلام وقائدینِ ملت وملک اپنے فریضہ سے عند اللہ سبک دوش ہو سکتے ہیں؟ مذہبِ اسلام ان حالات میں مسلمانوں کی مکمل رہنمائی کرتا ہے یا نہیں؟ اور وہ رہنمائی کیا ہے؟

یکجا ہو کر رہنمائی کرنے کا مطلب

(۲) اگر کسی جمہوری ملک میں مسلم وغیر مسلم اقوام کے درمیان کسی بھی امر میں فساد کا امکان ہو بلکہ فسادات شروع ہو چکے ہوں، اور ہزاروں مسلمان شہید (یا قتل) کر دیے گئے ہوں، بہت سی مسجدیں جلا دی گئی ہوں، اور بعض مقامات پر مسجد کے مؤذن اور امام کو بھی شہید (یا قتل) کر دیا گیا ہو، اور تبلیغی جماعت کے خالص دینی

مسافروں کو مسجد میں زندہ جلایا گیا ہو، اور نوجوان لڑکیوں اور عورتوں کے ساتھ زنا بالجبر کیا گیا ہو؛ بلکہ ایک ایک لڑکی سے اس کے تمام چھوٹے بڑوں کے سامنے حکومت کے پانچ پانچ اور چھ چھ نوجوانوں نے زنا بالجبر کیا ہو، اور صرف مسلمانوں کی سیکڑوں دکانیں جلا کر راکھ کردی گئی ہوں، تو کیا ایسے اختلافی امر میں علمائے حق کا فوری طور پر یکجا ہوکر مسلمانوں کی امداد اور رہنمائی کرنا عندالشرع فرض ہے یا نہیں؟

بابری مسجد کے متنازعہ مسئلہ میں مسلمانوں کا ردعمل

③ ملکِ ہندوستان میں جو بابری مسجد کا متنازعہ مسئلہ تقریباً دوسال سے تشدد اختیار کر چکا ہے، کیا اس کے بارے میں تاہنوز (۲۸/نومبر ۱۹۹۰ء) علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین نے کوئی متفقہ دوٹوک فیصلہ اور شرعی فتویٰ علی الاعلان مسلمانانِ ہند کے سامنے پیش کیا ہے کہ آیا بابری مسجد توڑ کر مندر بنانے دیا جائے، اور مسلمان اس معاملے میں اپنی جان ومال اور عزت وآبرو تباہ وبرباد نہ کریں؟ یا یہ کہ بابری مسجد توڑ کر ہرگز مندر نہ بننے دیں چاہے مسلمانوں کو ہر قسم کی قربانی دینی پڑے، اگر یہ شرعی فتویٰ شائع ہوچکا ہو تو براہِ کرم اس کو فوری طور پر ہمارے مذکورہ بالا پتہ پر ارسال فرمادیں، اور اگر ابھی تک یہ فتویٰ شائع ہی نہیں ہوا ہو تو شائع فرمادیں یا ہمیں لکھیں، ان شاء اللہ ہم اسے شائع کردیں گے، اور اگر اس کا جواب کسی مصلحت شرعی یا مجبوریٔ دین کی وجہ سے نہیں دیا جاسکتا تو اس شرعی مصلحت یا دینی مجبوری کو واضح طور پر مدلل تحریر فرمائیں۔

حکومت کے ہمنوا عہدے داروں سے بائیکاٹ کا حکم

④ جو مسلمان بالخصوص علماءِ اسلام کسی اسلام ومسلمان دشمن حکومت کے ایم

ایل اے ہوں، یا ایم پی ہوں، یا حکومت میں ان کو کوئی مقام حاصل ہو، انھیں ہر ایسی حکومت سے بائیکاٹ کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر کوئی عالمِ دین یا مسلمان ایسی ظالم و بے انصاف حکومت سے اپنا تعلق ختم نہیں کرتا بلکہ کرسی اور عہدہ کی لالچ میں حکومت سے چمٹا ہوا رہتا ہے، اور مسلمانوں کی قتل وغارت گری اور تباہی و بربادی و بے عزتی کا آئے دن مشاہدہ کرتا رہتا ہے، تو کیا ایسے عالمِ دین یا مسلمان کا اہل اسلام بائیکاٹ کر سکتے ہیں؟ اور کیا ان عہدہ داروں کو حکومت سے بائیکاٹ کرنے پر مجبور کرنا از روئے شرع درست ہوگا؟

نصرتِ خداوندی کب حاصل ہوتی ہے

⑤ کیا قرآن وحدیث میں کہیں یہ لکھا ہوا ہے کہ جب مسلمان اکثریت میں ہوں گے تب تو اللہ ان کی مدد کرے گا، اور اگر کم ہوں گے تو اقلیت کی وجہ سے ان کی مدد نہیں کرے گا؟ یا اس کے برخلاف لکھا ہے کہ تمھاری کثرت تمھیں دھوکہ میں نہ ڈال دے، کیا اس سلسلہ میں جنگِ بدر اور جنگِ احد سے کچھ مفہوم ہوتا ہے؟ اگر قلت وکثرت پر اللہ کی مدد کا انحصار نہیں تو پھر وہ کون سی چیز ہے جس پر اللہ نے مسلمانوں کی مدد کا وعدہ فرمایا ہے؟

⑥ اگر ایمان پر اللہ کی مدد کا وعدہ ہے تو الحمدللہ لاکھوں ایمان والے موجود ہیں کیوں کہ حدیث پاک میں وضاحت موجود ہے کہ جس میں ننانوے علامتیں کفر کی ہوں اور ایک علامت ایمان کی ہو اس کو مومن ہی کہو (اوکما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام) تو پھر ہمت کر کے مومنوں کو ظالم، کفار و بے انصاف حکومت کا مقابلہ کرنا

چاہیے، بھلے ہی اس مقابلہ کا نام جہاد نہ ہو مدافعت اور حفاظت ہی ہو۔

اور اگر صرف ایمان پر نہیں بلکہ ایمان کے ساتھ نیک اعمال بھی ہوں تو اللہ کی مدد کا وعدہ ہے، تو الحمد للہ ایمان اور نیک اعمال کرنے والے بھی اس زمانے میں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں، انھیں کو ظالم، کفار کا مقابلہ کرنا چاہیے، اگر یہ باتیں سچ اور حق ہیں تو پھر ڈر اور خوف کس بات کا ہے؟ بزدلی کیسی ہے؟ غالباً یہ بھی سچ ہوگا بلکہ بلاشک سچ اور حق ہے کہ ایک دل میں دو خوف جمع نہیں ہو سکتے تو پھر مسلم رہنما یہ کہہ کر مزید مسلمانوں کو بزدل بنادیں کہ بھائی ہم لوگ ہندوستان میں بہت تھوڑے ہیں، ہم کر بھی کیا سکتے ہیں، تو کیا مسلم رہنماؤں کا یہ جواب صحیح ہوگا؟ کیا مسلمان زیادہ ہوتے تو بغیر اللہ کی مدد کے کامیاب ہو جاتے اور کم ہیں تو کیا ہلاک ہو کر ہی رہیں گے کچھ بھی ہو نہیں سکتا؟ کیا ہندوستان کے مسلم رہنماؤں کی ۳۵/ سالہ مصلحتِ غیر شرعی اور ناز یبا خاموشی سے مسلمان قتل و غارت گری سے ذبح کیے گئے اور کیا کوئی اس کی ضمانت لے سکتا ہے کہ آئندہ بھی یہ غیر شرعی مصلحت اور مطلبی خاموشی مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا سبب بنے گی؟ مفصل اور مدلل جواب مرحمت فرمائیں۔

کفار سے جنگ کرنے کے لیے ولی کامل ہونا شرط نہیں

⑦ کیا قرآن و حدیث میں کہیں یہ پابندی عائد کی گئی ہے کہ جب تک تم پورے ولی کامل نہ بن جاؤ اس وقت تک ظالم، کفار سے جنگ مت لڑنا، چاہے تمھارا جو بھی حشر ہو جائے؟

اسباب اختیار کرنا ضروری ہے، ''قدم جمانے'' کا مطلب

⑧ کیا قرآن میں یا احادیث میں یہ کہیں لکھا ہے کہ تمھارے تمام مسائل صرف

فضائل سے حل ہو سکتے ہیں، تمھارے کام صرف عبادت، نماز، تسبیح، ذکر، تہجد، تبلیغ دین سے بن جائیں گے، ان فضائل وعبادات، نماز، تسبیح، تبلیغ کے علاوہ کوئی بھی مادی سبب اختیار کرنے کی ضرورت نہیں، نماز سے رزق میں وسعت ہوتی ہے، کمانے، محنت مزدوری، کام کاج کرنے کی ضرورت نہیں، اشراق کی دو رکعت نماز سے مقبول حج اور عمرہ کا ثواب مل جاتا ہے اب تمھیں حج فرض ہونے کے باوجود بھی حج والی محنت کی ضرورت نہیں، باقی دو رکعت اشراق سے اللہ دن بھر کے تمام کاموں کی کفایت کرے گا؛ لہٰذا اب تم آرام سے گھر میں، مسجد میں، خانقاہ میں، مدرسہ میں بیٹھے رہنا کہیں آنا جانا مت، بھاگ دوڑ مت کرنا، کام تمھارا فرشتوں سے کرادیں گے ﴿ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم﴾ کے تحت تم کو کسی بھی موقع پر کسی بھی حالت میں ہتھیار اٹھانے کی، مدافعت کی دشمن کو روکنے کی ضرورت نہیں، تم تو بس دین کے کام میں لگے رہنا، اللہ فرشتوں کو بھیج کر سب ظالم، کفار کا ستیاناس کردے گا۔ کیا قرآن کی آیت کا مطلب یہی ہے یا اور کچھ ہے؟ اور ہاں یہ بھی بیان فرمائیں کہ ﴿ویثبت اقدامکم﴾ سے کس بات کی طرف اشارہ ہے؟ قدم کب اور کہاں جمانے پڑتے ہیں؟

⑨ بڑے بڑے مصلحت پسند دانش ور صوفی صلحِ حدیبیہ کی صحیح حقیقت سمجھ سکے ہیں، آپ کچھ جانتے ہوں تو قرآن وحدیث کی روشنی میں صلحِ حدیبیہ کا صحیح موقف بیان فرمائیں؟

⑩ صلحِ حدیبیہ کی تو زمانی حد بندی تھی، کیا اس زمانے کے ہندوستانی مسلمانوں کے لیے بھی صلحِ مطلبی کی کوئی حد زمانی ہے؟

کیا ان حالات میں بھی جہاد فرض نہیں ہوا؟

(۱۱) کیا یہ ضروری ہے کہ ہر گھر کا ایک دو فرد قتل کر دیا جائے، ہر مسلمان کا گھر یا دوکان جلائی جائے، ہر گھر میں ایک دو عورتوں سے زنا بالجبر کیا جائے، ہر مسجد ہی کا مندر بنایا جائے تب ہی جہاد فرض ہوگا اس سے پہلے نہیں، سیکڑوں شہروں، قصبات، دیہات میں ہزاروں مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا گیا اور وہ سب کچھ کر دیا گیا کہ جس کے بیان سے بھی جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جیسا کہ سب کو معلوم ہو چکا ہے، تو کیا اتنا سب بھی جہاد کے لیے کافی نہیں، یا یہ ہی ضروری ہے کہ جب عالموں کو مفتیوں کو مسجد کے ائمہ کو ہی قتل کیا جانے لگے، اور خدانخواستہ ان کے ساتھ بھی وہی سب کچھ ہونے لگے جو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے تب ہی جہاد کی فرضیت ثابت ہوگی؟

جان و مال کی حفاظت کی تدابیر

(۱۲) بالفرض اگر جہاد فی زماننا اسلام سے خارج ہو چکا ہے تو کیا لفظ جہاد کو مٹا کر اس کے متبادل کسی دوسرے نام سے اس ظلم و استبداد کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا؟ کیا کسی بھی تنظیم اور تحریک سے مظلوم مسلمانوں کی غمزدہ و ہوش ربا فریاد پر ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی کوئی شکل نہیں نکل سکتی؟

اہل و عیال و مسجد کی حفاظت میں مارا گیا شہید ہے

(۱۳) مسلمان اگر اپنے گھر اور اپنے بیوی، بچوں، ماں، باپ، بھائی، بہنوں کی

حفاظت اور مدافعت میں مارا گیا تو وہ حرام موت مرا یا شہید ہے؟

⑭ مسلمان اگر مسجد کی حفاظت اور مسجد کو مندر نہ بنانے کے لیے مرا تو وہ حرام موت مرا یا شہید ہے؟

⑮ "اعمالکم عمالکم" تمھارے اعمال تمھارے حاکم ہیں۔ اس حدیث کی روشنی میں مقرر، مبلغ کہتے ہیں کہ بھائیو! یہ جو پریشانیاں آرہی ہیں یہ ہمارے برے اعمال کی سزا ہے لفظ "ہمارے" اگرچہ بولا گیا؛ لیکن اللہ جانتا ہے کہنے والوں میں اکثر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ سب "تمہارے" برے اعمال کی سزا ہے، رہے ہم، تو ہم تو اولیاء اللہ میں سے ہیں، تم ہو بددین اگر یہ مان بھی لیں کہ بے شک ہر مقرر، مبلغ، صالح ہے، بزرگ ہے اور سامعین بددین ہیں تو کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے کہ صرف اتنا کہہ کر یہ "ہمارے اعمالِ بد کی سزا ہے" چھوڑ دیا جائے، اور مسلمانوں کی مدد اور رہنمائی سے دامن بچالیا جائے، کیا اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ کسی مسلمان کو قتل کیا جارہا ہو اس کی ماں بہنوں اور بیٹیوں کی عزت لوٹی جارہی ہو، اس کے گھر یا دوکان کو نذرِ آتش کیا جارہا ہو، اور دین دار مسلمان یہ کہہ کر ٹال دیں کہ جانے دو مرنے دو یہ تو اس مردود بددین کے برے اعمال کی سزا ہے؟ کیا یہ سچ ہے کہ ایک مسلمان کی قیمت ساتوں زمین و آسمان مل کر بھی نہیں ہو سکتے کیوں کہ زمین و آسمان اسی وقت تک باقی ہیں جب تک اللہ کا نام لینے والا روئے زمین پر باقی ہے، اگر یہ سچ ہے تو کیا ہزاروں مسلمانوں کی جان کی قیمت ایک پالتو کتے کے برابر بھی نہیں، گھر کی بھیڑ، بکری بلکہ ایک مرغی کے برابر بھی نہیں، اگر کوئی شخص ہمارے جانور کو مار ڈالے تو ہم کیا کچھ نہ کریں گے اور اگر خدانخواستہ ہمارے بیٹے کو قتل کردے تو اندازہ بھی نہیں

لگایا جاسکتا ہے ہم کیا کر گزریں گے؛ کیوں کہ یہ جانور اور اولاد ہمارے ہیں، مرنے والے مسلمان ہمارے نہیں؛ اس لیے ہمیں کوئی احساس نہیں۔ کیا یہ سچ ہے کہ مشرق میں رہنے والے مسلمان کے پاؤں میں کانٹا چبھے تو معلوم ہونے پر مغرب میں رہنے والے مسلمان یہ سمجھے کہ اس کے نہیں بلکہ میرے دل میں چھرا لگا ہے؟ کیا یہ سچ ہے کہ جس نے بلاقصور کسی کو قتل کیا گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر ڈالا، اور جس نے کسی انسان کی جان بچائی گویا اس نے تمام دنیا کے انسانوں کو زندگی بخش دی؟ یہ ہمارے برے اعمال کی سزا ہے کیا اس کے ذریعہ تصویر کا ایک رخ پیش نہیں کیا جارہا ہے؟ کیا یہ ایک فراڈ اور دھوکہ نہیں ہے کیا مقرر کا یہ جملہ ساتھ ہی ساتھ قربانی سے پہلوتہی اور بزدلی کا زندہ ثبوت نہیں ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں اعمال کی ترغیب گناہوں کی وعید کے ساتھ ساتھ مقررین ومبلغین کا کچھ سمجھانے بتانے کا کچھ فریضہ بھی ہے یا نہیں؟

دفاعی تنظیم کا قیام اور اس کی مخالفت کرنے والے کی سزا

⑯ (الف) اگر کوئی مسلمان خالص دینی جذبہ کے تحت اور مسلمانوں کی فلاح وبہبود کے تحت تبلیغ دین کے ساتھ مسلمانوں میں ظلم وکفر کے مقابلہ میں قربانی کا جذبہ (مگر ہوش کے ساتھ) پیدا کرے اور ایک امن کمیٹی برائے مدافعت وحفاظت قائم کرے، اور اس کی قولی، فعلی، عملی محنت شروع کردے تو یہ عندالشرع محبوب ہے یا مغضوب؟

(ب) اگر عندالشرع یہ عمل محبوب ہو، اور اب اس کے خلاف کوئی مسلمان یا عالم کوئی اقدام کرے یا تو مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دے یا یہ کہ حکومت کی چمچہ گیری کی غرض سے جاسوسی کرے یا محض اپنے حسد اور کینہ کی بنیاد پر راز فاش کردے تو ایسے

مسلمان کی مذہبِ اسلام میں کیا سزا تجویز کی گئی ہے؟

(ج) نیز خدانخواستہ یہ دفاعی اور حفاظتی تنظیم بنانے والا مسلمان اور اس میں کام کرنے والا کوئی مسلمان حکومت یا کسی ظالم، باغی کے ہاتھوں مارا گیا تو وہ حرام موت مرے گا یا شہید ہوگا؟

شہید کے اقسام

⑰ شہید کی کتنی قسمیں ہیں؟

جہاد کے اقسام

⑱ جہاد کی کتنی قسمیں ہیں؟ اور کن حالات میں کون سا جہاد مطلوب ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ حکومت سے آئینی کارروائی کا مطالبہ کرتے رہیں، اور حکومت کو اس خلافِ قانون اور خلافِ انسانیت ظالمانہ کارروائیوں کے خلاف قانونی کارروائی کرنے پر زور دیتے رہیں۔

یہ یاد رہے کہ کوئی بھی کارروائی اس وقت تک مؤثر ثابت نہ ہوگی جب تک کہ تمام مسلمان آپس میں متحد ہو کر اس کو انجام نہ دیں، احتجاجات اور مطالبات بھی اگر متحد ہو کر پیش کیے جائیں تو وہ اپنا اثر ضرور دکھلا سکتے ہیں۔

② یکجا ہونے کا کیا مطلب ہے؟ اگر حکم شرعی ایک شخص بتلا دے تو کیا اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا؟ نیز کیا تمام مسلمانانِ ہند بھی اس رہنمائی کو قبول کرنے اور اس پر

عمل پیرا ہونے کے لیے یکجا ہیں؟

③ ملک میں شائع ہونے والی مختلف باتوں کے سلسلہ میں احقر کی معلومات محدود ہیں؛ اس لیے ایسے کسی فتویٰ کی اشاعت کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں ہے؛ نیز جیسا کہ جواب سابق میں بتلایا جاچکا کیا شرعی فتویٰ تمام مفتیان کی طرف سے پیش ہوتب ہی وہ قابل عمل ہے ورنہ نہیں؟

بابری مسجد کا جو قضیہ درپیش ہے اسی نوع کے قضایا کے سلسلہ میں اکابر علماء کے فتاویٰ موجود ہیں اس کے دو نمونے پیش کرتا ہوں:

پہلا فتویٰ سید الطائفہ حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ملاحظہ فرمائیے:

سوال: یہاں چار کوس پر ایک موضع میں ایک مسجد خام کہنہ ہے، اس کو ایک کافر شہید کرا کر بت خانہ بنوانا چاہتا ہے تو حضور مسلمانوں پر اس کا روکنا فرض ہے مستحب ہے؟ اور اس کافر کا مقابلہ کرنا اور یا اس میں لڑ کر شہید ہوجانا فرض ہے یا مستحب؟ غرض یہ ہے کہ کس درجہ مسلمان اس کافر خبیث ظالم کا مقابلہ کریں؟ یا خاموش رہیں، اگر مارنا اور مرنا ضروری ہے تو خاص اس موضعِ مسجد کے مسلمانوں پر ضروری ہے یا جو مسلمان کہ اس قصہ کو سنیں؟

الجواب: اس مسجد کی صیانت سب مسلمانوں پر فرض ہے مگر لڑنا، مرنا ہرگز درست نہیں ہے، حسبِ قاعدہ سرکاری طور سے سرکار کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ فقط رشید احمد عفی عنہ (فتاوی رشیدیہ قدیم ۳/۲۰)

دوسرا فتویٰ مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو لاہور کی ایک مسجد شہید گنج نامی کے سلسلہ میں دیا گیا تھا، اس مسجد پر سکھوں نے

قبضہ کرلیا تھا، اور اس کو گرودوارہ بنانا چاہتے تھے، انگریز حکومت میں مقدمہ چلا اور سکھوں کے حق میں فیصلہ ہوکر حکومت کی بندوقوں اور سنگینوں کی حمایت میں سکھوں کو مسجد منہدم کرنے کا موقعہ فراہم کیا گیا، اور اس کی جگہ گرودوارہ بنایا گیا، اس مسجد کی واپسی کے لیے مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد شہید اور زخمی ہوئی اور مالی نقصان بھی بے اندازہ برداشت کیا، اس زمانہ میں یہ مسئلہ آج کی بابری مسجد کی طرح موضوع بحث ونزاع بنا رہا، حضرت مفتی اعظم مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی مسمیٰ ''کفایت المفتی'' کی جلد نہم میں مستقل ایک فصل اس مسئلہ پر از ۹/ ۲۷۸ تا ۹/ ۲۸۷ دیکھی جاسکتی ہے، اس کا مطالعہ ایک طالبِ حق کے لیے سرمۂ بصیرت ثابت ہوسکتا ہے، اس میں سے کچھ باتیں نقل کرتا ہوں:

(یہاں پر یہ بات بھی یاد رہے کہ اس کے بعد ملک آزاد ہوا، تقسیم ملک کے نتیجہ میں پاکستان وجود میں آیا، اور شہر لاہور اپنی اس مسجدِ شہید گنج کے ساتھ پاکستان کا ایک حصہ بنا؛ لیکن اب بھی اس جگہ گرودوارہ ہی ہے مسجد نہیں)۔

''مسجد شہید گنج کی واپسی کے سلسلہ میں آئینی طریق پر حصہ لینا ہر مسلمان کے لیے لازم ہے''۔(۹/۲۸۰)

''جو افراد اور جماعتیں خلوص کے ساتھ مسجد کی واگزاری کے لیے سعی کریں گی وہ عند اللہ ماجور ہوں گی''۔(۹/۲۸۰)

ایک صاحب نے اسی سلسلہ میں ایک تفصیلی استفتاء حضرت مفتیٔ اعظم سے دریافت فرمایا جس میں کئی سوالات ہیں۔ میں صرف جوابات کے نقل پر اکتفاء کرتا ہوں، جی تو چاہتا تھا کہ سوالات بھی نقل کرتا؛ لیکن طوالت کے خوف سے اس کو چھوڑ رہا ہوں:

① مسجد قیامت تک مسجد ہے اور مسلمانوں کو اپنی استطاعت کے موافق اس کی تحصیل کے لیے کوشش کرنی چاہیے، اور استطاعت کے مدارج مختلف ہیں، قانونی استطاعت تو تقریباً ختم ہو چکی ہے، اگر پریوی کونسل میں مقدمہ جاسکتا ہو یا فیڈرل کورٹ میں سماعت ہوسکتی ہو تو اسے بھی ختم کرلینا چاہیے۔ (یعنی یہ کوشش بھی کرگزرنی چاہیے)

② مسلمانوں نے مسجدِ شہید گنج کے لیے گزشتہ زمانہ میں جو قربانیاں دی ہیں، وہ بقدر اپنی نیت وخلوص کے اجر وثواب کے مستحق ہیں، جو مر گئے وہ شہید ہوئے اور جو زخمی ہوئے وہ بھی ماجور ہوں گے، اور ہر ایک کو اپنے خلوص کے موافق ثواب ملے گا۔

③ مجلسِ احرار، اتحادِ ملت اگر اپنے غلبۂ ظن یا یقین کی بناء پر کہ اس ذریعہ سے مسجد حاصل ہوسکتی ہے، سول نافرمانی کررہی ہیں تو وہ مستحقِ اجر ہوں گی، اور جمعیتِ علماء ہر اس شخص کو جو اس یقین کا حامل ہو سول نافرمانی کرنے میں حق بجانب سمجھتی ہے، مگر یہ لازم نہیں کہ مسلمانوں کی تمام جماعتیں اس بات کا یقین کرنے میں بھی شریک ہوں جو جماعت کہ اس ذریعہ سے حصول مسجد کا یقین نہیں رکھتی وہ اگر عمل میں شریک نہ ہو تو اسے نہ مجبور کیا جاسکتا ہے اور نہ اسے ملامت کی جاسکتی ہے۔

④ مسجد کے حصول کا قانونی راستہ تو بظاہر بند ہے اور سول نافرمانی کا راستہ موجبِ تیقن نہیں، باہمی افہام وتفہیم کا راستہ مفید ہوسکتا ہے، اگر اس کے لیے کوئی معقول جدوجہد کی جائے اور جب ہر طرح استطاعت سے باہر ہو جائے تو اس وقت شریعتِ مقدسہ کا فرمان ''کہ وسعت سے باہر کا مرتبہ تکلیف کے دائرہ سے باہر ہے'' صاف وصریح موجود ہے۔

⑤ ہاں اگر مسلم لیگ کوئی ایسا ذریعہ تجویز کرے کہ اس میں قید وبند یا جان

جاتے رہنے کا بھی خطرہ ہو، اور وہ اسے حصول مسجد کے لیے بظن غالب یا بدرجۂ یقین مفید سمجھے تو مسلم لیگ کی اس رائے سے اتفاق رکھنے والوں کے لیے اس پر عمل کرنا جائز اور ان کے لیے موجبِ اجر ہوگا، اور اگر اس سلسلہ میں وہ مرجائیں گے تو شہید ہوں گے؛ لیکن انہیں یہ حق نہ ہوگا کہ جو مسلمان اس ذریعہ کو حصولِ مسجد کے لیے مفید نہیں سمجھتے تو ان کو بھی شرکت پر مجبور کریں یا عدم شرکت کی بنا پر لعن طعن کریں۔

⑥ عدم استطاعت کی حد تک مسئلہ پہنچا یا نہیں؟ اس میں اختلافِ رائے ممکن ہے اور اختلافِ رائے پر طرقِ عمل کا اختلاف بھی لازم ہے۔

⑦ حکومتِ پنجاب اگر کوئی قابل قبول حل نکال سکے تو چشمِ ما روشن، دل ما شاد، اور اگر کوئی ایسا حل نکالے جو مسجد کے احکامِ شرعیہ کے موافق نہ ہو تو مسلمان اسے بطوعِ خاطر منظور نہیں کر سکتے، پھر اگر اس کی مخالفت سے کسی بہتر حل کا حصول ممکن ہو تو اس کی مخالفت کرنے میں حق بجانب ہوں گے، اور اگر کسی بہتر حل سے مایوسی ہو تو عدمِ استطاعت کے مرتبہ میں پہنچ کر سکوت کی رخصت ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی ۹/ از ۱۸۲ تا ۱۸۴)

④ اسمبلی یا پارلیمنٹ کی ممبری کا مقصد کرسی یا عہدہ کا لالچ ہے، تو وہ حکومت مسلم ہو یا غیر مسلم، عادل ہو یا ظالم، بہر حال یہ ممبری خسرانِ اخروی کا باعث اور واجب الترک ہے، اور اگر اس کا مقصد کسی بھی طریقہ سے امتِ مسلمہ کو فائدہ پہنچانا یا ان کو پہنچنے والے ضرر اور نقصان کو حتی المقدور دور کرنا ہے، تو یہ ممبری موجبِ اجر وثواب اور لائقِ اختیار ہے، انہی دو حالتوں اور مقاصد پر آئندہ اس کے ساتھ کیے جانے والے رویہ کا مدار ہے، اور چوں کہ نیت ایک امرِ مخفی ہے؛ اس لیے ہم اپنی طرف سے کسی کی بدنیتی

کا دعویٰ نہیں کر سکتے، اگر کسی شخص کو قرائن سے اس ممبر کا بدنیت ہونا معلوم ہو تو خود اس کے ساتھ تعلق نہ رکھنے کی اس کے لیے گنجائش نکل سکتی ہے؛ لیکن بلا دلیل شرعی دوسرے مسلمانوں کو اس کے ساتھ بائیکاٹ کی ترغیب یا حکم دینا نیز خود اس کو حکومت سے بائیکاٹ پر مجبور کرنا درست نہیں۔

⑤ اوامرِ خداوندی کی بجا آوری اور منہیاتِ شرعیہ سے اجتناب کے ذریعہ نصرتِ خداوندی حاصل ہوتی ہے۔

فارس کی لڑائی میں جب مدائن پر حملہ ہونے والا تھا تو راستہ میں دجلہ پڑتا تھا، کفار نے وہاں سے کشتیاں وغیرہ بھی سب ہٹالیں کہ مسلمان ان پر کود نہ آسکیں، برسات کا موسم اور سمندر میں طغیانی، امیر لشکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حکم دے دیا کہ مسلمان سمندر میں گھوڑے ڈال دیں، دو دو آدمی ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور سمندر میں گھوڑے بے تکلف تیر رہے تھے، امیر لشکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھی حضرت سلمان رضی اللہ عنہ تھے، اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ بار بار فرمارہے تھے: "واللہ لینصرن اللہ ولیہ، ولیظھرن دینہ، ولیھزمن عدوہ مالم یکن فی الجیش بغی اوذنوب تغلب الحسنات" (خدا کی قسم اللہ جل شانہ اپنے دوستوں کی مدد ضرور کرے گا، اور اپنے دین کو غالب کرے گا، اور دشمنوں کو مغلوب کرے گا جب تک کہ لشکر میں ظلم (یا زنا) نہ ہو اور نیکیوں پر گناہ غالب نہ ہو جائیں۔ (الاعتدال ۱۱۳ بحوالہ اشاعۃ)

ہرقل کی فوج بہت زیادہ تھی اور مسلمان اس کے مقابلہ میں بہت ہی کم تھے، جس کی اطلاع حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دی، اس کے جواب میں آپ نے تحریر فرمایا کہ تم مسلمان قلتِ تعداد کی وجہ سے مغلوب نہیں ہو سکتے؛

البتہ معاصی میں مبتلا ہونے پر باوجود کثیر تعداد کے بھی مغلوب ہو سکتے ہو؛ اس لیے اس سے پرہیز کرتے رہنا۔ (الاعتدال ۱۱۲ بحوالہ اشاعۃ)

عراق کی لڑائی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امیرِ لشکر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو جو نصیحت فرمائی تھی، اس کے چند الفاظ ملاحظہ فرمائیں: ''اس پر غرور نہ کرنا کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ماموں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی کہا جاتا ہے، اللہ جل شانہ برائی کو برائی سے نہیں مٹاتے بلکہ برائی کو بھلائی سے مٹاتے ہیں، اللہ کے درمیان اور اس کے بندوں کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے، اس سے صرف بندگی کا معاملہ ہے، اس کے یہاں شریف، رذیل سب برابر ہیں، اس کے انعامات اس کی اطاعت سے حاصل ہوتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی نبوت کے بعد سے وصال تک جو تم نے دیکھی ہے اس کو پیش نظر رکھنا اور اس کو مضبوط پکڑنا یہ میری خاص نصیحت ہے، اس کو اگر تم نے نہ مانا تو عمل ضائع ہو جاوے گا، اور نقصان اٹھاؤ گے، تم ایک بہت سخت اور دشوار کام کے لیے بھیجے جا رہے ہو جس کی ذمہ داریوں سے خلاصی بجز اتباع حق کے اور کسی صورت میں نہیں ہے؛ اس لیے اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو بھلائی کا عادی بنانا..... اللہ کا خوف اختیار کرنا۔ اور اللہ کا خوف دو چیزوں میں مجتمع ہے اس کی اطاعت میں اور گناہ سے احتراز میں، اور اللہ کی اطاعت جس کو بھی نصیب ہوئی ہے وہ دنیا سے بغض اور آخرت کی محبت سے نصیب ہوئی ہے۔ (الاعتدال ۱۱۵ بحوالہ اشاعۃ)

عن جرير بن عبدالله قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: مامن رجل يكون فى قوم يعمل فيهم بالمعاصى يقدرون على ان يغيروا عليه ولا يغيرون الا اصابهم الله منه بعقاب قبل أن يموتوا رواه ابوداؤد

وابن ماجه (مشکوٰۃ شریف:۴۳۷)

''نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر کسی جماعت اور قوم میں کوئی شخص کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، اور وہ جماعت وقوم باوجود قدرت کے اس شخص کو اس گناہ سے نہیں روکتی تو ان پر مرنے سے پہلے دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کا عذاب مسلط ہوجاتا ہے''۔

عن عدی بن عدی الکندی قال: حدثنا مولی لنا انه سمع جدی یقول: سمعت رسول اللهﷺ یقول: ان الله تعالیٰ لا یعذب العامة بعمل الخاصة حتی یروا المنکر بین ظهرا نَیْهم وهم قادرون علی ان ینکروه فلا ینکروا، فاذا فعلوا ذلك عذ ب الله العامة والخاصة رواه فی شرح السنة. (مشکوٰۃ شریف:۴۳۸)

یعنی اللہ جل شانہ چند مخصوص لوگوں کے گناہ کرنے سے سب کو عذاب نہیں کرتے جب تک کہ وہ لوگ ان مخصوص لوگوں کے روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں، اور جب ایسا ہو کہ وہ روکنے پر قادر ہوں اور نہ روکیں تو پھر عام خاص سب کو عذاب میں مبتلا فرماتے ہیں۔

عن عائشة قالت: دخل علي النبيﷺ فعر فت فی وجهه ان قد حضره شیء، فتوضأ و ماکلم احدا فلصقت بالحجرة استمع مایقول فقعد علی المنبر، فحمد الله وا ثنی علیه، و قال: یایها ا لناس ان الله تعالیٰ یقول لکم: مروا بالمعروف، وانهوا عن المنکر قبل ان تدعوا فلااجیب لکم، وتسألونی فلا اعطیکم، وتستنصرونی فلا انصرکم، فما زاد علیهن حتی نزل۔ (ابن ماجه)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ دولت کدہ پر تشریف

لائے، تو میں نے چہرۂ انور پر ایک خاص اثر دیکھ کر محسوس کیا کہ کوئی اہم بات پیش آئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی سے کچھ بات چیت نہیں فرمائی، اور وضو فرما کر مسجد میں تشریف لے گئے، میں حجرہ کی دیوار سے لگ کر سننے کھڑی ہوگئی کہ کیا ارشاد فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حمد وثنا کے بعد ارشاد فرمایا: لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو، مبادا وہ وقت آجائے کہ تم دعا مانگو اور قبول نہ ہو، تم سوال کرو اور سوال پورا نہ کیا جائے، تم اپنے دشمنوں کے خلاف مجھ سے مدد چاہو اور میں تمھاری مدد نہ کروں، یہ کلمات طیبات ارشاد فرمائے اور منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔

⑥ اس کا جواب نمبر ۵ میں آگیا، اس کا بھی جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ شریعت کے تمام شعبوں پر عمل کرنے والے کتنے مسلمان ہیں؟ آپ نے لاکھوں کی جو تعداد بتلائی ہے کیا اس میں مبالغہ آرائی نہیں ہے؟ اپنی قلتِ تعداد کو بہانہ بنانا تو ہرگز درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ دشمن کے مقابلہ میں کامیابی کا مدار قلت وکثرت یا ہتھیاروں کی کمی بیشی نہیں ہے بلکہ مشیتِ خداوندی ہے۔

⑦ ایسی پابندی تو نہیں ہے؛ البتہ کچھ دیگر شرائط ہیں جن کا لحاظ ضروری ہے۔

⑧ اسباب کا اختیار کرنا اس موقعہ پر جہاں شریعت کی طرف سے اس کو ضروری قرار دیا گیا ہے فرض ہے، بعض اوقات اس کی حیثیت سنت ومستحب کی رہتی ہے، بعض مواقع میں مباح کی، اور یہ تمام احکام بھی شریعت ہی کے جاری فرمودہ ہیں، دین مجموعہ کا نام ہے، کسی ایک جزء کا نہیں؛ البتہ آپ نے بھی ان کی تردید کے جوش میں ایسا انداز اختیار فرمایا ہے جس سے عبادات کا استخفاف لازم آتا ہے۔

﴿لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾

قدم جس طرح میدانِ جنگ میں دشمنوں کے مقابلہ میں جمانے پڑتے ہیں اسی طرح اطاعتِ خداوندی میں جادۂ شریعت پر بھی جمانے پڑتے ہیں، اور کل کو روزِ قیامت پل صراط پر بھی جمانے کی ضرورت پیش آوے گی، کتب تفسیر کی چند عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

﴿ویثبت اقدامکم﴾ ای عندالقتال، وقیل علی الاسلام، وقیل علی الصراط (تفسیر قرطبی ۲۳۴/۱۶)

﴿ویثبت اقدامکم﴾ فی مواطن الحرب ومواقفها، او علی محجة الاسلام، والمراد یقویکم او یوفقکم للدوام علی الطاعة (روح المعانی ۲۶/۴۳)

﴿ویثبت اقدامکم﴾ فی القیام بحقوق الاسلام والمجاهد مع الکفار (تفسیر مظهری ۸/ ۴۲۵)

اور کیا آپ نے اس طرف بھی توجہ فرمائی کہ یہ ﴿ویثبت اقدامکم﴾ کی جزاء کس شرط پر مرتب ہو رہی ہے؟

⑨ میں نہ دانش ور ہوں اور نہ صوفی، کیا عرض کروں؟

⑩ صلح ہی نہیں ہے تو پھر حدِ زمانی کہاں؟

⑪ جہاد جب سے فرض ہوا ہے اس کی فرضیت منسوخ نہیں ہوئی۔

واما قوله علیه السلام: الجهاد ماض الی یوم القیامة فدلیل علی وجوبه وانه لا ینسخ (بحر الرائق ۷۶/۵)

عن انس عن النبی ﷺ قال: جاهدوا المشرکین باموالکم وانفسکم والسنتکم رواه ابوداؤد، والنسائی، والدارمی (مشکوٰة ۳۳۴)

عن جابر بن سمرة قال: قال رسول اللهﷺ: لن يبرح هذا الدين قائمايقاتل عليه عصابة من المسلمين حتى تقوم الساعة رواه مسلم (ایضاً۳۳۰)

عن عمران بن حصين قال: قال رسول اللهﷺ:لاتزال طائفة من امتي يقاتلون على الحق ظاهرين على من ناواهم حتى يقاتل آخرهم المسيح الدجال رواه ابوداؤد. (ایضاً ۳۳۱)

شروع اسلام میں نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کے مامور تھے کہ مشرکین ومخالفین کی طرف سے پیش آنے والی تکالیف پر صبر سے کام لیتے ہوئے ان کے ساتھ درگزر اور چشم پوشی سے کام لیں۔ قال الله تعالیٰ: ﴿فاصفح الصفح الجميل﴾ وقال تعالیٰ: ﴿واعرض عن المشركين﴾

اس کے بعد آنحضرت ﷺ کو یہ حکم ملا کہ وعظ ونصیحت کے ذریعہ دین کی دعوت پیش فرمائیں اور مباحثہ کے لیے لطف ونرمی والا طریقہ اختیار فرمائیں۔ قال الله تعالیٰ:﴿ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن﴾

اس کے بعد آپ کو اس صورت میں قتال کی اجازت دی گئی جب کہ کفار کی طرف سے ابتدا ہو۔

قال الله تعالیٰ:﴿اذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا﴾ ای اذن لهم فی الدفع

وقال تعالیٰ:﴿فان قاتلوكم فاقتلوهم﴾

وقال تعالیٰ:﴿و ان جنحوا للسلم فاجنح لها﴾

اس کے بعد اپنی طرف سے ابتداء بالقتال کا حکم دیا گیا۔

قال الله تعالى:﴿وقاتلوهم حتى لاتكون فتنة﴾

وقال تعالی:﴿فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم﴾

اورارشادنبوی ﷺ:امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لااله الاالله، فاذا قالوھا فقد عصموا منی دماء ھم، واموالھم الا بحقھا وحسابھم علی الله.

الحاصل آخری حکم یہ ہوا کہ مشرکین کے ساتھ جہاد فرض ہے اوراس کی فرضیت تاقیام قیامت باقی ہے۔

ارشادنبوی ہے: الجھاد ماض منذ بعثنی الله تعالیٰ الی ان یقا تل آخر عصابة من امتی الدجال وقالا: بعثت بالسیف بین یدی الساعة، وجعل رزقی تحت ظل رمحی، والذل والصغار علی من خالفنی، ومن تشبه بقوم فھو منھم(کتاب المبسوط للامام السرخسی۱۰/۲،۳)

جہاد کے ان مختلف مراحل کی تفصیل کئی علماء نے فرمائی ہے، جن میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جہاد کے یہ تمام مراحل آج بھی مشروع ہیں یا آخری مرحلہ کو چھوڑ کر بقیہ تمام منسوخ ہو چکے ہیں؟ اس سلسلہ میں علماء کی عبارتیں مختلف ہیں۔ بعض حضرات کا دعویٰ یہ ہے کہ ہر بعد والے مرحلہ نے اگلے مرحلہ کو ختم کر دیا گویا آج پہلے تینوں مراحل منسوخ ہیں صرف آخری مرحلہ یعنی چوتھا باقی ہے، ان کے برخلاف علماء کی دوسری جماعت اس بات کی قائل ہے کہ اگلے مراحل بھی منسوخ نہیں ہیں بلکہ وہ ان مخصوص حالات کے ساتھ خاص ہیں جس میں ان کو مشروع کیا گیا تھا؛ اس لیے جب ایسے حالات پیش آویں گے تو وہی حکم ہوگا، اس گروہ کے سرخیل علامہ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، وہ فرماتے ہیں: انه لیس فی مراحل

الجهاد نسخ بل يعمل بكل مراحله عندالحالة المشابهة للحالة التى شرعت فيها(تكمله فتح الملهم ۳/۸ بحوالۂ البرهان فى علوم القرآن)

اسلام کی طرف سے جو فرائض اپنے ماننے والوں پر عائد کیے گئے ہیں ان تمام کی ادائیگی کے لیے کچھ شرائط، کچھ ارکان اور محل اداء بھی مقرر فرمائے ہیں۔ مثلاً نماز فرض قرار دی ہے تو اس کی ادائیگی کے لیے کچھ شرائط بھی ہیں، اور ارکان بھی ہیں، اب اگر کوئی آدمی ستر عورت یا طہارت کا اہتمام کیے بغیر نماز ادا کرنا چاہے تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی، گندگی سے پُر جگہ پر نماز پڑھنا چاہے تو نماز نہیں ہوگی، علی ہذا القیاس دیگر فرائضِ اسلام کا حال ہے۔ جہاد بھی ایک فریضہ ہے اس کے لیے بھی کچھ پابندیاں عائد کی گئی ہیں، جہاد کے لیے اولین ضرورت اس کی ہے کہ مسلمانوں کا متفق علیہ امیر ہو، جس کی اطاعت ہر حال میں کی جاتی ہو اور اس کے لیے ایسا مرکز بھی ہو جو کفار کے تسلط سے پاک ہو، نبیٔ کریم ﷺ جب تک مکہ معظّمہ میں قیام پذیر رہے جہاد کا حکم نہیں ملا؛ بلکہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی طرف سے جب کفار کے مظالم کی شکایت کی جاتی تو آپ ﷺ کی طرف سے صبر وسکون کی تلقین کی جاتی تھی؛ اس لیے کہ اس وقت تک مسلمانوں کو ایسا کوئی مرکز میسر نہ تھا جو کفار کے غلبہ اور تسلط سے پاک ہو، باوجود مسلمانوں کی خواہش اور درخواست کے مسلمانوں کو روکا گیا، ہاں جب مدینہ منورہ کی صورت میں مرکز میسر آیا تو جہاد کا حکم بھی ملا، اور اس وقت ان مسلمانوں کو جو مکہ معظّمہ میں تھے ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچنے کا حکم ہوا، چناں چہ جہاد کے ساتھ ہجرت بھی فرض ہوئی۔

ہندوستان میں گزشتہ صدی میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے جب چاہا کہ جہاد کا سلسلہ شروع فرمائیں تو چوں کہ اس وقت

ہندوستان پر انگریز کا غلبہ اور تسلط تھا؛ اس لیے وہ حضرات آزاد قبائل میں ہجرت کر گئے جو علاقہ غیروں کے غلبہ سے پاک تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا اس وقت تمام مسلمانانِ ہند کسی ایک امیر کی اطاعت پر متفق ہیں؟ پورے ہندوستان کی بات چھوڑیئے کہ بہت وسیع وعریض رقبہ ہے، کیا صرف ایک ہی صوبہ کے تمام مسلمان ایک امیر پر متفق ہیں؟ ایک صوبہ نہ سہی ایک ضلع اور ایک ضلع نہیں، ایک شہر کے مسلمان بھی کسی ایک امیر کی امارت واطاعت پر متفق ہیں؟ اور اگر اکثر مسلمان متفق ہو جائیں تو کیا اس امیر میں یہ قوت ہے کہ جو لوگ اس کی اطاعت سے خارج ہیں ان کو بزور اپنی اطاعت میں لے آوے؟ اور اگر بالفرض تمام مسلمان اس کی اطاعت میں آگئے ہیں تو کیا ہندوستان میں رہتے ہوئے اس کے پاس کوئی ایسی جگہ یا علاقہ ہے جو غیروں کے تسلط سے مکمل آزاد ہو جہاں وہ اپنی مرضی کے مطابق اسلامی احکام جاری کر سکے؟ اور جس کو مرکز قرار دے سکے؟ حنفیہ کے یہاں مالِ غنیمت کی تقسیم بھی اس وقت تک درست وجائز نہیں جب تک اس کو کفار کے تسلط سے نکال کر دار الاسلام میں نہ لے آوے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ کفایت المفتی جلد دوم از ۱۴۴ تا ۱۴۸ پر موجود ہے جس کا عنوان ہے ''ہجرت وجہاد'' اس کو ضرور ملاحظہ فرمالیں:

اس ملک میں رہ کر آپ کو خود پر اور اپنے مسلمان بھائیوں پر کیا اور کتنا اختیار حاصل ہے؟ اور وہ ایک امیر پر کہاں تک مجتمع ہو سکتے ہیں؟ اس کا اندازہ تو خود آپ کے قائم کردہ سوال نمبر ۱۶ سے ہو جاتا ہے پھر بھی آپ سوال نمبر ۱۱ میں دوسرا ہی انداز اختیار فرمائے ہوئے نظر آتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں والا ہوش یہاں مفقود ہے۔

⑫ مظلوم مسلمان کی فریاد رسی اور اس کی امداد ہر ایک پر ضروری اور فرض ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: انصر اخاك ظالما او مظلوما الخ متفق علیه (مشکوٰۃ:۴۲۲)

نیز آپ ﷺ فرماتے ہیں: المسلم اخوا المسلم لایظلمه ولایسلمه الخ متفق علیه(مشکوٰۃ:۴۲۲)

ایک اور ارشاد نبوی ہے: مامن امرئ مسلم یخذل امرأ مسلما فی موضع ینتهك فیه حرمته وینتقص فیه من عرضه الا خذله الله تعالیٰ فی موطن یحب فیه نصرته، ومامن امرأ مسلم ینصرمسلما فی موضع ینتقص من عرضه وینتهك فیه من حرمته الانصره الله فی موطن تحب فیه نصرته رواه ابوداؤد(مشکوٰۃ:۴۲۴)

مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت کے لیے جو تدابیر اجتماعی، انفرادی، کارگر اور مفید ہوں ان تمام کا اختیار کرنا حسبِ استطاعت ہر ایک پر ضروری ہے، کون سی تدبیر اس راہ میں مفید اور کارگر ہوسکتی ہے، اس سلسلہ میں اختلاف رائے بھی ہوسکتا ہے اور اسی کے مطابق عمل کے طریقے مختلف ہوسکتے ہیں، آپ جس تدبیر کو دیانۃً مفید سمجھتے ہیں اس کا اختیار کرنا آپ پر حسبِ استطاعت ضروری ہے؛ لیکن جو اس کو مفید نہ سمجھتا ہو بلکہ اس کے خیال میں آپ والا انداز بجائے مفید ہونے کے مضر ہو تو اس کے لیے ضروری نہیں کہ وہ اس میں آپ کی موافقت کرے، اور چوں کہ آپ کے پاس بھی اس پر کوئی نص قطعی نہیں کہ آپ والی تدبیر مفید ہی ہے؛ اس لیے جو اس کو اختیار نہ کرے اس کی آپ تضلیل و تفسیق نہیں کرسکتے۔

⑬ ⑭ دونوں صورتوں میں وہ شہید ہے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ شرح بخاری میں

فرماتے ہیں: وجاء ت احادیث اخری فی هذاالباب منها فی الصحیح: من قتل دون ماله فهو شهید، ومن قتل دون اهله فهو شهید، ومن قتل دون دینه فهو شهید، ومن قتل دون دمه فهو شهید.

(عمدة القاری شرح صحیح بخاری ۱۴/۱۴۷)

⑮ کسی کی نیت پر حملہ کرنا تو ٹھیک نہیں ہے، رہی مسلمان کی مدد اور اس کی فریادرسی تو وہ ہر ایک پر جو اس کی استطاعت رکھتا ہو ضروری اور فرض ہے، اس کی چند احادیث جواب نمبر ۱۲ میں پیش کر چکا ہوں۔

⑯ (الف): اس کا یہ اقدام مستحسن اور پسندیدہ ہے۔

(ب) اس کی کوئی مقررہ سزا نہیں ہے، حاکم مسلم اس کی مناسب تعزیر کر سکتا ہے۔

(ج) اس کا جواب نمبر ۱۳، ۱۴ میں آچکا ہے۔

⑰ شہید کی متعدد اقسام ہیں۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک رسالہ "ابواب السعادة فی اسباب الشهادة" میں تیس کے قریب شمار کرائی ہیں۔

قال السیوطی فی التنویر: وقد جمعتهم فناهزوا الثلاثین قلت: "سماها ابواب السعادة فی اسباب الشهادة" (اوجز المسالك ۴/ ۲۶۷)

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں چالیس کے قریب بتلائی ہیں: وهذا کما رأیت ترتقی الشهداء الی قریب من اربعین.

(عمدة القاری شرح صحیح البخاری ۱۴/ ۱۴۷)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ مہاجر مدنی نے مؤطا امام مالک کی شرح اوجز المسالک میں یہ تعداد ساٹھ تک پہنچادی ہے۔

وهذا کمارأیت ترتقی الشهداء الی قریب من ستین (۴/ ۲۶۹)

ان کے علاوہ بھی بعض اقسام صاحب مظاہر حق نے ذکر کی ہیں، اور کنز العمال میں بھی مزید کچھ اقسام موجود ہیں۔ وذکر صاحب مظاهر حق انواعا اخر، وكذا فی كنز العمال (اوجز المسالك ٤/ ٢٦٩)

⑱ بہ اعتبار آلات کے جہاد کی تین اقسام بیان کی جاتی ہیں: جہاد بالنفس، جہاد بالمال، جہاد باللسان۔ اس آخری قسم ہی کی ایک نوع جہاد بالقلم بھی ہے۔ لان القلم احد اللسانين نیز اس سلسلہ میں کچھ تفصیل جواب نمبر ۱۱ میں بھی آچکی ہے۔

عن انس عن النبي ﷺ قال: جاهدوا المشركين باموالكم وانفسكم والسنتكم رواه ابوداؤد والنسائی والدارمی (مشکوٰۃ: ۳۳۲)

کن حالات میں جہاد کی کون سی قسم پر عمل ہو اس کا فیصلہ امیر المؤمنین کرے گا اور اس کی اطاعت اس سلسلہ میں ضروری ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۲۴/ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

احیائے خلافت کی سعی

سوال: حضرت رسول اللہ ﷺ کی وفات کے عین بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ الرسول منتخب کیا گیا، اور اس طرح ادارہ خلافت کا قیام عمل میں آیا، جس کا سلسلہ خلیفہ سلطان عبد المجید ثانی یعنی ۱۳۳۱ھ سال تک بلا انقطاع رہا، ۱۹۲۴ء میں ترکی کے آمر مصطفی کمال پاشا کی ناعاقبت اندیشی معاندینِ اسلام کی مخالفانہ سازشوں سے ادارہ خلافتِ اسلامیہ کو ختم کر دیا گیا، اب دریافت طلب امور یہ ہیں کہ آیا:

(۱) ادارہ خلافت اسلامیہ ایک دینی ادارہ ہے؟

(۲) ایک شرعی ضرورت ہے؟

(۳) اعلائے کلمۃ الحق، اخوۃ اسلامی، مسلمانوں کے ناموس کے تحفظ، مسلمانوں کی مرکزیت اور ایسے ہی امور کے لیے ادارہ خلافت ضروری ہے؟

(۴) ارکان اسلام، مثلاً: اقامتِ صلوٰۃ، انتظام زکوۃ، فرائض حج، وخدمتِ حرمین شریفین اور حکمِ جہاد خلافت کی عدم موجودگی کی وجہ سے کچھ نہ کچھ متاثر ہیں؟

(۵) محتسب کے ذریعہ عمومی احکامِ اسلام کی پابندی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل درآمد، اور شرعی حدود کا مکمل نفاذ خلافت کی عدم موجودگی کی وجہ سے متأثر ہے؟

(۶) ادارہ خلافت اسلامیہ کا احیاء ایک دینی خدمت ہے؟

(۷) احیاء خلافت کے لیے فرداً فرداً اور اجتماعی طور پر مسلمانوں کی کوشش مستحسن ہے؟

(۸) احیاءِ خلافت کی کوشش اور جدوجہد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا موجب ہے؟

ظاہری اسباب، موجودہ مسلم حکمرانوں کے طرز عمل، مسلمانوں کی بے حسی اور غیر مسلم سیاسی طاقتوں کی مخالفت کے پیشِ نظر خلافت کا دوبارہ قیام مشکل نظر آتا ہے، ایسی صورت میں کیا (۱) مسلمانوں کو احیائے خلافت کا خیال ترک کر دینا چاہیے؟ (۲) کسی اور ادارہ کو خلافت کا بدل سمجھ کر قبول کر لینا چاہیے؟ یا یہ سمجھ کر کہ احیاء خلافت اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل نہیں اور اسلام کا غلبہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت ہے، خلافت کے احیاء کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہر زمانہ میں مسلمانوں کا ایک امام (رئیس) ہونا چاہیے، اور ایسا ہونا چاہیے کہ نہ

صرف لوگوں کی صحیح رہنمائی کرے؛ بلکہ مظلوم کا انصاف بھی ظالم سے دلوائے، کفر وشرک کی بیخ کنی بھی کرے، حدود وقصاص بھی جاری کرے، بوقت ضرورت جہاد بھی جاری کرے، اور فتنہ وفساد کا انسداد کر کے عدل وانصاف اور امن قائم کرے۔

(کفایت المفتی ۱/ ۱۳۶، ۱۳۷)

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہل سنت کہتے ہیں کہ مکلفین کے ذمہ واجب ہے کہ وہ اپنے میں سے ایک رئیس چنیں، اور شریعت کی روشنی میں اس کی اتباع اپنے اوپر لازم جانیں، اور امور شرعیہ میں اپنے رئیس کی مدد ومعاونت کریں۔ (تحفۂ اثنا عشریہ مترجم ۲۷۲)

علم کلام کے مشہور متن ''عقائد نسفیہ'' میں ہے: والمسلمون لا بد لهم من إمام يقوم بتنفيذ احكامهم، وإقامة حدودهم، وسد ثغورهم، وتجهيز جيوشهم، وأخذ صدقاتهم، وقهر المتغلبة، والمتلصصلة، وقطاع الطريق، وإقامة الجمع والأعياد، وقطع المنازعات الواقعة بين العباد، وقبول الشهادات القائمة على الحقوق، وتزويج الصغار والصغائر الذين لاأولياء لهم، وقسمة الغنائم ونحو ذلك من الأمور التي لايتولاها آحاد الامة.

(شرح عقائد ۱۱۰)

علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ عبارت بالا کی تشریح سے پہلے فرماتے ہیں:

والمذهب أنه (أي نصب الإمام) يجب على الخلق(۱۱۰)

فقہ حنفی کے مشہور متن ''درمختار'' میں ہے:

والإمامة هي صغرى وكبرى، فالكبرىٰ استحقاق تصرف عام على الأنام، وتحقيقه في علم الكلام، ونصبه أهم الواجبات، فلذا قدموه

على دفن صاحب المعجزات (درمختار على هامش الشامى ١/٤٠٥،٤٠٤)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (قوله أهم الواجبات) أي من أهمها لتوقف كثير من الواجبات الشرعية عليه(شامى ١/٤٠٥)

عبارتِ بالا سے معلوم ہوا کہ یہ کام امام ورئیس کی تقرری کی شکل میں ہونا چاہیے، ادارہ کی شکل میں نہیں، یہ الگ بات ہے کہ مقررشدہ امام ورئیس اپنی تقرری کے بعد نظم ونسق بہتر طریقہ سے چلانے کے لیے ادارہ قائم کرے، مندرجۂ بالا تفصیل سے جب اس کام کا واجبات میں سے ہونا معلوم ہوا، تو اب اس کے قائم کرنے کے خیال کو ترک کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ تمام مسلمانان عالم کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس واجب کی ادائیگی کے لیے مشترکہ وانفرادی کوشش جاری رکھیں؛ یہاں تک کہ یہ واجب قائم ہوجائے۔ وما ذلك على الله بعزيز. فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ رجب المرجب ۱۴۱۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کمیونزم پارٹی کے ساتھ راہ ورسم رکھنا

سوال: مارکس کمیونسٹ پارٹی (سی-پی-ایم) جس کی بنیاد دہریت اور لادینیت پر ہے اور جس نے شروع ہی سے مذہب اور دین کے خلاف اعلان جنگ کر رکھا ہے تحریراً تقریراً عملاً، اس نے زندگی کے ہر شعبوں میں اتباعِ دین وشریعت کو، مذہبی کتاب کو خدا کا کلام اور ناقابل تنسیخ ماننا، دینی وعظ وتقریر، مسلم پرسنل لا، مدارس ومکاتب، خالص دینی اداروں کا قیام اور مساجد کی تعمیر وغیرہ؛ کو مذموم، بنیاد پرستی اور فرقہ پرستی بتلا کر اور آل انڈیا تبلیغی جماعت، جمیعتِ علمائے ہند وغیرہ کو اس بنیاد پرستی

اور فرقہ پرستی کا سب سے بڑا مجرم اور سرغنہ قرار دے کر اپنے کارکنوں کو اس قسم کے افراد اور اداروں کے خلاف للکارا ہے اور ہدایت جاری کی ہے کہ وہ اس قسم کے ادارے اور افراد سے تعلقات منقطع کر لیں اور دوسروں کو ان سے قطع تعلق کرائیں؛ چناں چہ حسبِ ہدایت پارٹی کے لوگوں نے مختلف انداز سے اس پر عمل بھی شروع کر دیا ہے۔

مزید برآں وہ نکاح کے لازمی رجسٹریشن کے نام پر بنگال اسمبلی میں ایک بِل پاس کرنے جارہی ہے، جس کا مقصد ضبطِ تولید، نکاحِ نابالغاں پر پابندی، عمر کا تعین بتلایا گیا ہے اور یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ اس بِل کے سلسلہ میں کسی بھی مذہب اور رواج کی پروانہیں کی جائے گی اور جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شرعی قوانین کے مطابق شادی ہو، اگر رجسٹرڈ ہے تو واجب التسلیم، ان حالات میں تحفظِ دین وایمان کی خاطر مسلمانوں کو ایسی جماعتوں اور اس قسم کے افراد کے ساتھ کیا رویہ اور کیا سلوک ہونا چاہیے؟

ان اصول ونظریات سے اتفاق کرنا، ان کا ممبر بننا، ان کا تعاون کرنا، ان کے مشن کو فروغ دینا، ان کی ہدایت پر عمل کرنا، ان سے باہمی راہ رسم اور دوستانہ تعلق قائم کرنا شرعاً جائز ہے کہ نہیں؟ اس کے باوجود جو مسلمان ان کے ممبر بنتے ہیں اور حکم شرعی کے خلاف پارٹی کے حکم پر عمل کرتے ہیں، ان کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ اس پارٹی کے جو ممبر اپنے کو مسلمان کہلاتے ہیں، کیا وہ حقیقت میں مسلمان ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کمیونیزم کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ انسان کو مذہب سے لڑایا جائے؛ چناں چہ ''واٹ کمیونیزم از دیب'' میں ہے ۸۱۲: کہ کمیونیزم کا ممبر اس شخص کے علاوہ کوئی نہیں بن سکتا، جو صدقِ دل سے صاف صاف اس کا اعلان کر دے کہ وہ دہریہ، یعنی: منکرِ

خدا ہے۔ اینجلز لکھتا ہے کہ ہماری پارٹی طبقہ وار شعور رکھتی ہے اور مزدوروں کی آزادی کے لیے جدوجہد کرتی ہے، ایسی پارٹی مذہبی اعتقادات سے پیدا کردہ جہالت سے غفلت نہیں برت سکتی ہے، ہمارا بنیادی مقصد ہے کہ مذہبی فریب خوردگی کو دور کیا جائے۔
(اینجلز ۱۵)

مارکس نے مذہب کے انفرادی معاملہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں قدم آگے بڑھا کر انسانیت کو مذہب کے اقتدار سے آزاد کرنا ہے، مذہب پر تنقید علمِ تنقید کا مبدأ ہے۔ (مارکس سوشلزم ۱۹۲)

مذہب عوام کے حق میں افیون کا اثر رکھتا ہے۔ (بحوالہ سابق)

مذہب آوازِ قدیم کی نظامی غلامی کی بازگشت ہے۔

(کمیونسٹ مینوفیسٹو کی تشریح دقعہ ۵۵ از ریز نیوف بحوالہ "الحق ۱۰۰۹ جمادی الاولیٰ ۸۹ھ")

کمیونیزم پر بحث کرتے ہوئے "حكم الاسلام في الاشتراكية" کے مصنف لکھتے ہیں: إن العقيدة الاسلامية للنظام الاشتراكي: هي العقيدة المادية، التي تقول أن المادة هي أصل الاشياء، ولا شيء لغير المادة، وهذا، يعني انكار وجود الخالق العظيم سبحانه وتعالى وبالتاني انكار كل دين سماوي، واعتبار ها الايمان بذلك افيونا يحذر الشعوب، كما يعتقد بذلك الماركسون والتينويون وامثالهم

یعنی کمیونیزم کی بنیاد یہی عقیدہ مادیہ ہے، جو کہتا کہ مادہ ہی اصل چیز ہے اور مادہ کے علاوہ کوئی چیز نہیں، اور یہ یعنی باری تعالیٰ کا انکار اور انجام کار ہر دین سماوی کا انکار، اور ایمان کو نشہ آور افیون سمجھنا ہے، جیسا کہ مارکس اور ٹیٹو کے ماننے والے سمجھتے ہیں۔
(حكم الاسلام في الاشتراكيه:۱۱۹)

اور کمیونیزم ایک تحریک ہی نہیں؛ بلکہ ایک جدید مذہب ہے، جس کے بانی مارکس ولینین وغیرہ یہودی تھے؛ چناں چہ علامہ طنطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے، ان مختصر جوابات سے آپ نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ کمیونیزم صرف ایک معاشی تحریک نہیں؛ بلکہ ایک جدید مذہب ہے، جو تمام ادیانِ سابقہ اور الٰہی تعلیمات اور اخلاقی اقدار اور دین حق، یعنی: ذاتِ خداوندی کے خلاف ہے، اور کامریڈوں کی درندگی کی راہ میں سے ہر رکاوٹ کو دور کرنا اس دینِ جدید یا دینِ یہود کا مسلک ومقصد ہے، دین سوشلزم جو دشمن انسانیت ہے، اس کے بانی شیونن ہار مارکس ولینین جو یہودی تھے، اور جن کا قول تھا کہ ہم نے بے زبان حیوانات پر تو سواری کی، اب ہم نے اس زمانہ کے انسانوں کو سواری بنادیا، جن کو جانوروں کی طرح استعمال کرلیں گے۔

(جواہر ۲/۱۲۸ بحوالہ الحق)

یہ کمیونیزم کا اجمالی خاکہ ہے، جس سے بخوبی واضح ہوگیا کہ اعتقاد کے اعتبار سے بھی وہ صراحتاً اسلام کے خلاف ہے، سیاسی حیثیت سے اس میں شرکت وقتی طور پر اگر مفید بھی نظر آتی ہو، پھر بھی دینی حیثیت سے اس کا ضرر واضح ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱/۱۰۳، ۱۰۴)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۰/صفر المظفر ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

حکومت کے قوانین کی خلاف ورزی کا حکم

سوال: حکومت کا گناہ کرنا کیسا ہے؟ حکومت کا گناہ چاہے چھوٹا ہو یا بڑا ہو دونوں برابر ہیں؟ امید ہے کہ تفصیلی جواب مرحمت فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت اسلامیہ کے قوانین کی پابندی اس حیثیت سے کہ وہ اطاعت اولی الامر ہے ضروری ہے، اور حکومت غیر اسلامیہ کے قوانین کی خلاف ورزی میں اپنے آپ کو قانونی سزاؤں کے لیے پیش کرنا لازم آتا ہے، جس میں اپنی تذلیل ہے، اس لیے ممنوع ہے۔

ولكونه عرضا للنفس لعقوبات قانونية اذا كانت الحكومة غير اسلاميه (تكمله فتح الملهم ۱/۵۹۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

قومی دھارے میں شامل ہونا

سوال: برادرانِ وطن کو مسلمانوں سے شکایت ہے کہ قومی دھارے میں تیز بہتے اور بنیاد پرست ہیں، براہِ کرم اگر اس پر بھی مختصر روشنی ڈالیں، تو بہت ہی کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

قومی دھارے میں بہنے سے مراد یہ ہے کہ مسلمان شعارِ کفر اختیار کرنے لگیں، تو اس سے صد بار نعوذ باللہ!! خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی اتباع کا نام بنیاد پرستی ہے، تو یقیناً ہم بنیاد پرست ہیں اور ہمیں اس پر فخر ہے، باقی غیروں کے طعن وطنز سے ہم شریعت کو تو نہیں چھوڑ سکتے، آخر مشرکینِ مکہ کی طرف سے وہ کون سی تجویز صلح رکھی گئی تھی جس پر سورۂ کافرون کا نزول ہوا؟ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: کفارِ مکہ نے صلح کی جو صورتیں پیش کی تھیں، ان سب میں کم از

کم کفر واسلام کے حدود میں التباس یقینی ہے اور بعض صورتوں میں تو اصولِ اسلام کے خلاف شرک کا ارتکاب لازم آتا ہے، ایسی صلح سے سورۂ کافرون نے اعلانِ براءت کر دیا اور دوسری جگہ جس صلح کو جائز قرار دیا اور معاہدۂ یہود سے اس کی عملی صورت معلوم ہوئی، اس میں کوئی چیز ایسی نہیں، جس میں اصولِ اسلام کے خلاف کیا گیا ہو، یا کفر واسلام کی حدود آپس میں ملتبس ہوئی ہوں، اسلام سے زیادہ کوئی مذہب رواداری، حسن سلوک، صلح وسالمیت کا داعی نہیں؛ مگر صلح اپنے انسانی حقوق میں ہوتی ہے، خدا کے قانون اور اصولِ دین میں کسی مصالحت کی کوئی گنجائش نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

فسادات میں عصمت بچانے کے خاطر لڑکیوں کا خودکشی کرنا

سوال: صہیونی یہودی عیسائی ودیگر قوموں کے مفسدین جب مسلمانوں کی بستیوں پر حملہ آور ہوتے ہیں خصوصاً جب یہ فوجی بغاوت ایمرجنسی اور مارشل لاء جیسے ہتھکنڈے استعمال کر کے حکومتی سطح سے فساد مچاتے ہیں تو قوم مرحوم کی دوشیزاؤں پر جنسی دست درازیاں بھی کرتے ہیں اور طرح طرح کی اذیتیں بھی دیتے ہیں تو اگر یہ دوشیزائیں ان مفسدوں کے ہتھے چڑھنے سے پہلے ہی خودکشی کر لیں تو آیا ان کو ایسا کرنا روا ہوگا؟ چوں کہ اسیری کی صورت میں عزت عصمت وعفت کے ساتھ جان بھی جاتی ہے تو دامن عفت کی سلامتی کے ساتھ ہی اگر یہ خودکشی کر لیں تو کیسا ہے اگر ایسا روا ہے تو کیا ایسی صورت میں وہ دوشیزائیں شہادت کے مرتبہ کو پانے والی ہوگی؟ یاد

رہے کہ ایسے لاکھوں واقعات ماضی قریب میں چیچنیا کوسوفو نائیجیریا عراق صومالیا یوگنڈا کمبوڈیا کمبوچیا لوگادین لائبریا افغانستان اور گجرات میں بھی پیش آئے ہیں إن في ذا لعبرة للبيب إذا اعتبر ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے اور کفار نے مستقبل میں بھی ایسے برہنہ ناچ کے دہرانے کا عزم کر رکھا ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ان حالات میں بھی ان کے لیے خودکشی حرام ہے منجانب اللہ پیش آنے والے ہر قسم کے حالات پر صبر کرنا اور دین پر قائم رہنا ان کے لیے بہت بڑا جہاد ہے۔

(احسن الفتاویٰ ۶/ ۲۲)

سوال میں مندرجہ حالات میں اٹھائے جانے والے اس اقدام کے متعلق حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں قانون تو وہی ہے جو آپ نے ذکر کیا (یعنی یہ اقدام حرام ہے) باقی جن لڑکیوں کا آپ نے ذکر کیا توقع ہے کہ ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ ہوگا۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۸/ ۲۸۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۵/ ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

قومی وملی راز کی حفاظت کے لیے مسلمان بھائی کو مار ڈالنا

سوال: مسلمانوں کا کوئی فرد کفار کے ہتھے چڑھ گیا (والعیاذ باللہ) اور وہ مسلمانوں کے بہت سے عسکری ودفاعی رازوں کا جاننے والا ہے اگر وہ انٹروگیشن میں رازوں کو اگل دیوے تو قوم مسلم کا بہت ہی بڑا اجتماعی خسارہ ہو تو کیا اسے قبل از

کشادن زبان ہی مالک حقیقی کے یہاں پہنچادیا جائے تو مسلمانوں کے لیے یہ روا ہے؟ اسی طرح اگر وہ شخص منافق ہے تو یہ روا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۱۵/ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

عیدگاہ میں تفصیلاتِ حساب کی آڑ میں سیاسی مقاصد کی برآری

سوال: واضح ہو کہ ہمارے شہر کی عیدگاہ کے منتظمین بروز عید عیدگاہ میں عامۃ المسلمین کے سامنے سالانہ حساب کی تفصیلات پیش کرتے ہیں اور امداد کنندگاں کا فرداً فرداً نام پکار پکار کر شکریہ ادا کرتے ہیں علاوہ ازیں سرکاری عہدہ داروں اور اخبار نویسوں اور فوٹو گرافروں کے بھی نام لے لے کر شکر گذاری کی جاتی ہے۔ اس قسم کی سرگرمیوں کی وجہ سے لوگوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور تسبیح وتہلیل میں ناخوش گوار خلل واقع ہوتا ہے۔ توجہ دلانے کے باوجود یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ کیوں کہ اس کے پیچھے دنیوی اور سیاسی مقصد برآری کی نیت کارفرما ہوتی ہے۔ مذکورہ صورت حال کہ پیش نظر مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات مرحمت فرمائیں۔

(۱) عیدگاہ میں نماز عید سے پہلے یا آخر میں تسبیح وتہلیل کے سوا مندرجہ بالا قسم کی غیر ضروری اور غیر متعلق باتیں کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۲) عیدگاہ میں لوگوں کو تکلیف ہو ایسا عمل کرنے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عیدگاہ میں عید کی نماز سے پہلے یا بعد میں عیدگاہ کے حسابات پیش کرنے کا عرف ودستور ہے۔ اور اس کے مطابق منتظمین عیدگاہ حسابات پیش کرتے ہیں۔ تو ان کے اس اقدام کو بالکلیہ غیر ضروری اور غیر متعلق قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ باوجود قدیم عرف کے اس کا حسابات کو پیش نہ کرنا عامۃ المسلمین میں اختلاف وتشتت کا باعث بن سکتا ہے۔ البتہ شریعت مطہرہ نے ہر معاملہ میں میانہ روی اور اعتدال کا حکم دیا ہے اس لیے اس میں بھی منتظمین کو چاہیے کہ غلو اور افراط سے بچتے ہوئے میانہ روی اختیار کریں۔ اور حسابات کی پیشی کے اس عمل کو غیر ضروری طوالت اور بے جا قصیدہ خوانی سے پاک رکھیں۔ اس خالص دینی وملی کام کو اپنی سیاسی مقصد برآری کا ذریعہ بنانا غیرت ایمانی کے خلاف ہے۔ لیکن کسی کی قلبی حالت پر سخت حکم لگا کر اس کی نیت پر حملہ کرنا بھی شان ایمانی نہیں ہے۔ اس تفصیل سے آپ کے قائم فرمودہ دونوں سوالات کا حل واضح ہو چکا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

متفرقات

انگریزی تعلیم، تشبہ بالکفار، تربیتِ اولاد وغیرہ

دورِ جدید کے مسائل

سوال: (۱) حدیث "من تشبه بقوم فهو منهم" کا کیا مطلب ہے؟ نیز اسلامی معاشرہ کی حقیقت اور اہمیت کیا ہے اور اس کے تحفظ کا کیا حکم ہے؟

(۲) مسلمانوں کے لیے، خاص طور پر مسلمان بچیوں کے لیے غیر اسلامی ہندو اور عیسائی وضع قطع ولباس پہننا اور پہنانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) مسلمان بچیوں کو حتی کہ چھوٹی چھوٹی بچیوں کو اسکول میں، انگریزی اسکول ان کی تربیت اور ماحول میں بھیجنا، اور ان کا وضع وقطع اپنانا کہاں تک جائز ہے؟

(۴) علمائے کرام اور علمی اداروں کے ذمہ دار اور اساتذہ اگر اپنی بچیوں تک کو انگریزی لباس وضع وقطع میں اسکول بھیجیں؛ حتی کہ عیسائی مشنری اسکول میں بھیجیں، تو ان کے حق میں کیا حکم ہے؟

(۵) کیا اسی حالت میں انہیں حق پہنچتا ہے کہ دوسرے کے بچوں اور بچیوں کو بھی تعلیم کی ترغیب دیں؟ مدرسہ میں داخل کریں؟ اسلامی وضع وقطع کی پابندی کے لیے سختی کریں؟

(۶) جو استاذ اپنی بچیوں کو غیر اسلامی وضع وقطع کے ساتھ غیر اسلامی ماحول والی اسکول میں بھیجتا ہے، روکنے سے، سمجھانے سے باز نہیں آتا، اگر مہتمم مدرسہ اس بنا پر

ایسے استاذ کو مدرسہ سے برطرف کردے، تو شرعاً اس کا حکم کیا ہوگا؟

⑦ اگر کوئی عالم دین باپ اپنے عالم دین بیٹے کو، اپنی پوتی کو اسکول میں داخلہ کرائے، غیر اسلامی وضع وقطع سے پرہیز کرنے کے لیے کہے، سمجھائے، خوشامد و بہ لجاجت ہاتھ سر جوڑ کر اس اقدام سے باز رہنے کے لیے کہے؛ مگر اس کے باوجود بیٹا اپنے کو انگریزی وضع وقطع میں رکھے اور اسکول میں داخلہ پر بضد اور مصر رہے اور باپ بیٹے کے اس اقدام کو غیر شرعی اور اسلامی معاشرہ کے لیے تباہ کن سمجھ کر اسلامی معاشرہ کی حفاظت، کم سے کم اپنے ماحول میں اس زہر کے سرایت کرنے سے بچنے کے لیے بیٹے کو عاق کردے، گھر سے نکال دے، تو ایسے باپ اور ایسے بیٹے کے حق میں شریعت کا فیصلہ کیا ہے؟ براہ کرام فوری اور تشفی بخش جواب سے ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① مذکورہ حدیث کی تشریح کے سلسلہ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کی گراں قدر تالیف "التشبه في الإسلام" کا مطالعہ فرمالیں، انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے انشراحِ صدر کا باعث ہوگا، پھر بھی اس کی مختصر تشریح حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب نور اللہ مرقدہ کی فرمودہ نقل کرتا ہوں۔ تشبہ بالکفار کی چند صورتیں ہیں:

(الف) فطری امور میں مشابہت، مثلاً: کھانا، پینا، چلنا، پھرنا، سونا، لیٹنا، صفائی رکھنا وغیرہ (یعنی وہ کھاتے ہیں ہم بھی کھاتے ہیں، وہ پیتے ہیں ہم بھی پیتے ہیں الخ از احقر) یہ مشابہت حرام نہیں۔

قال في الدر: فإن التشبه بهم لا يكره في كل شيء؛ بل في

المذموم، وفيما يقصد به التشبه كما في البحر، اه قال الشامي تحت قوله لا يكره في كل شيء: فإنا نأكل ونشرب كما يفعلون (٦٥٢/١)

(ب) عادات میں مشابہت، مثلاً: جس ہیئت سے وہ کھانا کھاتے ہیں، اسی ہیئت سے کھانا یا لباس ان کی وضع پر پہننا، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ہماری کوئی خاص وضع پہلے سے ہو اور کفار نے بھی اس کو اختیار کر لیا ہو، خواہ ہمارا اتباع کر کے یا ویسے ہی، اس صورت میں یہ مشابہت اتفاقیہ ہے، اور اگر ہماری وضع پہلے سے جدا ہو اور اس کو چھوڑ کر ہم کفار کی وضع اختیار کریں، یہ ناجائز ہے، اگر ان کی مشابہت کا قصد بھی ہے، تب تو کراہت تحریمی ہے اور اگر مشابہت کا قصد نہیں ہے؛ بلکہ اس لباس و وضع کو کسی اور مصلحت سے اختیار کیا گیا ہے، تو اس صورت میں تشبہ کا گناہ نہ ہوگا؛ مگر چوں کہ تشبہ کی صورت ہے اس لیے کراہت تنزیہی سے خالی نہیں۔

قال هشام: رأيت على أبي يوسف نعلين مخسوفين بمسامير، فقلت: أترى بهذا الحديد بأسا؟ قال: لا، قلت: فسفيان وثور بن يزيد كرها ذلك، لأن فيه تشبها بالرهبان، فقال: أن رسول الله ﷺ كان يلبس النعال التي لها شعر، وانها من لباس الرهبان، فقد أشار إلى أن صورة المشابهة فيما تعلق به صلاح العباد لا يضر، فإن الأرض مما لا يمكن قطع المسافة البعيد فيها إلا بهذا النوع اه قلت: وفعله عليه السلام محمول على بيان الجواز إذا كان بدون القصد.

مگر چوں کہ آج کل عوام جواز کے لیے بہانے ڈھونڈتے ہیں، ان کا قصد تشبہ ہی کا ہوتا ہے، اس لیے اکثر احتیاط کے لیے عادات میں بھی تشبہ سے منع کیا جاتا ہے، خواہ تشبہ کا قصد ہو یا نہ ہو۔

(ج) ان امور میں تشبہ جو کفار کا مذہبی شعار یا دینی رسم اور قومی رواج ہے، جیسے زنّار وغیرہ پہننا، یا مجوس کی خاص ٹوپی جو ان کے مذہب کا شعار ہے، اس میں تشبہ حرام؛ بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے۔ عالمگیری وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔ (امداد الاحکام ۱/ ۱۹۴)

اس مسئلہ کے متعلق حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں ''شریعت اسلامیہ میں چوں کہ ''تشبہ بالکفار'' کا مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے، جو بے شمار آیات واحادیث سے ثابت ہے، اس لیے تفسیر اور حدیث اور فقہ اور علم العقائد کی کوئی کتاب مسئلہ تشبہ کے بیان سے خالی نہیں، حضراتِ فقہاء و متکلمین نے مسئلہ تشبہ کو ''باب الارتداد'' میں بیان کیا ہے کہ مسلمان کن چیزوں کے ارتکاب سے مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، ان میں سے ایک تشبہ بالکفار بھی ہے اور اس کے درجات اور مراتب ہیں اور ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے''۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۲/ ۵۵۱)

''سیرۃ المصطفیٰ'' میں اس مقام کا بھی مطالعہ فرمالیا جائے جس میں اسلامی معاشرہ کی اہمیت وحقیقت پر بھی کلام ہے اور اس کی حفاظت کی ضرورت کو بھی خوب واضح کیا گیا ہے، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تفسیر ''معارف القرآن'' میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں: ''ان تینوں آیتوں کا حاصل مسلمان کو برے ماحول اور بری صحبت سے بچانا ہے، جو انسان کے لیے سمِ قاتل ہے، قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص کے علاوہ مشاہدہ اور تجربہ اس کا گواہ ہے کہ انسان کو تمام برائیوں اور جرائم میں مبتلا کرنے والی چیز اس کی بری سوسائٹی اور برا ماحول ہے، جس میں پھنسنے کے بعد انسان اول تو خلافِ ضمیر اور خلافِ طبع برائیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور پھر جب عادت پڑ جاتی ہے، تو یہ برائی کا احساس بھی ختم ہو جاتا ہے؛ بلکہ برائی کو بھلائی

اور بھلائی کو برائی سمجھنے لگتا ہے''۔ آگے فرماتے ہیں: ''اور جہاں تک غور کیا جائے انسان کو اس حالت پر پہونچانے والی چیز اکثر اس کا غلط ماحول اور بری صحبت ہوتی ہے،''نعوذ باللہ منھما''اسی لیے بچوں کے مربیوں کا فرض ہے کہ بچوں کو ایسے ماحول اور سوسائٹی سے بچانے میں پوری کوشش کریں۔ (معارف القرآن ۳/ ۳۷۴، ۳۷۵)

ابوعثمان نہدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم آذربیجان میں تھے کہ ہمارے امیرِ لشکر عتبہ بن فرقد رحمۃ اللہ علیہ کے نام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان پہنچا کہ اے عتبہ بن فرقد! تم سب کا یہ فرض ہے کہ اپنے آپ کو عیش پرستی اور کافروں اور مشرکوں کے لباس اور ہیئت اور وضع وقطع سے اپنے کو دور اور محفوظ رکھو۔ (مسلم شریف ۲/ ۱۹۱، مسند احمد ۱/ ۱۶)

② ③ جواب نمبر ایک میں تفصیل آچکی ہے۔

④ جو کام عوام مسلمین کے حق میں ناجائز ومکروہ ہو، حضرات علمائے کرام کے لیے اس سے احتراز اور زیادہ مؤکد ہے، اہل علم کی ذمہ داریاں بڑی ہیں۔ ﴿قُلْ هل يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الزمر:۹)

⑤ دوسرے کے بچوں، بچیوں کو دینی تعلیم کی ترغیب دینا، اور ان سے اسلامی وضع قطع کی پابندی کروانا، ایک کارِ خیر ہے، ایک نیکی چھوڑنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسری نیکی بھی چھوڑ دی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُم﴾ کی تفسیر کے ذیل میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: ''لیکن مذکورہ بیان سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ بے عمل یا فاسق کے لیے دوسروں کو وعظ ونصیحت کرنا جائز نہیں، اور جو شخص کسی گناہ میں مبتلا ہو وہ دوسروں کو اس گناہ سے باز رہنے کی تلقین نہ کرے؛ کیوں کہ کوئی اچھا عمل الگ نیکی

ہے اور اس اچھے عمل کی تبلیغ دوسری مستقل نیکی ہے، اور ظاہر ہے کہ ایک نیکی کو چھوڑنے سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ دوسری نیکی بھی چھوڑ دی جائے، جیسے ایک شخص اگر نماز نہیں پڑھتا، تو اس کے لیے یہ لازم نہیں کہ وہ روزہ بھی ترک کر دے، بالکل اسی طرح اگر کوئی شخص نماز نہیں پڑھتا، تو اس کے لیے یہ ضروری نہیں کہ دوسروں کو نماز پڑھنے کے لیے بھی نہ کہے، اسی طرح کسی ناجائز فعل کا ارتکاب الگ گناہ ہے اور اپنے زیر لوگوں کو اس ناجائز فعل سے نہ روکنا دوسرا گناہ ہے اور ایک گناہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا گناہ بھی ضرور کیا جائے۔ (روح المعاني)

چناں چہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر ہر ایک شخص یہ سوچ کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دے کہ میں خود گنہگار ہوں، جب گناہوں سے خود پاک ہو جاؤں گا، تو لوگوں کو تبلیغ کروں گا، تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ تبلیغ کرنے والا کوئی بھی باقی نہ رہے گا؛ کیوں کہ ایسا کون ہے جو گناہوں سے بالکل پاک ہو؟ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ لوگ اسی غلط خیال میں پڑ کر تبلیغ کا فریضہ چھوڑ بیٹھیں۔ (قرطبي) بلکہ حضرت سیدی حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو فرمایا کرتے تھے کہ جب مجھے اپنی کسی بری عادت کا علم ہوتا ہے، تو میں اس عادت کی مذمت اپنے مواعظ میں خاص طور سے بیان کرتا ہوں؛ تاکہ وعظ کی برکت سے یہ عادت جاتی رہے، الخ۔ (معارف القرآن ۱/ ۲۱۸، ۲۱۹)

دوسرے موقعہ پر حضرت مفتی صاحب نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں: ''اس آیت نے امر بالمعروف اور وعظ و نصیحت کرنے والوں کو اس بات پر شرمندہ کیا ہے کہ لوگوں کو ایک نیک کام کی دعوت دو اور خود اس پر عمل نہ کرو، اور مقصد یہ ہے کہ جب

دوسروں کو نصیحت کرتے ہو، تو خود اپنے آپ کو نصیحت کرنا اس سے مقدم ہے، جس کام کی طرف لوگوں کو بلاتے ہو، خود بھی اس پر عمل کرو؛ لیکن یہ نہیں فرمایا کہ جب خود نہیں کرتے، تو دوسروں کو کہنا بھی چھوڑ دو''، الخ۔ (معارف القرآن ۸/ ۴۲۵)

⑥ مدرسہ کے کسی مدرس کا ایسا فعل، جو مدرسہ کے حق میں مضر اور مدرسہ کے وقار کے منافی ہو، اس پر علیحدہ کرنے کا مہتمم مدرسہ کو اختیار ہے۔

⑦ کسی حکم شرعی کی خلاف ورزی بیٹے کی طرف سے ہونے کی صورت میں باپ کو چاہیے کہ اس کو تنبیہ کرے، اس کے باوجود وہ باز نہ آئے تو باپ اس سے قطع تعلق کرسکتا ہے۔ ''ابن ماجہ شریف'' میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ تشریف فرما تھے، ان کا ایک بھتیجا ان کے برابر میں بیٹھا ہوا تھا، اس نے ایک چھوٹی کنکری انگلی پر رکھ کر پھینکی، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کو منع کیا، اور فرمایا کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس سے کوئی شکار نہیں مرتا اور نہ دشمن زخمی ہوتا ہے، وہ کسی کا دانت توڑ دیتی ہے، یا آنکھ پھوڑ دیتی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد بھی اس بھتیجے نے دوبارہ وہ حرکت کی اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تیرے سامنے بیان کررہا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، اس کے باوجود تو یہ حرکت کررہا ہے، میں تجھ سے کبھی بات نہیں کروں گا۔ (ابن ماجہ شریف ۳)

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث نقل فرمائی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی آدمی اپنے اہل کو مسجد میں آنے سے منع نہ کرے، اس پر ان کے ایک صاحب زادہ (جن کا نام واقد یا بلال تھا) نے کہا کہ ہم تو منع کریں گے، تو

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تیرے سامنے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کر رہا ہوں اور تو ایسا کہہ رہا ہے؛ چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے وفات تک ان سے بات نہیں کی۔ (مسند احمد بن حنبل ۲/ ۳۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری

عصری تعلیمی ادارے، تصاویر وغیرہ کا شرعی حکم

سوال: (الف) موجودہ دور میں دنیا تحقیق وتفتیش وانکشافات کے میدان میں جس قدر آگے بڑھ رہی ہے وہ یقینا آپ سے پوشیدہ نہیں ہوگا نت نئی ایجادات اور سائنسی تحقیقات کے ذریعہ سفر وحضر سے لے کر علاج ومعالجہ ارضیات اور فلکیات تک کے لیے بے شمار ایسی اشیاء سامنے آئی ہیں جن سے بلاتفریق مذہب وملت مخلوق خدا فائدہ اٹھا رہی ہے، بے شک کہیں کہیں ان ایجادات کا غلط استعمال بھی ہو رہا ہے بلکہ بعض آلات کا استعمال زیادہ تر غلط ہی ہو رہا ہے تاہم ان کے صحیح استعمال سے جو فوائد حاصل ہو رہے ہیں یا ہو سکتے ہیں ان کا انکار بھی نہیں کیا جا سکتا ہے، ان تمام ایجادات وتحقیقات، تفتیشات کے لیے چھوٹی عمر ہی سے بچوں کو کام میں لگا دیا جاتا ہے، جگہ جگہ ایسی اسکول، انسٹی ٹیوٹ اور ریسرچ سینٹرس قائم ہیں جہاں بچے اس طرح کے علوم حاصل کرتے ہیں۔ عموماً اس طرح کے ادارے غیر مسلم حضرات یا برائے نام مسلم یا گمراہ نظریہ والے نام نہاد مسلمان حضرات قائم کرتے ہیں۔ جہاں اسلامی تعلیمات اور تشخص کا کوئی خاطر خواہ خیال نہیں رکھا جاتا بلکہ بعض جگہ پر تو اسلام مخالف ماحول بھی ہوتا ہے، اس کے علاوہ بچے بچیوں کی مخلوط تعلیم آگے چل کر اکثر انہیں بے راہ

روی میں مبتلا کر دیتی ہے۔ ان حالات میں صحیح العقیدہ مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بھی ایسے ادارے قائم کریں جہاں صحیح اسلامی تعلیمات اور ملی شناخت کے تحفظ کے ساتھ جدید علوم وفنون بھی سکھلائے جائیں، اگر ایسا نہ کیا گیا تو آج کے یہ مسلمان بچے کل زمانے سے بہت پیچھے رہ کر اقوام عالم کے مقتدا بننے کے بجائے ان کے مقتدی بن جائیں گے، یا پھر اغیار کے اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے اسلامی تعلیمات اور تشخص سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

اسی کے پیش نظر کچھ مقتدر حضرات نے ایک ایسا ادارہ قائم کیا ہے جہاں ڈھائی سال کی عمر سے ہی بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے، ان بچوں کے لیے جدید تعلیم، انگریزی اور سائنس کے ساتھ قران مجید نہایت صحت اور تجوید کے ساتھ حفظ، احادیث مبارکہ، روزمرہ کی دعائیں، سنن ومستحبات کی عملی مشق اور دین کے ضروری مسائل پر مشتمل ایک ایسا نصاب ترتیب دیا گیا ہے جس سے مسلمان بچے جدید عصری علوم وفنون میں اتنے ہی ماہر ہوسکیں، جتنے غیروں کے اداروں سے نکلنے والے ہوتے ہیں ساتھ ہی ان کو دینی علوم کی وافر معلومات ہو وہ اسلامی تاریخ اور اسلاف کے کارناموں سے بھی واقف ہوں نیز ائمۂ مجتہدین کے مسلک پر کاربند رہتے ہوئے پورے دینی تشخص اور ملی شناخت کے ساتھ دوسروں تک صحیح اسلامی تعلیمات پہنچا کر اپنی دعوتی ذمہ داریاں بھی پوری کرسکیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسے ادارے کا قیام اور مذکورہ بالا طرز تعلیم کا شرع متین کی روشنی میں کیا حکم ہوگا؟

(ب) عموماً جدید علوم وفنون کی تعلیم جس انداز میں دی جاتی ہے شریعت کی روشنی میں اس کے کچھ مسائل قابل دریافت ہیں:

① شریعت میں جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے مگر ہاتھوں سے بنائی ہوئی تصویریں اور جدید کیمروں کے ذریعہ عکس سازی کا ایک ہی حکم ہوگا یا الگ الگ؟

② ضرورت شرعی کا معیار کیا ہے؟ نیز تصویر جو حرام ہے تو اس کی حرمت کس درجہ کی ہے؟ کیا شراب نوشی کی حرمت اور جاندار کی تصویر کی حرمت کا ایک ہی درجہ ہے؟ شریعت کا جو بھی حکم ہو برائے کرم مدلل بیان فرمائیں۔

③ حج کے لیے تصویر کو حکومت کے قانون کی وجہ سے ضرورت شرعی قرار دیکر روا رکھا گیا ہے تو کیا بیرون ملک سفر کے لیے حکومت کی طرف سے اگر شراب یا الکحل پینا کسی سائنسی توجیہ کا سہارا لے کر ضروری قرار دیا جائے مثلاً آج کل سفر کے لیے ٹیکے لگانا ضروری ہے ان کو ختم کر کے اس قسم کی کوئی دوا شراب میں ملا کر پینا ضروری قرار دیا جائے تو کیا وہ شراب نوشی روا ہو جائے گی؟

④ اسی کے ساتھ قابل توجہ امر یہ بھی ہے کہ فرض حج کے لیے تصویر ضرورتاً روا ہے مگر نفلی حج وعمرہ یا بلا ضرورت صرف تفریح کے لیے بیرونی سفر کس طرح ضرورت شرعی ہوگا؟

⑤ چھوٹے چھوٹے کمسن بچوں کی تعلیم کے لیے جاندار کی تصویروں کا استعمال کیسا ہے؟ واضح رہے کہ بچوں کو جدید عصری علوم میں ماہر بنانے کے لیے پچھلی تحقیقات کے ساتھ ساتھ ساری دنیا سے متعلق عام معلومات حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے مثلاً جدید تحقیقات کے ذریعہ یہ بتایا جاتا ہے کہ عہد قدیم میں انتہائی بڑے اور جسیم جاندار ہوتے تھے جن کے باقیات بعض علاقوں میں دستیاب ہوئے ہیں ان باقیات کی بنیاد پر ان جانوروں کی شکلیں بنائی گئی ہیں بچوں کو زبانی طور پر ان جانوروں کی

مکمل شناخت کرانا ناممکن ہے ان کی پوری ہیئت سمجھانے کے لیے تصویریں ضروری ہیں، اسی طرح دنیا کے مختلف علاقوں میں الگ الگ قسم کی حیوان دار مچھلیاں اور حشرات الارض پائے جاتے ہیں، جن کے ذریعہ بہت سی نئی تحقیقات میں مدد ملی ہے، اب ہندوستانی بچوں کو ان جانوروں کی شناخت کیسے کرائی جائیگی جب کہ وہ حیوانور یہاں پائے ہی نہیں جاتے، قطب شمالی یا جنوبی میں جو برفانی جانور ہیں اس علاقہ کے عجیب الخلقت سمندری جانور یا ایسی مچھلیاں جن سے روشنی نکلتی ہے، اسی طرح بعض ایسے بھی حشرات الارض ہیں جو قابل ذکر خصوصیات وعادات رکھتے ہیں وہ کیسے سمجھائے جائیں گے، اگر بچوں کو یہ سب نہیں بتایا جاتا تو معلومات عامہ سے ہمارے بچے دوسروں سے پیچھے رہ جائیں گے نیز معلومات عامہ کی بنیاد پر آئندہ جو علوم سکھائے جائیں گے وہ حاصل نہیں ہوسکیں گے۔

⑥ ضرورت کی بنیاد پر بعض جگہ پر تصویروں کو روا رکھا گیا ہے مثلاً شناختی کارڈ، پاسپورٹ وغیرہ؛ بچوں کی تعلیم بھی ضرورت شرعیہ میں داخل ہے یا نہیں؟

⑦ بچوں کو یونیفارم کے طور پر پتلون اور شرٹ پہنائی جائے تو یہ جائز ہوگا یا نہیں جب کہ پتلون ٹخنوں سے اوپر ہو، واضح رہے کہ ہمارے شہر بمبئی میں پتلون کا استعمال عام ہے یہ کسی قوم یا مذہب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے؟

⑧ بچوں کے کھیلنے کی گڑیا کا کیا حکم ہے جب کہ اس کی آنکھ، ناک، کان واضح ہوں تعلیم کے لیے ان کا استعمال کیسا ہے؟

⑨ بچوں کو پڑھانے کے لیے اگر تختہ سیاہ پر جاندار کی تصویر بنانی پڑے تو اس کی اجازت کی کیا شکل ہے جب کہ یہ ضروری ہے؟

⑩ بہت سے غیر مسلموں نیز فاسد العقیدہ افراد نے جدید عصری تعلیمی ادارے قائم کر رکھے ہیں وہ لوگ اپنے اداروں کا اشتہار کرتے ہیں کتابچے اور پمفلیٹ چھاپتے ہیں جن میں تصویروں کے ساتھ ساتھ کمپیوٹر پر کام کرتے ہوئے بچے دکھائے جاتے ہیں، تیراکی ونشانہ بازی اور قطاروں میں کھڑے ہو کر ورزش کرتے ہوئے بچوں کی تصویریں ہوتی ہیں، اس طرح کے اشتہارات سے عامۃ المسلمین انتہائی متأثر ہوتے ہیں، اور ایسے اداروں کی دل کھول کر مالی امداد کرتے ہیں ساتھ ساتھ اپنے بچوں کو بھی وہیں داخل کرا کے ان کو غیر اسلامی بلکہ اسلام دشمن ماحول کے حوالہ کر دیتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر اسلامی تعلیمات اور ملی تشخص کی مکمل رعایت کے ساتھ اس طرح کے تمام علوم وفنون سکھانے والا کوئی مسلم ادارہ ایسے باتصویر اشتہارات شائع کرا کے عامۃ المسلمین کے سامنے ایک صحیح متبادل اس نیت سے پیش کرے کہ مسلم بچے غیر اسلامی ماحول میں جانے کے بجائے صحیح اسلامی ماحول میں دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم بھی حاصل کر سکیں۔ واضح رہے کہ عوام وخواص کا تعاون حاصل کرنے کے لیے بھی آج کل ایسے باتصویر تعارفی لٹریچر یا پراجیکٹ رپورٹ انتہائی ضروری ہیں۔ تو ایسے اشتہارات شرعی ضرورت میں داخل ہوں گے یا نہیں؟

⑪ بعض تفریحی جگہوں پر بتوں کی تصویریں ہوتی ہیں اور کہیں کہیں پر تو برہنہ تصویریں بھی ہوتی ہیں اگر وہاں بچوں کو ان کا مشاہدہ کرا کر ان کی عبادت کرنے کو گناہ اور عبادت کے باطل ہونے کی تصریح کی جائے تو کیا یہ درست ہوگا؟

⑫ دینی اور عصری تعلیم ایک ساتھ ہونے سے بچوں پر یقیناً بوجھ پڑتا ہے اس

لیے ایسے طریقے استعمال کرنا ضروری ہے جن سے بچوں پر کم سے کم بوجھ ہو اور ان کا بچپن کتابوں میں کھو نہ جائے، اور یہ تجربہ ہے کہ تصویروں اور کمپیوٹر کے ذریعہ تعلیم دینا نسبتاً قدیم مروجہ طریقہ سے بہت آسان ہے لہٰذا ان تصویروں کا شرعی حکم کیا ہوگا؟ تعلیمی و دیگر جائز ضروریات کے لیے ان آلات کا استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

(۱۳) اسکول میں بچے اور بچیاں دو سال کی عمر سے ہی تعلیم حاصل کرنا شروع کر دیتی ہیں، شروع ہی سے لڑکوں کو ٹوپی اور لڑکیوں کو اسکارف پہنایا جاتا ہے، اور اس کی ترغیب بھی دی جاتی ہے؛ البتہ زور وزبردستی سے بچے چڑچڑے ہوجاتے ہیں، اسی وجہ سے ان پر سختی نہیں کی جاتی دریافت طلب امر یہ ہے کہ ان کو کس عمر سے سر ڈھانکنا ضروری ہے؟

(۱۴) اسکول میں انگلش پڑھانے کے لیے مستورات ہوتی ہیں جو بچوں کو تعلیم دیتی ہیں، اور ضرورتاً ان سے شرعی پردہ کے ساتھ بات کی جاتی ہے جب کہ وہ پسِ پردہ ہوتی ہیں اور ان کو اس بات کا احساس دلانے کے لیے مرد حضرات گفتگو کرنے کے لیے آئیں تو ان سے سلام کرنا کیسا ہے؟ واضح رہے کہ ان سے بات کرنے کے لیے یہ احتیاط رکھی جاتی ہے کوئی ایک مرد بات نہیں کرتا بلکہ دو یا اس سے زائد حضرات ہوتے ہیں اور ان مستورات کی حوصلہ افزائی کے لیے کچھ خوش کن کلمات کہے تو کیا اس میں کوئی حرج ہے؟

(۱۵) اگر مناسب مرد اناؤنسر میسر نہ ہو تو کیا ضرورتاً پسِ پردہ مستورات نظامت کرسکتی ہیں یا نہیں؟ جب کہ حاضرین میں مرد حضرات بھی ہوں۔

(۱۶) اگر اسکول کے پروگرام میں یا کسی اور جگہ دف کی کیسٹ بجا کر پروگرام پیش

کیا جائے یا براہ راست دف بجا کر بچے پروگرام پیش کریں تو شرعاً اس کا کیا حکم ہوگا؟

⑰ بچوں کی حوصلہ افزائی کا طریقہ کیا ہوگا؟ بچوں کی ذہنی اور جسمانی بالیدگی اور جھجک دور کرنے کے لیے مختلف قسم کے پروگرام کیے جاتے ہیں۔ جیسے ورزش، دوڑ اور جسمانی کرتب یعنی (جمنازیم) اس کے ساتھ ساتھ تحریری وتقریری مقابلے مکالمے وغیرہ۔ ان پروگراموں میں بچوں کی حوصلہ افزائی تالیاں بجا کر کرنے کا رواج عام ہوگیا ہے اب یہ کسی مذہب یا فرقہ کے ساتھ مخصوص نہیں رہا۔ اس سے بچوں کا حوصلہ بڑھتا ہے۔ شریعت کی روشنی میں اس طرح تالیاں بجا کر بچوں کی حوصلہ افزائی کرنے کا کیا حکم ہے؟ ہندوستان کے مخصوص حالات میں ہر مجمع میں نعرہائے تکبیر بلند نہیں کیے جاسکتے اس لیے بچوں کی حوصلہ افزائی کا اور کیا طریقہ ہوسکتا ہے؟

⑱ بچوں کے پروگرام میں جو تمثیلی مکالمات پیش کیے جاتے ہیں مثلاً ایک بچہ کو عالم تو دوسرے کو جاہل، کسی کو پروفیسر، کسی کو ڈاکٹر بنایا جاتا ہے کیا اس میں کوئی شرعی قباحت ہے؟ جب کہ ڈاکٹر بننے والا بچہ ڈاکٹری لباس اور آلہ وغیرہ بھی لگائے ہوئے ہو؟

⑲ بچوں کے مکالمات کا مسئلہ: اس طرح اور بھی بعض سبق آموز اور دلچسپ کہانیاں تمثیلی انداز میں پیش کی جائیں، کوئی بچہ گھوڑے کا کردار ادا کرے، کوئی شیر کا کوئی پری بنے، کوئی بھوت کی شکل اختیار کرے تو ان سب کا کیا حکم ہے؟

⑳ اسلامی تاریخ کے کچھ واقعات اگر تمثیلی انداز میں پیش کیے جائیں مثلاً صحابۂ کرام کے زمانہ کے واقعات یا بعد کے دور میں خلفاء بنوامیہ و بنوعباس کے دور کے واقعات مثلاً عمر بن عبدالعزیز، ہارون رشید وغیرہ کے زمانہ کے واقعات تمثیلی انداز میں پیش کیے جائیں، ظاہر ہے کہ اس میں کچھ بچوں کو صحابہ کا کردار ادا کرنا پڑیگا

تو ان کا کیا حکم ہوگا؟

(۲۱) اس کے علاوہ بھی دیگر شعبہائے تعلیم میں اعلیٰ تعلیم تک پہونچتے پہونچتے اسی طرح کے بے شمار مسائل سامنے آسکتے ہیں اس لیے ضرورت شرعی کی کوئی جامع تعریف بتادی جائے تو بڑی مہربانی ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کے سوالات کے جوابات دینے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایک بنیادی اور اصولی حقیقت آپ کے سامنے پیش کردی جائے، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تالیف ''الاعتدال فی مراتب الرجال'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''مجھے اس جگہ صرف اس چیز پر متنبہ کرنا ہے کہ مسلمانوں اور کفار کی ترقی کے اسباب خالق اسباب نے علیحدہ علیحدہ پیدا فرمائے ہیں۔ ہر بات میں یہ خیال کرلینا کہ جو چیز کفار کے لیے ترقی کا سبب ہے وہی مسلمانوں کے لیے ہے، اور جو چیز ان کی ترقی میں نقصان نہیں دیتی وہ مسلمانوں کو بھی مضر نہیں ہے دین سے بے خبری ہے، کلام خدا اور کلام رسول سے ناواقفیت ہے، خوب سمجھ لو کہ کفار کے لیے معاصی کی سزا کا اصل محل آخرت ہے اور کبھی کبھی بمصالح اس عالم میں بھی ہوجاتی ہے۔ اور ان کی جتنی خوبیاں ہیں وہ جو نیک اعمال کرتے ہیں ان کا بدلہ رب العالمین اور عادل بادشاہ کے یہاں سے ضرور ملتا ہے مگر اسی عالم میں ملتا ہے آخرت میں کچھ نہیں ملیگا اور یہ بات قرین قیاس بھی ہے کیوں کہ جب وہ آخرت کے قائل ہی نہیں ہیں تو پھر آخرت کے نیک ثمرات وہاں کیوں ملیں۔ اور آخرت سے انکار کی سزا آخرت میں ملنا بھی چاہیے،

اسی لیے ارشاد ہے: ﴿وقیل لھم ذوقوا عذاب النارالذی کنتم بہ تکذبون﴾(الم سجدہ) اوران سے کہا جائے گا کہ اس عذاب کو چکھو جس کو جھٹلایا کرتے تھے۔قرآن شریف میں کثرت سے اس کا ذکر ہے۔قران پاک میں ارشادہے: ﴿ویوم یعرض الذین کفروا علی النار أذھبتم طیباتکم فی حیاتکم الدنیاواستمتعتم بھا فالیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تستکبرون فی الأرض بغیر الحق وبما کنتم تفسقون﴾ (الاحقاف،ع:۲)اور جس روز کفار جہنم کے قریب لائے جائیں گے (اوران سے کہا جائے گا) تم اپنی لذت کی چیزیں دنیامیں حاصل کر چکے اوران سے نفع اٹھا چکے بس آج ذلت کے عذاب کی سزادی جائیگی،اس لیے کہ تم دنیامیں بے وجہ تکبر کرتے تھے اوراس لیے کہ تم فسق کیا کرتے تھے۔(اور جو کچھ خوبیاں تھیں ان کا بھی بدلہ مل ہی چکا ہے)''۔(الإعتدال فی مراتب الرجال:۹۵/۹۶)

اس کے بعد حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے آیات قرآنی اوراحادیث نبویہ سے اس مضمون پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

''غرض نصوص اس پر بہت کثرت سے دلالت کرتی ہیں کہ کفاراور مسلمانوں کے اصول ترقی مشترک نہیں ہیں بلکہ بعض مشترک ہیں اور بعض جداجدا ہیں۔ مسلمانوں کی ترقی کا معیار صرف دین پر عمل ہے بالخصوص معاصی سے بچنا کہ جس قدر بھی معاصی میں ابتلا ہوگا اتنا ہی دنیامیں مصائب کا سامنا ہوگا، یہ دیکھ کر کے اس قسم کے معاصی کفار سے بھی سرزد ہوتے ہیں اوروہ ترقی کرجاتے ہیں ان کے لیے یہ معاصی مصائب کا سبب نہیں بنتے اس وجہ سے ان سے بے خطر ہوجانا اپنے کو اورزیادہ

مصائب میں پھنسانا اور مبتلا کرنا ہے، اور اگر مصائب نہ ہوں تو اور بھی زیادہ خطرناک ہے وہ استدراج ہے جس کا انتقام فوری اور دفعی ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص معصیت اور گناہ کے ساتھ کسی چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرتا ہے، وہ جس چیز کی امید رکھتا ہے اس سے دور ہو جاتا ہے اور جس چیز سے ڈرتا ہے اس کے قریب ہو جاتا ہے۔ (الجامع الصغیر بروایۃ انس ورقم لہ بالصحۃ)

اس لیے مسلمانوں کا گناہوں کے ساتھ ترقی اور فلاح کی امید رکھنا اپنے کو اس سے دور کرنا ہے، اور کفار کی حرص کرنا ان کے قدم بقدم چلنا علاوہ بے غیرتی کے ناکامی کا ذریعہ بھی ہے۔ فارس اور روم کا فوجی دستور یہ تھا کہ جو لشکر غالب ہوتا وہ مغلوب جماعت کے سرداروں کا سر کاٹ کر تفاخر، شہرت پسندی اور مسرت کے طور پر اپنے امیر کے پاس بھیجا کرتا۔ خلافت صدیقیہ میں جب روم سے لڑائی ہوئی تو مسلمانوں نے اس خیال سے کہ ان لوگوں کے ساتھ یہی معاملہ کرنا چاہیے جو یہ دوسروں کے ساتھ کرتے ہیں، ایک شامی سردار کا سر کاٹ کر حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیجا، جب وہ آپ کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے ناگواری کا اظہار فرمایا، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے رسول اللہ کے جانشین! وہ لوگ بھی یہ معاملہ ہم لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا فارس وروم کی سنتوں کا اتباع کیا جائے گا؟ میرے پاس کبھی کسی کا سر نہ لایا جائے۔ ہم لوگوں کو (اتباع کے لیے) اللہ کی کتاب اور حدیث رسول کافی ہے۔
(شرح السیر اول)

اگرچہ فقہاء نے بعض نصوص کی بناء پر اس کی اجازت دی ہے؛ مگر صدیق اکبر کی

رائے اس کے موافق نہ تھی اس لیے منع فرمادیا، اور حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو اس پر تنبیہ فرمائی کہ فارس اور روم کے فعل سے استدلال کیوں کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جس وقت شام تشریف لے جارہے تھے، راستہ میں ایک جگہ گارہ اور پانی آگیا آپ اونٹ پر سے اتر گئے موزہ اتار کر شانہ پر رکھ دیے اور اس میں گھس کر اونٹ کی نکیل ہاتھ میں پکڑلی وہ ساتھ ساتھ تھا، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ نے ایک ایسی بات کی کہ شام والے اس کو بڑی ذلت کی چیز سمجھتے ہیں میرا دل نہیں چاہتا کہ اہل شہر آپ کو اس حالت میں دیکھیں۔ آپ نے ان کے سینے پر ایک ہاتھ مارا اور ارشاد فرمایا کہ ابوعبیدہ تمہارے علاوہ دوسرا کوئی شخص ایسی بات کہتا تو میں عبرت انگیز سزا دیتا، ہم لوگ ذلیل تھے حقیر تھے اللہ نے اسلام کی بدولت عزت عطا فرمائی، پس جس چیز سے اللہ نے عزت دی اس کے سوا کسی چیز کے ساتھ عزت ڈھونڈھیں گے تو اللہ جل شانہ ہم کو ذلیل کردیں گے۔ (مستدرك للحاكم)

حقیقۃً مسلمان کے لیے اصل عزت اللہ کے یہاں کی عزت ہے دنیا اور دنیا والوں کے نزدیک عزت ہوئی بھی تو کیا اور گئے دن کی ہے۔

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار و تمکین
وہ نہ سمجھیں کہ میری بزم کے قابل نہ رہا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص اللہ کی نافرمانیوں کے ساتھ لوگوں میں عزت تلاش کرتا ہے اس کے تعریف کرنے والے اس کی مذمت کرنے والے بن جاتے ہیں۔ ''مقاصد حسنہ'' میں یہ مضمون مختلف عنوانات سے نقل کیا گیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ترقی کی راہ، عزت کی راہ، زندگی اور دنیا میں آنے کی غرض

صرف اللہ کی رضا اور اس کی مرضیات پر عمل ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ اگر عزت ہے تو یہی ہے منفعت ہے تو یہی ہے، حیرت ہے کہ مسلمانوں کے لیے اللہ پاک اور اس کے سچے رسول کے ارشادات میں علوم وحکمت، دارین کی فلاح وترقی کے اسباب اور خزانے بھرے ہوئے ہیں؛ لیکن وہ ہر بات میں دوسروں پر نگاہ رکھتے ہیں، دوسرے کا پس خوردہ کھانے کے درپے رہتے ہیں۔ کیا یہ چیزیں انتہائی بے غیرتی اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اجنبیت اور مغایرت کی نہیں ہیں؟ کیا اس کی مثال اس بیمار کی سی نہیں جس کے گھر میں ایک مرجع الخلائق حکیم ایک حاذق ڈاکٹر موجود ہو اور وہ کسی اناڑی طبیب سے علاج کرائے''۔ (الاعتدال فی مراتب الرجال:۱۰۳ تا ۱۰۶)

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں ''غرضیکہ کسی مصلحت کے خاطر کسی معصیت کا ارتکاب ہرگز جائز نہیں البتہ شریعت میں بڑے محظور سے بچنے کے لیے چھوٹے محظور کو گوارہ کرلیا جاتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو ادھر کوئی نابینا کنویں میں گرنے لگا تو نماز توڑ کر اس کو بچانا فرض ہے حالاں کہ عام حالات میں نماز توڑنا گناہ ہے مگر ایک بڑی مصیبت سے بچنے کے لیے اس کو اختیار کر لیا گیا، ایسی صورت میں ''أهون البليتين''یعنی ضرر عظیم کو دفع کرنے کے لیے کم درجہ کے ضرر کو اختیار کرلیا گیا، اس کا فیصلہ کرنا کہ بلیتین میں سے اھون کونسی ہے؟ ہر شخص کا کام نہیں کیوں کہ بسا اوقات انسان اتباع ہویٰ، عصبیت یا حبِ مال وجاہ کی بنا پر غیر اھون کو اھون سمجھ لیتا ہے اس لیے یہ فیصلہ وہی کرسکتا ہے جو علوم اسلامیہ میں پوری مہارت کے علاوہ تدین وتقوی میں بھی اعلی مقام رکھتا ہو بلکہ اہم امور میں ایسے علماء کی جماعت کا فیصلہ ضروری ہے۔ ''أهون البليتين'' کے کلیات شریعت نے

بیان فرمادیے ہیں، ان کلیات کا پورا احاطہ ان کے مفہوم کو صحیح طور پر سمجھنا پھر پیش آمدہ جزئیات کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا کہ یہ کسی کلیہ میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر داخل ہے تو کس کلیہ میں؟ ان امور کے لیے علوم دینیہ میں مہارت تامہ بہت اونچے درجہ کے تدبر وتفقہ وتدین وتصلب کی ضرورت ہے۔ اگر کسی ناجائز کام کے بارے میں خوب غور وخوض کے بعد یہ محقق ہوجائے کہ اسے ''أهون البليتين'' قرار دے کر اختیار کیا جاسکتا ہے تو یہ وضاحت بلکہ عمومی حالات میں اس کا بار بار اعلان ضروری ہے کہ یہ کام ناجائز ہے مگر شرعی ضرورت کے تحت اسے اختیار کیا گیا ہے، اگر یہ وضاحت نہ کی جائے گی تو عامۃ المسلمین اس گناہ کو گناہ نہ سمجھیں گے اور جہاں شرعی مجبوری نہ ہوگی وہاں بھی اس کا ارتکاب کرنے لگیں گے، اس کی واضح مثال تصویر کھنچوانا ہے جس کا حرام ہونا متفق علیہ ہے مگر حکومت نے حج اور شناختی کارڈ کے لیے تصویر کو لازم قرار دیا ہے۔ اس ضرورت شدیدہ کے تحت علماء نے اس کی اجازت دی ہے مگر اس خاص موقع میں اجازت کے باوجود جس شدت کے ساتھ اس کی حرمت تحریراً وتقریراً بیان کرنا چاہیے تھی اس قدر نہیں ہوئی بلکہ بعض علماء کے طرز عمل سے مسلمانوں نے اس گناہِ کبیرہ کو جائز سمجھ لیا ہے کیوں کہ ان علماء کی تصاویر لی جاتی ہیں تو وہ روکتے نہیں اخبارات وغیرہ میں ان کی تصاویر شائع ہوتی رہتی ہیں مگر انہوں نے اس معصیت پر نکیر کا کبھی ایک حرف بھی نہیں کہا اس سے عوام یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ کوئی گناہ نہیں۔ یہی حال ٹیلیویژن کا ہے صرف یہی نہیں کہ علماء اس پر نکیر نہیں کرتے بلکہ بہت سے علماء خود اس میں مبتلا ہیں۔ جس کی وجہ سے عوام کے قلوب سے اس کی قباحت نکل چکی ہے، اور وہ اسے جائز سمجھنے لگے ہیں۔ حاصل یہ کہ کسی دینی یا دنیاوی مصلحت سے کسی معصیت کا

ارتکاب جائز نہیں، آج کل سیاسی لوگوں کا یہ خیال ہے کہ سیاسی کام کرتے ہوئے جائز وناجائز دیکھنے کی ضرورت نہیں، یہ سراسر غلط ہے۔ مسلمان تو وہی ہے کہ جو ہر قدم پر اللہ کی رضا کو ملحوظ رکھے اور اس کی قائم کردہ حدود سے ذرا بھی تجاوز نہ کرے جو لوگ سیاست کا کام محض تحصیل اقتدار کے لیے کرتے ہیں اور ان کو ملت کی دینی و دنیاوی فلاح سے کچھ غرض نہیں۔ وہ سیاسی کام میں احکام اسلام کو ملحوظ نہیں رکھتے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ حیرت تو ان حضرات پر ہے جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ موجودہ سیاست میں حصہ لینے سے ہمارا مقصود ملک میں صحیح اسلامی نظام قائم کرنا ہے مگر پھر بھی وہ سیاسی کاموں میں احکام اسلام کی پرواہ نہیں کرتے غیر مشروع تدابیر اختیار کرتے ہیں، جب ان سے کہا جاتا ہے آپ تو اسلامی نظام قائم کرنے کے مدعی ہیں مگر آپ خود اسلام نافذ کرنے کیلیے جو طریقے اختیار کر رہے ہیں وہ غیر اسلامی اور ناجائز ہیں۔ تو جواب دیتے ہیں اگرچہ یہ طریقے ناجائز ہیں مگر انکے بغیر اسلام لانا ممکن نہیں ہے، اسی لیے اب تو جائز اور ناجائز کی پرواہ کیے بغیر اقتدار حاصل کرنے کی جدوجہد لازم ہے۔ اقتدار حاصل ہوجانے کے بعد پورے طور پر اسلام نافذ کردیں گے یہ محض دھوکہ ہے ہمیں انکی نیت پر شبہ نہیں مگر انکا طریقہ کار ایسا ہے کہ اس سے نفاذ اسلام کی توقع ہرگز نہیں کی جاسکتی۔ کیوں کہ غیر اسلامی طریقوں سے بے دینوں کی کامیابی تو ممکن ہے مگر دین داروں کو اولاً تو کامیابی ہوگی نہیں اور صورۃً کامیابی ہو بھی گئی تو اس کے نتیجے میں اسلام نہیں آئے گا بلکہ اسلام کے نام کی کوئی اور چیز آئے گی اور صورۃً جو کامیابی ہوگی وہ بھی چند روز سے آگے نہ بڑھ سکے گی، جب اس کی بنیاد ہی کمزور تھی تو اس پر عمارت کیسے قائم کی جاسکتی ہے؟

عقل ونقل اور مشاہدہ سب کا متفقہ فیصلہ ہے اللہ تعالی کی نافرمانی کر کے مسلمانوں کو ہرگز ہرگز کامیابی نہیں ہوسکتی، اگر کبھی غیر مشروع وناجائز طریقوں سے کفار وفساق کو کامیابی ہوتو اس میں مسلمانوں کو قیاس کرنا غلط ہے، کیوں کہ مسلمان اور کافر کی طبعی افتاد اور مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دیکھا جاتا ہے ایک نسخہ ایک مزاج کو مفید اور دوسرے مزاج کو مضر ہوتا ہے جیسا کہ ایک قصہ مشہور ہے بھنگی عطر کی دکان کے پاس سے گذرا اس کا دماغ جو پاخانہ کی بدبو سے مانوس تھا خوشبو کو برداشت نہ کرسکا، اس لیے بیہوش ہوگیا بہت علاج کیے مگر سب ناکام رہے اس کے بھائی کو علم ہوا تو وہ شیشی میں پاخانہ بھر کر لایا، اور اس کی ناک کے ساتھ لگادی وہ فوراً ہوش میں آگیا، ٹھیک اسی طرح کفار وفساق کا دماغ معصیت کے تعفن سے سڑا ہوا ہے اس لیے ان کو حرام وناجائز کاموں کی بدبو نافع ہے بخلاف مسلمان کے کہ یہ شاہزادہ ہے اس کا دماغ نہایت صاف وپاکیزہ ہے اس کو صرف احکام شرعیہ کی خوشبو ہی نفع دیگی، کوئی احمق شہزادہ کو بھنگی پر قیاس کر کے اسے پاخانہ سنگھادے تو شہزادہ کا دماغ پھٹ جائے گا۔ مسلمانوں کو کفار وفساق پر قیاس کرنا غلط ہے کہ جو چیز ان کو نافع ہوگی وہی انکے لیے بھی نافع ہوگی یہ قیاس اس بوجھ بجھکڑ کی منطق جیسا ہے جو اس کے دماغ میں کسی کو درخت سے اتارنے کے لیے آئی تھی، قصہ یہ پیش آیا ایک شخص درخت پر چڑھ گیا اترنے کی ہمت نہ ہوئی لوگوں کو پکارا وہ جمع ہوگئے اور مختلف تدبیریں سوچیں مگر اطمینان نہ ہوا، بالآخر طے پایا کہ یہ عقدہ بوجھ بجھکڑ سے حل کرایا جائے کیوں کہ وہ بستی میں سب سے زیادہ عقلمند ہے، اس سے درخواست کی گئی تو وہ موقعہ پر پہنچا اور کہا کہ تم سب بے عقل ہو میرے بغیر ایک معمولی سی بات کا حل نہ نکال پائے، اس کی تو بہت

آسان تدبیر ہے، ایک لمبا رسہ اس شخص کی طرف پھینکو وہ اپنی کمر سے خوب مضبوطی سے باندھ لے پھر نیچے کے لوگ خوب زور سے جھٹکا لگا کر اپنی طرف کھینچیں بڑی آسانی سے نیچے پہنچ جائے گا؛ چناں چہ انہوں نے ایسا ہی کیا وہ شخص اس زور سے گرا کہ ہڈی پسلی ٹوٹ گئی اور مر گیا، لوگوں نے بوجھ بجھکڑ سے کہا کہ یہ کیا کیا؟ اس نے جواب دیا کہ اس شخص کی قسمت خراب تھی ورنہ تو میں نے کتنوں کو اس طریقے سے کنویں سے نکالتے دیکھا ہے۔ جیسے اس بجھکڑ کا درخت پر چڑھنے والے کو کنویں میں گرنے والے پر قیاس کرنا صحیح نہیں، اسی طرح مسلمانوں کو کفار پر قیاس کرنا غلط اور مہلک ہے، کفار پستی میں ہیں اور مسلمان بلندی پر، کفار جن تدابیر سے پستی سے بلندی کی طرف آنے میں کامیاب ہو رہے ہیں اگر وہی تدابیر مسلمان اختیار کرینگے تو بلندی سے پستی میں جا گرینگے۔ جوتے میں اگر نجاست لگ جائے تو اس کو پھینکا نہیں جاتا مگر ٹوپی میں کسی چیز کا ذرا سا بھی دھبہ لگ جائے تو فوراً اتار دی جاتی ہے، اللہ کے پاس مسلمان ٹوپی کی طرح معزز ہیں اور کفار جوتے کی طرح ذلیل، مسلمانوں کو معصیت سے کامیابی نہیں ہو سکتی۔ (احسن الفتاوی ۶/ ۴۱ تا ۴۵)

قرآن مجید میں باری تعالی کا ارشاد ہے ''اللہ تعالی تمہارے پاس یہ فرمان بھیج چکا ہے کہ جب احکام الٰہیہ کے ساتھ استہزاء اور کفر ہوتا ہوا سنو تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو جب تک کہ وہ کوئی اور بات شروع نہ کر دیں، اس حالت میں تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے''۔ (پ ۴ آیت ۱۴۰)

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ آیت اس پر دلالت کر رہی ہے کہ جو شخص گناہ کا ارتکاب کرے اس پر رد و نکیر واجب ہے، اگر گناہ

کا ازالہ ممکن نہ ہو تو یہ نکیر ہی کی صورت ہے کہ گناہ پر نفرت و کراہت کا اظہار کیا جائے، اور مرتکب گناہ کی ہمنشینی اور اس کے پاس سے اٹھ جایا جائے حتی کہ وہ گناہ کو چھوڑ کر دوسرے کام میں لگ جائے۔ (احکام القرآن ۲/۲۸۹)

اس سے انکار نہیں ہے کہ تصویر کی لعنت اس زمانہ میں وباء عام کی شکل اختیار کر چکی ہے، ایوان اسمبلی سے لیکر کچی جھوپڑیوں تک ملک کے در و دیوار تصویروں سے اٹے ہوئے ہیں مگر یہ فلسفہ بھی تو خودکشی کے مترادف ہے کہ کوئی مرض جب وباء عام کی صورت اختیار کر کے پوری آبادی کو لپیٹ میں لے لے تو مناسب تدابیر اختیار کرنے کے بجائے اسے مرض کہنا ہی چھوڑ دیا جائے؛ بہرحال کوئی گناہ کتنا ہی عام ہو جائے اس سے حکم شریعت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لسان نبوت سے نکلا ہوا ایک ایک حرف اپنی جگہ اٹل انمٹ حقیقت اور رہتی دنیا تک مشعل راہ ہے، اگر آج کا فارمی مسلمان ہادی کونین ﷺ کے صریح ارشادات کے خلاف عملاً بغاوت پر اتر آیا ہے تو یہ اس کی اپنی شقاوت وسیاہ بختی ہے، نہ کہ فرمان رسول ﷺ کا نقص۔ تصویر سازی شریعت کی رو سے ایک کبیرہ گناہ ہے اس کے ہولناک نتائج کسی ذی ہوش انسان پر مخفی نہیں، معذب اقوام کا عبرتناک انجام قرآن مجید نے مفصل بیان کیا ہے ان میں کفر و شرک کی گمراہی تصویر کے راستے ہی سے در آئی تھی۔

چناں چہ صحیحین کی حدیث ہے ''ان اہل کتاب میں جب کوئی آدمی رخصت ہو جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے، اور پھر اس میں یہ تصویر رکھتے، یہ اللہ تعالی کی مخلوق میں سب سے بدتر لوگ ہیں۔ (متفق علیہ) شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اکثر امتوں میں کفر و شرک کی بیماری تصویروں کے راستے سے آئی۔ (فتح الباری ۸/۱۷)

اس دور میں جب کہ بے پردگی، فحاشی اور عریانی کا سیلاب تمام بند توڑ چکا ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ یہ فتنۂ تصویر کا شاخسانہ ہے، اور پورا سیلاب ٹی وی، وی سی آر اور فحش اخبارات کے دہانے ابل رہا ہے۔ تصویر کی حرمت پر احادیث بہت کثرت سے آئی ہیں جو معنوی طور پر حد تواتر تک پہنچ جاتی ہیں، صرف بخاری شریف میں اس پر دس ابواب مذکور ہیں، ہم اختصار کے پیش نظر صرف صحیح بخاری کے ان ابواب سے ہی ایک ایک حدیث نقل کرتے ہیں:

① جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔
(بخاری ۲/۸۸۰ باب التصاویر)

② قیامت کے روز سب سے زیادہ سخت ترین عذاب تصویر سازوں کو ہوگا۔
(ایضاً باب عذاب المصورمن یوم القیامة)

③ اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو عمل تخلیق میں میرا مقابلہ کرنے لگے یہ لوگ ایک دانہ یا ایک ذرہ تو پیدا کر کے دکھائیں۔ (ایضاً باب نقض الصور)

④ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک سفر سے تشریف لائے میں نے طاق پر تصویر دار پردہ لٹکایا ہوا تھا، آپ نے جب اس کو دیکھا تو پھاڑ دیا اور فرمایا روز قیامت سب سے زیادہ عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو صفت تخلیق میں اللہ کی نقل اتارتے ہیں۔ (ایضاً باب ماوطی من التصاویر)

⑤ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے تصویر دار گدا خریدا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دروازے پر رک گئے اندر تشریف نہ لائے، میں نے عرض کیا مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی؟ میں اپنے گناہوں سے اللہ کے بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ

گدا کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اس مقصد سے لیا ہے کہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس سے تکیہ لگائیں آپ ﷺ نے فرمایا روز قیامت ان تصویر سازوں کو عذاب ہوگا اور ان سے کہا جائے گا اپنی مخلوق تصاویر کو زندہ کر کے دکھلاؤ، اور بلاشبہ فرشتے ایسے مکان میں داخل نہیں ہوتے جس میں تصویریں ہوں۔ (۲/ ۸۸۱ باب من کرہ القعود علی الصور)

⑥ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے گھر پر تصویر دار پردہ لٹکایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے ہٹادو اس کی تصویر بار بار میری نماز میں مخل ہوتی ہے۔

(ایضاً باب کراھة الصلاة فی التصاویر)

⑦ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے ملاقات کا وعدہ کیا مگر وقت پر نہ آئے یہ بات آپ ﷺ پر گراں گزری؛ لیکن آپ ﷺ دولت کدہ سے باہر تشریف لائے تو جبرئیل علیہ السلام مل گئے، آپ ﷺ نے ان سے اپنے رنج و زحمت اور انتظار کا شکوہ فرمایا، اس پر جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا جس گھر میں کتا یا تصویر موجود ہو ہم اس میں داخل نہیں ہوتے۔ (ایضاً باب لا تدخل الملائکة بیتاً فیه صورة) آپ ﷺ کے دولت کدہ پر اس وقت یہ دونوں چیزیں موجود تھیں جن کے وجود کا آپ ﷺ کو علم نہ تھا، جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا تو آپ ﷺ نے مٹادیا۔

⑧ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں انہوں نے ایک تصویر دار پردہ خریدا، آپ ﷺ کی اس پر نظر پڑی تو آپ ﷺ دروازے پر رک گئے اندر تشریف نہ لائے، میں نے چہرۂ انور پر ناراضگی کے آثار دیکھے تو عرض کیا، یا رسول اللہ! میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی جناب میں توبہ کرتی ہوں مجھ سے کیا گناہ سرزد ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ تصویر دار پردہ کیسا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں نے اس لیے خریدا ہے

کہ آپ اس پر بیٹھیں اور اس سے تکیہ لگائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا ان تصویر والوں کو روز قیامت عذاب ہوگا اور کہا جائے گا اپنی مخلوق تصاویر کو زندہ کر کے دکھاؤ، اور فرمایا جس گھر میں تصاویر ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔

(ایضاً باب من لم یدخل بیتا فیه صورة)

⑨ حضور اکرم ﷺ نے سود کھانے والے پر، اور کھلانے والے پر، جسم گودنے والی پر، گودوانے والی پر اور تصویر ساز پر لعنت فرمائی ہے۔ (ایضا باب من لعن المصور)

⑩ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص نے دنیا میں تصویر بنائی اسے روز قیامت مجبور کیا جائے گا کہ اس میں روح پھونکے؛ لیکن وہ ایسا نہ کر سکے گا۔

(ایضا باب من صور فی الدنیا)

یہ وعیدیں ہر قسم کی تصویر سے متعلق ہیں خواہ وہ بڑی ہو یا چھوٹی، کپڑے کاغذ پر بنائی جائے یا در و دیوار پر، سکہ پر نقش کی جائے یا نوٹوں پر چھاپی جائے؛ بہر کیف یہ مذکورہ وعیدوں کا مصداق اور حرام ہے۔ اس بارے میں اکابرِ علماء امت کی تصریحات آگے آرہی ہیں پھر ان وعیدوں کا مقصد فقط تصویر ساز ہی نہیں بلکہ ابن الحاج رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے مطابق اس کی تحسین وتصویب کرنے والا، اس کا ہم نشین، اس کے اس فعل پر دل سے راضی ہونے والا، اس فعل کو دیکھ کر قدرت کے باوجود نکیر نہ کرنے والا سب شریک گناہ ہیں۔ (المدخل ۱/ ۲۷۳) (احسن الفتاوی ۸/ ۴۱۷ تا ۴۲۲)

اب آپ کے سوالات کے جوابات پیش خدمت ہیں:

(الف) ایسے ادارہ کا قیام شرعاً جائز اور درست ہے، باقی سوال میں آپ کا یہ جملہ ”کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو آج کے مسلمان بچے کل زمانہ سے بہت پیچھے رہ کر اقوام

عالم کے مقتداء بننے کے بجائے ان کے مقتدی بن جائیں گے'' یہ محض مبالغہ آرائی ہے یہ سارے علوم معاش اور دنیوی گزر بسر سے تعلق رکھنے والے ہیں، ایک مسلمان کے لیے معاش کے مقابلے میں معاد زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

(ب) ① جاندار کی تصویر چاہے ہاتھ سے بنائی گئی ہو یا کیمرے کے ذریعہ دونوں کا حکم ایک ہی ہے، یعنی دونوں ہی حرام ہیں۔

② ③ حرمت کی یہ درجہ بندی آپ کس بنیاد پر کر رہے ہیں، شریعت میں تمام منہیات سے بچنا ضروری ہے، ایسی کوئی درجہ بندی نہیں کسی امر کے بارے میں یہ متعین کرنا کہ وہ موجودہ حالات میں ضرورت یا حاجت کا درجہ رکھتا ہے، یہ نہایت نازک، احتیاط اور دقت نظر کا متقاضی ہے اس لیے ہر عہد کے علماء، ارباب افتاء کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے حالات کو پیش نظر رکھ کر طے کریں کہ اب کونسے امور ہیں جو ضرورت وحاجت کے درجہ میں آگئے ہیں اور ان کی وجہ سے احکام میں تخفیف ہوسکتی ہے؛ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے نازک مسئلہ میں افراد واشخاص کے بجائے علماء کی ایک مقتدر جماعت ہی فیصلہ کرے تاکہ دفع حرج کے نام پر اباحت کا راستہ کھلنے نہ پائے۔

④ نفلی حج وعمرہ یا بلاضرورت صرف تفریح کے لیے بیرونی سفر کی غرض سے تصویر بنانا جائز نہیں۔

⑤ جائز نہیں۔ ⑥ نہیں۔

⑦ موجودہ حالات میں جب کہ پتلون کا استعمال اتنا عام ہوچکا ہے کہ کسی قوم یا مذہب کے ساتھ مخصوص نہیں رہا تو یونیفارم کے طور پر بچوں کو پتلون پہنانا جائز ہے؛

لیکن جیسا کہ آپ نے شروع میں تحریر فرمایا صحیح اسلامی تعلیم اور ملی تشخص کے لیے ادارہ قائم کررہے ہیں تو پھر صلحاء والا لباس کیوں اختیار نہیں کرتے۔

(۸) یہ بھی ناجائز ہے۔

(۹) ناجائز ہے۔

(۱۰) نہیں۔

(۱۱) یہ بھی درست نہیں۔

(۱۲) اس مقصد کے لیے بھی تصویر کا استعمال درست نہیں، کمپیوٹر کے ذریعہ سے تعلیم دی جاسکتی ہے۔

(۱۳) مردوں کے لیے سرستر میں داخل نہیں۔ اس لیے عمر کی کسی منزل میں ان کے لیے سر ڈھانکنا ضروری اور واجب نہیں۔ عورت کے لیے سرستر میں داخل ہے اس لیے لڑکیوں کو اس کا عادی بنانا ضروری ہے۔

(۱۴) ان سے فرائض منصبی کی ادائیگی کے خاطر جتنی گفتگو ضروری ہو حجاب اور پردہ کی رعایت کے ساتھ درست ہے۔

(۱۵) نہیں، اگر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو گنجائش ہے۔

(۱۶) یہ ناجائز ہے۔

(۱۷) تالیوں سے احتراز ضروری ہے؛ البتہ حوصلہ افزائی کے لیے کچھ کلمات مقرر کردیے جائیں، اور بوقت ضرورت مجمع ان کلمات کو کہہ کر بچوں کی حوصلہ افزائی کرسکتا ہے۔

(۱۸) شرعی حدود و قیود میں رہ کر اس کی گنجائش ہے۔

(۱۹) شرعی حدود و قیود میں رہتے ہوئے اس کی بھی گنجائش ہے۔

(۲۰) یہ طریقۂ کار بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کے تقدس کے منافی ہے۔

(۲۱) اس کا جواب شروع میں دے دیا گیا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

اسلامی اسکول پر اعتراض اور اس کا جواب

سوال: تقریباً پندرہ سال پہلے تک جنوبی افریقہ میں یہ رواج تھا کہ مسلمان اپنے بچوں کو سرکاری انگریزی اسکولوں میں صبح کے وقت انگریزی وعلومِ جدیدہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا کرتے تھے، پھر شام کے اوقات میں مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے لیے مسلمان بچے مدرسہ ومکاتب جایا کرتے تھے، بعدہ بعض مسلمانوں کو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ مسلمان بچے سرکاری اسکولوں سے الگ ہو کر ایک مذہبی اسکول میں انگریزی وعلومِ جدیدہ کی تعلیم حاصل کریں اور ان اسکولوں میں اس بات کی پوری کوشش کی جائے گی کہ شریعتِ مصطفویہ کے خلاف عقائد ونظریات کا بالکل ازالہ کر دیا جائے گا اور مدرسوں ومکتبوں میں جو قرآن خوانی اردو، عربی اور دیگر شعبہ ہائے علومِ اسلامی پڑھائے جاتے ہیں یہ سب بھی ان نئے مذہبی اسکولوں میں پڑھائے جائیں گے، گویا کہ یہ انگیریزی اور اسلامی اسکول ہو جائے گا، چناں چہ یہ سلسلہ جاری ہوا اور جگہ جگہ اس قسم کے اسکول۔ جن کا نام ''اسلامک اسکول'' پڑ گیا۔، کھلنے لگے۔ عوام مسلمان بیچارے یوں سمجھتے تھے کہ ہمارے بچے کو دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ضروری معاشی ودنیوی علوم بھی پڑھائے جائیں گے، اس لیے وہ بھی اس کے پیچھے لگ گئے،

علما و مولویان کی شرکت سے رفتہ رفتہ قریب ہر بستی میں ''اسلامک اسکول'' ظاہر ہونے لگے، ہندوستان و پاکستان کے بعض اکابر و مشاہیر علما جب ادھر تشریف لاتے ہیں تو ''اسلامک اسکول'' کے حاملین ان اکابر کو ''اسلامک اسکول'' کے فضائل و ضرورت سناتے تھے، اکابر نے تصویب فرمائی اور اسلامک اسکول کو گویا کہ اکابر کی سند بھی مل گئی؛ لیکن اب پندرہ سال بعد حالت میں بڑا انقلاب آیا ہے؛ بلکہ پہلے ہی سے بعض متدیّن و بزرگ علمائے کرام جن مفاسد کی بنا پر اس قسم کے اسکول بنانے اور قائم کرنے سے انکار کرتے تھے وہ مفاسد ظاہر ہو چکے ہیں وہ یہ ہیں:

① خالص اسلامی تعلیم یعنی قرآن خوانی، دینیات اردو وغیرہ کو بالکل درجۂ ثانی اور تابع ہونے کی حیثیت سے رکھا گیا اور انگریزی جغرافیہ سائنس وغیرہ کو اصل اور اول درجہ اور گویا مقصد کا شرف بخشا گیا؛ بلکہ ان میں اردو کی تعلیم ہی نہیں ہوتی، گو عربی کی ہوئی اور وہ بھی جدید طرز پر۔

② مکاتب کا انسداد: ان اسلامک اسکولوں کو مکاتبِ اسلامیہ کے قائم مقام مانا گیا، اب بڑے اپنے بچوں کی شرعی تعلیم ان جدید اسکولوں کے سپرد کر دیتے ہیں اور مکاتبِ دین کی ضرورت ان لوگوں کے نزدیک نہیں رہی۔

③ پردہ کا ستیاناس ہونا: پڑھانے والی عورتیں بھی ہوتی ہیں، بالغ لڑکیاں بھی ان اسکولوں میں جایا کرتی ہیں، بعض پڑھانے والی میم صاحبات ہوتی ہیں، ایک اچھا خاصہ گھڈ بنا رکھا ہے، بعض جگہ یہ بھی دیکھا گیا کہ مولوی صاحبان اور مولوی صاحبات آپس میں ''والی بال'' کھیل رہے ہیں، غرض پردے کی ''پردہ دری'' ہو گئی۔

④ ان اسکولوں کے نصاب میں جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں ان میں بہ کثرت

جاندار کی تصویر ہوتی ہیں۔ ایک صاحب نے اپنے بچہ کو اس لیے ''اسلامک اسکول'' سے نکال لیا کہ اس میں ننگی عورت کی تصویر بتلائی گئی؛ حالاں کہ یہ شخص حیادار مسلم بھی تھے اور پہلے زمانہ میں سرکاری اسکول کے مہتمم بھی تھے؛ لیکن ان کو اتنی غیرت آئی کہ ''اسلامک اسکول'' کے نام سے بچوں کو ایسی فحش تصویریں دکھلاتے ہیں! ایک اسلامک اسکول میں یہ واقعہ پیش آیا کہ جب عالمی فٹ بال کا کھیل جاپان اور کوریا میں ہو رہا تھا تو ''اسلامک اسکول'' والوں نے ایک بڑی ٹی وی منگوا کر اسکول میں دکھایا؛ تاکہ سب بچے، لڑکے لڑکیاں، مولوی بھی اس میں شریک تھے کھیل سے تلذذ حاصل کر سکے۔

⑤ اکثر بچے جو یہاں سے فارغ ہوتے ہیں قرآن شریف ٹھیک سے بھی نہیں پڑھ سکتے ہیں؛ کیوں کہ زور انگریزی تعلیم ہی پر ہے جیسا کہ نمبر: ا میں بیان کیا گیا۔

⑥ اور بھی خرافات ہیں مشاہدہ سے جن کا یقین حاصل ہو جائے گا۔ اب سوال دریافت طلب یہ ہے کہ ایسے اسکولوں کو ''اسلامک اسکول'' کہنا کیا روا ہے؟ اور مولوی صاحبان جو آج کل بہ کثرت ان میں کام کر رہے ہیں کہ تنخواہ بھی بہ نسبت مدارسِ اسلامیہ کے زیادہ ملتی ہے اور شہرت بھی خوب ملتی ہے، تو بہت سے مولوی صاحبان ان اسکولوں سے وابستہ ہو گئے ہیں، کیا علما حضرات کے لیے زیبا ہے کہ ''اسلامک اسلول'' سے اپنا تعلق قائم کر لیں؟ اور کیا مسلمان اپنے بچے: لڑکے لڑکیاں ان ''اسلامک اسکولوں'' میں بھیجا کریں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سرکاری انگریزی اسکولوں میں علومِ عصریہ کی تعلیم جس انداز اور ترتیب سے دی جاتی ہے اور وہاں داخلہ لے کر علومِ عصریہ حاصل کرنے والوں کے عقائد، اخلاق

واعمال پر جو مضر اثرات ونتائج مرتب ہوتے ہیں ان سے بچنے کے لیے اگر کچھ حضرات نے ایسے اسکول قائم کیے جن میں اسلامی ماحول میں اسلامی اصول وضوابط کا لحاظ کرتے ہوئے علومِ عصریہ کی تعلیم کا بندوبست کیا گیا اور ان اسکولوں میں دینی تعلیم وتربیت کا بھی نظم کیا گیا تو ان کے اس اقدام کو ناجائز اور خلافِ شرع کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟ اور ان کی نیتوں پر کیسے حملہ کیا جاسکتا ہے؟ اور جب تک یہ اسکول، جن اصول وضوابط اور جس انداز وتربیت پر قائم کئے گئے تھے ان کے مطابق کام کرتے رہے، اور اس کے اچھے اثرات مرتب ہوتے رہے ان ہی کو پیشِ نظر رکھ کر اکابر نے اس کی تصویب فرمائی ہے، تو یہ تصویب بھی غلط نہیں، مطلب یہ کہ جب تک یہ نظام اپنے حقیقی نہج واصول کے مطابق چلتا رہا وہاں تک اس کے متعلق عدمِ جواز کا کوئی حکم لگانا کسی مفتی کے لیے کیسے درست ہوگا؟

البتہ بقول آپ کے ''پندرہ سال کے بعد حالات میں بڑا انقلاب آیا'' اور آپ نے اپنے سوال میں جن مفاسد کا تذکرہ فرمایا ہے وہ وجود میں آچکے ہیں تو اب کوئی بھی مفتی ان مفاسد کے بعد ان اسکولوں کو اسلامی اسکول کے نام سے موسوم کرنے کو درست قرار نہیں دے گا، باقی جیسے کوئی عالمِ دین کسی دنیوی یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات میں دینی تعلیم دینے کی ملازمت اختیار کرے تو اس کے اس ملازمت اختیار کرنے کو دنیوی یونیورسٹی ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار نہیں دیا جاسکتا، اسی طرح اگر کوئی عالم ان برائے نام اسلامی اسکولوں میں قرآن پڑھانے یا دینی کتابوں کی تعلیم دینے یا اور کوئی جائز کام انجام دینے کے لیے عقدِ اجارہ کرتا ہے تو شرعی اعتبار سے یہ جائز ہے۔

رہا مسلمانوں کا اپنے بچوں کو تعلیم کے لیے ایسے اسکولوں میں بھیجنا تو ظاہر ہے

کہ اگر ان اسکولوں میں تعلیم حاصل کرنے کے نتیجہ میں بچوں کے عقائد اور اخلاق واعمال خراب ہوتے ہیں تو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی؛ البتہ اگر کوئی آدمی سرکاری اسکولوں میں تعلیم کے لیے بچوں کو بھیجنے سے جو نقصان ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں ان برائے نام اسلامی اسکولوں میں تعلیم دلوانے کی صورت میں ہونے والا نقصان بہت کم ہے، یہ سمجھ کر "إذا ابتليت ببليتين فاختر أهونهما" کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے یہاں بھیجنے کو گوارا کرلے تو ممکن ہے عند اللہ جواب دہی کا معاملہ ہلکا ہوجائے گا؛ اس لیے کہ جو لوگ اپنے بچوں کو دنیوی تعلیم دلانا ضروری سمجھتے ہیں وہ تو بہر حال اس کے لیے اسکولوں کا سہارا لیں گے، چاہے وہ سرکاری ہوں یا برائے نام اسلامی؛ البتہ ان کو یہ ضرور کہا جائے کہ اپنے بچوں کی دینی تعلیم کے سلسلہ میں ان برائے نام اسلامی اسکول پر مدار نہ رکھا جائے؛ بلکہ مکاتب میں بھیج کر یا اپنے طور پر اس کا مستقل انتظام کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۲۸/صفر المظفر ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مسلم رفاہی وتعلیمی اداروں کی بعض کوتاہیوں کی بنا پر ان کو چندہ نہ دینا

سوال: وہ ادارے، کالج، ہسپتال وغیرہ جو غیر شرعی ومحرمات، ناچگان کرنے والوں اور فلمی اداکاروں کے ناموں کی تشہیر کرتے ہوئے خود کی تشہیر کرتے ہیں ان اداروں کو، اور ایسے ہی وہ ادارے اور ہسپتال ودواخانے اور کالج جو ایمان کو ختم کر

دینے والے اور غیر شرعی عمل کرتے اور کرواتے ہیں، مثلاً اتحادِ مذاہب کے نام پر مسلمان بچوں اور بچیوں میں سے کسی کو عیسائی، مسلمان، ہندو، سکھ، پارسی وغیرہ بنا کر اور درمیان میں کسی کو دیوی بنا کر اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر یہ گیت گاتے ہیں، ''دیوی سمان ماتا دیوی سمان دیتے الخ'' کیا ایسے اداروں کو چندہ دینا، اور ان کا چندہ وصول کرنا، اور ان کا خود کا ایسا عمل کرنا جائز ہے؟ نیز کیا ایسے عمل کرنے اور کرانے والوں کے لیے دوبارہ کلمہ پڑھ کر توبہ کرتے ہوئے ایمان کی تجدید ضروری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہسپتال وغیرہ ایسے ادارے جو عموماً افادۂ عام کے کام انجام دیتے ہیں اور عامّۃ المسلمین ومخلوقِ خدا کی راحت رسانی اور ان کی خدمت کے لیے قائم کیے جاتے ہیں، گویا ان کے قیام کا مقصدِ اصلی خلقِ خدا کی خدمت اور راحت رسانی ہے، اور وہ اپنے اس مقصدِ قیام میں اس معنی کر کے کامیاب بھی ہیں کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، مثلاً اگر ہسپتال ہے تو بیمار علاج معالجہ کے سلسلے میں اس سے پورے طور پر مستفید ہو رہے ہیں، غربا ومساکین اپنی غربت ومسکنت کے باوجود علاج ومعالجہ کے سلسلہ میں اس کی خدمات سے پورے طور پر مطمئن ہیں تو ایسے اداروں کا وجود قوم وملّت کے لیے ایک بنیادی ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے اور ایسے اداروں کا قیام، نیز ان کی امداد وتعاون ہر مسلمان کے لیے دینی واخلاقی فریضہ کی حیثیت رکھتا ہے؛ لیکن دورِ حاضر میں معاشرہ میں جو عام بے دینی وبد دینی پھیلی ہوئی ہے اس کے نتیجہ میں ایسے اداروں کے نظم ونسق میں دخیل بعض وہ افراد جو نظریاتی گمراہی یا عملی کمزوری کے شکار ہیں، ان کے زیرِ اثر کچھ ایسے پروگرام بھی ان اداروں کی ماتحتی میں کر لیے جاتے

ہیں جن کی شرعاً اجازت نہیں، تو اس نوع کے پروگرام سے مکمل بائیکاٹ کرتے ہوئے اور ایسا پروگرام کرنے والوں سے مکمل اظہارِ اختلاف کرتے ہوئے اگر ان اداروں سے ہونے والی قومی وملّی خدمات کو مدِّ نظر رکھ کر کوئی آدمی اس کے لیے چندہ کرتا ہے یا دیتا ہے تو شرعاً اس کی اجازت ہے، خصوصاً اِس زمانہ میں جب کہ کامل طور پر شرعی اصول وضوابط کے مطابق اس نوع کے اداروں کو چلانے والوں کی کمی؛ بلکہ فقدان ہو ایسے زمانہ میں مندرجۂ بالا اداروں کے تعاون اور اس میں چندہ دینے سے لوگوں کو منع کرنا قوم کے لیے مشکلات پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

ایسے اداروں میں چندہ دینے کی ممانعت کا فتویٰ حاصل کرنے کے بجائے اگر کچھ اللہ کے نیک بندے اس قسم کے ادارے قائم کرکے ان کو پورے طور پر شرعی اصول وضوابط کے مطابق چلا کر قوم کی خدمت کا بیڑا اٹھالیں تو سوال میں مذکور اداروں کا وجود خود ہی ختم ہوجائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری، ۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مروّجہ بالواڈی کی شرعی حیثیت

سوال: آج کل شہروں میں مروجہ بالواڈی الگ الگ مقاصد کے تحت مختلف زبانوں میں چلتی ہے، اسی طرح ہم بھی ایک بالواڈی اردو زبان کے لیے چلانا چاہتے ہیں۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ اردو زبان کا فروغ ہو جو ہماری دینی، تہذیبی زبان ہے تاکہ ہمارا رشتہ اسلامی تعلیمات سے اور پوری دنیا کے مسلم برادران سے قائم رہے۔

تو اس سلسلہ میں ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ بالواڈی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

بالواڈی میں عموماً تین/ساڑھے تین سال سے لے کر پانچ سال کی عمر کے بچوں کو روزانہ ڈیڑھ گھنٹہ تعلیم دی جاتی ہے۔ تو کیا اس عمر میں شرعی اعتبار سے تعلیم دینا بچوں پر ناقابل تحمل بوجھ سمجھا جائے گا؟ اس صورت حال میں بالواڈی کے منتظمین عنداللہ ماخوذ ہوں گے؟

حسب بالا عمر والے بچوں کو بالواڈی میں داخلہ دیا جاتا ہے تو کیا اس عمر میں بچوں کو تعلیم دینے کی شرعاً کوئی ممانعت ہے نیز ابتدائے تعلیم کے لیے شرعاً کونسی عمر سے ابتداء کر سکتے ہیں۔ اوپر درج شدہ عمر میں کوئی کمی بیشی ہوسکتی ہے ہم ایک بالواڈی شروع کرنا چاہتے ہیں؛ اس لیے ضرور رہنمائی فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بچوں کی اسلامی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں جو ہدایت اور رہنمائی شریعت کی طرف سے دی گئی ہے اس کے لیے کسی عمر کی تحدید نماز اور ان کے بستر الگ کرنے والے حکم کے علاوہ امور میں میری نظر سے نہیں گزری، تعلیم صرف لکھانے پڑھانے کا نام نہیں، بلکہ زبانی طور پر ہدایت دے کر اسلامی تعلیمات ان کے ذہن نشیں کرانا بھی تعلیم ہی کا ایک حصہ ہے۔ اور اس کی ابتداء تو بچہ میں جہاں شعور پیدا ہونے لگے تب ہی سے ہوجاتی ہے، دور نبوت میں اسی کا اہتمام کیا جاتا تھا۔ حکایات صحابہ میں حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے نقل کیا ہے حضرت ربیع بنت معوذ کہتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ اعلان کرایا کہ آج عاشوراء کا دن ہے سب کے سب روزہ رکھیں۔ ہم لوگ اس کے بعد سے ہمیشہ روزہ رکھتے اور اپنے بچوں کو بھی روزہ رکھواتے تھے، جب وہ بھوک کی وجہ سے رونے لگتے تو روئی کے گالے کے کھلونے بنا کر ان کو بہلانے لگتے اور افطار کے وقت تک اسی طرح ان کو کھیل میں لگائے رکھتے۔

آگے ''فائدہ'' کے عنوان کے ماتحت لکھا ہے۔ بعض احادیث میں یہ بھی آیا ہے کہ مائیں دودھ پیتے بچوں کو دودھ نہیں پلاتی تھیں، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ اگر چہ اس وقت قویٰ نہایت قوی تھے اور اب بہت ضعیف، وہ لوگ اور وہ بچے اس کے متحمل تھے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جتنے کا اب تحمل ہے وہی کہاں کیا جاتا ہے، تحمل کا دیکھنا تو نہایت ضروری ہے مگر اب جس کا تحمل ہو اس میں کوتاہی یقیناً نامناسب ہے۔ (حکایات صحابہ ص ۱۴۷/۱۴۸)

تین سال سے لیکر پانچ سال تک کی عمر کے بچوں کو روزانہ ڈیڑھ گھنٹہ تعلیم کی غرض سے مشغول رکھنا بظاہر ناقابل تحمل بوجھ نہیں خصوصاً مروجہ بالواڈیوں میں اس کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے تو اس عمر کے بچے لغو کھیلوں میں اپنا وقت ضائع کریں یا ٹی وی پر کارٹون فلمیں دیکھتے رہیں، اس کے مقابلہ میں بہت مناسب بلکہ مستحسن کام ہے۔ بزرگوں سے علم کی تحصیل کے سلسلہ میں ایک جملہ سنتے چلے آرہے ہیں ''اطلبوا العلم من المهد الى اللحد'' اگر چہ اس وقت اس کا مأخذ تلاش کرنے کا نہ وقت ہے نہ ہمت لیکن اہل علم کے درمیان یہ چیز معروف ہے، اس جملہ کا خلاصہ یہ ہے کہ علم کے حصول کا سلسلہ گہوارے سے لے کر قبر تک جاری رہنا چاہیے، اس سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر اور اسلاف کے یہاں تعلیم کے لیے کسی عمر کی تحدید نہیں۔ ھذا ما عندی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بگڑے حالات میں حلال وحرام کی تمیز سے ہی ترقی ہوگی

سوال: ہم لوگ گورنمنٹ سے روڈ بنانے کا کونٹراکٹ لیتے ہیں، جب گورنمنٹ کو روڈ بنانے کا ہوتا ہے تو اس کی طرف سے اخبار وغیرہ میں اعلان ہوتا ہے؛ چناں چہ کونٹراکٹر حضرات اپنے اپنے حساب سے ٹینڈر بھیجتے ہیں، اس میں جس کا کم ہوتا ہے اس کے ٹنڈر کو پاس کرتے ہیں، اب اس میں جو ٹنڈر پاس کرنے والے افسران ہیں وہ ہی کام کی نوعیت طے کرتے ہیں، اور مقدارِ مالیت بھی وہی طے کرتے ہیں، اب ہوتا یہ ہے کہ افسران ہی کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ مالیت کی مقدار میں کچھ کمی ہوگی تو بھی کوئی حرج نہیں، اور کونٹراکٹر لوگوں کا کہنا ہے کہ اس قدر کمی کی وجہ سے روڈ کے کام میں بگاڑ ہوتا نہیں ہے اور افسران کی طرف سے یہ کمی کے جواز کی خاص وجہ یہ ہے کہ بچی ہوئی مقدار ان افسران اور کونٹراکٹر سب ہی میں تقسیم ہوتی ہے۔

یاد رہے کہ کونٹراکٹر کا اس کمی سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہے کیوں کہ اگر کام سو فی صد ہووے تو نفع زیادہ ہوتا ہے، اور کمی کی وجہ سے نفع کی مقدار کم ہوجاتی ہے، اور کام کی کمی کی وجہ سے جو حصہ کونٹراکٹر کو ملتا ہے وہ مکمل کام کی صورت کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ افسران آج ہندوستان کے اندر وزیر اعظم سے گاؤں کے سرپنچ تک سب ہی اس قسم کے جمع ہوگئے ہیں کہ اگر صحیح نوعیت سے کام کیا جائے تو اس کو ٹکنے نہیں دیتے الا ماشاء اللہ سب کی اس روش کی وجہ سے مسلمان لوگ بڑے بڑے سرکاری کام میں جانے سے محروم ہیں، جو مسلمانوں کے لیے کچھ زمانے کے بعد خطرناک

ثابت ہوسکتا ہے تو علماء سے گزارش ہے کہ ایسی سرکار کی وجہ سے کیا مسلمانوں کو ہندوستان کے اندر یہ حکم دیا جائے گا کہ ایسے سرکاری کام میں نہ پڑے بلکہ دال روٹی پر اکتفاء کرے یا اس کو دارالحرب یا تو کم از کم دارالاسلام نہ مان کر یہ کام کی اجازت ہوگی؟ اگر جواب نفی میں ہے تو کتنے ہی مسلمان ہیں جن کے کاروبار گذشتہ وحال میں ایسے ہی چل رہے ہیں تو کیا ان کی روزی و مال کے بارے میں حرام ہونے کا اور حلال نہ ہونے کا حکم لگایا جائے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

استفتاء کا مقصود حکم شرعی معلوم کر کے اس پر عمل کرنا ہوتا ہے، سوال کے اندر مذکور تفصیل سے صاف صاف مترشح ہوتا ہے کہ خود مستفتی بھی اس معاملہ کو خلاف شرع اور ناجائز سمجھ رہا ہے؛ البتہ اس کا اشکال یہ ہے کہ اس سے مسلمانوں کی ترقی اس ملک میں نہیں ہوگی، اور مسلمان اقتصادی اعتبار سے بچھڑ جائیں گے اس کا جواب حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ادنیٰ تغیر کے ساتھ عرض ہے:

''مسلمانوں کو کچھ زمانہ کے بعد جن خطرناک حالات کے پیش آنے کا آپ اندیشہ ظاہر فرمارہے ہیں ان کے مقابلہ میں ان مسلمانوں کے حالات زیادہ دردانگیز تھے جن کو خطاب کر کے سود (اور خیانت اور غدر) کو حرام قرار دیا گیا، اور سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں، وہ حضرات کفار کے قرضے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ کفار ان کا خون چوس رہے تھے حتی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو دوبارہ غلام بنانے کی دھمکی دی گئی تھی جس سے پریشان ہو کر انھوں نے مدینہ پاک سے مخفی طور پر قرض کی ادائیگی کا انتظام ہونے تک کے لیے باہر چلے جانے کا ارادہ کر لیا تھا، وہ حضرات پیٹ پر پتھر باندھتے تھے، کئی

کئی روز تک فاقہ کرتے تھے، بھوک کی وجہ سے غش کھا کھا کر گر جاتے تھے، دو دو تین تین مہینہ تک گھر میں آگ نہیں سلگتی تھی، کپڑا بھی پوری تن پوشی کے لیے موجود نہیں تھا، چادر ہے تو تہہ بند نہیں، تہہ بند ہے تو کرتہ نہیں، نکاح کے خاطر مہر میں دینے کو لوہے کی انگوٹھی تک میسر نہیں آتی ہے صرف ایک لنگی بدن پر تھی اسی میں سے آدھی لنگی مہر میں دینے پر آمادہ ہوئے، بچوں کو بھوکا روتا ہوا دیکھ کر تین چار دانے کھجور حاصل کرنے کے لیے یہود کی مزدوری کرنا پڑی، خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ازواج مطہرات کے نفقہ کے لیے اپنی جہاد میں کام آنے والی زرہ یہودی کے پاس رہن رکھنے کی نوبت آئی، اسی حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا، ان حالات کے باوجود ان حضرات کو کفار کے مال و دولت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کو بھی منع فرمادیا گیا: ﴿ولا تمدن عينيك الى مامتعنا به ازوا جامنهم زهرة الحيوة الدنيا لنفتنهم فيه ورزق ربك خير وابقى﴾ (طه) اور ہرگز آنکھ اٹھا کر بھی آپ ان چیزوں کی طرف نہ دیکھیں جن سے ہم نے ان (دنیاداروں) کے مختلف گروہوں کو ان کی آزمائش کے لیے متمتع رکھا ہے کہ وہ سب کچھ محض دنیوی زندگی کی رونق ہے، اور آپ کے رب کا عطیہ اس سے بدرجہا بہتر اور پائیدار ہے۔ نیز ارشاد ہوا: ﴿ولولا ان يكون الناس امة واحدة لجعلنا لمن يكفر بالرحمن لبيوتهم سقفا من فضة ومعارج عليها يظهرون ولبيوتهم ابوابا وسررا عليها يتكئون وزخرفا وان كل ذلك لمامتاع الحيوة الدنيا والآخرة عند ربك للمتقين﴾ (الزخرف) اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقے کے ہو جائیں تو جو خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان کے لیے ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی کر دیتے اور زینے بھی جن پر چڑھا

کرتے، اور ان کے گھروں کے کواڑ بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگا کر بیٹھتے ہیں، اور سونے کے بھی اور یہ سب کچھ بھی نہیں، صرف دنیوی زندگی کی چندروزہ کامرانی ہے اور آخرت آپ کے پروردگار کے ان خداترسوں کے لیے ہے۔

مال میں کفار کی حرص کو قرآن پاک نے منع فرمایا ہے مگر اسی کو آج مسلمان بار بار للچائی نظریں اٹھا کر دیکھتا ہے اور انھی کی روش پر چلتا ہے یا چلنے کے لیے راستے تلاش کرتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ بھی اسی منزل پر پہنچے گا جس منزل پر وہ پہنچے ..... مسلمان کی کامیابی اور ترقی حلال اور حرام کی تمیز کے بغیر مال جمع کرنے اور تجارت کو فروغ دینے میں ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کی ترقی اور کامیابی احکام شریعت کی پابندی میں ہے، حرام اور لعنت کے کاموں سے پوری طرح پرہیز کرنے میں ہے۔ جب عام معاشرہ بگڑ چکا ہو غیر قومیں حرام مال سے ترقی کی راہ پر گامزن ہوں تو علماء کا یہ کام نہیں کہ مسلمانوں کے لیے یہ بھی جواز کی راہ نکال کر ان غیر قوموں کے اتباع کا فتویٰ دیں بلکہ ان کی ذمہ داری ہے کہ رضائے خداوندی اور ابدی انعامات کا پورا نقشہ قوم کے سامنے اخلاص وقوت کے ساتھ پیش کریں متعین طور پر بلا کسی تذبذب کے حکم خداوندی سنائیں: ﴿هذا صراطی مستقیما فاتبعوه ولا تتبعوا السبل﴾ یہ میرا سیدھا راستہ ہے اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر مت چلو۔ ﴿ولا تتبعوا خطوات الشیطان﴾ شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔

اگر بگڑے ہوئے معاشرہ اور دیگر اقوام کی ترقیات سے متاثر ہو کر مسلمان کے لیے حرام کی راہیں کھول دیں تو اس کا انجام بہت خطرناک ہے۔ علماء بنی سرائل نے اول قوم کو معاصی سے روکا، وہ نہیں رکی تو روکنا چھوڑ دیا، اور معاشرہ میں قوم کے ساتھ

شریک ہو گئے تو سب پر لعنت کی گئی۔

عن عبداللہ بن مسعود قال قال رسول اللہ ﷺ لما وقعت بنو اسرائیل فی المعاصی نھتھم علمائھم فلم ینتھوا، فجالسو ھم فی مجالسھم وآکلوھم وشاربوھم، فضرب قلوب بعضھم ببعض فلعنھم علی لسان داود وعیسی ابن مریم، ذلك بما عصوا وکانو یعتدون، قال فجلس رسول اللہ وکان متکئاً فقال لا والذی نفسی بیدہ حتی تاطروھم اطرا (رواہ الترمذی وابو داود) وفی روایۃ قال کلا اللہ لتامرن بالمعروف ولتنھون عن المنکر ولتاخذن علی یَدَي الظالم ولتاطرنہ علی الحق اطرا ولتقصرنہ علی الحق قصراً او لیضربن اللہ بقلوب بعضکم علی بعض ثم لَیَلْعَنَّکم کما لعنھم اھ (مشکوٰۃ:ص۴۳۸)

حرام کا دروازہ کھول دینے پر کیا کیا لعنت نازل ہوگی، اگر طبقہ وارانہ کشاکش اور تباغض وتحاسد پیدا ہو تو اس سے بچانے کی یہ صورت نہیں کہ حرام کا دروازہ کھول دیا جائے بلکہ اس کی صورت یہ ہوگی کہ نصوص قرآنی واحادیث نبوی کی زیادہ سے زیادہ تلقین کی جائے۔ اگر موسم خراب ہے اور امرود سے ہیضہ پھیلنے کا اندیشہ ہو تو حفظانِ صحت کے ماہرین حدود میونسپلٹی میں بھی امرود کا داخل ہونا بند کرا دیتے ہیں، یہ نہیں دیکھتے کہ بندر اور گدھے امرود کھا رہے ہیں اور ان کو کس وجہ سے ہیضہ نہیں ہوتا کہ ان کی حرص میں انسانوں کو بھی اجازت دی جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۴/۲۰۹ تا ۲۱۸ ملخصاً)

جو مسلمان ناجائز کاروبار کرتے ہیں ان کے مال اور کمائی کے حرام ہونے میں کیا شبہ ہے؟ حرام ذرائع آمدنی اختیار کرنے والوں کی کثرت تعداد کی وجہ سے ان کی کمائی حلال نہیں ہو جاتی، شریعت نے جس چیز کو حرام بتلایا ہے وہ حرام ہی رہے گی

چاہے اس میں لگنے والوں کی تعداد بڑی کیوں نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد خانپوری ۸ / جمادی الاخری ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

نوکرانیاں باندی نہیں

سوال: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں باندی حلال تھی، اس زمانہ میں جو گھروں میں نوکرانی ہوتی ہے، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ واضح فرمائیے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس زمانہ میں گھروں میں جو نوکرانیاں ہوتی ہیں، وہ آزاد عورتیں ہیں، باندیاں نہیں ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اِس زمانہ میں کسی کو غلام باندی بنانا

سوال: ہندوستان میں باندی یا غلام بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی مرد یا عورت یا ان کے سرپرست کسی سے مثلاً یہ کہے کہ مجھے پانچ ہزار روپئے دو مجھے ضرورت ہے، اور تم مجھے یا ان کو جس کے بارے میں سرپرست کہے، غلام یا باندی بنالو تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ مفصل جواب مع مدلل تحریر فرمائیں۔ (خواہ کافر ہو یا مسلمان)

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مذکور فی السوال صورت تو آزاد کی بیع ہے، جو باطل ہے، ایسا کرنے سے نہ تو کوئی مرد غلام بنتا ہے، نہ کوئی عورت باندی، خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اور ایسی بیع پر حدیث

میں شدید وعید آئی ہے، آیت کریمہ: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ (النساء:۳) کی تفسیر کے ضمن میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: قرآن کریم نے صاف صاف فرمادیا کہ اگر عدل نہ کرسکو تو ایک ہی بیوی رکھو، یا کنیز سے گزارہ کرلو، یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ مملوک کنیز جس کا ذکر آیت میں ہے، اس کی خاص شرائط ہیں جو عموماً آج کل مفقود ہیں، اس لیے اس زمانہ میں کسی کو مملوک شرعی کنیز کہہ کر بے نکاح رکھ لینا حرام ہے۔ (معارف القرآن ۲/ ۲۹۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

باندیوں کا رواج کب ختم ہوا؟

سوال: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں باندیوں کا رواج تھا، کب رواج ختم ہوا؟ کیا قرآن میں کوئی آیت یا حدیث موجود ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی رہا، اور صدیوں تک رہا، دھیرے دھیرے آپ ہی ختم ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲/ جمادی الثانی ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

کیا غوث پاک پیدائشی حافظ تھے؟

سوال: کیا غوث پاک پیدائشی سترہ پارہ کے حافظ تھے؟ کیا اس میں صداقت

ہے؟ قرآن وحدیث میں اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے کوئی بچہ پیدائشی حافظ وعالم ہو؟ ایک رافضی نے بحث کی تھی جس میں یہ بات کہی تھی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ایسا کوئی واقعہ میری نظر سے نہیں گزرا، جو صاحب ایسا دعویٰ کرتے ہیں انہی سے ثبوت طلب کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

آپسی تنازع کو دور کرنے میں مصالحت

سوال: ہماری بستی مانگرول میں سالِ گذشتہ بریلوی اور دیوبندی حضرات کے درمیان عیدالفطر کی شام سخت اختلاف برپا ہوگیا تھا؛ چوں کہ بریلوی حضرات نے پولیس افسران کو رشوت دے کر پہلے سے ہی اپنے طرف دار بنالیے تھے، بناء بریں ہمارے دس حضرات پولیس فائرنگ سے جان بحق ہوگئے تھے، اس واقعہ کو تقریباً ایک سال سے زیادہ زمانہ گزر چکا، عدالتی کاروائی کی طرف سے اس وقت تک کوئی فیصلہ آیا نہیں ہے، اب یہاں صلح کا مسئلہ آکھڑا ہوگیا ہے، جب کہ فریق مقابل (بریلوی) کا کہنا یہ ہے کہ ہم لوگ صلح تو کرنا چاہتے ہیں، مگر ہم اپنی رسوماتِ بدعات کو کسی بھی صورت میں چھوڑیں گے نہیں، علاوہ ازیں ہمارے شہداء کے پس ماندگان کو مصالحت گوارہ نہیں، ایسی صورت حال میں اگر سربراہانِ فریقین مصالحت کرلیتے ہیں، تو کیا وہ عنداللہ گنہ گار ہیں؟ جب کہ دس شہداء کے پس ماندگان کے دل ایسی دب کر مصالحت کرنے سے

ناراض، ناخوش ہیں؛ نیز ان پس ماندگان کو گناہ ہوگا، اگر وہ مصالحت کے لیے آمادہ نہ ہوئے تو؟

نوٹ: پس ماندگانِ شہداء کا کہنا یہ ہے کہ اگر مصالحت نہ کرنے کی صورت میں خوفِ گناہ ہو، تو ہی ہم مصالحت کے لیے آمادہ ہوں گے، ورنہ نہیں۔

یہاں پر بعضے حضرات ایسے بھی ہیں، جو لا إلیٰ هؤلاء ولا إلی هؤلاء کے مصداق ہیں، وہ حضرات ہر دو فریق سے ملتے ملاتے رہتے ہیں، نتیجۃً ان کے افعال واقوال سے ہمیں بہت ہی ضرر پہنچا ہے، تو کیا شریعتِ مطہرہ ان حضرات سے قطع تعلق کرنے کی اجازت دے گی؟

نوٹ: مذکورہ بالا سوالات کے جوابات مع حوالہ بالوضاحت دے کر ممنون فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مسلمانوں کا آپس کا نزاع اور لڑائی شریعتِ مطہرہ کی نظر میں ناپسندیدہ اور مبغوض ہے، قرآن وحدیث میں اس سلسلہ میں صاف صاف ہدایات اور احکام موجود ہیں، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ولاَ تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهب رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا إِنَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ﴾ (نزاع مت کرو، ورنہ کم ہمت ہوجاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں) (سورۂ انفال) اس میں باہمی نزاع کے دو نتیجے بیان کئے گئے ہیں: ''ایک یہ کہ تم ذاتی طور پر کمزور اور بزدل ہوجاؤ گے۔ دوسرے یہ کہ تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی، دشمن کی نظروں میں حقیر ہوجاؤ گے'' اس کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿واصبروا﴾ یعنی صبر کو لازم پکڑو۔

سیاقِ کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نزاع اور جھگڑوں سے بچنے کا کامیاب نسخہ بتلایا گیا ہے، اور بیان اس کا یہ ہے کہ کوئی جماعت کتنی ہی متحد الخیال اور متحد المقصد ہو؛ مگر افرادِ انسانی کی طبعی خصوصیات ضرور مختلف ہوا کرتی ہیں؛ نیز کسی مقصد کے لیے سعی و کوشش میں اہلِ عقل و تجربہ کی رایوں کا اختلاف بھی ناگزیر ہے، اس لیے دوسروں کے ساتھ چلنے اور ان کو ساتھ رکھنے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں، کہ آدمی خلافِ طبع امور پر صبر کرنے اور نظر انداز کرنے کا عادی ہو اور اپنی رائے پر اتنا جماؤ اور اصرار نہ ہو کہ اس کو قبول نہ کیا جائے، تو لڑ بیٹھے، اسی صفت کا دوسرا نام صبر ہے، آج کل یہ تو ہر شخص جانتا اور کہتا ہے کہ آپس کا نزاع بہت بری چیز ہے؛ مگر اس سے بچنے کا جو گُر ہے کہ آدمی خلاف طبع امور پر صبر کرنے کا خوگر بنے، اپنی بات منوانے اور چلانے کی فکر میں نہ پڑے، یہ بہت کم لوگوں میں پایا جاتا ہے؛ اسی لیے اتحاد و اتفاق کے سارے وعظ و پند بے سود ہو کر رہ جاتے ہیں، آدمی کو دوسرے سے اپنی بات منوانے پر تو قدرت نہیں ہوتی؛ مگر خود دوسرے کی بات مان لینا، اور اگر اس کی عقل و دیانت کا تقاضہ یہی ہے کہ اس کو نہ مانے، تو کم از کم نزاع سے بچنے کے لیے سکوت کر لینا، تو بہر حال اختیار میں ہے، اس لیے قرآنِ کریم نے نزاع سے بچنے کی ہدایت کے ساتھ ساتھ صبر کی تلقین بھی ہر فردِ جماعت کو کر دی؛ تاکہ نزاع سے بچنا عملی دنیا میں آسان ہو جائے۔

(معارف القرآن ۴/ ۲۵۲، ۲۵۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”ألا أخبركم بأفضل من درجة الصيام والصدقة والصلوٰة؟ قال: قلنا: بلى! قال: اصلاح ذات البين، وفساد ذات البين، هي الحالقة“ (مشکوٰۃ:۴۲۸) یعنی تمہیں نماز، روزہ، صدقہ وغیرہ سے

افضل چیز بتلاؤں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، ضرور! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپس کا سلوک سب سے افضل ہے اور آپس کی لڑائی دین کو مونڈنے والی ہے، یعنی جیسے استرے سے سر کے بال ایک دم صاف ہوجاتے ہیں، آپس کی لڑائی سے دین اسی طرح صاف ہوجاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سود کے ستر سے زیادہ باب ہیں، سب سے سہل اور ہلکا درجہ اپنی ماں سے زنا کرنے کے برابر ہے اور ایک درہم سود کا پینتیس زنا سے زیادہ سخت ہے۔ (مشکوٰۃ ۲۴۶) اور بدترین سود اور سب سے زیادہ خبیث ترین سود مسلمان کی آبروریزی ہے۔ (مشکوٰۃ ۴۲۹)

آپس کی لڑائی میں عموماً مسلمان کی آبروریزی ہوتی ہی ہے، جس کے نتیجہ میں آدمی اس وعید کا مصداق بنتا ہے، اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ آپس کی لڑائی ختم کرکے آپس میں صلح صفائی سے رہیں، خصوصاً دورِ حاضر میں اس ملک میں جب کہ اسلام اور مسلمانوں کے استیصال اور ان کو بیخ و بُن سے اکھاڑنے کی منظم سعی جاری ہے، صلح میں کوئی ایسی شرط لگانا جس سے شریعتِ مطہرہ کی حرام کردہ کسی چیز کا حلال کرنا لازم آتا ہو، یا شریعت مطہرہ کی کسی حلال کردہ چیز کا حرام کرنا لازم آتا ہو، جائز نہیں ہے، اور شریعت ایسی صلح کی اجازت نہیں دیتی، ابوداؤد شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "الصلح جائز بين المسلمين" (زاد احمد) إلا صلحاً حرم حلالا أو أحل حراماً (ابوداؤد شریف: ۵۰۶/۲) یعنی مسلمانوں کے درمیان ہونے والی ہر صلح جائز ہے؛ مگر وہ صلح جو شریعت کی حلال کردہ کسی جائز چیز کو حرام ٹھہراتی ہو، یا شریعت کی حرام کردہ کسی ناجائز چیز کو حلال ٹھہراتی ہو۔

اس لیے اگر فریقِ مخالف صلح میں یہ شرط رکھتا ہو کہ ہم اپنی بدعات پر قائم رہیں گے، تو

اس شرط کے ساتھ صلح جائز نہیں ہے، اس لیے کہ بدعت کو شریعتِ مطہرہ نے حرام اور گمراہی قرار دیا ہے، ہاں! اگر ایسی کوئی شرط صلح میں نہیں رکھی گئی، تو صلح درست اور جائز؛ بلکہ پسندیدہ ہے، جن لوگوں کے اعزہ شہید ہوئے ہیں، ان کو قتل کرنے میں اگر کسی نے براہِ راست حصہ لیا ہے، یعنی فعلِ قتل کے انجام دینے میں وہ شریک ہے، تو مقتول کے شرعی ورثاء کو اختیار ہے کہ قاتل کو معاف کریں، اور اگر وہ معاف نہیں کرتے، تو ان کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے؛ لیکن صورتِ مسئولہ میں فریق مخالف نے براہِ راست فعل قتل انجام نہیں دیا ہے؛ بلکہ قتل کرنے والی تو پولیس ہے، جس نے پیسہ کے لالچ میں یہ کام کیا ہے، اس لیے شرعی طور پر اس کام کے لیے رقم دینے والے لوگ قاتل نہیں کہے جاسکتے، ہاں! ان کو اپنی اس حرکت کی وجہ سے گناہِ عظیم ضرور لازم آتا ہے، جس سے توبہ کرنا ان کے لیے ضروری ہے؛ بہرحال موجودہ صورت میں مقتولین کے اعزہ کو چاہیے کہ مصالحت میں رکاوٹ نہ ڈالیں، ورنہ ایک کارِ خیر میں رکاوٹ کے مجرم بنیں گے، جو لوگ دونوں فریق سے ملتے ملاتے رہتے ہیں، اگر ان کا مقصد اس سے دونوں فریق کے درمیان تعلقات کو ٹھیک کرنا اور دونوں کے نزاع کو ختم کرنا ہے، تو ان کا یہ فعل شرعاً پسندیدہ اور مستحسن ہے؛ بلکہ اگر اس مقصد کے حصول کے لیے کبھی کوئی خلاف واقعہ بات کرنا پڑے، تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ بخاری و مسلم کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "لیس الکذاب الذي یصلح بین الناس، ویقول خیراً ویمنی خیراً" متفق علیه (مشکوٰۃ شریف: ۴۱۲، ۴۲۸) (یعنی وہ آدمی غلط بیانی کرنے والا نہیں ہے، جس کا مقصد لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرانا ہو، اور (اس مقصد کے لیے وہ) دوسروں کی طرف نسبت کرکے کوئی بھلی بات پہنچاتا ہے۔

اور اگر ان لوگوں کا مقصد دونوں کے درمیان اختلافات کو بڑھانا اور اس کی خلیج کو وسیع کرنا ہے، تو ان کی یہ حرکت نہایت درجہ شنیع اور قابلِ نفرت ہے، ایسے لوگوں کے متعلق ''بخاری و مسلم'' میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد موجود ہے کہ: ''تجدون شر الناس يوم القيٰمة ذا الوجهين، الذي يأتي هؤلاء بوجه، وهؤلاء بوجه'' متفق عليه (مشكوة شريف:٤١١) (یعنی قیامت کے دن سب سے بدترین حال دورخ والے کا ہوگا، جو ایک فریق سے کچھ کہتا ہے، اور دوسرے فریق سے کچھ کہتا ہے) چوں کہ ایسے لوگوں کی برائی اور بھلائی کا مدار ان کی نیت پر ہے، اس لیے جب تک ان کی طرف سے کوئی بات ان کی برائی پر شرعی دلیل سے ثابت نہ ہو، وہاں تک ان کے معاملہ کو بھلائی پر ہی محمول کرنا چاہیے، اس لیے کہ حدیث پاک میں مومنین کے ساتھ نیک گمان کرنے کا حکم دیا گیا ہے، حضور اکرم ﷺ کا ارشاد: ''ظنوا بالمؤمنين خيراً'' (یعنی مسلمانوں کے ساتھ حسنِ ظن رکھو) نیز ارشاد نبوی ﷺ ہے: ''حسن الظن من حسن العبادة'' (مشكوٰة:٤٢٩) (یعنی حسنِ ظن من جملہ حسن عبادت کے ہے۔) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ١٦/ ذوالحجہ ١٤١٠ھ

ٹال مٹول کرنے والے مدیون کے مال سے چوری کرنا

سوال: زید کا عمر پر سو روپیہ قرض ہے، عمر گنجائش ہونے کے باوجود ٹال مٹول کرتا ہے، آیا زید غصب کر کے یا چوری کر کے اس سے وصول کر سکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر مدیون منکر ہے، اور دائن کے پاس گواہ بھی موجود نہیں، اور دائن بواسطۂ حاکم اپنا حق وصول کرنے سے قاصر ہے، تو ایسا کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔ (تکملة فتح الملهم ۵/ ۵۷۹ شامی ۳/ ۲۱۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خوش عیش زندگی بسر کرنا جب کہ غرباء کا بمشکل گزارہ ہوتا ہو

سوال: اللہ کے حکموں کو ماننے والے اور جاننے والے، اچھا کپڑا یعنی سوٹ بنوانا اور اچھا پہننا اور اچھا کھانا دوسروں کا خیال نہ کرنا، اچھا مکان بنوانا، اپنی راحتوں کا پورا انتظام بنوانا، سوٹ بنوانا یعنی اپنے گھر والوں کو ایک کلر کے کپڑے بنوا کر پہنوانا، یہ سب صورتیں کرنے سے غریبوں کے لیے خراب اثرات سے اس کو ادھر سے ادھر قرضہ لے کر ماحول کے موافق زندگی کو پورا کرنا ہوتا ہے، تو یہ صورتیں جائز بن سکتی ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب تحریر فرماویں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی آدمی حلال اور جائز طریقے سے رقم حاصل کر کے شریعت کے مقرر کردہ حدود میں رہ کر خود اچھا لباس پہنتا ہے یا اپنے متعلقین کو پہناتا ہے، اچھا پاکیزہ کھانا کھاتا ہے، اپنی ضروریات وسہولیات کی رعایت والا مکان تیار کرتا ہے تو یہ جائز ہے؛ البتہ اس کا خیال ضروری ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دوسروں کو کم نہ سمجھے، اور فضول خرچی واسراف سے بچے، بخاری شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”کلوا

واشربوا والبسوا و تصدقوا فی غیر اسراف ولا مخیلة" (بخاری ۲/۸۶۰) یعنی کھاؤ، پیو اور پہنو (جو اچھا اور حلال و پاکیزہ ہو) بغیر اسراف اور بڑائی کئے ہوئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ڈاڑھی مونڈنے والے حجام کو دودھ بیچنا

سوال: ① ہمارے یہاں ایک مسلمان نائی (حجام) داڑھی مونڈتا ہے، اور غیر شرعی بال بناتا ہے، اور اس کی پوری آمدنی اسی میں سے ہے، اور اب وہ آدمی ہمارے ہاں دودھ لینے کے لیے آتا ہے تو اس کو دودھ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور جائز نہیں تو جتنے دن دودھ آیا اس کے پیسہ لے کر کسی غریب کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

② ایک ہندو نائی اگر اس طرح کام کرتا ہے، تو اس کے ساتھ دودھ وغیرہ کا معاملہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اگر وہ شخص دودھ کی قیمت داڑھی مونڈنے کے ذریعہ حاصل ہونے والی رقم سے ادا کرتا ہے تو یہ رقم صدقہ کردی جائے۔

لاتصح الاجارة لعسب التيس، وهو نزوه على الاناث، ولا لاجل المعاصى، مثل الغناء والنوح والملاهى (درمختار) واما الاخذ منها وهى دون ذلك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه احد، واخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس الاعاجم (درمختار) وفى حظرالاشباه: والحرمة تتعدد مع العلم (درمختار)

(۲) اس سلسلہ میں صراحت کہیں نہیں ملی؛ البتہ اصول کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کا بھی وہی حکم ہونا چاہیے۔

وقال ط: وفيه انه لا يظهر الا على قول من قال ان الكفار غير مخاطبين بفروع الشريعة والاصح خطابهم (شامی:۵/۲۷۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری

سرکاری بے کار عمارت میں دینی تعلیم

سوال: یہاں جونا گڈھ ضلع میں ایک بہت بڑا ایریا ہے، جو جنگل شمار ہوتا ہے، اندر جنگل میں چھوٹے چھوٹے گاؤں بھی ہیں، اس میں حبشی مسلمانوں کے بھی گاؤں ہیں، ایسے ہی ایک گاؤں میں ان کے بچوں کو دنیاوی تعلیم دینے کے لیے سرکار نے ایک چھوٹی سی عمارت بنادی تھی، زلزلہ میں ٹوٹنے جیسی ہوگئی تھی تو سرکار نے اس کو توڑنے کا حکم دے دیا تھا، گاؤں والوں نے اس کو توڑا نہیں؛ بلکہ اس جیسی چھوٹی سی عمارت اس سے ذرا ہٹ کر بنائی، اور اس عمارت کو جنگل کھاتے کے ایک بڑے ادھیکاری نے گاؤں والوں کو اپنے استعمال میں لینے کی اجازت دے دی تھی، اس عمارت میں کئی سالوں سے مدرسہ چل رہا ہے، اب اس عمارت کے اندر ہم لوگ نیا کام کرانا چاہتے ہیں تو کیا شرعی لحاظ سے ایسا کر سکتے ہیں؟ اس لیے کہ وہاں پر اگر ہم لوگ الگ سے مدرسہ کے لیے کوئی زمین خریدنا چاہیں تو جنگل کے اصول کے اعتبار سے وہاں کی زمین خرید نہیں سکتے، ایسی حالت میں ہم لوگ کیا کریں؟ گاؤں چہار دیواری کے اندر ہی ہے، اور یہ عمارت بھی چہار دیواری کے اندر ہے، اور ہم لوگ چہار دیواری سے

ہٹ کر کام نہیں کر سکتے ہیں؛ لیکن تمام زمین سرکاری ہے اور گاؤں والوں کو رہنے اور بسنے کی اجازت ہے؛ لہٰذا تمام حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے جوابات سے آگاہ کریں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

دینی تعلیم پڑھانے کے لیے استعمال کی جانے والی عمارت کے لیے وقف ہونا بھی ضروری نہیں، کسی کی ذاتی ملکیت میں وہ اجازت دے دے تو یہ کام ہوسکتا ہے، جب حکومت کے ذمہ دار افسر نے اس عمارت کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی ہے، تو آپ کا اس کو مدرسہ کے طور پر استعمال کرنا درست ہے، اس میں اگر مرمت کی ضرورت ہو، تو وہ بھی کروائی جاسکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

معتوہ کے تصرفات کا شرعی حکم

سوال: ① زید جن کی عمر ۹۰ سال سے تجاوز کر چکی ہے، اور ان کی بیوی کا بھی انتقال ہو چکا ہے، زید کا صرف ایک لڑکا عمر ہے، زید کے لڑکے عمر کے تین لڑکے، سات لڑکیاں اور بیوی ہے، زید اپنے بیٹے عمر اور ان کے اہل خانہ کے ساتھ ہی رہتے ہیں، درازئ عمر کی باعث دو تین سال سے زید کا ذہنی توازن مختل ہو چکا ہے، جس کی وجہ سے بے شعوری والا معاملہ رہتا ہے، ایک وقت میں کسی قسم کی کوئی بات کرتے ہیں، اس کے چند لمحات کے بعد ہی ان باتوں سے صاف انکار کر دیتے ہیں، اکثر اپنے بیٹے کو اپنا بڑا بھائی گردانتے ہیں، اور اپنی بہو کو رشتہ داروں میں سے کسی کی طرف منسوب

کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ فلاں کی بیوی یہاں کیوں رہتی ہے؟ اسے گھر سے نکالو، اسی طرح زید اپنے پوتے اور پوتیوں کو پہچاننے سے اکثر انکار کر دیتے ہیں، اجرت پر کام کرنے والی نوکرانیوں کی طرح اپنی پوتیوں کو نوکر کہہ کر کے گھر سے نکالنے کی بات کرتے رہتے ہیں، گھر سے کبھی ٹہلنے کی غرض سے باہر جانا ہوتا ہے تو واپسی میں کہتے ہوئے گھر میں داخل ہوتے ہیں کہ بھئی دہلی سے واپس آرہا ہوں بہت تھک گیا ہوں، اسی طرح کھانا کھالیتے ہیں، اور پھر شکایت کرتے ہیں کہ مجھے کسی نے کھانا نہیں دیا۔ بمبئی کے مضافاتی علاقوں کے متعلق اکثر کہتے ہیں کہ بمبئی سے آگے ہیں، صبح اگر تاخیر سے اٹھتے ہیں تو کہتے کہ آج رات بڑی طویل ہوگئی آج نو بجے سورج نکلا ہے، اپنے پیسوں کی اکثر چوری کی شکایت کرتے ہیں اور چوری کا الزام پوتے اور پوتیوں پر عائد کرتے ہیں، جب کہ وہ پیسے کہیں رکھ کر بھول جاتے ہیں، خرچ کر دیتے ہیں یا پھر باہر کسی کو دے دیتے ہیں۔

زید کا بمبئی میں مکان ہے، دکان ہے، اسی طرح آبائی وطن میں زمین جائیداد اور مکان ہے، زید کا اپنے ہوش حواس کے زمانہ میں یہ حال رہا ہے کہ کسی بھی فرد کو چاہے وہ اولاد ہو یا رشتہ دار جائیداد اور مکانوں کے بارے میں مالکانہ حقوق کے نظریے کے ساتھ انہیں اپنے قریب بھی نہیں آنے دیا، ہمیشہ زید اپنے منفرد مزاج کے ساتھ چلنے کے عادی رہے ہیں، زید کی مذکورہ بالا ذہنی اختلال اور عدم توازن کے پیش نظر مندرجہ ذیل باتیں معلوم کرنی ہیں کہ اس صورت حال میں شریعت کا کیا حکم ہے۔

① زید کا ذہنی اختلال اور عدم توازن کی وجہ سے املاک کے بارے میں زید کے بیٹے عمر کو کیا بلا اذن حق واختیار منتقل ہو جاتا ہے، یا اس کے لیے اذن لازم ہے۔

(۲) مذکورہ بالا ذہنی اختلال اور عدم توازن کی وجہ سے املاک کے بارے میں زید کا کسی کے حق میں کسی قسم کا فیصلہ نافذ کرنے سے نافذ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

(۳) عمر کا بڑا بیٹا اپنے اہل وعیال کے ساتھ مستقل طور پر بمبئی کے مضافات میں رہتا ہے، وہ اپنے دادا زید کو تبدیلیٔ ہوا کے بہانے اپنے گھر لے جاتا ہے، اور وہاں جا کر اپنے دادا سے اپنے حق میں تمام ملکیت کے حقوق اور اختیار نامے بنوا کر اس پر دستخط لے لیتا ہے، جب کہ زید دستاویزی زبان سے ناواقف ہے، دوسرے یہ کہ سارا معاملہ زید کے بیٹے عمر سے چھپا کر کیا گیا ہے آیا یہ صحیح ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح یہ بھی واضح فرمادیں کہ زید جن کا صرف ایک لڑکا عمر ہے اس کے ہوتے ہوئے ملکیت پر حق جتانا اور ثابت کرنا اور ملکیت غصب کرنے کی کوشش کرنا کیسا ہے؟ کیا یہ عمر کے حقوق کی پامالی نہیں؟ ملکیت پر قابض ہونا یا اسے بیچ کر رقم استعمال کرنا حلال ہوگا یا حرام؟

(۴) زید کے پوتے کا ملکیت کی کسی بھی شق سے انتفاع کیا حلال اور جائز ہوگا؟ اور اس کا یہ کہنا کہ میں نے دادا کو بتا کر دستخط لیے ہیں، ذہنی اختلال اور عدم توازن کے پیش نظر یہ بات کہ میں نے دادا کو بتا کر دستخط لیے ہیں کہاں تک صحیح ہے؟ اور کیا یہ اختیار نامہ از روئے شریعت صحیح تسلیم کیا جائے گا؟

(۵) زید کے پوتے نے اپنے دادا سے یہ کہہ کر مضافات میں مکانات سستے ملتے ہیں، آپ بمبئی کا فلاں مکان بیچ دیجئے میں آپ کے لیے اس رقم سے مضافات میں آپ کے نام پر ایک مکان خرید لوں گا، آپ کو ماہانہ اس مکان سے دو ہزار روپیہ کرایہ ملتا رہے گا، اور مکان کی قیمت بھی رفتہ رفتہ بڑھتی رہے گی یہ دوسرا فائدہ ہوگا، دیگر نئے مکان کی خریدی کے بعد جو رقم بچے گی اسے بھی کسی تجارت میں لگادوں گا، وہاں سے

بھی آپ کو ماہانہ نفع ملتا رہے گا، اس بات کے پیش نظر بمبئی کا ایک مکان آٹھ لاکھ روپے میں فروخت کیا گیا؛ لیکن آج تک پوتے نے کسی بھی نئے مکان کی خریداری کا کوئی بیع نامہ نہیں بتایا، نہ ہی یہ واضح کیا کہ باقی رقم کس تجارت میں لگائی ہے، جس کی وجہ سے زید اور اس کے لڑکے عمر کو شکایت ہے، زید کے بیٹے عمر نے جب اپنے لڑکے سے رقم کے بارے میں سوال کیا تو اس نے حقیقت حال بتانے کے بجائے برجستہ یہ جواب دیا کہ جاؤ میں رقم نہیں دوں گا، تم سے ہو سکے تو وصول کر کے بتاؤ، معلوم یہ کرنا ہے کہ زید کے پوتے کے لیے اس رقم کا دبا لینا اور اس سے کسی طرح کا کوئی انتفاع اس کے لیے جائز ہے کہ نہیں؟ اور کیا زید کے پوتے کے لیے رقم واپس کرنا لازمی ہوگا یا نہیں؟

⑥ زید کے پوتے نے آبائی وطن کی ایک جائداد اختیار نامے کے بل بوتے پر زید کے بیٹے عمر کے علم میں لائے بغیر فروخت کر دی، بیع کے وقت پوتا اپنے دادا کو وطن لے کر گیا، اور وہاں بیع نامے پر ان سے دستخط کروائے جب کہ زید کے ذہنی اختلال جس کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے اس مختل سوجھ بوجھ کے پیش نظر زید کا کسی بیع نامے اور دستاویز پر دستخط کرنا نافذ ہوگا یا نہیں؟ اور کیا یہ بیع فاسد شمار ہوگی یا قائم ہو جائے گی؟ اور اس بیع سے حاصل شدہ رقم جو رقم زید کے پوتے نے دبا رکھی ہے کیا یہ اس کے لیے جائز ہے؟ اور اس سے کسی طرح کا فائدہ اٹھانا شرعی نقطۂ نگاہ سے کیا حیثیت رکھتا ہے؟

⑦ زید کے مذکورہ بالا ذہنی اختلال اور عدم توازن کے پیش نظر زید کی موجودگی میں نیابت کا حق کیا عمر کو حاصل ہو جاتا ہے؟ اور کیا عمر کے علاوہ کوئی دوسرا بھی نیابت کا دعوی کر سکتا ہے؟

⑧ زید اور اس کا بیٹا عمر میونسپل بلڈنگ میں رہتے ہیں، جہاں ان کے چار کمرے ہیں، ایک زید کے نام پر ہے، دوسرے عمر کے نام پر ہے، تیسرا زید کی بیوی کے نام پر ہے، اور چوتھا عمر کی بیوی کے نام پر ہے، حکومت وقت کے قانون کے مطابق میونسپل بلڈنگ میں کسی ایک آدمی کے نام پر دو مکان نہیں لے سکتے، اس لیے مزید دو مکانوں کی خریداری کے وقت سرکاری قانون کے پیش نظر وہ مکانات زید اور عمر کی بیویوں کے نام پر لیے گئے، جنہوں نے مکانات کی خریداری میں کسی بھی قسم کی کوئی رقم نہیں لگائی، اور نہ ہی ان دونوں مکانات کی تملیک ان کے حق میں کی گئی صرف سرکاری قانون کے پیش نظر ان کے نام پر لیا گیا ہے، اب ان کے نام پر ہونے کی وجہ سے ان دونوں کو کیا حق ملکیت حاصل ہو جاتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① آپ نے زید کے متعلق جو تفصیل اپنے سوال میں تحریر فرمائی ہے اس کے پیش نظر زید شرعی اعتبار سے معتوہ ٹھہرتا ہے، اور شرعاً معتوہ کے تصرفات قولیہ معتبر نہیں ہوتے، شرعی طور پر تصرفات قولیہ (یعنی نکاح وطلاق، بیع وشراء، اجارہ، رہن وغیرہ) کے انجام دینے کے لیے ضروری ہے کہ ان کا انجام دینے والا عاقل بالغ ہو، اگر وہ پاگل ہے یا معتوہ یعنی ایسا کم فہم ہے جو ملی جلی باتیں یعنی کچھ صحیح اور کچھ بہکی باتیں کرتا ہے اور کام صحیح تدبیر اور طریقہ سے نہیں کرتا ہے، تو اس کے مذکورہ بالا تصرفات شرعاً معتبر نہیں۔

فتح القدیر میں ہے: لكن معلوم من كليات شرعية ان التصرفات لاتنفذ الا ممن له اهلية التصرف وادناها بالعقل والبلوغ خصوصا ما

هو دائر بين الضرر والنفع الخ(فتح القدير٣/٤٦٩)

بحر الرائق میں ہے: واراد بالمجنون من فی عقله اختلال، فيدخل المعتوه واحسن الاقوال فی الفرق بينهماان المعتوه هو القليل الفهم المختلط الكلام الفاسد التدبير؛ لكن لايضرب ولايشتم بخلاف المجنون.

(البحر الرائق٣/٢٦٨)

درمختار شامی میں ہے: والمعتوه من العته، وهو اختلال فی العقل (قوله وهو اختلال فی العقل) هذا ذكره فی البحر تعريفا للجنون، وقال: ويدخل فيه المعتوه، واحسن الاقوال فی الفرق بينهما ان المعتوه هو القليل الفهم المختلط الكلام الفاسد التدبير؛ لكن لايضرب ولايشتم بخلاف المجنون اه وصرح الاصوليون بان حكمه كالصبي؛ إلا ان الدبوسی قال: تجب عليه العبادات احتياطا، ورده صدر الاسلام؛ بان العته نوع جنون، فيمنع وجوب اداء الحقوق جميعا كمابسطه فی شرح التحرير. (درمختارمع الشامی٢/٤٦٢)

بدائع میں ہے: أما الذی يرجع الى الزوج فمنها: أن يكون عاقلا حقيقة أوتقديرا فلايقع طلاق المجنون والصبی الذی لايعقل؛ لان العقل شرط اهلية التصرف لان به يعرف كون التصرف مصلحة، وهذه التصرفات ماشرعت الالمصالح العباد (بدائع الصنائع ٣/٩٩)

شامی میں ہے: انا لم نعتبر أقوال المعتوه مع أنه لايلزم فيه ان يصل الى حالة لايعلم فيها مايقول ولايريده، وقديجاب: بان المعتوه لماكان مستمراً على حالة واحدة، يمكن ضبطها اعتبرت فيه، واكتفى فيه بمجرد نقص العقل؛ بخلاف الغضب، فانه عارض فی بعض الأقوال؛

لٰكن يردعليه الدهش، فانه كذلك، والذى يظهرلى ان كلامن المدهوش والغضبان لايلزم فيه ان يكون بحيث لايعلم مايقول؛ بل يكتفى فيه بغلبة الهذيان، واختلاط الجد بالهزل، كما هوالمفتى به فى السكران على مامر ولاينافيه تعريف الدهش بذهاب العقل،فإنّ الجنون فنون، ولذا فسره فى البحرباختلال العقل وأدخل فيه العته والبرسام والإغماء والدهش (شامى٢/٤٦٣)

''دررالحكام شرح مجلة الاحكام'' میں ہے:المعتوه لغةً ناقص العقل وشرعاً: هوالذى اختلّ شعوره بان كان قليل الفهم مختلط الكلام فاسد التدبير؛ ولٰكنه لايشتم ولايضرب كالمجنون؛ بل يكون كلامه مختلطاً فبعضه يشبه كلام العقلاء، وبعضه يشبه الفاظ المجانين، وان وقع اختلاف فى تفسيرالمعتوه فالمختارهذا التعريف.

(ردالمحتار،التنقيح، درر الحكام رقم الماده: ٩٤٥، الكتاب التاسع٢/٥٨٦)

اب آپ کے اٹھائے ہوئے سوالات کے جوابات بالترتیب پیش خدمت ہیں:

① اس حالت میں زید کی املاک پر نہ تو اس کے بیٹے عمر کو کوئی حق اور اختیار حاصل ہوتا ہے، نہ ہی پوتوں میں سے کسی کو؛ بلکہ اس کی تمام جائیداد اور املاک بطور امانت محفوظ رکھی جائیں، اس میں سے صرف زید کے ضروری مصارف کے بقدر لے کر اس کی ضرورتیں پوری کی جاسکتی ہیں، یہ بھی یاد رہے کہ زید کی اجازت کا بھی اعتبار نہیں۔

② نہیں۔

③ زید کے بڑے پوتے کا اپنے دادا زید کو تبدیلی آب وہوا کے بہانہ اپنے گھر لے آنا، اور وہاں اپنے دادا سے اپنے حق میں تمام ملکیت کے حقوق واختیار نامے بنوا کر

اس پر دستخط لے لینا شرعاً معتبر نہیں؛ اس لیے کہ جیسا کہ اوپر بتلایا جاچکا ہے اپنے ذہنی عدم توازن کی وجہ سے زید معتوہ ہے، اور اس کا کوئی تصرف شرعاً درست نہیں۔

④ زید کے پوتے کا ملکیت کی کسی بھی شق سے فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں، اس نے اس حالت میں اختیار نامے پر جو دستخط لیے ہیں، اس کا بھی شرعاً کوئی اعتبار نہیں۔

⑤ زید کے پوتے کا اپنے دادا سے اس طرح مکان بکوانا ہی شرعاً معتبر اور درست نہیں، تو پھر اس سے حاصل شدہ رقم کو اپنی تحویل میں لینا یا اس سے کسی نوع کا فائدہ اٹھانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

⑥ زید کے پوتے کا یہ اقدام بھی درست نہیں، نہ ہی یہ خرید وفروخت درست ہے۔

⑦ زید کی موجودہ صورت حال میں اس کی املاک میں تصرف کا کسی کو حق حاصل نہیں، نہ تو اس کے بیٹے عمر کو، نہ ہی کسی اور کو۔

⑧ کسی قانونی پیچیدگی کی وجہ سے کسی مکان کو خریدنے والے نے وہ مکان اپنے نام کے بجائے دوسرے کے نام لیا تو ایسا کرنے کی وجہ سے وہ دوسرا اس مکان کا مالک نہیں بن جاتا؛ بلکہ جس نے خریدا ہے وہی اس کا مالک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ جمادی الاولی ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

بس اور ریلوے کے ٹکٹ فروخت کرنا

سوال: مسئلہ ٹکٹ اور پاس (PASS) کا ہے، جو ریلوے یا دوسرے محکمے جاری کرتے ہیں، تو کیا اس کو آپس میں منتقل کرنا درست ہے؟

(الف) جولوگ اس انتقال کو درست کہتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ ٹکٹ یا پاس کے ہم نے جب پیسے بھر دیئے، اب ہم اس کے مالک ہیں، جہاں چاہے استعمال کریں۔

(ب) جب کہ بندہ کا خیال یہ ہے کہ: (۱) چوں کہ ان اشیاء پر باقاعدہ طور پر لکھا ہوتا ہے THIS TICKETIS NOT TRANFERABLE یعنی یہ ٹکٹ اور پاس منتقل نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ پاس کے ساتھ ایک آئی کارڈ (شناختی کارڈ) دیا جاتا ہے، ظاہر ہے اس کا مقصد یہی ہے کہ یہ پاس دوسرا کوئی شخص استعمال نہ کرے۔

اور پھر اس انتقال میں دھوکہ بھی لازم آتا ہے، اور پکڑے جانے پر بے عزتی اور جرمانہ بھی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عقد اجارہ کے ذریعہ سے جس چیز سے فائدہ اٹھانے کا معاملہ کیا جاتا ہے، وہ فائدہ اس نوع کا ہے کہ استعمال کرنے والوں کے بدلنے سے صورت حال میں تبدیلی کا اندیشہ نہیں، تو اس میں اجرت پر دینے والے کا اجرت پر لینے والے کے ساتھ یہ قید اور شرط لگانا کہ وہی یعنی اجرت پر لینے والا ہی استعمال کرے، درست نہیں، مثلاً کسی نے اپنے لیے مکان اجرت پر لیا، تو اسے حق حاصل ہوگا کہ کسی اور شخص کو اس میں رہنے دے۔

درمختار میں ہے: وان قید براکب أو لابس فخالف ضمن اذاعطبت .....ومثله فی الحکم کل مایختلف بالمستعمل کالفسطاط و فیما

لاختلاف فيه بطل تقييده به، كمالوشرط سكنى واحد له ان يسكن غيره لما مر أن التقييد غير مفيد (درعلى هامش الشامى٤/٢٥)

مجلۃ الاحکام العدلیہ میں ہے: المادة: (٤٢٨) كل مالا يختلف باختلاف المستعملين فالتقييدفيه لغو مثلاً: لو استأجر احد دارعلى ان يسكنها له أن يسكن غيره فيهايعنى انه لواستأجراحد داراً بشرط ان يسكنها هو، فله ايجارها من غيره، واعارتهالاستيفاء المنفعة التى له انيستوفيها بموجب المادة:٤٢٦ لان السكنى لم تكن متفاوتة فلم يعتبرذلك القيد؛ لأنه غير مفيد (دررالحكام شرح مجلة الأحكام ١/ ٤٦٣)

ریل اور بس وغیرہ دور حاضر کی سواریوں میں ٹکٹ خرید کر اس سے فائدہ اٹھانے کا جو اجارہ کیا جاتا ہے وہ بھی اسی اصول کے ماتحت آنے کی وجہ سے اصالۃً وہ ٹکٹ دوسرے کو فروخت کر کے اس کو اپنی جگہ بھیج دینا جائز ہے؛ مگر زیادہ داموں میں فروخت نہ کرے؛ بلکہ مثل اجر مسمی یا اس سے کم میں فروخت کرے۔ (ماخوذ از امداد الاحکام ۴/ ۴۲۳)

اس لیے اس اصول کے پیش نظر ٹرین یا بس یا ہوائی جہاز کا ٹکٹ دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا علی الاطلاق درست ہونا چاہیے؛ لیکن اس میں مندرجۂ ذیل تفصیل ہے:

ٹرین اور بس کے بعض ٹکٹ تو وہ ہوتے ہیں جو کسی معین شخص کے لیے جاری نہیں کئے جاتے، اور کسی مخصوص آدمی کے لیے نامزد نہیں ہوتے۔ اور بعض ٹکٹ وہ ہوتے ہیں جو کسی مخصوص شخص کے لیے جاری کئے جاتے ہیں اور کسی معین آدمی کے نامزد ہوتے ہیں۔ پہلی قسم کے ٹکٹ کو فروخت کرنے میں شرعی یا قانونی کسی محظور کا ارتکاب لازم نہیں آتا، اس لیے اس میں تو کوئی حرج نہیں۔ جب کہ دوسری قسم کے ٹکٹ کسی معین شخص کے نامزد ہونے کی وجہ سے ان کو فروخت کرنے کی صورت میں جب وہ

اس کو استعمال کرے گا، تو جھوٹ اور دھوکہ کا ارتکاب لازم آتا ہے، اس لیے کہ استعمال کرنے والا اپنے آپ کو اسی نامزد شخص کی حیثیت سے پیش کرے گا، اس لیے اس کا فروخت کرنا درست نہیں۔

ایک بات یاد رہے کہ پہلی قسم کے ٹکٹ بھی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا اسی وقت درست ہوگا جب کہ محکمۂ ریل اور بس کی طرف سے اس خریدنے والے کو کسی خاص بنیاد پر رعایت نہ دی گئی ہو، ورنہ اس کا فروخت کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: احمد خانپوری، ۱۴/ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ
الجواب صحیح: عبدالقیوم راجکوٹی

سالگرہ منانا

سوال: بچہ پیدا ہونے کے بعد جب ایک سال کا ہوتا ہے اس وقت جو سالگرہ مناتے ہیں، وہ جائز ہے یا ناجائز؟ لہٰذا جلد از جلد جواب مرحمت فرمادیجئے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سالگرہ منانے کا جو طریقہ رائج ہے، وہ قابل ترک ہے، غیروں کے ساتھ تشبہ لازم آتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۶/ ۳۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ محرم الحرام ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ٹی، وی پر دینی مضامین بیان کرنا

سوال: ہمارے علاقہ میں ایک عالم سحری کے وقت ٹی وی پر دینی مضامین بیان کرتے ہیں، ان کی نیت کیا ہے معلوم نہیں ہے؛ نیز اس بیان پر اجرت لیتے ہیں یا نہیں معلوم نہیں ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ دینی و دنیاوی مضامین ٹی وی کے پردہ پر بیان کرنا کیسا ہے؟ کیا ٹی وی پر دینی مضامین بیان کرنا صحیح ہے؟ مسئلہ کی وضاحت فرمائیں کرم ہوگا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ٹی وی اپنی موجودہ صورت میں ڈھول، سارنگی اور بینڈ باجوں کی طرح لہو، لعب کا ایک آلہ ہے؛ بلکہ مفاسد کے لحاظ سے دیگر آلات معاصی سے بڑھ کر ضرر رساں اور تباہ کن ہے، اس کا بیچنا، خریدنا پاس رکھنا، دیکھنا دکھانا ناجائز وحرام ہے، اس میں کسی قسم کے دینی پروگرام نشر کرنا، اس میں حصہ لینا ناجائز وحرام ہے، اس گناہ کو نیکی تصور کرنے میں کفر کا اندیشہ ہے، دینی مضامین بیان کرنے کے بھی کچھ آداب واصول ہیں، ٹی وی مغنیہ عورتوں، گویوں، مزامیر اور ڈھولکیوں کا گہوارہ ہے، گندگی کے اس جوہڑ میں بیٹھ کر دینی مضامین بیان کرنا دین کی خدمت نہیں؛ بلکہ دین کے ساتھ بھونڈا مذاق ہے۔ (ماخوذ از احسن الفتاویٰ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

نیک مقاصد کے خاطر ٹی۔وی گھر میں رکھنا

سوال: کسی کے گھر میں ٹی وی ہو اور اس کا مالک محض یہ نیت رکھتا ہو کہ وہ ٹی وی کے ذریعہ خبریں حاصل کرے گا؛ نیز دوسرے مفید پروگراموں کے ذریعہ اچھی معلومات حاصل کرے گا؛ تاکہ گھریلو معاملات اور معاشرتی وسماجی حالات سے بخوبی آگاہ رہے، تو اس ارادہ کے ساتھ اس کا دیکھنا اور خود نہ دیکھے تو گھر میں رکھنا جائز ہوسکتا ہے؟ نیز ٹی وی کے مفید پروگراموں میں اسلامی تاریخی سیریئل ٹیپو سلطان اور شہنشا اکبر اعظم وغیرہ کا دیکھنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ٹی وی پروگراموں کا دیکھنا اور گھر میں ٹی وی رکھنا ممنوع ہے، سوال میں مذکور سیریئل کو اسلامی تاریخی نام دینا درست نہیں، واقفین کے بقول تاریخی اعتبار سے بھی اس میں تحریف کی گئی ہے اور اکبر تو ملحد اعظم تھا؛ بلکہ الحاد کا بڑا داعی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد عفی عنہ

ٹیپ ریکارڈ رکھنا

سوال: ٹیپ ریکارڈ رکھنا کیسا ہے؟ نظم وقرأت کے لیے رکھنا درست ہے لیکن تبلیغی جماعت والے منع کرتے ہیں، اور دلیل پیش کرتے ہیں کہ حضرت جی نہیں رکھتے تھے، جائز ہے تو اس کی وجہ ذکر کیجئے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جائز مقاصد کے لیے ٹیپ ریکارڈ مشین رکھنا جائز اور درست ہے، اگر حضرت جی کا فتویٰ حرمت کا ہے تو پیش کیجئے؛ تاکہ اس کو دیکھ کر کوئی رائے قائم کی جاسکے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۵/ شوال ۱۴۱۷ھ

بے نمازی کا بچہ مرجائے تو وہ بھی جنت میں داخل کرائے گا

سوال: حدیث پاک میں آتا ہے اگر کسی کے ایک بچہ کا انتقال ہوگیا، اس کے لیے جنت میں لے جانے کا ذریعہ بنے گا؛ مگر ایسا شخص بے نمازی یا غلط کاری کررہا ہو تو کیا اس کے لیے ذریعۂ نجات بنے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو بچہ کی سفارش کے نتیجہ میں ایسے آدمی کو بھی جنت میں دخول اولین نصیب فرمائے۔ ﴿ان اللہ لا یغفر أن یشرك به ویغفر مادون ذلك لمن یشاء﴾ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ووٹ کس کو دیں؟ عورتوں کا ووٹر بننا

سوال: نومبر ۹۶ء میں شہر کی مقامی حکومت کے ارکان کے انتخاب کی تیاری ہے تقریباً تہائی نشستیں خواتین کے لیے مختص ہیں:

① سوال یہ ہے کہ مسلمان کس حد تک ان انتخابی سرگرمیوں میں حصہ لے سکتا ہے؟

② کیا مسلم خاتون امیدوار ہو سکتی ہے؟ (شوہر کی تحریک پر، شوہر کی اجازت سے، بغیر اجازت کے)۔

③ کیا صالحہ خاتون کے انتخاب میں سعی کرنا مسلمان کی ذمہ داری ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اگر مسلمانوں کے ووٹ سے کسی سیاسی مجلس کا انتخاب کیا جائے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ امور سیاسیہ میں جو شخص ماہر اور مسلمانوں کا خیر خواہ اور ان کے حقوق کی حفاظت کا اہل ہو اس کو ووٹ دیں۔ (کفایت المفتی ۹/ ۳۷۴)

② عورتوں کا ووٹر بننا ممنوع نہیں ہے، ہاں ووٹ دیتے وقت شرعی پردہ کا لحاظ رکھنا لازم ہوگا اور بطور امیدوار کھڑا ہونا عورتوں کے لیے مستحسن نہیں؛ کیوں کہ اس میں ضروریات شرعیہ کی رعایت کے ساتھ کونسل یا اسمبلی کی شرکت عورتوں کے لیے متعذر ہے۔ (کفایت المفتی ۹/ ۳۷۱)

③ حسبِ جواب بالا جب ان کی شرکت متعذر ہے تو ان کے انتخاب کی سعی لا حاصل ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

الیکشن میں عورت ووٹ دے سکتی ہے؟

سوال: کیا الیکشن کے وقت مستورات ووٹ دے سکتی ہیں یا نہیں؟ اسلام میں

اس کا جواز ہے یا نہیں؟ جناب مفتیٔ اعظم فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ووٹ کا دینا مستورات کے لیے ناجائز بتایا ہے، ہم ہماری بہنوں کو کیسے روکیں؟ جب تک آپ کا جواب نہ آوے تب تک ہم مسلمان ماں بہنوں کو نہیں روک سکتے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

عورتوں کا ووٹر بننا ممنوع نہیں ہے؛ ہاں! ووٹ دیتے وقت شرعی پردہ کا لحاظ رکھنا لازم ہوگا۔ (کفایت المفتی قدیم ۹/۱۷۳)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

اگر پولنگ اسٹیشن پر عورتوں کے لیے پردہ کا انتظام ہو اور غیر محرم مرد منتظم نہ ہوں؛ بلکہ پیپر دینے والی عورتیں کام کرتی ہوں تو عورتوں کو ووٹ دینے کے لیے جانا جائز ہے، اور غیر محرم مرد ہوں تو عورتیں نہ جائیں؛ بلکہ مطالبہ کریں کہ ان کے لیے زنانہ منتظم مقرر کئے جائیں۔ (کفایت المفتی ۹/۳۸۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

رقم لے کر ووٹ ڈالنا

سوال: الیکشن کے اندر جو لوگ عہدہ کی حیثیت سے کھڑے رہتے ہیں تو وہ لوگ بعضوں کو روپیہ دیتے ہیں؛ تاکہ یہ ان کو ووٹ دیں تو ایسے روپیوں کا لینا کیسا ہے، اور اگر روپیہ لینے کے بعد ان کو پھر ووٹ نہیں دیا تو یہ کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

یہ رشوت ہے، جس کا لینا اور دینا دونوں ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۴ر ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اللہ تعالیٰ سے محبت وعشق غلام وباندی کی خصوصیت نہیں

سوال: غلام اور باندی کس چمن کے پھول ہوتے تھے کہ ان میں اس قدر زہد اور حق تعالیٰ شانہ سے بے لوث محبت اور عبادت میں جان تک دینا، اس کو واضح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والے اور اس کے عشق میں ڈوبے ہوئے افراد ہر طبقہ کے لوگوں میں ہوتے ہیں، غلام، باندی کی خصوصیت نہیں ہے، واقعات اس کی شہادت دیتے ہیں، سب اللہ تعالیٰ کی توفیق اور ہدایت پر ہے۔ کل میسر لما خلق لہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کیا عورتوں میں حیض کی تکلیف کا سبب حضرت حواء علیہا السلام کی لغزش ہے؟

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں عورتوں پر حیض کی تکلیف حضرت حواء علیہا السلام کی لغزش کی وجہ سے ہوئی، آپ کی نظر سے کوئی ایسی روایت گذری ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

قال ا بن الرفعة:قيل: إن أمنا حواء عليها السلام لما كسرت شجرة الحنط، وأدمتها، قال الله: لأدمينك كما أدميتها، وابتلا ها بالحيض هي، وجميع بناتها إلى الساعة (مرقات شرح مشكوة:٢/٩٦)

وأما سببه فقد قيل: إن أمنا حواء عليها السلام حين تناولت من شجرة الخلد فابتلاها الله تعالىٰ بذلك، وبقى هو في بناتها، إلى يوم التناد بذلك السبب الخ (البحر الرائق١/٢٠٠)

روى ا لحاكم وا بن المنذر بإسناد صحيح عن ا بن عباس أن ابتلاء الحيض كان على حواء عليها السلام بعد أن هبطت من الجنة (فتح الباري١/٣١٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کسی کے والد کا نام بدلنا

سوال: ایک لڑکے کے والد کا نام رسول تھا، بعد میں ایک عالم حق نے جو کہ صاحب طریقت ہونے کے ساتھ شیخ کامل بھی ہیں، انہوں نے اس لڑکے کے والد کا نام بدل کر رسول کے بجائے عبداللہ رکھا ہے اور اس بدلے ہوئے نام کی خبر اس کے والد کو نہیں ہے اور یہ اطلاع دینا بھی اس کے والد کو بہت مشکل ہے، تو کیا اس طرح اس کے والد کی اجازت کے بغیر نام بدل کر رکھنا صحیح ہے یا نہیں؟ کیا وہ لڑکا اپنے نام کے بعد اپنے والد کا اصل نام چھوڑ کر اس عالم حق کے بتائے نام کو لکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کوئی نام اگر کسی کا نامناسب ہوتا تو حضور اکرم ﷺ اس کو تبدیل فرما کر مناسب نام تجویز فرماتے تھے، کتب حدیث وسیر کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ خود صاحب نام کو یہ ہدایت فرماتے تھے۔ کسی کے والد کا نام اس طرح آنحضرت ﷺ نے تبدیل فرمایا ہو یہ میری نظر سے نہیں گذرا، صورت مسئولہ میں اس لڑکے کے والد کو اصول شریعت سے آگاہ فرما کر انہیں کو اس تبدیلی کے لیے راضی کرلیا جائے، حضور اکرم ﷺ نے حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کے دادا کا نام حزن تھا تو اس کو بدل کر سہل رکھنے کو ان سے فرمایا؛ لیکن انہوں اس کو منظور نہیں کیا تو کتب سیر میں ان کو اب بھی حزن ہی سے یاد کیا جاتا ہے، سہل سے نہیں۔ بخاری شریف میں یہ واقعہ موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

حق شفعہ

سوال: ایک مکان فروخت کیا، اور بعد از فروخت پڑوسی نے دعوی کیا کہ اس مکان کا حق خریدنے کا مجھ کو ہے، اس لیے کہ میری دیوار اور فروخت شدہ مکان کی دیوار ہماری مشترک ہے، تو یہ دعویٰ از روئے شرع درست ہے؟ اور حق شفعہ کے لیے اگلی بیع فسخ کی جاسکتی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس میں استحقاق شفعہ کے دیگر شرائط بھی پائے گئے ہیں، تو اس کا دعویٰ شرعاً

درست ہوگا؛ البتہ یہ یاد رہے کہ شفیع کے حق شفعہ کی بنیاد پر مبیع کی ملکیت حاصل کرنے کے لیے قضاء قاضی یا تسلیم مشتری ضروری ہے، اگر شق ثانی ہے تو اس صورت میں وہ مشتری سے باقاعدہ بیع کر کے حاصل کرے گا، اور شق اول ہے تو اس میں فقہی اعتبار سے تفصیل ہے جو اس وقت دریافت کی جاسکتی ہے، جب کہ یہ معاملہ قاضی کے پاس پیش ہوا ہو۔ (بدائع الصنائع ۵ / ۲۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴ / ربیع الاول ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مقروض کا قرض لوجہ اللہ ادا کرنے کے بعد مطالبہ

سوال: خالد عمر کا مقروض تھا، بکر کو پتہ چلا کہ خالد مقروض ہے تو بکر نے خود ہی اپنی طرف سے کہا کہ تمہارا جو قرضہ ہے میں اس کو للہ کے لیے ادا کر دیتا ہوں، مجھے اس کے بدلہ میں آخرت میں ثواب چاہیے اور آپ دعا کرتے رہئے، اور یہ روپیہ آپ کو مجھے واپس دینا نہیں ہے، اب چار پانچ سال کے بعد خالد اور بکر میں کچھ اختلاف ہو گیا تو اب بکر کہتا ہے میں نے جو تمہارا قرضہ ادا کیا تھا وہ مجھے واپس چاہیے، ورنہ تمہارے ذمہ میرا قرض باقی رہے گا اور تم میرے مقروض ہوں گے، خالد انکار کرتا ہے کہ نہ میں نے تم سے قرض لیا تھا، نہ میں نے تم سے قرض ادا کرنے کو کہا تھا، تم نے خود ہی اللہ کے لیے ثواب کی نیت سے میرا قرض ادا کیا تھا، اس لیے میں نہ تمہارا روپیہ دوں گا، نہ میں تمہارا مقروض رہوں گا، تو اب اس صورت میں بکر اپنا روپیہ واپس لے سکتا ہے یا خالد کا مقروض رہے گا یا نہیں؟ فقہ حنفی کے حوالہ کے ساتھ جواب مطلوب ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بکر نے جب خالد کا دین اپنی طرف سے ازخود ادا کر دیا، خالد کے کہنے سے ادا نہیں کیا، اور پہلے یہ بھی صراحت کر دی کہ میں آپ کا یہ قرض اللہ کے واسطے ادا کر رہا ہوں، یہ روپیہ آپ کو مجھے واپس دینا نہیں ہے تو بکر خالد سے اس رقم کا مطالبہ نہیں کر سکتا ہے، اور نہ خالد بکر کا مقروض ہے، بکر نے جو کچھ کیا بطور تبرع واحسان ہے۔

وفي الذ خيرة: من قضى د ين غيره بأمره أو بغير أ مره يخرج المقضى به عن ملك القاضى الى ملك المقضىٰ له من غير أن يدخل فى ملك المقضى عنه، ألا ترىٰ أن القضاء عن الميت صحيح مع أنه ليس من أهل الملك، ومن قضى دين غيره بسبب .....إلا أن القضاء إذا كان بأمر المقضىٰ عنه فالقاضى استحق البدل عليه فلو قلنا بعوده الى ملكه بعد ارتفاع السبب يجتمع البدل والمبدل فى ملك واحد هو لا يجوز وهذا المعنى معدوم فيما اذا قضى بغير أمره (تقريرات الرافعى ۱۹۳/۱)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/صفر ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مملوکہ تالاب میں قدرتی مچھلی کا مالک کون؟

سوال: دریا اور تالاب کی زمین کسی شخص کی ملکیت ہو اور مالکِ زمین ان میں مچھلیاں بطور پالنے کے نہ ڈالتا ہو؛ بلکہ قدرتی طور پر مثلاً سیلاب کی وجہ سے مچھلیاں آتی ہوں تو اس صورت میں صیاد السمک آتا ہے اور شکار کرتا ہے؛ لیکن صاحب ارض

سب کے سب مچھلی صیاد السمک سے لے لیتا ہے اور کبھی آدھ یا تہائی حصہ لے لیتا ہے، اور صاحب ارض کا کہنا یہ ہے کہ ہم خزانہ (ٹیکس) زمین کا بھرتے ہیں، تو صاحب ارض کا یہ مچھلیاں لینا بلاعوض درست ہے یا نہیں؟ اگر لینا درست ہے تو کہاں تک؟ اور عدم درستگی کی کونسی صورت ہے مع حوالہ جات جواب ارشاد فرمائیں، مہربانی ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں اس مملوکہ تالاب یا ندی میں جو مچھلی قدرتی طور پر پیدا ہوتی ہے، تالاب یا ندی کے مالک نے بطور پال نہیں ڈالی ہے تو جو آدمی بھی اس مچھلی کا شکار کرے گا وہ شکار کرنے والا اس مچھلی کا مالک ہوگا، صاحب زمین کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس سے آدھی یا تہائی وصول کرے، اس کا یہ فعل حرام ہے۔

قال فی الأصل: ومن اصطاد سمكة من نهر جار لرجل لا يقدر على أخذ صيده فهو للذى أخذه، وكذلك إن كانت لا يقدر على أخذ صيدها إلا بالاصطياد الخ (عالمگیری ۵/۴۲۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مودودی صاحب سید ہیں پھر بھی ان پر تنقید کر سکتے ہیں

سوال: مودودی صاحب کی تقریباً جملہ تصنیفات اپنی ذاتی رائے زنی پر مشتمل ہے، جو اہل نظر کے نزدیک مخفی نہیں؛ بلکہ اظہر من الشمس ہے تو ان کی تمام تحریفات کی تنقید و تردید کی جاتی ہے تو بعض اوہام پرست لوگ کہتے ہیں کہ بھائی یہ درست طریقہ نہیں ہے؛ اس لیے کہ مودودی صاحب خاندان سادات سے ہیں، اگر ان کی تردید

کروگے یا تنقید تو سید کی سخت توہین ہے جو بنصِ حدیث شریف ممنوع ہے؛ اس لیے کہ صاحبِ شریعت نے سادات کی توقیر و تعظیم کا ہم کو مکلف بنایا ہے؛ لہٰذا ان کے خلاف بالکل لب کشائی درست نہیں، اس لیے کہ خود مودودی صاحب نے اپنے آپ کو سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھا ہے تو سید ہونے کی وجہ سے کیا ان کی تلبیسات کی تردید نہ کی جائے، لہٰذا اس کا مفصل جواب ارشاد فرمائیں، مودودی صاحب سید ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو ان کی تردید حقائق کی روشنی میں درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

سید کی تعظیم وتوقیر کا حکم اس وقت ہے جب کہ سید پر معصیت وفسق وفجور کا غلبہ نہ ہو یا اس کی تعظیم وتکریم سے عوام کے دینی ضرر کا اندیشہ نہ ہو یا وہ سید کسی بدعت کا داعی نہ ہو اور مبتدعین کا سرغنہ نہ ہو، ورنہ ایسا ہونے کی صورت میں وہ مستحقِ تعظیم نہیں؛ کیوں کہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے: "من وقّر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام" أو کما قال ﷺ. (مشکوۃ:۳۱) نیز یہ امر ارشادِ نبوی سے ثابت ہوتا ہے: "أحبوا أهل بيتي لحبي". کیوں کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ بیت سے محبت کرنے کا حکم ان کی ذات کی وجہ سے نہیں؛ بلکہ ان کے محبوبِ نبوی ہونے کی وجہ سے ہے، اور ظاہر ہے کہ ایسا فاسقِ مجاہر اور مبتدع محبوب نبوی کے شرف سے سرفراز ہونے کا ہرگز مستحق نہیں، پس قابلِ محبت اور لائق تعظیم نہیں، اسی کی طرف اشارہ کیا ہے سید جمال الدین نے ایک حدیث کی تشریح کرتے ہوئے "إذا لم يكن مخالفاً للدين" کی قید بڑھا کر۔ (خیر الفتاویٰ ۱/ ۳۱۷، ۳۱۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بیت المال کی رقم سے کاروبار کرنا

سوال: اگر کسی آدمی کے پاس بیت المال کی رقم ہو، وہ ذمہ داروں سے پوچھ کے کاروبار میں لگا کر اس سے نفع حاصل کر کے کچھ حصہ نفع کا بیت المال میں دے تو کیا یہ جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بیت المال کی رقم ایک امانت ہے، دینے والوں نے جس کام کے لیے دی ہے اس کے علاوہ میں اس کو استعمال کرنا خیانت اور ناجائز ہے، بیت المال کے ذمہ دار حضرات کو بھی شرعاً یہ حق حاصل نہیں کہ اس رقم کو دوسرے کام میں استعمال کرنے کی کسی کو اجازت دیں، اگر وہ ایسا کریں گے تو گنہگار ہونے کے ساتھ ساتھ ان پر ضمان واجب ہوگا، اس لیے جس آدمی کے پاس بھی وہ رقم ہے وہ اس کو کاروبار میں نہیں لگا سکتا، چاہے وہ اس کاروبار سے حاصل ہونے والے نفع میں سے ایک حصہ بیت المال کے لیے تجویز کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد خانپوری عفی عنہ، ۳/ جمادی الاول ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

شرعی آداب کا اہتمام کرنا کیا غلو ہے؟

سوال: ایک شخص چھوٹے چھوٹے آدابوں کا اہتمام کرتا ہے، سامنے والا شخص کہتا ہے: غلو مت کرو، یا دین میں تنگی کیوں پیدا کرتے ہو؟ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے آدابوں کا اہتمام کرنا کیا یہ غلو ہے اور دین میں تنگی پیدا کرنا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعت کی طرف سے مامور بہ کسی بھی عمل کو انجام دینے میں جو امور ملحوظ رکھے جاتے ہیں ان میں مختلف درجات کی تحدید کی گئی ہے مثلاً نماز ایک مامور بہ عمل ہے، وہ جن اقوال وافعال کا مجموعہ ہے ان میں بعض اقوال وافعال فرائض کے درجے میں ہیں، بعض واجبات کے درجے میں ہیں، بعض سنن ومستحبات اور آداب کی حیثیت رکھتے ہیں، اور شریعت مطہرہ نے جس طرح فرائض وواجبات کی تعلیم دی ہے، اسی طرح سنن ومستحبات اور آداب کی بھی تعلیم دی ہے اور ان کی انجام دہی کی طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے۔

اگرچہ نفس مامور بہ کا وجود فرائض وواجبات سے ہوجاتا ہے؛ لیکن اس میں خوبی اور کمال کا پیدا ہونا سنن ومستحبات اور آداب کی رعایت پر موقوف ہے، اگر سنن ومستحبات اور آداب بھی مطلوب نہ ہوتے تو شریعت کی طرف سے ان کی تعلیم کا اہتمام نہ کیا جاتا، حالاں کہ حضرات فقہائے کرام تو احکام شرع کے بیان کرنے کے معاملہ میں بڑے حساس اور محتاط ہوتے ہیں وہ بھی ان امور کو بیان کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، ہاں! درجات کی تفصیل اس لیے ہے کہ اگر کبھی تعارض آپڑے تو سنن ومستحبات وآداب کے مقابلہ میں فرائض وواجبات کو ترجیح دی جائے، مثلاً صبح کا وقت جارہا ہے اور صرف اتنی گنجائش ہے کہ دو رکعت پڑھ لی جائے تو اگر کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ صبح کی چار رکعتوں میں سے دو فرض ہیں اور دو غیر فرض، تو ممکن ہے کہ دو سنتوں کو پہلے پڑھے اور اس درمیان وقت نکل جائے اور فرض قضاء ہوجائے، اس واسطے علماء نے درجات کو متعین کردیا؛ تاکہ ایسے وقت میں اول فرض ادا کیا جائے اور قضاء کرنے کے گناہ

سے بچ جائے، کیا اس کی وجہ سے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ سنت فجر کوئی چیز نہیں؟ سنت فجر تو وہ چیز ہے کہ جس کے واسطے حکم ہے کہ اگر گھوڑے بھی تمہارے اوپر سے گزر جائیں تب بھی اس کو مت چھوڑو۔ (ماخوذ از التبلیغ ۱/ ۱۱۳، ۱۱۴)

تعلیم المتعلم: فینبغی لطالب العلم ان لا یتهاون بالآداب والسنن فإن من تهاون بالآداب حرم السنن، ومن تهاون بالسنن حرم الفرائض ومن تهاون بالفرائض حرم الآخر۔ (ص: ۹۰)

حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: یہ آداب اور مستحبات جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلقین فرمائے ہیں یہ اگرچہ فرض و واجب تو نہیں؛ لیکن ان کے انوار و برکات بے شمار ہیں، ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ فرائض و واجبات اللہ جل جلالہ کی عظمت کا حق ہیں اور یہ آداب و مستحبات اللہ جل جلالہ کی محبت کا حق ہیں اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت کا حق ہے کہ جو آداب آپ نے تلقین فرمائے ہیں انسان کو چاہیے کہ ان آداب کو اختیار کرے، یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ انہوں نے یہ فرمادیا کہ اگر ان کو اختیار نہیں کروگے تو کوئی گناہ نہیں دیں گے، ورنہ یہ آداب و مستحبات ادا کرنا مقصود ہے، ایک مومن بندہ وہ تمام آداب و مستحبات بجالائے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کر گئے اس لیے حتی الامکان ان کو اختیار کرنا چاہیے۔ (اصطلاحی خطبات ۴/ ۱۰۳، ۱۰۴)

لہٰذا ان آداب و مستحبات (جن کی شریعت میں تعلیم دی گئی ہے) کی ادائے گی کا جو آدمی اپنے طور پر اہتمام کرتا ہے اس کو دوسروں کا یوں کہنا کہ: ''غلو مت کرو یا دین میں تنگی پیدا مت کرو'' درست نہیں، ہاں! دوسرے لوگ اگر ان آداب کو بجا نہیں لاتے

ہیں تو اس کی وجہ سے ان پر زبان طعن دراز نہ کرنی چاہیے اور اس کی وجہ سے ان کو برا نہ سمجھنا چاہیے، یہ عجیب معاملہ ہے کہ خود سے تو آداب و مستحبات ادا کرنے کا اہتمام نہیں کیا جاتا اور جو ادا کرنے کا اہتمام کرتا ہے اس کو ''غلو مت کرو یا دین میں تنگی مت پیدا کرو'' کہہ کر مطعون کیا جاتا، ہاں! جن چیزوں کی دین میں تصریح نہیں ہے ان کی تحقیق و تدقیق میں پڑنا غلو شمار ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

کسی کے متعلق ''میں اس کو پہچانتا ہوں'' کہنا کفالت نہیں

سوال: میں یہاں پر ایک دینی ادارہ میں منشی کا کام کرتا تھا، ایک دن شوریٰ کا ایک ممبر جس کا نام ادریس بھائی ہے، مدرسہ میں ایک غیر مسلم شخص کو جو کہ بھنگار کا دھندا کرتا ہے لے کر آئے اور مجھ کو کہا کہ اس شخص کو مدرسہ کے اندر جو بھی جونا، پرانا سامان ہے وہ وزن کر کے دے دو، میں نے اس شخص کو سکریٹری کے پاس بھیج دیا، سکریٹری نے اس کو کہا: کہ ۱۰/ بجے تم مدرسہ میں آؤ، دوسرے دن وہ بھنگار والا وقت پر مدرسہ میں پہنچ گیا، سکریٹری صاحب بھی پہنچ گئے، سکریٹری صاحب نے مجھ کو کہا کہ اس شخص کو سامان دکھا دو اور وزن کر دو، میں نے سکریٹری صاحب کی موجودگی میں پورا سامان وزن کر دیا، سامان میں ایک جونا، پرانا فریج جس کو اس شرط پر بیچا تھا کہ اس کا کمپرسر ہم کو واپس کر دینا ہے جس کو اس نے قبول کر لیا، کل سامان ۴۵۰۰/ روپئے کا ہوا، سکریٹری صاحب نے خود پیسے لیے اور رسید بنائی، اس بھنگاری نے ۳۷۰۰/ روپئے

دیئے اور کہا کہ میرے پاس اس وقت اتنے ہی پیسے ہیں، باقی پیسے میں شام تک پہنچا دوں گا اور کمپرسر میں کل تک پہنچادوں گا، سکریٹری صاحب بولے ہم آپ کو پہچانتے نہیں، وہ فوراً بولا: کہ ادریس بھائی مجھے پہچانتے ہیں اور یعقوب بھائی مجھ کو پہچانتے ہیں، میں نے اس سے پہلے بھی ۲۴، ۲۵ / ہزار کا دھندا کیا ہے، میں ایمان دار آدمی ہوں وغیرہ وغیرہ، اس نے اس سے پہلے دومرتبہ مدرسہ سے جونا پرانا سامان تقریباً ۲۰، ۲۵ / ہزار کا لیا تھا، اس وقت برابر پیسے دیئے تھے، اس کی اس بات پر سکریٹری صاحب نے مجھ سے کہا کہ کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ میں نے اس کی اس بات پر ہاں کہہ دیا کہ اس نے اس سے پہلے دومرتبہ یہاں سے بھنگار لیا تھا اور برابر پیسے دیئے تھے، نہ تو میں نے اس کی ذمہ داری لی تھی اور نہ ہی اس کی ذمہ داری لینے کی میری کوئی نیت تھی، میرے گردن ہلانے پر سکریٹری صاحب نے اس کو سامان دے دیا؛ لیکن آج دو مہینے کے قریب ہوگئے وہ ابھی تک واپس نہیں آیا، اب شوریٰ والے مجھے پریشان کررہے ہیں کہ تم نے ذمہ داری لی تھی، اب یہ پیسے تم چکاؤ، ۸۰۰ / روپئے روکڑی اور تقریباً ۳۰۰۰ / کا کمپرسر، کل ملاکر ۴۰۰۰ / روپئے کے قریب ہوتے ہیں، میری اتنی حیثیت نہیں ہے کہ اتنی رقم ادا کرسکوں، حالاں کہ ۱ / تاریخ کو میں مدرسہ چھوڑ چکا ہوں۔ آپ برائے مہربانی یہ بتایئے کہ کیا یہ پیسے میرے ذمہ ہیں؟ کیا مجھے چکانا پڑے گا یا پھر میں اس سے بری ہوں، مجھ پر اس کی کوئی جواب داری ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں سکریٹری صاحب کے یہ پوچھنے پر کہ تم اس کو پہچانتے ہو؟

آپ کے ہاں کہہ دینے کی وجہ سے بقیہ رقم کی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی۔

درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام میں ہے:

كذلك لو باع أحد ماله من آخر وسلمه إليه وسأل شخصاً: هل تعرف هذا الشخص؟ فقال المسئول: نعم أعرفه رجلا طيبا، فلا يكون ذلك الشخص بمجرد قوله هذا كفيلا بالمال (٦٣٠/١)

لہٰذا شوریٰ والوں کا یا سکریٹری صاحب کا بقیہ رقم کا مطالبہ آپ سے کرنا اور اس کی بنیاد پر آپ کو پریشان کرنا جائز اور درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶ / رجب المرجب ۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

شادی کے موقع پر بینڈ باجا بجانے پر مالی جرمانہ لینا

سوال: گھانچی برادری کی ایک جماعت ہے، نکاح کے موقع پر اگر کسی شخص نے بینڈ باجا بجایا تو جماعت کی طرف سے متعین روپیہ کی شکل میں جرمانہ عائد کیا جاتا ہے تو اس طرح جماعت کا جرمانہ کرنا شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟ اور وصول کی ہوئی رقم جماعت کے کسی کام میں استعمال کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ نیز جرمانہ ادا کرنے کے بعد بینڈ باجا بجانے کی اجازت سے جماعت کے افراد گنہگار رہوں گے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

مالی جرمانہ شریعت مطہرہ میں جائز نہیں؛ بلکہ ناجائز وحرام ہے۔

شامی میں ہے:

والحاصل: أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال.(١٧٩/٣)

ایسی رقم اس کے مالکین کو واپس کی جائے، جماعت کے کسی بھی کام میں اس کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ قال رسول اللہ ﷺ: ألا لا تظلموا! لا یحل مال امرء إلا بطیب نفس منه رواه البیهقی.(مشکوۃ:۲۵۵)

جرمانہ کی ادائیگی کے بعد بینڈ باجہ کی اجازت دینے کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حرام کئے ہوئے کام کو حلال کر دیا، یہ تو بے حد خطرناک اور شنیع حرکت ہے، سلبِ ایمان کا خطرہ ہے، توبہ، اور تجدیدِ ایمان لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳/شعبان ۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مالی جرمانہ کی شرعی حیثیت

سوال: گاؤں کی جماعت سزا کے طور پر جو جرمانہ عائد کرتی ہے وہ جرمانہ عائد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح مدارس دینیہ میں تاخیر سے آنے والے طلبہ پر یا کسی اور وجہ سے جو جرمانہ عائد کیا جاتا ہے اس کو وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کو استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ یا پھر اس کا مصرف کیا ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مولانا رشید احمد صاحب لدھیانوی مدظلہم کا تعزیر بالمال کے موضوع پر ایک مستقل رسالہ ''احسن الفتاوی'' میں موجود ہے، اس میں نصوص کتاب وسنت اور عبارات فقہاء، مذاہب اربعہ نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔

① تعزیر باخذ المال نصوص قرآنیہ، احادیث صریحہ صحیحہ اور اصول شرعیہ کے

خلاف ہونے کی وجہ سے حرام ہے۔

(۲) جن احادیث سے جواز معلوم ہوتا ہے ان سب کو حضرات محدثین نے وفقہاء رحمہم اللہ تعالی نے منسوخ قرار دیا ہے۔ (احسن الفتاوی ۵/ ۵۵۶)

''حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بعض احادیث کی بناء پر قائلِ جواز تھے؛ مگر جب ان احادیث کا منسوخ ہونا ثابت ہوگیا تو جواز سے رجوع فرمالیا۔ وھذا فی کتبھم مذکور وفی مذھبھم مشھور. (ایضاً /۵۶۱)

مالی جرمانہ خواہ وہ گاؤں کی جماعت عائد کرے یا مدارس دینیہ کی انتظامیہ وصول کرے، جائز نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

دینی اجلاس میں پنڈتوں کی شرکت

سوال: (۱) جلسۂ حفاظ کی دستار بندی میں پنڈتوں کو مدعو کرنا اور جلسہ گاہ میں ان کے آنے پر جب کہ ہمارے علمائے دین بھی موجود ہوں انھیں نظر انداز کر کے پنڈتوں کا استقبال اور ان کی خوب آؤ بھگت کرنا؛ نیز جلسہ گاہ کے قریب پنڈتوں کے شانہ بشانہ کھڑے ہوکر اہل علم کا تصویر کشی میں مصلحت دکھا کر خلاف شریعت امر کی تائید اور اس میں شرکت کرنا شرعاً کیسا ہے؟

علمائے دین پیچھے تشریف فرما ہوں پنڈت لوگ آگے بیٹھے ہوں، اور جلسہ کا آغاز تلاوت کلام پاک سے کیے بغیر شعر وشاعری اور جھوم جھوم کر گانے کے قواعد کی رعایت کرتے ہوئے گانے ہی کی طرز پر شرکیہ الفاظ پر مشتمل نظم سے اہل علم کی صدارت میں

کیا جائے اور وقتاً فوقتاً تصویر کشی بھی ہوتی ہے اور تالیاں بھی برابر بجائی جاتی رہیں، ایسے موقعہ پر برائی اور منکرات پر مناسب انداز سے بروقت نکیر کی جائے یا مصلحت دکھا کر خلاف شریعت امر کی تائید کرتے ہوئے اس میں شرکت کی جائے؟

علاوہ ازیں چند باتیں اور قابل استفسار ہیں:

① پنڈتوں اور سوامیوں کے ساتھ اہل علم کی گل پوشی و چادر پوشی کا کیا حکم ہے؟

② ایسے اجلاس کیا خالص مذہبی اداروں اور مساجد کے قریب میں منعقد کر سکتے ہیں؟

③ کیا ایسے اجلاس میں اسلام دشمن پنڈتوں کو بیان کرنے کا موقعہ دیا جاسکتا ہے؟

④ ان اجلاس میں پہلے سے شریک ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

⑤ ”لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق“ الحدیث کے پیش نظر حاضرین جلسہ کو مسئلہ بتلایا جائے یا انتشار کے اندیشہ سے خاموشی برتی جائے؟

⑥ جب ہم میں اور پنڈتوں میں عقائد و اعمال کا کافی فرق ہو تو ان سے محبت اور دوستی کا تعلق قائم کیا جائے یا ان سے دور رہا جائے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① آپ کے سوال کا جواب دینے سے پہلے اسی نوع کے مختلف مواقع پر کیے گئے سوالات کے جواب میں جو اصولی باتیں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے تحریر فرمائی ہیں، کفایت المفتی سے پیش کی جاتی ہیں:

”کفایت المفتی“ میں ہے کسی ہندو پیشوا کی آمد پر بتقاضائے رواداری اس کے خیر مقدم میں شریک ہونا اور اس کے گلے میں ہار ڈالنا کفر نہیں، اگر ہندو مسلمانوں کے

مذہبی پیشواؤں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرتے ہوں تو مسلمانوں کے لیے بھی مکافات کے طور پر ایسا کرنا مباح ہے، اس میں کوئی شعائر شرک وکفر کا احترام نہیں بلکہ مکارم اخلاق اور تہذیب کا مقتضاء ہے۔(۹/۳۳۹)

ایک اور مقام پر ہے خلاصہ یہ ہے کہ کفار کے ساتھ ان کے مذہب کی پسندیدگی کے لحاظ سے دوستی اور محبت رکھنا حرام ہے، اور محض یکجائی سکونت اور ہم سائیگی کے طور پر یا تمدنی اور معاشرتی ضرورتوں کی وجہ سے ان سے ملنا، بات چیت کرنا، انکے ساتھ بیع وشراء کرنا، ہدیہ دینا، ہدیہ قبول کرنا، یہ سب جائز اور مباح ہے۔(۹/۳۳۱)

ایک اور جگہ ہے ''ایک شرعی اصول ذکر کردیا جاتا ہے جس سے ان افعال کا شرعی حکم معلوم ہوجائے وہ یہ کہ شریعت مقدسہ نے مسلمانوں کو ایسے مجمع میں شریک ہونے اور بیٹھنے سے منع کیا ہے جہاں آیات اللہ (یعنی اسلامی احکام) کے ساتھ استہزاء یا توہین یا ان کی تکذیب کی جاتی ہو، قرآن پاک میں ہے: ﴿إذا سمعتم آیات اللہ یکفر بھا ویستھزأ بھافلاتقعدوامعھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ انکم اذا مثلھم﴾(النساء) مجمع خواہ کافروں کا ہو یا برائے نام مسلمانوں کا ..... ایسے افعال واعمال جو مشرکانہ ہوں، کرنا مسلمانوں کے لیے حرام ہے، حدیث شریف میں ہے: من کثر سواد قوم فھو منھم۔ (مزید لکھا ہے) اسلام نے دوسرے مذہب کے پیشواؤں کی توہین کرنے اور ان کو برا کہنے سے منع کیا ہے''۔(۹/۳۳۵،۳۳۶)

آگے مزید تحریر فرماتے ہیں مصالحت اور آشتی کے ساتھ زندگی گذارنا اور تجارت، زراعت، صنعت اور سیاست میں اشتراک عمل کرنا جائز اور بعض حالات

میں واجب بھی ہو جاتا ہے، خصوصاً ایسے مقامات میں جہاں مسلم اور غیر مسلم آبادی مشترک ہو یا غیر مسلم آبادی کی کثرت ہو۔ بہر حال یہ لازم ہے کہ مسلمان اپنے مذہبی احکام کے پابند رہیں، اور مذہبی شعائر کی عزت وحرمت محفوظ رہے، ورنہ پھر مسلمان پر مذہب کے تحفظ اور اس کا احترام قائم رکھنے کے فرائض عائد ہونگے۔ (۹/۳۳۶)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کا ہندوؤں کے مذہبی تیوہاروں میں سبیل لگانا یا پان وغیرہ تقسیم کرنا، اگر ان کے تیوہار کی تعظیم وتکریم کے لیے ہو تو یہ کفر ہے، اور قیام امن اور باہمی رواداری کی نیت سے ہو اور ان کے مذہبی اعمال کی تحسین مقصود نہ ہو اور یہ کام ان کے خاص موقع سے علیحدہ راستہ میں ہوتا ہو تو مباح ہے۔ اور اگر خاص موقع پر ہو تو مکروہ تحریمی یا حرام ہے، مگر کفر نہیں ہے۔ کفر تو اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ وہ اسے اچھا سمجھیں اور ان کے طرز عمل سے ان اعمال کی تصدیق وتحسین ہوتی ہو۔ (۹/۳۳۸،۳۳۹)

سورۂ انعام کی آیت شریفہ نمبر ۶۸ ﴿واذا رأیت الذین یخوضون فی آیتنا﴾ الخ کی تفسیر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: پھر اہل باطل کی مجلس سے رخ پھیرنے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ اس مجلس سے اٹھ جائیں۔ دوسرے یہ کہ وہاں رہتے ہوئے کسی دوسرے شغل میں لگ جائیں، ان کی طرف التفات نہ کریں، لیکن آخر آیت میں بتلا دیا گیا کہ مراد پہلی ہی صورت ہے، کہ ان کی مجلس میں بیٹھے نہ رہیں، وہاں سے اٹھ جائیں۔

آخر آیت میں فرمایا کہ اگر تم کو شیطان بھلا دے، یعنی بھول کر ان کی مجلس میں شریک ہو گئے خواہ اس طرح کہ ایسی مجلس میں شریک ہونے کی ممانعت یاد نہ رہی، یا

اس طرح کہ یہ یاد نہ رہا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کے خلاف تذکرے اپنی مجلس میں کیا کرتے ہیں تو اس صورت میں جس وقت بھی یاد آجائے اسی وقت اس مجلس سے اٹھ جانا چاہیے، یاد آجانے کے بعد وہاں بیٹھا رہنا گناہ ہے۔ دوسری ایک آیت میں بھی یہی مضمون ارشاد ہوا ہے، اور اس کے اخیر میں یہ فرمایا ہے کہ اگر تم وہاں بیٹھے رہے تو تم بھی انھیں جیسے ہو۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ اس آیت کا اصل منشا گناہ کی مجلس اور مجلس والوں سے اعراض اور کنارہ کشی ہے، جس کی بہتر صورت تو یہی ہے کہ وہاں سے اٹھ جائے، لیکن اگر وہاں سے اٹھنے میں اپنی جان یا مال یا آبرو کا خطرہ ہو تو عوام کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ کنارہ کشی کی کوئی دوسری صورت اختیار کرلیں مثلاً کسی دوسرے شغل میں لگ جائیں اور ان لوگوں کی طرف التفات نہ کریں، مگر خواص جن کی دین میں اقتدا کی جاتی ہے، ان کے لیے وہاں سے بہر حال اٹھ جانا ہی مناسب ہے۔ (معارف القرآن ۳/۱۷۳)

آگے تحریر فرماتے ہیں: امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ ''اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ہر ایسی مجلس سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہیے جس میں اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ یا شریعت اسلام کے خلاف باتیں ہو رہی ہوں، اور اس کو بند کرنا یا کرانا یا کم از کم حق بات کا اظہار کرنا اس کے قبضہ و اختیار میں نہ ہو، ہاں اگر ایسی مجلس میں بہ نیت اصلاح شریک ہوں اور ان لوگوں کو حق بات کی تلقین کریں تو مضائقہ نہیں''۔ اور آخر آیت میں جو یہ ارشاد ہے کہ یاد آجانے کے بعد ظالم قوم کے ساتھ نہ بیٹھو، اس سے امام جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ ایسے

ظالم، بے دین اور دریدہ دہن لوگوں کی مجلس میں شرکت کرنا مطلقاً گناہ ہے، خواہ وہ اس وقت کسی ناجائز گفتگو میں مشغول ہوں یا نہ ہوں، کیوں کہ ایسے لوگوں کو ایسی بے ہودہ گفتگو شروع کرتے ہوئے دیر کیا لگتی ہے، وجہ استدلال کی یہ ہے کہ اس میں مطلقاً ظالموں کے ساتھ بیٹھنے کو منع فرمایا گیا ہے، اس میں یہ شرط نہیں کہ وہ اس وقت بھی ظلم کرنے میں مشغول ہوں۔

قرآن مجید کی ایک دوسری آیت میں بھی یہی مضمون واضح طور پر بیان ہوا ہے فرمایا ہے: ﴿ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار﴾ یعنی ظالم لوگوں کے ساتھ میل جول اور میلان نہ رکھو ورنہ تمہیں بھی جہنم کی آگ سے پالا پڑے گا۔

جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر ان کی مجلس میں جانے کی مطلقا ممانعت رہی تو ہم مسجد حرام میں نماز اور طواف سے بھی محروم ہو جائیں گے، کیوں کہ وہ لوگ تو ہمیشہ وہاں بیٹھے رہتے ہیں، (یہ واقعہ ہجرت اور فتح مکہ سے پہلے کا ہے) اور ان کا مشغلہ ہی عیب جوئی اور بدگوئی ہے، اس پر دوسری آیت اس کے بعد والی نازل ہوئی۔ ﴿ما علی الذین یتقون من حسابھم من شیئ ولکن ذکری لعلھم یتقون﴾ یعنی جو لوگ احتیاط رکھنے والے ہیں وہ اگر اپنے کام سے مسجد حرام میں جائیں تو ان شریر لوگوں کے اعمال بد کی ان پر کوئی ذمہ داری نہیں، ہاں اتنی بات ان کے ذمہ ہے کہ حق بات ان کو پہنچا دیں کہ شاید وہ اس سے نصیحت حاصل کر کے صحیح راستہ پر آجائیں (۳/۳۷۲، ۳۷۳)

اب آپ کے سوال کا جواب پیش کیا جاتا ہے:

حفاظ قرآن کی دستار بندی کا جلسہ خالص دینی جلسہ ہے، اس میں پنڈتوں کو مدعو

کرنا کسی حال میں مناسب نہیں، ہاں! اگر وہ قرآن اور اس کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے اور اس سے آگاہ ہونے کی وجہ سے اپنے دلوں میں اس کا ادب واحترام اور عظمت رکھتے ہیں، جس کا اظہار اپنی زبانوں سے بھی موقعہ بموقعہ کرتے ہیں اور وہ خود ہی اپنی اس تمنا اور خواہش کا اظہار کرتے ہوں کہ قرآن پاک کے اس جلسہ میں ہمیں بھی شرکت کا موقع دیا جائے، تو ایسی صورت میں کوئی حرج کی بات نہیں۔

جلسہ گاہ میں ان پنڈتوں کی آمد پر ان کا استقبال اور خوب آؤ بھگت کرنا، تو اگر ان سے اسلام اور اہل اسلام کو کوئی فائدہ پہنچا ہے، جس کی قدردانی کے طور پر ان کے ساتھ یہ سلوک کیا جارہا ہے تو اس کی گنجائش ہے بشرطیکہ علمائے دین کے ساتھ توہین کا معاملہ نہ کیا گیا ہو۔

رہا اہل علم کا ان پنڈتوں کے شانہ بہ شانہ کھڑے ہوکر تصویر کشی میں مصلحت دکھا کر شرکت کرنا تو یہ انتہائی مبغوض ومذموم عمل ہے۔ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ مصلحت کی بناء پر شرعی حکم کو چھوڑنا الحاد اور بے دینی ہے، ایسا کہنے والا فاسق ہے اور آیت قرآنیہ ﴿أَفَرَأَيت مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَه هوَاهُ وَأَضَلَّه اللهُ عَلَى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِه وَقَلْبِه وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوة﴾ کا مصداق، ایسے باطل نظریہ اور الحاد سے توبہ واستغفار لازم ہے۔ (احسن الفتاوی ۸/ ۱۹۰)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں: ”یہ حقیقت تو ہر شخص جانتا ہے کہ دنیوی مصلحت ونفع کے لیے گناہ کرنا یا کسی فرض وواجب کو چھوڑنا جائز نہیں، مثلاً کوئی شخص دنیوی نفع کے لیے جھوٹ بولے، دھوکہ دے، نماز نہ پڑھے یا جماعت ترک کردے تو ظاہر ہے کہ ایسا کرنا فسق وحرام ہے، اسی طرح کسی دینی مصلحت کے لیے بھی کسی معصیت کا

ارتکاب حرام ہے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت تمام مصالح پر مقدم ہے، اور ام المصالح ہے، اس پر سب مصالح کو قربان کیا جائے گا۔ مثلاً کوئی شخص سنیما یا سود کے ذریعہ؛ اس لیے رقم کماتا ہے کہ اس سے دینی مدارس چلا سکے، یا اس نیت سے رقص کراتا ہے کہ لوگ جمع ہو جائیں پھر ان کو وعظ کہا جائے، ایسا کرنا بہت سخت گناہ اور نہایت خطرناک گمراہی ہے۔ (احسن الفتاوی ۶/ ۳۷)

مزید تحریر فرماتے ہیں: ''غرضیکہ کسی مصلحت کی خاطر معصیت کا ارتکاب ہرگز جائز نہیں؛ البتہ شریعت میں بڑے محظور سے بچنے کے لیے چھوٹے محظور کو گوارہ کر لیا جاتا ہے، مثلاً کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو ادھر کوئی نابینا کنویں میں گرنے لگا تو نماز توڑ کر اس کو بچانا فرض ہے، حالاں کہ عام حالات میں نماز توڑنا گناہ ہے مگر ایک بڑی مصیبت سے بچنے کے لیے اس کو اختیار کر لیا گیا، ایسی صورت میں ''اھون البلیتین'' یعنی ضرر عظیم کو دفع کرنے کے لیے کم درجہ کے ضرر کو اختیار کر لیا گیا۔

اس کا فیصلہ کرنا کہ بلیتین میں سے اھون کون سی ہے ہر شخص کا کام نہیں، کیوں کہ بسا اوقات انسان اتباع ھوی، عصبیت یا حب مال وجاہ کی بناء پر غیر اھون کو اھون سمجھ لیتا ہے؛ اس لیے یہ فیصلہ صرف وہی کر سکتا ہے جو علوم اسلامیہ میں پوری مہارت کے علاوہ تدین وتقوی میں بھی اعلی مقام رکھتا ہو؛ بلکہ اہم امور میں ایسے علماء کی جماعت کا فیصلہ ضروری ہے۔ ''اھون البلیتین'' کے کلیات شریعت نے بیان فرما دئے ہیں، ان کلیات کا پورا احاطہ، ان کے مفہوم کو صحیح طور پر سمجھنا، پھر پیش آمدہ جزئیہ کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا کہ یہ کسی کلیہ میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر داخل ہے تو کس کلیہ میں؟ ان امور کے لیے علوم دینیہ میں مہارت تامہ، بہت اونچے درجہ کے تدبر وتفقہ اور تدین و

تصلب کی ضرورت ہے۔

اگر کسی ناجائز کام کے بارے میں خوب غور وخوض کے بعد یہ محقق ہوجائے کہ اسے "اھون البلیتین" قرار دے کر اختیار کیا جاسکتا ہے تو یہ وضاحت بلکہ عمومی حالات میں اس کا بار بار اعلان ضروری ہے کہ یہ کام ناجائز ہے مگر شرعی ضرورت سے اختیار کیا گیا ہے، اگر یہ وضاحت نہ کی جائے گی تو عامۃ المسلمین اس گناہ کو گناہ نہ سمجھیں گے اور جہاں شرعی مجبوری نہ ہوگی وہاں بھی اس کا ارتکاب کرنے لگیں گے۔ اس کی واضح مثال تصویر کھنچوانا ہے، جس کا حرام ہونا متفق علیہ ہے، مگر حکومت نے حج اور شناختی کارڈ کے لیے تصویر کو لازم قرار دیا ہے، اس ضرورت شدیدہ کے تحت علماء نے اس کی اجازت دی ہے مگر اس خاص موقع میں اجازت کے باوجود جس شدت کے ساتھ اس کی حرمت تحریراً وتقریراً بیان کرنا چاہیے تھی، اس قدر نہیں ہوئی، بلکہ بعض علماء کے طرز عمل سے مسلمانوں نے اس گناہ کبیرہ کو جائز سمجھ لیا ہے، کیوں کہ ان علماء کی تصاویر لی جاتی ہیں تو وہ روکتے نہیں، اخبارات وغیرہ میں ان کی تصویریں شائع ہوتی رہتی ہیں مگر انھوں نے اس معصیت پر نکیر کا کبھی ایک حرف بھی نہیں کہا، اس سے عوام یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ کوئی گناہ نہیں"۔ (۶/۴۱-۴۲)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ تصویر کھنچوانا باجماع امت حرام ہے۔ عوام کے مقابلہ میں کسی عالم یا مفتی کا تصویر کھنچوانا کئی وجوہ سے زیادہ شنیع اور قبیح ہے۔

① اہل علم وفہم اور مقربین پر گرفت زیادہ سخت ہوتی ہے۔

② علماء کی معصیت سے عوام معاصی پر جرأت کرنے لگتے ہیں۔

③ علماء کی مداہنت سے عوام اس گناہ کو جائز سمجھنے لگتے ہیں۔ (احسن الفتاوی ۸/۱۹۱)

آگے ایک اور جگہ مزید تحریر فرماتے ہیں ''بعض حضرات ایسی جگہ جہاں تصویر لی جارہی ہو شریک ہوجاتے ہیں اور تصویر سے بچنے کے لیے منہ پر کپڑا رکھ لیتے ہیں، گناہ سے بچنے کے لیے اتنا کافی نہیں، بلکہ ایسی مجلس سے اٹھ جانا واجب ہے، خواہ یہ دینی اجتماع ہی ہو، بالخصوص یہ شخص مقتدا ہو تو اس کا بیٹھنا اور بھی سخت اور دوہرا گناہ ہے، ایک اپنی برائی کا اور دوسرا عوام کو گناہوں پر جری کرنے کا۔ (احسن الفتاوی ۸/ ۴۳۸۔۴۳۹)

باقی قابل استفسار امور کا جواب پیش خدمت ہے:

① اوپر اس کا جواب آچکا۔

② حفاظ کی دستار بندی کا اجلاس مسجد کے اندر بھی منعقد کیا جاسکتا ہے۔

③ جن کی اسلام دشمنی کھلی ہوئی ہو ان کو مذہبی اجلاس میں بیان کا موقعہ دینا غیرت ایمانی کے خلاف ہے۔

④ جواب اوپر آچکا۔ ⑤ جواب اوپر آچکا۔

⑥ اس سلسلہ میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ دو شخصوں یا جماعتوں میں تعلقات کے مختلف درجات ہوتے ہیں، ایک درجہ تعلق کا قلبی موالات یا دلی مودت ومحبت ہے، یہ صرف مؤمنین کے ساتھ مخصوص ہے، غیر مؤمن کے ساتھ مؤمن کا یہ تعلق کسی حال میں قطعاً جائز نہیں۔

دوسرا درجہ مواسات کا ہے، جس کے معنی ہیں ہمدردی وخیر خواہی اور نفع رسانی کے، یہ بجز کفار اہل حرب کے جو مسلمانوں سے برسر پیکار ہیں، باقی سب غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے۔

تیسرا درجہ مدارات کا ہے، جس کے معنی ہیں ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ

کے، یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، جب کہ اس سے مقصود ان کو دینی نفع پہنچانا ہو، یا وہ اپنے مہمان ہوں، یا ان کے شر اور ضرر رسانی سے اپنے آپ کو بچانا مقصود ہو الخ (ملخصاً از معارف القرآن ۲/ ۵۰-۵۱)

املاہ: العبد احمد خانپوری ۲۱/ جمادی الاولی ۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

کسی کتاب کا بعض حصہ حذف کر کے یا نام بدل کر شائع کرنا

سوال: ایک اکیڈمی کے پروگراموں میں سے ایک پروگرام علماء حق کی تعلیمات پر مشتمل کتب، رسائل ومضامین کی اشاعت ہے۔ اکیڈمی کی مطبوعات میں سے حجاج کرام کے لیے حضرت مولانا..... کے تیار کردہ کتابچے:

HOW TO PERFORM HAJJ

HOW TO PERFORM UMRAH,

HOW TO PERFORM ZIYAARAH

بھی ہیں، ابھی ایک ادارہ نے اس مجموعہ کو اپنی طرف سے شائع کیا ہے، جس پر ہمیں کوئی اشکال نہیں، البتہ چند امور ہمارے لیے قابلِ تشویش ہیں:

① کتاب کا اصل نام تھا: (HOW TO PERFORM HAJJ)
اس کو بدل کر نیا نام تجویز کیا گیا:

(YOUR COMPLETE GUIDE TO HAJJ AND ZIYAARAH)

② مصنف، مؤلف کا پوری کتاب میں کہیں بھی تذکرہ نہیں ہے۔

③ مصنف کا پیشِ لفظ اور ایک مفتی صاحب اور ایک بڑے بزرگ عالم کی تقریظ کو بھی حذف کر دیا گیا ہے، مصالحت اور مفاہمت کی کوشش کی گئی؛ لیکن چھپوانے والے صاحب مصر ہیں کہ انہوں نے کوئی غلط کام نہیں کیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ:

① مذکورہ بالا عمل کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ عمل صحیح ہے یا غلط؟

② کیا یہ عمل علمی دیانت داری کے خلاف ہے؟ اگر یہ سلسلہ چل پڑا تو علمی اور تصنیفی میدانوں میں جو مفاسد اور خرابیاں ہوسکتی ہیں ان پر روشنی ڈالیں۔

③ علماء اور قوم کے ذمہ داروں کو کیا کرنا چاہیے؟

④ مصنف اور ناشر کو اس صورتِ حال میں کون سے حفاظتی اقدامات کرنے چاہیے؟ اور مستقبل کے لیے کونسی تدبیریں اختیار کرنی چاہیے؟

نوٹ: مسئلۂ تنازع یہ نہیں ہے کہ کتاب کیوں چھپوائی، مطالبہ صرف مذکورہ تین امور کا ہے، مذکورہ بالا مسئلہ کا مدلل اور کافی وافی جواب عنایت فرما کر ہماری رہنمائی اور مدد فرمائیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اتباعِ حق کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کسی مصنف کی کسی کتاب کو جب کوئی ادارہ اس مصنف اور کتاب کے اصلی نام سے اس کی اصلی حالت میں مصنف کی اجازت سے شائع کرتا ہے تو اس کے اس عمل سے کتاب اور مصنف کے متعلق کوئی غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان نہیں، اور کتاب ومصنف سے متعلق شائع کرنے والے ادارہ نے خیانت کا ارتکاب کیا ہے، یا اخلاقی یا قانونی تقاضوں کا لحاظ نہیں کیا ہے، ایسا نہیں کہا جاسکتا؛ البتہ اگر مصنف نے کتاب کے حقِ

اشاعت کو اپنے ساتھ مخصوص رکھا ہے تو اس صورت میں اس کی اجازت کے بغیر کتاب کی اشاعت کا مسئلہ ہمارے اکابر کے درمیان مختلف فیہ ہے، بعض اکابر اس کو جائز قرار دیتے ہیں، اور بعض عدمِ جواز کے قائل ہیں، جو حضرات عدمِ جواز کے قائل ہیں ان کے مسلک اور فتوی کے اعتبار سے مصنف کی اجازت کے بغیر کتاب کی اشاعت جائز و درست نہیں۔ اور اگر مصنف نے اپنی کتاب کے حقوق اپنے لیے محفوظ و مخصوص نہیں رکھے، تو اس صورت میں دوسروں کا اس کتاب کو شروع جواب میں بتلائے گئے طریقہ کے مطابق شائع کرنا درست ہے، اور اگر شائع کرنے والے نے اصل کتاب میں ایسا تصرف کیا جس سے اصل مضمون خبط ہو جائے یا مقصودِ مصنف کے خلاف ہو جائے یہ کتاب کے ساتھ خیانت ہے، اور اس ترمیم شدہ چیز کو اصل مصنف کی طرف منسوب کرنا افتراء اور خداع ہے، اس کی اجازت نہیں یہ شرعاً بھی ناجائز ہے، اور اخلاقاً اور عرفاً بھی مذموم و شنیع ہے۔ (ماخوذ از فتاوی محمودیہ ۱۵/ ۳۸۷)

اور اگر کتاب کو اس کی اصلی شکل میں شائع کیا گیا، اور مصنف کی طرف اس کی نسبت بھی کی گئی؛ لیکن اس (کتاب) کے نام کو بدل دیا گیا تو اگر نام کی یہ تبدیلی مصنف کی اجازت سے کی گئی ہے تب تو کوئی اشکال نہیں، اور اگر مصنف کی اجازت لیے بغیر نام تبدیل کیا گیا اور نام تبدیل کرنے کی کوئی معقول وجہ ہے۔ مثلاً پہلے نام کے مقابلہ میں دوسرا نام کتاب میں شامل مضامین کے لیے زیادہ موزوں اور مناسب ہے اور اس چیز کی شائع کرنے والے کی طرف سے وضاحت بھی کر دی گئی ہے تب بھی اس کو اخلاقی یا قانونی جرم یا علمی بد دیانتی پر محمول نہیں کیا جائے گا، اور اگر نام بھی بدل دیا گیا اور مصنف کا نام بھی حذف کر دیا گیا تو چوں کہ یہ طریقِ کار عام دستور کے مطابق یہ

تأثر دیتا ہے کہ یہ کتاب شائع کرنے والے ادارہ نے اپنی مساعی اور مصارف سے تیار کروا کر لوگوں کے فائدہ کے لیے شائع کی ہے، اور جیسا کہ ظاہر ہے اس میں ایک طرح کا خِداع اور علمی بددیانتی ہے۔

صورتِ مسئولہ میں بھی ہو بہو یہی نوعیت ہے۔ اب آپ کے سوالات کے جوابات بالترتیب پیشِ خدمت ہیں۔

① ان کا یہ عمل جیسا کہ اوپر تفصیلاً معلوم ہوا درست نہیں۔

② یقیناً یہ عمل علمی دیانتداری کے صریح خلاف ہے، اگر یہ سلسلہ چل پڑا تو اس سے جو مفاسد وجود میں آسکتے ہیں ان کا اس وقت اندازہ لگانا مشکل ہے، ہاں! اجمالی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ طریقِ کار بہت سارے مفاسد کو جنم دینے والا ہے۔

③ علماء اور قوم کو اس طریقِ کار کی برائی کا برملا اظہار کرنا چاہیے اور ذمہ دارانِ ادارہ سے گفتگو کر کے ان کو اس سے باز رکھنے کی مقدور بھر سعی کرنا بھی مناسب ہے۔

④ ناشر اور مصنف کون سے حفاظتی اقدامات کرنا چاہتے ہیں اس کی تفصیل معلوم ہونے پر اس کا جواب دیا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۵/ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ

نظر اور شرمگاہ کی حفاظت کے متعلق اسلامی تعلیم

سوال: ① آج کے اس دور میں جہاں لڑکیاں برائے نام کپڑے پہن کر اور اپنے تن کی نمائش کرتے ہوئے گھومتی ہیں، اس صورت میں اپنی نظر کی حفاظت کرنا بھی دشوار ہوتا ہے، اپنے آپ کو برائی سے اور بدنظری سے بچانے کی کیا صورت ہے

اور کیا طریقہ ودعا ہے؟

② اس صورت حال میں جب شہوانیت حد سے زیادہ پریشان کر رہی ہو تو نفس پرستی، گندی ذہنیت وسوچ اور اس شہوانیت سے بچنے کی کیا صورت، طریقہ اور دعا ہے؟ اگر ایسی حالت میں مشت زنی کی جائے تو کیا یہ جائز ہے؟

③ زنا اور اس سے منسلک دیگر برائیوں سے بچنے کا واحد حل شادی (نکاح) ہے؛ پر (لیکن) ۲۲، ۲۳ سال کی عمر میں شادی اور دوران تعلیم شادی کرنا یہ سب کے بس کی بات نہ ہونے کے ساتھ ساتھ آسان بھی نہیں ہے اور ایسا کرنا خود لڑکے کے لیے بہت مصیبتوں کو بلاوا دینے کے مساوی ہے، جیسے تعلیم کو بخوبی مکمل کرنا، بیوی کی کفالت کرنا اور اس کے حقوق کی ادائیگی کرنا وغیرہ وغیرہ تو اس صورتِ حال میں بد نظری، مشت زنی، شہوانیت، نفسانیت، زنا اور شیطان اور نفس کے دھوکے سے بچنے کی کیا صورت، طریقہ ودعا ہے؟

④ کل ملا کر آج کے اس ماحول میں اور آنے والے ہر ماحول میں جو اس سے بھی بدتر ہوگا کیسے بچا جا سکتا ہے؟ اور مندرجۂ بالا تمام برائیوں اور خرابیوں نیز شیطان اور نفس کے دھوکے سے بچنے کی کیا صورت، دعا اور طریقہ ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم ويحفظوا فروجهم ذلك ازكىٰ لهم ان الله خبير بما يصنعون﴾ (النور:۳۰)

"يغضوا" غض سے مشتق ہے، جس کے معنی کم کرنے اور پست کرنے کے

ہیں۔(راغب)

نگاہ پست اور نیچی رکھنے سے مراد نگاہ کو ان چیزوں سے پھیر لینا ہے جن کی طرف دیکھنا شرعاً ممنوع و ناجائز ہے۔(ابن کثیر)

ابن حبان نے یہی تفسیر فرمائی ہے اس میں غیر محرم عورت کی طرف بری نیت سے دیکھنا تحریماً اور بغیر کسی نیت کے دیکھنا کراہۃً داخل ہے، اور کسی عورت یا مرد کے ستر شرعی پر نظر ڈالنا بھی اس میں داخل ہے۔(مواضع ضرورت جیسے علاج و معالجہ وغیرہ اس سے مستثنیٰ ہیں) کسی کا راز معلوم کرنے کے لیے اس کے گھر میں جھانکنا، اور تمام وہ کام جن میں نگاہ کے استعمال کرنے کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے اس میں داخل ہیں۔ "ویحفظوا فروجھم" شرم گاہوں کی حفاظت سے مراد یہ ہے کہ نفس کی خواہش پورا کرنے کی جتنی ناجائز صورتیں ہیں ان سب سے اپنی شرم گاہوں کو محفوظ رکھیں، اس میں زنا، لواطت اور دو عورتوں کا باہمی سحاق جس سے شہوت پوری ہو جائے، ہاتھ سے شہوت پوری کرنا یہ سب ناجائز و حرام چیزیں داخل ہیں۔ مراد اس آیت کی ناجائز و حرام شہوت رانی اور اس کے تمام مقدمات کو ممنوع کرنا ہے جن میں سے ابتداء اور انتہاء کو تصریحاً بیان فرما دیا، باقی درمیانی مقدمات سب اس میں داخل ہو گئے۔ فتنۂ شہوت کا سب سے پہلا سبب اور مقدمہ نگاہ ڈالنا اور دیکھنا ہے اور آخری نتیجہ زنا ہے، ان دونوں کو صراحۃً ذکر کر کے حرام کر دیا گیا ان کے درمیانی حرام مقدمات مثلاً باتیں سننا، ہاتھ لگانا وغیرہ یہ سب ضمناً آ گئے، ابن کثیر نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ: کل ما عصی اللہ بہ فھو کبیر وقد ذکر الطرفین یعنی جس چیز سے بھی اللہ کے حکم کی مخالفت ہوتی ہو سب کبیرہ ہی ہیں؛ لیکن آیت میں ان کے دو طرف ابتداء و انتہاء

کو ذکر کر دیا گیا۔ ابتداء نظر اٹھا کر دیکھنا اور انتہاء زنا ہے۔ طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نظر ایک زہریلا تیر شیطان کے تیروں میں سے ہے، جو شخص باوجود دل کے تقاضے کے اپنی نظر پھیر لے تو میں اس کے بدلے اس کو ایسا پختہ ایمان دوں گا جس کی لذت وہ اپنے قلب میں محسوس کرے گا۔ اور صحیح مسلم میں حضرت جریر بن عبداللہ کلبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا اگر بلا ارادہ اچانک کسی غیر محرم عورت پر نظر پڑ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اپنی نظر اس کی طرف سے پھیر لو۔ (ابن کثیر) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ پہلی نظر تو معاف ہے دوسری گناہ ہے، اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ پہلی نظر جو بلا ارادہ اچانک پڑ جائے وہ غیر اختیاری ہونے کے سبب معاف ہے، اور بالقصد پہلی نظر بھی معاف نہیں۔ (معارف القرآن ۶/ ۳۸۶، ۳۸۷)

② اپنی شرم گاہ کی حفاظت کا اصل طریقہ وہی ہے جو قرآن اور حدیث میں بتلایا گیا یعنی آدمی اپنی نگاہ کی حفاظت کرے، جب نگاہ کی حفاظت کرے گا تو دل وساوس سے محفوظ رہے گا، اور جب دل محفوظ رہے گا تو شرم گاہ کی بھی حفاظت ہوگی، ساتھ ہی اللہ تعالیٰ سے دعا کے ذریعہ مدد بھی چاہتا رہے۔ اپنے ہاتھ سے منی خارج کرنا حرام اور موجب وبال ہے، اور اس پر تعزیر لازم ہے۔ قرآن پاک کی آیت ﴿فمن ابتغى وراء ذلك أولٰئك هم العٰدون﴾ کی تفسیر میں حضرات مفسرین نے اس فعل بد (ہاتھ سے منی خارج کرنے) کی حرمت کی تصریح کی ہے؛ لیکن اگر کسی نوجوان پر شہوت کا غلبہ ہو کہ شدت شہوت کی وجہ سے اس کا ذہن اس قدر متوحش ہو کہ کسی طرح

اس کو سکون وقرار حاصل نہ ہو، اور اس کے پاس تسکینِ شہوت کا کوئی حلال ذریعہ بھی موجود نہ ہو، ایسی اضطراری حالت میں اگر وہ بطور علاج اس عمل کے ذریعہ شہوت کی تسکین کرلے تو اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم سے توقع کی جاتی ہے کہ اس پر وبال نہ ہوگا یہ فقیہ ابواللیث کا قول ہے۔

درمختار میں ہے: فی الجوهر: الاستمناء حرام وفيه التعزير (درمختار)

اس کی شرح میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: قوله الاستمناء حرام اى بالكف اذا كان لاستجلاب الشهوة، اما اذا غلبت الشهوة وليس له زوجة، ولا امة، ففعل ذلك لتسكينها فالرجاء انه لا وبال عليه، كما قاله ابوالليث (شامی كتاب الحدود)

اس کی مثال ایسی ہے کہ رشوت کا لینا اور دینا دونوں حرام ہے؛ لیکن اگر کوئی مظلوم دفعِ ظلم کے خاطر رشوت دینے پر مجبور ہوجائے تو توقع کی جاتی ہے کہ اس مظلوم پر مواخذہ نہ ہوگا۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۹/ ۱۶۵)

لیکن یاد رہے کہ استمناء بالید کا جب ایک مرتبہ تجربہ کرلیا تو پھر یہ عادت اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی اور اس کے نتیجہ میں ایسا آدمی شہوت کاذبہ کا شکار ہوکر ہمیشہ اس شنیع حرکت کا ارتکاب کرکے اپنی دنیا وعاقبت برباد کرلیتا ہے؛ اس لیے سلامتی اسی میں ہے کہ اس دروازے کو کھولا نہ جائے۔

③④ دورِ حاضر کی جدید تہذیب نے انسانی ضرورتوں کا دائرہ اتنا پھیلا دیا ہے کہ اس کی تکمیل کے لیے آدمی صبح سے شام تک کولہو کے بیل کی طرح کمائی کے واسطے مزدوری کرتا رہتا ہے، (چاہے تجارت کی شکل میں ہو یا ملازمت وغیرہ) پھر بھی اس کی

ضرورتیں پوری ہونے کا نام نہیں لیتی، یہ دراصل نتیجہ ہے اس چھوٹے معیار زندگی کا جو آج کل پڑھے لکھے اور ترقی یافتہ طبقہ کے دل ودماغ پر سوار ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ اپنی ضروریات زندگی کی تکمیل کے سلسلہ میں اس طرح کا غلو اور افراط جس میں آج کا انسان مبتلا ہے، شریعت کی نگاہوں میں درست نہیں، اور ایسے ہی معیار زندگی کو پانے کے لیے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اعلیٰ ڈگریاں حاصل کی جاتی ہیں اور اسی تعلیم کے حصول میں عمر کا ایک بڑا حصہ لگایا جاتا ہے، اور جب تک آدمی یہ سب کچھ کر کے اپنا معیار زندگی اعلیٰ نہ بنالے وہاں تک نکاح اور شادی کو بھی معیوب سمجھا جاتا ہے، یہ سب اسلامی تعلیمات سے میل کھانے والی چیز نہیں؛ بہر حال اپنی شہوانی تقاضوں کی شدت کے نتیجہ میں یا تو آدمی نکاح شادی کر کے اپنی ضرورت پوری کرے، یا پھر شہوت کو کنٹرول کرنے کے لیے شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ نگاہ کی حفاظت، روزوں کا اہتمام؛ نیز فحاشی عریانی اور بے حیائی والے شہوت کو برانگیختہ کرنے والے ماحول سے اپنے آپ کو دور رکھے، اور اپنی عفت وعصمت کی حفاظت کرے نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرے، اللہ تعالیٰ کی طاعت وعبادت کا اہتمام اور ہر معاملہ میں سنت وشریعت کا اتباع لازم پکڑے، اس سلسلہ میں قرآن وحدیث میں جو ہدایات تفصیل سے دی گئی ہیں، اور علماء اور صلحاءِ امت نے اپنی کتابوں میں قرآن وحدیث کے ان نصوص کی جو تفصیل وتشریح کی ہے اس کا مطالعہ کثرت سے کرے، نیز اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور پیش ہو کر روز قیامت اپنے اعمال کا حساب دینا ہے اس چیز کو ہر وقت مدنظر رکھ کر اللہ سے ڈر کر اپنے آپ کو ان گناہوں سے بچائے ﴿فاما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوىٰ فان الجنة هى المأوىٰ﴾ اس سلسلہ میں مختلف کتابیں اور

رسائل مطبوعہ شکل میں موجود ہیں ان کا مطالعہ کیا جائے، ہمارا ایک رسالہ ''نگاہ اور شرمگاہ کی حفاظت'' آپ کی خدمت میں بذریعۂ ڈاک بھیجا جارہا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۰/ رمضان ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بھینس کے بچہ کو دودھ سے روکا اور مر گیا تو گنہ گار ہوگا

سوال: اصطبل میں جو بھینس بچہ جنتی ہے اس کو پورا دودھ نہیں پلایا جاتا (کہ جس سے اس کی زندگی باقی رہے) بلکہ بچہ کو دودھ پینے کے لیے چھوڑا جاتا ہے، اور جب بھینس کے تھن میں دودھ اتر آتا ہے تو فوراً بچہ کو تھن سے ہٹایا جاتا ہے، اور بچہ کو دودھ کا پورا خوراک نہ ملنے کی وجہ سے مرجاتا ہے، تو کیا اس صورت میں مالکِ اصطبل گنہگار ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر بچہ کی خوراک کے لیے دوسری کوئی چیز بھی تجویز نہیں کرتا ہے، یا کرتا ہے؛ لیکن بچہ بغیر دودھ کے زندہ نہیں رہ سکتا ہے، تو دونوں صورتوں میں مالک گنہ گار ہوگا۔

ویومر اما بالبیع اما بالانفاق علی بهائمه دیانة لاقضاء علی ظاهر المذهب للنهی عن تعذیب الحیوان واضاعة المال، وعن الثانی یجبر، ورجحه الطحاوی والکمال وبه قالت الائمة الثلاثة.

(درمختار علی هامش الشامی ۶/۷۴۸)

ویستحب ان لا یاخذ لبنها الا ما فضل من ولدها مادام لا یاکل غیره (عالمگیری: ۱/۵۷۳)

''بہشتی زیور'' میں حیوانات کے حقوق کے ذیل میں ہے: ''جو جانور اپنے کام میں ہیں ان کے کھانے پینے وراحت رسانی وخدمت کا پورے طور پر اہتمام کرے، ان کی قوت سے زیادہ ان سے کام نہ لے، ان کو حد سے زیادہ نہ مارے''۔

(بہشتی زیور اختری ۴/۴۷)

عن عمروابي هريرة قالا: قال رسول الله ﷺ: عذبت امرأة فی هرة امسكتها حتى ماتت من الجوع فلم تكن تطعمها ولا ترسلها فتاكل من خشاش الارض۔ متفق عليه۔ (مشكوٰة شريف:۱۶۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

رات کو جھاڑو دینا

سوال: رات کے وقت گھر کے اندر سے جھاڑو نکالنا کیسا ہے؟ اور یہاں پر لوگ کہتے ہیں کہ گناہ ہے اور روزی کم ہوجاتی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شرع میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۴/۳۷۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ ذوالقعدہ ۱۴۰۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ماں باپ کے گناہ کا وبال اولاد پر

سوال: ماں، باپ اپنی زندگی میں جو گناہ کبیرہ کرتے ہو، تو کیا اس گناہ کا بدلہ اللہ تعالیٰ اس کی اولاد پر ڈالتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ماں، باپ کے گناہ کا وبال اولاد پر نہیں آتا۔ ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى﴾ (اور نہ اٹھائے گا کوئی اٹھانے والا بوجھ دوسرے کا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

''اشارہ بالید'' کے ذریعہ غیبت

سوال: زید اور عمر ایک ساتھ بیٹھتے تھے، اور ان کے پڑوس میں بکر جو بیٹھ کر سو رہا تھا اور جھوم رہا تھا، زید نے بکر کی طرف اشارہ کیا اور عمر کو بتلایا تو کیا زید کا بکر کے جھومنے کی جانب اشارہ کرنا (فقط اشارہ) یہ غیبت باشارۃ الید میں داخل ہے یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ مشکوۃ شریف جلد دوم ۴۱۴ پر ایک حدیث ہے جس میں ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ذکر آیا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان کا ذکر کر کے اس طرح اشارہ کر دیا کہ وہ چھوٹی قد والی ٹھگنی ہے، زبان سے کچھ نہیں کہا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح اشارہ کرنے کی مذمت فرمائی۔

اور حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اس حدیث کو اشارہ کے ذریعہ غیبت کرنا کے عنوان دے کر لکھا ہے۔ (اصلاحی خطبات حصہ ۴)

زید کہتا ہے کہ اشارہ سے مراد وہ اشارہ ہے جو مشار الیہ کی صفت ظاہر کرے، دلیل اس پر دیتا ہے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے: قلت: الظاهر من تكرار كذا تعدد نعتها (۱۰۷/۹) اس سے یہی معنی مفہوم ہے، اور مذکورہ بالا واقعہ میں اشارہ بالید غیبت نہیں ہے۔

اور بکر کہتا ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ میں اشارہ بالید غیبت میں داخل ہے، اور اس پر دلیل یہ بیان کرتا ہے کہ حکیم اختر صاحب نے ''روح کی بیماریاں اور ان کا علاج'' میں حصہ ۱/۱۵۶ میں تنبیہ نمبر (۱) میں غیبت کے معنی کئے ہیں کہ: ''کسی کا کوئی ایسا عیب بیان کرنا جو اسے ناگوار گزرے، خواہ زبان سے ظاہر کیا جائے یا رمز و کنایہ سے، یا ہاتھ اور آنکھ کے اشارہ سے یا نقل اتاری جائے، یہ سب غیبت میں داخل ہیں''۔

اس میں محل استدلال ہاتھ اور آنکھ کے اشارے سے یا نقل اتاری جائے دونوں کو الگ الگ ذکر کیا، اس سے ہر قسم کے اشارہ کا غیبت میں داخل ہونا سمجھ میں آتا ہے، اس لیے مذکورہ بالا واقعہ میں اشارہ بالید بھی غیبت میں داخل ہوگا۔

کیا مذکورہ بالا واقعہ میں اشارہ بالید غیبت ہے یا نہیں؟ اور اشارہ سے مراد کونسا اشارہ ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر اس اشارہ کے ذریعہ زید کا مقصود بکر کی تنقیص تھی تو یہ غیبت ہی شمار ہوگا؛ ورنہ نہیں۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ''ذكرك أخاك بما يكره'' (الحدیث) کی شرح میں ذکر فرماتے ہیں:

''وذكرك فيه بما يكرهه عام؛ سواء كان في بدنه أو دينه أو دنياه أو نفسه أو خلقه أو ماله أو ولده أو والده أو زوجه أو خادمه أو ثوبه أو مشيه و حركته و بشاشته و عبوسته و طلاقته أو غير ذلك مما يتعلق به سواء ذكرته بلفظك أو كتابك أو رمزت أو أشرت إليه بعينك أو يدك أو رأسك و نحو ذلك. و ضابطه: أن كل ما افهمت به غيرك

نقصان مسلم فهو غيبة محرمة ومن ذلك المحاكاة بأن يمشي متعارجاً أو مطاطئاً أو على غير ذلك من الهيئات مريدا حكاية هيئة من ينقصه بذٰلك. (مرقات:۹/۱۴۳)

درمختار میں ہے: وكما تكون الغيبة باللسان صريحا تكون أيضاً بالفعل وبالتعريض وبالكتابة وبالحركة وبالرمز وبغمز العين والإشارة باليد، وكل ما يفهم منه المقصود الخ (درعلى هامش الشامي۹/۲۹۰)

لو ذكر مساوى أخيه على وجه الاهتمام لا يكون غيبة، إنما الغيبة ان يذكر على وجه الغضب يريد السب(ايضاه/۲۸۹)

اشارہ سے ہر وہ اشارہ مراد ہے جو بغرض تنقیص مسلم کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بدھ کے دن کام شروع کرنے کی اصل

سوال: بدھ کے دن کام شروع کرنا مبارک ہے یہ قول کس حد تک صحیح ہے؟ جن احادیث یہ ثابت ہوتا ہے اسے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے موضوع قرار دیا ہے؛ مگر اجل علماء کا اپنا معمول ہے کہ اسباق کی بسم اللہ بدھ کے روز کرتے ہیں کہ اس روز اللہ تبارک وتعالیٰ نے نور کی تخلیق فرمائی ہے، دنیاوی امور جو نورانیت سے تعلق نہ رکھتے ہوں اس کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

اس سلسلہ میں جو روایت نقل کی جاتی ہے۔ (ما بدئ بشئ يوم الأربعاء إلا تم) اس کو علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے مقاصد حسنہ ۳۶۲ میں بے بنیاد بتلایا ہے، مولانا

عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے الفوائد البہیہ میں صفحہ ۱۴۳ پر صاحب ہدایہ کے حالات کے ذیل میں اس پر تفصیلی کلام کیا ہے، الحاصل ان الفاظ سے روایت ثابت نہیں ہے، اس پر محدثین کی ایک جماعت متفق ہے، اس لیے اس حکم کو حدیث کی طرف منسوب کئے بغیر معمول مشائخ ہونے کی وجہ سے اگر کوئی آدمی عمل میں لاوے تو گنجائش ہے، اس سے زیادہ کوئی حیثیت نہ دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بکرے کا چمڑا حلال ہے

سوال: کیا بکرے کا چمڑا حلال ہے جو پائے کی شکل میں کھایا جاسکتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حلال ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، یکم جمادی الاخریٰ ۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

فلمی اداکاروں کے ذریعہ چندہ وصول کرنا

سوال: یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ فلموں میں کام کرنے والے مرد وعورت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے احکامات سے باغی ہوکر مخلوق خداوندی خصوصاً مذہب اسلام کے پیروؤں کو نہ صرف گناہ کی دعوت دیتے ہیں؛ بلکہ مذہب اور اسلام سے بغاوت پر اکساتے ہیں، ان کے کام ہی یہ ہیں کہ لوگوں کو مذہب سے آزاد کردیں، اس طرح وہ ایکٹنگ کرکے فلموں کے ذریعہ اپنا نام بناتے ہیں اور دولت کماتے ہیں

اور پوری زندگی اس طرح گذارتے ہیں، بعض لوگ اپنے دنیوی مفادات کے لیے اور غریبوں کی امداد یا ہسپتال وغیرہ کاموں میں امداد وصول کرنے کے لیے انہیں استعمال کر کے ان کے اس نام سے جو اللہ ورسول ﷺ کی بغاوت پر مشہور ہوا ہے ان کے ذریعہ چندہ وصول کرتے ہیں، مسلمانوں میں خصوصاً برطانیہ میں اس کا بالکل رواج نہیں ہے کہ مسلمان کسی فلم ایکٹر کے ذریعہ غرباء یا اپنی امداد کے لیے ان کے ذریعہ چندہ وصول کریں، ایسا ہی ایک چندہ ہندوستان کے گجرات سے ہسپتال کے لیے بذریعۂ دلیپ کمار اور اس کی بیوی سائرہ بانو جو دونوں فلم ایکٹرس ہیں، اور انہوں نے اپنی پوری زندگی اسی پر صرف کردی ہے، وہ آنے کا پروگرام بنا رہے ہیں، یہاں کے مسلمان اپنے طور پر انہیں ایسا کرنے کے بجائے اسلامی طریقہ پر چندہ وصول کرنے کا سمجھا رہے ہیں؛ مگر ہمیں خدشہ ہے کہ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو ہماری نوجوان نسل ''جن کے لیے پہلے ہی یہاں کے مسلمان پریشان ہیں'' اور دینی لائن سے تبلیغ اور دارالعلوم ومدارس ومکاتیب اور اسلامی لٹریچر کے ذریعہ یہاں کے علماء کرام اور مساجد کمیٹیوں کے ذمہ داران ووالدین ان کی دینی تربیت کے لیے کوشاں ہیں، ایسے میں یہ مسلم ہسپتال والے مسلم کمیونیٹی ورکرز ان ایکٹروں کے ذریعہ ہمارے یہاں چندہ کے لیے آتے ہیں، تو کل ہماری یہ نوجوان نسل بھی یہ راہ اپنائے گی اور کمیونیٹی ہال وغیرہ کے لیے فلم ایکٹروں کے ذریعہ چندہ وصول کرے تو کوئی روک نہیں سکے گا؛ بلکہ یہ آنے والے انہیں آئندہ کے لیے ایسا طریقہ اختیار کرنے کا سبق پڑھا کر جائیں گے جس سے یہاں کا جو دینی ماحول ہے اس میں بہت خرابی پیدا ہوگی، اور اللہ ورسول ﷺ کے احکام سے بغاوت پر اترنا ان کے لیے آسان ہوگا کہ یہ لوگ انہیں دیکھنے ٹاؤن

ہالوں اور ہوٹلوں کا یا جائے چندہ کا رُخ کریں گے، اس لیے آپ سے استدعا ہے کہ اس طرح چندہ کرنے والوں اور چندہ دینے والوں کا کیا حکم ہے؟ اور ایسی جگہوں پر انہیں دیکھنے یا ملنے جائیں ان کا کیا حکم ہے؟ قرآن اور حدیث کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں، اللہ جزائے خیر عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جو صاحب سوال میں مذکور فلمی اداکاروں کو ساتھ لے کر برطانیہ چندہ کرنے کے لیے آنا چاہتے ہیں، خود ان کی طرف سے اپنے اس ارادہ کے اظہار کے ساتھ ایک استفتاء ہمارے پاس آیا تھا جس کا تفصیلی جواب ان کو دیا جا چکا ہے، اور وہ سوال وجواب گجراتی ماہنامہ ''الاصلاح'' کے ماہ شوال ۱۴۲۱ھ مطابق جنوری ۲۰۰۱ء کے شمارہ میں شائع ہو چکا ہے، اس میں ملاحظہ فرمائیں، اس سوال وجواب کی ایک نقل ہمرشتہ ہے، آخری زمانہ میں جو فتنے پیدا ہونے والے ہیں اور امت مسلمہ جن خرابیوں میں مبتلا ہونے والی ہے جس کی پیشین گوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پاک ارشادات میں فرمادی ہے، وہ ساری باتیں ایک ایک کر کے سامنے آرہی ہیں۔

ترمذی شریف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: قال رسول الله ﷺ: إذا فعلت أمتي خمس عشر خصلة حل بها البلاء، قيل: وما هي يا رسول الله؟ قال: إذا كان المغنم دولا، والأمانة مغنماً، والزكوة مغرماً، وأطاع الرجل زوجته، وعق أمه، وبر صديقه، وجفا أباه، وارتفعت الأصوات في المساجد، وكان زعيم القوم أرذلهم، وأكرم الرجل مخافة شره، وشربت الخمور، ولبس الحرير، واتخذت القينات، والمعازف، ولعن آخرُ هٰذِه

الأمةِ أوَّلَها، فليرتقبوا عند ذلك ريحا حمراء أو خسفا أو مسخا.
(رواه الترمذی؟/۳۵،۳٤)

آگے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی اس طرح کی ایک روایت میں "ظهرت القينات والمعازف" کے الفاظ ہیں، اوپر کے دونوں ارشادات مبارکہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت مسلمہ کے متعلق یہ خبر دی ہے کہ جب وہ فلاں فلاں کام کرنے لگے گی تو اس پر سرخ آندھیوں اور زمین میں دھنسا دیئے جانے اور شکلوں اور صورتوں کے بگاڑ دیے جانے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا، ان کاموں میں یہ بھی شمار کرایا گیا ہے کہ گانے والی عورتوں اور مردوں کا ظہور اور ان کا دور دورہ ہوگا، آپ نے اپنے سوال میں جس اندیشہ کا ذکر کیا ہے وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی پاک ارشاد کی صداقت کا بولتا ہوا ثبوت ہے، آج ان برائیوں کو اتنا ہی نہیں کہ برا نہیں سمجھا جاتا؛ بلکہ ان کو اچھا اور قابل فخر سمجھا جا رہا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی بھی پیشین گوئی فرمادی ہے: "الاعتدال فی مراتب الرجال" میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت جمع الفوائد کے حوالہ سے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کی ہے جو حسب ذیل ہے:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں کا اس وقت کیا حال ہوگا جب نوجوان فاسق بن جائیں گے اور عورتیں سرکش ہو جائیں گی، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ایسا بھی ہو جائے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک ہوگا اور اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم نیک کاموں کا حکم کرنا چھوڑ دو گے اور

بری باتوں سے روکنا چھوڑ دو گے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ایسا بھی ہوگا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک ہوگا اور اس سے بھی سخت ہوگا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم بری باتوں کا حکم کرنے لگو گے اور اچھے کاموں سے منع کرو گے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ایسا بھی ہو جائے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک ہوگا اور اس سے بھی سخت ہوگا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تم نیک کاموں کو برا سمجھنے لگو گے اور ناجائز کاموں کو اچھا سمجھنے لگو گے۔ (جمع الفوائد) (الاعتدال: ۱۴۵)

بہر حال جو لوگ ان فلمی اداکاروں کو لوگوں کے سامنے پیش کر کے ان کو اپنی اداکاری کی وجہ سے جو شہرت حاصل ہے اس شہرت سے فائدہ اٹھا کر چندہ وصول کرنا چاہتے ہیں، ان کا یہ اقدام قرآن اور حدیث کی روشنی میں صریح ناجائز ہے، ایسے ٹاؤن ہال یا ہوٹل میں جانا (جہاں یہ اداکار قیام پذیر ہوں) تاکہ ان کو دیکھا جائے ان کے اس پروگرام میں شرکت کی جائے شرعاً درست نہیں، یہ تمام باتیں دین اور ایمان کے لیے سم قاتل ہیں، مسلم معاشرہ کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ وہ ایسے پروگراموں کو روکنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائیں اور لوگوں کو اس سے باز رکھیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸ / جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰ھ

مومن کو گالی دینا

سوال: جناب عالی! گذارش خدمت ہے کہ مسئولان (محمد حسن و محمد شفیق) سائل (خادم حسین) کے حقیقی بھتیجے ہیں، اور اراضی ملکیتی و مقبوضہ سائل سے زبردستی

عداوت رکھتے ہیں، مورخہ: ۱۹۹۷/۱۰/۲۵ بوقتِ پانچ بجے کا واقعہ ہے کہ مسئولان نے سائل کو ناجائز کلامی اور ناجائز فاحش گالیاں اس طور دیں کہ آپ کی ماں، دادی اور بہن کو زبردستی زنا کروں، جب کہ سائل کی ماں مسئولان کی دادی ہے، اور سائل کی دادی مسئولان کی پردادی ہے، اور سائل کی بہن مسئولان کی پھوپھی ہے، اور مسئولان نے کہا کہ آپ کی ڈاڑھی پر پیشاب کردوں جب کہ رشتہ کے لحاظ مسئولان سائل کے فرزند ہیں، اور مسئولان کا والد مسمی قمرالدین نے بھی سائل کو ماں بہن کی گالیاں دیں؛ لہٰذا عرض یہ ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مطابقِ شرعِ محمدی مسئولان کے خلاف فتویٰ جاری فرمایا جائے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حدیث پاک میں ہے "سباب المؤمن فسوق" یعنی کسی مومن کو گالی دینا فسق ہے، جب کسی عام مؤمن کے ساتھ یہ سلوک فسق ہے تو اپنے عزیز، قریب کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا نہایت گھناؤنا فعل ہے، قطع رحمی کی ایک صورت ہے، جس پر احادیث میں بہت زیادہ وعیدیں آئی ہیں، مسئولان کو چاہیے کہ اپنی اس حرکت پر ندامت کا اظہار فرما کر آئندہ نہ کرنے کا عزم جازم کریں، اور سائل سے معافی کے طلب گار ہوں، ورنہ آخرت کی جواب دہی بڑی دشوار ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ

نائی کو خلیفہ کہنا

سوال: نائی یعنی حجام کو خلیفہ کہہ کر پکارتے ہیں کیا یہ گناہ ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

قصاب کو قریشی کہنا

سوال: قصاب اپنے کو قریشی کہتے ہیں کیا ان کو قریشی کہنا گناہ ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۷/ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

زلزلہ کے وقت کونسا عمل کرے؟

سوال: جب زلزلہ آئے تو کونسا عمل مسنون ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بارے میں کوئی عمل یا قول موجود ہو تو ذکر فرمائیں۔ نیز زلزلہ کے وقت اذان یا تکبیر کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر تکبیر کہی جاسکتی ہے تو اس کے الفاظ کیا ہوں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ناگہانی آفت ومصائب کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل رجوع اور انابت الی اللہ کا رہا ہے، آدمی اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اپنے گناہوں کی معافی اور اللہ کے عذاب سے حفاظت کا سوال کرتا رہے، نماز میں مشغول ہو جانا (بہ شرطے کہ

وقت مکروہ نہ ہو) انابت کا ایک طریقہ ہے۔ اس وقت اذان دینا شریعت میں ثابت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ر ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ

زلزلہ کے رحمت ہونے کا مطلب

سوال: ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک قول منقول ہے، ان سے زلزلہ کے متعلق دریافت کیا گیا کہ: کیا زلزلہ عذاب ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ: کافروں کے لیے عذاب ہے اور مؤمن کے حق میں رحمت، مؤمن کے لیے کس طرح رحمت ہے جب کہ جان و مال کے اعتبار سے ظاہری طور پر مؤمن اور کافر زلزلہ سے دونوں متاثر ہوتے ہیں؟ توضیح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مؤمن کے لیے رحمت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ، اگر اس کی وجہ سے دب کر موت واقع ہوئی تو شہادت کی فضیلت حاصل ہوتی ہے، اور اگر موت نہ بھی ہوئی تو ہونے والا ہر جانی مالی نقصان مومن کے حق میں حطِ سیئات اور رفعِ درجات کا ذریعہ بنتا ہے، یہی مطلب ہے رحمت ہونے کا، جب کہ کافر کو یہ بات حاصل نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴ر ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مسلم کمیونٹی ہال کے لیے گورنمنٹ کی امداد

سوال: ① ہماری مسجد کے سامنے مسجد ہی کی موقوفہ زمین ہے جو فی الحال کار

پارک کے طور پر استعمال ہوتی ہے نیچے کا حصہ تو آئندہ بھی کار پارک کے طور پر ہی استعمال ہوگا اس زمین پر مسلم کمیونٹی ہال کی تعمیر کے لیے گورنمنٹ گرانٹ کا وصول ممکن ہے گورنمنٹ گرانٹ جائز وناجائز حلال وحرام ذرائع سے مسلموں وغیر مسلموں سے حاصل کردہ آمدنی پر مشتمل ہوتی ہے اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ایسی گورنمنٹ گرانٹ سے مسلم کمیونٹی ہال کی تعمیر شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

(۲) مذکورہ زمین پر کار پارک کے لیے گورنمنٹ گرانٹ سے حاصل کردہ رقم سے احاطے کے لیے فینس (جالی) لگائی گئی ہے گورنمنٹ گرانٹ کا استعمال اگر ناجائز ہو تو اس فینس (جالی) کو کیا کیا جائے اس کا شرعی حل کیا ہے؟ امید ہے کہ بہ حوالہ کتب فقہ تشفی بخش جواب سے نواز کر ممنون فرمائیں گے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) (۲) گورنمنٹ امداد کے طور پر جو رقم دیتی ہے اس میں اگر حلال کی مقدار غالب ہے تو اس کا استعمال مسلم کمیونٹی ہال کی تعمیر میں درست ہے۔

ولا يجوز قبول هدية أمراء الجور؛ لأن الغالب في مالهم الحرمة إلا إذا علم أن أكثر ماله حلال بأن كان صاحب تجارة أو زرع فلا بأس به؛ لأن أموال الناس لا تخلو عن قليل حرام فالمعتبر الغالب. (فتاویٰ عالمگیری ۵/۳۴۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

مچھر کے لیے الیکٹرک جالی کا استعمال اور اس کی تجارت

سوال: ① کھانے پینے کی چیزیں بنانے والی فیکٹریوں میں اور اس کے علاوہ ہوٹلوں میں مکھی اور حشرات کو مارنے کے لیے ایک ایسی بتی رکھتے ہیں کہ جس کو دیکھ کر مکھی مچھر وغیرہ اس کے پاس آتے ہیں تو بتی کے چاروں طرف جو الیکٹرک (بجلی) تار ہوتا ہے اس سے ٹکرا کر مرجاتے ہیں تو کیا مکھیوں سے کھانے کی چیزوں کو بچانے کے لیے ایسا آلہ استعمال کرنا جائز ہے؟ اور کیا یہ کسی مخلوق کو آگ سے جلانے میں داخل ہوگا؟

② دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا ایسے آلہ کی تجارت کرنا جائز ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اس آلہ کا استعمال جائز ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۴/۲۴۶)

② جب استعمال جائز ہے تو اس کی تجارت بھی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ۴/ذی القعدہ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

گھر میں ٹی وی لانے پر قطع تعلق

سوال: ایک گھرانے میں چند بھائیوں میں سے ایک بھائی ٹی وی لے آیا اس پر ایک بہن نے اعتراض کیا کہ یہ ایمان بگاڑنے والی چیز گھر میں نہیں چاہیے اور قطع تعلق کرلیا اور دوسرے بھائی بہنوں کو بھی اس پر ابھارا انھوں نے بھی قطع تعلق کیا ماں نے بھی سختی سے منع کیا کہ ٹی وی نہیں چاہیے تو جواب دیا کہ میں بڑا ہوگیا ہوں مجھے سب اختیار ہے اور پھر کہتا ہے کہ میرے بچے دوسروں کے یہاں دیکھنے جاتے ہیں تو

دھتکارے جاتے ہیں اب شرعی اعتبار سے ان کے ساتھ ماں اور بھائی اور بہنوں کو کیسا برتاؤ کرنا چاہیے اور ٹی وی کا گھر میں رکھنا کیسا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ٹی وی کا خریدنا رکھنا دیکھنا ناجائز اور حرام ہے کوئی آدمی خواہ کتنا ہی بڑا ہو جائے اس کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اللہ کے احکام کی نافرمانی کرے اس لیے بھائی کا یہ کہنا کہ میں بڑا ہو گیا ہوں مجھے اختیار ہے درست نہیں اگر ان کے بچے دوسروں کے گھر ٹی وی دیکھنے جاتے ہیں اور دھتکارے جاتے ہیں تو یہ غیرت آئی کہ ٹی وی لا کر رکھ دیا اس ٹی وی کی وجہ سے کل کو آخرت میں جب خدا کے غضب کا سامنا ہوگا تو کیا کریں گے اس لیے اس کا علاج یہ نہیں ہے کہ گھر میں ٹی وی لا کر رکھا جائے بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے بچوں کو صحیح تعلیم وتربیت کی جائے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری پر ان کو ابھارا جائے اللہ کی نافرمانی پر کیسا سخت عذاب ہوگا یہ بتلا کر ان کو برائیوں سے باز رکھا جائے اس لیے بھائی کے گھر میں ٹی وی لانے پر پہلا کام تو یہ ہے کہ ان کو سمجھا کر ٹی وی کی اس لعنت سے گھر کو پاک کیا جائے اور اگر وہ اس کے لیے تیار نہ ہوں تو بہن نے جو رویہ اختیار کیا ہے وہ بالکل درست اور شریعت کے موافق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری ۱۸ر جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

کمانے کے لیے بیرون ملک جانا

سوال: اگر کوئی شخص اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر روزگار کے لیے ایک ملک سے

دوسرے ملک دو یا تین سال کے لیے جاتا ہے شریعت میں درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اپنی غیر حاضری کے دوران اہل وعیال کے نفقہ کا معقول نظم کیا ہے اور اس کے اس طرح غیر ملک میں رہنے سے اس کی بیوی کے مبتلائے معصیت ہونے کا اندیشہ نہیں ہے اور بیوی نے اس کی اجازت بھی دی ہے تو دو تین سال تک بھی غیر ملک میں قیام کی شرعاً گنجائش ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/شوال المکرم ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

درخت کے نیچے سونا

سوال: نوم تحت الاشجار درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

درست ہے، غزوۂ ذات الرقاع کے موقعہ پر نبی کریم ﷺ کا درخت کے نیچے سونا، اور اس حالت میں غورث بن الحارث کا آں حضرت ﷺ کی تلوار جو اسی درخت پر لٹکائی ہوئی تھی لے کر آپ ﷺ کے قتل کا ارادہ کرنا الخ معروف ہے۔ (بخاری شریف جلد ثانی: ۵۹۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۴/ذوالقعدہ ۱۴۱۳ھ

كتاب الفرائض

ترکہ میں میراث جاری ہوتی ہے

سوال: باپ اپنی حیاتی میں ہی سب تقسیم کرنا چاہتا ہے اور اپنے پاس کچھ نہیں رکھتا تو پھر وراثت کا سوال رہتا ہے یا نہیں؟ ترکہ تو ورثہ ہی میں تقسیم ہوتا ہے، اگر کسی باپ کے چھ بیٹے اور ایک بیٹی ہو اور ماں بھی حیات ہو اور اپنی زندگی میں ہی تقسیم کرنا چاہتا ہو تو اس صورت میں تقسیم کیسے کرے؟ اور اس کا کیا نام رہے گا؟ پھر میراث رہے گی یا نہیں؟ اور باپ نے اب تک بیٹی کو جو دیا ہے وہ شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آدمی اپنی وفات کے بعد جو مال اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے جس کو اصطلاح شرع میں ترکہ کہتے ہیں، وہ اگر حقوق العباد سے فارغ ہو تو اس میں وراثت جاری ہوگی، اب اگر کسی آدمی نے اپنی زندگی ہی میں اپنا مال تقسیم کر دیا اور بوقتِ وفات اس کی ملک میں کچھ بھی نہیں تو پھر وراثت جاری ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، زندگی میں اگر تقسیم کرنا چاہتا ہے تو بیٹا بیٹی میں تفریق نہ کرے بلکہ ہر ایک کو یکساں دے۔ اس صورت میں باپ بیٹی کو اب تک جو کچھ دے چکا ہے اس کو بھی شمار میں لے۔ (شامی) (فتاویٰ رحیمیہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

لڑکی اپنا حصہ معاف کر دے تو بھی معاف نہیں ہوتا

سوال: اگر وراثت میں کسی لڑکی کا حصہ ہے اگر وہ لڑکی خود معاف کر دیوے تو کیا وہ معاف ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وراثت کے ذریعہ جو ملکیت وارثوں کی طرف منتقل ہوتی ہے ملکیت جبری ہے، نہ اس میں وارثوں کا قبول کرنا شرط ہے، نہ اس کا اس پر راضی ہونا ضروری ہے بلکہ اگر وہ زبان سے بصراحت یوں بھی کہے کہ میں اپنا حصہ نہیں لیتا تب بھی وہ شرعاً اپنے حصہ کا مالک ہو چکا۔ (معارف القرآن ۲/ ۳۱۲)

جو لوگ بہنوں کو حصہ نہیں دیتے اور وہ یہ سمجھ کر بادلِ ناخواستہ شرماشرمی معاف کر دیتی ہے کہ ملنے والا تو ہے ہی نہیں تو کیوں بھائیوں سے برائی لے ایسی معافی شرعاً معافی نہیں ہوتی ان کا حق بھائیوں کے ذمہ واجب رہتا ہے، یہ میراث دبانے والے سخت گنہ گار ہیں، ان میں بعض بچیاں نابالغ بھی ہوتی ہیں ان کو حصہ نہ دینا دوہرا گناہ ہے، ایک گناہ وارث شرعی کے حصہ کو دبانے کا، اور دوسرا یتیم کے مال کو کھانے کا۔ (معارف القرآن ۲/ ۳۲۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

اپنے حصۂ میراث سے دستبردار ہو جانا

سوال: کوئی شخص اپنے مرحوم والد کی جائیداد میں سے اپنے ورثاء کا حصہ نہ دیتے ہوئے انہیں کچھ رقم دے کر اس بات پر راضی کر لے کہ تم تمہارا حصہ معاف کر دو، اور وہ اس پر راضی ہو جائیں، کیا اس طریقہ سے کرنا جائز ہے؟ اگر کیا تو میراث کی واپسی ضروری ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر دیگر ورثاء اپنا حصۂ میراث لینے پر قادر ہونے کے باوجود برضاء ورغبت کچھ رقم لے کر اپنے حصۂ میراث سے دستبردار ہوجاتے ہیں، تو یہ تخارج کی صورت ہے، اور جائز ہے، اس کی مختلف شقیں ہیں جو کتب فقہ میں مفصلاً موجود ہیں، جن صورتوں میں صلح درست ہوگئی ان صورتوں میں میراث کی واپسی کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

وحكمه وقوع البراء عن الدعوىٰ ووقوع الملك في مصالح عليه (درمختار مع الشامي ۸/۴۰۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ

اپنا حصہ وارثوں کو ہبہ کرنا

سوال: ایک لڑکی وراثت کی حق دار تھی اور وراثت کے تقسیم کرنے کے وقت اس کا حصہ اس کو دے دیا، پھر اس کے بعد اس نے واپس وارثوں کو ھبہ کر دیا تو کیا یہ ہبہ کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ مفصل اور مدلل جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جب وہ اپنا حصۂ میراث لے چکی تو اب اس کو اختیار ہے چاہے اپنے پاس رہنے دے، چاہے کسی کو فروخت کردے، چاہے کسی کو (جس میں دیگر ورثاء بھی ہیں) ہبہ کردے؛ البتہ ارکان وشرائط ہبہ کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ ہبہ صحیح نہ ہوگا۔

وشرائط صحتها فی الواهب: العقل، والبلوغ، والملك، فلا تصح هبة صغير ورقيق ولو مكاتبا وشرائط صحتها فی الموهوب: ان يكون

مقبوضا، غير مشاع، مميزا، غير مشغول وركنها: هو الايجاب، والقبول الخ (درمختار على هامش الشامى، ٤/ ٥٦٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بہنوں کو ان کا حقِ وراثت نہ دینا ظلم ہے

سوال: ہمارے علاقے میں وراثت میں بہن کو اس کا حصہ نہیں دیا جاتا اور نہ دیگر ورثاء کو حصہ ملتا ہے، والد کی وفات کے بعد تمام بھائی آپس میں ساری وراثت تقسیم کر لیتے ہیں، پہلے لوگ لاعلمی اور ناواقفیت کی وجہ سے ایسا کرتے تھے مگر اب علم ہونے کے باوجود بہنوں کو یہ حق نہیں دیا جاتا، خود ہماری بہنوں کو ہمارے بھائی ان کا حصہ نہیں دے رہے ہیں ان کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلياً ومسلماً

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ باپ کے ترکہ میں سے بیٹیوں کو حصۂ میراث دینے کے سلسلہ میں بھائیوں کی ناراضی سے متعلق پوچھے گئے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: میراث کی تقسیم کے بارے میں شرعی حکم نہ ماننا اور لڑکیوں کو ان کے حق سے محروم کرنا، اور ان کو ان کا حق نہ دینا بہت سخت گناہ کا کام ہے بلکہ حد کفر تک پہنچ جانے کا اندیشہ ہے، خدائے پاک نے اپنے کلام پاک میں وراثت کے قانون وقواعد بیان کرنے کے بعد صریح الفاظ میں فرمایا ہے: ﴿ومن يعص الله ورسوله ويتعد حدوده يدخله نارا خالدا فيها وله عذاب مهين﴾ (النساء) یعنی اور جو کوئی خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے گا اور

اس کی مقرر حدود سے تجاوز کرے گا تو اس کو جہنم میں ڈال دے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔ لہٰذا بہنوں کو ان کا حق دینا ضروری ہے، انکار کرنا رسم کفار کی اتباع ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۲/ ۲۵۴، ۲۵۵)

ایک اور جگہ ''کسی کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر لینا اور بہنوں کو میراث سے محروم کرنا'' کے عنوان کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں: مسلمانوں میں ایک مرض یہ بھی عام ہو رہا ہے کہ جہاں موقع ملا دوسرے کا مال دبا لیتے ہیں، صرف دنیوی مفاد پیشِ نظر رہتا ہے آخرت سے بے انتہا غفلت چھائی ہوئی ہے، کسی دوسرے کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں: حدیث میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے: کسی مسلمان کا مال اس کی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں۔
(مجمع الزوائد ۴/ ۱۷۶)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے منیٰ میں جو خطبہ دیا اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کسی شخص کے لیے اپنے بھائی کا کوئی مال حلال نہیں ہے سوائے اس مال کے جو اس نے خوش دلی سے دیا ہو۔ (ایضاً ۴/ ۱۷۱)

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کا کوئی مال ناحق طور پر لے؛ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے مسلمان کا مال مسلمان پر حرام کیا ہے، اور اس کو بھی حرام قرار دیا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی لاٹھی بھی اس کی خوش دلی کے بغیر لے۔ (ایضاً ۴/ ۱۷۱)

کسی سے کوئی چیز لینے یا اس کو استعمال کرنے کے لیے اس کا خوشی سے راضی

ہونا ضروری ہے؛ لہٰذا اگر کسی وقت حالات سے یہ معلوم ہو جائے کہ کسی شخص نے اپنی ملکیت استعمال کرنے کی اجازت کسی دباؤ کے تحت یا شرماشرمی میں دے دی ہے اور وہ دل سے اس پر راضی نہیں ہے، تو ایسی اجازت کو اجازت نہیں سمجھا جائے گا؛ بلکہ اس کا استعمال بھی دوسرے شخص کے لیے جائز نہیں ہوگا۔ (وصیۃ العرفان)

نیز یہ بھی ذہن میں رہے کہ لڑکیوں کو میراث سے محروم کرنا اور ان کو میراث میں جو حصہ ملتا ہے وہ لڑکوں کا آپس میں تقسیم کر لینا یہ بھی اسی حکم کے اندر داخل ہے، اور سخت حرام ہے اور بہنوں پر ظلم ہے، لڑکیوں (بہنوں) کا جو شرعی حق ہو (اور ان کے علاوہ جو بھی شرعی وارث ہوں) ان کا حق ادا کرنا انتہائی ضروری اور لازم ہے، میراث کی تقسیم قانون الٰہی ہے اس کے مطابق عمل کرنا بہت بڑی فضیلت اور اجر وثواب کا باعث ہے، اور اس کی خلاف ورزی پر دوزخ کی سخت وعید ہے، قرآن مجید میں میراث کے احکام بیان فرمانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللهِ وَمَن يُطِعِ اللهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِيْ مِن تَحْتِهَا الأَنْهارُ خَالِدِيْنَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ، وَمَن يَعْصِ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَاراً خَالِداً فِيْهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ (النساء:۱۳، ۱۴) ترجمہ: یہ سب احکام مذکورہ خداوندی ضابطے ہیں، اور جو شخص اللہ ورسول کی پوری اطاعت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو ایسی بہشتوں میں داخل کر دیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے، اور یہ بڑی کامیابی ہے، اور جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا نہ مانے گا، اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جاوے گا، اس کو آگ (جہنم) میں داخل کر دیں گے اس طور پر کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، اس کو ایسی سزا ہوگی

جس میں ذلت بھی ہے۔ لہٰذا بہنوں کا اور شرعی وارثوں کا حق ادا کر دینا چاہیے۔

مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمہ اللہ نے بڑی اچھی بات تحریر فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لڑکیوں کے حصہ کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے ﴿للذکر مثل حظ الانثیین﴾ (لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر ہے) فرمایا یعنی لڑکوں کا حصہ علیحدہ سے بتایا ہی نہیں؛ بلکہ لڑکیوں کا حصہ بتاتے ہوئے لڑکوں کا حصہ بتایا ہے۔

(وصیت اور میراث کے احکام ۴۳)

ہمارے زمانے کی جو حالت ہے کسی شاعر نے اس کا خوب نقشہ کھینچا ہے، اس کے چند اشعار یاد ہیں جو پیش کیے جاتے ہیں:

خبر حدیثوں میں جس کی آئی		وہی زمانہ اب آرہا ہے
زمین بھی تیور بدل رہی ہے		فلک بھی آنکھیں دکھا رہا ہے
پرائے مال کو اپنا سمجھیں		حرام کو بھی حلال سمجھیں
گناہ کرے اور کمال سمجھیں		بتاؤ دنیا میں کیا رہا ہے
بھائی کا بھائی رہے گا رہزن		حقیقی بیٹی ہے ماں کی دشمن
پسر نے چھوڑا پدر کا دامن		بہن کو بھائی ستا رہا ہے
ہاتھ باندھے کھڑے ہیں صف میں		سب اپنے اپنے خیال میں ہیں
امام مسجد سے کوئی پوچھے		نماز کس کو پڑھا رہا ہے

حاصل کلام اب دنیا میں ہر صاحب حق کا حق ادا کر کے معاملہ صاف کر لینا چاہیے، آخرت کا معاملہ بہت ہی سنگین ہے، وہاں حقوق کی ادائیگی نیکیوں سے کرائی جائے گی، نیکیاں نہ رہیں گی تو صاحب حق کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے، حدیث

میں ہے: عن ابی هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: من كانت له مظلمة لاخيه من عرضه او شی ء فليتحلله منه اليوم قبل ان لا يكون دينار ولادرهم، ان كان له عمل صالح اخذمنه بقدر مظلمته، وان لم يكن له حسنات اخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه رواه البخاری.

(مشكوٰة شريف: ٤٣٥ باب الظلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس پر اس کے بھائی کا کوئی حق اس کی آبروریزی یا مال سے متعلق ہو تو اسے چاہیے کہ آج ہی اس سے معافی حاصل کرے، اس سے پیشتر کہ قیامت کا دن آئے وہاں نہ اس کے پاس دینار ہوں گے نہ درہم، اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو نیکیاں لے لی جائیں گی، اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو صاحب حق کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گے۔

عن سعيد بن زيد قال: قال رسول الله ﷺ: من اخذ شبرا من الارض ظلماً فانه يطوقه يوم القيٰمة من سبع ارضين متفق عليه.

(مشكوٰة: ٢٥٤)

ترجمہ: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے کسی کی ظلماً ایک بالشت زمین لے لی تو قیامت کے دن اس ایک بالشت کے بقدر ساتوں زمین کا حصہ اس کے گلے میں طوق (ہار) بنا کر ڈال دیا جائے گا۔

کسی کا مال دبا لینے اور میراث نہ دینے پر بسا اوقات خاندان میں نااتفاقی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ قطع رحمی کا سبب بن جاتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۹/۳۸۶ تا ۳۹۰ بتغیر یسیر)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

میراث سے جہیز کا سامان وضع کرنا

سوال: ایک شخص کا انتقال ہوگیا، اس نے اپنے پیچھے زوجہ اور ایک لڑکی اور ایک لڑکا، کل تین وارث چھوڑے اور اس ورثہ میں سے لڑکی کو شادی میں جہیز دیا، تو اس ورثہ میں سے اس جہیز کی رقم باد کی جائے گی یا نہیں؟ اور برتن وغیرہ سب دیئے لڑکی کو جہیز میں، زوجہ لڑکا لڑکی ہر ایک کو کتنا کتنا حصہ تقسیم ہوگا؟ اور ورثہ میں دو مکان مرحوم نے چھوڑے ہیں اور کچھ برتن، جواب مفصل و مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

بعد ادائے حقوق متقدمہ علی الارث (مرنے والے کی تجہیز و تکفین متوسط طریقہ سے، اس کے بعد ادائے دیون اور پھر ایک تہائی میں سے وصیت شرعیہ ہو، تو اس کو نافذ کرنے کے بعد) مرنے والے کے کل ترکہ کو چوبیس سہام پر تقسیم کیا جائے گا: جن میں سے تین سہام اس کی بیوی کو، چودہ سہام لڑکے کو اور سات سہام اس کی لڑکی کو دیئے جائیں، اگر جہیز کا سامان دیتے وقت تصریح کردی گئی تھی کہ تمہارے حصۂ میراث میں سے دیا جارہا ہے، تو اس کو وضع کریں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

دین مہر ترکہ کو محیط ہو تو میراث تقسیم نہ ہوگی

سوال: غلام احمد کا انتقال ہوا، اس نے دو وارث زوجہ زہرہ بی بی اور بھتیجا غلام محی الدین چھوڑے، زوجہ زہرہ بی بی کی مہر ۵۰ مثقال باقی تھی اور جائداد فروخت کرنے پر ۲۰ ہزار روپئے حاصل ہوئے اور ۵۰ مثقال سونے کی قیمت ۵۰/ ہزار روپیہ سے بھی زائد ہوتی ہے، تو اس صورت میں بھتیجا غلام محی الدین کو فروخت کردہ جائداد کے ثمن و قیمت سے وراثت میں کیا ملے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ترکۂ میت میں سے اولاً اس کی تجہیز و تکفین کی جاوے گی، اس کے بعد اگر مال بچا ہے، تو اس میں سے اس کے دیون ادا کئے جائیں گے، اس کے بعد اگر مال بچا ہے، تو اس کے تہائی میں سے اس کی وصیت نافذ کی جاوے گی اور پھر باقی ترکہ ورثاء میں تقسیم ہوگا۔

تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير وتقصير، ثم تقضى ديونه من جميع مابقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث مابقي بعد الدَين، ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة الخ (سراجي:٣)

يبدأ من تركة الميت بمؤنة تجهيزه، ثم تقضى ديونه، ثم تنفذ وصاياه من ثلث الباقي، ثم يقسم الباقي بين الورثة.

(تحفة المحتاج بشرح المنهاج كتاب الفرائض ٦/٣٨٢تا٣٨٥)

صورتِ مسئولہ میں غلام احمد پر اس کی زوجہ زہرہ بی بی کا مہر باقی ہے، جس کی

مقدار پچاس مثقال ہے، اس لیے تقسیمِ وراثت سے پہلے غلام احمد کی متروکہ جائداد میں سے وہ ادا کیا جائے، جائداد فروخت کرنے سے جو ثمن حاصل ہوا، اس کی مقدار چوں کہ پچاس مثقال کی قیمت سے کم ہے، اس لیے وہ تمام ثمن مرحوم غلام احمد کی زوجہ کے دین مہر میں دے دی جاوے گی، پھر بھی دین مہر پورا ادا ہوتا نہیں ہے، اس لیے تقسیم میراث کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، لہٰذا مرحوم غلام احمد کے بھتیجے غلام محمد محی الدین کو کچھ بھی نہیں ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ ذوالقعدہ ۱۴۰۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

والد کے ساتھ رہنے سے ترکہ کا استحقاق

سوال: سعید کے چار لڑکے ہیں: زید، عمرو، بکر، خالد۔ انھوں نے اپنی زمین میں پانچ حصے کئے، چار حصے بھائیوں کے، اور ایک حصہ والد کا والد کی موجودگی میں، والد کا انتقال ہو گیا تو پھر تین بھائیوں نے کہا کہ والد کے حصہ کی زمین تقسیم ہوگی، اور چوتھا جس کے ساتھ والد صاحب رہا کرتے تھے وہ منع کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ وہ میری ہے؛ اس لیے کہ والد صاحب میرے ساتھ رہتے تھے، تو اب اس زمین کے متعلق کیا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

باپ نے اگر زمین کے پانچ حصے کر کے ان میں سے چار حصے اپنے چار بیٹوں کو دے کر قبضہ بھی کرا دیا تھا، تو ان میں سے ہر بیٹے کو جو حصہ دیا تھا وہ اس کا مالک ہے، پانچواں حصہ باپ نے اپنی ذات کے لیے رہنے دیا تھا؛ یہاں تک کہ باپ کا انتقال

ہو گیا تو اب اس حصہ میں تمام ورثاء کا حق ہے، کوئی ایک بیٹا تنہا اس کا مالک نہیں ہے، جس بیٹے کے ساتھ باپ رہتا تھا اس بیٹے کا یہ دعویٰ کہ میں اس کا مالک ہوں درست نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

آباء واجداد سے تقسیمِ میراث کے بغیر ملی ہوئی جائیداد کا حکم

سوال: ہمارے زمانے میں اکثر وبیشتر شریعت کے مطابق تقسیمِ میراث کا رواج نہیں ہے، تو اب تک ہمارے آباء واجداد کی طرف سے ہم تک جو جائداد پہنچی ہے، بلا شبہ وہ شرعی تقسیم کے مطابق نہیں پہنچی ہے؛ کیوں کہ اس میں بہنوں کا حصہ دینے کا معمول ہی نہیں ہے، تو ہمارے لیے اس جائیداد کا استعمال کرنا کیسا ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے، تو دریافت طلب یہ ہے کہ کیا اس کے جائز کرنے کا اب کوئی طریقہ بھی ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

ہر چند بعض فقہاء نے مطلقاً مال حرام کو وارث کے لیے حلال کہا ہے؛ لیکن یہ روایت صحیح نہیں ہے، مفتی بہ اور معتمد یہ ہے کہ ان کے لیے بھی حرام ہے، پس اگر اربابِ حقوق کو ورثا معلوم ہیں تو اگر بعینہ ان کی چیز محفوظ ہو تو اس کو، ورنہ اس کی قیمت واپس کر دیں، اور اگر معلوم نہیں تو اگر مال حرام متعین ومتمیز ہے تو اس کو مالک کی نیت سے تصدق کر دیں، اور اگر مخلوط غیر متمیز ہے تو اگر اس کی مقدار قیمت معلوم ہے اس کو تصدق کر دیں، ورنہ تخمینہ کر کے تصدق کر دے، ان شاء اللہ تعالیٰ آخرت میں مواخذہ نہ ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ ۴/۳۵۰)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ''ردالمحتار'' (۴/ ۱۴۶، ۱۴۷ باب البیع الفاسد مطبوعہ کراچی) میں بحث فرمائی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

کوئی وارث نابالغ ہو تو ترکہ کی کونسی اشیاء استعمال کر سکتے ہیں؟

سوال: میت اپنے پیچھے بالغ و نابالغ دونوں قسم کے ورثاء چھوڑ جائے، تو تقسیم میراث کے بغیر بالغ ورثاء کا نابالغ ورثاء کے ساتھ رہنا؛ نیز متروکہ جائیداد میں سے خود بھی کھانا؛ نیز اس کے بال بچے بھی ہیں وہ اسی متروکہ جائیداد کی آمدنی کو تصرف میں لا رہے ہیں، تو ان کا بھی ساتھ رہ کر کھانا جائز ہے؟ جب کہ اس میں نابالغ کا حصہ بھی ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جائیداد کی آمدنی، پیداوار کا حساب رکھنا ضروری ہے، ہر شخص اپنے حصہ کے موافق لے سکتا ہے، اس سے زائد لینا جائز نہیں، اور اس میں تعدی کرنا حرام ہے، اسی طرح اشیاءِ مستعملہ میں جو چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں ہر شخص کے استعمال کا اثر متفاوت ہے، یعنی بعض کے استعمال سے چیز کے خراب ہو جانے کا اندیشہ ہے، اور بعض سے نہیں، جیسے: سواری کا جانور، تو ایسی مشترکہ چیزوں کا استعمال بھی جائز نہیں؛ البتہ جو اشیاء ایسی نہیں بلکہ سب کا استعمال اس میں یکساں ہوتا ہے، مثلاً: مکان میں رہنا یا ایسے برتن وغیرہ کا استعمال کرنا جس کے استعمال کا اثر یکساں ہو اس میں گنجائش ہے، ہر شریک ان کو پورا پورا استعمال کرے یا اپنے حصہ کے برابر یا زائد، اصل حکم یہی ہے؛ لیکن اس کی حدود کی حفاظت اور پھر اس میں عدل کرنا چوں کہ عادۃً مشکل ہے؛

اس لیے اب یہی ضروری ہے کہ تقسیم کر کے ہر ایک کا حصہ ممتاز کر دیا جائے اور ہر شخص اپنے حصہ کو استعمال کرے۔ (فتاویٰ دار العلوم ۲/ ۸۲۴، ۸۲۵ مطبوعہ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

خدمت کرنے والوں کے لیے رکھے ہوئے حصہ میں میراث

سوال: ایک آدمی نے اپنی حیاتی میں مال کو اولاد میں تقسیم کر دیا، اور زمین کا کچھ حصہ اپنے پاس رکھا، اور کہہ دیا کہ میرے مرنے تک جو میری خدمت کرے وہ میرے مرنے کے بعد وہ زمین لے لے، تو کیا اس آدمی کے مرنے کے بعد وہ زمین جس نے خدمت کی ہے اس کو ملے گی یا اس میں وراثت جاری ہوگی اور اولاد میں تقسیم ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس میں وراثت جاری ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

مرحوم کے حقیقی بھائی کی موجودگی میں بھانجا میراث نہیں پاتا

سوال: میرے چھ ماموں تھے، جس میں سے ایک کا انتقال ہو چکا، باقی پانچ میں سے میرے ایک ماموں بچپن سے بہرے گونگے اور توتلے تھے، جو بچپن سے میرے نانا کے ساتھ میرے گھر رہتے تھے، میرے نانا نے ایک کھیت میری اماں کو لکھ دیا تھا، اور یہ ماموں کے نبھاؤ خرچ کے لیے تھا، نانا اور میری اماں کے انتقال کے بعد ہمارے ماموں کو ہم پالتے تھے، اور ہماری طرف سے خرچ کرتے تھے، اب ماموں کا بھی انتقال ہو چکا ہے، ماموں کے مرنے کے بعد ان کے پاس سے کچھ رقم

نکلی ہے، یہ رقم وہ مزدوری کرتے تھے، اس کی ان کے پاس جمع ہوتی تھی، یا لوگ چائے ناشتہ کے لیے دیتے تھے، اس کی جمع ہوتی تھی۔ سوال یہ ہے کہ ہمارے اب چار ماموں زندہ ہیں، تو مرحوم ماموں جان کی میراث ان کے بھائی یہ چار ماموں ہیں کیا ان کو ملے گی؟ اگر ملے گی تو ہر ایک کو کتنی ملے گی؟

بچپن سے یہ مرحوم ماموں ہمارے یہاں رہتے تھے، اور ہر طرح کا نان نفقہ، کپڑا، بیماری وغیرہ کا خرچ ہماری طرف سے ہوتا تھا؛ یہاں تک کہ مرنے کے بعد بھی تجہیز وتکفین ہمارے ہی گھر سے ہوئی، اور ہم تین بھائی اور تین بہنیں ہیں، بچی ہوئی رقم ۳۸۹۰/ روپے ہیں، تو یہ رقم ہم تمام بھائی بہنوں کو ملے گی؟ اگر ملے گی تو کتنا کتنا حصہ ہر ایک کو ملے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

وفات پانے والے ماموں کی ملکیت میں بوقتِ وفات جو کچھ تھا- چاہے وہ زمین ہو یا نقد- وہ سب ان کا ترکہ ہے، جس میں ان کے شرعی ورثاء کو حق وراثت ملتا ہے، اس لیے کہ وراثت ایک حق شرعی ہے، جو صرف انہی حضرات کو حاصل ہوتا ہے، جن کو شریعت نے وارث قرار دیا ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں مرحوم ماموں کے حقیقی بھائیوں کی موجودگی میں ان کے بھانجے، بھانجیوں یعنی آپ بھائیوں بہنوں کو کچھ نہیں ملے گا، اب اگر ان کے صرف چار بھائی ہی ہیں بیوی بچے ماں باپ بہن یا اور کوئی بھائی نہیں ہے تو تمام ترکہ کو چار سہام پر تقسیم فرما کر ہر ایک بھائی کو ایک ایک حصہ دے دیا جائے۔

ان کی تجہیز وتکفین اگر آپ نے اس نیت سے کی تھی کہ ان کے ترکہ میں سے ہم

وصول کرلیں گے، تو آپ وہ مصارف ان کے ترکہ میں سے وصول فرما سکتے ہیں، اور اگر اپنی طرف سے کی تھی تو وصول نہیں کر سکتے۔ (تنقیح الفتاوی الحامدیۃ ۲/۳۲۸۔ درر الحکام ۲/۱۳۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۸ھ

حرمتِ مصاہرت سے محرّمہ کی عدتِ وفات و میراث کا حکم

سوال: زید نے اپنی بیوی ہندہ کی بالغہ لڑکی کو ہندہ سمجھ کر شہوت سے پکڑ لیا، جس کے نتیجہ میں ہندہ زید پر حرام ہوگئی؛ مگر چوں کہ دونوں معمر اور صاحبِ اولاد تھے، اس لیے حسبِ معمول اپنے بچوں کے ساتھ ایک ہی مکان میں رہتے رہے؛ البتہ زن وشوئی کا تعلق ختم کر دیا، اور مثل بھائی بہن کے رہنے لگے، دو تین سال کے بعد زید کا انتقال ہوگیا، اب مندرجۂ ذیل باتیں دریافت طلب ہیں:

(۱) ہندہ زید متوفی کے ترکہ میں حصہ پائے گی یا نہیں؟

(۲) ہندہ پر عدت وفاتِ شوہر ہوگی یا نہیں؟

(۳) ہندہ زید کی حیات میں زید پر حرام ہو چکی تھی، تو کیا زید کے طلاق دیئے بغیر وہ دوسرا نکاح کر سکتی تھی؟ یعنی حرمت مصاہرت سے نکاح ہی ختم ہو جاتا ہے یا صرف میاں بیوی کی مباشرت ہی حرام ہوتی ہے اور نکاح باقی رہتا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

نفسِ حرمتِ مصاہرت سے نکاح مرتفع نہیں ہوتا؛ جب تک کہ شوہر زید اپنی بیوی ہندہ کو زبانی طور پر یوں نہ کہہ دے کہ میں تجھے چھوڑ چکا، یا حاکم مسلم دونوں کے

درمیان تفریق نہ کردے۔

درمختار میں ہے: وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر؛ إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة (درمختار) (قوله الا بعد المتاركة) اى وان مضى عليها سنون كما فى البزازية، وعبارة الحاوى: إلا بعد تفريق القاضى او بعد المتاركةاه وقد علمت ان النكاح لا يرتفع؛ بل يفسد وقد صرحوا فى النكاح الفاسد بان المتاركة لا تتحقق؛ إلا بالقول الخ (شامی۲/۳۰۷)

بنابریں:

① اگر زید نے ہندہ سے متارکت بالقول کرلی تھی، تو اسی وقت نکاح ختم ہو چکا تھا، ترکہ میں حصہ پانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اور اگر متارکت بالقول نہیں کی تھی، تب بھی ہندہ کو زید کے ترکہ میں سے حصہ نہیں ملے گا؛ اس لیے کہ اس صورت میں اگرچہ نکاح مرتفع نہیں ہوتا؛ لیکن فاسد ہو جاتا ہے، اور نکاح فاسد میں زوجین میں توارث نہیں ہوتا۔

شامی میں ہے: (قوله ويثبت النسب) اما الارث فلا يثبت فيه وكذا النكاح الموقوف عن ابى السعود (شامی۲/۳۸۲)

② اگر زید نے متارکت بالقول نہیں کی تھی، تو زید کے انتقال کے بعد ہندہ پر عدت واجب ہے؛ لیکن طلاق والی عدت واجب ہے، یعنی تین حیض۔

والمراد أن الموطوئة بنكاح فاسد سواء فارقها او مات عنها تجب عليها العدة التى هى عدة طلاق وهى ثلاث حيض، لا عدة موت وهى اربعة اشهر وعشر الخ (شامی ۲/۳۸۱)

③ زید کے متارکت بالقول یا حاکمِ مسلم کی تفریق کے بعد وہ دوسرا نکاح کرسکتی تھی، اس کے بغیر نہیں۔ (شامی ۲/۳۰۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/شوال ۱۴۰۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

دوران عدت شوہر کا انتقال ہو تو عورت کی میراث کا حکم

سوال: اگر کسی نے اپنی بیوی کو دو طلاق دی، مگر اچانک انتقال ہوا، اب اس کے مال میں بیوی کو حصہ ملے گا، بیوی وارث ہوگی یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اگر شوہر نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق رجعی دی، اور وہ عورت ابھی تک عدت میں تھی، اس درمیان شوہر کا انتقال ہوگیا، تو عورت شوہر کے مال میں وراثت کی حقدار ہے، اور اگر طلاق بائن دی ہے (چاہے ایک ہو یا دو) یا تین طلاق دی ہے تو عورت وارث نہیں ہوگی، إلا یہ کہ شوہر نے مرض الوفات میں طلاق دی ہو اور عورت کے عدت میں ہوتے ہوئے شوہر کا انتقال ہوا ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۵/ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مرحوم کے بیمہ کا روپیہ کہاں خرچ کرے؟

سوال: ایک لڑکے کا انتقال ہوگیا، اور اس کے ہاتھ کا جمع کردہ بیمہ پاس ہوا ہے، اور وہ بیمہ کا روپیہ کس کام میں خرچ کرسکتے ہیں؟ اور اس لڑکے کے ماں باپ بھائی

پیشہ والے ہیں، غریب نہیں، اور جس لڑکے کا انتقال ہوا ہے اس کی عورت اور ایک لڑکا ہے، اور اب بیمہ کا روپیہ کہاں خرچ کرنا جائز ہے؟ اور اس روپیہ کو کہاں خرچ کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

جان کا بیمہ ہر حالت میں حرام وناجائز ہے، اب جو رقم ملی ہے اس میں سے اتنی رقم جو اس نے بیمہ کمپنی کو ادا کی تھی، وہ تو اس کے ورثاء میں (بعد ادائے دین ونفاذ وصیت از ثلث) بقدر حصص تقسیم کر دی جائے، (یعنی کل چوبیس سہام بنا کر زوجہ کو تین، باپ کو چار، ماں کو چار اور لڑکے کو تیرہ سہام دیئے جائیں) اور جو رقم زائد ملی ہے، یعنی اس کی دی ہوئی رقم سے زائد رقم کا صدقہ کر دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

ترکہ میں بوقت وفات زمین کی جو حیثیت ہو اس کا اعتبار ہے

سوال: ایک شخص نے اپنے لڑکوں کو مشترک زمین ہبہ کی اور قبضہ بھی دے دیا، پھر کافی عرصہ کے بعد لڑکوں نے اس زمین کو N.A یعنی مکانات کے لیے منظور کروایا اور مکانات کے لیے اس میں پلاٹ بنوائے، اور باپ کا انتقال ہو گیا، اب سوال یہ ہے کہ پرانی زمین بغیر پلاٹ کے ترکہ میں شمار ہو کر وراثت جاری ہوگی یا موجود پلاٹ ترکہ میں شمار ہو کر وراثت جاری ہوگی؟ جب کہ بغیر پلاٹ اور پلاٹ کی زمین کی قیمت میں بہت ہی زیادہ فرق ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

مورث کی وفات کے وقت جو حیثیت تھی وہ برقرار رہے گی، یہ بات یاد رہے کہ

شرعاً وہی تقسیم درست ہوگی جو مبنی بر عدل ہو، یعنی: حسب استحقاق ہر حصہ دار کو حصہ ملے اور غبن فاحش نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳ / جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

اولاد کو عاق کرنے کی شرعی حیثیت

سوال: اپنی اولاد کو کن کن صورتوں میں عاق کر سکتے ہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

عرفاً جو عاق کیا جاتا ہے شرعاً اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اگر کسی نے اپنی اولاد میں سے کسی کو عاق کیا ہے تب بھی اس کی وفات کے بعد ترکہ میں وہ وراثت کی حقدار ہے، عاق کرنے کی وجہ سے وہ وراثت سے محرومی نہیں ہوتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بہن کے لیے وصیت یا حق رہائش

سوال: ① بکر کی کل کمائی ہوئی جائیداد ہے، بکر نے زندگی میں ایک وصیت نامہ لکھا جس میں یہ خلاصہ ہے کہ اس کی ایک بہن ہے جو کنواری اور غیر شادی شدہ ہے، اس کے نام اس شرط کے ساتھ ایک مکان کیا ہے کہ تاحیات وہ اس کی مالکہ ہے، اور بکر کی بہن کے انتقال کے بعد بکر کے جو تین لڑکے ہیں وہ مالک ہوں گے۔

اسٹامپ پر لکھنا ثبوت شرعی نہیں

سوال :(۲) بذات خود بکر کے نام ایک جگہ ہے، یہ جگہ بکر نے اپنے تیسرے نمبر کے لڑکے کے نام پر کی ہے، اس کا تذکرہ دس روپئے کے سرکاری اسٹامپ پر کیا ہے، اور یہ اسٹامپ اس لڑکے نے دوسرے وارثوں کو بکر کی وفات کے دوسال بعد بتایا ہے، اور اسی لڑکے کے پاس بکر کی بقیہ جائیداد بھی موجود ہے جو دیگر وارثوں کو نہیں دے رہا ہے، برائے کرم اس کا حکم بھی مرحمت فرمائیں۔

مطالبہ نہ کرنے کا عہد لینے سے حق وراثت ختم نہیں ہوتا

سوال :(۳) بکر نے اپنی زندگی میں تین لڑکوں میں سے ایک لڑکے کو پچاس ہزار روپئے نقد اور ایک گوڈاؤن دے دیا تھا (اس گوڈاؤن کی چھت تو بکر کی ہے لیکن جگہ سرکاری ہے) اور اس لڑکے سے یوں کہا تھا کہ تم کسی قسم کا مطالبہ اپنے دوسرے دونوں بھائیوں سے نہیں کروگے۔

(۴) بکر کی دو بیویاں ہیں، دونوں حیات ہیں، اور تین لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں اور ایک غیر شادی شدہ بہن ہے، اس طرح بکر کے نو (۹) وارث ہیں۔

(۵) بکر نے اپنی زندگی میں ایک لڑکے کو اس کا حق دے کر اسے کہا بعد میں تم اپنا حق مانگو گے نہیں، اب سوال یہ ہے کہ موجودہ جائیداد میں اس لڑکے کا حق ہے یا نہیں؟

جائداد میں ایک وارث کا تصرف

سوال :(۶) بکر کے ایک لڑکے نے باپ ہی کی جائیداد میں سے رقم لے کر اپنے

نام پر کچھ جائیداد خریدی اور اب خرید بھی رہا ہے، تو اس اعتبار سے بکر کے جائیداد میں ترقی ہو رہی ہے تو کیا اس تمام جائیداد میں دوسرے وارثوں کا حق لگے گا یا نہیں؟ اور واضح رہے کہ یہ تیسرے نمبر کا چھوٹا لڑکا ہے جس کے پاس والد کی تمام بقیہ جائیداد ہے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بکر نے بوقت وفات جو ترکہ چھوڑا ہے چاہے وہ جائیداد ہو، نقد رقم ہو، زیورات ہوں، گھر کا سامان ہو وغیرہ؛ ان تمام میں سے سب سے پہلے اس کی تجہیز وتکفین کے متوسط درجہ کے مصارف، اس کے بعد اس کے تمام دیون کی ادائیگی، اس کے بعد جو باقی رہے اس کے ایک تہائی میں سے اس کی وصیت شرعیہ کا نفاذ کر کے بقیہ تمام ترکہ کو ایک سو چوالیس (۱۴۴) مساوی سہام پر تقسیم فرما کر اس کی ایک زوجہ کو نو (۹) سہام، دوسری زوجہ کو نو (۹) سہام، اس کے پہلے بیٹے کو اٹھائیس (۲۸) سہام، دوسرے بیٹے کو اٹھائیس (۲۸) سہام، تیسرے بیٹے کو اٹھائیس (۲۸) سہام، اس کی پہلی بیٹی کو چودہ (۱۴) سہام، دوسری بیٹی کو چودہ (۱۴) سہام اور تیسری بیٹی کو چودہ (۱۴) سہام دیں گے، اس کی بہن کو بکر کے ترکہ میں حق وراثت کے طور پر کچھ نہ ملے گا۔

① بکر نے اپنی بہن کے حق میں جس مکان کی وصیت فرمائی ہے وہ اگر اس کے ترکہ کا ایک تہائی یا اس سے کم ہے تو وہ مکان اس کی بہن کو ملے گا، اب اگر وصیت نامہ میں اس کی صراحت موجود ہے کہ بہن اس کی مالک بنے گی تب تو وہ مکان بہن کو ملے گا اور اس کی وہ مالک ومختار ہے، اور اس کی وفات کے بعد اس بہن کے شرعی ورثاء اس کے حق دار ہیں، اور اگر ملکیت کی صراحت نہیں ہے؛ بلکہ صرف رہائش کی وصیت ہے تو بہن کو تاحیات صرف حق رہائش حاصل ہے، اور اس کی وفات کے بعد وہ مکان

بکر کے موجودہ تمام ورثاء کو ملے گا۔

(۲) اگر بکر نے اس جگہ کا مالک اس لڑکے کو اپنی زندگی میں بنا دیا ہے اور اس پر قبضہ بھی کرا دیا ہے تب تو وہ لڑکا اس جگہ کا مالک ہے، ورنہ خالی اسٹامپ پر لکھنے سے اس کی ملکیت نہیں ہوتی، صورت اولی میں یہ بھی ضروری ہے کہ ہبہ کے شرعی گواہ موجود ہوں، صرف اسٹامپ سے ثبوت نہیں ہوگا، وہ لڑکا بکر کی بقیہ جائیداد کے اوپر قابض ہے اور دوسرے ورثاء کو ان کا حق نہیں دیتا تو اس کا یہ فعل غصب اور گناہ عظیم ہے۔

(۳) اتنا کہنے سے اس لڑکے کا حق وراثت ختم نہیں ہوجاتا۔

(۴) سب کے حقوق وراثت کی تفصیل شروع جواب میں آچکی ہے۔

(۵) ہے۔

(۶) اس کے اس تصرف کو دیگر ورثاء منظور رکھیں تو دیگر ورثاء کا بھی اس میں اپنے سہام کے بقدر حق ہوگا، اور اگر وہ نامنظور کردیں تو لڑکے پر اتنی رقم کا ضمان واجب ہے، اور خریدی ہوئی جائیداد اس کی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۰/ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

تحریری وصیت کا حکم

سوال: ایک آدمی نے سترہ سال پہلے ایک تحریر لکھی کہ میرے مرنے کے بعد میری ملکیت مسجد یا مدرسہ کو وقف ہے؛ مگر تادم حیات اس پر اس کا قبضہ رہا، اور مرنے سے پہلے پہلے اس نے مستحقین کے حقوق کی ادائیگی بھی کردی، اب جو اس کی ملکیت ہے اس کی وصیت کے مطابق مدرسہ یا مسجد پر خرچ کی جائے؟ بہرحال جو بھی صورت

ہو واضح فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

چوں کہ وصیت صرف ایک تہائی میں نافذ ہوتی ہے؛ اس لیے مرتے وقت اس کی ملک جو جائیداد وغیرہ تھی اس کا تہائی وقف ہے اور باقی دو تہائی ورثاء کا حق ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی خانپوری، ۲۷/شوال ۱۴۱۶ھ

رضاعی بہن سے پیدا ہونے والا بچہ وارث ہے

سوال: عائشہ اور ایوب دونوں رضاعی بھائی بہن تھے، مال کی لالچ میں آکر ایوب کے باپ نے ایوب کی شادی عائشہ ہی سے کردی؛ نیز ایوب کے خسر کو ایک ہی لڑکی عائشہ تھی، اس کے بعد عائشہ کے بطن سے ایک بچہ زید پیدا ہوا، بعدہ عائشہ کا انتقال ہوگیا؛ نیز عائشہ کا انتقال عائشہ کے باپ کے مرنے کے بعد ہوا، جواب طلب امر ایں کہ زید ایوب کا بیٹا ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو ماں کی دولت بھی پائے گا یا صرف اپنے باپ ایوب کی دولت کا ہی حق دار ہوگا؟ نیز ایوب کو شوہری حصہ عائشہ کی جائیداد سے ملے گا یا نہیں؟ از روئے شرع جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

زید کا نسب ایوب سے ثابت ہوگا، اور زید کو اپنے باپ ایوب کے ترکہ میں سے حصۂ پدری اور ماں عائشہ کے ترکہ میں سے حصۂ پسری ملے گا؛ لیکن ایوب کو عائشہ کے ترکہ میں سے حصۂ شوہری نہیں ملے گا۔ (شامی تقریرات رافعی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی خانپوری

مرحوم شوہر کے ترکہ سے مہر لینا

سوال: ایک عورت کا شوہر اس عورت کو مہر ادا کرنے سے قبل انتقال فرما گیا، اور دراں حالیکہ اولاد بھی تھی تو عورت کو مہر ملنے کی کیا صورت ہے؟ اور اگر عورت اس مرد کے انتقال کے بعد معاف کرنا چاہے تو کیا معاف ہوسکتا ہے یا شوہر مجرم ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شوہر کے ترکہ میں سے اس پر واجب دوسرے دیون کی طرح مہر بھی پہلے نکال کر عورت کو دلائی جائے، عورت معاف کرنا چاہے تو معاف بھی کرسکتی ہے، اگر شوہر نے ترکہ نہیں چھوڑا ہے جس سے مہر ادا ہوسکے تو وہ مجرم کہلائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی خانپوری

شرکاء میں سے ایک کا انتقال ہو تو اس کی اولاد کو کتنا ترکہ ملے گا؟

سوال: عمر کے چار بھائیوں میں کئی سال سے مشترکہ کاروبار چل رہا تھا اور ان کا مشترکہ کاروبار میں کوئی فی صد طے نہیں تھا، سال کے آخر میں چاروں بھائی خرچ کی ایک مقدار رقم لے لیتے تھے، پھر ان میں سے ایک بھائی کا انتقال ہوگیا تو کیا اس مرحوم بھائی کی اولاد کو ترکہ ملے گا؟ اور کتنا ملے گا؟ اگر ان چاروں میں سرمایہ باعتبارِ فیصد متعین ہو تو کیا حکم ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس مشترکہ کاروبار میں بھائیوں کی شرکت کی نوعیت کیا تھی؟ اس کی تفصیل معلوم ہونے پر جواب دیا جاسکتا ہے، مرحوم بھائی کا بھی جب اس مشترکہ کاروبار میں حصہ تھا

تو ظاہر ہے اس کے مرنے کے بعد اس کے حصہ کے بقدر اس کی اولاد کو ترکہ ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ ربیع الآخر ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی عفی عنہ

مورث کے انتقال کے بعد اضافہ شدہ کاروبار میں حق میراث

سوال: ۱۹۶۹ء میں تقریباً ایک صاحب کے پاس چالیس بھینسوں کے دودھ کا کاروبار تھا اور اس کے ساتھ کچھ مکان اور کھیت وغیرہ تھے جو وصیت نامہ میں مذکور ہیں، اس کے بعد مورث نے ۱۹۶۹ء میں اپنے ایک لڑکے کو بمبئی کا کاروبار سونپا، اور ایک لڑکے کو گاؤں میں کاروبار سونپا، اور تیسرا لڑکا گاؤں میں کھیت وغیرہ میں کام کرتا تھا، اور اس وقت مورث نے بمبئی چھوڑ دیا تھا، گاؤں میں تھوڑا بہت کام کر لیتے تھے، اب بمبئی والے لڑکے نے کاروبار میں یعنی بھینسوں میں اضافہ کیا، اور دوسرا کاروبار بھی بنایا جس میں چالیس سے زیادہ بھینس ہوئی، پھر تقریباً ۲۵/ سال کے بعد مورث ایک وصیت نامہ لکھ رہا ہے جس میں مورث اپنا پرانا کاروبار جو ۲۵/ سال پہلے ۱۹۶۹ء میں تھا اس کو گنا رہا ہے کہ اتنا میرا ہے، اس کے علاوہ بھینسوں میں بڑھوتری اور دوسرا کاروبار کرنے کے لیے میری ملک میں سے میرے دو لڑکوں نے جو رقم لی ہے میں اس کو معاف کرتا ہوں، اور وصیت نامہ کے تقریباً ایک سال بعد مورث کا انتقال ہو گیا، اب سوال یہ ہے کہ وراثت صرف ۲۵/ سال والے پرانے کاروبار میں جس کا مورث اقرار کر رہا ہے اسی میں نافذ ہوگی یا ۲۵/ سال کے درمیان بڑھنے والی ساری

ملک میں نافذ ہوگی، دو بھائی کہہ رہے ہیں کہ وصیت نامہ کے مطابق میراث تقسیم ہوگی، اور تیسرا بھائی کہہ رہا ہے کہ ۲۵ / سال کے درمیان بڑھنے والی ساری جائیداد میں میراث تقسیم ہوگی، اس میں میرا بھی حق شرعی نکلتا ہے، براہ کرم آپ شریعت کے موافق جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

پچیس سال میں کاروبار میں جو اضافہ ہوا ہے وہ دو قسم کا ہے: ایک تو وہ جو مورث نے اپنے دونوں بیٹوں کو کاروبار کے لیے دیا تھا، اس میں سے براہِ راست پیدا ہوا مثلاً بھینسوں سے بچے پیدا ہوئے یا ان کا دودھ فروخت کیا گیا، اس کی جو رقم آئی اور اب تک وہ محفوظ ہے، یہ اضافہ تو چوں کہ مورث کی مملوکہ چیز سے پیدا ہوا ہے اس لیے مورث کا ہے، اور مورث نے اس کو معاف بھی نہیں کیا ہے، اور اگر بالفرض معاف بھی کیا ہوتا تو چوں کہ یہ حق عین میں ہے، جو معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا، اس لیے اس اضافہ میں تو تمام ورثاء کو حق وراثت حاصل ہے۔ دوسرا اضافہ وہ ہے جو دونوں بیٹوں نے کاروبار سے حاصل شدہ رقم سے اپنی نیت سے خریدا، اس صورت میں چوں کہ انہوں نے اپنے لیے خریدا تو وہ اس کے مالک ہیں، اور جس رقم سے خریدا وہ باپ کی تھی جسے انہوں نے اپنے لیے صرف کیا تو وہ رقم ان پر دین ہوئی جس کو باپ نے معاف کر دیا ہے، اور چوں کہ دین ذمہ پر ہوتا ہے جو معاف کرنے سے معاف ہو جاتا ہے اس لیے اب اس رقم کا مطالبہ بھی ان پر نہیں ہے، اور اس اضافہ میں ورثاء کا حق نہیں ہے؛ البتہ یہ یاد رہے کہ باپ کی اس تحریر کے بعد انہوں نے کاروبار سے حاصل شدہ رقم سے جو کچھ خریدا ہے تو وہ اضافہ تو ان کی ملک ہے، لیکن جو رقم صَرف

کی، اس کی ادائیگی ان پر ہوگی اس لیے کہ باپ نے جس روز معاف کیا اس وقت یہ دین ان پر نہیں تھا، بعد میں ان کے ذمہ پر آیا اور اس کے بعد باپ نے معاف نہیں کیا ہے، اور دین ذمہ میں واجب ہونے سے قبل وہ معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی خانپوری

باپ کے پیسوں سے کیے ہوئے کاروبار میں میراث کا حکم

سوال: ایک صاحب نے اپنے ایک لڑکے کو پچاس ہزار روپے دیے، اس نیت پر کہ اس سے دکان بنائی جائے، پھر اس لڑکے نے دکان بنائی، پھر اس میں سے منافع کر کے اس دکان کے اوپر رہنے کے لیے گھر بھی بنایا، پھر اس گھر اور دکان بنانے میں کچھ رقم بطور قرض کے اپنے دوستوں کے پاس سے بھی لی، پھر اس کے بعد اس لڑکے کے والدین اس مکان میں رہنے کے لیے گئے، لیکن ابھی کچھ کام باقی تھا، اس لیے ان کے والدین اپنے کسی رشتہ دار کے وہاں ٹھہرے، پھر ابھی اس مکان میں رہنے بھی نہ پائے تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ پھر جب وراثت کا مسئلہ آیا تو وراثت میں دوسرے مال کے ساتھ میں اس دکان ومکان کی بھی وراثت نکالی، یعنی اس کو بھی شمار کیا، (وضاحت اس بات کی کرتا ہوں کہ اس لڑکے نے جس نے دکان ومکان کا کام کرایا تھا، اس نے اس دکان ومکان کو شمار کیا) پھر اس نے وارث داروں (بہنوں) کو حصہ بھی دے دیا، اس قصہ کو تقریباً چار سال ہوگئے، اور اس لڑکے نے خود اپنے ہاتھ سے دیے، اس کے بعد آج سے چھ سال پہلے اس دکان ومکان کی تقسیم اپنے ہاتھ سے کی، یعنی ایک معتبر

آدمی کے سامنے رکھ کر اس دکان ومکان میں میرے بھائیوں کا کتنا حق ہے؟ تو اس صاحب نے بھائیوں کے درمیان تقسیم کی، اور اب جب مسئلہ آیا کاروبار کے تقسیم کرنے کا، تو وہ لڑکا جس نے دکان ومکان بنائی تھی، وہ یوں کہہ رہا ہے کہ دکان ومکان میرا ذاتی ہے، اس میں بھائیوں کا حق نہیں ہے۔ اور جو والد صاحب نے رقم دی تھی، اس کو میں نے واپس کر دیا ہے، اس لیے دکان ومکان میرا ذاتی ہے، یہ مسئلہ بڑھا تو گاؤں کے چند احبابوں کے سامنے گیا، اس نے دو گواہ پیش کیے اور ان دونوں گواہوں نے کہا کہ جب تمہارے والد صاحب بمبئی جانے لگے تو ہم نے پوچھا کہ بمبئی جا کر کہاں رہوں گے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ محبوب کے گھر، یعنی اس لڑکے کے گھر جس نے دکان ومکان بنائی تھی، اب والد کا انتقال ہوئے تقریباً چودہ سال ہو گئے، اور اس لڑکے نے وراثت داروں کو اپنے ہاتھ سے تقسیم کیا اور کہہ رہا ہے کہ میں نے غلطی سے اس دکان ومکان کو گنوایا تھا۔ تو اب دکان ومکان میں دوسرے بھائیوں کا حق ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے: (سئل) في ابن كبير له عيال وكسب مات أبوه عنه وعن ورثة يدعون أن ماحصله من كسب فخلف عن أبيهم، ويريدون إدخاله في التركة "فهل حيث كان له كسب مستقل" يختص بما أنشأه من كسبه، وليس للورثة مقاسمته في ذلك، ولا إدخاله في التركة (الجواب) نعم (سئل) في رجل ساكن في بيت أبيه في جملة عياله وصنعتهما متحدة يعينه بتعاطي أموره ولا يعرف

للا بن مال سابق فاجتمع مال بكسبه، ويريد أن يختص به، بدون وجه شرعى فهل جميع ما حصله بكسبه ملك لأبيه ولا شئ له فيه (الجواب) نعم، جميع ما حصله بكسبه ملك لأبيه، لا شئ له فيه، حيث كان من جملة عياله وا لمعين له في أ موره وأ حواله و صنعتهما متحدة ولا يعرف للا بن مال سابق لأن الا بن إذا كان في عيال الأب يكون معينا له فيما يصنع كما صرح ذ لك في الخلا صة والبزازية ومجمع الفتاوى وأفتى بذلك ا لخير ا لرملي إذا تنازع الرجل مع بنيه الخمسة وهم في دار أبيهم كلهم في عياله فقال البنون المتاع متاعنا والأب يدعيه لنفسه، فإن المتاع يكون للأب وللبنين الثياب التي عليهم، لاغير الخ من القول لمن في كتاب الدعوى (أقول) وفي الفتاوى الخيرية سئل في ابن كبير ذى زوجة وعيال له كسب مستقل حصل بسببه أموالاً ومات هل هى لوالده خاصة أم تقسم بين ورثته أجاب هى للا بن تقسم بين ورثته على فرائض الله تعالى حيث كان له كسب مستقل بنفسه وأما قول علمائنا أب وابن يكتسبان في صنعة واحدة ولم يكن لهما شئ ثم اجتمع لهما مال يكون كله للأب إذا كان الا بن في عياله فهو مشروط كما يعلم من عباراتهم بشروط منها ا تحاد الصنعة، وعدم مال سابق لهما، وكون الا بن في عيال أبيه فإذا عدم واحد منهما لا يكون كسب الا بن للأب وانظر إلى ما عللوا به المسئلة من قولهم لأن الا بن إذا كان في عيال الأب يكون معينا له فيما يصنع، فمدار الحكم على ثبوت كونه معينا له فيه فاعلم ذلك اهـ وأ جاب ا لخير ا لرملي عن سوال ا خر بقوله حيث كان من جملة

عياله والمعين له في أموره وأحواله فجميع ما حصله بكده وتعبه فهو ملك خاص لأبيه لا شئ له فيه حيث لم يكن له مال ولو اجتمع له بالكسب جملة أموال لأنه في ذلك لأبيه معين حتى لو غرس شجرة في هذه الحالة فهى لأبيه نص عليه علمائنا رحمهم الله تعالى، فلا يجرى فيه إرث عنه، لكونه ليس من متروكاته اهـ وأجاب ايضاً عن سوال آخر بقوله إن ثبت كون ابنه وأخويه عائلة عليه وأمرهم في جميع ما يفعلونه إليه وهم معينون له فالمال كله له، والقول قوله فيما لديه بيمينه، وليتق الله فالجزاء أمامه وبين يديه وإن لم يكونوا بهذا الوصف بل كان كل مستقلاً بنفسه واشتركوا في الأعمال فهو بين الأربعة سوية بلا إشكال وإن كان ابنه فقط هو المعين والإخوة الثلاثة بأنفسهم مستقلين فهو بينهم أثلاثاً بيقين، والحكم دائر مع علته بإجماع أهل الدين الحاملين لحكمته (تنقيح الفتاوى الحامدية ۲/۱۸،۱۷)

کوئی کاروبار باپ نے شروع اور قائم کیا ہو اس کے بعد اس کاروبار میں اس کا وہ بیٹا جو باپ کے ساتھ ہی ایک مکان میں رہتا ہے اور کھاتا پیتا ہے، بحیثیت مددگار باپ کے ساتھ کام کرنے لگے، اس صورت میں کاروبار کی ملکیت باپ کی شمار ہوتی ہے، آپ نے جو سوال کیا ہے اس میں وہ صورت نہیں؛ بلکہ شروع ہی سے دکان بیٹے نے ہی قائم کی اور آخر تک وہی اس کو چلاتا رہا، بس اتنی بات ہے کہ اس دکان کو قائم کرنے کے لیے سرمایہ باپ نے دیا تھا، مگر اس کی وجہ سے باپ اس دکان کا مالک نہیں قرار دیا جاسکتا، کتب فقہ میں اس کی کوئی نظیر احقر کی نظر سے نہیں گزری، اب سوال رہ جاتا ہے ان پچاس ہزار روپیوں کا جو باپ نے بیٹے کو دیے تھے، اگر یہ رقم

بطور تبرع وتعاون دی تھی تو بیٹے پر اس کی واپسی نہیں اور اگر بطور قرض دی تھی تو اس کی ادائیگی بیٹے پر ضروری ہے اور وہ رقم باپ کے ترکہ کا ایک حصہ شمار ہو کر تمام ورثاء میں ان کے وراثت کے بقدر تقسیم ہوگی (جیسا کہ سوال میں مذکور ہے، اگر یہ بیٹا وہ رقم باپ کو ادا کر چکا ہے تو اب دوبارہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں اور اس صورت میں مسئلہ اور زیادہ صاف ہو جاتا ہے کہ اس دکان اور مکان پر باپ کا کوئی حق نہیں)۔

تقسیم وراثت کے موقع پر لڑکے کا اس دکان اور مکان کو یہ سمجھ کر شمار کرنا کہ یہ باپ کے ترکہ کا ایک حصہ ہے اور بعد میں مسئلہ کی حقیقت معلوم ہونے پر اس کو اپنا ذاتی بتلانا دونوں میں کوئی منافات نہیں، اصلی مسئلہ کے اعتبار سے بیٹے کے لیے ان دو گواہوں کو بھی پیش کرنے کی ضرورت نہیں، جو اس نے پیش کیے ہیں، اس لیے کہ فقہاء نے اس جیسے کاروبار میں باپ کی ملکیت ہونے کے لیے جو شرائط پیش کیے ہیں، وہ صورت مسئولہ میں نہیں پائے جاتے ہیں، اس لیے لامحالہ اس دکان اور مکان کا مالک تنہا وہ بیٹا ہے، دوسرے ورثاء کا اس میں کوئی حق نہیں، البتہ احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ پچاس ہزار کی رقم وہ ترکہ میں شامل کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری ۲۴/ جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

شوہر کے کاروبار میں بیوی کا تعاون اور میراث کا حکم

سوال: بات یہ ہے کہ ایک عورت کو شادی کئے ہوئے اٹھائیس سال ہوئے، ابتدائی ۹/ سال عورت گھر میں رہی، کام نہیں کیا اس درمیان اس کے شوہر نے خوب

محنت کر کے ستر ہزار ڈالر جمع کیے ان روپیوں کو تجارت میں لگائے۔ اس کے بعد سے آخری انیس سال سے عورت بھی ہفتہ بھر اس کاروبار کے چلانے میں شوہر کے شانہ بشانہ ساتھ میں کام کر رہی ہے، آج ان کے پاس دو دکان و دو مکان ہیں اولاد میں چار بیٹے ہیں، ہر ایک بالغ ہے ان میں سے دو پڑھ لکھ کر خود کمانے کے قابل ہو گئے ہیں، دونوں کو اعلیٰ قسم کے عہدہ کی نوکری ہے، اور دو کی تعلیم جاری ہے، ایک شادی شدہ ہے، دوسرے کی فروری میں شادی ہونے والی ہے، اور تمام مل کر ایک ساتھ رہتے ہیں، آج تک میاں بیوی نے جو کچھ کمایا وہ جائداد ہے، جو ما قبل میں مذکور ہوئی، جو کہ مشترکہ ہے، تمام کے درمیان کسی کے پاس ایک پائی بھی الگ سے نہیں ہے، فقط عورت کے پاس دس بارہ ہزار کے زیورات ہیں، اسلامی قانون و شریعت کے مطابق شوہر کے انتقال کے بعد عورت کو دو آنہ حصہ ملتا ہے، اور باقی جائداد اولاد اور ورثاء میں تقسیم کی جاتی ہے، کسی قسم کی تکرار اور جھگڑا کے بغیر اس بات کو منظور و تسلیم کیا جاتا ہے، عورت ایک نیک خاتون ہے، اس کا اولاد اور ورثاء کے حق کو دبانے اور چھین لینے کا کوئی برا ارادہ نہیں ہے، عورت فقط یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ خدانخواستہ اگر شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس صورت میں کیا یہ ممکن ہے اور جائز ہے کہ عورت ان دکانوں اور مکانوں کو تا دمِ حیات اپنے قبضہ میں رکھ کر اس کے ذریعہ سے اپنا گزارہ کر سکے، جب عورت بھی زندہ نہ رہے اس کے بعد وہ جائداد اولاد و ورثاء میں تقسیم کی جائے؟ اگر یہ ممکن نہ ہو تو اس کے علاوہ کوئی ایسی صورت ہے کہ عورت جب تک زندہ رہے، اس جائداد کو اپنے قبضہ میں رکھ سکے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

صورتِ مسئولہ میں شوہر نے محنت کر کے ستر ہزار ڈالر جمع کئے اور اس رقم کو تجارت میں لگایا اس کے بعد ۱۹ رسال تک عورت بھی کاروبار چلانے میں شوہر کے شانہ بہ شانہ کام کرتی رہی، اور آج ان کے پاس دو دکان اور دو مکان ہیں، شرعی مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے خالص اپنی رقم سے کاروبار شروع کیا اور بیوی کاروبار میں اس کی مدد گار رہی تو اس سے حاصل شدہ تمام منافع کا مالک شوہر ہی ہے۔

تنقیح الفتاوی الحامدیۃ میں ہے: ذكر شيخ الإسلام جلال الدين في أب وابن اكتسبا ولم يكن لهما مال فاجتمع لهما من الكسب أموال الكل للأب لأن الا بن إذا كان في عياله فهو معين له، ألا ترى أنه لو غرس شجر فهى للأب وكذا الحكم في الزوجين اهـ (۹۵۱)

اس لیے صورت مسئولہ میں شوہر کے انتقال پر یہ تمام جائیداد شرعی قانون کے مطابق خود بخود ورثاء کی ملکیت میں منتقل ہو جاتی ہے گویا ورثاء اس کے مالک بن جاتے ہیں، اور ورثاء میں مذکورۃ الصدر بیوی کے علاوہ چار بیٹے ہیں، اس لیے بیوی کو ترکہ کا آٹھواں حصہ دے کر باقی ترکہ چاروں بیٹوں میں مساوی طور پر چار حصوں میں تقسیم ہوگا، چوں کہ بیٹے بطور وراثت اپنے حصہ کے مالک بن چکے ہیں، اس لیے بیوی یعنی ان بیٹوں کی ماں ساری جائیداد کو بیٹوں کی مرضی کے بغیر اپنے قبضہ اور تصرف میں رکھنا چاہے تو نہیں رکھ سکتی، البتہ اگر یہ خطرہ ہو کہ شوہر کے انتقال کے بعد لڑکے اپنے حصہ کا مطالبہ کر کے اس پر الگ سے قابض ہو جائیں گے اور بیوی کے حصہ میں جو آٹھواں حصہ آتا ہے وہ اس کی ضرورتوں کے لیے کافی نہ ہونے کی وجہ سے اس کو

مشکلات کا سامنا ہوگا، تو اس صورت میں شوہر اپنی زندگی ہی میں دو مکانوں میں سے ایک مکان اور دو دکانوں میں سے ایک دکان بطور ہبہ بیوی کو دے کر اس کے قبضہ اور تصرف میں دے دے، اس صورت میں وہ ان دونوں چیزوں کی مالک بن جائے گی اور شوہر کے انتقال کے بعد اس کے لیے کوئی دشواری نہ رہے گی، نیز چوں کہ اس جائیداد کے حاصل کرنے میں بیوی نے بھی بطور تعاون برابر کا حصہ لیا، ہے اور خود اس عورت کے انتقال کے بعد وہی چار بیٹے ورثاء میں ہیں اس لیے شرعی طور پر بھی شوہر کے لیے آدھی جائیداد ہبہ کرنے میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

أملاہ: العبد احمد خانپوری، ار جمادی الاولی ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بیٹیوں، نواسوں اور بیوی کے لیے وصیت وھبہ

سوال: (۱) ایک شخص عبد الغنی نے مرنے سے پہلے اپنا ایک مکان اپنے دو نواسوں کے نام وصیت کر دیا؛ نیز مذکورہ شخص کے ترکہ میں ۴۰/ ہزار تھے، اس کی بابت وصیت یہ کی کہ ۱۰-۱۰/ ہزار دونوں بیٹیوں کے، اور ۱۰/ ہزار نواسہ، اور ۱۰/ ہزار بیوی کے۔ مرحوم شخص کی صرف دو لڑکیاں ہیں: ان میں سے ایک صاحب اولاد ہے، دوسری کی اولاد نہیں، عبد الغنی کی بیوی نے شوہر کے مرنے کے بعد شوہر کی وصیت میں تغیر کر دیا اور وہ مکان مرنے والے کی لڑکیوں کے نام کر دیا تو وصیت میں تغیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور لڑکیوں کی موجودگی میں نواسوں کا حق ہے یا نہیں؟

(۲) مرحوم شخص کے پاس دوسرا مکان جس میں ان کا نواسہ - جسے انہوں نے پالا

تھا وہ- رہتا تھا، اسے گھر خالی کرنے کو کہتے ہیں تو وہ خالی نہیں کرتا ہے، اور کہتے ہیں کہ اس کی رقم دید و تو وہ بھی نہیں دیتا تو شریعت اس کے بارے میں کیا کہتی ہے؟ نیز وہ ۴۰/ ہزار کی تقسیم جس کی مرحوم نے وصیت کی تھی کہ کس کس کو دیا جائے؟ تو وہ بیوی کے مرنے کے بعد ہوگی تو بیوی کے ۱۰/ ہزار پھر ترکہ میں بچے؛ نیز ایک مکان جس کی بابت وصیت کر گئے تھے نواسوں کے نام اور دوسرا مکان۔ یہ کل ترکہ ہے مرحوم کا، آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں وراثت اور وصیت دونوں کے متعلق جواب عنایت فرماویں، مہربانی ہوگی۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① اس مرنے والے نے جو کل ترکہ چھوڑا ہے اس کی تجہیز وتکفین کے مصارف اور اس کے تمام قرضوں کی ادائیگی کے بعد جو ترکہ بچ جائے اگر وصیت کیا ہوا وہ مکان اس بچے ہوئے ترکہ کے ایک تہائی میں آتا ہے تو اس کی وصیت کے مطابق وہ مکان اس کے دونوں نواسوں کو- جن کے لیے وصیت کی ہے- ملے گا، اور اگر ایک تہائی سے زیادہ ہے تو ایک تہائی میں جتنا مکان آتا ہے اتنا مکان ملے گا، باقی ورثاء کا حق ہے، چالیس ہزار نقد رقم کے سلسلہ میں جو وصیت بیٹیوں اور بیوی کے حق میں کی ہے وہ درست نہیں ہے؛ اس لیے کہ یہ تینوں اس کے شرعی ورثاء ہیں اور وارث کے لیے وصیت درست نہیں ہے۔

اس کے تمام ورثاء کی تفصیل بتلا کر وراثت کی تقسیم معلوم فرمالیں، جب اس کی نرینہ اولاد نہیں ہے تو اس کے بھائی یا بھائی کے لڑکے یا چچا وغیرہ کو حق وراثت حاصل ہوتا ہے، اس لیے اس کی تفصیل بھی بتلائی جائے۔

(۲) مرحوم کا نواسہ وارث نہیں ہے، اگر مرحوم نے وہ مکان اس نواسہ کو اپنی زندگی میں ہبہ کر کے حوالہ کر دیا تھا تو اب وہ نواسہ کا ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو نواسہ کا اس پر قابض ہونا درست نہیں ہے، غصب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی خانپوری

مرحومہ بیوی کے زیورات میں شوہر کا حصہ

سوال: اگر کسی ماں یا باپ نے لڑکی کو سونا یا چاندی دیا بوقتِ نکاح، اب لڑکی کا کچھ مہینوں کے بعد انتقال ہو گیا تو یہ مال جو والدین نے دیا ہے اس میں سے شوہر کا کتنا حصہ لگے گا اور یہ حصہ کیوں لگا، حالاں کہ مال تو والدین کا ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بوقتِ نکاح جو زیورات والدین کی طرف سے لڑکی کو دیئے جاتے ہیں وہ لڑکی کی ملک ہیں، اب جب کہ لڑکی کا انتقال ہو گیا تو اس کے دوسرے مال کی طرح یہ زیورات بھی ترکہ میں شامل ہیں اور ترکہ کے حقدار اس کے ورثاء ہیں، اور ورثاء میں شوہر بھی ہے، اب اگر اس لڑکی کی کوئی اولاد نہیں ہے تو شوہر کو نصف حصہ ملے گا اور اگر اولاد ہے تو چوتھائی ملے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی خانپوری

موروثی کرایہ کے فلیٹ میں میراث

سوال: (۱) زید کے نانا نے بمبئی میں ایک بڑا فلیٹ اس زمانے میں کرایہ پر لیا تھا جب کہ وہاں پگڑی کا رواج نہیں تھا، اس میں ایک حصہ میں آفس چلائی اور بڑے

حصے میں رہائش کی، ان کے بعد زید کے والد، چچا اور ماموں نے مل کر آفس چلائی، اور ایک شاخ اس کی سورت میں بھی تھی، بعد ازاں بمبئی اور سورت کے حصہ داروں نے اپنا اپنا حصہ الگ کر کے ساجھے داری ختم کی اور بمبئی کا فلیٹ زید کے والد کے حصہ میں آیا جنہوں نے زید کو بھی پھر اپنا چالیس فیصد کا شریک بنایا، زید کے دو بھائی اور تین بہنیں دوسرے شہروں میں مقیم ہیں، اب والد صاحب کے انتقال کے بعد زید کا قبضہ اس فلیٹ پر رہ گیا، اب والد صاحب کی میراث کی تقسیم پر اس فلیٹ کی پگڑی بازار دام سے ۲۴ / لاکھ لگائی گئی، سب وارثوں کی مشترکہ بیٹھک میں مکان مالک کے ۳۰ / فیصد اور زید کے چالیس فیصد الگ کر کے بقیہ ۸ / لاکھ والد کے حصہ کے زید بھائی بہنوں کو دینے پر راضی ہو گئے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا زید پر یہ لازم ہے کہ اپنے بھائی بہنوں کو یہ پگڑی کی رقم ادا کرے اس معاوضہ کے بدلے کہ اس نے والد کی آفس و مکان لے لی ہے؟ یا اس پر قرض رہے گا کہ جب وہ خالی کرے اور پگڑی ملے تب ادا کرے جب کہ خالی کرنے کا ابھی کوئی سوال ہی نہیں ہے، اور زمانے گذرنے پر ورثاء کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی، اور کیا بھائی بہنوں کو یہ رقم لینا جائز ہے؟ اور اگر نہ ہو تو ان کا حصہ بھی اس فلیٹ پر برقرار رہے گا؟

② زید کے والد کے انتقال کو ۹ / سال کا عرصہ ہو گیا ان کے کچھ شیئرز ہیں اس پر زکوۃ ہر سال کون ادا کرے؟ یا جو ڈیویڈنڈ تقسیم ہوتے رہتے ہیں وہی رقم پر ورثاء زکوۃ دیں؟

③ والدہ کے انتقال کو ۲ / سال ہوئے ان کے زیور ہنوز تقسیم نہیں ہوئے تو ان

کی دوسال کی زکوۃ کون دے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① جب یہ فلیٹ زید کے نانا نے پگڑی کے بغیر حاصل کیا تھا اوران کے بعد زید کے باپ کے پاس اوران کے بعد زید کے پاس قبضہ درقبضہ پہنچا ہے اب اس کی پگڑی کے نام سے جورقم بھی ملے گی یا مل سکتی ہے وہ پوری کی پوری مالکِ مکان کا حق ہے، اس میں سے کچھ بھی لینا زید یا اس کے بھائی بہنوں کے لیے درست نہیں ہے۔

فلیٹ زید کے باپ کی ملکیت نہیں ہے؛ بلکہ کرایہ کا ہے، اس لیے اس میں زید یا اس کے بھائی بہنوں کے حصہ کا شرعاً کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

② زید کے والد کے انتقال فرماتے ہی ان کے متروکہ شیئرز پر والد کے ورثاء کی ان کے حصۂ میراث کے بقدر ملکیت ثابت ہوچکی ہے، ہر وارث اپنے دوسرے اموال کے ساتھ اپنے اس حصۂ میراث کی زکوۃ ادا کرے بشرطیکہ وجوبِ زکوۃ کے شرائط اس وارث میں پائے جاتے ہوں، ڈیویڈنڈ کی رقم اگر جمع ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

③ والدہ کے متروکہ زیور کا بھی ایسا ہی حکم ہے جیسا کہ والد کے متروکہ شیئرز کا حکم اوپر بتلایا گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ربیع الآخر ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

ایک کنویں میں ورثاء کا تنازع

سوال: بندہ کے چھ بھائی اور دو بہن ہیں اور والدہ صاحبہ بھی بقید حیات ہے،

اور والد صاحب کا انتقال ہو گیا ہے، اور والد صاحب نے اپنی حیات میں سب چیزوں کی تقسیم کر دی تھی بفضلہٖ تعالیٰ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ایک کنواں ہے جو والد صاحب نے بڑے بھائی کے تعاون سے ۱۰/ فٹ کھدائی کی تھی، اس کے بعد بڑے بھائی رہائش کے اعتبار سے الگ ہو گئے، اور پانچ بھائی فی الحال شریک ہیں، اور اس کے بعد دوسری بار کنویں کی گہرائی کے لیے ۱۰/ فٹ سے آگے کھدائی کے لیے اور دو لاکھ سے زائد مرمت وغیرہ میں خرچ کیا، اس کے بعد والد صاحب نے بڑے بھائی کو چھوڑ کر پانچ بھائیوں میں کنویں تقسیم کر دی، اب والد صاحب کے انتقال کے بعد بڑے بھائی کنویں میں اپنا حصہ مانگ رہے ہے جب کہ دو لاکھ جو خرچ ہوا اس میں ان کا کوئی حصہ نہیں تھا، اور والد صاحب نے تقسیم بھی کر دیا تھا، اس لیے پانچ بھائی حصہ دینے سے منع کر رہے ہیں اور بڑے بھائی حصہ لینے کے لیے مصر ہیں، تو اب سوال یہ ہے کہ ان کو حصہ دیا جائے یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

کنویں کے شروع کے دس فٹ کی کھدائی میں بڑے بھائی نے والد مرحوم کا جو تعاون کیا تھا اس وقت وہ والد صاحب کے ساتھ ہی رہتے تھے اور کھانا پینا وغیرہ بھی والد صاحب کے ساتھ ہی تھا، اس لیے کنویں کی کھدائی میں انہوں نے جو حصہ لیا اس کی حیثیت محض تعاون کی ہے، اس بنیاد پر نہ تو ان کو کنویں میں کوئی حصہ ملتا ہے، نہ ہی اس کام کے معاوضہ یا اجرت کے طور پر کسی چیز کے حقدار ہیں، اس کنویں پر پوری ملکیت والد صاحب ہی کی تھی، اور پھر آگے چل کر جب والد صاحب نے اس کی مزید کھدائی کی اور اس میں خرچہ کیا اور بعد میں تیار ہونے پر وہ کنواں بڑے بھائی کے

علاوہ باقی پانچ بھائیوں کو ہبہ کر دیا، تو اب اس میں بڑے بھائی کا کوئی حق نہیں، اس لیے ان کا اس کنویں میں اپنے حصہ کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۸/ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

والد کے انتقال کے بعد بہنوں کے حصص میں تصرف تبرع ہے

سوال: ہم چار بھائی اور دو بہنیں ہیں، اور ہماری والدہ ہیں، ہمارے والد صاحب کا انتقال ہوئے دس سال ہو گئے ہیں، اور انہوں نے اپنی جائیداد میں گھر، کھیت، گارنمنٹ فیکٹری، ہوٹلس اور بلڈنگ کنٹرکشن یہ سب چھوڑا تھا، اس وقت ہمارے والد صاحب نے اپنی زندگی میں کچھ وصیت نہیں کی تھی، اب اللہ کے حکم سے بھائیوں نے دھندے میں بہت ترقی کی ہے، اور اب تک انہوں نے ہم بہنوں کو نہ ہی کچھ دیا ہے، اور نہ ہی کچھ والد صاحب کے انتقال کے بعد کوئی حصہ کی بات کی ہے، اب ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم بہنوں کا حصہ ہمارے والد صاحب کے انتقال کے پہلے کی جائیداد میں لگے گا یا اب تک جو بھائیوں نے بنایا ہے اس میں بھی ہمارا حصہ لگے گا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

باپ کے انتقال کے بعد باپ کے چھوڑے ہوئے کاروبار کو والدہ صاحبہ کی موجودگی میں بھائیوں نے آگے بڑھایا ہے، ہمارے یہاں کا عرف یہی ہے کہ اس طرح کے کاروبار کو مشترک ہی سمجھا جاتا ہے، گویا کہ بھائی بہنوں کے حصہ میں جو تصرف کر رہے ہیں وہ از قبیلِ تبرع ہے جو بضاعت پر محمول ہوگا، اس لیے مالِ مشترک میں تجارت

کر کے بھائیوں نے جو نفع حاصل کیا ہے، مال بڑھایا ہے وہ تمام ورثاء پر تقسیم ہوگا۔ كما صرح به الشيخ المفتي كفاية الله الدهلوي في فتاواه (۱۰۱۶۱۰۴/۸)

البتہ اگر بھائی یہ دعویٰ کریں کہ اب تک جو کچھ کاروبار اور تصرف ہم نے کیا وہ اپنے لیے کیا، بہنوں اور والدہ کے لیے نہیں تو اس صورت میں نفع بھائیوں کی ملک سمجھا جائے گا؛ لیکن نفع کی جو مقدار ترکہ میں بھائیوں کے حصہ سے حاصل ہوئی وہ تو ان کے لیے حلال اور پاکیزہ ہے، اور جو مقدار ترکہ میں بہنوں کے حصہ سے حاصل ہوئی وہ خبیث ہو کر واجب التصدق ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۹/ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

غیر مسلم کی میراث عطیہ کی صورت میں

سوال: ایک فرانسیسی ساتھی جس کو حق تعالیٰ نے ایمان کی نعمت سے نوازا ہے، اور اچھی پختگی حاصل ہے، اس کے سامنے ایک مسئلہ ہے، میں نے عرض کیا کہ دریافت کر کے یورپ روانہ کر سکتا ہوں، مذکور ساتھی کے والدین بھی ایمان سے محروم ہیں، والد فوت ہو چکے ہیں، اسے یہ معلوم کرنا ہے کہ دین کے اختلاف سے وراثت تو نہیں ہوتی؛ مگر یہاں فرانس میں سرکاری قانون یہ ہے کہ میراث کے مال کی تقسیم حکومت کی زیرِ نگرانی ہوتی ہے، اگر میرے والدین کی میراث میں نہیں لیتا ہوں، تو وہ مال حکومت لے لے گی، ایسی صورت میں میرے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے بخاری ومسلم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد

منقول ہے: ”لا یرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم“ اسی ارشاد کی بنیاد پر ائمۂ اربعہ کا اتفاق ہے کہ کوئی مسلمان اپنے کسی کافر مورث کے مال میں وارث نہیں ہوگا؛ البتہ بعض صحابہ وتابعین سے منقول ہے کہ وہ کافر مورث کے مال میں مسلمان وارث کو مستحقِ وراثت قرار دیتے تھے؛ لیکن جمہور صحابہ وتابعین کا یہ مسلک نہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ میں یہ نومسلم ساتھی اپنے غیر مسلم باپ کے مال میں بطورِ حصہ وراثت پانے کا حقدار نہیں؛ لیکن اگر وہاں کی حکومت اپنے قانون کے ماتحت مالِ میراث تقسیم کرتے ہوئے اس کو مال دیتی ہے اور اس کے اس مال کو قبول نہ کرنے کی صورت میں خود حکومت وہ مال لے لیتی ہے تو ایسی صورت میں اس کے لیے اس مال کو لینے کی اجازت ہے، اس کے لیے یہ حکومت کا عطیہ سمجھا جاوے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

نوٹ: یورپی کونسل برائے تحقیق وافتاء نے توبا قاعدہ اپنی قرارداد میں اس کی صراحۃً اجازت دی ہے، کونسل کی اس قرارداد کی فوٹو کاپی اور اس کونسل کے اراکین کے ناموں کی فہرست اس فتویٰ کے ہمراہ منسلک ہے، اس قرارداد کا اردو ترجمہ بھی ساتھ میں بھیجا جارہا ہے۔ (قرارداد وفتاوی ”المجلس الاروبی للإفتاء والبحوث المجموعتان الأولی والثانیة“ سہ ماہی بحث ونظر ۴/ ۱۳، جنوری ۲۰۰۱ء) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔ (عبد القیوم راجکوٹی)

باپ نے بیٹوں کی کمائی سے جائداد خریدی تو مالک کون ہے؟

سوال: تین لڑکے اور ایک لڑکی اور ماں باپ یعنی میں اور میری بیوی ہیں، بمبئی میں میرا ایک گھر تھا اس کو بیچ کر میں نے ایک دکان خریدی، اس کے بعد ہم اس دکان

میں رہنے لگے، یہاں سے میں نے اپنے بڑے لڑکے کو سعودی بھیجا، پھر میں نے دوسرے لڑکے کو سعودی بھیجا، میں اور میرا چھوٹا بیٹا اور بہن انڈیا ہی میں کام کرتے رہے، سعودی سے جو پیسے آتے تھے میں نے دکان خریدی، گھر خریدے، اس وقت میرے پاس ۶ / دکانیں ۵ / گھر ہیں، میں نے بڑے لڑکے کی شادی کی، بیٹی کی شادی کی، پھر بڑے لڑکے سے چھوٹا لڑکا ہے اس کی شادی کی، بڑے لڑکے کی تین لڑکیاں ہیں، ایک لڑکا ہے، بیٹی کا ایک لڑکا اور تین لڑکیاں، چھوٹے لڑکے کی شادی ابھی نہیں کی ہے، اس کی بھی شادی کرنی ہے انشاء اللہ، میری سب سے اچھی دکان جس کی سب دکانوں سے زیادہ قیمت ہے اس دکان کو میرے بڑے لڑکے نے بنانے کے لیے مجھے کہا تو میں نے اپنے چھوٹے لڑکے سے کہا- جو کہ سعودی ہی میں تھا- تمہارے بھائی جان دکان بنانے کو کہہ رہے ہیں، میرے پاس دکان بنانے کے پیسے نہیں ہیں؛ لہٰذا تو سعودی سے کیسے بھی کر کے اپنے سیٹھ سے بول کر یا اپنے دوستوں سے ادھار لے کر بھیج جس سے دکان بنائی جائے، تو لڑکے نے ادھار لے کر پیسے بھیجے، کچھ پیسے میں نے یہاں سے ادھار لیے اور دکان بنائی، دکان بنانے کے بعد میرا لڑکا دکان پر بیٹھ گیا، دکان پر بیٹھنے کے بعد لڑکے نے مجھ کو کچھ نہیں دیا؛ یہاں تک کہ جو قرض میں نے دکان بنانے کے لیے لیا تھا وہ بھی پیسے نہیں دیئے، وہ قرضہ بھی مجھ کو ہی چکانا پڑا، ایک فلیٹ بھی اس نے اپنے قبضہ میں کر لیا جو کہ سب سے اچھا ہے، اتنا ہونے کے بعد اب میرے بڑے لڑکے کا کہنا ہے کہ میں نے جو اپنا گھر بیچ کر دکان خریدی تھی اس کو چھوڑ کر ہم دونوں بھائی جو سعودی میں تھے جتنی بھی دکانیں اور گھر ہیں وہ صرف ہم دونوں بھائیوں میں تقسیم ہوں گے، اس میں نہ تو چھوٹے بھائی کا حصہ ہے اور نہ ہماری بہن کا

حصہ ہے، یعنی پانچ دکان اور پانچ گھر صرف ہم دونوں بھائیوں میں تقسیم ہوں گے؛ کیوں کہ ہم دونوں بھائیوں نے سعودی سے کما کر بھیجا تھا، اور نہ ہی اس میں ہم دونوں میاں بیوی کا حصہ ہے، اس کے علاوہ یہ بھی بڑے لڑکے کا کہنا ہے میں نے زیادہ کمایا ہے؛ لہٰذا مجھ کو اور بھی زیادہ ملنا چاہیے، میری سمجھ میں نہیں آتا مجھ کو کیا کرنا ہے؟ میرا چھوٹا لڑکا بھی کماتا ہے، میں خود بھی کماتا ہوں، میری تقریباً ساٹھ سال کی عمر ہے، پھر بھی مجھ سے جو کچھ ہوتا ہے کماتا ہوں، اللہ جانتا ہے میں بہت تنگا ترشی کر کے یہ سب کچھ بنایا ہے، ایک پیسہ بھی غلط خرچ نہیں کیا ہے، میں بہت پریشان ہوں میں کس طرح سے تقسیم کروں میری سمجھ میں نہیں آتا، اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ کسی کا حق مارا جائے؛ لہٰذا برائے مہربانی مجھ کو تفصیل کے ساتھ لکھ کر بتایئے میں کس طرح تقسیم کروں؟ ہم دونوں میاں بیوی کے حصہ میں کیا آئے گا؟ میری لڑکی کے حصہ میں کیا آئے گا؟ اور میرے تینوں لڑکوں کے حصہ میں کیا آئے گا؟ تفصیل وار مطلع فرمائیں عین نوازش ہوگی، میں آپ کا بہت مشکور ہوں گا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے جو تفصیلات اپنے سوال میں لکھی ہیں، اس کا حاصل یہی ہے کہ بحیثیت باپ آپ نے اپنا مکان بیچ کر دکان خرید کر کاروبار شروع کیا اور اسی ضمن میں آپ نے اپنے مصارف سے اپنے دو بیٹوں کو بیرونِ ملک کمانے کے لیے بھیجا، اور وہ دونوں جیسا کہ دستور ہے وہاں سے حاصل شدہ کمائی آپ کی خدمت میں پیش کرتے رہے، ان کا آپ پر ان رقوم کا بھیجنا بطورِ قرض یا توکیل نہیں تھا؛ بلکہ جیسا کہ ہمارے ہندوستانی معاشرہ میں مشترکہ خاندان کا دستور ہے کہ اولاد کما کر باپ کی خدمت میں

پیش کرتی ہے، ان کا یہ دینا بطورِ تملیک اور سلوک واحسان ہی ہوتا ہے، اس لیے اس میں حساب کتاب کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی جاتی؛ بلکہ باپ بحیثیتِ مالک کے اس میں پورا تصرف کرتا ہے، اور یہ سب باپ کی ملک سمجھا جاتا ہے، اس لیے آج تک آپ نے اس طرح جو دکانیں اور مکانات خریدے وہ آپ ہی کی ملک ہیں، ان کے متعلق آپ کے بڑے بیٹے کا یہ کہنا کہ وہ صرف ہم دو بھائیوں کا ہے جو سعودی میں تھے درست نہیں، آپ اس تمام جائداد کے تنہا مالک ہیں۔

اگر آپ اپنی موجودہ اولاد میں اس کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو یہ آپ کی طرف سے ہبہ اور بخشش شمار ہوگا، جس کی مناسب صورت یہ ہے کہ آپ اپنی ضرورت کے مطابق اپنے پاس رکھ کر اپنی بیوی کو اس میں سے ان کی ضرورت کے بقدر دے کر باقی جائداد کو چار مساوی حصوں میں تقسیم فرما کر ہر ایک لڑکے اور لڑکی کو ایک ایک حصہ ان کے قبضے کے ساتھ بطورِ ہبہ دے دیں، اگر کسی شرعی مصلحت کے پیش نظر ان میں سے کسی کو زیادہ دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۳۰/ جمادی الاولی ۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

بیٹے کی کمائی میں والد کا حقِ مطالبہ

سوال: (۱) میرے والد عبد القدوس کانپور کپڑا کی میل میں ملازمت کرتے تھے، اور مجھے بھی وہیں بلا کر بیگ بنانے والے کے یہاں ملازمت پر رکھوا دیا، اب سوال ہے کہ کیا میری کمائی کے شرعی مالک والد صاحب ہیں یا میں خود؟

(۲) چار یا پانچ سالوں کے بعد میں کپڑے کا کاروبار کرنے کے لیے ۱۹۹۱ء میں بمبئی آیا اور اپنے برادر نسبتی نیاز احمد کے یہاں کاروبار سیکھنے کی غرض سے رہا، کاروبار سیکھ لینے کے کچھ ہی دنوں بعد میں نے پانچ ہزار روپئے اپنے برادر حقیقی محمد عیسی بن عبد القدوس کو کاروبار کے لیے دیا، اور میں بھی ان کے ساتھ کام کرنے لگا، یہ واضح رہے کہ یہاں میں ملازم کی حیثیت سے کام نہیں کر رہا تھا، اس کام میں تقریباً دس سال میں ان کے ساتھ تھا، محنت اور دیگر امور میں ہمیشہ آگے رہا، ۴/مئی ۲۰۰۱ء کو ہم دونوں بھائیوں نے تقریباً دس سال باہمی رضامندی سے کل کاروبار کو آپس میں نصف نصف تقسیم کرلیا، اب سوال ہے کہ کیا میرا علیحدہ ہونا شرعاً غلط تھا؟ اور اس طرح جو کچھ حصہ مجھے میرے بھائی محمد عیسی بن عبد القدوس نے دیا تھا وہ اب آیا بھائی اور والد صاحب کی ملکیت ہے؟ اور اب میں محمد اسحاق اس کا مالک نہیں رہا؟

(۳) علاحدگی کے ساڑھے چار سال بعد اب والد صاحب مجھ سے؛ سب سے چھوٹے والے بھائی محمد الیاس بن عبد القدوس کا حق مانگ رہے ہیں، کیا ان کا یہ مطالبہ درست ہے؟ جب کہ کاروبار کے وقت محمد الیاس نہیں تھے، اور علاحدگی کے وقت بھی وہ نہیں تھے، درمیان میں بغرض تعلیم تقریبا دو سال ہمارے ساتھ رہے، ان دو سالوں میں ان کے تعلیمی اخراجات اور دیگر ضرورتوں کو ہم دونوں بھائی محمد عیسی اور اسحاق نے پورا کیا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) بیگ بنانے والے کے یہاں بطور ملازم کام کر کے مزدوری اور اجرت کے طور پر جو کچھ بھی آپ نے حاصل کیا ہے، اس کے مالک آپ ہیں؛ والد صاحب نہیں۔

(۲) اپنے حقیقی بھائی محمد عیسی کے ساتھ پانچ ہزار روپیوں کے ذریعہ شرکت کر کے جو کچھ کمایا اور حاصل کیا اور بعد میں دونوں بھائیوں نے باہمی رضامندی سے کل کاروبار کو آپس میں نصفا نصف تقسیم کر لیا تو شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں، اور اس طرح تقسیم کے بعد آپ کے حصہ میں جو کچھ آیا ہے اس کے تنہا مالک آپ ہی ہیں، والد صاحب یا کوئی اور بھائی اس پر ملکیت کا دعویٰ کرے تو وہ قابلِ قبول نہیں۔

(۳) نمبر دو میں مذکور آپ کے حصہ میں آئے ہوئے کاروبار میں والد صاحب کا آپ کے چھوٹے والے بھائی محمد الیاس کے لیے بطورِ حق حصہ کا مطالبہ کرنا درست نہیں۔

نوٹ: یہ یاد رہے کہ اوپر تینوں جوابات میں باعتبارِ ملکیت جس کا شرعی حقِ ملک ہے اس کی وضاحت کر دی گئی ہے؛ البتہ سوال کی عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ والد صاحب آپ سے مطالبہ فرما رہے ہیں تو جیسا کہ اوپر جواب میں صاف صاف بتلا دیا گیا کہ بطورِ ملک اس میں ان کا کوئی حق اور حصہ نہیں؛ لیکن چوں کہ معاملہ والد صاحب کا ہے اور شریعتِ مطہرہ نے اولاد پر والدین کے بڑے حقوق رکھے ہیں، ان کا تقاضہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا سب کچھ آپ کی ملک ہونے کے باوجود آپ والد صاحب کو ٹکا سا جواب دینے کے بجائے ایسی صورت اختیار کیجئے کہ وہ آپ سے خوش رہیں، اس کے لیے اگر آپ کو مالی قربانی دے کر کچھ بوجھ برداشت بھی کرنا پڑے تو کر لیں، اور اسی میں آپ کی دنیا اور آخرت کی بھلائی مضمر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۱/ رجب ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

مورث کی حیاتی میں حصۂ میراث مانگنا

اور گرام پنچایت میں نام ہونے سے ملکیت سمجھنا

سوال: میری والدہ ماجدہ حیات ہے، آج سے تقریباً بیس سال قبل انہوں نے اپنے ذاتی پیسوں سے ایک زمین خریدی تھی، جس میں نہ تو میرے والد صاحب کا کوئی پیسہ لگا اور نہ ہی ہم بھائی بہنوں کا، زمین کی خریداری کے بعد میری ایک بہن نے گرام پنچایت میں ہم چاروں بہن بھائیوں کے نام بطورِ وارث ڈال دیئے، (اس وقت ہم دو بھائی اور دو بہن والدہ محترمہ کے شرعی وارث تھے) اب ایک بھائی کا انتقال ہو گیا ہے، مرحوم بھائی کی اہلیہ اور ان کا لڑکا (میری بھابھی اور بھتیجا) والدہ سے اپنا حصہ مانگ رہے ہیں تو آپ سے درخواست ہے کہ آپ وضاحت فرمائیں کہ میری والدہ کی زمین میں ان کا حق بنتا ہے یا نہیں؟ اور اگر بنتا ہے تو کتنا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ کی والدہ صاحبہ نے جو زمین اپنی ذاتی رقم سے خریدی اس زمین کی وہ تنہا مالک ہیں، اور جب تک وہ حیات ہیں اس میں اپنی مرضی سے جس نوع کا تصرف کرنا چاہیں کر سکتی ہیں؛ نیز جب تک وہ حیات ہیں اس زمین میں ان کی اولاد یا اور کسی وارث کو حصۂ وراثت حاصل نہیں؛ اس لیے کہ وراثت کا تعلق آدمی کی موت سے ہے، اس لیے آپ کے مرحوم بھائی کی بیوہ اور ان کے بیٹے کا اس زمین میں اپنے حصہ کا مطالبہ کرنا جائز اور درست نہیں، آپ کی جس بہن نے پنچایت میں اس زمین کے

وارثوں کے طور پر آپ بھائی بہنوں کے نام ڈلوادیئے تھے ان کا یہ اقدام شرعاً جائز اور درست نہیں، اور اس طرح نام ڈلوادینے کی وجہ سے جن کے نام ڈلوائے گئے ہیں وہ اس کے مالک نہیں بن گئے؛ بلکہ آج بھی وہ زمین آپ کی والدہ صاحبہ کی ملکیت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ

وراثت اور جائیداد میں تنازع پر مختلف سوالات

سوال: میرے والد صاحب کے دو بیٹے ہیں: ایک کا نام زید، اس کی عمر ۴۴/ سال، دوسرے کا نام ابوبکر، اس کی عمر ۴۰/ سال، اور ایک بہن: اس کی عمر ۳۶/ سال، اور والدہ کی عمر ۶۰/ سال۔

میں محمد زید ۱۳/ سال کی عمر سے اسکول جاتے ہوئے والد محترم کے ساتھ دکان میں لگ گیا تھا، اس کے بعد پندرہ سال کی عمر میں اسکول چھوڑ کر دکان کے کاروبار میں لگ گیا، میرے چھوٹے بھائی دینی تعلیمات حاصل کرنے کے لیے مدرسہ میں پڑھ رہے تھے، دکان کی خرید وفروخت میں ہی سنبھالتا تھا، والد صاحب صرف نگرانی کرتے تھے، اور بھاڑا اچھٹی (گڈوِل) والد صاحب کے نام تھی، کئی لوگوں نے کہا کہ گڈوِل میں آپ کے بیٹے زید کا نام ڈال دو؛ مگر انہوں نے گڈوِل کے بجائے مال میں بیس فیصد حصہ ڈال دیا، شادی کے بعد میں والد صاحب کے بازو میں رہتا تھا، یہ جگہ ہمارے دادا کی تھی، جگہ بڑی تھی؛ مگر صرف ایک بڑا کمرہ، غسل خانہ بنالیا تھا، جہاں پر ہمارا سونا بچھونا تھا؛ مگر کھانا، پینا والدین کے ساتھ تھا، میری بیوی کے والد

یعنی میرے خسر کے انتقال کے کچھ عرصہ کے بعد بیوی کی وراثت میں ایک لاکھ روپیہ ملا، یہ ایک لاکھ بیوی کے اور پانچ ہزار کل مل کر ایک لاکھ پانچ ہزار میرے، اور والد کی پیڑھی سے ایک لاکھ پچھتر ہزار، یہ دونوں رقم ملا کر دو لاکھ اَسّی ہزار سے پان کا کاروبار شروع کیا، اس سے منافع ہوا، اب یہ رقم تین لاکھ ہوگئی، تین لاکھ کی رقم ہم نے اپنے سالے کو ویڈ روڈ پر ایک جگہ لینے کے لیے دی، کچھ مہینوں کے بعد اس جگہ میں سے دو (Industris) پلاٹ دے، جس میں ایک پلاٹ کی قبضہ رسید پر والد صاحب نے اپنا نام لکھوایا، میرے بھائی نے دینی تعلیمات حاصل کر کے مولوی کی سند حاصل کرنے کے بعد ایک سال جلال آباد دارالافتاء میں مفتی کی سند حاصل کی، اور اس کے بعد جلگاؤں چلے گئے، اور کچھ مہینوں کے بعد مفتی صاحب اور میری بہن کی بھی شادی ہوگئی، مفتی صاحب اہلیہ کے ساتھ جلگاؤں میں مدرسہ کی نظامت کرتے تھے، دادی، دادا کا انتقال ہوگیا، دادا کے وراثوں میں میرے والد صاحب اور ان کے دو بھائی اور پانچ بہنیں تھیں، دادا کی جگہ پر میرا کمرہ تھا، اس جگہ پر سے میرا کمرہ توڑ کر وہاں پر اپارٹمنٹ بنا کر تمام وارثوں کو دو روم، کچن کا فلیٹ تقسیم کریں گے، اپارٹمنٹ کا باندھ کام خرچ باقی فلیٹوں کے بیچنے سے ہوجائے گا، باندھ کام کی ساری ذمہ داری والد صاحب کے بہن کے لڑکے کی اور میری تھی، یہ طے ہوا تھا کہ دو آدمی پیسوں کا لانا، کنٹراکٹر کی جواب داری وغیرہ سبھی یہ کریں گے، جس میں سے ہم دونوں کو دو دو لاکھ روپیہ دینا طے ہوا؛ اپارٹمنٹ کے فلیٹ بیچ کر منافع ہوا تو اس میں سے، اور نہ ہوا تو وارث دار اپنے اپنے پاس سے نکال کر ہم دونوں کو دو دو لاکھ دیں گے، منافع چار لاکھ ہوا، دو لاکھ والد صاحب کے بھانجے نے لیا، اور میرے حق کے دو لاکھ والد صاحب

نے لے لیے، حساب کتاب والد صاحب کے پاس ہی تھا (کمرہ ٹوٹنے پر میں اپنی بیوی اور تین بچیوں کے ساتھ والد صاحب کے گھر پر دہ میں رہتا تھا) دکان کا کاروبار کافی ٹھنڈا ہونے لگا، دکان بیچنے کا مشورہ ہوا، اور یہ طے ہوا کہ دکان کی رقم میں سے تین حصے کریں گے: ایک والد صاحب کا، دوسرا میرا، تیسرا مفتی صاحب کا، اس بات پر سب ہی راضی تھے، دکان بیچ دی؛ مگر گھر کے دوسرے افراد کے سمجھانے پر یہ طے ہوا کہ حصے نہ بانٹو؛ بلکہ اس رقم سے کپڑے کی فیکٹری بنانے کا معاملہ طے ہوا، دکان کی رقم سے ان میں دو پلاٹ لیے اور فیکٹری کا باندھ کام شروع ہوا، پلاٹ دو لیے، ایک پلاٹ کے دستاویز پر والد صاحب نے اپنا نام لکھوایا، اور دوسرے دستاویز پر میرا نام لکھوایا، میں نے والد صاحب کو کہا کہ اگر آپ اس پلاٹ پر ایسے ہی میرا نام لکھوا رہے ہو تو بہتر ہوگا کہ والدہ کا نام لکھوادو؛ تاکہ قانوناً مستورات کو زیادہ حق ملتا رہے؛ مگر والد صاحب نے کہا کہ اس پر نہ صرف آپ کا نام رہے؛ بلکہ یہ پلاٹ آپ کا رہے گا، دکان کے بیچنے کے بعد اور باندھ کام کے دوران مفتی صاحب جلگاؤں چھوڑ کر لندن چلے گئے (اہل وعیال کے ساتھ) دکان کے بکنے پر مال کے بیس فیصد حصہ سے مجھے کچھ نہ ملا، مطلب کہ منافع کچھ بھی نہ ہوا۔

دکان کے پیسوں کے پلاٹ لے کر جب باندھ کام شروع ہوا تب ویڈ روڈ کے دو پلاٹ ایک والد صاحب کا اور ایک میرا دونوں چار لاکھ میں بیچ دیئے ان تمام رقموں سے پلاٹ دکان کا قرض، گھر کا خرچ، باندھ کام، بجلی کا کوٹیشن بل، ایک ورینگ اور دو ٹوسٹیگ لے؛ بس اب پیسے بالکل ختم ہوئے، ویڈ روڈ میں جو چار لاکھ آئے اس میں کل منافع ایک لاکھ بیس ہزار تھا، جس میں والد صاحب کے

175000+60000=235000

اور میرے 165000=60000+105000

اپارٹمنٹ بن جانے کے بعد والد صاحب نے اپنی وراثت میں مجھے رہنے کو کہا، کچھ مہینوں کے بعد مجھے میری سہولت کے لیے الگ رہنے کو کہا، ۱۹۹۷ء سے آج تک میں اپنی چار بیٹیوں کے ساتھ الگ رہتا ہوں، مذکورہ بالا تمام اخرات کے بعد ہمارے پاس بالکل بھی پیسہ نہ تھا، تب لندن سے مفتی صاحب نے دو یا تین مہینہ خرچ میں تھوڑا ہاتھ بٹایا تھا، فیکٹری کی باقی مشینری کے لیے ہمارے پاس بالکل پیسہ نہ تھا، تب میں نے اپنی ذمہ داری پر قرض لیا تھا، بہت سارا قرض لینا پڑا تھا، اور فیکٹری برابر چوبیس مشینوں کے ساتھ چالو ہوگئی۔

ایک گھریلو بات پر والدہ سے میری بیوی اور میرا جھگڑا ہوگیا، شیطان کا بڑا کھیل رہا، کافی دنوں تک ناراضگی رہی، تب والد صاحب نے مجھے اور ہم سب ہی وارث داروں کو اور بہت سارے گواہوں کو کہا کہ میں الگ ہونا چاہتا ہوں، اور کہا کہ اس کے نام جو فیکٹری ہے یہ لے لے، میرے نام جو فیکٹری ہے میں لے لیتا ہوں، مشینری اس کے پاس زیادہ رہے گی تو قرض بھی یہ لے لے، اور قرض داروں کے قرض یہ چکا دے اور بیچ میں دیوار بنوادے، الحمدللہ کچھ دنوں کے بعد سب ہی میل محبت ہوگئی، اور اتفاق ہوگیا، کچھ دنوں کے بعد والد صاحب اللہ کی رحمت کو پہنچ گئے، میں نے اپنے بھائی سے کہا کہ وراثت کا کیا کرنا ہے؟ تو بتایا کہ میں آرہا ہوں، ایسا کئی مرتبہ کہا، والد صاحب کے گذرنے کے بعد والدہ ہمارے ساتھ فلیٹ ہی میں رہتی تھی، (والد صاحب کے انتقال کے) ڈھائی سال بعد جب بھائی آئے، تب وراثت لے کر بیٹھے، تب

میں نے کہا کہ انتقال کے بعد میں نے آپ کو فون کیا تھا اس وقت کے حساب سے تقسیم کریں، تو کہا کہ نہیں آج کے حساب سے، اور ایک کاغذ پر حساب کیا اور کسے کتنا ملے گا یہ بھی طے ہو گیا؛ مگر کم وقت میں یہ طے نہ ہوا کہ کس کو کتنا، کب دینا ہے؟ یہ بھی طے نہ ہوا تھا کہ ابھی دینا ہے، اور یہ بھی طے نہ ہوا کہ جب دیں گے جب کی ویلیو، اسی روز والدہ، بھائی، میں اور گواہ کے بیچ بھائی نے کہا تھا کہ آپ کی رقم (اس کاغذ پر دو لاکھ ویڈ روڈ کے پلاٹ اور بیوی کا گولڈ تقریباً دو لاکھ پچھتر ہزار) مجھ سے زیادہ ہے، یہ رقم تین یا چار مہینوں میں آپ کو لندن سے بھیج دوں گا، والدہ اور بہن کو آپ اپنے حساب سے دینا، میں اور آپ برابر کے پاٹنر رہیں گے، اسی روز مفتی صاحب نے والدہ کو ایک اسٹامپ پیپر لا کر دیا تھا کہ یہ کاغذ پر لکھی ہوئی رقمیں ٹائپ کرا لینا؛ مگر یہ بات والدہ نے کبھی نہ بتائی، کچھ دنوں کے بعد تمام چیزوں کی ویلیو بڑھ گئی، اور کہا کہ وہ ساری باتیں فوت (کینسل)۔ اسی روز ۷ یا ۸ ستمبر ۲۰۰۵ء کو یہ میٹنگ ہوئی تھی، ۱۰ ستمبر ۲۰۰۵ء کو بھائی لندن چلے گئے، تین یا چار مہینے کے بعد بھائی کا فون آیا تھا، تب انہوں نے کہا کہ یہاں پر مجھ کو مکان لینا ہے وہ رقم جو میں بھیجنے والا تھا نہ بھیج سکوں گا، آپ اپنے حساب سے مجھے میری رقم دے دینا، تب میں نے بھی بھائی سے کہا تھا کہ ہر سال ایک ایک کو رقم دے دوں گا، تب بھائی نے کہا تھا آپ یہ بات منیر بھائی جو ہمارے گواہ ہے اسے کہہ دے، میں نے امی کو اسٹامپ پیپر دیا ہے اس پر ٹائپ کرا لینا (تب مجھے پتہ چلا کہ اسٹامپ پیپر امی کے پاس ہے، تب تک انہوں نے مجھے بتایا نہ تھا)۔

تقریباً جنوری ۲۰۰۶ء پہلے ہی ہفتہ میں نے منیر بھائی سے یہ بات کہی تو انہوں نے کہا کہ اب ویلیو بڑھ گئی، اب میں اکیلا اس فیصلہ کو نہ سنبھال پاؤں گا، مطلب پہلے

والی ساری بات اور کاغذ پر لکھی ہوئی تمام چیزیں فوت (کینسل)، پہلے ان لوگوں نے کی میں نے ۲۰۰۶ء میں اس وقت کی ویلیو سے اس سوال کو حل کرنے کے بعد فتوی لکھ کر والدہ کے ساتھ لندن بھائی کو بھیجا، جہاں پر پانچ مہینے تک ساتھ رہنے کے بعد بھی اس کا جواب نہ آیا، بہن نے دو بار کہا تھا، پیسہ کی کوئی جلدی نہیں، آپ اپنی سہولت سے دینا۔

① میں اپنے والد صاحب کے ساتھ دکان میں رہا، قریب بائیس سال کام کیا؟ مجھے معاوضہ لینا چاہیے؟

② والد صاحب نے اون گاؤں میں جو دو فیکٹری کے پلاٹ لیے، جن میں سے ایک پلاٹ کے دستاویز میرے نام کروائے اور زبانی بھی کہا کہ یہ پلاٹ آپ کا ہے، کیا اس پلاٹ میں کسی اور کو حق ہے؟

③ میرے دستاویز پلاٹ پر جو تعمیری باندھ کام ہے، اس کا کیا؟

④ جو مشینری میں نے اپنی ذمہ داری پر قرض لے کر چالو کی، بہت سا قرض تھا، والد صاحب کے انتقال کے بعد پہلے والی مشینری میں نئی ٹیکنالوجی لگانے کے بعد کافی خرچہ کر کے وہ سارا قرض میں نے چکایا، اس مشینری میں کس کا حق ہے؟

⑤ جب جھگڑا ہوا تھا، سبھی وارث دار اور بہت سارے گواہوں کو والد صاحب نے کہا تھا کہ اس کے نام جو فیکٹری ہے وہ یہ لے لے، اور میرے نام جو فیکٹری ہے وہ مجھے دے دے، مشینری اس کے پاس زیادہ ہے تو قرضہ بھی یہ ادا کرے، یہ الفاظ کافی نہیں؟ تمام وارث اور گواہ آج بھی حیات ہیں۔

⑥ والد صاحب کے انتقال کے بعد میں نے اپنے بھائی سے کئی بار کہا تھا کہ

وراثت کا کیا کریں گے؟ تو آخر انہوں نے یہ کہا تھا کہ میں جب انڈیا آؤں گا تب انتقال کے کچھ دنوں بعد کی ویلیو طے کریں گے، کیا یہ الفاظ کافی نہیں؟

⑦ بھائی جب انڈیا آئے اور ایک دن تمام وارث اور گواہ بیٹھے تو بھائی نے مجھے ساری باتیں بھولنے کو کہا، ٹھیک ہے، پھر ایک کاغذ پر نیا حساب ہوا اور کاغذ پر کسے کتنی رقم ملے گی؟ اس کے سامنے اس کا نام لکھ کر زبانی بھی طے کر کے اٹھ گئے تھے، یہ طے نہ ہوا تھا کہ کس کو کب دینا ہے؟ یہ بھی طے نہ ہوا تھا کہ ابھی دینا ہے، اور یہ بھی بات نہ ہوئی تھی کہ جب دیں گے تب کی ویلیو، ان باتوں کا کیا جواب ہے؟

⑧ میری بیوی کے ایک لاکھ باسٹھ ہزار جو ان کی فیکٹری ہی میں ڈالے، تو اس کو کس ویلیو سے نکالیں گے، تب کی یا آج کی؟

راقم الحروف محمد اشفاق مندرجۂ بالا تحریر سے متفق ہے مع اضافہ ایں کہ شادی سے قبل احقر جملہ آمدنی والد صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا کرتا تھا، میری شادی کے بعد اہل وعیال کے اخراجات کا خود کفیل تھا، بجز ایں کہ والد مرحوم عید کے موقع پر کپڑے سلوا دیا کرتے تھے، برادرم محمد یوسف اور ان کی فیملی کے جملہ اخراجات والد صاحب برداشت کرتے تھے، اور ہر ماہ ایک مخصوص رقم جیب خرچ کے نام سے انہیں دیا کرتے تھے۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

①② والد صاحب نے دکان کے کاروبار کو سنبھالنے کے معاوضہ کے طور پر اس کے مال میں آپ کا بیس فیصد حصہ ڈالا، والد صاحب کا یہ معاملہ شرعی اعتبار سے اجارۂ فاسدہ ٹھہرتا ہے، اور اس صورت میں آپ بیس فیصد کے بجائے اجرت مثل

(یعنی اس طرح کا کام کرنے پر عام طور پر جو معاوضہ ملتا ہے اس) کے حقدار ہیں۔

إذا كان صباغ حانوت له فيها ذيل وغيره من آلات الصباغة، فاستعان برجل يعمل معه فيها على أن يكون له نظير ذلك نصف الربح المجهول الحاصل من ذلك، فعمل معه مدة ويريد أخذ نصف الربح بدون وجه شرعي فهل ليس له ذلك؟ وله أجر مثله عمله؟

الجواب: نعم (تنقيح الفتاوى الحامدية ۹۵/۱)

پھر بعد میں جب دکان کا کاروبار ٹھنڈا ہوا، اور دکان بیچ دی گئی اور پھر اس کی آئی ہوئی رقم سے دو پلاٹ خریدے گئے جن میں سے ایک پلاٹ آپ کے نام کروا کر ان کا یہ کہنا کہ یہ پلاٹ آپ کا ہے، بظاہر دکان کے مال میں آپ کا جو حصہ رکھا گیا تھا اسی کی جگہ پر انہوں نے آپ کو دے دیا ہے؛ اگرچہ زبان سے اس کا اظہار نہیں کیا کہ یہ اس کی جگہ پر ہے، دیگر تمام ورثاء بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں، اس لیے آپ کے نام جس پلاٹ کا دستاویز کرایا گیا ہے اور وہ آپ ہی کا ہے، اس میں والد صاحب کے دیگر ورثاء کا کوئی حق نہیں۔

③ ④ دونوں پلاٹوں پر جو تعمیری کام ہوا تھا وہ والد صاحب کا ہے، اور جو مشینری قرض لے کر چالو کی گئی تھی وہ بھی؛ چوں کہ والد صاحب ہی کے نام پر قرض لے کر چالو کی گئی تھی، اس لیے ان ہی کی شمار ہوگی۔

بعد میں نئی ٹیکنالوجی لگا کر وہ سارا قرض ادا کیا گیا تھا، چوں کہ وہ بھی کارخانہ کی آمدنی سے ادا کیا گیا تھا، اس لیے یہ مشینری والد صاحب کی شمار ہو کر اس میں تمام ورثاء کا حق وراثت جاری ہوگا؛ البتہ دکان والے کاروبار کے زمانہ میں بھی والد

صاحب نے آپ کے لیے آپ کی محنت کے معاوضہ کے طور پر دکان کے مال میں بیس فیصد حصہ طے کیا تھا، گویا وہ آپ کی محنت کا معاوضہ دینا چاہتے تھے تو کارخانہ شروع ہونے کے بعد بھی آپ نے جو محنت کی اس کا معاوضہ آپ کو ملنا چاہیے، جس کی صورت یہ ہے کہ اس طرح کا کارخانہ کوئی آدمی تمام اختیارات کے ساتھ بحیثیت ملازم چلائے اس کو جو ماہانہ تنخوہ دی جاسکتی ہے اتنی رقم ان تمام ایام کی محنت کی آپ کے لیے تجویز کی جائے، اور حق وراثت کے ساتھ وہ رقم بھی آپ کو دی جائے، اس طرح جتنے سال تک آپ نے کارخانہ کا کاروبار سنبھالا ہے ورثاء کو چاہیے کہ اس کا مناسب معاوضہ آپ کے لیے تجویز کریں۔

⑤ والد صاحب کے اس طرح کہنے سے آپ کے نام والے پلاٹ کا آپ کا ہونا تو ثابت ہوتا ہے، باقی مشینری وغیرہ کے متعلق جو بات اس وقت انہوں نے کہی چوں کہ بعد میں میل ومحبت ہوجانے کے بعد یہ نزاع باقی نہیں رہا، اس لیے اس حصہ کی مشینری آپ کو مل جانے والی بات بھی ختم ہوچکی۔

⑥⑦ بھائی صاحب کے ہندوستان آنے پر ۷/ستمبر ۲۰۰۰ء کو جب تمام ورثاء وراثت کا معاملہ طے کرنے کے لیے بیٹھے اور اس وقت ترکہ میں شامل تمام جائداد کی قیمت طے کی گئی، والد صاحب کے ذمہ جو قرض تھا وہ بھی لکھ کے طے کرلیا گیا، اور اس کو جائداد کی طے کردہ قیمت سے منہا کرنے کے بعد بقیہ قیمت میں ورثاء کے حصے بھی واضح طور پر تجویز کردیئے گئے، اور اسی مجلس میں تمام ورثاء کی موجودگی میں یہ جملہ کہا کہ آپ والدہ اور بہن کو اپنی سہولت سے جلد دے دیں، میں لندن جاکر تین مہینے میں پونے تین لاکھ روپیہ بھیج دوں گا، (دونوں بھائیوں کے حصے میں آنے والی رقوم

میں جو فرق پڑتا تھا یہ وہ رقم ہے) اور ہم دونوں کارخانہ میں برابر کے شریک رہیں گے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اسی مجلس میں کارخانہ دونوں بھائیوں نے لے لیا اور اس میں والدہ اور بہن کا جو حصہ تھا اس کی ادائیگی کے لیے آپ کو پابند کیا گیا، مطلب کہ سارا معاملہ طے ہو گیا، اس لیے اب ورثاء میں سے کسی کا یہ کہنا کہ قیمتیں اب بڑھ گئی ہیں، اس لیے پہلے والی بات کینسل سمجھی جائے درست نہیں؛ کیوں کہ جب بھی قیمت طے کر کے معاملہ حل کیا جائے گا کہ ادائیگی بعد کے دنوں میں ہوگی، اور جیسا کہ دستور ہے ہر دن میں قیمتوں کا اضافہ ہوتا جارہا ہے، اس صورت میں بھی اضافہ ہوگا اور پھر وہ فیصلہ بھی اسی بہانے سے فسخ کر دیا جائے، اس طرح کبھی بھی معاملہ طے نہیں ہوگا۔

بھائی نے لندن جا کر تین ماہ میں جو رقم بھیجنے کا وعدہ کیا تھا انہوں نے تین ماہ کے بعد آپ سے جو کہا کہ مجھے اپنی رقم بھی آپ اپنی سہولت سے ہو سکے اتنی جلدی دے دینا، گویا انہوں نے بھی اپنا حصۂ وراثت آپ کو دے کر اس کی قیمت لینے کے لیے رضامندی بتلادی، اس لیے اب کارخانہ اور اس مشینری کے مالک آپ ہی سمجھے جائیں گے؛ البتہ آپ کے لیے ضروری ہے کہ جلد از جلد باقی ورثاء کو ان کے حصۂ میراث کی طے شدہ قیمت رقم کی شکل میں ادا کریں، اور اگر تنگ دستی اور وسائل نہ ہونے کی وجہ سے آپ کی طرف سے اس کی ادائیگی میں ڈھیل ہو تو ورثاء کو چاہیے کہ آپ کو مہلت دیں۔ ﴿وان کان ذو عسرة فنظرة الی میسرة﴾ (البقرة:۲۸۰) اور کشادگی نیز اسباب کی فراہمی کے باوجود آپ ڈھیل کریں گے تو آپ گنہگار ہیں۔ ”مطل الغنی ظلم“۔ (الحدیث)

⑧ آپ کی بیوی والی رقم کارخانہ میں ڈالی گئی تھی، اس کی حیثیت اگر قرض کی

تھی تو جتنی مقدار رقم ڈالی گئی ہے اتنی ہی اس کو دی جائے، اور والد صاحب کی چھوڑی ہوئی جائداد میں سے جو قرض منہا کیا جارہا ہے اس میں اس کو بھی منہا کیا جائے، اور اگر وہ رقم فیکٹری میں حصہ داری کے طور پر ڈالی گئی تھی تو جس روز فیصلہ کے لیے بیٹھے تھے اور جو قیمت فیکٹری کی تجویز کی گئی تھی، اسی حساب سے بیوی کا حصہ بھی تجویز کر کے اس کو دے دیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

بہنوں کے میراث چھوڑنے سے حقِ میراث ختم نہیں ہوتا ہے

سوال: زید کا انتقال ہوگیا، اس نے اپنے پیچھے ایک بیوی، ایک لڑکا اور تین لڑکیاں چھوڑیں، انتقال کے بعد بھائی نے اپنی تینوں بہنوں کو جمع کیا کہ والد صاحب کا یہ مکان ہے، اور اس میں شرعاً آپ کا جو بھی حصہ ہو وہ میں آپ کو دے دیتا ہوں، اب تینوں بہنوں کی اپنی اپنی گھریلو حالات ماشاء اللہ بڑی اچھی ہے، ایک بہن تو امریکہ میں ہے بقیہ دو بہنیں ہندوستان میں ہیں، سب مالدار ہیں؛ لہٰذا اپنے بھائی کی مدد کے طور پر انہوں نے یہ کہہ دیا کہ ہمیں کچھ بھی نہیں چاہیے، ہم اپنا اپنا حصہ چھوڑ رہے ہیں، صرف اتنا ہی نہیں؛ بلکہ سرکاری طور پر بھی اس کے لیے جن کاغذات کی ضرورت ہوتی ہے ان پر ان تمام نے دستخط کر دیئے، اور جس وقت ان تینوں بہنوں نے یہ کہا کہ ہمیں کچھ بھی نہیں چاہیے تو بھائی نے کہا اس سلسلہ میں جلدی مت کرو؛ بلکہ اپنے اپنے شوہروں سے مشورہ کر کے پھر جواب دینا اور اس کے بعد تقریباً تین ماہ ان

کو وقت دیا، پھر بھی انہوں نے یہی جواب دیا کہ ہم اپنا حصہ آپ کو دیتے ہیں۔

اس کے بعد ہر بہن نے سرکاری کاغذ پر یہ مضمون لکھا کہ ہمارے والد کے انتقال کے بعد ہم ہمارا حصہ بھائی کے لیے چھوڑ رہے ہیں اور اس سلسلہ میں ہمارے اوپر کوئی زور زبردستی نہیں، ہم اپنی خوشی سے اپنے بھائی کو یہ ملکیت ہبہ کر رہے ہیں، یہ اس میں جو چاہے تصرف کرے، جو بہن امریکہ میں ہے وہ چوں کہ یہاں آ نہیں سکتی تھی، اس نے امریکہ سے سرکاری کاغذات روانہ کئے، وہ اس طرح کہ یہاں ایک کو وکیل بنایا جاتا ہے، وہ امریکہ کے کاغذات لے کر ہندوستان کورٹ میں اس کی شہادت دیتا ہے کہ میں اس بات کا گواہ ہوں کہ اس بہن نے اپنے بھائی کے لیے تمام ملکیت چھوڑ دی اور اس پر کوئی زبردستی نہیں کی گئی تھی؛ بلکہ وہ اپنی خوشی سے یہ کر رہی ہے، اور اس کا وکیل بن کر وہ دستخط کر دیتا ہے، پھر ان کاغذات کو کورٹ میں پیش کیا جاتا ہے پھر تمام ورثاء کو حاضر کیا جاتا ہے ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا یہ لکھی ہوئی باتیں درست ہیں؟ ان کی تصدیق کے باوجود سرکاری کاغذات میں ورثاء کی فہرست سے ایک ماہ تک ان کا نام کاٹا نہیں جاتا؛ تاکہ ان کو اگر اپنا حصہ لینا ہو تو وہ لے سکیں، ایک ماہ بعد جب ان کی طرف سے دوبارہ مطالبہ نہیں ہوتا تو ان کے نام پر نشان لگایا جاتا ہے کہ یہ لوگ اب وراثت سے دست بردار ہو رہے ہیں، اور اس میں میراث لینے والوں کا نام ہی رہ جاتا ہے، اس کے لیے باقاعدہ خرچ بھی ہوتا ہے، پھر تمام کاروائی مکمل ہوتی ہے۔

دوسری طرف ایک پریشانی یہ ہے کہ اگر مکان وغیرہ باقاعدہ بہنوں کے نام کر دیا جائے تو قانونی اعتبار سے یہ کرنا پڑتا ہے کہ ان کی حدیں الگ کرنی پڑتی ہیں یعنی

باقاعدہ دیواریں الگ کرنا پڑتا ہے؛ نیز اس طرح کرنے کی صورت میں یا مکان فروخت کرنے کی صورت میں انکم ٹیکس والوں کی طرف سے چالیس فیصد کا مطالبہ ہوتا ہے، پھر اس کے لیے بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے؛ نیز اس میں بلاوجہ نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے، ان تمام وجوہات کی بناء پر بہنوں کا اس طرح کاغذات پر اپنے حصہ سے دستبرداری کا تصدیق نامہ لکھ دینا کیا شرعاً معتبر ہے؟ اب ان کاغذات کی بناء پر بھائی نے بہنوں کا حصہ لے لیا، آئندہ چل کر اگر کوئی بہن اپنے حصہ کا مطالبہ کرے تو کیا اس قدر اقرار وتصدیق کے باوجود انہیں اپنا حصہ طلب کرنے کا حق ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ اب یہ بہنیں کبھی کبھی اپنی والدہ کی ملاقات کے لیے آتی ہیں تو گھر میں بھائی کی اہلیہ کے ساتھ رنجش ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے گھر کا ماحول خراب ہوجاتا ہے تو کیا اب یہ بھائی اپنی بہنوں کو گھر آنے سے منع کرسکتا ہے؟ اگر منع نہیں کرسکتا تو ان جھگڑوں سے بچنے کے لیے کیا تدبیر اختیار کرنا مناسب ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

بہنوں کے اس طرح کہنے اور اس طرح کے مضمون کو تحریری طور پر لکھ کر دینے سے کہ ”ہمارے والد کے انتقال کے بعد ہم ہمارا حصہ بھائی کے لیے چھوڑ رہے ہیں اور اس سلسلہ میں ہمارے اوپر کوئی زور زبردستی نہیں، ہم اپنی خوشی سے اپنے بھائی کو یہ ملکیت ہبہ کررہے ہیں، یہ اس میں جو چاہے تصرف کرے“ والد کے چھوڑے ہوئے ترکہ میں سے بہنوں کا حصہ ختم نہیں ہوا؛ بلکہ گھر میں ان کا حصہ ابھی بھی باقی ہے، اور وہ اس کا مطالبہ کرسکتی ہے۔

(سئل) فی أحد الورثة إذا أشهد عليه قبل قسمة التركة المشتملة

على أعيان معلومة أنه ترك حصة من الإرث وأسقطه وأبرأ ذمة بقية الورثة منها، ويريد الآن مطالبة حقه من الإرث فهل له ذلك؟ (الجواب) الإرث جبرى لا يسقط بالاسقاط، وقد افتى به العلامة الرملى كما هو محرر فى فتاواه من الإقرار نقلا عن الفصولين وغيره، فراجعه إن شئت(تنقيح الحامدية۲/۲۷)

جب مکان میں بہنوں کا حصۂ میراث بدستور باقی ہے تو بھائی کے لیے بہنوں کو گھر میں آنے سے منع کرنا کسی حال میں جائز اور درست نہیں، ان جھگڑوں سے بچنے کے لیے بیوی کو فہمائش کرے اور حکماً اس کو بہنوں کے ساتھ الجھنے سے منع کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ ذی القعدہ ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

والدین کی تیمارداری پر خرچ رقم ترکہ سے وصول کرنے کا حکم

سوال: (الف) ہمارے والد صاحب کا انتقال ہوا، اور ہم پانچ بھائی اور تین بہن ہیں، ہم تمام کے درمیان شرعی طریقے سے میراث تقسیم ہوگئی ہے، آگے والدہ صاحبہ کی میراث کا مسئلہ آیا تو ہمارے والد صاحب کا ایک صاحبزادہ خورشید احمد نامی جو والد صاحب کے ساتھ رہتا تھا، اور بیماری وغیرہ کے اخراجات وہی پورے کرتا تھا، اس کا کہنا ہے کہ والدہ صاحبہ کی میراث میں سے مجھے وہ رقم چاہیے جو میں نے والد صاحب اور والدہ صاحبہ کی بیماری میں خرچ کی ہے، تو کیا وہ از روئے شرع میراث میں سے والد صاحب، والدہ صاحبہ کی بیماری میں خرچ کی ہوئی رقم لے سکتا ہے؟

(ب) ہماری والدہ صاحبہ کا انتقال ہوا اور انہوں نے ترکہ میں دو مکان چھوڑے، جن کی قیمت تقریباً ایک لاکھ ستر ہزار روپے ہیں اور ساتھ دیگر سامان برتن وغیرہ چھوڑا۔

اور وارثین میں پانچ لڑکے: شبیر احمد، مشتاق احمد، خورشید احمد، اقبال احمد، سراج احمد، اور تین لڑکیاں: فاطمہ، طاہرہ، صابرہ، اور ایک ماں شریک لڑکا عثمان غنی چھوڑا، از روئے شرع ترکہ کی تقسیم کس طرح ہوگی؟ اور مکان کی قیمت کا اعتبار کونسے وقت سے کیا جائے گا؟ اور والدہ صاحبہ کے دیگر سامان برتن وغیرہ کس طرح تقسیم ہوں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(الف) خورشید احمد نے والد صاحب کی بیماری میں اگر ان کے کہنے سے بطورِ قرض وہ رقم ان پر خرچ کی تھی مثلاً والد صاحب نے کہا تھا کہ آپ میرے علاج ومعالجہ پر خرچ کیجئے اور جو کچھ خرچ ہوگا اس کی ادائیگی میرے ذمہ واجب ہے، تب تو یہ رقم خورشید احمد والد صاحب (نہ کہ والدہ) کے ترکہ میں سے وصول کرسکتا ہے، اسی طرح والدہ صاحبہ کی بیماری میں بھی ان پر جو رقم خرچ کی وہ بھی اسی طرح خرچ کی ہے تو اس کو والدہ کے ترکہ میں سے وصول کرسکتا ہے؛ مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ اس رقم کے قرض ہونے کا شرعی ثبوت موجود ہو یا تمام ورثاء اس کو تسلیم کریں، اور اگر خورشید احمد نے یہ رقم بطورِ قرض والد صاحب یا والدہ صاحبہ کی طرف سے ادا نہیں کی؛ بلکہ محض تبرع اور احسان کیا ہے تو اب اس کو ترکہ میں سے وصول کرنا درست نہیں، ہمارے یہاں عام دستور یہی ہے کہ والدین کی بیماری میں اولاد کی طرف سے خرچ کی جانے والی رقم بطور تبرع واحسان ہوتی ہے۔

(ب) آپ نے والدہ کے ورثاء میں ایک ماں شریک لڑکا بھی شمار کرایا ہے، یہ اصطلاح ہمارے لیے نئی ہے، اس لیے کہ ماں شریک بھائی تو ہوتا ہے ماں شریک لڑکا نہیں؛ بہرحال اگر آپ کی مراد یہ ہے کہ یہ لڑکا عثمان غنی والدہ ہی کی اولاد ہے جو پہلے شوہر سے ہوئی ہے، تو صورتِ مسئولہ میں والدہ نے بوقت وفات جو کچھ چھوڑا اس میں سے تقسیمِ میراث سے پہلے کے حقوق (یعنی ان کی تجہیز وتکفین وتدفین کے متوسط مصارف اور اس کے بعد ان کے تمام دیون کی ادائیگی پھر جو بچ جاوے اس کے ایک تہائی میں سے ان کی شرعی اصول کے مطابق کی ہوئی وصیت) ادا کرنے کے بعد ان کے چھوڑے ہوئے مال کے کل پندرہ حصہ کئے جاویں، ان میں سے چھ لڑکوں (شبیر احمد، مشتاق احمد، خورشید احمد، اقبال احمد، سراج احمد، عثمان غنی) میں سے ہر ایک کو دو حصے اور تین لڑکیوں (فاطمہ، طاہرہ، صابرہ) میں سے ہر ایک کو ایک حصہ دیا جائے، جس وقت تقسیم کے لیے بیٹھیں اس وقت بازار میں جو قیمت ہو اس کا اعتبار کیا جائے گا، سامان اور برتن کا بھی یہی حکم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ صفر ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

''منہ دکھائی'' میں دیے جانے والے زیورات کا مالک کون؟

سوال: (ج) مالیگاؤں میں یہ رسم ہے کہ جب شادی ہوتی ہے اور دولہن شوہر کے گھر آتی ہے تو شوہر کے رشتہ دار، دوست واحباب کی جانب سے منہ دکھائی کے نام پر کچھ زیورات دیتے ہیں جس کو شوہر کے گھر کے لوگ جمع کر لیتے ہیں تو وہ زیورات

کس کی ملکیت ہوں گے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(ج) شادی کے وقت دولہن کے شوہر کے رشتہ داروں اور دوست واحباب کی طرف سے ''منہ دکھائی'' کے نام پر ملنے والے زیورات میں عرف کا اعتبار ہوگا، اگر یہ دولہن کے سمجھے جاتے ہوں تو اس کی ملک شمار ہوگی، اور اگر شوہر کے سمجھے جاتے ہوں تو شوہر کی ملک شمار ہوگی، اپنے یہاں کا عرف مقامی علماء سے دریافت کرلیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۶/ صفر ۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ　الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

میت کا قرضہ ترکہ میں سے وصول کرنا

سوال: ہمارے والد صاحب نے اپنی زندگی میں ایک مکان تعمیر کروایا تھا کہ دونوں بیٹے شادی کے بعد اس میں قیام کرسکیں، مکان کی تعمیر کے لیے جو زمین خریدی تھی اس کی قیمت ایک لاکھ پینسٹھ ہزار روپئے تھی، تعمیر کے سلسلہ میں دونوں بھائیوں نے اپنے پاس سے ۴۵-۴۵ ہزار روپئے والد صاحب کو دیئے تھے، والد صاحب نے تعمیر کے لیے بطور قرض کچھ رقم کا مطالبہ مولانا اسماعیل واڈی والا صاحب جو انگلینڈ میں مقیم ہیں ان کے سامنے رکھا، مولانا اسماعیل صاحب نے اپنے کچھ دوستوں کو متوجہ کیا اور رقم وصول ہوئی۔

والد صاحب کی عمر اور بیماری لگاتار بڑھتی جارہی تھی، اس درمیان والد صاحب

نے قرض کی ادائیگی کے لیے اپنے دونوں بیٹوں اور دو دامادوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ یہ قرض کسی صورت میں ادا کرنا ہے:

پہلی تجویز یہ تھی کہ ہر ماہ دونوں بیٹے پانچ پانچ سو روپئے جمع کرتے رہیں؛ تاکہ آگے چل کر قرض سے چھٹکارا حاصل ہو، اسی مجلس میں بڑے بیٹے فضل حق نے انکار کردیا کہ میں ہر ماہ کچھ نہیں دے سکتا ہوں، انہوں نے کہا کہ مکان کو فروخت کردیں اور قرض ادا کردیں، اس تجویز کو چھوٹے بیٹے (میں نور الحق) اور گھر کے دوسرے افراد نے بھی مسترد کردیا؛ کیوں کہ قرض کی ادائیگی اپنی سہولت پر تھی کوئی تاریخ یا وقت کی قید نہ تھی۔

دوسری صورت والد صاحب نے یہ طے کردی کہ اس مکان کا قرض جو ادا کردے گا مکان اس کا ہوجائے گا، بڑے صاحبزادے سے پہلے پوچھا انہوں نے قرض کی ادائیگی سے انکار کردیا، اس کے بعد چھوٹے صاحبزادے سے پوچھا انہوں نے ادائیگی کی ذمہ داری قبول کرلی، اور والد صاحب کے انتقال کے بعد آہستہ آہستہ سہولت کے مطابق قرض ادا کردیا۔

نوٹ: مکان کی تعمیر کے سلسلے میں جو رقم بڑے صاحبزادے فضل حق نے پینتالیس ہزار کی والد صاحب کو دی تھی وہ والد صاحب سے ناراض ہوکر شدید تقاضے کے ساتھ واپس لے لی، اب اس مکان کی تعمیر میں سب سے زیادہ رقم میری لگی ہوئی ہے، اس کے بعد والد صاحب کی اور والدہ صاحبہ کی، بڑے صاحبزادے فضل حق کی رقم بالکل نہیں ہے، اس کے باوجود فضلِ حق اس مکان میں اپنا حصہ بتاتے ہیں، اور اپنے حق کا مطالبہ کررہے ہیں، دریافت طلب بات یہ ہے کہ شرعاً ان کا حصہ پورے

مکان میں ہے یا والد صاحب کی اس رقم میں جو مکان کی تعمیر میں لگی ہوئی ہے؟
اگر ان کا حصہ ہے تو آج کے حساب سے اس رقم کی ادائیگی ہوگی یا جس وقت وہ رقم دی گئی تھی؟ یعنی تعمیر کے وقت۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

آپ نے سوال میں لکھا ہے کہ ''دوسری بات یہ ہوئی تھی کہ مکان کا قرض جو ادا کرے گا مکان اس کا ہو جائے گا'' اس کا مطلب یہ ہے کہ مکان کا قرض جب ادا کر دیا جائے تب مکان قرض ادا کرنے والے بیٹے کا ہو جائے گا؛ لیکن جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ والد صاحب کے انتقال تک مکان کا قرض ادا نہیں کیا گیا، اور اسی حالت میں والد صاحب کا انتقال ہوا، اور پھر ان کے انتقال کے بعد چھوٹے بیٹے نے وہ قرض تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کیا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ انتقال کے وقت مکان والد صاحب ہی کی ملکیت میں تھا، اب انتقال کے بعد جیسا کہ شریعت کا اصول ہے کہ مرنے والے نے اپنے پیچھے جو ترکہ چھوڑا ہے اس میں سے سب سے پہلے تین حقوق بالترتیب ادا کئے جائیں، اس کے بعد ہی اس ترکہ میں وارثوں کا حق لگتا ہے، ان تین حقوق میں سب سے پہلے مرنے والے کی تجہیز وتکفین وتدفین کے متوسط مصارف ہیں، اس کے بعد مرنے والے کے اوپر جو (دیون) قرضے ہیں وہ ادا کئے جائیں، اس کے بعد اگر کچھ بچا ہے تو اس کے ایک تہائی میں سے مرنے والے کی وہ وصیت جو شرعی اصول وضوابط کے مطابق ہو ادا کی جائے، اس کے بعد باقی ترکہ میں وارثوں کا حق لگتا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں والد صاحب نے اپنے پیچھے جو کچھ ترکہ چھوڑا جس میں یہ مکان بھی ہے، اس میں سے سب سے پہلے ان کی تجہیز وتکفین کے مصارف نکال کر ان کا قرض ادا کرنا ضروری ہے، چھوٹے بیٹے نے والد صاحب کے انتقال کے بعد تھوڑا تھوڑا کر کے جو قرض ادا کیا وہ اپنی ادا کی ہوئی اس رقم کو والد صاحب کے ترکہ میں سے وصول کر لے، اسی طرح اس مکان کو تعمیر کرنے میں والدہ نے تیس ہزار کی جو رقم دی تھی وہ بھی اگر انہوں نے والد صاحب کو قرض کے طور پر دی تھی تو وہ رقم بھی ترکہ میں سے وصول کی جائے، چھوٹے بیٹے نے پینتالیس ہزار کی رقم والد صاحب کو اگر بطور امداد دی تھی تو ترکہ میں سے وصول نہیں کی جاسکتی، اور اگر قرض کے طور پر دی تھی تو وہ رقم بھی ترکہ میں سے وصول کی جائے، اور اگر والد صاحب کا اور بھی کوئی قرض ہو تو وہ بھی اسی میں سے ادا کیا جائے، اس کے بعد جو کچھ بچ جائے گا وہ والد صاحب کے تمام وارثوں کے درمیان شرعی اصول کے مطابق بطور میراث تقسیم ہوگا۔

جس روز تمام ورثاء فیصلہ کے لیے بیٹھیں اس روز مکان کی جو قیمت طے کی جائے، یا اگر اس مکان کو فروخت ہی کرنا ہے تو اس کو بیچ کر جو قیمت آوے اس میں سے اوپر لکھی ہوئی تفصیل کے مطابق عمل کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۴/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

الجواب صحیح: عبد القیوم راجکوٹی

ترکہ کا مال دین سے بھی کم ہونے کی صورت میں وارث نے بڑھائی ہوئی تجارت کا حق دار

سوال: ہمارے والد صاحب کا انتقال ۱۹۵۸ء میں ہو گیا تھا، اس وقت ان کے وارثین میں مرحوم کی ایک بیوی، تین لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں، ہم بھائی بہنوں میں، میں خود، جان محمد سب سے بڑا یعنی بیس سال کا تھا، جب کہ منجھلہ بھائی اسماعیل گیارہ سال کا اور سب سے چھوٹا بھائی ادریس چار سال کا تھا، بہنوں میں زبیدہ ۱۸ / سال کی اور چھوٹی بہن نور النساء پندرہ سال کی تھی۔

والد صاحب کا اخیر تک ذاتی مکان نہیں تھا؛ بلکہ ہم تمام کرایہ کے مکان میں رہتے تھے اور والد صاحب کا کاروبار چونے کا تھا، تفصیل جس کی یہ تھی کہ چونے کی دوکان کرایہ کی تھی اور اس دکان میں چونا فروخت ہوتا تھا اور والد صاحب کی موجودگی میں امیر گڈھ سے محمد شفیع بھائی کے والد صاحب کے یہاں سے چونا لایا جاتا تھا اور چونا بھی والد صاحب کے معذور ہونے کی وجہ سے میں خود ہی امیر گڈھ سے لے آتا تھا، والد صاحب کے انتقال کے وقت اس کرایہ کی دوکان میں کچھ چونا رکھا ہوا تھا، لیکن اس کے بالمقابل چونے کے مالک محمد شفیع بھائی کے والد صاحب کا ہمارے والد صاحب کے ذمہ چونے کی رقم کافی ادا کرنے کی باقی تھی، یہاں تک کہ اگر اسٹاک چونے کو فروخت کر کے والد صاحب کا قرضہ ادا کیا جاتا تب بھی قرضہ ادا نہ ہوتا۔

والد صاحب کے انتقال کے بعد چوں کہ میں سب سے بڑا تھا اس لیے امورِ خانہ داری و کاروبار کی مکمل ذمہ داری مجھ پر آ گئی اب میں اسی کرایہ کی دوکان میں

کاروبار کرتا رہا اور میں خود ہی امیر گڈھ سے چونا لا کر فروخت کرتا رہا اور کرایہ خود ہی ادا کرتا رہا اور اس سے کما کر والد صاحب کا قرضہ اس طرح ادا کیا کہ ڈھائی سال تک ہر ماہ ۲۰۰ روپیہ ادا کرتا رہا، نیز اسی کاروبار سے پوری فیملی کا گذر بسر چلتا رہا اور تمام بھائی بہنوں کی شادی بھی کروائی اور بہنوں کی شادی کے موقع پر کچھ زیورات بھی دیئے اور اس کاروبار سے کما کر میں نے ایک زمین اور دیگر کچھ املاک خریدیں۔

اب سوال طلب امر یہ ہے کہ اس چونے کی دوکان سے جو روپیہ کما کر زمین و دیگر املاک خریدیں اس میں دیگر وارثین کا حقِ وراثت رہے گا یا نہیں؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شرعاً شرکت عقد کے لیے ایجاب وقبول اور دیگر شرائط ضروری ہے، صورتِ مسئلہ میں ان میں سے کوئی چیز پائی نہیں گئی؛ بلکہ سائل خود ہی ادھار مال لا کر فروخت کرتا رہا اور تجارت کا سلسلہ جاری رکھا؛ اس لیے مذکورہ تجارت سے روپیہ حاصل کر کے جو زمین اور دیگر املاک خریدی گئی ہیں ان میں دیگر وارثین کے حقِ وراثت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، خصوصا جب کہ والد صاحب نے بوقتِ وفات چونے کا جو اسٹاک اپنے پیچھے چھوڑا تھا وہ ان کے قرضہ کی ادائیگی کے لیے بھی کافی نہیں تھا۔

تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ میں ہے: (أقول) هٰذا إنما يجري في شركة العقد و الواقع في السوال شركة ملك فيما يظهر اذا لم يذكر فيه أنهم عقدوا شركة فيما بينهم و لاأأن التركة نقود او عروض بيع بعضها ببعض فالظاهر أنها شركة ملك لا يجري فيها تفاوت في الربح بل يكون ما في أيدهم بينهم سويّة كما مر وهذه المسئلة تقع كثيراً خصوصاً فى

أهل القرى حيث يموت الميت منهم و تبقى تركته بين أيدي ورثته بلا قسمة يعملون فيها و ربما تعددت الأموات و هم على ذالك و قد يتوهم أنها شركة مفاوضة و ذالك باطل لأن شركة المفاوضة لها شروط منها العقد بلفظ المفاوضة فان لم يذكر لفظها فلا بد من أن يذكر تمام معناها بان يقول أحدها للآخر و هما حران بالغان مسلمان أو ذمّيان شاركتك في جميع ما أملك من نقد و قدر ما تملك على وجه التفويض العام من كل منا للآخر في التجارات و النقد و النسيئة و على أن كلاً ضامنٌ عن الآخر ما يلزمه من أمر كل بيع كما في البحر ومنها أنها لاتكون بين صبي و بالغو أنها لا تصح بالعروض و أنها تبطل بالموت و لا يخفى أن الواقع في زماننا ليس فيه شيئ من ذالك فليس للمفتى أن يفتى بأنها مفاوضة و يلزمهم بأحكامها بأن يلزمهم مثلا بأن ما لزم احدهم من دين يلزم الآخر نعم! ان صرحوا له بأنهم شركاء مفاوضة يفتيهم بأحكامها و ليس عليه أن يسألهم عن استيفاء شرائط العقد كما لو سئل عن غيرها من العقود كما صرح به في البزازية و مما يناسب هذا المقام ما كتبته في حاشيتى رد المحتار على الدر المختار في آخر كتاب المزارعة نقلا عن التتارخانية و غيرهامات رجل و ترك اولاداً صغاراً و كباراً و امرأة و الكبار منها،أو من امرأة غيرها فحرث الكبار و زرعوا في أرض مشتركة أو في ارض الغير كما هو المعتاد و الأولاد كلهم في عيال المرأة تتعاهدهم وهم يزرعون و يجمعون الغلاّت في بيت واحد ينفقون من ذالك جملة قال صارت هذه واقعة الفتوى و اتفقت الأجوبة أنهم ان زرعو من بذر مشترك بينهم

باذن الباقين لو كبارا أو باذن الوصى لو صغاراً فالغلة مشتركة و أن من بذر انفسهم أو بذر مشترك بلااذن فالغلة للزارعين اه فاغتنم هذه الفائدة. (تنقيح الفتاوىٰ الحامدية ۹۴/۱)

البتہ سائل نے سوال میں اس بات کی وضاحت نہیں کی ہے کہ بعد میں دوسرے بھائیوں کو اس کاروبار میں اپنے ساتھ لگایا تھا یا نہیں؟ اگر ایسا کیا گیا ہے تو مناسب یہ ہے کہ قوم اور برادری کے بڑے دین دار اور پابندِ شرع لوگوں کو ساتھ میں رکھ کر اس زمین اور املاک میں سے ان کو بھی اس کی سعی اور محنت کے تناسب سے کچھ دیا جائے، آج تک ان کے ساتھ جو حسنِ سلوک اور کفالت کا معاملہ کیا اس کا تقاضہ یہی ہے، البتہ ان بھائیوں کو بھی سمجھنا چاہیے کہ بطورِ استحقاق وہ اس کا مطالبہ نہ کریں اور یہ بھی صرف ان بھائیوں کے لیے ہے جنہوں نے کاروبار میں سائل کا ساتھ دیا؛ ورنہ بہنوں اور وہ بھائی جس نے کاروبار میں تعاون نہ کیا ہو ان کے لیے اس کی ضرورت نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری

بلیک میل کر کے ورثاء کے حصے ختم کرنا اور خود زیادہ لینا

سوال: میں نے آپ کی خدمت میں پٹرول پمپ (Bharuch Auto Swrvice) وراثت کے تعلق سے ایک طویل استفتاء بھیجا تھا، جس کا جواب آپ نے ۱۰/ ذی القعدہ ۱۴۱۴ھ کو مرحمت فرمایا تھا، جس میں آپ نے واضح فرمایا تھا کہ ہمارے مرحوم والد کے بعد اس میں وراثت کے احکام جاری ہوں گے، دراصل اس استفتاء میں مذکورہ تجارت کی تفاصیل میں نے آپ کے علم میں لانے کی کوشش کی تھی؛

مگر اس کے تعلق سے ہمارے تنازعات جو رخ اختیار کرتے رہے اس کی تفاصیل نہیں تھیں، ہمارے والد صاحب کا انتقال ۲۰ / جنوری ۱۹۹۸ء کو ہوا، پس ماندگان میں چار بیٹے، دو بیٹیاں، ایک بیوی تھیں، انتقال کے فوراً بعد مذکورہ کمپنی اور بینک نے ہم لوگوں سے بتایا کہ اگر آپ لوگ اس کاروبار اور اکاؤنٹ کو جاری رکھنا چاہتے ہیں تو آپ لوگوں کو عارضی مصالحت نامہ بنانا ہوگا؛ تا آنکہ کمپنی کسی بھی وارث سے نیا ایگریمنٹ کرے، اسی کے پیش نظر ہم لوگوں نے ۲۱ / جنوری ۱۹۹۸ء کو عارضی مصالحت نامہ بنایا اور اس میں صرف ہم تین بھائیوں نے اپنے آپ کو کمپنی کا برابر سرابر شریک قرار دیا، تقریباً ایک مہینہ کے عرصہ میں جب تمام وارثین - سوائے ایک بھائی کے جو لندن میں مقیم تھا - حاضر تھے، اس میں یہ طے ہوا کہ جو لوگ باقاعدگی سے اپنا وقت دے کر پٹرول پمپ چلا رہے ہیں یعنی تینوں بھائی ان کو محنتانہ کے عوض سولہ ہزار روپئے ماہانہ دیا جائے گا، اور سالانہ تمام وارثوں کو ان کے حصص کے حساب سے منافع تقسیم ہوں گے، اس کو سبھی لوگوں نے قبول کیا تھا، لندن والے بھائی کو بھی میں نے بتایا تو اس نے بھی کہا ٹھیک ہے، جو طے ہوا وہی صحیح ہے، ۲۰۰۲ء تک اسی پر عمل ہوتا رہا، شہر کے ایک محترم مفتی صاحب نے چھوٹے بھائی کو یہ بتایا کہ اس میں وراثت نہیں ہے، اس لیے اس نے کہا کہ سالانہ ہم لوگ جو باقی لوگوں کو منافع دیتے ہیں وہ لوگ اس کے حق دار نہیں ہیں، اس لیے اب منافع ہم تینوں بھائیوں میں ہی برابر سرابر تقسیم ہوں گے، اس کے بعد اس بھائی نے اپنی من مانی شروع کر دی، اس وقت بینک میں ہم تینوں بھائیوں کے نام تھے، قاعدہ کے حساب سے کسی بھی کام کے لیے دو بھائیوں کی دستخط ضروری ہوتی تھی، ایک بھائی جو امریکہ میں زیادہ تر رہتا تھا وہ جب بیرون

ملک گیا تو چھوٹے والے نے چیک پر دستخط کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اگر تجھے میری دستخط چاہیے تو تو مجھے اپنی جیب سے کم از کم پچاس ہزار روپئے دے، وجہ یہ بتائی کہ تو کام نہیں کرتا ہے اور تنخواہ لیتا ہے، دوسری شرط یہ رکھی کہ اب سے منافع میں سے مکمل ایک تہائی میں لوں گا، اس وقت حالت یہ تھی کہ اگر میں اس کی اس شرط کو نہیں مانتا تو کاروبار بند ہو جاتا، اس طرح اس نے مجھے مجبور کیا، جسے کاروباری زبان میں بلیک میل کرنا کہتے ہیں، مذکورہ مفتی صاحب کے علم میں یہ حالات تھے؛ مگر وہ خاموش رہے، انہوں نے کچھ نہیں کہا؛ بلکہ غالب گمان یہ ہے کہ یہ سب کچھ انہیں کی شہہ پر ہوا ہوگا، اللہ تعالیٰ بدگمانی سے بچائے اور میرے اس قصور کو معاف فرمائے، اس بدگمانی کی بہت بڑی وجہ مفتی صاحب کا رویہ ہے، وہ یہ کہ انہوں نے چھوٹے بھائی کو یہ بتایا کہ اس میں وراثت نہیں ہے، انہی کے اس زبانی فقرے کی بنا پر ہم لوگوں میں ایک تنازعہ کی بنیاد پڑ گئی، مفتی صاحب نے بہت اصرار کے باوجود آج تک زبانی فتوے کو تحریری شکل میں نہیں دیا، میں جب استفتاء کرتا ہوں تو پہلی مرتبہ انہوں نے کہا کہ سوال بہت مشکل ہے مجھے دیوبند بھیجنا پڑے گا، یہ کہہ کر خاموشی اختیار کر لی، کچھ مہینوں کے بعد انہوں نے پھر اسی طرح بہانہ کیا، کبھی کہہ دیتے ہیں کہ یہ ناقص ہے یا کہتے ہیں کہ اس میں خامی ہے، ۲۰۰۲ء سے آج تک تحریری جواب دینے سے وہ مسلسل پہلو بچا رہے ہیں؛ حتی کہ میں نے درمیان میں یہاں تک کہا کہ مفتی صاحب! آپ تو حالات سے واقف ہیں، آپ بتائیے آپ جو کہیں گے وہ سوال میں لکھ لوں گا، آپ اسی کا جواب دے دیجئے؛ مگر اس پر بھی انہوں نے خاموشی اختیار کر لی، اس دوران میرے دل میں یہ وسوسہ آنے لگا تھا کہ اگر واقعۃً اس کاروبار میں وراثت ہوگی تو میں گنہگار رہوں گا، اس

دوران ایک اور مؤقر مفتی صاحب بمبئی تشریف لائے، ان کے یہاں ہم دونوں بھائی بیٹھے اور دونوں نے ان کو حکم تسلیم کیا، وہاں جب باتیں ہوئیں تو شہر کے مذکورہ مفتی صاحب جو تنازعہ کا سبب ہیں وہ بھی تھے، میرا بھائی چرب زبان ہے، اس نے جو کچھ کہا مؤقر مفتی صاحب نے اسے سن کر کہا کہ تمہارے چھوٹے بھائی کا احسان ہے کہ وہ تم کو کچھ دے رہے ہیں، ورنہ وہ تو کل کا مالک ہے، میں نے کہا کہ آپ جو کچھ فرمارہے ہیں اسے تحریری شکل دے دیں، تو انہوں نے کہا کہ وہ تحریر دیں گے، کچھ مدت کے بعد جب وہ دوبارہ تشریف لائے تو میں نے ان سے اس تحریر کا مطالبہ کیا؛ مگر انہوں نے کہا کہ وہ تحریر دے چکے ہیں، میں نے کہا کہ آپ نے مجھے کوئی تحریر نہیں دی، تو انہوں نے اصرار کیا کہ وہ دے چکے ہیں، چھوٹے بھائی کا رویہ بھی اس کے بعد سے کچھ اور بدل گیا ہے، وہ شیر ہو گیا اور ہر معاملہ میں اپنی من مانی کرتا ہے، اس نے کہا کہ مفتی صاحب مجھے تحریری طور پر دے چکے ہیں، میں نے اس سے نقل مانگی اور میری والدہ نے بھی مانگی تو اس نے دینے سے انکار کر دیا، اس تعلق سے میں نے آپ سمیت ملک کے مشہور مفتیان کرام سے استفتاء کیا، سب نے بیک زبان اس میں وراثت کے جارے ہونے کا جواب دیا ہے، کسی ایک بھی مفتی نے تحریری طور پر وراثت نہ ہونے کا حکم نہیں دیا، اب سوال یہ ہے کہ درمیان میں جو تبدیلیاں آتی رہیں اس کا شریعت کی نگاہ میں کیا حکم ہے؟

(۱) درمیان میں چھوٹے بھائی نے مجھے بلیک میل کر کے اپنی شرائط منوائی اور آج تک اس پر عمل پیرا ہے، کیا وہ شرعاً معتبر ہیں؟

(۲) بمبئی کے مفتی صاحب جو رویہ اپنا رہے ہیں، کیا وہ صحیح ہے؟ زبانی جواب

دینا اور تحریر سے انکار کرنا کیا گناہ کا سبب نہیں؟

③ باہر سے جو مؤقر مفتی صاحب آئے تھے، انہوں نے جو فیصلہ کیا، کیا میں اور دیگر ورثاء جو وہاں موجود نہ تھے اس کے پابند ہیں؟ جب کہ اتنے طویل تنازعہ کا فیصلہ انہوں نے صرف مغرب کے بعد عشاء سے پہلے کر دیا؟ انہوں نے تحقیق کے لیے نہ تو گواہ طلب کئے، اور نہ ہی حلفیہ بیان لیا۔

④ چھوٹا بھائی اپنی من مانی کرتے ہوئے جو رقم باقی ہے کسی بھی وارث کی مرضی کے بغیر اٹھاتا ہے، اگر میں بھی اتنی ہی رقم اٹھا کر ورثاء میں ان کے حصص کے حساب سے تقسیم کر دوں تو یہ جائز ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① آپ کے بھائی نے آپ کو بلیک میل کر کے اپنی جو شرط منوائی ہے وہ خلافِ شرع ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں؛ اس لیے کہ اس نے منافع میں سے مکمل ایک تہائی لینے کی شرط منوائی ہے، حالاں کہ منافع میں تمام ورثاء کا بقدرِ وراثت حق اور حصہ ہے، آپ کے اس شرط کو مان لینے سے دوسرے ورثاء کا حق منافع میں سے ختم نہیں ہوتا۔

② عالم اور مفتی کے ذمہ اتنی بات ہے کہ جو مسئلہ اس کے علم میں مستحضر ہو اور کوئی دریافت کرے تو بتادے، اور مستحضر نہ ہو مگر کتاب دیکھ کر بتانے پر قدرت ہو اور اس میں اسے کوئی کلفت نہ ہو تو دیکھ کر بتادے؛ لیکن کسی حال میں تحریری جواب دینا اس پر لازم نہیں۔ (کفایت المفتی ۲/ ۲۳۵)

البتہ تحریری جواب کی خدمت انجام دینے کے لیے کسی ادارہ (مدرسہ یا انجمن وغیرہ) نے ان مفتی صاحب کے ساتھ عقدِ اجارہ کیا ہو تو وہ تحریری جواب دینے کے

پابند ہیں۔

③ شریعتِ مطہرہ نے حقوق العباد سے متعلق متنازع فیہ معاملہ میں فیصلہ صادر کرنے کے لیے جن اصول وضوابط کا قاضیٔ شرعی یا حکم (فریقین کی طرف سے فیصلہ دینے کے لیے تسلیم کیا گیا ہو) کو پابند کیا ہے، ان اصول وضوابط کے مطابق فیصلہ دینا ان کے لیے ضروری ہے، اگر کوئی قاضی یا حکم ان اصول اور ضوابط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فیصلہ صادر کرے گا تو وہ شرعاً معتبر نہیں۔

④ پٹرول پمپ کی ملکیت تمام ورثاء میں مشترک ہونے کی وجہ سے اس کے منافع بھی ان کے درمیان بقدرِ حقِ وراثت تقسیم ہونے چاہیے، چھوٹا بھائی دیگر ورثاء کے حق کو ادا نہ کرتے ہوئے ان کے حصہ کی رقم خود لے لیتا ہے، اس صورت میں اگر آپ اتنی ہی رقم اٹھا کر ورثاء میں ان کے حصہ کے مطابق تقسیم کردیں تو آپ کا یہ اقدام جائز اور مستحسن ہی نہیں؛ بلکہ ایک اعتبار سے ضروری ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۱/ ربیع الآخر ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

وارث کا کرایہ دینے سے انکار، ترکہ کی زمین کا مشاعاً وقف اور میراث لینے سے انکار

سوال: ① زید کے ۶ لڑکے تھے اور تین لڑکیاں تھیں، اس نے اپنی حیات ہی میں ساری اولاد کے مابین ساری وراثت تقسیم کردی، بعدہ اس کا انتقال ہوگیا، سارے لڑکے الگ الگ کاروبار میں مشغول ہوگئے۔ زید مرحوم کا بڑا لڑکا (فقیر محمد)

لاولد تھا؛ اس لیے اس نے اپنے بھتیجے کو متبنیٰ بنالیا، پھر فقیر محمد نے اپنے چھوٹے بھائی حسن کو اپنی جائداد ٹھیکے کے طور پر اجارۃً دے دیا؛ لیکن چھوٹے بھائی حسن نے بڑے بھائی فقیر محمد کو کبھی بھی کرایہ نہیں ادا کیا، اس درمیان میں فقیر محمد کا سفر کی حالت میں انتقال ہوگیا؛ مگر انھوں نے کرایے کی بقایا رقم حساب کرکے چھوٹے بھائی کو اپنی موت سے قبل دے دیا تھا، کہ میرا تمھارے ذمہ جائداد کے کرایے کی اتنی رقم باقی ہے، اس پر چھوٹے بھائی نے اعتراف بھی کیا اور اس کاغذ پر دستخط بھی کی؛ لیکن فقیر محمد کے انتقال کے بعد حسن نے صاف انکار کردیا کہ میں ادا کرچکا ہوں، جب کہ دوسرے حضرات کو کچھ بھی علم نہیں، اور وہ کاغذ جس پر دستخط کیا تھا شاہدِ عدل ہے۔

② پھر مرحوم فقیر محمد کے انتقال کے بعد حسن نے یہ دعویٰ کیا کہ: ساری وراثت کا مَیں مالک ہوں، اس میں کسی کا حق نہیں، حالاں کہ مرحوم کی بیوی زندہ ہے اور مرحوم کے پانچ بھائی اور تین بہنیں موجود ہیں، تو کیا اس کا یہ دعویٰ از روئے شریعت درست ہے؟

③ مرحوم فقیر محمد کے انتقال کے بعد ان کی بیوی نے اپنے شوہر (فقیر محمد) کی زمین کو مدرسے کے نام وقف کردیا، اور مکان اپنے متبنیٰ کے نام کردیا۔

مذکورہ تفصیلات سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ: حسن کا یہ رویہ از روئے شرع کیسا ہے؟ پھر حسن کے ذمہ کرایے کی رقم وراثتِ مرحوم فقیر محمد میں محسوب ہوگی یا نہیں؟ نیز حسن کا دعویٰ کرنا کہ میں ادا کرچکا ہوں جب کہ کوئی گواہ نہیں، نیز وہ کاغذ جس پر ادائیگیٔ رقم کے لیے حسن نے دستخط کیا تھا، وہ بقایا کی شکل میں موجود ہے اور عدمِ ادائیگی پر دال ہے، تو اس سلسلے میں کس کی بات معتبر سمجھی جائے گی؟ نیز فقیر محمد کی بیوی کا مدرسہ کے نام وقف اور اپنے متبنیٰ کے نام مکان کا دینا قبل از تقسیمِ وراثت

درست ہوا یا نہیں؟

نوٹ: واضح رہے کہ مرحوم فقیر محمد کے وارثین مندرجۂ ذیل ہیں: ایک بیوی، ۵/ بھائی یعنی: محمد بھائی، اسماعیل بھائی، احمد، یوسف، حسن۔ ۳/ بہنیں (عائشہ، سعدیہ، سعیدہ)۔

نوٹ: حسن کے علاوہ دیگر چار بھائی وراثت کے لینے سے انکار کر رہے ہیں، اور یہ چاروں بھائی انڈیا سے نقلِ مکانی کر کے افریقہ میں مستقل طریقے پر اقامت اختیار کر لیے ہیں، تو ایسی صورت میں ان کی وراثت کس جانب منتقل ہوگی؟ اگر مذکورہ حضرات بہ ذریعۂ خط کسی کو نام زد کر دیں کہ فلاں کو یہ حصہ دے دیا جائے، تو کیا شرعاً اعتبار کیا جائے گا؟ ہر ایک وارث کا حصہ علاحدہ علاحدہ تحریر فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

میت

زوجہ	بھائی ۵	بہنیں
۱	محمد، اسماعیل، احمد، یوسف، حسن (۳۹)	عائشہ، سعدیہ، سعیدہ
۱۳	۶ ۶ ۶ ۶ ۶	۳ ۳ ۳

مرحوم فقیر محمد کے ترکہ (مکان، زمین، نقد، زیورات وغیرہ) میں سے حقوقِ متقدمہ علی الارث (یعنی تجہیز وتکفین کے متوسط مصارف، اس کے بعد مرحوم کے تمام دیون کی ادائیگی، اس کے بعد مابقی کے ثلث میں سے مرحوم کی وصیت شرعیہ) کی ادائیگی کے بعد مابقی ترکہ کو باون سہام پر تقسیم کر کے اُن میں سے مرحوم کی بیوی کو تیرہ سہام، اور پانچوں بھائیوں میں سے ہر ایک کو چھ سہام، اور تینوں بہنوں میں سے ہر

ایک بہن کو تین سہام دیے جائیں۔

① حسن کرایہ کی بقایا رقم کا انکار کرتا ہے تو شرعی گواہی کے ذریعے ہی اس کا ثبوت ہوسکتا ہے، اس کا دستخط شدہ کاغذ ثبوت کے لیے کافی نہیں ہے؛ البتہ دیگر ورثاء حسن سے اُس کے اس انکار پر قسم لے سکتے ہیں، اور اگر حسن اس تحریر اور اس پر اپنے دستخط کا اقرار کرنے کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ: میں ادا کر چکا ہوں، تو اس کی ادائیگی کے اس دعوے پر شرعی ثبوت طلب کیا جائے، اگر وہ ثبوت پیش نہ کر سکے تو اس سے وہ رقم وصول کی جاسکتی ہے، اور وہ رقم بھی ترکے میں شمار ہوگی۔

② مرحوم فقیر محمد کے ترکے کے متعلق اس کے بھائی حسن کا یہ دعویٰ کہ: میں تنہا اس کا وارث ہوں، جب کہ فقیر محمد کی زوجہ اور دیگر چار بھائی اور تین بہنیں موجود ہیں، باطل ہے؛ بلکہ مرحوم فقیر محمد کا ترکہ اس کے مذکورہ تمام ورثاء میں مندرجۂ بالا طریقے پر تقسیم ہوگا۔

③ مرحوم فقیر محمد کی بیوی نے اپنے شوہر کی وفات کے بعد جو زمین وقف کی ہے، چوں کہ وہ مرحوم کا ترکہ ہے؛ اس لیے تمام ورثاء کے درمیان مشترک ہے، تو یہ وقف مشاع کا مسئلہ ہے جو مختلف فیہ ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بیوی کے حصے میں وقف درست ہے جب کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست نہیں، دونوں قول کی طرف مشائخ گئے ہیں، اور دونوں قول پر فتویٰ دیا گیا ہے؛ اس لیے دونوں قول مصحح ہیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وقف المشاع المتحمل القسمة لا يجوز عند محمد، وبه أخذ مشائخ بخارىٰ وعليه الفتوىٰ، كذا في السراجية؛ والمتأخرون أفتوا

بقول أبي يوسف أنه يجوز، وهو المختار كذا في خزانة المفتيين. (٣٦٥/٤)

شامی میں ہے:

(قوله لاختلاف الترجيح)فإن كلا من قول أبي يوسف وقول محمد صُحِّح بلفظ الفتوىٰ كما مر (٣٠٩/٣) وغيرذلك من العبارات الفقهية.

ہمارے اکابر میں سے حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ''فتاویٰ محمودیہ'' (۱۰/ ۱۷۴-۱۵/ ۳۱۰) سے بیوی کے حصے کے وقف کا درست ہونا معلوم ہوتا ہے۔

مرحوم فقیر محمد کی بیوی کا مکان کو متبنیٰ کے نام کر دینا درست نہیں ہے، اگر ہبہ کیا بھی ہے تو یہ ہبۂ مشاع ہے جو جائز نہیں ہے۔ كما هو مصرح في كتب الفقه

④ حسن کے علاوہ بقیہ چار بھائیوں کے وراثت لینے سے انکار کرنے کی وجہ سے اُن کا حق مرحوم کے ترکہ میں سے ختم نہیں ہوتا۔

(فتاوىٰ بزازية على هامش الهنديه ٣٨١الاشباه والنظائر ص:٣١٦)

البتہ اگر وہ یہ کہیں کہ: معاف کر دیا، تو اس صورت میں اعیان (زمین، مکان اشیاء وغیرہ) میں تو حق ختم نہیں ہوگا؛ بلکہ ملکیت باقی رہے گی؛ مگر دیون (یعنی مرحوم کے جو دین دوسروں کے ذمہ ہیں، مثلاً صورت مسئولہ میں اگر حسن کے ذمہ بقایا کرایہ ثابت ہوجائے) میں سے ان کے حصے کے بہ قدر معاف ہوجائے گا۔

(كما يستفاد من الفتاوىٰ الخيرية على هامش تنقيح الفتاوىٰ الحامدية ١٥٦٢)

بقیہ بھائیوں کو اگر ترکہ میں سے اپنا حصہ نہیں لینا ہے تو اولاً وہ بہ ذریعۂ خط کسی کو اپنا حصۂ میراث وصول کرنے کا وکیل مقرر کریں، اور وہ وکیل ترکہ تقسیم کروا کر جب ان کے حصے پر قابض ہوجائے اِس کے بعد وہ اپنا حصہ جس کو چاہیں اُس کو ہبہ کر کے

اس کے قبضے میں دے دیں۔ (از امداد الفتاویٰ ۴/ ۳۶۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری ۱۱/ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

اولاد کی بخشش میں جہیز کا سامان شمار کر سکتے ہیں

سوال: زید نے اپنی زندگی میں انتہائی تگ و دو و محنت سے مندرجۂ ذیل اثاثہ جمع کیا ہے، الحمد للہ اس پر ہر سال حساب سے زکوۃ بھی ادا کی جاتی ہے، اب زید چاہتا ہے کہ اپنی زندگی ہی میں اپنی اولاد کو اثاثہ تقسیم کر دے، اس کے وارثوں میں حسب ذیل لوگ موجود ہیں: ایک بیوی، ایک بیٹا، اور تین بیٹیاں۔ اثاثہ کی نیز جائداد کی تفصیل اس طرح ہے:

۱	۳/عدد دکانیں پگڑی کی کل ویلیو:	۴۸/لاکھ روپے
۲	ایک کمرہ پگڑی کا	۱۵/لاکھ روپے
۳	ایک اونرشپ کا فلیٹ، ویلیو:	۴۰/لاکھ روپے
۴	کاروبار میں ۴۰/ کے حساب سے نقد حصہ اور اثاثہ	۶۰/لاکھ روپے
۵	متفرق سامان زیور اور کچھ قیمتی چیزیں	۱۰/لاکھ روپے
	مجموعی ٹوٹل	ایک کڑوڑ ۷۳/لاکھ روپے

برائے کرم یہ ضرور وضاحت فرمائیں کہ: بیوی کے لیے کس قدر رقم مخصوص کی جائے اور لڑکے کو نیز تینوں لڑکیوں کو کس حساب سے رقم دی جائے؟ واضح ہو کہ

چاروں بچے شادی شدہ ہیں اور اپنے اپنے گھروں پر خوش ہیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

شریعت کی اصطلاح میں وراثت اس کو کہتے ہیں جو آدمی کے انتقال کے بعد اس کے ترکہ میں ثابت ہوتی ہے، جب تک وہ زندہ ہے وہ خود اس کا مالک ہے، اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی، آدمی اپنی زندگی میں اپنی اولاد وغیرہ کو جو کچھ دیتا ہے وہ ہبہ اور بخشش کہلاتی ہے، اس کا شریعت کے نزدیک پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ اپنی تمام اولاد- چاہے لڑکے ہوں یا لڑکیاں- کو یکساں طور پر دے، بلاوجہِ شرعی اپنی اولاد میں سے کسی کو دینا اور کسی کو محروم رکھنا، یا کسی کو زیادہ دینا اور کسی کو کم دینا ممنوع ہے، اگرچہ اس طرح دیا تب بھی جس کو دیا گیا ہے وہ مالک ہوجاتا ہے۔

آپ اگر اپنی زندگی میں اپنا اثاثہ دے دینا چاہتے ہیں، تو اپنے لیے جتنا اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں وہ نکال کر بقیہ اثاثہ میں سے آٹھواں حصہ اپنی بیوی کو دیں، اس کے بعد جو بچے اس کے چار یکساں حصے کر کے تمام اولاد کو ایک ایک حصہ دے دیں۔ جو اثاثہ قابلِ تقسیم ہے اس کے حصے الگ کر کے ہر ایک کے قبضے اور تصرف میں دے دیں گے، تب ہی ہبہ اور بخشش مکمل اور درست ہوگی۔ اگر لڑکیوں کو نکاح کے وقت کچھ دیا تھا اس کو بھی ان کو دیے جانے والے حصہ میں شمار کرنا چاہیں تو کرلیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷/ جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: عباس داود بسم اللہ

ترکہ کا قبل از تقسیم استعمال کرنا اور یتیموں کا نفقہ

سوال: ① میرے بھائی نے مرحوم بھائی کی بیوہ سے نکاح کیا ہے، مرحوم بھائی کے پانچ بچے ہیں، جس نے نکاح کیا اس کے تین بچے ہیں، یہ سب بچے اور میاں بیوی ساتھ میں رہتے ہیں، مرحوم بھائی کا گیرج ہے، جس کی آمدنی کم وبیش دو ہزار روپئے ماہانہ ہے، جس بھائی نے نکاح کیا ہے وہ گوشت کا کاروبار کرتے ہیں، اور تقریباً روزانہ سو روپئے کی آمدنی ہے، تو کیا اس بھائی کے ذمہ ان یتیم بچوں کو کھانے پینے اور دوسری ضروریات کی ذمہ داری ہے؟

② مرحوم بھائی کی بے حد آمدنی ہے، وہ آمدنی یہ بھائی استعمال کرسکتا ہے؟ اور اگر کرسکتا ہے تو کتنا؟

③ میری بھابھی نے یعنی ان یتیم بچوں کی ماں نے نکاح کیا ہے تو مرحوم بھائی کی آمدنی میں اس کا کوئی حصہ ہے یا نہیں؟

④ مرحوم بھائی کا اسکوٹر ہے، اس اسکوٹر کو جس بھائی نے نکاح کیا ہے اس کا لڑکا استعمال کرتا ہے، وہ مرحوم بھائی کی گیرج پر آنے جانے میں استعمال ہوتا ہے، اور اس کے اپنے ضروری کام میں بھی، تو اس کے لیے اسکوٹر استعمال کرنا جائز ہے؟

⑤ مرحوم بھائی کے تمام بچے نابالغ ہیں، اس کے گیرج کی دیکھ بھال کرے تو آمدنی میں کچھ حصہ ہوگا؟

⑥ اگر جس بھائی نے نکاح کیا ہے اس کا لڑکا گیرج کی دیکھ بھال کرے تو آمدنی میں کچھ حصہ ہوگا؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱) جب ان یتیم بچوں کے پاس اپنا مال اور اپنی آمدنی موجود ہے تو ان کا نفقہ اسی میں سے نکالا جائے گا۔

(۲) اب یہ آمدنی مرحوم بھائی کی نہیں؛ بلکہ ان کے ورثاء کی ہے، ورثاء اگر عاقل بالغ ہیں اور برضاء ورغبت اپنے حصہ میں سے استعمال کی اجازت دیتے ہیں تو یہ بھائی اس کے مطابق استعمال کر سکتے ہیں، اور اگر ورثاء نابالغ ہیں تو استعمال نہیں کر سکتے، اور نابالغ کی اجازت شرعاً معتبر نہیں۔

(۳) مرحوم بھائی کے ترکہ میں اس کی بیوی کا حق وراثت آٹھواں حصہ ہے۔

(۴) اس لڑکے کے لیے اسکوٹر کا استعمال بلا وجہ شرعی درست نہیں ہے، اگر اپنے کام میں استعمال کرنا چاہے تو اس کا کرایہ ادا کرنا ہوگا۔

(۵) مرحوم بھائی نے وفات سے پہلے جس آدمی کو اپنی اولاد اور املاک کی نگرانی کے لیے مقرر کیا ہو اس کی یہ ذمہ داری ہے، ایسے آدمی کو شریعت کی اصطلاح میں ''وصی'' کہتے ہیں۔

(۶) اس قسم کا کام کرنے پر دستور اور عرف کے مطابق جو اجرت مل سکتی ہے، اس کا وہ حق دار ہے، اور اگر اس نے پہلے سے اپنے اس کام کی اجرت مقرر کروالی ہے تو اس کے مطابق ادا کی جائے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۲/ ذوالقعدہ ۱۴۱۴ھ

شوہر کی موت پر حکومت سے ملنے والی رقم کا مالک کون؟

سوال: میں ایک بیوہ ہوں، میرے شوہر کا چار سال پہلے انتقال ایکسیڈنٹ میں

ہو گیا، میری کوئی اولاد نہیں ہے، میرے سسرال والوں نے میرے شوہر کی جائیداد کو شریعت کے حساب سے تقسیم کر دیا ہے، میرے حصہ میں آئی ہوئی رقم سے میں صرف اپنے رہنے کا بندوبست کر سکی نہ کہ اپنے گذر بسر کا، میرے لیے میرے کچھ رشتہ داروں نے حکومت سے معاوضہ طلب کیا تو آج چار سال بعد حکومتِ ہند کی طرف سے کچھ معاوضہ کی رقم مجھے ملی ہے، تو اس رقم میں میں تنہا حصہ دار ہوں، یا کوئی اور حصہ دار ہے؟ میرے شوہر کی والدہ بھی اس قسم کی رقم کی طلب کرنے میں ساتھ ہے، اور ملی ہوئی رقم ہم دونوں کو کورٹ میں حاضر کر کے دی گئی، تو اس صورت میں میرے شوہر کی والدہ اس رقم کی حصہ دار ہے؟ حالاں کہ وہ صاحبِ حیثیت ہے اور اپنے تین بیٹوں کے ماتحت ہے اور ان کو اس معاوضہ میں داخل کرنے کا مقصد یہ تھا کہ معاوضہ کی رقم کچھ اس قدر ہو جائے کہ میرا گذر بسر آرام سے ہو جائے تو اس صورت میں آپ کو یہ جواب دینا ہے کہ یہ رقم کس کی ہے؟ یہ رقم صرف میں استعمال کر سکتی ہوں یا میرے شوہر کی والدہ بھی اس رقم کی حصہ دار ہے؟ یا اور کوئی بھی حصہ دار ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

حکومت کی طرف سے دی جانے والی رقم اگر امداد وتعاون کے طور پر ہے تو حکومت نے وہ رقم جن دو افراد (بیوہ اور والدہ) کے حوالہ کے ہے ان دونوں کی سمجھی جائے گی، اگر حصوں کی تعیین حکومت کی طرف سے کر دی گئی ہے تو اسی کے مطابق دونوں تقسیم کر لیں اور اگر حکومت کی طرف سے حصوں کی تعیین نہیں کی گئی ہے تو یہ رقم دونوں میں نصفا نصف تقسیم ہو گی۔ اور اگر حکومت کی طرف سے دی جانے والی یہ رقم معاوضہ یعنی مرنے والے کی جان کی قیمت ہے جس کو شریعت کی اصطلاح میں

''دیت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے تو اس رقم میں مرنے والے کے تمام ورثا اپنے اپنے حصوں کے بقدر شریک ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد احمد خانپوری عفا اللہ عنہ، ۱۵/محرم الحرام ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

حکومت سے ملنے والا جانی و مالی معاوضہ کا کیا حکم ہے؟

سوال: گذشتہ سال فضاء میں سعودی طیارہ اور قزاقستان طیارہ حادثہ کا شکار ہو گئے، جس میں تمام مسافر راہیٔ عدم ہو گئے، اسی طیارہ میں ایک خاتون سفر کر رہی تھیں وہ بھی حادثہ کا شکار ہو گئیں، انہوں نے شوہر، ۴ر بچیاں، والدین، ۵ر بھائی، ۳ر بہنیں چھوڑیں، حادثہ کے چند روز بعد سعودی طیارہ کمپنی نے یہ اعلان کیا کہ بھین اینڈ کمپنی سے معاوضہ کے بارہ میں رابطہ قائم کیا جاوے، معلوم ہوا کہ بھین کمپنی سعودی طیارہ کی بیمہ کمپنی کے وکیل (قانونی مشیر) جو لندن میں ہیں کے نمائندے ہیں، معاوضہ کی رقم انہی کے ذریعہ تقسیم کی جارہی ہے۔

بھین اینڈ کمپنی نے رابطہ کے وقت بتایا کہ سعودی طیارہ کمپنی اپنی غلطی تسلیم نہ کرتے ہوئے بطور انسانی ہمدردی کے دس سے بیس ہزار ڈالر جانی معاوضہ دینے کی پیشکش کرتی ہے۔ اور اس کے لیے اپنی طرف سے کسی خاص رشتہ دار کو متعین نہیں کرتی۔ البتہ رقم دیتے وقت رقم لے جانے والے سے مطالبہ کرتی ہے کہ باقی رشتہ داروں سے یہ لکھوا کر لا دیں کہ ہمیں ان کو رقم ملنے سے کوئی اعتراض نہیں۔ یہ تحریر (سارٹیفکیٹ) کمپنی غالباً قانونی پیچیدگیوں سے بچنے کے لیے لیتی ہوگی، تاکہ آئندہ کوئی وارث دوبارہ مطالبہ نہ کر سکے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ جب کمپنی کی طرف سے کوئی رشتہ دار متعین نہیں ہے تو شرعاً مذکورہ بالا ورثہ میں سے یہ رقم لینے کا حق کس کو ہے، اور کس حساب سے ہے، واضح رہے کہ جو رشتہ دار یہ لکھ کر دیں گے کہ ہمیں اس رقم کے لینے والے پر کوئی اعتراض نہیں، صرف کاغذی کاروائی ہوگی، ورنہ چاہتے ہیں کہ شرعی طور پر اس میں جو ہمارا حصہ ہو وہ ہمیں ملے۔

نیز خاتون کے مالی نقصان کے عوض کمپنی آٹھ سو ڈالر تک دینے کی پیشکش کرتی ہے، خواہ وہ مال کسی بھی قیمت کا ہو، واضح رہے کہ خاتون کا نان ونفقہ اور اس کے اخراجات شوہر کی طرف سے تھے، اور اس کے ساتھ شوہر کا بھی کچھ قیمتی سامان تھا۔

خلاصۂ سوال: ① جانی معاوضہ کی رقم کا حق دار شرعاً کون ہے؟ اور کس حساب سے، نیز یہ رقم دیت ہے یا کچھ اور؟

② مالی معاوضہ کا حق دار شرعاً کون ہے اور کس حساب سے؟ نیز یہ رقم میراث ہے یا کچھ اور؟ برائے کرم مدلل ومفصل جواب سہل اور آسان اردو میں عنایت فرمائیں۔

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

۱۲ عولہ ۱۵

میت

زوج	بنات ۴	ام	اب	اخ ۵	اخت ۳
۳	۸	۲	۲	م	م

جانی معاوضہ میں ملنے والی رقم بحکم دیت ہے اور تمام ورثہ پر بقدر حصص تقسیم ہوگی۔

واعلم أنه يدخل في التركة الدية الواجب بالقتل الخطأ أو

بالصلح عن العمد أو بانقلاب القصاص مالاً بعفو بعض الأولياء فتقضى منه ديون الميت. (شامي ۵۳۵/۵)

مرحومہ کے دیگر ترکہ کے مانند اس رقم میں سے حقوق متقدمہ علی الارث (ادائیگیٔ دیون، اور تنفیذ وصیت از ثلث) کے بعد، اس کو پندرہ سہام پر تقسیم کر کے مرحومہ کے شوہر کو تین سہام ان کی چار بیٹیوں کو آٹھ سہام (ہر ایک بیٹی کو دو سہام) ان کی والدہ کو دو سہام اور والد کو دو سہام دیئے جائیں گے۔

(۲) مالی معاوضہ کا مطلب اگر یہ ہے کہ مرحومہ کے ساتھ سفر میں جو کچھ سامان تھا، اس کا معاوضہ، تو ملنے والی پوری رقم کو ساتھ میں موجود سامانِ سفر کی قیمت کے مطابق علی قدر الحصص تقسیم کیا جائے، اس میں سے جو مقدار مرحومہ کے مملوکہ سامان کے حصہ میں آئے وہ تمام ورثاء پر ان کے حصۂ میراث کے مطابق تقسیم کی جائے، جس کی تفصیل جواب ۱ میں آچکی ہے، اور جو مقدار مرحومہ کے ساتھ جانے والے شوہر کے سامان کے حصہ میں آئے، وہ شوہر کو دے دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، مؤرخہ ۱۱ رمحرم الحرام ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

ناقابل تقسیم اشیاء میں تقسیم میراث

سوال (۱) ٹیپ ریکارڈر جیسی اشیاء تمام ورثاء کی رضامندی کے ساتھ مشترک رکھی جاسکتی ہیں یا اس کی قیمت نکال کر تقسیم کر دینا ضروری ہے، نیز قیمت نکالنے کے بعد ورثاء میں سے کوئی اس کو خریدنا چاہے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

(۲) کیسیٹ (Cassets) جیسی اشیاء ترکہ میں چھوڑی اور اس میں حسابی

(بغیر ریکارڈ کی ہوئی) اور بھری ہوئی ہونے کی وجہ سے ان کی قیمت میں فرق آجاتا ہے، اس کے باوجود ورثاء نے بقدرِ حصص تقسیم کرلیا اور اس تقسیم پر ورثاء راضی ہیں یا بعد میں راضی ہوگئے تو کیا حکم ہے؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

① ٹیپ ریکارڈ اور اسی جیسی وہ اشیاء جن کے ٹکڑے کرنے کی صورت میں ہر ایک کا نقصان ہے اور کسی کے لیے قابلِ انتفاع نہیں رہتی تو اس کی تقسیم ٹکڑے کرکے درست نہیں ہے، البتہ اگر تمام ورثاء ٹکڑے کرنے پر راضی اور آمادہ ہیں تو اس طرح بھی کیا جاسکتا ہے۔

فإن كان في تبعيضه ضرر بكل وا حد منهما فلا تجوز قسمة الجبر فيه الخ (بدائع ۷/ ۱۹)

رہا قیمت کا اعتبار تو یہ درحقیقت اس کی تقسیم نہیں بلکہ بیع ہے، اس لیے اس میں تمام کی رضامندی ضروری ہے، اگر سب راضی ہوں تو اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت آپس میں تقسیم کرلیں یا اپنے ہی میں سے ایک وارث کے ہاتھوں دیگر ورثاء اپنا حصہ فروخت کرکے اس کی قیمت وصول کرلیں، کوئی ایک وارث بھی اپنا حصہ دوسرے وارث یا اجنبی کے ہاتھوں فروخت کرسکتا ہے، اور اس کے لیے دیگر ورثاء کی اجازت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

وكل من شركاء الملك اجنبي في الإنتفاع عن تصرف مضر في مال صاحبه لعدم تضمنها الوكالة فصح له بيع حصته ولو من غير شريكه بلا إذن الخ (درمختار مع الشامی ۳/ ۳۶۵)

② کیسیٹ اگر بھری ہوئی ہو اس صورت میں اور خالی ہو اس صورت میں دونوں کی قیمتوں میں فرق رہتا ہے تو دونوں الگ جنس شمار ہوں گی پھر اگر تمام خالی کیسیٹ یکساں قیمت کی شمار ہوتی ہیں تو وہ عددی متقارب ہونے کی وجہ سے بحکم مثلی ہوں گی اسی طرح تمام بھری ہوئی یکساں قیمت کی شمار ہوتی ہیں تو وہ بھی آپس میں عددی متقارب بن کر مثلی کے حکم میں ہوں گی اس لیے اصولِ تقسیم کے پیش نظر دونوں انواع کی تقسیم الگ الگ ہونی چاہیے تھی لیکن جب دونوں کو بقدرِ حصص تقسیم کرلیا اور تمام راضی ہیں تو یہ تقسیم درست ہوگی اور اگر تمام راضی نہیں ایک بھی ان میں ناراض ہے تو اس کی تقسیم ازسرِ نو عمل میں لائی جائے۔

وعلى هذا الأصل تخرج ايضا قسمة الجمع في الأجناس المختلفة أنها غير جائزة جبرا بالإجماع لتعذر تعديل الأنصباء إلا بالقيمة وأنها ليست محل القسمة۔ (بدائع ۷/ ۲۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۳/ جمادی الاولی ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ عفی عنہ

مختلف اشیاء کی تقسیم کی کیا شکل ہے؟

سوال: ① قیمت کے لحاظ سے جائیداد تقسیم کرنے کی کوئی نص شریعت میں موجود ہو تو حوالہ کے ساتھ تحریر کریں۔

② ورثاء جائیداد میں اپنا حصہ طلب کرتے ہیں اور ایک وارث یہ چاہتے ہیں کہ تقسیم قیمت کے لحاظ سے ہو قیمت کے لحاظ سے تقسیم ہوتی ہے تو حصوں میں فرق آتا ہے شرعاً تقسیم کی کیا سبیل ہوگی؟

الجواب: حامداً ومصلیاً ومسلماً

(۱)(۲) اگر ترکہ میں مختلف جائیدادیں ہیں مثلاً متعدد مکانات، زمین، دکان وغیرہ ہے تو ہر ہر مکان، ہر ہر زمین اور ہر ہر دکان میں تمام ورثاء کا حصہ ہونے کی وجہ سے ہر ایک کو الگ الگ تقسیم کیا جائے، یعنی ہر ہر جائیداد میں سے ہر ایک وارث کو اس کے حصۂ میراث کے بقدر دیا جائے۔

دور مشتركة او دار وضيعة او دار وحانوت قسم كل وحدها منفردة مطلقا ولو متلازقة او في محلتين او مصرين الخ.

(در على هامش الشامية ٥/١٨٤)

جب تمام جائیدادوں کو ملا کر تقسیم کریں گے تو فرق آئے گا؛ لیکن الگ الگ تقسیم کی صورت میں فرق نہیں آوے گا، ورثاء آپس کی رضامندی سے قیمت کے لحاظ سے تقسیم کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں؛ لیکن اس کے لیے تمام کی رضامندی شرط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ العبد: احمد عفی عنہ خانپوری، ۳؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ

محمود الفتاویٰ

حضرت اقدس مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

سابق صدر مفتی و حال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل

ترتیب

مفتی عبد القیوم راجکوٹی

مکتبۂ محمودیہ

محمود نگر، ڈابھیل، گجرات